میٹھا زہر

ایم اے راحت

سیٹھ جبار بیگ "فرازیہ" میں داخل ہو گئے..... باوردی ڈرائیور نے نیچے اتر کر کار کا پچھلا دروازہ کھولا اور سیٹھ صاحب نیچے اتر گئے۔

"بریف کیس لے کر آجاؤ۔" انہوں نے ڈرائیور سے کہا..... ڈرائیور نے گردن خم کی..... پچھلی سیٹ پر رکھا بریف کیس اٹھایا اور ان کے پیچھے پیچھے چل دیا..... سیٹھ صاحب کی عمر پینسٹھ سال کے قریب تھی لیکن صحت قابل رشک تھی..... پانچ فٹ نو انچ کے قد کے ساتھ پورا انصاف کیا تھا، نہایت متناسب بدن کے مالک تھے۔

فرازیہ کے خود کار دروازے سے اندر داخل ہوئے تو وسیع ہال میں بیروزگاروں کو بیٹھے دیکھا اور چونک پڑے..... ایک لمحے کے لئے ٹھٹکے اور پھر کسی قدر ناخوشگواری سے قدم اٹھاتے ہوئے اندر چل پڑے..... وہ نہایت تجربے کار انسان تھے اور دنیا کا سب سے بڑا تجربہ انسان شناسی ہوتا ہے۔ کون کیا ہے اگر اس کا ادراک ہو جائے تو ہر مشکل ماند پڑ جاتی ہے، پھر ہر شخص سے اپنے مطلب کا مفاد حاصل کیا جا سکتا ہے، چنانچہ ان بے روزگاروں کے بارے میں اندازہ لگانا تو سب سے آسان ہے..... اچھے نقوش ہوں گے لیکن مسائل، بے بسی اور مایوسی کی تپش سے مرجھائے ہوئے..... پیشانیوں پر تعلیم کا نور ہوگا اور آنکھوں میں یاس کی دھندلاہٹ۔ لباس سالخوردہ ہوں گے لیکن استری شدہ ضرور ہوں گے۔

سیٹھ جبار بیگ، ناہید سلیمی کے دفتر میں داخل ہو گئے..... خوبصورت ایئر کنڈیشنڈ دفتر کی سیاہ شفاف میز کے پیچھے ناہید سلیمی بیٹھا ہوا تھا..... اعلیٰ درجے کے سوٹ میں ملبوس، آنکھوں میں تاریک شیشوں والا چشمہ لگا ہوا تھا..... اس کے دونوں طرف دو افراد اور نظر آرہے تھے..... ساکت، پتھرائے ہوئے..... سوٹ پہنے ہوئے..... کالے شیشوں کے چشمے

چڑھائے ہوئے..... مافیا کا کوئی پراسرار گروہ معلوم ہوتا تھا۔

لیکن سیٹھ جبار بیگ کے داخلے سے افراتفری پھیل گئی۔ مافیا کے تینوں افراد بوکھلا کر کھڑے ہو گئے..... درمیان میں بیٹھے ہوئے ناہید سلیمی نے نسوانی آواز میں کہا۔

"ڈیڈی حضور آپ!"

"کسی فلم کی شوٹنگ ہو رہی ہے؟" سیٹھ جبار نے ڈرائیور سے بریف کیس لے کر میز پر رکھتے ہوئے کہا..... ڈرائیور گردن جھکائے باہر نکل گیا۔

"شش..... شوٹنگ..... کہاں؟" ناہید سلیمی نے کہا۔

"ایسا ہی لگ رہا ہے۔"

"نہیں..... ہم لوگ انٹرویو کے لئے بیٹھے تھے..... میں نے خصوصی معاون کے لئے ایڈ دیا تھا۔"

"اشتہار دینے کی کیا ضرورت تھی..... مجھ سے کہا ہوتا۔ میں کسی کو بھیج دیتا۔"

"وہ میں اپنی پسند کے شخص کو رکھنا چاہتا ہوں۔" ناہید سلیمی نے کہا۔

"اچ..... اچھا۔" سیٹھ صاحب نے لفظ کو کھینچ کر طنزیہ لہجہ بنالیا، پھر بولے۔ "مجھے تم سے کچھ ضروری ڈسکشن کرنا تھا۔"

"مگر میں نے انٹرویو کے لئے کنڈیڈیٹ کو کال کر لیا ہے۔"

"کوئی حرج نہیں ہے..... میرے پاس وقت ہے۔"

"ٹھیک ہے ڈیڈی حضور۔"

"دفتر میں صرف ڈیڈی کہہ لیا کرو۔"

"جی حضور..... آئی مین..... ڈیڈی۔" ناہید سلیمی نے کسی قدر بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور سیٹھ جبار ان لوگوں کی جانب دیکھنے لگے جو ایک بار پھر پتھرا گئے تھے، پھر برا سا منہ بنا کر انہوں نے بریف کیس میز سے اٹھایا اور نیچے رکھ دیا۔

ناہید سلیمی سیٹھ جبار کے داماد تھے ان کی اکلوتی دختر نیک اختر کی اولین پسند، یونیورسٹی میں دونوں کا ساتھ رہا تھا اور رافیہ بیگم کو ناہید سلیمی کی نرم و نازک فطرت پسند آگئی تھی اور اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ خود رافیہ بیگم نصف خاتون تھیں باقی مرد، بلکہ شاید یہ توازن نامعقول تھا کیونکہ وہ ستر فیصد مرد تھیں اور تیس فیصد خاتون..... چہرہ بے شک حسن و جمال

میں ستری ہی نمبر رکھتا تھا، لیکن جسامت سیٹھ جبار بیگ سے لی تھی، جبکہ والدہ محترمہ کا قد پانچ فٹ دو انچ سے زیادہ نہیں تھا لیکن رافیہ باپ کی برابری کرنے میں کامیاب ہو گئی تھیں، اسی طرح کے ہاتھ پاؤں بھی تھے غالباً نسوانیت پر مردانگی کا غلبہ تھا اس لئے یونیورسٹی کے سب سے نرم و نازک اور بے حد خوبصورت نوجوان ناہید سلیمی کا انتخاب کرلیا گیا تھا اور ناہید سلیمی تھے بھی اپنی مثال آپ...... پڑھنے لکھنے میں بے شک اپنا ایک مقام رکھتے تھے۔ نرم و نازک نقوش اور نرم و نازک جسامت غالباً نام کی نسبت سے بھی مناسب تھی...... والدین صاحب ذوق معلوم ہوتے تھے...... نمود کے بعد زیرک نگاہی کام آئی تھی اور انہوں نے شیر خان یا دلاور حسین نام رکھ کر شخصیت کا مذاق اڑانے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ ناہید علی خان نام تجویز کیا گیا تھا اور بڑے ہو کر ناہید علی خان نے سلیمی کا اضافہ کرلیا تھا کیونکہ اس میں شخصیت مکمل ہو جاتی تھی۔ اعلیٰ ادبی ذوق کے مالک اور فنون لطیفہ سے دلچسپی رکھنے والے نوجوان تھے...... شعر و شاعری سے خاص رغبت بلکہ شعر و شاعری زندگی کا خاصہ تھی اور یہ بھی ایک انفرادیت تھی جو رافیہ بیگم کو پسند آئی تھی، چنانچہ جب شادی کا ذکر نکلا تو انہوں نے نہایت نسوانگی سے کام لے کر والد بزرگوار سے کہہ دیا کہ اگر شادی ضروری ہے تو پھر ناہید سلیمی اس کے لئے مناسب نوجوان ہے۔

سیٹھ جبار کو اس لئے اعتراض نہیں ہوا کہ ناہید سلیمی خود بھی ایک اچھے گھرانے کے نوجوان تھے...... کاروباری والدین جنہوں نے زندگی میں کوئی بہت بڑا کارنامہ تو انجام نہیں دیا تھا لیکن چھوٹے چھوٹے کاروبار کر کے اپنے آپ کو خوشحال لوگوں میں شمار کرلیا تھا، چنانچہ یہ بیل منڈھے چڑھ گئی، لیکن اس کے بعد اس خاندان پر بھی سیٹھ جبار بیگ کا تسلط ہو گیا۔ داماد کو کوئی خاص مقام دینا چاہتے تھے چنانچہ سارے کاروبار ختم کر کے یہ فرم کھولی گئی تھی، جس کا نام سیٹھ جبار بیگ نے تو "سائنو" رکھا تھا، لیکن یہاں ناہید سلیمی کی ضد آڑے آگئی اور بہرحال فرم کا نام "فرازیہ" رکھ دیا گیا۔ سیٹھ جبار بیگ نے بیٹی کے مستقبل کے لئے "فرازیہ" کو اپنے تجربے کا عطیہ دیا چنانچہ فرازیہ ایک اچھی فرم کے طور پر اپنا نام پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئی جس میں ناہید سلیمی کا کوئی دخل نہیں تھا...... سیٹھ جبار بیگ کی تجربہ کاری ہی کام آئی تھی اور یوں یہ ڈھول اچھی طرح بج رہا تھا...... محترمہ رافیہ بھی مطمئن تھیں اور ناہید سلیمی بھی غیر مطمئن نہیں تھے...... والدین تو پس پردہ چلے گئے۔ کاروباری امور پر سیٹھ

جبار بیگ کا ہی قبضہ تھا...... البتہ بیٹی کے منظور نظر اور چہیتے داماد پر نگاہ کرم رہتی تھی، اس لئے اب تک نہ تو ناہید سلیمی کو کسی مشکل کا سامنا کرنا پڑا تھا اور نہ ہی ان کی فرم فرازیہ کو۔

جبار صاحب اکلوتی بیٹی کے زیر اثر تھے اس لئے داماد کی معصوم حماقتوں کو بھی برداشت کرلیا کرتے تھے...... ان کی اجازت سے انٹرویو کا آغاز ہو گیا...... نوجوان ایک ایک کر کے آنے لگے...... جبار بیگ صاحب ان نوجوان لڑکوں کی رام کہانیاں سن رہے تھے، لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد انہوں نے اندازہ لگالیا کہ انٹرویو کے لئے جو سوالات ترتیب دیئے گئے ان میں ناہید سلیمی کی نامعقولیت نمایاں نظر آرہی ہے...... ایک پرسنل اسسٹنٹ کے لئے ظاہر ہے اس قسم کے سوالات غیر ضروری تھے، لیکن خاموشی ہی اختیار کی، بلکہ اس نئے قسم کے انٹرویو سے انہیں تھوڑا تھوڑا لطف آنے لگا...... کم از کم اس انٹرویو میں ایک نمایاں تبدیلی تھی اور انٹرویو دینے والے ذرا مشکل کا شکار نظر آتے تھے...... چلو داماد نے دنیا والوں کے لئے کوئی تو مشکل پیدا کی البتہ پانچویں نمبر پر آنے والے نوجوان نے سیٹھ جبار بیگ کو اپنی جانب خصوصی طور پر متوجہ کیا۔

بھرے بھرے بدن کا یہ خوبصورت نوجوان غالباً باقی امیدواروں کی طرح بے کسی اور بے بسی کا شکار نہیں تھا بلکہ مردانہ وار انٹرویو دینے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

"کہاں تک پڑھا ہے؟" ناہید سلیمی کے قریب بیٹھے ہوئے شخص نے پوچھا۔

"جہاں تک پڑھ سکتا تھا۔" نوجوان نے جواب دیا۔

"مطلب یہ کہ تعلیم کیا ہے؟"

"تعلیم ابتداء میں والدین کی زبردستی ہے، درمیان میں حالات کی مجبوری اور بعد میں ضرورت، لیکن اگر اپنے اندر اس کے حصول کا شوق پیدا ہو جائے تو لامحدود۔"

"کمال کرتے ہیں آپ، میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ آپ کتنا پڑھے لکھے ہیں؟"

"اس کی تفصیل اسناد کی شکل میں میری فائل میں آپ کے سامنے موجود ہے۔" نوجوان نے جواب دیا۔

"دنیا کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟" ناہید سلیمی نے سوال کیا۔

"ایک قید خانہ...... آنے سے پہلے یہ تصور نہیں ہوتا کہ کوئی جرم کیا ہے جس کے نتیجے میں یہ قید حاصل ہوگی...... جاتے ہوئے اس قدر محبت ہو جاتی ہے اس قید خانے سے کہ

جانے کو جی نہیں چاہتا۔"

"زندگی گزارنے کے بہترین اصول کیا ہیں؟" تیسرے صاحب نے سوال کیا۔

"اپنے ہاتھ کو ہمیشہ اونچا رکھا جائے...... ضرورت کی ہر چیز ہاتھ کی پہنچ میں ہونی چاہئے، چاہے وہ کسی کی ملکیت ہو۔"

ٹیڑھے جوابات تھے، سیٹھ جبار دلچسپی سے نوجوان کو دیکھنے لگے...... ناہید سلیمی نے سوال کیا۔

"انسانی طرزِ معاشرت کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"مختلف کلچرز میں زندگی کے فیصلے متضاد ہوتے ہیں اور انہیں ہمیشہ ان کے ثقافتی پس منظر میں دیکھنا چاہئے۔"

"کوئی مثال پیش کر سکتے ہیں؟"

"ہاں کیوں نہیں، ایک کنبہ ایک آدمی اس کی ماں، بیوی اور بچے پر مشتمل ہے...... یہ ایک غرق شدہ جہاز سے کشتی میں سوار ہو کر جا رہے ہیں تو جوان مرد سے سوال کیا جاتا ہے کہ اگر کشتی کا وزن زیادہ ہو جائے تو تمہارے اس خاندان میں سے کس کو سمندر میں پھینکنا چاہئے جواب ملا کہ میرے خاندان کا پہلا فرد جسے سمندر میں پھینکنے کے لئے منتخب کیا جائے میری ماں ہو گی کہ وہ اپنی کارآمد زندگی گزار چکی ہے اور اب موت اس سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے، وہ زندگی پر ایک بوجھ ہے دوسرا فرد میرا بچہ چونکہ اس کا کیا ہے میں اور میری بیوی بچ جائیں تو ہماری زندگی میں اور بھی بہت سے بچے آ سکتے ہیں...... یہ معاشرتی فرق ہے جس کا تعلق کلچر سے ہے۔"

"غالب کے بارے میں کیا رائے ہے؟"

"غالب پسند شاید میرے خیال کو پسند کریں لیکن میں بعض معاملات سے بڑا اختلاف کرتا ہوں...... جیسے یہ شعر ہے۔"

زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو ستمگر ورنہ
کیا قسم ہے تیرے مرنے کی کہ کھا بھی نہ سکوں

بتایئے زہر کیوں نہیں ملتا...... تم زہر کھانا ہی نہیں چاہتے بازار کھلے پڑے ہوں اور زہر نہ ملے بھلا یہ کیسے ممکن ہے اور بھی تو بہت سی چیزیں ہیں، اگر تم مرنا چاہو زیادہ مقدار میں افیم

کھا سکتے ہو...... کیڑے مارنے کی دوائیں پی سکتے ہو...... کپڑوں پر تیل چھڑک کر اپنے آپ کو نذرِ آتش کر سکتے ہو، دریا میں چھلانگ لگا کر غرقِ دریا ہو سکتے ہو...... انہوں نے تو ایک مرتبہ خود ہی کہا تھا۔

ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا

اور مر کے رسوا ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ تم ایک مرتبہ مر چکے ہو اور دوبارہ مرنے کی تمنا کرنے کے لئے قبر سے اٹھ کر آ گئے ہو، حالانکہ تمہیں ایک ہی دفعہ مرنا پسند ہے...... تمہاری ہی کہی ہوئی بات ہے۔

مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

"کوئی تجربہ؟" سوال کیا گیا۔

"ہاں...... جس دن خود کو بے بس سمجھو، خودکشی کر لو اور جانتے ہو خودکشی کیا ہے؟"

"کیا؟" سیٹھ جبار بے اختیار بولے۔

"اپنی ناآسودہ خواہش کی تکمیل...... جس کے بعد تمہیں سزائے موت ہونی چاہئے اور اس پر فرار ہو سکو تو شاندار۔"

"ٹھیک ہے...... آپ جا سکتے ہیں۔" ناہید سلیمی خوفزدہ لہجے میں بولے اور نوجوان نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"انٹرویو نہیں لیں گے۔"

"لل...... لے لیا۔ تمہیں اطلاع دے دی جائے گی۔"

"بہتر ہے۔" نوجوان نے شانے ہلاتے ہوئے کہا اور باہر نکل گیا۔

"عجیب بگڑا ہوا بیل تھا۔ بولنے کی مشین اور معاشرے کے لئے ایک عفریت۔ توبہ۔" ناہید سلیمی نے کہا...... سیٹھ جبار نے نوجوان کا فائل اپنی طرف کھینچ لیا۔

"تم اپنا کام جاری رکھو۔" پھر وہ فائل پڑھنے لگے۔

"نام...... شہاب ثاقب...... ولدیت ثاقب حسین...... تعلیم، ایم، ایس سی، رہائش دوسرا کنڈیڈیٹ آ گیا تھا...... سیٹھ جبار اٹھتے ہوئے بولے۔

"میں چلتا ہوں...... آج تو تم سے کیا ہی میٹنگ ہو گی۔"

"جی۔ ڈیڈی۔" ناہید سلیمی بولے اور سیٹھ جبار اٹھ گئے...... انہوں نے بریف کیس

اٹھا کر میز پر رکھ کر اسے کھولا اور شہاب ثاقب کی فائل اٹھا کر اس میں رکھ لی۔

"تمہیں اس کی ضرورت تو نہیں ہے؟"

"بالکل نہیں۔" ناہید سلیمی نے کہا۔

"او کے۔" جبار بیگ بریف کیس اٹھا کر باہر نکل گئے۔

"بے ہودہ۔ لاحول ولا قوۃ۔" دادا جان نے گردن ادھر ادھر جھٹکتے ہوئے کہا اور سب مسکرا کر انہیں دیکھنے لگے۔ ثمن نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں دادا ابو ... کیا بات ہے؟"

"یہ کیا تھا ... میں پوچھتا ہوں یہ کیا تھا؟ آخر یہ کیا تھا؟" تین نیکرزدہ خواتین پریشانی کے عالم میں گا رہی ہیں۔ "جوانی بڑی دیوانی ہے یہ بات سنے نا میری اور ساتھ میں ایک حسرت زدہ بوڑھی ... اپنے عمل میں مقید ہے اور مزید احمقوں کا جواز سمجھ میں بھی نہیں آتا۔"

"خوب صورت گانا ہے دادا ابو۔" توصیف بولا۔

"بخدا معاشرہ مسخ ہو گیا ہے ... ہم اپنے گناہ چھپانے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن یہ کون سی دنیا کے لوگ ہیں جو اترا تیلین ممالک کو اپنی بے شرمی سے روشناس کرا رہے ہیں یہی ہندوستان تھا جہاں عورت شوہر کے ساتھ ستی ہو جاتی تھی اور یہی ہندوستان اب اپنی ثقافت کو اس طرح برہنہ کر رہا ہے۔"

"ستی کی رسم تو مستند جہالت تھی دادا ابو۔ ورنہ محمود غزنوی اسے ختم کیوں کراتا۔" ریاض نے مسکرا کر کہا۔

"اس ڈش انٹینا نے جو پلوشن پیدا کیا ہے اس کے لئے کسی قسم کا درخت بھی نہیں لگایا جا سکتا ہے۔"

"گانا تو آپ نے پورا دیکھا ہے اور درمیان میں بالکل نہیں بولے۔" صائمہ نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"درمیان میں بولنا جہالت ہوتی ہے۔" دادا جان اپنی مصنوعی بتیسی پیستے ہوئے بولے۔

"آپ تو پرم پرا اور بنے گی اپنی بات بھی شوق سے دیکھتے ہیں دادا ابو۔" ثمن بھی مسکرا کر بولی۔

"اور گانے انجانے بھی۔"

"اور ذی ہارر شو بھی۔"

"کھلے دروازے سے اندر داخل ہونے والے شخص نے بھاری آواز میں کہا۔" ویسے یہ پروگرام کیمپس بھی برا نہیں ہوتا، لیکن خواتین و حضرات آپ کو ٹی وی تھوڑی دیر کے لئے بند کرنا ہوگا۔"

سب نے چونک کر دیکھا...... نووارد کے جسم پر چست لباس تھا...... چہرہ نقاب میں چھپا ہوتھا اور ہاتھ میں ایک خطرناک ری پیٹر نظر آرہا تھا۔

کمرے میں موجود تمام لوگ اس شخص کو دیکھ کر سہم گئے اور انہیں اندازہ لگانے میں کوئی دیر نہیں لگی، اب ان کے گھر کا صفایا ہونے والا ہے...... دادا جان نے تھوڑی ہمت پکڑ کر اس سے پوچھا۔

"آ...... آخر...... تم کیا چاہتے ہو؟"

"آپ لوگوں کی اس عیش کی زندگی میں سے اپنا حصہ۔"

"میں زیادہ دیر یہاں نہیں رک سکتا اس لئے اگر میرے کام میں مداخلت ہوئی تو میری گن سے خوفناک آواز نکل سکتی ہے، ویسے بھی مجھے اس کی آواز پسند ہے جب یہ بولتی ہے تو دو چار انسانوں کو خاموش کر کے ہی بولنا بند کرتی ہے، اگر کہیں تو شروع کروں؟"

"نہ ...... نہیں ایسا نہیں کرنا تم جو چاہتے ہو وہ کر لو مگر خدارا کسی کو نقصان نہ پہنچانا۔" دادا جان نے خوف زدہ انداز میں کہا۔

"تو پھر چلو اٹھو۔" ڈاکو کی آواز غراہٹ میں بدل گئی اور سب اُچھل کر کھڑے ہوئے۔ "تجوری کے پاس چلو۔" اس نے ری پیٹر کو جنبش دے کر کہا اور سب کے حلق سے خوفزدہ آوازیں نکل گئیں...... دادا جان تجوری والے کمرے میں داخل ہوگئے۔

"وہ سامنے الماری میں تجوری ہے۔"

"ابا جان۔" مسز رحیم نے بھنچی بھنچی آواز میں کہا۔

"تم سب اس دیوار کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ جلدی۔" ڈاکو نے ری پیٹر کو جنبش دی

اور سب نے قطار بنالی، پھر ڈاکو دادا جان سے بولا۔

"قبلہ آپ ہی اسے کھولنے کی زحمت کریں۔" اس نے ری پیٹر دادا کی کمر سے لگادی۔

دادا نے کانپتے ہوئے تجوری کھول دی سب لوگ سہمے ہوئے کھڑے تھے۔

ڈاکو نے دادا جان کو پیچھے ہٹادیا اور الماری میں جھانکنے لگا...... نوٹوں کے بنڈل نظر آرہے تھے...... کچھ زیورات کے ڈبے بھی تھے...... اس نے اپنی کمر سے لٹکا چمڑے کا تھیلا نکالا اور تمام چیزیں اس میں سمیٹ لیں، مگر وہ ان سب کی جانب سے چوکنا تھا...... اسی طرح اس نے سب کمروں کی تلاشی لی، زیورات اور پرائز بانڈ سمیت سب کچھ سمیٹ لیا۔

"اب آپ لوگ آرام کریں اور صرف دس منٹ کی خاموشی اختیار کریں...... کیا فائدہ دو چار خون میری گردن پر آجائیں۔ او کے" گڈ بائی ڈاکو پھرتی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

فوکس ویگن مائیکرو تاریکی میں کھڑی ہوئی تھی...... ماڈل انیس سو اٹھاون کا تھا...... ماہ و سال کے گزرے ہوئے نقوش اس کے پورے وجود پر کندہ تھے لیکن پھر بھی اپنے رائض پورے کر رہی تھی۔

دو تین نوجوان اس کے اندر بیٹھے ہوئے تھے اور متجسس تھے۔ درمیان میں تین بیڑیاں رکھی ہوئی تھیں...... ایک ثابت دو کے صرف کھوکے، لیکن کھوکھے بھرے ہوئے تھے...... نہ جانے کیا کیا بلا ان میں نصب کی گئی تھی۔ بے شمار تار ادھر سے ادھر جا رہے تھے...... کوائل لگے ہوئے تھے...... فیوز لگے ہوئے تھے...... ایک جگہ سبز رنگ کا نائٹ بلب لگا ہوا تھا دوسری جگہ سرخ۔

اچانک سرخ بلب اسپارک کرنے لگا اور تینوں چونک پڑے...... درمیان میں بیٹھے ہوئے نوجوان نے کچھ سوئچ آن کئے اور سرخ بلب بجھ گیا جبکہ سبز جل اٹھا۔ تب ایک آواز اُبھری۔

"ڈبل او تھری...... ڈبل او تھری، اوور۔"

"سی پی کنٹرول اوور۔" درمیان میں بیٹھے نوجوان نے کہا۔

"رپورٹ پلیز۔"

"اس نے گھر سے نکلتے ہی چہرے پر سے نقاب ہٹائی اور سڑک پر کچھ اور پیدل چلتا،

پھر ایک ٹیکسی روک کر اس میں بیٹھ گیا، پھر ٹیکسی ایک پکچر ہاؤس کے پاس رُک گئی...... وہ نیچے اترا بل ادا کیا اور اس کے بعد ٹہلنے کے سے انداز میں آگے بڑھ گیا...... فٹ پاتھ کے قریب ایک سفید شیراڈ جس کا نمبر دس پچاس ہے، آکر رکی دو آدمی اس میں بیٹھے ہوئے تھے...... ایک نیچے اترا غالباً ڈراپ کرنے والے کا شکریہ ادا کیا اور اس کے بعد آگے بڑھ گیا...... تب وہ فوراً ہی آگے بڑھا اور اس نے شیراڈ کے کھلے دروازے سے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا، پھر غالباً ڈرائیونگ کرنے والے کو اس نے گن کے زور پر نیچے اتارا اور خود گاڑی لے کر برق رفتاری سے آگے بڑھا دی۔"

"گویا اس نے کار چھینی تھی۔"

"اوور۔"

"ٹھیک ہے آگے بولو اوور۔"

وین میں بیٹھا ہوا شخص بولا۔ "اور تمہیں معلوم ہے کہ اپنی یہ یاماہا ایٹی کس سپیڈ سے چل سکتی ہے جبکہ شیراڈ کی رفتار بے حد تیز تھی اور وہ بھی اس لئے کہ وہ چھینی گئی تھی، پھر بھی ہم حسب توفیق چلتے رہے...... یہاں تک کہ ایک موڑ پر چیکنگ کرنے والے حضرات مل گئے...... انہوں نے مجھے چیکنگ کے لئے روک لیا، جبکہ شیراڈ والا نکل گیا۔ اوور۔"

"ٹھیک ہے ہیڈ کوارٹر واپس چلے جاؤ۔"

"اوور اینڈ آل۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

وین میں بیٹھے ہوئے شخص نے ٹرانسمیٹر بند کر دیا، لیکن فوراً ہی سرخ بلب دوبارہ جلنے لگا اور اس شخص نے ٹرانسمیٹر دوبارہ آن کر دیا۔

"ڈبل او ٹو ڈبل او ٹو، اوور۔"

"بولو، سی پی کنٹرول ریسیونگ۔"

"کیا ڈبل او تھری سے رپورٹ مل چکی ہے؟"

"ہاں مل چکی ہے۔"

"اسے تو پولیس والے نے روک لیا تھا...... شکر ہے میں کامیابی سے اس کا تعاقب کرتا ہوا گنڈری روڈ پر پہنچ چکا تھا...... وہ سفید شیراڈ میں گنڈری روڈ کی ایک کوٹھی پر پہنچ چکا ہے۔ کوٹھی کا نمبر آٹھ سو بیس ہے...... اس نے سفید کار ایک تاریک جگہ کھڑی کی ہوئی ہے، وہ

نقاب چڑھا کر اور مسلح ہو کر کوٹھی نمبر آٹھ سو بیس کے احاطے کے اندر داخل ہوا ہے۔"

"تم کہاں ہو، اوور؟"

"اس سے تھوڑے فاصلے پر وہیں موجود ہوں۔"

"او کے او کے ہم پہنچ رہے ہیں اور کوئی خاص بات تو نہیں، اوور؟"

"نہیں، بس میں وہاں تمہارا انتظار کر رہا ہوں، اوور۔"

"اوور اینڈ آل۔" ٹرانسمیٹر بند ہو گیا...... فوراً ہی دوسرے آدمی نے وین کا اسٹیرنگ سنبھال لیا اور وین پہلے ہی سیلف میں سٹارٹ ہو گئی۔ وین مختلف راستوں سے گزرتی ہوئی آخر کار گذری پر آ گئی۔ گذری ایک خوبصورت علاقہ تھا اور یہاں زیادہ تر متمول لوگوں کی کوٹھیاں تھیں...... متمول لوگوں کے علاقے کی پہچان یہ ہے کہ وہاں نہ آدم ہوتا ہے نہ آدم زاد سڑکوں پر ویرانی چھائی ہوتی ہے۔ بیرونی حصے میں مدہم روشنی اور اندرونی حصے میں تیز روشنی ہوتی ہے...... عموماً گیٹ پر چوکیدار بھی ہوتا ہے، لیکن گیٹ کے اندر، شاید اسے بھی باہر نکلنے کی ممانعت ہوتی ہے، چنانچہ گذری متمول علاقہ بہ آسانی کہا جا سکتا تھا...... فوکس ویگن چلتی رہی اور پھر کوٹھی نمبر آٹھ سو بیس کے سامنے سے گزر گئی۔ یہ اس علاقے کے بالکل کارنر کی کوٹھی تھی اس کے بعد وسیع و عریض میدان، لیکن یہ میدان کروڑوں روپے کی مالیت کے تھے اور ان میں اگی ہوئی بدنما جھاڑیاں اور درخت بھی لگے ہوئے تھے۔ انہی درختوں میں سے ایک کے نیچے ڈبل اوٹو مل گیا، چنانچہ فوکس ویگن بھی وہیں پہنچی اور اس کا انجن بند کر دیا گیا...... تینوں پراسرار افراد نیچے اتر آئے اور ڈبل اوٹو کی مزاج پرسی کرنے لگے، ان میں سے ایک نے پوچھا۔

"شیراڈ کہاں ہے؟"

"وہ سامنے کھڑی نظر آ رہی ہے...... تم لوگ آنکھوں سے کام نہیں لیتے۔"

"کیا بات ہے کافی پریشان نظر آ رہے ہو؟"

"تو اور کیا، پتا ہے کیا ہو گیا؟"

"کیوں خیریت؟"

"میری موٹر سائیکل کا پٹرول ختم ہو گیا ہے...... وہ تو شکر ہے کہ یہ یہیں آ کر رکی ورنہ میرے ہاتھ سے بھی گیا تھا۔"

"عجیب آدمی ہو پٹرول کیوں نہیں ڈلوایا؟"

"پیسے تھے کیا میرے پاس، اب جلدی کرو پتا نہیں وہ کس وقت نکل آئے؟"

"کیا کریں؟"

"ابے پائپ پڑا ہے میرے پاس، اپنی گاڑی میں سے تھوڑا سا پٹرول دو تاکہ میری موٹر سائیکل بھی کار آمد ہو سکے۔"

"ہاں ہاں فوراً فوراً ہری اپ۔" اور پھر فوکس ویگن کا تھوڑا سا پٹرول موٹر سائیکل میں منتقل کر دیا...... ویگن سے اترنے والوں میں سے ایک نے کہا۔

"اب کیا کیا جائے؟"

"شیراڈ وہ کھڑی ہے اور بندہ اندر ہے۔"

"میں نے اس کے پاس ری پیٹر دیکھا ہے۔" موٹر سائیکل والے نے کہا۔

"ابے...... اے ری پیٹر۔" ان میں سے دو نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔"

"تب تو پھر ہوشیار رہنا ہو گا۔"

"شیراڈ کے اندر جھانک کر دیکھو...... لاک تو نہیں کر کے گیا ہے؟"

"میں دیکھتا ہوں۔" ایک نے کہا اور شیراڈ کے دروازوں کو چیک کرنے لگا...... اصولی طور پر دروازے لاک نہیں ہونے چاہئیں تھے، چنانچہ بہ آسانی بونٹ کھول کر کوائل کا تار نکال دیا گیا...... اب کم از کم شیراڈ تو سٹارٹ نہیں ہو سکتی تھی باقی کام بھی ذرا احتیاط سے کرنے تھے...... شیراڈ کے آس پاس چھپنے کی جگہ تلاش کی گئی، جس کے ملنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی اور اس کے بعد سانس روک لئے گئے...... چاروں پراسرار آدمی انتظار کرنے لگے اور پھر خاصی دیر کے بعد انہیں احاطے کی دیوار پر آہٹیں محسوس ہوئیں اور وہ سب مستعد ہو گئے...... ایک نقاب پوش نیچے کودا اور شیراڈ کی جانب بڑھ گیا...... وہ کافی پھرتیلا معلوم ہوتا تھا اور اس کے پاس ایک وزنی تھیلا موجود تھا جسے وہ بڑی احتیاط سے بغل میں دبائے آگے بڑھ رہا تھا، پھر وہ اس جگہ سے گزرا جہاں پراسرار گروپ موجود تھا...... سب سے پہلے ایک شخص نے اس پر چھلانگ لگائی اور اس کی گردن میں ہاتھ ڈالے ہوئے اسے لے کر زمین پر ڈھیر ہو گیا...... اس کے بعد باقی تین افراد بھی اس پر ٹوٹ پڑے اور جو کچھ تھا وہ اپنی جگہ تھا، لیکن

لڑائی بھڑائی کے مسئلے میں یہ لوگ کافی مستعد معلوم ہوتے تھے، کیونکہ ایک لمحے میں ری پیٹر ان کے قبضے میں آ گیا تھا...... دوسرے لمحے میں وہ تھیلا جسے لے کر وہ نقاب پوش اندر سے باہر نکلا تھا، باقی دو نے نقاب پوش کے دونوں ہاتھ پشت پر لے جا کر دونوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی تھیں، پھر ان میں سے ایک نے نقاب پوش کا گریبان پکڑ کر اسے سیدھا کھڑا کیا اور پستول اس کی کمر سے لگاتا ہوا بولا۔

"منہ سے آواز نہ نکلے...... خاموشی سے آگے بڑھو۔"

نقاب پوش کو اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ کسی خطرناک گروہ کے قبضے میں آ گیا ہے اور اس وقت کسی بھی قسم کی جنبش اس کے لئے موت کا باعث بن سکتی ہے اس لئے اس نے آگے بڑھنے میں ہی بہتری سمجھی اور چند لمحات کے بعد اسے فوکس ویگن میں منتقل کر دیا گیا...... باقی لوگ تیز نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے فوکس ویگن میں آ بیٹھے تھے...... ڈرائیور سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے فوکس ویگن کو سٹارٹ کیا اور وہ فراٹے بھرتی ہوئی آگے بڑھ گئی تھی۔

ثاقب حسین بے باک صحافی تھے، اگر بے باک نہ ہوتے تو زندہ بھی ہوتے اور حالات بھی بہتر رہتے، لیکن چونکہ بے باک تھے اس لئے ساری زندگی کسی ایک اخبار میں نہ ٹک سکے، سب اخبارات کی پالیسیاں الگ الگ ہوتی ہیں اور وہ تھے سچ گو، حق گو۔ جو دیکھا پایا لکھا، اپنے جیسے کچھ حق گو مل جاتے تو تھوڑے بہت دن ملازمت قائم رہتی، کالم چھپتے، رپورٹیں شائع ہوتیں اور دال روٹی چلتی رہتی تھی، لیکن پھر نئے حق گو، پالیسی کے زیر اثر آتے...... دوست محبت سے ثاقب حسین کو سمجھاتے کہ میاں دنیاداری سیکھو جیسے دنیا چلتی ہے ویسے چلو لیکن ثاقب حسین کی اپنی چال الگ تھی...... وہ جو کچھ بھی لکھتے تھے، ضمیر کی آواز پر لکھتے تھے، یہ بات کہیں پسندیدگی کی نظروں سے دیکھی جاتی ہے...... دھمکیاں ملیں، لوگوں نے سمجھایا، نہ مانے اور ایک دن توڑ پھوڑ دیئے گئے، ٹرک کے نیچے دبا کر چٹنی بنا دی گئی تھی اور پھر یہ چٹنی نہ جانے کس طرح ہسپتال تک پہنچائی گئی...... وہاں سے گٹھڑی باندھ کر گھر میں لائی گئی...... مصنوعی جنازہ تیار کیا گیا جس میں یہ چٹنی رکھ دی گئی تھی اور پھر قبر میں اتار دی گئی، اس طرح ایک بے باک صحافی کا اختتام ہوا...... سوگواران میں تین بیٹے، دو بیٹیاں اور ایک بیگم چھوڑی تھیں اور یہ بھی کچھ اللہ کا ہی کرم تھا کہ ایک موقع پر کسی ہمدرد اور کرم فرمانے صحافی کالونی میں پلاننگ کے دوران ایک پلاٹ عطا کر دیا تھا اور اس کی پوزیشن بھی مل گئی تھی۔ گھر والوں نے بڑی مسرت کے ساتھ جیسے تیسے کر کے اس پلاٹ پر عمارت تعمیر کر لی وہ جانتے تھے کہ گھر کو گھر کی شکل دینا انہیں کبھی نصیب نہیں ہو سکے گا۔ یہ تو نصیب والوں کے کام ہوتے ہیں کہ گھر بنا لیا جائے، یہ پلاٹ بھی زندگی بھر کی محنت کا حاصل تھا، چنانچہ لمبا سا ایک شیڈ بالکل حاجی کیمپ کے سٹائل پر بنا لیا گیا تھا اور ساری چارپائیاں آنے کے باوجود اتنی جگہ بچ

جاتی تھی کہ خوب چھلانگیں لگاتے پھرو...... چار سو گز کا پلاٹ کم نہیں ہوتا، اسی لئے ایک طرف ایک کمبائنڈ لیٹرین...... باتھ روم اور ایک کچن بنادیا گیا تھا...... اس کے علاوہ زندگی کی اور ضرورتیں ہوتی ہی کیا ہیں...... باقی آسائشیں، جیسے پانی، بجلی، گیس وغیرہ ہوتی ہیں وہ تو مل ہی جاتی ہیں...... کسی نہ کسی طرح ان کا بندوبست بھی ہو گیا تھا...... پلاٹ پر اچھی خاصی جگہ پڑی ہوئی تھی، چنانچہ بیگم صاحبہ نے کفایت شعاری کے لئے نیا شعار اپنایا اور شیڈ کے عقبی حصے میں کھدائی کرا کے وہاں کھیتی باڑی شروع کر دی...... ان کے پائیں باغ میں توری، لوکی اور بھنڈی وغیرہ کی بیلیں پروان چڑھنے لگیں، جن میں ان کے خون پسینے کو سب سے زیادہ دخل تھا اور گھر کا بہت بڑا مسئلہ وہاں سے حل ہونا شروع ہو گیا تھا، چنانچہ یہ باغبانی ثاقب حسین کی موت کے بعد بھی اسی باقاعدگی سے جاری تھی۔ جگہ کافی بڑی تھی، پھر جب سب سے بڑے بیٹے فائق حسین کی شادی شربت کے ایک پیالے پر طے پا گئی تو فائق حسین کے لئے حجلہ عروسی کی ضرورت پیش آئی اور ایک حجلہ عروسی ترتیب پا گیا جس پر ٹین کی بجائے سیمنٹ کی شیٹیں ڈال دی گئی تھیں...... یہ طریقہ خاصا مقبول ہوا اور حاجی کیمپ کئی حصوں میں تقسیم ہو گیا...... بس درمیان میں دیواریں اٹھانی پڑی تھیں، البتہ یکجہتی کے لئے ٹین کی چھت شروع سے آخر تک جوں کی توں تھی...... اس طرح سب کے اپنے اپنے مشاغل الگ الگ ہو گئے تھے اور ایک دوسرے کے معاملات میں ذرا مداخلت بھی کم ہو گئی۔

پھر سب سے چھوٹے صاحبزادے واثق حسین کو بھی کلرکی مل گئی اور گھر کے معاملات میں نمایاں تبدیلی پیدا ہو گئی...... جو اس سے پہلے فائق حسین کے ذریعے نہیں پیدا ہو سکی تھی کیونکہ فائق حسین نے نوکری اور شادی ایک ساتھ کی تھی...... بیگم صاحبہ کے اپنے اخراجات اٹھانا کوئی معمولی بات نہیں تھی اس لئے فائق حسین کے تھوڑے سے اخراجات سنبھالنے کے علاوہ کوئی بڑا کارنامہ سرانجام نہیں دے سکے...... واثق البتہ ہونہار بروا تھے اور پھر ابھی تک کہیں بر دکھاوے کے لئے نہیں لے جائے گئے تھے، اس لئے بڑی سعادت مندی سے تنخواہ والدہ کے ہاتھوں میں دے دیتے تھے...... بچیاں بھی پڑھ رہی تھیں اور تیزی سے نوجوانی کی جانب دوڑ رہی تھیں...... منجھلے صاحبزادے شہاب تھے جو بڑے فخر کے ساتھ اپنے بے باک صحافی باپ ثاقب کا نام لٹاتے تھے چنانچہ ان کا نام شہاب ثاقب کی حیثیت سے مکمل ہو گیا تھا...... تعلیم کے حصول میں مرد میدان تھے اور کتابوں میں غرق

رہتے تھے، ان کے پورشن میں کتابوں کے ذخائر کے ساتھ ایک دری، چاندنی اور ایک تکئے کے علاوہ کچھ نہیں تھا...... یا پھر بجلی کا بل بڑھ جانے کے خوف سے مٹی کے تیل کا ایک لیمپ، جو رات کو گیارہ بجے کے بعد روشن کر لیا جاتا تھا اور شہاب ثاقب اس کی روشنی میں دنیا کی سیر کیا کرتے تھے...... کتابیں، کتابیں اور کتابیں اور ظاہر ہے کتابوں کا ساتھ ہو تو پھر تعلیمی میدان دور نہیں رہتا...... ایم ایس سی کر چکے تھے...... بھائی بہنوں میں اچھی خاصی محبت تھی اور فرصت کے اوقات میں سب ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے...... ہر چھوٹا بڑے کا احترام کرتا تھا، سب سے قابل احترام ہستی نعیمہ بیگم کی تھی اس کے بعد نمبر دو پر فائق حسین اور ان کے حوالے سے ثریا بیگم آتی تھیں جو فائق حسین کی اہلیہ محترمہ تھیں اور بلاشک وشبہ اچھے مزاج کی حامل تھیں، پھر احترام نمبر تین یعنی منجھلے میاں شہاب ثاقب آتے تھے اس کے بعد واثق میاں اور باقی دونوں بچیاں جو سب کے احترام کا بوجھ اپنے شانوں پر اٹھائے رہتی تھیں اور ہر ایک کے لئے خدمت پر کمربستہ۔ ماحول بہت اچھا تھا...... بھائیوں میں کبھی کوئی شدید اختلاف نہیں پیدا ہوا تھا...... ڈانٹ ڈپٹ کا محکمہ سپریم کورٹ کی حیثیت سے تو والدہ کے ہاتھ میں تھا، لیکن جنرل مقدمات فائق حسین ہی نمٹایا کرتے تھے...... فرازیہ نامی ایک فرم میں ملازم تھے اور بڑی کوششوں سے یہ ملازمت ملی تھی...... واثق ملازمت سے لگ گیا تھا...... رہ گئے تھے شہاب ثاقب، لیکن یہ بات گھر کا ہر فرد جانتا تھا کہ باپ سے اگر بے باکی منتقل ہوئی ہے تو صرف شہاب میں...... ورنہ باقی لوگ دنیا سے تعاون کرنے والے تھے...... البتہ شہاب کے افکار وخیالات بہت اونچے تھے اور وہ عموماً گھروں کی گھڑونچی پر کھڑے ہو کر گھر والوں کو لیکچر دیا کرتا تھا کہ یہ زمانہ بالکل بدلا ہوا ہے...... بے باکی اور حق گوئی بے شک بہترین چیز ہے، لیکن محترم ثاقب حسین نے کچھ ایسے اصول اپنائے کہ دنیا سازی نہ کر سکے...... یہ وقت تو وہ ہے کہ اگر کچھ بننا چاہتے ہو تو اپنے اوپر اتنے لبادے ڈال لو کہ اصلی صورت کبھی نظر نہ آئے، اگر کسی کو اپنی اصلی صورت دکھا دی تو سمجھ لو تا حیات روسیاہ لگو گے اور کبھی چین سے نہ بسر کر پاؤ گے...... گھر والے انہیں پاگل قرار دے چکے تھے، کیونکہ ان کی کتابی باتیں کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں...... اکثر کبھی کبھی بھائیوں میں بحث بھی چھڑ جاتی تھی...... فائق حسین کہتے۔

"میاں مان لیتے ہیں تمہاری بات، لیکن کچھ کر کے بھی تو دکھاؤ۔"

"ایک بات سمجھ لیجئے بھائی جان، میں صرف ایک داؤ لگانے کا قائل ہوں...... زندگی میں جو لوگ مستقل خطرے لیتے رہتے ہیں وہ دانشمند نہیں ہوتے...... ایک بار کوشش کی جائے اور وہ بھی ایسی کہ اطراف اس قدر محفوظ ہوں کہ کہیں ناکامی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔"

"تو تمہارا یہ تیر کب چل رہا ہے؟"

"بڑی عجیب بات ہے آپ وقت کے تعین کو ہر لحاظ سے اہمیت دیتے ہیں...... تو پھر ایسے سوالات کر کے ان ذہنوں پر کیوں بوجھ ڈالتے ہیں...... ہر کام وقت مقررہ پر ہی ہوتا ہے چاہے اس کے لئے کتنی ہی تگ ودو کیوں نہ کی جائے۔"

"دیکھو میاں شرافت سے کوئی نوکری ڈھونڈو کچھ کرو تاکہ زندگی کی یہ گاڑی آگے بڑھے...... ہمارا یہ گھر کتنا مضحکہ خیز ہے کسی کو یہاں بلاتے ہوئے ہنسی آتی ہے لوگ دیکھ کر نہ جانے کیا کیا کہتے ہوں گے...... اطراف کے سارے بنگلے مکمل ہو گئے وہاں آبادی آباد ہو گئی اور ہمارا یہ گھر آج تک عجوبہ بنا ہوا ہے۔"

"کیا ضروری ہے کہ اپنا یہ سرمایہ صحافی کالونی میں ہی ضائع کیا جائے...... ڈیفنس بھی تو ہے اور بھی تو بے شمار ایسے علاقے ہیں جہاں ہم اپنی کوٹھی تعمیر کر سکتے ہیں۔"

فائق حسین جھلا کر خاموش ہو جاتے تھے...... بھائی کے پاس ہر بات کا جواب موجود تھا اور وہ بھی اس طرح مدلل کہ اس کے جواب میں کچھ کہنے کے لئے باقی ہی نہ رہے...... ہاں کبھی کبھی نعیمہ بیگم کے سامنے دل کا بخار نکال لیا کرتے تھے۔

"اماں یہ شہاب تو بالکل ہی باؤلا ہو گیا ہے...... میں یہ نہیں کہتا کہ وہ کل سے کمانا شروع کر دے لیکن اماں دیکھو نا کچھ نہ کچھ تو کرنا ہے اس طرح بیٹھے رہنے سے ہاتھ پاؤں بھی مفلوج ہو جاتے ہیں، وہ اتنی قیمتی، قیمتی کتابیں خرید کہاں سے لیتا ہے...... ذرا دیکھئے اس کے کتب خانے کو جو پورے کمرے میں بکھرا ہوا ہے، کیسی کیسی قیمتی کتابیں موجود ہیں...... اس فتح محمد نے اسے بالکل ہی بگاڑ دیا ہے۔"

"خیر بے چارے فتح محمد کو کچھ نہ کہو اس کی وجہ سے ہم کم از کم ٹین کی چھت کے نیچے تو بیٹھے ہوئے ہیں، کس طرح اس نے اپنا دل کھول دیا تھا...... ٹھلے کا ٹھلہ ہمارے حوالے کر دیا تھا...... اینٹیں ادھار آئیں، سیمنٹ اور بجری ادھار آئی...... یہاں تک کہ ٹین کی شیٹیں بھی اس نے ہی خرید کر دیں...... تب کہیں جا کر یہ گھروندہ بن سکا...... تم دیکھو نا بے چارے

کو دیا کیا...... کبھی سو کبھی پچاس...... کبھی اف تک نہ کی...... کم از کم یہ نیکی تو کی ہے اس نے ہمارے ساتھ۔"

"وہ تو ٹھیک ہے اماں، لیکن تم یہ بھی تو سوچو کہ نہ جانے کیا کیا الٹی سیدھی ہانکتا رہتا ہے...... پیری فقیری کا دھندہ شروع کر رکھا ہے۔"

"خیر میں شہاب کو سمجھا دوں گی۔"

"اماں دیکھو میں نے بات کی ہے شہاب میاں کے لئے فراز یہ میں۔"

"اپنی کمپنی میں۔"

"ہاں اماں، اصل میں کمپنی کے ایک بڑے عہدے دار میرے کرم فرما ہیں خوشامد در آمد کر کے ان سے شہاب کے لئے کہا ہے کہہ رہے ہیں فوراً درخواست لکھوا کر دے دو چار روز میں انٹرویو ہونے والے ہیں۔"

"اے اگر ایسا ہو جائے تب تو میں شہاب کو ٹھیک کر کے رکھ دوں گی۔ فوراً درخواست لکھواؤں گی اس سے تم اس کی فکر مت کرو۔"

شہاب صاحب نے درخواست لکھی...... درخواست پہنچا دی گئی...... انٹرویو لیٹر آ گیا اور انٹرویو دے بھی آئے، لیکن یہ شام اس گھر میں اچھی خاصی ہنگامہ خیز تھی کیونکہ شہاب انٹرویو دے کر آئے تھے اس کا رزلٹ انہی کرم فرما کے ذریعے فائق کو وہیں دفتر ہی میں معلوم ہو گیا تھا اور وہ اس وقت آگ بگولہ بنے ہوئے اندر داخل ہوئے تھے۔

"جی کہاں ہیں وہ حضرت؟" فائق حسین نے پوچھا۔

"خیریت تو ہے کیا بات ہے؟" ثریا بیگم شوہر کے چہرے سے کچھ اندازے لگانے میں کامیاب ہو گئی تھیں۔

"بھئی اب یہ سب کچھ میرے بس کی بات نہیں ہے اماں بی سے صاف صاف کہے دیتا ہوں کہ اماں اس لڑکے سے ہاتھ دھو لئے جائیں تو بہتر ہے۔"

"ہوا کیا کچھ مجھے بھی تو بتایئے؟" اتنی دیر میں نعیمہ بیگم بھی آ گئیں۔

"اماں بی آپ کے صاحبزادے انٹرویو دے آئے ہیں ماشاءاللہ ڈھاک بٹھا آئے ہیں اپنا۔"

"اے اللہ خیر، کیا ہوا کیا نتیجہ رہا؟"

"اس کے علاوہ اور کوئی نتیجہ ہو سکتا تھا کہ وہاں مجھے بھی ذلیل وخوار کرایا۔ میں نے بڑی مشکل سے سفارش لگائی تھی، انٹرویو میں میرے وہ کرم فرما بھی بیٹھے ہوئے تھے جن سے میں نے سفارش کی تھی، کہنے لگے کہ میاں فائق کیا تمہارا بھائی پاگل ہے...... میں نے پوچھا کہ کیا ہوا تو کہنے لگے کہ وہ انٹرویو دینے آیا تھا یا انٹرویو لینے...... ناہید سلیمی صاحب ویسے ہی ذرا نرم، نازک مزاج کے آدمی ہیں جو سوال انہوں نے کئے اور جو جوابات انہیں دیئے گئے اگر تم سنو گے تو حیران رہ جاؤ گے اور اس کے بعد انہوں نے مجھے وہ جواب سنائے جو حضرت شہاب ثاقب دے کر آئے ہیں۔ وہی مرغے کی ایک ٹانگ اماں دنیا کے بارے میں اتنی بڑی بڑی باتیں اماں کہ بس سلیمی صاحب بھی دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ کر رہ گئے...... یہ موقع بھی ضائع کر دیا اماں، اگر صحیح طریقے سے کچھ کر آتے تو بڑی اچھی نوکری مل جاتی۔ دونوں بھائی ایک ساتھ ہی ہوتے۔"

"کہاں ہے یہ شہاب، میں پوچھتی ہوں کچھ کرنا چاہتا ہے یا نہیں...... ایسے ہی بھائیوں کے ٹکڑے توڑتا رہے گا یہ سب کچھ تو اچھا نہیں ہے، اس طرح تو یہ بالکل ہی ناکارہ رہ جائے گا...... میں کہتی ہوں اب اسے کچھ کرنا ہی ہوگا۔"

تقدیر کے مارے شہاب میاں گھر میں ہی موجود تھے...... شور وغوغا کی آوازیں سن کر باہر نکل آئے...... دست بستہ بھائی کو سلام کیا اور فائق حسین گرج پڑے۔

"یہ تم انٹرویو دینے گئے تھے کیا؟"

"گیا تھا بھائی جان۔"

"وہاں کیا الٹے سیدھے جوابات دیئے؟"

"بھائی جان اپنی علمیت کے مطابق میں نے انہیں بتا دیا ویسے یہ ناہید سلیمی صاحب ہیں کیا چیز؟"

"سن رہی ہیں آپ میری فرم کے مالک کے بارے میں کہہ رہے ہیں حضرت؟"

"اے تو کیا وہاں بک بک کر کے آیا ہے؟"

"اماں جو سوال انہوں نے کیا میں نے اس کا جواب دیا آخر اس میں غلط کیا ہے؟"

"خدا تم سے سمجھے تمہارے لئے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں ہے مگر زندگی گزارنے کے لئے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑتا ہے۔"

"بے شک بھائی جان، لیکن آپ تھوڑا سا صبر اور کر لیں اور وہ جو کہا ہے کسی نے صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے تو آپ کڑوے پھل کیوں کھانا چاہتے ہیں۔"

"ہاں جاؤ شیخ فتح محمد کی منڈلی میں جا کر بیٹھ جاؤ درس ہو رہا ہوگا بڑی بڑی نایاب باتیں بتائی جا رہی ہوں گی...... بس میاں ٹھیک ہے لنگر کھاؤ اور عیش کرو۔"

"نہیں بھائی جان بس تھوڑا سا موقع اور دے دیں مجھے آپ دیکھ لیجئے تقدیر کی گوٹ پاکٹ میں گرنے ہی والی ہے۔" شہاب نے کہا اور فائق حسین برا سا منہ بنا کر خاموش ہو گئے...... شہاب میاں نے فائق حسین کا ہاتھ پکڑا...... بڑے ادب سے اسے سیدھا کیا اصل میں گھڑی میں وقت دیکھ رہے تھے اور پھر جلدی سے بولے۔

"مرشد انتظار کر رہے ہوں گے...... اچھا اماں کوئی خاص بات تو نہیں۔ مجھے اجازت۔"

نعیمہ بیگم اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتی تھیں...... خاموش ہو گئیں...... فائق اپنی بیگم کے ساتھ اپنے کمرے میں چلے گئے تھے اور شہاب ثاقب مرشد کی خدمت میں روانہ ہونے کے لئے دروازے کی جانب بڑھ گئے تھے۔

❁

فتح محمد نام تھا...... دلی کے رہنے والے، بال بچوں سے بے نیاز۔ دلی میں نہ جانے کیا کرتے تھے اب اینٹوں کا تھلہ کرتے تھے۔ سیمنٹ، بجری، چونا، سیمنٹ کی جالیاں، تعمیر کے لئے شتر گھوڑیاں، کرائے پر بیلچے پھاوڑے، وسیع و عریض کاروبار تھا۔ بہت سے لوگوں کا دال دلیہ چلتا تھا...... ہر چیز کا معاوضہ نہ ہونے کے برابر ہر شے معمولی منافع کے ساتھ فروخت کرتے تھے۔ شہر بھر میں سب سے کم، جو ان سے منسلک تھے انہیں بھرپور معاوضہ ادا کرتے تھے خود بس اتنا بچا لیتے تھے کہ کام چلتا رہے، ویسے اگر نیت ایسی ہو تو اللہ تعالیٰ برکت بھی دیتا ہے چونکہ بے شمار چیزوں میں ڈیل کرتے تھے اس لئے یہ تھوڑا بھی بہت ہو جاتا تھا۔ آگے پیچھے تو کوئی تھا نہیں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے عقیدت مندوں میں سے تھے اور ان کے نام پر جان چھڑکتے تھے...... بزرگان دین سے خاص شغف تھا اپنے آپ کو فتح محمد کے بجائے فتو کہلوانا ہی پسند کرتے تھے...... لمبا کرتا، سبز رنگ کا تہمد، گول کپڑے کی ٹوپی، یہ مستقل لباس تھا۔ تعلیم پتا نہیں کچھ تھی یا نہیں، لیکن جنرل نالج میں اتنے باکمال تھے کہ یقین نہ آئے...... انگریزی بے شک نہیں جانتے تھے صاف صاف کہتے تھے کہ میاں فرنگیوں کی

زبانٰن سیکھنے کی کوشش نہیں کی تعصب کی بنیاد پر۔ ورنہ یہ جب کسی مشکل مسئلے کی عقدہ کشائی

پر آمادہ ہو جائیں تو علم کے سمندر بہادیں، چرب زبانی ایسی باکمال کہ اچھے اچھے بے کمال ہوں اس لئے اس کی پروا نہیں کرتا۔“

ہو جائیں۔ جن لوگوں کو خود سے منسلک کر رکھا تھا ان کے بارے میں کہتے تھے کہ عزیز "واہ اچھی بات کہی پسند آئی قسم ایمان کی۔ تمہاری کچھ باتیں ہم نے اپنے دل میں بٹھالی

فرعون کس قدر نابکار تھا...... اس کی بدکاری کی مثالیں دی جاتی ہیں، لیکن ایک حکایت ہے کہ ہیں اور انہیں اکثر یاد کرتے رہتے ہیں۔“

ایک بار اللہ تعالیٰ سے اس کے کسی برگزیدہ بندے نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ جب فرعون اس قدر "مرشد شرمندہ کررہے ہیں دوسروں کے سامنے، ورنہ ہم کیا ہماری اوقات کیا۔“

ملعون ہے تو اس کی زندگی ختم کیوں نہیں کر دی جاتی...... تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسا کچھ "میاں اسی ادا نے تو مار رکھا ہے۔ انکسار بڑی اعلیٰ چیز ہوتی ہے اور تمہارے اندر وہ جس

مشکل نہ تھا لیکن اس بدبخت نے ایک ایسا طریقہ اختیار کر رکھا ہے جس کی بنا پر اس کی زندگی قدر موجود ہے ہمیں اس کا اندازہ ہے وہ مثال ہے نا کہ درخت اپنے پھل خود کبھی نہیں کھاتا

کو طوالت بخش دی گئی ہے، وہ طریقہ کار یہ ہے کہ اس کے دستر خوان پر بے شمار افراد کھانا دریا اپنا پانی خود نہیں پیتا، دوسرے ہی فیض یاب ہوتے ہیں اس سے قسم ایمان کی یہ ساری

کھاتے ہیں، اب ہم ان سے ان کا رزق کیسے چھین لیں، چنانچہ فتح محمد عرف فتو کا کہنا تھا کہ چیزیں مولا کریم نے تمہارے اندر پیدا کر دی ہیں اور ہم انہی کی قدر کرتے ہیں۔ بیٹھو میاں

نہیں کس کی تقدیر سے انہیں بھی یہ سب کچھ مل رہا ہے کام ہو جاتا ہے بس اتنا کافی ہے کھڑے کیوں ہو؟“ شہاب بیٹھ گیا۔ دوسرے لوگ مختلف موضوعات پر باتیں کر رہے تھے۔

اینٹوں کے تھلے کے بارے میں ان کا کہنا تھا کہ میاں ہماری کاوشوں سے گھر بنتے ہیں...... جب پٹھان نے چائے کی چینک لا کر رکھ دی۔ چائے کے دور کے ساتھ ساتھ سلسلہ گفتگو پھر

کسی کے تعمیر شدہ گھر کو ہم دیکھتے ہیں تو ہمیں اس تعمیر میں اپنا بھی حصہ محسوس ہوتا ہے جاری ہو گیا۔ کسی نے کہا۔

سوچو انسانوں کے لئے سر چھپانے کا ٹھکانہ بنانا کتنا خوبصورت کام ہے بس اسی لئے ہم نے "مرشد سیاست کے کیا رنگ ہیں؟“

اینٹوں کا یہ تھلہ لگا رکھا ہے۔ بہت سے لوگ معتقد تھے، لیکن فتح محمد ہر ایک سے جھک کر ملنے "ایک ہی رنگ ہے، اب ایک ہی رنگ رہ گیا ہے اور وہ بھی صرف کالا، اصل میں جب

کے عادی تھے...... اس وقت بھی اپنے خاص احاطے میں جس کے اطراف مہندی کی باڑھیں سیاست دھوبیوں کے ہاتھ میں ہے اس کی صفائی ہونا مشکل ہے۔“ کسی نے کہا۔

لگی ہوئی تھیں اور جگہ جگہ اینٹیں تھاپی جارہی تھیں بیٹھے ہوئے تھے۔ حقہ سامنے رکھا ہوا تھا "سیاست کا دھوبیوں سے کیا تعلق؟“

اور فضا میں خوشبودار تمباکو کی بو پھیلی ہوئی تھی...... لوگ اپنی اپنی داستانیں سنارہے تھے کہ "میاں گہرا تعلق ہے...... لیڈر دھوبی کی ترقی یافتہ شکل ہے دونوں ہی دھوتے اور

شہاب ثاقب بھی وہیں پہنچ کر اس محفل میں شریک ہو گیا، فتح محمد نے اپنی جگہ سے اٹھ کر پھاڑتے ہیں...... دھوبی گندے چیکٹ کپڑے علیحدہ لے جا کر دھوتا ہے اور صاف اور اُجلے

شہاب ثاقب سے ہاتھ ملایا تھا۔ کرکے دوبارہ پہننے کے قابل بنا دیا ہے...... لیڈر بر سر عام گندے کپڑے دھوتا ہے اور گندگی

"مرشد، آپ ہمیشہ مجھے شرمندہ کر دیتے ہیں...... یہ حق تو میرا ہے کہ آپ کی قدم اچھالتا ہے...... لیڈر کا مقصد نجاست کو دور کرنے کا اتنا نہیں ہوتا جتنا نجاست پھیلانے کا۔

بوسی کروں۔“ دھوبیوں کے لئے کپڑے دھونے کے گھاٹ مقرر ہیں...... لیڈر کے لئے پلیٹ فارم، اس

"نہ نہ ایسے نہیں کہتے دیکھو علم کی قدر جس نے نہ کی سرا ہمیشہ بے علم رہے گا...... بلاشک نہیں دھوبی کپڑے پھاڑتا ہے غائب کر دیتا ہے ان کا رنگ و روپ بگاڑ دیتا ہے، لیکن

نہیں ہونے کا، تمہیں اللہ نے جتنا علم دیا ہے ہم اس کی قدر کرتے ہیں، تمہاری نہیں بیٹھو، کہ ہر کی طرح وہ گندگی کو پائیدار یا رنگین نہیں بناتا ویسے ہمارے سکول اور کالج بھی اب

نوکری کا کیا ہوا؟“ دھوبیوں سے بھر چکے ہیں...... استاد، شاگرد کو اس طرح دھوتے پچھاڑتے مروڑتے اور اس پر

"بس مرشد، میں نے نوکری کو اپنا مطلوب نہیں بنایا بلکہ خود نوکری کی طلب بنا چاہتا تری کرتے ہیں، جیسے دھوبی کرتا ہے تم نے دھوبیوں کو دیکھا ہوگا، جو دھلائی کے لئے

شکل سے بچنے اور مالک کو دھوکا دینے کے لئے سفید کپڑے پر نیل کا ہلکا سا رنگ دے دیتے

ہیں...... دھوبی کو اس کی پروا نہیں ہوتی کہ سر پر سے گھما گھما کر کپڑے کو پتھر پر پٹخنے، اینٹھنے نچوڑنے اور اس کے تار تار الگ کر دینے کا کیا حشر ہوگا، بٹن کہاں جائیں گے اس کی صورت کیا ہو جائے گی، استری ٹھیک سے گرم ہے یا نہیں ٹھنڈی استری کرنا چاہئے یا بالکل اسی طرح استادوں کو آج کل کی پروا نہیں کہ طالب علم کس قماش کا ہے...... اس پر رنگ چڑھا ہوا ہے، اس کے دل و دماغ کی کیا کیفیت ہے...... بس وہ اسے دے مارتا ہے بھرکس نکال دیتا ہے...... وہ اس کی فطرت اور اُلجھنوں کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا صرف اپنا رنگ چڑھانے کی کوشش کرتا ہے، چنانچہ جب طالب علم دنیا کے بازار یا گاہک ہاتھ آتا ہے تو اس کا دماغ و دل سب کچھ جواب دے چکے ہوتے ہیں۔ اس پر بھی پائیدار ہوتا ہے، کلف دے کر اس پر جو بے تکی استری ہوتی ہے وہ ایک ہی چھینٹے یا جھونکے رنگ ہو جاتی ہے اور یہ معاشرہ ایسی ہی بدرنگیوں کا شکار ہے۔ اب ان ناپائیدار ذہنو سیاست میں ملوث کر لیا جاتا ہے...... سیاست میں نیشنلزم کے پرچار کے نتیجے میں خلا عثمانیہ پارہ پارہ ہوئی تھی، پھر عرب و عجم کے درمیان کشمکش چلی۔ عرب عرب ٹکرا گئے...... مختلف ممالک کے مابین ہی سرحدوں کا تعین اس مکروہ جذبے کے تحت کیا گ کہ وہ آپس میں لڑتے ہی رہیں اور ایک دوسرے کے علاقوں پر اپنا حق جتاتے رہیں مسلمان ممالک میں ایسی اقلیت پیدا کر دی گئی ہے جو عقائد و افکار تہذیب و تمدن میں مزاج سے بیگانہ ہے، ان حالات میں سیاسی اونٹ کا کسی ایک کروٹ بیٹھنا مشکل ہے اور اللہ کے فضل سے آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ اس میں کیسی عیاری اور چالاکی کار فرما صیہونی قوتیں مختلف طریقوں سے عالم اسلام پر کاری ضربیں لگا رہی ہیں...... آپس میں زہریلے بیج بو دیئے گئے ہیں جو اب ایک فصل کی صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں اور اس قدر عیاری اور چالاکی سے ہوا ہے کہ دانشور بھی اس خرابی کا مکمل شعور نہیں ر کر سکے، بس اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔"

"بے شک مرشد بے شک۔" لوگوں نے بیک آواز کہا اور اس کے بعد بہت د شیخ فتح محمد لوگوں کو اپنی خوب صورت باتوں سے نوازتے رہے...... مہمان آتے جا اسی دوران گاہکوں کو نمٹانے کا سلسلہ بھی جاری رہا تھا۔ کسی بھی ضرورت پر کو اٹھتا، اگر اینٹیں درکار ہوتیں تو زیادہ تر تو یہی ہوتا کہ مرشد خریداروں سے کہتے کہ م

ہی گنو خود ہی حساب کر کے پیسے دے جاؤ اور اگر نہ ہوں تو بعد میں پہنچا دینا اللہ مالک ہے، ایک عجیب و غریب فضا تھی، ایک عجیب و غریب ماحول، رات ہو گئی۔ خاصا وقت گزر گیا...... کچھ لوگوں نے رخصت طلب کر لی...... مرشد بھی نماز کے لئے اٹھ گئے...... عشاء کا وقت ہو رہا تھا...... انہوں نے شہاب سے کہا۔

"میاں شہاب نماز پڑھ لیں اس کے بعد تم سے باتیں ہوں گی۔"

"جی مرشد ضرور۔" شہاب نے کہا اور فتح محمد نماز پڑھنے چلے گئے...... نماز پڑھی اس کے بعد شہاب کے پاس آ بیٹھے۔

"سناؤ کیا ہو رہا ہے؟"

"بڑے بھائی نے انٹرویو کے لئے بھیجا تھا مزے کی جگہ تھی، انٹرویو دے آیا لیکن اس اعتماد کے ساتھ کہ سلیکشن ممکن ہی نہیں ہوگا۔"

"ماں باپ کی آرزوئیں بھی پوری کرنا ضروری ہوتا ہے، شہاب میاں آسرا نہیں ٹوٹنا چاہئے۔"

"نوکری تو کرنی ہے مرشد لیکن جب تک اپنی پسند کی نہیں ملے گی نہیں کروں گا جو کچھ میں چاہتا ہوں آپ کے علم میں ہے۔"

"ہاں ہماری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔"

"اب اجازت دیجئے۔"

"اچھا میاں کل ملاقات ہو گی۔" مرشد نے کہا اور شہاب ان کے ہاتھ چوم کر باہر نکل آیا...... شہر کی سڑکیں تھیں اور باہر کا ماحول، کافی دور تک پیدل چلتا رہا، پھر ایک نان بائی کی دکان میں داخل ہو گیا...... سبزی کی پلیٹ دو روٹیاں ایک گلاس پانی کے ساتھ معدے میں اتاریں اور مست انداز میں گردن ہلاتا ہوا گھر کی جانب واپس چل پڑا، لیکن ابھی گھر سے بہت فاصلے پر تھا کہ سیاہ رنگ کی ایک وین قریب آ کر رک گئی اور کسی نے گردن نکال کر کہا۔

"مسٹر شہاب...... آپ ہمیں کچھ وقت دینا پسند کریں گے۔" شہاب نے چونک کر ان پراسرار لوگوں کو دیکھا، پھر بولا۔

"فرمائیے؟"

"اندر تشریف لے آیئے۔"

"اوہ گڈ، مگر پستول کہاں ہے...... کیا آپ مجھے پستول کے بغیر اغوا کرنا چاہتے ہیں یعنی اغوا برائے تاوان۔"

"ہرگز نہیں...... ہم جانتے ہیں کہ آپ سے تاوان وصول کرنے کے بجائے الٹا آپ کو تاوان دینا ہوگا۔"

"پھر...... میرے لئے کیا خدمت ہے؟"

"ایک بہت بڑا آدمی آپ سے ملنا چاہتا ہے۔"

"کوئی بوڑھا عمر رسیدہ شخص؟"

"نہیں ایک کروڑ پتی۔"

"آہ تب میں حاضر ہوں...... مجھے کروڑ پتی حضرات سے عشق ہے۔ جگہ دیجئے۔" شہاب نے کہا اور پچھلے دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ دروازہ بند ہوا اور وین آگے بڑھ گئی۔

سیٹھ جبار نے پائپ سلگایا اور دو تین گہرے گہرے کش لئے اور دروازے پر ہونے والی آہٹوں کی جانب متوجہ ہو گئے...... ان کے دو آدمی اندر داخل ہوئے اور ان کے پیچھے شہاب بھی اندر پہنچ گیا...... سیٹھ صاحب نے اسے دیکھ کر مطمئن انداز میں گردن ہلائی اور اپنے آدمیوں سے واپس جانے کے لئے کہہ دیا...... جب وہ دونوں چلے گئے تو سیٹھ جبار نے نوجوان شہاب کی جانب دیکھا اور بولے۔

"ہیلو ینگ مین، کیا تمہاری یادداشت تمہارا ساتھ دے سکتی ہے۔ کیا اس سے پہلے ہماری کہیں ملاقات ہو چکی ہے۔ آؤ بیٹھ جاؤ۔"

شہاب آہستہ قدموں سے آگے بڑھا اور سیٹھ صاحب کے سامنے پڑے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا، اس نے کہا۔

"جی سر وقت بھی زیادہ نہیں گزرا ہے اور پھر بعض شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں ایک نگاہ دیکھنے کے بعد زندگی بھر فراموش نہیں کیا جا سکتا۔"

"گویا تم ہمیں پہچاننے کا دعویٰ کرتے ہو۔"

"اصل میں سر اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے، آپ کی شخصیت ہی اتنی باکمال ہے اتنے متناسب اور پُر وقار چہرے کم ہی دیکھنے میں آتے ہیں۔"

سیٹھ جبار کا خون بڑھنے لگا...... انہوں نے کہا۔ "تو پھر بتاؤ کہاں دیکھا تھا تم نے ہمیں؟"

"آج صبح ہی فرازیہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا...... انٹرویو لینے والوں میں آپ بھی شامل تھے۔" سیٹھ جبار آہستہ سے ہنسے، پائپ ایک جانب رکھ دیا پھر بولے۔

"خوب لیکن تمہاری اطلاع کے لئے میں یہ بتا دوں کہ میں تمہارے انٹرویو لینے والوں میں شامل نہیں تھا بلکہ فرازیہ میرے داماد ناہید سلیمی کی فرم ہے اور میں ایک اہم کام کے سلسلے میں اس سے ملاقات کرنے گیا تھا کہ وہاں انٹرویو کے چکر میں پھنس گیا۔"

"اوہو یہ بات میرے علم میں نہیں تھی، لیکن جناب یہ طلبی میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"اگر تم نے میری شخصیت کا کچھ تجزیہ کر لیا ہے نوجوان تو پھر یوں سمجھ لو کہ میرے اندر بھی صلاحیتوں کو پرکھنے کی کچھ صلاحیتیں موجود ہیں۔"

"آپ کی آنکھوں کی گہرائی، پیشانی کی کشادگی اور جبڑے کی بناوٹ یہ بتاتی ہے کہ آپ بے پناہ ذہین، اعلیٰ فراست کے مالک اور اپنے ارادوں میں انتہائی مستحکم شخص ہیں۔"

سیٹھ جبار ان الفاظ سے اور زیادہ خوش ہو گئے اور پھر بولے۔

"تو میں اپنی اس صلاحیت کا ذکر کر رہا تھا جس میں انسانی پرکھ موجود ہے۔ اچھا یہ بتاؤ فرازیہ میں دیئے گئے انٹرویو کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا وہاں کے صاحب اقتدار تمہیں ملازمت دینا پسند کریں گے؟"

"ہرگز نہیں سر، اگر وہ بہت ہی معصوم اور سادہ لوح لوگ ہیں تو دوبارہ میری درخواست پر نگاہ دوڑائیں گے اور اگر ذرا بھی سمجھدار ہیں تو میرا فائل ردی کی ٹوکری میں جا چکا ہوگا۔"

"ویری گڈ اس کا مقصد ہے کہ تمہیں حالات کا ادراک بھی ہوتا ہے۔"

"اصل بات یہ ہے سر کہ میرے بڑے بھائی فرازیہ میں ملازمت کرتے ہیں اور انٹرویو لینے والے چند افراد میں سے ایک شخص ایسا ضرور تھا جو میرے لئے دل میں نرم گوشہ رکھتا ہوگا۔ اسی کرم فرما نے میرے بھائی کی منت سماجت پر یہ وعدہ کیا تھا کہ میری درخواست کو کنسیڈر کرے گا، لیکن میں نے اس کے امکانات ختم کر دیئے اور مجھے علم بھی ہو گیا اپنے بڑے بھائی کی زبانی کہ میرے جوابات نہایت نامعقول قرار دیئے گئے ہیں...... میری یہی آرزو تھی سر۔"

"کیا مطلب!" سیٹھ جبار بیگ حیرت سے بولے۔

"سر میں فطری طور پر کلرک نہیں ہوں اور نہ ہی کلرکی کرنا چاہتا ہوں...... میرے والد بزرگوار صحافی تھے اور حق گوئی کے الزام میں موت کا شکار ہو گئے...... بنیادی طور پر مجھے ان سے اختلاف تھا، سر اگر جیسا دیس ویسا بھیس والی بات نہ اپنائی جائے تو کامیابی کا کوسوں نشان نہیں ملتا، معاف کیجئے گا ہو سکتا ہے آپ میرے خیالات سے متفق نہ ہوں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ دانشور وہی ہے جو ماحول کو سمجھ کر اپنے آپ کو ماحول کی زبان دے، میں انہیں دانشور نہیں سمجھتا جو بس اپنے اندر کے جوش سے کام لیتے ہیں اور ہوش کا دامن ہاتھ سے کھو دیتے ہیں۔"

سیٹھ جبار سنبھل کر بیٹھ گئے اور دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولے۔

"تمہارے خیالات بتاتے ہیں کہ ایک اعلیٰ مستقبل تمہارا منتظر ہے۔"

"سر میرے دل میں بھی یہی خواہش اور یہی آرزو ہے اچھے مستقبل کی طلب کسے نہیں ہوتی، لیکن میں جانتا ہوں اس کے لئے بھی انسان کو شدید محنت کرنا پڑتی ہے۔"

"واہ، دل خوش کر دیا تم نے گویا تمہارے لئے میں نے جو کچھ بھی سوچا وہ غلط نہیں تھا...... تم نے دیکھا تھوڑی ہی دیر میں ہم نے تمہارا پتا بھی چلا لیا اور تمہیں یہاں بلا بھی لیا...... یہ میری پرائیویٹ رہائش گاہ ہے...... میری کوٹھی کہیں اور ہے...... میں نے خصوصی طور پر وقت نکال کر تمہیں تلاش کرایا اور یہاں بلوالیا۔"

"میرے لائق کوئی خدمت جناب۔"

"بھئی تم سے مل کر ہی جی خوش ہو گیا تمہارے لئے خدمت ہی خدمت ہے، بے شک فرازیہ میں تمہاری حیثیت ایک کلرک سے زیادہ نہیں ہوتی اور انسان جب کلرک بن جاتا ہے تو ساری زندگی اور کچھ نہیں بن سکتا۔"

"سر یہ افکار یہ، خیالات، آپ نے مجھے اپنا مرید بنا لیا ہے۔"

سیٹھ جبار کا سینہ فرط مسرت سے پھولنے لگا بولے۔ "کوئی بات نہیں عزیزم تمہارا ساتھ رہے گا...... تو میں تمہیں یہ بتا رہا تھا کہ میں جوہر شناس ہوں اور میں نے تمہارے اندر چھپے ہوئے مستقبل کے ایک بہت بڑے آدمی کو پہلی ہی نگاہ میں دیکھ لیا تھا، سنو میاں اگر انسان موقع شناس ہو...... وقت سے اپنی قیمت وصول کر سکتا ہو تو پھر اسے ایسے شعبے اپنانے چاہئیں جو درحقیقت اسے کچھ دے سکیں...... بہت سے محکمے ہیں لیکن ان میں تھوڑی

سی کمزوریاں ہیں...... میں کسی خاص محکمے کا نام نہیں لوں گا، بہت سی ایسی جگہیں ہیں جہاں انسان دولت کما سکتا ہے، لیکن پھر بھی وہ کسی کے دباؤ میں آ جاتے ہیں میں تمہیں ایک ایسے محکمے میں داخل کرانا چاہتا ہوں جہاں تم اپنی پسند سے جی سکو گے اور اپنی مرضی کے مطابق کام کر سکو گے، میں تمہارا پشت پناہ ہوں...... کسی قسم کی فکر مت کرنا بولو جو کچھ میں کرنا چاہتا ہوں تمہارے لئے تم اس پر خلوص دل سے آمادہ ہو جاؤ گے۔"

"سر گردن خم کرنے کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں؟"

"تو پھر ٹھیک ہے تمہاری تعلیم تو بہت زیادہ ہے لیکن فکر نہ کرنا مستقبل تمہاری اس تعلیم کو بھی استعمال کرے گا۔ فی الحال میں تمہیں ایک صاحب کے پاس بھیج رہا ہوں۔ کل تم ان سے مل لینا میں ٹیلی فون پر ان سے بات کر لوں گا۔"

"بہت شکریہ جناب مجھے اتنا بتا دیا جائے کہ وہ کون سا محکمہ ہوگا۔"

"میں تمہیں محکمہ پولیس میں بھیجنا چاہتا ہوں۔"

شہاب بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھا...... سیٹھ جبار بیگ کے سامنے پہنچا...... دوزانو بیٹھا اور ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔

"سر زندگی بھر آپ کا تابعدار رہوں گا۔"

"اٹھو میاں انسان اپنی حیثیت خود بناتا ہے، تو پھر کل دس بجے تم ان صاحب کے پاس چلے جاؤ پولیس ہیڈ کوارٹر میں ہی ہیں...... میں تمہیں ان کے بارے میں تفصیلات بتائے دیتا ہوں۔" سیٹھ جبار بیگ نے مکمل تفصیلات شہاب ثاقب کو بتا دیں اور وہ نیاز مندی سے گردن جھکائے سنتا رہا۔

"بس اب تم جا سکتے ہو اور اپنے آپ کو کہیں تنہا محسوس نہ کرنا میرا ہاتھ تمہاری پشت پر ہے۔"

"سر میں بالکل مطمئن ہوں۔" شہاب نے کہا اور اس کے بعد سلام کر کے کمرے سے نکل آیا۔

فوکس ویگن ایک کچی آبادی میں داخل ہو گئی ٹوٹی ہوئی سڑک پر جگہ جگہ گڑھے پڑے ہوئے تھے...... ٹوٹے پھوٹے مکانات جن میں ٹوٹے پھوٹے انسان رہتے تھے، زندگی کی تمام مشکلات سے بہرہ ور اپنے مسائل میں اُلجھے ہوئے...... دن بھر کی مشقتوں کے بعد شام کو اگر پیٹ بھر روٹی مل جائے تو سکون کی نیند سوتے ہوتے، ورنہ اپنے مسائل سے افسردہ، آنے والے وقت کے لئے پریشان، اپنے اپنے گھونسلوں میں دبے، کھوں کھوں کرتے، گہری اور ٹھنڈی سانسیں لیتے ہوئے پوری بستی ایک ہی مزاج کی حامل تھی۔ چھوٹی موٹی دکانیں جو کھوں کھوں میں کھلی ہوئی تھیں، اب بھی روشن نظر آرہی تھیں...... جگہ جگہ گندگی کے ڈھیر۔ فوکس ویگن ان تمام جگہوں سے گزرتی ہوئی ایک بڑے سے احاطے میں داخل ہو گئی۔

وسیع و عریض جگہ تھی اور اس وسیع و عریض احاطے میں لکڑیوں کے انبار ٹوٹی پھوٹی اشیاء کے ڈھیر، لوہے کی مشینوں کے زنگ آلود پرزے، گاڑیوں کے ٹائر، ایک عظیم الشان کباڑ خانہ معلوم ہوتا تھا۔ سامنے تھوڑی سی عمارت بنی ہوئی تھی۔ غالباً کسی بڑے کباڑی کا مکان معلوم ہوتا تھا جہاں ضرورت مندوں کو ان کے مطلب کی چیزیں مل جاتی تھیں...... ہر طرح کے پرزے، تیل کے ڈبے، ان سب کے درمیان فوکس ویگن جا کر رک گئی اور نقاب پوش کو نیچے اتار لیا گیا۔ اس کا ری پیٹر پہلے ہی اس کے ہاتھ سے لے لیا گیا تھا اور ری پیٹر کو اپنے ہاتھ میں لے کر وہ لوگ مسکرائے تھے، کیونکہ وہ کھلونا تھا، لیکن بڑا نفیس کھلونا اور جب وہ ان کے ہاتھ میں پہنچا تھا تو شاید نقاب پوش کو بھی شرمندگی ہوئی تھی کہ پول کھل گئی، بہر حال اسے اتار کر اندر لے جایا گیا...... اندر کا ماحول البتہ صاف ستھرا تھا...... دری بچھی ہوئی تھی...... گاؤ تکئے لگے ہوئے تھے...... ایک طرف دو تین چارپائیاں پڑی ہوئی تھیں جن

پر بستر اور تکئے لگے ہوئے تھے...... اندر پہنچنے کے بعد روشنی کی گئی اور نقاب پوش کی ہتھکڑی کھول کر اس سے کہا گیا۔

"اب تم یہ کپڑا اتار لو اپنے چہرے سے...... اس کی ضرورت نہیں ہے۔" نقاب پوش تھوڑا سا کسمسایا تو انہی میں سے ایک نے کہا۔

"جانِ من ہم تمہیں فراست علی کے نام سے بھی مخاطب کر سکتے ہیں...... جب نام پتا ہی معلوم ہے تو پھر آگے کی باتوں کی پروا کیوں کرتے ہو؟"

نقاب پوش کے انداز میں ایک لمحے کے لئے حیرت بیدار ہوئی اور پھر اس نے اپنے چہرے سے نقاب اتار دیا...... عمر چالیس سال کے قریب ہوگی...... خدوخال سے اچھا خاصا پُروقار آدمی معلوم ہوتا تھا...... صحت بھی قابلِ رشک تھی...... اعضاء میں پھرتی نمایاں تھی، آنکھوں میں ذکاوت، اس نے سنجیدگی سے ان لوگوں کو دیکھا لیکن منہ سے کچھ نہ بولا۔

"چائے پیو گے؟" سوال کیا گیا۔

"پلا دو۔" نقاب پوش بھاری لہجے میں بولا اور ان میں سے ایک اٹھ کر بائیں سمت کے دروازے کی جانب چلا گیا، نقاب پوش پُرسکون بیٹھا ہوا تھا۔ دوسرے شخص نے کہا۔

"تمہیں یقیناً حیرت ہوگی کہ ہم لوگ کون ہیں اور تمہیں اس طرح کیوں لائے ہیں...... ہم میں سے ہر ایک اس کی تشریح کر سکتا ہے لیکن جب تک چائے آئے بہتر ہے...... تم ہمارے سربراہ سے گفتگو کر لو۔"

"سربراہ!"

"ہاں...... اسے تم شہنشاہ کہہ کر مخاطب کر سکتے ہو؟"

"تم میں سے کون سربراہ ہے؟"

"ہم میں سے کوئی نہیں ہے...... ابھی تمہاری اس سے بات کراتے ہیں۔"

تھوڑی دیر کے بعد وہ بیڑیاں جن میں ٹرانسمیشن مشین بنائی گئی تھی...... فوکس ویگن سے اتار کر اندر پہنچا دی گئی ان کے تار جوڑے گئے...... پلگ لگائے گئے اور پھر ایک بٹن آن کر دیا گیا...... نقاب پوش حیرانی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا...... یہ ماحول ہی اسے بے حد عجیب محسوس ہوا تھا، اس کا ذہن اُلجھن کا شکار تھا، پھر اسے اس کے نام سے مخاطب کر کے تو ان لوگوں نے بالکل ہی چوپٹ کر دیا تھا، چند لمحات کے بعد مشین میں سبز بلب روشن ہو گیا اور

پھر ایک بھرائی ہوئی سی آواز اُبھری۔

"ہیلو۔"

"ہیلو شہنشاہ؟" سی پی کنٹرول۔

"ہاں کہو۔" دوسری جانب سے آواز اُبھری۔

"معزز مہمان آگیا ہے؟"

"میری بات کراؤ۔" دوسری جانب سے کہا گیا اور نقاب پوش جسے فراست علی کے نام سے مخاطب کیا گیا تھا ٹرانسمیشن مشین کے پاس پہنچا دیا گیا...... دوسری طرف سے آواز آئی۔

"مسٹر فراست علی، کیسے مزاج ہیں آپ کے؟"

"ٹھیک ہوں۔"

"مجھے اطلاع ملی تھی کہ آج آپ کوئی مہم سر کرنے جا رہے ہیں؟" جواب میں فراست علی خاموش ہی رہا تھا شہنشاہ نے کہا۔

"مسٹر فراست آپ یہاں آکر خوش نہیں ہوئے ہوں گے کیونکہ جس انداز میں آپ کو یہاں لایا گیا ہے اس میں خوشی کی کوئی بات نہیں ہے...... میں آپ سے آپ کے بارے میں کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں سن رہا ہوں۔" فراست علی نے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔

"آپ کے بارے میں آپ کو کچھ بتانا چاہتا ہوں آپ کا ماضی جو کچھ بھی ہے اس کی تفصیل مجھے معلوم ہے ایک اچھے خاندان کے چشم و چراغ ہیں، ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جس کی زندگی میں بدنامی کا کوئی داغ نہیں تھا اور جن لوگوں کی زندگی میں بدنامی کا کوئی داغ نہیں ہوتا، وہ مشکل ہی سے خوشحالی کی زندگی گزارتے ہیں...... آپ کے اہل خاندان شدید جدوجہد کے باوجود پسماندہ رہے اور یہی حالت آپ کے اپنے گھرانے کی بھی رہی...... ملازمت کی تلاش میں آپ نے بہت کوششیں کیں مگر آپ کی تعلیمی حیثیت آپ کے زیادہ کام نہیں آئی، لیکن پھر تقدیر نے آپ کو کچھ سہارا دیا...... آپ ایک کرم فرما کے ذریعے ہیڈ کانسٹیبل کی ملازمت تلاش کرنے میں کامیاب ہوگئے...... اس کے بعد آپ کو سب انسپکٹر کے عہدے پر ترقی دے دی گئی اور اپنی انتھک کاوشوں کی بنائی پر آپ انسپکٹر کے عہدے پر فائز ہوگئے اور یہ بہت کم وقت میں ہوا تھا...... بہت سی نگاہیں آپ کی جانب نگراں

رہیں اور آپ کے ہر انداز پر نظر رکھی گئی، لیکن آپ اپنی فطرت کی بنائی پر مار کھا گئے...... آپ نے اپنے فرائض کی بجا آوری کے لئے ہر وہ قدم اٹھایا جو قانون کے تحت تھا...... آپ نے رشوت قبول نہیں کی اور آپ کے اطراف بکھرے ہوئے لوگ آپ سے خوفزدہ ہوگئے، کیونکہ جن کے ساتھ زندگی کے اصول ہوتے ہیں انہیں ہمیشہ خطرناک تصور کیا جاتا ہے، چنانچہ آپ کے خلاف سازشیں شروع ہوگئیں اور آخر کار ایک طویل کامیابی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے...... آپ پر ایک جھوٹا الزام لگا کر آپ کی ملازمت ختم کرائی گئی اور آپ کو ڈیڑھ سال کی سزا بھی بھگتنا پڑی...... جو بے گناہی کی سزا تھی اور اس سزا کے دوران آپ پر جو مصائب ٹوٹے انہوں نے آپ کو ماحول سے کافی بددل کر دیا...... ادھر آپ کا بے کس خاندان، بے کسی کا شکار ہوتا چلا گیا...... آپ کے بچے سکولوں سے محروم ہوگئے اور آپ کی بیوی کو اپنے میکے میں پناہ لینا پڑی، جہاں کے حالات خود بھی بہتر نہیں تھے اور اس کے بعد مسٹر فراست علی آپ کی قید کے لمحات ختم ہوئے...... تب بھی آپ کے دشمنوں نے آپ کا پیچھا نہیں چھوڑا...... آپ کو ہر جگہ ملازمت کے حصول میں ناکامی ہوئی اور آپ کے بیوی بچے فاقہ کشی پر مجبور ہوگئے...... اس وقت بھی آپ ایک معمولی سے گھر میں اپنی بیوی اور چار بچوں کے ساتھ فروکش ہیں اور بہت کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں اور یہ پہلا موقع ہے یقیناً یہ پہلا موقع ہے کہ آپ نے اپنا انداز فکر بدلا ہے اور یہ آپ کا پہلا کامیاب ڈاکہ ہے جو آپ نے ڈالا ہے...... سمجھ لیں کہ ہمیں یہاں تک آپ کی زندگی کے بارے میں معلومات حاصل ہیں...... کیا میں غلط کہہ رہا ہوں مسٹر فراست علی؟"

"تم کون ہو اور میرے بارے میں اتنا کچھ کیسے جانتے ہو؟"

"میرا تعارف آپ سے بعد میں ہوگا لیکن پہلے آپ یہ بتائیے کہ آپ کے معاملے میں۔ میں کہاں تک غلط ہوں؟"

"نہیں، تم نے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے۔"

"اب آپ سے چند سوالات کرنے کا خواہش مند ہوں۔"

"پوچھو۔" فراست نے کہا۔

"مسٹر فراست قانون افراد اور ملک کے لئے بنائے جاتے ہیں اور ملک و وطن ہمیشہ قابل احترام ہوتا ہے۔ مٹی ہماری تخلیق کرتی ہے۔ زمین پر ہم گھر بناتے ہیں ملک ہماری

شناخت کے مرکز ہوتے ہیں۔ کیا وقار وطن ان تمام چیزوں پر افضلیت نہیں رکھتا۔ قانون شکنوں سے نفرت کریں...... قانون سے نفرت کیوں کرتے ہیں اور پھر آپ جو قانون کو بہت قریب سے دیکھتے ہیں قریب سے جانتے ہیں، اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ آپ نے قانون کی خدمت کرتے ہوئے گزارا ہے...... آج آپ اپنے بنائے ہوئے اسی خوش نما گھر کو ڈھانے پر کیوں آمادہ ہوگئے، یہ قانون شکنی ہے...... آپ نے ایک ایسے گھر میں ڈاکہ ڈالا ہے، جو براہ راست آپ کا دشمن نہیں تھا...... بے شک وہ متمول لوگ تھے، جو کچھ آپ وہاں سے لے آئے ہیں اسے برداشت کر جائیں گے، اس کے باوجود آپ کی یہ کاوش قانون کے منہ پر تھپڑ ہے...... آپ نے اپنے رہنما اپنے دوست اپنے ساتھی کے منہ پر تھپڑ مارا ہے۔ کیا آپ کا ضمیر اس بات سے مطمئن ہے؟“

”ضمیر...... میرے بارے میں اتنا کچھ جاننے کے باوجود تم ضمیر کی بات کرتے ہو۔ یہ ضمیر ہی تو تھا جس نے مجھے ڈیڑھ سال تک جیل کی چکی پسوائی ہے۔ یہ ضمیر ہی تو تھا جس نے مجھے ہمیشہ ذلیل و خوار کیا ہے۔ مجھے اس نام سے نفرت ہو گئی ہے۔“

”نہیں یہ آپ کے وجود کا ایک حصہ ہے، اس سے نفرت کر کے آپ کو کچھ حاصل نہ ہوگا...... اپنے آپ سے نفرت بے معنی ہوتی ہے۔ اس کی پھر ایک ہی صورت ہوتی ہے کہ انسان اپنی زندگی کا خاتمہ کر لے۔“

”یہ زندگی کا خاتمہ ہی تو ہے کہ میں نے اپنے تمام خیالات اور بلندیاں قبر کی گہرائیوں میں اتارنے کے بعد یہ قدم اٹھایا ہے۔“

”نہیں آپ اپنے بدن کی ضرورت پوری کریں گے، بھوک لگے گی تو کھانا کھائیں گے، پیاس لگے گی تو پانی پئیں گے، نیند آئے گی تو سو جائیں گے...... گویا آپ اپنے تمام تصورات کے باوجود جئیں گے اور اپنے کچھ بت تراش لیں گے، آپ سوچیں گے کہ آپ اپنے بچوں کے لئے جی رہے ہیں...... بیوی اور دوسرے ایسے لوگوں کے لئے جی رہے ہیں جن کے لئے آپ کا جینا ضروری ہے، لیکن یہ آپ کی اپنی سوچ ہوگی...... آپ ان سب کے لئے تو جئیں گے اس قانون کے لئے نہیں جئیں گے جو وطن کی امانت ہے، وطن عزیز آپ کو کہیں مایوس اور محروم نہیں رکھتا...... زمین پر کھلے ہوئے خوشنما پھول آپ کے ذوق نگاہ کی زینت بھی بنتے ہیں...... دریاؤں سے بہنے والا پانی آپ کی تمام ضروریات پوری کرتا ہے،

فضاؤں میں چلنے والی ہوائیں آپ پر اپنے آپ کو نچھاور کرتی ہیں...... وہاں حصے نہیں ہوتے، وہاں تفریق نہیں ہوتی جب وطن آپ کو یہ سب کچھ دینے میں بخل سے کام نہیں لیتا تو وطن کی حق تلفی کیوں کرتے ہیں۔“

”تم کہنا کیا چاہتے ہو؟“

”جو راستہ آپ نے اختیار کیا ہے وہ عقل کا راستہ نہیں ہے۔ قانون سے نفرت نہ کریں بلکہ قانون شکنوں سے نفرت کریں۔“

”نہیں قانون ہی کی حفاظت حاصل ہے۔“

”قانون کی نہیں، بلکہ ان قانون شکنوں کی جو قانون کو قانون کے طور پر استعمال نہیں کرتے بلکہ قانون کو توڑ کر بڑے لوگوں کی حمایت کرتے ہیں۔ آپ قانون کا تحفظ کیجئے۔ قانون شکنوں کا تحفظ کیوں کرتے ہیں۔“

”میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا...... میں اپنے بچوں کی بے کسی میں نہیں دیکھ سکتا...... میں ان کے مرجھائے ہوئے چہرے ان کی فاقہ کشی نہیں دیکھ سکتا اور میں نے اسی لئے آج یہ قدم اٹھایا ہے۔“

”ٹھیک ہے ہم آپ کے اس قدم کی مذمت نہیں کرتے جو آپ نے کیا وہ کیا، لیکن یہ حل نہیں ہے...... آپ بے شک یہ حاصل کر کے ایک گوشے میں بیٹھ جائیں گے لیکن اس کے بعد آپ کو جن مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا وہ بھی تو آپ ذہن میں رکھئے۔“

”کیا تم مجھے مشورہ دے سکتے ہو، جبکہ تم میرے بارے میں اس قدر جاننے کے دعویدار ہو؟“

”ہاں کیوں نہیں...... ظاہر ہے ہم آپ کو اسی لئے یہاں لائے ہیں...... آپ پر نگاہ رکھی گئی تھی۔ ہم نے آپ کو اپنی ضرورت سمجھا تھا اور اس لئے ہم نے آپ کو یہاں زحمت دی ہے۔“

”اگر وضاحت کر دو تو آسانی ہو گی۔“

”ہم نے ایک چھوٹا سا گروپ بنایا ہے بہت ہی نادار اور مفلس لوگوں پر مشتمل ہے، یہ گروپ لیکن اس میں جو لوگ شامل ہیں آپ تصور نہیں کر سکتے کہ وہ کس قدر ذہین اور تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔ ان میں انتہائی درجے کے الیکٹرک انجینئر ہیں...... ہمارے اس شعبے میں

بڑے بڑے حساب داں اور ٹیلینشن ہیں...... ہم لوگ اپنے آپ کو قانون کا اصلی محافظ ہیں، لیکن ہم نے اپنا انداز ذرا شگفتہ رکھا ہے...... ایک طویل منصوبہ ہے ہمارے ذہن میں قانون شکنوں کے لئے جو قانون کی آڑ لے کر قانون شکنی کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اس کامیاب انسان کہتے ہیں...... ہمیں ان کی انہی کامیابیوں کو ناکام بنا کر ان کے ذہنوں میں قا کے تحفظ کا احساس بٹھانا ہے کیونکہ قانون ہمارے ملک کی امانت ہے اور ہم وطن کی امانت خیانت کو ناپسند کرنے والوں میں سے ہیں...... کیا آپ ہمارا ساتھ دیں گے؟ کیا آپ ایک پھر اس فراست علی کو زندہ کرلیں گے آپ...... جو اپنی چھوٹی سی مدت ملازمت میں بہت کارہائے سرانجام دے چکا ہے۔“

”وہ ان کی سزا بھی پا چکا ہے۔“ فراست علی نے کہا۔

”یہ سزا نہیں بلکہ سونے کو بھٹی میں ڈال کر کندن بنایا گیا ہے ہم اس کندن کے طلـ گار ہیں۔“

”جذباتی باتیں کر کے میرے ذہن کو خراب کرنے کی کوشش مت کرو...... میں ان جذبات کو بہت عرصے پہلے اپنے سینے میں موجزن دیکھا تھا۔“

”سینے میں موجزن جذبات آج بھی وہی ہیں...... آپ ان کا انداز بدلنے کی کوشـ کر رہے ہیں۔ پلیز یہ انداز نہ بدلئے بس اس وقت آپ کو یہ راستہ نہیں ملا تھا، لیکن آج راستہ آپ کے سامنے ہے۔“

”اور اس سے مجھے کیا حاصل ہوگا؟“

”سکون...... وہ چیز جو ضمیر کہلاتی ہے اور جسے بڑی مشکل سے آپ قتل کرنے پر آ ہوئے ہیں، اگر آپ صاحب ضمیر نہ ہوتے تو ابتدا ہی سے اپنے ماحول کو بہتر بنانے کے کوشاں ہو جاتے اور یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔“

”کیا آج یہ مشکل کام نہیں ہے؟“

”نہیں...... اس کے لئے میں صرف اتنا ہی کہوں گا کہ دوستوں کی اس محفل میں آ کو جو مقام حاصل ہوگا وہ بالکل الگ ہوگا...... میں یہ نہیں کہتا کہ آپ اپنے بیوی اور بچوں تکلیف دیں، لیکن ایک ایسا ذریعہ نکالیں اگر آج آپ یہ سب کچھ حاصل کر کے اس گو میں چلے جاتے ہیں جہاں آپ کے بیوی بچے موجود ہوتے ہیں اور کل آپ کے بچوں

چہرے پر خوشحالی پیدا ہو جاتی ہے تو آپ کیا سمجھتے ہیں، کیا آپ کے اِردگرد بکھرے ہوئے وہ لوگ جو آپ کو ہمیشہ پسماندہ دیکھنا چاہتے ہیں چونک نہ پڑیں گے...... آپ کے بارے میں خفیہ طریقے سے تحقیقات نہیں شروع ہو جائے گی۔ آپ کا نام فراست علی ہے آپ کو فراست سے کام لینا چاہئے، یہ اس طرح مناسب نہیں ہوگا ہم آپ کو وہ طریقہ کار بتائیں گے، جن کے تحت آپ ان چالاک انسانوں کی نگاہوں سے اپنے آپ کو محفوظ بھی رکھ سکیں، جو آپ کی برائیاں چاہتے ہیں اور آپ کی بدحالی کے خواہشمند ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ہی آپ اپنے بچوں کے لئے خوشحالی کے راستے بھی دریافت کرلیں۔“

فراست علی پہلی بار چونک کر سوچ میں مبتلا ہو گیا تھا۔

”تمہیں شہنشاہ کے نام سے مخاطب کیا گیا ہے؟“

”ہاں...... یہ ایک تصوراتی نام ہے جو میں نے اختیار کیا ہے آپ اس کی وضاحت نہ چاہیں کیونکہ بعد میں آپ کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا اس بارے میں؟“

”شہنشاہ میں تمہاری اس بات سے خاص طور سے متاثر ہوا ہوں...... یہ پہلا مرحلہ ہے جس پر میں نے نہیں سوچا تھا۔“

”آپ سوچئے، غور کیجئے...... ہم پر اگر مناسب سمجھیں تو اعتماد کرلیجئے۔“

”اعتماد؟“

”ہاں...... جو کچھ آپ اس کوٹھی سے لے کر آئے ہیں...... اسے لے کر براہ راست اپنے گھر نہ پہنچ جائیے بلکہ اس میں سے اتنا معمولی سا حصہ لیجئے کہ آپ کا کام چل جائے...... میں بہت زیادہ انتہا پسند نہیں ہوں اس لئے یہ نہیں کہوں گا کہ جائیے اور فرشتوں کی طرح یہ سارا مال و اسباب ان لوگوں کو واپس کر آئیے جہاں سے لائے ہیں لیکن اسے اپنی گردن میں بھی آپ پھندہ نہ بنائیے...... ہمارے افکار و خیالات سے آپ کو وقتاً فوقتاً آگاہی حاصل ہوتی رہے گی۔ آپ کا مزاج آپ کی فطرت، آپ کی شخصیت اور آپ کے اطراف کے پس منظر سے ہم جتنے واقف ہیں اس کا اندازہ آپ کو ہو چکا ہے۔ ہم آپ کو اپنے اس گروپ کا رکن بنانا چاہتے ہیں اور آپ پر اسی لئے محنت کی گئی ہے چنانچہ ہم آپ پر مکمل اعتماد کرتے ہیں اب جب آپ یہاں سے جائیں گے تو اس جگہ کے بارے میں آپ کو پوری تفصیلات بتادی جائیں گی اور اس کے بعد آپ ہم سے رابطہ رکھیں گے...... دوبارہ یہ کوشش بالکل نہیں

کریں گے جو آپ نے کی ہے اور ایک طریقہ کار کے تحت ہمارے ساتھ کام کریں گے۔"

"ہاں...... ہم اعتماد کرنے والوں میں سے ہیں...... ان لوگوں سے بالکل مختلف جن اب تک آپ کا واسطہ پڑتا رہا ہے۔"

"تو پھر دوستو ایک بات سن لو...... میں شاید زندگی میں اس بات کا قائل رہا ہوں ک کسی بات پر دل ٹھکے تو پھر اس کے لئے سوچنے میں دیر نہ کرو، اگر یہ سب کچھ ہے تو ابتدائی باتیں جاننے کے بعد تمہارا ہمنوا ہوں جہاں تک اس مال و اسباب کا تعلق ہے میری محنت کی کمائی نہیں ہے اس لئے مجھے اس کی پروا بھی نہیں ہے...... اس میں سے کچھ چاہتے ہو مجھے تو دے دو۔ نہیں تو وہ بھی نہیں، لیکن میں تمہارے ساتھ ایک مخلصانہ جد کرنے کو تیار ہوں، کیونکہ تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ مسئلہ قانون شکنوں کا ہے قانون کا نہیں اور قانون بہر طور وطن کی امانت ہے۔"

فراست علی کے جذبات پر سب نے مسرت سے گردن ہلائی تھی۔ شہنشاہ نے کہا۔

"مجھے خوشی ہے کہ ہمارے درمیان ایک کار آمد دوست کا اضافہ ہوا ہے۔ اب تم مسٹر فراست علی کو ان کا نمبر دے دو اور اس کے بعد انہیں عزت و احترام سے ان کے پہنچا دو...... ہماری دوسری نشست ذرا تفصیلی ہوگی۔" شہنشاہ نے خدا حافظ کہا اور اس کے ٹرانسمیٹر سے آواز آنا بند ہوگئی۔

❁

فائق حسین غالباً آج چھٹی پر تھے۔ واثق البتہ اپنی نوکری پر چلا گیا تھا...... فائق کا منہ صبح ہی سے بگڑا ہوا تھا...... ثریا بیگم کو کچھ باتوں پر سخت وست کہہ ڈالا تھا لیکن ثریا بڑی سمجھدار تھی، گھر کے مسائل اور مصائب اس کے علم میں تھے، اسی لئے وہ ہمیشہ تعاون کرتی تھی شوہر کی باتوں پر کوئی خاص رد عمل ظاہر نہ کیا اور ہنس بول کر اس کی جھڑکیاں بھی سن لیں...... فائق حسین پر آج بڑی عجیب سی کیفیت طاری تھی...... نعیمہ بیگم سامنے آئیں تو بولے۔

"وہ حضرت ابھی تک اپنے حجرے سے برآمد نہیں ہوئے...... میرا خیال ہے اماں جی اب اس گھر میں پیری مریدی کا سلسلہ شروع ہونے والا ہے، اگر یہ بات ہے تو آپ میری پیش گوئی لکھ لیں...... ہم سب کا مستقبل اچھا ہو جائے گا، کیونکہ یہ کاروبار بھی آج کل اچھا چل رہا ہے، لوگوں کی نا آسودہ تمناؤں کو ہوا دے کر ان کی جیبوں سے کچھ نکلوا لینا آج کل سب سے آسان کام ہو گیا ہے۔"

"اے بیٹا خدا نہ کرے یہ کوئی اچھی بات ہے...... یہ تو دھوکا دہی ہے۔"

"ارے چھوڑیئے اماں جی...... کیا دھوکا دہی اور کیا سچائی ساری تمیز مٹ کر رہ گئی ہے۔ یہ دور تو بس ایسا ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے اپنا کام چلاؤ اور سچی بات یہ ہے کہ ایسے ہی لوگ سرخرو نظر آتے ہیں، مگر صاحبزادے کچھ شروع تو کریں گیسو دراز کرلیں...... گیروا لباس پہن لیں۔ میں کہتا ہوں کہیں سے تو آغاز ہو...... اب آپ دیکھئے کس طرح پر مصائب زندگی گزر رہی ہے...... مہنگائی اپنی انتہا کو پہنچ رہی ہے، اماں زندگی گزارنا اتنا مشکل ہو گیا ہے اور ہم ہیں کہ ابھی تک اپنی عیش گاہوں میں چین کی بنسی بجا رہے ہیں، یہ وقت تو ایسا ہے اماں

کہ ہر شخص محنت کرے۔"

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے...... مہنگائی واقعی بہت بڑھ گئی ہے، دو وقت کی روٹی مشکل ہو گئی ہے۔"

"سمجھائیے انہیں...... اس لفنگے کے پاس جا بیٹھتے ہیں جس نے محلے میں خواہ مخواہ منڈی لگا رکھی ہے، پیر بنا بیٹھا ہے پورے محلے کا اور اوباش مزاجوں کا مجمع لگائے رکھتا ہے۔"

"قبلہ بھائی جان کچھ فرما رہے تھے اماں؟"

"بس بس، چھوڑو ان باتوں کو، ان میں کیا رکھا ہوا ہے۔"

"آخر آپ ناراض کیوں ہیں بھائی جان۔"

"میاں میری ناراضی کی وجہ پوچھتے ہو...... نہ جانے کتنے کتنے جتن کر کے خوشامدیں کی تھیں حقانی صاحب کی۔ وہ جو اس وقت انٹرویو میں موجود تھے...... اب تمہاری جگہ کسی شخص کو تقرری لیٹر جاری کر دیا مجھے دکھ نہ ہوگا۔"

"نوکری کا معاملہ ہے نہ تو آپ اطمینان رکھیں وہ ایک آدھ دن میں مل جائے گی۔"

"ہنہ۔" فائق حسین نے منہ ٹیڑھا بنا کر کہا۔

بھائی تو کچھ کہنے پر ہی آمادہ نہیں تھا بلکہ نہایت آرام سے ان کی ہر بات کو برداشت کر رہا تھا...... اب اس کے بعد کیا کہتے کیا سنتے...... آج حلیہ عام دنوں سے مختلف تھا...... لباس بھی سلیقے کا پہنا ہوا تھا، چہرہ مہرہ بھی صاف ستھرا بنایا ہوا تھا...... غالباً اس کی زیرک نگاہی نے اسے یہ احساس دلا دیا تھا کہ آج کچھ کام بن جائے گا اور شاید جس ملازمت کی نشاندہی کی گئی تھی وہ اس کی توقع اور خواہش کے مطابق تھی...... اس لئے اس کی توجہ بھی اس میں شامل تھی...... بہر حال وہ مطلوبہ پتے پر پہنچ گیا...... پولیس ہیڈ آفس کے ماحول پر نگاہ ڈالی اور مختلف مراحل سے گزرتا ہوا اس کمرے کے سامنے پہنچ گیا جہاں پہنچنے کی اسے ہدایت کی گئی تھی...... ایک چٹ پر لکھ کر اردلی کے ذریعے اپنا نام اندر بھجوایا اور اسے فوراً طلب کر لیا گیا...... اعلیٰ پولیس افسر چند لوگوں سے بیٹھا باتیں کر رہا تھا...... شہاب ایک گوشے میں جا کھڑا ہوا...... افسر نے اسے وہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور شہاب مودب انداز میں بیٹھ گیا...... اعلیٰ پولیس افسر معذرت کرتے ہوئے کہا۔ "مسٹر شہاب ایک دو منٹ کے بعد میں آپ سے بات کروں گا۔"

اس پذیرائی سے اندازہ ہوتا تھا کہ سیٹھ جبار بیگ کا پیغام پہنچ گیا ہے، چنانچہ وہ مودب

بیٹھا رہا...... اعلیٰ پولیس افسر ان لوگوں سے گفتگو کرنے کے بعد فارغ ہو گیا اور وہ لوگ اٹھ کر چلے گئے تو اس نے مسکرا کر شہاب کو دیکھا اور کہا۔

"ادھر تشریف لے آئیے مسٹر شہاب ثاقب۔" شہاب سلام کر کے سامنے بیٹھ گیا تو اعلیٰ پولیس افسر نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے جسمانی طور پر تو آپ اس ملازمت کے لئے بالکل موضوع ہیں جس کی ہدایت بیگ صاحب نے مجھے کی ہے کوئی بیماری وغیرہ۔"

"سر ایک ہی بیماری ہے۔"

"کیا؟" اعلیٰ افسر نے چونک کر پوچھا۔

"بیروزگاری کے مرض میں مبتلا ہوں۔"

جواب میں پولیس افسر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی...... اس نے کہا۔ "تو چلئے آج ہم نے آپ کے اس مرض کا علاج کر دیا...... آپ کی تعلیمی اسناد وغیرہ کہاں ہیں؟"

"سب ساتھ لایا ہوں۔"

"لائیے۔" اور شہاب نے اپنے ساتھ لائی ہوئی فائل اعلیٰ پولیس افسر کے سامنے رکھ دی...... پولیس آفیسر نے وہ اسناد دیکھیں اور تعریفی انداز میں بولا۔

"ویری گڈ آپ کی تعلیم تو بہت دور تک آپ کی رہنما ہے...... میرا مطلب ہے کہ اگر آپ نے اس تعلیم کے ساتھ ذہنی اور جسمانی طور پر بھی اپنی نوکری کے ساتھ انصاف کیا تو آپ کو ترقی کے اعلیٰ ترین مواقع مل سکتے ہیں۔"

"سر اسی بات کا خواہش مند ہوں۔"

"کچھ اور چیزیں بھی آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں...... بعض اوقات ہمیں کچھ ایسے ناخوشگوار فرائض بھی سرانجام دینا ہوتے ہیں جنہیں ہم اندرونی طور پر قبول نہیں کر پاتے، لیکن وہ وقت کی ضرورت ہوتے ہیں اور سچی بات یہ ہے کہ اپنی ترقی میں معاون بھی ایسے لمحے کو اگر آپ نے سر سے گزار دیا تو کامیابی آپ کے ہمراہ ہے ورنہ دوسری صورت میں میں نے لوگوں کو مشکلات میں گرفتار ہی دیکھا ہے۔"

"سر وقت کی ضرورت کو پورا کرنا ہی تو وقت کی ضرورت ہے ورنہ انسان خود اپنے لئے اتنے مسائل کھڑے کر لیتا ہے کہ انہیں ٹالنا اس کے بس کی بات بھی نہیں ہوتی۔"

"بہت اچھے، اگر آپ نے یہ نظریہ مدنگاہ رکھا تو میں آپ کے لئے ترقی کی پیش
بھی ابھی سے کئے دیتا ہوں...... پہلی بات تو یہ کہ آپ کو بہت بڑے آدمی کا تعاون حا
ہے...... سیٹھ صاحب کیا نہیں کر سکتے...... ان کے وسائل تو انتہائی اعلیٰ حکام تک
بہر حال میں آپ کو تفصیل بتائے دیتا ہوں...... ہم کچھ پولیس افسران کو ایڈہاک کی بنیاد پر
رہے ہیں اور اس کے لئے ہمیں آئی جی صاحب کی طرف سے اور ہوم ڈیپارٹمنٹ کی طر
سے اجازت نامہ بھی مل چکا ہے۔ آپ اس سلسلے میں پہلے آدمی ہیں جو براہ راست انسپکٹر
حیثیت سے اپائنٹ کئے جارہے ہیں...... آپ کا تمام کام مکمل کر دیا جائے گا۔ درخواست
نہیں لکھی ہے تو یہیں بیٹھ کر لکھ ڈالئے...... ٹائپسٹ، ٹائپ کر کے لا دے گا۔ آپ کا
ہو گیا...... آپ کو کچھ وقت ٹریننگ کرنا پڑے گی اور اس کے بعد کسی مناسب جگہ
تعینات کر دیا جائے گا، میں آپ کو ملازمت مل جانے کی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔"

"سر اس قدر خوش ہوں کہ اپنے جذبات کو الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔"

"نہیں شہاب صاحب میں اپنے درمیان ایک اچھے ساتھی کو خوش دلی سے قبول
ہوں۔ بہر حال میں خوش ہوں آپ کو خاصے عرصے مجھ سے ہی رابطہ رکھنا پڑے گا۔"

"سر میں تو یہی چاہتا ہوں کہ کوئی استاد میری رہنمائی کرے آپ کو میں ہمیشہ اپنا
مانوں گا اور اس کے لئے مجھے بہت خوشی ہو گی۔"

"میرا نام متین احمد ہے آپ نے باہر میرے نام کی تختی دیکھ لی ہو گی۔"

"سر مجھے بیگ صاحب نے ہی آپ کا نام بتا دیا تھا اور کہا تھا کہ میں آپ سے مل لوں"

"میں آپ کو ایسے کچھ گر بتاؤں گا جن سے آپ اپنے لئے رہنمائی حاصل کر سکیں گے"

"یس سر۔"

"تو پھر یہ کاغذ لیں اور اپنی درخواست لکھ ڈالئے...... بیگ صاحب کا کہا ایسا نہیں
اس پر کسی تساہل سے کام لیا جائے، وہ خود بھی دین اینڈ ویئر آدمی ہیں چنانچہ ان کے کام
دین اینڈ ویئر ہی ہوا کرتے ہیں۔" متین صاحب بولے اور اس کے بعد کاغذ اور قلم شہاب
حوالے کر دیا۔

درخواست ٹائپ ہوئی، شہاب کو چائے پلائی گئی اور جب وہ پولیس ہیڈ آفس سے وا
پلٹا تو تقرری لیٹر اس کے ہاتھ میں تھا کہ بڑے آدمیوں کے کام بھی بڑے ہی ہوتے

منٹوں میں ملازمت مل گئی تھی اور وہ بھی ایسی کہ لوگ اس کی حسرت ہی کریں۔

فراست علی بڑے عجیب سے جذبات لے کر اس عجیب و غریب مکان سے واپس لوٹا
تھا، جو کچھ اس کے بارے میں شہنشاہ نے بتایا تھا...... اس کا ایک ایک لفظ حقیقت پر مبنی تھا......
ایک طرف جہاں اس عجیب و غریب واقعے پر اسے حیرت تھی تو اس بات پر اس سے زیادہ
شدید حیرت تھی کہ اس کے اور اس کے اہل خاندان کے علاوہ بھی کوئی شخص یا کچھ افراد اس
کے بارے میں اس قدر مکمل معلومات رکھتے ہیں، حالانکہ وہ اپنے آپ کو اس قدر بے حقیقت
انسان سمجھتا تھا کہ اس کے بعد اپنائیت کا کوئی تصور بھی ذہن میں نہ جاگ سکے...... دنیا نے
اسے اس طرح نظر انداز کر دیا تھا کہ بعض اوقات غور کرنے پر اسے خود بھی حیرت ہوتی تھی
ہاں جن لوگوں نے اسے یاد رکھا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو اس کے براہ راست دشمن تھے اور
انہوں نے اس کی رہائی کے بعد بھی پوری طرح دشمنی نبھائی تھی اور اس کے راستوں میں ہر
طرح سے رکاوٹیں ڈالی تھیں...... ضمیر کے ہاتھوں جس قدر پست ہوا تھا...... اب اس کے
بعد سب سے پہلے ضمیر سے ہی جنگ کی تھی، لیکن ضمیر پر کیا جانے والا پہلا ہی حملہ ناکام
ہو گیا تھا اور وہ عجیب و غریب لوگ مل گئے تھے...... وہاں سے واپس پلٹتے ہوئے فراست علی
اپنے ساتھ بہت معمولی سی رقم لایا تھا۔ باقی سب کچھ اس نے وہیں چھوڑ دیا تھا اس رقم کے
لئے اسے خاص طور سے مجبور کیا گیا تھا کیونکہ ان لوگوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ چاروں بچے اور
بیوی بھوکے ہیں اور کھانے کے لئے ان کے پاس کچھ نہیں ہے، چنانچہ یہ ہدایت کی گئی تھی کہ
یہ ضرورت بلا کسی تردد کے پوری کر لی جائے۔ اس نے بچوں کے لئے بازار سے کھانا پیک کرایا
اور گھر کی طرف چل دیا...... گھر پہنچ کر اس نے اپنی بیٹی سے کہا۔

"چلو بیٹا جلدی سے برتن نکالو...... قدسیہ تم پانی لے آؤ...... شجاعت اور فرحت آؤ بیٹے
منہ ہاتھ دھو کر آ بیٹھو۔"

"جی ابو۔" بچوں کی آواز سے نقاہت نمایاں تھی...... بیٹیوں نے دستر خوان بچھا دیئے
اور کھانا لگ گیا...... بیوی بھی اس وقت انسان بنی ہوئی تھی...... مصلح نہیں تھی...... پیٹ کی
آگ اس قدر شدید ہوتی ہے کہ بعض اوقات انسان اپنی اصلیت سے بہت نیچے گر جاتا ہے،
چنانچہ یہ سوالات اس وقت خود فراست علی کی بیوی کو بھی ناگوار گزرتے کہ کھانا کہاں سے آیا

اور وہ بھی اتنا عمدہ کھانا، پیٹ کی آگ کچھ اور ہی طلب کر رہی تھی...... کھانے کی مقدار ا تھی کہ سب شکم سیر ہوگئے اور اس کے بعد دوسری باتیں یاد آئیں، بچوں کے چہرو خوشیاں لوٹ آئی تھیں...... کھلونوں کا تو خیر کوئی تصور بھی نہیں تھا، سب سے بڑی خوش اس وقت پیٹ بھر جانے کی تھی، چنانچہ وہ معصوم معصوم باتیں کرنے لگے...... سب چھوٹے بیٹے نے سوال کیا۔

"ابو کیا کل بھی ہم کھانا کھائیں گے؟" فراست کے دل میں ایک گولہ سا آ پھنسا نے بیٹے کو پیار کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں بیٹے نہ صرف کل بلکہ پرسوں بھی اور روزانہ۔"

"ابو کتنا اچھا لگتا ہے یہ سب کچھ، ایسا لگتا ہے کہ بس ہم بھی امیر ہوگئے۔"

"ہاں بیٹے بالکل یہ سب بہت اچھا ہے۔" فراست علی نے جواب دیا پھر تنہائی میں بی نے اس سے سوال کیا۔

"لیکن یہ سب کچھ آیا کہاں سے؟"

"بس ایک دوست یاد آ گیا تھا...... میرا بہت عرصے قبل کا دوست تھا اور میرے ذ میں ہی نہیں آیا تھا لیکن آج یاد آیا تو میں اس کے پاس پہنچ گیا، بیچارے نے بڑی اچھی طر پذیرائی کی میں نے جب اسے بتایا کہ یار میں ان حالات سے گزر رہا ہوں تو اس نے کہا کہ ا میں اپنے آپ کو تنہا نہ سمجھوں وہ میرے لئے بھرپور کوشش کرے گا...... یہ رقم جو اس مجھے دی ہے کسی زمانے میں میں نے اسے دی تھی اس کی واپسی اس نے فوری طور پر کر دی مجھے بتایا کہ یہ کوئی احسان یا خیرات نہیں ہے بلکہ میرا قرض ہے جو بہت اچھے موقع پر وہ واپس کر رہا ہے۔"

"گویا امکانات ہیں اس بات کے کہ کچھ ہو جائے۔"

"یقیناً ہو جائے گا بے فکر رہو۔" فراست علی نے بیوی کو جواب دیا...... معصوم فطر فوزیہ تو مطمئن ہوگئی لیکن خود فراست علی ساری رات کروٹیں بدلتا رہا تھا...... غرض اسی میں رات گزر گئی...... دوسرے دن کے لئے کوئی لائحہ عمل نہیں تھا، لیکن وہ راستہ اسے یا جس سے گزر کر رات کو واپس پہنچا تھا۔

فوزیہ سے کہا کہ اسی دوست کے پاس جا رہا ہوں، یہ کچھ پیسے ہیں تھوڑے سے رکھ

ضرورت کی اگر کوئی چیز منگوانا ہو تو منگوا لے ہو سکتا ہے اسے واپسی میں دیر ہو جائے اور اس کے بعد وہ باہر نکل آیا...... دل میں پنکھے لگے ہوئے تھے...... نتیجہ جاننا چاہتا تھا، وہ اس محلے میں پہنچ گیا اور گلی میں داخل ہو گیا...... اس گھر کے دروازے پر رکا...... احاطے کے سامنے والے حصے میں لکڑی کے گیٹ پر تالا لگا ہوا تھا...... اندر کاٹھ کباڑ تو جوں کا توں پڑا ہوا تھا، لیکن فوکس ویگن نظر نہیں آ رہی تھی۔ گویا یہاں کوئی موجود نہیں ہے...... ادھر ادھر دیکھا...... سوچا کسی سے معلومات حاصل کر لے...... کچھ فاصلے پر پرچون کی دکان کا ایک کھوکھا لگا ہوا تھا...... وہاں پہنچ گیا، دکاندار سے دو چار روپے کی کوئی چیز خریدی اور پھر بولا۔

"چچا میاں یہاں کوئی کرائے کا مکان مل جائے گا؟"

"ہاں میاں مل جاتے ہیں تمہیں چاہئے؟"

"ہاں چچا، کوئی مکان خالی ہے؟"

"معلومات کرنی پڑے گی بیٹا علم میں تو کوئی نہیں ہے۔"

"یہ سامنے جو لکڑی کا گیٹ نظر آ رہا ہے یہاں کون رہتا ہے؟"

"وہ، وہ تو رمضان کا احاطہ ہے...... رمضان علی کباڑیئے کا۔"

"رمضان علی کباڑیہ، کسی نے مجھے بتایا تھا کہ ایک ایسا مکان خالی ہے جو ایک احاطے میں ہے۔"

"مشکل ہے بیٹا، رمضان کا تو سارا سامان یہیں بھرا ہوا ہے، چار پانچ بھائی ہیں بیچارے جو محنت مزدوری کرتے ہیں...... ریڑھیاں لے کر ٹین ڈبے، خالی بوتلیں تلاش کرتے پھرتے ہیں...... ہر طرح کا ٹوٹا پھوٹا سامان خرید لیتے ہی اور پھر بیچتے رہتے ہیں...... بڑے اچھے بچے ہیں محلے والوں کو کبھی ان سے کوئی شکایت نہیں ہوئی...... میرا خیال ہے بیٹا مشکل ہے کہ وہاں کوئی کرائے کی جگہ خالی ہوئی ہو...... کسی نے تمہیں غلط خبر دی ہے۔"

"ہو سکتا ہے چاچا، یہ رمضان علی اس وقت شاید موجود نہیں ہے۔"

"بس نکل جاتے ہیں پیٹ کے چکر میں۔"

"کوئی گاڑی بھی ہے ان لوگوں کے پاس۔"

"ہاں بہت دن سے ہے مال بھر کے لے جاتے ہیں اس میں بس بیچارے اپنی دال روٹی چلا رہے ہیں۔"

اندازہ یہ ہوا کہ وہ لوگ جو کوئی بھی ہیں محلے والوں کی نظر میں مشکوک نہیں ہیں...... وہاں سے نکل آیا، آوارہ گردی کرتا رہا۔

دوپہر کو پھر پہنچا، گیٹ کے سامنے سے گزر گیا...... تالا بدستور پڑا ہوا تھا، لیکن تیسرے چکر میں بات بن گئی...... شام کے کوئی ساڑھے چھ بجے تھے...... احاطے کا گیٹ کھلا ہوا تھا اندر فوکس ویگن بھی نظر آ رہی تھی، وہ ہمت کر کے اندر داخل ہو گیا اور ابھی تھوڑی ہی دور پہنچا تھا کہ اندر سے ایک شناسا چہرہ باہر نکل آیا اور اس نے مسکراتے ہوئے اس کا خیر مقدم کیا۔

"ہیلو فراست۔"

"ہیلو، میں آپ کو کسی خاص نام سے مخاطب نہیں کر سکتا جناب، کیونکہ رات کو کوئی تفصیلی تعارف نہیں ہوا تھا۔"

"تعارف تو شاید ہم لوگوں نے کرایا تھا، لیکن آپ کی ذہنی حالت اس تعارف کے لئے اس وقت موزوں نہیں تھی اس لئے آپ بھول گئے ہوں گے آیئے اندر آیئے۔"

"میں دن میں بھی آیا تھا۔" فراست نے اس کے ساتھ اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"ہم لوگ کوئی پندرہ منٹ پہلے پہنچے ہیں اور اس وقت اتفاق سے سب موجود ہیں اور یہ بھی ایک اچھی بات ہے کہ آپ ہی کا تذکرہ ہو رہا تھا۔"

"مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے آپ کو میری آمد کا علم ہو گیا ہو، اسی طرح اچانک آپ باہر نکلے تھے۔"

"ہاں، احاطے کے گیٹ سے کوئی چار گز اندر آنے والے کے بارے میں ہمیں اندر ہی علم ہو جاتا ہے کہ کوئی آیا ہے۔"

"وہ کس طرح؟"

"کیمرے لگے ہوئے ہیں جو اندر سکرین پر آنے والے کی خبر دے دیتے۔"

"آپ لوگوں نے بہترین انتظامات کر رکھے ہیں۔" فراست اندر داخل ہوتا ہوا بولا۔ یہاں اسے مزید پانچ آدمی نظر آئے اور اس طرح ان کی تعداد کل چھ ہو گئی تھی۔ ان سب نے مسکراتے ہوئے فراست کا استقبال کیا اور پھر جو شخص فراست کو اندر لے کر آیا تھا وہ بولا۔

"مسٹر فراست...... میرا نام سردار علی ہے اور ڈبل او گینگ میں میرا نمبر ایک ہے۔"

"اور مجھے شوکت نعیم کہتے ہیں میرا نمبر دو ہے۔"

"خادم کو فراز حسین کہا جاتا ہے نمبر تین۔"

"میں مالک ہوں نمبر چار۔"

"اور مجھ سے ملئے انجم شیخ نمبر پانچ۔"

"آخر میں ہم رہ جاتا ہے...... ہمارا نام ہاشم جان ہے نمبر چھ۔" آخری سرخ و سفید شکل نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگوں سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔"

"یہ فرصت کے لمحات ہیں اور آپ سے تفصیلی تعارف کے ساتھ ساتھ مزید گفتگو بھی کرنی ہے...... آپ کو تو فرصت ہے نا۔"

"بالکل۔" فراست نے جواب دیا۔

"تب آرام سے تشریف رکھئے...... انجم شیخ چائے اور کافی بہت عمدہ بناتے ہیں ایک ہوٹل میں ویٹر بھی رہ چکے ہیں۔ کھانے پینے کا ڈیپارٹمنٹ انہی کے سپرد ہے اور اس تعارف کی وجہ انجم شیخ اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"چائے یا کافی؟" انجم نے کھڑے ہو کر پوچھا۔

"کافی، یہ ذرا اہم ملاقات ہے اس لئے اس کے ساتھ کچھ اور لوازمات بھی ہونے چاہئیں۔"

انجم ایک سمت مڑ گیا تھا...... یہ سب لوگ خاصے خوش شکل اور اچھے مزاج کے مالک معلوم ہوتے تھے...... یہ دوسری بات ہے کہ لباس وغیرہ سے مفلوک الحال نظر آتے تھے...... دکاندار کی کہی ہوئی باتیں بھی فراست کو یاد تھیں، بہر طور وہ ان انوکھے لوگوں سے مکمل تعارف چاہتا تھا...... سردار علی نے کہا۔

"ہمیں اندازہ ہے مسٹر فراست کہ آپ کی رات نہایت دلچسپ گزری ہو گی...... ہمارے بارے میں سوچتے ہوئے؟"

"ہاں میں اس سے انکار نہیں کروں گا۔"

"تو پھر اب ذرا تفصیلی گفتگو ہو جائے...... شہنشاہ سے آپ ٹرانسمیٹر پر ملاقات کر چکے ہیں وہ ہمارا سربراہ ہے کون ہے، کیا ہے، کہاں رہتا ہے، یہ آج تک ہم چھ افراد کو نہیں معلوم

ہو سکا اور لازمی طور پر آپ کو بھی نہیں پتا چلے گا...... ہمارا ان سے تعارف ایک ہی انداز میں ہوا ہے اور ہم میں سے کچھ، کچھ کی دریافت ہیں شہنشاہ نے ابتداء چونکہ مجھ سے کی تھی اس لئے مجھے ڈبل او ون کا نمبر الاٹ ہوا ہے...... شہنشاہ ایک پراسرار آدمی ہے جس کے پاس ہماری طرح بہتر ذرائع اور وسائل نہیں ہیں، لیکن وہ اپنے دل میں ملک و ملت، قانون انصاف اور انسانیت کے لئے بہترین جذبے رکھتا ہے اور اس نے اسی بنیاد پر اس گینگ کو ترتیب دیا ہے کہ انسان فلاح و بہبود کے لئے جو کچھ بھی کر سکتا ہے کرے...... محدود وسائل میں صرف نیک جذبات کے سہارے اس نے یہ کام کرنے کا بیڑہ اٹھایا ہے اور اس میں وہ ایسے ہی لوگوں کی شمولیت کا خواہش مند ہے جو اس کے جذبے کو سمجھیں اور خلوص دل سے اس پر عمل کریں...... اس کے لئے اس نے بہترین جستجو اور تلاش کی ہے اور اس کا کہنا ہے کہ آپ اس کی ڈھائی سالہ ریسرچ کا نتیجہ ہیں...... ہم لوگوں پر بھی اس نے ایسی ہی طویل ریسرچ کی ہے اس سے آپ اس کی شخصیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ میں سردار علی الیکٹریکل انجینئر ہوں اور میں نے اپنے کام میں مقدور بھر مہارت حاصل کی ہے، میرے حالات بھی تقریباً آپ جیسے ہی ہیں انداز مختلف ہے...... کیفیت یکساں ہے، بہر حال میں اس گروہ میں شامل ہو چکا ہوں اور اب ہم اپنی تعمیر میں مصروف ہیں...... یہی کیفیت شوکت نعیم، فراز، مالک، انجم اور ہاشم جان کی ہے...... یوں سمجھ لیجئے کہ ساتویں آدمی آپ ہیں ہم ابھی تک بے وسائل ہیں اور اپنی انتھک کوشش سے اس بات کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں کہ ہمیں مالی وسیلہ حاصل ہو جائے تاکہ ہم بہتر اور مناسب طریقے سے اپنے کام کا آغاز کر سکیں، نظریات وہی ہیں جن کے بارے میں شہنشاہ آپ کو ٹرانسمیٹر پر بتا چکا ہے۔"

"یہ جگہ، یہ علاقہ کس حیثیت کا حامل ہے؟"

"ایک کرم فرما کا عطیہ جنہوں نے طویل عرصے قبل یہ پلاٹ لے کر چھوڑ دیا تھا...... کچی آبادی ہونے کی وجہ سے اس کی مالیت اب بھی کوئی حیثیت اختیار نہیں کر سکی، لیکن ہمارے لئے یہ نہایت کارآمد ہے، ہم مختلف ذرائع سے کام کر رہے ہیں...... مثلاً اپنے کام کو جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ ہم یہ کاٹھ کباڑ بھی ہر اس جگہ سے حاصل کر لیتے ہیں جہاں یہ ہمیں مل جائے...... کہیں سے قیمتاً اور کہیں سے ضائع شدہ چیزوں کی حیثیت سے اس کی خرید و فروخت کا سلسلہ جاری ہے اور ہم اپنا ایک ہیڈ کوارٹر بنانا چاہتے ہیں جس کے لئے

جدوجہد کر لی گئی ہے۔ جب یہ سب کچھ مکمل ہو جائے گا تو ہم اپنے کام کا آغاز کر دیں گے۔"

"بلاشبہ حیرت انگیز لوگ ہیں۔"

"ہم نے اپنا اپنا ایک مقام بھی بنا رکھا ہے، یہاں ہم جس حیثیت سے داخل ہوتے ہیں وہ ہماری اصل حیثیت نہیں ہے، ہم لوگ کچھ نہ کچھ کرتے ہیں۔ کوئی کسی دفتر میں کلرک ہے۔ کوئی کہیں اپنے فرائض انجام دے رہا ہے۔ انجم شیخ نے پینٹ اینڈ ہارڈ ویئر کی ایک دکان کھول رکھی ہے، جہاں اس نے ایک ملازم بھی رکھا ہوا ہے، اس طرح ہماری ایک سماجی حیثیت بھی ہے اور ہم شک و شبہے سے بالاتر ہیں، یعنی اگر کبھی ہمارے بارے میں تحقیقات ہو تو یہ کام بڑا مشکل ہو جائے گا کہ کوئی ہمیں ایسے کسی گروہ سے منسلک ثابت کر دے۔"

"انتہائی انوکھا انداز ہے آپ لوگوں کا۔"

"رات کی گفتگو سے آپ نے کوئی نہ کوئی نتیجہ اخذ کیا ہوگا...... مسٹر فراست علی اور ضروری ہے کہ ہم اس بارے میں آپ کا فیصلہ سن لیں۔"

"میں آپ کے افکار و خیالات سے رات ہی کو متفق ہو گیا تھا اور اپنے عمل سے تائب بھی بلاشبہ یہ سب کچھ بڑا انوکھا اور ایسا ہے جس سے میرے سارے تجربے کی نفی ہوتی ہے۔ میں اپنا مقام جاننا چاہتا ہوں۔"

"اگر آپ اب بھی ہم سے متفق ہیں تو پھر اپنا نمبر ڈبل او سیون حاصل کر لیجئے۔"

فراست علی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ اس نے کہا۔

"لیکن میں جیمز بانڈ نہیں ہوں۔"

"بن جائیں گے یہ کام دوسروں کے لئے چھوڑ دیجئے گا...... ویسے شہنشاہ کی طرف سے حکم ہے کہ اگر آپ خلوص دل کے ساتھ ہمارے ساتھ شامل ہونے کو تیار ہیں تو آپ کو انجم شیخ کے ساتھ پینٹ اینڈ ہارڈ ویئر سٹور پر معاون کی حیثیت سے ملازمت دے دی جائے باقی یہ سب کچھ جو آپ نے حاصل کیا ہے آپ کی ملکیت قرار دیا جاتا ہے کیونکہ جہاں سے یہ سب کچھ حاصل کیا گیا ہے وہاں کے بارے میں تحقیقات کر لی گئی ہے۔"

"کیا؟"

"رحیم بخش، بلکہ سیٹھ رحیم بخش موٹروں کے پرزوں کی تجارت کرتے ہیں، کئی کمپنیوں سے ایجنسیاں لے رکھی ہیں جس میں جاپان، اٹلی اور پولینڈ کی کمپنیاں شامل ہیں۔ یہ

وہاں سے موٹر گاڑیوں کے پرزے امپورٹ کرتے ہیں اور بہت دولت کمائی ہے انہوں
ان کے وسائل بھی اسی طرح لامحدود ہیں جس طرح بہت سے بڑے آدمیوں کے ہو
ہیں، یعنی کچھ اصل کچھ نقل، ان کے باہر سے امپورٹ کئے ہوئے پرزے یہاں کے کارخانو
میں بھی تیار ہوتے ہیں اور ان پر بیرونی ممالک کی مہریں لگا کر مہنگے داموں انہیں فروخت
جاتا ہے، چنانچہ ان کے پاس سے جو حاصل کیا گیا ہے اس کے لئے کلیرنس مل گیا ہے
آپ اسے اپنے طور پر استعمال کر سکتے ہیں۔"

"کیا آپ نے ان اشیاء کا جائزہ لیا؟"

"نہیں، آپ یقین کیجئے رات کو آپ اس میں سے جو کچھ لے گئے وہ آپ کے علم م
ہے باقی چیزیں اسی طرح آپ کی امانت کے طور پر محفوظ کر دی گئی ہیں...... یہ سوچا گیا تھا
اگر آپ نے غلط جگہ کوشش کر ڈالی ہے اور وہ لوگ اس قابل نہیں ہیں کہ اس خسارے
برداشت کر سکیں تو یہ اشیاء آپ کی معرفت کسی مناسب طریقے سے انہیں واپس کر د
جائیں گی۔ ڈکیتی کی دنیا میں یہ ایک انوکھا کارنامہ ہوگا، لیکن سیٹھ رحیم بخش کے بارے م
معلومات حاصل کرنے کے بعد اس کی ضرورت محسوس نہیں کی جا رہی کیونکہ یہ سب کچھ ا
کے لئے معمولی ہے۔"

"گڈ، گویا اسے کلیئرنس مل چکا ہے۔"

"ہاں۔"

"تب پھر ڈبل او گینگ میں ایک نئے ممبر کی شمولیت کے ساتھ ساتھ میں شہنشاہ کو ان
تمام چیزوں کا تحفہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"جہاں تک میرا اندازہ ہے یہ بہترین مالیت کی اشیاء ہیں اور ان کے ذریعے ہم اپنے ا
مقاصد کی تکمیل کافی حد تک کر سکتے ہیں جس کے لئے ہمیں مزید طویل عرصے تک کو شا
رہنا ہوگا۔"

"گویا آپ یہ سب کچھ ہمارے حوالے کرنے کو تیار ہیں؟"

"خلوص دل کے ساتھ۔"

"اس کی اطلاع شہنشاہ کو بھیجی جائے گی اور جس طرح بھی وہ مناسب سمجھے گا کرے گا۔"

"تو مسٹر انجم شیخ میری ملازمت کا آغاز کب سے ہو رہا ہے؟" فراست نے پوچھا۔

"کل صبح پتا ذہن نشین کر لیجئے گا۔" انجم شیخ نے کہا اور اپنی دکان کا پتا فراست علی کو بتانے لگا۔

❋

کئی دن ہو گئے تھے...... فائق حسین نے شہاب کی صورت تک نہیں دیکھی تھی۔ صبح کو نکل جاتا، رات کو واپس آتا اور سو جاتا نہ کھانے کی خبر، نہ پہننے کی سدھ، ایک عجیب زندگی اپنا رکھی تھی اس نے، یہاں تک کہ چھٹی کے دن بھی وہ فائق حسین کو نظر نہیں آیا تھا...... بے چین ہو گیا، ماں سے اس بارے میں بہت کہا سنا اور فتح محمد کی طرف چل دیئے ارادہ تھا کہ اس کو کھری کھری سنائیں گے۔

فائق حسین غصے میں بپھرے ہوئے گھر سے باہر نکلے، شام کے جھٹ پٹے فضاؤں میں اتر آئے تھے۔ بھائی کی محبت دل میں جوش مار رہی تھی، یقین تھا کہ وہ وہیں ہوگا۔ اینٹوں کے تھلے پر پہنچ گئے...... شیخ فتح محمد اپنی منڈلی جمائے بیٹھے ہوئے تھے، حقہ سامنے رکھا ہوا تھا...... قوام کی خوشبو فضا میں مہک رہی تھی، چند افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ جو لوگ وہاں موجود تھے وہ اچھے خاصے پڑھے لکھے آدمی معلوم ہوتے تھے۔ ان کے انداز میں ادب و تہذیب تھی۔ فطری طور پر فائق حسین پر بھی وہی کیفیت طاری ہو گئی۔ فتح محمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے ارے فائق میاں آج آپ کیسے آ نکلے بھئی ادھر۔"

"وہ شیخ صاحب کیا شہاب یہاں نہیں ہے؟"

"نہیں میاں بیٹھئے بیٹھئے، کچھ باتیں ہو رہی تھیں، اگر جلدی نہ ہو تو آپ سے ذرا بعد میں گفتگو کر لیں گے آپ کے آنے سے جی کو جو خوشی ہوئی وہ ناقابل بیان ہے بیٹھئے، میاں، چائے دو ذرا ہمارے فائق میاں کو، تو میں بات کر رہا تھا اجتماعی شعور کی، میاں قسم ایمان کی یہ ایک اہم مسئلہ ہے...... اجتماعی شعور مرجھانے سے جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں میں چمک دمک نہیں رہتی اور پھر ہر شخص اپنے خول کے اندر محصور ہو جاتا ہے اور اس بات سے معاشرے کا شیرازہ بکھرتا ہے اور آپس میں مل جل کر رہنے کی طلب باقی نہیں رہتی، یہ ایک دلدوز مسئلہ ہے جس پر غور کیا جانا چاہئے۔ اب ذرا دیکھ لیجئے وہ کون سا عہد تھا جب یورپین کلچر نے

مسلمانوں کے اثرات جذب کئے تھے..... اصل میں بات بہت پہلے سے شروع ہو جاتی ہے کوالبرخ
صلیبی جنگیں بارہویں صدی کے آغاز سے اُبھر کر سامنے آئیں..... یہ وہ زمانہ تھا جب مغرب کرنے
یورپ قوت اور اقتصادی خوشحالی میں سب سے آگے تھا..... طاقت کے نئے نئے ذخیرے طاقتور
دریافت ہوئے تھے اور کچھ مہم جو بھاری اسلحے کی مدد سے فتوحات کے خواب دیکھ رہے تھے خوش
چنانچہ مغربی یورپ نے جنوب اور مشرق کی طرف پھیلنا شروع کیا اور چند علاقوں پر قبضہ جرمنی
کرلیا، آگے بڑھنے کی لہر اور اونچی اٹھی اور مغربی یورپ کے مہم جو اسلامی ملکوں سے قوت نے
آزمانے کے شوق میں حد سے آگے بڑھ گئے، جس کا نتیجہ بیت المقدس پر قبضہ تھا۔ اصل میں
مسلمان نئی قوتیں جو یورپ میں لائے تھے اس کے جواب میں یہ یورپ کا پہلا رد عمل تھا
مغربی یورپ نے جوش میں عالم اسلام سے جنگ تو چھیڑ دی مگر صحیح اندازوں کے ساتھ زندگی
نہیں، اس وقت سلجوق وسیع و عریض سلطنت کے حکمران تھے، وہ سلطنت جو عراق اور ایران
سے ہوتی ہوئی سمرقند اور بخارا تک جاتی تھی..... افغانستان اور شمالی ہندوستان پر غزنویوں
حکومت تھی اور فاطمی معر کے فرماں روا تھا، اس پس منظر میں پہلے دور کی صلیبی جنگیں
مسلمانوں کے نزدیک سرحدی جھڑپوں سے زیادہ نہیں تھیں، لیکن مغربی یورپ نے ان
جنگوں کو روحانی تحریک کی حیثیت سے پیش کیا اس طرح عیسائیوں کے اندر تعصب کی شدید
آگ بھڑک اٹھی اور بیت المقدس کی فتح کو انہوں نے اپنا مقصد ٹھہرایا تو مسئلہ اصل میں
ہے کہ ہم تو شکار رہے ہیں بہت سے ایسے عوامل کے..... میاں کہاں اٹھ رہے ہو فائق میاں
بیٹھو ذرا..... بات ہو رہی تھی ناصر کی جس پر انیس سو چونسٹھ کی خزاں میں مصر کی خارجہ پالیسی
میں ایسی تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں جو سوئز کے زوال کا باعث بن گئیں۔ مصر طویل مدت
تک صرف روس کی فوجی اور اقتصادی امداد پر بھروسہ کرتا رہا، ناصر پوری طرح روس کے
چنگل میں پھنس چکا تھا اور اس کے بعد روس نے زور دینا شروع کر دیا کہ مشرقی جرمنی کے
صدر والٹر البرخ کو قاہرہ کی دعوت دی جائے۔ ناصر یہ بات مان لیتا تو اس کا مطلب تھا کہ مصر
نے سرکاری طور پر مشرقی جرمنی کو تسلیم کر لیا اور یہ روس کی بہت بڑی سیاسی فتح ہوتی۔ ادھر
بون حکومت نے فوری رد عمل کا اظہار کیا اور دھمکی دی کہ اگر والٹر البرخ کو قاہرہ بلایا گیا تو
مغربی جرمنی مصر سے سفارتی تعلقات توڑ لے گا، لیکن ناصر کے لئے اب روس کے آگے
جھکنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا اس نے پروگرام کے مطابق چوبیس فروری انیس سو پینسٹھ

کو البرخ کے دورے کا انتظام کر دیا..... مغربی جرمنی نے مصر کو ہر قسم کی اقتصادی امداد بند
کرنے کی دھمکی دے دی تو ناصر بھی گرم ہو گیا، وہ دنیا کو دکھانا چاہتا تھا کہ اسے بون جیسی
طاقتور حکومت کی بھی کوئی پروا نہیں ہے اور وہ پھر ایک اہم معاملے میں سوویت یونین کو
خوش کرنے کا بھی خواہش مند تھا..... قاہرہ میں مقیم روسیوں نے شکایت کی تھی کہ مغربی
جرمنی کی انٹیلی جنس تنظیم سی آئی اے کے تعاون سے ان کی جاسوسی کرتی ہے۔ کے جی بی
نے مطالبہ کیا تھا کہ ناصر دوسروں کی جاسوسی روکنے کے لئے فوری اقدام کرے۔"
یہ باتیں سن کر فائق حسین کی آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئی تھیں..... معلومات
کا سمندر تھا جو موجزن تھا، تاریخی حوالوں کے ساتھ ایسے ایسے واقعات جن کا عام انسانوں کی
زندگی سے کوئی تعلق نہ ہو اور اینٹوں کا یہ تھلہ جس پر بیٹھے ہوئے لوگ یہ دنیا بھر کی داستان
سن رہے تھے..... فائق حسین نے دل ہی دل میں یہ بات تو بہر طور تسلیم کی کہ یہ شخص واقعی
ساحر ہے اور اپنی سحر بیانی سے اچھے اچھے لوگوں کو اپنے جال میں پھانس سکتا ہے، بہر طور ان
تمام چیزوں نے اثر تو کیا تھا دل پر، اگر کسی عام آدمی سے سامنا ہوتا تو اپنے غم و غصے کا اظہار
کرتے لیکن ایک دم ہی شیخ فتح محمد سے مرعوب ہو گئے تھے اور دل ہی دل میں ششدر تھے کہ
اس شخص کے پاس معلومات کا یہ خزانہ کہاں سے آیا..... کچھ احساس ہو رہا تھا کہ درپردہ کچھ
ہے لیکن کیا اس کا صحیح تجزیہ نہیں کر پائے تھے، گومگو کے عالم میں تھے کہ بیٹھے رہیں یا واپس
چلے جائیں لیکن جس طرح روکا گیا تھا اسے مدنظر رکھتے ہوئے یہ واپسی بھی کچھ عجیب لگتی
تھی، آخر کار نشست ختم ہوئی اور پھر فائق حسین ہی وہاں باقی رہ گئے، تب انہوں نے شہاب
کے بارے میں پوچھا اور شیخ فتح محمد مسکرانے لگے پھر بولے۔

"میاں اصل میں یہ خوشخبری سنانے کا حق اسے ہی حاصل ہے، ہم تو واسطے کے لوگ
ہیں ایمان کی قسم، البتہ اتنا تمہیں بتائے دیتے ہیں کہ بہت جلد تمہیں ایک خوشخبری حاصل
ہوگی..... بس اسی پر اکتفا کرو۔"

فائق حسین آئے تو لڑنے کے لئے تھے لیکن رعب علمیت کا شکار ہو کر واپس گئے.....
گھر والوں کو بھی کچھ نہیں بتایا پوچھا گیا تو ٹال دیا اور بس انتظار کرنے لگے..... بھائی تو واقعی
ہاتھ نہیں لگا تھا..... آتا اور نکل جاتا ہر کوشش ناکام رہی تھی، لیکن کافی دن گزرنے کے بعد
ایک دن وہ خوشخبری نگاہوں کے سامنے خود بخود آگئی جب پولیس کی ایک موبائل گھر کے

دروازے پر آ کر رُکی اور چار کانسٹیبلوں کے ساتھ ایک پولیس انسپکٹر نیچے اترا...... یہ ش ثاقب تھا...... بے حد سمارٹ نظر آ رہا تھا اور وردی اس کے بدن پر ایسی سج رہی تھی ک نہیں ٹھہرتی تھی۔

سب نے حیرت سے وہ وردی دیکھی...... فائق حسین کی آنکھوں میں ثر ناچنے لگے۔

"یہ وردی اصلی لگتی ہے؟"

"اصلی ہے بھائی جان۔"

"جانتے ہو نقلی پولیس آفیسر بننا کتنا بڑا جرم ہے...... کیا تم نے جرم کے واسطے ا ہیں؟"

"میں اصلی پولیس والا ہوں بھائی جان۔"

"کیا بکواس ہے؟"

"انسپکٹر شہاب ثاقب...... یہ میری تصدیق کے کاغذات ہیں۔" شہاب نے کاغذ فائق حسین کو پیش کر دیئے اور فائق حسین بار بار آنکھیں صاف کر کے وہ کاغذات لگا، پھر انہوں نے احمقوں کی طرح آس پاس کھڑے لوگوں کو دیکھا...... سب منہ کھ کھڑے تھے۔

"باہر پولیس گاڑی بھی موجود ہے۔" شہاب نے مزید ثبوت پیش کیا اور فائق حسی مچ باہر نکل آئے...... پولیس موبائل کانسٹیبلوں کے ساتھ موجود تھی اور محلے کے گھ کے دروازے کھلے ہوئے تھے...... لوگ عجیب وغریب نگاہوں سے فائق حسین کے گھر جانب دیکھ رہے تھے...... غالباً اس خیال سے کہ اب گرفتاریاں ہوں گی اور نہ جانے کے ہتھکڑیاں لگا کر باہر لایا جائے گا۔

❀

پولیس موبائل سے مسلح کانسٹیبلوں نے نیچے چھلانگیں لگائیں تو فائق حسین کے رونگٹے کھڑے ہوگئے...... ایسے مناظر وہ تین بار محلے میں دیکھ چکے تھے...... ابھی چند روز قبل جمیل خاں کے گھر پر ریڈ ہوا تھا، اسی طرح پولیس موبائل آئی تھی...... کانسٹیبل نیچے کودے تھے اور جمیل خاں کے گھر میں گھس گئے تھے...... پھر گھر سے جمیل خاں کو باہر گھسیٹ لائے تھے...... تین دن کے بعد جمیل خاں گھر واپس آئے تو پتا چلا کہ پولیس کو غلط فہمی ہوگئی تھی...... ایف آئی آر میں محرر کی غلطی سے جلیل خاں کی جگہ جمیل خاں لکھ دیا گیا...... ایک ڈنڈی نے جمیل خاں کو تین دن کے لئے لاک اپ کر دیا تھا...... وہ تو شکر ہے کہ بعد میں ڈنڈی کا معاملہ حل ہوگیا تھا ورنہ بے چارے جمیل خاں کو جو ڈنڈے کھانے پڑے وہ شاید ان کی ولدیت بھی بدل دیتے...... فائق حسین کا دل دھک دھک کر رہا تھا کہ انہیں شہاب ثاقب کی آواز سنائی دی۔

"کیا دیکھ رہے ہو...... یہ میرے بڑے بھائی ہیں، تمہارے افسر کے بھائی، انہیں سلام کرو۔" پولیس والوں کی ایڑیاں بج اٹھیں۔

"جیتے رہو۔" فائق حسین نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

"اب تو تصدیق ہوگئی بھائی جان یا انہیں مارچ کراؤں؟" شہاب نے پوچھا۔

"نن...... نہیں...... ٹھیک ہے۔ چلو...... اندر۔"

شہاب، فائق حسین کے ساتھ اندر داخل ہوگیا۔ گھر میں سب پریشان کھڑے تھے۔

"کیا ہوا؟" نعیمہ بیگم نے گھبراہٹ میں سوال کیا۔

"یہ سچ بول رہا ہے۔" فائق حسین بولے۔

"مگر یہ کیسے ہوگیا؟" ثریا بیگم مسرور لہجے میں بولیں۔

"مرشد کی دعا سے بھابی بیگم۔ لوگ بھائی فتو کی اصلیت سے ابھی واقف نہیں ہ خیر ہو جائیں گے۔" شہاب نے سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مگر پولیس میں ٹریننگ ہوتی ہے...... امتحانات وغیرہ ہوتے ہیں اور پھر براہ را انسپکٹر......" فائق حسین نے اپنا جملہ حیرت سے ادھورا چھوڑا۔

"ٹریننگ" شہاب نے کہا...... "ٹریننگ تو چارج لینے کے بعد ہوتی ہے قبلہ جان...... ہاں بھابی حضور...... ایک پیالی چائے ہو جائے تو مزہ آجائے گا۔" شہاب اس صورت حال سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"وردی میں کیسا اچھا لگ رہا ہے اماں۔ میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" ثریا بیگم باور خانے کی طرف بڑھ گئیں۔

"وہ موبائل اور کانسٹیبل وغیرہ۔"

"باہر موجود رہیں گے...... کیا آپ نے دیکھا نہیں اکثر موبائلیں افسروں کے گھ کے دروازوں پر ہی کھڑی ہوتی ہیں...... ان کی فکر نہ کریں۔"

"ہوں۔ تو تو نے پولیس میں نوکری کر لی۔" فائق نے اکھڑے لہجے میں کہا۔

"بس آپ کی دعائیں ہیں۔" شہاب نے کہا۔

"تو اب تو رشوتیں بھی لے گا۔" فائق حسین کے لہجے میں کوئی فرق نہیں آیا۔

"استغفراللہ۔ ایک بیباک صحافی کا بیٹا اور رشوت لے گا؟" شہاب نے کانوں کو ہا لگاتے ہوئے کہا۔

"کیا بکواس کرتا ہے؟" فائق حسین نے کہا۔

شہاب کا ہاتھ تیزی سے ہولسٹر پر پہنچ گیا پھر وہ ہولسٹر کے قریب کمر کھجاتے ہو بولا۔ "جدید دور مختلف اقدار کا حامل ہے۔ لفظ رشوت لغت میں متروک ہو گیا ہے۔ مقد والوں کو اس پر غور کرنا چاہئے۔ اب یہ "اوپر" کی آمدنی کہلاتی ہے۔ آپ کسی سے تذ کردیں کہ تنخواہ ڈھائی ہزار ہے مگر اللہ کے فضل سے (نعوذ باللہ) اوپر کی آمدنی بہتر بزرگ داڑھی پر ہاتھ پھیر کر (ماشاءاللہ) کہیں گے۔" شہاب نے رشوت کی تعریف اپنے بھائی کو قائل کرنے کے انداز میں کہا۔

"آپ اس کی بکواس سن رہی ہیں۔" فائق حسین نے نعیمہ بیگم سے کہا اور شہاب

پھر ہولسٹر پر ہاتھ مارا لیکن پھر جھینپے ہوئے انداز میں کمر کھجانے لگے۔

"خبردار اس گھر میں رشوت کا ایک پیسہ نہیں آنا چاہئے۔" نعیمہ بیگم نے گرج دار آواز میں کہا۔

"پیسے آج کل چل ہی کہاں رہے ہیں والدہ...... آپ کے پاس ہیں تو دکھائیے۔" شہاب نے ان کی بات کو گول کرنے کے انداز میں کہا۔

"یہ تو بار بار پستول پر ہاتھ کیوں مارتا ہے؟" فائق حسین بولے۔

"تھوڑی بہت ٹریننگ تو ہوئی ہے بھائی جان۔" شہاب نے لاڈ سے کہا...... اتنی دیر میں ثریا بیگم چائے لے آئیں...... شہاب جلدی جلدی چائے پینے لگا پھر اٹھتا ہوا بولا...... "چلتا ہوں مرشد کے تھلے پر حاضری دینی ہے۔"

"کب واپس آئے گا؟" نعیمہ بیگم نے کہا۔

"آستانے سے ہی ہیڈ کوارٹر چلا جاؤں گا ممکن ہے واپسی میں دیر ہو جائے۔"

"اب وہ اینٹوں کا تھلہ آستانہ ہو گیا ہے۔" ثریا بیگم نے کہا۔ شہاب باہر نکل گیا۔

"یہ فتح محمد کچھ چیز ہے۔" فائق حسین سوچ میں ڈوبے لہجے میں بولے۔

"کیا؟" نعیمہ بیگم نے پوچھا۔

"جاہل معلوم ہوتا ہے مگر بڑی عالمانہ گفتگو کرتا ہے۔ میں تو سن کر دنگ رہ گیا۔" فائق حسین نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"جو کچھ بھی ہے پر نیک آدمی ہے۔" نعیمہ بیگم نے کہا۔

"اس کی ایک بات یاد آرہی ہے مجھے۔ میں شہاب کی تلاش میں گیا تھا تو اس نے مجھ سے کہا کہ فائق میاں بہت جلد تمہیں ایک خوش خبری سننے کو ملے گی۔ کیا یہ نوکری ہمارے لئے خوشخبری نہیں ہے؟" فائق حسین نے فتح محمد کی بات دہراتے ہوئے کہا۔

"بہت بڑی خوش خبری ہے۔ کوئی معمولی بات ہے پولیس کی نوکری وارے نیارے ہو جاتے ہیں۔"

"ہاں۔ مگر......" فائق حسین نے آہستہ سے کہا لیکن اس کے بعد خاموش ہو گئے۔

"نا...... نا...... عظیم میاں۔ میاں تمہاری معلومات کچھ غلط ہیں۔ تفصیل کچھ یوں ہے کہ پاک وہند پر برطانوی تسلط کا آغاز لارڈ کلائیو کے ہاتھوں اور انجام لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ہاتھوں ہوا۔ یہ آغاز بھی مسلمانوں کے خلاف سازش تھا۔ آغاز نے بھی مسلمانوں پر ضرب لگائی اور انجام نے بھی...... مسلم لیگ، برطانوی حکومت اور کانگریس کے درمیان طے ہوا تھا کہ تقسیم ہند کی صورت میں ریاستیں اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے میں آزاد ہوں گی اور انہیں کسی سے الحاق کے لئے مجبور نہ کیا جائے گا۔ لارڈ ٹساول نے 12 مئی 1946ء کو وائسرائے ہند پر اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ حکومت برطانیہ بذات خود اقتدار اعلیٰ کسی کو منتقل نہ کرے گی...... وائسرائے کے دست کش ہوتے ہی ریاستیں اپنے مستقبل کے فیصلے کے لئے آزاد ہوں گی لیکن لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ریاستوں کو حق خود اختیاری سے محروم کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی...... برطانوی وزیراعظم اٹیلی کو اچھی طرح علم ہو گیا تھا کہ آسام سے لے کر خیبر تک مسلمان آتش بنے ہوئے ہیں اور تقسیم کے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔ ماؤنٹ بیٹن کو تو مسلم لیگ کے نام سے چڑ تھی اس کا سازشی ذہن کام کرنے لگا۔ اس نے 19 اپریل 47ء سے تقسیم کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ اس نے تقسیم کے سلسلے میں جو بدعنوانیاں کیں وہ ظاہر ہیں مولانا ابوالکلام آزاد اور بیشتر دوسرے گواہ ہیں کہ اس نے اپنے طور پر بڑے سازشی فیصلے کئے مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔

"پولیس آگئی۔" زاہد نے اچھل کر کہا اور جلدی سے کھڑا ہو گیا۔ تھلے کی چارپائیوں پر جمی مجلس اکھڑ گئی از خود فتح محمد بھی حیرانی سے پولیس موبائل کو دیکھنے لگا۔

کچھ لوگ بری طرح سراسیمہ ہو گئے تھے اور کچھ حیرانی سے اپنی جگہ جمے ہوئے موبائل

کی طرف دیکھ رہے تھے جس میں سے مسلح کانسٹیبل بھد بھد کر کے نیچے کود رہے تھے فتح محمد کے منہ سے نکلا۔

"خدا خیر کرے۔" اور پھر خدا نے خیر کر دی کیونکہ موبائل سے اترنے والا آخری فرد شہاب ثاقب تھا۔ اس نے موبائل کے پچھلے حصے سے لڈوؤں کا ٹوکرا اٹھایا اور اپنے ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے فتح محمد کی چارپائی کی جانب بڑھ گیا۔ کانسٹیبل مارچ کرتے ہوئے عقب میں آ رہے تھے۔ حافظ ادریس کے منہ سے نکلا۔

"ارے...... ارے یہ تو اپنا شہابی ہے فتو بھائی۔"

فتح محمد چارپائی سے کھڑا ہو گیا۔ اس نے حیران نگاہوں سے شہاب کو دیکھا اور اس کے بعد اس کی باچھیں کھل گئیں۔

"چشم ما روشن دل ما شاد۔"

سپاہیوں نے سلوٹ کیا اور شہاب نے لڈوؤں کا ٹوکرا چارپائی پر رکھ دیا۔ فتح محمد نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور شہاب اس سے بغل گیر ہو گیا۔

"عزیزی کہا تھا نا ایک دن کسی ایسی ہی حیثیت میں یہاں آؤ گے۔ یہاں تو بھگدڑ مچ گئی تھی۔"

"لڈو لایا ہوں مرشد۔ ٹریننگ مکمل ہو گئی ہے...... دو چار دن میں کسی مناسب جگہ تعینات کر دیا جاؤں گا۔"

"جیتے رہو، ترقی پاؤ۔" فتح محمد نے خوشی سے کہا۔ "اماں دیکھ کیا رہے ہو ٹوکرا کھولو اور ٹوٹ پڑو لڈوؤں پر۔"

"قانون کے لڈو ہیں مرشد۔ حلق سے اتر کر معدے میں پہنچ گئے تو ہیضہ ہو جائے گا۔" کسی نے پر مذاق لہجے میں کہا۔

"قبلہ ابھی تک یہ غیر قانونی ہیں اور آپ کو پتا ہے کہ غیر قانونی لڈوؤں کا ہاضمہ سب سے آسان ہوتا ہے۔ نوش فرمائیے قبلہ آپ اپنے ہاتھ سے کاغذ پھاڑ دیجئے۔" شہاب نے کہا۔

"تمہیں وردی میں دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہے...... ہم اظہار کیا کریں تصنع ہو جائے گا صرف ایک نصیحت کریں گے۔ وہ وردی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اگر اس کی لاج رکھ لو تو ہماری لاج رہ جائے گی۔"

شہاب نے کوئی جواب نہیں دیا...... خاموشی سے فتح محمد کو دیکھتا رہا...... کھانے کے بعد باقی لڈو فتح محمد نے انہی لوگوں کے حوالے کر کے کہا۔ ”محلے بھر میں بانٹ دو اور کہہ دینا کہ سیاں کو توال ہو چکے ہیں لیکن ابھی تک سیاں کی اصل حیثیت سامنے نہیں آئی۔ بہتر یہ ہے کہ اب ہر چیز کا ڈر ہونا چاہئے۔ محلے میں کوئی گڑ بڑ نہ ہو ورنہ صاحبزادے کی ترقی کا آغاز یہیں سے ہو جائے گا۔ ذرا خیال رکھا جائے۔“

”مجھے اب اجازت دیں مرشد، باقاعدہ حاضریوں میں کچھ مشکل ہو گی۔ کم از کم اس وقت تک جب تک کہ کسی جگہ صحیح طور پر تعیناتی نہ ہو جائے۔“

”میاں اول طعام بعد نشست کیا سمجھے؟“۔

شہاب واپس پلٹا سپاہیوں سمیت موبائل میں جا بیٹھا کچھ دیر کے بعد موبائل اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔

آس پاس کے لوگ بھی گردنیں اٹھا کر دیکھ رہے تھے۔ محلے میں کچھ نئی تبدیلیاں ہو رہی تھیں۔ بے باک صحافی ثاقب حسین کی یادیں تازہ کی جا رہی تھیں۔

”کندھے پر انسپکٹر کے پھول جگمگا رہے تھے یہ تو بہت بڑا عہدہ ہوتا ہے۔“

”یہی تو میں کہہ رہا ہوں فتو بھائی۔“ فتح محمد کے ایک ساتھی نے کہا۔

”کیا؟“۔

”یہی کہ پولیس کی اگاڑی پچھاڑی بہت خراب ہوتی ہیں...... اپنا شابی اب شابی نہیں رہا۔ پولیس والا بن گیا ہے ذرا ہوشیاری کی ضرورت ہے۔“

”تم نے ٹھیک کہا واقعی اسے ایک نیک نام افسر بنانے کے لئے ہمارا ہوشیار رہنا بے حد ضروری ہے۔“ فتح محمد نے کہا اور اس کے بعد لڈوؤں کی تقسیم ہونے لگی۔

❁

پولیس موبائل کا تیسرا ریڈ سیٹھ جبار بیگ کی کوٹھی پر ہوا تھا۔ اس دوران وہ کئی جگہوں سے گھومتی ہوئی آئی تھی۔ سیٹھ جبار بیگ اس وقت اپنی کوٹھی کے لان میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے شام کی چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ موبائل پر نگاہ پڑی جو کھلے ہوئے گیٹ کے عین سامنے کھڑی تھی۔

اہل خانہ چونک اٹھے...... ناہید سلیمی بھی اس وقت موجود تھے گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔

”ڈیڈی حضور پپ...... پولیس آئی ہے مم...... میں...... میں چلتا ہوں۔“

”کیوں خیریت، کیا آفس میں ہیروئن کا کاروبار شروع کر رکھا ہے۔“ سیٹھ جبار نے اچانک سوال کیا۔

”نن...... نہیں...... بب...... بالکل نہیں مم...... مگر پولیس کی وردی ہی سے مجھے بچپن سے خوف محسوس ہوتا ہے۔“

”آرام سے بیٹھو۔“ سیٹھ جبار نے نرم لہجے میں کہا۔

”بیٹھ نہ سکوں گا ڈیڈی حضور۔“ ناہید سلیمی نے کہا اور اٹھ کر تیزی سے اندر چلے گئے...... اس دوران پولیس والے پھلوں کے ٹوکرے اتار رہے تھے۔ پھلوں کے ٹوکروں کے ساتھ مٹھائی کا ایک ٹوکرا بھی تھا۔ جبار بیگ تعجب سے ادھر دیکھنے لگے اور پھر انہوں نے شہاب ثاقب کو پہچان لیا اور ان کا منہ بن گیا۔ شہاب ثاقب مارچ کرتا ہوا ان کی جانب آ رہا تھا وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور اپنے خاندان والوں سے بولے۔

”بیٹھو میں دیکھتا ہوں۔“ پھر وہ درمیان ہی میں ان لوگوں کو قریب آنے سے روکنے میں کامیاب ہو گئے...... شہاب ثاقب نے انہیں سلوٹ کیا تھا۔

”ٹھیک ہے مگر یہ سب کیا ہے؟“

”نیاز مندی ہے جناب والا۔“

”پولیس والوں سے کہو ٹوکرے رکھیں اور واپس جا کے گاڑی میں بیٹھیں اور ہاں سنو موبائل گیٹ کے سامنے سے ہٹوا دو۔“ جبار بیگ نے کہا اور شہاب ثاقب کی ہدایت پر پولیس والے فوراً ہدایت پر عمل کرنے چلے گئے...... موبائل گیٹ کے سامنے سے ہٹ گئی۔

”یہ کیا حماقت ہے؟“ جبار بیگ نے کہا۔

”حماقت نہیں جناب من عقیدت ہے۔ نیاز مندی ہے نذرانہ محبت ہے۔“ شہاب نے فدویانہ انداز میں کہا۔

”تم یہاں کیسے آ گئے، میں نے تمہیں کوٹھی کا پتا تو نہیں بتایا تھا؟“

”لیکن حضور آپ نے پولیس میں نوکری دلائی ہے اور آپ کی کوٹھی کا پتا لگا لینا کون سا مشکل کام تھا۔“

”حماقت کی ہر بات سے میں نفرت کرتا ہوں۔ میں نے تمہیں اس لئے پولیس میں

ملازمت نہیں دلائی کہ تم میرے ہی گھر پر ریڈ کردو۔"

"رر..... ریڈ..... یہ تو عقیدت کے پھول ہیں مم..... معاف کیجئے کا پھل ہیں۔"

"تو انہیں یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی۔" جبار بیگ غصیلے لہجے میں بولے پھر ادھر اُدھر دیکھ کر کہنے لگے۔

"اصل میں پولیس کا کسی شریف آدمی کے گھر آنا اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ سنو تمام گھر کے افراد تجسس میں ہیں..... آئندہ خیال رکھنا کیونکہ تم محبت سے آئے ہو اس لئے میں اس وقت کچھ نہیں کہہ رہا لیکن اگر مجھے تم سے کوئی کام ہوا تو میں خود تمہیں فون پر کال کروں گا اور ہماری ملاقات وہیں اسی فلیٹ میں ہو گی جہاں میں نے پہلی بار تم سے ملاقات کی تھی۔ اس چیز کا خیال رکھنا۔"

"جی بہت بہتر۔ آئندہ پورا خیال رکھوں گا۔"

"ویسے اس نوکری سے مطمئن ہو؟"۔

"جناب، آپ کی نوازش اور عنایت کا شکریہ کس منہ سے ادا کروں۔"

"ٹھیک ہے دنیا میں کوئی بھی کام بے مقصد نہیں ہوتا۔ ہر کام کے پس منظر میں کچھ اہم باتیں ہوتی ہیں اور ویسے بھی تم کوئی معصوم آدمی نہیں ہو۔ تمہارے بارے میں اچھی طرح اندازہ لگانے کے بعد ہی میں نے اس معاملے میں ٹانگ اڑائی ہے۔"

"جناب والا مجھے کبھی اپنے احکامات سے منحرف نہیں پائیں گے۔"

"شکریہ۔ اصل میں شہاب پولیس کے ذمے دار ارکان کو اڑے بھڑے وقت کے لئے ہاتھ میں رکھنا پڑتا ہے۔ ویسے میں نیک اور ایماندار آدمی ہوں اور میرا ذریعہ معاش بالکل صاف ہے۔"

"کیا فرما رہے ہیں حضور۔" شہاب ثاقب نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا مطلب؟" جبار بیگ چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"اگر ایسا ہے تو ہماری تقدیر کیسے بدلے گی؟"۔

"فضول باتیں مت کرو تم بہت چالاک آدمی ہو۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں..... تمہاری تقدیر بدلنے کے لئے بہت سے ذرائع میرے علم میں ہیں..... دوستوں اور کرم فرماؤں کے چھوٹے موٹے کام کر دیا کرتا ہوں اب دیکھو ہر شخص کسی نہ کسی مشکل میں گرفتار

ہو سکتا ہے..... لوگ یہ سوچ کے آتے ہیں کہ سیٹھ جبار کے بہت تعلقات ہیں..... چھوٹے موٹے کام کے لئے بڑے افسران سے تو نہیں کہہ سکتا تم جیسے لوگوں کو بھی ہاتھ میں رکھنا پڑتا ہے اور تم میری تخلیق ہو چنانچہ تخلیق کار کا خیال رکھنا تمہارا فرض ہے۔"

"حضور آپ کا خادم آپ کے ہر حکم کو اہمیت دے گا..... آپ اس سے مطمئن رہیں۔ ویسے حضور یہ نیکی اور ایمانداری کے دھندے چھوڑ دیجئے۔ ان میں رکھا کیا ہے۔ اگر آپ نے بھی یہ جاری رکھے تو ہم کیسے جئیں گے؟"۔

"ضرور جیو گے۔" جبار سیٹھ خوش دلی سے بولے۔ پھر انہوں نے کہا "ہاں یہ تو بتاؤ تعیناتی کہاں ہوئی ہے؟"

"اس کے لئے بھی حضور کی کرم نوازی درکار ہے۔"

"اچھا میں متین صاحب سے بات کروں گا اور ان سے کہوں گا کہ کسی اچھی جگہ تمہاری تعیناتی کرا دیں"۔

"اجازت درکار ہے؟"

"جا سکتے ہو۔ لیکن خیال رکھنا اس وقت تم نے بڑی سنسنی پیدا کر دی ہے..... آئندہ کبھی وردی میں ادھر کا رخ نہ کرنا۔"

"ارشاد عالی کی تعمیل ہو گی۔" شہاب ثاقب نے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے کہا پھر ایڑی پر گھوم کر واپس مڑا اور باہر نکل گیا۔

جبار سیٹھ نے ایک لمبی اور گہری سانس چھوڑی..... ناہید سلیمی ایک درخت کی آڑ میں چھپے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے..... جبار بیگ واپس پلٹے ایک ملازم سے کہا کہ پھلوں کے ٹوکرے اور مٹھائی اندر لے جائے۔

"یہ کون تھا پولیس والے کسی کے لئے پھل اور مٹھائی لا سکتے ہیں؟ حیرانی کی بات ہے۔" ناہید سلیمی بھی نکل کر آ گئے تھے۔ "کیا کہہ رہے تھے ڈیڈی حضور۔"

"تمہاری تلاش میں آئے تھے۔ رشوت کے طور پر یہ پھل اور مٹھائی دے گئے ہیں کہ تمہاری تلاش میں مدد کروں۔" جبار بیگ نے کہا اور ناہید سلیمی کا چہرہ فق ہو گیا۔

"مم..... میری تلاش میں..... مجھ..... خدا کی قسم میں نے تو ایسی کوئی بات بھی نہیں کی۔" ناہید سلیمی دہشت بھرے لہجے میں بولے اور جبار بیگ زور سے ہنس دیئے۔

❁

فراست علی کو پینٹ اینڈ ہارڈ ویئر اسٹور میں نوکری مل گئی تھی...... وہ خوش تھا...... ز خوش اس لئے تھا کہ سابقہ بہت اچھے لوگوں سے پڑ گیا تھا۔ پچھلے دنوں وہ مایوسی اور بے کے آخری موڑ پر پہنچ گیا تھا اور اسی جنون نے اسے اس فعل قبیح کے لئے تیار کر دیا تھا جو اب وہ بہت شرمندہ تھا۔

"کاش اس سے قبل ہی تم لوگ مجھے اپنی تحویل میں لے لیتے۔" فراست نے دل گر آواز میں کہا۔

"یار یہ کوئی ایسی اہم بات نہیں ہے جو لوگ ڈاکے افورڈ کر سکتے ہیں ان کے ساتھ ا چھوٹی موٹی بات ہو جائے تو فرق نہیں پڑتا...... ویسے موجودہ دور میں ڈاکو اخلاقی اقدار نابلد نہیں ہیں، ابھی دو چار دن پہلے کی بات ہے کہ ڈاکو کسی گھر میں داخل ہوئے...... اہل افلاس کے شکار تھے...... مال و دولت کی تلاش میں توڑ پھوڑ کر دی...... گھر والوں آنسوؤں نے انہیں متاثر کیا اور وہ بیس روپے اہل خانہ کو دے کر چلے گئے۔"

"میں نے جس گھر میں تجربہ کیا تھا وہاں کے حالات بڑے دلچسپ تھے گھر والوں آپس ہی میں چل گئی تھی۔"

"وہ کیسے؟" انجم شیخ نے پوچھا اور فراست علی ان لوگوں کے بارے میں بتانے لگے۔

"ویسے ڈاکہ زنی بھی اب ایک صنعت بن گئی ہے۔ میرے خیال میں اس سلسلے ایک رسالہ بھی چھپنا چاہئے جس میں ڈاکو اپنے افکار و خیالات کا اظہار کر سکیں۔ میرے ذ میں اس کے لئے نام بھی آ گیا ہے۔"

"کیا؟"

"ماہنامہ ڈکیت" انجم نے کہا۔

"اچھا نام ہے۔" فراست ہنس دیا۔

"ایک پورشن ڈکیتی گائیڈ کا بھی ہونا چاہئے...... ان میں بھی ڈاکو صاحبان کو اسی طر مشورے دیئے جائیں جس طرح خواتین کے رسائل میں بوجھ، بجھکو خواتین کو نف مشورے دیتے ہیں۔ انہیں بتایا جائے کہ ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی۔ آج کل نقلی زیورات دور ہے بلاوجہ دو چار سو کی چیز کے لئے زندگی لینے اور دینے کا خطرہ مول نہ لیا جائے اس

علاوہ کسی بھی صاف ستھرے گھر کو دولت مند گھرانہ سمجھ کر نہ گھس جایا کریں کہ سفید پوشی اس دور میں جینے کے لئے ضروری ہے۔ ورنہ انسان لمحہ لمحہ مرتا ہے۔ جیب خالی ہوتی ہے چہرے پر نقلی چمک ہوتی ہے کہ یہی عزت کا ذریعہ ہے ورنہ آدمی دو کوڑی کا۔ اب ڈاکو صاحب ہیں کہ صاحب خانہ سے مال دریافت کر رہے ہیں اس پر انرجی ضائع کر رہے ہیں اور وہ غریب شرمندہ کہ ان بن بلائے مہمانوں کو کیا دے؟"

"آپ کا تجربہ بے حد وسیع ہے انجم صاحب لیکن کیا آپ اب مجھے اپنے مخلص ساتھیوں میں تصور کرتے ہیں۔" فراست علی نے کہا۔

"ڈبل او سکس الاٹ ہوا ہے تمہیں۔"

"تو پھر مجھے بتایئے یہ شہنشاہ کیا ہے؟"۔

"ہمارا باس۔ ہمارا نظریاتی رہنما۔ ایک مخلص اور سچا انسان جس کا نظریہ ہے کہ معاشرے کی مکروہ برائیوں پر صرف آہ واہ نہ کرتے رہو بلکہ انہیں دور کرنے کے لئے اپنا فرض پورا کرو۔ آہنی ہاتھ اور خفیہ ہاتھ کے فلسفے میں نہ الجھو کہ یہ ایک ہی شخص کے دو ہاتھ ہوتے ہیں بلکہ ہر معاشرتی برائی کے لئے اپنے ہاتھ استعمال کرو۔"

"اس سلسلے میں کچھ کام ہو رہا ہے۔"

"ریکارڈ آفس میں ہونے والی کالوں کی تفصیل ہے۔ کسی وقت پڑھ لینا۔"

"آپ کے وسائل اتنے محدود کیوں ہیں؟"

"اس لئے کہ ہم اپنے کام سے مخلص ہیں ورنہ ہر پراجیکٹ کے لئے امداد بہت مل جاتی ہے۔ پراجیکٹ مکمل نہیں ہوتا اور امداد باہمی ضروریات پر خرچ ہو جاتی ہے۔"

"اصل بات رہ گئی کہ شہنشاہ کون ہے؟"

"کیا ہے یہ تمہیں بتا دیا کون ہے اس کے لئے اس نے کہہ دیا ہے کہ وہ کون ہے ہمیں ضرور بتائے گا لیکن اس دن جب ڈبل او گینگ کے خاتمے کا اعلان کیا جائے گا۔"

"آپ نے اس کے رابطے کیسے ہوئے؟"

"مختلف طریق کار کے تحت لیکن اسی پراسرار انداز میں جیسے تم سے ہوئے۔"

❁

شہاب کو بارہ دری تھانے کا چارج مل گیا۔ متین صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا تھا

"جگہ ضرور ٹیڑھی ہے لیکن کام کی ہے۔ جاؤ ہمارے راج میں عیش کرو۔"

علاقے سے اندازہ ہو گیا تھا کہ جگہ واقعی ٹیڑھی ہے۔ ملی جلی آبادی اور چھو چھوٹے گنجان بازار تھے۔

"سر احکامات دے دیں۔ میں صاف دل آدمی ہوں، صفائی سے سچ کہہ دیتا ہوں" انسپکٹر گل زمان نے کہا۔

"ہاں سچ کہو گل زمان۔" شہاب نے کہا۔

"سر پتی آتی ہے...... سب کا بھلا ہے...... ففٹی پرسنٹ انچارج کی ہوتی ہے۔ وہ ا کرتے ہیں ہم نہیں پوچھتے...... باقی ففٹی پرسنٹ تقسیم ہوتی ہے...... آپ نئے انچارج ہو آپ جیسے حکم دو ویسے کام کیا جائے۔"

"گل زمان، پاپی پیٹ سب کے ساتھ لگا ہوتا ہے جو کر رہے ہو کرتے رہو۔"

"خوش رہیے سر...... جب نئے انچارج صاحب آتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ان سے نیک آدمی اور کوئی نہیں ہے...... تھوڑے دن تک سب کا نقصان کرتے رہتے ہیں پھر ٹھیک ہو جاتا ہے...... آپ بھی دل کے سچے معلوم ہوتے ہیں سر۔"

کام جاری ہو گیا...... شہاب ثاقب کے لئے ابھی یہ تجربہ گاہ تھی...... آہستہ آہستہ تجربات ہوا کرتے ہیں لیکن کچھ اور تجربات بھی زندگی میں کر چکا تھا جن کی روشنی میں آ کی زندگی گزارنے کا انحصار تھا۔

جن لوگوں سے واسطہ تھا وہ غیر مطمئن نہیں ہوئے تھے کیونکہ شہاب نے اختیارات کو کسی پر استعمال نہیں کیا...... ماحول جس قسم کا تھا شاید وہ اس سے غیر متفق تھا...... یوں سلسلہ جاری رہا...... واقعات تبدیل ہوتے رہے...... مرشد سے بھی مشورے بھی ہو جاتے...... ویسے گھر والے غیر مطمئن تھے...... فائق حسین اور واثق حسین تو شاید ابھی تک یقین نہیں آیا تھا...... دو دفعہ تھانے آ کر دیکھ چکے تھے اور جب انچارج کرسی پر شہاب کو بیٹھے دیکھتے تو حیرانی سے ان کے چہرے عجیب ہو جاتے...... سیٹھ جبار دوبارہ ملاقات کی کوشش نہیں کی۔ وہ آدمی بڑے تھے۔ آہستہ آہستہ سارے اندازے بد جا رہے تھے۔ زندگی انہی دلچسپ تجربات کا نام ہے پھر ایک دن اپنے علاقے کے ایک میں موبائل میں آ رہا تھا کہ اچانک شدید فائرنگ کی آواز سنائی دی...... موبائل کے ڈر

نے اس آواز پر توجہ نہیں دی تھی۔

"بہرے ہو گاڑی روکو...... کہیں فائرنگ ہوئی ہے" شہاب نے کہا۔

"جی سر۔" ڈرائیور نے حکم کی تعمیل کی اور کہا۔ "سر جب فائرنگ کی آواز آتی ہے تو رکنا مناسب نہیں ہوتا...... تھانے کا ایک چکر لگا آئیں اس کے بعد واپس آ کر دیکھیں گے کہ فائرنگ کہاں ہوئی؟" شہاب نے آنکھیں پھاڑ کر ڈرائیور کو دیکھا۔

"گل زمان سمت کا کوئی اندازہ ہوا؟" اس نے پوچھا۔

"جی سر تھوڑا۔" گل زمان نے بھینچی ہوئی آواز میں کہا۔

"چلو گل زمان اسے گائیڈ کرو۔" شہاب نے گل زمان سے کہا۔

"چلو امیر خان آگے چوراہے سے داہنی سمت موڑ لو۔"

گل زمان بولا اور امیر خان ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

"تم کیا بکواس کر رہے تھے ہمارے علاقے میں فائرنگ ہو رہی ہے اور کہتے ہو کہ جب فائرنگ ہوتی ہے تو گاڑی کو نہیں روکنا چاہئے۔"

"ہمارے تمام تھانوں میں اپنے طور پر یہ اصول بنائے گئے ہیں۔"

"تمہارا دماغ خراب ہے۔" شہاب نے کہا...... ڈرائیور نے خاموشی سے سامنے کی جانب نگاہیں جما دیں...... کچھ دیر بعد وہ ایک بھرے پرے علاقے میں پہنچ گئے۔ تین آدمی ایک جگہ کھڑے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے تھے...... گل زمان کے اندازے کے مطابق فائرنگ اسی طرف ہوئی تھی لیکن گل زمان کے انداز میں کوئی گرم جوشی نظر نہیں آئی تھی جبکہ شہاب پھرتی سے نیچے اتر گیا تھا۔ جگہ جگہ کھڑے ہوئے لوگوں نے موبائل کو حیرت سے دیکھا...... یہ بات ان کے لئے قابل تعجب تھی کہ کسی واردات کے بعد اتنی جلدی پولیس موبائل وہاں پہنچ جائے...... تاہم وہ جلدی جلدی اپنی دکانوں پر چڑھ گئے اور اس طرح بیٹھ گئے تھے جیسے انہیں صورت حال کا علم ہی نہ ہو...... شہاب گل زمان کے ساتھ ادھر اُدھر نگاہیں دوڑانے لگا پھر آہستہ آہستہ ایک جانب بڑھ گیا...... ملی جلی آبادی تھی، مکانات اور دکانیں بھی تھیں...... ایک دکاندار کے قریب پہنچ کر اس نے اسے گھورا تو دکاندار بدحواس نظر آنے لگا۔

"فائرنگ کہاں ہوئی تھی؟"

"فف...... فائرنگ۔" دکاندار نے خوفزدہ نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔

"پتا نہیں جی بچے کہیں پٹاخے چلا رہے تھے یہیں محلے میں۔"

"کیا؟" شہاب نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"ہاں جی وہ بچے پٹاخے چلا رہے تھے۔"

"یہ پٹاخوں کی آواز نہیں تھی۔"

"تھی جی بالکل پٹاخوں کی آواز تھی۔ آپ کو پتا نہیں ہے تھانیدار صاحب آج کل میں بڑے بڑھیا پٹاخے آگئے ہیں۔"

"زیادہ چالاک بننے کی کوشش مت کرو...... گل زمان اس سے معلوم کرو کہ فا کہاں ہوئی تھی۔"

"اور بھی تو بہت سے لوگ ہیں جی ہم ہی سے کیوں معلوم کر رہے ہیں۔ ہم ہاتھ صاف ہیں جو ہماری ذمے داری ہے پوری کرتے رہتے ہیں۔ کیوں صاب جی ہم غلط تو کہہ رہے۔"

دکاندار نے گل زمان کو دیکھتے ہوئے کہا اور گل زمان نگاہیں چرانے لگا۔ پھر شہاب دیکھ کر جلدی سے ڈپٹ کر بولا۔

"زیادہ بکواس کرے گا تو ابھی کمر پر بید لگاؤں گا۔ بول کدھر سے آواز آئی تھی؟" زمان نے اسے گھورتے ہوئے کہا اور پھر آہستہ سے آنکھ مار دی۔

"صاب جی، آپ کسی اور سے معلوم کرلو ہم تو سودا بیچ رہے تھے۔ یہی سمجھے پٹاخوں کی آواز تھی۔"

شہاب کی نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں...... ایک دکان کے سامنے درخ ہوا تھا...... اس کے نیچے کچی زمین تھی۔ وہاں اسے کچھ ایسے نشانات نظر آئے جنہیں دیکھ چونک اٹھا اور پھر اس کے قدم ان نشانات کی جانب اٹھ گئے...... اچھا خاصا خون پھیلا جسے جلدی جلدی کپڑے سے صاف کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ شہاب اس کے نزدیک گیا...... آس پاس کوئی موجود نہیں تھا۔ قرب وجوار میں جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے وہ شہا خوفزدہ آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ شہاب نے کھڑے ہوکر گل زمان کو اشارہ کیا ا زمان قریب آگیا۔

"جی صاب جی۔"

"دیکھو یہ کیا ہے؟" شہاب نے کہا اور گل زمان جھک کر خون دیکھنے لگا۔

"خون ہے صاب جی۔" گل زمان نے کہا۔

"اسے صاف کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔"

"لگتا تو یہی ہے۔"

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خون کس کا ہے؟"۔

"کیا کہا جاسکتا ہے صاب جی۔"

"تازہ ہے اور بالکل نہیں جما اس کا مقصد ہے کہ جو فائرنگ یہاں ہوئی ہے اسی سے زخمی یا ہلاک ہونے والوں کا خون ہے اور غالباً پولیس موبائل کے آنے پر اسے صاف کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔"

"ایسا ہی لگتا ہے صاب جی۔"

"تم فوٹو گرافر کو بلاؤ۔ موبائل پر اطلاع دو...... عملے کے چند اور افراد کو بھی بلالو میں ان لوگوں سے معلومات حاصل کرتا ہوں۔"

تمام دکانداروں کو دکانوں سے نیچے اتار لیا گیا...... راہ گیر اور آس پاس کے لوگوں کو بھی بلالیا گیا لیکن کوئی بھی یہ بتانے کو تیار نہیں تھا کہ یہاں کیا ہوا ہے...... سب نے ایک ہی بیان دیا تھا کہ محلے کے بچوں نے پٹاخے چلائے ہوں گے اور اس خون کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتے۔

شہاب نے چار پانچ آدمیوں کا انتخاب کیا اور گل زمان سے کہا کہ انہیں تفتیش کے لئے حراست میں لے کر تھانے لے جاؤ...... ان لوگوں کو پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔

فوٹوگرافر نے تصاویر وغیرہ بنائیں۔ شہاب ثاقب معلومات حاصل کرتا رہا اور اس کے بعد موبائل واپس تھانے چل پڑی...... شہاب کو یقین تھا کہ علاقے میں کوئی واردات ضرور ہوئی ہے اور لوگ کسی وجہ سے اس کے بارے میں بتانے سے گریز کر رہے ہیں...... خون کا تھوڑا سا نمونہ بھی ساتھ لے لیا گیا تھا...... لیبارٹری میں تجزیے کے بعد پتا چل سکتا تھا کہ یہ انسانی خون ہے یا نہیں۔ گل زمان گرفتار شدگان کو اتار کر اندر لے گیا۔

"گل زمان ان لوگوں سے معلومات حاصل کرو اور خون کا یہ نمونہ لیبارٹری بھجوا دو

تجزیہ کر کے مجھے بتایا جائے کہ یہ انسانی خون ہے یا نہیں؟"۔

"جی صاب جی۔" گل زمان نے آہستہ سے کہا پھر وہ گرفتار شدگان کو لے کر ڈرائنگ روم کی جانب چل پڑا...... ڈرائنگ روم تھانے کے اصطلاحات میں عقوبت خانے کو کہتے ہیں جہاں بڑی بڑی نایاب چیزیں موجود ہوا کرتی ہیں اور یہ نایاب چیزیں بڑے بڑوں کی کھلوادیا کرتی ہیں۔

شہاب اپنی کرسی پر آکر بیٹھ گیا...... اس نے آنکھیں بند کر کے کرسی کی پشت سے گردن ٹکالی...... اس واقعے کے بارے میں غور کر رہا تھا...... وہ ساری باتیں ذہن میں تھیں جو کہی جاتی ہیں...... اخبارات کی زینت بنتی ہیں...... لوگوں کی زبانوں سے سنائی دیتی ہیں...... تبصرہ نگاران پر تبصرہ کرتے ہیں...... ڈرائیور کا جملہ۔

"سر جہاں فائرنگ ہوتی ہے وہاں موبائل کو رکنا نہیں چاہیئے۔" بار بار اس کے ذہن میں گونج رہا تھا۔ اِدھر ڈرائنگ روم سے چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں غالبًا گل زمان ان پر تھرڈ ڈگری آزما رہا تھا۔ شہاب کو ایک دم یہ خیال ہوا کہ کہیں گل زمان ان میں سے کسی کو زخمی نہ کر دے...... وہ خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھا۔ برابر میں ایک راہداری ڈرائنگ روم تک جاتی تھی۔ ڈرائنگ روم میں کھڑکی تھی مگر کئی شیشے ٹوٹے ہوئے تھے۔ شہاب نے یہاں سے جھانک کر اِدھر دیکھا۔ گل زمان اطمینان سے کرسی پر بیٹھا تھا اور سے گرفتار شدگان ایک جانب کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"بس صاب جی اپنے تو پیٹ میں درد ہو گیا ہے۔"

"ابے چیخو چلاؤ جان بچانی ہے سسر و تو چیخو چلاؤ...... اگر صاب آ گیا تو پھر تم اصل میں چیخنے چلانے لگو گے۔"

"صاب نئے معلوم ہوتے ہیں انسپکٹر صاب۔"

"نئے تو ہیں مگر برے آدمی نہیں ہیں...... سب کو آہستہ آہستہ ہی سمجھیں گے اصل میں نئے لڑکے بھرتی کر لئے گئے ہیں...... کام کے تو ہیں لیکن ابھی کام کرنا جانتے نہیں ہیں...... ابے میں کہتا ہوں تم چیختے ہو یا نہیں۔" اور جواب میں دو افراد پھر چیخنے چلانے لگے۔

شہاب گہری نظروں سے انہیں دیکھتا رہا پھر اس کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ پھیل گئی اور اس کے بعد وہ واپس اپنے کمرے میں آکر بیٹھ گیا...... بعد میں وہ دیر تک

بیٹھا رہا کچھ دیر کے بعد گل زمان اندر آ گیا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے...... چہرے سے تھکن ظاہر ہو رہی تھی۔

"صاب جی ان سسروں کو واقعی کچھ معلوم نہیں ہے...... آپ جیسا حکم کرو۔"

"جب کچھ معلوم ہی نہیں ہے تو پھر انہیں لاک اپ میں رکھنے کا فائدہ چھوڑ دو۔"

"یہی میرا خیال ہے...... بلاوجہ کوئی رپورٹ بھی ہمارے پاس نہیں ہے...... یہ لوگ آگے بھی شکایت کر سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے...... تم تجربے کار آدمی ہو ذرا میری مدد کرتے رہا کرو...... تمہیں پتا ہے کہ میں نیا نیا انچارج بنا ہوں۔"

"صاب جی گل زمان کا تجربہ بہت پرانا ہے...... اگر ہمارے تجربے سے فائدہ اٹھاؤ گے تو فائدے ہی فائدے میں رہو گے۔"

"تو کون منع کرتا ہے یار گل زمان خان، کمال کرتے ہو...... تم نے جو کام کی بات کی میں نے تم کو منع کیا۔"

"یہ تو خوشی کی بات ہے صاب...... ہماری بڑی گاڑھی چھنے گی تو پھر انہیں چھوڑ دیں؟"

"ہاں چھوڑ دو۔"

"اچھا ہم انہیں چھوڑ کر ابھی آتے ہیں۔"

گل زمان باہر نکل گیا اور شہاب پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا...... کیا عجب ہے کہ خون کی رپورٹ میں بھی یہ پتا چلے کہ کوئی کتا زخمی ہو گیا تھا اور اس کا خون زمین پر پڑا ہوا تھا...... وہ گردن ہلانے لگا لیکن یہ تجسس اس کے ذہن میں تھا کہ آخر ہوا کیا ہے کون زخمی ہوا ہے اور اگر زخمی یا ہلاک ہوا ہے تو کہاں اور کس نے غائب کیا...... گل زمان کے سر پر دست شفقت پھیر کر بہرحال یہ انکشاف بھی ہو سکتا تھا۔ شہاب دھیرے سے مسکراتا رہا۔

❁

دوپہر کا وقت تھا...... فتح محمد نے مسکرا کر شہاب کا استقبال کیا، اس وقت ٹھلے پر کوئی نہیں ہوتا تھا...... فتح محمد اسے اندر لے گئے۔

"یہ رکھ لیں فتو بھائی۔" خلاف عادت شہاب نے انہیں مرشد کے بجائے فتو بھائی کہا...... ایک رومال نکال کر دے دیا جس میں کچھ بندھا ہوا تھا۔

"ہوں تو شروع ہو گیا۔"

"ہاں یہ تو بہت ضروری تھا...... آپ اچھی طرح جانتے ہیں بے کسی اور کسمپرسی زندگی دل و دماغ میں ایسے زخم ڈالتی ہے کہ جینا مشکل ہو جاتا ہے...... مجھے علم ہے کہ بڑ بھائی کتنے مقروض ہیں...... فائق اپنی تعلیم کس طرح جاری رکھے ہوئے ہے...... گھر حالات کا مجھے اندازہ ہے...... بھابی ثریا جہیز میں کئی چھوٹے موٹے زیور لائی تھیں تو وہ آہ آہستہ گھر کی عزت کی نذر ہو گئے۔ میں ان کے زخموں کا علاج کر کے ان سب کو تندرس کرنا چاہتا ہوں۔"

"وہ لوگ قبول کر لیں گے؟"۔

"آپ میرا نظریہ جانتے ہیں...... وہ ایک ایسا گھر ہے جو میری نگاہوں کے سا ہے...... میں سب سے پہلے اس گھر کا علاج کرنا چاہتا ہوں۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" فتح محمد نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا "لیکن ان تک رقم پہنچا طریقہ کیا ہو گا؟"۔

"ابھی اس کا فیصلہ نہیں کر سکا ہوں...... آپ ہی کچھ سوچئے۔"

"اس نوکری سے تو مطمئن ہو؟"۔

"ہاں...... میں جس نوکری کا خواہش مند تھا وہ اس طرح مجھے ملی ہے کہ میں ششد گیا ہوں۔"

"صرف احتیاط شرط ہے۔" فتح محمد نے کہا۔

"اطمینان رکھیں...... تجربہ ہی تو میرا سرمایہ ہے۔"

"کیا دعا دوں تمہیں سمجھ میں نہیں آتا۔" فتح محمد نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا "صرف تمہیں ایک نصیحت کریں گے گرہ میں باندھ لو...... میاں اعتدال اس کائنات سب سے اچھی چیز ہے اگر چھلانگیں لگاؤ گے تو منہ کے بل گرو گے جو کچھ دل میں ہے کرو لیکن اس طرح کہ ٹھوکر نہ کھا جاؤ۔"

"آپ کی نصیحت گرہ میں باندھ لی ہے۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

احاطہ بہت بڑا تھا...... سامنے کے حصے میں چائے خانہ تھا۔ میزیں تھیں اور کاؤنٹر بنا ہوا تھا۔ یہاں صرف عمدہ اور بہترین چائے ملتی تھی...... چائے خانے کے عقبی حصے میں نواب گٹو کی بیٹھک تھی...... نواب گٹو کے بارے میں پورے علاقے کو خبر تھی۔ سوائے تھانہ انچارج شہاب کے بنیادی وجہ یہ تھی کہ اسے ابھی ایسی باتوں کا کوئی تجربہ نہیں تھا...... نواب گٹو اس وقت بھی ایک بڑے سے تخت پر قالین بچھائے گاؤ تکیے کے ساتھ شاہانہ انداز میں نیم دراز تھا...... اس کے اطراف لوگ کھڑے ہوئے تھے...... پھر ایک دبلے پتلے بدن کا لمبا سا آدمی اندر داخل ہوا تو نواب گٹو نے اسے گھورتے ہوئے فلم "شعلے" کے ولن امجد خان کی اداکاری کر کے کہا۔

"کیا رہارے کیا کر کے آیا ہے؟"۔

"سرکار، دونوں ٹھکانے لگا دیئے۔"

"ڈھنگ کی جگہ پھینکا ہے نا، برآمد ہو گئے تو جانتا ہے کیا ہو گا؟"۔

"اس سے پہلے کبھی کچا کام کیا ہے؟"۔

"اسی میں تو زندگی چھپی ہوئی ہے رے...... کچا کام کرنے والے اسی طرح ہی ٹوٹ جاتے ہیں...... کھوبے کیسا جملہ کہا ہے میں نے۔"

"کیا بات ہے سرکار۔ آپ تو پورے ادیب ہیں۔"

"اور دوسری بات سنی سرکار۔" ایک اور آدمی نے مداخلت کی جو ابھی ابھی آکر خاموشی سے کھڑا ہو گیا تھا۔

"ارے او رے چمنوا، ارے ہم تجھ سے کتنی بار کہہ چکے ہیں کہ بیچ میں بات مت کیا

کر۔"نواب گٹو نے آنے والے کو گھورتے ہوئے کہا۔

"سرکار بیچ ہی کی بات ہے بیچ میں نہ کہی تو مزا کرکرا ہو جائے گا۔"

"بول پھر بول کیا بات ہے؟"نواب گٹو بالکل امجد خان کی اداکاری کر رہا تھا۔

"سرکار تھانہ انچارج بدل گیا ہے۔"

"کیا؟"نواب گٹو تخت پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"جی سرکار اور انہوں نے ہمیں خبر بھی نہیں دی۔"

"ارے مگر تھانہ انچارج کیسے بدل گیا، کب بدل گیا، یہ تو تم لوگوں کو پتا ہے کہ ہم نے پہلے انچارج کے تبادلے کے لئے کہا تھا اور ہم سے وعدہ کیا گیا تھا کہ اس کا تبادلہ کر دیا جائے پر نیا تھانے دار ہماری مرضی کا کیوں نہیں آیا..... ارے اور یے چمنوا کون ہے وہ؟"

"سرکار، شہاب ثاقب نام ہے آدمی کچھ ٹیڑھا لگتا ہے۔"

"ہم نے بہت سے ٹیڑھے سیدھے کر دیئے ہیں اس میں کیا ٹیڑھا پن ہے۔"

"سرکار وہ اتفاق سے اسی وقت اسے پتا چل گیا جب ہم نے صفائی کی تو وہ ادھر آ مڑ گیا..... موبائل آتے دیکھ کر ہم نے لاشیں تو ہٹا دی تھیں..... خون بھی صاف کر دیا تھا کچھ نشان رہ گئے اس نے باقاعدہ معائنہ کیا اور زمین پر سے تھوڑا سا خون بھی اٹھا کر لے گیا ہے۔"

"ہیں۔"نواب گٹو کچھ دیر سوچ میں ڈوبا رہا..... وہ اپنے الٹے ہاتھ کی انگلی سے گال کھجا رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"تھانہ انچارج کو ہمارے بارے میں خبر کر دی گئی؟"

"ابھی کہاں سرکار۔"

"کیا وہ سارے حرام خور بھی بدل گئے؟"

"نہیں سرکار وہ تو سب کے سب جوں کے توں ہیں۔"

"ملاؤ موبائل فون۔"نواب گٹو نے کہا اور جلدی سے اس کے پاس رکھا ہوا موبائل فون اٹھا کر انہی میں سے ایک شخص نے کوئی نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد دوسری طرف سے آواز آئی۔

"گل زمان کیا بات ہے؟"

"نواب صاحب آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"او ہو..... اچھا بات کراؤ۔"دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ارے او رے گلاب کے پھول سنا ہے تیرا انچارج بدل گیا ہے رے۔"

"جی..... جی نواب صاحب نئے انچارج صاحب آگئے ہیں۔"

"ارے تیرے انچارج صاحب کی....."نواب گٹو نے ایک موٹی سی گالی بکی پھر بولا۔

"کیسا آدمی ہے رے، سنا ہے تفتیش پہ آیا تھا ہمارے ٹھکانے پر....."

"ہاں آئے تو تھے لیکن سب ٹھیک ہو گیا ہم جو آپ کے خادم یہاں موجود ہیں تو آپ کو کس بات کی پرواہ۔"

تو نواب گٹو کے آدمیوں نے جلدی سے کہا۔

"سرکار وہ بندے بھی اٹھا لے گیا تھا۔"

"ہیں..... بندے اٹھا لے گیا تھا۔"نواب گٹو چونک کر بولا۔

"ہاں نیا آدمی ہے نا بندے واپس چلے گئے۔"

"کچھ بولے۔"

"کچھ نہیں ان سے کچھ پوچھا ہی نہیں گیا اور ویسے بھی آپ کے خلاف کوئی بول سکتا ہے۔"دوسری طرف سے آواز آئی اور نواب گٹو مطمئن انداز میں ہنسنے لگا۔

"خیال رکھیو بچے خیال رکھیو کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہونے پائے ورنہ تو تو نواب گٹو کو جانتا ہی ہے۔"

"اچھی طرح جانتا ہوں لیکن آپ کو پتا ہے کہ ہاتھ پاؤں ہلانے سے کام بنتا ہے۔"

"بولنا کیا چاہتا ہے رے؟"

"باجرہ، نواب باجرہ۔"جواب میں نواب گٹو پھر اسی انداز میں ہنسنے لگا۔

"سسرے کو لے آ اسے باجرہ بھی کھلا دیں گے..... کبوتر ہے دانہ چگ لے گا خوش ہو جائے گا۔"

"نواب خود ملاقات کے لئے آجاؤ تو اچھا ہو گا۔"

"کیا بک رہا ہے؟"

"نہیں نواب تمہیں جو مشورہ دیتا ہوں وہ سوچ سمجھ کر ہی دیتا ہوں آگے تمہاری مرضی۔"

"ہوں۔" نواب گٹو سوچنے لگا۔ "ٹھیک ہے تو کہہ رہا ہے تو آجائیں گے۔"

"خدا حافظ۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور نواب گٹو نے بھی فون بند کر دیا۔

دن کے دو بجے کا وقت تھا...... تھانے کے سپاہی آرام کر رہے تھے...... خود شہاب بھی اپنے آفس کی کرسی پر نیم دراز تھا...... اس کی میز کے عقب میں ایک کھڑکی کھلی ہوئی تھی جس کی دوسری طرف احاطے کی دیوار کے ساتھ درخت جھول رہے تھے...... دفعتاً اس نے تھانے کے احاطے کی دیوار کے عقب سے ایک سر اُبھرتے ہوئے دیکھا...... دیوار پر کوئی چڑھ رہا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ دیوار پر نمودار ہوا اور پھر دوسری طرف کود گیا...... شہاب نے ایک نوجوان لڑکی کو دیکھا جو احاطے میں کودنے کے بعد چوروں کے سے انداز میں چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔

شہاب سنبھل گیا...... کون ہے یہ لڑکی اور اس طرح تھانے کے دروازے سے اندر آنے کے بجائے کود کر کیوں آئی؟ اس نے کچھ دیر انتظار کرنے کا فیصلہ کیا...... جب لڑکی نظروں سے اُوجھل ہوئی تو وہ کرسی پر سے اٹھ گیا...... اچانک ہی باہر شور مچنے لگا...... سپاہی چلا رہے تھے اور کچھ بھگدڑ سی مچ گئی...... شہاب برق رفتاری سے میز کے عقب سے نکلا لیکن ابھی کمرے کے دروازے تک ہی پہنچا تھا کہ اچانک کوئی دروازے سے اندر داخل ہوا اور شہاب سے ٹکرایا...... شہاب نے اپنے آپ کو سنبھالا اور پھر فوراً ہی جھکائی دے کر اندر داخل ہونے والے کے بازوؤں کے گرد اپنے ہاتھوں کا حلقہ ڈال دیا...... نرم و نازک سریلی چیخ فضا میں اُبھری اور اس کے ساتھ ہی تین کانسٹیبل اندر گھس آئے، جو شخصیت شہاب کی گرفت میں آئی تھی وہ اسی لڑکی کی تھی، نرم و گداز بدن، میلا کچیلا لباس ہاتھوں میں ایک سپاہی کی رائفل جسے اس نے بڑے غیر محفوظ انداز میں پکڑا ہوا تھا...... شہاب نے فوراً ہی اس کے ہاتھوں کی کلائیوں پر اپنے پنجوں کی گرفت ڈالی اور انہیں موڑ کر عقب میں لے گیا...... رائفل لڑکی کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑی...... جسے دوڑ کر سپاہی نے اٹھا لیا تھا...... لڑکی ہانپ رہی تھی، اس کے چہرے پر وحشت منجمد تھی...... عمر دین نے دانت نکال کر کہا۔

"چور کی بچی، رائفل چرا کر بھاگ رہی تھی۔"

"یہ بندوق مجھے چاہئے...... میں چور نہیں...... یہ بندوق تھوڑی دیر کے لئے مجھے دے

دو...... میں خون کرنا چاہتی ہوں۔"

"ارے واہ تھانے کی بندوق چرا کر خون کرنا چاہتی ہے۔"

شہاب غور سے لڑکی کو دیکھ رہا تھا...... سانولا سلونا رنگ...... بڑی بڑی آنکھیں، دلکش نقوش، عمر اٹھارہ انیس سال کے درمیان، بھرا بھرا بدن، دیکھنے میں خوبصورت نظر آتی تھی لیکن کسی نچلے طبقے سے تعلق رکھتی تھی...... اس کے چہرے پر شدید وحشت نمایاں تھی اور وہ بُری طرح بپھری ہوئی تھی...... شہاب نے ایک نگاہ میں اس کا جائزہ لے لیا...... سپاہی عمر دین نے اپنی رائفل سنبھالنے کے بعد طیش میں آکر لڑکی کی طرف بڑھنا چاہا...... باقی دونوں سپاہی بھی اس پر کودنے کے لئے تیار تھے...... شہاب نے دونوں ہاتھ سیدھے کر دیئے۔

"اے کیا بدتمیزی ہے پیچھے ہٹو...... لڑکی پر ہاتھ اٹھاؤ گے۔"

"صاب یہ چور ہے اگر یہاں نہ گھس آتی تو نکل بھاگتی...... میں بیٹھا ہوا باتیں کر رہا تھا اور رائفل میرے برابر رکھی ہوئی تھی...... نجانے کم بخت کدھر سے چھپ کر آئی...... رائفل پر جھپٹا مارا اور لے کر بھاگی...... یہ تو گیٹ کی طرف جا رہی تھی اتفاق سے ادھر سے یہ دونوں آرہے تھے انہیں دیکھ کر واپس پلٹی اور راستہ نہ ملنے پر آپ کے کمرے میں گھس آئی...... نکل گئی ہوتی تو ہماری مصیبت آجاتی۔"

"جاؤ میں تم سے بعد میں بات کروں گا۔" شہاب نے انہیں ڈانٹ کر کہا اور لڑکی سے مخاطب ہوا۔ "لڑکی تم بیٹھ جاؤ...... اگر تم نے زیادہ بدتمیزی کی تو۔"

"تو مارو گے نا مجھے صاب...... ارے تم لوگ اور ہوتے ہی کیا ہو...... بے گناہوں پر ہی تمہارا ہاتھ اٹھتا ہے...... کسی گناہ گار پر ہاتھ اٹھا کر دیکھو تمہارا ہاتھ توڑ دے گا...... تم سب ہی ایک جیسے ہوتے ہو...... کوئی کسی کا ہمدرد نہیں ہے اس دنیا میں...... کوئی کسی کے لئے کچھ نہیں کرتا...... تم سب ایک دوسرے کے مددگار ہو...... تم پیسا کھاتے ہو ورنہ انسان تو ہم بھی ہیں...... مت دو بندوق مار دو ہمیں۔"

اس کی آواز آہستہ آہستہ آنسوؤں میں رندھ گئی...... شہاب خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تھا...... اتنی دیر میں ایک سپاہی پانی لے کر آگیا اور شہاب نے گلاس اس کے ہاتھ سے لے کر اسے واپس جانے کا اشارہ کیا...... سپاہی معنی خیز انداز میں شہاب کو دیکھ کر مسکراتا ہوا باہر نکل گیا...... شہاب کو اس وقت اس کی مسکراہٹ سے شدید نفرت محسوس ہوئی لیکن اس نے

خاموشی اختیار رکھی...... لڑکی اب دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر رونے لگی تھی...... شہاب ہمدردی سے اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"سنو بہن بیٹھ کر مجھے اپنے دل کا درد سناؤ...... ہو سکتا ہے کہ میں دوسرے لوگوں سے مختلف نکل آؤں...... پانی پی لو...... میں نے تمہیں بہن کہا ہے میرے ان الفاظ کی لاج رکھو۔"

اس نے ہاتھ بڑھا کر پانی کا گلاس لے لیا پھر روتے ہوئے وہ پانی پی لیا اور گلاس میز پر رکھ کر پھر سے رونے لگی۔ شہاب نے اسے رونے دیا...... لڑکی دیر تک روتی رہی تھی۔ کانسٹیبل باہر کھڑے کھسر پھسر کرتے رہے تھے۔

"پاگل سمجھتے ہو گے نا مجھے...... اس نے میرے چاچو کو مارا ہے...... اس دنیا میں میرا ان کے سوا کوئی نہ تھا...... اس نے میرے دونوں باپوں کو مار دیا ہے...... انہوں نے ہی تو پالا تھا مجھے...... اب کون مجھے پالے گا...... میرے لئے زندگی کتنی مشکل ہو گئی ہے آپ کو پتا نہیں ہے...... میں آپ کو کیا بتاؤں؟"

"مجھے سب کچھ بتا دو کس نے مار دیا ہے تمہارے چاچو کو...... کون ہے وہ درندہ، اگر میں تم سے وعدہ کر لوں کہ میں اس سے تمہارے چاچو کا بدلہ لوں گا تو تمہیں اس پر یقین کر چاہئے...... بتاؤ کون ہے وہ، کس نے مارا ہے؟"۔

"ارے صاب آپ سے پوچھے بغیر کون کس کو مارتا ہے...... آپ ہی نے تو سب کو اپنے سر پر بٹھا رکھا ہے جو آپ کو مال دیتا ہے آپ اس کی قدر کرتے ہو اور جو آپ کو مال نہیں دیتا آپ نے اس کو دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"پوچھ کر تمہیں کیا ملے گا؟"

"پھر بھی؟"

"صفیہ۔" اس نے کہا۔

اچانک ہی گل زمان اندر آ گیا...... وہ آؤٹ ڈور تھا اور ابھی واپس آیا تھا...... اندر داخل ہو کر اس نے سلوٹ کیا۔

"آپ مصروف ہیں سر۔"

"بیٹھو۔ کام ہو گیا۔"

"کہاں سر دونوں شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔" گل زمان نے لڑکی کو دوبارہ دیکھ کر کہا۔ "پوچھ سکتا ہوں سر۔ یہ کون ہے؟

"اس کے دو چچاؤں کو قتل کر دیا گیا ہے...... وہی اس کے کفیل تھے۔"

"کس نے قتل کر دیا ہے؟"

"نواب گٹو نے؟"

"ایں۔" گل زمان اُچھل پڑا...... پھر لڑکی کو گھور کر بولا۔

"کون ہے ری تو کیا نام ہے تیرا؟" گل زمان نے لڑکی کو گھور کر کہا۔

"صفیہ نام بتاتی ہے لڑکی۔" شہاب نے جواب دیا...... لڑکی بدستور رو رہی تھی۔

"اس کے چچاؤں کے نام کیا ہیں؟" گل زمان نے پھر کہا۔

"خیر محمد اور نیک محمد نام بتاتی ہے۔"

"کہاں کی رہنے والی ہے بھئی تو؟"

"اسی محلے کی۔"

"بات سمجھ میں نہیں آتی کوئی چکر لگتا ہے...... کون سے گھر میں رہتی ہے تو اور نیک محمد اور خیر محمد کو نواب گٹو نے کیوں قتل کر دیا ہے؟"

"تجھے کیا بتاؤں میں...... میں نے تو خود تجھے نواب گٹو کے پاس کئی بار دیکھا ہے...... تم لوگ میری کیا مدد کرو گے...... جاتی ہوں...... اپنے چاچو کے قاتلوں کو نہیں چھوڑوں گی۔"

"لڑکی آرام سے بیٹھو...... نہیں تو میں تمہیں لاک اپ میں بند کر دوں گا۔"

"بند کر کے دیکھو...... اپنی جان دے دوں گی، مگر بدلہ لینے سے باز نہ آؤں گی...... پورے محلے کا ناک میں دم کر رکھا ہے نجانے کتنے گھروں کے چراغ بجھا دیئے ہیں اس نے اور کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا...... میں کہتی ہوں کوئی مائی کا لال ایسا آئے اس دنیا میں جو نواب گٹو کو بھی سزا دے...... تم سب سرکار کا مال کھاتے ہو، کہتے ہو لوگوں کی مدد کرتے ہو...... کس کی مدد کی ہے تم نے آج تک...... بولو...... رفیق چاچا مارے گئے...... وہ گبھرو جوان جس کا نام شہزاد تھا...... اس نواب گٹو کے ہاتھوں مارا گیا اور کتنے مارے گئے ہیں نام پتا نہیں ملا ان کا تم

"کیا بک بک کئے جا رہی ہے ایک ایسے آدمی کے بارے میں تو بات کر رہی ہے جو محلے میں فرشتہ سمجھا جاتا ہے، جو لوگوں کی ہزاروں ضرورتیں پوری کرتا ہے۔"

"اس فرشتے سے ذرا میرا بھی تعارف کرادو گل زمان۔"

شہاب نے کہا۔

"صاحب نواب صاحب ہیں...... نواب گٹو کے نام سے پکارے جاتے ہیں...... ہوٹل ہے...... شریف آدمی ہیں، محلے بھر کے کام آتے ہیں...... اب اگر اس بے غیر معلوم ہو تو اس سے پوچھئے کہ رفیق چاچا جس کا نام اس نے لیا ہے اس کے گھر کا خرچ چلاتا ہے...... مہینے بھر کا خرچہ پہنچتا ہے اور یہ جس گبھرو جوان کا ذکر کر رہی ہے شہزاد محلے کا دادا بنتا تھا...... بدمعاشی کرتا تھا اور اسے نجانے کون گولی مار گیا...... تو بے چارے گٹو کا اس میں کیا قصور...... بول نواب گٹو رفیق چاچا کے ہاں اور اس کے علاوہ وہ کئی گھروں راشن پہنچاتا ہے یا نہیں۔"

"واہ واہ جانتے ہو راشن کیوں پہنچاتا ہے...... ارے جن گھروں میں یہ راشن جا نا...... تم ان کی عورتوں کے گھروں میں جا کر دیکھو...... دوسرے محلوں میں جاتی ہیں اور جا کر پڑیاں بیچتی ہیں...... صبح انہیں پڑیاں مل جاتی ہیں کہ لو بی بی جاؤ انہیں بیچ کر آؤ...... ز چاہتی ہو تو یہ کام کرو...... ورنہ اس کے بعد کہاں رہو گی کیسے رہو گی رفیق چاچا بے چارے اس بات پر تو اعتراض کیا تھا...... مارے گئے بے چارے اور وہ شہزاد جسے یہ بابو کہہ رہا دادا بنتا تھا ارے وہ یہی تو کہتا تھا کہ محلے میں گندے کام نہیں ہونے چاہئیں مگر نہ محلے اس کے ساتھ بولے اور نہ پولیس...... مار دیا اسے اس کتے نے...... میں کہتی ہوں تم لوگ نہیں کر سکو گے" وہ پھر دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔

گل زمان نے کہا۔ "سر جی لگتا ہے پاگل ہو گئی ہے جس آدمی کے بارے میں یہ کر رہی ہے وہ فرشتہ ہے...... فرشتوں پر ہمیشہ الزام لگایا جاتا ہے...... توبہ توبہ گٹو نے کا کیے گا...... یہ کہتی ہے کہ وہ عورتوں سے پڑیاں بکواتا ہے...... نواب گٹو اور ایسا کام کرے گا"

"ارے چھوڑ دے...... بابو تجھے سب پتا ہے تو خود جا کر ملتا ہے...... ہم قسم کھا ہیں صاب جی یہ نواب گٹو کے پاس جاتا ہے...... اس سے بھتہ ملتا ہے...... اس لئے تو اس آواز میں بول رہا ہے۔"

"بری بات ہے لڑکی ایسی باتیں نہیں کرتے۔"

"بھول گئے سب بہن وہن لڑکی لڑکی کہنا شروع کر دیا...... مجھے سب پتا ہے ابھی ت

مار بھی لگاؤ گے بند بھی کر سکتے ہو۔"

"اچھا گل زمان تھوڑی دیر کے لئے باہر بیٹھو۔ میں اس سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"بہتر سر جی۔" گل زمان نے بھاری لہجے میں کہا اور اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

"صفیہ جو کچھ تم کرنا چاہتی ہو وہ خطرناک ہے...... اول تو پولیس اپنا اسلحہ کسی کو نہیں دے سکتی...... دوسری بات یہ کہ اگر تم بندوق لے کر یہاں سے چلی گئیں تو خود نواب گٹو اکیلا تو نہیں ہوگا...... اس کے ساتھی تمہارے گولی چلانے سے پہلے تمہیں مار دیں گے...... حرام موت مرنے سے کیا فائدہ؟"

"تو کیا زندہ رہوں؟ اکیلی، لاوارث...... دو دن میں عزت لوٹ لی جائے گی...... طوائف بنا کر کوٹھے پر بٹھا دی جاؤں گی...... کوئی نہیں ہوگا مجھے بچانے والا۔"

"کون کرے گا ایسا؟"

"نواب گٹو...... تمہارا آدمی اس کا چمچہ ہے...... میں قسم کھا کر کہتی ہوں۔"

"ضرور ہوگا میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں نیا آیا ہوں۔"

"اس لئے مجھ سے اتنی بات بھی کر رہے ہو اور میں جانتی ہوں پولیس والے تو نواب گٹو کے خلاف کچھ کر ہی نہیں سکتے ہیں...... کوئی شکایت لے کر آتا ہے تو خود مصیبت میں پھنس جاتا ہے۔"

"آخر یہ نواب گٹو کون ہے...... کہاں رہتا ہے؟" شہاب نے پوچھا اور لڑکی اسے نواب گٹو کا ٹھکانہ بتانے لگی۔

شہاب چونک پڑا...... یہ وہی جگہ تھی جہاں اس دن فائرنگ ہوئی تھی...... لیبارٹری کی رپورٹ ابھی تک موصول نہیں ہوئی تھی، لیکن اس کے لئے کوئی خاص تگ و دو بھی نہیں کی گئی تھی...... ہو سکتا ہے شہاب کے اپنے ذہن میں کچھ ہو۔

"مگر ایک بات بتاؤ۔ نیک محمد اور فیض محمد کو نواب گٹو نے کیوں مار ڈالا؟"

"تم نے ابھی کیا دیکھا ہے...... ابھی تو بہت سی صفائیاں یہاں آئیں گی...... کچھ تمہارے پاس رپورٹ لکھوانے آئیں گی اور کچھ میری طرح بندوق مانگنے...... ایک ایک کر کے اس محلے کے سارے لوگ قتل ہو جائیں گے...... عورتیں پڑیاں بیچیں گی یا پھر دھندہ کریں گی...... ماں باپ اگر پولیس کی طرف دوڑے تو وہ بھی غائب ہو گئے...... نواب گٹو کے

ہاتھ بہت لمبے ہیں...... اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا...... وہ کھل کر کہتا ہے کہ اصل حکو اس کی ہے اور ٹھیک کہتا ہے...... یہ تمہارا آدمی اس کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ بیواؤں گھر میں راشن بھجواتا ہے...... لاوارث عورتوں کی مدد کرتا ہے...... صاب جی انہیں لاوا کرنے والا کون ہے؟ ان کے گھروں کے مردوں کو موت کے گھاٹ اتارنے والا کون ہم سے پوچھو، اس محلے میں آنکھ کھولی ہے...... یہیں پلے بڑھے ہیں...... یہی سب کچھ ہے اور پھر راشن، یہ کسی کو بھیک میں راشن نہیں دیتا...... پڑیاں بکواتا ہے ان سے دھندے کراتا ہے...... تب راشن جاتا ہے ان کے گھروں میں، آپ دیکھ لینا ایک ایک کر یہ اور بہت سوں کو مار دے گا...... آپ کو خدا کا واسطہ مجھے تھوڑی دیر کے لئے بندوق د میرا دل اندر سے چھلک رہا ہے۔"

شہاب خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر اچانک ہی اس کے چہرے پر غصے کے آثار نم ہوئے اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"پاگل پن کی اداکاری کر رہی ہے...... تیرے جیسی لڑکیوں کو میں نے اچھی ط ٹھیک کر دیا ہے۔ پولیس کی بندوق سے خون کرے گی تو...... معصوم بن رہی ہے اور ت پولیس والے سے بندوق کیوں چھینی تھی؟" شہاب کے بدلے ہوئے لہجے پر لڑکی کے چہ پر ایک لمحے کے لئے حیرت کے آثار نمودار ہوئے اور پھر یہ حیرت تلخی میں ڈھل گئی۔

"اصلیت پر آ گئے نا...... ہمیں پتا ہے کہ تم صرف ہمارا دل کھلوا رہے تھے...... ا سب نواب گٹو کے پٹھو ہو۔"

"بکواس کی تو گھونسا مار کر سارے دانت توڑ دوں گا۔"

شہاب آپے سے باہر ہو گیا اور پھر اس نے گل زمان کو آواز دی...... گل زمان تو دروازے سے چپکا ہوا کھڑا تھا...... فوراً اندر آ گیا اور لڑکی کو گھورتے ہوئے ایڑیاں بجائ

"اسے لاک اپ نمبر تین میں بند کر دو۔"

"ابھی لیجئے سر۔"

"سنو اس کے ساتھ کوئی بدتمیزی نہیں ہونا چاہئے...... لڑکی پاگل ہو گئی ہے۔"

"ارے تیرا ستیاناس جائے کیڑے پڑیں خدا کرے تیرے بدن میں...... ایسی آئے کہ لوگ تجھے دیکھ کر رونا بھول جائیں...... ارے مظلوموں کی فریاد سننے والا کوئی

ہے اس دنیا میں سب کے سب ایک جیسے ہیں۔"

لڑکی شہاب کو کوسنے لگی...... گل زمان نے کانسٹیبلوں کو بلا لیا تھا اور پھر لڑکی کو لاک اپ میں بند کر دیا گیا...... وہ دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی...... گل زمان آ گیا...... اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جو کچھ کہہ رہی تھی سب جھوٹ ہے سر...... نواب گٹو چھوٹے موٹے کام بے شک کرتا ہے لیکن نہ تو وہ قاتل ہے اور نہ ہی جو کچھ یہ کہہ رہی تھی وہ سچ ہے...... وہ تو بڑا اچھا آدمی ہے...... آپ اس سے ملیں گے تو آپ کو خوشی ہو گی۔"

"ملاؤ کسی وقت اس سے...... ویسے تم نے مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔"

"آہستہ آہستہ آپ کو محلے کے سارے لوگوں سے روشناس کرا دیں گے سر...... اس کی تو آپ بالکل پروا نہ کریں...... جب آپ نے ساری ذمے داری گل زمان پر چھوڑ دی ہے تو گل زمان کا بھی فرض بنتا ہے کہ آپ کے لئے حالات ٹھیک کر دے۔"

"مگر سنو بعض معاملات میں ذرا مختلف سوچ رکھتا ہوں میں اس کا خیال رکھا جائے۔"

"جی سر حکم دیں......" گل زمان نے کہا۔

"لڑکی کو ذرہ برابر کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے...... اسے کھانے پینے کو بھی دیا جائے اس کے ساتھ کسی قسم کی بدتمیزی کو میں برداشت نہیں کروں گا۔"

"ٹھیک ہے سر آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی" گل زمان نے کہا اور شہاب خاموش ہو گیا۔

❁

آنے والا درمیانے قد اور گول مٹول جسم کا مالک ایک شاطر سا آدمی تھا...... چھ
چھوٹی آنکھوں میں مکاری اور کینہ پروری جھلک رہی تھی...... جبڑوں کی بناوٹ اس
انتہائی سخت گیر ہونے کا اعلان کر رہی تھی...... گل زمان اس وقت پاس ہی موجود تھا......
داخل ہوتے ہوئے اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”سلام پیش کرتے ہیں۔“ گل زمان اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”آیئے نواب صاحب کیسے مزاج ہیں؟“

تھانیدار سے ملنے آ گئے...... ہمارے تھانیدار کیسے ہیں؟“

آنے والے نے ایک کرسی گھسیٹتے ہوئے کہا...... شہاب گہری نگاہوں سے اسے
رہا تھا۔

”یہ نواب گٹو ہیں سر جن کا تعارف میں نے آپ سے کرا دیا تھا۔“ جواب میں نواب
نے کہا۔

”نئے آئے ہو تھانیدار...... ہم نے سوچا سلام دعا کر لیں...... تھوڑا سا باجرہ بھی سا
لائے ہیں...... ارے کہاں مر گیا اندر آ جا۔“

نواب گٹو نے کسی سے کہا اور ایک دبلا پتلا سا آدمی ایک بریف کیس اٹھائے ہوئے
آ گیا...... اس نے وہ شہاب کی میز پر رکھ دیا...... نواب گٹو نے الٹے ہاتھ اسے واپس جا
اشارہ کیا اور وہ چلا گیا...... گل زمان کے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

”تو آپ ہیں نواب گٹو؟“

”بس یاروں کے یار ہیں اور دشمنوں کے دشمن...... باجرہ کھلاتے ہیں چڑیوں کو

چڑیاں اپنی راگنیوں میں دعائیں دیتی ہیں۔“

”خوب گل زمان آپ کی بڑی تعریفیں کر چکا ہے۔“

”اچھا آدمی ہے...... اچھے آدمی ہی کی تعریفیں کرتے ہیں...... بروں کا کام بروں پر چھوڑ دیا جائے ہمیں کیا۔“

”جی بے شک، آپ کیا کرتے ہیں؟“

”چھوٹا سا ہوٹل چلاتے ہیں اور آپ تو جانتے ہیں کہ جس کی جیب میں پیسہ ہو جس کے کچھ تعلقات ہوں لوگ اس سے جلنے ہی لگتے ہیں...... الٹی سیدھی لگائی بجھائی کرتے رہتے ہیں...... اب آپ خود ہی بتاؤ اس دور میں کوئی کام ایسا ہے جو شرافت سے کیا جا سکے...... دو ہی باتیں ہیں آدمی بھوکا مرے، سڑکوں پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر زندگی گزار دے یا پھر نواب گٹو بن جائے تو ہمیں بھی بہت سے گھر چلانے ہوتے ہیں...... اب آپ جانو پیسہ ایسے تو نہیں آتا...... خود بھی کھاتے ہیں دوسروں کو بھی پہنچاتے ہیں...... آپ کو کبھی کسی چیز کی ضرورت ہو کوئی بدمعاشی کرے آپ سے تو پرواہ مت کرنا...... بس خبر بھجوا دینا۔“

”بہت بہت شکریہ مگر یہ باجرہ کیا ہے؟“

”یہ دیکھو۔“ نواب گٹو نے کہا اور بریف کیس کھول دیا...... اندر نوٹوں کی گڈیاں رکھی ہوئی تھیں جن کی تعداد کافی تھی...... اس کے ساتھ ہی ایک وڈیو کیسٹ بھی رکھا ہوا تھا...... شہاب نے دلچسپی سے ان چیزوں کو دیکھا...... اس کے چہرے پر لالچ کے آثار پھیل گئے۔

”یہ کیا ہے؟“

نواب گٹو ہنسنے لگا۔

”کہا نا باجرہ ہے۔ فلم ”ودھاتا“ دیکھی ہے؟“

”نہیں نواب صاحب...... بھلا پولیس والوں کو فلمیں دیکھنے کی فرصت کہاں رہتی ہے؟“

”آپ کے لئے کیسٹ لے آئے ہیں...... ”ودھاتا“ میں آپ کو جو کچھ نظر آئے گا وہ ہم ہیں...... سالے امریش پوری نے ہماری نقل کر ڈالی ہے دیکھ لینا کام کی چیز ہے اور سمجھ بھی لینا کہ ہم کیا کہنا چاہتے ہیں؟“

”ٹھیک ہے نواب صاحب آپ فکر ہی نہ کریں۔“

”دوستوں کے دوست دشمنوں اور ہاں سنا ہے کوئی سسری لونڈیا آئی تھی؟“

"جی ہاں ..... ایک لڑکی آئی تھی ..... اپنے دو رشتے داروں کے قتل کی رپور درج کرانے۔"

"ہمارے خلاف؟"

"جی ہاں آپ ہی کا نام لے رہی تھی..... ان دونوں کے نام شاید نیک محمد اور محمد تھے۔"

"آپ نے کیا کیا؟"۔

"اسے بند کر دیا ہے۔"

"ہوں، ہمیں دے دیجئے ایسے چکروں میں آپ نہ پڑا کریں..... ہم اس کی شکایتیں دور کر دیں گے۔ ہم نے اس محلے میں بڑے کام کئے ہیں۔ جا بھئی گل زمان نکا لڑکی کو۔"

"بیٹھئے نواب گٹو آپ کیا پئیں گے؟"

"کچھ نہیں لوگ ہمیں سلام کرنے آجاتے ہیں پر تھانیدار نئے آئے ہو ہم نے تھوڑی چہل قدمی ہی ہو جائے گی۔"

شہاب نے گل زمان کو اشارہ کیا اور گل زمان نے نوٹوں کی گڈیاں لفافے میں کر دیں..... شہاب نے دراز کھولی اور لفافہ دراز میں پہنچ گیا۔ وڈیو کیسٹ بھی رکھ دیا گیا۔

"چلتے ہیں جی دوبارہ کبھی ملاقات ہوگی۔ آنا کسی وقت ہماری طرف۔ اب لڑکی ساتھ لے جائیں گے۔"

"لیکن اس کا کہنا ہے کہ اس کے چاچو کو قتل کیا گیا ہے اور اس نے ایف آئی آر کے نام درج کرائی ہے۔ میں خود آپ کے پاس آنے والا تھا..... جو کام مجھے آپ کے آکر کرنا چاہئے تھا آپ اتفاق سے خود ہی آ گئے۔"

"کیا مطلب ہم سمجھے نہیں؟"

"گل زمان نواب صاحب کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دو اور انہیں لاک اپ ایک میں بند کر دو۔" شہاب نے کرخت لہجے میں کہا اور گل زمان دہشت سے اچھل نواب کا منہ بھی حیرت سے کھل گیا۔

"کیا بد تمیزی ہے تھانیدار صاب..... جانتے ہو میں کون ہوں اور پھرے میرے

بدمعاشی باجرہ لے کر رکھ لیا اور یہ بات کہہ رہے ہو۔"

"گل زمان بہرے ہو یا اندھے تم نے سنا میں نے کیا کہا ہے؟"

شہاب کا لہجہ اتنا سخت تھا کہ گل زمان چونک پڑا لیکن نواب گٹو کی طرف بڑھنے کی ہمت اس میں ابھی بھی نہیں تھی..... تب شہاب میز کے پیچھے سے نکل آیا اور اس نے نواب گٹو کو گریبان سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"چلو۔" شہاب نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "لاک اپ نمبر ایک کھولو۔" لاک اپ نمبر ایک کا دروازہ کھولا گیا اور شہاب نے نواب کو اندر دھکا دے دیا..... نواب گٹو گر پڑا تھا لیکن پھر وہ فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہاں سے گھر جانا اور گھر والوں سے کہہ دینا کہ زندگی کے دن پورے ہو چکے ہیں، اب موت کا انتظار کریں یا پھر کسی ایسی جگہ بھاگ جائیں جہاں سے مجھے کوئی یہ نہ بتا سکے کہ تمہارے یہ رشتے دار کہاں رہتے ہیں۔"

شہاب نے دروازے کا تالا اپنے ہاتھ سے لگایا اور چابی لئے ہوئے واپس مڑا۔ گل زمان کا چہرہ پیلا پڑا ہوا تھا..... سپاہی بھی ششدر تھے۔

"اگر یہ لاک اپ سے باہر نکلا، اگر کوئی بھی سازش ہوئی تو یہ مت سمجھنا کہ تم لوگوں کو صرف معطل کر دیا جائے گا بلکہ اتنی لمبی سزائیں دلواؤں گا تمہیں کہ اس کے بعد تم پولیس میں نوکری نہیں کر پاؤ گے۔" شہاب واپس مڑا اور اپنے کمرے کی جانب چل پڑا۔ گل زمان اور باقی سپاہی وہیں ساکت و جامد کھڑے ہوئے تھے..... شہاب ثاقب دیر تک اپنے کمرے میں بیٹھا سوچوں میں گم رہا۔ اس کے بعد اس نے گھنٹی بجائی اور ایک سپاہی اندر داخل ہو گیا۔

"گل زمان کو اندر بھیجو۔" چند لمحات کے بعد گل زمان سامنے پہنچ گیا۔

"ہاں بھئی گل زمان، یار یہ تمہاری حالت کیا ہو رہی ہے؟"

"سر آپ کے سامنے مجھے نہیں بولنا چاہئے پر یہ آپ نے کیا کر ڈالا..... تھانے کی عمارت بموں سے اڑا دی جائے گی اور صاحب آپ ہی نہیں ہم بھی نہیں بچیں گے۔"

"یار گل زمان تم تو تجربے کار آدمی ہو میں نیا آدمی ہوں مگر بڑی نا تجربے کاری کی باتیں کرتے ہو۔"

"کچھ سمجھا نہیں سر۔"

"اگر نہیں سمجھے تو ابھی تمہیں سمجھانا مناسب نہیں ہے۔"

"ساری باتیں اپنی جگہ ٹھیک ہیں مگر نواب گٹو اپنی بے عزتی کبھی نہیں بھولے گا۔"

"چھوڑو گل زمان ایسے بہت سے نواب ہماری جیبوں میں پڑے ہوتے ہیں، ایک نواب سے ڈر گئے تو چاروں طرف پھیلے ہوئے نوابوں کا کیا کریں گے؟"

"سر یہ بہت خطرناک آدمی ہے۔"

"چھوڑ دیں گے اسے، جو برائی اس کے دل میں پڑ گئی نکال دیں گے...... تم بات کو سمجھ کرو۔ ارے ہاں پہلے یہ کرتے ہیں کہ یہ پتی یا باجرہ جو کچھ بھی ہے اسے تو بانٹ لیں، نکال لو آدھی گڈیاں اور کام کر لو۔"

"سر باجرہ آپ نے لے لیا ہمیں خوشی ہوئی لیکن پھر وہی کہیں گے کہ نواب گٹو سے دشمنی مول لے کر آپ نے اچھا نہیں کیا۔"

"لڑکی کو نکال لاؤ اور محرر کو بلاؤ۔ اس کی ایف آئی آر درج کر لی جائے۔"

"جی۔" گل زمان نے کہا۔

شہاب نے اسے ایسی نگاہوں سے گھورا کہ گل زمان ان نظروں کی تاب نہیں لا سکا...... خاموشی سے گردن جھکا کر باہر نکل گیا تھا۔ شہاب نے لڑکی کو بلا کر سامنے بٹھایا...... اب وہ خاموش ہو گئی تھی اور اس کے چہرے پر مردنی سی چھائی ہوئی تھی۔ شہاب نے اسے دیکھا پھر آہستہ سے بولا۔

"نواب کو پکڑ لیا گیا ہے لڑکی تم اسے لاک اپ میں دیکھ سکتی ہو۔ اصل میں تم جلد بازی کر رہی تھیں میں تمہارے کہنے پر کام نہیں کر سکتا تھا...... پولیس کی بھی کچھ ذمے داریاں ہوتی ہیں۔ آج تک کوئی تھانیدار نواب کو پکڑ کر لایا ہے؟ گل زمان اسے دکھا دو کہ نواب گٹو تھانے میں بند ہے یا نہیں۔"

"دیکھ آئی ہے سر۔" گل زمان نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"بیٹھ جاؤ اور اب وہ ساری رپورٹ لکھاؤ جو تم نے مجھے بتائی تھی۔"

لڑکی نے عجیب سی نگاہیں شہاب پر ڈالیں پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی...... اتنی دیر میں محرر ایف آئی آر کا رجسٹر لے کر آ گیا تھا...... شہاب نے دلاسہ دے کر لڑکی سے ساری تفصیلات پوچھیں اور اس نے پوری کہانی سنا دی...... اس نے بتایا کہ اس کے دونوں چچا

جو اس محلے میں رہتے تھے نواب گٹو کے کسی حکم کی تعمیل کرنے سے انکار کر رہے تھے، جس کی بنا پر نواب گٹو نے ان دونوں کا قتل کرا دیا ہے، اس کے علاوہ لڑکی نے نواب گٹو کے پھیلائے ہوئے جال کے بارے میں وہ تمام انکشافات کیے، محرر ڈر ڈر کر شہاب کی صورت دیکھتا رہا اور شہاب اسے کہتا رہا کہ لڑکی جو کچھ بتا رہی ہے اس کا ایک ایک لفظ لکھا جائے...... بعد میں لڑکی کا انگوٹھا لگوایا گیا اور ایف آئی آر مکمل ہو گئی...... شہاب نے فوراً ہی ایف آئی آر کی نقل تیار کرا کے اس پر بھی لڑکی کا انگوٹھا لگوا دیا اور نقل اپنے پاس محفوظ کر لی...... گل زمان مشکوک نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اب اس کا کیا کریں سر؟" گل زمان نے پوچھا۔

"ابھی اسے لاک اپ میں ہی پہنچا دو اور تم میرے پاس آ جاؤ۔" گل زمان لڑکی کو لاک اپ میں بند کرنے کے بعد الجھا الجھا سا شہاب کے پاس پہنچ گیا تھا۔

"ہاں گل زمان اب بتاؤ۔ اس دن جو فائرنگ ہوئی تھی کس نے کی تھی؟"

"سس...... سر مجھے کیا معلوم؟"

"کیوں گھبرا رہے ہو...... تم تو ہمارے آدمی ہو...... تھوڑا سا چکر چلا رہے ہیں...... ہمیں کوئی مصیبت مول لینی ہے۔ ذرا سا کام ہونے دو۔ پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس دن مرنے والے صفیہ کے دونوں چچا ہی تھے نا؟"

"سر آپ تحقیق کریں مجھے نہیں معلوم؟"

"خون کی رپورٹ بھی نہیں ملی ابھی تک؟"

"سر وہ رپورٹ آ گئی ہے۔" گل زمان نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"آ گئی ہے۔" شہاب اچھل پڑا۔

"کیا رپورٹ ہے؟"

"انسانی خون ہی تھا سر۔"

"ہوں ان دونوں کو کیوں مارا تھا؟"

"سر کمال ہے۔ آپ تفتیش کریں ہمیں نہیں معلوم۔"

"اچھا جس طرح بھی بن پڑے۔ یہ معلوم کرو کہ نیک محمد اور فیض محمد کو کیوں قتل کیا گیا ہے؟"

”جی سر۔“

”لاک اپ میں نواب گٹو سے تمہاری ملاقات تو ہو گی۔“

”ہمت نہیں ہے سر۔“

”تب پھر تم محکمہ پولیس کے قابل نہیں ہو۔ ہمارا واسطہ تو آگے چل کر بڑے بڑے خطرناک لوگوں سے پڑے گا۔ ہمت سے کام لو...... لاک اپ میں تم اسے ہر سہولت دے سکتے ہو لیکن اس طرح جیسے چھپا کر کر رہے ہو۔ لیکن اسے لاک اپ سے بھگانے کی کوشش مت کرنا اور میرے بارے میں ذرا اسے ڈرا دینا۔“

”کیسے سر؟“

”کہنا بہت سخت افسر ہے۔ کوئی تگڑی بیک رکھتا ہے...... وغیرہ وغیرہ بلکہ اسے ٹپ بھی دے دینا۔ کہنا نئے افسر کو ایک بڑے آدمی سے ملتے جلتے دیکھا گیا ہے۔ وہ بڑا آدمی...... سیٹھ جبار بیگ ہے اور ہاں نیک محمد اور فیض محمد کے قتل کے بارے میں تمام ثبوت چاہئیں مجھے دو دن کے اندر اندر۔“

”ہم پوری کوشش کریں گے۔“

”لڑکی کو لاک اپ سے نکال لاؤ۔“

”ٹھیک ہے سر۔“ گل زماں سخت نروس نظر آ رہا تھا...... اچانک اسے احساس ہوا تھا کہ یہ شخص بے حد پراسرار ہے اور اسے سمجھنا آسان کام نہیں ہے۔

کچھ دیر کے بعد وہ صفیہ کو لے کر شہاب کے کمرے میں پہنچ گیا اور شہاب کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ ”چلو۔“ اس نے لڑکی سے کہا اور صفیہ اسے گھورنے لگی۔

”کہاں لے جا رہے ہو؟ ہم کہیں نہیں جائیں گے۔“ صفیہ نے کہا اور جواب میں شہاب نے ایک تھپڑ اس کے رخسار پر جڑ دیا...... پھر اس کی خونخوار آواز اُبھری۔

”آؤ۔“ لڑکی سسک سسک کر رونے لگی...... پھر اس نے شہاب کے ساتھ جانے میں تعرض نہ کیا اور شہاب اسے پولیس جیپ میں بٹھا کر چل پڑا۔

منشی حیات علی فائق حسین کی بیگم ثریا کے دُور کے رشتے کے خالو تھے...... بیٹے ملازمتوں سے لگے ہوئے تھے .... خود فارغ البال زندگی گزار رہے تھے۔ لوگوں کو جس طرح مختلف شوق ہوا کرتے ہیں پتنگ بازی، کبوتر بازی اور دوسری بہت سی بازیاں، منشی حیات علی کو شادیاں کرانے کا شوق تھا...... رشتے داروں میں بہت سی شادیاں کرا چکے تھے، کسی گھر میں نوجوان لڑکی ہوتی یا نوجوان لڑکا کھوج میں پڑ جاتے کہ اس کے لئے کس کا رشتہ بہتر رہے گا۔ ثریا بیگم نے کبھی اتفاق سے تذکرہ کر دیا تھا کہ فائق حسین کی دونوں بہنیں شادی کے قابل ہو گئی ہیں لیکن ہمارے حالات بہت بہتر نہیں ہیں۔ کسی ایسے گھر میں رشتہ چاہتے ہیں جو صرف شادی کرنا چاہیں کوئی کاروباری نظریہ نہ رکھتے ہوں۔

منشی حیات کے کانوں میں بات پڑی بھلا وہ کیسے خاموش رہتے۔ اِدھر اُدھر سے کوششیں کر کے آخر کار ایک رشتہ تلاش کر ہی لیا...... لڑکے کا نام وسیم احمد تھا۔ کسی ڈھنگ کی جگہ ملازم تھا۔ گریجویٹ تھا...... گھر میں ایک ماں اور ایک چھوٹے بھائی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا...... ماں ضعیف ہو چکی تھی۔ گھر اپنا تھا...... کسی متوسط گھرانے میں شادی کرنا چاہتا تھا...... منشی حیات علی دوڑ پڑے...... فائق حسین کے گھر، بس شوق تھا۔ اس شوق میں انہیں جھوٹ بولنے کی عادت بھی پڑ گئی تھی...... زمین آسمان کے قلابے ملا دیتے تھے، حالانکہ اپنی ذات کے لئے لینا دینا کچھ نہ ہوتا تھا...... فائق حسین کو رشتے کی بات تو بہت پسند آئی۔ دونوں لڑکیاں واقعی اب اس قابل ہو چکی تھیں کہ ان کے لئے تگ و دو کی جائے...... نعیمہ بیگم نے شروع سے بچیوں کے لئے کچھ جوڑا بھی تھا لیکن وہ نہ ہونے کے برابر تھا...... بیٹوں سے آس لگائے بیٹھی تھیں...... واثق اور فائق بھی ان سے متفق تھے لیکن اس دور میں شادیاں جی کا

جنجال ہوتی ہیں۔ لوگوں کا معیار اس قدر بڑھ گیا ہے کہ اپنے آپ پر کوئی نظر نہیں ڈالتا۔ ہوس بھری نگاہیں ان معصوم اور بے قصور لوگوں کے گھروں پر پڑتی ہیں جن کا قصور بس یہ ہوتا ہے کہ تقدیر نے انہیں بیٹیاں دے دی ہوتی ہیں...... بہرحال بات چیت تو چلانی چاہئے تھے دیکھیں تو سہی صورت حال کیا ہے...... یہ انہی دنوں کی بات تھی جب اتفاق سے ثاقب پولیس کی وردی پہن کر آ گیا تھا...... گھر والوں کے خیالات اس سلسلے میں متضاد تھے...... نعیمہ بیگم کو یہ خوف دامن گیر تھا کہ پولیس کی نوکری بے حد سخت ہوتی ہے۔ خطرناک مجرموں سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ گولیاں چلائی جاتی ہیں...... ہنگامے ہوتے ہیں ان سے بچنا ہوتا ہے خطرے والی نوکری تلاش کی ہے شہاب نے...... فائق حسین کو اب تک یہی تردد تھا کہ آخر یہ نوکری مل کیسے گئی۔ یہ سب کچھ ہوا کیسے، غرضیکہ یہ سلسلہ جاری تھا۔ فائق حسین کا کہنا تھا کہ بھلا ایسی نوکری مل جائے اور انسان برائیوں سے بچ سکے ناممکن ہے۔ واثق حسین نے البتہ شہاب کی حمایت کی تھی۔

منشی حیات علی نے دھمکی دے دی کہ آج لڑکے کو لے کر آ رہے ہیں۔ ماں تو بیمار ہیں لیکن انہوں نے پوری خود مختاری دے دی ہے۔ منشی حیات کو کہا لڑکے کو لے جائیں اور بڑی دکھاوا کرا لائیں۔ گھر میں تھوڑا سا اہتمام کیا گیا تھا...... شہاب کو بھی بتا دیا گیا تھا کہ آج شام کو کچھ مہمان یہاں آنے والے ہیں، بڑی بیٹی عظمیٰ کو دیکھنے کے لئے۔ فلاں وقت گھر آ جائے اور بہرطور شہاب اپنے گھر کے معاملات سے اس قدر بری الذمہ بھی نہیں تھا۔ وہ اپنی ذمے داریوں کو محسوس کرتا تھا، چنانچہ مقررہ وقت پر خاصے ساز و سامان کے ساتھ گھر پہنچا تھا جس میں کھانے پینے کی اشیاء تھیں...... پولیس کی گاڑی لے کر نہیں آیا تھا...... ٹیکسی سے گھر کے دروازے پر اترا تھا۔ گھر میں اندر اہتمام ہو رہا تھا...... مہمانوں کے آنے میں کچھ تھوڑا سا وقت رہ گیا تھا...... انتظار کیا جانے لگا اور کچھ دیر کے بعد منشی حیات علی وسیم احمد اور اس کے چھوٹے بھائی شمیم احمد کو لے کر آ گئے...... شمیم کی عمر کوئی گیارہ سال کے قریب تھی۔ وسیم بھرے بدن کا ایک خوبصورت سا نوجوان تھا...... چہرے پر شرافت اور متانت نظر آتی تھی...... استقبال کیا گیا، بٹھایا گیا اور اس کے بعد سب لوگ وسیم کے گرد پھیل گئے۔ پہلی نگاہ میں اس نے اپنی شخصیت تو منوا ہی لی تھی کم از کم دیکھنے کے قابل نوجوان تھا...... باقی اندر کی بات الگ تھی...... منشی حیات علی نے ابتدائی رسمی گفتگو کی...... مہمان کی خاطر مدارت کی

گئی۔ پھر منشی حیات علی نے وسیم کے بارے میں تمام باتیں تفصیل سے بتا دیں اور لڑکی والے اس رشتے پر بہت خوش تھے، بات پکی کر لی گئی۔

”منشی صاحب آپ یوں کریں کہ تنہائی میں وسیم میاں سے تمام تر گفتگو کرنے کے بعد ہمیں تاریخ کی اطلاع دے دیں ہم انتظامات کر لیں گے۔“

”بہتر ہے۔ اس رشتے پر سب کو مبارک ہو۔“ منشی صاحب نے کہا۔ پھر رسمی گفتگو ہوئی اور اس کے بعد مہمان واپس چلے گئے۔

فائق حسین ماں کا بازو پکڑ کر کمرے میں گھس گئے تھے۔

”یہ کیا کیا ہے آپ کے صاحبزادے نے کون انتظام کرے گا اگر وہ ہفتے عشرے کی بات کر لیتے ہیں تو؟“

”وہی کرے گا اور کون کرے گا“

”کیسے ہو گا میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔“

”میں اس سے بات کر لوں گی۔“ نعیمہ بیگم نے کہا لیکن باہر نکلیں تو شہاب دم دبا کر بھاگ چکا تھا۔

فتح محمد نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے شہاب کو دیکھتے ہوئے اس کا استقبال کیا تھا...... یہ وقت بھی وہ نہیں تھا جب باہر محفل جما کرتی تھی۔ محفل میں شرکت بھی ہوتی تھی لیکن ان دنوں شہاب اپنی مصروفیات کی بنا پر مقررہ وقت پر وہاں نہیں پہنچ پاتا تھا۔

”مرشد معافی چاہتا ہوں، کئی دن سے محفل میں شرکت نہیں ہو سکی۔“

”عزیزی بے شک تم نہیں ہوتے لیکن تمہارا ذکر بھلا زبانوں سے کیسے اتر سکتا ہے۔ تمام لوگ خوش ہیں اور تمہاری ترقی کی دعائیں کرتے ہیں۔“

”مرشد آج عظمیٰ کے رشتے کی بات طے ہو گئی ہے۔ لڑکا بہت اچھا ہے۔ سب سے بڑی خوبی اس کے اندر یہ ہے کہ سچ بولتا ہے۔“

فتح محمد ہنس پڑے اور شہاب انہیں گہری نگاہوں سے دیکھتا رہا۔

”میں آپ کی ہنسی کی وجہ جانتا ہوں لیکن انسانی فطرت اپنے آپ سے کیسے دور ہو سکتی ہے...... ہم کھوٹا سکہ چلانا چاہتے ہیں لینا نہیں چاہتے۔ یہ فطرت کا ایک حصہ ہے۔“

"بخدا پولیس کی ملازمت کے لئے نہایت موزوں انسان ہو ایک لمحے میں جو بات کی تہہ تک پہنچے وہ باصلاحیت کہا جاسکتا ہے اور خیر تمہاری صلاحیتوں پر تو ہمیں شبہ تک نہیں تھا، بہر حال خدا ان سچائیوں کو قائم رکھے اور ان کی مدد کرے اور میری جانب سے مبارک باد قبول کرو۔"

"اصل میں حالات ایسے تھے کہ بھائی فائق ابھی کسی رشتے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے ہیں...... میں نے اچانک ہی ہاں کردی ہے تو ایک دم سے حواس باختہ ہوگئے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ میری شامت آئے گی، لیکن مرشد پتا نہیں اخلاقیات، انسانیت، مذہب میرے اوپر کون کون سی فرد جرم عائد کریں مگر میں زمانہ سازی سے دور نہیں رہ سکتا...... ماں کے دل پر بہنوں کا بوجھ ہے اور آپ جانتے ہیں کہ جب دلوں پر بوجھ ہوتا ہے تو سانسوں کی گنتی میں کمی آجاتی ہے...... میں اپنی ماں کی سانسوں کی گنتی کم نہیں کرنا چاہتا اور قطعی طور پر دنیادار بن چکا ہوں...... میرے پاس اتفاقیہ طور پر انتظام ہوگیا ہے اور یہ نیک کام میں آپ کے ہاتھوں سے کرانا چاہتا ہوں۔"

"میں سمجھ رہا ہوں، بہتر ہے بچیاں جتنی جلدی گھر سے رخصت ہوجائیں اچھی بات ہوتی ہے۔ کیا انتظام کیا ہے؟"

جواب میں شہاب نے اپنے لباس سے ایک پوٹلی سی نکالی اور کھول کر مرشد کے سامنے رکھ دی۔ نئے نوٹوں کی بہت سی گڈیاں تھیں۔

"ہوں، بڑی رقم ہے۔"

"یہ رقم نہیں، باجرہ ہے جو چڑیوں کو کھلایا جاتا ہے۔"

"کچھ مہمل گفتگو کر رہے ہو۔"

"نہیں مرشد، دو انسانوں کی زندگی کی قیمت ہے جو مجھے چکائی گئی ہے لیکن مرشد میں اسے زندگی کی قیمت نہیں مانتا اور میں نے عمل بھی وہی کیا ہے۔"

"بیٹھو میاں کچھ تفصیل سے بتاؤ۔" فتح محمد نے کہا اور شہاب نے نواب گٹو کے بارے میں ساری تفصیل بتادی۔ اس وقت اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیلے ہوئے تھے۔

"اس سے پہلے وہاں کیا ہوا یہ تو میں نہیں جانتا لیکن میں ایسے لوگوں کی زندگی کو اس طرح ملیا میٹ کردوں گا کہ لوگ اپنے آپ کو غنڈہ کہتے ہوئے خوفزدہ ہوجائیں۔ اتنا گہرا

گاڑوں گا ان لوگوں کو کہ پھر ان کا نام و نشان بھی نہ رہے۔ یہ میرا عہد ہے باقی رہا جہاں تک مسئلہ وصول یابی کا تو مرشد وہ تو میری ضرورت ہے لیکن تمام حقائق آپ کو معلوم ہیں اور میں ان حقائق سے دور نہیں ہٹنا چاہتا۔"

"مجھے یقین ہے کہ تم ایک تعلیم یافتہ نوجوان ہو اور جو کچھ کرو گے وہ پوری طرح غور کرنے کے بعد کرو گے۔"

"مرشد، ادھر کا محاذ آپ سنبھالئے دوسرے محاذ پر میں موجود ہوں اور میں نے جس نظریئے کی داغ بیل ڈالی ہے آپ کی دعائیں میرے لئے ضروری ہیں۔ یہ رقم آپ جس طرح بھی مناسب سمجھیں بھائی تک پہنچائیں اور ان سے کہیں کہ ہر طرح کا تردد چھوڑ دیں، مزید رقم کا انتظام ہو رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے میاں یہ محاذ ہمارے شانوں پر رکھ دو تم اپنا مشن سنبھالو۔" اس کے بعد دونوں کافی دیر تک سرگوشی کے انداز میں گفتگو کرتے رہے تھے۔

✺

"اسی روپے، اسی روپے، سالک نے زور سے آواز لگائی اور کپڑا کندھے پر رکھے ہوئے کاؤنٹر کے پاس پہنچ گیا...... گاہک نے سو روپے کا نوٹ نکال کر کاؤنٹر مین کو دیا اور اس نے اسی روپے کاٹ کر بیس روپے گاہک کو واپس کردیئے، گاہک نے بیس روپے جیب میں رکھے اور دروازے کی جانب چل دیا...... سالک مایوسی سے واپس لوٹ گیا تھا...... مرضی کی بات تھی کہ کوئی ٹپ دے یا نہ دے اور پھر ایسے نہاری کے ہوٹلوں میں بھلا ٹپ وغیرہ کون دیا کرتا ہے...... یونہی اگر کسی کو دکھاوے کے لئے ساتھ لایا جائے تو ویٹر کو بھی دس پانچ روپے دے دیئے جاتے ہیں ورنہ ٹائیں ٹائیں فش۔

سالک اپنی ٹیبل صاف کرنے لگا...... پانچواں دن تھا اسے نہاری کے اس ہوٹل میں ویٹر کی حیثیت سے کام کرتے ہوئے۔ نہاری کا یہ ہوٹل ایک بھری پری معروف شاہراہ پر واقع تھا۔ اس کے سامنے ہی ایک چھوٹا سا پارک تھا جس میں صبح سے شام تک بے فکرے لوٹیں لگاتے رہتے تھے اور ان میں ہیروئن پینے والوں کو صاف پہچانا جاسکتا تھا...... آس پاس رہائشی عمارتیں تھیں اور ان رہائشی عمارتوں میں رہنے والے بار ہا علاقے کی پولیس اور تھانے کو اطلاع دے چکے تھے کہ پارک میں ہیرونچیوں کا ڈیرہ جما رہتا ہے۔ نوجوان لڑکوں کا اخلاق

بھی خراب ہو رہا ہے اور اس سے برائی پھیلنے کے امکانات ہیں۔ لیکن تھانے والے کوئی تو
نہیں دیتے تھے اور بعض اوقات الٹی دھمکیاں بھی دے دی جاتی تھیں کہ ہمارا کام ہم جان
ہیں نہ کہ تم...... کوئی ہیرونچی نہیں ہوتا وہاں۔ خواہ مخواہ کی دشمنی مت مول لو، جنہیں تم
ہیرونچی کہا ہے اگر وہ بگڑ گئے تو ان عمارتوں میں رہنا مشکل ہو جائے گا تمہارا...... اسی ل
لوگ بے چارے خاموش ہو جاتے تھے۔

سالک کی ڈیوٹی یہاں لگائی گئی تھی اور اس نے ہوٹل میں اپنے لئے جگہ بنالی تھی۔
ہوٹل میں مستقل ملازموں کے علاوہ روزانہ اجرت پر ویٹر وغیرہ بھی رکھے جاتے تھے جن
کے لئے صاف صاف تختی لکھی ہوئی تھی کہ اجرت روزانہ دی جاتی ہے۔

سالک عمدگی سے یہاں کام کر رہا تھا...... میلے کچیلے لباس میں ملبوس اس کی شخصیت تو
دب پائی تھی لیکن ویٹر کی حیثیت سے اس نے اپنے آپ کو ایک تجربے کار ویٹر ثابت کر دیا
اور ہوٹل کے مالک کو بھی اس کے کام پر کوئی اعتراض نہیں ہوا تھا، چنانچہ اسے روزانہ
یہاں کام مل جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی سالک نے شہنشاہ کی ہدایت پر دوسرے کام
آغاز بھی کر لیا تھا اور وہ اس نوجوان بھکارن سے اچھی خاصی راہ و رسم پیدا کرنے میں کامیاب
ہو گیا تھا جو عموماً ایک بچے کو گود میں لئے پارک کے آس پاس ہی بھیک مانگتی نظر آتی تھی۔
گاڑیوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتی اور اپنی مخصوص آواز میں صدا لگاتی۔

"دے دے بابو اللہ کے نام پر...... میرا بچہ یتیم ہے...... دودھ کے لئے پیسے چاہئیں۔"

لوگ اس نوجوان بھکارن سے اچھا خاصا ہنسی مذاق کر لیا کرتے تھے...... اچھے خد و خا
کی مالک تھی۔ بہت سے لوگ اس سے سوال کرتے تھے کہ اس یتیم بچے کا باپ کہاں گیا تو
کہتی تھی کہ اس کا باپ بھی یتیم تھا۔ مر گیا بے چارہ اور اب یہ بچہ بھی باپ کے نقش قدم
چلتے ہوئے یتیم ہے۔ سالک کو کئی بار حیرت ہوئی تھی کہ گدڑی میں لپٹا ہوا بچہ آخر اس شد
گرمی میں زندہ کیسے رہ جاتا ہے۔ ہمیشہ ہی میلے کچیلے کپڑوں میں لپٹا ہوا رہتا تھا۔ آخر کار سا
اس سے راہ و رسم پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ لڑکی فٹ پاتھ کے قریب سے گزر رہی
کہ سالک نے اس سے کہا۔

"کھانا کھائے گی؟"

"کھلا دے بابو اللہ کے نام پر۔"

"بیٹھ جا۔" سالک عمدہ قسم کی مغز اور نلی والی نہاری، گرم روٹیوں کے ساتھ اس کے
لئے لے آیا تھا اور یہیں سے اس کی اس لڑکی کے ساتھ راہ و رسم پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے اپنا
نام بشیرن بتایا تھا۔ سالک نے اس سے کہا۔

"تیرا کوئی گھر بار نہیں ہے۔"

"ہے۔ ڈیرہ ہے ہمارا بابو۔"

"اکیلی رہتی ہے وہاں؟"

"نہیں۔"

"جب بھوک لگا کرے مجھ سے کھانے کے لئے کہہ دیا کر۔"

سالک نے اس سے کہا اور لڑکی کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ نظر آئی۔

سالک یہاں عمدگی سے اپنا کام انجام دے رہا تھا...... لڑکی کو کئی بار کھانا کھلا چکا تھا اور
ادائیگی اپنی جیب سے کرتا تھا۔ ہوٹل والوں کو تو بل چاہئے۔ سالک اپنا کام بڑی خوش اسلوبی
سے سرانجام دے رہا تھا۔ سردار علی اکثر اپنی موٹر بائیک پر نکل آتا تھا۔ ایک دو بار اس نے
ہوٹل میں بیٹھ کر نہاری بھی کھائی تھی اور یہاں سے خصوصی معلومات کا تبادلہ بھی کیا تھا۔
بہر حال سالک کو ابھی تک کوئی نمایاں کامیابی نہیں حاصل ہوئی تھی لیکن اس شام اتفاق سے
وہ اس وقت فارغ تھا۔ ابھی گاہکوں کی آمد شروع نہیں ہوئی تھی۔ گاہک مغرب کے بعد ہی
آتے تھے۔ سالک نے اسی بھکارن کو دیکھا جس نے اپنا نام بشیرن بتایا تھا۔ ایک شخص اس کے
پاس آیا اور بھکارن لڑکی نے حسب معمول صدا لگائی تھی۔

"دے دے بابو اللہ کے نام پر۔" اس شخص نے اِدھر اُدھر دیکھا اور سو کا ایک نوٹ
مزید کچھ نوٹوں کے ساتھ نکال کر بھکارن کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"اللہ تیرے بھلا کرے بابو، تجھے ہر خوشی نصیب ہو۔" عورت نے کہا پھر اس گدڑی
میں ہاتھ ڈال کر کوئی چیز نکال کر اس شخص کے ہاتھ پر رکھ دی اور وہ خاموشی سے واپس چلا
گیا۔ تب سالک کو پہلی بار اس پر شبہ ہوا تھا اور اب وہ سردار علی کا انتظار کر رہا تھا۔

سردار مقررہ وقت پر اس کے پاس پہنچا تو سالک نے اس سے سرگوشی میں گفتگو کی اور
سردار علی گردن جھکا کر چلا گیا...... رات کے کوئی دس بجے کا وقت تھا، جب سالک کو ہوٹل
سے چھٹی ملی اور اس کی جگہ دوسرے آدمی نے لے لی۔ بشیرن آہستہ قدموں سے جا رہی

تھی۔ غالباً اس کا کام بھی ختم ہو گیا تھا۔ سالک اس کے قریب پہنچ گیا۔ بشیرن نے مسکرا کر اسے دیکھا تو سالک بولا۔

"کہاں جا رہی ہے؟"

"اپنے ڈیرے پر اور کہاں؟"

"آج تو میرے ڈیرے پر چل۔"

بشیرن نے شوخ نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولی۔ "منہ دھو رکھ، میں کوئی تیری جورو ہوں۔"

"جورو بن سکتی ہے۔"

"ارے جا...... جا تیرے جیسے بہت سے آئے جورو بنانے والے۔"

"سچ کہہ رہا ہوں بشیرن آج تو میرے گھر چل۔ یہ دیکھ آج تنخواہ ملی ہے۔ سارے پیسے تیرے لئے رکھ دیئے ہیں۔" سالک نے سو سو کے پانچ نوٹ نکال کر بشیرن کو دکھائے۔ اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی۔

"ٹھیک ہے مگر تجھے ایک کام کرنا پڑے گا۔ بعد میں مجھے میرے گھر چھوڑ دے گا نا۔"

"کہاں رہتی ہے تو؟" اس نے پھر ایک لمحے خاموشی اختیار کی۔

"تو مجھے بارہ دری کی نکڑ پر چھوڑ دینا۔ چل تو بھی کیا یاد کرے گا۔"

وہ اس کے ساتھ چل پڑی۔ تھوڑی دیر کے بعد دونوں ایک بس میں چڑھ گئے۔ دونوں نے علیحدہ علیحدہ اپنے ٹکٹ لئے...... ایک بھکارن کسی سے اس قسم کے رابطے کا اظہار نہیں کر سکتی تھی۔ مطلوبہ جگہ سالک اسے لے کر اتر گیا۔ رات خاصی گہری ہو گئی تھی اور چھوٹی بستیوں میں تو ویسے بھی تاریکیاں کچھ زیادہ ہی ہوتی ہیں۔ انہی تاریکیوں میں چلتے ہوئے ایک گھر کے دروازے پر پہنچ گئے۔ سالک نے دروازہ کھولا اور بشیرن اس کے ساتھ اندر آ گئی۔ اندر قدم رکھ کر اس نے اس بڑے سے احاطے کو دیکھا جس میں نجانے کیا کیا کاٹھ کباڑ بھرا ہوا تھا۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے تو۔ تو میرے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں کرے گا۔ سن قسم کھا کر کہہ رہی ہوں میں ایسی ویسی نہیں ہوں۔ بس تو مجھے اچھا لگتا ہے اور تو چاہے تو اپنے پیسے بھی رکھ لینا مگر کوئی زیادتی نہ کرنا میرے ساتھ۔"

"بشیرن مجھ سے نہ ڈر...... آ اندر آ جا۔"

وہ خاموشی سے اس کے ساتھ اس کے کمرے میں پہنچ گئی جہاں بستر لگے ہوئے تھے۔ سالک نے روشنی کر دی اور بشیرن کو دیکھنے لگا جو حواس باختہ نظر آ رہی تھی۔ وہ بولا۔

"کوئی تجھے اپنے ساتھ لے آئے تو تھوڑے سے پیسوں کے بدلے آ بھی جاتی ہے۔"

"نہیں آتی۔ سچ بول رہی ہوں۔"

"پھر میرے ساتھ کیوں آ گئی؟"

"پتا نہیں۔"

"ہوں ٹھیک ہے تو جانتی ہے کہ میں تجھے یہاں کیوں لایا ہوں۔ میں تجھ سے ویسی ہی باتیں کروں گا۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے بیٹھی عجیب سے انداز میں دیوار کو گھورتی رہی۔ سالک اس کے قریب آ بیٹھا...... اچانک نجانے بشیرن کو کیا ہوا۔

"مجھے واپس باہر چھوڑ دے...... اپنے پیسے بھی رکھ لے۔ دیکھ میں عزت بیچنے والیوں میں سے نہیں ہوں۔" اس کی آواز رندھ گئی۔ تب سالک نے دیوار کے سوئچ بورڈ کے پاس پہنچ کر مزید کئی بلب جلا دیئے اور کمرے میں تیز روشنی پھیل گئی۔

بشیرن پریشان اور کسی قدر سراسیمہ سی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"یہ اتنی ساری روشنی کیوں کر دی؟"

"تاکہ تجھے اچھی طرح دیکھ سکوں۔"

"بس مجھے چھوڑ دے۔ مجھے واپس پہنچا دے۔ دیکھ میں تیری عزت کرتی ہوں...... تو نے مجھے کئی بار روٹی کھلائی ہے مجھ سے بھول ہو گئی۔"

"چھوڑ دوں گا...... بس پہلے تیرے بچے سے مل لوں۔" سالک نے کہا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر بچے کے پاس پہنچ گیا...... بشیرن فوراً ہی اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

"ہٹ جا بچے کے پاس سے، جاگ جائے گا تو مصیبت آ جائے گی۔"

"نہیں کوئی مصیبت نہیں آئے گی...... بشیرن کیا یہ اچھا نہیں ہو گا کہ تو اپنی جگہ بیٹھ جائے۔"

اسی وقت دروازے سے سردار علی، شوکت اور فرزند اندر داخل ہو گئے۔ تینوں

خطرناک حلیئے بنائے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں پستول دبے ہوئے تھے، جن کا رُ
کی جانب تھا۔ بشیرن ہائے کہہ کر اپنی جگہ ساکت ہو گئی۔ سالک نے کہا۔

"اس بچے کو دیکھو۔"

"نہ چھواسے نہ چھو...... ہائے میں تو مر گئی...... میں تو پھنس گئی۔" وہ تھر تھر کانپنے
سردار علی آگے بڑھا اور اس نے بشیرن کے شانے پر پستول رکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا ہو گا کہ تو یہاں بیٹھ جا۔"

"یہ آدمی مجھے دھوکا دے کر یہاں لایا ہے صاحب جی۔"

لیکن سالک اس دوران بچے کے اوپر کے کپڑے ہٹا چکا تھا۔ اس نے دیکھا کہ
نہایت ہی نفیس قسم کا گڈا ہے جو بالکل کسی آٹھ نو ماہ کے بچے کے قدو قامت کے برابر
چہرہ بھی میلا کچیلا ہے...... بال اس طرح سے بکھرے ہوئے جیسے کسی غریب بچے کے بال
اور ہوا کی نمی سے بکھر جاتے ہیں۔ آنکھیں بند ہیں اور بدن ساکت ہے۔ بچہ اصلی نہیں تھا
سالک نے سردار علی کو دیکھا اور دونوں مل کر اس بچے کی تلاشی لینے لگے......
اس دوران سسک کر رونے لگی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ لئے
کے بدن میں شدید کپکپاہٹ تھی۔ تب سالک کو بچے کے سینے کے پاس ایک سوراخ
گیا...... سوراخ میں انگلیاں با آسانی جا سکتی تھیں اور اس نے دیکھا کہ سوراخ میں کئی
بندھی ہوئی پڑی ہیں...... اس نے ان میں سے ایک پڑیا نکالی اسے کھولا...... قریب
دیکھا پھر آہستہ سے بولا "ہیروئن۔"

شہاب اس وقت تھانے میں موجود نہیں تھا...... گل زمان ڈرتا ڈرتا لاک اپ میں
بند نواب گٹو کے سامنے پہنچ گیا۔

"کہو راجہ جی۔ تاج پوشی ہو گئی۔" نواب نے کہا۔

"نواب صاحب مجبوریاں بھی تو ہوتی ہیں...... انچارج نیا ہے۔ آہستہ آہستہ ہی سمجھے گا۔"

"جب تک وہ سمجھے گا ہم بند رہیں گے؟"

"جلدی بتایئے میں کیا کروں؟" گل زمان نے کہا۔

"شہر چھوڑنے کی تیاریاں کر و کلیجے، شہر میں اب تمہارا رہنا مشکل ہے۔" نواب گٹو نے
خوفناک لہجے میں کہا۔

"نواب صاحب، آپ دوسرے کی مجبوریاں بھی تو سمجھیں...... اب میں اتنا صاحب
اختیار تو نہیں ہوں کہ اپنے آپ کچھ کر ڈالوں۔"

"ہم تجھے اختیار دیں گے۔ پریشان کیوں ہوتا ہے۔"

"انچارج صاحب آنے والے ہوں گے...... اس دوران آپ مجھے میری خدمات
بتادیں ورنہ مجھے واپس جانا ہو گا۔"

"ہوں پہلے یہ بتاؤ مجھے کہ یہ سب کیا ہوا ہے...... باجرہ بھی کھا لیا اس نے اور اس کے
بعد بھی......"

"وہ بہت ہی عجیب آدمی ہے۔ اتنا عجیب کہ میں خود اسے نہیں سمجھ سکا۔ ایک طرف وہ
بہت نرم مزاج نظر آتا ہے لیکن میرا تجربہ ہے نواب صاحب کہ جو بہت نرم مزاج نظر آتا
ہے وہ اندر سے بڑا خطرناک ہوتا ہے۔"

"کون زیادہ خطرناک ہے اس کا فیصلہ بہت جلدی ہو جائے گا۔ ہمیں لاک اپ میں تک بند رکھو گے بیٹا۔ دیکھیں گے ایک ایک کو دیکھ لیں گے...... اچھا سن قادر سے کہنا جا پتا بتادے...... میں نے کہا ہے اور جا مول جائے تو اس سے کہنا ایکشن دو پانچ لے...... بس جا زیادہ نہ رُک میرے سامنے، میرا غصہ بھڑکنے لگتا ہے۔"

گل زمان واپس مڑ گیا تھا۔ اس کا اندازہ درست تھا...... آنے والا انسپکٹر شہاب ہی تھا۔ گل زمان سے ہنس کر ملا۔

"بھئی گل زمان اپنے نواب گٹو کے کیا حال ہیں؟"

"سر آپ سب کچھ بہتر سمجھتے ہیں...... میں نے تو آپ سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا کہ دریا میں رہ کر مگرمچھ سے بیر اچھا نہیں ہوتا۔"

"پرانی بات ہے کوئی نئی بات کہو۔"

"سر نواب گٹو کے بارے میں کہنا چاہتا ہوں۔"

"ارے ہاں، نواب گٹو کا نام لیا تم نے ہمیں یاد آیا چلو آج ذرا اس کا گھر بھی دیکھ لیتے ہیں۔"

"جج...... جی میں نہیں سمجھا سر۔"

"تم سے کہا تھا میاں کہ ان دو آدمیوں کے قتل کے سلسلے میں تفتیش کرو، لگتا ہے خود ہی کچھ کرنا پڑے گا۔"

"سر وہ میں کچھ کہنا چاہتا تھا۔"

"بعد میں کہہ لینا۔ آؤ نفری تیار کرو...... ذرا ایک ریڈ کر لیں۔"

"نن...... نن...... نواب گٹو کے گھر پر۔"

"جاؤ جو کہا ہے وہ کرو اور خبردار دیر نہ ہونے پائے...... میں یہیں ہوں۔" شہاب بولا۔

گل زمان نفری تیار کرنے کی ہدایت دینے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد بارہ مسلح انسپکٹر شہاب اور گل زمان کی سرکردگی میں نواب گٹو کے ہوٹل پہنچ گئے۔ ہوٹل کو گھیرے میں لے لیا گیا...... تمام لوگوں کو ایک جگہ جمع کر کے چند سپاہی ان پر تعینات کر دیئے گئے۔ باقی ہوٹل کے پچھلے حصے میں نواب گٹو کی رہائش گاہ کی تلاشی لینے لگے...... ایک ایک چیز کھنگال ڈالی گئی لیکن انسپکٹر شہاب کا تجربہ واقعی اس سلسلے میں ابھی کچا تھا...... بھلا اس

نواب گٹو کی رہائش گاہ سے کسی چیز کے ملنے کے امکانات کہاں ہو سکتے تھے۔ ہر چیز کا باریک بینی سے جائزہ لے لیا گیا...... اب تو نواب گٹو کی گرفتاری کو بھی بہت وقت گزر چکا تھا۔ جن لوگوں کو وہاں کچھ جو کرنا تھا وہ اپنی کارروائی کر چکے تھے۔ بہرحال شہاب کا یہ چھاپہ ناکام رہا اور کچھ دیر کے بعد وہ وہاں سے واپس پلٹ آیا...... گل زمان کو سکون ہوا تھا کہ چلو کچھ نہ ملنے سے ایک بڑی مصیبت ٹل گئی ورنہ یہ بات سبھی کہتے کہ گل زمان بھی اس ریڈ میں شریک تھا۔

بہت دیر تک شہاب اس سے نواب گٹو کے بارے میں باتیں کرتا رہا اور گل زمان درپردہ اسے سمجھاتا رہا کہ بہرحال اس کوشش کے نتائج بہتر نہیں نکلیں گے لیکن شہاب میں خوبی تھی کہ وہ کسی بات کا برا نہیں مانتا تھا، بلکہ ٹھنڈے ٹھنڈے لہجے میں بات کو ٹال کر اپنی پسند کی بات کرا لیا کرتا تھا لیکن شام کے قریب شہاب کو ایک ٹیلی فون موصول ہوا، وہ تھانے میں موجود تھا۔

"بارہ دری تھانہ۔"

"انسپکٹر شہاب سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"کون صاحب بول رہے ہیں؟"

"جبار بیگ۔"

"اوہو سر، میں آپ کا خادم شہاب بول رہا ہوں۔"

"کہو بھئی شہاب میاں کیسی گزر رہی ہے؟"

"سر آپ کی عنایتوں کے زیر بار ہوں۔"

"وہ ہم نے کہا تھا نا میاں کہ انسان زمین کھود کر بیج ایسے ہی نہیں گاڑتا۔ پہلے اسے کونپل کا انتظار ہوتا ہے پھر اس کونپل کی آبیاری کرنے کے بعد وہ اس کے درخت بننے کا منتظر رہتا ہے۔ اس درخت پر پھل لگتے ہیں اور یہ پھل ہی اس کا مطمع نظر ہوتے ہیں۔"

"سمجھ رہا ہوں جناب۔"

"بہت سمجھدار آدمی ہو اس کا اندازہ تو ہم نے پہلے ہی لگا لیا تھا۔ بھئی تم نے وہ کسی نواب گٹو کو پکڑا ہے؟"

"جی سر۔"

"اس کے سلسلے میں ایک صاحب تم سے ملنے آرہے ہیں ان سے بات کرلو...... ٹر
فضل خان، ٹرانسپورٹر ہیں جو کچھ کہیں کر دینا۔ ہم نے ان سے وعدہ کرلیا ہے۔"

"آپ خود ہی حکم دے دیں۔"

"نہیں معاملہ چونکہ ہمارا براہ راست نہیں ہے بلکہ کسی اور کی سفارش کر رہے ہیں
اس لئے ہم کوئی حکم نہیں دے سکتے مگر فضل خان جو کچھ کہیں وہ کر دینا۔"

"سر آپ حکم دیں اور وہ کام نہ ہو۔" جواب میں سیٹھ جبار بیگ ہنسنے لگا تھا۔ اس نے
رسمی گفتگو کر کے اس نے ٹیلی فون بند کر دیا۔

شہاب کی آنکھوں میں ایک تیز چمک تھی اور وہ دیوار کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

فضل خان نے آنے میں دیر نہیں لگائی...... کوئی پچیس منٹ کے بعد ہی ایک
پجارو تھانے کی عمارت میں داخل ہوئی...... سپاہیوں کی نگاہیں اس کی جانب اٹھ گئی تھیں
لمبے تڑنگے قدو قامت کا مالک، بڑی بڑی مونچھوں والا ایک شخص اس سے نیچے اترا
کے پیچھے دو مستعد آدمی بھی نیچے اتر آئے تھے، انداز ایسا تھا جیسے اس کے باڈی گارڈ ہوں
شاید تھانے میں آمد کی وجہ سے غیر مسلح ہی نظر آرہے تھے...... لمبے قامت والے آ
تھانہ انچارج کے بارے میں معلوم کیا تو ایک کمرے کی جانب اشارہ کر دیا گیا۔ شہاب کم
کھڑکی سے آنے والے کو دیکھ رہا تھا اور اسے ایک لمحے میں اندازہ ہو گیا تھا کہ یہی شخص
خان ہو سکتا ہے...... فضل خان اندر داخل ہو گیا...... شہاب نے اسے خوش آمدید کہا تھا۔

"انچارج صاحب ہمارا نام فضل خان ہے۔"

"آئیے خان صاحب ابھی تھوڑی دیر پہلے......"

"اوہ ہاں بھئی ٹھیک ہے ہم جس سے بھی ملتے ہیں ڈائریکٹ ملتے ہیں۔ وہ تو بس
ہوتا ہے جو کسی نہ کسی کے ذریعے ہو جاتا ہے۔"

"آپ تشریف رکھئے۔" شہاب نے تپاک سے کہا اور بولا۔

"آپ کے لئے کیا منگواؤں؟ چائے یا ٹھنڈا؟"

"بات سنو...... یہ ساری چیزیں تو اس وقت ہوتی ہیں جب فیصلہ ہو جا
دوست کے سامنے ہیں یا دشمن کے؟"

"ارے نہیں خان صاحب آپ یہاں تشریف لائے ہیں تو آپ سو فیصد د

اور آپ کے سامنے آپ کا دوست ہے دشمن نہیں۔"

"ہوں، آدمی اچھے لگتے ہو بھئی کیا نام ہے تمہارا؟"

"شہاب ثاقب۔"

"اوہو آسمان سے ٹوٹ کر زمین پر آپڑے ہو شاید۔" فضل خان نے اپنی دانست میں
مذاق کیا۔

"جی ہاں، آسمان سے زمین پر ایک مشن لے کر آیا ہوں۔"

"ایں۔" فضل خان شاید اس جملے کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کچھ کام کی باتیں ہو جائیں، تمہارا بھی وقت قیمتی ہو گا۔ ہمارا بھی قیمتی ہے۔"

"جی حکم فرمائیے۔"

"اویار تم نے اپنا ایک بندہ پکڑ لیا ہے نواب گٹو۔"

"جی خاں صاحب۔"

"کیا ہو گیا بھئی، کوئی بات نہیں بنی کیا؟"

"نہیں اس کے بارے میں کچھ شکایتیں ملی تھیں۔ سنا ہے اسمگلنگ وغیرہ کرتا ہے......
جرائم کرتا رہتا ہے اور شاید قتل و غارت گری میں بھی ملوث ہے۔"

"نہیں بھئی نہیں، پھڑی باز ہے...... چار چھے لفنگے اکٹھے کر لئے ہیں ان کے ساتھ بیٹھ
کر پھڑی مارنے کا شوقین ہے مگر آدمی بہت اچھا ہے۔ تمہیں اس کے بارے میں غلط فہمی ہوئی
ہے۔ وہ دل کا برا نہیں ہے چھوڑ دو اسے۔"

"کرتے کیا ہیں خاں صاحب؟" شہاب نے اچانک سوال کر دیا۔

"بھئی ٹرانسپورٹ کا کاروبار ہے ہمارا...... اسی ٹرک ہیں اور اتنی ہی بسیں چلتی ہیں اپنی
کیا سمجھے؟"

"جی ہماری کوئی بس نہیں چلتی فضل خاں صاحب۔"

"کیا؟" فضل خاں صاحب پھر اس جملے میں کھو گئے۔ "تمہارا کام بھی ہو جائے گا......
تمہیں بھی پرمٹ دلوا دیں گے ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن تو ہوئے ہیں تمہیں، سب پتہ ہو جاتا
ہے آہستہ آہستہ کیا سمجھے؟"

"بالکل ٹھیک کہا آپ نے خاں صاحب۔"

"تو بھئی پھر بندہ چھوڑ دو اپنا کیا سمجھے اور یہ کچھ لائے تھے تمہارے لئے چپ چاپ دراز میں رکھ لو۔ دکھاتے نہیں ہیں کسی کو اور تمہیں پتا ہے نوٹوں کو بڑی جلدی نظر لگ جاتی ہے۔"

شہاب نے بیگ اٹھا کر میز کی دراز میں رکھ لیا۔

"ہاں بھئی تو پھر بلاؤ ذرا اسے۔"

"جی ابھی بلاتا ہوں۔" شہاب نے کہا اور گھنٹی بجائی...... گل زمان ہی آیا تھا۔

"گل زمان ذرا نواب صاحب کو تو بلاؤ جا کر۔"

"جی سر۔" گل زمان نے کہا اور جلدی سے باہر نکل گیا...... تھوڑی دیر کے بعد نواب گٹو پھنکاریں مارتا ہوا کمرے میں آ گیا تھا۔

"بہت برا ہوا ہے فضل صاحب، بہت برا ہوا ہے سانپ کی دُم پر پاؤں رکھ دیا انسپکٹر نے۔"

"او بیٹھ جا، میں بیٹھا ہوا ہوں مجھ سے بڑھ کر کیوں بول رہا ہے تو؟" فضل خاں نے کہا

"سوچ لیں خاں صاحب میں بپھرا ہوا شیر ہوں، شیر کو زخمی کرنا اچھی بات نہیں ہوتی۔"

"لڑکی کہاں ہے...... میں نے کہا تھا اسے میرے حوالے کر دو لیکن انسپکٹر صاحب نے میری بات نہیں سنی۔"

"نواب صاحب میں ایسا کیسے کر سکتا تھا؟"

"کرنا ہے بھئی، وہ کدھر گئی...... آج اس کی زبان کھلی ہے کل دوسروں کی کھلے گی۔"

"وہ شہر ہی چھوڑ کر چلی گئی...... کہیں اس کی کوئی نانی وانی رہتی تھی رشتے کی، مجھ سے روپے لئے اور شہر چھوڑ کر چلی گئی...... آپ سمجھتے نہیں ہیں نواب صاحب، بات ابھی میرے کانوں تک پہنچی تک آپ خود غور کریں اگر وہ پولیس ہیڈ آفس پہنچ جاتی، ڈی آئی جی صاحب تک جاتی، آئی جی صاحب تک جاتی یا ایس پی صاحب سے بھی مل لیتی تو چھینٹیں لوگوں کانوں تک بات جاتی...... میں نے اسے بھی اطمینان دلا دیا کہ جو کچھ اس نے کہا ہے وہ میں کر دیا اور پھر بات بھی ختم کر دی...... آپ سمجھا کریں اصل بات کو، بھئی اور کچھ نہیں چلئے پولیس سے کوئی مسئلہ نہ ہوتا اگر کسی صحافی کے ہاتھ لگ جاتی تو اخبار میں تو خبر چھپ

جاتی نا۔"

نواب گٹو اور فضل خان، شہاب کو غور سے دیکھتے رہے، نواب گٹو کے چہرے کے عضلات میں کچھ ڈھیلا پن نظر آنے لگا تھا۔

"نواب صاحب جو کچھ کرو، ذرا ہاتھ پاؤں سنبھال کر کیا کرو...... اب دیکھو نا اس دن ان دونوں کو مارا آپ لوگوں نے، خون کی صفائی کی مگر دھبے رہ گئے...... لیبارٹری کی رپورٹ آ گئی کہ انسانی خون ہے، وہ تو دکانداروں نے زبان نہیں کھولی، اگر کوئی آپ کا نام لے دیتا تو ہمیں کارروائی کرنی ہی پڑتی نا۔"

"اوئے نواب گٹو دیکھ پتر کام سنبھال کر کیا کر۔ یہ اپنا بندہ ہے اور یہ بہت اچھی بات ہے کہ تم دونوں کے بیچ میں تعاون رہے گا...... چلو اب ہاتھ ملاؤ دونوں اور کام ختم کرو اپنا، چلو اٹھو۔"

فضل خان نے نواب گٹو سے کہا اور نواب گٹو اٹھ کھڑا ہوا...... شہاب نے اس سے ہاتھ ملایا۔

"تیرا شکریہ انسپکٹر اور بات سن ہم سے کوئی کام ہو تو ہمیں بتا دینا...... یہ اچھا ہوا کہ بات یہیں پر ختم ہو گئی، نہیں تو انسپکٹر ہم تو بہت اونچے جانے والوں میں سے ہیں...... بس اب نام نہیں لیں گے کسی کا...... ضرورت پڑتی تو نام بھی لے لیتے...... اچھا بھئی چلتے ہیں۔ چل بھئی نواب ہاتھ مل گیا ہے، خیال رکھنا۔"

نواب گٹو نے کوئی جواب نہیں دیا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں باہر نکل گئے...... شہاب کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی...... جب پجارو باہر نکل گئی تو گل زمان جلدی سے اندر داخل ہو گیا۔

"ایک بات ہم کہیں گے۔" گل زمان نے کہا۔

"کہو کہو کیا؟"

"آپ کا فیوچر برائٹ ہے۔" گل زمان نے ہنستے ہوئے کہا اور شہاب بھی اس کے ساتھ ہنسنے لگا۔

بشیرن بے جان ہو گئی تھی۔ اس کا چہرہ دُھلے کپڑے کی طرح سفید ہو رہا تھا اور وہ خز پتے کی طرح کانپ رہی تھی۔

"تو یہ ہے تیرا یتیم بچہ؟" سالک نے گہری سانس لے کر کہا..... اس کے منہ سے جواب نہیں نکل سکا۔

شوکت نے خوفناک آواز بنا کر کہا۔ "کس کے لئے کام کرتی ہے؟"

"پیٹ کے لئے بابو؟" اس نے آہستہ سے کہا۔

"بہت زیادہ چالاک بننے کی کوشش نہ کر تو جانتی نہیں ہے اس کے بعد تیرا کیا حشر ہو گا۔" سالک نے کہا لیکن اچانک ہی انہوں نے محسوس کیا کہ اب اس کے بدن کی تھرتھر بھی کم ہوتی جا رہی ہے اور اس کے چہرے پر پھیلے ہوئے خوف کے آثار بھی ختم ہو جا رہے ہیں۔

"اب کچھ بھی پوچھتے رہو کہہ دیا تم سے سارا چکر اس پاپی پیٹ کا ہے، کرنا پڑتا ہے۔ ذرا تم اپنے بارے میں تو بتا دو..... سی آئی اے کے ہو سپیشل والے ہو کون ہو، ہمارا نام بشیر ہے بلاوجہ ہی سڑکوں پر نہیں نکل آئے ہیں۔"

"وہ تو ہم جانتے ہیں کہ تو بلاوجہ ہی سڑکوں پر نہیں ہے..... بڑا زبردست آئیڈیا نقلی بچے کو گود میں لے کر سڑکوں پر بھیک مانگتی ہے اور نقلی بچے کے پیٹ میں ہیروئن کی رکھی رہتی ہے..... یقیناً تیرے گاہک لگے بندھے ہوں گے۔"

"سب معلوم ہے تو مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"صرف یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ تیرے پیچھے کون ہے؟"

وہ ہنس پڑی۔

"ابھی تک تو کوئی نہیں ہے۔" گردن گھما کر پیچھے مڑ کر بولی۔

"ٹھیک ہے اسے بند کر دو تین دن تک بھوکا پیاسا رکھو گے تو زبان کھل جائے گی۔" ان الفاظ پر وہ سہم سی گئی۔

"نہیں بتاتے تو مت بتاؤ میں نے تو اس لئے پوچھا تھا کہ تمہیں کچھ کام کی باتیں بتا دوں گی مگر تم تڑی ہی دیئے جا رہے ہو، مجھے بند مت رکھنا رات کو گھر پہنچنا ضروری ہے بابو۔"

"تو اس وقت تک گھر واپس نہیں جا سکتی جب تک یہ نہ بتا دے کہ ہیروئن بیچنے کے سلسلے میں تیری پشت پناہی کون کرتا ہے؟"

"تھوک دے گا تمہارے اوپر تو دب کر مر جاؤ گے نام پوچھ لو گے مجھ سے مگر بگاڑ نہ سکو گے کچھ اس کا۔"

"تو پھر نام بتا دے؟"

"ارے چھوڑو، چھوڑو، اتنی کچی نہیں ہوں کہ نام بتا دوں۔"

"تب پھر مجبوری ہے ہم خود تحقیقات کر لیں گے لیکن اس دوران تجھے ہماری قید میں رہنا ہو گا۔"

"اجازت نہیں ہے نام بتانے کی..... کاہے کو ہمیں مصیبت میں ڈال رہے ہو..... اتنا کیے دے رہے ہیں تم سے کہ اگر اس کا نام جانتے ہو اور پکے پولیس والے ہو تو خود ہمیں چھوڑ دو گے، ہم سے اس کا نام نہ پوچھو خود پتا لگا لینا ہمارا پیچھا کر کے یہاں سے تو ہم سیدھے گھر ہی جائیں گے، ہمارا گھر بھی دیکھ لینا بعد میں تحقیقات بھی کر لینا جس محلے میں جائیں گے وہیں کا آدمی ہے۔"

"کون سے محلے میں رہتی ہے تو؟" سالک نے پوچھا۔

"بارہ دری میں۔" اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

"اس آدمی کا نام کیا ہے؟"

"بابو تمہیں اللہ کا واسطہ مت پریشان کرو ہمیں، دو بچوں کی ماں ہیں..... بچے اکیلے رہ نہیں سکتے..... نہیں تو تم ہمیں سال بھر تک یہاں رکھتے تو ہم فکر نہ کرتے، ارے وہ میرا انتظار کریں گے..... آدھی رات تک نہیں جائیں گے..... تب بھی ہمارا انتظار کریں گے۔"

"ہمیں صرف تم پر شبہ ہوا تھا اور ہم نے اس شبے کی تصدیق کرلی ہے...... اب صرف ہم اس آدمی کا نام جاننا چاہتے ہیں جو تجھ سے ہیروئن کی تجارت کراتا ہے۔"

"بارہ دری میں رہتا ہے...... نام نواب گٹو ہے...... ہیروئن بیچتا ہے...... مجھ جیسی بہت سی عورتیں اس کے لئے کام کرتی ہیں...... اس کا کچھ بگاڑلو پر ہمیں چھوڑدو...... ہمارے بچوں کے لئے تم بھی بال بچوں والے ہوؤ گے...... دیکھو ہمیں جانے دو گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ روکنا چاہتے ہو تو روک لو پر ہمارا گھر جانا ضروری ہے...... ہمارا نہیں تو ہمارے بچوں کا ہی خیال کرو۔"

"بشیرن آرام سے ہمیں ہمارے چند سوالات کا جواب دے دو ہم برے آدمی نہیں ہیں اور تمہیں یہاں کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہے...... بالکل بے فکر ہو کر ہمیں یہ بتاؤ کہ نواب گٹو کیا کرتا ہے؟"

"ارے بابو ہم سے نہ پوچھئے...... دو کھو چکے ہیں ہم دو رہ گئے ہیں...... ہمیں پال لینے دو اللہ تمہارا بھلا کرے گا۔"

"تم سے وعدہ کیا جارہا ہے کہ تمہیں عزت کے ساتھ تم جہاں چاہو گی پہنچا دیا جائے گا پر یہ نواب گٹو۔"

"پولیس والے ہو اور نواب گٹو کو نہیں جانتے بارہ دری کا بدمعاش ہے، دھڑلے سے رہتا ہے وہاں آرام سے خون کر دیتا ہے...... ارے کتنے خون اس کی گردن پر لکھے ہیں...... کبھی پتا لگا کر تو دیکھو ہم غریبوں کو ہی مرواؤ گے...... بولو کیا بتائیں یہ بتائیں کہ اس نے پہلے ہمارے شوہر سے کہا کہ وہ اس کے لئے کام کرے اسے مجبور کر دیا جہاں نوکری کرتا تھا وہاں سے نوکری چھڑا دی در در مارا مارا پھرا جہاں نوکری ملتی وہاں نواب گٹو کا پیغام پہنچ جاتا کہ خبردار مٹھو کو اگر نوکری دی تو گٹو سے برا کوئی نہیں ہوگا، وہ عاجز آگیا...... بیمار پڑ گیا اور پھر نواب نے اسے بلوایا اس نے نواب سے کہہ دیا کہ ٹھیک ہے، اگر اسی طرح اس کی قسمت میں موت لکھی ہے تو وہ مر جائے گا مگر نواب گٹو جو کہتا ہے وہ کام نہیں کرے گا تو نواب نے اس سے کہا کہ اگر مرنے کا ہی شوق ہے تو پھر اسے مرجانا چاہئے کیونکہ نواب کی بات نہ ماننے والوں کو زندہ نہیں چھوڑا جاسکتا...... پھر مٹھو مر گیا ارے وہ بڑا اچھا آدمی تھا...... برائیوں کے خلاف بات کرتا تھا، ہمیشہ لوگوں سے لڑجاتا تھا...... کہتا تھا وطن کی مٹی اس کی اجازت نہیں دیتی کہ وطن میں گندگی پھیلائی جائے...... میں جان دے دوں گا مگر وطن میں گندگی نہیں

پھیلنے دوں گا، دیکھ لوں گا نواب گٹو کو مگر نہ دیکھ سکا اور نواب گٹو نے اسے دیکھ لیا...... مروا دیا بے چارے کو ہسپتال میں لاش پہنچادی گئی، وہیں سے کفن دفن بھی ہوگیا...... ہمیں تو کئی دن کے بعد پتا چلا کہ مٹھو گھر کیوں نہیں آرہا، اکیلے رہ گئے...... ہم، تین بچے تھے ہمارے نواب گٹو نے ہماری طرف نظر ڈالی بلایا کہنے لگا...... بشیرن مٹھو کی موت کا مجھے بہت افسوس ہے مگر دیکھنا اگر اب اس طرح لوگ میری بات کو ٹالنے لگیں تو پھر میرا تو جینا مشکل ہو جائے گا، اب ایسا کر کہ مٹھو کی جگہ تو کام کر آخر بچوں کو پالنا ہے...... ہم نے اسے گالیاں سنائیں ہنستا رہا بے غیرت کہیں کا پھر بولا۔

"اچھا ٹھیک ہے تو بھی اپنے شوہر ہی کے نقش قدم پر چل رہی ہے...... تیرے لئے ہمارے پاس حکیم صاحب کا دوسرا نسخہ موجود ہے اور جانتے ہو دوسرا نسخہ کیا تھا؟ بابو جی ہمارے تینوں بچے غائب ہوگئے...... ہم بڑے خوش ہوا کرتے تھے کہ چلو یہ تینوں جوان ہوں گے تو سارے دلدر دور ہو جائیں گے مگر تینوں غائب ہوگئے...... ہم پاگلوں کی طرح مارے مارے پھرے...... ہر ایک سے پوچھا سب نے افسوس کے سوا کوئی بات نہ کہی...... ہم روتے گڑگڑاتے رہے...... تھانے گئے وہاں سے بھگا دیئے گئے...... کسی کا نام لیتے کسی کا نام نہ لیتے...... تھانیدار نے پیر سے چپل اتار کر سر پر ماری اور کہا نکل جا...... محلے میں تو جو آوارگی پھیلا رہی ہے...... میں اس سے اچھی طرح واقف ہوں...... وہاں سے بھی چلے آئے اور اس کے بعد پھر نواب گٹو کے قدموں میں پہنچ گئے...... ہم نے اس سے گڑگڑا کر کہا۔ "کہ نواب ہمیں ہمارے بچے دے دے...... وہ ہنستا ہوا بولا کہ اب ان میں سے ایک تو کم ہو چکا ہے باقی دو رہ گئے ہیں، ان کی بھی موت کا انتظار کر اور بگاڑلے تجھ سے اگر میرا کچھ بگاڑا جائے تو...... ہمارا دل دہل کر رہ گیا...... پوچھا کہ کون کم ہوگیا تو پتا چلا کہ ہمارا سب سے چھوٹا بچہ جو ہماری ہی قدرتی غذا پر پلتا تھا مر گیا...... مار دیا، ارے بابو جی بے بس ہوگئے ہم اور اس کے بعد اس کے سوا اور کیا چارہ تھا کہ نواب جو کچھ کہتا ہے وہ کریں دو بچے مل گئے ہمیں ایک ہمارا مرد کم ہوگیا...... دوسرا ہمارا بچہ اب رہ گئے ہیں دو تو تم خود سوچو، خود بتاؤ نام لے دیا ہے...... تمہارے سامنے اس کا کچھ کرو گے اس کے خلاف پھر دیکھ لینا نتیجہ کیا ہوگا...... وہ ہمیں نہیں مارے گا کیونکہ ہمیں مارنے سے اس کا کام پورا نہیں ہوگا...... ہمارے بچوں کو مار دے گا۔ ہماری گود اُجاڑ کر تمہیں کیا ملے یا بابو جی بتاؤ تمہیں کیا مل گیا؟"

سالک اور باقی لوگ سخت سکتے کے عالم میں کھڑے کے کھڑے رہ گئے تھے...... ان سب کے دل دُکھ رہے تھے...... آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی آ گئی تھی۔

"دیر نہ کرو سالک اسے چھوڑ آؤ۔ تیرے پاس پیسے کتنے ہیں؟"

"آج کے مال بیچنے کے پیسے ہیں بس۔"

"تجھ پر کوئی نگاہ تو نہیں رکھتا؟"

"انہیں ضرورت ہی نہیں ہے...... نظر رکھنے کی کام کرو جو بیچو اس کے پیسے دے دو...... کھانے پینے کو مل جاتا ہے بچوں کے لئے اور کچھ نہیں باقی سب چلتا ہے...... تمہارے ساتھ اس لئے آ گئے تھے کہ سو پچاس روپے مل جائیں گے تو الگ سے کام چل جائے گا بچوں کے لئے کپڑے بھی چاہئے ہوتے ہیں...... ضرورتیں بھی تو ہوتی ہیں نا بابو جی اس طرح سے کبھی کبھی ضرورت پوری کر لیتے ہیں اور بعد میں جا کر مٹھو سے معافی مانگتے ہیں...... کہتے ہیں مٹھو تیری ہی نشانیاں ہیں اور کیسے پالیں تو خود بتا۔" وہ بلک بلک کر رونے لگی...... وہ سب بھی بے حد متاثر نظر آ رہے تھے۔

"دیر مت کرو سالک اسے چھوڑ آؤ کہیں کسی کو کوئی شبہ نہ ہو جائے۔" سالک نے فوراً ہی اس بات پر آمادگی کا اظہار کر دیا...... ہیروئن کی تمام پڑیاں واپس مصنوعی گڑیا میں رکھی گئیں...... اسے اس کی گود میں دے دیا گیا۔

"بشیرن ہماری طرف سے بالکل بے فکر رہ جو کچھ تو نے ہمیں بتایا ہے ہم میں سے کسی کی زبان پر کبھی نہیں آئے گا...... اپنے آپ کو سنبھالے رکھنا کسی کو شبہ مت ہونے دینا کہ تیرے ساتھ کوئی خاص واقعہ پیش آیا ہے...... ہم تجھ سے پکا وعدہ کرتے ہیں کہ اپنی زبان سے ہم کسی کو اس بارے میں نہیں بتائیں گے اور اب تو چل جلدی سے جہاں کہے وہاں تجھے چھوڑ دیں اور یہ تھوڑے سے پیسے رکھ لے...... سنبھال کر رکھنا اگر زیادہ پیسے ہوں گے تیرے پاس تو نواب گٹو کو شبہ ہو جائے گا وہ یہ سوچے گا کہ کہیں کسی نے تجھے کسی خاص مقصد کے لئے تو پیسے نہیں دیئے، اس لئے یہ تھوڑی سی رقم رکھ لے اور بعد میں تجھے اور بھی پیسے پہنچا دیئے جائیں گے...... تیرے بچوں کے لئے بہت کچھ کیا جائے گا۔ فکر مت کرنا۔"

سالک بادل نخواستہ بشیرن کو اسی جگہ چھوڑ گیا جہاں سے اس نے اسے حاصل کیا تھا۔ سہما ہوا سا واپس چل پڑا تھا چکر آ رہے تھے اسے یہ پُردرد داستان سن کر اور وہ بڑی عجیب

سی کیفیت محسوس کر رہا تھا واپس پہنچا تو سب اس کا انتظار کر رہے تھے۔

"اسے چھوڑ دیا؟"

"ہاں۔" سالک نے جواب دیا۔

"چلو کام پورا ہو گیا...... اب بتاؤ کیا کریں؟"

"شہنشاہ کو رپورٹ بھی دینی ہے۔"

"تمہاری واپسی کا انتظار تھا...... فوراً رپورٹ دینی چاہئے۔" پھر ٹرانسمیٹر پر شہنشاہ سے رابطہ کچھ دیر کے بعد قائم ہو گیا۔

"سی پی کنٹرول۔"

"ہاں...... کہو۔"

"ایک رپورٹ پیش خدمت ہے۔"

"شروع ہو جاؤ۔" شہنشاہ کی آواز اُبھری

سالک نے شروع سے لے کر آخر تک بھکارن کی پوری داستان دہرا دی...... اس کے خاموش ہونے کے بعد بھی دوسری طرف خاموشی طاری رہی تھی۔

سالک نے کچھ دیر بعد پھر بات شروع کی۔

"حالات کے پیش نظر جلد بازی میں فیصلہ کیا گیا، اگر نواب گٹو کو شبہ ہو جاتا تو وہ اسے نقصان پہنچا سکتا تھا۔"

"تم نے ٹھیک کیا۔"

"تھینک یو سر۔"

"ٹھیک ہے اب اس پورے قصے کو ذہن سے نکال دو اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے غور سے سنو۔"

"یس سر۔"

"فضل ٹرانسپورٹ آرگنائزیشن نام ہے...... بہت سی بسیں اور ٹرک چلتے ہیں...... فضل خان اس آرگنائزیشن کا مالک ہے...... مکھیوں کی طرح اس کے اِرد گرد پھیل جاؤ اور سارا کچا چٹھا معلوم کرو...... کس خاندان سے ہے؟ اس کے علاوہ اس کے ٹرک اور بسیں کہاں کہاں چلتی ہیں؟ کون کون سے نیک کام کرتے ہیں؟ اس کی ساری تفصیلات جمع کرو اور مجھے

رپورٹ دو۔"

"اوکے سر۔" سالک نے جواب دیا۔

"باقی معلومات تمہیں خود کرنا ہوں گی۔"

"معلومات حاصل ہو جائیں گی بہت عام سی بات ہے۔"

"گڈ، اچھا ہاں تیس ہزار روپے میں نے آرگنائزیشن کے اکاؤنٹ میں جمع کرادیے ہیں...... اپنی اپنی گاڑی ٹھیک کرالو جو ابتدائی اُلجھنیں ہیں ان سے نمٹ لو اور کوئی ضرورت ہو تو اسے ڈیل کرلینا...... بہت جلد ہم بہتر حالات میں داخل ہونے والے ہیں۔"

"سر یہ فراست علی کئی بار تقاضا کر چکا ہے کہ اس رقم کا کچھ کرلیا جائے جو بے کار پڑی ہوئی ہے اور اس سامان کا بھی فیصلہ کرلیا جائے۔"

"فراست کہاں ہے؟"

"میں موجود ہوں سر۔" فراست نے جواب دیا۔

"فراست اصل میں اس رقم کے بارے میں ہمیں فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا ہے...... بال بچوں والے آدمی ہو...... تم اسے خود پر استعمال کرو۔"

"سر جب مے خانے میں قدم رکھ دیا ہے تو پھر اس نشے سے گریز کیا کرنا...... آپ کو میرا ماضی معلوم ہے جن حالات میں برائی کی جانب راغب ہوا، وہ ایسے تھے کہ اس سے بچنا مشکل نظر آرہا تھا لیکن مے خانے کے پہلے جام نے دل پر مستی طاری کردی ہے...... اس دنیا کا کام تو چل ہی جاتا ہے میرا کام بھی چل گیا ہے...... میں چاہتا ہوں کہ میرے دل پر یہ بوجھ نہ رہنے دیا جائے۔"

"پھر کیا خواہش ہے تمہاری یہ تو بتاؤ؟"

"میں یہ سب کچھ جسے میرے لئے حلال قرار دے دیا گیا ہے آرگنائزیشن کی نذر کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہوں، اچھا تو پھر یوں کرو کہ اس کے دو حصے کرلو...... ایک حصہ تم اپنے گھر، اپنے بچوں کے لئے مخصوص کردو...... بہتر ہے کہ سادہ زندگی ہی اپناؤ اور تعیشات میں نہ پڑو ورنہ مفلوج ہو جاؤ گے۔"

"یہ آپ کا حکم ہے سر تو میں اس کے لئے تیار ہوں۔"

"شکریہ، بہت اچھا لگتا ہے مجھے جب میری بات بغیر کسی مشکل کے مان لی جاتی ہے...... فراست علی آرگنائزیشن کے لئے تمہارے عطیئے کا ہم شکریہ ادا کرتے ہیں۔ باقی ففٹی پرسنٹ ان لوگوں میں تقسیم کردو...... میں باقی سب لوگوں کو کھلے دل سے اجازت دیتا ہوں کہ جو رکے ہوئے کام ہیں وہ پورے کرلئے جائیں اور سنو ہمارے لئے جگہ یہی مناسب ہے کیونکہ یہ بے شمار جھگڑوں سے پاک ہے...... جتنی بڑی جگہ ہوگی اتنی ہی نگاہوں کا مرکز بنے گی۔ اپنے اس کباڑ خانے کو اور مستحکم کرلو اور لوگوں سے بہتر تعلقات رکھو تاکہ ہم اس کام کو اس پیمانے پر چلا سکیں جس میں صرف کام ہوتا ہے...... بڑائی نہیں پیدا ہوتی تو تم لوگوں نے سمجھ لیا...... فی الحال فضل آرگنائزیشن تمہاری توجہ کا مرکز ہے...... بھکارن اور نواب گٹو کو کچھ وقت کے لئے بھول جاؤ لیکن یہ نہ سمجھنا کہ ہم اس سے گریز کریں گے...... البتہ ہر کام کا ایک وقت متعین ہوتا ہے۔"

"اوکے سر۔"

"خدا حافظ۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور اس کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔

❁

نئے ڈی آئی جی نادر حیات نے آخر کار چارج لے ہی لیا...... ان کی آمد کے تذکرے بہت عرصے سے ہو رہے تھے...... وہ ایک خاص شہر سے تبدیل ہو کر آرہے تھے...... ان لوگوں نے جن کا تعلق براہ راست ہوتا ہے نادر حیات کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوششیں شروع کردیں اور جو اطلاعات حاصل ہوئیں وہ بہت سوں کے لئے باعث تشویش تھیں۔

"سنا ہے پتھر کا انسان ہے اس کی طبیعت میں لچک ہے ہی نہیں...... بہت سخت گیر ہے...... تین جگہ تو تبدیلی ہو چکی ہے لیکن کسی برائی کے تحت نہیں بلکہ جب کوئی منسٹر اپنی ساکھ بنانا چاہتا ہے اور جس علاقے میں خصوصی ذمے داریاں ہوتی ہیں، وہاں وہ اپنی ذمے داری پوری کرنا چاہتا ہے تو دوسرے تمام امور کے ساتھ ساتھ ڈی آئی جی نادر حیات کو بھی مانگ لیا جاتا ہے تاکہ شہر کے حالات بہتر بنائے جا سکیں۔ بہر حال نادر حیات نے اپنا چارج لے لیا...... ہیڈ کوارٹر میں کھلبلی مچی ہوئی تھی...... وردیاں از سر نو درست کرالی گئی تھیں...... بغیر استری کے کوئی وردی استعمال نہیں کی جاتی تھی...... ہر شخص الرٹ نظر آتا تھا اور پہلے

سے حاصل کی ہوئی معلومات درحقیقت کارآمد ہو رہی تھیں...... نادر حیات سادہ سی شخصیت کا مالک ایک تنومند شخص تھا اور ڈی آئی جی کے عہدے تک پہنچنے میں اس نے بڑی تیز رفتاری دکھائی تھی کیونکہ عمر اتنی بھی نہیں تھی کہ تجربے کو بہت وسیع کہا جا سکتا ہو...... سخت گیری چہرے سے عیاں تھی لیکن نرم لہجے میں بولنے کا عادی تھا...... ہیڈ کوارٹر میں مختلف لوگوں کے ساتھ میٹنگ ہو چکی تھی...... یہاں تک کہ ایک دفعہ صحافیوں کو بھی ہیڈ کوارٹر میں دعوت دی گئی جو ایک نئی بات تھی لیکن ڈی آئی جی نادر حیات نے صحافیوں سے کہا تھا۔

"صحافت ایک معزز شعبہ ہے اور معاشرے کی بہت بڑی ذمے داریوں کا حامل ہے...... خبریں بناتے وقت ہمیں ان تمام معاشرتی اقدار کا خیال رکھنا ہوتا ہے جس سے کوئی ایسی اُلجھن نہ پیدا ہونے پائے جو عوام کے لئے باعث تشویش ہو، ہم سب ایک ہی راستے کے راہی ہیں...... میں چاہتا ہوں کہ خبریں سنسنی خیز بنانے کے لئے ایسی حاشیہ آرائی نہ کی جائے جس سے لوگوں میں بے چینی پھیلے...... آپ لوگوں سے یہی تعاون چاہتا ہوں اس کے علاوہ آپ لوگوں کو محکمہ پولیس سے جو تعاون درکار ہو اس کی تفصیل مجھے بتا دی جائے تاکہ ہمارے درمیان ایک ایسی فضا قائم رہے جس میں کسی کے لئے کوئی مشکل نہ ہو۔"

چوتھی میٹنگ پورے علاقے کے تھانیداروں کی تھی اور آج شام تمام علاقوں کے تھانیدار اس میٹنگ میں شرکت کے لئے پہنچ گئے...... بارہ دری تھانے کے انچارج کی حیثیت سے شہاب ثاقب بھی وہیں موجود تھا...... ڈی آئی جی نے پوچھا کہ تمام علاقوں کے تھانیدار آگئے ہیں اور انہیں اس کے بارے میں مثبت جواب دیا گیا۔

"مجھے نہ میٹنگیں کرنے کا شوق ہے نہ ان میں تقریریں کرنے کا شوق۔ آپ سب کے چہروں کو دیکھ رہا ہوں...... ان میں مجھے عمر کے تجربے کار افراد بھی نظر آرہے ہیں اور ایسے نوجوان بھی جن کے پاس بے شک بڑی اچھی تعلیم ہوگی، بڑا اچھا تجربہ ہوگا لیکن عمر کا تجربہ عمر کے ساتھ ساتھ ہی ملتا ہے۔ محکمہ پولیس کے بارے میں کچھ عجیب و غریب خیالات کا اظہار کیا جا رہا ہے...... اخباری خبریں اور ایسے دوسرے بہت سے حقائق بھی نگاہوں کے سامنے ہیں جن سے یہ صاف پتا چل جاتا ہے کہ پولیس کے وہ ارکان جو جب اپنے عہدے کا چارج سنبھالتے ہیں تو حلف اٹھاتے ہیں کہ وہ اپنے شہریوں کی بقا کے لئے ان کی بہتری کے لئے کام کریں گے۔ ہم جس مذہب سے تعلق رکھتے ہیں اس میں حلف اور زبان کی بڑی

حیثیت ہوتی ہے لیکن پھر وہ کیا عوامل ہیں کہ ہم یہ تمام چیزیں نظرانداز کر کے وہ سب کچھ کرتے ہیں جس نے محکمہ پولیس کو ایک عجیب و غریب ادارہ بنا دیا ہے۔ لوگ اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں...... اس کے بارے میں بڑے برے خیالات رکھتے ہیں...... میں جانتا ہوں کہ جو فضا طویل عرصے میں بن گئی ہے وہ شاید طویل عرصے تک بہتر نہ ہو لیکن ہم بہتری کے لئے کوئی قدم نہ اٹھائیں تو شاید آنے والے طویل عرصے میں یہ صورت حال مزید بگڑتی ہی چلی جائے گی۔ میں زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا صرف اتنی درخواست کر رہا ہوں کہ جو برائیاں آپ کے اپنے اندر موجود ہیں ان کا احتساب اپنے آپ سے خود کریں اور بہتر ہے کہ خود ہی انہیں دور کرنے کی کوشش کریں...... نہ میں کسی پر کوئی تنقید کروں گا، نہ کسی تفصیل میں جاؤں گا، کیونکہ آپ بھی جانتے ہیں اور میں بھی جانتا ہوں کہ محکمہ میں بے شمار افراد کا طریقہ کار کیا ہے جس کی بنا پر محکمہ پولیس لوگوں کی نفرت کا مرکز بن گیا ہے...... بے گناہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے...... اپنا کام پوری دیانتداری سے سرانجام دیں...... میں آپ لوگوں سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنے وسائل کے تحت جو کچھ بھی آپ سے ممکن ہو وہ ٹھیک کریں...... آپ مجھے بے دھڑک یہ بتائیے کہ آپ کے اپنے مسائل کیا ہیں اور آپ ان مسائل سے کس طرح نمٹتے ہیں۔"

"سر میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔" ایک نوجوان ایس ایچ او نے کہا۔

"بالکل کریں۔"

"سر ہم جس معاشرے میں زندگی گزار رہے ہیں وہاں کے ہر فرد کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے اہل خاندان کے ساتھ ایک بہتر زندگی گزارے جو ذمے داریاں ہمیں دی گئی ہیں ان کے صلے میں ملنے والا معاوضہ ہماری کفالت نہیں کرتا اس کے لئے کوئی منصوبہ بندی ذہن میں ہے؟" ڈی آئی جی نادر حیات خان نے ایس ایچ او کو دیکھا۔

"آپ لوگ جس ملک کے شہری ہیں کیا آپ کو اس کے مالی وسائل کا اندازہ ہے...... آپ سب پڑھے لکھے لوگ ہیں اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم ترقی پذیر ممالک کے شہری ہیں...... ہمارے پاس مالی وسائل اس قدر نہیں ہیں کہ ہم فی کس آمدنی بہت زیادہ بڑھا سکیں...... کیا آپ کا یہ اندازہ ہے کہ ہمارے ملک میں کروڑوں افراد ایسے ہیں جن کی فی کس آمدنی اتنی کم ہے کہ ہم گزارے کا تصور کر کے خوفزدہ ہو جاتے ہیں...... آپ اپنی

تنخواہوں میں ہی گزارا کرنے کی پلاننگ کریں اور اس سے آگے بڑھنے کی کوشش کم از کم اس وقت تک آپ کے لئے پریشان کن ہو گی جب تک میں یہاں موجود ہوں۔" ڈی آئی جی کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"سر میں بھی ایک سوال کرنا چاہتا ہوں...... بعض اوقات قانون کی راہ میں منسٹر اور بڑے بڑے دولت مندوں کی طرف سے جو رکاوٹ ڈالی جاتی ہے اس کا کوئی سدباب نہیں ہے۔"

"میں آپ سے یہ بات بھی خاص طور سے کرنا چاہتا تھا...... میں خود ایک منسٹر کا بھا ہوں اور وہ منسٹر پوری طرح صاحب اختیار ہے...... میں نے اس سے گفتگو کی ہے اس بارے میں۔ وہ کہتا ہے کہ قانون کو قانون کے تقاضوں کے مطابق پورا کرو اور اگر قانون کی راہ میں کوئی رکاوٹ ڈالی جائے تو مجھ سے رجوع کرو...... اس لئے آپ لوگ بے دھڑک اپنے فرائض انجام دیں اگر کوئی بڑی رکاوٹ آپ کی راہ میں آتی ہے اور آپ اپنی فطرت کے مطابق اسے قبول کرنے سے معذور ہیں تو پھر آپ مجھ سے رابطہ قائم کریں...... آپ دیکھئے میں اس رکاوٹ کو کارآمد نہ ہونے دوں گا۔"

بہت سے سوالات کئے گئے...... بہت سے جوابات دیئے گئے...... کچھ ہونٹوں پر مسکراہٹیں تھیں، اس انداز کی مسکراہٹیں جیسے وہ سوچ رہے ہوں کہ ایسی میٹنگیں عموماً ہوتی رہتی ہیں۔

❋

بارہ دری تھانے میں گل زمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "سر سنا ہے نئے ڈی آئی جی بڑے سخت انسان ہیں۔"

"ہاں گل زمان تھوڑے دن تک یہ پریشانی رہے گی پھر کوئی مسئلہ ہو جائے گا اور حیات کا ٹرانسفر کر دیا جائے گا...... انہوں نے ویسے باتیں بڑی خوبصورت کی ہیں۔" شہاب گل زمان کو تمام تفصیلات بتانے لگا۔

"صاحب یہ سب میٹنگیں ہیں جو کرنا ضروری ہوتی ہیں...... آخر تعارف بھی تو کرانا ہے ویسے نواب گٹو کو ذرا ہوشیار کر دینا مناسب ہو گا ہم تو اپنے ہی علاقے کی بات کریں گے...... باقی لوگ جانیں ان کا کام۔"

"ٹھیک ہے۔"

گل زمان ہنسنے لگا اور ثاقب کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

❋

شہاب ثاقب نے ایک لفافہ نعیمہ بیگم کی گود میں ڈال دیا...... چھٹی کا دن تھا...... تمام لوگ گھر میں موجود تھے...... شہاب بھی بڑے کمرے میں آ گیا۔

"کیا ہے کسی کا خط آیا ہے؟"

"نہیں اماں بی میری تنخواہ ہے۔" شہاب ثاقب نے کہا اور نعیمہ بیگم لفافہ کھول کر دیکھنے لگیں۔

"واہ اتنا بڑا عہدہ اور اتنا پتلا لفافہ جسے دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ کسی کا خط ہے۔"

"تنخواہوں کے لفافے ایسے ہی ہوتے ہیں بھائی۔"

"نہیں میاں بات اصل میں تنخواہوں کے لفافے کی نہیں ہو رہی تھی...... وہ جو آپ نے حیات علی کے سامنے گوہر افشانی فرمائی تھی...... بس اسی نے ہمیں مشکل میں ڈال دیا ہے۔"

"کون سی گوہر افشانی بھائی؟" ثاقب نے نرم لہجے میں کہا۔

"عظمٰی کی شادی کا مسئلہ، میں نے اور ثریا نے یہ فہرست تیار کی ہے ذرا ایک نظر ڈال لیں اور غور کر لیں کہ ہم اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں۔" فائق حسین نے ایک فہرست سامنے رکھتے ہوئے کہا اور شہاب نے اس پر نظر ڈالی۔

"آپ نے قیمتوں کا تعین کر کے ٹوٹل لگایا ہے بھائی؟"

"جی ہاں، پونے دو لاکھ روپے بن رہے ہیں اور اس طرح کھینچا تانی کر کے کہ بس شادی ہو شادمانی نہ ہو۔"

"شادمانی کی کیا قیمت ہو گی؟"

"جو آپ لگانا پسند کریں۔" بھائی طنزیہ انداز میں بولے اور شہاب ہنسنے لگا۔

"نہیں بھائی میرا آپ سے محبت کا رشتہ ہے...... آپ طنزیہ لہجہ نہ اختیار کریں تو کوئی حرج نہیں ہے، میں تو آپ کی ہدایت پر چلنے کے لئے تیار ہوں۔"

"نہیں اصل میں ان دنوں ذرا ہمارے چرچے زیادہ ہو رہے ہیں لوگ کہتے ہیں کہ شہاب میاں کوتوال بن گئے...... اب بڑی دھوم دھام سے عظمٰی بیگم کی شادی ہو گی۔"

"جس چیز کو آپ دھوم دھام قرار دیتے ہیں۔ میں اسے تسلیم نہیں کرتا...... ذرا غور کریں ہم دھوم دھام سے شادی کر لیتے ہیں تو اس سے ہمیں کیا حاصل ہوگا...... دوسرے بہت سے احساس کمتری کا شکار ہو جائیں گے...... خیر میں کسی طویل بحث میں گرفتار نہیں ہونا چاہتا...... یہ جو ساری چیزیں ہیں ان کو محفوظ کرنے کا بندوبست کر لیں...... ان کے لئے ایک جگہ بنا لیں...... آہستہ آہستہ یہ گھر پہنچ جائیں گی۔" شہاب کی بات پر سبھی چونک پڑے تھے

"کہاں سے پہنچ جائیں گی؟"

"دکانوں سے اور کہاں سے؟"

"لیکن ان کی خریداری کون کرے گا؟"

"میں کر لوں گا...... آپ اس جانب سے بالکل مطمئن رہیں۔"

"سن رہی ہیں آپ اماں بی، یہ بھی اس کا ایک مذاق ہے۔"

"نہیں بھائی جان مذاق کرتے رہنا اچھی بات ہے لیکن سنجیدہ مسئلوں پر میں مذاق نہیں کرتا۔"

"گویا تم یہ سب کچھ کرو گے جو فہرست کے مطابق ہے؟"

"جی ہاں آخری آئٹم کھانا ہے جس کا خرچ آپ نے چالیس ہزار روپے لگایا ہے... ہے نا؟"

"ہاں"

"تو یہ چونکہ بعد کا کام ہے اس لئے آپ یوں کریں کہ چالیس ہزار روپے ایڈوانس اپنے پاس رکھ لیں تاکہ آپ کو اطمینان ہو جائے۔"

"نکالئے......" فائق حسین نے طنز سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لا کر دیتا ہوں۔" شہاب اپنی جگہ سے اٹھا...... کچھ دیر کے لئے اپنے کمرے میں گم رہا...... واپس آیا تو چالیس ہزار کے نوٹوں کی گڈی اس نے فائق حسین کے قدموں میں رکھ دی اور فائق حسین پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگے...... پھر انہوں نے نعیمہ بیگم کی طرف دیکھا۔

"یہ...... یہ......"

"پولیس والا ہوں، ڈاکوؤں کا دشمن ڈاکہ زنی کر کے نہیں لایا ہوں۔"

"م...... مگر......"

"باقی چیزیں جیسا کہ میں نے آپ سے عرض کیا پہنچ جائیں گی...... آپ لوگ اس کے لئے بالکل بے فکر رہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے شہاب میاں لیکن......"

"بس بھائی جان آپ اور واثق بھائی اس سلسلے میں کوئی تردد نہ کریں...... عظمیٰ کی شادی کے ایک ایک پیسے کے خرچ کی ذمہ داری میرے شانوں پر ہے۔ بس ذرا مرشد کی خدمت میں حاضری جاری رہے...... ان کی دعاؤں سے سب کچھ ہو جائے گا۔ تو مجھے اجازت مرشد انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"بیٹھو...... اصل میں"

"مرشد سے کیا ہوا وعدہ میں کبھی نہیں توڑتا ان کی طرف سے بلاوا آیا تھا...... فرصت ہے ذرا تھوڑی دیر کے لئے ورنہ آپ کو پتا ہے کہ پولیس کی ملازمت میں فرصت کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا...... حاضری دے آؤں۔" شہاب اٹھ کر باہر نکل گیا گھر میں تمام لوگ سر پکڑے بیٹھے رہ گئے تھے۔

فراز نے اپنے ساتھیوں کی جانب دیکھا اور پھر ان کا اشارہ پا کر ٹرانسمیٹر آن کر دیا...... چند لمحات کے بعد دوسری طرف سے اس کی کال ریسیو کی گئی۔

"شہنشاہ کالنگ۔"

"ڈبل او تھری۔" فراز نے کہا۔

"ہاں فراز کہو کیا بات ہے؟"

"چیف سات دن کی مشترکہ رپورٹ حاضر ہے۔"

"میں بے چینی سے تمہاری رپورٹ کا انتظار کر رہا تھا...... تمہیں پہلے مخاطب اس لئے نہیں کیا کہ سکون سے کام کرنے کے بعد مجھے تفصیلی رپورٹ دو۔"

"تفصیلی رپورٹ پیش خدمت ہے چیف...... ہم سب آپ کی ہدایت کے مطابق فضل خان کے اردگرد پھیل گئے...... فضل آرگنائزیشن میں ستاون افراد کام کر رہے ہیں...... باقی لوگ کنٹریکٹ پر ہوتے ہیں...... بسیں وغیرہ تو اپنا کام اس انداز میں کرتی ہیں جس طرح

یہاں ٹرانسپورٹنگ ہوتی ہے لیکن ان تیز رفتار بسوں کے ڈرائیوروں کو مکمل آزادی ہے۔ انہیں ہر طرح سے ٹریفک پولیس کا تعاون حاصل ہے...... ان کی تیز رفتاری پر کبھی چالا[ن] نہیں ہوتا اور ان پر مخصوص نشانات پڑے ہوئے ہیں جن سے ان کی شناخت ہوتی ہے۔ اکثر بسیں ایکسیڈنٹ کردیتی ہیں تو ان کا چالان وغیرہ نہیں ہوتا، بلکہ فوری طور پر مداخلت کر کے معاملہ رفع دفع کردیا جاتا ہے اور اگر کوئی رفع دفع کرنے پر تیار نہ ہو تو اسے دھمکیا[ں] دے کر خاموش کردیا جاتا ہے، اس کے علاوہ، چیف آرگنائزیشن کے ٹرک ملک کے مختلف گوشوں میں لوڈنگ کرتے ہیں اور چار چار پانچ پانچ ٹرک بیک وقت سفر کرتے ہیں، ان میں باقاعدہ مسلح افراد نگرانی کے لئے ہوا کرتے ہیں...... چیف بعض اوقات انہیں مشکوک کیفیت میں بھی دیکھا جاتا ہے...... خاص طور سے میں سمندر کے علاقے میں ان گوداموں کی نشاندہی کرنا چاہتا ہوں، جن کا نمبر سولہ، سترہ اور اٹھارہ ہے...... اٹھارہ نمبر کے گودام میں خاص طور سے رازداری سے سامان منتقل کیا جاتا ہے اور اس میں گنجائش ہے کہ ٹرک گودام کے بڑے گیٹ سے اندر داخل ہو جائے...... چیف ڈبل او ون ایک بار ایسے ہی ایک ٹرک میں چھپ کر اندر جا چکا ہے اور اندر کی صورت حال کا جائزہ لے کر آیا ہے...... اس گودام میں زمین دوز تہہ خانے بھی ہیں اور مال کا ایک بڑا حصہ اوپر رکھا جاتا ہے لیکن خاص قسم کے کارٹن جن پر سرخ نشانات بنے ہوتے ہیں انڈر گراؤنڈ پہنچا دیئے جاتے ہیں...... سردار علی کو اتنا موقع نہیں مل سکا کہ وہ ان کارٹنوں کا اندر سے جائزہ لیتا کیونکہ اس کے بعد تہہ خانے بند کردیئے جاتے ہیں، بہرحال صورت حال کافی مشکوک ہے۔"

"تم نے کیا نمبر بتایا؟"

"گودام نمبر اٹھارہ۔"

"ایسا کتنی بار ہو چکا ہے؟"

"سات دن میں تین بار۔"

"اچھا......"

"اس کے علاوہ دو دن پہلے ایک خاص واقعہ بھی ہو چکا ہے جس کی نشاندہی ضروری ہے...... آرگنائزیشن کا سب سے بڑا نگران جس کا نام دادر شاہ ہے ایک خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے ویسے دادر شاہ کا ڈیرا شہر سے باہر ہے وہاں خیمے لگے ہوئے ہیں۔ بظاہر اس کے آدمی

محنت مزدوری کرنے نکلتے ہیں اور شام کو ڈیرے پر واپس آجاتے ہیں لیکن ڈیرے کی آن بان دیکھنے کے قابل ہے...... وہاں ہر چیز موجود ہے اور جس طرح وہ لوگ زندگی بسر کررہے ہیں وہ بڑی شاہی زندگی ہے۔ دادر شاہ کی ایک جیننگ فیکٹری بھی ہے اور وہ خاصا صاحب حیثیت آدمی معلوم ہوتا ہے۔ یہ شخص فضل خان کے تمام معاملات کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ دو دن پہلے جو واقعہ پیش آیا ہے۔ وہ یہ ہے چیف کہ جس وقت فضل آرگنائزیشن کے چار ٹرک آرہے تھے ایک ٹرک اور بھی ان کے پیچھے تھا اور چیک پوسٹ پر ان چاروں ٹرکوں کو روکا گیا...... پانچواں ٹرک غالباً ان لوگوں کا نہیں تھا اس کے سلسلے میں پولیس نے کچھ لے دے کی تو دادر شاہ اور ٹرک میں موجود لوگوں کی ٹھن گئی اور اس کے بعد وہاں باقاعدہ گولیاں چلیں...... کافی دیر تک مقابلہ ہوتا رہا...... پولیس اس جگہ سے بھاگ گئی۔ پھر دادر شاہ اپنے چاروں ٹرکوں کو وہاں سے لے گیا...... پانچواں ٹرک البتہ وہیں رکا رہا اور ہوائی فائرنگ ہوتی رہی تھی...... اس پانچویں ٹرک کے بارے میں ہم نے معلومات کیں تو ہمیں علم ہوا کہ یہ ستار ٹنڈا کا ٹرک ہے...... ستار ٹنڈا بندرگاہ کے علاقے کا بہت بڑا غنڈہ ہے لیکن اس کے وسائل بہت محدود ہیں، اس کی نگرانی کی گئی۔ ستار ٹنڈا کے آدمی بھی کافی تعداد میں ہیں اور چیف سب سے اہم بات یہ ہے کہ آج دن میں گیارہ بجے کے قریب نواب گٹو، ستار ٹنڈا کے ڈیرے پر گیا تھا...... ہمیں تفصیل تو معلوم نہیں ہو سکی لیکن بعد میں نواب گٹو کو گالیاں بکتے ہوئے باہر آتے ہوئے دیکھا جس سے یہ اندازہ ہوا کہ ستار ٹنڈا اور نواب گٹو کے درمیان کوئی رنجش چل گئی ہے، پھر نواب گٹو وہاں سے فضل خان کے آفس پہنچا اور وہاں دیر تک ان دونوں کے درمیان بات چیت ہوتی رہی۔ یہ آج تک کی رپورٹ ہے چیف۔ اب اس کے بعد ہم منتظر ہیں کہ آپ ہمیں نیا حکم دیں۔"

"پھر تم اس کے لئے کل دوپہر تک کا انتظار کرو...... دوپہر ایک بجے میں تمہیں نئے احکامات دوں گا۔"

دوسری طرف سے کہا گیا اور اس کے بعد ٹرانسمیٹر بند ہو گیا...... فراز گہری سانس لے کر اپنے ساتھیوں کی جانب دیکھنے لگا۔

❁

نواب گٹو اپنی آرام گاہ میں بیٹھا بہت سوں کی تقدیر کے فیصلے کر رہا تھا...... اس کے

حواری اس کے قریب خوشامدوں میں مصروف تھے..... نواب گٹو نے انگور کا خوشہ ہاتھ میں اٹھا کر منہ کھول کر اس میں سے ایک انگور لپکتے ہوئے اپنے ساتھیوں کی جانب دیکھا اور انگور توڑ کر چباتا ہوا بولا۔

"ہاں مجھے سناؤ کیسی گزر رہی ہے سارے کے سارے سسرے ٹھیک ہو گئے ہیں ناں؟"

"ہاں آپ کی ریاست میں کوئی غلط ہو سکتا ہے کیا؟"

"ابے زیادہ خوشامدیں مت کیا کرو..... وہ سسرا استار ٹنڈا اسے دیکھنا پڑے گا۔"

"استاد اشارہ کرو..... بینڈ بجا دیں؟"

"ابے نہیں..... ابھی کہاں ابھی تو ہم بارات لے کر جائیں گے اس کے گھر..... تو بجے گا بینڈ..... پانی ذرا سر سے اونچا ہو جانے دو۔"

"جی استاد۔"

اسی وقت قریب رکھے ہوئے موبائل کی گھنٹی بجی اور نواب نے موبائل اٹھا لیا۔

"ہاں بھئی بولو کون ہے؟"

"گٹو میں فضل خان ہوں۔"

"ہاں خان صاحب کہو کیسی گزر رہی ہے؟"

"زیادہ باتیں نہیں، سنو آج رات کو کسی بھی وقت تمہارے پاس میرا ایک ٹرک پہنچے گا اس میں کچھ مال بھیج رہا ہوں..... گوداموں میں رکھنے کا مال نہیں ہے..... تمہارے پاس جو گودام خالی ہے۔ اس میں رکھوا دو اور ٹرک خالی کر کے جلدی واپس کر دینا۔"

"ٹھیک ہے خان صاحب آپ تو فکر ہی مت کرو میں ابھی اپنے آدمیوں کو ہدایت دیتا ہوں کہیں بھیجنا ہو تو وہ بھی بتا دو۔"

"نہیں ٹرک خود پہنچ جائے گا..... احتیاط سے خالی کرا دینا۔"

"ٹھیک ہے خاں صاحب کام تمہاری مرضی کے مطابق ہو جائے گا۔" دوسری طرف سے فون بند ہو گیا اور نواب گٹو نے اپنے قریب کھڑے ہوئے آدمی سے کہا۔

"سن بھئی رات کو لڑکوں کو اوور ٹائم میں روک لینا کام ہے تھوڑا سا۔"

"جو حکم نواب صاحب" اس کے آدمی نے کہا اور نواب اسے آہستہ آہستہ کچھ بتانے لگا۔

رات کے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے تھے..... چوکیدار چھنگا گودام کے چاروں طرف کا چکر لگا کر اپنے ساتھی کے پاس آ بیٹھا..... ان دونوں نے ابھی سگریٹ سلگائی بھی نہیں تھی کہ کسی گاڑی کی روشنی نظر آئی اور دونوں چونک پڑے۔

"ابے یہ کون آ گیا..... پہلے سے تو خبر نہیں تھی۔"

"دیکھتا ہوں استاد..... تم سگریٹ پیو۔"

"ارے کہیں استاد نہ ہو۔"

"نہیں استاد کہاں آتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں تم بیٹھو۔" دوسرا چوکیدار آگے بڑھا۔

لیکن اسی وقت ٹرک سے دھپ دھپ کر کے کئی آدمی نیچے کود آئے اور انہوں نے چوکیدار کو قبضے میں کر لیا..... چھنگا ایک دم ہوشیار ہو گیا تھا..... اس نے جلدی سے سگریٹ پاؤں تلے بجھائی اور پھرتی سے ایک جانب رینگ گیا..... اس نے اپنے ساتھی کا حشر دیکھ لیا تھا..... ٹرک سے اترنے والوں نے اس کے ساتھی کو دبوچ لیا تھا اور پھر اس کی چیخ بھی سنائی دی تھی اور وہ ایک طرف گر پڑا تھا..... چھنگا ایک ایسی جگہ چھپ گیا جہاں سے اسے دیکھا نہیں جا سکتا تھا..... یہ ایک مٹی کا ڈھیر تھا جو صفائی کر کے یہاں جمع کر دیا گیا تھا..... چھنگا نے ان لوگوں کی کارروائی دیکھی..... سارے کے سارے مسلح معلوم ہوتے تھے..... وہ برق رفتاری سے گودام کے پاس آئے اور پھر چھنگا گودام کے تالے پر ہتھوڑے کی ضربیں محسوس کرنے لگا..... وہ خوفزدہ ہو گیا تھا..... گودام کے ایک حصے میں ٹیلی فون لگا ہوا تھا لیکن اسے استعمال کرنے کے لئے وہاں تک جانا ضروری تھا..... گودام کا تالا ٹوٹ گیا اور اس کے بعد وہ ٹرک کو گودام کے کنارے پر لے آئے..... یہاں لانے کے بعد انہوں نے گودام کے اندر داخل ہو کر اس میں سے مال نکالنا شروع کر دیا..... پندرہ بیس کارٹن وہ سب اٹھا اٹھا کر لائے اور ٹرک میں لوڈ کرنے لگے..... چھنگا کا خون خشک ہو رہا تھا..... اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے پھر وہ جلدی سے اپنی جگہ سے نکلا اور ٹرک کے عقبی حصے میں پہنچ گیا..... اسے لکھنا پڑھنا نہیں آتا تھا لیکن ٹرک کی نمبر پلیٹ پر جو کچھ لکھا تھا اس نے اسے جلدی جلدی نقل کرنا شروع کر دیا..... کاغذ قلم اس کے پاس موجود تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ لوگ اپنے کام سے فارغ ہو گئے اور ٹرک سٹارٹ ہو کر چلا گیا تو چھنگا جلدی سے اپنی جگہ سے نکل آیا..... اس نے سب سے پہلے اپنے بے ہوش ساتھی کو دیکھا

اس کا سر پھٹ گیا تھا اور خون بہہ رہا تھا...... چھنگا نے ٹارچ نکال کر اس کا زخم دیکھا پھر جیب سے رومال نکال کر اس پر کس دیا اور اسے اٹھا کر ایک طرف لے آیا...... ایک جگہ آرام سے لٹانے کے بعد وہ جلدی جلدی دوڑتا ہوا ٹیلی فون تک پہنچا اور اس کے بعد ستار ٹنڈا کے نمبر ڈائل کرنے لگا...... دوسری طرف سے ستار ٹنڈا کے آدمی نے فون ریسیو کیا تھا۔

"کون بول رہا ہے؟"

"ابے بھائی میں چوکیدار چھنگا بول رہا ہوں...... گودام سے استاد کو خبر کردے...... یہاں گودام پر ڈاکا پڑا ہے...... ہمارے آدمی کو زخمی کر دیا گیا ہے۔ وہ لوگ ٹرک پر مال نکال کر لے گئے ہیں۔ میں نے ٹرک کا نمبر نوٹ کر لیا ہے۔"

"کیا؟"

"ہاں جلدی استاد ٹنڈا کو خبر کردو۔"

"ٹھیک ہے چھنگا تم ذرا انتظار کرو۔" اور پھر چند ہی منٹ کے بعد استاد ٹنڈا کی آواز سنائی دی۔

"ابے کیا بک ریاے بھوتنی والے۔"

"استاد جلدی آجاؤ بات خراب ہو گئی ہے ڈاکہ پڑ گیا ہے۔"

"ابھی آرہا ہوں۔" استاد ٹنڈا کی آواز سنائی دی اور تھوڑی دیر کے بعد اس کی جیپ گودام پر پہنچ گئی۔

استاد ٹنڈا چار پانچ آدمیوں کے ساتھ غصے میں بھرا ہوا گودام پر پہنچا تھا اور چھنگا اسے ہکلا ہکلا کر تفصیل بتا رہا تھا۔

"ٹرک کا نمبر نوٹ کر لیا ہے میں نے مگر پڑھ نہیں سکتا اسے دیکھو۔" اس نے کاغذ استاد ٹنڈا کے سامنے کر دیا اور استاد ٹنڈا ٹرک کا نمبر دیکھنے لگا، پھر اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ٹرک تو فضل خان کا ہے...... فضل خان نے یہ ڈاکہ ڈالا ہے۔"

"یقیناً یہ نواب گٹو کی کارروائی ہے...... ہمارا جو اس سے پھڈا ہوا تھا اس نے اس کا بدلہ لیا ہے۔"

"ہم اس سے اس کا بدلہ لیں گے چلو بے گودام کو تالا مارو اسے لے جاؤ ڈاکٹر مخدوم کے ہاں پہنچا دو اس سے کہنا ٹھیک ٹھاک دیکھ بھال کرے...... چھنگا تو میرے ساتھ آجا۔"

تھوڑی دیر کے بعد جیپ واپس پلٹ گئی۔ استاد ٹنڈا اپنے اڈے پر پہنچا تھا اور پھر ٹیلی فون پر وہ جگہ جگہ اپنے آدمیوں کو جمع کرنے لگا...... رات کے کوئی ڈھائی بجے کا وقت تھا جب کئی جیپیں مسلح آدمیوں سے بھری ہوئی چل پڑیں...... ان کا رخ بارہ دری کے علاقے کی جانب تھا۔

ٹنڈا کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا...... بارہ دری کے علاقے میں داخل ہوتے ہوئے جیپوں کی لائٹیں بجھا دی گئیں اور پھر انہیں نواب گٹو کے ہوٹل سے کافی فاصلے پر روک دیا گیا...... ٹنڈا اپنی جیپ سے نیچے اتر آیا۔

"ہوشیاری سے چاروں طرف پھیل جاؤ۔" اس کے ساتھیوں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا۔

"استاد رات کے ڈھائی بجے سب کیسے جاگ رہے ہیں؟"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا...... وہ آہستہ آہستہ اس جانب بڑھنے لگے جدھر مدہم مدہم روشنی نظر آرہی تھی اور پھر انہوں نے اس روشنی کا راز پا لیا...... ایک ٹرک کھڑا ہوا تھا اور اس سے سامان اتر اتر کر نیچے آنے کے بعد اندر کی طرف جا رہا تھا...... وزنی سامان تھا بڑے بڑے کارٹن۔

"استاد اپنا ہی مال ہے۔"

"دیکھ رہا ہوں۔" ٹنڈا نے غرائی ہوئی آواز میں کہا پھر اسے کچھ فاصلے پر نواب گٹو بھی نظر آگیا جو خود اس کے مال کے اترنے کی نگرانی کر رہا تھا...... اس نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا۔

"چھ آدمی میرے ساتھ آجاؤ...... باقی سب ہوشیار رہنا اور خبردار جب تک میں اپنا رومال فضا میں نہ لہراؤں گولی نہیں چلانا اور چلانا تو دیکھ بھال کر...... میرا مطلب ہے جب میں تمہیں حکم دوں۔"

"فکر ہی مت کرو استاد۔"

وہ لوگ ایک ایک کر کے مختلف گوشوں میں سمٹ گئے اور ستار ٹنڈا اپنے چھ آدمیوں کے ساتھ آگے بڑھ گیا پھر شاید نواب گٹو کے کسی آدمی نے ان لوگوں کو دیکھ لیا تھا، ان سب کے ہاتھ رک گئے اور وہ عجیب سی نظروں سے آنے والوں کو دیکھنے لگے...... نواب نے غالباً اپنے ایک ساتھی کے کان میں کچھ کہا تھا اور وہ سب کام چھوڑ کر نواب کے پاس جمع ہو گئے تھے...... ستار ٹنڈا، نواب گٹو کے سامنے پہنچ گیا۔

کیابات ہے بھئی کیسے آنا ہوا اس وقت......؟" نواب گٹو نے ستار ٹنڈا کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ ابا کا مال لائے ہو بیٹا کیا، کس کا مال اتار رہے ہو؟" ستار ٹنڈا غرائی ہوئی آواز میں بولا اور نواب گٹو کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں۔

"ابے ٹنڈے کیسے بات کر رہا ہے...... جانتا ہے کس کے علاقے میں اور کس کے سامنے ہے؟"

"نواب گٹو کے سامنے ہوں...... ابے نوابوں کی تلچھٹ یہ تیرے باپ کا مال ہے جو تو میرے گودام سے نکال کر لایا ہے۔"

"میں کہتا ہوں زبان کو لگام دے ٹنڈے نہیں تو زبان باہر نکال کر پھینک دوں گا۔" نواب گرج کر بولا۔

"ہاں بڑا شریف زادہ ہے...... نوابوں کی حویلیوں کی گند، میرے گودام کو لوٹنے کے بعد یہاں مال بھر رہا ہے۔"

"تو شرافت سے باز نہیں آئے گا مارو اس کتے کو مارو۔"

نواب گٹو نے کہا اور فوراً ہی نواب کے آدمی تیار ہو گئے...... ستار ٹنڈا نے جیب سے رومال نکال کر فضا میں بلند کیا اور اس کے فوراً بعد زمین پر بیٹھ گیا...... فضا میں دھائیں دھائیں کی آوازیں اُبھریں اور اس کے بعد چیخیں اُبھرنے لگیں، دونوں طرف سے گولیوں کا تبادلہ شروع ہو گیا تھا اور جو لوگ پاس پاس کھڑے ہوئے تھے وہ زمین پر لیٹ کر مورچوں کی تلاش میں سرگرداں تھے۔

نواب گٹو اس وقت بڑی بری طرح گھر گیا تھا اور ستار ٹنڈا کے آدمی دیکھتے ہی دیکھتے نواب گٹو کے آدمیوں کا صفایا کرتے جا رہے تھے، پھر ستار ٹنڈا نے اپنے ہاتھوں سے نواب گٹو کو چھ گولیاں ماریں اور نواب کا بدن تڑپ تڑپ کر سرد ہو گیا، کسی نے نعرہ لگایا۔

"نواب صاحب مارے گئے۔" اور اس کے بعد بھگدڑ مچ گئی۔ ستار ٹنڈا نے چیخ کر کہا۔

"بھاگنے والوں کو بھاگنے دو اصل کام ہو گیا ہے اپنا...... فوراً نکلو۔" اور اس کے بعد گولیاں چلنا بند ہو گئیں...... نواب کے آدمی جدھر منہ اٹھتا تھا ادھر بھاگ رہے تھے اور نواب کی لاش اس کے ہوٹل کے دروازے پر پڑی ہوئی تھی...... ستار ٹنڈا نے نفرت بھری نگاہوں

سے اسے دیکھا اور منہ بگاڑ کر بولا۔

"مال تو اب ذرا مشکل سے ہی ہاتھ آئے گا نکل چلو۔"

"وہ سب جیپوں کی جانب دوڑے...... جیپیں سٹارٹ ہوئیں اور رات کی تاریکی میں گم ہو گئیں"۔

بارہ دری تھانے میں اچھی خاصی روشنی ہو رہی تھی...... وسیع و عریض کمرے میں میزوں پر پرانے فائلوں کے انبار لگے ہوئے تھے...... گل زمان تھانے کا ہیڈ محرر، محرر، دو حوالدار اور دو سپاہی فائل لئے بیٹھے ہوئے ان کی چھان بین کر رہے تھے...... ان میں سے کسی کے فرشتوں کو بھی اس بات کا گمان نہیں تھا کہ رات کے پونے دو بجے تھانہ انچارج اس طرح اچانک وہاں پہنچ جائے گا...... شہاب ثاقب اس وقت جیپ پر بھی نہیں آیا تھا بلکہ کوئی ٹیکسی وغیرہ کے ذریعے یہاں تک پہنچا تھا...... اس نے حیرت سے اعلیٰ کارکردگی کو دیکھا۔

اچانک بڑے کمرے میں داخل ہو گیا...... اس کے جسم پر باقاعدہ پوری وردی تھی...... پہلے گل زمان ہی نے اسے دیکھا اور اس طرح ساکت ہو گیا جیسے اس کا سوئچ بند ہو گیا ہو پھر دوسروں نے اسے دیکھا اور سارے کے سارے رُک گئے...... کسی کو سلیوٹ کرنے کا خیال بھی نہیں رہا تھا...... ادھر شہاب ثاقب حیرانی سے آنکھیں پھاڑے ہوئے ان اعلیٰ کارکردگی کے حامل لوگوں کو دیکھ رہا تھا جو رات کے دو بجے کے قریب اتنی تندہی سے کام کر رہے تھے، پھر گل زمان ہی کو خیال آیا جلدی سے کھڑا ہوا...... سلیوٹ کیا اور اس کے بعد فوراً ہی باقی لوگ بھی کھڑے ہو گئے...... شہاب ثاقب نے گہری نگاہوں سے فائلوں کے اس انبار کو دیکھا اور پھر سنجیدگی سے آگے بڑھا۔

"کیا ہو رہا ہے بھئی تم لوگ تو بڑی محنت کر رہے ہو آج کل...... گل زمان کیا ہو رہا ہے یہ سب جمع ہیں، بھئی واہ جی خوش ہو گیا پورا تھانہ مصروف ہے، حالانکہ تم بیچاروں کو اوور ٹائم بھی نہیں ملتا...... کیا کر رہے ہو گل زمان۔"

"ہم نے سوچا ذرا فائلنگ مکمل کر لیتے ہیں۔"

"رات کو دو بجے۔"

"بس وہ صاحب جی دماغ کی خرابی سمجھ لو یا کچھ بھی سمجھ لو، فائلنگ کرنے کی سوجھی

بات کی ان لوگوں سے اور سارے کے سارے تیار ہوگئے۔"

"میاں کیوں بے وقوف بنا رہے ہو...... اصل بات بتاؤ قصہ کیا ہے؟"

"سر جی جو بھی قصہ ہے آپ کے خلاف نہیں ہے...... کچھ ایسے کاغذات ہیں جو ضرورت کے لئے تیار کئے گئے تھے اور اب ان کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے...... کبھی فائل دیکھے ہی نہیں...... ضرورت ہی نہیں پیش آئی لیکن ہر انسان اپنی بچت چاہتا ہے ہم لوگوں نے مل کر طے کیا کہ ذرا یہ فائل صاف ستھرے کر لئے جائیں سو آج سب جمع ہوگئے۔"

"مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں تھی؟"

"یہ غلطی ہوگئی۔"

"یہ تو بہت بڑی غلطی ہے آئندہ بھی یہ سوچا جا سکتا ہے گل زمان کہ تم بہت سے ایسے کام کرو گے جو میری اجازت کے بغیر ہوں گے؟"

"آپ ان کا جائزہ لے لو اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہے...... ویسے آپ بہت شریف آدمی ہو صاحب جی۔ ہم آپ کے خلاف کوئی کام نہیں کریں گے...... وہ جو کہتے ہیں نہ صاحب کہ ایک دوسرے سے تعاون کرنا ضروری ہوتا ہے اور ہر پتھر اپنی جگہ بھاری ہوتا ہے۔" گل زمان نے کہا۔

اور شہاب باسکٹوں میں پڑے ہوئے کاغذات کا جائزہ لینے لگا جنہیں باقاعدگی سے پلاسٹک کی بالٹی میں بھر دیا گیا تھا...... کافی تعداد تھی ان کی...... کئی کاغذ اس نے نکال کر دیکھے اور اس کے بعد ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"ٹھیک ہے گل زمان مگر ایک بات کا خیال رکھنا...... دوست آئندہ جو کچھ بھی کرو گے مجھ سے پوچھ کر کرنا...... تھانے میں جو کچھ ہو وہ میرے علم میں ہونا چاہئے...... اب اگر ان میں سے کچھ کاغذات ایسے ہوتے جن کا اندراج رجسٹروں میں بھی ہوتا اور رجسٹر پیش کر دیئے جاتے اور کاغذات نہ ملتے تو ذمہ داری کس پر آتی...... آخر میں نے تھانے کا چارج لیا ہے۔"

"جی صاحب جی آئندہ اس بات کا پورا پورا خیال رکھا جائے گا۔"

"اب تم نے جو کاغذات ضائع کئے ہیں ان سے متعلق رجسٹروں کو بھی ضائع کردو۔"

"صاحب جی کچا کام نہیں کرتے ہم بھی آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں مگر اس کے بعد رجسٹروں ہی کی باری تھی۔"

"اپنا کام کر لو مجھے اعتراض نہیں ہے بس دیکھنے آگیا تھا کہ رات میں کون کون حاضر ہوتا ہے اور کون کون غیر حاضر...... گل زمان بس ایک بات کا خاص طور سے خیال رکھنا باقی معاملوں میں تو تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوئی ہے اس بات کا خاص طور سے خیال رکھنا کہ تھانے کے بارے میں جب رپورٹ پیش کی جائے تو کوئی ایسی بات نہ نکلے جو پکڑ میں آجائے۔"

"صاحب جی گل زمان کا تجربہ ہے پورے کا پورا آپ اس کی تو فکر ہی مت کرو...... یہ ذمہ داری ہم پر چھوڑ دو۔"

شہاب اپنے آفس میں جا کر بیٹھ گیا...... اس وقت اس کی آمد بے معنی نہیں تھی، تھوڑی دیر تک خاموشی طاری رہی اور پھر اچانک ہی فائرنگ شروع ہوگئی...... گولی کی پہلی آواز پر گل زمان چونکا تھا...... فائلوں کا کام تقریباً مکمل ہوگیا تھا اور انہیں واپس الماریوں میں رکھا جا رہا تھا کہ اچانک ہی علاقے میں فائرنگ شروع ہوگئی اور فائرنگ بھی ایسی کہ سب کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے...... گل زمان دوڑتا ہوا شہاب کے کمرے میں پہنچ گیا...... وہ اپنی کرسی پر بیٹھا دونوں پاؤں میز پر رکھے ہلا رہا تھا۔

"سر کیا سو گئے؟"

"نہیں گل زمان آؤ کام ختم ہوگیا۔"

"یہ آوازیں سن رہے ہیں؟"

"ہاں گولیوں کی آوازیں ہیں۔" شہاب نے پر اطمینان لہجے میں کہا۔

"بڑی زور کی فائرنگ ہو رہی ہے سر اور......"

"میاں وہی تمہارا نواب گٹو ہوگا...... اپنے دشمنوں کو ہلاک کر رہا ہوگا۔"

"سر پھر کیا کریں؟"

"چائے بنواؤ...... تمہارے پاس انتظام ہے۔"

"جی سر مگر فائرنگ بہت خطرناک ہے۔"

"گل زمان پھر بے وقوفی کی باتیں شروع کر دیں کہتے ہو اپنے آپ کو بہت زیادہ چالاک اور تجربہ کار چائے نہیں بنواؤ گے کیا؟"

"وہ جی چائے تو ابھی بن جاتی ہے مم...... مگر دیکھنا تو ہوگا...... صاحب جی کچھ سمجھ میں نہیں آرہی بات اتنی زور کی فائرنگ تو اس علاقے میں کبھی نہیں ہوئی لگتا ہے کوئی دوسرا گروہ

حملہ آور ہو گیا ہے۔"

"ہو سکتا ہے ایسا ہو مگر ہم کیا کریں بتاؤ۔"

"صاحب جی بڑا لمبا چکر پڑ جائے گا۔"

"اطمینان سے چلیں گے ذرا فائرنگ بند ہو جائے پھر جائیں گے نقشہ تیار کریں گے۔ یہ پٹاخے چل جائیں اس کے بعد دیکھیں گے جا کر کیا پولیس کا یہی طریقہ کار نہیں ہوتا؟"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر کہیں نواب گٹو کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔"

"اس کے گھر آ کر اسے کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے گل زمان بیٹھو...... آرام کرو اور ہاں کسی سے کہہ دو کہ چائے تیار کرائے۔"

گل زمان نے شانے ہلائے اور باہر نکل آیا، باہر تمام لوگ الرٹ تھے...... سب نے اپنی اپنی بندوقیں سنبھال لی تھیں...... گل زمان نے ایک سنتری سے کہا۔

"چائے کا پانی چڑھا دو۔"

"وہ سر موقع واردات پر نہیں جائیں گے؟"

"چائے کا پانی چڑھاؤ چائے بناؤ خود بھی پیو اور صاحب کے لئے اندر لے آؤ۔" گل زمان نے کہا...... جب گولیوں کی آوازیں بند ہو گئیں تو شہاب نے گل زمان کو بلا کر کہا۔

"ہاں بھئی گل زمان بندے تیار ہیں؟"

"جی سر سب تیار ہیں۔"

"روشنیوں کا انتظام کر لو علاقے کو گھیرنا بھی ہو گا۔"

"جی سر۔" گل زمان نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد سب تیار ہو کر موقع واردات کی جانب چل پڑے۔

بارہ دری کے گلی کوچوں میں سناٹا چھایا ہوا تھا...... حالانکہ پولیس جانتی تھی کہ پورا محلہ جاگ رہا ہے...... بہرحال پولیس والے بڑی شان سے وہاں پہنچے تھے...... خوب شور مچایا تھا اور پورے علاقے کو گھیر کر فلڈ لائٹس لگا دی گئی تھیں...... آٹھ لاشیں حاصل کی گئی تھیں جن میں نواب گٹو کی لاش بھی تھی۔

"گل زمان واردات بہت بڑی ہے...... ایس پی صاحب کو خبر کرو اور ہیڈ کوارٹر کو بھی خبر کرو اور ہاں سنو ابھی نقشہ تیار نہیں کرنا۔"

"جی سر؟" گل زمان نے چونک کر کہا۔

"اور یہ ٹرک دیکھو...... جانتے ہو کس کا ہے؟"

"یہ فضل خان کا ٹرک ہے۔"

"اندر فون تو ہو گا؟"

"میں دیکھتا ہوں۔" شہاب نے کہا اور نواب کے ہوٹل میں داخل ہو گیا...... یہاں سے فضل خان کو فون کیا...... کوئی تین منٹ تک گھنٹی بجتی رہی تھی...... پھر فضل خان نے فون اٹھایا تھا۔

"کیا مصیبت آئی ہے...... کون ہے؟"

"میں تھانہ انچارج بارہ دری بول رہا ہوں۔"

"کیا؟" فضل خان چونک پڑا۔ "کیا بات ہے؟"

"بہت بڑی واردات ہو گئی ہے...... نواب گٹو اور اس کے کئی ساتھی قتل ہو گئے ہیں۔"

"کیا؟" فضل خان حیرت سے بولا۔

"ہاں جی...... ہیڈ کوارٹر خبر کرنے سے پہلے آپ کو خبر کر رہا ہوں...... اول تو آپ کا آدمی تھا دوسری بات یہ کہ آپ کا ٹرک یہاں موجود ہے جس سے رات کو ڈھائی بجے سمگلنگ کا مال اتارا جا رہا تھا۔"

"میرا ٹرک......؟ نمبر بتاؤ؟" فضل خان نے کہا اور شہاب نے نمبر دہرایا۔

"ٹرک تو میرا ہی ہے...... کیا ایس پی صاحب آ گئے؟"

"ابھی کسی کو خبر نہیں ہوئی ہے۔"

"یار انچارج تم تو بہت بھلے آدمی معلوم ہوتے ہو...... اب ایسا کرو کسی طرح میرا ٹرک وہاں سے ہٹا دو...... ابھی تو تم نے روزنامچہ اور موقع واردات کا نقشہ تو نہیں تیار کیا ہو گا؟"

"یہ سب کچھ کرنا ہوتا تو آپ کو خبر ہی کیوں کرتے؟"

"تو پھر ایسا کرو ٹرک وہاں سے ہٹوا دو...... اس کا ذکر نہیں آنا چاہئے...... ویسے مجھے نہیں معلوم کہ میرا ٹرک وہاں کیسے پہنچ گیا؟ ہو سکتا ہے میرے کسی آدمی کی حرکت ہو، تحقیقات کر لوں گا...... نواب گٹو مارا گیا...... میرا کتنا بڑا نقصان ہوا ہے انچارج تم سوچ بھی نہیں سکتے...... اب یوں کرو جس طرح بھی ہو سکے میرا ٹرک وہاں سے ہٹوا کر کہیں مناسب

جگہ پہنچادو۔"

"آپ جہاں کہو ادھر پہنچادیں۔"

"تو پھر میرے دوست ٹرک کو میرے اڈے پر ہی کھڑا کرادو...... اس کی میں صفائی وغیرہ کروالوں گا......اس میں مال وال تو نہیں ہے۔"

"نہیں خالی ہو چکا ہے۔"

"تم یہ کام کرو اور سنو تھانے کتنی دیر میں واپس پہنچ جاؤ گے؟"

"ابھی تو ٹائم لگے گا خان صاحب۔"

"تو پھر صبح سات بجے میں تمہارے پاس تھانے آرہا ہوں۔"

"ضرور آجایئے۔" شہاب نے کہا اور پھر رسمی سلام ودعا کے بعد ٹیلی فون بند کر دیا اور اس کے بعد اس نے گل زمان کو بلایا۔

"گل زمان، رحیم شاہ کو بلاؤ...... اس سے کہو یہ ٹرک لے کر فضل خان کے اڈے پر چلا جائے اور چھوڑ کر خاموشی سے واپس آجائے۔"

"سمجھ گیا سر۔" گل زمان نے کہا۔

وہ انتظام کرنے لگا...... ٹرک خاموشی سے سٹارٹ ہو کر واپس چلا گیا اور اس کے بعد سب سے پہلے شہاب نے ایس پی کو اس بارے میں اطلاع دی اور بتایا کہ اتنی بڑی کارروائی ہو گئی ہے...... فوراً ہی خبر لی جائے...... ایس پی صاحب نے کہا کہ وہ یہاں پہنچ رہے ہیں...... اس کے بعد معمول کے مطابق ہیڈ کوارٹر کے مخصوص شعبے کو اس واردات کی اطلاع دی گئی اور پھر پولیس کے بہت سے اعلیٰ افسران، ایس پی صاحب وغیرہ وہاں پہنچ گئے...... تھانے کے تمام کانسٹیبل بڑی مستعدی دکھا رہے تھے...... چاروں طرف سے ناکہ بندی کر دی گئی تھی۔

ایس پی صاحب کو رپورٹ دیتے ہوئے شہاب نے کہا۔

"سر اچانک ہی گولیاں چلنے لگیں حالانکہ رات کافی ہو چکی تھی...... لیکن ہم لوگ تھانے میں موجود تھے...... فوراً ہی موقع واردات پر چل پڑے...... یہاں بڑی دھواں دھار کارروائی ہو رہی تھی...... پولیس نے مورچے بنا کر کارروائی کرنے والوں کو للکارا لیکن یوں لگتا ہے جیسے وہ اپنا کام ختم کر کے رفوچکر ہو چکے تھے...... یہ مال یہاں پڑا ہوا ہے...... کچھ ایک

گاڑیاں بھی علم میں آئی تھیں جو سٹارٹ ہو کر روانہ ہو گئیں...... ابھی تک محلے والوں میں سے کوئی باہر نہیں نکلا...... ہم نے بھی انہیں نہیں چھیڑا ہے...... آٹھ لاشیں دستیاب ہوئی ہیں۔ علاقے کے ایک ہوٹل کے مالک نواب گٹو کی لاش بھی اس میں شامل ہے۔"

"تم روزنامچہ تیار کرو۔" ایس پی نے شہاب کو حکم دیا۔

پھر ضابطے کی ساری کارروائیاں تقریباً مکمل کر لی گئیں...... ایس پی نے گیارہ بجے شہاب کو ہیڈ کوارٹر پہنچنے کی ہدایت کی اور اس کے بعد چلے گئے...... صبح کا ناشتہ بازار سے منگوایا گیا اور اس وقت سارا تھانہ ناشتہ کر رہا تھا جب فضل خان اپنی جیپ پر تھانے میں داخل ہوئے، شہاب نے ان کا پرجوش استقبال کیا تھا...... فضل خان نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا۔

"نقشہ وغیرہ بن گیا، لاشیں اٹھوا لی گئیں۔"

"ضابطے کی کارروائی کے لئے ہیڈ کوارٹر اور ایس پی صاحب کو اطلاع دی گئی تھی سب لوگ آگئے تھے...... گیارہ بجے پورے کیس کی تفصیل پیش کرنی ہے، حالانکہ ہم نے صحیح وقت نہیں بتایا، واردات کا...... پوسٹ مارٹم رپورٹ میں گڑبڑ ہو جائے گی مگر ہم نمٹ لیں گے۔"

"تم نے ٹرک پہنچوا کر اچھا کیا، اس سلسلے میں تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں...... بلاشبہ تم نے دوستی کا ثبوت دیا ہے مگر ایک بات تمہیں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے کسی آدمی کو پتا نہیں ہے کہ ٹرک کب اُڑایا گیا...... میں یہ نہیں کہتا کہ اس میں میرا کوئی آدمی شریک نہیں ہو گا بس یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ٹرک کو چوری کیا گیا تھا لیکن تم نے اس کا حوالہ تو نہیں دیا؟"

"اگر حوالہ دینا ہوتا تو آپ کو خبر نہیں کرتا۔"

"میرے خلاف کوئی سازش ہوئی ہے۔ نواب میرے لئے بڑا کام کا آدمی تھا...... اب اس کے نہ ہونے کی وجہ سے کروڑوں کا نقصان ہو گا۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں...... ہمیں بھی نواب کی موت کا بڑا افسوس ہے...... دوست بنے ان ہی کتنے ہوئے تھے۔" شہاب نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

"بہرحال تم نے جو کچھ کیا ہے میں تمہارا شکر گزار ہوں۔" فضل خاں نے جیب سے ہزار کے نوٹوں کی ایک گڈی نکالی اور اسے شہاب کی طرف بڑھایا۔

"یہ رکھ لو، انسان کی ضرورتیں ہوتی ہیں...... پوری ہوتی رہنی چاہئیں۔"

"ہم آپ کے خادم ہیں...... جب بھی کوئی حکم ہو بتا دیا کریں۔"

"شکریہ پرواہ مت کرو...... ہم بھی تمہارے بہت کام آئیں گے...... اچھا اب ہیں...... تمہیں بھی ساری رات جاگتے ہوئے ہو گئی۔ آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں...... کار تو کرنا ہی ہو گی۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

پھر فضل خان چلا گیا تو گل زمان فوراً ہی کمرے میں داخل ہو گیا۔

"سر آپ پر تو صدقے ہونے کو دل چاہتا ہے۔"

"تو ہو جاؤ۔" شہاب نے بھی خوش دلی سے کہا۔

"ہو تو رہے ہیں کیا رہی؟"

جواب میں شہاب نے نوٹوں کی گڈی نکالی اور گل زمان کی آنکھیں مسرت سے پھیل گئیں۔

"ایک لاکھ۔"

"نمبر گن کے آدھے نکال لو اور فوراً ہی کہیں حساب کتاب برابر کر دو۔"

شہاب نے باقی آدھے نوٹ سنبھال کر اپنے پاس رکھے۔

"تھوڑی دیر کے لئے جا رہا ہوں...... گیارہ بجے ہیڈ کوارٹر پہنچنا ہے۔" جواب میں گل زمان نے سلیوٹ مارا تھا۔

❁

فتح محمد تازہ بنی ہوئی اینٹوں کی ترائی کر رہے تھے...... انہوں نے شہاب کو تھلے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا اور مسکرا دیئے۔

"بھائی اکبر نل بند کر دو...... باقی ترائی شام کو کریں گے۔" اکبر نے نل بند کر دیا۔ ہاتھ میں پکڑے ہوئے پائپ کے سرے کو موڑ کر ایک طرف لگاتے ہوئے شہاب کی جانب چل پڑے۔

"چشم ما روشن دل ماشاد...... آؤ میاں اسے کہتے ہیں گھونٹ گھونٹ پر مہر ہوتی ہے اندر آ جاؤ۔"

وہ شہاب کو لے کر اندرونی حصے میں پہنچ گئے اور سامنے چارپائی پر بیٹھ گئے۔

"کہیے مرشد کیسی گزر رہی ہے؟"

"کرم ہے اس معبود کا، تم سناؤ تمہاری غیر حاضریاں بعض اوقات بڑی جاں گسل ہوتی ہیں...... تقریباً تمام ہی لوگ تمہاری خیریت پوچھتے رہتے ہیں لیکن بڑے خوش ہیں۔"

"بس آپ کی دعائیں ہیں مرشد، یہ ایک تھوڑا سا فنڈ اور آ گیا ہے اسے جمع کر لیں۔"

شہاب نے پچاس ہزار روپے کے نوٹ نکال کر فتح محمد کو دیتے ہوئے کہا اور فتح محمد نے وہ نوٹ احتیاط سے لے کر اپنے شلوکے کی جیب میں رکھ لئے۔

"کتنے ہیں؟"

"پچاس ہزار۔"

"ہوں۔"

"میرے علاقے میں ایک غنڈہ جس کے بارے میں مختصراً آپ کو بتا چکا ہوں...... آج اس سے چھٹکارا مل گیا ہے۔"

"وہ کیسے؟" فتح محمد نے چونک کر پوچھا۔

"بس اس جیسے ایک غنڈے کو اس سے بھڑا دیا...... وہ اس پر حملہ آور ہوا اور وہ گولیوں کا شکار ہو گیا۔"

فتح محمد گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگے پھر بولے۔ "یہ بڑی بات ہے، بڑی ذہانت کی کارروائی ہے۔"

"بس مرشد آپ کے پاس آ کر بڑا سکون ملتا ہے ورنہ کوئی بھی غلط کام کر کے ضمیر کو جو بے سکونی ملتی ہے اس کا کوئی سدباب نہیں ہو پاتا...... ایک لاکھ روپے کی رقم ملی تھی...... پچاس ہزار روپے گل زمان کو دے دیئے...... پچاس ہزار اپنے حصے میں آ گئے...... ویسے مرشد رشوت کی کیا سزا ہے؟"

"دنیاوی یا آسمانی؟" فتح محمد نے سوال کیا اور شہاب خاموشی سے چارپائی پر تھوڑا سا دراز ہو کر دیوار کو گھورنے لگا، پھر آہستہ سے بولا۔

"آسمانی سزائیں تو انسان نے اپنے دل سے نکال ہی پھینکی ہیں مرشد، زمینی سزاؤں کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر ہاتھ پاؤں بچا کر کام کرتے رہا جائے تو کوئی کسی کو سزا نہیں دیتا۔"

"میاں گناہ کبیرہ کر رہے ہو...... اس میں مزید اضافہ نہ کرو...... مذہب کو مذاق نہ

بناؤ...... مذہب کا مذاق نہ اُڑاؤ...... جو چیز اپنی محنت سے نہ حاصل ہو اور کسی بد کام کے صلے میں لی جائے وہ جائز نہیں ہوتی...... کم از کم دل میں یہ تصور بے شک رکھو کہ گناہ کر رہے ہو، توبہ کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔"

شہاب بھرے ہوئے انداز میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"توبہ کیسے کروں مرشد، آپ بتایئے توبہ کیسے کروں ایک ایسا شخص فنا کے گھاٹ اتر گیا جس نے برائیوں کے خلاف کمر باندھی تھی...... اپنے پیچھے ایک پسماندہ خاندان چھوڑ گیا جس کے پاس جینے کے راستے بھی نہیں تھے...... تجزیہ کیا ہے میں نے مرشد، میں نے اس ماحول کا پوری طرح تجزیہ کیا ہے...... جینے کے لئے ایک ہی راہ نظر آئی ہے...... یہ سارے گنہگار جو ہمارے اطراف میں پھیلے ہوئے ہیں کیا سوچتے ہیں کیا کرتے ہیں، مرشد، ان سے الگ ہٹ کر سوچو تو زمین کی گہرائیوں میں اتر جاؤ، پسماندگی اور غربت کی انتہا کو پہنچ جاؤ مرشد، میں تو وہ گنہگار ہوں جس نے یہ طے کر لیا ہے کہ اپنے وجود کو اتنا غلیظ کر لوں کہ میرا تعفن لوگوں سے برداشت نہ ہو سکے لیکن کچھ ایسے لوگوں کو مشکل سے نکال لوں جو بری طرح زندگی سے بیزار ہیں۔

"وہ لڑکی میرے پاس آئی تھی...... بندوق مانگ رہی تھی کہتی تھی اس کے دو چچاؤں کو قتل کر دیا گیا ہے...... وہی اس کے سرپرست تھے اور اب اس دنیا میں اس کے لئے صرف وہ جگہ رہ گئی ہے جو فاحشاؤں اور بری عورتوں کے لئے ہوا کرتی ہے۔ نواب گٹو اسے بھی استعمال کرنا چاہتا ہے...... مرشد میں نے اتنا کیا کہ اسے ایک محفوظ جگہ پہنچا دیا...... کچھ رقم دے دی اسے اور اس سے کہا کہ بی بی یہاں وقت گزارو کوئی اچھا رشتہ مل جائے گا تو میں تمہیں ایک بھائی کی حیثیت سے وداع کر دوں گا، اس سے زیادہ کچھ کرنا میرے لئے ممکن نہیں ہے اور مرشد میں نے اس گندے انسان کو موت کے گھاٹ اتروادیا...... آپ مجھے بتایئے یہی ہونا تھا نا کہ میں بھی اگر چشم پوشی کرتا تو ایک اور لڑکی گناہوں کی دلدل میں چلی جاتی۔

"وہ بیچاری اپنے دو بچوں کے لئے ہیروئن بیچتی تھی اور اس کے شوہر کو نواب گٹو نے اس لئے قتل کر دیا تھا کہ وہ اس کے احکامات کی تعمیل نہیں کرتا تھا، پھر اس نے اس کے تین بچوں کو اغوا کر لیا...... ایک معصوم بچہ ماں کی آغوش نہ پا کر دم توڑ گیا اور جب وہ بالکل بے بس ہو گئی اور اس نے نواب گٹو کی ہم نشینی اختیار کر لی تو اس کے بچے اسے واپس مل گئے اور

بھی بھکارن بن کر سڑکوں پر ہیروئن بیچنے لگی...... اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے بچوں کی بہتر زندگی کے لئے لوگوں کے ساتھ بھی چلی جاتی تھی اور کچھ رقم حاصل کر کے لے آتی تھی...... مرشد اس شخص کو ختم کر دیا میں نے...... اب کم از کم یہ تو ہو گا کہ وہ جو اس کے سہارے جینے کے عادی ہو گئے تھے اپنے لئے زندگی کے نئے سہارے تلاش کریں گے...... مرشد ان تمام کاموں کے صلے میں مجھے انعامات سے نوازا جاتا ہے، وہ باجرہ لے کر آیا تھا اور کہتا تھا کہ یہ باجرہ مجھے ملتا رہے گا اور وہ ایک لاکھ روپے بطور انعام دے گیا ہے اور مستقبل کے بہت سے وعدے کر گیا ہے...... دوست بن گیا ہے میرا...... ایسے دوست تو ہونے چاہئیں نا؟"

"کیا بات ہے آج پھر دل پر کوئی ضرب پڑی ہے؟"

"نہیں بس اپنے آپ کو بہلانا چاہتا ہوں۔"

"اپنے آپ کو پر سکون کرو...... اب جن راستوں پر قدم اٹھا دیا ہے کم از کم ان پر اپنے تحفظ کا خاص طور سے خیال رکھو۔"

"ہاں مرشد، میں نہیں سمجھتا کہ ایسا کیسے ہوا؟ میرے تصور تک سے الگ کی بات تھی...... میرے دل میں تو یہ آرزو تھی کہ مجھے زندگی کا کوئی ایسا گوشہ مل جائے جس سے میں اپنے مقصد کی تکمیل کر سکوں...... بعض اوقات اگر کوئی دعا مانگی جاتی ہے تو اس طرح پوری ہو جاتی ہے کہ انسان خود بھی حیران رہ جائے، میں تو تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ مجھے یہ ملازمت مل جائے گی جس میں مجھے اپنے راستے اتنے آسان ہو جائیں گے کہ خود بھی یقین نہ آئے ورنہ چند سر پھروں کو ساتھ شامل کر کے کسمپرسی اور بے کسی کی حالت میں، میں نے اس سفر کا آغاز کیا تھا جو لوگ میرے ساتھی ہیں، مرشد وہ بھی میری ہی طرح زندگی کے ستائے ہوئے ہیں...... وہ بھی میری طرح مایوسی کے دلدل میں آخری حد تک پہنچ گئے تھے اور اب بھی وہ اسی انداز میں زندگی بسر کر رہے ہیں...... بہت کچھ ہاتھ آتا ہے کبھی کبھی لیکن ہم اسے اپنے لئے نہیں استعمال کرتے بلکہ اپنے ان کاموں کے لئے مخصوص کر دیتے ہیں جو ابھی ہمیں مستقبل میں کرنے ہیں کاش میں انہیں بھی خوشخبری سنا سکتا۔

"آپ کو تو سب کچھ معلوم ہے میرا ان سے پوشیدہ رہنا ہی مناسب ہے، کون جانے کون کب بھٹک جائے اور کب کس حال میں پھنس کر سارا کچا چٹھا کھول دے اس لئے انہیں

خود سے علیحدہ ہی رکھا ہے۔"

شہاب چند لمحات گہری گہری سانسیں لیتا رہا اور پھر مسکرا دیا۔

"اصل میں، میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اس تھلے کو ایک خانقاہ میں تبدیل کر دیا جائے ہاں پیر فتح محمد کی خانقاہ۔"

"میاں کیا کہہ رہے ہو اللہ سے توبہ کرو ہم اور پیر۔"

"مرشد بننا پڑے گا...... اس لئے کہ حاجت مند یہاں آئیں اس خانقاہ پر اپنی حاجتوں کے لئے منت مانیں...... ہم ان کی حاجتیں سنیں اور بساط بھر ان کی حاجتیں پوری کرنے کی کوشش کریں۔"

"مگر یہ گناہ ہے۔"

"مرشد ہم اس گناہ کو اس طرح اپنی توبہ میں تبدیل کریں گے کہ ان ضرورت مندوں کی چھوٹی چھوٹی ضرورتیں پوری کیا کریں گے...... آپ دیکھئے بے شمار دل بند پڑے ہوئے ہیں ان میں دُکھوں کے دریا موجزن ہیں...... وہ اپنا دُکھ کسی سے کہہ بھی نہیں سکتے...... جانتے ہیں کہ لوگ مدد کرنے کے بجائے مذاق اُڑائیں گے...... مزارات پر جا کر منتیں مرادیں مانگنے والے کم از کم دل کی بھڑاس وہاں جا کر نکال لیتے ہیں...... اپنے سینے میں پوشیدہ آرزوئیں ہمارے علم میں آجائیں جنہیں پورا کرنا ہمارے بس میں ہو تو یہ ایک ذریعہ ہے ورنہ کہاں لوگوں کی عزت نفس داغدار کریں گے...... ایک آرزو ہے دل میں بس اور اس کے لئے یہ تصور ذہن میں آیا تھا۔"

فتح محمد گردن جھکا کر کچھ سوچتا رہا۔

"ہاں ہو تو سکتا ہے لیکن اس کے لئے بہت بڑا بہروپ بھرنا پڑے گا اور ہو سکتا ہے مشکل ہو جائے۔"

"خیر یہ تو ایک تجویز تھی ذہن میں دل میں آیا تو آپ سے کہہ دیا صرف بتا رہا ہوں آپ کو کہ معاشرے میں اگر کسی ایک دُکھے دل کی کوئی دبی آرزو پوری کر دی جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک اچھا فرض ادا ہو گا۔"

"بے شک اور میں بھی اس سلسلے میں تم سے کچھ کہنا چاہتا تھا...... میاں، ایک طریقہ کار منتخب کیا ہے تم نے...... ویسے تو میں یہ چاہتا ہوں کہ خاصے عرصے سے سرگرم عمل ہو اور

کچھ نہ کچھ کر ہی رہے ہو لیکن اب تمہیں وہ منزل ملی ہے جس پر سفر کر کے تمہیں اپنے مقصد کی تکمیل حاصل ہو رہی ہے تو صرف بلندیوں ہی کی جانب نہ دیکھنا...... مطلب یہ کہ پستیوں پر خصوصاً نگاہ رکھنا...... بے شک تمہارا طریقہ کار بہت اونچی سطح سے شروع ہوتا ہے تم نے جو راستے اپنائے ہیں ان میں ذہانت اولیت رکھتی ہے اور تم بے شک کامیابیوں کی جانب سفر کرو گے لیکن پستیوں میں بھی ایسے بہت سے دُکھی دل پڑے ہوئے ہیں جن کا کوئی پرسان حال نہیں ہے...... ایک بے گناہ شخص موت کے شکنجے میں جکڑ گیا ہے، کسی سنگدل کے ہاتھوں سنگدلی کا شکار ہو کر اسے قانون کی مدد اس لئے حاصل نہیں ہو سکتی کہ اس کے پاس ذرائع نہیں ہوتے یا اس قسم کے اور بے شمار ایسے عوامل ہوتے ہیں جن کے تحت قانون صحیح انداز میں انصاف نہیں کر سکتا...... تمہیں اس سمت بھی نظر رکھنا ہو گی...... چھوٹے چھوٹے کاموں پر بھی اتنی ہی توجہ دو جتنی بڑے بڑے کاموں پر، باقی جو طریقہ کار اپنایا ہے مجھے اس سے اختلاف نہیں ہے۔"

"ہاں مرشد، آپ نے صحیح رہنمائی کی، خیال رکھوں گا...... آئندہ اس بات کا بھی خیال رکھوں گا۔"

"اب کیا ارادے ہیں؟"

"یہیں سے واپس چلا جاؤں گا مرشد، گیارہ بجے پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچنا ہے۔"

"اچھا گھر نہیں گئے؟"

"کل رات کا نکلا ہوا ہوں بس اس کام کو سرانجام دینے کے لئے تھانے جانا چاہتا تھا تاکہ جو کچھ ہو نگاہوں کے سامنے رہے...... بس چلتا ہوں مرشد۔"

ہیڈ کوارٹر میں جیسے ہی داخل ہوا اطلاع مل گئی کہ ایس پی صاحب، ڈی آئی جی نادر حیات کے کمرے میں موجود ہیں۔ اس کے لئے بھی وہیں پہنچنے کی ہدایت ہے، چنانچہ شہاب ڈی آئی جی کے آفس میں داخل ہو گیا۔ ایس پی صاحب ڈی ایس پی اور دوسرے کچھ متعلقہ افراد ڈی آئی جی نادر حیات کے کمرے میں موجود تھے۔ شہاب نے سلیوٹ کیا اور ڈی آئی جی صاحب گردن اٹھا کر اسے دیکھنے لگے۔

"بارہ دری تھانے کے انچارج ہو؟"

"یس سر۔"

"تمہارے علاقے میں بہت سنگین واردات ہوئی ہے۔ آٹھ آدمیوں کی ہلاکت معم بات نہیں ہے۔"

"یس سر۔"

"کون تھے یہ لوگ، نواب گٹو اور اس کے جو ساتھی ہلاک ہوئے ہیں؟"

شہاب ثاقب نے ساری تفصیل نواب گٹو کے بارے میں سنادی...... اتنی جتنی ا انہیں مطمئن کرنے کے لئے ضروری تھی۔

"سر وہ جرائم پیشہ آدمی تھا اور جرائم پیشہ آدمی کی کسی نہ کسی دوسرے آدمی سے د ہوتی ہے۔" شہاب نے کہا۔

"تھانہ انچارج کیا کرتا ہے؟"

"آہستہ آہستہ معلومات حاصل کرتا ہے سر۔" شہاب کے لہجے میں خشکی آگئی۔ ڈی آئی جی نے چونک کر اسے دیکھا...... چند لمحات دیکھتے رہے۔

"اب تو زیادہ آہستہ کام کرنے کی ضرورت نہیں ہے...... سنو مسٹر شہاب مجھے چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ان آٹھ آدمیوں کے قاتل کے بارے میں معلومات درکار ہیں۔"

"یس سر۔"

"اپنے فرائض کے سلسلے میں مستعد ہو جائیے...... اب آپ لوگ جا سکتے ہیں۔"

تمام لوگ باہر نکل آئے...... ایس پی نے شہاب ثاقب سے کہا۔

"آپ نے سن لیا مسٹر شہاب چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ان آٹھ آدمیوں کے قاتل کا پتا لگنا چاہئے ورنہ اس کے بعد آپ سمجھ لیجئے ڈی آئی جی کے الفاظ آپ کو یاد ہوں گے۔"

"یس سر۔" شہاب نے کہا اور اس کے بعد سب لوگ منتشر ہو گئے...... شہاب کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

✿

شام کے تقریباً ساڑھے پانچ بجے تھے...... پولیس ہیڈ کوارٹر سے گھر واپس گیا دونوں بھائی ملازمت پر گئے ہوئے تھے...... ماں اور بھابی تھیں...... تھوڑی دیر ان سے باتیں ہوتی رہیں۔ نعیمہ بیگم نے کہا۔

"اب تو راتوں کو بھی ڈیوٹی لگنے لگی ہے۔"

"اماں پولیس کی نوکری میں کوئی وقت نہیں ہوتا، جب بھی فرصت مل جائے...... مجھے اب گھر سے دور کا آدمی ہی سمجھا جائے تو اچھا ہو گا۔"

"وہ عظمیٰ کے سلسلے میں کچھ خریداری کرنی تھی...... سوچ رہی تھی کہ تم بھی ہوتے۔"

"میری مشین چلنے دو اماں مجھے اب گھر کا آدمی نہ سمجھو تو بہتر ہے۔" اس نے کہا۔

کچھ دیر گھر پر وقت گزارنے کے بعد تھانے آگیا اور اچھا ہی ہوا تھا کیونکہ دوپہر کو تین بجے کے قریب ڈی آئی جی بہ نفس نفیس آگئے تھے...... انہوں نے علاقے کا دورہ کیا...... لوگوں سے معلومات حاصل کیں، لیکن لوگ اب بھی اس بری طرح سے سہمے ہوئے تھے کہ کسی نے کچھ نہیں بتایا...... دکانیں بند تھیں اور لوگ گھروں میں سہمے ہوئے بیٹھے تھے...... واردات کو وقت ہی کتنا گزرا تھا...... ملا جلا ردعمل تھا...... تمام ہی لوگ نواب گٹو کی موت پر خوش نظر آرہے تھے۔

چار بجے کے قریب فراغت ملی تھی اور اس کے بعد گل زمان اور دوسرے لوگوں کے ساتھ مجلس مشاورت لگ گئی تھی۔

"سر یہ بات کچھ حد سے آگے نہیں بڑھ رہی؟"

"کیا کہا جا سکتا ہے گل زمان، ہو سکتا ہے بات کی کوئی حد ہی نہ ملے۔"

"پھر تو ذرا ہوشیار رہنا پڑے گا۔"

"یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔ چوبیس گھنٹے کا وقت دیا ہے مجھے اب بتاؤ کیا کیا جائے؟"

"یس سر...... ہمیں پتا چل گیا ہے۔"

"گل زمان اب تھوڑے دن تک احتیاط کرنا ہو گی...... بدقسمتی سے پہلی واردات اپنے ہی علاقے میں ہو گئی ہے...... ڈی آئی جی صاحب کو پہلا تجربہ کرنے کا موقع ہم پر ہی مل گیا ہے۔"

"ارے سر اچھے اچھے سیدھے ہو جاتے ہیں...... ہمیں تو بس نواب گٹو کے مرنے کا افسوس ہے جو کچھ بھی تھا دل کا برا نہیں تھا۔"

ساڑھے پانچ بجے کا وقت تھا کہ ایک ٹیلی فون موصول ہوا اور شہاب نے خود ہی ریسیو کیا۔

"بارہ دری تھانہ۔"

"ہاں جی۔"

شہاب ثاقب سے بات کرنی ہے۔

"بول رہا ہوں۔"

"اوہو، سلام عرض کرتا ہوں سیٹھ صاحب۔"

"کمال ہے جب تم اس لہجے میں بات کرتے ہو تو مجھے عجیب لگتا ہے...... دنیا کے لئے پولیس والے ہو میرے لئے تو نہیں۔"

"یقیناً جناب، کیسے مزاج ہیں آپ کے؟"

"ٹھیک ہوں...... رات کو کوئی مصروفیت نہیں ہے تو مجھے تم سے کچھ کام ہے۔"

"آپ نے سن لیا ہوگا کہ میرے پڑوس میں واردات ہوئی ہے۔"

"سب کچھ سن لیا ہے...... اسی سلسلے میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں...... ویسے فضل خاں کو تو تم نے اپنا مرید بنا لیا ہے، بڑی تعریفیں کر رہا تھا...... اچھا باقی باتیں رات کو ہوں گی۔"

"ٹھیک ہے میں حاضر ہو جاؤں گا۔" شہاب یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

بہر حال وہ وقت مقررہ پر سیٹھ جبار کی کوٹھی پر پہنچا تھا...... گیٹ سے اندر داخل ہوا تو باہر لان پر ہی ایک محترمہ سے ملاقات ہو گئی...... دبلے پتلے جسم کی مالک، دراز قامت خاتون تھیں...... اسے حیرت سے دیکھا۔

"تمہارا نام جواد ہے؟"

"جی نہیں۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟" وہ متحیرانہ انداز میں بولیں۔

"ج...... جی شہاب آنکھیں پھاڑ کر بولا، اتنی دیر میں سیٹھ جبار خود ہی باہر نکل آئے۔

"ارے شہاب آ گئے، حالانکہ میں نے کہا تھا کہ تمہارے آنے پر مجھے فوراً ہی اطلاع دے دی جائے...... آؤ اس طرف کہاں آ گئے؟"

"انکل یہ جواد نہیں ہیں؟"

سیٹھ جبار بیگ نے کہا اور شہاب کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ڈرائنگ روم کی جانب

بڑھ گئے...... انہوں نے غالباً ملازم کو بھی اشارہ کر دیا تھا۔ ملازم لڑکی سے اُلجھ گیا اور شہاب جبار بیگ کے ساتھ اندر داخل ہو گیا...... جبار بیگ نے کہا۔

"میری بھتیجی ہے ایک المیئے کا شکار ہو گئی ہے۔"

"ج...... جی۔" شہاب یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

چند لمحات خاموش رہنے کے بعد جبار بیگ بولے۔

"بیٹھو میں دروازہ بند کر دوں تاکہ کوئی مداخلت نہ کرے۔"

"جی۔" شہاب نے کہا اور سیٹھ جبار بیگ نے دروازہ بند کر دیا پھر شہاب کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئے۔

"وہ سر شاید آپ کو علم ہوا ہو کہ نئے ڈی آئی جی صاحب تشریف لائے ہیں نادر حیات نام ہے۔"

"ہاں اچھی طرح معلوم ہے۔ ہم ایسے معاملات سے لاعلم رہ سکتے ہیں۔" جبار بیگ نے گردن ہلا کر کہا۔

"بہت سخت آدمی معلوم ہوتے ہیں...... محکمہ پولیس میں کھلبلی مچی ہوئی ہے...... نئے نئے احکامات نازل ہوتے رہتے ہیں، ہر چیز پر گہری اور کڑی نگاہ رکھتے ہیں۔"

"ہاں سنا ہے جس علاقے سے آئے ہیں وہاں بھی انہوں نے کافی سختیاں کر رکھی تھیں، لیکن کوئی نہ کوئی حل نکل آتا ہے ہر چیز کا۔ بڑے بڑے شیشہ گر موجود ہیں یہاں۔ ابھی نیا نیا شوق ہے کچھ نہ کچھ کر کے دکھائیں گے بعد میں ٹھیک ہو جائیں گے۔" جبار بیگ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن فی الحال انہوں نے خاصا پریشان کیا ہوا ہے اب میرے علاقے میں آٹھ آدمیوں کا قتل ہو چکا ہے...... نواب گٹو کے بارے میں پوری تفصیل آپ کو معلوم ہو ہی گئی ہے۔"

"زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسی باتوں پر زیادہ پریشان مت ہوا کرو کہ کوئی کام ہوتا ہے تو عارضی بنیاد پر ہی ہوتا ہے...... تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ڈی آئی جی جو کچھ کر رہے ہیں انہیں کرنے دیا جائے...... تم دیکھ لو اگر نواب گٹو کے قاتلوں کا پتا چل سکتا ہے تو ٹھیک ہے اور اگر نہیں بھی چلتا تو بہر طور کھل کر کہہ سکتے ہو ڈی آئی جی سے کہ اپنی تئیں

کوششیں کر کے ناکام ہو چکے ہو جو تم کر سکتے ہو وہ تم کرو جو انہیں کرنا ہو گا وہ کر لیں گے بات ختم اور پھر ہم بیٹھے ہوئے ہیں ناں۔"

"آپ نے مجھے بڑا اطمینان دلایا ہے۔" شہاب نے کہا۔

"میاں ہر قسم کے اطمینان کی دوا ہمارے پاس موجود ہے، کیا سمجھے، ویسے فضل خاں تو تم نے بے دام خرید لیا ہے، بڑی تعریفیں کر رہا تھا تمہاری لیکن اب اسے ایک بڑی مشکل پیش آگئی ہے۔ یوں سمجھ لو اس کا ایک بازو ٹوٹ گیا ہے...... اصل میں اس کا سب سے بڑا کام پوڈر ہی کا تھا ہیروئن۔"

"فضل خاں صاحب کا نام۔"

"اب تم سے کیا چھپانا...... ٹرانسپورٹ کا کام تو ایک ٹائٹل ہے اس میں چھپے رہنے میں آسانی ہے...... اس کا بازو ٹوٹ گیا ہے...... نواب گٹو اس کا ڈیلر تھا، بلکہ وہ سب سے بڑا ڈیلر تھا اور یہی نہیں ملک بھر میں اس کے لئے سپلائی کرتا تھا...... اچھا یہ بتاؤ اِدھر اُدھر بھی ہاتھ پاؤں مارے ہیں یا نہیں؟"

"اِدھر اُدھر۔"

"ہاں میرا مطلب ہے تم بارہ دری تھانے کے انچارج ہو آس پاس تھانے کے انچارجوں سے بھی ملاقات ہوتی ہو گی۔"

"کوئی خاص نہیں...... بس میٹنگوں وغیرہ میں۔"

"نہیں عزیزم یہ بھی ایک تجربے کی بات ہے...... اپنے ہاتھ پاؤں چاروں طرف پھیلائے رکھو...... تمہیں کہیں کام کرنے کا موقع ملے گا...... کسی کو تمہارے علاقے میں کام کرنے کا موقع ملے گا...... ایک دوسرے سے رابطہ رکھنا فائدہ مند ہے۔"

"جی۔" شہاب اس طرح سن رہا تھا جیسے کوئی بہت بڑا عالم اسے درس دے رہا ہو۔

"نور پورہ کے ایس ایچ او سے ہماری کوئی شناسائی نہیں ہے۔ ویسے تو ہمیں سب جانتے ہوں گے لیکن میاں دل سب کے سامنے تو نہیں کھولے جا سکتے اور اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ اپنے مفادات کے لئے میرے مفادات کی نگرانی کرو...... اصل میں نور پورہ میں ہمارے داماد کی کوٹھی ہے...... یہ تو تمہیں پتا ہی ہو گا۔"

"ناہید سلیمی صاحب کی۔"

"ہاں اور وہاں سے کچھ فاصلے پر ایک بدمعاش کا اڈہ ہے۔"

"کون کیا ستار ٹنڈا۔" شہاب نے سوال کیا اور جبار بیگ اُچھل پڑے۔

"واہ...... بھئی واہ...... خوشی ہوئی کہ کم از کم تمہیں نور پورہ کے بدمعاش ستار ٹنڈا کے بارے میں معلوم ہے...... یہ ضروری ہے، سب لوگ ہی تو تمہارے کام کے آدمی ہوتے ہیں...... ستار ٹنڈا کو جانتے ہو؟"

"میرا اسسٹنٹ گل زمان جانتا ہے...... اصل میں وہ سینئر ہے اور بہت عرصے سے اپنی خدمات سرانجام دے رہا ہے...... اس کی معلومات بہر حال مجھ سے زیادہ ہیں۔"

"کیسا آدمی ہے؟"

"کام کا آدمی ہے سر...... کسی بھی مسئلے میں رکاوٹ نہ بننے والا۔"

"یقیناً ایسے ہی لوگ کام کے ہوتے ہیں تو خیر مطلب یہ ہے کہ ستار ٹنڈا کا نام ہمارے پاس ذرا بڑے انداز میں آیا ہے...... ناہید سلیمی بہت بے وقوف آدمی ہے...... سارا کاروبار ہمیں ہی دیکھنا پڑتا ہے لیکن موصوف درپردہ بھی کچھ نہ کچھ کرنے کے چکر میں مصروف رہتے ہیں، تاکہ ہم پر اپنی ذہانت کا سکہ جما سکیں...... ایک ایسے ہی مسئلے میں انہوں نے ایک احمقانہ حرکت کر ڈالی تھی اور ستار ٹنڈا کو اس کا پتا چل گیا۔ بات اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ذرا ٹیڑھی تھی اور اگر کسی بھی شکل میں منظر عام پر آ جائے تو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے...... میرا مطلب ہے بڑی لے دے ہو جائے گی۔ اس کم بخت کو پتا چل گیا اور ناہید سلیمی جیسا بے وقوف آدمی اٹھائیس لاکھ روپے دے چکا ہے، اسے اور مسلسل دیئے جا رہا ہے...... وہ تو یوں ہے کہ اتفاق سے میری بیٹی کو اس بارے میں معلومات ہو گئیں اور اس نے مجھے تفصیلات بتادیں، ورنہ ناہید سلیمی اتنے نجانے کیا کچھ دے ڈالتا...... پریشان الگ رہتا ہے اور اس کی پریشانی کی وجہ سے میری بیٹی بھی پریشان رہتی ہے۔"

"گویا ستار ٹنڈا ناہید سلیمی صاحب کو بلیک میل کر رہا ہے؟"

"میاں اٹھائیس لاکھ معمولی رقم نہیں ہوتی...... ناہید سلیمی تو سوچے سمجھے بنا اس کا منہ بھرنا جاری رکھے ہوئے ہے...... گدھا اگر مجھے بتا دیتا تو بہت پہلے اس کا کوئی نہ کوئی بندوبست ہو سکتا تھا، بہر حال اب مجھے اپنی بیٹی کے ذریعے پتا چلا ہے تو اندازہ ہوا ہے۔"

"سر آپ نے یہ عہدہ دلایا ہے یہاں تک پہنچایا ہے آپ نے اور اس سے آگے بھی

آپ ہی بڑھائیں گے...... بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کو کوئی اُلجھن درپیش ہو اور ہم خاموش بیٹھے رہیں۔"

"نہیں بات یہ نہیں ہے کرنے کو تو میں بہت کچھ کر سکتا ہوں لیکن وہی بات ہے نا، کھیل بگڑ جائے گا...... ایسا کچھ ہو جائے گا کہ ستار ٹنڈا اس بارے میں کچھ کرنا بھی چاہے تو نہ کر سکے...... کوئی ایسی مصیبت اس کے گلے پڑنی چاہئے جس سے اسے چھٹکارا حاصل کرنا مشکل ہو جائے۔"

"پڑ جائے گی جناب۔ آپ اطمینان رکھئے۔"

"سچی بات یہ ہے کہ تمہارے سلسلے میں ہم نے جو کچھ کیا ہے اس پر ہمیشہ ناز کرتے رہیں گے لیکن جان من یہ تو بتادو کہ کرو گے کیا؟"

"آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے اسے کوشش کروں گا کہ آپ کے امتحان پر پورا اتروں۔"

"چلو تمہارا امتحان لئے لیتے ہیں...... یہ بتاؤ اور کوئی ایسی بات میرا مطلب ہے ہمارے لائق کوئی خدمت۔"

"آپ شرمندہ کر رہے ہیں جناب، سب کچھ آپ ہی کا تو ہے کام ہو رہا ہے۔"

پھر اس کے بعد ڈنر کیا گیا...... سیٹھ جبار اپنے اہل خاندان کو تو سامنے نہیں لائے تھے لیکن ڈنر۔ بے حد پر تکلف تھا اور اس میں وہی اس کے ساتھ شریک تھے...... ڈنر کے بعد شہاب ثاقب ان سے رخصت ہو کر باہر آیا...... اب یہاں سے گھر ہی کی جانب رخ کرنا تھا...... تھوڑی دیر کے بعد گھر پہنچ گیا۔

گھر والوں کے رویئے میں اب نمایاں تبدیلی نظر آئی تھی...... سب اس بات کے قائل ہوتے جا رہے تھے کہ شہاب کماؤ پوت ہے۔ اک ذرا سا اضطراب تھا جو ابھی بے چین کرتا تھا لیکن اس میں بھی آہستہ آہستہ کمی آتی جا رہی تھی۔

شہاب نے سب سے رسمی باتیں کیں...... حالات پوچھے اس کے بعد تیاریاں کرنے لگا۔

"کیا پھر رات کی ڈیوٹی ہے؟" نعیمہ بیگم نے پوچھا۔

"ہاں اماں جی۔"

"یہ انوکھا پولیس والا ہے۔" ثریا نے مسکرا کر کہا۔

"چلیں شکر ہے اس گھر میں اب میری حقیقت تسلیم کی جانے لگی ہے...... ذرا وردی

پہن لوں۔" شہاب اپنے کمرے میں داخل ہو گیا پھر وردی پہن کر وہ دوبارہ گھر سے باہر نکل آیا تھا...... غالباً اس رات بھی کوئی اہم مشن سر انجام دینا تھا۔

❋

ستار ٹنڈا انور پورہ میں اپنے اڈے میں بیٹھا ہوا تھا...... رات ہو گئی تھی اس کے آدمی اسے آ آ کر رپورٹیں دے رہے تھے...... ابھی تھوڑی دیر پہلے دو آدمی اس کے پاس پہنچے تھے۔

"ہاں کیا خبر لائے ہو؟"

"کوئی نئی خبر نہیں ہے استاد...... آٹھوں لاشیں سرد خانے میں رکھی ہوئی ہیں...... پوسٹ مارٹم وغیرہ ہو گیا ہے...... پولیس نے نواب گٹو کے اڈے کی ہر چیز قبضے میں لے لی ہے...... محلے والوں میں سے کسی نے زبان نہیں کھولی کوئی نشان دہی نہیں ہوئی۔"

"ہوں...... اس کا مطلب ہے کہ بات بن گئی۔"

"ہاں استاد ویسے ہمارا سارا مال اب پولیس کے قبضے میں چلا گیا ہے...... اس کتے کے مال کے ساتھ وہ تو اب واپس ملنے سے رہا۔"

"کلیجہ نکال لیا ہے کم بخت نے مار کر بھی سکون نہیں ملا ہے مجھے...... خیر کوئی بات نہیں ابھی فضل خان زندہ ہے...... مال کا تخمینہ بائیس لاکھ لگایا ہے...... فضل خان سے چالیس لاکھ وصول نہ کروں تو اپنے باپ کا بیٹا نہیں...... ہاں یہ تو بتاؤ ٹرک کے بارے میں کچھ پتا چلا؟"

"استاد یہ رپورٹ تو دوپہر کو ہی مل گئی تھی...... ٹرک کا وہاں نام و نشان نہیں ملا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ فضل خاں نے خفیہ طور پر اپنے آدمیوں کو بھی لگا رکھا تھا جو ٹرک اڑن چھو کر کے لے گئے مگر خیر ہمیں ٹرک سے مطلب نہیں ہے...... ہمیں تو اپنا نقصان پورا کرنا ہے ہمارے آدمی کا کیا ہوا۔"

"کون سا آدمی استاد؟"

"ابے وہ جو گودام میں زخمی ہو گیا تھا۔"

"ٹھیک ہے استاد کوئی آٹھ زخم لگے ہیں اس کے گھر پہنچ گیا ہے بلکہ ہم نے اسے انڈر گراؤنڈ کر دیا ہے سسرال بھیج دیا ہے اس کے۔"

"ٹھیک ہے یہ اچھا کام کیا تم نے، چھنگا سے کہنا کہ خاموشی سے اپنا کام انجام دیتا رہے. کسی کو کچھ نہ بتائے یوں ظاہر کرے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے استاد اور کوئی حکم۔"

"نہیں بس، جاؤ آرام کرو۔" ستار ٹنڈا نے کہا اور اس کے بعد وہ لوگ چلے گئے۔

ستار کاغذ پنسل ہاتھ میں لے کر پھر حساب کتاب میں مصروف ہو گیا تھا...... ساڑھے گیارہ بجے کے قریب وہ اپنی جگہ سے اٹھا...... تھوڑا سا کھایا پیا اور اس کے بعد اڈے ہی میں بنے ہوئے اپنے کمرے میں آرام کرنے لیٹ گیا، پھر اس وقت صبح کے کوئی پونے پانچ بجے تھے جب اچانک اڈے کے باہر دھوم دھڑکے کی آوازیں سنائی دینے لگیں اور لوگوں کی چیخیں بھی اس میں شامل تھیں...... ستار ٹنڈا چونک کر اٹھ بیٹھا لیکن ابھی وہ صورت حال کا کوئی اندازہ نہیں لگانے پایا تھا کہ ایک پولیس آفیسر چند افراد کے ساتھ اس کی رہائش گاہ میں گھس آیا...... سب لوگ مسلح تھے ستار ٹنڈا پر بندوقیں اور ریوالور تان لیا گیا۔

"اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دو ستار...... خبردار جنبش کرنے کی کوشش کی تو زخمی کر دیئے جاؤ گے۔"

پولیس آفیسر نے تند لہجے میں کہا۔ ستار ٹنڈا ایک لمحے کے لئے بوکھلا گیا تھا۔

"افلاطون جی کچھ نہیں کر رہے ہیں ہم پچاس آدمیوں کو لائے ہوتے ہم پر بندوقیں تاننے کے لئے اور یہ تو بتا دو کس سلسلے میں گرفتار کر رہے ہو نور پورہ کے تھانیدار تو نہیں معلوم ہوتے۔"

"ہتھکڑیاں ڈال دو اس کے ہاتھ میں۔" آفیسر نے کہا اور ستار ٹنڈا کے ہاتھ میں ہتھکڑی ڈال دی گئی۔

"لے چلو۔"

"دیکھو آفیسر اپنے قد سے اونچے جا رہے ہو ستار خاں بھی نہیں ہمارا نام ستار ٹنڈا ہے اس وقت جو کچھ کر رہے ہو بعد میں اس کے لئے پچھتانا بیکار ہی ہو گا کیونکہ بات ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گی۔"

پولیس آفیسر نے آنکھ سے اشارہ کیا اور ستار ٹنڈا کو اس کے کمرے سے باہر نکال لیا گیا، بہت بڑی پولیس فورس تھی اور اس کے تقریباً تمام ہی آدمی پولیس کے قبضے میں

آ گئے تھے۔

"گل زمان ان لوگوں کو لے کر ہیڈ کوارٹر چلو میں ذرا اڈے کی تلاشی لے لوں۔"

پولیس آفیسر کے اشارے پر سب انسپکٹر ستار ٹنڈا اور اس کے ساتھیوں کو لے کر اڈے سے باہر کی جانب چل پڑا...... باہر پولیس کی تین موبائلز کھڑی ہوئی تھیں...... ستار ٹنڈا وغیرہ کو ایک موبائل میں بٹھایا گیا اور اس کے بعد موبائل سٹارٹ ہو کر چل پڑی...... پولیس آفیسر اڈے کی تلاشی لینے میں مصروف ہو گیا تھا...... ایک ایک چیز کو کھنگالا جا رہا تھا اور آفیسر بڑی دیانت سے اپنا کام سرانجام دے رہا تھا...... تھوڑی دیر کے بعد نور پورہ اسٹیشن کا تھانیدار وہاں پہنچ گیا۔

"یہ کیا ہوا ہے اور یہاں ریڈ کرنے سے پہلے مجھے اس بارے میں اطلاع کیوں نہیں دی گئی؟"

"تم نور پورہ کے انچارج ہو؟"

"ہاں کوئی گھسیارہ نہیں ہوں۔"

"وہ تو خیر پتا چل رہا ہے دوست لیکن ڈی آئی جی صاحب کے حکم پر یہ سب کچھ ہوا ہے تم نے شاید اس میٹنگ میں شرکت نہیں کی جو ڈی آئی جی صاحب نے ہم لوگوں کی طلب کی تھی۔"

"شرکت کی تھی اور تمہیں بھی دیکھا تھا تم شاید بارہ دری تھانے کے انچارج ہو۔"

"ہاں...... ہمارا نام شہاب ثاقب ہے۔"

"لیکن یار کم از کم خبر تو دے دی ہوتی۔"

"تم ہیڈ کوارٹر آ جاؤ ساری تفصیل وہیں معلوم ہو جائے گی۔"

ہیڈ کوارٹر میں ستار ٹنڈا کو اس کے ساتھیوں سے الگ لاک اپ میں بند کر دیا گیا تھا اور شہاب ثاقب بھی کچھ دیر کے بعد ہیڈ کوارٹر پہنچ گیا تھا...... ایس پی صاحب کو رپورٹ دینی تھی...... ایس پی صاحب اپنے کمرے میں مضطرب بیٹھے ہوئے تھے۔

"سر بارہ دری میں آٹھ آدمیوں کے قتل کا مجرم گرفتار ہو گیا ہے...... ڈی آئی جی صاحب نے چوبیس گھنٹے کا نوٹس دیا تھا...... سر چوبیس گھنٹے پورے ہونے میں ابھی وقت باقی ہے۔"

"مگر اس کا کیا ثبوت ہے کہ تم نے صحیح آدمی پر ہاتھ ڈالا ہے۔"

"سر خوش قسمتی ہے کہ سارے ثبوت مل گئے ہیں......شاید کسی اسمگلنگ کے مال کا پو
ہے ستار ٹنڈا کے ہاتھوں سے بنایا ہوا حساب کتاب اور کاغذات پر لکھے ہوئے نوٹس بہتر
ثبوت کے طور پر حاصل ہوگئے ہیں...... یہ کوئی بائیس لاکھ کے مال کا معاملہ ہے جو نواب گ
نے ہضم کر لیا تھا اور اس کے نتیجے میں ستار ٹنڈا نے کل رات وہاں حملہ کیا اور نواب گٹو سمیت
آٹھ آدمیوں کو مار دیا۔"

"سوچ لو انسپکٹر ابھی وقت ہے۔"

"کیا مطلب ہے سر؟" شہاب نے ایس پی صاحب کو گھورتے ہوئے کہا۔

"میرا مطلب ہے رپورٹ کہیں غلط نہ ہو۔"

"پہلے میں اس سلسلے میں اتنا پر امید نہیں تھا سر لیکن ستار ٹنڈا کے اڈے پر چھاپا مارنے کے بعد مجھے اپنے اطمینان بخش ثبوت مل گئے ہیں جو عدالت میں میرے مقدمے کو بالکل مضبوط کر دیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" ایس پی نے کہا اور پھر ایک دم اپنا رویہ بدل لیا۔ "میں تمہیں مبارک باد دیتا ہوں انسپکٹر اگر واقعی اتنی جلدی تم نے اس قتل عام کا پتا لگا لیا ہے تو، سمجھ لو ڈی آئی جی صاحب کی نظروں میں بھی سرخرو ہو گے۔"

"سر آپ کی مہربانی چاہیے۔" شہاب نے کہا۔

اور وقت مقررہ پر ایس پی کے ہمراہ ڈی آئی جی صاحب کے پاس پہنچ کر اپنی رپورٹ پیش کر دی......ایس پی صاحب کہنے لگے۔

"سر میں نے اس آفیسر کو ہدایت کر دی تھی کہ آپ کے حکم کے مطابق ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا جائے، یہ ذہین آفیسر ہے سر آٹھ آدمیوں کے قاتل کو بلکہ قاتلوں کو چوبیس گھنٹے کے اندر اندر گرفتار کر کے پیش کر دینا معمولی بات نہیں ہے۔" ڈی آئی جی صاحب نے تحسین آمیز نگاہوں سے شہاب ثاقب کو دیکھا۔

"صحیح آدمی پکڑا ہے نا؟"

"سر یہ ثبوت ہیں آپ کی ہدایت کے مطابق اب عمل کرنا چاہتا ہوں۔"

"تمام کام قانون کے دائرے میں کئے جائیں انسپکٹر تمہیں ذمے داری قبول کرنا ہوگی کہ تم نے صحیح آدمی پر ہاتھ ڈالا ہے، میں بس یہ چاہتا ہوں کہ پولیس اپنی کارکردگی بہتر

بنائے۔ بہر حال اس کے بارے میں تمام تفصیلات تحریری شکل میں مجھے مہیا کریں...... تمہیں اس کارکردگی پر اعزاز دیا جائے گا۔"

شہاب نے سلیوٹ کیا اور اس کے بعد ڈی آئی جی کی ہدایت پر وہاں سے واپس نکل آیا......اسے تحریری طور پر اس کارروائی کا ثبوت پیش کرنا تھا......ایس پی صاحب جو ڈی آئی جی صاحب کے رجسٹر میں اپنا نام بھی لکھوا آئے تھے اس کے ساتھ ہی تھانے آئے تھے۔

"نور پورہ کے انچارج کو بھی طلب کر لیا جائے تو بہتر ہے، ملزم اس کے علاقے کا آدمی تھا۔"

"اس سے بات ہوئی تھی سر...... میں نے اسے ہیڈ کوارٹر بلایا تھا مگر وہ نہیں آیا۔"

"ہوں، خیر تم پورا چالان تیار کر لو، ان ثبوتوں کی تفصیل بھی درج کر لینا اور ہاں رپورٹ میرے ذریعے اور میرے دستخطوں کے ساتھ ڈی آئی جی صاحب کے سامنے جانی چاہیے۔"

شہاب نے نگاہیں اٹھا کر ایس پی صاحب کو دیکھا......دیکھتا رہا۔

پھر مسکرا کر بولا۔ "یس سر۔" ایس پی صاحب کچھ خجل ہو گئے تھے۔

شہاب نے ٹیلی کارڈ کے سامنے پولیس جیپ روکی اور پھر اتر کر بوتھ کے پاس چلا گیا...... کارڈ داخل کر کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"ہیلو کیا میں فضل خان صاحب سے بات کر سکتا ہوں؟"

"شہاب نے فون اٹھانے والے سے کہا۔

"ایک منٹ رکو میں ابھی بات کراتا ہوں" شہاب کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔

"کون ہو بھئی...... فضل خان بات کر رہا ہوں۔"

"خاں صاحب آپ کا نمک خوار بول رہا ہوں...... بارہ دری تھانے کا انچارج۔" شہاب نے انکساری کے ساتھ کہا۔

"بول بھئی...... ہمارا تجھ سے بڑا جی خوش ہوا ہے۔"

"خاں صاحب وہ آپ کا ٹرک کہاں ہے؟"

"آرام سے کھڑا ہے۔"

"میں نے نواب گٹو کے قاتلوں کو گرفتار کر لیا ہے...... نور پورہ علاقے کا بدمعاش ستار ٹنڈا ہے...... ابھی اس نے پولیس کو بیان نہیں دیا ہے، مگر میں جانتا ہوں وہ پولیس کو کیا بیان دے گا؟"

"کیا بیان دے گا؟" فضل خاں نے پوچھا۔

"غلطی نواب گٹو سے ہوئی تھی...... اسے آپ کا ٹرک چوری نہیں کرنا چاہئے تھا۔ نواب گٹو نے شاید اس سے کچھ مال لوٹ کر آپ کے ٹرک میں بھر لیا تھا مگر ستار ٹنڈا کو پتا چل گیا...... اس کی گرفتاری میں مجھے جو کاغذات ملے ہیں ان سے سب کچھ پتا چل جاتا

ہے...... کاغذات ابھی میرے قبضے میں ہیں۔ ان کی تو آپ فکر نہ کیجئے...... ہاں ٹرک کا انتظام آپ کر لیں۔"

"اس کی تو تم فکر ہی نہ کرو اس کا بہت اچھا انتظام کر دیا ہے...... میرا ٹرک تو مال لے کر شہر سے باہر تھا...... ویسے یار تو واقعی بڑے کام کا بندہ ہے۔ تو نے تو ہمیں خرید لیا ہے۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں خاں صاحب۔ ہم تو خود آپ کے "زر خرید" ہیں۔ کیا ہیں زر...... خرید۔" شہاب نے زور دے کر کہا اور فضل خاں ہنسنے لگا۔

"او زر کی تو فکر نہ کر۔ ہر کام کی ایک قیمت ہوتی ہے اور وہ تجھے مل جائے گی۔" فضل خاں نے کہا اور رسمی گفتگو کے بعد شہاب فون بند کر کے تین جگہ فون کرنے کے بعد سیٹھ جبار بیگ سے رابطہ قائم ہوا۔

"شہاب ثاقب، آپ کا خادم عرض کر رہا ہوں...... کیا سرکار عالی تنہا ہیں؟"

"ہاں تنہا ہوں خیریت تو ہے؟"

"حضور نے ناہید سلیمی صاحب کے سلسلے میں خادم کو ذمے داری سونپی تھی اس حکم کی تعمیل کر دی گئی ہے۔"

"کیا مطلب؟" جبار بیگ نے حیرت سے پوچھا۔

"ستار ٹنڈا پولیس ہیڈ کوارٹر کے لاک اپ میں ہے۔ میں نے نواب گٹو کے قتل کے الزام میں اسے اٹھا لیا ہے۔ اڈے کی پوری تلاشی لے ڈالی ہے۔"

"اچھا، کیا وہ اس قتل میں ملوث ہے؟"

"نہیں ہے تو ہو جائے گا سر اور یہ کون سی مشکل بات ہے۔"

"سنو...... وہاں سے کچھ ملا ہے...... میرا مطلب ہے ناہید سلیمی کے سلسلے میں۔" جبار بیگ نے پوچھا۔

"پورا فائل مل گیا ہے جس میں وہ بلیک میلنگ کا مواد ہے اور آپ کی امانت فدوی کے پاس موجود ہے۔"

"میں تم سے بہت خوش ہوں شہاب۔ تم قابل انعام ہو۔ فائل مجھے پہنچا دو۔"

"نوکری آپ کی دی ہوئی ہے حضور انعام کیسا؟"

"میرے پاس کب آ رہے ہو؟"

"بہت جلد حضور۔ امانت کی طرف سے مطمئن رہیں اس سلسلے میں ذرا مصروف ہوں
فراغت ہوتے ہی حاضر ہو جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" سیٹھ جبار نے کہا اور شہاب فون بند کر کے بوتھ کے پاس سے ہٹ
اور ست روی سے آگے بڑھ گیا۔

گل زمان کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں۔ تھانے کے پورے عملے کی میٹنگ ہو رہی تھی اور نئے انچارج پر تبصرے ہو رہے تھے۔ یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک شخص اندر داخل ہوا اور سلام کر کے کھڑا ہو گیا۔

ہیڈ محرر نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "ہاں بھئی کیا بات ہے کیسے آنا ہوا؟"

"ایک ایف آئی آر لکھوانا چاہتا ہوں۔"

"تمہیں پتا ہے آج کل کوئی کام ایسے ہی نہیں ہوتا۔"

"تو ایسے ہی کام کون لے رہا ہے جناب، ہم تو پوری طرح سوچ سمجھ کر آئے ہیں۔"

"سوچ سمجھ کر آئے ہو تو بیٹھو۔ ہمارے پاس سمجھدار آدمیوں کی جگہ ہے۔" گل زمان نے مستانہ انداز میں کہا اور وہ شخص بیٹھ گیا۔

"ہاں اب ذرا کہانی ہو جائے۔"

"میرا نام انوار علی ہے اور مجھے اپنے سسر بدر الدین سے خطرہ ہے۔ دراصل میں ان کے گھر میں داماد کی حیثیت سے رہتا تھا۔ وہ بڈھا میری کمائی پر پل رہا تھا، جب میں نے ان پر اعتراض کیا تو اس نے میری بیوی کو میرے ہی خلاف بھڑکانا شروع کر دیا اور اب مجھے اور بیوی کو گھر سے ہی نکال دیا ہے...... آپ خود سوچیں بڈھا اس دنیا میں بالکل اکیلا ہے...... بیٹی کے علاوہ اس کی جائیداد کا کوئی اور حق دار بھی نہیں ہے تو وہ اکیلا مکان میں رہ کر کیا کرے گا۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تھانے بلوا کر ذرا چھینٹی لگا دی جائے تو سیدھا ہو جائے گا اور مکان میرے نام ہو جائے۔"

"ارے بھائی وہ کس حساب میں؟" گل زمان نے پوچھا۔

"اس حساب میں۔" اس نے ایک ہزار کا نوٹ نکال کر گل زمان کے سامنے لہرایا۔

"ارے رشوت دیتا ہے وہ بھی صرف ایک ہزار کی۔ واہ کام دس ہزار کا اور نوٹ ایک۔ چل جتنے جیب میں نوٹ ہیں سب نکال دے۔"

"وہ سر اصل میں......"

"ادھر رکھ۔" گل زمان نے خالص پولیس والوں کا لہجہ استعمال کیا۔

انوار علی نے جیب سے بقیہ تین ہزار نکالے اور ایک ہزار میں ملا کر گل زمان کے سامنے پیش کر دیئے۔

"چل تو شریف آدمی لگتا ہے بیٹھ جا مگر یہ مت سمجھنا کہ چار ہزار میں کام ہو جائے گا۔"

"جی......" انوار علی نے حیرت سے دیکھا۔

"اچھا ایسا کر چھ ہزار اور لے آ۔ راؤنڈ فیگر صحیح رہتا ہے گھر کی مالیت کتنی ہو گی؟"

"وہ ایک سو بیس گز کا گھر ہے۔ اس کی اچھی خاصی حیثیت ہے۔"

"اور بیٹا تو دس ہزار روپے میں اسے ہڑپ کر جانا چاہتا ہے...... پچیس ہزار روپے اکٹھے لے لے بڈھے کو بلا لیں گے۔ باقی پیسے کب دے گا؟"

"وقت لگے گا مگر میں دس ہزار پورے کر دوں گا۔ فی الحال یہی چار ہزار ہیں میرے پاس۔"

"اچھا ٹھیک ہے بڈھے کا نام پتا لکھوا دے ذرا۔ کیا نام بتایا تو نے بدر الدین، رحمت علی لکھ ذرا دونوں کے نام پتے۔" گل زمان نے کہا۔

رحمت علی نے رجسٹر اٹھا لیا۔

"ادئے رحمت علی تو بوڑھا ہو گیا ابھی تک تجھے عقل نہیں آئی۔ یہ رجسٹر میں لکھنے کی بات ہے۔ الگ کاغذ پر لکھ الگ۔ ایف آئی آر چار ہزار روپے میں تھوڑی لکھی جائے گی۔ پورے دس ہزار روپے ہوں گے مگر اس کا کام تھوڑا بہت کئے دیتے ہیں۔ بعد میں جیسے جیسے یہ انگلیاں کرتا رہے گا اس کا کام ہوتا رہے گا۔ بڈھے کو بلا لیتے ہیں۔ تھوڑی سی تڑی شڑی لگا دیتے ہیں۔ باقی پیسے لے آنا بعد میں دوسرا کام بھی ہو جائے گا تیرا، کچھ نہ کچھ دیکھ لیں گے۔"

"سر ٹھیک ہے آپ نام پتا پورا لکھ لیجئے۔" انوار علی نے کہا۔

رحمت اس کے بتائے ہوئے پتے کی تفصیل لکھنے لگا...... اس نے انور علی کا پتا بھی لکھا اور بدر الدین کا بھی، کافی دیر کے بعد یہ سلسلہ ختم ہوا تو انوار علی اٹھ گیا۔

"تو صاحب پھر کب بلا رہے ہیں؟"

"ایسا کرنا کل شام کو آجانا چھ بجے تیرے سامنے ہی کام کریں گے۔"

"ٹھیک ہے صاحب، کل چھ بجے آجاؤں گا۔" انوار علی نے کہا اور اس کے بعد وہ سلام کر کے چلا گیا۔

گل زمان ہنسنے لگا۔

❋

سخت مصروفیت رہی تھی...... ویسے تو اتنی لے دے نہ ہوتی اور نہ ہی اس طرح رات کام ہوتا لیکن ڈی آئی جی نادر حیات بڑے سخت گیر انسان تھے۔ کسی بھی مسئلے کو نظر انداز نہیں کر رہے تھے۔ حالانکہ یہ کوئی بہت اہم کیس نہیں تھا لیکن انہوں نے اسے بھی پوری اہمیت دی اور بذات خود اس سلسلے میں دلچسپی لے رہے تھے۔ شہاب کو انہوں نے براہ راست طلب کر لیا اور اس سے کہا تھا کہ اگر پولیس کی کارکردگی مسلسل ایسی ہی رہے تو وہ ان ہاتھ دھوئے جا سکتے ہیں جواب تک لگ چکے ہیں۔ انہوں نے طنزیہ انداز میں یہ بھی کہا تھا کہ اگر وہ اس قدر سخت گیری سے کام نہ لیتے تو شاید نواب گٹو کے قتل کا معاملہ اتنی برق رفتاری سے سرانجام نہ پاجاتا، بہرحال ایک کرم انہوں نے بے شک کیا تھا وہ یہ کہ ستار ٹنڈا سے انکشافات کے بعد اس کیس کو اپنے خصوصی سیل کے حوالے کر دیا تھا اور شہاب سے اس کی تمام رپورٹیں حاصل کر لی گئی تھیں۔ گویا اب جب یہ کیس آگے بڑھتا تب ہی اس سلسلے میں شہاب ثاقب کی ضرورت پیش آ سکتی تھی۔ ورنہ سارا کام ڈی آئی جی صاحب کا خصوصی سیل ہی کر رہا تھا...... شہاب نے بظاہر تو اس بات پر خوشی کا اظہار نہیں کیا لیکن دل ہی دل میں وہ بہت خوش تھا کہ کم از کم اس سلسلے میں زیادہ نہ گھسٹنا پڑے گا۔

دوسرے دن وہ معمول کے مطابق آفس پہنچا تو یہاں گل زمان کا ڈرامہ تیار تھا۔ احاطے میں کالا بکرا بندھا ہوا تھا۔ تمام لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ سلیوٹ کیا گیا اور اس کے بعد گل زمان نے آگے بڑھ کر کہا۔

"صاحب جی ایک تھوڑی سی تکلیف دینی ہے آپ کو۔"

"کیا یہ چوری کا بکرا ہے۔ کوئی نیا کیس درج ہوا ہے؟"

"ارے نہیں صاحب جی۔ یہ خرید کر لائے ہیں ہم لوگ۔"

چندہ کر کے آپ ذرا ایک منٹ کے لئے ادھر آؤ۔

"ہوں کیا بات ہے۔" شہاب نے پوچھا۔

"اس پر ہاتھ پھیر دو صاحب جی۔"

"کیوں کیا یہ یتیم ہے۔ ولدیت میں میرا نام لکھوا رہے ہو؟"

سب ہنس پڑے تھے...... گل زمان نے کہا۔ "صاحب جی آپ کا صدقہ دے رہے ہیں۔ نظر نہ لگ جائے آپ کو؟"

"کیا فضول بات ہے گل زمان۔"

"نہ جی نہ صاحب جی۔ مذہب کا معاملہ ہے ایسی بات مت کرو بس ذرا اس پر ہاتھ پھیر دو۔"

شہاب نے گل زمان کو بغور دیکھا...... پھر اچانک ہی اس کا موڈ بدل گیا۔ بکرے پر ہاتھ پھیر کر وہ وہاں سے ہٹ آیا تو گل زمان نے فیاض سے کہا کہ بکرا ذبح کر دے بکرا ذبح ہو گیا اور اسے کسی خیراتی ادارے بھجوانے کا بندوبست کیا جانے لگا۔ شہاب اپنے آفس میں آ کر بیٹھ گیا...... ابھی بیٹھے ہوئے دیر نہیں ہوئی تھی کہ فضل خان کا فون آ گیا۔

"تھانہ انچارج صاحب سے بات کرنی ہے۔ میں فضل خان بول رہا ہوں۔"

"کہئے خان صاحب سب خیریت تو ہے نا؟"

"او بھائی بس تیری مہربانی ہے۔ ہم تو تیرے غلام بن گئے اب تیرا کوئی کام کر کے ہمیں خوشی ہوگی۔ تیری ہوشیاری نے ہمیں بڑی مشکل سے بچا لیا۔ فون پر زیادہ لمبی بات نہیں کریں گے۔"

"بہت اچھا، چلئے فضل خان صاحب ہم آپ کے کسی کام تو آئے اور ہماری آپ کی تو یاد رہے گی۔ بعد میں شکریہ وغیرہ بھی ادا کر لیجئے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" فضل خان نے کہا اور اس کے بعد فون بند کر دیا۔

ابھی ٹیلی فون بند ہی کیا تھا کہ پھر گھنٹی بج اٹھی۔ اس بار ہیڈ کوارٹر میں طلبی تھی۔ ایس پی صاحب نے فوراً ہی بلایا تھا، چنانچہ شہاب اپنی جگہ سے اٹھ گیا...... گل زمان باہر ہی مل گیا تھا۔

"ارے سر آپ کہاں چل دیئے؟"

"ہیڈ کوارٹر جا رہا ہوں ایس پی صاحب کا بلاوا آیا ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے صاحب۔" شہاب اپنی گاڑی میں بیٹھ کر چل دیا۔

ہیڈ کوارٹر میں ڈی آئی جی نے کسی کیس کے سلسلے میں طلب کیا تھا۔ کچھ اور معلومات حاصل کرنی تھیں جو شہاب نے نہایت احتیاط کے ساتھ فراہم کر دیں۔ ڈی آئی جی بہت آدمی تھے۔ کسی ایسے آدمی پر بھروسا نہیں کر سکتے تھے جس نے اپنی جانب سے کوئی کارروائی نہیں کی تھی بلکہ اوپر کے دباؤ کی بنا پر اس نے فوری طور پر کیس کی تحقیقات ستارٹنڈا کا پتا لگا لیا تھا۔ ڈی آئی جی صاحب کا خیال تھا کہ ایسے افسروں پر بھروسا نہیں کیا جو بذات خود کسی کیس کے سلسلے میں برق رفتار اور ذمے داری کا مظاہرہ نہ کریں۔ انہوں نے اپنے اعتماد کے لوگوں کا ایک سیل قائم کیا جو ان کی خواہش کے مطابق کام کرتا تھا۔ شہاب بھی انہی بدعنوان افسروں کی فہرست میں تھا جو ہوتے تو ذہین ہیں لیکن اپنے مفادات کا ہمیشہ خیال رکھتے ہیں اور انہی کے مطابق کام کرتے ہیں۔ نادر حیات کی معلومات بھی اور ابھی وہ ایسے لوگوں کو تلاش نہیں کر پائے تھے جو ان کی مرضی کے مطابق ہوں۔ بہتر طریقہ یہی تھا کہ خود اپنے اعتماد کے لوگوں کا ایک سیل بنائیں اور اس سے کام کرائیں۔ ادھر سے فراغت حاصل کر کے شہاب گھر کی جانب ہی چل پڑا تھا اور اس وقت گھر آنا بہتر ثابت ہوا...... منشی حیات صاحب آئے ہوئے تھے اور انہوں نے میلہ لگا رکھا تھا۔ سب لوگ موجود تھے۔ البتہ دونوں لڑکیاں اندر تھیں۔ ان دنوں شہاب کی اہمیت گھر میں کافی بڑھ گئی تھی، کیونکہ اب وہی ذرا کماؤ پوت نظر آ رہا تھا۔

نعیمہ بیگم نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ ”اللہ عمر دراز کرے کتنی بڑی عمر ہے میرے شہاب کی۔ ابھی نام ہی لیا تھا...... آؤ شہاب۔“

شہاب سلام کر کے خاموشی سے بیٹھ گیا۔ ”کوئی اہم مسئلہ ہے بھائی جان؟“ اس نے فائق حسین سے پوچھا۔

”ہاں یہاں بہت اہم بات ہے۔“

”خیریت تو ہے نا؟“

”اب یہ منشی صاحب ہی بتائیں گے؟“

”میاں باقی لوگوں کو تو بتا چکے ہیں۔ اب تم بھی سن لو کہ دنیا اس قدر منافق ہو چکی ہے کہ انسان کی تمیز کرنا مشکل ہو گیا ہے اور پھر توبہ توبہ ایسا برا دور چل رہا ہے کہ انسان کی شناخت ہی ناممکن ہو گئی ہے...... وہ اصل میں عظمیٰ بیٹی کے لئے ہم نے وسیم احمد کا رشتہ

یہ بات کافی حد تک ہو گئی تھی لیکن پھر بھی میرے ذہن میں ذرا سی کھوج تھی کہ ماضی کا پتا لگاؤں تو میاں میں نے اپنا کام جاری رکھا اور کچھ ایسے انوکھے انکشافات ہوئے کہ میں تو دنگ رہ گیا۔ رشتے ناطے کا کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن صاحبزادے رنگ رسیا ہیں، کچھ شوق ہیں اور ان کے جن کے بارے میں کچھ خاص آدمیوں سے پتا چلا ہے۔ باقی سب کو تو انہوں نے شیشے میں اتار رکھا ہے۔ کسی شریف گھرانے میں شادی کر کے اپنی نسل بدلنا چاہتے ہیں۔ سو قسمتی سے ہم ان کے شکار ہو گئے اور یہاں رشتے لے آئے اب جبکہ یہ معلومات حاصل ہو گئی ہیں تو دیکھتے ہوئے مکھی کیسے نگلی جا سکتی ہے۔ یہ بتانے کے لئے آئے تھے شرمندہ ہیں کہ رشتہ ہم یہاں لائے تھے لیکن اب یہ بتا دینا ہمارا فرض ہے اور سوچنا تم لوگوں کا کام۔“

”ارے تو یہ ہے میں اپنی بچی کو کسی ایسے گھرانے میں دوں گی۔“ نعیمہ بیگم نے کہا۔

”آپ کا بہت بہت شکریہ منشی صاحب کہ آپ نے ہمارے بارے میں اتنا سوچا۔ بہت شکریہ۔“

”بھئی اب اجازت دو۔ زیادہ ہی دیر ہو گئی اب چلتے ہیں۔“

منشی حیات علی اٹھ گئے۔ سب نے ہاتھ ہلا کر انہیں رخصت کیا۔

شہاب نے گہری نگاہوں سے بھائی کو دیکھا اور بولا۔

”بھائی جان جلد بازی اچھی نہیں ہوتی اور اگر آپ کو اتنی ہی جلدی ہے تو پھر مراقبے کا سہارا لیا جائے۔ مرشد نے بہت کچھ سکھا دیا ہے ہمیں...... بہت کچھ دے دیا ہے۔ اجازت ہو تو ایک دو منٹ کا مراقبہ کر لیا جائے۔“

شہاب نے گلاس میں پانی لے کر کلی کی۔ وہیں آنکھیں بند کر کے بیٹھ گیا۔ سب بیزار نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے پھر پورے دو منٹ خاموشی سے گزر گئے اور اس کے بعد شہاب نے آنکھیں کھول دیں۔ ان سب کو حقارت آمیز نگاہوں سے دیکھا۔

”مرشد کہتے ہیں کہ منشی حیات صاحب کو ناپسند ہے اور منشی صاحب یہ رشتہ ختم کرانے کے درپے ہو گئے ہیں۔ آپ لوگ اگر مناسب سمجھیں تو اس سلسلے میں تحقیق کر لیں۔ سارا کھیل منشی حیات علی کا کیا ہوا ہے۔“

ثریا بیگم کا منہ بگڑ گیا۔ برے سے انداز میں بولیں۔ ”یہ صلہ ہے آج کل کسی کے ساتھ نیکی کرنے کا۔ اماں بی آپ دیکھ لیجئے یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ وہ میرے رشتے ہی کے سہی

ماموں تو ہیں اور پھر خلوص کے ساتھ ہمارے گھر رشتے لے کر آئے تھے اور خود ہی اپنی غلطی پر نادم بھی ہو رہے تھے۔ اب یہ تو بری بات ہے کہ ان پر ہی الزام لگا دیا جائے۔

"بھابی بیگم آپ کا یہ ناچیز غلام بہر حال مرشد کی صحبت میں رہا ہے اور یہ موقع دیا جائے ہے آپ کو کہ آپ خود تحقیق کر لیں۔ دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جائے گا اور میری رائے ہے کہ یہ رشتہ میری مرضی کے بغیر ختم نہ کیا جائے۔ آپ لوگ اس سلسلے میں اپنا حق نہ استعمال کریں ہاں اس حق کو اس شکل میں ضرور استعمال کر سکتے ہیں کہ جس طرح بھی آپ مناسب سمجھیں تحقیقات کر لیں۔ اچھا اماں بی۔ خدا حافظ...... جا رہا ہوں بہت سے کام کرنے ہیں۔"

شہاب نے کہا اور سلام کر کے گھر سے باہر نکل آیا۔ رُخ فتح محمد عرف فتو کے تھلے کی طرف تھا۔

دلی کی یادگار فتح محمد عرف فتو اپنے اینٹوں کے تھلے پر سیمنٹ کی بنی ہوئی جالیوں کی ترائی کر رہے تھے۔ ایک سمت پڑی ہوئی چھوٹی سی مڑھیا میں بچھی ہوئی چوکی پر مراد آبادی پٹاری رکھی ہوئی تھی۔

وردی میں ملبوس شہاب جب ان کے قریب پہنچا تو ہاتھ میں پکڑا ہوا پائپ جالیوں میں پھنسا کر فتح محمد نے مسکراتی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔

"چشم ما روشن دل ما شاد، ناوقت آ جاتے ہو تو جی اس طرح خوش ہو جاتا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ آؤ اندر آ جاؤ۔"

"آپ مصروف تھے مرشد۔"

"نہیں کوئی خاص مصروفیت نہیں تھی۔ یہ ماحول اپنا خاندان ہے اسی سے محبت اور لگاوٹ کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ سناؤ سب خیریت ہے نا؟"

"جی، ذرا کچھ دیر کی اجازت چاہتا ہوں۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں چلے جاؤ۔"

شہاب تھلے کے اس حصے کی جانب بڑھ گیا جہاں فتح محمد نے اپنا حجرہ بنا رکھا تھا۔ اس کے آگے بر آمدہ تھا۔ حجرے کے اندر کیا تھا؟ یہ باہر کے لوگوں کو نہیں معلوم تھا۔ شہاب اسی حجرے میں داخل ہو گیا۔ کوئی دس منٹ انتظار کرنا پڑا۔ اس دوران انہوں نے چولہے پر چائے کی کیتلی چڑھا دی تھی اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئے تھے۔ شہاب تھوڑی دیر کے بعد واپس آ گیا اور چارپائی پر بیٹھ گیا۔

"اتنے بڑے پولیس افسر کو کوئی اس چارپائی پر بیٹھے ہوئے دیکھے گا تو حیران ہو جائے گا۔"

"مرشد آپ کی محبت ہے۔ دماغ کھل رہا ہے۔ ایک عجیب گورکھ دھندہ ہے۔"

"بچے خیریت سے ہیں؟"

"جی، اب ذرا مطمئن ہو گئے ہیں کیونکہ انہیں فنڈ فراہم کر دیا گیا ہے۔"

"بڑی ذمے داریاں لے لی ہیں تم نے اپنے آپ پر شہاب۔"

"مرشد ایک نظریہ تھا جس کے تحت آغاز کیا تھا۔ آپ دیکھ لیجئے کارواں بنتا جا رہا ہے۔"

"وہ کیس ختم ہو گیا۔"

"تقریباً ڈی آئی جی صاحب جانتے ہیں کہ ہم بدکار لوگ ہیں۔ رشوت لیتے ہیں اور ہر ایک کے ہاتھوں فروخت ہو سکتے ہیں، چنانچہ اہم ذمے داریاں خود سنبھال لیتے ہیں اور وہ یہ ہمارے حق میں بہتر ہے۔ انہوں نے اپنا ایک سیل بنایا ہے۔ ابتدائی کارروائی اس لئے ہوئی کہ چوبیس گھنٹے کا نوٹس مل گیا تھا لیکن وہ جانتے ہیں کہ بعد میں جوڑ توڑ ہو کر سارا کھیل ختم ہو جائے گا۔ انہوں نے جوڑ توڑ کا سلسلہ بند کر دیا۔" شہاب ہنس پڑا...... فتح محمد بھی مسکرانے لگا تھا۔

"لگتا ہے سچ مچ کا ٹھیک آدمی ہے۔ ویسے ہوا کیا ان لوگوں کا، کس طرح اونٹ بٹھایا؟"

"اپنے نواب گٹو فضل خان کے منظور نظر تھے۔ جبار بیگ کا اشارہ تھا چنانچہ ہم نے جتنی رعایت ہو سکتی نواب گٹو کو دے دی لیکن وہ شخص اتنا غلیظ تھا کہ اس کی آزادی مناسب نہیں تھی۔ محلے کے معصوم لوگوں کو منشیات کی اسمگلنگ کے لئے مجبور کر دیتا تھا اور اگر نہ مانتے تھے تو ان کو قتل کرا دیتا تھا۔ پھر ان کی عورتوں کو منشیات کی فروخت کے لئے استعمال کرتا تھا۔ چنانچہ کام کرنا پڑا۔ ڈبل او گینگ سے فضل خان کا ٹرک چوری کرایا گیا اور نواب گٹو کو اطلاع دے دی گئی کہ مال آ رہا ہے۔ اسے اتار کر گودام میں پہنچا دے۔ دوسری اطلاع ستار ٹنڈا کو دی گئی کہ اس کے گودام سے جو مال لوٹا گیا ہے نواب گٹو کے اڈے پر اتر رہا ہے۔ بس پھر ستار ٹنڈا بھی دوڑا اور نواب گٹو کا تیاپانچہ ہو گیا۔ کم از کم محلّہ صاف ہوا اور بارہ دری کے علاقے میں امن و سکون کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ اب کسی نئے آدمی کو نہیں جمنے دوں گا۔ ادھر ایک اور دلچسپ کیس نکل آیا۔"

"وہ کیا؟" فتح محمد نے دلچسپی سے پوچھا۔

"اپنے قبلہ جبار صاحب کے داماد ناہید سلیمی ستار ٹنڈا کے ہاتھوں بلیک میل ہو رہے تھے۔ انہوں نے بھی اتفاق سے تھوڑے وقت پہلے ہی درخواست کی تھی کہ بلیک میلنگ کے خلاف کچھ کیا جائے۔ ستار ٹنڈا کے اڈے پر چھاپہ مار کر وہ بلیک میلنگ مواد بھی میں نے برآمد کر لیا اور اپنی تحویل میں رکھا ہے۔ اب اسے جبار بیگ کے حوالے کر دیا جائے گا۔"

فتح محمد حیرت اور دلچسپی سے منہ کھولے شہاب کی باتیں سن رہے تھے۔ اپنی جگہ سے اٹھے آگے بڑھے، شہاب کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لیا اور اس کی پیشانی چوم لی۔

"میاں سبحان اللہ، اللہ نے کیا عقل عطا کی ہے۔ آج تک کہا جاتا ہے کہ ایک تیر سے دو شکار لیکن اب تو یوں لگتا ہے جیسے تم نے ایک تیر میں بہت سے شکار پرو لئے ہوں۔ میاں لطف آ گیا مگر ایک بات تو بتاؤ یہ فضل خاں اور جبار بیگ جیسے آدمیوں کو کھلا چھوڑ دو گے۔ یہ جنگلی بچار تو نجانے کہاں کہاں سینگ مارتے پھریں گے۔"

"وقت کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ ابھی تو آغاز ہوا ہے۔ یہ لوگ تو زنجیر کی کڑیاں ہیں۔ ان کے ذریعے تو دوسرے منظر عام پر آئیں گے۔ ابھی سے انہیں محصور کر لیا تو دوسروں سے تعارف رہ جائے گا۔ ویسے بڑا دلچسپ سلسلہ ہے مرشد، زمانہ قدیم میں رؤسا مختلف شوق رکھتے تھے۔ بٹیر، مینڈھے اور تیتر لڑاتے تھے لیکن اس دور میں غنڈے لڑاتے ہیں۔ سب نے اپنے اپنے گروہ پال رکھے ہیں۔ ان کی سرپرستی کرتے ہیں اور ان سے اپنے کام لیتے ہیں۔ مرشد دلچسپ تجربات ہو رہے ہیں۔"

چائے پینے کے بعد شہاب نے ان سے اجازت طلب کر لی۔ فتح محمد، ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئے۔

❁

گل زمان کے کہنے پر فرید خاں، فیاض، جمال شاہ اور شمشاد بوڑھے بدرالدین کو پکڑ لائے۔ عمر رسیدہ آدمی تھے۔ بدن بس مناسب تھا۔ محنت مزدوری کا عادی ہونے کی وجہ سے ابھی تک قویٰ مضمحل نہیں ہوئے تھے لیکن صورت سے شریف آدمی معلوم ہوتا تھا۔ انوار علی پہلے ہی آ گیا تھا۔ اپنے سامنے بوڑھے سسر کی درگت بنتے دیکھنا چاہتا تھا۔ بہر حال بدرالدین کو گل زمان کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ بدرالدین کا چہرہ بری طرح اترا ہوا تھا۔ گل

زمان نے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔

"بڑے میاں اس عمر میں بد معاشی کرتے ہو۔ کم از کم عمر کا تو خیال کر لیا ہوتا۔"

"حضور کیا بد معاشی کی ہے میں نے۔ مجھے تو کچھ پتا نہیں۔"

"چرب زبانی سے کام لیتے ہو اور وہ بھی پولیس افسر کے سامنے۔ یہ کون ہے تمہارا اسے پہچانتے ہو؟"

"سرکار داماد ہے میرا۔"

"رشتوں کی شناخت بھی بھول گئے۔ بیٹی داماد کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہو۔ بیٹی کی زندگی خراب کرنے پر تلے ہوئے ہو۔ ہیں، تم اسے کیا تڑیاں دے رہے تھے۔"

"سرکار کیا میں تڑیاں دینے کی عمر رکھتا ہوں۔ میرا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ سرکار میں نے تو اسے بیٹے کا درجہ دیا تھا۔ بیٹی بیاہ دی تھی اس سے۔ اپنے جگر کا ٹکڑا کاٹ کر اسے دے دیا تھا پر سرکار خود سوچیں ابھی تو دو دو جوان بچیاں موجود ہیں میری۔ اللہ جانتا ہے راتوں کی نیندیں حرام ہیں ان کے لئے۔ حضور سر چھپانے کا یہی ایک چھوٹا سا ٹھکانہ ہے۔ یہ تو جوان ہے اگر محنت کرے گا تو اللہ اسے بہت کچھ دے گا حضور اس غریب کے چھوٹے سے ڈربے پر نظر لگائی ہے اس نے۔ اپنی بیٹی کے منہ سے سب کچھ اسے دے دوں پر میرا ابھی تو کوئی ٹھکانہ ہو۔"

"بڑے میاں ہم چاہتے ہیں کہ بات تم دونوں کے درمیان طے ہو جائے اس کا حق اسے دے دو بات ختم ہو جائے گی۔"

"کمال کرتے ہیں آپ، وہ گھر اس کا حق تو نہیں ہے۔ میں نے بیٹی کو جہیز دیا تھا اور میری جو اوقات تھی میں نے اسے دے دیا۔ اب یہ اپنا جھونپڑا اسے کیسے دے دوں۔ آخر میں اور میری گھر والی بھی تو ہیں۔ دونوں بیٹیوں کو رخصت کر دیا تو ہم دونوں کو بھی تو بڑھاپا کہیں نہ کہیں گزارنا ہو گا۔"

"اوئے تمہارا بڑھاپا تو میں گزار دوں گا اچھی طرح۔ شرافت سے باز آ جاؤ کیا فائدہ مار کھانے سے۔"

ابھی یہ سب جاری تھا کہ شہاب پہنچ گیا اور گل زمان سے ساری بات پوچھنے لگا۔ اس نے تمام باتیں تفصیل کے ساتھ شہاب کو بتا دیں۔ اب وہ اس بوڑھے بدرالدین کی طرف متوجہ ہوا۔ "بزرگوارم کیا کہتے ہیں آپ؟"

"میں ایک غریب آدمی ہوں اور یہ میرا داماد ہے۔ میرے گھر پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ بہت دن سے دھمکیاں دے رہا تھا۔ مجھے یہاں بلوالیا ہے۔" اس نے گل زمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "صاحب کہتے ہیں کہ میں شرافت سے گھر اس کے نام کر دوں۔ صاحب دو جوان بیٹیاں اور بھی ہیں میری کہاں جاؤں گا میں میری تو زندگی ہی مشکل ہو رہی ہے۔ یہ سوچ سوچ کر کہ اب میں اپنی بیٹیوں کا کیا کروں گا۔ اوپر سے مجھ پر یہ افتاد آ پڑی ہے۔" بوڑھا آدمی رونے لگا۔

"مکان تمہارے اپنے نام ہے؟" شہاب نے پوچھا۔

"سرکار پائی پائی جوڑ کر بنایا ہے۔ بیس سال سے اس گھر میں رہ رہا ہوں۔"

"بیٹا کوئی نہیں ہے؟"

"نہیں صاحب جی۔"

"اچھا ٹھیک تم اپنے گھر جاؤ بعد میں بات کر لیں گے۔"

بوڑھا چلا گیا تو اس کی نگاہیں انوار علی کی طرف اٹھ گئیں۔

"کیا کرتا ہے بھئی؟"

"جی وہ نوکری کرتا ہوں۔"

"کتنے افراد ہیں تیرے گھر میں اور تجھے کیا تنخواہ ملتی ہے۔"

"ہم صرف میاں بیوی ہیں۔ تنخواہ ڈھائی ہزار ہے اور کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔"

"گھر کا کرایہ کتنا ہے؟"

"سات سو جی۔"

"گزارہ ہو جاتا ہو گا باقی پیسوں میں دونوں میاں بیوی کا۔"

"جی اللہ کا فضل ہے۔"

"بڑے میاں کے گھر پر قبضہ جمانے کی فکر میں تھا؟"

"جی اس نے وعدہ کیا تھا۔"

"تجھے یہ نہیں معلوم کہ وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ دو بیٹیاں ہیں ان کی شادی بھی کرنی ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے جی پر اس نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔"

"ہوں، تو تجھے گھر چاہئے۔ اوئے رحمت علی ادھر آ بھئی اسے لے جا کے اندر ڈال دے ہم سالے بہت عمدہ گھر دیں گے۔" وہ انوار علی کو گھسیٹتے ہوئے اندر لے گئے۔

شہاب نے گل زمان کی طرف دیکھا۔

"آپ نے تو کمال ہی کر دیا ہم سے بات تو کر لیتے دس ہزار روپے کی آسامی ہے چار ہزار ایڈوانس دے چکا ہے کام کا بندہ ہے سر۔ پورے دس ہزار دے رہا تھا۔"

"گل زمان ایک بات سنو اور جو کچھ کہہ رہا ہوں اسے کانوں میں رکھو۔ پہلی بات تو یہ کہ میں اس تھانے کو روایتی تھانہ نہیں بنانا چاہتا تم لوگوں کا پیٹ میں بھر رہا ہوں نا پھر تمہیں یہ گندی حرکتیں کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ کتنی رقم کما چکے ہو اس وقت سے جب سے میں یہاں آیا ہوں۔ کم ہے جو اس طرح کے مظالم کرتے ہو اور جو کچھ میں نے کہا ہے اس کی پابندی ہونی چاہئے۔ کوئی مجرم ہے کسی کی ایف آئی آر لکھوائی جاتی ہے اسے گرفتار کر کے لاؤ۔ گرفتاری میں مزاحمت کرے تو تمہیں حق حاصل ہے کہ اس کے ساتھ سختی کرو اور اگر زیادہ اکڑفوں دکھائے تو اسے پکڑ کر یہاں لے آؤ اس کے بارے میں تفتیش کرو۔ اقبال جرم کرانے کا مسئلہ آ جائے تو اس کے لئے دوسرا طریقہ کار استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن کسی بھی شریف آدمی کو اس وقت تک جب تک کہ اس کا جرم ثابت نہ ہو جائے میرے تھانے میں اگر ایک تھپڑ تک لگایا گیا تو اس کی شکایت اوپر نہیں کروں گا، اس کی سزا میں خود دوں گا۔ ایک ایک شخص کو بلا کر یہ بات کہہ دو اور جو تیس مار خاں ہے اسے بھی اور اس وقت میرے سامنے لے آؤ بعد میں جو محکمہ جاتی کارروائی ہو گی وہ کر لی جائے گی سمجھ رہے ہو میری بات۔" گل زمان پھٹی پھٹی نگاہوں سے شہاب ثاقب کو دیکھ رہا تھا۔

"جی سر آپ کا حکم تو ماننا ہی ہے نا جی۔"

"انسان بنو گل زمان انسان، تم سرکاری آدمی ہو سرکاری بھیڑیئے بننے کی کوشش کیوں کرتے ہو۔ ہم سب گورنمنٹ کے ملازم ہیں کیا گورنمنٹ کے دوسرے دفتروں میں بیٹھنے والے عام انسانوں کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں برے لوگ بھی ہمارے درمیان آتے ہیں ان کے ساتھ سختی برتنی پڑتی ہے لیکن ایک طریقہ ہوتا ہے اس کا۔ یہ بوڑھا شریف آدمی مجرم تو نہیں تھا۔"

"سر غلطی ہو گئی۔"

"میں نے تمہارا ہاتھ نہیں روکا۔ تمہیں ہزاروں کے حساب سے ملتے ہیں کسی غریب آدمی کی جیب پر ڈاکہ ڈال کر کیا تمہارا ضمیر مطمئن ہو جائے گا۔"

"نہیں سر جی۔"

"مجھ سے کہو کیا چاہیے۔ مجھے بتاؤ تمہاری ہوس کی آگ کتنی قیمت سے پوری ہو سکتی ہے۔ میں بڑی مچھلیاں، پکڑوں گا تمہارے لیئے۔ تمہیں ان سے دلواؤں گا۔ میں فرشتہ نہیں ہوں فرشتہ بننا بھی نہیں چاہتا لیکن آدمی ہوں۔ آدمی پر ظلم نہیں دیکھ سکتا۔ خیال رکھنا گل زمان چیلنج کرتا ہوں، تمہیں اور اس وقت چونکہ اس تھانے میں تعینات ہوں اس لئے صرف تم لوگوں کو ہی چیلنج کرتا ہوں، کچھ نہیں بگاڑ پاؤ گے تم میرا اگر میں تم لوگوں کو زخمی کر کے باہر میدان میں ڈال دوں۔ دماغ ہے میرے پاس، بچ سکتا ہوں میں اپنے دماغ سے لیکن دوستی کی فضا قائم کرنے کے لئے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ کبھی کسی مظلوم آدمی سے ایک روپیہ مت لو اس کا حساب دینا پڑے گا، کم از کم اس وقت اس تھانے میں ذمے داری میری ہے۔ اس لئے جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہی آخری بات ہے۔"

شہاب ثاقب کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ گل زمان نے ان آنکھوں کو دیکھا اور نجانے کیوں اس کا بدن کانپ گیا۔

"خیال رکھوں گا سر۔"

"اور اب سنو یہ تمہاری ذمے داری ہے اس آدمی کو اتنا مارو کہ اس کے بعد یہ اس گھر کا خیال بھول جائے۔ اسے دو ہفتے رکھو۔ میں ذمے دار ہوں جواب دہی کروں گا۔"

"ٹھیک ہے سر جیسا آپ چاہتے ہیں ویسا ہی ہو گا لیکن وہ چار ہزار روپے ایڈوانس دیئے ہیں اس نے اس کا کیا کروں؟"

"وہ تمہارے ہیں۔ بانٹ لو آپس میں، کیونکہ اس آدمی نے دیئے ہیں۔"

"جی سر۔" گل زمان نے کھڑے ہو کر سلیوٹ کیا اور پھر کمرے سے باہر نکل گیا۔

شہاب سیٹھ جبار بیگ کی کوٹھی میں داخل ہو گیا۔ گیٹ پر کھڑے ہوئے ملازم سے جبار بیگ کے بارے میں پوچھا تھا اور اس نے کہا تھا کہ صاحب اندر موجود ہیں۔ وہیں پھر اس نے ایک اور ملازم کے حوالے کر دیا تھا اور ملازم اسے لے کر اندر داخل ہو گیا تھا۔ اس نے

ڈرائنگ روم کھولا اور شہاب کو بٹھا کر غالباً سیٹھ جبار بیگ کو اطلاع کرنے چلا گیا۔ شہاب خیالات میں ڈوبا ہوا بیٹھا تھا۔ کچھ تصورات ذہن میں تھے انہی کے تحت آیا تھا۔

جبار بیگ اندر داخل ہوئے اور دروازہ اندر سے بند کر کے شہاب کو بیٹھنے کا کہہ کر خود بھی بیٹھ گئے۔

"ہاں شہاب میاں میں تو بڑی بے چینی سے تمہارا منتظر تھا..... ایک بہت بڑا مسئلہ حل کیا ہے تم نے۔ کیا وہ بلیک میلنگ کا مواد لائے ہو؟"

"جی سر وہ آپ کی امانت۔" شہاب نے کہا اور فائل نکال کر جبار بیگ کے سامنے رکھ دیا۔

جبار بیگ بے صبری سے فائل پر جھک گئے تھے اور پھر تقریباً بیس منٹ تک وہ یہ بھول گئے کہ یہاں ان کے علاوہ بھی اور کوئی موجود ہے۔ فائل کا ایک ایک ورق چاٹنے کے بعد انہوں نے گردن اٹھائی۔ ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ وہ شہاب کو دیکھتے رہے۔

"تم نے یہ فائل پڑھ لی ہے۔"

"معذرت خواہ ہوں دیکھنی پڑی۔" شہاب نے جواب دیا اور جبار بیگ پر خیال انداز میں رخسار کھجانے لگے۔

"خیر تم بھروسے کے آدمی ہو۔ ویسے اسے میری امانت سمجھ کر نہ پڑھتے تو بہتر تھا۔"

"انسانی فطرت کا تجسس بھی آپ کے ذہن میں ہو گا۔ میں اپنے آپ کو اس سے باز نہ رکھ سکا۔" شہاب نے چالاکی سے کہا۔ جبار بیگ پر وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ ناہید سلیمی کا معاملہ اس کے علم میں آچکا ہے۔

جبار بیگ نے آنکھیں بھینچ کر زور سے سر جھٹکا اور بولے۔ "نہیں میں تم پر ہر طرح سے اعتماد کر سکتا ہوں۔ یہ معصوم صورت نظر آنے والے لوگ بعض اوقات اندر سے کس قدر مکروہ نکل آتے ہیں بہر حال ہم اپنے ہاتھ کٹا بیٹھے ہیں۔ اب تو بیٹی دے دی ہے کچھ کہہ بھی نہیں سکتے۔"

"ویسے سر اگر آپ غور کریں تو یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ ناہید سلیمی بھی اس سلسلے میں مکمل طور سے قصوروار نہیں ہے بلکہ ایک ایسا الجھا ہوا معاملہ ہے جس میں پھنسے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔"

"تو انسان اتنا بے وقوف کیوں ہوتا ہے آخر؟"

"خیر اب تو بات ختم ہو گئی۔"

"ہاں۔ تمہاری مہربانی سے یوں سمجھ لو کہ میری بیٹی کا مستقبل تباہ ہوتے ہوتے بچ گیا۔ ارے یہ فائل اس کم بخت ستار ٹنڈا کے ہاتھ سے کہیں اور بھی جا سکتی تھی۔"

"جی ہاں۔ وہ خطرناک بات ہوتی اور اگر نہ بھی جاتی تب بھی آپ غور کیجئے وہ اس کے سہارے ناہید سلیمی کو قلاش کر دیتا۔"

"تمہارا یہ احسان میں زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔ مجھے بے تکلفی سے بتاؤ اس کے صلے میں تمہیں کیا دوں میں۔"

"شرمندہ کر رہے ہیں آپ۔ آپ نے مجھے یہ ملازمت دلا دی ہے کیا یہ کم ہے۔ آپ ہی کا دیا آپ کو لوٹا رہا ہوں مگر آپ بضد ہیں تو میرے بھائی فائق حسین ناہید سلیمی صاحب کی فرم میں ملازمت کرتے ہیں۔ معمولی سی ملازمت ہے لیکن تعلیمی معیار ان کا بہت اعلیٰ ہے۔ اگر ان کے لئے کچھ کرنا چاہیں......"

"یہ ہوئی نا بات حالانکہ یہ کوئی مطالبہ نہیں ہے۔ یہ تو اگر تم ویسے بھی کہہ دیتے تو میں یہ کام کرا دیتا۔ بے فکر رہو۔ میں انہیں کوئی بہت اچھا عہدہ دلوا دوں گا۔"

"نوازش جناب بس اس سے زیادہ مجھے اور کسی چیز کی طلب نہیں ہے۔ آپ سے کچھ لینا اپنے آپ کو ذلیل کرنے کے مترادف ہے۔ اب میں اجازت چاہتا ہوں جناب۔"

شہاب کو خوشی تھی کہ فائق حسین کے لئے کچھ ہو جائے گا گھر ہی واپس آیا تھا کوئی ایسی اہم بات نہیں تھی۔ گھر میں عظمیٰ کے رشتے کے سلسلے میں ذرا سی اُلجھن تھی اور رات کے کھانے کے بعد پھر مجلس مشاورت بیٹھ گئی تھی۔

"ثریا کا کہنا ہے کہ منشی حیات علی پر الزام لگایا گیا ہے۔ وہ ایک مخلص آدمی ہیں بہرحال دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جائے گا لیکن اگر یہ الزام ثابت نہ ہوا تو ہمیں شرمندہ ہونا پڑے گا۔"

"قبلہ بھائی جان مرشد کا مرید ہوں اور مرشد جو کہتے ہیں غلط نہیں کہتے۔"

"بعض اوقات تم مجھے مشتعل کر دیتے ہو تم جس عقیدت سے اس احمق سے آدمی کا نام لیتے ہو اس پر مجھے غصہ آتا ہے۔ بس چرب زبان ہے اور کچھ نہیں ہے وہ۔"

"مرشد ہمیشہ ہماری بہتری کے خواہش مند ہیں۔ ابھی دو دن پہلے ہی کہہ رہے تھے کہ فائق بھائی کے لئے ایک چلہ کر رہا ہوں اور اگر چلہ کامیاب ہو گیا تو اسی فرم میں فائق بھائی کا

عہدہ اتنا بڑھ جائے گا کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"جی ہاں فرم والے احمق ہیں کہ زبردستی میرا عہدہ بڑھا دیں گے۔ ابھی بہت جونیئر ہوں میں۔"

"اگر ایسا ہو جائے بھائی جان تو کم از کم مرشد کی اہمیت تسلیم کر لیجئے گا۔" شہاب نے کہا اور فائق حسین منہ ٹیڑھا کر کے خاموش ہو گئے بہرحال اس کے بعد یہ سلسلہ گفتگو ختم ہو گیا تھا۔

❁

جبار بیگ پھر فرزایہ میں داخل ہو گئے۔ اسٹاف کو اچھی طرح معلوم تھا کہ سیٹھ جبار بیگ کی حیثیت کیا ہے۔ لوگ میزوں سے کھڑے ہونا شروع ہو گئے۔ جبار بیگ راستہ طے کرتے ہوئے ناہید سلیمی کے کمرے میں داخل ہو گئے۔ اندر ناہید سلیمی کے تین چار دوست بیٹھے ہوئے تھے۔ گپیں لگ رہی تھیں۔ خود ناہید سلیمی ریوالونگ چیئر پر نیم دراز دوستوں سے بڑے اچھے موڈ میں گفتگو کر رہے تھے۔ جبار بیگ کی صورت دیکھ کر بدحواسی سے سیدھے ہو گئے اور کھڑے ہو کر لکھنوی انداز سے سلام کرنے لگے۔ جبار بیگ نے اِدھر اُدھر بیٹھے ہوئے لوگوں کو دیکھا پھر بولے۔

"مشاعرہ ہو رہا ہے کیا؟"

"جج...... جی نہیں، بالکل نہیں ڈیڈی حضور۔"

"پھر یہ مجلس مشاورت کیوں جمع ہے؟"

"وہ...... مم...... ملنے آئے تھے۔"

"جائیے۔" جبار بیگ نے نگاہیں گھما کر کہا۔

وہ دوست جو مفت خورے تھے اور وقت ضائع کرنے کے لئے آجایا کرتے تھے، فوراً ہی اٹھ کھڑے ہوئے پہلے ایک ایک کر کے سب دروازے کی جانب بڑھے اور اس کے بعد اس طرح دوڑ لگائی کہ گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہو گئے۔ جبار بیگ کی آمد ناہید سلیمی کے لئے ہمیشہ ہی دھماکہ خیز ہوا کرتی تھی۔ انتہائی نکمے قسم کے آدمی تھے کچھ کرنا دھرنا نہیں آتا تھا جو کچھ تھا جبار بیگ ہی کے دم سے چل رہا تھا۔ جبار بیگ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئے۔

"کتنی بار میں نے تمہیں منع کیا ہے کہ دفتر میں دوستوں کو نہ بلایا کرو۔"

"خ..... خود آجاتے ہیں۔ خدا کی قسم..... مم..... میں کبھی نہیں بلاتا۔" ناہید سلیمی نے کہا۔

"ٹھیک ہے ان سب کے نام پتے مجھے نوٹ کرادو پولیس کو اطلاع دے دوں گا سب کو پکڑ کر بند کر دے گی۔"

"ب..... بہتر ہے۔" ناہید سلیمی جھونک میں بولے اور پھر ان کے حلق سے بھرائی ہوئی آواز نکلی۔

"ج..... جی۔"

"ہاں بے فکر رہو اس کے بعد ان میں سے کوئی یہاں نہیں آئے گا۔ دو تین تین سال کی سزا کرادوں گا۔"

ناہید سلیمی بوکھلائی ہوئی نگاہوں سے جبار بیگ کو دیکھنے لگے۔

"میں جانتا ہوں بری صحبت نے تمہیں یہاں تک پہنچایا ہے اور بہت افسوس کا مقام ہے کہ اصل میں مجھے تم سے کوئی غرض نہیں۔ میں تو اپنی بیٹی کے لئے افسردہ ہوں جو اب بیوہ ہونے جا رہی ہے۔" ناہید سلیمی پھر جبار بیگ کی بات سمجھنے کی کوشش کرنے لگے اور ایک بار پھر اُچھل پڑے۔

"کک..... کیا فرمایا ڈیڈی حضور۔ ب..... بیوہ تو اسے کہتے ہیں نا جس کا شوہر مر جاتا ہے۔"

"ہاں میں بے حد غمزدہ ہوں شاید میں اب تمہاری زندگی نہ بچا سکوں۔ جو جرم تم نے کیا ہے اس کے نتیجے میں دفعہ تین سو چودہ اور دو سو اکتالیس کے تحت تمہیں دس بارہ سال یا موت کی سزا بھی ہو سکتی ہے۔"

ناہید سلیمی کا رنگ فق ہو گیا۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے جبار بیگ کو دیکھنے لگے۔ جبار بیگ نے کچھ کاغذات نکال کر ان کے سامنے رکھ دیئے اور ناہید سلیمی کی آنکھیں گول گول گھومتی ہوئی ان کاغذات پر آ ٹکیں پھر وہ اس طرح اُچھلے جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ جھپٹا مار کر کاغذات اٹھا لئے اور بوکھلائی ہوئی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگے پھر انہوں نے کاغذات جلدی سے رول کر لئے۔

"برخوردار یہ نقول ہیں۔ اصل کاغذات پولیس کے پاس پہنچ چکے ہیں۔" ناہید سلیمی

دم نکلا جا رہا تھا۔ آہستہ آہستہ کرسی کی پشت سے جا ٹکے پھر ان کے منہ سے بھرائی ہوئی آواز نکلی۔

"پ..... پولیس۔"

"اس قدر نکمے آدمی ہو تم کہ بس میں اپنی تقدیر کو روتا ہوں۔ اپنی بھی نہیں بلکہ اپنی بیٹی کی تقدیر کو، میں کہتا ہوں یہ کیا کر ڈالا تم نے اور کیا تمہیں اس بات کا علم بھی نہیں ہے کہ ستار گرفتار ہو گیا ہے اس کے گھر پر چھاپہ پڑا تھا اور چھاپے میں یہ کاغذات بھی پولیس کے ہاتھ پہنچ گئے جن کے تحت وہ تمہیں بلیک میل کر رہا تھا..... کتنی رقم دے چکے ہو اسے؟" جبار بیگ نے پوچھا۔

ناہید سلیمی کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل سکی تھی۔ وہ تو بس پھٹی پھٹی آنکھوں سے جبار بیگ کو دیکھے جا رہے تھے۔

"کاغذات پولیس کے ہاتھوں لگ گئے۔ وہ تو اتفاق سے میرے کچھ مراسم ہیں۔ جب انہیں علم ہوا کہ اس جرم کے محرک تم ہو تو انہوں نے مجھ سے رجوع کیا۔ میں نے تمہاری گرفتاری کے لئے کچھ مہلت مانگ لی۔"

"گگ..... گر..... گرفتاری۔" ناہید سلیمی کے منہ سے نکلا۔

"جی ہاں۔ ظاہر ہے ان کاغذات کے تحت آپ کی گرفتاری تو یقینی ہے پھر مقدمہ چلے گا اور یہ دفعات تین سو دو میں بھی تبدیل ہو سکتی ہیں۔"

ناہید سلیمی کے چہرے پر ایسے آثار تھے جیسے بس چند لمحات کے بعد پھوٹ پھوٹ کر رو دیں گے۔

"خ..... خدا کی قسم..... مم میں نے کچھ نہیں کیا تھا۔ یہ سب برے دوستوں کی صحبت تھی اور کسی نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے۔ مم..... میں تو بے گناہ ہوں ڈیڈی حضور۔ میں نے کچھ نہیں کیا ہے" ناہید سلیمی باقاعدہ رونے لگی۔

جبار بیگ نے بوکھلا کر دروازے کی جانب دیکھا اور غرائے ہوئے لہجے میں بولے۔ "اندر بیٹھ کر روتے ہو۔ کوئی گھس آیا تو کیا ہوگا۔ انٹر کام اِدھر لاؤ" انٹر کام کا ریسیور اٹھا کر جبار بیگ نے سیکرٹری کو اطلاع دی کہ کسی کو بھی اندر نہ آنے دیا جائے۔

ناہید سلیمی بھوں بھوں کر کے رو رہے تھے۔ جبار بیگ اپنی بیٹی کو کوس رہے تھے جس

نے بڑے بڑے اچھے نوجوانوں کو چھوڑ کر اس گدھے کو منتخب کر لیا تھا۔

"او احمق، اس طرح ٹسوے نہ بہا۔ میں پوچھتا ہوں کتنی رقم دے چکے ہو اب تک؟"

"لل...... لاکھوں ڈیڈی حضور۔"

"باوا جان کی کمائی تھی نا جو لاکھوں لٹا دیئے...... بہر حال سنو میں نے ایک ذریعہ لگایا ہے جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پر کان دھرنا۔ تمہارے یہاں فائق حسین نامی ایک شخص کام کرتا ہے اسسٹنٹ منیجر بنا دو اور کچھ خصوصی انکریمنٹ وغیرہ دے دو۔ سمجھ رہے ہو میری بات۔"

"جج...... جی ڈیڈی حضور۔"

"یہ کام زیادہ سے زیادہ کل تک کر ڈالو۔ اگر کل تک یہ کام نہ ہوا تو یہ سمجھ لو کہ پولیس پرسوں تمہارے دفتر پر چھاپہ مارے گی۔ یہاں نہ ہو گے تو گھر پہنچے گی۔ کیا سمجھے اور اب باتھ روم میں جا کر منہ ہاتھ دھوؤ اور آرام سے بیٹھ جاؤ۔ خبردار گھر میں کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا اگر کرو گے تو خود ذمے دار ہو گے۔"

"ب...... بالکل نہیں کروں گا۔" ناہید سلیمی نے جواب دیا اور جبار بیگ اپنی جگہ سے اٹھ گئے پھر وہ اطمینان سے دروازہ کھول کر باہر نکل آئے تھے۔

❁

انوار علی کی حالت خراب تھی۔ اسے لاک اپ میں بند کر دیا گیا تھا۔ گل زمان تو سامنے نہیں گیا تھا لیکن اس کے اشارے پر فیض اور فرید خاں نے انوار علی کی ٹھیک ٹھاک ٹھکائی کر ڈالی تھی اور وہ بری طرح جھلایا ہوا تھا۔

ایک دن اچانک ہی انوار علی کو خوب دھمکیاں وغیرہ دے کر لاک اپ سے باہر کر دیا گیا اور اسے تنبیہہ کر دی کہ آئندہ بدرالدین کو تنگ نہ کرے۔ انوار خاموشی سے تھانے سے باہر نکل آیا۔ سوچنے لگا کہ چار ہزار تو گئے مگر جان بچ گئی۔

❁

فضل خاں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھا پھر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے تھے۔

"اوئے تھانے دار۔ او میرے یار۔ اوئے لگتا ہی نہیں ہے کہ تو وردی بھی پہنتا ہو گا

اور کسی فلم کا ہیرو لگتا ہے۔ او بیٹھ میرے یار۔ تو ایک آدھ دن اور نہ آتا تو میں خود ہی تیرے پاس پہنچتا۔"

شہاب فضل خاں کے ٹرانسپورٹ کے آفس کی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ فضل خاں نے قریب رکھی ہوئی گھنٹی پر ہاتھ مارا اور ایک آدمی اندر داخل ہو گیا۔

"سن بھئی دودھ پتی کی چائے اور ساتھ میں کچھ بسکٹ شسکٹ بھی۔ اپنا یار آیا ہے۔"

"بہت بڑا کاروبار ہے آپ کا لیکن آفس پر آپ نے محنت نہیں کی۔"

"او یار شہاب دنیا بڑی بری ہے بھئی۔ درمیانہ رہنا ٹھیک ہوتا ہے سمجھا کر۔"

"سمجھ رہا ہوں خاں صاحب۔"

"اور پھر واسطہ بھی ایسے ہی لوگوں سے پڑتا ہے۔ انہی جیسا رہنا پڑتا ہے۔"

"ہاں یہ بات تو ہے۔" شہاب نے پرخیال انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"تو نے تو بہت بڑی مشکل سے بچا لیا ہمیں۔ ہم تیرا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ بھئی اور ہاں تیری یہ امانت ہمارے پاس رکھی ہوئی ہے۔ لے بھائی پہلے اسے سنبھال لے۔"

فضل خاں نے میز کی نچلی دراز کا تالا کھولا اور اس میں سے پانچ پانچ سو کے نوٹوں کی پوری گڈی نکال کر اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر ہاتھ کے نیچے دبا کر شہاب کی جانب بڑھا دی۔

"ارے اس کی کیا ضرورت تھی خان صاحب۔ کام تو وہ ہوتا ہے جو بے لوث کیا جائے۔ دوستی میں پیسہ تو نہیں چلتا۔" شہاب نے نوٹوں کی گڈی لے کر اپنے کرتے کی جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

فضل خان ہنسنے لگا پھر بولا۔ "بھئی پیسہ تو ہر انسان کی ضرورت ہوتی ہے نا یہ دوستی کے راستے میں نہیں آنا چاہیئے اور پھر تیرا ہمارا کھاتہ تو اب کھلا ہے۔ جگہ جگہ ہمیں تیری ضرورت پڑے گی اور پھر ایسا یار جو بے لوث ہو کر کام کرے۔ سنا ہے اپنا یہ نیا ڈی آئی جی بڑی سختیاں کر رہا ہے اور پولیس والوں کو تنگ کر کے رکھ دیا ہے اس نے ہر آدمی الرٹ ہو گیا ہے۔"

"جی ہاں اس میں کوئی شک نہیں۔"

"اوئے ایسا برا وقت کبھی کبھی آ پڑتا ہے۔ پر یار زیادہ دن نہیں رہتا۔ کوئی نہ کوئی کبھی نہ کبھی اس کا تبادلہ کرا ہی دے گا۔ پر جب تک یہاں ہے بڑا نقصان کر جائے گا بھئی۔ تیرا کیا حال ہے؟"

"آپ کو پتا ہے نواب گٹو کے قتل کے سلسلے میں مجھے وارننگ مل گئی تھی۔"

"او بھئی یہی تو بڑی بات ہوئی ہے ویسے تو ہم نمٹ لیتے چھوٹے موٹے معاملے سے۔ ڈی آئی جی کی موجودگی میں جو کام ہوا ہے بھئی اس کا کوئی جواب نہیں۔ خیر تو ہم کہہ رہے تھے کہ تجھے ذرا ان دنوں ہمارا زیادہ ساتھ دینا پڑے گا۔ دیکھ کام تو نہیں روکا جاسکتا۔ پرانے کام ٹوٹ جاتے ہیں لیکن بس ذرا تو بھی ہوشیار رہنا۔ ہم بھی ہوشیار رہیں گے۔ کیا سمجھا۔"

"آپ فکر ہی نہ کریں خان صاحب۔ بس مجھے پتا چل جانا چاہئے کہ آپ کیا کر رہے ہیں؟"

"ہمیں بھی کوئی خدمت بتا بھئی تیرا کام کر کے بڑی خوشی ہوگی۔"

"کیا عرض کروں خان صاحب بس یوں سمجھ لیجئے کہ زندگی کے ساتھ بہت سے روگ لگے ہوئے ہیں۔ کچھ غریب رشتہ دار ہیں جن کے پاس کھانے تک کو نہیں ہے۔ آنکھیں لگائے رہتے ہیں ہماری طرف کہ ہم سی وچھ کر کے دیں۔"

"اوہ بھئی کسی کو نوکری شوکری چاہئے تو مجھے بتا دلوا دوں گا۔"

"خان صاحب، کوئینز اسکوائر میں آپ کا ایک پلاٹ پڑا ہوا ہے۔ کمرشل پلاٹ ہے۔ بڑی اچھی جگہ ہے وہ آپ جیسے لوگوں کی جائیداد کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہیں ہے۔ نجانے کہاں کہاں زمینیں پڑی ہوں گی یاد بھی نہیں ہوں گی آپ کو۔ جہاں میں رہتا ہوں ایک دفعہ آپ خود دیکھ لیجئے۔ آپ کو خود افسوس ہوگا کہ آپ کا یار ایسی جگہ رہتا ہے۔"

"اوئے وہ تو سب ٹھیک ہے مگر تجھے کوئینز اسکوائر کے پلاٹ کا کیسے پتا چلا؟" جواب میں شہاب ہنسنے لگا تھا۔

"خان صاحب یار کے مفادات کا خیال رکھنے کے لئے اگر یار کے بارے میں پوری معلومات نہ کی جائیں تو یاری پر لعنت۔"

"اوئے وہ تو ٹھیک ہے بھائی پر اتنی چھوٹی چھوٹی معلومات...... تو تو یہ بھی پتا لگائے گا کہ......" فضل خان جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہوگیا۔ چند لمحات سوچتا رہا پھر بولا۔ "مطلب کیا ہے تیرا؟"

"پلاٹ اگر ہمیں مل جائے تو ہمارے بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ نیچے ایک جنرل اسٹور کھول دیں گے اوپر رہائش بنا دیں گے۔ جگہ بھی ایسی نہیں ہے خان صاحب بہت زیادہ قیمتی ہو۔ ابھی تو اسے پوری طرح آباد ہونے میں بھی وقت لگے گا۔ تھوڑی بہت

آبادی ہے۔"

"ہوں۔" فضل خان نے گہری نگاہوں سے شہاب کو دیکھا۔ وہ مسمسی سی شکل بنائے بیٹھا ہوا تھا۔ پھر فضل خان ہنس پڑا۔

"اوئے پیارا آدمی ہے بدمعاش بھی ہے ہمیں بدمعاش لڑکے بہت پسند ہیں۔ چل ٹھیک ہے تو بھی کیا یاد کرے گا۔ پلاٹ تیرا ہوا۔ کاغذات نکلوا دیں گے اپنے نام رجسٹری کروا لینا اور کچھ بول۔"

"نہیں خان صاحب بڑی شرمندگی سے یہ بات کہی تھی مگر کیا کریں۔ دل کی بات دوستوں کے سامنے بیان نہ کریں تو پھر کیا کریں۔ کس سے کہیں۔"

"اوئے ٹھیک ٹھاک بندہ معلوم ہوتا ہے تو کما کھائے گا۔"

"پھر آدمی آجائے گا ہمارا...... رشتے کا ماموں زاد بھائی ہے پہنچ جائے گا۔ آپ پلاٹ اسی کے نام کرا دیں۔"

"ٹھیک ہے اب وہ تیرا ہوا۔ ہم زبان کے پکے ہیں جو کہیں گے وہ ضرور کریں گے مگر تجھے بھی ہمارا پورا پورا خیال رکھنا ہے۔"

"جان حاضر ہے آپ حکم دے کر دیکھیں۔"

اتنی دیر میں چائے اور بسکٹ آگئے۔ شہاب نے چائے پی اور اس کے بعد فضل خان صاحب کو سلام کر کے باہر نکل آیا۔

وہاں سے نکل کر وہ تھانے کی طرف ہی چل پڑا تھا۔ حالانکہ سادہ لباس میں تھا لیکن کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی۔ ہاں جب بڑے افسروں کا گشت ہوتا ہے تو ذرا وردی وغیرہ کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ ویسے بھی اس نے ایک نئی وردی تھانے میں ہی رکھوا دی تھی تاکہ ایمرجنسی میں ضرورت پیش آجائے تو اسے استعمال کر لیا جائے۔ گل زمان اور تھانے کا پورا عملہ موجود تھا۔ تھوڑا بہت کام بھی ہو رہا تھا۔ شہاب کی طرف سے ہدایت تھی کہ اگر تھانے کو بری نگاہوں سے محفوظ رکھنا ہے تو اس کے روزنامچے اور اندراجات پورے ہونے چاہئیں۔ ان میں کوئی کوتاہی ہوئی تو پھر وہ کسی کی کوئی مدد نہیں کر سکے گا، جو اصل اس نے وضع کر دیئے تھے وہ اس لئے کامیابی سے چل رہے تھے کہ وہ خود عملے کا پورا پورا خیال رکھتا تھا۔

تھانے کی عمارت میں اس کے سادہ لباس میں آمد کو دلچسپی کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ ویسے

بھی عملے کے ساتھ اس کا انداز دوستانہ ہوا کرتا تھا۔

"اچھا بھئی ذرا یہ کچھ حساب کتاب کر لو۔ فضل خان سے ملاقات کر کے آرہا ہوں۔" شہاب نے جیب سے پچیس ہزار کی گڈی نکال کر سامنے رکھ دی۔

گل زمان چکرائی ہوئی آنکھوں سے نوٹوں کی اس موٹی سی گڈی کو دیکھنے لگا۔ اس کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا تھا۔

"اٹھالو۔ میں نے تم سے کہہ دیا تھا کہ ضرورتیں پوری کرنا میرا کام ہے۔ آسامیاں میں تلاش کروں گا تم نہیں تلاش کرو گے۔ وہ اس لڑکے کا کیس نمٹ گیا۔"

"جی۔ صبح کی حاضری لگوادی ہے اس کی ٹھیک ٹھاک بندہ ہو گیا ہے اور بھی سمجھادیا ہے۔"

"تھانے میں سادہ لباس میں پچیس ہزار روپے کے نوٹوں کی گڈی جیب میں رکھ کر بیٹھے رہنا کتنا خطرناک ہے گل زمان۔ اس کا اندازہ تمہیں ہونا چاہئے اور یہ بھی اچھی طرح سمجھ لینا کہ یہ رقم جیبوں میں رکھنے کے لئے نہیں ہوتی اپنا اپنا حصہ کرو اور جس طرح بھی ہو اسے ٹھکانے لگادو۔ تھانے میں ہمیں پاک وصاف ہی رہنا چاہئے ورنہ اینٹی کرپشن والے کسی کے یار نہیں ہوتے۔ میری بات سمجھ گئے نا؟" شہاب نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔

"سر جی بالکل سمجھ گئے۔"

"اچھا تو میں چلتا ہوں۔ خدا حافظ۔"

شہاب نے کہا اور تھانے کی عمارت سے باہر نکل آیا۔

اس وقت بھی سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ شہاب بھی اپنے آفس میں بیٹھا ایک پرانی فائل کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ خوش قسمتی سے اس وقت لاک اپ میں ایک بھی قیدی موجود نہیں تھا۔ روزنامچہ کئی دن سے صاف تھا۔ یہ کیس تھانے کی بہت بڑی کامیابی ہوتی ہے کہ اس کے علاقے میں جرم نہ ہو۔ نواب گٹو سے علاقہ پاک ہونے کے بعد تو یہاں کے باشندے بڑے خوش اور مگن نظر آرہے تھے اور نئے تھانہ انچارج کو دعائیں دیتے تھے۔

نووارد سلک کے قیمتی کرتے میں ملبوس تھا۔ سفید شلوار، پشاوری چپل۔ تنومند اور توانا۔ گلے میں سونے کا بٹن لگے ہوئے کالر میں آیا تھا۔ اس لئے باعث عزت تھا۔ دروازے پر کھڑے ہوئے ڈیوٹی کانسٹیبل نے سامنے سے نظر آنے والے آفس میں اشارہ کیا اور سب لوگ مستعد ہو گئے۔ گل زمان اپنی میز کے پیچھے سے اٹھ کر باہر نکل آیا۔ نووارد اس درمیان سیڑھیاں عبور کر کے کانسٹیبل کے پاس پہنچ گیا تھا۔

"انچارج صاحب ہیں کیا؟" اس نے سوال کیا۔

"جی سر۔ موجود ہیں۔" گل زمان نے کہا اور شہاب کے کمرے کی طرف لئے چل دیا۔

شہاب نے عزت سے اسے بیٹھنے کی پیش کش کی اور نووارد شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔

"ہمارا نام غلام شاہ ہے۔ آپ کے پاس ایک ضروری کام سے آئے ہیں۔ آپ ہی کے علاقہ کا ہوں۔ ویسے آپ رئیس احمد خان کو تو جانتے ہی ہوں گے؟"

"ابھی سارے رئیسوں سے ہمارا تعارف نہیں ہوا ہے لیکن یقیناً وہ کوئی بڑے ہی آدمی ہوں گے۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا اور غلام شاہ خواہ مخواہ ہنسنے لگا۔

"ایسے ویسے بڑے ان کا بڑا کاروبار ہے۔ بڑی دولت ہے اللہ کی دی ہوئی تو خیر ہم آپ

کو یہ بتا رہے تھے کہ ہم رئیس خان صاحب کے منیجر ہیں۔ بات اصل میں یہ ہے جی کہ وہ کہتے ہیں ناکہ عزت دار اپنی عزت سے ڈرتا ہے اور ننگا سمجھتا ہے کہ وہ اس سے ڈر گیا۔ ایک چھوکرا ہے سات سال کی قید کاٹ رہا ہے۔ اس محلے میں رہتا ہے، بس جی کچھ بدمعاشی کر رہا ہے، ذرا اسے بھگتنا ہے انچارج صاحب۔ سات سال کی قید کیا کاٹ آیا اپنے آپ کو تیس مار خان سمجھنے لگا ہے۔"

"نام پتا لکھوا دیں اس کا۔ گل زمان لکھو۔" شہاب نے ایک پیڈ اور پین اس کی جانب بڑھا دیا اور گل زمان لکھنے لگا۔

"کچھ نہیں صاحب جی۔ اب جیل سے نکلا ہے سات سال کے بعد کمائی کرنا چاہتا ہے۔ تڑیاں دے رہا ہے۔ خاص طور سے ہمارے رئیس احمد خان کو۔ ویسے ابھی براہ راست تو کچھ نہیں کہا ہے لیکن رئیس صاحب کو خطرہ ہے کہ وہ ان کے ساتھ کوئی بدتمیزی نہ کرے۔"

"بلاوجہ؟" شہاب نے حیرت سے پوچھا۔

"او صاحب جی وجہ بس یہی کافی نہیں ہے کہ سات سال کے بعد جیل سے رہا ہو کر آیا ہے۔ او جی کوئی نئی واردات بھی کر سکتا ہے۔"

"سات سال تک وہ کس چکر میں جیل میں تھا؟"

"اپنے باپ کو قتل کر دیا تھا۔"

"ہیں!" شہاب چونک کر بولا۔

"ہاں جی۔ بعد میں بے چاری ماں نے خود کشی کر لی تھی...... اس غم میں کہ شوہر مر گیا اور بیٹا جیل چلا گیا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ تنہا ہے۔"

"نہیں جی دوسرے لوگ بھی اس گھر میں رہتے ہیں۔ شاید مرد نہیں ہے کوئی۔ عورتیں عورتیں ہیں۔ اب دیکھئے ناکسر تو پوری کرے گا۔ وہ سات سال کی قید کی۔"

"قتل کہاں ہوا تھا۔ کہاں مارا تھا اس نے اپنے باپ کو اور کیا اس کی وجہ معلوم ہے؟"

"اتنی ساری تفصیل تو ہمیں نہیں معلوم پر قتل رئیس احمد خان کی کوٹھی میں ہوا تھا۔"

"ہوں، گل زمان لکھ رہے ہو؟"

"جی سر۔" گل زمان نے کہا۔

"او بھائی یہ بیان نہیں دے رہا میں اپنا۔ یہ تو ہماری ذاتی بات چیت ہے۔"

"ہم ذاتی طور پر ہی لکھ رہے ہیں شاہ صاحب۔ ذرا پوائنٹس تو نوٹ کرنا ہوتے ہیں ناں جی۔"

"اچھا اسے کوئی بیان مت بنانا۔ میں اس پر دستخط وغیرہ نہیں کروں گا۔"

"نہیں اس کی تو کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ آپ جیسے بڑے آدمیوں کی زبان ہی دستخط ہوتی ہے۔"

"زبان بھی ہماری نہیں استعمال کرنی۔ علاقے میں امن قائم کرنا تم لوگوں کا کام ہے اور تم لوگوں کو خوش رکھنا ہمارا کام ہے۔" آخر میں غلام شاہ مسکرایا اور اس کے ساتھ ہی گل زمان کے چہرے پر بھی مسکراہٹوں کے پھول کھل اٹھے۔ ان الفاظ کا مطلب وہ اچھی طرح سمجھتا تھا۔

"جی شاہ صاحب تو اس کے باپ کا قتل اس کے ہاتھوں ہوا اور رئیس کی حویلی میں مگر اس کا باپ رئیس کی حویلی میں کیا کر رہا تھا؟"

"وہ ان کا ڈرائیور تھا۔ کمال بیگ نام تھا اس کا۔"

"پتا چلا کہ قتل کیوں ہوا؟"

"نہیں صاحب جی اتنا نہیں پتا بس باپ بیٹے میں کوئی چکر چل رہا ہو گا۔ باپ آیا تھا رئیس احمد خان صاحب کے پاس۔ بس لڑکا آ گیا پیچھے سے۔ آنے کے بعد باپ سے کوئی تو تو میں میں ہوئی سر پر کوئی وزنی چیز مار کر اسے ہلاک کر دیا۔ پولیس کیس تھا جی آپ کے پرانے ریکارڈ میں ہو گا۔ سات سال کی سزا ہوئی تھی عمر بھی اس وقت چودہ پندرہ سال کی تھی اس کی جوان تو اب ہوا ہے بچہ جیل میں تھا۔"

"تو اب وہ رئیس سے کیا کہتا ہے؟"

"کہتا تو کچھ نہیں ہے ابھی لیکن خان صاحب کو خطرہ ہے کہ وہ ان کا پیچھا کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"اس کی کوئی وجہ تو ہو گی غلام شاہ؟"

"صاحب جی آپ گورنمنٹ کے ملازم ہو اور ہم ایک بڑے آدمی کے نوکر ہیں۔ مالک اور نوکر کے درمیان فاصلہ تو ہوتا ہی ہے نا۔ بس انہوں نے ہمیں بھیجا ہے کہ ہم آپ

ہوشیار کردیں کہ انہیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ میرے علاقے کے کسی رئیس کو کوئی نقصان پہنچے۔" شہاب نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"شکریہ جی شکریہ۔ انہوں نے آپ کے لئے ایک تحفہ بھیجا ہے۔" غلام شاہ نے جیب سے سو سو کے نوٹوں کی دو گڈیاں نکال کر اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر شہاب کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔

"رشوت نہیں ہے جی۔ بس تحفہ۔"

"خیر تحفوں کے لین دین سے محبتوں میں اضافہ ہوتا ہے آپ ان سے ہمارا شکریہ ادا کردیجئے اور کہہ دیجئے کہ فکر نہ کریں۔ مجال ہے کسی کی کہ اتنے بڑے آدمی کے خلاف کوئی کام کرے۔"

"شکریہ۔ اب ہمیں اجازت دو۔"

"اچھا شاہ صاحب خدا حافظ۔" شہاب نے کھڑے ہو کر غلام شاہ سے ہاتھ ملایا اور غلام شاہ مونچھوں پر تاؤ دیتا ہوا باہر نکل گیا۔

گل زمان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ شہاب نے اسے دیکھا اور ایک گڈی کو اسٹرائیگر پر نشانہ لگانے کے انداز میں آگے کھسکا دیا۔ گل زمان نے جلدی سے گڈی اٹھا کر جیب میں رکھ لی تھی۔

"تقسیم تو ایمانداری سے ہو رہی ہے نا؟" شہاب نے دوسری گڈی جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

"اور سر جی یہ جتنے یہاں موجود ہیں یہ سارے کے سارے پرانے گھاگ ہیں۔ ایک ایک بات پر نظر رکھتے ہیں۔ ویسے جب ایمانداری کا کام ہو رہا ہے تو پھر بھلا بے ایمانی کی کیا گنجائش ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" شہاب نے کہا۔

"اب بتایئے اس سلسلے میں کیا کرنا ہے؟" گل زمان نے فوراً پوچھا۔

"ہاں۔ میں انتظار کر رہا تھا کہ تم یہ سوال کرو۔ اب یوں کرو کہ یہ بیس ہزار روپے حلال کرنے کے لئے لڑکے کو بلانا تو پڑے گا یہاں تھانے میں۔ بات چیت بھی کرنا پڑے گی اس

سے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی تم یہ بھی کرو کہ ذرا اس کا بیک گراؤنڈ معلوم کرو۔ ریکارڈ سے جمال بیگ کا فائل منگواؤ جلدی۔ اس کے ساتھ ہی تم بذات خود خفیہ طور پر اس کے حالات بھی معلوم کرو۔ مجھے کب رپورٹ دو گے؟"

"سر جی کام تو پھرتی سے ہونا چاہئے۔"

"میرا خیال ہے یہ بیس ہزار تو ایڈوانس ہیں۔ باقی بھی کچھ کمائی ہو جائے گی۔"

"جی صاحب ضرور۔"

رحمت علی نے تھوڑی ہی دیر کے بعد سات سال پہلے کا وہ فائل نکال کر شہاب کے سامنے رکھ دیا اور شہاب فائل میں درج شدہ تفصیل پڑھنے لگا۔

کمال بیگ رئیس احمد خان کا ملازم تھا اور اس کا بیٹا جمال بیگ جو کمال بیگ کا اکلوتا بیٹا تھا سکول میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ میٹرک کا آخری پرچہ تھا اس کا جس دن وہ رئیس کے گھر گیا اور اس کے بعد اس نے وہاں اپنے باپ کو قتل کر دیا۔ اس کی کچھ تفصیلات بھی درج تھیں جن پر کافی دیر تک شہاب غور کرتا رہا تھا اور اس کے بعد گردن ہلا کر پرخیال انداز میں اس نے فائل بند کر دیا تھا۔ اس کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔ کچھ دیر کے بعد اس نے رحمت علی کو بلا کر فائل اس کے حوالے کر دیا۔

"اسے اپنے پاس محفوظ رکھو۔ دوبارہ ضرورت ہوگی۔" اس نے کہا۔

❁

فردوس دالان کے تخت پر بیٹھی ہوئی مشین چلارہی تھی۔ کم بخت مشین ان دنوں بہت پریشان کررہی تھی۔ بار بار دھاگہ ٹوٹ جاتا تھا۔ سارے جتن کر کے دیکھ لئے تھے۔ اس نے جمیلہ کو آواز دی جو باورچی خانے میں کچھ کام کررہی تھی اور جمیلہ اس کے پاس آگئی۔

"جمیلہ یہ کم بخت اس طرح دھاگے توڑ رہی ہے کہ سارے کپڑے خراب ہوئے جارہے ہیں۔ اب بتا کیا کروں؟"

"اچھا باجی میں دیکھتی ہوں۔" جمیلہ نے کہا اور فردوس مشین کے پاس سے ہٹ گئی۔

"آپ ذرا چولہا دیکھ لیں دال چڑھی ہوئی ہے پانی کم ہو گیا تو ذرا سا ڈال دیجئے۔"

"میں جارہی ہوں۔" فردوس نے کہا اور دالان سے باہر قدم رکھے ہی تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی اور فردوس چونک کر رک گئی۔

"کون آگیا؟" اس نے کہا اور دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ دروازہ کھولا باہر دیکھا تو ایک جوان رعنا کو کھڑے پایا۔ زیادہ عمر نہیں تھی۔ نیا نیا جوان ہوا تھا۔ باریک مونچھیں، آنکھوں میں چیتے جیسی چمک، جسم بھی بڑا تندرست و توانا۔ وہ ایک لمحے کے لئے جھجک گئی۔ زیادہ عمر نہیں تھی اس کی بھی۔ زندگی کے اٹھائیس انتیس سال طے کئے تھے جمیلہ اس سے پانچ سال چھوٹی تھی لیکن ان اٹھائیس انتیس سالوں کو بھی اس نے پچاس سالوں کی شکل دے دی تھی ایسا حلیہ بنائے رکھتی تھی کہ لوگ یہ بھول جائیں کہ ابھی وہ جوان ہے۔ فردوس کی جھجک دیکھ کر نوجوان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ پھوپو واہ دنیا بھر میں لوگ ایسے ہی کہتے پھرتے ہیں کہ خون کو خون پہچان لیتا ہے۔ یا تو تمہارا خون ختم ہو گیا ہے یا پھر آگے کیا کہوں؟"

"پھپ...... پھپ...... پھپ۔" فردوس کے منہ سے نکلا...... پھر اچانک ہی اس کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکلی اور وہ لہرانے لگی۔

اس کی آنکھوں میں جمال کے نقوش تازہ ہو گئے تھے ہاں۔ پندرہ سال کا وہ چھوٹا سا لڑکا، دبلے پتلے بدن کا مالک لیکن نہایت ذہین جو میٹرک کے امتحان کا آخری پرچہ دے کر آیا تھا اور وہی دن ان لوگوں کی خوشیوں کا آخری دن تھا اور اب یہ...... یہ...... جوان نے آگے بڑھ کر جلدی سے اسے سنبھال لیا ورنہ وہ گر پڑتی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ابل رہے تھے۔ آواز بھنچی ہوئی تھی۔ جمیلہ کو کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی خاص بات ہو گئی ہے۔ نگاہ اٹھا کر سامنے دیکھا اور ایک عجیب منظر پا کر ہول گئی۔ ایک جوان شخص نے فردوس کو پکڑا ہوا تھا اور فردوس اس کے بازو میں جھول رہی تھی۔ جمیلہ ہائے اللہ کہہ کر تخت سے کود پڑی وہ کچھ اور نہ سمجھی تھی۔

"پھوپو سنبھالو خود کو۔ دروازہ بند کر دوں باہر سے کوئی گزرنے والا دیکھے گا تو کیا سوچے گا؟"

جمیلہ بھی حیران رہ گئی لیکن اس کی نگاہ شاید فردوس سے زیادہ تیز تھی، اس نے فوراً ہی جمال کو پہچان لیا اور دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔

"جمال میرا بھیا میرا بیٹا۔" اس نے بے اختیار کہا اور جمال نے دونوں پھوپیوں کو بازوؤں میں بھینچ لیا۔

فردوس کو یوں لگا تھا جیسے اس کی مشین نے اچانک دھاگا توڑنا بند کر دیا ہو۔ سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہو۔ وہ ان دونوں کو سنبھالے ہوئے آگے بڑھا اور انہیں تخت پر بٹھا دیا پھر اس نے گہری نگاہوں سے پورے گھر کا جائزہ لیا اور ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ تخت کے سامنے پڑی ہوئی چارپائی گھسیٹی اور اس پر بیٹھ گیا۔

"تم لوگوں کو تو پتا بھی نہیں ہو گا کہ میں زندہ ہوں یا مر گیا۔ کیوں پھوپو کبھی دل نہیں چاہا میری خبر لینے کے لئے۔"

دونوں کی آنکھوں سے آنسو کی جھڑی لگی ہوئی تھی اور آوازیں حلق میں بھنچی ہوئی تھیں۔

"کیسی گزر رہی ہے۔ میں تمہیں بتا دوں سزا ختم ہو گئی ہے اور رہا ہو کر آگیا ہوں۔ ٹھیک ہے تم لوگ اپنے حالات کی وجہ سے مجھ سے ملنے نہیں آسکیں، پڑوس کے کسی آدمی کو

تو بھیج سکتی تھیں۔ یہ بھی نہ ہوا تو اتنا تو کر سکتی تھیں کہ میرے قید کے دن یاد رکھتیں۔ پھوپو سات سال پورے ہوگئے۔"

"اللہ اللہ۔" فردوس کے ہاتھ آسمان کی جانب اُٹھے اور اس سے آگے کوئی آواز اس کے منہ سے نہیں نکل سکی۔ کوئی یقین کرنے کی بات تھی دو لاوارث عورتیں سارے جہاں سے خوفزدہ اس احساس کا شکار کہ کوئی بھی لمحہ برا لمحہ ہو سکتا ہے۔ دونوں کنواریاں، دونوں ہر طرح کے سائبان سے محروم پڑوسیوں کے رحم و کرم پر سلائی کر کے روٹیاں کھانے والی زندگی کی ہر ضرورت سے لاچار انہیں کوئی ایسی شخصیت مل جائے پندرہ سال کا بچہ تھا جب جیل گیا تھا۔ ماں باپ اس طرح چٹ ہوگئے تھے کہ سننے والوں کو یقین نہ آئے کیا ہوا تھا۔ کیسے ہوا تھا یہ ایک الگ کہانی تھی لیکن اس کے بعد ان دونوں پر جو بیتی وہ بہت بری تھی۔ ان کے لئے ہر شخص اپنے آپ ہی سے روشناس ہوتا ہے۔ دوسروں کی لگی کوئی کیا جانے بھلا۔ ان میں اتنی سکت کہاں تھی کہ کسی طرح یہ معلوم کرتیں کہ بھتیجا کس حال میں ہے۔ جاتا کون، جیل کا تو نام ہی بھیانک ہوتا ہے اور پھر جیل تو ایسے لگے ہے ان جیسوں کو جیسے آسمان پر ہو۔ بھلا آسمان پر جا کر بھی کسی کا حال معلوم کیا جا سکتا ہے۔ یہ تو سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ اب زندگی میں کبھی جمال کا چہرہ بھی نظر آئے گا۔

یہ تو ایک اضافی کردار تھا جو اچانک ہی ان دونوں کی زندگی میں آکر شامل ہو گیا تھا لیکن عجیب و غریب احساسات لئے ہوئے جمال اپنے شکوے کر رہا تھا اور وہ دونوں خاموش بیٹھی ٹکر ٹکر اسے دیکھ رہی تھیں۔ دیکھ کہاں رہی تھیں محسوس کر رہی تھیں۔ آنکھوں کی دُھندلاہٹیں ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی تھیں جو آنسو ان آنکھوں سے بہہ رہے تھے وہ ماضی کی کہانیوں سے لبریز تھے۔ کمال بیگ بھائی تھا ان کا چھوٹی چھوٹی عمریں تھیں جب ماں باپ مرگئے تھے کمال بیگ نے سب کچھ کیا ان کے لئے ان کی پرورش میں اس نے کوئی کسر نہ چھوڑی اور پھر فردوس ہی نے زبردستی کمال بیگ کو شادی کے لئے مجبور کر دیا۔

ایک شناسا گھرانا تھا اس کا جس کی فرد شاہدہ تھی۔ وہ شاہدہ کو اپنی بھاوج بنا کر لے آئی اور شاہدہ نے بھی محبت نبھادی۔ ان دونوں کے ساتھ رویہ سگی بہنوں کی مانند رکھا۔ پھر جمال پیدا ہوا اور ان دونوں پھوپیوں کو جیسے جنت مل گئی۔ کمال بیگ ڈرائیور تھا اور ایک شخص رئیس احمد خان کے یہاں گاڑی چلانے پر ملازم تھا۔ زندگی کی گاڑی چل رہی تھی۔ آمدنی اتنی نہیں

تھی کہ کمال بیگ بہنوں کے لئے کچھ جمع کر سکتا۔ اولاد بھی قدرت نے ایک ہی دی تھی۔ شاہدہ ہر طرح سے تعاون کرتی تھی۔ وہ کیچڑ کا گلاب تھی حالانکہ خود بھی معمولی گھرانے سے تعلق رکھتی تھی لیکن اللہ نے شکل و صورت ایسی دی تھی کہ جو دیکھتا تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ خیر یہ ایک الگ مسئلہ تھا۔ بڑا مسئلہ تو گھر میں موجود تھا۔ فردوس جوانی کی ان منزلوں سے گزر گئی جو آرزوؤں اور امنگوں کی منزل ہوا کرتی ہے۔ اس کے اندر پختگی اور ٹھہراؤ آگیا تھا۔ جانتی تھی کہ بھائی کی اتنی حیثیت نہیں ہے کہ اسے اس کا گھر دے دیں۔ کوئی ایسا صاحب دل بھی نہ ملا جو صرف انسانیت کی قدر کرتا اور ایک لڑکی کو اس کا حق ادا کر دیتا، چنانچہ فردوس نے صبر کر لیا اور وقت گزارتی رہی۔ جمیلہ بھی تیزی سے جوانی کی جانب گامزن تھی لیکن فردوس بھی جانتی تھی اور کمال بیگ بھی کہ آخر کار وہ بھی اس طوفان سے گزر جائے گی اور ٹھہراؤ آجائے گا۔

کمال بیگ خود اپنی شادی کر کے شرمندہ ہوتا تھا لیکن شاہدہ کی شخصیت ایسی تھی جو اس شرمندگی کو ختم کر دیتی تھی۔ یوں یہ سب زندگی کی گاڑی دھکیل رہے تھے۔ جمال بیگ چار افراد کی محبتوں کا مرکز تھا۔ تعلیم حاصل کر رہا تھا اور میٹرک کے امتحان کا وہ آخری دن اس گھر میں بڑی طوفانی لہریں لے کر آیا۔ نجانے کیا ہوا تھا نجانے کیا ہو گیا تھا، ہر شخص سمجھنے سے قاصر تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہے، بس شاہدہ کہیں گئی تھی اور اس کے بعد وہ سب کچھ ہو گیا تھا۔

پولیس نے پندرہ سالہ جمال بیگ کو گرفتار کر لیا تھا اور پتا یہ چلا تھا کہ جمال بیگ نے اپنے باپ کمال بیگ کو سیٹھ رئیس احمد کی کوٹھی میں ہلاک کر دیا تھا اور وہیں اسے گرفتار کر لیا گیا تھا۔ شاہدہ گھر واپس آگئی اور ایک کمرے میں بند ہو گئی۔ اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا اور پھر دروازہ توڑ کر ہی اس کی لاش کو باہر نکالا گیا تھا جو کمرے میں بندھے ہوئے کنڈے سے لٹک رہی تھی۔ اس طرح فردوس اور جمیلہ کے بھائی بھاوج چٹ پٹ ہو گئے تھے اور بھتیجا جیل چلا گیا تھا۔ سرکاری طور پر ہی اس کی کوئی پیروی کی گئی ہو یا نہیں کی گئی ہو۔ بعد میں پڑوسیوں سے ہی پتا چلا تھا کہ جمال بیگ کو سات سال قید بامشقت کی سزا ہو گئی ہے۔

دونوں بہنیں پڑوس کے گھروں سے سلائی لے لے کر شاہدہ کے جہیز میں آئی ہوئی مشین پر کپڑے سیا کرتی تھیں اور یہ ہی ان کے گزارے کا ذریعہ تھا۔ سب کچھ صبر کر چکی تھیں۔ خوف و دہشت ہمیشہ دامن گیر رہتا تھا۔ فردوس کو جمیلہ کا خوف تھا کہ وہ تیزی سے

جوان ہو رہی ہے وہ یہی دعائیں مانگتی تھی کہ خدا کرے جوانی آئے اور پھر طوفان کی طرح ڈھل جائے اور سطح ساکن ہو جائے، بس اس سے آگے اس کی سوچ میں کچھ نہیں تھا پڑوسیوں کی خوشامدیں کر کے جی رہی تھیں۔ چند افراد تھے جو تھوڑے بہت انسان تھے اور اپنے کپڑے وغیرہ ان لوگوں سے سلوالیا کرتے تھے یا پھر پڑوس میں اگر کسی کے گھر نذر نیاز ہوتی تو غریب غربا کو تلاش کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ ان دونوں کے لئے بھجوا دیا جاتا یوں زندگی بسر ہو رہی تھی۔ اس سائبان کا تصور بھی نہیں تھا جو اچانک ہی ان کے سروں پر آ گیا تھا۔ کڑیل جوان دیکھنے دکھانے کے قابل، یوں لگتا تھا جیل میں نہ گیا ہو بلکہ کسی ہیلتھ کلینک کلب میں باقاعدہ جسمانی ورزش کر رہا ہو اور اب مکمل ہو کر واپس آیا ہو۔ بمشکل تمام انہوں نے خود پر قابو پایا۔ اس دوران جمال بیگ وہ سارے سوالات کر چکا تھا جو کرنا چاہتا تھا اور جن میں سے کسی کا بھی اسے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔

"تم لوگوں کو پتہ تو معلوم ہے کہ اماں اور ابا کی قبر کہاں ہے؟" اب انہوں نے خود کو سنبھال لیا۔ آنسوؤں کا طوفان گزر چکا تھا۔

"رحیم۔ چچا جانتے ہیں وہ اکثر وہاں جاتے ہیں اور فاتحہ پڑھ آتے ہیں۔"

"میں تو رحیم چچا کا گھر بھی بھول گیا ہوں۔"

"سامنے والی گلی کا پیچھے والا گھر ہے۔"

"ہوں۔" پورے محلے کو خبر ہو گئی کہ جمال جیل سے چھوٹ کر آ گیا ہے۔ کچھ بلاوجہ خوفزدہ ہو گئے۔ کچھ نے دعائیں دیں کہ ان لوگوں کا برا وقت ٹل جائے۔ بہت سوں نے آپس میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں کیں۔ رحیم البتہ اس سے محبت سے ملے اور قبرستان لے گئے جہاں نجانے جمال بیگ کھڑا اماں باپ کی قبروں کو دیکھ کر کیا سوچتا رہا۔ کیا کہتا رہا اور پھر وہ وہاں سے واپس پلٹ آیا۔ گھر آ کر اس نے یہاں کے حالات پوچھے تو دونوں پھوپیوں نے اسے ساری تفصیل بتا دی۔

"خیر اب میں آ گیا ہوں اور بڑا عالم فاضل ہو کر آیا ہوں۔ اس دنیا کو بہت اچھی طرح جان لیا ہے میں نے اور اب میرا اور اس کا حساب کتاب شروع ہو گا۔"

تین دن تک اس نے خاموشی سے وقت گزارا کچھ پیسے ساتھ لے کر آیا تھا وہ۔ بڑی پھوپی کے حوالے کر دیئے اور خود اطمینان سے گھر بیٹھا رہا۔

پھر ایک دن وہ رئیس احمد کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔ رئیس احمد کی کوٹھی کے دروازے پر مسلح دربان رہتا تھا۔ اس وقت بھی وہ مستعد کھڑا ہوا تھا کیونکہ وسیع و عریض لان کے آخری سرے پر رئیس احمد اپنے مشیر خاص غلام شاہ سے کھڑا ہو کر کیاریوں کے پھولوں کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا جنہیں وہ تبدیل کرانا چاہتا تھا۔ جمال بیگ نے بڑے ادب سے دربان کو سلام کیا اور دربان نے اس کا جواب دیا۔

"رئیس احمد خاں سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"کون ہو اور کیا کام ہے۔ وہ عام طور سے پہلے سے ملاقات طے کئے بغیر نہیں ملتے۔"

"اگر میں ان سے پہلے ملاقات طے کرنے کی کوشش کروں گا تو وہ مجھ سے ملاقات نہیں کریں گے۔"

"اگر ایسی بات ہے تو تمہارا ان کے پاس پہنچنا مشکل ہے۔ پہلے ان سے ٹیلی فون پر بات کر لو اگر وہ اجازت دے دیں گے تو میں بھی تمہیں اندر جانے کی اجازت دے دوں گا۔"

"بھائی ہر مشکل کام کو آسان کرنے کے کچھ طریقے ہوتے ہیں۔"

"مثلاً۔" دربان نے اسے مشتبہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا اور دوسرے لمحے وہ غڑاپ سے اندر داخل ہو گیا۔

"رکو رکو، کیا بدتمیزی ہے۔" دربان اس کے پیچھے دوڑا لیکن وہ دربان کو جھکائیاں دیتا رہا۔ دربان اسے پکڑنے کے لئے اپنی تمام تر قوت صرف کر رہا تھا لیکن وہ اتنا پھرتیلا تھا کہ دربان اسے پکڑنے میں ناکام رہا تھا۔ فاصلے پر کھڑے ہوئے غلام شاہ اور رئیس احمد نے اسے دیکھ لیا تھا اور اس بھاگ دوڑ کر حیران نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ دربان نے پستول نکال کر کہا۔

"رک جاؤ ورنہ گولی مار دوں گا۔"

"اول تو تمہاری گولی مجھے لگے گی نہیں اور اگر لگ گئی بیٹا اور میں مر گیا تو سزا ہو جائے گی بولو کیا تمہارے مالک تمہیں پھانسی کے پھندے سے بچالیں گے۔"

"رک جاؤ میں تمہیں وہاں نہیں جانے دوں گا۔"

"تو پھر پکڑ لو مجھے۔" دربان کوشش کر کے ہار گیا۔

آخر میں جمال بیگ کو ہی اس پر رحم آ گیا۔ چنانچہ وہ دور کھڑے ہوئے رئیس احمد کے پاس پہنچ گیا۔ دربان بھی پیچھے پیچھے وہیں پہنچ گیا۔

بہت اونچا سمجھتا رہتا ہے۔ ابھی ہماری کھوپڑی میں بھی یہ ہے اگر تم پہاڑ ہو تو پھر آ جاؤ۔ کر لیتے ہیں دو دو ہاتھ۔ ہار گئے تو ہار مان لیں گے...... جیت گئے تو خوشی ہوگی تو پھر بات یہ ہے کہ اس سے پہلے کہ ہم اماں ابا کی قبر پر جا کر قسم کھائیں کہ ہم تمہاری موت کا بدلہ لیں گے آپ خود سوچ لیجئے۔ بات کچھ بن سکتی ہے تو ٹھیک ہے نہیں تو پھر چلتے ہیں۔ اچھا تایا جی آپ نے چیلنج کر دیا ہے اسے بھی دل میں رکھیں گے۔ آپ سے ملاقات کرنی تھی سیٹھ صاحب اپنے دل کا حال بتانا تھا بتانے آ گئے۔ ٹھیک ہے۔'' وہ واپسی کے لئے مڑا تو رئیس احمد نے اسے آواز دی۔

''رُک جاؤ۔ گھروں میں آنے کا یہ طریقہ نہیں ہوتا اور نہ ہی گھروں سے جانے کا۔ تمہاری بات پر غور کروں گا۔''

غلام شاہ نے چونک کر رئیس احمد خان کو دیکھا تو رئیس احمد خان نے کہا۔ ''اسے کچھ نہ کچھ دینا ضروری ہے۔ جیل سے آیا ہے دماغ کافی ٹیڑھا ہو رہا ہے اس کا بعد میں بات کر لیں گے۔''

''ٹھیک ہے سیٹھ صاحب۔ جیسا آپ مناسب سمجھیں۔''

رئیس احمد خان نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ ہزار ہزار کے پانچ نوٹ نکالے اور جمال بیگ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔ ''یہ رکھ لو۔ کسی وقت تمہیں گھر سے بلاؤں گا۔''

''ہم خود حاضری دیں گے۔ یہ تو ٹوکن منی ہے۔ چند روز نکل جائیں گے اس سے۔ ہمارا تو پورا مستقبل آپ کو بنانا ہے۔ اب ہم کیا کر سکیں گے۔ ہم پر بڑا بوجھ ہے۔''

''ٹھیک ہے جاؤ۔ بلکہ چلو میں تمہیں خود چھوڑے دیتا ہوں۔ آؤ غلام شاہ۔'' رئیس احمد خان نے کہا اور غلام شاہ بھی ان کے ساتھ باہر نکل آیا۔

باہر آنے کے بعد جمال بیگ گیٹ کی جانب بڑھ گیا۔ چوکیدار نے جب یہ دیکھا کہ مالکوں نے مہمان کو رخصت کیا ہے تو گزرے ہوئے واقعات نظر انداز کرنے پڑے اسے۔ اور وہ خاموشی سے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ جب جمال بیگ نظروں سے اُوجھل ہو گیا تو غلام شاہ نے کہا۔

''سیٹھ صاحب آپ کے سامنے مجھے کچھ بولنا تو نہیں چاہئے مالک ہیں آپ جو کچھ کیا آپ نے کیا اور بہت اچھا کیا لیکن کتے کو ہڈی ڈال دی جائے تو وہ عادی ہو جاتا ہے۔ اب اس کے بعد یہ آتا جاتا رہے گا۔ یہ اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھ رہا ہے۔''

رئیس احمد خان کے چہرے پر عجیب سی کیفیت پھیل گئی۔ اس نے کہا...... ''وہ سمجھ نہیں رہا ہے غلام شاہ بلکہ ہے اگر وہ یہاں داخل ہونے کے بعد انتقام انتقام کا شور مچانا شروع کر دیتا تو مجھے اس کی زیادہ فکر نہ ہوتی، کیونکہ کتے کی دم پر پاؤں رکھ دو تو وہ چیختا تو ہے لیکن اس کے انداز میں ذرا تبدیلی ہے اور ہمیں اس تبدیلی پر ہی نظر رکھنی ہے۔ سنو ہلکے پھلکے انداز میں اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یوں کرو علاقے کے تھانے میں جا کر انچارج وغیرہ سے بات کرو اس کے لئے۔ تھوڑے بہت پیسے ویسے دے آؤ اور اس سے کہو ذرا اس کی ٹھکائی لگا دے۔ اس کے بعد دیکھیں گے کہ وہ راہ راست پر آ گیا یا نہیں، اگر ہم براہ راست اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کریں گے تو بات دوسری شکل اختیار کر جائے گی، اس کے لئے کوئی اور مناسب بندوبست کر دیا جائے گا۔''

غلام شاہ پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا تھا۔

رئیس احمد بہر حال مالک تھا اور وہی غلام شاہ کو کرنا تھا جو مالک نے کہا تھا، لیکن خود غلام شاہ رئیس احمد کے اس عمل سے اتفاق نہیں کرتا تھا۔ جمال بیگ کو یہ رقم نہیں ملنی چاہئے تھی۔ اس طرح اس کا حوصلہ بڑھ جائے گا۔

پھر وہ تھانے پہنچا تھا اور تھانے دار کو بیس ہزار روپے پیش کئے تھے۔ تھانے دار تعاون کرنے والا معلوم ہوتا تھا لیکن خود غلام شاہ اب بھی مطمئن نہیں تھا۔ اسے ماضی کی وہ کہانی یاد تھی، وہ ان لمحات کا راز دار تھا اور اچھی طرح جانتا تھا کہ اصل واقعہ کیا ہے۔

جمال بیگ، تھانے کی عمارت میں داخل ہو گیا...... گل زمان دو سپاہیوں کے ساتھ اسے اس کے گھر سے بلا کر لایا تھا۔ شہاب اس کا انتظار کر رہا تھا۔ گل زمان نے سپاہیوں کو باہر ہی چھوڑ دیا اور جمال بیگ کو لے کر شہاب کے آفس میں داخل ہو گیا۔ شہاب نے گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا ..... چھریرے بدن کا پھرتیلا نوجوان، جسمانی طور پر چست و چالاک، آنکھوں میں تیز چمک، ایک نگاہ میں اس کی شخصیت کا کسی حد تک اندازہ ہو جاتا تھا...... شہاب کو اندر داخل ہو کر اس نے سلیوٹ کیا۔ شہاب نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"پہلا افسر ہے صاحب جو کسی کو حاضری کے لئے بلا کر کرسی پر بیٹھنے کے لئے کہتا ہے، شکریہ صاحب۔" جمال بیگ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

شہاب بدستور گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا...... جمال بیگ کی آنکھوں میں بے باک چمک تھی، وہ اس کی شخصیت کا اظہار کرتی تھی...... گل زمان بھی ایک طرف بیٹھ گیا تھا۔

"تو تم جمال بیگ ہو، کتنے سال کی سزا کاٹ کر آئے ہو؟"

"پورے سات سال کی صاحب۔"

"جیل میں کیا کیا فن سیکھے ہیں؟" شہاب نے سوال کیا۔

"جو کچھ سیکھا ہے، کسی کو بتانے کے لئے نہیں سیکھا۔ ہماری فنکاری آہستہ آہستہ دنیا کے سامنے آجائے گی۔"

"ویری گڈ...... دیکھیں گے تم جیل سے کتنے بڑے فنکار ہو کر نکلے ہو، ویسے تمہارا باپ

تو شاید رئیس احمد کے ہاں ڈرائیور تھا؟"

"جی، سیٹھ رئیس احمد اپنا مائی باپ ہے ہم اس کے نمک خوار ہیں اور اپنے آپ کو آج بھی اس کا غلام سمجھتے ہیں۔"

"کیا قصہ تھا؟ تم نے اپنے باپ کو کیوں قتل کر دیا تھا؟"

"کیا بتائیں، اللہ نے عقل دی ہے تو آپ خود سمجھ لو...... ہم تو بے غیرت آدمی ہیں...... بے غیرت نہ ہوتے تو اتنا گندا کام کیوں کرتے۔ ہو گیا جو ہونا تھا اور جو ہوا ہم نے اس کی سزا بھگت لی۔"

"رئیس احمد نے تمہاری شکایت کی ہے اور کہا ہے کہ تم جیل سے باہر آنے کے بعد اسے پریشان کرو گے...... میں تمہیں وارننگ دینا چاہتا ہوں۔"

"سیٹھ نے شکایت کی ہے؟ تعجب ہے ہم تو اس کے غلام ہیں، اب اس کا کیا بگاڑ لیں گے، جب وقت تھا تو اس کا کچھ بگاڑ نہ سکے...... ہم بے گناہ پکڑے گئے...... اتنا بڑا آدمی اگر کوئی بات بولے تو کتنی ہی غلط ہو، سچ ہو جاتی ہے اس وقت بھی ایسا ہی ہوا تھا...... ہم نے عدالت میں بھی یہی کہا تھا کہ ہم نے ایسا کچھ نہیں کیا، لیکن عدالت نے نہیں مانا اور جرم ثابت ہوا سزا مل گئی، اب آپ دوبارہ اس بارے میں کیوں پوچھتے ہیں؟"

"جمال، رئیس احمد کی طرف سے اگر تمہاری کوئی شکایت ملی تو تم دوبارہ مصیبت میں پھنس جاؤ گے، اگر مناسب سمجھو تو مجھے وہ تمام تفصیل بتاؤ جو اس وقت تم نے عدالت کو بتائی تھی اور جو تمہارے دل میں ہے۔"

جمال کے چہرے پر نفرت کے آثار پھیل گئے، اس نے گردن گھما کر گل زمان کو دیکھا اور نہ جانے اس کے ذہن میں کیا سمائی کہنے لگا۔ "اگر ایسی کوئی بات پوچھنی ہے تو اکیلے میں پوچھو، ہماری بھی بات مان لو، حالانکہ ہم مجرم نہیں ہیں...... قانون نہیں جانتے ہم، لیکن اتنی بات سمجھ سکتے ہیں کہ ابھی ہم نے کوئی جرم نہیں کیا اور آپ ہمیں اس کی سزا نہیں دے سکو گے، جو کچھ پوچھنا ہے آپ اکیلے میں پوچھو۔"

"یہ ایس آئی صاحب ہیں۔"

"صاحب بس، جو منہ سے نکل گیا وہ پتھر کی لکیر...... ان کے سامنے کچھ پوچھو گے، نہیں بتائیں گے، بسم اللہ کرو کھال اتارو ہماری۔"

"گل زمان باہر جاؤ۔" شہاب نے کہا اور گل زمان، جمال کو گھورتا ہوا باہر نکل گیا۔

"اس آدمی کے سامنے کیوں نہیں بولنا چاہتے تھے؟"

"کوئی بات نہیں صاحب ہم بس یہ دیکھنا چاہتے تھے کیا سات سال کی سزا بھگتنے کے بعد...... بھی ہم مجرم ہیں۔"

"جرم کر کے سزا پانے والا ہمیشہ قانون کی نگاہوں میں رہتا ہے۔ یہ مہر تمہاری پیشانی پر لگ چکی ہے۔"

"وہ غلط لگی ہے ہمارے ماں اور باپ دونوں مرگئے ہیں...... ہم نے خود اپنے آپ کو بے غیرت کہا ہے لیکن کوئی بے غیرت سے بے غیرت انسان مردہ ماں باپ کی جھوٹی قسم کھا کر جھوٹ نہیں بول سکتا...... آپ ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکو گے، تھانیدار صاحب اس وقت تک جب تک ہم کوئی جرم نہ کریں، لیکن آپ کے سامنے سچ بولیں گے اپنے مردہ ماں باپ کی قسم، ہم نے اپنے باپ کو قتل نہیں کیا...... ہمارے باپ کا قاتل رئیس احمد ہے...... عدالت کے سامنے بھی یہ سب کچھ کہا تھا، لیکن شنوائی نہیں ہوئی۔ اب آپ کے سامنے کہہ رہے ہیں، ہم اپنے باپ کے قاتل نہیں ہیں...... مانو یا نہ مانو یہ آپ کا کام ہے۔" شہاب کے بدن میں سرد لہریں دوڑ گئی تھیں۔

"مناسب سمجھو تو مجھے اس بارے میں کچھ بتادو۔"

"صاحب سن کر کیا کرو گے...... کیا ہماری زندگی کے سات سال واپس کر دو گے؟ نہیں صاحب اب کوئی کہانی نہیں سنائیں گے، کچھ نہیں بتائیں گے...... ہماری مرضی ہے ہم بھی انسان ہیں اور پھر آپ نے پوچھا تھا کہ جیل سے ہم کیا فن سیکھ کر آئے ہیں؟ تو اس کے بارے میں آپ کو بس ایک ہی بات بتادیں کہ جینا سیکھ کر آئے ہیں...... جئیں گے اور اب اتنی آسانی سے کسی رئیس احمد کا شکار نہیں ہوں گے...... آپ نے ہمیں عزت سے کرسی پر بٹھایا ہے اس بات نے ہمارے دل پر اثر کیا ہے، لیکن ہم سے کچھ نہ پوچھو۔"

"اچھا میری ایک بات مان لو گے؟"

"حکم کریں آپ کے غلام ہیں۔"

"کوئی ایسا کام نہ کرنا جس سے قانون کی گرفت میں آجاؤ۔ تم ابھی نوجوان ہو، میں نہیں چاہتا کہ تمہاری عمر کا مزید حصہ جیل میں ضائع ہو۔"

"شکریہ صاحب، آپ جس طرح چاہو ہماری چیکنگ کرلو...... کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے، وعدہ کرتے ہیں...... ویسے رئیس احمد نے ہماری کیا شکایت کی ہے؟"

"اسے اس بات کا خطرہ ہے کہ جیل سے آزاد ہونے کے بعد تم اسے تنگ کرو گے۔"

جمال کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی، اس کے بعد وہ خاموش ہی رہا تھا۔

"اب تم چاہو تو جاسکتے ہو اور سنو، اگر کبھی دل چاہے تو تھانے آکر مجھ سے مل لیا کرو، ایک جرائم پیشہ فرد کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک شناسا کی حیثیت سے، دل کی بھڑاس یہاں آکر نکال لیا کرو، میں تمہیں مشورے دے دوں گا۔"

"کمال ہے، دُنیا تو کہتی ہے کہ پولیس کا سامنا اور گھوڑے کا پیچھا دونوں خطرناک ہوتے ہیں، لیکن ہم اسے بھی حکم سمجھیں گے اور کبھی کبھی حاضری دے دیا کریں گے۔"

"جاسکتے ہو...... رئیس احمد کی کوئی شکایت اب دوبارہ میرے پاس نہ آئے۔"

"جی صاحب۔" جمال کرسی سے اُٹھ گیا اور اس کے بعد اسی طرح سلیوٹ کر کے باہر نکل گیا...... شہاب چند لمحات کچھ سوچتا رہا...... پھر اس نے بیل بجائی اور اردلی سے کہا کہ گل زمان کو بھیج دے...... گل زمان اندر آگیا تھا۔

"بیٹھو گل زمان۔" شہاب نے اسے دیکھ کر کہا۔

"کافی سرکش آدمی معلوم ہوتا ہے سر۔"

"یقیناً ہے...... جیل سے سات سال کی تربیت لے کر آیا ہے۔"

"آپ نے کسائی کر دی؟"

"وہ کس سلسلے میں گل زمان؟"

"مطلب یہ کہ سر رئیس احمد۔" گل زمان کا جملہ ادھورا رہ گیا۔

"گل زمان تم بھی یار کبھی کبھی ناتجربے کاری کی باتیں کرنے لگتے ہو، رئیس احمد نے ہمیں کیا دیا ہے، یاد ہے؟"

"بیس ہزار روپے سر۔"

"کیا یہ کیس بیس ہزار میں ختم کر دیا جائے؟"

"میں سمجھا نہیں؟"

"سمجھو دوست سمجھو، وہ تھانے آگیا...... غلام شاہ کو اس کی اطلاع ہو ہی جائے گی وہ

دوبارہ رئیس احمد کے پاس جائے گا، رئیس احمد کو دوبارہ ہماری ضرورت ہوگی اور ہمیں دوبارہ پیسوں کی ضرورت ہوگی، یہ سلسلہ جاری رہنا چاہئے، اگر اس پر زیادہ سختی کردیتے تو پھر ہمیں کیا فائدہ ہوتا؟"

"سر ہم آپ جیسا دماغ کہاں سے لائیں گے؟ آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔" گل زمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ڈبل او گینگ خاصی بہتر حالت میں آگیا تھا۔ فراست کے اس گینگ میں شامل ہونے کے بعد زیادہ تبدیلیاں رونما ہوئیں اور یہ لوگ اس سلسلے میں فراست کو بھاگوان کہا کرتے تھے...... فراست اب پوری طرح ان کے رنگ میں رنگ گیا تھا...... شہنشاہ کے نظریات سے اسے مکمل اتفاق تھا۔ شہنشاہ سے رابطے رہا کرتے تھے اور آج بھی شہنشاہ کی طرف سے انہیں اشارہ موصول ہوا تھا۔ اس وقت تمام افراد موجود تھے اور شہنشاہ کے پیغام کا انتظار کیا جارہا تھا۔ وقت مقررہ پر ٹرانسمیٹر پر شہنشاہ کی طرف سے اشارہ موصول ہوا اور سردار نے ٹرانسمیٹر آن کردیا۔

"سناؤ دوستو کیا حال ہیں، کیا سب لوگ موجود ہیں؟"

"جی سر سب آچکے ہیں۔"

"کیسی گزر رہی ہے؟"

"بہت بہتر، ویسے ان دنوں خاموشی کچھ طویل ہوگئی ہے۔"

"ہاں کوئی ایسی شخصیت سامنے نہیں آئی جو فوری توجہ کی محتاج ہو۔ ویسے یہاں تم لوگ مطمئن ہو؟"

"جی سر، کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے۔"

"اصل میں یہ جگہ اور جو ذرائع تمہیں اپنے کام کرنے کے لئے حاصل ہیں بے شک بہت سی مشکلات کا باعث بھی ہیں لیکن میرا نظریہ ہے کہ سطح اتنی نیچی رکھی جائے کہ شبہے کا شکار نہ ہوسکے۔ ہم لوگ خدا کے فضل سے اب اس منزل کے قریب پہنچتے جارہے ہیں، جہاں ہم اپنی آسائشوں کے لئے اور اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے بہتر انتظامات کرسکتے ہیں، لیکن دوستو اس طرح ہم ان تمام لوگوں سے کٹ جائیں گے جو نچلی سطح

حیثیتوں کا شکار ہوتے ہیں اور میں یہ نہیں چاہتا ویسے مالی طور پر تم لوگوں کو اب کوئی پریشانی نہیں اٹھانی چاہئے، انداز یہی اختیار کرو، البتہ اپنے ذہنوں کو آسودگی بخش لو۔"

"سر ہم ان تمام چیزوں سے بالکل مطمئن ہیں اور اپنے حالات سے بہتری حاصل کرنے کے بعد پراعتماد زندگی گزار رہے ہیں۔"

"میں یہی معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اچھا سردار علی اب ایک پتا نوٹ کرو، یہاں ایک نوجوان ذی جمال بیگ رہتا ہے...... مجھے اس کے بارے میں تفصیلات درکار ہیں۔ سات سال کی قید کاٹ کر جیل سے چھوٹا ہے...... اس کا ماضی کیا ہے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرو...... دو آدمیوں کی ڈیوٹی مسلسل اس پر رہنی چاہئے...... میں چاہتا ہوں کہ یہ کوئی اور جرم نہ کرنے پائے۔ تمہیں اس بات کا خیال رکھنا ہے، اگر کسی جرم میں ملوث ہو بھی جائے تو اسے اس چکر سے نکال کر محفوظ کرلو، کیا اس سلسلے میں مزید تفصیلات کی ضرورت ہے؟"

"نہیں سر...... آپ کا یہی مطلب ہے کہ یہ کوئی سنگین جرم نہ کرنے پائے۔"

"ہاں، اسے کسی بھی طرح پولیس کی گرفت میں نہیں آنا چاہئے...... سرکش نوجوان ہے۔ حالات تمہیں معلومات کرنے سے پتا چل ہی جائیں گے اور تم بہتر طریقے سے فیصلہ کرسکو گے۔"

"ٹھیک ہے سر۔"

"اور کوئی خاص بات؟"

"نہیں جناب۔"

"مناسب وقت پر مجھے اس کے بارے میں تفصیلات فراہم کردو گے۔" مختصر گفتگو کے بعد سلسلہ منقطع ہوگیا تھا۔

فرازیہ کے چیئرمین ناہید سلیمی کا چپڑاسی فائق حسین کے پاس پہنچا اور انہیں پیغام دیا کہ چیئرمین صاحب اسے طلب کررہے ہیں، تو فائق حسین کے ہاتھوں پیروں کی جان نکل گئی۔ ناہید سلیمی بڑے الٹے دماغ کا آدمی تھا...... عموماً ماتحتوں سے کوئی رابطہ نہیں رکھتا تھا اور فرم کے زیادہ تر امور منیجر ہی نمٹا لیا کرتے تھے...... براہ راست اس کی طرف سے جب بھی کسی کی طلبی ہوئی اس کی چھٹی ہی ہوگئی۔ ایسا ہی عجیب دماغ کا آدمی تھا، اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے

ان کے کمرے میں داخل ہو گئے...... اندر منیجر ناہید سلیمی کے دونوں مشیر خاص اور خود ناہید
سلیمی فروکش تھے...... فائق حسین نے سلام کیا اور میز کے سامنے پہنچ گئے۔

"بیٹھ جائیے۔" منیجر صاحب نے فائق حسین سے کہا اور وہ بیٹھ گئے۔

"مسٹر فائق حسین! چیئرمین صاحب نے اس میٹنگ میں طے کیا ہے کہ آپ کو اسسٹنٹ منیجر کا عہدہ دے دیا جائے اور اس عمل پر فوری کارروائی کی گئی ہے، چنانچہ آج سے آپ کو اسسٹنٹ منیجر کی سیٹ سنبھالنی ہے...... یہی اطلاع دینے کے لئے آپ کو طلب کیا گیا تھا...... یہ چیئرمین صاحب کی طرف سے آپ کے لئے اجازت نامہ ہے، نیا لیٹر آپ کو ایشو کر دیا جائے گا۔"

فائق حسین کا دماغ بھک سے اُڑ گیا...... کلرکی سے اسسٹنٹ منیجر کا عہدہ، ناقابل یقین بات تھی، سر چکرا کر رہ گیا...... انہوں نے ہدایت نامہ وصول کیا اور سینے سے لگا لیا۔

"آپ جا سکتے ہیں...... تھوڑی دیر کے بعد میرے آفس میں آ کر رپورٹ کیجئے۔"

فائق حسین واپس نکل آئے تھے...... پاؤں زمین سے لگتے معلوم ہی نہیں ہو رہے تھے...... یہ کیا ہو گیا، کیسے ہو گیا، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا...... جب منیجر صاحب، ناہید سلیمی کے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے میں پہنچے تو فائق حسین بھی اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے دفتر میں پہنچ گئے...... انہوں نے خوش اخلاقی سے انہیں اندر بلا لیا تھا۔

"میں وہاں تو کچھ نہیں کہہ سکا فائق صاحب میں آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں لیکن براہ کرم میری لاج رکھ لیجئے گا۔"

"سس...... سر کیا...... کیا یہ حقیقت ہے...... کیا واقعی ایسا ہو گیا ہے؟"

"جی ہاں اور آپ کی تنخواہ میں ایک دم ساڑھے چار ہزار روپے ماہوار کا اضافہ بھی اور دیگر مراعات کے بارے میں ناہید سلیمی صاحب خود فیصلہ کریں گے...... آپ کل تیار ہو کر کے آئیے اور مجھ سے اسسٹنٹ منیجر کا چارج لے لیجئے۔"

"بہت بہتر، جناب والا۔" فائق حسین وہاں سے نکل آئے...... نہ جانے کس طرح وقت گزرا...... گھر پہنچے کوئی ایک بات جو سمجھ میں آ رہی ہو، نعیمہ بیگم نے چہرے کی اُڑی اُڑی رنگت دیکھی تو جلدی سے بولیں۔

"ہے بیٹا، طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"اماں بی کک...... کچھ...... عجیب سی بات ہو گئی ہے...... اماں بی مجھے اچانک ہی اسسٹنٹ منیجر بنا دیا گیا ہے، ارے آپ تصور نہیں کر سکتیں اماں بی، پہلی بات تو یہ کہ تنخواہ میں ساڑھے چار ہزار روپے ماہوار کا اضافہ، پھر اسسٹنٹ منیجر کی پوسٹ، مجھ سے کہیں زیادہ سینئر لوگ ہیڈ کلرک نہیں بن سکے، کلرکی میں ہی گزارا کر رہے ہیں۔"

"بیٹا دن رات اللہ سے دعائیں کرتی ہوں تم سب کے لئے، ہو سکتا ہے میری دعا قبول ہو گئی ہو۔"

گھر میں عید ہو گئی، ثریا بیگم خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھیں...... اچانک ہی فائق حسین کو کچھ یاد آیا...... ایک دم سے چہرہ عجیب سا ہو گیا۔

"اماں بی ایک بات ذہن میں آ رہی ہے...... ایک دن میں فتح محمد کے پاس گیا تھا کہنے لگے کہ میاں ہمارے پاس آؤ گے تو خوشیاں ہی خوشیاں ملیں گی...... اماں بی اب غور کرتا ہوں تو اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے میری ترقی کی پیش گوئی کر دی تھی...... مجھے ان کے الفاظ صحیح طور سے یاد نہیں لیکن آپ یقین کریں انہوں نے یہی سب کچھ کہا تھا۔"

"اللہ جانے کس بھیس میں کون مل جائے...... انسان کی نگاہ تو بڑی کمزور ہے۔"

اتنی دیر میں اتفاقیہ طور پر وسیم اور اس کی والدہ بھی آ گئے۔ ملنے آئے تھے...... اول تو یہ خوشخبری اور پھر لوگوں کی آمد...... خوشی کی یہ خبر ان لوگوں کو بھی سنائی گئی اور وہ لوگ بھی مبارک باد دینے لگے...... خاطر مدارات کا سلسلہ شروع ہوا۔

فائق خود ہی مہمانوں کے لئے کھانے پینے کی اشیاء لینے چلے گئے اور راستے میں انہیں شہاب بھی مل گیا...... پولیس موبائل میں گھر آ رہا تھا۔ فائق حسین نے اسے وہیں روک لیا اور یہ خوشخبری شہاب کو سنا دی...... شہاب نے بھی بہت زیادہ مسرت کا اظہار کیا اور کہا کہ فتح محمد صاحب کے لئے بھی مٹھائی خریدی جائے...... دونوں بھائی لدے پھندے گھر میں داخل ہوئے تھے...... شہاب نے وسیم سے ملاقات کی اور اس سے اس کی خیریت پوچھنے لگا...... وسیم بڑی نیاز مندی سے شہاب سے ملا تھا، پھر مختلف قسم کی باتیں ہونے لگیں۔

"وسیم میاں...... منشی حیات علی نے تو آپ کے بارے میں بڑی بڑی کہانیاں سنا دی تھیں، لیکن آپ نے ان کہانیوں کی تردید کر دی...... کون سی فرم میں ملازمت کرتے ہیں آپ؟"

"جی ایک اچھی فرم ہے...... ترقی کے امکانات زیادہ ہیں۔"

"میاں آپ نے سن لیا ہوگا کہ ہمارے بھائی جان کی ترقی ہوگئی ہے۔ اصل میں محلے میں ایک پہنچی ہوئی شخصیت رہتی ہے، کبھی ان کے دیدار کرلو...... یوں سمجھ لو بیڑا پار ہوجائے گا، آناً فاناً ترقیوں کی منازل طے کرتے چلے جاؤ گے۔"

"ہاں ہاں بیٹے، بزرگوں کی دعاؤں میں بڑا اثر ہوتا ہے۔ دینے والی تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، لیکن اگر کوئی بزرگ خوشدلی سے دعا کردے تو پھر یوں سمجھ لو کہ بیڑا پار ہوجاتا ہے۔"

"تو پھر آج ہی لے چلیں وسیم میاں کو بھی اب تو یہ ہمارے اپنے ہی ہیں۔"

"ضرور ضرور۔"

ایک عجیب سا ہنگامہ ہوگیا تھا، حالانکہ شہاب سے زیادہ اور کون جان سکتا تھا کہ یہ ترقی کس طرح ہوئی ہے؟ ناہید سلیمی کی گوشمالی کی گئی تھی...... فتح محمد نے مٹھائی کے ساتھ ساتھ تینوں مہمانوں کا استقبال کیا اور وسیم سے ملاقات کرکے بہت خوش ہوئے...... فائق حسین نے انہیں اپنی ترقی کے بارے میں بتایا اور فتح محمد نے مسکراتی نگاہوں سے شہاب کو دیکھا۔

"میاں اللہ کے دربار میں ماں کی دعائیں سب سے زیادہ قبولیت کا شرف رکھتی ہیں...... تمہیں یہ سب کچھ ماں کی دعاؤں سے ملا ہے...... ماں کی خدمت گزاری سے گریز نہ کرنا ہم تمہاری خوشی میں برابر کے شریک ہیں۔ شام کو یہ مٹھائی تھلے پر آنے والوں میں تقسیم کردی جائے گی اور وسیم میاں بس تمہارے لئے ہم اتنا ہی کہیں گے کہ خداوند عالم تمہیں تمام نعمتوں سے نوازے۔"

بڑی خوشدلی سے یہ لوگ واپس آئے تھے۔ وسیم بھی فتح محمد سے مل کر بہت خوش ہوا تھا۔ خود بھی نفیس نوجوان تھا...... بہت دیر تک باتیں ہوتی رہیں...... جب یہ لوگ چلے گئے تو نعیمہ بیگم نے کہا۔

"اللہ کا بڑا احسان ہے کہ اب اس گھر میں بھی خوشیوں نے اپنا رُخ کرلیا ہے...... ابتداء میں تو بڑے پریشان حالات سے گزرے تھے ہم، لیکن اب سب ٹھیک ہوتا جارہا ہے۔ وسیم کی والدہ کہہ رہی تھیں کہ اب تنہائی ان سے برداشت نہیں ہوتی، جس قدر جلد ممکن ہوسکے ان کی امانت ان کے حوالے کردی جائے...... فائق بیٹے تم سب سے بڑے ہو باقی دونوں تمہارے چھوٹے بھائی ہیں...... مشورہ کرلو آپس میں اور اس کے بعد مجھے بتاؤ۔"

"اماں بی اعتراض تو کوئی نہیں ہے...... خصوصاً جس طرح شہاب میاں نے حالات کو سنبھالا ہے، میں یہ سمجھتا ہوں تھوڑی سی کوششوں کے بعد ہم اس فریضے سے سبکدوش ہوسکتے ہیں۔"

"میں نے آپ لوگوں سے عرض کیا تھا کہ ایک فہرست تیار کرلی جائے اور مجھے اس کی اطلاع دے دی جائے، انشاءاللہ مرشد کی دعاؤں سے سارے بندوبست ہوجائیں گے۔"

ان الفاظ پر اب کسی نے ناک بھوں نہیں چڑھائی تھی...... ورنہ فتح محمد بے چارے اس گھر میں صرف فتو تھے، لیکن اب فتو کے دن پھر گئے تھے۔

جمال ایک معمولی سی عمارت میں داخل ہوگیا۔ اس کی اہمیت یہ تھی کہ سٹی کورٹ سے کچھ فاصلے پر تھی...... یعنی اس کے بالکل سامنے، نیچے مختلف اجناس کے آڑھتیوں کی دکانیں تھیں...... بوسیدہ سیڑھیوں سے گزر کر پہلی منزل کے ایک کمرے کے سامنے وہ ایک لمحے کے لئے رُکا، دروازے پر آہستہ سے دستک دی اور اس کے بعد اندر داخل ہوگیا...... واحد کمرے میں چار میزیں پڑی ہوئی تھیں...... ایک میز پر ایک عمر رسیدہ شریف صورت شخص بیٹھا ہوا تھا...... اس سے کچھ فاصلے پر ایک اور ٹیبل پر ایک نہایت خوبصورت لڑکی ٹائپ رائٹر پر اپنی لمبی سفید خوبصورت انگلیوں سے کھٹاکھٹ کررہی تھی، ایک چپڑاسی تھا جو دروازے کے قریب اسٹول پر بیٹھا ہوا تھا۔ باقی میزیں خالی تھیں۔

جمال نے اندر داخل ہوکر معمر شخص کو سلام کیا جس کا سیاہ کوٹ کرسی پر ٹنگا ہوا تھا۔ معمر شخص اسے دیکھ کر ایک دم سنبھل گیا اور سیدھا ہوکر بیٹھ گیا۔

"آؤ...... آؤ جمال کہو تمہارے کیا حال ہیں؟"

"اب تو بالکل ٹھیک ہوں سر۔" جمال بیگ آگے بڑھتا ہوا بولا۔

ٹائپ رائٹر پر کھٹ کھٹ کرتی ہوئی لڑکی نے پلٹ کر مسکراتی نگاہوں سے جمال کو دیکھا اور جمال بیگ خود ہی بولا۔

"السلام علیکم بینا باجی...... کیسی ہیں آپ؟"

"ٹھیک ہوں جمال، خوب آئے...... ہم نے آج صبح تمہیں یاد کیا تھا۔"

"دیکھ لیجئے میں آگیا۔"

"بیٹھو جمال...... تم وعدے کے مطابق میرے پاس نہیں آئے...... کتنے دن ہو گئے تمہیں جیل سے رہا ہوئے، حالانکہ میں نے تم سے کہا تھا کہ اپنے گھر والوں سے ملنے کے بعد میرے پاس آؤ گے۔"

"صاحب جی بری صحبت سے نکلا ہوں، ہزاروں بری عادتیں اپنے ساتھ لے کر آیا ہوں...... اب آہستہ آہستہ ہی اپنے آپ کو شریف آدمی بناؤں گا۔"

"چائے پیو گے؟"

"یہاں تو چائے ضرور پیوں گا۔" اس نے کہا۔

"جاؤ بھئی اکرام چائے کا بندوبست کرو اور سٹول لے کر باہر ہی بیٹھو۔" معمر شخص نے جو ایڈووکیٹ تھا، چپڑاسی سے کہا اور چپڑاسی سٹول سمیت باہر نکل گیا...... جمال بیگ کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ "یہ بتاؤ پھوپھیاں ٹھیک ہیں۔"

"جی بالکل ٹھیک ہیں، میں پہنچا تو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھتی رہیں...... تعارف کرانے پر ہی پہچان سکی تھیں۔"

"ظاہر ہے تم ایک دم بڑے ہو گئے ہو گے۔"

"ایک دم!" جمال بیگ کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔ "سات سال میں وکیل صاحب، اگر آدمی ایک دم بڑا ہو سکتا ہے تو واقعی میں ایک دم بڑا ہو گیا ہوں۔"

واسطی صاحب کے چہرے پر تاسف کے آثار پھیل گئے، بینا کی مسکراہٹ بھی سدھر گئی تھی، واسطی صاحب نے کہا۔

"اور اس کے علاوہ۔"

"اس کے علاوہ ہوا یہ کہ پہلے تو ہم نے اپنی دونوں پھوپھیوں کی خبر لی، بے چاری جس بے بسی سے زندگی گزار رہی ہیں اس کے بارے میں کچھ کہنا تو بے کار ہے، فرض کیا جا سکتا ہے ویسے پڑوسیوں نے ان کے ساتھ تعاون کیا...... کسی نے انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچائی، اس کے لئے ہم اپنے پڑوسیوں کے ممنون ہیں، پھر ہم پہنچ گئے اپنے مالک کو سلام کرنے...... غلام شاہ تایا بھی وہاں موجود تھے...... جب اباجی زندہ تھے تو ہم انہیں تایا ہی کہا کرتے تھے...... پہچان لیا دونوں نے ہمیں، ملاقات کی ہم نے بات چیت کی اور پھر مطالبہ کر دیا...... ہم نے کہا کہ اب تک ہم ایم اے پاس کر چکے ہوتے اچھی خاصی کمائی بھی کر چکے ہوتے، سات سال

ہیں ہمارا جو نقصان ہوا ہے وہ پورا کر دیا جائے ورنہ پھر ہم فلمی ہیرو کی طرح ماں باپ کی قبر پر جا کر قسم کھالیں گے کہ سیٹھ زندہ نہیں چھوڑوں گا تجھے، تیرے خاندان کو فنا کر دوں گا...... ہم نے صاف صاف بات کر لی اور پہلی قسط ہمیں پانچ ہزار روپے ادا کر دی گئی۔"

"کیا؟" واسطی صاحب چونک پڑے۔

"جی سر...... تو پہلی قسط تو ہمیں شرافت سے ادا کر دی گئی۔ ہم کہہ آئے تھے کہ ٹوکن منی کے طور پر اسے قبول کئے لیتے ہیں، لیکن جلد ہی حساب کتاب بنالیں گے، انہوں نے ہم سے بھی زیادہ پھرتی دکھادی۔"

"کک...... کیا مطلب؟" عدنان نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"کچھ نہیں بس علاقے کے تھانے پہنچ گئے، انچارج کی جیب گرم کی ہو گی کہا ہو گا بلالیا جائے سو آ گیا، ایک سب انسپکٹر دو سپاہیوں کے ساتھ، ہم چلے گئے خاموشی سے تھانے، بات ہوئی انچارج سے، اس نے ہمیں وارننگ دے کر چھوڑ دیا ہے، آدمی کچھ بھلا ہی لگتا تھا مگر بہتر نہیں ہوا، ابتداء اس نے کر دی ہے، ہمیں ہرجانہ تو وصول کرنا ہی تھا اب اگر وہ اسے بچانے کی فکر میں لگ گیا ہے تو ہمیں بھی آپ سے مشورہ چاہئے؟"

"میں کیا خاک مشورہ دوں، اس کے پاس تم میرے مشورے سے پہنچے تھے؟" عدنان واسطی نے کسی قدر ناراضگی سے کہا۔ "مگر جمال بیگ تم کیا کرو گے؟ اس نے تھانے میں تمہارا نام درج کرادیا ہے، تم ایک سزا یافتہ انسان ہو، دُنیا کی سنی جائے گی تمہاری نہیں سنی جائے گی...... صورت حال کافی بگڑ جائے گی۔"

"واسطی صاحب ہم آپ سے کہہ چکے ہیں کہ ہم نے ان سات سالوں میں بہت سے فن سیکھے ہیں، ہم فنکار ہیں اپنے فن سے کام دکھا جائیں گے، پر کبھی کبھی بڑوں کی نصیحت بھی مان لینی چاہئے...... ہم نے آپ کا حکم مان لیا ہے، کر سکتے ہیں تو اتنا کر دیں کہ اس سے کہہ دیں کہ کم از کم دس لاکھ روپے ہمیں ادا کر دیں...... دس لاکھ روپے دے دے گا ہم یہ گھر بیچیں گے اپنی دونوں پھوپھیوں کو ساتھ لیں گے، کسی دوسرے شہر نکل جائیں گے...... لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپے خرچ کر کے ان دونوں کی کسی شریف آدمیوں سے شادی کر دیں گے، پھر ایک چھوٹا سا گھر کرائے پر لیں گے، اس میں سامان ڈلوائیں گے اور کوئی چھوٹا موٹا دھندا شروع کر دیں گے...... پھر شادی کریں گے اور شریف آدمی بن جائیں گے، لیکن شریف آدمی بننے

کے لئے دس لاکھ روپے مل جانا ضروری ہے ورنہ سارا کھیل بگڑ جائے گا۔ بعد کا منصوبہ اگر ہم نے آپ کو بتایا تو آپ ہمیں قسم دلا دیں گے اس لئے ہم کچھ نہیں بتا رہے آپ کو سمجھے آپ۔"

عدنان واسطی کے چہرے پر افسردگی کے نقوش پھیل گئے...... چند لمحات گردن جھکا کر سوچ میں گم ہو گیا تھا، بینا کے چہرے پر بھی افسوس کے آثار نظر آ رہے تھے...... اتنی دیر میں اکرام چائے لے آیا اور اس نے تینوں کے سامنے چائے رکھ دی، واسطی صاحب سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے، بہت دیر تک خاموش رہے پھر بولے۔ "چائے پیو۔"

"شکریہ...... سنائیے بینا باجی آپ کیسی ہیں؟"

"میں بہت پریشان ہوں۔" بینا نے جواب دیا۔

خوبصورت خدوخال کی مالک گہری نیلی آنکھوں والی یہ لڑکی عدنان واسطی کی بیٹی تھی...... عدنان واسطی نے پوری عمر وکالت کی تھی، اٹھارہ سال ہو گئے تھے وکالت کرتے ہوئے لیکن صحیح معنوں میں ایک وکیل کا کردار ادا کیا تھا، صرف وہ کیس ہاتھ میں لئے تھے جو حقیقت اور سچائی پر مبنی ہوتے اور جو حقیقت اور سچائی کا متلاشی ہوتا ہے اس کے گھر میں رونق مشکل ہی سے پیدا ہوتی ہے، یہ دوسری بات ہے کہ ایسے لوگوں کے دل سکون کی دولت سے مالا مال ہوں...... عدنان واسطی بھی ایسے لوگوں میں سے تھا، قناعت پسند۔ بیٹی کو تعلیم دلائی تھی اور اس نے بھی ایل ایل بی مکمل کر لیا تھا...... عدنان واسطی اسے اپنے ساتھ ہی آفس میں لے آیا تھا اور اب وہ اس کی ماتحت کے فرائض انجام دیتی تھی...... باپ کے دل میں بیٹی کے لئے بہت سے خیالات تھے لیکن بیٹی کو اس نے وہی تعلیم دی تھی۔ البتہ یہ دوسری بات ہے کہ بینا واسطی ذہنی طور پر بہت برتر تھی اور اس کے اندر ایک عجیب سی فطرت چھپی ہوئی تھی...... وہ ایڈونچر پسند اور زندگی میں ایسے کام کرنے کی خواہاں تھی جو خواتین سے منسوب نہیں کئے جا سکتے تھے، لیکن باپ کے اعتبار کے سامنے مجبور تھی اور وہی کرتی تھی جو باپ کی فطرت کے مطابق ہو۔

"اس کے باوجود آپ کی طرف سے کسی مشورے کا انتظار کریں گے اور ایک بار پھر خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہمارا یہ مقصد نہیں ہے کہ آپ ہماری غلط کاریوں کی پشت پناہی کریں، بس آپ کی محبت ہمیں آپ تک لے آئی ہے اور وعدہ کرتے ہیں آپ کے حکم کو کبھی نہیں ٹالیں گے...... اب اجازت دیجئے اچھا بینا باجی خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔" بینا نے کہا اور جمال بیگ مسکراتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا، اکرام باہر

ٹول پر ہی بیٹھا ہوا تھا۔

❋

گل زمان مسکراتا ہوا اندر داخل ہو گیا...... اس نے ایڑیاں بجائیں اور شہاب اس کی طرف متوجہ ہو گیا...... گل زمان نے ایک کاغذ اس کے سامنے رکھ دیا۔

"کیا بات ہے گل زمان؟"

"ہیڈ کوارٹر سے آ رہا ہوں صاحب...... شہر بھر کے تھانوں کی ماہانہ رپورٹ لایا ہوں۔"

"اس میں کیا لکھا ہے؟"

"پڑھ لیں صاحب۔"

"نہیں تم ہی سنا دو۔" شہاب نے کہا اور گل زمان تھانوں اور علاقوں کے نام سے جرائم کی رپورٹیں پڑھ کر سناتا گیا...... کہاں کتنے جرائم ہوئے؟ کتنے لوگ پکڑے گئے، وغیرہ...... پوری رپورٹ میں صرف یہ علاقہ ایسا تھا جہاں کسی جرم کی ایف آئی آر نہیں کٹی تھی۔

"بہت اچھے۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ اچھی بات نہیں ہے سر...... یہ تو ہماری بد قسمتی ہے۔"

"کیوں گل زمان؟ اس سے تو ہماری "گڈ ول" بنتی ہے۔ ہماری شاندار کارکردگی ہیڈ کوارٹر کی "گڈ بک" میں لکھی جائے گی، اس سے تھانے اور تھانے کے عملے کی مستعدی کا ثبوت ملتا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن؟" شہاب نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تم نے جمال بیگ کے بارے میں کوئی رپورٹ نہیں دی۔"

"کیا رپورٹ دیتے صاحب، بس آپ نے اسے وارننگ دے کر بھگا دیا وہ اپنے گھر میں رہتا ہے ابھی تک کوئی بھی دوسرا حملہ نہیں کیا اس نے۔"

"یہی تو تمہاری کمزوری ہے گھوڑے کو ایڑ لگاتے رہو، مال بنانا آسان کام نہیں ہوتا، میں بھی ورک کر رہا ہوں، اب دیکھو نا ہمارے ہاتھ میں اتنا اچھا کارڈ ہے رئیس احمد کا، مگر تم نے منہ موڑ رکھا ہے اس سے...... جمال کو رئیس احمد کو دوسری دھمکی دینی چاہئے اور اس کے لئے تمہارا کیا خیال ہے...... بھئی دیکھو اس کے ماں باپ قتل ہوئے ہیں، وہ کہتا ہے کہ قاتل وہ نہیں ہے اور اس نے بے گناہ سزا بھگتی ہے، آخر کسی نا کسی نے تو اس کے ماں باپ کو مارا ہی

ہوگا اس نے نہیں تو۔" شہاب معنی خیز انداز میں خاموش ہو گیا۔

گل زمان اس کا چہرہ دیکھتا رہا پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "صدقے، جی صدقے...... سچی بات ہے دماغ تو آپ کا ہے۔"

"بس گل زمان...... اب ہر کام میں، میں تو تمہارے آگے آگے نہیں ہو سکتا نا۔ جمال بیگ کو دوسری بار سیٹھ رئیس احمد کے یہاں جانے دو اور اب تم بتاؤ میں نے اس پر سختی نہ کر کے غلط کیا تھا یا صحیح؟"

"سر جی قسم کھاتے ہیں اور کان پکڑتے ہیں آپ کے سامنے اب تک ہم یہی سوچ رہے تھے کہ آپ نے غلطی کی ہے، اگر جمال بیگ کو تھوڑی سی پھینٹی لگ جاتی تو زیادہ اچھا ہوتا۔"

"بالکل بدھو ہو، پھینٹی لگ جاتی تو ہو سکتا ہے وہ ڈر جاتا، لیکن ہم نے اسے اسی لئے آزاد چھوڑا ہے کہ جلد ہی وہ دوبارہ رئیس احمد کے پاس جائے۔ وہ چالاک سیٹھ جو صرف بیس ہزار روپے دے کر مطمئن ہو گیا ہے...... آرام سے نہ بیٹھ جائے...... کیا سمجھے؟"

"سب کچھ سمجھ گیا...... ہماری کھوپڑی تو بالکل ہی بیکار ہو گئی ہے" شہاب ہنسنے لگا تھا۔

شہاب نے ایک گہری سانس لی اور سامنے رکھے پیپر ویٹ کو گھمانے لگا، اسی وقت اردلی نے بتایا کہ کوئی صاحب ملنے کے لئے آئے ہوئے ہیں اور باہر انتظار کر رہے ہیں۔

"کون ہیں؟ بھیج دو۔" شہاب بولا اور چند لمحات کے بعد ایک عمر رسیدہ شخص جو پُروقار شخصیت کا مالک تھا اندر داخل ہو گیا...... شہاب سنبھل کر بیٹھ گیا تھا، آنے والے نے سلام کیا اور شہاب نے بہت احترام کے ساتھ اسے بیٹھنے کی پیشکش کی۔

"شکریہ جناب، میرا نام عدنان واسطی ہے اتفاق کی بات ہے کہ ابھی تک عدالت میں ہمارا سامنا نہیں ہوا...... میں وکالت کرتا ہوں۔"

"اوہو وکیل صاحب...... اصل میں، میں زیادہ پرانا آدمی نہیں ہوں کہئے آپ کے کیسے مزاج ہیں؟"

"بالکل ٹھیک ہوں۔"

"اصل میں آپ سادہ لباس میں تھے میں نہیں سمجھ پایا تھا کہ آپ وکیل ہیں...... کوئی کیس ہے ہمارے اور آپ کے درمیان؟"

"ہے نہیں، لیکن ہو سکتا ہے۔" عدنان واسطی نے جواب دیا، پھر بولا۔ "بہتر ہے تنہائی

ہے آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"بالکل مطمئن رہیں...... دلاور کسی کو اندر مت آنے دینا ضروری میٹنگ کر رہا ہوں۔" شہاب نے آواز لگائی اور باہر کھڑے ہوئے اردلی نے جی صاحب کہا۔ عدنان واسطی نے شکریہ ادا کیا۔

"آپ نے ایک لڑکے جمال بیگ کو رئیس احمد کے کہنے سے بلایا تھا اور اسے رئیس کے سلسلے میں وارننگ دی تھی۔ اسی کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"بے فکر ہو کر کہئے...... کیا آپ نے اس کا کیس لڑا تھا؟"

"نہیں، اس بیچارے کو تو بس سرکاری طور پر وکیل صفائی دے دیا گیا تھا جس نے ضمنی سی کارروائی کر کے، بہرحال اس کی سزا کی تصدیق کرا دی تھی، اتفاق کی بات ہے کہ میں اپنے ایک اور کیس کے سلسلے میں دو تین بار جیل گیا اس سے بھی ملاقات ہو گئی اور نہ جانے کیوں وہ لڑکا میرے دل میں کھب گیا، میں نے اس سے تمام معلومات حاصل کیں، حالانکہ ان سے کچھ حاصل نہیں تھا، بس ایک احساس تھا میرے دل میں کہ یہ لڑکا بے گناہ ہے، بعد میں حالات نے اس کی تصدیق بھی کر دی لیکن وہ اپنی سزا کے دن پورے کر چکا تھا...... سات سال سے جیل میں تھا...... بچپن وہیں گزارا اور جوان ہو کر جیل سے چھوٹ گیا، میں اس دوران البتہ یہ ضرور کرتا رہا کہ اسے کچھ کھانے پینے کی اشیاء وغیرہ فراہم کر دیں، ضروریات کی چیزوں کے لئے سفارش کر دی یا خود پہنچا دیں، اس طرح وہ میرا ممنون ہو گیا، میں نے اسے ہدایات بھی دیں کہ جیل سے نکلنے کے بعد وہ مجرموں کی زندگی نہ اپنائے اور اس سے وعدہ بھی لے لیا تھا...... بات اصل میں یہ ہے کہ انسپکٹر صاحب کہ اچھوں کو اپنانا تو سب ہی کے لئے باعث دلچسپی ہوتا ہے، کسی برے کو اپنایا جائے تب صورت حال سے کوئی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے...... اس کا کیس میں نے سنا بڑا عجیب کیس ہے، میں یہ نہیں کہہ رہا انسپکٹر صاحب کہ اس کیس کو ری اوپن کیا جائے...... میں وکیل ہوں خود ایسا کرنے سے گریز کر رہا ہوں، لیکن میں آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں وہ درحقیقت شریف ہے...... اگر اس کے خلاف کوئی ایسی کارروائی آپ سے کرنے کو کہا جائے آپ سمجھتے ہیں اور میں بھی سمجھتا ہوں کہ یہ بڑے لوگ اپنے دشمنوں کو ایک آنکھ دیکھنا پسند نہیں کرتے، دولت خرچ کر کے وہ ہر طرح کی کارروائی کر لیا کرتے ہیں، تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ جمال بیگ کے سلسلے میں اگر آپ احتیاط

برت لیں تو ایک انسان پر کرم ہو گا۔"

"اگر وہ دوبارہ کوئی جرم کرے گا تو ظاہر ہے پھر تو پولیس کی دست اندازی ضروری ہو جاتی ہے۔"

"اسے اسی جرم سے روکنا ہے، میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ انسانیت کے نام پر آپ ایسا کیجئے۔"

"وکیل صاحب سچ سچ بتائیے آپ کو اس سے کیا واسطہ ہے؟"

" کاش میں آپ کو اس کا یقین دلا سکتا کہ میرا اس سے صرف وہی واسطہ ہے جو انسان کا انسان سے ہو سکتا ہے، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔"

"ہوں...... تو آپ یہ چاہتے ہیں کہ اسے آئندہ جرم سے روکا جائے۔"

"میں انتہائی کوشش کر رہا ہوں کہ وہ ایک شریف آدمی بن جائے، لیکن اگر حالات نے اسے مجبور کر دیا تو پھر میں بھی کچھ نہ کر پاؤں گا۔"

شہاب نے گہری نگاہوں سے عدنان واسطی کو دیکھا اور پھر ایک دم ہنس پڑا...... عدنان واسطی چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"ہنسی کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آ سکی؟" شہاب نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔

"ویسے آپ مجھے اپنا کارڈ دے دیجئے، اگر اس سلسلے میں آپ کی مدد کی ضرورت پیش آئی تو میں پہلے آپ سے مشورہ کر لوں گا۔"

"جی یہ میرا کارڈ رکھ لیجئے، ویسے میں بڑی ہمت کر کے آپ تک پہنچا تھا...... لیکن خیر اجازت دیجئے۔"

"خدا حافظ۔" شہاب نے کہا۔

عدنان واسطی اپنی جگہ سے اُٹھ گیا، اس کے چہرے پر مایوسی کے آثار تھے، پھر وہ کمرے سے باہر نکل گیا...... تھوڑی ہی دیر کے بعد گل زمان اندر آ گیا تھا۔

"صاحب جی آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں آپ کی کن سوئیاں لیتا رہتا ہوں، مگر کچھ باتیں خود بخود علم میں آ جاتی ہیں، یہ عجب پھٹیچر وکیل صاحب تھے، بجائے کیس لڑنے کے مجرموں کی پشت پناہی کرنے آئے تھے۔"

"سارا کھیل ہی بگاڑے دے رہے تھے، ابھی تو ہمیں رئیس احمد سے بہت سے کام لینے

ہیں اور یہ صاحب ہیں کہ بات کو آگے ہی نہیں بڑھنے دینا چاہتے۔" گل زمان قہقہہ مار کر ہنس پڑا تھا۔

"کوئی چکر چلا رہے ہوں گے؟ اس دُنیا میں بغیر چکر کے کون کسی کے کام آتا ہے۔"

"مگر بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی ہے...... وکیل صاحب نے اس کا کیس بھی نہیں لڑا...... کہتے ہیں اتفاق سے جیل میں ملاقات ہو گئی تھی۔"

"ہو سکتا ہے جمال نے ان سے سفارش کرائی ہو...... ارے ہاں...... ایک بات یاد آئی...... وہ آپ کو اپنا کارڈ دے گئے ہیں۔"

"ہاں...... یہ ہے۔" شہاب نے کہا۔

"دلاور ذرا یوسف شاہ کو بلاؤ۔" گل زمان نے آواز لگائی اور کچھ دیر کے بعد یوسف شاہ آ گیا...... گل زمان نے کہا۔

"یوسف شاہ تم نے جمال کا پیچھا کیا تھا؟"

"جی سر۔"

"تم بتا رہے تھے کہ وہ سٹی کورٹ کے سامنے کسی بلڈنگ میں گیا تھا...... کیا نام تھا اس بلڈنگ کا؟"

"نیاز چیمبر۔" یوسف شاہ نے کہا اور گل زمان نے خوشی کا نعرہ مارا۔

"یہ لیجئے سر...... مسئلہ حل ہو گیا...... وکیل صاحب کا دفتر بھی اسی عمارت میں ہے...... کوئی کھیل ہو رہا ہے؟ چیک کرنا پڑے گا۔"

❋

آسیہ بیگم عبادت گزار تھیں، پانچوں وقت کی نماز اور پھر تہجد، درویشیت ان کی زندگی میں داخل ہو گئی تھی...... بڑی بد نصیب خاتون تھیں...... بد نصیبوں کا یہ سلسلہ طویل تھا...... ایسے ایسے واقعات ہوئے تھے کہ جینا ہی مشکل ہو جائے...... والدین رخصت ہوئے، چچا کا انتقال ہوا، تایا مر گئے، رشتے کے بہت سے اور لوگ فنا کے گھاٹ اتر گئے...... شادی ہوئی لیکن شوہر سے سامنا بھی نہ ہو سکا...... شادی کی رات جب چاروں طرف خوشیاں اور دھوم دھڑکا منایا جا رہا تھا، شوہر حادثے کا شکار ہو گیا اور وہ حجلہ عروسی تک نہ پہنچ سکا...... آسیہ بیگم کی زندگی ہمیشہ کے لئے سسکیوں کا شکار ہو گئی۔ بیوہ ہو کر گھر آ گئیں اور اس کے بعد زندگی میں

کوئی خوشی داخل نہ ہو سکی...... لے دے کر ایک بھائی رہ گیا تھا جو اب زندگی کا سہارا تھا...... پہلے اتنی عبادت گزار نہیں تھیں لیکن اب بھائی کی زندگی کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا، لیکن رئیس احمد بھی ایب نارمل فطرت کا مالک تھا۔ شادی کے نام سے چڑتا تھا اور آسیہ بیگم کو وجہ معلوم تھی، لیکن دل مسوس کر رہ جاتی تھیں...... کچھ کرنا ان کے لئے ممکن نہیں تھا...... انہوں نے بھی صبر کر لیا۔

دولت کی ریل پیل تھی...... کاروبار شاندار طریقے سے ہو رہا تھا، اسی لئے اور کوئی مشکل نہیں تھی لیکن رئیس احمد کا معاملہ ایسا تھا کہ آسیہ بیگم کو ہمیشہ اس کے لئے تشویش رہتی تھی اور پھر غلام شاہ جیسا مصاحب جس شخص کو مل جائے...... وہ زندگی میں بھلا کوئی نیک کام کیسے کر سکتا ہے؟ آسیہ بیگم کو غلام شاہ کی صورت سے نفرت تھی، لیکن وہ رئیس احمد کی ناک کا بال تھا اور جب بھی آسیہ بیگم نے غلام شاہ کے بارے میں رئیس احمد سے کچھ کہا...... رئیس احمد چراغ پا ہو جاتا تھا، پھر انہوں نے کچھ کہنا سننا چھوڑ دیا، لیکن اب وہ دیکھ رہی تھیں کہ تین چار دن سے رئیس احمد اپنی خواب گاہ میں جاگتا رہتا ہے...... تہجد کے لئے اُٹھتی تھیں تو اسے جاگتا ہی پاتی تھیں...... کئی بار اسے باہر ٹہلتے ہوئے بھی دیکھا تھا...... وہ اس کی بے چینی کی وجہ معلوم کرنا چاہتی تھیں...... اس وقت بھی نماز سے فارغ ہوئی تھیں...... جاتے ہوئے رئیس احمد کے کمرے میں روشنی دیکھی تھی...... جھانک کر دیکھا تو وہ ایک کتاب پڑھ رہا تھا، حالانکہ اسے کتابوں سے کوئی شغف نہیں تھا...... وہ تو کتابیں اُٹھا کر دیکھنے کا عادی بھی نہیں تھا، کیونکہ ان کتابوں میں دُنیا داری کی بہت اچھی اچھی باتیں لکھی ہوتی ہیں اور اسے اپنے کاروبار اور غلام شاہ کے علاوہ کسی اور چیز سے دلچسپی نہیں تھی...... آخر کار ان سے نہ رہا گیا...... دروازے پر دستک دی تو رئیس احمد کی خوفزدہ آواز سنائی دی۔

"کک کون ہے؟" اس آواز میں خوف کا جو عنصر چھپا ہوا تھا وہ آسیہ بیگم کی نگاہوں سے محفوظ نہ رہ سکا...... انہوں نے کہا۔

"آسیہ ہوں میں۔" رئیس احمد نے دروازہ کھول دیا تھا۔

"بی آپا آپ، اس وقت یہاں...... خیریت تو ہے؟"

"ہٹو پیچھے۔" آسیہ بیگم نے چھوٹے بھائی سے کہا اور رئیس احمد پیچھے ہٹ گیا...... وہ اندر داخل ہو گئی تھیں اور انہوں نے کہا۔

"کیا بات ہے پریشان کیوں ہو؟"

"پپ...... پریشان نہیں تو...... مجھے کیا پریشانی ہو سکتی ہے۔"

"سب کچھ موجود ہے تمہاری زندگی میں۔" آسیہ بیگم نے طنزیہ ہنسی کے ساتھ کہا۔

"قسم لے لیجئے کوئی پریشانی نہیں ہے۔"

"جانتی ہوں تم مجھے کچھ نہیں بتاؤ گے، میری اتنی حیثیت ہے بھی کہاں؟"

وہ باہر نکل گئیں...... رئیس احمد انہیں تشویش بھری نگاہوں سے دیکھتا رہا اور اس کے بعد ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا، پھر اس نے روشنی بجھا دی تھی...... دوسری صبح غلام شاہ اس کی خدمت میں حاضر تھا اور رئیس احمد کے چہرے پر عجیب سے آثار تھے۔

"کیا بات ہے سیٹھ صاحب، آپ ان دنوں کچھ پریشان رہنے لگے ہیں۔"

"مجھے پریشانی نہیں ہو گی۔ تو کیا تمہیں ہو گی؟ جمال بیگ کا کیا ہوا؟ کیا آزاد گھوم رہا ہے؟"

"تھانیدار نے بلا کر چھینٹی لگا دی ہے...... بند تو نہیں ہو سکتا، جب تک کہ کوئی جرم نہ کرے۔"

"انچارج سے دوبارہ بات کرو...... کسی کیس میں پھنسا دینا کوئی مشکل کام نہیں ہو گا...... اس سے کہو کہ کوئی ایسا کیس تیار کرے کہ پھر اسے چار پانچ سال کی سزا ہو جائے، کم بخت جوان ہو کر نکل آیا...... نجانے کیوں میں اس کی طرف سے تشویش کا شکار ہو گیا ہوں۔"

"کمال ہے صاحب جی...... آپ تو کبھی آج تک کسی کی طرف سے تشویش کا شکار نہیں ہوئے۔"

"تم اتنی گہری نگاہیں نہیں رکھتے غلام شاہ...... اس لڑکے کی آنکھوں میں جو بجلیاں تڑپ رہی تھیں...... میں ان بجلیوں پر غور کر چکا ہوں...... وہ ایک جاہل قسم کا طوفانی مزاج آدمی نہیں ہے بلکہ اس کے اندر ایک ٹھہراؤ پیدا ہو گیا ہے اور یہ ٹھہراؤ ہی خطرناک ہو سکتا ہے۔ ویسے تو وہ وارننگ دے کر گیا تھا...... تھانیدار نے اسے بلا کر مارا پیٹا ہو گا اور پھر چھوڑ دیا ہو گا. میں مانتا ہوں لیکن اس سے فرق کیا پڑتا ہے؟ اس سے تو اس کی آتش انتقام اور تیز ہو گی۔"

"تو پھر ٹھیک ہے صاحب جی...... تھانیدار کام کا آدمی ہے...... ہم نے آپ کو پہلے ہی بتایا تھا...... تھوڑا لین دین کرنا پڑے گا اس کے ساتھ۔"

"وہ کوئی بات نہیں ہے...... میں تمہیں پچاس ہزار روپے دے دوں گا اسے دے دینا

اور کہہ دینا کہ اس کے خلاف کوئی ایسا کیس بنائے جس سے وہ نکلنے نہ پائے۔"

"ٹھیک ہے میں بات کرلوں گا۔" غلام شاہ نے کہا اور رئیس احمد پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔

❀

شہاب، عدنان واسطی کے دفتر میں داخل ہو گیا...... دروازے کی دوسری جانب بیٹھا ہوا اکرام جو فائلوں میں کاغذات لگا رہا تھا...... اُٹھ کھڑا ہوا۔ عدنان واسطی اپنی میز پر بیٹھا ایک فائل کی ورق گردانی کر رہا تھا اور بینا حسب معمول کچھ کاغذات ٹائپ کر رہی تھی...... سب نے شہاب کو دیکھا...... سادہ لباس میں ملبوس ایک خوش شکل نوجوان نظر آرہا تھا...... عدنان واسطی اسے پہچان نہ سکا...... اس نے خوش اخلاقی سے شہاب کو خوش آمدید کہا اور بیٹھنے کی پیشکش کی۔ اس پھٹیچر دفتر کو دیکھ کر ہی یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ عدنان واسطی کس طرح کا وکیل ہے...... شہاب کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"جی فرمائیے میرے لائق کوئی خدمت؟"

"شاید آپ نے مجھے پہچانا نہیں وکیل صاحب؟" شہاب نے کہا اور عدنان واسطی اسے گہری نگاہوں سے دیکھنے لگا، پھر ایک دم چونک پڑا۔

"ارے انسپکٹر صاحب، کمال ہے، واقعی آپ کو نہیں پہچان سکا...... وردی میں آپ اس شکل سے بالکل مختلف نظر آتے ہیں بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ خالص انسپکٹر اور سادہ لباس میں معاف کیجئے گا جو کہنا چاہتا ہوں وہ کہہ نہیں سکتا۔"

شہاب مسکرا دیا...... پھر اس نے کہا۔ "بہر حال یہ آپ کی قوت فیصلہ کا معاملہ ہے میں کیا عرض کرسکتا ہوں۔"

"آپ بھی آئے خوب، میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کبھی ایسا ہو پائے گا۔"

"عرض کر چکا ہوں وکیل صاحب، نیا نیا ایس ایچ او بنا ہوں...... وہ بھی بہت بڑی سفارش سے، ابھی کچھ وقت لگے گا تمام لوگوں سے شناسائی حاصل ہونے میں۔" عدنان واسطی ہنسنے لگا تھا...... پھر اس نے کہا۔ "میں آپ کی آمد سے خوش ہوا ہوں...... یہ میری بچی بینا ہے...... مجھے اسسٹ کرتی ہے...... ایل ایل بی کرچکی ہے اور میرے ہی پیشے سے منسلک ہونا چاہتی ہے۔"

"ہیلو بینا۔" شہاب نے گردن خم کر کے کہا۔

"ہیلو سر...... یہ جان کر واقعی حیرت ہو رہی ہے کہ آپ کسی تھانے کے باقاعدہ انچارج ہیں۔"

"اچھا۔"

"جی ہاں لیکن یہ سوچ کر حیرت رفع بھی ہو جاتی ہے کہ آپ نئے نئے انچارج ہیں۔" بینا واسطی نے معنی خیز لہجے میں کہا اور شہاب قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

"شہاب صاحب ویسے تو میں آپ کو خوش دلی سے خوش آمدید کہتا ہوں لیکن پوچھ سکتا ہوں کہ یہاں کیسے تشریف آوری ہوئی؟"

"ہاں بے شک...... آپ سے ملنا بے حد ضروری تھا...... اس ملاقات کے بعد کافی سوچتا رہا آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے آپ سے آپ کا کارڈ طلب کیا تھا...... یہاں آنا تھا آپ کا دفتر دیکھنا تھا...... مس بینا سے بھی ملاقات ہو گئی۔ بڑی خوشی ہوئی...... یہ ہے آپ کا دفتر۔"

"جی ہاں...... براہ کرم اس کا مذاق اُڑانے کی کوشش نہ کیجئے...... یہ میری روزی کی جگہ بھی ہے اور میری عبادت گاہ بھی...... یہاں بیٹھ کر میں رزق حلال کے لئے دعائیں بھی مانگتا ہوں اور ضرورت مندوں کی ضروریات بھی پوری کرتا ہوں۔"

"ویری گڈ...... ویسے وکیل صاحب وکالت کے پیشے میں کیا آپ جیسے لوگ کم نہیں ہیں؟ جمال بیگ کے مسئلے کو ہی لے لیجئے۔ نہ آپ نے اس کا کیس لڑا نہ اس سے آپ کا کوئی واسطہ ہے نہ مستقبل میں اس سے کسی فائدے کی اُمید ہے...... آپ صرف اس بنیاد پر اس کی سفارش کرنے پہنچے تھے کہ وہ آپ کو صورت سے مجرم نہیں لگا تھا۔"

"ہاں میاں مجھ سے عمر میں اتنے چھوٹے ہو کہ اگر ذرا سی بے تکلفی سے بھی تم سے مخاطب ہو جاؤں تو کم از کم مجھے تو برا نہیں لگے گا...... تمہاری بات میں نہیں کرتا...... اصل میں دفتر کی جو حالت دیکھ رہے ہو نا اسے دیکھ کر ہی تمہیں اندازہ ہو گیا ہوگا کہ میں انتہائی ناکام وکیل ہوں...... تم نے خاص طور سے کہا ہے کہ وکالت کے پیشے سے وابستہ ہونے کے باوجود میں اتنا نرم دل کیوں ہوں؟ تو عزیزم لفظ وکیل کے معنی جانتے ہو؟ بہت متبرک لفظ ہے یہ اس کی بلندی کا شاید تمہیں احساس نہ ہو...... ایک مظلوم شخص کسی مشکل کا شکار ہو کر کسی کو اپنی پناہ بناتا ہے تو اس پر کیا فرائض عائد ہو جاتے ہیں؟ بس کچھ خاندانی پس منظر سمجھ لو اور

کچھ فطرت کا تقاضا کہ ایل ایل بی تو کر لیا لیکن ذہنی طور پر اس پائے کا وکیل نہ بن سکا جیسے دوسرے ہوتے ہیں...... کوئی کیس میرے پاس آتا ہے تو پہلے اس کے بارے میں یہ جاننے کی کوشش کرتا ہوں کہ جو شخص میری وکالت چاہتا ہے وہ درست ہے یا مجھے وکیل بنا کر کوئی غلط کام مجھ سے کرانا چاہتا ہے اور جو مظلوم ہوتا ہے وہ مشکل ہی سے دولت مند ہوتا ہے...... بس جو دے دیتا ہے مجھے وہ لے لیتا ہوں...... اللہ تعالیٰ دال روٹی چلا دیتا ہے...... بڑے بڑے دولت مندوں کے جھوٹے کیس لڑ کر زندگی میں کبھی ایک پیسہ حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی، چنانچہ مجھ جیسے لوگوں کا دفتر ایسا ہی ہونا چاہئے۔"

"کتنا عرصہ ہو گیا وکالت کے پیشے سے منسلک ہوئے؟"

"عمر اسی دشت کی سیاحی میں گزری ہے۔"

"بہت خوب...... بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر عدنان واسطی صاحب...... روایتی لوگ کہاں نظر آتے ہیں اس دور میں، لیکن جو روایتیں قائم رکھتے ہیں وہ باعزت لوگ ہوتے ہیں۔"

"شکریہ...... یہ الفاظ ہی میرے لئے بہت قیمتی ہیں...... ویسے میاں ایک بات عرض کروں عزیزم کہ اس پیشے میں بھی اور بہت سے پیشوں میں قیافہ شناسی کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے...... چہرہ شناسی بھی اس کی ایک صنف ہے...... اس وقت تو تم پر غور نہیں کیا تھا۔ اب غور کر رہا ہوں تو نجانے کیوں یہ احساس ہو رہا ہے کہ تم دہری شخصیت کے مالک ہو۔"

"ارے نہیں وکیل صاحب...... شخصیت تو میری تنہا ہی ہے، لیکن بہرحال ابھی کہنا ہے آپ سے کہ نیا نیا پولیس والا ہوں۔"

"تعلق کہاں سے ہے"

"اسی شہر سے...... میرے والد ثاقب حسین صحافی تھے اور لوگوں کا کہنا ہے کہ بڑے بے باک صحافی تھے، چنانچہ بے باک صحافت کا شکار ہو کر بڑی بے باکی سے جام شہادت نوش کر لیا۔ اس کے بعد سے بس دو بھائیوں کے ہمراہ رہ رہا ہوں۔"

"کیا...... کیا ثاقب حسین جرنلسٹ، ارے نہیں بھئی...... وہ تو میرے گہرے دوست تھے...... تم ان کے صاحبزادے ہو؟" عدنان واسطی نے حیرانی سے کہا۔

"جی۔"

"بخدا نہ لفاظی کر رہا ہوں...... نہ جھوٹ بول رہا ہوں...... میں تو اس شخص کے پرستاروں میں سے ہوں...... دیوانہ وار چاہا ہے...... بیٹا کیا تم میری بات کی تصدیق کرو گی؟"

"جی ڈیڈی...... سر یہ بات جھوٹ نہیں ہے...... میں نے ڈیڈی کی زبانی بارہا ثاقب صاحب کا ذکر سنا ہے...... وہ ان کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے تھے اور پھر جب ثاقب حسین کا قتل ہوا تو ڈیڈی کئی دن تک ذہنی طور پر پژمردہ رہے تھے اور کہتے رہے تھے کہ وہ صرف سچ کے ہاتھوں قتل ہو گیا...... یہ ایک بڑی سچائی ہے۔"

عدنان واسطی نے کہا۔ "آپ کا نام مجھے نہیں معلوم ہو سکا؟"

"شہاب ثاقب۔"

"بہرحال اگر میں آپ سے بہت زیادہ یگانگت کا اظہار کروں گا تو کہیں آپ یہ نہ سوچنے لگیں کہ اپنے کسی مقصد کے لئے یہ سب کچھ کر رہا ہوں...... زندگی کے یہ اُلٹ پھیر تو چلتے ہی رہتے ہیں۔"

"جی۔"

"براہ کرم چائے پیجئے۔" اکرام نے چونکہ چائے لا کر رکھ دی تھی اس لئے گفتگو کا یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ شہاب نے چائے کی پیالی اٹھا لی تھی...... اکرام باہر نکل گیا تھا۔

"آپ صرف انسانی بنیادوں پر جمال کی سفارش لے کر میرے پاس تشریف لائے تھے۔ آپ سے پہلے رئیس احمد نے اپنے ایک آدمی غلام شاہ کو میرے پاس بھیجا تھا اور جمال کے بارے میں کہا تھا کہ اسے اس سے خطرہ ہے...... بس میں نے جمال کو بلا کر اسے مزید کسی جرم نہ کرنے کی ہدایت کی تھی...... وہ بھی آتش مزاج لڑکا معلوم ہوتا ہے اور مجھے خوف ہے کہ آگے نہ بڑھ جائے...... کیا آپ مجھے اس کے بارے میں کچھ تفصیل بتا سکتے ہیں؟"

"ہاں بتا سکتا ہوں مگر کیا یقین کرو گے؟"

"آپ کی کہی ہوئی بات پر ضرور یقین کروں گا، لیکن آپ وکیل ہیں اور میں پولیس آفیسر آپ کو علم ہے کہ ہم دونوں ہی ثبوتوں کی بنیاد پر کام کرتے ہیں۔"

"ہاں میں اچھی طرح جانتا ہوں...... میں نے مختصراً بتایا تھا کہ اتفاقیہ طور پر ہی وہ میری نگاہوں کے سامنے آیا اور میں نے قیافہ شناسی اور چہرہ شناسی سے یہ اندازہ لگایا کہ وہ مجرم نہیں ہے۔ بعد میں اس نے مجھے وہ داستان سنائی جو اس کا جرم بن گئی تھی...... میں نہیں جانتا کہ

رئیس احمد کس قسم کا آدمی ہے اور جو کچھ اس کے بارے میں کہا گیا ہے اس میں کہاں تک صداقت ہے؟ کمال بیگ، جمال بیگ کا باپ، رئیس احمد خان کے ہاں ڈرائیور کی حیثیت سے ملازم تھا...... شادی شدہ تھا۔ دو نوجوان بہنیں بھی گھر میں تھیں جو آج تک موجود ہیں...... اس کی بیوی بہت خوبصورت عورت تھی اور لوگوں کا بھی یہی کہنا ہے کہ شاہدہ حسن و جمال میں یکتا تھی...... وہ کیچڑ میں کھلا ہوا پھول تھا، لیکن حسن کسی کی میراث نہیں ہوتا...... یہ تو خدا کی دین ہے...... رئیس احمد غیر شادی شدہ آدمی ہے اور عمر کی اس منزل تک پہنچنے کے باوجود اس نے کیوں شادی نہیں کی، یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے...... سنا ہے اپنی بڑی بہن کے ساتھ ایک عالی شان کوٹھی میں رہتا ہے۔"

"ملازم بہت سے ہیں، بہن کے علاوہ اور کوئی عزیز نہیں ہے...... وقوعے کے روز جمال بیگ میٹرک کا آخری پرچہ دینے کے بعد گھر پہنچا اور اس نے اپنی پھوپھیوں سے ماں کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو پتا چلا کہ کمال بیگ نے اسے کوٹھی میں بلایا ہے...... پہلی بار ایسا ہوا تھا، یہ ایک حیرت انگیز بات تھی...... جمال تجسس میں ڈوبا ہوا جب کوٹھی پہنچا اور ملازموں کے روکنے کے باوجود اندر داخل ہو گیا تو اس نے کوٹھی کے اندرونی حصے میں ایک انوکھا تماشا دیکھا...... اس کی ماں ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی اور غلام شاہ اسے پکڑنے کے لئے دوڑ رہا تھا...... جمال بیگ نے اندر داخل ہو کر اپنی ماں کو سنبھالا اور وہ بری طرح بدحواس ہو گئی...... اس نے اندر کی جانب اشارہ کیا اور وہ دیوانہ وار اندر پہنچ گیا...... تب اس نے اپنے باپ کی خون میں لت پت لاش دیکھی اور ششدر رہ گیا...... بس اسی جگہ اسے گرفتار کر لیا گیا...... شاہدہ کہاں گئی؟ یہ اسے نہیں معلوم تھا؟ لیکن اسے پولیس کے حوالے کر دیا گیا اور اس پر اس کے باپ کے قتل کا الزام لگا دیا گیا...... یہ وہ تفصیل ہے جو جمال بیگ نے مجھے بتائی۔ بعد میں کچھ اور شواہد سامنے آئے...... الزام لگایا گیا کہ شاید رئیس احمد اس عورت پر دست درازی کرنا چاہتا تھا اور کمال بیگ نے مداخلت کی جس کی بنا پر کمال بیگ کو قتل کر دیا گیا...... شاہدہ پر کیا بیتی؟ یہ نہیں معلوم لیکن اس نے گھر واپس آکر خودکشی کر لی اور وہ اس دُنیا سے کسی کو کچھ بتائے بغیر رخصت ہو گئی۔ دونوں نوجوان بہنیں کچھ نہیں بتا سکی تھیں...... جمال بیگ کا جرم ثابت ہو گیا۔"

"شاہدہ کی وہاں موجودگی کے بارے میں رئیس احمد خان نے بیان دیا تھا کہ وہ اکثر وہاں

آتی رہتی تھی اور اس کی بڑی بہن یعنی آسیہ بیگم اسے کچھ نہ کچھ دیتی رہتی تھی...... وہ غریب نواز خاتون ہیں...... اسی مقصد کے تحت شاہدہ وہاں پہنچی تھی، لیکن جمال بیگ اس کی بالکل تردید کرتا ہے...... اس کا کہنا تھا کہ اس کی زندگی میں اس کی ماں کبھی سیٹھ رئیس احمد کے ہاں نہیں گئی اور یہ بات اس کے لئے بڑی تعجب خیز تھی کہ وہ وہاں گئی ہے، اس لئے وہ حیرت میں ڈوبا ہوا وہاں پہنچا تھا اور اپنے باپ کی لاش دیکھ کر بپھر گیا...... کچھ ایسے ثبوت اور عینی گواہ پیش کئے گئے جنہوں نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ جمال بیگ پر ایک جنون ایک دیوانگی طاری تھی اور غالباً وہ یہ سمجھا تھا کہ اس کی ماں کسی بدارادے سے وہاں بلائی گئی ہے اور اس کا باپ اس میں شریک ہے اور اسے رئیس احمد کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا تھا اور شاید اس نے اسی غرض سے اسے وہاں بلایا تھا...... جب کہ رئیس احمد ایک مجرد آدمی ہے اور اس قسم کی فضولیات پر یقین نہیں رکھتا، لیکن جمال بیگ یہ سمجھا کہ شاید اس کے باپ نے اس کی ماں کو رئیس احمد کے ہاتھوں فروخت کر دیا ہے...... بس وہ دیوانگی کی تاب نہ لا کر اپنے باپ پر پل پڑا اور اسے ہلاک کر دیا...... کچھ اس قسم کے ثبوت بھی فراہم کر دیئے گئے تھے، رئیس احمد کی جانب سے جن کی بنا پر عدالت جمال کو سزا دینے پر مجبور ہو گئی۔"

شہاب خاموشی سے چائے کے گھونٹ لیتا رہا...... بینا عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیس ختم ہو چکا ہے...... ملزم یا مجرم سزا بھی کاٹ چکا ہے...... اب اس سلسلے میں اور کیا کیا جا سکتا ہے؟"

شہاب میاں واقعی کچھ نہیں کیا جا سکتا...... میں اب اس رشتے سے آپ کو بہت کچھ بتانا چاہتا ہوں...... اصل میں جمال سات سال تک جیل کی زندگی گزار چکا ہے...... اس کی فطرت میں ایک خطرناک سرکشی چھپی ہوئی ہے...... میں آپ کے پاس جانے سے پہلے اس سے ملاقات کر چکا ہوں...... میں نے اسے بہت سمجھایا بجھایا ہے...... میں خود ایک غریب آدمی ہوں...... اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس کی بقیہ زندگی ضائع نہ ہو جائے...... ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے...... کہیں خدانخواستہ کچھ کر بیٹھا تو...... انسانیت کے نام پر میں آپ سے تعاون چاہتا ہوں۔"

"میں ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں...... مجھے بتائیے میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"وہ آپ کا علاقہ ہے۔ میں چاہتا ہوں آپ پر بھی بہت دباؤ پڑے گا لیکن کیا کہوں
سوائے اس کے کہ آپ بہت بڑے باپ کے بیٹے ہیں۔"

"اجازت چاہتا ہوں۔" "آپ سے بہت جلد دوبارہ ملاقات کروں گا۔" عدنان واسطی نے اسے بڑی محبت سے رخصت کیا تھا۔

❀

شام کے تقریباً ساڑھے چھ بجے تھے...... غلام شاہ اور رئیس احمد کوٹھی کے بیرونی حصے میں بیٹھے ہوئے کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ انہوں نے جمال کو دیکھا۔ دونوں اسے دیکھ کر چونک پڑے تھے...... چوکیدار نے بھی آج جمال بیگ کو نہیں روکا، کیونکہ ایک بار وہ مالکان کے ساتھ اس کی ملاقات دیکھ چکا تھا۔

"یہ کمبخت پھر آ گیا تم تھانے گئے نہیں؟"

"کچھ اور کاموں میں پھنس گیا تھا...... آپ ہی نے تو بھیج دیا تھا اور پھر پیسے بھی نہیں دیئے تھے۔"

"اوہ...... پیسے تم اپنے پاس سے بھی دے سکتے تھے...... اس کتے کا بار بار ادھر چکر لگانا مجھے پسند نہیں...... میں کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتا جو بعد میں میرے لئے افسوس ناک ہو، لیکن اب یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ میں اس کے مطالبے پورے کرتا رہوں۔" اتنی دیر میں جمال بیگ قریب پہنچ گیا تھا...... اس نے بڑے ادب سے دونوں کو سلام کیا۔

"آپ کیسے ہیں تایا جی؟"

"بکواس مت کرو میں کسی مجرم سے اپنا کوئی رشتہ قائم نہیں کرنا چاہتا۔"

"ارے واہ کمال ہے تایا جی۔" جمال بیگ کرسی گھسیٹ کر بیٹھتا ہوا بولا۔ "آپ سے زیادہ بھلا یہ بات اور کون جانتا ہے کہ آپ ایک مجرم سے گفتگو نہیں کر رہے...... کسی بے گناہ کو سزا ہو جانا دوسری بات ہے۔ یہ قانون کی کمزوری ہے پر آپ لوگ جانتے ہیں کہ اصل معاملہ کیا ہے اور پھر کسی ایسے مظلوم کی مدد کرنا ثواب ہے جس نے کوئی گناہ بھی نہ کیا ہو اور اپنوں کو کھو بیٹھا ہو...... ایک یتیم کو سہارا دینا تو بڑی اچھی بات ہے، کیوں سیٹھ اپن غلط تو نہیں بولا۔" جمال بیگ بازاری زبان پر اتر آیا۔

"کس لئے آئے ہو؟"

"صاحب ایک غریب آدمی بڑے آدمی کے پاس کس لئے جاتا ہے؟ بس آپ لوگ سمجھدار ہیں...... پانچ ہزار روپے تو ان قرضوں ہی میں تقسیم ہو گئے جو دوسروں سے لئے گئے تھے۔ ہم پھر قلاش ہو گیا...... ابھی تھوڑا ٹوکن منی اور مل جائے اس کے بعد مک مکاوے کی بات بھی کر لی جائے...... نہ ہم آپ کو پریشان کریں گے نہ آپ لوگ ہماری صورت دیکھیں گے۔"

"جمال ہم نہیں چاہتے کہ تجھے کوئی نقصان پہنچے، لیکن تو خود اپنے لئے مصیبتیں خرید رہا ہے۔"

"چھوڑو صاحب رشتہ تو تم چھوڑ ہی چکے...... ہم تو بڑی محبت سے تمہیں تایا کہہ رہے تھے۔ پر اب صورت حال دوسری ہو گئی ہے...... ابھی مجھے فوراً دس ہزار روپے کی ضرورت ہے، ملیں گے یا؟" جمال بیگ نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"نہیں ملیں گے تو...... تو کیا کرے گا؟" غلام شاہ نے پوچھا۔

"طوفان برپا کر دوں گا...... اپنے ماں باپ کی قبر پر جائے گا صاحب قسم کھائے گا کہ نہیں چھوڑوں گا، نہیں چھوڑوں گا تجھے سیٹھ، تیرے پورے خاندان کو ختم کر دوں گا، پر ہمیں ایسا قسم کھانے پر مجبور مت کرو...... مان لو ہماری بات، سات سال کی بھگت لی ہے زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے...... خواہ مخواہ ہمارے ہاتھوں سے سچ مچ خون کرادو گے۔"

"تو دھمکی دے رہا ہے مجھے؟"

"ہاں آپ لوگ اچھی طرح جانتے ہو...... اب جب تک ہم کوئی جرم نہیں کر لیں گے...... آپ لاکھ پولیس تھانے میں ہماری رپورٹ درج کراؤ کچھ نہیں ہوگا...... تھوڑے سے قانون سے ہم نے بھی واقفیت حاصل کر لی ہے۔ بہتر ہے کہ ہماری بات مان لو۔"

"نکل جاؤ فوراً یہاں سے اب تجھے ایک پیسا بھی نہیں ملے گا اور دیکھ لوں گا میں تجھے۔" غلام شاہ بھڑک کر بولا۔

"غلام شاہ ایک منٹ اس کی بات تو سن لو یہ چاہتا کیا ہے؟" رئیس احمد نے درمیان میں مداخلت کی۔

"سیٹھ سمجھدار آدمی ہے...... سیٹھ صاحب ٹوکن منی دس ہزار ابھی اور اسی وقت اس کے بعد فائنل دس لاکھ میں طے ہوگا، پورے دس لاکھ سیٹھ صاحب۔ پورے دس لاکھ جمال

بیگ کو قاتل بننے سے روکنے کے لئے...... آپ نے کروڑوں روپیہ کمایا ہے...... دس لاکھ روپے مجھے دے دیجئے...... میں بھول جاؤں گا کہ کون رئیس احمد اور کون غلام شاہ؟ یہ شہر چھوڑ دوں گا اور اگر یہ نہ ملے تو آخری داؤ کھیلوں گا کم از کم ماں باپ کی روح کو تو سکون ملے گا۔''

''تیری تو ایسی کی تیسی۔'' غلام شاہ پھر غرایا...... رئیس احمد نے انگلی اٹھا کر اسے روک دیا...... جیب میں ہاتھ ڈالا اور دس ہزار روپے نکال کر اس کے سامنے رکھ دیئے۔

''یہ لو اور جاؤ، تم نے جو مطالبہ کیا ہے اس پر غور کروں گا۔''

''سلام سیٹھ۔'' جمال بیگ فوراً ہی نوٹ اُٹھا کر اُٹھ کھڑا ہوا اور پھر مسکراتا ہوا غلام شاہ کو دیکھ کر باہر کی جانب چل پڑا۔ غلام شاہ دانت پیس رہا تھا...... رئیس احمد نے کہا۔

''جس کام کے لئے تم سے کہا جائے غلام شاہ بہتر ہے اسے کر لیا کرو اور فضول باتوں سے گریز کیا کرو...... تم اسے طیش دلا رہے تھے...... کیا چاہتے ہو وہ میری زندگی لے لے؟''

''سیٹھ صاحب میرے ہوتے ہوئے یہ ممکن ہے؟''

''سب کچھ ممکن ہے کوئی کسی کا کچھ نہیں کر سکتا...... تم تھانہ انچارج سے بات کرو...... پچاس ہزار روپے لو اور ابھی اس کے پاس چلے جاؤ...... اس سے کہو کہ صرف دھمکی دے کر کام نہیں چلے گا...... اس کے لئے کچھ کر لیا جائے تو بہتر ہے۔''

''آپ کا جو حکم ہے ہم مان لیں گے سیٹھ صاحب مگر ایک کام کیوں نہ کیا جائے؟''

''کیا؟''

''وہ دس لاکھ مانگ رہا ہے...... میرا خیال ہے اگر ایک لاکھ روپے خرچ کر دیئے جائیں تو اس دُنیا سے اس کا وجود ہی ختم ہو جائے گا۔''

''میں کوئی جرائم پیشہ آدمی نہیں ہوں...... سمجھے، پانی اگر سر سے گزر گیا تو دیکھا جائے گا، اگر ایسے ہی کوئی کام بن سکتا ہے تو کیا حرج ہے؟ تم تھانہ انچارج سے کہہ دینا کہ اگر وہ اسے کوئی لمبی سزا کرا دے کسی چکر میں تو اسے اور بھی کچھ دیا جا سکتا ہے۔''

''مگر سیٹھ صاحب یہ کام؟''

''غلام شاہ...... میں نے کتنی بار کہا ہے تم سے کہ اپنی آواز میری آواز سے بلند کرنے کی کوشش مت کیا کرو...... جاؤ پیسے لے لو اور چلے جاؤ۔''

''جی بہت بہتر۔'' غلام شاہ بولا اور لان سے اُٹھ کر اندرونی حصے کی جانب چل پڑا......

ئیس احمد ایک گہری سانس لے کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا تھا۔

❁

غلام شاہ کی ملاقات گل زمان سے ہوئی...... شہاب ثاقب اس وقت موجود نہیں تھا...... گل زمان نے غلام شاہ کو فوراً ہی پہچان لیا...... بڑے تپاک سے اس کا استقبال کیا۔

''آیئے شاہ صاحب کیسے مزاج ہیں جی آپ کے؟''

''انچارج صاحب کہاں ہیں؟''

''کہیں نکلے ہوئے ہیں...... ہمیں حکم دیجئے ہم جو موجود ہیں۔''

''بھئی سب انسپکٹر صاحب ایک کام کے لئے آئے تھے ہم آپ کے پاس آپ کو یاد ہو گا؟''

''بالکل یاد ہے جی اور کام بھی ہم نے آپ کا کر دیا تھا...... آیئے بیٹھئے، یوں سمجھ لیجئے جب انچارج صاحب موجود نہیں ہوتے تو ہم ہی انچارج ہوتے ہیں۔''

''یہ تمہارے انچارج صاحب کس قسم کے آدمی ہیں؟''

غلام شاہ نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''درجہ اول جی...... درجہ اول۔ بڑے کام کے آدمی ہیں...... آپ جو حکم دے گئے تھے اس کی تعمیل تو اسی دن کر دی گئی تھی...... اس لونڈے کو ہم خود پکڑ کر لائے تھے اور یہاں صحیح ی چھینٹی لگا دی تھی...... سمجھا دیا تھا کہ ادھر کا رخ نہ کرے مگر آپ کو تو پتا ہے جی سات سال ی جیل کاٹنے کے بعد آدمی جو کچھ بن جاتا ہے وہ معمولی چیز نہیں ہوتا۔''

''پھر تم لوگوں کا کیا فائدہ، بھئی ہم تو یہ چاہتے تھے کوئی پائیدار کام ہو جائے۔''

''وہ جی شاہ جی پائیدار کام کے لئے تو خرچہ زیادہ ہو جاتا ہے نا، آپ خود سمجھتے ہیں جس قسم کے حالات چل رہے ہیں...... ڈی آئی جی بہت سخت آئے ہوئے ہیں اور تھانوں کی بری حالت ہے، مگر آپ بتایئے کیا بات ہے کیا پھر پہنچ گیا تھا وہ؟''

''ہاں کیا نام ہے آپ کا سب انسپکٹر صاحب؟''

''گل زمان جی گل زمان۔''

''گل زمان صاحب لڑکا بڑا خطرناک ہے...... ایک لمبی رقم مانگ رہا ہے۔''

''حکم کرو جی یہاں بیٹھے کس لئے ہیں؟'' گل زمان نے جواب دیا۔

''اصل میں سیٹھ صاحب چاہتے ہیں کہ اسے کسی لمبے چکر میں پھنسا کر دو چار سال کے

لئے اندر کرادیا جائے...... یہ کام آپ لوگوں کو کرنا ہے اور اس کے لئے سیٹھ صاحب آپ لوگوں کی خدمت کرنے پر تیار ہیں۔"

"اوہو ہو...... ان حالات میں اتنا بڑا کام کرنا ایک مشکل بات ہے، بہر حال کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا...... آخر آپ لوگوں کے ساتھ ہی زندگی گزارنی ہے...... ایسا کرتے ہیں کہ اسے اُٹھا تو لیتے ہیں اور پھر یہیں رکھ لیں گے...... تھوڑے دن کے لئے سمجھائیں گے اسے...... سمجھ میں آگیا تو ٹھیک ہے نہیں تو پھر کچھ دیکھنا ہی ہوگا۔"

"یہ کام آپ کو کرنا ہے گل زمان صاحب...... یہ سیٹھ صاحب نے کچھ بھیجا ہے آپ کے لئے۔"

"اس کی کیا ضرورت تھی؟" گل زمان نے نوٹوں کو ناپتے ہوئے کہا اور اس کا دل خوشی سے اُچھل پڑا...... کافی رقم معلوم ہوتی تھی۔

"او جی رقم کا کوئی مسئلہ تو ہمارے بیچ میں ہے ہی نہیں...... کام تو آپ کا کرنا ہی ہے نا۔"

"شکریہ گل زمان صاحب...... تو میں سیٹھ صاحب کو جا کر اطمینان دلا دوں؟"

"بالکل اطمینان دلا دیجئے کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے...... آپ کا کام اگر نہیں ہوگا تو ہمارا تھانے میں رہنے کا فائدہ؟"

"میں چلتا ہوں...... آپ انچارج صاحب سے بات کر لیجئے۔ کل پھر آؤں گا۔"

"جم جم آؤ ضرور آؤ۔" گل زمان نے کہا اور غلام شاہ کو رخصت کرنے باہر آیا...... غلام شاہ کے جانے کے بعد اس نے نوٹ دیکھے...... پچاس ہزار روپے تھے...... پورے پچاس ہزار...... اس کی آنکھوں میں چمک آگئی...... دل تو چاہ رہا تھا کہ پورے ہی پیسے ہضم کر جائے، لیکن خود کو سنبھال لیا...... ابھی تک بڑی خوش اسلوبی سے کام چل رہا تھا...... اس میں گڑبڑ نہیں ہونی چاہئے۔ شہاب خود بھی خیال رکھتا ہے...... بے ایمانی اچھی بات نہیں ہے۔ اس نے اپنے دل کی بگڑتی ہوئی حالت کو سنبھال لیا، پھر شہاب پہنچ گیا...... گل زمان سے صورت حال معلوم کی۔

"بس جی سب کچھ ٹھیک ہے آپ کی بادشاہی میں...... آپ نے ہم سب کو شاگرد بنا لیا ہے جی اپنا، حالانکہ آپ نئے نئے ہو مگر صاب جی آپ کے دماغ کی داد دینا پڑتی ہے۔"

"لگتا ہے کوئی خاص بات ہو گئی؟"

"خاص بات نہیں جی بہت ہی خاص بات اور اس سے بڑی خاص بات اور کیا ہو سکتی ہے۔" گل زمان نے نوٹ شہاب کے سامنے رکھ دیئے اور شہاب نے ایک نگاہ میں ان کی مالیت کا اندازہ لگا لیا۔

"او گل زمان خدا کے بندے، کہا ہے تجھ سے بڑی رقمیں لے کر تھانے میں نہ بیٹھا کر...... کسی وقت اینٹی کرپشن والے آگئے تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

"صاحب جی پھر جلدی سے ان کا تیا پانچا کر دو...... اپنا مال ہم چھپا دیتے ہیں اور آپ اپنا چھپالو جی۔"

"آئے کہاں سے؟" شہاب نے پوچھا اور گل زمان نے ساری تفصیل بتادی...... شہاب کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے عجیب سے تاثرات پیدا ہوئے پھر وہ سوچ میں ڈوب گیا، پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"پچاس ہزار، گل زمانے برے نہیں ہیں...... یوں سمجھ لو کل ہو گئے ستر ہزار...... ابھی تو اپنے سیٹھ رئیس احمد سے بہت کچھ وصول کرنا ہے...... چلو پہلے پیسے ٹھکانے لگا آؤ...... اس کے بعد بات کریں گے...... سارے پیسے لے جاؤ میں جاتے وقت لے لوں گا۔"

"ٹھیک ہے جی۔" گل زمان باہر نکل گیا اور شہاب ثاقب گہری سوچ میں ڈوب گیا...... تھوڑی دیر کے بعد گل زمان مطمئن انداز میں گردن ہلاتا ہوا واپس آگیا۔

"تجوری میں پہنچا دیئے ہیں صاحب جی اور یہ تجوری ایسی جگہ ہے کہ اینٹی کرپشن والے چار دن بھی اسے تلاش کرتے رہیں ان کے ہاتھ نہیں لگے گی۔"

"ویری گڈ...... ویری گڈ...... ہاں بھئی اب یہ بتاؤ کیا کرنا ہے؟"

"صاحب جی آپ کے سامنے بھلا ہم کیا بولیں گے؟"

"پچاس ہزار روپے حلال تو کرنے ہیں؟"

"ہاں صاحب جی مگر پہلے کی طرح نہیں...... اس بار وارننگ نہیں بلکہ اسے بند بھی کرنا ہے اور کافی دن بند کرنا ہے...... کیا خیال ہے صاحب جی اس پر کوئی چارج لگا دیا جائے؟"

"پچاس ہزار روپے میں؟"

"صاحب جی وہ تو بعد کی بات ہے سودا بازی کر لیں گے، لیکن ان پچاس ہزار روپوں کا کام تو کرنا ہی ہے۔"

"ہوں، ٹھیک ہے اسے اُٹھالاؤ۔"

"او جی ابھی جاتے ہیں...... آپ فکر ہی مت کرو۔" گل زمان نے کہااور اس کے بعد وہ آدمی تیار کرنے لگا۔

جمال بیگ گھر پر ہی مل گیا تھا...... گل زمان نے بڑی شرافت سے اس سے کہا۔"جمال بیگ انچارج صاحب نے بلایا ہے تمہیں، کوئی ضروری کام ہے۔"

"تمہارے صاحب کو مجھ سے کچھ زیادہ ہی ضروری کام آپڑے ہیں۔ چلو، حالانکہ میری اپنی بھی کچھ ذمے داریاں ہیں...... کام سے جانا تھا ایک جگہ۔"

"او بھائی ضرورت تو پوری کرنی ہوتی ہے نا، آجا ہو سکتا ہے زیادہ وقت نہ لگے۔" گل زمان کوئی مشکل نہیں چاہتا تھا...... جمال بیگ کو لے کر چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد تھانے پہنچ گیا۔ شہاب وہاں موجود تھا۔

"ہوں تو تم نے دھندہ شروع کر دیا؟"

"جی صاحب، کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"تم بہت چالاک آدمی معلوم ہوتے ہو...... اپنی زبان اور اپنا لہجہ تک بدل لیتے ہو...... کبھی موالیوں کی زبان استعمال کرتے ہو۔"

"اور کبھی میٹرک پاس لوگوں کی، کیوں؟" جمال بیگ ہنس پڑا پھر چونک کر بولا۔

"لیکن کون سے دھندے کی بات کر رہے ہیں آپ؟"

"جمال بیگ تمہارے پاس سے ہیروئن برآمد ہو جانا کوئی مشکل کام نہیں ہے...... ہیروئن کی خرید و فروخت کر رہے ہو...... جانتے ہو آج کل منشیات کی تجارت کرنے والے کے ساتھ کیا سلوک کیا جارہا ہے؟" جمال بیگ نے تیکھی نگاہوں سے شہاب کو دیکھا اور بولا۔

"جادو چل گیا صاحب...... ہمیں انتظار تھا اس جادو کے چل جانے کا...... دس لاکھ مانگے تھے ہم نے۔ اس نے سوچا کہ لاکھ دو لاکھ دے کر کام چلا لیا جائے...... صاحب کوئی دھندہ نہیں کر رہے ہم ہیروئن کا، آپ الزام لگانا چاہتے ہو تو دوسری بات ہے...... دیکھو صاحب خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے...... دولت ضرورت کی چیز ہے، لیکن ایمان بھی کوئی چیز ہوتی ہے...... ہم نے کچھ نہیں کیا اور ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ سیٹھ رئیس احمد کی کارروائی ہے۔"

"بکواس مت کرو...... گل زمان اس کے لباس سے کتنی ہیروئن برآمد ہوئی ہے؟"

"چھ پڑیاں جی پوری چھ پڑیاں اور وہ بھی بڑی بڑی۔"

"اندر ڈال دو اسے چلو جلدی کرو۔" جمال بیگ کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں...... اس نے کہا۔

"خدا کی قسم تھانیدار صاحب جی یہ سب کچھ غلط ہے، آپ اچھی طرح جانتے ہو لیکن ایک بات سمجھ لینا، ہم بار بار بے وقوف نہیں بنیں گے...... آپ ہمیں سزائے موت کے ہونے کا کوئی معقول بندوبست کر دو...... اس سے کم پر بات نہیں ہو گی...... چھوٹے موٹے جرم میں ہمیں مت پھنساؤ...... تھانیدار صاحب اس بار اگر ہم نکل گئے تو اتنے لوگوں کو قتل کریں گے کہ تم لوگ گنتی نہیں کر سکو گے؟ کیا سمجھ رکھا ہے تم نے جمال بیگ کو؟"

"لے جاؤ اسے اور لاک اپ میں ڈال دو۔" گل زمان نے پستول نکال لیا تھا...... دوسرے سپاہی بھی مستعد تھے...... جمال بیگ کو لاک اپ میں ڈال دیا گیا...... اس کا چہرہ انگارے کی طرح سرخ ہو رہا تھا...... گل زمان شہاب کے پاس آگیا...... شہاب سنجیدگی سے کچھ سوچ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"اب یوں کرو کہ غلام شاہ کو اس بارے میں اطلاع دے دو۔"

"جی سر، میں خود چلا جاتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" شہاب نے کہا اور گل زمان بڑی خوشی سے رئیس احمد کی کوٹھی کی جانب چل پڑا۔"

خاصی رات گئے شہاب گھر کی جانب چلا تھا..... پولیس جیپ بھی لے لی تھی اور وردی میں ہی تھا..... فتح محمد کو سلام کرنے کے لئے رکا تو، فتح محمد کو بے چینی سے کھڑے ہوئے پایا۔

"تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا شہاب میاں..... آج بڑی دیر ہو گئی؟"

"جی مرشد بس تھانوں کے معاملات ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ کہئے کوئی خاص بات؟"

"ہاں میاں ذرا اندر چلے جاؤ..... دودھ میں جلیبیاں بھگو کر رکھی ہیں..... گل گئی ہوں گی۔ جاؤ دیکھ لو۔"

"جی بہت بہتر۔" شہاب نے کہا پھر اترتا ہوا بولا۔

"کوئی ہے؟"

"نہیں کوئی نہیں ہے تم جاؤ۔" شہاب اینٹوں کے ڈھیروں کے درمیان سے گزرتا ہوا فتح محمد کے حجرے میں پہنچ گیا..... حجرے میں دوہری دیوار کی دوسری جانب دروازے سے اندر پہنچ کر اس نے روشنی کی۔ یہاں لوہے کی ایک الماری رکھی ہوئی تھی جس میں تالا پڑا ہوا تھا..... نمبر والا تالا کھول کر شہاب نے الماری کا ایک پٹ کھولا اور اس کے سامنے کھڑا ہو گیا..... پوری الماری میں ایک انتہائی طاقتور ٹرانسمیشن کا نظام موجود تھا..... اس نے اس پر کچھ عمل کیا اور چند لمحات کے بعد دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔

"سی پی کنٹرول..... سی پی کنٹرول۔"

"ہاں بھئی کیا ہو رہا ہے؟ کون کون موجود ہے؟"

"سر آپ کو کئی بار کال کیا لیکن جواب نہیں مل سکا..... کچھ اہم اطلاعات ہیں۔"

"ہاں کون سالک؟"

"جی سر میں سالک بول رہا ہوں۔"

"کہو بھئی کیا خاص بات ہے؟"

"سر ہم لوگ ڈیوٹیاں بدلتے رہے ہیں وہ لڑکا مسلسل ہماری نگاہوں میں رہا ہے..... اس دوران کی تمام رپورٹ ہم آپ کو دے چکے ہیں..... تازہ ترین رپورٹ یہ ہے کہ اسے پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔"

"کیا؟"

"جی سر..... بارہ دری تھانے کے پولیس افسران نے اس کے گھر پہنچ کر اسے اپنی تحویل میں لے لیا ہے اور اب وہ تھانے کے لاک اپ میں بند ہے۔"

"تمہیں یقین ہے۔"

"جی سر۔"

"او کے..... اب اس کے بعد جو بھی ضرورت ہو گی تمہیں بتا دیا جائے گا۔"

"تھینک یو سر۔"

شہاب نے ٹرانسمیٹر بند کر کے الماری کو اسی طرح تالا لگایا اور باہر واپس آ گیا..... فتح محمد ایک چارپائی پر بیٹھا انتظار کر رہا تھا۔

"تھکے ماندے آئے ہو گے اس وقت تم سے گفتگو کرنا مناسب نہیں ہے..... سب خیریت ہے نا؟"

"جی مرشد، بالکل۔"

"تو پھر اب جاؤ..... خدا حافظ۔" شہاب مطمئن انداز میں باہر نکل آیا تھا۔

❁

جمال بیگ بدستور لاک اپ میں تھا۔ اب وہ بالکل خاموش ہو گیا تھا اور ایک گوشے میں بیٹھا کڑھتا رہتا تھا۔ شہاب نے لاک اپ کے سامنے سے گزرتے ہوئے ایک نگاہ اس پر ڈالی پھر اپنے آفس میں داخل ہو گیا۔

گل زمان کسی کام سے باہر نکلا ہوا تھا اور زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور شہاب نے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہاں بارہ دری تھانہ۔"

"شہاب صاحب سے بات کرنا چاہتی ہوں۔" ایک نسوانی آواز نے کہا۔

"جی۔ بول رہا ہوں کون ہے؟"

"شہاب صاحب میں بینا واسطی ہوں کیا آپ کو یہ نام یاد ہے؟"

"جی فرمایئے۔"

"میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں...... تھانے آسکتی تھی لیکن کچھ مصلحتوں نے قدم روک لئے ہیں...... آپ براہ کرم اس بات کو محسوس نہ کریں...... آپ بس مجھ سے ملاقات کر لیں حالانکہ یہ بڑی عجیب سی بات ہے کیونکہ میرا ایسا کوئی تعلق نہیں ہے، براہ راست آپ سے کہ آپ میری بات مان ہی لیں لیکن مان لیں تو نوازش ہو گی۔"

"کیا میں آپ کے دفتر آ جاؤں مس بینا؟" شہاب نے نرم لہجے میں کہا۔

"یہ گستاخی نہیں کر سکتی...... آپ تھانے کے علاوہ جہاں بھی حکم دیں، میں پہنچ جاؤں گی۔"

"بہتر ہے کہ میں خود ہی آپ کے دفتر آ جاؤں؟ کہاں سے بول رہی ہیں آپ؟"

"دفتر ہی سے بول رہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے میں تھوڑی دیر میں پہنچ رہا ہوں۔" شہاب نے کہا اور بینا نے شکریہ ادا کر کے فون رکھ دیا...... شہاب کی نگاہوں میں وہ چہرہ آ گیا اور عدنان واسطی کے الفاظ بھی...... اس وقت اس نے بالکل غور نہیں کیا تھا، لیکن اب نجانے کیوں بینا کا تصور ذہن میں اُبھر آیا تھا...... کیا چاہتی ہے وہ، کیا کہنا چاہتی ہے؟ اس نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا...... عدنان واسطی کو اسسٹ کر رہی ہے تو اسے کورٹ میں ہونا چاہئے...... ہو سکتا ہے آج عدنان واسطی کورٹ نہ گیا ہو...... مل لینے میں کوئی حرج نہیں ہے...... ملاقات کرنے کو دل چاہ رہا تھا...... ہو سکتا ہے اسے جمال بیگ کے لاک اپ ہونے کا علم ہو گیا ہو...... اس سلسلے میں بات کرنا چاہتی ہو...... شہاب دوسرے لوگوں کو ہدایت دے کر باہر نکل آیا اور پولیس جیپ لے کر چل پڑا...... تھوڑی دیر کے بعد وہ عدنان واسطی کے آفس میں داخل ہو گیا...... اکرام نے استقبال کیا اور دروازہ کھول دیا...... اندر پہنچا تو عدنان واسطی کی کرسی خالی تھی، البتہ بینا واسطی اپنی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی...... کھڑے ہو کر استقبال کیا اور کہنے لگی۔

"پلیز تشریف رکھئے...... بعض اوقات انسان اپنی اوقات سے بڑی آرزو کر بیٹھتا ہے...... میں نے بہت غور کیا، حالانکہ میں تھانے آسکتی تھی لیکن میں آپ کو اپنے بارے میں جو کچھ بتاؤں گی اسے سن کر آپ کو یقیناً اطمینان ہو جائے گا کہ میں تھانے کیوں نہیں آئی۔"

"مس بینا آپ نے مجھے بلا لیا اچھا کیا...... کوئی ایسی آسمانی چیز نہیں ہوں میں جس کے لئے آپ اس قدر اُلجھی ہوئی ہیں۔"

"بے حد شکریہ جناب...... براہ کرم تشریف رکھئے، میں نے اکرام سے کہہ دیا ہے کہ بہت عمدہ سی چائے بنا لے آپ کے لئے جیسے ہی آپ تشریف لائیں۔ تشریف رکھئے پلیز۔" اس نے کہا اور شہاب کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"واسطی صاحب؟" اس نے سوال کیا۔

"جی ہاں ڈیڈی کورٹ میں ہیں...... مقدمہ ہے آج ان کا۔ میرا کوئی کام نہیں تھا وہاں...... اس لئے میں آج کچھ آفس ورک کر رہی ہوں۔"

"جی فرمایئے کیا ضرورت پیش آ گئی میری؟"

"شہاب صاحب بہت بڑی بڑی باتیں کرنا چاہتی ہوں آپ سے...... آپ کو یقیناً تعجب ہو گا کہ ایک بالکل اجنبی شخصیت نے آپ سے اتنی بڑی گزارش کرنے کا فیصلہ کیسے کر لیا، لیکن مسئلہ وہی ہے کہ اگر دل میں کچھ ہو اور دل ہی دل میں رکھے رہنے دیا جائے تو پھر مفہوم کیسے واضح ہو؟ شہاب صاحب آپ کس طبیعت کے مالک ہیں؟ دوسروں کو کیا اہمیت دیتے ہیں؟ میں بالکل نہیں جانتی لیکن ڈیڈی سے جو گفتگو ہوئی تھی میری، وہ بڑی عجیب تھی۔ انہوں نے کہا کہ آپ ایک ایسے شخص کے بیٹے ہیں جو سچائیوں کا علمبردار تھا اور جس نے اپنے آپ کو اپنی سچائیوں کے سپرد کر دیا اور جام شہادت نوش کر لیا...... بس اسی بات نے ہمت بندھائی...... میں نے یہ سوچا کہ یقیناً آپ کے ضمیر میں بھی وہ سب کچھ ضرور ہو گا۔ وکالت کے پیشے کو ہی لیجئے...... ایک شخص آپ کے پاس آتا ہے...... اپنے مسائل بتاتا ہے اس میں جھوٹ کا بھی سہارا لیتا ہے۔ آپ صرف فیس کی بات کرتے ہیں اور اس کا کیس لے لیتے ہیں...... اب یہ الگ بات ہے کہ جس شخص کے خلاف وہ مقدمہ ہے وہ سچا ہے یا مقدمہ کرنے والا سچا...... عموماً اس کی تحقیق نہیں کی جاتی۔ میں آپ کو پورا پورا یقین دلا رہی ہوں کبھی دل چاہے تو تفتیش کر لیجئے گا کہ ہم پسماندہ لوگ ہمیشہ اسی معیار کے قیدی رہے ہیں۔ میرے

ڈیڈی نے کبھی کوئی ایسا کیس نہیں لیا جس میں انہیں شبہ ہو جائے کہ انہیں بطور وکیل غلط بات کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے اور آپ کو اندازہ ہے کہ ایسے لوگوں کو کون قبول کرتا ہے؟ لیکن ہم نے اپنی ضروریات اتنی محدود کر دی ہیں کہ ہمیں جو تھوڑا بہت مل جاتا ہے وہ ہمارے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ میں زیادہ طویل گفتگو نہیں کروں گی...... بس اتنا کہنا چاہتی ہوں کہ وکالت کے پیشے میں ایک تبدیلی کی خواہش مند ہوں حالانکہ وہ تبدیلی تنہا میری ہی ذات تک محدود ہے۔"

"کیا تبدیلی چاہتی ہیں مس بینا؟" شہاب نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"اہم ترین معاملات میں اگر ہم تھوڑی سی خفیہ چھان بین کر لیں تو کچھ حقائق معلوم ہو سکتے ہیں، لیکن اس کے لئے پولیس کا تعاون ضروری ہے۔"

"جاسوسی؟" شہاب بولا۔

"یہی سمجھ لیں۔"

"یہ تو ہمارا کام ہے۔" شہاب بولا۔

"ہمارا بھی ہے کیونکہ ہم ایک گنہگار کو بے گناہ اور بے گناہ کو عدالت کے سامنے گنہگار ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

"پولیس جو چالان پیش کرتی ہے...... آپ اس سے مطمئن نہیں ہوتیں؟" شہاب نے کہا اور بینا کا چہرہ اتر گیا، پھر آہستہ آہستہ اس پر سختی اُبھر آئی...... اس نے شہاب کو گھورتے ہوئے کہا۔

"آپ مطمئن ہوتے ہیں؟"

"نہیں۔" شہاب بے اختیار مسکرا پڑا اور وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی، جیسے اپنی سماعت پر یقین کرنا چاہتی ہو پھر پتھرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"جی میں سمجھی نہیں۔"

"مس بینا پہلے آپ یہ بتائیے کہ کیا آپ نے اس گفتگو کے لئے عدنان واسطی صاحب سے اجازت لے لی ہے؟"

"جی ہاں۔" اس نے جواب دیا۔

"گویا وہ اس کام کے لئے تیار ہیں؟"

"جی بالکل۔"

"اور یہ سب کچھ آپ کرنا چاہتی ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"اور اس کے لئے آپ کو میری مدد درکار ہے؟"

"جی بالکل۔" وہ عجیب سے لہجے میں بول رہی تھی۔

"ٹھیک ہے میں بخوشی اس کے لئے تیار ہوں اور آپ سے پورا پورا اتفاق کرتا ہوں کہ ایسا ہونا چاہئے حالانکہ محکمہ پولیس میں ایسا نہیں ہوتا...... ہم لوگ اپنے فرائض کی انجام دہی کے سلسلے میں خاصی تن آسانی سے کام لیتے ہیں۔"

"دیکھئے شہاب صاحب...... میں بولنے کے معاملے میں زیادہ احتیاط نہیں رکھتی جو دل میں آتا ہے کہہ دیتی ہوں، اس لئے میرے الفاظ پر مجھے معاف کر دیجئے گا...... پہلے آپ یہ بتائیے کہ آپ نے ایک لمحے میں میری یہ پیشکش کیوں قبول کر لی؟ یہ تو ایک عجیب سی بات تھی جس پر آپ کو حیران ہونا چاہئے تھا؟"

"اور اگر مس بینا یہ جواب میں آپ کو نہ دوں تو؟"

"نہیں آپ کو کسی بات کے لئے مجبور نہیں کیا جاسکتا، لیکن میرے خیال میں آپ نے میری اس پیشکش کو بالکل سرسری انداز میں لے لیا ہے۔"

"مس بینا، آپ خود یہ جواب دیجئے کہ کیا آپ اپنے اس ارادے میں مضبوط ہیں؟"

"خدا کی قسم...... فولاد، بلکہ فولاد بھی میرے ان عزائم کے سامنے ہیچ ہے...... اگر آپ مجھ سے تعاون کرنے کے لئے تیار نہ ہوتے تو میں اپنے طور پر بہت سے کام کرتی...... آپ ہمارے لئے بہت سی آسانیاں پیدا کر سکتے ہیں۔"

"تو پھر یوں سمجھ لیجئے کہ میں آپ کی اس پیشکش کو بالکل سرسری انداز میں نہیں لیا، بلکہ آپ سے اس سلسلے میں مکمل اتفاق اور تعاون کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

"اس کا امتحان لوں گی میں۔" وہ بولی۔

"بسر و چشم۔"

"تو پہلا سوال آپ سے یہ ہے کہ کیا آپ نے جمال بیگ کو گرفتار کر لیا ہے؟"

"جی ہاں۔" شہاب ثاقب اپنی فطرت کا انوکھا ہی تھا اور بیچاری بینا واسطی صحیح معنوں

میں اس کا تجزیہ نہیں کرپائی تھی اور کر بھی نہیں سکتی تھی...... وہ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد بولی۔

"بتا سکتے ہیں کیوں؟"

"ہاں مس بینا بتا سکتا ہوں اس کے لئے سیٹھ رئیس احمد نے ہمیں رشوت پیش کی تھی۔ ان کا ایک خاص آدمی غلام شاہ دوبار میرے پاس آیا، دونوں بار اس نے مجھے رشوت دی اور پہلی بار میں نے جمال بیگ کو بلا کر صرف وارننگ دے دی۔ دوسری بار جب جمال بیگ نے اس کی کوٹھی کا رُخ کیا تو میں نے اسے گرفتار کرلیا۔"

"بغیر کسی جواز کے؟"

"ہاں، رئیس احمد خاں کے ملازم نے فرمائش کی ہے کہ اس پر ہیروئن فروشی کا کیس بنادیا جائے اور اتنا سخت بنادیا جائے کہ ایک بار پھر وہ کئی سال کے لئے اندر چلا جائے۔" بینا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں...... وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ اکرام چائے لے آیا تھا اس نے خود ہی چائے بنا کر دونوں کے سامنے رکھی اور باہر چلا گیا...... بینا شدید حیرت کا شکار تھی اور بغلیں جھانک رہی تھی، پھر وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

"اب میں کیا کہہ سکتی ہوں اس سلسلے میں؟"

"نہیں بینا...... بے تکلفی سے گفتگو کیجئے، اگر آپ نے اس سلسلے کا آغاز کیا ہے تو اسے انجام تک پہنچانا بھی آپ ہی کی ذمے داری ہے۔"

"آپ رشوت لیتے ہیں؟"

"جی ہاں لیتا ہوں۔"

"تو پھر تو...... پھر تو۔"

"آپ بتانا پسند کریں گی کہ آپ کو اس بات کا علم کیسے ہوا؟"

"میں جمال بیگ کے گھر گئی تھی۔ ڈیڈی اس سے متاثر ہوئے تھے، اگر اس کی سزا ختم نہ ہوتی تب بھی ہم کوشش کرتے کہ اس کے لئے کچھ نہ کچھ کیا جائے، لیکن اس کی سزا کے اختتامی دن تھے...... جب ڈیڈی کی اس سے ملاقات ہوئی اور اس کے بعد وہ یہاں آیا...... اس نے مجھے بڑی محبت سے باجی کہا اور میرے دل میں اس کے لئے ایک لگاؤ پیدا ہوگیا...... میں اس کے حالات سے باخبر رہنا چاہتی تھی اور ہمیں بھی یہی خدشہ تھا کہ کہیں وہ کسی مصیبت

میں گرفتار نہ ہو جائے اور اب اس کے بارے میں تحقیق کرنے پر مجھے پتا چلا کہ آپ نے اسے گرفتار کرلیا ہے۔"

"مس واسطی، میں آپ کو مزید پریشان نہیں کروں گا۔ مجھے یہ سب کچھ اچھا نہیں لگ رہا...... میں نے بے شک اس کی گرفتاری کے لئے رشوت لی ہے، لیکن نہ اس پر ہیروئن کا کیس بنے گا اور نہ اسے قید رکھا جائے گا...... وہ بے وقوف نوجوان ہے...... یہ بات نہیں جانتا کہ سرمائے دار سے لڑنا کتنا مشکل کام ہے...... ابھی تو اس نے ایک دوبار رئیس احمد کو پریشان کیا ہے اور رئیس احمد نے اسی پر اکتفا کی ہے کہ وہ پولیس کے ذریعے جمال بیگ کو گرفتار کروادے اور اس پر کوئی کیس بنوادے، لیکن اگر پولیس اس کے ساتھ تعاون پر آمادہ نہ ہوتی تو آپ کیا سمجھتی ہیں...... وہ لاکھ دو لاکھ خرچ کرکے جرائم پیشہ افراد کی خدمات نہیں حاصل کرسکتا تھا اور کیا آپ سمجھتی ہیں کہ جمال بیگ اتنا شاطر ہے کہ ان جرائم پیشہ افراد سے زندگی بچا سکتا ہے؟ مس بینا میں نے اسے تحفظ کے خیال سے لاک اپ میں ڈال رکھا ہے۔ نہ اس کی کوئی انٹری کی ہے، نہ ایف آئی آر کاٹی ہے اور نہ وہ ہیروئن فروشی کے الزام میں عدالت میں پیش کیا جائے گا۔"

"جی۔" بینا کے چہرے پر انتہائی خوشی کے آثار نمودار ہوگئے۔

"اور آخری بات، میں آپ سے جھوٹ بولنا پسند نہیں کرتا۔"

"اوہ، آپ شہاب صاحب آپ، اب بتایئے...... اب بتایئے کیا ڈیڈی نے غلط کہا، کیا انہوں نے غلط کہا تھا کہ آپ ایک ایسے بے باک صحافی کے بیٹے ہیں جس نے سچ کی خاطر جان دے دی؟ شہاب صاحب ہمیں کتنی بڑی کامیابی حاصل ہوئی ہے، ہم آپ کو بتا نہیں سکتے...... ہم، میں شہاب صاحب میں، میں آپ پر اپنی خوشی کا اظہار نہیں کرسکتی اور سنیئے میں نے ابھی اس دُنیا میں قدم رکھا ہے، لیکن نجانے کیوں ہم اپنے آپ کو بہت ذہین سمجھتے ہیں...... میں اس ذہانت کے سہارے یہ کہہ رہی ہوں کہ آپ جھوٹ نہیں بول رہے...... آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں سچ کہہ رہے ہیں۔" شہاب نے چائے کی پیالی اُٹھا کر چائے کا ایک گھونٹ لیا اور آہستہ سے بولا۔

"ہاں مس واسطی، میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں اور اب ہمیں یہ موضوع ختم کرنا چاہئے...... میرے خیال میں آپ کے ذہن میں بھی یہی بات ہوگی جو آپ سے پہلے میں کہہ

دینا چاہتا ہوں اور وہ بات یہ ہے کہ آپ سب سے پہلے جمال بیگ کے سلسلے میں ہی اپنے اس کام کا آغاز کیجئے...... میں ہر طرح آپ سے تعاون کروں گا اور آپ مطمئن رہیں...... اول تو آپ خود بھی وکیل ہیں، لیکن میں آپ کو کسی قانونی گرفت میں نہیں آنے دوں گا۔ یہ آپ سے میرا وعدہ ہے۔" بینا کی آنکھوں سے مسرت جھلک رہی تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"کاش میں آپ پر اپنی خوشیوں کا اظہار کر سکتی۔"

"مس بینا...... کام تمام چیزوں سے افضل ہوتا ہے...... کیا آپ یہ بتانا پسند کریں گی کہ آپ سیٹھ رئیس احمد کے بارے میں کس طرح اپنی تفتیش کا آغاز کریں گی؟"

"میں اس کی کوٹھی میں داخل ہوں گی اور وہاں سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کروں گی۔ آپ اس انداز کو چاہے فلمی انداز ہی کہہ لیجئے لیکن میں ایسا کروں گی۔"

"آپ کو اپنے تحفظ کا بھی خیال رکھنا ہوگا...... ویسے آپ کے اپنے ذہن میں کیا بات ہے؟"

"یہی کہ جمال بیگ اپنے باپ کا قاتل نہیں ہے...... اسے غلط سزا ہوئی ہے۔ میں رئیس احمد کے بارے میں ثبوت حاصل کروں گی اور اس کے بعد ہم اس کیس کو ری اوپن کریں گے۔"

"او کے میں آپ کے ساتھ ہوں اور آپ نے یہ بہت بہتر کیا کہ مجھے یہاں بلا لیا...... تھانے میں آپ کا آنا بالکل مناسب نہیں ہوگا، تاکہ لوگ ہمیں ایک دوسرے سے متعلق نہ سمجھیں۔"

"بے حد شکریہ، میں...... میں بتا نہیں سکتی کہ خوشی سے میرا کیا حال ہے؟"

"لیکن آخری بار آپ سے عرض کر رہا ہوں کہ اپنے تحفظ کا خیال رکھئے گا۔"

"میں اتنی مضبوط لڑکی ہوں شہاب صاحب کہ بعد میں آپ کو اس کا احساس ہوگا۔"

شہاب نے چائے کا آخری گھونٹ لیا اور بولا۔

"میرے لائق اور کوئی خدمت؟"

"نہیں شہاب صاحب، میں نے آج صبح جو تصور اپنے دل میں کیا تھا اس کا یہ انجام پاکر بس، آپ کہیں گے کہ میں ایک ہی لفظ بار بار دہرا رہی ہوں۔"

"بہتر، مجھے اجازت دیجئے۔" شہاب نے کہا اور اپنی جگہ سے اُٹھ گیا...... بینا اسے دروازے سے باہر تک چھوڑنے آئی تھی۔

آسیہ بیگم اپنی کار میں جا رہی تھیں...... ہسپتال چیک اپ کرانا تھا...... سینے میں بلغم جمع یا تھا جس کی وجہ سے طبیعت کچھ خراب تھی...... ہسپتال سے واپس آ رہی تھیں...... ئیور مناسب رفتار سے کار ڈرائیو کر رہا تھا کہ اچانک وہ سامنے آ گئی۔ ڈرائیور نے پوری ت سے بریک لگایا اور گاڑی کو سائیڈ پر کاٹا، لیکن وہ بھی ادھر ہی دوڑی، جدھر گاڑی آ رہی ی...... سامنے کی ٹکر تو نہ ہوئی لیکن ہلکی سی ٹکر لگ گئی تھی اور وہ زمین پر گر پڑی...... شکر تھا آس پاس اور کوئی موجود نہیں تھا ورنہ لوگ جمع ہو جاتے اور اس کے بعد نہ جانے کن وں سے واسطہ پڑتا...... آسیہ بیگم کے منہ سے تو بس الٰہی خیر نکلا تھا اور اس کے بعد وہ گم ئی تھیں...... ڈرائیور جلدی سے نیچے اترا اور اس نے بے ہوش پڑی ہوئی لڑکی کو دیکھا وہ حواس باختہ ہو گیا تھا، اس نے ایک نگاہ چاروں طرف دوڑائی اور پھر کھڑکی سے منہ اندر کے بولا۔

"بیگم صاحبہ کیا کروں؟"

"مم...... مم...... مم۔" آسیہ بیگم کے منہ سے بس اتنا ہی نکل سکا، لیکن ڈرائیور جھ گیا کہ وہ پوچھنا چاہتی ہیں کہ کیا وہ مر گئی، جلدی سے بولا۔

"نہیں بیگم صاحبہ زخمی بھی نہیں ہوئی بس دھکا لگا ہے بے ہوش ہو گئی ہے۔"

"کک...... کوئی اندرونی چوٹ۔" آسیہ بیگم کے حواس کچھ بحال ہوئے۔

"بالکل نہیں۔"

"بے ہوش ہے؟"

"جی ہاں۔"

"تو منہ کیا دیکھ رہے ہو میرا، اُٹھا کر گاڑی میں ڈالو اسے ہسپتال لے چلیں۔" آسیہ بیگم نے غصیلے لہجے میں کہا اور ڈرائیور لڑکی کے بے ہوش جسم کو سنبھالنے لگا، بس یہ خوش بختی ہی تی کہ آس پاس سے کوئی گاڑی بھی نہیں گزری تھی، اس لئے کوئی ہنگامہ نہ ہو سکا، لڑکی کو یہ بیگم کے قریب لٹا دیا گیا اور آسیہ بیگم تاسف بھرے لہجے میں بولیں۔

"کتنی پیاری بچی ہے اللہ اسے زندگی دے، اللہ اس کی خیر کرے...... ارے چلو تم پاگل ہو گئے ہو کیا چلتے کیوں نہیں ہو؟"

ڈرائیور اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا اور بولا۔

"کہاں چلوں بیگم صاحب؟"

"جہنم میں۔"

"مم...... میرا مطلب ہے کہ ہسپتال جائیں گے تو مصیبت بن جائے گی لینے کے دینے پڑ جائیں گے اسے کوئی چوٹ نہیں لگی ہے، بس صدمے سے بے ہوش ہو گئی ہے۔"

"تو پھر گھر لے چلو، چلو جلدی کرو بچی کا ہوش میں آنا ضروری ہے۔" آسیہ بیگم نے لڑکی کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا اور ڈرائیور نے گاڑی سٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی...... تھوڑی دیر کے بعد وہ کوٹھی میں داخل ہو گیا، لیکن کوٹھی میں داخل ہونے کے بعد جونہی اس نے گاڑی روکی لڑکی کو ہوش آ گیا، اس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے آسیہ بیگم کو دیکھا پھر انہیں دیکھتی رہی...... آسیہ بیگم کو بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ لڑکی کو ہوش آ گیا ہے انہوں نے کہا۔

"کیسی طبیعت ہے بیٹی؟"

"جی۔ مم...... میں، میں کہاں ہوں، کہاں ہوں میں؟"

"فکر مت کرو جہاں بھی ہو محفوظ ہو...... ہم برے لوگ نہیں ہیں بیٹی...... حادثہ بالکل اتفاقیہ ہوا تھا تم اچانک ہی سڑک پر دوڑ پڑی تھیں؟" لڑکی کے چہرے پر غور و فکر کے آثار نمودار ہوئے، پھر وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی۔

"تو، تو میں پھر بچ گئی۔" اس نے غمزدہ لہجے میں کہا۔

"آؤ آؤ اندر چلو یہاں کھڑے رہنا ٹھیک نہیں ہے...... یہ میرا گھر ہے۔"

"جانے دیجئے میں کسی کو اپنی ذات سے تکلیف نہیں دینا چاہتی۔"

"ارے تم کیا کہہ رہی ہو آؤ میرے ساتھ زیادہ تکلف نہیں کرتے بیٹا...... میں کوئی نہیں ہوں تمہاری لیکن اب ایسا بھی نہیں ہے...... تم بے فکر رہو، یہاں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا...... میرا نام آسیہ بیگم ہے۔ آؤ میرے ساتھ آؤ۔" وہ اسے اندر لے گئیں سیدھی اپنے کمرے میں پہنچیں، لڑکی ایک سادہ سی شلوار قمیض میں ملبوس تھی جو بہت ہی سستے کپڑے کی بنی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر بھی غربت اور افلاس کے سائے رقصاں تھے...... وہ ایک صوفے پر بیٹھ گئی...... آسیہ بیگم اس کے بالکل قریب بیٹھ گئی تھی۔

"دیکھو چندا میں کوئی بہت بڑی بات نہیں کہنا چاہتی جو کچھ ہوا اس میں واقعی ڈرائیور کا

قصور نہیں تھا، بس تم اس طرح دوڑ پڑی تھیں مگر خیر...... اللہ نے تمہیں محفوظ رکھا...... کہاں رہتی ہو؟ کہاں جانا ہے؟ جو مشکل ہو مجھے بتا دو، تمہیں وہیں پہنچا دیا جائے گا...... بیٹا اللہ نے تمہیں زندگی دی ہے، میں بڑی خوش ہوں...... کوئی اندرونی چوٹ تو نہیں محسوس ہو رہی؟ کچھ کھاؤ گی پیو گی؟"

"نہیں...... آپ خدا کے لئے مجھ سے اتنی محبت کا اظہار نہ کریں، میں اس قابل نہیں ہوں اور آپ کی تسلی کے لئے میں آپ سے عرض کر دوں کہ آپ کے ڈرائیور کا کوئی قصور نہیں ہے میں، میں خود ہی آپ کی کار کی جانب دوڑ پڑی تھی۔"

"اے بچی اس طرح اور اگر کوئی نقصان پہنچ جاتا تو؟"

"بدقسمتی یہی ہے کہ کوئی نقصان نہیں پہنچا۔"

"کیا کہہ رہی ہو کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔"

"میں خودکشی کے لئے آپ کی کار کے سامنے آئی تھی مگر آپ کی کار کا ڈرائیور ضرورت سے زیادہ ہی مستعد نکلا۔"

"ہیں!" آسیہ بیگم کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"جی میں مرنا چاہتی ہوں۔"

"سبحان اللہ یعنی اب موت زندگی بھی اپنے بس کی بات ہو گئی، بچی تمہارا دماغ خراب معلوم ہوتا ہے اس عمر میں جینے کی باتیں کی جاتی ہیں تم مرنے کی بات کرتی ہو۔" لڑکی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں بڑی اماں کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ موت زندگی سے زیادہ دلکش محسوس ہوتی ہے۔"

"خدا تمہیں زندہ سلامت رکھے...... کیا مشکل ہے مجھے بتاؤ بیٹی میں تماری ماں کی جگہ ہوں، بتاؤ تمہیں کیا تکلیف ہے؟ کس مشکل کا شکار ہو؟" لڑکی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اس نے سر جھکا لیا تھا...... آسیہ بیگم اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھ رہی تھیں...... کسی اچھے گھرانے کی معلوم ہوتی تھی، شکل و صورت بے مثال تھی...... دیکھنے دکھانے کے قابل لیکن حلیہ اور لہجے سے بے بسی اور عسرت ٹپکتی تھی...... انہوں نے ہمدردی سے کہا۔

"دیکھو کوئی کسی کا ساتھ نہیں دے سکتا، کوئی کسی کے لئے کچھ نہیں کر سکتا لیکن کبھی

کبھی قدرت ایسے مواقع فراہم کر دیتی ہے کہ انسان انسان کے لئے کچھ کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے، بیٹی تمہاری جو بھی مشکل ہو مجھے بڑی اماں کہا ہے نا تم نے، بس بڑی اماں سمجھ کر ہی مجھے اپنی مشکل بتا دو خدا نے چاہا تو میں تمہارے کام آؤں گی۔“

”اچھا ہے...... اچھی بات ہے قصے کہانیوں میں تو ایسی باتیں مل جاتی ہیں، چلو آج حقیقت کی نگاہ سے بھی دیکھ لیا...... بڑی اماں میں لاوارث ہوں، بے سہارا ہوں...... دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے اور زندگی اس قدر عذاب ہو گئی ہے مجھ پر کہ اب موت ہی دلکش محسوس ہوتی ہے۔“

”اوہ...... بہت افسوس ہوا والدین کا انتقال ہو چکا ہے۔“

”جی بہت عرصہ ہوا بس ہمیشہ ہی دوسروں کے رحم و کرم پر رہی ہوں...... کسی نے محبت کی نگاہ سے دیکھا تو مسکرا دی، خوشی مل گئی اور نفرت کی نگاہ سے دیکھا تو غم کے آنسو بہا لئے، لیکن بڑی اماں وقت جب ایسا کوئی فیصلہ کر دے جو دل و دماغ ہی قبول نہ کرے تو پھر آپ کیا کریں گی خودکشی کے سوا۔“

”خیر خیر...... تم پریشان نہ ہونا...... خودکشی کرنا گناہ عظیم ہے، جانتی ہو نا تم اور اب تم ایسی کوئی بات نہیں سوچو گی...... قصے کہانیاں، فلمیں، افسانے سب زندگی سے تعلق رکھتے ہیں...... ان میں جو کچھ لکھا ہوتا ہے وہ کہیں نہ کہیں موجود بھی ہوتا ہے، وہ صرف خیالی اختراعات نہیں ہوتیں...... تم تقدیر کے ہاتھوں جتنے بھی ستم اٹھا چکی ہو لیکن اب تم میرے پاس ہو...... کچھ بھی نہیں ہوں میں تمہاری لیکن ہو سکا تو کچھ بن کے دکھا دوں گی۔“ لڑکی زار و قطار رونے لگی تھی...... آسیہ بیگم نے بمشکل تمام اسے چپ کرایا...... بڑی ہمدردی محسوس کر رہی تھیں وہ اس کے لئے اپنے دل میں۔ انہوں نے اسے بہت سے دلاسے اور سہارے دیئے اور کہا کہ اب اسے کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی...... آسیہ بیگم اسے اپنے ساتھ ہی رکھیں گی...... لڑکی نے روتے ہوئے ان سے درخواست کی کہ بس وہ اسے عزت کی زندگی دے دیں روٹی اور جسم ڈھکنے کے لئے ایک جوڑی کپڑے، وہ ان کی اتنی خدمت کرے گی کہ وہ اس سے خوش ہو جائیں گی اور آسیہ بیگم نے اس کی یہ بات منظور کر لی تھی۔ انہوں نے اسے اپنے ساتھ ہی کمرے میں جگہ دی تھی، ملازموں سے کہہ کر ایک مسہری اس کے لئے اپنے ہی کمرے میں ڈلوا لی تھی اور اسی طرح لڑکی کو ان کا سہارا حاصل ہو گیا تھا۔ اس نے

اپنا نام انہیں بینا بتایا تھا۔

غلام شاہ تھانے پہنچا تھا اور اس نے شہاب ثاقب سے ملاقات کی تھی، شہاب نے اس کا ہمیشہ کی مانند پر تپاک استقبال کیا تھا۔

”آیئے شاہ صاحب، کہئے کیسے مزاج ہیں آپ کے؟“

”بس جی سلام کرنے آ جاتے ہیں جب بھی ادھر سے گزرتے ہیں...... اس وقت بھی ادھر کسی کام سے آئے تھے سوچا آپ کو سلام کرتے چلیں۔“

”بڑی مہربانی غلام شاہ صاحب آپ جیسے لوگوں کی دوستی حاصل کر کے دلی خوشی کا احساس ہوتا ہے اور ہم بھی اپنے آپ کو بڑا آدمی سمجھنے لگتے ہیں۔“ شہاب نے کہا۔

”ارے نہیں صاحب آپ نے تو خود جگہ بنائی ہے ہمارے دل میں اور ہمارے سیٹھ صاحب بھی آپ سے بہت خوش ہیں...... کہئے ہمارے مہمان کا کیا حال ہے۔“

”ایک نظر ڈال لیجئے پتا چل جائے گا۔“

”ہوں...... ذرا دور ہی سے دیکھ لیتے ہیں قریب جانا تو مناسب نہیں ہے۔“

”ارے آپ ڈرتے ہیں غلام شاہ صاحب ہم جو ہیں۔“

”نہیں ڈرتے ورتے نہیں ہیں بس وہ جو کہتے ہیں نا کہ کھسیانی بلی کھمبا نوچے۔“ ایک سنتری نے غلام شاہ کو لاک اپ میں بند جمال بیگ کی شکل دکھا دی تھی جو ایک طرف بیٹھا ہوا ایک دیوار کو گھور رہا تھا...... غلام شاہ مسکراتا ہوا واپس آ گیا۔ کہنے لگا۔

”اب آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو رہا ہو گا...... اصل میں یہ لونڈے جوان ہونے کے بعد اپنے آپ کو نجانے کیا سمجھ لیتے ہیں؟ مزاج ہی نہیں مل رہے تھے، نجانے کیا کیا اول فول بک رہا تھا، یہ نہیں پتا کہ ہاتھیوں سے گنے کھانا کتنا مشکل کام ہوتا ہے۔“

”نوجوانی کی عمر ہے شاہ صاحب بڑا ہو گا تو پتا چل جائے گا۔“

”بچپن جیل میں گزارا اور جوانی بھی جیل میں ہی گزرے گی، آپ کیا کر رہے ہیں اس کے لئے۔“

”بس آپ کے حکم کا انتظار کر رہے ہیں۔“ شہاب نے جواب دیا اور گل زمان مسکرانے لگا۔

"ہم کیا اور ہمارا حکم کیا، سیٹھ صاحب نے ایک پیغام بھیجا تھا اس کے لئے آپ کے پاس ہم نے بتادیا تھا، آپ کو بس اسی پر عمل کرنا ہے، کام جلدی سے شروع کر ڈالئے چالان بھیجئے اور جیل بھجوا دیجئے آپ کے تو یہ بائیں ہاتھ کا کام ہے۔"

"دائیں ہاتھ کا، دائیں ہاتھ کا۔" شہاب نے اپنا داہنا ہاتھ سیدھا کر کے غلام شاہ کے سامنے پھیلا دیا اور غلام شاہ اس پھیلے ہوئے ہاتھ کو دیکھنے لگا...... شہاب نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"بہت بڑا کام ہے شاہ صاحب ایک نوجوان لڑکے کی پوری زندگی برباد کرنی ہے...... ظاہر ہے کم از کم داہنے ہاتھ میں کچھ ہونا تو چاہئے۔"

"جی وہ...... اچھا اچھا...... ہاں...... ہاں، مگر وہ ہم کچھ دے تو گئے تھے۔"

"جی ہاں...... کوئی ستر ہزار، کیا ایک انسان کی زندگی کے قیمتی سالوں کی قیمت ستر ہزار ہوتی ہے، غلام شاہ صاحب؟"

"نہیں نہیں یہ مطلب نہیں ہے آپ ایسا کریں کہ بتا دیں ہمیں جو آپ بتائیں گے ہم رئیس احمد صاحب سے کہہ دیں گے، سیٹھ صاحب ویسے بھی بڑے دوست نواز آدمی ہیں اور پیسہ تو ان کے لئے کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔"

"میاں غلام شاہ لاکھ دو لاکھ کی بات کرو یہ پچاس ساٹھ ہزار میں آج کل کیا ہوتا ہے، سیٹھ صاحب خود بھی سمجھدار ہیں؟"

"لل...... لاکھ دو لاکھ؟"

"کم از کم دو لاکھ ان ستر ہزار کے علاوہ۔"

"زیادہ نہیں ہیں انسپکٹر صاحب؟"

"اب یہ تو آپ خود سوچیں کم ہیں یا زیادہ ہیں، کام کرنے کے لئے خرچہ تو کرنا پڑتا ہے اور پھر ہم اکیلے تھوڑی ہیں آپ کو پتا نہیں نہ جانے کیا کیا پوچھ گچھ ہوگی نہ جانے کیسے کیسے لوگوں کو جواب دینا پڑے گا اور جواب کیا ہوتا ہے...... آپ تو خود سمجھتے ہیں شاہ صاحب پیسہ' پیسہ اور صرف پیسہ۔"

"وہ تو ہے...... ٹھیک ہے میں کہہ دوں گا سیٹھ صاحب سے، ضرور کہہ دوں گا۔"

"ہاں...... ہاں جلدی کہہ دیجئے اور جلدی ہی جواب بھی لے لیجئے گا ان سے۔"

"بالکل، بالکل۔" غلام شاہ نے جواب دیا اور اس کے بعد واپسی کے لئے اُٹھ گیا، پھر وہ باہر نکل گیا...... گل زمان نے آگے بڑھ کر بڑی عقیدت سے شہاب کا ہاتھ پکڑا اسے چوما اور آنکھوں سے لگاتے ہوئے بولا۔

"اب تو مرید ہونے کو جی چاہتا ہے صاحب جی، واقعی آپ جیسا کوئی نہیں دیکھا۔"

شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

❁

بینا ذہین تھی...... اس نے آسیہ بیگم کا دل مٹھی میں جکڑ لیا تھا...... دنوں کا کام گھنٹوں میں کر لیا تھا...... وہ ذمے داریاں سنبھال لی تھیں، ان کی جن سے آسیہ بیگم بیزار ہوتی تھیں...... اپنے بارے میں اس نے بڑی درد بھری کہانی سنائی تھی، اس نے جسے سن کر آسیہ بیگم رو پڑی تھیں اور وہ خود بھی ان کے ساتھ روئی تھی۔

"تم مطمئن رہو...... اب تمہیں کوئی پریشان نہیں کرے گا...... تمہیں یہاں مکمل تحفظ حاصل ہوگا۔"

"مجھے آپ پر اعتماد ہے، لیکن میری تقدیر مجھے خوفزدہ رکھتی ہے...... میں بس اس سے پریشان رہتی ہوں۔"

"اللہ پر بھروسہ رکھو۔"

رئیس احمد نے اسے دیکھ کر پوچھا۔ "یہ کون ہے بی آپا؟"

"میری بچی ہے...... تمہاری بہن ہے۔"

"ارے...... اچانک۔" رئیس احمد ہنس کر بولا۔

"ہاں...... میری بچپن کی دوست کی بیٹی ہے...... ماں باپ کے مر جانے کے بعد میں نے اسے اپنے پاس بلا لیا ہے۔"

"چلئے اچھا ہے...... آپ کی تنہائی دور ہوئی۔ کیا نام ہے آپ کا سسٹر؟"

"بینا۔" بینا نے جواب دیا۔

"میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔"

اس کے جانے کے بعد بینا کو غور کرنا پڑا...... اس نے اپنے تجربے کی آنکھ سے رئیس احمد کو پرکھا۔ "اتنا برا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا، پھر کیا قصہ ہے۔ ہو سکتا ہے بہت گہرا آدمی

ہو...... یہ بھی ایک قسم ہوتی ہے۔"

پھر یہ عقدہ بھی کھل گیا...... بینا نے ابھی تک آسیہ بیگم سے کوئی سوال نہیں کیا تھا اور بڑے ادب سے ان سے پیش آئی تھی...... اس وقت بھی وہ ان کے پاس خاموش بیٹھی تھی...... آسیہ بیگم نے کہا۔

"یہ تم ہر وقت کیا سوچتی رہتی ہو؟"

"کچھ نہیں بی آپا، کوئی خاص بات نہیں۔" بینا نے شرمگیں لہجے میں کہا۔

"دیکھو بیٹی انسان بہت سے وسوسوں میں گھرا رہتا ہے...... محتاط رہنا اچھی بات ہے، لیکن کبھی کبھی انسان کو انسان پر بھروسا بھی کرنا چاہئے، میں ایک بار پھر تم سے وہی الفاظ کہتی ہوں کہ جب اپنی ذات کسی کو سونپ دی جاتی ہے تو کم از کم تجربہ تو کرنا چاہئے۔"

"میں سمجھی نہیں بی آپا؟"

"یہ کہنا چاہتی ہوں میں کہ ہم پر مکمل اعتبار کرو...... ہماری طرف سے کسی وسوسے کا شکار نہ ہو...... بس کہا ہی جاسکتا ہے تم سے، میں مجبور نہیں کر سکتی۔"

"ارے نہیں بی آپا...... آپ یقین کیجئے...... میں یہاں آکر بہت مطمئن ہوں...... بس جیسا کہ میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ یہ احساسات میرے ذہن کو کچوکے دیتے رہتے ہیں کہ میری تقدیر میں کوئی اچھی جگہ ہے یا نہیں، نہ جانے یہاں سے میں کس طرح نکالی جاؤں؟"

"خدا نہ کرے ایسا کبھی نہیں ہوگا...... تم رئیس احمد سے بھی مل چکی ہو...... میرا بھائی ہے...... ایک بہت بڑے حادثے کا شکار، طبیعت میں سخت گیری بے شک پیدا ہوگئی ہے لیکن دل کا سچا ہے...... مجھ سے کبھی منحرف نہیں ہو سکتا، اس نے تمہیں سسٹر کہہ کر پکارا ہے...... سمجھ لو یہ بات اس کے دل پر نقش ہوگئی ہے...... مجھ سے زیادہ اسے اور کون جان سکتا ہے۔"

"بی آپا...... رئیس بھائی کی شادی نہیں ہوئی۔" یہاں گھر میں آپ دو کے علاوہ باقی سب ملازم وغیرہ ہیں...... آسیہ بیگم کے چہرے پر حزن و ملال کے آثار پھیل گئے...... کسی سوچ میں ڈوب گئی تھیں، پھر انہوں نے کہا۔

"میں نے تم سے ابھی کہا تھا کہ ایک حادثے کا شکار ہوا ہے وہ اور اس حادثے نے اس کی شخصیت کو کچھ سے کچھ بنادیا ہے، ورنہ یقین کرو اپنے بھائی کی حیثیت سے نہیں...... ایک سچائی تمہیں بتا رہی ہوں کہ وہ برا انسان نہیں ہے۔"

"حادثہ؟"

"ہاں۔" آسیہ بیگم نے کہا اور وہ سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگی...... آسیہ بیگم چند لمحات خاموش رہیں پھر کہنے لگیں۔

"تعلیم سے فارغ ہوا تھا...... یونیورسٹی میں ہی ایک لڑکی سے اُلفت ہوگئی اسے...... دردانہ نام تھا اچھے گھرانے کی لڑکی تھی، لیکن بس اپنے خول میں بند...... ہم سے زیادہ صاحب حیثیت تھے وہ لوگ، اس وقت ہماری مالی حیثیت اتنی شاندار نہیں تھی...... رئیس احمد اس سے شادی کرنا چاہتا تھا اور اس کے لئے ہم سب نے ہی مل کر کوششیں کیں...... لڑکی نے پہلے تو اس کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھائیں، لیکن وہ ایک مغرور خاندان کی مغرور لڑکی تھی...... رئیس احمد کی مالی حیثیت معلوم کرنے کے بعد اسے قابل اعتنا نہ سمجھا اور اسے ٹھکرا کر کسی اور سے شادی کرلی...... شادی کر کے ملک سے باہر چلی گئی...... رئیس احمد چار سال تک دماغی ہسپتال میں رہا...... وہاں سے واپس آیا تب بھی کیفیت زیادہ بہتر نہیں تھی...... کاروبار سنبھال لیا...... ایک ذہین انسان کی حیثیت سے سب کچھ کیا...... ہم نے اس کی شادی کرنا چاہی تو اس نے انکار کر دیا اور صاف صاف کہہ دیا کہ اب وہ یہ سب کچھ بالکل نہیں کرے گا...... اس لڑکی کے بالائی ہونٹ پر ایک اُبھرا ہوا سیاہ تل تھا اور رئیس احمد کی فطرت بن گئی کہ جس عورت کے بالائی لب پر ایسا سیاہ تل ہوتا وہ اس سے بے پناہ نفرت کرنے لگتا تھا...... دردانہ کی یاد نے اسے آج تک نہیں چھوڑا اور پھر بیٹی وہ مطلق العنان ہوگیا...... کاروبار شاندار ہوگیا اور دولت کی ریل پیل ہوگئی، لیکن اس کی فطرت میں تبدیلی نہیں آئی...... وہ اب بھی کسی ایسی لڑکی کو دیکھ لیتا ہے جس کے بالائی لب پر تل ہو تو وہ بے سکون ہو جاتا ہے...... اس پر جنون طاری ہو جاتا ہے...... اس وقت اس کی حالت بے حد خراب ہو جاتی ہے...... ایک ایک ہفتے تک اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلتا...... اسے سنبھالنے کی ساری کوششیں ناکام ہو چکی ہیں...... مجبور ہو کر ہم نے اسے تن بہ تقدیر چھوڑ دیا ہے۔"

بینا کے پورے بدن میں سنسنی دوڑ رہی تھی...... وہ ایک انوکھے نکتے سے دوچار ہوئی تھی...... چند لمحات کے لئے وہ کھو گئی اور اسے اندازہ نہ رہا کہ آسیہ بیگم کیا کہہ رہی تھیں، پھر اس نے آسیہ بیگم کے منہ سے غلام شاہ کا نام سنا۔

"یہ غلام شاہ کون ہے۔"

"ایک قابلِ نفرت شخص۔"

"دوست ہے رئیس بھائی کا؟"

"دشمن ہے۔" آسیہ نے نفرت سے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"رئیس برا انسان نہیں تھا...... اس مردود نے اسے نہ جانے کیا بنا دیا۔"

"یہیں رہتا ہے؟"

"ہاں کوٹھی کے عقبی حصے میں اس کا خاندان رہتا ہے...... بہن، بھائی اور باپ۔"

"کیا کرتا ہے؟"

"رئیس کی دولت پر عیش...... لاکھوں بنا چکا ہے، مگر رئیس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے۔" آسیہ بیگم کے لہجے میں بڑی نفرت تھی۔

بینا انتظار کرتی رہی کہ وہ کچھ اور بتائیں، لیکن اس کے بعد وہ خاموش ہو گئی تھیں۔

دوسرے دن موقع پا کر بینا نے بارہ دری تھانے فون کیا...... دوسری طرف سے گل زمان نے فون اُٹھایا تھا۔

"کون ہے؟"

"بارہ دری تھانہ...... گل زمان سب انسپکٹر۔"

"انچارج صاحب سے بات کرا دیں۔"

"آپ کون ہو جی؟"

"ان کے گھر سے بول رہی ہوں۔"

"اوہو ہو...... آپا جی سلام...... وہ ابھی گاڑی سے اترے ہیں اندر آ رہے ہیں...... آپ ہولڈ کریں۔" کچھ دیر کے بعد شہاب کی آواز سنائی دی۔

"شہاب ثاقب...... آپ کون ہیں؟"

"وہ آپ کا گل زمان کہاں ہے؟"

"موجود ہے، مگر آپ۔"

"اسے باہر بھگائیں میں بینا بول رہی ہوں۔"

"اوہو...... اچھا ٹھیک ہے...... جی اب بولئے آپ خیریت سے تو ہیں نا۔"

"جی ہاں ٹھیک ہوں۔"

"بڑا رسک لیا ہے آپ نے مس بینا...... یہ بہت آگے کا قدم ہے؟"

"رسک کے بغیر دُنیا کا کوئی کام ممکن نہیں ہے...... میں آپ سے زیادہ بات نہیں کر سکوں گی، ایک کام کریں۔"

"ہاں...... کہئے۔"

"جس طرح بھی بن پڑے شاہدہ کی کوئی تصویر حاصل کریں، اگر بالکل ہی ممکن نہ ہو تو پھر جمال شاہ یا اس کی پھوپھیوں سے شاہدہ کا مکمل حلیہ معلوم کریں۔"

"خیریت؟"

"باقی باتیں بعد میں، خدا حافظ...... میں خود آپ کو دوبارہ رنگ کروں گی۔" بینا نے فون بند کر دیا۔

❁

شہاب نے خاص طور سے گل زمان اور دوسرے ایسے لوگوں کو ایک کام نکال کر تھانے سے باہر بھیج دیا تھا جس سے اسے کوئی خطرہ ہو سکتا تھا، پھر مطمئن ہو کر وہ لاک اپ کے قریب پہنچا...... وہاں تعینات سنتری کو اس نے وہاں سے ہٹ جانے کو کہا تھا، پھر اس نے جمال بیگ کو آواز دی اور وہ خاموشی سے اُٹھ کر شہاب کے پاس آ بیٹھا۔

"تم خیریت سے ہو؟" شہاب نے اس سے پوچھا اور جمال بیگ کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی...... اس نے کہا۔

"قصور ہمارا ہے...... اصل میں انسان اپنے آپ کو بہت چالاک سمجھتا ہے...... وہ سوچتا ہے کہ اس نے دُنیا میں رہنے کے سارے گر سیکھ لئے، لیکن ایسا ہوتا نہیں ہے کوئی نہ کوئی پہلو پوشیدہ رہ جاتا ہے اور بس وہیں سے مار کھا جاتا ہے، جیسا ہمارے ساتھ ہوا...... جیل کی زندگی میں رہ کر ہم نے بہت سے فیصلے کئے تھے، لیکن اس پہلو پر غور نہیں کیا تھا...... تم لوگوں کے پاس واقعی بہت سی شیطانی طاقتیں ہوتی ہیں...... یہ بات ذرا ذہن سے اُوجھل رہ گئی کہ اگر قانون کے محافظ قانون شکنی کریں تو ان سے محفوظ رہنے کے لئے کیا گر اختیار کرنا چاہئے...... بس یہ پہلو تشنہ رہ گیا تھا، آج کل اس پر غور کر رہے ہیں...... شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا...... "جب تم پہلی بار میرے پاس آئے تھے تو تمہاری زبان بدلی ہوئی

تھی اور تم موالیوں کی زبان بول رہے تھے، لیکن اب تم بہت شستہ ہوگئے ہو...... اس کی کیا وجہ ہے جمال بیگ؟"

"سات سال کی گرد ذہن پر چڑھی ہوئی تھی، بعد میں یاد آیا کہ ہم میٹرک پاس ہیں۔"

شہاب ہلکے سے ہنس پڑا تھا، پھر اس نے کہا۔ "تو آج کل تم اپنی اس غلطی پر غور کررہے ہو؟"

"بہت بڑی غلطی ہے انچارج صاحب...... آپ لوگوں کے اختیارات کو کیسے کم کیا جاسکتا ہے...... بس اس سوچ میں ڈوبے ہوئے ہیں...... آپ نے ہمیں بغیر کسی جرم کے قید کررکھا ہے اور آپ سے پوچھنے والا کوئی نہیں ہے، حالانکہ قانون کے اس پہلو کو ہم جانتے ہیں کہ چوبیس گھنٹے سے زیادہ کسی کو محبوس نہیں رکھا جاسکتا اور اس کے بعد عدالت سے ریمانڈ لینا ہوتا ہے اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو قیدی دعویٰ کرسکتا ہے...... اصولی طور پر بڑے افسران لاک اپ کا معائنہ کرتے ہیں اور ان کے پاس مکمل رپورٹ موجود ہوتی ہے...... تھانہ انچارج اگر قانون کو نظرانداز کرے تو وہ اس سے سوال کرسکتے ہیں، لیکن یہاں تو سب دھان ستائیس سیر ہیں...... ہر شخص اپنے مفاد سے دلچسپی رکھتا ہے...... بس یہاں مار کھاگئے انچارج صاحب اس پر بھی غور کرلیتے تو آپ کے ہاتھ نہیں آسکتے تھے...... آپ نے جب چاہا ہمیں ہمارے گھر سے بلوالیا اور ہم یہ سوچ کر آگئے کہ قانون بہرحال قانون ہوتا ہے۔"

شہاب کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے...... وہ چند لمحات جمال بیگ کو گھورتا رہا، پھر اس نے کہا۔

"دیکھو جمال بیگ، میرے دل میں یہ خیال نہیں تھا کہ تمہارے سامنے اپنی صفائی پیش کروں، لیکن تمہارے الفاظ نے مجبور کردیا ہے کہ تمہیں حقیقتوں سے روشناس کردوں، کیا سمجھتے ہو تم مجھے...... کیا میں انسان نہیں ہوں؟ کیا میرے دل میں انسانیت کا درد نہیں ہے...... جمال بیگ؟ بالکل نوعمر ہو تم...... حالات سے قطعی طور پر ناواقف، جوانی کے جوش میں اپنے طور پر فیصلے کئے اور سمجھ لیا کہ دنیا صرف تمہارے اشارے پر ناچے گی، یہ سب سے غلط تصور ہوتا ہے اور تم اصل میں اسی کا شکار ہونے والے تھے، لیکن میں نے تمہیں محفوظ کرلیا۔" جمال بیگ کسی قدر تعجب سے شہاب کو دیکھنے لگا تھا۔ وہ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔

"میں سمجھا نہیں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں انسپکٹر صاحب؟"

"سنو اس وقت جو کچھ میں کہہ رہا ہوں تمہارا دل چاہے تو اسے سچ سمجھنا، سچ نہ سمجھنا چاہو تو مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوگی...... تم رئیس احمد سے ملے اور تم نے اسے بلیک میل کرنا شروع کردیا، تم کیا سمجھتے ہو ایک برا آدمی کسی کے ہاتھوں بلیک میل ہونا پسند کرتا ہے...... اگر تم واقعی یہ بات سچ کہتے ہو کہ تم اپنے باپ کے قاتل نہیں ہو تو ظاہر ہے اس قتل کا ذمے دار رئیس احمد ہوگا۔ وہ کب چاہے گا کہ تمہیں زندہ رہنے دے۔"

"وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔" جمال بیگ بپھرے ہوئے لہجے میں بولا۔

"وہ تمہارا سب کچھ بگاڑ سکتا ہے...... اس نے تمہیں لاک اپ پہنچادیا اور اب تمہارے اوپر ایک اور جرم ثابت کرکے تمہیں دوبارہ جیل پہنچانا چاہتا ہے...... تم اس کے لئے زیادہ خطرناک ثابت ہوئے تو وہ تمہیں سزائے موت تک دلواسکتا ہے۔"

"تمہاری مدد سے نا؟" وہ شاکی لہجے میں بولا۔

"میری مدد سے اس نے تمہیں سات سال کی سزا نہیں کرائی تھی۔ وہ اپنی دولت کے بل پر مجھ جیسے درجنوں افراد کو اپنی مدد پر آمادہ کرسکتا ہے۔"

"کیا یہ، کیا یہ درست ہے...... کیا یہ جائز ہے؟"

"مت کرو بے وقوفی کی باتیں جمال بیگ...... کس کس کو جائز اور ناجائز کا سبق سکھاؤ گے؟ کوئی تم سے یہ سبق نہیں سیکھے گا۔" شہاب نے بپھرے ہوئے لہجے میں کہا اور جمال بیگ نے گردن جھکالی پھر اس نے سلگتا ہوا چہرہ اُٹھایا...... اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے...... چہرہ انگارے کی طرح سرخ ہورہا تھا...... وہ پھنکارتی ہوئی آواز میں بولا۔

"اگر، اگر کوئی اپنے ماں باپ کی ناجائز اولاد بھی ہو انسپکٹر صاحب...... تو بھی وہ اپنے ماں باپ کی زندگی کی کوئی قیمت نہیں لگاسکتا...... خون کا بدلہ صرف خون...... صرف خون ہوتا ہے۔ ہم اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے خدا کی قسم...... ہم اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے...... ہم تو ایک منصوبے پر کام کررہے تھے...... ہمارے ذہن میں تو ایک پورا پلان تھا...... پہلے ہم اس سے دولت وصول کرنا چاہتے تھے...... اس دولت سے ہم اپنی پھوپھیوں کو ٹھکانے لگاتے...... اس کے بعد اس سے حساب کتاب کا دوسرا دور شروع ہوتا...... انسپکٹر صاحب اگر یہ سب کچھ نہیں چاہتے آپ تو اسے بچانے کے لئے ہمیں ہی موت کی سزا دلوادو...... اس سے کم کی بات نہ کرنا...... ورنہ، ورنہ ہم اسے نہیں چھوڑیں گے...... نہیں چھوڑیں گے ہم اسے۔" وہ رونے

لگا...... شہاب خاموش رہا...... جب اس کے دل کی بھڑاس نکل گئی تو شہاب نے کہا۔

"میں نے تمہیں صرف اس لئے بند کیا ہے جمال بیگ کہ وہ مطمئن ہو جائے اور تمہارے بارے میں کسی اور انداز میں نہ سوچے...... ورنہ وہ تمہیں ٹھکانے لگانے کے لئے اور بھی بہت کچھ کر سکتا تھا...... یوں سمجھ لو اس لاک اپ میں تمہاری حفاظت کے لئے بند کیا ہے میں نے۔"

جمال بیگ حیرت سے اسے دیکھنے لگا، پھر اس نے کہا۔

"آپ صحیح کہہ رہے ہیں انسپکٹر صاحب؟"

"ہاں...... بالکل سچ، لیکن تمہیں وہی سب کچھ کرنا ہے جو میں کہوں گا۔ بولو اعتبار کرو گے مجھ پر؟"

"ہاں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"تو لاؤ ہاتھ ملاؤ۔" شہاب بولا اور جمال بیگ نے سلاخوں سے ہاتھ باہر نکال دیا۔

رئیس احمد نے شدید غصے کے عالم میں غلام شاہ کو دیکھا اور پھر گرجتی آواز میں بولا۔

"بکواس کرتے ہو تم۔ اس افسر کی موت آئی ہے کیا۔"

"لگتا تو ایسا ہی ہے...... بڑا راشی افسر معلوم ہوتا ہے...... لیکن سر اس میں ہماری بواس کیا ہے۔" غلام شاہ نے سرد لہجے میں کہا اور رئیس احمد اسے گھورنے لگا۔ پھر کسی قدر نرم ہو کر بولا۔

"میں نے تمہیں مکمل اختیارات دیئے تھے، تمہیں ذرا خوش اسلوبی سے اس معاملے کو ہینڈل کرنا چاہئے تھا۔"

"سر جی پولیس کا ہینڈل ہوتا ہی کہاں ہے۔ آپ نے کبھی دیکھا ہے؟ آپ کو تو پتا ہے سر جی کہ پولیس کے پاس کتنے اختیارات ہوتے ہیں۔ ہم نے تو یہی دیکھا ہے کہ جو کچھ وہ کرنا چاہتی ہے اسے وقت نہیں ہوتی اور پھر سر جی ہم بھی انسان ہیں۔ بچپن ہی سے پولیس سے ڈرتے رہے ہیں۔"

"میں کسی سے نہیں ڈرتا اور تم کیا سمجھتے ہو کیا میں اتنا ہی بے اختیار ہوں۔ اگر آگے بڑھ کر کام کروں تو اس پولیس افسر کو ناکوں چنے چبوا سکتا ہوں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے صاحب جی۔ لیکن ہم خود اس کے پاس گئے تھے۔ وہ ہمارے پاس نہیں آیا تھا۔"

"میں آئی جی تک پہنچ سکتا ہوں، وزیروں تک کی سفارش لا سکتا ہوں۔"

"مانتے ہیں صاحب جی، مگر یہ سفارش کس سلسلے میں ہو گی؟ یہ سوال تو آپ سے ضرور پوچھا جائے گا۔" غلام شاہ نے کہا اور رئیس احمد کسی قدر بے بسی کی نگاہوں سے غلام شاہ کو

دیکھنے لگا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"بات دو لاکھ کی نہیں ہے غلام شاہ، میں وہ بھی دے سکتا ہوں لیکن تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ اس کے بعد اس راشی افسر کی زبان بند ہی ہو جائے گی؟"

"ویسے سر جی بات اس وقت تک کی ہے جب تک کہ اس سسرے کو کوئی لمبی سزا نہیں ہو جاتی۔ اس کے بعد بھلا کیا رہ جائے گا۔"

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے لیکن لمبی سزا ہونے تک وہ ہم سے کیا مانگے گا اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

"سو تو ہے۔" غلام شاہ نے بھی کسی قدر ناگواری سے کہا۔ اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ رئیس احمد اس پر شک کر رہا ہے اور اس احساس سے اس کا موڈ بھی خراب ہو گیا تھا۔ رئیس احمد نے کہا۔

"اگر بات اسی رقم تک پہنچ گئی تو پھر کیا فائدہ ہوگا۔ یہ رقم تو ہم جمال بیگ کو دے کر بھی اپنی جان چھڑا سکتے ہیں۔"

"اب یہ فیصلہ کرنا تو آپ کا کام ہے سر۔ میں تو حکم کا بندہ ہوں۔ آپ نے جو حکم مجھے دیا، میں نے اس پر عمل کیا۔"

"اس کے علاوہ اس سے آدھی رقم دے کر جمال بیگ کا خاتمہ بھی کرایا جا سکتا ہے۔"

"کرایا جا سکتا ہے نہیں سر، کرایا جا سکتا تھا۔ اب معاملہ پولیس کے ہاتھوں میں پہنچ چکا ہے اور اگر جمال بیگ کسی طرح ختم ہو بھی گیا تو آپ کیا کہہ سکتے ہیں کہ وہ پولیس افسر اس سلسلے میں آپ ہی کی طرف مشکوک نگاہوں سے نہیں دیکھے گا؟"

رئیس احمد جو اس دوران کمرے میں ٹہل رہا تھا، دھم سے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ غلام شاہ کے ان الفاظ نے اسے بہت متاثر کیا تھا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے کہا۔

"تو پھر اس افسر سے آخری بات کر لو۔ اس سے کہو پانچ لاکھ روپے مل جائیں گے لیکن اس کے نتیجے میں جمال بیگ کو زندگی سے محروم کرنا ہوگا۔ اگر وہ پولیس ہی کے ہاتھوں مارا جائے تو زیادہ بہتر رہے گا۔"

"آپ کی پیش کش افسر کو پہنچا دی جائے گی سر، لیکن آپ ذرا سوچ لیجئے کہ یہ بالکل مختلف بات ہو جائے گی۔"

"کیوں......؟"

"اس لئے سر کہ آپ کو جمال بیگ سے بس یہ خطرہ ہے کہ وہ آپ کو تنگ کر رہا ہے، ایک غنڈہ ہے اور اس غنڈے کی سرکوبی کے لئے آپ نے پولیس افسر کی خدمات حاصل کی ہیں۔ لیکن اگر آپ اس سے یہ کہتے ہیں کہ جمال بیگ کو ختم کر دیا جائے تو پولیس افسر یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے گا کہ جمال بیگ کے معاملے میں آپ کا بھی کوئی ایسا پہلو رہتا ہے جس کی بنا پر آپ اس کی زندگی نہیں چاہتے۔"

"اُف خدایا۔ کس مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہوں میں۔ یہ بھی ٹھیک کہتے ہو تم۔ واقعی میں نے اس پہلو پر نہیں سوچا تھا۔"

"سوچنے کے لئے تو ہم موجود ہیں سر جی، لیکن اس وقت آپ کا لہجہ بتاتا ہے کہ آپ نے ہم پر بھی شک کیا ہے۔ شاید یہ سوچا ہوگا آپ نے کہ پولیس افسر کو جو رشوت دی جا رہی ہے اس میں ہمارا اپنا بھی کوئی حصہ ہے۔ صاحب جی اول بات تو یہ ہے کہ اگر ہمیں اس معاملے سے نکال دیں تو ہمیں زیادہ خوشی ہوگی۔"

"غلام شاہ۔ غلام شاہ۔ تم میری پریشانیوں کا اندازہ کیوں نہیں کر رہے، ایسا کوئی خیال میرے دل میں نہیں ہے لیکن مجھے اس کم بخت پر غصہ آ رہا ہے۔ خیر، ٹھیک ہے۔ اس وقت تو وہ موقع سے فائدہ اٹھا جائے گا لیکن مجھ سے دشمنی لینا اس کے حق میں بہتر نہیں ہوگا...... اس جھگڑے سے نکلنے کے بعد میں دیکھوں گا کہ اس کے خلاف کیا کر سکتا ہوں۔ ٹھہرو، اگر میں اس سے فون پر بات کر لوں تو کیسا رہے گا؟"

غلام شاہ کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی لیکن اس نے کہا۔

"یہ زیادہ اچھی بات ہے سر، اس طرح اس کا اور آپ کا براہ راست معاملہ ہو جائے گا۔"

"فون ملاؤ۔" رئیس احمد نے کہا اور غلام شاہ نے بارہ دری تھانے کا فون نمبر ملا دیا۔ فون انسپکٹر شہاب نے ہی ریسیو کیا تھا۔

"انچارج صاحب سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"بول رہا ہوں۔ کون صاحب ہیں؟"

"رئیس احمد ہے میرا نام۔"

"اوہو...... سیٹھ رئیس احمد صاحب، کہئے کیسے مزاج ہیں آپ کے؟"

”ٹھیک تھے لیکن آپ نے کچھ خراب کر دیئے ہیں۔“

”ارے ارے...... خیریت...... ہم نے تو خادم ہونے کا پورا پورا ثبوت دیا ہے۔“

”ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے، لیکن اس خدمت کا معاوضہ کچھ ضرورت سے زیادہ ہی طلب کر رہے ہو۔“

”ارے رئیس احمد صاحب، ضرورتیں پوری کہاں ہوتی ہیں۔ مہنگائی کے اس دور میں آپ خود دیکھ لیجئے۔ حالات کیا سے کیا ہو گئے ہیں، جینا مشکل ہو گیا ہے لیکن آپ کون سے معاوضے کی بات کر رہے ہیں؟“

”میں جانتا ہوں لیکن دیکھو میں صاف ستھری طبیعت کا آدمی ہوں۔ تم ایسا مت کرو جس سے میری طبیعت میں اُلجھن پیدا ہو جائے۔“

”اگر آپ کے کانوں تک کوئی غلط اطلاع پہنچی ہے تو دوسری بات ہے، ورنہ ہم تو قوم کے خادم ہیں۔ بھلا خدمت کا معاوضہ قوم سے کیسے طلب کیا جا سکتا ہے، جب کہ سرکار ہمیں تنخواہ دیتی ہے۔ ہمارے ہاتھ بالکل صاف ستھرے ہیں اور اگر کوئی غلط اطلاع آپ کے کانوں تک پہنچی ہے تو اس کے ذمہ دار ہم نہیں ہیں۔ فرمایئے اور کوئی خدمت؟“

”مگر بات سنو، میرا آدمی غلام شاہ“

”جی ہاں۔ غلام شاہ صاحب نے جو کچھ کہا تھا وہ ہم نے کر دیا اور اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں کر سکتے معافی چاہتے ہیں۔“ دوسری طرف سے نہایت خشک لہجے میں کہا گیا اور فون بند کر دیا گیا لیکن رئیس احمد کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے تھے۔ اس نے غلام شاہ کی طرف دیکھا، پھر بولا۔

”یہ کیا کہہ رہا ہے؟“

”کیا کہہ رہا ہے سر؟“

”کہتا ہے کہ اس نے کسی خدمت کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کیا اور جو بات میرے کانوں تک پہنچی ہے وہ غلط ہے۔“

غلام شاہ کا منہ بگڑ گیا۔ اس نے کہا۔ ”تو بس پھر ٹھیک ہے سر۔ وہ ستر ہزار روپے ہم کھا گئے ہوں گے۔ غریب آدمی ہیں کہاں تک اخلاق نبھائیں۔“

”کیا کہہ رہے ہو غلام شاہ؟“

”سر کچھ غلط باتیں شروع ہو گئی ہیں اور ہمیں سوچنا پڑ رہا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے سر، کیا ٹیلی فون پر پولیس افسر رشوت کی بات قبول کر لیتا۔ اب تو سر آپ براہ راست دیکھئے اسے، ہم بیچ سے نکل رہے ہیں۔“

”اوہو تو تمہارا مطلب ہے۔“

”نہیں سر۔ مطلبی ہوتے تو آپ سے بہت کچھ گھسیٹ چکے ہوتے۔ اب آپ خود دیکھ لیجئے۔“

”غلام شاہ...... غلام شاہ۔“

”سر عزت کے لئے جی رہے ہیں۔ سب کچھ کیا ہے آپ کے لئے۔ اب آپ کا کیا خیال ہے، کیا تھوڑی سی رقم کے لئے؟“

”افوہ میرا مطلب یہ نہیں ہے۔ خیر، ٹھیک ہے جو کچھ تم کہہ رہے ہو ٹھیک ہے۔ میرا خیال ہے اب ذرا پائیدار گفتگو کرو اس سے، جو وہ مانگتا ہے اسے دے دو۔“

”معافی چاہتے ہیں سر۔ اب آپ جو کچھ کریں گے اپنے ہاتھ سے کریں گے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ فون کر کے، آپ اسے یہاں بلا لیں۔“

”ہوں...... ٹھیک ہے ایسا کر لیں گے لیکن تم میری کسی بات کا برا مت ماننا۔ دماغ جب اُلجھا ہوا ہوتا ہے تو انسان کے ذہن میں ایسی ہی فضول باتیں آ جاتی ہیں۔“ رئیس احمد نے کہا اور غلام شاہ کا چہرہ دیکھنے لگا جس کا موڈ بدستور بگڑا ہوا تھا۔

شہاب نے سامنے بیٹھے ہوئے گل زمان کو آنکھ ماری اور ٹیلیفون کا ریسیور رکھ دیا۔ گل زمان شہاب کا جائزہ لے رہا تھا...... اس نے اشارے سے صورت حال معلوم کی تو شہاب نے کہا۔

”اپنے رئیس ابن رئیس تھے...... غالباً غلام شاہ نے دو لاکھ روپے کی بات کر دی ہے، چراغ پا ہو رہے تھے اور ٹیلیفون پر ڈانٹ ڈپٹ کر رہے تھے۔“

”ارے صاحب جی اب سمجھ گیا، مگر جو باتیں آپ نے کی ہیں ان سے تو غلام شاہ کی مصیبت آ جائے گی۔“

”اور جو باتیں وہ مجھ سے ٹیلیفون پر کر رہا تھا، اگر انہیں ٹیپ وغیرہ کر لیتا تو ہماری

مصیبت آجاتی۔"

"یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن اب کیا ہوگا؟"

"کچھ نہیں۔ آمنے سامنے آکر بات کریں اپنے رئیس ابن رئیس تو ہم بھی ذرا زبان کھول لیں گے۔ بھلا ایسی باتیں کہیں ٹیلیفون پر ہوتی ہیں؟ مگر ان رئیسوں کی کوئی کل نہ پہلے سیدھی تھی، نہ اب سیدھی ہے۔ ریاستیں گنوا بیٹھے مگر عقل نہ آئی۔ ارے ہاں، اب ذرا اس مسئلے کو پائیدار کرنے کے لئے تھوڑا سا کام اور کرنا پڑے گا۔ تم ایسا کرو گل زمان ذرا تیاری کر دو میں جمال بیگ کو لے کر نکل رہا ہوں۔"

"کہاں صاب جی؟" گل زمان نے پوچھا۔

"میاں سمجھا کرو، کمائی کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں ہلانا بھی ضروری ہوتا ہے۔"

"وہ تو آپ نے ٹھیک کہا ہے، مگر صاب جی میں چلوں؟"

"نہیں۔ تم تھانے میں رہو، غلام شاہ پیٹ پکڑے پکڑے آجائے گا۔ ظاہر ہے اس کی تو نوکری خطرے میں پڑ گئی ہوگی۔ ستر ہزار روپے کا حساب مانگا جارہا ہوگا اس سے اور وہ یوم حساب کا شکار ہوگا۔"

گل زمان ہنس پڑا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"ہتھکڑی لگاؤں صاب جی جمال بیگ کے؟"

"اماں تو کیا بھگانا ہے؟ ہتھکڑی تو لگانی پڑے گی...... دو کانسٹیبلوں کو بھی میرے ساتھ رکھو جاؤ تیاری کرو۔" اور اس کے بعد گل زمان اٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جمال بیگ کو نکالا گیا، پولیس کی گاڑی میں بٹھایا گیا اور شہاب اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ دونوں کانسٹیبلوں میں سے ایک گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا اور دوسرا رائفل سنبھالے مستعد تھا۔ جمال بیگ نے کچھ نہیں پوچھا تھا اور خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ اسے اس کے گھر کے سامنے اتارا گیا اور قرب وجوار کے لوگ جمال بیگ کو دیکھنے لگے۔ جمال بیگ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ شہاب نے جب اسے گاڑی سے اترنے کے لئے کہا تو جمال بیگ مسکرا کر بولا۔

"دیکھئے صاحب ایسا استقبال ہوتا ہے باراتوں کے دولہا کا...... بس ایک بار آدمی کوئی کارنامہ سرانجام دے لے، کم از کم محلے والے رعب میں رہتے ہیں۔"

"میں تمہاری ذہنی کیفیت سمجھ رہا ہوں جمال بیگ، لیکن فکر مت کرو اور آخری بار

ایک بات اور تم سے کہنا چاہتا ہوں۔ میرے ساتھ کوئی دغابازی نہ کرنا تمہارے حق میں بہتر رہے گا۔" جمال بیگ نے عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر گھر کے دروازے سے اندر داخل ہوگیا۔ دونوں کانسٹیبل گاڑی میں بیٹھے رہے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی شہاب بھی اندر داخل ہوگیا تھا۔ جمال بیگ کی دونوں پھوپھیاں بدحواس ہوگئیں لیکن شہاب نے نرم لہجے میں کہا۔

"آپ لوگ میرے لئے سگی بہنوں کا درجہ رکھتی ہیں۔ اپنی نیک نیتی کے بارے میں اس سے بڑے الفاظ اور نہیں کہہ سکتا اس لئے مجھ سے گھبرانے کی بجائے میری مدد کیجئے گا۔" دونوں عورتیں جو بری طرح نروس ہوگئی تھیں، ان الفاظ پر کچھ سنبھل گئیں۔ جمال بیگ نے کہا۔

"پھوپھی چارپائی وغیرہ بچھاؤ، انچارج صاحب خاندانی آدمی ہیں اور خاندانی آدمی کی زبان پر بھروسا کرنا ہی چاہئے۔" شہاب نے جمال بیگ کو بیٹھنے کے لئے کہا اور پھر خود بھی بیٹھ گیا۔

"آپ لوگوں کو جمال بیگ سے ملانے کے لئے لایا ہوں۔ اس سے مل لیجئے اور اس کے ساتھ ساتھ ہی جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے بھی غور سے سن لیجئے گا۔ جمال بیگ کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے وہ تو ہو ہی چکا ہے، لیکن اس کے بعد میری آرزو ہے کہ اس کے ساتھ اور کچھ نہ ہو اور یہ ایک شریف آدمی کی زندگی بسر کرے لیکن اس کے لئے آپ لوگوں کو بھی میری مدد کرنا ہوگی۔"

"صاب جی کم از کم یہ عدالت نہیں ہے، آپ میری پھوپھیوں کو یہ بتا دیجئے کہ جس الزام میں مجھے گرفتار کیا گیا ہے وہ غلط ہے۔"

"ہاں۔ جمال بیگ کو اب کسی الزام میں گرفتار نہیں کیا گیا بلکہ یہ اپنی نادانی سے جو خطرات اپنے لئے مول لے رہا تھا، میں نے اسے ان خطرات سے بچانے کی کوشش کی ہے اور اس کے لئے محفوظ جگہ جیل کا لاک اپ ہی ہے۔ آپ لوگ اس کے لئے فکر مند نہ ہوں۔ جب اس کی زندگی کا خطرہ ٹل جائے گا تو میں اسے آزاد کردوں گا۔" دونوں پھوپھیاں رونے لگی تھیں۔ چند لمحے شہاب انہیں تسلیاں دیتا رہا، پھر اس نے کہا۔

"اس کے علاوہ میرا ایک اور مسئلہ بھی ہے۔ آپ لوگ جس طرح بھی ممکن ہو سکے مجھے شاہدہ کی تصویر فراہم کیجئے۔ یہ تصویر ملنا ازحد ضروری ہے۔ کیا شاہدہ کی کوئی تصویر یہاں

موجود ہے؟"

"ہاں بھائی صاحب کچھ تصویریں ہیں بہت پرانی، البتہ اتنی پرانی بھی نہیں ہیں کہ خراب ہو گئی ہوں۔"

"براہ کرم جلدی سے نکال کر لائیے۔ ایسی تصویریں ہونی چاہئیں جو واضح ہوں۔"

جمال بیگ کی ایک پھوپھی اندر چلی گئی تو جمال بیگ نے شہاب سے پوچھا۔

"یہ تصویر کیوں مانگ رہے ہیں آپ انچارج صاحب؟"

"جمال۔ حالانکہ تم اپنے باپ کے قتل کے سلسلے میں سات سال کی سزا کاٹ چکے ہو، لیکن مجھے تم پر یقین ہے کہ تم نے اپنے باپ کو قتل نہیں کیا۔ تو پھر کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ تمہارے باپ کا اصل قاتل سزا پائے؟" جمال بیگ کا چہرہ ایک بار پھر گمبھیر ہو گیا اور اس کی آنکھوں میں خون کی سرخی لہرانے لگی۔ اس نے کہا۔

"اس آرزو کے سوا میرے دل میں دنیا کی کوئی اور آرزو نہیں ہے۔ آپ کو بتا چکا ہوں انچارج صاحب کہ صرف میری پھوپھیوں کے لئے زندگی گزارنے کا ٹھکانہ ہو جائے، اس کے بعد میری زندگی کا اصل مقصد یہی رہ جائے گا۔"

"تم اپنے باپ کے قاتل کو موت کی سزا دلوانا چاہتے ہو نا؟"

"خون کا بدلہ خون ہوتا ہے، لیکن اب جس قتل کے سلسلے میں، میں سزا بھگت چکا ہوں بھلا قانون اس قتل کے سلسلے میں کسی اور کو موت کی سزا کیا دے گا؟"

"میں قانون ہوں، سمجھے جمال بیگ۔ قانون تمہارے سامنے موجود ہے اور یہ ثابت ہو جانے کے بعد کہ تمہارے باپ کا قاتل کوئی اور ہے، اس شخص کو میں موت کی سزا دوں گا۔ میرا تم سے وعدہ ہے دوست اور اس لئے میں یہ ساری بھاگ دوڑ کر رہا ہوں۔" جمال بیگ ایک بار پھر شہاب سے متاثر ہو گیا تھا۔ اتنی دیر میں جمال بیگ کی چھوٹی پھوپھی کچھ تصویریں لے آئیں اور شہاب ان میں سے ایسی تصویروں کا انتخاب کرنے لگا جو بالکل صاف اور نمایاں ہوں۔ اسے دو تصویریں حاصل ہوئیں اور اس نے اجازت لی کہ یہ تصویریں وہ عارضی طور پر اپنے پاس رکھ لے۔ جمال بیگ نے گردن ہلا دی تھی۔ پہلی ہی نگاہ میں شہاب نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ شاہدہ کے بارے میں اب تک جو سنا ہے وہ ایک ٹھوس سچائی ہے۔ شاہدہ گدڑی کا لعل تھی۔ معمولی لباس میں ملبوس لیکن حسن و جمال میں یکتا...... اتنی خوبصورت کے دیکھنے

والے کی آنکھ اس پر نہ ٹک سکے...... شہاب نے احتیاط سے وہ تصویریں ایک کاغذ میں لپیٹ کر اپنے لباس میں رکھ لیں، پھر دونوں خواتین سے بولا۔

"آپ لوگوں کو گھر کے معاملات چلانے میں مشکل پیش آ رہی ہو گی۔ کچھ رقم کی ضرورت......"

"نہیں...... آخری بار میں نے رئیس احمد سے ہزار روپے وصول کئے تھے...... پھوپھی پیسے تو ہیں نا؟"

"ہاں بیٹے پیسے ہیں، لیکن...... لیکن انسپکٹر صاحب ہمارا جمال کب تک چھوٹ جائے گا؟ ہماری آنکھوں سے دور جوان ہوا ہے۔ چار دن بھی ہمارے ساتھ نہیں گزرے تھے کہ وہ پھر عذاب میں گرفتار ہو گیا...... اب کہیں ایسا تو نہیں ہو گا کہ ہم اس کا انتظار کرتے کرتے بوڑھے ہو جائیں؟"

"نہیں ایسا نہیں ہو گا...... چلو جمال چلتے ہیں۔" شہاب نے کہا اور کچھ دیر کے بعد وہ جمال بیگ کے ساتھ جیپ میں تھانے کی جانب واپس جا رہا تھا۔

تھانے پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ ابھی تک رئیس احمد خاں صاحب کی طرف سے کوئی رابطہ نہیں قائم کیا گیا ہے۔ شہاب نے مسکرا کر گل زمان کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

"رابطہ قائم کیا جائے گا گل زمان، رابطہ قائم کیا جائے گا...... تم اپنا حساب کتاب بنا لو...... اخراجات کی فہرست بنا لو...... پیسا آتا ہے تو خرچ ہو ہی جاتا ہے۔" گل زمان مسکرانے لگا تھا...... پھر جمال بیگ کو دوبارہ لاک اپ میں بھیج دیا گیا۔

بینا کا فون دوبارہ موصول ہوا۔ شہاب نے ہی ریسیو کیا تھا حالانکہ یہ کام بڑا رسکی تھا لیکن اس کے سوا اور کوئی چارہ کار بھی نہیں تھا۔ شہاب نے ایک لمحے میں بینا کی آواز پہچان لی۔

"جس مس بینا۔ میں شہاب بول رہا ہوں۔"

"سر کیسے مزاج ہیں؟"

"مزاج تو ٹھیک ہیں لیکن تمہارے لئے پریشان رہتا ہوں۔"

"کیا کہہ رہے ہیں سر۔" بینا کی آواز میں ہلکی سی شوخی تھی۔

"ظاہر ہے بینا تم ایک خطرناک ماحول میں ہو اور میں جانتا ہوں کہ تمہیں اس سلسلے میں

کس قدر مشکلات پیش آ رہی ہوں گی۔"

"سر کچھ ہماری صلاحیتوں پر بھی بھروسا کر لیجئے۔ اب اتنے ناکارہ بھی نہیں ہیں کہ اپنے لئے مشکلات پیدا کر لیں۔"

"تمہاری صلاحیتوں پر تو مجھے پورا پورا بھروسا ہو چکا ہے مس بینا۔ یہ کسی عام آدمی کے بس کی بات نہیں تھی کہ اتنی آسانی سے اپنی منزل پر پہنچ جائے۔"

"تھینک یو سر، تھینک یو ویری مچ...... سر میرے سلسلے میں کیا، کیا؟ میرا مطلب ہے کیا وہ تصویر حاصل ہو سکی؟"

"ہاں تصویر میرے پاس پہنچ چکی ہے۔"

"سر میں آپ سے ملاقات کرنا چاہتی ہوں۔"

"کیا اس بات کے امکانات ہیں کہ یہ آسانی سے ہو سکتا ہے؟"

"آسانی سے تو دنیا کا کوئی کام نہیں ہو سکتا جناب۔ آپ نے رئیس احمد کی کوٹھی دیکھی ہوئی ہے؟"

"ہاں۔"

"اس خوب صورت کوٹھی کے عقبی حصے میں ایک اونچی دیوار ہے جس کی طرف سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ لیکن دیوار سات فٹ سے زیادہ اونچی نہیں ہے اور اس پر کوئی حفاظتی قدم بھی نہیں اٹھایا گیا...... میرا مطلب ہے شیشے وغیرہ نہیں لگائے گئے ہیں۔ اس عقبی دیوار کی دوسری جانب کچھ درخت ہیں اور ایک چوڑی سڑک بھی ہے لیکن یہ سڑک سامنے والے مکانات کے عقبی حصے میں ہے اس لئے سنسان رہتی ہے۔ میرے لئے اس جگہ کو عبور کر کے، میرا مطلب ہے اس دیوار کو عبور کر کے دوسری طرف پہنچ جانا زیادہ مشکل کام نہیں ہوگا۔ اگر ممکن ہو سکے تو آج رات کو بارہ بجے یا ساڑھے بارہ بجے بلکہ ساڑھے بارہ بجے کا وقت زیادہ مناسب رہے گا۔ آپ اس کوٹھی کے عقب میں پہنچ جائیں۔ یہاں سے تھوڑے فاصلے پر ایک ایسی عمارت بنی ہوئی ہے جو ابھی زیر تعمیر ہے اور اس کی تعمیر شاید کافی عرصے سے رکی ہوئی ہے۔ ہمارے لئے وہ بہترین جگہ ثابت ہوگی۔ سر آپ کو خاص طور سے ایک ٹارچ کا بندوبست کر کے آنا ہوگا تاکہ اس کی روشنی کو استعمال کیا جا سکے۔"

ساڑھے بارہ بجے یا بارہ بجے؟" شہاب نے سوال کیا۔

ساڑھے بارہ بجے کا وقت مناسب رہے گا سر کیونکہ اس وقت کوٹھی کے تمام لوگ آرام کرنے کے لئے اپنے بستروں پر جا چکے ہوتے ہیں۔

"تم کیسے آؤ گی بینا؟"

"سر میرے لئے ایک کمرہ مخصوص ہے اور میں کمرے کا دروازہ بند کر کے سوتی ہوں لیکن کمرے میں ایک ایسی عقبی کھڑکی موجود ہے جس میں سلاخیں نہیں لگی ہیں اور میرے لئے ان میں سے نکلنا مشکل کام نہیں ہوگا۔"

"گڈ...... بہر حال، میں متفکر ہوں۔"

"ابھی آپ متفکر رہیں گے سر۔ لیکن بعد میں آپ کی یہ فکر ٹل جائے گی۔ تو پھر میں ساڑھے بارہ بجے آپ کا انتظار کروں گی۔"

"او کے بینا۔" شہاب نے کہا اور بینا نے فون بند کر دیا۔

شہاب کافی دیر تک اس لڑکی کے بارے میں سوچتا رہا...... اگر واقعی یہ اس قدر اعلیٰ کارکردگی کی مالک ہے تو پھر اس کے بارے میں ذرا گہرائی سے سوچا جا سکتا ہے۔ عدنان واسطی بھی ذہن میں آیا اور شہاب کو یہ اندازہ بخوبی ہو گیا کہ مستانے لوگ ہیں اور جینا جانتے ہیں۔ بات صرف یہ نہیں ہے کہ وہ صرف اپنے مفاد کے بارے میں سوچتے ہیں۔ دفتر اور عدنان واسطی کی حیثیت سے یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ کس قدر کما لیتا ہے جو گفتگو ہوئی تھی، اس سے بھی پتا چل جاتا تھا کہ زندگی میں کبھی لالچ نہیں کیا۔ ایسا آدمی تو قابل قدر ہوتا ہے اور ایسے آدمی کی اشد ضرورت ہے۔ شہاب نہ جانے کب تک ان لوگوں کے بارے میں سوچتا رہا تھا...... بہر حال، اس کے بعد وہ شام تک اپنی ضروریات نمٹاتا رہا اور پھر گھر واپس چل پڑا......

گھریلو حالات بھی اب پہلے جیسے نہیں رہے تھے...... اول تو مالی حیثیت ہی کافی بہتر ہو گئی تھی۔ شہاب نے نعیمہ بیگم کو اچھی خاصی رقم دے دی تھی اور کہا تھا کہ گھر کے معاملات خوش اسلوبی سے سنبھالے رکھے جائیں اور کسی قسم کی کوئی مالی فکر نہ کی جائے۔ نہ جانے نعیمہ بیگم کی اندرونی کیفیات کیا تھیں؟ بہر حال، موجودہ راستے ان سے مختلف ہو گئے ہیں لیکن دل میں ہلکا سا احساس ضرور تھا کہ یہ سب کچھ بہتر نہیں ہے...... نیک سیرت ثاقب حسین نے تو زندگی کی ہر آسائش ٹھکرا دی تھی اور اپنی ذات کے انقلاب میں سرگرداں رہا تھا...... بچوں نے راستے بدل لئے تھے۔ اب تو سچی بات یہ ہے کہ فائق حسین بھی خاصے بدلے بدلے محسوس

ہوتے تھے۔ انہیں یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ شہاب کے افکار ان سے بہتر ہیں۔ فتح محمد کا بھی ہمیشہ مذاق اڑایا جاتا تھا، لیکن کون جانے کس بھیس میں کون ہے۔ اینٹوں کے ٹھیلے پر تعمیراتی سامان بنانے والا یہ شخص اندر سے کافی بہتر آدمی معلوم ہوتا ہے اور اس نے جو حلیہ بنا رکھا ہے وہ سارے کا سارا ہی غلط نہیں ہے۔ شہاب کی نوکری اور فائق حسین کی ترقی اس بات کی ضمانت ہے۔ بہر حال، شہاب کو گھریلو معاملات میں خاصا سکون ہوگیا تھا۔ اب جو نظریہ اس کے دل میں پل رہا تھا، اس پر بھی بخوبی کام ہو رہا تھا۔ اس کی اصل شخصیت کو کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس کے اندر کیا کیا طوفان چھپے ہوئے ہیں۔ بظاہر لاابالی نظر آنے والا یہ شخص اندر سے کھولتا ہوا آتش فشاں تھا اور یہ آتش فشاں آہستہ آہستہ ہی پکا تھا۔ گھر میں سب لوگوں کے ساتھ ہنسی خوشی وقت گزارتا رہا۔ پھر مقررہ وقت پر لباس تبدیل کیا، گھر سے باہر نکلنے لگا تو نعیمہ بیگم جاگ رہی تھیں۔ بچیاں بھی سوگئی تھیں...... نعیمہ بیگم نے سوال کر ڈالا۔

"کہیں جا رہے ہو؟"

"جی اماں بی۔"

"کہاں؟"

"اماں بی پولیس کی نوکری یہی تو ہوتی ہے۔"

"یعنی اس وقت نوکری پر جا رہے ہو؟"

"جی اماں بی۔"

"سادہ لباس میں؟"

"ہاں...... پولیس والوں کو ہر طرح کام کرنا پڑتا ہے اماں بی۔" نعیمہ بیگم نے اسے دعائیں دیں اور شہاب گھر سے نکل آیا۔ کچھ اور بھی انتظامات اس کے ذہن میں تھے...... فضل خان نے جو زمین اس کے سپرد کی تھی اسے وہ ایک عمدہ قسم کا ہیڈ کوارٹر بنانا چاہتا تھا بلکہ اسے برانچ آفس کہنا زیادہ مناسب تھا کیونکہ ہیڈ کوارٹر تو وہ کباڑ خانہ ہی زیادہ بہتر تھا جہاں وہ دنیا کی نگاہوں سے محفوظ تھے اور اپنا کام بہ حسن و خوبی سرانجام دے رہے تھے...... کچھ دیر کے بعد وہ رئیس احمد کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔ سامنے کے حصے پر چوکیدار موجود تھا۔ کوٹھی خاموشی اور سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ شہاب نے اس کا عقبی راستہ اختیار کیا اور کچھ دیر کے بعد وہ جگہ بھی تلاش کرلی جس کی نشاندہی بینا نے کی تھی۔ کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں

ساڑھے بارہ بجنے میں صرف ڈیڑھ منٹ باقی تھا...... اس کی نگاہیں کوٹھی کی عقبی دیوار کا جائزہ لینے لگیں اور پھر جس جگہ وہ خود موجود تھا وہاں سے چند ہی فٹ کے فاصلے پر ٹھیک ساڑھے بارہ بجے اسے ایک سر دیوار پر اُبھرتا ہوا نظر آیا اور شہاب کی عقبی نگاہوں نے اسے دیکھ لیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے بینا کا جسم دیوار پر بلند ہوا۔ اس نے دیوار پر پاؤں ٹکائے اور پھر کسی چوکنی بلی کی طرح نیچے کود پڑی۔ شہاب خاموشی سے اس کی کارکردگی دیکھ رہا تھا...... پھرتیلی لڑکی پنجوں کے بل زمین پر آئی تھی اور اس کی ٹانگوں میں لچک بھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ پھر اس نے دیوار سے چپک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ ہر قدم محتاط تھا...... گویا وہ ایسے معاملات سے نمٹنا بخوبی جانتی تھی۔ اس کی ایک ایک حرکت اس کے پھرتیلے پن اور مستعدی کا ثبوت دے رہی تھی۔
شہاب نے ٹارچ روشن کی اور ایک لمحے میں اسے بجھالیا...... یہ بینا کو اشارہ تھا...... چند لمحات کے بعد بینا اس کے قریب پہنچ گئی...... اس نے اسے سلام کیا اور شہاب نے اسے عمارت کی جانب آنے کا اشارہ کیا...... زیر تعمیر عمارت ایک بہترین پناہ گاہ تھی...... اس میں کچھ کمرے بنے ہوئے تھے جو بہت بری طرح گندے ہو رہے تھے لیکن بہر حال قابل استعمال تھے...... بینا نے کہا۔

"سر آپ کے کیسے مزاج ہیں؟"

"ایک بار پھر وہی بات کہوں گا بینا کہ تمہاری طرف سے تشویش کا شکار ہوں۔"

"نہ ہوں سر، نہ ہوں...... میں بالکل پرسکون ہوں، اب براہ کرم مجھے وہ تصویریں جلدی سے دکھا دیجئے۔"

شہاب نے خاموشی سے تصویریں نکالیں اور ٹارچ بینا کے ہاتھ میں دے دی۔ دونوں ایک زینے کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے...... بینا ٹارچ کی مدھم روشنی میں تصویروں کو دیکھنے لگی۔ تصویروں پر ایک نگاہ ڈالتے ہی اس نے ایک گہری سانس لی اور اس کے بعد ٹارچ بند کردی...... شہاب خاموشی سے اس کی حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"تصویروں کے لئے تمہاری بے تابی میری سمجھ میں نہیں آئی بینا۔"

"سر میرا خیال ہے معمہ حل ہوگیا ہے۔"

"کیا؟"

"جی سر...... میں آپ کو ایک کہانی سناتی ہوں، اس کی روشنی میں آپ خود ہی اندازہ

لگالیں گے کہ اصل واقعہ کیا ہے۔ اصل میں سر میں نے یہاں کی ایک کلیدی شخصیت پر ہاتھ ڈالا ہے اور وہ ہیں محترمہ آسیہ بیگم، جو رئیس احمد کی بڑی بہن ہیں۔ یہ بات تو آپ کے علم میں ہے سر کہ رئیس احمد نے شادی نہیں کی۔"

"ہاں، یہ میں جانتا ہوں۔"

"سر اصل کہانی یہ ہے۔" بینا نے تفصیل سے رئیس احمد کے ماضی کی داستان بیان کر دی اور شہاب کے ذہن میں شدید سنسنی پیدا ہو گئی۔ آخر میں بینا نے کہا۔

"میں دیکھنا چاہتی تھی سر کہ کیا شاہدہ کے چہرے پر بھی ویسا ہی تل ہے اور یہ تل اس کے چہرے پر نمایاں ہے۔ ویسے بھی بہت خوب صورت عورت ہے۔"

"اس کا مطلب ہے بینا کہ شاہدہ کو یہاں قتل کیا گیا ہے۔"

"سو فیصد سر، سو فیصد اور غلام شاہ اس کا معاون کار ہے۔"

"لیکن بینا ہم یہ ثابت نہیں کر سکیں گے...... اول تو بات اتنی پرانی ہو گئی ہے...... کیس بے شک ری اوپن کیا جا سکتا ہے، لیکن صرف یہ کہانی ہی تو ثبوت کے طور پر پیش نہیں کی جا سکتی۔ بھلا کون اس کا اقرار کرے گا؟ اور فرض کرو، اگر اقرار کر بھی لیا جاتا ہے تو عدالت کو تو ٹھوس ثبوتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہم عدالت کو ٹھوس ثبوت کہاں سے پیش کریں گے؟ آسیہ بیگم نے بے شک یہ کہانی تمہیں سنا دی، لیکن تمہارا کیا خیال ہے، کیا وہ کمرۂ عدالت میں بھی اپنی یہ داستان بیان کر سکیں گی؟ غلام شاہ گواہی دے سکے گا یا سیٹھ رئیس احمد اپنے جرم کا اقرار کرے گا؟ ناممکن ہے بینا، ناممکن ہے۔"

بینا سوچ میں ڈوب گئی، پھر اس نے کہا۔

"سر آپ یقین کیجئے گا میرا ذہن بھی مسلسل انہی سوچوں میں غرق رہا ہے لیکن واقعی اس سلسلے میں ہمارے پاس کوئی ایسا لائحہ عمل نہیں ہے جس کے ذریعے ہم ثبوت حاصل کر سکیں۔"

چند لمحات دونوں خاموشی میں ڈوبے رہے، اس کے بعد بینا نے کہا۔

"لیکن سر، اس بے گناہ نوجوان کو سات سال کی سزا ہو چکی ہے۔ وہ تمام قانونی ضرورتیں پوری ہو چکی ہیں اور قانون شکن زندہ ہے بلکہ مستقبل میں بھی کوئی اس کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ سر کیا آپ کے خیال میں اسے اپنے اس جرم کی سزا نہیں بھگتنی چاہئے؟ اور سر

آپ کا کیا خیال ہے، کیا اور کوئی لڑکی اس کے جنون کی بھینٹ نہیں چڑھ سکتی؟ سر مجھے معاف کیجئے گا ایسے آدمی کا تحفظ اور اس کی زندگی، میں سمجھتی ہوں بذات خود ایک جرم ہے۔"

شہاب نے نگاہیں اٹھا کر بینا کو دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"اس کا حل کیا ہے؟"

"ہم اسے اپنی عدالت میں سزا دیں گے سر۔"

شہاب بری طرح چونک پڑا۔ بینا کے لہجے کی سفاکی اسے بہت عجیب محسوس ہوئی تھی۔

"اور اگر آپ نے اس سے انکار کیا تو مجھے بہت افسوس ہوگا۔ میں نے آپ پر بہت بھروسا کیا ہے، جو اپنے دل کی بات آپ کو بتا دی ہے سر۔ نہ جانے میرے دل میں کب سے یہ طوفان پک رہا تھا۔ میں یہ چاہتی تھی کہ ہر اس شخص کو جسے اپنی دولت اور وسائل کے بل بوتے پر جرم کرنے کا تحفظ حاصل ہے، صفحہ ہستی سے مٹایا جائے۔ سر اگر ہم اپنے کسی فعل میں مخلص نہیں ہوتے تو اس کا مطلب ہے کہ ہم اپنی ذات اور اس دنیا میں اپنے فرائض سے مخلص نہیں ہیں۔"

"تم بالکل ٹھیک کہتی ہو بینا لیکن جذباتی اقدامات بہت جلد انسان کے راستے بند کر دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ اگر کرنا ہے تو بہت سوچ سمجھ کر کرنا ہوگا اور اس کے لئے خاصی محنت کرنا ہوگی۔"

"سر میں محنت سے نہیں گھبراتی، بس مجھے میرا کوئی ہم خیال مل جانا چاہئے۔"

"زیروز یروایٹ۔" شہاب زیر لب بڑبڑایا۔

"میں سمجھی نہیں سر۔"

"نہیں...... میں تمہیں بتا رہا تھا کہ تمہارا انداز جیمز بونڈ جیسا ہے۔"

"نہیں سر مذاق نہ اُڑائیے میرا۔ ایسے کسی بے مقصد نام سے مجھے تشبیہہ نہ دیجئے گا...... میرے اندر صرف ایک انسان پل رہا ہے جس کے دل میں برائی کے خلاف انتقامی جذبے ہیں۔"

"میں ان جذبوں کی پذیرائی کرتا ہوں بینا۔ بہر حال یہ ساری باتیں اپنی جگہ، لیکن تھوڑا توقف کرو، سوچتی رہو...... میں بھی سوچ رہا ہوں۔ بات یہیں ختم نہیں ہونی چاہئے۔ ہمیں اور بھی بہت سے عوامل کو مد نظر رکھنا ہوگا۔"

”مجھے صرف ایک بات کا جواب دیجئے سر۔“ بینا نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

”ہاں کہو۔“

”آپ تو کسی لالچ میں نہیں آئیں گے، کوئی ایسا قدم تو نہیں اٹھائیں گے آپ جو انسانیت کے خلاف ہو؟“

”مجھ پر بھروسا کرلوگی؟“

”بھروسا نہ کرتی سر تو آپ کی جانب قدم نہ بڑھاتی۔ نہ جانے کیوں اتنے عرصے کی تلاش کے بعد دل نے یہ کہا کہ آپ میرے ہمسفر بن سکتے ہیں۔ سر اسی لئے آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑی ہوں، خدارا مجھے میری پہلی منزل پر نہ روک دیجئے گا۔“

”مطمئن رہو بینا۔ میں تمہارا بہترین ہمسفر ثابت ہوں گا۔ کبھی فرصت سے اپنے بارے میں بھی بتاؤں گا۔“

”تو پھر سر؟“

”بس اب واپس جاؤ۔ تصویریں میرا خیال ہے تمہیں اپنے پاس رکھنا مناسب نہیں ہوگا۔“

”نہیں سر یہ آپ واپس رکھ لیجئے۔ میں تو صرف اپنی اس بات کی تصدیق چاہتی تھی۔“

”او کے بینا او کے۔“

”سر میں آپ کو پھر فون کروں گی۔“

”کم از کم تین دن کے بعد اور اس سے پہلے کوئی قدم اٹھانے کی کوشش مت کرنا۔“

”آپ میرے چیف ہیں۔ میں آپ کی ہر ہدایت پر عمل کروں گی۔“

”تھینک یو بینا، اب احتیاط سے واپس جاؤ۔ کوئی خطرے والی بات تو نہیں ہے؟“ شہاب نے سوال کیا اور بینا مسکرادی۔

”وہ مجھے سسٹر کہتا ہے۔“

”رئیس احمد؟“

”ہاں، اپنی بہن کے حوالے سے۔ ویسے سر ایک بات کہوں۔ آدمی جنونی ہے لیکن اس کا جنون صرف ایک مخصوص راستے پر ہے۔ آپ سمجھ رہے ہیں نا میری بات۔“

”ہاں...... اچھا خدا حافظ۔“ اور پھر شہاب اس وقت تک وہیں کھڑا رہا جب تک بینا دیوار کی دوسری جانب غائب نہ ہوگئی۔

حالات ہر طرح سے بہتری کا رُخ اختیار کر رہے تھے...... ہیڈ کوارٹر کی رپورٹ میں بارہ دری تھانے کی کارکردگی سب سے شاندار قرار دی گئی تھی کیونکہ وہاں جرائم کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ حالانکہ رپورٹ میں اس بات کو شاندار قرار دیا گیا تھا اور اس میں انسپکٹر شہاب کی اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ ہوتا تھا لیکن اصلیت کچھ اور بھی تھی۔ بنیادی وجہ یہ تھی کہ نواب گٹو اس علاقے کا سب سے بڑا بدمعاش تھا اور اس نے وہاں کے لوگوں کو اس طرح اپنی گرفت میں لے رکھا تھا کہ لوگ اپنے ہی مصائب کا شکار ہوگئے تھے۔ جو چھوٹے چھوٹے بدمعاش تھے اور جو غنڈہ گردی کر سکتے تھے، ان سب کو نواب گٹو نے سیدھا کر دیا تھا اور اب اس کے بعد طویل عرصے تک کسی نئے بدمعاش کے پیدا ہونے کی اُمید نہیں تھی۔ اس وجہ سے بھی حالات درست تھے۔ دوسری وجہ یہ کہ ہیڈ کوارٹر کی رپورٹ میں جو کارکردگی ظاہر کی گئی وہ دوسروں کے لئے بڑی مضحکہ خیز تھی اور اس سے یہ تاثر بھی اُبھرتا تھا کہ بارہ دری تھانہ شہر کا سب سے ناکارہ تھانہ ہے جہاں آمدنی کے ذرائع ہی نہیں ہیں لیکن شہاب نے جو طریقہ کار اختیار کیا تھا، اس نے اس کے اسٹاف کو اچھی طرح مطمئن کر رکھا تھا۔ اب چھوٹے چھوٹے کاموں کی تو ضرورت ہی نہیں پیش آتی تھی اس لئے اسٹاف کے لوگ وہ سب کچھ نہیں کرتے تھے جن سے ان کا دال دلیہ چلتا، چنانچہ علاقے والوں سے بھی پولیس کے بڑے اچھے تعلقات ہوتے جا رہے تھے۔ شہاب نے گل زمان کو یہ بتا دیا تھا کہ کسی غریب آدمی پر اٹھنے والا ہاتھ کارکردگی کے قابل نہیں رہے گا اس لئے اس تھانے کے عملے کو اپنی عادات بھی بدلنی پڑی تھیں اور پھر ضرورت بھی نہیں تھی۔ انچارج اتنا شاندار ہو تو بھلا کسے غرض پڑی ہے کہ غیر انسانی حرکتیں کرتا پھرے۔ غرضیکہ تقدیر نے بھی شہاب کا ساتھ دیا تھا اور وہ اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے قدم بہ قدم آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ اس صبح گل زمان اور شہاب بیٹھے ہوئے مختلف موضوعات پر باتیں کر رہے تھے کہ غلام شاہ اندر داخل ہوتا ہوا نظر آیا اور گل زمان کی باچھیں خوشی سے کھل گئیں۔

”سر آسامی آگئی۔“

”آنے دو، آنے دو۔“

شہاب جلدی سے بولا۔

"لیکن اسے زیادہ اہمیت دینے کی ضرورت نہیں ورنہ سر پر سوار ہو جائے گا۔ بہت ہی خشک انداز میں گفتگو کرو۔"

شہاب کا یہ کہنا بالکل درست ثابت ہوا۔ غلام شاہ اس طرح اکڑتا ہوا اندر آیا جیسے ان کی پشتوں پر احسان کرنے آیا ہو۔ گل زمان نے اسے دیکھا اور پھر سرد مہری سے شہاب سے بولا۔

"سر جی پھر کیا خیال ہے آپ کتنی دیر میں تفتیش کے لئے چلیں گے؟"

"بس دس منٹ کے بعد گل زمان...... آیئے غلام شاہ صاحب کہئے کیسے مزاج ہیں آپ کے؟"

"ٹھیک ہوں جناب۔" غلام شاہ سرد لہجے میں بولا۔

"بیٹھئے، فرمایئے ہمارے لائق کیا خدمت ہے؟" غلام شاہ نے گل زمان کی طرف دیکھا تو شہاب نے گل زمان کو بیٹھنے کا اشارہ کر دیا اور گل زمان بھی بیٹھ گیا۔

"ہاں جو کچھ کہنا ہے آپ کو جلدی سے کہو۔ ہمیں ایک کیس کی تفتیش پر جانا ہے۔" شہاب کے خشک لہجے پر غلام شاہ سنبھل گیا اور بولا۔

"وہ جی آپ کی امانت لے آئے ہیں۔"

"ہوں لایئے۔" شہاب نے کہا اور غلام شاہ نے بڑے نوٹوں کی دو گڈیاں نکال کر شہاب کے سامنے رکھ دیں۔ شہاب نے ان گڈیوں کو دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"اینٹی کرپشن والوں کو بھی لائے ہیں آپ؟"

"جی؟"

"میرا مطلب ہے اس رقم کے بارے میں آپ نے اینٹی کرپشن کو اطلاع دی ہے؟"

"کیسی باتیں کرتے ہیں صاب جی، ہماری اور آپ کی جو دوستی چل رہی ہے، اس میں اس کی کوئی گنجائش ہے کیا؟"

"گنجائش تو نہیں ہے لیکن آدمی کا دماغ بگڑتے ہوئے دیر نہیں لگتی...... میں نے سوچا ہو سکتا ہے آپ انتظام کر کے آئے ہوں۔"

"نا جی نا۔ ہم پر تو دونوں طرف سے ہی پڑ رہی ہے۔ آپ بھی ایسی باتیں کر رہے ہو اور ادھر سیٹھ صاحب۔ کیا کہیں جی، نوکری کرتے ہوئے انسان کو کتنی مشکلوں سے گزرنا

پڑتا ہے۔"

"سیٹھ صاحب کیا کہتے ہیں؟"

"وہ جی میرا خیال ہے اس کے بعد وہ آپ کو ایک پیسہ نہیں دیں گے۔ کہتے تھے یہ تو ایک ہی بات ہو گئی۔"

"آپ یہ واپس لے جا سکتے ہیں غلام شاہ صاحب۔ پیسہ آنے کے اور بھی بہت سے ذرائع ہیں۔ رئیس احمد صاحب سے کہہ دیجئے گا کہ ان کے ساتھ میں نے جو سلوک کیا ہے وہ صرف انسانی رشتوں کی بنیاد پر کیا ہے۔ ورنہ ہم تو اس وقت تفتیش کرتے ہیں جب واردات ہو جاتی ہے۔ چیتا سلاخوں کے پیچھے ہے اور آپ کو پتا ہے کہ جس کیس میں اسے پکڑا گیا ہے وہ کیس اس نے نہیں کیا۔ رئیس احمد صاحب ہم پر کون سا احسان کر رہے ہیں؟ مال تو خرچ کرنا ہی پڑتا ہے۔"

"نا جی نا۔ یہ بات نہیں ہے۔ بس وہ اصل میں۔"

"نہیں غلام شاہ صاحب، ابھی یہ پیسے آپ کے سامنے پڑے ہوئے ہیں۔ میں نے انہیں ہاتھ نہیں لگایا۔ رئیس احمد صاحب کو سو دفعہ غرض ہو تو ہم سے بات کریں ورنہ ہم اسے چھوڑ دیں گے۔ بلاوجہ ایک بے گناہ کو پکڑا ہوا ہے ہم نے۔ آخر ضمیر بھی تو کوئی چیز ہے۔ پھر رئیس احمد جانے اور وہ جانے۔ اگر رئیس احمد اس سے جان بچانے کے لئے اسے قتل کرا دیں گے یا کوئی اور نقصان پہنچا دیں گے تو آپ کا کیا خیال ہے غلام شاہ صاحب، ہم اسے چھوڑ دیں گے؟ میرا مطلب ہے رئیس احمد کو۔ اب یہ گھر کی جاگیر تو نہیں ہے کہ کسی کی جان لے کر آدمی بچ جائے اور اگر وہ رئیس احمد خاں کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو ہم اسے بھی نہیں چھوڑیں گے، آپ سے وعدہ کرتے ہیں۔ یہ بات رئیس احمد خان کو بتا دیجئے گا۔ چلو گل زمان پیسے اٹھاؤ اور کوئی خاص بات غلام شاہ صاحب؟"

"نہیں جی بس وہ کام کر دیجئے۔"

"قانون، قانون ہوتا ہے غلام شاہ صاحب۔ کام کرنے میں وقت لگتا ہے اور آپ یہ بات کان کھول کر سن لیجئے کہ جتنا وقت لگے گا میں اسے کم نہیں کر سکتا۔ قانونی ذرائع بھی پورے کرنے ہوتے ہیں، اپنی بچت بھی کرنی ہوتی ہے۔ یہی کیا کم ہے کہ میں نے اسے لاک اپ میں ڈال رکھا ہے، کیا سمجھے آپ؟"

"سمجھ گئے جی سمجھ گئے۔"

"اور ہم آپ سے معافی چاہتے ہیں، تفتیش کے لئے نہ جانا ہو تو کوئی بات نہیں تھی۔"

"نہیں جی ہم چلتے ہیں۔ خدا حافظ۔"

"گل زمان، غلام شاہ صاحب کو باہر تک چھوڑ کر آؤ۔"

"جی صاحب۔" گل زمان نے کہا اور نوٹ اپنی جیب میں رکھ کر باہر نکل گیا۔ شہاب کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ کچھ دیر کے بعد گل زمان واپس آ گیا تو شہاب نے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہے نا؟"

"بالکل صاب جی بالکل۔" گل زمان نے نوٹوں کی گڈیاں نکال کر شہاب کے سامنے ڈال دیں۔

"آمدنی فوراً تقسیم ہونی چاہئے...... اپنی گڈی اٹھا لو اور ایک بار پھر تاکید کرتا ہوں کہ کسی کو کوئی شکایت نہیں ہونی چاہئے۔ پائی پائی کا حساب رہنا چاہئے۔" گل زمان نے نوٹوں کی ایک گڈی اٹھا لی اور دوسری گڈی شہاب نے اپنی جیب میں منتقل کر لی۔

❀

بہت دنوں کے بعد شہاب تھلے پر لگنے والی محفل میں شریک ہوا تھا، جن لوگوں سے روزانہ ملاقاتیں تھیں، ان سے ملاقاتوں کا یہ سلسلہ ختم ہو چکا تھا اور شہاب نے خاص طور سے اس کے لئے وقت نکالا تھا۔ تمام لوگوں سے ان کی خیر و عافیت معلوم کی، کچھ لوگوں سے وعدے کئے ان کے چھوٹے چھوٹے کاموں کے، پھر جب یہ محفل اختتام کو پہنچ گئی تو فتح محمد نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا اور کہا۔

"عزیزی آج کوئی خاص ہی بات ہے جس کی وجہ سے اس وقت تک ٹکے ہوئے ہو۔"

"ہاں مرشد...... آپ سے بات کرنی ہے۔"

"آجاؤ، پھر اِدھر آجاؤ۔" فتح محمد نے کہا اور شہاب کو لے کر ایک ایسے گوشے میں چلا گیا جہاں کسی کے آنے کے امکانات نہیں تھے۔

"کہو میاں کیا بات ہے؟"

"مرشد فتویٰ لینا ہے آپ سے۔"

"فتویٰ اور مجھ سے؟" فتح محمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ جانتے ہیں کہ میرے ذہن میں آپ کا کیا مقام ہے۔"

"میاں، یہ تو آپ کی محبت ہے شہاب میاں۔ فتوے تو صاحب علم دیتے ہیں اور جس علم کے حصول کے بعد فتوے دیئے جاتے ہیں، میں تو اسے اتنا بلند سمجھتا ہوں کہ اپنے آپ کو اس تک پہنچانے کے لئے ہزار بار کی زندگی بھی ناکافی سمجھتا ہوں۔ خدارا مجھے وہ مقام نہ دو، یہ میرا مقام نہیں ہے۔ ہاں اگر مشورے کی بات ہو تو میری عقل ناقص حاضر ہے۔"

"مرشد ایک کیس ہے میرے پاس آج کل، جمال بیگ کے بارے میں بتا چکا ہوں۔ باپ کا قاتل قرار دے کر اسے سات سال کی سزا کرادی گئی تھی۔ اصل میں کیس بالکل مختلف ہے۔ ایک دولت مند شخص نے ایک آبرو لوٹنے کے لئے سارا کھیل کھیلا تھا۔ شوہر مزاحم ہوا تو اسے قتل کر دیا گیا۔ نوعمر بیٹا ماں کی تلاش میں پہنچا تو قتل کا الزام اس پر عائد کر دیا گیا۔ قاتل ایک جنونی ہے، جو ایک خاص شکل کی لڑکیوں کے سامنے مشتعل ہو جاتا ہے اور آبروریزی کے بعد انہیں قتل کر دیتا ہے لیکن پھر وہی مسئلہ آیا ہے۔ دولت کے بل پر قانون کو بے بس کر دیا گیا ہے اور قانون کے پاس اصل مجرم کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے کوئی ثبوت نہیں ہے۔ آپ مجھے بتائیے کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

فتح محمد کے چہرے پر پریشانی کے آثار پھیل گئے۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"خون کا بدلہ خون ہے، لیکن اس طرح نہیں کہ بدلے کے بعد اپنی زندگی بھی کھونی پڑے۔"

"آپ نے درست کہا مرشد کہ خون کا بدلہ خون، اس کے سوا کچھ نہیں۔ گویا یہی راستہ اختیار کرنا ہوگا۔"

"مگر کس طرح؟" فتح محمد نے سوال کیا اور شہاب کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ پھر وہ آہستہ سے بولا۔

"یہ تو وقت بتائے گا مرشد، بس یہی رہنمائی چاہتا تھا۔"

"سنو میاں، بے شک پولیس صاحب اختیار ہوتی ہے لیکن کچھ ذمہ داریوں کے ساتھ۔ انسان کا تعلق کسی بھی شعبے سے ہو، اس پر اخلاقی ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں اور مذہبی بھی۔"

"اور دنیاوی بھی۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"سمجھا نہیں۔"

"مرشد...... ایک نوعمر بچہ سات سال تک بے گناہ جیل کاٹتا رہا اور مجرمانہ ذہنیت لے کر باہر نکلا۔ جو اس کا ذمے دار ہے، اس پر ہرجانہ تو عائد ہوتا ہے نا۔ جرمانہ دینا ضروری ہے اس کے لئے کیونکہ اس کے بعد یا تو معاشرے کو ایک مجرم ملے گا، یا پھر ایک بے گناہ خودکشی کر لے گا۔ اس بات کے امکانات بھی ہیں کہ مجرم اپنا جرم چھپانے کے لئے اسے بھی قتل کر دے۔ قانون پر تو بہت سے فرائض عائد ہوتے ہیں۔ اس بے گناہ کو جرمانہ دلانا اور مجرم کو سزا دینا قانون کی ذمے داری ہے۔ اس رہنمائی کے لئے میں شکر گزار ہوں۔"

فتح محمد کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ شہاب سلام کر کے باہر نکل گیا تھا۔

❀

شہاب عدنان واسطی کے دفتر میں داخل ہو گیا۔ کورٹ ٹائم کے بعد پہنچا تھا لیکن عدنان واسطی اسے اپنے دفتر میں ہی مل گیا۔ اکرام نے سلام کیا تھا، قدموں کی چاپ پر عدنان واسطی نے سر اٹھایا اور پھر بے اختیار اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"آیئے انسپکٹر صاحب، بڑی خوشی ہوئی آپ کو یہاں دیکھ کر۔ آیئے تشریف رکھئے۔" وہ بڑے تپاک سے بولا اور شہاب کرسی پر بیٹھ گیا۔ عدنان واسطی نے اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا"۔

"میں اکثر کورٹ میں آپ کو تلاش کرتا رہتا ہوں کہ شاید کسی مقدمے کے سلسلے میں، آپ سے ملاقات ہو جائے لیکن اتفاق ہے کہ آج تک اس سے محروم رہا۔"

"جی ہاں۔ پچھلے دنوں پولیس ہیڈ کوارٹر سے جو رپورٹ شائع ہوئی ہے، اس میں بارہ دری تھانے کی کارکردگی کو صف اول کی کارکردگی قرار دیا گیا ہے چونکہ اس ماہ کی ابتدائی تاریخ سے لے کر آخری تاریخ تک بارہ دری تھانے کی حدود میں کوئی واردات نہیں ہوئی۔"

"سبحان اللہ۔ ہونی بھی نہیں چاہئے تھی۔" عدنان واسطی نے مسکراتی نگاہوں سے شہاب کو دیکھ کر کہا اور شہاب بھی مسکرا دیا۔

"اگر میرے زیادہ لوگوں سے تعلقات ہوتے تو واسطی صاحب لوگ یقیناً تعزیت کے لئے آتے چونکہ جن تھانوں کی حدود میں وارداتیں نہیں ہوتیں، کاروباری طور پر انہیں سب

سے نکما تھانہ کہا جاتا ہے۔" عدنان واسطی نے قہقہہ لگایا۔ پھر اس نے کہا۔

"یہ بات بھی آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں انسپکٹر صاحب۔ کمائی کے علاقوں میں بڑی بڑی رشوتیں دے کر ڈیوٹیاں لگوائی جاتی ہیں۔ اب میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ کا نظریہ کیا ہے، بہر حال میری طرف سے اس بات کی مبارک باد قبول کریں۔"

"شکریہ...... میرا نظریہ دنیا سے مختلف نہیں ہے۔ کسی بھی طرح اس دنیاوی لالچ سے دور نہیں ہوں۔ بنیادی وجہ یہ ہے کہ پیسا بھی زندگی کی بہت بڑی ضرورت ہے، بہر حال وہ لوگ بڑے عظیم ہوتے ہیں جو زندگی کے آخری لمحات تک اپنے اصولوں کی آغوش میں جیتے ہیں۔"

عدنان واسطی پھیکے سے انداز میں مسکرا دیا۔ شہاب نے کہا۔

"بینا سے آپ کا رابطہ ہے؟"

"ہاں...... موقع پا کر مجھے فون کرتی رہتی ہے۔"

"بڑے دل گردے کے آدمی ہیں آپ واسطی صاحب کہ آپ نے بینا کو اس طرح کے خطرناک کاموں میں اُلجھنے کی اجازت دے دی ہے۔"

عدنان واسطی کے چہرے پر فخر کے آثار پھیل گئے۔ پھر اس نے کہا۔

"ہو سکتا ہے انسپکٹر صاحب میری ان باتوں کو آپ مسلسل دہرانے کی وجہ سے خوشگوار محسوس کریں لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں اپنے بچوں کی جانب سے بڑا مطمئن ہوں۔ ں عمر کی کسی لڑکی سے آپ ایسی توقع نہیں کر سکتے۔ اس نے مجھے اپنے آپ پر بھروسا دلایا ہے۔ بے شمار واقعات ایسے ہوئے ہیں جن میں وہ ایک ٹھوس کردار بن کر اُبھری ہے۔ اعلیٰ زین صلاحیتوں کی مالک ہے اور بے شمار مرتبہ اس نے مجھے حیران کر دیا ہے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے واسطی صاحب۔ مجھے حیرت ہے کہ مس بینا نے ابھی تک اپنے لئے کوئی مقام منتخب کیوں نہیں کیا؟"

"میں اس کی وجہ بتا سکتا ہوں۔"

"جی۔"

"اس نے وکالت کے پیشے کو منتخب کیا ہے حالانکہ اپنی تعلیمی اور دوسری صلاحیتوں کی بنا پر وہ انتظامیہ میں کوئی بہتر مقام پا سکتی ہے، لیکن اس کا بھی یہی نظریہ ہے۔ وہ کہتی ہے کہ اپنا

مستقبل تو بنایا جاسکتا ہے لیکن ان مظلوموں کا کیا ہوگا جن کا مستقبل تاریک کر دیا جاتا ہے۔ وہ گناہ گاروں سے شدید نفرت کرتی ہے اور اس کا نظریہ ہے کہ جو گناہ کر کے دوسروں کی زندگی کے لئے خطرہ یا المیہ بن جاتا ہے، کسی بھی قیمت پر قابل رحم نہیں ہوتا اور اسے بدترین سزا ملنی چاہئے۔ اس کا وجود فنا ہو جانا چاہئے، لیکن جو بے گناہ دوسروں کی چیرہ دستیوں کے شکار ہو جاتے ہیں وہ اس کی نگاہ میں کسی بھی طور قابل معافی نہیں ہوتے۔ چھوٹی سی عمر میں اس نے اتنے سخت نظریات اپنائے ہیں شہاب صاحب کہ آپ یقین کیجئے کبھی کبھی میں خود اس سے مرعوب ہو جاتا ہوں۔"

"میں بے حد مسرور ہوں واسطی صاحب۔ کئی بار میں نے یہ سوچا کہ کہیں یہ سب کچھ آپ سے انحراف نہ ہو لیکن آپ کا لہجہ اور آپ کے الفاظ بتاتے ہیں کہ مس بینا کو آپ کا مکمل تعاون حاصل ہے۔"

"سو فیصد، بخدا سو فیصد۔"

"اس وقت بھی حاضری اسی بنیاد پر ہوئی تھی۔ میں ایک بار پھر آپ کا نظریہ جاننا چاہتا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ اگر آپ اس سلسلے میں پریشان ہوں تو میں آپ کی پریشانی دور کر دوں۔"

عدنان واسطی پھر ہنس پڑا۔ اس نے کہا۔ "نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" تھوڑی سی رسمی گفتگو کے بعد شہاب وہاں سے اُٹھ گیا۔

❋

آسیہ بیگم درحقیقت ایک نیک خاتون تھیں اور دنیا میں اس بھائی کے سوا ان کا اور کوئی سہارا نہیں تھا۔ دولت وغیرہ کی تو خیر کوئی کمی نہیں تھی اور پھر عمر رسیدہ خاتون تھی، زیادہ دولت سے انہیں کوئی غرض بھی نہیں تھی لیکن کبھی کبھی بینا یہ سوچ کر افسردہ ہو جاتی تھی کہ ایک شیطان صفت بھائی کی وجہ سے اس نیک دل عورت کو کتنے دکھوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور اگر وہ خود بینا کے بارے میں سوچے گی تو اس کے دل پر کیا گزرے گی۔

لیکن پھر ان سوچوں کو بینا اپنے ذہن سے جھٹک دیتی تھی۔ اسے جمال بیگ یاد آجاتا تھا۔ اب تو شاہدہ کی تصویریں بھی دیکھ چکی تھی۔ ایک بھرا پرا گھر اُجاڑ دیا تھا اس کم بخت نے۔ کمال بیگ کا بھی اپنی زندگی کا کوئی نظریہ ہوگا، یہ زندگیاں چھین لینے والے کسی بھی طرح قابل معافی نہیں ہوتے چاہے ان کی زندگی سے منسلک کتنے ہی لوگوں کو نقصان کیوں:

پہنچے۔ کوٹھی میں اسے ہر طرح کی آزادی تھی حالانکہ رئیس احمد کی آنکھوں میں اپنے لئے کوئی کھوٹ نہیں پائی تھی جبکہ رئیس احمد کا دست راست غلام شاہ اکثر اسے دزدیدہ نگاہوں سے دیکھا کرتا تھا۔ بینا کو ان باتوں کی کوئی فکر نہیں تھی۔ وہ بس اپنی کھوج میں لگی رہتی تھی اور ابھی تک کوئی ایسی نمایاں کامیابی نہیں حاصل کر سکی تھی جس سے اسے یہ تقویت ہوتی کہ چلو کچھ کام ہوا۔ زیادہ تر وہ کوٹھی میں آسیہ بیگم کے گرد ہی چکراتی رہتی تھی جبکہ آسیہ بیگم نے اسے ہر طرح کی آزادی فراہم کر دی تھی اور اس آزادی سے فائدہ اٹھا کر بینا آج غلام شاہ کے علاقے میں پہنچ گئی۔

وسیع و عریض کوٹھی کے احاطے میں یہ جگہ پہلے کبھی شاید کوٹھی کے ملازمین کے لئے ہوگی لیکن اب غلام شاہ نے اسے اپنا مسکن بنا لیا تھا۔ یہاں اس کی ملاقات نینی سے ہوئی۔ ایک شوخ و شنگ مست شباب لڑکی جس کی آنکھوں میں بے باکی اور گفتگو میں کسی حد تک بے حیائی تھی۔ نام نجمہ تھا اور غلام شاہ کی چھوٹی بہن تھی۔ غلام شاہ کی بیوی اور ماں بھی وہیں رہتی تھیں۔ بینا نے سب لوگوں سے ملاقات کی۔ نینی جسمانی طور پر بھی اور ویسے بھی بہت شگفتہ اور خوب صورت تھی۔ بڑی جلدی بینا سے بے تکلف ہو گئی اور اس کی دوست بن گئی۔ واپس آنے کے بعد بینا نے اپنے کمرے میں داخل ہو کر ایک خوفناک منصوبہ بندی شروع کر دی اور اپنے اس منصوبے پر اسے خود ہی وحشت ہونے لگی۔ نہ جانے کتنی دیر تک شدید کشمکش کا شکار رہنے کے بعد اس نے آخر کار اپنے آپ کو مطمئن کر لیا۔ پھر نینی سے اس کے کچھ زیادہ ہی تعلقات قائم ہوتے چلے گئے۔ دوسرے دن خاصا وقت نینی کے ساتھ گزرا تھا۔ باغ کے گوشے میں بیٹھ کر اس نے نینی سے پوچھا۔

"تمہاری شادی نہیں ہوئی؟"

نینی کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بولی۔

"اگر شادی ہو جاتی تو میں تمہیں اکیلی نظر آتی؟"

"نہیں میرا مطلب ہے کہیں رشتہ تو طے ہوا ہوگا تمہارا؟"

"اللہ جانے۔ بھیاجی ہی فیصلہ کریں گے...... ویسے اماں تو کئی بار کہہ چکی ہیں بھیاجی سے۔ مگر بھیاجی اپنے ہی چکروں میں لگے رہتے ہیں۔ اب دیکھو نا، شادی کی بھی ایک عمر ہوتی ہے۔ اس کے بعد کون کسی کو پوچھتا ہے۔"

بینا نے ہنستے ہوئے کہا۔ "گویا تم بہت جلد شادی کرنا چاہتی ہو؟"

"ہاں...... بس میرا دل چاہتا ہے کہ میرے دل کے کنول بھی کھل جائیں۔"

"بہت چرب زبان ہو تم۔"

"واہ کیوں۔ کیا تم شادی نہیں کرو گی؟ ارے ہاں میں تو یہ پوچھنا ہی بھول گئی۔"

"نہیں بھئی، مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"جھوٹ کہہ رہی ہو۔"

"کیوں؟"

"بادلوں بھری رات میں جب آسمان سے ہلکی ہلکی پھوار بدن پر گرتی ہے تو کیا تمہارے جسم سے دھواں نہیں نکلتا۔" نینی نے کہا اور بینا شدت حیرت سے گنگ ہو گئی۔ کیسا بھیانک سوال تھا اور نینی اس میں بالکل سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔ "بولو جواب دو۔"

"میرا خیال ہے نہیں...... کیا تمہارے جسم سے دھواں نکلتا ہے؟"

"ہاں...... میرا پورا بدن آگ ہو جاتا ہے اور تم یقین کرو، پانی کی بوندیں جب میرے کھلے ہوئے بدن پر گرتی ہیں تو ان سے چھن چھن کی آواز آتی ہے۔"

"خدا کی پناہ۔ میں نے کبھی ایسا نہ سنا، نہ دیکھا۔"

"بس کیا بتاؤں تمہیں، بولوں گی تو کہو گی کہ بے غیرت ہے۔"

بینا نے خود ہی موضوع کو ٹال دیا لیکن اس کے ذہن میں ایک عجیب سا تصور جاگا تھا۔ ایک انتہائی عجیب تصور اور دوسرے اسی تصور کے تحت اس نے موقع پا کر شہاب کو فون کیا۔ خوش قسمتی سے شہاب اس وقت بھی تھانے میں ہی مل گیا تھا اور فون اس نے ہی ریسیو کیا۔

"شہاب صاحب میں بینا بول رہی ہوں۔"

"میں آپ کی آواز پہچانتا ہوں بینا۔"

"شکریہ، کہیے کیا ہو رہا ہے؟"

"وہی رفتار بے ڈھنگی جو پہلے تھی سو اب بھی ہے۔"

"جی۔"

"شہاب صاحب میں ایک بار پھر آپ سے اسی جگہ ملاقات کرنا چاہتی ہوں۔"

"مجھے حاضر ہونے میں کوئی دقت نہیں ہو گی مس بینا لیکن میں آپ کے

پریشان رہتا ہوں۔"

"نہیں سر ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں پُر اعتماد ہوں۔"

"بہتر ہے۔ میں حاضر ہو جاؤں گا...... وقت؟"

"وہی۔"

"بہت بہتر۔"

اس رات شہاب مقررہ وقت پر مطلوبہ جگہ پہنچ گیا تھا...... رات کے تاریک اندھیرے، ماحول کو نگلے ہوئے تھے اور اس کی نگاہیں دیوار کے اسی گوشے پر ٹکی ہوئی تھیں جہاں سے پہلی بار بینا برآمد ہوئی تھی۔ کچھ دیر کے بعد اس نے دیوار پر ایک سایہ لہراتے ہوئے دیکھا۔ بینا اطمینان سے نیچے کود آئی تھی...... پھر وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی عمارت کی جانب بڑھنے لگی...... شہاب نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔

"ہیلو مس بینا۔"

"ہیلو سر۔"

"آئیے...... آپ پوری طرح اطمینان کر کے آئی ہیں؟"

"جی سر...... کوئی خاص بات نہیں ہے...... ویسے بھی سر جس عمارت میں ہماری کارروائی جاری ہے وہاں کچھ برے لوگ ضرور رہتے ہیں لیکن ایسے نہیں جو باقاعدہ جرائم کرتے ہوں اس لئے میں محفوظ ہوں۔"

"گڈ...... میں سمجھ رہا ہوں...... کہئے آپ نے یقیناً کسی خاص نظریئے کے تحت مجھے بلایا ہو گا۔"

"سر...... ویسے تو ماحول سازگار ہے اور ایسی مشکل درپیش نہیں ہے جس پر باقاعدہ توجہ دی جائے، لیکن پھر بھی ٹیلی فون پر ہم اپنے مافی الضمیر کا اظہار نہیں کر سکتے۔"

"میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔"

"اس دوران سر میں اپنے طور پر ایسے شواہد اور ثبوتوں کی تلاش میں سرگرداں رہی ہوں جنہیں عدالت میں پیش کر کے ہم ایک ٹھوس شکل میں سامنے لا سکیں، لیکن آپ خود سمجھتے ہیں کہ واقعات پرانے ہو گئے۔ میں یہ بھی نہیں معلوم کر سکی سر کہ شاہدہ کی موت کے بعد کوئی اور ایسا واقعہ پیش آیا یا نہیں۔ ظاہر ہے، اگر کچھ ہوا بھی ہو گا تو اس کی تشہیر اس طرح

نہیں ہو سکی۔ جمال بیگ کا معاملہ تو مختلف تھا۔ اتفاق سے ڈیڈی سے اس کی ملاقات ہو گئی۔ ڈیڈی کی ذہانت کا تجزیہ آپ آہستہ آہستہ کریں گے تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ وہ کیسی شخصیت کے مالک ہیں۔ یوں جمال بیگ سے ہمیں دلی ہمدردی ہو گئی اور اس کے بعد اتفاق سے آپ بھی انسان نواز نکلے حالانکہ سر معاف کیجئے گا، آج کل انسانوں کی تلاش میں بڑی دقت پیش آتی ہے۔"

"ٹھیک کہتی ہیں آپ مس بینا۔"

"سر آج کھل کر آپ سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں حالانکہ ہماری ملاقاتیں بہت مختصر ہیں، لیکن بس ایک اعتماد ہو گیا ہے آپ پر اور دل کہتا ہے کہ آپ اگر مجھ سے متفق نہ بھی ہوئے تو کم از کم میرے دشمن کبھی ثابت نہیں ہوں گے۔"

"کبھی نہیں مس بینا، آپ اطمینان رکھئے گا۔"

"سر کیا خون کا بدلہ خون نہیں ہو سکتا؟ ہمارے علم میں ایک واقعہ ہے، نہ جانے ان درندوں نے کتنی زندگیوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہو گا۔ میں نے محسوس کیا ہے سر کہ رئیس احمد کی مجرمانہ کارروائیوں کو ہوا دینے والا یہ شخص غلام شاہ ہے...... پتا نہیں اس کا ماضی کیا ہے؟ لیکن اپنی حرکات و سکنات سے اور پھر آسیہ بیگم کے کہنے کے مطابق اس شخص نے رئیس احمد کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا ہے اور میرا دعویٰ ہے سر کہ رئیس احمد کو اس منزل تک لانے میں اس کی مدد شامل رہی ہے۔ اگر کہیں سے رئیس احمد کو یہ مدد حاصل نہ ہوتی تو ممکن ہے اس کے اندر کچھ تبدیلیاں رونما ہو جاتیں۔ سر اب میں آپ سے ایسی بات کہنے جا رہی ہوں جسے سن کر آپ ممکن ہے مجھے قابل نفرت سمجھیں، لیکن کہنا ضروری ہے سر۔ میں نے غلام شاہ کے اہل خانہ سے ملاقات کی ہے...... ایک معمر خاتون ہیں، ایک غلام شاہ کی بیوی ہے اور ایک نوجوان بہن ہے جس کا نام نجمہ ہے لیکن نینی کہلاتی ہے۔ میں نے اسے دوست بنا لیا ہے۔ سر بہت ہی بے باک لڑکی ہے اور جس کمائی پر پل رہی ہے اس کے اثرات لڑکی کے وجود میں موجود ہیں۔ سر میں اسے داؤ پر لگانا چاہتی ہوں۔ سر میں اسے رئیس احمد کو پھانسنے کے لئے چارے کے طور پر استعمال کرنا چاہتی ہوں۔" بینا نے کہا اور شہاب ایک بار پھر چونک پڑا۔ اس نے حیران نگاہوں سے بینا کو دیکھا تو وہ سرد لہجے میں بولی۔

"جب برائی کے خلاف جنگ لڑی جاتی ہے سر تو بعض اوقات برے ہتھکنڈے بھی

استعمال کرنے پڑ جاتے ہیں۔ جنگ تو جنگ ہی ہوتی ہے۔"

شہاب کو بینا کے لہجے کی سفاکی کا ایک بار پھر احساس ہوا۔ بڑا پتھریلا پن تھا اس لہجے میں۔ چند لمحات کے لئے شہاب اس کی صورت دیکھتا رہ گیا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"طریقہ کار کیا ہو گا بینا؟"

"وہ چرکہ غلام شاہ کو بھی لگنا چاہئے سر جو غلام شاہ کے ذریعے نہ جانے کتنے دلوں پر لگ چکا ہے۔"

"یعنی تمہارا مطلب ہے۔"

"جی سر...... وضاحت طلب نہ کریں تو بہتر ہے۔" شہاب بوکھلائے ہوئے انداز میں دیر تک بینا کی صورت دیکھتا رہا، پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"بینا، ضمیر یہ چوٹ برداشت کر سکے گا؟"

"سر، ضمیر کو مطمئن کرنے کے لئے آخری حد تک یہ کوشش کی جائے گی کہ نینی کو کوئی جسمانی یا روحانی نقصان نہ پہنچے، لیکن اگر اس میں ناکامی بھی ہوئی تب بھی یہ خطرہ مول لینا ضروری ہے۔ ہم اس کے خلاف کوئی ثبوت حاصل کرنے میں ہمیشہ ناکام رہیں گے سر، چنانچہ اب ثبوت کو جنم دینا ہو گا۔ آپ دیکھ لیجئے سر میں اب بھی آپ کے احکامات کی پابندی کروں گی، لیکن میرے اپنے خیال میں اس کے سوا اور کوئی طریقہ کار نظر نہیں آتا۔ تاہم میری انتہائی کوشش یہ ہو گی کہ اسے چارے کے طور پر استعمال ضرور کروں لیکن چارا بننے نہ دوں۔ سر آپ مجھ پر اعتماد کر کے دیکھئے، میں اپنے آپ سے بہت پر امید ہوں۔ میں آخری حد تک یہ کوشش کروں گی کہ وہ سب کچھ نہ ہونے پائے جو ہو سکتا ہے لیکن اس لڑکی کے ذریعے غلام شاہ کے دل کو چوٹ پہنچے اور پھر جو انکشافات ہوں گے سر، وہ ایک باقاعدہ ثبوت کی شکل اختیار کر جائیں گے۔"

"لیکن بینا تم یہ بھی کہتی ہو کہ رئیس احمد اس قسم کا آدمی نہیں ہے۔ وہ ایک خاص شکل سے متاثر ہوتا ہے۔ اس صورت میں تم اپنا یہ کام کیسے سر انجام دو گی؟"

"آپ کی اجازت مل جائے سر، باقی آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔" بینا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے بینا لیکن اس کے لئے تمہیں کچھ وقت رکنا ہو گا، کیا سمجھیں؟ جب تک میں

تمہیں اشارہ نہ دوں اس کام کا آغاز نہ کرنا۔"

"سر میں یہاں آپ کی ماتحت ہوں اور آپ ہی کو بعد کے معاملات سنبھالنے ہیں۔ میں اس وقت تک کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گی جب تک آپ کی طرف سے اشارہ نہیں مل جائے گا۔"

"ٹھیک ہے بیٹا۔ میں بھی اس سلسلے میں زیاد وقت ضائع نہیں کروں گا لیکن کیونکہ بہر طور مجھے تمہارا تحفظ بھی عزیز ہے۔"

"شکریہ سر۔ اب میں چلتی ہوں...... احتیاط بہر طور بہتر چیز ہوتی ہے۔" شہاب اسے تاریکیوں میں گم ہوتے دیکھتا رہا۔

❀

رئیس احمد کا کاروبار اپنی جگہ بالکل درست تھا۔ کوئی مالی پریشانی اسے نہیں تھی۔ بینک بیلنس بھی نہایت مناسب تھا، لیکن ایک اضطراب، ایک اداسی، ایک بے کیفی اس کی فطرت کا حصہ بن چکی تھی۔ بڑی بہن نے بارہا چاہا کہ اس کی شادی کر دے۔ بہت سی باتیں سمجھائیں، اسے بتایا کہ زندگی کا ایک ہی دور نہیں رہتا۔ ادوار کی تبدیلیوں ہی سے زندگی میں دلچسپی قائم رہتی ہے، ورنہ یکسانیت انسان کو جینے نہ دے اور آخر کار ایک دن آئے گا جب وہ اپنے آپ کو بالکل تنہا محسوس کرے گا۔ رئیس احمد ساری باتیں سنتا تھا اور سوچتا تھا لیکن دل میں ایک ایسی پھانس چبھی ہوئی تھی جو اسے ہمیشہ بے کل رکھتی تھی۔ آج بھی آسیہ بیگم نے بہت سی ایسی باتیں کی تھیں اور رئیس احمد ذہنی طور پر بے چین ہو گیا تھا۔ اپنے کمرۂ خاص میں جہاں وہ اپنے آپ کو بالکل محفوظ سمجھتا تھا، بیٹھ کر شراب نوشی کرنا اس کا عام مشغلہ نہیں تھا۔ ہاں جب بے کلی بڑھ جاتی اور ایک چبھن شدید تکلیف دینے لگتی تو وہ اس کمرے کا رُخ کرتا تھا۔ غلام شاہ درحقیقت اس کا سایہ بنا ہوا تھا۔ رئیس احمد کے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم تھا کہ غلام شاہ نے کون کون سے لمحات میں اس سے کیا کیا فائدے اٹھائے ہیں اور ان فائدوں کی وجہ سے غلام شاہ آج بذاتِ خود اس قدر صاحبِ ثروت بن چکا ہے کہ اگر آج وہ رئیس احمد سے علیحدگی اختیار کر لے تو کسی بھی طرح اس سے کم بہتر زندگی نہ گزارے۔ اس وقت بھی وہ شراب کے برتن سامنے رکھے گہری سوچ میں گم تھا کہ غلام شاہ اندر داخل ہو گیا۔ رئیس احمد نے سپاٹ نگاہوں سے اسے دیکھا اور غلام شاہ مسکراتا ہوا اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"لگتا ہے آج پھر دل پر کوئی چوٹ پڑی ہے سر جی۔"

"محسوس کرتے ہو تو پوچھتے کیوں ہو غلام شاہ؟"

“غلام شاہ آپ کا غلام ہے اور اپنا فرض سمجھتا ہے کہ آپ کی ہر کیفیت میں آپ کا ساتھی رہے۔”

“چھوڑو غلام شاہ۔ کوئی کسی کا ساتھی نہیں ہوتا۔ یہ سب کہانیوں کی باتیں ہیں۔ ہر شخص کی اپنی زندگی کا ایک مقصد ہوتا ہے اور اس مقصد میں جتنے لوگ شامل ہو جاتے ہیں، وہ اپنے آپ کو ان کا ساتھی سمجھتا ہے اور یہی کہتا بھی ہے۔” ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو غلام شاہ نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگالیا۔

“ہیلو۔”

“کون بول رہا ہے؟” دوسری طرف سے ایک کرخت آواز اُبھری۔

“آپ کو کس سے بات کرنی ہے؟”

“رئیس احمد خان سے۔”

“کون صاحب ہیں؟”

“شہنشاہ۔” جواب ملا۔

“کہاں سے بول رہے ہیں؟”

“تم نہایت بے وقوف آدمی معلوم ہوتے ہو۔ کیا رئیس احمد موجود نہیں ہیں؟” دوسری طرف سے کہا گیا اور غلام شاہ نے ریسیور کان سے ہٹا کر اسے دیکھا اور پھر اسے رئیس احمد کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔

“کوئی بد تمیز آدمی ہے صاحب جی۔ اپنا نام شہنشاہ بتاتا ہے۔”

“شہنشاہ؟” رئیس احمد نے ریسیور کان سے لگالیا۔

“ہاں کون صاحب بول رہے ہیں؟”

“رئیس احمد۔”

“جی بول رہا ہوں۔”

“شہنشاہ کا نام یقیناً تمہارے لئے اجنبی ہوگا رئیس احمد، لیکن تم جیسے بہت سے لوگوں کے لئے اجنبی نہیں ہے۔ بعد میں تم اس کے بارے میں اپنے حلقہ اثر میں معلومات حاصل کر سکتے ہو۔”

“کون ہو بھائی اور کیا چاہتے ہو؟”

“اس دنیا میں ہر چیز کی ایک قیمت ہوتی ہے رئیس احمد۔ تم کاروباری آدمی ہو، بھلا تم سے زیادہ اس سلسلے میں اور کون بہتر جان سکتا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ زندگی کی قیمت سب سے زیادہ ہوتی ہے، بشرطیکہ وہ تم جیسے بڑے آدمی کی زندگی ہو۔”

“کیا فلسفہ بگھارنے کے لئے فون کیا تھا تم نے؟”

“نہیں...... حقیقتوں کا احساس دلانے کے لئے۔”

“کیا بکواس کر رہے ہو اور کون ہو تم؟”

“سنو رئیس احمد! شہنشاہ اپنا تعارف کرا رہا ہے تم سے اور اس کے بعد تم سے گہری گہری ملاقاتیں رہیں گی۔ سب سے پہلے تمہارے گناہوں کی فہرست تمہیں بتادی جائے گی، اس کے بعد عدالت کا فیصلہ۔ تمہارا گناہ یہ ہے کہ تم نے کسی سے محبت کی اور اس کی بے وفائی نے تمہیں دل شکستہ کر دیا لیکن رئیس احمد بے وفائی اس نے کی تھی، انتقام تم نے کس کس سے لیا۔ بہت عرصے سے میں تمہارے گناہوں کی فہرست تیار کر رہا ہوں اور یہ فہرست مع تصاویر کے میرے پاس موجود ہے۔ کیا سمجھے؟” رئیس احمد کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹتے چھوٹتے بچا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ریسیور کو گھورتا رہا، حالانکہ ریسیور کچھ فاصلے پر تھا، لیکن اس سے آواز آرہی تھی۔

“ہیلو...... تمہیں میری بات سننی چاہئے کیونکہ بزرگوں کا کہنا ہے کہ گیا وقت واپس نہیں آتا۔ بات ہو رہی تھی قیمت کی...... زندگی کی قیمت کی تو جن لوگوں کی زندگی تم نے لی ہے ان کی زندگی کی قیمت اور تمہاری زندگی کی قیمت ملا کر میں نے پچیس لاکھ مقرر کی ہے۔ رئیس احمد پچیس لاکھ اور ان پچیس لاکھ روپے کے عوض تم زندگی بچا سکو گے۔ میں تمہیں تمہاری زندگی کے لئے نو دن کا وقفہ دیتا ہوں۔ ٹھیک نو دن کے بعد تمہیں تختہ دار پر لٹکا دیا جائے گا لیکن اطمینان رکھو، یہ کام محکمہ پولیس نہیں کرے گا، شہنشاہ کی اپنی مملکت ہے اور اس مملکت کے کارکن یہ نیک کام سرانجام دیں گے۔”

“کک...... کیا بکواس کر رہے ہو تم؟”

“پچیس لاکھ، ایک روپیہ کم نہ ایک روپیہ زیادہ اور اس کا انتظام تمہیں ان نو دنوں میں کرنا ہے۔ میری طرف سے اجازت ہے تم یورپ چلے جاؤ، امریکا چلے جاؤ، دنیا کے کسی گوشے میں چلے جاؤ۔ اطمینان رکھو تمہارا تعاقب کیا جائے گا...... اس وقت کے بعد سے ہر لمحہ تم پر

نظر رکھی جائے گی۔ تم چاہو تو اپنے معمولات کے بارے میں مجھ سے سوال کر سکتے ہو۔ ہر دوسرے دن میں تمہیں ٹیلیفون کروں گا۔ میرا انتظام نہیں کرو گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔ بعد میں مجھ سے شکایت نہ کرنا۔"

"مم...... میں کہتا ہوں تت...... تم تم، تم کون ہو؟"

"تمہارے کہنے سے پہلے میں تمہیں اپنے بارے میں بتا چکا ہوں۔ تم کیا سمجھتے ہو رئیس احمد، تم نے جتنے قتل کئے ہیں وہ صرف تمہارے علم میں ہیں؟ نہیں۔ ہم لوگ تم جیسے لوگوں کی باقاعدہ فہرست تیار کرتے ہیں کیونکہ ہمارا کاروبار بھی اسی سے چلتا ہے۔ کیا میں تمہارے ان گناہوں کی تفصیل تمہیں بتاؤں جو تم کر چکے ہو؟ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اپنے ڈرائیور کمال احمد کو تم نے قتل کیا۔ اس مظلوم عورت کے لئے جس نے آخر کار خودکشی کر لی اور جس کے رخسار کا تل اس کی اور اس کے شوہر کی موت کا باعث بنا۔ رئیس احمد تل والی کوئی اور تھی اور اس کے بعد تمہیں جو کچھ کرنا پڑا وہ تمہارے دل کی برائی تھی اور غلام شاہ...... ؟ یہ کمینہ تمہارے جرائم کو ہوا دینے کا باعث بنا ہے۔ اس سے بھی بعد میں نمٹا جائے گا۔ اگر تم اس کے اثاثوں کا اندازہ کرو تو یہ تم سے تمہاری آدھی دولت گھسیٹ چکا ہے۔ بہر حال، مجھے اس سے غرض نہیں ہے۔ میں نے تمہیں نو دن دیئے ہیں اور ان نو دنوں میں تمہیں میری نشانیاں ملتی رہیں گی۔ بہتر ہے فیصلہ کرنے میں نو دن ضائع نہ کرو۔ پچیس لاکھ روپے نقد رقم کا بندوبست کرو بغیر کسی فریب کے کیونکہ شہنشاہ کی ہزاروں آنکھیں تمہارے اطراف بکھری ہوئی ہیں اور تم پر نگراں ہیں۔ اس سلسلے میں چاہو جسے اپنا راز دار بنالو، لیکن بہتر یہ ہے کہ ان تمام باتوں کو اپنے ذہن تک ہی محدود رکھو۔ ابھی میں تمہیں دوستانہ مشورے دے رہا ہوں اور میرے یہ مشورے اکثر جاری رہیں گے۔ بے فکر رہنا، فیصلہ کرنے میں زیادہ وقت نہ لو تو بہتر ہے کیونکہ گزرنے والا ہر لمحہ تمہارے لئے نقصان دہ ہوگا اور پھر ہر تیسرے دن اس رقم میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے لیکن تمہارے فیصلے کے بعد......" دوسری طرف لائن بے جان ہو گئی۔ رئیس احمد ریسیور ہاتھ میں لئے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر غلام شاہ ہی نے پوچھا۔

"سر جی کیا بات ہے، کون بدمعاش تھا یہ؟" لیکن رئیس احمد کے منہ سے آواز نہ نکل سکی۔ جو کچھ دوسری طرف سے کہا تھا وہ اس کے دل کو لرزانے کے لئے کافی تھا۔ دوسری طرف جو کوئی بھی بول رہا تھا درحقیقت وہ رئیس احمد کے ماضی اور حال سے بخوبی واقف تھا۔

غلام شاہ کے بار بار پوچھنے پر اس نے جھلا کر کہا۔

"تم جاؤ۔ ہر بات تمہیں بتانے کے لئے تو نہیں ہوتی...... جاؤ نکل جاؤ یہاں سے، گیٹ آؤٹ......" رئیس احمد حلق پھاڑ کر چیخا اور غلام شاہ حیرت سے اسے گھورتا ہوا باہر نکل گیا۔

❁

جمال صبر و سکون سے تھانے کے لاک اپ میں وقت گزار رہا تھا...... اس طرح زندگی گزارنا اس کے لئے نیا کام نہیں تھا۔ سات سال جیل میں گزارے تھے، پورے سات سال۔ لیکن کبھی کبھی وحشت اُبھر آتی تھی۔ بچپن کے سات سال گزارنے کے بعد پھر چند روز کے لئے باہر کی دنیا دیکھی تھی۔ یہ دنیا اسے بہت اچھی لگتی تھی اور کبھی کبھی دل میں انسان جاگ اُٹھتا تھا، آرزوئیں، اُمنگیں پیدا ہوتی تھیں...... اس وقت وہ نڈھال ہو جاتا تھا۔

اس وقت بھی اس کے دل میں اداسیاں گھر کئے ہوئے تھیں کہ گل زمان اسے اپنی طرف بڑھتا ہوا نظر آیا۔ اس کے لاک اپ کا تالا کھولا اور کہنے لگا۔

"آؤ۔ انچارج صاحب نے بلایا ہے۔"

شہاب نے مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا...... پھر گل زمان کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔

"سناؤ جمال بیگ...... کیسی گزر رہی ہے؟"

"ٹھیک ہے صاحب۔ جیسی بھی گزر رہی ہے۔"

"کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟"

"تکلیف تو واقعی نہیں ہے۔ آپ جیسے انوکھے لوگ بھی ہوتے ہیں اس دنیا میں۔"

"انسان کو انسان سے محبت کرنی چاہئے جمال بیگ، یہی قانون قدرت ہے۔"

"انسان، انسان سے محبت کرتا ہے صاحب؟" جمال بیگ نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

"ہاں، کرتا ہے۔ جیسے میں تم سے محبت کرتا ہوں۔"

"ایک آدمی کا ایک آدمی سے گزارہ ہو سکتا ہے واسطہ تو لاکھوں سے پڑتا ہے۔"

"بالکل ٹھیک کہتے ہو۔ قرض اور قرض کی ادائیگی کا فلسفہ سمجھتے ہو؟"

"زیادہ نہیں۔" جمال بیگ مسکرا دیا۔

"میں سمجھتا ہوں...... کسی سے کچھ رقم قرض کے طور پر لو تو وہ رقم تمہیں واپس کرنا ہوتی ہے نا؟"

"اصول تو یہی ہے صاحب۔"

"ہاں اصول بھی یہی ہے اور انسانیت بھی یہی ہے...... قرض واپسی کے لئے ہوتا ہے۔ میں اگر تمہیں محبت دیتا ہوں تو تمہارا بھی فرض ہے کہ تم بھی کسی کو محبت دو...... یہ میرے قرض کی ادائیگی ہوگی۔"

"ایک بار کا ہو تو کوئی حرج نہیں ہے صاحب۔"

"نہیں، لین دین کا یہ سلسلہ جاری رہنا چاہئے جمال بیگ...... تم بچے تھے جب تم سے تمہاری آزادی غاصبانہ طور پر چھین لی گئی اور تم جیل میں جوان ہوئے۔ ظاہر ہے تمہاری صحبت اچھی نہیں رہی ہوگی، کوئی تمہیں صحیح طور پر سمجھانے والا نہ ملا ہوگا، نتیجے میں تمہاری ذہنیت بگڑتی چلی گئی لیکن وہ جیل کی دنیا تھی۔ قدرت نے تمہیں اچھا آدمی بننے کے لئے ایک موقع دیا۔ اگر تم نوخیز نہ ہوتے اور تمہارے کیس میں بچپن کی ناسمجھی اور نوعمری نہ ہوتی تو یقیناً تمہیں سزائے موت دی جاتی۔ قدرت نے تمہیں زندہ رہنے کا موقع دیا، اس لئے نہیں کہ تم اس سے انحراف کرو بلکہ اس لئے کہ اس کے دیئے ہوئے زندگی کے انعام سے فائدہ اٹھاؤ اور اپنی آئندہ زندگی بہتر بنالو۔"

"صاحب۔ دل پر ہاتھ رکھ کر بتایئے، ماں رہی نہ باپ۔ الٹے باپ کا قاتل قرار پائے اور اس کے بعد جیل سے نکل کر اس دنیا میں لاوارث ہوگئے۔ اب کیا کریں، کس سے صلاح مانگیں اور کس سے پوچھیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ وہ مسلسل ہمارا دشمن بنا ہوا ہے جو اصل مجرم ہے۔ دماغ اگر جرم کی طرف مائل نہ ہو تو آدمی کیا کرے؟"

"بالکل ٹھیک کہتے ہو۔ قانون قدرت ایک الگ چیز ہے...... تمہارا انتقام اگر قدرت کسی اور کے ذریعے سے پورا کردیتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے جمال بیگ کہ وہ تمہیں نئی مصیبت میں پھنسانا نہیں چاہتی۔"

"صاحب ہمیں معاف کیجئے گا، گاڑھی باتیں ہمیں سمجھ میں نہیں آتیں۔"

"تم نے دس لاکھ روپے کا مطالبہ کیا تھا رئیس احمد سے...... یہ مطالبہ کرتے ہوئے تمہارے ذہن میں کوئی خاص تصور ضرور ہوگا۔"

"آپ کو بتاچکے ہیں صاحب، باپ کا خون دو پھوپھیوں کی شکل میں موجود ہے۔ ان کا ٹھکانہ کریں گے اور اس کے بعد رئیس احمد کو ٹھکانے لگادیں گے...... یہی ہمارا منصوبہ تھا اور

اس سے دس لاکھ کا مطالبہ اسی منصوبے کا حصہ تھا۔"

"دیکھو، قانون کے ہاتھ اتنے کمزور نہیں ہوتے اور تم کیا سمجھتے ہو؟ ہر شخص عقل رکھتا ہے۔ رئیس احمد تمہیں ٹھکانے لگانے کے لئے ایک لاکھ روپیہ بھی خرچ کردے تو تمہیں بدترین دشمنی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ سارے کام تمہارے منصوبے کے مطابق تو نہیں ہوسکتے۔"

"زندگی ایک داؤ ہے صاحب...... داؤ لگانا پڑتا ہے، اب نتیجہ کچھ بھی ہو۔"

"اور اگر نتیجہ ہنڈریڈ پرسینٹ ہو تو؟"

"نہیں سمجھے۔"

"میں سمجھا رہا ہوں جمال بیگ۔ فرض کرو، رئیس احمد تمہیں دس لاکھ روپے ادا کردے اور اس کے بعد وہ کیفر کردار کو بھی پہنچ جائے تو کیا یہ بات تمہارے لئے زیادہ منافع بخش نہیں ہے؟"

"ایسا کیسے ہوسکتا ہے صاحب؟"

"وہی بات دوبارہ دہراؤں گا...... اگر اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کردیا جائے تو اللہ کی طرف سے ہمیشہ بہتری ہوتی ہے۔ میں تمہیں ایک بڑے بھائی کی حیثیت سے سمجھا رہا ہوں۔ جمال بیگ دیکھو، میں قانون کا رکھوالا ہوں اور تمہیں بتاچکا ہوں کہ اس وقت تم لاک اپ میں نہیں بلکہ اپنے بڑے بھائی کے پاس ہو۔ میں نے اپنے عمل سے اس بات کا اظہار کردیا ہے کہ تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہ ہو۔ یہ صرف اس لئے ہے جمال بیگ کہ رئیس احمد تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچادے...... اس کے علاوہ جمال بیگ میں مسلسل ان کوششوں میں لگا ہوا ہوں کہ رئیس احمد کے خلاف ثبوت حاصل کرکے اس سے تمہارے والد کے قتل کا انتقام لوں...... اگر تم ان کوششوں میں میرا ساتھ دو تو مجھے آسانی ہوجائے گی۔" جمال بیگ اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"ہم نے منع تو نہیں کیا انچارج صاحب...... اول تو ہم بے بس ہیں، آپ کا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟ دوسری بات یہ کہ آپ تعاون کررہے ہیں...... ہماری طرف سے کوئی غلطی پائی آپ نے؟"

"بالکل نہیں اور اسی سے مجھے یہ اندازہ ہوتا ہے جمال بیگ کہ تم صحیح معنوں میں جیل میں ہوش سنبھالنے کے باوجود ابھی تک بہت اچھے انسان ہو۔ اگر تم اچھے انسان نہ ہوتے تو میں ایک مجرم کو پالنا پسند نہ کرتا۔ تمہارے اندر ایک شریف انسان بننے کی صلاحیتیں موجود

ہیں اور میں ان صلاحیتوں کو زندہ رکھنا چاہتا ہوں۔ اگر تم رئیس احمد کو قتل کر دیتے تو ساری زندگی تمہیں چھپتے چھپتے پھرنا پڑتا۔ بتاؤ، کیا اس کے بعد تم زندگی سے لطف اٹھا سکتے تھے؟ میرے دوست اپنے آپ کو ذہنی طور پر اس بات کے لئے تیار کر لو کہ مستقبل میں تم ایک اچھے انسان کی حیثیت سے زندگی گزارو گے...... جانے والے چلے گئے، اب تم انہیں واپس نہیں لا سکتے۔ مجرم کو اگر اس کے گناہ کی سزا مل جائے تو تمہارا کیس ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اپنی دونوں پھوپھیوں کے لئے بہتر رشتے تلاش کرنا اور پھر اپنی زندگی کو اچھے انداز میں گزارنا تمہارے لئے اس سے کہیں بہتر ہے جو تم سوچ رہے ہو۔"

جمال بیگ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے...... اس نے گردن جھکا لی اور اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے...... شہاب نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"بزرگوں کا کہنا ہے کہ اگر دل میں رقت موجود ہو، آنکھیں آنسو بہانا جانتی ہوں تو اس کا مطلب ہے دل تاریک نہیں ہوا۔ اس میں خدا کی تصویر موجود ہے اور تمہارے اس وقت کے آنسو اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں۔"

جمال بیگ باقاعدہ رونے لگا...... پھر اس نے کہا۔

"کون برا آدمی بننا چاہتا ہے صاحب جی، کون برا آدمی بننا چاہتا ہے؟ لیکن کسی کو بالوں سے پکڑ کر برائیوں کی جانب دھکیل دیا جائے تو پھر وہ کیا کرے؟"

"تمہیں سنبھالنے والا میں ہوں جمال بیگ...... جو کچھ میں کہوں، اسے ایک بڑے بھائی کا مشورہ سمجھ کر مانو اور دل سے عہد کر لو کہ اس پر عمل کرو گے۔"

"کریں گے صاحب جی، کریں گے۔ ہمیں کسی نے آج تک نہیں سمجھایا، کسی نے اس محبت سے ہمارے کندھے پر ہاتھ نہیں رکھا...... ہم بھلا آپ کو کیا دے رہے ہیں، کریں گے...... جو کچھ آپ کہیں گے کریں گے۔ قسم کھاتے ہیں اپنے ماں باپ کی جو اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ غلام رہیں گے آپ کے چاہے ہماری گردن پر چھری ہی کیوں نہ چل جائے۔"

"تو پھر آؤ سینے سے لگ جاؤ۔" شہاب بھی جذباتی ہو گیا تھا...... پھر وہ بہت دیر تک جمال کو سمجھاتا رہا تھا...... اس ڈرامے میں گل زمان کی کوئی شمولیت نہیں رکھی گئی تھی...... یہ بات ساری باتوں سے الگ، شہاب کی اپنی فطرت کا ایک حصہ تھی۔

❁

رئیس احمد پر ان دنوں بڑی بحرانی سی کیفیت طاری تھی...... شہنشاہ کے الفاظ نے اسے غلام شاہ سے بھی بد دل کر دیا تھا۔ ان دنوں وہ زیادہ تر اپنے کمرے میں بیٹھا شراب سے شغل کرتا رہتا تھا اور سوچتا رہتا تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ غلام شاہ طویل عرصے سے اس پر مسلط تھا...... سارا سیاہ سفید اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ اپنی من مانی کرتا تھا۔ کئی بار رئیس احمد کو احساس ہوا کہ بڑی بڑی رقومات اس طرح گم ہو جاتی ہیں کہ ان کا کوئی پتا نہیں چلتا۔ رئیس احمد نے اپنی فطری لاپرواہی کی وجہ سے کبھی غلام شاہ پر گرفت نہیں کی تھی اور پھر غلام شاہ ہی اس کی تمام کیفیات کا رازدار تھا اور جو کچھ رئیس احمد کرتا تھا، وہ غلام شاہ ہی کے ذریعے ہوتا تھا...... وہی اس کے جنون کو سنبھالے ہوئے تھا، لیکن یہ کیا ہوا؟ ایک اجنبی شخص کے پاس اس کے جرائم کے ثبوت کیسے پہنچ گئے؟ نہ جانے کیوں رئیس احمد کو محسوس ہوا کہ اس میں کہیں نہ کہیں غلام شاہ ضرور ملوث ہے، یہ کام وہی کرا سکتا ہے ورنہ لاکھ سوچنے کے باوجود یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ اس کے جرائم کی کہانی کسی بلیک میلر کے کانوں تک کیسے پہنچ گئی؟ اسے احساس ہوا کہ ایک ہی شخصیت ہے اور وہ غلام شاہ کی ہے...... ممکن ہے اس نے کسی سے گٹھ جوڑ کر کے ایک لمبی رقم کمانے کا منصوبہ بنایا ہو...... اس احساس نے اسے غلام شاہ سے اور برگشتہ کر دیا تھا اور ان دنوں غلام شاہ سے بھی مشاورت نہیں ہوتی تھی۔ غلام شاہ بارہا اس کے پاس آیا، لیکن رئیس احمد کی بے اعتنائی کو محسوس کر کے خاموش ہو گیا...... بہر طور اس طرح وقت گزر رہا تھا...... اس وقت بھی غلام شاہ اس کے کمرے میں داخل ہوا تھا اور رئیس احمد نے سرد نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

"ہاں کیا بات ہے؟"

"صاحب جی آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" غلام شاہ نے کہا۔

"بولو۔"

"یہ کیا رویہ اختیار کر لیا ہے آپ نے؟ صاحب جی، میں اس رویئے کی وجہ جاننا چاہتا ہوں۔ آپ اپنی زندگی کے ہر دکھ سکھ میں آج تک مجھے شریک رکھتے رہے ہیں، یہ اچانک ہی آپ نے خاموشی کیوں اختیار کر لی ہے اور مجھے اندازہ ہے کہ یہ خاموشی اس وقت سے آپ پر طاری ہے جب سے شہنشاہ نامی کسی آدمی کا فون آپ کے پاس آیا تھا۔"

"غلام شاہ تم میرے لئے کیا حیثیت رکھتے ہو؟ کبھی تم نے اس کا اندازہ کرنے کی

کوشش کی ہے۔" رئیس احمد نے سرد لہجے میں کہا۔

"نام غلام شاہ ہے...... شہ تو نہیں ہوں، پر غلام ضرور ہوں آپ کا اور کبھی غلامی سے گردن نہیں اٹھائی ہے صاحب جی۔ کوئی غلطی اگر ہو گئی ہے تو بتا دینا چاہئے آپ کو۔"

"کچھ نہیں بتانا ہے مجھے...... اگر کوئی اور اہم بات نہیں ہے تو تم جا سکتے ہو غلام شاہ۔"

"میرے سرکار آپ کے حکم پر تو میں ہمیشہ کے لئے یہاں سے جا سکتا ہوں، لیکن مجھے پتا چل جانا چاہئے کہ میرا قصور کیا ہے؟"

"مجھے پریشان مت کرو غلام شاہ...... جاؤ، یہاں سے چلے جاؤ اور اگر گھر چھوڑ کر جانا چاہتے ہو تو میں اس پر بھی اعتراض نہیں کروں گا۔" غلام شاہ چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا اور اس کے بعد گردن جھکا کر باہر نکل گیا...... رئیس احمد کو اپنے الفاظ کا کوئی افسوس نہیں تھا...... اس کا دل اب غلام شاہ سے ہٹ گیا تھا...... پھر اس رات ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور رئیس احمد نے فون اٹھا لیا...... نہ جانے کیوں اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ یہ کال اسی بلیک میلر کی ہو سکتی ہے۔ اس نے ہر دوسرے دن فون کرنے کے لئے کہا تھا...... رئیس احمد کی لرزتی ہوئی آواز اُبھری۔

"ہیلو۔"

"رئیس احمد تمہارا دوست بول رہا ہے شہنشاہ۔" رئیس احمد کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل سکی...... دوسری طرف سے آواز دوبارہ آئی۔

"آج دوسرا دن ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ فیصلہ وقت سے پہلے کر لیا جائے تو زیادہ بہتر ہو سکتا ہے، ورنہ بعد میں پچھتانے کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں آتا۔" اسی وقت کھٹاک سے ایک آواز آئی اور رئیس احمد کے ہاتھوں سے ریسیور چھوٹ کر گر پڑا۔ ایک چمک دار خنجر رئیس احمد کے سامنے والی میز کے درمیان پیوست ہو گیا تھا...... وہ پوری طرح اس میز میں پیوست نہیں ہو سکا تھا، بس نوک میز میں گڑی تھی اور اس کے بعد خنجر نیچے گر پڑا تھا۔ رئیس احمد دہشت زدہ انداز میں اُچھل کر کھڑا ہو گیا...... اس کی نگاہیں خوف سے پھٹی ہوئی تھیں...... دوسرے لمحے وہ کھلی ہوئی عقبی کھڑکی کی طرف بھاگا...... کھڑکی سے جھانک کر باہر دیکھا لیکن وہاں کچھ نہیں تھا...... پورے کمرے میں اس کھڑکی کے علاوہ اور کوئی ایسی جگہ موجود نہیں تھی جہاں سے یہ خنجر پھینکا جا سکتا۔ ریسیور صوفے پر پڑا ہوا تھا اور رئیس احمد کو چکر آ رہے

تھے۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ یہ خنجر کہاں سے آیا...... پھر اس نے دہشت بھری نگاہوں سے اس ریسیور کو دیکھا، اسے اٹھا کر کان سے لگایا اور بولا۔

"ہیلو ہیلو۔"

"ہاں میں لائن پر ہوں...... تمہیں پہلی وارننگ مل گئی ہے...... یہ خنجر تمہاری گردن میں بھی پیوست ہو سکتا تھا اور اس کے بعد کیا ہوتا رئیس احمد، یہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔ ابھی وقت ہے، نو دن بہت ہوتے ہیں لیکن میں نے اپنے فیصلے میں ایک اور ترمیم کی ہے وہ یہ کہ اگر کل رات تمہاری طرف سے جواب نہ مل سکا تو پھر رقم میں پانچ لاکھ کا اضافہ ہو جائے گا۔" لائن بے جان ہو گئی...... رئیس احمد کے حواس ساتھ چھوڑتے جا رہے تھے...... دوسرے دن صبح وہ شدید بخار میں مبتلا تھا...... آسیہ بیگم کو اس کی بیماری سے تشویش ہوئی۔ دن میں ایک آدھ بار تو بھائی سے ملاقات ہو ہی جاتی تھی، پریشان لہجے میں اس سے اس کی خیریت پوچھنے لگیں تو رئیس احمد نے کہا کہ موسم کا شکار ہو گیا ہوں۔ یہ بخار کوئی خاص بات نہیں ہے...... تفصیل بتا کر وہ آسیہ بیگم کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا اور پھر آسیہ بیگم کے کہنے پر اس نے ڈاکٹر کو بھی بلا لیا۔ دوائیں وغیرہ لیں لیکن اپنی کیفیت وہ کسی کو بھی نہیں بتانا چاہتا تھا...... غلام شاہ آیا تو اس نے اندر ہی سے اسے بھگا دیا۔ آسیہ بیگم البتہ دو تین بار اس کے پاس آئی تھیں...... بہن سے وہ کسی طرح منحرف نہیں ہو سکتا تھا، چنانچہ انہوں نے خوش دلی سے ٹال دیا...... رات کو آسیہ بیگم اپنے ہاتھ سے اسے دودھ کا گلاس دے کر گئیں اور کہا کہ دوا پابندی سے کھا لیں...... دروازہ بند کر کے بیٹھنے کے بارے میں بھی انہوں نے پوچھا تھا تو رئیس احمد نے کہہ دیا کہ اصل میں وہ کسی سے ملنا نہیں چاہتا...... رات کے تقریباً ساڑھے نو بجے اس نے دوا کی پڑیا کھولی ہی تھی کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی...... رئیس احمد نے دہشت بھری نگاہوں سے ٹیلی فون کو دیکھا اور پھر ریسیور اٹھا لیا...... ریسیور سے آواز اُبھری۔

"جو دودھ تمہارے سامنے گلاس میں رکھا ہوا ہے اس میں زہر ملا ہوا ہے رئیس احمد...... یقیناً تم اسے استعمال کرنے جا رہے ہو گے...... اسے استعمال نہ کرنا کیونکہ وقت سے پہلے تمہاری زندگی لینا میرے لئے ممکن نہیں ہے۔" رئیس احمد کے پورے بدن میں سرد لہریں دوڑنے لگیں...... اس نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

"زہر؟"

"ہاں"

"مم...... مگر...... مگر یہ زہر کس نے ملایا ہے؟"

"میں نے......" جواب ملا اور اس کے بعد لائن بے جان ہو گئی...... رئیس احمد نے آنکھیں بند کر کے صوفے سے پشت لگالی تھی لیکن اس کے ذہن پر ہتھوڑے برس رہے تھے۔

زہر...... زہر...... کیا یہ درست ہے؟ کیا اس بارے میں تحقیقات کی جائے؟ اب دودھ پینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن وہ اپنے تجسس کو دبا بھی نہیں سکتا تھا...... اسے وہ بلی یاد تھی جو آسیہ بیگم نے پالی ہوئی تھی اور وہ گھر میں پھرتی رہتی تھی...... رئیس احمد چوروں کی طرح باہر نکلا، بلی کو تلاش کرتا رہا اور جب بلی مل گئی تو اسے لئے ہوئے خاموشی سے اپنے کمرے میں آیا اور دروازہ اندر سے بند کر لیا...... پہلے بلی کو پچکارتا رہا، پھر دودھ کا گلاس اس کے سامنے کر دیا...... بلی ایک لمحے کے لئے جھجکی اور جب مالک کو مہربانی پر آمادہ پایا تو گلاس میں منہ ڈال دیا اور مزے سے دودھ پینے لگی...... رئیس احمد گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا اور اس وقت اس کا دل بند ہونے لگا جب اچانک ہی بلی اپنی جگہ سے دو فٹ اوپر اُچھلی...... اس کے بعد اس نے زمین پر تڑپنا شروع کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کے ہاتھ پاؤں اکڑ گئے اور وہ تشنج کے انداز میں زمین پر چت ہو کر بے جان ہو گئی...... رئیس احمد نے دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ لئے تھے...... شہنشاہ کا کہنا بالکل درست ثابت ہوا تھا...... نہ جانے کتنی دیر میں وہ سنبھلا تھا اور پھر اس نے بلی کی لاش کو ٹھکانے لگا دیا...... دودھ کا گلاس جس میں باقی دودھ بچا ہوا تھا، باتھ روم میں لے جا کر نل کے نیچے رکھ دیا اور اس کے بعد صوفے پر دراز ہو گیا...... اب اس کے اعصاب جواب دیتے جا رہے تھے اور تیسرے دن اسے بے چینی سے شہنشاہ کے فون کا انتظار تھا...... ٹھیک ساڑھے نو بجے اسے شہنشاہ کا فون موصول ہوا اور اس نے ریسیور اٹھا لیا۔

"آج رات کو اپنے بستر پر نہ سونا رئیس احمد کیونکہ تمہارے بستر کے اوپری روشندان سے ایک زہریلا سانپ نیچے گرے گا اور یہ روشن دان تمہارے بستر کے عین اوپر ہے...... اگر ممکن ہو سکے تو سانپ کو مارنے کے انتظامات بھی کر لینا کیونکہ بہرحال سانپ انسان کا دشمن ہوتا ہے۔"

"سنو، سنو...... ریسیور نہ رکھنا...... سنو میری بات سنو...... میں تم سے بات کرنا چاہتا

ہوں۔" رئیس احمد نے دہشت زدہ لہجے میں کہا۔

"ہاں ہاں رئیس احمد...... اصل میں ہمارے پاس ابھی کافی دن تھے۔ میں نے سوچا کہ روز تمہیں ایک تحفہ دیا جاتا رہے۔ کہو، کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میں پچیس لاکھ ادا کرنے کے لئے تیار ہوں...... میں...... میں...... تمہارے اس حکم کی تعمیل کروں گا۔ خدا کے لئے مجھے معاف کر دو...... خدا کے لئے میری زندگی بخش دو...... میرا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔ میں زندہ نہیں رہ سکوں گا...... معاف کر دو مجھے معاف کر دو...... دیکھو میں کوئی فریب نہیں کروں گا تم سے وعدہ کرتا ہوں، مجھے معاف کر دو...... میں یہ رقم تمہیں ادا کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

"ہم دوستوں کے دوست ہیں رئیس احمد...... اگر تم رقم کی ادائیگی کے لئے تیار ہو تو سمجھ لو کہ تمام مصیبتوں سے تمہارا چھٹکارا ہو گیا۔"

"ہاں میں رقم ادا کر دوں گا۔"

"ٹھیک ہے پھر کام کی بات ہو جائے۔"

"ہاں بتاؤ...... بتاؤ۔"

"پہلی بات یہ ہے رئیس احمد کہ تم کوئی فریب نہیں کرو گے...... ان تین دنوں میں تمہیں میری کارکردگی کا اندازہ ہو گیا ہو گا۔ میں جو کچھ کرنا چاہتا ہوں پہلے اس کے اطراف پر غور کرتا ہوں اور ایسا کوئی عمل نہیں کرتا جس سے میرے لئے پھنس جانے کا خدشہ ہو۔ چنانچہ رئیس احمد اپنی زندگی کو آخری بار خطرے میں مت ڈالنا کیونکہ اس کے بعد معافی کا لفظ میرے لئے قابل قبول نہیں ہو گا۔"

"نہیں تم بالکل بے فکر رہو۔ اگر مجھے فریب کرنا ہوتا تو میں پہلے ہی دن کر سکتا تھا لیکن کوئی فریب نہیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے...... کالی گٹی کا علاقہ تم نے ضرور دیکھا ہو گا...... ایسی جگہ نہیں ہے جہاں اس شہر میں رہنے والا کوئی شخص نہ جا چکا ہو...... کالی گٹی کے بیرونی حصے میں ایک کھنڈر جیسی جگہ بنی ہوئی ہے، تمہیں اسی جگہ کل رات کو ساڑھے آٹھ بجے پہنچنا ہے...... رقم نقد ہو، بڑے نوٹوں کی شکل میں ہو، پورے پچیس لاکھ ہوں اور ان نوٹوں کے نمبر درج نہ کرائے جائیں۔ پولیس ساتھ نہ ہو، اکیلے ہو۔ یہ بنیادی شرائط ہیں۔ ذرہ برابر شبہ ہوا تو رقم وصول

کرنے کوئی نہیں پہنچے گا، البتہ تمہاری زندگی کے لئے ہر معقول بندوبست کرلیا جائے گا۔"

"بالکل نہیں بالکل نہیں۔ وہی ہوگا جو تم چاہو گے...... کوئی فریب نہیں کیا جائے گا۔"

"تو پھر تعاون کے جواب میں تعاون ہوگا رئیس احمد اطمینان رکھو اور کوئی بات؟"

"نہیں۔" رئیس احمد نے جواب دیا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو جانے کے بعد فون رکھ کر گہری گہری سانس لینے لگا...... نہ جانے کیوں اس کے دل سے ایک شدید بوجھ ہٹ گیا تھا۔

کیا کرنا ہے مجھے اس دولت کا، جو میرے پاس بے مقصد پڑی ہوئی ہے۔ کیا فائدہ ایسی دولت سے جسے استعمال کرنے کے لئے زندگی ہی نہ رہے۔ خاموشی سے اسے رقم ادا کردی جائے اور جان چھڑائی جائے۔ یہ رئیس احمد کا آخری فیصلہ تھا۔

❋

سردار علی، شوکت اور فراز کالی گٹی پہنچ گئے...... تینوں ایک ساتھ آئے تھے لیکن کالی گٹی پہنچنے کے بعد وہ منتشر ہو گئے...... انہیں شہنشاہ کی طرف سے پوری طرح بریف کیا گیا تھا اور صورت حال بتاتے ہوئے کہا گیا تھا کہ وہاں پولیس کی مداخلت کا بھی امکان ہو سکتا ہے...... ایسی کارروائی بھی ہو سکتی ہے جو پولیس کے ساتھ نہ ہو لیکن کچھ خطرناک لوگوں کو متعین کر دیا گیا ہو۔ چنانچہ پہلے اتنے علاقے کا جائزہ لے لیا جائے جتنے علاقے میں مداخلت کار انہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ باقی تفصیلات بتاتے ہوئے کہا گیا تھا کہ ایک شخص وہاں آئے گا اور نشان کردہ جگہ نوٹوں کا ایک بریف کیس رکھے گا۔ بریف کیس کی جگہ کوئی تھیلا وغیرہ بھی ہو سکتا ہے، پہلے بم ڈیٹیکٹر سے یہ جائزہ لے لیا جائے کہ اندر ایسی کوئی چیز تو موجود نہیں ہے...... اس کے بعد تمام کارروائی بھی ان لوگوں کو بتادی گئی تھی۔ وقت کا تعین بھی کر دیا گیا تھا اور اس وقت ڈبل زیرو گینگ کے تین کارکن چاق وچوبند نظر آرہے تھے...... انہوں نے نہایت ہوشیاری سے آہٹ پیدا کئے بغیر طویل ترین علاقے کا جائزہ لے لیا تھا۔ کوئی چیز معمولی کے خلاف نظر نہیں آئی تھی۔ تب تینوں یکجا ہو گئے...... وہ وقت بھی بہت زیادہ دور نہیں رہا تھا جو انہیں بتایا گیا تھا...... تینوں نے یکجا ہو کر ایک دوسرے کو رپورٹ پیش کی...... بم ڈیٹیکٹر شوکت کے پاس تھا...... انہوں نے اپنے اپنے لئے مناسب جگہیں منتخب کرلیں اور اس کے بعد انتظار کرنے لگے...... مقررہ وقت پر انہوں نے ایک کار کی روشنیاں دیکھیں اور ان

کے دل دھڑک اٹھے...... کار اسی جانب آرہی تھی۔ کچھ دیر کے بعد وہ وہاں پہنچ گئی اور ایک شخص چمڑے کا بریف کیس ہاتھ میں لئے ہوئے نیچے اترا...... ان لوگوں میں سے کسی کو اس کے بارے میں نہیں معلوم تھا...... وہ سنسنی خیز نگاہوں سے آنے والے کو دیکھتے رہے، وہ اسی پتھر کے پاس پہنچا جہاں کی نشاندہی کی گئی تھی، بریف کیس پتھر پر رکھا، ایک لمحے کے لئے وہاں رکا...... اس دوران سردار علی اس کار کا جائزہ لیتا رہا تھا جس سے یہ شخص نیچے اترا تھا......

اس بات کے بھی امکانات ہو سکتے تھے کہ کار میں کچھ اور لوگ چھپے ہوں جو اِدھر اُدھر منتشر ہونے کی کوشش کریں، لیکن یہ بات بھی مدنگاہ رکھی گئی تھی کہ کار جہاں رکے، وہاں ایک آدمی ضرور موجود ہو اور سردار علی یہاں موجود تھا...... بریف کیس پتھر پر رکھنے والا شخص واپس کار میں آبیٹھا اور اس دوران کار میں کوئی تحریک نہ ہوئی...... پھر اس شخص نے کار ریورس کی، اسے موڑا اور اسی راستے پر چل پڑا جدھر سے وہ آیا تھا...... سردار علی بہت دیر تک کار کی سرخ روشنیوں کو دیکھتا رہا...... پھر جب وہ نگاہوں سے اُوجھل ہو گئی تو وہ اپنی جگہ سے ہٹا...... شوکت اور فراز بھی اسی طرف آرہے تھے...... بریف کیس کے قریب پہنچ کر انہوں نے سنسنی خیز نگاہوں سے بریف کیس کو دیکھا...... شوکت نے بم ڈیٹیکٹر نکال کر اسے آن کیا اور خاموش سناٹے میں مدہم سی گونج اُبھرنے لگی...... ڈیٹیکٹر کو بریف کیس پر پوری طرح گھمایا گیا لیکن اندر سے کسی الیکٹرانک شے کے موجود ہونے کے آثار نظر نہیں آئے۔

"کیا اسے کھول کر دیکھنا ہے؟" فراز نے پوچھا۔

"نہیں بالکل نہیں...... بس اب ہمیں آخری کارروائی کرنی ہے، لیکن اس علاقے میں ہمیں اور کوئی کار نظر نہیں آئی جس کی نشاندہی کی گئی تھی۔"

"مطلوبہ جگہ دیکھ لو۔ یہ شہنشاہ کے کام ہیں جو آسانی سے سمجھ میں نہیں آتے۔"

"ویسے ایک بات ہو سکتی ہے، وہ یہ کہ بریف کیس میں بم وغیرہ تو موجود نہیں ہے لیکن کوئی ایسی گیس اس میں بھری جا سکتی ہے کہ اسے کھولتے ہوئے کھولنے والا موت کا شکار ہو جائے۔"

"اب یہ تمام معاملات شہنشاہ ہی بہتر سمجھتا ہے۔" تینوں اس سمت چل پڑے جس کے بارے میں بتایا گیا تھا اور وہاں سیاہ رنگ کی ایک کار کو دیکھ کر ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں...... فراز نے قسم کھا کر کہا کہ جب وہ یہاں آیا تھا اور اس وقت یہ کار یہاں موجود

نہیں تھی۔

"فضا سے اتری ہو گی...... شہنشاہ اسی قسم کا آدمی ہے۔ اب خاموش رہو اور اپنا کام سرانجام دو۔" ان کے دل دھڑک رہے تھے...... کار کا اس خاموشی سے یہاں پہنچ جانا ہی حیرت انگیز تھا...... انجن کی آواز تک نہیں سنی گئی تھی...... کار کے قریب وہ لرزتے ہوئے قدموں سے پہنچے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ شاید کار کے اندر کوئی موجود ہو لیکن کار خالی پڑی ہوئی تھی۔ فراز نے عقبی دروازہ کھولا اور بریف کیس اندر رکھ دیا...... اس کے چہرے پر شدید سنسنی کے آثار تھے...... بریف کیس رکھنے کے بعد اس نے دروازہ بند کیا...... پھر سرگوشی سے سردار علی سے بولا۔

"کیا آج ہم شہنشاہ کو دیکھ سکتے ہیں؟"

"تم کیا سمجھتے ہو، اس کے امکانات ہیں؟"

"دور دور تک کوئی نظر نہیں آرہا۔"

"وہ یہیں موجود ہوگا۔" اچانک ہی شوکت نے کار کے عقبی حصے کی جانب رُخ کیا...... وہ بہت زیادہ ذہانت کا ثبوت دیتے ہوئے کار کا نمبر نوٹ کرنا چاہتا تھا تاکہ شہنشاہ کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہو سکیں لیکن پھر اس نے ایک گہری سانس لی اور آہستہ سے بولا۔

"شرافت اسی میں ہے کہ یہاں سے نکل چلو۔ میں جانتا ہوں تم لوگوں کے ذہن میں کیا کھچڑی پک رہی ہے؟"

"کیا؟"

"تم شہنشاہ کو دیکھ لینے کے چکر میں ہو۔"

"کیا یہ ممکن نہیں ہے؟"

"میں نے بھی ذہانت کا ثبوت دینے کی کوشش کی تھی۔"

"کیا مطلب؟"

"کار کی نمبر پلیٹ دیکھنے کے لئے میں عقبی حصے میں گیا تھا۔"

"تو پھر؟" باقی دونوں بے اختیار بولے۔

"کار پر کوئی نمبر پلیٹ نہیں ہے۔"

"بالکل ٹھیک کہتے ہو۔ اس کا کوئی بھی کام ذہانت سے خالی نہیں ہوتا۔ آؤ اب اگر کوئی

گڑبڑ کرو گے تو اس کی ناراضگی مول لینا پڑے گی۔" تینوں وہاں سے چل پڑے اور کچھ دیر کے بعد اپنی کار میں آ گئے۔ کار اسٹارٹ ہو کر چل پڑی تھی، انہوں نے اپنا کام سرانجام دے دیا تھا۔

❁

شہاب نے نوٹوں سے بھرا ہوا بریف کیس فتح محمد کے سامنے کھول دیا اور فتح محمد نے آسودہ نگاہوں سے بریف کیس میں بھرے ہوئے نوٹ دیکھے، اس کے بعد شہاب کی طرف۔

"اور مجھے اس دن کا یقین تھا شہاب میاں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"مرشد، پچیس لاکھ ہیں اور میں نے شاید پہلی بار اپنی صحیح قیمت وصول کی ہے۔" فتح محمد نے کوئی جواب نہیں دیا تو شہاب نے کہا۔

"آپ خاموش ہیں مرشد؟"

"نہیں، جو کچھ کہنا چاہتا ہوں کہنا پسند نہیں کرتا...... بہرحال، وقت نے انسان کو نہ جانے کہاں لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ کون جانے قصوروار وقت ہے یا انسان۔"

"مرشد...... یہ اژدھے غربت کو جس طرح پامال کر رہے ہیں، ان کے لئے سزا ضروری ہے...... اگر انہیں شہ ملتی رہی تو ان کی ظلمت کی داستانیں بڑھ جائیں گی۔ بہرحال، اس رقم میں سے دس لاکھ مرشد اس بچے کے ارمانوں کی قیمت ہے جس کا باپ اسے تعلیم دلانا چاہتا تھا تاکہ وہ معاشرے کا ایک اچھا نوجوان بن سکے۔ ان آرزوؤں کی قیمت ہے جو ایک باپ کے دل میں پیدا ہو کر قبر میں دفن ہو گئیں۔ زندگی کے ان سات سالوں کی قیمت ہے جن میں اس نے بچپن کا کوئی کھیل نہیں کھیلا اور جوانی کی منزل تک پہنچ گیا اور اس کے بعد اس کے مستقبل میں اندھیروں کے سوا کچھ نہیں ہے...... اس کی ایک لغزش اسے دوبارہ موت کی تاریکیوں یا جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھیج سکتی ہے۔ ان دس لاکھ روپے سے وہ اپنے نئے مستقبل کا آغاز کرے گا۔ مرشد، ان میں سے پانچ لاکھ روپے زیرو گینگ کے ان کارکنوں کے لئے ہیں جنہوں نے انتہائی مشکل حالات میں زیرو گینگ کو قائم رکھا ہے اور ہر طرح کی قربانیاں دی ہیں اس کے لئے...... پانچ لاکھ روپے مرشد ایک سچے صحافی کی بیٹی کی شادی کے لئے مخصوص کر دیئے گئے ہیں جس نے زندگی میں صرف سچ بولا، سچ کمایا، سچ کھایا اور آخرکار سچ کا کفن پہن کر موت کی آغوش میں جا سویا۔ یہ ہوئے بیس لاکھ...... دو لاکھ اس لڑکی کے

لئے ہیں جس نے زندگی کی بازی لگا کر ایک درندے کو روشنی میں لانے کا کام کیا...... میں جانتا ہوں میرے لئے یہ سب سے مشکل کام ہوگا۔ عدنان واسطی جس قسم کا انسان ہے وہ اس رقم کو کبھی قبول نہیں کرے گا۔ بہرحال، میں اسے یہ رقم دوں گا...... ایک لاکھ روپے آستانے کے لئے مخصوص ہیں اور باقی دو لاکھ ضرورت فنڈ کے تحت بنک میں جمع کر دیئے جائیں گے...... کوئی بھی ضرورت مند سامنے آسکتا ہے اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس کے لئے ہم رقم کا فوری بندوبست کر سکتے ہیں یا نہیں۔ یہ ضرورت فنڈ بڑھتا رہے گا اور مشکل میں گھرے ہوئے لوگوں کے کام آئے گا۔" فتح محمد نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا تھا، البتہ چند لمحات کے بعد اس نے کہا۔

"بھلا آستانے کو کیا ضرورت ہے؟"

"دیکھیں مرشد، میں بڑے سچے عقیدے کا انسان ہوں۔ اگر اعتراض کی بنیاد آپ نے ڈالی تو میری عقیدت کو دھوکا ہوگا اور ایک لمحے میں وہ سارے بت پاش پاش ہو جائیں گے جو میں نے بنائے ہیں، اس لئے براہ کرم خاموش رہیں۔" فتح محمد لرز گیا...... شروع سے آخر تک جانتا تھا شہاب کے بارے میں۔ اس نے دل کھولا تھا اگر کسی کے سامنے تو وہ فتح محمد ہی تھا اور فتح محمد نے بھی اس خاندان کی بے لوث مدد کی تھی۔ فائق حسین، واثق حسین، دونوں نارمل نوجوان تھے...... بس اپنے مطلب سے مطلب رکھنے والے، لیکن شہاب کے اندر جو طوفان پل رہا تھا وہ فتح محمد کے سامنے عریاں ہو گیا تھا...... باپ کی موت نے اس کے دل پر ایسا شدید زخم لگایا تھا کہ وہ دنیا کے لئے ایک بھیانک خطرہ بننے جا رہا تھا...... حساس نوجوان تھا اور جانتا تھا کہ باپ صرف سچائی کے ہاتھوں شہید ہوا ہے اور اسے موت دینے والے وہ تھے جو اپنے خلاف لکھی جانے والی سچائی کو برداشت نہ کر سکے...... اس وقت شہاب ایک وحشی درندہ بننے جا رہا تھا لیکن فتح محمد نے اسے روکا اور کہا کہ ایک زندگی قربان کر دینے سے ان لاکھوں زندگیوں کو نہیں بچایا جا سکتا جو قربان گاہ کی بھینٹ چڑھنے والی ہیں۔ اگر اپنے آپ کو قربان ہی کرنا ہے تو ان لوگوں کی بہتری اور فلاح کے لئے قربان کرے جو آئندہ مشکل دور کا شکار ہونے والے ہیں اور بات شہاب کی سمجھ میں آگئی تھی۔ پھر اس کے بعد اس نے جو طویل مجاہدہ کیا تھا، آج اس مجاہدے کا پھل سامنے آ رہا تھا۔ فتح محمد نے پرسکون انداز میں مسکراتے ہوئے گردن ہلائی اور شہاب کے چہرے کی سرخی آہستہ آہستہ کم ہونے لگی۔

بینا ہر چیز پر نگاہ رکھ رہی تھی۔ ذہنی طور پر وہ واقعی برتر تھی اور اس کے اندر کوئی ایسی قوت تھی جس کے کیے ہوئے فیصلے اٹل ہوتے تھے جس کا ثبوت شہاب پر اعتماد تھا۔ شہاب اس کے لئے بالکل اجنبی تھا...... وہ اسے نہیں جانتی تھی لیکن پھر اس نے شہاب پر اتنا اعتماد کیا کہ خود کو بھیڑیئے کے بھٹ میں ڈال دیا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ رئیس احمد قاتل ہے اور غلام شاہ اس کا دست راست ہے...... کوٹھی پر رئیس احمد کی حکومت ہے...... کوئی ملازم اس کے حکم سے الگ نہیں ہو سکتا۔ بیچاری آسیہ بیگم بھائی سے محبت بھی کرتی ہیں لیکن انہیں یہ اندازہ نہیں ہے کہ ان کا بھائی اپنی ایک نادانی میں کیا سے کیا بن چکا ہے...... رئیس احمد اگر آسیہ بیگم کو کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ اس طرح آسیہ بیگم کا سہارا بھی بہت کمزور تھا، لیکن بینا نے کسی کے سہارے پر بھروسا نہیں کیا تھا۔ وہ اپنے آپ میں اتنی ہی پر اعتماد تھی۔ اس کا کام جاری تھا۔ شہاب نے اس سے کچھ وقت مانگا تھا اور بینا نے اس سے وعدہ کر لیا تھا لیکن یہاں کوٹھی میں اس نے اپنے کام میں کوئی ڈھیل نہیں چھوڑی تھی اور خوش اسلوبی سے اسے سرانجام دے رہی تھی...... نینی سے خوب گہری دوستی ہو گئی تھی۔ نینی عجیب و غریب فطرت کی مالک لڑکی تھی۔ بظاہر اس کے کردار میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی تھی لیکن اس کی باتیں بڑی اوباش ہوتی تھیں اور بینا کا اندازہ تھا کہ کوئی بھی پہلا شخص جو اس کے قریب پہنچ جائے اسے بہ آسانی بھٹکا سکتا ہے۔ اس کی وجوہات کا اندازہ لگاتے ہوئے بینا کو پتا چلا تھا کہ غلام شاہ کے دل میں نینی کے لئے کبھی ایسا تاثر نہیں اُبھرا تھا جس سے یہ اظہار ہوتا کہ بھائی بہن کے لئے فکر مند ہے اور اس کے مستقبل کے لئے سوچ رہا ہے۔ بس ایسے ہی عوامل تھے جنہوں نے نینی کو بھٹکا رکھا تھا۔ ادھر ان دنوں بینا نے اور بھی کچھ نئی باتیں محسوس کی تھیں مثلاً یہ کہ چند دنوں سے غلام شاہ اور رئیس احمد کے درمیان کچھ فاصلے پیدا ہو گئے تھے۔ پہلے وہ دونوں ہر لمحہ ساتھ نظر آتے تھے لیکن اب عموماً رئیس احمد اپنے کمرے میں گھسا رہتا تھا اور غلام شاہ باہر نظر آتا تھا۔ غلام شاہ کے اقتدار میں البتہ کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ یہ انتظار کرتے ہوئے بینا کو کچھ خیال آیا...... آسیہ بیگم تو اس پر بہت مہربان تھیں...... بینا ان کے پاس بیٹھتی تو آسیہ بیگم بہت خوش ہوتی تھیں...... اس دن بھی بینا آسیہ بیگم کے کمرے میں ان کے پاس تھی۔ اس نے کہا۔

"اس گھر میں بڑی اُداسی ہے۔ آپ سب اس طرح یہاں رہتے ہیں جیسے صرف جینے کا قرض اتار رہے ہوں، نہ کوئی خوشی ہے، نہ ہنگامہ، سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہیں، میں کہتی ہوں آپ رئیس بھائی پر زور کیوں نہیں ڈالتیں کہ وہ شادی کر لیں۔"

"نہیں بیٹی، وہ وقت تو اب بہت دور چلا گیا۔ تمہارا کہنا ٹھیک ہے، یہ گھر روحوں کا گھر معلوم ہوتا ہے جو خاموشی سے بسر کر رہی ہیں...... واقعی یہاں تمہارا دل نہیں لگتا ہوگا۔ ہاں اگر زندگی میں کوئی تبدیلی ہی چاہتی ہو تو مجھے اجازت دو کہ میں رئیس احمد سے تمہاری شادی کی بات کروں۔" بینا نے دل ہی دل میں قہقہہ لگایا تھا...... یہ بڑی دلچسپ بات کہی تھی آسیہ بیگم نے بہر حال اداکاری ضروری تھی...... وہ مدہم لہجے میں بولی۔

"نہیں خدا کے لئے میرے بارے میں ایسا کبھی نہ سوچئے...... میں زندگی میں ان خوشیوں کو ہمیشہ کے لئے اپنے آپ سے دور کر چکی ہوں جن کا تعلق زندگی سے ہوتا ہے مگر اس گھر کا نمک کھاتے ہوئے میرا دل چاہتا ہے کہ یہ گھر رئیس بھائی کے خاندان سے آباد ہو جائے۔"

"ایسا اب مشکل ہے بینا، وہ بہت بھٹک گیا ہے...... تفصیل تمہیں بتا چکی ہوں دوسرے لوگوں سے بھی تمہیں معلومات حاصل ہوئی ہوں گی؟"

"ہاں...... نینی سے میری دوستی ہے...... یہاں ایک قتل ہوا تھا کچھ عرصے قبل، سات آٹھ سال پہلے کی بات ہے۔ وہ کیا قصہ تھا۔ آپ کو پتا ہے؟" بینا نے اتنی سادگی سے یہ سوال کیا کہ آسیہ بیگم کو ذرا برابر شبہ نہیں ہو سکا...... انہوں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"ہاں، دل کے اتنے ٹکڑے ہوئے ہیں کہ بس تمہیں کیا بتاؤں...... چھپائے بیٹھی ہوں مجرمانہ زندگی گزار رہی ہوں...... کس کے خلاف بولوں، کس کے لئے کیا کہوں وہ قتل ہمارے ڈرائیور کمال بیگ کا ہوا تھا۔"

"کیا قصہ تھا؟"

"وہی جو تمہیں بتا چکی ہوں...... کمال بیگ کی بیوی کے ہونٹ پر بالکل ویسا ہی تل تھا جو رئیس احمد کی کمزوری ہے۔ نہ جانے کہاں سے دیکھ لیا اس بیچاری عورت کو اور یہ کمینہ غلام شاہ، خدا اسے غارت کرے، ایسے کاموں ہی سے اپنی نوکری برقرار رکھے ہوئے ہے۔ بس نہ جانے کیا ہوا وہ عورت یہاں آئی...... شادی شدہ اور عزت دار عورت تھی...... کچھ ہوا ہوگا

بھلا مجھے کیسے خبر ہو سکتی ہے لیکن کمال بیگ بروقت پہنچ گیا اور بیچارہ مارا گیا۔ الزام اس کے نو عمر بیٹے پر لگا...... سب کا یہی کہنا ہے کہ اس لڑکے نے اپنے باپ کو قتل کر دیا لیکن بینا میرا دل نہیں مانتا...... میں کیا کرتی مجبوری تھی۔ یہ مجبوری ہی میری زندگی ہے۔ تم اس گھر میں خوشیاں نہ تلاش کرو۔" بینا خاموش ہو گئی...... آسیہ بیگم سچی تھیں اور اس سے زیادہ واقعی وہ اس کے بارے میں بتا بھی نہیں سکتی تھیں...... بینا نے انہیں زیادہ کرید کر اپنی پوزیشن مشکوک کرنے کی کوشش نہیں کی اور بات یہیں ختم ہو گئی۔

کئی دن گزر چکے تھے...... بینا نے شہاب کو فون کرنے کا فیصلہ کیا...... یہاں اسے اتنی آزادی حاصل تھی کہ اب وہ اپنی مرضی سے کہیں آجا بھی سکتی تھی لیکن غلام شاہ جیسے شیطان کے سامنے وہ اپنے آپ کو کسی طور مشکوک نہیں کرنا چاہتی تھی، اس لئے ابھی تک دن کی روشنی میں کوٹھی سے باہر نہیں نکلی تھی۔ البتہ ٹیلی فون کی یہاں کئی لائنیں تھیں اور کہیں سے بھی ٹیلی فون کیا جا سکتا تھا، چنانچہ موقع پا کر اس نے شہاب کو ٹیلی فون کیا۔ شہاب اس وقت مل نہیں سکا تھا، لیکن پھر ایک گھنٹے کے بعد دوبارہ ٹیلی فون کرنے پر شہاب سے اس کا رابطہ قائم ہو گیا اور شہاب کی آواز سنائی دی۔

"جی مس بینا، کہئے خیریت؟"

"جی سر، بالکل خیریت ہے، بس وقت کافی ہو گیا تھا اس لئے میں نے سوچا کہ آپ سے رابطہ کیا جائے۔"

"میں بے چینی سے تمہارے فون کا منتظر تھا۔ ظاہر ہے میں خود تمہیں فون نہیں کر سکتا تھا۔"

"جی سر، میں نے ایک گھنٹے پہلے بھی فون کیا تھا آپ موجود نہیں تھے۔"

"ہاں گیا ہوا تھا۔ بینا میرا کام مکمل ہو چکا ہے۔ یعنی جو کچھ میں چاہتا تھا اس کی تکمیل ہو گئی ہے۔"

"ویری گڈ۔ یہ تو خوشی کی بات ہے سر، پھر اب میرے لئے کیا حکم ہے۔"

"کام کا آغاز کیا جا سکتا ہے مس بینا۔" شہاب نے کہا اور بینا کے بدن میں سنسنی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس نے کہا۔

"میں تیار ہوں سر، لیکن آپ یہ بتائیے کہ کیا ہمیں آج رات ملاقات کر لینی چاہئے

تا کہ صورت حال کو ایک بار پھر دہرا کر فائنل کر لیا جائے۔"

"مس بینا، آپ نے جس طرح مجھے بریف کیا تھا میرے ذہن میں وہ سب کچھ من و عن موجود ہے آپ اگر کوئی خاص بات کہنا چاہتی ہیں۔"

"نہیں سر، میں نے اس دن جو آپ کو تفصیل بتائی تھی آج بھی اسی پر عمل پیرا ہوں اور انہی لائنوں پر کام کر کے اپنے مقصد کی تکمیل چاہتی ہوں۔"

"کیا ٹیلی فون پر ہم اس سے آگے کی گفتگو کر سکتے ہیں؟"

"ماحول اس وقت بالکل سازگار ہے۔ وہ اپنے کمرے میں گھسا ہوا شراب پیتا رہتا ہے اور اس کے اندر خاصی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ حلیہ بھی خراب کیا ہوا ہے آج کل اور غلام شاہ سے کچھ کھچاوٹ محسوس ہوتی ہے۔ کوٹھی میں اور کوئی ایسا کردار قابل توجہ نہیں ہے۔"

"ویری گڈ اور اس لڑکی کا کیا حال ہے جسے تم ٹارگٹ بنانا چاہتی ہو۔"

"سر وہ بالکل ٹھیک ہے۔"

"بینا، اصل میں اس وقت ہمارے لئے سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ ہم اس لڑکی کا تحفظ کریں اگر وہ داغدار ہو گئی تو ہم ضمیر پر پڑنے والے بوجھ کو برداشت نہیں کر پائیں گے۔"

"میں جان کی بازی لگا کر اس کی عزت پر آنچ نہیں آنے دوں گی جناب، اس سلسلے میں آپ کو مجھ پر بھروسا کرنا ہوگا۔"

"میں تو ہر سلسلے میں آپ پر پورا پورا بھروسا رکھتا ہوں مس بینا۔"

"تھینک یو سر، تو پھر کیا حکم ہے؟"

"کام کب کرنا چاہتی ہو؟"

"سر بس آپ کی طرف سے ملنے والے اشارے کا انتظار تھا۔ میں تو اپنے تمام معاملات تیار کئے ہوئے ہوں۔ یہ کام آج بھی ہو سکتا ہے اور سر میں چاہتی ہوں کہ اگر آپ کو کوئی خاص مشکل درپیش نہ ہو تو اس سلسلے میں زیادہ وقت ضائع کرنا بہتر نہ ہوگا۔ کیوں نہ آج ہی کا دن اس کے لئے مقرر کر لیا جائے۔" چند لمحات شہاب خاموش رہا تھا پھر اس کی آواز سنائی دی تھی۔

"ٹھیک ہے مس بینا آپ اپنے کام کا آغاز کر دیجئے۔ میرے لئے بس ایک ٹیلی فون کافی ہوگا اور یہ ضروری بھی ہے تا کہ کسی قسم کا کوئی شبہ باقی نہ رہے۔"

"آپ مطمئن رہئے سر۔ ہمارے سامنے اصل مسئلہ نینی کی عزت کو داغدار نہ ہونے دینے کا ہے۔ اس کو میں اولیت دوں گی۔ باقی کسی مسئلے میں اگر کچھ دیر ہو جاتی ہے تو میرا خیال ہے کوئی حرج نہیں ہے۔"

"او کے مس بینا او کے۔"

"میرے لئے اور کوئی خاص ہدایت سر؟"

"میں سمجھتا ہوں کہ تم اس پلے کی ڈائریکٹر ہو۔ ہدایت کار کو ہدایات دینا بڑا مضحکہ خیز ہوتا ہے۔ ہم تو خود تمہاری ڈائریکشن میں کام کر رہے ہیں۔" شہاب کی بات پر بینا آہستہ سے ہنسی اور پھر اس نے خدا حافظ کہہ کر ٹیلی فون بند کر دیا۔ اچانک ہی ایک سنسنی خیز وقت کا آغاز ہو گیا جبکہ اس سے پہلے اسے امید نہیں تھی کہ یہ وقت اس قدر قریب آجائے گا۔ ساری سچویشن کو اسے تنہا ہی کنٹرول کرنا تھا اور ایک بہت بڑا چیلنج قبول کیا تھا اس نے شام دور پڑی ہوئی تھی۔ کسی بھی لمحے کوئی تبدیلی رونما ہو سکتی تھی۔ اس نے سب سے پہلے اپنے کمرے میں جا کر اس پورے پروگرام پر نظر ثانی کی اپنے آپ کو یہ سمجھایا کہ اگر پروگرام میں کوئی ایسی تبدیلی ہو جاتی ہے تو اسے بعد کے لئے ملتوی بھی کیا جا سکتا ہے۔ کوئی ایسا خطرناک لمحہ نہیں آئے گا جو باعث تشویش ہو۔ تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد آخر کار اس نے نمبر وائز کام کا آغاز کر دیا۔ شام کو ساڑھے چار بجے تک اس نے یہ جائزہ لیا کہ کوٹھی کے ذمے دار افراد کا کوئی ایسا پروگرام تو نہیں ہے جس کی وجہ سے اسے اپنے کام میں دشواری ہو۔ آسیہ بیگم نارمل تھیں کہیں جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ رئیس احمد کا بھی جائزہ لیا...... شیو بڑھا ہوا، لباس میلا کچیلا، کاہلوں کے سے انداز میں کافی دیر تک باہر چہل قدمی کرتا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر غور و فکر کے آثار تھے۔ غلام شاہ نے اس وقت بھی اس کے قریب آنے کی کوشش کی تھی اور تھوڑی دیر تک اس کے پیچھے لگا رہا تھا لیکن رئیس احمد کے انداز میں بے اعتنائی ہی رہی تھی۔ ان تمام کاموں سے فراغت حاصل کرنے کے بعد شام کے تقریباً سات بجے بینا نے غلام شاہ کی رہائش گاہ کی جانب رُخ کیا۔ نینی اور دوسرے افراد سے اس کا مکمل تعارف تھا اور آسیہ بیگم کی منظور نظر ہونے کی وجہ سے سبھی اس کا احترام بھی کرتے تھے، حالانکہ جب بھی آسیہ بیگم کا خیال بینا کو آتا تھا اس کے دل پر ایک چوٹ سی پڑتی تھی۔ آسیہ بیگم بہر طور بے سہارا ہو جائیں گی لیکن ایک عفریت کو مارنے کے لئے آس پاس کے نقصانات تو اٹھانے ہی

پڑیں گے۔ اس سلسلے میں کچھ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ نینی نے معمول کے مطابق اس کا استقبال کیا۔

"میں خود تھوڑے سے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد تمہارے پاس آنا چاہتی تھی۔"

"تو فارغ ہوگئیں تم؟"

"ہاں۔"

"بڑا خوبصورت لباس پہنا ہے تم نے۔" بینا نے اسے تعریفی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں یہ کپڑے تو میں پہلے بھی کئی بار پہن چکی ہوں۔"

"میں نے نہ دیکھے ہوں گے، کیا بات ہے نینی آج تمہارے چہرے پر ایک عجیب سا بانک پن دیکھ رہی ہوں۔"

"چلو باہر چلتے ہیں۔" نینی نے کہا اور آہستہ آہستہ بینا کے ساتھ باہر آگئی۔

"ہوں تو میرے چہرے پر کیا دیکھ رہی ہو تم؟" نینی نے سوال کیا۔

"سچ جانو اگر میں مرد ہوتی نینی تو مجھے تم سے ضرور عشق ہو جاتا۔" نینی ہنس پڑی پھر بولیں۔

"اپنی تقدیر ہی خراب ہے۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ تم مرد نہ ہوئیں۔" نینی نے کہا اور ہنس پڑی۔

"یار نینی، کیا عورتوں کو عورتوں سے عشق نہیں ہو سکتا۔" نینی نے شرارت آمیز انداز میں اسے دیکھا اور پھر ایک ایسا بے باک جملہ کہا کہ بینا عجیب سی کراہت کا شکار ہوگئی، لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھالا، قصور اس لڑکی کا بھی نہیں تھا۔ بے اعتنائی نے اسے ذہنی طور پر دیوالیہ کر دیا تھا۔ بینا اسے اپنے ساتھ لئے ہوئے دیر تک ٹہلتی رہی اور اسے نینی کی بے باک گفتگو کو برداشت کرنا پڑا، پھر اس نے کہا۔

"آؤ چل رہی ہو کوٹھی میں۔"

"حجلہ عروسی میں لے جا رہی ہو کیا؟" نینی بدستور شرارت سے بولی۔

"اپنے آپ کو سنبھال کر رکھا کر نینی بری بات ہے۔ خیالات کو ہر وقت اس طرح بھٹکتے رہنا نہیں چاہئے۔"

"ہاں بینا کیا کروں۔ یہ خیالات تو کمبخت مجھے پاگل بنائے دیتے ہیں اور یہ کوٹھی ایسی

منحوس کوٹھی ہے کہ یہاں کوئی ملازم بھی نوجوان نہیں ہے۔ کم از کم کوئی مرکز نگاہ تو ہو۔"

"خدا کا شکر ہے کہ ایسی بات نہیں ہے ورنہ تم نہ جانے کیا غضب ڈھاتیں۔" بینا آہستہ آہستہ اسے راہ پر لاتی ہوئی اپنے کمرے میں لے آئی۔ وہ اس سلسلہ گفتگو سے بوجھ بھی محسوس کر رہی تھیں، اپنے دل پر نسوانیت کا یہ مذاق اس کے لئے ناقابل برداشت تھا، لیکن اور بھی بہت سے مذاق تھے جنہیں برداشت کرنا پڑ رہا تھا۔ وہی سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے اس نے کافی وقت گزار لیا اور پھر نینی سے بولی۔

"سچ، اگر میں تمہارے چہرے پر تھوڑا سا میک اپ کر دوں تو زہر قاتل بن جاؤ۔ ایسے ایسے لوگوں کی رال ٹپک پڑے جنہوں نے کبھی تصور میں بھی تمہارے بارے میں کوئی بری بات نہ سوچی ہو۔"

"تو پھر کر دو میرے چہرے پر میک اپ، میں چاہتی ہوں مجھ پر کسی کی رال تو ٹپکے۔" نینی نے خود ہی جال اپنے بدن پر ڈال لیا۔ بینا نے فوراً ہی موقع سے فائدہ اٹھایا اور بولی۔

"تجربہ کرنا چاہتی ہو؟"

"کرو نا یار، اس بور زندگی میں کوئی نہ کوئی تبدیلی رونما ہو۔"

"تو پھر آؤ آج تمہیں زندگی کے ایسے دلچسپ تجربے سے روشناس کراؤں جس کے بارے میں تم نے کبھی خواب میں بھی نہ سوچا ہو۔"

"میں تیار ہوں۔" نینی نے کہا اور بینا نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے میک اپ بکس نکال لیا۔ ایک لمحے کے لئے اس کے ہاتھ پاؤں میں لرزش پیدا ہوئی تھی۔ ایک انسان ہونے کے ناتے دوسرے انسان کو داؤ پر لگاتے ہوئے دل میں خیال آیا تھا لیکن پھر اپنی ہمت کو آواز دی۔ شہاب سے وعدہ کیا تھا کہ جان کی بازی لگا کر اس کی عزت کی حفاظت کرے گی اور اس وعدے کی تکمیل کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ اپنے اندر اعتماد پیدا کیا اور نینی کے میک اپ میں مصروف ہوگئی۔ نینی درحقیقت ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ ایک حسین میک اپ نے اسے دلکش بنا دیا اور اس کے بعد بینا نے اس کے بالائی لب پر موت کا وہ نشان بنا دیا جو درحقیقت نینی کے حسن میں بے پناہ اضافہ کر رہا تھا لیکن اس کی زندگی کے لئے ایک عظیم خطرہ بن گیا تھا۔ اس نشان کی تکمیل کے بعد نینی مکمل ہوگئی تھی۔ بینا نے آئینہ اس کے سامنے کیا تو نینی خود بھی دیر تک اپنے آپ کو دیکھتی رہی اور پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

"تم نے یہ کمال دکھا تو دیا، لیکن اسے دیکھنے والا کون ہے؟"

"تجربے کی بات ہوئی تھی۔ تجربہ میں تجھے کرائے دیتی ہوں۔" بینا نے کہا اندر سے اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ وقت بھی ایسا ہو گیا تھا کہ وہ اپنے کام کی تکمیل کر سکتی تھی، چنانچہ نینی کو ساتھ لے کر وہ باہر نکل آئی۔ عظیم الشان کوٹھی کی راہداریاں سنسان پڑی ہوئی تھیں۔ ملازم اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی رئیس احمد کے کمرے کے سامنے سے گزری۔ یہ دیکھ کر اسے اطمینان ہوا کہ رئیس احمد اپنے کمرے میں موجود ہے۔ واپس قدم بڑھائے اور پھر رئیس احمد کے کمرے کے دروازے پر پہنچ گئی۔ دروازے کو آہستہ سے دھکیل کر دیکھا۔ خوش قسمتی سے اندر سے بند نہیں تھا۔ اس نے دروازہ کھولا اور رئیس احمد کے کمرے میں داخل ہو گئی۔ رئیس احمد صوفے پر بیٹھا شراب کے برتن سامنے رکھے خیالات میں کھویا ہوا تھا۔ کمرے میں تیز روشنی جل رہی تھی۔ ان دونوں کے اچانک داخل ہونے پر رئیس احمد نے چونک کر انہیں دیکھا تو بینا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ویسے ہمیں یقین تھا رئیس بھائی کہ آپ تو کبھی ہمیں لفٹ دیں گے ہی نہیں۔ اتنے دن ہو گئے یہاں آئے ہوئے لیکن آپ نے ہم سے کبھی کوئی بات ہی نہیں کی۔ آج ہم خود ہی آپ سے باتیں کرنے آ گئے۔" رئیس احمد عجیب سی نگاہوں سے بینا کو دیکھنے لگا پھر اس نے نینی کو دیکھا۔ بینا کی آنکھیں رئیس احمد کے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں اور پھر اچانک ہی اس نے رئیس احمد کے چہرے پر نمایاں تبدیلیاں دیکھیں۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا تھا اور وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نینی کو دیکھ رہا تھا۔ بینا نے مسکراتی نگاہوں سے نینی کو دیکھا۔ وہ یہ ظاہر کر رہی تھی کہ رئیس احمد کو متوجہ کرنے کے لئے نینی کا حسن کافی ہے، لیکن اصل میں اس کے دل میں جو تصور موجود تھا وہ بڑا سنسنی خیز تھا اور اس کے مکمل آثار اسے رئیس احمد کے چہرے پر نظر آ رہے تھے پھر رئیس احمد کی پھٹی پھٹی آواز اُبھری۔

"یہ کون ہے؟" نینی مسکرانے لگی اس نے کہا۔

"میں ہوں چاچا جی پہچانے نہیں مجھے؟" رئیس احمد اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔ نینی تو اس کے چہرے کے تاثرات کو نہیں پہچان سکی، لیکن بینا کو اپنی کامیابی قریب نظر آنے لگی۔ رئیس احمد دو قدم آگے بڑھا اور بولا۔

"کون ہے تو، کون ہے، تو پھر آ گئی، آ گئی نا تو، بار بار کیوں آ جاتی ہے میرے سامنے،

میں کہتا ہوں تو بار بار کیوں آ جاتی ہے۔ اے لڑکی باہر نکل جا۔ میں کہتا ہوں فوراً باہر نکل جا۔" رئیس احمد نے غرائی ہوئی آواز میں کہا اور بینا آہستہ آہستہ دروازے کی جانب کھسکنے لگی۔ اب ذرا نینی بھی گھبرائی تھی۔ اس نے گھگیائی ہوئی آواز میں کہا۔ "مم...... میں، نن...... نینی ہوں بھائی جی۔ نینی ہوں میں۔ غلام شاہ کی بہن آپ پہچانے نہیں مجھے۔"

"تو ابھی تک یہیں کھڑی ہے۔" رئیس احمد نے بینا کو دیکھ کر کہا اور اسے مارنے کے لئے اِدھر اُدھر کوئی چیز تلاش کرنے لگا۔ بینا دروازے کی طرف جھپٹی تو نینی بھی چیخ کر اس کے پیچھے بھاگی اور رئیس احمد نے پیچھے سے نینی کے بال پکڑ لئے۔

"تو نہیں جائے گی۔ تو کہاں جا رہی ہے؟" بینا دروازے سے باہر نکل گئی اور ایک لمحے میں اس نے دروازہ اندر سے بند ہوتے ہوئے محسوس کر لیا پھر اندر سے نینی کی چیخیں اُبھرنے لگیں اور بینا حلق پھاڑ کر چیختی ہوئی بھاگی۔

"غلام شاہ صاحب، غلام شاہ صاحب۔" اس نے ملازموں کو بھی دہشت زدہ انداز میں رئیس احمد کے دروازے کی جانب اشارہ کیا اور پھر چیختی ہوئی باہر آ گئی۔ غلام شاہ اس وقت اپنے گھر کے حصے ہی میں تھا۔ بینا نے سب سے پہلے اسی کو پکڑا تھا۔ بھاگ دوڑ سے ویسے بھی ہانپ گئی تھی اور اس کے بعد شاندار اداکاری کرنا بھی ضروری تھا اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"جلدی غلام شاہ صاحب جلدی، رئیس بھائی نے نینی کو پکڑ لیا ہے۔ کمرے میں بند کر لیا ہے۔ وہ نشے میں ہیں نینی کی عزت خطرے میں ہے جلدی جلدی۔" غلام شاہ دہشت زدہ انداز میں کھڑا ہو گیا تھا۔

"کیا بک رہی ہے؟"

"جلدی بھائی جی جلدی ورنہ نینی کی عزت لٹ جائے گی۔ جلدی۔" وہ چیخی اور پھر غلام شاہ برق رفتاری سے نکل کر اس طرف دوڑا۔ بینا نے اب آسیہ بیگم کو اس صورت حال سے آگاہ کرنا مناسب سمجھا اور وہاں سے دوڑتی ہوئی آسیہ بیگم کے کمرے میں داخل ہوئی۔

"جلدی جائیے، جلدی جائیے، رئیس بھائی نے غلام شاہ کی بہن نینی کو پکڑ کر اپنے قبضے میں کر لیا ہے۔ نینی کی عزت خطرے میں ہے جلدی جائیے۔"

"کیا بک رہی ہو؟"

"سب یہی کہہ رہے ہیں کوئی اس کی عزت بچانے کی کوشش نہیں کرتا۔ آپ جلدی

جائیے۔" بینا رندھی ہوئی آواز میں بولی اور آسیہ بیگم ہانپتی کانپتی اپنے کمرے سے باہر نکل گئیں۔ تب بینا نے جلدی سے دروازہ بند کیا اور آسیہ بیگم کے کمرے کے فون سے بارہ دری تھانے کا نمبر ملایا۔ ادھر شہاب الرٹ تھا، فون ریسیو ہوتے ہی اس نے کہا۔

"ہاں شہاب بول رہا ہوں کون؟"

"شہاب صاحب کام برق رفتاری سے شروع ہو گیا ہے جلدی کیجئے۔"

"او کے بینا، فکر مت کرو۔" شہاب نے کہا اور بینا نے فون بند کر دیا اس کے بعد وہ دوڑتی ہوئی پھر اسی جانب چل پڑی جہاں یہ ڈراما جاری تھا۔ اس کا دل بھی کانپ رہا تھا۔ بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا اس نے اور اب اس کا نتیجہ سامنے آنے والا تھا۔ جب وہاں پہنچی تو غلام شاہ دروازے پر ٹکریں مار رہا تھا اور اندر سے نینی بے کے چیخنے کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں، پھر دروازہ ٹوٹ گیا اور غلام شاہ اندر داخل ہو گیا۔ بینا خود بھی آگے بڑھی اور دروازے پر پہنچ گئی، لیکن اندر کی صورت حال دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ نینی کا لباس تار تار تھا اس کے چہرے پر خراشیں پڑی ہوئی تھیں، اس کی آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا اور غلام شاہ نے رئیس احمد کو پکڑ رکھا تھا، لیکن رئیس احمد کو پورے لباس میں ملبوس دیکھ کر بینا کے دل کو کچھ قرار حاصل ہوا۔ ملازم بھی اندر دوڑ گئے تھے اور ان دونوں کو چھڑانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن اس طرح کہ رئیس احمد کو نقصان نہ پہنچے۔ انہوں نے غلام شاہ ہی کو پکڑ رکھا تھا۔ غلام شاہ بری طرح بپھرا ہوا تھا اس کے منہ سے مغلظات نکل رہی تھیں، پھر رئیس احمد نے اس کی گردن دونوں ہاتھوں کے شکنجے میں دبوچ لی اور اس پر اپنی پوری قوت صرف کرنے لگا۔ اس کے انگوٹھے غلام شاہ کے نرخرے پر جم گئے تھے اور پھر اس نے غلام شاہ کو نیچے گرا لیا۔ ملازم چونکہ رئیس احمد کا دفاع کر رہے تھے اور اس کے بجائے غلام شاہ کو رئیس احمد پر حملہ کرنے سے روک رہے تھے اس لئے غلام شاہ رئیس احمد کی گرفت سے نہ نکل سکا، اس کی آنکھیں باہر اُبلی پڑ رہی تھیں، زبان نکل آئی تھی، آسیہ بیگم بھی چیخ رہی تھیں۔ بینا نے اس موقع پر بھی ذہانت سے ہی کام لیا اس نے جلدی سے بستر کی چادر گھسیٹی اور نینی کے تقریباً نیم عریاں بدن پر لپیٹ دی پھر وہ نینی کو سہارا دے کر باہر لائی اور اسی وقت اس نے کام دکھا دیا۔ نینی کے بالائی لب پر بنا ہوا سیاہ رنگ کا تل بینا کی ہتھیلی سے صاف ہو گیا تھا۔ ویسے بھی نینی کا میک اپ بری طرح بگڑا ہوا تھا اس کے چہرے کی کئی خراشوں سے خون جھلک رہا تھا۔ اندر

غلام شاہ اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہا تھا اور پھر اس نے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیئے۔ رئیس احمد کا چہرہ خون کی طرح سرخ ہو رہا تھا۔ غلام شاہ کو زندگی سے محروم کرنے کے بعد وہ اٹھا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا پھر غرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"کہاں گئی ہو، وہ کہاں چلی گئی اسے میرے حوالے کر دو۔ ورنہ ایک ایک کو قتل کر دوں گا مار دوں گا ایک ایک کو جان سے۔"

"پکڑ لو اسے، گرا دو اسے، ہاتھ پاؤں باندھ دو اس کے، دیوانہ ہو گیا ہے جنونی کہیں کا، پاگل ہو گیا ہے یہ۔" آسیہ بیگم نے غرائی ہوئی آواز میں کہا اور پھر دوبارہ بولیں۔

"تم پاگل ہو گئے ہو، سنتے نہیں ہو میری بات، میں کہتی ہوں گرا دو اسے، ہاتھ پاؤں موڑ کر پیچھے باندھ دو اس کے ورنہ تم میں سے ایک ایک کو۔" آسیہ بیگم نے ملازموں سے کہا اور بحالت مجبوری ملازموں نے وہی کیا جو آسیہ بیگم کہہ رہی تھیں۔ رئیس احمد نے ملازموں سے بھی کافی ہاتھا پائی کی لیکن چونکہ ان کی تعداد زیادہ تھی اس لئے ملازموں نے مل کر انہیں نیچے گرا لیا۔ پھر کہیں سے رسی حاصل کی گئی اور رئیس احمد کے ہاتھ اور پاؤں کس دیئے گئے۔ وہ اب بھی خونخوار ہو رہا تھا پھر اچانک کسی نے باہر سے پولیس کی آواز لگائی اور کچھ دیر کے بعد شہاب وردی میں ملبوس بہت سے کانسٹیبلوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔

اندر کا منظر اس کے لئے بڑا وحشت ناک تھا۔ رئیس احمد نہ جانے کیا کیا بک رہا تھا۔ غلام شاہ کی بھیانک لاش سامنے پڑی ہوئی تھی۔ شہاب نے پستول نکال لیا اور سرد لہجے میں بولا۔

"ہر شخص اپنی جگہ ساکت ہو جائے۔ پولیس پہنچ چکی ہے۔" اور اس کے بعد کانسٹیبلوں نے ایک جانب سے رئیس احمد کو اپنے قبضے میں کیا۔ دوسری جانب غلام شاہ کی لاش قبضے میں لے لی گئی تھی۔ بعد میں شہاب نے پوری کوٹھی میں بینا کو تلاش کیا لیکن اس کا وجود تک نہ پا سکا۔ البتہ نینی اپنے رہائشی حصے میں موجود تھی اور زار و قطار رو رہی تھی۔ بعد میں جو ذمے داریاں پولیس کی ہوتی ہیں، انہیں پورا کرنے کے لئے شہاب کو یہاں رکنا پڑا تھا لیکن وہ اس بات پر دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا کہ بینا اپنا کام پورا کرنے کے بعد پہلی فرصت میں یہاں سے نکل گئی۔ دل ہی دل میں اس نے سوچا کہ جو کچھ بھی ہے، لڑکی واقعی چالاک ہے۔

یہ کیس اپنی نوعیت کا عجیب و غریب کیس تھا، غلام شاہ کے قاتل کو ہتھکڑیاں لگا کر بارہ دری تھانے میں لے جایا گیا تھا اور قانون کے مطابق شہاب نے ڈی ایس پی اور ایس پی صاحب کو اس واردات کی اطلاع دے دی تھی...... تھانے میں جمگھٹا ہو گیا...... گل زمان کے فرشتوں کو بھی پتا نہیں تھا کہ اصل واقعہ کیا ہوا ہے...... جمال بیگ کو رئیس احمد کے لانے سے پہلے چالاکی سے لاک اپ سے نکال کر ایک دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا تھا...... بہر حال اس نے بتایا کہ رئیس احمد کی کوٹھی سے کسی نے فون کیا تھا کہ یہاں ایک سنگین ہنگامہ ہو رہا ہے، پولیس اگر فوراً نہ پہنچی تو کسی کی زندگی جانے کا خدشہ ہے اور جب وہ وہاں پہنچا تو رئیس احمد نے غلام شاہ کو قتل کر دیا تھا اور ملازموں نے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے تھے...... اس پر جنون طاری تھا...... سیدھا سیدھا قتل کا کیس تھا...... پولیس جو کارروائی کر سکتی تھی وہ اس نے کی تھی۔ بعد میں رئیس احمد کو ہوش آیا تھا...... شاید حالات اسے یاد تھے اور اس کی فراخدلی ناقابل یقین تھی...... ایک مجسٹریٹ، ڈی ایس پی اور ایس پی کی موجودگی میں اس نے بڑے صبر و سکون سے اپنا بیان درج کرایا تھا اور اس بیان میں اس نے کہا تھا۔

"میری زندگی میں ایک ایسا سنگین واقعہ پیش آیا تھا جس نے میرے ذہن میں جنون پیدا کر دیا تھا...... میں پاگل نہیں ہوشمند ہوں اور اسی ہوشمندی کے عالم میں، میں نے اپنے ملازم غلام شاہ کی بہن پر مجرمانہ حملہ کیا اور اس کی عزت داغ دار کرنے کی کوشش کی...... غلام شاہ نے مدافعت کی اور میں نے اسے گردن دبا کر قتل کر دیا...... میں اس سے پہلے بھی چار لڑکیوں کو قتل کر چکا ہوں، بس یہ میرے جنون کی کیفیت ہوتی ہے لیکن میں پاگل نہیں ہوں ہوشمند ہوں...... ان تمام لڑکیوں کو قتل کرنے میں میری تمام تر قوت ارادی کا دخل ہے اور

اس کا مکمل ذمہ دار میں خود ہوں...... میں نے اس سے پہلے جو قتل کیا تھا وہ سات سال پہلے کیا تھا...... سات سال پہلے میں نے اپنے ملازم کمال بیگ کی بیوی کو ایک بار اس وقت دیکھا جب میں کمال بیگ کے ساتھ اپنی گاڑی میں آ رہا تھا اور کمال بیگ کو اپنے گھر پر کوئی کام پڑ گیا تھا...... مجھ سے اجازت لے کر اس نے چند لمحات کے لئے گاڑی اپنے گھر کے دروازے پر روکی اور اپنی بیوی سے کچھ طلب کیا...... کمال بیگ کی خوبصورت بیوی شاہدہ اپنے شوہر کو اس کی مطلوبہ چیز دینے کے لئے آئی تو میں نے اسے دیکھا اور وہ مجھے پسند آ گئی...... غلام شاہ ان معاملات میں میرا دست راست تھا اس سے مشورہ کر کے میں نے ایک بار کمال بیگ کی بیوی کو بہانے سے اپنے گھر بلوایا۔ بہانہ یہ تھا کہ اس کا شوہر کمال بیگ زخمی ہو گیا ہے اور سیٹھ صاحب کی کوٹھی میں موجود ہے...... پریشان حال نوجوان عورت فوراً ہی آ گئی اور میں نے اسے اپنے کمرے میں گھسیٹ لیا اور اتفاق کی بات کہ کمال بیگ اسی وقت یہاں آ گیا...... کمال بیگ نے اپنی بیوی کو بچانے کے لئے مدافعت کی تو میں نے غلام شاہ کی مدد سے کمال بیگ کو قتل کر دیا اور یہ بھی صرف اتفاق تھا کہ کمال بیگ کا کمسن بیٹا جمال بیگ بھی اس وقت وہاں آ گیا...... میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی اور میں نے جمال بیگ کو اپنے ملازموں سے پکڑوا لیا۔ بعد میں، میں نے اس کے خلاف کیس بنوایا اور یہ ظاہر کیا کہ کمسن جمال بیگ اپنے باپ کا قاتل ہے...... کمال بیگ کی بیوی نے گھر جا کر خودکشی کر لی کیونکہ میں اس کی آبرو کو داغ دار کر چکا تھا...... جمال بیگ کو سات سال کی سزا ہوئی یہ تمام جرائم بے شک میں نے اپنے ذہنی بحران کے عالم میں کئے لیکن میں خود کو ان کا پوری طرح ذمہ دار سمجھتا ہوں...... یہ میرا اقبالی بیان ہے اور اس میں کسی کا کوئی دباؤ یا اور کوئی ایسی مشکل در پیش نہیں ہے جس کی بنا پر میں یہ سب کچھ کر رہا ہوں۔"

کیس اپنی نوعیت میں بے شک مختلف تھا لیکن اس میں کوئی اُلجھاؤ نہیں تھا باقی لوگوں نے بیانات بھی دیئے...... بینا کے بارے میں آسیہ بیگم نے یہی بتایا تھا کہ وہ ایک بے بس اور معصوم لڑکی تھی، یہ حالات دیکھنے کے بعد وہ اس لئے فرار ہو گئی کہ کہیں وہ کسی مشکل میں گرفتار نہ ہو جائے...... بس اس کے علاوہ بینا کے بارے میں اور کچھ نہیں کہا گیا تھا۔

چونکہ رئیس احمد نے اقبال جرم کر لیا تھا، اس لئے اور کسی گہری تفتیش کی ضرورت پیش نہیں آئی...... البتہ دماغی امراض کے ماہر ڈاکٹروں نے اسے آبزرویشن میں رکھا اور بعد میں

اس کے بارے میں یہی رپورٹ دی کہ وہ ذہنی طور پر بالکل درست آدمی ہے اور اس میں کسی جنون کے آثار نہیں پائے جاتے، غرض یہ کہ رئیس احمد نے پولیس سے ہر طرح کا تعاون کیا تھا اور اپنے آپ کو سزا کا مستحق قرار دیا تھا...... اس نے اپنے بیان میں کہیں بھی اس بلیک میلر کا کوئی تذکرہ نہیں کیا جس نے اس سے پچیس لاکھ روپے وصول کئے تھے...... غالباً اس کا جرم سر چڑھ کر بول رہا تھا اور وہ ہر قیمت پر اپنے کئے کی سزا بھگتنا چاہتا تھا...... اب باقی معاملہ قانون کا تھا جسے رئیس احمد کے بارے میں فیصلہ کرنا تھا...... گل زمان البتہ افسردہ تھا اور اس نے کہا تھا۔

"صاحب جی یہ آسامی تو خود بخود ہی ہاتھ سے نکل گئی۔"

"تم نے ایک لاکھ پینتیس ہزار روپے کمالئے...... تمہارا پیٹ نہیں بھرا گل زمان۔"

"او جی پیٹ کہیں بھرتا ہے صاحب جی۔"

"سنو اس وقت تک بالکل خاموشی اختیار کرو جب تک کہ اس جیسی ہی کوئی دوسری آسامی ہمارے ہاتھ نہ لگے...... میں نے تمہیں اپنے مقصد سے آگاہ کر دیا ہے کسی ایسے شخص کو قطعی طور پر تمہارا نشانہ نہیں بننا چاہئے جو بے گناہ ہو، کیا سمجھے؟"

"او جی ہم کبھی آپ کے حکم سے سرتابی کریں گے...... پر یہ سسرا جمال بیگ بڑا دندناتا پھر رہا ہے، آج کل شریف زادہ بننے کی کوشش کر رہا ہے۔"

شہاب نے خونخوار نگاہوں سے گل زمان کو دیکھا اور بولا۔

"اگر اس کے شریف زادہ بننے کی کوششوں میں ذرہ برابر رکاوٹ ڈالی گئی گل زمان تو رکاوٹ ڈالنے والے کا سب سے بڑا دشمن میں ہوں گا...... اس بات کا خیال رکھنا۔"

"او صاحب جی آپ بس حکم کرو جی...... ہم تو اسے دنیا کا سب سے بڑا شریف زادہ ظاہر کر دیں گے...... او جی یہ کام تو پولیس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔" گل زمان مصنوعی ہنسی ہنسنے لگا۔

جمال بیگ درحقیقت اپنی فطرت کو بدلنے کی کوشش کر رہا تھا، پھر ایک دن شہاب نے اسے عدنان واسطی کے دفتر میں طلب کیا اور خود بھی وہاں پہنچ گیا...... عدنان واسطی کے سامنے اس نے دس لاکھ روپے نقد نکال کر جمال بیگ کے سامنے رکھے اور بولا۔

"واسطی صاحب یہ رقم میں اپنی جیب سے نہیں دے رہا...... یہ رئیس احمد خان سے وصول کی گئی ہے جمال بیگ کے ان سات سالوں کا ہرجانہ جو اس نے جیل میں گزارے

ہیں...... اسی رقم کا اس نے رئیس احمد سے مطالبہ کیا تھا اور میں نے رئیس احمد سے یہ رقم اس کے لئے حاصل کر لی ہے واسطی صاحب اس لڑکے کے سلسلے میں آپ اپنے دل میں جس طرح کے جذبات رکھتے ہیں اس میں آپ کو اس کی تھوڑی سی مدد بھی کرنا ہوگی۔ اب اسے اس شہر سے باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے...... ان دس لاکھ روپے کی مدد سے یہ اپنی پھوپیوں کا فرض بھی پورا کر سکتا ہے اور اپنی نئی زندگی کا آغاز بھی۔"

عدنان واسطی اور بینا واسطی کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا، تب عدنان واسطی نے جذبات سے بھرپور لہجے میں کہا۔

"کیا اب بھی ایسے لوگ اس دنیا میں موجود ہیں...... میں یہ سمجھتا ہوں شہاب میاں کہ تم جیسا آدمی قانون کے رکھوالے کی وردی میں موجود ہو تو انسانوں کو کوئی خطرہ نہیں ہے...... بے گناہوں کو اب بھی پناہ ملے گی۔ میں بہت متاثر ہوا ہوں تم سے۔"

"واسطی صاحب بینا کی شکل میں آپ نے مجھے ایک ایسا دست راست عطا کیا ہے کہ میں فخر سے پھولا نہیں سماتا۔"

"بینا ہر طرح سے اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ آپ کی محکوم ہے شہاب صاحب۔ آپ جب بھی اسے حکم دیں گے یہ آپ کی خدمت سرانجام دینے کے لئے حاضر ہو جائے گی۔ ویسے شہاب صاحب اس وقت تو نہیں لیکن بعد میں مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

میں آپ سے پھر ملاقات کروں گا عدنان صاحب۔ اجازت چاہتا ہوں۔" شہاب اپنی جگہ سے اٹھا تو جمال بیگ نے اس کے پاؤں پکڑ لئے۔

شہاب اسے بہت دیر تک تسلیاں دیتا رہا پھر اس کے بعد وہ وہاں سے واپس نکل آیا۔
یہ معاملہ شہنشاہ نے ڈیل کیا تھا اسی لئے گل زمان کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی تھی۔

آزاد قیدی

ایم اے راحت

آزاد قیدی

ایم اے راحت

[illegible] حاصل کریں
[illegible] تشریف لائیں
[illegible] لائبریری
[illegible] عید گاہ ٹوبہ

MAQBOOL ACADEMY
مقبول اکیڈمی سرکلر روڈ چوک انارکلی لاہور

گل زمان اپنی فائل شہاب کی میز پر دیکھ کر چونک پڑا...... اس نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر فائل اٹھالی تھی...... شہاب نے توجہ بھی نہیں دی وہ کسی اور فائل کو سٹڈی کر رہا تھا۔

”ہیڈ آفس سے بھیجی گئی ہے صاحب جی؟“ گل زمان نے فائل دیکھتے ہوئے کہا۔

شہاب نے چونک کر اسے دیکھا پھر اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی فائل بند کر کے ایک جانب پٹخ دی اور گل زمان سے بولا۔

”گل زمان فائل رکھ دو۔“

”جی سر۔“ گل زمان نے جلدی سے اپنی فائل میز پر رکھ دی۔ شہاب ایک لمحے سوچتا رہا، پھر بولا۔

”اصل میں، میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ جعلی ڈگریاں کیسی ہوتی ہیں۔“

”جی صاحب۔“ گل زمان کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

”تم نے بتایا تھا نا کہ تم نے ایف اے کی ڈگری پندرہ سو روپے میں خریدی تھی، یہ میرا دلچسپ موضوع رہا ہے گل زمان۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ جعلی ڈگریاں بنانے والے کس طرح کام کرتے ہیں...... اب دیکھو نا، باقی سارے معاملات اپنی جگہ لیکن قانون کی کچھ ذمے داریاں بھی ہوتی ہیں...... یہ تعلیمی گھپلے ماحول کو کس قدر خراب کر رہے ہیں اس کا اندازہ تمہیں بھی ہوگا۔ جعلی ڈگریوں کا کاروبار کتنے لوگوں کی حق تلفیاں کرتا ہے، جو لوگ تعلیمی منصب کے اہل نہیں ہوتے، وہ اعلیٰ ترین ڈگریاں خرید کر انہیں اعلیٰ ترین ملازمتوں کے لئے استعمال کرتے ہیں اور اس کے بعد یہ لوگ اپنی کرسیوں پر بیٹھ کر جس طرح کی بدعنوانیاں کرتے ہیں اس سے معاشرے کو شدید نقصان پہنچتا ہے...... اب تم نے اپنی ڈگری کی نشاندہی

کی تھی تو میں نے یہ تمہاری فائل ہیڈ آفس سے نکلوا کر اس میں جعلی ڈگری کا جائزہ لیا ہے۔" میرے ذہن میں بہت عرصے سے یہ پروگرام تھا کہ اس سلسلے میں کام کروں۔" گل زمان کا چہرہ اتر گیا...... اس نے آہستہ سے کہا۔

"تو صاحب جی کام کی ابتدا آپ نے ہم سے ہی کر دی۔"

"ایک بات قانون کے علم میں آئی ہے گل زمان تو بہر حال اس پر توجہ تو دینی ہی ہے، میں نے اس ڈگری کا بغور جائزہ لیا ہے، بالکل اصل کے مطابق ہے لیکن آخر کار میں نے اس میں نقل پکڑ ہی لی ہے۔ اب ذرا اس پر ریسرچ کر کے اس سلسلے میں کارروائی کرنی ہے۔"

"صاب جی ہمیں کیوں بے موت مار رہے ہیں؟" گل زمان نے عاجزی سے کہا اور شہاب کے چہرے پر ایک سنگین خاموشی طاری ہو گئی...... کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ بولا۔

"بہر حال گل زمان، یہ بات ہے تو حقیقت کہ تم نے یہ نوکری جعلی ڈگری کے ذریعے حاصل کی ہے۔ اصولی طور پر یہ بات علم میں آ جانے کے بعد مجھے اس سلسلے میں کارروائی کرنی چاہئے لیکن تم میرے دوست ہو...... میں کم از کم تمہارے ساتھ یہ سب کچھ نہیں کروں گا لیکن جعلی ڈگریوں کے سلسلے میں کچھ عرصے کے بعد ہم کارروائی ضرور شروع کریں گے۔"

"صاب جی، آخر کیا ضرورت ہے اس کی، کیا کسی نے ایف آئی آر درج کرائی ہے؟ جن لوگوں کا کام ہے انہیں ان کا کام کرنے دیجئے۔ اب اس طرح تو جعلی کاروبار جتنے ہو رہے ہیں آپ کو خود بھی اس کا اندازہ ہے...... ایسی چیزیں جی جو کسی کی نوکری میں بٹہ لگا دیں، رہنے دی جائیں تو زیادہ اچھا ہے۔"

"سوچیں گے اس موضوع پر گل زمان۔"

"صاحب جی! یہ میری فائل تو ہیڈ آفس بھجوا دیجئے...... میں تو سمجھا تھا کہ آپ شاید میری ترقی کی فکر میں ہیں۔"

"ترقی بھی ہو جائے گی گل زمان لیکن یہ ڈگری...... خیر تم فکر مند نہ ہو، میں کم از کم اس فائل کے بارے میں کوئی رپورٹ نہیں تیار کر رہا۔"

"شکریہ صاب جی۔" گل زمان نے منہ لٹکا کر کہا...... اس کے فرشتے بھی نہیں سمجھ پائے تھے کہ شہاب ثاقب نے اس کی فائل کیوں منگوائی ہے۔ اصل میں گل زمان پولیس کے رواج کا آدمی تھا اور شہاب کو کسی بھی لمحے اس سے کوئی خطرہ پیش آ سکتا تھا...... شہاب کا اصل

کام کچھ اور ہی تھا اور اس سلسلے میں کسی نہ کسی وقت کوئی لغزش ہو سکتی تھی...... اس وقت کم از کم گل زمان کے نرخرے پر انگوٹھا رکھے رہنا ضروری تھا۔ گل زمان نے اس وقت جوش میں کہہ دیا تھا کہ اس نے ایف اے کی ڈگری پندرہ سو روپے میں خریدی تھی۔ شہاب نے اسے ہی بات آگے بڑھانے کا ذریعہ بنا لیا اور کم از کم گل زمان کے خلاف ایسا ثبوت حاصل کر لیا کہ اگر وہ کبھی راستہ روکنے کی کوشش کرے تو اسے راہ راست پر لایا جا سکے...... عدنان واسطی سے بھی اس دن کے بعد ملاقات نہیں ہوئی تھی...... ویسے بینا، شہاب کے ذہن میں بار بار آتی تھی...... اچھی شخصیت کی مالک تھی...... پھر عدنان واسطی کا فون آ ہی گیا...... شہاب آفس میں اکیلا تھا...... عدنان واسطی کی آواز سن کر وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"سر میرا نام عدنان واسطی ہے۔"

"ارے واسطی صاحب، خیریت...... آپ مجھے سر کہہ کر نہ مخاطب کیا کریں۔" جواب میں عدنان واسطی کی ہلکی سی ہنسی سنائی دی۔ پھر اس نے کہا۔

"امید نہیں تھی شہاب صاحب کہ اس طرح نظر انداز کر دیں گے۔"

"کیا مطلب؟"

"اس دن کے بعد سے کوئی رابطہ ہی نہیں ہوا۔"

"جی ہاں اللہ کے فضل سے بارہ دری تھانے کی رپورٹ پولیس ہیڈ آفس میں سب سے اچھی جا رہی ہے، اس کے لئے تھوڑی بہت محنت تو کرنی ہی ہوتی ہے۔"

"لازم ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے"

محبت کرنے والوں سے اس طرح اجتناب ظلم ہوتا ہے۔ ہم تو انتظار کرتے رہے...... اپنی اوقات کو مد نظر رکھ کر آپ کو مخاطب کرنے کی ہمت نہ پڑی لیکن اب جب پانی سر سے اونچا ہو گیا تو سوچا کہ کچھ نہ کچھ کیا ہی جائے۔"

"آپ نے واقعی مجھے شرمندہ کر دیا...... میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کے لئے حاضر ہوں...... جہاں حکم دیں، حاضر ہو جاؤں...... بس اتنا ہی ازالہ کر سکتا ہوں اپنی اس کوتاہی کا۔"

"سوچ لیجئے شہاب صاحب! بڑے مختلف انداز میں گفتگو کر رہے ہیں، ہم چھوٹے لوگ فوراً ہی منہ لگنے لگتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے...... آپ کو حق حاصل ہے کہ جس طرح چاہیں مجھے شرمندہ کریں۔"

"تو پھر آج یوں کیجئے کہ رات کا کھانا غریب خانے پر کھا لیجئے۔ ہم سمجھیں گے کہ ہم واقعی غلط فہمی کا شکار تھے۔" شہاب ہنسنے لگا، پھر بولا۔

"ذرا تفصیل سے پتا سمجھا دیجئے۔ آفس تک تو پہنچ سکتا ہوں لیکن رات کا کھانا ظاہر ہے آپ آفس میں نہیں کھلائیں گے۔"

رات کو وعدے کے مطابق شہاب سادہ لباس میں عدنان واسطی کے گھر پہنچ گیا...... یہ دو منزلہ چھوٹے سے پلاٹ پر بنا ہوا مکان تھا، عدنان واسطی کی شخصیت سے مکمل طور پر ہم آہنگ۔ شہاب کے دل میں ان لوگوں کے لئے بڑے اچھے جذبے پیدا ہو چکے تھے اور وہ انہیں دل سے پسند کرنے لگا تھا...... غالباً اوپر کی منزل سے اسے آتے ہوئے دیکھ لیا گیا تھا کیونکہ وہ دروازے پر رکا ہی تھا کہ دروازہ کھل گیا...... عدنان واسطی نے استقبال کیا تھا، پھر وہ شہاب کو بڑی اپنائیت کے ساتھ اندر لے گیا۔ مسز واسطی سے ملاقات ہوئی، بینا نے آکر سلام کیا اور عدنان واسطی نے اسے ایک کمرے میں بٹھایا۔

بینا چائے لے کر آ گئی اور عدنان واسطی نے کہا۔ "بھئی بینا اب تمہاری موجودگی ضروری ہے...... کھانے وغیرہ کا مسئلہ تو میرے خیال میں حل ہو ہی چکا ہے۔"

"بالکل ابو، باقی دیکھ بھال امی کر رہی ہیں اور انہوں نے مجھے فرصت دے دی ہے...... آپ دیکھ لیجئے اس کا ثبوت چائے کی یہ تین پیالیاں ہیں۔" بینا نے کہا اور مسکراتی ہوئی سامنے بیٹھ گئی۔ چائے سرو کر دی گئی اور شہاب نے بینا سے اس کی خیریت پوچھی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔" "ابو کے سارے کام نمٹا دیئے گئے ہیں، اس خیال کے ساتھ کہ ہو سکتا ہے آپ کی طرف سے کال آجائے...... کچھ ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے میں آپ کے معیار پر پوری نہیں اتر سکی۔"

"بھئی آپ سب لوگ مجھے بڑا شرمندہ کر رہے ہیں...... اصل میں مس بینا، بات یہ نہیں ہے بلکہ یہ سمجھ لیجئے کہ آپ کے خوف سے جرائم پیشہ افراد کان دبا کر بیٹھ گئے ہیں...... انہیں یہ احساس ہو گیا ہوگا کہ ایک وکیل صاحبہ جاسوسی کے میدان میں بھی اتر آئی ہیں۔" شہاب نے کہا اور عدنان واسطی اور بینا ہنسنے لگے۔ بینا ہنستی ہوئی بولی۔

"گھسیٹ لیجئے کانٹوں میں جتنا گھسیٹ سکتے ہیں...... آپ کی وجہ سے تو مجھے اعتماد ملا ہے شہاب صاحب۔ آپ یقین کیجئے، اپنا یہ پہلا کارنامہ سرانجام دے کر مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں شرلاک ہومز بن گئی ہوں، بلکہ ڈاکٹر واٹسن ہوں میں۔"

"اچھا اچھا گویا شرلاک ہومز کا عہدہ ہمیں دے دیا گیا ہے۔" یہ دلچسپ گفتگو چند لمحات جاری رہی، اس کے بعد عدنان واسطی نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"زمانہ طالب علمی ہی سے میرے ذہن میں یہ تصور موجود تھا شہاب صاحب کہ میں کچھ ایسے کام کروں جن کا تعلق انسانیت کی بہتری سے ہو...... بات یہ نہیں تھی کہ میں محسن انسانیت بننا چاہتا تھا، بس کچھ جذبے تھے جو عمر کے ساتھ ساتھ جوان ہوئے تھے۔ بہت غور و خوض کرنے کے بعد میں نے وکالت کا پیشہ اپنایا...... اس وقت بھی ایک حادثے نے مجھے متاثر کیا تھا اور میں نے یہ سوچا تھا کہ ضرورتیں کبھی ختم نہ ہونے والی چیزیں ہیں...... ہر چیز کو حاصل کرنے کے بعد ایک نئی چیز کا تصور ذہن میں اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور انسان اس کے حصول کے لئے سرگرداں ہو جاتا ہے، چنانچہ ضرورتیں بس اسی حد تک پوری کی جائیں کہ کسی پریشانی کا امکان نہ رہے...... بس یوں سمجھ لیجئے، یہی میرا محور رہا اور اسی میں میں نے زندگی گزار دی...... بینا کی تشکیل جس انداز میں ہوئی ہے اس کا بھی آپ نے تھوڑا بہت اندازہ لگا لیا ہوگا...... میں یہ چاہتا ہوں کہ کچھ اپنے لوگ جو بالکل ہی بے بسی کا شکار ہو جائیں، اگر ہمارے ذریعے اپنی منزل پالیں تو ہم ہر لالچ سے بے نیاز ہو کر ان کے لئے کام کریں...... اس میں کسی بڑے چھوٹے کی تفریق نہ ہو، میں وکیل ہوں عدالتی معاملات میرے سپرد کر دیئے جائیں...... آپ ایک بااختیار پولیس آفیسر ہیں دوسرے معاملات آپ سنبھال لیں، بینا کو آپ نے دیکھ ہی لیا ہے نڈر اور دلیر لڑکی ہے...... آگ کے سمندر میں چھلانگ لگانے کو ہمیشہ تیار رہتی ہے...... اس کی شکل و صورت پر نہ جائیں، اگر آپ کہیں گے کہ انسانوں، بلکہ برے انسانوں پر موت کا بادل بن کر برسے تو آپ یقین کریں آپ اسے اتنا خونخوار پائیں گے کہ شاید آپ تصور بھی نہ کر پائیں...... ہم زیادہ افراد نہیں ہیں اور ہمارے اختیارات محدود ہیں لیکن جذبے محدود نہیں ہوتے۔"

"میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں اور یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ایسے کسی معاملے میں آپ نے مجھے آگے بڑھایا تو کبھی پیچھے نہیں پائیں گے۔"

"مجھے پورا پورا یقین ہے...... چلئے چھوڑیئے، طوالت میں جانے کے بجائے میں براہ راست آپ کے ساتھ ان روابط کے آغاز کے لئے جو کہنا چاہتا ہوں وہ کہہ رہا ہوں...... ایک آبادی ہے یہاں سے کچھ فاصلے پر، بہت زیادہ فاصلہ بھی نہیں ہے......یوں سمجھ لیجئے شہر سے اس کا براہ راست راستہ ہے اور وہاں کے لوگ دن رات یہاں آتے جاتے رہتے ہیں...... شاہ پور نام ہے اس کا اور ایک قدیم خاندان کی ملکیت ہے...... بڑی جائیدادیں ہیں، بڑی زمینیں ہیں اس خاندان کی وہاں اور یہ سمجھ لیجئے کہ ایک طرح سے وہاں اس کی حکومت قائم ہے...... میں نے اس کی قدامت کے بارے میں تو کوئی اندازہ نہیں لگایا لیکن اتنا علم ہے کہ طویل عرصے سے یہ اسی خاندان کی ملکیت چلی آرہی ہے اور اس کا موجودہ مالک امیر علی شاہ ہے...... امیر علی شاہ کے چار بیٹے ہیں شاد علی، رحمان علی، گلزار علی اور فیاض علی...... ان میں سے رحمان علی شاہ جو دوسرے نمبر پر ہے، اس وقت پاگل خانے میں ہے...... ایک ایسے دماغی ہسپتال میں جو پرائیویٹ ہے اور بڑے بڑے لوگوں کی امداد سے چل رہا ہے...... رحمان علی شاہ کو ایک خطرناک پاگل کی حیثیت سے طویل عرصے سے اس پاگل خانے میں داخل کرادیا گیا ہے، لیکن وہ بے حد ہوش مند نوجوان ہے اور بے کسی کے عالم میں وقت گزار رہا ہے...... باقی امیر علی شاہ کے تینوں بیٹے عیش و عشرت کی زندگی بسر کررہے ہیں۔" شہاب نے حیرانی سے یہ انوکھی داستان سنی، پھر آہستہ سے بولا۔

"لیکن رحمان علی شاہ پاگل خانے میں کیوں ہے؟"

"اسے اس کے باپ نے اس پاگل خانے میں داخل کرایا ہے اور امیر علی شاہ کے اثرات ہر طرح کے سرکاری محکموں پر ہیں...... بہت بڑا آدمی ہے وہ، اگر ایک باپ اپنے بیٹے کو پاگل قرار دے کر پاگل خانے میں داخل کرادیتا ہے اور اس کے اختیارات بھی اس قدر وسیع ہیں پھر کون ہے جو اسے پاگل خانے سے نکال لے...... ڈاکٹروں کی رپورٹوں کی پوری فائل موجود ہے جس میں انہوں نے اسے ایسے دماغی دوروں کا مریض بتایا ہے جو کسی بھی وقت خطرناک نوعیت کے حامل ہوسکتے ہیں اور وہ کسی بھی انسان کی زندگی کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ ممکن۔ امیر علی نے اپنے اس بیٹے کے پاگل پن کا باقاعدہ سوگ منایا ہو اور دنیا کو یہ باور کرادیا ہو کہ بحالت مجبوری اپنے لخت جگر کو پاگل خانے میں داخل کرارہا ہے، لیکن یہ بہت بڑی سچائی ہے، درحقیقت رحمان علی پاگل نہیں ہے۔"

"لیکن اس کی وجہ واسطی صاحب؟" شہاب نے پوچھا اور واسطی صاحب نے مغموم انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"باپ سے سرکشی، نافرمانی۔"

"اس حد تک کہ اس سرکشی کی وجہ سے باپ اپنے بیٹے کو پاگل قرار دے دے؟"

"ہاں، اس حد تک...... بس یوں سمجھ لو کہ میں اس سے متعلق ایک اور کردار سے ملا تھا جس نے مجھے مکمل تفصیل سمجھائی۔ بعد میں، میں نے دماغی ہسپتال میں رحمان علی سے بھی ملاقات کی، جس شخص سے میری پہلی بار ملاقات ہوئی وہ بھی امیر علی کے سامنے بے بس اور خود امیر علی کا بیٹا رحمان علی بھی یہ کہتا ہے کہ اب ایسا کوئی ذریعہ نہیں ہے جس سے حالات کو ہموار کیا جاسکے...... اس کے پس پردہ ایک کہانی ہے شہاب صاحب بشرطیکہ آپ اس کہانی کی طوالت سے بور نہ ہوجائیں۔"

"نہیں، واسطی صاحب بات بہت دلچسپ ہے...... بیٹوں کو عاق تو کیا جاسکتا ہے، نافرمانی کے نتیجے میں انہیں اپنی دولت اور جائیداد سے محروم بھی کیا جاسکتا ہے اور باپ کے لئے یہ مشکل نہیں ہے لیکن اسے اس طرح دیوانہ قرار دے کر کسی پاگل خانے میں زندگی گزارنے کے لئے مجبور کرنے کا مطلب کچھ اور بھی ہوسکتا ہے۔"

"بالکل ٹھیک کہتے ہیں آپ، ایسی ہی بات ہے۔"

"تب تو یہ کہانی واقعی بہت دلچسپ ہوگی۔"

"لیکن شرط یہ ہے کہ شکم سیری کے بعد اس کا آغاز ہو۔"

شہاب ہنسنے لگا، پھر بولا۔

"آپ کی خوشی ہے جسے پورا کرنا میرے لئے سعادت، ورنہ کھانا تو زندگی کے معمولی لوازمات میں سے ہے۔"

"تو پھر کھانے کا بندوبست کرلیا جائے، اس کے بعد ہی ہم لوگ اس موضوع پر بات کریں گے۔" کھانے کا انتظام کیا گیا...... شہاب نے اس بات پر بہت مسرت کا اظہار کیا کہ کھانے میں کسی خصوصی اہتمام سے کام نہیں لیا گیا تھا...... واسطی صاحب کہنے لگے۔

"حالانکہ محترمہ بینا اس کی مخالف تھیں...... ان کا خیال تھا کہ بھرپور اہتمام کیا جائے لیکن میں نے اپنی روایت کو قائم رکھا ہے۔"

"آپ نے بہت اچھا کیا۔" شہاب نے کہا۔

مسز واسطی سے بھی ملاقات ہوئی..... سادہ سی فطرت کی ایک گھریلو خاتون تھیں..... کھانے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ایک بار پھر نشست جم گئی اور آگے کی کہانی کا آغاز ہو گیا..... واسطی صاحب نے اس کہانی کو دوبارہ شروع کرتے ہوئے بتایا۔

"ہو سکتا ہے اس کی نوعیت کچھ ڈرامائی ہو جائے لیکن بات کو سمجھنے میں آسانی ہو گی۔"

"آپ بالکل بے تکلفی سے مجھے اس کے بارے میں بتایئے، میں مکمل طور سے فرصت میں ہوں اور وقت کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" شہاب نے جواب دیا..... بینا بھی اس گفتگو میں پوری طرح محو تھی..... واسطی صاحب کچھ دیر خاموش رہے، پھر انہوں نے کہا۔

"شاہ پور میں، جیسا کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں، امیر علی کا خاندان سب سے بڑی حیثیت کا حامل ہے..... اس کے اشاروں پر وہاں ہر کام ہوتا ہے..... مقامی طور پر بھی اس کے تعلقات اتنی وسعت رکھتے ہیں کہ وہ جو چاہے کرالیتا ہے اور اس سے کوئی انحراف نہیں کرتا..... امیر علی شاہ کے بیٹے شاہ پور کا نظام سنبھالے ہوئے ہیں..... چوتھا بیٹا فیاض علی یہیں شہر میں رہتا ہے اور کاروبار کرتا ہے..... بدقسمتی سے امیر علی شاہ کی کوئی بیٹی نہیں ہے ورنہ اس کے دل کے گوشے نرم ہوتے اور وہ بیٹیوں کی عزت اور قدروقیمت جانتا..... چار بیٹوں کا یہ باپ ہر طرح سے حالات کو اپنے حق میں رکھتا ہے..... اسی بستی کا ایک کاروباری آدمی غیاث بیگ اس کا شکار ہو گیا..... غیاث بیگ بھی ایک معزز آدمی تھا اور اچھا کھاتا پیتا تصور کیا جاتا تھا..... شہر سے اس کے کاروباری روابط تھے..... وہ اپنی بیوی، بیٹی اور بیٹے کے ساتھ پرکھوں سے شاہ پور میں ہی رہتا تھا اور اس کا امیر علی شاہ کے خاندان سے کوئی ایسا جھگڑا نہیں تھا جو کبھی کسی کے لئے باعث پریشانی بنتا لیکن پھر یہ سلسلہ شروع ہو گیا..... امیر علی شاہ کا دوسرا بیٹا رحمان علی، غیاث بیگ کی بیٹی ناہید کے ساتھ شاہ پور کے سکول میں ہی پڑھتا تھا بلکہ یہی لڑکا ٹھیک ٹھاک پڑھ لکھ گیا اور اس کے باقی بیٹوں سے اچھی حیثیت کا حامل رہا..... رحمان علی بچپن ہی سے ناہید سے متاثر تھا..... دونوں ساتھ کھیلتے تھے، ساتھ پڑھتے تھے اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے بہت گنجائش تھی۔ یہ بات بنائے مخاصمت نہیں بن سکی لیکن جب رحمان علی تعلیم حاصل کرنے کے لئے شہر آیا تو اسے ناہید سے دور ہونے کا بہت دکھ تھا، چونکہ پڑھنے لکھنے میں یہ لڑکا شاہ پور کے ہائی سکول میں نمایاں حیثیت کا حامل رہا تھا، اس

لئے امیر علی نے اسے مزید تعلیم کے لئے شہر بھیج دیا..... پھر امیر علی نے محسوس کیا کہ رحمان جب بھی آتا ہے اپنے گھر سے زیادہ غیاث بیگ کے گھر میں وقت گزارتا ہے..... اسے ذرا سی تشویش ہوئی اور اس نے اس سلسلے میں معلومات کرائیں تو اس کے خیال کی تصدیق ہو گئی۔ رحمان علی، غیاث بیگ کی بیٹی سے متاثر تھا..... امیر علی سوچ میں ڈوب گیا..... اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کرے، کیا نہ کرے۔ بات غیاث بیگ سے کہنے کی بھی نہیں تھی..... پھر اس نے اپنے بیٹے رحمان علی کو ہی سمجھایا کہ وہ ناہید سے نہ ملا کرے..... رحمان علی نے اس سلسلے میں باپ سے سوالات کئے اور امیر علی جو آمرانہ ذہنیت کا مالک تھا، ان سوال و جواب سے چڑ گیا..... بیٹا اس طرح سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کرے گا، اس کا اسے اندازہ نہیں تھا، چنانچہ اس نے بیٹے کو سخت سرزنش کی اور وارننگ دی کہ اگر شہر کی پڑھائی اسی طرح مزاج بگاڑ دیتی ہے تو بہت جلد وہ اس کی پڑھائی کا سلسلہ ختم کر دے گا لیکن رحمان علی سرکش تھا، باپ کی بات کو خاطر میں نہیں لایا اور اس کے بعد بھی جب وہ شہر سے واپس آتا تو غیاث بیگ کے گھر پر زیادہ وقت گزارتا..... بہ حالت مجبوری امیر علی نے ایک بار رحمان علی کے جانے کے بعد غیاث بیگ کو بلالیا اور اسے سمجھایا کہ اپنی بیٹی کو سنبھال کر رکھے..... بعد میں کہیں یہ نہ ہو کہ کوئی ایسا المیہ بن جائے جو ان کے سنبھالے نہ سنبھلے..... غیاث بیگ نے وعدہ کر لیا تھا کہ آئندہ وہ ناہید کو رحمان علی کے سامنے نہیں آنے دے گا..... رحمان علی واپس آیا تو ناہید کو اس سے نہ ملنے دیا گیا اور اس وقت رحمان علی کو احساس ہوا کہ اس کے دل میں ناہید کے لئے کیا مقام ہے۔ بہر حال، وہ چھپ کر غیاث بیگ کے گھر گیا، ناہید سے ملاقات ہوئی اور نوجوان دلوں نے اپنے لئے راستے منتخب کر لئے لیکن ان منتخب راستوں کا علم امیر علی کو ہو گیا اور اس نے غیاث بیگ کو سختی کے ساتھ ہدایت کی کہ وہ بستی چھوڑ کر نکل جائے اور اس کے بعد شاہ پور میں نظر نہ آئے..... غیاث بیگ بھی ذرا سخت مزاج تھا، اس نے کہا کہ وہ خود اپنی بیٹی کی بدنامی پسند نہیں کرتا حالانکہ رحمان علی بہت اچھا نوجوان ہے، اسے روکا جائے..... بھلا شاہ پور چھوڑنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟ امیر علی جو انکار سننے کا عادی نہیں تھا اور اپنی ذات میں بے حد مغرور تھا، یہ بھی جانتا تھا کہ غیاث بیگ بھی معمولی نوعیت کا انسان نہیں ہے، چنانچہ اس نے کوئی گہری چال سوچی اور اس کے بعد غیاث بیگ کے بیٹے ایاز بیگ کو اغوا کر لیا گیا..... ایاز بیگ، ناہید سے چھوٹا تھا اور جوانی کی سرحدوں کو چھو رہا تھا..... اس

کی اچانک گمشدگی نے غیاث بیگ کو پاگل کر دیا...... بیٹے کی تلاش میں مایوس ہو کر وہ نیم دیوانگی کی کیفیت کا شکار ہو گیا...... امیر علی شاہ نے بھی اپنے طور پر ایاز بیگ کی تلاش کے لئے ہر ممکن کوشش کی اور غیاث بیگ کو بہت سہارا دیا...... غیاث بیگ کے فرشتوں کو بھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ ایسی کوئی بات ہوئی ہے...... وقت گزرتا رہا...... غیاث بیگ بیٹے کے غم میں بری طرح نڈھال ہو گیا تھا...... ادھر رحمان علی کو نہ جانے کیوں اس بات کا شبہ تھا کہ ایاز بیگ کی گمشدگی میں کہیں نہ کہیں امیر علی کا ہاتھ ہے۔ وہ اپنی کھوج میں لگا ہوا تھا لیکن وہ اس تلاش میں کامیاب نہ ہو سکا اور صورت حال بگڑتی چلی گئی...... پھر ایک بار جب رحمان علی، غیاث بیگ کے گھر میں موجود تھا، امیر علی وہاں پہنچ گیا اور اس نے سرد لہجے میں غیاث بیگ سے کہا کہ وعدے کے باوجود اس نے اپنی بیٹی اور رحمان علی کو ملنے کی اجازت کیوں دی ہے تو غیاث بیگ کی بجائے رحمان علی کھڑا ہو گیا اور اس نے نہایت سختی کے ساتھ باپ کا مقابلہ کیا...... امیر علی خاموشی سے واپس چلا گیا تھا لیکن پھر جب رحمان علی گھر واپس پہنچا تو امیر علی نے اسے گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال دیا اور بیٹے سے کہا کہ وہ اب نتائج بھگتنے کے لئے تیار ہو جائے...... پھر امیر علی، غیاث بیگ سے ملا اور اس سے کہا کہ اب بھی اس کی آنکھیں نہیں کھلیں...... وہ اب بھی اسے آگاہ کر رہا ہے کہ شاہ پور چھوڑ دے اور یہاں سے چلا جائے ورنہ اس کے بیٹے ایاز بیگ کو قتل کر دیا جائے گا۔ تب پہلی بار غیاث بیگ کو پتا چلا کہ اس کا بیٹا ایاز بیگ، امیر علی کی تحویل میں ہے...... غیاث بیگ نے بڑی منت سماجت کی لیکن امیر علی نے کہا کہ وہ غیاث بیگ کو بے شک معاف کر دے گا اور اس کے بیٹے کو چھوڑ دے گا لیکن اس کے لئے اسے کچھ انتظار کرنا ہو گا...... پھر جوہر خان نامی ایک شخص کو جو امیر علی کا ایک ملازم خاص تھا، منتخب کیا گیا اور ایاز بیگ کے بل بوتے پر بلیک میلنگ کرتے ہوئے امیر علی نے ناہید کا نکاح جوہر خاں سے پڑھوا دیا...... اس کے بعد اس نے اپنے بیٹے رحمان علی کو ساری صورت حال بتا دی لیکن رحمان علی یہ خبر سن کر دیوانہ ہو گیا اور اس نے بندوق نکال کر باپ پر فائر کر ڈالے...... نتیجے میں امیر علی نے اسے پاگل قرار دے کر پاگل خانے بھجوا دیا...... غیاث بیگ کو جوہر خان کی نگرانی میں دے کر اس کی بیوی ناہید اور غیاث بیگ کی بیوی کے ساتھ شہر بھجوا دیا گیا اور اب وہ لوگ یہیں مقیم ہیں...... غیاث بیگ نے امیر علی خان کی لاکھ منت سماجت کی کہ اب وہ اس کے سامنے کبھی سرکشی نہیں کرے گا لیکن امیر علی شاہ کا کہنا ہے کہ ایاز

بیگ بالکل خیریت سے ہے اور اس کا وعدہ ہے کہ جب وہ صورت حال کو اپنے حق میں بالکل بہتر پائے گا تو ایاز بیگ کو رہا کر دے گا...... ابھی وہ اسے اس لئے رہا نہیں کر سکتا کہ غیاث بیگ، امیر علی کے خلاف کوئی سازش کر سکتا ہے...... سمجھ رہے ہو نا میری بات مسٹر شہاب! ذرا غور کرو، ایک شخص نے دولت کے بل بوتے پر کیا کچھ نہیں کر ڈالا ہے...... معصوم محبت کو اس نے ایک وحشی بھیڑیے کے ہاتھوں میں دے دیا ہے...... ناہید اس کی بیوی کی حیثیت سے اس لئے زندہ ہے کہ بھائی کی زندگی چاہتی ہے...... بے کسی کا شکار یہ خاندان جس طرح زندگی گزار رہا ہے تم اگر ان سے ملو گے تو تمہاری آنکھوں سے آنسو نکل آئیں گے...... جوہر خاں ایک وحشی درندے کی طرح ان کا نگراں ہے اور انہیں اپنے راستے سے ایک قدم نہیں ہٹنے دیتا...... تین افراد صبر و سکون کی زندگی گزار رہے ہیں اور ادھر وہ ہوش مند پاگل خانے میں باپ کے مظالم کا شکار ہے...... یہ ہے وہ ڈرامائی کہانی جو میں آپ کو سنانا چاہتا تھا مسٹر شہاب۔"

شہاب کی آنکھوں میں دلچسپی کے تاثرات تھے...... اس کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ تھی...... شکار اس کے مطلب کا ہی تھا...... وہ تو صحیح معنوں میں ایسے ہی بھیڑیوں کا شکاری تھا جس پر دوسرے قابو نہ پا سکیں...... کچھ دیر تک وہ خاموش بیٹھا کہانی کے اہم پہلوؤں پر غور کرتا رہا...... بینا محبت بھری نگاہوں سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی...... اس کی آنکھوں میں بے پناہ عقیدت تھی...... عدنان واسطی ان لوگوں کے تصور سے غم و اندوہ کا شکار ہو گئے تھے...... کچھ دیر کے بعد شہاب نے کہا۔

"تو طے یہ ہوا کہ امیر علی شاہ نے ایک نوجوان لڑکے کو حبس بے جا میں رکھا ہوا ہے، ایک لڑکی کی شادی زبردستی ایک ایسے شخص سے کرا دی ہے جس سے وہ شادی نہیں کرنا چاہتی تھی...... مزید یہ کہ اس نے اپنے بیٹے کو اپنے وسائل سے کام لے کر پاگل خانے میں پہنچا دیا ہے...... یہ ہے کل داستان...... لیکن اس سلسلے میں مجھے آپ سے کچھ اہم پوائنٹس ڈسکس کرنا ہوں گے واسطی صاحب۔"

"سر، آپ کی سیکرٹری کی حیثیت سے میں یہ پوائنٹس آپ کی ہدایت کے مطابق نوٹ کر لوں۔" شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔

"مس بینا، ایک گروپ کی فرد کے طور پر آپ میرے لئے یہ کام سرانجام دیں تو میں آپ کا شکر گزار ہوں گا۔"

"نہیں سر، میں آپ کے ساتھ مل کر کام کرنا باعث فخر سمجھتی ہوں۔" بینا نے ایک پیڈ اور بال پوائنٹ لیا اور کرسی لے کر ان دونوں کے قریب آ بیٹھی...... عدنان واسطی پر مسرت لہجے میں بولے۔

"مجھے شبہ تھا مسٹر شہاب کہ آپ یہ سوال کریں گے کہ ان سارے واقعات میں ایک وکیل اور ایک پولیس آفیسر کی مداخلت کا کیا جواز ہے، لیکن آپ نے ان واقعات میں دلچسپی لے کر اور ایک محور بنا کر میرا حوصلہ بڑھا دیا ہے۔" شہاب ہنسنے لگا، پھر بولا۔

"واسطی صاحب میں آپ کے ہر عمل سے مکمل تعاون کروں گا۔ آج ہی نہیں، ہمیشہ ہمیشہ...... جب ہمارے درمیان یہ بات طے ہو گئی ہے تو پھر کسی بھی سلسلے میں سلیکشن کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا...... آپ نے جس چیز کو اس قابل سمجھا کہ اس کے لئے کام کیا جائے تو میرے خیال میں وہ یقیناً اہمیت کی حامل ہو گی...... اس بات کو ہمیشہ ذہن میں رکھئے گا۔"

عدنان واسطی کی آنکھوں میں شکر گزاری کے آثار پیدا ہو گئے...... شہاب کچھ سوچنے لگا تھا...... کچھ دیر مکمل خاموشی رہی پھر اس کے بعد شہاب نے کہا۔

"سب سے پہلا سوال یہ ہے واسطی صاحب کہ آپ کو ان واقعات کے بارے میں کہاں سے تفصیلات معلوم ہوئیں؟"

"میں اپنے محلے کے آخری سرے پر ایک دکان سے اپنی عینک ٹیسٹ کراتا ہوں اور اس دن بھی میں آنکھوں کے ٹیسٹ کے لئے گیا ہوا تھا، وہاں غیاث بیگ سے ملاقات ہوئی...... اس کے چشمے کا نمبر بھی خراب ہو گیا تھا...... بس وہیں پر اس سے ملاقات ہوئی...... ایسا مظلوم اور درد میں ڈوبا ہوا انسان تھا کہ میں اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا...... پھر لاغر بھی تھا اور سب سے آخری بات یہ کہ یہاں سے کچھ فاصلے ہی پر رہتا ہے...... اس کا گھر زیادہ دور نہیں ہے...... میں اسے اس کے گھر تک چھوڑنے گیا اور چونکہ اس سے متاثر ہو گیا تھا اس لئے بعد میں کئی ملاقاتیں کیں، اس سے اور اس کے بعد آخر کار ایک بار اس کی زبان کھل ہی گئی...... اس نے اور اس کی بیوی نے مجھے اپنی مظلومیت کی مکمل داستان سنائی اور میں اسے سن کر ششدر رہ گیا...... بعد میں یہی سوچتا رہا کہ بھلا اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں؟ بینا کو بھی اس کے بارے میں تفصیل بتائی...... بینا بھی کوئی موثر فیصلہ نہیں کر سکی تھی لیکن یہ بات ہم نے اپنے ذہن میں رکھ لی تھی کہ جہاں بھی ہمیں موقع ملا، ہم اس کی دادرسی کریں گے۔"

"اور ان واقعات کو کتنا عرصہ گزر گیا؟"

"زیادہ نہیں، یہ تقریباً ڈیڑھ ماہ کے اندر اندر کا قصہ ہے۔" عدنان واسطی نے کہا اور شہاب پھر سوچ میں ڈوب گیا...... پھر اس نے کہا۔

"اب سوال نمبر دو یہ ہے کہ امیر علی شاہ نے اپنے بیٹے رحمان کو پاگل خانے ہی میں کیوں داخل کیا؟ وہ اس کے لئے اور بھی کوئی معقول بندوبست کر سکتا تھا۔"

"اس بارے میں جو قیاس ہے وہ یہی ہے کہ اپنے بیٹے کو بہر حال وہ اپنے ہاتھوں قتل نہیں کر سکتا تھا، حالانکہ بیٹے نے عالم جنون میں اس پر حملہ کیا تھا...... بیٹے کو بے بس کرنے اور شاید راہ راست پر لانے کے لئے اس نے اسے پاگل قرار دے کر اور اپنے اختیارات سے کام لے کر دماغی ہسپتال میں داخل کرا دیا اور یقینی طور پر وہاں اس کی اتنی سخت نگرانی ہوتی ہو گی کہ وہ فرار نہیں ہو سکتا...... ایسا ہی کوئی مسئلہ ہو سکتا ہے۔"

"کیا آپ نے اس سے کوئی ملاقات کی؟" شہاب نے سوال کیا۔

"نہیں بھئی...... اول تو یہ مشکل ہوتا، دوسری بات یہ کہ میرے ذہن میں کوئی ایسا واضح حل نہیں تھا جس کے تحت میں آگے قدم بڑھاتا...... بس جیسا کہ بتا چکا ہوں اس کے بارے میں سوچ سوچ کر ایک بے بسی کی کیفیت محسوس کرتا تھا۔"

"تو پھر اس کے بارے میں بھی آپ کو غیاث بیگ سے ہی معلوم ہوا ہوگا کہ رحمان علی شاہ پاگل خانے میں ہے؟"

"ہاں اس نے تفصیل بتائی تھی...... اسے بھی تمام تفصیل یوں معلوم ہے کہ اب یہ بات جوہر خان اور امیر علی شاہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتا۔"

"غیاث بیگ کے کہنے کے مطابق باقی بھائیوں کا اس سلسلے میں کیا رویہ ہے؟ اپنے بھائی کے خلاف اس کارروائی پر انہوں نے کوئی احتجاج تو نہیں کیا۔"

"نہیں، غیاث بیگ کا کہنا ہے کہ وہ سب خوش ہیں اور باپ کے ہمنوا ہیں...... ظاہر ہے، ایسے باپ سے ٹکر کون لے سکتا ہے؟"

"ہوں...... لیکن آپ کے کہنے کے مطابق امیر علی شاہ کی بیوی بھی ہے...... کیا ماں نے بھی اس سلسلے میں خاموشی اختیار کر رکھی ہوگی؟"

"اس بارے میں کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔"

"ایاز بیگ کے بارے میں ابھی تک غیاث بیگ کو کوئی خاص اطلاع نہیں مل سکی ہے؟"

"صرف یہ کہ وہ زندہ ہے اور امیر علی شاہ کی تحویل میں ہے۔"

"وہی جو کچھ میں تمہیں بتا چکا ہوں...... اس کا کہنا ہے کہ حالات ہموار ہونے کے بعد وہ ایاز بیگ کو چھوڑ دے گا لیکن شرط یہی ہے کہ اس کا اطمینان ہونا ضروری ہے۔"

"جوہر خاں کے بارے میں آپ بتا ہی چکے ہیں کہ وہ ایک خونخوار آدمی ہے۔"

"ہاں...... وہ بہت خوفناک آدمی ہے۔"

"ساتھ ہی رہتا ہے غیاث بیگ کے؟ میرا مطلب ہے اپنی بیوی کے ساتھ۔"

"بس یوں سمجھ لیجئے ایک طرح سے وہ اس کا نگراں ہے۔"

"آپ نے جوہر خاں کو دیکھا ہے؟"

"جی ہاں...... چہرے ہی سے غنڈہ معلوم ہوتا ہے...... کافی طاقتور اور خطرناک آدمی ہے۔"

"تو پھر اب یہ بتائیے کہ اس سلسلے میں آپ کے ذہن میں ایسی کوئی تجویز ہے جس کے تحت ہم ان کے خلاف کارروائی کریں؟"

"ابھی تک کوئی تجویز نہیں ہے۔"

"ٹھیک...... تو پھر یوں کر لیتے ہیں واسطی صاحب کہ اس بارے میں، میں بھی سوچ لوں آپ بھی غور وخوض کر لیجئے کہ کام کا آغاز کہاں سے ہو...... باقی جہاں تک یہ سلسلہ ہے تو میں اس میں اتنی ہی دلچسپی لے رہا ہوں جتنی آپ اور آپ کے موقف سے میں متفق ہوں...... کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا...... اس واقعے میں بہت سے لوگ ملوث ہیں اور ایک دولت مند شخص نے اپنی دولت کے بل پر انسانیت کو غلام بنا لیا ہے...... ہم انسانیت کو انسان کا غلام نہیں بننے دیں گے...... یہ ہمارا فرض ہے کہ ایسے کسی مسئلے کو بغیر لالچ کے حل کرنے کے لئے ہم اپنی تمام خدمات وقف کر دیں۔" عدنان واسطی کی آنکھوں میں عقیدت کے آثار نظر آرہے تھے...... پھر شہاب نے کہا۔

"اب اجازت دیجئے اور مس بینا، آپ سے ایک میٹنگ کرنی ہے اس بارے میں...... آپ نے سارے پوائنٹس تو نوٹ کر لئے ہیں نا؟"

"جی سر...... اگر اور کوئی بات نہ ہو تو میں یہ پیپر آپ کو پیش کر دوں؟" شہاب نے ہنس کر وہ کاغذ اس کے ہاتھ سے لے لیا اور بولا۔

"مس بینا یہ نہ سمجھئے گا کہ میں نے درحقیقت آپ کو اس سلسلے میں اس طرح اپنا مددگار سمجھا ہے...... بس یوں سمجھ لیجئے کہ ایک ساتھی کی حیثیت سے آپ میرے ساتھ جو بھی تعاون کریں گی، اس کے لئے میں آپ کا دلی شکر گزار ہوں گا۔"

"سر ہماری ملاقات کہاں ہو سکتی ہے؟ آپ اگر پسند فرمائیں تو آفس تشریف لے آیئے گا یا پھر مجھے حکم دیجئے، میں حاضر ہو جاؤں۔"

"کل آپ کو اس سلسلے میں تفصیل بتا دوں گا۔" شہاب نے کہا اور پھر ان لوگوں کا انتہائی شکریہ ادا کرنے کے بعد وہ وہاں سے نکل آیا...... درحقیقت جو واقعات سنائے گئے تھے وہ بڑی دلدوز نوعیت کے حامل تھے اور شہاب یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کیس پر کام کرنا اس کے مشن سے پوری طرح مطابقت رکھتا ہے...... گھر کے معاملات کو وہ کافی حد تک قابو میں کر چکا تھا...... اب صورت حال یہ تھی کہ گھر میں اس کے لئے بڑی خوشگوار فضا پیدا ہو گئی تھی اور غالباً گھر کے تمام افراد نے اس کے موقف کو تسلیم کر لیا تھا چنانچہ گھر میں اس کے لئے اب کوئی اُلجھن نہیں تھی...... باقی رہا ڈبل زیرو گروپ تو وہ لوگ بھی اپنے طور پر خاصی بہتر زندگی گزار رہے تھے اور ضرورت کے وقت ہر طرح شہاب کا ساتھ دینے کو مستعد رہتے تھے...... مزید یہ کہ مالی حالت بہتر ہونے کی وجہ سے اب ان کے وسائل مزید ترقی کرتے جا رہے تھے...... دوسرے دن تھانے کے معاملات کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد اس نے عدنان واسطی کے دفتر فون کیا، بینا سے گفتگو کی اور بینا کو ایک معروف ریستوران میں طلب کر لیا...... اس نے معذرت کرتے ہوئے بینا سے پوچھا۔

"مس بینا میں نہیں جانتا کہ آپ ریستوران وغیرہ میں آنا پسند کریں گی یا نہیں، لیکن اس وقت کچھ ایسی ہی مجبوریاں ہیں...... بہت تھوڑے ہی عرصے میں ہم کسی ایسی جگہ کا انتخاب کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے جہاں اس قسم کی میٹنگیں کی جا سکیں۔"

"سر آپ صرف حکم کیجئے، مجھے کسی بھی جگہ آنے میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

شہاب نے سادہ لباس میں بینا سے اس ریستوران میں ملاقات کی اور کچھ دیر کے بعد بینا اس مخصوص میز تک پہنچ گئی جہاں شہاب بیٹھا ہوا تھا...... میز ایک ایسی محفوظ جگہ تھی جہاں سے

کوئی ان کی گفتگو نہیں سن سکتا تھا...... بینا نے ایک سادہ سا لباس پہنا ہوا تھا اور خاصی پرکشش نظر آ رہی تھی...... دروازے سے یہاں تک آتے ہوئے شہاب نے گہری نگاہ سے اس کا جائزہ لیا اور پھر پرتپاک انداز میں اس کا خیر مقدم کیا۔

"یہ بتایئے، آپ کیا پئیں گی؟"

"چائے۔" بینا نے سادگی سے جواب دیا اور شہاب نے ویٹر کو طلب کر کے چائے منگوالی...... پھر اس نے بینا سے کہا۔

"یقیناً آپ نے بھی رات کو اس معاملے پر بہت کچھ سوچا ہوگا...... یہ بتایئے ہمارے پاس وہ کون سا نکتہ ہے جہاں سے ہم کام کا آغاز کر سکتے ہیں؟"

"سر، میں سمجھتی ہوں اس سلسلے میں ہمارے پاس ایک اہم مہرہ امیر علی کی بیوی ہے یعنی رحمان علی شاہ کی ماں...... رحمان علی شاہ کے لالچی بھائی یا خودغرض اور ظالم باپ اس سے کتنے ہی منحرف ہو جائیں لیکن ماں کی نگاہوں میں اولاد کی حیثیت یکساں ہوتی ہے...... وہ لازمی طور پر اپنے بیٹے کے لئے مضطرب ہوگی بشرطیکہ اسے یہ معلوم ہو کہ اس کے بیٹے کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ہے۔" شہاب نے تحسین آمیز نگاہوں سے بینا کو دیکھا اور مسکرا کر بولا۔

"آپ یقین کیجئے مس بینا، میں آپ سے کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا اس بات کا پورا پورا وعدہ کرتا ہوں...... میرے ذہن میں بھی یہ نکتہ آیا تھا اور رات کے پوائنٹس میں سے یہ نکتہ میرے لئے سب سے زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔"

"تھینک یو سر! اس کا مطلب ہے کہ میں نے صحیح لائنوں پر سوچا۔"

"میرا خیال ہے بالکل صحیح لائنوں پر سوچا ہے بینا۔" بینا بے اختیار مسکرا پڑی، پھر اس نے کہا۔

"سر یہاں بھی ایک ماں ہے۔"

"کیا مطلب ہے؟"

"اور ماں کے دل کو مٹھی میں لینا بہت آسان ہے بشرطیکہ میں امیر علی شاہ کی کوٹھی میں اسی طرح داخل ہو جاؤں جس طرح پچھلی بار رئیس احمد خاں کی کوٹھی میں داخل ہو گئی تھی۔" شہاب کے ہونٹ سکڑ گئے...... اس نے ایک لمحے میں نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں مس بینا، ہر جگہ کے حالات مختلف ہوتے ہیں...... آپ نے بے شک برق

رفتاری سے کام کرتے ہوئے رئیس احمد کے یہاں اپنے لئے جگہ بنالی تھی اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ کے وہاں پہنچنے کے بعد ہی اس مسئلے کا حل ہمیں مل سکا تھا لیکن ہر جگہ یکساں نہیں ہوتی...... کام کرنے کا ایک ہی انداز بعض اوقات سخت نقصان دہ ہو جاتا ہے...... میں اس سلسلے میں آپ کو قطعی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"سر میں بہت پرامید ہوں...... کوئی نہ کوئی ترکیب ایسی نکال لوں گی جس سے میں وہاں داخل ہو سکوں۔"

"بینا وہاں ایک سرکش درندہ ہے جو ہر قسم کے مظالم کر سکتا ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے بیٹے کو بھی معاف نہیں کر سکتا...... اس کے علاوہ اس سرکش درندے کی ضروریات ہیں یعنی شاد علی شاہ، گلزار اور فیاض۔ یہ تینوں بیٹے جو باپ سے مختلف نہیں ہیں...... نہیں مس بینا، سوری...... میں عدنان واسطی صاحب کو جواب دہ ہوں آپ کے تحفظ کے لئے۔"

"سر آپ یقین کر لیجئے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"مس بینا میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ یہ طریقہ کار اختیار مت کیجئے گا۔"

"ٹھیک ہے سر ختم، آپ حکم فرمایئے۔" شہاب کسی سوچ میں ڈوب گیا، پھر اس نے کہا۔

"اصل مسئلہ ایاز بیگ کا ہے...... ہم اتنی برق رفتاری سے اس سارے مسئلے پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے کہ امیر علی کے فرشتوں کو بھی اس کا گمان نہ ہو...... سیدھا سیدھا انہیں گرفتار کر کے تھانے میں لا سکتا ہوں...... بعد میں جو صورت حال ہو گی، دیکھی جائے گی...... یہ کام مجھے کرنے میں مشکل نہیں ہوگی لیکن اگر اسے یہ پتا چل گیا کہ اس کے پس پردہ غیاث بیگ کا معاملہ ہے تو وہ کمبخت کہیں ایاز بیگ کو ہلاک نہ کر دے۔"

"اس کے امکانات ہیں سر، لیکن سر ایک اور بات بھی میرے ذہن میں آتی ہے۔"

"کیا؟"

"وہ بدبخت کہیں غیاث بیگ کے گھر کا چراغ بجھا نہ چکا ہو۔"

"اب یہ تصور تو ذہن میں رکھنا ہی پڑے گا مس بینا، سارے حالات ہمارے تابع تو نہیں ہوتے...... ہمیں اس قسم کے معاملات میں گنجائش رکھنی پڑتی ہے۔"

"جی سر میں جانتی ہوں، اچھی طرح جانتی ہوں یہ بات۔"

"کام تو کرنا ہے مس بینا لیکن اس انداز میں نہیں...... فی الحال ہم اس سلسلے میں ذرا سی

معلومات کرتے ہیں مثلاً میں اس دماغی ہسپتال میں رحمان علی شاہ سے ملاقات کروں گا اور اس سے پہلے غیاث بیگ سے، بشرطیکہ غیاث بیگ کچھ بتانے پر تیار ہو جائے۔"

"سر مشکل ہی ہو گا کیونکہ پہلی بات تو یہ ہے کہ جوہر خاں اس کی پوری پوری نگرانی کرتا ہو گا...... واسطی صاحب کو تو غیاث بیگ نے ایک ہمدرد اور بے ضرر انسان پا کر یہ ساری کہانی سنا دی لیکن کسی پولیس آفیسر کو وہ یہ کہانی نہیں سنائے گا۔"

"اگر وہ نہیں سنائے گا تو اس کی بیٹی ناہید یا بیوی، کوئی نہ کوئی تو اس سلسلے میں ہماری مدد کرے گا۔"

"سر اگر آپ چاہیں تو میں اور آپ مل کر ان کی زبان کھلوا سکتے ہیں۔"

"ہاں یہ ضروری ہے...... غیاث بیگ سے بہت سارے نکتے مل سکتے ہیں، ہمیں اور اس کے بعد میں رحمان علی شاہ سے ملوں گا۔" بینا پھر مسکرا اُٹھی اور اس نے کہا۔

"سر میرے ساتھ نا؟"

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے رحمان علی شاہ سے بھی آپ میرے ساتھ ہی ملاقات کریں گے نا؟ اب دیکھئے نا، میں تو آپ کی نہایت قابل سیکرٹری ہوں۔"

"یقیناً...... یقیناً۔ اس میں کیا شک ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے سر آپ فرمائیے غیاث بیگ سے کب ملاقات کریں گے؟"

"مس بینا اس سلسلے میں ہمیں تھوڑا سا وقت درکار ہو گا، ایک یا دو دن...... ہمیں یہ پتا چلنا چاہئے کہ جوہر خاں اس وقت وہاں موجود نہیں ہے۔"

"یہ پتا تو میں دو منٹ میں چلا لوں گی سر...... اس کا فاصلہ ہمارے گھر سے زیادہ دور نہیں ہے اور پھر جوہر خاں شاید ہی پورا دن گھر پر رہتا ہو...... کچھ نہ کچھ کام تو ہوتے ہوں گے اسے۔"

"اس کے لئے آپ بالکل بے فکر رہیں مس بینا۔ آج ہماری آپ کی یہ بات چیت ہو گئی، بس میں اب اس سلسلے میں کام شروع کر دیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے سر! مجھ سے رابطہ کیسے رہے گا؟"

"ٹیلی فون پر۔"

"جی سر...... ویسے واقعی کوئی جگہ ایسی ہونی چاہئے جہاں ہم لوگ بے دھڑک ملاقات کر سکیں...... اب ظاہر ہے اس ہوٹل میں ہم اس سے زیادہ تفصیلی گفتگو تو نہیں کر سکتے۔"

"یقیناً مس بینا لیکن آپ اطمینان رکھیں بہت جلد ایسی کسی جگہ کا مناسب بندوبست ہو جائے گا۔ اچھا اب آپ یوں کیجئے مجھے غیاث بیگ کی رہائش گاہ کا تفصیلی پتا بتا دیجئے...... آپ کو اس کا نمبر وغیرہ یاد ہے؟"

"سر نمبر تو میں نے نہیں دیکھا۔"

"گھر دیکھا ہے؟"

"جی ہاں۔"

"تو پھر آپ میرے ساتھ چل کر مجھے اس کا گھر دکھا دیجئے، نمبر وغیرہ بھی دیکھ لیں گے۔"

"جی یہ مناسب ہے۔" کچھ دیر کے بعد وہ وہاں سے اٹھ گئے اور اس کے بعد بینا شہاب کے ساتھ چل پڑی...... گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے غیاث بیگ کا گھر دکھایا اور شہاب نے سست رفتاری سے وہاں سے گزرتے ہوئے گھر کا نمبر اور لوکیشن وغیرہ دیکھ لی...... پھر اس کے بعد اس نے بینا کو عدنان واسطی کے آفس کے سامنے اتارا...... بینا نے اس سے کہا بھی کہ عدنان واسطی سے ملاقات کر لے لیکن شہاب نے معذرت کر لی...... بینا کو وہاں اتارنے کے بعد وہ وہاں سے چل پڑا اور اب اسے ڈبل او گینگ کو مصروف کار کرنا تھا چنانچہ فتح محمد کے تھلے پر پہنچنے کے بعد اس نے اپنی مخصوص جگہ سے ڈبل او گینگ کے ارکان کو مخاطب کیا...... سردار علی ڈیوٹی پر تھا...... اس نے فوراً ہی شہاب کی کال موصول کی اور شہاب نے شہنشاہ کی حیثیت سے اسے حکم دیا کہ ایک پتا نوٹ کر لے، یہاں چند افراد رہتے ہیں ان میں جوہر خاں نامی شخص پر انہیں خاص طور سے نگاہ رکھنی ہے اور اس کی مصروفیات کا پتا چلانا ہے۔ شہاب نے شہنشاہ کی حیثیت سے سردار علی سے کہا کہ وہ کسی بھی لمحہ اس سے معلومات حاصل کر سکتا ہے...... انہیں ڈیوٹی پر متعین کرنے کے بعد شہاب نے اس کام سے بھی فراغت حاصل کر لی اور اب اسے تھانے کے معاملات دیکھنے کے لئے وہاں پہنچنا تھا چنانچہ وہ تھانے چل پڑا۔

❁

غیاث بیگ نے وضو سے فراغت حاصل کی اور جائے نماز تلاش کرنے لگا تو جوہر خاں

کندھے پر تھیلا لٹکائے ہوئے باہر آگیا۔

"شاہ پور جارہا ہوں چاچاجی، کل واپس آؤں گا...... کوئی کام تو نہیں ہے۔"

"ہمیں کیا کام ہو سکتا ہے جوہر خان۔"

"ٹھیک ہے آرام سے رہنا...... میں نے ناہید کو پیسے دے دیئے ہیں، سودا سلف لے آنا...... ہو سکتا ہے بڑے سرکار ایک آدھ دن کے لئے روک لیں...... چاچاجی ایک بات کہنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ جب میں یہاں موجود نہ ہوا کروں تو یہ نہ سمجھ لیا کرو کہ تمہیں آزادی مل گئی ہے...... میں نے بندے لگادیئے ہیں اور وہ بندے ہمیشہ تمہاری نگرانی کرتے ہیں...... خبردار کوئی ایسی ویسی بات نہ ہونے پائے...... تم جانتے ہو کہ تمہاری کوئی بھی غلط حرکت تمہارے لئے نقصان کا باعث بن سکتی ہے، سمجھ رہے ہو نا میری بات؟"

"یہ بات کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی تمہیں جوہر خان...... میں نے کبھی کوئی ایسی ویسی بات کی ہے؟"

"بندہ بشر ہے جی، دماغ میں کوئی خرابی آ بھی سکتی ہے لیکن اب تو میں تمہارا داماد ہوں...... میرا فرض ہے کہ تمہیں مشکل سے بچاؤں...... بات اگر میری ہوتی تو کوئی ہرج نہیں تھا اپنے معاملے میں خود نمٹ لیا کرتا ہوں، مگر میری بھی چاکری کا معاملہ ہے اس لئے باربار کہنا پڑتا ہے۔"

"تم اس کی بالکل فکر نہ کرو جوہر خان...... ہم تو بے بس کیڑوں کی مانند ہیں جو زمین پر رینگتے ہیں اور کسی کے بھی پاؤں تلے آکر کچلے جاتے ہیں...... ہم بھلا سر اٹھانے کی مہلت کہاں رکھتے ہیں۔"

"او چاچاجی...... بڑی بڑی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں...... میں تو بس موٹی موٹی باتیں جانتا ہوں، آرام سے رہو، وقت کا انتظار کرو، سب ٹھیک ہو جائے گا...... میں خود بھی کوشش کررہا ہوں کہ بڑے سرکار کو تم پر اعتبار آجائے، بس اس کے بعد کیا رہ جاتا ہے...... زندگی گزارنے کے لئے جو کچھ چاہئے ہوتا ہے وہ تمہیں مل ہی رہا ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو جوہر خان۔"

"اچھا چلتا ہوں ناہید! خیال رکھنا ہر بات کا۔"

نوجوان خوب صورت لڑکی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جوہر خان باہر نکل گیا...... سکینہ

نے جائے نماز باہر لا کر غیاث بیگ کو دیتے ہوئے کہا۔

"تم نماز پڑھ لو تو میں بھی نماز پڑھوں...... ناہید بیٹی جا ہانڈی چڑھادے...... ٹائم زیادہ ہو جائے گا۔"

"جی اماں۔" ناہید نے مدھم آواز میں کہا اور باورچی خانے کی جانب بڑھ گئی...... غیاث بیگ مصلیٰ بچھا کر بیٹھ گیا تھا...... اس کی بیوی سکینہ باہر صحن میں چارپائی پر بیٹھ گئی...... تین افراد تھے گھر میں لیکن تینوں کے چہروں پر موت کی زردی چھائی ہوئی تھی...... زندگی کی کوئی رمق نہ ان کے چہرے کے عضلات میں ملتی تھی اور نہ ان کی آنکھوں کی روشنی میں...... بس ایک بے بسی کی منہ بولتی تصویر تھے تینوں۔

غیاث بیگ نماز پڑھتا رہا...... ناہید باورچی خانے میں گوشت دھو کر چڑھانے لگی......

پھر غیاث بیگ نماز سے فارغ ہوا ہی تھا کہ دروازے پر دستک اُبھری اور غیاث بیگ چونک گیا...... بہت کم لوگ اس سے ملنے آتے تھے...... وہ یہی سمجھا تھا کہ ہو سکتا ہے جوہر خان کو کوئی بات یاد آگئی ہو اور وہ واپس آیا ہو چنانچہ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا...... چشمہ نہیں لگایا ہوا تھا، آنکھوں میں مدھم مدھم دُھندلاہٹ تھی پھر بھی ان دونوں کو دیکھ لیا...... ایک نوجوان مرد تھا اور ایک لڑکی...... اس نے سوالیہ نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھا تو لڑکی نے اسے سلام کرتے ہوئے کہا۔

"غیاث چچا میں وہ نکڑ والے مکان سے آئی ہوں...... ابا نے یہ کچھ چیزیں بھیجی ہیں آپ کے لئے۔"

"نکڑ والے مکان سے؟ بیٹا میں پہچان نہیں پایا...... کیا چیزیں بھیجی ہیں؟"

"وہ جی ذرا نیاز کرائی تھی اور چچی جان سے بھی ملنا ہے مجھے، کچھ بات کرنی تھی...... آپ مجھے اندر آنے دیں، جی میں واسطی صاحب کی بیٹی ہوں۔"

"واسطی صاحب کی بیٹی...... وہ بیٹا دراصل......" غیاث بیگ نے کچھ کہنا چاہا لیکن اس دوران لڑکی اندر داخل ہو گئی تھی اور اس کے پیچھے نوجوان مرد بھی...... غیاث بیگ منہ کھول کر رہ گیا...... ہو سکتا ہے کسی دور میں وہ اس قدر نرم مزاج نہ ہو لیکن اب اس کی فطرت میں ایک عجیب سی بے بسی پیدا ہو گئی تھی...... وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر دونوں کو دیکھتا رہ گیا لیکن جب مرد نے پلٹ کر دروازہ بند کیا تو اس کے حواس جواب دینے لگے...... اس نے

گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کون ہو بھائی...... کون ہو تم لوگ، یہ...... یہ دروازہ کیوں بند کر دیا، ارے بھائی ہم ز
خود لٹے پٹے آدمی ہیں...... یہ تم نے...... تم نے دروازہ کیوں بند کر دیا؟"

سکینہ جو جائے نماز پر بیٹھنے ہی والی تھی، شوہر کے الفاظ سن کر گھبرا کر کھڑی ہو گئی اور
خوفزدہ نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھنے لگی...... غیاث سخت مضطرب نظر آرہا تھا...... لڑکی نے
آگے بڑھ کر کہا۔

"میرا نام بینا ہے چاچا جی اور یہ شہاب ہیں...... ہم لوگ ایک خاص کام سے آپ کے
پاس آئے ہیں...... ویسے سچی بات ہے کہ ہم نکڑ کے تیسرے والے مکان میں رہتے ہیں...... گزر
میرے والد کا نام واسطی ہے اور وہ آپ کو جانتے ہیں...... یہ نیاز کرائی تھی ہم نے اس کی ہے
مٹھائی لے کر آئے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ سے کچھ اور باتیں بھی کرنی ہیں......
براہ کرم ہم سے تھوڑی دیر بات کر لیجئے۔"

"بی بی معاف کرنا، گھر آئے ہوئے مہمان کے ساتھ بدسلوکی کرنا گناہ ہے، لیکن
بیٹی...... بیٹی میں ایک مجبور آدمی ہوں...... کسی نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں محلے پڑوس کے کسی
آدمی سے ملاقات نہ کروں۔"

"محترم بزرگ، کیا آپ اپنے بیٹے ایاز خان کے بارے میں بھی کچھ جاننا نہیں چاہتے؟"
شہاب نے کہا اور غیاث بیگ کا منہ حیرت سے کھل گیا...... اس کے انداز میں ایک ایسی بے
بسی اور تڑپ پیدا ہوئی تھی جس نے شہاب اور بینا کو بہت متاثر کیا تھا...... بینا نے نرم لہجے میں
کہا۔

"چاچا جی ہم آپ سے جو باتیں کرنے آئے ہیں آپ یوں سمجھ لیجئے کہ وہ ایاز بیگ ہی
سے متعلق ہیں...... خدا کے لئے ہمیں بیٹھنے کا موقع دیں اور جہاں تک جوہر خان کا معاملہ ہے
وہ بس میں بیٹھ کر شاہ پور چل پڑا ہے...... آپ اس کی طرف سے بالکل فکر نہ کریں......
اس کے بارے میں پورا پورا اندازہ لگا کر آئے ہیں۔" بینا کے ان الفاظ پر غیاث بیگ اور اس کی
بیوی کے چہرے بالکل ہی دھواں دھواں ہو کر رہ گئے تھے...... وہ دونوں کچھ بھی نہیں سمجھ
پائے تھے...... ناہید بھی باورچی خانے سے نکل آئی اور بینا نے افسوس بھری نگاہوں سے اسے
دیکھا...... پھر وہ بولی۔

"تمہارا نام ناہید ہے...... ناہید بہن ہم سے تعاون کرو، ہم ایاز بیگ کے سلسلے میں کچھ
کام کرنے کے لئے آئے ہیں۔" بہر حال بہ مشکل تمام غیاث بیگ نے ان دونوں کو دالان
میں بٹھایا اور پھر اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"جوہر خان تک کے بارے میں معلوم ہے تمہیں کہ وہ شاہ پور گیا ہے۔"

"جی چاچا جی! آپ لوگ حیران ضرور ہوں گے لیکن بعد میں آپ کی یہ حیرانی ختم
ہو جائے گی۔ ہم اصل میں یوں سمجھ لیجئے کہ امیر علی شاہ کی مذموم کارروائیوں کے خلاف کام
کر رہے ہیں اور ہمیں اس بات کا پوری طرح علم ہو چکا ہے کہ اس نے آپ کے ساتھ کیا، کیا
ہے...... اگر آپ چاہیں تو پہلے اپنی کہانی ہم سے سن لیجئے، اس کے بعد ہم سے تعاون کیجئے۔"

"اری بٹیا...... معاف کر دے ہمیں بٹیا، معاف کر دے ہمیں اللہ کے واسطے، ہمارے
بیٹے کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔"

"چپ ہو جا سکینہ چپ ہو جا، میں ایمان رکھتا ہوں اس بات پر کہ اللہ کے ہاں دیر ہے
اندھیر نہیں، شاید وقت ختم ہو گیا ہے۔ بیٹھو تم لوگ آرام سے بیٹھو...... میں ہر طرح کا خطرہ
مول لینے کے لئے تیار ہوں...... قدرت نے اگر میری تقدیر میں بیٹے سے محرومی لکھ ہی دی
ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں یا اب تک ہمارے ساتھ جو کچھ ہو چکا ہے اس کے لئے ہم کیا کر سکے
ہیں...... تم لوگ بیٹھو اور مجھے بتاؤ کہ امیر علی شاہ کے خلاف تم لوگ کیا کر رہے ہو، کس لئے
کر رہے ہو، تمہارا مقصد کیا ہے؟ ایک بات کا میں تم سے وعدہ کرتا ہوں، ہر چند کہ میں بے
بسی کی انتہا کو پہنچا ہوا شخص ہوں لیکن اللہ کا بھروسہ ابھی میرے دل سے ختم نہیں ہوا ہے......
ہر نماز میں، میں، میری بیوی اور میری بیٹی دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ہماری مشکل ختم
کر دے...... ہو سکتا ہے اللہ کی طرف سے ہماری مشکلات ختم ہونے کا وقت آگیا ہو اور ہماری
شنوائی ہو گئی ہو۔"

"آپ اطمینان رکھیں محترم بزرگ، درحقیقت ایسا ہی ہے اور اب آپ اللہ ہی کے
بھروسے پر ہم سے گفتگو کیجئے اور جو کچھ ہم آپ سے پوچھیں اس کے بارے میں ہمیں
تفصیلات بتائیے...... ناہید بہن تم بھی بیٹھ جاؤ، جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ پہلے ہم آپ کو
آپ کی کہانی سنائیں گے، اس کے بعد آپ سے سوالات کروں گا۔" مختصر الفاظ میں شہاب
نے انہیں ان کی پوری کہانی سنا دی پھر بولا۔

"یہ مختصر سی کہانی ہے آپ کی، بتایئے کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

غیاث بیگ نے آنکھیں بند کر لیں پھر آہستہ سے بولا۔ "ہاں یہی کہانی ہے اور یہ بالکل سچ ہے...... لیکن جیسا کہ تم نے کہا کہ تم امیر علی شاہ کے خلاف کچھ کام کر رہے ہو تو سوال میں تم سے یہ کروں گا کہ یہ کام تم کس حیثیت سے کر رہے ہو۔"

"خدائی فوجدار کی حیثیت سے۔" شہاب نے جواب دیا۔

"تمہارے وسائل کیا ہیں...... کیا تم اس جیسے خطرناک آدمی کے خلاف کام کر سکتے ہو؟"

"ہاں...... مکمل طور سے اور آپ کا کوئی تصور تک اس کے علم میں لائے بغیر۔"

"ہوں، ٹھیک ہے، پوچھو مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو۔"

"غیاث بیگ صاحب اس کہانی میں کوئی ایسا نکتہ جو ہمیں امیر علی شاہ کے خلاف کرنے میں کامیابی دلائے۔"

"نہیں...... میرے پاس ایسا کوئی نکتہ نہیں ہے...... وہ بہترین وسائل رکھتا ہے...... کے بیٹے مختلف افسران سے تعلق رکھتے ہیں...... شاہ پور میں بڑے بڑے افسران کی دعو ہوتی رہتی ہیں اور امیر علی شاہ ان دعوتوں کو اپنے مفاد کے لئے استعمال کرتا ہے، کسی غر کے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں ہے جو اس امیر کے خلاف کوئی کارروائی کر سکے۔"

"آپ کے بارے میں یہ سنا تھا کہ آپ خود بھی صاحب حیثیت ہیں اور اچھی خا دولت کے مالک...... وہ سب کچھ کہاں گیا؟"

"امیر علی شاہ کی تحویل میں...... اس نے میری جو مختصر زمینیں تھیں ان کے کاغذ پر مجھ سے دستخط کروا لئے اور ان کاغذات کے مطابق زمینیں، جائیداد وغیرہ سب کچھ میں کے ہاتھوں فروخت کر چکا ہوں اور اس سے قرض لے لے کر سب کچھ ختم کر چکا ہوں۔"

"آپ نے صرف اس لئے دستخط کر دیئے کہ ایاز بیگ ان کے قبضے میں تھا۔"

"اولاد سے بڑھ کر دنیا کی کوئی چیز نہیں ہوتی...... بس میری ایک ہی آرزو ہے زندگی میں کہ میرا بیٹا مجھے زندہ سلامت واپس مل جائے۔"

"آپ کو یقین ہے کہ اس نے ایاز بیگ کو زندہ سلامت رکھا ہو گا؟"

"خدا کے لئے...... خدا کے لئے اس احساس کو میرے دل تک نہ جانے دو، ایسے الفا کہو...... خدا کے لئے ایسے الفاظ منہ سے مت نکالو۔" سکینہ نے روتے ہوئے کہا...... ناہید

رخساروں پر بھی آنسو بہنے لگے تھے...... شہاب نے جلدی سے کہا۔

"معافی چاہتا ہوں...... یہ سوال اس لئے ضروری تھا کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں، اس میں ہمیں مدد حاصل ہو۔"

"ہاں وہ زندہ ہے...... یہ بات جوہر خان بھی کہتا ہے اور اگر تم میرا مذاق نہ اڑاؤ تو میرا دل بھی۔" غیاث بیگ نے کہا۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو، لیکن آپ کے خیال میں اس نے ایاز بیگ کو کہاں قید کر رکھا ہو گا؟"

"شاہ پور گئے ہو کبھی؟" غیاث بیگ نے سوال کیا۔

"نہیں۔"

"تو پھر ایک چکر لگا لو شاہ پور کا، پتا چل جائے گا...... اس کے پاس ایسی ہزاروں جگہیں ہیں اور پھر سب سے بڑی جگہ تو اس کی حویلی ہے...... میں نے دیکھی تو نہیں ہے لیکن سنا ہے کہ اس کی حویلی میں ایسے قید خانے موجود ہیں جہاں ایک ایاز بیگ کیا سو ایاز بیگ گرفتار کر کے رکھے جا سکتے ہیں...... وہ اس سے پہلے بھی یہ عمل کرتا رہا ہے اور اس کے اپنے مجرم عموماً پولیس کی تحویل میں نہیں پہنچ پاتے بلکہ اس کے اپنے قید خانے میں ہی ان کی سزاؤں کی تکمیل کر دی جاتی ہے۔"

"ہوں...... چلئے یہ بات بھی ختم ہوئی...... تم کچھ اور سوال کرنا چاہتی ہو بینا۔" شہاب نے کہا۔

"میں ناہید سے کچھ سوال کرنا چاہتی ہوں۔" بینا بولی اور ناہید نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"یہاں نہیں ناہید، بس تھوڑی سی تنہائی چاہئے مجھے۔" بینا کے کہنے پر ناہید اپنی جگہ سے اٹھ گئی اور اندر ایک کمرے میں داخل ہو گئی...... غیاث بیگ اور سکینہ بار بار مضطرب ہو جاتے تھے اور شہاب انہیں اطمینان دلاتا تھا کہ فی الحال جوہر خان کے آنے کی کوئی امید نہیں ہے، وہ لوگ فکر نہ کریں...... بہت دیر تک شہاب ان لوگوں سے معلومات حاصل کرتا رہا...... کچھ دیر کے بعد بینا بھی واپس آ گئی تھی اور شہاب کی طرف دیکھنے لگی تھی...... پھر شہاب نے کہا۔

"غیاث بیگ صاحب! آپ لوگوں کو تھوڑی ہمت سے کام لینا ہوگا...... یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ بدبخت کتنا عرصہ ایاز بیگ کو اپنی قید میں رکھے، میں یہ کوشش کروں گا کہ جلد از جلد ایاز بیگ کو اس کے چنگل سے رہائی دلاؤں...... آپ اس تصور کو اپنے ذہن سے بالکل نکال دیجئے کہ آپ سے کوئی آکر ملا تھا...... کیا محلے کے لوگ جوہر خان سے شکایت کرسکتے ہیں؟"

"نہیں...... لیکن اس کا کہنا ہے کہ اس کے آدمی ہماری نگرانی کرتے رہتے ہیں...... ہم پڑوسیوں سے نہ ملاجلا کریں۔"

"آپ اس طرف سے بھی اطمینان رکھئے...... آس پاس کوئی نہیں ہے...... ہم بھرپور جائزہ لے چکے ہیں...... اول تو ہم دوبارہ آپ کے پاس آئیں گے نہیں، لیکن اگر کسی خاص ہی مسئلے میں آنے کی ضرورت پیش آئی تو پوری احتیاط کے ساتھ آئیں گے...... آپ کسی سے بھی ہماری آمد کا تذکرہ نہ کریں۔"

"ٹھیک ہے اللہ مالک ہے، ہمیں تو صرف اسی کی ذات پر بھروسہ ہے اور امید ہے کہ ایک نہ ایک دن وہ ہماری مدد کے لئے آسمان کے فرشتوں کو بھیجے گا۔"

❀

شہاب اور بینا پھر ایک ہوٹل میں جا بیٹھے تھے...... بینا نے گہری سانس لی اور شہاب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہماری یہ کوشش تو نہایت کامیاب رہی سر۔"

"ہاں بینا...... ان لوگوں کی صورتوں پر غور کیا تھا۔"

"بس کیا بتاؤں سر، دل ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا...... کیسی عجیب بات ہے کچھ لوگوں کو تو اتنی فوقیت حاصل ہے کہ وہ ماحول پر پوری طرح قابض ہوتے ہیں اور کچھ اتنے بے بس کہ زندگی ان کے لئے صرف ایک گناہ، ایک عذاب ہوتی ہے۔"

"یہی گردش حالات ہے اور تاریخ کا ایک طویل سلسلہ، ظالم بھی ہوتے ہیں اور مظلوم بھی...... بس دستور دنیا ہے ویسے تم ناہید کو تنہائی میں لے گئی تھیں۔"

"جی سر، میں نے اس سے جوہر خان کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں...... جوہر خان نے اس سے باقاعدہ نکاح کیا ہے...... ہر چند کہ یہ نکاح امیر علی شاہ کے ظلم کے

تحت ہوا ہے...... ناہید کہتی ہے کہ ایجاب و قبول کے وقت اس نے صاف انکار کردیا تھا اس کے باوجود نکاح ہوگیا اور جوہر خان اب اس کا مالک ہے...... ناہید بتاتی ہے کہ جوہر خاں کے اندر کوئی لچک نہیں ہے...... وہ سو فیصد امیر علی شاہ کا غلام ہے اور خود کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں ہے...... بس یہی معلومات حاصل کی تھیں میں نے اس سے۔"

"یہی معلومات مجھے درکار بھی تھیں۔" شہاب نے پرخیال انداز میں کہا اور بینا بھی خاموشی سے کچھ سوچنے لگی...... پھر اس نے کہا۔

"سر پھر اب کیا حکم ہے، اس سلسلے میں کام کیسے آگے بڑھایا جائے گا؟"

"کم از کم تین دن کی خاموشی درکار ہوگی بینا، اس کے بعد ہم کام شروع کرسکتے ہیں۔"

"جیسا آپ پسند کریں گے سر۔"

پھر دونوں رخصت ہوگئے...... شہاب اب بڑی سنجیدگی سے یہ سوچ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے...... پھر دوسرا اور تیسرا دن شہاب نے پراسرار سرگرمیوں میں گزارا تھا...... تیسرے دن وہ سیٹھ جبار بیگ کے گھر میں پہنچ گیا تھا اور جبار بیگ نے معمول کے مطابق اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا تھا۔

"آؤ شہاب میاں آؤ...... کہو بھئی کیا کیا ہو رہا ہے۔"

"جی سر ایک درخواست لے کر حاضر ہوا ہوں۔"

"ہاں ہاں کہو۔"

"ایک عمارت ہے آپ کی کریم سوسائٹی میں، کوٹھی نمبر بیس...... چار پانچ سال سے خالی پڑی ہوئی ہے اور قرب وجوار کے علاقے میں آسیب زدہ کوٹھی کہلانے لگی ہے۔" جبار بیگ سنبھل کر بیٹھ گئے اور بولے۔

"وہاں قیام کروگے؟"

"نہیں سر، بعض اوقات کچھ ایسے معاملات کے لئے ضرورت پیش آجاتی ہے جن کے لئے تنہائی ضروری ہوتی ہے...... بس مجھے اپنے ایسے ہی کاموں کے لئے وہ درکار ہے۔"

"ہوں۔" جبار بیگ نے چند لمحات خاموشی اختیار کی، پھر بولے...... "تمہیں پتا کیسے چلا اس کے بارے میں؟"

"سر آپ نے محکمہ ہی ایسا دیا ہے کہ کوئی معلومات حاصل کرلینا مشکل نہیں ہوتا......

ان دنوں میں کسی ایسی جگہ کی تلاش میں تھا۔"

"اچھا اچھا...... خیر ٹھیک ہے ابھی تم اسے استعمال میں رکھو...... میں ملازموں کو بھیج کر اس کی صفائی کرادوں گا...... بعد میں دو، چار، چھ سال کے بعد جب بھی بیچوں گا تمہیں پہلے سے آگاہ کردوں گا...... ورنہ ضروری بھی نہیں ہے۔"

"سر اس وقت تک ممکن ہے میں ہی آپ کو اس کی قیمت پیش کردوں۔"

"ارے نہیں بھئی، بھلا تم سے کیا لینا دینا...... خیر، فی الحال تو تم اسے استعمال کرو...... کیا میں اس کی صفائی کے لئے بندوبست کردوں؟"

"نہیں سر، بس آپ کی اجازت درکار تھی۔" شہاب نے کہا اور کچھ دیر جبار بیگ کے ساتھ بیٹھ کر واپس آگیا۔

❁

ڈاکٹر نصرت کبیر باقاعدہ کلب آنے کا عادی تھا...... رات کو گیارہ، ساڑھے گیارہ بجے تک وہ اس کلب میں وقت گزارتا اور اس کے بعد خود اپنی کار ڈرائیو کرتا ہوا گھر پہنچتا تھا...... آج بھی معمول کے مطابق ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھنے کے بعد وہ دوستوں کے درمیان سے اٹھ گیا اور باہر نکل آیا...... باہر ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی...... موسم بے حد خوشگوار تھا...... ڈاکٹر نصرت کبیر اپنی کار کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا...... کار اسٹارٹ کر کے ریورس کی اور سست رفتاری سے گھر کی جانب چل پڑا...... اہل خانہ اس کے معمولات کے عادی تھے چنانچہ کوئی ایسی تردد کی بات نہیں تھی...... ذرا موسم سے لطف اندوز ہو لیا جائے...... اس نے ایئر کنڈیشنڈ کار کے شیشے بھی کھول دیئے اور ہلکی ہلکی بوندا باندی سے لطف اندوز ہونے لگا...... کوئی کوئی چھینٹا اندر بھی آجاتا تھا...... پھر ایک سنسان سڑک پر اچانک اس نے عقب نما آئینے میں ایک سائے کو اُبھرتے ہوئے دیکھا اور اس کے ہاتھ اسٹیرنگ پر لہراگئے...... انسانی سایہ ایک دم سیدھا ہو گیا تھا اور اس نے نصرت کبیر کی گردن پر پستول کی نال رکھ دی تھی۔

" گاڑی ذرا سڑک کے کنارے کرلیجئے ڈاکٹر۔" ایک بھاری آواز سنائی دی اور نصرت کبیر نے گاڑی کی رفتار ختم کر کے اسے سڑک کے سائیڈ میں لگالیا۔

"اب براہ کرم نیچے آجایئے، لیکن سنیئے، زندگی قیمتی چیز ہے اور اسے محفوظ رکھنا ہر حالت میں ضروری ہوتا ہے...... مجھے حکم دیا گیا ہے کہ آپ ذرا بھی کوئی غلط حرکت کریں تو آپ کو زخمی کردیا جائے، اس طرح کہ آپ مر نہ سکیں لیکن آپ کی اس حرکت کے نتیجے میں بعد میں آپ کو موت کی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔"

"نہیں مسٹر میں جینا چاہتا ہوں۔" نصرت کبیر نے سرد لہجے میں کہا اور دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا...... پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر وہ متناسب جسم کا مالک شخص بھی نیچے اتر آیا تھا جس نے اپنے چہرے پر نقاب چڑھایا ہوا تھا اور جو مستعد اور چاق و چوبند نظر آتا تھا...... اس نے ڈاکٹر کبیر کا شکریہ ادا کیا اور اس سے درخواست کی کہ وہ اپنے دونوں ہاتھ پشت پر کر لے...... ڈاکٹر کبیر کے پاس سے کوئی ایسی چیز برآمد نہیں ہوئی تھی جسے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاسکے...... پھر اس کے بعد سائے نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھی، ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈالی اور اسے عقبی سیٹ پر بیٹھنے کے لئے کہا...... ڈاکٹر کبیر نے خاموشی سے اس ہدایت پر بھی عمل کیا تھا...... ویسے بھی وہ ایک مہذب آدمی تھا...... جرمنی، فرانس، امریکا اور دوسرے کئی ملکوں میں برین سرجری اور دماغی امراض کے سلسلے میں بہت سی سندیں لے چکا تھا...... زندگی کا ایک طویل حصہ اس نے اپنی ان کاوشوں میں گزارا تھا...... اس زندگی کو کھونا اس کے لئے زیادہ باعث تکلیف اس لئے تھا کہ ابھی وہ اپنے مقاصد کی تکمیل نہیں کر پایا تھا...... بہر حال، اس نے سائے کی ہدایت پر عمل کیا اور سائے نے نہایت مہذب انداز میں اس کا شکریہ ادا کر کے اسٹیرنگ سنبھال لیا...... کار پھر چل پڑی تھی...... ڈاکٹر کبیر کو حیرت تھی کہ کار کا اگلا دروازہ بہ دستور لاک تھا پھر یہ سیاہ پوش اندر کیسے آگیا، لیکن جرائم پیشہ افراد کے لئے اس قسم کے کام مشکل نہیں ہوتے...... ڈاکٹر کبیر نے تھوڑی دیر کے بعد نقاب پوش سے سوال کیا۔

"کچھ معلومات کر سکتا ہوں مسٹر؟"

"جی فرمایئے۔"

"آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں اور کیا اس اغوا کا مقصد کسی چیز کا حصول ہے؟"

"بالکل نہیں ڈاکٹر...... آپ اس غلط فہمی کو دل سے نکال دیجئے...... آپ کو کسی ایسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا جو آپ کے لئے ناقابل قبول ہو۔"

"مزید کچھ بتا سکتے ہیں؟"

"سوری۔"

کچھ دیر کے بعد کار رک گئی اور نقاب پوش نے عقبی سیٹ کا دروازہ کھولا اور ڈاکٹر کبیر کا بازو پکڑتے ہوئے بولا۔

"میرے ساتھ آہستہ قدموں سے آجایئے پلیز۔" بڑا مہذب انداز تھا...... اگر جرائم پیشہ شخص بھی ہے تو تعلیم یافتہ معلوم ہوتا ہے...... ڈاکٹر کبیر نے سوچا پھر کئی جگہ اسے ٹھوکریں کھانی پڑیں نجانے کیسا علاقہ تھا، جگہ جگہ لوہے کی چیزوں کے انبار تھے، حالانکہ نقاب پوش اسے محتاط کرتا جا رہا تھا، لیکن پھر بھی کہیں نہ کہیں تھوڑی بہت ٹھوکر لگ ہی جاتی تھی، اس کے بعد ڈاکٹر کبیر کو کچھ دروازوں سے گزرنا پڑا اور پھر غالباً اسے کسی بڑے کمرے میں لے جایا گیا، یہاں اسے ایک کرسی پر بٹھایا گیا اور پھر اس کی آنکھیں کھول دی گئیں، ایک عجیب و غریب کمرہ تھا، بوسیدہ سا، قطعی غیر معیاری، لیکن کمرے میں تیز روشنی ہو رہی تھی جس کی وجہ سے ڈاکٹر کبیر کی آنکھیں چوندھیا گئیں اور اس نے آنکھیں بند کر لیں، اس کے ہاتھ البتہ اسی طرح ہتھکڑیوں میں جکڑے رہنے دیئے گئے تھے، لیکن کرسی اس قسم کی تھی کہ ہاتھ پیچھے سے نکل گئے تھے اور اس میں اسے کوئی خاص دقت نہیں ہو رہی تھی، پھر جب اس نے روشنی میں آنکھیں کھولنے کی قدرت پالی تو آنکھیں کھول کر سامنے دیکھا اور اس کے پورے بدن میں ایک سرد سی لہر دوڑ گئی، سامنے کئی کرسیاں بچھی ہوئی تھیں اور ان کرسیوں پر فوجی وردی میں ملبوس چند افراد بیٹھے ہوئے تھے، سب کے سب سمارٹ اور شاندار شخصیت کے مالک، ڈاکٹر کبیر حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان کے شانوں پر لگے ہوئے اعزازات دیکھنے لگا، وہ سب بڑے عہدوں کے مالک تھے، ڈاکٹر کبیر اب واقعی کچھ نروس ہو گیا تھا پھر ان میں سے ایک شخص نے کہا۔

"ڈاکٹر نصرت کبیر، یہی ہے نا آپ کا نام؟"

"جی سر۔"

"اور آپ نے یہاں ایک دماغی ہسپتال کھول رکھا ہے؟"

"جی سر۔"

"ڈاکٹر کبیر کیا آپ سے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ آپ دولت کے حصول کے لئے ہر جائز اور ناجائز کام کر لیا کرتے ہیں۔"

"نہیں سر...... میں ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتا ہوں اگر آپ کو میرے بارے میں کسی قسم کی کوئی غلط فہمی یا شبہ ہے تو آپ میرے خاندان کی چھان بین کر سکتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ ہی میرے کردار کے بارے میں بھی آپ معلومات حاصل کر سکتے ہیں......

میں دنیا کے کئی ملکوں میں تعلیم حاصل کر کے اپنے وطن میں اس لئے آیا ہوں کہ وطن والوں کی خدمت کروں، آپ یقین فرمائیے میں نے اپنے ہاں علاج ومعالجے کے معاوضے بھی اتنے مناسب رکھے ہیں کہ میرا کلینک ہر وقت بھرا رہتا ہے، میں صرف اتنا کمانا چاہتا ہوں سر کہ ایک خوشحال زندگی گزار سکوں، کسی جرم سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"آپ غور کر لیجئے ڈاکٹر نصرت کبیر، آپ نے ایک ایسے شخص کو اپنے ہسپتال میں داخل کیا ہوا ہے جو دماغی مریض نہیں ہے۔" ڈاکٹر کبیر کے چہرے پر تاریکی پھیل گئی، اس نے آہستہ سے کہا۔

"جی سر، اگر آپ کا اشارہ رحمٰن علی شاہ کی جانب ہے تو میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں، وہ واحد ایسا مریض ہے جس نے میری ذہنی حالت خراب کر کے رکھ دی ہے۔"

"ڈاکٹر کبیر، کیا آپ ہمیں اس بارے میں تفصیل بتا سکتے ہیں؟"

"سر، آپ کا تعلق جس ادارے سے ہے اس کے سامنے ایک اچھے شہری کی حیثیت سے میں جھوٹ بولنے کی جرات نہیں کر سکتا، درحقیقت اس شخص کو دماغی مریض کی حیثیت سے قبول کرنے کے لئے مجھ پر اتنا بڑا دباؤ ڈالا گیا تھا کہ میں اس سے انکار نہیں کر سکا...... میں نے اس پر احتجاج کیا تو مجھے ایک فون سننا پڑا جو امیر علی شاہ صاحب کے فون کے جواب میں موصول ہوا تھا، سر یہ فون ایک بہت بڑے آدمی کا تھا...... آپ یوں سمجھ لیجئے کہ اس شخص کے نام کے ساتھ میں امیر علی شاہ صاحب کے حکم سے انحراف کر ہی نہیں سکتا تھا۔"

"نام بتائیے جی......" دوسرے اعلیٰ افسر نے پتھریلے لہجے میں کہا اور ڈاکٹر نصرت کبیر خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا، تب تیسرے آفیسر نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"ڈاکٹر نصرت کبیر اصل میں صورت حال یہ ہے کہ اس شخص کو صرف زبان بندی کے لئے دیوانہ قرار دے کر آپ کے کلینک میں داخل کرایا گیا ہے اور یہ زبان بندی کچھ ایسی اینٹی اسٹیٹ کارروائیوں کے سلسلے میں ہے جس میں فوجی حکام براہ راست ملوث ہیں، ہم یہ نہیں چاہتے کہ کوئی بے گناہ اس سازش کا شکار ہو...... یہ ایک بہت بڑی سازش ہے اور آپ سمجھتے ہیں کہ ملک دشمن افراد کو کسی بھی شکل میں معاف نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ اب آپ اس بڑی شخصیت کا نام بھی بتا دیجئے۔" جواب میں ڈاکٹر نصرت کبیر نے لرزتی آواز میں اس شخصیت کا نام دہرا دیا تھا جسے نوٹ کر لیا گیا، پھر ڈاکٹر کبیر سے کہا گیا۔

"اس کے بعد ڈاکٹر، کیا امیر علی شاہ کا آپ سے مسلسل رابطہ ہے؟"

"سر اس شخص کو قابو میں رکھنے کے لئے مجھے لاکھوں روپے پیش کئے گئے ہیں، ابتدا میں اس شخص نے بہت شور شرابا مچایا، مجھے متاثر کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ کیا یہ غیر انسانی عمل کر کے میں اپنے ضمیر کو مطمئن کر سکتا ہوں، لیکن سر بات وہی تھی، میں شدید دباؤ میں تھا اور مجھے ہدایت کر دی گئی تھی کہ کسی قیمت پر بھی اس حقیقت کو منظر عام پر نہ لایا جائے...... یہ بھی کہا گیا تھا مجھ سے کہ ایک مخصوص وقت گزرنے کے بعد اس شخص کو یہاں سے لے جایا جائے گا۔"

"ہوں، تو آپ نے اسے قابو میں کیسے کیا؟"

"سر ابتدا میں تو میں نے اسے زیادہ تر بے ہوش ہی رکھا، لیکن پھر حد سے زیادہ بے ہوشی کے اثرات خطرناک بھی ہو سکتے تھے اس لئے میں نے اس سے تعاون کی درخواست کی، وہ بہت اچھا انسان ہے...... اس نے میرے پوچھنے پر بھی مجھے کچھ نہیں بتایا اور کہا کہ بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں کوئی رشتہ قابل بھروسہ نہیں ہے اور ہر شخص دھوکا دے سکتا ہے، بہر حال ڈاکٹر میں تم سے تعاون کروں گا اور سر یہ الفاظ ادا کرنے کے بعد اس نے آج تک مجھ سے تعاون کیا ہے۔"

"کیا امیر علی شاہ کا کوئی آدمی اس شخص کی نگرانی کے لئے کلینک پر موجود رہتا ہے؟"

"ابتدا میں سر دو آدمیوں کی ڈیوٹی وہاں لگائی گئی تھی، وہ باہر موجود رہا کرتے تھے لیکن بعد میں جب ان لوگوں کو یہ اطمینان ہو گیا کہ ادھر سے مکمل دیکھ بھال کی جا رہی ہے تو انہوں نے یہ سلسلہ ختم کر دیا، لیکن اب بھی ہفتے میں دو ایک بار امیر علی شاہ صاحب کے فون آ جاتے ہیں اس کے علاوہ مجھے رقم بھی بھیج دی جاتی ہے۔"

"ہوں۔" فوجی افسران نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"ڈاکٹر نصرت کبیر، اصولی طور پر ہمیں آپ کو زیر حراست رکھنا چاہئے کیونکہ یہ معاملہ ملک کے خلاف سرگرمیوں سے متعلق ہے، لیکن آپ نے جس طرح تعاون کیا ہے اگر آپ اسی شکل میں تعاون جاری رکھنے کی ہمت کر سکیں تو ہم آپ کو رہائی دے سکتے ہیں، ورنہ آپ کو قید رہنا پڑے گا اس وقت تک جب تک ان سرگرمیوں کا قلع قمع نہ کر دیا جائے۔"

"سر یہ فیصلہ آپ خود کیجئے گا، آپ اگر مجھ پر اعتبار کر سکیں تو مجھے مناسب احکامات

دیجئے اور اس کے بعد مجھے رہائی دے دیجئے، لیکن اگر میری رہائی کسی طور پر ملکی مفاد کے خلاف ہو تو پھر دوسری بار آپ سے اس کی درخواست نہیں کروں گا۔" نصرت کبیر واقعی ایک شریف انسان تھا، فوجی افسران ایک دوسرے کی صورتیں دیکھتے رہے اور اس کے بعد ان میں سے ایک نے کہا۔

"میرے خیال میں ڈاکٹر کبیر کو زیر حراست رکھنا مناسب نہیں ہے، لیکن ڈاکٹر نصرت کبیر آپ کلب سے واپسی کے ان لمحات کو مکمل طور پر اپنی یادداشت کے خانوں میں محفوظ کرلیں گے، اپنے اہل خانہ کو بھی نہیں بتائیں گے کہ آپ کا یہ وقت کہاں صرف ہوا، ہوسکتا ہے ہم آپ کو اس سلسلے میں ایک آدھ بار تکلیف اور دیں، لیکن یہاں نہیں بلکہ آپ کے کلینک ہی میں آپ سے کچھ مطالبات کئے جاسکتے ہیں، کیا آپ ہم سے تعاون کریں گے؟"

"سر...... اتنا ہی عرض کرسکتا ہوں کہ آزما کر دیکھ لیجئے گا...... بس اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"آپ کو فوجی حکام کی مدد کرنے کے سلسلے میں اعزاز دیا جائے گا، ڈاکٹر نصرت کبیر، ہم آپ کو آپ کی شرافت اور ایمانداری پر بھروسہ کرتے ہوئے رہا کررہے ہیں، آپ بھی خیال رکھئے کہ آپ کی یہ رہائی برقرار رہے۔"

"سر میں ایک محب وطن شہری ہوں اور وطن کے تحفظ کے لئے اپنی خدمات آپ کو پیش کررہا ہوں آپ مطمئن رہئے میں آپ کے احکامات کی ہمیشہ تعمیل کروں گا۔"

"تب ایک لفظ یاد کرلیجئے اور وہ ہے ڈبل کراس، ڈبل کراس کے کوڈورڈز کے ساتھ آپ کو جو بھی ہدایت کی جائے آپ اس پر عمل کیجئے گا اور اطمینان رکھئے...... وہ ہدایت ایسی نہیں ہوگی جس پر آپ کو تردد یا پریشانی ہو۔"

"بہت بہتر جناب۔"

"ٹھیک ہے، براہ کرم اپنی آنکھوں پر پٹی بندھوا لیجئے گا۔" وہی پٹی ڈاکٹر کبیر کی آنکھوں پر باندھ دی گئی اور اس کے بعد اسے سہارا دے کر باہر لایا گیا، ڈرائیونگ کرنے والے کے بارے میں ڈاکٹر کبیر کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ انہی میں سے کوئی ہے یا فوجی حکام کا کوئی نمائندہ، اس کا بدن ہولے ہولے کانپ رہا تھا، پھر ایک سنسان سڑک پر اس کی آنکھوں سے پٹی کھول دی گئی اور ہاتھوں کی ہتھکڑیاں بھی کھول دی گئیں، یہ وہی نقاب پوش تھا جو اسے یہاں تک لایا

تھا...... اس نے ڈاکٹر کبیر کو کار کی چابی دیتے ہوئے کہا۔

"اپنے اعصاب کو قابو میں رکھئے گا اور مطمئن انداز میں گھر جائیے گا، لیکن تمام ہدایات کو مدنظر رکھتے ہوئے۔"

"جی۔" ڈاکٹر کبیر نے کپکپاتی آواز میں کہا اور چابی اگنیشن میں لگا کر گاڑی اسٹارٹ کردی۔

سالک ڈاکٹر نصرت کبیر کو لے کر نکل گیا تو کمرے میں موجود تمام افراد منتشر ہوگئے اور دوسرے کمرے میں جاکر اپنی اپنی فوجی وردیاں اتارنے لگے...... یہ ڈبل او گینگ کے بقیہ افراد تھے اور شہنشاہ کی ہدایت پر انہوں نے یہ کام سرانجام دیا تھا...... یہ وردیاں بھی شہنشاہ کی طرف سے انہیں فراہم کی گئی تھیں اور درحقیقت ان کی شخصیتیں اتنی شاندار تھیں کہ ان وردیوں میں وہ اجنبی نہیں لگے تھے، پھر جب اس کام سے فارغ ہوکر بیٹھ گئے تو انجم شیخ نے کہا۔

"حالانکہ یہ بڑا جرم ہے ہم نے باقاعدہ فوجی اعزازات بھی استعمال کئے ہیں۔"

"لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کسی جرم کی بیخ کنی کے لئے ہی یہ جرم کیا گیا ہے اور پھر ہم نے ان وردیوں سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا، ویسے اس سارے معاملے کی کوئی تفصیل ہمیں نہیں معلوم نجانے یہ کیا قصہ ہے۔"

"شہنشاہ اگر مناسب سمجھتا تو اس بارے میں تفصیل بھی معلوم ہوجاتی لیکن کوئی ایسا اہم مسئلہ ہوگا۔"

"ٹیپ ریکارڈر چیک کرلو۔" انجم شیخ نے کہا اور سردار علی ایک گوشے میں رکھے ہوئے ٹیپ ریکارڈر کو اٹھا لایا اس میں لگا ہوا کیسٹ ریوائنڈ کیا اور گفتگو سننے لگا جو ڈاکٹر نصرت کبیر کے اور ان کے درمیان ہوئی تھی...... حساس اور طاقتور ٹیپ ریکارڈر نے تمام گفتگو بڑی عمدگی سے ریکارڈ کرلی تھی، اس کے بعد وہ سالک کا انتظار کرنے لگے اور سالک تھوڑی ہی دیر کے بعد واپس پہنچ گیا...... نقاب اس نے راستے ہی میں اتار لیا تھا ان سب نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا تو اس نے کہا۔

"سب کچھ ٹھیک ہوگیا ہے۔"

"پھر اب شہنشاہ کو اطلاع دے دی جائے۔"

"ہاں۔" فراست نے جواب دیا اور وہ لوگ مخصوص ٹرانسمیٹر پر شہنشاہ کو مخاطب

کرنے کا انتظام کرنے لگے، تھوڑی ہی دیر کے بعد شہنشاہ سے رابطہ قائم ہو گیا تھا، فراز نے رسمی گفتگو کے بعد کہا۔

"کام آپ کے حسب ہدایت سرانجام دے دیا گیا ہے سر۔"

"ویری گڈ...... ذرا تفصیل میں چلے جاؤ۔"

"سر ہم نے نصرت کبیر کے اور اپنے درمیان ہونے والی گفتگو ریکارڈ کر لی ہے آپ کی اجازت ہو تو ٹیپ ریکارڈر سے آپ کو وہ گفتگو سنائی جائے۔"

"سناؤ۔" شہنشاہ کی آواز اُبھری اور فراز نے ٹیپ ریکارڈر ٹرانسمیٹر کے قریب کر کے ایک بار پھر اسے ریوائنڈ کیا اور کچھ دیر کے بعد ٹیپ ریکارڈر پر آوازیں اُبھرنے لگیں...... کمرے میں مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی اور ٹیپ ریکارڈر کی آواز ٹرانسمیٹر پر صاف سنی جا رہی تھی، کچھ دیر کے بعد کیسٹ ختم ہو گیا تو فراز نے ٹرانسمیٹر آف کر دیا۔

"ہیلو۔"

"ہاں فراز کیسٹ سن لی ہے میں نے۔"

"آوازیں واضح تھیں سر۔"

"ہاں۔"

"سر اس سلسلے میں ہم سے کوئی سوال؟"

"نہیں میرا خیال ہے تم نے مناسب طریقے سے اس سے گفتگو کی ہے، ویسے خود اس کے بارے میں تمہارا کیا اندازہ ہے۔"

"نہایت شریف آدمی ہے سر، پورے وثوق سے یہ بات کہی جا سکتی ہے۔"

"ٹھیک...... اچھا ادھر کی سناؤ جوہر خان کا کیا حال ہے۔"

"سر وہ گھر پر موجود ہے شوکت کی وہاں مستقل ڈیوٹی لگا دی گئی ہے، ویسے اور کوئی خاص بات نہیں ہے وہاں کے معمولات جوں کے توں جاری ہیں۔"

"کوئی نئی شخصیت تو ان لوگوں سے ملنے نہیں آئی۔"

"نہیں سر بالکل نہیں بڑی نحوست ہے اس گھر پر، سناٹا طاری رہتا ہے کبھی کبھی صرف غیاث بیگ کچھ سودا ترکاری لینے کے لئے باہر نکل آتا ہے...... لاغر تھکا ماندہ اور اس کے بعد واپسی چلا جاتا ہے۔"

"ٹھیک ہے باقی ہدایات بعد میں دی جائیں گی، لیکن بہت جلد ہی تمہیں کچھ اور کام دیئے جائیں گے ان کے لئے تیار رہو۔"

"یس سر۔" فراز نے جواب دیا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

بینا آٹو رکشا سے نیچے اتر آئی...... رکشا والے کو پیسے دیئے، بعد اس نے یہاں بنی ہوئی کوٹھیوں کے نمبر تلاش کرنا شروع کر دیئے اور تھوڑی دور پر اسے کوٹھی نمبر بیس نظر آ گئی، وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور کوٹھی کے گیٹ پر پہنچ گئی، لیکن کوٹھی کا حلیہ دیکھ کر اسے بڑی حیرت ہوئی تھی...... غیر آباد، ویران اور سنسان لیکن اندر شہاب کی گاڑی کھڑی ہوئی تھی...... گاڑی کو دیکھ کر اسے اطمینان ہوا اس نے ذیلی کھڑکی سے اندر داخل ہونے کے بعد اِدھر اُدھر دیکھا کوٹھی جھاڑ جھنکار سے اٹی ہوئی تھی، لگتا تھا طویل عرصے سے اسے استعمال نہ کیا گیا ہو...... وہ آہستہ آہستہ صدر دروازے کی جانب بڑھی اور اسی وقت شہاب اندر سے باہر نکل آیا۔

"آیئے مس بینا۔" اس نے کہا اور بینا مسکراتی ہوئی اندر داخل ہو گئی۔

"یہ بھوت گھر آپ نے کہاں سے تلاش کر لیا۔"

"اس کا بیرونی منظر ہمارے لئے انتہائی مناسب ہے مس بینا، بس اندرونی حصے کو ذرا اپنے لئے ٹھیک ٹھاک کرانا ہے، ویسے آپ کا کیا خیال ہے ہمارے کام کے لئے موزوں جگہ ہے۔"

"آپ شاید اسے خوشامد سمجھیں گے لیکن آپ یقین کیجئے شاید میرے اندر بھی کوئی خبیث روح حلول کر گئی ہے۔ مجھے ایسی ویران جگہیں بہت پسند ہیں۔"

"ارے نہیں مس بینا آپ کی روح تو بڑی پاکیزہ ہے، آیئے اس کمرے میں آ جایئے باقی عمارت کو ذرا ضروری ساز و سامان سے آراستہ کرنا ہے ویسے میں نے یہاں چند کرسیوں کے علاوہ جو ضروری انتظام کیا ہے وہ کچن کا ہے، کچن آباد ہو گیا ہے اور آپ کے انتظار میں چائے تیار ہے، آپ بھینی بھینی خوشبو محسوس کر رہی ہوں گی۔" بینا نے ناک سکوڑ کر لمبی لمبی سانسیں لیں اور بولی۔

"کیا عمدہ لگ رہی ہے یہ خوشبو، لیکن آپ نے چائے پیالیوں میں تو نہ ڈالی ہو گی۔"

"اب کچھ کام آپ کے لئے بھی تو چھوڑ دینا تھا۔"

"ٹھیک ہے آپ تشریف رکھئے میں چائے لے کر آتی ہوں۔" بینا نے کہا اور آگے بڑھی تو شہاب جلدی سے بولا۔

"میں کچن تک آپ کی رہنمائی تو کر دوں۔"

"چائے کی نفیس خوشبو میری رہنمائی کر رہی ہے...... آپ اطمینان سے بیٹھئے۔" بینا نے کہا اور وہاں سے چلی گئی...... کچن میں پہنچنے کے بعد اس نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں، ایک عجیب سی فرحت کا احساس ہو رہا تھا اسے، نوجوان اور خوبصورت لڑکی تھی اور اس کوٹھی میں شہاب کے ساتھ تنہا لیکن یہاں بات اپنی ذات پر خود اعتمادی کی نہیں تھی بلکہ جس شخصیت کے ساتھ وہ یہاں تھی اس پر اسے اپنے آپ سے زیادہ اعتماد ہو گیا تھا نجانے کیوں؟

چائے کے لوازمات کے ساتھ مناسب برتن بھی تھے چنانچہ وہ سلیقے سے چائے ٹرے میں سجا کر اس کمرے میں پہنچ گئی جہاں شہاب بیٹھا ہوا تھا اس کے سامنے ایک پیڈ اور پین رکھا ہوا تھا اور وہ قلم سے پیڈ پر لکیریں کھینچ رہا تھا...... بینا نے چائے کی پیالی اسے پیش کی اور دوسری پیالی خود لے کر بیٹھ گئی۔

"بہر حال آپ یقین کریں سر یہ کوٹھی بہت خوبصورت ہے۔"

"شکریہ مس بینا...... اصل میں ذرا مصروفیات رہیں آپ نے میری ان دنوں کی خاموشی کو محسوس تو نہیں کیا۔"

"کیا ہے سر بڑی شدت سے کیا ہے لیکن آپ کو ڈسٹرب نہیں کیا، یہ سوچ کر کہ یقیناً آپ کسی اہم کام میں مصروف ہوں گے۔"

"اتنا اعتماد ہے مجھ پر بینا۔" شہاب نے کہا

"جی سر۔"

"اس اعتماد کے لئے شکریہ، بہر حال مس بینا میں نے خاصا کام کیا ہے اور اس کی رپورٹ آپ کو دینا چاہتا ہوں۔"

بینا نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور چائے کے چھوٹے چھوٹے سپ لینے لگی، شہاب کسی سوچ میں گم ہو گیا تھا، کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔

"اس دوران میری کئی کاوشیں رہی ہیں مس بینا، مثلاً اس کوٹھی کی دریافت اور اس کا حصول، بہر حال یہ ایک مشکل کام تھا لیکن مستقبل میں ہمارے لئے نہایت ضروری یہاں ہم

اپنا نظام قائم کریں گے اور ہمیں بہر حال ہوٹلوں کی ملاقات سے نجات مل جائے گی تو مس بینا دوسرا عمل جو میں نے کیا ہے وہ اس سلسلے میں غور کرنے کا ہے، میں کوئی صحیح راستہ منتخب کرنا چاہتا تھا، بہت غور و خوض کے بعد آخر کار میں نے ایک راہ کا تعین کیا اور اس پر قدم اٹھا دیئے ہیں، اپنی کارکردگی کی رپورٹ پیش کر کے اب اس سلسلے میں آپ سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔"

بینا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے آہستہ سے کہا۔

"سر آپ مجھے بہت عزت بخشتے ہیں۔"

"اب اس سلسلے میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں بینا اسے کہنا مناسب نہیں سمجھتا کچھ باتیں دل میں رکھنے کے لئے ہوتی ہیں اور انہیں دل ہی میں رکھنا چاہئے...... بہر حال جو تفصیل میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ میں نے بہت غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اس سلسلے میں ہمارا سب سے بہترین معاون رحمٰن شاہ ہی ہو سکتا ہے اور اس کے بغیر ہمارا آگے بڑھنا ممکن نہیں ہے۔"

بینا سنبھل کر بیٹھ گئی اور سوالیہ نگاہوں سے شہاب کو دیکھنے لگی، شہاب نے پھر کہا۔

"رحمٰن علی شاہ اپنے باپ اور بھائیوں کے مظالم کا شکار ہے سارا معاملہ اسی سے متعلق ہے، اسے پاگل قرار دے کر دماغی ہسپتال میں داخل کر دیا گیا ہے اور اس سلسلے میں ظاہر ہے کہ اس کے ساتھ سختی برتی گئی ہو گی، اسے دماغی ہسپتال سے نکال کر اپنی تحویل میں لینا چاہتا ہوں۔"

"جی سر۔" بینا آہستہ سے بولی۔

"اور اس کے لئے میں نے کام شروع کر دیا ہے۔"

"کس انداز میں سر، کیا اسے ہسپتال سے نکالنا آسان ہو گا؟"

"نہیں مس بینا، اس میں سے کوئی کام آسان نہیں ہے ہمیں مشکل کام سرانجام دینا ہوں گے...... میں نے یوں کیا مس بینا کہ اس ہسپتال کے بارے میں تمام تر معلومات حاصل کرنے کے بعد اس کے مالک نصرت کبیر کو اغوا کر لیا اور اسے شاندار طریقے سے مرعوب کرنے کے بعد میں نے اپنے مقصد کے لئے تیار کر لیا ہے، اس سے مجھے جو معلومات حاصل ہوئی ہیں وہ یہ ہیں کہ نصرت کبیر ایک شریف آدمی ہے، پرائیویٹ دماغی ہسپتال کا مالک ہے، دنیا کے مختلف ملکوں سے تربیت لے کر آیا ہے، لیکن امیر علی شاہ نے اسے سخت ترین دھمکیاں دلوانے کے بعد اپنے مطلب پر لانے کا عمل کیا ہے اور وہ امیر علی شاہ سے خوف زدہ

ہے کیونکہ امیر علی شاہ نے اس پر کچھ بہت بڑے آدمیوں سے دباؤ ڈلوایا ہے، لیکن میں نے جو طریقہ کار اختیار کیا ہے اس کے تحت اب وہ اس دباؤ سے نکل کر میرے دباؤ میں آ گیا ہے، چنانچہ رحمٰن علی شاہ کے سلسلے میں وہ ہم سے مکمل تعاون کرے گا۔" بینا کی آنکھیں چمک رہی تھیں اس نے پر شوق لہجے میں کہا۔

"ونڈر فل سر...... یہ تو واقعی ایک شاندار کارنامہ ہے آپ کا۔"

"اور اب بینا میں یہ چاہتا ہوں کہ اسے وہاں سے نکال کے یہاں لے آؤں اور اس سلسلے میں اسے اپنے ساتھ کام کرنے کے لئے تیار کر لوں۔"

"جی سر...... آئیڈیا بہت اچھا ہے لیکن اسے وہاں سے نکالنا اگر آپ کے لئے ممکن بھی ہے تب بھی کیا اس کی گمشدگی سے امیر علی شاہ ہوشیار نہیں ہو جائے گا...... اس نے رحمٰن علی کو دماغی ہسپتال میں پہنچانے کے بعد اس سے لاتعلقی تو نہ اختیار کر لی ہو گی۔"

"اس کے لئے بھی بندوبست کر لوں گا۔"

"کیا بندوبست کریں گے سر؟"

"بینا میرے خیال میں ہمیں ڈاکٹر نصرت کبیر کا مکمل تعاون درکار ہو گا اور اگر ایسی ہی ضرورت پیش آئی تو خفیہ پولیس کے کسی آدمی کو میک اپ کر کے میں ہسپتال پہنچا دوں گا اور وہ رحمٰن علی شاہ کا کردار ادا کرے گا...... اس طرح ہم امیر علی شاہ کو شبے کا موقع نہیں دیں گے۔" بینا سوچ میں ڈوب گئی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"سر، رحمٰن علی شاہ باہر نکلنے کے بعد کیا خود پر قابو پا سکے گا...... ہو سکتا ہے وہ عالم جوش میں کوئی ایسا عمل کر بیٹھے جس کی وجہ سے ہمیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔"

"یہ ساری باتیں بے شک بالکل درست ہیں بینا، لیکن ہمیں ان حالات کو کنٹرول کرنا ہو گا...... یہ رسک لئے بغیر اور کوئی چارہ کار نہیں ہے...... ہاں اگر تمہارے ذہن میں اور کوئی خیال ہو تو مجھے مشورہ دو؟"

"نہیں سر...... آپ نے جس حد تک کام کر لیا ہے...... بھلا اس کے بعد میری مداخلت کی کوئی گنجائش ہے، میں آپ سے مکمل اتفاق کرتی ہوں اور یہ جاننا چاہتی ہوں کہ اب میری ڈیوٹی کیا ہے؟"

"بینا، نہایت مخلصانہ طریقے سے تم سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ تم ہر سلسلے میں میرے

ساتھ ہو، اگر کسی معاملے میں تمہیں شامل نہ کروں تو یوں سمجھ لینا کہ حالات اس کی اجازت نہ دیتے ہوں گے ورنہ میں کسی بھی طور تم سے منحرف نہیں ہوں کیا سمجھیں؟"

"سر مجھے پورا پورا اطمینان ہے۔"

"اور ایک درخواست کروں بینا؟"

"جی سر۔"

"مجھے سر کہنا ضروری سمجھتی ہو؟"

"جی۔"

"اگر یہ ضروری ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے ورنہ میرا نام شہاب ہے اور جس طرح میں نے روز اول سے آپ کو بے تکلفی سے بینا کہا ہے اگر آپ بھی وہی بے تکلفی مجھے بخش دیں گی تو مجھے خوشی ہو گی۔" بینا کے چہرے پر ایک شرمگیں مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے آہستہ سے کہا۔

"اگر یہ آپ کا حکم ہے تو میں اس کی تعمیل کروں گی۔"

"میں آپ کو حکم دینے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا مس بینا، البتہ درخواست ہمیشہ کی جا سکتی ہے۔"

"نہیں سر، آپ کو مجھ پر ہر طرح کا اختیار حاصل ہے۔" بینا نے کہا اور شہاب کی نگاہوں کی تاب نہ لا کر نگاہیں جھکا لیں، ایک عجیب سا تاثر دونوں کے چہروں پر نمودار ہو گیا تھا۔

***

ڈاکٹر نصرت کبیر در حقیقت بے حد شریف انسان تھا کچھ خاندانی پس منظر بھی تھا کچھ اپنی فطرت کا خاصا بھی کہ شاید زندگی میں اس نے نہ کبھی کسی کو دھوکا دیا اور نہ کسی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی...... زمانہ طالب علمی میں وہ ایک ذہین طالب علم رہا اور تعلیم مکمل کرنے کے بعد دنیا کے مختلف ملکوں میں اس نے اپنی ذہانت کا لوہا منوایا...... سوزاوان اسے فرانس میں ملی تھی، ایک بہت ہی نیک سیرت لڑکی جو اس سے محبت کرنے لگی تھی اور نصرت کو بھی یہی احساس ہوا تھا کہ وہ اس کی زندگی میں ایک گہرا مقام حاصل کر چکی ہے، چنانچہ اس نے خلوص دل سے پہلے نصرت کبیر کا مذہب اور اس کے بعد اسے اپنی زندگی میں قبول کر لیا اور نہایت ثابت قدمی کے ساتھ اس کا ساتھ نبھانے لگی...... نصرت کبیر نے اسے بتا دیا تھا کہ

اس کی زندگی کا مقصد ممالک غیر میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے اہل وطن کو اپنی مہارت کی سہولتیں فراہم کرنا ہے...... سو نزاوان رقیہ کی حیثیت سے نصرت کبیر کے ساتھ اس کے وطن واپس آ گئی...... نصرت کبیر نے اپنا کلینک تعمیر کیا اور تھوڑے ہی عرصے کے بعد شہرت کے آسمان پر پرواز کرنے لگا...... زندگی میں پہلی بار اس کے لئے یہ مشکل پیش آئی تھی، جب کسی بڑے آدمی کے زیر اثر اسے ایک ناخوشگوار فریضہ سر انجام دینا پڑا تھا......

یہ داغ اس کے ضمیر پر بہت گہرا تھا اور وہ بارہا اس کرب کا شکار ہوا تھا لیکن اپنے وطن میں آنے کے بعد وطن کے کچھ اہم امور سے آگاہ ہو چکا تھا اور اسے یہ اندازہ تھا کہ اگر اس حکم سے روگردانی کی تو زیر عتاب آجائے گا اور پھر نجانے کیسی کیسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے لیکن یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ اس کا رویہ رحمٰن علی شاہ کے ساتھ اتنا اچھا تھا کہ خود رحمٰن علی شاہ، اس کا ممنون ہو گیا تھا لیکن جو واقعہ پچھلی رات نصرت کبیر کو پیش آیا تھا اس نے اسے بیمار ڈال دیا تھا...... معمول کے مطابق کلینک تو پہنچا تھا، لیکن کسی کام میں دل نہیں لگتا تھا...... ایک عجیب سا خوف اس پر مسلط تھا، ایک بے کلی اور بے چینی، رات کو گھر واپس جا کر بھی وہ اس بے کلی کا شکار رہا حالانکہ رقیہ نے اس سے بہت سے سوالات کئے تھے لیکن صورت حال ایسی تھی کہ وہ رقیہ کو بھی تفصیل نہیں بتا سکتا تھا...... ذرا سی لغزش اس کا پورا مستقبل تباہ کر سکتی تھی...... دوسرا دن اور پھر تیسرا دن بھی گزر گیا اور پھر اس شام وہ اپنے کچھ مریضوں کا معائنہ کرنے کے بعد آفس میں آکر بیٹھا تھا کہ اسے ایک ٹیلی فون موصول ہوا...... نصرت کبیر نے بے دلی سے فون ریسیو کیا تھا تو دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ڈبل کراس۔"

یہ جملہ نصرت کبیر کو ازبر تھا اس کا چہرہ فق ہو گیا...... دوسری طرف سے پھر آواز آئی۔

"مسٹر نصرت کبیر میں نے آپ کی آواز پہچان لی ہے اور اس لئے میں نے کوڈ دہرایا ہے۔"

"جی سر میں بول رہا ہوں۔"

"ہمارا ایک نمائندہ اب سے تھوڑی دیر کے بعد آپ کے پاس پہنچے گا، آپ اس سے تعاون کیجئے گا...... ہمیں رحمٰن علی شاہ کی کچھ تازہ تصاویر درکار ہیں، آپ اسے موقع دیجئے کہ وہ یہ تصاویر بنالے...... بعد میں آپ کو ایک زحمت دی جائے گی لیکن آپ ذرہ برابر فکر مند نہ ہوں آپ کو کسی بھی سلسلے میں ملوث نہیں کیا جائے گا۔"

"میں حاضر ہوں سر۔" نصرت کبیر نے جواب دیا۔

"شکریہ...... آپ کو اصل میں اس لئے اطلاع دے دی گئی تھی کہ آپ کہیں اُلجھن کا شکار نہ ہوں، خدا حافظ۔" دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا اور نصرت کبیر دیر تک ریسیور ہاتھ میں لئے بیٹھا رہا پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر ریسیور رکھ دیا...... معاملہ بہت بڑے لوگوں کا ہے بھلا جس کام میں فوج سرگرم عمل ہو اس میں کیا دشواری پیش آسکتی ہے...... یہ تو وطن کا سب سے بڑا ادارہ ہوتا ہے پھر ایک دُبلا پتلا آدمی، جو ورزشی بدن کا کسا ہوا نظر آتا تھا، نصرت کبیر کے پاس پہنچ گیا اور اس نے آہستہ سے کہا۔

"ڈبل کراس۔"

نصرت کبیر اس کے پاس کیمرا وغیرہ دیکھ کر ہی سمجھ گیا تھا کہ یہی وہ شخص ہے جس کی آمد کے بارے میں اسے اطلاع دی گئی ہے اس نے آہستہ سے کہا۔

"تشریف لائیے سر۔" اور وہ شخص نصرت کبیر کے ساتھ اندر چل پڑا...... ایک صاف ستھرے کمرے میں رحمان علی شاہ مسہری پر بیٹھا ہوا کسی کتاب کی ورق گردانی کر رہا تھا...... ان دونوں کو دیکھ کر اس نے کتاب درمیان سے کھول کر نیچے رکھ دی اور پھر نصرت کبیر کی طرف دیکھ کر بولا۔

"غالباً یہ پریس فوٹو گرافر ہیں، کیا مجھے ان کے سامنے پاگل ہونے کی اداکاری کرنی ہے...... کوئی نیا کام چاہتے ہیں میرے والد محترم؟"

"نہیں مسٹر، نہ میں پریس فوٹو گرافر ہوں اور نہ ہی میں آپ کے والد کے ایماء پر یہاں آیا ہوں، مجھے آپ کی کچھ تصاویر درکار ہیں۔"

"خوب، لیکن سمجھ میں نہیں آیا کہ کیوں؟"

"یہ بات آپ کو بہت جلد سمجھا دی جائے گی، براہ کرم تعاون کیجئے گا۔"

"کیوں ڈاکٹر...... کیا خیال ہے، کیا میں پنجوں کے بل اس شخص پر چھلانگ لگا کر اس کا منہ نوچ لوں یا تصویریں بنوالوں؟"

رحمٰن علی شاہ نے مسکرا کر ڈاکٹر کبیر سے کہا۔

"براہ کرم رحمٰن علی شاہ آپ تصویر بنوالیجئے۔"

"بالکل ٹھیک ہے اب آپ میری تصاویر بنا سکتے ہیں جناب۔"

آنے والے نے رحمٰن علی شاہ کی بہت سی تصاویر بنائیں اور اس کے بعد شکریہ ادا کر کے دونوں وہاں سے باہر نکل آئے، نصرت کبیر نے کہا۔

"سر اصولی طور پر مجھے یہ پوچھنے کی ہمت نہیں کرنی چاہئے کہ یہ ضرورت کیوں پیش آگئی، لیکن مستقبل میں حالات سے آگاہ رہنے کے لئے اگر میں یہ سوال آپ سے کر دوں تو کیا آپ اس کا جواب دینا پسند فرمائیں گے؟"

"نہیں مسٹر نصرت کبیر...... ہم لوگوں کی مختلف ذمہ داریاں ہوتی ہیں اور ہم صرف انہی کے تحت کام کرتے ہیں...... ہمیں یہ نہیں بتایا جاتا کہ اس کام کی وجہ کیا ہے...... امید ہے آپ محسوس نہیں کریں گے۔"

"بالکل نہیں سر۔"

"اجازت دیجئے۔" وہ شخص سلام کر کے باہر نکل گیا اور نصرت کبیر تھکے تھکے انداز میں سیٹ پر آ بیٹھا۔

❋

اس گندی بستی میں، اس ٹوٹی پھوٹی عمارت کے اندر شہنشاہ نے جو عظیم الشان کارخانہ بنا رکھا تھا باہر کے لوگ اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے اصل میں ان تمام کارروائیوں کی ابتداء بڑی کسمپرسی کے عالم میں ہوئی تھی...... اس وقت ان لوگوں کے پاس کچھ وسائل نہیں تھے لیکن یہ ٹولہ ایک ایک کر کے شہنشاہ نے جمع کیا تھا اپنے طور پر اس قدر ذہین لوگوں کا ٹولہ تھا کہ کوئی اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا...... ہر ایک اپنے فن کا ماہر اور محدود وسائل میں شاندار کارکردگی کا حامل...... جو کچھ ان لوگوں نے بنایا تھا اپنی ہی کاوشوں سے بنایا تھا، حالانکہ اب وقت بدل چکا تھا...... ان لوگوں کے پاس اپنی اپنی ضروریات پوری کرنے کے بعد ڈبل او گینگ فنڈ میں بڑی بڑی رقمیں آچکی تھیں اور ان سے ہر طرح کی آسائشیں حاصل کی جاسکتی تھیں، لیکن نہ صرف شہنشاہ کا یہ مشورہ تھا بلکہ ان کا اپنا بھی تجربہ تھا کہ جس قدر آسانیاں انہیں اس جگہ حاصل ہیں کہیں کسی شاندار عمارت میں نہیں حاصل ہو سکتیں...... بظاہر کباڑیوں کا کام کرنے والے یہ لوگ یہاں رہ کر دنیا کی نگاہوں سے محفوظ تھے اور اگر کبھی لوگ ان کے بارے میں جاننے کی کوشش بھی کریں تو یہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ یہ ان کی رہائش گاہ ہوگی اور اس ٹوٹے پھوٹے کھنڈر نما مکان میں ایسی اعلیٰ اعلیٰ

چیزیں موجود ہوں گی جن پر رشک کیا جاسکے...... رحمٰن علی شاہ کی تصاویر بنانے کی ذمہ داری سالک کو اس لئے سونپی گئی تھی کہ نصرت کبیر نے سالک کی صورت نہیں دیکھی تھی، ورنہ باقی لوگوں کو وہ دیکھ چکا تھا...... سالک نے تصاویر تیار کر لیں، شہنشاہ کی طرف سے انہیں جو احکامات ملے تھے وہ ان میں ذرا بھی تساہل سے کام نہیں لے سکتے تھے...... فراز بہترین میک اپ کا ماہر تھا اور یہاں ان کے پاس میک اپ کا شاندار سامان موجود تھا، حالانکہ اس قسم کے بہروپ بدلنے کی ضرورت ایک آدھ بار ہی انہیں پیش آئی تھی لیکن بہر حال کبھی اس کی اہم ضرورت پیش آجاتی تھی...... جیسے اس بار شہنشاہ کی طرف سے انہیں ہدایت ملی تھی کہ سالک کی نشاندہی پر انہی میں سے کسی کو رحمٰن علی شاہ کا روپ اختیار کرنا ہے اور یہ قد و قامت اور میک اپ کے نقطہ نگاہ سے فراست علی اس کا حقدار قرار پایا تھا اس مسئلے میں سالک کے اوپر پورا پورا بھروسہ کیا گیا تھا، چنانچہ جب تصاویر ڈیولپ ہو کر آگئیں تو فراز نے اپنی ذمہ داری سنبھال لی...... فراست علی کو بڑی مہارت کے ساتھ رحمٰن علی شاہ کا روپ دیا جانے لگا اور تمام لوگ اس میک اپ کے سلسلے میں اپنی ماہرانہ رائے کا اظہار کرتے رہے۔

فراز، فراست علی پر مصروف تھا اور کافی محنت کرنے کے بعد اس نے فراست علی کو رحمٰن علی شاہ کا روپ دے دیا...... فراز کی ماہرانہ کارکردگی کو سب ہی نے توصیفی نگاہ سے دیکھا تھا...... فراز نے سالک سے کہا۔

"میں تمہارے علاوہ کسی اور پر بھروسہ نہیں کر سکتا سالک...... پوری طرح جائزہ لے کر بتاؤ کہ کہاں کمی رہ گئی ہے...... ویسے تو میں نے تصویر کے مطابق بالوں کا سٹائل تک بدل دیا ہے، اتفاقیہ بات دیکھو کہ فراست علی کے بال بھی اس کے رنگ سے ملتے ہیں۔"

"تم یقین کرو فراز...... میں تمہارے اس فن کی صحیح معنوں میں داد بھی نہیں دے سکتا لیکن تم نے جس طرح فراست علی کو رحمٰن علی کا روپ دیا ہے میں خلوص دل سے تمہیں اس کی مبارکباد دیتا ہوں۔"

"گویا تم مطمئن ہو پوری طرح؟"

"ہاں۔"

"اس سلسلے میں شہنشاہ کو جوابدہ ہو سکو گے؟"

"بالکل...... ظاہر ہے مجھے جو ہدایات ملی تھیں میں نے ان کے سلسلے میں دونوں کانوں کا

استعمال نہیں کیا یعنی ایک سے سننا دوسرے سے اڑانا...... بلکہ ان ہدایات کے تحت میں نے پوری طرح رحمٰن علی شاہ کا جائزہ لیا تھا اس کے بولنے کا انداز، کھڑا ہونا، چلنا، مسکرانا اور ہنسنا، ساری چیزوں پر میں نے غور کیا اور یہ تصویریں جو میں نے مختلف زاویوں سے بنائی ہیں، صرف اسی نظریئے سے بنائی تھیں کہ کوئی پہلو تشنہ نہ رہ جائے۔"

"گویا تم مطمئن ہو۔"

"بالکل۔"

"لباس کے لئے کیا ہوگا؟"

"اس بارے میں شہنشاہ کی طرف سے مجھے کوئی ہدایت نہیں دی گئی۔" سالک نے جواب دیا۔

"تو ٹھیک ہے ہم اس سے آخری ہدایت لئے لیتے ہیں۔"

"او کے۔"

"انجم ذرا ٹرانسمیٹر تیار کرو۔" سالک نے کہا اور انجم ٹرانسمیٹر کو درست کرنے لگا تاکہ شہنشاہ سے گفتگو کی جاسکے۔

نصرت کبیر خود کو ذہنی طور پر فوجی حکام سے تعاون پر تیار کر چکا تھا...... اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ یہ جو کچھ بھی ہے، کم از کم اسے اس سے کوئی خطرہ نہیں ہے...... اول تو بات فوجی حکام کی ہے اور پھر بہر حال جس سلسلے میں کام ہو رہا ہے وہ انسانی نقطہ نگاہ سے بھی غلط ہے...... رحمٰن علی نے بحالت مجبوری یہ قید برداشت کرلی تھی کہیں اس کے لفظوں میں زہر بھرا ہوتا تھا اور اس کی باتیں نصرت کے دل پر کچوکے لگاتی تھیں مگر وہ بھی مجبور تھا۔

اسے ایک بار پھر ڈبل کراس کے کوڈ سے فون موصول ہوا اور وہ مستعد ہوگیا......

"آپ کو پھر ایک تکلیف دی جارہی ہے مسٹر نصرت۔"

"جی سر...... فرمایئے۔"

"رات کو آپ کس وقت تک کلینک میں رہتے ہیں؟"

"ویسے تو میں سات بجے تک ہوتا ہوں لیکن ایمر جنسی کے لئے کوئی وقت نہیں ہوتا۔"

"آج رات کو بارہ بجے ہمیں آپ کی ضرورت ہے...... آپ کو تھوڑا سا وقت ہمیں

دینا ہوگا، اس کے علاوہ ایک اور ہدایت ہے...... وہ یہ کہ بارہ بجنے سے پہلے آپ کوئی ایسا طریقہ کار اختیار کریں گے جس کے تحت رحمٰن علی ہمیں بے ہوش ملے...... اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ اسے کس طرح بے ہوش کرتے ہیں، ہمیں ایک یا دو گھنٹے کے لئے اس کی بے ہوشی درکار ہے۔"

"جی...... یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے...... میں کوئی بھی طریقہ کار اختیار کرسکتا ہوں۔"

"اس سلسلے میں آپ کو کوئی اعتراض؟"

"نہیں جناب...... میں بس یہ سوچ کر مطمئن ہوں کہ ایک طرف سے اگر مجھے اس کام کے لئے مجبور کیا گیا کہ ایک صحیح الدماغ انسان کو پاگل ظاہر کر کے اپنے کلینک میں قیدی بنائے رکھوں تو دوسری جانب سے مجھے یہ احساس دلایا جارہا ہے کہ اس عمل کے خلاف کام ہو رہا ہے۔"

"آپ بالکل مطمئن رہیں مسٹر نصرت کبیر آپ کو ہر طرح کا تحفظ فراہم کیا جائے گا۔"

"شکریہ...... میں ان احکامات کی پابندی کے لئے حاضر ہوں۔"

نصرت کبیر کے لئے یہ کچھ بھی مشکل نہیں تھا وہ معمول کے مطابق اپنے گھر واپس گیا اور گیارہ بجے گھر سے یہ کہہ کر نکل آیا کہ ایک مریض کو رات میں دیکھنا ہے، اور ایک دو گھنٹے میں واپسی ہو جائے گی پھر جب وہ رحمٰن علی شاہ کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ پر سکون نیند سو رہا تھا، ایک ہلکی سی کوشش سے رحمٰن علی شاہ کی نیند گہری ہوگئی اور وہ نیند سے نکل کر بے ہوشی کی کیفیت کا شکار ہوگیا۔ تب بارہ بجے چند افراد اس کے پاس پہنچ گئے۔ ان میں سے دو چہرے شناسا تھے، نصرت کبیر انہیں فوجی وردی میں دیکھ چکا تھا لیکن ان کے ساتھ ایک اور شخص کو دیکھ کر نصرت کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، وہ متعجب نگاہوں سے کبھی بستر پر پڑے ہوئے رحمٰن علی شاہ کو دیکھتا اور کبھی اس شخص کو جو ان لوگوں کے ساتھ آیا تھا۔ دونوں میں سر مو فرق نہ تھا...... آنے والوں میں سے ایک نے کہا۔

"آپ جس حیرت کا شکار ہیں نصرت کبیر صاحب وہ قطعی بجا ہے، یہ رحمٰن علی شاہ کے ہم شکل ہیں اور ہمیں کچھ وقت کے لئے انہیں رحمٰن علی شاہ کی جگہ رکھنا ہوگا مطلب یہ ہے کہ رحمٰن علی شاہ کو تو ہم لے جارہے ہیں یہ صاحب یہاں اس کی جگہ رہیں گے تاکہ آپ کو کسی وقت کا سامنا نہ کرنا پڑے اور مطمئن رہیں۔ یہ رحمٰن علی شاہ کا مکمل نعم البدل ثابت ہوں

گے، آپ کو کسی اُلجھن کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

نصرت کبیر نے بڑی سنسنی محسوس کی تھی...... ایک انوکھا طریقہ کار ایک پراسرار عمل...... بہر حال اس شخص کو رحمٰن علی شاہ کی جگہ دے دی گئی اور آنے والے اسے لے کر چل پڑے...... تھوڑی دیر کے بعد رحمٰن علی شاہ کو ایک بڑی ویگن میں منتقل کر دیا گیا...... نصرت کبیر کا شکریہ ادا کیا گیا اور وہ لوگ اسے لے کر چل پڑے...... نصرت کبیر کے اعصاب شل ہو رہے تھے...... بہر طور یہ سرکاری حکام کا ایک خفیہ طریقہ کار تھا جس کے بارے میں وہ کچھ بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔

❁

عدنان واسطی نے بڑی خوشی کے ساتھ بینا واسطی کو اجازت دے دی تھی اور بینا واسطی شہاب کے پاس پہنچ گئی تھی، شہاب نے خود عدنان واسطی سے گفتگو کرنے کی بجائے بینا کو ہی اس کام کے لئے کہا تھا کہ وہ رات کو کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں موجود رہے اور دو چار دن یہاں گزارے...... بینا نے تو وہیں کہہ دیا تھا کہ عدنان واسطی انکار نہیں کریں گے لیکن پھر بھی شہاب نے اس سے درخواست کی تھی کہ وہ اس بارے میں عدنان واسطی سے مشورہ لے لے...... بہر حال سارے کام خوش اسلوبی سے سرانجام پا رہے تھے...... بینا واسطی کو کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں چھوڑ کر شہاب نے رحمٰن علی شاہ کو ان لوگوں سے وصول کرنے کا پروگرام بنایا تھا اور ایک گاڑی کا انتظام بھی کیا تھا اور اس وقت اس کے جسم پر ایک سیاہ لباس تھا اور چہرہ نقاب میں پوشیدہ...... ابھی وہ بینا کو بھی ڈبل او گینگ کے بارے میں کچھ نہیں بتانا چاہتا تھا اور ڈبل او گینگ کے افراد کو یہ کوٹھی نہیں دکھانا چاہتا تھا، چنانچہ اس نے احکامات جاری کر دیئے تھے اور رحمٰن علی شاہ کو ایک مخصوص جگہ پہنچانے کی ہدایت کی تھی پھر وہ تیاریاں کر کے وہاں پہنچ گیا تھا جہاں ڈبل او گینگ کے ممبر رحمٰن علی شاہ کو لے کر پہنچنے والے تھے...... مقررہ وقت پر وہ لوگ رحمٰن علی شاہ کو لے کر پہنچ گئے...... رحمٰن علی شاہ کو ویگن سے اتارا گیا...... شہاب نے شہنشاہ کی حیثیت سے انہیں احکامات جاری کر دیئے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ ہی جب ویگن وہاں پہنچی تھی تو اسی نے ٹارچ پر سگنل بھی دیا تھا...... وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ڈبل او گینگ کے وہ افراد جو رحمٰن علی شاہ کو لے کر یہاں آئے ہیں، شدید سنسنی کا شکار ہوں گے کیونکہ ابھی تک ایسا کوئی موقع نہیں آیا تھا جب انہوں نے شہنشاہ کو

اپنے اتنے قریب پایا ہو...... بہر حال اس کی ہدایت پر رحمٰن علی شاہ کو اس گاڑی میں منتقل کر دیا گیا جس پر اس وقت نمبر پلیٹ بھی نہیں لگی ہوئی تھی...... شہاب نے ہر چیز کا خیال رکھا تھا...... وہ جانتا تھا کہ اس کے ساتھی اسی وقت پوری طرح مستعد رہ سکتے ہیں جب تک وہ اس کے بارے میں کچھ نہ جانیں...... جاننے کے بعد تو حالات مناسب نہیں رہتے۔

پھر جب ویگن چلی گئی تو شہاب اپنی جگہ سے نکلا اور گاڑی میں آ بیٹھا...... اس نے پچھلی سیٹ پر لیٹے ہوئے رحمٰن علی شاہ کو دیکھا اور پھر گاڑی سٹارٹ کر دی...... ڈبل او گینگ کے ممبروں کی اتنی مجال نہیں تھی کہ خفیہ طریقے سے اسے دیکھنے کی کوشش کرتے، چنانچہ ڈرائیونگ کرتے ہوئے شہاب نے اپنا سیاہ نقاب اتار دیا...... لباس کا کوئی مسئلہ نہیں تھا وہ اس عمارت میں جا کر بھی اتارا جا سکتا تھا لیکن ایک مناسب جگہ پہنچ کر اس نے نمبر پلیٹ واپس اس کی جگہ پر لگا دی کیونکہ رات کو گشت کرنے والی پولیس بہر طور اس کی حیثیت کو قبول نہیں کر سکتی تھی اور خاص طور سے اس وقت جب کہ عقبی سیٹ پر ایک بے ہوش آدمی بھی موجود تھا...... بہر طور گاڑی کوٹھی نمبر بیس میں داخل ہو گئی جس کے برآمدے میں بینا واسطی بے چینی سے انتظار کر رہی تھی...... شہاب نے گاڑی صدر گیٹ کے پاس روک دی اور نیچے اتر آیا...... بینا واسطی مسکراتی ہوئی اس کے قریب پہنچ گئی تھی...... شہاب نے کہا۔

"آپ کو یہاں تنہا خوف تو محسوس نہیں ہوا مس بینا؟"

بینا آہستہ سے ہنس پڑی پھر بولی۔

"یہ سوال بھی کیا جا سکتا ہے مجھ سے۔"

"اصولی طور پر تو نہیں کیا جانا چاہئے لیکن اخلاقی طور پر کر لینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔" شہاب نے کہا اور پھر گاڑی کی عقبی سیٹ کا دروازہ کھول کر رحمٰن علی شاہ کو باہر نکالنے لگا...... اس کے بعد اس نے اسے کندھے پر ڈالا اور اندر کی جانب چل پڑا...... بینا نے جلدی سے دروازہ وغیرہ بند کر دیا اور پھر وہ خود بھی شہاب کے پیچھے پیچھے اندر عمارت میں داخل ہو گئی...... عمارت میں اس دوران دو انتہائی انتظامات کر لئے گئے تھے جن کی ضرورت پیش آ سکتی تھی...... رحمٰن علی شاہ کو ایک بیڈ پر لٹا دیا گیا اور بینا اور شہاب اسے دیکھنے لگے...... بینا کو تمام صورت حال کا علم تھا...... بہر طور وہ خاصی متاثر نظر آ رہی تھی۔

رحمٰن علی شاہ کو ہوش میں لانے کے انتظامات کئے جانے لگے...... شہاب نے اسے

بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا خاصا خوب صورت نوجوان ہے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے سر لیکن ذرا سی تشویش کا شکار ہوں۔"

"کیا؟"

"کیا ہوش میں آنے کے بعد یہ ہم سے تعاون کرے گا؟"

شہاب نے ایک گہری سانس لے کر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"دیکھتے ہیں کیا صورت حال رہتی ہے، ویسے ہم اسے اپنے اعتماد میں لینے کی کوشش کریں گے۔" بینا خاموش ہو گئی...... یہ رات جاگنے کی رات تھی اور ان لوگوں نے اس کے لئے مکمل تیاریاں کر لی تھیں...... رحمٰن علی شاہ کو کوئی سوا دو بجے ہوش آیا...... شہاب اور بینا وہاں موجود تھے...... کافی کا دور چل رہا تھا...... رحمٰن علی شاہ کی کراہ پر وہ دونوں اس کی جانب متوجہ ہو گئے اور چند لمحات کے بعد رحمٰن علی شاہ کو مکمل ہوش آ گیا...... چند لمحات وہ چھت کو گھورتا رہا...... پھر ادھر اُدھر دیکھا اور اس کے بعد ان لوگوں پر نگاہ پڑتے ہی اُچھل کر بیٹھ گیا...... اب وہ اس پورے کمرے کے ماحول کو حیرانی سے دیکھ رہا تھا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"یہ ہسپتال کا کمرہ تو نہیں ہے۔" شہاب مسکراتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا...... بینا بھی اس کے ساتھ ساتھ ہی تھی...... شہاب نے اس کے قریب پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"جی رحمان علی شاہ صاحب، یہ ہسپتال کا کمرہ نہیں ہے۔" رحمٰن علی شاہ چند لمحات عجیب سی نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

"کھیل میں کوئی تبدیلی پیدا کی جا رہی ہے کوئی اسکرپٹ لکھا گیا ہے؟"

"ہاں بات کچھ ایسی ہی ہے رحمٰن علی شاہ صاحب، لیکن اس بار اسکرپٹ رائٹر آپ کے والد امیر علی شاہ نہیں ہیں بلکہ تحریر بدل گئی ہے۔"

"آپ کون ہیں؟"

"میرا نام شہاب ہے۔"

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر اور میڈم آپ؟" رحمٰن علی شاہ مسکراتا ہوا بولا۔ اس نے اپنے ذہن پر قابو پا لیا تھا...... خاصے مضبوط اعصاب کا مالک معلوم ہوتا تھا۔

"میرا نام بینا ہے۔"

"شہاب اور بینا...... چلئے ٹھیک ہے لازمی امر ہے کہ میرا نام آپ لوگ جانتے ہی ہوں گے۔"

"ہم آپ کو آپ کے نام سے مخاطب کر چکے ہیں رحمٰن علی شاہ صاحب۔"

"اور آپ نے یہ بھی کہا ہے کہ اسکرپٹ تبدیل ہو گیا ہے اور اب اس کھیل کی تحریر کسی اور کی ہے؟"

"جی ہاں۔"

"کس کی؟"

"میری سمجھ لیجئے۔"

"تب پھر ضروری ہے کہ آپ کا مکمل تعارف ہو جائے۔"

"ابھی اتنا ہی رہنے دیجئے لیکن بس اتنا سمجھ لیجئے کہ جو کھیل آپ کے والد صاحب نے شروع کیا ہے میں اس کا اسکرپٹ پوری طرح تبدیل کر دینا چاہتا ہوں۔"

"لیکن اسکرپٹ رائٹر صاحب، آپ کا حدود اربعہ کیا ہے، کم از کم اتنا تو پتا چلنا چاہئے؟"

"اگر کوئی شخص آپ سے زبردستی مخلص ہو جائے اور آپ کے لئے کچھ کرنے پر آمادہ ہو تو آپ اسے کیا سمجھیں گے۔"

"بے وقوف۔" رحمٰن علی شاہ نے فوراً جواب دیا اور بینا ہنس پڑی...... شہاب نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں سمجھنا تو آپ کو یہی چاہئے، لیکن رحمٰن علی شاہ صاحب اس دنیا میں کچھ بے وقوف ایسے ہوتے ہیں جو بہر حال اپنی حماقت کے ہاتھوں مجبور ہو جاتے ہیں اور کسی کی مشکل پر کچھ کرنے کا فیصلہ کر لیتے ہیں...... آپ فی الحال ہم دونوں کو بھی انہی بے وقوفوں میں تصور کر لیں۔"

"چلئے کر لیا لیکن کم از کم اب یہ تو بتا دیجئے کہ ہمارا اور آپ کا تعلق کیا ہے؟"

"میں رحمان علی شاہ صاحب، یوں سمجھ لیجئے کہ سرکاری طور پر آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔"

"واہ کمال ہے بھئی...... آپ کو پتا ہے کہ سرکار اس وقت کس کی ہے...... میرے والد

جناب امیر علی شاہ صاحب کی...... بڑے اچھے تعلقات ہیں ان کے، بہت بڑے بڑے لوگوں سے رابطہ ہے لیکن آپ نے بھی خاصی محنت کی ہے...... آخر مجھے کلینک سے یہاں تک لانے میں آپ کو کام تو کرنا ہی پڑا ہوگا...... میرا خیال ہے میں آپ سے فضول باتیں کر رہا ہوں...... چلئے پھر آپ ہی شروع ہو جائیے...... کیا ہے آپ کا اسکرپٹ مجھے سنائیے لیکن ذرا تفصیل کے ساتھ...... ورنہ آپ کو اتنا تو علم ہوگا ہی کہ میں ایک ذہنی مریض ہوں اور کاٹ بھی سکتا ہوں، پتھر بھی مار سکتا ہوں۔" رحمٰن علی شاہ خاصی شگفتہ طبیعت کا مالک تھا۔

"آپ کا کہنا بھی کافی حد تک درست ہے مسٹر رحمٰن علی شاہ، لیکن آپ کو جو تمام تفصیلات بتائی جائیں گی ان میں سے کچھ پہلو آپ کے لئے بڑے دُکھوں کا باعث ہوں گے...... کیا آپ ان دُکھوں کو برداشت کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں؟"

"میرے بارے میں اگر آپ تفصیل سے کچھ جانتے ہیں تو یہ سوال بے کار ہے، جو شخص اپنی محبتیں کھو چکا ہو، جس کے وہ سہارے چھن چکے ہوں، جن سہاروں پر اسنے پوری زندگی کا انحصار کیا ہو اور اس کے باوجود اپنے آپ کو قابو میں رکھے ہوئے ہو، وہ اور کیا کر سکتا ہے...... آپ مطمئن رہیں نہ میں جنونی قسم کا جذباتی ہوں اور نہ ہی میرے اندر اتنی ہمت ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ میں ایک ایسی جگہ قید رہا ہوں جہاں انسان اپنی مرضی ہی سے قید رہ سکتا ہے...... میں کلینک سے بھاگنے کی کوشش بھی کر سکتا تھا اور اتنا بزدل یا کمزور بھی نہیں ہوں کہ وہاں سے نہ نکل سکتا لیکن میں وہیں وقت گزار رہا ہوں جانتے ہیں کیوں؟ صرف اس لئے کہ میں اپنے سہاروں کی تلاش میں تھا...... ماں، باپ زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ ہوتے ہیں...... ذرا الٹی بات کہہ رہا ہوں، حالانکہ کہا یہ جاتا ہے کہ اولاد والدین کا سرمایہ ہوتی ہے لیکن اولاد کے لئے بھی تو والدین کی یہی کیفیت ہوتی ہے...... میں وہ بد نصیب ہوں جو اپنے اس سرمائے سے محروم ہو چکا ہوں اور خود میرے والدین مجھے نگاہوں سے گرا چکے ہیں...... اس کے بعد بھلا کیا حیثیت رہ جاتی ہے میری، چنانچہ یہ سمجھ لیجئے کہ میں ایک بے حس اور ناکارہ انسان ہو کر رہ گیا ہوں آپ کو کسی بھی طور مجھ سے کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہئے۔" رحمٰن علی شاہ کے الفاظ درد میں ڈوبے ہوئے تھے، جسے شہاب اور بینا دونوں نے ہی محسوس کیا اور دونوں ہی تھوڑے سے افسردہ ہوگئے۔

ایک لمحے کے لئے رحمٰن علی شاہ پر بھی ایک تاثر قائم ہو گیا تھا لیکن پھر اس نے اپنے

آپ کو سنبھال لیا اور مسکرانے لگا پھر آہستہ سے بولا۔

"ہم لوگوں نے گفتگو کا آغاز ہی غلط انداز سے کیا ہے...... پہلے تو میرے سوالات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے...... آپ لوگ کون ہیں...... یہ جگہ کون سی ہے...... کیا کلینک ہی کا کوئی حصہ ہے یا میں وہاں سے ہٹ آیا ہوں اور اگر ہٹ آیا ہوں تو کس طرح کہ مجھے یہاں تک پہنچنے کا علم نہیں ہو سکا...... جب کہ نہ تو میں بیمار ہوں اور نہ کسی اور ایسی کیفیت کا شکار...... آرام سے اپنے بیڈ پر سویا تھا، یہاں آنکھ کھلی ہے...... دیکھئے نا انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ کوئی شخص اپنے بارے میں کچھ بتانے سے پہلے وہ حالات جاننے کی کوشش کرے جو اس کے ذہن میں واضح نہ ہوں براہ کرم آپ مجھے یہ تمام تفصیلات بتائیے تاکہ پھر میں آپ سے تعاون کر سکوں، کیونکہ مجھے احساس ہو چکا ہے کہ آپ مجھ سے کچھ چاہتے ہیں۔"

شہاب نے خود کو سنبھال لیا اور پھر آہستہ سے بولا

"میرا نام شہاب ہے اور یہ میری ساتھی مس بینا ہیں...... یوں سمجھ لیجئے کہ ہم دونوں کا تعلق سکیورٹی کے ایک ایسے محکمے سے ہے جو بہر طور اپنے فرائض بھی پورے کرتا ہے اور انسانیت کے راستے بھی ہموار کرتا ہے۔"

"بڑی مضحکہ خیز بات کہی ہے آپ نے۔"

"کیوں؟" شہاب بولا۔

"میں سکیورٹی ہی کا تو شکار ہوا ہوں کیا آپ کو یہ بات معلوم نہیں ہے...... ڈاکٹر نصرت کبیر بے حد شریف انسان ہیں...... شاید وہ ایک لمحہ بھی مجھے اپنی قید میں رکھنا پسند نہیں کرتے لیکن میرے والد کے اختیارات اتنے وسیع ہیں کہ وہ تو ایک اجنبی آدمی ہے، اگر میں بھی چاہوں تو اپنے باپ کے خلاف جنگ نہیں لڑ سکتا، آپ آخر ایسے کون سے محکمے سے متعلق ہیں جو ان صاحب اختیار لوگوں کے زیر اثر نہیں آتا جو میرے والد کے ہمنوا ہیں۔"

شہاب نے آہستہ سے کہا۔ "اصل میں یوں سمجھ لیجئے کہ ہم اس دور کے بے وقوف لوگ ہیں اور ہماری آرزو یہ ہے کہ ہم اپنی حماقتوں کا دائرہ محدود نہ رکھیں بلکہ جس قدر اسے وسعت دے سکتے ہیں دیں اور حقیقی معنوں میں وہ کام کریں جو ہمارے فرائض میں داخل ہے اسی بنیاد پر ہم لوگ کام کر رہے ہیں۔"

"کیا میرے والد کو آپ لوگوں کے بارے میں علم ہے؟"

"نہیں...... ہو گا بھی نہیں...... اگر علم ہوتا تو ہم آپ کو ڈاکٹر نصرت کبیر کے کلینک سے یہاں تک لانے میں کامیاب نہیں ہو پاتے۔"

وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر اس نے گردن ہلا کر کہا۔

"ہاں یہ تو میں مانتا ہوں لیکن معاف کیجئے گا کہ میرے دل و دماغ میں ایک ہلکا سا شبہ یہ بھی ہے کہ کہیں آپ لوگوں کے روپ میں میرے باپ نے اور کوئی نیا شوشہ نہ چھوڑا ہو۔ ممکن ہے امیر علی شاہ صاحب کے کچھ مفادات ایسے ہوں جن کا میرے ذریعے پورا ہونا ضروری ہو تو انہوں نے یہ نیا سلسلہ شروع کیا ہو...... اصل میں وہ مجھے قتل نہیں کرنا چاہتے کیونکہ بہر طور میرے والد ہیں...... مزید یہ کہ ماں پر مجھے اب بھی بھروسہ ہے...... میری ماں میرے باپ کی محکوم ہیں...... وہ ان کی مرضی کے خلاف ایک لفظ نہیں بول سکتیں اور سب کچھ میرے والد کے قبضہ قدرت میں ہے لیکن بہر طور ماں تو ماں ہی ہوتی ہے...... خیر چھوڑیئے میں پتا نہیں کن اُلجھنوں میں پھنس گیا، آپ مجھے پہلے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیجئے گا تا کہ ذرا سا سکون ہو جائے۔"

"مختصر الفاظ میں اتنا تو ہم بتا چکے ہیں آپ کو کہ ہم آپ کے لئے سرگرداں نہیں ہوئے تھے بلکہ معاملہ غیاث بیگ کا تھا۔" شہاب نے کہا اور پہلی بار رحمٰن علی کے چہرے پر ایک تغیر نمودار ہوا وہ کسی قدر بے اختیار ہو گیا اور اس نے آہستہ سے کہا۔

"اگر آپ غیاث بیگ کے بارے میں جانتے ہیں تو کیا مجھے ان کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں؟"

"آپ یہ بتایئے کہ آپ کچھ پینا پسند کریں گے؟"

"اگر مجھے شربت سکون پلا دیا جائے تو آپ کا یہ احسان میں نہیں بھولوں گا اور آپ سے مکمل تعاون کروں گا۔"

"گویا یہ تفصیلات آپ کو بتا دی جائیں...... ٹھیک ہے لیکن ایک وعدہ کرنا پڑے گا آپ کو...... آپ اپنی متحمل فطرت کا مظاہرہ کریں گے اور کوئی بھی جذباتی قدم اٹھانے کی بجائے صرف ہم سے تعاون کریں گے؟"

رحمٰن علی شاہ آہستہ سے ہنسا اور بولا۔ "نہیں میں واقعی سچ کہہ رہا ہوں، میں شاید بزدل آدمی ہوں، جذباتی قدم نہیں اٹھا سکتا، یہ کمزوری نہ ہوتی میرے اندر تو شاید۔"

"تو پھر بہت سی باتیں آپ کو صبر و سکون سے سننا ہوں گی اور ہمیں ان کے سلسلے میں مطمئن کرنا ہو گا۔"

"آپ بہت سی گفتگو کر کے اپنے الفاظ ضائع کر رہے ہیں...... غیاث بیگ کے بارے میں بتایئے۔"

"ہاں میں وہی بتا رہا ہوں...... یہ بات تو طے تھی کہ امیر علی شاہ صاحب کسی بھی قیمت پر غیاث بیگ کی بیٹی ناہید کو اپنی بہو نہیں بنا سکتے تھے اس کا پس منظر کچھ بھی ہو، میں نہیں جانتا، لیکن آپ کی ضد نے حالات خراب کر دیئے اور انہوں نے جو کچھ کیا وہ آپ کے علم میں ہو گا...... غیاث کا بیٹا ایاز بیگ ابھی تک امیر علی شاہ کی قید میں ہے اور امیر علی شاہ اس کے بل پر غیاث بیگ کو زبان بندی پر مجبور کرتے رہتے ہیں، جوہر خان ناہید کی زندگی کا مالک بنا ہوا ہے...... کچھ عرصے قبل ایک شخص نے آپ سے ملاقات کی تھی...... وہ ایک مقامی ایڈووکیٹ عدنان واسطی تھے اور یہ ان کی بیٹی بینا واسطی ہیں...... یہ لوگ اپنے آپ کو نیک کاموں کے لئے وقف کر چکے ہیں...... ان کے ذریعے مجھے آپ کی یہ کہانی معلوم ہوئی اور ہم لوگوں نے مل کر فیصلہ کیا کہ آپ کو اس مشکل سے نکال لیا جائے۔"

رحمان علی شاہ کی آنکھوں میں نمی آ گئی تھی اس نے آہستہ سے کہا۔

"کاش یہ ممکن ہوتا۔"

"ہم اسے ممکن بنانے کی پوری کوشش کر رہے ہیں اور اس سلسلے میں ہمیں آپ کا تعاون درکار ہے۔"

"بات ابھی ختم نہیں ہوئی آپ مجھے بتایئے یہ کون سی جگہ ہے اور یہاں مجھے کیسے لے آیا گیا ہے؟"

"ہم لوگوں نے اس سلسلے میں کام شروع کر دیا تھا، میں نے غیاث بیگ صاحب سے بھی ملاقات کی...... ان کی بیٹی ناہید اور بیوی سکینہ سے بھی...... بہر طور وہ لوگ آج بھی اپنے بیٹے کے لئے پُرامید ہیں اور یہ بات طے ہے کہ ایاز بیگ ابھی تک امیر علی شاہ کے قبضے میں ہے...... پتا نہیں انہوں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہو لیکن ہو سکتا ہے وہ زندہ ہی ہو۔"

"خدا کرے۔" رحمان علی شاہ نے کہا۔

"بہر حال یہ ساری معلومات حاصل کرنے کے بعد ہم نے ایک پروگرام بنایا اور آپ کو

یہاں لے آئے...... آپ کی جگہ ہم نے ایک ایسے شخص کو وہاں آپ کے کمرے میں منتقل کر دیا ہے جسے میک اپ کے ذریعے آپ کا ہم شکل بنا دیا گیا ہے، یعنی اگر کوئی بھی یہ جاننا چاہے کہ آپ کلینک میں موجود ہیں یا نہیں تو وہ غیر مطمئن نہیں ہوگا کیونکہ آپ کا ہم شکل آپ کا کردار بخوبی انجام دے گا۔"

رحمان علی شاہ کی آنکھوں میں دلچسپی کے آثار نمودار ہوئے اور اس نے آہستہ سے کہا۔

"اوہ ونڈر فل، ویسے کیا آپ کو اس بات کا علم ہے کہ میرا ایک بھائی فیاض علی یہیں شہر میں ہوتا ہے اور میری نگرانی کی ذمہ داری اسی کے سپرد کی گئی ہے؟"

"جی ہاں مجھے یہ بات معلوم ہے۔"

"اور یہ کون سی جگہ ہے؟"

"یہ میری اپنی رہائش گاہ ہے جہاں آپ کو نہایت احتیاط کے ساتھ ڈاکٹر نصرت کبیر کے تعاون سے لے آیا گیا ہے۔"

"ابھی میری کچھ تصویریں بنائی گئی تھیں، کوئی ایک آدھ دن پہلے کی بات ہے۔"

"جی ہاں وہ اسی سلسلے میں تھی کہ آپ کی تصویر کے ذریعے آپ کے ہم شکل کی ترتیب کی جا سکے۔" اب رحمان علی شاہ کی آنکھوں میں مزید دلچسپی کے آثار پیدا ہوگئے تھے پھر اس نے کہا۔

"تو پھر اب...... اب آپ کا مزید پروگرام کیا ہے؟"

"دیکھئے سب سے پہلا سوال تو یہ ہے کہ آپ اپنی محبت کے کھونے کے بعد ذہنی طور پر کیا محسوس کرتے ہیں؟"

رحمان علی شاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، پھر وہ بولا۔ "میں نے اپنی محبت کھوئی کب ہے۔ ناہید آج بھی میرے وجود کا ایک حصہ ہے کوئی بھی انسان اپنے دل کا ٹکڑا جدا کر کے پھینک نہیں سکتا...... میرے والد نے اگر ظلم و ستم کے ذریعے ناہید کے وجود کو ایک بھیڑیئے کے سپرد کر دیا ہے تو اس میں ناہید کا کوئی قصور نہیں ہے، اگر حالات مجھے موقع دیں اور میں ناہید کو واپس بھیڑیئے کے چنگل سے نکال سکوں تو آپ یقین کیجئے کہ ایک پاکیزہ اور معصوم لڑکی کی حیثیت سے میں اسے ساری زندگی کے لئے اپنانے میں فخر محسوس کروں گا۔"

"ویری گڈ...... بہت بڑا مسئلہ حل کیا ہے آپ نے، دوسری بات یہ کہ ایاز بیگ کے

سلسلے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"میں سخت شرمندہ ہوں غیاث بیگ اور اس کے خاندان سے...... امیر علی شاہ میرے والد ہیں لیکن بڑے ظالم انسان ہیں وہ...... انسانوں کی ان کی نگاہ میں کوئی وقعت کوئی قدر ہی نہیں ہے...... میرا دل اب ان کی طرف سے بالکل باغی ہو چکا ہے...... جو شخص اپنے بیٹے کے ساتھ یہ سلوک کر سکتا ہے دنیا کے ساتھ وہ کیا نہ کرتا ہوگا...... معافی چاہتا ہوں شاید میرے الفاظ غلط ہوں، مجھے اپنے آپ کو امیر علی کا بیٹا کہتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے اور نہایت افسوس ہوتا ہے بہر حال۔"

"اصل مسئلہ یہ ہے کہ ایاز بیگ کو تلاش کرنے کی ذمہ داری آپ کے سپرد کرنا چاہتا ہوں۔" شہاب نے کہا اور رحمٰن علی چونک کر اسے دیکھنے لگا...... اس کی آنکھوں میں سوچ کے آثار نمودار ہوگئے تھے۔

کچھ دیر وہ خاموش رہا پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہ ممکن ہو سکتا ہے، میں امیر علی شاہ صاحب کے ایسے خاص آدمی کو جانتا ہوں جو ان کے اس پہلو کی نگرانی کرتے ہیں، یقینی طور پر مجھے ایاز بیگ کے بارے میں ان سے معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔"

"اصل میں سب سے اہم مسئلہ یہی ہے کہ ایاز بیگ کا پتا چل جائے اور ہم اسے بازیاب کرالیں اس طرح غیاث بیگ کی مصیبت بھی ٹل سکتی ہے، جہاں تک مسئلہ ناہید کا رہا تو اسے جوہر خان کے چنگل سے نکالنا مشکل کام نہیں ہوگا، یہ ذمہ داری ہم قبول کرتے ہیں لیکن وقت سے پہلے غیاث بیگ کو غائب کر دینے سے، امیر علی شاہ صاحب ہوشیار ہو سکتے ہیں اور ہو سکتا ہے پھر ایاز زندہ حالت میں غیاث بیگ کو نہ مل پائے۔"

"نہیں خدا نہ کرے، بہت اچھا نوجوان ہے وہ، میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ وہ ذاتی طور پر کتنا نفیس انسان ہے...... آہ...... نہ جانے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ہوگا۔"

"تیسری بات یہ کہ آپ کی والدہ آپ سے تعاون کریں گی؟"

"میری ماں تو یوں سمجھ لیجئے کہ بس مٹی کا بت ہے شوہر پرستی میں اس نے پوری زندگی گزاری ہے، لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ میرے لئے کس طرح غم زدہ ہوگی۔"

"اگر ممکن ہو سکے تو اپنی والدہ سے بھی اس بارے میں معلومات حاصل کیجئے، ہم آپ

کو مکمل آزادی دیں گے، آپ اگر پسند کریں گے تو آپ کے ساتھ کچھ ایسے لوگوں کو بھی متعین کر دیا جائے گا جو آپ کی نگرانی اور حفاظت کریں گے، آپ کو یہ سارا کام اس انداز میں کرنا ہے۔" رحمٰن علی شاہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔

"خدا کی قسم، مجھے زندگی کا خوف نہیں ہے، اصل میں میری فطرت میں محبت کا عنصر بہت زیادہ ہے، میں نے اپنے باپ پر گولی چلائی تھی اس وقت میں دیوانہ ہو گیا تھا، لیکن بعد میں پچھتاتا رہا ہوں، ہمیشہ پچھتاتا رہا ہوں کہ خدانخواستہ اگر گولی انہیں لگ ہی جاتی تو کیا ہوتا، وہ اپنی حرکتوں کی وجہ سے اگر خود فنا ہو جائیں، تو بھی قسم کھا رہا ہوں کہ ذرہ برابر مجھے دُکھ نہیں ہوگا، انسان کی گردن پر پاؤں رکھنے کا حق کسی انسان کو تو نہیں ہے، وہ کیوں اپنی دولت کے بل پر دنیا پر زندگی تنگ کئے ہوئے ہیں، انہیں اگر قدرت کی جانب سے سزا مل جائے گی تو مجھے خوشی ہو گی، بذات خود میں یہ اہلیت نہیں رکھتا اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ مجھ سے یہ کام لے لیں تو میں بخوشی اس کے لئے تیار ہوں، کیونکہ اس میں آپ کا نہیں، سارا مفاد میرا اپنا ہے۔"

"تو پھر یہ سمجھ لیجئے رحمٰن علی شاہ صاحب کہ آنے والے وقت میں ہمارے تعاون سے یہ سارا مسئلہ بخیر و خوبی حل ہو جائے گا۔"

"اگر آپ یہ سمجھتے ہیں تو آپ یہ بھی یقین کر لیجئے کہ میرا رواں رواں ہمیشہ آپ کا احسان مند رہے گا، اگر آپ غیاث بیگ کو اس مشکل سے نکال دیں، جہاں تک مسئلہ رہا ناہید کا تو وہ ایک مشرقی لڑکی ہے...... ہو سکتا ہے اب صورت حال یہاں تک پہنچ جانے کے بعد وہ جوہر خان کو چھوڑنا پسند نہ کرے تو بھی مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا، میں تو اس سے محبت کرتا ہوں، محبت میں پانے کی طلب بھی ہوتی ہے لیکن دیوانگی کی حد تک نہیں، عنصر محبت ہی کا غالب ہوتا ہے...... اگر وہ جوہر خان کو پسند کرے گی اور اس سے نجات حاصل کر کے میرا قرب حاصل کرنا پسند نہیں کرے گی تو بخدا میں جوہر خان کے لئے بھی اپنے تمام حقوق ترک کر سکتا ہوں۔" بینا نے عجیب سی نگاہوں سے شہاب کو دیکھا اور شہاب نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں بینا سچی محبتوں کا یہ ہی پہلو سب سے عظیم ہوتا ہے۔" بینا خاموش ہو گئی۔ تھوڑی دیر تک یہاں مکمل خاموشی طاری رہی، پھر رحمٰن علی نے کہا۔

"شہاب صاحب اس سلسلے میں آپ کے کیا نظریات ہیں، آپ نے مختصراً جواب مجھے بتایا ہے، اس سے زیادہ مجھے معلوم کرنے کی طلب بھی نہیں ہے، اگر آپ مجھ سے یہ کام لینا

چاہتے ہیں تو پورے اعتماد کے ساتھ آپ مجھے اس کے لئے مخصوص کر لیجئے آپ تو میرے لئے سرگرداں ہیں اور میں اپنے لئے یہ سب کچھ کروں گا، اب اس سلسلے میں آپ جس قدر مختصر وقت میں اپنا کام شروع کر سکیں، کر ڈالیں...... امیر علی شاہ کے بارے میں مجھے اچھی طرح معلوم ہے وہ بہت اچھی پی آر رکھتے ہیں اور اپنا ہر کام با آسانی کرا لیا کرتے ہیں...... ہم نے اگر انہیں سوچنے کا وقت دے دیا تو پھر یوں سمجھ لیجئے کچھ نہیں ہو سکتا، میں آپ کا موقف بھی سمجھ چکا ہوں اور آپ کی کارکردگی کا اندازہ بھی لگا چکا ہوں...... مجھے اب اس سلسلے میں آپ احکامات دیجئے کہ میں کیا کروں؟"

"ٹھیک ہے، میں صرف ذہنی طور پر آپ کو اپنے موقف کا قائل کرنا چاہتا تھا...... رحمٰن علی شاہ صاحب آپ بہت نارمل آدمی ہیں، جذبات سے کام لینے میں ہمیشہ نقصانات ہوتے ہیں، بالکل غیر جذباتی ہو کر اس سلسلے میں اقدامات کیجئے...... ہمیں ایک لائحہ عمل مرتب کر لینا چاہئے...... ویسے سچ بتا دوں مجھے امید نہیں تھی کہ آپ کا اس طرح تعاون حاصل ہو جائے گا۔ یہ آپ کی غیر معمولی سمجھ داری ہے کہ آپ نے صورت حال کی نزاکت کو سمجھ کر یہ قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا اور مجھے اس میں خاص دقت پیش نہیں آئی، بہر حال اب صورت حالت صرف یہ ہے کہ آپ کو شاہ پور روانہ ہونا ہوگا خاموشی کے ساتھ، میں آپ کو کچھ ایسے افراد مہیا کر دوں گا جو موجودہ حالت میں آپ کا تحفظ کریں گے، آپ سب سے پہلے اپنی والدہ سے ملئے آپ کو یقینی طور پر اپنی حویلی کے وہ خفیہ راستے معلوم ہوں گے جہاں سے آپ اندر جا سکتے ہیں اور اگر ایسے راستے نہیں ہیں تب بھی آپ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ آپ کو تمام نگاہوں سے بچ کر ایاز بیگ کو تلاش کرنا ہوگا، چنانچہ میرا یہ خیال ہے کہ کل تک آپ اس کام کا آغاز کر ڈالئے، اگر گھر سے آپ کو اس بارے میں پتا نہ چل سکے تو پھر آپ ان لوگوں کو دیکھئے جن سے آپ کو ایاز بیگ کے بارے میں معلوم ہو سکتا ہے، میرے کم از کم چار آدمی آپ کو ہر طرح کا تحفظ دیں گے۔"

"میں تیار ہوں، ایک سوال اور کر لوں؟"

"جی، جی فرمائیے؟"

"کیا، ناہید سے ایک بار مل سکتا ہوں؟"

"آپ ہزار بار ناہید سے ملئے لیکن میرے خیال میں یہ قبل از وقت ہوگا...... وہ ذہنی

طور پر منتشر ہو جائے گی اور ویسے بھی ایک شخص اس پر مسلط ہے جس کا نام جوہر خان ہے اور جہاں تک ہم جوہر خان کے بارے میں معلوم کر سکتے ہیں وہ امیر علی شاہ صاحب کا خاص آدمی ہے سمجھ لیجئے بات بگڑنے کا اندیشہ ہو گا۔"

"جی آپ ٹھیک کہتے ہیں، چلئے ٹھیک ہے، بہر طور میں خوش دلی کے ساتھ تیار ہوں۔" شہاب نے گہری سانس لے کر گردن ہلائی اور بولا۔

"آپ کو صبح تک یہاں قیام کرنا ہو گا، کل کسی بھی شکل میں آپ کے شاہ پور روانہ ہونے کے انتظامات کر دیئے جائیں گے۔"

"بے حد مناسب۔" رحمٰن علی شاہ نے کہا پھر وہ اسے وہیں اسی کمرے میں آرام کرنے کا مشورہ دے کر باہر نکل آئے بینا مسکرا رہی تھی۔

"واقعی حالات حیرت انگیز طور پر ہموار ہو گئے ہمیں اس کی امید نہیں تھی۔" شہاب پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا...... بینا بھی خاموش ہو گئی تھی...... دفعتاً شہاب نے چونک کر کہا۔

"آپ کو نیند تو نہیں آ رہی بینا؟"

"نہیں...... کیا آپ کو ایسا محسوس ہوا ہے۔"

"مجھے محسوس ہونا چاہئے...... آپ کو ایک حد تک ہی پریشان کر سکتا ہوں میں۔"

بینا اسے دیکھ کر مسکرانے لگی، پھر بولی۔ "جناب میری کوئی حد نہ مقرر کیجئے گا...... میں اعتراف کرتی ہوں کہ ابھی میں ایسی کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کر سکی ہوں جو آپ کو متاثر کرے لیکن مستقبل میں کچھ نہ کچھ ایسا ضرور کر کے دکھاؤں گی جس سے آپ کی نگاہوں میں اہمیت حاصل کر لوں۔"

شہاب نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا...... پھر بولا۔ "آپ نے واقعی مجھے شرمندہ کر دیا...... اس کا اعتراف کرتا ہوں لیکن مس بینا، آپ کی کوئی حد نہیں ہے۔"

"تب پھر آپ ایسے کیوں سوچتے ہیں، مجھے نیند آئے گی میں آپ سے کہہ دوں گی۔"

"اوکے!" شہاب نے کہا پھر دونوں نہ جانے کب تک بیٹھے آئندہ کے پروگرام پر باتیں کرتے رہے...... دونوں کا متفقہ فیصلہ تھا کہ ابھی بہت سے مشکل ترین کام باقی ہیں لیکن وہ اپنے منصوبوں سے بہت پرامید تھے۔

رحمان علی اپنی جگہ لیٹا چھت کو گھور رہا تھا۔ اس کی عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔ دنیا سے اعتماد اٹھ گیا تھا...... اپنا گھر ماں باپ بہن بھائی، یہی تو محفوظ رشتے ہوتے ہیں۔ دوسرے رشتوں پر شک کیا جا سکتا ہے لیکن یہ رشتے ابھی مشکوک نہیں ہوئے۔ جہاں یہ رشتے مشکوک ہو جائیں وہاں بدقسمتی کی انتہا ہوتی ہے اور وہ اپنے آپ کو اتنا ہی بدقسمت سمجھتا تھا، بزدل یا کمزور نہیں تھا، لیکن دلیری کا مظاہرہ کرتا تو کس پر، باپ پر، بھائیوں پر، حالانکہ امیر علی شاہ نے جو کچھ کیا تھا وہ ایسا نہیں تھا کہ اس کے بعد وہ باپ بیٹے کے رشتے کو اولیت دیتا، سب کچھ چھین لیا تھا اس نے اپنی انا کی تسکین کے لئے، اتنا برا کیا تھا اس نے کہ اس کے بعد باپ کا تصور دل میں لا کر شرم محسوس ہوتی تھی، لیکن پھر بھی کبھی کبھی وہ یہ سوچتا تھا کہ اگر وقت نے اسے موقع دیا اور وہ اس جال سے نکل گیا تو باپ اور بھائیوں کے خلاف زیادہ سے زیادہ کیا کر سکتا ہے، سب سے زیادہ غم تھا تو غیاث بیگ کی بربادی کا، ناہید کو اس سے محبت کی جو سزا ملی تھی، وہ تو جو کچھ تھی سو تھی ہی لیکن غیاث بیگ کی آنکھوں کی بینائی چھین لی گئی تھی اور اس کا بیٹا جس مصیبت میں گرفتار ہو گیا تھا اس پر رحمان علی شاہ کا دل بہت تڑپتا تھا۔ ادھر ڈاکٹر کبیر تھا ایک انتہائی شریف انسان جس پر الگ بپتا پڑی تھی اپنے باپ کو رحمان علی سے زیادہ اور کون جانتا تھا کہ اگر ڈاکٹر کبیر کسی بھی مشکل میں اس کے ساتھ کوئی رعایت کرے تو کتنی مصیبت میں گرفتار ہو جائے گا، لیکن اب جو صورت حال پیش آئی تھی، وہ مختلف محسوس ہوتی تھی، وہ ان لوگوں کے بارے میں اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ یہ ہیں کیا چیز، گفتگو بے شک ہوئی تھی، لیکن دنیا پر اعتبار نہیں رہا تھا اسے، وہ اس گفتگو کا پس منظر تلاش کرنا چاہتا تھا کون سا ایسا عمل ہے جس کی بنا پر یہ لوگ اس کے ہمدرد بنے ہیں۔ بہر حال اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ان

سے تعاون کیا جائے، ہو سکتا ہے ایاز بیگ کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہو جائیں۔ ماں کا تصور بھی ذہن میں تھا۔ ابھی تک دل کو اس بات پر قرار تھا کہ ماں کو اس کی پتا صحیح طور پر نہیں معلوم ہو گی اور وہ ضرور اس کے لئے تڑپتی ہو گی۔ باقی تینوں بھائی، وہ تو سنگدل تھے اور باپ کے ساتھ شانہ بشانہ اس کی مخالفت میں پیش پیش رہے تھے۔ غرضیکہ رحمان علی شاہ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب وہ اس سلسلے میں کچھ نہ کچھ کر کے ہی رہے گا۔

دوسرے دن شہاب، رحمان علی شاہ کے پاس پہنچ گیا، وہ اس کے لئے لباس لایا تھا اور ضرورت کا دوسرا سامان بھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے رحمان علی شاہ کو دیکھا اور کہا۔

"تمہاری آنکھوں کی ہلکی سی سرخی بتاتی ہے کہ رات کو بالکل نہیں سو پائے، فطری بات تھی کہ تم ہم دونوں کے بارے میں سوچتے رہے ہو گے۔ بہر حال کچھ بھی سوچو، لیکن دوست جب تک ہماری جانب سے تمہیں یہ یقین نہ ہو جائے کہ ہم غلط لوگ ہیں اور کسی کے ایما پر کام کر رہے ہیں، ہم سے منحرف ہونے کی کوشش نہ کرنا، کیونکہ ایک بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ اگر تم منحرف ہو گئے تو ہمیں تو خیر شاید کوئی نقصان نہ پہنچے لیکن دوسرے چند افراد کو نقصان پہنچ جائے گا۔ تمہارے والد کے بارے میں ایسے الفاظ میں بالکل نہیں کہوں گا جو ان کی شان میں گستاخی کے مترادف ہوں لیکن وہ صاحب اختیار ہیں، جس پر بھی شبہ ہو گا اسی کو تباہ کرنے کی کوشش کریں گے اور اس سلسلے میں غیاث بیگ سب سے پہلا نشانہ بن سکتا ہے، کیونکہ یہ کھیل اسی کے گرد گھومتا ہے۔" رحمان نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی اور بولا۔

"اصل میں مسٹر شہاب حقیقت یہ ہے کہ دنیا سے اتنا بددل ہو گیا ہوں کہ اب اپنی ذات پر بھی اعتبار کرنے کو جی نہیں چاہتا، لیکن آپ مطمئن رہیں میری ذات سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔"

"اس بات سے میں بالکل مطمئن ہوں رحمان شاہ صاحب۔ بس فکر اس بات کی ہے کہ آپ جذباتی ہو کر اپنے طور پر کوئی غلط فیصلہ نہ کر بیٹھیں، اگر کوئی ایسا قدم اٹھانا پڑے جس کا میرے پروگرام سے کوئی تعلق نہ ہو تو براہ کرم مجھ سے مشورہ کر لیجئے۔"

"وعدہ کرتا ہوں کہ دوبارہ چاہے زندگی سے ہاتھ دھونے پڑیں آپ سے انحراف نہیں کروں گا، اس وقت تک جب تک کہ یہ یقین نہیں ہو جائے گا کہ میں دلدل میں پھنس چکا ہوں۔"

"یہ آپ کے لئے لباس ہے، یہ کچھ رقم، اس کے علاوہ میں آپ کو بتا ہی چکا ہوں کہ آپ کے تحفظ کے لئے بھی میں نے بندوبست کر دیا ہے۔"

"کیا آپ سے یہ درخواست کر سکتا ہوں کہ باقی سب کچھ کر لیجئے گا میرے تحفظ کا مسئلہ درمیان میں نہ لائیے، میں نہ تو بزدل ہوں نہ بے وقوف، اپنا پورا پورا خیال رکھوں گا۔"

"بہتر ہے، مجھے اس پر بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟"

"تھینک یو۔" رحمان علی نے کہا اور پھر تمام تیاریوں کے بعد شہاب نے اسے خدا حافظ کہا اور باہر نکل آیا۔

دنیا کتنی عجیب و غریب لگ رہی تھی، حالانکہ بہت مختصر وقت ہوا تھا اسے، لیکن نجانے کیوں ایسا لگتا تھا جیسے صدیاں بیت گئی ہوں، سارا ماحول اجنبی اور نیا ہو، شاہ پور جانے والی کوچ میں بیٹھا ہوا وہ اسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ جہاں جا رہا ہے، وہاں بچپن سے جوانی تک کا ایک ایک لمحہ گزرا ہے اور ان لمحوں کی داستانیں بڑی عجیب و غریب ہیں، لیکن اب یہ یقین ہی نہیں آتا کہ ان کا خود اس کی ذات سے کوئی تعلق ہے۔

شاہ پور پہنچ گیا، ہر چیز جانی پہچانی تھی، لوگ بھی جانے پہچانے تھے، لیکن اب وہ محتاط ہو گیا تھا، جس شخص نے اسے آزادی دلا کر شاہ پور تک پہنچایا ہے اس کا مان رکھنا ضروری ہے، چنانچہ اس نے بنگلہ پوری کی طرف رُخ کر لیا، بنگلہ پوری بنجر زمین کا علاقہ تھا، وہاں زیادہ تر جھاڑیاں وغیرہ اُگی ہوئی تھیں اور اس زمین کو کوششوں کے باوجود کاشت نہیں کیا جا سکا تھا، اس زمین کی کہانی بھی عجیب تھی، قدیم زمانے کی داستانوں میں سے ایک، سنا جاتا تھا کہ یہ زمین کبھی بہت ہری بھری تھی اور سونا اُگلنے والی زمینوں میں تصور کی جاتی تھی، لیکن پرانے دور کے ایک زمیندار نے اس زمین کو اس کے اصل مالک سے چھین کر اپنی تحویل میں لے لیا اور اصل مالک کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے بعد اس زمین پر کبھی کاشت نہ ہوئی اور ایک انوکھی داستان بن کر رہ گئی، یہ پرانی کہانی تھی اب بھی زمین جوں کی توں پڑی ہوئی تھی اور اس پر ایسے آثار نظر آتے تھے کہ جیسے کسی زمانے میں یہ بھی سرسبز ہو گی، دلوں کو ویران کر دینے والے نجانے خود کس طرح اپنے گناہوں سے چھٹکارا پاتے ہیں، بہت سی ایسی ٹوٹی پھوٹی عمارتیں یہاں موجود تھیں جو پرانے وقتوں کی یادگار تھیں، وہ انہی عمارتوں کا سہارا لیتا ہوا سفر کرتا رہا اور پھر ایک جگہ اس نے قیام کیا، حویلی میں داخل ہونے کے لئے رات کا وقت

زیادہ موزوں تھا اور اپنی اس حویلی میں دوسروں کی نگاہوں سے بچ کر اندر داخل ہو جانا رحمان علی شاہ کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ یہی تو وہ جگہ تھی جہاں اس نے چھپ چھپ کر آنکھ مچولی کھیلی تھی اور ایسی لاتعداد جگہیں دریافت کرلی تھیں جہاں دوسروں کی نگاہیں نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ رات کو وہ اپنی حویلی میں داخل ہو گیا، سب کا سب جوں کا توں، ماحول میں بھی کوئی تبدیلی نہیں پیدا ہوئی تھی، بس وہ یہاں چوروں کی طرح آیا تھا اور پھر چوروں ہی کی مانند وہ اس جگہ پہنچ گیا۔ جہاں اس کی ماں کا کمرہ تھا، امیر علی شاہ بہت مغرور اور بددماغ آدمی تھا ماں کے ساتھ وہ کبھی اس کے کمرے میں نہیں رہتا تھا اس نے اپنی خواب گاہ الگ بنائی ہوئی تھی۔ بھائیوں کی خواب گاہیں بھی الگ الگ تھیں، لیکن اس وقت یہ اس کے لئے بہتر ہی ثابت ہوا وہ جانتا تھا کہ کون سی کھڑکی اور کون سے راستے سے گزر کر ماں کے کمرے میں پہنچ جا سکتا ہے، چنانچہ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ اس مسہری کے سرہانے پہنچ گیا جس کے اوپر اس کی ماں نیم دراز تھی، نجانے کس کیفیت کا شکار، رات ابھی اتنی زیادہ نہیں ہوئی تھی کہ ماں سو گئی ہو لیکن اتنا وقت ضرور ہو گیا تھا کہ وہ اپنے معمولات سے فراغت حاصل کر چکی ہو تھوڑی دیر تک وہ ماں کی آہٹیں محسوس کرتا رہا، باہر کا دروازہ دیکھا تو وہ اندر سے بند تھا پھر وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ماں کے پائنتی کچھ فاصلے پر آکر کھڑا ہو گیا اور دفعتاً اس کی ماں نے اسے دیکھ لیا۔ وہ کہنیوں کے بل دراز تھی اور کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی، لیکن رحمان علی شاہ کو دیکھ کر اس کے بدن میں کوئی تغیر نمودار نہ ہوا، البتہ اس کے ہونٹوں پر ایک سوئی سوئی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس مسکراہٹ میں مامتا جھلک رہی تھی، پھر دفعتاً ہی وہ بسورنے لگی، اس کی سسکیاں اُبھرنے لگی تھیں، اس نے آہستہ سے کہا۔

"کیسا ہے میرے بچے! کہاں ہے تو، کہاں چلا گیا تو رحمان، مجھے بتا تو دے میرے لعل کیا ہو گیا تجھے، کہاں کھو گیا ہے تو، کیوں مجھے تڑپا رہا ہے رحمان، مجھے بتادے کہاں ہے تو، میں کب تک تجھے خوابوں کی طرح دیکھتی رہوں، کیا بپتا پڑی ہے تجھ پر میرے لعل، مجھے کوئی نہیں بتاتا، کوئی بھی نہیں بتاتا مجھے، سب کے سب سنگدل ہو گئے ہیں، تو خود ہی مجھے بتادے کبھی، کہاں ہے تو، کہاں چلا گیا ہے، کہاں کھو گیا ہے؟"

رحمان علی کا دل بیٹھنے لگا۔ ماں اسے صرف ایک تصور سمجھ رہی ہے، وہ اسے خوابوں کی طرح دیکھ رہی ہے اور وہی سمجھ کر اس سے بات کر رہی ہے۔ اس کا دل چاہا کہ دوڑ کر ماں سے

لپٹ جائے، پھر ایک اور احساس اس کے دل میں جاگا، اگر ماں کو یہ پتا چل جائے گا کہ میں یہاں آیا ہوں تو وہ سادہ لوح عورت اپنے اس تاثر کو کسی سے نہیں چھپا سکے گی، البتہ اس کی باتوں سے اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ بھائیوں نے اور باپ نے اسے حقیقت نہیں بتائی ہے، کوئی بہانہ کر دیا گیا ہو گا اس سے۔ ایک لمحے میں رحمان علی نے یہ فیصلہ کیا کہ ماں سے وہی کیفیت برقرار رکھے گا جو اس کے اپنے ذہن میں بیدار ہوئی ہے۔ وہ ایک قدم آگے بڑھا اور اس نے آہستہ سے کہا۔

"ماں۔"

"میرے بچے، میرے لعل۔" ماں کی سسکیاں اُبھرنے لگیں۔

"ان لوگوں نے کچھ نہیں بتایا۔ میرے بارے میں ماں؟"

"نہیں، نہیں بتایا، آہ کسی نے کچھ نہیں بتایا، ایک ایک سے پوچھا ہے، میں نے کہ کہاں کھو دیا رحمان کو تم لوگوں نے، لیکن بڑے سنگدل ہیں، کچھ نہیں بتاتے۔"

"ماں، انہوں نے میرے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے، میرے ساتھ ہی نہیں بلکہ ناہید کے ساتھ بھی بڑا ظلم کیا ہے۔"

"ہاں، مجھے رشیدہ بتا رہی تھی، کچھ بھنک اس کے کانوں میں پڑی تھی۔ ناہید کی شادی ہو گئی ہے، غیاث بیگ شاہ پور چھوڑ کر کہیں اور چلا گیا ہے۔"

"نہیں ماں ایسا نہیں ہوا، ناہید کی شادی تو زبردستی کسی سے کرا دی گئی ہے اور بابا نے اس کے بھائی ایاز بیگ کو گرفتار کر لیا ہے، انہوں نے اسے قید میں ڈال دیا ہے، ماں ایاز بیگ تو بے قصور تھا، قصوروار تھی تو اس کی بہن ناہید جسے اس کے قصور کی سزا دے دی گئی، تمہیں ایاز بیگ کے بارے میں کچھ نہیں معلوم؟"

"نہیں میں نہیں جانتی، میں تو کچھ بھی نہیں جانتی، مگر تو کہاں ہے، تو کب واپس آئے گا میرے پاس؟"

"بہت جلد ماں بہت جلد۔"

"دشمنوں نے تجھے کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا؟"

"نہیں ماں، میں حالات کے تحت روپوش ہو گیا ہوں۔ میں تمہارے پاس واپس آجاؤں گا، لیکن اس وقت تک نہیں، جب تک کہ ایاز بیگ کا پتا نہیں چل جاتا، تم بابا سے پوچھ

کر بتاسکتی ہو کہ ایاز بیگ کہاں ہے؟"

"اگر وہ اس کے بارے میں جانتے ہیں تو کبھی نہیں بتائیں گے، لیکن مجھے یقین ہے کہ خیر خان اور گل باز اس بارے میں ضرور جانتے ہوں گے وہ تو اس کے دست و بازو ہیں، میں نے ان سے بھی پوچھا کہ میرا رحمان کہاں ہے وہ بھی نہیں بتاتے، آہ میں کس سے پوچھوں، کس سے معلوم کروں۔" وہ دوپٹہ آنکھوں پر رکھ کر رونے لگی، رحمان علی شاہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ معصوم عورت کو واقعی اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہے، اسے مضطرب اور بے کل کرنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا، چنانچہ جیسے ہی اس نے آنکھوں پر دوپٹہ رکھا وہ خاموشی سے اپنی جگہ سے ہٹا اور اونچی مسہری کے نیچے داخل ہو گیا تا کہ وہ اسے خواب ہی سمجھتی رہے اور اس کا وجود مضطرب نہ ہو، ماں چند لمحات روتی رہی اور پھر اس نے جب اسے اپنے سامنے نہ پایا تو ایک ٹھنڈی سانس لے کر مسہری پر لیٹ گئی، اب اس کے بعد رحمان علی شاہ کا یہاں رکنا مناسب نہیں تھا، وہ ایک مشن پر آیا تھا اور کسی جذباتی کیفیت کا شکار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ کچھ دیر کے بعد جب غم زدہ عورت تھوڑا سا سکون پا گئی اور نیم غنودگی کی کیفیت کا شکار ہو گئی تو وہ خاموشی سے اپنی جگہ سے نکلا اور بے آواز چلتا ہوا اس کھڑکی تک پہنچ گیا جہاں سے وہ باہر نکل سکتا تھا۔ ایسی کھڑکیاں اس حویلی کی ہر خواب گاہ میں موجود تھیں۔ نجانے امیر علی شاہ نے اس طرح کی کھڑکیاں کیوں تعمیر کرائی تھیں، شاید اس لئے کہ متبادل دروازہ موجود رہے لیکن ایک طرح سے یہ کھڑکیاں مخدوش بھی تھیں، اگر صحیح طور پر بند نہ کی جاتیں تو انہیں کوئی بھی خواب گاہ کے بیرونی دروازے کے متبادل استعمال کر سکتا تھا لیکن ایسی کھڑکیاں اس وقت رحمان علی شاہ کے لئے بڑی کار آمد ثابت ہوئی تھیں...... وہ انہیں کھولنے کا صحیح طریقہ بھی جانتا تھا کیونکہ اسی حویلی کا ایک فرد تھا۔ راہداری میں پہنچنے کے بعد وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ ماں سے ملاقات ہوئی تھی۔ خیر خان اور گل باز اس کے اپنے ذہن میں بھی تھے، یہ امیر علی شاہ کے وہ دو خاص ملازم تھے جو اس کے بالکل خفیہ کام کیا کرتے تھے اور نہایت قریبی راز دار تصور کئے جاتے تھے۔ کسی مناسب جگہ رُک کر اب رحمان علی شاہ دوسرے فیصلے کرنا چاہتا تھا۔

راہداری کے موڑ کے دوسری جانب نکلا ہی تھا کہ اچانک بائیں سمت بنے ہوئے کمرے کے دروازے سے گلزار علی شاہ باہر نکل آیا۔ جگہ ایسی تھی کہ رحمان یا تو پلٹ کر بھاگنے کی

کوشش کرتا یا پھر گلزار علی شاہ کے سامنے ہی آجاتا لیکن حاضر دماغ انسان تھا، بھاگنے کی کوشش پر اگر گلزار علی شاہ شور مچا دیتا تو حویلی کے اور بھی بہت سے افراد نکل کر اس کا پیچھا کرتے اور کہیں نہ کہیں اسے گھیر لیا جاتا۔ یہ تو بعد کی بات تھی کہ ملازم اس کی اصلیت سے واقف ہوتے، چنانچہ اس نے ایک دم ایک بہترین ترکیب پر عمل کیا۔ پتھرائے ہوئے نقوش کے ساتھ وہ آہستہ قدموں سے چلتا ہوا گلزار علی شاہ کے سامنے سے گزر گیا۔ اس نے گردن تک نہیں موڑی تھی، ایک پتھرایا ہوا سا انداز اسے کسی غیر حقیقی مخلوق کی شکل میں پیش کر رہا تھا۔ اس نے چال کو بھی ایسا ہی رنگ دے دیا تھا جیسے اس میں زندگی کا وجود تک نہ ہو۔ گلزار علی شاہ کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا لیکن راہداری کا دوسرا موڑ گھومتے ہی رحمان علی شاہ نے برق رفتاری سے دوڑ لگا دی، اسے اپنے عقب میں دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ تب ہی اسے وہ کھڑکی نظر آ گئی جو اس کے باپ کی خواب گاہ کی کھڑکی تھی اور جس کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے۔ گلزار علی شاہ کی نگاہوں سے بچنے کے لئے اس وقت یہی ایک طریقہ تھا کہ وہ اس کھڑکی میں داخل ہو جائے اور اس نے اس سے گریز نہیں کیا۔ ہر طرح کا خطرہ مول لے چکا تھا وہ۔ ہو سکتا ہے اب اس کا سامنا امیر علی شاہ سے ہو جائے، لیکن تقدیر نے یہاں ساتھ دیا۔ امیر علی شاہ غسل خانے میں تھا اور غالباً وہاں کی روشنی بجھا کر باہر آ ہی رہا تھا اتنی دیر میں رحمان علی شاہ اس کی مسہری کے نیچے رینگ گیا اور چت ہو کر ساکت ہو گیا۔ اس نے اپنے باپ کے پاؤں دیکھے جو آہستہ آہستہ مسہری کی جانب آ رہے تھے، امیر علی شاہ مسہری پر آ کر بیٹھ گیا لیکن اسی وقت اس کے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی اور وہ چونک پڑا اپنی جگہ سے اٹھا اور اٹھ کر کر دروازہ کھول دیا۔ رحمان علی شاہ سانس روکے باہر کی آہٹیں سن رہا تھا، اگر اس کا اندازہ غلط نہیں تھا تو یہ گلزار علی شاہ ہی ہو سکتا تھا، ہانپ رہا تھا اور اس کے گہرے گہرے سانسوں کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ امیر علی شاہ نے اس سے پوچھا تھا۔

"کیا بات ہے؟"

"بابا جانی...... بابا جانی۔ میں نے۔ میں نے رحمان علی شاہ کو دیکھا ہے؟"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟ اندر آؤ، دروازے میں کیوں کھڑے ہو۔" امیر علی شاہ کی بھاری آواز سنائی دی۔

"بابا جانی۔ مُح...... خدا کی قسم وہ رحمان علی شاہ ہی تھا۔ بابا جانی...... وہ...... وہ یوں لگتا تھا جیسے کوئی روح سفر کر رہی ہو، بابا جانی میں نے اسے راہداری میں دیکھا تھا۔"

"کیا نشے میں ہو۔ امیر علی شاہ بھاری آواز میں بولا۔"

"میں آپ کی قسم کھاتا ہوں بابا جانی بالکل نشے میں نہیں ہوں میں، پورے ہوش و حواس میں ہوں۔ اپنے کمرے سے باہر نکل رہا تھا کہ میں نے رحمان علی کو دیکھا۔ سیدھا سیدھا چلا جا رہا تھا اور بابا جانی میرے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے گردن گھما کر بھی میری جانب نہیں دیکھا اس کی آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں۔ چہرہ سامنے کی طرف تھا اور وہ اس طرح چلا جا رہا تھا جیسے وہ کوئی زندہ انسان ہی نہ ہو۔"

"کیا بکواس کرتے ہو۔"

"بابا جانی میں جھوٹ نہیں بول رہا آپ میری بات کا یقین کیجئے۔"

"اچھا...... پھر کیا ہوا؟"

"پھر ایک لمحے کے لئے تو میں بابا جانی سکتے میں رہ گیا تھا، لیکن جب مجھے سنگین صورت حال کا احساس ہوا تو میں نے دوڑ لگائی اور اس کے بعد میں نے اس کا نشان نہیں پایا۔"

"نشان نہیں پایا؟"

"ہاں بابا جانی۔"

"تو کیا وہ ہوا میں تحلیل ہو گیا؟"

"بابا جانی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"لیکن میں یہ کہہ سکتا ہوں تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"بابا جانی آپ مجھ پر یقین کر لیجئے ایسی کوئی بات نہیں ہے آپ یقین کریں بابا جانی میں آپ سے جھوٹ نہیں بول رہا۔"

"دیکھو میں ایسی فضول باتوں پر یقین نہیں کرتا اور تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا۔ کیا وہ۔ کیا وہ؟"

"بابا جانی خدا کے لئے آپ کچھ کیجئے۔ معلوم تو کیجئے اس کے بارے میں۔ وہ کیا وہ...... کیا وہ وہاں سے نکل بھاگا ہے۔ کیا ہوا ہے کیا بات ہے کیا وہ۔ کیا وہ بابا جانی مر چکا ہے؟ اس کی روح نے ادھر کا رُخ کیا ہے؟"

"تم کیا چیز ہو گلزار علی شاہ۔ اس دور میں روحوں کی بات کرتے ہو۔"

"کچھ نہ کچھ تو ہوا ہے بابا جانی۔"

"مجھے تو صرف ایک کام لگتا ہے۔ وہ یہ کہ تمہارا دماغ اپنی جگہ سے کھسک رہا ہے۔"

"میری بات مان لیجئے۔ ہو سکتا ہے میں غلطی پر نہ ہوں۔"

"میں کیا کروں یہ بتاؤ؟"

"اسے اسے تلاش کرائیے، اسے تلاش کرائیے بابا جانی۔"

"اور اگر وہ نہ ملا تو؟"

"کوشش تو کر لی جائے بابا جانی۔"

"ٹھیک ہے یہ کوشش تم بھی کر سکتے ہو۔ میں تمہیں اجازت دے رہا ہوں۔"

"جی بابا جانی۔"

"جاؤ اور اس کوشش کے نتیجے سے مجھے آگاہ کرو۔" امیر علی شاہ نے کہا اور گلزار علی شاہ گردن جھکائے باہر نکل گیا پھر اس کے بعد بھاگتے دوڑتے قدموں کی آوازیں یہاں تک آتی رہیں اور امیر علی شاہ غالباً اپنی مسہری پر بیٹھا گلزار علی شاہ کی شاندار کارروائیوں کا انتظار کرتا رہا تھا۔ تقریباً پینتالیس منٹ تک یہ بھاگ دوڑ جاری رہی اور اس کے بعد امیر علی شاہ اپنی مسہری سے نیچے اتر آیا، دروازے پر پہنچا اور صورت حال معلوم کرنے کی کوشش کرنے لگا پھر غالباً گلزار علی شاہ اور شاد علی شاہ دونوں ہی ساتھ ساتھ کمرے میں آئے تھے۔۔ امیر علی شاہ کی آواز اُبھری۔

"یہ شاد علی کو گرفتار کیا ہے تم نے؟"

"بابا جانی، یہ میرے ساتھ اس کی تلاش میں شریک تھا۔"

"شاد علی۔ تم نے بھی رحمان علی شاہ کی روح کو دیکھ لیا؟"

"نہیں بابا جانی میں نے تو نہیں دیکھا، لیکن جس طرح گلزار بھائی اس بارے میں کہہ رہے ہیں بابا جانی، اسے نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ انہوں نے پورے وثوق کے ساتھ سے بھی یہ بات کہی ہے کہ انہوں نے اسے دیکھا ہے۔"

"دیکھا ہے دیکھا ہے تو پھر گرفتار کیوں نہیں کیا اس کو، مطلب ہے کہ اگر کوئی شخص ہماری حویلی میں داخل ہو جائے تو اسے گرفتار نہیں کیا جا سکتا۔"

"باباجانی اب کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہے۔"

"ٹھیک ہے کیا کرنا چاہتے ہو مجھے بتاؤ۔"

"میرے خیال میں ابھی اور اسی وقت فیاض علی شاہ کو فون کیا جائے اور ان سے کہا جائے کہ وہ فوراً اس بات کی تحقیقات کریں۔ فوراً دیر نہ کی جائے۔"

"ہوں۔ ٹیلی فون اٹھاؤ۔" امیر علی شاہ نجانے کیوں اس اقدام کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ ٹیلی فون اٹھا کر اس کے سامنے رکھ دیا گیا اور اس کے بعد امیر علی شاہ نے نمبر ملایا۔ تھوڑی دیر کے بعد دوسری طرف سے آواز سنائی دی تھی جس کے جواب میں امیر علی شاہ نے کہا۔

"تمہیں ابھی اور اسی وقت ایک کام کرنا ہے۔" چند سیکنڈ انتظار کے بعد اس نے کہا "ہاں ہسپتال چلے جاؤ اور رحمان علی شاہ کو چیک کرو۔ فوراً چیک کرو...... تمہارے بھائیوں کا خیال ہے کہ وہ ہسپتال سے بھاگ نکلا ہے لیکن دیر نہیں ہونی چاہئے ابھی اور اسی وقت......" اور اس کے بعد اس نے فون بند کر دیا۔

"تم لوگوں پر جو دیوانگی طاری ہوئی ہے، میں اس سے اتفاق نہیں کرتا لیکن اس کے باوجود اگر ایسا ہو چکا ہے تو پھر ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ اب ہم اس کے سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟"

"باباجانی اس کا وہاں سے فرار ہو جانا ہمارے لئے بہت خطرناک ہو سکتا ہے۔"

"ابھی تو اس نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی۔"

"انسان کے ذہن میں کبھی اور کسی وقت بھی بہت سے خیالات آ سکتے ہیں۔"

"اچھا اچھا ٹھیک ہے اب فیاض علی شاہ کی طرف سے جو کچھ بھی رپورٹ موصول ہو مجھے اس کے بارے میں فوری طور پر اطلاع دینا۔"

"جی باباجانی۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہم آپ کے کمرے میں ہی فیاض بھائی کے جواب کا انتظار کریں۔"

"میری بھی نیند خراب کرنا چاہتے ہو؟"

"باباجانی مسئلہ ہی ایسا ہے۔ معافی چاہتے ہیں ہم۔"

"ٹھیک ہے جیسا تم مناسب سمجھو۔" امیر علی شاہ نے کہا اور مسہری کے پیچھے ہوئے رحمان علی شاہ نے سوچا کہ اب کم از کم اس وقت تک یہاں سے گلوخاصی نہیں ہو جب تک کہ فیاض علی شاہ کی طرف سے اس سلسلے میں جواب موصول نہ ہو جائے۔

علی شاہ یہ بات بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ شہاب نامی شخص نے جو اچانک ہی حیرت ناک طریقے سے اس کی مدد پر آمادہ ہو گیا تھا اس کا ہم شکل بنا کر ہسپتال میں رکھ چھوڑا ہے، نجانے اس سلسلے میں اس نے کیا کیا کارروائیاں کی ہوں گی، ورنہ ڈاکٹر کبیر اس کے لئے آسانی سے تیار تو نہ ہوا ہوگا۔ بہر حال اب تو جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس سلسلے میں آخری کاوشیں کرنا ضروری ہیں چاہے کتنی ہی تکلیف اٹھانی پڑے۔ وہ خاموشی سے اپنی جگہ لیٹا رہا، بس یہ دعا کر رہا تھا کہ کوئی ایسی تحریک نہ ہو جائے جس کی بنا اس کی موجودگی کو یہاں محسوس کر لیا جائے۔

برائی خون سے منتقل ہوتی ہے۔ یہ کوئی ایسی منطق نہیں جس پر مکمل بھروسا کر لیا جائے۔ انسان کی اپنی فطرت ہی حقیقت ہوتی ہے ورنہ یہ نہ کہا جاتا کہ ولی کے گھر شیطان اور شیطان کے گھر ولی پیدا ہو جاتا ہے۔

امیر علی شاہ خود کوئی اچھا انسان نہیں تھا لیکن اس کے بیٹوں کی فطرت میں بھی تضاد تھا البتہ یہ ممکن ہے کہ رحمان علی شاہ کے دل میں اگر محبت کا گداز نہ پیدا ہو جاتا تو ممکن ہے وہ بھی اپنے تینوں بھائیوں کی مانند ہی ہوتا۔ گلزار علی شاہ، شاد علی شاہ اور فیاض علی شاہ تقریباً یکساں فطرت کے مالک تھے بس رحمان علی شاہ ہی ذرا مختلف ہو گیا تھا اور اگر نہ ہوتا تو وہ بھی بھائیوں میں مقبول ہوتا۔ ان تینوں بھائیوں میں کافی یگانگت تھی جبکہ رحمان علی شاہ کے لئے ان کے دل میں محبت کا کوئی جذبہ نہیں تھا، پھر اس وقت سے تو ان کے دلوں میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا تھا جب رحمان علی شاہ نے شدت جوش میں آ کر باپ پر فائرنگ کر ڈالی تھی۔ بہر حال یہ لوگ اب بھی باپ کا احترام کرتے تھے۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ ابھی باپ کی وجہ سے انہیں بہترین عیش و عشرت حاصل تھے۔ فیاض علی شاہ شہر آ گیا تھا اور اس نے یہاں ایک بڑے کاروبار کی داغ بیل ڈال دی تھی۔ مکمل طور پر اسے امیر علی شاہ کی پشت پناہی حاصل تھی اور شہر میں وہ ایک پر وقار اور با اختیار شخصیت کا حامل تھا۔ عیش و عشرت کی زندگی اس کے قدموں میں تھی۔ باپ کی دی ہوئی مراعات سے صحیح معنوں میں فیاض علی شاہ ہی فائدہ اٹھا رہا تھا۔ شاد علی اور گلزار علی تو پھر بھی باپ کی تحویل میں تھے اور اس طرح نہیں کھل کھیلے تھے جس طرح فیاض علی شاہ نے شہر میں رونق لگا رکھی تھی لیکن اچھی طرح جانتا تھا کہ امیر علی شاہ کے احکامات کی آنکھیں بند کر کے تعمیل کرنا ہی اس عیش و عشرت کی

ضمانت ہے، ورنہ باپ ان سے کہیں زیادہ مضبوط تھا۔ رحمان علی شاہ کے لئے فیاض کے دل میں بھی کوئی محبت بھرا جذبہ نہیں تھا، اگر ایسا ہوتا تو بھائیوں میں سے ہی کوئی باپ کو سمجھانے کی کوشش کرتا لیکن ایسا نہیں ہوا تھا بلکہ وہ سب ہی باپ کے فیصلے سے متفق تھے۔ نہ صرف متفق تھے بلکہ انہوں نے اس سلسلے میں باپ کی معاونت بھی کی تھی۔ چنانچہ رات کے اس حصے میں جب فیاض علی شاہ کو گلزار علی شاہ کا فون موصول ہوا اور اس نے ایک عجیب و غریب انکشاف کیا تو فیاض علی بھی حیران رہ گیا۔ بہر حال فوری تحقیق ضروری تھی چنانچہ تیاریاں کر کے نکل پڑا۔

ڈاکٹر کبیر کے کلینک کے بارے میں اسے مکمل تفصیلات معلوم تھیں نہ صرف تفصیلات معلوم تھیں بلکہ وہ یہاں حالات کی دیکھ بھال بھی کرتا تھا اور ڈاکٹر کبیر سے زیادہ تر واسطہ اسی کا رہا کرتا تھا، چنانچہ فوری طور پر چل پڑا۔ جانتا تھا کہ اس وقت ڈاکٹر کبیر کے ماتحت بھی اس سے اچھی طرح واقف تھے اور اس کی شخصیت کو اچھی طرح تسلیم کرتے تھے۔

جس وقت وہ کلینک میں داخل ہوا تو ڈیوٹی پر ڈاکٹر کبیر کا ایک ماتحت ناصر حسین موجود تھا۔ فیاض علی نے اس سے رابطہ قائم کیا اور ناصر حسین نے اس کا پر جوش خیر مقدم کیا۔

"سر آپ اس وقت خیریت، طبیعت وغیرہ تو ٹھیک ہے۔"

"ہاں ڈاکٹر طبیعت وغیرہ تو ٹھیک ہے بس بعض اوقات تھوڑا سا ذہنی بحران کا شکار ہو جاتا ہوں۔"

"براہ کرم تشریف رکھئے۔ وہ ذہنی بحران کیا ہے؟" ڈاکٹر ناصر حسین نے ہمدردی سے پوچھا۔

"آپ جانتے ہیں کہ میرا بھائی دماغی مریض کی حیثیت سے ہسپتال میں داخل ہے اور ڈاکٹر کبیر اس کا علاج کر رہے ہیں۔"

ناصر حسین نے سنجیدگی سے گردن ہلائی۔ تھوڑی بہت حقیقت سے وہ بھی واقف تھا۔

"محبت تو فطرت کا ایک حصہ ہوتی ہے ڈاکٹر کبھی کبھی مجھ پر بحران طاری ہو جاتا ہے۔ بھائی کا تصور اس طرح ذہن پر چھا جاتا ہے کہ سکون پانا مشکل ہو جائے۔ ایک نگاہ دیکھ ہوں اسے تو تسلی ہو جاتی ہے۔"

"کیوں نہیں...... خون خون ہوتا ہے۔" ناصر حسین نے بحالت مجبوری گردن ہلائی

"بس اس وقت آرام سے اپنی خواب گاہ میں لیٹا ہوا تھا کہ اچانک ذہن پر خفقان طاری ہوا اور یہ خفقان کچھ ایسی شدت اختیار کر گیا کہ میں اسے دیکھنے کے لئے دوڑ پڑا۔ آئی ایم سوری ڈاکٹر۔ یہ وقت ایسا نہیں کہ مریضوں کو تکلیف دی جائے بس ایک نگاہ دیکھنا چاہتا ہوں اسے اگر آپ کی اجازت ہو تو؟"

"کیوں نہیں کیوں نہیں آپ حکم دیجئے۔ میں حاضر ہوں۔"

"بس ایک نگاہ دکھا دیجئے اسے...... میں کسی بھی طور اسے پریشان نہیں کروں گا۔"

"براہ کرم تشریف لایئے۔" ناصر حسین نے کہا اور فیاض علی اس کے ساتھ چل پڑا۔

چند لمحات کے بعد ناصر حسین اسے لئے ہوئے کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا اور بے آواز دروازہ کھول دیا پھر اس نے فیاض علی کو اشارہ کیا۔ بستر پر رحمان علی شاہ پر سکون نیند سو رہا تھا۔ اس کے چہرے پر معصومیت طاری تھی اور وہ گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ فیاض علی نے بغور اس کا جائزہ لیا اور اس کے دل میں غصے کی کیفیت اُبھر آئی، جانے ان لوگوں پر کیا وحشت سوار ہوئی۔ وہ تو آرام کی نیند سو رہا ہے اس نے دل ہی دل میں سوچا اور پھر آنکھ کے اشارے سے ڈاکٹر ناصر حسین کو باہر نکل آنے کے لئے کہا۔ باہر نکل کر اس نے اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

"بھائی بھی کیا چیز ہوتا ہے ڈاکٹر ناصر حسین، اسے دیکھ لیا دل کو سکون ہو گیا۔ میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں اور اس وقت تکلیف دینے کے لئے معذرت خواہ بھی۔"

"نہیں جناب ہم آپ سے بہتر تعاون کرنے کے خواہش مند ہیں۔ آپ براہ کرم جب بھی کوئی حکم دیں اس میں تکلف نہ کیجئے گا۔" فیاض نے ایک بار پھر ناصر حسین کا شکریہ ادا کیا اور باہر آ کر اپنی کار میں بیٹھ گیا، گھر واپس آتے ہوئے اس پر جھلاہٹ سوار تھی بلاوجہ ان لوگوں نے اسے بھی تنگ کیا اور اس کے ذریعے دوسرے لوگوں کو بھی۔ گھر پہنچنے کے بعد اس نے ٹیلی فون پر شاہ پور رابطہ قائم کیا اور رابطہ قائم ہونے پر بولا۔

"کون...... کون بول رہا ہے؟"

"شاد علی......" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"کیا کر رہے ہو تم لوگ؟"

"بابا جانی کے کمرے میں جمع ہیں۔"

"باباجانی کہاں ہیں؟"

"موجود ہیں۔"

"ریسیور انہیں دو۔ فیاض علی نے کہا اور چند لمحات کے بعد ریسیور پر امیر علی شاہ کی آواز سنائی دی"۔

"ہاں فیاض۔ کیا رہا، ہسپتال سے بول رہے ہو؟"

"نہیں باباجانی...... گھر سے بول رہا ہوں۔"

"کیا ہوا، ہسپتال گئے تھے؟"

"وہیں سے واپس آرہا ہوں۔"

"وہ وہاں موجود ہے؟"

"آرام کی نیند سو رہا ہے باباجانی۔"

"کیا؟"

"آرام کی نیند سو رہا ہے وہ، میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آیا ہوں مگر باباجانی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ آپ لوگوں پر اس قدر خوف و دہشت کیوں طاری ہے؟"

"خوف مجھ پر سوار نہیں ہے۔ یہ گلزار جاگتے میں خواب دیکھنے لگا۔ بلاوجہ سب ک پریشان کر کے رکھ دیا ہے، آدھی رات گزر چکی ہے اور میں کہتا ہوں گلزار تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" امیر علی شاہ نے فون بند کئے بغیر کہا۔

"باباجانی ان لوگوں کو سمجھائیے، وقت کی ایک حیثیت ہوتی ہے۔ میں آرام کی نیند سو تھا آپ لوگوں نے نہ صرف مجھے پریشان کیا بلکہ ڈاکٹر بھی میرا مذاق اُڑا رہے ہوں گے۔"

"تو نے اپنی آنکھوں سے اسے دیکھا ہے؟"

"باباجانی میری آنکھیں بالکل ٹھیک ہیں آپ کہیں تو ڈاکٹروں سے اس کا سرٹیفکیٹ دلوا دوں اور اس کے علاوہ میرا دماغ بھی ٹھیک ہے۔"

"گرم مت ہو بھئی، یہ ساری گلزار کی بے وقوفی ہے چل آرام سے سو جا۔" دوسر طرف سے آواز آئی اور فیاض علی شاہ نے جھٹک کر ٹیلی فون بند کر دیا۔

❁

بڑا صبر آزما وقت گزرا تھا۔ وہ انتہائی مخدوش حالت میں مسہری کے نیچے پڑا رہا تھا۔ ن

ناک میں تحریک ہوئی اور چھینک آتے آتے بچی۔ اگر اسے چھینک آجاتی تو سارا کھیل یہیں ختم ہو جاتا۔ بہر حال ایک ایک لمحہ کٹھن گزرا تھا اور اس نے اپنے آپ کو پوری طرح مستعد اور چاق وچوبند رکھا تھا، پھر دوسری طرف سے ٹیلی فون پر جو گفتگو ہوئی اس کا لب لباب اس کی سمجھ میں آگیا تھا۔ وہ شخص واقعی بے حد چالاک تھا جس نے اچانک ہی اس کی مدد پر کمر باندھ لی تھی۔ اس نے رحمان علی شاہ کو بتادیا تھا کہ اس کا ہم شکل ہسپتال میں داخل کرادیا گیا ہے تاکہ اگر کوئی اس کے بارے میں تحقیق کرنا چاہے تو اس کی تسلی ہو سکے اور پہلے ہی مرحلے پر یہ ثابت ہو گیا تھا کہ اس چالاک شخص نے جو کارروائی کی ہے اس کا کیا نتیجہ نکلا پھر رحمان علی شاہ باپ کی جانب سے گلزار اور شاد علی کو جھاڑیں پڑتے سنتا رہا اور اس کے بعد امیر علی شاہ نے ان دونوں کو کمرے سے نکال دیا تھا اور ہدایت کی تھی کہ ہوش و حواس قائم رکھ کر اس کے سامنے آیا کریں۔ وہ بے تکی باتوں کو پسند نہیں کرتا۔ بہر حال اب بھی صورت حال مخدوش ہی تھی حالانکہ امیر علی شاہ لائٹ بجھا کر بستر پر لیٹ گیا تھا لیکن کیا کہا جا سکتا ہے کہ اسے نیند آ ہی گئی ہو۔

ادھر رحمان علی شاہ کی آنکھوں میں بھی کڑواہٹ پیدا ہونے لگی تھی لیکن یہ احساس اسے ہوشیار کر دیتا تھا کہ وہ جس کیفیت میں ہے اس سے بڑا محتاط رہنا ضروری ہے ایک لمحے میں کھیل بگڑ سکتا ہے۔ بہر حال یہ رات اس کے لئے آرام کی رات نہیں تھی پھر جب امیر علی شاہ کے خراٹے بلند ہونے لگے تو اسے سکون ہوا۔ یہ بھی ایک اچھی بات ہے کہ امیر علی شاہ ہمیشہ سوتے میں خراٹے لینے کا عادی ہے اس کی نیند کا تو پتا چلا۔ پھر انتہائی محتاط انداز میں وہ اس کھڑکی کے ذریعے باہر آگیا تھا لیکن امیر علی شاہ کے کمرے سے نکلتے ہوئے، دیوار پر لگے ہوئے چمڑے کے خوفناک ہنٹر کو وہ ساتھ لینا نہیں بھولا تھا۔ امیر علی شاہ اس ہنٹر سے اپنے بہت سے معتوبوں کی کھالیں اتار چکا تھا اور آج یہ ہنٹر رحمان علی شاہ کے ہاتھ میں آگیا تھا اس نے اسے کمر سے لپیٹ کر اس طرح بل دے لئے کہ وہ کھل نہ سکے اور اب اس کے بعد حویلی چھوڑ دینا ہی سب سے مناسب تھا، کیونکہ وہ شک دوبارہ ذہنوں میں جاگ سکتا تھا جو کچھ دیر کے لئے رحمان علی شاہ کو مصیبت میں گرفتار کر چکا تھا۔ یہ ہنٹر اس نے گل باز اور خیر خان کے لئے لیا تھا۔ نوجوانی کی زندگی میں اس نے بھی ایک زمیندار کے نوجوان بیٹے کی حیثیت سے تھوڑے بہت اقدامات کئے تھے اور اس کی فطرت میں بھی سرکشی اور خودسری تھی لیکن اتنی

نہیں کہ سوچے سمجھے بغیر کوئی عمل کر ڈالے۔ آج پہلی بار وہ ان دو افراد کی کھالیں اتارنا چاہ تھا جن کے ذریعے اور بہت سے لوگوں کی کھالیں اتاری گئی تھیں۔ ان سے ایاز خان کا پتہ ضروری تھا اور اب جبکہ یہ صورت حال اس شکل میں واضح ہو گئی تھی کہ اگر وہ یہاں نظر بھی آ جائے تو اس کا ہم شکل وہاں صورت حال سنبھال سکتا ہے تو رحمان علی شاہ کی اپنی صلاحیتیں اور فطرت بھی جاگ اٹھی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ گل باز اور خیر خان کہاں ملیں گے۔ خیر خان نے اپنے لئے ایک الگ عیش گاہ بنا رکھی تھی اور وہ ناچ رنگ کے رسیا تھے۔ لڑکے، لڑکیوں لباس پہن کر خیر خان کے ڈیرے پر رقص کیا کرتے تھے اور خیر خان کے حواری وہاں ہو جاتے تھے۔ گل باز بھی اس کے ساتھ ہی رہتا تھا۔ یہ دونوں امیر علی شاہ کی ناک کا بال اور امیر علی شاہ اپنے خطرناک کام انہی سے کرایا کرتا تھا لیکن نجانے کیوں امیر علی شاہ نے دونوں کو اپنی حویلی میں رہنے کی اجازت نہیں دی تھی یا پھر یہ انہی کی خواہش تھی کہ رات وہ اپنے ڈیرے پر چلے جایا کریں۔ بہر حال رحمان علی شاہ جانتا تھا کہ ان کا ڈیرہ کہاں ہے اور ا کے قدم تیزی سے اسی جانب اٹھ رہے تھے۔

رات بہت زیادہ گزر چکی تھی اور اگر معمول کے مطابق خیر خان کے ڈیرے پر رقص موسیقی کا پروگرام جما بھی ہو گا تو اب یقیناً وہاں محفل ٹھنڈی ہو چکی ہو گی چونکہ دوسرے د انہیں اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے امیر علی شاہ کے پاس بھی پہنچنا ہوتا تھا۔ چنانچہ دنوں میں اتنی رات گئے تک محفل نہیں جمتی تھی اور جب طویل فاصلہ طے کر کے وہ خیر خا کے ڈیرے پر پہنچا تو صورت حال وہی تھی، ڈیرہ ٹھنڈا پڑا ہوا تھا اور خیر خان اور گل باز ڈیر کے اندرونی حصے میں محو استراحت تھے۔ رحمان علی شاہ نے قریب و جوار کے ماحول کا ا طرح جائزہ لیا، شرکائے محفل واپس جا چکے تھے، قہوے کی خالی پیالیاں اور سگریٹوں ک ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے۔ حقہ ٹھنڈا ہو چکا تھا اور یہ تمام نشانات اس بات کا پتا دے رہے کہ آج بھی معمول کے مطابق محفل زوروں پر رہی تھی، پھر اندرونی حصے میں داخل ہو اس نے کمرے کا جائزہ لیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا اور اندر گل باز اور خیر خان موجود تھے دونوں یہاں اکٹھے ہی رہا کرتے تھے اور ان کا کوئی اہل خاندان وہاں نہیں تھا، اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ رحمان علی شاہ دروازے پر دستک دے، چنانچہ اس نے زور زور دروازہ بجایا اور تھوڑی سی کوشش کے بعد ان دونوں کو جگانے میں کامیاب ہو گیا اندر سے

باز کی آواز سنائی دی۔

”کون ہے کیا بات ہے، کیوں دروازہ توڑ رہے ہو؟“

”دروازہ جلدی کھولو خاناں، میں شاہ صاحب کا پیغام لے کر آیا ہوں۔“ رحمان شاہ نے آواز بدل کر کہا۔ شاہ صاحب امیر علی شاہ کو ہی کہا جاتا تھا، اس کے نام پر دروازہ ایک دم کھل گیا۔ دروازہ کھولنے والا گل باز خان تھا لیکن سر کی زوردار ٹکر سے وہ الٹ کر پیچھے جا گرا اور رحمان علی شاہ نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا، گل باز خان بھی اچھا خاصا طاقت ور آدمی تھا اور فطرتاً جنگجو بھی، سینے پر لگنے والی زوردار ٹکر نے اسے تکلیف بے شک پہنچائی تھی، لیکن وہ فوراً ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا، اتنی دیر میں رحمان علی شاہ نے روشنی جلا دی تھی، خیر خان بھی ہڑبڑا کر اٹھ گیا تھا اور وہ دونوں نندا سی آنکھوں سے رحمان علی شاہ کو دیکھ رہے تھے۔ گل باز خان نے پہلے تو خون خوار انداز میں اسے دیکھا، لیکن پھر رفتہ رفتہ اس کی صورت گل باز خان کی آنکھوں میں واضح ہوتی چلی گئی اور اس نے حیران نگاہوں سے خیر خان کی طرف دیکھا، پھر آہستہ سے بولا۔

”رحمان علی شاہ۔“

”پہچان لیا مجھے گل باز خان۔“

”چھوٹے شاہ صاحب آپ یہاں۔“ خیر خان حیرت سے بولا۔

”ہاں، پاگل خانے سے بھاگ آیا ہوں۔“ رحمان علی شاہ نے جواب دیا اور خیر خان خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔“ پھر بولا۔

”یہاں کیوں آئے ہیں چھوٹے شاہ صاحب؟“

”تم دونوں سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔“

”لیکن آپ نے ہمارے سینے پر ٹکر کیوں مارا۔ چھوٹے شاہ صاحب۔“

”پاگل جو ہوں، ابھی تو دیکھو پاگل پن کی کیا کیا حرکتیں کرتا ہوں میں۔“ رحمان نے دروازہ بند کر دیا اور وہ دونوں پریشان نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے پھر ان کی نگاہیں ایک جانب اُٹھ گئیں۔ غالباً یہاں کوئی وائرلیس یا ٹیلی فون موجود تھا جس پر وہ یقینی طور پر امیر علی شاہ سے رابطہ قائم کرتے ہوں گے لیکن کسی نے اس کی جانب بڑھنے کی کوشش نہیں کی، گل باز نے کہا۔

"چھوٹے شاہ صاحب، ہم جانتا ہے کہ آپ پاگل نہیں ہو۔"

"ارے اگر تم ایسی بات کرو گے تو تمہیں بھی پاگل خانے میں داخل کرادیا جائے گا، جب مجھے میرے باپ نے پاگل قرار دے دیا ہے تو تم کون ہوتے ہو مجھے صحیح الدماغ کہنے والے۔"

"وہ آپ کا اور بڑے شاہ صاحب کا معاملہ ہے لیکن ہم جتنا ان کے نمک خوار ہیں اتنا ہی آپ کے بھی نمک خوار ہیں، چھوٹے شاہ صاحب، ہم کو معلوم ہے کہ آپ کو زبردستی ادھر پاگل خانے میں داخل کرادیا گیا ہے۔"

"اچھا تو تمہیں معلوم ہے چلو یہ اور اچھی بات ہے تو اب تمہیں یہ بھی معلوم ہو گا گل باز خان اور خیر خان کہ مجھے پاگل خانے میں کیوں داخل کرایا گیا۔"

"چھوٹے شاہ صاحب، ہم تو حکم کے غلام ہیں، ہمیں اگر کچھ معلوم بھی ہوتا ہے تو ہم اس کے لئے زبان بند رکھتے ہیں۔"

"بڑے شاہ صاحب کے سامنے۔"

"ہاں۔"

"لیکن میرے سامنے تمہیں زبان کھولنی پڑے گی۔"

"ہم سمجھے نہیں چھوٹے شاہ صاحب۔" خیر خان نے کہا۔

"خیر خان تم دونوں کو یہ بات معلوم ہے کہ مجھے پاگل کیوں قرار دیا گیا ہے، تم یہ بھی جانتے ہو کہ میں نے بڑے شاہ صاحب پر گولی کیوں چلائی، یہ ساری باتیں جاننے کے بعد تمہیں یہ بھی لازمی طور پر معلوم ہو گا کہ ایاز بیگ کو کہاں پوشیدہ رکھا گیا ہے؟"

"ہمیں کیا معلوم چھوٹے شاہ صاحب؟" گل باز نے کہا۔

"اگر تمہیں اتنی سی بات بھی نہیں معلوم تو پھر تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ تم بڑے شاہ صاحب کے نمک خوار ہو؟"

"دیکھو چھوٹے شاہ صاحب، ہمیں اگر کچھ معلوم بھی ہو گا اس بارے میں تو ہم آپ کو نہیں بتا سکتے۔ بڑے شاہ صاحب کا حکم سب سے بڑی چیز ہوتا ہے ہمارے لئے، وہ اگر حکم دیں گے کہ ہم چھوٹے شاہ صاحب کی بات بھی مان لیں تو ہم مان لیں گے۔"

"نہیں آج میں تمہیں حکم دینے آیا ہوں گل باز خان۔"

"نہیں چھوٹے شاہ صاحب، ہم بڑے شاہ صاحب کی مرضی کے خلاف آپ کا کوئی حکم

نہیں مانیں گے۔"

"یہ دیکھو میری کمر میں کیا لپٹا ہوا ہے؟" رحمان علی شاہ نے کہا اور چمڑے کا چابک اپنی کمر سے کھولنے لگا، پھر بولا۔

"اس چابک کو بھی پہچانتے ہو گے، یہ امیر علی شاہ کا چابک ہے۔"

"آپ کیا کہنا چاہتے ہو چھوٹے شاہ صاحب؟"

"زبان کھلوائے گا یہ تمہاری اور تم بتاؤ گے کہ ایاز بیگ کہاں ہے؟"

"نہیں چھوٹے شاہ صاحب ہمیں مجبور مت کرو کہ ہم آپ کے ساتھ گستاخی کرے۔"

"تو پھر ایسا کرو میرے ساتھ گستاخی کرو۔" رحمان علی شاہ نے کہا اور اچانک اس نے رخ بدل لیا لیکن اس کے ساتھ ہی جب وہ پلٹا تو چمڑے کا چابک شائیں کی آواز کے ساتھ گل باز خان کی گردن اور سینے پر پڑا تھا۔ گل باز خان کے منہ سے آواز نکل گئی اس ہولناک چابک کو وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ رحمان علی شاہ نے پلٹ کر دوسرا چابک خیر خان کے بدن پر رسید کر دیا اور خیر خان بھی اپنا بدن سہلانے لگا، گل باز خان غرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"دیکھو چھوٹے شاہ صاحب، گستاخی پر مجبور مت کرو۔" لیکن جواب میں چمڑے کا چابک پھر سے اس کے منہ پر پڑا اور اس بار اس کے چہرے کی کھال اتر گئی، گل باز خان نے پلٹ کر رحمان علی شاہ پر حملہ کرنا چاہا لیکن وہ غلط فہمی کا شکار تھا۔ رحمان علی شاہ اب وہ چھوٹا سا بچہ نہیں تھا جو ان کے قبضے میں آجاتا، چمڑے کا ہنٹر بھی استعمال کرنا آتا تھا اسے۔ چنانچہ دوسری بار ہنٹر گل باز کے بدن پر پڑا اور وہ سی کر کے پیچھے ہٹ گیا اور پھر تو شرائیں شرائیں کی آواز کے ساتھ گل باز اور خیر خان کے بدن پر پے در پے ہنٹر پڑنے لگے، وہ لوگ اب تکلف نہیں کر رہے تھے اور کوشش کر رہے تھے کہ کسی طرح چمڑے کا چابک ان کے ہاتھ میں آجائے، یا اگر چابک نہ پکڑ پائیں تو رحمان علی شاہ کو ہی پکڑ لیں لیکن رحمان علی شاہ اس چھوٹی سی جگہ میں بھی بجلی بنا ہوا تھا۔ وہ ان کے ہر پینترے کو نگاہ میں رکھے ہوئے تھا اور اس سے بچ بچ کر ان پر چابکوں کی مار برسا رہا تھا۔ رحمان علی شاہ کی مسلسل ضربوں نے ان دونوں کو لہولہان کر دیا اور وہ صحیح معنوں میں حواس باختہ ہو گئے، اب وہ صرف اخلاق نہیں برت رہے تھے بلکہ اپنی وفاداری کو بھول کر رحمان علی شاہ کو پکڑ کر جان سے مار دینا چاہتے تھے، وہ اپنے ان زخموں کا بدلہ لینا چاہتے تھے، لیکن اس میں انہیں کوئی کامیابی نہیں حاصل ہو پا رہی

تھی۔ یہاں تک کہ مار کھا کھا کر وہ زمین پر گر پڑے، ان کا پورا جسم خون سے تر تھا۔ رحمان علی شاہ ان کے سینوں پر آ کھڑا ہوا۔

"ہاں وفادار لوگو! اب بتاؤ ایاز بیگ کہاں ہے؟"

"تمہارا، چھوٹے شاہ تمہارا دماغ سچ مچ خراب ہو گیا ہے تم۔ تم۔" لیکن جواب میں رحمان علی شاہ نے ہنٹر اٹھایا اور شائیں کی آواز کے ساتھ یہ ہنٹر گل باز کے منہ پر پڑا۔ گل باز کے حلق سے چیخ نکل گئی تھی۔ خیر خان نے کہا۔

"دیکھو چھوٹے شاہ صاحب آپ یقین کرو ہمیں نہیں معلوم ایاز بیگ کو کہاں رکھا گیا ہے؟"

"بکواس کرتے ہو جھوٹ بولتے ہو، تم سے زیادہ اور کسے معلوم ہو گا۔"

"خدا کی قسم ہم کو نہیں معلوم، بس ہم اتنا جانتے ہیں کہ ایاز بیگ حویلی ہی میں کہیں موجود ہے۔"

"وہ زندہ ہے؟"

ہاں چھوٹے شاہ صاحب اسے زندہ رکھا گیا ہے، اسے اس لئے زندہ رکھا گیا ہے کہ اگر کبھی غیاث بیگ سر ابھارے تو اسے بیٹے کی آواز سنوا کر یا صورت دکھا کر خاموش کیا جا سکے، اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں جانتے۔"

"تم سب کچھ جانتے ہو کیونکہ میں جانتا ہوں کہ بڑے شاہ صاحب کا تم سے زیادہ قریبی رازدار اور کوئی نہیں ہے۔"

"ہمیں بڑے شاہ صاحب کا راز صرف اتنا ہی معلوم ہے جتنا ہم نے آپ کو بتا دیا۔"

"سنو گل باز خان سنو خیر خان، اصولی طور پر تو مجھے تم لوگوں کو قتل کر دینا چاہئے چونکہ تمہیں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ میں پاگل خانے سے بھاگ آیا ہوں لیکن میں تمہیں اس شرط پر زندہ چھوڑ رہا ہوں کہ تم بڑے شاہ صاحب کو اس بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گے۔"

"ہماری توبہ، ہماری توبہ، ہم اپنی زبان بالکل بند رکھیں گے۔"

"اور یہی کہو گے کہ کوئی تمہارا خفیہ دشمن تھا جس نے تمہیں آ کر مارا اگر اس کے خلاف کہا تم نے تو میں تمہیں ایک بات بتائے دیتا ہوں، میرا دماغ خراب ہے میں ٹھیک نہیں ہوں تم اگر ملک سے باہر بھی چلے جاؤ گے تو میں تمہیں تلاش کر کے قتل کر دوں گا۔ زندہ نہیں

چھوڑوں گا میں تمہیں، اس بات کا اچھی طرح خیال رکھنا۔"

"چھوٹے شاہ صاحب ہم پر اعتبار کرو، ہم اس بارے میں اپنی زبان کبھی نہیں کھولیں گے۔" خیر خان نے کہا اور رحمان علی شاہ نے ہنٹر ہاتھ میں لپیٹا اور اس کے بعد وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا لیکن باہر سے وہ دروازہ بند کرنا نہیں بھولا تھا۔ ایاز بیگ کی تلاش میں اسے مسلسل ناکامی ہو رہی تھی، لیکن اس سے زیادہ وہ اور کچھ نہیں معلوم کر سکتا تھا، یہ اسے پتا چل گیا تھا کہ ایاز بیگ زندہ ہے اور حویلی ہی میں ہے، اعتبار کئے بغیر چارہ نہیں تھا۔ اب تو ایک ہی ترکیب ہو سکتی تھی کہ وہ یہی تمام کوشش اپنے باپ کے خلاف کرے اور اس کی زبان کھلوائے لیکن ابھی اس حد تک نوبت نہیں آئی تھی۔ پہلے اس سلسلے میں شہاب کو اطلاع دے دی جائے اس کے بعد کچھ کیا جائے گا اور پھر اس نے یہاں رکنا مناسب نہیں سمجھا۔ شہاب نے اسے جو ذریعہ بتایا تھا اس ذریعے سے وہ واپس چل پڑا۔ شاہ پور سے شہر تک کا فاصلہ اس نے نجانے کیسے کیسے خیالات میں عبور کیا تھا۔ وہ ان لوگوں سے قطعی طور پر ناواقف تھا جو مسلسل اس کا تعاقب کرتے رہے تھے، وہ عمارت بھی اس کے علم میں تھی جہاں شہاب اسے لے گیا تھا، شہاب نے اسے مکمل طور پر رازدار بنایا تھا اور اسے بتا دیا تھا کہ اسے واپس اسی عمارت میں آنا ہے۔ البتہ وقت کا کوئی تعین نہیں کیا گیا تھا کہ وہ کب تک واپس آ جائے گا۔ عمارت میں پہنچنے کے بعد وہ اندر داخل ہو گیا اور اس نے ہنٹر وغیرہ وہیں پھینک دیا پھر بستر پر بیٹھ کر ان واقعات کے بارے میں سوچنے لگا، پتا نہیں شہاب کو اس کی واپسی کی خبر کیسے ملے گی۔ بہر حال وہ بے بسی کے عالم میں اسی بستر پر دراز ہو گیا۔ ماں کی صورت دیکھی تھی، باپ اور بھائیوں کو بھی دیکھا تھا، باپ اور بھائیوں سے تو اب تمام امیدیں منقطع ہو گئی تھیں، وہ سنگدل تو اسے اپنی فہرست سے ہی خارج کر چکے تھے۔ ہاں ماں کا چہرہ تھا جسے دیکھ کر اس کے دل میں ایک عجیب سی خلش پیدا ہو گئی تھی، وہ معصوم عورت چشم تصور میں اسے دیکھ لیا کرتی تھی اور اس وقت جب وہ اس کی نگاہوں کے سامنے پہنچا تھا، تب بھی اس نے اسے اپنا تصور ہی سمجھا تھا۔ وہ اس کے تصور میں زندہ ہے اس نے ایک سرد آہ بھری اور آنکھیں بند کر لیں۔

❁

ڈبل او گینگ میں جتنے افراد کو شامل کیا گیا تھا یہ سب اپنے اپنے فنون کے ماہر تھے اور دنیا سے اپنا حق نہ پا کر آخر کار شہنشاہ سے رجوع ہوئے تھے اور شہنشاہ نے انہیں نجانے کن کن

مشکلات سے گزارنے کے بعد فولاد بنادیا تھا اور اب وہ شہنشاہ کے افکار و خیالات سے اس حد تک متفق ہو گئے تھے کہ اس کے احکامات پر آنکھیں بند کر کے عمل کرنا ان کا ایمان بن گیا تھا۔ بہت سے معاملات میں وہ شہنشاہ کے انسانی نکتہ نظر کے قائل ہو گئے تھے، ابتدائی حالات تو بڑے سنگین رہے تھے لیکن اب پچھلے کچھ دنوں سے مالی حالات بھی انتہائی بہتر ہو گئے تھے اور انہیں اتنے معقول معاوضے ملنے لگے تھے کہ وہ مالی طور پر بھی اب نہایت اطمینان سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ یہ شہنشاہ کے ساتھ ہر قسم کے حالات میں تعاون کر کے اس کا اعتماد کو برقرار رکھا تھا۔ کبھی کبھی کچھ ایسے مشکل مرحلے بھی آجاتے تھے جن میں انہیں ناواقفیت کی بنا پر شدید محنت کرنا پڑتی تھی اور ذہنی اُلجھنیں بھی برداشت کرنی پڑ جاتی تھیں اس وقت بھی وہ ایسی ہی اُلجھن کا شکار تھے۔ پوری ٹیم مصروف تھی، شوکت کی مسلسل ڈیوٹی مرزا غیاث بیگ کے گھر پر لگادی گئی تھی اور اسے ہدایت کردی گئی تھی کہ وہ ہر قسم کے حالات سے شہنشاہ کو باخبر رکھے لیکن کچھ حالات ہی ایسے پیش نہیں آئے تھے۔ اس گھر کے افراد بڑے پرامن تھے اور شوکت ابھی تک نہیں سمجھ سکا تھا کہ ان معصوم لوگوں کو نگاہ میں رکھنے کا مقصد کیا ہے، بس ایک جوہر خان تھا جس کی شکل دیکھ کر ہی یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ کوئی شریف آدمی نہیں ہے لیکن معلومات حاصل کرنے سے یہی پتا چلا تھا کہ یہ ایک معمولی گھرانہ ہے۔ میاں بیوی اور کچھ بزرگ ساتھ رہتے ہیں لیکن بہرحال شہنشاہ کی لگائی ہوئی ڈیوٹی بے مقصد نہیں تھی۔

ادھر فراست، رحمان علی شاہ کے میک اپ میں ہسپتال میں مقیم تھا، سردار علی، فراز سالک اور انجم شیخ آؤٹ ڈور ڈیوٹی انجام دے رہے تھے اور انہوں نے شہنشاہ کی ہدایت کے مطابق نہایت محتاط طریقے سے شاہ پور تک رحمان علی ٹیپو کا تعاقب کیا تھا اور اس حویلی کے سامنے پہنچ کر بے بس ہو گئے تھے جس کے چور دروازے سے رحمان علی شاہ اندر داخل ہوا تھا۔ اس کے بعد ان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اب انہیں کیا کرنا چاہئے...... بہرحال جان بازی لگانے کے بعد سردار اور انجم اندر داخل ہوئے تھے لیکن عظیم الشان حویلی میں کسی کو تلاش کر لینا بھی ایک مشکل کام ہی تھا چنانچہ وہ حویلی میں چکراتے رہے، یہاں تک کہ انہیں باہر سے فراز کی طرف سے اشارہ موصول ہوا اور وہ باہر واپس آگئے۔ یہاں آکر پتا چلا کہ رحمان علی شاہ حویلی سے باہر آگیا ہے، پھر انہوں نے رحمان علی شاہ کا تعاقب اس عجیب

غریب جگہ تک کیا جو سنسان پڑی ہوئی تھی اور وہاں انہوں نے بعد میں رحمان علی شاہ کی درندگی بھی دیکھی اس نے دو آدمیوں کو ہنٹر مار مار کر شدید زخمی کر دیا تھا، پھر وہاں سے لے کر شہر واپسی تک انہوں نے رحمان علی شاہ کا کامیاب تعاقب کیا تھا اور ایک بار بھی اسے شبہ نہیں ہونے دیا تھا کہ کوئی اس کے پیچھے ہے رحمان علی شاہ ایک عمارت میں داخل ہو گیا تھا اور یہاں سے ان کی ڈیوٹی شہنشاہ کی ہدایت کے مطابق ختم ہو جاتی تھی، لیکن ابھی شہنشاہ کو اس سلسلے میں اطلاع دینا ضروری تھا چنانچہ فراز نے یہ خدمت انجام دی اور شہنشاہ کو ٹرانسمیٹر پر کال کیا۔ وہ منتظر ہی تھا، ان لوگوں نے اسے پوری تفصیلات بتائیں اور شہنشاہ کی اطمینان بھری آواز اُبھری۔

"ویری گڈ...... اور اب اس کے بعد اتنی مشقت کر کے تم لوگ یقیناً آرام کے خواہش مند ہو گے؟"

"نہیں سر ہمارے لئے اگر کوئی ہدایت ہو تو ہر کام کے لئے تیار ہیں۔"

"تمہارے لئے ہدایت یہ ہے کہ اب تم آرام کرو۔"

شہنشاہ کی طرف سے جواب ملا تھا اور اس کے بعد یہ لوگ اپنی اس آرام گاہ کی جانب چل پڑے تھے جہاں ان حالات میں انہیں قیام کرنا ہوتا تھا۔

❁

شہاب خود بھی اس مسئلے میں پوری پوری دلچسپی لے رہا تھا۔ اس کے مسلک کا تقاضا تھا، مظلوموں کو دادرسی درکار تھی اور وہ اپنی خدمات ان کے لئے پیش کر چکا تھا، حالانکہ یہ کیس عدنان واسطی نے اسے دیا تھا لیکن اسے اس کی پروا نہیں تھی کہ کیس کہاں سے ملا ہے بس اس کے ذہن نے یہ بات قبول کر لی تھی کہ کچھ وحشیوں نے ایک بار پھر انسانیت کی گردن دبانے کی کوشش کی ہے اور بس، اس کے ساتھ ساتھ اگر کچھ مالی مفادات بھی حاصل ہو جائیں تو وہ منافع والی بات تھی اور شہاب اس سے بھی چوکنا نہیں چاہتا تھا۔ بہرحال رحمان علی شاہ کے بارے میں پروگرام کی ترتیب کر کے وہ مطمئن ہو گیا تھا، البتہ ذمہ داری تو پوری کرنی ہی تھی، چنانچہ اس کے اندازے کے مطابق اسے سب سے پہلے فراست علی کی طرف سے پیغام موصول ہوا اور فراست علی نے اسے بتایا کہ ایک شخص اس کا جائزہ لینے آیا تھا۔ وہ چوروں کی طرح ایک ڈاکٹر کے ساتھ اسے دیکھنے آیا اور پھر واپس چلا گیا۔ شہاب کو معلوم تھا کہ اصل

معاملہ کیا ہے، چنانچہ فراست کو اطمینان سے اپنی ڈیوٹی سرانجام دینے کا حکم دے کر وہ اب ان لوگوں کی جانب سے انتظار کرنے لگا۔ اسے اطمینان ہو گیا تھا کہ رحمان علی شاہ نے اپنا کام بخوبی سرانجام دیا ہے لیکن کوئی ایسی صورت حال بھی پیدا ہو گئی ہے کہ اس کے بارے میں کسی کو شبہ ہو گیا ہے۔ بہر حال اس کے لئے وہ پہلے سے تیار تھا پھر خاصی دیر کے بعد اسے فراز کا پیغام موصول ہوا، جس میں فراز نے اس کے تمام خیالات کی تصدیق کر دی تھی اور اسے یہ بتا دیا تھا کہ رحمان علی شاہ اپنا کام سرانجام دینے کے بعد واپس آ چکا ہے، چنانچہ اب اس کے بعد رحمان علی شاہ سے ملاقات نہ کرنا شہاب کے بس کی بات نہیں تھی اور اس کے لئے وہ صبح کا انتظار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ گھر کے تمام افراد اطمینان کی نیند سو رہے تھے ان کے مسائل سے بھی وہ پوری طرح دلچسپی رکھتا تھا اور کسی کو بھی اس سے یہ شکایت نہیں ہوئی تھی کہ وہ گھر کے معاملات سے الگ تھلگ ہو گیا ہے۔ بہن کی شادی کے انتظامات آخری حد میں داخل ہو چکے تھے۔ تمام اخراجات اس نے اپنے ذمے لے لئے تھے اور انہیں پورا کرنے میں اب اسے کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی۔ حالات اس طرح ہموار ہو چکے تھے کہ اب وہ آرام سے اپنے تمام کام کر سکتا تھا اور اس میں اس کا جو نظریہ تھا اس کی تکمیل بھی ہو رہی تھی لیکن اس کے نظریات کے بارے میں صرف ایک ہی شخص جانتا تھا اور وہ تھا فتح محمد، جو صحیح معنوں میں اس کا دست راست تھا اور بلاشبہ اس کے لئے مرشد کی حیثیت ہی رکھتا تھا، بہر حال تھوڑی دیر کے بعد اپنے انتظامات مکمل کر کے شہاب گھر سے باہر نکل آیا۔ چوروں کی طرح چلتا ہوا کافی دور تک پیدل گیا اور اس کے بعد ٹیکسی کی تلاش میں نگاہیں دوڑانے لگا۔ اس وقت ذرا طریقہ کار مختلف رکھنا چاہتا تھا، چنانچہ اس نے ٹیکسی کا ہی سفر اختیار کیا اور ٹیکسی ڈرائیور سے ایک لمبا معاہدہ کرنے کے بعد وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر چل پڑا، اب پروگرام کو آگے بڑھانے کا مسئلہ تھا اور وہ خوش اسلوبی سے اپنے پروگرام کو آخری شکل دینے کے لئے تیار تھا۔ کچھ دیر کے بعد ٹیکسی اس عمارت کے سامنے پہنچ گئی جو اس کی اپنی ملکیت تھی اس عمارت کا بیرونی حصہ درحقیقت کسی بھوت گھر کا منظر پیش کرتا تھا لیکن اس کے اندر بہت کچھ تھا، ٹیکسی ڈرائیور کو انتظار کرنے کے لئے کہہ کر وہ عمارت میں داخل ہو گیا پھر کچھ دیر کے بعد وہ رحمان علی شاہ کے سامنے موجود تھا۔ رحمان علی شاہ اسے دیکھ کر اچھل پڑا پھر مدہم سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"آپ یقین کیجئے شہاب صاحب، آپ کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا اور یہ فیصلہ کر رہا تھا کہ آپ سے اس وقت رابطہ قائم کیا جائے یا صبح کو۔"

"چلئے اچھی بات ہے میں حاضر ہو گیا، حالانکہ میں خود یہ سوچ رہا تھا کہ اتنی مشقت کے بعد آپ کو آرام کرنے دیا جائے لیکن میرا خیال ہے کہ آج رات آپ کی اور میری تقدیر میں آرام کی رات نہیں ہے۔"

"میں شاہ پور ہو آیا ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے، آپ ساری رات مصروف عمل رہے ہیں رحمان علی شاہ صاحب۔ مجھے علم ہے کہ آپ کافی دیر اپنی حویلی میں رہے اور اس کے بعد آپ نے دو افراد کی کھال ادھیڑی اور پھر یہاں واپس آ گئے، کہئے کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں؟" رحمان علی شاہ نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

"آپ کو، آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟"

"میں آپ سے کہہ چکا تھا رحمان علی شاہ صاحب کہ میرے چار آدمی آپ کی حفاظت کریں گے۔ انہوں نے اپنے فرائض پوری طرح سرانجام دیئے ہیں۔"

"بہر حال آپ پہلے بھی میری نگاہ میں حیرت انگیز تھے اور اب بھی وہی کیفیت ہے، اب تو آپ کو کچھ بتانا ہی بیکار ہے۔ آپ کو تو سب ہی کچھ معلوم ہو گا۔"

"نہیں رحمان علی شاہ صاحب میں جادوگر تو نہیں ہوں، بس اپنے ذرائع سے تھوڑا بہت کام کر لیا کرتا ہوں۔"

"آپ کیا ہیں اور کیوں میرے لئے یہ سب کچھ کر رہے ہیں، اب میں اس بارے میں آپ سے کوئی سوال نہیں کروں گا۔ مختصراً میں آپ کو اپنی کارکردگی کی تفصیل بتائے دیتا ہوں۔" اور پھر رحمان علی شاہ نے ساری تفصیل شہاب کو بتا دی اور شہاب خاموشی سے سنتا رہا پھر بولا۔

"سب کچھ میری توقع کے مطابق ہی ہو رہا ہے، سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہمیں ایاز بیگ کی زندگی کی خوش خبری ملی ہے۔"

"ہاں، لیکن اندازہ یہ ہوتا ہے کہ خیر خان اور گل باز کو بھی وہ جگہ صحیح طور پر معلوم نہیں ہے جہاں امیر علی شاہ صاحب نے ایاز بیگ کو رکھا ہوا ہے، میں سب سے زیادہ اس سلسلے

میں پریشان ہوں کہ ایاز بیگ کے قید خانے کا پتا کیسے چلایا جائے؟"

"ہر کام اپنی منطقی نوعیت کو پہنچنے کے بعد کار آمد ہو جاتا ہے اب اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو گل باز اور خیر خان کے کیس کے سامنے آنے کے بعد امیر علی شاہ صاحب کو تھوڑی تشویش ہو گی۔"

"میں نے انہیں ہدایات تو کر دی ہے کہ وہ امیر علی شاہ صاحب کو تفصیل نہ بتائیں لیکن ان کی زندگی کا انحصار ہی اس پر ہے کہ وہ امیر علی شاہ سے مخلص رہیں، وہی ان کے لئے بندوبست بھی کر سکتے ہیں۔ اس لئے وہ انہیں صحیح صورت حال سے آگاہ کریں گے اور پھر جس قدر زخمی ہو گئے ہیں اس کے بعد امیر علی شاہ کی نظروں سے چھپنا بھی ان کے لئے ممکن نہیں ہو گا۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں رحمان علی شاہ صاحب، بہر حال اب ہمیں آئندہ اقدام کے بارے میں فیصلہ کرنا ہے اور اس سلسلے میں میری پہلی خواہش یہ ہے کہ اب آپ اپنی جگہ واپس پہنچ جائیں اور نقلی آدمی کو وہاں سے ہٹا دیں تاکہ کوئی مسئلہ نہ رہے، البتہ یہ میں آپ کے لئے ایک چھوٹا سا تحفہ لایا ہوں اسے تحفہ سمجھ لیں یا ضرورت، یہ ہمارے لئے نہایت کار آمد ہو گا اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری اب میں آپ کو سونپتا ہوں۔" شہاب نے ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر نکال کر رحمان علی شاہ کو دیا اور رحمان علی شاہ اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

"یہ ٹرانسمیٹر ہے، ممکن ہے آپ نے پہلے کبھی ٹرانسمیٹر نہ استعمال کیا ہو، لیکن اب حالات ایسے پیش آگئے ہیں کہ آپ کو اس کی ضرورت پیش آئے گی۔"

"ویری گڈ، بڑی نایاب چیز ہے میں نے اتنا چھوٹا ٹرانسمیٹر پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

"اس کا استعمال خاص قسم کے معاملات میں کیا جاتا ہے، میرے پاس اس کا ریسیور موجود ہے اور اسے ہینڈل کرنے کا طریقہ نہایت آسان، میں آپ کو اس کا استعمال بتاتا ہوں۔" شہاب نے اپنی جیب سے ویسا ہی دوسرا ٹرانسمیٹر نکال کر اس پر لگی ہوئی ایک ننھی سی ناب دبائی اور ٹرانسمیٹر سے مکھیوں جیسی بھنبھناہٹ کی آواز سنائی دینے لگی، اس نے کہا۔

"یہی اس کا اشارہ ہے، جب یہ آواز آپ کو سنائی دینے لگے تو آپ سمجھ لیجئے کہ میں

آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں، آپ اس بٹن کو دبائیں گے تو میرے سیٹ پر یہی آواز سنائی دے گی اور اس کو چہرے کے قریب کر کے میں آپ سے گفتگو کر سکتا ہوں۔" شہاب نے تھوڑا سا فاصلہ اختیار کر کے رحمان علی شاہ کو بتایا اور رحمان علی شاہ اچنبھے سے بولا۔

"واقعی لیکن اس کی رینج کتنی ہے؟"

"یہ نہایت قیمتی سیٹ ہے، جرمنی میں تیار کیا گیا ہے۔ چھوٹا سا ہونے کے باوجود اس کی رینج دس کلو میٹر کے علاقے تک ہے، اتنے چھوٹے ٹرانسمیٹر پر اتنی بڑی رینج کا تصور کم ہی کیا جا سکتا ہے۔"

"بہت خوب، آپ مطمئن رہیں، میں اسے زندگی سے زیادہ محفوظ رکھوں گا، لیکن ہسپتال منتقل ہونے کا معاملہ۔"

"باہر ٹیکسی کھڑی ہوئی ہے، میں ذرا ٹیلی فون پر ڈاکٹر کبیر سے ایک بار پھر گفتگو کرتا ہوں، حالانکہ یہ نہایت غیر مناسب وقت ہے، لیکن بہر حال ڈاکٹر کبیر ایک نہایت شریف آدمی ہے، وہ ضرور تعاون کرے گا۔" پھر ٹیلی فون پر ڈاکٹر کبیر سے رابطہ قائم کرنے میں پندرہ بیس منٹ سے زیادہ صرف ہو گئے تھے، ہر شریف آدمی اس وقت گہری نیند سو رہا ہوتا ہے۔ وہ بھی گہری نیند سے ہی جاگا تھا اور اس کی نندا سی آواز سنائی دی تھی۔

"ڈاکٹر کبیر بول رہا ہوں، کہئے کیا بات ہے؟"

"معاف کیجئے گا ڈاکٹر صاحب، ڈبل کراس کی طرف سے آپ کو جو تکالیف پہنچی ہیں ان کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں، لیکن ایک شریف شہری ملکی بقاء کے لئے ہر وقت مستعد رہتا ہے۔"

"اوہ یس سر، میں اپنی ذمہ داریاں سمجھتا ہوں اور آپ نے مجھے جو اعزاز بخشا ہے اس کے لئے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔"

"ڈاکٹر کبیر صاحب آپ کو زحمت کرنا پڑے گی، اصل آدمی واپس پہنچ رہا ہے اسے اس کی جگہ منتقل کرنے کے لئے نقلی آدمی کو واپس بھیجنا ہے۔ بس یہ اور زحمت ہے، اس کے بعد شاید ہمیں آپ کو پریشان کرنے کی اتنی ضرورت نہ پیش آئے۔"

"سر آپ یقین کیجئے مجھے آپ کے لئے ہمیشہ خدمت سرانجام دے کر خوشی ہو گی، میں بہت عرصے کے بعد اپنے وطن لوٹا ہوں اور یہاں جن حالات کا شکار ہوا ہوں آپ کو علم

ہے۔ میں اپنے وطن کی بہتری کے لئے اپنی معمولی سی ذات کو پیش کرتا ہوں، مجھے کتنی میں ہسپتال پہنچ جانا ہے۔"

"ڈاکٹر صاحب، آپ جب ہسپتال کے گیٹ پر پہنچیں گے تو اصلی رحمان علی شاہ آ کو وہیں مل جائیں گے، بس اس کے بعد آپ نقلی آدمی کو روانہ کر دیجئے گا۔"

"یہ کام رات میں ہی ہو جائے تو بہتر ہے، حالانکہ صبح ہونے میں اب بہت دیر نہیں ہے۔"

"تو پھر آپ زحمت فرمائیے۔"

"میں دس منٹ کے اندر اندر پہنچ رہا ہوں آپ مطمئن رہیں۔"

"بہت بہت شکریہ ڈاکٹر صاحب۔" شہاب نے کہا اور پھر وہ رحمان علی شاہ کو لے ٹیکسی میں چل پڑا۔

ٹیکسی سے اترنے کے بعد اس نے رحمان علی شاہ سے کہا۔

"جب آپ اپنی جگہ پہنچ جائیں تو مجھے ٹرانسمیٹر پر اطلاع دے دیں اور اس کے بعد اہم مسئلہ ہو تو پھر مجھے بتائیے گا ورنہ جب تک میں آپ کو خود کال نہ کروں، آپ خا رہیے گا اور ایک بات اور سن لیجئے میں آپ کو تین مرتبہ اشارہ دوں گا اگر آپ کسی ایسی ہوں جہاں میرا پیغام نہ موصول کر سکیں تو جواب نہ دیجئے گا، تین بار اشارہ کرنے کے میں چوتھی بار کوشش نہیں کروں گا تاکہ آپ کو پریشانی نہ ہو۔"

"یہ آپ نے بہت اچھا کیا، واقعی یہ بات میرے ذہن میں نہیں آئی تھی۔"

پھر شہاب وہاں سے ہٹ گیا لیکن ٹیکسی میں بیٹھا انتظار کرتا رہا۔ چند لمحات کے ڈاکٹر کبیر کی کار وہاں پہنچ گئی اور رحمان علی شاہ تاریکیوں سے نکل کر اس کے پاس آ گیا ڈاکٹر کبیر رحمان علی شاہ کو لے کر اندر داخل ہو گیا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور اپنے اسٹیئرنگ پر اونگھ رہا تھا اور شہاب پچھلی سیٹ پر بیٹھا کھڑکی سے باہر نگاہیں جمائے ہسپتال کی جانب د تھا۔ کوئی دس ہی منٹ مزید لگے اور اس کے بعد اس نے فراست کو باہر آتے ہوئے فراست غالباً سوتے سے جاگ کر آیا تھا، چنانچہ آہستہ قدموں سے وہ ایک جانب بڑھ گ اس نے شاید وہاں سے نکلتے ہی اپنا میک اپ اتار دیا تھا اور یہ اس کی اپنی ذہانت تھی ورنہ نہیں کی گئی تھی۔ فراست کے نکل جانے کے بعد شہاب نے کہا۔

"چلو ڈرائیور...... اب مجھے میری مطلوبہ جگہ چھوڑ دو...... اس کے بعد تمہاری ڈیوٹی ختم۔" راستے میں اس نے ڈرائیور کو اس کے حساب سے دس گنا زیادہ رقم دیتے ہوئے کہا۔

"بعض اوقات ایسی ڈیوٹیاں تکلیف دہ بھی ہوتی ہیں، لیکن منافع بخش بھی، یہ تمہارا حق ہے۔"

ڈرائیور نے سلام کر کے رقم اپنی جیب میں رکھ لی تھی اور شہاب خاموشی سے ٹیکسی سے اتر کر اپنے گھر کے اس پچھلے حصے کی جانب بڑھ گیا تھا جہاں سے اسے آتے جاتے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ کہیں دور مسجد سے فجر کی اذان سنائی دے رہی تھی۔

رات کا واقعہ در حقیقت عجیب تھا، گلزار علی شاہ کو جھاڑ پڑ چکی تھی، لیکن وہ اب بھی ماننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ شاد کو اس نے یہ ساری حقیقت بتائی تھی، لیکن بہر حال جب ایک بار بات کی تصحیح ہو گئی تھی تو اب بار بار اپنے نکتہ نظر پر جمے رہنا مناسب نہیں تھا اور خصوصاً اب امیر علی شاہ کے سامنے تو یہ تذکرہ کرنا بھی بے کار تھا کیونکہ امیر علی شاہ خود ذہنی طور پر اس بات سے متاثر ہو گیا تھا لیکن پھر دن کو گیارہ بجے گل باز خان اور خیر خان حویلی پہنچے تو ان کی حالت دیکھ کر گلزار علی شاہ چونک پڑا، ان کے چہرے پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں اور انہیں کئی آدمی سہارا دے کر حویلی میں لائے تھے...... گل باز خان اور خیر خان امیر علی شاہ کے ان آدمیوں میں سے تھے جن پر امیر علی شاہ زبردست اعتبار کرتا تھا، نجانے کب سے وہ دونوں اس کے لئے کام کر رہے تھے اور ان کی ذمہ داری تھی کہ ایک مقررہ وقت پر امیر علی شاہ کے پاس پہنچ جائیں آج وہ کافی دیر سے آئے تھے اور امیر علی شاہ نے دوبارہ شاد علی شاہ سے ان دونوں کے بارے میں سوال کیا تھا، لیکن وہ اس حالت میں ہوں گے، اس کا ان میں سے کسی کو پتا نہیں تھا۔ گلزار اور شاد دونوں ہی چونک پڑے تھے، پھر باقی لوگوں کو انہوں نے وہاں سے ہٹ جانے کے لئے کہا اور انہیں بٹھا دیا گیا۔

"کیا ہوا؟ کوئی ایکسیڈنٹ ہو گیا تم لوگوں کا، تم تو شدید زخمی ہو گئے ہو۔"

"ہم اپنے قدموں سے چل کر نہیں آسکے، ہمارے پورے بدن زخموں سے چور ہیں اور شاید اب ہماری زندگی کا چراغ بھی بجھنے والا ہے لیکن مالک سے جس وفاداری کا وعدہ کیا ہے اس سے منہ موڑنا بھی ہمارے لئے ممکن نہیں تھا، آپ ہمیں فوراً امیر علی شاہ صاحب کے پاس پہنچا دو۔" چنانچہ انتظام کیا گیا اور امیر علی شاہ جو اس وقت اپنے مخصوص کمرہ نشست

میں بیٹھا تھا انہیں دیکھ کر حیرت سے اُچھل پڑا پھر اس نے بھی تقریباً وہی سوالات ان سے کئے، گلزار اور شاد بھی قریب ہی موجود تھے جواب میں گل باز خان نے کہا۔

"شاہ صاحب! غلام ہیں آپ کے، وعدہ کیا تھا آپ سے کہ جب تک زندہ ہیں صرف آپ کے حکم کی تعمیل کریں گے اور کسی خطرے پر خوف زدہ نہیں ہوں گے۔"

"یہ ہوا کیا ہے یہ بتاؤ، یہ کسی حادثے کا نتیجہ ہے یا کسی دشمن کی کارروائی؟"

"نہ حادثہ ہے نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کارروائی کسی دشمن نے کی ہے، کیونکہ مالک کے بیٹے کو دشمن کہنے کے لئے ہماری زبان کبھی نہیں کھلے گی۔"

"مالک کا بیٹا؟ کیا مالک تم مجھے کہہ رہے ہو؟"

"اور کون ہے شاہ صاحب، ہم نے پوری زندگی آپ ہی کا نمک کھایا ہے، آپ کے علاوہ کسی کو اپنا آقا نہیں کہہ سکتے۔"

"مگر کس نے...... کس نے؟ امیر علی شاہ نے خونی نگاہوں سے شاد علی اور گلزار علی شاہ کو دیکھا۔"

"نہیں شاہ صاحب ان دونوں میں سے کوئی نہیں ہے۔"

"تو کیا فیاض علی شاہ...... لیکن وہ تو، وہ شہر سے کب آیا؟"

"شاہ صاحب فیاض علی شاہ بھی نہیں، ہماری یہ حالت رحمان علی شاہ نے بنائی ہے۔"

خیر خان بولا اور امیر علی شاہ اُچھل پڑا، گلزار اور شاد کی بھی کیفیت اس سے مختلف نہیں ہوئی تھی، امیر علی شاہ نے حیران نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا میں تمہارے دماغی توازن پر بھی شک کروں، کیا تمہارا سر بھی زخمی ہوا ہے۔"

"ہم جانتے تھے شاہ صاحب آپ اتنے ہی حیران ہوں گے، ہم بھی اتنے ہی حیران ہوئے تھے اور ابھی تک اتنے ہی حیران ہیں۔"

"کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"رحمان علی شاہ صاحب ہمارے ڈیرے پر آئے تھے ان کے پاس آپ کا چابک تھا ہم اسے اچھی طرح پہچانتے ہیں، ہمارے پاس پہنچنے کے بعد انہوں نے ہم سے ایاز بیگ کے بارے میں پوچھا لیکن ہم نہیں جانتے تھے کہ ایاز بیگ کہاں ہے۔ انہوں نے مار مار کر ہمارا یہ حال کر دیا...... آپ یقین کریں ہم نے صرف اپنا بچاؤ کیا اور ان کے ہنٹروں سے بچنے کی

کوشش کرتے رہے، ایک بار بھی ہمارے دل میں یہ خیال نہیں آیا کہ ہم ان پر ہاتھ اٹھائیں بچتے ہوئے بھی ان کے جسم کو کوئی نقصان پہنچائیں، یہ ہماری وفاداری تھی ورنہ ہم اتنے بزدل چوہے بھی نہیں ہیں۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو تم کیا کہہ رہے ہو، میرا ہنٹر، رحمان علی شاہ...... وہ تو ہسپتال میں ہے۔" امیر علی شاہ بولا، لیکن پھر اس کا لہجہ خود ہی پھسپھسا ہو گیا، رات کے پراسرار واقعات اس کے ذہن میں اب بھی گردش کر رہے تھے۔

"جو کچھ بھی ہے شاہ صاحب لیکن نہ تو ہماری آنکھیں دھوکا کھا سکتی ہیں اور نہ ہی ہم پاگل ہوئے ہیں جو آپ کے سامنے غلط بات کہیں، وہ رحمان علی شاہ صاحب ہی تھے۔" خان نے پوری تفصیل امیر علی شاہ کو بتادی اور امیر علی شاہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"کیا یہ سب کچھ، کیا ہے؟ کیا فیاض پاگل ہو گیا ہے اس نے کیسے تصدیق کر دی کہ وہ ہسپتال میں موجود ہے اور پھر وہ خود جا کر دیکھ کر آیا تھا، گلزار تم ذرا میری خواب گاہ میں جاؤ دیکھو میرا ہنٹر موجود ہے یا نہیں یا ٹھہرو میں خود ہی جاتا ہوں۔" امیر علی شاہ نے کہا اور پھر خ اٹھ کر تیز قدموں سے باہر نکل گیا...... گلزار اور شاد نے ان دونوں کو ہمدردی سے بیٹھنے جگہ دی تھی، دونوں کی حالت واقعی بہت خراب نظر آ رہی تھی...... گلزار نے کہا۔

"خیر خان شرافت اور وفاداری اچھی چیز ہوتی ہے لیکن اس کو حماقت کی حد میں نہیں شامل ہونا چاہئے۔"

"ہم سمجھے نہیں صاحب۔"

"وہ اکیلا تھا یا اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے؟"

"نہیں صاحب اکیلے ہی تھے وہ۔"

"تو تم دونوں مل کر بھی اس اکیلے کو قابو میں نہیں کر سکتے تھے، تم دونوں جن بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ دس آدمیوں پر بھاری ہو۔"

"دس آدمیوں پر ہم بھاری ہیں صاحب لیکن مالک کے بیٹے پر نہیں، آپ لوگوں بارے میں ہم صرف اپنے بڑے آقا کے حکم کی تعمیل تو کر سکتے ہیں اپنی طرف سے آپ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔"

"یہ حماقت ہے۔" تھوڑی دیر کے بعد امیر علی شاہ واپس آ گیا اس کا چہرہ اب بھی تص

حیرت بنا ہوا تھا، اس نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میرا ہنٹر دیوار سے غائب ہے۔"

"غائب ہے۔" شاد اور گلزار دونوں چیخ پڑے پھر گلزار بولا۔

"اور رات کو میں اپنی حماقت کا کافی نقصان اٹھا چکا ہوں، مجھے برا بھلا کہا گیا تھا۔"

"لیکن فیاض علی۔" امیر علی شاہ نے کہا اور پھر ان دونوں کی طرف دیکھ کر بولا۔

"تم لوگوں کی اس حالت کا مجھے بہت افسوس ہے اور بے فکر رہو جو ہوا ہے اس کی پوری پوری تحقیق ہو گی، میں نہیں سمجھ سکتا کہ تمہیں یہ نقصان کیوں پہنچایا گیا، ذرا سی تفصیل اور بتاؤ۔ اس کے بعد تم آرام کرو اگر علاج کرانا چاہتے ہو تو میں تمہیں شہر بھجوانے کا بندوبست کر دوں، جو بھی تمہارے دل میں ہو مجھے بتاؤ۔"

"نہیں شاہ صاحب ہم ٹھیک ہیں، ٹھیک ہو جائیں گے لیکن رحمان علی شاہ صاحب ہمیں حکم دے کر گئے تھے کہ ہم آپ کو یہ بات کبھی نہ بتائیں ورنہ ہمیں اگر ملک سے باہر بھی بھیج دیا گیا تو ہماری زندگی ختم کر دی جائے گی۔"

"ارے چھوڑو خیر خان وہ کیا زندگی ختم کرے گا۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے اس کے لئے اپنے دل کے دروازے بند کرنا پڑیں گے اور میرے دل کے دروازے بند ہو گئے تو اسے عالم بالا میں بھی پناہ نہیں مل سکے گی۔" امیر علی شاہ نے کہا اور پھر گلزار سے بولا۔

"انہیں احتیاط کے ساتھ مناسب جگہ پہنچا دو بلکہ یوں کرو انیکسی میں ان کے لئے بندوبست کر دو اور چار آدمیوں کو مسلح کر کے ڈیوٹی پر لگا دو، کوئی انہیں نقصان نہ پہنچانے پائے۔" گلزار انتظام کرنے چلا گیا۔ امیر علی شاہ کے چہرے پر شدید ہیجان پھیلا ہوا تھا، بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی، بہر حال اس وقت تک خاموشی اختیار کی گئی جب تک کہ خیر خان اور گل باز کے لئے مناسب بندوبست نہ ہو گیا، جب گلزار نے واپس آ کر یہ اطلاع دی کہ انہیں مکمل ذمہ داری کے ساتھ انیکسی میں منتقل کر دیا گیا ہے اور چار آدمیوں کو مسلح کر کے یہ ہدایت کر دی گئی ہے کہ اگر کوئی انہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے تو اسے زخمی کر کے گرفتار کر لیا جائے، امیر علی شاہ نے پر خیال لہجے میں کہا۔

"بیٹھ جاؤ گلزار علی شاہ مجھے تم لوگوں سے مشورہ کرنا ہے۔" دونوں بھائی باپ کے سامنے بیٹھ گئے امیر علی شاہ دیر تک سوچ میں ڈوبا رہا تھا، پھر اس نے پریشان لہجے میں کہا۔

"میری عقل ساتھ نہیں دے رہی ہے۔ اگر وہ کسی طرح کلینک سے نکل گیا ہے تو پھر فیاض علی نے اس کے وہاں موجود ہونے کی تصدیق کیوں کی۔"

"بے پروائی بھی ہو سکتی ہے بابا جانی۔"

"کیا مطلب؟"

"رات کا وقت تھا ہو سکتا ہے کاہلی آ گئی ہو۔" شاہ علی شاہ نے کہا اور امیر علی شاہ کے چہرے پر غصے کے آثار نمودار ہو گئے۔

"کسی ضروری معاملے میں کاہلی؟" وہ بولا۔

"ہو بھی سکتا ہے بابا جان، ہر ایک کو اپنے آرام کی فکر رہتی ہے، رات کا وقت تھا، ہو نے سوچا ہو گا کون اٹھ کر رات میں کلینک تک جائے، گھر میں بیٹھے بیٹھے جواب دے دیا گیا۔"

"میری دولت پر عیش کرتے ہو تم لوگ اور میرے حکم کی اس طرح عدولی ہوتی ہے۔"

"ہم لوگوں کی بات مت کرو بابا جان۔ ہم نے آپ کے کون سے حکم کی حکم عدولی کی ہے۔" گلزار علی شاہ بولا اور امیر علی شاہ غصے سے دانت پیسنے لگا پھر اس نے کہا۔

"اگر فیاض علی شاہ نے اس طرح میرے کسی حکم سے بے پروائی برتی ہے تو اسے اس کا نتیجہ بھگتنا ہو گا۔"

"بابا جان ہمیں دوسرے انداز میں بھی سوچنا چاہئے ہو سکتا ہے کسی نئی سازش نے جنم لیا ہو۔" شاد علی شاہ بولا۔

"کیا سازش ہو سکتی ہے اور ہمارے خلاف کون سازش کر سکتا ہے، کوئی بات سمجھ میں آئے، اس وقت تک کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا جب تک یہ بات ثابت نہ ہو جائے کہ فیاض علی شاہ نے بے پروائی برتی ہے اور ہمیں صحیح تحقیقات کر کے جواب نہیں دیا۔"

"پھر بابا جان، جیسا آپ حکم کرو۔"

"وہ اگر آزاد ہو گیا ہے یا کلینک سے نکل بھاگا ہے تو آخر وہ چاہتا کیا ہے؟"

"جو چاہتا ہے وہ تو سامنے آ چکا ہے بابا جان۔"

"کیا؟"

"ایاز بیگ کی رہائی۔"

"اب ایاز بیگ کی رہائی سے اسے کیا ملے گا؟"

"اپنی وفاداری کا ثبوت دے گا۔"

"کس سے؟"

"معاف کیجئے گا بابا جان اپنی محبوبہ سے۔"

"اوہ ہمارے اوپر اگر کسی کو فوقیت دی جاتی ہے تو اس کے نتائج برے ہی بھگتنے پڑتے ہیں۔ دیکھنا ہو گا کہ اس معاملے کو اس طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ وہ گدھا امیر علی کے شکنجے میں پھنسے ہوئے ایاز بیگ کو کیسے نکال سکتا ہے۔ ذرا ہم بھی تو دیکھیں شاد علی۔ تم نے گل باز اور خیر خان کی حفاظت کا معقول بندوبست کر دیا ہے؟"

"بابا جان اس کی طرف سے آپ اطمینان رکھیں۔ ہم نے صحیح طریقے سے ہدایت کر دی ہے۔"

"ہوں، تو پھر شہر چلنے کی تیاری کرو، میں خود اس بارے میں تحقیقات کروں گا، ہوشیار رہنا ہی اصل بہادری اور طاقت ہے، کسی کو میرے خلاف سازش کرنے کی جرات ہوئی تو میری تو زندگی ہی بے کار ہے، میں جب تک اس سازش کا صحیح طور سے پتا نہیں لگا لوں گا چین سے نہیں بیٹھوں گا۔ تم دونوں بھی میرے ساتھ چلو۔"

"ٹھیک ہے بابا جان۔" دونوں وہاں سے اٹھ گئے کچھ دیر کے بعد تمام تیاریاں مکمل کر لی گئیں اور پھر ایک شاندار اور قیمتی کار میں بیٹھ کر وہ شاہ پور سے شہر چل پڑے۔ فاصلہ زیادہ نہیں تھا تھوڑی دیر کے بعد وہ شہر میں داخل ہو رہے تھے، گلزار علی شاہ خود کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔

"ہمیں کہاں چلنا چاہئے بابا جان؟"

"پہلے فیاض علی شاہ کی رہائش گاہ پر۔"

ایک خوشنما اور خوب صورت سے بنگلے میں کار داخل ہوئی تو فیاض علی شاہ باہر ہی نظر آیا۔ وہ اپنی کار میں بیٹھ کر کہیں باہر جانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ باپ کی کار کو دیکھ کر وہ ایک دم چونک پڑا اور پھر جلدی سے اپنی گاڑی سے اتر آیا۔ اس نے پر مسرت انداز میں، باپ اور بھائی کا استقبال کیا تھا لیکن سب کے چہرے سنجیدہ دیکھ کر اس نے آہستہ سے کہا۔

"کیا بات ہے بابا جانی، اندر آئیے...... آپ لوگ اس قدر سنجیدہ کیسے ہیں اور رات کا

واقعہ کیا ہوا تھا۔"

امیر علی شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا اور اندرونی عمارت کی جانب بڑھ گیا۔ تمام اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے تھے۔ شاد علی اور گلزار علی شاہ بھی سنجیدہ صورت بنائے ہو تھے اور فیاض علی شاہ کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔ اندر پہنچنے کے بعد اس نے بہ ادب سے کہا۔

"میں پریشان ہو رہا ہوں بابا جانی۔ کیا بات ہے خیر تو ہے...... کیا ہو گیا؟"

امیر علی شاہ نے بیٹھ کر اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"فیاض علی شاہ رات کو تم سے کچھ کہا گیا تھا؟"

"جی بابا جانی......"

"کیا کہا گیا تھا؟"

"مجھے حکم ملا تھا کہ میں فوراً ہی کلینک جاؤں اور جا کر یہ دیکھوں کہ کیا رحمان علی وہاں موجود ہے۔"

"ہاں...... تو پھر تم نے کیا کیا؟"

"میں اطلاع دے چکا ہوں بابا جانی۔ میں فوراً ہی کلینک پہنچا...... وہاں ڈیوٹی پر جو موجود تھا وہ مجھے جانتا تھا اور جب میں نے اس سے ہوشیاری سے کہا کہ میں رحمان علی شاہ دیکھنا چاہتا ہوں تو اس نے میری خواہش کی تکمیل کی اور میں خاموشی سے رحمان علی شاہ کمرے میں پہنچ گیا۔"

"کیا رحمان علی شاہ وہاں موجود تھا؟"

"موجود تھا بابا جانی۔"

"کیا تم نے اپنی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا؟"

"بالکل قریب جا کر۔ وہ آرام سے گہری نیند سو رہا تھا...... البتہ میں نے اسے جگا کوشش نہیں کی تھی۔"

"سچ بول رہے ہو۔" امیر علی شاہ نے اُلجھے ہوئے انداز میں کہا اور فیاض کے چہر حیرت کے نقوش پھیل گئے پھر اس نے کہا۔

"بابا جانی آپ سے جھوٹ بولنے کی اول تو مجھے کوئی ضرورت نہیں پیش آتی او

آپ کیا سمجھتے ہیں اگر ضرورت ہی پیش آئے مجھے تو میں سچ بات کہنے کے بجائے آپ کو کوئی جھوٹ بات بتاؤں گا۔"

"یہی تو حیرت کی بات ہے لیکن فیاض علی کہاں جا رہے تھے؟"

"ایک کام سے جا رہا تھا بابا جانی!"

"کتنا ضروری کام ہے؟"

"بالکل ضروری نہیں ہے آپ حکم دیجئے۔"

"تب تم میرے ساتھ ڈاکٹر کبیر کے کلینک چلو اور وہاں جا کر ڈیوٹی ڈاکٹر سے تصدیق کراؤ۔"

"میں تیار ہوں بابا جانی۔"

"آؤ ہمیں اس سلسلے میں دیر نہیں کرنی ہے۔"

راستے میں فیاض علی نے اپنے بھائیوں سے پوچھا۔ "مگر یہ تو بتاؤ معاملہ کیا ہے؟"

"یہ معاملہ بابا جانی ہی بتا سکتے ہیں۔" شاد علی شاہ نے سرد لہجے میں کہا۔

"ابھی توقف کرو، بعد میں تمہیں تفصیل بتائی جائے گی۔ پہلے اپنے اس بیان کی تصدیق کراؤ کہ تم نے میری ہدایت پر جو تحقیق کی تھی وہ سچ تھی یا جھوٹ......" فیاض علی شاہ کے چہرے پر غصے کے آثار پھیل گئے، پھر وہ کلینک تک خاموش ہی رہا تھا۔

وہ ڈیوٹی ڈاکٹر اتفاق سے کسی ایمرجنسی کی وجہ سے ابھی ڈیوٹی ادا کر کے واپس نہیں گیا تھا اور وہیں مل گیا تھا۔ چنانچہ فیاض علی نے اس کی جانب اشارہ کر دیا اور اسے آواز دینے کی کوشش کی لیکن امیر علی شاہ نے اسے روک دیا اور کہا۔

"تم یہیں رکو، میں خود تحقیق کروں گا۔" پھر وہ خود گلزار علی شاہ کو لے کر اس ڈاکٹر کے پاس پہنچ گیا...... امیر علی شاہ کو دیکھ کر ڈاکٹر کھڑا ہو گیا تھا۔ امیر علی شاہ نے اسے دیکھتے ہوئے اس سے اس کا نام پوچھا اور جب اس کے نام کی تصدیق ہو گئی تو اس نے کہا۔

"مجھے پہچانتے ہو ڈاکٹر؟"

"جی شاہ صاحب بہت اچھی طرح پہچانتا ہوں میں آپ کو اور آپ کے ان صاحب زادوں کو بھی۔"

"رات کو میرا بیٹا فیاض علی شاہ تمہارے پاس آیا تھا؟"

"جی شاہ صاحب!"

"وقت کیا ہوا تھا؟" ڈاکٹر نے یاد کر کے وقت بتایا پھر بولا۔

"لیکن سر بات کیا ہے؟"

"کیا اس نے رحمان علی شاہ کے کمرے میں جا کر اس بات کی تصدیق کی تھی کہ رحمان علی شاہ کمرے میں موجود ہے۔"

"جی وہ میرے ساتھ ہی گئے تھے؟"

"رحمان علی شاہ اس وقت کمرے میں تھا۔"

"جی ہاں آرام کی نیند سو رہے تھے۔"

"ہوں۔ شکریہ ڈاکٹر۔ بس اتنا ہی معلوم کرنا تھا تم سے۔ ڈاکٹر کبیر موجود ہے؟"

"جی نہیں وہ آج لیٹ ہو گئے ہیں، ویسے صبح کو سنا ہے وہ راؤنڈ پر آئے تھے۔"

"اچھا...... ٹھیک ہے، تم آرام کرو۔ کیا ابھی تک ڈیوٹی پر ہو؟"

"بس دس یا پندرہ منٹ کے بعد واپس چلا جاؤں گا۔ آپ حکم دیں تو رک جاؤں؟"

"نہیں تم اپنے معمولات کو جاری رکھو۔" امیر علی شاہ کے انداز میں پھر تبدیلی رونما ہو گئی تھی۔ اس نے ایک لمحے سوچا پھر واپسی کا اشارہ کر کے اپنی کار کی جانب بڑھ گیا۔ کار میں بیٹھ کر اس نے کہا۔

"فیاض علی شاہ کی بات کی تصدیق ہو گئی ہے اور اب فیاض علی شاہ کو اصل صورت حال بتا دو۔"

"بہتر ہے بابا جان۔" گلزار نے کہا اور اس کے بعد فیاض کو تمام صورت حال بتا دی لیکن فیاض اس صورت حال سے کافی ناخوش تھا اس نے خاموشی ہی اختیار کئے رکھی۔

"تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے فیاض علی شاہ۔"

"بابا جانی میں آپ لوگوں سے ناخوش ہو گیا ہوں۔ اس کا مقصد تو یہ ہوا کہ مجھ پر بھروسا ختم کر دیا گیا ہے۔"

"ہم لوگ اس بات سے اس قدر اُلجھن کا شکار ہو گئے جس کا تم اندازہ نہیں کر سکتے فیاض علی شاہ یہ خیال آیا تھا میرے دل میں کہ ہو سکتا ہے زیادہ رات ہونے کی وجہ سے تم پر کاہلی سوار ہو گئی ہو اور تم نے گھر بیٹھے ہی اس بات کی تصدیق کر دی ہو کہ وہ موجود ہے۔"

"ٹھیک ہے بابا جانی، اگر میں اتنا ہی ناقابل اعتبار ہو چکا ہوں تو پھر کسی سلسلے میں مجھ سے مشورہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"فیاض علی شاہ موقع کی نزاکت کو سمجھو۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اگر وہ یہاں موجود ہے تو پھر وہ کون تھا، جس نے گل باز خان اور خیر خان کو مارا، جو کوٹھی میں نظر آیا اور جو میرا ہنٹر لے گیا۔ آخر وہ کون تھا کیا ہو سکتا ہے یہ سب کچھ اور کیا سازش جنم لے رہی ہے، کہیں اس میں ڈاکٹر کبیر کا ہاتھ تو نہیں ہے؟"

"پہلی بات تو یہ ہے بابا جانی کہ ڈاکٹر کبیر آپ کے خلاف کیوں سازش کرنے لگا اسے اس سازش سے کیا حاصل ہو گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس میں ڈاکٹر کبیر کی کیا سازش ہو سکتی ہے، آپ کو جس وقت وہ شخص نظر آیا تھا اس کے تھوڑی ہی دیر کے بعد رحمان علی شاہ کو یہاں دیکھا گیا تھا اور اب اس بات کی تصدیق بھی ہو گئی ہے کہ اگر ایک منٹ کے اندر اندر کوئی شاہ پور سے یہاں تک آ سکتا ہے تو ذریعہ سفر کیا ہو گا۔ ہوائی جہاز بھی اتنی جلدی اترنے اور چڑھنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔"

"یہی تو حیرت کی بات ہے، پھر کیا قصہ ہے، کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔" امیر علی شاہ نے کہا۔

"بابا جانی کیا ہم لوگ یہاں سے نکلیں؟" فیاض علی شاہ نے پوچھا، کیونکہ اسٹیئرنگ پر وہی بیٹھا تھا۔

"نہیں تھوڑا رکو۔ ہمیں یہاں سے کوئی فیصلہ کرنے کے بعد نکلنا چاہئے۔"

"بھلا ہم کیا فیصلہ کر سکتے ہیں بابا جانی؟"

"فیصلہ ہمیں یہ کرنا ہے کہ اس سلسلے میں ہمارا فوری قدم کیا ہو؟"

"فوری قدم ہو بھی کیا سکتا ہے؟"

"کیوں نہیں ہو سکتا، اگر صورت حال کچھ گڑ بڑ ہے تو یہ گڑ بڑ دوبارہ بھی ہو سکتی ہے، خیر خان اور گل باز کو قتل کرنے کی دھمکی دی گئی ہے اور اگر اس سلسلے میں کسی نے کامیابی حاصل کر لی تو الزام رحمان علی شاہ پر جائے گا اور اسے قاتل قرار دے دیا جائے گا۔ اوہو، یہ سازش تو خود رحمان علی شاہ کے خلاف بھی ہو سکتی ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سازش کرنے والا کون ہے؟"

"باباجان اور کوئی نام ذہن میں آتا ہے۔"

"ویسے تو اس سلسلے میں ہم غیاث بیگ کے بارے میں بھی سوچ سکتے ہیں، کیونکہ ایا بیگ کو تلاش کرنے کا کام شروع کیا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے غیاث بیگ نے اس سلسلے میں کوئی کارروائی کی ہو، کچھ سمجھ میں نہیں آتا، کوئی ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔"

"اگر غیاث بیگ اس قدر صاحب اختیار ہو گیا ہے، ہمارے خلاف کوئی سازش یا کارروائی کرے تو پھر جوہر خان کس مرض کی دوا ہے، ہم نے اسے اتنی مراعات سے نوازا ہے۔"

"میں نے کہا نا جب تک کوئی بات سمجھ میں نہ آجائے، جب تک کوئی صحیح فیصلہ نہ ہو جائے کوئی بھی بات وثوق سے کہنا مشکل ہے۔ میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ اس وقت ہمیں رحمان علی شاہ کو اپنی تحویل میں لے لینا چاہئے، اگر کوئی سازش کی بھی گئی ہے تو اس کا توڑ یہی ہو سکتا ہے۔"

"رحمان علی شاہ کو کہاں لے جائیں گے آپ؟"

"شاہ پور۔"

"اور کیا یہ ایک خطرناک بات نہیں ہو گی؟"

"دیکھو میں اتنا کمزور نہیں ہوں۔ میں نے رحمان علی شاہ کو کوئی جسمانی نقصان پہنچانے کے بجائے اسے صرف ایک دماغی مریض کی حیثیت دے دی ہے، اگر میں اسے نقصان پہنچانے پر اتر آیا تو اسے زمین کے کسی گوشے میں پناہ نہیں ملے گی۔ میں اسے ن رکھوں گا اور اگر اس کی سرکشی حد سے آگے بڑھی ہوئی محسوس ہوئی تو پھر......" امیر علی شا غرا کر خاموش ہو گیا۔

"ٹھیک ہے باباجانی لیکن بات ہے قابل غور، غیاث بیگ اگر کوئی سازش کر سکتا ہے جوہر خان کے علم میں وہ سازش ضرور آنی چاہئے۔"

امیر علی شاہ نے چونک کر گلزار علی شاہ کو دیکھا اور بولا۔

"میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں لیکن ابھی خاموش ہو جاؤ اور پھر یہ خاموشی اس وقت تک طاری رہی جب تک کہ ڈاکٹر کبیر کی کار کلینک میں داخل نہ ہو گئی۔ ڈاکٹر کبیر نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا تھا وہ اپنی کار سے نیچے اترا اور پر وقار قدموں سے چلتا ہوا اندر کلینک میں داخل ہو گیا۔ تب امیر علی شاہ نے فیاض علی شاہ کو اشارہ کیا اور باقی دونوں بیٹوں کو گاڑی

میں بیٹھے رہنے کی ہدایت کی۔ فیاض علی پر چونکہ اس نے شک کیا تھا اور اسے احساس تھا کہ فیاض علی اس کی بات کا برا مان گیا ہو گا، چنانچہ اس وقت اس نے فیاض علی کو اہمیت دینا ضروری سمجھا تھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ ڈاکٹر کبیر کے آفس میں داخل ہو گیا۔ ڈاکٹر کبیر ان لوگوں کو دیکھ کر بھونچکارہ گیا تھا پھر اس نے جلدی سے اٹھ کر ان کا خیر مقدم کیا اور پرجوش انداز میں ان سے مصافحہ کیا۔

"میرے تصور میں بھی نہیں تھا، امیر علی شاہ صاحب کہ آپ اس طرح بغیر کسی اطلاع کے تشریف لے آئیں گے، تشریف رکھئے، خیریت بتائیے؟"

امیر علی شاہ اور فیاض علی شاہ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ امیر علی شاہ نے کہا۔

"سب خیر ہے ڈاکٹر صاحب بس آپ سے کچھ کام ہے۔"

"جی فرمائیے۔ حاضر ہوں۔"

"کیا کیفیت ہے اس کی۔" امیر علی شاہ نے ڈاکٹر کبیر کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے جناب۔ ہنوز جیسے تھے ویسے ہی ہیں۔"

"ہوں، کہیں آنے جانے کی ضد تو نہیں کرتا؟"

"نہیں۔ بس یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اب وہ فطرتاً بھی گوشہ نشین ہو گئے ہوں۔"

"آپ اس کی فطرت کو کیا جانو ڈاکٹر صاحب ہم اس کے باپ ہیں ہم جانتے ہیں اسے۔"

"جی یہ بالکل درست ہے، میں صرف ان چند دنوں کی بات کر رہا ہوں جب سے وہ میرے ساتھ ہیں۔"

"کوئی غیر آدمی تو اس سے ملنے نہیں آیا؟"

"نہیں بالکل نہیں۔"

"اور وہ بھی کبھی اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلا۔"

"اس کے بارے میں آپ کو بتا چکا ہوں۔"

"ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ نے ہمارے ساتھ بڑا تعاون کیا۔ ہمارے لائق اگر کوئی خدمت ہو تو فوراً بتا دیجئے گا، جس طرح آپ نے ہمارے ساتھ تعاون کیا ہے اسی طرح ہم بھی آپ کے ساتھ تعاون کریں گے۔"

"بے حد مہربانی۔ اگر کوئی مشکل پیش آئی تو ضرور آپ کی خدمت میں حاضری دوں گا۔"

"بس اب ہم اسے اپنے ساتھ لئے جا رہے ہیں۔" امیر علی شاہ نے کہا اور ڈاکٹر کبیر چونک پڑا۔ ایک لمحے اس نے امیر علی شاہ کا چہرہ دیکھا پھر آہستہ سے بولا۔

"جو آپ کا حکم، میں نے تو پہلے بھی آپ کے حکم کی ہی تعمیل کی تھی۔ ویسے بھی انہیں ہسپتال کی ضرورت نہیں ہے، یہ بات آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"جو کچھ ہم جانتے ہیں یا تم جانتے ہو ڈاکٹر، بس ہم جانتے ہیں اور تم جانتے ہو کیا سمجھے؟"

"سر میں نے آج تک آپ کے حکم کی تعمیل کی ہے۔"

"ہاں ڈاکٹر تعمیل کرنے ہی میں عزت ہے، اچھا پھر انتظام کر دو فوراً اس کا۔ زیادہ وقت نہیں ہے ہمارے پاس۔"

"جی بہتر۔ اس کا انتظام کچھ بھی نہیں کرنا۔ بس جو سامان ہے وہ پیک کرائے دیتا ہوں......" ڈاکٹر نے کہا اور نرس کو بلا کر اس سلسلے میں ہدایت کر دی، حالانکہ اس کے بدن میں سنسنی دوڑ رہی تھی، جن لوگوں نے اسے اپنے کام کے لئے آمادہ کیا تھا ان سے رابطے کا ڈاکٹر کے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا، نہ ہی انہوں نے اس سلسلے میں اسے کوئی ہدایت دی تھی، اب یہ نئی صورت حال پیش آ رہی ہے تو اس سلسلے میں وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا، جب تک کہ ادھر سے رابطہ قائم نہ ہو۔ نہ ہی وہ امیر علی شاہ کو منع کر سکتا تھا پھر کچھ دیر کے بعد رحمان علی شاہ کو باہر لے آیا گیا، اس نے کسی قسم کی مداخلت یا مدافعت نہیں کی تھی۔ امیر علی شاہ نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہیں چلنا ہے ہمارے ساتھ، کیا سمجھے؟"

رحمان علی شاہ نے نگاہیں اٹھا کر باپ کو دیکھا اور پھر خاموشی سے گردن جھکا دی۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی بے تعلقی چھائی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر سے سلام دعا کرنے کے بعد امیر علی شاہ نے اپنے دونوں بیٹوں کو گہری نگاہ سے دیکھا اور وہ درمیان میں رحمان علی شاہ کو بٹھا کر اس کے ارد گرد بیٹھ گئے۔ فیاض علی شاہ نے اسٹیرنگ سنبھال لیا اور امیر علی شاہ اس کے برابر بیٹھ گیا۔ فیاض علی شاہ کو یہ پوچھنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی کہ اسے اپنے سارے کام چھوڑ کر خاموشی سے امیر علی شاہ کے ساتھ شاہ پور چلنا ہے اس نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی البتہ باہر نکال کر اس نے پوچھا تھا۔

"بابا جانی شاہ پور چلنا ہے یا میری رہائش گاہ پر؟"

"نہیں شاہ پور چلو۔" امیر علی شاہ نے بھاری لہجے میں جواب دیا۔

رحمان علی شاہ کچھ دن پہلے بد دل اور مایوس تھا ایک طرح سے اسے مینٹل ہاسپٹل میں قید ہی کر دیا گیا تھا لیکن اگر وہ چاہتا تو اس قید سے فرار حاصل کر سکتا تھا۔ البتہ ڈاکٹر کبیر کے شریفانہ رویئے نے اسے ایسا کوئی قدم اٹھانے کی ہمت نہ ہونے دی۔ خود بھی ایک شریف نوجوان تھا اور اپنے دوسرے بھائیوں اور باپ کی نسبت بالکل مختلف فطرت کا حامل۔ دوسری بات یہ کہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اب زندگی کے لئے کیا کیا جائے۔ باپ کے اختیارات سے بخوبی واقف تھا، زیادہ سے زیادہ کوئی جذباتی قدم اٹھا کر اپنے لئے پھانسی کا پھندہ تیار کر لیتا اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا تھا، لیکن دل میں ہمیشہ جوار بھاٹے اٹھتے رہتے تھے اور وہ سوچتا تھا کہ اس کی وجہ سے ناہید پر جو گزری ہے اور مرزا غیاث بیگ کے خاندان پر جو قہر ٹوٹا ہے وہ بے حد افسوس ناک ہے لیکن اب کیا کیا جائے۔ شاید باہمت نوجوان نہیں تھا اور حالات سے شکست قبول کر لی تھی اس نے، لیکن ایک تحریک، بس ایک تحریک ہی زندگی ہوتی ہے اور یہی تحریک اگر پیدا ہو جائے تو پھر وہ کارنامے سرانجام کراتی ہے جن پر یقین نہ آئے اور اس تحریک کا آغاز ہو گیا تھا۔ وہ اجنبی شخص اس کی مدد پر آمادہ ہو گیا تھا جس کا عزم جس کی ہمت دیکھ کر رحمان علی شاہ کو رشک آتا تھا۔ پتا نہیں کون تھا، کیا تھا اور کیوں اپنے آپ کو اس نے ہلاکت میں ڈال لیا تھا۔ امیر علی شاہ کا راستہ کاٹنا کوئی آسان بات نہیں تھی، کوئی معمولی انسان اس کی جرات نہیں کر سکتا تھا، اگر وہ امیر علی شاہ سے تھوڑی سی بھی واقفیت رکھتا ہو، لیکن اب جب ایک غیر شخص نے اوکھلی میں سر ڈال دیا تھا تو وہ جس کا اپنا معاملہ تھا کیسے لاتعلق رہ سکتا تھا، جو واقعات پیش آئے تھے اس میں اس نے اپنی فطرت کے خلاف بڑی مستعدی اور ہمت کا ثبوت دیا تھا اور اب اسے خود پر کافی اعتماد ہو گیا تھا۔ وہ شہاب سے تعاون کرنا چاہتا تھا۔ ورنہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ واپس شہاب کے پاس ہی نہ پہنچتا لیکن فطرتاً ناسپاس نہیں تھا، چنانچہ شہاب کے مشورے سے سب کچھ کرنا چاہتا تھا، نجانے کیوں اسے اس بات کی توقع تھی کہ اس واقعہ کے بعد امیر علی شاہ شدت سے متحرک ہو جائے گا اور اپنے طور پر کچھ نہ کچھ کرنے کی کوشش کرے گا اور اس کا یہ خیال بالکل درست ثابت ہوا تھا۔

زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ امیر علی شاہ اس تک پہنچ گیا لیکن رحمان کو یہ توقع نہیں

تھی کہ وہ اسے کلینک سے ہی نکال لے گا، جب اسے یہ اطلاع ملی اور سوچنے کے لئے صرف ایک لمحہ درکار ہوا تھا تو اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ امیر علی شاہ سے انحراف نہیں کرے گا، خاموشی سے اس کے ساتھ چلا جائے گا، البتہ شہاب نے ٹرانسمیٹر کی حفاظت کے لئے اس سے کہا تھا اور اگر شہاب سے رابطہ ٹوٹنے کا خدشہ ہوا تو پھر وہ عمل کرنا پڑے گا جو بہتوں کے لئے ناخوشگوار اور خطرناک ہوگا لیکن اس دوران کے لئے اس نے لائحہ عمل پوری طرح مرتب کر لیا تھا، اسے بہترین اداکاری کا مظاہرہ کرنا تھا اور اس نے یہ مظاہرہ شروع بھی کر دیا تھا، چنانچہ اس کے دونوں بھائی دشمنوں کی مانند اس کے گرد بیٹھے ہوئے تھے، باپ اور تیسرا بھائی سامنے تھے لیکن وہ ان سب سے بے پروا، آنکھیں بند کئے، گردن جھکائے ان دونوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا اور اس نے بدن کو اس طرح ڈھیلا ڈھالا چھوڑ دیا تھا جیسے اس کے جسم میں جان ہی نہ ہو، پھر شاہ پور تک کا پورا راستہ اس نے اس نیم غنودگی کیفیت میں طے کیا تھا، لیکن ذہن میں لاتعداد منصوبے بن رہے تھے اور وہ اپنے آئندہ اقدامات انہی منصوبوں کے تحت کرنا چاہتا تھا۔ اس وقت چار شاطروں سے مقابلہ تھا حالانکہ وہ اپنا خون تھے لیکن اپنا خون دشمن خون نظر آرہا تھا اور اسے ان دشمنوں سے نمٹنا تھا۔

"کیا یہ سو رہا ہے۔" شاہ پور پہنچنے کے بعد امیر علی کو ہوش آیا تھا۔

"پتا نہیں بابا جانی۔" شاد علی نے جواب دیا۔

"ہوں۔ شرمندہ معلوم ہوتا ہے۔" امیر علی نے خود ہی کہا۔ بیٹوں نے اس پر تبصرہ نہیں کیا تھا۔ کچھ دیر کے بعد کار رک گئی۔ اسے حویلی نہیں لے جایا گیا تھا بلکہ ایک اور جگہ کار رُکی تھی۔

ان لوگوں نے اسے کار سے اتارا، یہ مکان شاہ پور کے نواحی علاقے میں امیر علی شاہ کی زمینوں پر بنا ہوا تھا، اس سے تھوڑے فاصلے پر امیر علی شاہ کا ایک فارم ہاؤس بھی تھا اور رحمان علی شاہ کئی بار یہاں آچکا تھا۔ نیچے اترتے ہوئے بھی اس نے کسی قسم کا کوئی تعرض نہیں کیا اور جب اسے کار سے نیچے اتارا گیا تو وہ خاموشی سے کھڑا ہو گیا، پھر شاد علی نے اس کا بازو پکڑا اور وہ اس کے ساتھ آگے بڑھنے لگا، امیر علی شاہ بغور اس کا جائزہ لے رہا تھا، لیکن رحمان نے ایک بار بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی اس نے اپنا انداز برقرار رکھا تھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ اندر پہنچ گئے، امیر علی شاہ اس بڑے

کمرے میں آگیا جسے نشست گاہ کے لئے تیار کر لیا گیا تھا، ایک صوفے پر بیٹھ کر اس نے اسے سامنے بٹھایا اور اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

"تجھے کیا ہوا ہے؟" اس نے غرائی ہوئی آواز میں پوچھا، لیکن رحمان علی شاہ گردن جھکائے بیٹھا رہا، اس کے چہرے پر سہمے سہمے تاثرات تھے۔

"کیا ہو گیا ہے اسے؟" امیر علی شاہ نے فیاض سے پوچھا۔

"بابا جانی کچھ پوچھ رہے ہیں جواب دو۔" فیاض علی شاہ بولا اور رحمان علی شاہ نے سہمی ہوئی آنکھیں اوپر اٹھائیں، ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑایا۔ ایک لفظ بھی سمجھ میں نہیں آیا تھا اور اس کے بعد دوبارہ گردن جھکالی۔ امیر علی شاہ نے حیرت سے اپنے تینوں بیٹوں کو دیکھا اور بولا۔

"کیا بات ہے، کیا اسے کوئی دوائی استعمال کرائی جاتی رہی ہے؟"

"پتا نہیں بابا جانی۔" امیر علی شاہ کے چہرے پر تشویش کے آثار پھیل گئے، کچھ دیر وہ سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

"رحمان میں تجھ سے کچھ پوچھ رہا ہوں گردن اوپر اٹھا۔" رحمان علی شاہ نے پھر بہترین اداکاری کرتے ہوئے گردن اوپر اٹھائی، باپ کا چہرہ دیکھا اور پھر گردن جھکالی۔

"وہاں تیرے ساتھ کیا سلوک ہوا؟" امیر علی شاہ نے پوچھا۔

"کچھ نہیں بابا جان، کچھ بھی نہیں۔" رحمان علی شاہ اتنی مدھم آواز میں بولا کہ امیر علی شاہ کی سمجھ میں بہ مشکل اس کے الفاظ آسکے، امیر علی شاہ نے پھر حیرانی سے اس کو دیکھا اور اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"میں پوچھتا ہوں کیا ہوا ہے تجھے؟"

"مجھے کچھ نہیں ہوا بابا جان میں بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ پھر اسی مدھم آواز میں بولا۔

"زور سے کیوں نہیں بولتا؟"

"میں کسی سے زور سے نہیں بولتا بابا جانی، مجھ سے زور سے بولا نہیں جاتا۔" وہ پھر بڑبڑانے کے سے انداز میں بولا اور امیر علی شاہ نے غرائے ہوئے انداز میں فیاض علی شاہ سے کہا۔

"تو نے کیا اس کا وہاں خیال نہیں رکھا تھا؟"

"میں کیا خیال رکھتا بابا جانی، آپ نے اسے ڈاکٹر کبیر کے حوالے کر دیا ہے۔"

"مجھے تو کچھ اور ہی لگ رہا ہے۔"

"کیا؟"

"ڈاکٹر کبیر نے اسے قابو میں رکھنے کے لئے کوئی ایسی نشہ آور شے دینا شروع کر دی ہوگی جس نے اس کے اعصاب متاثر کر دیئے ہیں، یہ تو سچ مچ ہی پاگل ہو گیا ہے۔"

"ہو سکتا ہے بابا جانی، بہر طور وہ بھی مجبور تھا اسے آپ کے احکامات کی تعمیل کرنی تھی اور اس کی سرکشی کو بھی روکنا تھا۔"

"مگر یہ اس نے اچھا نہیں کیا۔"

"اب اچھا کیا ہو یا برا، یہ آپ اس سے پوچھ سکتے ہیں۔"

"اس نے مجھ سے بدلہ لے لیا ہے، میں نے اسے جس کام کے لئے مجبور کیا تھا اسے اس نے ایک ایسی شکل دے دی ہے کہ مجھے اس پر خون کے آنسو رونا پڑے۔"

"آپ اس کے لئے خون کے آنسو رو رہے ہیں بابا جانی جس نے آپ پر گولی چلائی تھی؟" گلزار علی شاہ نے کہا اور امیر علی شاہ کا موڈ پھر بدل گیا۔ اس نے گلزار علی شاہ کو دیکھا اور پھر رحمان علی شاہ کو، رحمان علی شاہ کی گردن اسی طرح جھکی ہوئی تھی، پھر وہ کرخت لہجے میں بولا۔

"اوئے حال تو اس کا اس سے بھی برا ہونا چاہئے تھا، باپ ہوں اس لئے میں نے اسے موت کی سزا نہیں دی، ورنہ اچھی طرح بتا دیتا کہ میں کیا چیز ہوں، لیکن یہ...... یہ کہیں اداکاری تو نہیں کر رہا ہے بے وقوف تو نہیں بنا رہا ہے ہمیں۔"

"ہم یہ بات نہیں کہہ سکتے تھے بابا جانی آپ نے خود ہی یہ اپنے منہ سے کہہ دیا، ہمارا بھی یہی خیال ہے، ورنہ پھر یہ اس طرح کیسے حویلی میں آتا اور آپ کا ہنٹر لے کر گل باز اور خیر خان کو مارتا۔" گلزار علی شاہ بولا۔ امیر علی شاہ، فیاض علی اور شاد علی شاہ بھی رحمان علی شاہ کی صورت دیکھ رہے تھے، لیکن وہ ان لوگوں کی گفتگو سے بے تعلق، بدستور مجذوبوں کے سے انداز میں گردن جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔ کبھی کبھی وہ آہستہ آہستہ بڑبڑانے بھی لگتا تھا، جب امیر علی شاہ نے کہا۔

"اگر یہ اداکاری کر رہا ہے تو میں اس سے بڑا اداکار ہوں میں دیکھوں گا کہ اس کی

اداکاری کتنی دیر چلتی ہے، تم لوگ اسے یہیں بند کر دو، رات کو ہم اسے حویلی میں منتقل کر دیں گے اور اس دوران گلزار تم اور شاد علی شاہ تم اس کے آس پاس ہی رہو، کڑی نظر رکھنا اس پر، اگر یہ بھاگنے کی کوشش کرے تو اس کے پاؤں زخمی کر دینا، میں تمہیں اس کی اجازت دیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے بابا جانی اسے اندر والے کمرے میں بند کر دیا جائے۔" گلزار علی شاہ نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد رحمان علی شاہ کو اندرونی کمرے میں منتقل کر دیا گیا۔ یہ ایک ایسا کمرہ تھا جس سے بھاگ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا، دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا تھا، پھر رحمان علی شاہ کو یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ امیر علی شاہ اور باقی بھائی ہیں یا چلے گئے ہیں، لیکن وہ اپنے بھائیوں کی سنگدلی پر غور کر رہا تھا، باپ تو دیوانہ تھا ہی، اس کی ساری زندگی رحمان علی شاہ کے علم میں تھی، انسانوں پر رحم کرنا اس کی فطرت میں شامل نہیں تھا، گھر پر بھی اس نے ایک ڈکٹیٹر شپ قائم کر رکھی تھی۔ جو اس کے احکامات کا بندہ ہو اس کے لئے جینے کے بہتر مواقع تھے اور جس نے بھی اس سے انحراف کیا اس پر عرصہ حیات تنگ، لیکن اپنے بھائیوں پر اسے سخت غم ہو رہا تھا جو دشمنوں سے بدتر تھے، اس کے لئے بہر حال صبر و سکون سے ان لمحات سے گزرنا تھا اور اس نے اپنے آپ کو اس کے لئے پوری طرح تیار کر لیا تھا، چنانچہ بقیہ وقت اس نے خاموشی سے اسی کمرے میں ایک جگہ بیٹھے بیٹھے گزار دیا۔ اسے پانی تک کے لئے نہیں پوچھا گیا تھا حالانکہ وہ سخت پیاسا تھا اور رات کو اسے بھوک بھی لگنے لگی تھی، باہر بھائی موجود تھے، لیکن اس اداکاری کو قائم رکھنا اس کے لئے بے حد ضروری تھا، ماں کو غالباً اس بارے میں اطلاع بھی نہیں دی گئی ہوگی کیونکہ بہر طور ماں، ماں تھی اور اس کا اندازہ وہ بخوبی لگا چکا تھا، باقی یہاں اس گھر میں اس کا کوئی اور ہمدرد نہیں تھا، وقت گزرتا رہا اور پھر اس وقت رات کے تقریباً ساڑھے آٹھ بجے تھے جب اسے باہر نکالا گیا اور کھانے پینے کے لئے دیا گیا۔ کھانے کی ٹرے اس کے سامنے آئی تو وہ خاموشی سے کھانے میں مصروف ہو گیا۔ یہاں اداکاری مناسب نہیں تھی کیونکہ زندگی کو قائم رکھنے کے لئے اور جسم کی توانائی برقرار رکھنے کے لئے خوراک بے حد ضروری ہوتی ہے۔ وہ دنیا سے بے نیاز کھانے میں مصروف رہا۔ پانی کا گلاس بھی پیا اور پھر جس جگہ بیٹھا تھا وہیں کروٹ لے کر دراز ہو گیا، لیکن گلزار علی شاہ نے اس کا بازو پکڑ کر اسے اٹھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں...... یہاں نہیں، تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہے۔" وہ بڑبڑانے کے سے انداز میں کچھ بولا اور اس کے بعد اٹھ کھڑا ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد اسے ایک بند گاڑی میں بٹھا کر سفر شروع کر دیا گیا۔ رحمان علی شاہ نہیں جانتا تھا کہ اب نئی منزل کون سی ہے۔

وہ صبر و سکون سے یہ سفر کرتا رہا، پھر کچھ دیر کے بعد گاڑی رکی اور اسے نیچے اتارا گیا۔ وہ لوگ اس کی حرکات و سکنات کا مسلسل جائزہ لے رہے تھے، لیکن اس نے بھی طے کر لیا تھا کہ کسی کو اپنی صحیح کیفیت کا اندازہ نہیں ہونے دے گا۔ یہ طریقہ کار اس کے لئے بہت شاندار ثابت ہوا تھا۔ کم از کم اسے ان کے سامنے زبان کھولنے کی ضرورت نہیں پیش آئی تھی۔ اگر وہ کوئی سوال کرتے بھی تو وہ اس انداز میں جواب دیتا کہ آدھا جواب ان کی سمجھ میں آئے اور آدھا نہ آئے، لیکن اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ بے چارے ڈاکٹر کبیر کی شامت اس سلسلے میں بھی آسکتی ہے، وہ لوگ اس سے ضرور یہ سوال کریں گے کہ کیا اس نے کوئی ایسی دوا اسے دی ہے جس نے اس سے اس کے حواس چھین لئے ہیں، بہر حال یہ عارضی معاملہ تھا۔ اس کے بعد تو اسے باعمل ہونا ہی تھا۔ تھوڑا فاصلہ طے کرتے ہوئے اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ اپنی حویلی میں ہے، وہ اسے حویلی کے دوسرے حصے میں لئے جا رہے تھے اور پھر ایک کمرے میں پہنچنے کے بعد اسے سیڑھیوں سے نیچے اُتارا جانے لگا اور اس کے دل میں ایک موہوم سی خواہش بیدار ہوئی۔ وہ جانتا تھا کہ حویلی میں ایسے تہہ خانے موجود ہیں جن میں سے بعض کا علم صرف امیر علی شاہ کو ہی ہے، ہو سکتا ہے اس وقت وہ اسے کسی ایسے ہی تہہ خانے میں لے جا رہے ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہی تہہ خانوں میں ایاز بیگ بھی موجود ہو، اگر ایسا ہو جائے تو واقعی لطف آجائے۔ یہ جگہ بھی اس کے لئے اجنبی تھی، یہیں پیدا ہوا، یہیں پلا بڑھا، لیکن اس تہہ خانے کی سیڑھیاں اس نے کبھی طے نہیں کی تھیں۔ دوسرے چند تہہ خانوں کے بارے میں اسے البتہ معلوم تھا پھر وہ اسے ایک ہال نما جگہ لے گئے جس کے دونوں طرف پورشن بنے ہوئے تھے، ایک کمرے جیسا تھا جس میں بستر وغیرہ پڑا ہوا تھا، اسے یہاں منتقل کر دیا گیا۔ یہاں غسل خانہ بھی تھا، پانی وغیرہ کا بھی معقول انتظام تھا اور ایک ایسا چھوٹا روشن دان بھی جس سے مدہم مدہم روشنی اندر آ رہی تھی اور یہاں سے ستارے دیکھے جا سکتے تھے، لیکن ابھی اس نے یہ غور نہیں کیا تھا کہ یہ تہہ خانہ کون سے علاقے میں ہے اور اوپر کی جگہ کون سی ہے، اسے بستر پر بٹھایا گیا تو وہ بیٹھ گیا پھر امیر علی شاہ دروازے سے اندر داخل ہوا۔

اس نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوئے تجھے کیا ہو گیا ہے کچھ منہ سے نہیں پھوٹے گا، شاد علی روٹی کھائی اس نے؟"

"جی بابا جانی، کھانا کھلا دیا گیا ہے۔"

"اوئے اس کا خیال رکھو، میں اس ڈاکٹر کے بچے سے اس کی اس کیفیت کے بارے میں ضرور معلوم کروں گا، اگر اس نے ایسا کوئی قدم اٹھایا ہے تو میری اجازت کے بغیر اٹھایا ہے، اسے یہ نہیں کرنا چاہئے تھا۔"

"میرا خیال ہے بابا جانی ایک طرح سے یہ ٹھیک ہی ہے۔" شاد علی نے کہا۔

"اوئے کیسے ٹھیک ہے؟"

"اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ نجانے کیا کر بیٹھتا؟"

"اوئے وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن پھر وہ کون تھا؟"

"یہ تو ہمیں معلوم کرنا ہوگا بابا جانی۔" شاد علی نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ کوئی لمبا کھیل کھیلا جا رہا ہے، ویسے تم لوگوں نے اسے پوری طرح چیک کر لیا تھا۔"

"سارا دن چیک کرتے رہے ہیں بابا جانی، لیکن اس کی یہ کیفیت حقیقی ہے۔"

"اوئے یہ مر تو نہیں جائے گا؟"

"پتا نہیں بابا جانی، اب اس کا تو اندازہ ہی لگانا پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے، میں چلتا ہوں، ذمہ داری کس نے لی ہے اس کی۔"

"رات کی ڈیوٹی تو میری ہے بابا جانی۔"

"صحیح طریقے سے ڈیوٹی انجام دینا، تم لوگوں نے مجھے بالکل مروا دیا ہے، نجانے تقدیر میں کیا لکھا ہے۔" امیر علی شاہ نے کہا۔

"آپ فکر نہ کریں بابا جانی ہم لوگ مستعد رہیں گے۔" شاد علی نے کہا اور امیر علی شاہ وہاں سے واپس چلا گیا۔ رحمان علی شاہ کا دل اندر سے رو رہا تھا، یہ کیسے سگے بھائی ہیں اس کے، کیا فطرت پائی ہے انہوں نے، محبت کا کوئی عنصر نہیں ہے ان کے دل میں، خون کی کوئی کشش باقی نہیں رہی ہے، وہ اس سے ایسا سلوک کر رہے ہیں جیسا اجنبی دشمنوں سے کیا جاتا ہے،

کیوں آخر کیوں، لیکن اس کیوں کا جواب اس کے پاس بھی نہیں تھا۔ بہر حال الفاظ اس نے سن لئے تھے، شاد علی کو اس کی نگرانی پر مامور کر دیا گیا تھا۔ بڑا محتاط رہنا پڑے گا، پھر شاد علی بھی چلا گیا اور وہ بستر پر سیدھا سیدھا لیٹ گیا ابھی اسے خاصا محتاط رہ کر کام کرنا تھا، کافی دیر اسی طرح گزر گئی اس نے بستر پر جنبش نہیں کی تھی، اپنے بھائیوں کی فطرت کے بارے میں وہ اچھی طرح جانتا تھا، یہ لوگ بھی مستعد لوگ نہیں تھے، رات کے کسی ایسے پہر کا انتظار کرنا پڑے گا جب وہ لوگ غافل ہو جائیں لیکن بہت زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اسے قدموں کی چاپ سنائی دی، وہ خاموشی سے سیدھا سیدھا لیٹا رہا، کوئی اس کے قریب پہنچا تھا اور پھر بے اختیار اس کے پاس بیٹھ گیا تھا، پھر اس کی آواز اس کے کانوں میں گونجی تھی۔

"ارے رحمان بھائی، رحمان علی شاہ صاحب۔" اور یہ آواز سن کر اس کے پورے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے، یہ ایاز بیگ ہی کی آواز تھی، لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا، ہوشیاری ہی زندگی کی ضمانت ہے، ہو سکتا ہے اس وقت بھی بہت سی آنکھیں اس کی نگرانی کر رہی ہوں اور یہ جائزہ لینا چاہتی ہوں کہ ایاز بیگ سے ملاقات اس پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے، اپنے آپ کو سنبھالنا تھا، اپنے آپ کو کنٹرول کرنا تھا، اگر ایسا نہ ہوا تو سارا کھیل بگڑ جائے گا اور وہ کھیل کسی قیمت بگاڑنا نہیں چاہتا تھا، چنانچہ وہ اسی طرح ساکت و جامد پڑا رہا۔

"رحمان بھائی آپ، آپ یہاں کیسے آ گئے، آپ کہاں تھے، آپ کو پتا نہیں مجھ پر کیا قیامت ٹوٹی ہے، امیر علی شاہ صاحب نے مجھے کھیتوں سے اٹھوا لیا تھا اور اس کے بعد نجانے کہاں کہاں رکھا گیا مجھے اور اب میں ایک طویل عرصے سے یہاں قید ہوں، یہ لوگ مجھے مارتے بھی ہیں اور مجھ سے کہتے ہیں کہ اگر میں نے کوئی حرکت کی اور یہاں سے نکلنے کی کوشش کی تو مجھے جان سے مار دیا جائے گا، رحمان بھائی میری مدد کیجئے، میرے ماں باپ کس حال میں ہیں میری بہن کس حال میں ہے۔" ایاز بیگ رونے لگا لیکن اس نے کوئی جنبش نہیں کی اور اسی طرح خاموش پڑا رہا۔ وہ بہترین اداکاری کا مظاہرہ کر رہا تھا اور اپنے دشمنوں کو ہر قیمت پر شکست دینا چاہتا تھا، ایاز بیگ نے پھر کہا۔

"آپ کو کیا ہو گیا ہے، آخر آپ کو کیا ہو گیا ہے؟" پھر وہ کافی دیر تک رحمان علی شاہ کے پاس بیٹھا رہا تھا اور پھر آہستہ سے اپنی جگہ سے اٹھ گیا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ میری تقدیر کے ستارے ابھی گردش میں ہیں، آہ آپ کو دیکھ

کر دل میں یہ امید جاگی تھی کہ شاید میری رہائی کا کوئی بندوبست ہو جائے، مجھے اور کوئی پروا نہیں ہے، یہ لوگ ہزار بار مجھے مار دیں، لیکن بس میرے ماں باپ محفوظ رہیں، مجھے ان کا پتا معلوم ہو جائے آہ کاش......" ایاز بیگ وہاں سے چلا گیا۔ رحمان علی شاہ قدموں کی چاپ سے یہ اندازہ لگا رہا تھا کہ وہ کدھر جا رہا ہے اور پھر اسے یہ یقین ہو گیا کہ ایاز بیگ کو انہی تہہ خانوں میں رکھا گیا ہے، یہ اندازہ بھی ہوا تھا اسے کہ ایاز بیگ کو یقیناً اس کے پاس اسی لئے پہنچایا گیا ہے کہ اس کی اصلیت معلوم ہو جائے، لیکن اس نے صبر و سکون سے اپنے ڈرامے کو جاری رکھا تھا۔ تھوڑا سا وقت، بس تھوڑا وقت گزار لیا جائے ہمت کے ساتھ، اس کے بعد حالات اس کے قابو میں ہوں گے اور وہ اپنے آپ کو اس وقت کے لئے پوری طرح مستعد رکھے ہوئے تھا۔

رات آدھی سے زیادہ گزر گئی، لیکن نیند کا اس کی آنکھوں میں شائبہ بھی نہیں تھا، شہاب کے بارے میں بھی وہ یہ سوچ رہا تھا کہ شہاب کو یقیناً پوری تفصیل کا علم ہو گیا ہو گا اور وہ ٹرانسمیٹر پر اس سے رابطے کا منتظر ہو گا، لیکن اسے شہاب کے الفاظ بھی یاد تھے جن میں اس نے کہا تھا کہ ٹرانسمیٹر کا استعمال انہی لمحات میں موزوں ہو گا جب مکمل تنہائی ہو، ورنہ شہاب اس سے خود بھی رابطہ قائم کر سکتا تھا وہ بھی محتاط آدمی ہے اور اس پر پورا پورا اعتبار بھی کرتا ہے۔

پھر وہ اپنی جگہ سے آہستہ سے اٹھا، انداز مجہولوں کا سا تھا، سب سے زیادہ اسے اس روشن دان کی فکر تھی جس میں سے روشنی اندر چھن رہی تھی، اگر کوئی اس کا نگراں ہو سکتا ہے تو روشن دان ہی سے اس کا جائزہ لے سکتا ہے اور کوئی ایسی جگہ یہاں بظاہر نظر نہیں آ رہی تھی، سوائے ان دروازوں کے، چنانچہ وہ اٹھنے کے بعد آہستہ آہستہ چلتا ہوا غسل خانے کی طرف بڑھ گیا اور پھر غسل خانے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا، اندر لائٹ لگی ہوئی تھی اس نے روشنی تک نہیں جلائی تھی اور غسل خانے میں کھڑے ہو کر جائزہ لیتا رہا پھر اس نے فوراً ہی ٹرانسمیٹر نکال لیا اور شہاب کے بتائے ہوئے طریقہ کار کے مطابق اس کا بٹن دبا دیا۔

چند ہی لمحات کے بعد اسے شہاب کی آواز سنائی دی۔

"ہاں رحمان علی شاہ کہو کس پوزیشن میں ہو؟"

"سر، آپ کو میری آواز صاف سنائی دے رہی ہے؟"

"ہاں بالکل۔"

"سر بڑے سنگین حالات ہو چکے ہیں، میں بڑی دلچسپ سچویشن سے گزر رہا ہوں۔"

"میں اس سچویشن کی تفصیل معلوم کرنا چاہتا تھا، لیکن میں نے مکمل احتیاط برتی ہے اور یہ فیصلہ کر لیا تھا میں نے کہ جب تک تمہاری طرف سے مجھے مخاطب نہیں کیا جائے گا میں تمہیں مخاطب نہیں کروں گا۔"

"میں خود مضطرب تھا، بہرحال اب میں آپ کو پوری تفصیل بتا کر ہدایت لینا چاہتا ہوں۔"

"ہاں...... تفصیل بتاؤ۔" شہاب کی آواز سنائی دی اور رحمان علی شاہ نے اسے (الف) سے لے کر (ی) تک پوری کہانی سنا دی۔ شہاب خاموشی سے سنتا رہا تھا...... وہ خاموش ہوا تو شہاب نے کہا۔

"تم بے حد ذہین نوجوان ہو رحمان علی شاہ...... تم نے تو یہ کام بے حد آسان کر لیا۔"

"سر آپ میرے عمل سے مطمئن ہیں۔"

"بے حد مطمئن۔"

"اب مجھے بتایئے میں کیا کروں؟"

"بڑی صبر آزما ذمہ داری تمہارے سپرد کر رہا ہوں۔"

"فرمایئے۔"

"اپنی اس اداکاری کو جاری رکھو۔ انہیں اس بات کا اطمینان دلا دو کہ تم بے ضرر ہو اور وہ تم نہیں تھے۔"

"بہتر ہے...... ایاز بیگ کے لئے کیا حکم ہے۔"

"ہماری سب سے بڑی کامیابی اس کے بارے میں معلومات ہے، میرے خیال میں اسے کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"کوئی امکان نہیں نظر آتا۔"

"تب اسے نظرانداز کرو...... مطلب یہ کہ اس کا بھی وہی طریقہ جاری رکھو۔"

"بہتر ہے سر...... مجھے سب سے زیادہ اس بات کی فکر تھی کہ آپ صورت حال سے آگاہ ہیں یا نہیں۔"

"میں پوری طرح آگاہ ہوں۔"

"بہتر ہے۔"

"او کے رحمان، اب سب کچھ تمہاری ہوشیاری پر منحصر ہے...... ویسے رحمان اب ایک سوال کرنا چاہتا ہوں تم سے۔"

"ضرور سر۔"

"ظاہر ہے میں تمہارے دشمنوں کے خلاف کام کر رہا ہوں لیکن بدقسمتی سے تمہارے دشمن تمہارے اپنے باپ اور بھائی ہیں مجھے ان کے خلاف بہت کچھ کرنا ہو گا۔"

"سر...... آپ میرے ساتھ ان کے رویئے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ آپ یقین کیجئے میں اپنے خون سے اس بے اعتنائی کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اب میرے دل میں ان کے لئے نفرت اور انتقام کے جذبے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔"

"بہرحال! اچھا خدا حافظ۔"

"خدا حافظ......" رحمان نے ٹرانسمیٹر بند کر دیا...... اس کے سر کا بوجھ بالکل ہلکا ہو گیا تھا اور اب وہ بالکل مطمئن تھا۔

❁

شہاب کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا تھا...... اس کی محنت کا پھل مل گیا تھا...... حالانکہ نہ تو کوئی پولیس کیس تھا...... نہ ہی اس پر اس کی کوئی ذمہ داری تھی لیکن اس کیس پر کام کرنا اس کی زندگی کے سب سے بڑے مشن کا حصہ تھا...... اسے ایاز بیگ کا پتا چل جانے پر بے حد خوشی ہوئی تھی...... ویسے وہ رحمان علی شاہ کو واپس بھیج کر غافل نہیں ہو گیا تھا۔ اسے اس خطرناک عمل کے ردعمل کا انتظار تھا اور اس کے لئے اس نے ڈبل او گینگ کے ارکان کی ڈیوٹیاں اب کلینک پر لگا دی تھیں، چنانچہ دن میں سردار علی نے اسے اطلاع دی کہ رحمان علی کو امیر علی شاہ اور اس کے بیٹے لے گئے ہیں۔ شہاب نے اس اطلاع پر مطمئن انداز میں گردن ہلائی تھی پھر کوئی ایک گھنٹے کے بعد اس نے ڈاکٹر کبیر سے ڈبل کراس کے حوالے سے بات کی تھی اور ڈاکٹر کبیر نے بدحواس لہجے میں اسے بتایا تھا کہ امیر علی، رحمان علی شاہ کو لے گیا۔

"تھینک یو ڈاکٹر...... ہم آپ کے اس بہترین تعاون کو ہمیشہ یاد رکھیں گے...... اب شاید اس سلسلے میں آپ کی کوئی خاص ضرورت پیش نہیں آئے گی...... زیادہ سے زیادہ جب امیر علی شاہ پر مقدمہ چلے گا تو آپ کو ایک بار گواہی کے لئے پیش ہونا پڑے گا۔"

"آپ کے تعاون سے میں یہ کام کرنے کے لئے تیار ہوں سر...... میری تو خوشی
ہے کہ میں آپ کے کسی کام آسکا۔"

"بے حد شکریہ ڈاکٹر، ایک اچھے شہری سے ہم اسی تعاون کی توقع رکھتے ہیں، اور
آپ آرام کیجئے اس کے باوجود کہ ہمارا آپ کا رابطہ تقریباً ختم ہو چکا ہے لیکن پھر بھی
آپ کو مسلسل فون کر کے آپ کی خیریت معلوم کرتا رہوں گا۔"

"بہت بہت شکریہ جناب۔" شہاب نے سلسلہ منقطع کر دیا تھا لیکن اب اسے شدت
سے رحمان علی شاہ کی طرف سے ٹرانسمیٹر پر کال کا انتظار تھا وہ جانتا تھا کہ رحمان علی شاہ
ابتدائی وقت تو بڑا مشکل گزرے گا دیکھیں کس طرح وہ حالات کو کنٹرول کرتا ہے، باقاعدہ
جرم کی دنیا کا انسان نہیں تھا، لیکن پھر بھی اس نے جو کچھ اب تک کیا تھا وہ اطمینان بخش تھا
اب اس کٹھن مرحلے سے وہ کیسے نمٹتا ہے اسی پر آگے کے تمام پروگرام کا انحصار تھا اور اس
کے لئے شہاب کو بڑی مشقت کرنا پڑی، دن میں بھی منتظر رہا اور تھانے میں بھی اس نے اپنے
آپ کو اس کال کے لئے مستعد رکھا اور گل زمان وغیرہ کو زیادہ لفٹ نہیں دی تاکہ وہ قریب
موجود نہ رہیں، پھر رات کو گھر واپس آ گیا...... تھوڑی دیر کے لئے فتح محمد کی خدمت میں
حاضری دی اور اس سے باتیں کرتا رہا، پھر تقریباً اسے رات بھر ہی جاگنا پڑا تھا، تب کہیں جا کر
اسے رحمان علی شاہ کی طرف سے کال موصول ہوئی تھی اور یہ اس کی محنت کا صلہ تھا اس کال
کے بعد وہ انتہائی مسرور ہو گیا تھا، پھر چند گھنٹوں کے لئے سونا نصیب ہوا اور صبح کو خاصی دیر
سے جاگا۔ گل زمان سے ٹیلی فون پر بات چیت کی اور بتا دیا کہ کچھ مصروفیات ہیں جن کی بنا پر
تھانے کسی بھی وقت پہنچے گا وہاں اس کا انتظار نہ کیا جائے، حالات بھی معلوم کئے اور پھر وہاں
سے کریم سوسائٹی چل پڑا، یہ جگہ اس کے لئے ایک بڑی نعمت تھی اور یہاں سے بہت
کام بہ آسانی کئے جا سکتے تھے، اس جگہ کے بارے میں اس کے ذہن میں بہت سے منصوبے
تھے جنہیں وہ رفتہ رفتہ پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہتا تھا یہاں سے اس نے سب سے پہلے عا
واسطی کے دفتر فون کیا، فون بینا نے وصول کیا تھا...... شہاب کی آواز پہچان کر خوش ہو گئی۔

"سر خیریت ہے۔"

"بالکل خیریت ہے بینا، خوشی کی بات ہے کہ تم دفتر میں مل گئیں، کیا واسطی صاحب
موجود نہیں ہیں۔"

"کورٹ میں ہیں۔"

"تم نہیں گئیں؟"

"نہیں...... میں کچھ دفتری کام کر رہی تھی۔"

"اور اگر میں ان کاموں میں مداخلت کروں تو......"

"مجھے خوشی ہو گی۔" بینا نے جواب دیا۔

"ویری گڈ، تم جیسی ساتھی کا ملنا بھی مشکل ہے بینا اگر تمہیں پریشان کیا جائے تو تم
خوش ہوتی ہو۔"

"جی سر۔" بینا نے آہستہ سے کہا۔

"تو پھر پریشان ہو جاؤ۔"

"جی میں سمجھی نہیں۔"

"ٹیکسی کر کے کریم سوسائٹی آنا پڑے گا۔"

"سر میں حاضر ہو جاتی ہوں۔"

"میں انتظار کر رہا ہوں۔" شہاب نے کہا اور ٹیلی فون بند کر دیا، بینا بہت مستعد تھی اس
نے پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی، شہاب نے اس کا پرجوش خیر مقدم کیا اور بولا۔

"میں نے تمہارے لئے کافی اور سینڈوچ تیار کر کے رکھے ہیں۔"

"ارے سر میں تو آ ہی رہی تھی آپ نے کیوں زحمت کی۔"

"بس کبھی کبھی زحمت کر لینی چاہئے۔"

"تھینک یو سر آپ بیٹھئے میں نکال کر لاتی ہوں۔"

"ناشتا کیا تھا؟"

"جی سر کیا تھا لیکن اب کافی وقت گزر چکا ہے اور ہلکی ہلکی بھوک بھی لگ رہی ہے۔"
سینڈوچ اور کافی سے شغل کرنے کے بعد شہاب نے کہا۔

"تم نے مجھ سے رحمان علی شاہ کے کیس کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔"

"سر مسلسل انتظار میں رہی ہوں لیکن اس اطمینان کے ساتھ کہ جب بھی آپ میری
ضرورت محسوس کریں گے مجھے ضرور کال کر لیں گے۔"

"بہت اعتماد ہو گیا ہے تمہیں مجھ پر بینا۔"

"سر بہت کا لفظ کم ہے۔" بینا نے جواب دیا اور شہاب مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"بینا اس دوران میں رحمان علی شاہ کے کیس میں مصروف رہا ہوں اور میں نے کافی کام کر لیا ہے۔"

"سر میں آپ سے یہ بعد میں پوچھوں گی کہ آپ نے کیا کام کیا ہے، ایک سوال اس سے پہلے کرنا چاہتی ہوں۔"

"ہاں ضرور۔"

"سر آپ محکمہ پولیس کے ایک افسر اعلیٰ ہیں آپ نے مجھے اپنا مافی الضمیر بھی بتا دیا ہے لیکن بعض معاملات میں کھانا ہی کھانا ہوتا ہے کیا آپ کو اس معاملے میں بھی کسی مالی منافع کی توقع ہے؟"

"یہ سوال تم کیوں کر رہی ہو بینا؟"

"اس کے پس پردہ بس یہ تصور ہے کہ آپ نے صرف ہماری وجہ سے اس قدر کھڑاگ مول لئے ہیں اور اپنی ڈیوٹی سے ہٹ کر کام کر رہے ہیں۔"

"پہلی بات تو یہ ہے کہ تم "صرف" نہیں ہو بلکہ میری نگاہ میں بہت بڑا مقام رکھتی ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں عدنان واسطی صاحب کے مسلک کا آدمی ہوں۔ ہاں ایک سوال میں تم سے ضرور کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور سر۔"

"دولت کے بارے میں تمہارا کیا نظریہ ہے۔"

"عمر بڑھاتی ہے سر، چہرے کو شگفتہ رکھتی ہے۔ صلاحیتوں کو جلا دیتی ہے۔ نہ ہو تو دل میں اضمحلال کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔" بینا نے فوراً جواب دیا اور شہاب ہنس پڑا پھر بولا۔

"اور ہر شخص اسے اپنے پروفیشن کے مطابق ہی حاصل کر سکتا ہے۔"

"بے شک۔"

"ہمارے حالات سدھارنے والے یہی دولت مند لوگ ہو سکتے ہیں جو جرائم کرتے ہیں۔ ان سے کچھ ہاتھ لگ جائے تو کیا حرج ہے۔"

"بالکل سر۔ یہ بھی ان کے لئے ایک چھوٹی سی سزا ہے۔"

"اور تم میری معاونت کرنا چاہتی ہو۔" شہاب نے غیر متوقع جملہ کہا جو بینا کی سمجھ میں نہ آسکا۔

"سمجھی نہیں سر؟"

"ایسی دولت میں اپنا حصہ لینا پسند کرو گی؟"

"سر کیوں نہیں، پہلے بھی تو آپ نے مجھے جو عطا کیا ہے وہ میں نے فوراً لے لیا تھا اور سر میں ڈرامے کرنا بالکل پسند نہیں کرتی ہماری جو ضروریات ہیں ہم ان سے منحرف تو نہیں ہو سکتے۔"

شہاب نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔

"بڑی مشکل ہو رہی ہے بینا، تم جس رفتار سے میرے قریب آ رہی ہو وہ بہت تیز ہے۔"

بینا کی نگاہیں جھک گئیں، اس کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ تھی، شہاب نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا اور پھر بولا۔

"تو پھر یہ پوائنٹ بک سنبھال لو، اب تمام صورت حال پر آخری نگاہ ڈالنا ضروری ہے، یوں سمجھو فصل پک گئی ہے اور بس ہمیں کھیت کاٹ کر پھینک دینا ہے۔"

بینا نے اشتیاق بھری نگاہوں سے شہاب کو دیکھا اور بولی۔

"سر یعنی کام ہو گیا؟"

"ہاں بینا ہو گیا تقریباً۔"

"ویری گڈ...... ویسے آپ یقین کیجئے، میں ذرا سی اُلجھن کا شکار تھی اور یہ سوچ رہی تھی کہ اگر میں امیر علی شاہ کی حویلی تک پہنچ جاؤں تو مجھے یقینی طور پر وہاں سے کامیابیاں حاصل ہو سکتی ہیں؟"

"نہیں بینا۔" میں نے پہلے بھی تم سے یہی بات کہی تھی کہ یکساں طریق کار عموماً کارگر نہیں ہو گا۔ طریقہ کار میں تبدیلیاں بڑی ضروری ہیں اور اس سے تجربہ بھی بڑھتا ہے۔ بہر حال میں ایک بار پھر اپنی مکمل رپورٹ تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں حالانکہ اس کے بہت سے پہلو تمہیں معلوم ہیں لیکن اب فائنل ٹچ دینے کے لئے ہمیں ایک بار پھر حالات کا جائزہ لے لینا چاہئے۔ بات امیر علی شاہ کی تھی، جو ایک مغرور، خود سر اور فطری طور پر خطرناک دولت مند ہے وہ انا پرستی کا شکار ہے اور کسی اور کو اپنا ہم پلہ نہیں دیکھنا چاہتا اس کی انا

کا جنون اتنا بڑھا ہوا ہے کہ اس نے اپنے ایک بیٹے کو اپنی زندگی سے خارج کر دیا کیونکہ وہ
کم حیثیت شخص کی بیٹی کو چاہتا تھا، لہٰذا اس نے غیاث بیگ کو تباہ و برباد کر دیا۔ بیٹے نے شوہر
پسندی اختیار کی تو اس نے اسے بھی زندگی سے محروم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ باپ کا تھوڑا
جذبہ اس کے دل میں باقی تھا جس کی بنا پر اس نے بیٹے کو قتل نہیں کیا لیکن دوسری صورت
میں اسے زندہ درگور کر دیا۔ یہ ہے امیر علی شاہ اس کے تین بیٹے اور چوتھے بیٹے کا معاملہ
بہر حال میں نے یوں کیا بینا کہ رحمان علی شاہ سے رجوع کر کے اسے مکمل طور پر اپنے
میں لے لیا اور اسے موقع دیا کہ وہ حویلی جا کر صورت حال کا جائزہ لے، وہ حویلی پہنچا اور
نے ایاز بیگ کی تلاش کی کوشش کی۔ ماں سے ملا...... ماں کے علاوہ اس نے اس حویلی میں
ہمدرد کسی کو نہیں پایا...... شہاب نے (الف) سے لے کر (ے) تک پوری کہانی بینا کو سنا
اور بینا پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی ہوئی یہ کہانی سنتی رہی اس پر شدید حیرت کا
ہو گیا تھا۔ آخری الفاظ سنانے کے بعد شہاب خاموش ہو گیا اور بینا اس کے انکشافات کے
میں گم رہی...... پھر بینا نے کہا۔

"سر! اس بارے میں آپ کی تعریف کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ آپ
حالات پر حکمرانی کرتے ہیں اور صحیح معنوں میں مشکل سے مشکل تر حالات آپ کے
میں آ جاتے ہیں...... بہت بڑا کام سرانجام دیا ہے آپ نے لیکن اب کیا دیر کرنا مناسب ہو
کیا آپ یہ ہمت کر سکتے ہیں کہ فوری طور پر امیر علی شاہ پر ہاتھ ڈال دیں، ہمارے پاس سر
کے خلاف شواہد تو ہیں، اس کا بیٹا جسے اس نے حبس بیجا میں رکھا ہوا ہے، مرزا ایاز بیگ، غیاث
بیگ، ناہید، یہ سارے معاملے ایسے ہیں کہ امیر علی شاہ پوری طرح گرفت میں آ سکتا ہے لیکن
سر، وہ مسئلہ ایک بار پھر منہ کھولے کھڑا ہوا ہے کہ ڈاکٹر کبیر کو اس طرح مجبور کر دیا گیا تھا کہ
شریف آدمی اپنے مزاج اور اپنی مرضی کے خلاف ایک صحیح الدماغ آدمی کو پاگل قرار دے
اپنے کلینک میں رکھنے کے لئے مجبور ہو گیا تھا، اگر آپ اس پر ہاتھ ڈالیں گے تو سر کیا امیر
شاہ آپ کی گرفت میں رہے گا؟"

"یہ سب بعد کی باتیں ہیں، ہم کم از کم اسے قانون کی نگاہ میں تو لے آئیں گے ایک
تو بے شک اس پر ہاتھ ڈال ہی دیا جائے گا اور کیس رجسٹرڈ ہو جائے گا، لیکن اس سے پہلے
روزی کا معاملہ بھی تو ہے بینا۔"

بینا بے اختیار مسکرا دی، پھر بولی۔ "لیکن سر اپنی روزی ہم کس طرح حاصل کر سکیں
گے؟" جواب میں شہاب بینا کو اپنا منصوبہ سمجھانے لگا...... بینا بار بار آنکھیں بند کر لیتی تھی،
جب شہاب نے اسے اپنے مکمل منصوبے سے آگاہ کر دیا تو اس نے آنکھیں بند کر کے گردن
ہلاتے ہوئے کہا۔

"سر بات واقعی بہت پاور فل ہے لیکن اس کا انداز معاف کیجئے گا خالص مجرمانہ ہے۔"

شہاب کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے آہستہ سے کہا۔

"بینا ایک بار تمہیں اپنے وجود کی اندر سے جھلکیاں دکھا چکا ہوں۔ میرے والد ایک
حق گو صحافی تھے، ساری زندگی سچ بولا، سچ لکھا، سچ کھایا، سچ پہنا اور یہی سچ کفن بن کر ان کے
جسم سے لپٹ گیا اور وہ قبر کی گہرائیوں میں جا سوئے۔ بینا میرے دل میں اپنے باپ کی
سچائی کا اتنا بلند مینار تعمیر ہے کہ اس کے آخری سرے تک کوئی نہیں پہنچ سکتا، لیکن اس کے
نتیجے میں انہوں نے جو کچھ کھویا وہ واپس لینا چاہتا ہوں اور یہی میرا مشن ہے جس پر میں کام
کر رہا ہوں۔"

بینا متاثر نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی، پھر اس نے مسکرا کر آہستہ سے کہا۔

"میری خوش بختی ہے کہ آپ نے مجھے اپنے ساتھ کام کرنے کا موقع دینے کے قابل
سمجھا۔" شہاب خلا میں گھورنے لگا تھا۔

جوہر خان فطرتاً تند خو آدمی تھا، ہوا سے لڑنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ کبھی کسی سے
سیدھے منہ بات نہیں کرتا تھا، ویسے تندرست و توانا تھا اور اپنی طاقت کے زعم میں ڈوبا ہوا،
پھر ایک بہت بڑے آدمی کی پشت پناہی بھی حاصل تھی اور اس بڑے آدمی نے اسے زندگی
میں ایک ایسا مقام بخشا تھا جس کا اس نے کبھی خواب میں بھی تصور نہیں کیا تھا۔ ہر چند کہ
ناہید ایک مظلوم عورت تھی جس نے کبھی اپنے عورت ہونے کا ثبوت نہیں دیا تھا لیکن پھر
بھی جوہر خان اسے پسند کرتا تھا اور اس کے ساتھ اس کا رویہ برا نہیں تھا۔ بہر حال اس وقت
وہ کسی اہم کام سے گھر سے نکلا تھا۔ گھر سے زیادہ فاصلے پر نہیں گیا تھا کہ ایک شخص اس کے
قریب پہنچ گیا اور جوہر خان نے اسے گھور کر دیکھا۔

"یہ ایک پتا ہے جناب، اگر آپ بتا دیں تو عنایت ہو گی۔"

"کیوں تمہارے باپ کا ملازم ہوں۔" جوہر خان نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"نہیں جناب...... میں تو خود نجانے کب سے ملازمت کی تلاش میں سرگرداں ہوں میرے باپ کی بھلا یہ مجال کہاں کہ وہ کسی کو ملازم رکھے...... ذرا دیکھئے اگر یہ پتہ آپ کو معلوم ہو تو......؟"

"مار کھانی ہے۔" جوہر خان نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"نہیں جناب پتا پوچھنا ہے، یہ ذرا چٹ دیکھئے آپ؟" جوہر خان نے ایک لمحے کے لئے رک کر اسے دیکھا اور ہاتھ آگے بڑھا دیا...... اس شخص نے جلدی سے چٹ جوہر خان کے ہاتھ میں دے دی تھی۔ جوہر خان نے کاغذ کا پرزہ لے کر اس کے پرزے پرزے کر دیئے اسے فضا میں اچھال دیا، پھر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ وہ شخص اسی جگہ کھڑا اسے منہ پھاڑے دیکھتا رہ گیا تھا، پھر وہ جوہر خان کے پیچھے پیچھے چل پڑا لیکن فاصلہ اتنا رکھا تھا کہ اگر جوہر خان کوئی کوشش کرے تو اس سے بچ سکے جوہر خان نے غور بھی نہیں کیا تھا کہ وہ اس کے پیچھے پیچھے آ رہا ہے۔ وہ مستانہ چال چلتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ زیادہ دور نہیں پہنچا تھا کہ پھر ایک آدمی اس کے قریب آ گیا۔

"وہ سنئے، ماچس...... ماچس ہو گی آپ کے پاس۔" جوہر خان نے پھر اسے گھور کر دیکھا اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا کر رہ گیا...... غالباً گالیاں دے رہا تھا۔

"اگر ماچس ہو تو عنایت فرما دیجئے گا...... بڑی دیر سے سگریٹ کی طلب ہو رہی ہے۔"

"سگریٹ ہے تمہارے پاس۔ جوہر خان نے پوچھا؟"

"جج جی ہاں۔ یہ ہے۔" اس شخص نے مسرور انداز میں سگریٹ جوہر خان کے سامنے کر دی۔ جوہر خان نے سگریٹ اس کے ہاتھ سے لے لیا پھر اسے توڑ کر پھینکتا ہوا بولا۔

"سگریٹ رکھتے ہو تو ماچس نہیں رکھ سکتے، یہ کوئی طریقہ ہے کہ کسی کا راستہ روک کر ماچس طلب کی جائے؟"

"جی جی...... یہ...... کیا کیا آپ نے...... میرا سگریٹ؟"

"بکواس مت کرو۔" جوہر خان دو قدم آگے بڑھا، تھوڑے فاصلے پر ایک بند گاڑی کھڑی ہوئی تھی جس کا عقبی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ جوہر خان نزدیک سے گزرا تو عقبی دروازے سے ایک شخص نیچے کود آیا۔

"اماں جوہر خان صاحب، آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا...... تشریف لائیے تشریف لائیے۔" جوہر خان ٹھٹک کر رک گیا۔ وہ اس شخص کو پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس کی نگاہیں عقب کا جائزہ نہیں لے سکی تھیں...... پیچھے سے وہی دونوں آدمی آ گئے تھے، جنہوں نے اس سے پتا پوچھا اور ماچس مانگی تھی پھر جوہر خان کچھ سمجھ بھی نہ پایا تھا کہ عقب سے اس کی گدی پر دو زوردار ضربیں پڑیں اور اسے خوش اخلاقی سے مخاطب کرنے والے شخص نے اس کے لمبے بال پکڑے پیچھے سے دونوں آدمیوں نے اٹھایا اور بند گاڑی کے کھلے دروازے سے اندر پھینک دیا۔

جوہر خان چکرا کر رہ گیا تھا اور اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا لیکن وہ تینوں پیچھے پیچھے ہی بند گاڑی میں چڑھ آئے تھے اور انہوں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔ بند گاڑی خاصی کشادہ تھی تین آدمیوں نے مل کر جوہر خان کو دبوچ لیا...... اس کے دونوں ہاتھ پشت پر باندھے اور پھر دونوں پاؤں بھی کس کر باندھ دیئے...... جوہر خان ابھی تک سنبھلنے کی کوششوں میں مصروف تھا پھر اس کے منہ سے مغلظات کا طوفان اُمڈ پڑا اور بحالت مجبوری ان میں سے ایک نے اس بار اس کے سر کی پشت پر ہلکی سی ضرب لگائی اور جوہر خان کی آنکھوں میں تارے ناچ گئے، پھر اس کے اندر جدوجہد کرنے کی سکت نہیں رہی تھی۔

ہاں جب کافی دیر کے بعد اسے ہوش آیا تو وہ ایک عجیب و غریب جگہ عجیب و غریب حالت میں موجود تھا، کوئی تختے نما چیز تھی جو اس کے جسم کے نیچے تھی...... دونوں پاؤں سیدھے تھے اور انہیں کس کر باندھ دیا گیا تھا...... دونوں ہاتھ بھی پھیلا کر باندھ دیئے گئے تھے اور بازوؤں کے اوپر لکڑی کے ایسے فریم جڑ دیئے گئے تھے جن سے بازو جنبش نہیں کر سکتے تھے...... کلائیوں میں لوہے کے کڑے پڑے ہوئے تھے، سر چھت کی جانب سیدھا تھا اور اسے بھی ایسے شکنجے میں محفوظ کر دیا گیا تھا کہ اگر وہ گردن ہلانے کی کوشش کرتا تو اس میں کامیاب نہیں ہو پاتا...... ایک عجیب و غریب کیفیت میں تھا وہ...... ایک لمحے کے لئے اس کے دل میں خوف کا بسیرا ہوا پھر وہ شدت غضب سے چیخنے لگا...... گالیاں نکالنے کے سوا وہ اور کیا کر سکتا تھا، جس قدر گالیاں اسے یاد تھیں اس نے نکال ڈالیں، چیخ چیخ کر ان لوگوں کو پکارا، جو اسے اس حالت میں پہنچانے کا باعث بنے تھے لیکن چاروں طرف سناٹے کا راج تھا، جب وہ چیخ چیخ کر تھک گیا تو خاموش ہو گیا اور اسی وقت چار آدمی اس کے نزدیک پہنچ

گئے...... ان میں سے تین کی صورتیں وہ پہچانتا تھا، یہ وہی تھے جن میں سے ایک نے اس سے پتا پوچھا تھا، دوسرے نے ماچس مانگی تھی اور تیسرے نے اسے جوہر خان کہہ کر مخاطب کیا تھا اور اس کے بعد اغوا کر لیا تھا...... جوہر خان کی زبان پھر چل پڑی اور وہ چاروں صبر و سکون سے اس کے قریب کھڑے رہے اور سرد نگاہوں سے اس کی صورت دیکھتے رہے...... آخر جوہر خان جھلا کر بولا۔

"کتے کے بچو...... آخر تم چاہتے کیا ہو اور مجھے اس طرح کیوں باندھ رکھا ہے تم نے؟"

"جوہر خان صاحب آپ سے کچھ اہم گفتگو کرنی ہے...... تھوڑی سی معلومات کرنا چاہتے ہیں ہم آپ سے؟"

جوہر خان نے حسب توفیق پھر کچھ گالیاں دیں اور اس کے بعد بولا۔

"کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟"

"کیا آپ سوالات کے جواب دینے کے لئے تیار ہیں؟"

اب گالیوں کا ذخیرہ ختم ہو گیا تھا اور جوہر خان کے پاس مزید گالیاں نہیں تھیں، اس نے کہا۔

"بکو کیا بکنا چاہتے ہو...... تم اپنی موت کو آواز دے رہے ہو...... میں...... میں تمہیں کتے کی موت ماردوں گا...... زندہ نہیں چھوڑوں گا میں تمہیں؟"

"دیکھئے اگر ابھی آپ کو کچھ اور بھی کہنا ہے تو ہمیں اس پر اعتراض نہیں ہو گا لیکن اس کے بعد جب آپ سے سوالات کا سلسلہ شروع ہو تو آپ صرف جواب دیجئے گا، ورنہ اذیت برداشت کرنا پڑے گی آپ کو۔"

"بھونکو تو سہی کتے کے پلو...... کیا بھونکنا چاہتے ہو۔" جوہر خان بولا اور وہ چاروں اپنی جگہ سے ہٹ گئے...... چند لمحات بعد وہ ایک عجیب و غریب قسم کی مشین دھکیلتے ہوئے لائے اور اسے جوہر خان سے کچھ فاصلے پر اس کے سینے کے اوپر نصب کر دیا گیا، پھر اس مشین کے کچھ بٹن آن کئے گئے اور ان میں سے ایک نے کہا۔

"چیف! جوہر خان آپ کے سوالات کے جواب دینے کے لئے تیار ہے۔"

"گڈ جوہر خان، شہنشاہ تم سے مخاطب ہے اور تم سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہے۔"

جوہر خان کی زبان پھر چل پڑی، عادی تھا حالانکہ تھک گیا تھا لیکن پھر بھی شہنشاہ سے

اس کے خاندان کی تمام خواتین سے اپنے عزیز و اقارب کے رشتے جوڑتا رہا اور جب ایک بار پھر اس پر تھکن طاری ہو گئی تو مشین سے آواز اُبھری۔

"ہاں جوہر خان، تم سے پہلا سوال یہ ہے کہ ایاز بیگ کہاں ہے؟" جوہر خان ایک لمحے کے لئے چکرایا اور پھر اس نے گندی گالیاں دینی شروع کر دیں جن میں اب ایاز بیگ منظر عام پر تھا۔

"میرے خیال میں ابھی تم اسے پوری طرح تیار نہیں کر پائے ہو ذرا اس کی تیاریاں مکمل کر لو...... اس کے بعد اس سے سوالات کا سلسلہ شروع کرنا زیادہ مناسب رہے گا۔"

"یس سر۔" جواب ملا اور اس کے بعد وہ عجیب و غریب کارروائیاں کرنے لگے، جوہر خان کے سر کے عین اوپر ایک مشین فٹ کی گئی جس میں ایک لمبی نوکدار کیل لگی ہوئی تھی، یہ کیل اوپر نیچے حرکت کرتی تھی اور اس کے چلنے سے ایک تیز سیٹی کی سی آواز بلند ہوتی تھی، یہ مشین آن کر کے انہوں نے اسے تھوڑا سا جوہر خان کی پیشانی کے قریب کر دیا، جوہر خان کچھ نہیں سمجھ پایا تھا...... مشین چل پڑی اور چمکدار کیل اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان پیشانی کے اوپر تیز رفتاری سے گھومنے لگی جوہر خان کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔

وہ چاروں اس عمل کے بعد وہاں سے چلے گئے اور جوہر خان حیرت سے اس گھومتی ہوئی چمکدار کیل کو دیکھنے لگا، وہ نہیں سمجھ پایا تھا کہ اس کا مقصد کیا ہے، سیٹی کی آواز اس کے کانوں میں چبھ رہی تھی اور چونکہ ذہنی طور پر وہ سخت منتشر تھا اس لئے یہ آواز کئی گنا زیادہ تیز ہو کر اس کی سماعت کو متاثر کر رہی تھی۔ پانچ منٹ، دس منٹ، پندرہ منٹ اور پھر بیس منٹ گزر گئے اور اب جوہر خان کو اندازہ ہوا کہ انہوں نے یہ کیا عمل کیا تھا، گھومتی ہوئی کیل اسے اپنی پیشانی میں سوراخ کرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی اور سیٹی کی تیز آواز اس کے دماغ کو زخمی کر رہی تھی، وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنے لگا۔

"بند کرو اسے سور کے بچو، اسے بند کرو، میں کہتا ہوں اسے بند کرو، اسے بند کر دو ورنہ میں مر جاؤں گا، میرے سر میں سوراخ ہو جائے گا، مر جاؤں گا آہ میں مر جاؤں گا۔" وہ بری طرح تڑپنے لگا، لیکن بدن اس طرح شکنجے میں کسا ہوا تھا کہ وہ اسے جنبش نہیں دے سکتا تھا، تبھی سامنے رکھے ہوئے بکس میں ہلکی سی کلک ہوئی اور پھر اس میں سے آواز اُبھری۔

"جوہر خان! میرا خیال ہے اب تم مرزا ایاز بیگ کے بارے میں بتانا پسند کرو گے؟"

"سب کچھ بتادوں گا میں، جو پوچھو گے وہ بتادوں گا اسے بند کر دو خدا کیلئے اسے بند کر دو۔"

"سوچ لو جوہر خان اور غور کر لو، میرا خیال ہے تم کافی تیز مزاج آدمی معلوم ہوتے ہو، یہ تو ابھی پہلا سبق ہے تمہارے لئے، میں نے بہت سے ایسے کھلونے تیار کر رکھے ہیں جو بڑے بڑے تیز دماغ لوگوں کو راہ راست پر لے آتے ہیں، بولو بند کر دیا جائے اسے یا ابھی تھوڑی دیر اور تم اس سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہو؟"

"بند کر دو، میں کہتا ہوں اسے بند کر دو۔" جوہر خان نے کہا، اس بار اس نے کوئی گالی نہیں دی تھی، چنانچہ چند لمحات کے بعد وہ خوفناک اور اذیت ناک آوازیں بند ہو گئیں، کیل اپنی جگہ رُک گئی، جوہر خان عاجزی سے بولا۔

"اسے...... اسے میرے سامنے سے ہٹادو، تمہیں خدا کا واسطہ اسے میرے سامنے سے ہٹادو۔"

"تم اگر تعاون کرو گے جوہر خان تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، اس کیل کو اس کے چہرے پر سے ہٹادیا جائے اور اسے میرے سوالات کے جواب دینے کا موقع دیا جائے۔"

دو آدمی آگے بڑھے اور انہوں نے اس مشین کو اس کے سر سے ہٹادیا، جوہر خان آنکھیں بند کر کے گہری گہری سانسیں لینے لگا تھا...... تھوڑی دیر اسے سنبھلنے کا موقع دیا گیا اور اس کے بعد بکس سے آواز اُبھری۔

"جوہر خان، میں تم سے امیر علی شاہ کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں اور میرا خیال ہے کہ اب چونکہ امیر علی شاہ کسی بھی شکل میں تمہاری مدد نہیں کر سکے گا، اس کا اندازہ تمہیں خود ہی ہو گیا ہو گا، اس لئے میری رائے ہے کہ جو کچھ تم سے پوچھا جائے سچ سچ بتادو بالکل سچ سچ، کیونکہ اس کے بعد یہ کیل تمہارے ماتھے میں سوراخ کرنا شروع کر دے گی اگر اسے تھوڑا سا اور نیچے جھکا دیا جائے گا۔"

"نہیں نہیں پوچھو مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو۔" اس بار جوہر خان نے امیر علی شاہ کو کئی موٹی موٹی گالیاں دی تھیں اور اس کے بعد وہ صحیح معنوں میں ان سوالات کے جواب دینے لگا تھا جو سامنے رکھے ہوئے باکس سے نشر ہونے والی آواز میں اس سے پوچھے جا رہے تھے۔

❋

امیر علی شاہ ذہنی طور پر سخت پریشان تھا، فیاض علی نے ان معاملات سے نمٹنے کے بعد شہر واپس جانے کی اجازت مانگی تو وہ اس پر اُلٹ پڑا۔

"اپنی رنگ رلیوں میں مست رہنا چاہتا ہے تو، میری دولت کے بل پر عیش کر رہا ہے اور مجھ سے یہ بے پروائی برت رہا ہے، تجھے پتا نہیں ہے کہ میں کتنا پریشان ہوں؟"

"نہیں بابا جانی، میں نے تو بس آپ سے اجازت مانگی تھی، اگر آپ کو میری ضرورت ہے تو میں حاضر ہوں بابا جانی۔"

"ضرورت کے بچے، تو یہ نہیں دیکھ رہا کہ میں کتنے خلفشار کا شکار ہوں، میری سمجھ میں اب کچھ نہیں آرہا ہے، ہم اسے پکڑ کر لے آئے ہیں، ہم نے اسے تباہ و برباد کر دیا ہے، سچ مچ کا پاگل بنادیا ہے ہم نے اسے، لیکن کچھ پتا چل سکا، کچھ معلوم ہوا کہ اس کی شکل میں آنے والا کون تھا، کیا قصہ ہے، کوئی بات سمجھ میں آرہی ہے، اور میں کہتا ہوں تم میں سے کوئی اس قابل نہیں ہے، ہو بھی کیسے سکتا ہے، زندگی بھر تم عیش و عشرت میں بسر کرتے رہے ہو، کبھی کوئی کام کیا ہو تو یہ کام بھی کرو، اور میں کہتا ہوں سازش کرنے والا کون ہو سکتا ہے، تم بھی تو کچھ پتا لگاؤ، بس میری انگلی پکڑ کر ہی چلتے رہو گے؟"

"بابا جانی ہم تو آپ کے ہر حکم کی تعمیل کے لئے تیار رہتے ہیں۔"

"اور میرے مرنے کے بعد کس کے حکم کی تعمیل کرو گے، میں کہتا ہوں غلامی کی عادت اچھی عادت تو نہیں ہے، خود بھی تو فیصلہ کرو، کیا کرنا ہے کیا نہیں کرنا ہے اور دیکھو یہ بات تو طے ہے کہ اس ڈاکٹر نے اپنی جان بچانے کے لئے اور اس کے بھاگنے کے خطرے سے بچنے کے لئے اسے نشے والی دوائیں دینا شروع کر دی تھیں اور ان ادویات نے اس کا دماغ ہی

الٹ دیا، اس ڈاکٹر کے بچے کو یہ نہیں کرنا چاہئے تھا، اس کا تو میں بیڑہ غرق کر دوں گا، لیکن اب سب سے پریشانی کی بات تو یہ ہے کہ آخر وہ کون تھا جو حویلی میں آیا، میرا ہنٹر نکالا، گل باز اور خیر خان کو مارا، کیا چاہتا تھا وہ، اس کا مقصد کیا تھا، ایاز بیگ کو کیوں تلاش کر رہا تھا وہ، او بھئی کچھ پتا تو چلے، معلوم ہو جائے تو ہم اپنا بچاؤ کر سکیں، اب ساری دنیا سے تو لڑائی میں ہم کامیاب نہیں ہو سکتے نا اور تم لوگ ہو کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے بابا جانی کے سینے سے لگے ہوئے ہو، آگے بڑھ کر کچھ کرو، پتا چلاؤ، کیسے پتا چلا سکتے ہو سوچو۔"

تینوں لڑکے ایک دوسرے کی صورت دیکھتے رہے، پھر فیاض علی نے کہا۔

"اور تو کوئی ذہن میں نہیں آتا بابا جان، میرا خیال ہے غیاث بیگ ہی کی گردن پکڑی جائے، ہماری سمجھ اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں کرتی، ہو سکتا ہے غیاث بیگ نے کسی سے رجوع کیا ہو؟"

"میرا ذہن بھی اسی طرف جاتا ہے، او جاؤ اس سے معلومات حاصل کرو، جوہر خان سے بات کرو اور اس سے پوچھو کہ اس نے اتنی غفلت کیوں برتی کہ غیاث بیگ کو کسی سے رجوع کرنے کا موقع مل گیا، غیاث بیگ اگر کچھ بتا دیتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ان سب کو اٹھا کر میرے پاس لے آؤ، یہ کام میں کسی دوسرے سے بھی کرا سکتا تھا، لیکن تم لوگوں کا جانا ٹھیک ہے۔"

"ہم چلے جاتے ہیں بابا جانی، آپ بے فکر رہیں ہم غیاث بیگ سے معلومات حاصل کریں گے اور اگر کوئی صحیح صورت حال معلوم نہیں ہو سکی تو پھر اسے آپ ہی کے پاس اٹھا لائیں گے۔"

"تو جاؤ بھئی، باتیں کر کے مجھ پر احسان کیوں لاد رہے ہو؟"

امیر علی شاہ نے کہا اور فیاض علی دونوں بھائیوں کو اشارہ کر کے اٹھ گیا...... امیر علی شاہ نے آنکھیں بند کر کے کرسی کی پشت سے گردن ٹکا دی تھی اس کے چہرے پر شدید پریشانی کے آثار تھے۔

نجانے کیوں اب اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ رحمان علی شاہ کے ساتھ سخت زیادتی ہوئی ہے، ساری جوانی خاک میں ملا دی گئی ہے اس کی اور یہ امیر علی شاہ نے خود اپنے ہاتھ سے کیا ہے، اپنا خون اپنے جگر کا ٹکڑا، باقی تینوں بھی تو اس کی اولادیں ہیں اور تینوں کے انداز میں اپنے بھائی کے لئے رحم اور محبت کا کوئی جذبہ نہیں ہے۔ وہ امیر علی شاہ سے زیادہ

اس کے دشمن بنے ہوئے ہیں، حالانکہ رحمان نے ان کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں کی تھی، ایک بار بھی ان میں سے کسی بھائی نے رحمان علی شاہ کے لئے باپ سے رحم کی اپیل نہیں کی ہے، اس کا مطلب ہے کہ وہ رحمان علی شاہ کو موت کی آغوش میں دھکیل دینا چاہتے ہیں، حالانکہ معاملہ باپ بیٹے کا ہی ہے لیکن لیکن...... بہت سے خیالات اسے پریشان کر رہے تھے...... غیاث بیگ بھی اسے یاد آ رہا تھا، اس کے بیٹے کا بھی معاملہ تھا اور رحمان علی شاہ کی کیفیت بھی، اس کے دل میں تھوڑی تھوڑی سی شفقت جاگ رہی تھی، حالانکہ جو کچھ کر چکا تھا وہ اتنا شدید تھا کہ اب اگر رحمان علی شاہ ہوش و حواس میں واپس آ بھی جائے تو اپنے باپ کو بھی معاف نہیں کرے گا۔ کچھ دیر کے بعد فیاض علی، شاد اور گلزار تیار ہو کر آئے اور انہوں نے کہا۔

"آپ بالکل بے فکر رہو بابا جان، اب ہم اس سلسلے میں تمام تر معلومات حاصل کرنے کے بعد ہی آئیں گے۔" امیر علی شاہ نے خاموش نگاہوں سے انہیں دیکھا لیکن منہ سے کچھ نہیں بولا...... کچھ دیر کے بعد اس نے حویلی کی عقبی کھڑکی سے ان تینوں کو ایک قیمتی پجارو میں شہر کی جانب جاتے ہوئے دیکھا تھا۔

تینوں کے چہرے ستے ہوئے تھے...... تینوں اپنے طور پر کچھ سوچ رہے تھے...... یہ جاری رہا اور بہت دیر اسی طرح خاموشی سے گزر گئی تو فیاض علی شاہ نے غضبناک لہجے میں کہا۔ "تم دونوں کو سانپ کیوں سونگھ گیا ہے۔ کوئی کچھ بولتا کیوں نہیں۔" خاموش بیٹھے دونوں بھائی چونک پڑے۔

"کیا بولیں فیاض علی شاہ کچھ سمجھ میں آئے تو بولیں۔" شاد علی نے کہا۔

"کب سمجھ میں آئے گا، جب ہم کتے کی موت مارے جائیں گے۔" فیاض علی آنکھیں نکال کر بولا اور دونوں اسے دیکھنے لگے۔

"میں سمجھا نہیں فیاض علی شاہ۔" شاد علی بولا۔

"میں اپنی زبان سے تمہیں سمجھاؤں، تاکہ تم بابا جان سے کہو کہ فیاض بھی باغی ہو گیا اور ان کے خلاف سوچنے لگا ہے۔"

دونوں بھائیوں نے برا سامنہ بنا کر ایک دوسرے کو دیکھا پھر گلزار علی کہنے لگا۔

"نہیں فیاض علی شاہ اگر تمہارے دل میں یہ خیال ہے کہ ہم آپس کی باتوں کو باباجانی کے سامنے دہرا دیں گے تو اس خیال کو دل سے نکال دو، ہم خود بھی اتنی ہی پریشانیوں کا شکار ہیں، جتنی پریشانیوں کا شکار تم ہو۔"

"تم لوگ خود سوچو ہم جوان ہو چکے ہیں ہماری اپنی زندگی کے راستے بھی کھل جانے چاہئیں تھے۔ ہم اپنے طور پر بھی کچھ فیصلے کر سکتے ہیں لیکن بابا جانی کے سامنے جا کر ہماری حالت چوہوں جیسی ہو جاتی ہے۔ ہم ان کا احترام کرتے ہیں، ان کی عزت کرتے ہیں، بے شک وہ ہمارے باپ ہیں انہوں نے ہمارے لئے بہت کچھ کیا ہے لیکن احترام، عزت اپنی

جگہ۔ ہمیں اپنی مرضی سے جینے کا حق تو ملنا چاہئے...... بولو کیا تم لوگ یہ محسوس کرتے ہو کہ تم اپنی پسند سے جی رہے ہو؟"

"بالکل نہیں...... ہمارے لئے تو ایک راستہ ہر صبح بنایا جاتا ہے اور شام تک کے لئے فیصلے کر دیئے جاتے ہیں کہ ہمارا دن آج کس طرح گزرے گا۔"

"میں بابا جانی کی زندگی کا دشمن نہیں ہوں، میں یہ نہیں چاہتا کہ ان کا سایہ ہمارے سروں سے اٹھ جائے لیکن تم خود سوچو، کیا تم نے ایسے بوڑھے باپ، بیٹے نہیں دیکھے جنہیں لوگ بھائی، بھائی کہتے ہیں۔ بابا جانی زندہ رہیں گے، ان کی زندگی میں کوئی مشکل نہیں ہے وہ طویل عمر جئیں گے اور ہم ہمیشہ اسی طرح ان کے جوتوں میں پرورش پاتے رہیں گے...... میں کہتا ہوں یہ مال دولت، یہ عزت اور یہ اقتدار اگر صرف بابا جانی کے رحم و کرم پر رہے تو کیا اس میں پوری زندگی گزاری جا سکتی ہے، کیا ہم تینوں میں سے کوئی ایسا ہے جو بابا جانی کی خواہش کے مطابق جی سکے...... ارے ہم تو وہ لوگ ہیں کہ اگر بابا جانی کسی دن ہمیں حکم دیں کہ خودکشی کر لو تو خودکشی کے سوا ہمارے پاس کوئی چارہ کار نہ رہے...... کیا یہی ہماری زندگی کا اختتام ہے...... ہماری ماں تو مٹی کی مورتی ہے اس نے آہوں اور سسکیوں میں زندگی بسر کی ہے...... ہم نے ہمیشہ بابا جانی کی وفاداری کی، ہمیشہ ان کے مفادات کو مدنگاہ رکھا، جب رحمان علی شاہ نے سرکشی کی تو ہم سب نے اپنے دل میں اس کے لئے نفرت بٹھا لی اور اپنے بھائی کے خلاف ہی کام کرنے لگے اور اس کی زندگی کے دشمن ہو گئے...... میں مانتا ہوں کہ اس نے بہت برا کیا اپنی عزت، اپنے خاندان، اپنے وقار کو خاک میں ملا کر ایک ایسی لڑکی سے محبت کی جو ہمارے خاندان میں آنے کے قابل نہیں تھی مگر ٹھیک ہے کیا ہم میں سے کوئی کسی ایسی لڑکی سے محبت کر سکتا ہے جسے ہمارے بابا جانی پسند نہ کرتے ہوں، چاہے وہ کتنے ہی بڑے خاندان سے ہو...... دیکھو میں بابا جانی کے خلاف زہر نہیں اُگل رہا...... میں اب بھی ان کا تابعدار ہوں لیکن ہمیں کچھ سوچنا پڑے گا، اب رحمان علی شاہ کا معاملہ ہے...... تم دیکھو بابا جانی نے خود ہی ایسے اقدامات کئے جو قانون کی نگاہ میں جرم ہیں...... رحمان علی شاہ تو خیر ان کا بیٹا ہے لیکن غیاث بیگ کی طرف سے آخر کار خطرہ پیدا ہو گیا نا...... آج میں یہ سوچتا ہوں کہ سب کے ہاتھ کٹے ہوئے نہیں ہوتے، جس طرح ہم اپنے چاروں ہاتھ پاؤں پر زندہ ہیں دوسرے لوگ بھی اپنے لئے کوئی نہ کوئی راستہ نکال سکتے ہیں...... اس وقت ہمارا کیا ہوگا......

کیا ہم صرف اس لئے مصیبت میں نہیں پڑ جائیں گے کہ ہم بابا جانی کے وفادار تھے۔

"وہ تو ٹھیک ہے فیاض علی شاہ لیکن ہم کیا کریں...... کیا بابا جانی کی مرضی کے خلاف ہم اس ملک میں جی سکتے ہیں ان کے اختیارات اتنے وسیع ہیں کہ وہ ہماری ایک نہیں چلنے دیں گے۔ تم نے رحمان علی شاہ کو دیکھ ہی لیا، بابا جانی کے دل میں جب کسی کے لئے کوئی فرق آجاتا ہے تو وہ صرف اس کے دشمن ہوتے ہیں...... چاہے اس سے ان کا کوئی بھی رشتہ ہو۔"

"یہ فرق ہم تینوں میں سے کسی کے لئے بھی کبھی بھی ان کے دل میں آسکتا ہے، بس ایک بات ان کی مرضی کے خلاف ہو جائے۔"

"یہ تو تم ٹھیک کہتے ہو لیکن کیا، کیا جائے۔"

"ابھی تو کچھ نہیں کیا جاسکتا لیکن سوچنا پڑے گا۔ مل کر سوچو، ہم تینوں اپنے مستقبل کے لئے کچھ نہ کچھ سوچ ہی کر اپنا مستقبل بنا سکتے ہیں ورنہ ساری زندگی بابا جانی کی جوتیوں میں گزر جائے گی۔ کمال ہے۔" فیاض علی نے منہ ٹیڑھا کر کے باہر دیکھا...... شاد اور گلزار علی شاہ بھی پر خیال انداز میں ایک دوسرے پر نگاہیں جمائے سوچ میں ڈوب گئے تھے۔

❁

شہاب بڑی عمدگی سے اپنے اس کیس میں آگے بڑھ رہا تھا...... اس کے اپنے نظریات زندگی تھے اور وہ ان کی تکمیل کے لئے قدم بہ قدم آگے بڑھ رہا تھا...... انتہائی کسمپرسی کے عالم میں اس نے اس ڈبل او گینگ تیار کیا تھا اور یہ بھی بڑی ٹھوس سچائی تھی کہ ڈبل او گینگ کے تمام افراد نے انتہائی ذہین اور ناقابل تسخیر ہونے کے باوجود بڑے بڑے حالات میں شہاب کے ساتھ تعاون کیا تھا لیکن اب صلہ ملنے کا وقت قریب آگیا تھا اور وہ لوگ پہلے سے بہت بہتر زندگی گزار رہے تھے۔ شہاب نے ان کا پورا پورا خیال رکھا تھا اس کے بعد بینا اس کی زندگی میں آئی تھی۔ ایک ایسی پر سحر شخصیت جس کے سامنے شہاب نے ابھی تک اپنے دل کی زبان نہیں کھولی تھی لیکن دل کے گوشوں میں بینا کچھ اس طرح اترتی جا رہی تھی کہ شہاب کو یہ اندیشہ ہونے لگا تھا کہ کہیں زندگی کی ڈگر ہی نہ بدل جائے۔ بینا بہت تعاون اور عزت کرنے والی لڑکی تھی اور پھر عدنان واسطی جو ایک قابل وکیل ہونے کے ساتھ ساتھ ایک شریف آدمی بھی تھے اور بینا کی رگوں میں انہی کی شرافت اتری ہوئی تھی۔ بہر طور یہ سارے معاملے شہاب کی پسند کے مطابق ہی چل رہے تھے، اس نے اپنے لئے جو ایک مخصوص جگہ

بنائی تھی ابھی تک وہاں ایسے مکمل انتظامات نہیں کر سکا تھا جن کے ذریعے وہ جگہ بہتر طریقے سے کار آمد ہو سکتی اور یہ تصور بار ہا اس کے ذہن میں آیا تھا کہ اس خفیہ رہائش گاہ کے لئے کچھ ایسے لوگوں کا بندوبست کیا جائے جو یہاں کی مکمل نگرانی کر سکیں اور یہاں شہاب کے بہتر معاون ثابت ہو سکیں...... بینا کی سپرویژن میں تو یہ کام کیا جا سکتا تھا...... ذمے داری اس پر نہیں ڈالی جا سکتی تھی جوہر خان سے جو کچھ معلوم ہوا تھا ڈبل او گینگ کے افراد نے اس کی ساری تفصیل شہاب تک پہنچانے میں اپنے ذرائع کا سہارا لیا تھا اور جوہر خان نے جو انکشافات کئے تھے وہ واقعی اتنے سنسنی خیز تھے کہ شہاب کو یہ معلومات حاصل ہونے سے بے حد خوشی ہوئی تھی...... امیر علی شاہ نے کئی ایسے جرائم کئے تھے جن کی اگر مکمل طریقے سے تفتیش شروع ہو جاتی اور وہ منظر عام پر آجاتے تو امیر علی شاہ گردن، گردن تک دلدل میں پھنس سکتا تھا...... نا صرف وہ بلکہ اس کی اولاد بھی، اس کے تینوں بیٹے جن میں رحمان علی شاہ شامل نہیں تھا اس کے جرائم کے شریک کار تھے...... بہر حال شہاب کا اپنا ایک نظریہ تھا کہ جرم کیا ہے سزا ملنا ضروری ہے لیکن دنیا داری بھی کوئی چیز ہوتی ہے اور وہ اپنے آپ کو اس دنیا کا بادشاہ سمجھتا تھا وہ تمام حقوق اس نے اپنے نام کر لئے تھے جو ایسے لوگوں سے حاصل کئے جاسکتے تھے...... چنانچہ اب جوہر خان کو اپنے قبضے میں لینا ضروری تھا...... ڈبل او گینگ کے نمائندوں پر اسے پورا پورا بھروسا تھا لیکن بہر طور جو کام اسے آگے کرنا تھا وہ اسے خود ہی سرانجام دینا ضروری تھا، چنانچہ اس نے ڈبل او گینگ سے رابطہ قائم کیا اور سردار علی کو حکم دیا کہ جوہر خان کو بے ہوش کر کے اس کے حوالے کر دیا جائے اور اس کے لئے ایک باقاعدہ منصوبہ ترتیب پا گیا...... ڈبل او گینگ کے تین افراد نے جوہر خان کو بے ہوش کیا اور بے ہوش کرنے کے بعد ایک گاڑی میں لے کر چل پڑے، پھر اسے ایک سنسان علاقے میں اس دوسری گاڑی میں منتقل کر دیا جس پر نمبر پلیٹ نہیں لگی ہوئی تھی اس کے بعد وہ وہاں سے چلے گئے...... باقی کام شہاب کا تھا...... چنانچہ جوہر خان اس خفیہ رہائش گاہ تک پہنچ گیا، اس وقت یہاں شہاب کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ شہاب نے چہرے پر ماسک چڑھایا اور اس کے بعد جوہر خان کو تہ خانے میں لے کر آ گیا...... یہ تہ خانہ محفوظ کر دیا گیا تھا اور باہر سے اسے بند کرنے کے بعد کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہوتا تھا کہ کوئی شخص یہاں سے نکل بھاگے۔ جوہر خان کو کافی دیر کے بعد بستر پر ہوش آیا تھا اور اس نے بدلے ہوئے ماحول کو دیکھا تھا، ساتھ ہی اسے

اپنے ہاتھوں میں پڑی ہتھکڑی اور پیروں میں لگی ہوئی بیڑی کا احساس بھی ہوا تھا وہ جن حالات میں یہ تھوڑا سا وقت گزار چکا تھا۔ انہوں نے اسے بری طرح نڈھال کر دیا تھا...... اب بھی خاموشی سے بستر پر پڑا چھت کو دیکھتا رہا پھر اس کی نگاہیں اس نقاب پوش کی جانب اٹھ گئیں آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے سامنے آ گیا تھا...... نقاب پوش نے نرم لہجے میں کہا۔

"جوہر خان کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں تم سے؟"

"اب تو میرے پاس گالیوں کا ذخیرہ بھی ختم ہو گیا ہے۔ مجھے صرف اتنا بتا دو کتے کے بچے کہ آخر تم مجھ سے چاہتے کیا ہو۔"

نقاب پوش صبر و سکون کے ساتھ جوہر خان کی گالیاں سنتا رہا پھر اس نے کہا۔

"جوہر خان تمہارے باپ کا نام کیا تھا؟"

"کیوں تمہیں اس سے کیا غرض۔"

"مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے جوہر خان...... بس میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا وہ بھی تمہاری طرح اتنا ہی ذلیل انسان تھا جتنے تم ہو۔ لوگ کہتے ہیں کہ بعض اوقات ولی کے ہاں شیطان اور شیطان کے ہاں ولی پیدا ہو جاتا ہے، میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا تم کسی شیطان کے ہاں پیدا ہوئے ہو یا کسی شریف آدمی کی اولاد ہو۔"

"میرے ہاتھ پاؤں کھول دو، اس کے بعد میں تمہیں بتاؤں گا کہ میں شریف آدمی کی اولاد ہوں یا شیطان کی اولاد...... اگر تم واقعی مرد کے بچے ہو تو آؤ فیصلہ کر لیتے ہیں۔ کہ شیطان کی اولاد ہوں یا ولی کی۔ اسے بھول جاؤ میری اپنی بات میری اپنی زبان پر بھروسا کر میرے ساتھ جو سلوک تم لوگوں نے کیا ہے وہ ایسا ہے کہ تم بھی اس پر فخر نہیں کر سکتے ارے میں تو ہوں ہی برا آدمی لیکن اگر تم اچھے آدمی ہو تو ایک اچھے آدمی کی طرح مجھ سے معاہدہ کرو، تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ ایک برے آدمی کی زبان اور ایک اچھے آدمی کی زبان کیا ہوتی ہے۔"

نقاب پوش سکون سے اسے دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

"کیا چاہتے ہو جوہر خان کیسا معاہدہ کرنا چاہتے ہو؟"

"میرے ہاتھ پاؤں کھولو، اکیلے مجھ سے مقابلہ کرو اگر شکست کھا جاؤ تو شرافت سے مجھے جانے دینا اور اگر مجھے زیر کر لو تو پھر میں ولی یا شیطان جس کی بھی اولاد ہوں تم سے

پابندی کروں گا اور وعدہ کروں گا کہ کتے کی طرح تم سے وفاداری نبھاؤں گا سمجھے...... میں نے ہمیشہ وفاداریاں نبھائی ہیں کیا سمجھے؟"

"ٹھیک ہے جوہر خان، اگر یہ بات ہے تو آج زندگی میں پہلی بار ایک برے آدمی پر بھروسا کر رہا ہوں۔" جوہر خان نے حیرت سے اسے دیکھا وہ کچھ پوچھنا چاہتا تھا لیکن نقاب پوش اس کے قریب پہنچ گیا، پھر اس نے جیب سے چابی نکالی اور جوہر خان کے ہاتھوں کی ہتھکڑیاں کھولنے لگا...... جوہر خان کے انداز میں حیرت پیدا ہو گئی تھی لیکن اس نے خاموشی سے ہاتھ کھلوائے اور اس کے بعد نقاب پوش نے اس کے پیروں کی بیڑیاں بھی کھول دیں، جوہر خان اپنے ہاتھوں کی کلائیاں مسلنے لگا تھا اور اس کے چہرے پر خباثت اُبھرتی آ رہی تھی۔ نقاب پوش تھوڑے فاصلے پر جا کر کھڑا ہوا پھر اس نے پر سکون لہجے میں کہا۔

"جوہر خان یہ جگہ تمہارے لئے مناسب ہے یا کوئی اور کشادہ جگہ چاہتے ہو؟"

جوہر خان نے کوئی جواب نہیں دیا وہ بستر سے نیچے اتر آیا، پھر اس نے ہاتھوں کی آستین سمیٹیں اور انہیں اچھی طرح کسنے کے بعد دونوں ہاتھ پھیلا کر نقاب پوش کے سامنے کھڑا ہو گیا...... نقاب پوش سکون سے کھڑا ہوا تھا، جوہر خان نے سر جھکا کر نقاب پوش پر حملہ کیا وہ اسے رگید کر دیوار تک لے جانا چاہتا تھا اس نے اپنا کاندھا نقاب پوش کے سینے سے لگا دیا اور اس کی کمر کے گرد اپنے ہاتھوں کا حلقہ بنا لیا اور اس کے بعد وہ نقاب پوش کو پیچھے دھکیلنے کی کوشش کرنے لگا لیکن چند ہی لمحوں میں اسے یہ احساس ہوا جیسے وہ کسی ستون پر زور آزمائی کر رہا ہو...... نقاب پوش کے بدن میں تھوڑی سی جنبش ضرور ہوئی تھی لیکن وہ نقاب پوش کو پیچھے نہیں ہٹا سکا تھا جبکہ نقاب پوش کے دونوں ہاتھ خالی تھے، جوہر خان خاصی دیر تک کسی بھینسے کی طرح زور آزمائی کرتا رہا اس کے بعد پیچھے ہٹ گیا اس کی آنکھوں میں حیرت تھی اور اس نے نقاب پوش کے عقب میں جھانکا تھا۔

"نہیں جوہر خان میرے پیچھے کچھ نہیں ہے۔ آؤ دوبارہ کوشش کرو۔"

اس بار جوہر خان نے آگے بڑھ کر نقاب پوش کے پیٹ پر لات رسید کی تھی...... نقاب پوش چاہتا تو پیچھے ہٹ سکتا تھا لیکن یہ لات بھی اس نے اپنے پیٹ پر برداشت کی اور جوہر خان نے اچھل کر دوسری لات اس کے سینے پر مارنے کی کوشش کی...... اس بار نقاب پوش نے اپنے ہاتھوں سے اس کا پاؤں پکڑا اور اسے ایک زوردار جھٹکا دے کر قلابازی

کھلادی...... جوہر خان اتنا نوجوان اور طاقتور نہیں تھا کہ اس قلابازی سے بھی جمناسٹر کی طرح سنبھل جاتا وہ نیچے گرا، پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا لیکن اچانک ہی اسے یہ احساس ہوا تھا کہ اس نے غلط آدمی کو چیلنج کر دیا ہے...... نقاب پوش تو انتہائی طاقتور ثابت ہو رہا تھا، پھر بھی جوہر خان نے اسے خود ہی چیلنج کیا تھا...... اپنی شرمندگی تو مٹانی ہی تھی۔ کبھی، کبھی ایسے مواقع بھی آجاتے ہیں، چنانچہ اب اس نے نقاب پوش پر گھونسے بازی شروع کر دی...... نقاب پوش ایک باکسر کی طرح اس کے تمام وار خالی دیتا رہا اور جب جوہر خان گھونسے اور لاتوں میں کامیاب نہ ہو سکا تو نقاب پوش نے ایک گھونسا اس کے جبڑے پر رسید کیا...... بالکل ایسا ہی محسوس ہوا جیسے جبڑے پر ہتھوڑا مارا گیا ہو...... جوہر خان کے دانت ہل گئے تھے اور وہ کروٹ کے بل پلنگ پر جا گرا تھا، اس کے منہ سے خون ابل پڑا اور وہ نمکین خون منہ میں لئے ادھر ادھر دیکھنے لگا اور اس کے بعد خون کی کلی کر دی، تب نقاب پوش آہستہ سے آگے بڑھا اور اس نے کہا۔

"صرف تین گھونسے میں تمہارے جسم پر ماروں گا جوہر خاں اور تم زمین بوس ہو جاؤ گے، کیا سمجھے...... بولو ابھی دو گھونسے کھانے کی ہمت ہے؟"

جوہر خان نے آخری کوشش کے طور پر ایک زوردار ٹکر نقاب پوش کے سینے پر ماری لیکن اس بار پھر وہ اس کے سینے کو نشانہ نہیں بنا سکا...... نقاب پوش نے جوہر خان کی گردن اپنے بازو میں دبالی تھی اور اس کے بعد اس نے کسی ریسلر کی طرح ہیڈ لاک لگا کر جوہر خان کو بالکل ہی حواس باختہ کر دیا، وہ بری طرح جوہر خان کے سر کو رگڑے دے رہا تھا اور اس کے منہ سے آوازیں نکل رہی تھیں۔

"بولو جوہر خان شکست تسلیم کرتے ہو۔ بولو شکست تسلیم کرتے ہو؟"

تقدیر ہی خراب ہو گئی تھی۔ اس سے پہلے بھی جوہر خان نے ان لوگوں کو چیلنج کیا تھا جو یقیناً اس نقاب پوش کے ساتھی معلوم ہوتے تھے اور بری طرح منہ کی کھائی تھی اور اب اس آہنی انسان سے جنگ کرتے ہوئے اسے چھٹی کا دودھ یاد آ گیا تھا، چنانچہ اسے کہنا پڑا۔

"ہاں شکست مانتا ہوں، چھوڑ دو، میں شکست مانتا ہوں۔"

نقاب پوش اسے چھوڑ کر پوری شرافت کے ساتھ پیچھے ہٹ گیا تھا اور جوہر خان اپنی جگہ بیٹھا رہ گیا تھا، اس کا سر بری طرح چکرا رہا تھا اور زمین پر بیٹھ کر اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا تھا۔

نقاب پوش نے اسے کافی وقت دیا اور جوہر خان اپنے چکراتے ہوئے سر کو قابو میں لانے کی کوشش کرتا رہا پھر اسے نقاب پوش کی نرم آواز سنائی دی۔

"ہاں جوہر خان اب میں تمہیں تمہارا وعدہ یاد دلانا چاہتا ہوں، اگر تمہاری حالت بہتر ہو گئی ہو تو اٹھو اور اٹھ کر پلنگ پر بیٹھ جاؤ، اگر کلی کرنا چاہتے ہو تو جاؤ غسل خانے میں جاؤ اور اپنا منہ صاف کر کے آؤ۔"

جوہر خان نے غسل خانے کی طرف نگاہ ڈالی جس کی جانب نقاب پوش نے اشارہ کیا تھا اور پھر آہستہ آہستہ اس طرف بڑھ گیا لیکن اس کے ہوش گنگ ہوئے جا رہے تھے اس کے اندر ایک عجیب سی ٹوٹ پھوٹ ہو رہی تھی...... یہ۔ یہ سب کچھ کیا ہے تقدیر نے اسے کس راستے پر لا ڈالا ہے...... کلی کر کے اس نے اپنے کٹے ہوئے گال پر انگلی پھیری اور زخم کو محسوس کرنے کے بعد مزید کلیاں کرنے لگا، پھر جب خون کی آمیزش پانی میں نہ رہی تو باہر نکل آیا...... اس کا رخسار پھول گیا تھا وہ اپنے اندر بڑی کمزوری محسوس کر رہا تھا...... آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہ پلنگ پر آبیٹھا۔ نقاب پوش اب بھی سینے پر ہاتھ باندھے ہوئے خاموش کھڑا تھا۔

"جوہر خان کیا تم سے کچھ گفتگو کر سکتا ہوں میں؟"

"سنو تم جو کوئی بھی ہو میں اپنا وعدہ نبھانے کے لئے تیار ہوں۔ میں اب تم یقین کر دیا نہ کرو، تمہارے لئے وفادار کتے کی حیثیت رکھتا ہوں...... بہت برا آدمی ہوں میں بہت ہی برا آدمی ہوں لیکن اپنی وفاداری نبھاؤں گا اپنی زبان بھی نبھاؤں گا۔"

"اگر ایسی بات ہے جوہر خان تو پھر میں تمہیں سب سے پہلے یہ بتاؤں کہ تم بالکل برے آدمی نہیں ہو جس شخص میں کسی کے لئے وفاداری موجود ہو وہ اوپر سے برا ضرور ہو سکتا ہے اندر سے برا نہیں ہو سکتا...... کیوں کہ وفاداری خون میں چھپی ہوئی شرافت کا ایک حصہ ہوتی ہے۔

جوہر خان نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا پھر نگاہیں جھکا لیں...... نقاب پوش نے پھر کہا۔

"اور جو شخص اپنی زبان کی اس طرح پابندی کرے کہ زبان کے ذریعے وہ وفادار کتے کی حیثیت اختیار کر جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ بہت اچھا انسان ہے، اس دور میں جوہر خان کچھ انسان جو بظاہر اچھے نظر آتے ہیں اندر سے اتنے برے ہوتے ہیں کہ ان کی برائی کا کوئی

حساب تک نہیں کیا جاسکتا۔ تم میرے خیال میں بہت اچھے انسان ہو۔ میں نہیں جانتا تمہارا ماضی کیا تھا اور یہ بھی نہیں جانتا کہ تم امیر علی شاہ کی غلامی میں کیسے آ گئے لیکن اب سا اپنے ماضی پر نگاہ دوڑاؤ اور یہ بتاؤ کہ امیر علی شاہ نے تمہیں اپنا غلام بنانے کے بعد کیا تم سارے اچھے کام لئے؟"

جوہر خان نے حیرت سے نگاہیں اٹھا کر اس نقاب پوش کو دیکھا پھر بولا۔

"امیر علی شاہ کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟"

"وہ سب کچھ جو امیر علی شاہ ہے، تم امیر علی شاہ کے بارے میں خاصی تفصیلات میرے ساتھیوں کو بتا چکے ہو جوہر خان اور مجھے وہ سب کچھ معلوم ہو چکا ہے، وہ بات اپنی جگہ لیکن اب میں تم سے یہی سوال پھر کرتا ہوں کہ کیا امیر علی شاہ نے تمہیں اپنا غلام بنانے کے بعد تم سے نیک کام کروائے ہیں۔"

"نہیں۔"

"کیا تمہیں یہ احساس نہیں ہوا جوہر خان کہ تم نے صرف ایک شخص کا وفادار بن کر پیٹ بھرنے کے لئے اپنا تن ڈھکنے کے لئے بہت سے لوگوں کو نقصانات نہیں پہنچائے۔"

"مجھے اب یہ احساس نہ دلاؤ...... میری برائیاں ابھی ختم نہیں ہوئی ہیں۔ میں نے کچھ کیا ہے بے شک وہ اچھا نہیں تھا لیکن میرے مالک کا حکم تھا وہ جو اس نے کہا وہ میں نے کیا۔"

"نہیں جوہر خان، انسان کا مالک صرف اللہ ہوتا ہے کیا تم ایک مسلمان گھرانے میں نہیں پیدا ہوئے؟"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن میں اسی کے پاس پلا بڑھا، اسی کے پاس پروان چڑھا، میں نے اس کا نمک کھایا ہے۔"

"نمک، نمک ایک عام سی چیز ہوتی ہے جوہر خان نمک کے علاوہ بھی اس دنیا میں بہت کچھ کھایا جاتا ہے، میں بڑا سادہ سا سوال کر رہا ہوں کیا اس کائنات میں ہر شے کا تخلیق کار مالک نہیں ہے۔ بولو جواب دو؟"

"ہے۔"

"اور تمہارے امیر علی شاہ کو بھی اس نے تخلیق کیا ہے اس دنیا میں تمہیں جو کچھ ملا ہے اللہ کی طرف سے ملا ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ کسی کی وفاداری نہ کرو لیکن نیکی اور بدی کا

تصور تو ہر انسان کے ذہن میں اتارا گیا ہے، کیا تمہارے ذہن میں کبھی نیکیوں کا تصور نہیں ابھرا؟"

"میں نہیں جانتا۔"

"خیر...... جوہر خان جو کچھ تمہارے ذریعے امیر علی شاہ نے انسانوں کے ساتھ کیا ہے، کیا تمہارا ضمیر اس پر مطمئن ہے؟"

"میں نے کبھی اس بارے میں نہیں سوچا۔"

"تو پھر ٹھیک ہے جوہر خان تم اس بارے میں سوچو تھوڑا سا سوچو، غور کرو، موقع مل جائے تو غور کرو، اگر تم واقعی اتنے وفادار ہو کہ اپنی زبان کی پابندی کرنا چاہتے ہو تو میں تمہیں پہلا حکم یہ دیتا ہوں کہ جو کچھ اب تک کرتے رہے ہو اس پر غور کرو، دیکھو وہ سامنے تمہارے لئے کھانے پینے کی اشیاء موجود ہیں...... یہاں غسل خانہ ہے، تمہاری ضروریات زندگی یہاں پوری ہو سکتی ہیں۔ باہر نکلنے کی کوشش کرنا چاہو تو کر سکتے ہو، مجھے اعتراض نہیں ہو گا لیکن یہاں سے باہر نکل نہیں پاؤ گے، میں تمہیں چوبیس گھنٹے کا وقت دیتا ہوں اس چوبیس گھنٹے میں تم صرف اپنے آپ پر غور کرو اور ذرا یہ حساب لگاؤ کہ جو کچھ تم کرتے رہے ہو کیا بہتر کرتے رہے ہو...... چوبیس گھنٹے کے بعد میں دوبارہ تمہارے پاس آؤں گا...... چلتا ہوں۔" نقاب پوش خاموشی سے مڑا اور اس کے بعد اس تہہ خانے سے باہر نکل گیا...... جوہر خان نے باہر دروازہ بند ہونے کی آواز سنی تھی۔

بینا نے مسکراتے ہوئے شہاب کا استقبال کیا تھا۔ سلام کے جواب کے بعد شہاب نے کہا۔ "مجھے امید تھی کہ اس وقت واسطی صاحب آفس میں موجود نہیں ہوں گے۔"

"اگر موجود ہوتے تو کیا فرق پڑتا...... تشریف رکھئے۔"

"بھئی ہمارا معاملہ کچھ اور ہے وکیل صاحب کو بعد میں ہی اس کیس میں شامل ہونا ہے۔"

"رات کے کچھ لمحات آپ کے بارے میں گفتگو کے لئے مخصوص ہوتے ہیں ہم آپ کی بہت سی باتیں کرتے ہیں اور روزانہ کرتے ہیں۔"

"پتا نہیں کیا باتیں ہوتی ہوں گی۔ خیر...... آپ سے کچھ مشورے کرنے ہیں مس بینا۔"

"جی۔"

"پرانی ترتیب میں اب یہ اضافہ ہو چکا ہے کہ جوہر خان کو میں نے کریم سوسائٹی کی

کوٹھی میں پہنچا دیا ہے...... اس سے اور بھی کچھ معلومات حاصل ہوئی ہیں۔"

"گڈ۔"

"لیکن بینا میں اب غیاث احمد کے لئے فکر مند ہو گیا ہوں...... اسے کوئی نقصان نہ پہنچ جائے...... رحمان شاہ، امیر علی شاہ کے قبضے میں آچکا ہے...... ان ہنگامہ آرائیوں کے پس پشت کہیں وہ غیاث بیگ کو نہ سمجھے حالانکہ مجھے اپنے کام کی تکمیل کے لئے اب زیادہ وقت درکار نہ ہو گا لیکن پھر بھی۔"

"آپ کا خیال ہے کہ غیاث بیگ خطرے میں پڑ سکتا ہے؟"

"ہاں بینا...... اس کے امکانات ہیں۔"

"تو پھر؟"

"وقت سے پہلے غیاث بیگ کو وہاں سے ہٹانا بھی مناسب نہیں ہے۔"

"سر اس کے تحفظ کے لئے کوئی بندوبست کیا ہے؟"

"ہاں اس کے گھر کی مسلسل نگرانی کی جا رہی ہے۔"

"یقیناً وہ قابل اطمینان لوگ ہوں گے جو اس کے گھر کی نگرانی کر رہے ہوں گے۔" بینا نے کہا اور شہاب سوچ میں ڈوب گیا...... بینا کے پاس وہ اس وقت بے مقصد نہیں آیا تھا۔ بہت دن سے اس کے بارے میں سوچ رہا تھا...... یہ کوئی جذباتی مرحلہ نہیں تھا...... بینا کی شخصیت تو خیر اسے پسند ہی تھی لیکن اس کے علاوہ اپنے تمام تجربے سے وہ یہ بات کہہ سکتا تھا کہ بینا ایک زیرک، ذہین، معاملہ فہم، پھرتیلی اور دلیر لڑکی تھی۔ اس پر ہر طرح اعتبار کیا جا سکتا تھا...... شہنشاہ کی شخصیت کے بارے میں صرف وہ واقف تھا یا فتح محمد لیکن فتح محمد اس کیلئے کچھ نہیں کر سکتا تھا...... اب جوں جوں یہ کام بڑھ رہا تھا اسے کچھ ضرورتیں محسوس ہو رہی تھیں اور بینا اس کی خوش بختی تھی۔ آج وہ بینا کو شہنشاہ کے راز میں شریک کرنے آیا تھا۔

بینا شہاب کے جواب کا انتظار کر رہی تھی...... کچھ لمحے توقف کے بعد شہاب نے کہا۔

"ہاں بینا وہ قابل اطمینان ہیں...... ویسے بینا آج کچھ اور باتیں کرنے کو دل چاہ رہا ہے تم سے۔"

"سر آپ چائے پئیں گے؟"

"یقین کرو دل نہیں چاہ رہا۔"

"ٹھیک ہے...... جی سر۔" بینا نے کہا۔

"بینا...... تم نے مجھے بہت بڑا مقام دے دیا ہے اپنے درمیان...... واسطی صاحب نے تمہارے سلسلے میں مجھ پر جس قدر اعتماد کر لیا ہے ان چیزوں نے تمہارے لئے میرے دل میں بڑی وقعت پیدا کر دی ہے۔"

"سر آپ نے خود ہم لوگوں کو سحر زدہ کر دیا ہے...... شاید آپ ہمارے دل میں اپنے مقام کا تعین نہ کر سکیں۔"

"آپ نے کبھی میرے ان وسائل کے بارے میں نہیں سوچا بینا جن کے تحت میں یہ سب کچھ کر لیتا ہوں۔"

"سر میں نے ابتداء میں آپ کے بارے میں سوچا تھا اور جب مقدور بھر آپ کو جان لیا تو پھر آپ کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیا...... میں جانتی ہوں کہ جو کچھ مجھے بتانا مناسب ہے وہ آپ نے بتا دیا ہے۔"

"آج پھر میں اپنا ماضی تمہارے سامنے دہرا رہا ہوں...... یہ ضروری ہے بینا...... بہت شریف آدمی کی اولاد ہیں ہم، تین بھائی اور دو بہنیں...... ثاقب صاحب نے صحافت کی عبادت کی...... انہوں نے اس پر اپنی زندگی تک قربان کر دی...... ان کی موت پر چند مضمون لکھے گئے اور بس۔ کسی نے ان کی سچائیوں کو پھر یاد نہ کیا جبکہ ان کے کئی ہم عصر اب صحافت کے پیشے کو ترک کر کے صنعت کار اور سیاستدان بن چکے ہیں، وہ حکومت میں اہم عہدے حاصل کر چکے ہیں کیونکہ حاصل کرنا آتا تھا...... بس میرے بہن بھائی نہایت کسمپرسی میں پروان چڑھے...... ہم نے جس طرح تعلیم حاصل کی وہ بھی المیہ داستان کا ایک باب ہے...... بہر حال زندہ رہے...... بہت سوں کی عنایتوں نے زندہ رہنے میں مدد کی...... بینا میرے دو بھائی...... ایک بڑے اور ایک چھوٹے نے اس زندگی کا آغاز کیا جو ان کے لئے ممکن تھی...... تم یقین کرو وہ حالات سے جنگ کا حوصلہ نہیں رکھتے تھے، چنانچہ انہوں نے شرافت کا سہارا لیا اور شریف کہلانے لگے، اگر ان شریفوں میں بھی حالات سے جنگ کا حوصلہ ہوتا تو وہ شاید مختلف ہوتے...... میں نے دنیا کو بغور دیکھا...... کامیاب لوگوں کا مطالعہ کیا، انہیں سمجھا اور وقت سے لڑنے کا حوصلہ پیدا کیا...... کچھ برے صرف برے ہوتے ہیں..... وہ موقع ملنے پر بھی بہتر نہیں بنتے...... کچھ میں برائی کے ساتھ کچھ بہتری کے جراثیم بھی ہوتے ہیں...... میں ایک درمیانی راستے کا متلاشی تھا...... گھر والے اقدار کی چادر پھیلائے بیٹھے تھے، میں اس

چادر پر نہ بیٹھ اور میں نے اپنی جگہ تلاش کرنی شروع کر دی، اسی دوران بینا میں نے کچھ لوگوں کو تلاش کیا جو بہترین صلاحیتوں کے مالک تھے لیکن بے وسیلہ تھے اور میری ط جھنجھلائے ہوئے، میں نے ان سے رابطے کئے اور ایک گروہ بنالیا جسے ڈبل او گروپ کا نا گیا۔ اس وقت اس گروپ میں چھ افراد ہیں...... ہم چھوٹے، چھوٹے کام کرتے رہے میں کسی مضبوط پشت کی تلاش میں تھا اور پھر میں کامیاب ہو گیا۔ تبھی مجھے پولیس کی ملازمت مل گئی۔ اب میں زیادہ پر اعتماد ہوں، یہ وہی لوگ ہیں جن پر میں ہر طرح اعتماد کر سکتا ہوں۔

"گڈ...... طریقہ کار کیا ہے سر۔" بینا نے دلچسپی سے پوچھا۔

"وہ لوگ مجھے شہنشاہ کے نام سے جانتے ہیں۔" شہاب نے ہر شخص کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"اوہ...... یعنی وہ آپ کی اصل شخصیت سے ناواقف ہیں۔"

"ہاں...... میں نے کبھی اپنے بارے میں نہیں جاننے دیا۔"

"آہ...... کتنا عجیب، کتنا سنسنی خیز ہے یہ سب لیکن سر آپ نے مجھے۔"

"اس کی وجہ ہے۔" شہاب نے کہا...... "تمہیں ڈبل او گینگ کا ساتواں رکن بنانا چاہتا ہوں میں۔ تم اب میری اسسٹنٹ کی حیثیت سے اس گروپ کو کنٹرول کرو گی لیکن ان پر یہ ظاہر نہیں کروں گی کہ تم مجھے جانتی ہو۔"

"اوہ میرے خدا۔" بینا شدید سنسنی کا شکار ہو گئی۔

"کیا تمہیں میری یہ پیشکش منظور ہے بینا۔"

"سر...... یہ میرے خوابوں کی تعبیر ہے۔ میں خوشی سے اس کے لئے تیار ہوں۔"

"گڈ...... اب اس سلسلے میں مزید تفصیلات سن لو۔ بہت جلد میں تمہیں ان سے روشناس کرادوں گا۔" شہاب دیر تک بینا کو اپنی پوری ٹیم کے بارے میں بتاتا رہا اور وہ سنسنی میں مبتلا رہی، اس کے بعد بات پھر غیاث بیگ پر آگئی اور وہ دیر تک اس کے بارے میں باتیں کرتے رہے پھر کریم سوسائٹی کی اس کوٹھی کے بارے میں کئی منصوبے زیر غور رہے۔ آ میں شہاب نے کہا۔

"ٹھیک ہے بینا...... اب یہ معاملہ تمہاری نگرانی میں دے رہا ہوں...... ویسے میر بہت بڑی اُلجھن دور ہوئی ہے۔ میرے خیال میں اب ہم اپنا دائرہ کار بہترین کر لیں گے

غیاث بیگ کے سلسلے میں، میں اپنی ٹیم کو ممکنہ ہدایات دیئے دیتا ہوں۔"

"جی سر۔" بینا نے مسرت سے کہا۔

فیاض علی اور گلزار علی نے پجارو روک دی، پھر تینوں اتر کر غیاث بیگ کے گھر کی طرف چل پڑے...... دستک پر غیاث بیگ نے خود ہی دروازہ کھولا تھا...... انہیں دیکھ کر وہ سکتے میں رہ گیا۔

"سرکار آپ؟"

"ہم اندر آ سکتے ہیں۔" فیاض علی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ارے سرکار یہ، یہ جگہ اس قابل کہاں ہے۔ آیئے سرکار، اگر آپ غریب کے اس جھونپڑے کو اس قابل سمجھتے ہیں تو تشریف لایئے اس جھونپڑے میں تو آپ کو بٹھانے کے لئے صحیح جگہ بھی نہیں ہے...... آیئے، آیئے۔" غیاث بیگ پیچھے ہٹ گیا اور تینوں اندر داخل ہو گئے۔ ناہید سامنے موجود تھی...... غیاث بیگ کی بیوی بھی سامنے ہی تھی وہ سب ان امیر زادوں کو پہچانتے تھے جو ان کی تباہی بن گئے تھے...... غیاث بیگ انہیں پلنگ تک لے گیا اور کچھ بد حواس سا نظر آنے لگا۔

"بڑے میاں اداکاری کرنے کی ضرورت نہیں تمہیں معلوم ہے تمہارے ہاں مہمان بن کر نہیں آئے...... کچھ معلومات کرنی ہیں تم سے یہ جوہر خان کہاں ہے؟"

"سرکار، دو دن سے غائب ہے...... آپ کی طرف نہیں گیا، شاہ پور میں نہیں ہے وہ۔"

"دو دن سے غائب ہے؟"

"جی سرکار، ہم تو یہی سمجھے کہ شاہ پور میں ہو گا...... بڑے سرکار نے کسی کام سے مصروف کر دیا ہو گا۔"

"نہیں ایسا نہیں ہے...... کہاں جا سکتا ہے وہ؟"

"سرکار ہمیں بتا کر جائے گا وہ...... ہم تو رعایا ہیں، کمی کمینے ہیں ہم لوگ، ہماری کوئی اوقات ہے اب، بس زندگی کی جتنی سانسیں ہیں سہہ رہے ہیں انہیں۔"

"دیکھو چچا غیاث بیگ، ہم نے بچپن سے تمہیں دیکھا ہے اور تمہاری عزت کی ہے، اس لئے ہمیں کسی ایسی بات پر مجبور مت کرو جس پر ہمیں خود افسوس ہو۔"

"تصویر غم تو ہم بن گئے ہیں سرکار، آپ کو پتا ہے سب کچھ چھین لیا گیا ہے ہم سے ہمیں جو اوقات دی گئی ہے اسی میں گزارا کر رہے ہیں۔"

"اور اب اس اوقات کو بدلنے کی کوشش بھی کر رہے ہو۔"

"کرتے سرکار اگر ہمارا استون ہم سے نہ چھین لیا جاتا...... ہم تو بوڑھے ہو گئے ہیں اپنی ہڈیوں میں اتنی جان نہیں پاتے کہ صحیح کھڑے بھی ہو سکیں، ہمارا بیٹا ہوتا تو ہم آخر تک کوشش ضرور کرتے جینے کی، پر کیا کریں بڑے سرکار نے وہ بھی چھین لیا اور تقدیر نے ان کا ساتھ دیا...... ورنہ لوگ کہتے ہیں کہ ظلم کی لاٹھی کبھی نہ کبھی ٹوٹ جاتی ہے...... انتظار کر رہے ہیں سرکار کہ یہ لاٹھی کب ٹوٹتی ہے۔"

"غیاث بیگ، ہمیں کہانیاں سنانے کی کوشش مت کرو یہ بتاؤ تم بڑے سرکار کے خلاف کیا سازش کر رہے ہو؟"

"سازش، ہم کیا کہیں چھوٹے سرکار، اپنی درگت نہیں بنوانا چاہتے ورنہ جواب تو ایسا دیتے ہم آپ کو کہ آپ کا دل خوش ہو جاتا، ارے سرکار اس وقت کا انتظار کیجئے جب آپ بھی ہمارے جیسے ہو جائیں کمزور، بے سہارا اور بے بس، جس کے لئے جینا بھی مشکل ہو...... اس کے بعد ہم بھی آپ سے پوچھیں کہ سرکار کس کے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں...... ارے یہاں تو جینا ہی زندگی کی سب سے بڑی مشکل بن گیا ہے۔ ہم کیا سازش کریں گے سرکار اگر کوئی خیال دل میں ہے تو نکالئے پستول اور یہ آخری سانسیں بھی چھین لیجئے...... بس اور کیا کہیں آپ سے؟"

فیاض علی نے جھنجھلائی ہوئی نگاہوں سے دونوں بھائیوں کی جانب دیکھا اب بھلا اس سلسلے میں اور کیا کہے۔ غیاث بیگ اس پائے کا آدمی ہوتا تو پہلے ہی بہت کچھ کر بیٹھا ہوتا، سب کچھ سہتا رہتا تھا اور باپ کا سوچنے کا انداز اس طرح کا تھا...... صاف ظاہر ہوتا تھا کہ غیاث بیگ اس سلسلے میں بالکل بے قصور ہے...... چنانچہ اب کیا، کیا جائے...... بہر حال اس نے کہا۔

"جوہر خان کے بارے میں کوئی صحیح معلومات نہیں حاصل ہے تمہیں؟"

"نہیں سرکار، ہمارا بس اس سے اتنا ہی واسطہ ہے کہ جوتے، لات، تھپڑ کھا لیتے ہیں اس سے اور جو بھی خدمت لینا چاہتا ہے وہ خدمت کر لیتے ہیں اس کی۔"

"تو پھر ایسا کرو تھوڑے بہت کپڑے رکھ لو، تیار ہو جاؤ، تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہے۔"

"کہاں سرکار؟"

"شاہ پور بڑے سرکار کے پاس، تم تینوں کو بلایا ہے۔"

فیاض علی نے خود ہی فیصلہ کر کے کہا...... اب اس سلسلے میں یہاں سے معلومات نہیں حاصل ہو سکتی تھیں تو وہ لوگ کیا کرتے...... جھلاہٹ کا شکار ہو گئے تھے اور کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر تھے...... غیاث بیگ نے کچھ سوچا، پھر آہستہ سے بولا۔

"ٹھیک ہے سرکار، جو حکم ہو۔" اور پھر اس نے ناہید کی طرف رُخ کر کے کہا۔

"چلو بیٹا دو چار جوڑی کپڑے ہیں باندھ لو، سرکار کا حکم ٹالا تو نہیں جا سکتا۔" ناہید اور غیاث بیگ کی بیوی خاموشی سے اندر چل پڑی تھیں...... تینوں بھائی خاصے اُلجھے ہوئے تھے اور ان پر شدید جھلاہٹ سوار تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد دونوں عورتیں دو گٹھڑیاں لے کر نکل آئیں اور وہ دروازے کی جانب چل پڑے...... غیاث بیگ مردہ قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا...... بہت سے خیالات اس کے دل میں آ رہے تھے...... فیاض علی نے دروازہ کھولا لیکن دروازہ کھولتے ہی وہ بری طرح ٹھٹک گیا وہ چھ نقاب پوش تھے جو زبردست اسلحے سے لیس دروازے کے سامنے کھڑے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھوں میں دبی ہوئی جدید ساخت کی رائفلوں کا رخ ان کی جانب تھا...... فیاض علی وغیرہ بری طرح سہم گئے...... نقاب پوشوں میں سے ایک نے انہیں پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا اور وہ بری طرح پیچھے ہٹے...... غیاث بیگ ان کی لپیٹ میں آ کر گرتے، گرتے بچا تھا...... دونوں عورتیں اُچھل کر اِدھر اُدھر ہو گئی تھیں ان کے حلق میں ان کی چیخیں گھٹ گئی تھیں...... نقاب پوشوں میں سے ایک نے فیاض علی کی گردن پر رائفل کی نال رکھتے ہوئے کہا۔

"دونوں ہاتھ پشت پر کر لو تم سب، خبردار منہ سے اگر آواز نکلی تو وہ تمہاری آخری آواز ہو گی۔" ان تینوں کے اوسان خطا ہو گئے تھے بھلا ان کے منہ سے کیا آواز نکلتی...... تینوں نے ہاتھ پیچھے کر لئے اور دو نقاب پوشوں نے پھرتی سے عقب میں پہنچ کر ان کے ہاتھ مضبوطی سے کس لئے۔ دونوں عورتیں تو دہشت سے سمٹ کر ایک دیوار سے جا لگی تھیں۔ غیاث بیگ پھٹی، پھٹی آنکھوں سے یہ کارروائی دیکھ رہا تھا...... آن کی آن میں ان تینوں کے ہاتھ کس دیئے گئے اور پھر ان کے منہ کھلوا کر ان کے منہ میں عجیب ساخت کے ربڑ کے گولے ٹھونس دیئے گئے جس سے ان کے منہ بند ہو گئے تھے۔

"چلو اور تم بڑے میاں تم یہیں رکو، خبردار، کسی سے اس کارروائی کے بارے میں اگر ایک لفظ بھی کہا تو اپنے نقصان کے ذمے دار خود ہو گے سمجھ لینا اچھی طرح، چلو۔" نقاب پوشوں نے فیاض علی وغیرہ کو رائفل کی نال سے آگے دھکیلتے ہوئے کہا۔ تینوں کے پاؤں لرز رہے تھے وہ بری طرح دہشت زدہ ہو گئے تھے، پھر وہ لوگ انہیں ایک پرانی سی بند گاڑی کی جانب لے گئے۔ گاڑی کا دروازہ کھولا گیا اور انہیں اس میں ٹھونس دیا گیا۔ تین نقاب پوش رائفلیں تھامے ان کے سامنے بیٹھ گئے تھے اور باقی آگے بڑھ گئے تھے، لیکن ان میں سے ایک نقاب پوش وہیں رہ گیا تھا...... جب بند وین آگے بڑھ گئی تو نقاب پوش نے پجارو میں داخل ہو کر اس کا انجن سٹارٹ کیا اور اسے لے کر ایک جانب چل پڑا...... پجارو کی چابی اس نے شاہ علی شاہ کے لباس سے نکال لی تھی۔ اس علاقے سے کچھ دور نکل کر اس نے چہرے سے نقاب اتار لیا پھر ایک شادی ہال کے پارکنگ میں اس نے پجارو پارک کی اور نیچے اتر کر ٹہلنے والے انداز میں آگے بڑھ گیا۔

ایک نامعلوم سی بے کلی، ایک بے نام سا احساس، امیر علی شاہ ان دنوں شدید ذہنی اذیت میں مبتلا تھا۔ بڑی مطمئن زندگی گزاری تھی اس نے، زمینیں لامحدود، کاروبار لامحدود، آمدنی لامحدود، زندگی میں کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا...... شادی ماں باپ نے کی تھی۔ اپنی پسند اور اپنے اصولوں کے مطابق کی تھی۔ مزاج کا یہ شعبہ نہیں تھا اس لئے عورت مشکل نہیں بنی۔ بیوی سیدھی سادی خاندانی عورت تھی۔ سر جھکا کر گزارہ کر گئی، بیٹے بھی مشکل نہ بنے...... ابتداء ہی سے ان پر سختی رکھی تھی۔ رحمان علی شاہ بھی سرکش نہیں تھا...... سرکشی تو اس نے کی ہی نہیں تھی...... نوجوانی کی عمر تھی، صنف مخالف اس عمر میں ذہنوں کے لئے ایک انوکھی کشش رکھتی ہے اور کبھی، کبھی انسان بری طرح بھٹک جاتا ہے، رحمان علی شاہ بھی بھٹک ہی گیا تھا۔ ورنہ پوری زندگی کے ریکارڈ میں کسی بیٹے نے کبھی باپ کی آنکھوں سے آنکھیں ملانے کی کوشش نہیں کی تھی اور ہر بات پر سر جھکانے کے عادی تھے...... اصل غصہ تو غیاث بیگ پر تھا...... ٹھیک ہے عزت دار آدمی تھا...... شاہ پور کا پرانا خاندانی لیکن امیر علی شاہ کے جوڑ کا بھی نہیں تھا...... اسے خود سوچنا چاہئے تھا یا پھر اس کے سوچنے کی باری ہی نہیں آئی تھی...... نوجوانوں نے سارا کھیل خود ہی کھیل ڈالا تھا، یہ سوچ کر کہ بھلا جوانی کے راستے

میں کون آسکتا ہے...... سمجھانے پر مان جانا چاہئے تھا لیکن نہ مانے، ذمے داری غیاث بیگ کی تھی کیونکہ امیر علی شاہ کے مقابلے میں وہ کچھ بھی نہیں تھا...... فیصلہ اسے کرنا چاہئے تھا کہ کیا کرے...... امیر علی شاہ نے اسے سمجھایا لیکن وہ کوئی موثر قدم نہیں اٹھا سکا...... اس کے بعد تو مجبوری ہی تھی جو کچھ کیا وہ ضرورت تھی اور اس کے نتیجے میں رحمان علی شاہ نے جو قدم اٹھایا اس کے تحت اگر کوئی اور ہوتا تو اس کے جسم کے اتنے ٹکڑے کرائے جاتے کہ کوئی شخص انہیں دوبارہ یکجا نہ کر پاتا لیکن اپنی اولاد تھی اس لئے زیادہ سے زیادہ انتقام کی شدت نے یہ رخ اختیار کیا اور رحمان علی شاہ کو راندہ درگاہ کر دیا گیا لیکن اب نہ جانے کیوں ایک انوکھا احساس دل میں جاگزیں ہو رہا تھا، وہ رات بڑی بھیانک رات تھی...... جب کوئی اس حویلی میں داخل ہوا...... اس حویلی میں جہاں امیر علی شاہ کی اجازت کے بغیر اس طرح داخل ہونے کا تصور بھی موت کا خوف دلا دیتا تھا...... امیر علی شاہ کا ہنٹر غائب ہوا اس کے خاص الخاص آدمیوں، خیر خان اور گل باز خان کو رحمان علی شاہ کے نام سے پیٹا گیا...... بڑا انوکھا تصور تھا، بڑا عجیب خیال تھا یہ اور پھر اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ وہ رحمان علی شاہ نہیں تھا...... ایسا کون سرکش ہے، ایسا کون جیالا ہے، کہاں سے پیدا ہو گیا اور کیوں، یہ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا...... اگر کچھ الجھا ہوا نہ ہوتا، بات کچھ خطرناک لوگوں کی ہوتی جو منظر عام پر آ جاتے تو پھر ان کے خاندانوں کی تباہی لازمی تھی...... بچنا مشکل ہو جاتا ان کا لیکن ایسا نادیدہ وجود جس کے بارے میں ابھی تک کچھ پتا ہی نہیں چل سکا تھا...... غیاث بیگ کے بارے میں سوچتا تو ذہن خود ہی اس کی تردید کرنے لگتا تھا...... غیاث بیگ کا ماضی اس کی نگاہوں کے سامنے تھا اس کی پشتوں میں بھی کبھی کوئی ایسا سرکش نہیں پیدا ہوا تھا جو امیر علی شاہ کے خاندان سے ٹکر لے لے، کون ہے پھر وہ کون ہے، آخر وہ کون ہے...... بس شاید یہی بے کلی تھی، یہی بے چینی تھی، یہی بے قراری تھی اس کے بعد رحمان علی شاہ کو کلینک سے لے آیا گیا تہہ خانے میں رکھا گیا اور یہ تہہ خانے امیر علی شاہ کے بزرگوں نے بنوائے تھے...... ظاہر ہی خاندان ایک ہی تھا، انداز ایک ہی تھا اور یہی طریقہ کار برسوں سے اختیار کیا گیا تھا...... انسانوں کو انسان نہ سمجھا جائے، دشمنوں کو ایسا مزہ چکھایا جائے کہ اپنی نسلوں کو وصیت کر جائیں کہ کبھی اس خاندان کے راستے میں نہ آئیں...... تہہ خانوں میں عقوبت خانے بھی بنے ہوئے تھے اور ایسی پراسرار جگہیں بھی جہاں سے مجرموں کا جائزہ لیا جا سکے اور یہ جائزہ لیا گیا تھا اس وقت، جب رحمان

علی شاہ کو تہہ خانے میں لایا گیا تھا جو کچھ ہوا تھا اس کی کوئی صحیح شکل ہی سامنے نہیں آ پائی
تھی، پھر رحمان علی شاہ نے جس کیفیت کا مظاہرہ کیا تھا وہ ایک طرف تو قابل افسوس تھی اور
دوسری طرف ذرا پریشان کن کہ کہیں رحمان علی شاہ اداکاری تو نہیں کر رہا۔ ایاز بیگ کو
رحمان علی شاہ کے پاس جانے کا موقع دیا گیا...... ایاز بیگ کو دیکھنے کے بعد رحمان علی شاہ کے
انداز میں کوئی تبدیلی رونما ہونی چاہئے تھی لیکن اس نے ایاز بیگ پر بھی توجہ نہیں دی اور اس
کی کیفیت دیکھنے کے بعد امیر علی شاہ کو یہ یقین ہو گیا کہ اس کا ذہنی توازن متاثر ہو گیا ہے۔ یہ
بات بھی دکھ کا باعث تھی، اگر امیر علی شاہ ڈاکٹر نصرت کبیر کو حکم دیتا کہ اسے سچ مچ کا پاگل
بنادو اور نصرت کبیر یہ سب کچھ کرتا تو بات الگ تھی...... اس نے اپنے طور پر اتنے بڑے
خاندان کے ایک نوجوان کو ذہنی طور پر معطل کیوں کر دیا، اس کی یہ جرات کیوں ہوئی
شامت تو آ جاتی نصرت کبیر کی، لیکن امیر علی شاہ بہت سے محاذ ایک ساتھ نہیں کھولنا چاہتا
تھا، پہلے اس شخص کا پتا چل جائے جس نے گل باز خان اور خیر خان کو مارا تھا اس کے بعد ان
معاملات سے نمٹا جائے گا۔ غرض یہ کہ انہی حالات میں وقت گزر رہا تھا...... تینوں نکموں کو
تحقیقات کے لئے بھیجا تھا لیکن امیر علی شاہ کو خود بھی اس بات کی امید نہیں تھی کہ وہ کچھ
صورت حال معلوم کر کے آئیں گے...... اپنی اولاد کا اسے خود اندازہ تھا...... عیش و عشرت کی
زندگی میں پل کر سارے کے سارے نکمے ہو چکے تھے اور ان میں کوئی بڑا کام کرنے کی
صلاحیت نہیں تھی، پھر بھی وہ انتظار کرتا رہا اور وقت گزرتا رہا، پھر اس کے بعد اس کے غصے
میں شدت آنے لگی۔ دن گزر گیا تھا...... دوسرا دن بھی گزر گیا تھا اور اب تیسرے دن کا
آغاز ہو گیا تھا لیکن تینوں لڑکے واپس نہیں آئے تھے۔ ایسی کون سی لمبی تحقیقات کرنے نکل
گئے۔ شہر میں فیاض علی خان کی کوٹھی پر ٹیلی فون کیا...... وہاں سے جواب ملا کہ فیاض علی خان
تین چار دن سے ادھر آیا ہی نہیں ہے۔ یہ لڑکے کہاں غائب ہو گئے، جانا پڑے گا، خود شہر جانا
پڑے گا اور اس سلسلے میں کارروائی کرنا ہو گی وہ تیاریاں کرنے لگا...... خیر خان، گل باز خان کو
بلایا گیا...... ان کی حالت اب خاصی بہتر تھی لیکن وہ سخت خوف زدہ تھے نہ جانے کیوں ان پر
دہشت طاری ہو گئی تھی۔ بہر حال ان سے کوئی خاص بات کرنا مناسب نہیں تھا...... ڈرائیور
گاڑی تیار کر رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور امیر علی شاہ نے نفرت بھرے انداز میں ٹیلی فون
کا ریسیور اٹھا لیا اور غرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"ہیلو کون ہے؟"
"جوہر خان بول رہا ہے شاہ صاحب۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔
"او جوہر خان کیسا ہے تو...... میں آ رہا تھا تیرے پاس بڑا خراب حال ہو گیا ہے، شہر
آ کر کارروائی کرنی پڑے گی تینوں لڑکے غائب ہیں ایک عجیب کھیل شروع ہو گیا ہے بھئی، تم
سب نکمے ہو، جھک مار رہے ہو۔"
"شاہ صاحب میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"
"تو بول کیا بات ہے لمبی بات مت کر، میں آ رہا ہوں باقی باتیں وہیں ہو جائیں گی۔
غیاث بیگ کیسا ہے گھر میں ہے؟"
"شاہ صاحب میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"
جوہر خان کا لہجہ تلخ ہو گیا اور امیر علی شاہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ جوہر خان
اور اس لہجے میں بات کرے اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔
"او تیرا دماغ تو ٹھیک ہے، کیسے بول رہا ہے تو مجھ سے کیا تیری آواز میں نرمی ہے؟"
"میں نے اپنی آواز کی نرمی ختم کر دی ہے امیر علی شاہ۔"
"او تو پاگل ہو گیا ہے کیا...... موت آئی ہے تیری...... میرے دروازے کے کتے، تیرا
لہجہ کیسا ہے، تیری جرات کیسے ہوئی مجھ سے اس طرح بولنے کی...... پہلے مجھے اس بات کا
جواب دے؟"
"اس بات کا جواب یہ ہے امیر علی شاہ کہ اب میں نے تمہاری غلامی چھوڑ دی ہے۔"
"دنیا چھوڑنے کا ارادہ ہے کیا؟"
"نہیں۔"
"تو پھر کیا پاگل ہو گیا ہے؟" امیر علی شاہ نے غرا کر کہا۔
"نہیں پاگل بھی نہیں ہوا...... بس غلامی چھوڑ دی ہے اور میری غلامی چھوڑنے کے
بعد دنیا تو تمہیں چھوڑنی پڑے گی امیر علی شاہ۔" امیر علی شاہ کا پورا بدن سنسنا کر رہ گیا......
غصے کی شدت نے اس کی زبان بند کر دی تھی وہ کچھ دیر سکوت کے عالم میں رہا اور پھر اس کی
غراہٹ ابھری۔
"جوہر خان یہ پاگل پن تجھ پر کیسے سوار ہوا...... میرے سامنے آ...... سامنے آ کر بات

کر...... تو میرا وفادار کتا رہا ہے اور میں پہلے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس کتے نے گردن کیوں اٹھائی ہے، اس کے بعد تجھے تیری ساری باتوں کا جواب دوں گا...... آجا میرے سامنے ایک بار جوہر خان تو، مرد کا بچہ ہے، مرد کے بچے مردوں ہی سے بات کرتے ہیں...... آجا سامنے، سامنے آ کر بات کر۔"

"امیر علی شاہ میں پاگل نہیں ہوا ہوں اس لئے تمہارے سامنے نہیں آؤں گا جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں اگر سکون سے سن سکتے ہو تو سن لو...... وقت بدل گیا ہے بعد میں یہ نہ کہنا کہ جوہر خان تو نے مجھ سے بات نہیں کی۔"

"بول کیا بات کرنا چاہتا ہے بول...... آج تیری یہ مجال ہو گئی کہ میرے سامنے تو مجھ سے بات کر رہا ہے، بول کیا بات کرنا چاہتا ہے؟" امیر علی شاہ کے بدن پر تھرتھری طاری تھی۔ غصے کی شدت سے اس کی آنکھوں سے پانی نکلنے لگا تھا۔ جوہر خان نے کہا۔

"تو نے یہ بات تسلیم کی ہے امیر علی شاہ کہ میں نے تیرے دروازے کی غلامی کی ہے۔ کتوں کی طرح پروان چڑھا ہوں تیرے سامنے اب میرا دل نہیں چاہتا کہ میں کتوں جیسی زندگی گزاروں، میں نے اپنی عاقبت خراب کر لی ہے تیرے لئے، الٹے سیدھے کام کر کر کے عاقبت تو خراب ہو ہی چکی ہے میری لیکن دنیا ہی کیوں نہ بناؤں، میں بھی کیوں نہ عیش کروں جیسے دنیا کے لوگ عیش کرتے ہیں۔ امیر علی شاہ میرے دماغ میں تبدیلی آئی ہے میں نے سوچا ہے کہ تیرے لئے اب تک جو کچھ کرتا رہا ہوں اب تجھ سے اس کا صلہ وصول کروں۔"

"او کتے، او کتے، کیا صلہ نہیں دیا میں نے تجھے، گھر بنا دیا تیرا، اتنی خوب صورت لڑکی سے تیری شادی کرا دی تیری، ہر ضرورت پوری ہوتی ہے میری ڈیوڑھی سے۔"

"نہیں میری ہر ضرورت تیری خوشی کے مطابق پوری ہوتی ہے امیر علی شاہ، اب میں یہی نہیں چاہتا، سن زیادہ باتیں کرنے سے کوئی فائدہ نہیں...... مجھے پچاس لاکھ روپے چاہئیں پورے پچاس لاکھ نقد اور نوٹوں کی شکل میں اگر یہ بات تجھے مذاق لگتی ہے تو پھر میری طرف سے ہونے والے مذاق کا انتظار کر، میں تجھے زیادہ انتظار نہیں کراؤں گا امیر علی شاہ۔"

"او کمینے، او ذلیل تو مجھ سے تڑاک سے بات کر رہا ہے؟"

"ہاں...... میں اب ہر بندھن سے آزاد ہو چکا ہوں کیا نہیں کیا میں نے تیرے لئے امیر علی شاہ، طالب حسین، فضل الدین، مولوی اصغر خان اور بہت سے دوسرے...... جن کے

ٹھکانے برباد کر دیئے ہیں میں نے تیرے کہنے سے...... سارے ثبوت میرے پاس موجود ہیں یہ ثبوت اگر قانون کے پاس پہنچ گئے امیر علی شاہ تو تم خود سوچ لو کہ نتیجہ کیا ہوگا۔"

امیر علی شاہ نے آنکھیں بند کر لیں جوہر خان نے جو کچھ بتایا تھا وہ سب کچھ حقیقت تھی۔ امیر علی شاہ نے زندگی میں بہت کچھ کیا تھا اور جوہر خان اس کا پورا، پورا رازدار تھا نہ صرف رازدار بلکہ یقیناً جوہر خان کے پاس اس کے بارے میں بے شمار ثبوت تھے لیکن قانون...... اس نے ایک گہری سانس لی اور بولا۔

"جانتا ہے، قانون میرے گھر کے ایک کمرے میں رہتا ہے، میں کسی بھی وقت قانون کا سامنا کر سکتا ہوں اور میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔ ذلیل کتے، قانون میں بناتا ہوں، جو میں کہتا ہوں وہ ہوتا ہے۔ کیا تو یہ بات نہیں جانتا؟"

"جانتا ہوں امیر علی شاہ اس لئے میں نے دوسرا انتظام بھی کیا ہے۔ کیا سمجھا؟"

"دوسرا انتظام؟"

"ہاں...... فیاض علی، گلزار علی اور شاد علی اس وقت میرے پاس ہیں میرے قبضے میں اور اگر میری مرضی کے مطابق کل شام تک مجھے میری مطلوبہ رقم نہ ادا کر دی گئی تو سب سے پہلے فیاض علی، اس کے بعد گلزار علی اور پھر شاد علی کی لاش، ایک ایک کر کے تمہارے پاس پہنچتی چلی جائیں گی...... تم جانتے ہو قتل کرنا میرے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہے اور اب تک میں تمہارے لئے لوگوں کو قتل کرتا رہا ہوں۔"

"کیا بکواس کرتا ہے کتے، کیا بکواس کرتا ہے، ان تینوں کا تجھ سے کیا تعلق؟"

"تمہیں معلوم ہے امیر علی شاہ اب ان کا مجھ سے تعلق پیدا ہو گیا ہے۔ غیاث بیگ کے گھر بھیجا تھا نا تم نے انہیں۔ وہاں سے میں نے انہیں اپنے قبضے میں لے لیا ہے اور اب یہ میرے پاس ایک تہہ خانے میں محفوظ ہیں ابھی تک میں نے انہیں کوئی تکلیف نہیں دی ہے لیکن اب اس کا آغاز ہو جائے گا۔"

"بکتا ہے تو، بکتا ہے تو؟"

"ٹھیک ہے امیر علی شاہ پھر انتظار کر، پہلی لاش کا؟"

"کتے، کتے، میں تیری نسلوں کو تباہ کر دوں گا، تو نے اگر میرے کسی بھی بیٹے کو نقصان پہنچایا تو میں تیری نسلوں کو تباہ کر دوں گا۔" جواب میں جوہر خان ہنس پڑا۔

"یہی تو ایک بچت ہے امیر علی شاہ، میری نسلوں کا کوئی وجود نہیں ہے، نہ کوئی آ
کوئی پیچھے۔"

"فون بند مت کرنا، میری بات سن، میں نے تیری ہر ضرورت پوری کی ہے
وفادار رہ پچاس لاکھ میرے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتے، دے دوں گا تجھے پچاس لاکھ بھی
مجھے بہت سی باتیں پوچھنی ہیں تجھ سے۔"

"بات ختم ہو چکی ہے شاہ صاحب...... پچاس لاکھ پورے میرے نہیں ہوں گے
میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو میرے اس منصوبے میں شریک ہیں...... باقی پچیس لاکھ
میں ملک سے ہی نکل جاؤں گا اب ذرا دنیا دیکھنی ہے۔"

"تو نے میرے راز دوسروں کو بھی دیدیئے؟"

"ابھی تک ایسا نہیں کیا ہے لیکن......"

"جہنم میں جا کتے، کہاں لینے ہیں تجھے یہ پچاس لاکھ؟"

"شہر میں، لانگ پارک نامی ایک جگہ ہے جہاں بارہ دری بنی ہوئی ہے...... بس اس
دری پر آجاؤ...... اکیلے آنا شاہ صاحب اور یہ خیال رکھنا کہ تم بے شمار رائفلوں کی ز
ہو گے...... پولیس جو کچھ کرے گی بعد میں کرے گی...... زیادہ سے زیادہ ہمارا ایک آدمی
جائے گا لیکن اس کے بعد شاہ صاحب...... پورے شاہ پور میں تمہارے کڑیل جوانوں کا سو
منایا جائے گا۔"

"دیکھ اپنی گندی زبان سے یہ بکواس مت کر...... پیسے تجھے مل جائیں گے، وقت بتا"

"شام پانچ بجے۔"

پہنچ جاؤں گا...... بچے کب ملیں گے؟"

"پارک سے لے کر جانا۔"

"کوئی بدعہدی تو نہیں ہو گی؟"

"بدعہدی صرف بدعہدی کے جواب میں ہو گی۔"

"ٹھیک ہے جوہر خان، ٹھیک ہے۔" امیر علی شاہ نے کہا اور دوسری طرف سے
بے جان ہو گئی۔ امیر علی شاہ بہت دیر تک ریسیور ہاتھ میں لئے بیٹھا رہا۔

شہاب فون بند کر کے کھانسنے لگا...... اس نے بڑی عمدگی سے جوہر خان کی آواز کی نقل کی تھی۔ یہ کام وہ اپنے کسی اور آدمی سے نہیں لے سکتا تھا۔ اس لئے اس نے جوہر خان کو اپنی تحویل میں لے لیا تھا اور اس پر کام کیا تھا...... ویسے جوہر خان اب ایک مستحکم حیثیت سے سامنے آیا تھا...... اس کام سے فارغ ہو کر جب وہ جوہر خان کے پاس پہنچا تو وہ زمین پر دوزانوں بیٹھا نماز پڑھ رہا تھا...... شہاب خاموشی سے بیٹھ گیا...... تب جوہر خان جھینپے ہوئے انداز میں کھڑا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

"سوری جوہر خان...... تمہیں کچھ دیر کے بعد جائے نماز مل جائے گی اور وضو وغیرہ کے لئے لوٹا بھی۔"

"صاحب...... مجھے نماز نہیں آتی مگر اب دل چاہتا ہے...... یہ تو بس ایسے ہی اللہ کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔"

"تھوڑے بہت پڑھے لکھے ہو؟"

"نہیں صاحب۔"

"نماز کی کتاب لادی جائے تو پڑھ سکو گے؟"

"نہیں پڑھ سکوں گا۔"

"خیر اس کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔ ویسے بھی میں تمہیں زیادہ دن یہاں نہیں رکھوں گا۔"

"نہیں صاحب...... اب میرے دل میں کہیں جانے کی آرزو نہیں ہے...... تھوڑے عرصہ میں آپ کو میرے اوپر اعتبار ہو جائے گا...... مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے...... مجھے بڑے دروازے کا چوکیدار بنا دینا۔"

شہاب عجیب سی نظروں سے اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"تمہارے اہل خاندان کہاں ہیں؟"

"میں کسی خاندان کا اہل ہی نہیں تھا صاحب۔ اسی لئے اللہ نے مجھے اس سے محروم کر رکھا۔"

"کیا مطلب؟"

"آزاد علاقے میں کہیں پیدا ہوا تھا، ہوش سنبھالنے کے بعد پتا چلا کہ ماں باپ کی کسی

سے دشمنی تھی۔ اس دشمنی میں مارے گئے۔ مجھے بچپن ہی میں شاہ پور لے آیا گیا تھا۔"

"کون لایا تھا؟"

"امیر شاہ کے والد توقیر شاہ پھر شاہ پور میں ہی میری پرورش ہوئی اور امیر علی شاہ نے مجھے اپنا کتا بنا لیا...... بس صاحب اتنی عقل ہی نہ تھی اس کے اشاروں پر دم ہلاتے رہتے کہتا رہا کرتے رہے اور اپنی دنیا اور عاقبت خراب کرلی۔ کیا ملا صاحب ہمیں۔"

"جوہر خان، غیاث بیگ کی بیٹی سے تمہارا نکاح ہوا تھا۔"

"ہاں صاحب۔"

"وہ تمہارے ساتھ مکمل بیوی کی حیثیت سے رہی ہے؟"

"ہاں صاحب آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی انسانیت ہی نہیں تھی ہمارے دل میں۔"

"کیا مطلب؟"

"سارا کیس یہی تھا صاحب۔ رحمان شاہ اور وہ محبت کرتے تھے...... یہ زبردستی نکاح تھا۔"

"اس کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا تھا؟"

"وہی جو بکری کا قصائی کے ساتھ ہوتا ہے وہ تو مظلوم اور پسے ہوئے لوگ بیچارے۔"

"جوہر خان، کیا تم اسے طلاق دے سکتے ہو؟"

"جی؟" جوہر خان چونک پڑا۔

"تم نیکیاں کرنے پر اترے ہو، اس لئے میں یہ بات کہہ رہا ہوں...... تمہیں معلوم ہے کہ وہ رحمان شاہ سے محبت کرتی ہے۔" جوہر خان سوچ میں ڈوب گیا پھر بولا۔

"اب تو صاحب زندگی کا رخ ہی بدل گیا ہے وہ اگر چاہے تو ابھی، اسی وقت ہم طلاق دے دیں مگر صاحب اس سے اس بے چاری کو اب کیا فائدہ ہوگا۔"

"کیوں؟"

"امیر علی شاہ نے اپنے بیٹے کو بھی تو پاگل خانے میں داخل کر دیا ہے...... بے پاگل نہیں ہے اور یہ بھی افسوس کی بات ہے اگر وہ سچ مچ پاگل ہوتا تو اسے قبول کر لیتا۔"

"نہیں جوہر خان وہ دونوں ایک دوسرے سے سچی محبت کرتے ہیں۔"

"تو پھر؟"

"رحمان علی شاہ اسے اب بھی قبول کرلے گا۔"

"مرد کے لئے مشکل ہے صاحب یا پھر ہمیں سچی محبت کا کوئی تجربہ نہیں ہے ویسے صاحب۔ آپ کو اگر اس کی ذرا بھی امید ہو تو آج ہی ہم سے طلاق کے کاغذات پر انگوٹھا لگوالو تاکہ اس بے چاری کے عدت کے دن شروع ہو جائیں اور انہیں ایک ہونے میں زیادہ وقت نہ صرف کرنا پڑے لیکن آپ خود جانتے ہو یہ مشکل ہے۔"

"کیوں؟"

"امیر علی شاہ ایسا ہونے نہیں دے گا۔"

"امیر علی شاہ۔" شہاب نے گہری سانس لے کر کہا پھر بولا۔ "تمہارا دل اللہ کی طرف رجوع ہوا ہے جوہر خان تو تمہیں اور بھی بہت کچھ کرنا ہوگا۔"

"کیا صاحب؟"

"ممکن ہے تمہیں امیر علی شاہ کے کرتوتوں کی عدالت میں گواہی دینا پڑے۔"

"دیں گے صاحب...... خدا کی قسم دیں گے وہ سارے ثبوت دیں گے اس کے خلاف جو ہمارے پاس ہیں...... اس کے علاوہ صاحب آپ کچھ نام یاد کرلو...... یہ شاہ پور کے لوگ، وہ لوگ جو سچے اور دین دار لوگ ہیں وہ امیر شاہ کے خلاف گواہی دیں گے...... اس نے غیاث بیگ کا سارا مال و اسباب، زمینیں ضبط کرلی ہیں سب کچھ اس سے نکلواؤ صاحب، ہم اس کی تفصیل بتائیں گے۔"

"اللہ ضرور تمہارے گناہ معاف کردے گا جوہر خان...... ایک برے شخص کو کیفر کردار تک پہنچانے کا بھی ثواب ملے گا تمہیں اور بہت سے لوگ جو آئندہ اس کے ظلم کا شکار ہونے والے تھے وہ بھی بچ جائیں گے۔"

"کاش ایسا ہو سکے صاحب۔" جوہر خان رونے لگا۔

شہاب بعد میں بھی دیر تک اس سے باتیں کرتا رہا تھا...... اس نے جوہر خان سے اور بھی بہت کچھ معلوم کیا تھا پھر وہ اس کے پاس سے اٹھ گیا تھا۔

❋

پچاس لاکھ روپے حقیقتاً امیر علی شاہ کے لئے بڑی حیثیت نہیں رکھتے تھے...... اصل

اذیت اسے اس بات کی تھی کہ یہ رقم ایسے شخص کو دینی پڑ رہی تھی جو اس کا کتا تھا، جسے اس نے اس سے زیادہ حیثیت کبھی نہیں دی تھی۔

لیکن مقدر بگڑ گیا تھا وہ ہو رہا تھا جو کبھی نہیں ہوا تھا اگر کوئی بڑا آدمی اس کے مقابل آ اور قوت کا مظاہرہ کرتا تو وہ اپنی قوتوں کو بھی آزماتا لیکن یہاں تو گھر کی بلی نے مونچھ پکڑ تھی...... بہر حال بچوں کے لئے زندگی کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا...... اس لئے تنہا آیا اور پوری رقم لایا تھا۔

متعین کردہ جگہ سنسان پڑی ہوئی تھی۔ دور، دور تک کسی کا پتا نہیں تھا...... امیر علی شاہ پجارو بھی خود ڈرائیو کر کے لایا تھا...... یہ وہی پجارو تھی جسے فیاض علی شاہ ہمراہ لائے تھے۔

آج ہی اسے محکمہ پولیس کے ٹریفک ڈیپارٹمنٹ نے امیر علی شاہ کے پاس پہنچایا تھا...... اسے شادی ہال کے سامنے لاوارث کھڑی دیکھ کر کسی نے پولیس کو خبر کی تھی اور پولیس والوں نے رجسٹریشن آفس سے اس کے بارے میں معلوم کیا تھا پھر جس کے نام پر یہ گاڑی رجسٹرڈ تھی وہ نام جان کر تو پورا ٹریفک ڈیپارٹمنٹ حرکت میں آ گیا تھا اور ہر کوئی اسے شاہ صاحب کے پاس پہنچانے کے لئے مستعد ہو گیا تھا...... امیر علی شاہ نے اسے وصول کرتے ہوئے بے پروائی سے کہا تھا کہ بند ہو گئی تھی اس لئے اسے چھوڑ دیا گیا تھا کہ بعد میں کسی مکینک کو بتا منگوا لیا جائے پھر وہ لوگ بھول گئے تھے۔

"شاہ صاحب۔ آج کل گاڑیوں کے پارٹس وغیرہ نکال لئے جاتے ہیں۔" ٹریفک انسپکٹر نے کہا تھا۔

"او یار اگر کوئی نکال لے جاتا تو اس کا مقدر۔ اتنی گاڑیاں ہیں گھر میں کہ یہ گاڑی یاد ہی نہ رہی۔"

امیر علی شاہ نے دور، دور تک نظریں دوڑائیں...... اچانک اسے ایک ٹوٹی پھوٹی اچھلتی کودتی اسی طرف آتی نظر آئی اور وہ کینہ توز نظروں سے ادھر دیکھنے لگا۔ کچھ دیر کے ایک مجہول سا آدمی نیچے اترا...... اس نے ضرورت سے زیادہ ڈھیلی پتلون پہنی ہوئی تھی بوسیدہ سی قمیض جس کے کف اس کے ہاتھوں سے بہت بڑے تھے، بڑی گندی سی شخصیت مالک تھا، پشت پر اُبھرے ہوئے بڑے سے کوبڑ نے اسے اور بد نما بنا دیا تھا...... پھر وہ لنگڑا چلتا ہوا امیر علی شاہ کے پاس آ گیا۔

"تو یہ ہمارا نام۔" اس نے ناک میں کہا۔

"کیا بات ہے؟"

"پیسے لینے آئے ہیں؟"

"کیسے پیسے؟"

"جو تمہارے پاس ہیں۔"

"کس نے بھیجا ہے تمہیں؟"

"اس نے جس نے تم سے فون پر بات کی تھی۔"

"وہ خود کہاں مر گیا؟"

"پتا نہیں...... اس نے کہا تھا کہ یہاں جمی بھی ہو گا، ٹمی بھی ہو گا، بھولا اور شبو بھی ہوں گے...... ہم نے انہیں دیکھ لیا ہے۔ چھپے ہوئے ہیں بھوتنی کے ہا، ہا، ہا۔" کبڑے نے ہنس کر کہا۔

"کیا بکواس کر رہا ہے؟" امیر علی شاہ دھاڑا۔

"ڈراؤ مت۔ ہمیں تو بس سو روپے ملیں گے وہ دیکھو سب موجود ہیں...... دیکھو ایک وہ رہا، دوسرا وہ رہا، تیسرا وہ رہا، سارے تم پر بندوقوں سے نشانہ لگائے بیٹھے ہیں ہی، ہی، ہی۔" اس نے پھر گندے پیلے دانت نکال دیئے...... امیر علی شاہ نے اس کی انگلیوں کے اشاروں پر چاروں طرف دیکھا...... کہیں، کہیں جھاڑ اُگے ہوئے تھے یہ جھاڑ مٹی کے تودوں پر اُگے ہوئے تھے جو زیادہ اونچے نہیں تھے لیکن ان جھاڑیوں سے باہر نکلی بندوقوں کی نالیاں صاف نظر آ رہی تھیں جن کا نشانہ امیر علی شاہ ہی تھے۔

امیر علی شاہ کے بدن میں سنسنی دوڑ گئی...... اس نے گھٹی، گھٹی آواز میں کہا۔ "میرے لڑکے کہاں ہیں؟"

"پہلے پیسے دکھاؤ۔"

"یہ ہیں پیسے۔" امیر علی شاہ نے جھلاتے ہوئے انداز میں ساتھ لایا ہوا بریف کیس اس کی طرف بڑھا دیا۔

"اس میں بم بھی ہو سکتا ہے...... پہلے کھولو اسے۔" کبڑا پھر دانت نکال کر بولا۔

"اوہ...... یہ دیکھو، یہ دیکھو۔" امیر علی شاہ نے بریف کیس کھول دیا...... ہزار، ہزار کے

نوٹوں کی گڈیاں بھری ہوئی تھیں۔

"گنواؤ انہیں۔" کبڑا مسکراتا ہوا بولا۔

"کیا...... دماغ خراب ہے...... پچاس لاکھ کے نوٹ گنو گے بیٹھ کر...... دیکھ لو پوری پچاس گڈیاں ہیں۔"

کاغذ بھرے ہوئے تھے؟" کبڑے نے کہا اور امیر علی شاہ کے منہ سے گالی نکل گئی جس پر کبڑا بگڑ گیا۔

"گالی مت دو، میں بھی دوں گا، تو مجھے کیا ملے گا صرف سو روپے اور گالی الگ سنو۔"

"کوئی بھی گڈی کھول کر دیکھ لے مردود، رقم پوری ہے۔"

"مردود مت کہو۔ اشارہ کروں گا، گولیاں چل جائیں گی۔" کبڑا بولا اور امیر علی شاہ بوکھلا گیا، پھر کئی گڈیاں درمیان سے کھول کر دیکھی گئیں جنہیں کبڑے نے بریف کیس سے نکالا تھا...... تب کبڑے کو اطمینان ہوا اور اس نے بریف کیس بند کر کے قبضے میں لے لیا۔

"بچے کہاں ہیں میرے۔" وہ خونخوار لہجے میں بولا۔

"گاڑی میں پڑے ہیں...... نکال لو خود۔" کبڑا بولا اور امیر علی شاہ کا منہ حیرت سے کھل گیا پھر وہ بے اختیار ہو کر وین کی طرف دوڑا...... اس نے خود ہی وین کا پچھلا دروازہ کھولا تھا...... اندر فیاض علی شاہ، شاد اور گلزار موجود تھے...... وہ ہوش میں تھے لیکن ان کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے...... پاؤں بھی بندھے ہوئے تھے منہ میں حلق تک کپڑے ٹھونسے ہوئے تھے۔ "انہیں کھولو۔" امیر علی شاہ بے قرار ہو کر چیخا۔

"میں کیوں کھولوں...... میرا جتنا کام ہے وہی کروں گا...... ارے ہاں میں کوئی تمہارا نوکر ہوں اور ہاں سنو۔" کبڑے نے اچانک رازداری سے کہا۔

"کیا ہے؟"

"گالی مت دینا...... یوں کرو، تم ایک کو کھول دو وہ دوسروں کو کھول دے گا۔"

امیر علی شاہ پر اتنا برا وقت کبھی نہیں آیا تھا...... بڑی مشکل سے شاد علی کی رسیاں کھلی تھیں اور پھر اس نے دوسرے بھائیوں کو کھولا تھا...... تینوں برے حال میں تھے اور نڈھال نظر آ رہے تھے...... امیر علی شاہ انہیں لے کر پجارو کی طرف بڑھ گیا، پھر اس نے خود پجارو کا اسٹیئرنگ سنبھالا تھا اور گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

کبڑا دیر تک پجارو کو جاتا دیکھتا رہا پھر اس نے بریف کیس سنبھالا اور مٹی کے ان جھاڑیوں بھرے تودوں کی طرف بڑھ گیا...... اس نے جھاڑیوں میں اڑے ہوئے لوہے کے پائپ گھسیٹے جو دور سے بندوقوں کی نال معلوم ہو رہے تھے۔ تمام پائپ جمع کر کے وہ واپس وین کے پاس پہنچا...... پائپ اندر پھینکے پھر چہرے سے ماسک اتار دی۔ قمیض اتار کر کمر سے ربڑ کا کوبڑ اتار کر اسے بھی اندر پھینکا اور دروازہ بند کر دیا...... اس کے بعد وہ بریف کیس سنبھال کر وین کے اسٹیئرنگ پر آ بیٹھا اور سیلف لگا کر اسے اسٹارٹ کر دیا۔

فون بینا نے ریسیو کیا تھا اور دوسری طرف سے شہاب کی آواز سن کر اس کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔ "یس سر۔"

"بینا، واسطی صاحب موجود ہیں؟"

"نہیں سر کورٹ گئے ہوئے ہیں۔"

"واپسی دو بجے کے بعد ہو گی؟"

"پتا نہیں سر، ان کی ضرورت ہے؟"

"ہاں۔"

"فکر ہی نہ کریں...... بس دو ضمانتیں کرانی ہیں...... میں ابھی چلی جاتی ہوں...... ایک گھنٹے کے بعد ہم آفس پہنچ جائیں گے یا جہاں بھی آپ کہیں۔"

"نہیں...... میں کورٹ پہنچ جاتا ہوں...... انہیں تلاش کر لوں گا...... ہم دونوں آفس جا رہے ہیں۔"

"آپ جیسے پسند کریں سر۔"

"اوکے...... ذرا چائے وغیرہ کی تیاری کراؤ۔" دوسری طرف سے فون بند ہو گیا...... بینا نے بھی ریسیور رکھ دیا...... اس کے ہونٹوں پر ایک دلکش مسکراہٹ کھیلنے لگی تھی...... نگاہوں میں شہاب کا چہرہ آ گیا تھا...... دلکش خطوط، توانا جسم، انداز گفتگو دل موہ لینے والا...... کتنا بڑا انسان ہے وہ، سمندر سے زیادہ گہرا...... اپنے دل میں نہ جانے کیا، کیا چھپائے ہوئے اس کی باتوں کا ایک، ایک لفظ یاد آنے لگا...... وہ، وہ اسے اتنا بڑا مقام دیتا ہے...... اس نے اسے اپنا رازدار بنا لیا ہے، اتنا گہرا رازدار...... ایک انوکھی لہر دل میں اٹھی اور وہ گھبرا کر چاروں طرف

دیکھنے لگی۔

شہاب اور عدنان واسطی ساتھ، ساتھ داخل ہوئے تھے۔

"ہیلو مس بینا۔" شہاب نے کہا۔

"ہیلو سر۔"

"ہم نے راستے میں کوئی گفتگو نہیں کی صرف اس لئے کہ سب کچھ آپ کے علم میں ہو...... ہاں چائے کی کیا پوزیشن ہے؟"

"چائے بس آرہی ہے سر۔" بینا نے کہا...... چائے کے چند گھونٹ لینے کے بعد شہاب نے کہا۔

"جی واسطی صاحب...... اب میں تفصیلی رپورٹ آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں...... کیفیت یہ ہے کہ اس وقت ایاز بیگ اور رحمان علی شاہ، امیر علی شاہ کی حویلی کے ایک تہہ خانے میں محبوس ہیں...... جوہر خان ہمارے قبضے میں ہے۔ ان لوگوں کی فہرست میرے پاس ہے جو امیر علی شاہ کے خلاف گواہی دے سکتے ہیں۔ فی الحال ہم غیاث بیگ کی درخواست پر ایف آئی آر کاٹ سکتے ہیں...... یہ ایف آئی آر آپ غیاث بیگ، اس کی بیوی اور بیٹی کی طرف سے لکھوا سکتے ہیں...... میں اس کی بنا پر شاہ پور میں چھاپہ ماروں گا اور امیر علی شاہ کے ساتھ اس کے جرم میں شریک اس کے تینوں بیٹوں کو گرفتار کرلوں گا جبکہ چوتھا بیٹا امیر علی شاہ کے دوسرے جرم کا مدعی ہوگا اور اپنی ایف آئی آر الگ لکھوائے گا۔"

"اسے گرفتار کرو گے؟" واسطی صاحب بولے۔

"ایسے مجرم کو گرفتار تو ہونا چاہئے جبکہ ایاز بیگ اس کی قید سے برآمد ہوگا۔"

"بہت بڑا کام ہوگا شہاب میاں۔"

"تو یہ بڑا کام کریں گے۔" شہاب مسکرا کر بولا۔

"بعد کے حالات ذہن میں ہیں؟"

"آپ پریشان ہیں۔"

"بخدا نہیں...... بس یونہی سوچنے لگا تھا۔ لوگ گواہی دیں گے اس کے خلاف۔"

"نہ دیں...... غیاث بیگ تو گواہی دے گا وہ مدعی ہے۔"

"جوہر خان گواہی دے گا؟"

"نہیں...... میں اسے الگ رکھنا چاہتا ہوں یا پھر یہ کیس کے رخ پر دیکھیں گے جو صورت حال ہوئی اسے کس کیس سے نکالنا ہے۔"

"اسے بچانا چاہتے ہو؟" واسطی صاحب بولے۔

"سو فیصد۔"

"آسان سی بات ہے...... اسے سلطانی گواہ بنالیا جائے گا۔ ہم بتادیں گے کہ غیاث بیگ تو بھی امیر علی شاہ کے خلاف زبان کھولنے کی جرات نہ کرتا لیکن جوہر خان کا ضمیر ہی جاگا اور اس نے برائی کے خاتمے کے لئے بیڑا اٹھالیا اسی کے ہمت دلانے پر غیاث بیگ کی ہمت بندھی۔"

"ویری گڈ...... یہ ہیں استادی کے گر اور اسے تجربہ کہتے ہیں...... بخدا یہ بات میرے ذہن میں نہیں آئی تھی۔"

"شکریہ بیٹے...... ویسے غیاث بیگ کو تحفظ درکار ہوگا۔"

"اس کی طرف سے زندگی کے خطرے کی درخواست بھی لے لیں گے۔"

"یہ کافی نہ ہوگا...... بات ایک اژدھے کی ہے۔" واسطی صاحب متفکر لہجے میں بولے۔

"ہم خود اس کے لئے ایسی رہائش گاہ کا بندوبست کریں گے کہ امیر علی شاہ کے آدمی اسے تلاش نہ کرسکیں۔"

"تو یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے...... آپ اپنے مدعی کی طرف سے پولیس کے لئے درخواست تیار کرلیں...... میں اور بینا جاکر ان لوگوں کو لے آتے ہیں...... یہاں انہیں بریف کردیں گے اس کے بعد آپ انہیں لے کر میرے تھانے آجائیے۔"

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ انہیں تھانے سے واپس اس گھر میں نہیں لے جانا چاہئے اور اس کے لئے ایک ذریعہ ہے میرے پاس۔" واسطی صاحب نے کہا۔

"کیا؟"

"میرے ایک عزیز کا گھر ہے، بالکل غیر متعلق اور شریف لوگ ہیں...... غریب ہیں ہم انہیں خرچ دے دیں گے خوشی سے رکھ لیں گے...... ایک بزرگ خاتون ہیں، دو نوجوان لڑکیاں جو ملازمت کرتی ہیں...... چھوٹا سا گھر ہے ایک کمرہ انہیں دلوا دیں گے بے فکر رہو وہ نہایت موزوں جگہ ہے کسی کا خیال بھی ادھر نہیں جائے گا۔"

"بہتر ہے...... ہم چلتے ہیں، چلیں مس بینا۔"

"جی سر۔" بینا نے اجازت طلب نگاہوں سے باپ کو دیکھا تو واسطی صاحب نے کہا

"ٹھیک ہے تم لوگ جاؤ...... میں درخواست تیار کرتا ہوں۔"

راستے میں شہاب نے بینا کو جوہر خان سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتایا اور بینا بھی بہت متاثر ہو گئی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"سر خدا کرے یہ سب کچھ اسی طرح انجام پا جائے جس طرح ہم نے سوچا ہے، حالانکہ آپ یقین کریں سوچ، سوچ کر میرا ابھی دل کانپ جاتا ہے...... مقابل واقعی اژدھا ہے۔"

"فکر مت کرو بینا...... ویسے تمہیں ایک خوشخبری بھی دینا چاہتا ہوں۔"

"کیا سر؟"

"تمہارے اکاؤنٹ میں اب سات لاکھ روپے ہو گئے ہیں...... پانچ لاکھ روپے کا اضافہ مبارک ہو۔" بینا خاموش ہو گئی۔ کافی دیر کے بعد اس نے کہا۔

"سر وہ کام ہو گیا؟"

"ہاں۔"

"خدا کی پناہ اور آپ نے اس سے گھٹنے ٹکوا لئے لیکن سر ایک بات کہوں...... میں اس دولت کا کیا کروں گی...... ایک جرم کا اعتراف کرنا چاہتی ہوں سر آپ مائنڈ تو نہیں کریں گے۔"

"نہیں۔"

"میں آپ کے پہلے دیئے ہوئے روپیوں کے بارے میں آج تک ابو کو بتانے کی ہمت نہیں کر سکی...... میری سمجھ میں نہیں آتا نہیں کیسے بتاؤں۔"

"نہیں، نہیں یہ سب کچھ چھپانا مناسب نہیں ہوگا...... ابھی کچھ وقت خاموشی اختیار کرو...... اس کے بعد تم واسطی صاحب کو میرا موقف بتا دینا میں اجازت دے رہا ہوں۔"

"اور سر اگر؟"

"دیکھ لیں گے بینا...... کچھ کریں گے۔"

"او کے سر؟" بینا نے ٹھنڈی متفکر سانس لے کر کہا۔

غیاث بیگ نے خود ہی دروازہ کھولا تھا وہ بیمار تھا اور کراہ رہا تھا...... اس نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ "ارے معاف کر دو ہمیں بھائی، معاف کر دو مرنے دو بھیا ہمیں، اللہ نے جس طرح ہماری موت لکھی ہے اسی طرح مر جانے دو ہمیں۔"

"غیاث بیگ صاحب...... کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ، آپ کا نوجوان بیٹا آپ کی طرف دیکھ رہا ہے۔"

"ارے چھوڑو بھیا...... ارے اب تو اس کی ہڈیوں کا گوشت گل رہا ہوگا، ارے پتا نہیں ظالموں نے اسے خبر بھی دی یا نہیں...... ہمیں معاف کر دو...... ہماری ہمت ٹوٹ چکی ہے۔"

"آپ کا دماغ خراب ہے غیاث صاحب...... کیا فضول باتیں کر رہے ہیں۔" شہاب کو غصہ آ گیا۔

"اندر آ جاؤ، اندر آ کر جوتے مار لو بھائی۔ ہم سے اللہ ہی ناراض ہے...... جس کا دل چاہے مار لو بھائی کلیجہ ٹھنڈا کر لو...... شکر ہے تیرا معبود۔"

"آپ سمجھتے کیوں نہیں ہیں غیاث صاحب۔ ہم نے آپ کے لئے بڑی محنت کی ہے۔" شہاب نے کہا۔

"یہ دو کمبخت زندہ ہیں...... انہیں نہیں مارنا چاہتے ہم...... بھیا وہ انہیں بھی مار دیں گے...... ہمیں لینے آئے تھے پر نہ جانے کون آ گیا...... اس وقت تو اللہ نے بچا لیا...... یار، بار کیسے بچیں گے...... بھیا تم ہی بتاؤ۔"

"ہمت کریں...... اللہ ہی بچانے والا ہے...... ہم آپ کے ساتھ ہیں۔" بینا نے ناہید کو سمجھایا...... بیگم غیاث کو سمجھایا اور بڑی مشکل سے یہ لوگ ان کے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہوئے...... غیاث بیگ کو اس واقعے کے بعد ہی خوف سے بخار آ گیا تھا...... عورتوں کی حالت بھی خراب تھی...... اصل بات تو ان بے چاروں کو معلوم نہیں تھی لیکن انہیں کچھ بتایا بھی نہیں جا سکتا تھا...... بہرحال انہیں عدنان واسطی کے آفس لایا گیا...... واسطی صاحب نے بڑی محبت سے ان کا استقبال کیا تھا۔

"غیاث بیگ صاحب میں آپ کا وکیل ہوں...... آپ کی طرف سے میں نے اپنی وساطت اور وکالت میں پولیس افسر صاحب کے نام درخواست لکھی ہے جس میں تمام کوائف درج ہیں جو میں آپ کو پڑھ کر سنائے دیتا ہوں...... آپ یہ درخواست پولیس اسٹیشن کو دے کر ایف آئی آر کٹوائیں گے اور افسر اعلیٰ اس پر کارروائی کریں گے۔"

"مگر وکیل صاحب...... ہماری اوقات پتا ہے آپ کو؟ کیا ملے گا آپ کو ہماری وکالت کر کے؟"

"کیا درخواست ہے؟" غیاث بیگ نے پوچھا اور واسطی صاحب اسے درخواست سنانے لگے...... غیاث بیگ نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا اس درخواست میں نہایت چابک دستی سے شروع سے آخر تک کی تفصیل لکھی گئی تھی۔

"کتے کی موت مارے جائیں گے بھائی...... ہم سب...... لکھ لو۔"

"کتے کی موت مارا جائے گا امیر علی شاہ...... سمجھے آپ اور پھر کیا آپ کو ایاز بیگ کی زندگی نہیں چاہئے۔" غیاث بیگ رونے لگا تھا...... اس نے روتے ہوئے کہا۔

"ایک بار یہ یقین دلا دو کہ وہ زندہ ہے...... سولی پر لٹکنے کے لئے تیار ہوں میں۔"

"اس پر دستخط کیجئے۔" واسطی صاحب نے کہا اور غیاث بیگ نے دستخط کر دیئے۔ دوسری درخواست ناہید کی طرف سے تھی، جس میں اس نے اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی اور جبری نکاح کی تفصیل کے ساتھ بتایا تھا کہ اس کا زبردستی کا شوہر بھی اب غائب ہو گیا ہے...... ناہید کے دستخط کے بعد یہ کام مکمل ہو گیا...... عدنان واسطی نے کہا۔

"غیاث بیگ صاحب...... آپ دیندار انسان ہیں...... اللہ پر مکمل بھروسا رکھئے انشاء اللہ آپ کا بیٹا زندہ سلامت آپ تک پہنچے گا اور آپ کو تمام حقوق ملیں گے...... میں آپ کا وکیل ہوں...... آپ کو بہت جلد امیر علی شاہ کے خلاف میری وکالت میں عدالت میں پیش ہونا ہو گا اس کے لئے خود کو تیار رکھیں...... آپ کے لئے ایک اور رہائش گاہ کا انتظام کیا گیا ہے جہاں آپ کو تمام سہولتیں حاصل ہوں گی۔ آپ مکمل حوصلے سے کام لیں۔ غیاث بیگ نے گردن جھکا دی تھی۔

❁❁❁

امیر علی شاہ تینوں بیٹوں کے ساتھ شاہ پور پہنچ گیا...... اس پر بار بار دیوانگی طاری ہونے لگتی تھی نہ جانے کس طرح وہ خود پر قابو پائے ہوئے تھا۔ اس پورے سلسلے میں اس نے کسی کو رازدار نہیں بنایا تھا...... حویلی پہنچ کر اس نے بیٹوں سے کہا۔

"جاؤ تم لوگ اپنا حلیہ ٹھیک کرو...... جاؤ میرے جیالے بیٹو۔ تمہاری شکل پر بارہ بج رہے ہیں۔"

رات کو اس نے تینوں کو دوبارہ طلب کر لیا تھا پھر اس نے طنزیہ نظروں سے انہیں دیکھ کر کہا۔ "سناؤ چوہو...... جال میں کیسے پھنسے تھے...... تم لوگ تو غیاث بیگ کو لینے گئے تھے؟"

"ہم اسے لا رہے تھے بابا جانی مگر وہ مسلح نقاب پوش، اسلحے کے بل پر ہمیں اغوا کر کے لے گئے۔"

"کہاں رکھا انہوں نے تمہیں؟"

"عجیب سی جگہ تھی بابا جانی۔"

"کوئی اتا پتا اس کا؟"

"نہیں بابا جانی وہ کم بخت بہت چالاک تھے۔"

"تو تم نے انہیں کوس، کوس کر کیوں نہ مار ڈالا بہادرو...... یا انہوں نے تمہارا منہ بھی بند کر دیا تھا۔" امیر علی شاہ نے تمسخرانہ کہا۔

"بابا جانی ہم پر طنز بیکار ہے۔ ہم تو سب کچھ آپ کی ہدایت کے مطابق کر رہے تھے۔"

"اوئے تم اغوا بھی میری ہدایت پر ہی ہوئے تھے۔ کمال کرتے ہو بھئی۔ بڑے سعادت مند بچے ہو۔ او جاؤ آرام کرو، تم لوگوں کو کیا تکلیف دینا...... میں خود ہی کچھ کروں گا۔"

"آپ اس جھگڑے کو ختم کیوں نہیں کر دیتے بابا جانی۔"

"کیسے میرے لعل، بولو کیسے ختم کروں...... کوئی مشورہ دو مجھے...... او تمہاری تیز دینی پڑی ہے مجھے...... پچاس لاکھ روپے میں خریدا ہے میں نے تمہیں۔"

"کس سے بابا جانی؟" فیاض علی حیرت سے بولا۔

"جوہر خان سے سمجھے جوہر خان سے۔" تینوں بیٹوں کے چہروں پر حیرت کے نقوش دیکھ کر امیر شاہ نے انہیں پوری صورت حال بتائی پھر بولا۔ "اوئے دیکھ لینا میں جوہر خان اور اس کے ہمدردوں کو، سارا قانون نکال دیتا میں اس کا مگر کیا کروں تم چوہوں کی طرح اس چوہے دان میں جا پھنسے تھے۔"

لڑکے کچھ دیر خاموش رہے پھر فیاض شاہ نے کہا۔ "آپ کا ہی پالتو تھا وہ...... آپ کہتے تھے کہ وہ آپ کا وفادار کتا ہے۔"

"کتا پاگل ہو گیا ہے...... ٹھیک ہے گولی ماردی جائے گی اسے، اب اس کی زندگی خطرہ ہے...... تم لوگ جاؤ...... مجھے کچھ سوچنا پڑے گا...... پچاس لاکھ روپے میرے جوتے کا میل مگر جوہر خان......" امیر علی خان خاموش ہو گیا...... کچھ دیر خاموش رہ کر اس نے کہا۔

"جاؤ تم لوگ آرام کرو اور خیر خان اور گل باز کو بھیج دو۔" تینوں بھائی اٹھ گئے تھے ان کے جانے کے بعد امیر علی دیر تک سوچ میں بیٹھا رہا پھر گل باز خان اور خیر خان آئے تھے۔ انہیں بیٹھنے کا اشارہ کر کے امیر شاہ نے کہا۔

"کیسا حال ہے تم لوگوں کا؟"

"ٹھیک ہے شاہ جی۔" دونوں بولے۔

"تمہارے یار نے تو دولت کمالی ہم سے بھئی۔" امیر شاہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ دونوں ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے پھر امیر شاہ نے انہیں بھی پوری کہانی سنا دی وہ حیران رہ گئے...... تب امیر شاہ نے ہنس کر کہا۔ "او تم بھی اپنا پروگرام بتا دو، تمہیں کچھ چاہئے۔"

"ہم سے پوچھتے ہو شاہ جی؟" گل باز خان بولا۔

"ہاں بھئی...... تمہیں بھی اپنے مستقبل کا خیال ہو گا۔"

"جوہر خان کا بدلہ ہم سے مت لو شاہ جی...... یہ ساری گالیاں اسے دو ہمارا کیا قصور ہے۔"

"میں اسے گالی نہیں دوں گا گل باز خان...... موت دوں گا اسے، موت، جو دولت اس نے عیش کے لئے مجھ سے نمک حرامی کر کے حاصل کی ہے وہ اسے قتل کر کے اس کی لاش کے ساتھ قبر میں دفن کروں گا...... یہ میرا عزم ہے۔ پچاس لاکھ میرے جوتے کی گرد ہے...... تم لوگوں کو جب بھی ضرورت ہو مجھ سے مانگ لینا...... او میں نے تمہاری وفاداری پر فخر کیا ہے ہمیشہ۔"

"آپ جوہر خان کے معاملے کو ہم پر چھوڑ دو شاہ جی...... ہمیں اس کے کچھ ٹھکانے معلوم ہیں...... ہم اسے تلاش کر کے آپ کے سامنے پیش کریں گے۔"

"ایسے نہیں خیر خان...... میرے دماغ میں ایک منصوبہ ہے...... برا مت ماننا...... دشمن کو پھانسنے کے لئے جال لگایا جاتا ہے...... میں نے ایک جال تیار کر لیا ہے اس کے لئے۔"

"بتاؤ شاہ جی۔"

"تم لوگ کچھ دولت لے کر فرار ہو جاؤ...... دو چار لاکھ روپے میں تمہیں دے دوں گا...... یہ رقم لے کر نکل جاؤ...... میں اخبار میں خبر دے دوں گا کہ میرے دو ملازم چوری کر کے بھاگ گئے...... بے فکر رہنا پولیس تم سے کچھ نہیں کہے گی، پھر تم جوہر خان کو تلاش کرنا وہ مل جائے تو اس سے کہنا کہ تم نے بھی اپنا حصہ وصول کر لیا...... کیا سمجھے...... اس کے بعد تم جوہر خان کے بارے میں مجھے خبر دینا۔"

خیر خان اور گل باز خان نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر گل باز خان نے کہا۔ "ٹھیک شاہ جی...... آپ کے لئے ہم چور بننے کو بھی تیار ہیں۔" اس منصوبے کے ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد گل باز خان اور خیر خان کو جانے کی اجازت مل گئی۔ کافی دور نکلنے کے بعد گل باز نے خیر خان سے کہا۔

"خیر خان...... کیا واقعی ہماری تقدیر کے ستارے چمکنے والے ہیں؟"

"لگتا تو ایسا ہی ہے گل خان...... زیادہ چالاک آدمی جب مصیبت میں پڑ جاتا ہے تو ایسے ہی پڑتا ہے...... اس کے بیٹے اس سے نالاں ہیں جوہر خان کام دکھا گیا اور ہم، ہم سے بھی اس نے کون سے نیک کام لئے ہیں، آج تک ساری زندگی اس کے لئے برے کام کرتے رہے...... پہلی بار اپنے لئے ایک برا کام کریں گے۔"

"اور خدا کرے وہ جلدی اپنا منصوبہ پورا کرے...... مجھے تو نیند نہیں آئے گی آج۔"

دونوں ہنسنے لگے تھے۔

❁

شہاب نے ڈبل او گینگ سے رابطہ قائم کیا اور دوسری طرف سے سردار علی نے اپنا
پیغام ریسیو کیا۔ "سی۔ پی کنٹرول ریسیونگ۔"

"سردار علی...... تمام لوگوں کو اکٹھا کرلو...... مسلح ہو کر شاہ پور روانہ ہو جاؤ...... رات
وہیں قیام کرنا ہے۔ ٹارگٹ امیر شاہ کی حویلی ہو گی۔"

"یس سر۔"

"رات کے تیسرے پہر میں جب وہاں ٹیلی فون کے استعمال کا امکان نہ رہے تو حویلی
کے فون کیبل کاٹ دو...... مین لائن تلاش کرلو تو بہتر ہے تاکہ ایک جگہ سے سارے فون بند
ہو سکیں...... کل دن میں وہاں پولیس ریڈ ہو گا اور گرفتاریاں ہوں گی...... پولیس پارٹی امیر شاہ
کو لے کر آئے گی۔ اس علاقے میں اس کے اثرات ہیں۔ ممکن ہے راستے میں پولیس کو
ڈسٹرب کیا جائے اگر ایسی کوئی کوشش ہو تو تم ڈسٹرب کرنے والوں کے خلاف ضرورت پڑنے پر
ہر کارروائی کر سکتے ہو...... ہوشیار رہنا ہے۔"

"بہتر ہے سر؟"

"اس بارے میں کوئی سوال؟"

"نہیں سر...... پیغام مکمل ہے۔"

"او کے......" شہاب نے فون بند کر دیا...... کچھ دیر کے بعد اس نے ٹرانسمیٹر پر رحمان
شاہ کو مخاطب کیا وہ بھی بہتر پوزیشن میں تھا...... فوراً ہی کال ریسیو کی تھی۔

"ہیلو رحمان شاہ؟"

"بول رہا ہوں سر؟"

"کس حال میں ہو؟"

"حسب معمول سر؟"

"ایاز بیگ کی کیا کیفیت ہے؟"

"وہ یہاں بدستور ہے سر...... دو چار بار میرے پاس آچکا ہے لیکن میں نے
بات نہیں کی...... میں اپنے باپ اور بھائیوں سے اچھی طرح واقف ہوں۔"

"گڈ...... کھیل ختم ہونے والا ہے رحمان شاہ...... اب تم مجھے اس قید خانے کے بارے
میں پوری تفصیل بتاؤ بالکل صحیح راستوں سے آگاہ کرو۔"

"سر میں نے ان تہہ خانوں کی پوری تفصیل معلوم کرلی ہے...... حویلی میں چوبرجی سے
نیچے آنے کا راستہ...... بڑے خفیہ تہہ خانے ہیں...... رحمان شاہ راستوں کی تفصیل بتانے لگا
اور شہاب نے اسے محتاط رہنے کا مشورہ دے کر سلسلہ منقطع کر دیا...... اس نے اپنے کام تقریباً
مکمل کر لئے تھے...... ہیڈ کوارٹر سے پولیس کی نفری طلب کر لی تھی جو خاص استحقاق کے تحت
کسی اہم کام کرنے کے لئے طلب کی جاسکتی تھی۔ دو خصوصی اسسٹنٹ لئے تھے...... گل زمان
تھا جسے ابھی کوئی بات نہیں بتائی گئی تھی...... پولیس کے دو ٹرک اور دو جیپیں ہر طرح سے
لیس اسے حاصل ہو گئی تھیں۔

پھر علی الصباح وہ اپنے مشن پر روانہ ہو گیا...... راستے میں گل زمان نے پوچھا۔ "وہ
سر جی...... کوئی خاص مجرم پکڑنے جا رہے ہیں کیا؟"

"ہاں گل زمان۔"

"کون سا کیس ہے سر جی؟"

"وہ ایف آئی آر درج ہوئی تھی نا...... ایک وکیل صاحب اپنے موکل کو لائے تھے۔"

"اوہو، وہ صاحب جی وہ تو بے کار سا کیس تھا صاحب جی بڑے بے کار سے لوگ
تھے...... اس سے کچھ حاصل واصل نہیں ہو گا۔ صاحب جی۔"

"گل زمان، ہر چیز سے تو کچھ حاصل نہیں ہو جاتا وہ بے کار سے لوگ تھے لیکن جن
لوگوں کے خلاف انہوں نے ایف آئی آر درج کروائی ہے وہ بے کار لوگ نہیں ہیں بس تیار
ہو جاؤ، کیا سمجھے؟"

گل زمان، شہاب کی صورت دیکھنے لگا اور پھر اس نے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"او صاحب جی کیا بتاؤں، یہ کھوپڑی بے کار ہو کر رہ گئی ہے۔ بس جی کچھ اوور ہالنگ
الٹی پڑے گی اس کی، معمولی معمولی باتیں بعض اوقات سمجھ میں نہیں آتیں۔" گل زمان
لفٹن ہو گیا...... بہرحال پولیس پارٹی مستعدی سے سفر کرتی ہوئی شاہ پور پہنچ گئی اور پھر
شہاب کے زیر ہدایت حویلی کی ناکہ بندی کر لی گئی اور اسکے بعد شہاب گل زمان اور دونوں
انسپکٹرز اور چند پولیس کے افراد کے ساتھ حویلی میں داخل ہو گیا...... حویلی کے پہرے

داروں نے پولیس کا راستہ روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ البتہ حویلی کے نگران نے انس
شہاب سے سوال کیا تھا۔

"آفیسر صاحب کیا امیر علی شاہ صاحب سے بات کرنی ہے آ جاؤ۔"

شہاب نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا..... امیر علی شاہ صاحب تک اطلاع پہنچ گئی
لیکن اطلاع دینے والوں نے بس اتنا ہی بتایا تھا اسے کہ پولیس آئی ہے امیر علی شاہ چونکہ
دنوں شدید اُلجھنوں کا شکار تھا اس لئے ہر بات سے متاثر ہو جاتا تھا۔ عام حالات میں شاید
پولیس کو کوئی اہمیت نہیں دیتا لیکن اس وقت وہ اپنی رہائش گاہ سے باہر نکل آیا تھا۔ تینوں
بھی ساتھ تھے انسپکٹر شہاب کو اس نے تیکھی نگاہوں سے دیکھا اور اس کے چہرے پر ر
اُبھر آئی..... انسپکٹر شہاب مودبانہ انداز میں اس کے سامنے پہنچ گیا تھا۔

"کہاں سے آ رہے ہو؟" امیر علی شاہ نے رعب دار لہجے میں پوچھا۔

"پولیس اسٹیشن سے جناب۔"

"شہر کے ہو؟"

"جی سر۔"

"تمہیں اتنی تمیز نہیں ہے کہ بڑے آدمیوں کی حویلی کے دروازے سے اندر
ہونے سے پہلے ان سے اجازت لی جاتی ہے؟"

"وہ سر معافی چاہتا ہوں اگر وہ بڑے آدمی ملزم ہوں تو پھر اس حد تک اجازت ل
ضرورت نہیں پیش آتی میں اندرونی علاقے میں نہیں جاؤں گا۔"

"اندرونی علاقے میں جانے والوں کو یہاں گولی مار دی جاتی ہے۔" امیر علی شاہ نے

"جی سر..... اسی لئے میں اندرونی علاقے میں نہیں جاؤں گا۔ آپ امیر
صاحب ہیں؟"

"ہاں۔"

"اور یہ آپ کے تینوں صاحبزادے؟ میرا مطلب ہے فیاض علی شاہ صاحب
اور گلزار علی۔"

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟ میں تم سے یہ سوال کر رہا ہوں۔"

"سر جی پولیس کی کارروائی کے طور پر بحالت مجبوری میں آپ کو اور آپ

گرفتار کر رہا ہوں..... گرفتاری کے بعد میں آپ کو ساری بات بتا دوں گا چلو۔" انسپکٹر شہاب
نے کہا اور امیر علی شاہ غصے سے بپھر گیا۔

"کیا نام ہے تمہارا انسپکٹر؟"

"شہاب ثاقب۔"

"سنو مجھے پوری تفصیل بتائے بغیر کسی قسم کی کوئی بدتمیزی کرنا تمہارے حق میں
نہایت مضر ثابت ہو گا۔"

"سر جی ٹریننگ کے دوران ہم سے حلف لیا جاتا ہے کہ پولیس کے جو قواعد ہیں انہی
کے مطابق عمل کریں گے سر پہلے آپ ہتھکڑی پہن لیں اس کے بعد میں آپ کو ساری
تفصیلات بتا دوں گا..... گل زمان میں نے تمہیں راستے میں جو تفصیل بتائی ہے، تم اس کے
تحت آٹھ آدمیوں کو لے کر چلے جاؤ اور جو کچھ میں نے کہا ہے اس پر عمل کرو۔"

"یس سر۔" گل زمان نے سیلوٹ جھاڑا اور اس کے بعد پولیس کی نفری کو لے کر
چوبرجی کی جانب چل پڑا..... جب اس نے ادھر قدم بڑھائے تو امیر علی شاہ کے چہرے پر ہلکی
سی پیلاہٹ دوڑ گئی۔ تاہم اس نے خود کو سنبھال کر کہا۔

"ٹھیک ہے انسپکٹر، میرے ساتھ عام طور سے پولیس کے افراد تعاون کرتے ہیں لیکن
تم کچھ ضرورت سے زیادہ ہی ذہانت اور ہوشیاری کا مظاہرہ کر رہے ہو..... میرے خیال میں
تم اپنی تقدیر پر سیاہی لگا رہے ہو..... تمہاری مرضی ہے ورنہ لوگ یہاں سے تقدیریں بنا کر
جاتے ہیں۔"

"سر جی میں آپ کے قدموں میں سر رکھ کر معافی مانگ لوں گا لیکن مجھے پولیس کی
کارروائی کر لینے دیجئے۔" شہاب نے کہا اور امیر علی شاہ کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دی۔

امیر علی شاہ نے آنکھیں بند کر لی تھیں اس وقت غصے سے کام نہیں چل سکتا تھا، وہ
محسوس کر چکا تھا کہ پچھلے کچھ دنوں سے اس کے ستارے گردش میں ہیں اور اس کی ناکامیوں کا
دور شروع ہو چکا ہے، چنانچہ اب کسی قسم کی کوئی سخت حماقت بے مقصد تھی۔ اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے آفیسر..... اب مجھے بتاؤ، مجھے کیوں گرفتار کیا گیا ہے؟"

"سر مرزا غیاث بیگ نامی شخص نے آپ کے خلاف ایف آئی آر درج کرائی ہے.....
غاصبانہ قبضہ، جائیداد اور زمینوں پر اور دولت پر، بیٹے کو اغوا کر کے حبس بیجا میں رکھنا، ایک

آدمی کا زبردستی غیاث کی بیٹی سے نکاح کرادینا، سب کچھ چھین کر اس پر سختیاں کرنا، یہ سارے الزامات ہیں آپ پر سر اور ان کے تحت آپ کو گرفتار کیا جارہا ہے۔"

"اور ان لڑکوں کو؟" امیر علی شاہ نے پوچھا۔

"یہ بھی آپ کے دست راست ہیں سر، ان کے نام بھی ایف آئی آر میں درج کرائے گئے ہیں اس کے علاوہ سر ایک اور ایف آئی آر بھی ہے وہ آپ کے بیٹے رحمان علی شاہ کی طرف سے ہے جس میں اس نے آپ پر بڑے سنگین الزامات لگائے ہیں۔"

"بکواس کرتے ہو...... رحمان علی شاہ بھلا مجھ پر الزامات کیسے لگا سکتا ہے۔"

"سر آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ کہاں ہے؟"

"وہ میرے پاس ہے۔"

"نہیں سر وہ قیدی ہے اور اس نے ہم سے اسی قید خانے سے رابطہ قائم کر کے کہا ہے کہ پولیس اسے اپنے ظالم باپ کے چنگل سے نکالے۔"

امیر علی شاہ نے ایک بار پھر آنکھیں بند کر لی تھیں، اب اس کے پاس کہنے اور کرنے کو کچھ نہیں رہ گیا تھا...... شہاب کا رویہ اس کے ساتھ برا نہیں تھا اور اس نے عاجزی سے کہا تھا کہ مجبوری ہے سرکار، ورنہ یہ سب کچھ نہ کیا جاتا پھر گل زمان نے نہایت ذہانت کے ساتھ رحمان علی شاہ اور ایاز بیگ کو تہہ خانوں میں تلاش کر لیا تھا اور تمام تر ہدایت پر عمل کرتے ہوئے تہہ خانوں میں ان کی تصاویر بھی بنائی تھیں...... ان دونوں کو نکال کر باہر لے آیا اور پولیس نے انہیں اپنی تحویل میں لے لیا...... امیر علی شاہ ان تمام کارروائیوں کو سنگین نگاہوں سے دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے انسپکٹر، بہرحال متعلقہ افراد کو شدید نقصانات اٹھانے پڑیں گے۔"

شہاب نے گردن جھکا دی تھی وہ بہت مودب اور منکسر نظر آرہا تھا...... امیر علی شاہ اس کے تینوں بیٹوں کے ساتھ پولیس کی ایک جیپ میں بٹھایا گیا...... انسپکٹر شہاب خود اس کے ساتھ بیٹھا تھا جبکہ رحمان علی شاہ اور ایاز بیگ کو دوسری جیپ میں بٹھایا گیا تھا شہاب کو جو خطرات درپیش تھے ان میں سے ایک بھی خطرہ سامنے نہیں آیا تھا...... امیر علی شاہ کو نہایت اطمینان سے گرفتار کر لیا گیا تھا لیکن چونکہ معلومات مکمل تھیں اس لئے خیر خان اور گل باز خان کو بھی تلاش کر لیا گیا تھا جبکہ امیر علی شاہ کو ان کی گرفتاری کے بارے میں

تک نہیں ہو سکا تھا، پھر یہ گاڑیاں سفر کرتی ہوئی شہر میں داخل ہو گئیں اور تھوڑی دیر کے بعد شہاب نے انہیں لاک اپ میں منتقل کر دیا لیکن جب خیر خان اور گل باز خان کو بھی لاک اپ میں پہنچایا گیا تو امیر علی شاہ نے حیرانی سے انہیں دیکھا اور بولا۔

"ارے تم لوگ بھی؟" خیر خان اور گل باز خان نے گردن جھکا دی تھی۔

❁

عدنان واسطی اور بینا واسطی آج بڑی سنسنی خیز کیفیت کا شکار تھے۔ انہیں علم تھا کہ شہاب آج امیر علی شاہ کے خلاف آپریشن کر رہا ہے اور پولیس پارٹی امیر علی شاہ کو گرفتار کرنے چل پڑی ہے۔ بہرحال وہ آفس ہی میں تھے...... جب انسپکٹر شہاب کا فون موصول ہوا۔ فون کا انتظار ہی کیا جارہا تھا...... بینا نے جھپٹ کر ریسیور اٹھایا اور بے صبری سے بولی۔

"ہیلو۔"

"مس بینا انسپکٹر شہاب بول رہا ہوں۔"

"السلام علیکم سر، سر آپ خیریت سے تو ہیں نا سر کیا آپ شاہ پور سے واپس آ گئے ہیں؟"

"جی مس بینا اور ہمارے معزز مہمان اس وقت تھانے میں فروکش ہیں۔" شہاب نے کہا۔

"سر کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی۔ میرا مطلب ہے کوئی ایسی مدافعت تو نہیں ہوئی؟"

"نہیں مس بینا، حیرت انگیز طور پر سب کچھ ٹھیک ہے، واسطی صاحب موجود ہیں؟"

"جی میں ریسیور ڈیڈی کو دے رہی ہوں بات کر لیجئے۔" واسطی صاحب نے سلام دعا کے بعد پوچھا۔

"ہاں کیا صورت حال رہی؟"

"سر ایاز بیگ اور رحمان علی شاہ کو تہہ خانوں سے برآمد کر لیا گیا ہے اور امیر علی شاہ اور اس کے تینوں بیٹوں کے ساتھ اس کے دو خاص ملازموں کو بھی گرفتار کر کے لاک اپ میں ڈال دیا گیا ہے۔"

"اس نے ابھی تک کوئی مدافعت تو نہیں کی؟"

"نہیں سر میں نے ٹیلی فون ابھی تک اس کے ہاتھ نہیں لگنے دیا۔"

"فون کرنے کی کوشش تو کر رہا ہوگا؟"

"ابھی تک نہیں کی ہے، مجھے خود اس بات پر حیرت ہے۔"

"میرا خیال ہے اسے کچھ دیر فون کرنے سے روکا جائے، ظاہر ہے بعد میں تو ہمیں اسے یہ اجازت دینا پڑے گی لیکن بہتر یہ ہے کہ تم اس کے سامنے سے ہٹ جاؤ اور کسی بھی اپنے ذمے دار آدمی کو وہاں نہ چھوڑو جس سے وہ فون کرنے کی اجازت مانگ سکے۔"

"بہتر ہے سر۔"

"ارے بھئی تم اس طرح کہہ رہے ہو، جیسے میں تمہیں ہدایت دے رہا ہوں۔"

"سر آپ مجھے ہدایت نہیں دے سکتے۔" شہاب نے کہا اور عدنان واسطی ہنسنے لگا پھر بولا۔

"ان لوگوں کو کہاں رکھا ہے؟"

"فی الحال ہمارے پاس ہیں لیکن میں نے انہیں امیر علی شاہ کے قریب نہیں جانے دیا۔"

"گڈ تو پروگرام کیا ہے؟"

"میرا خیال ہے سر میں انہیں لے کر آپ کے پاس آجاؤں؟"

"ہاں بالکل، تھوڑی سی کارروائی مکمل کر لینا ضروری ہے۔"

"تو میں حاضر ہو رہا ہوں۔"

"آجاؤ...... میں انتظار کر رہا ہوں۔"

بینا کو صورت حال بتا کر عدنان واسطی صاحب نے انتظامات کئے اور تھوڑی دیر کے بعد شہاب وردی میں ملبوس ایاز بیگ اور رحمان شاہ کے ساتھ وہاں پہنچ گیا، ان کا پرجوش خیر مقدم کیا گیا تھا...... عدنان واسطی نے غیاث بیگ کے بیٹے سے نہایت محبت سے مصافحہ کیا اور بولا۔

"میں تمہیں رہائی کی مبارک باد پیش کرتا ہوں ایاز بیگ۔"

"سر میرے ماں باپ کہاں ہیں کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں؟"

"تمہارے والدین اور بہن بالکل خیریت سے ہیں اور ایک ایسی جگہ ہیں جہاں انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ کچھ دیر کے بعد تمہیں ان کے پاس پہنچادیا جائے گا اور تمہاری ان سے ملاقات ہو جائے گی۔"

"سر اللہ آپ لوگوں کا بھلا کرے، رحمان علی شاہ صاحب کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے؟ ان کی حالت بہت خراب ہے۔" جواب میں رحمان علی شاہ نے پہلی بار موڈ بدل کر قہقہہ لگایا تھا اور ایاز بیگ حیرت سے منہ پھاڑ کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

"ایاز میاں میں بالکل خیریت سے ہوں جو رویہ میں نے تمہارے ساتھ اختیار کیا اس کے لئے تم سے معافی اس لئے نہیں مانگوں گا کہ وہ سب کچھ ضروری تھا، اگر میں یہ سب کچھ نہ کرتا تو ہم اتنی آسانیاں نہیں حاصل کر سکتے تھے جتنی آسانیاں اب ہمیں حاصل ہو گئی ہیں۔"

ایاز بیگ کا منہ شدت حیرت سے کھلا رہ گیا تھا، پھر اس نے محبت بھرے انداز میں رحمان علی شاہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"آپ ٹھیک ہیں رحمان بھائی...... بالکل ٹھیک ہیں؟"

"ہاں اللہ کا شکر ہے۔"

پھر عدنان واسطی نے ضروری کاغذات پر ان لوگوں سے بھی دستخط کرائے...... تاکہ کارروائی مکمل ہو جائے اور اس کے بعد خاصی دیر تک ان لوگوں کے درمیان گفتگو ہوتی رہی پھر ایاز بیگ نے کہا۔

"کیا یہ ممکن ہے کہ میں اپنے والدین کے پاس چلا جاؤں؟"

"میں ابھی تمہیں وہاں چھوڑ دوں گا اور رحمان شاہ صاحب آپ کو میں اسی جگہ بھیج رہا ہوں جہاں آپ پہلے بھی تھوڑا سا وقت گزار چکے ہیں...... مزید کچھ اور وقت آپ کو وہاں گزارنا پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے جناب، آپ کے ہر حکم کی میں تعمیل کروں گا۔" رحمان شاہ نے ممنون لہجے میں کہا۔

یہاں چائے وغیرہ پی گئی اور اس کے بعد شہاب، رحمان شاہ اور ایاز بیگ کو لے کر نیچے اتر آیا...... اس نے بینا کو بھی ساتھ آنے کے لئے کہا تھا اور واسطی صاحب نے بخوشی اجازت دے دی تھی...... نیچے آکر وہ سب کار میں بیٹھ گئے اور شہاب نے کار سٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی تھی...... تھوڑی دیر کے بعد شہاب نے کہا۔

"ڈیئر رحمان علی شاہ وہاں تمہیں ایک ایسا شخص ملے گا جس سے مل کر تمہیں کوئی خوشی نہیں ہوگی بلکہ تم شاید اس سے شدید نفرت محسوس کرو، لیکن ابھی چونکہ میرے اور تمہارے درمیان مزید تفصیلی گفتگو نہیں ہو سکی ہے اس لئے اس وقت میں تم سے صرف اتنی درخواست کر سکتا ہوں کہ وہ جو کوئی بھی ہو بے شک تم اس سے کوئی تعاون نہ کرنا لیکن کسی قسم کا اختلاف بھی نہ کرنا۔"

رحمان علی شاہ نے حیرت سے شہاب کو دیکھ کر کہا۔ ”ایسی کون سی شخصیت ہو سکتی ہے؟“

”تفصیل نہیں بتاؤں گا ابھی...... بس تمہیں وہاں عمارت میں چھوڑ دوں گا اور تم عمارت کے بارے میں اچھی طرح جانتے ہو۔“

”میری جانب سے آپ بالکل مطمئن رہیں...... میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا۔“

شہاب نے اسے کریم سوسائٹی کی کوٹھی پر چھوڑ دیا اور اس کے بعد وہاں سے واپس چل پڑا...... بینا کچھ متفکر نظر آرہی تھی...... شہاب نے اس کے تفکر کو محسوس کر کے کہا۔

”کیوں بینا کیا بات ہے؟“

”سر کیا جوہر خان اور رحمان علی شاہ آگ اور پانی نہیں ہیں؟“

”نہیں بینا دونوں پانی، پانی ہو چکے ہیں...... اس لئے کوئی مشکل نہیں پیش آئے گی۔“

بینا گہری سانس لے کر خاموش ہو گئی تھی پھر ایاز بیگ کو وہاں لے جایا گیا جہاں غیاث بیگ اس کی بیوی اور ناہید کو رکھا گیا تھا...... غیاث بیگ ہی کو باہر بلایا گیا اور شہاب کے بارے میں سن کر وہ فوراً باہر آگیا...... یہاں شہاب نے ایاز بیگ کو گاڑی سے اتار کر اس کے سامنے لے جا کر پیش کیا تو غیاث بیگ کا سانس بند ہو گیا...... اس نے گرنے سے بچنے کے لئے ہاتھ پھیلائے اور شہاب نے اسے سہارا دیا پھر کہا۔

”غیاث بیگ صاحب، میں نے آپ سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو گیا ہے اپنے بیٹے کو اندر لے جائیے لیکن یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ دشمن ابھی کتوں کی طرح آپ لوگوں کی بو سونگھتا پھر رہا ہے، آپ کو محدود رہنا ہے اس وقت تک، جب تک میں آپ کو کلیئرنس نہ دے دوں...... جاؤ ایاز تمہارے والدین اب تمہارے پاس ہیں...... اچھا میں چلتا ہوں، احتیاط رکھنا۔“ ایاز کی خود حالت خراب تھی اس نے آگے بڑھ کر غیاث بیگ کو سنبھالا اور غیاث بیگ پاگلوں کی طرح اس سے لپٹ گیا...... بینا کی آنکھوں میں نمی آگئی تھی...... شہاب نے اسے اشارہ کیا اور گاڑی میں آ بیٹھا پھر اس نے گاڑی وہاں سے بھی بڑھا دی تھی۔

”متاثر ہو گئی ہو بینا؟“

”سر بڑے تاثر انگیز لمحات ہیں۔“

”اسی لئے میں نے ان لمحات میں، اپنی اور تمہاری شرکت مناسب نہیں سمجھی۔ بہر حال بینا یہ زندگی کے معاملے ہیں، ہمیں خوشی ہے کہ ہم بچھڑے ہوؤں کو ملانے کا باعث بنے۔“

بینا چند لمحات تاثر میں ڈوبی رہی پھر اس نے کہا۔ ”سر ان لوگوں کا کیا حال ہے؟“

”یوں سمجھ لو اژدھے کے سر پر پاؤں رکھا ہوا ہے اور شدید سنسنی ہے کہ جب یہ پاؤں ہٹے گا تو کیا ہوگا...... ویسے بینا مزے تو لیں گے ہم، آسانی سے سارا کھیل ختم کر دیتے تو وہ لطف نہ آتا جو اب آرہا ہے۔“ بینا اس سے امیر علی شاہ کی گرفتاری کے بارے میں تفصیلات معلوم کرتی رہی اور شہاب نے اسے ساری تفصیلات بتائیں پھر اسے اس کے آفس پر اتارتے ہوئے کہا۔

”اچھا بینا اب ذرا کچھ اور معاملات دیکھ لئے جائیں بعد میں تفصیلی ملاقات ہوگی ابھی تھانے سے دور رہنا مناسب نہیں ہے۔“

”جی سر میں جانتی ہوں اور آپ بالکل مطمئن رہیں میں بڑے صبر و سکون کے ساتھ انتظار کروں گی۔“

”میرا؟“ شہاب نے بینا کو دیکھ کر کہا اور بینا بے تکے سوال پر بوکھلا سی گئی، اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا جواب دے...... شہاب نے اسے لاجواب پا کر خود ہی کہا۔

”ٹھیک ہے بینا میں بہت جلد تم سے رابطہ قائم کروں گا او کے خدا حافظ۔“ بینا نیچے اتر گئی اور شہاب نے مسکراتے ہوئے کار آگے بڑھا دی۔

✿

گل زمان رات کو تھانے آیا تھا اور پھر اس نے لاک اپ کے سامنے چکر لگایا تھا...... امیر علی شاہ نے غرائی ہوئی آواز میں اسے پکارا اور گل زمان اس کے قریب آگیا۔

”تم بھی مجھے اپنا نام بتا دو دلیر آفیسر...... تاکہ میں دیکھ لوں کہ میرے ملک کی پولیس میں کیسے کیسے دلیر افراد موجود ہیں۔“

”سس...... سمجھا نہیں سر۔“ گل زمان بولا۔

”اتنا ضرور جانتے ہو گے کہ میں کون ہوں؟ اور میرے ساتھ ہونے والے سلوک پر تمہارا کیا بنے گا؟“

”سر جی...... ہم تو قانون کے غلام ہیں...... ہماری آپ سے تو کوئی دشمنی نہیں ہے...... آپ ہمیں حکم دو ہم آپ کی ہر خدمت کریں گے۔“

”مجھے فون چاہئے۔“ امیر علی شاہ بولا۔

"سر جی وہ تو آفس میں ہے...... یہاں نہیں آسکتا۔"

"مجھے آفس لے چلو۔"

"سر جی...... لاک اپ نہیں کھول سکتے۔"

"کیوں؟"

"انچارج صاحب نہیں ہیں جی...... ان کے حکم کے بغیر لاک اپ نہیں کھل سکتا۔"

"اسے بلاؤ، اسے بلاؤ...... اس سے کہو کہ جتنی دیر مجھے لاک اپ میں گزارنی پڑے گی اس کی زندگی اتنی ہی کم ہوتی جائے گی۔ لکھ لینا اسے۔"

"سر جی...... ہمیں کوئی خدمت بتاؤ۔"

"دفع ہو جاؤ۔" امیر علی شاہ دھاڑا۔

"اچھا جی۔" گل زمان نے کہا اور سعادت مندی سے وہاں سے ہٹ آیا...... بہرحال دوسرے دن بارہ بجے سے پہلے شہاب امیر علی شاہ کے سامنے نہیں آیا تھا...... البتہ صبح نو بجے وہ تھانے آگیا تھا اور اس نے کچھ اہم کام کئے تھے جن میں سب سے اہم کام یہ تھا کہ اس نے آئی آر رجسٹر نیا بنوالیا تھا اور پرانا رجسٹر محفوظ کر لیا تھا، پھر بارہ بجے وہ گل زمان کے ساتھ لاک اپ پہنچا تھا...... امیر علی شاہ اور دوسرے لوگوں کا برا حال تھا...... ان کے چہرے اترے ہوئے تھے۔

"سر مجھے ابھی ابھی پتا چلا ہے کہ آپ لوگوں نے نہ تو رات کو کھانا کھایا اور نہ ہی ناشتا کیا۔"

"کیا نام ہے تمہارا؟" امیر علی شاہ سرد لہجے میں بولا۔

"شہاب ثاقب سر، پہلے بھی آپ کو بتایا تھا۔"

"میری حویلی میں کتے بھی گندے برتنوں میں کھانا نہیں کھاتے۔"

"گل زمان برتن دھلوائے نہیں تھے؟" شہاب دھاڑا۔

"اور وہ کھانا...... جانوروں کے کھانے سے بدتر تھا اور صبح کا ناشتا، صبح کا ناشتا۔"

"سر آپ صاحب اقتدار لوگ ہو، آپ خود دیکھ لیں بجٹ ہی نہیں ہوتا ملزموں کے کھانے کے لئے پھر بھی ہم جتنا خیال رکھ سکتے ہیں رکھتے ہیں۔"

"بکواس مت کرو مجھے فون کرنا ہے۔"

"سر...... میں اپنے اختیار سے آگے کیسے بڑھ سکتا ہوں...... آپ کے خلاف تو ہیڈ وارٹرز سے کارروائی ہو رہی ہے۔"

"اپنے اختیار سے آگے بڑھو آفیسر۔"

"نوکری چلی جائے گی سر۔"

"عہدہ بڑھوا دوں گا تمہارا...... میرے ساتھ تعاون کرو۔"

"سر بڑی مشکل سے زندگی گزر رہی ہے...... آپ ہماری تنخواہ دیکھیں پھر فیصلہ کریں۔"

"یہ لو، یہ لو پچاس ہزار ہیں...... رکھو انہیں...... مجھے فون کرنے دو۔"

"گل زمان۔" شہاب دھاڑا۔

"یس سر۔" گل زمان نے پوری قوت سے پاؤں زمین پر مار کر سیلوٹ کیا پھر لنگڑانے لگا۔

"تالا کھولو۔"

"یس سر۔" گل زمان چابی لے کر دوڑا...... اس دوران شہاب نے نہایت ادب سے نوٹ دونوں ہاتھوں میں تھام لئے تھے...... گل زمان نے تالا کھولا اور شہاب نے پورا دروازہ کھول دیا۔

"سر پہلے ناشتا کر لیجئے...... اس کے بعد فون کیجئے...... دل کٹ رہا ہے یہ سوچ سوچ کر کہ آپ کل سے بھوکے ہیں...... آیئے، آیئے...... شہاب امیر شاہ کے سامنے بچھا جا رہا تھا...... بہت عمدہ ہوٹل سے ناشتے نما کھانا آیا تھا اور امیر علی شاہ کو اپنی زندگی کے انوکھے تجربات سے گزرنا پڑا تھا...... شہاب اسے فون کے پاس لے گیا تھا۔

"تمہارا یہاں ہونا ضروری نہیں ہے۔" امیر شاہ بولا۔

"حضور اطمینان سے تشریف رکھئے، آرام سے فون کیجئے...... آؤ گل زمان۔" شہاب نے کہا اور گل زمان کو لے کر باہر نکل آیا...... گل زمان نے مسرور لہجے میں کہا۔

"صاحب...... اللہ کا شکر ہے...... بڑے دن کے بعد روزہ ٹوٹا۔"

شہاب چونک کر اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"گل زمان...... بولتے ہوئے الفاظ کا خیال رکھا کرو...... اس غلیظ کمائی کو تم کیسے متبرک ناموں سے تشبیہہ دے رہے ہو...... یہ وہ لعنت ہے جو ہمیں دنیا تو دے رہی ہے...... ہماری آخرت چھین رہی ہے۔"

"توبہ، توبہ سر...... بڑے دن سے خشکی جل رہی تھی...... آپ نے چھوٹے چھوٹے کیس پکڑنے سے تو منع ہی کر دیا ہے۔"

"کسی غریب آدمی سے ایک روپیہ بھی لو تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" شہاب نے کہا اور گل زمان مسکرانے لگا...... بہرحال وہ خوش تھا کہ ایک معقول رقم کا آسرا ہوا...... ویسے شہاب دلچسپ آدمی تھا رشوت لے رہا تھا مگر نفرت اور کراہت کے ساتھ۔

آخر کار امیر شاہ باہر آ گیا پھر بولا۔ "مجھے لاک اپ میں بند کرو گے؟"

"سر مہربانی ہو جائے تو...... بڑے افسروں کا خطرہ رہتا ہے۔"

"ہوں چلو۔" امیر شاہ اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ لاک اپ میں چلا گیا...... البتہ اس نے شہاب سے کہا تھا۔ "کچھ دیر کہیں جانے کی کوشش نہ کرنا۔ تم سے کام ہے؟"

"لیس سر...... آپ کی اجازت کے بغیر تھانے سے قدم نکالنے والے پر لعنت۔"

شہاب بولا پھر اسے آدھے گھنٹے تک انتظار کرنا پڑا تھا...... اس دوران رشوت کی رقم خورد برد کر لی گئی تھی تاکہ الٹی آنتیں گلے نہ پڑ جائیں...... شہاب سب کچھ جانتا تھا کہ اب کیا ہونے والا ہے لیکن یہ بھی ہو سکتا تھا کہ آنے والے افسر کے سامنے امیر شاہ اپنی دی ہوئی رقم کا حوالہ دے دے اور رقم شہاب کی جیب سے برآمد ہو جائے۔

آنے والا ایس پی تنویر جاہ تھا...... محکمہ پولیس کا سخت ترین انسان...... وہ ایک ڈی ایس پی کے ساتھ آیا تھا...... چاروں طرف ایڑیاں بج اٹھیں...... شہاب اپنی کرسی سے ہٹ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"امیر علی شاہ کو گرفتار کیا ہے تم نے؟"

"جی سر۔" شہاب نے جواب دیا۔

"کیوں؟"

"ایف آئی آر ہے اس کے خلاف۔"

"اس کی حیثیت معلوم ہے؟"

"جی سر۔"

"ہیڈ کوارٹر سے اجازت لی تھی؟"

"نہیں سر۔"

"کیوں؟"

"ایف آئی آر سنگین تھی سر...... سو فیصد قابل دست اندازی پولیس۔"

"لاؤ انہیں۔" ایس پی نے کہا اور شہاب خود امیر علی کو لاک اپ سے نکال لایا...... ایس پی صاحب نے کھڑے ہو کر امیر علی شاہ کا استقبال کیا تھا۔ "سر میرا نام تنویر جاہ ہے...... سر کیا بتائیں محکمہ پولیس نئی نئی بھرتیاں کرتا رہتا ہے...... یہ افسر نیا لگا ہے آپ سے واقف نہیں تھا...... کہتا ہے ایف آئی آر درج کرائی گئی ہے۔"

"باتیں کم کرو ایس پی صاحب...... یہ بتاؤ کیا کرنے آئے ہو؟"

"سر ایف آئی آر دیکھ لوں...... لاؤ آفیسر...... ایف آئی آر دکھاؤ۔" ایس پی نے کہا اور شہاب نے جلدی سے رجسٹر لا کر سامنے رکھ دیا...... ایس پی، ایف آئی آر دیکھتا رہا پھر بولا۔ "اس کا بھی قصور نہیں تھا...... آپ کے دشمنوں نے ہی کام پکا کیا تھا...... انسپکٹر رجسٹر میں لے جا رہا ہوں بعد میں تمہیں واپس مل جائے گا۔"

"لیس سر۔" شہاب نے گردن جھکا کر کہا۔

"ان لوگوں کو بھی میں لے جا رہا ہوں۔" ایس پی نے کہا...... شہاب خاموش ہی رہا تھا...... ایس پی تنویر جاہ، امیر شاہ اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ باہر نکل گیا...... گل زمان نے کہا۔

"سر، یہ سب قانونی تھا؟"

"وہ سب قانونی ہے جو ہم نے چھپا دیا ہے۔" شہاب نے کہا اور گل زمان زبان دانتوں میں دبا کر خاموش ہو گیا۔

❁

تھانے سے باہر آ کر ایس پی نے امیر شاہ سے پوچھا۔ "سر آپ کہاں جانا پسند کریں گے...... شاہ پور، یا کہیں اور؟"

"نہیں ایس پی، یہاں میرا مکان موجود ہے۔" امیر شاہ نے فیاض علی شاہ کی رہائش گاہ کا پتا دہرا دیا...... کچھ دیر کے بعد گاڑیاں اس خوبصورت کوٹھی پر جا رکیں۔ "کوئی پیغام ہے میرے لئے۔"

"جی سر...... عالی مرتبت رات کو آپ سے ملاقات کریں گے...... میں انہیں اطلاع

دوں گا کہ آپ کہاں ہیں۔"

"یہی پوچھنا چاہتا تھا...... انہیں میری یہاں موجودگی کی اطلاع دے دینا آفیسر...... ذرا ایف آئی آر کی تفصیل مجھے بتاؤ۔"

"سر یہ آپ کے لئے ہی لایا ہوں...... یہ درخواستیں پولیس کو مختلف لوگوں کی جانب سے موصول ہوئی ہیں...... غیاث بیگ کی درخواست ہے جو عدنان واسطی ایڈووکیٹ کے حوالے سے موصول ہوئی ہے......" ایس پی نے درخواست پڑھ کر سنائی پھر ناہید غیاث بیگ کی درخواست سنائی گئی، پھر ایاز بیگ اور آخر میں رحمان علی شاہ...... امیر علی کے چہرے کا رنگ متغیر ہوتا رہا تھا...... دیر تک وہ خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

"اب کیا کیا جا سکتا ہے...... یہ رجسٹر تھانے واپس جائے گا؟"

"سر مجھے نہیں معلوم۔"

"تم یہ مجھے دے دو...... رات کو میں عالی مرتبت سے بات کر کے جو صورت حال ہو تمہیں بتا دوں گا۔"

"سر مجھے ہدایت ملی ہے کہ آپ کی ہر خواہش کی تعمیل کروں۔"

"شکریہ آفیسر...... یہ تھوڑی سی گڑبڑ ہو گئی ہے...... ایک کام اگر تم سے ممکن ہو سکے اور کر دو۔"

"جی سر۔"

"غیاث بیگ کا پتا تمہیں بتائے دیتا ہوں...... اسے اس کی بیوی اور بیٹی کو وہاں سے ہٹا دو...... جب ان سب لوگوں کے دماغ ٹھیک ہو جائیں تو انہیں چھوڑ دینا۔"

"بہتر جناب...... میں پتا نوٹ کئے لیتا ہوں۔" ایس پی تنویر جاہ نے کہا اور ڈی ایس پی نوٹ کرنے لگا پھر بولا۔ "اور کوئی حکم؟"

"بس شکریہ...... اب تم لوگ جا سکتے ہو۔"

باہر نکل کر ڈی ایس پی فخر الدین نے آہستہ سے کہا۔ "سر، یہ سب ٹھیک ہو رہا ہے قانون کی یہ تحقیر مجھ سے برداشت نہیں ہو رہی۔"

"ریزائن کر دو۔" ایس پی نے سرد لہجے میں کہا۔

"میرے ریزائن کر دینے سے اگر قانون کی عظمت بحال ہو سکے تو پہلا کام یہی

چاہتا ہوں۔

"کچھ نہیں ہو گا...... سوائے اس کے کہ تمہیں اپنی حماقت کا افسوس ہو گا۔"

"اور آپ کی اپنی کیا رائے ہے؟"

"میں اظہار نہیں کرنا چاہتا۔"

"میں ایس ایچ او کی عظمت کو سلام کرتا ہوں جس نے بڑی جرات کے ساتھ اس شخص پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔"

"بعد میں کیا ہوا؟"

"سر ہمیں اس کے خلاف احتجاج کرنا چاہئے...... ہمیں ہمارے فرائض منصبی سے روکا جاتا ہے۔"

"جس ہستی کی طرف سے حکم ملا ہے ہم اس کی مخالفت نہیں کر سکتے...... بات بہت اوپر سے شروع ہوئی ہے۔"

"لیکن سر ہم سے ہمارے فرائض کے بالکل الٹ کام لیا جا رہا ہے...... ایک شخص مجرم ہے اس کے خلاف مناسب کارروائی ہوئی ہے لیکن اس کارروائی کو رد کر کے اس کی مدد کی جا رہی ہے اور دوسرے معمولی مجرم اس لئے سزا پاتے ہیں کہ کوئی بڑی ہستی ان کی پشت پر نہیں ہوتی۔"

"ہاں ایسا ہے۔"

"تب تو پھر ہمارے لئے بھی ایک رعایتی کوٹہ ہونا چاہئے۔"

"کیسا رعایتی کوٹہ۔"

"ہم بھی کسی مجرم کو معاف کر دینے کے حقدار ہونے چاہئیں۔" ڈی ایس پی نے کہا اور تنویر جاہ طنزیہ ہنسنے لگا۔

"کوٹہ ضروری ہے کیا؟" ڈی ایس پی اس انداز پر بغلیں جھانکنے لگا تھا...... کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد تنویر جاہ نے کہا۔

"اب یہ آخری کام بھی کر لیا جائے تو بہتر ہے۔"

"کون سا کام؟"

"غیاث بیگ کو اس کی بیوی اور بیٹی کے ساتھ کچھ عرصہ کے لئے تحویل میں لینا

ہے...... یہ کوئی باقاعدہ گرفتاری نہیں ہے، ہم ان لوگوں سے کہیں گے کہ انہیں حفاظت
غرض سے تحویل میں لیا جارہا ہے...... یہ کام ہی کئے لیتے ہیں...... اس وقت ہماری ڈیوٹی
علی شاہ کی خدمت پر لگائی گئی ہے۔"

"سر ہم انہیں کہاں رکھیں گے؟"

"ہیڈ کوارٹر کے لاک اپ میں اور کون سا مہمان خانہ ہے ان کے لئے۔" تنویر جاہ
کہا اور ڈی ایس پی تاسف سے خاموش ہو گیا لیکن غیاث بیگ کا مکان انہیں خالی ملا تھا
وہاں ٹوٹے پھوٹے سامان کے سوا اور کچھ نہیں تھا...... پڑوسیوں سے ہونے والی تحقیقات
بتایا تھا کہ وہ دو تین دن پہلے یہاں سے کہیں جا چکے ہیں...... ایس پی نے پرسکون انداز م
وہاں سے نکل کر امیر شاہ کو فون کیا...... نمبر وہ لے آیا تھا۔

"ہاں...... امیر شاہ بول رہا ہوں۔"

"سر آپ کا نیاز مند ایس پی تنویر جاہ بول رہا ہے۔"

"ہاں ایس پی صاحب، کہئے خیریت، یقیناً کسی خاص بات پر ہی آپ نے مجھے فون
ہو گا؟"

"جی سر آپ کے پاس سے چلنے کے بعد میں نے فوراً ہی آپ کے دوسرے حکم
تعمیل کے لئے آپ کے بتائے ہوئے پتے پر غیاث بیگ کے گھر چھاپہ مارا ہے، وہاں ٹو
پھوٹے سامان کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے...... پڑوسیوں کا کہنا ہے کہ غیاث بیگ دو تین
پہلے یہ گھر چھوڑ کر جا چکا ہے۔"

"اوہ...... ہوں، تو یہ بات ہے وہ لوگ بھی پکا پکا ہی کام کر رہے ہیں اب بتاؤ ایس پی
کرنا چاہئے؟"

"سر میں تو صرف آپ کے احکامات کا منتظر ہوں۔"

"غیاث بیگ نے ایف آئی آر کٹوائی ہے اتنا تو خیر وہ بھی جانتا تھا کہ ہم اسے آسانی
نہیں چھوڑیں گے اس لئے وہ گھر چھوڑ کر نکل گیا لیکن خیر ہمارا کیا بگاڑ لے گا اب تو اس
پاؤں ہی کٹ چکے ہیں...... چھوٹے موٹے کچھ کام اور ہیں ایس پی صاحب، آپ تو اچھی طر
جانتے ہو آپ کو کیا کرنا ہے اور ہاں یہ رحمان علی شاہ اور ایاز بیگ پر بھی ذرا کڑی نگاہ ر
ہے...... لازمی بات ہے کہ برآمدگی کے بعد پولیس انہیں اپنی تحویل میں تو نہیں رکھ سکتی

ہیں اس کا بھی پتا چلانا پڑے گا...... بس ذرا اپنے دماغ سے کام لو...... ہم پولیس کی طرح
تو ہو نہیں سکتے، ساری صورت حال تمہارے علم میں آ گئی ہے آفیسر صاحب۔ بس ذرا
ہمارے اردگرد کا خیال رکھنا، کیا کرنا ہے ہمیں...... یہ ہم سے زیادہ تم بہتر جانتے ہو، ویسے
رات کو ہماری میٹنگ ہو رہی ہے...... دیکھو جو مشورہ ملے گا تمہیں بھی اس سے آگاہ کریں
گے، بس اس مشکل سے نکال دو...... بعد میں ہمارے اور تمہارے جو تعلقات رہیں گے، تم
سوچ بھی نہیں سکو گے وہ ہم دونوں کے لئے کتنے فائدے مند رہتے ہیں۔"

"سر میں تو آپ کی بے لوث خدمت کر رہا ہوں آپ بالکل مطمئن رہیں جو کچھ بھی
بن پڑے گا ضرور کیا جائے گا۔"

"کل دن کو گیارہ بجے میں تم سے رابطہ قائم کروں گا...... ہم لوگ ذرا دیر سے اٹھنے کے
عادی ہیں، ویسے اگر ممکن ہو سکے تو کچھ تھوڑی سی معلومات حاصل کرو، ہو سکتا ہے ایس ایچ او
اس بارے میں معلوم ہو ویسے وہ اچھا بندہ ہے، ہمارے ساتھ تعاون کرے گا۔"

"جی سر۔" ایس پی تنویر جاہ نے جواب دیا اور اس کے بعد سلسلہ منقطع کر دیا۔

شہاب بڑا مسرور نظر آ رہا تھا...... رقم تقسیم ہو گئی تھی اس لئے گل زمان بھی شہاب پر
واری نثار ہو رہا تھا، اچھی خاصی رقم اس کے ہاتھ بھی آئی تھی اور بہت دن کے پت جھڑ کے
بعد کچھ سبز پتے دیکھنے کو ملے تھے...... بہرحال شہاب کی اب تک کی کوششیں بار آور رہی
تھیں اس نے عدنان واسطی اور بینا سے رابطہ قائم کیا...... فون بینا نے اٹھایا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے بینا؟"

"سر بڑی سنسنی محسوس کر رہی ہوں واقعات در حقیقت بہت ہی تیز رفتار ہو گئے
ہیں...... سر آپ اب کیا کر رہے ہیں؟"

"ایس پی تنویر جاہ صاحب ظاہر ہے اپنے طور پر نہیں آئے ہوں گے انہیں عقب سے
ہدایت ملی ہو گی بہرحال یہ ایک الگ بات ہے بینا تمہیں ایک اہم کام کرنا ہے اور یہ بتاؤ
تمہارے لئے ممکن ہو سکے گا یا نہیں؟"

"فرمائیے سر۔"

"کل اپنے آفس میں مستعد رہو اور ہو سکے تو واسطی صاحب کو بھی کورٹ نہ جانے

دو...... جہاں تک میرا اندازہ ہے کچھ مہمان تمہارے پاس ضرور پہنچیں گے...... بینا ان مہمانوں کی گفتگو ریکارڈ کرنی ہے...... کوئی ایسا سسٹم کرو جس سے یہ باتیں ٹیپ ہو سکیں۔" بینا خاموش رہی تو شہاب نے کہا۔ "میں تم سے یہ سوال کر رہا ہوں کہ تمہارے پاس اس کا انتظام ہے؟"

"نہیں سر۔"

"تو پھر یوں کرو کہ کچھ دیر کے لئے اپنا دفتر خالی کر دو آدمی پہنچ جائیں گے اور یہ سسٹم تیار کر دیں گے بلکہ چھوڑو اس وقت تنہا ہو؟"

"جی سر...... ڈیڈی گئے ہوئے ہیں۔"

"تو پھر میں ایک گھنٹے کے اندر اندر آرہا ہوں...... اگر اتفاق سے واسطی صاحب آ بھی جائیں تو انہیں کسی نہ کسی طرح وہاں سے ہٹا لینا بعد میں تمہیں ساری تفصیلات بتا دوں گا۔"

"جی بہت بہتر۔"

شہاب نے انتظامات کئے اور تھوڑی دیر کے بعد وہ بینا کے آفس میں پہنچ گیا...... عدنان واسطی صاحب کی میز کے گرد کرسیاں پڑی ہوئی تھیں...... پرانی طرز کی میز کے نیچے بڑی احتیاط کے ساتھ وہ سارا سسٹم نصب کر دیا گیا جسے شہاب اپنے ساتھ لے کر آیا تھا...... ریموٹ کنٹرول ٹیپ ریکارڈر تھا جو بہت ہی جدید اور بے آواز تھا...... بینا شہاب کی تمام کارروائی کو بغور دیکھتی رہی اس نے اس مسئلے میں مداخلت نہیں کی تھی، پھر جب شہاب اپنے کام سے فارغ ہو گیا تو اس نے اس سارے سسٹم سے بینا کو روشناس کرایا اور بینا اسے سمجھنے لگی۔ شہاب نے کہا۔

"ریموٹ تمہارے پرس میں ہونا چاہئے...... اصل میں بینا مجھے شبہ ہے کہ کل کچھ لوگ یہاں آئیں گے اور عدنان صاحب کو مجبور کرنے کی کوشش کریں گے...... یہ میرا اندازہ ہے ممکن ہے ایسا نہ ہو لیکن بہر حال ہمیں ہر مسئلے پر نگاہ رکھنی چاہئے۔"

"ٹھیک ہے سر میں سمجھ گئی۔ ویسے سر کیا یہ سب کچھ مناسب ہوا ہے...... قانون کے محافظ ہی قانون شکن لوگوں کی مدد کر رہے ہیں؟"

"اس وقت ایک دلچسپ میزان آگیا ہے بینا میں بڑی سنسنی محسوس کر رہا ہوں، مجھے دیکھنا ہے کہ قانون کس قدر بے بس ہے...... بس یوں سمجھ لو کہ یہ ایک کسوٹی ہے بڑی عجیب

غریب۔ خیر اب ہم اس موضوع پر گفتگو نہیں کریں گے...... اصل میں میں یہ نہیں چاہتا کہ واسطی صاحب کو ہماری اس کارروائی کے بارے میں پہلے سے معلوم ہو، ممکن ہے وہ اس قدر ذہنی برتری کا مظاہرہ نہ کر پائیں لیکن ہمارا واسطہ بڑے غلط قسم کے لوگوں سے ہے اور ان سے ہمیں ہر طرح کی احتیاط برتنی ہے۔"

"جی سر۔" بینا نے جواب دیا۔

❁

تنویر جاہ کی ڈیوٹی واقعی امیر علی شاہ کے ساتھ لگا دی گئی تھی، ہدایت کے مطابق اسے گیارہ بجے امیر علی شاہ کے پاس پہنچنا پڑا...... امیر علی شاہ کے ہونٹوں پر فتح مندانہ مسکراہٹ تھی، تینوں بیٹے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے...... امیر علی شاہ نے خوشگوار موڈ میں ایس پی تنویر جاہ کا استقبال کیا جو سادہ لباس میں وہاں پہنچا تھا۔

"آؤ جی ایس پی صاحب، کیسا لگ رہا ہوگا تمہیں ہمارے لئے یہ کام کرنا مگر بھائی ہم تو ایک بات جانتے ہیں وقت کی ڈیمانڈ پوری کرنی ہی ہوتی ہے۔ اب دیکھو نا انسان، انسان میں کوئی فرق ہی نہ رہ جائے تو پھر زندگی بے مقصد اور بے مزہ ہو کر رہ جاتی ہے...... ہم نے یہ نام، یہ حیثیت آخر کچھ کر کے ہی کمایا ہوگا...... اب اگر چھوٹے چھوٹے لوگ ہماری بغل میں گھونسا مار کر نکل جائیں تو پھر بات ہی کیا، حالانکہ یہ جو سب کچھ ہو رہا ہے ہمارے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا...... ہم حالات اور ماحول کو اپنی مٹھی میں جکڑنے کی قدرت رکھتے ہیں لیکن انسان وہی ہوشیار ہوتا ہے جو چھوٹی سے چھوٹی چیز کو نظر انداز نہ کرے...... چیونٹی بھی بدن پر چڑھ جائے تو کہیں نہ کہیں کاٹ کر نشان ڈال ہی دیتی ہے...... اس لئے اس چیونٹی کو مسل کر پھینک دینا ہمارے خیال میں تو ایک بہتر عمل ہے۔"

"جی سر کیوں نہیں؟"

"تو بھئی اب ساری صورت حال تمہارے سامنے ہے، ویسے تو اس سلسلے میں اصل کارروائی جس شخص کی ہے ہم اس کا بھی نام سامنے لا سکتے تھے لیکن ایس پی صاحب جب وہ کھل کر ہمارے سامنے نہیں آیا تو ہم کسی کا نام کیوں لیں...... اب صورت حال یہ ہے کہ ایف آئی آر میں جو تفصیلات درج کی گئی ہیں ان میں ایک تو مرزا غیاث بیگ کی رپورٹ ہے کہ ہم نے اس کے بیٹے کو اغوا کر کے حبس بیجا میں رکھا، بے شک پولیس نے اسے برآمد کر لیا وہ ایک

الگ بات ہے لیکن وہ سارا مسئلہ بھی دوسری شکل رکھتا ہے پھر اس کی بیٹی ناہید کی درخواست ہے جس کی شادی ہم نے زبردستی اپنے ایک آدمی سے کرادی...... بھئی نکاح تو کرایا ہم نے بغیر نکاح کے تو اس کے گھر نہیں بھیج دیا اسے، تیسری درخواست خود ہمارے بیٹے کی ہے چوتھی درخواست ایاز بیگ کی۔ عدالت میں ہم ان چاروں درخواستوں کا سامنا کر سکتے ہیں لیکن یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ ہم اپنے دشمنوں کو بھرپور شکست دینا چاہتے ہیں اور ان کی شکست یہ ہے کہ ان کی بات کی سنوائی ہی نہ ہو اور بس جی اللہ کا فضل ہے، دعائیں ہیں رات عالی مرتبت سے ملاقات ہوئی تھی۔ تمہیں پتا چل گیا ہو گا ایس پی صاحب؟"

"جی سر، صبح مجھے اطلاع دے دی گئی تھی۔"

"تو پھر ٹھیک ہے...... اب باقی رہ جاتا ہے وہ سسرا وکیل...... تو میرا خیال ہے اس کے سامنے بھی تھوڑی سی ہڈی ڈال دی جائے...... بلاوجہ ہی اپنی دنیا خراب کر رہا ہے، آپ جانتے ہو اس وکیل کو؟ اس کا نام عدنان واسطی ہے۔"

"جی سر جانتا ہوں...... ظاہر ہے ہم لوگوں کے واسطے تو پڑتے ہی رہتے ہیں۔"

"بس تو اس کے دفتر چلنا ہے تمہارے ساتھ، تم نے یہ اچھا کیا کہ سادہ لباس میں آئے۔"

"ٹھیک ہے سر...... میں حاضر ہوں۔"

"او بھئی ایس پی صاحب، یہ میرے تین نکمے بیٹے ہیں، یہ ذمے داریاں اب ان کو سنبھالنی چاہئیں ان کو بڑے آدمیوں کی طرح جینا آنا چاہئے، سکھا رہا ہوں لیکن سیکھ کر نہیں دیتے۔ پکی پکائی دے دو ان لوگوں کو کھا کر پیٹ پر ہاتھ پھیر لیں گے تو پھر چلیں ایس پی صاحب۔"

"جی سر۔" تھوڑی دیر کے بعد ایس پی صاحب اور امیر علی شاہ عدنان واسطی کے دفتر میں پہنچ گئے تھے...... بینا پہلے ہی عدنان واسطی کو شہاب کی خواہش سے آگاہ کر چکی تھی۔ عدنان واسطی خود بھی سنسنی کا شکار تھا...... بہرحال یہ لوگ شہاب سے بھرپور تعاون کر رہے تھے چونکہ یہ پودا انہیں کا لگایا ہوا تھا جسے شہاب اب اپنی محنت سے سینچ رہا تھا...... امیر علی شاہ کو پہچان بھی لیا تھا عدنان واسطی نے لیکن اس نے اس سے زیادہ پذیرائی ایس پی تنویر صاحب کی، کی اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ارے ایس پی صاحب، یعنی اس موقع پر کوئی شعر پڑھنے کو دل چاہ رہا ہے جس میں عزت افزائی کا تذکرہ ہو لیکن افسوس وکالت کے پیشے سے منسلک ہو کر شعر و شاعری کی

...تنے دور ہوئے کہ اب تو کبھی موقع کا کوئی شعر بھی یاد نہیں آتا۔"

"جی واسطی صاحب، میں آپ سے امیر علی شاہ کا تعارف کرانا چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے آپ کے لئے امیر علی شاہ کا نام ہی کافی ہو گا۔"

عدنان واسطی نے چونک کر امیر علی شاہ کو دیکھا اور پھر بڑے نیاز مندانہ انداز میں آگے بڑھ کر بولا۔

"سر مجھے حکم دیا ہوتا جہاں آپ فرماتے میں حاضر ہو جاتا، آپ نے تو میری بڑی عزت افزائی کر دی ہے، بہت بڑے آدمی ہیں آپ۔" عدنان واسطی کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو امیر علی شاہ نے نظرانداز کر کے کہا۔

"نہیں وکیل صاحب جی ابھی آپ سے ہاتھ نہیں ملانا...... آپ سے ہاتھ ملے گا مگر تھوڑی سی باتوں کے بعد۔"

"اوہو کوئی حرج نہیں ہے تشریف رکھئے...... زندگی کے معمولات تو چلتے ہی رہتے ہیں آپ براہ کرم تشریف رکھئے...... ایس پی صاحب غریب آدمی ہوں لیکن پھر بھی آپ کی کچھ خدمت کر کے مجھے خوشی ہو گی۔ کیا منگواؤں آپ کے لئے؟"

"او نہیں بھائی نہیں...... کھانے پینے نہیں آئے ہیں اللہ کے فضل سے ہمارے پاس کھانے پینے کو بہت کچھ ہے، کچھ باتیں کر لو یہ بچی کون ہے؟"

"جی میری بیٹی ہے، مجھے اسسٹ کرتی ہے۔" عدنان واسطی نے کہا۔

"اس کی یہاں موجودگی میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟"

"نہیں سر بالکل نہیں آپ یہ سمجھ لیجئے کہ آپ کی وفادار ہے یہ بھی۔"

"او کہاں بھئی...... ہم سے وفاداری کب کی تم نے وکیل صاحب...... تم تو تھوڑے سے پیسوں کے لئے دوسروں کے وفادار بن گئے ہمارے خلاف۔"

"نہیں سر اگر آپ کی طرف سے مجھے کوئی حکم ملتا تو میں اس کی تعمیل کرتا۔ فرمایئے میرے لائق کیا خدمت ہے؟"

"وکیل صاحب امیر علی شاہ صاحب کی آمد کی وجہ آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے اور پھر اصل کی بات یہ ہے کہ سارے معاملات کے روح رواں آپ ہی ہیں۔"

"میں سمجھ گیا سر، مرزا غیاث بیگ کے سلسلے میں اشارہ کیا جا رہا ہے۔"

"او بھائی اشارہ نہیں کیا جا رہا...... یا اگر تم اسے اشارہ ہی سمجھتے ہو تو یوں سمجھو
یہ اشارہ تمہیں محبت سے کیا جا رہا ہے ورنہ یہ اشارہ تلوار کی نوک چبھا کر بھی کیا جا
ہم اس کے قائل نہیں ہیں۔"

"سر میں سمجھا نہیں۔"

"بھئی دیکھو بات کو ایک دفعہ میں سمجھ لینا ہی زندگی کی علامت ہوتی ہے......
ہمارے خلاف ایف آئی آر درج کرائی ہے اور ہماری گرفتاری کرا دی ہے لیکن گرفتار
ہو گئے تھے، اب یہ دوسری بات ہے کہ تمہارے ہاں کوئی ایسا لاک اپ نہیں ہے جو ہم
رکھ سکے...... بات نہ تمہاری خوشامد کرنے کی ہے اور نہ ہمیں اس کی ضرورت ہے
بلاوجہ برائی کے عادی نہیں ہیں...... ہاں برائی کی طرف لے جاؤ گے تو ضرور جائیں گے
کتنی فیس ملی ہے تمہیں ان لوگوں سے سب کو ملا کر اور کیا ملا ہو گا ہماری تو سمجھ میں نہ
آتا...... تھوڑے بہت پیسے مل گئے ہوں گے...... یہ کیس ختم کرا لیا ہے ہم نے کوئی ایف
آر نہیں ہے اب ہمارے خلاف لیکن جو لوگ اس سے متعلق ہیں انہیں سمجھا دینا ہماری
داری ہے اور تم بھی انہی میں سے ایک ہو...... لو یہ پچیس ہزار روپے رکھ لو اور بھول جاؤ
کیس کو۔"

"سر آپ کی محبت اور دوستی ہی میرے لئے دنیا کی سب سے قیمتی چیز ہے، اگر میں
یہ پیسے رکھ لئے تو پھر میں آپ کے نیاز مندوں میں کیسے شامل ہوا...... پیسوں کے ذ
کوئی بھی کسی کی محبت حاصل کر لیتا ہے، آپ مجھے حکم دیجئے کہ کرنا کیا ہے؟"

"او بھائی تمہیں کیا کرنا ہے اور تم کر بھی کیا سکتے ہو...... بس یوں کرو یہ خیال
دماغ سے نکال دو اور اس کیس کو بالکل بھول جاؤ۔" امیر علی شاہ نے کہا۔

"لیکن سر تھانے میں ایف آئی آر کٹ چکی ہے۔"

"کون سا تھانہ، کیسا تھانہ...... یہ تمہیں ایس پی تنویر جاہ نظر نہیں آ رہے او
پولیس ڈیپارٹمنٹ ہیں...... سب کام ٹھیک ہو چکا ہے...... ایف آئی آر رجسٹر ہم اٹھا
تھانے سے اور اب وہ ہمارے پاس ہے۔"

"جی سر۔" عدنان واسطی نے کہا...... ان کا چہرہ اتر گیا تھا...... امیر علی شاہ نے کہا

"او میاں ایس پی صاحب، تم بھی تو کچھ بولو۔"

"وہ، جی، ہاں اصل میں واسطی صاحب، امیر علی شاہ صاحب بہت اثر و رسوخ رکھتے ہیں
ایک بہت بڑی شخصیت نے ان کے بارے میں ہدایات دی ہیں اور ہر طرح کی ذمے داری
قبول کی ہے۔"

"جی میں سمجھ رہا ہوں۔"

"وہ غیاث بیگ کہاں ہے؟ آپ کو تو اس کے بارے میں معلوم ہو گا؟ ہم اسے تلاش
کرنے اس کے گھر گئے تھے وہ چالاک آدمی وہاں سے غائب ہو گیا ہے...... اس کے علاوہ
رحمان علی شاہ اور ایاز بیگ الگ غائب ہیں۔"

"سر، غیاث بیگ نے مجھ سے میرے دفتر میں ملاقات کی تھی اور اپنا پتا وغیرہ لکھوایا
تھا...... بس میں نے اپنے طریق کار کے مطابق ہی کارروائی کی ہے۔"

"کیا پتا ہے؟" امیر شاہ نے پوچھا اور واسطی صاحب نے اپنا فائل نکال کر اس میں درج
پتا دہرا دیا۔

"او بھائی...... اس پتے سے غائب ہے وہ...... نہیں ہے اب وہ یہاں۔"

"سر مجھے اس بارے میں کچھ معلومات ہیں۔" بینا نے درمیان مداخلت کی اور وہ اس کی
طرف متوجہ ہو گئے۔

"تو بتاؤ بی بی۔"

"مرزا غیاث بیگ کو اس کے داماد جوہر خان کی حمایت حاصل ہے کیونکہ جوہر خان
دوسری بار یہاں آیا تھا اور اس نے ہماری فیس ادا کی تھی۔"

امیر شاہ کا چہرہ اتر گیا وہ غرا کر بولا۔ "ہاں وہ غدار میرا کتا ہے...... آج کل مجھ پر بھونک
رہا ہے لیکن اس کا بھی بندوبست ہو جائے گا...... میری نرم طبیعت نے بہت سے سر اٹھا دیئے
ہیں میرے سامنے لیکن اب کچھ کر لوں گا۔"

"ہمارے لئے خدمت بتائیے۔"

"چلو تم یہ معاوضہ رکھو...... تمہیں اور بھی خدمت بتائیں گے۔"

"سر...... آپ بہت فراخ دل انسان ہیں...... ہم سے کوئی کام لیں گے تو معاوضہ بھی
مانگ لیں گے آپ سے...... یہ بہت بڑی رقم ہے...... اس پر ہمارا حق نہیں ہے۔"

"لو عجیب سر پھرا آدمی ہے یہ وکیل...... پچیس ہزار ٹھکرا رہا ہے...... تمہاری مرضی

ہے بھئی لیکن یہ کان کھول کر سن لینا وکیل صاحب...... دوبارہ کوئی ایف آئی آر ان کے حوالے سے درج نہیں ہو گی۔"

"جی سر۔ میں یہ نہیں کروں گا لیکن میرے خیال میں یہ احکامات بار کونسل کو بھی دیئے جائیں...... کہیں دوسرے وکیل یہ کام نہ شروع کر دیں۔"

تنویر جاہ نے چونک کر عدنان واسطی کو دیکھا...... عدنان واسطی کے الفاظ کی تلخی اس نے محسوس کی تھی اور خوفزدہ ہو گیا تھا کہ اب کہیں اس شریف النفس وکیل کی شامت نہ آ جائے مگر شکر ہے...... امیر شاہ نے نہ سمجھا اور بولا۔

"او تم کسی کی فکر مت کرو بھائی...... سب سے نمٹ لیں گے...... تم بس اپنا کام کرو...... ایک ڈیوٹی اور ہے تمہاری۔"

"حکم سر۔" عدنان واسطی نے کہا۔

"دیکھو...... ہم خفیہ طور پر یہاں آئے ہیں، کسی کو نہیں معلوم وہ لوگ لازمی تمہارے پاس ضرور آئیں گے...... انہیں اعتماد میں لے کر ان سے ان کی موجودہ رہائش کا ضرور معلوم کر لینا اور پھر اس فون پر ہمیں بتا دینا۔"

"جی بہتر ہے۔"

"اور کوئی کام ایس پی صاحب؟" امیر شاہ نے ایس پی سے کہا۔

"نہیں سر اور کوئی کام نہیں ہے۔"

"تو پھر چلو...... یہ کام بھی ہو گیا...... اور یہ پیسے رکھ لو وکیل صاحب بچی کے کام ہی آ جائیں گے۔"

"سر ضرور لوں گا آپ سے لیکن کوئی خدمت انجام دینے کے بعد۔ بے حد شکریہ۔"

"تمہاری مرضی ہے...... ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں ایس پی صاحب؟"

"جی سر، ہوتے ہیں...... چلیں۔"

"ہاں چلو۔" پھر رسمی سلام دعا کے بعد وہ وہاں سے نکل آئے۔

ان دونوں کے چلے جانے کے بعد عدنان واسطی نے مضطرب نظروں سے بینا کو دیکھا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔ "یہ کیا ہوا؟"

"یہی ہوا ہے ڈیڈی، تمام تر شبوتوں کے بعد انسپکٹر شہاب نے امیر علی شاہ، اس کے

بیٹوں اور دو ملازموں کو گرفتار کر لیا...... انہیں لاک اپ کر دیا گیا پھر امیر علی شاہ نے فون کرنے کی اجازت مانگی اور پانسہ پلٹ گیا...... ایس پی صاحب امیر علی شاہ کو نکال لائے اور اپنے اختیار کی بنیاد پر ایف آئی آر رجسٹر ساتھ لے آئے جواب امیر شاہ کے قبضے میں ہے اور امیر شاہ اس کیس کے سارے نشان مٹاتا پھر رہا ہے تاکہ اس کیس کا وجود ہی نہ رہے۔"

"اور شہاب؟"

"شہاب حاضر ہے واسطی صاحب۔" اچانک دروازے سے شہاب کی آواز سنائی دی پھر اندر آنے کی اجازت لے کر وہ اندر داخل ہو گیا...... وہ سادہ لباس میں تھا اور بہت سمارٹ نظر آ رہا تھا...... عدنان واسطی نے بے اختیار کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا وہ بے حد منتشر نظر آ رہا تھا۔ "ہیلو واسطی صاحب، ہیلو بینا۔" بینا نے مسکراتے ہوئے گردن خم کی۔

"بیٹھو شہاب۔ میں میں سخت پریشان ہو گیا ہوں۔"

"خیریت سر؟"

"بھئی سب کچھ معلوم ہے تمہیں...... امیر علی شاہ نکل گیا...... اس نے آخر کار وہی کیا جس کا خدشہ تھا۔"

"خدشہ تو تھا سر۔"

"اور اب وہ تمہارا دشمن بن گیا ہو گا...... اس کمبخت نے سارے توڑ کر لئے۔"

"نہیں سر، وہ ابھی میرا دشمن نہیں بنا...... اسے گرفتار کرنا میری ڈیوٹی تھی...... اس کے بعد میں نے اسے وہ سہولتیں فراہم کیں جن کا وہ طلب گار تھا...... یہاں تک کہ سرکاری رجسٹر بھی اس کی تحویل میں دے دیا۔"

"تو پھر سب کچھ ختم؟" عدنان واسطی نے مضمحل لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب سر؟" شہاب حیرت سے بولا۔

"اب کیا کرو گے؟"

"وہ جو کیا جا سکتا ہے...... سر ہم نے تو لڑائی شروع کی ہے...... اب تو ہم کسی مد مقابل کے مقابل آئے ہیں...... اب تو جنگ شروع ہو گی...... یہ تو پینترے بازی ہے جو ہو رہی ہے...... ہم داؤ لگانے کے لئے پینترے بدل رہے ہیں اور سر، ابتدائی واروں سے وہ زخمی ہو چکا ہے۔ ہم نے اس کے زخم لگا دیئے ہیں سر اور ان کی تفصیل یہ ہے...... نمبر ایک...... ہم

نے اس کے شکست خوردہ بیٹے کو جس نے اس کا ظلم قبول کر لیا تھا اور خود کو بے بس قرار دے دیا تھا...... اس کے مدمقابل لا کھڑا کیا، نمبر دو...... اس کے وفادار غلام جوہر خان کو جگا کر اس سے دشمنی پر آمادہ کر دیا وہ ہمارے پاس اس کے جرائم کا سب سے موثر گواہ ہے، نمبر تین...... غیاث بیگ کو اس کا بیٹا واپس دلا دیا اور مستقبل میں اس کے اثاثے بھی اسے مل جائیں گے، نمبر چار۔ امیر شاہ کو ہتھکڑیاں لگا کر اس کی حویلی سے لایا گیا اور لاک اپ میں اسے اٹھائیس گھنٹے بھوکا پیاسا زمین پر بٹھائے رکھا...... اس کے باوجود وہ ہمارا دشمن نہیں ہے۔" اور شہاب نے بینا کی طرف دیکھا اور مسکرا کر خاموش ہو گیا۔

"لیکن اب؟" واسطی صاحب بولے۔

"اب اس پر دوسرا پہلے سے زیادہ مہلک اور کاری وار کرنے کی کوشش کی جائے گی اور سر وہ اس دوسرے وار سے بھی بچ گیا یا یہ وار کرنے کی صورت حال نہ بن سکی تو پھر اس پر تیسرا وار ہو گا...... واسطی صاحب، سڑکیں وسیع ہیں، حادثات ہوتے رہتے ہیں...... بڑے افسوس ناک حادثے ہوتے ہیں بعض اوقات، اخبارات میں خبر ہو گی...... امیر علی شاہ اپنے تین بیٹوں کے ساتھ ٹریفک کے ایک حادثے میں ہلاک ہو گئے یا ان کے کسی دشمن نے انہیں ان کی زمینوں پر ہلاک کر دیا...... اب ہر حادثے کا کوئی نہ کوئی پس منظر تو ہوتا ہے...... زیادہ سے زیادہ کسی سرکاری اجتماع میں دو منٹ کی خاموشی اختیار کی جائے گی، ایک بڑے آدمی کی موت پر موت برحق ہے اور گناہ کی سزا ضروری۔"

واسطی صاحب کے علاوہ بینا بھی کانپ گئی...... یہ آواز بے حد ہولناک تھی۔ شہاب مسکرا رہا تھا لیکن یہ بے حد سفاک مسکراہٹ تھی...... کچھ دیر اسی تاثر میں گزر گئی پھر شہاب نے کہا۔

"مجھے عوام کے تحفظ کے لئے وردی دی گئی ہے واسطی صاحب...... اس کے تحت مجھے تنخواہ بھی ملتی ہے...... ہمیں حکم ہے کہ فتنہ و فساد پھیلانے والوں پر معصوم اور بے گناہ عوام کو نقصان پہنچانے والوں پر گولی چلائیں، انہیں گرفتار کریں، انہیں ہلاک کر دیں، بشرطیکہ گناہ گار ہوں اور امیر شاہ ظالم ہے، گناہ گار ہے اگر وہ حفاظتی خول پہنے ہوئے ہے تو ہماری ڈیوٹی ختم نہیں ہو جاتی...... ہاں بینا کیا رپورٹ ہے؟"

"جی سر؟" بینا چونک پڑی۔

"کام ہو گیا؟"

"جی سر۔"

"ناؤ۔" شہاب نے کہا اور بینا نے ریموٹ نکال لیا اس نے ریموٹ پر لگے ہوئے بٹن ...یٹ ریوائنڈ کیا...... واسطی صاحب پہلے تو کچھ نہ سمجھ پائے لیکن جب کچھ دیر کے بعد ...ی میز کے نیچے سے آوازیں ابھریں تو ان کی آنکھیں شدید حیرت کے پھیل گئیں وہ اس ...ن بچ مچ اینچو بنے ان آواز کو سن رہے تھے۔

✻

ڈی آئی جی نادر حیات ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئے اور شہاب اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ نادر ...ات نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "نہیں انسپکٹر سیلوٹ نہیں۔ تم نے کہا تھا تم مجھ سے ذاتی ملاقات ...ی خواہش مند ہو؟"

"جی سر...... خالص ذاتی ملاقات ہے...... مجھے آپ سے کچھ رہنمائی درکار ہے۔"

"کس قسم کی؟ بیٹھو۔" ڈی آئی جی خود بھی بیٹھ گئے۔

"محکمہ پولیس میں نیا ہوں...... ایسے اختیارات کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں جو ...رکاری طور پر تو دیئے جاتے ہیں لیکن کسی وجوہات کی بنیاد پر ختم کر دیئے جاتے ہیں۔"

"کوئی مشکل درپیش ہے؟" نادر حیات مسکرائے۔

"جی سر۔"

"بتاؤ۔"

"سر یہ تحریری رپورٹ ہے...... میں نے سوچا ممکن ہے زبانی طور پر میں آپ سے ...فصیل نہ بیان کر سکوں...... اس لئے تحریر کر لی ہے۔"

"ہاں...... گڈ...... یہ اچھا کیا تم نے...... لاؤ دکھاؤ۔" نادر حیات صاحب نے کہا اور ...ہاب نے وہ فائل درمیان سے کھول کر ان کے سامنے کر دیا جس میں ایک کاغذ رکھا ہوا تھا اور ...س کاغذ میں اس نے اس واقعے کی پوری تفصیل من و عن لکھ دی تھی۔ نادر حیات کاغذ پڑھنے ...گے پھر وہ اس طرح اس میں کھوئے کہ شہاب کی موجودگی ہی بھول گئے، وہ گم صم یہ کاغذ پڑھ ...ہے تھے اور ان کے چہرے پر تغیرات نمودار ہوتے جا رہے تھے، پھر انہوں نے تین بار اس ...فصیل کو پڑھا اور پھر فائل بند کر دیا...... اس کے بعد وہ شہاب کو گھورنے لگے۔ دیر تک وہ

اسے دیکھتے رہے پھر بولے۔

"ایف آئی آر رجسٹر اب کہاں ہے؟"

"میرے علم کے مطابق امیر علی شاہ کے پاس لیکن سر وہ اصلی نہیں ہے رجسٹر میرے پاس ہے...... میں نے اصل کی ڈپلی کیٹ تیار کر لی تھی، البتہ ایس پی صاحب اس پر غور نہیں کیا...... یہ اصلی ایف آئی آر رجسٹر ہے۔"

"ونڈر فل...... دکھاؤ۔" ڈی ایس پی صاحب خوش ہو کر بولے اور شہاب نے ان کے سامنے کر دیا...... نادر حیات صاحب دیر تک مختلف چیزیں دیکھتے رہے تھے پھر نے کہا۔ "ڈاکٹر نصرت کبیر اس سلسلے میں گواہی دیں گے؟"

"مکمل سر؟"

"غیاث بیگ کے لئے کون گواہی دے گا؟"

"شاہ پور کے معززین۔"

"رحمان علی شاہ خود گواہی دے گا؟"

"جی سر۔"

"ایاز بیگ محفوظ ہے؟"

"جی سر...... اس کے علاوہ ایک اور گواہ میرے پاس ہے۔"

"کون؟" نادر حیات صاحب نے پوچھا اور شہاب نے جیب سے ایک کیسٹ نکا دوسری جیب سے واک مین نکالا پھر اس نے کیسٹ آن کر کے ڈی آئی جی صاحب کو د اور انہوں نے پر شوق انداز میں کلیپ کانوں پر چڑھائے...... کیسٹ آن تھا، وہ سنتے رہے پھر ان کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"ان لوگوں نے کیا سمجھ رکھا ہے محکمہ پولیس کو، کیا سمجھتے ہیں یہ لوگ قانون کو سمجھتے ہیں ہمیں۔" شہاب گردن جھکائے بیٹھا رہا...... کچھ دیر کی خاموشی کے بعد ڈی آئی صاحب بولے۔ "مجھ پر بھروسا کرو گے شہاب؟"

"جی سر۔ آپ کی ایک کانفرنس نے میری ہمت افزائی کی تھی اور میں اسی ڈور کو پکڑ ہوئے آپ کے پاس چلا آیا ہوں۔"

"میں زندگی کی بازی لگا دوں گا وہ مجرم ہے اسے ایسی عبرت ناک سزا ملے گی کہ

سنبھل جائیں گے...... تم یہ سب کچھ میرے پاس چھوڑ جاؤ...... صورت حال مد نظر رکھو...... مجھے روزانہ شام کو رپورٹ چاہئے جس میں تم مجھے ایاز بیگ اور غیاث کی خیریت بتاؤ گے اور یہ بتاؤ گے کہ رحمان علی شاہ کہاں ہے، یہ بھی بتاؤ گے کہ امیر شاہ اب کیا کر رہا ہے۔"

"جی سر۔"

"جا سکتے ہو۔"

پانچویں دن تک پوزیشن یہ تھی کہ امیر علی شاہ، شاہ پور واپس چلا گیا تھا...... باقی سب حسب سابق تھا...... سوائے ایک ذاتی سی بات کے وہ یہ کہ رحمان علی شاہ اور جوہر خان گہرے دوست بن گئے تھے اور دونوں میں خوب گھٹ رہی تھی، پھر نادر حیات صاحب نے عدنان واسطی سے ملاقات کر کے ان سے کچھ قانونی امور پر گفتگو کی اور انہیں ہدایات جاری کرنے کے بعد کہا۔

"انسپکٹر شہاب کل صبح ہم پولیس فورس کے ساتھ مفرور امیر شاہ کی حویلی پر ریڈ کریں گے جو گرفتار ہونے کے بعد پولیس کو جل دے کر لاک اپ سے نکل بھاگا ہے، اس ریڈ کی قیادت تم کرو گے اور نگرانی میں خود کروں گا۔"

پولیس کے چھ ٹرک شاہ پور پہنچے تھے اور پوری حویلی پولیس والوں سے بھر گئی تھی۔ امیر علی اور اس کے بیٹوں کو گل باز خان اور خیر خان کے ساتھ گرفتار کر کے سختی سے گھسیٹتے ہوئے حویلی سے نکال کر پولیس اسٹیشن لایا گیا تھا اور امیر علی شاہ ششدر رہ گیا تھا...... یوں اسے معمول کے مطابق لاک اپ کر دیا گیا...... ساری رات وہ بند رہا...... دوسری صبح گل زمان نیاز مندی سے اس کے سامنے پہنچا تھا۔

"حضور...... کوئی تکلیف، کوئی ضرورت؟"

"بکواس مت کرو...... انچارج کہاں ہے تمہارا؟"

"موجود ہیں حضور...... کوئی حکم؟"

"فون کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور سرکار...... وہ چابی......" گل زمان ہنس کر بولا۔

"یہ گھڑی رکھو، یہ انگوٹھی رکھو۔ تین لاکھ روپے مالیت کی ہیں، کیش نہیں ہے میرے پاس......" امیر شاہ دانت پیس کر بولا۔

"ارے حضور ... اس کی کیا ضرورت ہے...... اسے آپ کا تحفہ سمجھ کر رکھ لیجئے ہیں...... آیئے سر فون کیجئے...... آیئے۔" گل زمان نے چابی لباس سے نکال کر لاک اپ کا دروازہ کھول لیا اور باقی لوگوں کو وہیں بند کر کے صرف امیر شاہ کو آفس لے گیا...... شہاب نے دست بستہ سلام کیا اور فون اسے پیش کر دیا...... امیر شاہ نے نمبر ڈائل کئے اور ریسیور کان سے لگالیا...... پھر سخت لہجے میں بولا۔

"عالی مرتبت سے بات کراؤ...... میں امیر علی شاہ بول رہا ہوں۔"

"عالی مرتبت موجود نہیں ہیں۔"

"کہاں ہیں وہ؟"

"غیر ملکی دورے پر گئے ہیں...... دورے سے واپسی پر وہ امریکی ہسپتال میں بغرض علاج داخل ہوں گے...... ان کا پروگرام بہت طویل ہے سوری سر۔" دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا اور امیر علی شاہ ریسیور کو گھورتا رہ گیا...... اچانک اس کے چہرے پر خوف کے آثار اُبھر آئے تھے...... اس نے آہستہ سے ریسیور واپس رکھ دیا اور شہاب کو دیکھنے لگا۔

"اور کوئی خدمت حضور، کوئی ضرورت ہو بے تکلفی سے فرمادیجئے۔ گل زمان، بڑی سرکار کا خیال رکھنا۔ لاک اپ میں کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔"

"جی سر۔ آیئے۔" گل زمان نے کہا اور امیر شاہ کو واپس لا کر لاک اپ میں بند کر دیا۔

❀❀❀

ڈی آئی جی نادر حیات نے بنفس نفیس لاک اپ میں امیر شاہ سے ملاقات کی تھی ...ری نرمی سے پیش آئے تھے...... انہوں نے اپنا تعارف کرایا تو امیر شاہ نے کہا۔

"آپ لوگوں کو معزز لوگوں کے بارے میں علم ہونا چاہئے...... سب کو ایک لکڑی سے ...نکتے ہیں آپ لوگ۔"

"معزز لوگ اگر جرائم کریں تو ان کے ساتھ کیا سلوک کریں ہم لوگ۔ امیر علی شاہ ...احب؟" نادر حیات نے پوچھا۔

"میرے خلاف جرم ثابت ہو گیا؟"

"ہاں۔ وہ سارے لوگ پولیس کی تحویل میں آگئے ہیں جو آپ کے کشتگان ہیں۔ ان ...ں آپ کا بیٹا بھی شامل ہے۔"

"...و سب میرے دشمنوں کی سازش ہے۔ بہت بڑا پلان بنایا گیا ہے میرے خلاف۔"

"ٹھیک شاہ صاحب۔ عدالت میں آپ کو پورا موقع ملے گا۔"

"خاک موقع ملے گا۔ مجھے اپنے بچاؤ کے لئے کوئی کوشش بھی نہیں کرنے دی جاتی۔ ...ں اپنے ہمدردوں کو ٹیلی فون کرنا چاہتا ہوں۔ دیکھو ڈی آئی جی صاحب، میں عالی مرتبت کا ...دوست ہوں اور آپ کو علم ہو چکا ہو گا کہ عالی مرتبت پہلے بھی مجھے اس کیس سے نکال ...چکے ہیں۔ اصل میں یہ سب میرے خلاف بنایا ہوا کیس ہے اور اس میں کوئی سچائی نہیں ہے، ...پ لوگ ایسا تو کر لو کہ عالی مرتبت کی واپسی کا انتظار کر لو ان سے بات کر کے پھر جو مرضی ...ہے کر لینا۔"

"عالی مرتبت ملک سے باہر سرکاری دورے پر ہیں اور اس کے بعد وہ امریکہ میں اپنا

علاج کرائیں گے، بہر حال کیس تو چل ہی رہا ہے۔ ...ز وہ اس دوران واپس آ جاتے ...
کے لئے کچھ کر لیں گے۔"

"مجھے کچھ اور لوگوں کو بھی فون کرنا ہے، جو میرے بچاؤ کا بندوبست کر سکتے ہیں۔"

"آپ ابھی ہمارے سامنے انہیں فون کر لیجئے گا۔ ہم آپ کو اس کا پورا پورا مو... گے۔ ایک معزز شہری کو بس اتنی ہی سہولتیں دی جا سکتی ہیں۔ اب یہ تو ممکن نہیں امیر علی شاہ صاحب کہ آپ کو گرفتار کرنے کے بعد عالی مرتبت کی واپسی تک ... کر دیا جائے۔"

"او دیکھو ڈی آئی جی صاحب میں کوئی ٹٹو پنجو نہیں ہوں...... بہت بڑا آدمی ... میں...... آدھے سے زیادہ شاہ پور میری ملکیت ہے، او بھئی دیکھو کچھ دو اور کچھ لو ... ورنہ گھاٹے میں رہو گے۔"

"وہ جی کر لیں گے آپ ایسا کریں کہ جن لوگوں کو فون کرنا چاہتے ہیں کر لیں۔ ... لوگوں سے ملاقات کر لوں گا اگر وہ آپ کے لئے کوئی نکتہ نکال سکتے ہیں تو میں ان سے ... کروں گا۔"

ڈی آئی جی نادر حیات نے اپنے سامنے ٹیلی فون رکھا اور سوالیہ نگاہوں سے امیر ... کو دیکھنے لگے...... امیر علی شاہ پر اس دوران بدحواسی طاری ہو گئی تھی، چنانچہ اس نے ڈی ... جی صاحب کو ایک ٹیلی فون نمبر بتایا اور ڈی آئی جی صاحب نے ٹیلی فون نمبر ڈائل ... ریسیور امیر علی شاہ کو دے دیا لیکن یہ ٹیلی فون نمبر انہوں نے اس وقت اطمینان سے اپنی ... بک میں لکھ لیا۔ جب امیر علی شاہ نے گفتگو کا آغاز کیا۔ یہ بھی ایک بڑی ہستی تھی لیکن ... علی شاہ کی ملاقات اس سے نہ ہو سکی۔ پھر یکے بعد دیگرے چار نمبر ڈائل کئے گئے، ان میں ... دو پر باقاعدہ گفتگو ہوئی اور امیر علی شاہ نے ان لوگوں کو اپنی بپتا سنا دی۔ شاید ان میں ... نے وعدہ بھی کیا تھا کہ کچھ کرے گا۔ نادر حیات صاحب تمام نمبرز اور نام نوٹ کرتے ... تھے...... پھر امیر علی شاہ نے کہا۔

"ڈی آئی جی صاحب آپ بھی سوچو، ایس ایچ او صاحب کو بھی میں نے ... تقدیر بنانی ہے تو میرے معاملے میں ذرا نرمی اختیار کرو۔ دنیا میں کچھ لینے اور کچھ دینے ... کام چلتا ہے۔"

"جی جی۔" امیر علی شاہ کو واپس لاک اپ میں پہنچانے کے بعد ڈی آئی جی نادر حیات ...

"یہ چاروں نمبر میں نے نوٹ کر لئے ہیں مسٹر شہاب ثاقب۔ کم از کم یہ اندازہ ہو گیا ... جگہوں سے اس کیس میں مداخلت ہو سکتی ہے۔ تم بالکل بے فکر رہنا۔ میں اپنے فرض کو ... حد تک نبھانا جانتا ہوں۔ ان لوگوں میں سے اگر کسی نے بھی امیر علی شاہ کے معاملے ... مداخلت کی تو میں انہیں بھی گرفتار کر کے لاک اپ میں ڈلوا دوں گا۔ یہ شخص سمجھتا کیا ... خود کو۔"

شہاب ثاقب نے دل سے ڈی آئی جی نادر حیات کو سراہا تھا اور سوچا تھا کہ اگر ایسے پولیس آفیسر پولیس ڈیپارٹمنٹ میں آ جائیں تو معاشرے سے جرائم کا اسی فیصد خاتمہ ... ہو جائے۔ بہر حال اس وقت شہاب ثاقب کو دلچسپ صورت حال کا سامنا کرنا پڑا تھا جب ... بیگ کا فون اسے موصول ہوا۔ جبار بیگ صاحب نے کہا۔

"وہ شہاب صاحب، بھئی سنا ہے تم نے شاہ پور کے امیر علی شاہ کو گرفتار کیا ہے کسی کے سلسلے میں؟"

"جی سر...... صحیح سنا ہے آپ نے۔"

"بھئی وہ تو ہمارا دوست ہے ہمارے اور ان کے درمیان بڑے روابط رہ چکے ہیں، کم از ... ذرہ تو کر لینا چاہئے تھا یار...... وہ تو بڑے کام کا آدمی ہے۔ ہمارے بہت سے کام آ سکتا ... کیا کر رہے ہو اس کے سلسلے میں؟"

"افسوس ہے جبار بیگ صاحب۔ اس کی گرفتاری میرے ہاتھوں عمل میں نہیں آئی ہے ... ڈی آئی جی نادر حیات صاحب نے اسے بذات خود گرفتار کیا ہے کیونکہ علاقہ میری تحویل ... تھا، جس سلسلے میں یہ کارروائی ہوئی ہے اس لئے گرفتاری میں، میں بھی شریک تھا۔ ... میں ایک بار اسے رہا کر چکا ہوں لیکن نادر حیات صاحب نے اس بار خود ریڈ کر کے گرفتار کیا ہے۔ آپ اگر نادر حیات صاحب کے سلسلے میں کچھ کر سکتے ہیں تو ضرور کیجئے گا۔ ... میرے ہاتھ کی ہوتی تو ظاہر ہے آپ کی ہدایت کے مطابق ہی کام کرتا۔"

"یار سنا ہے یہ نادر حیات صاحب تو بہت ہی سخت مزاج ہے۔"

"ایسا سر کہ اس نے قسم کھائی ہے کہ اگر امیر علی شاہ کے سلسلے میں کسی نے سفارش

وغیرہ کی کوشش کی تو اسے بھی اسی کیس میں پھانس لوں گا۔"

"ہوں۔ اور سب خیریت ہے...... کیسا چل رہا ہے تمہارا تھانہ۔" جبار بیگ کا لہ دم بدل گیا۔"

"سر آپ کی دعاؤں کے سہارے چل ہی رہا ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے پھر کسی وقت بات کروں گا باقی سب خیریت ہے؟"

"جی سر...... بالکل۔" شہاب نے جواب دیا اور دوسری طرف سے ٹیلی فون منقطع ہو گیا۔ نادر حیات کے بارے میں یہ جملے سننے کے بعد جبار بیگ صاحب کو ہوش آ گیا تھا اور انہوں نے ٹیلی فون بند کر دیا تھا...... بہر حال امیر علی شاہ صاحب نہیں چل سکی، اونٹ پہاڑ تلے آ گیا تھا اور اب اسے اپنی کوتاہ قدمی کا احساس ہو رہا تھا انسانی فطرت ہے۔ آسمان کو چھونے کے لئے کوشاں اپنی پستیوں کو بھول جانے وا طرح منہ کے بل گرتے ہیں۔ مقدمہ پیش ہوا۔ عدنان واسطی نے اس کی پیروی کی کے بعد تمام تر سلسلے جاری ہو گئے حالانکہ کیس بہت مشکل تھا لیکن جو کچھ اس کے لئے تھا وہ کیس کو آسان بناتا چلا گیا۔ امیر علی شاہ کے حواریوں نے اس کے بعد صورت سنبھال لیا تھا...... گو امیر علی شاہ کی رہائی کسی طرح ممکن نہیں ہوئی اور ضمانت کے جانے والی ہر کوشش ناکام بنا دی گئی۔ اتنی گواہیاں تھیں کہ امیر علی شاہ کو گردن اٹھ مہلت نہیں مل رہی تھی۔ وکیلوں کا ایک پورا پینل تھا جو اس کے تحفظ کے لئے کو لیکن بعد میں ان وکیلوں کو بھی احساس ہو گیا تھا کہ بے شک کیس لڑنے کا معاوضہ ہے لیکن اس کیس میں وہ امیر علی شاہ کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ گواہیاں تھیں کہ امیر علی شاہ نے شاہ پور کے لوگوں کے ساتھ جو کچھ کیا تھا وہ سامنے آ رہا تھا۔ ہر " کے خلاف گواہی دینے پر تل گیا تھا، جس کے ساتھ امیر علی شاہ نے اپنی طاقت کے برا سلوک کیا تھا...... خود عدالت آ آ کر لوگ اپنے نام لکھوا رہے تھے اور اس ضرورت ہی نہیں پیش آئی کہ افضل خان وغیرہ کے کیس کو ادھر سے پیش کیا جا کے لوگوں نے خود ہی یہ کیس بھی عدالت کے سامنے پیش کئے تھے۔ ڈاکٹر کبیر کی اہمیت کی حامل تھی اور انہوں نے رحمان علی شاہ کے سلسلے میں ہر چیز مع ثبوت کاست سامنے رکھ دی تھی۔ پھر عدنان واسطی کو دی جانے والی دھمکیاں جنہوں

بہت سے لوگوں کو لپیٹ میں لے لیا تھا یہاں تک کہ ایس پی تنویر جاہ کو فخر الدین کی سفارش کے ساتھ عدنان واسطی سے درخواست کرنی پڑی تھی کہ عدنان واسطی اس کا نام سامنے نہ لائے، کیونکہ ڈور تو بے شک اوپر سے ہلی تھی لیکن ڈور ہلانے والا یہاں موجود نہیں تھا اور اس سلسلے سے بالکل بے خبر ملک سے باہر تھا پھر یہ بھی ڈی آئی جی نادر حیات کی کوئی کوشش تھی کہ وہ شخص یعنی عالی مرتبت خود ہی اس معاملے سے نکلنے کے لئے ایک طویل عرصے کے لئے روپوش ہو گیا تھا۔ مقدمے کا فیصلہ سنایا گیا۔ ہر کیس میں امیر علی شاہ کو پانچ پانچ اور چھ چھ سال کی سزا سنائی گئی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے بیٹوں کو بھی سزائیں ہوئی تھیں اور ان دو ملازموں کو بھی جو اس کے دست راست تھے...... نجانے کیوں امیر علی شاہ نے جوہر خان کا نام نہیں لیا تھا۔ غالباً اس تصور کے ساتھ کہ اگر جوہر خان ان لوگوں کے ہاتھ نہیں لگا ہے اور وہ خود اس کا نام پیش کرتا ہے تو جوہر خان کے پاس اور بھی بہت سے ایسے راز تھے جو امیر علی شاہ کی ان سزاؤں میں اضافہ ہی کر سکتے تھے۔ حالانکہ مجموعی طور پر یہ سزائیں اتنی ہو گئی تھیں کہ امیر علی شاہ کی زندگی ان کے لئے ناکافی تھی لیکن شکر تھا کہ ایسا کوئی قتل مع ثبوتوں کے پیش نہیں کیا جا سکا تھا جس کے نتیجے میں اسے سزائے موت ہی ہو جاتی، حالانکہ ایسے کئی کیس اس پر تھے لیکن ان کے کوئی ایسے ثبوت موجود نہیں تھے جو ٹھوس حیثیت کے حامل ہوں۔ بہر حال یہ مسئلہ اس شکل میں حل ہو گیا تھا۔ رحمان علی شاہ بھی کئی پیشیوں میں شریک ہوا تھا۔ متاثر ہی تھا کیونکہ بہر حال باپ اور بھائی تھے لیکن جو کچھ اس کے ساتھ ہوا تھا وہ ایسا تھا کہ اگر اس کے بعد وہ چاہتا بھی تو امیر علی شاہ اور اپنے بھائیوں کو ان مشکلات سے نہیں نکال سکتا تھا۔ جب سزائیں سنا دی گئیں تو رحمان علی شاہ بہت مضمحل ہو گیا تھا۔ شہاب کے ساتھ ہی عدالت سے واپس آیا تھا اور غمگین نظر آ رہا تھا۔ شہاب اسے اس عمارت میں لے گیا جو کریم سوسائٹی میں تھی اور جہاں جوہر خان بھی موجود تھا۔ وہاں پہنچنے کے بعد شہاب نے رحمان علی شاہ کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"تم اپنے باپ کو معاف بھی کر سکتے تھے لیکن معاملہ صرف تمہارا ہی نہیں تھا رحمان علی شاہ۔ بہت سے لوگ امیر علی شاہ کے ہاتھوں ستائے ہوئے تھے...... جیسے غیاث بیگ اس کا بیٹا ایاز بیگ۔ اور پھر بہت سے دوسرے بھی...... بہر حال مجھے افسوس ہے لیکن اب تم یہ سوچو کہ تم پر کتنی ذمے داریاں آ پڑی ہیں۔"

"کیا ذمے داریاں شہاب صاحب، دولت، جائیداد، کاروبار، یہی ساری چیزیں سنبھالوں گا نا میں، تنہا انسان کے لئے کیا یہ سب کچھ اہمیت رکھتا ہے۔ میری ماں شاہ پور کی حویلی میں میری صورت دیکھے گی، کیا جواب دوں گا اسے۔"

"یہ سب کرنی کا پھل ہے جسے نہ میں روک سکتا تھا۔ نہ تم نہ کوئی اور...... خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔ خود امیر علی شاہ نے کتنے لوگوں کو زندگی سے دور کر دیا تھا...... یہ دکھ کی بات ہے خیر اب یہ بتاؤ مستقبل کے لئے تمہارا کیا ارادہ ہے۔"

"ابھی میں کچھ سوچنے سمجھنے سے قاصر ہوں جناب مجھے کوئی ایسی جگہ دیجئے جہاں میں تھوڑا وقت اپنا غم غلط کرنے میں گزار لوں۔"

"میری بات مانو گے؟"

"سر آپ کے سوا کسی کی بات نہیں مانوں گا۔"

"تو پھر غیاث بیگ کے ساتھ رہو۔ وہ گھرانا تمہارا ضرورت مند ہے۔"

رحمان علی شاہ نے نگاہیں اٹھا کر شہاب کو دیکھا اور بولا۔

"کیا کروں کیا نہ کروں، آخر ہوں تو اسی باپ کا بیٹا جس کے ہاتھوں ان لوگوں کو اتنے زخم ملے ہیں کہ اب ان زخموں کا مرہم ممکن نہیں ہے۔"

"ایک ذاتی سوال کروں رحمان علی شاہ؟"

"شہاب صاحب آپ مجھ سے کچھ پوچھا نہ کریں...... اللہ نے سب کو زندگی عطا فرمائی ہے اور ہماری ہر سانس اسی کے حکم کی تابع ہے، لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس کے احکامات کی پیروی کرتے ہوئے کسی مردے کو زندگی دے دیتے ہیں۔ آپ میرے لئے مسیحا ہیں اور میں اس زندگی کو آپ کا رہین منت سمجھتا ہوں۔"

"مجھے خوشی ہے کہ میں انسانیت کے کسی کام آسکا لیکن مجھے کھلے دل سے ایک بات بتاؤ رحمان علی شاہ؟"

"جی شہاب صاحب۔"

"ناہید سے شادی کرو گے؟"

رحمان علی شاہ نے شہاب کو دیکھا اور بولا۔ "اس کے سوا زندگی میں اور ہے کیا آپ یقین کیجئے نہ مجھے اس دولت سے دلچسپی ہے نہ جائیداد سے، مجھے اپنی ماں بے حد عزیز ہے اور

ن کے بعد ناہید۔"

"شادی کرو گے ناہید سے؟"

"ضرور کروں گا شہاب صاحب...... ضرور کروں گا اس سے شادی۔"

"یہ بھول کر کہ وہ جوہر خان سے متعلق رہ چکی ہے۔"

"پہلے بھی آپ سے عرض کر چکا ہوں کسی کے بدن پر اگر غلاظت بھر کر پھینک دو تو وہ بے شک گندا ہو جاتا ہے لیکن اس کا کوئی قصور ہوتا ہے اس میں۔ آپ مجھے خود بتائیے...... وہ تو میرے باپ کے ستم کا شکار ہوئی ہے بھلا اس کا کیا قصور...... وہ تو میرے لئے اتنی ہی پاکیزہ اور پہلے سے زیادہ محبت کے قابل ہے۔"

"خدا تمہیں خوش رکھے...... درحقیقت تمہارے ان الفاظ نے یوں سمجھ لو مجھے میری محبت کا صلہ دے دیا...... میں جوہر خان سے بات کرتا ہوں۔ وہ آج ہی اسے طلاق دے دے گا...... پھر عدت کا وقت گزارنے کے بعد تم ناہید کو اپنی زوجیت میں لے لینا۔"

رحمان علی شاہ مسکرانے لگا پھر بولا۔ "شہاب صاحب جوہر خان نے بہت دن پہلے طلاق نامہ لکھ کر میرے حوالے کر دیا تھا۔ وہ مجھ سے بہت شرمندہ تھا اور اصل میں وہ بھی بس نمک حلالی کا شکار تھا...... میرے اور اس کے درمیان بات ہو چکی ہے۔ یہ انہی دنوں کی بات ہے جب وہ اور میں وہاں رہ رہے تھے۔"

"اور وہ ویری گڈ ویری گڈ۔ ویسے ایک بات کہوں جوہر خان جتنا برا تھا اتنا ہی اچھا انسان بن چکا ہے۔"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے۔" شہاب نے جوہر خان کو بلایا اور وہ سامنے آگیا۔

"تمہیں معلوم ہے جوہر خان کہ امیر علی شاہ اور اس کے بیٹوں اور اس کے ان دونوں ساتھیوں کو کافی لمبی لمبی سزائیں ہوئی ہیں۔ ان سزاؤں میں اگر کتنی ہی اپیل کی جائے لیکن میرا خیال ہے ڈی آئی جی نادر حیات صاحب ہر قیمت پر ان سب کو سزائیں دلوائے بغیر نہیں رہ سکیں گے...... وہ بھی اپنی دھن کے پکے آدمی ہیں...... میری ایک آرزو تھی کہ تمہیں ان معاملات میں ملوث نہ کیا جائے...... خطرہ یہ تھا کہ اگر میں نے یہ کام نہ کیا تو کہیں خود امیر علی شاہ صاحب اس مسئلے میں تمہارا نام نہ لے دیں لیکن بہرحال ایک چھوٹی سی کاوش کی تھی جو کامیاب ہو گئی۔ مجھے رحمان علی شاہ نے بتایا ہے کہ تم نے ناہید کو طلاق دے دی ہے۔ بہرحال

تم نے بہت سے اچھے کام کئے ہیں جوہر خان اور میں تم سے بہت خوش ہوں، اب میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ مستقبل میں تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

جوہر خان پھیکے سے انداز میں ہنسا اور بولا۔ "مستقبل...... صاحب آپ خود کہہ چکے ہو کہ ماضی میں ہم نے بہت برے برے کام کئے ہیں، انسان پر ایک وقت ایسا ضرور آتا ہے جب اس کے گناہ اسے بے چین کرتے رہتے ہیں...... صاحب گناہ گار کو جب اپنے گناہوں کا احساس ہوتا ہے تو اس سے اس کا سکون چھن جاتا ہے...... ہم بھی اتنے ہی بے سکون ہیں صاحب، ہمارے لئے اگر کوئی دعا کر سکتے ہو تو بس یہ دعا کر دو کہ خدا ہمیں سکون دے جہنم کی آگ تو ہمارا مقدر ہے لیکن زندگی کے جتنے سانس ہیں گناہوں سے توبہ کرتے ہوئے گزارنا چاہتے ہیں اور کوئی آرزو نہیں ہے ہمارے دل میں۔ دنیا سے کنارہ کشی چاہتے ہیں ہم۔"

"جوہر خان دیکھو اللہ اپنے گناہ معاف کرنے پر قادر ہے وہ اگر چاہے تو انسان کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور جو گناہ اس نے اللہ کے حضور کئے ہیں ان کی معافی مل جاتی ہے لیکن جو نقصان انسان کو انسان کے ہاتھ سے پہنچتا ہے اس کی معافی ممکن نہیں ہوتی اور انسان ہی اپنے مجرم کو معاف کر سکتا ہے۔ میری رائے ہے کہ تم اپنا ذاتی وقت انسانوں کی بہتری کے لئے صرف کر دو...... ہو سکتا ہے تمہیں سکون مل جائے۔"

"صاحب ہمیں رہنمائی چاہئے...... ہم دنیا سے بہت دُور کے آدمی ہیں کبھی کبھی اچھے کام کے بارے میں سوچا نہیں۔"

"کہاں جانا پسند کرو گے؟" شہاب نے سوال کیا اور جوہر خان تھکی تھکی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"کوئی جگہ ہوتی تو ضرور چلے جاتے...... ہمارا تو کچھ بھی نہیں ہے اس دنیا میں لیکن بہر حال تلاش کریں گے صاحب کہ ہمیں بھی کوئی ٹھکانہ مل جائے۔"

"تم نے ایک بار کہا تھا جوہر خان کہ اگر یہاں اس جگہ تمہیں ٹھکانہ مل جائے تو تم یہاں سے کہیں جانا نہ پسند کرو گے۔"

جوہر خان نے نگاہیں اٹھا کر شہاب کو دیکھا اور بولا۔

"آپ ہمیں یہاں رہنے دو گے صاحب؟"

"نہیں...... میں تمہیں یہاں رکھنا چاہتا ہوں...... تمہارے کہنے سے نہیں یہ میری اپنی

خواہش ہے جوہر خان...... میرے اور تمہارے درمیان ایک ایسا رابطہ چلے گا جس میں تم پر بہت اعتبار کروں گا میں...... میرے ساتھی میرے دوست...... میرے بھائی کی حیثیت سے تم یہاں رہو گے اور اس عمارت کی نگرانی کرو گے...... کیا تمہیں منظور ہے؟"

"ہم آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولیں گے صاحب، یہ تو تمہاری لئے زندگی کا ایسا راستہ ہے جس کی توقع ہم نہیں رکھتے تھے۔ آپ ہم پر کتنے احسانات کرو گے صاحب اور ہم ان احسانات کا صلہ آپ کو کیا دیں گے؟"

"بس تو پھر ٹھیک ہے جوہر خان، اب تمہیں یہیں قیام کرنا ہو گا اور رحمان علی شاہ تم میرا خیال ہے شاہ پور جاؤ اور اپنی حویلی سنبھالو...... لوگ اب تم سے امیر علی شاہ کی تعزیت کریں گے تمہیں اپنا منصب سنبھالنا ہے تمہاری ماں وہاں موجود ہے...... میرا خیال ہے ناہید کو تم اسی عزت و وقار کے ساتھ اپنے نکاح میں لو جس طرح تمہارے ذہن میں تھا اس سلسلے میں غیاث بیگ سے سارے معاملات طے کرنا میری ذمہ داری ہے۔"

رحمان علی شاہ نے سر جھکا لیا تھا بہر حال یہ مسئلہ تقریباً ختم ہی ہو گیا اور شہاب وہاں سے واپس پلٹ آیا۔ جوہر خان کریم سوسائٹی کی اس عمارت کا بہترین نگران ثابت ہو سکتا تھا اور شہاب نے اس کے لئے ایک پروگرام بھی ترتیب دیا تھا...... پچاس لاکھ کی وہ رقم جو امیر علی شاہ سے حاصل ہوئی تھی اس کے مناسب حصے کر لئے گئے تھے...... جن میں سے کچھ ڈبل او گینگ کے ارکان کی ملکیت تھے۔ پانچ لاکھ روپے بینا واسطی کے لئے مخصوص کئے گئے تھے...... دس لاکھ روپے شہاب نے اپنے لئے رکھے تھے اور باقی رقم شہاب نے اس اکاؤنٹ میں جمع کرادی تھی جس سے ڈبل او گینگ کے مقاصد کی تکمیل ہو اور ایسے ضرورت مندوں کی مدد کی جا سکے جو زندگی کے ستائے ہوئے ہوں اور وقت نے ان پر عرصہ حیات تنگ کر دیا ہو۔ بینا کے حصے کی رقم شہاب نے اس کے سپرد کی تو بینا نے سنجیدگی سے کہا۔

"سر آپ کے کسی حکم سے انکار کرنا میرے لئے کسی طرح ممکن نہیں ہے لیکن ایک رہنمائی چاہتی ہوں۔"

"ہاں بینا۔"

"پہلے بھی عرض کر چکی ہوں کہ ہمارا مختصر سا کنبہ ایک دوسرے سے بے حد مخلص ہے...... ہمارے درمیان اعتماد کے ناقابل یقین رشتے قائم ہیں۔ ہم ایک دوسرے سے

جھوٹ نہیں بولتے۔ کیا اس رقم کے بارے میں واسطی صاحب کو نہ بتایا جائے؟"

"بینا...... میری زندگی کی کہانی بھی تمہیں معلوم ہے اور میں اپنے افکار میں ا... ہوں...... اس دنیا نے مجھے یہ تجربہ دیا ہے...... اپنا حق ملے تو ضرور وصول کرو...... اگر تمہ... واسطی صاحب کو میرے اصولوں سے اختلاف ہو تو بینا یہ ایک مجبوری ہے کہ ہمارا سا... مشکل ہو جائے گا...... اس کے لئے تمہیں اپنے وسائل استعمال کرنے پڑیں گے ورنہ... بنیادی اختلاف ہو تو بات آگے بڑھنا مشکل ہو جائے گی۔ سوری بینا۔" شہاب پتھریلے لہجے میں بولا۔

"آپ برا مان گئے سر۔" بینا مسکرا کر بولی۔

"میری پوری حیات پر محیط ہے، یہ تصو... بینا۔ میں نے خود کو کسوٹی پر رکھا ہے اور اپنے عمل کو بہتر سمجھتا ہوں...... چند روز کے بعد میری بہن کی شادی ہے اور میں نے اپنے... ایک بھاری رقم رکھی ہے"۔

"جی سر...... ہم اس شادی میں شریک ہوں گے۔"

"ضرور بینا۔"

"سر میں موضوع بدل رہی ہوں۔"

"بدل دو بینا...... یہ لمحات مجھے بوجھل محسوس ہو رہے ہیں۔"

شہاب نے آہستہ سے کہا۔

"ٹھیک ہے سر۔"

اس کے بعد دوسرے امور پر باتیں ہوتی رہی تھیں...... بینا نے پھر اس موضوع پر بات نہیں کی تھی۔

ڈی آئی جی نادر حیات خان نے شہاب ثاقب کی فائل منگوالی تھی اور اس وقت ان... مصروف تھے...... کافی دیر تک وہ فائل دیکھتے رہے...... بارہ دری تھانے کے بارے میں... تفصیلات تھیں۔ ایک بڑے اور خطرناک گروہ کا خاتمہ اور اس کے بعد علاقے میں ہونے وا... وارداتوں کی تفصیل سے صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ شہاب ثاقب نے وہاں زبردست کنٹرول کر لیا تھا...... بہر حال ڈی آئی جی نادر حیات صاحب یہ تفصیلات دیکھتے رہے، پھر انہوں...

...ی نوٹ لکھا جو آئی جی صاحب کے نام تھا اس میں کچھ ایسے حوالے دیئے جو آئی جی ...ب کے لئے بھی قابل توجہ تھے۔ ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایس پی تنویر جاہ نے ...فخر نی دی۔ ڈی ایس پی فخر الدین بھی ساتھ تھے...... نادر حیات نے سرد نگاہوں سے ان ...وں کو دیکھا تو ایس پی تنویر جاہ نے کہا۔

"سر مجھے علم ہے کہ مجھے کیوں طلب کیا گیا ہے؟"

"تشریف رکھئے آپ لوگ۔" ڈی آئی جی صاحب نے نرم لہجے میں کہا اور دونوں بیٹھ گئے۔

"جی کیا علم تھا آپ کو؟"

"سر آپ نے امیر علی شاہ صاحب کے سلسلے میں ہمیں طلب کیا ہوگا۔"

"تنویر جاہ صاحب۔ میں آپ کی زبانی تفصیل سننا چاہتا ہوں۔"

"سر تفصیل بس اتنی سی ہے کہ جو رکاوٹیں محکمہ پولیس کو لاحق ہیں ان کے سلسلے میں اگر آپ جیسا کوئی مجاہد جہاد کرتا ہے تو آپ یقین کیجئے۔ ہم لوگ بھی اس قدر بے ضمیر نہیں ہیں کہ ہم آپ سے تعاون نہ کریں۔ انسپکٹر شہاب نے پوری سچائی اور دیانتداری کے ساتھ کسی قسم کا دباؤ قبول کئے بغیر امیر علی شاہ کو اس کی حویلی سے گرفتار کیا تھا اور ایک مجرم کو جس طرح لاک اپ کیا جاتا ہے اس طرح اس نے امیر علی شاہ کو لاک اپ میں بند کیا تھا۔ ہمیں اس سلسلے میں کوئی خبر نہیں تھی لیکن پھر عالی مرتبت نے براہ راست مجھے طلب کیا...... فخر الدین اس کی گواہی دیں گے کیونکہ یہ بھی میرے ساتھ تھے۔ مجھ سے امیر علی شاہ کے بارے میں پوچھا گیا تو میں نے کہا کہ مجھے اس سلسلے میں کوئی علم نہیں ہے۔ تب مجھے ہدایات دی گئیں کہ امیر علی شاہ کا کیس اس طرح ختم کر دیا جائے کہ سرے سے اس کا وجود بھی باقی نہ رہے۔ سر مجھے حکم دیا گیا کہ اگر ایف آئی آر کٹ گئی ہے تو ایف آئی آر رجسٹر ہی بدل دیا جائے۔ ہر قیمت پر یہ کام کرنا ہے۔ سر اس کی رپورٹ میں نے آئی جی صاحب کو پیش کی۔ آئی جی صاحب نے معذوری کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ معاملہ جن ہاتھوں میں پہنچ چکا ہے، اب وہاں سے نکلنا مشکل ہے۔ کیونکہ ہدایات مجھے دی گئی ہیں اس لئے آئی جی صاحب کو اس بارے میں کوئی تفصیل نہ بتائی جائے اور اگر میں ان ہدایات پر عمل کر سکتا ہوں تو کروں نہ کرنا چاہوں تو یہ بھی مجھ پر منحصر ہے...... سر میں سمجھتا ہوں کہ آئی جی صاحب کی بات اپنی جگہ

بالکل درست تھی آپ خود تصور فرمایئے کہ کیا ہو سکتا تھا، اس وقت چنانچہ میں نے
اقدامات کئے۔"

"تفصیل ان اقدامات کی تفصیل۔" نادر حیات صاحب نے کہا۔

"سر، میں نے امیر علی شاہ صاحب کو لاک اپ سے آزاد کرایا...... ایف آئی
فائل اپنی تحویل میں لے لی اور انسپکٹر شہاب کو حکم دیا کہ اس کیس کے لئے وہ کچھ بھی نہ
اور خاموشی اختیار کرے۔ وہ بے چارہ خاموش ہو گیا۔"

"ہوں لکھ کر دیجئے مجھے یہ سب کچھ۔" ڈی آئی جی صاحب نے کہا اور اپنی
پیڈ اور قلم نکال کر ایس پی تنویر جاہ صاحب کو دے دیا۔ تنویر جاہ بھی اکھڑ دماغ آدمی
ساری تفصیل لکھ کر اس نے ڈی آئی جی صاحب کو دے دی اور ڈی آئی جی صاحب اس تحریر
کو پڑھنے لگے، پھر انہوں نے تنویر جاہ کو گھورتے ہوئے کہا۔

"آپ کو علم ہے...... تنویر جاہ صاحب کہ اس اعتراف کے نتیجے میں آپ کے ساتھ
سلوک ہو گا۔"

"سر مجھے معطل کیا جائے گا، ہو سکتا ہے میری سروس بھی ختم کر دی جائے...... ہو
ہے مجھے استعفیٰ دینے کا حکم دیا جائے۔ میں ان تمام چیزوں کے لئے تیار ہوں...... پر آپ
ایک عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جب تک محکمہ پولیس کو دیانتداری سے ا
کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی، کرپشن ختم نہیں ہو سکتا۔ ہم اگر کسی معمولی سے آ
اس کی غلطی پر چالان بھی کرتے ہیں تو وہ اپنے تعلقات بتاتا ہے اور یہ تعلقات ظاہر
ہوتے ہیں کہ اگر ہمیں ادھر سے احکامات ملیں تو ہماری کیا مجال کہ ہم انہیں مسترد کر
ہر ایک کو جینا ہوتا ہے سر۔ ہم بھی جینا چاہتے ہیں۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اصولی طور
پولیس کو اور ان افسران کو رضاکارانہ طور پر اپنے استعفے پیش کر دینے چاہئیں جو صاحب
اور صاحب ضمیر ہیں دوسروں کی برائی اپنے آپ پر مسلط کر کے انہیں محکمہ پولیس
طرح بدنام کرنا پڑتا ہے سر یہ زندگی اور ذہن پر ایک ضرب کاری ہے کچھ لوگ ان
برداشت کر کے ماحول کے مطابق ڈھل جاتے ہیں اور کچھ اپنے آپ میں کٹتے رہتے ہیں
سے بہتر تو یہ ہے کہ یہ ملازمت کی ہی نہ جائے۔"

"تنویر جاہ صاحب انسان فطری طور پر برا نہیں ہوتا۔ اچھائیاں اس کے دل

ہیں آپ استعفیٰ پیش کرنا چاہتے ہیں؟"

"جی سر۔"

"تو پھر سنئے...... آپ استعفیٰ نہ پیش کریں بلکہ اس وقت کا انتظار کریں جب آپ کی سروس ختم کر دی جائے...... سمجھ رہے ہیں نا آپ بات ایک ہی ہو جاتی ہے۔ معمولی سے فرق کے ساتھ اور یہ سروس میں نہیں ختم کروں گا۔ ممکن ہے آئی جی صاحب کو یہ قدم اٹھانا پڑے۔ ممکن ہے کہیں اور سے اس کی کوشش کی جائے۔ جب تک ایسا نہیں ہوتا تو کم از کم اتنا سمجھئے کہ ضمیر کے خلاف نہ جائیے۔ اپنے کسی قدم کو اٹھاتے ہوئے اپنے ضمیر سے سوال کریں کہ یہ جائز ہے کہ نہیں ظاہر ہے آپ کسی بڑے آدمی کے حکم کی خلاف ورزی کریں گے تو آپ کی یہ ملازمت ختم کر دی جائے گی۔ کم از کم اس وقت تک ایسے چند نیک کام کر لیجئے جن کی تکمیل کے بعد آپ کو یہ دکھ نہ رہے کہ محکمہ پولیس میں آ کر آپ نے کچھ نہیں کیا۔ میری بات سمجھ رہے ہیں نا آپ۔"

"جی سر۔"

"اور فخر الدین صاحب آپ بھی۔"

"جی سر۔" فخر الدین نے جواب دیا۔

"کیا اس سے تھوڑا بہت اتفاق کرتے ہیں آپ۔"

"مکمل سر۔" فخر الدین نے جواب دیا۔

"تو سنئے اس نیک دل انسان نے ان واقعات کا پورے کیس میں کوئی حوالہ نہیں دیا۔ اگر ایسا ہوتا تو امیر علی شاہ کیس کے اس پورشن میں آپ کو بھی عدالت میں آنا پڑتا۔ وہ اعلیٰ ظرف انسان ہے اور اس اعلیٰ ظرف انسان نے اپنی رپورٹ میں ایسی کوئی بات نہیں لکھی، آپ پورا فائل پڑھ سکتے ہیں۔" ایس پی تنویر جاہ اور ڈی ایس پی فخر الدین نے حیرت سے ایک دوسرے کی صورت دیکھی اور دونوں ہی کے دل میں انسپکٹر شہاب ثاقب کے لئے عزت و احترام کا ایک مقام پیدا ہو گیا۔ تنویر جاہ نے کہا۔

"اگر آپ میرے اس اعتراف کو قابل معافی سمجھتے ہیں تو میں آپ سے صرف ایک وعدہ کرتا ہوں کہ اس وقت تک ملازمت ضرور کروں گا جب تک میری یہ ملازمت سرکاری طور پر ختم نہیں کی جاتی۔"

"ویری گڈ۔ ٹھیک ہے میں نے آپ کو جس کام کے لئے بلایا تھا وہ مختلف کام ہے۔" ڈی آئی جی صاحب ان دونوں کو طلبی کا مقصد بتانے لگے جو ایک بالکل ہی الگ معاملہ تھا۔ بہرحال یہ لوگ دل میں شہاب ثاقب کے لئے عزت اور محبت کا ایک مقام لے کر اٹھے تھے۔ ڈی آئی جی صاحب کی کاوشیں رنگ لائیں اور انہوں نے خصوصی رپورٹ کے تحت اپنے اختیارات سے کام لے کر شہاب کے لئے ترقی کا اجازت نامہ حاصل کر لیا۔ شہاب ثاقب کو نہایت احترام کا درجہ دیتے ہوئے ڈی ایس پی کا عہدہ دے دیا گیا تھا اور اس کی اطلاع شہاب کو اس وقت ملی جب اس کی بہن کی شادی کی تیاری مکمل ہو چکی تھی اور دوسرے دن اسے اس شادی کا بہتر انتظام کرنا تھا...... دوسرا دن بارات کا تھا۔ شہاب کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہ رہا۔ حکم نامہ ملنے کے بعد وہ ڈی آئی جی نادر حیات کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ ڈی آئی جی نادر حیات نے اسے مبارک باد دیتے ہوئے کہا۔

"شہاب۔ اصل میں ہم لوگ یوں سمجھ لو کہ آندھی کے آم سمیٹنے نکلے ہیں جو وقت بھی ہمیں مل جاتا ہے ہم اس سے فائدہ اٹھا کر کیوں نہ ایسے کام کر لیں جن سے محکمہ پولیس کی نیک نامی ہو اور جس حد تک بھی ممکن ہو سکے اس کی پیشانی کے داغ مٹائیں ہمارا اپنا ضمیر بھی زندہ رہے گا۔ بعد میں اگر ہمارے خلاف کوئی کارروائی ہو جاتی ہے تو ہمیں یہ تو خوشی ہو گی کہ جتنا بھی عرصہ اپنا فرض سرانجام دیا اس میں کچھ بہتر کام کیے۔"

"سر آپ میرے لئے عظمت کا مینار ہیں۔ آپ کے سہارے میں بہت کام کرنا چاہتا ہوں۔"

"اس لئے میں نے کچھ اور بھی تجویز کیا ہے۔ بہت عرصے سے ایک کیس معطل پڑا ہوا تھا اس میں۔ میں نے ایک اسپیشل سکواڈ کی درخواست کی تھی۔ محکمہ داخلہ نے اس درخواست کی منظوری دے دی تھی کیونکہ اسپیشل سکواڈ کے سلسلے میں، میں نے جو تجاویز پیش کی تھیں وہ دیانتدار ہاتھوں میں گئیں اور ان تجاویز کو سراہتے ہوئے انہیں منظور کر لیا گیا۔ یہ اسپیشل سکواڈ ہر طرح کے جرائم میں مداخلت کرے گا اور اس کی کارروائیاں نہایت خفیہ ہوں گی۔ اس کی براہ راست رپورٹ مجھے حاصل ہو گی اور اس کے لئے کچھ افراد میں نے منتخب کر لیے ہیں۔ کچھ کا انتخاب باقی رہ گیا ہے۔ اس کے افراد ہر طرح کے چھوٹے اور بڑے جرائم کی تفتیش کریں گے اور ان کی صحیح صورت حال کا تجزیہ کر کے ان جرائم کو کنٹرول کریں گے۔

کچھ ایسے لوگوں کا تعاون حاصل ہے جن کا تعلق جرنلزم سے بھی ہے۔ پریس رپورٹنگ بھی اور بھی وہ بہت کچھ کرتے ہیں۔ میں نے انہیں ہدایت کی تھی کہ ان خبروں کو جمع کریں جن میں معاشرتی، اخلاقی اور قانونی جرائم ہوئے ہیں اور مسخرے پن سے ان کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ کہیں کسی انداز میں اور کہیں کسی انداز میں وہ لوگ یہ رپورٹیں جمع کر رہے ہیں اور ایسے واقعات جو انتہائی گھناؤنے جرائم پر مبنی ہیں۔ ہوئے تو ہیں لیکن ان کی صحیح تفصیل سامنے نہیں آ سکی اور وہ نامکمل ہی ختم کر دیئے گئے ہیں۔ ہم ان میں سے کسی ایک کیس کا انتخاب کریں گے اور اس کے اصل محرکات معلوم کر کے یہ دیکھیں گے کہ صحیح مجرم گرفتار ہوئے یا اس سلسلے میں کس انداز میں کام ہوا۔ انسپکٹر شہاب ثاقب میں نے اس سلسلے میں آپ کو اس اسپیشل سکواڈ کا چیف مقرر کیا ہے اور ڈی ایس پی کا عہدہ دیتے ہوئے یہ ذمے داری میں آپ کے سپرد کر رہا ہوں۔ اس کی آفیشل کارروائی آہستہ آہستہ ہو جائے گی، آپ کو اس سلسلے میں مکمل ذمے داری سونپ دی جائے گی۔ میں ذاتی طور پر آپ کو یہ اطلاع دے رہا ہوں۔"

"سر، میں اس کے لئے شکر گزاری کے جذبات کا صحیح انداز میں اظہار نہیں کر سکتا۔ ہاں میں یہ اظہار عملی طور پر ضرور کروں گا اور آپ کو اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کر کے دکھاؤں گا۔"

"مجھے یقین ہے میرے دوست۔ بالکل یقین ہے۔" شہاب کو یہ خوشخبری سب سے پہلے فتح محمد کو دینی تھی۔ فتح محمد نے یہ تفصیلات سن کر آنکھیں بند کر لی تھیں اور چند لمحات خاموش رہنے کے بعد آہستہ سے بولا تھا۔

"قدرت ہر اس شخص کو اس کا مقام دیتی ہے جو اس مقام کا اہل ہوتا ہے۔ میری طرف سے دلی مبارک باد قبول کرو۔" اس کے بعد شہاب نے اپنے گھر میں آ کر اپنے عہدے کے بڑھ جانے کی اطلاع دی تھی اور اسے بے شمار دعائیں ملی تھیں۔ عصمہ اور عظمیٰ بھی خوش تھیں۔ فائق اور واثق بھی خوش تھے۔ بہر حال شادی کا جو انتظام ہوا تھا وہ پڑوسیوں کے لئے بڑا حیران کن تھا۔ یہ گھر ہمیشہ ہی کسمپرسی کا شکار رہا تھا اور گھر والوں کے کانوں میں پڑوسیوں کے فقرے گونجتے رہتے تھے، جن میں کہا جاتا تھا کہ اب تو سیاں کوتوال ہو گئے ہیں۔ گھر کے لوگ ان فقروں پر چراغ پا ہو جاتے تھے لیکن شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہی پھیلی رہتی تھی۔ بہر حال بہن کی شادی اس دھوم دھام سے ہوئی کہ دیکھنے والے دیکھتے رہ گئے اور بہن

گھر سے رخصت ہوگئی۔ زندگی کے دونوں رُخ مکمل تھے لیکن ایک سوال باقی تھا وہ یہ کہ اب جب کے حالات بہتر ہوگئے ہیں تو شہاب کوئی اعلیٰ رہائش کیوں نہیں اختیار کرتا۔ اس کا جواب شہاب نے نعیمہ بیگم پر چھوڑ دیا تھا۔ نعیمہ بیگم نے کہا۔

"میں نہیں جانتی کہ میرے بچوں کا انداز فکر کیا ہے اور میں یہ بھی نہیں کر سکتی کہ اگر میرے بچے اعلیٰ سوسائٹی کو اختیار کرنا چاہتے ہیں تو میں انہیں روکوں۔ جہاں تک میری اپنی ذات کا تعلق ہے تو صرف اتنا ہی کہہ سکتی ہوں کہ اگر مجھے موقع ملے تو میں زندگی کی آخری سانس اسی زمین پر گزار دوں جس کی ایک ایک اینٹ کو ہم نے اپنے خون کے گارے سے جوڑا ہے، اس طرح انسان اپنا مقام نہیں بھولتا جہاں تک اس گھر کا تعلق ہے تو یہ اس قابل ہے کہ اپنے رہنے والوں کو وہ سکون مہیا کر سکے جو ان کی خواہش ہے، ہاں یہ بچے اگر اس میں تکلیف محسوس کرتے ہیں تو میں اپنے بچوں سے کبھی منحرف نہیں ہو سکتی۔" فائق نے کہا۔

"اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ میں میرا بھائی ثاقب اور میرا چھوٹا بھائی واثق کسی بھی طرح اپنی ماں سے منحرف نہیں ہو سکتے۔ ہماری ماں کی خواہش ہمارے لئے آسمان کا درجہ رکھتی ہے، چنانچہ میں سب کی نمائندگی بخدا ان دونوں سے پوچھے بغیر کر رہا ہوں کہ ہم یہیں اس گھر میں قیام کریں گے۔ ہمیں واقعی یہاں کوئی تکلیف نہیں ہے۔" ثاقب اور واثق نے گردن خم کر کے کہا۔

"ہماری ماں ہمارے سروں کی تاج ہے اور تاج کی عظمت کو ہم کبھی داغ دار نہیں ہونے دیں گے۔" لوگوں کی زبانیں بند ہوگئیں اور کسی نے صدق دل سے کچھ کہا ہو یا نہ کہا ہو لیکن صدق دل سے سوچا ضرور تھا کہ بہر طور یہ لوگ کبھی زوال پذیر نہیں ہو سکتے جہاں بزرگوں کا یہ مقام ہو، وہاں زوال کی گنجائش نہیں ہوتی۔

ڈبل او گینگ ہر طرح سے مطمئن اور مسرور تھا۔ یہ ایک بہت بڑی سچائی ہے کہ ان ذہین نوجوانوں نے بے کسی اور کسمپرسی کی زندگی گزار کر یہ مقام حاصل کیا تھا۔ ابتدا میں یہ جن بدترین حالات کا شکار رہے تھے، ان میں اپنے آپ کو کسی ایک نظریئے پر قائم رکھنا ممکن نہیں تھا، لیکن انہوں نے ثابت قدمی سے شہنشاہ کا ساتھ دیا تھا اور اتنے مشکل حالات میں وقت گزارا تھا کہ کوئی اور ہوتا تو بددل ہو جاتا لیکن انہیں شہنشاہ کے نظریات سے عشق تھا۔

وہ اس سے پوری طرح اتفاق کرتے تھے۔ شہنشاہ کا عمل یہ تھا کہ ان اژدہوں کو بلوں سے نکال کر مار دیا جائے جو قانون کو اپنی مٹھی میں کھلونا سمجھتے ہیں اور اس کے لئے اگر انہیں قانون سے ہٹنا بھی پڑے تو بحالت مجبوری ایسا کیا جائے۔ بہر حال انتہائی مشکل حالات میں انہوں نے اپنے آپ کو قائم رکھا تھا اور اب یوں لگتا تھا جیسے تقدیر کے ستارے گردش سے نکل آئے ہوں اور اب اچھا وقت آ گیا ہو۔ مالی طور پر اب وہ اس قدر آسودہ ہو چکے تھے کہ کبھی کبھی انہیں خود بھی یقین نہیں آتا تھا۔ شہنشاہ نے انہیں بہت کچھ دیا تھا اور ان کے مشکل حالات دور ہوگئے تھے۔ پھر شہنشاہ نے ان سے یہ بھی سوال کیا تھا کہ اب ان حالات میں اگر وہ چاہیں تو اپنا طرز زندگی بدل سکتے ہیں لیکن ان سب کا مشترکہ جواب تھا کہ جو سیٹ اپ انہوں نے بنایا ہے اس میں انہیں بڑی آسانیاں حاصل ہیں اور وہ ایسے ہی قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ شہنشاہ خود بھی اس بات سے متفق تھا چنانچہ اب سب کا طرز زندگی بدل چکا تھا لیکن اپنے طور پر انہیں وہی جگہ سب سے زیادہ موزوں نظر آتی تھی جہاں سے انہوں نے اپنے اس عمل کا آغاز کیا تھا۔ یہ وہ ذہین ترین نوجوان تھے جو اپنی صلاحیتوں کا بدل نہیں پا سکے تھے اور اب انہیں اس دنیا سے انتقام لینے کا بہترین موقع حاصل ہوا تھا جس نے انہیں پستیوں میں دھکیلنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ شہنشاہ ان کے لئے ایک اعلیٰ مثال تھی اور وہ اپنے اس پراسرار باس کے ایک ایک عمل پر اپنی جان نچھاور کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ آج انہیں ہدایت ملی تھی کہ ایک نیا ممبر ان کے درمیان شامل ہو رہا ہے اور مقررہ وقت پر وہ ان لوگوں سے ملاقات کرے گا۔ تمام ممبر ہیڈ کوارٹر پر موجود رہیں اور اس نئے ممبر کا انتظار کریں، چنانچہ وہ لوگ اس ممبر کے بارے میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ سردار علی نے کہا۔

"یقینی طور پر ہمارا ساتواں ساتھی بھی ایسی ہی اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک ہوگا کہ شہنشاہ نے اسے ڈبل او گینگ میں شامل کرنے کے بارے میں سوچا۔"

"چلو ٹھیک ہے اب یہ گینگ ڈبل او سیون ہو جائے گا جبکہ اب تک یہ ڈبل او سکس تھا۔" وہ لوگ نئے ممبر کے بارے میں باتیں کرتے رہے اور اس کا انتظام کرتے رہے پھر دروازے پر دستک ہوئی تو انجم نے دروازہ کھولا۔ سامنے ایک خوبصورت سی لڑکی کو کھڑے دیکھ کر وہ حیران ہو گیا۔ اس نے حیرانی سے کہا۔

"جی کہئے آپ کو کس سے ملنا ہے؟"

"مجھے چھ آدمیوں سے ملنا ہے۔ آپ براہ کرم کیا مجھے بقیہ پانچ افراد سے ملا سکتے ہیں۔"

یہ کوڈ ورڈ تھا جس کی اطلاع ان لوگوں کو دے دی گئی تھی۔ انجم نے حیرت سے مسکراتے ہوئے نوجوان لڑکی کو اندر آنے کی دعوت دی اور دروازہ بند ہوگیا۔ لڑکی نے دو قدم آگے بڑھ کر حیران نگاہوں سے اس پورے ماحول کو دیکھا اور پھر ہونٹ سکوڑ کر بولی۔

"ویری گڈ، ویری گڈ، ایسا ہونا چاہئے تھا۔" یہ الفاظ کسی کی سمجھ میں نہیں آسکے تھے لیکن لڑکی نے اس کے بعد ان الفاظ کی کوئی وضاحت نہیں کی تھی اور انجم سے کہا تھا۔

"تو پھر فرمائیے مجھے کس طرف چلنا ہے؟"

"آئیے۔" باقی پانچ افراد بھی اس حسین ساتھی کو دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔ وہ اندر پہنچ کر بولی۔

"واقعی شہنشاہ کے عجیب ہونے میں مجھے پہلے بھی شبہ نہیں تھا لیکن اب یہ کارخانہ حیات دیکھ کر مجھے اور حیرت ہوئی ہے آپ میں سے یقیناً ایک کا نام سردار علی ہوگا۔ دوسرے شوکت صاحب، تیسرے فراز، وتھے سالک، پانچویں انجم شیخ اور چھٹے فراست علی۔ میں یہ نہیں جانتی کہ مجھے ریسیو کرنے والے صاحب کا نام کیا ہے، ویسے اس سے پہلے میں آپ کو اپنا نام بتادوں۔ میرا نام بینا واسطی ہے اور میں وکالت بھی کرتی ہوں۔ میرے والد واسطی صاحب، عدنان واسطی کے نام سے پہچانے جاتے ہیں اور مجھے کچھ اہم وجوہ کی بنا پر ڈبل اوگینگ میں شامل کیا گیا ہے۔ کیا آپ اپنا تعارف کرانا پسند کریں گے؟"

سردار علی نے تعارف سے آغاز کیا تھا اور اس کے بعد بت فراست علی تک پہنچی تھی۔ ان سب کے بعد بت فراست علی تک پہنچی تھی۔ ان سب نے پر مسرت انداز میں اپنے ساتھی کو خوش آمدید کہا تھا۔ فراز کہنے لگا۔

"اور ہمیں نہیں بتایا گیا کہ ہماری ساتویں ساتھی ایک خاتون ہیں، لیکن بہ حال آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ براہ کرم تشریف رکھئے آپ کے اعزاز میں چائے کا بندوبست کیا گیا ہے۔"

بینا مسکراتی ہوئی بیٹھ گئی۔ چائے کے دوران ان لوگوں نے اپنے اپنے بارے میں تمام تفصیلات بتائیں۔ وہ ٹرانسمیٹر کچھ فاصلے پر رکھا ہوا تھا، جس پر شہنشاہ ان سے رابطہ قائم کرتا تھا۔ چنانچہ چائے کا دور چل ہی رہا تھا کہ ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا اور فراز نے ٹرانسمیٹر

ن کر دیا۔ وہ سب اس جانب متوجہ ہوگئے۔ شہنشاہ کی آواز اُبھری۔

"جہاں تک میرا اندازہ ہے ہماری نئی ساتھی مس بینا واسطی آپ لوگوں کے درمیان پہنچ گئی ہوں گی۔"

"جی سر، محترمہ بینا ہمارے درمیان موجود ہیں اور ہم ایک دوسرے سے اپنا تعارف کرا چکے ہیں۔"

"وہ کہانی میں بار بار دہرانا نہیں چاہتا جو آپ میں سے ہر ایک کو معلوم ہے۔ مختصر الفاظ میں اپنی نئی ساتھی مس بینا کو میں اپنے موقف سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ بات ان چھوٹے موٹے جرائم پیشہ لوگوں کی نہیں ہے جو جرم کرتے ہیں اور اپنے محدود وسائل کی بنا پر قانون کے شکنجے میں آجاتے ہیں۔ اگر صحیح معنوں میں کوئی مجرم ہے، چاہے اس نے کسی پائے کا جرم کیا ہو۔ وہ قابل سزا ہوتا ہے۔ قانون بعض اوقات صحیح لوگوں کو اور کبھی کبھی غلط فہمی کی بنیاد پر غلط لوگوں کو سزا دے دیتا ہے۔ ہم بہر حال غلط اور صحیح کا تجزیہ کرتے ہیں لیکن ہمارا اصل ٹارگٹ وہ بڑی مچھلیاں ہیں جو قانون کو نگل جاتی ہیں اور ہماری مہم انہی کے خلاف ہے۔ وہ لوگ جو ناجائز ذرائع سے دولت کے انبار لگا رہے ہیں ان کی دولت کا تھوڑا سا حصہ ہمارے مصرف میں آجائے تو میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کیونکہ یہی ہمارے مقصد کو آگے بڑھانے میں معاون ہو سکتا ہے۔ بہر حال میں اس گروہ کے سات افراد کے مکمل ہو جانے پر آپ لوگوں کو مبارک باد دیتا ہوں۔ مس بینا واسطی نے یقیناً اپنا تعارف کرا دیا ہوگا۔ یہ پیشے کے لحاظ سے وکیل ہیں اور آپ لوگوں کا بھی مطالبہ تھا کہ تمام تر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگ یکجا ہوگئے ہیں۔ ایک وکیل کی اشد ضرورت ہے چنانچہ مس بینا ایک ماہر وکیل کی بیٹی ہیں۔ وہ قانونی نکات کے سلسلے میں بھی آپ کی پوری پوری مدد کریں گی۔ بس اتنا ہی کہنا چاہتا تھا میں۔" اور اس کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔ بہر حال ڈبل اوگینگ نے اپنی نئی ساتھی کو خوشی سے خوش آمدید کہا تھا اور اس سے متعلق تمام کوائف حاصل کر لئے گئے تھے۔

گل زمان اور تھانہ بارہ پوری کے تمام ارکان حیران رہ گئے۔ جب شہاب ثاقب نے انہیں بتایا کہ اس کا تبادلہ ہو گیا ہے اور نیا انچارج بہت جلد اپنا چارج لینے والا ہے۔ گل زمان کی تو آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے۔

"ارے صاحب مگر ایسا کیسے ہو گیا؟"

"بس ہو گیا گل زمان مجھے اسپیشل برانچ دے دی گئی ہے اور شاید تھوڑا سا عہدہ بھی بڑھا دیا گیا ہے۔"

"یہ تو خوشی کی بات ہے سر، لیکن آپ یقین کرو آپ کا جانا ہمارے لئے اچھا نہیں ہے۔ ہم تو یہ سوچ رہے تھے کہ آپ کے ساتھ ایک طویل ساتھ رہے گا صاحب۔" گل زمان کی آواز بھرا گئی۔ شہاب مسکرا کر بولا۔

"تھانوں میں تو یہ ہوتا ہی رہا ہے گل زمان اور پھر ایک بات میں جانتا ہوں کہ میرے آنے کے بعد تم سب کے لئے کچھ مشکلات پیدا ہو گئی تھیں۔ تم جس انداز میں کام کرنے کے عادی تھے۔ میں نے وہ سب کچھ بند کر دیا تھا۔"

"صاحب قسم لے لیجئے شروع شروع میں ایسا بے شک ہوا تھا اور ہم پریشان ہو گئے تھے لیکن آپ نے جو کچھ کیا وہ تو ایک الگ بات تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ اب تو ہمارا مزاج ہی بدل گیا ہے۔ کسی چھوٹے موٹے آدمی سے سو پچاس لینے کو کبھی دل ہی نہیں چاہتا جبکہ کبھی کبھی ایسے موقع حاصل ہو جاتے ہیں۔ آپ نے ہمارے پیٹ بھر دیئے تھے صاحب۔"

"بہر حال گل زمان جانا تو ہے مجھے لیکن ایک نصیحت کر رہا ہوں مان لو تو تمہاری مرضی ہے۔ اول تو یہ کہ تم بھی انسان ہو۔ انسان کی اولاد ہو۔ انسانیت کا دامن ہاتھ سے چھوڑنا

ہے تو یہ زندگی تو مختصر ہے روز قیامت نجانے کس کس کا ہاتھ اور تمہارا گریبان ہو گا۔ اپنے کون کون سے قصور کی معافی طلب کرو گے روزِ محشر، اس لئے بہتر یہ ہے کہ کسی غریب کو بھی نہ ستانا۔ اگر تم کسی کے بچوں کا پیٹ کاٹ کر تھوڑی بہت رقم حاصل کر لیتے ہو تو یقین کرو اس سے تمہارے بچوں کا پیٹ کبھی نہیں بھرے گا۔ وہ رقم کب اور کس طرح نکل جائے تمہیں اس کا اندازہ نہیں ہو گا۔ ہاں پریشانیاں تمہارا مقدر بن جائیں گی۔ اس لئے میری بات ہے گل زمان کہ کبھی کسی غریب آدمی کو نہ ستانا اور پھر یہ بھی خیال رکھنا کہ جرم کو قبول کرانے کے لئے جو کچھ کیا جاتا ہے اس میں انسانیت کا پہلو ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔ بعض اوقات ایسے لوگ آجاتے ہیں جو ذہنی طور پر تشدد پر مجبور کر دیتے ہیں، لیکن پھر بھی یہ خیال رکھنا کہ سزا دینے والی ذات، ذات باری کی ہے۔ تم صرف اپنا فرض پورا کرو۔" گل زمان گردن جھکا کر خاموش ہو گیا تھا پھر نیا انچارج آگیا اور شہاب اسے چارج دینے لگا۔

یہ ساری کارروائی مکمل ہو گئی۔ اس کے بعد آٹھ دن تک شہاب کو آرام کرنا تھا۔ نادر نیات صاحب کی طرف سے یہی ہدایت ملی تھی۔ ان آٹھ دنوں میں سے سات دن شہاب نے اپنے اہل خاندان کے ہمراہ گزارے۔ بہن اور بہنوئی کی دعوتیں کیں۔ گھر کے ماحول کو بے حد خوشگوار کیفیت حاصل ہو گئی تھی۔ فائق اور واثق وغیرہ شہاب کے سلسلے میں دہری کیفیت کے شکار تھے۔ انہیں یہ تو اندازہ ہو گیا تھا کہ شہاب بے پناہ دولت کا مالک بن چکا ہے اور ذرائع بھی وہ جانتے تھے لیکن بہر حال غیر متفق نہیں تھے جو ہو رہا تھا وہ وقت کی مانگ تھی اور شہاب نے شروع ہی سے اس مانگ کو قائم رکھا تھا۔ آٹھویں دن شہاب بیناواسطی کے پاس پہنچ گیا۔ عدنان واسطی کو صورت حال سے لاعلم نہیں رکھا گیا تھا۔ شہاب کو جو عہدہ دیا گیا تھا اس کی اطلاع بھی بینا کے ذریعے عدنان واسطی صاحب کو مل چکی تھی۔ انہوں نے شہاب سے ملنا چاہا تھا لیکن بینا نے انہیں سمجھا دیا کہ ابھی شہاب اپنی ذہنی تعمیر میں مصروف ہے، اس لئے بہتر ہے کہ اسے اس کا کام کرنے دیا جائے۔ وہ خود ہی یہاں آکر آپ سے ملاقات کرے گا اور اس وقت جب شہاب اچانک عدنان واسطی کے دفتر پہنچا تو بیناواسطی کے ساتھ عدنان واسطی بھی موجود تھے۔ کھڑے ہوتے ہوئے محبت بھرے انداز میں شہاب کو سینے سے لگا لیا اور کہنے لگے۔

"یہ جرات تم ہی نے مجھے دلائی ہے شہاب یہاں کہ اتنے بڑے آدمی سے اتنی بے

تکلفی سے گلے مل رہا ہوں۔"

شہاب مسکرا کر بولا۔ "اور میں اسے اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہوں کہ ایک اتنی بڑی شخصیت سے گلے ملنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے جس کے سینے میں قانون بند ہے اور جو انسانیت کی راہوں پر سفر کر کے اپنی ساری زندگی گزار گیا ہے۔" عدنان واسطی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بس یوں سمجھ لو میاں کہ سوکھے ہوئے پھول کی اصل قیمت سے واقف شخص ہی اس کی قدر کر سکتا ہے۔ میں تمہیں تمہارے نئے عہدے کی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ بیٹھو۔"

شہاب بیٹھ گیا۔ عدنان واسطی نے کہا۔

"بینا نے مجھے تقریباً تمام ہی تفصیل بتادی ہے اسے تم نے جو عزت اور جو اعزاز بخشا ہے وہ میرے لئے بھی باعث اعزاز ہے۔ شہاب میاں تم نے سوچ لیا ہے کہ بینا کو اپنے عہدے کے ساتھ ساتھ یہ اعزاز جو تم نے دیا ہے وہ اس کی اہل ثابت ہو گی۔"

شہاب نے بینا سے کہہ دیا تھا کہ وہ بس عدنان واسطی صاحب کو اتنا بتادے کہ شہاب کو کیا عہدہ ہو گیا ہے اور ڈی آئی جی نادر حیات صاحب نے اسے کیا ذمے داریاں سونپی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی شہاب نے کہا تھا کہ وہ عدنان واسطی صاحب کو یہ بھی بتادے کہ شہاب نے اسے اپنے ان ماتحتوں میں شامل کر لیا ہے جو اس کے ساتھ خفیہ طور پر کارروائیاں کریں گے اور اس کے لئے شہاب نے بینا کو ایک معقول مشاہرے کی پیش کش کی ہے۔ یہی تمام باتیں بینا نے اپنے والد سے کہہ دی تھیں۔ باقی ڈبل او گینگ وغیرہ کا کوئی حوالہ انہیں نہیں دیا گیا تھا کہ یہ شہاب کا ذاتی راز تھا جسے نجانے کیوں اس نے بینا کے سینے میں اتار دیا تھا۔ شہاب نے کہا۔

"جی واسطی صاحب۔ مس بینا موجودہ زمانے کو سمجھ کر اس کے مطابق عمل کرنے کی مہارت رکھتی ہیں اور میں نے بلاوجہ ہی ان کا انتخاب نہیں کیا۔ باقی آپ کو مطمئن کرنے کے لئے میں یہ عرض کر سکتا ہوں کہ ان کی عزت و ناموس اور آپ کے وقار و عظمت کا تحفظ میری ذمے داری ہے۔ آپ اس کے لئے کبھی متردد نہ ہوں۔"

"بالکل متردد نہیں ہوں کیونکہ مجھے تم پر بھی اعتماد ہے اور بینا پر بھی۔"

شہاب کافی دیر تک عدنان واسطی سے گفتگو کرتا رہا اور انہیں مطمئن پانے کے بعد

وہاں سے اٹھ گیا...... بینا سے کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔ بہر طور اس کے بعد اس نے اپنے عہدے کا چارج لے لیا۔ پولیس ہیڈ کوارٹر میں ہی اس کے لئے ایک شاندار آفس بنایا گیا تھا۔ نادر حیات صاحب نے اس سلسلے میں تمام کارروائیاں مکمل کر لی تھیں۔ فی الحال شہاب کے سپرد چار افراد کئے گئے تھے جن کے بارے میں نادر حیات صاحب نے اسے پہلے ہی بتادیا تھا۔ یہ لوگ براہ راست محکمہ پولیس کے آدمی نہیں تھے بلکہ پرائیویٹ سیکٹر میں کام کیا کرتے تھے لیکن ان کے عہدے باقاعدہ محکمہ پولیس میں موجود تھے اور خفیہ ڈیپارٹمنٹ میں اس طرح کی کارروائیاں ہوتی ہیں۔ شہاب نے ان چاروں سے ملاقات کی اور ان کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ چاروں ہی مخلص اور کام کے لوگ تھے اور سچی بات یہ ہے کہ نادر حیات اصحب کی اصل شخصیت اب شہاب پر واضح ہوئی تھی۔ نادر حیات صاحب نے شہاب کو ایک رات اپنے گھر طلب کر لیا اور شہاب ولولے کے مطابق وہاں پہنچ گیا۔ نادر حیات صاحب نے بڑے پرتپاک انداز میں اس کا خیر مقدم کیا تھا۔

کھانے وغیرہ کا پروگرام تھا۔ نادر حیات صاحب نے اپنے اہل خانہ سے بھی شہاب کی ملاقات کرائی۔ اچھے صاف ستھرے لوگ تھے پھر اس کے بعد وہ اسے لے کر اپنے کمرہ خاص میں پہنچ گئے۔ شہاب کو اپنے سامنے بٹھا کر نادر حیات صاحب نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بہت عرصے سے مجھے ایسے افراد کی تلاش تھی جو میرے ہمنوا ہوں۔ میرا اپنا بھی ایک ماضی ہے۔ یوں سمجھ لو شہاب کبھی کسی وقت میں تمہیں اپنے ماضی کے بارے میں بتادوں گا، لیکن محکمہ پولیس میں میری آمد بلکہ اگر اس سے تھوڑا سا پیچھے چلا جاؤں تو یوں سمجھ لو کہ اس بارے میں میرا سوچنا ایک خاص نکتہ نگاہ سے تھا۔ میں نے قانون کی بے حرمتی ہوتے دیکھی ہے۔ یہ وطن ہمارے سروں کا سائبان ہے اور اس کے نیچے ہم محفوظ ہیں۔ اگر اس کی پیشانی پر ایسے بدنما داغ لگا دیئے جائیں جو دور دور تک نظر آئیں تو ہماری آنکھیں شرم سے جھک جاتی ہیں اور ایسا ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ دولت، اقتدار بے شک اللہ کی دین ہے لیکن اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے والے کسی بھی طور قابل معافی نہیں ہیں۔ بس یہی ایک نظریہ مجھے جدوجہد پر آمادہ کرتا رہا اور طویل ترین جدوجہد کر کے میں ایک معمولی انسان کی حیثیت ترک کر کے یہاں تک پہنچا ہوں اور اس کے لئے مجھے جو سفر کرنا پڑا ہے شہاب وہ اپنی جگہ ایک طویل کہانی رکھتا ہے لیکن اب خدا کا فضل ہے کہ میں اس مقام پر ہوں کہ اپنی مرضی کے مطابق بہت کچھ

کر سکتا ہوں۔ میں نے اپنے لئے وسائل اکٹھے کئے ہیں۔ میں نہیں کہتا شہاب جیسا کہ میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ یہ وسائل ہمیشہ قائم رہیں گے، لیکن جب تک یہ ہماری مٹھی میں ہیں ہم اپنے طور پر جو کچھ بھی کر سکتے ہیں ہمیں ضرور کرنا چاہئے۔ بہت بڑے لوگ بعض اوقات ایسے جرائم کر ڈالتے ہیں جو پورے معاشرے کو داغدار کر دیتے ہیں۔ میں انہی کے خلاف کمربستہ ہوں۔ میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ چھوٹے جرم کرنے والوں کو معاف کر دیا جائے یا ان پر توجہ ہی نہیں دی جائے۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ جہاں جرم ہو وہاں اس کی سرکوبی بھی ہو اور یہی میرا نکتہ نظر ہے۔ شاید میں نے اپنے مقصد کے اظہار کے لئے خاصے الفاظ ضائع کر دیئے۔ اب میں مطلب کی بات پر آتا ہوں جیسا کہ میں تم سے وعدہ کر چکا ہوں کہ پھر کبھی جب بھی موقع ملے گا میں تمہیں اپنے ماضی کے بارے میں بتاؤں گا لیکن کچھ ایسی کہانیاں میرے علم میں ہیں جو بہر طور دردناک ہیں اور ان کا کوئی سدباب نہیں ہو سکا۔"

"جی سر۔"

"یہ ڈیپارٹمنٹ جو میں نے تمہاری سربراہی میں بنایا ہے میری بہت سی آرزوؤں کا مرکز ہے اور تمہیں اس کے لئے میں نے کافی غور کر کے منتخب کیا ہے کیونکہ تمہارے سینے میں مجھے وہ دل نظر آیا ہے جو درد مند ہے اور وطن کی محبت سے سرشار بھی۔ خیر پھر بات وہیں آ گئی اصل میں ہم ایسے کیسز کو ری اوپن کرنا چاہتے ہیں جو بظاہر ختم ہو گئے ہیں لیکن اصل حیثیت سے نہیں۔ ان میں اقتدار والوں کی اپنی حیثیت حارج ہوئی ہے اور انہوں نے ان کیسز کو اپنی مرضی کے مطابق ختم کرا لیا ہے۔ سمجھ رہے ہو نا میری بات؟"

"جی سر۔"

"تو پھر میں سب سے پہلے جس واقعہ کی نشاندہی کرتا ہوں ہو سکتا ہے تم بھی اس سے آگاہ ہو۔ کوئی آٹھ مہینے پہلے کی بات ہے ایک بستی نور الٰہی کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔ نور الٰہی اچھا خاصا علاقہ ہے بلکہ تم اسے قصبہ بھی کہہ سکتے ہو آبادی بھی کافی ہے اور اسی تناسب سے وہاں کی صورت حال ہے بستی نور الٰہی کے سب سے بڑے جاگیردار ساندے کہلاتے ہیں۔ ساندے فیملی زیادہ بڑی نہیں ہے لیکن بستی نور الٰہی پر اس کا مکمل قبضہ ہے۔ اس کے علاوہ وہی ساری صورت حال جو ابھی پچھلے کیس میں تمہیں پیش آئی، میرا مطلب ہے امیر شاہ والا

مسئلہ۔ امیر علی شاہ اپنی حیثیت کی بنیاد پر جو کچھ کرتا رہتا ہے وہی سب کچھ یہاں بھی ہے۔ رائی علی ساندا اس بستی کا سربراہ ہے اس کے تین بیٹے تھے۔ نور علی ساندا، پیار علی ساندا زندہ ہیں۔ شہزاد مر چکا ہے، بہرحال اب ان کے بارے میں ساری تفصیلات میں تمہیں بتا رہا ہوں۔ میرا خیال ہے یہ پیڈ اور پین لے لو اور ان پر تفصیلات کو نوٹ کرو۔"

نادر حیات صاحب نے ایک پیڈ اور قلم شہاب ثاقب کو دے دیا۔ شہاب نے یہ دونوں چیزیں لے لیں اور پوائنٹس نوٹ کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔

"جیسا کہ میں نے تم سے کہا آٹھ مہینے پہلے کی بات ہے ہو سکتا ہے اس وقت کے اخبارات تمہارے علم میں ہوں یا یہ نام تمہاری نگاہوں سے گزرا ہو۔ خیر یہ ایک الگ بات ہے تو صورت حال یہ ہوئی کہ بستی نور الٰہی سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک اور بستی مہرجان ہے۔ بستی مہرجان میں یوں تو ایسے کئی رئیس موجود ہیں جو زمیندار بھی ہیں اور بستی کے آس پاس کھیتی باڑی بھی کرتے ہیں۔ انہوں نے باغات بھی لگائے ہوئے ہیں۔ میں جس شخص کی نشاندہی کرنا چاہتا ہوں اس کا نام خادم شاہ تھا۔ خادم شاہ اور بدر شاہ۔ بدر شاہ، خادم شاہ کا بیٹا تھا، اکلوتا بیٹا باقی اس کی اور فیملی تھی۔ وہاں چھوٹی سی حویلی بنائی ہوئی تھی۔ انہوں نے کچھ کارخانے وغیرہ بھی لگائے ہوئے تھے۔ میں نہیں کہتا کہ خادم شاہ کی اپنی کیفیت کیا تھی کیونکہ اس قسم کے جتنے بھی شاہ ہوتے ہیں۔ وہ ذہنی طور پر شاہ ہی بن جاتے ہیں۔ خادم شاہ کی ایک بیٹی بھی تھی جس کا نام شہناز تھا۔ وہ بیٹی کسی حادثے میں مر گئی۔ تفصیلات زیادہ معلوم نہیں ہو سکیں، لیکن مسئلہ کچھ ایسا ہی تھا پھر یوں ہوا کہ خادم شاہ کی حویلی میں آگ لگ گئی اور بعد میں ان کی جلی ہوئی لاشیں حویلی سے برآمد ہوئیں۔ بستی مہرجان کے لوگوں کا کہنا ہے کہ حویلی سے چیخیں بلند ہوتی رہیں لیکن کسی نے باہر نکلنے کی کوشش نہیں کی۔ کچھ ایسے افراد حویلی کے اردگرد بھاری اسلحہ سے لیس گردش کرتے رہے جن کے چہرے نقابوں سے ڈھکے ہوئے تھے اور انہوں نے چیخ چیخ کر کہا تھا کہ بستی مہرجان کا کوئی بھی آدمی اگر حویلی کی جانب آنے کی کوشش کرے گا تو اسے گولیوں سے بھون دیا جائے گا۔ ان لوگوں نے فائرنگ بھی کی تھی لیکن چونکہ بستی کے لوگ خادم شاہ کی حویلی کی جانب نہیں گئے تھے اس لئے ان میں سے کوئی ہلاک نہیں ہوا۔ البتہ حویلی میں سے سولہ خاکستر لاشیں برآمد ہوئی تھیں جن میں خادم شاہ، بدر شاہ اس کی بیوی وغیرہ کی لاشیں بھی تھیں۔ یہ سارا مسئلہ ہوا۔

پولیس نے معمول کے مطابق تفتیش کی لیکن یہ نہیں پتا چل سکا کہ خادم شاہ کی حویلی کو آگ لگانے والے کون تھے، البتہ یہ اندازہ ضرور ہو گیا تھا کہ خادم شاہ اور بدر شاہ کو ہاتھ پاؤں باندھ کر ان کے کمروں میں ڈال دیا گیا تھا اور وہ آگ لگنے کے بعد نکل بھاگنے میں کامیاب بھی نہیں ہو سکے۔ بستی کے لوگوں نے اس سلسلے میں کوئی بھی نام نہیں لیا لیکن سہمے ہوئے لوگوں سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ جان بوجھ کر کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ پولیس کو بہر حال کچھ نہ کچھ کرنا تھا، چنانچہ کارروائی ہوتی رہی۔ کسی طرح راگ علیساندا کا نام بھی سامنے آیا۔ کچھ دشمنیوں کے واقعات بھی پولیس کے علم میں لائے گئے لیکن ساندا پر کیس ثابت نہیں ہو سکا کیونکہ کچھ ہی دن کے بعد چار آدمی گرفتار ہوئے جن کی نشاندہی باقاعدہ کی گئی تھی اور یہ ثابت کر دیا گیا تھا کہ یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے خادم شاہ کی حویلی میں آگ لگائی۔ یہ چاروں مختلف خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے اور انہوں نے اعتراف کر لیا تھا کہ وہ خادم شاہ کی حویلی میں ڈاکہ ڈالنے گئے تھے اور آگ اتفاقیہ طور پر لگ گئی۔ بس یوں سمجھ لو کہ اس سارے مسئلے کو پالش کیا گیا تھا اور کوئی صحیح صورت حال سامنے نہیں آئی تھی اس سلسلے میں ایک شخص نے میری رہنمائی کی۔ تمہیں بھی اس سے ملاؤں گا اس شخص نے مجھے کچھ تفصیلات بتائی تھیں جو میرے ذہن میں موجود تھیں۔ میں نے اس سلسلے میں کچھ کام بھی کیا لیکن ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور اس کے بعد خاموشی ہی اختیار کر لی گئی۔ ان چاروں افراد کو سزائیں ہو گئی ہیں جنھیں ڈاکے کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا اور کیس ختم ہو گیا ہے لیکن واقعات جہاں تک اشارہ کرتے ہیں اس سلسلے میں راگ علی ساندا اور اس کے دونوں بیٹے ہی ملوث نظر آتے ہیں۔ میری ان لوگوں سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے لیکن یہ سوچو شہاب، قانون کی کس قدر بے عزتی ہے یہ کہ جس نے جس طرح چاہا قانون کو اپنے حق میں کر کے اپنی مرضی کے مطابق کام کر ڈالا۔ کیا ایک قانون پسند، کیا ایک قانون کی عبادت کرنے والا اس بات کو برداشت کر سکتا ہے؟! اصل میں شہاب زیادہ تفصیلات میں نہیں جاؤں گا بس یوں سمجھ لو کہ اس خفیہ ڈیپارٹمنٹ کے سربراہ کی حیثیت سے تمہارا پہلا کیس یہی ہو گا۔“

شہاب دلچسپی سے یہ ساری داستان سن رہا تھا۔ وہ نام اس نے نوٹ کر لئے تھے جن کی نشاندہی ڈی آئی جی نادر حیات صاحب نے کی تھی اور اب اس سلسلے میں وہ آگے کے سوالات کرنا چاہتا تھا۔ ڈی آئی جی نادر حیات نے کچھ لمحات توقف کیا پھر مسکرا کر بولے۔

”تم ممکن ہے اسے میرا جنون قرار دو لیکن ہر شخص کے اندر کچھ کمزوریاں ہوتی ہیں۔ میری کمزوری یہی ہے اور میں تمہیں اس کی مختصر وجہ بتا سکتا ہوں۔ یوں سمجھ لو مسٹر شہاب یہ تمہارا پہلا ٹیسٹ کیس ہے ہم اپنا کام اسی انداز میں جاری رکھیں گے اور میرے خیال میں اب گنجائش نہیں رہی ہے کہ میں تمہیں اپنا مزید موقف بتا سکوں۔“

”جی سر واقعی اس کی گنجائش نہیں رہی ہے۔“ شہاب نے آہستہ سے کہا۔ پھر بولا۔

”سر یہ چند نام میرے علم میں آئے ہیں لیکن میں کسی ایسی ٹھوس شخصیت کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں جو اس سلسلے میں میری رہنمائی کرے۔ مزید کچھ سوالات میرے ذہن میں پیدا ہوئے ہیں ان کی بھی تھوڑی سی تفصیل چاہتا ہوں۔“

”یقیناً ایسی کسی شخصیت کی نشاندہی کے بغیر میں تمہیں اس کام پر مجبور نہیں کر سکتا اور کیا سوال ہے تمہارے ذہن میں۔“

”سر اگر ہم اس کیس کو آگے لے جاتے ہیں تو کیا اس کیس کا کوئی مدعی ہمیں مل سکتا ہے؟“

”یقیناً اور اس مدعی کی نشاندہی بھی یہی شخص کرے گا جس کا نام میں تمہیں بتا رہا ہوں بس سمجھ لو کہ یہ اس کیس کی مکمل تفصیل تمہارے سامنے پیش کر دے گا۔ نام غلام قادر ہے۔ آٹھ ماہ پہلے انسپکٹر کے عہدے پر فائز تھا، استعفیٰ دیا ہے۔ ملازمت کی مدت پوری ہونے سے پہلے اور اس استعفیٰ کی بنیادی وجہ بھی یہی کیس ہے جس میں اس کے راستے روک دیئے گئے تھے، ویسے بھی مدت ملازمت بہت تھوڑی سی باقی رہ گئی تھی نیک دل اور فرض شناس آدمی ہے۔ ان دنوں پلاسٹک کا ایک چھوٹا سا کارخانہ لگا رکھا ہے اور اسی میں کام کر کے اپنا گزارا کرتا ہے اس سلسلے میں تمہاری مدد کرنے پر فوراً تیار ہو جائے گا۔ یوں سمجھ لو کہ وہ اس کیس کی مکمل فائل ہے اور یہ کیس اس کی زندگی کا اتنا اہم کیس ہے کہ اس کے لئے اس نے اپنی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا تھا کیونکہ اس کا ضمیر برداشت نہیں کر سکا تھا کہ جس فرض کو وہ سرانجام دے رہا ہے اس میں بددیانتی کا مظاہرہ کرے۔ کیا سمجھے؟“

”سر اس کا مقصد ہے کہ وہ تو کوئی عظیم آدمی ہے۔“

”یقیناً اور ایسے ہی عظیم لوگ بے چارے پسماندگی کی زندگی گزارتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں اگر تم صرف اس کے پاس چلے جاؤ تو وہ تمہیں بہت سے رموز سے آگاہ کر دے گا۔ میں

تمہیں اس کے نام ایک خط لکھ دیتا ہوں جس میں صرف اتنا لکھوں گا میں کہ مسٹر شہاب ثاقب کے ساتھ اس کیس کے سلسلے میں وہ تمام تعاون کرے جو اس کے لئے ممکن ہو سکے۔

"میرا خیال ہے کافی ہے جناب۔"

"بہت شکریہ شہاب۔ بس یہ سمجھ لو کہ جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ یہ تمہارا ٹیسٹ کیس ہے۔ تمہیں اس میں اپنی تمام تر کاوشوں کو بروئے کار لانا ہوگا۔"

"بہت بہتر۔"

"انسپکٹر غلام قادر کا پتا نوٹ کر لو۔" نادر حیات صاحب نے کہا اور شہاب ثاقب نے پتا نوٹ کر لیا۔ پھر انہوں نے پیڈ مانگا اور اس پیڈ پر ایک چھوٹا سا رقعہ انسپکٹر غلام قادر کے نام لکھ دیا۔ شہاب نے اس کے بعد اجازت طلب کر لی تھی۔ انسپکٹر غلام قادر کے پلاسٹک کے کارخانے پر پہنچ کر شہاب نے غلام قادر کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ چھریرے بدن کا ایک تقریباً پینتالیس سالہ شخص جو چہرے ہی سے دیندار اور نیک نظر آتا تھا اس سے ملا اور اس نے شہاب کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی میرا نام غلام قادر ہے۔ فرمائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"غلام قادر صاحب اگر زیادہ مصروفیت نہ ہو تو میں آپ کا تھوڑا سا وقت لینا چاہتا ہوں؟"

"جی جی آیئے تشریف لایئے۔" غلام قادر اسے اپنے چھوٹے سے آفس میں لے گیا جہاں ایک میز اور چار کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ سب کچھ سادہ سادہ سا تھا۔ شہاب نے اپنا کارڈ نکال کر غلام قادر کو دیا۔ غلام قادر نے کارڈ پڑھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تو انتظامیہ سے تعلق ہے آپ کا؟"

"جی ہاں"

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی مسٹر شہاب ثاقب مگر ہم تو گزرا ہوا وقت ہیں ہماری کیا ضرورت پیش آ سکتی ہے؟"

"یہ ایک رقعہ ہے آپ کے نام۔" شہاب ثاقب نے نادر حیات صاحب کا پرچا نکال کر غلام قادر کو دیا۔ غلام قادر نے پرچا پڑھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ نادر حیات صاحب مرد مومن ہیں۔ رفتار اور گفتار کے یکساں، وہ وقت کو کبھی نہیں بھولتے اور ان کی کوئی خدمت سر انجام دینا سعادت ہے۔

بچے میں نے رقعہ پڑھ لیا...... اب یہ بتایئے کہ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"غلام قادر صاحب، میرا یہ نیا محکمہ نادر حیات صاحب کی سرپرستی میں ہی وجود میں آیا ہے۔"

"جی ہاں مجھے اس کا علم تھا بلکہ شاید آپ کو یہ پتا نہ ہو کہ نادر حیات صاحب نے میرا استعفیٰ پیش کرنے کے بعد مجھے پیش کش کی تھی کہ میں اگر چاہوں تو ان کے لئے خفیہ طور پر کام کروں لیکن بس دل کچھ اس طرح اچاٹ ہوا تھا کہ اس کے بعد محکمہ پولیس میں نہ رہ سکا۔ اپنے طور پر کچھ کرنے کی ٹھانی اور خدا کا شکر ہے۔ یہ میری چھوٹی سی کاوش میرا اور میرے خاندان کا پیٹ بھرنے میں معاون ہے، دل خوش تو نہیں ہوتا جب اخبارات میں ایسی خبریں پڑھتا ہوں جن میں جرم ہوتے ہیں اور تفتیش ناکام ہو جاتی ہے لیکن پھر سوچتا ہوں کہ زمانہ اسی کا نام ہے اگر سب اچھے ہو جائیں تو بروں کی شناخت کیسے ہو۔ خیر آپ فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کروں...... ہاں کچھ چائے وغیرہ۔"

"نہیں غلام قادر صاحب۔ میں جس اہم مقصد کے لئے حاضر ہوا ہوں بس اس کے بارے میں تھوڑی سی معلومات درکار ہیں۔"

"جی فرمایئے۔"

"بات بستی نور الٰہی، بستی مہر جان، راگ علی ساندا اور خادم شاہ کی ہے۔"

"ارے یہ کیس تو ختم ہو چکا ہے۔"

"جی ہاں قانون کے رجسٹروں میں اور عدالت کے فیصلوں میں یہ کیس ختم ہو چکا ہے لیکن ڈی آئی جی نادر حیات صاحب کا کہنا ہے کہ آپ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ کیس ختم نہیں ہوا ہے۔"

"اوہ۔" غلام قادر کے ہونٹ سکڑ گئے پھر وہ بولا۔

"گویا نادر حیات صاحب نے اس وقت کا تعین کر لیا ہے جس کا انہوں نے فیصلہ کیا تھا۔ کہا تھا انہوں نے مجھ سے کہ غلام قادر بددل نہ ہو جو کچھ ہوا ہے قانون کی کتابوں میں بے شک بند ہو گیا ہے، لیکن میری کتاب میں یہ نامکمل چیز درج ہے اور کبھی نہ کبھی اسے منظر عام پر لاؤں گا۔ بہر حال خدا انہیں ان کے نیک مقصد میں کامیابی عطا کرے، اس میں میری ذمے داریاں مجھے بتا دی جائیں۔"

"میں اس کیس کی ابتدائی تفصیل سننا چاہتا ہوں، بشرطیکہ آپ کے پاس وقت ہو۔"

"اصل میں یہ کارخانہ ہے اور پھر میں نے کچھ واقعات اپنی ڈائری میں نوٹ کیے ہوئے ہیں۔ اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو آپ رات کا کھانا میرے ساتھ کھائیے...... میں آپ کو تمام تفصیل بتاؤں گا۔"

"بے حد مناسب لیکن کھانے کا تکلف نہ کیجئے گا۔ میں حاضری دوں گا اور اس کے بعد۔"

"نہیں بھئی ہم غریبوں کے ہاں بھی کچھ کھا پی لیا جائے تو عنایت ہو گی آپ کی۔ بالکل جائز کمائی ہے اس کا آپ سے وعدہ کیا جاتا ہے۔"

شہاب ہنس کر کھڑا ہو گیا تھا۔ بہر حال یہ نئی ذمے داریاں اسے کافی دلچسپ محسوس ہو رہی تھیں۔ اس نے اس سلسلے میں بہت کچھ سوچا تھا۔ عہدہ بڑھ گیا تھا، لوگ خوش ہوئے تھے، ایک موقع ملا تھا لیکن شہاب کو اس بات کا بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ اس سے مزید فائدے ہوں گے۔ بہر حال وہ وقت مقررہ پر غلام قادر کے ہاں پہنچ گیا۔ سادہ مزاج آدمی نے سادہ سا انتظام کیا تھا۔ کھانے وغیرہ سے فراغت کے بعد وہ اسے اپنے کمرے میں لے گیا اور پھر اس نے ایک سال پرانی ڈائری نکال لی۔

کچھ دیر ڈائری کے اوراق الٹتا رہا پھر ایک جگہ پر رک کر بولا۔

"تیس جولائی، بستی کے ایک شخص نے پولیس کو اطلاع دی۔ میں بستی مہر جان کی بات کر رہا ہوں کہ نہر والی پلیا کے پاس ایک نوجوان لڑکی کی لاش پڑی ہوئی ہے جسے گردن دبا کر مار دیا گیا ہے۔ میں اسی علاقے میں تھا۔ فوراً ہی جائے واردات پر پہنچا تو وہاں بستی مہر جان کا زمیندار خادم شاہ اپنے بیٹے بدر شاہ کے ساتھ موجود تھا اور اس نے لاش اپنی تحویل میں لے لی تھی۔ میں نے بدر شاہ سے لاش کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو اس نے کہا۔ گھریلو معاملہ تھا...... لڑکی نے خودکشی کی ہے، خادم شاہ نے مجھ سے درخواست کی کہ اس کی عزت قائم رکھنے کے لئے پولیس اس کیس میں مداخلت نہ کرے۔ لڑکی ضدی اور خود سر تھی۔ شہر جا کر تعلیم حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اس بات پر اسے انکار کیا گیا تو اس نے دھمکی دے دی اور کہا کہ خودکشی کرے گی اور یہ سو فیصد ہی خودکشی کا کیس ہے۔ نہ وہ کسی کے خلاف کوئی کارروائی چاہتا ہے اور نہ ہی اس کارروائی کا کوئی جواز ہے۔ بہر حال میں نے بہت کوشش کی لیکن خادم شاہ نے اس سلسلے میں مجھ سے تعاون نہیں کیا اور خاصی سختی پر اتر آیا، بعد میں ڈی ایس پی صاحب

ذاتی نے مجھ سے کہا کہ اس سلسلے میں خاموشی اختیار کر لوں...... جب مرنے والی کا باپ اور بھائی اس کیس کو آگے بڑھانا نہیں چاہتے تو میں زبردستی کی کارکردگی دکھانے کی کوشش نہ کروں...... ڈانٹنے والا سا انداز تھا۔ اس لئے میں بھی خاموش ہو گیا اور بات آئی گئی ہو گئی......

تیرہ اگست کو مجھے اطلاع ملی کہ ایک شخص کو دردنا کے علاقے میں گولی سے اُڑا دیا گیا ہے۔ یہ شخص گھوڑے پر آ رہا تھا کہ اسے گولی مار دی گئی...... بعد میں پتا چلا کہ یہ بستی نورالٰہی کے بہت بڑے زمیندار راگ علی ساندا کا بیٹا شہزاد علی ساندا تھا۔ یہ شخص اوباش طبع اور کافی بدنام تھا، بہر حال میں راگ علی ساندا کی حویلی پہنچا۔ حویلی میں شہزاد علی ساندا کی لاش موجود تھی۔ میرا نہایت سرد مہری سے استقبال کیا گیا۔ راگ علی ساندا کا بیٹا نور علی ساندا مجھ سے ملا اور مجھ سے پوچھا کہ میں کیا چاہتا ہوں...... تو میں نے شہزاد علی ساندا کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ نور علی ساندا نے کہا۔

"ہم اپنی غلطی کا شکار ہو گئے ہیں۔ شہزاد ساندا ایک بڑی رقم لے کر گھوڑے پر گز... تھا اور غالباً ڈاکوؤں نے یہ کارروائی کی ہے۔ وہ کسی کا نام نہیں لینا چاہتے کیونکہ ڈاکوان کے لئے نامعلوم ہیں۔ رقم انہوں نے کوئی ڈھائی لاکھ بتائی تھی جو شہزاد علی ساندا کے پاس موجود تھی۔ شہزاد علی ساندا کی تدفین کر دی گئی۔ لاش پوسٹ مارٹم کے لئے بھی نہیں دی گئی تھی اور اسے ایک منٹ کے لئے بھی پولیس کی تحویل میں نہیں لایا گیا۔ شہاب ثاقب صاحب ایسی آبادیوں میں رہنے والوں کے، میرا مطلب ہے بڑے زمینداروں کے ایسے ... اختیارات ہوتے ہیں۔ پولیس ایک طرح سے ان کے سامنے بے اثر ہو جاتی ہے اور سارے واقعات توڑ موڑ دیئے جاتے ہیں۔ ہاں غریب غربا کی بات اور ہے ان کے ہاں اگر کوئی واردات جرم ہوتا ہے تو اس کے سلسلے میں پولیس کھل کھیل لیتی ہے، وہ بھی اس وقت تک جب تک کہ کوئی بڑی شخصیت اس سلسلے میں اپنی کسی رائے کا اظہار نہ کرے یا کچھ نہ چاہے۔ ایسے واقعات میں بھی اگر کہیں سے کوئی بڑی شخصیت ملوث ہو جائے تو پھر یوں سمجھ لیجئے کہ وہ بھی ختم ہو گیا، بہر حال میں نے اس سلسلے میں اپنی کارروائیاں کیں اور کوشش کی کہ کچھ واقعات اوپر تک پہنچادوں پھر اس دوران مجھے ایک شخص ملا جو بستی نور الٰہی کا ایک معزز آدمی تھا اور اس کا کچھ رشتہ بستی مہرجان میں بھی تھا۔ خود بھی ایک معزز آدمی تھا۔ عادل فقیر کے نام سے پہچانا جاتا تھا، اس نے مجھے کچھ تفصیلات بتائیں۔ اب آپ یہ بتایئے کہ میں آپ کو واردات بتاؤں یا پہلے وہ تفصیل۔"

"نہیں غلام قادر صاحب بہتر یہ ہو گا کہ آپ پہلے تفصیل بتائیں۔"

"ہاں یہی بہتر ہو گا۔" غلام قادر نے کہا اور پھر بولا۔

"عادل فقیر نے جو انکشافات مجھ پر کئے وہ کچھ یوں تھے کہ راگ علی ساندا کا ایک بیٹا شہزاد ساندا ایک بار بستی مہرجان شاید فٹ بال کھیلنے گیا تو بستی مہرجان میں اس نے خادم شاہ کی بیٹی شہناز کو دیکھا جو کسی نہ کسی طرح اس کی نگاہوں میں آگئی تھی۔ شہناز شہر میں تعلیم حاصل کرتی تھی اور ان دنوں اپنے گھر آئی ہوئی تھی۔ بہر حال شہزاد ساندا اس لڑکی پر ریجھ گیا اور اس نے شاید اپنے والد راگ علی ساندا سے اس لڑکی سے رشتے کی فرمائش کی لیکن راگ علی ساندا نے یہ کہہ کر اس کی درخواست مسترد کر دی کہ مہرجان کے خادم شاہ سے ان کے اچھے تعلقات نہیں ہیں۔ اس لئے یہ رشتہ نہیں ہو سکتا۔ شہزاد نے باپ کی بات سنی اور

... راستے سوچنے لگا۔ شہر میں اس نے شہناز سے ملاقات کی اور اسے اپنے بارے میں ... بتائی لیکن شہناز ایک باحیا لڑکی تھی اس نے شہزاد ساندا کو نفرت سے ٹھکرا دیا اور کہا کہ ... والدین کے ہیں۔ والدین اگر چاہیں گے تو یہ بات ہو سکتی ہے۔ ذاتی طور پر وہ اس سے ... نہیں ہو سکتی، پھر زمینداری رگ پھڑک اٹھی اور شہزاد ساندا، شہناز کی تاک میں لگ ... شہر میں دو تین بار اس نے شہناز سے رجوع کرنے کی کوشش کی اور شہناز نے آخر کار یہ ... اپنے بھائی بدر شاہ کو بتا دی۔ بدر شاہ بال بچوں والا آدمی تھا، اس نے سمجھداری سے کام ... لیتے ہوئے کہا کہ شہناز گھر واپس آجائے۔ اس کی آگے تعلیم جاری نہیں رکھی جا سکتی اور اس کے بعد بدر شاہ نے کوششیں شروع کر دیں کہ شہناز کی کسی مناسب جگہ شادی کر دی جائے ... بدقسمت کی ماری شہناز ایک بار کسی کام سے کہیں جا نکلی اور شہزاد ساندا نے اسے اغوا کر لیا، ... بعد میں شہناز کی لاش ہی ملی تھی اور اس کی آبروریزی کی گئی تھی۔ بدر شاہ کو چونکہ شہزاد ساندا کے بارے میں معلومات حاصل تھیں۔ اس نے راگ علی ساندا سے بعد میں جا کر کہا کہ ... یہ واقعہ ہوا ہے اور اس کا کیا حل ہو۔ راگ علی ساندا نے اسے نفرت سے ٹھکرا دیا اور کہا کہ زمینداروں کے کھیل ایسے ہی ہوتے ہیں اور یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے کہ وہ اس سلسلے میں اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ بدر شاہ خاموشی سے واپس چلا آیا اور اس کے بعد اس نے اپنی بہن کی موت کا انتقام لینے کی تیاریاں شروع کر دیں جس کی اطلاع خادم شاہ کو بھی نہیں تھی۔ یہاں تک کہ ایک بار اس کو شہزاد ساندا نظر آگیا اور بدر شاہ نے اسے گولیوں سے اڑا دیا۔ عادل فقیر نے بتایا کہ راگ علی ساندا کو بیٹے کے قاتلوں کے بارے میں علم ہے، لیکن وہ اس ... میں کسی کی مداخلت نہیں چاہتا اور اپنے طور پر خادم شاہ سے انتقام لینے کا فیصلہ کر چکا ... ہے۔ میں ایک بار پھر راگ علی ساندا کے پاس پہنچا اور میں نے اس سے تمام تر صورت حال پر ... بات کی تو راگ علی ساندا نے کہا کہ میں خاموشی اختیار کروں، بڑوں کے معاملات بڑوں تک ... رہنے چاہئیں...... اگر میں نے زیادہ گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو مجھے نقصان بھی پہنچ سکتا ... ہے۔ میں نے بڑی منت خوشامد کی اور راگ علی ساندا سے کہا کہ ایسا کوئی واقعہ نہ ہونے دیا ... جائے تو بہتر ہے جس پر پیار علی ساندا نے مسکرا کر کہا۔

"ہم نے اپنا بھائی کھویا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم بے غیرت ہیں، اگر ہم یہ ... معاملہ پولیس کو دے دیتے ہیں تو پولیس زیادہ سے زیادہ کیا کر سکے گی۔ گرفتاریاں ہوں گی،

مقدمہ چلے گا اور اس کے بعد خادم شاہ وغیرہ کو زیادہ سے زیادہ سزا ہو جائے گی اور وہ کسی نہ کسی طرح بچ ہی جائیں گے۔ ہم لوگ ایسے چھوٹے موٹے کام نہیں کرتے۔ ہمارے معاملات آپ ہی جانتے ہیں، بہر حال جناب شہاب صاحب اس کے بعد میں یہی کوشش کرتا رہا کہ کوئی واقعہ نہ ہونے پائے لیکن واقعہ ہو گیا۔ اچانک ہی خادم شاہ کی حویلی میں آگ لگی اور خادم شاہ اس کا بیٹا بدر شاہ اس کی بیوی صفیہ جہاں اور باقی رشتے ناطے دار اور دوسرے چند افراد ہلاک ہو گئے۔ اس طرح راگ علی ساندا نے اپنا انتقام لے لیا لیکن مجھے صورت حال معلوم تھی میں نے تفتیش جاری رکھی اور اس سلسلے میں کئی قدم آگے بڑھ گیا۔ تب ایک شام نور علی ساندا مجھے ملا اور اس نے مجھ سے بڑی کھل کر بات کی اس نے کہا کہ میں اپنی نوکری کے پیچھے نہیں پڑ رہا بلکہ اپنے خاندان کے ساتھ بھی اسی سلوک کا انتظام کر رہا ہوں جو خادم شاہ کے ساتھ ہوا۔ میں نے اس وقت بھی عاجزی ہی اختیار کی اور کہا کہ بہر طور اتنی بڑی واردات ہوئی ہے۔ میری ذمے داریاں ہیں کہ میں اس واردات کی تفصیل معلوم کروں اور مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچاؤں۔ اگر میں اس سلسلے میں کامیاب نہیں ہوتا تب بھی میرے لئے مصیبت ہے اس پر نور علی ساندا نے کہا کہ اگر میں اس کے ساتھ تعاون کروں تو وہ میری مشکل بھی حل کر دے گا۔ حالات کے تحت میں نے اس سے تعاون کا وعدہ کر لیا تو چار آدمی میرے پاس گرفتاری دینے پہنچ گئے۔ یہ چوبیس سے چھبیس سال تک کی عمر کے لڑکے تھے۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ بستی مہرجان میں انہوں نے خادم شاہ کے گھر ڈاکہ ڈالا تھا اور لوٹ مار کے دوران اتفاقیہ طور پر آگ لگ گئی جو ایک ایسی موم بتی سے لگی تھی جو کپڑوں کے قریب پڑی ہوئی تھی اور پھر یہ آگ بجھائی نہیں جاسکی۔ باقی تمام باتیں بعد کی تھیں اور مجرم موجود تھے۔ پولیس بھلا اس سلسلے میں اور کیا کر سکتی تھی۔ چنانچہ ان چاروں پر مقدمہ چلا اور انہیں سزائیں ہو گئیں۔ یہ ہے بستی نور الہٰی اور بستی مہرجان کی کہانی۔" غلام قادر نے بتایا۔ شہاب دم سادھے یہ کہانی سن رہا تھا۔ ریٹائرڈ انسپکٹر غلام قادر نے چند لمحات توقف کیا پھر بولا۔

"کچھ ایسی بددلی طاری ہو گئی تھی مجھ پر کہ میں ایک طویل عرصے تک چھٹی پر رہا اس کے بعد میں نے استعفیٰ دے دیا۔ کم از کم جو حلف برداری کی جاتی ہے اس کی کچھ لاج رکھی جائے لیکن بس یہی کھیل ہے جو اپنا دفاع نہیں کر سکتا، وہ سزا پا جاتا ہے اور جس کے

مفادات ہیں اس کے لئے قانون بے حقیقت ہے تو یہ تو آٹے دال کی دکان ہو گئی۔ کم از کم وفاداروں کو حلف تو نہیں اٹھایا جاتا۔"

"جی غلام قادر صاحب ویسے بات بہت دور تک چلی جاتی ہے۔ آپ کے تجربے کی بنیاد پر میں آپ سے یہ سوالات کر سکتا ہوں کہ اس سلسلے میں کیا ہونا چاہئے لیکن جانتا ہوں کہ کوئی موثر جواب آپ کے پاس بھی نہیں ہو گا۔ اب اس سلسلے میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں غلام قادر صاحب۔"

"جی غلام قادر صاحب ویسے بات بہت دور تک چلی جاتی ہے۔ آپ کے تجربے کی بنیاد پر میں آپ سے یہ سوالات کر سکتا ہوں کہ اس سلسلے میں کیا ہونا چاہئے لیکن جانتا ہوں کہ کوئی موثر جواب آپ کے پاس بھی نہیں ہو گا۔ اب اس سلسلے میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں غلام قادر صاحب۔"

"جی فرمائیے۔"

"اگر ہم کیس ری اوپن کرتے ہیں تو اس کے لئے ہمیں مدعی کی تلاش ہو گی۔ آپ کے خیال میں خادم شاہ کے خاندان کا کوئی ایسا فرد زندہ بچا ہے جو ساندوں کے خلاف درخواست دے اور کیس کرے۔" غلام قادر نے ایک لمحے سوچا پھر بولا۔

"بات چونکہ ڈی آئی جی نادر حیات کی ہے اور یہ بات مجھے معلوم ہے کہ نادر حیات کیا چیز ہیں اس لئے شہاب صاحب میں آپ کے سامنے ایک سنسنی خیز انکشاف کر رہا ہوں۔ ایک ایسا انکشاف جس کے بارے میں ابھی چند ہی لوگوں کو معلوم ہے۔ اصل حقیقت کوئی نہیں جانتا ساندے بھی نہیں۔"

"آپ مجھے اپنے تمام رازوں کا امین پائیں گے۔" شہاب نے سنجیدگی سے کہا۔

"خادم شاہ کی بیوی بدر شاہ کے دو بچوں کے ساتھ زندہ ہے۔ اس رات وہ گھر پر نہیں تھی جب یہ واقعہ ہوا اور اپنے دونوں پوتوں کے ساتھ کسی تقریب میں گئی ہوئی تھی، جب اسے ساری صورت حال معلوم ہوئی تو وہ وہیں سے روپوش ہو گئی۔ اپنے ایک خاص ملازم کے ساتھ اور اس کے بعد اس نے پولیس سے رجوع کیا یعنی مجھ سے خدا کے فضل سے میں ان کے احکامات کا غدار نہیں تھا، ورنہ بعد میں اگر ساندوں کو پتا چل جاتا کہ خادم شاہ کے خاندان کے تین افراد بچ گئے ہیں تو وہ یقیناً انہیں بھی ختم کر دیتا، خادم شاہ کی بیوی اور بدر شاہ

کے دو بچے موجود ہیں۔ ان کی عمریں دس اور گیارہ سال کی ہیں اور خادم شاہ کی بیوی جہاں یہیں شہر میں خاموشی سے اپنے اس ملازم کے ساتھ زندگی گزار رہی ہے۔ اصل میں اپنے والدین کی طرف سے بھی بڑی صاحب اثر تھی لیکن والدین مر چکے ہیں۔ اسے بہت ترکہ ملا تھا جو اس نے وہیں محفوظ کیا ہوا تھا اور وہی ترکہ اب اس کے کام آرہا ہے۔ آپ اگر چاہیں تو اسے مدعی بنا سکتے ہیں۔ وہ تمام ذمے داریاں پوری کر سکتی ہے۔ بہر حال اس طرح مدعی کا معاملہ تو حل ہو جاتا ہے لیکن ایک اور بات بھی میں بتاؤں آپ کو۔ آپ کے کام آجائے گی۔"

"جی جی ضرور۔"

"ایک شخص اور ہے۔ مولوی ارشاد علی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ مولوی ارشاد علی بھی بستی نور الٰہی کا باشندہ ہے اور وہ سانڈوں کے ہاں خزانچی تھا۔ مولوی ارشاد علی کی ایک بیوہ بہن تھی جس کا بیٹا بری صحبتوں میں پڑ گیا تھا اور اسے سانڈوں کا سہارا حاصل تھا۔ ان بری صحبتوں کی تمام خبر نور علی وغیرہ کو تھی اور وہ اس کی مدد کرتے رہتے تھے۔ ایک طرح یوں سمجھ لو وہ ان کا وفادار بن چکا تھا جب گرفتاری کی ضرورت پیش آئی تو پیار علی سانڈ نے اس لڑکے کو بھی سامنے کیا اور اس نے خوشی سے اپنے مالکوں کے لئے اپنی گرفتاری دے دی۔ مولوی ارشاد علی کچھ عرصے وہاں رہے اور اس کے بعد وہاں سے واپس چلے آئے۔ اب وہ اسی شہر میں ایک جگہ رہتے ہیں۔ یہ شخص بھی اس کیس کے سلسلے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔"

"کیا ان کا پتا آپ کو معلوم ہے؟" شہاب نے سوال کیا اور غلام قادر مسکرا دیا پھر بولا۔

"وہ جو کہتے ہیں نا کہ چور چوری سے جاتا ہے ہیرا پھیری سے نہیں جاتا۔ بہت دنوں تک میں ان لوگوں کے پیچھے لگا رہا اور ان کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہا ہوں لیکن جب میں نے یہ دیکھا کہ کوئی مسئلہ ہی نہیں بن رہا اور سانڈے عیش سے دندنا رہے ہیں تو میں بھی خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔ بہر حال یہ دو خاندان ایسے ہیں کہ اگر یہ کیس ری اوپن ہو تو اس سلسلے میں مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ آپ انہیں آمادہ کر سکیں۔"

"ڈی آئی جی نادر حیات صاحب سے آپ نے کبھی ان کا تذکرہ کیا؟"

"نہیں اتفاق سے نہیں بنیادی وجہ یہ تھی کہ میں اس زندگی سے ہٹ ہی گیا تھا۔ میری بد دلی ہو گئی تھی اس لئے میں نے کبھی اس سلسلے میں نادر حیات صاحب سے کوئی تذکرہ

نہیں کیا۔ بس وہ یہ جانتے تھے کہ اس وقت ساری صورت حال میرے علم میں اس لئے تھی کہ میں اس علاقے میں تعینات تھا اور پھر ایک آدھ دفعہ ان سے بات بھی ہوئی اور میں نے انہیں اس سلسلے میں ذاتی رپورٹ پیش کی تھی لیکن اس کے بعد کوئی ایسی تفصیلی ملاقات ہی نہیں ہو سکی۔ ویسے یہ بات میں جانتا تھا کہ انہوں نے ان واقعات کو دل میں رکھ لیا ہے۔ کچھ عجیب قسم کے آدمی ہیں وہ۔ مجھے خوشی ہے کہ انہوں نے مجھے اس قابل سمجھا اور آپ کو مجھ تک بھیجا۔ ویسے شہاب صاحب بات چونکہ دل کو لگی ہے اور میں خود بھی اس سلسلے میں خاصی ذہنی الجھن کا شکار رہا ہوں اس لئے اگر کسی بھی وقت میری مدد کی ضرورت پیش آئے تو میں حاضر ہوں۔ اب ایک الگ اور مختلف زندگی گزار رہا ہوں اس لئے فعال تو نہیں رہ سکا لیکن پھر بھی جو بن پڑے گا۔"

"یقیناً کسی نیک کام کے لئے اگر جدوجہد کی جائے تو انسان کبھی بھی اس سے الگ نہیں ہو سکتا۔ مجھے اگر آپ کی مدد کی ضرورت پیش آئی تو میں آپ کو ضرور زحمت دوں گا۔ دونوں کے پتے براہ کرم ذرا تفصیل سے مجھے نوٹ کرا دیجئے گا۔"

"ضرور...... ضرور لیکن شہاب صاحب بڑا مشکل ہو جائے گا آپ کے لئے کیونکہ مجھے تو بس یہ پتے معلوم ہی ہو گئے تھے۔ خیر اب آپ دیکھئے۔ ظاہر ہے میں آپ کی صلاحیتوں کو چیلنج نہیں کر سکتا۔"

"کس مشکل کا تذکرہ کر رہے ہیں آپ؟"

"یہ دونوں گھرانے آپ سے مشکل ہی سے تعاون کریں گے۔"

"وہ میں خود دیکھ لوں گا۔" بہر حال پتے نوٹ کئے گئے اور اس کے بعد شکریہ کے ساتھ شہاب نے غلام قادر صاحب سے اجازت لے لی اور وہاں سے چل پڑا لیکن یہ انوکھی داستان اس کے ذہن میں گردش کر رہی تھی۔ گھر ہی واپس آیا تھا۔ بہن اور بہنوئی آئے ہوئے تھے چنانچہ ان کے ساتھ مصروف ہو گیا۔ زندگی کے کتنے روپ ہیں، کہیں کوئی انسان کچھ اور کہیں کچھ ہوتا ہے۔ بہر حال گھر ایک حسین پناہ گاہ ہے جہاں پہنچنے کے بعد زندگی کے سارے بوجھ سر سے اتر جاتے ہیں اور ماحول اگر بہتر ہو تو وقت نہایت خوشگوار رہتا ہے۔ بہن بہنوئی کھانے پر آئے ہوئے تھے اور اس کا انتظام کیا گیا تھا، چونکہ وقت کافی ہو گیا تھا اس لئے نعیمہ نے سب کو کھانا کھلا دیا تھا، پھر بھی وہ لوگ موجود تھے۔

"آئیے ڈی ایس پی صاحب۔ بھئی بڑی غلط بات ہے آپ کو گھر کے معاملات سے اب کوئی دلچسپی نہیں رہی ہے۔"

"بولنے لگے ہیں بہنوئی صاحب۔ چند ہی دن میں بولنے لگے ہیں...... چلئے اچھا ہے ہماری کسر آپ پوری کر تو رہے ہیں۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا آپ کی کسر کہاں پوری ہو سکتی ہے۔" دلچسپ گفتگو اور پر مذاق جملوں کا تبادلہ ہوتا رہا۔ وہ تھوڑا سا ذہنی دباؤ جو اس داستان کو سننے کے بعد شہاب پر طاری ہو گیا تھا، عارضی طور پر دور ہو گیا تھا۔

دوسرے دن سب سے پہلے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فتح محمد کی شان ہی نرالی تھی۔ سارے محلے میں سر اونچا ہو گیا تھا ان کا کیونکہ یہ انہی کی دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ شہاب ترقی پا رہا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ سب کچھ ہو گیا تھا لیکن شہاب نے اپنا گھر نہیں چھوڑا تھا، جہاں کانا پھوسیاں کرنے والے تھے کہ شہاب دونوں ہاتھوں سے دولت کما رہا ہے، وہاں لوگوں کے دلوں میں یہ بات بھی بہر طور تھی کہ اس نے اپنی جائے پناہ نہیں چھوڑی تھی اور فضاؤں میں اُڑنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ محلے والے دل میں کچھ بھی خیالات رکھتے ہوں لیکن کم از کم اس بات سے خوش تھے کہ پولیس کا ایک اعلیٰ عہدیدار ان کے ساتھ پلا بڑھا اور جوان ہوا ہے۔ اگر کوئی اُڑی بھڑی کا وقت آ گیا تو کم از کم اس کی مدد ضرور حاصل ہو سکتی ہے۔ بس ایسی ہی کچھ ملی جلی کیفیات تھیں، فتح محمد صاحب کی۔ خدمت میں حاضری کا سلسلہ [illegible] نہیں تھا اور وہ شہاب کو ہمیشہ دعاؤں سے نوازتے رہتے تھے، بہر حال اس وقت ذہن میں بہت کچھ تھا لیکن اتنا وقت نہیں تھا کہ شہاب ان کے ساتھ بیٹھ کر اس سلسلے میں کوئی گفتگو کر سکے۔ البتہ وہ ہیڈ آفس جانے کے بجائے کریم سوسائٹی کی کوٹھی پہنچا تھا اور وہاں سے اس نے واسطی کو فون کیا تھا۔

"کیا مصروفیت ہے؟"

"کوئی خاص نہیں سر۔ بس یوں سمجھئے سپیشل ڈیپارٹمنٹ کے ذیلی آفس میں [illegible] ہوئی ہوں۔"

"نہیں سمجھا۔"

"والد صاحب قبلہ نے کہا ہے کہ جب میں نے مکمل ذمے داریاں قبول کرلی ہیں تو

اپنی ادارے کی ایک فرد سمجھوں اور اس کے لئے کمر بستہ رہوں۔ ذیلی آفس کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ خود بھی اس ادارے سے منسلک ہو گئے ہیں۔"

"وہ ہیں بینا یقیناً ہیں۔ امیر علی شاہ کیس میں ان کے واجبات باقی ہیں...... دوسرے معاملات میں بھی قانونی امور انہیں ہی دیکھنے ہوں گے۔"

"ہم دونوں باپ بیٹی خوب برسر روزگار ہوئے۔" بینا بولی۔

"آ سکتی ہو؟"

"کریم سوسائٹی۔"

"ہاں۔"

"وہیں سے بول رہے ہیں۔"

"ہاں۔"

"ابھی پہنچ جاتی ہوں۔"

"او کے...... انتظار کر رہا ہوں۔" شہاب نے فون بند کر دیا اور بینا کے بارے میں سوچنے لگا۔ خوب سیرت، خوب صورت، باعمل اور مودب اس کی تصور میں بھی نہیں ہو گا کہ کسی کے دل میں اس کی محبت کا پودا پھوٹ چکا ہے اور آنکھوں میں رنگین خواب جاگ اٹھے ہیں۔ وہ بہت خوش ہے کہ اسے ایک پراسرار اور خفیہ گروہ میں عہدیدار مقرر کر دیا گیا ہے، لیکن جو مقام کسی کے دل میں پیدا ہوا ہے اس کے لئے وہ تمام عہدوں سے برتر ہے، پھر شہاب نے خود کو سنبھال لیا۔ حیات کا یہ منصب نہیں ہے جو ذہن و دل میں آ رہا ہے۔ ابھی تو بہت کچھ باقی ہے، ایک نظریہ اور اس کی تربیت یہ تو آغاز ہے ابھی اسے عروج تک لے جانا ہے۔ جب تک بینا کریم سوسائٹی نہیں پہنچ گئی، شہاب انہی خیالات میں گم رہا تھا۔ جوہر خان نے بڑی خوش اسلوبی سے کوٹھی کا انتظام سنبھال لیا تھا۔ وہ سب کچھ بن گیا تھا اور شہاب نے اسے مکمل اختیارات دے دیئے تھے...... ایک عمدہ رہائش گاہ تھی یہ جس میں اعلیٰ درجے کا کچن تمام ضروریات سے مرصع، بیرونی حصے میں جو جھاڑ جھنکاڑ بھرے ہوئے تھے ان کے لئے جوہر خان ایک بہترین مالی ثابت ہوا تھا۔ اندرونی معاملات بھی بالکل سدھر گئے تھے۔ ایک آفس ترتیب دے لیا گیا تھا جس میں ہر طرح کی اسٹیشنری موجود تھی اور پھر گیٹ پر ایک مستعد چوکیدار۔ شہاب نے جوہر خان سے مشورہ کیا تھا کہ یہاں ضروری امور کے لئے کتنے افراد کی

ضرورت پیش آئے گی، جوہر خان نے نہایت ذہانت کے ساتھ کہا تھا۔

"صاحب ابھی تو صرف میں یہاں موجود ہوں جن لوگوں کو یہاں لایا جائے، وہ نہ مالی ہوں، نہ کک ہوں نہ فراش ہوں...... وہ ایسے لوگ ہونے چاہئیں جو ضرورت پڑنے پر سب کچھ کر سکیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان کا پیٹ وزن دار ہو کیونکہ یہاں جو معاملات ہوں گے ان میں رازداری بڑی ضروری ہوگی، چنانچہ ان کا انتخاب ذرا سوچ سمجھ کر کیجئے گا۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جوہر خان تم نے یہاں کے معاملات کو بہترین طریقے سے سمجھ لیا ہے۔"

"جی صاحب جی۔ اللہ نے عقل دے دی ہے...... بے عقلی کا دور تو گزر چکا ہے۔"

شہاب محسوس کرتا تھا کہ جوہر خان اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر رہا ہے...... اب زندگی میں کوئی اور مقصد اس کے سامنے نہیں رہ گیا ہے، بس اپنی ذمہ داریاں اور یاد اللہ اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا ہے۔

بینا آ گئی۔ اس نے اپنا پرس اپنی میز پر رکھا...... یہاں باقاعدہ اس کے لئے میز لگائی گئی تھی۔ شہاب کے اپنے بیٹھنے کی جگہ الگ تھی۔ پرس میز پر رکھنے کے بعد وہ شہاب کے سامنے آ گئی اور بولی۔

"بیٹھ سکتی ہوں سر۔"

"تشریف رکھئے۔" شہاب مسکرا کر بولا۔

"سر یہاں ایک طریقہ کار رائج ہونا چاہئے۔"

"جی ارشاد۔"

"جو مہمان آئے، اپنی ضیافت کا بندوبست کرے۔"

"واہ۔ بینا آپ یقین کریں آپ جیسی ذہین لڑکی میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ مطلب یہ ہے کہ آپ چائے پی رہی ہیں؟"

"بس دو منٹ سر، ابھی آئی۔" بینا نے کہا اور کچن میں چلی گئی۔ چائے بنائی۔ ایک پیالی جوہر خان کو دی جو باہر برآمدے میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ جلدی سے اٹھتا ہوا بولا۔

"ارے بی بی صاحبہ ایسے کام آپ نہ کیا کریں شرمندگی ہوتی ہے ہمیں۔ گھنٹی تو لگی ہے ہم نے بجا دیا کریں اور ہمیں بتا دیا کریں۔"

"کیسی بات کرتے ہیں جوہر خان صاحب۔ آپ ہمارے بڑے ہیں، آپ سے یہ کام لیتے ہوئے ہمیں شرم نہیں آئے گی اور پھر شہاب صاحب کے دل میں ہماری جو عزت ہے وہ بھی ختم ہو جائے گی کیونکہ وہ جس طرح آپ کو عزت دیتے ہیں اسی طرح یہاں آنے والے کو بھی آپ کا احترام کرنا پڑے گا۔"

جوہر خان ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"اصل میں کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اتنا دیا ہوتا ہے کہ وہ بانٹتے بانٹتے تھکتے نہیں ہیں...... اللہ نے شہاب صاحب کو عزت دی ہے اور جو کچھ ان کے پاس ہے، وہی وہ دوسروں کو دیتے ہیں۔ اللہ انہیں اور عزت دے۔"

بینا چائے کے ساتھ شہاب کے سامنے آ بیٹھی، شہاب نے پر خیال انداز میں اسے دیکھا۔ سامنے رکھے ہوئے پیڈ پر وہ قلم سے کچھ یادداشتیں ترتیب دے رہا تھا۔ پھر چائے کے گھونٹ لیتے ہوئے اس نے کہا۔

"مس بینا نئے عہدے کے تحت ہمیں ایک کیس ملا ہے۔ اس میں محکمہ پولیس کے سپیشل ڈیپارٹمنٹ کی پہلی کارکردگی سامنے آئے گی، جیسا کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ چند افراد ماتحتوں کے طور پر مجھے دے دیئے گئے ہیں لیکن میں ذہنی طور پر ان سے مطمئن نہیں ہوں۔ وہ بے شک ہمارے آؤٹ ڈور ورکر ہو سکتے ہیں لیکن ہم انہیں اپنی مرضی کے مطابق استعمال نہیں کر سکتے۔ میں ایک ایسا ملا جلا طریقہ کار ترتیب دے رہا ہوں جس سے وہ بھی مطمئن ہو جائیں اور ہمارا کام بھی جاری رہے۔ بہرحال نئے کیس کا نیا فائل ڈبل او گینگ کی ذمہ داریوں کے ساتھ کھل رہا ہے اور آپ کو اب اس نئے کیس کی تفصیلات ترتیب دینا ہیں۔"

"سر میرا خیال ہے ہمیں اس کا فائل بنا لینا چاہئے۔"

"یہی میں آپ سے عرض کرنے والا تھا۔"

"تو پھر میں ڈکٹیشن بک لے آتی ہوں۔"

"تھینک یو مس بینا۔" شہاب سنجیدگی سے بولا اور بینا تیاریوں کے بعد پھر اس کے سامنے آ بیٹھی۔

"واقعہ کی مختصر سی تفصیل یہ ہے کہ آٹھ نو ماہ پہلے ایک کیس ہوا تھا جو بہر طور میری یادداشت میں نہیں ہے۔ بستی مہر جان میں خادم شاہ نامی ایک زمیندار کی حویلی جلا دی گئی تھی

اور اس میں اس کے اہل خانہ جل کر راکھ ہو گئے تھے۔ بعد میں پتا چلا کہ ڈاکوؤں نے یہ کارروائی کی تھی اور ڈاکو گرفتار ہو گئے تھے۔ انہیں سزائے موت اس لئے نہ ملی کہ انہوں نے بیان دیا تھا کہ بے شک ڈاکہ زنی انہوں نے کی تھی، لیکن حویلی میں آگ شمع سے لگی تھی اور اس میں ان کی کارروائی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اقبالی مجرم گرفتار ہو گئے، کیس ختم ہو گیا لیکن اصل کیس کچھ اور ہے۔"

"جی سر۔" بینا نے دلچسپی سے کہا۔

"اس سلسلے میں اب ایک اور نام آتا ہے جو بستی نور الٰہی کا ہے۔ بستی نور الٰہی میں ویسے تو بہت سے لوگ رہتے ہیں لیکن راگ علی ساندا اس بستی کا سب سے بڑا زمیندار ہے۔ تین بیٹوں کا باپ تھا۔ ایک بیٹا قتل کر دیا گیا۔ دو بیٹوں کے ساتھ آج بھی بستی نور الٰہی میں آرام کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ اب یہاں سے ایک نئے سلسلے کا آغاز ہوتا ہے۔ مہر جان بستی کے خادم شاہ کی بیٹی شہناز، راگ علی ساندا کے بیٹے شہزاد ساندا کی ہوس کا شکار ہوئی اور اسے ہلاک کر دیا گیا۔ شہزاد علی ساندا، خادم شاہ کے بیٹے بدر شاہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ نہ شہناز کا کیس پولیس کو دیا گیا اور نہ ہی شہزاد ساندا کا معاملہ پولیس کے سامنے آیا، دونوں بڑے خاندانوں نے قانون کو نظرانداز کر کے اپنے معاملات خود ہی نمٹا دیئے۔ راگ علی ساندا نے اپنے بیٹے کے قاتلوں کے خاندان کو ہی فنا کر دیا۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قانون ان لوگوں کے سامنے اتنا ہی بے بس ہے۔ اصل میں وہی چیز سامنے آ رہی ہے بینا جو امیر علی کے کیس میں سامنے آئی تھی...... ان بڑے بڑے اژدہوں نے قانون کو اپنی جیب میں رکھ لیا ہے لیکن قانون کے رکھوالوں میں ڈی آئی جی نادر حیات جیسے لوگ بھی موجود ہیں۔ یہ کیس بہت دن سے ان کے ذہن میں تھا کیونکہ سرکاری طور پر اس کا فائل بند ہو گیا تھا۔ اس لئے نادر حیات صاحب کسی مناسب وقت کی تلاش میں تھے اور اب ان کے خیال میں وہ وقت آ گیا ہے جب ایسے کیسوں کو نکالا جائے اور ان کی صحیح تفتیش کر کے مجرموں کو یہ بتایا جائے کہ اگر ان کی سانسیں باقی ہیں تو وہ قانون کی گرفت سے دور نہیں ہیں۔ آخر کار قانون کا شکنجہ ان کی گردنوں کو جکڑ لے گا...... عارضی کامیابی سے خوش نہ ہو جائیں۔ قانون کا اپنا ایک مقام ہوتا ہے۔ خیر...... میرا خیال ہے میں کچھ جذباتی باتیں کر گیا اس سلسلے میں...... میں نے تھوڑے سے قدم آگے بڑھائے اور نادر حیات صاحب کی رہنمائی میں ایک شخص انسپکٹر غلام قادر کے

پاس پہنچا۔ جواب ریٹائرڈ ہے۔ اس نے اپنی ذمے داریوں سے استعفیٰ دے دیا تھا اور استعفیٰ اسی بے بسی کے اظہار کے طور پر دیا گیا تھا جس میں قانون کو مفلوج کر دیا جاتا ہے۔ غلام قادر سے ملاقات کر کے مجھے اس سلسلے میں مزید تفصیلات معلوم ہوئیں۔ یہ بات غلام قادر جانتا ہے اور اس کے بعد اب میں جانتا ہوں اور تیسری رازدار تم ہو بینا کہ خادم شاہ گھرانے کے تین افراد زندہ بچ گئے تھے۔ خادم شاہ کی بیوی گوہر جہاں اور اس کے دو پوتے جو چھوٹے ہیں۔ گوہر جہاں خفیہ طور پر غائب ہو گئی تھی اور اب وہ یہاں خاموشی سے اپنے پوتوں کی پرورش کر رہی ہے، یہ بات صرف غلام قادر جانتا ہے اور کسی کو اس بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ نمبر دو ایک اور گھرانا ہے...... یہ گھرانا مولوی ارشاد علی کا ہے...... مولوی ارشاد علی کی ایک بیوہ بہن کا بیٹا ان ڈاکوؤں میں شامل ہے جنہوں نے خادم شاہ کے گھرانے کو جلانے کی ذمے داری قبول کی ہے اور سزا کاٹ رہا ہے...... مولوی ارشاد علی ظاہر ہے نام ہی سے اندازہ ہوتا ہے کہ برے لوگوں میں سے نہیں ہیں...... ان کے بھانجے نے جو کچھ بھی کیا اس کا پس منظر پتا نہیں ان کو معلوم بھی ہے یا نہیں لیکن بہرحال انہوں نے بستی سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے اور وہ بھی یہیں رہتے ہیں...... گویا بینا ہمارے سامنے ایک مدعی بھی ہے اور ایک عالی شان گواہ بھی جو بہرحال ساندوں کے خلاف صحیح طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ باقی گرفتار شدگان کے بارے میں، میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کون ہیں اور انہوں نے ساندوں کی گرفتاری کس لئے اختیار کی ہے خیر تو یہ ہے وہ مختصر کہانی جس پر اب ہمیں کام کرنا ہے۔"

"سر کیا گوہر جہاں نے اس سلسلے میں کیس دائر کرنے کی درخواست کی ہے۔"

"بالکل نہیں...... یہ کیس تو ڈی آئی جی نادر حیات قانون کے نام پر ری اوپن کرنا چاہتے ہیں...... ہمیں گوہر جہاں کو تیار کرنا ہو گا اور مولوی ارشاد علی سے تفصیلات معلوم کرنا ہوں گی۔"

"جی سر، بالکل۔"

"یہ تمام پوائنٹس نوٹ کر لئے تم نے مس بینا۔"

"جی سر۔"

"اب ہمیں اس کے پورشن بنانے ہیں ظاہر ہے ابھی میں اپنے ڈیپارٹمنٹ کے ذمے داروں سے تو کوئی اہم کام نہیں لے سکتا۔ ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ ان ذمے داروں میں

کچھ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اخبارات سے تعلق رکھتے ہیں اور ہمیں بہر طور ان کی ضرورت پیش آئے گی، کم از کم وہ اس شکل میں ہمارے بہترین معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ خیر تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اب ڈبل او گینگ کی ڈیوٹیاں مخصوص کر دی جائیں۔ میرا خیال ہے اس سلسلے میں تم انہیں ہدایات دو۔"

"میں سر۔"

"ہاں بینا، اس دن بھی میں نے ان لوگوں کو بتا دیا تھا کہ تم گروپ کنٹرولر ہو گی اور ایک بار پھر میں انہیں ہدایات دے دوں گا کہ جو ہدایت میں انہیں براہ راست نہ دوں وہ بینا کے ذریعے ان تک پہنچیں گی۔"

"شکریہ سر۔"

"تو پھر بینا یوں کرتے ہیں کہ سب سے پہلے ہمیں ان لوگوں کے بارے میں رپورٹس درکار ہوں گی...... ایک آدمی کو گوہر جہاں کے پتے پر تعینات کر دو...... دوسرے کو مولوی ارشاد علی کے پتے پر...... دو افراد بستی نور الٰہی چلے جائیں اور ساندا گھرانے پر نظر رکھیں...... دو افراد بستی مہر جان جا کر خادم شاہ کے گھرانے کی تفصیلات مہیا کر کے لائیں...... یہ ذمے داریاں ان لوگوں میں تقسیم کر دی جائیں۔"

"سر جیسا آپ پسند کریں۔"

"ٹرانسمیٹر اٹھا کر لائیے۔" شہاب نے کہا اور اس کے بعد ٹرانسمیٹر سامنے آ گیا۔ شہاب نے ڈبل او گینگ کو کال کیا...... فراست علی اور انجم شیخ موجود تھے۔ شہاب نے کہا۔

"فراست علی اور انجم شیخ یہ بات میں تم لوگوں کو بتا چکا ہوں کہ ہماری نئی ممبر مس بینا اب اس گروپ کو کنٹرول کریں گی اور میرے احکامات ان کے ذریعے آپ تک پہنچیں گے، چنانچہ اب اس سلسلے میں مس بینا آپ سے ملاقات کریں گی اور کچھ نئی ذمے داریاں آپ لوگوں کے سپرد کریں گی۔ شام کو پانچ بجے ہیڈ کوارٹر میں آپ لوگ مس بینا کا انتظار کریں گے۔"

"بہت بہتر جناب۔" فراست علی نے کہا اور شہاب ٹرانسمیٹر بند کرنے کے بعد مسکراتی نگاہوں سے بینا کو دیکھنے لگا۔

خوف دہشت کی ایک لہر زرینہ کے جسم میں دوڑ گئی۔ اسے ایک دم احساس ہوا تھا کہ اس کی خواب گاہ بدل گئی ہے اور یہ اس کا بستر نہیں ہے...... رات کو اپنے بستر پر ہی سوئی تھی لیکن اس وقت وہ اپنی خواب گاہ میں نہیں تھی۔ سامنے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی تین بجا رہی تھی۔ نجانے کیوں اسے شدید خوف کا احساس ہوا اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ تبھی دروازہ کھلا اور ایک کسی قدر بھاری بدن کا شخص اندر داخل ہوا۔ زرینہ کانپ کر رہ گئی تھی کیونکہ اس شخص کے چہرے پر نقاب چڑھی ہوئی تھی اور اس کے انداز میں کسی قدر لڑکھڑاہٹ تھی۔ زرینہ کو یہ سب کچھ ایک خواب کی مانند محسوس ہو رہا تھا لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور جلدی سے بستر سے باہر کود گئی، پھر اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"کون ہو تم؟"

"میں جو کوئی بھی ہوں لیکن تمہارا پرستار ہوں اور بڑی مشکل سے میں نے تمہیں حاصل کیا ہے۔" زرینہ کو یہ آواز کچھ مانوس سی محسوس ہوئی لیکن شدید ذہنی ہیجان کے عالم میں وہ یہ اندازہ نہیں لگا سکی کہ آواز کس کی ہے۔ آنے والا اس کے قریب پہنچ گیا پھر بولا۔

"بہت عرصے سے تم میرے دل میں اتری ہوئی تھیں...... تمہیں حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ ہاتھ نہیں آ سکا تو آخر کار میں نے تمہارے لئے جدوجہد کی اور تمہیں تمہاری خواب گاہ سے اٹھا لایا۔ تم میری آرزوؤں کا مرکز ہو اور اب تمہیں میری خواہشات کے آگے سر جھکا دینا چاہئے۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو مجھے جانتے ہو میں کون ہوں...... ساندا خاندان سے ٹکر لو گے تو تباہ ہو جاؤ گے...... برباد ہو جاؤ گے...... میں کہتی ہوں شرافت سے مجھے میرے گھر پہنچا

دورنہ اچھا نہیں ہوگا۔" جواب میں ایک مصنوعی سا قہقہہ سنائی دیا تھا پھر اس شخص نے کہا
"اگر تم مدافعت کرنا چاہتی ہو تو میری طرف سے اجازت ہے...... میں ہاتھی کی طرح طاقتور ہوں، تمہیں چیونٹی ہی کی طرح مسل کر رکھ دوں گا۔ ورنہ خاموشی سے اپنے آپ کو میرے حوالے کردو۔" وہ آہستہ آہستہ زرینہ کے قریب پہنچ گیا اور زرینہ کے ہوش و حواس گم ہونے لگے۔ اس نے حتی الامکان اس شخص کی وحشتوں سے بچنے کی کوشش کی لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ہاتھی ہی کی طرح طاقتور تھا۔ اس نے زرینہ کو دونوں بازوؤں میں دبوچا اور اٹھا کر بستر کی طرف لے گیا۔ پھر زرینہ کی چیخیں، آہیں اور سسکیاں ہی گونج رہی تھیں اور اس کی عزت کا چراغ گل ہو گیا تھا۔ وہ آخر وقت تک شدید جدوجہد کرتی رہی تھی لیکن اس بات سے بے خبر تھی کہ کوئی اور بھی یہاں اس کمرے میں موجود ہے جو یہ کارروائیاں کر رہا ہے...... البتہ وہ ایسی جگہ تھا کہ زرینہ کو نظر نہیں آ رہا تھا...... زرینہ نے سخت وحشت کے عالم میں اپنے قاتل کا نقاب نوچ لیا اور دوسرے لمحے اس کے ہاتھ پاؤں سرد پڑ گئے اس کے منہ سے دہشت بھری آواز نکلی۔

"پیار علی بھیا۔"

"پاگل ہے دیوانی ہے...... میں تیرا بھائی کہاں سے ہو گیا؟"

"یہ تم نے، یہ تم نے کیا کیا...... پیار علی بھیا؟ کیوں کیا ایسا؟ میں تو تمہارے لئے بہن تھی...... ہمیشہ بھائی سمجھا میں نے تمہیں...... میں نے ہمیشہ تمہیں ایک بھائی کا درجہ دیا...... بھیا یہ تم نے کیا کر ڈالا...... اپنے دل پر گھونسا مار دیا۔" پیار علی ہنسنے لگا پھر بولا۔

"بے وقوف لڑکی جو رشتے ہوتے ہیں وہی مناسب رہتے ہیں، کسی کو بھائی کا پیار دینا حماقت کی بات ہے...... ہماری کوئی بہن نہیں ہے اور ہم نے تجھے کبھی بہن نہیں سمجھا تو ایک لڑکی تھی...... لڑکی ہے اور لڑکی رہے گی۔"

"تم نے، تم نے بہت بڑے جذبے کا قتل کیا ہے پیار علی تم نے...... تم نے مجھے بے آبرو کر دیا ہے...... آہ ہم نے تو تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑا تھا۔"

"بگاڑا ہی تو تھا جس کے لئے مجھے یہ سوچنا پڑا ورنہ سانداخان کو ایسے اقدامات کرنے کی ضرورت نہیں پیش آتی...... لوگ اپنی عزتوں کو ہمارے حوالے کرنا فخر سمجھتے ہیں لیکن لوگ زیادہ بڑھ رہے تھے...... چلو اب سنبھل جاؤ لباس وغیرہ پہن لو۔"

"اب کیا فائدہ جو کچھ ہو چکا ہے وہ اتنا ہے کہ اب تو میں دنیا کے سامنے بے لباس ہو گئی ہوں۔"

"تمہاری مرضی ہے، اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ اس طرح ہمیں کوئی نقصان پہنچا لو گی تو اپنی اس حماقت کو ذہن سے نکال دو، ہمارا مقام ہے یہ تم بھی جانتی ہو...... تمہارا باپ اور بھائی بھی۔"

"وہ تمہارے اپنے ہیں...... میں تمہاری اپنی ہوں پیار علی...... میں تو خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ جنہیں میں اپنی عزت کا محافظ سمجھتی ہوں وہی میری آبرو کے قاتل نکلیں گے۔"

"فلمی ڈائیلاگ مت بولو لڑکی جب میرے دل میں تمہارے لئے رحم کا کوئی جذبہ نہیں ہے تو تم بلاوجہ مجھے بھائی سمجھتی ہو۔ تم میرے تایا کی بیٹی ہو اور تایا بھی سگا نہیں۔ ہمارے تمہارے درمیان سب کچھ جائز ہے۔"

"تب پھر میں یہی کہہ سکتی ہوں کہ لعنت ہے تم پر۔"

"بدزبانی کی کوشش نہ کرنا کسی کو علم نہیں ہے کہ میں تمہیں یہاں لے آیا ہوں...... میں تمہاری گردن دبا کر تمہاری لاش کو اس طرح غائب کر سکتا ہوں کہ کسی کے فرشتوں کو بھی اندازہ نہ ہو، میری بات سنو...... تم لوگ اپنی اوقات سے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے اور میرے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا...... بیٹھو، لباس پہن لو اور اس کے بعد میں تمہیں سب کچھ بتاتا ہوں۔" بحالت مجبوری زرینہ نے اپنی جسم پوشی کر لی تھی...... اس کے ذہن پر شدید خوف و ہراس اور ہیجان طاری تھا...... یہ جو کچھ ہوا تھا اس کے لئے ناقابل یقین تھا...... سارے خواب ٹوٹ گئے تھے...... زندگی میں کچھ بھی تو نہیں پایا تھا...... بڑی بے بسی طاری تھی...... اس وقت اس پر وار بھی کیا تھا تو اپنوں نے لیکن ایسا کیوں ہوا...... وہ وحشت بھرے انداز میں سوچ رہی تھی...... پیار علی نے کہا۔

"سنو زرینہ تمہارے لئے رانا حبیب کے بیٹے رانا محفوظ کا رشتہ آیا ہے...... ہم لوگ یہ بات پسند نہیں کرتے کسی بھی قیمت پر ہمارے خاندان کی لڑکی کسی غیر خاندان میں جائے اور وہ بھی رانا حبیب خاندان میں یہ ہمیں گوارا نہیں تھا...... تمہارے باپ اور بھائی کو سمجھانے کی بڑی کوشش کی گئی لیکن وہ بہت بڑے زمیندار بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ خواب پایہ تکمیل کو نہیں پہنچنے چاہئیں...... غلطی تم لوگوں کی تھی، سمجھانے کے باوجود نہیں سمجھے تم

لوگ۔ ہمارے اپنے بھی کچھ مسائل ہیں اور اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ تمہارے ساتھ یہ سلوک کیا جائے...... اس کے علاوہ زرینہ ادھر دیکھو تمہارے لئے کچھ اور بھی کارروائیاں ہوئی ہیں...... آجاؤ۔" پیار علی نے کہا اور ایک الماری کے عقب سے ایک شخص باہر نکل آیا، وہ بھی نقاب اوڑھے ہوئے تھا۔ یہ کون تھا زرینہ اس کے بارے کچھ نہیں جانتی تھی...... پیار علی نے کہا۔

"اس کے ہاتھ میں ایک کیمرا دیکھ رہی ہو۔ اس کیمرے میں تمہاری ایک ایک تصویر موجود ہے اور اس وقت جو کھیل یہاں ہوا ہے اس کی ساری داستان اس میں چھپی ہوئی ہے۔ یہ مجبوری تھی اور اب تمہیں یہ احساس ہو گیا ہوگا کہ اس مجبوری کے پیچھے کیا تھا...... کاش تم میرا چہرہ نہ دیکھتیں لیکن کوئی حرج نہیں ہے، جو کچھ دیکھ لیا ہے اسے تمہیں اپنے ذہن میں ہی رکھنا ہوگا...... تم اس واقعہ کا تذکرہ کسی سے نہیں کرو گی اور کسی کو نہیں بتاؤ گی کہ تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے، لیکن تمہیں اس شادی سے خود ہی انکار کرنا ہوگا اور خبردار زیادہ مرد میدان بننے کی کوشش کی تو باپ اور بھائی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو گی...... سمجھ رہی ہو نا تم؟" زرینہ کے بدن کا لہو خشک ہو گیا تھا...... ایک سادہ سی مزاج کی لڑکی تھی...... زندگی میں کبھی کسی سے سرکشی نہیں کی تھی...... بزدل اور کمزور بھی تھی...... سہم کر رہ گئی...... پیار علی نے کہا۔

"اور اب یہ تم پر منحصر ہے کہ ہر راز کو راز رکھو...... بس کسی بھی قیمت پر تم اس شادی کے لئے تیار نہیں ہو گی...... اگر مناسب سمجھو تو خود اپنے کمرے میں جا کر آرام سے سو جاؤ ورنہ پھر جو دل چاہے کرو...... یہ تمہاری مرضی ہے...... میں نے تمہیں سب کچھ سمجھا دیا ہے۔" پیار علی نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور زرینہ کا انتظار کرنے لگا...... زرینہ آہستہ آہستہ کمرے سے باہر نکل گئی...... چاروں طرف گہری خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ اپنے کمرے تک پہنچنے میں اسے کوئی دقت نہیں ہوئی لیکن جو کچھ ہو چکا تھا وہ اس کے لئے موت کے مترادف تھا۔ خاموشی سے اپنے بستر پر بیٹھ کر سوچنے لگی کہ کیا کرے...... جان دے دے یا پھر اسی عالم میں زندہ رہے...... اس کی دنیا تو برباد ہو چکی تھی...... جینے کے لئے اب کوئی سہارا بھی نہیں رہا تھا...... ماں باپ کے زیر سایہ ایک سادہ سی زندگی گزاری تھی، یہ نہیں پتا تھا کہ زندگی میں ایک ایسا بھنور بھی آئے گا جو اسے پاتال کی گہرائیوں تک لے جائے گا...... ایک ایک بات یاد کر رہی تھی اور سخت دہشت زدہ تھی...... ہاشم علی ساندا بھی اسی خاندان کے فرد

راگ علی ساندا کے دور کے ایک تایا کے بیٹے اور وراثت میں انہیں بھی کچھ زمینیں ملی تھیں...... اپنے طور پر زندگی گزار رہے تھے کہ راگ علی ساندا کو محبت آئی۔ تایازاد بھائی کو بلا لے آئے...... بہلایا پھسلایا اتنا پیار اتنی محبت دی کہ ہاشم علی ساندا بھائی کے گرویدہ ہو گئے اور پھر بہت محبت کے ساتھ ان کی زمینیں بھی راگ علی ساندا کی زمینوں میں ضم ہو گئیں...... کچھ اصول طے پا گئے تھے اور ان کے مطابق کام کیا گیا تھا، چنانچہ حویلی ہی میں ایک گوشہ ان کے لئے منتخب کر دیا گیا، اپنوں کو دور نہیں رہنا چاہئے...... آصف علی ساندا اور اس کی بہن زرینہ بھی ہاشم علی اور اس کی بیوی کے ساتھ یہیں حویلی میں رہ رہے تھے۔ انہیں بہت معقول وظیفہ ملتا تھا اور ابھی تک کوئی ایسی چپقلش نہیں ہوئی تھی...... راگ علی ساندا کے ہاں کوئی بیٹی نہیں تھی لیکن اس کے ذہن میں کبھی یہ تصور نہیں آیا تھا کہ زرینہ کو اپنے بیٹوں کی بہو بنا لے...... اپنے بیٹوں کے لئے تو اس نے بہت بڑے بڑے معیار قائم کر رکھے تھے اور اسی انتظار میں تھا کہ کوئی ایسا رشتہ ملے جس سے اس خاندان کی عظمت کو چار چاند لگ جائیں...... بھلا ہاشم علی ساندا کس قابل ہے۔ آصف علی کو البتہ باپ سے اختلاف رہا تھا لیکن احترام نے کبھی زبان کھولنے نہیں دی تھی...... پھر ایک اور خاندان سے زرینہ کے لئے رشتہ آیا...... رانا حبیب بہت بڑی حیثیت کا مالک تھا بلکہ اس کی زمینیں راگ علی ساندا سے بھی زیادہ تھیں...... البتہ وہ بالکل ہی الگ جگہ کا باشندہ تھا، ہاشم علی سے ملاقات تھی، چنانچہ اس نے اپنے بیٹے کا رشتہ دیا اور ہاشم علی یہ رشتہ کرنے پر تیار ہو گیا...... حالانکہ راگ علی ساندا نے زبان سے مخالفت کی تھی اور کہا تھا کہ غیر خاندان میں رشتہ کسی طور مناسب نہیں ہے...... اپنے ہی خاندان میں کوئی لڑکا تلاش کر لیا جائے گا...... ہاشم علی نے راگ علی ساندا کو مسکراتے ہوئے کہا کہ بھائی جی لڑکے تو اپنے ہاں دو دو ہیں اگر آپ کے دل میں ان کے لئے کوئی خیال ہے تو ظاہر ہے میرے لئے اس سے زیادہ خوشی کی بات کوئی اور نہیں ہے...... راگ علی ساندا دانت پیستا رہ گیا...... اس نے کہا۔

"ہاشم علی خدا سے ڈرو کیا تم یہ بھول گئے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان کتنا فرق ہے...... کیا تم میرے دونوں بیٹوں کے لئے اپنی بیٹی کو مناسب سمجھتے ہو...... تم خود فیصلہ کرو کہ ان کا مقام کیا ہے اور تم کیا ہو؟" ہاشم علی کو پہلی بار یہ احساس ہوا تھا کہ راگ علی کے اندر سے کچھ اور ہے...... وہ ساری محبت زمینوں کو ہتھیانے کے لئے تھی...... حالانکہ

بیٹے نے ہمیشہ منع کیا تھا لیکن ہاشم علی ٹریپ ہو گیا تھا...... اب اسے احساس ہوا تھا کہ
ساندانے اسے اپنا طفیلی بنالیا ہے، لیکن صلح جو آدمی تھا...... زندہ رہنے کا خواہش
اور جانتا تھا کہ راگ علی کیا چیز ہے، چنانچہ خاموش ہو گیا لیکن دل میں ایک پھانس
تھی اور اب ساری تصویریں اس کے سامنے عیاں ہو گئی تھیں لیکن سب کچھ ہاتھ سے
تھا کیا کر سکتا تھا...... رانا حبیب سے ہونے والا رشتہ اس نے ختم نہیں کیا البتہ راگ علی
ضرور کہہ دیا کہ رشتہ بہت اچھا ہے اور وہ اپنی بیٹی کو اپنے پسند کے مطابق بیاہنے کا حق
ہے۔ راگ علی اس سلسلے میں کوئی مداخلت نہ کرے، چنانچہ راگ علی خاموش ہو گیا تھا
کی جو زبان تھی وہ ہی بیٹوں کی تھی...... پیار علی اور نور علی سوچوں میں ڈوب گئے
طور اتنے بڑے خاندان میں نہیں جانا چاہئے تھا، بعد کے معاملات بھی تھے جن کا
ضروری تھا...... آخر کار دونوں شیطانوں نے یہ فیصلہ کیا اور اس پر عمل کر ڈالا
گزرتی رہی اور زرینہ سوچتی رہی کہ اسے کرنا کیا چاہئے۔ خودکشی بہت آسان چیز ہے۔
مر بھی جاؤں تو بعد میں زیادہ سے زیادہ کیا ہو گا۔ باپ اور بھائی کو اس کے بارے میں
شاید وہ برداشت نہ کر سکیں، کچھ ہونا چاہئے کوئی ایسی تدبیر کوئی ایسی تجویز جس سے
حال بدل جائے اور ان شیطانوں سے انتقام لیا جا سکے...... کچھ کرنا ضروری ہے ویسے
اب ایک باعزت مرد کی بیوی بننے کے قابل نہیں رہی تھی۔ صبح اذان کے وقت اس نے
سوچوں کی تکمیل کر لی اور فیصلہ کیا کہ فی الحال پیار علی کی ہدایت کے مطابق ہی عمل کرے
اور موقع کی تاک میں رہے گی کہ ان شیطانوں کو فنا کیا جا سکے...... باپ اور بھائی کو
خطرے میں ڈالنا بالکل مناسب نہیں ہے، چنانچہ وہ بالکل خاموش رہی اس نے اندازہ
کہ پیار علی اس پر گہری نگاہ رکھ رہا ہے چونکہ ہاشم علی اور آصف علی کو اس سلسلے میں
نہیں معلوم تھا اس لئے ان کے رویئے میں بھی کوئی فرق نظر نہیں آیا تھا...... پیار علی
اس وقت مزید اطمینان ہو گیا جب رانا حبیب کی جانب سے اس سلسلے میں بات ہوئی
زرینہ نے اس شادی سے انکار کر دیا کیونکہ ہاشم علی نے راگ علی سے مشورہ کیا تھا
دونوں بھائی بھی پاس موجود تھے...... ہاشم نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔
"وہ لڑکی بالکل خودسر نہیں ہے...... زندگی میں کبھی اس نے سر اٹھا کر بات کہی
لیکن نہ جانے کیوں رانا حبیب کے ہاں کے رشتے سے وہ منکر ہو گئی ہے......

گیا تو خودکشی کر لے گی۔" راگ علی نے مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔
"لڑکی تم سے زیادہ سمجھدار ہے بھائی ہاشم علی، اس خاندان میں اس کا گزر نہیں
ہمیشہ جوتیوں کے نیچے رہے گی...... تم اتنے فکر مند مت ہو۔ منع کر دو ان لوگوں
اچھا رشتہ تلاش کر ہی لیں گے ہم لوگ۔"
"کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا جواب دوں۔"
"یہ پریشانی تم چھوڑ دو بس ہماری ہاں میں ہاں ملائے رکھنا...... رانا حبیب کو جواب ہم
دیں گے...... تم اس کے لئے فکر مند نہ ہو۔"
"جیسا آپ مناسب سمجھو بھائی بہر حال یہ آپ ہی کا خاندان ہے۔" ہاشم علی مان
پیار علی اور نور علی کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی تھی اور وہ دونوں مطمئن
ہو گئے تھے۔

ایسی ویرانی، ایسا سناٹا سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہاں کوئی رہتا بھی ہے یا نہیں...... پورا
گزر گیا تھا نہ تو اس کوٹھی میں کوئی داخل ہوا تھا نہ کوئی باہر نکلا تھا...... چھوٹی سی خوشنما
تھی جس کے سامنے کے احاطے میں بہت سے درخت لگے ہوئے تھے...... عمارت
خاصی اچھی تھی لیکن بس اس کے سوا اور کچھ نظر نہیں آیا تھا...... پھر سردار علی کی
کھوپڑی ہی گھوم گئی...... اس نے سوچا کہ ممکن ہے شہنشاہ کو اس عمارت کے بارے میں کچھ غلط
اطلاعات ملی ہوں اس میں کوئی رہتا ہی نہ ہو، کم از کم معلومات تو حاصل کی جائیں اور رپورٹ
بھیجی جائے...... اہل محلہ سے احتیاطاً ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ
کی ہدایت نہیں تھی...... ویسے بھی کوٹھیاں کافی کافی فاصلے پر تھیں اور یہ اندازہ ہو گیا تھا
یہاں کے لوگ ایک دوسرے سے رابطہ نہیں رکھتے...... گھومی ہوئی کھوپڑی نے سردار علی
عقل چھین لی...... سامنے کا حصہ تو خیر غیر محفوظ تھا، لیکن اگر اس لمبے راستے کو عبور
کوٹھی کے عقبی حصے میں پہنچا دیا جائے تو شاید کچھ اندازہ ہو سکے...... کوٹھی کی صحیح
صورت حال جاننے کے لئے اس نے ایک نشان منتخب کیا اور پھر فاصلہ طے کر کے کوٹھی کے
عقب میں پہنچ گیا...... چھوٹی سی گلی تھی جس کے دوسری جانب اور بھی کوٹھیاں تھیں، لیکن
سب خاموش اور پرسکون۔ البتہ ان میں کہیں کہیں چوکیدار وغیرہ نظر آجاتے تھے۔

سردار علی نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور اس کے بعد اُچھل کر اس دیوار پر چڑھ گیا۔ جو اونچی نہیں تھی کہ اسے عبور نہ کیا جاسکے۔ پھر دیوار کے دوسری جانب وہ کیاری میں کود گیا اور اس کے لباس پر کیچڑ لگ گئی تھی...... کیاری خوب بھیگی ہوئی تھی اور اس میں پانی بھرا تھا...... سردار علی نے اپنے لباس کو دیکھ کر برا سا منہ بنایا، جوتے بھی مٹی میں لتھڑ گئے تھے لیکن اب جب ایک کوٹھی میں گھسا تھا تو پھر ان چیزوں کا خیال نہیں کیا جاسکتا تھا، چنانچہ وہ دبے پاؤں جھکا سا آگے بڑھنے لگا اور عمارت کے عقبی حصے کے بالکل قریب پہنچ گیا لیکن وہ ابھی یہ سوچ رہا تھا کہ اب کیا کرے کہ اچانک ہی اسے آہٹیں محسوس ہوئیں...... دو لڑکے نظر آئے جو اسے دلچسپی کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے...... عمریں گیارہ بارہ سال یا زیادہ سے زیادہ تیرہ سال سے زیادہ نہیں تھیں...... دونوں نہایت خوب صورت لباس میں ملبوس تھے اور ان کے چہرے روشن نظر آرہے تھے...... خوب صورت بچوں کو دیکھ کر سردار علی مسکرادیا اور ان میں سے ایک بچے نے بے باکی سے کہا۔

"ہیلو انکل، کہئے چوری کرنے آئے ہیں۔" سردار علی کو فوراً ہی سوجھ گئی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"جہاں تم جیسے مستعد بچے موجود ہوں وہاں چوری کیسے کی جاسکتی ہے۔"

"ہماری مستعدی کا اندازہ تو ابھی آپ نے لگایا ہی نہیں انکل بلکہ چور انکل۔" دوسرے لڑکے نے کہا اور اپنے لباس سے ایک پستول نکال لیا۔ سردار علی نے پریشان نگاہوں سے پستول کو دیکھا، اعلیٰ درجے کا پستول تھا اور اس پر سائی لینسر لگا ہوا تھا۔ یہی عمل دوسرے لڑکے نے بھی کیا تھا۔ ان چھوٹی عمر کے بچوں کے ہاتھوں میں اصلی پستول دیکھ کر سردار علی کو شدید خطرے کا احساس ہوا...... وہ مسکرا کر بولا۔

"پستول اصلی ہیں؟"

"ملاحظہ فرمائیے۔" ایک لڑکے نے کہا اور پھر اس نے سردار علی کے پیروں کے پاس تین فائر کئے...... سردار علی ساکت رہ گیا تھا۔ دوسرا لڑکا بولا۔

"اور انکل، میرا پستول بھی ایسے ہی کمالات دکھا سکتا ہے۔ آپ ہوا میں پیسہ اچھالئے دیکھئے ہم اسے نشانہ بنالیں گے۔"

"یقیناً یقیناً اندازہ ہوتا ہے، لیکن پیارے بچو! پستول کا کھیل اچھا نہیں ہوتا۔"

"پستول ہی کا کھیل اچھا ہوتا ہے انکل...... آئیے آپ کو ہم اپنی دادی سے ملائیں۔"

"ک...... کیا مطلب؟"

"انکل، بلکہ چور انکل! اگر آپ نے ذرا بھی اِدھر اُدھر جنبش کی تو آپ کا بدن گولیوں سے چھلنی ہوجائے گا اور ہم خاموشی سے آپ کی لاش اپنی کوٹھی کے بائیں گوشے میں بنے ہوئے اس گہرے گڑھے میں پھینک دیں گے جہاں پہلے کبھی ٹیوب ویل لگا ہوا تھا اور اب وہ صرف ویل ہے۔ اس میں پتا بھی نہیں چلے گا کہ ایک انسان دفن ہوگیا ہے۔" لڑکے کے لہجے میں ایسی سفاکی تھی کہ سردار علی کو اپنے بدن میں سنسنی کا احساس ہوا۔ وہ جلدی سے بولا۔

"نہیں بچو! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ چلو دادی جان سے بھی مل لیتے ہیں۔"

"انجم دروازہ کھولو، میں انکل کی نگرانی رکھوں گا، انکل یہ تو آپ کو پتا ہی ہے کہ ہمارے پستولوں پر سائی لینسر لگے ہوئے ہیں۔ آپ کی چیخ ہی کی آواز زیادہ سے زیادہ یہ ظاہر کرسکتی ہے کہ کوئی مرگیا، پستول سے تو آواز نہیں ہوگی۔"

"نہیں نہیں اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، چلو۔" سردار علی پھنس گیا تھا اور اس کی حالت خراب تھی۔ ایک لڑکے نے عقبی دروازہ کھولا، دوسرا پوری طرح چوکس تھا...... سردار علی کی کھوپڑی ہوا میں اُڑ رہی تھی۔ بچوں کے ہاتھوں اس طرح بے بس ہوجانے کا کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا، ایک لڑکا آگے چل رہا تھا اور ایک پیچھے اور دونوں اتنے مستعد تھے کہ سردار علی کو ایک لمحہ بھی کچھ کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ایک لمبی راہداری عبور کرنے کے بعد وہ ایک ہال میں پہنچے...... بڑا سا ہال تھا جس میں قالین بچھا ہوا تھا...... کچھ نشستیں بھی تھیں...... تھوڑے سے ڈیکوریشن پیس رکھے ہوئے تھے غالباً یہ سامنے کے حصے سے داخل ہونے کے بعد پہلی نشست گاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا...... یہاں ایک بچے نے آواز دی۔

"دادی جان، دادی جان...... دیکھئے کون آیا ہے۔" ایک جانب بنی ہوئی چوڑی سیڑھیوں پر ایک عمر رسیدہ عورت نظر آئی...... سفید شلوار قمیض میں ملبوس تھی، دوپٹہ سر پر رکھا ہوا تھا، آنکھوں پر چشمہ لگا ہوا تھا...... عمر اچھی خاصی تھی لیکن جسمانی موزونیت بے مثال تھی۔ اس نے حیران نگاہوں سے سردار علی کو دیکھا...... پھر سیڑھیاں اتر کر نیچے آگئی اور متعجب لہجے میں بولی۔

"کون ہو تم؟"

"دادی جان یہ چور انکل ہیں۔"

"کیا؟"

"یہ چور انکل ہیں دادی جان۔"

"کیا شرارت ہے فہیم، کون ہیں یہ اور کہاں سے آئے ہیں۔ مجھے ان کے آنے کی اطلاع کیوں نہیں ملی؟"

"اس لئے دادی جان کہ یہ پیچھے کی دیوار کود کر آئے ہیں، دیکھئے ان کے جوتے اور کپڑے کتنے خراب ہو رہے ہیں۔ ویسے چور انکل! آپ ہمارا قالین خراب کر دیں گے لیکن بہر حال آپ آئے ہیں تو آپ کی خاطر مدارات تو ضروری ہے۔"

"تم نے بتایا نہیں کہ تم کون ہو۔" معمر عورت نے پوچھا۔

"اب جب یہ بچے بتا ہی چکے ہیں تو میری زبان سے کیوں سننا چاہتی ہیں محترم خاتون، یہ سچ کہہ رہے ہیں...... بس حالات کا ستایا ہوا ہوں، کیا بتاؤں آپ کو بتانے کی کوئی بات ہو تو بتاؤں...... چوری کی نیت سے ہی داخل ہوا تھا۔"

"انجم، فہیم پستول میرے حوالے کر دو، کیا فضول بات ہے۔"

"یہ لیجئے دادی جان، لیکن ہمیں اجازت دیجئے کہ چور انکل کی تھوڑی بہت خاطر مدارت کر دیں۔"

"نہیں، بہت عرصے کے بعد گھر میں ایک مہمان آیا ہے اسے کچھ کھلاؤ پلاؤ، اس کی آرزو پوری کر دو۔ دیکھو نوجوان تم کون ہو، کیا ہو میں نہیں جاننا چاہتی۔ چوری کی نیت سے داخل ہوئے ہو تو میں تمہیں بتا دوں کہ ہم زیادہ خوش حال لوگ نہیں ہیں۔ بس زندگی کی گاڑی دھکیل رہے ہیں۔ میں تمہیں تمہاری ابتدائی ضرورت پوری کرنے کے لئے دو ہزار روپے دے سکتی ہوں، بس یہی میری اوقات ہے۔ قبول کرنا چاہو قبول کر لو ورنہ یہ بچے جنہیں تم دیکھ رہے ہو، پستولوں کے بغیر ہی تمہاری وہ درگت بنائیں گے کہ تم زندگی بھر یاد رکھو گے...... یہ مارشل آرٹ کے ماہر ہیں۔ تم ان کی عمروں پر توجہ مت دو۔"

سردار علی واقعی بوکھلایا ہوا تھا۔ یہ بات تو خیر اس کا دل تسلیم نہیں کر رہا تھا کہ بچے اسے زیر کر سکیں گے لیکن صورت حال بڑی عجیب سی تھی۔ ایک لمحے میں اسے فیصلہ کرنا تھا کہ

اسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"میڈم۔ میں خاندانی چور ہوں...... اگر بھیک مانگنا ہوتی تو اب تک لکھ پتی بن چکا ہوتا۔ بس ایسے ہی چھوٹی موٹی چوریاں کر کے گزارا کر لیتا ہوں۔ یہاں میں کامیاب نہیں ہو سکا تو کوئی بات نہیں۔ اب فیصلہ آپ پر منحصر ہے کہ مجھے پولیس کے حوالے کر دیں یا یہاں سے جانے دیں۔ یہ دو ہزار روپے کا مذاق مجھ سے نہ کریں آپ۔"

"یہ بالکل مذاق نہیں ہے۔ رقم لو اور یہاں سے نکل جاؤ اور اگر واقعی خاندانی ہو تو پھر مجھے یہ دو ہزار کا چکر کا بھی نہ دو، جہاں تک پولیس میں اطلاع کرنے کا معاملہ ہے تو بے فکر رہو مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، جو کچھ کر رہے ہو اس سے کسی نہ کسی دن بری طرح نقصان اٹھاؤ گے۔ یہ نقصان میں اپنے ہاتھوں سے تمہیں نہیں پہنچانا چاہتی...... ہو سکے تو سنبھل جانا اور نہ سنبھل سکو تو جہنم میں جاؤ۔ لو لڑکو یہ پستول لو اور انہیں دروازے سے باہر نکال دو۔"

"کون سے دروازے سے دادی جان، میرا خیال ہے ان کے لئے عقبی دروازہ ہی زیادہ مناسب رہے گا، پچھلے دروازے سے آنے والے مہمانوں کو پچھلے دروازے ہی سے واپس جانا چاہئے۔"

"چھوڑ آؤ بس...... زیادہ باتیں نہیں کرتے۔"

"چلئے انکل۔ ہمارے پستولوں میں ابھی کافی گولیاں موجود ہیں اور ہم آپ کو بتا ہی چکے ہیں۔ آیئے۔"

سردار علی ٹھنڈا ٹھنڈا واپس چلا گیا۔ یہ حیرت ناک ماحول اس کے لئے واقعی بڑا عجیب تھا۔ اس سے پہلے ایسا ماحول اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا...... بہر حال، یہ بھی ایک دلچسپ تجربہ تھا۔ لڑکے قیامت نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے دیوار کے پاس آ کر پوچھا۔

"اب یہ بتایئے انکل اگر ہم یہ دروازہ نہ کھولیں تو آپ یہ چوڑی کیاری عبور کر کے دیوار پر کیسے جائیں گے؟"

"ایسے۔" سردار علی نے کہا اور ایک لمبی چھلانگ لگا کر دیوار پر پہنچ گیا۔ پھر دوسری طرف کودنے کے بعد اس نے لمبی دوڑ لگا دی تھی۔

تمام جگہوں سے رپورٹیں موصول ہو گئی تھیں، بینا بڑی خوش اسلوبی سے اپنا فرض انجام دے رہی تھی۔ اس نے شہاب کو رپورٹ پیش کی۔

خادم شاہ کی جلی ہوئی حویلی جوں کی توں ہے اس کے بارے میں معلومات کرنے سے پتا چلا ہے کہ اس حویلی کا دعویدار اب کوئی نہیں رہا ہے۔ دور کے رشتہ داروں نے بھی اس کے لئے کوئی کلیم نہیں کیا کہ وہ سب ہی جانتے تھے کہ یہ دشمنی راگ علی ساندا سے تھی اور راگ علی ساندا سے کوئی اور دشمنی مول لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔ بستی مہرجان کے ان اطراف میں رہنے والے پرانے بزرگ راگ علی ساندا کے خلاف دل میں شدید نفرت رکھتے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ ڈاکوؤں کا کھیل رچایا گیا ہے۔ اصل دشمنی تو راگ علی ساندا نے نکالی ہے جسے پکڑنے والا کوئی نہیں ہے۔ دوسری رپورٹ بستی نور الٰہی کی تھی۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ راگ علی ساندا سکون اور عیش کی زندگی بسر کر رہا ہے اور وہاں کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے جو قابل ذکر ہو البتہ سردار علی کی رپورٹ سب سے زیادہ دلچسپ تھی، جسے سناتے ہوئے بینا بھی ہنس پڑی تھی لیکن شہاب نے دلچسپی سے کہا تھا۔

"یہ ایک نیا تصور ذہن میں اُبھرا ہے، بیگم گوہر جہاں ان بچوں کو کیا بنا رہی ہے اور اس کا طریقہ کار کیا ہے۔ ویسے خاصی گہری عورت معلوم ہوتی ہے لیکن بہر طور عورت ہے ممکن ہے اس نے سردار علی کے بارے میں کسی اور انداز میں سوچا ہو لیکن اس کا اظہار نہیں کیا۔"

پھر مولوی ارشاد علی کے بارے میں بھی تفصیلات موصول ہوئیں۔ ان کے بارے میں بھی یہی پتا چلا تھا کہ گھر میں وہ ہیں ان کی بیوی ہے اور بچے ہیں اور وہ اندھی اور بیوہ بہن بھی موجود ہے، پہلے شاید اندھی نہیں تھی اب اندھی ہو گئی ہے۔"

شہاب نے بینا سے کہا۔

"میرا خیال ہے بینا ان لوگوں سے ملاقات کر لینی چاہئے کیونکہ ان لوگوں سے ملاقات کی روشنی میں ہم جیل سے اس لڑکے کو نکالیں گے جو مولوی ارشاد علی کا بھانجا ہے کم از کم یہ ایک ایسا خاندان ہمارے علم میں ہے جس تک ہم با آسانی پہنچ سکتے ہیں۔ باقی تینوں کے بارے میں تو کوئی تفصیل کہیں سے نہیں ملی۔ مطلب یہ کہ ان کے پس منظر کے بارے میں۔"

"اگر آپ مناسب سمجھتے ہیں سر تو ٹھیک ہے۔" پھر بینا اور شہاب خود پرانے تجربے کی بنا پر مولوی ارشاد علی کے گھر پہنچے تھے۔

عورت ہی سے نیک اور دین دار آدمی معلوم ہوتے تھے۔ دونوں کو حیرانی سے دیکھا بولے۔

"میں شرمندہ ہوں کہ آپ لوگوں کو پہچان نہیں سکا...... فرمایئے میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"مولوی صاحب آپ کے اس بھانجے کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں جو ایک واردات کے سلسلے میں سزا کاٹ رہا ہے۔"

مولوی ارشاد بری طرح چونک پڑے۔ گھر کی عورتیں شاید اندر تھیں...... دالان میں تنہا ہی مونڈھے پر بیٹھے ہوئے تھے۔

انہوں نے کہا۔

"بری صحبتوں کا برا ہی نتیجہ ہوتا ہے۔ پتا نہیں ہمارے چہرے پر بدنامی کا یہ داغ کیوں لگنا تھا، خدا ہی جانے کیا ہوا ہے۔"

"کیا نام ہے اس بچے کا جو سزا کاٹ رہا ہے؟"

"بھائی معاف کرنا ہم تو یہ بھی نہیں جانتے کہ تم لوگ ہو کون اور پھر یہ بالکل ذاتی ...نی ہیں۔ ان باتوں سے تمہارا کیا تعلق ہے۔"

"مولوی صاحب بس یوں سمجھ لیجئے کہ ہم ایسے واقعات جمع کر رہے ہیں جن میں کچھ بے گناہ لوگ سزا پا رہے ہیں۔ ہمارا ارادہ ہے کہ ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کریں۔"

"نہیں بھائی جو بے گناہ نہیں ہے اسے بے گناہ کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ فیروز بری صحبتوں میں پڑ گیا تھا اور اس کا نتیجہ اس نے بھگتا۔"

"غلط ہے یہ غلط ہے، میں کہتی ہوں غلط ہے خدا کی قسم غلط ہے، میرا بچہ کسی بری صحبت کا نہیں تھا...... ارے ارشاد علی کلیجے پر ہاتھ رکھ کر بات کرو۔ تم بھی صاحب اولاد ہو، ایک ماں کے سامنے اس کی اولاد کو بدکردار کہہ رہے ہو۔ وہ جو صرف تمہارے خوف کی بھینٹ چڑھ گیا ہے۔ مت کہو اسے ایسا...... میرا کلیجہ کٹتا ہے۔" اندرونی دروازے سے ایک عمر رسیدہ عورت چیختی ہوئی باہر نکلی اور مونڈھے سے ٹکرا کر گرتے گرتے بچی۔ اس نے مونڈھے کے ہتھے کو پکڑتے ہوئے کہا۔

"بے گناہ ہے میرا بیٹا...... خدا کی قسم میں سچ کہتی ہوں وہ بے گناہ ہے، بس اسے چارا

بنالیا گیا ہے، ارے میری کوئی آواز نہیں ہے کس سے فریاد کروں، کس سے کہوں، اندھی ہو گئی ہوں میں اس کی یاد میں روتے روتے، کسی کا دل نہیں پسیجا، کسی نے ایک بے سہارا عورت کی فریاد نہیں سنی، اس کا باپ زندہ ہوتا جان کی بازی لگا کر اسے بچاتا...... کوئی نہیں ہے ہمارا۔ کوئی نہیں ہے ہمارا۔"

"آپ اندر جایئے عائشہ بہن آپ اندر جایئے آپ کیوں باہر آ گئیں...... جناب فیروز ان کا بیٹا ہے، بے چاری در حقیقت اسے یاد کر کے آنکھیں کھو چکی ہیں اور اب ذہنی توازن بھی متاثر ہو رہا ہے۔"

"ارشاد علی خدا کو منہ دکھانا ہے، خدا کو بھی یاد کر لو اپنی زندگی اور اپنے بچوں کو بچانے کے لئے میرے بچے کو اس قدر بے کردار نہ بناؤ، تمہیں خدا کے سامنے جواب دینا ہو گا۔"

مولوی ارشاد علی رو پڑے۔ انہوں نے بے اختیار روتے ہوئے کہا۔

"آپ اندر جایئے عائشہ بہن آپ اندر جایئے...... کیا کروں کیا نہ کروں...... میری زندگی چلی جائے تو ہزار بار اپنے آپ کو قربان کرنے کے لئے تیار ہوں، لیکن میرے بچے میرا گھر۔ عائشہ بہن آپ کو خدا کا واسطہ آپ اندر چلی جایئے۔"

"چلی جاتی ہوں، خدارا ان سے یہ نہ کہو کہ میرا بچہ گناہ گار ہے، تم جانتے ہو وہ بے گناہ ہے۔ ارے وہ ڈاکہ تو کیا ڈالے گا...... کسی کی حویلی کو کیا ہی جلائے گا وہ تو کسی چڑیا کے بچے کو بھی نہیں مار سکتا مگر تقدیر کا ہیٹا تھا آ گیا جال میں دشمنوں کے، جا رہی ہوں بھائی، رہنا تو یہیں ہے اب تو آنکھوں کا سہارا بھی چھن گیا ہے۔ کہیں اور جاؤں گی تو کیا کروں گی سوائے سڑکوں پر بھیک مانگنے کے۔ جا رہی ہوں بھائی جا رہی ہوں۔" معمر عورت ٹٹولتی ہوئی دروازے کی جانب بڑھی اور اندر چلی گئی۔ شہاب اور بینا کے رونگٹے کھڑے ہوئے تھے۔ دونوں ہی سخت متاثر نظر آ رہے تھے۔ مولوی ارشاد بلک بلک کر روتے رہے۔ شہاب نے ہمدردی سے ان کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کی مجبوری جانتا ہوں...... یقیناً آپ بہت نیک انسان ہیں لیکن کبھی کبھی انسان کو اپنے ضمیر کے خلاف بھی بہت کچھ کرنا پڑ جاتا ہے لیکن کہا جاتا ہے ہر تاریک رات کے بعد روشن صبح ضرور ہوتی ہے۔ آپ اگر مناسب سمجھیں تو مجھے حقیقت بتا دیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو نقصان نہ پہنچنے دوں گا۔"

"عزیزی حقیقت تو بستی نور الٰہی کے ہر شخص کے علم میں ہے۔ حقیقت کون نہیں جانتا۔ شہزاد علی ساندا ایک مردود انسان تھا۔ مہر جان کے بدنصیب خاندان پر ظلم ہوا۔ خادم کی بیٹی شہناز کو بے عزت کر کے قتل کر دیا گیا۔ غیرت مند کو جوش آنا ہی چاہیئے تھا۔ انہوں نے انتقام لیا اور ساندوں نے انہیں خاکستر کر دیا لیکن وہ غیرت مند مر کر بھی سرخرو ہوئے۔ مجھے تو قانون سے شکوہ ہے۔ کیا یہ صرف دولت مندوں کے تحفظ کے لئے بنایا گیا ہے۔ کاغذ کے ٹکڑوں اور چمکتی دھات نے انسانیت کو کس طرح پچھاڑ دیا ہے دیکھ رہے ہو۔ سازباز ہوئی۔ قانون کے کاغذوں کو پر کرنے کے لئے سرخ سیاہی درکار ہوئی تو غلام چن لئے گئے جنہوں نے سزا پائی وہ بے گناہ تھے۔ اس بدنصیب کی کہانی یہ ہے کہ وہ پیار علی ساندا کے صاحبوں کے ساتھ بیٹھنے لگا تھا۔ اس سے قربانی مانگی گئی یہ کہہ کر کہ اگر اس نے وفاداری کی تب بھی قربان کر دیا جائے گا مگر اکیلا نہیں اپنے اہل خانہ کے ساتھ۔ بچہ تھا...... ڈر گیا اور نور کو ڈاکو درج کرا دیا...... بس یہ کہانی ہے۔ ہم عزت اور جان بچا کر یہاں آ چھپے۔ بتاؤ کیا کروں...... کہاں جاؤں...... اگر اب پولیس اسٹیشن جا کر حقیقت حال بتاؤں تو پاگل خانے پہنچا دیا جائے گا۔ کوئی ہو گا میرا پرسان حال...... ساندوں کو پتا چلے گا تو جان سے مار دیں گے...... نہ صرف مجھے بلکہ ان سب کو بتایئے آپ ان بے گناہوں کی زندگی کا دشمن بن جاؤں، اگر مجھے ہلاک کر دینے سے بات بن سکتی ہے تو سو مرتبہ اپنی قربانی دینے کے لئے تیار ہوں، ان سب کو کیسے قربان کر دوں کچھ کر سکتا ہوں، میں آپ ہی اپنے سینوں پر ہاتھ رکھ کر بتا دیجئے، کیا کروں میں کیا کروں، میری بہن اندھی ہو گئی ہے اپنے بیٹے کے غم میں، میں اس کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ سوائے دعاؤں کے ایک آس تو ہے کہ آخر کار ایک نہ ایک دن اس کی سزا پوری ہو جائے گی۔ واپس آ جائے گا اس دن کے لئے میں اس عورت کو زندہ رکھنا چاہتا ہوں...... سینے سے لگا تو لے گی اپنی اولاد کو۔ ارے اگر جدوجہد کروں، بھاگ دوڑ کروں تو کیا ساندوں سے مقابلہ کر سکتا ہوں، کیا میں اس قابل نظر آتا ہوں آپ کو۔ بتایئے کیا کروں۔ کیا کر سکتا ہوں میں...... بس جی رہا ہوں اس آس پر کہ آخر کار اس کی سزا ختم ہو جائے گی۔ ہمارے ہاں بھی سورج نکل آئے گا۔ اس وقت میں اس کے بیٹے کو اس کے حوالے کر کے اس سے معافی مانگ لوں گا اور کہوں گا میری بہن کبھی کبھی ایسی قربانیاں بھی دینا پڑ جاتی ہیں جن کا کوئی مصرف نہیں ہوتا۔ بس یہ گردش تقدیر ہے اور ہم تقدیر سے لڑ

نہیں سکتے۔ میں آپ لوگوں سے درخواست کرتا ہوں بھیک مانگتا ہوں آپ سے کہ آپ لوگ اس سلسلے میں کچھ نہ کریں کوئی قدم نہ اٹھائیں۔ ورنہ ہم مارے جائیں گے بے موت مارے جائیں گے ہماری وکالت کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔" مولوی ارشاد پھر رونے لگے۔ شہاب نے چند لمحات خاموشی اختیار کی پھر جب ان کے دل کی بھڑاس نکل گئی تو اس نے کہا۔

"آپ دین دار آدمی ہیں، ہر فرعون کے لئے موسیٰ کا تصور پیش کیا گیا ہے کیا آپ اس کی ذات پر یقین نہیں رکھتے، کیا یہ نہیں سوچتے کہ ایک نہ ایک دن سانڈوں کا زوال بھی ہو گا اور اس وقت آپ کو سرخروئی حاصل ہو گی۔ خیر میں ابھی آپ سے کچھ نہیں کہتا۔ آپ اس تصور کو دل سے نکال دیجئے جو کہ گفتگو میرے اور آپ کے درمیان ہوئی ہے۔ وہ اس سے آگے بڑھے گی، کوئی نقصان نہیں ہوگا آپ کو، بالکل اطمینان رکھئے گا اور اب ہم لوگ چلتے ہیں۔"

مولوی ارشاد علی نے کچھ نہیں کہا تھا۔ شہاب اور بینا وہاں سے اٹھ گئے لیکن جو غم ناک ماحول جو صورت حال ان کے علم میں آئی تھی اس نے انہیں مضمحل کر دیا تھا۔

❁

سپرنٹنڈنٹ جیل خانہ جات نے غیر متوقع طور پر شہاب کو خوش آمدید کہا تھا اور خاص محبت سے پیش آیا تھا اس نے کہا۔

"ہمارا آپ کا تو چولی دامن کا ساتھ ہے جناب، کہیں نہ کہیں ہمارے آپ کے مفاد ٹکرا ہی جاتے ہیں ایک دوسرے سے تعاون کرنا بہت اچھی بات ہے، فرمایئے میرے لائق خدمت ہے؟"

"بعض اوقات کسی معاملے کی تفتیش کے لئے ایسے پرانے مجرموں کو سامنے لانا پڑتا ہے جو سزا کاٹ رہے ہوتے ہیں، میں ایسے ہی ایک مجرم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"ہماری جیل میں ہے؟"

"جی ہاں۔"

"تو پھر مل لیجئے نام بتایئے مجھے؟"

"فیروز نام ہے اس کا بستی مہر جان میں ڈاکے کے الزام میں گرفتار ہوا تھا۔ یہ وہ ڈاکہ ہے جس میں بستی مہر جان کے ایک زمیندار کا گھر خاکستر ہو گیا تھا اور چار ڈاکوؤں کے نام لئے گئے تھے۔"

"یاد آگیا مجھے۔ میں انتظام کرتا ہوں۔" سپرنٹنڈنٹ صاحب نے متعلقہ افراد کو بلایا کاغذات نکلوائے گئے، نام دیکھے گئے۔ باقی تین نام بھی درج تھے لیکن ان کا پس منظر شہاب کو معلوم نہیں تھا اور پھر ایک آدمی سے کام چل جاتا تھا تو بات چاروں کے لئے بے کار تھی، چنانچہ فیروز کو طلب کر لیا گیا۔ سپرنٹنڈنٹ نے بڑی اپنائیت کے ساتھ ایک کمرے میں ملاقات کا بندوبست بھی کر دیا تھا اور فیروز نامی نوجوان کے بارے میں معلومات بھی حاصل کی تھیں نگران نے بتایا۔

"نہیں جناب وہ تو بڑا سیدھا سادا لڑکا ہے بلکہ نمازی پرہیز گار ہے۔ آج تک اس نے کوئی سرکشی نہیں کی اس کا ریکارڈ بہت اچھا ہے۔"

"ٹھیک ہے لے آؤ اسے۔"

چھوٹی سی داڑھی، پیلا مدقوق چہرہ، خوف زدہ آنکھیں زیادہ عمر بھی نہیں تھی۔ شہاب نے فیروز کو بغور دیکھا۔ ہاتھ آگے بڑھا کر ہاتھ ملایا اور نرمی اور محبت سے بیٹھ جانے کے لئے کہا۔ فیروز خاموشی سے بیٹھ گیا۔ ہونٹ سوکھے ہوئے تھے، بدن میں خوف کی لرزشیں تھیں، شہاب کو ایک لمحے میں اندازہ ہو گیا کہ یہ بے چارہ بھلا کیا ڈاکہ زنی کر سکتا ہے۔ وہ نرم لہجے میں بولا۔ "فیروز میں محکمہ پولیس سے تعلق رکھتا ہوں۔ تمہارے سلسلے میں نئے سرے سے تفتیش کا آغاز کر رہا ہوں اور تم سے مدد چاہتا ہوں کیا تم خلوص دل سے میرے سوالات کے جواب دینا پسند کرو گے؟"

"جی سرکار میں وعدہ کرتا ہوں کہ جھوٹ نہیں بولوں گا۔" اس نے کھرکھراتی آواز میں کہا۔

"فیروز کیا تم بستی مہر جان میں ڈاکہ زنی کرنے گئے تھے؟" اس کی آنکھیں حلقوں میں گردش کرنے لگیں۔ سخت نروس نظر آ رہا تھا پھر اس نے کوئی فیصلہ کر لیا اور آہستہ سے بولا۔

"نہیں جناب میں کہیں نہیں گیا تھا۔ میں تو بس اپنی بستی میں رہتا تھا۔ کچھ غلطیاں ہوئی تھیں مجھ سے مثلاً میری ماں کہتی تھی کہ کوئی کام کروں، محنت مزدوری کروں، کھیتی باڑی کروں، کہیں بھی کوئی کام تلاش کروں، یہاں کام نہیں کر سکتا تو شہر چلا جاؤں، بس میں نے ماں کے حکم کی خلاف ورزی کی تھی اور اس وقت بھی میرا ایمان ہے کہ مجھے اس وقت جو

سزا ملی ہے وہ ماں کی نافرمانی کی وجہ سے ملی ہے۔ میں جناب ماں کی بات نہیں مانتا تھا۔ دوستوں کے ٹولے میں جا کر بیٹھ جاتا تھا۔ میرے یہ دوست جوا کھیلتے تھے اور مجھے بھی جوے کی عادت پڑ گئی تھی، پھر چھوٹے ساندے صاحب نے میرے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا کہ میں ان کے غلاموں میں شامل ہو گیا ہوں۔ مجھے وظیفہ ملنے لگا جناب۔"

"چھوٹے ساندے کون؟" شہاب نے پوچھا۔

"پیار علی نام ہے ان کا۔ بستی نور الٰہی کے مالک ہیں۔"

"ٹھیک...... آگے کہو۔"

"جناب علی۔ میری گڈی چڑھ گئی...... بستی کے لوگ ہم سے ڈرتے تھے اور ہم ساری بستی میں عیش کرتے پھرتے تھے...... چھ بندے تھے ہم جو ساندے صاحب کے غلام تھے، پھر کوئی واردات ہو گئی جس کا الزام ساندوں پر آیا۔ پیار علی صاحب نے ہمیں بلا کر کہا کہ وفاداری دکھانے کا وقت آیا ہے۔ ہمیں ان کا ساتھ دینا ہے۔ ہم سب نے سینے تان لئے اور وفاداری کے لئے تیار ہو گئے۔ تب ایک وکیل صاحب ہمیں ملے اور انہوں نے ہمیں سبق پڑھایا۔ ہم نے سبق یاد کر لیا اور پولیس کے سامنے وہ سبق سنا دیا۔ تو ہم پکڑے گئے پھر کیا کیا ہوا ہمیں نہیں معلوم تھا، مگر چھوٹے ساندے صاحب ہم سے ملے اور بولے کہ ہمیں کوئی نقصان نہیں ہو گا۔ وہ ہمارا بندوبست کر لیں گے مگر ہمیں سزا ملے ہوئے چھ مہینے ہو چکے ہیں۔ کچھ بھی نہیں ہوا ہمارے لئے۔"

"تمہارے ساتھ تین آدمی اور ہیں؟"

"جی سرکار۔"

"ان کے گھر والے ہیں؟"

"دو کے ہیں جی۔"

"وہ کیا کہتے ہیں؟"

"اب پریشان ہو گئے ہیں جی۔ کہتے ہیں دھوکا ہو گیا ہمارے ساتھ۔ ساندے صاحب ہمیں بند کرا کے بھول گئے اور اب ہماری زندگی جیل میں گزرے گی۔"

"جیل میں تم سے ملنے کوئی آتا ہے؟" شہاب نے پوچھا۔

"کوئی نہیں جناب۔ بے آسرا پڑے ہوئے ہیں۔"

"تمہارے ماموں بھی نہیں؟"

"نہیں جناب۔ وہ نیک اور دین دار آدمی ہیں۔ ہمیں بری صحبت سے بچنے کے لئے ...تے تھے۔"

"ماں بھی تو ہے تمہاری؟"

"جی سرکار!"

"یاد آتی ہے؟" شہاب نے پوچھا اور فیروز کی گردن جھک گئی۔ اس کی آنکھوں سے ...نسو ٹپکنے لگے تھے۔

"چھوٹے ساندے نے کبھی اپنا کوئی آدمی بھی نہیں بھیجا تمہارے پاس؟" شہاب نے ...وال کیا اور فیروز نے نفی میں گردن ہلا دی، پھر شہاب وہاں سے اٹھ گیا۔ فیروز کو اس نے ...ئی تسلی وغیرہ بھی نہیں دی تھی۔ یہ مصلحت ضروری تھی...... سپرنٹنڈنٹ کا شکریہ ادا ...ر کے وہ باہر آ گیا تھا۔

ہیڈ آفس میں اپنے دفتر میں پہنچا تو نادر حیات صاحب کا پیغام نوٹ تھا۔ "مسٹر شہاب ...اپس آئیں تو مجھے فون کریں۔" شہاب نے ریسیور اٹھا کر کنٹیکٹ کیا۔ "سر میں شہاب بول ...ہا ہوں۔"

"ایک گھنٹے کے بعد میرے پاس آ جاؤ۔"

"بہتر ہے۔" شہاب نے جواب دیا۔ ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد وہ ڈی آئی جی صاحب کے ...رے میں داخل ہو گیا۔ کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے...... نادر حیات صاحب نے گھڑی میں ...قت دیکھ کر کہا۔

"آپ سے اجازت...... وقت ہو چکا ہے...... باقی پھر سہی۔" وہ لوگ اٹھ گئے...... ان ...کے دروازے سے باہر نکلنے کے بعد ڈی آئی جی صاحب نے میز کے نیچے لگا بٹن دبایا اور آٹو ...ک دروازہ لاک ہو گیا۔ تب وہ بولے۔

"یہ سوال بیکار ہے کہ تم ساندوں پر کام کر رہے ہو۔"

"جی سر کام جاری ہے۔"

"کوئی پیش رفت ہوئی؟"

"جی سر اطمینان بخش۔"

"خیر۔ میں اس سلسلے میں کوئی تفصیل نہیں معلوم کروں گا۔ میں اکٹھی رپورٹ
ہوں...... میں نے تمہارے لئے ایک ایسا ذریعہ نکالا ہے جس کے تحت اگر تم ساندا فیملی
قریب ہونا چاہو تو ہو سکتے ہو...... کیا تمہیں اس کی ضرورت پیش آئے گی؟"

"جی سر...... یقیناً۔"

"تم نے اس کے لئے کچھ سوچا تھا؟"

"ابھی نہیں لیکن اب یہ کرنا ہے۔"

"ساندوں کی کچھ زمینوں کی سرکار کو ضرورت تھی۔ وہاں کچھ پلانٹ لگانے ہیں
ساندے خوشی سے یہ زمین فروخت کرنے کے لئے تیار ہو گئے ہیں لیکن وہ اس گٹھ جوڑ میں
لگ گئے ہیں کہ انہیں ان زمینوں کی بھاری قیمت مل جائے۔ اس سلسلے میں متعلقہ محکمے کے
ذمے دار ارکان کو بھیجا جا رہا ہے۔ جن میں ایک خاتون اور ایک مرد ہے، اگر ان کی جگہ تم پہنچ
جاؤ تو؟"

"بہترین ہے۔ کیونکہ اس طرح ہمیں ان کی قربت حاصل رہے گی۔"

"بالکل۔ تو پھر میں انتظام کر دوں؟"

"اگر ممکن ہو تو ضرور۔"

"کیا تم کسی نوجوان خاتون کو اپنے ساتھ لے جانے کا بندوبست کر سکتے ہو؟"

"آسانی سے۔"

"بہت شارپ اور معاملہ فہم خاتون ہونی چاہئیں۔"

"ایسا ہی ہو گا سر۔"

"ویسے بھی تمہارے محکمے کے لئے ایسی کسی خاتون کی ضرورت ہے لیکن اس کی
کوالٹی ہونی چاہئے۔"

"میں انہیں خاتون کا نام پیش کر دوں گا سر۔"

"کون ہے۔"

"بینا واسطی۔ ایڈووکیٹ ہے اور ایک ایڈووکیٹ کی بیٹی ہے۔ امیر علی شاہ کیس میں
عدنان واسطی صاحب کا نام سامنے آیا ہے۔ انہی کی تربیت یافتہ بیٹی ہے۔"

"ویری گڈ، گویا تم مجھ سے مطمئن ہو؟"

"جی سر۔" شہاب نے جواب دیا۔

"تو یوں کرو ڈیئر شہاب کہ اس وقت تم اس کام کے سلسلے میں ان خاتون سے رابطہ
کرو اور اس کام کو سر انجام دو۔ بعد میں ان کا اپائمنٹ کر لیا جائے گا۔ تم جس وقت بھی چاہو
میں تمہاری بستی نور الٰہی روانگی کا بندوبست کر لوں۔ وہ اصل لوگ تم سے مل لیں گے۔ جنہیں
تمہاری جگہ اس سودے کاری کے لئے جانا تھا۔ انہیں بریف کر دیا جائے گا اور وہ تمہیں بریف
کر دیں گے کوئی مشکل نہیں ہو گی۔"

"سر یہ بہت اچھا ہوا اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس سے ہمیں بڑا فائدہ حاصل ہو گا۔"

"یقیناً...... اچھا اب ایک اور حیرت ناک چیز سے روشناس ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"
ڈی آئی جی صاحب نے کہا اور میز کی دراز کھول کر ایک لفافہ نکال لیا۔ جس پر ڈاک کے ٹکٹ
لگے ہوئے تھے۔ اوپری حصے پر ڈی آئی جی نادر حیات صاحب محکمہ پولیس کا پتا درج تھا اور
سرخ روشنائی سے خاص پرائیویٹ لکھا ہوا تھا...... ڈی آئی جی صاحب نے لفافہ شہاب کے
سامنے ڈال دیا اور بولے۔

"اس میں جو پرچا رکھا ہوا ہے اسے نکال کر پڑھو۔" شہاب نے حیرت و دلچسپی کے
ساتھ وہ کاغذات نکال لیا...... نہایت خوشخط اردو تحریر تھی اور آغاز اس طرح ہوا تھا۔

جناب ڈی آئی جی صاحب۔

میں آپ کو مبارک باد پیش کرتی ہوں کہ آپ کا محکمہ بے گناہوں کو گرفتار کر کے سزا
دینے میں بڑی مہارت رکھتا ہے اور آپ کے محکمے کی کارکردگی بے مثال ہے، اس کی خوبی ہے
کہ یہ کبھی صحیح آدمی کو نہیں گرفتار کرتا بلکہ اپنے مطلب کے قیدی تلاش کر لیتا ہے۔ یہ
معمولی بات نہیں ہے اس کے لئے یقیناً آپ کو بڑی محنت کرنا پڑتی ہو گی، خیر یہ سب کچھ تو
ہے لیکن ہم جیسے لوگ کیا کریں جن کے پاس اس کے سوا چارہ کار ہی نہیں ہے کہ لے دے کر
وہ آپ ہی سے رجوع کریں اور اس وقت میں بھی یہی کوشش کر رہی ہوں آپ کی توجہ ایک
ایسے خاندان کی جانب مبذول کرانا چاہتی ہوں جو بڑا صاحب حیثیت ہے اور اگر وہ یہ کہے کہ
قانون پر اس کی حکمرانی ہے تو غلط نہیں ہو گا۔ وہ واقعی قانون پر حکمرانی کر رہا ہے جرم وہ کرتا
ہے سزا جسے چاہے دلوا دیتا ہے اس کے لئے کوئی مشکل نہیں ہوتی۔ اس خاندان کا سرنیم ساندا
ہے بستی نور الٰہی کے ساندے جن کا سربراہ ابن وقت راگ علی ساندا ہے اور اس کے دست و

باز واس کے دو بیٹے پیار علی ساندا اور نور علی ساندا ہیں۔ یہ لوگ اس علاقے میں رہنے والے انسانوں کی قسمت کے مالک بنا دیئے گئے ہیں اور وہ جو جی چاہے کرتے ہیں کیا آپ کو ساندوں کے کالے کرتوتوں کے بارے میں معلومات حاصل ہیں، کیا آپ یہ جانتے ہیں کہ کچھ عرصہ قبل بستی مہر جان میں خادم شاہ نامی ایک زمیندار کے اہل خاندان کو بھون دیا گیا تھا۔ حویلی پر آگ لگی تھی اور وہ سب ہلاک ہو گئے تھے، کیا آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ اس سے کچھ عرصہ پہلے اسی خاندان کی ایک نوجوان لڑکی کو بے آبرو کر کے قتل کر دیا گیا تھا۔ شاید یہ باتیں اس لئے آپ کے پاس ریکارڈ ہوں کہ یہ جرم کی وارداتیں تھیں لیکن آپ نے اس سلسلے میں بڑی بہادری اور ہمت کے ساتھ چار ایسے نوجوانوں کو گرفتار کر لیا جن کا ان واقعات سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

واہ ڈی آئی جی صاحب واہ...... مبارک باد آپ کو بے حد مبارک باد...... آپ کی سربراہی میں ایک خاندان جرم کی دنیا میں پھل پھول رہا ہے لیکن معاف کیجئے گا برائیوں کو آپ جنم دیتے ہیں، آپ ان برائیوں کے سرپرست ہیں لیکن آپ کیا سمجھتے ہیں آپ ہمارے جیسے انسان نہیں ہیں۔ ہم سے مختلف ہیں آپ...... جو آپ کر سکتے ہیں وہ ہم نہیں کر سکتے۔ میں یہ جرات مندانہ قدم اٹھا رہی ہوں۔ 17 جون کا دن یاد رکھئے گا۔ 17 جون کو میں بستی نور الٰہی کے سامنے ساندوں کے کالے کرتوتوں کا بھانڈا پھوڑ رہی ہوں۔ اس دن کے لئے آپ کو میں نور الٰہی میں دعوت دے رہی ہوں۔ ضرور آیئے گا...... اب نام کیا لکھوں...... آپ لوگ پریشان ہو جائیں گے۔

آپ کا خدا ہی حافظ

آخری فقرہ پڑھ کر شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی جسے اس نے دبا لیا...... نادر حیات بولے۔ "پولیس کی ساکھ اتنی ہی خراب ہو گئی ہے عوام کی نگاہ میں...... میں اس ساکھ کو بحال کرنا چاہتا ہوں...... خیر چھوڑو کیا خیال ہے اس خط کے بارے میں؟"

"کہاں سے پوسٹ کیا گیا ہے؟" شہاب نے مہر دیکھی۔

"بستی نور الٰہی سے۔"

"نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔"

"ہاں...... الفاظ بڑے تیکھے اور تپش لئے ہوئے ہیں۔ انہیں نہ تو مذاق سمجھا جا سکتا

ہے نہ سادہ نگاہوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔"

"کون ہو سکتا ہے یہ؟"

"تم پر یہ ذمے داری بھی آ پڑی ہے۔ حالانکہ میں جانتا ہوں یہ آسان کام نہیں ہے۔ وہ کوئی بھی ہو سکتی ہے، کہیں سے بھی تعلق ہو سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سرے سے کچھ بھی نہ ہو، تاہم صرف کوشش کی جا سکتی ہے۔ ویسے سترہ جون میں ابھی تیرہ دن باقی ہیں...... زیادہ تین دن کے اندر یہ انتظام کر لو اور بہتر ہے کہ سترہ جون تک وہیں قیام کرو اور گہری نظروں سے جائزہ لیتے رہو۔"

"یس سر۔"

"ان دونوں افراد کو میں تمہارے پاس کب بھیجوں جنہیں وہاں جانا تھا۔"

"سر جب آپ مناسب سمجھیں۔"

"کل کا دن رہنے دو، کل میں متعلقہ محکمے سے گفت و شنید کر لیتا ہوں...... ویسے ان دونوں افراد کو حفظ ماتقدم کے طور پر پولیس کسٹڈی میں رکھنا ہو گا تاکہ تمہارے لئے کوئی مشکل کھڑی نہ ہو سکے۔"

"جی...... یہ مناسب ہو گا۔"

"کیا کریں شہاب۔ ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا ہوتا ہے۔ او کے...... خود کو ذہنی طور پر اس پورے پلان کے لئے تیار کرو...... یہ خط لے جاؤ اور اس پر غور کرو۔"

شہاب سلام کر کے اٹھ گیا لیکن وہ سنسنی محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا تھا...... کیس نے ایک نہایت دلچسپ شکل اختیار کر لی تھی۔

آصف علی ساندا سادہ مزاج نوجوان تھا...... باپ کے احکامات کے تابع تھا اور خوشدلی سے اس بات سے متفق ہو جاتا تھا جس کا فیصلہ باپ نے کیا ہو۔ اپنی زمینوں کی دل سے دیکھ بھال کرتا تھا اور بیشتر بار اس نے ہاریوں کے ساتھ مل کر زمینوں پر کام کیا تھا اور اپنی محنت سے ان زمینوں کو بہترین کاشت کے قابل بنایا تھا، پھر ہاشم علی ساندا نے راگ علی ساندا سے مل کر معاہدہ کیا اور زمینیں راگ علی ساندا کی زمینوں میں شامل ہو گئیں تو آصف علی کو شدید دُکھ ہوا تھا...... اسے اپنی زمینوں سے پیار تھا اور اس نے ان پر جتنی محنت کی تھی اب یہ زمینیں اسے اس محنت کا صلہ دینے کے قابل ہوئی تھیں۔ ایسے وقت باپ نے بھائی کے ساتھ مل کر یہ کھیل کھیل ڈالا لیکن وہ بچپن ہی سے باپ کے احکامات کا تابع رہا تھا اور کبھی کسی بھی بات پر باپ سے انحراف نہیں کرتا تھا...... دل مسوس کر خاموش ہو گیا اور باپ کی خواہش پر سر جھکا دیا لیکن اسے سخت رنج تھا...... اس کا دل بجھ سا گیا تھا...... راگ علی ساندا نے ان لوگوں کو اپنی حویلی میں بلا لیا تھا...... ہاشم علی خوشی خوشی اس حویلی میں پہنچ گیا تھا یہ سوچ کر کہ مل جل کر رہیں گے اور زندگی خوشگوار گزرے گی، لیکن تھوڑے ہی دنوں میں آصف علی نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ راگ علی ساندا کے بیٹے ان لوگوں کو تیسرے درجے کا انسان سمجھتے ہیں اور خود کو ان سے برتر و اعلیٰ۔ ہاشم کی کیفیت یہ تھی کہ وہ راگ علی، راگ علی کرتے ہوئے نہیں تھکتا تھا۔ عام طور سے بھائی کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ اب باپ کی یہ محبت دیکھ کر آصف علی نے صبر کر لیا تھا اور خود بھی خوش رہنے کی کوشش کرنے لگا تھا لیکن بیشتر مواقع ایسے آجاتے تھے جب اسے یہ احساس ہوتا تھا کہ باپ نے اس کے ساتھ زیادتی کر ڈالی ہے اور ان مغرور لوگوں کے در پر آکر غلطی کی ہے۔ بہرحال اپنی فطرت کے مطابق

ہو گیا تھا اور زندگی گزر رہی تھی پھر بہن کے رشتے کا مسئلہ درمیان میں آیا...... رانا بہت شاندار تھا اور اس خاندان کے چرچے آصف علی نے بھی سنے تھے۔ یہ بہت بڑا جو ہاشم علی کو مل رہا تھا اور اس کا ذریعہ ایک اور شخصیت تھی لیکن جب زرینہ نے اس سخت انحراف کیا تو باپ بیٹے بڑی مشکل میں پڑ گئے۔ زرینہ سے پوچھا بھی گیا لیکن اس کی کوئی وجہ بتانے سے انکار کر دیا تھا، بس اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ اسے اس شادی لئے مجبور نہ کیا جائے ورنہ اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہو گا۔ بہن بھائی کے درمیان اچھی خاصی تکلفی تھی، خود آصف علی نے بہن سے پوچھا تھا کہ آخر اس انکار کی وجہ کیا ہے، اور ابھی تک رانا محفوظ علی کو دیکھا بھی نہیں گیا ہے...... ایک اچھا خاندان ہے اور اس میں ہونے کے بعد ہمارے خاندان کو اور بھی برتری حاصل ہو گی لیکن یہ پہلا موقع تھا کہ نے بھائی سے معذرت کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ اس کے لئے مجبور نہ کرے وہ کچھ نہیں سکے گی۔ بہرحال یہ معاملہ ذہنوں میں اُلجھ گیا تھا اور ابھی تک اس کا کوئی حل سامنے نہیں آیا راگ علی نے ایک ذمے داری آصف علی کے سپرد کی، ایک بہت بڑی رقم کی وصولیابی کا معاملہ تھا ایسے کام وہ اکثر آصف علی کے سپرد کر دیا کرتا تھا اور آصف علی خوش اسلوبی سے انہیں سرانجام دیتا تھا، چنانچہ اس کام سے بھی اس نے انکار نہیں کیا تھا...... دوسری بستی جانا پڑا تھا۔ راگ علی نے اسے اپنی پجارو دے دی تھی اور وہ پجارو لے کر چل پڑا ایک ڈرائیور بھی ساتھ کر دیا گیا تھا جو بھروسے کا آدمی تھا کیونکہ معاملہ بہت بڑی رقم کا ...... آصف علی نے یہ رقم وصول کی اور اس کے بعد احتیاط سے واپس چل پڑا۔ راستے انجانا نہیں تھے اور اچھی طرح جانے پہچانے تھے۔ چنانچہ ایسی کوئی بات نہیں تھی، جب کہ رقم کے بارے میں مخبری نہ ہو جائے اور کوئی خاص طور سے اس کی تاک میں نہ لگ آصف علی کو گمان بھی نہیں تھا کہ زندگی میں پہلی بار اس کے ساتھ کوئی ایسا واقعہ آجائے گا۔ یہ ایک جانا پہچانا علاقہ تھا...... سنسان اور کسی قدر خطرناک، کیونکہ دونوں ڈھلان تھی اور اس سڑک پر پانی کی نمی رہتی تھی۔ جس کی وجہ سے ڈرائیونگ میں احتیاط ہوتی تھی۔ ڈرائیور اس وقت بھی نہایت احتیاط سے گاڑی آگے بڑھا رہا تھا اور رفتار سب تھی۔ اچانک ایک دھماکہ سنائی دیا اور پجارو لنگڑی ہو گئی۔ شکر تھا کہ رفتار تیز نہیں ورنہ سیدھی ڈھلانوں میں جاتی اور اُلٹ جاتی۔ ڈرائیور نے گاڑی با آسانی روک لی تھی

اور آصف علی بے چین ہو گیا تھا۔

"کیا بات ہے گلزار کیا ہو گیا یہ؟"

"صاحب ٹائر برسٹ ہو گیا ہے۔"

"مگر کیسے؟"

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا دیکھتا ہوں، ٹائر تو نئے ہیں صاحب، برسٹ ہونے کا امکان تو نہیں ہے۔ نئی ہوا بھی نہیں بھری جس سے یہ خیال ہو کہ شاید دباؤ زیادہ ہونے کی وجہ سے ٹائر پھٹ گیا ہے۔" ڈرائیور گلزار نیچے اترا اور آصف علی بھی سادگی سے گاڑی سے نیچے اتر آیا...... تبھی بائیں سمت کے ڈھلان سے سات آٹھ نقاب پوش ہتھیار لئے ہوئے اوپر آگئے اور آصف علی چونک پڑا...... بندوقیں دونوں کی جانب تن گئیں، ایک طاقتور سے نقاب پوش نے آگے بڑھ کر بندوق کی نالی آصف علی کے سینے پر رکھ دی اور غراتی ہوئی آواز بولا۔

"دو باتیں خاص طور سے محسوس کرو...... پہلی تو یہ کہ ہم نے یہ جگہ اس لئے منتخب کی ہے کہ یہاں تمہاری گاڑی کی رفتار سست ہو گئی ہے اور ایسی شکل میں اگر ٹائر پھٹ جائے تو گاڑی کے اُلٹنے یا بے قابو رہنے کا خطرہ نہیں رہتا...... دوسری بات یہ کہ فائر گاڑی کے ٹائر پر کیا گیا ہے، اگر یہ فائر ڈرائیور کی کھوپڑی پر ہوتا تو اس کے پرخچے اسی طرح اُڑ گئے ہوتے جس طرح ٹائر پھٹ گیا ہے اور پھر تم دونوں کی موت لازمی تھی۔ سمجھ رہے ہو ہماری بات ہمیں تمہاری زندگی کے بجائے اس رقم کی ضرورت ہے جو تمہارے پاس موجود ہے۔"

"مگر تم کون ہو؟" آصف علی نے کہا اور جواب میں نقاب پوش کا قہقہہ اُبھرا۔

"گویا اب تمہیں یہ بتانا ضروری ہے کہ ہم کون ہیں، یار بہت بے وقوف معلوم ہوتے ہو، ڈاکو ہیں ہم لوگ سیدھی سی بات ہے۔"

"لیکن دوست میں یہ رقم راگ علی کو پہنچانے کا ذمے دار ہوں، اگر تم اس طرح لوٹ لے جاؤ گے تو میری زندگی مشکل میں پڑ جائے گی۔"

"زیادہ باتیں مت بناؤ...... چلو رقم نکال کر ہمارے حوالے کرو۔" نقاب پوش نے بندوق کی نالی سے آصف علی کو دھکیلا لیکن پھر اچانک ہی ایک فائر ہوا اور نقاب پوش کی گردن میں سوراخ ہو گیا...... آصف علی نے ایک گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنی تھی وہ نقاب پوش جس کی گردن میں گولی لگی تھی غالباً ان ڈاکوؤں کا سردار تھا، کیونکہ دوسرے ڈاکو ایک

دہشت زدہ ہو گئے تھے اور ادھر ادھر دیکھنے لگے جدھر سے گولی آئی تھی...... یہ ایک گھڑ سوار تھا، جس کے ہاتھ میں رائفل تھی اور اس نے گھوڑا دوڑاتے ہوئے نقاب پوش پر فائر کیا تھا...... ڈاکوؤں نے اندھا دھند اس طرف فائرنگ شروع کر دی جدھر گھڑ سوار نظر آیا تھا...... گھڑ سوار نے برق رفتاری سے ڈھلان عبور کیا اور سڑک پر آکر ایک دم سے دوسری طرف ڈھلان میں اُتر گیا...... وہ ایک مشاق سوار ہی نہیں معلوم ہوتا تھا بلکہ ایک بہت پھرتیلا جوان جو لڑنے کے اصول جانتا تھا...... دوسری ڈھلان پر پہنچ کر اس نے پھر اپنی رائفل سے تین ڈاکوؤں کے اوپر اتنے کامیاب نشانے لگائے کہ تین نقاب پوش پھر زمین پر آرہے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی باقی نقاب پوشوں میں کھلبلی مچ گئی تھی اور وہ بری طرح دوسری ڈھلانوں کی جانب دوڑ پڑے اور اس طرح اپنی زندگی بچانے میں کامیاب ہو گئے لیکن ان کے چار ساتھی موت و زندگی کی کشمکش میں گرفتار تھے اور زمین پر ایڑیاں رگڑ رہے تھے...... گولیاں کارگر ہوئی تھیں اور وہ دم توڑ رہے تھے...... آصف علی اور اس کا ڈرائیور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس فرشتے کو دیکھ رہے تھے جس نے ان کی عزت بھی بچالی تھی اور زندگی بھی، گھڑ سوار دوسری طرف کی ڈھلوان عبور کر کے پھر اوپر آگیا اور اس نے دوسری جانب کی ڈھلوانوں میں بھاگتے ہوئے نقاب پوشوں پر گولیاں چلائیں لیکن ان کی زندگی باقی تھی کہ وہ ان گولیوں کا شکار نہیں ہوئے اور فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ جب وہ بھاگ گئے تو گھڑ سوار آہستہ آہستہ اپنے گھوڑے کو آگے بڑھاتا ہوا ان لوگوں کے قریب آگیا، وہ دونوں احمقوں کی طرح خاموش کھڑے اس ساری ہنگامہ خیزی کو دیکھ رہے تھے...... گھڑ سوار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مبارکباد پیش کرتا ہوں جناب نہ جانے یہ کون تھے اور آپ سے کیا چاہتے تھے لیکن میں نے اتنا ضرور سمجھ لیا تھا کہ یہ آپ کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں کیونکہ نقابوں میں چھپے ہوئے تھے اس لئے مجھے یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ جرائم پیشہ ہیں یا پھر آپ کے دشمن۔" آصف علی ایک دم سنبھل گیا، اس نے جھرجھری لے کر گردن جھٹکتے ہوئے کہا۔

"آپ نے نہ صرف میری زندگی بلکہ میری عزت بھی بچالی ہے، ایسے موقع پر شکریہ کے الفاظ کہے جاتے ہیں لیکن میں انہیں ناکافی سمجھتا ہوں۔ میں آپ کا بے حد احسان مند ہوں۔"

"کچھ بتا سکتے ہیں آپ یہ دشمنی تھی یا ڈاکہ زنی؟" گھڑ سوار نے پوچھا۔

"سو فیصد ڈاکہ زنی، کیونکہ میرے پاس بہت بڑی رقم موجود ہے۔ جسے یہ لوگ لوٹنا چاہتے تھے۔" آصف علی نے جواب دیا اور نوجوان بے اختیار مسکرا پڑا۔ اس نے دلچسپ نگاہوں سے آصف علی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ساندا صاحب، آپ اتنی بڑی رقم لے کر چل کیوں پڑے اور پھر اس طرح اس کی پبلسٹی کر رہے ہیں۔ اب تو میں خود آپ کو نہیں چھوڑوں گا کیونکہ اتنی بڑی رقم مجھے بھی درکار ہے۔" آصف علی نے پریشان نگاہوں سے نوجوان گھڑ سوار کو دیکھا اور بولا۔

"یار سچی بات تو یہ ہے کہ تم نے رقم کے ساتھ ساتھ میری زندگی بھی بچالی ہے۔ میں واقعی لڑائی بھڑائی کا آدمی نہیں ہوں۔ لے جاؤ بھائی ان سے بچے تو تمہارے ہاتھوں میں پھنس سکتے ہیں، کیا کیا جائے؟"

"تو پھر دیکھ لیجئے بندوق میرے ہاتھ میں ہے اور آپ نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ جب میں ان چار ڈاکوؤں کو مار سکتا ہوں تو آپ کو نشانہ بنالینا بھی میرے لئے مشکل نہیں ہوگا۔ کیا آپ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں؟"

"ہاں تسلیم کرتا ہوں۔" آصف علی نے جواب دیا۔

"تو پھر رقم کا تھیلا اٹھائیے اور میرے ساتھ آجائیے۔"

گھڑ سوار نے گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا۔

"بھائی سچ بتاؤ مذاق کر رہے ہو یا سچ مچ تمہاری نیت بھی خراب ہو گئی ہے؟" آصف علی بولا۔

"سو فیصد میری نیت خراب ہو گئی ہے۔ آپ تھیلا اٹھائیے ساندا صاحب۔" نوجوان نے کہا اور آصف علی گہری گہری سانسیں لینے لگا پھر چونک کر بولا۔

"ارے کیا تم مجھے جانتے ہو۔ تم نے مجھے ساندا کہہ کر مخاطب کیا ہے؟"

"اگر آصف علی ساندا کہوں تو کیسا رہے گا؟"

"بالکل ٹھیک ہے۔"

"آصف علی صاحب آجائیے مجھے آپ کی رقم نہیں چاہئے آئیے، ڈرائیور جب تک ٹائر بدلے گا آپ میرے ساتھ تھوڑا وقت گزار لیجئے۔ آئیے اور بھی انتظامات کرنے ہیں..... آپ کو احتیاط کے ساتھ واپس پہنچانے کا بندوبست کر دوں گا میں۔ رقم یہاں نہیں

چھوڑی جا سکتی۔ ورنہ میں تو آپ سے یہ کہتا کہ رقم بھی یہیں چھوڑ دیجئے اور میرے ساتھ چلئے...... ویسے وہ کمبخت جو بھاگ گئے ہیں بعد میں بھی آپ کا پیچھا کر سکتے ہیں۔" ایک عجیب سچویشن پیدا ہو گئی تھی۔ آصف علی ساندا نے یہی فیصلہ کیا کہ نوجوان کی بات پر عمل کرے۔ اس نے بڑا بریف کیس سیٹ کے نیچے سے نکالا اور نوجوان کی جانب دیکھنے لگا...... تب نوجوان نے ڈرائیور سے کہا۔

"تمہارے پاس اسٹپنی ہے...... ٹائر بدل لو اور اس کے بعد اس ڈھلان میں گاڑی لے کر آ جاؤ۔ وہ جو سامنے تمہیں سفید نشان نظر آ رہے ہیں وہاں سے گاڑی با آسانی نیچے اتر سکتی ہے اور دیکھو وہ جو باغ نظر آ رہا ہے بس سیدھے اسی باغ پر آجاؤ۔ آئیے ساندا صاحب، آئیے۔" نوجوان نے کہا اور آصف علی بیگ اٹھائے اس کے ساتھ چل پڑا...... اچھا خاصا فاصلہ طے کرنا پڑا تھا...... سامنے ہی خوب صورت آموں کا باغ نظر آ رہا تھا...... آموں کی مہک فضا میں بھری ہوئی تھی۔ باغ بے حد خوب صورت تھا اور اس کے اندر داخل ہونے کے لئے ایک باقاعدہ راستہ بنا ہوا تھا...... اس راستے سے تھوڑا سا آگے بڑھے تو ایک چھوٹی سی خوشنما عمارت نظر آئی جو ایک منزلہ تھی اور درختوں میں چھپی ہوئی تھی...... نوجوان گھڑ سوار نے اندر داخل ہو کر آصف علی کو بیٹھنے کے لئے کہا اور پھر ایک ملازم سے کہا۔

"سڑک پر ایک جیپ کھڑی ہوئی ہے اور جیپ کے پاس چار ڈاکوؤں کی لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔ آدمیوں کو ساتھ لے جاؤ اور لاشیں اٹھوا کر باغ میں لے آؤ اور سنو سڑک پر سے خون وغیرہ صاف کر دینا بعد میں دیکھ لیا جائے گا کہ کیا کرنا ہے، کوئی نشان ایسا باقی نہیں چھوڑنا کہ کسی سے سڑک پر سے گزرنے والوں کو کوئی شک ہو اور وہاں اگر ڈرائیور کو مدد کی ضرورت ہو تو ایک آدمی کو اس کے ساتھ چھوڑ دینا اور بعد میں گاڑی لے کر اس طرف ہی آجانا۔" ملازم گردن جھکا کر باہر چلا گیا تھا۔ نوجوان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہاں آپ کو چائے بھی پیش کی جاسکتی ہے کافی بھی ہاں اگر کوئی مشروب پینا چاہیں تو۔"

"آپ کا رویہ بے حد پراسرار ہے جناب، آپ کون ہیں، مجھے کیسے جانتے ہیں، اتنا تو خیر تم نے سمجھ لیا ہے کہ آپ کو اس رقم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے جو اپنے ساتھ لایا ہوں ورنہ یہ بیگ میرے بجائے آپ کے ہاتھ میں ہوتا۔" نوجوان ہنس پڑا پھر بولا۔

"ساندا صاحب مجھے واقعی اس رقم کی کوئی فکر نہیں ہے بلکہ میں تو خوش ہوں کہ آپ

کے کسی کام آسکا اور یہ بھی اتفاق ہے کہ میں نے ان نقاب پوشوں کو دیکھ لیا تھا جو گھات لگا
ہوئے بیٹھے تھے...... آپ یہ رقم جہاں سے بھی لا رہے ہیں۔ یقیناً وہیں سے اس کی مخبری
ہوئی ہے اور ان لوگوں نے اس جگہ کا انتخاب کر کے آپ پر حملہ کیا ہے، وہ تو شکر ہے
بد بختوں نے آپ کی زندگی لینے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

"میں غیر مسلح نہیں ہوں لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں لڑنے بھڑنے والا آدمی نہیں ہوں اور جہاں تک رقم لانے کا معاملہ ہے تو بس۔"

آصف علی ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا پھر چونک کر بولا۔

"آپ مجھے باقاعدہ میرے نام سے جانتے ہیں لیکن میری کتنی بدقسمتی ہے کہ میں آپ کو نہیں جانتا۔"

"یہ آپ کی بدقسمتی نہیں ہے جناب، بلکہ میں اسے اپنی بدقسمتی کہہ سکتا ہوں۔"
نوجوان اچانک سنجیدہ ہو گیا پھر ایک دم سنبھل کر بولا۔"

"آپ براہ کرم یہ بتائیے کہ کیا پلاؤں آپ کو؟"

"آپ کے ساتھ کچھ وقت بیٹھنے کو جی چاہتا ہے۔ چائے پلوا دیجئے یا کافی۔"

"بہتر۔" نوجوان نے کہا اور پھر کسی اور ملازم کو آواز دی جو پچھلے دروازے سے اندر آیا تھا۔

"بہت عمدہ قسم کی کافی بنا کر لاؤ، میرے معزز مہمان ہیں۔"

ملازم گردن جھکا کر چلا گیا تھا...... آصف علی نے کہا۔

"یہ باغ آپ کا ہے، یقیناً آپ ہی کا ہے؟"

"جی، میرا نام رانا محفوظ ہے۔" نوجوان نے جواب دیا اور آصف علی کے ذہن میں ایک دھماکا سا ہوا۔ "رانا محفوظ" رانا حبیب کا بیٹا، وہ نوجوان جس کے لئے آصف علی کی بہن زرینہ کا رشتہ آیا تھا اور ہاشم علی نے اپنے بیٹے کو اس خاندان کے بارے میں تفصیل بتائی تھی۔ رانا حبیب کی شخصیت کا تذکرہ کیا تھا...... بہت بڑا خاندان تھا، بہت بڑے زمیندار تھے یہ لوگ بھی، کسی طرح ساندوں سے کم نہیں تھے لیکن زرینہ نے اس رشتے کو ٹھکرا کر سب کچھ چوپٹ کر دیا تھا۔ آصف علی حیران نگاہوں سے رانا محفوظ کو دیکھنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔

"افسوس میری آپ سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی آپ مجھے کیسے جانتے ہیں؟"

"میں جانتا ہوں آپ کو، دور سے دیکھا بھی ہے، بس یوں سمجھ لیجئے قربتوں کی کوشش رہی۔" رانا محفوظ کے لہجے میں ایک عجیب سی اُداسی کھل گئی تھی اور آصف علی کو اس پر شرمندگی سی ہو رہی تھی۔ رانا محفوظ چند لمحات خاموش رہا پھر چونک کر مسکراتا ہوا بولا۔

"میں تو اس بات پر مسرور ہوں آصف صاحب کہ آپ کی تھوڑی بہت خدمت کر سکا۔" آصف علی اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دے سکا اور خاموشی سے بیٹھا زمین کریدتا رہا...... رانا محفوظ نے کہا۔

"آصف علی صاحب، انسان کی اپنی ایک انا ہوتی ہے اور انا ٹوٹے تو آپ یقین کیجئے کہ انسان ٹوٹ جاتا ہے، رشتے آسمانوں میں بنتے ہیں، ہم لاکھ سر پٹخیں اللہ کی مرضی کے خلاف نہیں کر سکتے لیکن بس یوں سمجھ لیجئے کہ ایک احساس ہوتا ہے انسان کے دل میں۔ وہ اپنی اپنی کمزوری، اپنی بدبختی جاننا چاہتا ہے، میرے دل میں یہ آرزو تھی کہ اگر مجھے کبھی اس کا موقع مل سکے کہ میں آپ لوگوں میں سے کسی سے ملاقات کروں تو صرف ایک بار آپ سے یہ ضرور پوچھوں کہ مجھے ذلیل کیوں کیا گیا۔ وہ کمی ضرور بتائی جائے ہمیں جو ہمارے خاندان میں ہے، ہماری شخصیت میں ہے، معافی چاہتا ہوں آصف علی صاحب، خدارا یہ نہ سمجھئے گا کہ آپ کی ایک چھوٹی سی خدمت کر کے میں آپ سے کسی مسئلے میں جواب طلبی کر رہا ہوں...... بس ایک خواہش تھی جو آج قدرتی طور پر پوری ہوئی ہے، اگر آپ اس سلسلے میں کچھ بتانا پسند کریں۔" آصف علی نے ٹھنڈی سانس لی اور آہستہ سے بولا۔

"رانا صاحب، شاید آپ نے یہ اندازہ لگا لیا ہو کہ میں ایک سادہ سی فطرت کا انسان ہوں۔ ابھی تک والدین کے زیر اثر ہوں اور والدین کے ہر فیصلے پر سر جھکانے کا عادی بھی ہوں۔ آپ یقین کیجئے میں اور میرے والد آپ کی طرف سے دیئے گئے رشتے پر بہت خوش تھے اور ہم نے اپنے طور پر اپنے ذہنوں میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ ہماری خوش بختی ہمارا ساتھ دے رہی ہے جو اتنے اعلیٰ خاندان کے لوگ ہمیں اپنے آپ میں قبول کر رہے ہیں۔ میری والدہ کو بھی اس پر اعتراض نہیں تھا، لیکن نہ جانے زرینہ کو کیا ہو گیا۔ نہ جانے کیوں اس نے اس بارے میں سرکشی کا اظہار کیا۔ آپ یقین کریں ہم خود بھی نہیں سمجھ پائے...... ایک انوکھی بات ہے یہ، کیونکہ زرینہ بھی ایک خاموش مشرقی قسم کی لڑکی ہے وہ دوسرے معاملات میں کم بولتی تو اپنے معاملے میں کیا بولتی، لیکن اس سلسلے میں اس نے ایسا کیوں کیا تو اس نے کہا

کہ یہ اس کے مستقبل کا معاملہ ہے اور اس سلسلے میں اسے آزادی حاصل ہونی چاہئے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ ہماری تقدیر نے ہمیں آپ کا عزیز نہ بننے دیا۔"

"نہیں آصف صاحب، عزیز تو آپ مجھے اب بھی ہیں اور میں اپنی اس خوش بختی کرتا ہوں کہ مجھے آپ کی خدمت کرنے کا ایک موقع نصیب ہوا۔ بہر حال تقدیر کے یہ کھیل اجنبی نہیں، ہو جاتا ہے کبھی ایسا بھی اور بات زندگی کی آخری سانس تک سمجھ میں نہیں آتی بس ایک بے چینی تھی دل کو، ایک احساس تھا کہ اگر کچھ پتا چل جاتا تو بڑا ہی اچھا ہوتا۔ بہر حال، ہاں آصف صاحب یہ خلش ہمیشہ دل میں رہے گی۔ میں بس اس خلش کو دور کرنا چاہتا ہوں اور بخدا میرا اور کوئی مقصد نہیں ہے۔ میں شرمندہ ہوں کہ دل کی بات زبان پر نہیں لاسکا، حالانکہ اصولی طور پر مجھے آپ سے یہ سب کچھ نہیں کہنا چاہئے تھا۔ بس ایک بار پتا چل جاتا۔ صرف ایک بار۔" اچانک ہی آصف علی کے بدن میں جھرجھری سی پیدا ہوئی۔ اتنے اچھے انسان کو ان لوگوں کی بات سے ایسا دکھ پہنچا کہ وہ اپنے دکھ کو زبان پر لائے بغیر نہیں رہ سکا تو کیا ایسے کسی انسان کو اس طرح تشنہ چھوڑ دیا جائے۔ کچھ وضاحت تو ہونی چاہئے، کچھ پتا تو چلنا چاہئے اسے، چنانچہ ایک فیصلہ کرنے کے بعد آصف نے کہا۔

"رانا صاحب، ایک کام میں کر سکتا ہوں۔"

"کیا؟" رانا محفوظ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"زرینہ کو میں آپ کے پاس لے آؤں گا۔ میں آپ سے اس کی ملاقات کراؤں گا۔ آپ براہ راست اس سے یہ سوال کر لیجئے گا، اصل میں رانا صاحب میں آپ سے اتنا متاثر ہوا ہوں کہ آپ کے ذہن کی خلش میرے دل کی خلش بن گئی ہے۔ میں آپ کی یہ خلش دور کرنا چاہتا ہوں اور اسی لئے میں نے آپ کو یہ پیشکش کی ہے۔

آپ جیسے اچھے انسان کی دوستی میرے لئے انتہائی قیمتی شے ہے اور میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ رشتہ ہو یا نہ ہو لیکن آپ کی دوستی مجھے حاصل رہے۔ رانا صاحب صرف اس جذبے کو مد نگاہ رکھتے ہوئے میں یہ کام ضرور کروں گا۔ سب لوگوں سے ہٹ کر نہ اپنے والد کو یہ بتاؤں گا نہ والدہ کو، کسی اور کو بتانے کی ضرورت تو ہے ہی نہیں، میں آپ کی ملاقات براہ راست زرینہ سے کراؤں گا..... حالانکہ آپ خود سمجھتے ہیں کہ ایک بھائی کے لئے یہ کتنا عجیب کام ہے لیکن رانا صاحب یہ ایک شریف آدمی کا شریف آدمی سے وعدہ ہے۔"

رانا محفوظ شرمندہ نگاہوں سے آصف علی کو دیکھنے لگا اور پھر اس نے بڑی محبت سے آصف علی کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"بخدا آپ کے ان الفاظ اور آپ کے اس اعتماد نے میرا ٹوٹا ہوا دل جوڑ دیا ہے۔ میں کبھی زرینہ صاحبہ کو اس کے لئے مجبور نہیں کروں گا کہ وہ مجھے اپنے دل کا راز بتائیں لیکن بس ایک بار صرف ایک بار میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کہیں کوئی ایسی غلط فہمی تو ذہنوں میں نہیں پیدا ہو گئی، کہیں سے انہیں میری جانب سے کوئی غلط اطلاع تو نہیں موصول ہوئی...... بس یہ اطمینان ہو جائے کہ نقص میری ذات میں نہیں ہے یہ ان کا اپنا خیال ہے تو بس میں خاموش ہو جاؤں گا۔ ہر شخص کو اپنی زندگی کے فیصلے کرنے کا حق ہے۔"

"میں نے آپ سے وعدہ کر لیا ہے اور اس کی تکمیل میرا فرض ہے، آپ مجھے یہ بتائیے کہ کیا آپ عموماً یہاں باغ پر رہتے ہیں؟"

"نہیں..... یہ بھی خوش قسمتی ہے اور اتفاق ہے کہ میں اس وقت یہاں موجود تھا، آتا رہتا ہوں اکثر، دیکھ بھال کے لئے باغ میرا پسندیدہ باغ ہے...... آموں کی فصل پک رہی ہے اور میں اس باغ کے چند خاص پیڑوں کے تحفے اپنے دوستوں کے لئے محفوظ کر لیتا ہوں، اس بار بھی میں یہ ہدایات دے رہا تھا مالیوں کو کہ پیڑوں کی خاص حفاظت کریں اور مناسب وقت پر آم اتاریں۔"

آصف علی مدہم سے انداز میں مسکرا دیا پھر ملازم کافی لے آیا تھا...... خاصے لوازمات کافی کے ساتھ تھے اور رانا محفوظ نے بڑی محبت اور مہربانی کے ساتھ خاطر مدارت کی تھی۔ آصف علی نے کافی پیتے ہوئے کہا۔

"کیا یہ لاشیں آپ کے لئے مشکل نہیں بنیں گی رانا صاحب؟"

"ڈاکو ہیں اور ڈاکہ زنی کی کوشش میں مارے گئے ہیں، بات صرف یہ ہے کہ اگر ہم پولیس کو اس بارے میں اطلاع دے دیں گے تو پولیس اپنا کھیل کھیلے گی، اس لئے میں ان لاشوں کو کہیں پھنکوا دوں گا...... برے لوگوں کی زندگی اگر چلی جائے تو ملال کی بات نہیں ہے۔ یہ لوگ آپ کی زندگی بھی لے سکتے تھے...... باقی اگر کوئی اہم ہی مسئلہ ہوتا تو پھر دیکھ لیا جاتا۔" رانا محفوظ کے لہجے سے یہ احساس ہو رہا تھا کہ ایک مضبوط آدمی بول رہا ہے اور وہ اتنا کمزور نہیں ہے کہ معمولی معمولی باتوں کو خاطر میں لائے، اس کی شخصیت جہاں ایک طرف

نیکی و شرافت کا نمونہ تھی۔ وہیں اس کے اندر سے ایک طاقتور زمیندار بھی جھانک رہا تھا۔ اس بات کو آصف علی نے خاص طور سے محسوس کیا تھا۔

رانا محفوظ کافی دیر تک اس سے باتیں کرتا رہا اس دوران آصف علی نے وعدہ کیا تھا کہ پرسوں دوپہر کو وہ زرینہ کے ساتھ یہاں آئے گا، اگر رانا محفوظ کے لئے ممکن ہو تو وہ یہاں آجائے اور رانا محفوظ نے وعدہ کر لیا تھا۔

الغرض ان کے درمیان یہ باتیں ہوتی رہیں اور تھوڑی دیر میں گلزار بچارو کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ ملازم اس کے ساتھ تھا پھر رانا محفوظ نے اپنے دو آدمیوں کو جو مسلح تھے آصف علی ساندا کے ساتھ کر دیا تاکہ وہ اسے بحفاظت بستی نور الٰہی تک چھوڑ آئیں۔

❁

سوتے سوتے بینا کی آنکھ کھل گئی۔ وہ خواب دیکھ رہی تھی اور اس خواب میں آج اس نے ایک ایسی عجیب و غریب چیز دیکھی تھی جس نے اسے چونکا دیا تھا۔ وہ اپنے ذہن کے پردوں پر اس خواب کے اثرات محسوس کر رہی تھی۔ بے شک وہ ایک باعمل اور باکردار لڑکی تھی اور نوجوانی کی اس عمر میں بھی اس نے کبھی اپنے آپ پر ایسی کسی کیفیت کو مسلط نہیں ہونے دیا تھا۔ ایک باعمل باپ کی باعمل بیٹی تھی اور زندگی کی حقیقتوں سے آشنا رہنا چاہتی تھی۔ محبت اور رومان جیسی شے اس کی زندگی میں کبھی داخل نہیں ہوئی تھی۔ بہت سی دوست تھیں...... ان کے اپنے خیالات تھے، اپنی اپنی کہانیاں تھیں اور دوستوں کی کہانیاں اس نے بار بار سنی تھیں لیکن نہ جانے کیوں اسے یہ محسوس ہوتا تھا کہ یہ لوگ زندگی سے دور کی باتیں کرتی ہیں، زندگی صرف ایک رومان نہیں ہے البتہ اس بات سے اس نے کبھی انحراف نہیں کیا تھا کہ رومان کا زندگی میں ایک دخل ہے، لیکن شاید اس وقت جب انسان کے پاس کرنے کے لئے کچھ اور نہ ہو۔ کم از کم اس کے اپنے یہی خیالات تھے۔ باپ کے ساتھ جب سے مصروف ہوئی تھی زندگی کو اور بھی قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا اور پھر یہ گنجائش ہی ختم ہو گئی تھی لیکن کچھ عرصے سے وہ اپنے دل میں ایک گداز پا رہی تھی اور اس کی اپنی ذات میں کشمکش ہو رہی تھی۔ وہ شہاب ثاقب کو عقیدت کی نگاہ سے دیکھتی تھی، پہلی ہی نگاہ میں یہ شخص اسے ایک عجیب و غریب شخصیت کا مالک معلوم ہوا تھا۔ معلوم ہوا تھا۔ اپنے پیشے کے برعکس ایک الگ مزاج کا مالک ورنہ ایک وکیل کی حیثیت سے زندگی گزارتے ہوئے اس نے

کچھ دیکھا تھا، بہت کچھ سمجھا تھا اور ایک نظریہ قائم کیا تھا لیکن اس شخص نے اس کے نظریے کو شکست دے دی تھی اور یہ صرف ایسی بات نہیں تھی جسے سطحی طور پر سوچ کر نظر انداز کر دیا جائے۔ ایک عجیب چیز کی جانب ذہن خود بخود راغب ہوتا ہے اور بینا ابتدا میں اس عجیب چیز کی جانب ہی راغب ہوئی تھی جس نے بعد میں اس کے دل میں ایک مقام بنا لیا تھا۔ شہاب کا اپنا رویہ بھی اس کے ساتھ بہت اچھا تھا اور وہ اسے نہایت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتا تھا لیکن اس میں محبت کا عنصر شاید کبھی تلاش نہیں کیا جا سکتا تھا...... ہاں اس کا انداز بڑا محبت بھرا تھا لیکن یہ اس کی فطرت کا ایک حصہ بھی ہو سکتا ہے۔ کبھی کبھی تنہائیوں میں بینا نے یہ سوچا تھا، بہر حال اس وقت اس نے خواب میں شہاب کو اپنے بہت قریب پایا تھا اور شہاب نے اس پر اپنی ذہنی کیفیت کا اظہار کیا تھا۔ ایسے الفاظ جنہوں نے بینا کی پیشانی عرق آلود کر دی تھی اور اس کے بعد اس کی آنکھ کھل گئی تھی، پھر اس نے عام معصوم انسانوں کی مانند ہی سوچا۔ خوابوں کی تعبیر تو اُلٹی ہی ہوتی ہے۔ لوگوں کا یہی کہنا ہے اور نہ جانے کیوں اس احساس نے اسے تھوڑا سا افسردہ کر دیا۔ گویا یہ خواب اس بات کی ضمانت ہے کہ شہاب اس کی جانب اس نظریئے سے کبھی متوجہ نہیں ہو سکتا، پھر اس نے درجنوں بار لاحول پڑھی کیا احمقانہ باتیں سوچ رہی ہے اس کا انداز فکر اس وقت بہت سطحی ہو گیا ہے اور پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا لیکن اس خلش نے دوسرے دن تک اس پر اپنا اثر ڈالے رکھا تھا...... آفس میں بیٹھی ہوئی تھی کہ شہاب کا فون موصول ہوا اور اس کی آواز سنتے ہی بینا کا دل دھڑک اٹھا...... اسے اپنے آپ پر غصہ آنے لگا۔ یہ کیا حماقت ہے، اپنے معیار سے نیچے جا رہی ہوں میں۔ کہیں کسی وقت اس حماقت کا اظہار شہاب پر نہ ہو جائے۔ بلاوجہ سہمی ہو گی، اس نے نہایت مودب لہجے میں کہا۔

"سر میں بینا بول رہی ہوں۔"

"مس بینا میں آپ کو چاہتا ہوں۔" شہاب نے کہا اور بینا کے ہاتھ سے ریسیور گرتے گرتے بچا...... وہ ایک لمحے تک کچھ نہیں بول سکی تھی۔ شہاب نے فوراً ہی کہا۔

"کیا آپ زحمت کر سکتی ہیں؟"

"جی...... جی سر کیوں نہیں۔" بینا نے جواب دیا۔ بڑا عجیب جملہ تھا...... چاہنے کا مطلب یہ بھی تھا کہ وہ اسے کریم سوسائٹی بلانا چاہتا تھا لیکن جملہ ذو معنی تھا اس لئے وہ ایک لمحے کے

لئے ہکابکا رہ گئی تھی، پھر اس نے فوراً ہی کہا۔

"سر آپ مجھے حکم دیجئے۔"

"میں نے کہا نا اگر زحمت نہ ہو تو تشریف لے آیئے ویسے خیریت کچھ پریشان پریشان سی محسوس ہو رہی ہیں؟"

"نہیں سر بالکل نہیں۔"

"میں پہنچ رہی ہوں سر۔" بینا نے جواب دیا اور پھر ریسیور رکھ کر جانے کی تیاریاں کرنے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کریم سوسائٹی کی کوٹھی کے سامنے ٹیکسی سے اتر رہی تھی۔ جوہر خان نے اسے سلام کیا اور صاحب کے اندر موجود ہونے کی اطلاع دی۔ بینا اندر داخل ہو گئی تھی...... اس نے اب اپنے آپ کو پوری طرح سنبھال لیا تھا۔ شہاب نے بیرونی کمرے میں جسے ایک شاندار نشست گاہ کی حیثیت دی گئی تھی اس کا استقبال کیا۔ بہت خوب صورت شلوار قمیض میں تھا اور بڑا جچ رہا تھا...... بینا کی نگاہوں میں اس کے لئے تعریفی تاثرات نمودار ہوئے بغیر نہ رہ سکے...... تاہم اس نے فوراً ہی مسکراتے ہوئے کہا۔

"سر کیسے مزاج ہیں آپ کے؟"

"ٹھیک ہوں بینا آیئے۔" شہاب نے سنجیدگی سے کہا اور بینا اسکے سامنے جا بیٹھی۔

"مس بینا واقعات بڑی برق رفتاری سے آگے بڑھ رہے ہیں، اب تک کی رپورٹ آپ کے پاس موجود ہے، میں آپ سے آئندہ کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی سر۔" بینا نے کہا اور اپنی ٹیبل سے پیڈ نکال لائی جس پر اسے پوائنٹ نوٹ کرنے تھے، شہاب سنجیدہ نظر آ رہا تھا، حالانکہ یقینی طور پر اس نے بینا کو مخاطب کرنے کا پہلا جملہ شرارتاً کہا تھا، اکثر ایسی شرارت وہ سنجیدگی سے کر ڈالتا تھا۔ بینا منتظر نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی...... شہاب خاموشی سے بینا کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرے کی کیفیت کھوئی کھوئی سی تھی جیسے یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو کہ اسے بینا سے کیا کہنا ہے۔ جب یہ خاموشی طویل ہو گئی تو بینا نے پہلو بدلا اور اس کی نگاہیں جھک گئیں...... شہاب نے آہستہ سے کہا۔

"جی مس بینا۔ عموماً میں آپ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کھو جاتا ہوں نہ جانے کیا کیا سوچنے لگتا ہوں اور اصل بات بھول جاتا ہوں۔ میں نے کیا کہا تھا آپ سے؟"

"سس سر آپ...... آپ...... آپ اس کیس کے بارے میں کچھ کہہ رہے

تھے۔" بینا کی آواز میں ایک لمحے کے لئے لرزش پیدا ہو گئی۔

"جی ہاں واقعی، واقعی مس بینا ڈی آئی جی نادر حیات صاحب نے جو کیس میرے سپرد کیا ہے اس کے تین ٹریک ہیں۔ ہم تین ٹریک میں چل رہے ہیں۔ پہلا ٹریک مولوی ارشاد علی، ان کی اندھی بہن عائشہ اور فیروز کا ہے، جو ایک بے گناہ قیدی ہے اور کسی اور کے ظلم و ستم کا شکار ہو کر یا پھر یہ کہنا چاہئے کہ کسی اور کے ہاتھوں ٹریپ ہو کر ایک ناکردہ گناہ کی سزا بھگت رہا ہے۔"

"جی سر۔" بینا اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ہمارا دوسرا ٹریک گوہر جہاں اور اس کے پوتے ہیں، ہمارا تیسرا ٹریک کیا ہے بینا آپ بتائیں گی؟"

"سر سیدھی سیدھی سی بات ہے سانڈے۔" بینا نے جواب دیا اور شہاب ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

"سر میں نے کچھ غلط کہا۔"

"پتا نہیں...... خیر تو مس بینا ڈی آئی جی صاحب نے ایک اور آئیڈیا دیا ہے جو بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ہمیں ایک بدلی ہوئی شخصیت میں بستی نور الٰہی جانا ہے۔ ڈی آئی جی صاحب کا حکم ہے کہ ہم جس حیثیت سے وہاں جائیں گے اس میں ہمیں سانڈوں سے قریب ہونے کا موقع ملے گا۔ میں سمجھتا ہوں ڈی آئی جی صاحب نے یہ کوشش اپنے طور پر کی ہے اور چونکہ وہ یہ کوشش کر چکے ہیں اس لئے میں انہیں انکار بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن اگر وہ یہ نہ بھی کرتے تو ہم اپنے طور پر کچھ نہ کچھ کرتے لیکن چونکہ ڈی آئی جی صاحب ایک ایماندار اور بااصول آدمی ہیں اور پھر ایک بہت بڑی شخصیت کے مالک بھی ہیں اس لئے مس بینا ان کی خواہش کی تکمیل کرنی پڑے گی۔"

"سر کیا اس سے ہمیں فائدہ حاصل ہو سکتا ہے؟"

"مختصر۔ مثلاً یہ کہ ہمیں ذرا سانڈوں کا جائزہ لینے کا موقع مل جائے گا، جبکہ میرے ذہن میں اس سلسلے میں ذرا بھی کوئی شک و شبہ نہیں ہے کیونکہ بات بالکل سامنے کی ہے اور وہ سب کچھ ایک حقیقت ہے، جو اب تک ہمارے علم میں آئی ہے۔ مس بینا میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ چلیں۔"

"سر میں تو خوشی سے تیار ہوں۔"

"اس کے ساتھ ساتھ ہی بینا ہمیں گوہر جہاں کے مسئلے کو ذرا پس پشت ڈالنا ہوگا لیکن اب یہ ضروری ہو گیا ہے کہ ہمارے آدمی گوہر جہاں کی رہائش گاہ کی نگرانی کریں، اس کے ساتھ ساتھ ہی میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ غلام قادر کو بھی تنہا نہ چھوڑا جائے کیونکہ وہ اس سلسلے میں ایک اہم گواہ کی حیثیت رکھتا ہے۔"

"سر آپ حکم دیجئے۔"

"تو پھر آپ شہنشاہ کی اسسٹنٹ کے طور پر زیرو گینگ کو ہدایات جاری کریں۔"

"سر آپ مجھے حکم دے دیجئے گا۔"

"افوہ بینا...... تم نے یہ سر سر کر کے میرا سر دکھا دیا ہے۔"

"ج...... جی سر...... جی...... بہت بہتر...... مم میرا مطلب ہے شش...... شش...... شہاب صاحب۔"

"کمال ہے میرا پورا نام تو آج تک کسی نے نہیں لیا آپ نے شش...... شش شش...... کر کے اس نام کو بڑی عزت بخش دی ہے۔" شہاب بولا اور بینا بے اختیار ہنس پڑی۔

"سوری سس...... سس سر۔"

"ویری گڈ یہ آج سارا زور شش...... اور س پر ہے۔" شہاب نے شرارت سے کہا اور بینا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"معافی چاہتی ہوں، ذرا مشکل ہو گی لیکن یہ بھی آپ ہی کا حکم ہے شہاب صاحب ورنہ میں اس کی جرات کبھی نہ کر پاتی۔"

"مس بینا انسان بڑا لالچی ہوتا ہے، جب اس کی ایک بات مان لی جاتی ہے تو پھر نہ جانے کیا کیا خواہش کرنے لگتا ہے، اس لئے اتنی آسانی سے میری ہر بات نہ مان لیا کریں...... خیر میں آپ کو وہ تمام تفصیل بتا دوں جو ڈی آئی جی نادر حیات نے مجھے بتائی ہیں اور ہمیں جن کے تحت وہاں جانا ہے...... مس بینا ذرا سا جھجک رہا تھا میں کیونکہ آپ کو کافی دن تک شہر سے باہر رہنا پڑے گا میرا مطلب ہے بستی نور الٰہی۔"

"تو اس میں جھجکنے کی کیا بات ہے۔"

"میرا مطلب ہے عدنان واسطی صاحب کہیں اعتراض نہ کریں؟"

"نہیں سر میرے ڈیڈی بہت کوآپریٹو ہیں، میری ان سے بارہا گفتگو ہو چکی ہے۔ وہ ہر طرح سے مجھے آپ کی تحویل میں دینے کے لئے تیار ہیں۔"

"جی!" شہاب نے حیرت سے منہ کھول کر کہا اور بینا اس کے تعجب پر خود بھی اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

"جی شہاب صاحب کیوں؟"

"اوہ...... اوہ......" شہاب نے اوپری اوپری سانسیں لے کر کہا اور اب بینا کو اپنے الفاظ یاد آئے، اس کا چہرہ شرم سے گلابی ہو گیا...... شہاب نے پھر فوراً ہی موضوع بدل دیا اور بولا۔

"اس کے علاوہ مس بینا جس طرح مجھے ڈی آئی جی نادر حیات صاحب نے اس بارے میں تفصیلات بتائی تھیں بالکل انہی کے انداز میں، میں آپ کو بتا رہا ہوں بس کچھ ذاتی باتیں الگ سے ہو جاتی ہیں۔ یہ خط دیکھئے گا۔" شہاب نے وہ گمنام خط بینا کے حوالے کر دیا جو اسے ڈی آئی جی نادر حیات نے دیا تھا اور بینا اس میں سے پرچا نکال کر پڑھنے لگی۔ پورا پرچا پڑھنے کے بعد اس کے چہرے پر بھی حیرت کے نقوش پھیل گئے۔

"یہ تو بڑی انوکھی تحریر ہے سر...... بڑی ہی انوکھی...... کوئی دل جلی شخصیت معلوم ہوتی ہے لیکن آج غالباً پانچ جون ہے۔ ہمیں وہاں کب جانا ہوگا۔"

"میرا خیال ہے مس بینا بہت جلد ہماری روانگی ہو جائے گی۔"

"ٹھیک ہے سر بہرحال یہ ایک دلچسپ اور سنسنی خیز مرحلہ ہے۔"

"تو پھر آپ پہلے گوہر جہاں کے سلسلے میں لوگوں کو متعین کر دیں۔"

"کیا آپ مجھے اس سلسلے میں ہدایات دیں گے کہ میں کس کس کو اس کے لئے مقرر کروں؟"

"نہیں۔" شہاب نے جواب دیا۔

"جی سر۔" بینا چند لمحات سوچتی رہی پھر اس نے کہا۔ "سر میرے خیال میں ہم انجم شیخ اور فراست علی کو اس کام پر مامور کر دیتے ہیں سردار علی بہت ایکٹو ہے لیکن چونکہ پہلی بار وہ اس کوٹھی میں داخل ہو چکا ہے اس لئے اسے دوبارہ ٹرائی نہیں کیا جا سکتا۔"

"ٹھیک ہے آپ ان دونوں کو ہدایت دے دیجئے۔" شہاب نے کہا اور بینا وہ ٹرانسمیٹر اٹھا لائی جس پر ڈبل او گینگ سے گفتگو کی جا سکتی تھی۔ فراست علی اور انجم شیخ کی ڈیوٹیاں

لگانے کے بعد اس نے کہا۔

"جی جناب اب کیا حکم ہے؟"

"چائے بنائیے۔" شہاب بولا اور بینا ایک لمحے کے لئے چونک پڑی پھر جلدی سے اٹھ گئی اور مسکراتی ہوئی بولی۔

"ابھی لاتی ہوں۔" پھر چائے کے دوران اس خط پر گفتگو ہوتی رہی۔ بینا نے کہا۔

"واقعی یہ بڑا سنسنی خیز خط ہے لیکن شہاب صاحب یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ صرف ایک مذاق ہو؟"

"ممکن ہے...... کیا کہا جا سکتا ہے لیکن الفاظ بڑے تلخ ہیں اور تحریر میں جو ایک آگ سی سلگتی ہوئی محسوس ہوتی ہے وہ اس بات کا اظہار کرتی ہے کہ کچھ مسئلہ ہے ضرور۔"

"جی...... یہ تو آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

"او کے مس بینا۔ گھوڑا دور ہے نہ میدان، دیکھ لیتے ہیں، ویسے آپ تیاریاں مکمل کر لیجئے۔"

"سر مجھے کس حیثیت سے آپ کے ساتھ جانا ہوگا؟" بینا نے سوال کیا۔

"ابھی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے مس بینا۔ اس کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے۔" شہاب نے سوکھے سے منہ سے کہا۔

"جی؟" بینا چونک کر بولی۔

"میرا مطلب ہے یہ بات ڈی آئی جی صاحب نے کلیئر نہیں کی ہے۔"

بینا نے کئی بار محسوس کیا تھا کہ شہاب نے اسے ذو معنی جملوں سے مخاطب کیا ہے۔ ابتدا ٹیلی فون پر ہی کر دی تھی اور اس کے بعد کئی جملے ایسے کہے تھے جو چبھتے ہوئے تھے لیکن اس نے بڑی خوب صورتی سے انہیں دوسرا رخ دے دیا تھا...... کافی دیر کے بعد وہ اٹھی تو شہاب نے کہا۔

"آئیے میں آپ کو آپ کے آفس پہنچا دوں۔ چھوڑنا اس لئے نہیں کہوں گا کہ میں آپ کو چھوڑنا نہیں چاہتا۔ آئیے۔" بینا ایک بار پھر اسے دیکھ کر رہ گئی تھی کچھ دیر کے بعد شہاب نے اسے اس کے آفس کے سامنے اتر دیا تھا۔

زرینہ اپنے اندر نہ جانے کیسی کیسی تبدیلیاں محسوس کر رہی تھی...... اس سے پہلے
ـنے کبھی دنیا کے بارے میں سوچا ہی نہیں تھا۔ سوچنے والے ماں باپ تھے، بھائی تھے، وہ تو
ـایک معصوم درخت کی مانند پروان چڑھ رہی تھی...... ماں باپ جس انداز میں اس کی
ـکیل چاہتے تھے اسی انداز میں مکمل ہو رہی تھی...... اسے احساس بھی نہیں ہوا تھا کہ کب
ـان ہو گئی اور کب دوسروں کی نگاہوں کا مرکز بنی۔ کب کسی نے اس کے بارے میں یہ سوچا
ـوہ ایک عورت ہے اور اس کی رعنائیاں کسی کے لئے قابل توجہ ہو سکتی ہیں۔ اپنے گھر میں
ـہی تھی، عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہی تھی، سہیلیاں تھیں، دوسرے لوگ تھے جو
ـبت سے اس کے ساتھ پیش آتے تھے اور اس نے کبھی کسی کے بارے میں برے انداز میں
ـوچا ہی نہیں تھا، پھر نہ جانے باپ کو کیا سوجھی کہ گھر بار چھوڑ دیا...... اپنی زمینیں راگ علی
ـاندا کی زمینوں میں ضم کر دیں اور اس کے بعد اپنے لئے مصیبتوں کی انبار خرید لئے، حالانکہ
ـم علی ساندا ایک صلح جو اور اچھی فطرت کا انسان تھا اور شاید اپنی اسی فطرت کی بنا پر وہ مارا
ـیا۔ بھائی سے کبھی تعلقات خراب نہیں ہوئے تھے اور اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اس نے
ـئا ایسے کسی مسئلے میں راگ علی ساندا سے انحراف بھی نہیں کیا تھا جس کی خواہش راگ علی
ـنے کی ہو مگر زرینہ یہاں آ کر خوش نہیں تھی۔ ویسے تو اس کے لئے بھی یہاں کوئی مشکل
ـکما پیدا کی گئی تھی۔ سہیلیاں اور ان کے والدین ملنے آجاتے تھے۔ انہیں پذیرائی ملتی تھی
ـور زرینہ کو بس اتنی سی تکلیف ہوئی تھی کہ وہ اب اپنی سہیلیوں کے ساتھ آزادانہ طور پر
ـوں میں جھولے نہیں جھول سکتی تھی۔ ایک محدود زندگی ہو گئی تھی لیکن ماں باپ جو
ـرتے ہیں وہی مناسب ہوتا ہے۔ نہ کبھی ان سے انحراف کیا تھا اور نہ اب کر رہی تھی لیکن اس

کی زندگی میں یہ انوکھا انقلاب جس طرح رونما ہوا تھا اس نے اسے جھنجھوڑ کر ایک دم اسے جوان کر دیا تھا اور اب اس کی سوچوں میں بڑی گہرائیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ اپنی زندگی کے سب سے بدترین حادثے سے دوچار ہونے کے بعد اس نے اپنے ماحول پر نظر ڈالی تھی سوچا تھا اس کے بارے میں اور اس کی سوچوں نے اس کے بہت سے احساسات جگا دیئے تھے اسے اندازہ ہوا تھا کہ بزرگ بھی غلطیاں کر سکتے ہیں۔ ان پر ہی مکمل بھروسا نہیں کر لینا چاہئے اپنے لئے بچاؤ کا انتظام کرنا ضروری ہوتا ہے لیکن اب یہ سوچیں بعد از وقت تھیں اور اب ان سوچوں سے اسے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ جو حادثہ اس کے ساتھ پیش آیا تھا اس کے بارے میں تو وہ اپنی عزیز ترین سہیلی کو بھی نہیں بتا سکتی تھی۔ محسوس کر رہی تھی کہ ماں باپ اور بھائی بظاہر زندگی کے خوشگوار لمحات گزار رہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ یہاں اس حویلی کے قیدی بن کر رہ گئے ہیں۔ دیوانگی کی تھی انہوں نے۔ نہیں کرنا چاہئے تھا نہیں ایسا۔ پتا نہیں کیوں آصف علی نے بھی مزاحمت نہیں کی اور خاموشی سے باپ کے احکامات پر سر جھکا دیا اور نتیجہ یہ نکلا تھا کہ کسی کا کچھ نہیں بگڑا تھا لیکن خود اس کی اپنی زندگی آہوں اور آنسوؤں کے درمیان گھر گئی تھی اور اب تو کچھ ہو بھی نہیں سکتا تھا۔

زرینہ کے اندر جو تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں ان میں ایک نمایاں تبدیلی یہ تھی کہ وہ بے حد دلیر ہو گئی تھی، اس کی سوچوں میں بڑی گہرائیاں آ گئی تھیں۔ پیار علی ساندا اور نور علی ساندا کو وہ جب بھی دیکھتی اس کی آنکھوں میں ایک سانپ جیسی چمک پیدا ہو جاتی تھی۔ یہ دونوں نیولے بن گئے تھے اب اس کے سامنے۔ بیشتر ایسے مواقع آئے جب وہ ان کے ماں باپ کے درمیان ان دونوں کو با آسانی قتل کر سکتی تھی، کئی بار اس نے اپنے طور پر یہ منصوبے بھی بنائے تھے کہ کھانے کی میز پر بیٹھے ہوئے وہ پھلوں کو کاٹنے والی لمبی چھری اٹھائے اور ان دونوں کے نرخروں میں پیوست کر دے۔ یہ کام با آسانی ہو سکتا تھا لیکن بات وہی تھی کہ اس سے کچھ حاصل نہ ہوتا۔ وہ بے شک ان دونوں کو قتل کر سکتی تھی اور اب یہ کام اس کے لئے مشکل نہیں تھا، ان دونوں کی زندگی لینا اسے دنیا کا سب سے دلکش کام محسوس ہوتا تھا لیکن اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو گا۔ وہ مر جائے گی، گرفتار ہو جائے گی، پھانسی چڑھ جائے گی لیکن اس کے ماں باپ، اس کے بھائی وہ سب راگ علی ساندا کے انتقام کا نشانہ بنیں گے۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے، جو کچھ بھی ہو میرے ساتھ ہی ہو، میرے ماں

مشکل کا شکار نہ ہوں اور پھر بات کچھ بھی نہیں ہو گی۔ دنیا یہ کبھی بھی نہیں جان سکے پیار علی اور نور علی کو اس کی تایازاد بہن نے کیوں قتل کیا...... اصل کام تو یہ ہے کہ ان کو منظر عام پر لایا جائے۔ بہت سے معاملات اب اس کے علم میں آتے جا رہے تھے۔ علی ساندا کا قتل اور بستی مہر جان میں جو کچھ ہوا تھا وہ بھی اس کے علم میں تھا۔ بالکل اسی جیسے دوسرے لوگ اس بات کو جانتے تھے۔ یہ لوگ تو تھے ہی بدکار لیکن آہ نہ جانے ہاشم علی ساندا کا دماغ خراب ہو گیا تھا...... وہ نہ جانے کیوں ان بدکاروں کے درمیان تھا۔ ان لوگوں کا تو کچھ نہیں بگڑا، میری جان لے لی ان لوگوں نے، سب کچھ چھین لیا مجھ کبھی بھی تنہائیوں میں اسے خود پر رحم آنے لگتا تھا۔ نہ جانے وہ کون تھا جس نے اس کا بچانے کی کوشش کی تھی۔ نام رانا محفوظ بتایا گیا تھا، کیونکہ خود اس کے ذہن میں کوئی ایسی بات نہیں بسی ہوئی تھی جس سے اس کی طبیعت رجوع ہوتی لیکن رانا محفوظ کے نام کے ساتھ اس کے ہونٹوں پر شرمگیں مسکراہٹ پھیل جاتی تھی اور وہ اکثر اس بارے میں سوچنے لگتی تھی لیکن پھر وہ ہو گیا جو خواب و خیال میں بھی نہیں تھا اور وہ سہم گئی، اس خوف کا شکار ہو گئی کہ صورت حال اگر اس طرح منظر عام پر آئی تو کیا ہو گا، لیکن پھر اس کے اندر وہ نئی جاگ اٹھی اس نے بے شک ان لوگوں کی خواہش کے مطابق اس شادی سے انکار کر دیا تھا اس کے ساتھ ساتھ ہی اس کے دل میں لاکھوں منصوبے بننے لگے اور آخر کار اس نے فیصلہ کیا کہ جس طرح بھی بن پڑے گا اپنے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنائے گی۔ وہ اپنے آپ میں ہونے والی تبدیلیوں پر خود بھی حیران تھی، محکمہ پولیس کے ڈی آئی جی کو خط لکھنے کے بعد اس نے اسے با آسانی پوسٹ بھی کر دیا تھا اور اس خط میں اس نے اپنے منصوبے کی تفصیلات بے شک نہیں بتائی تھیں لیکن اپنے عزم کا اظہار کر دیا تھا۔ ایک فیصلہ کیا تھا اس نے ایک ایسا فیصلہ جو اس کی اپنی سوچوں کے مطابق تھا لیکن یہ عمل بلا شبہ بڑی اہمیت کا حامل تھا کسی اور کا تو کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی، لیکن اپنی جان دینے کا تہیہ کر لیا تھا اس نے کھلے عام انکشاف کرنے کے بعد یہ بتانے کے بعد کہ راگ علی ساندا کا خاندان کس حیثیت کا حامل ہے، اس نے اس کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور یہ فیصلہ بڑا انوکھا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ سترہ جون کو وہ نور الٰہی کے سب سے بڑے چوک پر پہنچ جائے گی۔ وہاں لوگوں کو جمع کرے گی اور پھر راگ علی ساندا کے خاندان کی تمام باتیں بتائے گی اور اس کے بعد وہیں اپنے بدن کو

آگ لگا کر خودکشی کرے گی، اس کے لئے اس نے انتظامات شروع کر دیئے تھے۔ وہ دنیا کو ہر طرح کے ثبوت بھی دینا چاہتی تھی اور ان دنوں وہ اس کے لئے کام بھی کر رہی تھی۔ وہ تصویریں جو یقینی طور پر نور علی ساندا نے بنائی تھیں، انہی کے پاس محفوظ ہوں گی وہ ان تصویروں کو بھی دنیا سے نہیں چھپانا چاہتی تھی بلکہ یہ تو ایک طرح کا ثبوت ہوتا وہ ان تصویروں کو مجمع عام کے حوالے کر دینا چاہتی تھی تاکہ راگ علی ساندا کے خاندان کی ساری قلعی کھل جائے لیکن ان تصویروں کا حصول اس کے لئے ذرا مشکل تھا اور ان دنوں وہ اسی پر کام کر رہی تھی۔ نور علی ساندا اور پیار علی ساندا، رانا محفوظ سے شادی کے انکار کے بعد مطمئن تھے اور اس بات سے خوش تھے کہ اس نے ان کی بات مان لی ہے چنانچہ ان کا رویہ بھی خاصا بہتر تھا۔ کھانے کی میز پر جب سب لوگ ہوا کرتے تھے تو وہ بڑی محبت اور پیار سے اس سے باتیں کیا کرتے تھے اور وہ بھی دبے دبے انداز میں ان کی باتوں کا جواب دے دیتی تھی، گویا اس بات کا اظہار کرنا چاہتی تھی کہ جو کچھ ہو چکا ہے وہ اسے نظر انداز کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

لیکن اب اسے ان تصویروں کی تلاش تھی جو یقینی طور پر نور علی یا پیار علی کے پاس موجود ہوں گی، اس نے اپنی ذات کو بالکل فنا کر لیا تھا۔ دنیا کی کسی شے سے اب اسے کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی تھی۔ ماں باپ اور بھائی بے شک اس کے لئے پہلے ہی کی مانند تھے لیکن حقیقتوں سے لاعلم کبھی کبھی وہ انہیں ایسی نگاہوں سے دیکھنے لگتی تھی جن میں ایک شکایت ہوتی تھی، ایک دُکھ کا احساس ہوتا تھا۔ یہ وہ ماں باپ تھے جو اس کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے جنہوں نے اپنی غلط سوچوں سے اپنی بیٹی کے لئے زندگی ختم کرنے کے سامان پیدا کر دیئے تھے۔ نہیں ہونا چاہئے ایسے ماں باپوں کو۔ نہیں ہونا چاہئے جو پیدا کرنے کے بعد اولاد کے مستقبل کا تحفظ نہ کر سکیں۔

غرض یہ کہ وقت گزر رہا تھا پھر ایک دن وہ پیار علی کی خواب گاہ میں داخل ہو گئی۔ پیار علی اس وقت موجود نہیں تھا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا اور پھر دروازہ بند کر کے اپنے کام میں مصروف ہو گئی، اس نے ایک ایک جگہ کی تلاشی لے ڈالی اور ہر وہ چیز دیکھی جس میں تصویروں کی موجودگی کے امکانات ہو سکتے تھے۔ وہ خوف زدہ نہیں تھی پیار علی کسی بھی وقت آ سکتا تھا لیکن پیار علی کی خواب گاہ میں اسے وہ چیزیں دستیاب نہیں ہو سکیں جن کی وہ خواہش مند تھی، پھر وہی ہوا۔ پیار علی آ گیا اور اس نے حیرانی سے اپنے دروازے پر دستک دی تو وہ بے فکری کے انداز میں دروازے پر پہنچ گئی اور اس نے دروازہ کھول دیا، پیار علی نے مشتبہ نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔

"تم...... تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"کیوں؟" زرینہ مسکرا دی۔

"کیا مطلب ہے۔ یہ میرا کمرہ ہے تم یہاں کیسے آ گئیں؟"

"یہ کمرہ میرے لئے اجنبی تو نہیں ہے پیار علی۔"

"کیا مطلب؟"

"بس تم نے مجھے جن جذبوں سے آشنا کر دیا ہے کبھی کبھی وہ جذبے میرے دل میں اُبھر آتے ہیں۔ آ گئی تھی بس یونہی تمہاری تلاش میں۔" اس نے اوباش لہجے میں کہا اور پیار علی خوف زدہ نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"زرینہ تم پاگل ہو بالکل پاگل۔"

"ارے کیوں؟"

"اگر کسی نے تمہیں یہاں دیکھ لیا تو؟"

"تو پھر؟"

"کمال ہے بھئی، عجب بے وقوفی کی باتیں کر رہی ہو اور پھر...... اور پھر زرینہ سچی بات یہ ہے کہ...... کہ...... برا نہیں ماننا تم۔"

"کیا مطلب ہے، میں نے برا مانا تمہاری بات کا، برا مانتی تو اس عالم میں ہوتی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن بات سنو...... میں...... میں...... پھر ملوں گا تم سے، کہیں اور ملوں گا، یہاں نہیں۔ سمجھ رہی ہو نا میرا مطلب؟"

"کیوں پہلے کہیں اور لے گئے تھے مجھے؟" زرینہ نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"بے وقوف لڑکی سمجھتی کیوں نہیں ہو، یہاں ہمیں بہت محتاط رہنا ہو گا۔ وہ تو ایک الگ مسئلہ تھا۔"

"کون سا؟"

"وہی بھئی۔"

"مجھے وضاحت کر کے بتاؤ۔" زرینہ نے اس کی مسہری پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ وہ اس کمرے پر اپنا حق جتا رہی تھی۔

"وہ زرینہ...... وہ دیکھو...... بات دراصل یہ ہے کہ وہ بات بالکل الگ تھی اس میں ہم سب شریک تھے تم یہ نہ سمجھنا کہ وہ صرف میرے اکیلے کا کام تھا...... ہمیں اس کی پوری پوری اجازت تھی اور بنیادی وجہ یہ تھی کہ ہم تمہیں رانا حبیب کے خاندان میں شامل نہیں کرنا چاہتے تھے اور اس کا یہی ایک طریقہ ہمارے ذہنوں میں آیا تھا۔"

"کون کون شریک تھا میرے خلاف اس سازش میں؟"

"زرینہ تم یہاں سے چلی جاؤ۔ دیکھو اس طرح تمہارا تنہا میرے کمرے میں بیٹھنا مناسب نہیں ہوگا۔"

"اور جب تم مجھے تنہا اس کمرے میں لے آئے تھے تو؟"

"بے وقوف لڑکی وہ یہ کمرہ تھا ہی نہیں۔"

"خیر کچھ بھی ہو۔ میں بس آج نہیں جاؤں گی یہاں سے، آج تمہارے ساتھ ہی رہوں گی۔ کل صبح کو جاؤں گی۔"

"افوہ پاگل...... پاگل، بے وقوف بالکل بے وقوف چلو چلو خاموشی سے نکل جاؤ یہاں سے۔ میں تمہارے ساتھ سخت گیری سے بھی پیش آسکتا ہوں۔"

"مگر کیوں آخر کیوں۔ ایک بار تم مجھے اپنی مرضی سے یہاں لائے تھے اور مجھے بے آبرو کیا تھا۔ اب جبکہ میرے دل میں تمہارے لئے ایک جذبہ پیدا ہو گیا ہے تو تم مجھے اس طرح ٹھکرا رہے ہو۔"

"زرینہ تم نکل جاؤ یہاں سے، دیکھو میں بعد میں تم سے بات کروں گا۔ پلیز تم چلی جاؤ۔"

"پھر آؤں گی میں۔"

"ہاں ہاں میں خود تمہیں بتاؤں گا، میں خود ایک پروگرام تیار کروں گا اور اس کے بعد۔ سمجھ رہی ہو نا میری بات؟"

"مجھے بڑی مایوسی ہوئی ہے۔" زرینہ نے کہا اور اس کے بعد وہ اس کے کمرے سے نکل آئی لیکن اس کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ تصویریں یہاں نہیں ملی تھیں اب انہیں نور علی کے کمرے میں تلاش کرنا ہوگا لیکن فوراً ہی یہ عمل ممکن نہیں تھا۔

اسی دن وہ نور علی کے کمرے میں اس وقت داخل ہوگئی جب نور علی اس کے سامنے ہی باہر نکلا تھا۔ پیار علی بھی اس کے ساتھ تھا...... کمرے میں داخل ہونے کے بعد اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا...... اب اسے کسی بات کا خوف تو تھا نہیں اگر کوئی دیکھ بھی لے گا تو زیادہ سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے وہ تو زندگی دینے پر تل گئی تھی۔ عزت تو چلی ہی گئی تھی اب یہ ایک جان ہی باقی رہ گئی تھی اسے وہ ایک مناسب طریقہ کار کے مطابق دینا چاہتی تھی۔ نور علی کے کمرے میں داخل ہونے کے بعد اس نے چاروں طرف کا جائزہ لیا اور پھر نور علی کی الماریوں کو کھول ڈالا بہت دیر تک وہ تلاشی لیتی رہی اور اس کے بعد الماری کے ایک خفیہ خانے میں سے تصویروں کا پیکٹ مل گیا، اس نے یہ تصویریں نکال لیں اور وہیں ان کا جائزہ لینے لگی۔ اس کی اپنی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے، ایسی شرمناک تصویریں تھیں کہ انہیں دیکھ کر اس کا دل خون کے آنسو رونے لگا تھا۔ بہرحال اس نے جذباتی کیفیت کو اپنے ذہن سے جھٹکا...... تصویروں کا لفافہ اپنے لباس میں چھپایا اور خاموشی سے باہر نکل آئی۔ آج اس کا سب سے اہم کام ہو گیا تھا۔ اپنے کمرے میں آکر وہ اپنے منصوبے کے بارے میں غور کرنے لگی۔

نادر حیات نے آخر کار شہاب کو طلب کر لیا اور شہاب ان کے پاس پہنچ گیا...... نادر حیات صاحب نے اسے اپنی کوٹھی ہی میں بلایا تھا اور پر خلوص انداز میں اس کا استقبال کیا تھا، ان کی آنکھوں میں شہاب کے لئے نرمی اور محبت کے آثار تھے۔ اپنے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر انہوں نے شہاب سے کہا۔

"اصل میں ڈیئر شہاب میں تھوڑا سا ابنارمل آدمی ہوں۔ مختصراً میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میری زندگی کا پس منظر کچھ ایسا ہے کہ یہ ملازمت میں نے ایک چیلنج کے طور پر قبول کی تھی اور یہ فیصلہ کر کے آیا تھا کہ اس میں کچھ ندرت پیدا کروں گا، اس وقت اگر کسی عام شہری سے پولیس کے بارے میں بات کروں تو اس کے ماتھے پر خود بخود بل پڑ جاتے ہیں۔ میرا خیال ہے کوئی بھی پولیس کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ محکمہ پولیس میں دوسرے محکموں کی طرح برے لوگ بھی ہیں اور وہ اپنے اختیارات سے فائدہ اٹھا کر لوگوں کو شدید نقصانات پہنچاتے ہیں لیکن صرف ایک یہی محکمہ ہے جو اس قدر بدنام ہے جب کہ کرپشن دوسرے محکموں میں بھی ہے یقین کرو میں اس محکمے کا وقار بحال کرنا چاہتا ہوں اور یہ

میرا عزم ہے۔ جس حد تک بھی اس کے لئے کام کر سکوں گا ضرور کروں گا لیکن لوگ اس محکمے کی مجبوریوں کو جان کر بھی نظر انداز کرتے ہیں اور بلاوجہ اس کے خلاف نفرت پروان چڑھتی جارہی ہے، ہم لوگوں کو صاحب اثر لوگ جس طرح اپنے اشاروں پر نچاتے ہیں ہمارے دل اس پر بھی خون کے آنسو روتے ہیں اور پھر ہمارے اندر ایک خلا پیدا ہو جاتا ہے، ہم جھنجھلا کر بہت سے ایسے اقدامات کرتے ہیں جو خود ہمیں بھی ناپسند ہوتے ہیں۔ خیر یہ گفتگو میں بہت بار کر چکا ہوں، بلاوجہ اسے دہرانا نہیں چاہتا میں یہ کہہ رہا تھا کہ میری ڈرامائی زندگی میں مجھے ایسا موقع بہت کم ملا ہے جب میں اپنی سوچوں کے مطابق عمل کر سکوں، اب تمہارے مل جانے سے میرا حوصلہ بڑا گیا ہے اور بعض اوقات میں یہ سوچنے لگتا ہوں کہ میرے وجود کا ایک حصہ تم ہو جو باعمل ہے اور دوسرا حصہ میں ہوں جو تمہاری پشت پر ہے اور اس وجہ سے میں نے اس روایتی انداز میں کچھ تبدیلیاں پیدا کر لی ہیں جو بہت عرصے سے اختیار کئے ہوئے تھا اب میں اپنے اس خیال کی تکمیل کرنا چاہتا ہوں جو میرے دل میں بہت پہلے سے تھا اور صرف خوابوں کی حیثیت رکھتا تھا۔"

"سر میرے لئے اس سے زیادہ خوش بختی اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ آپ جیسی ٹھوس شخصیت نے مجھ پر اعتبار کیا ہے۔"

"باخدا میں شاید ان لوگوں میں سے ہوں جو اپنے آپ پر بھی اعتبار نہیں کرتے اور یہ گنجائش رکھتے ہیں کہ کسی بھی جگہ بھٹک جائیں گے لیکن تم نے مجھے اپنے عمل سے اس کا یقین دلایا ہے۔ شہاب کچھ کر جاؤ اس دنیا میں، دنیا کچھ دے یا نہ دے تمہارے اپنے اندر جو ایک گلستان کھلے گا وہ تمہیں زندگی کے آخری سانس تک سرشار رکھے گا۔"

"سر میری ہر سانس میرے مقصد کے لئے وقف ہے، آپ نے جب مجھے اس قدر مقام دیا ہے تو میں بھی اتنا بے حس انسان نہیں ہوں کہ اپنی ذات کی کمزوریوں کا آپ کے سامنے اعتراف نہ کروں...... سر میرے والد ایک سچے صحافی تھے اور ساری عمر سچ لکھتے اور سچ بولتے رہے اور آخر کار سچائی کے کفن میں لپٹ کر اہل خانہ کو ایک بے بسی کی زندگی میں چھوڑ کر قبر میں داخل ہو گئے۔ سر میرے بھائیوں نے میرے والد کے نقش قدم اپنائے اور وہ بے کس گھرانہ اسی انداز میں زندگی گزارنے لگا، لیکن میں نے الگ فیصلہ کیا اور اپنے لئے ایک راہ منتخب کی، سر میں اسی راہ پر چل رہا ہوں۔ تھانہ بارہ دری میں میرا تعین ہوا اور میں نے وہاں

نئے طریقہ کار کی بنیاد ڈالی وہاں بھی معمول کے مطابق رشوت خوری کا بازار گرم تھا۔ میں نے وہ دکان بند نہیں کی سر بلکہ فروخت کا انداز بدل دیا، میں نے وہاں اپنے عملے کو ہدایت دی ہیں کہ کسی ضرورت مند غریب سے ایک روپیہ نہ وصول کیا جائے۔ کسی ایسے شخص کو ایک پھر نہ مارا جائے جو باعزت اور باوقار ہو اور کسی کی برائیوں کا شکار ہو گیا ہو۔ میں نے ان لوگوں کو اجازت ہی نہیں دی بلکہ ان کی مدد بھی کی اس سلسلے میں کہ وہ ہر اس شخص سے اپنی ضرورتیں پوری کریں جو دوسروں کے حلق میں ہاتھ ڈال کر ان کا حق چھین رہے ہو اور اس طریقہ کار کی بنیاد پڑ گئی۔ سر میں نے خود بھی وہی طریقہ کار اختیار کیا اور اپنے حالات کسی حد تک بدل لئے ہیں۔ یہ میرا اعتراف نامہ ہے اور آئندہ بھی سر میں اپنا یہ عمل جاری رکھوں گا۔ میں آپ سے اس لئے عرض کر رہا ہوں اگر کبھی میری کوئی شکایت آپ کے علم میں آئے اور کسی بڑے آدمی کی طرف سے آئے تو آپ اسے غلط نہ سمجھیں۔ یہ اعتراف میں آج ہمیشہ کے لئے کر رہا ہوں لیکن میرے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے۔ صرف یہ اندازہ لگا لیا جائے کہ جس شخص نے شکایت کی ہے وہ اس قابل ہے یا نہیں کہ بغیر کسی تکلیف کے مجھے کچھ دے سکے اور یہ سب میں اس سے کیسے وصول کر سکتا ہوں، اسے مجھ پر چھوڑ دیا جائے۔ سر اگر میرا یہ راستہ روکا گیا تو شاید میں اپنی یہ ملازمت جاری نہ رکھوں اور نہ ہی میں اس سے ہاتھ اٹھاؤں گا۔" ڈی آئی جی نادر حیات حیرت سے شہاب کو دیکھ رہے تھے، کچھ دیر تک وہ سوچتے رہے اور پھر بے اختیار مسکرا پڑے۔

"بھلے آدمی کم از کم مجھے اس بارے میں بتانا تو نہیں چاہئے تھا تمہیں۔"

"نہیں سر جس اعتماد کا اظہار آپ نے مجھ پر کیا ہے اس کے بعد مجھے اپنے آپ سے فریب کرنے یا جھوٹ بولنے کا موقع نہ دیجئے گا۔ میں آپ کا شکر گزار رہوں گا۔" ڈی آئی جی نادر حیات نے متاثر نگاہوں سے شہاب کو دیکھا اور انہیں ایک لمحے میں احساس ہو گیا کہ عہدوں کا فرق بے شک ہے لیکن انسانوں کا فرق اس پر حاوی ہے۔ یہ شخص جس آواز میں بول رہا ہے اس آواز کو نادر حیات صاحب اپنی تمام پولیس فورس کے ساتھ بھی نہیں دبا سکتے تھے اور یہاں ان کی شخصیت شہاب کے سامنے ہلکی پڑ جاتی تھی وہ انہیں خود سے زیادہ قد آور نظر آرہا تھا اور ہر قد آور سے ٹکرانا مناسب عمل نہیں ہوتا۔ انہوں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"خیر میں تمہاری اس سچائی کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں، لیکن شرط یہی ہے کہ کبھی

رنگے ہاتھوں میرے سامنے نہیں آنا۔"

"جی سر اگر ایسا ہو گیا تو میرا وعدہ ہے کہ تعلقات کی بنیاد پر آپ سے رعایت نہیں مانگوں گا۔"

"اچھا بھئی چھوڑو ہم دونوں جذبات میں ڈوب گئے ہیں۔ اصل میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں میں کہ میں نے ذرا ڈرامائی طریقہ کار اختیار کیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں یہ گنجائش چھوڑنا چاہتا ہوں۔"

"جی سر۔"

"وہ دونوں افراد جو اس محکمہ سے تعلق رکھتے ہیں جو محکمہ اس زمین کی خریداری کے لئے مخصوص ہے ان میں سے ایک خاتون ہیں جن کا نام فرخندہ رشید ہے اور دوسرے مسٹر شاہد ایاز ہیں دونوں ہی نوجوان ہیں اور کسی کو اس بات کا علم نہیں ہے...... میرا مطلب ہے راگ ع ساندایا اس کے اہل خاندان یہ نہیں جانتے کہ ان دونوں کی شکل و صورت کیا ہے، تم جس خاتون کے ساتھ وہاں جاؤ گے اسے فرخندہ رشید کی حیثیت سے متعارف کراؤ گے، میں نے ان دونوں کو اپنی تحویل میں لے لیا ہے لیکن ان کے بارے میں کسی کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ وہ کہیں ایسی جگہ چلے گئے ہیں بس ایک نظریہ ہے میرا جس کے تحت میں نے ایسا کیا ہے۔ میرا مطلب سمجھ رہے ہو نا وہ دونوں غیر سرکاری طور پر میرے قبضے میں آ چکے ہیں اور میں نے انہیں عزت و احترام کے ساتھ ایک ایسی جگہ منتقل کر دیا ہے جس کے بارے میں وہ نہیں جانتے کہ وہ کون سی جگہ ہے اور انہیں یہاں تک لانے والے کون ہیں۔" شہاب کے چہرے پر حیرت کے آثار نمودار ہو گئے اور اس کے ساتھ ہی وہ خوش نظر آنے لگا اور اس نے کہا۔

"سر میں آپ کے اس اقدام کا پس منظر سمجھ رہا ہوں اور میرے خیال میں یہ بہت ہی شاندار پس منظر ہے۔"

"ہاں اصل میں اس طرح تم ان لوگوں سے ہر طرح سے کھل کر بات بھی کر سکتے ہو اور اگر اس کی کوئی مختلف صورت حال نکلی تو تم وہ ہو ہی نہیں جو اصل لوگ ہیں۔ سمجھ رہے ہو نا تم میری بات؟"

"ونڈر فل سر، ونڈر فل میں اس سلسلے میں آپ سے پورا پورا اتفاق کرتا ہوں۔" شہاب نے پر مسرت لہجے میں نادر حیات سے کہا۔

"تو بس پھر تم کل روانہ ہو جاؤ تمام انتظامات کر دیئے گئے ہیں اور بے فکر رہو سب کچھ قابو میں رہے گا تمہیں وہاں کوئی دقت نہیں ہوگی اور اگر کوئی اتفاقی واقعہ پیش آ بھی جائے تو تم بڑی آسانی سے اپنا دفاع کر کے وہاں سے فرار ہو سکتے ہو۔"

"سر آپ نے اس کام کو میری پسند کے مطابق بنا دیا ہے۔" شہاب نے کہا۔

"اسی لئے تو خود کو ابنارمل کہہ رہا ہوں۔" ڈی آئی جی صاحب نے مسکرا کر کہا اور اس کے بعد وہ شہاب کو اس سلسلے میں مکمل تفصیلات سمجھانے لگے۔ انہوں نے کچھ کاغذات ایک بریف کیس کے ساتھ شہاب کے حوالے کر کے آخر کار اسے خدا حافظ کہا تھا اور شہاب دل میں خوشی کی لہر لئے وہاں سے واپس پلٹا تھا وہ اپنے آس پاس کے راستوں کو صاف کر دینا چاہتا تھا اور اپنی پوزیشن کو بہت دور تک محفوظ رکھنے کا خواہش مند تھا، پھر وہ عدنان واسطی سے ملا اور اس نے اپنے مقصد کا اظہار ان پر کر دیا وہ مسکرا کر بولا۔

"واسطی صاحب اصل میں دنیا کو سدھارنے کے لئے بے شمار لوگ منظر عام پر آتے ہیں لیکن اپنے آپ کو سدھار کر واپس چلے جاتے ہیں۔ میں نے دہرا رویہ اختیار کیا ہے یعنی یہ کہ اپنی بساط کے مطابق کچھ کر بھی لوں اور اپنے آپ کو بھی سدھار لوں، آپ کے سلسلے میں بعض اوقات سوچتا ہوں تو یہ خیال دل میں آتا ہے کہ کہیں کچھ آپ کی مرضی کے خلاف نہ ہو جائے۔ عدنان صاحب اس بات کا طلب گار ہوں آپ سے اپنے ان تعلقات کو مزید آگے بڑھنے والے تعلقات کی روشنی میں کہ اگر کبھی کوئی ایسی مشکل پیش آئے تو مجھے بتا ضرور دیجئے گا۔"

"عزیزی ان الفاظ کی ضرورت کیوں پیش آئی؟"

"مس بینا کو ساتھ لئے جا رہا ہوں۔ وقت کافی لگ جائے گا۔ خود پر اعتماد دلانے کا خواہش مند ہوں۔"

"مجھے تم پر بھی اعتماد ہے اور بینا پر بھی اور پھر شہاب ہم دونوں کو تم نے ایک نئی روشنی سے روشناس کرایا ہے، یقین کرو میں نے بہت سوچا ہے تمہارے بارے میں اور آخر کار تم سے متفق ہو گیا ہوں، اللہ کی مرضی اگر زندگی اسی انداز میں بہتری کی طرف بڑھتی ہے تو تمہارے قدم روک نہیں سکتا۔" عدنان صاحب نے کہا اور شہاب مسکرانے لگا، پھر اس نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کو مایوسی نہیں ہوگی، ہم لوگ کل روانہ ہو رہے ہیں۔" بینا بہت خوش تھی اپنی
اندرونی کیفیات کا اظہار وہ کسی پر نہیں کر سکتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ اپنے دل کی دھڑکنوں کو
بھی خاموش رہنے کا اشارہ کرتی تھی کہ کہیں یہ آواز کسی کے کانوں تک نہ پہنچ جائے۔ ان
دھڑکنوں میں اب شہاب کا نام سنائی دینے لگا تھا۔ شہاب کے ساتھ ایک خوب صورت گاڑی
میں بستی نور الٰہی کی طرف سفر کرتے ہوئے وہ نہ جانے کیسے کیسے خیالات کا شکار تھی۔ کتنا
اعتماد ہو گیا ہے اس شخص پر۔ کوئی احساس ہی باقی نہیں رہ گیا ہے اجنبیت کا۔ خاموشی بہت
طویل ہو گئی تو اس نے چونک کر شہاب کو دیکھا۔ اس کا دل چاہا کہ شہاب بھی ایسے ہی جذبے کا
اظہار کرے...... شہاب خاموشی سے سامنے نگاہ جمائے کار ڈرائیو کر رہا تھا۔

"کوئی خاص بات سوچ رہے ہیں سر؟"

"ہاں۔" شہاب نے سنجیدگی سے کہا۔

بینا اخلاقاً خاموش ہو گئی۔ شہاب جو کچھ سوچ رہا ہے وہ بینا کو بتانا ضروری تو نہیں ہے چند
لمحات انتظار کرنے کے بعد شہاب نے خود ہی کہا۔

"آپ نے پوچھا نہیں مس بینا کہ میں کیا سوچ رہا ہوں؟"

"بتا دیجئے سر۔"

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ وہ کون سا طریقہ اختیار کیا جائے جس کے بعد تم مجھے سر کے
بجائے مستقل طور پر شہاب کہنا شروع کر دو۔" بینا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ یہ
جملے بھی ذو معنی تھے۔ یعنی بے تکلفی سے مخاطب کرنے کے تو بہت سے طریقے ہو سکتے
تھے۔ نہ جانے شہاب کا مفہوم کیا ہے۔ وہ آہستہ سے بولی۔

"بس عادت مشکل ہی سے تبدیل ہوگی شہاب صاحب۔"

"کتنا اچھا لگتا ہے جب آپ شہاب صاحب یا مسٹر شہاب کہتی ہیں۔ حالانکہ یہ مسٹر
اور صاحب بھی مجھے بڑی مشکل سے ہضم ہوتا ہے لیکن خیر ہاضمہ تھوڑا بہت تو خراب ہو
ہی ہے۔"

"جی سر۔" بینا نے کہا اور پھر قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔ شہاب بھی مسکراتا رہا تھا پھر اس
نے سنجیدہ ہو کر کہا۔

"ہم بستی نور الٰہی جا رہے ہیں۔ بڑے لوگوں کی بستی ہے...... بس بینا کیا کہا جائے ان

ہاے بارے میں۔ اب تو زبان بھی تھک گئی ہے انہیں برا کہتے کہتے، زندگی کے مختصر
ے بارے میں نہیں سوچتے اور اپنے جیسے انسانوں کے لئے وبال جان بن جاتے ہیں۔"
کوئی جواب نہیں دیا تھا وہ محسوس کر رہی تھی کہ شہاب کوئی ذو معنی بات کہنے کے بعد
موضوع بدل دیتا ہے تا کہ پچھلی کہی ہوئی بات کا تاثر ختم ہو جائے اب وہ اسے کیسے
کہ یہ تاثر اس کے لئے بڑا دلکش ہے۔ بستی نور الٰہی پہنچ گئے اور سرکاری گیسٹ ہاؤس کی
چل پڑے جس کے بارے میں انہیں بتا بھی دیا گیا تھا اور سرکاری گیسٹ ہاؤس کو فون
کر دیا گیا تھا۔ گیسٹ ہاؤس میں دو افراد نے ان سے ملاقات کی۔ ایک گیسٹ ہاؤس کا
یدار تھا اور دوسرا خصوصی طور پر وہاں بھیجا گیا تھا تا کہ وہ ان افسران کو اٹینڈ کرے جو وہاں
اہم مسئلے میں پہنچ رہے ہیں۔ ناصر نامی اس شخص نے جو ایک دبلا پتلا نارمل آدمی تھا ان
وں کا ادب سے خیر مقدم کیا اور انہیں گیسٹ ہاؤس کے اندر لے گیا ناصر نے کہا۔

"سر، یہ چار بیڈ روم ہیں یہاں۔ ہدایت کے مطابق دو بیڈ روم تیار کرا دیئے گئے ہیں۔
ے بڑی محفوظ جگہ ہے۔ اطراف میں کھیت بکھرے ہوئے ہیں لیکن جانور وغیرہ یہاں تک
ہیں آتے، کچن تیار کر دیا گیا ہے۔ باورچی کا انتظام نہیں ہو سکا ہے لیکن نور الٰہی میں ایک
ت اچھا ہوٹل ہے آپ کے لئے کھانا وغیرہ وہیں سے آ جایا کرے گا۔ ایک بزرگ خاتون
ے کہا ہے وہ شاید رات تک پہنچ جائیں۔ چوکیدار کی رشتے دار ہیں، باقی صفائی ستھرائی کا
ظام آرام سے ہو جائے گا اور اس میں آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی، سر۔"

"ٹیلی فون کس حالت میں ہے؟"

"ورکنگ آرڈر میں ہے سر، بالکل ورکنگ آرڈر میں ہے مگر ایک ہی لائن ہے۔"

"ٹھیک ہے شکریہ مسٹر ناصر آپ؟"

"سر، میں یہاں آپ کی ہر ضرورت پوری کرنے کے لئے حاضر ہوں...... سرونٹ
ارٹر میں آپ کو ہر وقت مل جاؤں گا...... بس آواز دینے کی زحمت ہوگی۔"

"شکریہ۔" شہاب نے جواب دیا۔

"اور کوئی خدمت سر، ویسے میں آپ کے لئے بہت عمدہ چائے یا کافی بھی بنا سکتا ہوں۔"

"دل تو چاہ رہا ہے مسٹر ناصر مگر آپ سے کہتے ہوئے؟"

"نہیں سر، چائے پئیں گے یا کافی۔"

"چائے ہی پلوادو۔"

"بہت بہتر جناب۔" وہ چلا گیا، دونوں کمرے دیکھے گئے۔ مناسب تھے اور وقت جاسکتا تھا۔ شہاب نے کہا۔

"لیکن ہم یہاں بے مقصد وقت نہیں گزاریں گے۔ کیا تم بہت تھکن محسوس ہو بینا؟"

"بالکل نہیں جناب، بھلا تھکن کا کیا سوال ہے؟"

"ہاں ہاں بالکل، بھلا تھکن کا بھی کوئی سوال ہے۔"

شہاب نے کہا اور بینا ہنسنے لگی...... چائے پی گئی اور اس کے بعد شہاب نے ٹیلی فون سامنے رکھ لیا...... اسے راگ علی ساندا کی حویلی کے نمبر بتادیئے گئے تھے۔ ٹیلی فون نے یہ نمبر ڈائل کیا۔ بینا بھی نزدیک بیٹھی ہوئی تھی۔ دوسری طرف سے رابطہ قائم ہو گیا ایک بھاری آواز سنائی دی۔

"ہاں جی، کس سے بات کرنی ہے؟"

"راگ علی ساندا، پیار علی ساندا یا نور علی ساندا تینوں میں سے کسی سے بھی بات کرا دی جائے۔"

"آپ کون صاحب ہیں؟"

"میرا نام شاہد ایاز ہے، دارالحکومت سے آیا ہوں۔"

"براہ کرم ہولڈ کیجئے۔" دوسری طرف سے جواب ملا اور پھر چند ہی لمحوں کے بعد ایک دوسری آواز سنائی دی۔

"ہیلو، شاہد ایاز صاحب، میں پیار علی ساندا بول رہا ہوں۔"

"ہیلو، ساندا صاحب کیسے مزاج ہیں آپ کے؟"

"بالکل ٹھیک ہوں لیکن آپ کہاں سے بول رہے ہیں؟"

"سرکاری گیسٹ ہاؤس سے، شاید آپ اس کے بارے میں جانتے ہوں۔"

"میں جانتا تو ہوں بے شک لیکن یہ کیا کیا ہے آپ نے...... بھلا اتنی بڑی حویلی کے ہوتے ہوئے آپ لوگ سرکاری گیسٹ ہاؤس میں ٹھہریں گے، یہ کیسے ممکن ہے؟"

"بے حد شکریہ پیار علی صاحب لیکن ہم لوگ یہاں بالکل اطمینان سے ہیں

پہلے پہنچے ہیں، سرکاری طور پر ہمارے یہاں قیام کے لئے بالکل مناسب بندوبست

آپ یہ بتایئے کہ آپ سے کب ملاقات ہو سکتی ہے؟"

"میں ابھی کسی نہ کسی کو آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔ آپ فوراً وہاں سے یہاں چلے تو ہماری بے عزتی ہے کہ ہمارے ہوتے ہوئے سرکاری مہمان گیسٹ ہاؤس میں"

"مگر نہیں جناب یہ ممکن نہیں ہے اچھا میں خود آرہا ہوں آپ کو اپنے ساتھ لے کر

"آپ ضرور تشریف لایئے...... ہم آپ کے استقبال کے لئے تیار ہیں۔"

"میں آرہا ہوں۔" پیار علی کی آواز سنائی دی اور اس کے بعد سلسلہ منقطع ہو گیا۔ کی پیشانی پر غور و فکر کی لکیریں تھیں، اس نے آہستہ سے کہا۔

"ہمیں ابھی پیار علی ساندا کی حویلی میں قیام کے لئے نہیں جانا چاہئے، کیونکہ اس طرح فوراً ہی سے ہمارا رابطہ منقطع ہو جائے گا، جبکہ ہم گھوم پھر کر بستی کا جائزہ لے سکتے ہیں ان کی نگاہوں میں رہیں گے اور اپنے طور پر کچھ کرنا مشکل ہی ثابت ہو گا کیونکہ کوئی نہ ہمارے ساتھ لگا رہے گا۔"

"میں آپ سے اتفاق کرتی ہوں شہاب صاحب۔ ہمارا یہاں رہنا بہت مناسب ہے اور جگہ بہت ہی خوب صورت ہے۔" بینا نے بے اختیار کہا۔ شہاب نے اس کی بات کا کوئی نہیں لیا تھا۔ وہ لوگ انتظار کرتے رہے پھر ایک بہت ہی قیمتی پجارو وہاں آکر رک گئی سے سفید شلوار قمیض میں شانوں پر مخصوص انداز کی چادر لئے ایک شخص نیچے اترا کے پیچھے پیچھے دو گن مین بھی نیچے اترے تھے، اچھی شخصیت کا مالک تھا اور بڑے پر وقار سے چلتا ہوا گیسٹ ہاؤس میں داخل ہوا تھا۔ پیار علی کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا...... بینا شہاب نے باہر نکل کر اس کا استقبال کیا۔ پیار علی نے بڑی گرم جوشی سے شہاب سے ملایا اور پھر بینا کی طرف بھی رُخ کر کے گردن خم کی، شہاب اسے احترام کے ساتھ لے گیا تھا۔

"میرا نام پیار علی ہے اور یقینی طور پر میں مس فرخندہ رشید اور مسٹر شاہد ایاز سے رہا ہوں۔"

"بالکل بالکل، کہئے آپ کے کیسے مزاج ہیں پیار علی صاحب، ویسے آپ کو اندازہ ہے

کہ سرکاری کام تو سرکاری ہی ہوتے ہیں۔ ہم آپ کے شایان شان یہاں استقبال نہیں کر سکیں گے۔"

"نہیں شاہد صاحب، آپ ہمارے مہمان ہیں۔ بھلا مہمان بھی کہیں میزبانوں کا استقبال کرتے ہیں۔ کہئے آپ لوگ کیسے ہیں...... ویسے مجھے اطلاع تو مل گئی تھی کہ آپ لوگ آرہے ہیں لیکن وقت نہیں بتایا گیا تھا...... بس آپ نے ٹھیک ہی کہا سرکاری کام سرکاری ہی ہوتے ہیں اور دیر نہ کیجئے گا۔ باقی باتیں حویلی میں چل کر ہی ہوں گی۔"

"آپ سے معذرت چاہتے ہیں پیار علی صاحب لیکن کچھ باتوں پر غور کر لیجئے گا۔ آپ یقیناً ہمیں قابل معافی سمجھیں گے۔ سرکاری کام سے آئے ہیں اور زمینوں کی قیمت کا تعین کرنا ہے ہمیں، اگر ہم نے آپ کی ضیافتوں کو قبول کر لیا اور حویلی میں رہے تو پھر یہی ہو جائے گا کہ کہیں نہ کہیں کوئی گھپلا ہو سکتا ہے آپ سمجھتے ہیں نا، ہزار دوست ہزار دشمن، بلاوجہ الزامات کی بھرمار ہو جائے گی۔ اس لئے یہی جگہ قیام کے لئے مناسب ہے۔ ہاں حویلی میں ہزار بار حاضری دیں گے۔ آپ کی محبت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔"

"او ہو بھئی، یہ تو ہمارے لئے بڑی بے عزتی کی بات ہے کہ بستی نور الٰہی میں ہمارے مہمان آئیں اور سرکاری گیسٹ ہاؤس میں ٹھہریں۔"

"اصل بات میں نے آپ کو بتادی ہے، اگر آپ یہ بہتر سمجھتے ہیں کہ اس سلسلے میں کچھ الزامات ہم پر عائد ہو جائیں تو پھر ہم آپ کا حکم نہیں ٹال سکتے۔" پیار علی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ پھر اس نے ہونٹ سکوڑ کر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ آپ کو مشکل ہو۔ ویسے مس فرخندہ آپ بڑی اچھی شخصیت کی مالک ہیں۔ سرکاری عہدے دار ایسے بھی ہوتے ہیں۔ آپ کی تو عمر بھی زیادہ نہیں ہے۔"

"ملازمت تو ملازمت ہوتی ہے سانداصاحب اور ہر عمر میں ملازمت کی جاسکتی ہے۔" بینا نے جواب دیا لیکن اس کے چہرے پر ایک ہلکی سی ناگوار کیفیت نظر آرہی تھی۔ پیار علی کافی دیر تک ان کے ساتھ رہا اس نے رات کے کھانے کی دعوت دی تھی لیکن شہاب نے اسے مسترد کر دیا تھا اور دوسرے دن دوپہر کی دعوت قبول کر لی جس کے بارے میں یہ طے کیا گیا تھا کہ کھانے کے بعد زمینوں کا جائزہ لیا جائے گا اور پھر اس بارے میں مزید گفتگو کی جائے گی۔

پیار علی چلا گیا...... دونوں نے اسے باہر تک چھوڑا تھا...... اس کے جانے کے بعد شہاب نے بینا سے اس کی شخصیت کے بارے میں پوچھا۔

"روایتی زمیندار ہے اوباش اور بدکردار۔" بینا نے بے دھڑک جواب دیا اور شہاب مسکرانے لگا۔ "غلط خیال ہے یہ؟" بینا بولی۔

"بالکل نہیں تم نے ٹھیک اندازہ لگایا ہے۔ بینا میرے ذہن میں بس وہ پراسرار خط الجھا ہوا ہے۔ وہ کون ہے کیا ہے اندازہ لگانا مشکل ہے۔ ویسے بھی وہ میرے لئے باعث دلچسپی نہیں ہے اگر کوئی ڈراما سامنے آتا ہے تو اس کی اطلاع ہمیں مل جائے گی۔ کام اگر جلدی ہو جاتا ہے تو پھر یہاں سے واپس چلیں گے۔"

"گویا ان لوگوں سے آپ کو دلچسپی نہیں ہے؟"

"ہے۔ بس اتنی کہ ان کے خلاف ٹھوس ثبوت مل جائیں۔"

"آپ نے انہیں مجرم تسلیم کر لیا ہے۔" بینا کے اس سوال پر شہاب سوچ میں ڈوب گیا۔ اس نے کہا...... "جو لوگ ان کے ظلم کا شکار ہوئے ہیں بینا، وہ اس سطح کے لوگ ہیں کہ اتنے بڑے لوگوں کے خلاف کوئی سازش نہیں کر سکتے بلکہ وہ سازش کرنے والے لوگ ہی نہیں ہیں اور پھر پچھلے واقعات گواہ ہیں کہ یہ لوگ جو سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوتے ہیں آخر کار اس قدر بگڑ جاتے ہیں کہ یہ خود کو انسانوں سے برتر کوئی شے تصور کرنے لگتے ہیں اور عام انسان ان کی نگاہوں میں ہیچ ہو جاتے ہیں پھر یہ اس قسم کی حرکتوں پر اتر آتے ہیں۔ ہم لوگ اس قسم کے بہت سے واقعات سے نمٹ چکے ہیں اور یہ بات تمہارے علم میں بھی ہے۔ ویسے بینا یقین کرو ایک طبقہ جو وڈیروں، زمین داروں اور جاگیرداروں کا ہے انسانیت کے لئے وبال جان بن گیا ہے۔ ایسے ایسے واقعات سامنے آتے ہیں کہ میں حیران رہ جاتا ہوں اور یہ سوچنے لگتا ہوں کہ آخر ان کے دلوں پر یہ سیاہی کیسے آجاتی ہے۔ انسان تو سب ایک جیسے ہیں۔ بہرحال یہ ایک لمبی بحث ہے اور ہم درجنوں بار اس پر تبصرہ آرائی کر چکے ہیں، یہ سب کچھ کہنا بے کار ہے پیار علی سانداکو تم نے دیکھ ہی لیا...... شکل ہی سے سرکش اور بدفطرت انسان نظر آتا ہے، تمہاری طرف اس انداز سے دیکھ رہا تھا کہ بس برداشت کرنا مشکل ہو رہا تھا۔"

شہاب کے ان الفاظ پر بینا چونک پڑی اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آپ کی نگاہیں بہت تیز ہیں شہاب صاحب؟"

"ہونا نہیں چاہئیں...... بھئی دیکھیں نا اپنی زندگی کی حفاظت تو ہر انسان پر فرض ہے نا...... میرا مطلب ہے مس بینا آپ کو کوئی تند نگاہوں سے دیکھے تو میں کیسے برداشت کر سکتا ہوں...... میں غلط کہہ رہا ہوں؟" شہاب نے سوال کیا۔

"نن...... نہیں شہاب صاحب۔"

"تھینک یو، تھینک یو ویری مچ۔" شہاب نے شرارت سے کہا اور بینا کے ہونٹوں پر ایک دل آویز مسکراہٹ پھیل گئی، پہلے تو وہ یہی اندازہ لگاتی رہی تھی کہ شہاب یہ جملے روا روی میں کہہ جاتا ہے یا جان بوجھ کر مگر کوئی ایک بار کی بات ہو تو روا روی میں تصور کر لی جائے۔ بار بار موقع موقع سے ایسے ذو معنی جملے کہہ جاتا تھا جن کا مفہوم بڑا گہرا ہوتا تھا...... ایک خوش گوار ماحول میں وقت گزارہ گیارات ہو گئی، ناصر نے ان کے لئے بہت عمدہ کھانا مہیا کیا، اس سلسلے میں راگ علی ساندا کی طرف سے کوئی مہربانی نہیں ہوئی تھی، پھر دوسری صبح ناشتے کے بعد بینا اور شہاب باہر نکل آئے اور اس کے بعد انہوں نے بستی نور الہٰی کی سیر کی۔

ایک درمیانہ درجے کی بستی تھی اور زمینداروں کے علاقے کے علاوہ وہاں کوئی ایسی بات نظر نہیں آئی تھی جس سے یہ احساس ہوتا کہ زمینداروں نے اس بستی کے دوسرے علاقوں پر بھی توجہ دی ہے پھر دوپہر سے کچھ پہلے یہ لوگ واپس آ گئے۔ راگ علی ساندا کے گھر جانے کی تیاریاں ہونے لگیں اور جب راگ علی ساندا کے آدمی ایک خوب صورت گاڑی میں وہاں پہنچے تو یہ دونوں ہی تیار تھے، انہیں بڑے احترام کے ساتھ گاڑی میں بٹھا کر حویلی کی جانب سفر کیا جانے لگا۔

❁

آصف علی ساندا، رانا محفوظ سے وعدہ تو کر آیا تھا لیکن اس کے بعد اس کا دل کانپتا رہا تھا...... یہ سوچ سوچ کر کہ وہ اپنے اس وعدے کی پابندی بھی کر سکے گا یا نہیں بات اس کی ذات کی نہیں تھی...... دوسرے لوگ بھی اس میں ملوث تھے، مثلاً یہ کہ بظاہر یہ ایک مذموم بات تھی کہ ایک بھائی اپنی بہن کو لے کر ایک ایسے شخص کے پاس جائے جس سے اس کے رشتے کی بات ہوئی ہو اور یہ رشتہ کسی وجہ سے ختم ہو گیا ہو۔ ایک غیرت مند بھائی کے لئے یہ قدم غیر مناسب تصور کیا جاتا اور خود ہاشم علی ساندا بھی اس کی مخالفت کر سکتا تھا پھر دوسری بات یہ کہ وہ طریقہ کار ہو جس کے تحت زرینہ کو لے کر وہاں تک پہنچا جا سکے اور تیسری سب سے اہم بات یہ تھی کہ اگر ساندوں کو یہ بات معلوم ہو گئی تو اس سلسلے میں خاصے مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن ان تینوں مشکلات کے باوجود ایک اور جذبہ بھی اس کے سینے میں موجود تھا وہ یہ کہ جیسا بھی کچھ ہے باپ نے بھائی کی جو غلامی قبول کر لی ہے اس سے نجات حاصل کرنے کا ایک موقع ہاتھ آ سکتا ہے اور رانا محفوظ جیسے مضبوط شخص کی دوستی بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ وہ شدید کشمکش کا شکار ہو گیا تھا لیکن اس کے بعد اس نے اپنے آپ کو ہمت دلائی اور پھر اس صبح کانپتے دل کے ساتھ اس نے باپ سے کہا۔

"میں زرینہ کو ساتھ لے کر گھومنے جانا چاہتا ہوں؟"

"کیا مطلب؟" ہاشم علی نے حیرانی سے کہا۔

"آپ لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا...... میں محسوس کر رہا ہوں کہ وہ سخت مضمحل رہتی ہے، پریشان اور اُداس اُداس سی رہتی ہے، بے شک میں اس کا بھائی ہوں اور اگر آپ لوگ مجھ سے میری محبت کا حق بھی چھیننا چاہتے ہیں تو میں اسے آپ کی زیادتی تصور کروں

گا۔اس پر توجہ ضروری ہے کیا آپ مجھے اس کی اجازت دیں گے؟"

ہاشم علی نے حیرانی سے کہا۔ "آصف اگر تم اسے کہیں لیجانا چاہتے ہو تو بھلا اس میں روک ٹوک کی کیا گنجائش ہے؟"

"میں نے سوچا تھا کہ ہو سکتا ہے آپ کی محکومیت اسے قبول نہ کرے۔"

ہاشم علی ساندا کو اصولی طور پر بیٹے کی بات پر غصہ آنا چاہئے تھا لیکن ان الفاظ سے اب وہ خود بھی متفق ہو چکے تھے...... انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"مجھ پر طنز نہ کیا کرو بیٹے، میں اپنے جذبات تمہیں کیا بتا سکتا ہوں...... بس تم سے درخواست ہی کر سکتا ہوں کہ مجھ پر طنز نہ کیا کرو...... میں بھی ایک مجبور انسان تھا اپنے منہ سے کچھ نہیں کہہ سکتا...... آصف کیونکہ تمہارا خون گرم ہے، نوجوان ہو جذبات میں ڈوب جاؤ گے اور میں نہ جانے کیا کیا کچھ کھو بیٹھوں گا۔"

"میں سمجھا نہیں؟" آصف نے کہا۔

"اس سے آگے میں تمہیں کچھ سمجھانا بھی نہیں چاہتا زرینہ کو تم اپنے ساتھ لے جا رہے ہو لے جاؤ...... میں انکار نہیں کروں گا۔"

زرینہ سے آصف علی نے یہ بات کہی تو وہ بھائی کو دیکھتی ہوئی بولی۔

"یہ آج آپ کو ایک نئی بات کیسے سوجھ گئی؟"

"دیکھنا چاہتا ہوں زرینہ کہ ایک بھائی کی حیثیت سے میرا تم پر کچھ حق ہے یا نہیں؟"

زرینہ کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

"مجھ پر تو سب ہی کا حق ہے میرا کسی پر کوئی حق ہے یہ مجھے بالکل نہیں معلوم۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو زرینہ، تم ایسا کیوں سوچ رہی ہو؟"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بس یونہی خیال آ گیا تھا، کہاں جائیں گے؟"

"بس ایسے ہی ایک لمبی ڈرائیو پر، میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں تمہارے ساتھ لمبی ڈرائیو کروں۔"

زرینہ نے محبت بھری نگاہوں سے بھائی کو دیکھا اور بولی۔

"آپ کا دل چاہ رہا ہے تو ٹھیک ہے، میں انکار نہیں کرتی، چلئے امی ابو سے اجازت لے لی آپ نے؟"

"ہاں ابو سے پوچھ لیا۔"

"اور ان سے جو ہماری تقدیر کے مالک ہیں؟"

"نہیں زرینہ کم از کم میری تقدیر کے مالک نہیں ہیں وہ اور جب میری تقدیر کے مالک نہیں ہیں تو تمہاری تقدیر کے مالک بھی نہیں ہیں وہ۔ ابو کی بات میں اس لئے نہیں کہہ سکتا کہ ابو ان کے بھائی ہیں اور امی ابو کی بیوی۔ چلو تیار ہو جاؤ، خاموشی سے چلنا ہے، نہ کسی سے اجازت کی ضرورت ہے نہ کسی قسم کی جھجک کی۔"

زرینہ نے گردن جھکا دی۔ تیار ہونے کے بعد اس نے تصویروں کا لفافہ اپنے لباس میں رکھ لیا...... یہ ایک ایسی قیمتی چیز تھی جسے وہ خود سے جدا نہیں کر سکتی تھی اور پھر وہ خاموشی سے باہر نکل آئی اور آصف علی اسے لے کر چل پڑا...... اتفاق سے راگ علی کے خاندان کے کسی فرد نے ان لوگوں کو باہر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا تھا...... وہ اپنے مہمانوں کی تیاریوں میں مصروف تھے جن کے بارے میں بس یہ پتا چلا تھا کہ دارالحکومت سے آئے ہیں اور سرکاری مہمان ہیں۔ آصف علی گاڑی دوڑاتا ہوا اس سڑک پر آ گیا جہاں سے وہ رانا محفوظ کے باغ کی طرف جا سکتا تھا۔ آج ہی کا وعدہ کیا تھا اس نے اور اس کے ذہن میں نہ جانے کیا کیا خیالات رقصاں تھے جبکہ زرینہ یہ سوچ رہی تھی کہ بھائی کے ساتھ اس کی زندگی کا آخری سفر ہے اور اسی بنیاد پر اس نے آصف علی کی خواہش کا احترام بھی کیا تھا، اس کے بعد کہاں زندگی ہوگی کہ بھائی کی کوئی بات مانے۔ ان دنوں اس کے ذہن پر مایوسی کا غلبہ رہتا تھا اور اپنے عزم کو وہ اپنے دل میں پختہ کرتی رہتی تھی جو اس نے کیا تھا۔

راستے میں اتفاقیہ طور پر دونوں ہی سوچوں میں گم رہے اور زرینہ آصف علی سے یہ بھی نہ پوچھ سکی کہ آخر وہ جا کہاں رہا ہے۔ ہاں جب ذیلی سڑک پر گاڑی اتری تو زرینہ نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا اور بولی۔

"کسی خاص جگہ جا رہے ہیں آپ؟"

"ہاں۔"

"کہاں؟"

"وہ دیکھو سامنے وہ باغ نظر آ رہا ہے۔"

"ہاں۔"

"بس ہم اس باغ میں جا رہے ہیں۔"

"کوئی خاص وجہ ہے اس کی؟"

"ہاں۔"

"کیا؟"

"وہاں ہمیں کسی سے ملاقات کرنی ہے اور جس سے ملاقات کرنی ہے وہ ہمارا منتظر ہوگا۔"

"مگر کون؟"

"یہ تمہیں وہاں جا کر معلوم ہو جائے گا۔" آصف علی نے کہا اور زرینہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی پھر تعجب سے بولی۔

"آپ آج نہ جانے کیوں مجھے ایک پراسرار شخصیت کے مالک نظر آ رہے ہیں۔"

"ہاں زرینہ آج میں وہ کر رہا ہوں جو اس سے پہلے میں نے کبھی نہیں کیا، جو معاشرتی طور پر ایک بری بات بھی تصور کی جا سکتی ہے لیکن ہو سکتا ہے اس کے نتائج اچھے نکل آئیں، بس زرینہ زندگی میں پہلی بار میں نے ایک ایسی جرات کی ہے جس کے بارے میں دوسرے سنیں گے تو حیران رہ جائیں گے...... ہو سکتا ہے تم بھی اس بات پر ناراض ہو لیکن مجھے کسی بات کی پروا نہیں ہے بس میرے دل نے ایک فیصلہ کیا اور میں یہ قدم اٹھانے پر مجبور ہو گیا۔"

"آپ نے مجھے شدید حیران کر دیا ہے...... آخر ایسی کیا بات کر دی ہے کون ہے وہ جس کے پاس آپ جا رہے ہیں؟" لیکن زرینہ کو اس کی اس بات کا کوئی جواب نہیں مل سکا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد یہ لوگ باغ کے اس گوشے میں پہنچ گئے تھے جہاں سے اندر جانے کے لئے راستہ بنا ہوا تھا اور اس جگہ ایک خوب صورت نوجوان ان کے استقبال کے لئے موجود تھا۔

زرینہ سخت حیران تھی...... نوجوان مسکراتی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا...... انتہائی خوب صورت، قد آور اور حسین نقوش کا نوجوان تھا جسے دیکھ کر دل میں خود بخود پسندیدگی کے جذبات اُبھر آئیں...... آخر وہ کون ہے اور آصف علی اس کے پاس کیوں آیا ہے۔ اس بارے میں زرینہ کو کچھ نہیں معلوم تھا...... بہرحال بھائی کے ساتھ تھی اسی لئے کسی قسم کی فکر تو تھی نہیں...... نوجوان نے گردن خم کی اور پھر ہاتھ سے اشارہ کر کے گاڑی کے لئے پارکنگ کی جگہ بتائی اور خود انہیں آگے جانے کا راستہ دے دیا...... گاڑی مخصوص جگہ رُک گئی اور آصف علی نیچے اتر کر اس نوجوان سے بغلگیر ہوا...... زرینہ بھی نیچے اتر آئی تھی لیکن کسی

ذرا جھجکی جھجکی سی نوجوان نے اسے بھی سلام کیا اور اس نے جواب بھی دیا، پھر وہ ان دونوں کو لے کر عمارت کے اندر داخل ہو گیا، عمارت کے بڑے کمرے میں جو ڈرائنگ روم کی حیثیت رکھتا تھا نشستیں لگی ہوئی تھیں، نوجوان نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا، آصف علی کہنے لگا۔

"آپ کو زیادہ انتظار تو نہیں کرنا پڑا؟"

"نہیں، مجھے یقین تھا کہ آپ وقت پر پہنچ جائیں گے۔"

نوجوان نے جواب دیا۔

زرینہ اب بھی حیران حیران سی بیٹھی ہوئی تھی...... آخر کار آصف علی نے کہا۔

"میں آپ دونوں کا تعارف کرا دوں؟"

"میرا خیال ہے کچھ وقت رُک جایئے۔ پہلے تھوڑا سا کچھ کھانے پینے کا انتظام ہو جائے۔"

"زحمت کیجئے گا اگر اسے عجیب نہ محسوس کریں۔"

"نہیں...... عجیب کی کیا بات ہے...... کھانا پینا تو زندگی کی علامت ہے۔" آصف علی بے تکلفی سے بولا اور دونوں اُٹھ گئے...... زرینہ واقعی سخت حیران تھی...... آصف علی کا اگر کوئی دوست ہے تو پھر زرینہ کا اس دوستی سے کیا تعلق اور اس نے تعارف سے کیوں گریز کیا ہے۔ آخر کار کھانے کے کمرے میں پہنچ گئے اور یہاں رانا محفوظ نے جو انتظام کیا تھا اسے دیکھ کر آصف علی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"آپ نے تو واقعی جنگل میں منگل بنا ڈالا ہے...... آپ کو کتنی زحمت ہوئی ہو گی یہاں یہ تمام انتظامات کرتے ہوئے۔"

"جناب عالی مجھے تو صرف یہ افسوس ہے کہ میں آپ کے شایان شان کچھ نہ کر سکا اور آپ اسے زحمت کہہ رہے ہیں؟"

"کمال ہے بھئی پھر آپ نے ہماری شان کا غلط اندازہ لگایا ہے؟"

"نہیں کچھ لوگوں کا دل میں جو مقام ہوتا ہے اس سے تعین کیا جاتا ہے اور پھر آپ...... بہرحال تکلفانہ گفتگو کو پس پشت ڈال کر پہلے کھانے کے ساتھ انصاف کر لیا جائے۔"

زرینہ اب سنبھل گئی تھی اور پھر اب اس کی فطرت میں جو نمایاں تبدیلی رونما ہوئی تھی اس کے تحت وہ پہلے جیسی شرمیلی اور لجائی ہوئی لڑکی نہیں رہی تھی بلکہ وہ بے باک فطرت کا مظاہرہ بھی کر سکتی تھی اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اور میں محسوس کر رہی ہوں کہ نہایت عمدگی سے اردو کا استعمال کیا جا رہا ہے اور آصف بھائی نے ابھی تک آپ کو آپ کے نام سے نہیں پکارا، تاکہ مجھے علم نہ ہو جائے لیکن میں واقعی حیران ہوں، آخر ایسی کون سی شخصیت ہو سکتی ہے جس کے نام سے مجھے آشنا نہیں کیا جا رہا۔" رانا محفوظ نے بھی ہنستے ہوئے کہا۔

"آپ کے ساتھ واقعی زیادتی ہے مس زرینہ، کیونکہ مجھے آپ کا نام معلوم ہے۔"

"میں واقعی اسے اپنے ساتھ زیادتی تصور کر رہی ہوں۔"

"لیکن براہ کرم تھوڑے سے وقت کے لئے یہ زیادتی برداشت کر لیجئے گا، کیونکہ اس کے بعد ممکن ہے آپ میری ضیافت سے ہی انکار کر دیں۔" رانا محفوظ کے لہجے میں ایک شکایت کا سا عنصر پیدا ہو گیا تھا جسے زرینہ نے بھی محسوس کیا اور آصف علی نے بھی۔

بہرحال اس کے بعد کھانے کا آغاز ہو گیا۔ ملازمین خاموشی سے ہر کھانا ان کے سامنے سرو کر رہے تھے اور کم از کم زرینہ نے یہ ضرور محسوس کیا تھا کہ یہ شخص جو کچھ بھی ہے لیکن بڑی حیثیت کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ کھانے کا انداز، یہ خوب صورت جگہ، یہ خوب صورت میز اور اس پر سجے ہوئے قیمتی برتن اس بات کا اظہار کرتے تھے کہ جو شخصیت شہر سے دور اتنے فاصلے پر اس باغ کے اندر اتنے اعلیٰ انتظامات کر سکتا ہے وہ کوئی معمولی شخصیت نہیں ہو سکتی۔

بہرحال کھانے کے بعد کھانے کی تعریف بھی کی گئی تھی اور اس کے بعد زرینہ نے کہا۔

"کیا اب یہ طلسم توڑا جائے گا؟"

"زرینہ تم محسوس تو کرو گی کہ یہ کیسا بھائی ہے جس نے اتنا انوکھا اور اتنا عجیب طریقہ کار اختیار کیا ہے لیکن یہ صاحب میرے اتنے بڑے محسن ہیں اور اتنے گہرے دوست ہیں کہ میں یہ گھٹیا پن بھی کرنے پر مجبور ہوں۔ آیئے واپس اسی کمرے میں چلتے ہیں یا پھر کسی دوسری جگہ۔"

رانا محفوظ نے گردن خم کر دی۔ زرینہ کا ایک ایک قدم جھجک جھجک کر اٹھ رہا تھا۔ آصف کے ان الفاظ نے اسے شدید اُلجھن میں ڈال دیا تھا واقعی بھائی کا یہ کردار اس کے لئے بڑا انوکھا تھا اور اس وقت تو وہ شدید ترین حیران ہو گئی جب آصف نے کہا۔

"میں آپ لوگوں کو تھوڑا سا وقت دیتا ہوں، آپ لوگ گفتگو کر لیجئے۔ میں باغ کی سیر کروں گا اور زرینہ میرے اس اقدام کو کسی بھائی کی بے غیرتی نہ سمجھنا بلکہ یہ نہایت ضروری

اور میں ایک بہتر نتیجے کے لئے یہاں تک پہنچا ہوں، ٹھیک ہے آپ لوگ تھوڑا سا وقت گزاریئے اور زرینہ میں پورے اعتماد کے ساتھ تمہیں یہاں چھوڑ رہا ہوں۔ بعد میں تم مجھے بتاؤ گی کہ میرا یہ قدم غلط تھا یا درست۔"

زرینہ کو چکر آ رہے تھے...... آصف علی باہر نکل گیا، نوجوان کے چہرے سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ واقعی اس قدر قابل اعتماد ہے کہ اس پر کوئی شک نہ کیا جائے۔ آصف کے باہر جانے کے بعد وہ شدید حیرانی سے بولی۔

"واقعی یہ میری زندگی کا سب سے انوکھا وقت ہے اور میں آصف بھائی کے اس اقدام کے بارے میں کچھ بھی نہیں سمجھ پائی۔"

"آپ تشریف رکھئے، سمجھ جائیں گی۔ پہلے میں آپ کو یہ بتا دوں کہ میری اور آصف صاحب کی ملاقات کیسے ہوئی اور...... مگر نہیں یہ ممکن ہے کہ انہوں نے آپ کو اس بارے میں بتا دیا ہو؟"

"مجھے تو یہ تک نہیں بتایا گیا کہ وہ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں، بس ہم لانگ ڈرائیو کے لئے نکلے تھے اور آصف بھائی سیدھے یہاں آ گئے...... یہ کہہ کر ہی لائے تھے مجھے کہ آج بس ذرا آوارہ گردی ہی کریں گے لیکن اب مجھے معلوم ہوا کہ یہ کوئی منصوبہ بھی تھا۔"

"جی ہاں یہ ایک منصوبہ تھا۔ اتفاق سے آصف علی صاحب راگ علی ساندا کی کوئی رقم لے کر ادھر سے سفر کر رہے تھے کہ ڈاکوؤں نے انہیں گھیر لیا۔ ان کی گاڑی کا ٹائر گولی مار کر پنکچر کر دیا گیا اور پھر وہ بندوقیں تان کر ان پر کھڑے ہو گئے...... خوش قسمتی سے یہی وہ جگہ تھی جہاں یہ واقعہ پیش آیا...... میرا مطلب ہے وہ چوڑی سڑک جس سے گزر کر آپ یہاں تک تشریف لائی ہوں گی۔ بعد میں مجھے علم ہوا کہ میں نے آصف علی صاحب کی مدد کر کے جو سعادت حاصل کی ہے اس وقت میں کسی لالچ کا شکار نہیں تھا بلکہ انسانی ہمدردی کے تحت میں نے ان کی مدد کی تھی۔ بعد میں پتا چلا کہ وہ آصف علی ساندا ہیں، یہ میری اور ان کی پہلی ملاقات تھی، بعد میں جب ہمارے درمیان گفتگو اور تعارف ہوا تو مجھے پتا چلا کہ میری تقدیر کا ایک تاریک باب پھر سے روشن ہو سکتا ہے اور اسی روشنی کے حصول کے لئے میری درخواست پر آصف علی ساندا صاحب آپ کو یہاں تک لے آئے ہیں۔"

"لیکن جناب یہ کتنی زیادتی ہے کہ میں ابھی تک آپ کے نام سے بھی واقف نہیں

ہوں؟"

"میرا نام رانا محفوظ ہے......" نوجوان نے جواب دیا۔

"رانا...... محفوظ......" زرینہ کے منہ سے نکلا پھر اچانک اس کا چہرہ سرخ ہو گیا...... رانا محفوظ کا نام اس کے لئے اجنبی نہیں تھا...... لیکن...... یہ...... رانا محفوظ...... یہاں اور آصف علی...... اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔

"جی...... شاید یہ نام آپ کی یادداشت میں محفوظ ہو۔"

"رانا صاحب...... خدا کے لئے...... مجھے سب کچھ بتا دیجئے...... میں میں اُلجھنیں برداشت کرنے کے قابل نہیں رہی ہوں۔ میں بہت کمزور ہوں...... آپ نے اپنا نام رانا محفوظ ہی بتایا ہے؟"

"جی...... بالکل۔"

"اور آپ...... رانا حبیب کے صاحبزادے ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"اور آپ نے...... آپ نے ہی میرے گھر، میرے لئے رشتہ دیا تھا؟"

"جی میں وہی بدنصیب ہوں جسے ٹھکرا دیا گیا ہے۔"

"مگر رانا صاحب...... آپ پہلے تو آصف بھائی کے دوست نہیں تھے؟"

"اس عجیب ملاقات کی تفصیل آپ کو بتا چکا ہوں...... البتہ ان محسنوں کے ساتھ میں نے اچھا سلوک نہیں کیا جو ہماری ملاقات کا سبب بنے تھے۔"

"وہ...... وہ کون تھے؟"

"وہی ڈاکو...... جو آصف علی کو لوٹنا چاہتے تھے۔"

"خدا کی قسم...... گمان بھی نہیں تھا مگر آصف بھائی...... میرے خدا کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا...... ہم نے تو کبھی آپ کو دیکھا بھی نہیں تھا۔"

"میں نے آپ کو دیکھا تھا۔"

"مجھے!" زرینہ تعجب سے بولی۔

"جی۔"

"لیکن کب؟ کہاں؟"

"یہ ایک مختصر سا واقعہ ہے لیکن یہ واقعہ میری زندگی میں ایک انقلاب کا حامل ہے۔"

"مجھے بتائیے، پلیز؟" زرینہ نے کہا۔

"میں آپ کو آپ ہی کی زندگی کا ایک چھوٹا سا واقعہ سنا رہا ہوں مس زرینہ، چاندی پوری کا علاقہ تھا اور غالباً اگست کا مہینہ آسمان بادلوں سے گھرا ہوا تھا اور بارش تھوڑے تھوڑے وقفہ سے اس طرح اچانک پھسل پڑتی تھی کہ گمان بھی نہ ہو۔ ایک پورا گروہ خوب صورت گاڑیوں میں چاندی پوری کی مشرقی وادی میں پکنک منانے آیا تھا جہاں ایک آبشار چاندی پوری کی چاندی میں اضافہ کرتا ہے اس گروہ میں سے ایک لڑکی دوسروں سے الگ ہو کر آبشار کے کنارے آ گئی تھی اور پھر اس نے آبشار کے پانی سے بہنے والی پرشور ندی کے بالکل سرے پر کھڑے ہو کر ایک پتھر پر چڑھنے کی کوشش کی تھی جو کائی کی وجہ سے پھسلواں ہو رہا تھا اور جیسے ہی وہ اوپر پہنچی اس کے دونوں پاؤں پھسل گئے اور وہ ندی میں آ گری اس کی دہشت زدہ چیخیں گونجنے لگیں اور اس کا ہلکا سا نرم و نازک وجود پانی کی لہروں پر ڈولتا ہوا آگے بہتا تب کسی دیوانے نے اس کی آواز سن لی اس نے پانی میں کود کر اسے پکڑا اور کنارے تک پہنچا دیا، وہ لڑکی اس وقت اس بری طرح چکرائی ہوئی تھی کہ اپنی مدد کرنے والے کی صورت بھی نہ دیکھ سکی اور متوحش انداز میں اِدھر اُدھر آنکھیں پھاڑنے لگی، اس کے گروہ کے افراد بھی اس کی آواز سن کر اس کی جانب دوڑ پڑے تھے، نوجوان خاموشی سے وہاں سے واپس چلا گیا اور دریا عبور کر کے دوسرے کنارے پہنچا اور پھر وہاں سے ہٹ ہی گیا...... سب لڑکی کے پاس پہنچ گئے اور اس سے اس کی خیریت معلوم کرنے لگے، پھر وہ اسے ساتھ لے کر چلے گئے لیکن نوجوان نے اپنا سب کچھ وہیں کھو دیا وہ اس لڑکی سے دل ہار بیٹھا تھا اور اس کے بارے میں نہ جانے کیا کیا سوچنے لگا تھا، پھر اس نے اپنی زندگی کے اہم مشن پر کام شروع کر دیا، اس گروہ کے بارے میں اسے معلومات حاصل کرنے میں بڑی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن آخر اس نے پتا لگا ہی لیا کہ یہ لڑکی ساندا خاندان کی زرینہ ہے...... ہاشم علی ساندا صاحب کی بیٹی اور آصف علی ساندا کی بہن ایک اچھا خاندان تھا اور اچھے خاندان کی اس لڑکی سے اپنی زندگی کے جوڑنے کا تصور نوجوان پر اس طرح حاوی ہوا کہ وہ اسی کوشش میں مصروف ہو گیا، پھر تقدیر نے اس کا ساتھ دیا، اس کا رشتہ اس گھر میں پہنچا اور منظور بھی کر لیا گیا...... نوجوان کی خوشیاں انتہا کو پہنچی ہوئی تھیں اس کے دل میں بارہا یہ آرزو جاگی کہ کسی طرح لڑکی تک پہنچے

اور اس سے یہ معلوم کر کے کہ کیا وہ اپنے والدین کی مرضی قبول کرے گی، کیا وہ اس نوجوان کو اپنی زندگی کا ساتھی بنالے گی لیکن ہمت نہ کر سکا اور اسے موقع بھی نہیں ملا، پھر اس وقت اس کا دل بند ہوتے ہوتے بچا جب اسے علم ہوا کہ لڑکی نے اس سے شادی سے انکار کر دیا ہے اور وہ ستم رسیدہ میں ہی تھا...... مجھے نہیں معلوم تھا کہ میری زندگی کی سب سے خوشگوار گھڑی اس طرح مجھ سے روٹھ جائے گی، پھر مس زرینہ مجھے قدرت نے ایک اور موقع عطا کیا۔ آصف علی صاحب اتفاقیہ طور پر مجھے اس طرح مل گئے اور میں جو اپنی آگ میں سلگ رہا تھا ان سے یہ تذکرہ کیے بغیر نہ رہ سکا اور اس نیک دل شخص نے میری اس خواہش کو منظور کر لیا کہ میں ایک بار صرف ایک بار آپ سے یہ پوچھوں کہ کیا آپ کے دل میں کوئی اور ہے یا آپ مجھے کوئی بہت برا نوجوان سمجھتی ہیں...... مس زرینہ میری زندگی کی بہت بڑی آرزو ہیں آپ لیکن اس کے باوجود اب جب تقدیر نے مجھے یہ موقع عطا کیا ہے تو میں آپ سے یہ سوال کرنا چاہتا ہوں اور یہ بھی بتا دوں مس زرینہ کہ انسان کو اپنی پسند کا حق حاصل ہے اور اگر آپ کسی کو چاہتی ہیں تو ایک اچھے انسان کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ میں خاموشی سے آپ کے راستے سے ہٹ جاؤں اور اپنی محبت اور اپنے خلوص میں کوئی کمی نہ پیدا کروں لیکن اس کے علاوہ اگر اور کوئی بات ہے تو آپ صرف مجھے بتا دیں۔ بخدا میں آپ کو ایک لمحے کے لئے بھی مجبور نہیں کروں گا۔" رانا محفوظ کی آواز لرز گئی...... زرینہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی، وہ وقت اسے یاد آ رہا تھا جب وہ پکنک منانے گئی تھی، چاندی پوری کا آبشار اسے نگلنے کے لئے تیار تھا اور ایک لمحے میں اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ زندگی کی شام قریب آ گئی ہے لیکن پھر ایک مضبوط جسم نے اسے سہارا دیا اور کنارے پر پہنچا دیا۔ وہ اتنی بدحواس تھی کہ اس کے چہرے کو بھی نہ دیکھ سکی جس نے اسے دوبارہ زندگی دی تھی اور وہ واپس چلا گیا لیکن زندگی کی لاتعداد راتوں میں اس کے دل نے اس چوڑے چکلے وجود کے لمس کو محسوس کیا تھا جس نے اسے صرف ایک لمحہ دیا تھا، صرف ایک لمحہ حالانکہ وہ لمحہ اس کی زندگی بچانے کے لئے تھا لیکن وہ لمس ناقابل فراموش تھا، جسے محسوس کر کے وہ تنہائیوں میں بھی شرما جاتی تھی اور اکثر وہ اسے یاد آتا تھا۔ آج وہ سامنے آ گیا تھا جس نے اس کے بھائی کی بھی مدد کی اور اس کی بھی اور اس خاندان پر احسان عظیم کر دیا...... کیا کروں اب، کیا کروں، کیسے بتاؤں اسے کہ میرے دل میں کوئی اور نہیں ہے، کیسے اسے بتاؤں کہ وہ اپنی منزل کھو چکا ہے، کیسے اسے

بتاؤں، کیا کروں، وہ اس قدر پریشان ہو گئی کہ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ رانا محفوظ غمزدہ لہجے میں بولا۔

"خدا کی قسم مس زرینہ آپ کو تکلیف دینا بالکل مقصود نہیں ہے، اگر آپ میری اتنے دنوں کی محبت کا کوئی صلہ مجھے دینا چاہتی ہیں تو تھوڑی سی زبان ہلا کر دے دیجئے، کم از کم مجھے قرار تو آ جائے گا، یہ بے سکونی تو ختم ہو جائے گی، قدرت نے مجھے یہ موقع عطا کیا ہے مس زرینہ قدرت نے آصف کے دل کو یہ جذبہ دے دیا ہے کہ وہ مجھ پر اعتماد کر کے اپنی بہن کو اس طرح میرے ساتھ تنہا چھوڑ دے تو براہ کرم آپ مجھ سے میری تقدیر کے یہ لمحات نہ چھینئے، زندگی بھر آپ کو دعائیں دیتا رہوں گا اور قسم کھاتا ہوں کہ دوبارہ کبھی ایسی جگہ سے بھی نہیں گزروں گا جہاں میرا سایہ بھی آپ پر پڑ جائے...... یہ ملاقات، یہ لمحات اس کے بعد دوبارہ کبھی نہیں آئیں گے، یہ ایک شریف انسان کا وعدہ ہے آپ سے۔"

زرینہ کے دل پر زخم لگ رہے تھے، ایک اتنا اچھا شخص اس کی زندگی میں شامل ہونے جا رہا تھا، کیا ہو گیا یہ، کیا ہو گیا اب کیا کروں آہ یہ شخص مجھ سے اتنے عرصے سے محبت کرتا ہے، اس نے میری زندگی بچائی ہے نہیں یہ تو غلط بات ہے اس کی کاوشوں کا صلہ اسے ملنا چاہئے، یہ زندگی جو اس نے خاموشی سے میرے سپرد کر دی ہے درحقیقت اس کی ملکیت ہے۔ میری زبان ہلانے سے اگر اس شخص کے دل کو قرار مل سکتا ہے تو اس کی بے سکونی ختم کر کے ہی اس کے احسانوں کا صلہ دیا جا سکتا ہے۔ نتیجہ کچھ بھی ہو، نتیجے کی پروا کسے ہے، موت کے آگے تو کچھ نہیں ہوتا۔ موت میرا مقدر بن چکی ہے تو تھوڑی سی رسوائی بھی اگر مجھے مل جائے تو کیا حرج ہے۔ وہ اپنے اندر بہت سے جذبوں کو زندہ کرتی رہی اور اچانک ہی اس کے اندر ایک ٹھوس پتھروں جیسی کیفیت پیدا ہو گئی۔ وہ رانا محفوظ کو ہر بات بتانے کے لئے تیار ہو گئی لیکن چند شرائط کے ساتھ اگر یہ اچھا انسان ہے تو اپنی اچھائیوں کا ثبوت دے گا اور اس راز کو اس وقت تک راز رکھے گا جب تک اس کا مقصد پورا نہ ہو جائے۔ زرینہ نے بھی فیصلہ کیا اور اس فیصلے کے تحت اس کے چہرے پر ایک نئی کیفیت بیدار ہو گئی۔ رانا محفوظ والہانہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ زرینہ نے دروازے کی جانب دیکھا اور بولی۔

"کیا بھائی آصف علی اس وقت تک نہیں آئیں گے۔ جب تک ہم دونوں یہاں موجود ہیں؟"

"ہاں۔"

"کیا میری آواز یہاں سے باہر جا سکتی ہے؟"

"تنہائی کے یہ لمحات عطا کئے ہیں تو وہ چھپ کر ہماری باتیں سننے کی کوشش کبھی نہیں کریں گے۔"

"تو پھر رانا صاحب میں آپ کو اپنی زندگی کے وہ راز بتا رہی ہوں جو انسان کے ساتھ قبر تک ہی جاتے ہیں اور یہ راز میں نے بھی اپنے ساتھ قبر ہی تک لے جانے کے فیصلے کئے تھے...... رانا صاحب آپ مجھے بہت ہی اچھے انسان معلوم ہوتے ہیں، ہاں مجھے وہ لمحات یاد ہیں جب آپ نے میری زندگی بچائی تھی اور یقیناً وہ آپ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا، کیونکہ یہ واقعہ صرف مجھے ہی معلوم ہے۔ رانا صاحب آپ نے میرے بھائی کی بھی زندگی بچائی ہے اتنے احسانات کر دیئے ہیں آپ نے مجھ پر کہ میں خاموش نہیں رہ سکتی چاہے مجھے آپ کی ذات سے نقصان ہی کیوں نہ پہنچ جائے۔ جو کچھ میں کہنا چاہتی ہوں رانا صاحب کیا آپ ایک شریف انسان کی حیثیت سے وعدہ کرتے ہیں کہ اسے امانت کے طور پر اپنے سینے میں رکھیں گے؟"

"اگر آپ بھروسا کریں تو؟"

"بھروسا کر کے ہی تو یہ بات کہہ رہی ہوں میں آپ سے۔"

"تو پھر آپ یہ اطمینان رکھئے زرینہ صاحبہ جس طرح آپ یہ راز قبر میں لے جانا چاہتی تھیں، آپ یوں سمجھ لیجئے کہ میرا بھی یہی عزم ہے۔"

"شکریہ رانا صاحب اصل میں وہ واقعہ سنا کر آپ نے مجھے سب کچھ یاد دلا دیا، یہ بھی یاد دلا دیا آپ نے مجھے کہ اس دن میرے بچنے کا اور کوئی راستہ نہیں تھا، گویا ایک طرح سے میری زندگی ایک نامعلوم شخص کی امانت ہو گئی تھی اور اگر کبھی وہ اس امانت کو طلب کرتا تو آپ یقین کریں اسے ایک جذباتی بات ہی کہہ لیں لیکن میں اپنے آپ کو اس کے حوالے کرنے سے گریز نہ کرتی۔ جبکہ میں اسے جانتی بھی نہیں تھی۔ رانا صاحب اب جو کچھ میں آپ سے کہنا چاہ رہی ہوں آپ یوں سمجھ لیجئے کہ آپ کی امانت آپ کے سامنے بول رہی ہے، یہ مجھ پر فرض بھی ہے اور قرض بھی، رانا صاحب مجھے اس رشتے سے انکار نہیں تھا...... نہ اس میں محبت اور لگن تھی اور نہ اس میں کوئی ایسا تصور جو میری راتوں کی نیندیں اڑا دیتا کیونکہ

اس شخص کو دیکھا تھا جس نے میری زندگی بچائی تھی اور نہ آپ کو اور یہ بات میں تی کہ وہ جو کوئی بھی تھا میری زندگی سے اتنا دور جا چکا ہے کہ اگر میں اسے کبھی دیکھنا ہوں تو میرے لئے ممکن نہ ہو لیکن اس بے لوث شخص کی اس عنایت کو میں نے کبھی ے فراموش نہیں کیا۔ رانا صاحب فیصلہ میرے والدین کو کرنا تھا اور میں ان کے لے پر سر جھکانے کے لئے تیار تھی، لیکن رانا صاحب میری زندگی کو ایک اتنا بڑا حادثہ پیش میں زندہ ہی نہ رہی، مر گئی میں رانا صاحب مر چکی ہوں میں، قتل کر دیا گیا ہے مجھے میرے قاتل میرے اپنے ہی ہیں اور میں ان قاتلوں کے بارے میں اپنے بھائی اور باپ بتانا چاہتی کیونکہ میں جانتی ہوں کہ وہ شدت جوش سے بھر جائیں گے لیکن ان کا نہیں کر سکیں گے...... انہیں ختم نہیں کر سکیں گے رانا صاحب، میں نے انہیں خود ہی رنے کا فیصلہ کیا ہے اور سترہ جون کو یعنی آج سے چند روز کے بعد میں اپنے ان قاتلوں کو ئب کروں گی اور اس کے بعد خودکشی کر لوں گی، یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔"

رانا محفوظ کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں...... وہ خشک ہونٹوں پر زبان کر بولا...... خدارا مجھے کچھ اور بتائیے۔"

"جی ہاں بتا رہی ہوں اب کیا چھپاؤں گی آپ سے...... رانا صاحب میرے والد نے لطی کی ایک ایسی غلطی جسے میں اور میرا بھائی کبھی معاف نہیں کر سکتے...... ان کی اپنی تھی یا پھر ان کا اپنا خوف۔ جو انہیں اپنے بھائی راگ علی ساندا سے تھا۔ حالانکہ ہم جیسے ف لوگ بھی جانتے ہیں کہ راگ علی ساندا کے دل میں ہاشم علی ساندا کی محبت نہیں تھی بلکہ اس کے دل میں ان زمینوں کی چاہت تھی جو ہاشم علی ساندا کے پاس تھیں اور حصول کے لئے اس نے بھائی سے جذباتی طور پر یہ درخواست کی کہ وہ اپنی زمینوں کو زمینوں میں شامل کر دے اور خود اس کے ساتھ آ رہے تاکہ مل جل کر زندگی گزاری لیکن اصل مقصد یہی تھا کہ وہ زمینیں اس کی اپنی ہو جائیں۔ رانا صاحب میرے باپ یہ فیصلہ کر لیا بھلا میں تو چیز ہی کیا تھی لیکن میرے بھائی آصف علی بھی اپنے والدین اطاعت گزار ہیں...... انہوں نے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا اور ہم راگ علی حویلی میں پہنچ گئے۔ ہم رہ رہے تھے وہاں، ہم سمجھ رہے تھے یہ بات کہ اب وہاں طفیلی کی حیثیت رکھتے ہیں ہم، لیکن اب کچھ ہو بھی نہیں سکتا تھا یہ ہمت نہ میرے

والدین میں تھی اور شاید میرے بھائی میں بھی نہیں تھی، چنانچہ ہم ان کے محکوم ہوئے اور محکوموں کو اس بات کا حق کبھی نہیں دیا جاسکتا کہ انہیں کوئی اچھی زندگی حاصل ہو، آپ کا خاندان ایک بڑا خاندان ہے بلکہ ساندا خاندان کا ہم پلہ ہے یا ہو سکتا ہے۔ اس سے کچھ آگے کی حیثیت رکھتا ہو۔ بھلا ساندا خاندان والے یہ بات کیسے پسند کر سکتے تھے کہ ہم ایک بار پھر ان کے مدمقابل آجائیں اور ایک بڑی حیثیت حاصل کرلیں، چنانچہ راگ علی ساندا کے دونوں بیٹوں پیار علی ساندا اور نور علی ساندا نے ہم لوگوں کے خلاف ایک منصوبہ بنایا۔ آہ کاش میں آپ کو اپنی زبان سے وہ سب کچھ بتاسکتی جو بتانا چاہتی ہوں لیکن یہ بھی تقدیر کا ایک انوکھا کھیل ہے کہ میرے پاس اب وہ زبان موجود ہے جو آپ کو ساری حقیقتیں بتاسکتی ہے، حسن اتفاق سے یہ میں نے اپنے پاس محفوظ رکھا ہے، اپنی زندگی کی اس امانت کے طور پر جو میں موت کے سپرد کرنے جارہی ہوں۔ سترہ جون کو میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اپنی شخصیت اور لوگوں کی توقع کے خلاف بستی نور الٰہی کے بڑے چوک میں جاکر یہ اعلان کروں گی کہ لوگو راگ علی خاندان ایک باعزت اور باوقار خاندان نہیں ہے، وہ مجرموں کا ٹولہ ہے اور وہ اپنوں کے ساتھ بھی وہ برائی کر سکتے ہیں جو انہوں نے غیروں کے ساتھ کی ہے، آپ یقین کیجئے کہ انہوں نے وہ وہ کچھ کیا ہے جس کی داستان لوگوں کو سنادی جائے تو وہ دانتوں میں انگلیاں دبا کر رہ جائیں لیجئے رانا محفوظ صاحب یہ آپ کے تمام سوالوں کا جواب ہے۔" زرینہ نے تصویروں کا لفافہ نکال کر رانا محفوظ کے حوالے کر دیا اور اس نے حیرانی سے لفافے کو دیکھا، لفافہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور پھر اس میں سے وہ تصویریں نکالنے لگا جو انتہائی شرمناک تھیں۔

رانا محفوظ نے پہلی تصویر دیکھی اور اس پر نظر پڑتے ہی وہ کانپ کر رہ گیا۔ تصویر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑی...... زرینہ نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپالیا تھا...... رانا محفوظ نے گری ہوئی تصویر اٹھائی اور پھر لرزتے ہاتھوں سے لفافے میں موجود تمام تصویروں کا جائزہ لیتا رہا۔ اس کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں، پھر اس نے زرینہ کا چہرہ دیکھا، وہ اپنے ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپائے ہوئے بیٹھی تھی۔ رانا محفوظ کے پورے وجود میں خوف و دہشت کی لہریں دوڑ رہی تھیں اور وہ عجیب سی کیفیتوں کا شکار ہو رہا تھا۔ چند لمحات وہ ان تصویروں کو ہاتھ میں تھامے رہا اور پھر لفافے میں رکھ دیا۔ اب اس کا ذہن برق رفتاری سے کچھ فیصلے کر رہا تھا۔ جب یہ خاموشی طویل ہوگئی تو اس نے آہستہ سے

"مس زرینہ، میں نے یہ تصویریں دیکھ لی ہیں اور ان کا پس منظر جاننا چاہتا ہوں۔ میں جاننا چاہتا ہوں مس زرینہ کہ آپ کی آبرو کا یہ قاتل کون ہے۔ براہ کرم چہرے سے ہاتھ ہٹائیے، اگر آپ اپنے اس چہرے کو بدنما سمجھتی ہیں تو خدارا یہ خیال اپنے دل سے نکال دیجئے۔ ظلم اور زیادتی تو کوئی بھی کسی کے ساتھ کرسکتا ہے۔ مظلوم مجرم تو نہیں ہوتا۔ آپ براہ کرم اتنی ہی ہمت کے ساتھ مجھ سے بات کیجئے جتنی ہمت کے ساتھ یہ تصویریں آپ نے میرے سامنے پیش کر دی ہیں۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ چہرے سے ہاتھ ہٹائیے۔"

"نہیں اب اس چہرے کو چھپانے سے بھی تو مجھے کچھ نہیں حاصل ہوگا۔" زرینہ نے اپنے چہرے سے ہاتھ ہٹادیئے۔

"کون تھا وہ؟"

"میرا چچازاد بھائی پیار علی ساندا۔"

"کیوں اس نے یہ دیوانگی کی؟"

"بتاچکی ہوں آپ کو اس لئے کہ میں بے آبرو ہو جاؤں اور رانا فیملی کے قابل نہ رہوں۔ خود اس بات سے انکار کردوں کہ میں رانا فیملی میں شادی نہیں کرنا چاہتی اور اس طرح یہ سلسلہ ختم ہو جائے۔ مجھ سے کہا گیا تھا کہ اگر بات آگے بڑھی تو مناسب وقت پر یہ تصویریں رانا خاندان تک پہنچادی جائیں گی۔ یہ تصویریں بنانے والا اس کا چھوٹا بھائی نور علی ساندا ہے۔ میرے ساتھ یہ سازش صرف اس لئے کی گئی تھی کہ ہم ان کے مدمقابل نہ بننے پائیں اور آخر کار میں نے انکار کر دیا۔ رانا صاحب، میں اتنی کمزور نہیں ہوں کہ ان لوگوں سے انتقام نہ لے سکوں لیکن اتنی کمزور میں بے شک ہوں کہ ایک نیک اور شریف خاندان کو دھوکے میں رکھوں۔ میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اپنی زندگی کا اختتام کرلوں گی ان تمام تفصیلات کو بتانے کے بعد، موت کے بعد تو انسان پر کوئی ذمے داری عائد نہیں ہوتی لیکن اپنی زندگی میں یہ نہیں چاہتی تھی میں کہ یہ حقیقت میرے باپ اور بھائی کو معلوم ہو جائے۔ وہ بے غیرت نہیں ہیں وہ میرے لئے اپنی جان دے دیتے مگر جو کچھ جاچکا ہے وہ کسی کی جان لے کر بھی واپس نہیں آسکتا۔ بس اس کے سوا میں کچھ اور نہیں سوچ پائی تھی اور اسی لئے میں نے آپ کے ساتھ شادی سے انکار کر دیا تھا۔ میں ان کی آلہ کار بنی ہوئی ہوں اور وہ لوگ

مطمئن ہیں کہ جو کچھ وہ چاہتے تھے وہ ہو گیا۔ آپ کے دل کو اب قرار آگیا ہو گا رانا صاحب۔ ایک لٹی ہوئی زندگی کسی کی جھولی میں ڈالنا میرا شعار نہیں اور میں یہ کبھی نہیں کر سکتی۔" رانا محفوظ اسے دیکھتا رہا۔ بہت دیر تک دیکھتا رہا اور اس کے بعد اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور گھٹنوں کے بل زرینہ کے سامنے بیٹھ گیا۔

"آپ نے اعتراف کیا ہے مس زرینہ کہ آبشار میں اگر میں آپ کی زندگی نہ بچاتا تو اس وقت آپ کا بچنا مشکل تھا۔ مجھے اس میں بس تھوڑا سا اختلاف ہے اور وہ اختلاف یہ ہے کہ زندگی لینے اور دینے والی ذات، ذات باری کی ہے، وہ آپ کو ہر طرح بچالیتا لیکن اس وقت اس نے مجھے آپ کو بچانے کا ذریعہ بنایا، کیا آپ یہ تسلیم نہیں کرتیں کہ اس لئے کہ بعد میں میں اپنا متاع حیات حاصل کرلوں۔ زرینہ صاحبہ آپ کے اس نظریئے کے مطابق آپ کی زندگی اب میری ملکیت ہے اور اچھے لوگ امانت میں خیانت نہیں کرتے۔ آپ واقعی ایک شریف خاندان کی خاتون ہیں تو آپ مجھے یہ بتایئے کہ اب آپ کی زندگی آپ کی کہاں ہے، وہ تو میری ہے اور میری امانت کو ضائع کر دینا امانت میں خیانت کے مترادف ہے اور یہ بھی سن لیجئے مس زرینہ کو میں لفاظی سے کام نہیں لے رہا، نہ آپ پر رحم کھا کر آپ سے یہ الفاظ ادا کر رہا ہوں، بے شک ایک مرد کے لئے یہ ایک مشکل کام ہے کہ اس کی زندگی کا ساتھی کسی شکل میں داغدار ہو، آپ زیادہ سے زیادہ یہی حوالہ دے سکتی ہیں لیکن مس زرینہ سنئے یہ واقعہ میرے علم میں آپ نے لا کر جس بڑائی اور بلندی کا ثبوت دیا ہے اس پر میں ایسے لاکھوں داغ قربان کر سکتا ہوں۔ آپ اپنے آپ کو عقل کل نہ سمجھئے، اس بات کی گنجائش چھوڑ دیجئے کہ آپ سے بہتر کوئی اور بھی سوچ سکتا ہے۔ مس زرینہ ہم مرد ہیں، ہمیں اپنی زندگی میں ایسے اونچ نیچ کے بہت سے واقعات سے گزرنا ہوتا ہے جس میں ہم اُلجھ جاتے ہیں، پریشان ہو جاتے ہیں لیکن پھر ان کا حل بھی ہمیں ہی دریافت کرنا ہوتا ہے اور جب ہم اپنا ایک گھر بساتے ہیں تو اسی گھر کے لئے ہمارا ایک نظریہ ہوتا ہے اور ہم اسی نظریئے پر عمل کرتے ہوئے اپنی زندگی کو ترتیب دیتے ہیں۔ یہاں اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ فرض کیجئے میری اور آپ کی شادی ہو گئی ہوتی اور اس کے بعد کوئی ایسا واقعہ پیش آجاتا تو کیا میں اس میں آپ کو تنہا چھوڑ دیتا؟ مس زرینہ آپ اسے نہ تو ایثار سمجھئے، نہ کسی قسم کا احسان، آپ اسے میری مشکل سمجھئے اور اپنی مشکل سمجھ کر اس پر عمل کرنے کے لئے تنہا کوئی فیصلہ نہ کیجئے...... مس زرینہ اگر آپ خوشی

مجھے قبول کرنے پر تیار ہوں اور اس واقعے کے علاوہ آپ کے ذہن میں اور میرے لئے ہو تو خدارا میری یہ بات مان لیجئے جو کچھ میں کہوں اس پر عمل کیجئے گا مس زرینہ آپ آپ کو اپنا نہ سمجھیں میرا سمجھیں، اگر آپ ایک دیانت دار خاتون ہیں تو، ورنہ ظاہر ہے میں آپ کے لئے بالکل اجنبی ہوں اور آپ کو کسی بات کے لئے مجبور نہیں کر سکتا۔"

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں رانا صاحب؟"

"یہ مس زرینہ کہ اب آپ اس سلسلے میں سوچنا چھوڑ دیجئے۔ آپ کو میری رائے پر ہو گا، اگر آپ مجھے ذرا سی بھی اہمیت دیتی ہیں تو باقی جہاں تک مستقبل کا معاملہ رہا تو میری ہے مس زرینہ کہ آپ مجھے اپنی خدمت میں قبول کر لیجئے گا۔ میری ذات سے جس بھی آپ کو کوئی تکلیف پہنچے آپ اس بات پر آزاد ہوں گی کہ میرے منہ پر جو تا مار کر جایئے اور یہ کہہ دیجئے کہ تم مرد اس قابل ہی نہیں ہوتے کہ تم پر اعتبار کیا جائے۔"

"رانا محفوظ صاحب آپ جذباتی ہو رہے ہیں۔"

"جذبات کو زندگی سے خارج تو نہیں کیا جا سکتا مس زرینہ، کیا ایک غیر جذباتی انسان انسان ہوتا ہے۔ جواب دینا پسند کریں گی آپ؟"

"نہیں وہ تو ٹھیک ہے لیکن۔"

"نہیں مس زرینہ یا تو کسی کو اپنے آپ سے قائل کر دیجئے یا پھر کسی سے قائل ہو جایئے۔ آپ مجھے بتایئے جو کچھ میں نے کہا ہے اس میں ایسی کون سی بات ہے جس پر آپ کو کوئی سوال کریں؟"

"رانا صاحب۔ آپ برداشت کریں گے میری اس کمی کو؟"

"کون سی کمی، جو کمی ہی نہیں ہے اسے کمی سمجھنا کمینہ پن ہے۔"

"رانا صاحب آپ ذرا غور کر لیجئے۔"

"مس زرینہ میں آپ سے بڑے کھلے الفاظ میں کہہ چکا ہوں مرد ہوں چوڑا سینہ رکھتا ہوں اور اس سینے میں بڑی وسعتیں ہیں۔ میں آپ کو اس سلسلے میں ذرا برابر قصوروار نہیں سمجھتا، دوسرے کے قصور کی سزا اپنے آپ کو کیوں دے رہی ہیں، آپ یا میں کسی دوسرے کے قصور کی سزا آپ کو کیوں دوں گا۔ یہ تو کھلا کھلا کمینہ پن ہے، کم ذات ہونے کی نشانی ہے۔"

"رانا صاحب، میں مر جاؤں گی یہ سوچ کر کہ آپ آپ۔"

"نہیں مس زرینہ، آپ جئیں یہ سوچ کر کہ آپ کا ساتھی ایک باظرف نوجوان ہے جس نے آپ کو مجرم نہیں سمجھا۔"

"رانا صاحب خدا کے لئے میری زندگی کا مقصد نہ بدلئے، میرا پورا نظریہ ہی ختم ہو جائے گا۔"

"نہیں مس زرینہ دیکھئے میں دونوں باتیں کہہ چکا ہوں، میں آپ سے محبت کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا، آپ مر جائیں گی تب بھی میں آپ کو چاہتا رہوں گا، آپ زندہ رہیں صرف اس لئے کہ زندگی آپ کی اپنی نہیں، میری امانت ہے، زرینہ صاحبہ اس امانت میں خیانت نہ کیجئے گا، میں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں۔" رانا محفوظ نے زرینہ کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے اور وہ اس طرح بے اختیار ہو گئی کہ اس نے رانا کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔

"فرشتہ صفت انسان ہو کر ایک گنہگار کے سامنے ہاتھ نہ جوڑیئے خدارا، یہ بڑا عجیب واقعہ ہوا ہے، میں تو رانا صاحب نہ جانے کیا کیا منصوبے بناتی رہی ہوں، میں نے اپنے آپ کو ان منصوبوں میں بہت مطمئن سمجھا ہے مگر آپ نے ایک لمحے میں میرے ذہن میں ہلچل پیدا کر دی ہے۔"

"اگر کوئی غلط فیصلہ کر لے زرینہ صاحبہ اور صحیح فیصلہ اس کے سامنے آ جائے تو اسے اپنے غلط فیصلے کو بدل دینا چاہئے۔"

"تو گویا آپ چاہتے ہیں کہ میں۔"

"ہاں آپ زندہ رہیں۔"

"کیوں؟" "میرے لئے۔"

"آپ سچ کہہ رہے ہیں؟"

"ہاں مس زرینہ بالکل سچ، آزما کر دیکھ لیجئے ایک مرد نے آپ کو برباد کیا ہے، دوسرا مرد آپ کو اپنے سینے سے لگا کر زندگی کی آخری سانس تک گزار دے گا اور اگر اس کی پیشانی، آنکھوں میں کوئی خلش نظر آ جائے آپ کو، تو میں آپ کو یہ حق دے چکا ہوں۔"

"کمال کے انسان ہیں آپ، کمال کے انسان ہیں، کیا، کیا ہو گیا یہ، کیا ہو گیا؟"

"بہت اچھا ہوا ہے اور آپ کیا سمجھتی ہیں مس زرینہ، یہ سب کچھ ایسے ہی ہو گیا۔ قدرت کا ہر فیصلہ اس کی مرضی کے تابع ہوتا ہے ہم اور آپ اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتے۔"

"تو میں کیا کروں، مجھے بتائیے رانا، میں کیا کروں؟"

"کچھ نہیں، آصف علی کے ساتھ واپس جائیے اور ایک خوشگوار کیفیت کا اظہار کیجئے، آصف علی کو یہ احساس دلا دیجئے کہ میں نے آپ کو قائل کر لیا ہے اور اب آپ اس مسئلے میں انکار نہیں کریں گی۔ ہم اس مسئلے کو ابھی تھوڑا سا پس پشت ڈال دیتے ہیں اور باقی ذمے داری آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔ آپ کا انتقام میں لوں گا مس زرینہ، آپ کا انتقام میں لوں گا۔"

"نہیں رانا صاحب، آپ کی زندگی بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔" رانا محفوظ مسکرا دیا اور بولا۔

"میں آپ کے لئے اس زندگی کو خطرے میں نہیں ڈالوں گا۔ میرا آپ سے وعدہ ہے لیکن جو کچھ میں کروں گا وہ ایک الگ طریقہ کار ہو گا۔ آپ مجھے اس کے بارے میں سوچنے کا موقع دیجئے لیکن اس اطمینان کے بعد کہ آپ زندہ رہیں گی۔ کچھ بھی نہیں کریں گی مس زرینہ، کچھ بھی نہیں کریں گی۔"

زرینہ سوچ میں ڈوب گئی۔ واقعی بہت بڑا انقلاب پیدا کر دیا تھا اس شخص نے اپنے چند الفاظ سے اس کی زندگی میں اور اب اس کا مرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا اس نے آہستہ سے کہا۔

"ٹھیک ہے رانا صاحب لیکن خدارا آصف علی کو یہ حقیقت نہ بتائیے۔"

"میں اپنے آپ کو یہ حقیقت دوبارہ کبھی نہیں بتاؤں گا مس زرینہ۔"

"تو پھر مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"کچھ نہیں، خاموشی سے ہنستی مسکراتی آصف علی کے ساتھ گھر واپس جائیے وہاں ان لوگوں پر یہی اظہار کیجئے گا کہ آپ نے جو انکار کر دیا ہے اس پر قائم ہیں۔ باقی میرا انتظار کیجئے اور کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیے جو آپ کیلئے کسی بھی طور نقصان دہ ہو فیصلے مجھے کرنے دیجئے مس زرینہ۔"

"لیکن میرا آپ سے رابطہ؟"

"اس کا ذریعہ ہم بعد میں دریافت کر لیں گے۔"

"خدا آپ کو، خدا آپ کو ان نیکیوں کا اجر دے۔"

"آپ نے میری بات کو قبول کر لیا؟" رانا محفوظ نے سوال کیا۔

"ہاں۔" زرینہ آہستہ سے بولی۔

پیار علی نے مسکراتی نگاہوں سے نور علی کو دیکھا اور نور علی بولا۔

"کیوں خیریت...... وہ آ گئے؟"

"ہاں لیکن وہ سرکاری گیسٹ ہاؤس ہی میں ٹھہرنا چاہتے ہیں اور میں نے ان کے موقف کو تسلیم کر لیا ہے۔"

"کیا موقف ہے ان کا؟" نور علی نے پوچھا۔

"ان کا کہنا ہے کہ اگر وہ خالصتاً ہمارے مہمان رہے تو ان پر شبہ کیا جا سکتا ہے کہ قیمتوں کے تعین میں جانبداری سے کام لیا گیا ہے۔ اندازہ یہ ہوتا ہے نور علی کہ کام کے لوگ ہیں اور آسانی سے قابو میں آ جائیں گے...... بہر حال ہمارا ایک نظریہ ہے اور میرا خیال ہے ہم اس میں آسانی سے کامیاب ہو جائیں گے۔"

"کیا ان لوگوں کو قیمتوں کا تعین کرنے کا اختیار حاصل ہے؟"

"ہاں، یہ بات میں پہلے ہی معلوم کر چکا ہوں۔"

"تب تو ٹھیک ہے۔" نور علی نے پر خیال انداز میں گردن ہلا کر کہا پھر بولا۔

"لیکن انہیں حویلی میں دعوت تو دینی چاہئے، مذاکرات کہاں ہوں گے؟"

"حویلی میں اور کل دوپہر کو وہ ہمارے ساتھ کھانا کھائیں گے۔ اس کے بعد ہم زمینوں کی سیر کریں گے۔"

"گڈ، ٹھیک پروگرام ہے، اب اس میں اور کوئی ایسی بات تو نہیں ہے جو قابل غور ہو۔"

"بات تو نہیں ہے لیکن جو دو افراد آئے ہیں ان میں ایک شخصیت قابل غور ہے نور علی۔"

"کیا مطلب؟"

"اس کا نام فرخندہ رشید ہے۔"

"مس فرخندہ رشید؟"

"ہاں۔"

"گڈ لیکن کیا خاص بات ہے اس میں؟"

"دیکھو گے تو دیکھتے ہی رہ جاؤ گے۔"

"کیا واقعی؟"

"ہاں۔ لاکھوں کی قیمت ہے اس کی، بہت بڑی قیمت ہے۔"

"تمہیں پسند آ گئی ہے؟"

"نہ آئی ہوتی تو تذکرہ ہی نہ کرتا۔"

"تو پھر ٹھیک ہے خرید لو۔"

"یہی تو مشکل ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"بکنے والی چیز نہیں معلوم ہوتی۔"

"ارے چھوڑو پیار علی۔ اتنا دے دو کہ ان کا منہ بند ہو جائے۔"

"مشکل ہے، مشکل ہے، مشکل ہے۔"

"تو پھر؟"

"لیکن یہ بھی مشکل ہے کہ میں اپنی پسند کو اپنے ہاتھ سے نکل جانے دوں۔"

"سرکاری لوگ ہیں غور کر لو۔"

"کوئی فرق نہیں پڑتا لوگ تو ہیں نا، روبوٹ تو نہیں ہیں...... مشینیں متاثر نہیں ہوتیں انسان بہر حال متاثر ہوتے ہیں۔"

"خطرہ مول لو گے؟"

"لیتا ہی رہا ہوں، زندگی بھر خطرے مول لیتا رہا ہوں۔"

"بہت زیادہ مضطرب ہو؟"

"ہاں۔"

"تو پھر کیا ارادہ ہے؟"

"کل دوپہر کو وہ ہمارے پاس آ رہے ہیں کام کی باتیں کریں گے اور اس کے بعد زمینوں پر گھمانے لے جائیں گے دو خیال ہیں میرے ذہن میں یا تو یہ کہ وہاں زمینوں سے لڑکی کو اغوا کرادیا جائے اور اس کے بعد اس کی بازیابی بھی ہمارے ہی ہاتھوں ہو، سمجھ رہے ہو نا؟"

"ہاں لیکن اس میں ایک خطرہ ہے۔"

"کیا؟"

"یہ سودا مشکل میں پڑ جائے گا۔" نور علی نے کہا اور پیار علی نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر غور کرنے لگا پھر بولا۔

"ہاں یہ تو ہے بات وقت سے پہلے خراب ہو جائے گی۔"

"تو پھر کیا کیا جائے؟"

"اگر تم اتنے ہی زیادہ مضطرب ہو اس کے لئے تو منصوبہ بنایا جا سکتا ہے؟"

"غور کرو نور علی یہ بات میں نے بارہا تسلیم کی ہے کہ ذہنی طور پر تم مجھ سے بہت برتر ہو اور ہمیشہ دور کی کوڑی لاتے ہو۔"

"چھوڑو یار بڑے بھائی ہو کر ہمیشہ میری حق تلفی کرتے ہو اور میں جو کچھ کرتا ہوں تمہارے ہی لئے کرتا ہوں۔"

"میری جان کبھی حکم دے کر دیکھ مجھے...... اشارہ کر دے کہ اسے حاصل کرنا چاہتا ہوں زندگی کی بازی لگا کر اسے تیرے لئے حاصل کرلوں گا۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے دیکھ لوں گا کبھی یہ بھی اب زرینہ کے مسئلے کو دیکھ لو...... وہ لڑکی مجھے بھی پسند تھی۔"

"تو منع کس نے کیا ہے اب تو وہ ہماری ملکیت ہے اب ہمارے ساتھ وہ بھرپور تعاون کرے گی۔"

"بس پیار علی میری زبان نہ کھلواؤ چلو خیر ٹھیک ہے ہم دونوں میں ایک معاہدہ یہ بھی ہے کہ کبھی کسی لڑکی کے لئے آپس میں نہیں لڑیں گے۔"

"میں نے کہہ دیا تم سے اگر کوئی ایسی شخصیت بھی ہو جسے میں پسند کرتا ہوں اور تم اس کی جانب اشارہ کر دو تو سمجھ لو میری طرف سے وہ تمہاری۔" نور علی ہنسنے لگا پھر بولا۔

"اب یہ غور کرو کرنا کیا چاہئے۔" دونوں بہت دیر تک سوچتے رہے اور اس کے بعد نور

نے کہا۔

"ایک منصوبہ ہے میرے ذہن میں۔"

"ہاں، ہاں کہو۔"

"زمینوں پر اسے اغوا کرانا جیسے کہ میں نے تمہیں بتایا خطرناک ہو سکتا ہے۔ پھر ایک مسئلہ چل جائے گا اور وہ بڑا کام نہیں ہو سکے گا اور والد بزرگوار بھی اس بات کو پسند یں کریں گے...... کہیں ان کے علم میں یہ بات آ گئی تو ایک نیا مسئلہ کھڑا ہو جائے گا اور وہ یں گے کہ ہم اب کاروبار میں بھی رخنہ انداز ہونے لگے ہیں۔"

"ہاں یہ بات تو بالکل ٹھیک ہے۔" پیار علی نے اس بات کو تسلیم کیا۔

"تو پھر یوں کرتے ہیں کہ اس سودے کی تکمیل کے بعد اسے کسی نہ کسی طرح حاصل لیتے ہیں۔"

"سودا تو میرا خیال ہے کل ہی مکمل ہو جائے گا یا اگر کوئی مشکل بھی باقی رہ گئی تو کل کے لیکن پھر اس کے بعد کیا کریں گے ہم اور یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ سودے کی تکمیل کے بعد یہاں قیام ہی کر لیں۔"

"کل اگر ان سے گفتگو مکمل ہو جاتی ہے تو یوں کرو کہ کل دوپہر کی گفتگو میں راگ علی احب کو شریک نہ کرو بلکہ ان سے کوئی بات کئے لیتے ہیں کہہ دیں گے کہ ہم اس سودے کے لئے اسے تیار کر رہے ہیں اور یہ ممکن ہے کہ وہ راگ علی صاحب کی موجودگی میں اس کے لئے تیار نہ ہو، چنانچہ ہمیں خود ہی کام کرنے دیا جائے رات کو معاہدے پر دستخط کے لئے شخص کو دوبارہ بلا لیں گے اور خاتون کو یہیں رہنے دیں گے، بس پھر گیسٹ ہاؤس سے ارے آدمی اسے لے جائیں گے۔ ہماری طرف سے تو کام ہو گیا ہو گا اس کے بعد ہم خود اس ے ساتھ اس لڑکی کی بازیابی میں مدد کریں گے اور اسے بازیاب کرا دیں گے۔"

"لیکن؟"

"کیا تمہیں اپنا چہرہ دکھانا ضروری ہے؟"

"اوہو میں سمجھ گیا۔"

"اس کے علاوہ وہی زرینہ والا طریقہ کار اختیار کیا جائے گا بلکہ میری ایک اور رائے ہے ے کچھ رقم وغیرہ دے دیں گے اور کہیں گے کہ زبان بند رکھے ورنہ اسے نقصان پہنچ جائے

گا، لیکن وہ مشکل برقرار رہے گی۔ سمجھ رہے ہو نا؟"

"ہوں...... کہاں لے جاؤ گے؟"

"میرا خیال ہے کالا بنگلہ اس کے لئے مناسب رہے گا۔"

"تو پھر یہ ذمے داری میں تمہیں سونپ دوں۔"

"پہلے بھی تمہاری ذمے داریاں میں ہی قبول کرتا ہوں۔" نور علی نے قہقہہ لگا کر کہا اور پیار علی بھی ہنسنے لگا پھر بولا۔

"بھائی ہو تو تم جیسا۔"

"بس...... بس...... بس، اچھا اب اس سلسلے میں یہ بتاؤ کہ آگے کیا کرنا ہے۔" نور علی نے کہا اور پیار علی گہری سوچ میں ڈوب گیا کچھ دیر کے بعد اس نے گردن اٹھائی اور بولا۔

"بس وہی منصوبہ زیادہ مناسب ہے انہیں بہت عمدگی سے خوش آمدید کہو، تمام تر کاروباری باتیں کرو ذاتی طور پر اس کی دوستی حاصل کرنے کی کوشش کرو اور پھر اسی پروگرام کے تحت روانہ کر دو بعد کا منصوبہ تمہارے علم میں ہے؟"

"اور کوئی ایسی خاص بات تو نہیں جو ان سے کرنی ہو؟"

"میرا خیال ہے اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔" نور علی بولا اور دونوں بھائی اس پروگرام پر متفق ہو گئے۔

❁

حویلی میں پیار علی اور نور علی نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا تھا...... وہ انہیں اپنے ساتھ لے کر ایک خوب صورت ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئے...... پیار علی نے نور علی کا تعارف کرایا پھر بولا۔

"ہماری ملاقات خالص کاروباری بنیاد پر ہوئی ہے، مسٹر شاہد ایاز لیکن بعض لوگ کچھ ایسی شخصیت کے مالک ہوتے ہیں کہ وہ دلوں میں اپنا مقام الگ بنا لیتے ہیں اور آپ دونوں انہی میں شامل ہیں۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ میرے بھائی پیار علی آپ لوگوں سے ملاقات کر کے واپس آئے تو آپ ہی کے گن گاتے ہوئے آئے تھے، کچھ زیادہ ہی متاثر کر لیا ہے آپ حضرات نے انہیں۔"

شہاب ہنسنے لگا پھر بولا۔ "یہ بات نہیں ہے اصل میں اچھے لوگ اچھی ہی شخصیت کے مالک ہوتے ہیں، آپ خود اتنے نفیس لوگ ہیں کہ ہم بھی آپ ہی کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔"

"ویسے معاف کیجئے گا مسٹر شاہد ایاز، محترمہ فرخندہ رشید سے آپ کا کوئی ایسا رشتہ ہے جو جذباتی کیفیتوں کا حامل ہو؟" نور علی نے سوال کیا پھر جلدی سے بولا۔ "اصولی طور پر اس قسم کے سوالات احمقانہ ہوتے ہیں اور یہ نہیں کرنا چاہئیں لیکن وہی کیفیت ہے دوستیوں کو مستحکم کرنے کے لئے اگر ذرا سی بے تکلفی کا انداز اختیار نہ کیا جائے تو مزہ نہیں آتا، اگر میرا یہ سوال ناگوار گزرا ہے تو معافی چاہتا ہوں۔"

"نہیں مسٹر نور علی معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے...... انسان کے ذہن میں خیالات پیدا ہوتے ہی ہیں، ہم بہترین دوست ہیں۔"

"اس کا مجھے اندازہ ہو رہا ہے۔ ویسے آپ کی زندگی تو بڑی دلچسپ ہو گی، اس قسم کے ایڈونچرز ہوتے رہتے ہوں گے۔"

"جی ہاں کبھی کبھی اچھے لوگوں سے بھی واسطہ پڑ جاتا ہے۔" شہاب نے جواب دیا پھر نور الٰہی کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں۔ شہاب نے کچھ ایسے سوالات بھی کئے جو بے ضابطہ نوعیت کے تھے، لیکن ان میں ایسے پہلو پوشیدہ تھے جو ان لوگوں کو چونکانے کا باعث بن جائیں لیکن ان کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ ان سوالات کی اصل نوعیت کیا ہے، وہ محتاط جوابات دیتے رہے پھر کھانے کا پرتکلف دور شروع ہوا، ان لوگوں نے زبردست اہتمام کیا اور راگ علی ساندا کے بارے میں شہاب نے سوال کیا تو نور علی بولا۔

"ابو کچھ ایسی مصروفیات میں اُلجھے ہوئے ہیں کہ انہوں نے اس وقت کی میٹنگ میں شرکت کے لئے معذرت کر لی تھی۔"

"لیکن پھر ہماری گفتگو تو تشنہ رہ جائے گی؟"

"شاہد ایاز صاحب گفتگو تشنہ نہیں رہے گی ہم گفتگو کر لیں گے لیکن ان تمام باتوں کے علاوہ ہماری دوستی کی پیش کش بھی تو قبول کر لی ہے آپ نے...... جلدی کیا ہے کم از کم کاروباری طور پر آپ کو اتنا وقت مل ہی جائے گا کہ اس میں سے کچھ وقت آپ ہمیں دے دیں، ہماری سیر گاہیں ہیں، چراگاہیں ہیں، باغات ہیں اور پھر شکار گاہیں ہیں۔ تھوڑی بہت

سیر کر لیجئے ان کی، آپ جیسے مصروف لوگوں کو وقت کہاں ملتا ہو گا ان تکلفات کے لئے لیکن ہم دیہاتیوں کا بھی دل رکھ لیجئے ہمیں خوشی ہو گی۔"

"مجھے اس بات کی مسرت ہے کہ اتنے اچھے لوگوں سے میرا تعارف ہوا...... اس وقت تو خیر نہیں لیکن دوبارہ چھٹی لے کر یہاں آنے کی جرات آسانی سے ہو جائے گی کیوں کہ یہاں میرے دوست موجود ہوں گے۔"

"چلئے ٹھیک ہے جیسا آپ پسند کریں۔ بہر حال ابو سے بھی آپ کی ملاقات ہو ہی جائے گی۔"

"زمینوں کے مسئلے کو کون ڈیل کرے گا؟"

"ہم دونوں بھائیوں کو مکمل اختیارات ہیں۔"

"آپ نے فرمایا تھا کہ مجھے زمینوں کی سیر کرا دی جائے گی؟"

"بالکل یہ تو ہماری ذمے داری ہے، کھانے کے بعد چہل قدمی کے طور پر ادھر نکل چلیں گے اور زمینیں آپ کو دکھا دی جائیں گی۔ ویسے یہ بات آپ کے علم میں ہو گی کہ سرکاری اہل کار وہاں مارکنگ کر گئے ہیں۔"

"جی ہاں اس کے بارے میں مجھے بتا دیا گیا ہے۔"

"بس یوں سمجھ لیجئے کہ زمینیں تو آپ کی ملکیت بن چکی ہیں ان کے سلسلے میں ضمنی کارروائی ہوئی ہے جس کی تکمیل آپ کر لیجئے گا۔ ویسے معافی چاہتا ہوں کیا آپ کو زمینوں کی سودے کاری کے لئے مکمل اختیارات دیئے گئے ہیں؟"

"جی قطعی۔"

"ویری گڈ، ویری گڈ۔ تو اب ہم اپنے دوستوں سے اس بات کی امید کر سکتے ہیں کہ حق حقدار تک پہنچ جائے گا۔"

"کیوں نہیں...... بالکل پہنچ جائے گا۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا اس پر تکلف گفتگو کے دوران کھانا ختم ہو گیا اور پھر گاڑیاں تیار کر لی گئیں۔ شہاب اپنی گاڑی گیسٹ ہاؤس پر ہی چھوڑ آیا تھا کیونکہ پیار علی نے اسے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ وہ ان کے لئے اپنی گاڑی بھیجے گا ایک بہت ہی شاندار گاڑی میں یہ سفر کیا گیا۔ شہاب اور بینا بستی نور الہٰی کے بیرونی علاقوں کو دیکھ کر کافی متاثر ہوئے تھے کیونکہ ان علاقوں پر کافی محنت کی گئی تھی اور یہاں ایسی شادابی تھی کہ

آنکھوں کو فرحت ہوتی تھی۔ وہ زمینیں جو حکومت کو درکار تھیں بستی نور الہٰی میں بھی تھے...... یہاں پہنچنے کے بعد گاڑی روک دی گئی اور پھر زمینوں کی پیمائش کی گئی وہ نشانات دیکھے گئے جو سرکاری اہل کاروں نے لگائے تھے، بس وہ تمام کارروائی کی گئی جو اصولی طور پر ضروری تھی اور کچھ دیر کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا پھر شہاب نے کہا۔

"تو مسٹر پیار علی اب ہماری بقیہ گفتگو کہاں ہو گی؟"

"یہ آپ پر منحصر ہے، واپس ہمارے ساتھ چلئے، رات کا کھانا ہمارے ساتھ کھایئے ہمیں بے حد خوشی ہو گی۔"

"اس کے لئے تو میری معذرت قبول کریں البتہ میری خواہش ہے کہ ہم گیسٹ ہاؤس چل کر اس موضوع پر بات کر لیں۔"

"نہایت مناسب ہے۔" پیار علی تیار ہو گیا۔

وہ لوگ بڑے احترام سے انہیں گیسٹ ہاؤس پر لے آئے اور یہاں ناصر نے ان کے لئے چائے وغیرہ کا بندوبست کیا پھر کاروباری گفتگو شروع ہو گئی جس میں بینا بھی پوری دلچسپی کے ساتھ حصہ لے رہی تھی اور کافی دیر تک اس موضوع پر گفتگو جاری رہی۔ سرکاری طور پر آئی جی نادر حیات نے شہاب کو بریف کر دیا تھا اور شہاب وہی زبان بول رہا تھا جو اسے سمجھائی گئی تھی۔ اس نے زمین کی قیمت بتائی تو پیار علی نے کہا۔

"یہ تو سرکاری حساب رہا۔ دوستی کا حساب کیا ہو گا؟"

"میں سمجھا نہیں۔"

"نور الہٰی کے قرب و جوار میں بے شمار زمینیں ہیں اور ہم خاندانی جاگیردار ہیں...... ان زمینوں میں سے جتنی زمین آپ پسند کریں، دوستی کے نام پر آپ کو دی جا سکتی ہے، بلکہ یہ زمین جو حکومت کو درکار ہے شاہد ایاز کے نام رجسٹر کرائی جا سکتی ہے۔ بعد میں شاہد ایاز اس کا جو دل چاہے کریں۔ حکومت کو فروخت کریں یا انکار کر دیں...... یہ ایک رئیس زادے کی پیشکش ہے۔ آزما لی جائے۔" پیار علی نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"میں سمجھا نہیں؟"

"مطلب یہ تھا کہ یا تو ان زمینوں کی قیمت ہمارے شایان شان دلوائی جائے یا ان کو بے قیمت کر دیا جائے اور ان کا کچھ وصول ہی نہ کیا جائے۔"

"آپ کیا چاہتے ہیں پیار علی صاحب۔" شہاب نے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور پیار علی سوچ میں ڈوب گیا پھر بولا۔

"ہمارے پاس بھی ان کا ایک حساب درج ہے لیکن اب میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ کیوں نہ اس سلسلے میں ابو کو بھی شریک کر لیا جائے۔ کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے شاہد صاحب کہ رات کو آپ تھوڑی دیر کے لئے زحمت کر لیں اور ابو کے سامنے ان قیمتوں کا تعین ہو جائے۔"

"میں نے تو پہلے ہی آپ سے کہا تھا لیکن آپ نے کہا کہ آپ کو اس کے اختیارات ہیں؟"

"مجھے اتنے اختیارات بے شک ہیں کہ میں یہ زمینیں تحفے کے طور پر اپنے دوست شاہد ایاز کو دے دوں...... آپ انہیں قبول کر لیجئے اس کے بعد کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے، ہم انہیں آپ کے نام رجسٹر کروا دیں گے اور اگر ان کی قیمت حکومت سے دلوا ہی رہے ہیں تو پھر ہماری پسند کی قیمت دلوا دی جائے۔"

"وہی میں آپ سے پوچھ رہا ہوں کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"نہیں شاہد صاحب اب صورت حال کچھ ایسی ہو گئی ہے کہ آپ کو صرف تھوڑی دیر کے لئے زحمت کرنا ہی ہو گی...... مس فرخندہ کو یہیں رہنے دیں آپ، بس آپ تھوڑی دیر کے لئے حویلی آ جائیں۔"

"ٹھیک ہے اگر آپ یہ چاہتے ہیں تو مجھے اعتراض نہیں ہے۔" بات یہاں ختم ہو گئی تھی اور اس کے بعد وہ لوگ چلے گئے تھے...... شہاب نے مسکراتی نگاہوں سے بینا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"بینا ان لوگوں سے جو گفتگو اب تک ہوئی ہے اس سے بس اتنا ہی اظہار ہوتا ہے کہ بڑے شاطر اور کمینہ صفت لوگ ہیں سب ہی کچھ کر سکتے ہیں۔ ایک اور خیال بھی میرے دل میں آیا ہے، جب ہم یہاں تک آئے ہی ہیں تو واپسی میں ایک چکر بستی مہر جان کا بھی لگاتے چلیں کچھ معلومات وہاں سے بھی حاصل ہو جائیں گی۔ ابھی تک کوئی اتنی بہتر صورت حال سامنے نہیں آئی ہے جو اس کیس میں معاون ہو لیکن ان لوگوں سے شناسائی آگے چل کر ہم لوگوں کے لئے سود مند ہو سکتی ہے۔"

"جی شہاب صاحب آپ اس سلسلے میں جو بھی بہتر سمجھیں۔"

"سبحان اللہ، گویا اب آپ ذہنی طور پر مجھ سے متفق ہو گئی ہیں مس بینا؟"

"کس سلسلے میں سر؟"

"ارے ارے ایک لمحے میں بھٹک گئیں...... میں اصل میں شہاب صاحب کہنے کی بات ہا تھا لیکن آپ نے پھر سر کہہ کر سب کچھ چوپٹ کر دیا۔" بینا پھر ہنس پڑی تھی...... بعد کا گیسٹ ہاؤس میں ہی گزرا دونوں مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے تھے۔ شہاب یہاں آمد کو کوئی زیادہ کارآمد بات نہیں سمجھ رہا تھا...... نادر حیات صاحب کی خواہش تھی لئے اس نے اسے قبول ہی کر لیا تھا لیکن اسے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ ان حالات میں یہاں وئی خاص معلومات نہیں ملیں گی۔ بہرحال رات کو ایک بار پھر حویلی سے گاڑی آ گئی...... نے بینا کو آرام کرنے کیلئے کہا اور اس کے بعد ان لوگوں کے ساتھ چل پڑا۔

ایک بار پھر اسے حویلی میں خوش آمدید کہا گیا تھا...... پیار علی اور نور علی دونوں ہی اس ستقبال کے لئے موجود تھے...... شہاب کو ڈرائنگ روم میں پہنچا دیا گیا اور کچھ دیر کے بعد علی ساند اڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا...... وہ بھی بڑے کروفر کا آدمی تھا شخصیت سے ٹپکتا تھا اس نے شہاب سے ہاتھ ملایا اور اسے بیٹھنے کی پیشکش کی پھر خود بھی اس کے ہی بیٹھ گیا اور مسکرا کر بولا۔

"آپ کا نام مجھے شاہد ایاز بتایا گیا ہے۔ اصل میں شاہد ایاز صاحب بچے زندگی میں آگے کی کوشش کر رہے ہیں میرے پاس سب کچھ موجود ہے اور تھوڑی بہت رقم کی میں ہیں کرتا، ان کی خواہش ہے کہ میں آپ سے زمینوں کی قیمت کے بارے میں بات ...... اصل میں شاہد ایاز صاحب ایک بڑی کمزوری ہے میرے اندر...... وہ یہ کہ اگر کوئی بان سے نکالتا ہوں تو پھر دل میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ بات پوری ہو جائے، میری ت کو اگر ٹھکرا دیا جاتا ہے تو یوں سمجھ لیجئے کہ میں دیوانہ ہو جاتا ہوں، بچوں سے منع تھا کہ مجھے اس معاملے میں شریک نہ کرو لیکن ضد کرنے لگے ایسی چھوٹی موٹی زمینوں کوئی پروا نہیں ہوتی، لیکن بچے مجھے یہاں تک لے آئے ہیں تو آپ کو میری بات کی ننا ہو گی۔ ہم نے ایک قیمت کا تعین کیا ہے آپ اسے منظور کر دیں...... وہ رقم سرکار ول کرنا ہمارا اپنا کام ہے، آپ کو ہمارا فیگر درج کرنا ہے بس، سمجھ رہے ہیں نا آپ اور

بال رے لڑکو کیا دیکھ رہے ہو، ایک تحفہ رکھا تھا ہم نے ان کے لئے...... کہاں ہے وہ؟"

"لاتا ہوں۔" پیار علی نے کہا اور دونوں بھائی باہر نکل گئے، پھر تھوڑی دیر کے بعد پیا
علی واپس آگیا اور اس نے ایک چرمی کیس لاکر راگ علی کے حوالے کر دیا...... راگ علی نے
کیس میں سے نوٹوں کی گڈیاں نکالیں...... ہزار ہزار کے نوٹوں کی پچیس گڈیاں تھیں
اس نے وہ گڈیاں ایک جگہ جمائیں اور پھر انہیں شہاب کی طرف سرکا دیا۔

"یہ ایک چھوٹا سا تحفہ قبول کر لو...... ہر بات ہونے سے پہلے۔"

"ارے نہیں اس کی کیا ضرورت تھی۔"

"رکھ لو، رکھ لو بلکہ ایسا کرو اسی بیگ میں رکھ لو۔ بچے تکلف نہیں کیا کرتے بزرگو
کے سامنے۔"

"آپ نے مجھے شرمندہ کر دیا ہے۔" شہاب نے کہا اور نوٹوں کی گڈیاں چرمی بیگ م
جمانے لگا پھر اس نے بیگ کی زپ بند کر دی، راگ علی مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھ
تھا...... اس کے بعد اس نے ایک فارم شہاب کے سامنے کر دیا جس پر زمینوں کی قیمت راگ
علی کی جانب سے درج کی گئی تھی۔

"بس یہاں آٹوگراف دے دو، بات ختم۔" شہاب نے درج شدہ رقم پڑھی، مسکر
راگ علی کی طرف دیکھا اور بولا۔

"جب آپ جیسے مہربان بزرگوں کا سامنا ہو تو بھلا کسی کی مجال ہے کہ انکار کرے۔"
اس نے قلم لے کر اس جگہ دستخط کر دیئے جہاں ان دستخطوں کی ضرورت تھی۔ راگ
نے ہنس کر وہ فارم اٹھایا اور پیار علی کے حوالے کر دیا۔

"دیکھا تم نے کسی نیک کام میں بزرگوں کی شمولیت کا نتیجہ...... ہمارے بغیر کوئی
کرنے کی کوشش مت کیا کرو آپ کا بہت بہت شکریہ شاہد صاحب آپ نے ہماری زبان
لاج رکھ لی۔"

"خادم ہوں آپ کا۔" شہاب نے نیاز مندی سے کہا۔

"تم جیسے اچھے لوگوں کا مستقبل تابناک ہوتا ہے۔ اچھا بچو تم لوگ اپنے مشا
شروع کرو، میں چلتا ہوں۔" راگ علی ان کے درمیان سے اُٹھ گیا۔

فرمایئے شاہد صاحب...... اب آپ کی کیا خدمت کی جائے...... میں آپ کو ایک نو

رات کی پیش کش کرتا ہوں...... ظاہر ہے مس فرخندہ آپ کی مسز تو ہیں نہیں جو
پ کو باز پرس کا خطرہ ہو۔" پیار علی نے ہنس کر کہا۔

"اس کے بعد میری آپ سے دوسری ملاقات کی نوعیت مختلف ہوگی پیار علی
اب...... اس وقت کے لئے یہ دلچسپیاں محفوظ رکھیں...... اب میں جانا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ جیسے آپ پسند کریں...... میں آپ کی واپسی کا بندوبست کئے دیتا ہوں۔"

کچھ دیر کے بعد شہاب واپس گیسٹ ہاؤس پہنچ گیا...... پچیس لاکھ روپے کے نوٹ اس
کے پاس موجود تھے اور وہ سوچ رہا تھا کہ اس کیس کی آمدنی بھی غیر معقول نہیں رہی۔ یہ
خبری وہ نئے منصوبوں کے ساتھ بینا کو دینا چاہتا تھا۔

گیسٹ ہاؤس کے دروازے پر چوکیدار موجود نہیں تھا...... شہاب نے اس بات پر توجہ
نہیں دی لیکن برآمدے میں چوکیدار کو زمین پر بے سدھ پڑے دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا...... وہ
بے اختیار اس پر جھک پڑا...... چوکیدار کے سر سے خون بہہ رہا تھا اور وہ بے ہوش پڑا ہوا
...... شہاب کے بدن میں سنسنی دوڑ گئی پھر وہ بے تحاشا بینا کے کمرے کی طرف دوڑا......
ے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور بستر پر بینا موجود نہیں تھی...... اس کے سلیپر بھی نیچے موجود
اور بستر کی چادر بے ترتیب تھی۔

"کچھ ہو گیا۔" شہاب کے ذہن نے نعرہ لگایا۔ "مگر کیا؟"

دیر تک وہ سکتے کے عالم میں کھڑا رہا...... بینا کسی حادثے کا شکار ہو گئی ہے لیکن کیسے، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا پھر اس کے ذہن میں چھناکا ہوا...... ناصر! وہ بے تحاشا اس طرف بھاگا، جہاں ناصر کی قیام گاہ تھی...... ناصر کے کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا...... اس نے کان لگا کر اندر کی آوازیں سننے کی کوشش کی، لیکن اندر مکمل خاموشی طاری تھی...... شہاب نے دروازے پر دستک دی...... کئی بار دستک کے باوجود دروازہ نہ کھلا تو شہاب پیچھے ہٹ گیا...... دروازہ اندر سے بند ہے لیکن کوئی آوازیں نہیں سنائی دے رہیں، کم از کم یہ اندازہ تو ہے کہ اندر کوئی موجود ہے اس خاموشی کا کیا راز ہو سکتا ہے، دروازے کے بارے میں شہاب نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس کی کیفیت کیا ہے، ایسی چٹخنیوں کو آرام سے توڑا جا سکتا تھا، اگر ان پر صحیح ضرب لگ جائے۔ چنانچہ پیچھے ہٹنے کے بعد شہاب نے ایک زوردار ٹکر دروازے پر ماری اور تڑاخ کی آواز کے ساتھ دروازے کی چٹخنی اُکھڑ گئی، شہاب دوڑتا ہوا اندر داخل ہو گیا تھا، کمرے میں مدہم روشنی پھیلی ہوئی تھی اور اس میں بچھی ہوئی مسہری پر ناصر سو رہا تھا...... زوردار دستک، دروازہ ٹوٹنے کی آواز، اس پر تو ہر طرح کی گہری سے گہری نیند ٹوٹ سکتی تھی...... وہ ناصر کے قریب پہنچ گیا...... جھک کر اسے دیکھا پھر واپس پلٹ کر کمرے کی تیز روشنی جلا دی، ناصر اپنے پلنگ پر بے حس و حرکت لیٹا ہوا تھا، کیا یہ مر چکا ہے...... شہاب نے سوچا اور جھک کر ناصر کے گالوں پر تھپڑ لگانے لگا...... زوردار تھپڑوں سے اس کا چہرہ اِدھر اُدھر تو ہو رہا تھا لیکن ہوش کے آثار نظر نہیں آتے تھے...... شہاب نے اس کے سینے سے کان لگا کر دل کی دھڑکنوں کو سنا، سانسیں ترتیب سے تھیں لیکن وہ بے ہوش تھا...... یہ جائزہ لینا بھی ضروری تھا کہ کیا وہ بے ہوش ہونے کی اداکاری کر رہا ہے لیکن پھر اس کی ضرورت

نہیں آئی...... اچانک ہی کمرے میں ایک ہلکی سی بو کا احساس ہوا تھا اور اس بو کو شہاب ...طرح پہچانتا تھا...... یہ کوئی خواب آور گیس تھی اس کا مطلب ہے کہ ناصر کو بے ہوش ...یا ہے۔ چوکیدار زخمی اور ناصر بے ہوش، بینا غائب ہے...... اب اس میں کسی شک و ...کا امکان نہیں تھا کہ یہ اغوا کا کیس ہے لیکن بینا کو اغوا کرنے والے کون ہو سکتے ...بستی نور الٰہی کے دوسرے لوگوں کے بارے میں تو اسے معلومات حاصل نہیں ...یہ تو یقینی بات ہے کہ یہاں اور بھی جرائم پیشہ لوگ ہوں گے...... اگر ذہن پیار علی ...اندا کی طرف جائے تو اس کا کوئی ثبوت شہاب کے پاس نہیں تھا کیونکہ نہ صرف پیار علی اور ...علی بلکہ راگ علی ساندا بھی وہاں موجود تھے...... اب پاگلوں کی طرح سڑکوں پر تو نہیں ...ہو سکتا تھا...... بینا کو منظم طریقے سے اغوا کیا گیا ہے اور اغوا کرنے والے تجربے کار لوگ ...معلوم ہوتے ہیں، لیکن آخر کیوں؟"

ناصر کے کمرے سے باہر نکل آیا، اس سے اب کچھ نہیں لینا تھا، لیکن بینا کے لئے دل ...میں جو وحشت محسوس کر رہا تھا وہ اسے احساس دلا رہی تھی کہ بینا کا مقام صرف اتنا ہی نہیں ...ہے کہ وہ اس کی ساتھی بن گئی ہے بلکہ بینا کے لئے دل کی گہرائیوں میں واقعی ایسے جذبات ...پیدا ہو گئے ہیں جن پر کچھ عرصے پہلے وہ ہنستا تھا، لیکن اب یہ ہنسی اس کے ہونٹوں سے غائب ...ہو چکی تھی، شدید پریشانی کے احساس نے اسے چند لمحات کے لئے مفلوج کر دیا تھا...... بینا کو ...اگر کوئی نقصان پہنچ گیا تو وہ اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کر سکتا تھا لیکن اب صورت حال ہی ...ایسی ہو گئی تھی کہ بے دست و پا ہو کر رہ گیا تھا۔

❁

بینا کو زور سے چھینک آئی اور اس کی آنکھیں کھل گئیں، ایک لمحے کے اندر اندر اسے یہ ...احساس ہو گیا کہ کوئی اہم بات ہے...... شہاب اس سے تمام تر گفتگو کرنے کے بعد راگ علی ...ساندا کی حویلی گیا تھا اور وہ آرام کرنے لیٹ گئی تھی، پھر نجانے کیا ہوا کہ اس کی نیند گہری ...ہوتی چلی گئی، حالانکہ وہ شہاب کے بارے میں سوچ رہی تھی...... بہت سے خیالات ذہن میں ...تھے لیکن یہ خیالات چند لمحوں میں سو گئے تھے اور اس نیند کی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آئی ...تھی لیکن اب جبکہ چھینک آئی تو اس کی آنکھ کھل گئی اور اس نے ایک لمحے میں یہ اندازہ لگا لیا ...کہ رات ہی کا وقت ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی اس کی چھٹی حس نے اسے بتایا کہ وہ تنہا

نہیں ہے کوئی اور بھی اس کے قریب موجود ہے، ذہن میں فوراً شہاب کا خیال آیا تھا اور اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا تھا، لیکن سامنے جو کوئی بھی موجود تھا، وہ شہاب کسی قیمت پر نہیں ہو سکتا تھا، اس کا چہرہ نقاب میں چھپا ہوا تھا اور جسم پر خاص لباس تھا، ایک لمحے کے اندر اندر بینا کے پورے جسم میں ایک برق سی دوڑ گئی، اس نے فوراً ہی کروٹ بدلی اور پھرتی سے مسہری کے دوسری جانب جا کھڑی ہوئی...... تب اسے ایک اور احساس ہوا اور یہ احساس یہ تھا کہ یہ وہ کمرہ بھی نہیں ہے جس میں وہ سونے لیٹی تھی، جگہ بدل گئی ہے، یہ ساری باتیں تو بعد میں بھی سوچی جا سکتی ہیں، لیکن یہ نقاب پوش کون ہے...... نقاب پوش اس کے اتنے قریب تھا کہ با آسانی ہاتھ بڑھا کر بینا کو چھو سکتا تھا، لیکن اب اس سے فاصلہ ہو گیا تھا اور بینا ہر طرح سے مستعد کھڑی اسے دیکھ رہی تھی...... ایک لمحے میں اس نے اپنے حواس سنبھال لئے اور سرد لہجے میں بولی۔ ''کون ہو تم؟''

نقاب کے پیچھے نقاب پوش کی کیفیت کچھ بھی ہوئی ہو، لیکن اس کی آواز سے مسکراہٹ ٹپک رہی تھی...... اس نے آہستہ سے کہا۔ ''حسن کے پجاری کو کوئی بھی نام دے لیا جائے لیکن وہ پجاری ہی ہوتا ہے اور بستی نور الٰہی میں ایسے بہت ہی کم لوگ ہیں جو میری طرح اس خوش ذوقی کے حامل ہوں۔''

یہ آواز، یہ انداز اور یہ لہجہ بینا کے لئے قطعی اجنبی تھا، لیکن اس کی ذہنی کیفیت بہتر تھی اور وہ صورت حال کو پوری طرح سمجھ سکتی تھی۔ شہاب نے اسے بلاوجہ ہی اپنے ساتھیوں میں شامل نہیں کیا تھا، بلکہ یہ بینا کی صلاحیتیں تھیں، جنہوں نے شہاب کو متاثر کیا تھا اور ان میں سب سے اعلیٰ صلاحیت برق رفتاری سے سوچنے اور فیصلہ کرنے کی تھی۔ اس نے اپنے لہجے سے کسی خوف یا پریشانی کا احساس نہ ہونے دیا اور آہستہ سے بولی۔ ''کیا تم مجھے میری رہائش گاہ سے اٹھا کر لائے ہو؟''

''سوال ہی بیکار ہے ظاہر ہے یہ وہ جگہ نہیں ہے جہاں تم اپنی مسہری پر محو استراحت تھیں۔''

''پھر کون سی جگہ ہے؟''

''اگر کوئی کسی کو اس طرح اس کی مرضی کے خلاف اٹھا کر لے آتا ہے تو پھر کیا وہ یہ جواب دینے کا پابند ہے کہ یہ جگہ کون سی ہے؟''

''احمق معلوم ہوتے ہو ایک طرف تو کسی کی پوجا کی بات کرتے ہو اور دوسری طرف اسے بے اعتمادی کی جو اگر ذہنوں میں سرایت کر جائے تو پھر کوئی تعاون نہیں ہو سکتا۔''

نقاب پوش شاید بینا کے الفاظ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا، اس نے آہستہ سے کہا۔

''تمہیں اس طرح یہاں لائے جانے پر اعتراض نہیں ہے؟''

''تم اعتراض کی بات کرتے ہو میرا بس چلے تو میں تمہیں زخموں سے چور کر دوں۔''

''ہاں یہ سچ بات ہے ظاہر ہے اس طرح کسی کو لائے جانے کے بعد مد مقابل کے لئے دل میں کوئی گنجائش تو نہیں رہتی مس فرخندہ رشید۔''

''تم مجھے جانتے ہو؟''

''نہ صرف جاننے کی بات کریں آپ بلکہ یوں سمجھ لیجئے کہ آپ کی پہلی جھلک نے میرے ہوش و حواس کو جلا کر خاکستر کر دیا تھا۔''

''احمق آدمی میں تو یہ بھی نہیں جانتی کہ تم کون ہو اور اس فضول حرکت سے تمہارا مقصد کیا ہے۔ جہاں تک حسن کی بات کرتے ہو تو میں اپنے آپ سے ناواقف بھی نہیں ہوں، معمولی سی شکل و صورت کی لڑکی ہوں، لیکن اس کے باوجود اپنی حفاظت بھی کرنا جانتی ہوں...... تم نے غالباً کسی ذریعے سے مجھے بے ہوش کر کے یہاں تک لانے کی جسارت کی ہے۔''

''کھلی سی بات ہے، ہوش و حواس کے عالم میں کیا تم یہاں آنا پسند کرتیں؟''

''کیا چاہتے ہو؟''

''تمہیں۔''

''کیا میرا حصول اس قدر آسان ہو گا؟''

''نہیں۔''

''پھر تم نے یہ کیوں سمجھ لیا کہ میں تمہارے چنگل میں آ جاؤں گی؟''

''تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں اور دیکھو مس فرخندہ رشید جب انسان کسی سے تعاون کا طلب گار ہوتا ہے تو اس کی یہی آرزو ہوتی ہے کہ اس کا مد مقابل اسے توجہ دے۔''

''کیا اس طرح مجھے لانے کی کوشش میرے دل کے گوشے نرم کر سکتی ہے؟''

''بے شک نہیں، لیکن طلب کی شدت ہر طرح کے اقدامات پر مجبور کر دیتی ہے۔''

"میں پوچھتی ہوں آخر کیا چاہتے ہو؟"

"تمہاری توجہ، تمہاری طلب، تمہاری قربت۔"

"کیا تم مجھے کوئی فاحشہ سمجھتے ہو؟"

"نہیں مس فرخندہ فاحشائیں تو بہت سستے داموں خریدی جاسکتی ہیں۔ بات اصل میں ذوق نظر کی ہوتی ہے...... تم نے اپنے آپ کو معمولی شکل و صورت کی لڑکی کہا ہے۔ میں تمہارے حسن کی شان میں قصیدہ خوانی نہیں کرنا چاہتا، لیکن کسی کی پسند کے لئے تم کیا کہتی ہو؟"

"مطلب؟"

"اگر کسی کی نگاہ میں کوئی بہت بڑی اہمیت اختیار کر جائے تو پھر بات حسن و جمال کی نہیں رہ جاتی تم مجھے اتنی ہی پسند آئی ہو کہ میں تمہارے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔"

"دیکھو شرافت سے مجھے واپس پہنچادو، میں تمہارے لئے آسان نہیں ثابت ہوں گی۔"

"میں مشکلات سے کھیلنے کا عادی ہوں لیکن تمہیں ایک پیشکش کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا؟"

"سرکاری ملازم ہو اور ظاہر ہے لڑکیاں جب ملازمت کے لئے نکلتی ہیں تو ان کی مجبوریاں ان کے سامنے ہوتی ہیں، بہت سے تصورات ہوتے ہیں ان کے دل میں اچھے مستقبل کی خواہش، کسی کو پرورش کرنے کے جذبے، دولت حاصل کرنے کی امنگ، ایک اچھی زندگی حاصل کرنے کے خواب، لیکن یہ سارے خواب آسانی سے پورے نہیں ہو جاتے۔ باہر کی دنیا میں نکلنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دولت کا حصول دنیا کا سب سے مشکل کام ہے، لیکن وہ خوش نصیب جسے آسانی سے دولت حاصل ہو جائے میری نگاہ میں تو خوش نصیب ہی ہوتا ہے، مس فرخندہ سرکاری ملازمت میں تمہیں زیادہ سے زیادہ کیا مل جاتا ہوگا، اگر دس لاکھ روپے کی رقم تمہیں آسانی سے حاصل ہو جائے اور ہر طرح کے راز، راز رکھنے کا وعدہ کیا جائے تو کیا یہ سودا مہنگا رہے گا؟"

بینا کا ذہن مسلسل برق رفتاری سے کام کر رہا تھا، اب وہ اس لہجے اور اس آواز کو تھوڑا تھوڑا سا پہچان رہی تھی اور پھر دس لاکھ روپے کی پیشکش ظاہر ہے کوئی معمولی شخصیت نہیں کرسکتی تھی، چند لمحات خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"آبرو کی قیمت دس لاکھ روپے نہیں ہوتی۔"

"نہیں مس فرخندہ...... یہ صرف انسان کی جذباتی سوچ ہوتی ہے...... دس لاکھ روپے ایک آسان نام ہے البتہ، میں یہ نہیں جانتا کہ آپ کا بیک گراؤنڈ کیا ہے، لیکن یہ رقم معمولی نہیں ہوتی۔"

"تم مجھے دولت کا فریب دے کر خریدنا چاہتے ہو؟"

"فریب نہیں، دولت دے کر، یہ دس لاکھ روپے میں تمہاری قربت حاصل کرنے سے پہلے تمہیں پیش کر سکتا ہوں۔"

"کیا تم دس لاکھ کی اوقات کے مالک ہو؟"

"ایک منٹ مس فرخندہ۔" نقاب پوش نے کہا اور ایک جانب بڑھ گیا...... بینا کی نظریں اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔ نقاب پوش نے ایک الماری کھولی اور ایک چھوٹا سا بیگ نکال کر سامنے رکھا، پھر اس میں سے دس لاکھ روپے کے نوٹ نکال کر بینا کے سامنے رکھ دیئے۔

"میں سچائیوں کا پجاری ہوں اور شوق کی کوئی قیمت نہیں ہوتی، یہ رقم تم اپنی تحویل میں لے لو اور اس کے بعد مجھ پر یقین کر لو۔"

بینا کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے نوٹ اٹھائے اور پھر انہیں سنبھال کر ایک جانب رکھ دیا، اس کے بعد وہ آہستہ آہستہ چل کر مسہری پر آگئی۔ اس کی نگاہیں اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں...... نقاب پوش اسے آمادہ پا کر خوشی کا اظہار کرنے لگا، پھر بولا۔ "تم میری توقع سے بہت مختلف نکلیں فرخندہ، درحقیقت میں تمہیں پسند کرنے لگا تھا۔"

"مگر تم کون ہو؟"

"کہا نا بس تمہارا، پجاری تمہیں پسند کر لیا تھا میں نے اور میں جس چیز کو پسند کر لیتا ہوں اسے حاصل کرنے کے لئے پھر کچھ نہیں سوچتا اس کے سوا کہ وہ میری ملکیت بن جائے۔"

"لیکن بزدل ہو۔"

"کیوں؟"

"نقاب جو پہنے ہوئے ہو۔"

"نہیں یہ نقاب ایک پردہ ہے میرے اور تمہارے درمیان، آج کے بعد ظاہر ہے کہ ہم دونوں نہیں ملیں گے لیکن کم از کم تمہارے دل میں میری خلش نہیں رہ جائے گی۔"

"تم کیا سمجھتے ہو میں اب بھی تم سے یہی کہتی ہوں کہ میں کوئی فاحشہ نہیں ہوں۔ بے شک یہ دس لاکھ روپے میری توقع سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہیں اور میں نے کبھی اتنی رقم یکجا نہیں دیکھی لیکن اس کے باوجود میں عورت تو ہوں۔"

نقاب پوش کشمکش کا شکار ہو گیا...... کچھ دیر غور کرتا رہا پھر بولا۔ "دیکھو بہتر یہ ہے کہ پردہ پردہ ہی رہنے دو۔"

"تمہاری مرضی ہے میں انکار نہیں کرتی، لیکن بہر حال یہ جاننا تو چاہوں گی میں کہ میری زندگی میں پہلا مرد کون تھا؟"

نقاب پوش چند لمحات سوچتا رہا پھر اس نے آہستہ سے اپنے چہرے سے نقاب جدا کر دی اور بینا شدید حیرت سے اُچھل پڑی۔ "ساندا صاحب۔"

"ہاں نور علی ساندا اور اب تمہیں اس بات کا علم ہو گیا ہو گا کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں غلط نہیں ہے۔"

"آپ تو بہت بڑی شخصیت کے مالک ہیں ساندا صاحب۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، حسن جب انسان کو متاثر کرتا ہے تو وہ سلطنتیں چھوڑ دیتا ہے، میں تو ایک عام سا آدمی ہوں۔"

"اگر آپ بھی اپنے آپ کو عام کہیں گے ساندا صاحب تو پھر خاص آدمی کون ہو گا؟"

"ارے نہیں، یہ صرف تمہاری محبت ہے ویسے مس فرخندہ اس تعاون کا دلی شکر گزار ہوں اور یہ ایک سچائی ہے کہ جو کچھ میں نے تمہیں دیا ہے وہ تو تمہاری ملکیت ہو ہی گیا، لیکن اس کے بعد جب بھی تم کبھی بستی نور الٰہی آؤ گی میں تمہاری پذیرائی کروں گا۔"

"اور تم بھی یہ نہ سمجھنا کہ میں صرف دولت کے حصول کے لئے تمہارے پاس آئی ہوں۔"

"ارے نہیں میری جان ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" نور علی ساندا بیٹھ گیا۔ بینا پورے اعتماد سے مسکرا رہی تھی، اس نے کہا۔

"مگر ساندا صاحب آپ لوگوں کے وسائل تو لامحدود ہیں، مجھ میں آپ نے ایسی کیا خاص بات پائی؟"

"بس یوں سمجھ لو کہ مزاج ایسا ہی شاہانہ ہے تمہارے ساتھ کوئی بھی سختی ہو سکتی تھی،

میں نے بس اتنا ہی کیا کہ تمہیں یہاں بلانے میں ذرا مختلف انداز سے کام لیا ورنہ میرے ذہن میں پہلے ہی یہ بات تھی کہ میں تمہیں آمادہ کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"ساندا صاحب آپ کا خیال ہے کوئی لڑکی اور ایک ایسی لڑکی جو عزت و آبرو سے روٹی کما رہی ہو اپنے آپ کو تھوڑی سی دولت کے لئے بے آبرو کرنا پسند کرے گی۔"

"ہر کام دولت کے لئے ہی نہیں ہوتا زندگی میں اور بھی بہت سی باتیں ہوتی ہیں۔"

"یقیناً، لیکن نور علی ساندا صاحب میں، اچھا ایک بات بتائیے؟" بینا نے جملہ ادھورا چھوڑ کر دوسرا سوال کر دیا۔

"کیا؟"

"وہ میرے ساتھی کہاں ہیں؟"

"اوہ...... وہ بس یوں سمجھ لو کہ مسٹر شاداب گھر پہنچ چکے ہوں گے اور آپ کے لئے پریشان ہو رہے ہوں گے لیکن وہ بھی کام کے ہی آدمی نکلے، راگ علی ساندا نے انہیں پچیس لاکھ روپے رشوت پیش کی ہے، اس بات کی کہ وہ زمینوں کی قیمت ہماری پسند کے مطابق لگا دیں۔"

"انہوں نے قبول کر لئے؟"

"سمجھ دار آدمی ہمیشہ دولت کی قدر کرتا ہے۔"

"تو وہ واپس پہنچ چکے ہوں گے۔"

"ہاں اور یقیناً تمہارے لئے پریشان ہوں گے ویسے ڈارلنگ ان کے اور تمہارے درمیان کیا تعلقات ہیں؟"

"بہت اچھے تعلقات ہیں ساندا صاحب لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ آپ اتنے بڑے آدمی ہونے کے باوجود بے وقوف بھی ہیں۔"

"کیوں؟" نور علی نے چونک کر پوچھا۔

"آپ نے یہ نہیں سوچا کہ اس طرح مجھے اغوا کر کے یہاں لانے کے بعد آپ کو میری توجہ کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔"

"کچھ سمجھ میں نہیں آیا کیا مقصد ہوا اس بات کا؟"

"مطلب یہ ہے ساندا صاحب کہ آپ اپنی زندگی کے سب سے بڑے نقصان سے

دو چار ہو رہے ہیں۔"

"کیوں؟" نور علی اب بھی نہیں سمجھا تھا۔

"اس لئے کہ میں نے آپ کو بے وقوف بنا کر آپ کی نقاب کشائی بھی کر لی اور اس کے بعد آپ کو اس بد تمیزی کی سزا دینے کے لئے بھی تیار ہوں۔"

"ایں!" ساندا کا منہ حیرت سے کھل گیا، لیکن اسے نہیں معلوم تھا کہ ایک نرم و نازک ہاتھ کی مالک لڑکی کا گھونسا اتنا زبردست بھی ہو سکتا ہے اور یہ گھونسا اس کی تھوڑی کے نچلے حصے پر پڑا اور یقینی طور پر کوئی ایسی رگ متاثر ہوئی جس نے نور علی ساندا کا سانس ایک لمحے کے لئے بند کر دیا...... وہ ہاتھ پاؤں مارنے لگا اور بیٹھے بیٹھے اوندھا جھک گیا، لیکن بینا کو نجانے اس وقت کیا ہو گیا تھا وہ اپنی نسوانیت کی تمام باریکیاں بھول کر نور علی ساندا کی پشت پر سوار ہو گئی اور اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں نور علی ساندا کے نتھنوں میں ڈال دیں اور پھر ایک خوفناک غراہٹ کے ساتھ ساتھ ہی نور علی ساندا کی بھیانک چیخ اُبھری...... اس کے دونوں نتھنے ادھڑ گئے تھے اور ناک اوپر تک پھٹ گئی تھی...... یہ اتنی خوفناک کارروائی تھی کہ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا اور انگلیوں کی یہ بے پناہ قوت نور علی ساندا کے لئے ناقابل یقین تھی...... شدید تکلیف کی وجہ سے وہ تھوڑی کے نیچے ہونے والی تکلیف کو بھول گیا اور اس نے دھاڑتی ہوئی آواز کے ساتھ اُٹھنے کی کوشش کی لیکن بینا نے بستر پر ہی لیٹے لیٹے اپنے پاؤں کی ٹھوکر اس کے جسم کے انتہائی نازک حصے پر ماری اور نور علی ساندا کے حلق سے دہشت زدہ آواز نکلی۔

"ارے مر گیا...... مر گیا میں مر گیا۔"

"نہیں نور علی ساندا میرا کام جو کچھ بھی ہے لیکن تم مجھے ہمیشہ یاد رکھو گے ایسے یاد رکھو گے نور علی ساندا کہ شاید کسی نے کسی کو نہ یاد رکھا ہو۔" بینا نیچے اتر آئی...... نور علی ساندا زمین پر گر گیا تھا، بے شک زیادہ چوٹیں نہیں لگی تھیں اسے لیکن جو چوٹیں لگی تھیں وہ ایسی تھیں کہ اس کے بعد اس میں کھڑے ہونے کی سکت نہیں رہی تھی...... بینا ایک بار پھر اس پر چھائی اور نور علی ساندا اسے دونوں ہاتھوں سے دُور رکھنے کی کوشش کر کے فرش پر کھسکنے لگا، بینا نے ایک ٹھوکر اس کے سر پر ماری اور نور علی ساندا پھر ساکت ہو گیا۔

"معاف کر دو، معاف کر دو مجھے معاف کر دو آہ، آہ معاف کر دو۔" اس کے منہ میں

ے بہنے والا خون بھر رہا تھا...... بینا وحشت بھرے انداز میں نیچے جھکی اور پھر اس کے ناخنوں کی انگلیاں نور علی ساندا کی آنکھوں میں گھس گئیں...... ایک مکروہ آواز اُبھری اور علی ساندا کے دیدے پھوٹ گئے...... اس کے حلق سے پھر ایک دلخراش چیخ نکلی اور وہ نوں آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر زمین پر لوٹیں لگانے لگا، شاید آس پاس کوئی ملازم بھی موجود ہیں تھا، وہ پوری طرح بندوبست کر کے آیا تھا لیکن سے یہ نہیں معلوم تھا کہ کیسی بلا سے سطہ پڑا ہے...... اس کی آنکھوں سے خون کی دھاریں بہہ رہی تھیں، اور وہ زمین پر تڑپ رہا پھر ان تمام چوٹوں نے مل کر اس سے اس کے ہوش و حواس چھین لئے، وہ سجدے کے ے انداز میں زمین پر پڑا ہوا تھا اور اسی انداز میں بے ہوش ہو گیا تھا...... بینا کی وحشت زدہ ہیں اس کا جائزہ لے رہی تھیں اور اس کے بعد اس نے نور علی ساندا پر تھوک دیا۔

"ذلیل کتے جو کچھ تو کرتا رہا ہے، تیرا خیال تھا کہ دنیا میں کوئی بھی تیرا مقابلہ نہیں سکے گا، لیکن یاد رکھے گا یہ آنکھیں تجھے دوبارہ نہیں ملیں گی اور تیرا چہرہ، تیرا مکروہ چہرہ ہمیشہ بھی دیکھے گا اسے یقین ہو جائے گا کہ تو نے اپنی زندگی میں ایسے ہی گناہ کئے ہیں۔" اس نے ی خون میں ڈوبی ہوئی انگلیوں کو دیکھا اور پھر محتاط انداز میں اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑانے سامنے ہی باتھ روم تھا...... باتھ روم جا کر اس نے اپنی انگلیاں دھوئیں، یہ انگلیاں وہ کپڑے سے پونچھ بھی سکتی تھی لیکن اس طرح اس کی انگلیوں کے نشانات واضح ہو جاتے...... شہاب کی تربیت یافتہ تھی اور خود بھی اعلیٰ ذہانت کی مالک تھی...... اسے اندازہ تھا ابھی کچھ وقت تک تو کسی کو یہ سب کچھ نہیں معلوم ہو سکے گا لیکن اس کے بعد ایک اتنی ی شخصیت کا جب یہ عالم سامنے آئے گا تو بہت کچھ ہو گا اس لئے کم از کم کوئی ایسی نشاندہی یں ہونی چاہئے جس سے بینا منظر عام پر آ سکے، پورے اعتماد کے ساتھ اس نے چاروں رف دیکھا اور اپنی ذہانت کے مطابق ہر وہ نشان مٹانے کی کوشش کی جس سے اس کی اندہی ہو سکے...... یہاں تک کہ باتھ روم کے نل کی ٹونٹی پر سے بھی اس نے اپنی انگلیوں ے نشانات صاف کئے اور پھر باہر نکل آئی، دس لاکھ روپے کے نوٹ وہاں موجود تھے لیکن ما کے ساتھ ساتھ ہی وہ بیگ بھی جس میں سے یہ نوٹ نکال کر دیئے گئے تھے، اس بیگ میں پورے پندرہ لاکھ اور موجود تھے...... بینا نے یہ نوٹ اسی بیگ میں رکھے اور اس کے بعد کا ایک گلدان اٹھا کر ہاتھ میں لے لیا جو وزنی بھی تھا اور اتنی جسامت کا مالک بھی کہ اگر

کہیں سے کوئی مزاحمت ہو تو اس سے نمٹا جاسکے، پھر وہ بیگ اٹھا کر کمرے سے باہر نکل آئی...... عمارت کے بارے میں اسے کوئی علم نہیں تھا لیکن بستی نورالہٰی کو جس حد تک دیکھ تھا اس سے مطمئن تھی اتنی وسیع جگہ نہیں تھی کہ اسے اپنی وہ رہائش گاہ تلاش کرنے میں زیادہ وقت ہو باہر مکمل تاریکی چھائی ہوئی تھی...... وسیع احاطہ تھا لیکن اتنی روشنی ضرور تھی کہ وہ احاطے کے گیٹ کو دیکھ سکتی، البتہ ان دونوں کو اس نے اتفاقاً ہی دیکھ لیا تھا...... کیونکہ ان میں سے ایک غالباً سگریٹ کے کش لگا رہا تھا، بینا کے راستے میں پڑتے تھے دونوں اور یقینی طور پر یہ نور علی ساندا کے محافظ تھے، چنانچہ بینا بلی کی طرح دبے پاؤں چلتی ہوئی آگے بڑھی اور ان کے سروں پر پہنچ گئی، دونوں مزے سے بیٹھے ہوئے سگریٹ کے کش لگا رہے تھے، انہیں علم نہیں تھا کہ ان کے عقب میں ایک عذاب ان کا انتظار کر رہا ہے، پھر ان میں سے ایک کی چیخ بلند ہوئی تو دوسرا چونک کر پلٹا لیکن یہ نہیں سمجھ پایا کہ ہوا کیا ہے اور جب تک وہ یہ سمجھنے کی کوشش کرتا اس کا سر بھی گلدان کی زد میں آگیا تھا۔ اس کے حلق سے بھی دلخراش چیخ نکلی اور اس نے اپنے ساتھی کو پکڑنے کی کوشش کی جو پہلے ہی اذیت سے دونوں ہاتھ سر پر رکھے زمین پر اوندھا لیٹتا چلا جا رہا تھا، چنانچہ دونوں ہی ڈھیر ہو گئے...... بینا نے اطمینان سے اپنی قمیض کے دامن سے گلدان کا نچلا حصہ پکڑا اور پھر دوپٹے سے اس پر سے بھی اپنی انگلیوں کے نشانات صاف کر دیئے اور گلدان ایک جانب پھینک کر تیزی سے دروازے کی جانب دوڑی...... وہ بڑے مطمئن انداز میں پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہی تھی...... دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے سن گن لی اور پھر ایک دم ساکت ہو گئی...... یہ صورت حال ذرا گڑبڑ ہو گئی تھی، دروازے کی دوسری جانب کوئی کار آکر رکی تھی۔

❁

شہاب اس وقت واقعی بدحواس ہو گیا تھا اور اس کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آرہی تھی...... بینا پر غور کر رہا تھا...... بے ہوش کر کے لے جائی گئی ہے ورنہ سخت جدوجہد کرتی لیکن یہ کارکردگی کس کی ہو سکتی ہے، کون ایسا شخص ہے جو اتنی دیدہ دلیری کے ساتھ ایک اجنبی لڑکی کو اٹھا کر لے جائے...... نہ جانے کیوں ذہن بار بار ساندا خاندان کی جانب جاتا تھا...... بس اُلجھن تھی تو صرف یہ کہ نور علی ساندا اور پیار علی ساندا اس وقت اس کے سامنے موجود تھے...... کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا لیکن بہرحال اگر ساندا فیملی نے ایسی کوئی حرکت کی ہے تو

تنہا اپنی زندگی کے سب سے بدترین دور سے گزرنا ہوگا...... اگر اس خاندان کو زندہ جلا کر نہ دوں تو میرا نام شہاب نہیں ہے، لیکن ثابت تو ہو یہ بات اور کیسے ثابت ہو سکتی ہے پھر اچانک اسے ایک خیال آیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنے خیال کو کوئی عملی جامہ پہناتا ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا اور اس نے جلدی سے ٹرانسمیٹر آن کر کے چہرے کے قریب کر لیا۔

”ہاں کون ہے؟“ وہ شہنشاہ کی آواز میں بولا۔

”سالک بول رہا ہوں صاحب۔“

”میں تم سے ہی رابطہ کرنے والا تھا مالک، کہو خیریت ہے سب ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے۔“

”نہیں جناب ٹھیک ٹھاک نہیں ہے، آپ نے جن لوگوں کی نگرانی پر مجھے اور فراز کو مقرر کیا تھا ہم مسلسل ان کی نگرانی کر رہے ہیں۔ ان کی سرگرمیوں کی بقیہ رپورٹ تو میں آپ کو تفصیل سے بعد میں دوں گا اس سے پہلے میں آپ کو ایک رپورٹ دینا چاہتا ہوں۔“

”ہاں بولو۔“

”وہ شخص جو سرکاری گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرا ہوا تھا پیار علی ساندا کی حویلی میں گیا ہوا ہے اس کی ساتھی لڑکی گیسٹ ہاؤس میں ہی تھی لیکن چار پانچ نقاب پوش گیسٹ ہاؤس میں گئے...... اندر کسی کارروائی میں مصروف رہے اور اس کے بعد وہ لڑکی کو بے ہوشی کے عالم میں اٹھا کر لے گئے ہیں۔“

”کہاں لے گئے ہیں؟“

”میں اس عمارت کی نشاندہی کئے دیتا ہوں آپ براہ کرم یہ تفصیل نوٹ کر لیجئے؟“

”ہاں بتاؤ۔“ شہاب بولا اور سالک اسے راستوں کی تفصیل بتانے لگا۔ شہاب ان ساری تفصیلات کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا پھر اس نے کہا...... ”تم کہاں ہو اس وقت؟“

”اسی عمارت کے سامنے۔“

”فراز کہاں ہے؟“

”فراز اس شخص کے پیچھے پیچھے ساندا خاندان کی حویلی پر گیا ہوا ہے اور ابھی تک اس کی واپسی نہیں ہوئی لیکن میں اغوا ہونے والی لڑکی کا تعاقب کرتا ہوا اس عمارت کے پاس پہنچ گیا ہوں...... البتہ میں نے اس معاملے میں ابھی تک کوئی مداخلت نہیں کی ہے۔“

”اغوا کرنے والے افراد وہیں موجود ہیں؟“

"نہیں جناب کوئی موجود نہیں ہے...... البتہ ابھی ابھی ایک شخص ایک گاڑی پر یہاں آیا ہے اس کے بارے میں، میں اندازہ نہیں لگا سکا کہ یہ کون ہے، کچھ عجیب سا لباس پہنے ہوئے تھا اور شاید اس کا چہرہ بھی چھپا ہوا تھا۔"

"وہ لوگ چلے گئے جو اسے اغوا کر کے لائے تھے؟"

"جی ہاں وہ اپنی گاڑی میں جا چکے ہیں لیکن اندر دو افراد موجود ہیں۔"

"ٹھیک ہے سالک تم اپنی ڈیوٹی اسی انداز میں سر انجام دیتے رہو...... میں اس شخص کو آگاہ کر دوں کہ اس کی ساتھی اغوا ہو گئی ہے۔ اس کی [illegible] کے لئے پہنچے۔"

"کیا میں اس کی مدد کروں جناب۔"

"نہیں سالک تمہیں اس سے ہر حالت میں پوشیدہ رہنا ہے۔ ہم کسی پر ظاہر نہیں ہونا چاہتے۔" شہاب نے کہا۔

"اوکے...... تھینک یو ویری مچ۔" سالک کی آواز بند ہوئی تو شہاب برق رفتاری سے اپنی گاڑی کی جانب دوڑا...... یہ انتہائی خوش بختی کی بات تھی کہ تھوڑی ہی دیر میں اسے بینا کا پتا معلوم ہو گیا تھا لیکن وہ اس وقت آتش بنا ہوا تھا اور ہر چیز کو نیست و نابود کر دینا چاہتا تھا...... بینا کے ساتھ اگر کوئی غلط بات ہو گئی تو وہ اپنے آپ کو بھی کبھی معاف نہیں کر سکتا تھا، بہر حال برق رفتاری سے گاڑی دوڑاتا ہوا وہ اس نشاندہی کی جانب سفر کر رہا تھا جو سالک نے کی تھی اور تھوڑی ہی دیر کے بعد اسے وہ عمارت نظر آ گئی۔ وہ خاموشی سے گاڑی سے اترا اور گیٹ پر پہنچ گیا...... پھر گیٹ پھلانگنے میں اسے کوئی دقت نہیں ہوئی تھی، لیکن جیسے ہی اس نے گیٹ کے دوسری جانب قدم رکھا...... اچانک ہی کسی کی لات اس کے پیٹ پر پڑی، ضرب اتنی زوردار تھی کہ شہاب کے منہ سے ایک عجیب سی آواز نکل گئی...... اس نے دوسری ٹھوکر سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو جھکائی دی اور اس شخص کی ٹانگ پکڑ لی جس نے یہ حرکت کی تھی...... لات مارنے والا غالباً پلٹ کر اس کی گردن پر دوسری لات مارنا چاہتا تھا لیکن شہاب نے فوراً ہی اس کا پاؤں چھوڑ دیا جس سے وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھتے ہوئے گر پڑا اور اس کے حلق سے ایک آواز نکل گئی لیکن یہ آواز نسوانی تھی اور شہاب اس آواز کو اچھی طرح پہچانتا تھا...... بینا کے علاوہ کسی اور کی آواز نہیں تھی...... دوسرے لمحے اس نے اسے آواز دی۔

"بینا۔" اور گرنے والا جو ایک لمبی لوٹ لگا کر سیدھا ہو ہی رہا تھا ایک دم سے چونک پڑا پھر اس کے منہ سے بھی آواز نکلی۔ "شہاب صاحب۔"

"پھر صاحب...... ایک تو میری آنتوں کا ستیاناس کر دیا اور پھر اوپر سے صاحب بھی۔" سخت پریشانی اور ذہنی بحران کے باوجود بولا اور بینا سیدھی کھڑی ہو گئی۔

"سوری شہاب صاحب ویری سوری۔ زور سے تو چوٹ نہیں لگی۔"

"جہنم میں جھونکو میری چوٹ کو...... یہ بتاؤ تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"بس ایسے ہی چہل قدمی کرتے ہوئے یہاں تک آ گئی تھی۔" بینا نے کہا اور ہنس پڑی۔

"صورت حال کیا ہے؟"

"دو بے ہوش پڑے ہوئے ہیں اور ایک شاید قریب المرگ ہو گا۔"

"کک...... کیا مطلب؟"

"آیئے زیارت کر لیجئے۔"

"بینا کیا کہہ رہی ہو بتاؤ تو سہی۔"

"سر دیکھنے کی چیز دیکھنے کے لئے ہوتی ہے...... بتانے سے مزہ نہیں آتا۔" بینا نے بے [illegible] اس کا ہاتھ پکڑا اور پھر شہاب کو گائیڈ کرنے لگی۔ شہاب نے بھی ان دو جسموں کو جو نیم بے ہوشی کی کیفیت میں تھے اور عجیب مڑے تڑے انداز میں پڑے ہوئے تھے۔

"مر گئے۔"

"اصولی طور پر تو نہیں مرنا چاہئے لیکن اگر بے اصول ہیں تو مر گئے ہوں گے...... ان پیتل کے گلدان سے لگائی ہیں جو کافی وزنی تھا۔"

"اوہ مائی گاڈ، لیکن...... لیکن۔"

"آیئے سر آیئے...... آپ کو ایک اور دلچسپ شخصیت سے متعارف کراؤں۔"

"یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟"

"زندگی!" بینا نے جواب دیا۔

"کیسی زندگی؟"

"سر آیئے پہلے اس کا جائزہ لے لیجئے۔ ہو سکتا ہے آپ کی کچھ اور ہدایات ہوں اس کے علاوہ اپنی چھپی ہوئی زندگی کے بارے میں بھی آپ کو بتا ہی دوں گی۔"

شہاب حیران حیران سا بینا کے ساتھ عمارت میں اندر داخل ہو گیا۔ بینا نے اندر داخل ہونے کے بعد کمرے میں تیز روشنی کر دی اور شہاب نے زمین پر پڑے ہوئے شخص کو پاؤں کی ٹھوکر سے سیدھا کر کے دیکھا اور اس کا دل لرز کر رہ گیا...... اس کی آنکھوں کی جگہ سوراخ تھے جن سے اب بھی خون اُبل رہا تھا...... اس کے علاوہ ناک اوپر تک ادھڑی ہوئی تھی لیکن اس بھیانک چہرے کو شہاب نے فوراً پہچان لیا...... نور علی ساندا تھا اس کے منہ سے ایک سرسراتی آواز نکلی۔ ”نور علی۔“

”ساندا۔“ بینا نفرت سے بولی۔

”ہاں...... لیکن...... لیکن...... لیکن۔“

”میری آبرو کا گاہک بن کر آیا تھا سر...... اپنے آدمیوں سے مجھے اغوا کرایا تھا اس نے اور اس کے بعد نقاب پہن کر یہاں تک پہنچا تھا لیکن آخر کار میں آپ کی سیکرٹری ہی نہیں آپ کی تربیت یافتہ بھی ہوں۔ اتنا آسان نہیں تھا یہ سب کچھ...... بے ہوش کر کے اٹھا لائے تھے یہ لوگ مجھے۔ ورنہ سر شاید میں آپ کو وہیں گیسٹ ہاؤس میں ہی ملتی۔“

”اس کی یہ حالت تم نے بنائی ہے بینا؟“

”سر یہ تو کچھ بھی نہیں ہے...... اصل میں...... میں اسے قتل کر دیتی تو کچھ مزہ نہیں آتا لیکن اب یہ اپنی ان پھوٹی ہوئی آنکھوں اور ادھڑی ہوئی ناک کے ساتھ اگر اسے زندگی مل گئی تو کم از کم یہ دوسروں کے لئے نشان عبرت بن جائے گا۔“

”خدا کی پناہ...... آؤ بینا...... تم نے ٹھیک کیا...... میں، میں تمہاری اس کارکردگی سے بے پناہ خوش ہوں...... تعریف نہیں کر سکتا تمہاری الفاظ میں...... آؤ چلتے ہیں۔“

”ایک منٹ سر...... اس سوئچ بٹن پر میری انگلی کا نشان ہوگا۔ ذرا اسے صاف کر دوں۔“ بینا نے رومال نکال کر کہا اور سوئچ پر سے نشان صاف کیا اور لائٹ بند کر دی...... اس کے بعد اس رومال سے وہ دروازے کا ہینڈل کھول کر باہر نکل آئی...... شہاب مسرور نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا...... بینا بڑے گیٹ سے بھی باہر نکل آئی۔ شہاب کی کار موجود تھی...... دونوں کار میں بیٹھ گئے اور شہاب نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی تو بینا نے کہا۔

”سر میں سمجھی نہیں تھی، بس یہاں سے نکل رہی تھی کہ گیٹ پر آہٹیں ہوئیں اور میں سمجھی کہ شاید وہی لوگ واپس آگئے ہیں جو مجھے اغوا کر کے لائے تھے...... یہاں ان

کے علاوہ میرا خیال ہے اور کوئی نہیں تھا...... سر مجھے واقعی افسوس ہے، ٹھوکر بہت زور سے لگی ہو گی۔“

”ایسی ویسی مگر اس سے کم از کم مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ مستقبل میں تم سے بات بگاڑنی اب نہیں ہو گی۔ ورنہ اچھی خاصی مرمت ہو سکتی ہے۔“ شہاب ہنس کر بولا اور بینا بھی ہنس دی۔ پھر بولی۔

”لیکن سر آپ یہاں کیسے آگئے؟“

”سالک اور فراز ہماری نگرانی پر مامور تھے بلکہ اس وقت بھی کہیں آس پاس موجود ہوں گے۔“

”سالک نے مجھے تمہارے اغوا کی اطلاع یہیں سے دی تھی۔ فراز میرے پیچھے ساندا کی حویلی تک گیا ہوا تھا۔“

”مگر کس کیفیت میں سر؟“

”بس وہ شہنشاہ کے حکم سے ہماری نگرانی کر رہے ہیں۔“ بینا نے ایک گہری سانس لے کر آنکھیں بند کر لیں پھر بولی۔ ”سر آپ نے میرے بارے میں کیا سوچا تھا؟“

”بینا بہت پریشان ہو گیا تھا میں۔ یقین کرو۔“

”کیوں؟“

”بھئی اس میں کیوں کی گنجائش ہے؟ ظاہر ہے۔ کوئی تمہیں اغوا کر کے لے گیا تھا...... تو سارا مستقبل تاریک ہو گیا۔“

بینا اس انداز پر ہنس پڑی اور بولی۔ ”کیوں سر...... اس سے مستقبل کا کیا تعلق؟“

”تم سے تو ہے۔“

”مجھ سے؟“

”کمال ہے یعنی اب بھی اس بات میں شبہ رہ گیا ہے کہ ہم دونوں جنم جنم کے ساتھی ہیں۔“

”سر سیکریٹریاں تو بدلی بھی جا سکتی ہیں۔“

”سیکرٹری۔“ شہاب حیرت سے بولا اور اس نے اس انداز سے بینا کو دیکھا کہ بینا کے چہرے پر شرم کی سرخی پھیل گئی۔ شہاب نے کہا...... ”سیکریٹریاں اس طرح نہیں شرماتیں

مس بینااور آپ کو یہ اندازہ ہو جانا چاہئے کہ آپ سیکرٹری نہیں ہیں۔"

"پھر سر؟" بینا نے کہا۔

"جب تک سر سر کئے جاؤ گی میں بھی سر سراتا رہوں گا۔ جب محبت سے شہاب کہہ کر پکارو گی تو تمہاری تمام باتوں کا جواب دے دوں گا۔" اتنی دیر میں گیسٹ ہاؤس آ گیا تھا۔ اس لئے یہ سلسلہ گفتگو منقطع ہو گیا۔

شہاب اور بینا اندر آ گئے۔ بینا کو ننگے پاؤں چلتے ہوئے عجیب لگ رہا تھا...... شہاب نے اسے دیکھا تو بینا ہنس پڑی۔

"کیوں؟" شہاب نے اس ہنسی کی وجہ پوچھی۔

"سر میں ننگے پاؤں ہوں۔"

"تمہارا یہ عالم بہت ہولناک ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ جب تم ننگے پاؤں ہو تو ہوشیار رہنا چاہئے۔"

"کیوں سر؟"

"اس عالم میں ناک ادھڑ جاتی ہے اور آنکھیں پھوٹ جاتی ہیں۔" شہاب نے کہا...... بینا اس بات پر خوب ہنسی تھی...... شہاب اس کا بغور جائزہ لے رہا تھا...... اسے بینا کے معیار کا تو اندازہ ہو گیا تھا...... اتنے خوفناک عمل سے گزرنے کے باوجود وہ بالکل نارمل تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ نہ صرف خطرناک لمحات میں اپنے حواس قائم رکھ سکتی ہے بلکہ اس حد تک عمل بھی کر سکتی ہے اور یہ بینا کی کوالٹی تھی۔

کمرے میں بیٹھ کر بینا نے بیگ شہاب کے سامنے رکھا اور ہنس پڑی۔ شہاب مسکرا کر بولا۔ "اس کیس نمبر چھ کی وجہ بھی بتاؤ۔"

"آپ خود دیکھ لیجئے۔"

"کیس؟"

"نہیں یہ بیگ۔"

"ارے ہاں کیا ہے اس بیگ میں؟"

"مزید پچیس لاکھ ہیں۔"

"کیا مطلب؟" شہاب چونک پڑا۔

"دس لاکھ میری آبرو کی قیمت...... پندرہ لاکھ کی ڈاکہ زنی کی ہے میں نے...... شہاب پ ناراض نہیں ہوں گے میری یہ حرکت اصولی طور پر غلط نہیں ہے۔ ان بھیانک لمحات ں میں نے جذباتی ہونے کے بجائے عقل سے کام لیا اور اس طرح مجھے کامیابی ہوئی ورنہ یدہ اتنی آسانی سے شکار نہ ہوتا...... عموماً ہمارے ہاں کی فلموں اور ڈراموں میں ایسے لموں پر ولن بھیانک قہقہے لگاتا ہے اور مظلوم لڑکی بچاؤ بچاؤ کے بے تکے نعرے لگاتی ہے۔ ں نے یہ سین تھوڑا سا بدل دیا تھا اور پھر یہ بھی آپ کی ہدایت ہے کہ کسی بھی کیس میں اگر نس ملے تو اپنا کمیشن ضرور وصول کرو۔"

"لیکن!" شہاب حیرت سے بولا۔

"میں آپ کو پورا اسکرپٹ سناتی ہوں۔" بینا نے کہا اور شہاب کو شروع سے آخر تک ری داستان سنا دی...... شہاب پھٹی پھٹی آنکھوں سے بینا کو دیکھ رہا تھا...... یہ تفصیل سنانے ے بعد بینا نے کہا۔

"سر انتہائی معذرت خواہ ہوں اپنے طور پر یہ کام کر بیٹھی ہوں...... پتا نہیں آپ کے راج کے مطابق ہو یا نہ ہو لیکن سر آپ ناراض نہیں ہوں گے بلکہ مجھے گائیڈ کریں گے...... قیقت یہ ہے کہ مجھے یہ راستہ بھی آپ نے ہی دکھایا ہے ورنہ میں تو کبھی ہزار روپے کے ے میں بھی غور ہی کر لیا کرتی تھی...... ذاتی طور پر اتنے پیسے خرچ کرنے کا موقع نہیں ملتا ا لیکن اب یہ دل چاہتا ہے سر کہ خوب دولت جمع کر لوں۔' بینا کے الفاظ کی معصومیت پر ہاب کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔ اس نے کہا۔

"مگر اس دولت کو ایسے گندے ناموں سے منسوب نہ کیا کرو بینا۔"

"سمجھی نہیں شہاب صاحب؟"

"تم نے کہا تھا کہ دس لاکھ تمہاری آبرو کی قیمت۔ بس ان الفاظ کے علاوہ مجھے اور کسی ت پر اعتراض نہیں ہے۔ تمہاری آبرو کی قیمت بینا دس ارب بھی نہیں ہو سکتی۔ دس لاکھ حیثیت رکھتے ہیں۔"

"معذرت کی گنجائش ہمیشہ رکھا کریں آئندہ ایسے الفاظ نہیں ادا کروں گی؟"

"مجھے یقین نہیں ہے۔" شہاب نے کہا۔

"نہیں سر میں وعدہ کرتی ہوں۔"

"کہانا مجھے یقین نہیں ہے۔" شہاب بدستور اسی انداز میں بولا۔

"کیوں آخر سر؟"

"اس لئے کہ درجنوں بار وعدہ کرنے کے باوجود تم نے مجھے سر، سر کہنا نہیں چھوڑا ہے۔"

"اوہ میرے خدا! میں تو واقعی خوف زدہ ہو گئی تھی چلئے یہ بھی اب آخری بار سہی۔"

"ویسے بینا ڈراما واقعی زبردست رہا ہے...... میرا خیال ہے ان شریف لوگوں نے ہمارا پورا کمیشن ادا کر دیا...... اب ہمیں صرف کام کرنا ہے۔"

"جی سر...... مم...... میرا مطلب ہے شہاب صاحب۔ آپ کو اعتراض نہیں ہوا...... اس سے زیادہ خوشی مجھے اور کسی بات کی نہیں ہو سکتی۔"

"میرا خیال ہے نک ویلوٹ کی طرح ہماری فیس بھی پچاس لاکھ ہو گئی ہے اس سے کم پر تو بات آہی نہیں رہی۔"

"نہیں مسٹر شہاب پچیس لاکھ۔" بینا نے خود کو سنبھال کر کہا۔

"جی نہیں پچاس لاکھ۔"

"جی۔"

"جی ہاں۔"

"وہ کیسے؟"

"پچیس لاکھ یہ موجود ہیں...... مجھے ان کاغذات پر دستخط کرنے کی رشوت دی گئی ہے جن کے تحت زمین کی قیمت متعین کی گئی ہے۔"

"اوہو یہ رشوت راگ علی ساندا نے دی ہے۔"

"ہاں...... اس وقت وہ بدبخت اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ وہاں موجود تھا۔" شہاب نے ان دستخطوں کی پوری تفصیل بتائی پھر وہ بولا۔

"بینا پروگرام میں فوری تبدیلی ضروری ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"بس تیار ہو جاؤ ہمیں فوراً ہی یہاں سے نکل جانا چاہئے۔"

"دارالحکومت واپس چلیں گے۔"

"یقیناً...... اور سب سے پہلے ڈی آئی جی نادر حیات صاحب کو یہ کہانی سنائیں گے

پروگرام میں بڑی مناسب تبدیلی پیدا کرنی ہے کیونکہ ظاہر ہے اس واقعے کے بعد راگ علی ساندا خاموش نہیں بیٹھے گا...... بے غیرت قسم کے لوگ ہیں۔ کوئی نئی کہانی گھڑ کر انتظامیہ کو گمراہ کرنے کی کوشش کریں گے...... ہمیں اس سے پہلے اپنے لئے بچاؤ کا بندوبست کرنا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے شہاب صاحب جیسا آپ کا حکم۔"

"تو پھر یہاں بھی ذرا اپنے نام و نشان مٹا دیئے جائیں کیونکہ اب صورت حال بدل چکی ہے۔" کافی دیر تک وہ اس کام میں مصروف رہے تھے اور اس کے بعد گاڑی میں بیٹھ کر چل پڑے تھے...... شہاب خاموشی سے ڈرائیونگ کر رہا تھا اور اس کے ذہن میں لاتعداد منصوبے گردش کر رہے تھے...... واقعات کی یہ کروٹ بڑی سنسنی خیز تھی اور جو کچھ کیا گیا تھا وہ بالکل مختلف تھا...... راستے بھر بینا نے بھی خاموشی ہی اختیار کئے رکھی، کم از کم اتنا اندازہ ہو گیا تھا اسے کہ شہاب خاموش رہنے والوں میں سے نہیں ہے، اس وقت لازمی طور پر اس کے ذہن میں بہت سے منصوبے بن رہے ہوں گے، دارالحکومت پہنچتے پہنچتے روشنی پھیل گئی تھی لیکن اس ہنگامی رات کی تھکن کے کوئی اثرات ان پر نہیں تھے...... شہاب نے بینا کو کریم سوسائٹی والی کوٹھی پر اتارا اور بولا۔ "تم یہاں آرام کرو کھانے پینے کا بندوبست رکھنا میں نادر حیات صاحب سے ملاقات کر کے واپس یہیں آؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" بینا نے جواب دیا اور شہاب اسے اتار کر نادر حیات صاحب کی رہائش گاہ کی جانب چل پڑا، ڈی آئی جی صاحب سے کچھ اتنی عقیدت اور لگاؤ پیدا ہو گیا تھا کہ شہاب جانتا تھا کہ وہ اس کے اس اقدام کی پذیرائی کریں گے، پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ ڈی آئی جی صاحب کی کوٹھی پر پہنچ گیا ناوقت آیا تھا ڈرائنگ روم میں انتظار کرنا پڑا لیکن یہ بھی ڈی آئی جی صاحب کی مہربانی اور ان کا لگاؤ تھا کہ وہ پیشانی پر بل ڈالے بغیر اپنے معمولات میں تبدیلی پیدا کر کے شہاب سے ملاقات کے لئے آ گئے تھے...... ایک گاؤن میں ملبوس تھے اور چہرے پر نیند کے آثار تھے۔

"سر، معذرت خواہ ہوں لیکن اس وقت آپ سے ملنا بے حد ضروری تھا۔" ڈی آئی جی صاحب نے خوش دلی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جب تم سمجھتے ہو کہ اس وقت ملنا اتنا ہی ضروری تھا تو پھر معذرت کی گنجائش تو نہیں

رہ جاتی، میں خود تمہارا نام سن کر حیران رہ گیا ہوں کیونکہ تمہاری واپسی تو خاصی دیر کے بعد متوقع تھی۔"

"جی سر لیکن حالات نے جو کروٹ بدلی اس کے تحت مجھے وہاں سے واپس آنا پڑا۔"

"کب پہنچے ہو؟"

"سیدھا آ رہا ہوں سر۔"

"اوہو...... رات بھر سفر کر کے۔"

"جی سر۔"

"تو پھر میرا خیال ہے چائے کا انتظار کئے بغیر سلسلہ گفتگو شروع ہو جائے، ویسے میں ملازم سے چائے کے لئے کہہ کر آیا ہوں۔"

"شکریہ سر۔" شہاب نے کہا اور پھر وہ راگ علی ساندا کے بارے میں ساری تفصیل بتانے لگا...... رشوت کی کہانی بھی سنائی اور اپنے ساتھ جانے والی لڑکی کے اغوا کی کہانی بھی لیکن ان دوسرے پچیس لاکھ کا تذکرہ اس نے ڈی آئی جی صاحب کے سامنے نہیں کیا تھا...... نادر حیات صاحب بہت فراخ چشم انسان تھے، بڑی توجہ اور سکون کے ساتھ یہ سب کچھ سنتے رہے اور تفصیل سننے کے بعد خاموش ہو گئے...... کافی دیر تک وہ گہری سوچ میں گم رہے تھے اس دوران ملازم چائے کا سامان اور اس کے ساتھ کچھ دوسرے لوازمات سامنے لگا گیا تھا...... ڈی آئی جی صاحب نے شہاب کو چائے کی پیشکش کی اور خود بھی اپنی پیالی اُٹھا کر ہونٹوں سے لگا لی، تھوڑی دیر کے بعد وہ بولے۔ "یہ سب کچھ بالکل ٹھیک رہا اور میں سمجھتا ہوں کہ ان بد کرداروں کو یہ سزا ملنی ہی چاہئے تھی، لیکن اب ہمیں فوری طور پر پروگرام میں تبدیلی پیدا کرنی ہو گی۔"

"یقیناً جناب۔"

"تمہارے ذہن میں کوئی منصوبہ ہے؟"

"آپ کا حکم ہو تو پیش کروں؟"

"ہاں ہاں ضرور۔" ڈی آئی جی صاحب نے کہا اور پھر خاموشی سے شہاب کی صورت دیکھنے لگے...... شہاب نے کہا۔

"آپ نے فرمایا تھا کہ شاہد ایاز اور مس فرخندہ رشید کو احتیاطاً ایک ایسی جگہ پہنچا دیا گیا

ہے جو ان کے لئے تکلیف دہ نہیں ہے لیکن ضرورتاً ایسا کر لیا گیا ہے۔"

"ہاں بالکل۔"

"کیا ان لوگوں کو علم ہے کہ وہ کس کی تحویل میں ہیں؟"

"بالکل نہیں...... ضرورتاً ایک قدم اٹھایا گیا تھا گو اس میں ایک تھوڑی سی مجرمانہ حیثیت بھی ہے، لیکن نہ تو ان کے اہل خاندان اس کے لئے پریشان ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں یہ دونوں ایک سرکاری مشن پر گئے ہوئے ہیں اور نہ ان لوگوں کو کوئی تکلیف دی گئی ہے۔"

"ویری گڈ۔ اس کا مطلب ہے کہ رہائی کے بعد یہ لوگ نشاندہی نہیں کر سکتے کہ انہیں کس نے اغوا کیا تھا۔"

"بالکل نہیں۔" ڈی آئی جی صاحب مدھم سی مسکراہٹ سے بولے۔

"سر یہ کام انتہائی شاندار ہوا ہے۔ اب ہم یوں کر دیتے ہیں کہ انہیں رہا کئے دیتے ہیں...... ایک سوال اور کرنا چاہتا ہوں سر۔"

"ہاں بولو؟"

"کیا ان کے محکمے کے کسی فرد کو بھی اس بات کا علم ہے؟"

"بھئی عجیب سوال ہے یہ، یعنی میں نے ایک عمل ضرورتاً کیا ہے اس کی تشہیر تو میں نہیں کر سکتا تھا...... تمام باتوں کو مکمل طور سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔"

"پھر تو جناب کوئی مسئلہ ہی نہیں رہ گیا...... ہم ان دونوں کو آزاد کئے دیتے ہیں...... یہ دونوں اپنے گھروں کو واپس پہنچ جائیں گے...... اپنے محکموں کو رپورٹ دیں گے کہ ان کے ساتھ ایسا ہوا ہے، پھر بعد میں محکمے کو علم ہو گا کہ دو افراد جعلی طور پر بستی نور الٰہی پہنچے ہیں اور انہوں نے جعلی کارروائی کی ہے۔ راگ علی ساندا کو اس بات کی کوئی اطلاع نہیں دی گئی تھی کہ سرکاری افسران زمینوں کی قیمت کا تعین کرنے آ رہے ہیں اور نہ ہی یہاں سے انہیں ان کے بارے میں کوئی تفصیل بتائی گئی تھی۔ کچھ جعل سازوں نے یہ جال پھیلایا اور وہاں جو کچھ بھی ہوا اس کی ذمہ داری ان جعل سازوں پر ہی عائد ہوتی ہے۔ حکومت یا متعلقہ محکمہ اس کے لئے مجرم نہیں قرار پاتا۔ جعل ساز تو بہر طور جعل ساز ہوتے ہیں اور اب جرم ہوا ہے تو اس کی تفتیش ہو جائے گی۔ بات ختم ہو جاتی ہے حکومت ذمہ دار نہیں ہو گی۔" ڈی آئی جی صاحب ایک دم ہنس پڑے اور شہاب مطمئن نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔ ان کی ہنسی اس

بات کا اظہار بھی تھی کہ وہ اس تجویز سے غیر متفق نہیں ہیں پھر انہوں نے کہا۔

"ہوں...... اچھی تجویز ہے بہت اچھی تجویز ہے اور میرے خیال میں اس کے علاوہ ہم اور کچھ نہیں کر سکتے بلکہ ہمیں یہی کرنا چاہئے۔"

"تھینک یو ویری مچ سر۔" شہاب نے کہا۔

"پھر اب یہ بتاؤ اس کے بعد کیا کرو گے؟"

"سر کام تو جاری رہے گا ابھی تو ہمیں راگ علی ساندا کو پوری طرح اپنی ڈھب پر لانا ہے...... آپ ذرا دیکھئے ان لوگوں کا طرز زندگی کیا ہے۔ کیا اب بھی اس بات میں شبہ رہ جاتا ہے...... ڈی آئی جی صاحب کہ یہ اپنے علاقوں میں من مانی کرتے ہیں نہ انہیں کسی سرکاری افسر کا خوف ہے اور نہ کسی کی عزت و آبرو سے دلچسپی ہے۔" ڈی آئی جی صاحب کے چہرے پر نفرت کے آثار پھیل گئے۔ وہ بولے۔

"یہ ایک بہت بڑا سچ ہے کچھ لوگوں نے انسان ہونے کے باوجود دولت کے بل بوتے پر اپنے آپ کو اس قدر آگے کی چیز سمجھ لیا ہے کہ وہ نہ انسانوں کو انسان سمجھتے ہیں نہ قانون کو قانون...... وہ سمجھتے ہیں کہ وہ جو کچھ کریں گے اس کا حل ان کے پاس موجود ہے۔ کوئی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور شہاب افسوس کی بات یہ ہے کہ ان کی دولت ان کی مدد کرتی ہے۔ ان سے تعاون کیا جاتا ہے اور اسی تعاون نے ان کی ہمت بڑھا دی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارا یہ قدم بھی غیر قانونی ہے لیکن کیا کیا جائے اور کوئی حل کبھی سامنے نہیں آیا...... بہر حال میں تمہارے اس تمام عمل سے بالکل اتفاق کرتا ہوں۔ ٹھیک ہے جب کوئی چارہ کار نہ رہے تو یہی سب کچھ کرنا مجبوری بن جاتا ہے۔ اب تم اپنا کام ذرا احتیاط کے ساتھ جاری رکھو...... تمہارا کوئی نشان تو وہاں سے دستیاب نہیں ہو سکے گا۔"

"نہیں سر۔"

"ویسے تم کافی ذہین اور چالاک آدمی ہو۔"

"تھینک یو سر لیکن وہ پچیس لاکھ روپے کی رشوت؟"

"نہیں مجھے اس کے لئے کوئی پیش کش نہ کرنا اس کی وجہ میں تمہیں نہیں بتا سکوں گا جو کچھ تمہیں حاصل ہوا ہے اس سے اپنے حالات سنوارنے کی کوشش کرو...... ہر شخص کو حق حاصل ہے اور پھر یہ کسی شریف یا غریب آدمی کی دولت نہیں بلکہ نجانے کتنے لوگوں کا خون

چوس کر یہ دولت اکٹھی کی گئی ہو گی...... تم اسے استعمال کرو، ابھی کچھ دن کی خاموشی اختیار کرنا پڑے گی ہمیں...... مجھے بس اس خط کے بارے میں تشویش ہے، اس خط کا کوئی جواز نہیں ہے ہمارے پاس...... نجانے کون ہے اور کیا کرنا چاہتا ہے، بہر حال اب ان حالات کے تحت اس سلسلے میں کوئی موثر کارروائی فوری طور پر ممکن نہیں ہے...... جائزہ لیا جائے گا لیکن پس پردہ یہاں کام جاری رکھو۔"

"جی سر۔" شہاب نے کہا اور پھر ڈی آئی جی صاحب سے اجازت لے کر وہاں سے اٹھ گیا...... وہ بہت خوش تھا۔ ڈی آئی جی صاحب نے مکمل تعاون کیا تھا، حالانکہ یہ تمام اقدامات خلاف پروگرام تھے لیکن نادر حیات صاحب نے اس جواز کو تسلیم کیا تھا جو ان اقدامات کی وجہ تھا...... اصل میں یہ بہت بڑی بات تھی اور پھر ان کی فراخ چشمی۔ پچیس لاکھ کی رقم معمولی نہیں ہوتی...... انہوں نے اس سے بھی چشم پوشی کی تھی۔

کریم سوسائٹی پہنچ گیا...... بینا جوہر خان کے ساتھ مل کر بہت کچھ کر چکی تھی...... اس نے میز سجا دی اور دونوں کھانے میں مصروف ہو گئے۔

"تمہارے اندر بہت گھریلو پن ہے بینا۔"

"یہ میرا گھر ہے شہاب اور اس گھر میں ایک مکمل لڑکی ہوں میں۔"

"اور گھر سے باہر؟" شہاب نے پوچھا...... بینا مسکرانے لگی پھر سوچ کر بولی۔

"گھر سے باہر بھی۔"

"میں تسلیم کرتا ہوں۔" شہاب سنجیدگی سے بولا۔

"جی؟"

"ہاں بینا...... مکمل لڑکی کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔ وقت بدل چکا ہے، اس دور کی لڑکی کا انداز مختلف تھا جب اسے گھر کی چار دیواری میں محصور رہنا ہوتا تھا...... اسے اس چار دیواری کا تحفظ حاصل تھا...... اب جب حالات نے اسے گھر سے نکال دیا ہے تو اسے اپنی نسوانیت اور نزاکت کو خیر باد کہہ دینا بھی ضروری ہے۔ اسے پوری قوت سے ان بھیڑیوں کا مقابلہ کرنا چاہئے جو اس پر حملہ آور ہوں۔"

"اور آپ...... آپ سچ کہہ رہے ہیں؟"

"بالکل سچ بینا۔"

"تھینک یو سر...... میں نے اسے ان آنکھوں سے محروم کر دیا ہے جن آنکھوں سے اس نے مجھ پر بری نگاہ ڈالی تھی، پھر میں نے اس کے چہرے کو بد نما کر دیا تا کہ اسے اپنی برائی کا یہ دن یاد رہے۔"

"تمہارا انتقام بھرپور ہے بینا۔"

"آپ کے الفاظ نے میرا حوصلہ بہت بڑھا دیا ہے۔ شہاب میں آپ کی شکر گزار ہوں۔"

"میں نے اپنے تحفظ کے لئے بھی ایک فیصلہ کیا ہے۔" شہاب نے پوری سنجیدگی سے کہا۔ "ہاں...... حوصلہ کچھ اور بڑھ گیا تو اس لئے میں سیاہ چشمہ لگایا کروں گا۔"

بینا پہلے تو اس کے الفاظ سمجھنے کی کوشش کرتی رہی پھر جب بات اس کی سمجھ میں آئی تو بے اختیار ہنس پڑی۔

"آپ مجھے شرمندہ نہ کیا کریں۔" اس نے کہا۔

"جی بہت بہتر۔" شہاب خوف زدہ لہجے میں بولا اور بینا کا قہقہہ بلند ہو گیا۔

❋

صبح ہونے میں کچھ ہی دیر باقی رہ گئی تھی...... جب ان دونوں زخمیوں کو ہوش آیا جو پہرے پر موجود تھے اور جنہیں بینا نے گلدان مار کر زخمی کر دیا تھا...... دونوں کی حالت کافی خراب تھی...... چوٹیں بڑی زبردست تھیں اور ان چوٹوں نے انہیں کئی گھنٹوں کی نیند سلا دیا تھا...... جاگے تو چکر آ رہے تھے لیکن پھر حواس بحال ہوئے تو دونوں ہی کی حالت خوف سے خراب ہو گئی...... یہ کیا ہوا ہے، کیا ہو گیا...... دونوں نے ایک دوسرے سے سوالات شروع کر دیئے۔

"پتا نہیں بھئی کون کم بخت تھا...... میری تو حالت خراب ہو گئی ہے۔"

"یار بشیر مجھے تو کوئی لمبا چکر نظر آ رہا ہے۔"

"کیسا؟" دوسرے نے پوچھا۔

"اندر چل کر دیکھیں نور علی کا کیا حال ہے۔ میں نے ایک جھلک دیکھی تھی مگر سنبھلنے سے پہلے ہی میرا کام کر دیا گیا۔"

"کون تھا وہ؟"

"وہی لڑکی جسے ہم لوگ اٹھا کر لائے تھے۔"

"اب کیا ہو گا؟"

"اندر چلو...... کہیں اس نے ساندا صاحب کو بھی زخمی نہ کر دیا ہو۔"

دونوں گرتے پڑتے اندر آئے اور انہوں نے نور علی ساندا کو دیکھا اور پھر اس کی کیفیت دیکھ کر دونوں کی حالت بری طرح بگڑ گئی...... ان کے حواس گم ہو گئے تھے...... دونوں خوف سے کانپ اٹھے...... نور علی ساندا کی آنکھوں کی جگہ گہرے غار جن پر اب خون جمنے لگا تھا...... ادھڑی ہوئی ناک جس سے ابھی تک مسلسل خون بہہ رہا تھا...... انہوں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایک دوسرے کی صورت دیکھی اور ان میں سے ایک بولا۔

"کہا تھا نا میں نے کوئی بڑا ہی کام ہو گیا ہے...... اب تو ہم مارے گئے ریاض خاں۔"

"اب کیا ہو گا بھائی بشیرا؟"

"میری تو ہمت جواب دے گئی ہے تو ذرا دیکھ ساندا صاحب زندہ ہیں یا مر گئے ہیں۔ پڑے تو مردوں ہی کی طرح ہیں۔"

"میری ہمت نہیں پڑتی۔"

"ہمت کر یار میرا دل بہت کمزور ہے۔ کوئی بہت بڑا طوفان آنے والا ہے تو دیکھ یہ زندہ ہیں یا مر گئے۔" نور علی ساندا کی دھڑکنوں کا جائزہ لیا گیا اور اس بات کا یقین ہو گیا کہ وہ زندہ ہے تو ریاض خاں نے بشیر اسے کہا۔

"اب یہ بتا کیا کریں ہم لوگ۔ دونوں چلیں یا تو جا کر اطلاع دے گا۔"

"ایک بات کہوں بچنا ہم دونوں میں سے کسی کو نہیں ہے...... اس طرح کبھی کبھی لینے کے دینے پڑتے ہیں تو نے اندازہ لگایا برے کام کا برا نتیجہ۔ لڑکی ساندا صاحب کو صحیح طور سے سزا دے کر چلی گئی۔"

"پھر کیا کریں بھاگ چلیں یہاں سے؟"

"اور مصیبت آ جائے گی۔"

"کیوں؟"

"ارے ان بڑے آدمیوں کو نہیں جانتا تو ہم پر سازش کا الزام لگ جائے گا۔ دونوں کو چھوٹے ساندا کی اس کیفیت کا مجرم قرار دیا جائے گا۔"

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے ہم بھاگ جو نکلیں گے۔"

"اب اپنے گھر والوں کا کیا کرو گے؟ ایک ایک کو چوراہے پر پھانسی دے دی جائے گی۔ پولیس کو خبر بھی نہیں کی جائے گی...... سمجھے۔"

"ہاں یہ تو ہے۔"

"اب دیر نہ کرو چلو دونوں ہی چلتے ہیں انجام جو بھی ہو۔"

"چلو۔" دونوں گرتے پڑتے حویلی پہنچے...... راستے میں یہ طے کیا کہ راگ علی ساندا کو اطلاع دینے کے بجائے پیار علی کو اطلاع دی جائے کیونکہ یہ بات وہ بھی جانتے تھے کہ دونوں بھائیوں میں گٹھ جوڑ ہے اور دونوں ایک ساتھ برائیاں کرتے ہیں لیکن تقدیر کی خرابی کو کیا کرتے۔ راگ علی ساندا چہل قدمی کا عادی تھا اور جب وہ حویلی میں داخل ہوئے تو راگ علی ساندا پھولوں کی کیاری کے پاس کھڑا پھولوں کو دیکھ رہا تھا...... دونوں کے قدم رُک گئے۔ راگ علی ساندا نے انہیں دیکھ لیا تھا اور ان کے کپڑوں پر خون کے دھبے دیکھ کر چونک پڑا تھا...... وہ خود کئی قدم آگے بڑھ آیا اور اس نے انہیں غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا ہوا؟ کیا ہو گیا تم دونوں کو، تم زخمی ہو؟"

"بڑے ساندا صاحب ہم ہم۔"

"کیا ہم ہم لگا رکھی ہے۔ بات بتاؤ کیا بات ہے؟"

"وہ ساندا صاحب بڑا حادثہ ہو گیا ہے جی، ہم تو ہم تو بے موت مارے گئے جی...... ساندا صاحب جی، ساندا صاحب جی۔" دونوں گڑگڑانے لگے...... راگ علی ساندا انہیں غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" دونوں راگ علی ساندا کے پیچھے پیچھے چل پڑے...... ساندا انہیں حویلی کے عقبی حصے میں لے گیا اور پھر ایک کمرے میں پہنچ کر بولا۔

"کیا حادثہ ہو گیا ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ مجھے فوراً ہی بات نہ بتانے کی سزا کیا ہوتی ہے۔"

"وہ ساندا صاحب جی، چھوٹے ساندا انور علی ساندا۔"

"کیا؟" راگ علی چونک پڑا۔

"ہاں جی، وہ بہت زخمی ہو گئے ہیں جی۔ ساندا جی ان کے...... ان کے بڑے زخم آئے ہیں جی ان کے۔"

"کب کہاں کیسے، کیا بکواس کر رہے ہو؟" راگ علی ساندا نے انہیں کئی گالیاں دیتے ئے کہا۔

"وہ جی بس رات کو جی رات کو، وہ وہاں سے جی لڑکی کو اٹھایا تھا ہم نے، وہ زخمی کر کے ئی گئی ساندا صاحب کو جی۔ بڑا زخمی کیا ہے۔"

"کس لڑکی کو اٹھایا تھا؟" راگ علی ساندا نے کہا۔

"وہ جی جو سرکاری افسر گیسٹ ہاؤس کے بنگلے پر آ کر ٹھہرے تھے نا جی، ان میں جو لڑکی ی نا جی، بس ساندا صاحب نے اس کو اٹھا کر لانے کا حکم دیا تھا۔"

"کیا؟" راگ علی ساندا کے چہرے پر زلزلے کے آثار نظر آنے لگے۔

"ہاں صاحب جی ہم اسے اٹھا لائے...... تین بندے اور تھے ہمارے ساتھ۔ وہ جی ایاز ال، دلاور اور شبو، یہ بھی ہمارے ساتھ تھے جی، لڑکی کو ہم لا کر نو نمبر میں چھوڑ گئے۔ وہ ہیں چلے گئے...... ہماری ڈیوٹی لگا دی گئی۔ ساندا جی وہیں آ گئے...... ہمیں پہرے پہ لگا دیا گیا ا جی۔ بس پھر ساندا جی اندر چلے گئے...... ہم بیٹھے ہوئے پہرہ دے رہے تھے کہ صاحب جی ارے سروں پر زوردار چوٹ لگا دی گئی اور ہم بے ہوش ہو گئے...... ابھی تھوڑی دیر پہلے میں ہوش آیا اور ہم اندر آ گئے...... ساندا جی، ساندا جی وہیں پڑے ہوئے ہیں صاحب جی۔ ت خون بہہ گیا ہے ان کا اور...... اور۔"

"اوہ کتے کے بچو، کتے کے بچو تم لوگ حالات کو بگاڑنے میں ہمیشہ پیش پیش رہے ہو۔ رے ساتھ آؤ...... میرے ساتھ آؤ۔" راگ علی ساندا نے کہا اور ان دونوں کو ساتھ لے باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ حویلی کے عقب حصے ہی کے ایک ایسے کمرے میں پہنچ گیا جو خالی اور بند پڑا رہتا تھا۔ راگ علی ساندا نے ان دونوں کو اندر جانے کے لئے کہا اور وہ اندر پہنچ ئے...... تب راگ علی ساندا نے ان سے کہا۔

"اگر یہاں سے ہلنے یا بولنے کی کوشش کی تو اتنے ٹکڑے کروں گا تمہارے کہ کوئی گن نہ سکے گا سمجھے...... خاموشی سے یہاں بیٹھے رہو۔" وہ دونوں سہم کر خاموش ہو گئے۔ ل علی ساندا دوڑتا ہوا باہر آیا تھا۔ ابھی چونکہ حویلی میں زندگی کے آثار نمودار نہیں ئے تھے اس لئے بات دب سکتی تھی...... ایک مخصوص حصے سے گزرنے کے بعد وہ ایک

کمرے کے دروازے پر رُک گیا اور پھر اس نے دروازہ زور زور سے پیٹنا شروع کر دیا...... یہ پیار علی ساندا کا دروازہ تھا...... پیار علی مست نیند سو رہا تھا...... سلیپنگ سوٹ پہنے ہوئے دروازے پر آگیا۔ چہرے پر شدید غصے کے آثار تھے لیکن باپ کو دیکھ کر یہ غصہ ختم ہو گیا۔ ادب سے بولا۔

"خیریت تو ہے ابا جان کیا بات ہے؟"

"ابا کے بچے تمہاری گندگی رنگ دکھا گئی ہے۔ جلدی سے کپڑے پہن کر میرے ساتھ چل اور سن تین بندوں کو ان کے گھروں سے اٹھوانا ہے کسی کو کہہ دے۔"

"ہوا کیا ہے ابا جی؟"

"ابھی بتاؤں تجھے ہوا کیا۔ جو ہوا ہے وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ میں کہتا ہوں کپڑے بدل۔" پیار علی ساندا نے شاید راگ علی ساندا کو اس بدحواسی کے عالم میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ دوڑتا ہوا اندر گیا اور پھر الٹے سیدھے کپڑے پہن کر باہر آگیا۔ "ایاز خاں اور شگن وغیرہ کو ان کے گھروں سے اٹھوالو اور یہاں بند کرادو...... فوراً یہ کام کرو۔ کس سے کہو گے؟"

"اعجاز خان سے کہے دیتا ہوں وہ کر لے گا۔"

"چلو چلو جلدی چلو، اعجاز خاں کدھر ہو گا۔"

"اپنے کوارٹر میں سو رہا ہو گا۔"

"چلو اسے اٹھاؤ...... گاڑی خود ہی چلانی ہے۔ میں گاڑی میں جا کر بیٹھتا ہوں...... تم اعجاز خاں کو ہدایت کر کے فوراً آجاؤ۔" پیار علی ساندا باپ کی ہدایت پر عمل کرنے لگا...... سارے کام خاموشی سے ہو گئے۔ اعجاز خاں کو ان تین افراد کو اٹھانے کی ہدایت کر دی گئی اور اس سے کہا گیا کہ وہ کسی قیمت پر نکلنے نہ پائیں، پھر پیار علی ساندا گاڑی میں آبیٹھا۔ حلیہ خراب تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے...... آنکھوں میں اب بھی نیند کی سرخی باقی تھی۔ گاڑی سٹارٹ کر کے حویلی سے باہر نکالی اور پوچھا کہ کہاں چلوں تو راگ علی ساندا نے کہا۔

"نو نمبر۔" پیار علی بری طرح چونک پڑا۔ ساری کہانی اسے معلوم تھی...... نور علی ساندا نو نمبر ہی میں ہو گا اور وہاں اس نے یقینی طور پر اپنی خواہشات کی تکمیل کر لی ہو گی لیکن راگ علی کو اس کا پتا چل جانا کچھ بہتر نہیں ہے۔ تاہم باپ کی ہدایت کو ٹھکرا بھی نہیں سکتا تھا۔ راگ علی کے غصے کو جانتا تھا...... بڑی ہمت کر کے اس نے پوچھا۔

"وہاں کیوں چل رہے ہیں ابا جی؟"

"نور علی ساندا شدید زخمی حالت میں وہاں پڑا ہوا ہے۔" راگ علی ساندا نے جواب دیا پیار علی کا ہاتھ اسٹیرنگ پر لہرا گیا۔ اس کے منہ سے سرسراتی آواز نکلی۔

"زخمی!"

"ہاں، تجھے معلوم تھا کہ وہ وہاں گیا ہے۔"

"مم...... مجھے مجھے کیا معلوم کیوں گیا تھا وہ وہاں؟"

"جھوٹ بکواس کرتا ہے۔"

"نہیں ابا جی قسم لے لو مجھے کیا معلوم مگر کس نے زخمی کیا اسے؟"

"اس لڑکی نے جس کی عزت لوٹنے کے لئے اس نے اسے وہاں اٹھوایا تھا۔"

"اوہ کیا زیادہ زخمی ہو گیا ہے؟" پیار علی نے پوچھا اور راگ علی ساندا کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تو نے اس کے زخموں کے بارے میں پوچھنے کے بجائے یہ کیوں نہیں پوچھا پیار علی کہ اس نے کون سی لڑکی کو اٹھوایا ہے؟"

"یہ تو اب پوچھنے والا تھا ابا جی۔"

"تم دونوں بھائی میری اولاد ہو...... میں تم دونوں کے کرتوت اچھی طرح جانتا ہوں۔ بڑی عیاشی ہم نے بھی کی تھی اور ایسی کی تھی کہ تم سالو ابھی پچیس سال تک وہ سب کچھ نہیں کر سکتے، لیکن ایسا پاگل پن ہم پر بھی کبھی سوار نہیں ہوا تھا...... بس میری زبان نہ کھلواؤ، دیکھو اس مردود کا کیا حال ہوا ہے...... وہ سرکاری لڑکی ہی رہ گئی تھی کمین کے بچو۔ کیا کرنا چاہتے ہو تم؟ سب کچھ کیا دھرا خاک میں ملانے پر تل گئے ہو۔ کہاں لے جا کر چھوڑو گے مجھے۔" راگ علی غصے سے ان دونوں کو برا بھلا کہتا رہا اور تھوڑی دیر کے بعد اس عمارت پر پہنچ گئے جہاں نور علی ساندا اب ہوش میں آگیا تھا اور زمین پر پڑا کراہ رہا تھا...... پیار علی کو معلوم تھا کہ وہ کہاں مل سکتا ہے۔ سیدھا وہیں پہنچا تھا اور اس کے بعد کمرے کا دروازہ کھول کر اندر گھس گیا تھا کیونکہ نور علی ساندا کی کراہیں باہر بھی سنائی دے رہی تھیں، لیکن اس کا چہرہ اور اس کی آنکھیں دیکھ کر دونوں باپ بیٹوں کے حلق سے دلخراش چیخیں نکل گئی تھیں۔ راگ علی ساندا کے دل میں باپ کی شفقت کا طوفان جاگ اُٹھا...... بیٹے کو اس عالم میں دیکھ کر

چند لمحوں کے لئے انسان بن گیا اور پھر کرب سے چیختا ہوا آگے بڑھا۔

"نور، نور میری جان، میری زندگی میرے بچے نور نور۔" وہ دوڑ کر نور علی سے لپٹ گیا اور نور علی کراہتا ہوا بولا۔

"میں مر رہا ہوں، ابا جی۔ میں مر رہا ہوں، میں مر گیا ابا جی، میں مر گیا...... بچالو مجھے بچالو ابا جی۔" اس نے پوری قوت سے راگ علی ساندا کو پکڑ لیا اور راگ علی اس سے بری طرح لپٹ گیا۔

"کیسے ہو گیا...... یہ سب کچھ کیسے ہو گیا یہ نور علی...... تیری آنکھیں آہ تیری آنکھیں کہاں گئیں...... اوہ میرے خدا...... تیری آنکھیں نور علی تیری آنکھیں اور یہ تیرا چہرہ۔"

"مر رہا ہوں ابا جی...... بچالو مجھے۔" نور علی کربناک آواز میں بولا اور راگ علی نے فوراً ہی پیار علی سے کہا۔

"جلدی چل پیار علی جلدی چل اسے شہر لے چلیں گے...... جلدی کر جلدی کر ہم اسے سیدھے شہر لے چلیں گے۔"

پیار علی نے آگے بڑھ کر بھائی کو سہارا دیا اور اسی طرح اسے سہارا دیئے ہوئے باہر تک لے آیا، پھر وہی گاڑی برق رفتاری سے شہر کی جانب دوڑنے لگی جس میں یہ لوگ یہاں تک آئے تھے...... باقی ساری باتیں بعد کی تھیں کہ کیا ہوا کیا نہیں ہوا...... یہ ایک الگ بات تھی۔ سب سے پہلے نور علی کو کسی ہسپتال میں داخل کرانا تھا...... راستے میں نور علی پھر بے ہوش ہو گیا...... راگ علی کا چہرہ بری طرح غمزدہ ہو رہا تھا۔ بیٹے کا سر گود میں لئے بیٹھا ہوا تھا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی آنکھوں کے گڑھے اور ناک دیکھ رہا تھا...... انتہائی بدنما چہرہ ہو گیا تھا نور علی کا لیکن باپ کی آنکھیں مختلف ہوتی ہیں...... وہ صرف اپنے بیٹے کی زندگی چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ شہر میں داخل ہو گئے۔ پیار علی نے اس برق رفتاری سے گاڑی دوڑائی تھی کہ زندگی اور موت کو بھول گیا تھا اور مقررہ وقت سے بہت پہلے وہ لوگ شہر میں داخل ہو گئے تھے...... پھر ایک بہت بڑے مشہور آئی ہسپتال میں گاڑی رکی تھی۔ اعلیٰ درجے کا ہسپتال تھا اس لئے عملہ بھی مشہور تھا...... ذرا سی دیر میں بہترین سپیشلسٹ جمع کر لئے گئے تھے اور وہ نور علی کو آپریشن تھیٹر میں لے گئے۔

راگ علی ساندا اذیت سے تڑپ رہا تھا اور پیار علی کا چہرہ زرد ہو رہا تھا...... اصل بات

معلوم تھی...... وہ جانتا تھا کہ نور علی کا یہ حال کس نے کیا ہے لیکن ایسا کیسے ہوا؟ یہ سب یسے ہو گیا؟ حالات بتا رہے تھے کہ راگ علی ساندا کو سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔ اعجاز ے جن لوگوں کو اٹھوانے کے لئے کہا گیا تھا وہ یہ لوگ تھے جو ان دونوں بھائیوں کے کام کرتے تھے اور فرخندہ رشید کو اٹھانے کی ذمے داری بھی انہیں دی گئی تھی۔

ڈاکٹر اپنا کام کر رہے تھے۔ معائنہ کر لیا گیا پھر ایک آئی سرجن نے کہا۔ "حادثہ کس ح ہوا جناب؟"

"کیفیت کیا ہے یہ بتاؤ سرجن۔"

"دونوں آنکھیں مکمل طور سے ضائع ہو چکی ہیں...... اب ان کے ٹھیک ہونے کا کوئی نس نہیں ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو ڈاکٹر؟"

"آپ خود بھی دیکھ سکتے ہیں۔"

"میں اسے دنیا کے ہر ملک لے جانے کے لئے تیار ہوں...... آپ مجھے مشورہ دیں۔"

"آپ ضرور لے جائیں لیکن اب یہ آنکھیں ٹھیک نہیں ہو سکتیں۔" ڈاکٹر نے حتمی اب دیا۔

"**نہیں** مس بینا، یہ تمہاری فنکاری ہے...... اس میں کسی کی شرکت ممکن نہیں ہے۔" شہاب نے کہا اور بینا کے چہرے پر افسردگی طاری ہو گئی۔

"شہاب!" اس نے آہستہ سے کہا۔

"کانوں میں رس اترتا ہے جب آپ مجھے شہاب کہہ کر پکارتی ہیں۔"

"ایک سوال کر سکتی ہوں؟"

"دس کی اجازت ہے۔"

"مجھے یوں لگتا ہے جیسے آپ نے میرے اس قدم کو ناپسند کیا ہو؟"

"کیا مطلب؟" شہاب چونک کر بولا۔

"بعد میں خود میں نے بھی یہی سوچا۔"

"آخر کیا؟"

"آپ ان لوگوں کے حلق میں انگلی ڈال کر وہ سب کچھ حاصل کرتے ہیں اس میں ایک شان ہوتی ہے، جبکہ میں نے ایک عامیانہ قدم اٹھایا ہے۔"

"کیوں؟"

"بس ہے آپ کو اندازہ ہے؟"

"کیا بور باتیں کر رہی ہو۔"

"پھر یہ سب کیا ہے...... آپ اس رقم کو میرا کیوں قرار دے رہے ہیں؟"

"خدا کی پناہ...... اتنی سی بات کو۔"

"اسے حسب معمول تقسیم کریں۔"

"تمہاری مرضی ہے نہیں؟"

"تو پھر لیجئے اور کبھی مجھے خود سے الگ نہ سمجھئے۔"

"اور خود کو؟" شہاب نے شرارت سے کہا۔

"خود کو بھی۔"

"زبانی؟" شہاب بولا۔

"میں کیا کہوں؟"

"آپ کہئے نہیں کیجئے۔" شہاب بولا اور بینا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"کیا؟" اس نے بوجھل آواز میں کہا۔

"اس رقم کے حصے۔" شہاب بولا اور بینا نے سر جھکالیا، اب اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ہاب اشاروں کنایوں میں اس سے بہت کچھ کہہ جاتا ہے اور بعد میں اپنی ذہانت سے انہی فاظ کے رنگ بدل دیتا ہے...... کچھ دیر کے بعد شہاب نے کہا۔

"ڈی آئی جی صاحب ہمیں بطور نعمت مل گئے ہیں۔ صورت حال کو قبول کرنے والے حاون اور لچکدار...... میرے مشورے کو انہوں نے قبول کر لیا ہے۔"

"کام کا لطف آئے گا شہاب۔"

"آرہا ہے۔"

"اب کیا پروگرام ہے؟"

"یہی میں سوچ رہا تھا...... جرم ہو چکا ہے، مجرم بااثر لوگ ہیں۔ اتفاق سے تم نے انہیں یک اچھا سبق دے دیا ہے، کچھ وقت اس کاری ایکشن دیکھتے ہیں اس کے بعد دوبارہ انہیں توجہ کریں گے۔"

"سر ایک درخواست کروں؟"

"نامنظور۔" شہاب نے کہا۔

"سننے سے پہلے۔"

"ہاں۔"

"کیوں؟"

"سر کہہ کر کی جا رہی ہے۔"

"ارے توبہ کیا کروں میں...... بار بار بھول جاتی ہوں...... اس کی تھوڑی سی رعایت دیجئے۔"

"دی...... لیکن زیادہ نہیں۔"

"بہتر...... میں تھوڑی سی رقم مولوی ارشاد علی کو دینا چاہتی ہوں...... ان لوگوں کے بارے میں ہمیں علم ہو چکا ہے...... جب تک فیروز آزاد نہیں ہو جاتا ہمیں ان کی مالی مدد کرتے رہنا چاہئے...... سر اس کا ثواب بھی ملے گا۔"

"نہیں بینا...... یہ فنڈ تو میں نے ابتدا سے مخصوص رکھا ہے، ہم پورے زمانے کی مدد نہیں کر سکتے لیکن جس کیس میں کوئی مظلوم ہمیں نظر آتا ہے ہم حتی الامکان اس کی مدد کرتے ہیں...... یہ سلسلہ میں نے بہت پہلے سے جاری کیا ہوا ہے۔"

"یہی آپ کی کامیابی کا راز ہے۔"

"تم ان کے لئے جو چاہو کر دینا...... میرے خیال میں بینا اس دوران کیوں نہ ہم گوہر جہاں کو ٹٹول لیں۔"

"کیسے؟"

"اس سے ملاقات کرتے ہیں، بات کرتے ہیں...... سردار علی کی رپورٹ تمہیں یاد ہے؟"

"کیوں نہیں۔"

"کوئی اندازہ قائم کیا؟"

"جی شہاب۔"

"بھلا کیا؟"

"آپ میرے خیال کا مذاق تو نہیں اڑائیں گے؟"

"نہیں۔"

"میرا خیال ہے اس کے دل میں انتقام پل رہا ہے...... شوہر اور بیٹے کے قاتلوں سے روایتی انداز میں اپنے پوتوں کے ذریعہ انتقام لینا چاہتی ہے۔ اسی لئے شاید وہ انہیں تعلیم سے زیادہ اسلحے کے استعمال کی تربیت دے رہی ہے۔"

"سو فی صد۔"

"حالانکہ یہ ایک غیر دانش مندانہ عمل ہے۔" شہاب نے کہا...... بینا نے اس بات پر

کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ شہاب نے کہا۔ "اس سے ایک باقاعدہ ملاقات کرلی جائے۔"

"تعاون نہیں کرے گی۔"

"کوشش کریں گے۔"

"ٹھیک ہے...... کوئی حرج نہیں ہے۔"

دوسرے دن کا پروگرام طے ہو گیا تھا...... چنانچہ وقت مقررہ پر شہاب اور بینا گوہر جہاں کی کوٹھی پہنچ گئے...... دروازہ انہی دونوں لڑکوں نے کھولا تھا...... بے حد خوبصورت اور روشن بچے تھے۔

"آپ میں سے انجم کون ہے اور فہیم کون؟" شہاب نے پوچھا۔

دونوں بچوں نے سنجیدگی سے ایک دوسرے کی صورت دیکھی پھر ایک بولا۔

"آپ کون ہیں انکل؟"

"آپ کے ملاقاتی۔"

"تو پھر تعارف دروازے پر نہیں ہوگا۔ آیئے معزز مہمانوں کی طرح اندر تشریف لایئے...... تعارف بھی ہو جائے گا۔" دونوں نے کہا اور شہاب نے گردن خم کر دی...... دونوں انہیں احترام سے اندر لائے پھر ایک راہداری سے گھما کر ایک دروازے کے سامنے پہنچ گئے۔ "برائے کرم اندر تشریف لایئے۔" ڈرائنگ روم بڑا اندر بنایا گیا تھا...... بینا اور شہاب اندر داخل ہوئے لیکن حیران رہ گئے۔ یہ ایک کشادہ لیکن خالی کمرہ تھا...... فرش پر قالین تک نہیں بچھا ہوا تھا۔ دونوں لڑکوں میں سے ایک دروازے پر رکا دوسرا کچھ اندر آگیا۔

"سوری انکل، سوری آنٹی۔ یہ دونوں پستول نقلی نہیں ہیں اور ہماری عمر تیس سال ہے۔" دروازے پر رُکے ہوئے لڑکے نے کہا اور پاؤں سے دروازہ بند کر کے اس کی چٹخنی چڑھا دی...... دوسرے لڑکے کے ہاتھ میں بھی پستول تھا جس سے اس نے ان دونوں کو کور کر رکھا تھا...... اس نے کہا۔

"اور انکل آپ اس پستول کی نال دیکھ رہے ہیں...... یہ غیر معمولی لمبی ہے۔"

شہاب اور بینا کے منہ حیرت سے کھل گئے تھے...... ان کی باتوں سے واقعی تیس سالہ پختگی جھلک رہی تھی اور یہ سب ان دونوں کے لئے غیر متوقع تھا۔ اس نو عمری میں اتنی ذہانت ناقابل یقین تھی...... بہر حال شہاب نے خود کو سنبھالا اور مسکرا کر بولا۔

"افسوس، پستولوں سے ہمیں کوئی واقفیت نہیں ہے۔"

"فراڈ انکل...... ہاتھ اٹھانا پسند کریں گے آپ۔ ہاں ہاں، جنبش؟ نہیں نہیں...... ابھی ہم شرافت کی حدود میں ہیں...... پلیز ہاتھ اوپر کرلیں۔"

بینا اور شہاب نے ہاتھ بلند کر لئے۔

"اصل میں انکل یہ شریفوں کا محلّہ ہے اور ہم اس محلے کے شریف لوگ۔ اب اگر یہاں سے دھوم دھڑکوں کی آوازیں اُبھریں تو لوگ کیا کہیں گے...... مثلاً اگر آپ غلط لوگ ہوں اور ہمیں آپ پر گولی چلانی پڑے تو۔ گھر کی بات گھر میں ہی رہے...... بلاوجہ باہر والے نہ سن پائیں اس لئے ہم نے اپنے پستولوں میں سائلنسر لگائے ہوئے ہیں۔"

"چلو ٹھیک ہے لیکن تم ہماری لاشوں کو کہاں چھپاؤ گے؟"

"ابھی تک ایسا ہوا نہیں ہے لیکن اس بارے میں بھی سوچا جاسکتا ہے۔ قبل از مرگ واویلا کیوں ہو۔"

"خدا تمہیں ہر آفت سے محفوظ رکھے...... نظر نہ لگ جائے تمہیں۔" شہاب بولا اور دونوں ہنس پڑے۔

"یہ بھی متاثر کرنے کا ایک حربہ ہے لیکن ننھے بچوں کے لئے اور ہم اپنی عمر آپ کو بتا چکے ہیں۔"

"تو بقراط اعظم اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟" اس طرح تو ہمارے ہاتھ دُکھ جائیں گے۔"

"آپ لوگ صورت حال کی نزاکت پر اعتبار کرلیں تو ہم دوسرا مرحلہ شروع کریں۔"

"اعتبار کر تو لیا ہے۔ اب کیا ہاتھ چھت سے لگادیں۔"

"او کے۔ انجم! تم میرا ذرا میرا پستول سنبھالو۔ میں ذرا انکل اور آنٹی کو لوٹ لوں۔" دروازے سے دور کھڑے ہوئے لڑکے نے کہا اور آگے بڑھ کر دوسرے لڑکے کو پستول تھمادیا...... اس نے دونوں پستول ان کی طرف تان لئے پھر مسکرا کر بولا۔

"انکل میرے دونوں ہاتھ صحیح نشانہ بازی کرتے ہیں...... اجازت ہو تو مظاہرہ کروں۔"

"ضرورت تو نہیں ہے ویسے تمہاری مرضی ہے۔"

"بہتر ہے ہم غریب لوگوں کے دو کارتوس ضائع نہ کرائیں۔" وہ بولا پھر لڑکا ان کے قریب آکر شہاب کی تلاشی لینے لگا لیکن اس نے صرف اسلحہ تلاش کیا تھا پھر وہ بینا کی طرف

مڑ کر بولا۔

"آنٹی...... اس وقت میری عمر گیارہ سال ہے...... اس لئے میری اس گستاخی کو آپ بچہ سمجھ کر معاف کردیں...... پرس پلیز۔" بینا نے پرس اس کے حوالے کردیا۔

ساری زندگی اتنے شارپ بچے نہیں دیکھے تھے...... ان کے الفاظ میں پختگی اور جملوں میں بھرپور طنز و مزاح تھا...... دونوں شدید حیران تھے...... بچے نے تلاشی لی پھر ادب سے بولا۔

"برائے کرم ہاتھ نیچے کرلیجئے۔" شہاب نے گہری سانس لے کر ہاتھ گرائے تھے پھر وہ بولا۔

"جناب!"

"تھینک یو انکل، تھینک یو آنٹی...... ویسے آپ لوگوں کو ہمارے نام تو معلوم ہوگئے ہوں گے؟"

"ہاں تم انجم ہو اور یہ فہیم...... ابھی فہیم تم نے انہیں انجم کہہ کر مخاطب کیا تھا۔" شہاب بولا اور دونوں ہنسنے لگے۔

"کیوں، ہنسنے کیوں؟"

"انکل...... میں فہیم ہوں اور وہ انجم ہے۔"

"مگر میں نے غلط نہیں سنا تھا؟"

"بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ...... اصل میں وہ ایک تجربہ تھا۔"

"کیسا؟" شہاب نے پوچھا۔

"یہ معلوم کرنا چاہتے تھے ہم کہ آپ صرف ہمارے نام ہی جانتے ہیں یا ہمیں پہچانتے بھی ہیں۔ میں نے جان بوجھ کر فہیم کو انجم کہا تھا تاکہ اگر آپ ہمیں پہچانتے ہوں تو اس بات پر چونکیں لیکن آپ کے چہروں پر وہ تاثر نہیں پیدا ہوا جس کا مطلب تھا کہ آپ صرف ہمارے نام جانتے ہیں ہمیں پہچانتے نہیں ہیں۔"

"بینا۔" شہاب گہری سانس لے کر بولا۔

""جی۔"

"کیا ہم ایسے دو بچے پیدا کرسکتے ہیں۔"

"جی؟" بینا بھونچکی ہو کر بولی۔

"جناب انجم اور جناب فہیم صاحب۔ یہ خوب صورت تعارف ختم ہوا یا ابھی باقی

ہے؟" شہاب فوراً ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ہماری طرف سے تو ختم ہوا۔"

"آپ یہاں آنے والوں سے اسی طرح متعارف ہوتے ہیں؟"

"یہی تو مسئلہ ہے انکل کہ یہاں کوئی نہیں آتا۔ صرف چند شناساؤں سے ہماری شناسائی ہے ایسی حالت میں انکل اگر کوئی اجنبی آ جائے تو ہمیں اپنے حالات کے تحت احتیاط کرنی پڑتی ہے۔"

"آپ کے حالات؟"

"جو آپ کو بتائے نہیں جا سکتے۔"

"تب آپ کے شناسا ہم سے زیادہ خوش نصیب ہیں؟"

"شاید لیکن ان میں ایک دودھ والا ہے، ایک مالی اور ایک صفائی کرنے والا۔"

"صرف؟"

"جی ہاں لیکن آپ اپنی آمد کی وجہ نہیں بتائیں گے؟"

"آپ پوچھیں گے تو ضرور بتائیں گے۔"

"بتایئے۔"

"ہم آپ کی دادی ماں سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"وجہ؟"

"آپ کو نہیں بتائی جا سکتی۔"

"آپ کے نام؟"

"بینا واسطی، شہاب ثاقب۔"

"آیئے۔" لڑکوں نے کہا اور شہاب اور بینا گہری سانسیں لے کر ان کے ساتھ چل پڑے..... ان لڑکوں نے ان کی کھوپڑی کی چولیں ہلا دی تھیں..... راستے میں شہاب نے پوچھا۔

"یہ آپ لوگوں کا ڈرائنگ روم تھا جہاں آپ ہمیں لے گئے تھے؟"

"آپ اسے پولیس اسٹیشن والا ڈرائنگ روم کہہ سکتے ہیں..... ویسے مہمان تو ہمارے ہاں کوئی نہیں آتا لیکن ایک ڈرائنگ روم نام کی چیز ہے ادھر پلیز..... اس طرف۔" انجم نے کہا اور پھر انہیں ایک دروازے پر پہنچا دیا۔

"دستک دیجئے۔" فہیم بولا اور شہاب نے دروازہ بجا دیا۔

"آ جاؤ!" اندر سے آواز آئی اور بینا اور شہاب اندر داخل ہو گئے..... اندر ایک پروقار معمر عورت موجود تھی جو انہیں دیکھ کر بری طرح چونک پڑی..... بینا اور شہاب نے سلام کیا عمر رسیدہ عورت نے جواب دیا پھر سوالیہ نظروں سے فہیم اور انجم کو دیکھا۔

"اطمینان کر لیا ہے دادی اماں..... آمد کی وجہ یہ خود بتائیں گے۔"

"لیکن میری اجازت کے بغیر؟"

"آپ نے انہیں اندر آنے کی اجازت دی تھی دادی اماں اور یہ گواہ ہیں کہ ہم جھوٹ نہیں بول رہے۔"

"میں نے اجازت دی تھی؟"

"آپ بتایئے جناب۔ دستک آپ نے دی تھی اور دادی اماں نے کہا تھا کہ آ جاؤ۔" فہیم نے کہا..... شہاب اور بینا بے اختیار ہنس پڑے تھے، بینا نے کہا۔

"اتنے پیارے اور ذہین بچوں کی دادی ہونے پر آپ کو یقیناً ناز ہو گا گوہر جہاں بیگم۔ ہم آپ کو اس تربیت پر مبارک باد دیتے ہیں۔" بوڑھی کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں پیدا ہوا۔ چند لمحات وہ ساکت رہی پھر اس نے بچوں کو اشارہ کیا اور وہ دونوں باہر نکل گئے۔ تب وہ آہستہ سے بولی۔

"آیئے..... تشریف رکھئے..... یہاں اس جگہ۔" بوڑھی کے اشارے پر دونوں بیٹھ گئے۔

"میں نہیں جانتی کہ ان بچوں نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہو گا لیکن اصل میں ہمارے یہاں کوئی نہیں آتا، ہم نے کسی سے رابطہ ہی نہیں رکھا ہے، کچھ ایسے دشمنوں کا خوف ہے ہمیں جو مجھے اور ان بچوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں، میں خاموشی سے ان بچوں کی پرورش کر رہی ہوں، قدرتی طور پر یہ بے پناہ ذہین ہیں اور میری تربیت کا کوئی خاص دخل نہیں ہے اس میں، بہرحال اگر ان کی جانب سے کوئی زیادتی ہوئی ہو تو میں معافی چاہتی ہوں..... آپ لوگ اپنے چہروں سے شریف معلوم ہوتے ہیں، مجھ جیسی ناکارہ شخصیت سے ملاقات کی کیا وجہ ہے، بتانا پسند کریں گے؟"

"گوہر جہاں بیگم یقیناً آپ کے پڑوسی یا آپ کے شناسا آپ کا نام نہیں جانتے ہوں گے، کیونکہ اپنے شوہر اور بیٹے کے قتل کے بعد آپ نے ان بچوں کی زندگی کے لئے جو

جدوجہد کی ہے وہ قابل احترام ہے، ہم وہی سہارا لے سکتے ہیں اپنے مقصد کی وضاحت کے لئے جو دنیا میں لیا جاتا ہے، یعنی زبان اور اس زبان سے پہلی بار آپ کو یہ بات بتا رہے ہیں کہ حالات کچھ بھی ہوں، آپ کا رویہ کیسا بھی ہو ہم آپ کے دشمن نہیں ہیں آپ کے دوست ہیں اور ہماری ذات سے آپ کو صرف فائدہ پہنچے گا، کوئی نقصان نہیں۔" گوہر جہاں کے چہرے کے عضلات تن گئے تھے اور چہرے کی سرخی بڑھ گئی تھی، یقیناً اس کا دوران خون ان الفاظ کو سن کر تیز ہو گیا تھا، لیکن اس کی آنکھوں میں ایک چمک تھی جو اس عمر کی آنکھوں میں نہیں ہوتی وہ ساکت بیٹھی رہی، شہاب نے پھر کہا۔

"اور آپ نے روپوشی کی جو زندگی اختیار کی ہے اور یہاں آ کر ہمیں جس بات کا احساس ہوا وہ یہ ہے محترمہ گوہر جہاں کہ آپ راگ علی ساندا خاندان سے اپنے گھر اور اپنے خاندان کی تباہی کا انتقام لینا چاہتی ہیں اور اس انتقام کے لئے آپ نے وہی فلمی قسم کا روایتی انداز اختیار کیا ہے جو عام طور سے کہانیوں میں اختیار کیا جاتا ہے بے شک کہانیاں زندگی کی حقیقتیں ہوتی ہیں...... محترمہ گوہر جہاں لیکن تمام تر حالات ہمارے تابع نہیں ہوتے اور ہم ان کہانیوں سے ہٹ کر سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، اگر آپ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیں کہ آپ کا انداز فکر غلط ہے تو میں اس کی وضاحت بھی کروں گا۔" گوہر جہاں کی پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھیں، اس کے بدن میں کوئی جنبش نہیں تھی، بس پتھرائی ہوئی بیٹھی خاموش نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی...... شہاب نے موثر لہجے میں کہا۔

"آپ ان بچوں کو تیار کر رہی ہیں، آپ انہیں فنون حرب سے آراستہ کر رہی ہیں اور یقیناً آپ نے ان کے دلوں میں ساندا خاندان سے انتقام کا جذبہ پیدا کیا ہو گا اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ دونوں بچے بڑے ہو کر شاہکار بنیں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ آپ کے ارادوں کی تکمیل کر دیں لیکن آپ جانتی ہیں محترمہ گوہر جہاں ان کی تکمیل میں، کم از کم آپ کو دس سال تک محنت کرنا ہو گی، ان دس سالوں میں آپ اپنی زندگی اور اپنی صحت کے بارے میں کیا کہہ سکتی ہیں، مزید یہ کہ آپ راگ علی ساندا کے خاندان کے بارے میں کیا کہہ سکتی ہیں ہو سکتا ہے یہ خاندان کسی قدرتی مشکل کا شکار ہو کر فنا ہو جائے کیونکہ خدا کی رسی دراز ہوتی ہے اور جب کھینچتی ہے تو پھر مجرم کو کہیں جائے پناہ نہیں ملتی، آپ نے اپنی زندگی کا یہ بیش قیمت حصہ اپنے اس مقصد کی تکمیل کے لئے صرف کر دیا اور آپ دنیا میں باقی نہیں

ہیں تو دیکھنے کے لئے کیا رہ جائے گا، یا محترمہ گوہر جہاں آپ زندہ رہیں اور راگ علی ساندا اس کے دونوں بیٹے موت کے گھاٹ اتر گئے تو کیا ہو گا، آپ کی یہ شدید مشقت بے معنی کر رہ جائے گی کہ نہیں اور ہم ان تمام باتوں کو مان لیتے ہیں کہ یہ لڑکے اپنے خاندان کا نتقام لینے کے لئے پوری طرح تیار ہو گئے اور اس کے بعد انہوں نے راگ علی ساندا اور اس بیٹوں کو ہلاک کر دیا تو اس کے بعد آپ یہ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ یہ زندہ بچ جائیں گے، ن کے بارے میں یہ اندازہ کیسے لگا لیا آپ نے کہ وہ جس طرح آپ چاہیں گی آپ کے میں آ جائے گا۔ یہ بچے اگر گرفتار ہو گئے یا دشمن ان پر حاوی ہو گیا تو محترمہ گوہر جہاں کیا پ ان کی قاتل بھی نہ بن جائیں گی۔ انہیں پھانسی نہ ہو جائے گی یا پھر راگ علی ساندا ان نوں کو بھی قتل نہ کر دے گا...... محترمہ گوہر جہاں آپ کا جذبہ آپ کے انتقام کی شدت جگہ لیکن آپ جو کچھ کر رہی ہیں معاف کیجئے گا وہ ایک ناپائیدار عمل ہے، یہ دونوں بچے زندگی سے محروم ہو جائیں گے۔" گوہر جہاں کے پتھرائے ہوئے جسم میں جنبش ہوئی کے چہرے پر کرب کے آثار نمودار ہوئے، ایک لمحے کے لئے اس کا چہرہ مظلومیت کا ر ہو گیا، اس کے دونوں ہاتھ ہلتے ہوئے آگے بڑھے، جیسے وہ شہاب کو ان الفاظ کی ادائیگی روکنا چاہتی ہو لیکن پھر یہ ہاتھ اپنی جگہ ساکت ہو گئے، چہرے کا کرب یکلخت ختم گیا، آنکھوں کا جنون بڑھ گیا، خون کی روانی میں اور اضافہ ہو گیا اور اس کی غرائی ہوئی آواز ل

"تم کون ہو، اپنے بارے میں بتاؤ، تم کون ہو؟"

"اس سے پہلے ہم نے آپ کو اپنے بارے میں بتا دیا ہے، آپ کے مخلص آپ کے ست۔"

"کہاں سے پیدا ہو گئے، میرے بارے میں اتنا کچھ کیسے جانتے ہو؟"

"ہماری ذاتی تحقیق ہے، میں آپ کو اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہتا...... محترمہ گوہر ں میرا تعلق انتظامیہ سے ہے اور یہ خاتون میری ساتھی ہیں، ہم لوگ راگ علی ساندا خلاف تحقیقات کر رہے ہیں اور اس تحقیقات کے نتیجے میں آپ کا نام ہمارے سامنے آیا اور آخر کار ہم نے آپ کو تلاش کر لیا ہے، جبکہ ہمارے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا کہ اس ت میں رہنے والی خاتون اور یہ دو خوب صورت بچے کون ہیں، آپ سمجھ رہی ہیں نا؟"

"اپنے بارے میں تصدیق کر دو، ورنہ اچھا نہیں ہو گا میں تو مر چکی ہوں، اگر تم راگ علی ساندا کے بارے میں تحقیقات کر رہے ہو گے تو تمہیں معلوم ہو گا کہ بستی مہر جان میں کیا ہوا ہے...... خادم شاہ اور بدر شاہ کے ساتھ کیا وحشیانہ سلوک کیا گیا ہے، تمہیں ضرور علم ہو گیا ہو گا کہ راگ علی ساندا کے بیٹے نے میری بیٹی کے ساتھ کیا وحشت ناک سلوک کیا اور اس کے بعد اسے ہلاک کر دیا، پھر اگر خادم شاہ اور بدر شاہ نے اپنی بہن کا اور اپنی بیٹی کا انتقام لینے کے لئے راگ علی ساندا کے بیٹے کو قتل کر دیا تو کون سا برا کیا اور نتیجے میں راگ علی ساندا نے ہمارے خاندان کو تباہی اور بربادی سے دوچار کر کے ہمارا سب کچھ اپنے قبضے میں لے لیا تو کبھی نے اس کا کیا بگاڑ لیا بتاؤ اگر تمہارا تعلق انتظامیہ سے ہے تو اس انتظامیہ نے ہمارے لئے کیا کیا ہے۔"

"میں نہیں کہتا خاتون گوہر جہاں کہ اس وقت حالات کیا تھے، وقت نے کس طرح راگ علی ساندا کا ساتھ دیا لیکن ایک بات آپ ذہن نشین کیجئے، کیا اس وقت انتظامیہ کو آواز دینے والا یا قانون کو پکارنے والا کوئی باقی رہ گیا تھا...... آپ ان بچوں کو لے کر روپوش ہو گئیں، قانون کس کا سہارا لیتا راگ علی ساندا کے خلاف ثبوت کون مہیا کرے گا، وہ ایک طاقتور آدمی ہے اور اس نے وہ تمام آوازیں بند کر دیں جو اس کے خلاف گواہی دے سکتی تھیں، اس نے نقلی مجرموں کو آپ کی بستی کی تباہی کا ذمے دار قرار دے کر قانون کے حوالے کر دیا، وہ ہر طرح کامیاب و کامران رہا اس کے خلاف کارروائی کرنے والا کون تھا۔ جواب دیجئے؟"

"جب قانون خادم شاہ اور بدر شاہ کو نہیں بچا سکا تو میری حفاظت کیسے کرتا، میں تو قانون سے مایوس ہو چکی ہوں، میرا قانون پر کوئی اعتماد نہیں ہے، میں جانتی ہوں کہ اگر اب بھی میں منظر عام پر آکر راگ علی ساندا کے خلاف اس کے مظالم کی داستانیں سناؤں تو میرا مذاق اڑانے کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا جائے گا بلکہ جب راگ علی ساندا کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ خادم شاہ کے پوتے اور اس کی بیوی زندہ ہے تو ہم آسانی سے موت کے گھاٹ اتار دیئے جائیں گے، بولو انتظامیہ کے بہادر دلیر جوان، ہو گا کوئی میری حفاظت کرنے والا؟ راگ علی ساندا ہمیں شہر کے چوراہے پر کھڑا کر کے گولی مار دے گا اور ہماری مدد کرنے والا کوئی نہیں ہو گا کیونکہ قانون راگ علی ساندا کا ہے۔"

"نہیں...... قانون آزاد ہے۔"

"بکواس کرتے ہو تم بالکل بکواس کرتے ہو لاتعداد کہانیاں میرے سامنے ہیں، جب نے قانون کو نشے میں مدہوش رقص کرتے دیکھا ہے اور مجرم جرم کرتا ہے۔"

"آپ کا مشاہدہ غلط ہے، گوہر جہاں بیگم قانون بہر طور اپنی ایک قوت رکھتا ہے کچھ اس کا راستہ تاریک ضرور کر دیتے ہیں لیکن آخر کار صحیح راستہ پانے کے بعد وہ عمل کرتا میں قانون کا محافظ ہوں میں یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ راگ علی ساندا کو کیفر کردار تک ئے بغیر زندگی کا تصور نہیں کروں گا، اگر میں زندہ ہوں تو راگ علی ساندا زندہ نہیں گا، اس کے خلاف ثبوت مہیا ہو جانے کے بعد۔" گوہر جہاں ہنس پڑی پھر بولی۔

"اور وہ ثبوت کہاں سے لاؤ گے تم جوشیلے نوجوان؟"

"مجھے آپ ہی لوگوں کا سہارا درکار ہو گا۔"

"میرے پاس اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔"

"آپ اور یہ بچے اس کے خلاف سب سے بڑا ثبوت ہیں۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"یہی خاتون گوہر جہاں کہ بچوں کی پرورش آپ بے شک اس انداز میں کریں لیکن ان ئن جرم کی طرف مائل نہ کریں بلکہ انہیں ایک اچھا شہری بنانے کی کوشش کریں۔"

"اچھے شہری بن کر یہ کون سے شہر میں رہیں گے؟"

گوہر جہاں کی آواز میں بے پناہ طنز تھا۔

"اسی وطن، اسی ملک اور اسی شہر میں، وہ سب کچھ حاصل کرنے کے بعد جو راگ علی انے چھین لیا ہے۔"

"تم خوابوں کے سوداگر ہو مجھے خواب دکھا رہے ہو لیکن بوڑھی عورت ہوں آنکھوں روشنی اس لئے بھیک مانگی ہے کہ ابھی مجھے اپنا مقصد پورا کرنا ہے، مجھے خواب نہ دکھاؤ کچھ ہو گا اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں حاصل ہو گا تمہیں، جوان ہو جیو...... ایسے لوگوں خلاف قانون کا سہارا نہ حاصل کرو جن کی جیبوں میں قانون پڑا رہتا ہے۔"

"یہی تو کسوٹی ہے خاتون گوہر جہاں اور ہم یہ تہیہ کر چکے ہیں کہ اگر قانون کی صحیح طور ظت نہ کر سکے تو اپنے آپ کو قانون کا محافظ کہنا چھوڑ دیں گے۔"

"مان لو میری بات میرے بچو دنیا میں کسی سے نفرت نہیں ہے مجھے سوائے راگ علی ساندا خاندان کے میں تمہاری جوانی، تمہاری زندگی، تمہاری صحت کی دعائیں کرتی ہوں، مت پڑو اس جھگڑے میں یہ جھگڑا میرا ہے، مجھے نمٹا لینے دو قانون کی سربلندی کے لئے کہیں اور جا کر کام کرو راگ علی ساندا کا تم کچھ نہیں بگاڑ پاؤ گے۔"

"کیا آپ ہماری مدد کر سکتی ہیں خاتون گوہر جہاں؟"

"مجھے اس قابل پاتے ہو کہ میں کسی کی مدد کر سکوں؟"

"ہاں۔"

"تو بتاؤ کیا مدد کروں میں تمہاری؟"

"کچھ نہیں، آپ سے کچھ نہیں چاہتے ہم بس یہ چاہتے ہیں کہ اپنا مکمل تحفظ کریں تا کہ جب راگ علی ساندا ہمارے شکنجے میں آئے تو آپ ہمارے لئے ایک مضبوط ستون ثابت ہوں، آپ اس کے خلاف وہ دعویٰ دائر کریں جو اسے پھانسی کے پھندے تک پہنچادے۔"

گوہر جہاں ایک دم نڈھال ہو گئی اور پھر ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا وہ زاروقطار رونے لگی، اتنا بلک بلک کر روئی وہ کہ شہاب اور بینا کا کلیجہ پھٹ گیا۔

بینا اس کے پاس جا بیٹھی اس نے بوڑھی کا سر سینے سے لگا لیا اور اسے تسلیاں دینے لگی بوڑھی اس طرح بے اختیار ہو گئی تھی کہ شہاب کی آنکھوں کی نمی بھی دور نہ رہ سکی، دونوں ہی آبدیدہ ہو گئے تھے، بوڑھی نے روتے ہوئے کہا۔

"خدا کی لعنت تم پر، ہٹ جاؤ میرے پاس سے خدا...... خدا تم لوگوں کو، کیا کہوں کیا نہ کہوں بہا دیئے میری آنکھوں سے آنسو ارے اس آگ کو تو میں نے نہ جانے کب سے پال رکھا تھا، ارے اس آگ نے تو میرا سینہ روشن کیا ہوا تھا، ارے اس آگ نے تو میرے اندر ہمت پیدا کی ہوئی تھی، نکال دیئے یہ آنسو تم نے میری آنکھوں سے، بہا دی میرے دل کی آگ اب کیا ہو گا، اب تو میں ایک کمزور بوڑھی ہوں اور کچھ بھی نہیں، آہ تم نے ظلم کیا ہے میرے اوپر تم جو کوئی بھی ہو تم نے میرے اوپر ظلم کیا ہے، اس آگ کو میں اپنے سینے میں نہ جانے کب سے پال رہی تھی اور نہ جانے کب تک یہ آگ میرے سینے میں بھڑکتی رہتی، یہ آنسو ہی تو روکے ہوئے تھے میں نے لیکن یہ پانی بہہ گیا ساری آگ ٹھنڈی ہو گئی، کمزور کر دیا تم نے کمزور کر دیا۔"

"دیکھئے خاتون گوہر جہاں جن لوگوں کو سہارے نہیں حاصل ہوتے وہ اپنے آپ پر ورت سے زیادہ اعتماد کر لیتے ہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ یہ اعتماد بری بات ہے لیکن آپ نے ے غلط منتخب کئے ہیں، آپ ان بچوں کی دشمن نہ بنیں، انہیں آپ نے جو تربیت دی ہے بے شک قائم رکھیں لیکن اس کے بعد انہیں اس بات پر آمادہ نہ کریں کہ بعد میں یہ ے روکے نہ رکیں، نارمل رہیں جب اگر کوئی آپ کے پاس ایک عزم لے کر آتا ہے اس کا آپ سے کوئی لالچ نہیں ہوتا تو ہم یہ سوچتے ہیں کہ یہ اشارہ خداوندی ہے، میں اور ی ساتھی لڑکی بینا آپ سے یہ عہد کرتے ہیں کہ ہم راگ علی ساندا کے خلاف کام کریں ...... آپ خاموشی سے یہاں اپنا وقت گزاریئے اگر ہم اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گئے پ کو مکمل حالات سے آگاہ کر کے آپ کا سہارا حاصل کریں گے، بس اس سے زیادہ ہمیں ے اور کچھ درکار نہیں ہے، اپنے دل میں خدا کی طاقت کو برتر و اعلیٰ تصور کیجئے گا اور خدا بندوں پر اعتماد۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ان میں راگ علی ساندا کے خاندان کو بھی شامل کر لیں ا نام شہاب ثاقب ہے اور یہ بینا ہے ہم دونوں آپ سے وعدہ کر کے اُٹھنا چاہتے ہیں کہ کار راگ علی ساندا کو پھانسی کے پھندے تک پہنچنا ہو گا۔" معمر عورت نے دونوں ہاتھ ئے بڑھائے اور اس کے چہرے پر ممتا کی ایک جھلک پیدا ہوئی، اس نے شہاب کو طلب کیا شہاب آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور بوڑھی عورت نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"بہت عرصے کے بعد محبت اور ہمدردی کے وہ بول سنے ہیں جنہیں میں نے اپنی لغت نکال پھینکا تھا، میرا بیٹا بدر شاہ، میرا بیٹا بدر شاہ اب اس دنیا میں نہیں ہے، بیٹے میں تمہیں ں میں پہلی بار بیٹا کہہ رہی ہوں میری لاج رکھنا اس مظلوم بوڑھی کو ایک اور دُکھ نہ دینا۔"

"نہیں محترمہ گوہر جہاں ایسا نہیں ہو گا خدا کے بعد ہم پر اعتماد کیجئے۔"

"کر لیا میں نے اعتماد کر لیا ہے اور آج، آج میں تمہیں اپنے ہاتھ سے کچھ کھلا پلا کر ت کروں گی، بہت سی باتیں کروں گی ابھی تم سے، بہت سی باتیں کرنا ہے۔" بوڑھی جگہ سے اٹھی گئی ایک عجیب سی شگفتگی اس کے چہرے پر نظر آ رہی تھی اور بینا اور شہاب رہے تھے...... ان کا یہ مشن کامیاب ترین رہا تھا۔

✿

راگ علی ساندا بیٹے کے غم میں دیوانہ ہو رہا تھا، اس نے کسی سے رابطہ نہیں قائم کیا تھا،

شہر کے بڑے بڑے ہسپتالوں کے ڈاکٹر اس نے اس آئی ہسپتال میں جمع کر لئے تھے اور ایک ایک سے نور علی ساندا کا معائنہ کرا رہا تھا، ان سے کہہ رہا تھا کہ جس طرح بھی بن پڑے میرے بیٹے کی آنکھیں بحال کر دی جائیں لیکن تمام ڈاکٹروں کا متفقہ فیصلہ تھا کہ آنکھیں ہیں کہاں جو بحال کر دی جائیں، انہیں تو نوچ کر پھینک دیا گیا ہے، ان گڑھوں میں اب کچھ بھی نہیں باقی رہا ہے...... راگ علی ساندا نے بہت سے ڈاکٹروں سے مشورے کئے تھے اور پوچھا تھا کہ کیا مصنوعی آنکھیں لگوائی جاسکتی ہیں لیکن تمام ڈاکٹروں کی طرف سے ناامیدی کے جواب ملے تھے۔ انہوں نے راگ علی ساندا سے ہمدردی ضرور کی تھی اور کہا تھا کہ وہ اگر چاہے تو غیر ممالک میں جا کر معلومات حاصل کر لے، مصنوعی آنکھوں سے قدرتی بینائی کسی طور بحال نہیں کی جاسکتی۔ چار پانچ دن تک راگ علی ساندا سب کچھ بھول بھال کر شہر میں اپنے بیٹے کے لئے جدوجہد کرتا رہا تھا اور اس کے بعد ہی اس نے پیار علی کو بستی نورالٰہی واپس بھیجا تھا اور اس سے کہا تھا کہ وہاں باپ بیٹوں کی اچانک گمشدگی سے جو سنسنی پھیل گئی ہے اس پر قابو پائے بعد میں وہ دیکھے گا کہ آگے کیا کرنا ہے۔ پہلے وہ اپنی جدوجہد کر لے، اگر کہیں سے امید کی کوئی جھلک نظر آجائے اور دنیا کے کسی بھی گوشے میں جانا پڑے تو نور علی کو وہاں لے جایا جائے لیکن کچھ امید تو بندھے، اس نے خصوصی ذرائع سے کام لے کر کچھ غیر ملکی ڈاکٹروں کو تمام تر اخراجات اور ان کے منہ مانگے معاوضے کا وعدہ کر کے طلب کر لیا تھا۔ پیار علی ساندا خود بھی پریشان تھا...... بہرحال باپ کی ہدایت پر بستی نورالٰہی واپس چل پڑا، حویلی پہنچا تو وہی ماحول ملا جس کی اُمید تھی، ہر شخص ششدر تھا...... راتوں رات باپ بیٹے کہاں غائب ہو گئے تھے، کسی کو علم نہیں تھا...... اعجاز خان معتمد خاص تھا، اس نے کسی کو اس رات کی کہانی نہیں سنائی تھی جب اس کے ذریعے پیار علی اور راگ علی ساندا کے تینوں کارکنوں کو قید کیا گیا تھا، پانچوں قیدی ایک ہی جگہ جمع کر دیئے گئے تھے اور اعجاز خان خاموشی سے ان کی نگرانی کر رہا تھا...... ہاشم علی ساندا سخت بدحواسی کے عالم میں پیار علی کی جانب لپکا تھا آصف علی بھی اس کے ساتھ تھا۔

"کیا ہوا پیار علی، کیا ہو گیا؟ کہاں چلے گئے سب لوگ، بھائی راگ علی کہاں ہیں؟ نور علی ساندا کہاں ہے؟"

"وہ اصل میں چچا جان ہم ایک سرکاری کام کی اُلجھن میں پڑ گئے تھے...... ابا جان ا

تک وہیں ہیں، کچھ ایسی ہی مصروفیات ہیں جنہیں اچانک دیکھنا ضروری تھا...... آپ لوگوں کو اطلاع نہیں دے سکے، یہاں تو سب ٹھیک ہے نا؟"

"سب ٹھیک ہے لیکن ایک ایک شخص تم لوگوں کے لئے پریشان تھا خدا کے بندے تھوڑی بہت اطلاع تو بھیج ہی دیتے...... میں تو عجیب گومگو کے عالم میں تھا، پولیس کو بھی اطلاع نہیں دے سکتا تھا، یہی سوچ کر کہ راگ علی بھائی اسے پسند کریں یا نہ کریں۔"

"آپ نے بہت اچھا کیا، آپ لوگ اپنے کام سے کام رکھئے، کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے ہم سب ٹھیک ہیں، ابا جان بھی واپس آجائیں گے اور نور علی بھی آپ فکر نہ کریں۔" پیار علی نے خشک لہجے میں کہا، دوسرے اہل خاندان کو بھی اس نے تسلیاں دیں لیکن جو ہوائیاں چہرے پر اڑی ہوئی تھیں وہ کسی کی نگاہوں سے چھپی نہ رہ سکی تھیں...... بہرحال اب اتنی مت بھی نہیں تھی کسی میں کہ زبردستی حالات معلوم کرتا، پیار علی ساندا سب سے پہلے اعجاز خان کے پاس پہنچا تھا...... اس نے سوالیہ نگاہوں سے اعجاز خان کو دیکھا تو اعجاز خان نے کہا۔

"جی چھوٹے ساندا صاحب، آپ کی ہدایت پر عمل کیا گیا ہے اور وہ پانچوں قید ہیں، میں خاموشی سے ان کی نگرانی کر رہا ہوں۔"

"کسی کو کچھ بتایا تو نہیں؟"

"نہیں سرکار، خود مجھے کچھ نہیں معلوم تھا تو میں کسی کو کیا بتاتا؟"

"ہوں۔ مجھے وہاں لے چلو۔" پیار علی ساندا نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ اس قید خانے میں داخل ہو گیا جہاں وہ پانچوں تباہ حال موجود تھے، پیار علی نے اعجاز خان کو وہاں سے ہٹا کر دروازہ اندر سے بند کر لیا اور خونی نگاہوں سے ان پانچوں کو گھورنے لگا۔

"کیا ہوا تھا، کیا ہو گیا تھا بدبختو، تم لوگوں نے ہمیں سولی پر لٹکا دیا، مجھے بتاؤ کیا ہوا تھا؟"

"سرکار ہم تو حکم کے بندے ہیں، جو حکم ہمیں دیا گیا تھا...... ہم نے اسی پر عمل کیا، ہمارا بھلا کیا قصور ہے سرکار، آپ خود انصاف سے بتایئے۔"

"میں ابھی تمہارا انصاف کرتا ہوں، میں پوچھتا ہوں کتے کے بچو مجھے تفصیل بتاؤ۔"

"سرکار آپ کی ہدایت کے مطابق لڑکی کو وہاں سے اٹھا کر نو نمبر میں پہنچا دیا گیا...... چوکیدار کو زخمی کر دیا گیا تھا اور گیسٹ ہاؤس کی نگرانی کرنے والے ناصر کو بے ہوش، لڑکی کو بھی ہم بے ہوش کر کے اٹھا کر لے آئے تھے، پھر نور علی ساندا صاحب وہاں آگئے...... لڑکی

بے ہوش تھی، ہم نے اسے ساندا صاحب کے حوالے کر دیا...... ساندا صاحب نے کہا، صرف دو بندے پہرے پر رُک جائیں باقی چلے جائیں تو یہی ہم نے کیا۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"اللہ جانے صاحب۔"

"کون دو بندے وہاں رُکے تھے؟"

"ہم دونوں صاحب۔"

"کیا کر رہے تھے تم دونوں؟"

"قسم لیجئے کچھ بھی نہیں، آرام سے بیٹھے ہوئے تھے۔"

"آرام سے بیٹھے ہوئے تھے۔" پیار علی نے اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"تو کیا کرتے ہماری ڈیوٹی ہی تھی۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"یہی تو پتا نہیں چل سکا صاحب کہ پھر کیا ہوا...... بس ایک سایہ سا نظر آیا تھا...... اس کے بعد، ہم بے ہوش ہوگئے۔" ریاض خان نے کہا۔

"بڑے ساندا صاحب کو یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا...... کیا تم مجھے آکر نہیں بتا سکتے تھے؟"

"آپ ہی کو تو بتانے آئے تھے مگر سامنے بڑے ساندا صاحب نظر آگئے۔ ہمارے کپڑوں پر خون کے دھبے تھے اس لئے بات چھپائی نہ جاسکی۔"

"اور تم نے سب کچھ بتا دیا؟"

"بڑے ساندا صاحب سے جھوٹ بھی تو نہیں بولا جاسکتا تھا، چھوٹے ساندا صاحب۔"

پیار علی کچھ دیر تک سوچتا رہا، انہیں دیکھتا رہا پھر اعجاز خان کو بلا کر کہا۔ "سمجھ میں نہیں آتا اعجاز خان کیا کریں...... انہیں کھانے پینے کو دے رہے ہو یا بھوکا مار رکھا ہے؟"

"تھوڑا بہت صاحب۔"

"نہیں انہیں ایسی کوئی سزا دینے کی ضرورت نہیں...... ٹھیک سے کھلاؤ پلاؤ پھر ان کے بارے میں کچھ سوچیں گے...... انہیں بڑے ساندا صاحب کے غصے سے بچانا ضروری ہے۔ آؤ۔"

اعجاز خان، پیار علی کے ساتھ آگیا...... پیار علی نے ان پانچوں کے لئے عمدہ ناشتا تیار رایا، خود اس کی نگرانی کی اور پھر اعجاز کے ہاتھ ناشتا اور چائے وغیرہ انہیں بھجوا دی۔

"ہمارے بارے میں کیا فیصلہ ہوگا اعجاز خان؟" شگن نے پوچھا۔

"میرے خیال میں پیار علی ساندا تمہیں نقصان نہ پہنچنے دیں گے۔" اعجاز خان نے نہیں اطمینان دلایا...... وہ پانچوں ناشتا کرتے رہے پھر اچانک ہی ان کی حالت بگڑنے لگی۔ وہ ب گلا پکڑے زمین پر لوٹنے لگے اور لمحوں میں اکڑا اکڑا کر ساکت ہوگئے، ان کی آنکھیں یبت سے اُبل پڑی تھیں اور اعجاز خان دم بخود رہ گیا تھا۔ اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ سب مر گئے ہیں...... لیکن

اسی وقت پیار علی مسکراتا ہوا اندر آگیا...... اعجاز خان کے کچھ بولنے سے پہلا بولا۔ "یں نے ان سے بڑے ساندا صاحب کے غصے سے بچانے کا وعدہ کیا تھا اعجاز خان۔ اس کے وا اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں انہیں زہر دے دوں...... کمبخت ایک چھوٹا سا کام کرنے کے ابل بھی نہ تھے...... اب تمہاری ڈیوٹی یہ ہے کہ ایک ایک کر کے احتیاط کے ساتھ ان کی شیں ٹھکانے لگادو خبردار ہوشیاری سے کام کرنا ہے۔"

❋

آصف علی ساندا بے وقوف نہیں تھا، راگ علی ساندا اور اس کے بیٹوں کے رویئے ان وں کے ساتھ بہت خراب تھے، بس طفیلی بن کر رہ گئے تھے...... یہ سب کے سب، آصف نے بار ہا محسوس کیا تھا کہ ہاشم علی بھی اسی احساس کا شکار ہے، لیکن اول تو بھائی کی ہیبت سے کچھ نہیں بول سکتا تھا، پھر اپنے ہاتھ بھی کٹوا بیٹھا تھا اور بظاہر اس کے پاس کرنے کے ے کچھ بھی نہیں تھا...... اس خیال سے اسے چپ سی لگ گئی تھی، بیٹی کے مسئلے میں راگ علی ندا نے جس طرح رکاوٹ ڈال دی تھی اس سے بھی ہاشم علی ساندا کو یہ احساس ہوگیا تھا کہ نے ساتھ ساتھ وہ اپنے بچوں کا مستقبل بھی تاریک کرچکا ہے، لیکن کسی سے کہتا تو کیا کہتا گردن جھکائے زندگی گزار رہا تھا، لیکن آصف علی کا خون گرم تھا اور اب جب اس نے رانا وظ سے ملاقات کر لی تھی تو اسے ایک طاقتور سہارا بھی حاصل ہوگیا تھا۔ بہن کو ساتھ لے ئی بار رانا محفوظ کے فارم ہاؤس تک جاچکا تھا اور کافی کافی دیر تک وہاں باتیں ہوتی رہتی یں، اس دن بھی وہ وہیں آئے ہوئے تھے، آصف علی نے مسکرا کر رانا محفوظ سے کہا۔

”آپ بھی کیا سوچتے ہوں گے رانا محفوظ صاحب، میں کیسا بھائی ہوں، جو بہن کو اس کے منگیتر سے ملانے چلا آتا ہوں، اس سے میرے کردار پر ایک داغ بھی آ جاتا ہے، آپ کیا سچائی اور ایمانداری کے ساتھ مجھے یہ بتانا پسند کریں گے کہ میرے اس قدم سے آپ کیا سوچتے ہیں؟“

”سچائی کو درمیان میں رکھ دیا ہے آپ نے ساندا صاحب چنانچہ جو کچھ میں کہوں اسے سچائی ہی کے ساتھ قبول کر لیجئے گا اور وعدہ کیجئے کہ برا نہیں مانیں گے۔“

”اسی بنیاد پر میں نے یہ موضوع آپ کے سامنے چھیڑا ہے۔“

”تو ساندا صاحب، میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ والد بزرگوار نے جوش محبت میں یا بھائی کے خوف سے جو قدم اٹھایا ہے اس نے انہیں بالکل مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔ اب آپ کے پاس کچھ نہیں ہے، راگ علی ساندا صاحب جب چاہیں آپ کو اپنی حویلی سے نکال سکتے ہیں، آپ بے دست وپا ہو چکے ہیں اور آپ کو یہ احساس ہے کہ اپنے والد صاحب کی غلطی کی وجہ سے آپ نے اپنا مستقبل کھو دیا ہے۔“

”یہ ایک کھرا سچ ہے۔“ آصف علی ساندا نے کہا۔

”اور معافی چاہتا ہوں آپ نے یہ بھی سوچ لیا ہے کہ میں آپ کے حق میں برا انسان نہیں ہوں۔“

”یہ بھی ایک مکمل سچ ہے۔“

”اور اس وقت صرف میں ہوں جو آپ کی مدد کر سکتا ہوں...... آصف علی ساندا صاحب میں خود شرمندہ ہوں اس بات سے کہ اپنی ایک خواہش کے لئے آپ کے ضمیر کو داغ دار کر رہا ہوں لیکن خدارا ایسا نہ سوچئے گا دوست بھی ہوتے ہیں اس دنیا میں اور دوستی کا رشتہ بعض اوقات باقی تمام رشتوں پر حاوی ہو جاتا ہے۔ میں اپنے مستقبل کی تکمیل کے لئے آپ کی مدد بھی حاصل کر رہا ہوں۔ آصف علی ساندا صاحب ایک دوست کی حیثیت سے آپ کو بتا رہا ہوں کہ زرینہ کے بغیر میری زندگی ناممکن ہے، میں انہیں عزت کے تمام اصولوں کے ساتھ اپنی زندگی میں شامل کرنے کا خواہش مند ہوں، تھوڑا سا یہ لالچ اور باقی آپ کی دوستی یہ سب کچھ مجھے مجبور کر رہی ہے کہ میں جس طرح بھی بن پڑے آپ کی مدد کروں لیکن افسوس ابھی تک کوئی ایسا موثر قدم نہیں اٹھا سکا ہوں میں جو اس سلسلے میں کار آمد ہو۔“

”وقت بہت سے فیصلے خود کرے گا رانا صاحب لیکن آپ کے الفاظ نے مجھے تقویت بخشی ہے، یہ حقیقت ہے کہ راگ علی اور اس کے دونوں بیٹے بڑی خطرناک شخصیت کے مالک ہیں، وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں اس لئے کوئی جذباتی قدم اٹھانے کے بجائے میں سوچ سمجھ کر کچھ کرنا چاہتا ہوں اور مجھے واقعی آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔“

”آصف علی، کیا آپ کے والد ہاشم علی ساندا صاحب ہمارے کسی اقدام کی مخالفت کریں گے؟“

”مجھے اس مخالفت کی پروا نہیں ہے، وہ جو بگاڑ سکتے تھے بگاڑ چکے ہیں، اب اس کے بعد انہیں یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ہم لوگوں کو مکمل طور سے تباہ کر دیں، میں اپنی بہن کا اچھا مستقبل چاہتا ہوں اور اپنا بھی، ہمیں آپ کی مدد درکار ہے۔“

”دل وجان سے حاضر ہوں، بس کسی انا کو اپنا مسئلہ نہ بنائیے۔“ تنہائی میں رانا محفوظ نے زرینہ سے کہا۔

”زرینہ صاحبہ آپ نے اب تک ان ملاقاتوں میں میرے کردار میں کوئی برائی نہیں پائی ہوگی، میں آپ کو مکمل احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہوں، آج پھر آپ سے یہ سوال کرنے پر مجبور ہوں کہ آپ نے اپنے ذہن سے وہ لمحات بھلا دیئے ہیں یا نہیں جنہوں نے آپ کو خودکشی تک پہنچا دیا تھا۔“

”رانا صاحب، ایک عورت ہوں، وہ بدنما لمحات تو شاید میری قبر میں بھی میرے ساتھ ہی جائیں لیکن آپ نے جو ہمت افزائی کی ہے اس نے جینے کا حوصلہ بخش دیا ہے، میں جینا چاہتی ہوں آپ کے قدموں میں۔“

”وہ تصویریں کہاں ہیں...... میرا مطلب ہے ان کے نیگیٹو؟“

”میں نے جس طرح یہ سارا کام کیا ہے، میں جانتی ہوں، نیگیٹو بھی میرے پاس موجود ہیں۔“

”دوسری ملاقات میں وہ نیگیٹو آپ لیتی آئیے اور اگر ان کے اور پرنٹ ہیں تو وہ برائے کرم میری امانت سمجھ کر مجھے لوٹا دیجئے گا۔“

”آپ کی امانت؟“

”ہاں زرینہ، کیا ایک غیور مرد کی حیثیت سے میں ان تصویروں کا وجود برداشت

کر سکتا ہوں، آپ بے داغ ہیں، ظلم کی ایک منزل سے گزری تھیں آپ لیکن میں وہ ثبوت ہمیشہ کے لئے مٹا دینا چاہتا ہوں جن کا علم صرف مجھے اور آپ کو ہے، تاکہ مستقبل میں کبھی ہم ایسے کسی احساس کا شکار نہ ہوں۔"

"دوسری ملاقات پر میں وہ نیگیٹو آپ کو واپس کر دوں گی۔"

"شکریہ مس زرینہ اس کے علاوہ آپ جس قدر باہمت خاتون ہیں اور آپ نے جس طرح یہ سب کچھ کیا ہے اس کے بعد میں آپ سے توقع رکھتا ہوں کہ راگ علی ساندا کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے آپ مزید کوشش کریں گی۔"

"جی فرمایئے، میں خلوص دل سے حاضر ہوں۔"

"تو پھر یہ چند چیزیں سنبھالئے جو میں آپ کے لئے لایا ہوں۔" رانا محفوظ نے ایک ننھا سا کیمرا جو جرمنی کا ساختہ تھا زرینہ کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"اس کی خوبی یہ ہے کہ یہ الٹرا وائلٹ لینس رکھتا ہے، رات کی تاریکی میں بھی کسی فلیش کے بغیر آپ اس سے تصویریں بنا سکتی ہیں اور اس میں کبھی فلیش کی ضرورت نہیں ہوتی، یہ اپنا ٹارگٹ خود حاصل کر لیتا ہے، میں چاہتا ہوں کہ اگر کچھ ایسی پراسرار سرگرمیاں آپ کے علم میں آجائیں جو راگ علی کے لئے قابل گرفت ہوں تو آپ ان لمحات کو اس کیمرے میں محفوظ کر لیں لیکن اپنی زندگی کی بقاء کے ساتھ آپ کو نہایت ہوشیاری سے یہ کام کرنا ہوگا، اس کے علاوہ یہ ایک طاقتور ٹیپ ریکارڈر ہے جو ریموٹ سے کنٹرول ہوتا ہے اور اسے کوئی ایسی جگہ درکار نہیں ہوتی جہاں سے اس کے اور ریموٹ کے درمیان رابطہ قائم رہے، یہ ننھا سا کیسٹ حساس اور طاقتور ہے کہ حشرات الارض کی آوازیں بھی ریکارڈ کر سکتا ہے، یہ دونوں چیزیں میں نے آپ کے لئے جرمنی سے منگوائی ہیں، آپ اسے راگ علی ساندا کی اس مخصوص نشست گاہ میں رکھ دیں جہاں وہ لوگ اپنی خفیہ گفتگو کرتے ہیں اور یہ اس کا ریموٹ ہے، مس زرینہ اس میں ایک انوکھی خوبی ہے وہ یہ کہ جو گفتگو ٹیپ ریکارڈ پر ریکارڈ ہو رہی ہوگی، ریموٹ کے اس ننھے سے سپیکر پر آپ اسے تقریباً چار سو گز کے فاصلے سے سن سکتی ہیں، نہایت واضح بالکل صاف، اس کا آپریشن سیکھ لیجئے، آپ کو راگ علی ساندا کی اس نشست گاہ میں ہونے والی گفتگو ریکارڈ کرنی ہے، میرا خیال ہے آپ یہ کام کر لیں گی۔" زرینہ نے مسرور انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"آپ مطمئن رہیں میں اب وہ پہلے جیسی بے وقوف زرینہ نہیں ہوں۔" رانا محفوظ نے ان دونوں چیزوں کا آپریشن زرینہ کو بتایا اور اس نے پوری طرح اسے سمجھنے کے بعد اپنے پاس محفوظ کر لیا تو رانا محفوظ مسکرا کر بولا۔

"اور اب میں دوسری ملاقات میں ان نیگیٹو کا منتظر رہوں گا، جنہیں میں اپنے ہاتھ سے ضائع کرنا چاہتا ہوں لیکن آپ کے سامنے۔"

"مجھے آپ پر مکمل اعتماد ہے۔" زرینہ نے شفاف لہجے میں کہا۔

❀

راگ علی ساندا اذیتوں میں گھرا ہوا تھا، بیٹے کو دیکھ کر دل پر جو بیتی تھی کبھی کبھی اسے برداشت کرنا مشکل ہو جاتا تھا لیکن جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا...... نور علی ساندا کے زخموں پہ پٹیاں بندھی ہوئی تھیں، وہ ہسپتال کے ایک شاندار کمرے میں مقیم تھا اور راگ علی ساندا ابھی تک بستی نور الٰہی واپس نہیں گیا تھا...... مصیبت پڑی تھی اس پر بھگت رہا تھا، نور علی کی کیفیت اب کافی بہتر ہو گئی تھی لیکن اسے چپ لگ گئی تھی، بات ہی نہیں کرتا تھا اس وقت بھی راگ علی ساندا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو نور علی کے جسم میں جنبش پیدا ہوئی، اس نے آہستہ سے کہا۔

"نرس۔"

"نہیں بیٹے، میں ہوں راگ علی۔" نور علی ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا...... راگ علی اس کے پاس جا بیٹھا تھا اس نے بیٹے کے شانے پر محبت سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"تیری طبیعت اب کیسی ہے نور علی؟"

"پتا نہیں، پتا نہیں ابا جان۔"

"اب تو مجھے بتا دے ظالم، کیا ہوا ہے تیرے ساتھ، کیا کیا تھا تو نے، کس نے یہ سب کچھ کیا ہے، کس نے تیری دنیا تاریک کی ہے؟"

"کچھ نہیں یاد مجھے، میں کچھ نہیں بتانا چاہتے، مجھے میری روشنی واپس دلوا دو، ورنہ مجھ پر اپنا کوئی حق نہ جتاؤ۔"

"تیری روشنی میں نے نہیں چھینی نور علی میں تو اس کا پتا چاہتا ہوں جس نے تجھ سے یہ

روشنی چھین لی ہے۔"

"کچھ نہیں بتاؤں گا میں، کچھ بھی نہیں بتاؤں گا۔"

"اتنا تو بتادے کہ تو نے اپنی روشنی چھیننے والے کو زندہ واپس جانے دیا ہے یا۔"

"آہ آہ، وہ زندہ ہے، وہ زندہ ہے۔"

"کون تھا، کیا تھا، کیوں تھا، خدا کے لئے مجھے بتادے؟"

"کچھ نہیں جانتا میں، میں کچھ بھی نہیں بتاؤں گا مجھے تنگ نہ کرو پہلے میری دنیا روشن کرو اس کے بعد میں زبان کھولوں گا۔"

"اپنی دنیا تو تو نے خود تاریک کرلی ہے کیا کہوں اس بارے میں۔"

تو چلے جاؤ میرے کمرے سے، چلے جاؤ یہاں سے، مجھے میری تنہائیوں میں چھوڑ دو، میں اپنا حساب کرنا چاہتا ہوں۔" نور علی نے اس کے بعد پھر زبان بند کرلی اور راگ علی سر پٹخ پٹخ کر مر گیا مگر دوبارہ اس کی زبان سے کچھ نہ سن پایا، جانتا تو وہ بھی تھا لیکن ابھی تک اس سلسلے میں کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا، آج بہر حال واپسی کا فیصلہ کیا، ذرا بستی جاکر بھی دیکھنا ہے، ظاہر ہے یہ سب کچھ نارمل نہیں تھا...... لوگوں نے نہ جانے کیسی کیسی کہانیاں اپنے ذہنوں میں سجالی ہوں گی، پیار علی اس کے بعد واپس نہیں آیا تھا، چنانچہ راگ علی حویلی پہنچ گیا، حویلی میں اس کا سنسنی خیز استقبال کیا گیا، ہر زبان خاموش تھی، بھلا کسی کے پوچھنے کی کیا مجال، وہ اپنی رہائش گاہ میں داخل ہو گیا اور اس نے سب سے پہلے پیار علی کو اپنی تنہائی میں طلب کرلیا...... پیار علی خاموشی سے اس کے پاس پہنچ گیا۔

"ہاں، کیا ہوا، کیا معلوم کیا تو نے، کیا واقعہ ہوا تھا؟"

"ابا جان، کیا بتاؤں اپنی زبان سے، کیا کہوں آپ سے؟"

پیار علی نے مکاری سے کہا۔

"میرے اعلیٰ کردار کے بیٹو! باپ کے سامنے فرشتہ بننے کی کوشش مت کرو، اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہارے کالے کرتوتوں سے ناواقف تھا تو یہ تمہاری بھول ہے، سب کچھ جانتا ہوں میں تمہارے بارے میں، سب کچھ جانتا ہوں ایک تھا جس نے بستی مہر جان کے خادم شاہ کی بیٹی کی عزت لوٹی اور پھر خادم شاہ کے بیٹے کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر گیا، ٹھیک ہے ہم نے اس کے جواب میں خادم شاہ کا خاندان تباہ کردیا۔ اسے اور اس کے بیٹے کو

ردیا، اسے تباہ و برباد کردیا لیکن ابتداء تو تمہارے بھائی ہی نے کی تھی اس سے بھی ہاتھ بیٹھا میں لیکن اس کے باوجود تم لوگ نہیں سنبھلے اور آخر کار نور علی کو بھی یہ دن دیکھنا میرے سامنے پارسا نہ بنو مجھے صحیح صورت حال بتاؤ، کیا واقعہ پیش آیا تھا۔

"ابا جان، نور علی نے ان پانچوں کی مدد سے سرکاری لڑکی فرخندہ رشید کو اغوا کرایا تھا اور ے بعد اسے نو نمبر میں لے گیا تھا لیکن وہاں وہ لڑکی کے ہاتھوں مار کھا گیا...... اس نے ی آبرو لوٹنے کی کوشش کی تھی، لڑکی کو اس پر فوقیت حاصل ہو گئی اور اس نے نور علی کو حال میں پہنچا دیا۔"

"ہوں، وہ پانچوں کیا کہتے ہیں؟"

"اب وہ کچھ نہیں کہیں گے ابا جان آپ جانتے ہیں وہ ہمارے خلاف سب سے بڑا ت تھے۔"

"کیا مطلب؟" راگ علی چونک کر بولا۔

"میں نے ان پانچوں کو قتل کردیا، ان پانچوں کو ہلاک کردیا میں نے۔"

"کیا؟"

"جی ابا جان یہ بڑا ضروری تھا۔"

"اُف میرے خدایا ان کی لاشیں کہاں گئیں؟"

"اعجاز خان نے ٹھکانے لگادی ہیں، ان کی طرف سے آپ بالکل بے فکر رہیں۔"

"تم لوگ، تم لوگ کتنے انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارو گے، دیکھ لو، ایک کا کیا ہوا دوسرے کا کیا ہوا تھا، پیار علی سنبھالو خود کو، میں کب تک تمہاری مدافعت کرتا رہوں گا، ں گناہوں میں تمہارے کالے کرتوتوں سے کتنے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتروایا ہے تم مجھ سے اور کتنے لوگوں کو مرواؤ گے؟"

"سوری ابا جان، میرا تو قصور نہیں تھا، یہ سب تو نور علی نے کیا ہے؟"

"تو تعجب ہے، تعجب ہے ادھر سے کوئی کارروائی نہیں ہوئی، حالانکہ کئی دن گزر گئے، ہ بھی تو کچھ کر سکتے ہیں، سرکاری آدمی ہیں، کیا جواب دوں گا میں انہیں؟"

"آپ دیکھ لیجئے ابا جان، آپ کوئی ایسا موقف اختیار کریں جس سے ہماری بچت کے۔" پیار علی نے کہا اور راگ علی گہری سوچوں میں ڈوبا رہا پھر اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے، تم یہاں کے حالات کو نگاہوں میں رکھو سو دوست سو دشمن، کہیں کوئی بڑی مصیبت نہ آجائے۔"

"یہاں سے آپ اطمینان رکھئے گا لیکن آپ کا کیا ارادہ ہے؟"

"میں شہر جارہا ہوں، وہاں جاکر کارروائی کرتا ہوں، میرا خیال ہے ان لوگوں پر نور علی کو نقصان پہنچانے کا الزام لگادیا جائے اور اس رقم کا حوالہ دیدیا جائے جو وہ نور علی سے لے گئے ہیں۔"

"جو کچھ کیجئے سوچ سمجھ کر کیجئے۔"

"میں کوشش کرتا ہوں۔" راگ علی نے کہا اور کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

❁

راگ علی شہر جاکر متعلقہ محکمے کے ڈائریکٹر جنرل سے ملا۔

"میرا نام راگ علی ساندا ہے۔" اس نے کہا اور ڈائریکٹر نے کھڑے ہوکر اس سے پرجوش مصافحہ کیا۔

"تشریف رکھئے ساندا صاحب۔ یقیناً آپ کو انتظار کی زحمت برداشت کرنی پڑی...... میں عموماً سرکاری دوروں پر رہتا ہوں اس لئے پہلے آپ سے ملاقات نہیں ہوسکی، جبکہ ہماری ڈیل بڑی اہمیت کی حامل ہے اور یہ جلد از جلد ہوجانی چاہئے۔ اچھا یہ فرمائیے آپ کیا لینا پسند کریں گے۔"

"میں آپ سے۔" راگ علی ساندا نے کہا، مگر ڈی جی نے اس کی بات درمیان سے کاٹ دی۔

"یقیناً یہ سوال کریں گے کہ وعدے کے مطابق ہمارے نمائندے آپ تک نہیں پہنچے...... اصل میں جو دو نمائندے آپ کے پاس جانے والے تھے وہ ایک عجیب حادثے کا شکار ہوگئے۔"

"کیا حادثہ؟"

"اپنی نوعیت کا ایک عجیب حادثہ۔ ان میں سے ایک خاتون میں جن کا نام فرخندہ رشید ہے ہمارے محکمے میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں، دوسرے مسٹر شاہد ایاز ہیں۔"

"جی۔ حادثہ کیا ہوا؟"

"ان دونوں کو پراسرار طریقے سے اغوا کرلیا گیا۔ کچھ دن قید رکھا گیا پھر آزاد کردیا گیا۔ ان کے اہل خاندان کا خیال تھا کہ یہ اغوا برائے تاوان ہے لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا اور یہ واپس آگئے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ انہیں نہایت عزت واحترام سے رکھا گیا اور کسی نے کوئی تکلیف نہیں دی لیکن آپ خود سمجھتے ہیں کہ اغوا بہرحال اغوا ہوتا ہے۔"

"تو یہ کہانی سنائی ہے انہوں نے آپ کو۔" راگ علی نے کہا اور ڈی جی چونک پڑا۔

"کہانی؟"

"ہاں۔ صرف کہانی...... ڈی جی صاحب میں ان دونوں سے مل سکتا ہوں؟"

"ضرور...... وہ ذمے دار افسر ہیں۔ کوئی جھوٹی بات نہیں کہیں گے پھر بھی میں انہیں طلب کئے لیتا ہوں لیکن کہانی کیا ہے آپ مجھے بتانا پسند کریں گے۔"

"وہ دونوں بستی نور الٰہی پہنچے۔ وہاں سرکاری گیسٹ ہاؤس میں قیام کیا...... مجھ سے ملے، زمینوں کی قیمت طے کرکے کاغذات پر دستخط کئے اور مجھ سے پچیس لاکھ رشوت طلب کی۔ جو میں نے نہ دی تو میرے گھر ڈاکا زنی کی اور میرے بیٹے کے مزاحمت کرنے پر اسے شدید زخمی کرکے وہاں سے فرار ہوگئے۔"

"شاہد ایاز، فرخندہ رشید۔" ڈی جی کے منہ سے حیرت زدہ آواز نکلی۔

"جی۔"

"او، نو، ناممکن۔ آپ کیسی بات کررہے ہیں۔"

"آپ انہیں بلائیے۔"

"میں ضرور بلاؤں گا لیکن ساندا صاحب کوئی شدید غلط فہمی ہوئی ہے آپ کو۔"

"یہ سرکاری کاغذ بھی غلط فہمی ہے؟ انہوں نے ڈکیتی کی مزاحمت کرنے پر میرے نوجوان بیٹے کو دونوں آنکھوں سے محروم کردیا، اس کا چہرہ ادھیڑ ڈالا، وہ زندگی بھر کے لئے اندھا ہوگیا۔" راگ علی کی آواز بھرا گئی۔ اس نے ایک سرکاری فارم نکال کر ڈی جی کے سامنے رکھ دیا۔ جس پر سرکاری مہر تھی اور زمینوں کی رقم کا تعین کرکے دستخط کئے گئے تھے۔

ڈی جی نے کاغذ اٹھاتے ہی کہا۔ "نہیں، ہرگز نہیں۔ آپ خود غور کرلیجئے۔ یہ سرکاری فارم نہیں ہے، میں آپ کو سرکاری فارم دکھاتا ہوں۔" ڈی جی نے اپنی میز کی دراز سے فارم کا پیڈ نکالا جو اس پیڈ سے بالکل مختلف تھا۔

راگ علی نے یہ فارم دیکھا اور اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے وہ آہستہ سے بولا۔ "نہیں...... یہ فارم نہیں ہے۔"

"ہمارے دفتر میں صرف یہی فارم استعمال ہوتا ہے۔"

"آپ انہیں بلایئے۔" راگ علی ساندا ڈھیلے لہجے میں بولا اور ڈی جی فون پر اپنی سیکرٹری کو ہدایات دینے لگا پھر اس نے کہا۔

"یہ کوئی اونچا فراڈ ہے، آپ نے کیس رجسٹرڈ کرایا؟"

"ابھی نہیں۔"

"ڈکیتی ہوئی ہے؟"

"ہاں لیکن اس کے علاوہ میرے بیٹے کو شدید زخمی کر دیا گیا ہے۔"

"مجھے سخت افسوس ہے، وہ دونوں بھی اپنے اغوا کا کیس درج کرا چکے ہیں۔ آپ اگر چاہیں تو میں اس سلسلے میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں؟" ڈی.جی نے مخلصانہ پیشکش کی۔

"کیسی مدد؟"

"ڈی آئی جی نادر حیات سے میرے ذاتی تعلقات ہیں، میں آپ کو ان کے پاس لے جا سکتا ہوں۔ وہ بذات خود اس کیس کو دیکھیں گے۔"

"شکریہ لیکن آپ کو ان دونوں کے سلسلے میں گواہی دینا ہوگی۔" راگ علی نے کہا۔

"پہلے یہ دیکھ لیجئے کہ وہ دونوں کیا کہتے ہیں۔ میں تو خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا کہ ایسے معزز لوگ کسی طرح جرم کر سکتے ہیں۔ بہر حال انسانی سرشت کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا...... کون جانے کہ اندر سے کون کیا ہے۔ بہر حال چونکہ کیس میرے محکمے سے کسی قدر متعلق ہے اس لئے میں آپ سے پورا تعاون کروں گا۔"

"شکریہ۔" راگ علی نے کہا۔ پھر دو افراد اندر داخل ہو گئے، ایک تقریباً تیس سالہ خاتون تھیں، دوسرا ادھیڑ عمر آدمی۔ ڈی.جی نے متعارف کرایا۔

"مسٹر شاہد ایاز، مسز فرخندہ رشید۔"

"کیا؟" راگ علی کے حلق سے چیخ نکل گئی۔

"آپ انہیں پہچانتے ہیں؟" ڈی.جی نے پوچھا۔

"نہیں۔ یہ وہ نہیں ہیں۔"

"کیا بات ہے سر؟" شاہد ایاز نے پوچھا۔

"آپ لوگوں کو اغوا کرنے کے بعد کچھ جعل سازوں نے راگ علی صاحب سے فراڈ ...ہے۔"

ان دونوں کے چہروں پر خوف کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

"خدا جانے کیا قصہ ہے؟" فرخندہ نے کہا۔

"کیا میں انہیں جانے کی اجازت دے دوں؟"

"ہاں...... ان شریف لوگوں کو تنگ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔" راگ علی نے کہا ...ان کے جانے کے بعد خود بھی اٹھ گیا۔

"آپ تشریف رکھیں...... میں آپ کی پریشانی میں براہ راست شریک ہوں، اگر آپ ...ند کریں تو میں ڈی آئی جی۔"

"نہیں مسٹر ڈی.جی۔ شکریہ...... یہ سب کچھ میں خود بھی کر لوں گا۔" راگ علی نے کہا ...وہ ڈی.جی سے ہاتھ ملا کر کھڑا ہو گیا۔

"ان زمینوں کے بارے میں۔"

"نہیں ڈی.جی۔ ابھی میں ذہنی طور پر ٹھیک نہیں ہوں۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ کو ...لاع دوں گا۔" راگ علی وہاں سے نکل آیا...... اس کا سر بری طرح چکرایا ہوا تھا...... کچھ ...ھ میں نہیں آ رہا تھا پھر وہ واپس بستی نور الٰہی آ گیا تھا...... بیٹوں سے سخت ناراض تھا لیکن ان ...ے سوا کسی اور کو رازدار بھی نہیں بنا سکتا تھا، نہ جانے کیوں اسے ایک انوکھی تنہائی کا احساس ...رہا تھا...... بڑی آن بان ہے، بڑی شان ہے لیکن ہمدردوں اور دوستوں کی کتنی کمی ہے...... ...ے ہار کر پیار علی سے ہی رجوع ہوا۔ جو خود بھی بیمار بیمار نظر آنے لگا تھا...... پیار علی کو اس ...نے اپنے کمرے میں بلایا تھا۔

"میں تو یہاں قید ہو گیا ہوں ابا جان۔ آپ کے حکم کے بغیر باہر قدم بھی نہیں ...ل سکتا۔"

"تمہاری سعادت مندی نے ہی تو آج ہمیں اس حال کو پہنچایا ہے۔"

"غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے ابا جان۔"

"میں ان دنوں بڑے عجیب احساسات سے گزر رہا ہوں پیار علی۔" راگ علی نے کہا۔

"کیا اباجان؟"

"سب کچھ ہے میرے پاس، اتنا کچھ کہ میری نسلیں عیش کر سکتی ہیں لیکن سکون نہیں ہے۔ انسان پہلے اپنے لئے کچھ کرتا ہے پھر اپنی اولاد کے لئے، اولاد یہ سب کیوں نہیں سوچتی...... کیا نہیں کیا میں نے تمہارے لئے اور تم اس قدر بگڑے ہوئے ہو کہ۔"

"مجھے افسوس ہے اباجان۔"

"بڑے عجیب انکشافات ہوئے ہیں۔ وہ لوگ اصل لوگ ہی نہیں تھے۔"

"کون؟"

"وہی دونوں۔" راگ علی نے کہا اور بھرپور تفصیل اسے سنا دی۔ پیار علی ہونق ہو گیا تھا...... وہ حیرت سے باپ کی صورت دیکھتا رہا پھر بولا۔

"کیا اندازہ ہوتا ہے اس سے؟"

"کیا اندازہ ہو سکتا ہے؟"

"کوئی بہت قریب سے ہمارا جائزہ لے رہا ہے، کوئی یہ سب کچھ جانتا ہے اور...... اور اس نے ہمیں ایک بڑی رقم کی چوٹ دی ہے۔"

"آپ کا کیا خیال ہے، کس کو معلوم تھا کہ ہم وہ زمینیں فروخت کر رہے ہیں اور سرکاری اہلکار ہمارے پاس آنے والے ہیں؟"

"سرکاری اہلکاروں کو۔"

"آپ کچھ بھی کہیں۔ میں دوسرے انداز میں سوچ رہا ہوں۔"

"مثلاً؟"

"نہیں اباجان۔ ہمیں سراغ لگانا پڑے گا۔"

"اس کے لئے کیا کروں؟"

"آپ نور علی کے بارے میں کہہ رہے ہیں۔"

"ہاں۔"

" کاش میں کچھ بتا سکتا لیکن ہم جائزہ لیتے رہیں گے ممکن ہے اس کی آنکھوں میں دوسری آنکھیں لگائی جاسکیں۔"

"صرف ایک ڈاکٹر نے مجھے امید دلائی ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ اس کے لئے طویل عرصہ

رکار ہے۔"

"تب انتظار کے سوا کچھ نہیں کیا جا سکتا۔" راگ علی خاموش ہو گیا۔ اسی رات ہاشم ا راگ علی کے پاس آگیا۔

"حاضر ہو سکتا ہوں بھائی راگ علی؟"

"کیا بات ہے ہاشم علی؟"

"آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"آؤ...... کیا بات ہے؟"

"کچھ دن سے میں تمہیں پریشان دیکھ رہا ہوں؟"

"اصل بات کیا کہنا چاہتے ہو؟ وہ کہو۔"

"یہی اصل بات ہے۔"

"میری پریشانی مجھ تک رہنے دو۔"

"میں تمہارا بھائی ہوں۔"

"یہ میرا گناہ ہے۔"

"گناہ؟"

"اوہ ہاشم علی، کام کی بات کرو...... میرے پاس فضول باتوں کے لئے وقت نہیں ہے۔"

میرے ساتھ تمہارا یہ رویہ اچھا نہیں ہے...... تم نے ابتدا کسی اور طرح کی تھی اور اب ہم سب تمہارے طفیلی بن کر رہ گئے ہیں۔"

"تو کیا میرے سرپرست بننا چاہتے ہو؟"

"نہیں۔"

"پھر؟"

"بھائی بننا چاہتا ہوں...... اب تو میرے پاس کچھ نہیں رہا...... میرے سامنے میرے بچوں کا مستقبل ہے۔"

"اس کے بارے میں مجھے سوچنا چاہئے؟"

"پھر کون سوچے گا۔"

"بوڑھے ہو کر پاگل ہو گئے ہو ہاشم علی۔ کتنے دن سے میرے ساتھ ہو، کتنے اخراجات

ہوئے ہیں تم پر، اب کیا باقی رہ گیا ہے تمہارا مجھ پر، بلکہ اچھا ہوا یہ بات تم نے کرلی، کسی دن میں تم سے کہتا۔"

"ہاشم علی، حویلی کے حالات میں کچھ ایسی اُلجھنیں پیدا ہو گئی ہیں کہ میں پریشان ہو گیا ہوں...... میں اب غیر ضروری لوگوں کو یہاں سے دور کر دینا چاہتا ہوں...... تم اگر چاہو تو میں تمہیں قیام کے لئے کوئی چھوٹا موٹا گھر دے دوں گا اور بس۔ جوان بیٹا ہے تمہارا باپ، بیٹے مل کر زندگی گزارنے کا بندوبست کرو۔"

"راگ علی۔" ہاشم علی چیخ پڑا۔

"آنکھیں نکال رہے ہو مجھ پر؟"

"میری زمینوں کا کیا ہو گا؟"

"وہ اب تمہاری نہیں میری ہیں۔"

"اور میں؟"

"تمہیں اب زمینوں کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ان کی رقم دو گے مجھے؟"

"وہ رقم میں تم پر خرچ کر چکا ہوں۔"

"خدا سے ڈرو راگ علی۔ یہ کیا کہہ رہے ہو۔"

"کل صبح تم...... حویلی خالی کر دو گے۔"

"راگ علی۔ رحم کرو ہم پر۔"

"کر تو رہا ہوں...... مسجد کے سامنے والے گھر میں چلے جاؤ...... تمہاری پرواز تو بہت اونچی ہے۔ رانا حبیب کے گھر رشتہ کرنے جا رہے تھے تم اپنی بیٹی کا۔ یہ نہیں معلوم تمہیں کہ وہ رشتہ رانا نے تمہیں کیوں دیا تھا۔"

"یہ سوچ کر کہ زرینہ میری بھتیجی ہے...... اسے بہت کچھ ملے گا۔"

"وہ رشتہ تو ختم ہو چکا ہے۔"

"مجھ سے دور رہ کر اسے جوڑنے کی کوشش کرو۔"

"میں نے تو کچھ نہیں بگاڑا تمہارا...... مجھ پر یہ ظلم کیوں کر رہے ہو راگ علی؟"

"ہاشم علی...... بہت کم لوگ ایسے ہیں جو مجھ سے بحث کرتے ہیں اور کرنے کے بعد

بھی زندہ رہتے ہیں۔ جاؤ زندہ رہنے کی کوشش کرو اور سنو اگر اس گھر میں جانا چاہتے ہو تو ضرور چلے جاؤ۔ نہ جانا چاہو تو جہاں دل چاہے چلے جاؤ لیکن کل دوپہر کے بعد تمہیں یہاں نہیں ہونا چاہئے، سمجھ گئے۔"

"ہاں راگ علی۔ میں تو تمہاری تکلیف میں حصہ بٹانا چاہتا تھا اسی لئے آیا تھا۔"

"ہوتا ہے کبھی اس طرح نیکیاں گلے پڑ جاتی ہیں...... مجھے تنہائی درکار ہے۔"

"ٹھیک ہے راگ علی۔" ہاشم علی آنسو بہاتا ہوا باہر نکل گیا۔

❁

اعجاز خان شدید بخار میں پھنک رہا تھا۔ اس کے دل میں کچوکے لگ رہے تھے۔ جن لوگوں کی لاشیں اس نے ٹھکانے لگائی تھیں وہ اس کے برسوں کے دوست تھے۔ ان کے گھرانے تھے بلکہ اعجاز خان کی بیوی بھی ریاض خان کی رشتے دار تھی۔ بہت اچھے تعلقات تھے دونوں گھرانے کے لیکن سب تنہا رہ گئے تھے...... اعجاز خان نے ان کی لاشیں ٹھکانے لگائی تھیں...... اس وقت سے اس کا دل پھنک رہا تھا۔ اسے کسی پل قرار نہیں آرہا تھا، کسی کو بتا بھی نہیں سکتا تھا اور ان لوگوں کے چنگل سے نکل بھی نہیں سکتا تھا۔ اس ہیجان نے اسے بخار میں مبتلا کر دیا تھا۔

اس کی بیوی نے کہا۔ "ماما ادریس کی بیٹی کی شادی ہے ہمیں بلایا ہے۔"

"بھاڑ میں جائیں تیرے ماما...... میری حالت دیکھ رہی ہے؟"

"کیسی باتیں کر رہے ہو اعجاز۔ میرا ایک ہی ماموں ہے...... میری مری ماں کی نشانی۔" رقیہ آنسو بھری آواز میں بولی اور اعجاز کا دماغ ایک دم روشن ہو گیا۔ اسے ایک ترکیب سوجھ گئی...... اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بالکل ہی پاگل ہے مذاق بھی نہیں سمجھتی تیرا ماموں میرا ماموں نہیں ہے کیا، کمال ہے بھئی مذاق کا برا مان گئی۔" اعجاز کی بات پر رقیہ کے چہرے پر خوشی کے آثار پیدا ہوئے پھر اس نے کہا۔

"صفیہ میری بچپن کی سہیلی ہے بھلا اس کی شادی میں نہیں جاؤں گی میں۔"

"جانا بابا جانا کون منع کرتا ہے تجھے۔"

"تو پھر اب کب تک چلو گے، تمہیں تو بخار چڑھا ہوا ہے۔"

"ارے مردوں کو کبھی بخار چڑھتا ہے آج ہی ساندا صاحب سے بات کرتا ہوں، چھٹی لے لیتا ہوں اور پھر چلتا ہوں۔" اعجاز نے پیار علی ساندا سے سر جھکا کر کہا۔

"ساندا جی میرے ماموں کی بیٹی کی شادی ہے وہ چار دن کے لئے چھٹی چاہیئے۔" پیار علی ان دنوں اعجاز خان پر بہت مہربان تھا، کیونکہ اعجاز خان اس کا رازدار تھا، فراخ دلی سے بولا۔

"چلے جاؤ، چلے جاؤ شادی ہے تو پیسوں کی ضرورت بھی ہو گی لو یہ رکھ لو۔" پیار علی نے کافی نوٹ نکال کر اعجاز خان کو دیئے اور اعجاز خان نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"بہت بہت شکریہ ساندا جی۔"

"بس ہمارے وفادار رہو ہمیشہ فائدے میں رہو گے۔"

"آپ کا وفادار ہوں ساندا جی۔"

"کب جا رہے ہو؟"

"بس آپ کی اجازت مل گئی ہے تو اب دیر نہیں لگاؤں گا۔"

"مگر جلدی آجانا تم سے کام پڑتے رہتے ہیں۔"

"بس جی شادی میں شریک ہوں گا اور اگر بیوی وہاں رکی تو اسے چھوڑ کر واپس آجاؤں گا۔" بات بن گئی تھی، اعجاز خان نے گھر آنے کے بعد سارا قیمتی سامان باندھا، غیر ضروری چیزوں کا کوئی مسئلہ نہیں تھا، یہ آنی جانی ہوتی ہیں ویسے اس نے ساندا خاندان سے بہت کچھ کمایا تھا، اس لئے اس کی اپنی حیثیت بھی بہتر تھی، رقیہ نے خیال بھی نہیں کیا اور خوشی خوشی سارے کاموں میں مصروف رہی، بال بچہ تھا نہیں اس لئے کسی مسئلے میں مشکل بھی پیش نہیں آئی اور اعجاز خان بیوی کو لے کر چل پڑا اس کے دل میں جو کچھ تھا، رقیہ کو اس کی بھنک بھی نہیں تھی، اعجاز خان نے ساندوں کی حویلی چھوڑ دی تھی اپنے گناہوں کا بھی احساس تھا، بہت کچھ کیا تھا اس نے ان لوگوں کے کہنے پر اس حملے میں شریک تھا جو بستی مہر جان کے خادم شاہ کی حویلی پر کیا گیا تھا لیکن ریاض خان کی موت کے بعد اس کا دل ٹوٹ گیا تھا، ویسے تو وہ پانچوں ہی ساندوں کے وفادار تھے لیکن ریاض خان سے اس کی زیادہ دوستی تھی اور ریاض خان کسی بھی طرح حیثیت میں اس سے کم نہیں تھا، جب ایک معمولی سی غلطی پر ریاض خان کو اس طرح زہر دے کر مار دیا گیا تو ایسا ہی کام اس کے ساتھ بھی ہو سکتا تھا، اس نے طے کر لیا تھا کہ اب اس کا ساندوں کی طرف رُخ نہیں ہو گا، بہرحال ماموں ادریس کے ہاں شادی میں

عزت کی گئی اس نے دل کھول کر اخراجات کیئے اور رقیہ کی خوشی کی انتہا نہ رہی، بڑی عزت کی گئی تھی چار دن وہاں رہنے کے بعد اعجاز خان نے ماموں ادریس سے اجازت مانگ لی، وہ لوگ بہت پیچھے پڑے کہ کچھ دن اور رک جاتے لیکن اعجاز خان نے یہ کہہ کر ان سے معذرت کر لی کہ نوکری تو نوکری ہی ہوتی ہے وہ نوکری کر رہا ہے اس لئے مجبوری ہے، البتہ جب تانگے نے اعجاز خان کو ایک اور بستی میں اتارا تو رقیہ نے کہا۔

"یہ کون سی جگہ ہے بستی نورالٰہی تو نہیں ہے۔"

"نہیں یہاں تھوڑا سا گھومیں گے اس کے بعد پھر چلیں گے۔" اعجاز خان اپنا کوئی نشان نہیں چھوڑنا چاہتا تھا، بھلا اس سے زیادہ ساندوں کو اور کون جان سکتا تھا، چنانچہ دو تین گھنٹے اس بستی میں گھوم کر اس نے کچھ چیزیں خریدیں پھر واپس تانگے میں آ بیٹھا اور اس کے بعد اس نے تانگے والے سے رحمان گڑھی چلنے کے لئے کہا، رقیہ حیران تھی اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اعجاز خان کیا کر رہا ہے لیکن بستی رحمان گڑھی پہنچنے کے بعد اعجاز خان اپنے ایک دوست سلطان کے گھر کے سامنے تانگے سے اتر گیا، سلطان بھی اس کے بچپن کا دوست تھا اور اعجاز خان کو اس پر مکمل اعتماد تھا۔ دروازہ بجایا تو سلطان کی بیوی نے دروازہ کھولا اور ان دونوں کو دیکھ کر خوش ہو گئی، رقیہ اس وقت تو حیرت سے کچھ نہ بولی لیکن رسمی باتوں کے بعد جب سلطان کی بیوی نے انہیں ایک چھوٹی سی جگہ آرام کرنے کے لئے دے دی تو اعجاز خان نے کہا۔

"رقیہ ہم نے بستی نورالٰہی چھوڑ دی ہے۔"

"کیا مطلب۔" رقیہ حیرت سے بولی۔

"اب ہم بستی نورالٰہی واپس نہیں جائیں گے۔"

"کیا کہہ رہے ہو اعجاز۔"

"ہاں رقیہ تم نے غور نہیں کیا کہ میں نے ساری قیمتی قیمتی چیزیں باندھ لی ہیں۔"

"مگر ہمارا دوسرا سامان اور پھر اچانک ہی تم نے یہ فیصلہ کیسے کر لیا۔"

"کیا اس بات پر یقین کرو گی رقیہ کے وہاں میری زندگی کو خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔" رقیہ کے چہرے پر خوف کے آثار اُبھر آئے اس نے کہا۔

"میں سمجھی نہیں۔"

“ساندے بہت ظالم ہیں انہوں نے میرے بہت سے ساتھیوں کو ہلاک کر دیا اور اب میری باری تھی۔”

“کیا تم انہیں بتا کر آئے ہو؟”

“نہیں۔”

“تو پھر”

“کچھ نہیں یہاں ہم خاموشی سے رہیں گے سلطان میرا بہت اچھا دوست ہے، وہ کبھی کسی کو نہیں بتائے گا کہ میں یہاں ہوں۔”

“یہاں کرو گے کیا؟”

“اللہ مالک ہے کوئی ایسی بات نہیں ہے، پیسے بہت ہیں اور پھر کہیں نہ کہیں کچھ نہ کچھ کرنے کو مل ہی جائے گا۔ سلطان سے بات کروں گا، وہ میرے لئے بھی کوئی نہ کوئی بندوبست کر دے گا، رانا حبیب کے ہاں نوکری کر لوں گا یا پھر اور کوئی چھوٹا موٹا کام، ہم دو آدمی ہیں، ہمیں کیا پروا۔”

“رہو گے کہاں؟”

اس کا بندوبست بھی ہو جائے گا، شام کو سلطان خان آیا تو اپنے دوست کو دیکھ کر خوشی سے کھل اٹھا، دونوں گلے ملے رات کے کھانے کے بعد اعجاز خان سلطان کو لے کر الگ جگہ جا بیٹھا اور اس نے سلطان خان کو ساری صورت حال بتا دی، سلطان بڑا افسوس کرنے لگا تھا پھر اس نے کہا۔

“بس سلطان میرے لئے یہیں، کہیں بندوبست کر دو، میں خاموشی سے یہاں چھپ چھپا کر رہوں گا کوئی مشکل نہیں پیش آئے گی مجھے۔”

“بڑا اچھا فیصلہ کیا ہے تم نے ساندے جانور ہیں انسانوں کی کوئی عزت نہیں کرتے، میں رانا حبیب صاحب سے کہہ کر تمہاری ملازمت کا بھی بندوبست کر دوں گا۔”

“بس میرے بارے میں پتا نہیں چلنا چاہئے۔”

“رانا محفوظ بہت اچھے آدمی ہیں ان کے فارم ہاؤس پر جگہ بھی ہے اگر ہو سکا تو میں تمہیں وہاں پر ملازمت دلا دوں گا، ایک بار کہہ بھی رہے تھے مجھ سے کہ بھروسے کا کوئی آدمی ہو تو فارم ہاؤس کے لئے چاہئے، پڑھا لکھا اور سمجھ دار ہو اور صورت حال کو جانتا ہو۔”

“تم میرے بارے میں ان سے بات کر لینا۔”

“ضرور ضرور تم یہاں آرام سے رہو جب تک کہ کوئی نوکری وغیرہ کا بندوبست نہ ہو جائے، پریشان ہونے کی ضرورت نہیں تمہارا گھر ہے۔” اعجاز خان نے ممنونیت سے گردن ہلا دی تھی۔

سلطان خان نے اس کی بہترین خدمت کی پھر ایک دن اس نے اعجاز خان کو رانا محفوظ کے سامنے پیش کر دیا اور طے شدہ منصوبے کے تحت ساری بات رانا کو بتا دی۔

رانا چونک پڑا تھا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے کہا۔ “تمہاری نوکری تو پکی ہو گئی۔ جہاں چاہو کام کرو، فارم ہاؤس پر یا یہاں بستی میں لیکن میں تم سے کچھ اور باتیں بھی کرنا چاہتا ہوں۔”

“ضرور جناب۔”

رانا محفوظ نے اعجاز خان سے کہا۔ “اعجاز خاں یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہاری کسی مجبوری سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔ تم مجھے ایک لفظ نہ بتاؤ اور آرام سے فارم ہاؤس پر نوکری کرو لیکن مجھے ایک بات بتاؤ۔”

“جی سرکار۔”

“اگر کبھی ساندے پولیس کے جال میں پھنسے تو تمہارا نام بھی سامنے آئے گا۔”

“جی سرکار۔”

“تمہیں ساری زندگی چھپنا پڑے گا اور پولیس تمہیں تلاش کرتی رہے گی۔”

“میں جانتا ہوں رانا صاحب۔”

“میں تمہیں بچا سکتا ہوں۔”

“کیسے رانا جی؟”

“ایک وعدہ معاف گواہ ہوتا ہے۔ ساندوں کے جرائم کی تفصیل اگر تم پولیس کو بتا دو تو پولیس تمہیں معاف کر سکتی ہے اور تمہاری زندگی بچ جائے گی۔”

“مگر ساندے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔”

“ساندوں کے خلاف کیس ہم کریں گے۔ ہمیں نقصان پہنچے گا تو تمہیں پہنچے گا ورنہ نہیں۔”

"آپ جیسا حکم دیں رانا صاحب۔"

"پہلے میں نے سوچا تھا کہ تمہیں واپس ساندوں کی حویلی بھیج دوں اور وہاں تم سے کام کراؤں لیکن وہاں تمہاری زندگی کو خطرہ ہے۔ اس لئے میں یہ خطرہ مول نہیں لوں گا۔"

"وہ بہت خطرناک لوگ ہیں۔"

"میں جانتا ہوں...... مجھے کچھ باتیں بتاؤ گے۔"

"اب تو آپ کا نمک خوار ہوں۔ مجھے جو معلوم ہے ضرور بتاؤں گا۔"

"خادم شاہ کی بیٹی ساندوں نے قتل کی تھی؟"

"ہاں...... اس کی عزت لوٹی گئی تھی۔"

"پھر بدر شاہ نے شہزاد علی ساندا کو قتل کر دیا؟"

"جی۔"

"اس کے بعد؟"

"ساندوں نے خادم شاہ کے خاندان کو فنا کر دیا۔"

"کون کون شریک تھا اس میں؟"

اعجاز خان نے بہت سے نام بتائے یہ بھی بتایا کہ وہ خود بھی اس کام میں شریک تھا۔

"یہ لوگ بستی نورالٰہی میں موجود ہیں؟"

"سب ہیں سرکار۔"

"اور وہ جو سزا پا چکے ہیں؟"

"وہ بے گناہ ہیں۔ انہیں ساندوں نے یہ کیس خود پر لینے کے لئے تیار کیا تھا۔"

"یہ کتنے لوگ مارے گئے ہیں۔"

"پانچ۔"

"ان کی لاشیں تم نے ٹھکانے لگائی ہیں۔"

"جی سرکار۔ پیار علی کے حکم سے۔"

"کیا کیا ان لاشوں کا؟"

"ساندا صاحب کے باغ میں ایک گٹر میں دفن کیا ہے۔"

"پیار علی وہ جگہ جانتا ہے۔"

"نہیں...... میرے سپرد یہ کام کر کے اسے اطمینان ہو چکا ہے۔"

"ویری گڈ...... اچھا ایک بات اور بتاؤ...... کیا ہاشم علی ساندا اور اس کا بیٹا بھی اس جرم میں شریک ہیں۔"

"وہ تو خود مظلوم ہیں رانا صاحب۔ بلکہ میں آپ کو ایک خاص بات بتاؤں آپ کا رشتہ تھا ہاشم علی کی بیٹی کے لئے...... ساندے نہیں چاہتے تھے کہ یہ رشتہ ہو؟"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ ہاشم علی کو آپ جیسے مضبوط لوگوں کا سہارا نہ حاصل ہو جائے۔"

"ہوں...... میں سمجھتا ہوں ٹھیک ہے اعجاز خاں...... فارم ہاؤس پر دوسرے لوگ بھی کام کرتے ہیں...... میں تمہیں شیر خاں کے نام سے سب سے متعارف کراؤں گا...... وہاں تمہیں رہنے کے لئے عمدہ جگہ دی جائے گی۔ بس اس کی دیکھ بھال کرنا...... میں بھی وہاں آتا جاتا ہوں۔ جب بھی کبھی موقع ہوا تمہیں وعدہ معاف گواہ کے طور پر پولیس کے سامنے پیش کر دیا جائے گا...... آرام سے رہو۔"

"صاحب جی، مجھے اسلحہ چاہئے۔"

"تمہاری ضرورت کے مطابق مل جائے گا۔ ویسے میں تمہیں ایک بات بتا دوں۔ ساندوں کے انجام کو پہنچنے کے بعد تمہیں ہر جگہ آنے جانے کی پوری آزادی ہوگی۔"

"شکریہ سرکار۔"

رانا محفوظ نے خود اعجاز خاں اور اس کی بیوی کو فارم ہاؤس پر چھوڑا تھا اور دوسرے لوگوں کو اس کے بارے میں ہدایت کر دی تھی کہ یہ میرا خاص آدمی ہے اسے کوئی تکلیف نہ ہونے دی جائے...... اس کے بعد وہاں سے چلا گیا تھا۔

رقیہ نے کہا۔ "ساندے تمہیں تلاش نہیں کریں گے۔"

"نمٹ لوں گا ان سے...... تجھے بتایا نہیں ہے میں نے...... پیار علی نے ریاض خاں کو گولی مار دیا ہے۔ کسی دن میری باری بھی آجائے۔" رقیہ آنکھیں پھاڑ کر رہ گئی تھی۔

قدرت نے ساندوں کی رسی کھینچ لی تھی...... یہی ہوتا ہے قدرت انسان کو پورا پورا موقع دیتی ہے کہ وہ گناہوں سے تائب ہو جائے لیکن بھول جاتے ہیں۔ نابینا ہو جاتے ہیں...... اللہ کے قانون سے رُخ بدل لیتے ہیں اور پھر دردناک عذاب میں گرفتار ہوتے ہیں۔ راگ علی ساندا بھی بداعمالیوں کے اس گرداب میں ڈوب گیا تھا، دولت کے انبار تھے اس کے اردگرد، ہر چیز کو خرید لینے پر یقین رکھتا تھا...... انسانوں کو فنا کرنے میں اسے کوئی عار نہیں تھی، احمق یہ نہیں جانتا تھا کہ زندگی اور موت کا مالک اللہ ہی ہے۔ اپنے سر گناہ اور الزام تو لے سکتا ہے انسان لیکن حقیقت کچھ اور ہی ہے۔ وہ شکار ہو جاتا ہے، اپنی غلط کاریوں کا اور جہنم کا عذاب خرید لیتا ہے۔ اگر سنبھل جائے تو خوش بختی ورنہ عذاب ہی عذاب، کیا ملا تھا راگ علی ساندا کو...... ایک بیٹا بدکاری کا شکار ہوا اور فنا کے گھاٹ اتر گیا، اس کے جواب میں راگ علی ساندا کے دل میں بجائے اس کے کہ گداز پیدا ہوتا، اس نے بستی مہر جان میں خادم شاہ کے خاندان کو تباہ کر دیا...... بات یہیں پر ختم نہ ہوئی بجائے اس کے کہ وہ بعد میں اپنے بیٹوں کی نیک تربیت کرتا، سب کو برائیوں کے گڑھے میں دھکیلتا رہا۔ یہ احساس دلا کر کہ اس کی دولت کی برتری اس کا کچھ نہیں بگڑنے دے گی، حالانکہ جو بگڑنا تھا وہ بگڑ چکا تھا، اتنا بگڑ چکا تھا کہ سنبھالنا مشکل ہو جائے، سو یہی ہوا...... آخر کار نور علی ساندا بھی ایک ہولناک حادثے کا شکار ہو گیا اور اس پر بھی راگ علی ساندا کی آنکھیں نہ کھلیں...... اس نے اپنی برائیوں کا وہی معیار قائم رکھا اور ہاشم علی ساندا کو دربدر کر دیا، لیکن آخر کار وہ تمام قوتیں ان کے خلاف کھڑی ہو گئیں جو برائیوں کو ختم کرتی ہیں اور اب اس کے برے دنوں کا آغاز ہو گیا۔ آصف علی ساندا، رانا محفوظ کے ساتھ چل پڑا تھا، صاحب اثر لوگ تھے، ڈی آئی جی نادر حیات تک

...میں کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اعجاز خان کو بھی ساتھ لے لیا گیا تھا اور خاص ...کے تحت زرینہ بھی ان دونوں کے ساتھ کر دی گئی تھی۔ ایک مشترکہ محاذ تھا اور ...طرف سے موت کی ہولناک آندھی راگ علی ساندا کی جانب بڑھ رہی تھی۔ ڈی ...جی نادر حیات صاحب نے خاص طور سے ان لوگوں کو اہمیت دی اور انہیں اپنے کمرہ خاص ...طلب کر لیا۔ باہر میٹنگ کی تختی لگا دی گئی اور آپریٹر کو ہدایت کر دی گئی کہ اس وقت کوئی ...ٹیلی فون کال انہیں نہ دی جائے۔ اصل میں نام ہی کچھ ایسے سامنے آتے تھے جن سے ...اتنی ہی اہمیت کی حامل تھی۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے ان سب کا خیر مقدم کیا اور وہ ...بیٹھ گئے۔

"ساندا خاندان بڑی اہمیت کا حامل ہے اور دوسری بڑی شخصیت رانا حبیب خاندان کی ...میں آپ لوگوں کو خوش آمدید کہتا ہوں۔"

"شکریہ جناب آپ کے بارے میں ہمیں علم ہوا ہے کہ آپ اپنے پیشے کے ساتھ ...اف کر رہے ہیں اور وہ سب کچھ کر رہے ہیں جو آپ کی شخصیت کے متقاضی ہے۔ اس ...ے ہماری ہمت پڑی ورنہ معافی چاہتے ہیں جس کی لاٹھی اس کی بھینس والی بات تو عام ہے۔"

"نہیں میں اپنے فرض کی ادائیگی کر رہا ہوں اس احساس کے ساتھ کہ جو منصب ...رت نے مجھے دیا ہے اسے پورا کر سکوں، باقی سرکاری عہدے کم و بیش ملتے رہتے ہیں اور ...ن کی ادائیگی کا حلف بھی اٹھایا جاتا ہے لیکن بدقسمتی سے اس حلف کی اہمیت کو نظر انداز کر دیا ...یا ہے، یہی ہوتا ہے کہ لوگ عہدوں کا حلف اٹھاتے ہیں اور اس کے بعد اس رسم کو بھول ...جاتے ہیں، خیر میرا خیال ہے گفتگو کا یہ سلسلہ طویل ہو گیا ہے، آپ لوگ اپنی آمد کی وجہ ...تایئے اور معافی چاہتا ہوں کہ یہ سرکاری دفتر ہے یہاں خاطر مدارات کا سلسلہ میرے خیال ...میں غیر مناسب ہوتا ہے، اس لئے آپ کی کوئی خدمت نہیں کر سکوں گا۔"

"آپ کی محبت کے چند الفاظ اتنے بڑے ہیں ہمارے لئے کہ ہم انہیں نظر انداز نہیں ...کر سکتے...... ڈی آئی جی صاحب کچھ زیادہ وقت لیں گے آپ کا، کیونکہ بات کو ابتدا سے شروع ...کرنا چاہتے ہیں۔" آصف علی ساندا نے کہا۔

"ہاں ہاں کہئے۔"

"میں آصف علی ساندا ہوں یہ رانا محفوظ ہیں، یہ میری بہن زرینہ ہے اور چونکہ یہ کچھ

واقعات کی شاہد ہیں اس لئے اسے ساتھ لانا پڑا۔ یہ اعجاز خان ہے، ہم بستی نور الٰہی کے راگ علی ساندا کے بارے میں آپ کو کچھ تفصیلات بتانا چاہتے ہیں، حالانکہ راگ علی ساندا میرے والد ہاشم علی ساندا کے بھائی ہیں۔"

"میں جانتا ہوں۔ اب آپ اس گفتگو کا آغاز کیجئے جس کے لئے آپ نے یہاں تک زحمت کی ہے۔"

"واقعہ کچھ پیچھے لے جانا چاہتا ہوں اس وقت جب بستی مہر جان کے بدر شاہ نے راگ علی ساندا کے ایک بیٹے کو قتل کر دیا تھا، حقیقت یہی تھی کہ راگ علی ساندا کے بیٹے نے خادم شاہ کی بیٹی اور بدر شاہ کی بہن کو بے آبرو کر دیا تھا اور راز کھل جانے کے خوف سے اسے قتل کر دیا تھا...... یہاں غلطی بدر شاہ سے ہوئی تھی کہ اس نے قانون کا سہارا لینے کی بجائے راگ علی ساندا کے بیٹے کو قتل کر دیا...... یہ ایک انتقامی جذبہ تھا لیکن بہر طور غیر قانونی حرکت تھی لیکن راگ علی ساندا نے اس کے جواب میں تمام تر قانونی اہمیتوں کو نظر انداز کر کے بستی مہر جان پر حملہ کرایا اور خادم شاہ اور اس کے بیٹے بدر شاہ اور دیگر تمام اہل خاندان کو قتل کر دیا...... یہ واقعہ درحقیقت بہت سے لوگوں کے علم میں تھا لیکن کون ایسا تھا جو اس کی نشاندہی کر کے ساندا خاندان کی دشمنی مول لیتا، نتیجہ یہ ہوا کہ ایسے کچھ لڑکوں کو جو ساندا خاندان کے دباؤ میں تھے ڈاکوؤں کی حیثیت سے پیش کیا گیا اور انتہائی معذرت کے ساتھ عرض کرتا ہوں ڈی آئی جی صاحب کہ قانون نے انہیں بخوشی مجرم تسلیم کر کے انہیں سزائیں دے دیں اور راگ علی ساندا خاندان پھر سے محفوظ ہو گیا۔ جرم کرنے والے اگر قانون کا سہارا پالیں تو ان کے حوصلے بہت بلند ہو جاتے ہیں اور دنیا میں رہنے والوں کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے کاش ان کی اہمیت سے قانون ساز ادارے نظر نہ چرائیں، راگ علی ساندا اور اس کے دونوں بدکار بیٹے ہر وہ عمل کرنے لگے جس میں انہیں لذت حاصل ہو اور انہوں نے اپنے گناہوں کا دائرہ بے حد وسیع کر لیا...... بہت سے ایسے واقعات ہوئے جن میں بیٹیوں کی آبروریزی کی گئی۔ لوگوں کو ان کی زمینوں اور جائیدادوں سے محروم کیا گیا جیسے ہم لوگ۔ ہماری زمینیں چالاکی سے ہتھیالی گئیں اور اس کے بعد ہمیں گھروں سے نکال دیا گیا اور اب ہم نہایت بے کسی کے عالم میں ایک معمولی سے گھر میں پناہ لئے ہوئے ہیں۔ راگ علی ساندا سمجھتا ہے قانون اس کے ہاتھ میں کھلونا ہے حالانکہ قدرت اسے سزائیں دیتی

رہتی ہے۔ راگ علی ساندا کے بیٹے نور علی ساندا کو کچھ ایسے لوگوں نے زخمی کر دیا جن کی عزت اور آبرو پر حملہ کیا گیا تھا۔ میں اس سلسلے میں کچھ ثبوت پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہ آڈیو کیسٹ ہیں جن میں ان لوگوں کی بہت سی برائیوں کی داستان چھپی ہوئی ہے اور یہ کچھ دوسرے ثبوت اور آخری عمل یہ ہے کہ راگ علی ساندا کے بیٹے پیار علی ساندا نے پانچ ایسے افراد کو زہر دے کر ہلاک کیا ہے جو اس کے کالے کرتوتوں کے رازدار تھے۔ ان لوگوں کو زہر دے کر خاموشی سے ہلاک کیا گیا اور پھر ایک جگہ ان کی تدفین کر دی گئی۔ ڈی آئی جی صاحب ان کی لاشیں ہمارے علم میں ہیں جہاں انہیں خاموشی سے دبا دیا گیا ہے اور ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ ہم اپنا فرض ادا کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہیں۔ یہ اعجاز خان راگ علی ساندا کا خاص ملازم ہے اور ان پانچ آدمیوں کی تدفین اس کے ہاتھوں ہوئی ہے، اس کا ضمیر یہ برداشت نہیں کر سکا اور اس نے اپنے آپ کو ہمارے سامنے پیش کر کے راگ علی ساندا کے اس گناہ کے بارے میں ہمیں بتایا...... ہم اسے سرکاری گواہ کی حیثیت دینا چاہتے ہیں اور آپ کی تحویل میں پیش کر رہے ہیں۔ یہ اس جگہ کی نشاندہی کرے گا جہاں وہ پانچوں لاشیں دفن کی گئی ہیں لیکن اس کی زندگی بھی خطرے میں ہے کیونکہ یہ وہاں سے چالاکی سے بھاگ آیا ہے ورنہ اسے بھی اس لئے قتل کر دیا جاتا کہ یہ پیار علی ساندا کے جرم کا گواہ ہے۔"

نادر حیات صاحب نے پوری دلچسپی سے یہ ساری تفصیل سنی، ٹیلی فون کا ریسیور اٹھایا، ایک نمبر ڈائل کر کے کسی کو طلب کیا اور پھر آنے والے سے یہ ساری تفصیل نوٹ کرنے کے لئے کہا گیا۔ یہ بھی ایک سرکاری افسر تھا...... اس ساری تفصیل کو درج کرانے کے بعد نادر حیات صاحب نے کہا۔

"ایک رپورٹ بنا کر لاؤ میرے نام اور ایک درخواست میں ان لوگوں کی جانب سے یہ ساری تفصیل ہو اور میں ان لوگوں کے دستخط اس پر کرا لوں۔"

"یہ تمام تر صورت حال نظر میں رکھنے کے بعد جناب کہ اگر راگ علی ساندا کے خلاف مؤثر کارروائی نہ ہو سکی تو آپ اس کے مقتولوں میں ہم چاروں کا نام درج کر لیں۔" رانا محفوظ نے کہا اور ڈی آئی جی نادر حیات رانا محفوظ کو دیکھنے لگا۔ پھر انہوں نے کہا۔

"اپنے الفاظ کی نفی مناسب نہیں ہوتی رانا محفوظ آپ نے ابھی تھوڑی دیر پہلے مجھے یہ باور کرایا تھا کہ آپ مجھے ایک نیک، شریف اور ایماندار افسر سمجھتے ہیں اور اب چند لمحوں

کے اندر اندر آپ نے اس خدشے کا اظہار کر کے میری حیثیت کو گرانے کی کوشش کیوں کی ہے؟"

"بخدا یہ بات نہیں ہے ہم تو زندگی دینے کے لئے تیار ہیں، اگر زندگی کا کوئی صحیح مصرف ہو جائے۔"

"مطمئن رہیں...... تمام تر قانونی تحفظات کے ساتھ آپ کی رپورٹ درج کی جارہی ہے اور میں آپ سب کے تحفظ کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔"

"انتہائی شکریہ، ہم اس امید اور اس یقین کے ساتھ آپ کے پاس آئے ہیں۔"

"آپ لوگوں کا قیام کہاں ہے؟"

"فی الحال کہیں نہیں، لیکن ہمیں یہاں سے اس رپورٹ کی تشکیل کے بعد واپس جانا ہوگا۔"

"رانا محفوظ آپ کا تو کوئی مسئلہ نہیں ہے، یہ بات نہیں سوچی جاسکتی کہ آپ راگ علی ساندا کے خلاف کوئی کارروائی کر رہے ہیں لیکن جب یہاں سے کسی کارروائی کا آغاز ہوگا تو راگ علی ساندا یہی سمجھے گا کہ ہاشم نے کوئی کارروائی کی ہے...... اس لئے مسٹر آصف علی ساندا میری ہدایت ہے کہ آپ لوگ فوراً اپنے اہل خانہ کے ساتھ شہر منتقل ہو جائیں اور اس طرح روپوش رہیں کہ کسی کو علم نہ ہونے پائے، یہ کام آپ یہاں سے اٹھنے کے چند گھنٹوں کے بعد کر لیجئے گا اور اس سلسلے میں میری ہر امداد آپ کے لئے حاضر ہے، میں آپ کی رہائش کا بندوبست کر سکتا ہوں اور آپ کو پولیس کا پہرہ بھی دے سکتا ہوں۔"

رانا محفوظ نے مداخلت کی اجازت چاہتے ہوئے کہا۔

"یہاں شہر میں، میں ان لوگوں کی رہائش کا بندوبست کر سکتا ہوں، بس آپ ہمیں پولیس کی نفری دے دیجئے گا جو ان کا تحفظ کر سکے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں متعلقہ افراد کو آپ کے حوالے کر دوں گا، وہ اس سلسلے میں آپ کی پوری پوری مدد کریں گے۔ آپ بالکل مطمئن رہیں۔"

متعلقہ شخص یہ پوائنٹس لے کر چلا گیا اور کچھ دیر کے بعد وہ درخواست تیار ہو کر آگئی جو آصف علی ساندا اور زرینہ کی طرف سے تھی اور اس میں وہ تمام الزامات درج کئے گئے تھے، پھر ایک درخواست اعجاز خان کی طرف سے بھی درج کی گئی جس میں اس نے ان پانچ

افراد کے قتل کی نشاندہی کرتے ہوئے وہ باقی تفصیل بھی درج کرائی تھی جو نور علی ساندا کے سلسلے میں تھی اور جس کے نتیجے میں نور علی ساندا شہر کے ہسپتال میں داخل تھا۔

ڈی آئی جی صاحب نے درخواستیں پڑھیں اور ان پر ان لوگوں کے دستخط کرائے، پھر اعجاز خان سے کہا۔

"تمہارے ساتھ اور بھی کچھ افراد ہیں میرا مطلب ہے تمہارے بیوی بچے وغیرہ۔"

"جی صرف میری بیوی ہے میرا بچہ کوئی نہیں ہے۔"

"اگر تم چاہو تو اپنی بیوی کو بھی یہاں بلا سکتے ہو۔ میں تمہارے قیام کے لئے اپنی کوٹھی کے ایک کوارٹر میں بندوبست کر دوں گا۔ وہ ایک محفوظ جگہ ہوگی۔"

"جیسا رانا صاحب پسند کریں؟"

"نہیں ڈی آئی جی صاحب کا کہنا بالکل درست ہے۔ ہم بہت سی ذمہ داریاں قانون کے حوالے کر کے مزید بہتر کارروائی کر سکتے ہیں...... میں رقیہ کو تمہارے پاس پہنچا دوں گا۔" رانا محفوظ نے کہا۔

ڈی آئی جی نادر حیات صاحب نے جس طرح ان لوگوں سے تعاون کیا تھا وہ ایک اعلیٰ ترین مثال تھی اور یہ لوگ اس سے بہت مطمئن ہوئے تھے۔ انہیں مکمل تحفظ دیا گیا تھا اور ڈی آئی جی صاحب نے پوری پوری دلچسپی لی تھی۔ اعجاز خان کو انہوں نے وہیں آفس میں بٹھا لیا تھا...... بہر حال تمام تر اطمینان کے بعد رانا محفوظ، آصف علی ساندا اور زرینہ باہر نکل آئے۔ آصف علی ساندا نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہم نے نہایت موثر قدم اٹھایا ہے اور خوش قسمتی سے ہمارا واسطہ ایک بالکل صحیح آدمی سے پڑا ہے۔ ڈی آئی جی نادر حیات قول و عمل کے سچے انسان لگتے ہیں۔ اب ہمارا کام آسان ہو جائے گا۔" رانا محفوظ نے کہا۔

"لیکن میں تمہارے لئے فکر مند ہوں آصف علی، اگر میں تمہیں اپنے ساتھ یہاں منتقل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں تو کم از کم مجھے اطمینان ہو جائے گا۔"

"بتاؤ میرے دوست مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"آؤ پہلے میں تمہیں وہ جگہ دکھا دوں جہاں تمہیں منتقل ہونا ہے۔ یہ میرے ایک دوست کا مکان ہے...... میرا دوست یورپ میں رہتا ہے...... مکان میں صرف دو تین ملازم

ہوتے ہیں اور ہر طرح سے تمہارے لئے قابل قبول ہوگا، اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہاشم علی ساندا صاحب اور والدہ صاحبہ کو یہاں تک کس طرح لایا جاسکتا ہے؟"

"نہیں میرا خیال ہے والد صاحب اس قدر بددل ہوگئے ہیں، اپنے بھائی سے کہ اب وہ کسی بھی مسئلے میں بولیں گے نہیں۔"

"تو پھر آؤ پہلے وہ مکان دیکھ لو۔"

"رانا محفوظ ہمیں مکان نہ دکھاؤ، اگر اس بات کا یقین ہے تمہیں کہ ہم باآسانی اس میں منتقل ہوجائیں گے اور مکان ملنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی تو آؤ پہلے والد صاحب اور والدہ صاحبہ کو لے آتے ہیں۔"

"سارا سامان وہیں چھوڑ دو، مکان ہر حالت میں مکمل ہے، یہاں باقی تمام انتظامات بھی ہوجائیں گے۔ بس ان لوگوں کو تیار کرنا ہے۔"

"تو پھر چلو۔ اللہ کا نام لے کر چلتے ہیں اور خاموشی سے ان لوگوں کو کچھ کہہ سن کر نکال لائیں گے۔ تفصیل بتانا ضروری نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" رانا محفوظ نے پرخیال انداز میں گردن ہلادی۔

ڈی آئی جی نادر حیات نے شہاب کو اپنی کوٹھی پر طلب کرلیا اور شہاب تھوڑی دیر کے بعد وہاں پہنچ گیا۔ ڈی آئی جی نادر حیات صاحب نے مسکراتے ہوئے اس کا خیر مقدم کیا تھا، پھر انہوں نے کہا۔

"ہاں بھئی شہاب ثاقب صاحب آپ کا راگ علی ساندا اب کس حال میں ہے؟"

"سر شدید کرب و اذیت کے عالم میں ہے اپنے کئے کی سزا بھگت رہا ہے۔ اصل میں جب جرم کی رسی کھنچتی ہے تو چاروں طرف سے اس طرح کھنچتی ہے کہ انسان کی ساری صلاحیتیں ختم ہوجاتی ہیں۔"

"یہ درخواستیں پڑھو۔" ڈی آئی جی صاحب نے درخواستوں کی فوٹو اسٹیٹ جو ایک فائل میں لگی ہوئی تھیں، شہاب کے سامنے رکھ دیں اور شہاب انہیں پڑھنے لگا۔ دونوں درخواستیں پڑھ کر اس نے دلچسپی سے آنکھیں گھمائیں اور بولا۔

"یہ ایک نیا رُخ ہے جناب اور میں سمجھتا ہوں بے حد موثر۔ خاص طور سے اعجاز خان

کی یہ درخواست تو ہمارے لئے بڑی کارآمد ثابت ہوگی۔"

"اور اب میں یہ چاہتا ہوں کہ تم وہ تمام تفصیلات تیار کرلو اور گوہر جہاں کی جانب سے خادم شاہ اور بدر شاہ کے سلسلے میں ایف آئی آر تیار کرادو تاکہ یہ کیس دہری نوعیت اختیار کرجائے...... ویسے تمہارا کیا خیال ہے اس سلسلے میں اعجاز خان کی شخصیت کیسی ہے؟"

"سر انتہائی اہم اور موثر۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کیس کی ایف آئی آر درج ہونے کے فوراً بعد ان لاشوں کو برآمد کرلیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی ہماری گواہی میں اعجاز خان، آصف علی ساندا، ہاشم علی ساندا، بابو اور ارشاد وغیرہ بھی شامل ہوجائیں گے۔ ان بے گناہ نوجوانوں کو جنہیں راگ علی ساندا نے ڈاکے کے جرم میں سزائیں دلوادی ہیں رہا کرا کے انہیں بھی عدالت میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ کیس چاروں طرف سے مکمل ہے۔"

"بس تو تم جس قدر جلد ممکن ہوسکے گوہر جہاں سے مل لو اور اس کی ایف آئی آر درج کرادو۔"

"میرا خیال ہے ہم اس میں کامیاب ہوجائیں گے۔" شہاب ثاقب نے کہا۔

ڈی آئی جی صاحب سے رخصت ہونے کے بعد اس نے عدنان واسطی کے گھر کی جانب رُخ کیا اور تھوڑی دیر کے بعد وہاں پہنچ گیا۔ وقت ایسا تھا کہ عدنان واسطی صاحب گھر پر مل گئے...... بینا بھی موجود تھی۔ شہاب نے تمام تفصیلات عدنان واسطی کو بتائیں اور بینا اور عدنان واسطی صاحب غور سے یہ تمام تفصیلات سنتے رہے...... عدنان واسطی نے تعریفی نگاہوں سے شہاب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا زبردست گھیراؤ کیا ہے تم نے ساندا خاندان کا...... میرا خیال ہے ان لوگوں کو اب سوائے موت سے کوئی نہیں بچا سکتا۔"

"بہت بڑا کیس ہے، بڑی شہرت کا حامل ہوگا۔ واسطی صاحب آپ اپنے کو اس کے لئے تیار کرلیجئے گا۔" واسطی صاحب ہنسنے لگے تھے، پھر انہوں نے کہا۔

"کبھی کبھی تو تمہاری باتوں پر شرمندہ ہوجاتا ہوں...... میں۔"

"کیوں؟"

"بھئی بڑی معمولی سی شخصیت تھی میری اور اب، اب تم اسے جہاں چاہو پہنچادو، میں

صکیا کہہ سکتا ہوں۔“

پھر کافی دیر تک یہ لوگ گوہر جہاں کی طرف سے ایف آئی آر کی رپورٹ بناتے رہے تھے اور جب یہ تمام کام مکمل ہو گیا تو شہاب نے بینا سے درخواست کی کہ وہ اس کے ساتھ گوہر جہاں کے گھر چلے، اس وقت عدنان واسطی صاحب کو بھی ساتھ لے جانا مناسب تھا، کیونکہ اس سے گوہر جہاں پر اچھے اثرات مرتب ہو سکتے تھے۔ چنانچہ واسطی صاحب بھی تیار ہو گئے اور اس کے بعد یہ تینوں مہم جو اپنی مہم پر نکل کھڑے ہوئے۔

انجم اور فہیم نے معمول کے مطابق سب سے پہلے ان سب سے ملاقات کی تھی اور انہیں پہچان لیا تھا۔ گوہر جہاں بہت متاثر تھیں ان سے، چنانچہ انہوں نے فوراً ہی ان سے ملاقات کی، دعائیں دیں اور شہاب نے واسطی صاحب کا تعارف کرایا۔

”یہ آپ کے وکیل ہیں؟“ گوہر جہاں نے نگاہیں اٹھا کر عدنان واسطی کو دیکھا اور بولی۔

”میرا وکیل تو خدا ہے، میں نے سب کچھ اسی کو سونپ دیا ہے، وہی میرا انصاف کرے گا۔“

”بے شک خاتون گوہر جہاں، لیکن کوئی نہ کوئی ذریعہ تو ضروری ہوتا ہے نا، اب ہم آپ کی طرف سے راگ علی ساندا کے خلاف ایف آئی آر درج کرا رہے ہیں۔“ گوہر جہاں نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور بولی۔

”اور جب اس ایف آئی آر کا علم راگ علی ساندا کو ہو گا تو وہ یہاں ایک فوج بھیجے گا جو مجھے اور ان بچوں کو قتل کر دے گی۔“

”نہیں خاتون گوہر جہاں یہ ممکن نہیں ہے، آپ کو فوری طور پر تحفظ مہیا کیا جا سکتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کو یہ اطلاع بھی دی جاتی ہے کہ آپ کی طرف سے ایف آئی آر درج ہونے کے تھوڑی ہی دیر کے اندر اندر راگ علی ساندا اور ان لوگوں کو گرفتار کر لیا جائے گا جو اس کے دست راست ہیں۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو لیکن وقت سے کچھ ایسا خوف محسوس ہوتا ہے مجھے کہ جب تک اپنے آپ کو مطمئن نہ پا لوں، کچھ سکون نصیب نہیں ہوتا۔“

”یہ ایف آئی آر آپ کی طرف سے درج کرائی گئی ہے، آپ کو متعلقہ افسر کے سامنے پیش ہونا ہو گا اور پھر ہم آپ کو ایک ایسی جگہ پہنچا دیں گے جہاں آپ خود اپنے آپ کو محفوظ

تصور کریں گی۔“

”دوسرا الفظ میں یہی کہنا چاہتی تھی کہ مجھے یہاں نہیں بلکہ کسی ایسی جگہ منتقل کر دیا جائے جہاں میں اپنے آپ کو محفوظ کر سکوں۔“

”اس کی ذمے داری ہم قبول کرتے ہیں۔“

”تو پھر تمہاری ہدایت پر چلنا میں قبول کرتی ہوں۔“ گوہر جہاں نے کہا۔ درخواست پر دستخط وغیرہ کرا لئے گئے، دونوں بچوں کو ساتھ لیا گیا اور ہنگامی بنیاد پر ایک بار پھر ڈی آئی جی صاحب سے ملاقات کی گئی جہاں گوہر جہاں کی درخواست ان کے وکیل عدنان واسطی کے ذریعے ڈی آئی جی صاحب کو پیش کی گئی، اس کے بعد شہاب نے کچھ ذمے داریاں اپنے سپرد لیں اور ان لوگوں کو کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں پہنچا کر جوہر خان کو ہدایت کی گئی کہ ان کے ساتھ بھرپور تعاون کیا جائے اور انہیں ہر طرح کا تحفظ مہیا کیا جائے، گوہر جہاں بھی یہاں آکر مطمئن ہوئی تھی، کام کا آغاز ہوا تھا تو راگ علی ساندا کو وقت دینا مناسب نہیں تھا...... ڈی آئی جی صاحب کی طرف سے احکامات جاری کئے گئے...... پولیس کی ایک بہت بڑی پارٹی تیار کی گئی اور رات کو چار بجے راگ علی ساندا اس اچانک آسمانی آفت سے بری طرح بدحواس ہو گیا تھا، ویسے بھی ان دونوں اس پر خوف اور دہشت کا حملہ رہتا تھا۔ ایک بیٹے کی زندگی کھو چکا تھا، دوسرا بیٹا اس سے زیادہ بدتر حالت میں تھا۔ تیسرا بیٹا اس کے ساتھ گرفتار ہو گیا تھا۔ افسر گرفتاری شہاب ثاقب تھا...... راگ علی ساندا نے خونی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہ وارنٹ ڈی آئی جی نادر حیات نے ایشو کیا ہے۔ میں اس کی نقل چاہتا ہوں اور تمہیں فوری طور پر پولیس ہیڈ آفس پہنچنے کے بعد مجھے کچھ سہولتیں مہیا کرنی ہوں گی۔“

”آپ ان سہولتوں کی تفصیل ہمیں بتا دیجئے ساندا صاحب۔“

”مجھے چند وکیلوں سے رجوع کرنا ہو گا۔“

”اس کا فیصلہ ڈی آئی جی صاحب کریں گے کہ آپ کو ان وکیلوں سے رجوع کرنے کے لئے کتنا انتظار کرنا ہو گا۔“

”دیکھو ایک بات میں تمہیں بتا دوں، تمہارا قانون میری چٹکیوں میں ہے، وقتی طور پر اگر یہ کوشش کر ڈالی گئی ہے اور اس میں تھوڑی بہت کامیابی حاصل کر لی گئی ہے تو اسے دائمی

کامیابی نہ سمجھنا کیونکہ بعد میں شدید نقصانات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔"

"بہت بہتر جناب، ہم آپ کی ہدایت پر پورا پورا عمل کریں گے۔"

"ٹھیک ہے، اگر میری ہدایت پر عمل کرو گے تو اس کا صلہ بھی پالو گے، میں بہت صاحب اثر ہوں، ہو سکتا ہے تم مجھے نہ جانتے ہو آفیسر لیکن بہت جلد تمہیں میری حقیقتوں کا ادراک ہو جائے گا۔" شہاب نے نیاز مندی سے گردن جھکا دی تھی اور اس کے بعد ان تمام افراد کو ہیڈ کوارٹر میں لا کر ایک انتہائی محفوظ لاک اپ میں بند کر دیا گیا تھا اور سنتریوں کو وہاں سے ہٹا لیا گیا تھا، انہیں ہدایت کر دی گئی تھی کہ جب تک افسر اعلیٰ کی جانب سے کوئی ہدایت نہ ملے اس لاک اپ کے پاس کوئی نہ جائے، اندر موجود لوگ اگر چیختے چلاتے ہیں تو ان پر کوئی توجہ نہ دی جائے اور اس کے بعد شہاب اس کام سے فارغ ہو کر مسکراتا ہوا واپس آ گیا تھا۔

ڈی آئی جی نادر حیات صاحب نے ایسا طریقہ کار اختیار کیا تھا کہ اس کیس کی تکمیل میں کوئی بڑی دقت نہ ہو اور اس کا فیصلہ بھی جلد از جلد سنایا جائے، چنانچہ چوبیس گھنٹے کے بعد راگ علی ساندا کو ٹیلی فون کی سہولت فراہم کی گئی اور دوسرے لاک اپ میں منتقل کر دیا گیا، اس کے ساتھ ساتھ ہی اس ہسپتال کے گرد بھی پولیس پھیلا دی گئی تھی جس میں نور علی ساندا داخل تھا اور ہدایت کر دی گئی تھی کہ اس مریض کو خصوصی نگرانی میں رکھا جائے۔ راگ علی ساندا نے اپنے وکیلوں کو طلب کر لیا تھا، جنہیں اس سے ملاقات کی سہولت فراہم کی گئی اور اس کے بعد کیس کی تیاریاں شروع ہو گئیں...... عدنان واسطی صاحب بہت ذہانت کے ساتھ شہاب اور بینا کی مدد سے اس کیس کے پوائنٹس تیار کر رہے تھے۔ غرضیکہ کیس عدالت میں پہنچ گیا اور اس کے بعد اس کی کارروائی کا آغاز ہو گیا۔ عدالت کو تمام شواہد مہیا کئے گئے اور خصوصی درخواست کی گئی کہ چونکہ کچھ بے گناہ نوجوان صرف ایک دولت مند شخص کے دباؤ میں آ کر بلیک میل ہوئے اور طویل عرصے سے ناکردہ گناہ کی سزا بھگت رہے ہیں، اس لئے ان کی گلو خلاصی کے احساس کو مدنظر رکھا جائے اور اس کیس کی سماعت جلد از جلد ختم کی جائے۔ گواہوں کی اتنی بڑی فہرست تھی کہ راگ علی ساندا کے وکیل بوکھلا گئے تھے، اعجاز خاں کے ذریعے ان تمام لاشوں کو برآمد کر لیا گیا، جنہیں پیار علی ساندا نے زہر دے کر ہلاک کیا تھا۔ وہ آڈیو کیسٹ بڑے کار آمد ثابت ہوئے تھے جو زرینہ نے ان لوگوں کو فراہم کئے تھے، ایک کے بعد دوسرا ثبوت ایسا آ رہا تھا کہ راگ علی ساندا کے وکیل پسینہ پسینہ

ہوئے جا رہے تھے، حالانکہ بڑی بڑی رقومات انہیں دی گئی تھیں، لیکن حالات ایسے تھے کہ کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ راگ علی ساندا کو احتیاط کے ساتھ لوگوں سے ملنے کی اجازت دی جا رہی تھی۔ خاتون گوہر جہاں کا سخت تحفظ کیا جا رہا تھا، پھر جب خاتون گوہر جہاں کی گواہی عدالت میں ہوئی تو کون تھا جو اشکبار نہیں تھا...... ایک مظلوم عورت اپنی مظلومیت کی داستان سنا رہی تھی، سماعتیں بہت مختصر وقفے کے لئے ملتوی ہوتیں اور اس کے بعد بہت جلد ان کا آغاز ہو جاتا، چنانچہ انتہائی مختصر وقت میں اس کیس کی سماعت مکمل ہو گئی۔ راگ علی ساندا، پیار علی ساندا اور نور علی ساندا کو سزائے موت سنائی گئی تھی اور بظاہر یہ مسئلہ ختم ہو گیا تھا۔ ڈی آئی جی نادر حیات نے صرف اپنا فرض پورا کیا تھا۔ ان کا موقف تھا کہ جرم کرنے والے کسی بھی شخص سے ان کی ذاتی دشمنی نہیں ہے لیکن جو لوگ قانون کو مذاق کا نشانہ بناتے ہیں، صرف انہی کے خلاف کمر کس کر میدان میں آئے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے اس کیس کو ناکام قرار نہیں دینا چاہتے تھے اور اس سلسلے میں جس قدر کارروائی ممکن ہو سکتی تھی کر رہے تھے۔ راگ علی ساندا کے وکیلوں کا پینل اب بھی کام کر رہا تھا اور انہیں سزائے موت سے بچانے میں کوشاں تھا۔ خانم گوہر جہاں اور اس کے دونوں پوتوں کو ان کی جائیدادیں واپس دلائی گئیں، ان چاروں لڑکوں کو بھی رہا کر دیا گیا۔ خاص طور سے مولوی ارشاد اور ان کی بہن عائشہ جان کا بیٹا...... بھانجا اور بیٹا واپس ملا تو ایسے ایسے رقت آمیز منظر دیکھنے میں آئے کہ بڑے بڑوں کے دل کانپ اٹھیں، لیکن بہر طور حق بہ حق دار رسیدہ ہوا تھا اور شہاب ثاقب کی زندگی کا یہی مشن تھا، پھر وہ رقم جو پیار علی ساندا وغیرہ سے حاصل ہوئی تھی، مناسب حساب سے تمام لوگوں میں تقسیم کر دی گئی۔ عدنان واسطی نے اپنے حصے کی رقم وصول کرتے ہوئے کہا۔

"بھئی شہاب! باقی تو تم جو کچھ کر رہے ہو میں اس سے پورا پورا اتفاق کرتا ہوں، لیکن یہ دولت کا چسکا جو تم نے ہم لوگوں کو لگا دیا ہے یہ بہت برا ہے، اب ہمارا بھی دل نجانے کیا کیا چاہنے لگا ہے۔" شہاب نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"واسطی صاحب، معاشرہ اس قدر بگڑا ہوا ہے کہ اگر آپ اس میں اپنی زندگی اور اپنا مقام چاہتے ہیں تو آپ کو اپنے اطراف میں ادھر ادھر بھی دیکھنا ہو گا، لیکن میں آپ کو یہ دعوت دیتا ہوں کہ جب بھی کبھی آپ کو یہ احساس ہو کہ میں نے غلط جگہ اور غلط طریقے سے

دولت وصول کی ہے تو آپ مجھے روک دیجئے گا، میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا۔
عدنان واسطی مسکرانے لگے تھے۔

محکمے کے لوگوں کو بہت جلد احساس ہو گیا تھا کہ شہاب ثاقب نادر حیات کی ناک کا بال بن گیا ہے۔ پے درپے ایسے کچھ واقعات ہوئے تھے جن میں شہاب نے کسی کیس میں ہاتھ ڈالا تھا اور نادر حیات نے اس سے پورا تعاون کیا تھا۔ اس شام عدنان واسطی کے گھر پر چائے کی نشست میں یہی موضوع زیر بحث آ گیا۔

"ہم دونوں اکثر تمہارے بارے میں سوچتے رہتے ہیں۔" واسطی صاحب نے کہا۔

"مجھے آپ کی محبت پر پورا اعتماد ہے۔"

"بینا اور میں ایک اہم بات پر غور کرتے ہوئے اس پر متفق ہو گئے ہیں اور آج دوپہر کی بحث میں ہم نے ایک بات طے کی تھی جواب تمہیں بتانا چاہتے ہیں۔"

"ارشاد!" شہاب مسکرا کر بولا۔

"شہاب! اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو اس دوران تم نے خاصی دولت کمائی ہے۔ مجھے بینا کے بنک بیلنس سے یہ اندازہ ہوتا ہے۔"

"جی ہاں ہمارے پورے گھرانے کے مالی حالات بہت بہتر ہو گئے ہیں۔" شہاب نے جواب دیا۔

"شہاب، بہت زیادہ دولت مشکل نہیں بن جاتی۔ عدنان واسطی نے مسکراتے ہوئے کہا"۔

"سر...... اصل میں زیادہ دولت اس وقت مشکل بنتی ہے جب اسے تجوریوں میں سجا لیا جائے اور ان تجوریوں کو کھول کر نہ دیکھا جائے، بینا آپ کو بتا سکتی ہیں کہ ہم حاصل شدہ دولت تجوریوں میں سجا کر نہیں رکھ رہے بلکہ مسلسل اس کے مناسب استعمال کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں، سر ویسے تو بڑے یتیم خانے، رفاہی ادارے اور ایسی نجانے کیا کیا چیزیں کھلی ہوئی ہیں جن میں رفاہی کام ہوتے ہیں، بیواؤں کو سلائی مشینیں اور مالی امداد فراہم کی جاتی ہیں۔ زکوٰۃ کی تقسیم کے ادارے کھل گئے ہیں اور وہاں سے غربا کی مدد ہوتی ہے، لیکن واسطی صاحب لاتعداد افراد وہ ہوتے ہیں جو حقیقی مشکل کا شکار ہوتے ہیں لیکن وہ خود کو کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے لئے تیار نہیں رکھ سکتے۔ ہمارے سامنے ایسے چند افراد آئے ہیں جن میں ایسے لوگ نگاہوں میں آتے ہیں جن کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ وہ اگر بھیک

مانگنے بھی نکلیں تو لوگ ان کی شکل وصورت دیکھ کر لعنت ملامت کریں لیکن سر وہ اس قدر مستحق ہوتے ہیں کہ اگر ان کی امداد نہ کی جائے تو خودکشی کے سوا ان کے پاس اور کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ ہم نے اپنی حاصل شدہ رقومات سے ایک فنڈ جاری کیا ہے۔ مس بینا آپ واسطی صاحب کو اس بارے میں بتایئے؟"

"ہوں، ڈیڈی ہم ایسے لوگوں کو فوری امداد مہیا کرتے ہیں جو کسی مشکل سے نکلے ہوں، زمانہ ان کے خلاف ہو، کوئی انہیں کچھ دینے پر آمادہ نہ ہو...... وہ مجبور ہو کر وہی کام کریں یا تو ایک بار پھر جرم کی زندگی میں داخل ہو جائیں، یہ سوچ کر کہ اب دنیا انہیں صرف ایک مجرم کی حیثیت سے ہی دیکھ سکتی ہے اور ان کا اور کوئی پرسان حال نہیں ہو گا یا پھر وہ حالات سے تنگ آ کر خودکشی کر لیں۔ ہم انہیں مالی امداد فراہم کرتے ہیں۔"

"سبحان اللہ...... کیا واقعی۔" عدنان واسطی نے جھومتے ہوئے کہا۔

"جی ڈیڈی یہ سچ ہے۔"

"تب پھر میں کچھ نہیں کہوں گا، مگر بینا یہ ہمارے بنک بیلنس میں اتنا اضافہ کیوں ہوا ہے؟" واسطی صاحب نے کڑی نگاہوں سے بینا کو دیکھتے ہوئے کہا اور بینا مسکرا دی۔

"نہیں ڈیڈی بالکل نہیں...... آپ برا سمجھتے ہیں مجھے۔"

"مجھے میرے سوال کا جواب چاہئے۔"

"ڈیڈی اس رقم کو میرا حصہ کہہ کر دیا گیا ہے لیکن میرا حصہ کتنا ہے میں جانتی ہوں...... باقی سب ایک امانت ہے جو ضرورت پڑنے پر حقداروں کو پہنچ جائے گی۔"

"خدا کی قسم مجھے اطمینان ہو گیا۔" واسطی صاحب متاثر لہجے میں بولے اور پھر نجانے کیوں انہوں نے عجیب سی نگاہوں سے شہاب کو دیکھا...... چند لمحات دیکھتے رہے پھر ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گئے۔

کریم سوسائٹی میں ایک نشست کے دوران شہاب نے بینا سے کہا۔

"بینا اس دن واسطی صاحب جب ہم سے احتساب کر رہے تھے تو مطمئن ہونے کے بعد انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لی تھی۔"

"تو پھر......" بینا نے تعجب سے شہاب کو دیکھا۔

"کیا اس قسم کی ٹھنڈی سانسوں کے بارے میں تمہیں کچھ معلومات حاصل ہیں۔"

"اطمینان کی ٹھنڈی سانس ہوتی ہے۔"

"نہیں بینا اطمینان کی سانس گرم ہوتی ہے۔"

"کیا میں آپ کے تجربے کو چیلنج کروں؟"

"نہ کرو تو اچھا ہے۔"

"تو پھر آپ وضاحت کریں گے اس سانس کی؟"

"اس سانس میں ایک سوال ہوتا ہے ایک طلب ہوتی ہے۔ بینا میری طرف سے اس سانس اس طلب کا جواب دے دینا۔ بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" بینا ایک لمحے کے لئے خاموش ہو گئی۔ وہ شہاب کی بات کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی، جبھی تو اس کے کان کی لوئیں سرخ ہو گئیں، لیکن شہاب کی شریر فطرت سے اچھی طرح واقف تھی خود کو سنبھال کر کہا۔

"کیا جواب دے دوں؟"

"یہی کہ ان ٹھنڈی سانسوں کو صرف ایک تصور نہ بنائیں...... حقیقت کی طرف قدم بڑھانے کی کوشش کریں۔"

"آپ اُلجھی ہوئی گفتگو کر رہے ہیں۔"

"سیانوں کا کہنا ہے کہ ہر حالت میں احتیاط قائم رکھی جائے۔"

"بھئی میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا شہاب صاحب۔"

"بس تو پھر یہی کہا جا سکتا ہے کہ جو کچھ ہم نے بکا ہے جنون میں نہیں بکا ہے بلکہ عالم ہوش میں ہیں اور خدا کرے جس کے لئے بکا جا رہا ہے وہ سب کچھ سمجھ جائے۔" جوہر خان کی آمد نے بینا کو مشکل سے نکال لیا تھا۔ جوہر خان قریب آ کر بولا۔

"صاحب کوئی کام دیں مجھے...... اب یہ بے کاری تکلیف دینے لگی۔"

"جوہر خان شادی کر لو۔" شہاب نے کہا اور جوہر خان منہ پھاڑ کر حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

"صاحب میں نے کوئی کام مانگا ہے۔"

"میں نے کام ہی بتایا ہے۔" شہاب بولا اور جوہر خان مسکرانے لگا، پھر اس نے کہا۔

"کر لیتے صاحب ضرور کر لیتے، مگر زندگی نے ایسے بھیانک تجربے سے دوچار کیا ہے

بس اب یوں لگتا ہے کہ جس سے بھی شادی کریں گے وہ ایک مظلوم لڑکی ہو گی۔"

شہاب اور بینا نے چونک کر جوہر خان کو دیکھا، بڑی عجیب بات کہہ رہا تھا اور بڑی افسوس ناک بھی۔ دونوں ہی اس کی اس بات سے متاثر ہوئے تھے، شہاب کہنے لگا۔

"نہیں جوہر خان طریقہ کار الگ الگ ہوتے ہیں پہلے تم پر کچھ منحوس سائے پڑ گئے تھے اور ان سایوں نے تم سے تمہاری شخصیت چھین لی تھی۔ جوہر خان اکثر بینا سے میری بات ہوتی ہے تمہارے بارے میں اور میں بڑی مسرت سے اس سے کہتا ہوں کہ بینا انسان کھو جاتا ہے۔ غلط راستوں سے چلنے والی ہوائیں اسے خود میں لپیٹ لیتی ہیں۔ وہ خود اپنے آپ کو نہیں سمجھ پاتا، حالانکہ کچھ ہوتا ہے کچھ بن جاتا ہے۔ ہمارا جوہر خان بھی انہی میں سے ایک ہے برے لوگوں میں پھنس گیا تھا لیکن اس کے اندر چھپی ہوئی وفا اس بات کا اظہار تھی کہ اگر وہ اچھے لوگوں میں شامل ہوتا تب بھی اتنا ہی اچھا ہوتا جتنا برے لوگوں کے لئے رہا، یہ تو راستے بھٹک جاتے ہیں جوہر خان، اور وہ تقدیر والے ہوتے ہیں جو بھٹکے ہوئے راستوں سے واپس آ جائیں۔ ارے واہ بینا کیا دلچسپ مشغلہ ہاتھ آیا ہے تم ذرا دیکھو جوہر خان کو کیا یہ اس قابل نہیں ہے کہ ہم اس کی شادی کریں، کریم سوسائٹی کی یہ کوٹھی بھی آباد ہو جائے گی، جوہر خان اپنے بیوی بچوں کے ساتھ یہاں رہے گا۔"

"صاحب آج آپ کا موڈ بہت اچھا ہے...... مجھے آپ کے اچھے موڈ پر بہت خوشی ہو رہی ہے، لیکن سر میں کہہ رہا تھا کہ اگر ہم پیچھے اُجاڑ پڑے ہوئے حصے کو درختوں سے سجا دیں تو کیسا رہے گا یہ کام میں کر لوں گا...... آپ بالکل بے فکر رہیں۔"

"اور اگر ہم اس سامنے والے حصے کو کچھ انسانوں سے سجا دیں تو کیسا رہے گا؟"

"کون سے حصے کو صاحب؟" جوہر خان بولا۔

"یہ جو گیٹ کے برابر سرونٹ کوارٹرز پڑے ہوئے ہیں۔ اگر اس میں ایک ہماری پیاری سی بھابی آ جائے اور کچھ عرصے کے بعد بھتیجے تو کیا اس میں کوئی حرج ہے۔"

"اچھا لگ رہا ہے صاحب، یہ سب کچھ اچھا لگ رہا ہے۔ کم از کم آپ ہمیں اس قابل سمجھ رہے ہیں کہ ہم سے مذاق کریں۔" جوہر خان نے کہا۔

"کیوں بینا زندگی کا یہ اہم شعبہ مذاق ہو سکتا ہے تمہاری اس سلسلے میں کیا رائے ہے؟"

"نہیں یہ بالکل مذاق نہیں ہے۔"

"تو پھر کہہ دو ناواسطی صاحب سے۔" شہاب نے کہا اور بینا بوکھلا کر جوہر خان کو دیکھنے لگی...... شہاب شرارتوں کے موڈ میں تھا، پھر اس کے بعد بینا جوہر خان سے بات کر کے اس موضوع کو ختم کرنے کی کوشش کرنے لگی، جوہر خان کچھ دیر کے بعد چلا گیا تو بینا نے کہا۔

"لگتا ہے بے کاری آپ کے لئے بہت خطرناک ہے شہاب صاحب۔"

"پتا نہیں جو کچھ تمہیں لگتا ہے، مجھے بتاتی رہا کرو، وہ بینا اور وہیں بہت سے ایسے ٹیڑھے الفاظ ہیں جن کا مطلب سمجھنے میں بڑی دقت ہوتی ہے۔"

"مثلاً۔" بینا نے مسکرا کر کہا۔

"نصف بہتر...... کیا مطلب ہوا اس بات کا؟"

بینا نے پھر گھبرا کر شہاب کو دیکھا۔

"نہیں واقعی آخر اس کی لغویت کیا ہے۔ مجھے سمجھانے کی کوشش کرو۔"

"پتا نہیں۔"

"تو پھر بن کر دکھاؤ۔"

"جی؟"

"بھئی نصف بہتر کا مطلب یہ ہے کہ آدھا بہتر...... بہتری کے لئے جو بھی کیا جائے ہر مشکل میں کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً اب کسی بھی کیس کے سلسلے میں آدھا بہتر میں ہوں آدھی بہتر تم ہو...... دونوں مل کر مکمل بہتر ہو جاتے ہیں، چنانچہ کیا خیال ہے کیوں نہ ہم لوگ اپنی تکمیل کر لیں۔"

بینا گردن جھکا کر خاموش ہو گئی۔ شہاب نے کہا...... "ویسے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اب دیکھو نا اتنا کوئی سمجھنے والا بھی تو ہو...... تم نے فوراً سمجھ لیا کہ بے کاری میری ذہنی قوتوں کو خراب کرتی ہے، گھر کے حالات بھی ان دنوں نارمل ہیں...... کوئی تبدیلی نہیں ہے، سب لوگ پرسکون زندگی گزار رہے ہیں۔"

"فکر نہ کریں یہ خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ ہے۔"

"بخدا......" شہاب نے پر مسرت لہجے میں کہا۔

"جی۔"

"زندگی میں مختلف قسم کے طوفان ہوا کرتے ہیں۔ تمہارے یہ الفاظ مجھے خوشی میں

بتلا کر رہے ہیں۔ ویسے کون سے طوفان کی بات کر رہی ہو تم بینا؟"

"میرا مطلب ہے ڈی آئی جی نادر حیات صاحب ہمیں سکون سے تو نہیں بیٹھنے دیں گے۔ بہت جلد کوئی نہ کوئی ذمہ داری ہمارے سپرد کی جانے والی ہے...... آپ دیکھ لیجئے گا۔"

"آہ کاش یہ ذمہ داری ڈی آئی جی نادر حیات صاحب کے بجائے جناب عدنان واسطی میرے سپرد کرتے تو کیا ہی اچھا ہوتا۔" شہاب نے کہا۔

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ ان دنوں بڑی خاموش زندگی گزر رہی تھی۔ گھر کے حالات بھی پر سکون تھے...... نعیمہ بیگم نے جیسے نیا چولا اوڑھ لیا تھا...... ان کا بڑھاپا نکھرتا چلا آ رہا تھا...... واثق حسین اور فائق حسین بھی بڑے مسرور تھے، بہنوں کا معاملہ بھی ٹھیک ٹھاک تھا...... چھوٹی بہن کا رشتہ لگایا تھا بڑی بہن نے...... اپنے ہی سسرالی خاندان میں، مشورہ بھی کیا تھا اور جب بات شہاب کے کانوں تک پہنچائی گئی تو اس نے بڑی سعادت مندی سے کہا۔

"بڑے بھائی موجود ہیں، بھلا میری رائے کی کیا گنجائش ہے، بڑے بھائی صاحب جو بھی طے کریں گے یہ سمجھ لیجئے کہ وہ میری ہی مرضی ہوگی۔"

"پھر شہاب سوچ لو۔"

"ثریا بھابی درحقیقت میرے سوچنے کی بات نہیں ہے، آپ جو بھی فیصلہ کریں گی آپ یقین کیجئے میں اس میں برابر کا شریک ہوں گا۔ ہاں ایک پیشکش میری طرف سے مستقل ہے۔" شہاب نے کہا۔

"کیا؟"

"اخراجات کا ڈیپارٹمنٹ مجھے دے دیجئے اور باقی ساری ذمہ داریاں آپ سنبھال لیجئے۔"

"ٹھیک ہے بھئی، وہ مصروف بھی تو رہتا ہے ایسا کرو ثریا سارے معاملات پر غور کر لو...... بہتر ہے ہم بہن کو یہیں سے رخصت کریں۔"

"یہیں سے کیا مطلب بھائی جان؟" شہاب نے پوچھا۔

"بھئی پچھلے کچھ دنوں سے یہ لوگ بڑا دباؤ ڈال رہے ہیں مجھ پر کہتے ہیں رہائش کے لئے کوئی بہتر جگہ تلاش کروں، بھلا اتنے بڑے افسر کے گھر کی یہ پوزیشن، کیسے مناسب ہے، چنانچہ تلاش شروع کر دی ہے میں نے۔"

”چھوٹے بھائیوں کو بھی کبھی کبھی کچھ کہنے کا حق ملنا چاہئے ناں۔“ شہاب بولا۔

”کیوں نہیں۔“

”کوئی ناراضگی تو مول نہیں لینی پڑے گی؟“

”بالکل نہیں۔“

”اس نے بھی یہی کہا تھا کہ ثاقب حسین نے اس گھر کی ایک ایک اینٹ اپنی محنت کی کمائی سے لگائی ہے، اگر ہم اس گھر کو فروخت کریں گے تو کیا کوئی اس خون کا معاوضہ دے سکتا ہے۔ بھائی جان میری تو یہی رائے ہے کہ اس گھر کو آپ محل بنا لیجئے، لیکن اس گھر کو...... بس مجھے یہاں قطعی جاہل سمجھ لیا جائے تو میرے اوپر بڑی عنایت ہوگی۔“

”گویا تم اس سکونت کو ترک نہیں کرنا چاہتے۔“

”نہیں بھائی جان۔“ شہاب نے کہا اور واثق حسین نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا...... شہاب کے ہونٹوں پر ایک خوشگوار مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ واثق حسین کہنے لگا۔

”ہم تمہارا امتحان لینا چاہتے تھے شہاب۔ دبی دبی زبان سے یہ کہا جا رہا تھا کہ اتنے بڑے عہدے پر فائز ہونے کے بعد تم شاید اس جگہ کو حقیر سمجھنے لگے ہو گے...... امی جان کا تو کبھی بھی ارادہ نہیں تھا کہ اس سکونت کو ترک کیا جائے لیکن پچھلے دنوں کچھ لوگ جن میں یہ ثریا بیگم بھی شامل ہیں کہنے لگی تھیں کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ شہاب ہم لوگوں کی وجہ سے نہ بول رہے ہوں اور ان کے دل میں کچھ اور ہو۔“

”نہیں بھائی جان۔ بڑی معمولی سی بات ہے صرف انسانی سوچ کا فرق اور کچھ نہیں ہے، سر چھپانے کا ٹھکانہ اگر کچھ روایات کا حامل ہو تو بڑی اہمیت رکھتا ہے زمانہ قدیم میں تو لوگ اپنے پڑوسیوں کی وجہ سے اپنے گھروں کو تبدیل کرنا پسند نہیں کرتے تھے کہ برسوں کی شناسائی ہے۔ میں یہاں بالکل مطمئن ہوں۔“ سب مطمئن ہو گئے، پھر ایک نئے شوشے نے سر اُبھارا۔

ڈی آئی جی نادر حیات کا فون موصول ہوا تھا...... شہاب نے فون ریسیو کیا۔ ”کوئی خاص مصروفیت نہ ہو تو کوٹھی پر آ جاؤ۔“

”حاضر ہوتا ہوں سر۔“ شہاب نے کہا اور برق رفتاری سے تیار ہو کر کوٹھی پہنچ گیا...... ملازموں کو ہدایت کر دی گئی تھی اس لئے شہاب کو فوراً اندر پہنچا دیا گیا...... ڈی آئی جی

نے مسکرا کر اس کا خیر مقدم کیا تھا۔

”بیٹھو شہاب، کیسے حالات چل رہے ہیں۔“

”بالکل ٹھیک سر۔“

”نہیں، تم نے شاید پچھلے دنوں اخبارات کی خبروں پر غور نہیں کیا۔“

”اوہ، کوئی خاص بات سر؟“

”ہاں بہت خاص بات، اعلیٰ پولیس افسروں کے تبادلوں اور ردوبدل کی کہانیاں عام تھیں۔“

”جی ہاں...... وہ تو میں نے دیکھا تھا۔“

”سوچا نہیں تھا۔“

”بس یہ سوچا تھا کہ یہ انتظامی ردوبدل ہے اور یہ ذمے دار لوگوں کا اپنا کام ہے۔“

”بہر حال تمہاری سوچ بھی اپنی جگہ درست تھی، لیکن معاملہ گہرائیوں سے اٹھا ہے۔“

”سمجھا نہیں سر۔“

”بہت مختصر وقت میں کچھ بڑے اور صاحب اثر لوگوں کے جرائم کے خلاف کارروائی ہوئی ہے نہ صرف معمولی کارروائی بلکہ انہیں کیفر کردار تک پہنچایا گیا ہے۔“

”جی۔“ شہاب آہستہ سے بولا۔

”اس کے اثرات تو مرتب ہونے چاہئیں تھے...... چنانچہ اور کیا ہوا اس کی تو کوئی خاص رپورٹ نہیں ہے لیکن میرا تبادلہ ایک اور علاقے میں کر دیا گیا ہے۔“

”جی؟“ شہاب اُچھل پڑا۔

”اور تمہیں فوری طور پر تمہارے اس علاقے سے ہٹا کر ہیڈ آفس رپورٹ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے...... شاید کل تک تمہیں نوٹیفکیشن مل جائے۔“

شہاب چند لمحات خاموش رہا، پھر بولا۔ ”سر یہ قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے اپنی ذرا برابر پروا نہیں ہے...... میں ہر قسم کے حالات سے نمٹ لوں گا، لیکن آپ کے لئے میں افسردہ ہوں...... ذمے داری اور فرض شناسی کا یہ انعام۔“

”نہیں شہاب، یہی ایک دلچسپ پہلو ہے۔“ ڈی آئی جی صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیا سر؟“

"دیکھو شہاب، انسان بہت معصوم ہے...... اپنے طور پر وہ خود کو بہت شاطر سمجھتا ہے لیکن قدرت کے کھیل اس کی سمجھ سے باہر ہیں...... میرے لئے یہ نوکری کوئی حیثیت نہیں رکھتی...... میں نے اسے ایک چیلنج کے طور پر قبول کیا تھا اور اللہ کا شکر گزار ہوں کہ آج تک اپنی پسند سے کام کرنے کا موقع ملا ہے...... پچھلے کچھ دنوں سے ایک اُلجھن کا شکار تھا۔" نادر حیات صاحب رُک کر سوچنے لگے، پھر بولے۔ "یوں سمجھو ایک شخص نے مجھے چیلنج کیا تھا...... وہ منشیات کا سمگلر ہے اور اتنا بااثر ہے کہ تم سوچ نہیں سکتے...... اس کے تعلقات بین الاقوامی نوعیت کے ہیں اور وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتا...... بہت معمولی سی بات تھی...... میرا اور اس کا سامنا ہو گیا اس نے مجھے ہنستے ہوئے سرزنش کی تھی کہ کام کرتے ہوئے ذرا خیال رکھا کروں...... یہ بات میرے دل کو چبھ گئی تھی اور میں نے اسے دل میں رکھ لیا تھا، پھر مجھے یہاں فرائض کی بجا آوری کے لئے بھیج دیا گیا اور میں نے یہاں ذمے داری سنبھال لی، لیکن میری آرزو تھی کہ مجھے اس علاقے میں تعینات کیا جائے اور اب ایسا ہو گیا ہے۔"

"ویری گڈ۔" شہاب دلچسپی سے بولا۔

"یہی میں کہنا چاہتا تھا۔"

"گویا آپ خوشی سے وہاں جانے کے لئے تیار ہیں؟"

"میں نے کہا نا کہ یہ میری خواہش تھی۔"

"اور اب آپ؟"

"ہاں اپنی پسندیدہ شخصیتوں سے دو دو ہاتھ کرنے کا موقع ملے گا۔"

"لیکن سر، میں آپ کے ساتھ نہیں ہوں گا۔"

"بے شک، وہاں مجھے تمہارے جیسے کسی شخص کی اشد ضرورت ہوگی، لیکن دوسری دلچسپ بات یہ ہے کہ میرے اور تمہارے گٹھ جوڑ کو خطرناک سمجھا جا رہا ہے۔"

"کیا مطلب؟" شہاب پھر چونک پڑا۔

"یہ ایک دلچسپ پہلو ہے، ہم دونوں بلیک لسٹ ہوئے ہیں اور ہمیں الگ کیا جا رہا ہے لیکن فکر نہ کرو، ہم انہیں مایوس کریں گے۔"

"وہ کیسے سر؟"

"میں کوشش کروں گا کہ تمہیں اپنے پاس بلا لوں۔"

"سر...... ایک عرض کروں؟ مجھے اس ملازمت کی ضرورت نہیں ہے۔"

"مجھے بھی نہیں ہے...... یقین کرو، مجھے بھی نہیں ہے...... بہت کچھ دیا ہے اللہ نے مجھے، لیکن یہ ان سے شکست قبول کر لینے والی بات ہوگی۔ ہماری جنگ قانون سے نہیں قانون شکنوں سے ہے۔ قانون ہمارا ہے ہم اس کا ساتھ کیوں چھوڑیں، بلکہ اگر تم غور کرو تو ایک الگ احساس ہوتا ہے۔ ہمارے قانون کو کچھ صاحب اقتدار لوگوں نے مظلوم بنا دیا ہے۔ وہ اس پر ضربیں لگاتے ہیں کیا اس مظلوم قانون کو ہماری ضرورت نہیں ہے۔ تم میرا موقف سمجھ رہے ہو۔"

"جی سر۔"

"اس سے الگ ہو کر ہم بے دست و پا ہو جائیں گے۔ اس میں شامل رہ کر بہت کچھ کر سکیں گے...... شہاب ہمیں جہاں بھی موقع ملا ہم قانون شکنوں پر وار کریں گے...... انہیں پہلے وار میں ٹھنڈا کر دیں گے پھر ہمارا تبادلہ ہو جائے گا اور دوسری جگہ جا کر ہم دوسرے قانون شکن کو شکار کریں گے۔" ڈی آئی جی صاحب مسکرا کر بولے۔

"نہیں سر...... میں سمجھ رہا ہوں۔" شہاب آہستہ سے بولا۔

"یہ سب ہوگا، میں نے پہلے سے تمہیں آگاہ کر دیا ہے ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہو۔"

"میں تیار ہوں سر۔"

"تھینک یو شہاب۔ ہماری علیحدگی عارضی ہے۔"

"میری طرف سے آپ بالکل بے فکر رہیں سر...... میں حالات سے نمٹ لوں گا۔"

"اب میں مطمئن ہوں۔" نادر حیات پرسکون لہجے میں بولے...... کچھ دیر تک مزید گفتگو رہی، پھر شہاب وہاں سے رخصت ہو کر چل پڑا...... دوسری منزل فتح محمد کا ڈیرہ تھا۔

"خیریت عزیز از جان، اس وقت آمد بے معنی نہیں ہو سکتی۔" فتح محمد نے کہا۔

"جب روح کی تسکین کی ضرورت ہوتی ہے تو روحانی استاد کی طرف ہی رُخ کیا جا سکتا ہے۔"

"کانٹوں میں گھسیٹتے ہو، تمہاری مرضی، لیکن یہ حسرت ضرور دل میں اُبھرتی ہے کہ کاش وہی ہوتے جو تم تصور کرتے ہو۔ بہر حال کوئی مسئلہ ہے۔"

"ہاں۔"

"بتاؤ؟" فتح محمد نے کہا اور شہاب نے پوری کہانی سنا دی...... فتح محمد سوچ میں ڈوب گیا تھا، پھر بولا۔ "کیا سوچا۔"

"بہت آسان ہے...... وہ کروں گا جو کیا جائے گا اور ایسا ہی کرتا رہوں گا...... میرا تو مسلک ہی کچھ اور ہے مرشد...... سب سے سمجھوتہ کرو، سب کو خوش رکھو اور اپنا کام کر جاؤ...... کچھ اور بھی سوچ رہا ہوں مرشد۔"

"کیا؟"

"ایک دارالامان قائم کروں؟ بے پناہوں کے لئے ایک پناہ گاہ جہاں جینے کے آرزو مندوں کو جینے کا موقع ملے جو کچھ مجھے حاصل ہوا اس میں سے ان کا حصہ نکال لوں...... مجھے ان کی دعاؤں کے سوا کچھ درکار نہیں ہے...... یہ بات آپ جانتے ہیں مرشد کہ میں نے اپنے باپ کے افکار کا مذاق نہیں اُڑایا ہے...... وہ مجسم سچائی تھے اور سچ کے ہاتھوں شہید ہو گئے...... میں اب ان کا مذاق اُڑا رہا ہوں جو سچ کے قاتل ہیں...... میں سچ کو سامنے لا کر باطل کو فنا کرنے کی مقدور بھر کوششیں کر رہا ہوں...... نادر حیات صاحب میرے لئے فکر مند ہیں اور اسی سوچ کے شکار ہیں کہ میرے راستے مسدود نہیں ہوں گے...... میں نے تو بہت آگے سے اپنے کام کا آغاز کیا ہے جو لوگ قانون پر حاوی ہو کر اس سے گلوخلاصی حاصل کر لیں گے انہیں ایک اور عدالت سے سزا ملے گی...... وہ سچ کی عدالت ہو گی اور شہنشاہ اس کا جج ہو گا۔"

"ہاں میں جانتا ہوں۔"

"مجھ سے اتفاق کرتے ہیں؟"

"ہاں۔"

یہی تفصیل شہاب نے بینا کو بتائی اور بینا کا چہرہ اتر گیا۔

"ہیڈ کوارٹر میں آپ کی کیا ڈیوٹی ہو گی؟"

"معطل کر کے بٹھا لیا جائے گا۔ تنزلی کر دی جائے گی اور کیا ہو گا؟"

"آپ کو پسند ہو گا یہ سب کچھ؟"

"بالکل...... مجھے اعتراض نہیں ہو گا...... ہم بھیڑیوں کے شکاری ہیں بینا...... بھیڑیے شکار ہوتے رہیں اور بس۔"

"اوکے، میں مطمئن ہوں۔"

"ایک درخواست ہے بینا۔"

"ہاں کہیے۔"

"ابھی واسطی صاحب کو مکمل حالات سے آگاہ نہ کرنا۔"

"ٹھیک ہے۔" بینا نے اعتماد سے کہا...... اس نے اس کی وجہ بھی نہ پوچھی تھی۔

پھر شہاب ثاقب کو ہیڈ کوارٹر طلب کر لیا گیا...... اسے نوٹیفکیشن دیا گیا اور ایڈیشنل ڈی آئی جی صاحب نے اسے اپنے پاس بلایا۔

"مسٹر شہاب ثاقب، آپ کی مدت ملازمت کیا ہے؟"

"سر جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں۔" ایڈیشنل ڈی آئی جی کو غیر متوقع جواب ملا۔

"آپ نے ان آٹھ دنوں میں بڑی برق رفتاری دکھائی ہے۔"

"نہیں سر، زمانہ طالب علمی میں جب ٹورنامنٹ ہوتے تھے تو میں ریس میں بھی سب سے آخری کھلاڑی ہوتا تھا...... میں نے اپنا یہ اعزاز ہمیشہ قائم رکھا۔"

"آپ شاید مجھے دلچسپ جواب دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔" ایڈیشنل ڈی آئی جی نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"جی سر...... آپ کی نگاہوں میں جگہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" شہاب نیازمندی سے بولا۔

"یہ ڈسپلن کی خلاف ورزی نہیں ہے۔"

"اگر ہے تو معافی چاہتا ہوں...... دوبارہ یہ نہیں کروں گا۔"

"آپ کو ترقی کیوں ملی؟"

"سر، ایک بزرگ کے وظیفے سے۔" شہاب نے کہا اور ڈی آئی جی کے گھورنے پر جلدی سے بولا۔ "سر قسم کھا کر کہتا ہوں...... ایسا ہی ہوا تھا آپ معلوم کرا لیجیے...... ان کا نام فتح محمد ہے۔"

ایڈیشنل ڈی آئی جی نے بے اختیار مسکراہٹ روکی تھی، پھر وہ بولے۔ "اور جو کیس آپ نے پکڑے ہیں...... جیسے آپ کا تازہ کارنامہ یعنی ساندا خاندان کا کیس؟"

"سر اس بارے میں کچھ نہیں کہوں گا۔"

"کیا مطلب؟"

"ایک چٹکی نمک میرے منہ میں ڈال دیجئے اور سمجھ لیجئے کہ زندگی بھر کے لئے آپ کا وفادار بن گیا، پھر کوشش کر لیجئے کہ کوئی آپ کے خلاف ایک لفظ میرے منہ سے سن لے۔"

ڈی آئی جی صاحب اس کے الفاظ کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرنے لگے، پھر کچھ سمجھ کر بولے۔ "گویا اس میں کچھ اور عوامل کار فرما تھے۔"

"پورا کیس سچائیوں پر مبنی ہے۔ کوئی الزام غلط نہیں ہے۔"

"یہ فیصلہ آپ نے کیسے کر لیا؟"

"عدالت نے کیا ہے سر۔"

"کچھ اور حقائق بتانا پسند کریں گے؟"

"نہیں سر۔" شہاب بولا اور ڈی آئی جی صاحب پھر چونک پڑے۔

"کیا مطلب؟"

"نمک کی چٹکی۔" شہاب نے کہا اور ڈی آئی جی صاحب اسے گھورتے رہے پھر مسکرا کر بولے۔

"ٹھیک ہے مسٹر شہاب...... آپ نے اس گفتگو سے بہت سے عذاب خود پر سے ٹال دیئے ہیں...... اس کا مطلب ہے کہ آپ بہت چالاک انسان ہیں...... ہم آپ کو نمک کی چٹکی کھلانا چاہتے ہیں لیکن، پھر آپ کا امتحان ہوگا۔"

"میں امتحان پر پورا اترنے کی کوشش کروں گا سر۔"

"ہوں، ٹھیک ہے پھر آپ کے بارے میں سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا ہوگا، لہٰذا آپ کو انتظار کرنا ہوگا۔"

شہاب نے گردن خم کر دی، پھر اس نے مثالی فرض شناسی کا ثبوت دیا اور ہر بیگار خوش اسلوبی سے پوری کی...... اسے احساس تھا کہ اس کا جائزہ لیا جا رہا ہے...... اس دوران نادر حیات صاحب چلے گئے تھے اور اس سے مل کر گئے تھے...... بہت سے عہد و پیماں ہوئے تھے اور شہاب نے انہیں خراج عقیدت پیش کر کے رخصت کیا تھا...... بینا سے بدستور ملاقاتیں رہتی تھیں...... عدنان واسطی بھی ان حالات سے بے خبر نہیں رہے تھے...... کورٹ آتے جاتے تھے، محکمہ پولیس کے افراد سے دن رات کی یاد اللہ تھی، پھر نادر حیات کے تبادلے کی خبریں

اخبارات کی زینت بنی تھیں...... اس لئے تمام صورت حال انہیں معلوم ہو گئی تھی...... ڈبل او رنگ پر البتہ ان حالات کا کوئی اثر نہیں پڑا تھا...... اس کے افراد کا بدستور شہنشاہ سے رابطہ رہتا تھا اور ان دنوں کوئی کام نہیں تھا اس لئے وہ عیش کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

پھر ایک دن اسے اعلیٰ افسران کے سامنے پیش کیا گیا...... ایک اعلیٰ افسر نے کہا۔ "آپ کو دوبارہ ایس ایچ او کا عہدہ دیا گیا ہے...... مسٹر شہاب ثاقب، آپ اپنی پسند کے تھانے کا انتخاب کر لیں۔"

"مجھے ہر تھانہ پسند ہے جناب، جہاں مناسب سمجھیں لگا دیں، ڈیوٹی ڈیوٹی ہوتی ہے۔"

"ٹھیک ہے آپ ڈیوٹی افسر سے ملاقات کر لیں۔"

پھر تھانہ بالم نگر میں شہاب کو تعینات کر دیا گیا...... یہ بھی بدنام علاقہ تھا...... شہاب نے خوشی کے ساتھ پرانے ایس ایچ او سے چارج لیا تھا۔

"شہاب صاحب، بڑے کام کی جگہ ہے...... بس ذرا لوگوں سے بنا کر رکھیں، فائدے میں رہیں گے۔" شہاب مسکرا کر خاموش ہو گیا تھا...... بہر حال اس نے ایک فیصلہ کیا اور کام شروع کر دیا...... تھانے کے پورے عملے کو مخاطب کر کے اس سے علاقے کے کوائف پوچھے...... ایس آئی گلاب جان کو اس نے گہری نگاہ سے دیکھا تھا...... یہ ایک لمبا تڑنگا آدمی تھا...... چہرے سے خشونت برستی تھی، جبڑوں کی بناوٹ سے بے رحمی کا اظہار ہوتا تھا...... دفتر میں داخل ہو کر اس نے سلوٹ بھی نہیں کیا تھا اور ایک طرف کھڑے ہو کر مونچھیں مروڑ رہا تھا...... دوسرے لوگوں سے باتیں کر کے شہاب نے اس کی طرف انگلی اٹھائی اور وہ اکڑتا ہوا آگے آ گیا۔

"کتنے عرصے سے نوکری کر رہے ہو؟" شہاب نے پوچھا۔

"دس سال سے۔"

"ابھی تک ڈسپلن نہیں سیکھا۔"

"سمجھے نہیں صاحب۔"

"سلوٹ نہیں کیا تم نے۔"

"عادت نہیں ہے۔" وہ بولا۔

"ہوں۔" شہاب نے رائٹنگ پیڈ اٹھایا اس پر کوئی تحریر لکھی اور اس کے بعد پرچا گلاب

جان کی طرف بڑھا دیا۔

"تین دن کے لئے معطل کر دیا ہے میں نے تمہیں، جاؤ ڈسپلن کی عادت ڈالو اور تین دن کے بعد واپس آکر مجھے رپورٹ دو۔"

کمرے میں موجود پولیس والوں کے چہرے عجیب ہو گئے...... گلاب جان نے کاغذ اٹھایا اور اس کو پڑھنے کے بعد ترش لہجے میں بولا۔

"صاحب جی جس بات کی عادت نہیں ہے، وہ تین دن میں کیسے پڑ سکتی ہے۔"

"ٹھیک ...... لاؤ کاغذ مجھے دو۔" شہاب نے کاغذ آگے بڑھایا اور اس نے زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ کاغذ شہاب کے سامنے ڈال دیا...... شہاب نے تین دن کی جگہ سات دن لکھا اور پھر اسے موڑ کر واپس پھینکتے ہوئے بولا۔

"تین دن میں عادت نہ پڑے تو سات دن میں عادت ڈالو، آٹھویں دن آکر مجھے رپورٹ دو اور اگر اس کے بعد بھی عادت نہ پڑی تو تمہیں دوبارہ ٹریننگ پر بھیج دیا جائے گا...... فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

گلاب جان کا چہرہ آگ ہو گیا...... اس نے کاغذ اٹھایا اور ایک لمحے اسے دیکھا پھر اس کے پرزے پرزے کر کے ہتھیلی پر رکھا اور پھونک مار کر اڑا دیا پھر غرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"صاحب جی چارج لیتے وقت آپ کو یہ پوچھ لینا چاہئے تھا کہ کون کس مزاج کا بندہ ہے، ہمیں یہ لوگ عزرائیل کہا کرتے ہیں، یہ بات آپ کو معلوم ہونی چاہئے۔"

"ٹھیک۔" شہاب اپنی کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا...... میز کے پیچھے سے نکل کر آگے بڑھا، گلاب جان کو دیکھا اور پھر ہاتھ بڑھا کر اس کے شانوں سے ایس آئی کے پھول نوچ لئے اور انہیں ایک طرف اُچھال دیا...... اس کے بعد وہ غرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"وردی اتار دو۔"

پولیس کانسٹیبل، ایک اے ایس آئی اور دو ایس آئی بڑی سنسنی خیز کیفیت محسوس کر رہے تھے...... شہاب نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"وردی اتار دو...... صرف کوٹ اتار دو، مجھے اس کے لئے مجبور نہ کرو کہ مکمل وردی اتروا کر تمہیں یہاں سے باہر نکالوں اور سنو دو بار کہہ چکا ہوں تیسری بار تمہیں حکم عدولی کا مجرم قرار دیا جائے گا۔"

گلاب جان نے اِدھر اُدھر دیکھا، کوٹ اتار کر لپیٹا اور ایک طرف پھینک دیا اور پھر ہتہ آہستہ قدموں سے دروازے سے باہر نکل گیا۔

کمرے میں مکمل خاموشی اور سناٹا چھایا ہوا تھا، شہاب نے باقی لوگوں کی جانب دیکھا ر بولا۔

"اور کسے ڈسپلن کی عادت نہیں ہے۔" کسی نے کوئی جواب نہیں دیا تو شہاب نے کہا۔

"جاؤ ذرا برابر ڈسپلن کی خلاف ورزی نہ ہو ورنہ ایک ایک کو سزا دلوا دوں گا اور جس کا اغ خراب ہو وہ مجھ سے رجوع کرے، میں ایک دماغی ہسپتال کا انچارج بھی رہ چکا ہوں، یٹ آؤٹ۔" شہاب کی غراہٹ اُبھری اور وہ سب باہر نکل گئے...... تھوڑا سا تکدر ذہن پر ھا گیا تھا...... بہر حال انسان ہی تھا اور انسانی فطرت سے مختلف نہیں تھا...... کسی نہ کسی شکل یں تو طبیعت پر کبیدگی آنی ہی چاہئے تھی، حالانکہ اسے اپنی تنزلی کا افسوس نہیں تھا...... بے چارے ڈی آئی جی نادر حیات بھی اپنے آپ کو قائم نہیں رکھ پائے تھے اور شکار ہو گئے تھے لیکن نادر حیات بے شک شکار ہو گئے تھے شہاب کو ذرا برابر پروا نہیں تھی بلکہ تھانے کا تجربہ اس تجربے سے بہتر تھا، جو ڈی آئی جی صاحب نے اس کا عہدہ بڑھا کر اسے دیا تھا...... وہاں ے لوگوں سے رابطے ختم ہو جاتے تھے اور خاص ہی خاص لوگ علم میں آ سکتے تھے، جبکہ تھانے میں ہر طرح کے لوگوں سے واسطہ پڑتا تھا۔

دیر تک بیٹھا وہ گلاب جان کے بارے میں سوچتا رہا، اس سرکش ایس آئی کو صرف محکماتی سزا دینا مناسب نہیں ہو گا بلکہ اس کے لئے ذرا دوسرا طریقہ کار اختیار کرنا پڑے گا...... غرض یہ کہ نئے تھانے کا چارج شہاب کے لئے ایک دلچسپ تجربہ ثابت ہوا تھا...... بگڑے ہوئے لوگ ہر محکمے میں ہوتے ہیں اور ان کے ذریعے برائیاں بھی پیدا ہوتی ہیں۔ گلاب جان کے بارے میں شہاب نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اپنی سخت فطرت کی بنا پر وہ لوگوں کے لئے کافی خطرناک ثابت ہوتا ہو گا، لیکن بہر حال اگر تھانہ نہ سنبھالا جا سکا تو پھر انچارج کے بجائے کانسٹیبل ہو جانا زیادہ بہتر رہے گا۔ یہ نیا چیلنج شہاب نے پوری طرح قبول کر لیا تھا اور یہاں اپنے پاؤں جمانے کے لئے اسے بہت سے اقدامات کرنے تھے، چنانچہ اس نے وہ فہرست سامنے سر کالی جو تھانے کے افراد نے اسے مہیا کی تھی، یہ علاقے کے ان خطرناک لوگوں کی فہرست تھی جن کا تھانے سے بھی تھوڑا بہت رابطہ تھا اور جن کے سلسلے میں محتاط رہنا

ضروری تھا۔

تھانے میں تیسرا دن تھا، پچھلے دو دنوں میں اس نے کافی کام کیا تھا اپنے علاقے کی حدود میں گشت کیا تھا...... اپنے ماتحتوں سے ساری صورت حال معلوم کی تھی، البتہ کسی سے ملاقات کرنے سے اس نے گریز کیا تھا...... رفتہ رفتہ ہی سارے کام ہو سکتے ہیں...... ایک ساتھ تو سب کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا...... اس دوران بینا سے صرف فون پر رابطہ رہا تھا...... بینا اس سے صورت حال معلوم کرتی رہی تھی اور شہاب نے اسے بتا دیا تھا کہ سب ٹھیک ہے، اس نے بینا سے کہا تھا کہ اسے تھانے کا تجربہ ہے کافی باتیں ہوئی تھیں، بینا سے اور اب بینا مکمل طور سے رازدار تھی...... اس نے کہا۔

"بینا میرا سارا موقف تمہیں معلوم ہے...... اصل میں جو اہم مسئلہ تھا وہ یہ تھا کہ میں سرکاری تحفظ چاہتا تھا، یا جو کچھ میں نے اب تک کیا ہے وہ الگ نوعیت کا حامل ہے، میں یہ سب کچھ ایک باقاعدہ پلاننگ کے تحت کرنا چاہتا تھا لیکن جب تک مجھے کوئی ایسی شکل نہ حاصل ہو جاتی جس سے میرا رابطہ باقاعدہ جرائم کی دنیا سے نہ ہو جاتا، کچھ ایسی مشکلات پیش آسکتی تھیں جن سے میں بچنا چاہتا تھا اور اب مجھے یہ آسانی حاصل ہو گئی کہ میں ایک قانونی حیثیت رکھتا ہوں، جہاں تک محکمہ پولیس کا تعلق ہے تو یقین کرو تھانہ میرے لئے اس عہدے سے زیادہ بہتر ہے جو ڈی آئی جی نادر حیات نے مجھے دیا تھا اور جہاں تک ڈی آئی جی صاحب کے معاملات کا تعلق ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ مجھے بہت سے قانونی تحفظات مل جاتے تھے لیکن اب یہ بات تم بہتر جانتی ہو کہ جہاں قانونی تحفظات کا فقدان ہو جائے...... میرا دوسرا عمل اس شکل میں شروع ہو جاتا ہے۔"

"میں جانتی ہوں شہاب اور ذرا بھی بددل نہیں ہوں ان حالات سے۔" بینا نے کہا اور اس کے ان الفاظ سے پھر شہاب کے ذہن کے گوشوں میں نجانے کیوں فرحت کی ایک لہر بیدار ہو گئی۔ گویا بینا اس کے لئے مضطرب بھی ہو سکتی تھی اور اس سے مطمئن بھی۔

تو تیسرا دن تھا...... واسطی صاحب کا فون موصول ہوا...... شہاب نے فون ریسیو کیا اور واسطی صاحب کی آواز پہچان کر مودب ہو گیا۔

"ہیلو واسطی صاحب کہئے کیسے مزاج ہیں؟"

"میں ٹھیک ہوں...... کیا مصروفیت چل رہی ہے آج کل؟"

"کچھ نہیں...... اصل میں یہاں کے لوگوں نے مجھ سے تعاون کرتے ہوئے فی الحال یہاں جرائم کا سلسلہ بند کر رکھا ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ان دنوں میں ایک بھی کیس نہیں آیا میرے پاس۔"

"ویری گڈ، ویسے تھانے بارہ دری کے بارے میں مجھے علم ہے کہ وہاں جرائم ہونا بند ہو گئے تھے۔"

"یقین کیجئے واسطی صاحب یہ بھی ایک دلچسپ تجربہ ہوتا ہے...... وہاں رہ کر ان سارے معاملات سے رابطے ختم ہو گئے تھے...... بہر حال ان میں بھی ایک لطف ہے۔"

"بھئی مجھے تو اب تک وہی عادت پڑی ہوئی ہے، یعنی جب چاہا تم سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کر دیا اب کیا صورتحال ہے؟"

"بالکل مختلف نہیں۔"

"تو پھر میں ملنا چاہتا ہوں تم سے؟"

"کب؟"

"چاہتا تو ابھی ہوں لیکن اگر تمہارے لئے کوئی اُلجھن ہو تو وقت بھی تم متعین کرو۔"

"نہیں میں حاضر ہو جاتا ہوں سر...... وردی میں آجاؤں؟"

"ہاں ہاں کیا حرج ہے آجاؤ، لیکن ایک بات کا خیال رکھنا...... ممکن ہے میرے دفتر کی نگرانی ہو رہی ہے۔"

"ہوں کوئی حرج نہیں ہے میں آرہا ہوں۔" شہاب نے کہا اور اس کے بعد ٹیلی فون بند کر دیا لیکن اس کی پیشانی پر غور و فکر کی لکیریں نمودار ہو گئی تھیں...... واسطی صاحب کا یہ کہنا کہ ممکن ہے ان کے دفتر کی نگرانی ہو رہی ہو ذرا تعجب خیز تھا...... نگرانی کرنے والے کون ہو سکتے ہیں اور پھر اس وارننگ کی کیا ضرورت تھی...... بہر حال پولیس جیپ نکالی اور کسی کو ساتھ لئے بغیر جیپ اسٹارٹ کر کے چل پڑا...... تیز رفتاری سے جیپ ڈرائیو کرتا ہوا وہ واسطی صاحب کے دفتر پہنچ گیا تھا...... واسطی صاحب اور بینا نے اس کا استقبال کیا۔ واسطی صاحب مسکرا کر بولے۔

"درحقیقت شہاب یہ نہ سمجھنا کہ ہم تمہیں خوش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں...... یونیفارم میں تم بہت خوبصورت نظر آتے ہو، جبکہ ان دنوں یونیفارم اتار کر ایک عام سے

آدمی لگنے لگتے تھے۔"

"ٹھیک ہے میں تاحیات انسپکٹر رہنے کی درخواست دے دوں گا۔" شہاب نے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے کہا، پھر بینا سے بولا۔

"مس بینا یہاں کی چائے کا جو لطف ہے آپ یقین کریں کہیں اور نہیں آتا۔"

"میں انتظام کرتی ہوں۔" بینا نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ گئی، پھر چائے وغیرہ کے لئے کہہ کر واپس آ بیٹھی۔ شہاب نے کہا۔

"جی واسطی صاحب...... پہلی بات تو یہ کہ آپ نے نگرانی کے بارے میں کہا تھا...... بہر حال میں نے اندازہ لگانے کی کوشش کی لیکن کوئی خاص شخصیت علم میں نہیں آئی۔"

"ممکن ہے یہ صرف میرا خیال ہو، لیکن جو انکشاف میں تم پر کرنے والا ہوں وہ بڑا سنسنی خیز ہے۔"

"ویری گڈ...... پچھلے کئی دنوں سے کوئی سنسنی خیز انکشاف نہیں ہوا تھا، میں خود اس کا منتظر تھا۔"

"شہاب تین حضرات میرے پاس آئے تھے، بہت بڑی شخصیتوں کے مالک ہیں...... ان میں سے ایک طاہری صاحب، دوسرے حکیم شاہ صاحب اور تیسرے ناصر جمال صاحب ہیں...... تینوں ٹاپ کے آدمی ہیں اور ان کے ناموں کے ساتھ بڑے بڑے واقعات وابستہ ہیں۔"

"بالکل میں نے یہ تینوں نام سنے ہوئے ہیں بلکہ ان لوگوں سے ملاقاتیں بھی ہوئی ہیں۔"

"میں تو خیر ان کے سامنے ایک معمولی سی حیثیت رکھتا ہوں بس یوں سمجھ لو کہ چند کیسوں میں تم نے میرے نام کو بھی وہ حیثیت دے دی ہے کہ اتنے بڑے بڑے لوگ مجھ سے آکر میرے دفتر میں ملے۔"

"آمد کی کیا وجہ تھی؟"

"بڑی دلچسپ بڑی سنسنی خیز...... وہ ساندا کیس کے سلسلے میں آئے تھے۔"

"ویری گڈ۔" شہاب واقعی سنجیدگی سے اس طرف متوجہ ہو گیا۔

"یہ تینوں حضرات نئے نئے اس کیس میں داخل ہوئے ہیں اور ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کی اپیلوں میں مجھ سے تعاون چاہتے ہیں۔ طاہری صاحب نے مجھ سے کہا کہ کیا ساندا

کیس میں کوئی ایسی صورت حال پیش آ گئی تھی جو میں براہ راست اس میں ملوث ہو گیا یا پھر یہ صرف ایک کاروباری عمل تھا...... بہر حال یہ کیونکہ سینئر بھی ہیں اور بڑی حیثیت کے مالک بھی، چنانچہ میں نے اپنا مودبانہ انداز برقرار رکھا اور کہا کہ مقدمہ برائے مقدمہ ہوتا ہے۔ بس مجھے اس سلسلے میں کیس دیا گیا اور میں نے اس کی پیروی کی، حالات و شواہد نے راگ علی ساندا کو مجرم قرار دے دیا اور مجھے خوشی ہے کہ میں مجرموں کو سزا دلوانے میں کامیاب ہو گیا۔" تب ناصر جمال نے کہا۔

"لیکن واسطی صاحب یہ ایک سنجیدہ عمل نہیں تھا، آپ تو بہت پرانے وکیل ہیں، بعض اوقات ہمیں ایسے کیسوں سے گریز کرنا پڑتا ہے جن میں بعد میں ہمارے لئے مصیبتیں کھڑی ہو جائیں۔" تو میں نے مسکرا کر کہا۔

"اگر آپ مجھے سینئر وکیل سمجھتے ہیں ناصر جمال صاحب تو آپ یہ سمجھ لیجئے کہ وکیل سینئر ہو یا جونیئر، کیس ایک جولاہے کا ہو یا ارب پتی کا...... اپنے خلاف کیس لڑنے والے سے تو سب ہی نفرت کرتے ہیں اور ایک وکیل کے لئے یہ خطرہ ہمیشہ باقی رہتا ہے کہ کون کب اسے نقصان پہنچانے پر تل جائے۔" تو ناصر جمال صاحب نے کہا۔

"دیکھئے واسطی صاحب اس کیس میں کچھ ایسے عوامل پیدا ہو گئے ہیں جن کی بنا پر آپ کو ذرا اس اپیل کے سلسلے میں تعاون کرنا پڑے گا جو ہم راگ علی ساندا، نور علی ساندا اور پیار علی ساندا کے لئے کر رہے ہیں۔ یہ اپیل منظور ہونی چاہئے...... انداز کچھ ایسا تھا کہ مجھے سنبھلنا پڑا۔" میں نے عاجزی سے کہا۔

"ناصر جمال صاحب میں آپ لوگوں کا جتنا احترام کرتا ہوں اس کے تحت بھلا میری مجال کہ آپ لوگوں کی کسی بات کو کراس کرنے کی کوشش کروں۔" میرے ان الفاظ پر ناصر جمال صاحب ذرا نرم پڑے اور کہنے لگے۔

"واسطی صاحب بعض معاملات بڑے منافع بخش بھی ہوتے ہیں، اب دیکھئے نا ہماری زندگی تو انہی تمام معاملات میں گزرتی ہے، اب ظاہر ہے ہم یہاں کوئی نیک کام کرنے نہیں بیٹھے ہوئے یہ تو کاروبار ہے...... بڑے لوگوں کو بہر حال نگاہ میں رکھنا چاہئے، معاف کیجئے گا ذرا سی غلطی ہوئی آپ سے۔ راگ علی ساندا کے خلاف آپ کو کیس نہیں لینا چاہئے تھا لیکن میں نے ان لوگوں کو یہ سمجھایا ہے کہ اصل کام واسطی صاحب کا نہیں تھا بلکہ اعلیٰ پیمانے پر یہ

کارروائی ہوئی ہے اور کسی نے ڈی آئی جی صاحب کو میری مراد سابق ڈی آئی جی نادر حیات صاحب سے ہے، اکسایا تھا کہ سانڈا کے خلاف کام کیا جائے...... ابھی تک یہ بات صیغہ راز میں ہے کہ اکسانے والا کون تھا اور اس کی شخصیت کس قدر پاور میں تھی...... خیر یہ سب پرانی باتیں ہیں آپ کو علم ہو گیا ہوگا کہ ڈی آئی جی نادر حیات صاحب کا ٹرانسفر ہو گیا ہے اور وہ افسر تفتیش جس نے واقعی اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا، تنزلی پا کر ایک تھانے کا ایس ایچ او بن گیا ہے، یہ ساری کارروائی تو ہوتی ہے لیکن بات ابھی ختم نہیں ہوئی اصل میں ہمیں راگ علی سانڈا کی اپیل منظور کرانی ہے اور اس کے لئے ہمیں چند لوگوں کا تعاون درکار ہوگا...... نئے سرے سے آپ کو اس کیس میں کچھ کارروائیاں کرنی ہوں گی، معاوضے کا تعین آپ کر لیجئے جو مانگیں گے دیا جائے گا۔ انحراف بالکل نہ کیجئے گا کیونکہ اس سے بہت سی مشکلات پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔" میں نے عاجزی سے کہا۔

"ناصر جمال صاحب آپ لوگوں کی شخصیتیں اتنی بڑی ہیں کہ آپ کی کسی بات سے منحرف نہیں ہو سکتا لیکن بس اتنا کرنا ہوگا آپ کو کہ ذرا سا مجھے گائیڈ کر دیجئے کہ مجھے کیا کرنا ہے؟"

ناصر جمال نے مجھ سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس طرف سے تو آپ بے فکر ہی ہو جائیں آپ کو کسی بڑی مشکل کا شکار نہیں ہونا پڑے گا۔"

"تو پھر جس طرح آپ فرمائیں، میں حاضر ہوں۔"

"ہم بہت جلد ایک پروگرام بنا کر آپ سے رجوع کریں گے، آپ صرف اتنا کریں کہ کل شام تک ہمیں ان لوگوں کے پتے فراہم کر دیں جو اس سلسلے میں ہمیں مطلوب ہوں گے...... مثلاً اعجاز خان جس نے اس مسئلے میں گواہی دی تھی۔ بابو ارشاد وغیرہ باقی ہاشم علی سانڈا اور گوہر جہاں کے بارے میں تو ہمیں علم ہے، ہم ان سب ہی سے اپیل کرنا چاہتے ہیں کہ اپنی ناراضگی کو دور کر کے سانڈا خاندان کو موت کے منہ سے بچانے کی کوشش کریں۔"

"بہت بہتر۔ اصل میں اس کے بعد فوراً ان سے رابطے منقطع ہو گئے تھے اس لئے میرے پاس ان کا پتا فوری طور پر تو موجود نہیں ہے لیکن جو پتا انہوں نے درج کرایا ہے میں اسے تلاش کر کے آپ کے حوالے کر دوں گا۔"

"کل شام تک کی بات ہے۔"

"جی بالکل ٹھیک ہے اور اس کے بعد یہ لوگ چلے گئے...... یہ تفصیل میں تمہیں بتانا ضروری سمجھتا تھا...... بینا سے میں نے مشورہ کیا کہ کیوں نہ تھانے پہنچ جاؤں...... بینا نے کہا کہ نیا نیا چارج لیا ہے وہاں جانا مناسب نہیں ہے اس لئے میں نے تمہیں تکلیف دے دی۔"

"آپ نے بہت اچھا کیا کہ مجھے یہاں بلا لیا اور میں محسوس کر رہا ہوں کہ آپ بہت محتاط بھی ہو گئے ہیں۔ آپ نے مجھ سے غالباً اسی لئے کہا تھا کہ نگرانی کی احتیاط کروں۔"

"سو فیصد...... مجھے اب بھی خدشہ ہے۔"

چائے آ گئی اور بینا چائے بنانے کے لئے اٹھ گئی۔ اس نے ایک کپ شہاب کے سامنے رکھا دوسرا واسطی صاحب کے اور پھر تیسرا کپ لے کر اپنی سیٹ پر جا بیٹھی۔

چائے کے دوران مکمل خاموشی طاری رہی، عدنان واسطی بھی کچھ سوچ رہا تھا اور شہاب بھی، بینا خاموشی سے باری باری دونوں کی صورت دیکھ رہی تھی پھر اس وقت تک خاموشی طاری رہی جب تک چائے کی پیالی سے آخر گھونٹ نہ پی لیا گیا۔ شہاب غالباً اس دوران کچھ سوچ چکا تھا اس نے کہا۔

"کچھ کام کرنے پڑیں گے فوری طور پر، بینا آپ کو بھی مصروف ہونا پڑے گا، آپ یوں کریں کہ بستی مہرجان روانہ ہو جائیں، خانم گوہر جہاں آپ کو اچھی طرح پہچانتی ہیں، آپ ان سے میری طرف سے درخواست کریں کہ تھوڑے دن کے لئے وہ بستی مہرجان سے واپس اسی عمارت میں آ جائیں جس میں انہوں نے اتنے عرصے قیام کیا ہے، آپ چاہیں تو صورت حال انہیں بتا سکتی ہیں ان سے کہیں کہ بس چند روز اور درکار ہیں اس کے بعد وہ آرام سے اپنی حویلی میں جا کر رہ سکتی ہیں۔"

"ٹھیک ہے، میں یہ کام کئے لیتی ہوں۔"

"واسطی صاحب، اصل میں اگر تھانے کا چارج نہیں لیتا تو شاید اتنی دقت پیش نہ آتی لیکن اس وقت کی مصروفیات ذرا مختلف ہیں۔ اس لئے تھوڑی سی تکلیف میں آپ کو بھی دوں گا۔"

"عزیزم، ہم تو اس بات کے منتظر ہیں کہ تم ہمیں تکلیف دو، بدقسمتی تو یہی ہے کہ ہمیں زبردستی بوڑھا بنایا جا رہا ہے اور ہم سے کوئی کام نہیں لیا جاتا، حالانکہ سچ یہ ہے کہ ہم بوڑھے نہیں ہیں۔" واسطی صاحب پر مزاح لہجے میں بولے۔ شہاب ہنس پڑا پھر بولا۔

"آپ کو رانا حبیب کے پاس جانا ہوگا، رانا محفوظ سے ملاقات کر کے آپ اس سے ساری صورت حال بتائیں اور یہ کہیں کہ ہاشم علی ساندا خاندان کو بستی نور الٰہی سے فوراً کہیں ہٹا دیا جائے اس کا انتظام رانا محفوظ ہی کو کرنا ہوگا اس سے یہ بھی کہہ دیں کہ یہ انتہائی ضروری ہے اور اگر اس سلسلے میں کوئی کارروائی نہ ہوئی تو ان لوگوں کی زندگیوں کو کوئی خطرہ بھی پیش آسکتا ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا وہ لوگ انہیں راستے سے ہٹانے کی کوششیں کریں گے۔"

"میں وکلاء صاحبان کی بات بالکل نہیں کرتا، لیکن راگ علی ساندا نے جس پیمانے پر ان کارروائیوں کا آغاز کیا ہے آپ کو اس کا اندازہ ہے اور پھر وہ جس قسم کا انسان ہے، میرا تو خیال ہے کہ ہر وہ قدم اٹھانے کی کوشش کرے گا جس سے اس کی گلو خلاصی ہو جائے اور سچ بھی ہے زندگی اور موت کے درمیان لٹکا ہوا شخص ہر وہ کام کر سکتا ہے جس کی توقع نہ کی جا سکے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں، بابو ارشاد کے خاندان اور اعجاز خان کا کیا ہوگا؟" واسطی صاحب نے کہا۔

"ان دونوں کو میں سنبھالے لیتا ہوں، ان کی آپ فکر نہ کریں، میں دو باتیں سوچ رہا ہوں، یا تو وکلاء صاحبان انہیں عدالت میں پیش کر کے کسی طرح انہیں مجبور کرنے کی کوشش کریں گے کہ وہ خود ہی اپنے بیانات کی نفی کریں اور جہاں تک میرا اندازہ ہے اس کی ذمہ داری وہ کسی شخص پر ڈالیں گے، ممکن ہے وہ ڈی آئی جی نادر حیات صاحب ہوں...... دیکھنا یہ ہے کہ یہ لوگ کس انداز میں قدم اٹھاتے ہیں، بہر طور ان کا کام اپیل کو منظور کرانا ہے...... یہ ہونا نہیں چاہئے باقی ساری باتیں اپنی جگہ لیکن میں نہیں چاہتا کہ ساندا خاندان سزا سے بچے۔"

"ٹھیک ہے میں سمجھ رہا ہوں، میں اپنا کام سرانجام دے لیتا ہوں۔" واسطی صاحب نے کہا۔

"تو مجھے اجازت دیجئے، میں ٹیلی فون پر آپ سے یہ معلوم کروں گا کہ آپ نے اس کام کی تکمیل کر لی یا نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔"

"او کے مس بینا آپ بھی ذرا زحمت کیجئے گا، آئی ایم سوری اس وقت اصل میں اپنے

آپ کو برقرار رکھنا بے حد ضروری ہے۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں مس بینا کہ بات صرف یہ نہیں ہے کہ ہم اپنا کام جاری رکھیں بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ قانون کا سہارا بھی مجھے حاصل رہے، یہ میرے لئے اشد ضروری ہے۔"

"آپ بالکل مطمئن رہیں، ہم سب ہر طرح سے آپ کے ہمراہ ہیں اور آپ کو کسی بھی جگہ تنہائی کا احساس ہونے نہیں دیں گے۔" بینا نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔

"تو پھر میں اجازت چاہتا ہوں۔" شہاب بولا اور پھر وہ وہاں سے نکل آیا، اسے خود بھی کچھ کام کرنے تھے، چنانچہ سب سے پہلے اس نے بابو ارشاد کے بارے میں فیصلہ کیا، بابو ارشاد کے بارے میں اسے علم ہو چکا تھا کہ وہ یہیں موجود ہے اور بستی نور الٰہی منتقل نہیں ہوا اس کا موقف تھا کہ یہ لوگ وہاں اتنے ذلیل و خوار ہو چکے ہیں کہ اب اس بستی میں ان کا جانے کو دل نہیں چاہتا، بہر حال یہ ان کا ذاتی معاملہ تھا اس میں کسی کو اعتراض بھی نہیں ہو سکتا تھا...... شہاب نے آج تک کسی کو اطلاع نہیں دی تھی کہ بابو ارشاد خاندان کو اس نے کیا مالی مدد فراہم کی ہے، لیکن اس خاندان کو مالی مدد کی ضرورت تھی اور شہاب نے اس کا پورا پورا خیال رکھا تھا، بابو ارشاد، عائشہ اور اس نوجوان نے جسے سزا سے نجات دلائی گئی تھی، شہاب کا خیر مقدم کیا، بڑے شکر گزار تھے وہ اس پولیس افسر کے۔ شہاب نے بابو ارشاد کو ساری تفصیل بتائی اور ان سے کہا کہ وہ ان کے عارضی قیام کا بندوبست کر چکا ہے، چنانچہ انہیں تکلیف کرنا ہوگی، لیکن یہ عارضی تکلیف ہوگی اس کے بعد وہ اپنی مرضی سے جہاں چاہیں منتقل ہو سکتے ہیں۔ بابو ارشاد فوراً ہی تیار ہو گئے تھے...... عائشہ وغیرہ کو ساتھ لے کر شہاب کریم سوسائٹی کی کوٹھی پہنچ گیا جو ہر خان کو ہدایت کی گئی اور یہ لوگ وہاں منتقل ہو گئے، اس کے بعد اعجاز اور رقیہ کا مسئلہ تھا، چنانچہ اس سارے مسئلے کو حل کئے بغیر واپسی نہ ہوئی...... شہاب کا یہی طریقہ کار تھا کہ کسی مسئلے کا حل پہلے دریافت کرو اور اس کے بعد اس کے بارے میں سوچو کہ آگے کیا کرنا ہے یا اس حل سے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں، اس نے ان تمام لوگوں کو منظر عام سے ہٹا دیا تھا جنہیں اس سلسلے میں کسی بھی شکل میں استعمال کیا جا سکتا تھا، مجبور کر کے ان کے بیانات کی تبدیلی یا پھر ان کا خاتمہ تاکہ وہ عدالت میں پیش ہی نہ ہوں، حالانکہ جتنے بڑے بڑے نام ساندا کیس میں اب ملوث ہوئے تھے ان لوگوں سے اسے کسی حماقت کی توقع نہیں تھی کہ یہ کسی بھی طرح کوئی ایسا غیر قانونی قدم اٹھائیں گے، لیکن باقی ساری چیزیں قابل

عمل ہوسکتی تھیں...... بیانات کسی خاص طریقے سے بدلوائے جاسکتے تھے، کم از کم یہ حصہ تو محفوظ ہوگیا باقی دیکھنا تھا کہ آگے کیا ہوتا ہے لیکن چونکہ ادھر سے بڑے زور و شور سے کارروائی کا آغاز ہوا تھا، اس لئے یہ لوگ بڑی محنت سے کام کررہے تھے، اسی شام کوئی چھ بجے کے قریب جبکہ بینا نے ٹیلی فون پر یہ اطلاع دی تھی کہ اسے سونپا ہوا کام مکمل ہوگیا ہے، باہر سے ایک کار آکر احاطے میں رُکی تھی اور پھر طاہری صاحب اتر کر اندر داخل ہوئے تھے...... شہاب نے طاہری صاحب کو پہچان لیا...... شہاب نے بڑے احترام سے انہیں بلاکر بٹھایا اور طاہری صاحب مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے پھر بولے۔

"غالباً آپ کا نام شہاب ثاقب ہے۔"

"جی۔"

"پہلے کبھی آپ سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

"جی طاہری صاحب میں تو بہت چھوٹا سا آدمی ہوں، بڑی معمولی شخصیت، آپ بے شک مجھے نہیں جانتے لیکن آپ کو کون نہیں جانتا۔"

"اوہو شکریہ شکریہ، بھئی ہمارا اور آپ کا تو چولی دامن کا ساتھ ہے، کچھ پرائیویٹ گفتگو کرنی تھی، موقع مل سکے گا؟"

"بسر و چشم۔" شہاب نے پرادب لہجے میں کہا۔

"شکریہ۔" شہاب کے اشارے پر بقیہ افراد باہر نکل گئے تھے۔ شہاب نے ان سے چائے وغیرہ کے بارے میں پوچھا تو طاہری صاحب نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"بخدا، حاجت نہیں ورنہ تکلف نہ کرتے کیونکہ نہایت دوستانہ تصورات لے کر یہاں پہنچے ہیں حالانکہ آپ سے ملاقات نہیں ہوئی لیکن شناسائی حاصل کرنے سے ہی شناسائی ہوتی ہے۔"

"سر، میرے لئے اس سے بڑی خوش قسمتی اور کیا ہوسکتی ہے کہ اتنی بڑی شخصیت نے مجھے کسی قابل سمجھا۔"

"دیکھو عزیز کہ ہر شے کا ایک رنگ ہوتا ہے ایک طریقہ کار ہوتا ہے۔ کام ایک کرسی پر بیٹھ کر مکمل نہیں ہوتا بلکہ کرسی کے اطراف کا جائزہ بھی لینا ہوتا ہے۔ اس علاقے میں راؤ بوٹا نامی ایک شخص رہتا ہے۔"

"یہ نام میرے علم میں آیا ہے۔"

"صرف نام؟"

"جی ہاں۔"

"غلط ہے...... تمہیں اس کی شخصیت کے بارے میں معلوم کرنا چاہئے تھا۔"

"کوئی اہم آدمی ہے۔"

"صرف اہم نہ کہو، انتہائی اہم...... ایک مشورہ دے رہا ہوں بڑا کارآمد ہے۔"

"حکم فرمائیے۔"

"خود جاکر اس سے مل لینا...... سلام دعا کرلینا بہت خوش ہوگا...... دوست بن گیا تو یوں سمجھو بہت سی مشکلات کا حل مل جائے گا۔ بڑے بڑے سیاسی لیڈر، مل اونر اور کاروباری لوگ حاضری دیتے ہیں اس کے پاس۔"

"ضرور ملوں گا۔" شہاب نے کہا۔

"ایک کیس کے سلسلے میں کچھ گفتگو کرنی ہے۔ اصل میں یہ کیس راگ علی ساندا کا ہے بستی نور الٰہی کے راگ علی ساندا کا کیس تمہیں یاد ہوگا، ابھی چند ہی روز گزرے ہیں اس کے لئے۔"

"جی سر۔"

"اور سنا ہے اس سلسلے میں ڈی آئی جی نادر حیات کے ساتھ تمہیں بھی کچھ نقصانات اٹھانے پڑے ہیں۔"

"جیسا کہ میں نے عرض کیا سر ڈی آئی جی صاحب کی عنایت تھی کہ انہوں نے مجھے سپیشل ڈیوٹیز میں لگادیا جب کہ میں تھانہ بارہ دری میں ایس ایچ او کی حیثیت سے اپنے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔ بہرحال یہ تو افسروں کی مہربانی تھی کہ انہوں نے مجھے ترقی دی باقی دوسرے افسروں کی بھی مہربانی ہے کہ انہوں نے مجھے واپس یہاں بھجوادیا لیکن یہ ایک حقیقت ہے جناب کہ میرا تجربہ ابھی نہ ہونے کے برابر ہے، میں تو ابھی بہت کچھ سیکھنا چاہتا ہوں بجائے اس کے کہ مجھے کوئی بڑا عہدہ دے دیا جائے۔ آپ یقین کیجئے میں یہاں بہت خوش ہوں کیونکہ ابھی میرا ذہن اتنی وسعتیں نہیں پاسکا ہے کہ میں بڑے بڑے کیس دیکھوں۔"

"اس کیس کے سلسلے میں بھی یقیناً ڈی آئی جی نادر حیات صاحب ہی نے تمہیں گائیڈ

لائن دی ہو گی؟"

"گائیڈ لائن ہی کیا سر پورا کیس انہی کے اشاروں پر کیا گیا ہے...... سچی بات ہے میں اتنا ذہین انسان نہیں ہوں۔"

"خیر یہ کوئی خاص بات نہیں ہے تجربہ آتے آتے ہی آتا ہے، بہت کچھ دیکھو گے تو سارا مسئلہ یہ ہے کہ راگ علی ساندا صاحب کا معاملہ اتنا بگڑا ہوا نہیں تھا، جتنا اسے بگاڑ دیا گیا ہے بیچارے اچھے خاندان کے لوگ ہیں اور سکون کی زندگی گزار رہے تھے کہ یہ بے سکونی درمیان میں آ گئی، سو دوست سو دشمن، حالانکہ میں نے ساندا صاحب سے کہا کہ کوئی ایسا نام منظر عام پر لے کر آئیں جس سے یہ اندازہ ہو کہ کسی نے ان کے خلاف اتنی بڑی سازش کی ہے لیکن اتنے نیک اور نفیس انسان ہیں کہ کسی کا نام لینے پر آمادہ نہیں ہوتے، میں یہ چاہتا ہوں ایس ایچ او صاحب کہ آپ مجھے اپنی لائن آف ایکشن کے بارے میں ذرا تفصیل سے بتائیں، دیکھئے آپ اپنا فرض پورا کر چکے ہیں آپ نے اپنی دانست میں مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچا دیا لیکن اگر آپ ہی کو بھٹکا دیا گیا ہو تو مجرم کی حیثیت سے منظر عام پر لائے جانے والے مجرم ہی نہ ہوں تو...... میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں شہاب صاحب کہ عدالت میں تھوڑا سا بیان آپ کو دینا ہو گا، ہم آپ کو طلب کریں گے اس لائن آف ایکشن کی تفصیل بتانے کے بعد میں آپ کو گائیڈ کروں گا کہ آپ کو کیا بیان دینا ہے اور سنئے آپ بے شک یہ سوچ رہے ہوں گے کہ اس بیان دینے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے یا آپ کو آپ کا بیان تبدیل کرنے پر کیوں آمادہ کیا جاتا ہے تو اس کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ رانا صاحب نے ہم لوگوں سے رجوع کر کے بتایا ہے کہ یہ مسئلہ کسی ایسی شخصیت کا کھڑا کیا ہوا ہے جس کا نام وہ نہیں لینا چاہتے کیونکہ وہ شخصیت ان کے اپنے خاندان سے تعلق رکھتی ہے اور ایس ایچ او صاحب ایک بات کا خیال رکھئے، آپ، ہر کام کا ایک معاوضہ ہوتا ہے ہر کوشش کا ایک جواز ہوتا ہے، میں نے ساندا صاحب سے آپ کے لئے تین لاکھ روپے کی منظوری لی ہے۔ یہ ایک لاکھ بطور ایڈوانس آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے، پارسا یا عبادت گزار بننے کی کوشش نہ کریں وقت یہی ہے ہم لوگ اپنے مسائل سے نمٹنے کے لئے بہر حال کچھ نہ کچھ ہاتھ پاؤں ہلاتے ہی ہیں، آپ یہ نہ سوچیں کہ ایک بہت بڑا آدمی آپ کو رشوت دے رہا ہے، یہ تو ایک دوسرے کی مدد ہے، آپ میری مدد کر رہے ہیں میں رانا صاحب کی مدد کر رہا ہوں، ہم سب ایک

دوسرے سے اس مدد کا معاوضہ وصول کر رہے ہیں کیونکہ یہ ہمارا پروفیشن ہے، سمجھ رہے ہیں نا آپ؟"

"جی سرکار اگر آپ جیسے لوگوں کا ہاتھ ہماری پشت پر ہو جائے تب ہی ترقی کر سکتے ہیں بھلا آپ سے انحراف کر کے یا اقدار کا کوئی مینار بنا کر جی سکتے ہیں اس دنیا میں، ناممکن...... قطعی ناممکن۔"

"تمہاری پیشانی پر تحریر ہے کہ ترقی آخر کار تمہارے قدموں میں آ کر رہے گی ڈیئر شہاب بہت خوشی ہوئی تم سے مل کر اور فکر ہی مت کرنا ہمارا تمہارا ساتھ رہے گا، بھئی دیکھو نا ایک دوسرے کے تعاون ہی سے دنیا چلتی ہے۔ یہ پیسے رکھ لو پہلے گڈی میز پر پڑی اچھی نہیں لگ رہی بعد میں باتیں کریں گے۔"

"جی حضور۔" شہاب نے نیاز مندی سے ایک لاکھ روپے کے نوٹوں کی گڈی اٹھا کر جیب میں ڈال لی اور طاہری صاحب ہنسنے لگے پھر بولے۔

"انسپکٹر صاحب رشوت کی رقم جیبوں میں نہیں رکھی جاتی، خیال رکھئے گا...... ابھی تو خیر کوئی بات نہیں ہے لیکن تجربے کی زبان سے کہہ رہا ہوں، اس رقم کو اپنے آپ سے جس قدر جلد ہو سکے دور کر دینا چاہئے اور بعد میں سکون سے اس کا حساب کتاب کرنا چاہئے۔ آپ کو اپنے تھانے میں ایسی کوئی تجوری ضرور بنانی پڑے گی جہاں آپ اپنی اس آمدنی کو منتقل کر سکیں، سمجھ رہے ہیں نا آپ؟" شہاب کا منہ حیرت سے پھیل گیا...... ایک لمحے کے لئے وہ خوفزدہ سا نظر آنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

"جی سر۔ جی سر۔" اس کے ساتھ ہی اس نے مضطربانہ انداز میں دو تین بار جیب پر ہاتھ مارا تھا اور طاہری صاحب نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں، نہیں آپ بالکل مطمئن رہیں یہ کوئی اینٹی کرپشن کا کیس نہیں ہے یہ تو ہمارے اور آپ کے درمیان تعاون کا معاملہ ہے، اچھا خیر چھوڑیئے ان باتوں کو تو آپ ذرا مجھے اس لائن آف ایکشن کے بارے میں مجھے تفصیل سے بتائیے۔"

"بس جناب سب سے پہلے میری ملاقات جیل میں ایسے نوجوانوں سے کرائی گئی جن کا موقف تھا کہ وہ بے گناہ قیدی ہیں اور جس جرم میں انہیں سزا کرائی گئی ہے انہوں نے وہ جرم نہیں کیا۔"

"یہ ملاقات کس نے کرائی تھی۔"

"ڈی آئی جی نادر صاحب نے۔"

"یہی تو سرا نہیں مل رہا ڈی آئی جی نادر حیات صاحب کی کوئی براہ راست دشمنی تو تھی نہیں ان لوگوں سے ویسے کبھی اس سلسلے میں تم نے نادر حیات صاحب سے کوئی سوال کیا۔"

"جی ہاں۔" شہاب نے جواب دیا۔

"اوہ...... ویری گڈ، کیا کہا انہوں نے؟"

"انہوں نے بس یہی کہا کہ ایک نادار اور بے کس انسان نے ان سے درخواست کی تھی کہ اس کا بھانجا جو ایک بیوہ اور اندھی ماں کا بیٹا ہے ناکردہ گناہ کی سزا بھگت رہا ہے، جبکہ یہ ایک بہت بڑا سلسلہ ہے اگر وہ کسی غمزدہ ماں اور بے کس ماموں کی فریاد سن سکتے ہیں تو اس کیس کی تفتیش کرائیں۔"

"ہوں...... تو یہ نیکیوں کے پہاڑ کا معاملہ تھا، ویری گڈ، ویری گڈ اس کا مقصد ہے کہ ہم لوگ جو سرا تلاش کر رہے ہیں وہ کوئی سرا، سرے سے ہے ہی نہیں...... خیر شہاب صاحب پھر۔"

"ان لڑکوں سے میں نے معلومات حاصل کیں سب کے سب غریب غرباء کے بیٹے تھے...... انہوں نے اس بارے میں تفصیل بتائی اور یوں ساندا صاحب کا نام سامنے آیا، پھر ہم نے مزید تفتیش کی اور بستی مہر جان کے واقعے سامنے آئے۔ یوں یہ سلسلہ چلتا چلا گیا، یہاں تک کہ خانم گوہر جہاں بھی دریافت ہو گئیں جو بدر شاہ کے دونوں بیٹوں کو سنبھالے ہوئے خاموشی سے زندگی گزار رہی تھیں، ان کی طرف سے کوئی تحریک نہیں تھی، بس وہ ان بچوں کو زندہ رکھنا چاہتی تھیں، اسی طرح اعجاز خاں بھی ملا۔" شہاب نے بڑی ذہانت کے ساتھ پوری کہانی طاہری صاحب کو سنادی اور طاہری صاحب ایک کاغذ پر نوٹس لیتے رہے، کافی تفصیلات معلوم کرنے کے بعد انہوں نے شہاب سے کہا۔

"ٹھیک ہے، ڈیئر شہاب تم سے رابطہ رہے گا۔"

"ٹھیک ہے سر آپ فکر ہی نہ کریں خادم ہیں آپ کے بھی اور ساندا صاحب کے بھی۔"

"ساندا صاحب تو یوں سمجھو کہ تمہیں موتیوں میں تول دیں گے بڑے فراخ دل انسان ہیں، کیا بیچارہ مصیبت میں پڑا ہے ایک بیٹا بھی شدید زخمی ہو گیا ہے۔ بہر حال ٹھیک ہے

اب ہم اس سلسلے میں اپنی کارروائیاں کرتے ہیں تمہاری طرف سے تو پورا پورا یقین ہو گیا اور ہاں وہ جو وکیل صاحب ہیں جنہوں نے یہ کیس لڑا ہے غالباً عدنان واسطی نام ہے ان کا۔"

"جی...... جی۔"

"وہ بھی پورا پورا تعاون کر رہے ہیں ہم سے، کیس کی نوعیت ہی بدلنا ہو گی۔"

"خادم ہر طرح سے آپ کے ساتھ ہے۔" شہاب نے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے کہا۔

"بس تو یوں سمجھ لو ترقی کے راستے تم پر کھل جائیں گے، اوکے اب اجازت۔" طاہری صاحب چلے گئے اور شہاب کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔

❁

کلیم شاہ نے جیل میں راگ علی ساندا سے ملاقات کی پیار علی ساندا بھی راگ علی ساندا کے ساتھ ملاقات کے کٹہرے میں آ گیا تھا۔ نور علی ساندا اب جیل کے ہسپتال میں منتقل کردیا گیا تھا کیونکہ اس کے زخم تو ٹھیک ہو گئے تھے لیکن بہر حال آنکھوں کا معاملہ جوں کا توں تھا بہت برا وقت آ پڑا تھا ان پر گو جیل میں انہیں کافی سہولتیں حاصل تھیں، لیکن پھر بھی جیل جیل ہی ہوتی ہے کلیم شاہ نے ساندا کو سلام کیا تو وہ جواب دیئے بغیر گرجدار آواز میں بولا۔

"او میاں کیا کر رہے ہو تم لوگ کہیں چوڑے میں ہی نہ مروا دینا یہاں نہ دن کو چین ہے نہ رات کو نیند آتی ہے اور تم لوگ ہو کہ چار چار دن کے بعد چکر لگاتے ہو۔"

"ساندا صاحب، ساندا صاحب قانون کو اب اس قدر مذاق بھی نہ سمجھیں آپ سزا ہوئی ہے بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کو جیل سے نکال لیا جائے۔"

"او میاں بہت کچھ ہوتا ہے کرنے والا چاہئے، یار تم لوگ تو مجھے عجیب لگ رہے ہو کہیں فنا ہی نہ کروا دینا ہمیں۔"

"آپ نے اگر یہی بدحواسیاں جاری رکھیں تو نہ ہم کچھ کر سکیں گے اور آپ بھی کچھ نہیں کر سکیں گے جو کچھ کیا جا رہا ہے آپ کے لئے ساندا صاحب وہ اتنا ہے کہ آپ تصور بھی نہیں کر سکتے، ہم نے اپنی زندگی میں اتنے پاپڑ کسی کے لئے نہیں بیلے۔"

"میاں بھائی دیکھو میں برے حالات کا شکار ہوں مگر کیا کروں عادتیں وہی بری کی بری پڑی ہوئی ہیں، زبان نہیں رکتی میری، بات مت کرو کہ میری زبان رک نہ سکے خیر چھوڑو

ان باتوں کو یہ بتاؤ کیا ہو رہا ہے میرے لئے۔"

"بہت کچھ کیا گیا ہے لیکن بہت بڑی گڑبڑ ہو گئی ہے۔"

"سنادو کوئی کہانی سنادو، پہنچادو ہمیں پھانسی کے پھندے تک، او سناؤ میاں کیا کہانی ہے؟"

"خانم گوہر جہاں بستی مہر جان سے غائب ہو گئی ہے، حالانکہ وہ وہاں پہنچی تھی لیکن اب وہاں نہیں ہے۔ اعجاز خان کا کوئی نام و نشان نہیں ہے، تمہارا بھائی ہاشم علی ساندا اپنی بیوی اور بیٹے کے ساتھ بستی نور الٰہی میں موجود نہیں ہے۔ بابو ارشاد غائب ہے، اور میں کہتا ہوں ساندا صاحب کیا کیا روگ لگالئے آپ نے اپنی زندگی کے ساتھ، کہاں گئے یہ لوگ؟"

"میں بتاؤں...... ایں...... میں بتاؤں، یہاں جیل میں رہ کر میں تمہیں باہر کی باتیں بتاؤں، او میاں میرا تو اعتبار اٹھتا جارہا ہے تم پر سے۔"

"صبر کریں صبر کریں، بات اصل میں یہ سمجھ میں نہیں آرہی ہے کہ پس پردہ کون ہے جو یہ ڈور ہلا رہا ہے۔"

"جو کوئی بھی ہے باہر نکلنے دو مجھے ان حالات سے ذرا نمٹ لینے دو، جان بچ جانے کی امید ہو جانے دو سب منظر عام پر آجائے گا۔"

"ہم آپ سے کچھ مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔"

"کرو بھائی کرو۔" راگ علی ساندا نے کہا...... بہت نڈھال نظر آرہا تھا وہ ساری اکڑ سارا کروفر نکل گیا تھا۔

"اگر اس سلسلے میں ہم آپ کے بھائی ہاشم علی ساندا کو ملوث کرلیں تو؟ یہ ظاہر کریں کہ یہ سارا کھیل ہاشم نے کھیلا ہے تو کیسا رہے گا؟"

"ثبوت ہیں تمہارے پاس؟"

"اور بڑے صاحب کیا کہتے ہیں؟"

"نہیں ثبوت تو بے شک نہیں ہیں، لیکن اپیل میں یہ بات سامنے لائی جائے گی۔"

"کون بڑے صاحب؟"

"کلیم شاہ جی عقل کھو بیٹھے ہو کیا کہاں سے گھنٹی ہلی ہے، کہاں سے تم لوگوں کو میرے پاس بھیجا گیا ہے۔"

"معافی چاہتے ہیں راگ علی ساندا صاحب سمجھ نہیں پایا تھا میں کہ آپ ان بڑے

صاحب کی بات کر رہے ہیں۔"

"کوئی اور بات ہوئی اس طرف سے؟"

"نہیں، بھلا ہماری پہنچ وہاں تک کہاں ہے۔"

"خیر، خیر جہاں سے مدد کی ضرورت ہو گی میں نے پہلے بھی تم لوگوں کو بتادیا ہے کہ بڑے صاحب سے ان ٹچ رہو کوئی مشکل پیش آئے تو ان سے مشورہ لے لو۔"

"ٹھیک ہے آپ سے بس ملاقات مقصود تھی آج شام کو پانچ بجے ہماری میٹنگ ہے اس میٹنگ میں ہم ٹوٹل لائن آف ایکشن سلیکٹ کرلیں گے اور اس کے بعد کام برق رفتاری سے شروع ہو جائے گا۔"

"او میاں کام موثر ہونا چاہئے، ایک دفعہ یہ سزا ختم کرادو اس کے بعد باہر آؤں گا اور پھر تمہیں دکھاؤں گا کہ راگ علی ساندا کیا چیز ہے، اصل میں امید نہیں تھی چوکھی کھیلی گئی ہے میرے ساتھ چوکھی۔ کوئی ایک بندہ ہوتا تو دیکھتا سوچتا لیکن...... لیکن او میاں کلیم شاہ صاحب مجھے اطمینان تو دلاتے جاؤ کہ کچھ ہو جائے گا۔"

"ہو گیا ہے راگ علی صاحب ہو گیا ہے، وہ پولیس انسپکٹر اپنے قبضے میں آچکا ہے، بڑا ہلکا پھلکا بیان دے گا وہ وکیل صاحب بھی پوری طرح اپنے قابو میں ہیں...... ہمارے خلاف نہیں جائیں گے...... سب کو سنبھال لیا ہے ہم نے...... آپ بالکل فکر مت کریں ہمارا کام ہے ہم سنبھال لیں گے بس کچھ بیانات آپ کے لئے بھی ہوں گے اور آپ کو وہ کرنا ہو گا، سمجھ رہے ہو نا آپ؟"

"جی...... جی، بالکل...... بالکل۔"

"بس تو پھر ذہن میں یہ تمام باتیں رکھئے گا باقی سب ٹھیک ہے، آپ فکر نہ کریں ہم نے آپ سے وعدہ کرلیا ہے وہی ہو گا جو آپ کی خواہش ہو گی، اچھا اب اجازت دیجئے۔"

"ٹھیک ہے مگر کم از کم ایک بندہ تو مل لیا کرو مجھ سے روزانہ، کان لگے رہتے ہیں اس آواز پر کہ ملاقات آئی ہے، ہزاروں کو کھلایا، ہزاروں کو پلایا نجانے کتنوں کو پالا لیکن اب ایک بھی ادھر کا رُخ نہیں کرتا، واہ رہی دنیا بڑی عجیب ہے تو۔"

"میں اجازت چاہتا ہوں۔" کلیم شاہ نے کہا اور اس کے بعد کمرہ ملاقات سے باہر نکل آیا۔

شام کو پانچ بجے تین بہترین دماغ ایک شاندار عمارت میں سر جوڑ کر بیٹھ گئے، ان کے چہروں پر تشویش کے آثار تھے۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا انسپکٹر کا کہنا ہے کہ ڈی آئی جی نادر حیات صرف انسانی بنیاد پر اس کیس کی جانب متوجہ ہوئے تھے، ایک ایسے شخص نے اس سلسلے میں ان پر انسانی دباؤ ڈالا تھا جس کی اپنی کوئی حیثیت، کوئی آواز نہیں تھی اور انہوں نے جیل میں بند ان چاروں نوجوانوں کی دادرسی کرتے ہوئے اس کیس کو ری اوپن کیا تھا۔ یہ بات کافی حد تک سمجھ میں بھی آتی ہے کیونکہ نادر حیات کا کیریئر ایسا ہی ہے اور اب جب نادر حیات یہاں سے کافی فاصلے پر اپنے نئے مسائل سے اُلجھے ہوئے ہیں بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ وہاں سے کوئی کارروائی کی جا رہی ہو اور اس کے علاوہ ساندا خاندان کا کوئی بھی ایسا جھگڑا ڈی آئی جی صاحب سے نظر نہیں آتا...... اس سلسلے میں ہم پوری چھان بین کر چکے ہیں، چلئے یہ مان لیا کہ نادر حیات صاحب اپنی دانست میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرنے میں کامیاب ہو گئے، لیکن اب کیا ہو رہا ہے؟ سارے مہروں کا اچانک غائب ہو جانا بے معنی نہیں ہو سکتا۔ مسٹر ناصر جمال اس کے پس پردہ کچھ ہے، طاہری صاحب آپ کیا کہتے ہیں؟"

"میں تو خود حیران ہوں یعنی ہمارے تمام راستے مکمل ہیں لیکن ان لوگوں کا اچانک غائب ہو جانا میرے لئے خود باعث تشویش ہے۔"

"ہمیں واقعات کی نوعیت تھوڑی سی تبدیل کرنی ہوگی، سمجھ رہے ہیں آپ؟"

"مثلاً؟"

"دیکھئے ہاشم علی ساندا براہ راست ان میں سے کسی معاملے میں ملوث نہیں معلوم ہوتا نہ ہی راگ علی ساندا کے کیس میں ہاشم علی ساندا اس کے بیٹے آصف علی ساندا وغیرہ کا کوئی ہاتھ نظر آتا ہے اور ویسے بھی وہ مرنجان مرنج لوگ ہیں، ہم جائزہ لے چکے ہیں اس بات کا اس لئے ان کی طرف سے تو کسی بڑی کارروائی کا خدشہ ہی نہیں رہتا لیکن ہمیں اپنی اس اپیل کو مضبوط بنانے کے لئے کچھ مضبوط سہارے درکار ہیں، تمام تر معلومات حاصل کرنے سے کچھ پوائنٹس سامنے آئے ہیں۔ مثلاً کچھ عرصے قبل ہاشم علی ساندا نے اپنی زمینیں راگ علی ساندا کی زمینوں میں ضم کر دی تھیں اور اپنی رہائش گاہ چھوڑ کر راگ علی ساندا کی حویلی میں آبسا تھا...... اپنے پورے اہل خاندان کے ساتھ ہم اس واقعے کو نقش کر سکتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ

راگ علی ساندا کی حویلی میں آنے کے بعد ہاشم علی ساندا اور اس کے بیٹے آصف علی ساندا نے ایک کھیل کا آغاز کیا اور راگ علی ساندا کے پورے خاندان کو راستے سے ہٹانے کی کارروائیوں میں مصروف ہو گیا۔ ہاشم علی ساندا یہ پروگرام بہت پہلے سے بنا رہا تھا اور اس نے راگ علی ساندا کے کاندھے پر رکھ کر بہت بار بندوق چلائی۔ مثلاً یہ کہ خادم شاہ کی بیٹی کا واقعہ بے شک ہوا تھا، لیکن اس میں راگ علی ساندا کا بیٹا ملوث نہیں تھا...... پہلے ہاشم علی ساندا نے راگ علی ساندا کو بستی مہرجان کے خادم شاہ سے ملا کر ان دونوں میں ایک خطرناک کھیل شروع کرانا چاہا اور جب یہ کھیل تھوڑا سا آگے بڑھا تو ہاشم علی ساندا نے بستی مہرجان میں خادم شاہ کی حویلی میں قتل و غارت گری کا وہی بھیانک ڈرامہ کھیلا جو بعد میں بھی اعجاز خاں کے ساتھ مل کر اس نے پانچ آدمیوں کے قتل کے سلسلے میں کھیلا تھا...... آپ سمجھ رہے ہیں ہم بڑی بے کسی کے ساتھ عدالت سے فریاد کریں گے کہ ہم ہاشم علی ساندا کے خلاف ثبوت نہیں حاصل کر سکے لیکن یہ ایک بڑی سچائی ہے۔ ہاشم علی ساندا نے ایک پورا طویل پروگرام بنا کر راگ علی ساندا کو اس خونی کھیل میں ملوث کیا اور آخر کار انہیں پھانسی کے پھندے تک پہنچانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس سلسلے میں پانچ افراد کا قتل اعجاز خاں نامی اس شخص کے ذریعے کرایا گیا جس سے ہاشم علی ساندا کا گٹھ جوڑ ہو گیا تھا اور اس کے بعد ہاشم علی ساندا نے سارا کھیل مکمل کر کے اعجاز خان کو بیرون ملک فرار کرا دیا لیکن ہم یہی کہیں گے کہ ہمارے پاس ان تمام باتوں کا کوئی ثبوت نہیں ہے، کم از کم ایک نظریہ تو بن جاتا ہے اور باقی عوامل ہمارے قبضے میں ہیں، سمجھ رہے ہیں نا بس اب یہی بنیاد بنانی پڑے گی ورنہ اور کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔"

"کمال کی بنیاد ہے صاحب، کمال کی بنیاد ہے، ویری گڈ، آخر دماغ ہے آپ کے پاس، کوئی معمولی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر آپ لوگوں نے طے کر لیا۔"

"بالکل، دیکھئے بات اصل میں یہ ہے کہ ہم راگ علی ساندا کے دشمنوں کو ٹھکانے لگانے کا ٹھیکہ تو لے نہیں رہے ہیں، ہمارا کام تو صرف اتنا سا ہے کہ راگ علی کی اپیل کامیاب ہو جائے، تھوڑے سے شبہات پیدا کر دیئے جائیں تاکہ اسے موت کی سزا نہ ملے...... باقی کچھ اس کے اپنے معاملات ہیں جن میں وہ کام کرے گا، تھوڑی سی مدد ہماری کیا کہتے ہیں۔"

تینوں ہنسنے لگے تھے اور یہ بات طے ہو چکی تھی کہ آغاز یہیں سے کیا جائے۔

آٹھواں دن تھا گلاب جان کی معطلی کا وقت ختم ہو گیا تھا، وہ تھانے کی عمارت میں آیا اس دوران اس کے پرانے رفقاء نے اس سے ملاقات کی کوششیں کی تھیں، لیکن گلاب جان اپنی رہائش گاہ پر ملا ہی نہیں تھا...... شہاب نے بھی اس کے بارے میں کسی سے کوئی سوال نہیں کیا تھا...... اصل میں ابھی وہ پوری طرح تھانے کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا...... راگ علی ساندا نے جس طرح تمام معاملات طے ہو جانے کے بعد ہاتھ پاؤں مارے تھے وہ واقعی ایک نئی بات تھی اور شہاب اس کا گہری نگاہوں سے جائزہ لے رہا تھا...... عدنان واسطی کو اس نے مکمل طور سے تینوں وکلاء کے ساتھ تعاون کی اجازت دے دی تھی۔ بینا بھی خاموش تھی اور شہاب کے چہرے پر چھائے ہوئے سکوت کو دیکھتی رہتی تھی۔ ان دنوں شہاب کی فطرت میں ایک عجیب سی تبدیلی رونما ہوئی تھی اور بینا وغیرہ اسے محسوس کر رہے تھے...... ایسے ہی لمحات میں بدقسمت گلاب جان واپس آیا تھا...... دوسرے لوگ اسے دیکھ کر چونک پڑے تھے...... اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ گلاب جان کی اپنی ایک ہسٹری تھی اور چند افراد اس ہسٹری کو جانتے تھے لیکن نئے انچارج صاحب نے اس بارے میں کچھ معلوم ہی نہیں کیا تھا تو وہ لوگ کیا کرتے، بہر حال اس وقت سب نے سنسنی خیز نگاہوں سے گلاب جان کو دیکھا تھا جس کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی، بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرے پر ہیجان کے آثار تھے۔ انہوں نے دل ہی دل میں سوچا کہ کچھ ہونے والا ہے...... گلاب جان کسی سے کوئی گفتگو کئے بغیر شہاب کے کمرے میں داخل ہو گیا...... شہاب کسی فائل پر جھکا ہوا تھا، آنے والے کی آمد کو تو اس نے محسوس کر لیا تھا لیکن نظر فائل کو دیکھنے کے بعد ہی اٹھائی اور گلاب جان کو دیکھا...... گلاب جان نے اسے دیکھ کر دانت نکال دیئے...... باقی لوگ چھپ کر اس سنسنی خیز صورت حال کا جائزہ لے رہے تھے، گلاب جان نے کہا۔

"ہمارا ٹائم ختم ہو گیا ہے صاب، آپ نے سات دن کے لئے معطل کیا تھا، آج آٹھواں دن ہے۔"

"ڈیوٹی جوائن کرنے آئے ہو؟" شہاب نے پوچھا۔

"آپ بولو صاب کیا کرے؟"

"وردی پہن کر آؤ، کمرے میں میرے سامنے پیش ہو ڈسپلن سیکھ لیا ہے یا نہیں۔"

"یہی تو خرابی ہے صاب، ہم نے ابھی ڈسپلن نہیں سیکھا، ہمارا کھوپڑی خراب ہے، دیکھو صاب ہم برا آدمی نہیں ہے پر کیا بتائے آپ کو ہمارا ایک بیک گراؤنڈ ہے، ہمیں ڈسپلن مت سکھاؤ ہمیں بالکل ڈسپلن نہ سکھاؤ صاب، ورنہ ہم سے خرابی ہو جائے گا، ابی کیا فائدہ وردی پہن کر آپ کو سلوٹ کیا، ہمارے ہاتھ میں بندوق آیا اور بندوق صاف کرتے ہوئے آپ کو گولی لگ گیا، جوان آدمی ہو آپ، ہم نے کبھی ڈسپلن کا پابندی نہیں کیا صاب، آئندہ بھی ہمارے لئے یہ مشکل ہوگا آپ ہمیں ڈسپلن نہ سکھاؤ، اگر بنا سکتے ہو تو ہمیں آدمی بنا دو۔ ہم کسی کو بلاوجہ قتل نہیں کرنا چاہتے، آپ ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکو گے۔ بندوق تو بندوق ہے غلطی سے چل گیا زیادہ سے زیادہ ہمیں تھوڑا سا سزا ہو جائے گا پر اس سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ہم نے گیارہ قتل کئے ہیں صاب جس علاقے کا رہنے والا ہم ہے، ادھر دشمنی ایمان ہوتی ہے صاب۔ ہمارے دادا سے دشمنی شروع کیا گیا، ہم نے اپنا فرض پورا کرتے ہوئے دشمن کے گیارہ آدمی مارے ابھی ادھر بھی بہت سے لوگ زندہ ہیں اور ہماری طرف بھی، ہم نے اپنا فرض پورا کیا تو ہم کو شہر آنے کا اجازت مل گیا۔ صاب ادھر آیا ہے اپنا کام کرتا ہے خاموشی سے خراب لوگ کو فٹ کر دیتا ہے اچھا لوگ کا خدمت کرتا ہے، ابھی ہم آدمی نہیں ہے تو بولو ہم کیا کرے، دیکھو صاب آپ ہمیں مارو، اتنا مارو صاب کہ ہمیں چوٹ لگنے کا احساس ہو۔ اگر آپ ہمیں یہ احساس دلا دیا تو ہم آپ کا ایسا غلام بن جائے گا کہ آپ سوچ بھی نہیں سکے گا لیکن صاب آپ نے دشمنی کا بنیاد ڈالا ہے...... اگر آپ نے ہمیں نہیں مارا تو ہم آپ کو مارے گا اور اتنا مارے گا خدا کا قسم کہ آپ کا ہوش قائم نہیں رہے گا۔ ہم کیا کرے ہمارا دماغ ہی خراب ہے صاب، ابھی ہمارا آفیسر مت بنو۔ ہم بھی وردی پہن کر نہیں آیا آپ بھی مت پہنو، ہمیں مارو صاب اور اگر آپ ہمارے ہاتھوں سے خود پٹ گیا تو پھر ہمیں ڈسپلن نہ سکھانا، برداشت کر لینا ہمیں صاب، آپ فیصلہ کرو نہیں تو کاغذ آپ کے پاس ہے۔ ہمیں پھر سسپنڈ کر دو ہیڈ آفس بھجوا دو ہمارا سروس ٹرمینٹ کر دو صاب جو آپ کر سکتے ہو آپ کرو اور پھر جو ہم کر سکتا ہے وہ ہم کرے گا ابھی دیکھو برا ماننے کا بات نہیں ہے ہم نے اپنا پرابلم آپ کو بتا دیا ہے صاب، فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے آپ ہمارا بے عزتی کر چکے ہو، ہمیں اتنا چانس دو۔"

شہاب حیرانی سے اس عجیب و غریب شخص کو دیکھ رہا تھا، پھر اس کے ہونٹوں پر

مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے گلاب جان، مجھے اس تھانے میں اپنا کنٹرول قائم کرنا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ میرے ساتھ جو لوگ کام کرتے ہیں میرے وفادار ہوں، مجھے اپنا پرابلم بتائیں اور میں ان کی مشکل حل کروں...... ٹھیک ہے میں تمہاری مشکل حل کرنے کو تیار ہوں، تم میرے ہاتھوں سے مار کھانا چاہتے ہو نا؟"

"دو بات بولا صاب، یہ وردی اتارے گا آپ، ہمارا افسر بن کر ہم سے فائٹ نہیں کرے گا، بلکہ دشمن کی طرح سامنے آئے گا اور ہمیں مارے گا، ہم بھی آپ کے ساتھ رعایت نہیں کرے گا صاب، آپ کو ہمارا یہ بات ماننا پڑے گا۔"

"تیار ہوں گلاب جان، چلو کسی مناسب جگہ چلتے ہیں۔"

شہاب اپنی کرسی سے اٹھ گیا اور باہر کھڑے ہوئے تمام لوگوں کے منہ حیرت سے کھل گئے۔ گلاب جان کا تن و توش اور اس کا ماضی سب کے علم میں تھا۔ یہ نرم و نازک سا انسپکٹر اپنی زندگی کا سب سے بدترین کھیل کھیلنے جا رہا تھا۔ ان لوگوں کے خیال میں صرف وردی گلاب جان کے ہاتھ روک سکتی تھی ورنہ وہ ایک خونخوار بھیڑیا اور ایک طاقتور گینڈا تھا۔

دونوں باہر نکل آئے...... تھانے کے عقب میں کوارٹر بنے ہوئے تھے...... درمیان میں کچی جگہ تھی ان کا رُخ اسی طرف ہو گیا...... دوسرے لوگ اس قانون گاہ میں غیر قانونی کھیل کے مخالف تھے لیکن کسے روکتے، تھانہ انچارج اپنی جگہ درست تھا کہ اسے یہاں ڈسپلن قائم کرنا تھا...... گلاب جان ذہنی مریض تھا اور اس سے سب ہی خائف رہتے تھے۔ شہاب نے جوتے کے فیتے کھولے جوتا اتار کر ایک طرف ڈال دیا۔ گلاب جان کے بازوؤں کی مچھلیاں تڑپ رہی تھیں اس کے اندر ایک بے چینی محسوس کی جا رہی تھی، وہ اپنے شکار پر ٹوٹ پڑنے کے لئے پر تول رہا تھا، ہاتھوں کی مٹھیاں کھل رہی تھیں اور بند ہو رہی تھیں، دانت کچکچا رہا تھا، جبڑوں کے مسلز اُبھرے ہوئے تھے آنکھیں کسی خونخوار چیتے کی مانند اپنے شکار پر جمی ہوئی تھیں، یقینی طور پر شہاب کے جسم پر موجود پھول لگے کوٹ نے اسے باز رکھا تھا، نہ شاید وہ اپنے آپ کو نہ سنبھال پاتا۔ شہاب نے کوٹ کے بٹن کھولے اور اسے اتارنے لگا پھر جیسے ہی اس کے شانوں سے کوٹ کہنیوں تک اترا گلاب جان نے وحشی چیتے کی مانند اس پر چھلانگ لگائی اور وہاں موجود لوگوں کے حلق سے چیخیں نکل گئیں۔ گلاب جان کی زنجیر کھل

چکی تھی اور شہاب کو یقیناً یہ احساس نہیں تھا کہ حملہ اس قدر جلد ہو جائے گا۔ لوگوں کا اندازہ تھا کہ وہ مار کھا گیا لیکن دونوں ہاتھ آستینوں میں پھنسے ہونے کے باوجود اچانک ہی شہاب گھوما اور ایک نپی تلی لات گلاب جان کے سینے پر پوری قوت سے پڑی۔ گلاب جان کے حلق سے چیخ کی آواز نکلی اور وہ اپنا توازن نہ سنبھال پایا اور چاروں شانے چت ہو گیا لیکن اس نے پھرتیلی بلی کی طرح کروٹ بدلی اور اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا، اس دوران شہاب اپنا کوٹ اتار چکا تھا اور اب آستین کے بٹن کھول رہا تھا...... گلاب جان نے پھر طاقتور بھینسے کی طرح گردن تھوڑی سی جھکا کر شہاب پر حملہ کیا لیکن اس بار بھی اسے اسی داؤ پر رکھا گیا لیکن لات سینے پر نہیں ماری گئی تھی بلکہ گلاب جان کے بدن کے نچلے حصے کو نشانہ بنایا گیا تھا اور اس لات کی ضرب بھی شاید اتنی ہی طاقتور تھی کہ گلاب جان کے مسلز چڑھ گئے وہ کسی قدر لنگڑائے ہوئے سے انداز میں پیچھے ہٹ گیا۔ شہاب نے آستین اوپر کر لیں اور بازوؤں کو آگے پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

"دوسری لات میں نے اس لئے تمہارے سینے پر نہیں ماری گلاب جان کہ تمہاری پسلیاں نہ ٹوٹ جائیں۔ آؤ اب میں تیار ہوں اور دیکھ لو میں نے جوتا بھی اتار دیا ہے تاکہ اس کی سختی تمہارے بدن پر زخم نہ بنا جائے۔" گلاب جان نے کوئی جواب نہیں دیا، اس کا چہرہ آگ کی طرح سرخ ہو رہا تھا بدن سے شعلے سے اُٹھتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے، اس نے نشے کے سے عالم میں دونوں ہاتھ پھیلا کر ایک بار پھر شہاب پر حملہ کیا اور اس بار شہاب نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے تھے تاکہ گلاب جان اس کے بدن کو اپنی گرفت میں لے لے اور گلاب جان نے ایسا ہی کیا، اس نے شہاب کی کمر کے گرد داؤ لگا کر اسے خود سے بھینچ لیا۔ شہاب کے ہاتھ اٹھے ہوئے تھے اس نے آہستہ آہستہ ہاتھ نیچے کئے اور پھر گلاب جان کے بازوؤں کی گرفت میں اپنے پنجوں سے جگہ بنانے کی کوشش کرنے لگا، اس نے اپنے دونوں ہاتھ اس گرفت میں داخل کئے اور پھر بازوؤں کی قوت سے گلاب جان کی گرفت کو ختم کرنے لگا اور اس وقت دیکھنے والوں کی آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئیں جب انہوں نے گلاب جان کے ہاتھوں کی گرفت شہاب کی کمر سے ختم ہوتے ہوئے دیکھی۔ شہاب نے یہی نہیں کیا بلکہ اس کی کلائیوں کو اپنی گرفت میں لیا اور انہیں موڑ کر گلاب جان کی کمر پر اس کے دونوں ہاتھ کس دیئے...... گلاب جان نے پوری قوت سے اپنا سر شہاب کے چہرے پر مارنے کی

کوشش کی لیکن شہاب نے گردن ایک سمت موڑ لی اور پھر ایک عجیب داؤ لگایا، اس نے گلاب جان کے پکڑے ہوئے ہاتھوں کو نجانے کس طرح جھٹکا دیا اور خود نیچے جھک گیا...... دوسرے لمحے گلاب جان اس کے شانوں پر تھا اور پھر شہاب نے اسے شانوں پر سے اٹھا کر زمین پر دے پٹخا...... گلاب جان کا بدن ٹیڑھا ہو گیا تھا۔ شہاب نے نیچے جھک کر اس کے دونوں پاؤں پکڑے اور انہیں ایک مخصوص انداز میں موڑ کر پیچھے کر لیا اور خود گلاب جان کی کمر پر سوار ہو گیا۔ گلاب جان کے حلق سے کربناک چیخیں نکلنے لگی تھیں اور دیکھنے والوں کے حلق سے آوازیں نکل گئی تھیں...... گلاب جان جیسے دیو قامت کو اس طرح بے بس کر کے مارنا کسی عام آدمی کے بس کی بات نہیں تھی، نیا انسپکٹر جو کوئی بھی تھا در حقیقت تھانے پر اپنا اقتدار قائم رکھنے کے قابل تھا۔ شہاب جانتا تھا کہ گلاب جان جنونی آدمی ہے تھوڑی ہی سی باتوں سے اسے اندازہ ہو گیا تھا اس لئے اس داؤ سے گلاب جان کو اپنی زبان سے شکست تو تسلیم کرا نہیں سکتا تھا اور اگر یہ داؤ زیادہ دیر تک لگائے رکھتا تو پھر گلاب جان کی ریڑھ کی ہڈی ہی ختم ہو جاتی اور اس کے بعد وہ ناکارہ ہو جاتا لیکن اس نے یہ کہہ کر گلاب جان کے پاؤں چھوڑے تھے کہ گلاب میں نہیں چاہتا کہ تم جیسا کارآمد آدمی اپنی ریڑھ کی ہڈی سے محروم ہو جائے اور بے بسی سے زمین پر پاؤں رگڑتا رہے، چلو کھڑے ہو جاؤ...... یہ کہہ کر شہاب پیچھے ہٹ گیا تھا......

گلاب جان اس بار اس پھرتی کا مظاہرہ نہیں کر سکا جو اب تک کرتا چلا آیا تھا، لیکن وہ کھڑا ہونے کی کوشش کر رہا تھا، البتہ پیروں اور کمر کے ساتھ جو حشر ہوا تھا وہ اسے کھڑا ہونے میں مدد نہیں دے رہا تھا اور وہ لڑکھڑا رہا تھا...... شہاب نے سامنے کھڑے ہو کر کہا۔

"میں تمہیں سنبھلنے کا موقع دیتا ہوں اس وقت تم بے بسی کے عالم میں ہو اس لئے میں تم پر وار نہیں کر رہا چلو اپنے آپ کو سنبھال کر مجھ پر وار کرو۔" گلاب جان نے شرابیوں کی طرح جھومتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ گھونسوں کی شکل میں گھمائے لیکن اس کی ریڑھ کی ہڈی اور پاؤں اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے، وہ آگے نہیں بڑھ پا رہا تھا۔ شہاب انتظار کرتا رہا پھر بولا۔

"کیا میں تمہارے قریب آجاؤں؟" گلاب جان نے شدید وحشت کے عالم میں پھر اسے دیکھا دانت کچکچائے اور اس بار اس نے اپنی تمام تر قوتوں کو مجتمع کر کے پھر شہاب پر حملہ کیا، لیکن شہاب نے اسے اسی کی مانند اپنے بازوؤں میں دبوچا، کمر کو تھوڑا سا خم دیا اور گلاب

جان کو پھر زمین سے دے مارا...... زمین بے شک کچی تھی لیکن ٹھوس تھی۔ گلاب جان کی ہڈیاں کڑکڑا گئیں اور وہ ایک بار پھر اپنے بدن کو سانپ کی طرح بل دینے لگا۔

"کھڑے ہو جاؤ...... کھڑے ہو جاؤ گلاب جان۔" شہاب نے کہا اور جب اس سے نہ کھڑا ہوا گیا تو اس نے گلاب جان کے بال پکڑ کر اسے پوری قوت سے اٹھا کر کھڑا کر دیا اور پھر ایک ہاتھ اس کی گردن اور شانوں کے ایک مخصوص حصے پر مارا اور گلاب جان کے حلق سے پھر دہاڑ نکل گئی۔ در حقیقت وہ شہاب کو ایک تھپڑ نہ لگا سکا تھا اور شہاب نے اس کی وہ درگت بنا دی تھی کہ دیکھنے والے صرف آنکھیں پھاڑ کر ہی رہ جائیں انہیں یقین نہ آئے کہ یہ سب کچھ اس شخص نے، اس شخص کے ساتھ کیا ہے جو کوئی، جوڑ کوئی مقابلہ ہی نہیں تھا۔ گلاب جان دونوں ہاتھ ہوا میں پھیلا کر چکر کاٹنے لگا اور اس کے بعد دھڑام سے زمین پر گر گیا، بے ہوش ہو گیا...... شہاب نے اسے دیکھا، آستین سیدھی کیں، بٹن لگائے، کوٹ جو ایک طرف ڈال دیا تھا اٹھا کر بدن پر پہنا اور پھر دوسرے لوگوں کی طرف رُخ کر کے بولا۔

"اسے احتیاط سے اٹھا کر کمرے میں لے جاؤ، اس کے بدن کی مالش کرو ہوش میں لانے کی کوشش کرو، ہوش آجائے تو پانی وغیرہ پلاؤ اس کی حالت بہتر ہونی چاہئے۔" یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے کی جانب چل پڑا۔

ساکت کھڑے لوگ متحرک ہو گئے۔ گلاب جان کو کئی افراد نے مل کر اٹھایا اور بڑے کمرے میں لے گئے۔

"اسے ہسپتال لے چلیں؟" کسی نے کہا۔

"اسے ہسپتال داخل ہونا پڑے گا۔"

"کیا مطلب؟"

"اس نے جتنا کہا ہے اتنا کرو۔ اسے جان چکے ہو۔"

دوسرے ایس آئی نے کہا...... گلاب جان کا جائزہ لیا گیا۔ ہڈیاں نہیں ٹوٹی تھیں لیکن گوشت ہر اس جگہ سے کچل گیا تھا جہاں شہاب کی ضرب پڑی تھی۔

"دیکھ رہے ہو؟" ایس آئی بولا۔

"اسے کیا ہو گیا تھا...... یہ تو اسے ہاتھ بھی نہیں لگا سکا۔"

"یہ بات نہیں ہے بس یوں سمجھو اونٹ پہاڑ تلے آگیا تھا۔"

"اس سے ایک اندازہ ہو گیا ہے وہ یہ کہ احتیاط رکھنی پڑے گی۔ وہ اور ہی آفیسر معلوم ہوتا ہے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ وہ تمام ہدایات یاد کر لو جو اس نے دی ہیں۔ دو باتیں ہیں یا تو ان ہدایات پر عمل کرو یا پھر یہاں سے کسی اور تھانے میں تبادلہ کرا لو۔"

"اس کو ہوش میں لانے کی کوشش کرو۔" بہت دیر کے بعد گلاب جان کو ہوش آیا تھا۔

"کیسی حالت ہے گلاب جان؟" اس کے ساتھی ایس آئی نے پوچھا اور گلاب جان نے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر آہستہ سے بولا۔

"مجھے میرے گھر پہنچا دو۔"

❀

پراسرار عمل جاری تھا۔ ناصر جمال اور طاہری صاحب وغیرہ کا رابطہ ایک طرف عدنان واسطی سے تھا تو دوسری طرف شہاب سے کئی ملاقاتیں ہو چکی تھیں۔ انہوں نے دونوں کو تعاون پر آمادہ پایا تھا...... واسطی صاحب کو پچاس ہزار روپے دے دیئے گئے تھے جنہیں انہوں نے نیاز مندی سے قبول کر لیا تھا اور ساری رات نہیں سو سکے تھے...... بینا ان کی یہ بے کلی محسوس کر رہی تھی۔

ناشتے پر واسطی صاحب نے کہا۔ "بینا!"

"جی ڈیڈی۔"

"کچھ الجھن محسوس کر رہا ہوں بیٹی۔"

"مجھے بتایئے ڈیڈی۔"

"میں نے اپنا ہاتھ کبھی ایسی رقم کی طرف نہیں بڑھایا جو میری جائز فیس کی نہ ہو۔"

"ٹھیک ہے، میں جانتی ہوں ڈیڈی۔"

"کیا کروں؟"

"خاموشی سے حالات کا تجزیہ کیجئے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کو ایسا شہاب کی وجہ سے کرنا پڑا ہے تو مجھے میرے سوال کا جواب دیں۔ فرض کریں ان لوگوں کا معاملہ کسی اور افسر سے ہوتا اور وہ براہ راست آپ سے ملتے تو آپ کیا کرتے۔"

"نہیں، میرا یہ مطلب نہیں ہے۔"

"ایک مجرم کی پشت پناہی کی جا رہی ہے یہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"ہاں۔"

"اور وہ اتنا طاقتور ہے کہ انتظامیہ میں تبدیلیاں کرا سکتا ہے آپ کا تھوڑا سا پاؤں پھنسا ہوا ہے اس لئے انہوں نے آپ سے بھی رجوع کیا ہے...... دوسری صورت میں آپ کیا کرتے ڈیڈی۔ زیادہ سے زیادہ اپنے فرض اور نیک نیتی پر شبہ ہو جاتا...... یہ دروازے اب بھی کھلے ہوئے ہیں۔ انہیں فون کر کے بلایئے رقم واپس کیجئے اور کہہ دیجئے کہ آپ حق گوئی کریں گے...... اپنے بیان میں کوئی تبدیلی نہیں کریں گے۔ ڈیڈی آپ کو کوئی نہیں روکے گا۔"

"میں سمجھا نہیں بینا؟"

"بہت بری بات ہے ڈیڈی، بہت افسوس ناک بات ہے شہاب پامردی سے حالات کا مقابلہ کر رہا ہے اور میں آپ کو ایک بات بتا دوں نوٹ کر لیجئے سارا راگ علی ساندا اور اس کے بیٹوں کا قصور ہے وہ کچھ لوگوں کو نقصان پہنچانے میں کامیاب ہو گئے ہیں لیکن شہاب کا فیصلہ اٹل ہے میں دعویٰ کرتی ہوں۔"

"ارے بھئی، تم برا مان گئیں۔"

"نہیں، ڈیڈی...... آپ کی پریشانی پسند نہیں آئی مجھے...... یہ تو ایک عمل ہے جو ہو رہا ہے میرے خیال میں تو اسے جاری رہنے دیں کیونکہ شہاب یہی چاہتا ہے۔"

"ہاں ہاں تو میں نے کیا کیا ہے...... بس کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔"

"سمجھ کر فیصلے کرنا تو خود پرستی ہے...... اسے کسی پر اعتماد تو نہیں کہا جا سکتا۔" بینا نے کہا...... واسطی صاحب اسے دیکھتے رہے پھر مسکرا دیئے۔

"تجھے اس پر بہت اعتماد ہے۔"

"روحانی حد تک ڈیڈی...... وہ صرف ایک انسان نہیں...... ایک مشن ہے ڈیڈی ایک مشن ہے وہ۔"

"اچھا بابا ٹھیک ہے سوری۔ مگر وہ کیا کر رہا ہے؟"

"ضرور کچھ کر رہا ہوگا اور ہمیں علم نہیں ہے...... اس لئے یہ ضروری ہوگا کہ ہمیں علم نہ ہو...... آپ لوگ اس سے تعاون کر رہے ہیں تو صرف تعاون کریں اور اگر یہ تعاون آپ کے مزاج کے خلاف ہے تو اس سے منع کر دیں، لیکن منع کرنا ضروری ہے تاکہ وہ آپ پر

اعتماد کر کے مشکل میں نہ پڑ جائے۔"

"خدا اسے اس کے مشن میں کامیاب کرے۔" واسطی صاحب نے کہا۔

❁

سب مخمصے میں تھے...... یہ پتا نہیں چل سکا تھا کہ ساری کارروائی کے پس پردہ کون ہے۔ راستے ہموار تھے بس ایک خوف تھا ایک احساس کہ اگر کوئی طاقتور ہاتھ پس پردہ ہے تو اس کا عمل کیا ہوگا۔ بہر حال اس خطرے کے پیش نگاہ کارروائی تو نہیں روکی جا سکتی تھی۔ ہائی کورٹ کے لئے مدلل موقف تیار کر لیا گیا تھا۔ عدالت عالیہ کو بھٹکانے کے لئے ایک کہانی گھڑی گئی تھی، چنانچہ یہ کہانی منظر عام پر آئی۔

"کچھ ایسے پراسرار عوامل اس پوری کارروائی میں کارفرما ہے جناب عالی کہ ان کی کبھی مدافعت نہیں کی جا سکی۔ چھوٹے بیٹے کا قتل، اس کے بعد بستی مہر جان میں دہشت ریزی کا ایک مقصد جو سانڈوں سے منسوب کر دیا گیا اور پھر اصل مجرموں کو بے گناہ ثابت کر کے گم کر دیا گیا تاکہ حقائق ضم کر دیئے جائیں...... انہیں آزادی انعام دی گئی۔ ایک ذاتی ملازم اعجاز خاں سے پانچ لاشیں برآمد کرا کے انہیں بھی سانڈوں کی کہانی قرار دیا گیا اور اعجاز خاں اپنا پارٹ پلے کر کے منظر عام سے غائب ہو گیا لیکن...... کسی نے جواں سال نور علی سانڈا پر کئے جانے والا ظلم قبول نہیں کیا جسے آنکھوں سے محروم کر دیا گیا...... ایک طاقتور دماغ نے راگ علی سانڈا خاندان کو فنا کرنے کے سارے کام مکمل کر لئے اور کامیابی حاصل کر لی لیکن...... عدالت عالیہ سے رحم کی امید ہے...... وہ سب کینوس سے ہٹ گئے جو مدعی تھے...... فیصلہ عدالت کر سکتی ہے۔"

عدالت نے فیصلہ کیا۔

راگ علی سانڈا...... پیار علی سانڈا...... نور علی سانڈا کی سزائے موت منسوخ کر کے انہیں بری کیا جاتا ہے۔

❁

دوسری پیشی میں ہی جوہر کھل گئے تھے، چنانچہ حویلی میں اطلاع دے دی گئی تھی کہ راگ علی کے استقبال کی تیاری کر لی جائے...... راگ علی بستی نور الٰہی میں داخل ہوا تو پوری بستی استقبال کے لئے تیار تھی۔ ساری بستی کو سجا دیا گیا تھا۔ جشن کا سماں تھا اور یہ سماں حویلی

ہیں اور اُجاگر تھا، لیکن راگ علی خوش نہیں تھا۔

حق داروں کو انعام مل گیا تھا۔ سب کے کام ختم ہو چکے تھے لیکن راگ علی خوش نہیں تھا اس نے اپنے ملازم خاص، بندہ خدا سے کہا۔

"بندہ خدا ایک بات بتا...... سچ بولے گا؟"

"کیوں نہیں مالک۔"

"ہماری سزا پر بستی میں سوگ منایا گیا تھا؟"

"سوگ۔" بندہ خدا نے آہستہ سے کہا۔

"بستی والوں نے کالے کپڑے پہنے تھے کیا اس دن بستی میں چولہے نہیں جلے تھے۔"

"ایسا تو نہیں ہوا تھا مالک۔"

"نہیں ہوا تھا نا؟"

"نہیں مالک۔"

راگ علی زور سے ہنسا پھر بولا اور ہماری رہائی پر دیگیں چڑھ گئیں، بستی سجا دی گئی، لاکھوں لٹا دیئے گئے کیا...... یہ سب مکاری نہیں ہے۔ نہیں بندہ خدا...... یہ سب موت کا کھیل ہے...... سورج کی پوجا ہے...... انہوں نے دیکھا کہ سورج تو پھر چڑھ گیا ہے ہمیں کس نے بچایا جانتا ہے بندہ خدا؟"

"جی مالک؟"

"دولت نے...... ہماری دولت نے۔ کروڑوں خرچ کر کے ہم نے زندگی پائی ہے...... کروڑوں خرچ کر کے جشن منانے والوں کے پاس بہت کچھ ہے۔ کیوں ہے ان کے پاس یہ سب کچھ......! یہ جشن مناتے ہیں لوگ نہیں، انہیں صرف جشن پسند ہے...... ہمارے بجائے کسی اور کا یہاں داخلہ ہوتا...... ہماری جگہ تو بھی یہ جشن مناتے اس کے اعزاز میں۔ بڑے خوش مزاج لوگ ہیں یہ...... بڑے زندہ دل، مگر وہ سب کہاں گئے۔"

"کون مالک؟"

"ہمارا غلام اعجاز خاں، ہمارا بھائی ہاشم علی اور وہ خادم شاہ کی بیوہ...... سارے کہاں غائب ہو گئے؟"

"میرا کیا ہوگا ڈیڈی میرا کیا بنے گا؟" نور علی سانڈا نے فریادی لہجے میں کہا۔

"تیرا؟" راگ علی ساندا نے اندھے بیٹے کو گھورتے ہوئے کہا۔

"تمہاری دولت میرے کام نہیں آسکتی...... کیا میں یونہی بے نور رہوں گا۔ اس سے اچھا یہ نہیں تھا کہ تم ان ساری کارروائیوں کا الزام مجھ پر لگوا کر مجھے پھانسی لگوادیتے۔"

"نہیں نور علی نہیں، تیری آنکھیں واپس آنی چاہئیں...... کم بختو، فرصت ہی نہیں لینے دیتے...... مصروف رکھتے ہو...... پیار علی انتظام کرو سارے بندوبست کر دو۔ ہماری جائیداد اور زمینوں کو سنبھالنے کے...... ہم روشنی کی تلاش میں نکلیں گے...... ہم اپنے بیٹے کے لئے روشنی خریدیں گے۔"

"کہاں سے ڈیڈی؟" پیار علی نے پوچھا۔

"یورپ، جرمنی، امریکہ یہ جگہ...... جہاں ماہر فن موجود ہیں...... ہم جدید سائنس سے رجوع کریں گے...... ہم اعلان کریں گے کہ نور علی کو آنکھیں دے دو اور اپنی پشتوں کو فکر معاش سے آزاد کر دو...... ہو سکتا ہے کچھ ہو جائے ہم سائنس خریدیں گے۔"

"ابھی تک سائنس نے مصنوعی آنکھ دریافت نہیں کیں ڈیڈی۔"

"نہیں کی تو کریں گے...... دولت کے لئے کریں گے...... اس کے لئے تو سب کچھ ہوتا ہے۔"

"پھر ایک کام کریں ڈیڈی۔" پیار علی نے کہا۔

"کیا؟" راگ علی ساندا نے بیٹے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"بستی نور الٰہی کو چھوڑنا مناسب نہیں ہے ڈیڈی، میں یہاں کے سارے انتظامات سنبھالتا ہوں آپ کچھ لوگوں کو ساتھ لے لیں اور نور علی ساندا کی آنکھوں کی واپسی کے لئے کارروائی کریں گے۔" راگ علی ساندا نے سرد نگاہوں سے بیٹے کو دیکھا اور بولا۔

"میں جانتا ہوں کہ تیرے ان الفاظ کے پس پردہ کیا ہے، مجھے پاگل سمجھتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ نور علی کی آنکھوں کے سلسلے میں وہ کچھ نہیں ہو سکے گا ٹھیک سمجھتا ہے تو اور ٹھیک کہتا بھی ہے لیکن بدبختی سے ایک باپ اپنی محبت دولت کے ہاتھوں فروخت نہیں کر سکتا...... میں امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہتا، اندھے بیٹے کو دیکھ کر میری تمام خوشیاں خاک میں ملتی رہیں گی۔ میں اس حد تک جدوجہد کر لینا چاہتا ہوں، جس حد تک میرے لئے ممکن ہو سکے اگر بات پھر بھی نہ بنی تو تقدیر پر شاکر ہو جاؤں گا لیکن تو نے مجھے ان الفاظ سے دکھ دیا

ہے اس کا مطلب ہے کہ تو میری جدوجہد میں شریک نہیں ہونا چاہتا۔"

"یہ بات نہیں ہے ڈیڈی، اصل میں آپ یہ طے نہیں کر سکے ہیں کہ آپ کے اصل دشمن کون ہیں وہ سب انڈر گراؤنڈ چلے گئے ہیں ڈیڈی میں آپ کے اثاثوں کی حفاظت کرنا چاہتا ہوں۔"

"اتنی قوت تجھ میں ہے، اتنی ذہانت ہے تیرے اندر؟ یہ کیوں نہیں کہتا کہ میرے چلے جانے کے بعد اپنے عیش و عشرت کی زندگی میں آزادی مل جائے گی تجھے، پیار علی...... میں تیری بھی اس خواہش کو پورا کر سکتا ہوں لیکن نا سمجھ ہے تو دشمن ہماری نگاہوں سے روپوش ہے۔ میں تجھے ان کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا پھر میں وہاں تیرے لئے مضطرب رہوں گا، سمجھا...... کسی کو اپنے ساتھ نہیں لے جا رہا ہوں میں سوائے چند ملازموں کے...... تین ملازم میرے ساتھ جائیں گے اور تم دونوں ہو گے، سمجھے اور جو بات میں آخری لہجے میں کہتا ہوں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ پھر اس میں ترمیم پیش کرنے والا میرا دوست یا عزیز نہیں رہتا، تیاریاں کر جا اور اب ایک لفظ اس سلسلے میں نہ کہنا۔" راگ علی ساندا نے کہا اور پیار علی منہ بنا کر اٹھ گیا۔

❋

ڈبل او گینگ کو نئی ہدایات ملیں...... شہنشاہ نے ٹرانسمیٹر پر سردار علی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"سردار علی تم لوگ محاصرہ ختم کر دو اور راگ علی ساندا کی حویلی سے دور ہٹ جاؤ تمہارے پاس گاڑیاں ہونی چاہئیں اور اس کے علاوہ ایک اور خاص ہدایت نوٹ کرو ہمیں اس سلسلے میں نئے سرے سے کام کرنا ہوگا، بینا کو میں نے الگ مصروف کر دیا ہے اس لئے بینا اس مہم میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکے گی، نئی ہدایات اچھی طرح ذہن نشین کر لو اور اس سلسلے میں تمہیں ڈبل او گینگ کو لیڈ کرنا ہوگا جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے غور سے سننا اور ان ساری تفصیلات کو نوٹ کر لو سردار علی بہت کم ایسے لمحات آئے ہیں جب میں نے تمہیں کسی سلسلے میں خصوصی ہدایات دی ہوں مجھے تم لوگوں پر مکمل اعتماد ہے لیکن اس بار میں تمہیں خاص طور سے چند ہدایات کرنا چاہتا ہوں۔"

"سر میں ہمہ تن گوش ہوں۔"

"جو کام میں تمہارے سپرد کر رہا ہوں اس میں کسی بھی قسم کی گنجائش نہیں ہے کام اسی انداز میں ہونا چاہئے، تمہارے پاس وقت بھی ہے اور تیاریاں کرنے کے لوازمات بھی، تمام لوگوں کو ہدایات کر دو کوئی تاویل نہیں سنی جائے گی، کام اسی انداز میں ہونا چاہئے، اب جو ہدایات میں تمہیں دے رہا ہوں انہیں ذہن نشین کر لو۔"

"سر......" سردار علی نے مستعدی سے کہا اور اس کے بعد وہ دیر تک شہنشاہ کی آواز سنتا رہا اور اس کے بتائے ہوئے پوائنٹس ذہن نشین کرتا رہا، تمام تفصیلات سننے کے بعد اس نے کہا۔

"سر اللہ کی ذات سے پوری پوری امید رکھتے ہیں ہم کہ کام آپ کی ہدایت کے مطابق ہی ہوگا آپ سے سلسلہ گفتگو منقطع ہونے کے بعد میں فوراً اپنی کارروائیوں کا آغاز کر دوں گا، آپ مطمئن رہیں وہی سب کچھ ہوگا جو آپ کا حکم ہے۔"

"شکریہ سردار علی۔" شہنشاہ نے آہستہ سے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

✿

"کوئی اہتمام نہیں ہوگا عام لوگوں کو معلوم بھی نہیں ہونا چاہئے کہ ہمارا پروگرام کیا ہے...... ٹکٹ آگئے ہیں ہم رات کو دو بجے نکلیں گے اور سفر کر کے دارالحکومت پہنچ جائیں گے...... ہوٹل میں کمرہ بک ہے وہاں رات تک قیام کریں گے...... فلائٹ پونے گیارہ بجے ہے۔ یہ پروگرام صرف ہم تک محدود رہنا چاہئے۔"

"ٹھیک ہے ڈیڈی...... بندہ خدا، انعام شاہ اور رحمت کو ہدایت کر دی گئی ہے۔" پیار علی نے بیزاری سے کہا اور راگ علی کے پاس سے اٹھ کر باہر نکل آیا۔

موت سے نجات مل گئی تھی اور اس نے سوچا تھا کہ اب دشمنوں کی تلاش ہوگی اور وہی کھیل پھر کھیلا جائے گا جو بستی مہرجان میں کھیلا گیا تھا...... اگر اسے یہاں رہنے کی اجازت مل جاتی تو واپسی پر باپ کو دشمنوں کی موت کی خوشخبری دیتا، لیکن بہرحال راگ علی ساندا کے فیصلے تھے وہ انہیں منوانے کی قوت رکھتا تھا۔

رات کو دو بجے رحمت گاڑی لئے تیار تھا...... گاڑی میں سفر کے انتظامات تھے کئی سوٹ کیس اور بیرون ملک ضروریات کی چیزیں، بندہ خدا اور انعام شاہ، رحمت کے پاس آگے بیٹھے ہوئے تھے...... نور علی ساندا، پیار علی اور راگ علی پچھلی نشستوں پر، تاحد نگاہ تاریکی اور

سناٹے کا راج تھا...... حویلی کے پچھلے حصے سے سفر کا آغاز کیا گیا تھا اور جب یہ لوگ بیٹھ گئے بے آواز قیمتی گاڑی خاموشی سے اسٹارٹ ہو کر چل پڑی۔ راگ علی ساندا کے چہرے پر عجیب سی ویرانی چھائی ہوئی تھی پتا نہیں دولت کے ستون کے سہارے لینے والوں کی زندگی میں خوشیوں کا کیا تصور ہوتا ہے دولت کا استعمال تو مختلف انداز میں بھی کیا جا سکتا ہے۔ اگر خدا اپنی نعمتوں سے کسی بندے کو نواز دے تو کیا وہ ان نعمتوں کو صرف اپنی ہی ملکیت تصور کر کے خوش رہ سکتا ہے، اپنی خوشیوں میں کسی کی شرکت پتا نہیں کیسی دلی طمانیت کا باعث ہوتی ہے کاش اس نکتے کو سمجھ لیا جائے اور کچھ خوشیاں بانٹ لی جائیں، لیکن دلوں میں مہریں لگ جاتی ہیں اور دوسروں کے بارے میں سوچنے کے جذبے ختم ہو جاتے ہیں اس کے بعد چہروں پر مردنی نہ ہو تو پھر کیا ہو۔

سفر جاری رہا، سارا پروگرام طے تھا اور بظاہر اس میں کوئی پیچ نہیں تھی لیکن یہ تو راگ علی ساندا کا خیال تھا، پل فصیلہ سے آگے بڑھے تھے کہ اچانک ہی گولیوں کی تڑتڑاہٹ اُبھری اور گاڑی کے ٹائر پھٹ گئے۔ بیک وقت چاروں ٹائروں کو نشانہ بنایا گیا تھا اور گولیاں اسٹین گنوں سے برسائی گئی تھیں اس لئے ایک لمحے میں گاڑی بیٹھ گئی...... رحمت اگر اچھا ڈرائیور نہ ہوتا تو گاڑی ایک لمحے میں قلابازیاں کھا سکتی تھی لیکن رحمت نے فوراً ہی اگنیشن سوئچ آف کر دیا...... راگ علی ساندا، نور علی اور پیار علی وحشت زدہ ہو گئے تھے اندھے نور علی ساندا کی آواز اُبھری۔

"کیا ہوا یہ...... کیا ہو گیا؟ گولیاں...... گگ گولیاں......" راگ علی ساندا نے بے اختیار دروازہ کھولا اور نیچے اتر گیا لیکن اسی وقت پٹ پٹ پٹ کی ہلکی ہلکی آوازیں ہوئیں اور چھوٹے چھوٹے گولے ان کے قریب آکر پھٹنے لگے ان سے سفید دھواں خارج ہوتا تھا اور اس دھوئیں نے آن کی آن میں چھ افراد کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا...... انہوں نے اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش کی لیکن قابو نہیں پا سکے اور آہستہ آہستہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گئے...... یورپ کے لئے کیا جانے والا سفر چند ہی میل کے فاصلے پر ختم ہو گیا تھا۔

✿

بینا کو شہاب کا فون موصول ہوا اور اس غیر متوقع فون پر وہ چونک پڑی۔ "جی شہاب صاحب۔"

"سوری بینا، کچھ کام ہے۔"

"آپ بتایئے شہاب صاحب۔"

"ہیڈ کوارٹر پہنچنا ہے۔"

"میں پہنچ رہی ہوں۔"

"گھر میں کہہ دینا، شاید پوری رات صرف ہو جائے۔"

"او کے اور کوئی ہدایت؟"

"وہاں ٹرانسمیٹر پر بات ہو جائے گی۔"

"بہتر ہے۔" بینا نے کہا...... فون بند کر کے اس نے جلدی جلدی تیاریاں کیں...... باہر نکل کر ٹیکسی پکڑی اور چل پڑی...... راستے بھر وہ اس ایمرجنسی کے بارے میں سوچتی رہی لیکن کوئی فیصلہ نہیں کر سکی...... ٹیکسی کو دور ہی رکوا کر اس نے بل ادا کیا اور پھر پیدل چل پڑی...... رات کے پونے دس بج رہے تھے پسماندہ علاقہ تھا...... اس لئے کوئی رونق نہیں تھی...... شدید محنت سے پیٹ پالنے والے دوسرے دن کے لئے خود کو اس مشقت کے قابل بنانے کے لئے آرام کرنے لیٹ گئے تھے...... ہیڈ کوارٹر میں داخل ہوتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ ڈبل او گینگ کے دوسرے افراد میں سے کوئی موجود نہیں ہے...... بہر حال اسے شہنشاہ نے یہاں بھیجا تھا...... اس لئے وہ بالکل مطمئن تھی۔ اندر چھوٹے کمرے میں داخل ہو کر اس نے سب سے پہلے الماری سے ٹرانسمیٹر نکال کر میز پر رکھا اور پھر ایک کرسی گھسیٹ کر اس کے قریب بیٹھ گئی ہے۔ کچھ دیر کے بعد اسے ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا اور اس نے جلدی سے ٹرانسمیٹر آن کر دیا۔

"مس بینا!"

"یس سر۔"

"تنہا بور ہو رہی ہیں؟"

"بالکل نہیں سر۔"

"آپ کو بہت وقت تنہا گزارنا ہو گا۔"

"میں پوری رات کے لئے تیار ہو کر آئی ہوں۔"

"ذہن میں تجسس تو نہیں ہے۔"

"وہ تو فطرت کا ایک حصہ ہے سر، لیکن اس وقت میں...... ڈبل او گینگ کی رکن کی حیثیت رکھتی ہوں۔"

"تھینک یو بینا...... یہ ٹرانسمیٹر بڑے ہال میں لے جاؤ اور اسے سنٹر ٹیبل پر رکھ دو، پھر کچن میں جا کر اپنے لئے کافی بناؤ اور الماری سے دو چیزیں نکال لو۔"

"کیا سر؟"

"گرے ماسک اور اپنی پسند کے کچھ رسالے، ماسک تمہیں اس وقت لگانے ہیں جب ڈبل او گینگ کے دوسرے ممبر اندر داخل ہوں...... اس سے پہلے رسالے پڑھتی رہو۔"

"او کے سر!" بینا نے کہا...... پھر اس نے شہنشاہ کی ہدایت پر عمل کیا لیکن بڑے ہال کمرے میں داخل ہو کر وہ حیرت سے اُچھل پڑی۔

یہ کمرہ بدرنگ اور بے نور تھا...... پیلی روشنی کا ایک بلب اس کی بے نوری میں اضافہ کر رہا تھا لیکن جو چیز بینا کے دل کو الٹے دے رہی تھی وہ کمرے کے وسط میں بنا پھانسی گھاٹ تھا...... ایک عارضی پلیٹ فارم بنایا گیا تھا اور چھت کے بڑے کڑے میں رسی کا ایک پھندا لٹک رہا تھا، جسے پوری تکنیک کے ساتھ بنایا گیا تھا...... بینا کے رونگٹے کھڑے ہو گئے...... اسے اچانک احساس ہوا کہ آج کوئی بہت سنسنی خیز ڈرامہ ہونے والا ہے، مگر کیا؟

بہت دیر تک وہ لرزتی رہی، پھر اس نے کانپتے ہاتھوں سے ٹرانسمیٹر ٹیبل پر رکھا اور دوڑ کر اس بھوت کمرے سے نکل آئی، بدن پسینہ اُگل رہا تھا، سر چکرا رہا تھا، تنہائی یہ سنسنی اور بڑھا رہی تھی...... دوسرے کمرے میں وہ بہت دیر تک کرسی پر بیٹھی رہی پھر خود کو سنبھال کر اٹھی اور کچن کی طرف چل پڑی...... اس وقت کافی واقعی سکون دے گی۔ اس نے ہدایت کے مطابق چند رسالے بھی اُٹھا لئے تھے۔

کافی بنا کر اس نے کیتلی میں بھری اور چھوٹے کمرے میں ہی آ بیٹھی، حالانکہ یہ خیال بھی تھا کہ ممکن ہے ٹرانسمیٹر پر کوئی اور گفتگو کرنے کی کوشش کی جائے، لیکن تھوڑی دیر کے لئے وہ معطل ہو گئی تھی، پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا بہت سے خطرناک حالات میں وہ شہاب کا ساتھ دے چکی تھی، اسے خوف زدہ نہیں ہونا چاہئے...... یہ تو امتحانات ہیں اگر انہی میں کامیاب نہ ہو سکی تو کیا فائدہ، چنانچہ اس نے کافی کے برتن اٹھائے اور پھر اس بڑے کمرے میں پہنچ گئی...... اصل مسئلہ جو خوف زدہ ہونے کا تھا وہ یہ تھا کہ کوئی بات اس کی سمجھ

میں نہیں آرہی تھی...... بہرحال وہ خود کو بہلانے کی کوشش کرتی رہی اور وقت گزرتا رہا...... ٹرانسمیٹر پر کوئی اشارہ موصول نہیں ہوا تھا، بالکل خاموشی طاری تھی، اس نے اپنے آپ کو رسالوں میں گم کرلیا...... یہ تنہائی عجیب و غریب شکل اختیار کرگئی تھی...... ذہن کو نجانے کون کون سے واقعات کی جانب منتقل کرنے کی کوشش کی اور اس طرح وقت گزاری کرتی رہی پھر باہر آہٹیں سنائی دیں اور وہ اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔ سارا سامان دوسرے کمرے میں منتقل کیا...... ایک گاڑی اندر داخل ہوئی تھی...... اس نے جلدی سے گرے ماسک پہن لیا، گرے ماسک ایک لبادہ تھا جو سر سے پاؤں تک ہوتا تھا اور اس میں پورا وجود چھپ جاتا تھا...... اس نے سنسنی خیز نگاہوں سے گرے ماسک لگائے ہوئے ڈبل او گینگ کے بقیہ ساتھیوں کو دیکھا جو کچھ انسانی جسم اٹھائے ہوئے اندر آرہے تھے۔ ہر ایک کے کاندھے پر ایک بدن لدا ہوا تھا...... وہ خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھتی رہی، ہال کمرے کے پاس پہنچ کر وہ لوگ اندر داخل ہوگئے...... تب بینا بھی اندر پہنچ گئی اور اس کے ساتھیوں نے چونک کر اسے دیکھا لیکن منہ سے کچھ نہ کہا، وہ سمجھ گئے تھے کہ وہ بینا ہے...... بہرحال اس کے بعد وہ انتہائی پراسرار انداز میں اپنے کام میں مشغول ہوگئے، بینا نے سحر زدہ نگاہوں سے ان لوگوں کو دیکھا جو بے ہوش تھے اور ایک بار پھر اس کے پورے بدن میں سرد لہریں دوڑنے لگیں...... راگ علی ساندا، نور علی اور پیار علی کو اس نے فوراً پہچان لیا تھا اور اس کا ذہن نجانے کون سے جہانوں کی سیر کرنے لگا تھا...... بدن کی کپکپی کو وہ انتہائی حد تک کنٹرول کرنے کی کوشش کررہی تھی، لیکن خوف تھا کہ رگ و پے میں اترتا ہی جارہا تھا۔ ڈبل او گینگ کے بقیہ افراد خاموشی سے اپنے کام میں مصروف تھے...... کسی نے بھی اس سے کسی کام کے لئے نہیں کہا تھا شاید وہ احتیاط سے اپنی آواز تک سامنے نہیں لانا چاہتے تھے، پھر ایک خاص قسم کے اسپرے کی شیشی لائی گئی اور ان کے چہروں پر اسپرے کیا جانے لگا...... ایک ایک کرکے وہ سب ہوش میں آتے چلے گئے...... سب کی آنکھیں حیرت سے کھلی ہوئی تھیں، لیکن وہ کوئی جنبش نہیں کرسکتے تھے، کیونکہ اس دوران ان کے ہاتھ پشت سے باندھ دیئے گئے تھے البتہ جیسے ہی وہ ہوش میں آئے۔ ڈبل او گینگ کے آدمیوں نے انہیں گھسیٹ گھسیٹ کر دیوار کے سہارے بٹھادیا...... راگ علی ساندا خوف و دہشت کے عالم میں آنکھیں پھاڑ رہا تھا اور پھر اس کی نظر پھانسی کے پھندے پر پڑی اور اس کے بدن پر تھرتھری طاری ہوگئی۔ اس نے دہشت بھری

نگاہوں سے اس پورے ماحول کو دیکھا اور سامنے کھڑے ہوئے جہنم کے ان چھ فرشتوں کو جو خاموش اور ساکت کھڑے ہوئے تھے...... بہ مشکل تمام وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”یہ کک کیا ہے، کون ہو تم...... کک کون ہو تم؟“

اسی وقت ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا اور ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر ٹرانسمیٹر آن کردیا...... شہنشاہ کی آواز اُبھری۔

”والیم تیز کرو۔“ اور ٹرانسمیٹر پر اُبھرنے والی آواز اتنی ہوگئی کہ پورے کمرے میں گونج اُٹھی۔

راگ علی ساندا وحشت زدہ نگاہوں سے یہ سب دیکھ رہا تھا، پھر اس نے دوبارہ کچھ بولنا چاہا لیکن اسی وقت ٹرانسمیٹر سے آواز اُبھری۔

”راگ علی ساندا۔ میرا نام شہنشاہ ہے...... مکمل تعارف تمہارے لئے بے مقصد ہوگا، کیونکہ اب یہ معلومات بھی تمہاری زندگی کے ساتھ ختم ہوجائیں گی۔ تمہارے لئے سزائے موت متعین کی گئی تھی اور وہ ایک جج کا فیصلہ تھا، راگ علی ساندا اور اُس کے بیٹوں نے بستی مہر جان کے بدر شاہ، خادم شاہ اور اس کی بیوی کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا...... یہ ایک سچ ہے...... پیار علی تم نے پانچ افراد کو زہر دے کر ہلاک کیا تھا یہ بھی سچ ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ تم لوگوں نے کیا ہے وہ تمہیں ضرور یاد آگیا ہوگا۔ تمہاری سزا برقرار رکھی جارہی ہے۔“

”نہیں...... ہماری اپیل منظور ہوچکی ہے۔“

”تم جانتے ہو، جو کچھ ہوا ہے وہ کیسے ہوا ہے۔“

”تم...... تم کون ہو آخر؟“

”شہنشاہ، وطن کے قانون کا محافظ۔“

”کیا چاہتے ہو؟“

”تمہاری موت، کیونکہ تم قانون شکن ہو۔“

”تم یہ نہیں کرسکتے۔“

”نور علی ساندا...... تمہیں تمہارے جرائم کے سلسلے میں سزائے موت دی جاتی ہے...... تکمیل کی جائے۔“ شہنشاہ کی آواز اُبھری اور دو افراد نے نور علی کو اٹھایا...... راگ علی ساندا اور پیار علی چیخنے لگے، رونے لگے۔ انہوں نے خوب اُچھل کود مچائی لیکن ڈبل او گینگ

کے ممبروں نے انہیں ٹھوکریں مار مار کر بٹھادیا پھر نور علی کو پلیٹ فارم پر چڑھا کر اس کی گردن میں پھندا فٹ کر دیا گیا۔ راگ علی بلک بلک کر رو رہا تھا پھر تختہ کھینچ دیا گیا اور نور علی کا جسم رسی میں پھڑکنے لگا...... راگ علی پر سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ نور علی کے سرد جسم کو نیچے اتار دیا گیا اور راگ علی بلک پڑا۔

"مجھے...... پہلے مجھے...... آہ پہلے مجھے۔" اور اس کی خواہش تسلیم کر لی گئی۔ تینوں ملازم پتھرائے ہوئے تھے۔

کچھ دیر کے بعد تینوں لاشیں ایک لائن سے رکھ دی گئیں اور شہنشاہ کی آواز اُبھری۔

"ان تینوں ملازموں کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی جائے...... لاشیں ساتھ رکھی جائیں اور انہیں ان کی تباہ شدہ گاڑی تک پہنچادیا جائے...... تم لوگ زبان کھولنے کے لئے آزاد ہو۔ جسے چاہو بتا سکتے ہو کہ انہیں شہنشاہ کی عدالت میں پھانسی دی گئی ہے۔ تم بیان دے سکتے ہو جو دل چاہے، اس میں میرے پیغام کا اتنا اضافہ کر لینا۔ یہ میرا وطن ہے، اہل وطن کے لئے وطن کو گلزار بنایا جائے۔ اپنی دولت کا سہارا لے کر انسان کے ساتھ...... جانوروں کا کھیل نہ کھیلا جائے۔ تم دولت سے قانون خرید لو گے، لیکن شہنشاہ کو نہیں خرید سکو گے...... سزا ہر شکل میں تمہارا مقدر ہو گی۔ یہ الفاظ یاد کر لینا۔"

ڈبل او گینگ کے ممبر لاشوں کو اٹھانے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے...... ٹرانسمیٹر پر آواز اُبھری۔ "ڈبل او ون...... یہاں سے جاتے ہوئے تم ڈبل او سیون کو ایسے مقام پر چھوڑ دینا جہاں سے یہ اپنے گھر جا سکیں۔"

"یس سر۔"

"اوور...... اینڈ آل......" ٹرانسمیٹر کے بلب بجھ گئے۔

❁

گرفتار اجل
ایم اے راحت

فتح محمد حج پر گئے تھے...... برسوں کی آرزو تھی جو پوری ہوئی تھی...... شہاب نے اس سلسلے میں بھرپور تعاون کیا تھا اور انہیں بھجوانے کے سارے بندوبست کئے تھے...... بہرحال یہ زندگی کے مختلف رنگ تھے...... انہیں جہاز پر سوار کرانے کے بعد شہاب سیدھا دفتر آیا تھا...... اس پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا، تھانے میں پوسٹنگ پر، بلکہ اسے خوشی تھی کہ اس طرح عام لوگوں سے براہ راست واسطہ رہتا ہے...... نادر حیات کی جدائی البتہ کبھی کبھی احساس دلاتی تھی لیکن اس کا مشن جاری تھا اور اس میں کوئی پریشانی نہیں تھی۔ مالی طور پر وہ بالکل مطمئن ہو گیا تھا، گھر کے معاملات بہت شاندار چل رہے تھے...... چھوٹی بہن کے لئے رشتے کی تلاش تھی، باقی سارے ہی معاملات مکمل طور پر اطمینان بخش تھے اور شہاب کو نہ تسلیم کرنے والے، نہ ماننے والے اب اس کے آگے پیچھے پھرنے لگے تھے، فتح محمد صاحب کو ایئرپورٹ پر چھوڑ کر وہ آفس پہنچ گیا ابھی آفس میں بیٹھے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اسے ایڑیاں بجنے کی آواز سنائی دی۔

شہاب نے گردن اٹھا کر دیکھا تو گلاب جان سیدھا کھڑا ہوا تھا...... پوری وردی میں تھا، خوش و خرم اور مطمئن نظر آ رہا تھا۔

شہاب نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور سنجیدہ لہجے میں کسی حیرت کا اظہار کئے بغیر بولا۔ ''آؤ گلاب جان بیٹھو۔''

''تھینک یو سر۔'' گلاب جان نے پھر ایڑی بجائی اور تیزی سے اس کے قریب آ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

''کہو، کیا حال ہے؟''

"ہمیں سلوٹ کرنا آگیا ہے صاحب۔" گلاب جان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"ارے چھوڑو گلاب جان...... بس کبھی کبھی ذمے داریاں ہمارے ذہن کو منتشر کر دیتی ہیں اور اس قسم کے واقعات ہو جاتے ہیں۔ تم محسوس نہ کرنا۔"

"ایسا مت بولو صاحب، آپ نے ہمیں انسان بنادیا ہے اور اب آپ کو ہم سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

"اس کے لئے میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ گلاب جان۔" شہاب نے کہا۔

"اور ایک بات اور بولوں صاحب؟"

"بولو گلاب جان۔"

"صاحب ہم جنگلی آدمی ہیں، کبھی کبھی غلطیاں ہو جاتی ہیں، پر صاحب جس کو بڑا مان لیتے ہیں پھر وہ بڑا ہی رہتا ہے۔ آپ نے ہمیں وہ سبق سکھایا ہے جسے ہم کبھی نہیں بھولتے اور سکھانے والا استاد ہوتا ہے اور استاد کا درجہ بہت بلند ہوتا ہے۔"

"تم تو مجھے شرمندہ کر رہے ہو گلاب جان۔" شہاب نے کہا۔

"ہم آپ کو اپنی وفاداری اور تابعداری کا یقین دلانا چاہتے ہیں۔"

"تم جیسا دلیر اور بہادر آدمی ہر طرح سے قابل اعتبار ہوتا ہے۔ بس اب گزرے ہوئے واقعات کو ذہن سے نکال دو۔" ابھی شہاب نے یہ الفاظ ادا کئے ہی تھے کہ کانسٹیبل ایک نوجوان کو لے کر اندر داخل ہوا...... پتلون قمیص میں ملبوس تھا، چہرے سے پڑھا لکھا معلوم ہوتا تھا، جسامت بہت اچھی تھی، پیشانی اور آنکھوں سے ایک عجیب سی کیفیت کا اظہار ہوتا تھا...... اندر آکر اس نے سلام کیا تو شہاب نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا...... نوجوان شکریہ ادا کر کے سائیڈ پر پڑی ہوئی بنچ پر بیٹھ گیا اور گردن خم کر دی...... شہاب نے کہا۔ "ہاں کیا بات ہے مسٹر، کیسے آنا ہوا، کون ہیں آپ؟"

"سر میرا نام سہیل احمد ہے ولد عقیل احمد۔"

"ہوں۔"

"سر میں گرفتاری پیش کرنے آیا ہوں۔" اس نے کہا اور شہاب اور گلاب جان چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"کس سلسلے میں؟"

"سر میں نے اپنی بھابی کو قتل کر دیا ہے، اس کی لاش گھر میں پڑی ہوئی ہے۔"

"ہوں، کیوں قتل کر دیا ہے تم نے اپنی بھابی کو؟"

"سر بس، انسان ہوں اور انسان غلطی کا پتلا ہے میں ذہنی طور پر نامکمل آدمی ہوں، پڑھا لکھا ہوں اور ایک جگہ ملازمت کرتا ہوں، میرا بھائی ہسپتال میں داخل ہے اور میری بھابی بہت خوبصورت تھی، بس میں چونکہ غیر شادی شدہ ہوں اس لئے مجھ پر شیطان سوار ہو گیا۔ میں نے عالم جنون میں اپنی بھابی پر مجرمانہ حملہ کیا اور اس نے شدید مدافعت کی اس کی مدافعت سے مشتعل ہو کر میں نے اس کی گردن دبا دی اور وہ ہلاک ہو گئی۔"

"پتا لکھواؤ اپنا۔" شہاب نے کہا اور نوجوان اپنا پتا دہرانے لگا...... شہاب نے گلاب جان سے کہا۔

"گلاب جان موبائل تیار کراؤ اور اسے اپنی تحویل میں لے لو۔"

گلاب جان جلدی سے کھڑا ہو گیا، اس نے ایڑیاں بجائیں اور نوجوان سے بولا۔ "آؤ" پھر وہ نوجوان کی کلائی پکڑ کر اسے باہر لے گیا...... شہاب آنکھیں بھینچ کر گردن جھٹکنے لگا تھا، اس کے ذہن میں نوجوان کی صورت گھوم رہی تھی۔

یہ ایک عجیب و غریب واقعہ تھا لیکن انسانی فطرت کے لاتعداد کھیل سامنے آتے ہیں۔ نوجوان اپنی جنونی فطرت پر قابو نہیں پا سکا اور ایک بھیانک جرم کر بیٹھا، بعد میں ضمیر نے اسے سکون نہ لینے دیا ہوگا اور وہ ضمیر کی یہ ضربیں برداشت نہیں کر سکا اور تھانے تک آگیا، حالانکہ چہرے سے وہ جرائم پیشہ نہیں معلوم ہوتا تھا...... شہاب نے ابھی اس سلسلے میں اس سے زیادہ سوالات بھی نہیں کئے تھے۔ بہر حال کچھ دیر کے بعد وہ پولیس کیپ سر پر رکھ کر اپنا ڈنڈا اٹھا کر باہر نکل آیا...... موبائل تیار ہو چکی تھی۔ کانسٹیبلوں نے نوجوان کے ہاتھ میں ہتھکڑیاں ڈال دی تھیں اور اسے موبائل کی جانب لے جا رہے تھے، گلاب جان نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی، حالانکہ موبائل کا ڈرائیور بھی موجود تھا لیکن اسے پیچھے بٹھا دیا گیا تھا...... گلاب جان اصل میں اپنی پشیمانی اور محبت کا اظہار کر رہا تھا۔

موبائل چل پڑی اور شہاب خاموشی سے گلاب جان کے برابر بیٹھا ہوا سامنے دیکھتا رہا...... گلاب جان بھی کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ شہاب نے کہا۔

"کیا کہتے ہو اس سلسلے میں گلاب جان؟"

"بس صاحب انسانی وحشت، انسانی جنون کبھی کبھی ایسے کھیل بھی دکھا دیتا ہے۔"

شہاب ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا...... نوجوان نے شاید گلاب جان کو مکمل پتا بتا دیا تھا، چنانچہ گلاب جان اطمینان سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا...... تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک ایک ایسے علاقے میں پہنچ گئے جو درمیانہ درجے کے لوگوں کا علاقہ تھا۔ قدیم آبادی تھی...... مخصوص طرز کے مکانات بنے ہوئے تھے جو پہلے غالباً کنسٹرکشن کمپنی نے بنائے ہوں گے بعد میں لوگوں نے انہیں اپنی مرضی کے مطابق اپنے ڈیزائن کے مطابق تیار کرا لیا تھا لیکن پھر بھی بہت سے مکانات ایسے تھے جو اپنی پرانی ہی شکل میں موجود تھے اور ایسے ہی ایک مکان کے سامنے موبائل رک گئی، غالباً ابھی اس واقعہ کا علم پڑوس کے لوگوں کو نہیں ہوا تھا، ورنہ مکان کے ارد گرد مجمع ہوتا، البتہ پولیس موبائل کا کسی محلے میں چلے جانا ہی بہت بڑی بات ہوتی ہے۔ لوگ اپنے اپنے دروازوں پر کھڑے پولیس کی کارروائی دیکھ رہے تھے، پھر جب سہیل احمد کو موبائل سے نیچے اتارا گیا تو لوگوں نے حیرانی سے ایک دوسرے کی صورت دیکھی۔ سہیل احمد دروازہ باہر سے بند کر گیا تھا اس نے چابی اپنی جیب سے نکال کر ایک پولیس کانسٹیبل کو پیش کی اور پولیس کانسٹیبل نے دروازہ کھول دیا...... شہاب، گلاب جان اور سہیل کو لے کر اندر داخل ہو گیا، سپاہی دروازے پر تعینات ہو گئے تھے۔

مکان کا ماحول برا نہیں تھا، اسے دیکھ کر یہ احساس ہوتا تھا کہ مالی طور پر غیر مطمئن لوگ نہیں ہیں یہ۔ اس کمرے میں جہاں لاش پڑی ہوئی تھی۔ اعلیٰ درجے کا فرنیچر موجود تھا۔ کمرے میں بیڈ پڑا ہوا تھا جس کی چادر بری طرح شکن آلود تھی، ایک تکیہ بیڈ سے نیچے گرا ہوا تھا دوسرا دیوار سے جا ٹکا تھا۔ لاش کمرے کے وسط میں قالین پر پڑی ہوئی تھی اور بلاشبہ ایک حسین اور انتہائی دلکش عورت کی لاش تھی جسے قدرت کی صناعی کا نادر نمونہ کہا جا سکتا ہے، سیاہ گھنے بالوں کے درمیان حسین سفید چہرہ جو اب زندگی سے محروم ہو چکا تھا...... اب بھی نہایت دلکش نظر آ رہا تھا، لاش کا بدن اکڑا ہوا تھا۔

گلاب جان نے خونخوار نگاہوں سے سہیل احمد کو دیکھا اور اس نے ٹھنڈی سانس لے کر گردن جھکا لی...... اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا بس خاموشی سے گردن جھکائے کھڑا ہوا تھا۔

شہاب نے ایک نگاہ چاروں سمت ڈالی اور اس کے بعد گلاب جان سے کہا۔ "فوٹو

گرافر کو بلا لو۔"

کمرے کی تصاویر لی گئیں اور ابتدائی کارروائیاں مکمل کی جانے لگیں پھر لاش کو اٹھوانے سے پہلے شہاب نے کہا۔ "گلاب جان محلے کے چند معزز لوگوں کو گواہ کے طور پر لے آؤ۔"

"جی سر۔" گلاب جان باہر نکل گیا تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا تو چار آدمی اس کے ساتھ تھے جن میں دو بزرگ، ایک ادھیڑ عمر اور ایک جوان۔ ان کے چہرے حیرت کی تصویر نظر آ رہے تھے اور وہ دوڑتے ہچکچاتے اندر داخل ہوئے تھے پھر انہوں نے لاش کو دیکھا اور معمر شخص کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

"خدا غارت کرے کس نے اس پیاری لڑکی کو مار دیا...... خدا اسے فنا کر دے۔"

"آپ کا نام؟"

"حفیظ خان ہے۔"

"کتنے عرصے سے آپ یہاں رہتے ہیں؟"

"بیس سال سے۔"

"خان صاحب، سہیل احمد نے اپنی بھابی کو قتل کرنے کی ذمے داری قبول کی ہے اور خود اپنی گرفتاری تھانے میں پیش کی ہے، آپ لوگوں کو اس سلسلے میں گواہی دینی ہے کیا آپ اس کے لئے تیار ہیں؟"

"بھائی اس لڑکی سے مجھے دلی انسیت تھی، بہت اچھے اخلاق کی مالک تھی، بڑی ہی ہنس مکھ اور دوسروں کے کام آنے والی، بدنصیب کو ابھی زندگی کی بہاریں دیکھے ہوئے دن ہی کتنے گزرے تھے کہ موت کے گھاٹ اتر گئی۔ غم ہی غم ملے ہیں اسے اور کیا ملا ہے اسے۔"

"حفیظ خان صاحب لاش کا اور جائے وقوع کا نقشہ بنایا جا رہا ہے آپ لوگوں کی گواہی کی ضرورت ہو گی۔"

"دیکھو بھائی گواہی کیا ہم تو آخر تک ساتھ چلنے کے لئے تیار ہیں۔ بس پولیس کا رویہ کچھ ایسا ہوتا ہے کہ ہر شریف آدمی اس سے بچنا چاہتا ہے، لیکن بہر حال سماج سے دور تو نہیں رہا جا سکتا، میں تیار ہوں۔"

"اور ہم بھی تیار ہیں۔ اس مردود نے ایسی فرشتہ جیسی عورت کو قتل کر دیا، خدا اسے

غارت کرے۔ ارے اس کا بھائی اسے کتنا چاہتا تھا، کیا ہمیں نہیں معلوم۔ وہ بے چارہ ہسپتال میں زندگی اور موت کی گھڑیاں گن رہا ہے اور اس نے یہاں یہ ظلم کر ڈالا۔ وہ تو بچ بھی نہیں پائے گا۔"

"بہر حال آپ لوگ تھانے میں چل کر اپنے مکمل بیانات دیں گے۔ میں لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے بھجوا رہا ہوں آپ لوگ بھی اس کا جائزہ لے لیجئے۔"

"ٹھیک ہے بھائی کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"گلاب جان ہسپتال کی ایمبولینس کو فون کر دیا؟"

"جی سر میں نے موبائل پر اطلاع دے دی ہے۔" گلاب جان نے جواب دیا اور شہاب نے گردن ہلا دی...... کچھ دیر کے بعد ایمبولینس آ گئی، باہر سے سائرن کی آواز سنائی دی تھی اور کانسٹیبل ہسپتال کے ملازموں کو اسٹریچر کے ساتھ لے کر اندر آ گئے تھے...... باہر پورا محلہ جمع تھا، عورتیں چھتوں پر چڑھ گئی تھیں، بچے گھر کے گرد جمع ہو گئے تھے، جو کوئی مرد گھر میں موجود تھا وہ بھی باہر ہی نکلا ہوا تھا، لاش کو ایمبولینس میں رکھا گیا اور ایمبولینس روانہ کر دی گئی، شہاب، گلاب جان کے ساتھ مکان کا جائزہ لینے لگا تھا۔ ایک ایک چیز دیکھی جا رہی تھی، ہلکے پھلکے چند زیورات بھی تھے، کاغذات بھی تھے ان تمام چیزوں کو قانون کی تحویل میں لے لیا گیا اور ان کی تفصیل تیار کر دی گئی پھر مکان کو سیل کر کے وہاں کانسٹیبل چھوڑ دیئے گئے...... گواہی دینے والے چار افراد کو موبائل میں بٹھا کر سہیل احمد سمیت تھانے میں لے آیا گیا اور ایک کمرے میں بٹھا دیا گیا...... ہیڈ محرر اور دوسرے افراد بھی آ گئے...... شہاب اپنی کرسی پر جا بیٹھا پھر اس نے ایک اور ایس آئی کو اپنے آفس میں بٹھا کر کہا کہ اس وقت نہ تو کوئی فون موصول کرنا ہے نہ کسی سے ملنا ہے، ذرا اس کیس کے بیانات مکمل ہو جائیں، اس کے بعد صورت حال کا جائزہ لیں گے پھر اس نے سہیل احمد سے کہا۔

"ہاں سہیل احمد اب تم ذرا تفصیل سے بتاؤ۔ مقتولہ کا نام بتاؤ۔"

"ثریا جمیل۔"

"جمیل اس کے والد کا نام ہے؟"

"جی نہیں...... میرے بھائی کا نام ہے۔"

"جمیل کہاں ہے؟"

"سر وہ ہسپتال میں ہے اسے کینسر بتایا گیا ہے اور ہسپتال کے کینسر وارڈ میں وہ زیر علاج ہے۔"

"شادی کو کتنا عرصہ ہوا ہے ان دونوں کی؟"

"سر کوئی ساڑھے چار سال۔" سہیل احمد نے جواب دیا۔

"ہوں اس کے والدین کہاں ہیں؟"

"سر بس ایک معذور باپ ہے، دو بھائی تھے لیکن گھر کے اختلافات کی وجہ سے وہ علیحدہ ہو گئے اور اب ان کے بارے میں پتا نہیں کہ وہ کہاں ہیں...... معذور والد صاحب بھی گھر چھوڑ کر مسجد میں رہتے ہیں، گھر بار بیچ دیا ہے انہوں نے اور ذہنی طور پر بھی معطل سے ہو گئے ہیں۔"

"گویا ثریا کی طرف سے اس کے مقدمے کی پیروی کرنے والا کوئی نہیں ہے۔"

"نہیں جناب۔"

"ثریا کے والد کیا کرتے تھے؟"

"کسی زمانے میں ریلوے میں ملازمت کرتے تھے اب تو ظاہر ہے۔"

"ہوں...... ٹھیک ہے، اچھا اب تم آگے کی باتیں بتاؤ...... جمیل احمد کتنے عرصے سے ہسپتال میں داخل ہے؟"

"کوئی سات مہینے ہو گئے ہیں۔"

"ظاہر بات ہے اس کا مرض خطرناک نوعیت کا ہے۔"

"جی...... ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ جب تک زندگی ہے وہ جی رہا ہے اور اس کے بعد کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

"تمہاری بھابی سے تمہارے کیسے تعلقات تھے؟"

"ہم دونوں ہی رہا کرتے تھے گھر میں اور ہمارے درمیان...... میرا مطلب ہے میرے ذہن میں کبھی کبھی شیطان کا بسیرا ہو جاتا تھا۔"

"ہوں سہیل احمد تمہاری بھابی کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا تھا۔"

"آہ نہ پوچھئے صاحب، وہ مجھے بھائیوں کی طرح چاہتی تھی۔"

"اور بے غیرت تم نے بہن پر ہاتھ ڈال دیا۔" محلے کے بزرگ نے کہا اور سہیل نے

گردن جھکالی..... بہر حال شہاب کے سوالات کا سلسلہ جاری رہا۔ بات بڑی سادہ سی تھی اور اس میں کوئی پیچ و خم نہیں تھا..... سہیل کا بیان لیا گیا اور پڑوسیوں کے دستخط لینے کے بعد شہاب نے گلاب جان سے کہا۔ ”ان معزز لوگوں کو ان کے گھروں تک پہنچا دیا جائے۔“

”ارے نہیں انسپکٹر صاحب ہم چلے جائیں گے..... نیک کام کے لئے آئے تھے..... کوئی ایسی بات نہیں ہے لیکن آپ بھی بہت اچھے آدمی ہو، ورنہ پولیس والے عام لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کہاں کرتے ہیں۔“

”جو نہیں کرتے وہ برا کرتے ہیں، اگر کوئی ان سے تعاون کرے تو انہیں ان کے ساتھ کم از کم شریفانہ رویہ اختیار کرنا چاہئے۔“

”چاہئے تو بہت کچھ ہے جناب، ظاہر ہے ہم قانون کا سہارا اسی وقت لیتے ہیں جب ہمیں قانون کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے اور بڑا اعتماد کرتے ہیں اپنی مشکلات کے حل کے لئے لیکن مشکلات کا حل پیش کرنے والے ہی اگر مشکل بن جائیں تو آپ سوچئے کہ لوگوں کا قانون پر کیا اعتماد رہے گا۔“ اس نوجوان شخص نے کہا، جو گواہی دینے کے لئے آیا تھا۔

”آپ ٹھیک کہتے ہیں بہر حال آپ بھی دعا کیجئے ہم بھی کوششیں کرتے ہیں کہ پولیس اور عوام کے درمیان کا وہ رشتہ قائم ہو، جو ملک میں قانون کی بالادستی قائم کرے۔“

وہ چاروں باہر چلے گئے تو گلاب جان نے کہا۔ ”سر اس کے لئے کیا کیا جائے؟“

”لاک اپ کر دو اور کیا کر سکتے ہیں۔“ شہاب نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور گلاب جان نے سہیل احمد کو لاک اپ میں ڈال دیا پھر گھر سے حاصل شدہ اشیاء کی دیکھ بھال ہونے لگی، شہاب کسی اُلجھن میں تھا اس کے ذہن میں نہ جانے کیوں ایک کرید سی پیدا ہو گئی تھی۔ کاغذات کا جائزہ لیتے ہوئے اسے ایک بنک کی پاس بک ملی، جس میں اب سے کوئی دس دن پہلے کی تاریخ میں ایک لاکھ روپے کا چیک جمع کرایا گیا تھا اور یہ چیک سہیل احمد ہی کے نام تھا اور کسی فرم سے دیا گیا تھا۔

شہاب نے اس انٹری کو گہری نگاہوں سے دیکھا اور پاس بک کا وہ حصہ اپنے پاس محفوظ کر لیا جس میں چیک کے جمع ہونے کا اندراج تھا، پھر وہ ان واقعات پر غور کرنے لگا..... بظاہر سیدھی سادی سی بات تھی اور اس قسم کے واقعات اکثر جنم لے لیتے ہیں، چنانچہ کسی گہری تفتیش کا معاملہ نہیں تھا..... شہاب نے اس کے بھائی کے بارے میں سوچا اور پھر گلاب جان

ے اس کے بارے میں مشورہ کیا۔

”کیا خیال ہے گلاب جان، جمیل احمد جو ہسپتال میں موجود ہے اسے بھی اس بارے میں بتا دینا ضروری ہو گا اور اس کے ساتھ ساتھ ہی یہ خیال بھی ذہن میں رکھنا ہو گا کہ کہیں یہ اس کے لئے خوفناک نہ ثابت ہو۔“

”لیکن سر بہر حال اطلاع تو اسے دینا ہو گی..... اس سے بھی کچھ تفتیش ہو سکتی ہے؟“

”تم ہسپتال فون کر دو، ان لوگوں سے کہو کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ جلد از جلد پہنچائی جائے اور خاص طور سے اس بات کا خیال رکھا جائے کہ لڑکی کا طبی معائنہ بھی کیا جائے کہ اس کے ساتھ زیادتی کی گئی ہے یا نہیں۔“

”میں فون کئے دیتا ہوں سر۔“ گلاب جان نے کہا اور دوسرے کمرے میں جا کر فون کرنے لگا، شہاب نے آنکھیں بند کر لیں اور کرسی کی پشت سے گردن ٹکالی۔

بہر حال یہ ایک دُکھ بھرا معاملہ تھا..... لڑکی کے سلسلے میں دوسری جانب سے کوئی کارروائی بھی نہیں ہو سکتی تھی نہ ہی اس کی لاش کہیں پہنچائی جا سکتی تھی، اس کی تدفین بھی سرکاری طور پر ہی کرائی جانی تھی، بہر حال اس سلسلے میں انتظامات کئے جا سکتے تھے، کیونکہ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی، پھر وہ گلاب جان کے ساتھ ہسپتال چل پڑا..... ہسپتال پہنچ کر ان لوگوں نے جمیل احمد کے بارے میں معلوم کیا اور اس کے کمرے میں پہنچ گئے۔

جمیل احمد انتہائی خوب صورت آدمی تھا۔ یہ جوڑی جہاں بھی نکلتی ہو گی..... لوگ اسے دیکھنے پر مجبور ہو جاتے ہوں گے اور شاید جمیل احمد کو کسی کی نظر ہی کھا گئی کہ وہ اس موذی مرض کا شکار ہو گیا..... بڑی دُکھ بھری سچویشن تھی..... جمیل احمد نے حیرت سے ان دونوں پولیس آفیسروں کو دیکھا تھا..... شہاب نے پہلے اس سلسلے میں ڈاکٹر سے مشورہ کیا اور اسے تمام صورت حال بتائی، تو ڈاکٹر کہنے لگا۔

”نہیں آپ اس سے بیان لے سکتے ہیں، بات کر سکتے ہیں، اس کا مرض آخری اسٹیج پر ہے، کوئی نہ کوئی لمحہ اس کے لئے موت کا لمحہ بن سکتا ہے اب اس سلسلے میں اسے لاعلم تو نہیں رکھا جا سکتا اور پھر آپ کی تفتیش بھی متاثر ہو گی۔“ جمیل احمد کو سامنے بٹھا کر شہاب نے کہا۔

”میں آپ کی صحت کے لئے دعا گو ہوں جمیل احمد صاحب لیکن تقدیر کبھی کبھی بڑے بھیانک کھیل کھیلتی ہے، ہم بعض اوقات اخلاقی جرات نہیں کر پاتے لیکن کسی بھی کیس کے

سلسلے میں تفتیش کرتے ہوئے بعض مجبوریاں آڑے آجاتی ہیں، آپ کو یہ اطلاع دیتے ہوئے میں بڑا دکھ محسوس کررہا ہوں کہ آپ کی بیوی ثریا کو قتل کردیا گیا ہے۔"

جمیل احمد نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے شہاب کو دیکھا اور پھر اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔

"جو کچھ بھی ہوجائے کم ہے انسپکٹر صاحب پتا نہیں یہ اچھا ہوا ہے یا برا ہوا ہے لیکن مجھے حیرت ہے، ثریا کا قاتل کون ہوسکتا ہے، ایک بے ضرر شخصیت، ایک ایسی عورت جس نے صرف دُکھ ہی دُکھ اٹھائے ہیں کس کی وحشت اور درندگی کا شکار ہوسکتی ہے۔"

"بہرحال وہ ہلاک ہوگئی۔"

"کیسے آخر کیسے؟ آہ میں تو ویسے ہی اس سے دور ہوچکا تھا، کتنی بار میں نے اسے پیش کش کی کہ وہ مجھ سے طلاق لے لے، کسی بہتر جگہ شادی کرلے لیکن ناراض ہوجاتی تھی وہ ایسی باتوں پر، میرے ساتھ ہسپتال میں رہنا چاہتی تھی، ظاہر ہے اجازت نہیں مل سکتی تھی، چلو اچھا ہی ہوا، دنیا سے چھٹکارا حاصل ہوگیا اسے، میرے لئے زندگی کی دعائیں مانگتی تھی خود زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھی۔"

جمیل احمد پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا، شہاب اور گلاب جان بھی غمزدہ ہوگئے۔ بہرحال یہ ناخوشگوار فرائض ان لوگوں کو اکثر سرانجام دینا ہوتے تھے...... جمیل احمد کے لئے یہ غم ہی کیا کم تھا کہ اس کی بیوی کو قتل کردیا گیا لیکن ابھی اس پر ایک اور ناخوشگوار انکشاف کرنا تھا، چنانچہ شہاب نے کہا۔

"اور افسوسناک امر یہ ہے جمیل احمد صاحب کہ آپ کی بیوی کو آپ کے بھائی نے قتل کیا ہے۔"

"کیا؟" جمیل احمد دہشت سے اُچھل پڑا۔

"جی ہاں سہیل احمد نے خود اپنی گرفتاری پیش کرتے ہوئے اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ اس نے اپنی بھابی کو قتل کیا۔"

"ناممکن جناب ناممکن...... دنیا اتنی بری نہیں ہے ابھی...... میرا بھائی کبھی ایسا نہیں کرسکتا، پولیس آفیسر صاحب یہ بات ذہن میں رکھئے گا کہ وہ اپنی بھابی کو بے پناہ چاہتا تھا، دونوں بہت محبت کرتے تھے ایک دوسرے سے، بلکہ آپ یقین کیجئے کہ بارہا میں نے سوچا کہ

کاش ایسا ہوجائے کہ میں ثریا کو طلاق دے دوں اور سہیل اس سے شادی کرلے۔ یہ بات درجنوں بار میرے ذہن میں آئی اس انکشاف کے بعد کہ میری زندگی بہت مختصر ہے، لیکن میری ہمت نہیں پڑسکی کہ میں سہیل احمد سے دل کی بات کہہ سکتا، حالات کسی بھی شکل میں آپ کے سامنے آئیں آفیسر صاحب، ہاتھ جوڑ کر ایک درخواست کرتا ہوں وہ یہ کہ تفتیش کرلیجئے گا پوری پوری۔ پس منظر میں کیا ہے اس کو ذہن میں رکھئے گا۔ خدا کے لئے سہیل کی زندگی بچانے کے لئے آپ یہ یقین ضرور کرلیجئے کہ اس نے ایسا کیا ہے یا نہیں۔ آہ کس طرح ممکن ہے یہ، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... وہ تو بہت......" جمیل احمد زاروقطار رونے لگا۔

شہاب نے کہا۔ "جمیل احمد صاحب، ثریا کے بارے میں کچھ اور تفصیل بتائیے۔"

"ہم دونوں کالج کے ساتھی تھے، ہم نے گریجویشن ایک ساتھ ہی کیا...... سہیل مجھ سے صرف ڈھائی سال چھوٹا ہے، گریجویشن کرنے کے بعد مجھے ایک فرم میں ملازمت مل گئی۔"

"فرم کا نام؟" شہاب نے سوال کیا اور جمیل احمد نے فرم کا نام بتادیا جسے نوٹ کرلیا گیا۔

"جی۔"

"کچھ دن کے بعد سہیل بھی ملازم ہوگیا...... ہم دونوں بھائیوں نے مل کر گھر کی حالت بہتر بنائی، سہیل کو علم تھا کہ میں ثریا کو چاہتا ہوں۔ ثریا بے چاری بہت اچھی لڑکی تھی۔ ماں بچپن ہی میں مرچکی تھی، بھائیوں کی بے اعتنائی کا شکار رہی نہ جانے کس طرح اس نے اپنی تعلیم مکمل کی اور اس دوران اس کے والد صاحب ذہنی طور پر معذور ہوگئے، ثریا ملازمت کے لئے کوششیں کرنے لگی کئی جگہ اس نے انٹرویو دیئے لیکن جیسے ہی سہیل ملازم ہوا اس نے قدم آگے بڑھایا اور ثریا کے رشتے کی بات چیت کی۔ ہم اس لاوارث لڑکی کو شربت کے ایک گلاس پر نکاح کرکے لے آئے تھے اور اس کے بعد وہ اس گھر میں آبسی تھی لیکن بدنصیب خوش نہ رہ سکی اور اس کے نصیب کی سیاہی نے مجھے اس مرض کا شکار کردیا، پھر اس کے بعد بہت سے المیوں نے جنم لیا ہوگا۔"

"سہیل کہاں ملازمت کرتا تھا؟"

"میں اس فرم کا نام بھی آپ کو بتائے دے رہا ہوں وہاں وہ ایک محنتی نوجوان کے طور پر مشہور تھا اور اکثر اس فرم کے لئے نائٹ شفٹ بھی کرتا رہتا تھا، اس کے دل میں بس اب

ایک ہی خواہش تھی کہ کسی طرح ملک سے باہر لے جا کر میرا علاج کرا دے۔"

"ہوں۔ بہر حال جمیل احمد صاحب ہم اس سلسلے میں تفتیش کر رہے ہیں۔ اصل میں سہیل نے خود تھانے آکر اپنے اس جرم کا اعتراف کیا ہے اور شدید پشیمانی کے عالم میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اس سے بدترین غلطی ہوئی ہے اور اس نے اپنی وحشت کے ہاتھوں مجبور ہو کر یہ جرم کر ڈالا ہے اور اب اس پر پشیمان ہے۔"

"خدا کی قسم ناقابل یقین بات ہے، آپ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ اس نے میری اس شادی کے لئے کیا جدوجہد کی ہے...... کوئی کر نہیں سکتا اگر اس کے ذہن میں کوئی بری بات ہوتی تو اس کا اظہار تو پہلے بھی ہو سکتا تھا، کیسے یقین کر لوں میں کیسے یقین کر لوں۔"

"بہر حال آپ اطمینان رکھیں، ہر چند کہ اس نے اعتراف کر لیا ہے لیکن تفتیش بہر حال ضرور ہوگی اور اگر اس کے پس پردہ کوئی اور کہانی ہے تو اسے بھی منظر عام پر لایا جائے گا۔" شہاب نے کہا۔

"آہ کاش میں زندہ رہوں آہ کاش ایسا ہو جائے۔ کم از کم زندگی مجھے اتنا موقع دے دے کہ میں اپنے بھائی کی رہائی دیکھ سکوں اور یہ حقیقت ثابت ہو جائے کہ اس نے قتل نہیں کیا...... انسپکٹر صاحب کیا میں اپنے بھائی سے مل سکتا ہوں، آہ میں تو جدوجہد کرنے کے قابل بھی نہیں ہوں۔ کون اس کی پیروی کرے گا، کون اس کے لئے وکیل کرے گا، کوئی بھی نہیں ہے ہمارا۔"

"آپ فکر نہ کریں، میں آپ سے وعدہ کر چکا ہوں کہ کیس کی تفتیش کی جائے گی، عجیب کیس ہے یہ بدقسمتی سے نہ مقتولہ کی جانب سے کوئی مدعی ہوگا اور نہ مجرم کی جانب سے، سارے کام پولیس ہی کو کرنا ہوں گے، لیکن اس کے باوجود آپ مطمئن رہیں، میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے بھائی کے لئے میں خود ہی وکیل بھی کروں گا اور ایک پولیس آفیسر کی حیثیت سے ایک ایماندارانہ تفتیش بھی۔"

"خدا آپ کو خوش رکھے ایک خاندان کو مکمل طور سے برباد ہونے سے بچا لیجئے ارے میں تو زندگی کی بازی ہار چکا ہوں، وہی کمبخت زندہ رہ جائے، کیا روگ لگا لیا اس نے اپنے آپ کو، کیوں کیا ہے اس نے ایسا، خدا ہی جانے۔" کافی دیر تک یہ لوگ وہاں رہے اور اس کے بعد جمیل احمد کو مزید دلاسے دے کر ہسپتال سے واپس تھانے میں آگئے۔ شہاب نے تمام

کاغذات تفصیل کی نقلیں تیار کرائیں۔ روزنامچہ ترتیب دیا گیا۔ گلاب جان نے کہا۔

"سر، ہمارے لئے کوئی ذمے داری ہو تو آپ بتائیے؟"

"ابھی اس سلسلے میں کوئی مناسب فیصلہ کر لوں میں اس کے بعد گلاب جان تمہارے سپرد کوئی ذمے داریاں کروں گا۔"

"جی صاحب۔" گلاب جان نے جواب دیا اور شہاب نے اسے آرام کرنے کی ہدایت کر دی، پھر وہ اپنے تمام کاغذات سمیٹ کر وہاں سے اٹھ گیا اور جاتے ہوئے اس نے ہدایت کی کہ لاک اپ میں سہیل احمد کا خاص خیال رکھا جائے۔ وہ اقبالی مجرم ہے اور اس سے کسی قسم کی تفتیش کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچنی چاہئے اس کے بعد وہ دفتر سے نکل آیا۔

***

جوہر خان نے مسکراتے ہوئے بینا کو خوش آمدید کہا اور بینا کہنے لگی۔

"جوہر خان موٹے ہو رہے ہو، ورزش وغیرہ چھوڑ دی ہے کیا، اپنے آپ کو فٹ کرنے کی کوشش کرو۔"

"ہمیں تو تقدیر نے اچھی طرح فٹ کر دیا ہے میڈم بالکل فٹ ہیں۔" جوہر خان ہنس کر بولا اور پھر بینا بھی ہنسنے لگی۔

"تمہارے بارے میں شہاب سے ایک بات کرنا چاہتی ہوں میں؟"

"کوئی غلطی ہو گئی ہم سے؟"

"بالکل نہیں مگر مجھے تمہاری یہاں تنہائی پسند نہیں آتی۔"

"مطلب؟"

"شادی کر لو جوہر خان۔" یہ بینا نے کہا اور جوہر خان ایک دم سنجیدہ ہو گیا پھر آہستہ سے بولا۔

"نہیں میڈم اصل میں شادی تو ہم ضرور کرتے لیکن اپنے گناہوں کا شکار ہو گئے، جس شخص نے شادی کے نام پر ایک لڑکی کو ہمارے ہاتھوں برباد کرایا وہ تو جہنم رسید ہو گیا، لیکن ہمارے دل میں ہمیشہ کے لئے ناسور چھوڑ گیا، ہمیں اب بھی اپنے ان مظالم کا احساس ہے جو ہم اس بے چاری لڑکی پر کرتے رہے ہیں۔"

"جوہر خان تم نے اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا ہے جو کچھ تم نے کیا وہ بھی تو معمولی نہیں ہے۔ ایسی حالت میں تمہیں مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ تم بے گناہ ہو، اپنے آپ کو ذہنی طور پر اس کے لئے تیار کرو، میں بالکل سنجیدگی سے یہ کہہ رہی ہوں۔" بینا نے کہا اور جوہر خان پھیکی سی ہنسی ہنس کر خاموش ہو گیا...... بینا اندر چل پڑی تھی۔ شہاب اس کا منتظر تھا۔ بینا نے سلام کیا تو شہاب مسکرا کر اسے دیکھنے لگا۔ "آیئے مس بینا۔"

"کیسے ہیں سر آپ؟"

"یہ تو تم ہی بتا سکتی ہو۔"

"جی۔"

"میں کیسا ہوں اپنے منہ سے کیا کہوں۔" بینا ہنس کر بیٹھ گئی۔

"کیوں، بس بات ختم؟"

"نہیں سر۔"

"بہر حال مس بینا، آپ سنایئے۔"

"بس کیا کہوں شہاب صاحب، آپ نے ایسی عادتیں ڈال دی ہیں کہ اب مجھے ان کے بارے میں سوچنا پڑتا ہے۔"

"اب اتنا الزام تو نہ لگایئے گا۔"

"جی۔"

"میں نے کبھی آپ کو کوئی عادت نہیں ڈالی، بلکہ میں تو خود ترستا رہتا ہوں کہ آپ مجھے کوئی عادت ڈالیں؟"

"ایک بات کہوں آپ سے۔"

"جی، جی فرمایئے۔"

"اس کوٹھی میں بڑی کمی محسوس ہوتی ہے، کبھی کبھی چائے وغیرہ بنانے کو دل نہ چاہے اور بس پینے کو چاہے تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہئے؟"

"حکم دینا چاہئے ہمیں۔"

"ارے توبہ یہ کیسی باتیں کرتے ہیں آپ۔"

"اوہو ایک منٹ ابھی آیا۔" شہاب نے اس طرح کہا جیسے اسے کچھ یاد آ گیا ہو اور بینا

اسے دیکھتی رہ گئی، شہاب کمرے سے باہر نکل گیا۔ پتا نہیں کیا کام یاد آ گیا ہے اسے...... بینا نے دل میں سوچا لیکن کوئی دو تین منٹ کے بعد شہاب ایک ٹرالی دھکیلتا ہوا لایا، جس پر بڑے اعلیٰ غیر ملکی بسکٹ اور چائے کے برتن سجے ہوئے تھے۔ بینا چونک کر کھڑی ہو گئی۔

"یہ، یہ کیا؟"

"چائے تین منٹ میں تیار نہیں ہوتی۔"

"مم...... مگر یہ؟"

"بھئی میں نے بنا کر رکھی تھی۔ میں نے یہ سوچا کہ یہ ہو سکتا ہے، کبھی مس بینا کا دل چائے بنانے کے بجائے پینے کو چاہے تو انہیں یہ احساس نہ رہ جائے کہ ان کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔"

"کیوں شرمندہ کرتے ہیں شہاب۔ یہ آپ کا کام ہے؟"

"کام تو آپ ہی کا ہے لیکن وہ جو کہتے ہیں کہ زندگی میں ہر کام نصف نصف ہو جائے تو بہتر رہتا ہے، میرا مطلب ہے نصف بہتر۔" شہاب نے کہا اور بینا ہنس پڑی، پھر وہ چائے بنانے لگی اور ایک پیالی شہاب کے سامنے رکھ کر بسکٹ کی پلیٹ اس کی طرف بڑھائی اور پھر خود چند بسکٹ لے کر بیٹھ گئی۔

"ہاں تو اس سلسلے میں کوئی خاص بات کہنا چاہ رہی تھیں آپ؟"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے جوہر خان سے یہی بات کر رہی تھی میں کہ وہ شادی کر لے۔"

"میں نے بھی کہا تھا اس سے لیکن شاید ہی تیار ہو وہ اس کے ذہن میں ایک احساس بیٹھا ہوا ہے۔"

"ہاں اس نے مجھ سے تذکرہ کیا تھا۔"

"خیر اس موضوع پر بعد میں بات کر لیں گے بینا...... ایک کیس آ گیا ہے۔"

"ویری گڈ، میں بھی یہی کہہ رہی تھی نا سر کہ آپ نے مجھے ایسی عادت ڈال دی ہے کہ اب بے کار بیٹھنا اچھا نہیں لگتا۔"

"بینا دل کی بات کہہ رہا ہوں تم سے، نادر حیات صاحب نے مجھے بہت بڑا عہدہ بخش دیا تھا لیکن جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ اس عہدے کے تحت ہمیں انہی معیاری کیسوں کا انتظار کرنا پڑتا تھا جن کا کوئی خاص مقصد، خاص مقام ہو ہم عام زندگی سے دور ہو گئے تھے،

جبکہ تھانوں میں یہ بات نہیں ہے۔"

"میں جانتی ہوں سر۔"

"پھر سر تم اپنی گفتگو میں چھے مرتبہ سر کہہ چکی ہو اور صرف دو مرتبہ شہاب کہا ہے۔" شہاب نے آنکھیں نکال کر کہا اور بینا ہنسنے لگی۔

"کیا کروں بھئی آپ مجھے معاف کر دیا کریں۔"

"کمال ہے، ہر بار گال پر تھپڑ پڑتا ہے اور آپ معافی مانگ لیتی ہیں۔"

"اب احتیاط رکھوں گی۔" بینا نے بدستور ہنستے ہوئے کہا۔

"تھینک یو، ایک کیس آیا ہے میرے پاس، بڑا عجیب و غریب کیس ہے۔"

"کیا؟" بینا نے سوال کیا اور شہاب بینا کو اب تک کی تفصیلات بتانے لگا۔ بینا بہت دلچسپی سے ساری کہانی سن رہی تھی۔ شہاب نے کہا۔

"پوسٹ مارٹم رپورٹ آچکی ہے، لڑکی کی لاش کو سرکاری طور پر تدفین کے لئے سپرد کر دیا گیا ہے۔"

"پوسٹ مارٹم رپورٹ میں کیا ہے؟"

"کوئی خاص بات نہیں، گردن دبا کر مارا گیا ہے اور قتل کرنے سے پہلے اس کی آبرو ریزی بھی کی گئی ہے۔"

"گویا سہیل کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔"

"ہاں بینا لیکن یقین کرو، بعض اوقات ایسے الفاظ حماقت پر مبنی ہوتے ہیں اور انہیں کسی بھی طور بیان نہیں کیا جا سکتا لیکن نہ جانے کیوں میرے دل میں کھوٹ ہے، ایک احساس ہے کہ اس کے پس پردہ کوئی اور بات ہے، یہ کوئی وقتی جنون نہیں ہے بلکہ کچھ ہے اس کے پیچھے، کوئی اہم بات، میں یہ نہیں کہتا کہ سہیل اس جرم کا مرتکب نہیں ہو سکتا لیکن بات صرف اتنی سی نہیں ہے۔"

"جی سر، ایک چیز میرے ذہن میں بھی کھٹک رہی ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے کہ آپ نے خاص طور سے اس کی نشاندہی کی ہے۔"

"کیا؟" شہاب دلچسپی سے بولا۔

"سر ایک لاکھ روپے کا وہ چیک جو بنک میں جمع کرایا گیا ہے۔" شہاب کے ہونٹوں پر

مسکراہٹ پھیل گئی اس نے تعریفی نگاہوں سے بینا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور اگر تم نہ ملتیں تو میرا کیا ہوتا؟"

"جی؟"

"کچھ نہیں...... کچھ کہا ہے میں نے؟" بینا پھر ہنسنے لگی تو شہاب بولا۔

"یہ تم بار بار ہنسنے کیوں لگتی ہو۔ بعض اوقات میرے منہ سے کچھ بے معنی جملے بھی نکل جاتے ہیں...... کیا کہا تھا میں نے؟"

"پتا نہیں سر۔"

"نہیں پلیز بینا آپ بتائیے مجھے کیا کہا تھا میں نے۔ میں ان بے معنی جملوں کو جاننا چاہتا ہوں جو کبھی کبھی غیر اختیاری طور پر میرے منہ سے نکل جاتے ہیں۔"

"آپ نے کہا تھا کہ اگر تم مجھے نہ ملتیں تو کیا ہوتا؟"

"ہاں بینا۔ یہ تو میں نے غیر اختیاری طور پر نہیں کہا تھا...... یہ ایک سچ ہے، اتنی ذہین ساتھی اگر انسان کو نہ ملے تو اس کے بہت سے عمل ادھورے رہ جائیں گے۔"

"میں تو آپ کا شکریہ ادا کرتے کرتے بھی تھک گئی ہوں شہاب۔"

"تو پھر چائے کا ایک کپ اور ہو جائے؟" شہاب نے کہا اور بینا ہنس کر اٹھ گئی پھر دونوں بہت دیر تک خاموشی سے چائے پیتے رہے تھے...... دونوں کی آنکھوں میں گہری سوچ کے آثار تھے...... بینا تھوڑی دیر کے بعد گردن اٹھا کر بولی۔

"سر ایک تھوڑا سا کام ہمیں کرنا پڑے گا۔ وہ یہ ہے کہ پہلے تو بنک سے معلومات حاصل کی جائیں کہ سہیل احمد کے اکاؤنٹ میں کس قدر رقم جمع ہے پھر یہ معلوم کیا جائے کہ ایک لاکھ روپے کا یہ چیک کس سلسلے میں سہیل کو ملا ہے اور کس نے دیا ہے...... تھوڑی سی بات جمیل احمد اور مرحوم ثریا کے ماضی پر بھی چلی جاتی ہے۔ ذرا سی معلومات کرانی چاہئے۔"

"تو پھر ڈبل او سیون، اس سلسلے میں آپ کو اختیارات دیئے جاتے ہیں۔ آپ ذرا تفتیش کر کے ہمیں اس کی تفصیل فراہم کریں۔"

"او کے چیف، میں حاضر ہوں۔" بینا نے ہاتھ کی مٹھی بند کر کے سینے پر رکھتے ہوئے کہا۔

"نن...... نہیں، نخ...... خدا کے لئے جملوں کے استعمال میں احتیاط برتا کیجئے مس بینا۔"

"کوئی غلط بات کہہ دی میں نے شہاب صاحب؟"

"جی ہاں، آپ نے بڑی فراخ دلی سے فرمایا تھا کہ آپ حاضر ہیں، ابھی بھلا آپ کی حاضری مکمل کیسے ہو سکتی ہے۔ ہاں بینا، ایک کام ہمیں کرنا ہے...... مقتولہ کی طرف سے تو پولیس مدعی ہو ہی گئی لیکن میرے خیال میں واسطی صاحب کو سہیل احمد کے لئے وکیل مقرر ہونا چاہئے۔" بینا نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا اور بولی۔

"اس کا مطلب ہے مسٹر شہاب کہ آپ سہیل کی بے گناہی پر غور کر رہے ہیں؟"

"نہیں، آپ نے یہ اندازہ کیسے لگایا مس بینا؟"

"ڈیڈی کو کسی کا وکیل مقرر کر کے آپ انہیں ہروانا تو پسند نہیں کریں گے؟"

"بخدا یہ بات نہیں ہے، جرم کی سزا ہونی چاہئے۔ چاہے اس میں کوئی مقدمہ ہارنا پڑے یا جیتنا پڑے۔"

"یہ بات مجھ سے زیادہ اور کون جان سکتا ہے۔ آپ یقین کیجئے بڑی بری حالت کا شکار رہی ہوں اس رات کے بعد۔"

"میرا خیال ہے اب آپ اپنا کام کریں اور مجھے اجازت دیجئے۔"

"او کے چیف۔" بینا بولی۔ دونوں ساتھ ساتھ ہی باہر نکل آئے تھے۔

❁

ڈبل او گینگ کے ڈبل او سکس یعنی فراست علی نے بینا کو رپورٹ دی۔

"میڈم، میں نے معلومات حاصل کرلی ہیں۔ اس کے اکاؤنٹ میں ایک لاکھ سات سو اسی روپے ہیں، ایک ہزار روپے سے یہ اکاؤنٹ اب سے تقریباً تین ماہ پہلے کھلوایا گیا تھا اور اس میں سے ایک چیک کے ذریعے تھوڑے سے پیسے نکلوائے گئے تھے۔ بعد میں یہ ایک لاکھ روپے کا چیک جمع کرایا گیا ہے جو کلیئر ہو کر اس کے اکاؤنٹ میں شامل ہو چکا ہے۔"

"چیک احمد انٹر پرائزز کا ہے۔ احمد انٹر پرائزز کیا کاروبار کرتا ہے؟"

"میڈم یہ مختلف چیزوں میں ڈیل کرتا ہے۔ امپورٹ ایکسپورٹ کا کاروبار بھی ہے اس کا اور مقامی طور پر بھی یہ لوگ کچھ مینو فیکچر کرتے ہیں۔"

"مالک کے بارے میں کوئی رپورٹ؟"

"ایک نوجوان اور خوبصورت سیدھا سادا سا آدمی ہے۔ ہم نے اس سے زیادہ کام نہیں کیا کیونکہ مجھے اس کی ہدایت نہیں ملی تھی۔"

"او کے تھینک یو۔" دوسری رپورٹ سالک نے دی تھی۔

"مس بینا، میرے پاس ایک دلچسپ رپورٹ ہے۔"

"تو پھر ہمیں بھی بتا دو۔" بینا نے مسکراتے ہوئے کہا اور سالک شاید جھینپ گیا۔ کہنے لگا۔

"بی بی، دونوں کالج کے رومانی جوڑے کی حیثیت سے مشہور تھے اور ایک دوسرے سے کافی قربت تھی ان کی۔ جس کی اطلاع باقی لوگوں کو بھی تھی لیکن ایک رقیب کا نام بھی درمیان میں آتا ہے۔"

"گڈ ویری گڈ، وہ نام کیا ہے؟"

"علی احمد، مسٹر علی احمد کچھ عرصے قبل ایک بنک میں ملازمت کرتے تھے...... بنک کی طرف سے بھی انہیں تربیت کے لئے بیرون ملک بھیجا گیا تھا لیکن وہاں سے واپسی کے بعد انہوں نے بنک کے واجبات ادا کر دیئے اور خود اپنی ایک فرم احمد انٹر پرائزز کے نام سے کھول لی اور اب یہ فرم اچھی خاصی حیثیت کی مالک ہے اور مسٹر علی احمد اس کے ڈائریکٹر ہیں۔" بینا کے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔ یہ واقعی ایک دلچسپ رپورٹ تھی۔

"تو مسٹر علی احمد بھی ثریا سے محبت کرتے تھے؟"

"نہ صرف محبت کرتے تھے بلکہ کالج میں انہیں علی احمد کے بجائے رقیب احمد کہا جاتا تھا۔ یا زیادہ بے تکلف دوست انہیں رقیب روسیاہ کہہ لیا کرتے تھے۔"

"اور ثریا کی توجہ اس کی جانب نہیں تھی۔"

"انسان اسی وقت رقیب بنتا ہے میڈم۔"

"گڈ سالک، بڑی اچھی معلومات ہیں تمہاری اس سلسلے میں، ویری گڈ۔"

"تھینک یو میڈم اور کوئی حکم؟"

"نہیں میرا خیال ہے تمہاری رپورٹ خاصی موثر اور مکمل ہے۔" تیسری رپورٹ انجم شیخ کی تھی جسے اس فیکٹری میں معلومات کے لئے بھیجا گیا تھا، جس میں سہیل احمد کام کرتا تھا...... فیکٹری کی رپورٹ یہ تھی کہ سہیل احمد ایک ذمے دار اور محنتی نوجوان تھا...... ملازمت لگے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا لیکن تنخواہ صرف بائیس سو روپے لگی تھی۔ البتہ اس نے کوشش کر کے اسی فرم کی فیکٹری میں بھی اپنے لئے جگہ بنائی تھی اور اس کی خصوصی اجازت اسے فیکٹری منیجر سے ملی تھی، کیونکہ فیکٹری منیجر کو یہ بات معلوم تھی کہ

سہیل احمد کا بھائی بیمار ہے اور زندگی اور موت کی کشمکش کا شکار ہے۔ سہیل احمد اپنے بھائی کے علاج کے لئے زیادہ کام کر کے زیادہ رقم کمانا چاہتا ہے اور اس کے لئے وہ یہ محنت کر رہا ہے۔ چنانچہ اسے اجازت مل گئی تھی اس کے علاوہ میڈم جو سب سے اہم اور خاص رپورٹ ہے وہ یہ ہے کہ اتفاق سے مجھے اس کیس کی تفصیل معلوم ہے۔ آپ ہی کے ذریعے پتا چلا تھا۔ اس کے تحت ایک تھوڑی سی معلومات جو میں نے حاصل کی ہیں وہ یہ ہیں کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق قتل کا جو وقت ہے اس کے بعد سے صبح تک کا وقت سہیل احمد نے فیکٹری میں ہی گزارا ہے اور نائٹ شفٹ کرتا رہا ہے۔ وہاں کا سپروائزر میرا شناسا نکل آیا۔ رزاق نام ہے اس کا...... میں نے بڑی تفصیل سے اس سے بات چیت کی ہے۔ رزاق کا کہنا ہے کہ سہیل احمد نائٹ شفٹ میں کام کرتا رہا ہے اس کا مطلب ہے میڈم کہ اس وقت وہ فیکٹری میں کام کر رہا تھا۔ جب ثریا کا قتل ہوا۔“

”ویری گڈ، یقینی طور پر اس ڈیوٹی کا کوئی اندراج بھی ہوتا ہوگا۔“

”جی ہاں باقاعدہ۔“

”ہوں...... بہت شاندار رپورٹ ہے۔“

”تھینک یو میڈم۔“ انجم شیخ نے کہا۔

”او کے انجم...... اس کے علاوہ فی الحال اور کوئی بات نہیں ہے آرام کرو۔“

بینا نے بڑی محنت سے یہ تینوں رپورٹیں تشکیل دیں، ٹرانسمیٹر پر رپورٹ ملی تھی اور اس وقت وہ عدنان واسطی کے پاس ہی بیٹھی ہوئی کام کر رہی تھی۔ ہر چند کہ یہ رپورٹیں خفیہ تھیں لیکن چونکہ عدنان واسطی کو اب اس سلسلے میں باقاعدہ ملوث کر لیا گیا تھا اور شہاب کی ہدایت پر ہی انہیں تمام حالات سے آگاہ کیا گیا تھا۔ اس لئے رپورٹوں کی مکمل تشکیل کے بعد بینا کی عدنان واسطی سے اس موضوع پر گفتگو ہوئی، عدنان واسطی کہنے لگے۔

”کمال ہے بھئی، یعنی یہ تو ایک باقاعدہ سنسنی خیز پوزیشن بن گئی اور اب خاص طور سے علی احمد انٹرپرائزز کی جانب توجہ دی جا سکتی ہے۔ اس شخص کی شخصیت اس لحاظ سے اور مشکوک ہو جاتی ہے کہ پہلے یہ کچھ بھی نہیں تھا اور اب ایک فرم کا مالک ہے اور پھر اس کا تعلق کسی نہ کسی شکل میں ثریا سے رہا ہے لیکن وہ ایک لاکھ روپے، مسئلہ بڑا عجیب نہیں ہے۔“

”شہاب صاحب ہی اس مسئلے کی بنیادوں کو ٹٹول سکتے ہیں۔“

”ہاں قدرت نے اسے بڑی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔“ عدنان واسطی نے کہا۔ بینا نے تھانے فون کیا تو گلاب جان نے فون ریسیو کیا تھا۔

”آپ کون ہے بی بی صاحب؟“

”میرا نام بینا ہے...... میں شہاب صاحب سے بات کرنا چاہتی ہوں۔“

”شہاب صاحب ابھی موجود نہیں ہے، آپ میرے کو پیغام دو۔“

”نہیں شکریہ۔“ بینا نے کہا اور پھر شام کو پانچ بجے تھانے ہی میں اس کا رابطہ شہاب سے ہوا...... فون کیا تھا تو فون شہاب ہی نے اٹھایا تھا۔

”چیف کہاں ہو؟“

”ہیلو بینا...... بس یوں سمجھ لو کہ کوئی دس سیکنڈ پہلے دفتر میں داخل ہوا ہوں اور داخل ہوتے ہی فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی، چنانچہ اب تم سے بات کر رہا ہوں۔“

”رپورٹیں موصول ہو گئی ہیں۔“

”مصروفیت کیا ہے؟“

”کوئی خاص نہیں۔“

”تو پھر کیا خیال ہے کہاں ملاقات ہو رہی ہے؟“

”جہاں آپ کہیں۔“

”کبانہ میں شام کو بہت عمدہ قسم کی اسنیکس بنائی جاتی ہیں...... میرا خیال ہے وقت بھی ہو رہا ہے...... رسم دنیا بھی ہے اور دستور بھی آجاؤ۔“

”حاضر ہو رہی ہوں سر۔“

”کبانہ معلوم ہے؟“

”آپ ہی نے دکھایا تھا۔“

”ارے ہاں صحیح ہے آجاؤ پھر، میں انتظار کر رہا ہوں۔“ بینا شہاب سے پہلے کبانہ پہنچ گئی تھی۔ بڑی سنسنی کا شکار تھی، پرسکون ہوٹل کے ایک گوشے میں بیٹھ کر وہ شہاب کا انتظار کرنے لگی اور اسے ابھی بیٹھے ہوئے ایک منٹ گزرا تھا کہ شہاب اندر داخل ہو گیا۔ قریب پہنچ کر اس نے بینا سے معذرت کی اور بیٹھ گیا۔

”جی مس بینا...... اب چائے وغیرہ کے لئے کہہ دیجئے۔“ بینا نے ویٹر کو طلب کر کے

آرڈر دیئے پھر شہاب کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"سر کئی رپورٹیں موصول ہوئی ہیں۔"

"جی سنائیے۔" شہاب سنجیدگی سے بولا اور بینا ڈبل او گینگ کی فراہم کردہ تفصیل بتانے لگی۔ شہاب غیر متوقع طور پر آنکھیں بند کئے تفصیل سن رہا تھا پھر بینا خاموش ہو گئی۔ ویٹر نے ان کا آرڈر سرو کر دیا تھا۔

"تینوں رپورٹیں اپنی جگہ جامع ہیں۔"

"بے شک۔"

"بحث کریں مس بینا؟"

"آپ سے سر؟" بینا مسکرا کر بولی۔

"ہوں۔" شہاب کسی خیال سے چونک کر بولا...... بینا کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھی اور اس کی آنکھوں میں شرارت کے آثار پھر اس کے الفاظ پر غور کیا اور اس کی رگ ظرافت بھی پھڑک اٹھی...... پھر وہ مسکرا کر بولا۔

"ابھی کوئی حرج نہیں ہے مس بینا۔"

"جی سر۔"

"میں یہ کہہ رہا تھا کہ ابھی کوئی حرج نہیں ہے۔"

"کچھ سمجھ میں بات نہیں آئی۔"

"میرا مطلب ہے کہ ابھی بحث کر سکتی ہو...... ہاں شادی کے بعد بیویوں کو شوہروں سے بحث نہیں کرنی چاہئے۔"

"جی۔" بینا اس براہ راست حملے سے بوکھلا سی گئی۔

"مشورے کے طور پر کہہ رہا ہوں کہ یہ تو ایک ضروری بحث ہے...... لڑکیوں کی جب شادی ہو جائے تو انہیں شوہروں کے ساتھ بحث نہیں کرنی چاہئے...... ظاہر ہے آپ کی بھی کہیں نہ کہیں شادی ہو گی مس بینا۔ میں آپ کو آپ کے مستقبل کے لئے مشورے دے رہا ہوں۔" بینا ہنسنے لگی پھر بولی۔

"جانتی ہوں...... شہاب صاحب کے سامنے ہوں۔"

"کیا مطلب؟" شہاب نے پوچھا۔

"کچھ نہیں سر...... بس غلطی ہو گئی۔"

"اچھا حربہ آزما رہی ہو۔"

""

جب جواب نہیں دے سکیں تو سر سر کہہ کر ذہن خراب کرنا شروع

ارے مس بینا آپ تو واقعی بہت چالاک ہیں۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"

"سر آپ موضوع سے ہٹ گئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے بابا ٹھیک ہے آپ سر کہیں پاؤں کہیں جو دل چاہے کہیں آپ کو نجانے کیا کیا اختیارات حاصل ہیں۔"

"یہ لیجئے۔" بینا نے مشروب کا گلاس شہاب کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا اور شہاب نے گلاس اپنی جانب گھسیٹ کر کہا۔

"اچھی بات ہے اسے لولی پاپ کہتے ہیں۔"

"سر کیا اندازہ لگایا آپ نے ان رپورٹوں سے؟"

"معاف کر دو بابا...... جب تم مجھے سر کہتی ہو تو میرے سر میں درد ہونے لگتا ہے۔"

"آپ نے کیا اندازہ لگایا ان رپورٹوں سے شہاب صاحب؟"

"بڑی سنسنی خیز رپورٹیں ہیں مس بینا۔ ذرا سا حالات پر پھر نگاہیں دوڑاتے ہیں...... اس کا کہنا ہے کہ وہ اپنی بھابی کے بارے میں برے خیالات رکھتا تھا جبکہ باقی معاملات سے پتا چلتا ہے کہ وہ ایک عقیدت مند دیور تھا اور اس کے لئے بہت مشکل تھا کہ وہ اپنی بھابی کے بارے میں اس انداز سے سوچے۔"

"جی سر بالکل ٹھیک ہے۔"

"ایسی شکل میں بینا بڑا مشکل ہو جاتا ہے اس مرحلے تک پہنچنا لیکن وہ کم بخت آتا ہے۔ اعتراف جرم کرتا ہے۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ اس کے جرم کی تصدیق کرتی ہے اس سے زیادہ الجھن کی بات اور کون سی ہو سکتی ہے۔"

"جی سر...... اب آجاتے ہیں دوسری سمت۔ یعنی علی احمد ایک لاکھ روپے کا چیک...... سر علی احمد نے یہ چیک سہیل کو کیوں دیا؟"

"بہت ہی مشکل سوال ہے۔"

"جبکہ علی احمد دوران طالب علمی ثریا سے محبت بھی کرتا تھا اور ثریا کی شادی جمیل احمد سے ہو گئی۔ ایک انوکھا ربط ہے، اس کے درمیان سر...... بہت ہی مشکل کھیل ہے اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ علی احمد نے یہ رقم کسی خاص مسئلے کے لئے سہیل کو دی تھی تو یہ بات مانی جا سکتی ہے۔ سہیل رقم کا مالک بن گیا لیکن پھر پوسٹ مارٹم رپورٹ کیا، ہم اس کا ذمہ دار علی احمد کو ٹھہرائیں؟ اس نے کسی شیطانی جذبے سے مجبور ہو کر سہیل کو اپنے ساتھ ملایا اور اس کے بعد یہ ساری کارروائی کر ڈالی گئی۔"

"لیکن مس بینا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سہیل ایک لاکھ روپے کی وہ رقم لے کر کیا کرتا۔ چلو فرض کرو کہ وہ ایک لاکھ روپے اس کے حالات کو بہتر بنا دیتے تو اس کے بعد اسے اس بات کی کیا ضرورت تھی کہ ثریا کو قتل کیا جاتا اور وہ قاتل کی حیثیت سے اپنے آپ کو تھانے میں پیش کرتا۔ نہ صرف قاتل کی حیثیت سے پیش کرتا بلکہ اپنے اس جرم کا اعتراف بھی کرتا جس کے بعد اس کی سزا میں مزید سنگینی پیدا ہو جاتی ہے۔"

"سر کہنے کو تو بہت سے عوامل سامنے آتے ہیں۔"

"مثلاً؟"

"سر اس کا بھائی کینسر کا مریض ہے اور ہسپتال میں داخل ہے۔"

"ہاں یقیناً۔"

"اسے دولت کی ضرورت ہے؟"

"ہے"

"اس دولت کے حصول کے لئے وہ نائٹ شفٹ تک کام کرتا ہے اور وہاں کی رپورٹ سے یہ پتا چل جاتا ہے کہ وہ اس وقت وہاں کام کر رہا تھا جب ثریا کو قتل کیا گیا اور بعد میں اس نے اپنے آپ کو قاتل کی حیثیت سے کیوں پیش کر دیا...... آخر کیوں؟"

"بڑے اُلجھے ہوئے سوال ہیں بینا لیکن ہم اس کے خاکے تیار کر سکتے ہیں۔"

"جہاں تک میرے اپنے تجربے کا تعلق ہے سر تو یہ خاکے ہی ہمیں حقیقتوں تک پہنچاتے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک کہتی ہیں آپ مس بینا۔"

"تو پھر ہم ان خاکوں پر کیوں نہ بحث کریں۔"

"میرے ذہن میں ایک ترتیب بن رہی ہے سر۔"

"ہاں۔ کہو" شہاب نے سامنے رکھے ہوئے گلاس سے مشروب کے چند گھونٹ لئے اور بینا کا چہرہ دیکھنے لگا۔ بینا کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی، اس نے کہا۔

"جمیل احمد سہیل احمد کا بھائی ثریا سے محبت کرتا تھا...... دونوں نے کسی نہ کسی طرح شادی کر لی۔ ثریا کا بھی کوئی خاص خاندان نہیں ہے...... بظاہر کوئی نظر نہیں آتا...... ورنہ اب تک اس سلسلے میں سامنے آ چکا ہوتا پھر جمیل احمد اچانک بیمار ہو جاتا ہے اور بیماری بھی ایسی جو جان لیوا ہے۔ گویا ایک طرح سے جمیل احمد کی زندگی کا خاتمہ ہی ہو چکا ہے۔ سر جمیل احمد کا بھائی سہیل احمد جو اپنے بھائی کے علاج کے لئے دن رات محنت کر رہا ہے اور اس کی یہ خواہش ہے کہ کسی بھی طرح اس کا بھائی صحت یاب ہو جائے۔"

"بالکل۔"

"اسے علم ہے کہ کسی زمانے میں علی احمد ثریا سے محبت کرتا تھا۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔"

"اس کے بعد سر اسے اپنے بھائی کی زندگی خطرے میں نظر آتی ہے تو وہ علی احمد سے ملاقات کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اسے کچھ رقم دی جائے تاکہ وہ اپنے بھائی کے علاج پر خرچ کر سکے...... علی احمد اپنے شیطانی جذبوں سے مجبور ہو کر اس سے کہتا ہے کہ اگر وہ علی احمد کو ثریا کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کا موقع دے تو اس کے عوض وہ اسے ایک لاکھ دے سکتا ہے۔"

"ویری گڈ۔" شہاب نے مسکراتی نگاہوں سے بینا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور اس کے بعد علی احمد اپنے شیطانی جذبوں کی تسکین کر لیتا ہے اور پھر کسی ایسے انتقامی جذبے کے تحت وہ ثریا کو قتل کر دیتا ہے جس کا تعلق ماضی سے ہو سکتا ہے، کیونکہ پوسٹ مارٹم رپورٹ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا سر۔"

"کہتی رہو۔ کہتی رہو۔"

"پھر اچانک ہی جب سہیل احمد اپنی ڈیوٹی سے واپس پہنچتا ہے تو اسے ثریا کی لاش ملتی ہے۔ محبت کرنے والی بھابی کو اس حال میں دیکھ کر اس کا ضمیر جاگ اٹھتا ہے اور وہ شدت جذبات سے مغلوب ہو کر اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دیتا ہے، وہ یہ تو نہیں کہنا چاہتا کہ اس نے اپنی بھابی کا سودا کیا ہے وہ سارا الزام اپنے سر لے کر قاتل کی حیثیت سے پھانسی پر

چڑھ جانا چاہتا ہے۔ سر یہ حقیقت قرین قیاس ہے، ایسا ہو سکتا ہے۔"

شہاب تعریفی نگاہوں سے بینا کی صورت دیکھتا رہا پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"آپ یقین کیجئے بینا اب تو آپ کو استاد کہنے کو جی چاہتا ہے۔"

"اس کی نہیں ہو رہی ہے سر۔"

"سر کی بھی نہیں ہو رہی ہے مس بینا۔" شہاب جھلائے ہوئے لہجے میں بولا اور بینا کو پھندا لگ گیا۔ اس نے رومال منہ پر رکھا...... دیر تک کھانستی اور ہنستی رہی پھر بولی۔

"کیا کروں آپ کا احترام ہی اتنا ہے میرے دل میں کہ بار بار منہ سے سر نکل جاتا ہے۔"

"اس احترام کو محبت میں تبدیل کر دو بینا کم از کم شہاب تو کہہ سکو گی۔" شہاب نے پھر کہا اور گلاس اٹھا کر منہ سے لگا لیا...... بینا عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔ شہاب اتنی صاف گوئی سے یہ سب کچھ کہہ گیا تھا کہ بینا کو اس کی توقع نہیں تھی۔ ویسے اس نے بارہا بینا سے اس قسم کے اظہار کئے تھے لیکن آج کے یہ الفاظ کچھ زیادہ ہی واضح تھے۔

بینا کے چہرے پر شرم کی سرخی دوڑ گئی۔ شہاب کی تو عادت تھی اس نے فوراً ہی گلاس نیچے رکھتے ہوئے کہا۔

"اور اس سلسلے میں جو ایک اہم بات رہ جاتی ہے مس بینا وہ یہ ہے کہ علی احمد کا ماضی کیا ہے، جیسا کہ علم ہوا کہ وہ بینک میں ملازمت کرتا تھا اور بینک نے اسے تربیت کے لئے بیرون ملک بھیجا واپس آنے کے بعد اس نے بینک کی ملازمت ترک کر دی، نہ صرف ترک کر دی بلکہ اس کے واجبات بھی ادا کر دیئے اور اس کے بعد اپنی یہ شاندار فرم کھول لی اور اس قدر دولت مند ہو گیا کہ ایک لاکھ روپیہ ایک لڑکی یا اپنی کسی طلب کے عوض کسی نوجوان کو دے دیا؟ اسکے اچانک دولت مند ہونے کا راز کیا ہو سکتا ہے؟"

"اچھا پوائنٹ ہے سر...... میرا مطلب ہے شہاب صاحب بہترین پوائنٹ ہے۔"

"ہوں۔ بہر حال مس بینا اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ نے جو کہانی ترتیب دی ہے وہ اس قدر موثر ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آپ ان لوگوں کی شریک کار رہی ہیں۔"

"ارے توبہ توبہ ایسے گھناؤنے کام میں آپ مجھے شریک کر رہے ہیں سر۔"

"نہیں مطلب ہے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اس پلاننگ کا آپ کو پورا پورا علم تھا۔"

"بہر حال سر آپ کا کیا خیال ہے کیا یہ درست ہو سکتا ہے؟"

"مس بینا اٹھانوے فیصد ہو سکتا ہے۔ ہم صرف دو فیصد مارجن رکھتے ہیں۔"

"جی سر۔" بینا نے مسرت سے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اور اس کا کوئی ریزن نہیں ہے ہمارے پاس۔ ہم صرف ان الفاظ کو دو فیصد میں شامل کر رہے ہیں جن میں سہیل نے اپنے آپ کو ثریا کا قاتل ظاہر کیا ہے۔"

"اور اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے اس کے بارے میں تحقیق سے ہی پتا چلے گا۔"

"جی۔"

"اب تم ایک کام کرو بینا۔ علی احمد کے بارے میں کسی شخص کو چھان بین کی ڈیوٹی پر متعین کر دو۔"

"کس کا نام لے رہے ہیں سر؟"

"ڈبل او گینگ کے تمام ارکان کسی بھی کام کو کرنے کے اہل ہیں...... میرا خیال ہے فراز کی ڈیوٹی لگا دو اس کیس میں۔ ابھی تک اس نے کچھ نہیں کیا ہے۔ وہ خوشی سے اس کام کو سر انجام دے لے گا۔"

"اوکے سر...... تو علی احمد کے بارے میں ہمیں مکمل رپورٹ درکار ہے۔ ویسے اگر آپ کہیں تو میں خود بھی اس سلسلے میں کوشش کر سکتی ہوں۔"

"مس بینا...... کیوں میرے صبر کا امتحان لیتی ہیں؟"

"آپ کے صبر کا؟"

"تو اور کیا...... یاد نہیں ہے آپ کو...... وہ تو خیر آپ نے خود ہی اس کا سارا حساب کتاب برابر کر دیا تھا۔ ورنہ بینا آپ نے جس طرح اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال دیا تھا آپ یقین کریں اگر مجھے اختیارات حاصل ہوتے تو میں آپ کو اس کی سزا دیتا۔"

"ارے سوری سر، مم...... میں سمجھ رہی ہوں لیکن سر آپ نے اس سلسلے میں میری تعریفیں بھی کی ہیں"۔

"ہاں بے شک لیکن بینا انسان ہر وقت سر خرو نہیں ہو سکتا۔"

"نہیں سر، میں آپ کی بات مانتی ہوں آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ میں کسی ایسے مسئلے میں آئندہ ملوث نہیں ہوں گی جس میں مجھے کوئی خطرہ ہو۔"

"یہ آپ کا مجھ پر احسان ہے مینا۔" شہاب نے کہا اور مینا ایک لمحے کے لئے کھو سی گئی۔ اس نے مخمور نگاہیں اٹھا کر شہاب کو دیکھا اور پھر خالی گلاس کو اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔

۞

شہاب تھانے میں اپنی کرسی پر بیٹھا ہوا کاغذات دیکھ رہا تھا کہ کسی کے ایڑیاں بجانے کی آواز سنائی دی اور شہاب نے کاغذات پر سے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر گل زمان کو دیکھ کر وہ اچنبھے میں رہ گیا۔ گل زمان مسکرا رہا تھا۔

"ارے گل زمان تم۔ آؤ بیٹھو خیریت؟"

"واہ صاحب واہ...... ساری دوستی خاک میں ملادی آپ نے؟"

"ہمیں کوئی خیر خبر ہی نہیں ملی کہ آپ واپس اس تھانے میں آگئے ہو؟"

"بیٹھو بیٹھو...... بہت خوشی ہوئی تم سے مل کر اور خوب آئے تم...... واقعی گل زمان بڑی خوشی ہوئی ہے، ماضی کی بہت سی باتیں یاد آگئیں۔"

"مگر ہمیں شکایت ہے صاحب۔"

"بس یار گل زمان، ڈی آئی جی نادر حیات صاحب نے محبتوں اور عنایتوں کی بارش کی تھی...... دوسرے افسران آئے انہوں نے جو کچھ نادر حیات صاحب نے دیا تھا وہ چھین لیا مگر بھئی ڈیوٹی تو ڈیوٹی ہوتی ہے، چاہے کہیں بھی کی جائے۔ انہوں نے دوبارہ تھانہ انچارج بنا کر بھیج دیا۔ ہم یہاں آگئے...... ویسے شاید تم میری بات نہ مانو گل زمان اور اسے کھسیانی بلی کھمبا نوچے والی بات سمجھو لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس زندگی کا مزا ہی کچھ اور ہے۔"

"خدا کی قسم اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ یہاں آدمی زیادہ آزادی سے کام کر سکتا ہے...... نوکری کرتے ہوئے بھی اگر خطرناک قسم کے افسر سر پر بیٹھے رہیں تو نوکری کا مزا جاتا رہتا ہے۔ اپنی کوئی حیثیت ہی نہیں ہوتی جبکہ ادھر صاحب آزادی کی زندگی ہوتی ہے مگر ایک بات کی شکایت ہے ہمیں آپ سے۔"

"کیا؟"

"آپ نے بارہ دری کا تھانہ کیوں نہیں لیا۔ اگر آپ ادھر آجاتے صاحب تو ہم سے زیادہ خوشی کسی اور کو نہ ہوتی۔"

"گل زمان اس میں بھی میرا قصور نہیں ہے، جس تھانے میں میری تعیناتی کی گئی میں

وہاں آگیا...... میں تو کسی طرح سے انکار کا عادی ہی نہیں ہوں ورنہ چھٹیاں لے لیتا اور اپنے کیس لڑتا، جہاں انہوں نے بھیجا وہاں آگیا۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے صاحب کہ ہمیں اس وقت بارہ دری تھانے کا انچارج لگادیا گیا ہے لیکن جو مزا آپ کے ساتھ ماتحتی میں تھا وہ افسری میں نہیں آرہا۔"

"تمہاری محبت ہے گل زمان، ویسے یار کچھ ہدایت دی تھی میں نے۔ اگر ان پر عمل ہوتا رہتا تو مجھے زیادہ خوشی ہوتی۔"

"مانو گے ہماری بات شہاب صاحب۔" گل زمان نے کہا۔

"کیوں نہیں مانوں گا۔"

"ہم آپ کے جلائے ہوئے چراغوں کی روشنی میں ہی کام کر رہے ہیں۔"

"اچھا۔" شہاب نے خوش ہو کر کہا۔

"آپ یقین کرلو صاب کسی غریب اور مظلوم کے گال پر تھپڑ نہیں لگایا جاتا اور کسی بدمعاش کو چھوڑا نہیں جاتا۔ یہ ہم نے اپنے تھانے کا اصول بنایا ہے۔"

"اگر ان اصولوں پر قائم رہے گل زمان تو یقین کرواتنے برے انسان نہیں کہلاؤ گے جتنا برا پولیس کو کہا جاتا رہا ہے۔"

"وہ تو سب ٹھیک ہے صاحب لیکن وہ گر ہمیں سکھایئے جو انسان کے حالات درست کر دیتے ہیں۔ انچارج بن کر وہ سب کچھ نہیں مل رہا جو اس وقت ماتحت بن کر آپ کے ذریعے حاصل ہو رہا تھا۔"

"ٹھیک ہے گر تو خیر کیا ہی ہے وہ، میں نے تمہیں بتادیا تھا کہ کسی سے کیا لینا ہے اس کا خاص طور سے حساب کتاب رکھو۔ کسی مرے کو مارنے سے کوئی فائدہ نہیں اور جو دے سکتا ہے اور اس کے جرم کی پردہ پوشی کئے بغیر اس سے لے سکتے ہو، اسے نہ چھوڑو۔"

"جی صاحب، سمجھ رہے ہیں ہم اور کر بھی یہی رہے ہیں۔"

"کامیاب رہو گے اگر یہی کرو گے تو۔"

"یہی کریں گے صاحب آپ کو یقین دلا رہے ہیں۔"

"اچھا یہ بتاؤ کیا پیو گے؟"

"آپ کے مہمان ہیں جو دل چاہے پلادیں۔" گل زمان نے کہا اور شہاب اس کی خاطر

مدارات کرنے لگا پھر گل زمان سے بہت سی باتیں ہوئیں اور شہاب ان سے ذہنی طور پر لطف اندوز ہوتا رہا تھا۔ کافی دیر کے بعد گل زمان چلا گیا تھا اور شہاب بہت دیر تک اس کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ ماضی کے وہ گزرے ہوئے واقعات یاد آرہے تھے لیکن بہر حال یہ بھی ایک سچ ہے کہ شہاب کا ہر قدم ترقی کی جانب بڑھ رہا تھا...... اسے عہدے تقسیم کرنے والے اس کی اصل حیثیت سے واقف ہی نہیں تھے اور یہ بات نہیں جانتے تھے کہ وہ خود ایک عدالت بن چکا ہے۔ ایک ایسی عدالت جس میں انصاف کے ہر پہلو کے تقاضے پورے کیے جاتے ہیں، بہر حال سہیل احمد کا کیس اس کے پاس تھا...... وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور آہستہ آہستہ چلتا لاک اپ تک پہنچ گیا۔ سہیل احمد خاموشی سے دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا ہوا تھا...... اس کا رُخ دوسری جانب تھا...... شہاب اسے دیکھتا رہا، لاک اپ کے تھوڑے فاصلے پر کھڑا ہوا سنتری چونک کر اسے دیکھنے لگا...... پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا کٹہرے کے پاس آ کھڑا ہوا۔

"کہو سہیل کوئی تکلیف تو نہیں ہے تمہیں یہاں؟"

سہیل نے نگاہیں اٹھا کر شہاب کو دیکھا اور آہستہ سے بولا۔

"نہیں جناب، بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ یہاں آنے کے بعد بہت سی روایات کا جھوٹ سامنے آرہا ہے۔"

"روایات کا جھوٹ۔"

"جی ہاں، پولیس لاک اپ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ انسان کی آدھی زندگی چند روز میں وہیں ختم ہو جاتی ہے لیکن اگر میں کوئی پریس رپورٹر یا صحافی ہوتا تو ان تمام رپورٹوں کی نفی کرتا جو پولیس کے بارے میں آج تک لکھی جاتی رہی ہیں۔ یہ صاف ستھرا لاک اپ جس میں ہر طرح کی سہولتیں مہیا ہیں۔ ظاہر ہے نانی کا گھر تو نہیں ہے کہ لاڈ پیار سے پالا جائے لیکن اس طرح کی ذہنی اذیت یا کوئی ایسا عمل یہاں نہیں ہوا میرے ساتھ جو میرے لئے باعث تکلیف ہوتا اور اس کے لئے میں آپ کا شکر گزار ہوں انچارج صاحب۔"

"ہوں، ہمیں بھی شکر گزار ہونے کا موقع دو سہیل۔"

"جی سر میں سمجھا نہیں۔"

"اگر ہمارے سامنے کچھ معلومات فراہم کر دو تو تمہاری مہربانی ہو گی۔"

"حکم دیجئے صاحب، اس سے زیادہ سچی معلومات میں اور کیا فراہم کر سکتا ہوں آپ کو

کہ اپنے قتل کا اعتراف کر کے خود آپ کی خدمت میں پیش ہو گیا ہوں۔"

"ہاں یہ تمہاری اچھائی کی دلیل ہے لیکن اس کے ساتھ کچھ اور سوالات بھی ہوا کرتے ہیں۔"

"آپ جو پوچھیں گے میں بتاؤں گا صاحب، میرا وعدہ ہے۔"

"تو پھر کھڑے کھڑے بات کرنا مناسب نہیں ہے۔ آؤ میرے کمرے میں آ جاؤ...... میں سنتریوں کو ہدایت کرتا ہوں۔"

تھوڑی دیر کے بعد اس دوسرے کمرے میں سہیل، شہاب کے سامنے بیٹھا ہوا تھا...... شہاب نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"جو کہانی تم نے سنائی ہے وہ سچ ہے سہیل؟"

"جی۔"

"میں کہہ رہا ہوں جو کہانی تم نے سنائی ہے وہ سچ ہے۔"

"اس سے زیادہ سچی کہانی اور کیا ہو سکتی ہے صاحب کہ ہم نے اپنی زندگی کو موت کے حوالے کر دیا ہے۔"

"نہیں یہ کوئی سچ نہیں ہے۔"

"جی۔"

"ہاں۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"اگر چاہتے ہو تو سچ بولو۔"

"میں عرض کر رہا ہوں میں سمجھا نہیں۔"

"اچھا خیر چھوڑو...... تم اپنے بھائی کو کتنا چاہتے ہو؟"

شہاب نے پوچھا اور سہیل کی آنکھوں میں ایک ہلکی سی سرخی آ گئی۔ اس نے چند لمحات سوچنے کے بعد آہستہ سے کہا۔

"اصل میں ہم دونوں کے ماں باپ بہت عرصے پہلے اس دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔ جمیل مجھ سے زیادہ بڑا نہیں ہے، لیکن بہر حال اس نے اپنی بزرگی کو ہمیشہ قائم رکھا...... وہ کچھ کیا اس نے میرے لئے جو ایک بھائی ذرا مشکل ہی سے کر سکتا تھا۔ ایک روایتی سی بات

ہو جاتی ہے۔ روایتی سی کہانی ہو جاتی ہے...... یہاں تک کہ اس نے میری تعلیم وغیرہ بھی مکمل کر دی۔ خود بھی پڑھا تھا اس نے لیکن خیر یہ ضمنی باتیں ہیں۔ میں اپنے بھائی کو ان تمام عوامل کی روشنی میں بے پناہ چاہتا ہوں۔"

"اور تم اس بات کے خواہشمند تھے کہ تمہارا بھائی صحت یاب ہو جائے؟"

"محبت، یہی تو چاہتی ہے صاحب اس کے علاوہ انسان کی طلب اور کیا ہو سکتی ہے، باقی ساری ضرورتیں پوری ہو ہی جاتی ہیں۔"

"اور تم لوگوں کے مالی حالات اس قابل نہیں تھے کہ تم اس علاج کو اپنی پسند کے مطابق کرا سکتے۔"

"جی صاحب، یہ ایک سچ ہے۔"

"اور اس کے لئے تم اپنی فرم کی فیکٹری میں بھی کام کیا کرتے تھے راتوں کو؟"

"جی۔"

"پیسوں کے لئے نا؟"

"جی۔"

"اس لئے کہ تمہارا بھائی ٹھیک ہو جائے۔"

"جی۔"

"ٹھیک ہے سہیل میں یہ ساری باتیں مانتا ہوں تمہیں علم ہے کہ ثریا، جمیل احمد کی محبت تھی۔"

"جی۔" سہیل آہستہ سے بولا۔

"بھائی کی اتنی چاہت کے بعد اور وہ بھی اس وقت جب کہ تمہارا بھائی زندگی اور موت کی کشمکش کا شکار تھا تم نے ثریا کی آبرو پر حملہ کیا...... اس وقت تمہارا بھائی تمہارے ذہن میں نہیں تھا...... کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ اگر تمہارے بھائی کو یہ بات معلوم ہو گی تو وہ زندہ نہیں رہ سکے گا؟"

"نہیں سر مجھے یہ اندازہ نہیں تھا...... اصل میں خالی گھر شیطان کا گھر ہوتا ہے۔ جنون لمحوں میں اُبھرتا ہے اور لمحوں میں ختم ہو جاتا ہے...... مجھ پر جنون کے لمحات طاری ہوئے تھے...... بہت سے ایسے مواقع آئے تھے جب میں نے اپنی بھابی کو ایسی حالتوں میں دیکھا جس

کا علم اسے نہیں تھا اور میرے دل میں گندے خیالات جنم لینے لگے...... میں بارہا اپنے آپ کو سمجھاتا رہا صاحب لیکن بس کیا کرتا...... بھٹکنے کے لئے بس ایک لمحہ ہوتا ہے اور باقی زندگی پشیمانی کے لئے۔"

"جھوٹ بول رہے ہو۔ بکواس کر رہے ہو تم۔" شہاب کا لہجہ اچانک سخت ہو گیا اور سہیل چونک پڑا۔

"جج جی۔"

"ہاں...... بہت صفائی سے جھوٹ بول رہے ہو، اپنے آپ کو بہت چالاک سمجھتے ہو، یہ اندازہ نہیں ہے تمہیں کہ میں تمہاری کھال اتار کر رکھ دوں گا...... بے وقوف سمجھتے ہو پولیس کے اعلیٰ افسران کو، جاہل سمجھتے ہو ہمیں، غیر تربیت یافتہ سمجھتے ہو، یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہارے چہرے کے عضلات کو پڑھ نہیں سکتا۔ بولو جواب دو۔" شہاب نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا اور سہیل بوکھلا کر رہ گیا۔

"مم...... میں معافی چاہتا ہوں صاحب اگر کوئی بات غلط زبان سے نکل گئی ہو؟"

"اتنی صفائی سے جھوٹ بول رہے ہو میرے سامنے۔" شہاب آنکھیں نکال کر غرایا اور سہیل واقعی کانپنے لگا۔

"کوئی غلطی ہو گئی ہو تو معاف کر دیجئے۔"

"سچ بولو سچ۔"

"کون سا سچ؟"

"یہ بتاؤ کہ تم نے نہ صرف یہ کہ اپنی بھابی کو قتل نہیں کیا بلکہ اس کی آبرو اور عزت بھی نہیں لوٹی۔" شہاب نے سہیل کے چہرے پر نگاہیں جمائے جمائے کہا...... سہیل نے اس کی نگاہوں سے بچنے کے لئے آنکھیں جھکا لی تھیں۔

"یہ جھوٹ کیسے بولوں صاحب، تفتیش تو آپ ہی کر رہے ہیں۔ فیصلے بھی آپ ہی کر سکتے ہیں۔"

"گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ بالکل سچ کہہ رہے ہو۔"

"جی ہاں...... اس سے بڑا سچ اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ میں نے اپنی زندگی کو موت کے حوالے کر دیا ہے۔"

"وہ...... وہ تم نے کیوں کیا ہے...... اس کا جواب بھی تم مجھے خود ہی دو گے...... تم نے وہ ضروریات پیدا کر دی ہے۔ میرے لئے جس کے لئے میں تم پر تشدد کروں۔"

"جی نہیں ایسا نہیں کریں آپ، سیدھے سیدھے پھانسی پر چڑھا دیں ہمیں...... تشدد نہ کریں...... تشدد تو ہم نے خود اپنے آپ پر کر لیا ہے جس قدر کر سکتے تھے۔"

"دیکھو سہیل سچ بولو سچ بتا دو مجھے اصل واقعہ کیا ہے؟"

"صاحب اصل واقعہ یہی ہے جو ہم نے آپ سے بیان کیا ہے، آپ بھی کمال کے انسان ہیں کہ ایک اقبالی مجرم سے اقبال کرا رہے ہیں۔"

"تم سمجھتے ہو کہ اپنے ضمیر کی آواز پر تم صرف پھانسی پر چڑھ جاؤ گے۔ نہیں یہ نہیں ہو گا سہیل...... میں تمہیں اس طرح اذیتیں دے کر مار دوں گا کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے ورنہ سچ بول دو۔ کیا تم یہ بات جانتے ہو کہ علی احمد انٹر پرائزز کا مالک علی احمد ثریا سے محبت کرتا تھا۔"

"کون علی احمد؟" سہیل نے سوال کیا۔

"وہ جس سے تم نے ایک لاکھ روپے وصول کئے ہیں۔" شہاب نے کہا اور سہیل کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"ایک ایک ایک؟"

"ہاں...... شاید اپنے بھائی کے علاج کے لئے خیر سہیل حقیقت تم ہی بتاؤ گے مجھے...... ایسے نہیں بتاؤ گے تو اس کے لئے دوسرا طریقہ کار اختیار کیا جائے گا لیکن کیا اس سے بھی انکار کرتے ہو کہ تمہارے اکاؤنٹ میں تمہاری اس جمع شدہ رقم کے علاوہ جو تم نے جس طرح بھی جمع کئے ہوں ایک لاکھ روپے کی رقم اور موجود ہے اور یہ رقم بذریعہ چیک تمہیں ادا کی گئی ہے اور یہ علی احمد نے ادا کی ہے تمہیں۔"

سہیل خاموشی سے اس کی شکل دیکھتا رہا...... شہاب کی آنکھوں میں شرارے ناچ رہے تھے اور وہ طیش کے عالم میں سہیل کو گھور رہا تھا۔

"بتاؤ سہیل وہ رقم تمہیں علی احمد نے کس سلسلے میں ادا کی تھی؟"

"دیکھئے جناب اگر آپ مجھ پر تشدد کا کوئی جواز نکالنا چاہتے ہیں تو آپ یقین کیجئے میری طرف سے تو میرے کیس کی پیروی کرنے والا بھی کوئی نہیں ہے اور میں چاہتا بھی نہیں ہوں کیا فائدہ جب انسان کا ضمیر جاگ اٹھے اور اسے اپنے گناہ کی شدت کا اندازہ ہو جائے تو

پھر باقی ساری چیزیں بے مقصد ہوتی ہیں، یہ احساس مجھے ہو چکا ہے سر اور اب میں جینا نہیں چاہتا بالکل نہیں جینا چاہتا میں۔ آپ سمجھ رہے ہیں نا میری بات، میں سر...... میں بس آپ یوں سمجھ لیجئے کہ میرے دل میں جینے کی آرزو نہیں ہے۔ جب باقی کوئی بات نہیں ہے تو پھر میں آپ کو ان تمام فضول باتوں کو بتا کر کیا کروں گا...... بے کار ہے صاحب بے کار ہے۔"

"کچھ مسئلے اُلجھے ہوئے ہیں سہیل میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ جب تم اپنے بھائی کی محبت میں اس قدر دیوانے ہو گئے ہو کہ اپنی بھاوج کی آبرو کو بیچ سکتے ہو تو تم یہ کیوں نہیں سوچ رہے کہ تمہارے پھانسی پانے کے بعد تمہارے مر جانے کے بعد تمہارے بھائی کا نگران اور دیکھ بھال کرنے والا کون ہو گا۔ جاؤ سہیل سوچنا اس موضوع پر غور کرنا اور اگر ممکن ہو سکے تو مجھے سچ بتا دینا۔"

سہیل گردن جھکائے بیٹھا رہا تھا...... شہاب نے گھنٹی بجائی اور سہیل کو دوبارہ لاک اپ میں پہنچا دیا گیا...... اس دوران وہ سہیل کے بارے میں اندازے قائم کرتا رہا تھا، اس کے ذہن میں مختلف تصورات بنتے بگڑتے رہے تھے...... بہر حال دن انہی حالات میں گزرا...... شام کو اس کے دل میں ایک خیال آیا کہ سہیل کے گھر کی تلاشی دوبارہ لینی چاہئے، ہو سکتا ہے کچھ ایسے شواہد مل جائیں جن سے پتا چل سکے کہ اس مسئلے کی اصل نوعیت کیا ہے۔ یہ بات اس نے اپنے ذہن میں بٹھائی...... مکان کو سیل لگا دی گئی تھی اور اب وہاں کسی سنتری کا وجود بھی نہیں تھا...... چنانچہ کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جو قابل ذکر ہوتی۔ وہ اگر چاہتا تو سیل توڑ کر اندر داخل ہو سکتا تھا لیکن اس نے یہی مناسب سمجھا کہ سرسری سی کارروائی کرے اور اپنے طور پر جائزہ لے لے...... بہر حال رات کو وہ سادہ لباس میں سہیل کے مکان پر پہنچ گیا، چاروں طرف سناٹے اور خاموشی کا راج تھا، مکان تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا اس نے ایسی جگہ تلاش کی جہاں سے اندر داخل ہوا جا سکے اور اس جیسے آدمی کے لئے یہ کوئی مشکل کام ثابت نہیں ہوا۔ چنانچہ وہ با آسانی گھر کے اندر داخل ہو گیا۔ سنسان جگہ کا جائزہ لینے کے لئے اس نے اپنے پاس ایک ٹارچ رکھ لی تھی کیونکہ با قاعدہ خفیہ تلاشی کے موڈ میں نکلا تھا...... غرض یہ کہ وہ اندر داخل ہو گیا تھا اور ابھی یہ طے ہی کر رہا تھا کہ صورت حال کا اندر داخل ہو کر جائزہ لے کہ اچانک ہی ایک کمرے میں چٹ کی آواز کے ساتھ روشنی ہوئی اور شہاب اُچھل پڑا۔

ایک لمحے کے اندر اندر اس کے ذہن میں شدید تجسس جاگ اُٹھا...... یہاں کون آ سکتا

ہے لیکن ظاہر ہے کوئی آیا تھا...... شہاب نے پستول نکال کر ہاتھ میں لے لیا...... دوسرے ہاتھ میں ٹارچ رکھی اور پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا...... بڑے سنسنی خیز لمحات تھے...... معمولی سا کیس تھا جس کی نوعیت بڑی سادہ سی تھی اور اسے آسانی سے حل کر کے ختم کیا جا سکتا تھا کیونکہ اس کے پیچھے کوئی بڑا آدمی موجود نہیں تھا اور کوئی ایسی اُلجھی ہوئی صورت حال نہیں پیش آنے والی تھی جو باعث تردد ہوتی لیکن دلچسپیاں پیدا ہوگئی تھیں اور یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ کیس اپنی نوعیت بدل رہا ہے...... شہاب بلی کی طرح دبے قدموں چلتا ہوا آگے بڑھا اور اس کمرے کے سامنے پہنچ گیا جس سے روشنی جھلک رہی تھی...... اس نے بہت ہی محتاط انداز میں دروازے کو تھوڑا سا دبا کر دیکھا...... دروازہ اندر سے بند نہیں تھا...... اس نے کوئی ایسا رخنہ تلاش کیا جہاں سے اندر کا جائزہ لیا جا سکے اور کی ہول ایسے مواقع پر انتہائی موثر ثابت ہوتا ہے۔ کی ہول سے اس نے آنکھ لگادی اور اندر موجود شخص کو محسوس کرنے لگا...... کوئی دبے قدموں چل رہا تھا...... پھر کسی الماری کے کھلنے کی آواز سنائی دی اور شہاب جائزہ لیتا رہا...... وہ شخصیت سامنے نہیں تھی جو اندر موجود تھی لیکن دو تین بار اس نے ان پیروں کو دیکھا تھا جو ادھر سے ادھر جا رہے تھے۔ شہاب نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا اور پھر آخری فیصلہ کر لیا۔ دوسرے لمحے اس نے دروازے کو زور سے کھولا...... کمرے میں چونکہ روشنی تھی اس لئے ایک لمحے میں وہ چہرہ اسے نظر آگیا جو اندر موجود تھا لیکن شہاب سے ذرا سی چوک ہوگئی۔ اس نے یہ اندازہ نہیں لگایا تھا کہ بائیں سمت ایک ایسی بڑی کھڑکی موجود ہے جس کے دروازے میں نہ سلاخیں ہیں نہ کوئی اور رکاوٹ، اس سے باآسانی اندر باہر آیا جایا جا سکتا ہے...... اندر جو شخصیت موجود تھی اس نے ایک لمحے کے لئے حیران نگاہوں سے شہاب کو دیکھا اور دوسرے لمحے پلٹ کر کھڑکی سے چھلانگ لگادی...... کوئی بہت ہی پھرتیلا آدمی تھا لیکن کوئی کیوں شہاب نے اس کے چہرے کی ایک جھلک تو دیکھ ہی لی تھی اور ایک لمحے کے لئے ساکت رہ گیا تھا۔

یہ سہیل کا بیمار بھائی جمیل احمد تھا جو ہسپتال ہی کے کپڑے پہنے ہوئے تھا لیکن کینسر کا مریض اتنا پھرتیلا...... شہاب سن رہ گیا...... پھر ایک دم ہوش میں آکر وہ کھڑکی کی جانب دوڑا اور کھڑکی سے باہر جھانکنے لگا لیکن دور دور تک تاریکی اور سناٹے کا راج تھا، کسی انسانی وجود کا یہاں پتا نہیں تھا...... شہاب کا ذہن بری طرح چکرا کر رہ گیا تھا...... ایک نئے کردار کا اضافہ

ہو گیا تھا اور وہ بھی اس انداز میں کہ یقین نہ آئے...... کیس واقعی اُلجھ گیا تھا، شہاب ٹھنڈی سانس لے کر واپس آگیا...... چھوٹی سی وہ الماری کھلی ہوئی تھی جس کی تلاشی پہلے ہی لی جا چکی تھی اور اس میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی جو باعث پریشانی ہوتی...... شہاب کے ذہن میں چرخیاں سی چلنے لگیں، یہ ایک نیا اشارہ تھا اس کے لئے۔ جمیل احمد...... جمیل احمد...... بہر حال اس نے پھر بھی الماری کی تلاشی لی۔ جمیل احمد یہاں کیا تلاش کرنے آیا تھا اور کیا وہ بیمار نہیں ہے...... کیا یہ سب کچھ ایک ڈھونگ ہے، ایک شدید سنسنی اس کے پورے وجود میں دوڑ رہی تھی...... لوگ جرائم کرتے ہیں، کتنی ذہانت اور شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں یہ لوگ، جمیل احمد کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ وہ کوئی خطرناک شخصیت ہو سکتی ہے لیکن شہاب کو اپنی آنکھوں پر یقین تھا، ایک بات جو سمجھ میں آئی ہو پھر اس نے اس چھوٹے سے گھر کی ایک ایک چیز کی تلاشی لے ڈالی، کوئی جگہ نہیں چھوڑی تھی لیکن کچھ بھی نہیں ملا۔ جمیل احمد کسی چیز کی تلاش میں یہاں آیا تھا اور اب اس کے بعد وہ کیا کرے گا۔ کیا طریقہ کار اختیار کرے گا وہ۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا...... شہاب نے لائٹ بجھائی اور اس کے بعد کھڑکی بند کی...... پھر دروازے سے باہر نکل آیا اور اسی راستے واپس پلٹ پڑا جس سے گھر میں داخل ہوا تھا...... تھوڑی دیر کے بعد اس کی کار گھر کی جانب جا رہی تھی، اپنے بستر پر لیٹ کر وہ اس پیچیدہ مسئلے کی گتھیاں سلجھانے لگا...... جمیل احمد کا یہ انداز دیکھنے کے بعد اسے بڑی عجیب سی کیفیت کا احساس ہوا تھا...... نجانے کس خیال کے تحت وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور ادھر اُدھر ٹہلنے لگا...... اس کے ذہن میں اب یہ احساس تھا کہ ممکن ہے جمیل احمد نے کوئی ایسا کھیل کھیلا ہو مگر وہ کیا کھیل ہو سکتا ہے، بینا نے ایک خاکہ پیش کیا تھا...... اتنا موثر اتنا جامع کہ یقین نہ آئے...... شہاب اب اس خاکے پر غور کرنے لگا لیکن اب اس میں ایک ترمیم خود بخود پیدا ہو رہی تھی اور وہ ترمیم یہ تھی کہ ممکن ہے اس کے پس پردہ سہیل احمد نہ ہو بلکہ ثریا کو جمیل احمد نے کسی برائی کی بنا پر قتل کیا ہو، کسی ایسے شک کا شکار ہو کر جو پہلے سے اس کے ذہن میں نہ ہو ممکن ہے اسے ثریا کی ذات پر کوئی شبہ ہوا ہو۔ علی احمد کا کیس تو اسے معلوم تھا ہی یہ ایک قرین قیاس بات تھی۔ بعد میں جب جمیل احمد خراب حالات کا شکار ہوا تو ہو سکتا ہے ثریا کا ذہن بھٹکا ہو۔ ان دونوں کے درمیان کوئی چپقلش ہوئی ہو۔ ثریا نے اس سے کہا ہو کہ اس نے ایک دولت مند آدمی کو چھوڑ کر ایک قلاش شخص سے شادی کی۔ ایک بیمار آدمی سے......

جمیل احمد اس بات پر مشتعل ہو گیا اور اس نے ثریا کو قتل کر دیا اور محبت کرنے والا بھائی اپنے بھائی کو بچانے کے لئے خود محبت کی صلیب پر مصلوب ہونے کے لئے تیار ہو گیا ہو۔ ہو سکتا ہے یہ ہو سکتا ہے مگر وہ ایک لاکھ روپے کا چیک...... شہاب نے فیصلہ کیا کہ کل وہ ان کاغذات کا پھر جائزہ لے گا، اس بات کے امکانات بھی ہیں کہ چالاک جمیل احمد نے کسی شکل میں یہ چیک وصول کیا ہو اور سہیل کے اکاؤنٹ میں جمع کرا دیا ہو لیکن کوئی موثر اور جامع بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی، اب جمیل احمد کیا کرے گا کیا اس نے بھی مجھے اسی طرح دیکھ لیا ہے جس طرح میں نے اس کی صورت دیکھی تھی، اگر اس نے مجھے پہچان لیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس کے بعد وہ کینسر ہسپتال میں نہیں مل سکے گا۔ پتا نہیں وہ کینسر کا مریض ہے بھی یا نہیں...... ان تمام چیزوں کا جائزہ بہر حال لینا ضروری تھا...... کیس کی نوعیت ایک دم بدل گئی تھی اور یوں محسوس ہو رہا تھا کہ بظاہر یہ سادہ سا کیس در حقیقت سادہ نہیں ہے بلکہ اپنی نوعیت کا اچھا خاصا اُلجھا ہوا کیس ہے اور اس کے سلجھانے میں مزہ آ جائے گا...... ایسی چیزیں بہر حال شہاب کے لئے باعث دلچسپی ہوتی تھیں اور اب یہ دلچسپی کچھ اور بڑھ چکی تھی۔

بہر حال فیصلے کرتا رہا اور اس کے بعد اسے نیند آ گئی۔

دوسرے دن آفس پہنچنے کے بعد کافی دیر تک مصروف رہا اور پھر آفس سے باہر نکل آیا...... گلاب جان کو ساتھ لیا اور اس ہسپتال کی جانب چل پڑا جس میں جمیل احمد داخل تھا...... کینسر وارڈ میں جانے کی بجائے وہ ڈاکٹرز روم میں پہنچا تھا...... ایک پولیس آفیسر کی آمد ویسے بھی اپنی جگہ ایک مقام رکھتی ہے، چنانچہ اپنی جگہ موجود ڈاکٹروں نے اس کی پذیرائی کی اور ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر نے اس سے اس کی آمد کی وجہ پوچھی۔

"جی سر آپ سے کچھ معلومات درکار ہیں، امید ہے آپ تعاون فرمائیں گے۔ یہ قتل کے ایک کیس کا معاملہ ہے۔"

"فرمایئے ہم ہر طرح حاضر ہیں۔"

"مجھے جمیل احمد نامی کینسر کے ایک مریض کی تفصیلی رپورٹیں درکار ہیں۔"

"جی بہتر۔ میں ابھی مہیا کئے دیتا ہوں۔"

"آپ کا کیا نام ہے ڈاکٹر؟"

"مجھے نعیم انصاری کہتے ہیں۔"

"انصاری صاحب اصل میں میری خواہش ہے کہ اس سارے مسئلے کو صیغہ راز میں رکھا جائے اور کسی کو اس بارے میں کوئی تفصیل نہ معلوم ہو۔ آپ سمجھتے ہیں کہ پولیس کے معاملات ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔"

"جی سمجھتا ہوں۔"

"تو کیا آپ اس سلسلے میں مجھ سے تعاون کریں گے۔"

"سو فیصد جناب۔" ڈاکٹر انصاری نے کہا...... پھر اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر تھوڑی دیر کے لئے معذرت کی اور غالباً کسی ایسی طرف چل پڑا جہاں سے جمیل احمد کی رپورٹیں حاصل ہو سکتی تھیں۔

جمیل احمد کی رپورٹوں کا فائل تھوڑی ہی دیر میں آ گیا اور شہاب اس کی ورق گردانی کرنے لگا...... تمام ریکارڈ موجود تھا اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ بہت سے ڈاکٹروں کی متفقہ رائے کے مطابق جمیل احمد کینسر کا خطرناک مریض تھا اور مرض پوری طرح شدت اختیار کر چکا تھا۔

"ڈاکٹر صاحب کیا مریض کے مرض کو اس حد تک پہنچ جانے کے بعد اس کے جسم میں قوتیں بحال رہتی ہیں جن کی بنا پر وہ کوئی خطرناک جسمانی کارروائی سر انجام دے سکے۔"

"جی ہاں بے شک جمیل احمد اندرونی طور پر بہت کمزور ہو چکا ہے لیکن وہ مشقت بھی کر سکتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ مشقت کچھ وقت کے لئے اسے بری طرح نڈھال کر دے اور اس کے اثرات بھی دیرپا ہوں۔"

"کیا آپ نے جمیل احمد کا جائزہ لیا ہے؟" شہاب نے پوچھا اور ڈاکٹر چونک پڑا...... اس نے آہستہ سے کہا۔

"جی آپ کوئی خاص بات کہنا چاہتے ہیں؟"

"ڈاکٹر کیا آپ کے خیال میں اس نے کوئی فوری مشقت کی ہے؟"

"میں آپ کو یہی بتانا چاہتا تھا کل کی نسبت اس کی حالت آج خاصی بگڑی ہوئی ہے۔ اُبھی تھوڑی دیر پہلے میں راؤنڈ پر تھا اور میں نے اس کا جائزہ بھی لیا تھا۔ وہ کافی متاثر ہے لیکن اس وقت میں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ اس نے کوئی مشقت کی ہے کیا آپ اس سلسلے میں میری کوئی مدد کر سکتے ہیں؟"

"میرا مطلب ہے تھوڑی سی بھاگ دوڑ یا کہیں آنا جانا ویسے ڈاکٹر کیا وہ رات کو اپنے کمرے سے نکل کر کہیں جا سکتا ہے؟"

"دیکھئے اصل مسئلہ یہ ہے کہ اس مریض کے لئے کہیں سے کوئی ایسی بڑی امداد حاصل نہیں ہے جس کی بنا پر اس پر بہت زیادہ توجہ دی جاتی ہو۔ اخراجات کے معاملات بھی کچھ ایسے ہی ہیں اور بس انسانی ہمدردی کی بنیاد پر کام ہو رہا ہے...... تھوڑے بہت اخراجات ان کے بھائی پورے کر دیتا ہے لیکن ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے جس کے لئے ہم کہہ سکیں کہ اس پر کوئی خصوصی توجہ یا نگرانی رکھی جاتی ہے۔ آپ میری صاف گوئی کا برا نہ مانیں...... یہ تو ایک بنیادی اصول ہے سارے کھیل دولت کے بل بوتے پر ہوتے ہیں اور اس کو ایسی کوئی دلچسپی سپورٹ حاصل نہیں ہے۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ وہ رات کو اپنے کمرے سے نکل سکتا ہے؟"

"جی ہاں اگر چوری چھپے کوئی نکل کر کہیں جانا چاہے اور خاموشی سے واپس آ جائے... میرے خیال میں چونکہ میں یہ بیان ایک پولیس آفیسر کو دے رہا ہوں اس لئے میں اس میں کوئی غلط بیانی نہیں کروں گا تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ میرے خیال میں جانے والے کو اتنی دقت نہیں ہوگی۔"

"جی، تو ڈاکٹر صاحب بس یہی معلوم کرنا تھا۔"

"میں ہر طرح سے حاضر ہوں جناب لیکن کیا جمیل احمد کو کہیں باہر دیکھا گیا ہے؟"

"جی۔"

"آئندہ کے لئے کوئی ہدایت ہے؟"

"نہیں ڈاکٹر صاحب۔ میرا خیال ہے آپ اسے کسی قسم کے شک کا موقع نہ دیں بہر حال بہت بہت شکریہ اس یقین کے ساتھ واپس جا رہا ہوں کہ آپ میری دی ہوئی ہدایات کا خیال رکھیں گے اور جمیل احمد کو یہ احساس نہ ہونے دیں گے کہ پولیس یہاں آئی تھی اور اس کے بارے میں کوئی تفتیش ہوئی ہے۔"

"آپ مکمل اطمینان رکھئے مجھ پر۔" ڈاکٹر انصاری نے کہا اور شہاب اس سے ہاتھ ملا کر وہاں سے واپس چل پڑا۔

علی احمد کی ملاقات جرمنی میں جمال الدین سے ہوئی تھی۔ جمال الدین مقامی کاروباری تھے اور علی احمد بینک کی طرف سے ایک مختصر سے کورس کے لئے جرمنی گیا تھا...... وہاں ایک ہوٹل میں اس کا قیام تھا اور اس کے سامنے والے کمرے میں جمال الدین ٹھہرے ہوئے تھے۔ ہم وطن ہونے کی حیثیت سے دونوں کی ہیلو ہائے ہوئی اور اس کے بعد جمال الدین کا ایک ایسا مسئلہ نکل آیا جو علی احمد کی ذہانت سے حل ہو گیا۔ ایک مالیاتی معاملہ تھا جس میں کسی ذہین بینکر کی ضرورت تھی۔ جمال الدین کو جب اس بات کا علم ہوا کہ علی احمد ایک بینکر اور اکاؤنٹنٹ ہے تو انہوں نے اس سے رجوع کیا اور بڑی احتیاط کے ساتھ اسے اپنی مشکل بتائی...... معاملہ کروڑوں روپے کے نقصان کا تھا اور اسے جمال الدین حل نہیں کر سکتے تھے...... انہوں نے علی احمد کو ساری تفصیلات بتائیں اور اس سے کہا کہ اگر وہ ان کی مدد کرے تو وہ اسے معقول معاوضہ بھی دے سکتے ہیں...... علی احمد نے حامی بھری اور اس کے بعد وہ جمال الدین کے کام میں مصروف ہو گیا...... پھر اس نے اتنی خوش اسلوبی سے جمال الدین کے مسئلے کو حل کیا کہ سارا کھیل ہی بدل گیا اور جمال الدین ایک بڑے نقصان سے بچ گئے جو انہیں وہاں ہونے والا تھا...... اس نوجوان کی ذہانت سے وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے اپنے دل میں ایک فیصلہ کر لیا کہ اپنی اکلوتی بیٹی فریدہ جمال کو اس سے منسوب کر دیں گے...... علی احمد کے تمام کوائف معلوم کر چکے تھے اور اپنے دل میں یہ سوچ رہے تھے کہ اگر کاروبار کا تاریک حصہ علی احمد کے حوالے کر دیا جائے جس نے انہیں ذہنی طور پر ہمیشہ خوف زدہ رکھا ہے تو علی احمد اتنا ذہین نوجوان ہے کہ وہ صورت حال کو سنبھال لے گا۔ چنانچہ وطن واپسی کے بعد انہوں نے اپنے اہل خاندان سے تذکرہ کیا اور علی احمد ان دنوں جرمنی ہی میں تھا جب

جمال الدین صرف ایک مہینے کے وقفے کے بعد دوبارہ وہاں پہنچ گئے، اس بار وہ اپنی بیٹی فریدہ جمال کو بھی ساتھ لے گئے تھے...... فریدہ جمال ایک قبول صورت لڑکی تھی...... بدن قدرے فربہی کی جانب مائل تھا۔ اکلوتی بیٹی ہونے کی وجہ سے مزاج میں طوفانی شدت تھی۔ ہر چیز سے بہت جلد بیزار ہو جایا کرتی تھی۔ بے پناہ مغرور تھی...... عیش و عشرت کی رسیا، کاہل الوجود، ہر شخص پر حکم چلانے کی عادی لیکن بہر حال اسے علی احمد پسند آیا اور جرمنی میں ان لوگوں کی خوب ملاقاتیں رہیں۔

جمال الدین نے انہیں پوری طرح کھل کھیلنے کا موقع دیا تھا اور علی احمد جو ایک سیدھا سادا نوجوان تھا بری طرح فریدہ جمال کے شکنجے میں آگیا...... وہ ایک مایوس محبت تھا...... طالب علمی کے زمانے میں اس نے ایک لڑکی کو چاہا تھا لیکن لڑکی کی محبت حاصل نہیں کر سکا تھا، بہر حال فریدہ جمال اس کے ساتھ رہی اور وہیں پر جمال الدین نے بڑی ذہانت کے ساتھ اس بات کا تذکرہ کر دیا کہ اگر علی احمد چاہے تو وہ اسے اپنا داماد بنا سکتے ہیں...... انہوں نے کچھ پیش کشیں بھی کیں، مثلاً یہ کہ علی احمد کو ایک الگ فرم کھلوا دیں گے اور یہ فرم اسے جہیز میں دی جائے گی اور وہ اس کا مکمل طور پر مالک ہوگا اور زندگی عیش و عشرت سے گزرے گی۔

علی احمد نے سوچا کہ کیا حرج ہے تقدیر اگر اس طرح بدل رہی ہے تو اس موقع سے فائدہ اٹھانا ہی بہتر ہوگا، چنانچہ اس نے تمام باتوں کو تسلیم کر لیا اور جرمنی ہی میں ان دونوں کا نکاح کر دیا گیا۔ وہ میاں بیوی کی حیثیت سے وطن واپس آئے تھے اور یہاں آنے کے بعد علی احمد نے بینک کی نوکری چھوڑ دی اور وہ تمام واجبات ادا کر دیئے جو بینک کے اس پر تھے...... یعنی وہ اخراجات جو ٹریننگ کے سلسلے میں کئے گئے تھے پھر احمد انٹرپرائزز کا وجود عمل میں آیا۔ یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں لیکن فریدہ جمال جو اب فریدہ احمد بن گئی تھی بڑی خطرناک بیوی ثابت ہوئی...... شادی کے بعد تو اس نے اپنے آپ کو بالکل ہی چھوڑ دیا تھا...... کھانے پینے کی بے حد شوقین تھی اور علی احمد شروع میں تو بے حد بے چین رہا لیکن بعد میں وہ ان تمام چیزوں کا عادی ہوتا چلا گیا۔ صرف بیوی ہی کی تو ناز برداری کرنی پڑتی ہے ورنہ باقی زندگی میں اور کیا مشکل رہ گئی ہے، اعلیٰ درجے کی فرم، ملازم، عزت، وقار، مقام، سماج اور سوسائٹی میں ایک اعلیٰ حیثیت۔ فطری طور پر وہ شاید برا انسان نہیں تھا چنانچہ فریدہ جمال اس پر حاوی ہوتی چلی گئی۔ اس کی تیز مزاجی اور بدن کی جسامت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ وہ ایک موٹی تازی

عورت تھی اور اپنی عمر سے کہیں زیادہ نظر آنے لگی تھی، جبکہ علی احمد ایک سمارٹ نوجوان تھا...... فریدہ کو شک کرنے کی عادت تھی اور اپنی اس عادت کی بنا پر وہ بارہا مختلف مشکلات کا شکار ہو چکی تھی۔

بہر حال زندگی گزر رہی تھی اور کوئی ایسا اُلجھا ہوا معاملہ نہیں تھا...... جو بہت زیادہ تردد کا باعث ہوتا لیکن علی احمد کو نہیں معلوم تھا کہ زندگی میں اب کچھ مشکلات شامل ہونے والی ہیں، چنانچہ اس کے ساتھ ایک ایسی مشکل پیش آگئی جس نے اسے ذہنی طور پر حواس باختہ کر دیا، خاص طور پر اسے فریدہ احمد کا احساس۔ وہ ظالم اس قدر سنگدل تھی کہ بعض اوقات جو بھی ہاتھ میں آتا تھا اٹھا کر علی احمد پر دے مارتی تھی، کئی بار احمد علی اس سے مار کھا چکا تھا اتنی خونخوار عورت تھی کہ علی احمد ذرا بھی اس سے منحرف ہوتا تو اس کے لئے مشکل پیش آسکتی تھی، چنانچہ علی احمد پر جب یہ نئی مصیبت ٹوٹی تو وہ بہت زیادہ پریشان ہو گیا۔ یہ مصیبت وہ خطوط تھے جو کبھی علی احمد نے اپنی محبوبہ کو لکھے تھے ان خطوط میں بے پناہ محبت کا اظہار کرتے ہوئے اس سے محبت کی بھیک مانگی گئی تھی اور کچھ ایسے واقعات کا تذکرہ کیا گیا تھا جو اگر فریدہ کے علم میں آجاتے تو شاید وہ علی احمد کی گردن ہی اُڑا دیتی۔ اسی قسم کی عورت تھی...... یہ خطوط فوٹو سٹیٹ کرا کر اسے بھیجے گئے تھے اور خطوط بھیجنے والے نے اپنے نام کا اظہار بھی کر دیا تھا...... علی احمد ششدر رہ گیا تھا، بہر حال بلیک میلر جو کچھ چاہ سکتا ہے وہی چاہا گیا تھا...... علی احمد نے بلیک میلر کو ایک لاکھ روپے کی رقم ادا کر دی تھی اور بلیک میلر کی جانب سے کچھ اور دھمکیوں کا انتظار کرتا رہا تھا، پھر بلیک میلر کی جانب سے دوسرا مطالبہ جو کیا گیا وہ علی احمد کے لئے ناقابل قبول تھا...... پچاس لاکھ کی رقم معمولی نہیں ہوتی وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ایک لاکھ کے بعد اگر بلیک میلر کو پچاس لاکھ روپے دیئے جائیں تو یہ ناممکن عمل ہوگا اور اس کے بعد بھی کیا کہا جا سکتا ہے کہ اس کی زبان بند ہو یا نہیں بہر حال بلیک میلر کے فون آتے رہے اور آخری بار علی احمد نے اس سے کہا۔

”سنو تم انتہائی بے غیرت اور کمینے انسان ہو...... میں نے تمہیں ایک لاکھ روپے ادا کر دیئے ہیں اور اس ادائیگی کے بعد اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہارے تمام مطالبے پورے کرتا ہوں گا تو یہ میرے لئے ممکن نہیں ہے، تم زیادہ سے زیادہ میری ازدواجی زندگی خراب کر سکتے ہو لیکن میرے خیال میں تم یہ نہیں کر پاؤ گے...... میری بیوی ایک متلون مزاج

عورت ہے اور میں یہ بات جانتا ہوں کہ اگر یہ خطوط تم نے اس کے حوالے کر دیئے تو وہ میرے ساتھ بہت برا سلوک کرے گی لیکن زیادہ سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے ہمارے درمیان طلاق ہو جائے گی۔ میں اس بات کا اقرار کرلوں گا کہ وہ میری نوجوانی کی غلطی تھی۔ اس کے بعد تم کچھ بھی نہ کر سکو گے، اگر پچاس لاکھ کے اس مطالبے کی بجائے ۱۰۰ لاکھ مجھ سے اور چاہئے تو میں ادا کر دوں گا لیکن اس سے زیادہ کی بات میرے لئے قابل قبول نہیں ہے۔"

"وہ تو آپ نے بالکل ٹھیک کہا علی احمد صاحب لیکن اگر یہ خطوط کسی اور کو پہنچا دیئے جائیں تو آپ کا کیا خیال ہے؟"

"میں کسی بھی بات سے اب خوف زدہ نہیں ہوں۔"

"سوچ لیجئے، میں نے آپ کو بڑی مشکل سے اپنا ٹارگٹ بنایا ہے اور آپ ہی سے مجھے اپنے مستقبل کا بندوبست کرنا ہے اور اگر آپ نہ مانے تو بہر حال میں تو ایسے راستے پر آ ہی چکا ہوں آپ کو بہت سی مشکلوں میں گرفتار کر سکتا ہوں۔"

"اب میں تمہارا ایک روپے کا مطالبہ بھی پورا نہیں کروں گا...... تم سے جو کیا جا سکتا ہے کرلو۔" علی احمد نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا تھا لیکن بہر حال اُلجھنوں نے اس کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا، وہ بلیک میلر کی جانب سے خوفزدہ رہنے لگا تھا۔

فریدہ احمد اس پر اس طرح نگاہ رکھتی تھی جیسے دشمن نگاہ رکھ سکتا ہے۔ اس نے احمد علی کو پریشان دیکھا اور اس صبح جب اس کی آنکھ کھلی اور اس نے علی احمد کو سوچ میں گم دیکھا تو اس پر برس پڑی۔

"کیا ہو گیا ہے علی احمد تمہیں؟ کیا بات ہے عشق کر بیٹھے ہو کسی سے؟"

علی احمد سہم کر پلٹا...... فریدہ کی آنکھیں دیکھیں پھر مسکرا کر بولا۔

"ہاں۔"

"مبارک ہو...... تو پھر کیا خیال ہے؟"

"کچھ نہیں بس یہی کہ اس سے عشق جاری رکھوں گا۔"

"کتنی عمر ہو گئی ہے تمہاری۔"

"کیوں؟"

"اللہ نے اتنی ہی لکھی تھی کیا؟"

"کیا مطلب؟"

"نہ گولی ماروں گی، نہ چھری سے ذبح کروں گی، بلکہ ڈنڈا لے کر اتنا پیٹوں گی تمہیں کہ تمہارے بدن کی کوئی ہڈی سلامت نہیں رہ جائے گی، سمجھ رہے ہو نا تم...... فریدہ ہے میرا نام۔"

"یہ تو تم نے پوچھا ہی نہیں کہ عشق کس سے ہوا ہے مجھے؟"

"کیا مطلب؟"

"ان محترمہ کا نام فریدہ احمد ہی تو ہے۔"

"سنو میں بھی کالج میں رہ چکی ہوں، تعلیم حاصل کی ہے میں نے، ریسرچ ہے میری، ماں باپ سے اس لئے کوئی انحراف نہیں کیا کہ ماں باپ کی ایک ہی تو خواہش ہوتی ہے کہ ان کی اولاد سعادت مند ہو۔ وہ جو چاہیں اولاد ان کی بات مان لے، لیکن اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ میرے اپنے ذہن میں کچھ نہیں تھا...... میں نے تمہیں جس طرح اپنایا ہے نا علی احمد یقین کرو بہت کم لوگ اس طرح کرتے ہیں لیکن میں نے یہ سوچا کہ میرے ذہن میں اور کچھ نہیں ہے اور ماں باپ اس بات سے خوش ہیں تو چلو ان کی خوشی کے لئے یہ سب کچھ کر لیا جائے۔"

"ارے مگر تم یہ باتیں کر کیوں رہی ہو؟"

"اس لئے کہ تم مجھے بے وقوف بنا رہے ہو؟"

"کیا میرے اندر اتنی ہمت ہے؟"

"مرد...... مردود چیز ہے علی احمد کہ جس نے اس پر اعتبار کیا وہ کتے کی موت مارا گیا۔"

"تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟"

"کیسی باتیں کر رہے ہو۔ مجھے روز اول سے تم پر اعتبار نہیں ہے...... تم ایک ضرورت مند آدمی تھے اور تم نے مجھے اپنی ضرورت کے تحت اپنا لیا، وہ چیز تم نے مجھے کبھی نہیں دی جو شوہر اور بیوی کے درمیان ہوتی ہے۔ میں نے بارہا محسوس کیا ہے کہ تم بیٹھے بیٹھے کھو جاتے ہو۔ وہ کون سا تصور ہے آج جب بات نکل آئی ہے تو چلو اسے واضح کر دو۔"

"فریدہ کیوں ایک بے معنی بات کا بتنگڑ بنا رہی ہو۔"

"میں بات کا بتنگڑ بناتی ہوں میں۔" فریدہ نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"اچھا بابا چلو ٹھیک ہے لیکن وہ ٹھیک نہیں ہے جو تم سوچ رہی ہو، حقیقت یہ ہے کہ کاروبار ملا ہے مجھے، ڈیڈی نے جو کچھ دیا ہے مجھ پر فرض عائد ہوتا ہے کہ اس کی دیکھ بھال

کروں اس میں اضافہ کروں میں، ان لوگوں میں شامل نہیں ہونا چاہتا جو بیوی کی طرف سے حاصل شدہ دولت کو اُڑانا پسند کرتے ہیں۔ فریدہ میں تو اس کاروبار کو وسعت دینے کے لئے ہر وقت سوچتا رہتا ہوں اور یہی میرا پرابلم ہے اور کچھ نہیں ہے۔"

"سچ کہہ رہے ہو؟"

"تمہاری قسم۔"

"خبردار اس کے بعد آئندہ میری قسم مت کھانا مرد کبھی بیوی کی سچی قسم نہیں کھا سکتا۔"

"اب میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔" علی احمد نے بے بسی سے کہا۔

"تم مجھے سمجھانے کی کوشش مت کرو، میں خود سمجھ جاؤں گی۔ میرے بھی وسائل کم نہیں ہیں، سمجھ رہے ہو نا، میرے بھی پاس اپنے بے پناہ ذرائع ہیں۔ غور کرنا پڑے گا تم پر، دیکھنا پڑے گا تمہیں۔"

"تو بابا دیکھ لینا...... میں نے کب منع کیا ہے۔" علی احمد نے کہا اور فریدہ اسے تند نگاہوں سے گھورنے لگی، پھر ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گئی لیکن علی احمد کے لئے ایک لمحہ فکریہ ہو گیا تھا۔ یہ ظالم عورت واقعی اگر اس نے کہیں سے بھی سن گن پالی تو مجھے زندہ ہی دفن کر دے گی۔ کیا کرنا چاہیے۔ کیا ہونا چاہئے، وہ گہری سوچوں میں ڈوب گیا۔

"سی پی کنٹرول، سی پی کالنگ ڈبل او سیون سی پی کنٹرول کالنگ۔ ٹرانسمیٹر پر فراز کی آواز سنائی دی اور بینا نے فوراً ہی ٹرانسمیٹر سنبھال لیا۔

"ڈبل او سیون ریسیونگ اوور۔"

"میڈم رپورٹ موصول ہو گئی ہے نوٹ فرمائیے۔"

"جی۔"

"علی احمد ایک ذہین نوجوان ہے، اس کا ماضی بے داغ ہے، زمانہ طالب علمی میں بھی وہ سیدھا سادا پڑھنے والا نوجوان رہا ہے، زندگی کی رنگینیوں سے دور نہیں رہا، تعلیم ختم کرنے کے بعد اسے میرٹ پر ملازمت ملی اور بینک میں اس کا گراف اونچا رہا جس کی بناء پر بینک نے اسے ایک خاص کورس کے لئے جرمنی بھیجا۔ جرمنی سے واپس آیا تو شادی شدہ تھا...... جمال الدین نامی ایک دولت مند آدمی نے اپنی بیٹی سے اس کی شادی جرمنی میں ہی کر دی تھی اور

اس کے بعد احمد علی انٹرپرائزز وجود میں آئی بس اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ مسز علی احمد ایک تند مزاج اور خونخوار خاتون ہیں اور علی احمد ان سے ڈرتا ہے اور اصولی طور پر اسے ڈرنا بھی چاہئے، کیونکہ بیوی کے ذریعے ہی اسے یہ مقام ملا ہے، بس اتنی ہی رپورٹ حاصل ہو سکی ہے۔"

"گویا وہ جو اچانک دولت مند بنا ہے اس کی بنیاد اس کی بیوی ہے؟"

"جی میڈم بالکل۔"

"تھینک یو فراز اور کچھ؟"

"نہیں میڈم بس اور کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

"او کے۔" پھر یہ رپورٹ شہاب تک پہنچانا بینا کی ذمے داری تھی...... شہاب نے ٹیلی فون پر رپورٹ سننے کے بعد کہا۔

"ٹھیک بیٹا، بالکل صحیح ہے، گویا علی احمد کی یہ پوزیشن واضح ہو گئی کہ دولت اس کے پاس کسی چور راستے سے نہیں آئی ہے۔"

"جی سر۔"

"کیا ہو رہا ہے؟"

"کچھ نہیں سر۔"

"تو پھر آ جاؤ؟"۔

"کہاں سر؟"

"کہیں بھی تنہائی میں۔"

"جی؟"

"ہاں میرا مطلب ہے کریم سوسائٹی۔" شہاب نے حسب عادت کہا۔

"آپ حکم دیں گے تو حاضر ہو جاؤں گی سر۔"

"سر سر کہہ کر اگر آنا ہے تو نہ آنا زیادہ بہتر ہے۔"

"نہیں مسٹر شہاب میں پہنچ رہی ہوں۔"

"ابھی نہیں۔"

"پھر؟"

"شام کو پانچ بجے کے بعد۔"

"بہتر ہے۔" شہاب نے ٹیلی فون بند کر دیا اور شام کو پانچ بجے بینا کوٹھی میں داخل ہو گئی۔ جوہر خان بہت خوش نظر آ رہا تھا...... بینا سے ملاقات ہوئی تو اس کے ساتھ ساتھ اندر تک آیا۔

"کیا بات ہے جوہر خان؟"

"کچھ نہیں بینا بی بی۔ بس صاحب سے مذاق چل رہا تھا۔" جوہر خان نے کہا۔

"اچھا موڈ بہت خوشگوار ہے۔"

"صاحب تو ہمیشہ ہی اچھے موڈ میں رہتے ہیں۔"

"ہوں۔" شہاب نے بینا کا استقبال کیا اور جوہر خان سے بولا۔ "ٹھیک ہے جوہر خان اب تم آرام کرو۔"

"جی صاحب۔"

"آئیے مس بینا۔"

"سنا ہے بہت اچھا موڈ ہے آپ کا۔"

"نہیں ہونا چاہئے۔"

"واہ، کیا لہجے کی تبدیلی سے مفہوم بدلا ہے، واہ واہ، بینا کبھی تم نے شاعری کی ہے؟"

"نہیں سر بالکل نہیں۔"

"کیوں؟"

"بس سر، میرا نظریہ ہے کہ شاعری کرنے کے بعد انسان کچھ اور نہیں کرتا۔"

"ارے تم تو قیامت ہو رہی ہو۔"

"کیوں شہاب صاحب؟" بینا کو پھر یہ احساس ہو گیا کہ اس نے پھر سر کہہ کر مخاطب کیا ہے اور شہاب نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی ہے۔

"بہت خوبصورت جملے بول رہی ہو۔"

"شکریہ سر، بس آپ ہی کی صحبت ہے۔" بینا نے ہنس کر کہا۔

"تو علی احمد صاحب بیوی زدہ ہیں۔"

"جی سر یہی سنا ہے، ویسے سر ایک بات بتائیے؟"

"جی۔"

"ایسا کیسے ہو جاتا ہے؟"

"کیسا؟"

"مرد اور عورت سے خوفزدہ ہو جائے۔"

"ہوتا ہے بینا۔"

"کیوں آخر؟"

"مختلف عوامل ہوتے ہیں۔"

"لیکن سر مرد کی فطرت میں خوف تو نہیں ہوتا؟"

"خوف ہوتا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"اب جیسے میں تم سے خوفزدہ ہوں۔"

"آپ مجھ سے؟"

"ہاں۔"

"کیوں سر؟"

"بس بینا، کہیں کہیں اس میں محبت کا عنصر ملتا ہے انسان اس احساس سے خوفزدہ رہتا ہے کہ کہیں اسے اس کی محبت حاصل نہ ہو، ایسا نہ ہو جائے۔"

"سر آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"کوئی غلطی ہو گئی بینا مجھ سے؟" شہاب نے خوفزدہ ہونے کی اداکاری کی اور بینا ہنسنے لگی پھر بولی۔

"نہیں آج آپ مجھے بتا ہی دیجئے۔"

"کک...... کیا؟" شہاب بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

"یہی کہ آپ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں؟"

"بینا کیا سوری کہوں؟"

"جو آپ کا دل چاہے کہہ دیجئے۔"

"پھپ...... پھر وہی بات، مجھے بتا دو کہ اگر میری بات سے ناراض ہوئی ہو تو کم از کم مجھے پتہ تو چلنا چاہئے۔"

"نہیں میں ناراض نہیں ہوئی ہوں۔"

"خوش ہوئی ہو؟" شہاب نے سوال کیا۔

"دیکھئے سر میں لڑکی ہوں۔"

"نخ..... خدا کی قسم میں نے تمہیں کبھی مرد نہیں سمجھا۔"

شہاب نے کہا اور بینا ہنس پڑی۔

"سر میں سنجیدہ ہوں۔"

"جبھی سر سر کر رہی ہو۔"

"میں کیا کروں اپنی زبان سے کیسے یہ لفظ نکال کر پھینکوں۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ ذہنی طور پر میں آپ کو اپنا استاد مانتی ہوں۔"

"ایک کام کرو بینا۔"

"جی سر، میرا مطلب ہے جی مسٹر شہاب۔"

"تم مجھے سر کہنے کے بجائے استاد جی کہہ لیا کرو، مجھے اعتراض نہیں ہوگا۔" بینا پھر ہنس پڑی۔

"استاد کے ساتھ جی بھی؟"

"جی ہاں، تاکہ میری عاقبت روشن رہے۔"

"نہیں شہاب صاحب، میں کوشش کروں گی کہ آئندہ ایسا نہ ہو۔"

"تم کچھ کہہ رہی تھیں۔"

"آپ پھر مجھے اسی موضوع پر لے آئے۔"

"اچھا چلو چھوڑو۔"

"نہیں آج نہیں چھوڑوں گی۔"

"ارے باپ رے..... جج..... جج..... جوہر خان۔" شہاب نے کہا۔

"دیکھئے آپ ٹالئے نہیں۔"

"کیا کہوں بینا؟"

"جو آپ کہنا چاہتے ہیں۔"

"جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ آہستہ آہستہ کہتا تو رہتا ہوں۔"

"مگر میں اسے نہیں سمجھ پائی۔"

"بینا کچھ وقت لگ جائے تو کوئی حرج نہیں ہوتا۔ کسی اچھے کام میں، ہونا خوش اسلوبی سے چاہئے، سب کی رضامندی سے..... اس باعزت طریقے سے جس باعزت طریقے سے یہ سب کچھ ہوتا ہے اس کا مزہ ہی کچھ اور ہے، اب مجھ سے اس سے زیادہ وضاحت مانگو گی تو میں نہیں کر سکوں گا، ہاں مسترد کرنے کا حق تمہیں حاصل ہے، یہ حق میں تم سے کبھی نہیں چھینوں گا۔"

"سر آپ کا کیا خیال ہے اس سلسلے میں آپ نے کسی کو ٹارگٹ بنایا؟" بینا نے ایک دم موضوع بدل دیا اور شہاب حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

"گڈ ویری گڈ، آخر ہونا میری ہی شاگرد۔"

"وہ تو ہوں نا شہاب صاحب۔"

"ہاں بینا کچھ نئے مسائل سامنے آئے ہیں۔ ویسے تمہارا علی احمد کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"ہم بہت سی باتیں سوچ سکتے ہیں..... جیسا کہ ہم نے ایک نظریہ قائم کیا تھا۔ اس نظریئے کے مطابق علی احمد ہماری نگاہوں میں ایک مشکوک شخصیت تھی لیکن موجودہ حالات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ تو خود بیوی زدہ ہے ایسا کوئی عمل نہیں کر سکتا، ایسا کوئی عمل کرنے کے بجائے دولت حاصل کرنے کے بعد وہ کوئی عمدہ منصوبہ بنا کر اپنی بیوی کو بھی قتل کر سکتا تھا۔"

"ہوں..... بہر حال اسے ٹٹولنا ہے، وہ ایک کردار ہمارے سامنے ہے۔"

"جی بالکل شہاب صاحب۔"

"لیکن ایک اور شخصیت میرے سامنے آئی ہے۔"

"کون؟"

"جمیل احمد۔"

"کیا مطلب؟"

"میں بتاتا ہوں۔" شہاب نے کہا اور پھر جمیل احمد کے بارے میں ساری تفصیلات بینا کو بتادیں، بینا کی آنکھیں شدت حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ دیر تک شہاب کو دیکھتی رہی

اور پھر اس نے کہا۔ ”اس کا مطلب ہے کہ کہ۔“

”ہاں ایک کردار وہ بھی ہو سکتا ہے۔“

”کتنے اُلجھے ہوئے معاملات ہیں شہاب صاحب۔ آپ ذرا غور کیجئے، ایک شخص ا جرم کا اعتراف کر کے آتا ہے اور اپنے آپ کو پولیس کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔“

”ہاں بیٹا۔“

”وہ مجرم نہیں ہے اور جو کچھ اس نے کہا ہے وہ بھی بالکل درست ہے۔“

”جی۔“

”ایک بات اور کہوں شہاب صاحب، مجھے براہ کرم اجازت دیجئے، کیونکہ بات کچھا ہی ہے جو اصولی طور پر میرے منہ سے ادا نہیں ہونی چاہئے۔“

”نہیں بیٹا یہ تو کیس ہے جو کچھ بھی کہنا ہے بے دھڑک کہو۔“

”شہاب صاحب پوسٹ مارٹم رپورٹ یہ بتاتی ہے کہ جس جرم کا اعتراف سہیل ا نے کیا ہے۔ وہ ہوا ہے، میرا مطلب ہے اس کے قتل ہونے سے کچھ وقت پہلے۔“

”ہاں...... پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی یہی بتاتی ہے۔“

”اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ کینسر کا وہ مریض جو اس عورت کا شوہر ہے ہسپتال میں داخل ہے۔“

”میں سمجھ رہا ہوں...... تم یہی کہنا چاہتی ہو کہ جمیل اس معاملے میں ملوث نہ ہو سکتا۔“

”جی سر۔“

”ٹھیک ہے آگے بولو۔“

”ایسی صورت میں وہ شخصیت تو بحال رہ جاتی ہے نا جس نے یہ جرم کیا؟“

”ہاں۔“

”اور حالات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ سہیل احمد نہیں ہو سکتا؟“

”نہیں ابھی حالات نے یہ رُخ تو نہیں تبدیل کیا؟“

”میرا مطلب ہے ہم نے جو نظریہ قائم کیا ہے اس کے مطابق۔“

”ہاں یہ تم کہہ سکتی ہو۔“

”تو پھر وہ شخصیت علی احمد کے علاوہ اور کس کی ہو سکتی ہے۔“

”ہوں، اس سلسلے میں صرف ایک بات ذرا اُلجھی رہ جاتی ہے بیٹا۔“

”کیا؟“

”جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا کہ جمیل احمد کو میں نے اس کے گھر میں دیکھا تھا۔“

”جی۔“

”اور وہ کینسر ہسپتال سے بھاگ کر آیا تھا۔“

”اوہ۔ جی ہاں۔“

”وقوع والی رات بھی وہ آ سکتا تھا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو کچھ پیش آیا سہیل احمد نے اپنے بھائی کی زندگی بچانے کے لئے وہ سب کچھ اپنے سر لے لیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وقوع والی رات جمیل احمد نے وہاں جو کچھ دیکھا وہ اس سے برداشت نہیں ہو سکا...... یعنی علی احمد کو اپنی بیوی کے قریب پا کر وہ مشتعل ہوا۔“

”لیکن سر اس میں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے۔“

”کیا؟“

”کیا وہ روزانہ اپنی بیوی کے پاس آیا کرتا تھا...... اس پر کوئی پابندی نہیں تھی نہ وہ قیدی تھا، جب وہ ہسپتال سے وہاں تک آ سکتا تھا تو ہسپتال سے چھٹی بھی لے سکتا تھا...... ڈاکٹر اسے زبردستی تو نہیں روکیں گے۔“

”ہوں پوائنٹ یہ بھی ٹھیک ہے۔“

”بہرحال شہاب صاحب ابھی ہم کوئی بات آخری لہجے میں نہیں کہہ سکتے۔“

”ہاں۔“

”پھر علی احمد کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟“

”علی احمد سے ملاقات کرنی پڑے گی۔“ شہاب نے کہا۔

”میں بھی یہی چاہتی ہوں۔“

”ویسے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ انہی تین افراد میں سے ایک ثریا کا قاتل ہے اور ہمیں اسے ٹریس کرنا ہے۔“

”حالانکہ اقبالی مجرم لاک اپ میں بند ہے۔“

"بس یہی تو اُلجھی ہوئی بات ہے کہ وہ شخص قاتل نہیں معلوم ہوتا، وہ صرف جذبات کا شکار ہے جبکہ دوسرے اس کے جذبوں کو نہیں سمجھ پا رہے۔"

"جی۔" بینا نے جواب دیا۔

❋

"کیوں ملنا چاہتے ہیں آپ مجھ سے؟" احمد علی کی آواز فون پر اُبھری۔

"احمد علی صاحب کوئی کسی سے ملنے کا خواہش مند ہوتا ہے تو اس کے پس پردہ بھی کچھ ہوتا ہی ہے، آپ یہ بتایئے کہ دفتری اوقات میں آپ کسی کو کتنا وقت دے سکتے ہیں؟"

"یہ حالات پر منحصر ہے، کون شخصیت مجھ سے ملنا چاہتی ہے اور اس کی ملاقات سے میرے کاروباری امور میں کیا مدد حاصل ہو سکتی ہے۔"

"علی احمد صاحب، اس معاملات میں کاروباری امور میں آپ کو بے شک کوئی مدد نہیں حاصل ہو سکتی لیکن زندگی کے امور میں کچھ ایسے معاملات ہوتے ہیں جن میں دوسروں سے تعاون کرنا ہی پڑتا ہے۔"

"پتہ نہیں آپ کیوں مجھ سے منطق جھاڑ رہے ہیں خیر آپ کون صاحب ہیں اور کتنی دیر میں تشریف لا رہے ہیں۔"

"ہم بہت جلد آرہے ہیں۔"

"کتنے افراد ہیں؟"

"صرف دو۔"

"آجایئے، میں اپنی سیکرٹری سے کہے دیتا ہوں، نام بتا دیجئے آپ اپنا۔"

"شہاب ثاقب اور مس بینا واسطی۔"

"ٹھیک ہے آپ تشریف لایئے۔" علی احمد کی آواز سنائی دی اور شہاب نے فون بند کر دیا...... وہ احمد انٹر پرائزز کے سامنے ایک جنرل سٹور سے فون کر رہا تھا، صرف سڑک عبور کر کے یہ لوگ احمد انٹر پرائزز میں داخل ہو سکتے تھے، چنانچہ دونوں سڑک عبور کر کے دفتر میں داخل ہو گئے...... سیکرٹری کو شاید ہدایت مل چکی تھی۔

"ایک سیکنڈ سر میں معلومات کر لوں۔" اس نے علی احمد سے انٹر کام پر اجازت لی اور پھر ان دونوں کو اندر بھیج دیا...... علی احمد نے عجیب سی نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھا اور

بیٹھنے کی اجازت دے دی تھی۔

"جی!"

"علی احمد صاحب یوں لگتا ہے کہ اپنی مسز کی معیت میں آپ بھی کافی بد مزاج ہو گئے ہیں۔" علی احمد نے ایک اُلجھی ہوئی نظر ان پر ڈالی اور بولا۔

"گویا آپ اپنی گفتگو سے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ آپ مجھ سے ہی نہیں میری مسز سے بھی واقفیت رکھتے ہیں۔"

"آپ یوں سمجھ لیجئے کہ انہی کے ایماء پر ہم یہاں آئے ہیں۔" شہاب نے کہا اور علی احمد چونک پڑا۔

"اوہ اوہ۔" اس کا لہجہ اچانک نڈھال ہو گیا اور پھر اس نے پیشانی مسلتے ہوئے کہا۔

"گویا فریدہ وہ کر رہی ہے جس کا اظہار اس نے مجھ سے کر دیا تھا۔"

"جی ہاں یہی بات ہے۔"

"سنئے مسٹر شہاب، خدا کے لئے مجھے کسی مصیبت میں ڈالنے سے گریز کیجئے، یقینی طور پر آپ اس کے پیڈ ہوں گے، میرا مطلب ہے اس نے آپ کو اس انوسٹی گیشن کے لئے کچھ رقم ادا کی ہو گی، آپ یہ بتایئے آپ کو مجھ سے کتنی رقم مزید درکار ہے، میں دیئے دیتا ہوں اور آپ سے سچ کہہ رہا ہوں کہ میں کسی لڑکی وغیرہ کے چکر میں نہیں ہوں، میں ایک شریف آدمی ہوں اور میں نے ساری زندگی شرافت سے گزاری ہے، وہ غلط فہمیوں کا شکار ہے اور یہ غلط فہمیاں مجھے ہی نہیں، اسے بھی لے ڈوبیں گی، کیا ہو سکتا ہے زیادہ سے زیادہ میں اس کی ہر بری بات سہہ لیتا ہوں لیکن اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ میں انسان ہی نہیں ہوں جس وقت اکتا جاؤں گا ان حالات سے اسے طلاق دے دوں گا۔ زیادہ سے زیادہ یہی کرنا پڑے گا نا کہ مجھے یہ فرم چھوڑنی پڑے گی، یہ عیش و عشرت چھوڑنا پڑے گا یہ کروفر چھوڑنے پڑیں گے چھوڑ دوں گا میں تو ویسے ہی ملازمت پیشہ آدمی تھا، دوبارہ کہیں ملازمت کر لوں گا، کم از کم اس بھیانک زندگی سے تو نجات ملے گی مجھے۔"

"جی جی جی، بے شک لیکن سر قصور آپ کا ہے؟" شہاب نے کہا۔

"میرا!"

"جی۔"

"بھلا کیا؟" وہ چہک کر بولا۔

"آپ نے اپنے طور پر ایک تعین کر لیا تھا اور اسی لائن پر چل پڑے، حقیقت یہ ہے کہ زندگی میں کبھی ہماری ملاقات مسز احمد سے نہیں ہوئی ہم تو ایک اور ہی مسئلے میں آپ کے پاس آئے ہیں۔"

"تو پھر تم نے اس کا اعتراف کیوں کیا؟" وہ غصیلے انداز میں بولا۔

"آپ کی یہی خواہش تھی آپ یہی چاہتے تھے تو کیا کیا جا سکتا تھا۔"

"دیکھو مسٹر شکل وصورت سے اچھے خاصے آدمی معلوم ہوتے ہو، شریف بھی نظر آتے ہو اور پھر تمہارے ساتھ ایک معزز خاتون بھی ہیں کیا یہ ممکن نہیں ہو سکتا کہ جو کچھ تم مجھ سے کہنا چاہتے ہو کہو اور مجھے میرا کام کرنے دو۔"

"اصل میں معاملہ آپ کے لئے اتنی اہمیت کا حامل ہے علی احمد صاحب کہ اگر آپ نے ہم سے تعاون نہیں کیا تو پھر پچھتانے کے علاوہ آپ کے ہاتھ اور کچھ نہیں آئے گا۔"

"آپ آخر ہیں کون؟" علی احمد نے سوال کیا اور شہاب نے جیب سے اپنا سروس کارڈ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا...... اس سروس کارڈ میں وہ پولیس کی وردی میں نظر آ رہا تھا علی احمد بری طرح چونک پڑا ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے پر خوف اور دہشت کے آثار نظر آئے، اس نے برابر میں رکھا ہوا پانی کا گلاس اٹھایا اور اس پر سے پیڈ ہٹا کر گلاس میں بچا ہوا پانی پی گیا۔ پھر آہستہ سے بولا۔

"پولیس سے تعلق ہے آپ کا؟"

"جی ہاں۔"

"سی آئی ڈی سے؟"

"جو کچھ بھی آپ سمجھ لیجئے۔"

"تو پھر آپ کو چھپانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"بس ذرا آپ کو ٹٹولنا چاہتے تھے۔"

"میں ایک شریف آدمی ہوں اور قانون کے لئے پولیس سے تعاون کرنے میں مجھے کوئی عار نہیں ہے، آپ اگر مجھے پہلے بتا دیتے تو شاید اتنی باتیں ہی نہ ہوتیں بلکہ شاید ٹیلی فون پر بھی میں آپ کو فوراً ہی ہدایت دے دیتا۔"

"اصل میں اس وقت ہم پولیس آفیسر کی حیثیت سے نہیں آئے بلکہ یہ سمجھ لیجئے کہ یہ ایک ذاتی معاملہ ہے لیکن اس کا تعلق ہماری نہیں بلکہ آپ کی ذات سے ہے۔"

"خدا کی پناہ، آپ نے میرا دماغ چٹخا کر رکھ دیا ہے کیا بات ہے آخر کیا بات ہے؟"

"علی احمد صاحب، پہلی بات آپ یہ بتائیے کہ کیا آپ اپنی زندگی کے وہ راز ہم پر آشکارا کر سکتے ہیں جنہیں آپ کبھی کسی پر ظاہر نہ کریں لیکن ہمیں بتا دیں۔"

"میرا خیال ہے کوئی بھی یہ وعدہ نہیں کر سکتا آپ سے، بہت سے واقعات ایسے ہوتے ہیں جو زندگی میں آتے ہیں اور انسان کے ساتھ ہی قبر میں دفن ہو جاتے ہیں۔"

"جی ہاں لیکن کچھ واقعات ایسے ہوتے ہیں جو وقت سے پہلے قبر میں دفن کر دیتے ہیں...... کیا آپ ان واقعات میں شامل ہونے سے گریز نہیں کریں گے؟"

"دھمکی دے رہے ہیں آپ؟"

"جی ہاں۔"

"ہوں، مگر میں نے کوئی ایسا جرم نہیں کیا ہے شہاب صاحب جو مجھے سزا دلوائے یا قبر میں دفن کرائے...... موت کی سزا تو کسی کو قتل کرنے سے ہی ہوتی ہے نا اور کسی جرم میں تو ایسی کوئی سزا نہیں ہوتی۔"

"میں قتل ہی کی بات کر رہا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"قتل کی بات کا مطلب قتل کی بات ہے۔"

"انسپکٹر صاحب دیکھنے میں بہت زیادہ مضبوط اعصاب کا مالک نہیں ہوں اور پھر کچھ ذہنی الجھنوں کا شکار بھی ہوں، خدا کے لئے جو کچھ کہنا چاہتے ہیں وہ جلد کہہ ڈالئے میں شاید زیادہ سسپنس برداشت نہ کر سکوں۔"

"لیکن آپ کو ہم پر سے وقت کی پابندی ہٹانی ہو گی ہم آپ کا زیادہ وقت بھی لے سکتے ہیں۔"

"جس الجھن میں آپ نے مبتلا کر دیا ہے مجھے وہ تو مجھے زندہ درگور کر دے گی، آپ وقت کی بات کر رہے ہیں میں تو آپ کو زندگی دینے کو تیار ہوں۔"

"ویری گڈ اور آپ یہ وعدہ بھی کر رہے ہیں کہ آپ سچ بولیں گے؟"

"جی ہاں وعدہ کر رہا ہوں میں...... یہ بتائیے آپ کو کچھ پلاؤں؟"

"ضروری ہے!"

"جی...... چائے، کافی یا کوئی ٹھنڈا مشروب۔"

" کافی ایسے موقع پر ذہنی قوتوں کو تیز کر دیتی ہے کیوں مس بینا؟"

"جی ہاں شہاب صاحب۔" بینا نے کہا۔

"تو کافی منگا لیجئے۔"

"جی بہتر۔" علی احمد نے انٹر کام اٹھایا اور سیکرٹری کو کافی بھیجنے کی ہدایت کرنے لگا، پھر انٹر کام رکھ کر ان کی جانب دیکھ کر بولا۔

"جی اب فرمائیے۔"

"علی احمد صاحب کچھ ایسے معاملات آگئے ہیں جن کی وجہ سے پولیس کو آپ کے بارے میں تحقیقات کی ضرورت پیش آئی، آپ ایک نیک نام آدمی ہیں اور آپ کے نام کے ساتھ ابھی تک کوئی ایسا سکینڈل نہیں رہا ہے جو پولیس کے لئے باعث تشویش ہو، اس لئے ہم نے سوچا کہ آپ سے براہ راست گفتگو کر لی جائے لیکن یہ بہتر ہے کہ آپ صحیح جوابات دیں۔"

"کیا آپ نے تمہید کا سلسلہ طویل نہیں کر دیا؟"

"جی ہاں کر دیا ہے۔"

"خدا کے لئے مجھے بتائیے کیا بات ہے؟"

"کچھ پیچھے لے جا رہے ہیں آپ کو...... مثلاً کالج کے اس دور میں جب آپ طالب علم تھے۔"

"جی۔"

"اور ایک اچھے طالب علم کی حیثیت سے آپ کا شمار کیا جاتا تھا۔"

"جی۔"

"اس کے بعد آپ بینکنگ لائن میں آگئے اور ایک اچھے بینکر کی حیثیت سے آپ تسلیم کیا گیا۔"

"جی۔"

"پھر آپ نے بینک کی نوکری چھوڑ دی اور یہ فرم قائم کر لی۔"

"جی...... لیکن ہیروئن کے کاروبار سے نہیں بلکہ یہ کاروبار مجھے میرے سسر جمال الدین صاحب نے کرایا تھا، کیونکہ انہوں نے مجھ سے اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی کر دی تھی۔"

"جی ہاں جی ہاں اور یہ شادی جرمنی ہی میں ہو گئی تھی۔"

"گویا آپ نے کافی چھان بین کر لی ہے میرے بارے میں۔"

"جی ورنہ ظاہر ہے نہ آپ کا وقت ضائع کرنا پسند کرتے نہ اپنا۔"

"ٹھیک ہے آگے فرمائیے۔"

"اب ہم پھر کالج میں آجاتے ہیں جہاں آپ ثریا نامی ایک لڑکی سے محبت کرتے تھے۔" شہاب نے کہا اور علی احمد نے کرسی سے سر ٹکا لیا...... وہ تھکی تھکی نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

"اور اس لڑکی سے آپ کی شادی نہیں ہو سکی کیونکہ وہ لڑکی جمیل احمد نامی کسی شخص سے محبت کرتی تھی۔"

"جی ہاں کرتی تھی۔"

"علی احمد صاحب کیا یہ بات آپ کی بیوی کو معلوم ہے؟"

"نہیں۔"

"ٹھیک، تو آپ یہ بتائیے آپ کہ وہ کون سے عوامل تھے جن کی بناء پر آپ نے ثریا کو قتل کر دیا؟" شہاب نے کہا اور علی احمد جلدی سے کرسی سے الگ ہو کر بیٹھ گیا...... اس کے چہرے پر شدید ہیجان کے آثار نظر آرہے تھے، ایک لمحے کے لئے اس کا منہ کھلا پھر اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی آئی اور پھر اس کا چہرہ سخت ہو کر سرخ ہو گیا اور اس نے کسی قدر ہیجانی لہجے میں کہا۔

"یہ کارڈ بتاتا ہے کہ آپ واقعی پولیس آفیسر ہیں لیکن کسی بھی شخص کو کسی کے جذبات سے اس طرح نہیں کھیلنا چاہئے...... آپ کا دماغ خراب ہے یا آپ پاگل ہیں یا آپ مجھے بلیک میل کرنا چاہتے ہیں، کیا چاہئے آپ کو مجھے بتائیے اور فضول بکواس کرنے کی کوشش نہ کیجئے گا۔"

"آپ کو اس بات کا علم ہے کہ ثریا کو قتل کر دیا گیا ہے۔"

"میں کہتا ہوں آپ کیا بکواس کر رہے ہیں؟"

"علی احمد صاحب یہ سچ ہے؟"

"آہ کیا، واقعی...... کیا واقعی!" علی احمد کے لہجے میں ایک ایسا کرب تھا جسے بینا اور شہاب دونوں ہی نے بخوبی محسوس کیا تھا۔

"جی ہاں ثریا کو قتل کر دیا ہے...... اگر یہ بات آپ کے علم میں نہیں ہے تو۔"

"لیکن کس نے قتل کر دیا اسے، کیوں قتل کر دیا؟" علی احمد کی آواز رندھی ہوئی تھی۔

"اس کی تفصیل بعد میں بتا دی جائے گی آپ یہ بتائیے کہ ثریا سے آپ کی ملاقات کب سے نہیں ہوئی؟"

"خدا کی قسم...... خدا کی قسم میری ملاقات اس سے اس وقت سے نہیں ہوئی جب سے اس نے کالج چھوڑا ہے حالانکہ میں نے بعد میں اس سے ملنے کی کوشش کی تھی، اپنا دردِ دل اس پر واضح کرنے کے لئے اس سے ملاقات کرنا چاہی تھی لیکن اس نے مجھ سے کہہ دیا کہ وہ کسی طور میری جانب راغب نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ جمیل احمد سے محبت کرتی ہے، بس اس کے بعد سے میرا اس کا کوئی رابطہ نہیں ہو سکا۔"

"آپ کو اس کا علم ہے کہ اس کی شادی جمیل احمد سے ہو گئی؟"

"ہاں اچھی طرح معلوم ہے مجھے...... بہت کچھ جانتا ہوں میں اس کے بارے میں لیکن یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہی۔"

"اسے قتل کر دیا گیا اور آپ کو تعجب ہو گا کہ ایک شخص نے اس کے قتل کا اعتراف بھی کر لیا ہے۔"

"جی!"

"جی ہاں۔"

"کس نے؟"

"سہیل احمد نے...... جمیل احمد کے بھائی نے، جسے آپ نے ایک لاکھ روپے بذریعہ چیک عطاء کئے تھے۔" شہاب نے کہا اور علی احمد کا چہرہ ایک بار پھر تبدیل ہو گیا، اس کے چہرے پر اب خوف کے آثار نظر آ رہے تھے اور وہ کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا...... پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر کہا۔

"اوہ میرے خدا...... اوہ میرے خدا...... کیا، کیا واقعی میں کسی برے عذاب میں گرفتار

ہونے والا ہوں۔"

شہاب اور بینا خاموشی سے اسے دیکھتے رہے، شہاب نے اس سے اسی وقت ان کے الفاظ کی وضاحت نہیں مانگی تھی بلکہ اسے سوچنے کا موقع دیا تھا...... احمد علی نے کہا۔

"تو کیا کسی نے میرا نام اس کے قتل کے سلسلے میں لیا ہے؟"

"یہ جواب آپ کو نہیں دیا جا سکتا، احمد علی صاحب جب تک کہ آپ تمام باتوں کی وضاحت نہیں کر دیں گے آپ کا کہنا ہے کہ آپ اس سے نہیں ملے؟"

"نہیں۔"

"آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ جمیل احمد کو کینسر ہو گیا ہے؟"

"اس موذی کو کینسر ہونا چاہئے تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"اب میں آپ کو تمام حقیقتیں بتانے پر مجبور ہو گیا ہوں...... براہ کرم ایک بار پھر اپنا کارڈ دکھا دیجئے۔"

"یہ لیجئے۔" شہاب نے اپنا سروس کارڈ ایک بار پھر اس کے سامنے کر دیا اور علی احمد اس کی تصدیق کرتا رہا...... پھر اس نے کارڈ واپس کرتے ہوئے کہا۔

"سوری مسٹر شہاب۔"

"نہیں کوئی بات نہیں ہے۔"

"مسٹر شہاب یہ ایک المناک داستان ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ میں ثریا سے محبت کرتا تھا بلکہ شاید اب بھی کرتا ہوں اور یہ سن کر مجھے دلی صدمہ پہنچا ہے کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے، اسے کس نے قتل کیا میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"جی جی آپ بولتے رہیں۔"

"اس سے قطع تعلق ہونے کے بعد جب مجھے یہ علم ہو گیا کہ اس نے جمیل احمد سے شادی کر لی ہے تو پھر میں نے ایک شریف آدمی کی حیثیت سے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ میرے دل میں ہمیشہ رہی لیکن اب وہ ایک ازدواجی زندگی گزار رہی تھی اور اس لئے ایک شریف آدمی کے لئے ضروری تھا کہ وہ اسے کسی طرح متاثر نہ ہونے دے۔ زمانہ طالب علمی میں میں نے اسے کچھ خطوط لکھے تھے جن میں محبت کا اظہار اور ایسی ہی کچھ

باتیں تھیں جن میں دھمکیاں بھی دی گئی تھیں کہ اگر اس نے مجھ سے شادی نہیں کی تو میں اسے قتل کر دوں گا اور خود کشی کر لوں گا...... اس قسم کی بہت سی جذباتی باتیں میں نے ان خطوط میں لکھی تھیں اسے...... بہر حال بات ختم ہو گئی پھر میں جرمنی چلا گیا وہاں جمال الدین مجھے ملے...... انہوں نے اپنی بیٹی سے میری شادی کرنی چاہی اور میں نے یہ سوچ کر شادی کر لی کہ کیا فرق پڑتا ہے...... محبت تو مجھے حاصل نہیں ہو سکی، اس کے بعد ہر عورت عورت ہی ہو گی میرے لئے...... بہتر ہے ایک اچھی زندگی کا آغاز ہو رہا ہے چنانچہ فریدہ سے میری شادی ہو گئی۔ فریدہ کس مزاج کی، کس ٹائپ کی عورت ہے، اس بات کا ان واقعات سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن تھوڑا سا تعلق ہے بھی اور وہ یہ کہ فریدہ ایک انتہائی بد مزاج اور شکی قسم کی عورت ہے، اگر کوئی اسے وہ خطوط دکھا دے جو میں نے کبھی اس لڑکی کو لکھے تھے تو فریدہ میری زندگی برباد کر دے گی۔ وہ بڑی جنونی عورت ہے اور اس تمام تفصیل سے واقف ہونے کے بعد جمیل احمد نے جو زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے، ایک گیم کھیلا، ہو سکتا ہے اپنی بیماری اور اپنے علاج سے مایوس ہو کر اس تخریب کاری پر اتر آیا ہو، اس نے مجھے ٹیلی فون کیا اور ان خطوط کی فوٹو سٹیٹ مجھے بھیج کر اس نے کہا کہ اگر میں نے اس کے مطالبات پورے نہیں کئے تو وہ یہ خطوط میری بیوی تک پہنچا دے گا، میرے سسر تک پہنچا دے گا۔ میں سچی بات ہے خوفزدہ ہو گیا...... میں نے ایک لاکھ روپے کا چیک اس کے مطالبے پر اسے ادا کیا اور زندگی بھر اس بات پر افسوس کرتا رہا کہ میں کیا کر بیٹھا ہوں، مجھے اسے چیک نہیں نقد دینا چاہئے تھا لیکن جو غلطی ہونی تھی ہو چکی تھی، جمیل احمد نے ایک تجربہ کیا تھا کہ میں اسے رقم دے سکتا ہوں یا نہیں اور میں نے خوفزدہ ہو کر وہ رقم اسے دے دی تھی...... اس کے بعد اس نے مجھ سے پچاس لاکھ روپے کا مطالبہ کیا...... پورے پچاس لاکھ روپے کا، آپ خود غور کیجئے۔ میں ایک دوسرے آدمی کی دولت سے کھیل رہا ہوں اور ابھی تک اس میں میرا کوئی اتنا بڑا ہاتھ نہیں ہے کہ میں کسی بھی قیمت پر اتنی بڑی رقم اسے دینے پر آمادہ نہیں تھا کیونکہ میں خود کوئی بہت بڑا آدمی نہیں ہوں اور مجھے دولت کو اس طرح لٹانے کا کوئی شوق نہیں ہے، پھر ایسی بھی بات نہیں ہے کہ کسی چیز کا کوئی حساب نہ ہو...... میں یہ رقم اسے ادا نہیں کر سکتا تھا...... تو اس نے مجھے دھمکی دی کہ اگر میں نے اسے یہ رقم ادا نہیں کی تو وہ میرے یہ خطوط دکھا دے گا، جس پر میں نے اس سے کہا کہ اب اس کا جو دل چاہتا ہے کرے...... میں اسے رقم

دینے پر آمادہ نہیں ہوں لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ وہ بدنصیب وہ بدبخت ایسا کوئی کھیل کھیلے گا...... آفیسر تفتیش کرنا آپ کا کام ہے آپ میرے پاس آئے ہیں تو میری دوستی حاصل کرنے تو نہیں آئے ہوں گے، میں آپ سے جھوٹ بول سکتا ہوں، سب کچھ کر سکتا ہوں لیکن ایک درخواست میں ضرور کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ براہ کرم ذرا گہرائی سے تفتیش کر لیجئے...... کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کسی بے گناہ کو موت کے گھاٹ اتار دیں یعنی میں...... نہ میں نے یہ قتل کیا ہے نہ میں اس سے ملا ہوں نہ اور کوئی ایسی بات ہے جس میں میرا جرم شامل ہو۔"

"ہوں علی احمد صاحب، صرف ایک بات سے آپ کی گلو خلاصی ہو سکتی ہے۔"

"کیا؟"

"آپ ان خطوط کی وہ نقول ہمیں دکھا سکتے ہیں؟"

"میں نے محفوظ رکھی ہیں، گھر میں نہیں رکھ سکتا تھا اس لئے آفس میں رکھی ہیں وہ اس وقت بھی میرے پاس محفوظ ہیں...... میں ابھی دکھاتا ہوں آپ کو۔" علی احمد نے کہا اور ایک ریک کے نچلے خانے سے ایک لفافہ نکال لیا جس کو سختی سے سیل کر کے اس پر پرائیویٹ کی مہر لگا دی گئی تھی۔ علی احمد نے وہ لفافہ ہمارے سامنے کھول دیا اور ہم نے اس میں سے کچھ خطوط دیکھے، زیادہ تفصیل میں جانا بے مقصد تھا...... علی احمد کی سچائی اس کے الفاظ اور اس کے انداز سے ظاہر ہو رہی تھی اور یہ سچائی ہمیں تسلیم کرنی پڑی۔ میں نے علی احمد کو وہ خطوط واپس کرتے ہوئے کہا۔

"بند کر لیجئے انہیں، بلکہ بہتر ہے کہ انہیں ضائع کر دیں، تو جمیل احمد نے آپ سے پچاس لاکھ روپے نہ پا کر یہ سازش کی آپ کے خلاف لیکن اگر یہ سازش جمیل احمد نے کی ہے تو سہیل نے اپنے آپ کو اس کے قاتل کی حیثیت سے کیوں پیش کر دیا اور ایک اور تکلیف دہ بات آپ کو بتاؤں۔ قتل کرنے سے پہلے اس مظلوم عورت کے ساتھ زیادتی بھی کی گئی جبکہ اس کا شوہر کینسر کا مریض گھر میں موجود نہیں تھا...... پوسٹ مارٹم رپورٹ نے اس بات کی تصدیق کی ہے...... علی احمد منہ پھاڑے ہمیں دیکھتا رہا، پھر بولا۔

"کیا کہا جا سکتا ہے لیکن سہیل، سہیل شاید ایسا نہ کر سکے...... نہیں یہ ممکن نہیں ہے کمینے جمیل احمد نے ہی کوئی چال چلی ہو گی۔ آہ میں سمجھ گیا...... اس کے دل میں انتقام کی آگ

بھی سلگ رہی ہوگی، وہ یہ سوچ رہا ہوگا کہ وہ تو کینسر کا مریض ہے مر جائے گا اور اس کے بعد لازمی امر ہے کہ ثریا میری طرف رجوع کرے گی حالانکہ نہ وہ اس قسم کی عورت تھی اور نہ میں ایسی کسی پوزیشن میں ہوں، اس نے اسے ہلاک کر کے اپنا وہ مقصد بھی پورا کر لیا لیکن بدبخت، بدبخت زندگی اور موت کا شکار ہے وہ اس رقم کا کرتا کیا جو اسے کسی طور پر نہیں مل سکتی تھی۔"

"جی کہتے رہئے۔"

"نہیں میں سمجھ رہا ہوں کہ اس نے اپنی اس دھمکی کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی ہے اور یہ ذلت آمیز قدم اٹھا کر اس نے یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ اس جرم کا مرتکب میں ہی ہوں درپردہ اس نے صرف اس ایک لاکھ کے چیک کو ذریعہ بنایا ہے۔ آہ انسپکٹر صاحب، تفتیش کرنا آپ کا کام ہے، آپ مکمل تفتیش کیجئے...... اگر میری تقدیر میں بے گناہی کی موت لکھی ہے تو میں خدا کے حکم سے منکر نہیں ہو سکتا۔ میں نے یہ کیا نہیں ہے، ذرا باریک بینی سے تفتیش کر لیجئے گا اور بہتر ہے کہ اس کے بعد آپ مجھے گرفتار کریں، وعدہ کرتا ہوں جاؤں گا کہاں میری تو ساری زندگی کا سارا مسئلہ یہیں سے ہے۔"

"نہیں علی احمد صاحب نہ ہم آپ کو گرفتار کر رہے ہیں اور نہ ہی اس بات پر یقین کے لئے تیار ہیں کہ ثریا کے قاتل آپ ہیں لیکن کوئی اور ایسی اہم بات ہو تو ہمیں بتائیے جو اس کیس میں ہمیں مدد دے سکے۔"

"خدا کی قسم میرے علم میں کوئی خاص بات نہیں ہے، میں صرف اتنا ہی جانتا ہوں جتنا کچھ آپ کو بتا چکا ہوں اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتا میں۔"

"ہوں بہر حال اس تعاون کے لئے ہم آپ کے دلی شکر گزار ہیں اور آپ یقین رکھئے کہ ہم کسی بھی شکل میں آپ کو اس جرم میں ملوث نہیں ہونے دیں گے، بشرطیکہ آپ ملوث نہ نکلے۔"

"میں نے سب کچھ خدا پر چھوڑ دیا ہے آپ جو کچھ چاہیں کریں، جس طرح چاہیں تفتیش کریں۔"

"اچھا پھر اجازت۔" شہاب نے کافی کی پیالی ختم کرتے ہوئے کہا اور پھر وہ بینا کے ساتھ وہاں سے اٹھ گیا باہر نکل کر وہ دونوں کار میں آ بیٹھے اور شہاب نے تھوڑی دیر کے بعد

کار کا رخ ایک پبلک پارک کی طرف موڑ دیا...... پبلک پارک کی ایک خوبصورت بنچ پر بیٹھ کر اس نے کہا۔

"بینا تمہیں چہچہاتی ہوئی چڑیاں پسند ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"لہلہاتے ہوئے پرندے؟"

"جی؟"

"اوہو شاید پرندے لہلہاتے نہیں ہیں؟"

"درخت لہلہاتے ہیں۔"

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی یہ لہلہانا، کیا مطلب ہوا اگر ہم لہلہانا چاہیں تو کیا لہلہا سکتے ہیں؟"

"ویری گڈ ویری گڈ...... اچھا سوال ہے آپ کا ہم ہرگز نہیں لہلہا سکتے لیکن آپ یہ فرمائیے کہ یہاں تشریف کس سلسلے میں آئی ہے؟" بینا نے سوال کیا۔

"تبصرہ برائے تبصرہ!"

"کس پر؟"

"علی احمد پر۔"

"سیدھا سچا آدمی ہے اس نے جو کچھ کہا ہے کم از کم مجھے اس پر یقین ہے۔"

"ہوں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک لاکھ روپے کی رقم تو سہیل احمد کے اکاؤنٹ میں جمع ہے۔"

"جی ہاں۔"

"دوسری بات یہ کہ جمیل احمد آخر چاہتا کیا ہے۔"

"کیا کہا جا سکتا ہے اوہو، ہو سکتا ہے یہ دونوں بھائیوں کے ایثار کا مسئلہ ہو...... ہم پہلے بھی اس موضوع پر بات کر چکے ہیں، یعنی جمیل احمد اپنے بھائی کو چاہتا ہو، بیوی کی طرف سے وہ بددل ہو اور کسی ایسی کیفیت کا شکار ہو گیا ہو جس نے اسے جنون میں مبتلا کر دیا اور اس نے بیوی کو قتل کر کے علی احمد کو پھنسانے کی کوشش کی، ہو سکتا ہے وہ یہ رقم سہیل کے مستقبل کے لئے چاہتا ہو اور جب سہیل کو اس بات کا علم ہوا ہو تو اس نے یہ جرم اپنے سر لے لیا۔"

"یقیناً غور کیا جا سکتا ہے اس بات پر، ویسے بینا کیا کہتی ہو اس کیس کے بارے میں؟"

"شہاب صاحب بہت مزے دار کیس ہے، اس کیس نے ہمیں خاصی ذہنی ورزش کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔"

"لیکن ذرا خالی خولی قسم کا کیس ہے۔" شہاب نے کہا اور بینا ہنس پڑی پھر بولی۔

"نہیں جناب آپ کا یہ مزاج نہیں ہے اور پھر اتنے سارے پیسوں کا ہم کریں گے کیا؟"

"یہ بھی ٹھیک ہے، ہمارے کون سے زیادہ بچے ہوں گے صحیح کہتی ہو بینا۔" شہاب نے شرارت سے کہا اور بینا مسکرانے لگی لیکن منہ سے کچھ نہیں بولی۔ "تو فیصلہ یہی کرنا ہے کہ جمیل کو کس طرح ٹریپ کیا جائے۔"

"جی سر۔" بینا نے جان بوجھ کر کہا اور شہاب اُچھل پڑا اور بینا کے حلق سے قہقہہ نکل گیا۔

❁

شہاب نے ایک بار پھر سہیل کو لاک اپ سے اپنے پاس بلایا اور سامنے بٹھا لیا...... وہ گہری نگاہوں سے سہیل احمد کا جائزہ لے رہا تھا...... سہیل گردن جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔

"اب وقت آ گیا ہے مسٹر سہیل کہ میں آپ کا چالان پیش کر دوں، آپ براہ کرم اپنا اقبالی بیان دے دیجئے گا کیونکہ عدالت آپ کو موت کی سزا دینے سے پہلے آپ کا اقبالی بیان ضرور دیکھے گی۔"

سہیل کانپ گیا، اس نے بے بسی کی نگاہوں سے انسپکٹر شہاب کو دیکھا اور بولا۔

"جی میں تیار ہوں۔"

"اس کے علاوہ اب بھی اگر آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں تو کہہ دیجئے...... قتل کا مقدمہ ہے میرا خیال ہے جو طریقہ قتل اختیار کیا گیا ہے اس کے بعد آپ کے ساتھ کسی رحم یا رعایت کا ذکر بے معنی ہے...... ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ بھی عدالت کے اس فیصلے کی تصدیق کر دے گی جو سزائے موت کا فیصلہ ہو گا۔"

سہیل نے ایک بار پھر نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور آہستہ سے بولا۔

"کیا کہوں میں، کیا کہوں...... ہم دونوں میں سے ایک کی زندگی جائے گی۔ میں اپنے بھائی پر قربان ہونے کے لئے تیار ہوں۔"

شہاب نے چونک کر سہیل کو دیکھا اور بولا۔

"کیا مطلب؟"

"کچھ نہیں جناب...... میں اپنا اقبالی بیان دینے کے لئے تیار ہوں۔"

"یہ جاننے کے باوجود کہ جمیل احمد کینسر کا شکار ہے اور اس کی زندگی بہت مختصر رہ گئی ہے آپ اپنی زندگی بھی دے دینا چاہتے ہیں۔"

"تو پھر میں کیا کروں مجھے بتایئے میں کیا کروں؟" سہیل احمد نے کہا اور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا...... شہاب خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تھا...... سہیل بہت دیر تک روتا رہا پھر بولا۔

"میں اپنی ہزار زندگیاں اپنے بھائی پر قربان کرنے کے لئے تیار ہوں...... بار بار مر سکتا ہوں میں اس کے لئے...... میں اس کی موت سے پہلے مر جانا چاہتا ہوں...... آپ میرا اقبالی بیان لکھ لیجئے...... میں قاتل ہوں اپنی بھابی کا کہہ دیا میں نے آپ سے میں...... میں اس سے پہلے مر جانا چاہتا ہوں میں۔"

"دیکھئے سہیل احمد صاحب زندگی بڑی قیمتی شے ہے ایک بار ملتی ہے بار بار نہیں ملتی، آپ اسے کھونا چاہتے ہیں تو بے شک کھو دیں لیکن کم از کم اس لئے نہ کھوئیں کہ آپ کا بھائی زندگی پا لے۔"

"تو پھر میں کیا کروں اسے موت کے گھاٹ اتار دوں؟"

"نہیں، لیکن کم از کم ایک آبرومند عورت کی بے آبروئی تو نہ کریں آپ اسے تو شرمندہ نہ کریں جو مر چکی ہے۔"

"آہ میں کیا کروں...... میں کیا کروں مجھے کیا کرنا چاہئے؟" اتنی دیر میں گلاب جان نے آ کر کہا۔

"سر ایک آدمی فضل شاہ آیا ہے آپ سے ملنا چاہتا ہے کہتا ہے کہ اتنا ضروری کام ہے کہ ایک منٹ ضائع کرنا مناسب نہیں ہے۔"

"کس سلسلے میں ملنا چاہتا ہے۔"

"سہیل احمد کے سلسلے میں۔"

"بلاؤ، کون ہے...... یہیں بلا لو۔" شہاب نے کہا آنے والا ایک لمبے چوڑے بدن کا عجیب سا آدمی تھا...... شکل و صورت سے وہ کوئی شریف آدمی نظر نہیں آتا تھا اس نے کہا۔

"میرا نام فضل شاہ ہے، کیسے ہو سہیل، مجھے بتایا بھی نہیں کمینے ذلیل، کیا میں تیرا

دوست نہیں تھا؟ کیا میں تیرے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا؟ دیوانے آدمی کچھ تو مجھے بتا دیتا مشورہ تو کر لیتا، انسپکٹر صاحب یہ...... یہ...... معافی چاہتا ہوں میں آپ سے...... میں ایک ٹرانسپورٹر ہوں ایک ٹرانسپورٹ کمپنی میں میرے دو ٹرک بھی چلتے ہیں، یہ میرا دوست ہے بچپن کا میں سارا واقعہ سننے کے بعد یہاں آیا ہوں، یہ کہتا ہے کہ اس نے اپنی بھابی کو قتل کیا ہے...... یہ کہتا ہے کہ اس نے اپنی بھابی کی آبروریزی کی ہے...... جناب جھوٹ بولتا ہے یہ...... یہ ماں کی طرح اسے چاہتا تھا اس کی عزت کرتا تھا، یہ اپنے بھائی کو بھی پاگلوں کی طرح چاہتا ہے...... جب اس کا بھائی بیماری کا شکار ہوا تو اس نے دن رات محنت کر کے اپنے بھائی کے علاج کے لئے کام کیا...... اصل میں جو اصل قاتل ہے آپ اسے نظر انداز کر رہے ہیں۔“

”بیٹھئے فضل شاہ صاحب...... اگر آپ اس شخص کی بے گناہی کے بارے میں کچھ جانتے ہیں تو آپ یقین کریں ہم بھی کسی بے گناہ کو سزا دینا پسند نہیں کرتے۔“

”دعوے سے کہتا ہوں میں جناب یہ بندہ تو کسی چڑیا کو نہیں مار سکتا، یہ کیا کسی کو قتل کرے گا...... سب جھوٹ ہے انسپکٹر صاحب سب جھوٹ ہے...... میں کہتا ہوں یہ بات دعوے سے کہتا ہوں۔“

”ہاں ہاں کیوں نہیں آپ اس کے دوست ہیں، آپ کے خیال میں کیا ہو سکتا ہے۔“

”میں آپ کو بتاتا ہوں جناب...... علی احمد نامی ایک آدمی بہت عرصے سے ثریا سے محبت کرتا تھا اور شادی ہو جانے کے بعد بھی وہ ثریا کو بہت عرصے تک پریشان کرتا رہا، یہاں تک کہ بات کھل گئی اور جمیل احمد کو بھی اس کے بارے میں معلوم ہو گیا...... اس کمینے آدمی نے ایک لاکھ روپے جمیل احمد کو دیئے اور اپنی اس آرزو کا اظہار کیا کہ ثریا کے ساتھ اس کے ناجائز تعلقات استوار کرا دیئے جائیں...... جمیل احمد کو طیش آ گیا اور اس نے اس آدمی کو بہت برا بھلا کہہ ڈالا...... اس آدمی نے جمیل احمد کو دھمکیاں دیں کہ وہ اسے دیکھ لے گا اور یہ بھی کہا تھا اس نے کہ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری اور وہ بلی کی طرح سب کچھ لڑھکا دے گا...... آپ اس پر ہاتھ ڈال لیجئے اسے پکڑ لیجئے...... سہیل احمد بے قصور ہے...... وہ یہی سمجھا ہے کہ جمیل احمد نے مشتعل ہو کر اپنی بیوی کو قتل کر دیا ہے اور یہ اپنے بھائی کو بچانے کے لئے مجرم بن گیا ہے اور آپ کے پاس پہنچ گیا، حالانکہ حقیقت کچھ اور ہی ہے...... حقیقت یہ ہے کہ جمیل احمد نے ثریا کو قتل کیا ہے، میں دعوے سے یہ بات کہتا ہوں۔“

”بہت خوب فضل صاحب آپ نے بہت اچھا کیا کہ اتنا اہم انکشاف میرے سامنے کر دیا لیکن فضل شاہ آپ یہ بتائیے کہ آپ کو یہ ساری باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟“

”جس طرح میری سہیل احمد سے دوستی ہے اسی طرح جمیل احمد سے بھی میری دوستی ہے...... آپ جمیل احمد سے بھی جا کر بات کر سکتے ہیں...... جمیل احمد اور سہیل احمد مجھ سے کچھ نہیں چھپاتے...... میں آپ کو بالکل سچ کہہ رہا ہوں آپ اس آدمی پر ہاتھ ڈال دو اور اس سے سب کچھ اگلوا لو سب پتا چل جائے گا...... یہ جھوٹا ہے، قاتل اس کا بھائی نہیں ہے اور نہ ہی یہ ہے، قاتل علی احمد ہے...... یہ بے وقوف نجانے کیا سمجھ بیٹھا ہے، عقل تو نام کو نہیں ہے اس میں...... آپ یقین کر لو جناب کہ اس نے یہی سمجھا ہے کہ اس کی بھابی کا قاتل اس کا بھائی ہے اس لئے اس نے یہ سارا کھیل رچایا ہے۔“

شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

”واقعی آپ نے بڑا زبردست انکشاف کیا ہے لیکن ایک بات اور ہے فضل شاہ صاحب...... جمیل احمد نے اپنی بیوی کو قتل تو بے شک کیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس نے جو کچھ کیا ہے اسے ایسا کچھ کرنے کی کیا ضرورت تھی اور کیا وہ اس قابل ہے؟“

”مطلب نہیں سمجھے صاحب ہم؟“

”قتل کرنے سے پہلے اس عورت کی آبروریزی بھی کی گئی ہے اور سہیل نے اس بات کا اعتراف کیا ہے؟“

”جی چاہتا ہے جوتا اتار کے اس کے منہ پر اتنے ماروں کہ اس کا جبڑہ ٹوٹ جائے، یہ اس عورت کے لئے یہ الفاظ کہہ رہا ہے جس کی یہ بے پناہ عزت کرتا تھا۔“

”ہاں، اس نے یہ بیان دیا ہے۔“

”سر، جھوٹا ہے آپ ایک کام کر لو آپ علی احمد کو گرفتار کر لو، اس نے ایک لاکھ روپے دیئے ہیں جو سہیل احمد کے اکاؤنٹ میں جمع ہیں۔“

”روپے اس نے کس کو دیئے تھے؟“

”جمیل احمد کو۔“

”تو جمیل احمد نے سہیل احمد کے اکاؤنٹ میں یہ روپے کیوں جمع کرا دیئے؟“

”اس لئے جناب کہ اسے اپنی زندگی کا بھروسہ نہیں تھا اس نے سوچا کہ کہیں ایسا نہ

ہو کہ وہ اپنے اکاؤنٹ میں یہ روپے جمع کرائے اور مر جائے تو پیسے بھی جھگڑے میں پڑ جائیں گے۔" فضل شاہ نے جواب دیا اور شہاب سوچ میں پڑ گیا...... بہر حال یہ نیا اُلجھاؤ سامنے آیا تھا اب اس میں کیا حقیقت تھی یہ تو اللہ ہی جانتا تھا...... بہر حال وہ فضل شاہ کو ساتھ لے کر کمرے سے اٹھ آیا...... سہیل کو بھی اس نے ساتھ لے لیا اور ہیڈ محرر کو بلا کر وہ فضل شاہ کا بیان قلمبند کرانے لگا۔

❁

فضل شاہ نے بیان قلمبند کرایا...... اپنا مکمل پتا وغیرہ لکھوایا پھر بولا۔ "افسر صاحب ہم بے پڑھے لکھے آدمی ہیں...... کسی زمانے میں بڑے برے حالات سے گزرے ہیں لیکن اب مولا کا فضل ہے۔ اچھی گزر رہی ہے...... ہمارے یار کو اس مشکل سے نکال لو۔ ہم سے تمہاری جو خدمت ہو گی کریں گے۔"

"فضل شاہ صاحب، اچھے دوست ہی دوستوں کے کام آتے ہیں اور آپ تو سمجھتے ہی ہیں۔" شہاب نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں...... آپ لوگ بھی تو محنت کرتے ہو۔ یہ تھوڑی سی رقم ہے۔" فضل شاہ نے جیب سے پانچ سو روپے کے نوٹوں کی ایک گڈی نکالی اور اسے کھولنے لگا لیکن شہاب نے جلدی سے اسے فضل شاہ کے ہاتھ سے لے لیا۔

"اوں ہوں کھولنے کی ضرورت نہیں...... اس طرح کھلے عام یہ سب نہیں کیا جاتا...... بہر حال آپ فکر نہ کریں...... آپ کے بیان کی روشنی میں کچھ کیا جا سکتا ہے۔"

فضل شاہ کی آنکھیں خوف سے سکڑ گئیں...... اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ "وہ جی انسپکٹر جی پپ...... پورے پچاس ہزار ہیں۔"

"ہمیں آپ پر بھروسا ہے۔ اسی لئے نہیں گنے۔"

"یہ مطلب نہیں ہے جی۔"

"آپ بالکل بے فکر ہو جائیں...... ہم سب ٹھیک کر لیں گے۔"

"وہ بھائی جی...... میں بھی غریب آدمی ہوں...... اس میں سے کچھ۔"

"گلاب جان۔" شہاب نے آواز دی اور گلاب جان اندر آ گیا...... اس نے ایڑیاں بجائی

تھیں...... فضل شاہ صاحب بہت معزز آدمی ہیں...... انہیں عزت سے باہر پہنچادو۔"

"یس سر......" گلاب جان نے کہا۔

فضل شاہ طوعاً و کرہاً اٹھ گیا تھا لیکن اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا...... پھر وہ لڑکھڑاتے قدموں سے باہر نکل گیا...... شہاب کے ہونٹوں پر شرارت بھری مسکراہٹ پھیل گئی تھی پھر وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا...... فضل شاہ کے بیان نے اسے بری طرح اپ سیٹ کر دیا تھا لیکن نہ جانے اس کی چھٹی حس اسے کیوں اُلجھا رہی تھی...... کوئی ایسی بات تھی جو ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ کوئی ایسی بات ضرور تھی مگر کیا۔

شام کو بینا کے ساتھ چائے پیتے ہوئے اس نے فضل شاہ کی آمد اور اس کے بیان کے بارے میں بتایا اور بینا بھی سوچ میں ڈوب گئی پھر بولی۔

"ویسے اس میں کوئی شک نہیں شہاب صاحب کہ اس کیس میں ٹھیک ٹھاک ذہنی ورزش ہو رہی ہے۔"

"لیکن میرے دماغ پر یہ ٹھک ٹھک کیوں ہو رہی ہے۔"

"جی۔"

"کوئی بات...... کوئی ایسی بات جو مجھے مستقل پریشان کئے ہوئے ہے۔ میں اسے تلاش نہیں کر پایا۔"

"کس سلسلے میں؟"

"بس فضل شاہ کے بیان کے بعد سے اُلجھا ہوا ہوں۔"

"بالکل ٹھیک ہے شہاب صاحب۔"

"کیا؟"

"خود فضل شاہ کی شخصیت اُلجھی ہوئی ہے۔ دیکھئے نا وہ سہیل احمد کا اتنا گہرا دوست ہے اسے سہیل احمد کا پرابلم نہیں معلوم۔ وہ اس کی مالی مدد بھی کر سکتا تھا اور پھر اسے ان لوگوں کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے...... اتنی تفصیل کے ساتھ، مشکل بات ہے۔"

شہاب حیرت سے بینا کو دیکھنے لگا...... اس کے ذہن میں ایک کلک کی سی آواز اُبھری...... یہی ایک نکتہ اس کے ذہن میں اُلجھا ہوا تھا اور وہ اسے تلاش نہیں کر پا رہا تھا۔

وہ متعجب نظروں سے بینا کو دیکھتا رہا اور بینا اس کے دیکھنے کے انداز پر جھینپ گئی۔

"وہی بے وقوفی کی بات کہہ دی ہے میں نے سر۔" اس نے شرمائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نہیں بینا...... تمہاری نظر اتارنے کو دل چاہتا ہے...... تم میری پوری زندگی کے لئے واقعی بے حد ضروری ہو۔ پلیز ذرا ٹرانسمیٹر اٹھا لاؤ۔"

"او کے۔" بینا نے کہا۔

شہاب نے ٹرانسمیٹر آن کیا...... دوسری طرف سے سالک نے کال ریسیو کی تھی۔

"شہنشاہ۔"

"سالک عرض کر رہا ہے جناب۔"

"اور کون کون موجود ہے؟"

"فراز اور انجم بھی ہیں۔"

"سالک، فراز کو ساتھ لو اور ایک پتا نوٹ کرو۔" شہاب نے یادداشت پر زور دے کر فضل شاہ کا پتا اسے نوٹ کرا دیا۔ پھر بولا۔ "نام فضل شاہ ہے...... خود کو ٹرانسپورٹ کمپنی کا منیجر کہتا ہے اور اس کا پارٹنر بھی ہے...... اس شخص کے بارے میں مکمل رپورٹ درکار ہے...... تفصیلات معلوم کرنے کے بعد مس بینا کو اطلاع دو اور تم میں سے ایک سائے کی طرح اس کے پیچھے رہو۔"

"بہت بہتر سر۔"

"اوجھل نہ ہونے پائے۔"

"آپ مطمئن رہیں۔" مزید کچھ ہدایات دینے کے بعد شہاب نے ٹرانسمیٹر بند کر دیا۔

علی احمد کی سیکرٹری نے انٹرکام پر کہا۔ "سر ایک صاحب آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"کون صاحب ہیں؟"

"نام نہیں بتاتے...... کہتے ہیں ایکس وائی زیڈ ہیں...... علی احمد سے بات کراؤ۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔" علی احمد نے کہا اور فون اٹھا لیا۔

"ہیلو میں بول رہا ہوں۔"

"کیا حال ہے علی احمد؟"

"کون بول رہا ہے؟"

"خادم کے علاوہ کون ہو سکتا ہے۔"

"وہ...... تم مگر تمہاری آواز بدلی ہوئی ہے۔"

"تمہاری سماعت متاثر ہے۔ بہر حال کام کی بات کرو...... اب تو تمہیں صورت حال کا اندازہ ہو چکا ہوگا۔"

"کیا مطلب؟"

"تمہاری محبوبہ قتل ہو چکی ہے۔"

"ہاں...... تم نے ایک معصوم لڑکی کو ہلاک کر دیا۔"

"وہ تمہاری محبوبہ تھی؟"

"تھی۔ بات ختم ہو گئی۔"

"تم نے کہا تھا کہ میں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا...... زیادہ سے زیادہ تمہاری بیوی سے تمہاری طلاق ہو جائے گی۔"

"ہاں کہا تھا۔"

"میں نے تمہاری بات پر غور کیا اور صورت حال بدل دی۔"

"کیا مطلب؟" علی احمد کی آواز میں بوکھلاہٹ پیدا ہو گئی۔

"اس کے قاتل تم ہو۔ تم نے اس کی آبروریزی کر کے اپنی توہین کا انتقام لیا اور اسے قتل کر دیا...... میں اس سلسلے میں تمام ثبوت مہیا کرنے میں سرگرداں ہوں۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو۔ سہیل نے اس کے قتل کا اعتراف کیا ہے۔" علی احمد نے کہا۔ دوسری طرف سے سنائی دیا۔

"نہیں علی احمد۔" سہیل نے تو رضاکارانہ طور پر اپنے بھائی کو بچانے کی کوشش کی ہے لیکن پولیس تفتیش کرے گی۔ تمہارا ایک لاکھ روپے کا چیک سامنے آئے گا اور تفتیش کا رخ بدل جائے گا۔ سہیل کو جب پتا چلے گا کہ اس کی بھابی کے قاتل تم ہو تو پھر وہ بیان بدلے گا تم قاتل ثابت ہو جاؤ گے۔"

"جمیل احمد...... تم کتنے ذلیل انسان ہو۔"

"کون جمیل احمد۔" دوسری طرف سے پھر ہنسی کی آواز ابھری۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟ آواز بدلنے سے میں تمہیں نہیں پہچان سکوں گا۔"

"کن چکروں میں پھنس گئے علی احمد۔ آوازیں پہچاننے کی کوشش میں وقت ضائع کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا کام کی بات کرو...... اب مسئلہ صرف بیوی سے طلاق ہو جانے کا نہیں ہے۔ اب تمہیں پھانسی کا پھندا نظر آجانا چاہئے۔"

علی احمد کی آواز بند ہو گئی...... اس کے چہرے پر مردنی چھا گئی تھی...... دوسری طرف سے پھر آواز سنائی دی۔

"علی احمد۔"

"ہاں...... میں سن رہا ہوں۔"

"موت بے حد خوفناک چیز ہے...... زندگی ایک بار ختم ہو جائے تو دوبارہ نہیں ملتی اور پھر یہ وقت، صرف یہ وقت تمہارے لئے ایک سنہری چانس ہے جانتے ہو کیا؟"

"نہیں۔"

"اس وقت میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ آخری موقع ہے تمہارے لئے...... میں اس رقم میں پچاس فیصد ڈسکاؤنٹ کر رہا ہوں...... پورے پچیس لاکھ کی لیکن صرف کل...... ورنہ کبھی نہیں۔"

"سنو جمیل احمد، سنو! میں قسم کھاتا ہوں اتنی رقم میں کسی قیمت پر نہیں حاصل کر سکتا۔ تم جانتے ہو یہ کاروبار میرے سسر کا ہے...... تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ میری بیوی بے حد سنگدل ہے...... سب کچھ ہونے کے باوجود رقم کا حساب میرے سسر کے پاس رہتا ہے، جوائنٹ اکاؤنٹس ہیں...... میں یہ رقم نہیں نکال سکتا۔"

"تمہارا ذاتی بینک بیلنس بھی ہے؟"

"ہاں۔"

"بارہ لاکھ روپے ہیں اس میں۔"

"اوہ تمہیں یہ بھی معلوم ہے۔"

"کام کرتا ہوں...... جھک نہیں مارتا...... بہر حال باقی رہے تیرہ لاکھ...... جن کا بندوبست کرنا ہے تمہیں۔"

"نہیں کر سکوں گا۔"

"بات سنو! تین لاکھ کا مزید بندوبست تم ضرور کر سکتے ہو...... یعنی کل پندرہ لاکھ......

اگر اس پر کوئی اور بات کی تو میں فون بند کر دوں گا سمجھ گئے۔"

"ٹھیک ہے...... اس کے جواب میں تم کیا کرو گے؟"

"تمہارے خطوط واپس مل جائیں گے اور پھر وہ نہ ہو گا جس کا خطرہ ہے...... کیسے نہ ہو؟ یہ تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔"

"ہوں...... یہ رقم مجھے کہاں دینا ہو گی۔" علی احمد نے رندھی ہوئی آواز میں پوچھا اور دوسری طرف سے ہنسی سنائی دی پھر آواز آئی۔

"ذہانت کا مظاہرہ کر رہے ہو۔"

"کیوں؟"

"کیا یہ مجھے ابھی بتانا ہو گا؟"

"یہ تمہاری مرضی ہے۔ بہر حال کل میں رقم کا بندوبست کر لوں گا۔"

"کل ایک بجے میں تمہیں بتاؤں گا کہ یہ رقم تمہیں کہاں پہنچانی ہے؟"

"ٹھیک ہے میں انتظار کروں گا۔"

"علی احمد...... زندگی بچانے کی کوشش کرنا...... کوئی دھوکہ دہی کرنے کی کوشش کی تو...... او کے......" فون بند ہو گیا...... علی احمد دیر تک ریسیور ہاتھ میں لئے بیٹھا رہا...... اس کے پورے بدن سے پسینہ بہہ رہا تھا...... پھر اس نے لرزتے ہاتھوں سے ریسیور رکھ دیا اور رومال تلاش کرنے لگا...... رومال سے پسینہ خشک کر کے اس نے پانی کا گلاس اٹھایا اور پانی پینے لگا...... وہ سخت اضطراب کا شکار تھا...... اسے اپنا گلا گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا...... بہت دیر تک وہ اسی اضطراری کیفیت کا شکار رہا...... پھر اچانک اس کے ذہن میں ایک تصویر اُبھری...... یہ شہاب کا چہرہ تھا...... اس کا ہاتھ ریسیور کی طرف بڑھا پھر رک گیا...... بہت دیر تک وہ سوچتا رہا...... پھر کارڈ فائل میں اس نے شہاب کا کارڈ تلاش کیا اور کچھ دیر کے بعد وہ کانپتے ہاتھوں سے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"ہیلو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"شہاب ثاقب صاحب سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"بول رہا ہوں۔"

"شہاب صاحب...... میں علی احمد ہوں...... احمد انٹر پرائزز سے بات کر رہا ہوں۔"

"جی علی احمد صاحب۔"

"آپ نے مجھے پہچان لیا۔"

"جی بالکل۔"

"میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"تھانے آ جائیے۔"

"نہیں شہاب صاحب...... بالکل پرائیویٹ ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔"

"خیریت؟"

"خیریت نہیں ہے۔"

"اوہ...... بتائیے کہاں ملنا چاہتے ہیں آپ؟"

"ڈیوس روڈ کے آخری سرے پر فلیٹی ہوٹل ہے...... بڑا پر سکون ریستوران ہے...... آٹھ بجے فلیٹی میں آ سکتے ہیں؟"

"ضرور۔"

"لیکن براہ کرم سادہ لباس میں۔"

"ٹھیک ہے میں پہنچ جاؤں گا...... وقت کی پابندی کیجئے۔"

"میں منتظر رہوں گا۔"

ٹھیک آٹھ بجے وہ فلیٹی میں انسپکٹر شہاب کا انتظار کر رہا تھا...... وہ نہ جانے کہاں کہاں چکرا کر یہاں پہنچا تھا...... گاڑی کہیں اور کھڑی کی تھی اور وہ ٹیکسیاں بدل کر یہاں آیا تھا تا کہ اگر کسی نے اس پر نگاہ رکھی ہو تو اسے جل دے سکے...... آٹھ بج کر ایک سیکنڈ ہوا تھا کہ شہاب اندر داخل ہو گیا...... سفید شلوار قمیض میں وہ بہت وجیہہ نظر آ رہا تھا...... قریب آ کر اس نے علی احمد سے مصافحہ کیا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"آپ چہرے سے ہی پریشان نظر آ رہے ہیں۔"

"میری جان پر بنی ہوئی ہے شہاب صاحب۔"

"کیا بات ہے بتائیے۔" شہاب نے کہا اور جواب میں علی احمد نے اسے بلیک میلر سے ہونے والی پوری گفتگو سنا دی...... شہاب نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

"آپ یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ جمیل احمد ہے؟"

"وہ آواز بدل کر بول رہا تھا۔"

"جب آپ نے اسے جمیل احمد کہہ کر پکارا تو اس نے تردید نہیں کی کہ وہ جمیل احمد نہیں ہے۔"

"نہیں۔"

"آپ کا کیا پروگرام ہے؟"

"میں آپ سے مشورہ چاہتا ہوں۔"

"آپ یہ رقم اسے دے سکیں گے؟"

"اس نے میرا بینک بیلنس بھی معلوم کر لیا ہے...... یہ رقم اسے ادا کر کے بھی میں ایک طرح سے پھانسی پر ہی لٹک جاؤں گا...... ممکن ہے اس سے گلو خلاصی ہو جائے لیکن۔"

"جو کچھ میں کہوں گا آپ کریں گے۔"

"ضرور کروں گا آفیسر۔"

"کیا آپ کا بینک آپ کو چند گھنٹوں کے نوٹس پر بارہ لاکھ ادا کر دے گا؟"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا لیکن اگر میں رات کو منیجر کو فون کر دوں تو وہ انتظام کر دے گا۔"

"باقی تین لاکھ۔"

"وہ گھر پر ہیں۔"

"یہاں سے جانے کے بعد آپ اس رقم کا بندوبست کر لیں...... کل بینک سے وہ رقم لیں اور آفس چلے جائیں...... ایک بجے انتظار کریں کہ وہ آپ سے کیا کہتا ہے...... اس کے بعد جو کچھ وہ کہے اسی طرح کریں...... ہم اسے گرفتار کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"اور اگر۔"

"علی احمد صاحب...... جان بچانی ہے تو آپ کو ہمت سے کام لینا ہوگا ورنہ آپ بہتر سمجھتے ہیں۔"

"اگر اسے احساس ہو گیا کہ میں نے پولیس سے مدد لی ہے تو وہ۔"

"زیادہ سے زیادہ کیا کر لے گا؟"

"جھلا کر مجھے گولی بھی مار سکتا ہے۔"

"تو آپ مر جائیے۔" شہاب نے بے دردی سے کہا۔

"جی؟" علی احمد کی آنکھیں حیرت سے اُبل پڑیں۔

"مر جائیے آپ...... ورنہ دوسری صورت میں جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ کیجئے...... پولیس آپ کی اس سے زیادہ کیا مدد کر سکتی ہے...... آپ پوری ہمت اور ذہانت سے ان حالات کا سامنا کریں...... ہم صرف آپ کے تعاون سے ہی کچھ کر سکتے ہیں۔"

"بہتر...... ٹھیک ہے...... جیسے آپ کہہ رہے ہیں میں ویسا ہی کروں گا۔" علی احمد نے آہستہ سے کہا۔

❁

سالک نے ڈبل او سیون کو رپورٹ دی۔ "سی پی کالنگ ڈبل او سیون...... ڈبل او فور۔"

"ریسیونگ...... اوور۔"

"رپورٹ۔"

"ہوں...... بولو۔"

"فضل شاہ ٹرانسپورٹ کمپنی کا منیجر ہے...... لیکن تعلیم یافتہ آدمی نہیں ہے...... اس نے اپنی معاونت کے لئے ایک کلرک رکھا ہوا ہے۔"

"پھر وہ منیجر کیوں ہے؟"

"اس لئے کہ غنڈہ ہے...... کمپنی کا مالک اسے اپنے غنڈے کے طور پر رکھے ہوئے ہے۔"

"ٹھیک۔"

"پانچ سال سے اسی کمپنی میں ہے...... پہلے اس کے ٹرک چلاتا تھا اب وہ ٹرک اس کے اپنے ہیں۔"

"اس کے لواحقین۔"

"کوئی نہیں ہے۔"

"اور کوئی خاص بات؟"

"نہیں...... فراز اس کے پیچھے ہے۔"

"او کے اور کچھ؟"

"نہیں۔"

"دوسری ہدایت کا انتظار کرو۔" بینا نے کہا اور پھر ٹرانسمیٹر بند کر کے اس پر شہنشاہ

سے رابطہ کرنے لگی...... اس نے اشارہ دیا اور دوسری طرف سے کال ریسیو کی گئی۔

"سی پی کالنگ اوور ڈبل او سیون۔"

"فون استعمال کرو...... کہاں ہو؟"

"راستے میں...... آفس جا رہی تھی۔"

"آفس پہنچ کر فون پر بات کرو۔"

"او کے۔"

کچھ دیر کے بعد بینا نے آفس کے فون سے شہاب کے تھانے کے نمبر ڈائل کیے۔

"ہاں بینا۔"

"سالک نے رپورٹ دی ہے فضل شاہ کے بارے میں۔"

"بتاؤ۔" شہاب نے کہا اور بینا نے رپورٹ دہرا دی۔

"گڈ...... فراز کی ڈائریکٹ رپورٹ نہیں ہے۔"

"نہیں سر۔"

"اچھا بینا...... اب یوں کرو کہ انجم، فراست اور سردار علی کو علی احمد کی کوٹھی کا پتہ بتاؤ...... اس سے کہو کہ الگ الگ وہاں پہنچیں اور علی احمد کا تعاقب کریں...... علی احمد بینک سے رقم نکالے گا...... اس کی حفاظت کریں...... اسے کوئی حادثہ پیش نہیں آنا چاہیے...... پوری طرح خیال رکھا جائے۔"

"ٹھیک ہے سر۔" بینا نے کہا۔

اس کے بعد شوکت، فراز اور سالک کو فضل شاہ کے پیچھے لگا دو، بلکہ پہلے فراز سے رجوع کرو اور پوزیشن معلوم کرو...... پھر شوکت اور نعیم کو فراز کے پاس بھیج دو...... یہ دونوں فراز کے ساتھ فضل شاہ کی نگرانی کریں گے...... انہیں ہدایت کرو کہ ہر گھنٹے کے بعد فضل شاہ کے بارے میں تمہیں رپورٹ دیں اور تم مجھے۔"

"ٹرانسمیٹر پر۔"

"ہاں جیسے بھی ممکن ہو، بلکہ ابھی تھانے میں ہوں...... فون زیادہ بہتر رہے گا۔"

"او کے۔"

"سر نہیں۔" شہاب جلدی سے بولا۔

"او کے شہاب صاحب۔" بینا نے مسکرا کر کہا اور فون بند کر دیا...... پھر وہ ٹرانسمیٹر پر فراز کو کال کرنے لگی...... فراز کی طرف سے جواب ملنے میں کچھ دیر لگی تھی پھر اس کی آواز اُبھری۔

"سوری سر...... ڈبل او فائیو ریسیونگ۔"

"ڈبل او سیون۔"

"سوری میڈم۔"

"خیریت ہے فراز۔"

"ناشتا کر رہا تھا میڈم۔"

"کہاں ہو؟"

"ٹرک اڈے پر...... رات یہیں گزاری ہے۔"

"وہ کہاں ہے؟"

"موجود ہے...... یہیں رہتا ہے۔"

"ناشتا کہاں کر رہے تھے؟"

"ہوٹل کی چارپائی پر بیٹھ کر...... چائے اور پراٹھا۔"

"ویری گڈ...... دو افراد تمہارے پاس آ رہے ہیں یعنی شوکت اور سالک...... ان کے ساتھ تمہیں سائے کی طرح فضل شاہ کے پیچھے رہنا ہے اور ہر گھنٹے بعد اس کے بارے میں مجھے رپورٹ دینی ہے۔"

"او کے...... اوور اینڈ آل۔" بینا نے ٹرانسمیٹر بند کر دیا، اسی وقت عدنان واسطی آفس میں داخل ہو گئے تھے...... بینا نے ان کا خیر مقدم کیا۔

"میرے ساتھ ہی کیوں نہ آ گئے ابو؟"

"بس پہلے کچھ اور ارادہ تھا بعد میں بدل دیا اور پھر بوڑھے لوگ جوانوں کا کہاں ساتھ دے سکتے ہیں۔" واسطی صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ بوڑھے ہیں ابو؟"

"تو پھر؟" واسطی صاحب اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

"کون کہتا ہے؟"

"اعصاب، بدن، ہاتھ پاؤں۔" واسطی صاحب نے کہا۔

"نہیں ابو...... ابھی نہیں...... ابھی تو آپ کو بہت کچھ کرنا ہے۔"

"ہاں کرنا تو ہے لیکن جو کرنا ہے اس کے سلسلے میں ہماری ہمت ساتھ نہیں دے رہی ہے۔"

"کیا کرنا ہے ڈیڈی؟"

"انسان اپنے محور سے نہیں ہٹ سکتا بیٹا بیٹے...... وہ کسی بھی حیثیت کا حامل ہو اس کے مسائل یکساں ہوتے ہیں...... ایک لگن تھی جس کے لئے محنت کر رہے تھے...... بیٹی کو اس کے گھر دیں...... اس کے لئے پیسے اکٹھے کریں...... پیسے آگئے تو عقل چکرا گئی کہ اب کیا کریں...... اندازہ ہوا کہ اس گھر کا انتخاب تو پیسے جمع کرنے سے زیادہ مشکل کام ہے۔"

"اوہ...... ابو...... اسے کہتے ہیں زبردستی کی فکر...... کہ فکر یہ ہے کہ کوئی فکر کیوں نہیں ہے۔"

"ایسی بات نہیں ہے بیٹا۔"

"ہے ابو آپ اپنی تمام فکریں مجھے دے دیں۔"

"صرف یہ ایک فکر ہے بیٹا...... باقی کوئی فکر نہیں ہے۔"

"میں نے لے لی۔"

"مجھے تم پر مکمل اعتبار ہے لیکن میرا حصہ مجھے ضرور ملنا چاہئے...... میں اپنے منصب کا تحفظ چاہتا ہوں۔"

"اگر آپ کو مجھ پر اعتبار ہے ابو تو سمجھ لیں کہ میں آپ کے حقوق کا تحفظ کروں گی۔"

"او کے...... کیا ہو رہا ہے؟"

"اسی کیس پر کام کر رہے ہیں...... سخت اُلجھے ہوئے معاملات ہیں...... آپ کو اس بار ایک ایسے شخص کے حق میں کیس لڑنا پڑے گا جو ایک قتل کا اعتراف کر رہا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے مزید کیا پیش رفت ہوئی ہے؟" واسطی صاحب نے پوچھا اور بینا انہیں تمام صورت حال بتانے لگی۔ واسطی صاحب غور سے سن رہے تھے۔

✱

علی احمد بری طرح نروس تھا...... بیوی کا رویہ الگ خراب رہتا تھا...... زندگی خوشگوار تو ضرور ہوئی تھی لیکن صرف مالی حد تک...... اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ملا تھا۔ اس سے تو وہ

زندگی بہتر تھی...... نوکری کرتا تھا تنخواہ ملتی تھی...... آرام سے گزارہ ہو جاتا تھا...... اگر مالی پوزیشن یہ نہ ہوتی تو کوئی بلیک میلر نہ ہوتا...... کسی کو بلیک میل کر کے کیا ملتا...... اب زندگی عذاب ہو گئی تھی...... نہ جانے کیا ہو...... ویسے یہ کوئی بہتر بات نہیں ہے...... یہ عذاب کب تک سہا جائے...... بہتر تو یہ تھا کہ بلیک میلر وہ خطوط بیوی کے حوالے کر دیتا...... جھگڑا ہوتا اور طلاق ہو جاتی لیکن لعنتی جمیل احمد نے بے چاری ثریا کو قتل کر دیا تھا...... وہ اپنی بیماری سے جنونی ہو چکا ہے اور اس کا یہ جنون خطرناک تھا...... دیکھو کیا ہوتا ہے۔

رات کو وہ پولیس افسر سے ملا تھا...... روشن آنکھوں اور صورت سے ذہین نظر آنے والے افسر نے انداز تو ایسا اختیار کیا تھا کہ کچھ ڈھارس بندھی تھی...... دیکھیں آگے کیا ہوتا ہے...... رات ہی کو اس نے بینک افسر سے اپنے اکاؤنٹ کے بارہ لاکھ اریج کرنے کے لئے کہا تھا...... فرم کا اکاؤنٹ بھی اسی بینک میں تھا...... اس لئے کوئی دقت نہیں ہوئی تھی...... دوسرے دن وہ بینک پہنچا رقم وصول کی اور آفس آگیا...... آج کوئی کام کرنا ممکن نہیں تھا...... وقت بھی رو رو کر گزر رہا تھا...... اسے ایک بجنے کا انتظار تھا۔

اس وقت بارہ بج کر دس منٹ ہوئے تھے کہ باہر کے دروازے پر چپڑاسی کے کسی سے بات کرنے کی آواز سنائی دی۔ پھر دروازہ کھلا اور ایک توانا آدمی اندر آگیا...... چپڑاسی اس کے ساتھ ہی اندر آیا تھا۔

"سر یہ صاحب کہتے ہیں کہ آپ کی ان سے ملاقات ہے۔ رُک ہی نہیں رہے۔"

"بہت بڑی بزنس ڈیل ہے جناب اور آپ کے ہاں یہ ہو رہا ہے۔"

"کون ہیں آپ کیا بات ہے؟" علی احمد نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"عبدالرؤف ہے میرا نام...... ایک بجے آپ سے فون پر بات ہوئی تھی۔ آپ بھول گئے۔"

"ایں؟" علی احمد کا منہ حیرت سے کھل گیا...... توانا شخص نے اسے آنکھ ماری تھی۔

"او خدا کے بندے اب تو دفع ہو جا۔" نووارد نے چپڑاسی سے کہا۔

"جاؤ۔" علی احمد بولا اور چپڑاسی باہر نکل گیا...... نووارد مسکراتا ہوا علی احمد کے سامنے والی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا تھا۔

"ہماری آواز پہچان لی ہوگی علی احمد صاحب۔"

"تم...... تم کون ہو؟"

"اپنی پسند کا کوئی نام دے لو...... ناموں میں کیا رکھا ہے۔"

"کیسے آئے ہو؟"

"بڑے آرام سے...... کوئی مشکل نہیں ہوئی...... اصل میں ہم نے سوچا کہ فلموں والے انداز میں بلیک میلروں کی طرح تمہیں کسی سنسان مقام پر پولیس کے ساتھ بلانے سے کیا فائدہ...... ہو سکتا ہے تم نے بندوبست کیا ہو اور اب تم رقم لے کر چلو تو پولیس تمہارا پیچھا کرے، پھر ویرانوں میں گولیاں چلیں...... میں نے سوچا یہیں مک مکا کر لیا جائے۔"

"کیسا مک مکا؟"

"اوں ہوں...... پوری تفصیل بتانا ضروری ہے۔"

"کون ہو تم آخر؟"

"وہ جس سے تمہاری بات ہوئی تھی۔ سنو کام کی بات کرو...... اداکاری کرنے سے تمہیں کچھ حاصل ہو گا نہ مجھے...... میرے پاس تمہارے اوریجنل خطوط موجود ہیں...... باقی دوسرا معاملہ تو جب میں راستے سے ہٹ رہا ہوں تو تمہارے لئے یہ خطرہ ختم ہو جاتا ہے۔"

"تمہارے پاس وہ خطوط کہاں سے آئے؟"

"جہنم سے...... بس اتنا کافی ہے کہ وہ میرے پاس ہیں۔"

"ثریا کو کس نے قتل کیا؟"

"قاتل اقرار کر چکا ہے...... اسے سزائے موت ہو جائے گی۔"

"پولیس بے وقوف ہے کیا؟"

"کیوں؟"

"اسے کوئی ثبوت نہیں ملے گا۔"

"میں نہیں مانتا۔"

"تو میں جاؤں۔"

"دیکھو...... میں سمجھتا تھا کہ ان تمام معاملات کے پس پشت جمیل احمد ہے، کیا تم جمیل احمد کے نمائندے ہو؟"

"پوچھنا ضروری ہے کیا؟"

"لیکن میری گلوخلاصی کیسے ہو گی؟"

"پندرہ لاکھ سے جو تم مجھے دو گے۔"

"کیسے؟"

"بس اس سلسلے میں تمہاری کوئی نشاندہی نہ ہو گی...... بصورت دیگر یہ خطوط قتل کے ثبوت کے طور پر پیش کئے جائیں گے جن میں تم نے لکھا ہے کہ تم آخر کار اسے قتل کر دو گے۔"

"خطوط کہاں ہیں؟"

"یہ موجود ہیں۔" نووارد نے ایک براؤن لفافے سے خطوط نکال کر دکھائے پھر بولا۔ "اس کے بعد تم سے کسی رقم کا مطالبہ نہیں ہو گا۔"

"اور وہ الزام؟"

"تم پر نہیں آئے گا، وعدہ۔ کیونکہ میں تمہارے راستے سے ہٹ جاؤں گا۔"

"لاؤ۔ خطوط مجھے دے دو۔"

"رقم کہاں ہے؟"

"یہ میرا آفس ہے تم یہاں میرے خلاف کیا کر سکو گے؟"

"اس کا معقول انتظام ہے میرے پاس...... احمق نہیں ہوں۔ کم از کم تم اس دنیا میں نہیں رہو گے۔" وہ مسکرا کر بولا اور علی احمد خوف زدہ ہو گیا...... اس نے نوٹوں سے بھرا بیگ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

"اسے کھولو۔" نووارد بولا...... علی احمد نے بیگ کی زپ کھول دی۔ "گڈیاں نکال کر میز پر رکھو۔"

پھر پوری طرح سے مطمئن ہو کر اس نے بیگ سنبھالا، خطوط کا لفافہ علی احمد کے حوالے کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

❀

نہایت معقول طریقے سے سارا کام ہو رہا تھا...... ڈبل او گینگ کی دونوں ٹیمیں سرگرم عمل تھیں اور بینا ان کے درمیان رابطہ تھی۔ ٹیم اے نے اسے اطلاع دی۔

"میڈم، علی احمد گھر سے نکل کر بینک گیا...... وہاں سے اب اپنے آفس پہنچ چکا ہے......

ہم لوگ آفس کے باہر تعینات ہیں۔"

"اوکے ...... اوور اینڈ آل۔"

ٹیم بی نے اطلاع دی۔ "میڈم ...... وہ ٹرک اڈے سے چل پڑا ہے۔ ہم اس کے تعاقب میں ہیں۔"

"مجھ سے رابطہ رکھو۔" بینا نے کہا تھا...... دوسری اطلاع اسے ملی تھی...... وہ ایک بینک کے سامنے موجود ہے۔

"گاڑی میں ہے؟"

"ہاں سرخ رنگ کی ایف ایکس ہے۔"

"نمبر؟" بینا نے پوچھا اور اسے نمبر بتا دیا گیا...... مجھے اس سے باخبر رکھو...... وقفہ دس دس منٹ کا رکھا جائے۔"

"اوکے میڈم۔"

اور یہ تمام رپورٹیں بینا سے شہاب کو موصول ہو رہی تھیں...... وہ تھانے میں اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا...... کچھ دیر قبل گلاب جان اس کے پاس آیا تھا۔

"سر کوئی کام تو نہیں ہے۔"

"کیا بات ہے گلاب جان؟"

"سر کہیں جانا ہے۔"

"ضروری کام ہے؟"

"اتنا ضروری بھی نہیں ہے...... کوئی حکم ہے تو بتایئے۔"

"بس تھوڑی دیر کا کام ہے...... ایک ریڈ کرنا ہے...... ایک بندے کو پکڑ کر لانا ہے اور بس چھٹی۔"

"سر، مجھے کوئی زیادہ ضروری کام نہیں ہے، آپ جیسا حکم کریں۔" گلاب جان نے کہا اور شہاب نے کلائی میں بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا پھر بولا۔

"بس ایک موبائل تیار کرلو...... چلتے ہیں۔" شہاب کے حکم پر گلاب جان باہر نکل گیا اور شہاب آخری رپورٹ کا انتظار کرنے لگا...... تفصیلات اسے مسلسل موصول ہو رہی تھیں اور بینا بہت عمدگی سے اپنی ڈیوٹی سرانجام دے رہی تھی...... اس نے بتایا۔

"سر، بڑی دلچسپ اطلاع ہے۔"

"خوب۔" شہاب بولا تو بینا نے جلدی سے کہا۔

"وہ علی احمد کے آفس میں داخل ہوا ہے۔"

"کون؟"

"فضل، سر اس کا علی احمد کے آفس میں براہ راست داخل ہو جانا کیا تعجب خیز نہیں ہے۔"

"اس سے بھی زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے بینا کہ تم ہزار بار کی کوششوں کے بعد بھی مجھے سر ہی کہہ کر مخاطب کرتی ہو...... چلو ٹھیک ہے اس کے بعد تمہیں اس بات پر نہیں ٹوکا جائے گا...... بینا ایک دم خاموش ہو گئی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"سوری شہاب...... اس کے بعد ایسا کبھی نہیں ہوگا۔"

"تو اس میں اتنا سنجیدہ ہونے کی کیا بات ہے۔" شہاب مسکرا کر بولا۔ بینا خاموش ہی رہی...... غالباً شہاب کے ان الفاظ سے وہ کچھ نروس ہو گئی تھی، شہاب نے کہا۔

"اوکے بینا...... یہ واقعی ایک حیرت ناک خبر ہے...... مجھے اس کی توقع نہیں تھی...... میں تو ایک طویل پروگرام بنائے بیٹھا تھا۔"

"جی۔" بینا نے آہستہ سے کہا۔

"اوکے...... تھینک یو بینا...... میرا خیال ہے اب میں تمہارے پیغامات موبائل پر وصول کروں گا۔ خدا حافظ۔" شہاب نے ٹرانسمیٹر بند کر دیا...... یہ واقعی اس کے لئے ایک دلچسپ اور تعجب خیز اطلاع تھی...... وہ حیران رہ گیا...... گویا فضل شاہ بلیک میلر کی حیثیت سے علی احمد کے سامنے آ رہا تھا اور واقعی، یہ کمال ہے، کچھ دیر کے بعد گلاب جان نے اطلاع دی کہ پولیس گاڑی تیار ہے...... شہاب فوراً ہی اٹھ گیا تھا...... اس بات کا تو اسے علم تھا کہ ٹیم مسلسل نگرانی پر مامور ہے اور اسے کوئی بھی اطلاع مل جائے گی چنانچہ وہ مطمئن تھا...... پھر تھوڑی دیر کے بعد پولیس گاڑی علی احمد کے دفتر کی عمارت کے سامنے جا رکی اور شہاب، گلاب جان کو ہدایت دینے لگا...... پولیس والے پوری طرح مستعد ہو گئے اور شہاب خود بھی علی احمد کے دفتر کے قریب جا کر کھڑا ہوا...... وہ انتظار کرتے رہے اور پھر زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا...... فضل شاہ پر اطمینان قدموں سے چلتا ہوا عمارت کے بڑے دروازے سے باہر نکلا تھا، پھر وہ چند ہی قدم چلا تھا کہ شہاب اس کے سامنے پہنچ گیا...... اس نے اس طرح فضل شاہ کا راستہ

روکا کہ فضل شاہ بری طرح چونک پڑا...... شہاب کو دیکھ کر اس کا چہرہ تاریک ہو گیا تھا لیکن اس نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا۔

"اوہو...... انسپکٹر صاحب، میں نے آپ کو پہچان لیا ہے سر...... آپ اس تھانے کے انچارج ہیں جس میں سہیل احمد قید ہے۔"

"جی ہاں...... جی ہاں آپ کی یادداشت تو بڑے کمال کی ہے فضل شاہ صاحب۔"

"اجی صاحب کیسی باتیں کرتے ہیں، سہیل ہمارا گہرا یار ہے اس کے لئے اتنے پریشان ہیں ہم کہ آپ کو بتا نہیں سکتے...... آپ اسے چھوڑ دو انسپکٹر صاحب، بڑا شریف بندہ ہے۔ دراصل مجرم کو تلاش کرو...... آپ نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔

"اس کی تلاش میں تو مارے مارے پھر رہے ہیں فضل شاہ صاحب...... آپ لوگ بھی مدد کریں تو اصل بندہ ہاتھ آئے۔"

"ہم تو تیار ہیں صاحب جی کوشش کرتے پھر رہے ہیں کہ اس بے چارے کی ضمانت ہو جائے...... آپ اس کی ضمانت لے لو، ہم دیں گے۔"

"اچھا واقعی؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں...... اپنا اتنا ہی گہرا یار ہے۔"

"تو پھر آیئے فضل شاہ صاحب تھانے چلتے ہیں...... آپ خانہ پری کیجئے دیکھیں گے صورت حال ہوتی ہے۔"

اگر آپ تیار ہوں تو ہم بھی دل و جان سے تیار ہیں...... یار کے لئے سب کچھ کیا جاتا ہے...... آپ کو اگر کوئی خاص کام نہ ہو تو تھانے چلو ہم آدھے گھنٹے میں آتے ہیں۔"

"نہیں فضل شاہ صاحب گیا وقت ہاتھ نہیں آتا...... اس وقت موقع ہے فائدہ اٹھایئے۔" شہاب بھی مزے لے رہا تھا...... فضل شاہ کے چہرے کے اتار چڑھاؤ میں اسے بہت لطف آ رہا تھا...... فضل شاہ شدید بے چین تھا اور یہ جاننا چاہتا تھا کہ شہاب کسی خاص کام سے یہاں آیا ہے یا صرف اتفاقیہ طور پر ہی آمنا سامنا ہو گیا ہے، لیکن شہاب کے انداز سے کوئی پتا چلانا مشکل ترین کام تھا۔ فضل شاہ کہنے لگا۔

"بس زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ لگ جائے گا ہمیں۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں فضل شاہ صاحب، دوستی پر ایک گھنٹہ تو کیا ایک لمحہ بھی نہیں

لگنا چاہئے...... ورنہ کام بگڑے ہی بگڑے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے، ہم آتے ہیں، آپ چلئے بس۔"

"توبہ کریں صاحب اب تو اس بے چارے پر مجھے بھی رحم آنے لگا ہے...... سچ مچ بے گناہ ہی معلوم ہوتا ہے...... آپ فوراً میرے ساتھ چلیں اور اس کی ضمانت لے لیں۔"

"ہم ابھی کیسے جا سکتے ہیں؟"

"کیوں کوئی خاص کام ہے آپ کو؟"

"جی ہاں، کاروباری آدمی ہیں آپ کو پتا ہے...... ایک بڑی ڈیل ہے۔"

"اچھا اچھا...... وہ ڈیل شاید آپ کے پاس اس بیگ میں موجود ہے۔"

"جی۔" فضل شاہ نے کہا۔

"جی ہاں۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"چھوڑیئے، آپ کو اطمینان سے ہی سمجھائیں گے، آیئے۔" شہاب نے آگے بڑھ کر فضل شاہ کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی تو فضل شاہ کو کچھ احساس ہو گیا...... اس نے پھرتی سے جیب میں ہاتھ ڈالنا چاہا لیکن عقب سے دو مضبوط اور طاقت ور ہاتھ اس کی بغلوں سے باہر نکلے اور گردن کی پشت پر ٹک گئے...... ایک خاص قسم کی قینچی ڈال لی گئی تھی اور فضل شاہ جیسا تنومند آدمی بھی ہلنے جلنے سے معذور ہو گیا تھا...... اس نے پلٹ کر دیکھنے کی کوشش کی مگر اس میں بھی کامیاب نہ رہا...... شہاب نے آگے بڑھ کر اس کی جیب سے پستول نکال لیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے ہاتھ میں دبا ہوا بیگ چھین لیا...... ایک کانسٹیبل نے آگے بڑھ کر فضل شاہ کے ہاتھ میں ہتھکڑی ڈال دی اور فضل شاہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھنے لگا...... گلاب جان پیچھے ہٹ گیا تھا...... فضل شاہ نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہتھکڑی دیکھی اور پھر آہستہ سے بولا۔

"یہ سب، یہ سب کیا ہے؟"

"آ جاؤ۔" شہاب نے اشارہ کیا اور فضل شاہ کو گھسیٹ کر پولیس گاڑی میں بٹھا دیا گیا...... باقی سب بھی گاڑی میں سوار ہو گئے تھے اور پولیس گاڑی تھانے کی جانب چل پڑی...... فضل شاہ کو چکر آ رہے تھے...... وہ اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا جیسے

آنکھوں میں نیند آ رہی ہو لیکن تھانے کی عمارت میں پہنچتے پہنچتے اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا..... پھر جب اسے اندر لے جایا جا رہا تھا تو اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کوئی چکر چل گیا ہے تھانیدار، کوئی ایسا کیس آ گیا ہے تمہارے پاس جس میں تمہیں کسی بے گناہ کی ضرورت ہو لیکن غلطی کی ہے تم نے شاید میرے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہیں تمہیں۔"

"اصل مسئلہ یہی ہے فضل شاہ صاحب، آپ کے بارے میں بہت کم معلومات ہیں ہمیں اور یہی معلومات حاصل کرنے کے لئے آپ کو یہاں بلایا گیا ہے۔"

"میں بھی ایک معزز آدمی ہوں اور بڑے تعلقات ہیں میرے..... مصیبت آ جائے گی تمہاری تھانیدار۔"

"نہیں، نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے فضل شاہ صاحب، آپ غلط فہمی کا شکار ہو رہے ہیں بس تھوڑی سی معلومات اور اس کے بعد چھٹی۔"

"اس طرح معلومات حاصل کی جاتی ہیں؟"

"ہاں اپنا اپنا طریقہ ہے..... آیئے آیئے۔" پھر فضل شاہ کو وہ لوگ جس کمرے میں لائے اسے دیکھ کر فضل شاہ کے چہرے پر ایک بار پھر خوف کے آثار پیدا ہو گئے تھے شہاب نے کہا۔

"اسے ڈرائنگ روم کہتے ہیں کیسا لگا آپ کو؟"

"آخر بات کیا ہے، کیا جرم کیا ہے میں نے کچھ تو بتاؤ؟"

"آپ تشریف رکھئے..... آپ سے ایک معزز آدمی کی ہی طرح گفتگو ہو گی۔ اتنے پریشان آپ بلاوجہ ہو رہے ہیں۔"

"تم لوگوں کا طریقہ کار ٹھیک نہیں ہے بہر حال۔"

"فضل شاہ صاحب اس بیگ میں کیا ہے؟"

"پندرہ لاکھ روپے۔"

"ارے گڈ ویری گڈ۔ گلاب جان ہم نے زندگی میں کبھی پندرہ لاکھ روپے اکٹھے نہیں دیکھے، ذرا کھول کر دیکھو۔"

"جی سر۔" گلاب جان بولا اور اس نے بیگ کی زپ کھول دی..... پھر نوٹوں کی گڈیاں

نکال کر چننے لگا اور پھر بولا۔

"کمال کی چیز ہیں صاحب کاغذ کے یہ ٹکڑے بھی۔"

"ہاں واقعی کمال کی چیز ہیں فضل شاہ، یہ پندرہ لاکھ روپے کس سلسلے میں لئے پھر رہے ہو تم؟"

"بتا چکا ہوں تمہیں کہ ایک بڑا کاروباری ہوں، گھٹیا تو نہیں سمجھنا چاہئے کسی کو۔"

"توبہ توبہ تمہیں گھٹیا سمجھنے والے خود گھٹیا، بڑے شاندار طریقے سے تم نے بلیک میلنگ کا یہ دھندا شروع کر رکھا ہے..... آخر کار تم نے بے چارے علی احمد سے پندرہ لاکھ روپے وصول کر ہی لئے۔"

"کک، کیا بکواس ہے؟"

"وہ علی احمد کے دفتر کی عمارت تھی نا؟"

"علی احمد سے میرے تعلقات ہیں۔"

"کیسے؟"

"بتانا ضروری ہے کیا؟"

"ہاں، پولیس آفیسر جب کسی سے کچھ پوچھتا ہے تو بتانا ضروری ہوتا ہے۔"

"دیکھو، غلطی کر رہے ہو سنو..... کچھ آپس کی بات کر لیتے ہیں، پندرہ لاکھ میں سے دو لاکھ تم لے لو..... طویل عرصے تک نہیں کما سکو گے اتنی رقم۔"

"کس سلسلے میں، اب تو یہ بھی بتانا ضروری ہو گیا ہے فضل شاہ صاحب۔"

"تب تو تم ایک ناکام پولیس آفیسر ہو۔"

"واہ، خوب اچھا نام دیا آپ نے مجھے واقعی میں ایک ناکام پولیس آفیسر ہوں اور خرابی یہی ہے میرے اندر کہ میں جو معلوم کرنا چاہتا ہوں وہ ہر قیمت پر معلوم کر لیتا ہوں..... اس سے پہلے میں یہ کام کر لیا کرتا تھا لیکن اب ہمارے یہ گلاب جان شاہ صاحب ہیں، یہ اس کام کو مجھ سے زیادہ بہتر طریقے سے کر لیتے ہیں..... گلاب جان صاحب میں آفس دیکھتا ہوں آپ فضل شاہ صاحب سے چند باتیں معلوم کر لیجئے۔ مثلاً یہ کہ سہیل احمد سے ان کا کیا تعلق ہے اور ثریا نامی عورت کو کس نے قتل کیا ہے۔ یہ تمام تفصیلات مجھے آدھے گھنٹے کے اندر اندر مل جائیں..... آپ تو ایسے کاموں میں ماہر ہیں..... یہ نوٹ میں لئے جا رہا ہوں۔"

"تم بہت بڑا نقصان اٹھاؤ گے آفیسر، میری بات مان لو...... مجھ سے تعاون کرو، میں تمہیں پانچ لاکھ روپے دے دیتا ہوں۔"

"افسوس کی بات ہے کہ یہ رقم ایک ایسے آدمی سے حاصل کی ہے آپ نے جو خود مظلوم ہے اور اس رقم کے بدلے اسے نہ جانے کیسی کیسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ایسا نہ ہوتا تو آپ کی یہ پیش کش میں خوشی سے قبول کر لیتا مگر یہ تو پوری کی پوری رقم واپس کرنی پڑے گی۔"

"تم اس کے حق دار نہیں ہو۔"

"میں خود حق دار کہاں ہوں یہ تو حق دار کو واپس چلی جائے گی۔"

"ٹھیک ہے پھر تم خود بھگتو گے۔"

"ہاں یہی میں چاہتا ہوں کہ خود بھگتوں...... گلاب جان میں چلتا ہوں۔"

"آپ اطمینان سے جاؤ صاحب ہم ابھی ساری تفصیل آپ کے سامنے پیش کریں گے۔" گلاب جان نے مسکرا کر کہا اور شہاب کمرے سے باہر نکل آیا...... پھر وہ اپنے آفس میں داخل ہو گیا...... اس نے دو سپاہیوں کو اشارہ کیا تھا اور وہ اس کمرے کے دروازے جا ٹکے تھے جسے ڈرائنگ روم کہا جاتا ہے اندر اپنی میز پر بیٹھنے کے بعد شہاب نے علی احمد کو فون کیا جو فوراً ہی ریسیو کر لیا گیا۔ شہاب نے کہا۔

"علی احمد صاحب۔"

"ہاں میں بول رہا ہوں۔"

"انسپکٹر شہاب ثاقب۔"

"جی میں نے پہچان لیا ہے۔"

"کہئے کیسے حال ہیں آپ کے؟"

"مجھے ایک اطلاع ملی ہے۔"

"کیا؟"

"آپ نے فضل شاہ کو گرفتار کیا ہے میرے دفتر کے سامنے سے۔"

"جی ہاں۔"

"اوہو۔ انسپکٹر صاحب آپ تصور نہیں کر سکتے وہ...... وہ۔"

"نہیں یہ اور وہ نہیں علی احمد صاحب، آپ تشریف لے آیئے میرے تھانے...... سمجھ رہے ہیں نا آپ...... انتظار کر رہا ہوں میں آپ کا۔"

"جی بس دو منٹ میں حاضر ہوتا ہوں...... میں تو خود آنا چاہتا تھا...... وہ کمبخت پندرہ لاکھ لے گیا ہے۔"

"جی ہاں وہ میرے پاس میری میز پر رکھے ہوئے ہیں اور آپ سے تعاون کے طور پر میں ان کا اندراج نہیں کروں گا، کیونکہ اس کے بعد آپ کو ان پندرہ لاکھ کی واپسی میں دانتوں پسینے آجائیں گے۔"

"میں آپ کے اس احسان کا صلہ کبھی نہیں دے سکوں گا۔"

"آجایئے آجایئے۔" شہاب نے کہا اور فون بند کر دیا...... اب وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا...... پھر اس وقت تک وہ خاموش ہی رہا جب تک علی احمد آ نہ گیا...... گلاب جان شاید فضل شاہ پر مسلسل محنت کر رہا تھا...... علی احمد سلام کر کے شہاب ثاقب کے سامنے آ بیٹھا...... اس نے وہ بیگ دیکھ لیا تھا جس میں اس نے نوٹ بھر دیئے تھے۔

"اگر ایسا ہو جائے جیسا آپ نے فرمایا تھا تو آپ یقین کیجئے کہ مجھے نئی زندگی مل جائے گی۔ میں نے یہ جو کچھ کیا ہے اور جس طرح کیا ہے، اللہ بہتر جانتا ہے، شہاب نے وہ بیگ علی احمد کی طرف کھسکا دیا اور بولا۔

"زپ کھولئے۔"

"جی۔"

"بیگ کی زپ کھولئے۔"

"جج، جی جی ہاں۔" علی احمد نے جلدی سے بیگ کی زپ کھول دی۔

"گڈیاں نکالئے۔"

"جی۔" علی احمد نے کانپتے ہاتھوں سے نوٹوں کی گڈیاں نکال دیں۔

"چیک کیجئے۔"

"کک، کیا مطلب؟"

"علی احمد صاحب وقت ضائع نہ کریں...... گڈیاں چیک کریں۔"

"سب بالکل ٹھیک ہیں۔"

"واپس رکھ لیجئے۔"

"جی۔" علی احمد نے گڈیاں واپس رکھیں تو شہاب نے اسے بیگ کی زپ بند کرنے کا اشارہ کیا اور بولا۔

"یہ اب آپ کی تحویل میں پہنچ چکی ہیں...... ان کا تحفظ اب آپ کی ذمے داری ہے۔"

"شہاب صاحب مم میں۔"

"کچھ نہیں...... بے کار کی باتیں مت کیجئے...... ایک بار پھر میں آپ سے یہ سوال کروں گا کہ کیا ثریا کے قتل میں کوئی جذباتی فیصلہ تھا؟"

"کوئی بھی شے نہیں ہے اس دنیا میں جس کی قسم کھا کر میں آپ کو اس بات کا یقین دلا سکوں کہ جو کچھ تھا وہ ختم ہو چکا تھا اور اس سے میرا کوئی واسطہ نہیں رہا تھا...... بس تقدیر کو مجھ پر یہ ظلم ڈھانا تھا۔"

"نہیں تقدیر نے آپ پر کوئی ظلم نہیں ڈھایا...... آپ بیگ اٹھایئے اور جایئے...... میں کوشش کروں گا کہ آپ کا نام تک اس مقدمے میں شامل نہ ہونے دوں۔"

"اور اس کے سلسلے میں آپ کو کیا دوں گا؟"

"ممکن ہو تو دعائیں دے دیجئے...... او کے شکریہ، میرا خیال ہے آپ کا تھانے کی حدود میں زیادہ دیر رہنا مناسب نہیں ہے۔" شہاب نے کہا اور علی احمد بیگ اٹھا کر لرزتے قدموں سے باہر نکل گیا۔

علی احمد کی جو ہسٹری سامنے آئی تھی وہ ایسی ہی تھی کہ اس کے بعد اسے مزید دُکھ دینا اپنے آپ کو دُکھ دینے کے مترادف تھا، چنانچہ شہاب نے اسے فارغ ہی کر دیا تھا اور کسی بھی طور اسے اس کیس میں ملوث نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا...... اب فضل شاہ سے انکشافات ہونے کی توقع تھی...... تھوڑی دیر کے بعد گلاب جان کمرے میں داخل ہوا اور اس نے سلیوٹ کیا تو شہاب نے محبت بھرے انداز میں اس سے کہا۔

"آؤ گلاب جان بیٹھو...... یقیناً کچھ معلومات حاصل کر کے آئے ہو گے۔"

"وہ بھی پکا ہی بدمعاش ہے سر...... اصل میں ٹرانسپورٹ لائن کا آدمی ہے...... گھاٹ گھاٹ کا پانی پئے ہوئے ہے اور کافی الٹے سیدھے کام کرتا رہا ہے...... ہم نے بھی سسرے کی پوری ہسٹری پوچھ لی۔"

"اگر گلاب جان شاہ صاحب کو بھی وہ ہسٹری نہ بتاتا تو کیا ہم جیسے لوگوں کو بتاتا...... بتایئے کیا تفصیل سامنے آئی؟"

"سر ثریا کا قاتل وہی ہے اور اسی نے اس بے چاری کو مرنے سے پہلے بے آبرو کیا تھا۔"

"فضل شاہ نے۔" شہاب حیرت سے بولا۔

"جی صاحب بڑی گندی کہانی ہے...... خدا غارت کرے ان بے ضمیر لوگوں کو جو دولت کے لئے انسانیت کو اس طرح شرمندہ کرتے ہیں کہ صاحب بس کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

شہاب سرد نگاہوں سے گلاب جان کو دیکھتا رہا...... گلاب جان چند لمحات خاموش رہنے کے بعد بولا۔

"سہیل احمد اور جمیل احمد دو سگے بھائی اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ثریا اس گھر کے لئے بڑی نعمت تھی...... سہیل درحقیقت ثریا کو بہت چاہتا تھا لیکن وہ اپنی زندگی میں خوشیوں کا طلب گار تھا اور اس کی خواہش تھی کہ وہ ایک پر آسائش زندگی بسر کرے...... بڑے بھائی کو کینسر ہو گیا اور مستقبل کے دروازے اسے بند ہوتے ہوئے محسوس ہوئے تو وہ بوکھلا گیا اور اس کے بعد اس کی سوچ میں خود غرضی پیدا ہوتی چلی گئی...... وہ ہر قیمت پر دولت مند بننے کا خواب دیکھنے لگا...... اسے بہت سی باتیں معلوم تھیں...... یہ بھی معلوم تھا اسے کہ علی احمد اور ثریا کا عشق چلتا رہا ہے اور ثریا نے جمیل احمد کو پسند کر لیا تھا، بہر حال جمیل احمد تو ہسپتال میں داخل ہو گیا اور سہیل اپنے طور پر ان فکروں میں سرگرداں رہا کہ کیا کرے، چنانچہ اس نے علی احمد کو بلیک میل کرنے کا فیصلہ کیا اور ان خطوط کا سہارا لیا جو ثریا کے سامان سے اسے حاصل ہو گئے تھے...... علی احمد آسانی سے سہیل کو رقمیں دینے پر آمادہ نہ ہوا تو سہیل نے کچھ اور فیصلے کئے...... اس نے فضل شاہ کو اپنے ساتھ شریک کیا اور اس کے بعد یہ ناپاک منصوبہ بنا ڈالا...... اس نے علی احمد پر ثریا کو قتل کرنے کا الزام لگانے کی کوشش کی تاکہ علی احمد اس کی مطلوبہ رقم اسے ادا کر دے اور جب علی احمد نہ مانا تو اس نے فضل شاہ کے ذریعے ثریا کو بے آبرو کر کے قتل کر ڈالا...... وہ اس کا پورا پورا الزام علی احمد پر لگانا چاہتا تھا اور یہی کوششیں کر رہا تھا لیکن دال نہ گلی...... اس نے خود پولیس اسٹیشن آ کر اپنے آپ کو اس لئے گرفتاری کے لئے پیش کیا تھا کہ تحقیقات ہو تو علی احمد کا نام سامنے آئے، علی احمد بوکھلا جائے اور بیس لاکھ روپے کی رقم اسے ادا کر دے...... فضل شاہ اس سلسلے میں اس کا پارٹنر تھا بیس فیصد کا...... یہ

ہے تمام کہانی جو فضل شاہ صاحب نے ہمیں سنائی ہے۔"

شہاب دیر تک افسوس بھرے انداز میں گلاب جان کی صورت دیکھتا رہا تھا پھر وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"ہاں گلاب جان...... دولت کے کھیل اتنے ہی ذلیل و خوار ہوتے ہیں...... انسان اپنی سطح سے اتنا نیچے گر جاتا ہے کہ اسے انسان کہنا ہی مشکل لگے...... بہر حال بے چارہ علی احمد بلاوجہ ہی اس بے گناہ جرم میں ملوث ہو رہا تھا۔"

"جی سر اب کیا پروگرام ہے؟"

"کچھ نہیں...... سیدھی سادی سی بات ہے...... چالان پیش کئے دیتے ہیں...... تمام تر ثبوت اور شواہد کے ساتھ...... اس کم بخت سہیل احمد اور اس کے ساتھی فضل شاہ کو کم از کم موت کی سزا ملنی چاہئے۔"

"بات تو کرلیں۔"

"جی سر جیسا آپ مناسب سمجھیں۔"

"آؤ...... تھوڑی دیر کے بعد فضل شاہ کو بھی ذرا اس کے سامنے لانا ہے دونوں کے بیانات لے لیں، بلکہ ٹھہرو آؤ تھوڑی سی تفریح کرتے ہیں۔"

شہاب گلاب جان کے ساتھ لاک اپ پہنچ گیا اور سہیل احمد کے سامنے آ گیا...... وہ خاموش بیٹھا ہوا تھا۔

"کہو سہیل احمد تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟" سہیل احمد نے برا سا منہ بنایا اور آہستہ سے بولا۔

"مجھے تکلیف یہ ہے کہ یہاں مجھے کوئی تکلیف کیوں نہیں ہے۔"

"واہ بہت عمدہ فلسفہ ہے تمہارا۔"

"اسے فلسفہ نہ کہو انسپکٹر...... یہ زندگی سے مایوسی اور بے زاری کا اظہار ہے۔"

"تم زندگی سے اتنے مایوس کیوں ہو سہیل؟"

"کچھ نہیں رکھا اس زندگی میں انسپکٹر صاحب، کیا فائدہ؟"

"حقیقتوں کا اعتراف کرلو سہیل۔ کیا فائدہ اپنے آپ کو مصیبتوں میں ڈالنے کا...... زندگی ہر شخص کے لئے ہوتی ہے...... تم اپنی زندگی کھو کر میرے خیال میں بہتر تو نہیں کر رہے۔"

"جس زندگی کا کوئی مصرف نہ رہ جائے انسپکٹر صاحب اس کا کھو جانا ہی زیادہ اچھا ہوتا ہے۔"

"مصرف تو تم تلاش کر سکتے ہو۔"

"کوئی نہیں ہے میرا اس دنیا میں، کس کے لئے جیوں، کیا مصرف تلاش کروں اپنی زندگی کا؟"

"اصل میں دنیا بڑی مطلبی ہے سہیل، دنیا صرف اپنے لئے سوچتی ہے تم نے بھی اپنے لئے ہی سوچا، اگر تم سچ مچ اپنے بھائی اور بھابی کے لئے بھی سوچ لیتے تو آج نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔"

"بہت کچھ سوچا میں نے ان دونوں کے لئے...... بہت کچھ سوچا لیکن بس۔"

"تو کیا تم اب بھی اس بات پر قائم ہو کہ اپنی بھابی کو تم نے بے آبرو کیا ہے؟"

"خدا کے لئے بار بار مجھ سے یہ سوال نہ کریں۔ جو اعتراف میں نے کیا ہے بس اسی پر اکتفا کریں۔"

"حالانکہ تم اپنے آپ پر ایک گندا اور گھناؤنا الزام لگا رہے ہو سہیل...... اس عورت کو تم بہن اور ماں کا درجہ دے چکے ہو...... دولت بے شک آنکھوں پر پردہ ڈال دیتی ہے لیکن زبان سے کہی ہوئی بات کی کوئی اہمیت تو ہوتی ہے...... کم از کم اس حد تک تو غلاظت میں نہ گرو۔"

سہیل نے آنکھیں بند کرلیں تو شہاب نے کہا۔ "فضل شاہ سب کچھ بتا چکا ہے۔ یہ بھی بتا چکا ہے سہیل کہ تمہاری بھابی کو اس نے تمہارے ایما پر بے آبرو کیا...... بیس لاکھ کا قصہ بھی بتا چکا ہے...... سارے انکشافات کر چکا ہے وہ، اور اب تم دونوں کے لئے پھانسی کا پھندا تیار ہو رہا ہے...... تم نے تو یہ سوچا تھا سہیل کہ آخر کار فضل شاہ تمہیں اس مشکل سے نکال لے گا۔ بیس لاکھ روپے میں سے تھوڑی بہت رقم خرچ کر کے تم پولیس کے چنگل سے بچ جاؤ گے لیکن فضل شاہ نے تمام اعترافات مجسٹریٹ کے سامنے کئے ہیں اور اب سچ مچ تمہارا چالان پیش کیا جانے والا ہے۔"

سہیل احمد زمین پر گر پڑا...... وہ کسی زخمی کبوتر کی طرح پلکیں جھپکا رہا تھا...... اسے اس کی امید نہیں تھی اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے شہاب کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ کیا جو کچھ شہاب نے کہا ہے وہ سچ ہے...... لیکن شہاب کا انداز بتاتا تھا کہ

اب سچائیاں ہی سامنے آ گئی ہیں اور وہ کھیل جو کھیل کے طور پر کھیلا گیا تھا اب موت کا کھیل بن چکا ہے۔

شہاب نے پوری مہارت اور چابکدستی سے اس کھیل کا چالان پیش کر دیا...... عدنان واسطی صاحب کو اس نے اس میں ملوث نہیں کیا تھا کیونکہ اس گھناؤنے کیس میں خود اسے ان کرداروں سے شدید نفرت کا احساس ہوا تھا اور وہ اس سلسلے میں کوئی رعایت کسی کے ساتھ نہیں چاہتا تھا...... پھر اس کے بعد وہ اس کیس سے بے تعلق ہو گیا...... زندگی کے شب و روز اس طرح جاری ہو گئے...... گھر، بینا، عدنان واسطی، کھانا...... باقی اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ شہاب کا یہ مکمل فیصلہ تھا کہ اگر پولیس کی نوکری کرنی ہے تو کوئی اعلیٰ افسر ہونے کے بجائے ایک تھانیدار ہونا زیادہ مناسب ہوتا ہے کیونکہ اس میں زندگی کے ہر شعبے کے لوگوں سے واسطہ پڑتا رہتا ہے...... حقیقی مشکلات سامنے آتی ہیں اور اپنے فرائض ادا کرنے کا بہترین موقع ملتا ہے...... وہ تھانے میں اپنی ڈیوٹی سرانجام دے کر زیادہ خوش تھا...... ڈی آئی جی نادر حیات صاحب اپنے منصب سرانجام دے رہے تھے...... دو تین بار شہاب سے فون پر گفتگو ہوئی تھی اور شہاب نے نہایت عقیدت واحترام کے ساتھ انہیں اپنے بارے میں تفصیلات بتائی تھیں اور کہا تھا کہ وہ ایک مطمئن زندگی گزار رہا ہے جس پر ڈی آئی جی نادر حیات نے ہنس کر کہا تھا۔

”نہیں شہاب تم جیسے سیماب صفت لوگوں کو مطمئن زندگی گزارنے کا الزام دینا مناسب نہیں ہے...... تم پرسکون اور مطمئن زندگی تو گزار ہی نہیں سکتے کیونکہ یہ تمہاری فطرت سے بہت مختلف ہے۔“

شہاب ہنس کر خاموش ہو گیا تھا اور اس نے اس سلسلے میں نادر حیات سے کچھ بھی نہیں کہا تھا...... ظاہر ہے اپنے وسائل کی تفصیل وہ ان کے سامنے تو نہیں لا سکتا تھا...... بہرحال وقت گزر رہا تھا...... بینا سے چھیڑ چھاڑ ہوتی رہتی تھی...... ابھی شہاب نے کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا جو اس کی زندگی سے متعلق ہو، البتہ اشاروں کنائیوں میں وہ بینا پر اس بات کا مکمل اظہار کر چکا تھا کہ زندگی میں جب کبھی موقع ملا وہ بینا کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کی خواہش کرے گا۔

یہ تمام باتیں لفظوں کی زبان میں تو نہیں ہوئی تھیں لیکن ذہنی طور پر دونوں اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ جب سکون کے لمحات آئیں گے تو دونوں ایک ساتھ ہی ہوں گے۔

آج بھی صبح سے موسم بے حد خوشگوار تھا...... شہاب نے بینا کو فون کیا...... بینا آفس میں موجود تھی اس نے بتایا کہ واسطی صاحب بھی آج کورٹ نہیں گئے اور آفس میں کچھ پرانے کام نمٹا رہے ہیں...... شہاب نے کہا۔

”یہ لوگ بوڑھے کیوں ہو جاتے ہیں بینا؟“

”کیا مطلب؟“

”بزرگی اختیار کرنے کے بعد ان کی اپنی مصروفیات کچھ نہیں رہتیں لیکن دوسروں کی مصروفیات میں بھی یہ حارج ہوتے ہیں۔“

”ڈیڈی کی بات کر رہے ہیں شہاب۔“

”تو اور کیا؟“

”نہیں آپ حکم کریں میں حاضر ہو جاؤں۔“

”ارے ارے یہ کس نے کہا۔“

”کہا نہیں ہے لیکن میں جانتی ہوں۔“

”چلو ٹھیک ہے...... یہ سہارا ہی کیا کم ہے ہمارے لئے کہ تم جانتی ہو۔“

بینا ہنس کر خاموش ہو گئی تھی...... شہاب سوچ رہا تھا کہ کچھ کرے۔ باہر مدہم مدہم بوندا باندی ہو رہی تھی...... گلاب جان عمدہ قسم کی کافی بنوا کر لے آیا اور شہاب کے ساتھ بیٹھ گیا...... کافی پیتے ہوئے شہاب اور گلاب جان گفتگو کرتے رہے پھر باہر کچھ آوازیں سنائی دیں اور دونوں چونک کر دروازے کی جانب متوجہ ہو گئے...... اردلی نے اندر جھانک کر کہا۔

”صاحب جی ایک خاتون آپ سے ملنا چاہتی ہیں، باہر کھڑی ہوئی ہیں۔“

”ارے تو بارش میں کیوں کھڑا کر رکھا ہے انہیں، بلاؤ۔“ شہاب نے کہا۔

”جی سر۔“

آنے والی ایک خوب صورت عورت تھی...... اس کے ساتھ دو بچے بھی تھے...... لڑکے کی عمر کوئی چار سال ہوگی...... لڑکی چھ سال کے قریب تھی...... دونوں بچے خوب صورت اور پیارے تھے...... عورت خود بھی حسین تھی لیکن مرجھائے ہوئے چہرے کی مالک...... آنکھوں سے غم واندوہ کے آثار ٹپک رہے تھے شہاب اور گلاب جان دونوں ہی اس

کی جانب متوجہ ہوگئے...... شہاب نے نرم لہجے میں کہا۔

"آیئے بہن آجایئے...... آیئے بیٹھئے۔" یہ جملے نرم لہجے اور شریفانہ الفاظ پر مشتمل تھے اور ایسی باتیں دوسرے کا حوصلہ بڑھادیتی ہیں۔

عورت نے نگاہیں اٹھا کر شہاب کو دیکھا تو شہاب نے پر اخلاق انداز میں کہا۔

"آیئے بیٹھئے...... بچوں کو بھی بٹھادیجئے...... گلاب جان پلیز۔"

"جی سر۔" گلاب جان نے دونوں بچوں کو کرسیاں پیش کیں اور خود شہاب کے سامنے سے ہٹ گیا تاکہ عورت اپنے آپ کو پرسکون محسوس کرے...... وہ ایک طرف جا بیٹھا تھا...... شہاب نے کہا۔

"جی آپ اچھی خاصی بھیگ گئی ہیں...... تولیہ وغیرہ منگواؤں۔"

"نہیں شکریہ...... کیا یہ واقعی پولیس اسٹیشن ہے؟" عورت نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا...... اس کی آنکھیں سرخ اور سوجھی ہوئی تھیں جس سے احساس ہوتا تھا کہ وہ مسلسل روتی رہی ہے...... شہاب نے بھی مدہم مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"میرا خیال ہے کہ باہر پولیس اسٹیشن کا بورڈ بھی لگا ہوا ہے اور ہم لوگ پوری پوری وردی میں ہیں۔"

"ہاں بس ایسے ہی پوچھ لیا تھا۔" عورت بات ٹال گئی۔

"فرمایئے کیا خدمت کی جاسکتی ہے آپ کی؟"

"سر میں بہت بڑے عذاب میں گرفتار ہوگئی ہوں...... میرے شوہر کو اغوا کرلیا گیا ہے...... میرا دنیا میں کوئی نہیں ہے...... دو بچے ہیں...... شوہر ہے اور میں...... بس یوں سمجھ لیجئے اس کے بعد اللہ کی ذات ہے...... ہم بے سہارا ہوگئے ہیں سر...... آپ روایتی انداز میں نہیں انسانی ہمدردی کی بنیاد پر ہماری مدد کریں ورنہ سر، ہم زخم بن کر رہ جائیں گے...... ہم جی نہیں سکیں گے سر...... خودکشی کے سوا ہمارے پاس اور کوئی چارہ کار نہیں رہے گا حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ خودکشی حرام ہے...... ہمیں حرام موت مرنے سے بچالیجئے سر ہمارے پاس کوئی وسیلہ نہیں ہے...... ہم کسی کی کوئی خدمت نہیں کرسکتے، کیونکہ نہایت بے کسی کی زندگی گزار رہے ہیں ہم، بس خدا کے سوا ہمارا اور کوئی سہارا نہیں ہے...... ہماری مدد کیجئے سر ورنہ...... ورنہ۔" عورت کی آنکھوں سے پھر آنسو ٹپکنے لگے۔ شہاب نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"نہیں بی بی آپ اطمینان رکھیں...... آپ کے شوہر کو بازیاب کرانا ہماری ذمے داری ہے...... آپ اس روایتی ذمے داری کو جانے دیجئے جو تنخواہ لینے کے لئے پوری کی جاتی ہے، آپ یہی سمجھئے کہ آپ اپنے کسی عزیز کے سامنے ہیں...... میں نے آپ کو بڑے خلوص سے بہن کہہ کر پکارا ہے، میں بن جانے والے رشتوں کا قائل نہیں ہوں لیکن زبان سے کسی کو کچھ دینا بھی بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ آپ براہ کرم مجھے پوری تفصیل بتایئے اور حوصلہ رکھئے میں آپ سے صرف اتنا ہی عرض کروں گا کہ جتنا میرے لئے ممکن ہوسکتا ہے...... میں آپ کے شوہر کی بازیابی کی کوشش کروں گا براہ کرم مجھے تفصیل بتایئے۔

"سبحان طاہر ہے میرے شوہر کا نام...... ایک مقامی اخبار میں رپورٹر کی حیثیت سے کام کرتے ہیں...... بڑے اچھے رپورٹرز میں شمار ہوتے ہیں...... شاید کبھی آپ کی نگاہ سے ان کا نام گزرا ہو۔"

"ہاں سر سبحان طاہر کی رپورٹیں میں نے اخبارات میں پڑھی ہیں۔" گلاب جان نے کہا۔

"سر وہ میرے شوہر ہیں...... سر انہیں پچھلی رات اغوا کرلیا گیا ہے، کوئی ساڑھے نو بجے کا وقت ہوگا ہم لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تھے...... کسی نے بیل بجائی اور طاہر دروازے پر پہنچ گئے...... پھر وہ کسی سے باتیں کرتے رہے اور اس کے بعد دروازے ہی سے چلے گئے...... میں انتظار کرتی رہی کہ وہ واپس آئیں گے اور آنے والے کے بارے میں بتائیں گے لیکن وہ واپس نہیں آئے...... پندرہ بیس منٹ گزر گئے تو میں باہر نکلی...... کچھ لوگ دروازے سے کچھ فاصلے پر جمع تھے...... یہ پاس پڑوس کے لوگ تھے اور چہ میگوئیاں کررہے تھے...... مجھے حیرت ہوئی سب میری جانب متوجہ ہوگئے تھے...... پھر ایک بزرگ شخص نے آگے بڑھ کر کہا۔

"بیٹی کون تھے وہ لوگ؟"

میں نے حیرت سے پوچھا کہ وہ کن لوگوں کے بارے میں بات کررہے ہیں تو بزرگ نے کہا کہ وہی کالی کار والے جو سبحان کو مارپیٹ کر کار میں ڈال کر لے گئے ہیں...... سر میرے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے...... مجھے ان ساری باتوں کا علم نہیں تھا...... سر میں...... سر میں شدت غم سے دیوانی ہوگئی۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا...... لوگ میرا ساتھ دینے سے کترانے لگے...... میں نے ان سے کہا تھا کہ میں پولیس اسٹیشن جانا چاہتی ہوں لیکن کبھی نہیں گئی...... راستہ تک

نہیں جانتی...... میرا ساتھ دیں لیکن کوئی یہاں آنے کے لئے تیار نہیں ہوا...... سر میں نے
کے دفتر ٹیلی فون کیا...... ایڈیٹر صاحب جا چکے تھے، کسی اور سے کوئی رابطہ نہیں ہو سکا
نے بہت کوششیں کیں لیکن ایڈیٹر صاحب کے گھر کا نمبر مجھے نہیں معلوم تھا...... کسی نے
توجہ ہی نہیں دی...... سر پھر صبح کو میں نے دوبارہ اخبار کے دفتر فون کیا...... کوئی نہیں آیا تھا
دس بجے ایڈیٹر صاحب آئے اور میں نے انہیں سبحان طاہر کے اغوا کی اطلاع دی...... انہوں
کہا کہ ٹھیک ہے وہ دیکھیں گے کہ کیا کر سکتے ہیں، سر میں نے دوبارہ ٹیلی فون کیا تو ایڈیٹر صاحب
نے فون نہیں ریسیو کیا حالانکہ مجھے علم تھا کہ وہ موجود ہیں لیکن انہوں نے اپنے سیکرٹری
منع کرادیا کہ وہ کسی کام سے گئے ہوئے ہیں...... کسی نے میری نہیں سنی سر...... آخر کار
ہو گئی اور پتا معلوم کرتی ہوئی آپ کے پاس آ گئی ہوں...... سر ہم بڑے بے سہارا لوگ ہیں
طاہر اخبار میں ملازمت کرتے ہیں...... چھ سات سال ہو گئے ملازمت کرتے ہوئے اور
درمیانہ روی کی زندگی گزار رہے ہیں ہم...... سر ہمارے پاس کوئی وسائل نہیں ہیں کہ ہم
بڑھ کر کسی سے بات کریں...... ہماری مدد کیجئے آپ کو اللہ کا واسطہ۔"

وہ مدھم آواز میں رونے لگی...... شہاب نے پھر کہا۔ "آپ کا کیا نام ہے؟"

"سائرہ...... سائرہ طاہر۔"

"دیکھئے سائرہ حوصلہ دنیا کی سب سے بڑی قوت ہے...... میں آپ کو خوب صورت الفاظ کہہ کر بڑے بڑے دلاسے دے سکتا ہوں لیکن میں آپ سے صرف ایک لفظ کہوں گا اللہ کی ذات پر مکمل یقین رکھتی ہیں تو پھر اس بات پر بھی بھروسا رکھئے کہ اگر آپ کے شوہر بے گناہ ہیں اور انہوں نے کوئی ایسا جرم نہیں کیا ہے جس کے نتیجے میں انہیں مشکلات کا کرنا پڑ رہا ہے تو اللہ ان کی مدد کرے گا...... اس تصور کو اپنا ایمان بنا لیجئے...... باقی جہاں تک وسیلے کا تعلق ہے تو یہ میرا فرض بھی ہے اور انسانیت کا قرض بھی کہ میں آپ کی مدد کروں اور میں ایسا ہی کروں گا لیکن آپ کو حوصلہ رکھنا پڑے گا...... آنسو خشک کیجئے کتنے خوفزدہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ کو ان کی اور انہیں آپ کی ضرورت ہے سائرہ آپ نے حوصلہ ہار دیا تو یہ بے چارے تو مر ہی جائیں گے...... آپ اطمینان رکھئے جرم ہے ظلم ہوتا ہے لیکن جرم بھی ختم ہو جاتا ہے اور ظلم کا بھی خاتمہ ہوتا ہے۔ یہ دونوں ختم ہو جائیں گی...... بس آپ حوصلہ کریں اور اس قدر تردد نہ کریں۔"

شہاب کے الفاظ پر سائرہ کو حوصلہ ہوا...... اس نے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں صاف کیں اور بولی۔

"سر ہم بڑے خوفزدہ ہیں بڑے ہراساں ہیں ہم۔"

"میں نے کہا نا کہ جو کام اللہ کی طرف سے ہونے ہیں وہ صرف اللہ کی ذات کرے گی۔ باقی جو میرا فرض ہے وہ میں پورا کروں گا۔ آپ یہاں تک پہنچ گئی ہیں...... بس یہ سمجھ لیجئے کہ آپ کا تحفظ میرا ایمان ہے اور میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اپنے اس ایمان میں ثابت قدم رہوں، آپ بالکل بے فکر رہیں...... آپ کے شوہر کی تلاش اس طرح کی جائے گی کہ آپ مطمئن ہو جائیں گی۔ ہم انہیں ضرور بازیاب کرلیں گے...... اب ذرا حوصلے کے ساتھ تھوڑی سی تفصیل بتائیے اور سنئے یہ کافی رکھی ہوئی ہے ایک پیالی کافی آپ کو سکون دے گی گلاب جان پلیز۔"

"سر میں۔"

"سائرہ بہن کہہ کر مخاطب کیا ہے میں نے آپ کو...... تھوڑی سی تو لاج رکھ لیجئے۔"

"جی سر۔" اس نے گردن جھکا دی پھر شہاب اس وقت تک خاموش رہا جب تک کہ کافی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے کر اس نے کافی ختم نہ کر دی...... پھر شہاب بولا۔

"سبحان طاہر ایک رپورٹر ہیں سائرہ۔ آپ کی تعلیم کتنی ہے؟"

"سر میں نے گریجویشن کیا ہے۔"

"ٹھیک...... تھوڑا بہت اندازہ تو ہوگا آپ کو کہ سبحان طاہر کو کس وجہ سے اغوا کیا گیا ہے۔ کچھ ایسے شبہات، کوئی ایسی وجہ، کوئی ایسا تذکرہ جو انہوں نے آپ سے کیا ہو۔ اگر آپ اس کی نشاندہی کریں تو ہمیں اس سلسلے میں مدد مل سکتی ہے جس کالے رنگ کی کار کا تذکرہ پڑوسیوں نے کیا ہے کیا ان میں سے کسی نے یہ بتایا ہے آپ کو کہ کالے رنگ کی اس کار کا نمبر بھی دیکھ لیا گیا تھا۔"

"میں نے پوچھا تھا لیکن کسی نے نمبر نہیں دیکھا۔"

"جس علاقے میں آپ رہتی ہیں کیا وہ پسماندہ لوگوں کا علاقہ ہے؟"

"ملی جلی آبادی ہے تھوڑے بہت پڑھے لکھے لوگ رہتے ہیں اور تھوڑے بہت جاہل لیکن سب کے سب خود غرض لیکن میرا خیال ہے آپ ان سے اس کے سوا کچھ نہیں معلوم

کر سکیں گے کہ چند افراد نے سبحان طاہر کو اغوا کر لیا ہے۔''

''اور آپ کے ایڈیٹر صاحب نے بھی اس سلسلے میں آپ پر کوئی توجہ نہیں دی۔''

''جی سر میرا یہی اندازہ ہے وہاں سے ہم لوگوں کو کوئی توجہ نہیں ملی۔''

''سبحان طاہر کتنے عرصے سے وہاں ملازم تھے؟''

''سر چھے سال ہو گئے۔''

''ان کے اغوا کی کوئی وجہ آپ کے ذہن میں آتی ہے...... میرا مطلب ہے کوئی دش

''لاکھوں دشمن پال رکھے تھے انہوں نے...... اصل میں انہیں صحافت میں ب
ہونے کا فخر حاصل کرنے کی خواہش تھی...... ہر وہ چیز لکھ دیا کرتے تھے جس پر میں
ہوتی رہتی تھی...... ان سے کہتی تھی کہ سبحان خدا کے لئے اپنے آپ کو خطرے میں م
کہتے تھے کہ اگر کوئی اور ملازمت مل گئی تو صحافت ترک کر دوں گا لیکن جو کر رہا ہو
ایمانداری سے کروں گا۔ سر ایڈیٹر صاحب سے بھی ان کا اختلاف ہی رہتا تھا...... یہ
باتیں بس دوران گفتگو میرے علم میں آ جاتی تھیں ورنہ وہ دفتر کی باتیں گھر نہیں بتاتے

شہاب کے چہرے پر ہلکی سی سرخی آ گئی۔ نجانے کون سا تصور اس کے ذہن کے
خانوں میں روشن ہو گیا تھا۔ وہ کچھ دیر سوچتا رہا اس کے جبڑوں کے مسلز ابھر آئے تھے
گلاب جان خاموش بیٹھا ہوا تھا پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا سر کو آہستہ سے جھٹکا اور بولا

''سائرہ بہن ایک بات عرض کروں آپ سے؟''

''جی جی فرمائیے۔''

''آپ کے والدین کہاں ہیں؟''

''میرے والدین تو میرے بچپن ہی میں مر گئے تھے...... چچا نے پرورش کی تھی
کا بھی انتقال ہو گیا...... انہوں نے ہی میری شادی سبحان سے کی تھی...... سبحان کا بھی اس
میں کوئی نہیں ہے لیکن بہرحال ہم کسی قدر مطمئن زندگی گزار رہے تھے جو کچھ بھی اللہ
نے دیا تھا اس پر قانع تھے...... یہ افتاد تو ناگہانی پڑی ہے...... سر ہماری مدد کیجئے...... خدا کے
اللہ آپ کو اس کا صلہ دے گا۔''

''کیوں نہیں کیوں نہیں۔ آپ براہ کرم میری بات غور سے سنئے...... سبحان کا اغ
ایسے کام میں بھی ہو سکتا ہے جس کا تعلق کچھ خطرناک لوگوں سے ہو اور ہو سکتا

خطرناک لوگ سبحان کے اغوا سے وہ فائدہ نہ حاصل کر سکیں جو وہ حاصل کرنا چاہتے ہیں......
ایسی صورت میں آپ کو اور آپ کے بچوں کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ آپ کو خود بھی علم
ہو گا کہ اس طرح کے واقعات اکثر پیش آتے رہتے ہیں۔''

''جی سر میں مسلسل یہ سوچتی رہی ہوں کہ میرے بچے بھی خطرے میں ہیں۔''

''یہ بچے پڑھتے ہیں۔''

''جی ہاں۔''

''ان کا سکول گھر سے کتنے فاصلے پر ہے؟''

''کافی فاصلہ ہے سر۔''

''وین سے جاتے ہیں۔''

''جی نہیں میں پیدل چھوڑ کر آتی ہوں۔'' سائرہ نے کسی قدر خجل لہجے میں کہا۔

''ہوں لیکن سائرہ آپ کو کچھ عرصے کے لئے ان کی تعلیم معطل کرنا ہو گی۔''

''ہماری تو زندگی ہی معطل ہو گئی ہے سر کیا تعلیم اور کیا کچھ اور۔''

''کیا ایک اجنبی شخص کی زبان پر بھروسا کر سکتی ہیں آپ؟''

''میں سمجھی نہیں سر۔''

''میرا خیال ہے آپ کو کچھ وقت کے لئے اپنے گھر میں نہیں رہنا چاہئے۔''

''جی سر۔'' وہ ہچکچا کر بولی پھر کہنے لگی۔ ''میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ میرا کوئی ٹھکانا
نہیں ہے۔''

''تو میں آپ کو ٹھکانا مہیا کر دیتا ہوں آپ یہ سمجھ لیجئے کہ اتفاق نے آپ کو ایک بھائی
سے روشناس کرا دیا ہے...... بھروسا کر لیجئے مجھ پر سائرہ بہن، آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔
آپ میرے لئے ایک معزز بہن کی حیثیت رکھتی ہیں۔''

وہ تذبذب کا شکار ہو گئی اور گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگی تو گلاب جان کہنے لگا۔

''صاحب خدا کا قسم میں سائرہ بہن کو اپنے گھر میں جگہ دینے کے لئے تیار ہوں......
جان کی بازی لگا دوں گا ان کے لئے کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکے گا ان کا۔''

''میرے پاس ٹھکانا ہے گلاب جان، نہ ہوتا تو میں تم سے درخواست کرتا۔'' شہاب
نے کہا...... سائرہ مسلسل سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ پھر اس نے گردن اٹھا کر کہا۔

"جیسا آپ مناسب سمجھیں سر، میں کیا کروں، اب میرے پاس کہنے کے لئے کچھ نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے، گلاب جان ایف آئی آر درج کراؤ۔"

"یس سر۔" گلاب جان اپنی جگہ سے اٹھ گیا، ہیڈ محرر کو کمرے میں طلب کرلیا گیا تھا...... سائرہ اسے اپنے شوہر سبحان کے اغوا کی تفصیلات نوٹ کرانے لگی...... ایف آئی آر درج کرلی گئی تھی۔ پھر شہاب نے کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں جوہر خان کو فون کیا اور اس سے کہا کہ وہ وہاں پہنچ رہا ہے، کچھ مہمانوں کو کوٹھی میں قیام کرنا ہے، چھوٹے موٹے انتظامات کرلے اس کے بعد شہاب نے بینا کو فون کیا تھا...... اس نے بینا سے کہا۔

"بینا، میں آپ کو بالکل تکلیف نہیں دیتا، لیکن ایک کیس آگیا ہے، براہ کرم ہیڈ کوارٹر پہنچ جائیے۔"

"جی شہاب صاحب میں پہنچ رہی ہوں۔" بینا نے کہا۔

"او کے۔" تمام کام سرانجام پاگئے تو شہاب نے پرائیویٹ گاڑی منگوائی اور گلاب جان سے کہا کہ سائرہ نے اپنے گھر کا جو پتا درج کرایا ہے، پولیس موبائل لے کر وہاں پہنچ جائے اور گھر کو اپنے حصار میں لے لے، میں تھوڑی دیر کے بعد تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔" شہاب نے گلاب جان سے کہا تھا اور اس کے بعد وہ سائرہ کو ساتھ لے کر کار میں بیٹھ کر چل پڑا تھا...... سائرہ کی آنکھوں سے بار بار آنسو بہنے لگے تھے، راستے میں اس نے مدہم لہجے میں کہا۔

"سر آپ تو پولیس افسر ہیں آپ کو معلوم ہوگا، کیا اس طرح اغوا کئے جانے کے بعد انسان کو قتل کردیا جاتا ہے۔"

"سائرہ، صرف خدا پر بھروسا رکھئے اور اپنے شوہر کی زندگی کے لئے دعائیں کیجئے، معلوم ہو جائے گا کہ سبحان کو اغوا کرنے والے کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں، آپ بالکل بے فکر رہیں، ہم پوری محنت سے ان کی بازیابی کی کوشش کریں گے۔"

کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں جوہر خان نے بتایا کہ بینا پہنچ چکی ہے، شہاب سائرہ اور دونوں بچوں کو ساتھ لے کر اندر داخل ہو گیا، بینا نے دروازے کے پیچھے اس کا استقبال کیا تھا اور پھر سائرہ کو دیکھا تھا۔

"بینا! یہ سائرہ ہیں، ان کے دونوں بچوں کے نام مجھے نہیں معلوم ہوسکے، یہ تمام

تفصیلات تمہیں بتادیں گی، میں بعد میں آپ سے رابطہ قائم کروں گا، فی الحال جارہا ہوں، سائرہ آپ مس بینا کو پورا کیس بتادیجئے اور یہی وہ جگہ ہے جہاں آپ کو اس وقت تک قیام کرنا ہوگا جب تک ہم آپ کے شوہر کو بازیاب نہیں کر لیتے یہ جگہ آپ کے لئے بالکل محفوظ ہے، بینا آپ سائرہ کو تمام سہولتیں فراہم کیجئے، آئی ایم سوری تفصیلات آپ کو انہی سے معلوم ہو جائیں گی، میں ذرا جارہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے جناب۔" بینا نے کہا اور شہاب اپنی کار میں بیٹھ کر اس علاقے کی جانب چل پڑا جس کا پتا اس نے ذہن نشین کرلیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی کار اس علاقے میں داخل ہوگئی۔ درمیانے درجے سے بھی کچھ نچلے درجے کا علاقہ تھا۔ پولیس موبائل سامنے کھڑی ہوئی نظر آگئی...... لوگ جگہ جگہ دو دو تین تین کی ٹولیاں بنا کر چہ میگوئیاں کر رہے تھے، اغوا کا واقعہ پورے علاقے کو معلوم ہو چکا تھا...... شہاب نے موبائل کے پیچھے اپنی کار روک دی اور نیچے اتر آیا...... گلاب جان نے ابھی تک مکان میں داخل ہونے کی کوشش نہیں کی تھی، لیکن سپاہیوں کو وہاں تعینات کر دیا گیا تھا...... پھر اس نے گلاب جان سے کہا کہ ان لوگوں کو جمع کرے اور ان سے بیان لے جنہوں نے سبحان طاہر کو اغوا ہوتے ہوئے دیکھا ہے اور اس کے بعد وہ خود اس چھوٹے سے مکان میں داخل ہو گیا جو معمولی سے فرنیچر سے آراستہ تھا، لیکن اس قدر صاف ستھرا کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا...... جو کچھ بھی اس مکان میں تھا اس میں ایک قرینہ نظر آتا تھا...... شہاب نے چھوٹے سے گھر کی تلاشی لے ڈالی...... سبحان طاہر کے کاغذات دیکھے، فائل بنے ہوئے تھے جن میں ان رپورٹوں کے تراشے موجود تھے جو سبحان طاہر نے خود دی تھیں...... ان پر ریمارکس بھی لکھے ہوئے تھے...... بس ایسی ہی چند چیزیں یہاں دستیاب ہوئیں...... شہاب نے وہ فائل اپنے قبضے میں کر لئے اور اس کے بعد مکان کو سیل کر کے وہاں سے باہر نکل آیا، جن لوگوں کو گلاب جان نے جمع کیا تھا ان سے کوئی خاص تفصیل نہیں معلوم ہو سکی تھی...... گاڑی کا نمبر وغیرہ بھی پتا نہیں چل سکا تھا...... بس یہی معلوم ہوا کہ کچھ لوگ آئے، سبحان طاہر سے بات چیت کی، تھوڑی سی مار پیٹ ہوئی اور اس کے بعد وہ سبحان طاہر کو گاڑی میں ڈال کر ہوا ہوگئے۔ گاڑی کا رنگ کالا تھا، کوئی اس کے بارے میں اس سے زیادہ تفصیل نہیں بتا سکا...... بہر حال ان لوگوں کو گواہ کے طور پر درج کرلیا گیا تھا...... تین افراد نے رضا کارانہ طور پر اپنے نام لکھوا دیئے تھے...... سبحان طاہر کے بارے

میں پڑوسیوں کی رپورٹ یہی تھی کہ وہ بہت اچھا آدمی تھا...... صرف اپنے کام سے کام تھا اور کسی سے آج تک اس کا کوئی جھگڑا نہیں ہوا تھا...... دونوں میاں بیوی اچھی شہرت کے حامل تھے یہاں سے باہر نکلنے کے بعد شہاب نے کہا۔

"تم آفس جاؤ اور وہاں کے معاملات دیکھو، میں کچھ کام کر کے واپس آتا ہوں۔"

کچھ دیر کے بعد شہاب اس اخبار کے دفتر کے سامنے جا رکا جس میں احسان طاہر کام کرتا تھا۔ وہ تنہا ہی یہاں آیا تھا اور خود کار ڈرائیو کرتا ہوا پہنچا تھا۔ اخبار کے دفتر میں ایک پولیس آفیسر کی آمد کوئی ایسی حیران کن بات نہیں تھی جس پر لوگ چونکتے...... شہاب ایڈیٹر کے کمرے میں پہنچ گیا...... درمیانی عمر کا ایک اچھی خاصی شکل و صورت کا آدمی تھا اس نے شہاب کو استقبالیہ انداز میں دیکھا اور بولا۔

"تشریف لائیے، ایس ایچ او صاحب، کون سے تھانے سے آپ کا تعلق ہے۔" شہاب نے اپنے علاقے کے بارے میں بتایا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئے۔

"جی فرمائیے، کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"ایڈیٹر صاحب، آپ کے ہاں کا ایک صحافی اغوا ہو گیا ہے آپ نے اس سلسلے میں پولیس سے رجوع کیا؟"

"نہیں ابھی تک نہیں، اصل میں آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ اخبارات کے لئے وقت کس نوعیت کا حامل ہوتا ہے، ہم لوگ سولی پر لٹکے ہوئے ہوتے ہیں اور ہماری کوشش ہوتی ہے کہ کاپی وقت پر پہنچ جائے۔"

"ویری گڈ اور آپ کو اس بات کا ذرا برابر احساس نہیں ہے کہ آپ کے ہاں کا ایک کارکن نہ جانے کس کی بھینٹ چڑھ گیا ہے...... آپ کو اس کارکن کی بیوی نے اطلاع بھی دی تھی اور رات ہی کو دی تھی، اس وقت سے لے کر اب تک آپ نے اس سلسلے میں پولیس تک سے رجوع نہیں کیا؟"

"نہیں جناب، ایسی بات نہیں ہے، میں نے اخبار کے مالکان کو اس بارے میں اطلاع دے دی تھی، چونکہ ادھر سے مجھے ابھی تک کوئی ہدایت نہیں ملی...... اس لئے میں نے بہت زیادہ سرگرمی دکھانے کی کوشش نہیں کی۔"

"کمال کرتے ہیں آپ، یعنی اول تو آپ کا فرض یہ ہے کہ ایسی کسی واردات کے وقوع

کے بارے میں فوری طور پر رپورٹنگ کریں اور پولیس کو اس بارے میں اپنے اعتماد میں لیں، آپ نے سرے سے کچھ کیا ہی نہیں؟"

"میں نے عرض کیا نا کہ ہماری اپنی کاروباری ذمے داریاں بھی کچھ ہوتی ہیں، ہم پہلے ان کی تکمیل ضروری سمجھتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے، یہ غلط ہے۔"

"یہ آپ کا خیال ہے نا آفیسر۔"

"اس سلسلے میں آپ سے باز پرس بھی کی جا سکتی ہے۔"

"ضرور کیجئے، آپ کو باز پرس کا پورا پورا جواب دیا جائے گا۔"

"تو ٹھیک ہے، میں آپ کو کچھ دیر کے بعد تھانے طلب کرتا ہوں، کیونکہ اغوا ہونے والے کی بیوی نے تھانے میں ایف آئی آر درج کرائی ہے اور اس میں اس نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ اس سلسلے میں اخبار کے دفتر کو اطلاع دے چکی ہیں اور ایڈیٹر صاحب دوبارہ مل نہیں رہے۔"

"یہ فرد جرم عائد کی جا رہی ہے مجھ پر۔" ایڈیٹر صاحب نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ابھی نہیں، لیکن اس تحقیق کے نتیجے میں بے پروائی برتنے کے سلسلے میں آپ کو اپنے جرم کا جواب دینا ہو گا۔"

"ٹھیک ہے صاحب جواب دے دیں گے آپ جو مناسب سمجھتے ہیں کیجئے گا۔"

"ایڈیٹر صاحب، آپ کے اس رویئے کا کوئی پس منظر بھی ہو سکتا ہے، چلئے ٹھیک ہے اگر پیشہ وارانہ کارروائی ہی آپ کو پسند ہے تو ہم یہ بھی کئے لیتے ہیں۔ او کے۔"

"آفیسر، براہ کرم تشریف رکھئے...... آپ کی ناراضگی میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔"

"تب پھر آپ انتہائی نامکمل آدمی ہیں، اگر یہ تمام بنیادی باتیں آپ کی سمجھ میں نہیں آ رہیں تو پھر آپ یہ اخبار کیسے چلا رہے ہیں؟"

"بس نوجوان آفیسر یوں سمجھ لو اللہ کا کرم ہے اخبار چل رہا ہے اور اخبار کے مالکان بھی مجھ سے ناخوش نہیں ہیں۔"

"ٹھیک ہے ایڈیٹر صاحب اب میرے بیٹھنے کا کیا جواز رہ جاتا ہے، صاف اندازہ ہو چکا ہے کہ آپ اس سلسلے میں تعاون نہیں کر رہے ہیں اور آپ کو اپنے کارکن کے اغوا ہو جانے کی ذرا برابر بھی پروا نہیں ہے۔"

"کیا یہ بات آپ ایف آئی آر میں درج کریں گے؟" ایڈیٹر صاحب نے پوچھا۔
"میں کیا کروں گا، کیا نہیں کروں گا اس کے بارے میں آپ کو یہاں سے بتا کر جاؤں؟"
"نہیں آفیسر بہرحال ہمارے اور آپ کے درمیان تعاون چلتا ہے لیکن دیکھئے نا، بڑی سادہ سی بات ہے، میں سخت مصروف ہوں اور پھر سبحان طاہر ڈیوٹی سرانجام دیتے ہوئے نہیں بلکہ گھر سے اس وقت اغوا ہوا ہے جب وہ کھانا کھا کر فارغ ہوا تھا، اس کی بیوی نے یہ بتایا ہے مجھے اس کا بے حد افسوس ہے اور میں یقیناً امکان سے اس بارے میں درخواست کروں گا کہ وہ پولیس سے رابطہ کریں، لیکن اس کے لئے اگر میری مصروفیات نے مجھے تھوڑا سا وقت نہیں دیا تو اس میں میرا قصور تو نہیں ہے، ظاہر ہے اخبار تو نہیں لیٹ کر سکتا میں، آپ کر اخبار میں ایڈیٹر کے طور پر کام کر کے دیکھئے، میری طرف سے آپ کی تمام شکایات دور ہو جائیں گی، سولی پر لٹکے ہوتے ہیں ہم لوگ اپنا کام سرانجام دیتے ہوئے...... آپ نے قبرستان کے اس کتبے کا ذکر تو شاید پڑھا ہو جس پر لکھا ہوا تھا کہ آخری کاپی جا چکی ہے اور وہ تو ایک ایڈیٹر کی تھی۔"

"ماشاءاللہ، آپ خاصے لطیفہ گو ہیں، بہتر ہے جناب اجازت دیجئے۔" شہاب نے کہا۔
"ارے بیٹھئے بیٹھئے کچھ باتیں اور بھی ہو جائیں، آپ تشریف لائے ہیں تو کچھ چائے وغیرہ ہمارے ساتھ۔"

"نہیں بے حد شکریہ۔" شہاب نے کہا اور طیش کے عالم میں وہاں سے نکل آیا...... ایڈیٹر کی یہ بے حسی اور بے پروائی اسے بہت عجیب محسوس ہوئی تھی، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں تھا کہ وہ اس سے دشمنی پر آمادہ ہو جائے، بہرحال اس سلسلے میں تحقیق تو کرنی تھی۔ وہ واپس دفتر پہنچ گیا...... کچھ دوسرے امور بھی تھے جنہیں نمٹانا تھا...... گلاب جان واپس آ چکا تھا...... کافی دیر تک گلاب جان کے ساتھ مصروف رہا پھر وہ فائل کھول کر بیٹھ گیا جو اس نے سبحان طاہر کے مکان سے حاصل کئے تھے۔ سبحان طاہر کی رپورٹیں تھیں اس نے پہلے تراشے سے آغاز کر دیا اور اس کے بعد صفحات الٹتا چلا گیا...... سبحان طاہر کے بارے میں اسے یہ اندازہ ہو گیا کہ بے باک شخص تھا، اس کی بیوی سائرہ اور اس کے چھوٹے بچوں کی عمر سے اندازہ ہوتا تھا کہ خود بھی جوان آدمی ہو گا، جوش و جذبات میں ڈوبا ہوا...... بہت کھل کر لکھتا تھا اور بے تکان لکھتا تھا، یہ سوچے سمجھے بغیر کہ کس کے بارے میں لکھ رہا ہے، اس کے

نمونے سے آرٹیکل پڑھ کر ہی یہ اندازہ ہو گیا کہ اس کے دشمنوں کی تعداد کم نہیں ہو گی، لیکن شہاب خاص طور سے اس کی تازہ ترین تاریخوں کے آرٹیکل دیکھ رہا تھا، یہ اندازہ لگانے کے لئے کہ اس کے تازہ دشمن کون ہو سکتے ہیں، لیکن ان مضامین میں کسی خاص فرد کی نشاندہی نہیں ہو رہی تھی، سبحان طاہر نے سماج کے مختلف امور کے بارے میں کھل کر لکھا تھا اور ان پر اپنی رائے کا اظہار کیا تھا، ان میں کوئی بھی ملوث ہو سکتا تھا، اس نے بڑے بڑے سیاست دانوں کے بارے میں بھی لکھا تھا اور اپنے فرائض انجام نہ دینے والوں کے بارے میں بھی یہ تمام مضمون پڑھ کر شہاب کو اچھی طرح علم ہو گیا کہ صورت حال کیا ہو سکتی ہے، بہرحال اس کا اغوا برائے تاوان تو نہیں ہوا ہو گا، کیونکہ اغوا کرنے والے اس کی مالی حیثیت سے بھی واقف ہوں گے اور شہاب کو خود بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ سبحان طاہر جیسے بے باک آدمی دولت مند نہیں ہوتے، بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں اور شہاب کو اس سلسلے میں بڑی محنت سے کام کرنا تھا، پھر شام کو ساڑھے چار بجے وہ تھانے کی عمارت سے باہر نکل آیا، وردی تبدیل کر لی تھی، اس کا تمام انتظام تھانے ہی پر کر لیا تھا۔ اس کی اپنی گاڑی بھی تھانے ہی میں کھڑی رہتی تھی تاکہ اگر کوئی ایمرجنسی پیش آ جائے تو دقت نہ ہو...... یہاں سے مختلف علاقے میں گھومتا رہا، سبحان طاہر کے بچوں کے لئے کافی خریداری کی...... کھلونے، ٹافیاں اور ایسی ہی دوسری چیزیں جو بچوں کو پسند ہوتی ہیں، اسے سبحان طاہر کی بیوی سے کافی ہمدردی کا احساس ہوا تھا اور وہ اس کے لئے دکھی تھا، بہرحال کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں داخل ہو گیا اور سائرہ طاہر کے ساتھ بینا نے بھی اس کا استقبال کیا۔ سائرہ طاہر بہت بہتر کیفیت میں نظر آ رہی تھی، اس نے ممنون نگاہوں سے شہاب کو دیکھا تو شہاب نے بینا سے کہا۔
"مس بینا، میرا خیال ہے آپ نے سائرہ بہن کو کافی حد تک مطمئن کر دیا ہے۔"
"ہاں، میں نے ان سے بہت سی باتیں کی ہیں اور انہیں بس یہ اطمینان دلا دیا ہے کہ انشاءاللہ سبحان طاہر عزت و آبرو کے ساتھ گھر واپس آ جائیں گے۔"
شہاب نے اپنی لائی ہوئی تمام چیزیں بچوں کے حوالے کر دیں اور سائرہ حیران نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی، پھر بولی۔
"یہ سب کیا ہے؟"
"کیوں......؟"

”نہیں، بات اصل میں یہ ہے کہ ہم، مہمان تو نہیں ہیں...... ہم پناہ گزین ہیں۔“
”یہ آپ کی اپنی سوچ ہے، سائرہ ہم نے آپ کو پناہ گزیں نہیں سمجھا، بلکہ یہ تو اتفا
بات ہے کہ تحفظ کے خیال سے آپ کو یہاں لے آیا گیا ہے۔“
”میں آپ کی شکر گزار ہوں، لیکن آپ یقین کریں یہ بچے اتنی آسائشیں قبو
نہیں کر سکیں گے۔ ہم تو بڑے درمیانے درجے کے لوگ ہیں، آپ نے بہت خرچ کر
ہے ان پر۔“
”میرا خیال ہے یہ موضوع نہیں ہے، آپ بتایئے اور کوئی ایسی بات یاد آئی آپ
سجان کے سلسلے میں کار آمد ہو۔“
”نہیں، میں نے بہت سی باتیں کرلی ہیں، میرا خیال ہے کہ انہیں کوئی خاص بات
نہیں معلوم۔“
”اوکے، آپ فکر نہ کریں، میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ آپ یہاں مطمئن رہیں، دیکھئے
جوہر خان بڑا قابل اعتماد آدمی ہے...... اس عمارت میں وہی رہتا ہے، آپ کی ہر ضرورت وہ
پوری کرے گا، بینا کو جیسے ہی فرصت ملے گی وہ آپ کے پاس آجایا کریں گی، بس یہ چند دن
ہمارے لئے مشکل ہیں، ان میں آپ یہاں گزارا کر لیجئے۔“
”یہ جگہ میرے لئے بڑی اہمیت کی حامل ہے، میں یہاں تنہا بھی گزارہ کر سکتی ہوں۔“
”بس تھوڑا سا وقت، آپ کو یہاں پریشانی نہیں ہوگی۔“
”آپ میری جانب سے مطمئن رہیں، میں یہاں سے باہر نہیں نکلوں گی اور بچوں
بھی نہیں نکلنے دوں گی۔“
”میں بھی یہی چاہتا ہوں۔“ شہاب نے کہا، اس کے بعد اور کوئی ایسی اہم بات نہیں
ہوئی تھی جو قابل ذکر ہوتی، شہاب وہاں سے بھی باہر نکل آیا، بینا نے کہا تھا کہ رات کے
کھانے کے بعد وہ گھر واپس چلی جائے گی اور اگر ممکن ہو سکا تو رات کو بھی گھر سے اجازت
لے کر یہیں آجائے گی، شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔
”تب تو پھر میں بھی اجازت لے آؤں گا۔“ بینا ہنس پڑی تھی، شہاب نے ایک بار
تھانے کا چکر لگایا، معلومات حاصل کیں کہ کوئی ایسا اہم مسئلہ تو نہیں ہے، سب ٹھیک
چنانچہ اب وہ گھر واپس چل پڑا، فتح محمد صاحب ابھی گھر واپس نہیں آئے تھے، وہ دوسر

...توں کے لئے نکل گئے تھے، شہاب گھر میں داخل ہو گیا اور گھریلو زندگی کا آغاز ہو گیا،
...ں، بہن، بھائی ایک بھرپور زندگی تھی یہاں اور جب سے شہاب نے صورت حال کو سنبھالا
تھا اس زندگی میں چار چاند لگ گئے تھے۔ بھائی اور بھابیوں نے بھی اب اس کی حیثیت کو تسلیم
کر لیا تھا...... زمانے کا دستور یہی ہے، ذرا سی دیر میں انسان کو بلندی حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ
گھرانہ بہت خوشحال ہو گیا تھا اور اب دبے ڈھکے انداز میں شہاب کے بارے میں بھی باتیں
ہونے لگی تھیں...... آج بھی یہی موضوع نکل آیا...... ثریا بھابی نے کہا۔
”شہاب بہت دن سے تمہیں اس سلسلے میں گھیرا جارہا ہے، لیکن تم ہاتھ ہی نہیں آتے؟“
”کس سلسلے میں بھابی؟“
”بھئی اب تمہارا گھر بھی بس جانا چاہئے۔“
”میرا گھر بسا تو ہوا ہے اور کیا چاہئے اس گھر میں؟“
”تمہاری بیوی۔“
”کمال کرتی ہیں بھابی ایک پولیس والے کی مصروفیات جو کچھ ہوتی ہیں، ان میں بیوی
کی کیا گنجائش نکلتی ہے۔“
”ہاں، جیسے تمام پولیس والے کنوارے ہی تو رہتے ہیں۔“
”نہیں بھابی وہ اپنا مقام حاصل کرنے کے بعد اپنے گھر بساتے ہیں۔“
”غلط، مجھے بے وقوف سمجھا ہے کیا، کیا مقام حاصل کرتے ہیں وہ، بیوی بھی ہوتی ہے،
بچے بھی ہوتے ہیں۔ تم نرالی ہی باتیں کر رہے ہو۔“
”پھر بھی بھابی۔“
”نہیں اب تمہارے بارے میں ہم لوگ بالکل سنجیدہ ہیں۔“ ثریا بھابی نے کہا۔
”اور میں آپ کی ان باتوں سے خوفزدہ ہو رہا ہوں، خدا کے لئے کہیں دوسروں کے
ذہن بھی خراب نہ کر دیں...... ابھی میری ایک بہن غیر شادی شدہ ہے۔“
”اب یہ ہم پر چوٹ ہو رہی ہے۔“ واثق حسین نے تپتے ہوئے کہا۔
کافی وقت اسی خوشگوار ماحول میں گزر گیا۔
رات کے کوئی ساڑھے دس بجے کا وقت ہو گا۔ کھانا کھانے کے بعد نشست جم گئی تھی
اور زمانے بھر کے موضوعات پر گفتگو ہو رہی تھی۔ نعیمہ بیگم بھی بہت خوش تھیں کہ باہر

سے بیل بجی اور فائق اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر نکل گیا۔ وہ لوگ باتیں کرتے رہے تھے تھوڑی دیر کے بعد فائق واپس آیا۔

"کون ہے؟" واثق حسین نے سوال کیا۔

"کوئی فرقانی صاحب ہیں، شہاب بھائی سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔"

"فرقانی۔" شہاب نے سوچا اور پھر باہر نکل آیا...... نووارد کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا گیا تھا اندر داخل ہو کر شہاب چونک پڑا، اسے اس وقت یاد نہیں آسکا تھا لیکن فرقانی صاحب کی صورت دیکھ کر اسے فوراً یاد آگیا۔ یہ سبحان طاہر کے اخبار کے ایڈیٹر تھے اور حیران حیران سے بیٹھے ہوئے تھے...... شہاب نے انہیں سلام کیا تو ایڈیٹر صاحب نے اسے پہچانتے ہوئے کہا۔

"اوہو، انسپکٹر شہاب ثاقب۔"

"جی سر، لیکن آپ جیسے بڑے آدمی کی یہاں آمد۔"

"اب مجھے یہاں آکر خوشی ہوئی ہے کہ ایک بڑا آدمی بڑے آدمی کے گھر ہی آیا ہے...... بیٹے بہت سی برائیاں ہوں گی تمہارے دل میں میرے لئے...... دن کی گفتگو سے تم کافی دلبرداشتہ ہوگئے تھے سب سے پہلے ان کی معافی مانگتا ہوں اور اس کے بعد تمہیں بیٹا کہہ کر فخر محسوس کرتا ہوں...... تم ثاقب حسین کے بیٹے ہو۔"

"جی۔"

"یہ گھر میرے لئے بڑی عظمت کا حامل ہے، بڑی عقیدت رکھتا ہوں میں اس گھرانے سے، اگرچہ اس عقیدت کا اظہار کسی بھی شکل میں نہیں کرسکا...... تمہاری والدہ صاحبہ حیات ہیں؟"

"جی۔"

"مجھے ضرور جانتی ہوں گی، کیونکہ میں ثاقب حسین کا دوست تھا...... ثاقب حسین تم جیسے ہی بے باک اور نڈر انسان کا والد ہو سکتا تھا...... مجھے کیا معلوم تھا کہ میں ایک آسمان زادے سے گفتگو کر رہا ہوں۔"

"شکریہ فرقانی صاحب، آپ میرے والد کو جانتے تھے؟"

"میری ان سے بڑی دوستی تھی بیٹے، وہ شخص، وہ شہید اعظم تو ہم سب کے لئے مشعل راہ تھا، اس نے صحافت کو وہ معیاری مقام دیا جو حق صحافت ادا کرتا ہے اور اپنے موقف سے

ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹنے والا یہ مرد مجاہد آخر کار اپنے افکار کا شکار ہوگیا، لیکن ہم اسے شکار نہیں کہتے ہم اسے شہید کہتے ہیں۔"

"فرقانی صاحب آپ نے تو میری زبان ہی بند کردی؟"

شہاب نے کہا۔

"نہیں بیٹے میں اس وقت بھی مجرم نہیں تھا جب تمہارے سامنے سبحان طاہر سے بے پروائی ظاہر کر رہا تھا، ہر شخص ثاقب حسین جیسا نہیں ہو سکتا...... میں زمانہ ساز آدمی ہوں بیٹے، بیوی بچوں کے ساتھ زندہ رہنا چاہتا ہوں اور ان الفاظ کی تشریح کرنا کم از کم تمہارے سامنے ضروری نہیں ہے...... وقت ماحول نے تو عام آدمی کو بھی تمام حالات سے روشناس کرادیا ہے، تم تو ایک پولیس آفیسر ہو۔"

"جی فرقانی صاحب۔"

"اور اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم سب کٹھ پتلیاں ہیں، اشاروں پر ناچنے والے اور اگر ہم اشاروں پر نہ ناچیں تو ہماری ڈور ٹوٹنے میں ایک لمحہ نہ لگے اور اس کے بعد ہم بے جان پتلیوں کی مانند زمین بوس ہو جائیں۔"

"جی۔" شہاب نے آہستہ سے کہا۔

"سبحان طاہر بھی ایک آئیڈیل نوجوان ہے...... خدا اس کی زندگی اور سلامتی کی حفاظت کرے...... وہ درحقیقت ایک بے باک صحافی ہے بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ مرد میدان ہے اور ثاقب حسین کے پیروکاروں میں سے ایک اسٹانڈر اور سرپھرا نوجوان ہے، کسی کی سنتا ہی نہیں...... لاکھ سمجھایا لاکھ بتایا نہیں مانتا اور حقیقتوں کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے...... وہ سب کچھ کر ڈالتا ہے جو دوسرے تصور میں بھی نہ کرپائیں...... میں نے اسے اس کی بیوی اور بچوں کا بارہا حوالہ دیا مگر بڑا صابر شخص ہے کہتا ہے کہ زندگی کے تیس سال پورے ہونے کے بعد بیوی کو دیکھا ہے، پہلے وہ نہیں تھی اور اس کے بعد بچے دیکھے، یہ سب کچھ کہیں سے آیا ہے میری ملکیت نہیں ہے، کسی اور کی ملکیت ہے اور جہاں سے انہیں میرے پاس بھیجا گیا ہے، وہیں سے ان کے تحفظ کا بندوبست بھی کیا گیا ہوگا...... میں کیوں ان کی فکر میں سرگرداں رہوں...... میں کیوں جھوٹ بولوں، جھوٹ لکھوں، جو حقیقتیں ہیں وہی سامنے لاتا ہوں...... میں نے خود بھی اس دنیا میں آنے کی خواہش نہیں کی تھی اور جب میں واپس

جاؤں گا یا مجھے واپس بلایا جاوے گا تو میں اپنی مرضی سے نہیں جاؤں گا...... طلبی پر جاؤں گا۔ یہ طلبی کہیں بھی ہو جائے بھلا میں اسے کیسے روک سکتا ہوں...... تم سوچو ثاقب جب ایک شخص نگاہوں کے سامنے آجائے تو کوئی اسے کیا سمجھائے یا پھر کون اسے اس کی حق گوئی سے روکے، شکار ہو گیا، دیکھو کیا ہوتا ہے، دعا ہی کی جاسکتی ہے اس کے لئے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ہر جگہ کچھ نہ کچھ ہے، چاہے وہ کسی اخبار کا دفتر ہو چاہے پولیس ہیڈ آفس، کہیں بھی کسی بھی جگہ صاحب اختیار لوگوں کے ہاتھ پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہاں ان کے کان ہوتے ہیں...... بولنے میں جنبش کرنے میں احتیاط برتی جائے تو سمجھ لو سلامتی خطرے میں پڑ جاتی ہے، میں نے وہاں اسی لئے سبحان طاہر کے بارے میں تم سے کوئی ایسی اہم بات نہیں کی تھی کہ میں جانتا تھا کہ میری آواز محفوظ نہیں ہے۔"

"کیا مطلب آپ کے دفتر میں؟"

"صرف میرے دفتر کی بات نہ کرو...... تم خود سمجھ دار ہو۔"

"جی۔"

"سبحان طاہر کے بارے میں، میں تمہیں کچھ ایسے نام دینا چاہتا ہوں جن پر اگر نظر رکھو یا کوشش کرلو تو اللہ کی عنایتوں کے ساتھ کامیابی کی توقع ہوسکتی ہے۔ بشرطیکہ تم وہاں تک پہنچ پاؤ اور ان لوگوں پر قابو پاسکو۔"

"جی۔"

"یہ کچھ تصویریں ہیں، انہیں اپنے پاس محفوظ کرلو...... یہ سبحان طاہر کی امانت ہیں لیکن اگر اس کی زندگی بچانے میں معاون ثابت ہو سکیں تو یوں سمجھ لو کہ میں اس کے سامنے شرمسار ہونے کے لئے تیار ہوں۔"

فرقانی صاحب نے جیب سے ایک براؤن رنگ کا لفافہ نکال کر شہاب کو دے دیا۔ کچھ عمارتوں کی تصویریں تھیں اور ان پر مختلف رنگوں کے نشانات لگے ہوئے تھے سب کچھ شہاب کی سمجھ میں نہیں آیا...... وہ تصویریں دیکھتا رہا جو تعداد میں سات تھیں ان میں بندرگاہ کی تصویر بھی تھی...... ایک جہاز کی تصویر بھی تھی...... شہاب یہ سب دیکھتا رہا...... پھر بولا۔

"میں سمجھا نہیں فرقانی صاحب؟"

"اس کا کہنا تھا کہ یہ انتہائی قیمتی تصویریں ہیں اور ان کے ذریعے وہ ایک ایسا انکشاف کرنے والا ہے جو صحیح معنوں میں ایٹمی دھماکے سے کم نہیں ہوگا...... اس میں ایسے ایسے چہرے بے نقاب ہوں گے کہ حکومت دنگ رہ جائے گی۔ آپ یہ لفافہ محفوظ کرلیجئے...... اس کا میرے پاس یا میرے گھر میں رہنا مناسب نہیں ہے...... یہ الفاظ سبحان طاہر کے تھے اور اس کے بعد وہ اغوا ہو گیا۔"

"اوہ۔"

"ان کے بارے میں سبحان طاہر، میرے اور تمہارے علاوہ کسی کو نہیں معلوم...... میرا مطلب ہے کسی شناسا کو...... ہم نامعلوم لوگوں کی بات نہیں کرتے۔"

"جی۔"

"اور اس کے بعد میں ایک نام تمہارے سامنے نہایت محتاط انداز میں لے رہا ہوں...... اگر ان تصویروں کے سلسلے میں قدم آگے بڑھانا ہو اور معلومات حاصل کرنی ہوں تو سیٹھ محمودہ کا نام یاد رکھنا۔"

"جی؟"

"سیٹھ محمودہ مشہور نام ہے اور یہ ایک خاتون ہیں...... شاید پولیس ریکارڈ میں یہ نام محفوظ ہو، یا اس بات کے امکانات بھی ہیں کہ اگر کبھی یہ نام پولیس کے ریکارڈ میں آیا بھی ہو تو اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پولیس کی فائلوں سے خارج کر دیا گیا ہو...... کیا یہ نام تمہارے علم میں ہے؟"

"نہیں۔"

"کریم سوسائٹی کی ایک عالی شان کوٹھی میں رہتی ہیں، کوٹھی نمبر ایک سو بانوے ہے۔"

"کریم سوسائٹی۔" شہاب اُچھل پڑا۔

"ہاں...... اور ان کا ایک دست راست بھی ہے نام ہے اس کا شہابو۔"

"ویری گڈ۔"

"یہ ماربل کلب میں پایا جاتا ہے اور وہاں سے اس کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل ہوسکتی ہیں۔ میرا مطلب سمجھ رہے ہو نا...... وہاں سے اسے ٹریس کیا جاسکتا ہے...... اس وقت سبحان طاہر کے اغوا کے سلسلے میں یہی دو نام لئے جاسکتے ہیں ویسے تو اس کے

دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، لیکن یہ اس کے تازہ ترین دشمن ہیں اور ان تصویروں
اس معاملے کا ضرور تعلق ہے، بخدا اس سے زیادہ مجھے کچھ معلوم ہوتا تو میں تمہیں بتانے
گریز نہ کرتا۔ میں تو اس وقت بھی تم سے کچھ کہنا چاہتا تھا، لیکن تم شاید میری آنکھوں
اشارے سمجھ نہیں پارہے تھے، کیونکہ طیش میں تھے، لیکن میں نے طے کر لیا تھا کہ تمہیں
تفصیل ضرور فراہم کروں گا اور اس کے بعد میں نے تمہارے بارے میں تمہارے تھ
سے تفصیلات معلوم کیں اور تمہارے گھر کا پتہ لگا کر یہاں تک پہنچا، لیکن اس علاقے میں
آنے کے بعد ہی میں حیران رہ گیا اور پھر میرے ذہن میں شہاب ثاقب گردش کرنے لگا
یہاں تک کہ تقدیر نے مجھے میرے دیرینہ دوست مرحوم ثاقب حسین کے مکان پر لا کھڑا
کیا...... شہاب بیٹے! دیکھو میں نہیں جانتا کہ تمہاری پولیس سروس کتنی ہے لیکن اتنا میں
سکتا ہوں تمہارے بزرگ کی حیثیت سے کہ جوش جذبات میں عقل کا دامن کبھی ہاتھ سے
چھوڑنا...... عقل کو اگر ہم رکاب رکھو گے تو بہت سے مسائل ہوش کے عالم میں بھی حل
کر سکتے ہو، جبکہ جوش مشکلات میں مبتلا کر دیتا ہے...... ان مشکلات سے بچنا، مجھے اجازت دو
والدہ کو میرا اسلام کہہ دینا۔"

"نہیں فرقانی صاحب بیٹھیں گے ابھی آپ...... چائے پئیں گے میرے ساتھ۔"

"بخدا اس قدر خوفزدہ ہوں کہ سینے میں جلن ہو رہی ہے...... بڑا بزدل آدمی ہوں
میری بزدلی کا احترام کرو اور مجھے خاموشی سے نکل جانے دو...... جب تک اس گھر سے دور
نہیں ہو جاؤں گا دہشت میں مبتلا رہوں گا۔" فرقانی صاحب کی ان بے باک باتوں پر شہاب کو
ہنسی آگئی تھی...... اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے جناب، میں آپ کو نہیں روکوں گا۔"

"بہت بہت شکریہ کم از کم یہ ہے کہ تھوڑے دن اس دنیا میں اور جی لوں گا، باقی اللہ
مالک ہے اچھا پھر مجھے ذرا گلی کے کونے تک چھوڑ آؤ۔" شہاب ان کے ساتھ باہر نکل آیا
فرقانی صاحب بڑی دلچسپ شخصیت کے مالک تھے اور شہاب ان سے متاثر بھی ہوا تھا
بہر حال جو کچھ کہہ رہے تھے حقیقت پر مبنی تھا لیکن جو انکشافات انہوں نے کئے تھے انہوں
نے شہاب کو سخت حیران کر دیا تھا۔

وہ واپس ڈرائنگ روم ہی میں آبیٹھا اور لفافہ نکال کر ان تصویروں کو دیکھنے لگا......

ان کی ساری تصویریں اجنبی اجنبی سی تھیں اور وہ ان عمارتوں کو پہچان نہیں پارہا تھا...... دو
نام اس کے ذہن میں تھے...... شہابو اور سیٹھ محمودہ...... یہ خاتون سیٹھ پہلی بار اس کے علم میں
آئی تھی۔ کون ہے کیا ہے یہ تو معلوم ہو ہی جائے گا دوسرا کردار شہابو کا تھا...... ماربل کلب
اور کریم سوسائٹی میں کوٹھی نمبر 192 جبکہ شہاب کی کوٹھی کا نمبر 72 تھا اس کا مقصد تھا کہ
تھوڑے بہت فاصلے کی بات ہے...... سیٹھ محمودہ کو کریم سوسائٹی میں ہی تلاش کیا جاسکتا ہے۔

بہت دیر تک وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا ان واقعات پر غور کرتا رہا...... پھر گہری سانس
لے کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا...... وہ اب اپنا لائحہ عمل مرتب کر رہا تھا...... اس میں کوئی شک
نہیں کہ فرقانی صاحب نے اپنا فرض پورا کر دیا تھا۔

رات کو بارہ بجے اس نے ڈبل او گینگ کے نمبر چھے کو کال کیا...... فراست علی نے فوراً
کال ریسیو کی تھی...... شہنشاہ بول رہا ہوں۔

"یس سر۔"

"سو رہے تھے فراست؟"

"سونے کے لئے لیٹ گیا تھا سر۔"

سوری فراست۔ ڈبل او گینگ میں شامل ہو کر زندگی تمہارے لئے کچھ مشکل نہیں ہو گئی۔

"آپ نے یہ سوال کیا ہے سر تو اس کا جواب دینے کی جسارت کر رہا ہوں...... حقیقت
یہ ہے کہ زندگی کو ایک مقصد مل گیا ہے ورنہ لاتعداد لوگ بے مقصد زندگی گزارتے
ہیں...... دولت کمالینا اور عیش کی زندگی بسر کر لینا ہی زندگی نہیں ہے بلکہ وطن کے لئے کچھ
کر کے بستر پر جانا سچی خوشی کا حامل ہوتا ہے۔"

"کاش یہ سچ دوسروں کے سینوں میں بھی اتر آئے۔ خیر فراست ایک نام نوٹ کرو۔"

"حکم سر؟"

"کریم سوسائٹی...... کوٹھی نمبر ایک سو بانوے۔"

"جی سر!"

"یہاں کوئی خاتون سیٹھ محمودہ کے نام سے جانی جاتی ہیں...... ان کی تفصیل درکار ہے
جلدی، تمہیں کل کا پورا دن اس کے لئے دیا جاتا ہے۔"

"بہتر جناب میں ابھی سے کام شروع کئے دیتا ہوں۔"

"ابھی سے نہیں کل سے۔ او کے؟"

"جی سر۔"

"خدا حافظ۔"

دوسرا دن معمول کے مطابق تھا۔۔۔۔ گھر سے دیر سے نکلا تھا اور سیدھا واسطی صاحب دفتر پہنچا تھا۔۔۔۔ اندر داخل ہوا تو سامنے بینا نظر آئی تھی۔۔۔۔ اسے دیکھ کر اچنبھے میں پڑ گیا۔

"فال کے بارے میں کیا خیال ہے۔" شہاب نے پوچھا۔

"جی۔؟" بینا کچھ نہ سمجھی۔

"اچھا خاصا دفتر جا رہا تھا راستے میں ایک صاحب سڑک کے کنارے بیٹھے مل گئے زمین پر لفافے پھیلائے ہوئے تھے اور پنجرے میں طوطا بند تھا۔"

"پھر۔۔۔۔؟" بینا نے مسکرا کر پوچھا۔

"بس مذاق ہی مذاق میں سوا روپے میں ایک لفافہ نکلوا لیا، جانتی ہو پرچے میں کیا لکھا تھا"

"کیا لکھا تھا؟"

"لکھا تھا وہ دفتر میں اکیلی ہے، چلے جاؤ۔"

بینا بے اختیار ہنس پڑی پھر بولی۔ "غلط، ابو واش روم میں ہیں۔"

"واقعی۔" شہاب اُچھل کر بولا پھر دانت پیس کر کہنے لگا۔

"واپسی میں اس سے سوا روپیہ وصول کرلوں گا، لیکن واسطی صاحب کا بریف کہاں ہے بینا۔۔۔۔ غلط۔"

"چلئے بے چارے کا سوا روپیہ بچ گیا۔۔۔۔ ویسے آپ کو مجھ سے تنہائی میں کیا کام تھا"

"تنہائیوں میں تو بہت سے کام ہیں مجھے تم سے، ویسے واسطی صاحب کورٹ گئے۔"

"جی۔"

"پھر جھوٹ کیوں بولا گیا۔"

"جھوٹ کے جواب میں۔"

"کمال ہے یار، اتنی کوئیک سروس، اچھا چائے پلواؤ۔"

"ابھی منگواتی ہوں۔۔۔۔ بینا نے کہا پھر چائے کا انتظام کرنے کے بعد اس

"آج تھانے نہیں گئے آپ؟"

"اب جاؤں گا، پہلے ادھر آ گیا۔"

"سائرہ خیریت سے ہے، اس نے ایک پر سکون رات گزاری ہے، کہتی تو یہی ہے لیکن خدا ہی جانے اسے سکون کہاں تھا۔"

"فون کیا تھا؟"

"ہاں، گھر سے ہی لیا تھا۔"

"بات کچھ آگے بڑھی ہے، بینا۔"

"ویری گڈ۔۔۔۔ بتایئے۔" بینا نے کہا اور شہاب اسے فرقانی کی آمد اور اس کے انکشافات کے بارے میں بتانے لگا۔۔۔۔ سیٹھ محمودہ کا نام سن کر بینا اُچھل پڑی۔

"میں سیٹھ محمودہ کو جانتی ہوں۔"

"اوہ۔۔۔۔ کیسے؟"

"کسی سے اس کے بارے میں سنا تھا۔ غالباً ابو کے پاس کوئی کیس آیا تھا۔۔۔۔ شاید قتل کا کیس تھا قاتل کے والدین یہ کیس ابو کو دینا چاہتے تھے لیکن آپ ابو کو جانتے ہیں۔۔۔۔ انہوں نے ایک قاتل کا دفاع کرنے سے انکار کر دیا۔۔۔۔ ہمارے آفس میں ہی کسی نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ سیٹھ محمودہ سے دعا کرائیں۔

"دعا؟"

"ہاں، کچھ روحانیت سے بھی تعلق ہے ان خاتون کا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی "دعاؤں" سے مجرم بری ہو جاتے ہیں۔"

"ویری گڈ، کہاں رہتی ہیں۔"

"یہ نہیں معلوم۔"

"اس قاتل کا کیا ہوا؟"

"بری ہو گیا تھا۔۔۔۔ اس کا کیس عدالت تک گیا ہی نہیں۔"

"ٹھیک! شہاب ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ "اس کا مطلب ہے بینا کہ اس بار پھر ہمارے معیار کا کیس ہمیں ملا ہے۔"

بینا تشویش بھری نظروں سے شہاب کو دیکھنے لگی۔۔۔۔ پھر چائے آ گئی۔۔۔۔ چائے کے گھونٹ لیتے ہوئے اس نے کہا۔

"احتیاط رکھنی ہوگی، شہاب۔"

"آٹھ بچوں کا باپ بنوں گا اور جب تک ان میں سے ہر ایک کے آٹھ آٹھ بچے نہ ہو جائیں گے، نہیں مروں گا۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" بینا نے خلوص سے کہا اور شہاب خوشی سے اُچھل پڑا۔

"یعنی تم بھی تیار ہو۔"

"شہاب پلیز، بینا بری طرح شرما گئی۔ شہاب نے تصویروں کا لفافہ نکال کر بینا کے سامنے رکھ دیا۔"

"یہ وہ تصویریں ہیں جو فرقانی صاحب نے فراہم کی ہیں۔"

"اوہ...... میں ان کے بارے میں پوچھنا چاہتی تھی۔" بینا تصویریں دیکھنے لگی۔

"کسی عمارت کو پہچانتی ہو؟"

"نہیں۔"

"خیر...... تمہیں یہ تصویریں ڈبل او گینگ کے ممبران کو فراہم کرنی ہیں اور ان سے کہنا ہے کہ شہر بھر میں انہیں تلاش کریں۔"

"ٹھیک ہے۔" بینا نے تصویریں سمیٹ کر لفافے میں رکھ لیں۔

"اب رہ جاتا ہے شہابو...... کم بختوں نے میرا نام بھی چرا لیا ہے۔ شہاب کو بگاڑ کر شہابو کیا گیا ہے...... ویسے بینا کچھ اُلجھن میں ہوں۔"

"کیا......؟" بینا نے پوچھا۔

"ایک نام سامنے آیا ہے تو سوچتا ہوں اسی پر ہاتھ ڈال دوں...... اصل میں سبحان طاہر کی فوری بازیابی ضروری ہے، وہ ضدی نوجوان ہے اور اس پر ضرور تشدد ہو رہا ہوگا۔ اگر شہابو اس کا ذمے دار ہے تو اس پر فوری ہاتھ ڈالنا ضروری ہے تاکہ اس سے سبحان طاہر کا پتا معلوم ہو سکے۔"

بینا سوچ میں ڈوب گئی پھر بولی۔

"اس کا سیٹھ محمودہ سے تعلق یقینی ہے۔"

"فرقانی صاحب نے نشاندہی تو کی ہے۔"

"کیا کریں گے اس کے لئے۔"

"گرفتار کروں گا۔"

"باقاعدہ؟"

"ہاں...... سیٹھ محمودہ کو چھیڑنا بھی چاہتا ہوں...... ممکن ہے وہ مجھ سے رجوع کرے۔"

"جیسا مناسب سمجھیں۔"

"اور کوئی خاص بات تو نہیں۔"

"نہیں، دوپہر کا کھانا اس کے ساتھ کھاؤں گی میں نے کہہ دیا ہے۔"

"اوکے...... میں چلتا ہوں۔"

"دوپہر کو کریم سوسائٹی آئیں گے۔"

"شاید مشکل ہو، اوکے، ہاں فراست سیٹھ محمودہ کے بارے میں انفارمیشن دے گا...... اگر براہِ راست مجھے دی تو ٹھیک ہے تم سے رجوع کرے تو مجھے فوراً بتانا۔"

"اوکے۔"

دوپہر کو تین بجے بینا نے کریم سوسائٹی سے ٹرانسمیٹر پر اطلاع دی۔ "ڈبل او سکس کی رپورٹ موصول ہوگئی ہے۔"

"ہاں، بتاؤ۔"

"سیٹھ محمودہ ایک دولت مند عورت ہے۔ کئی انڈسٹریز کی مالک ہے، لیکن فقیر منش ہے۔ بہت سے خیراتی ادارے چلاتی ہے۔ تبادلے کراتی ہے اور رکواتی ہے...... اس کے دربار میں ہر ایک کا گزر ہے...... وہاں گداگر بھی دیکھے جاتے ہیں اور فلیگ لگی گاڑیاں بھی...... کریم سوسائٹی کی کوٹھی نمبر ایک سو بانوے میں رہتی ہے۔"

"یار کمال ہے اور لعنت ہے ہم پر۔"

"کیوں؟"

"اس باکمال شخصیت کے بارے میں ہمیں معلوم نہیں تھا۔"

"بہت بڑا شہر ہے اور کوئی حکم۔"

"نہیں، بس اوکے!" شہاب نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا...... بہت دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے گلاب جان کو طلب کر لیا اور اسے دیر تک کچھ سمجھاتا رہا...... پھر گلاب جان کے جانے کے بعد اس نے ٹرانسمیٹر نکال لیا تھا اور دیر تک ڈبل او گینگ کے ارکان کو ہدایات دیتا رہا تھا۔

ماربل کلب بے حد خوبصورت عمارت میں واقع تھا...... پر سکون اور اعلیٰ درجے ک لوگوں کے لئے موزوں، کئی بڑے ہال تھے جن میں مختلف تقریبات کا انتظام کیا گیا تھا۔

اس وقت بھی وہاں بہت سے لوگ موجود تھے کہ اچانک پولیس کے کچھ جوان دن دھڑاتے ہوئے اندر گھس گئے، جن میں ایک سرخ و سفید سب انسپکٹر بھی تھا...... پولیس کے جوان ایک میز کے گرد جا کر کھڑے ہوئے۔

کلب کی زندگی میں یہ پہلا واقعہ تھا...... وہاں موجود لوگوں کے منہ حیرت سے کھل گئے...... انتظامیہ کے لوگ بے اختیار اس طرف دوڑے منیجر پاس آ گیا تھا۔

"کیا بات ہے جناب، آپ لوگ اس طرح۔"

"مسٹر شہابو۔ کھڑے ہو جائیے۔" ایس آئی نے ایک گٹھے ہوئے جسم والے شخص پر پستول تانتے ہوئے کہا اور خطرناک صورت شخص کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

"کیا تم نشے میں ہو؟" وہ غرایا۔

"کیوں...... آپ شہابو نہیں ہیں۔" ایس آئی نے کہا۔

"میرا نام شہاب الدین ہے۔"

"عرف شہابو۔"

"ہاں۔"

"تب پھر کھڑے ہو جاؤ۔" ایس آئی کرخت لہجے میں بولا۔

"تمہاری زندگی کے دن پورے ہو گئے ہیں شاید۔" شہابو غصے سے بے قابو ہو کر بولا لیکن دوسرے لمحے ایس آئی نے اس کی ٹائی پکڑ لی اور اسے کرسی سے کھڑا کر دیا...... ٹائی

شہابو کے گلے پر کس گئی اور اس کی رگیں پھول گئیں...... آفیسر نے اسے جھٹکا دے کر زور سے ایک طرف دھکا دے دیا۔ پھر پولیس کے جوانوں سے بولا۔

"ہتھکڑی ڈال دو۔"

"آفیسر، تمہیں بہت بڑی غلط فہمی ہوئی ہے، یہ معزز لوگوں کا کلب ہے اور یہاں سے کسی کو اس طرح گرفتار۔" ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا لیکن ایس آئی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے پوری قوت سے نیچے بٹھا دیا۔ پھر غرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"جو کچھ کیا جا رہا ہے اس کا تم لوگوں کو اندازہ نہیں ہے۔ ایک مجرم کو گرفتار کیا جا رہا ہے، اگر اس سلسلے میں کسی نے کوئی مداخلت کی تو اسے نقصان اٹھانا پڑے گا۔" ایس آئی نے سپاہیوں سے کہا اور وہ شہابو کو دھکیلتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ اچانک شہابو رکا، اس نے پلٹ کر کہا۔

"نہیں، کوئی غیر قانونی حرکت نہ کی جائے، ہم قانون کا احترام کرتے ہیں۔" یہ الفاظ اس نے کسی خاص شخص کو مخاطب کر کے نہیں کہے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کچھ پوشیدہ لوگوں کو ہدایت دے رہا ہو، ایس آئی اسے ٹھوکریں مارتا ہوا باہر لے آیا...... وہ بھی کوئی سخت گیر آفیسر معلوم ہوتا تھا اور کسی بھی بات کو خاطر میں نہیں لا رہا تھا۔ باہر لا کر شہابو کو پولیس کی گاڑی میں بٹھا دیا گیا اور اس کے بعد گاڑی سٹارٹ ہو کر چل پڑی، شہابو کے چہرے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ اپنے آپ کو بمشکل قابو میں رکھے ہوئے ہو، اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور دانت ایک دوسرے پر جمے ہوئے تھے...... باقی پولیس والے بھی خاموش رہے...... راستے میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی، یہاں تک کہ پولیس اسٹیشن آ گیا اور شہابو کو اسی طرح بے دردی سے نیچے اتارا گیا اس کے بعد وہ اسے لئے ہوئے ایک بڑے سے کمرے میں پہنچ گئے اور وہاں اسے ایک بنچ پر بٹھا دیا گیا...... ایس آئی نے سپاہیوں کو کچھ ہدایات دیں اور ان میں سے چند سپاہی باہر چلے گئے...... تب پہلی بار شہابو نے زبان کھولی۔

"تمہارا انچارج کہاں ہے؟" یہ سوال اس نے ایس آئی سے کیا تھا۔

"سبحان طاہر کہاں ہے؟" ایس آئی نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے خود ایک سوال کر دیا...... ایک لمحے کے لئے شہابو کے چہرے پر تبدیلی پیدا ہوئی تھی لیکن صرف ایک لمحے کے لئے دوسرے لمحے اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور بولا۔

"کون سبحان طاہر۔" لیکن جواب میں ایس آئی کا گھونسا اس کے جبڑے پر پڑا تھا۔ شہابو خود بھی ایک طاقتور آدمی تھا اور اس کے گٹھے ہوئے بدن سے یہ احساس ہوتا تھا کہ ورزشی جسم کا مالک ہے اور لازمی طور پر لڑائی بھڑائی بھی کرلیتا ہوگا، لیکن ایس آئی کے مضبوط گھونسے نے اس کا منہ ٹیڑھا کردیا اور ایک لمحے تک اس کا جبڑا ٹیڑھا رہا...... وہ کوشش کے باوجود اپنے جبڑے کو نہ سنبھال سکا اور اس کے منہ سے آواز نہ نکل سکی...... لیکن پھر اس نے خود کو سنبھالا اور بولا۔

"سب انسپکٹر! تم نے مجھے ایک ایسے کلب سے اغوا کیا ہے جہاں معزز افراد کی بہت بڑی تعداد موجود تھی، وہ سب تمہارے خلاف گواہی دیں گے، یہ بات معمولی نہیں ہے...... اگر تم نے مجھے قتل بھی کردیا تو تم اس قتل کے الزام سے نہیں بچ سکو گے، کیونکہ کوئی ایسا عمل نہیں کرسکتے تم جس سے یہ بات چھپا سکو کہ مجھے یہاں نہیں لایا گیا، میں تمہیں سمجھا رہا ہوں، اپنے انچارج سے میری بات کراؤ۔ کوئی بڑی غلط فہمی ہوئی ہے اور تم مجھے کسی اور کے دھوکے میں پکڑ لائے ہو۔"

"بکواس کرچکے۔" ایس آئی نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ بکواس نہیں ہے۔ کیا نام ہے تمہارا سب انسپکٹر؟"

"گلاب جان۔"

"گلاب جان، دیکھو میں تمہیں دوستوں کی طرح یہ بات سمجھا رہا ہوں، میرے اوپر تشدد نہ کرو اور کسی سمجھ دار آدمی سے میری بات کراؤ۔" گلاب جان نے اسے بالوں سے پکڑ کر کھڑا کیا اور پھر ایک اور گھونسا اس کے جبڑے پر رسید کردیا گیا۔ پھر اس نے شہابو کی ہتھکڑی کھلوادی اور غرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"بھول جاؤ، اسے کہ یہ پولیس اسٹیشن ہے، کھڑے ہو جاؤ، اگر بہت زیادہ ہمت والے ہو تو اپنی ہمت اور طاقت کا ثبوت دو ورنہ جو کچھ پوچھا جارہا ہے اسے بتاؤ؟"

"ہوں، تم کوئی فلمی قسم کے پولیس آفیسر معلوم ہوتے ہو، لیکن فلمی زندگی اور حقیقت دو الگ الگ چیزیں ہیں، میں پھر تمہیں سمجھا رہا ہوں کہ میرے ساتھ۔" لیکن جواب میں گلاب جان نے اس کی پنڈلی پر ایک زوردار ٹھوکر رسید کی اور اس بار شہابو کے حلق سے چیخ نکل گئی، پنڈلی کی ہڈی کی چوٹ بڑی زبردست تھی، گلاب جان ایک خونخوار بھیڑیئے کی

طرح اسے نوچنے لگا، اس نے پے در پے شہابو پر گھونسوں، لاتوں اور تھپڑوں کی بارش کردی اور شہابو ادھر سے ادھر لڑھکنے لگا...... پھر اچانک اس نے بھی تمام احتیاط ختم کردی اور اس بار جب گلاب جان اس کے قریب آیا تو اس نے گلاب جان کی کمر پکڑی اور اسے رگیدتا ہوا دیوار تک لے گیا، لیکن جب گلاب جان دیوار کے پاس پہنچا تو اچانک پلٹ پڑا اور پھر اس کے بجائے شہابو دیوار سے ٹکرایا تھا۔ گلاب جان نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ جما کر پے در پے کئی گھٹنے اس کے پیٹ پر رسید کئے اور شہابو کے حلق سے کراہیں نکلنے لگیں...... اس کے پیٹ میں شدید تکلیف ہونے لگی تھی۔ گلاب جان نے اس کی ٹانگوں کے نیچے اپنے پاؤں سے پھندا ڈالا اور ایک دم اسے نیچے گھسیٹ کر زمین پر چت گرادیا، اس کے بعد وہ اس کے پیٹ پر گھونسے مارنے لگا، اب شہابو کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ شاید اس کے پیٹ میں شدید تکلیف ہورہی تھی۔ گلاب جان اسے مسلسل مارے جارہا تھا اور شہابو کے منہ اور ناک سے خون بہنے لگا تھا، اس کا چہرہ جگہ جگہ سے زخمی ہوگیا تھا اسے اندازہ نہیں تھا کہ سامنے والا بھی کوئی وحشی جانور ہی ہے اور کسی قسم کی احتیاط کو مدنگاہ نہیں رکھے گا، چنانچہ اب شاید اس کے حواس درست ہوتے جارہے تھے اس نے پھٹی پھٹی آواز میں کہا۔

"رکو، رکو، خدا کے لئے رکو، مم...... مجھے، مجھے قتل کرنا چاہتے ہو کیا؟"

"سبحان طاہر کہاں ہے؟"

"بتاتا ہوں، بتاتا ہوں، مم...... مجھے اس کی مہلت تو دو۔"

شہابو نے پھٹی پھٹی آواز میں کہا، گلاب جان کا چہرہ اس قدر خوفناک ہورہا تھا کہ شہابو کے حواس جواب دیتے جارہے تھے، اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس کا مقابلہ کسی پولیس آفیسر سے ہے یا کسی وحشی درندے سے۔ ورنہ شاید وہ اس قدر مار کھانے کے بجائے زبان کھولنے کو ترجیح دیتا، گلاب جان نے اب بھی اس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی اور اس کے بال پکڑ کر اسے طاقت کے ذریعے کھڑا کردیا، پھر ایک جانب گھسیٹتا ہوا لے گیا اور ایک کرسی پر دھکا دے دیا۔ شہابو کرسی پر جا بیٹھا تھا اس کی زبان باہر نکلی آرہی تھی اور وہ کتے کی طرح ہانپ رہا تھا۔ گلاب جان اس کے قریب پہنچ گیا اور دوسرے لمحے وہ شہابو کے پیروں کے پنجوں پر کھڑا ہوگیا...... جوتے کی ایڑیاں شہابو کے پیروں پر لگیں اور اس کے حلق سے کراہیں نکلنے لگیں۔

"مجھے...... مجھے ایک گلاس پانی پلوادو، اتر جاؤ میرے پیروں سے، اتر جاؤ، جو کچھ تم پوچھو

گے میں بتادوں گا۔ میرے اوپر تشدد نہ کرو، میں ہار مان چکا ہوں۔" گلاب جان دو قدم پیچھے ہٹا اور بولا۔

"تم میرے معزز مہمان نہیں ہو کہ تمہاری خاطر مدارت کروں، مجھے صرف ایک سوال کا جواب چاہئے، سجان طاہر کہاں ہے؟"

"زنجیروں والی کوٹھی پر۔"

"کہاں ہے یہ زنجیر والی کوٹھی؟"

"سراج کالونی میں۔" شہابو نے جواب دیا۔

"سراج کالونی، اس کی صحیح جگہ بتاؤ۔"

"سراج کالونی میں داخل ہو گے، سیدھے ہاتھ چلے جاؤ، پہلے کمپنی کے بنائے ہوئے کوارٹر ہیں آخر میں کوٹھی ہے۔"

"اوہو، میرا خیال ہے ان تمام باتوں کو پوچھنے کے بجائے تمہیں ساتھ ہی کیوں نہ لے لیا جائے۔ واقعی یہ ٹھیک ہے ویری گڈ، ویری گڈ۔" اور پھر گلاب جان نے سپاہیوں کو آواز دی اور دو کانسٹیبل اندر آ گئے۔ شہابو کی حالت دیکھ کر انہوں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری تھی۔ گلاب جان نے کہا۔

"اس کا منہ دھلواؤ، حلیہ درست کرواؤ اور تیار کر دو۔ اس کے پیروں میں بیڑی ڈال دو۔"

"جی سر۔"

"ایس آئی دیکھو میرے ساتھ ایسا سلوک مت کرو جو کچھ تم معلوم کرنا چاہتے تھے، میں بتا چکا ہوں، اب اس کے بعد اگر تم چاہتے ہو کہ میں اس صحافی کی بازیابی میں بھی تمہاری مدد کروں تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔" شہابو نے کہا لیکن گلاب جان اس کی پوری بات سنے بغیر باہر نکل گیا۔ باہر آ کر اس نے پولیس کی نفری تیار کی اور بڑی پولیس گاڑی کو ہر لحاظ سے مکمل کر لیا۔ پھر اس کے بعد وہ واپس آیا...... کانسٹیبل شہابو کو غسل خانے میں لے جا کر اس کا منہ وغیرہ دھلوا چکے تھے۔ اسے پانی بھی پلوا دیا گیا تھا پھر اس کے دونوں ہاتھ پشت پر کس دیئے گئے اور اس کے بعد اسے سہارا دے کر پولیس کی بڑی گاڑی تک لایا گیا اور اس میں سوار کرا دیا گیا۔ ایک شخص نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور عقب سے گلاب جان اسے ہدایات دینے لگا۔ گاڑی سٹارٹ ہو کر چل پڑی تھی...... مسلح کانسٹیبل مستعد بیٹھے ہوئے

تھے۔ یہ ساری کارروائی بڑی برق رفتاری سے ہو رہی تھی اور اس میں شہاب کا کہیں دخل نظر نہیں آ رہا تھا۔ غالباً گلاب جان کو تمام اختیارات دے دیئے گئے تھے اور وہ ایک مکمل منصوبے پر کام کر رہا تھا۔

پولیس گاڑی رات کی تاریکیوں میں سفر کرتی رہی۔ شہابو خون کے گھونٹ پیتا رہا۔ یہ جو کچھ ہوا تھا اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ بس تقدیر کبھی کبھی اس طرح بھی وقت دکھا دیتی ہے۔ ورنہ شہابو تو ان دنوں بڑی بلندیوں پر پرواز کر رہا تھا اور اسے سمجھا دیا گیا تھا کہ کسی کی مجال نہیں ہے کہ اس کا بال بیکا کرے۔

تاریکیوں کا یہ سفر جاری رہا اور آخر کار پولیس کی گاڑی مطلوبہ علاقہ میں داخل ہو گئی۔ زنجیر والی کوٹھی کی نشاندہی شہابو نے خود کی۔ کوٹھی سنسان تھی اور تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ پولیس گاڑی وہاں سے کافی فاصلے پر رک گئی۔ ایک پولیس کانسٹیبل کو شہابو پر تعینات کر دیا گیا اور وہ پستول کی نال شہابو کی پسلیوں سے لگا کر محتاط انداز میں بیٹھ گیا، گلاب جان کی سربراہی میں پولیس کے جوان بڑی شاندار پوزیشن کے ساتھ کوٹھی کی جانب بڑھنے لگے۔ گلاب جان خود بھی مستعد تھا۔ کالے گیٹ کے قریب پہنچ کر گلاب جان نے اپنے ساتھی رحیم داد کو اشارہ کیا اور اس کے بعد وہ گیٹ سے اندر کود گئے، لیکن جیسے ہی وہ گیٹ کے دوسری جانب کودے اچانک ہی کوٹھی روشن ہونے لگی اور پھر شاید ان دونوں کو محسوس کر لیا گیا۔ گولیوں کی ایک باڑھ گیٹ کی جانب آئی تھی لیکن رحیم داد اور گلاب جان برق رفتاری سے دیوار کی آڑ میں لیٹ گئے اور آہستہ آہستہ کھسکنے لگے۔ وہ پھرتی کے ساتھ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں انہیں گولیوں سے نجات مل گئی۔ باہر پولیس پارٹی نے بھی اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی اور پورا علاقہ گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونجنے لگا۔ چھوٹے چھوٹے کوارٹر روشن ہونے لگے، لیکن لوگ گھروں سے باہر نہیں نکلے تھے بلکہ اندر ہی اندر صورت حال کا جائزہ لے رہے تھے۔

زنجیر والی کوٹھی میں شاید زیادہ افراد نہیں معلوم ہوتے تھے۔ گلاب جان نے گولیاں چلنے کی آواز سے اندازہ لگا لیا کہ اندر موجود لوگوں کی تعداد تین یا چار سے زیادہ نہیں ہے۔ ابتداء میں تو انہوں نے بڑی زبردست فائرنگ کی لیکن آہستہ آہستہ ان کی فائرنگ میں کمی آتی چلی گئی، گلاب جان رحیم داد کو اشارہ کر کے آگے بڑھتا رہا اور کوٹھی میں داخل ہو گیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ٹارچ تھی اور دوسرے میں پستول، ابھی تک اس نے اور رحیم داد نے ایک

بھی فائر نہیں کیا تھا۔ وہ لوگ صحیح جگہ پہنچنا چاہتے تھے۔ غرض یہ کہ اب اندر سے ہو
فائرنگ اکادکا گولیوں پر باقی رہ گئی تھی۔ وہ لوگ پسپا ہو گئے تھے یا پھر کوئی ایسی چال چل
تھے جو ابھی تک ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئی تھی، لیکن گلاب جان جیسا نڈر اور
آدمی انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ وہ برق رفتاری سے پینترے بدل بدل کر اپنی جگہ تبدیل
تھا۔ پھر وہ کوٹھی کے اندرونی حصے میں داخل ہو گیا۔ اندازے کے مطابق اس نے
سوئچ بورڈ تلاش کیا اور وہ جگہ روشن ہو گئی۔ سارا ماحول سنسان پڑا ہوا تھا۔ کوٹھی بہت
صورت تھی لیکن ہر قسم کے فرنیچر وغیرہ سے عاری۔ اسے صرف ایک قید خانے کے
رکھا گیا تھا۔ پھر یوں محسوس ہوا جیسے وہاں موجود لوگ غائب ہو گئے ہوں۔ گلاب جان کو
بڑے سے ہال میں اوپر جانے والا زینہ نظر آیا تو وہ رحیم داد کو اشارہ کر کے اوپر پہنچ گیا، پھر
کی محنت بار آور ہوئی۔ ایک کمرے میں ایک شخص کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈالا گیا تھا۔
کے منہ پر ٹیپ چپکا ہوا تھا اور گلاب جان نے اندازہ لگا لیا کہ وہ سبحان طاہر ہی ہو سکتا ہے۔
نے رحیم داد کو اشارہ کیا اور خود دونوں ہاتھوں میں پستول لے کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔
پولیس پارٹی نے بھی فائرنگ کی رفتار میں کمی کر دی تھی لیکن اندر سے اب اس کا کوئی جو
نہیں مل رہا تھا۔ رحیم داد نے پھرتی سے سب سے پہلے بندھے ہوئے شخص کے منہ سے
اتارا اور اس کے بعد اس کے ہاتھ پاؤں کھولنے لگا۔ بندھا ہوا شخص بری طرح نڈھال
تھا، اس کے بدن پر زخموں کے متعدد نشانات تھے۔ ہاتھ پاؤں جگہ جگہ سے سگریٹوں
داغے گئے تھے۔ تشدد کے بہت سے طریقے آزمائے گئے تھے جن سے اس کی حالت
خراب ہو رہی تھی۔ اس کے باوجود جب گلاب جان نے اس سے پوچھا کہ کیا اس کا نام
طاہر ہے تو اس کے حلق سے جو آواز نکلی وہ ہر قسم کی تکلیف کے احساس سے عاری تھی۔

"جی سر، خادم ہی سبحان طاہر ہے۔"

"رہائی مبارک۔"

"شکریہ سر۔"

"کیا تم کھڑے ہو سکتے ہو؟"

"سر میں پرواز کر سکتا ہوں۔"

"مگر تم زخمی ہو۔"

"نہیں میں زخمی نہیں ہوں، میرا جسم زخمی ہے اور جسم کی میں بالکل پروا نہیں کرتا۔"

"ویری گڈ خود کو سنبھالو، لو یہ پستول لو، چلانا آتا ہے؟"

"وطن دشمنوں کے سینے پر آسانی سے گولی داغ سکتا ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"تو پھر خیال رکھنا وطن دشمن ہی ہو کوئی وطن دوست نہ ہو۔"

"جی سر۔"

"آؤ......" گلاب جان کو اس شخص کی رہائی میں لطف آیا تھا...... بہرحال سب سے پہلے سبحان طاہر کو احتیاط کے ساتھ پولیس گاڑی تک پہنچانا تھا۔ اس کے بعد عمارت کا معاملہ سامنے آتا تھا، چنانچہ یہی ہوا۔ سبحان طاہر کو احتیاط کے ساتھ باہر نکال لیا گیا اور اس کے بعد رحیم داد ہی کو ہدایت کی گئی کہ وہ جا کر پوری کوٹھی کی تلاشی لے اور جو چیز ملے اسے قابو میں کرے۔ کوٹھی کے اندر موجود لوگ اگر مر چکے ہوں تو ان کی لاشیں نکال لی جائیں اور اگر زندہ گرفتار ہو سکیں تو یہ زیادہ بہتر ہو گا۔" رحیم داد پولیس کی نفری لے کر اندر داخل ہو گیا۔ پوری کوٹھی روشن کر دی گئی تھی اور پولیس کی کارروائی بدستور جاری تھی، ادھر سبحان طاہر کو جب گاڑی میں چڑھایا گیا تو شہابو نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ سبحان طاہر نے شہابو کو دیکھا اور مسکراتا بولا۔

"گڈ...... کہا جاتا ہے کہ کبھی کے دن بڑے اور کبھی کی راتیں، تو میرا خیال ہے کہ آج کی رات بڑی رات ہے...... شہابو، مسٹر شہاب الدین آخرکار قانون کے شکنجے میں آ گئے۔"

شہابو نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے آنکھیں بند کئے بیٹھا رہا۔ سبحان طاہر مسکراتا ہوا ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ گلاب جان کی نگاہیں کوٹھی کی جانب نگراں تھیں...... کوئی آدھے گھنٹے تک کارروائی ہوتی رہی اور اس کے بعد رحیم داد واپس آ گیا۔

"سر کوٹھی میں ایک بھی آدمی نہیں ہے، وہ لوگ فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔"

"تلاشی لی؟"

"کچھ بھی نہیں ہے سر، چند برتنوں کے علاوہ، پانی کا ایک مٹکا رکھا ہوا تھا...... ایک گلاس تھا اور بس تھوڑے سے برتن ان کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے وہاں، کوئی چادر کپڑا تک نہیں ہے۔"

"چلو آ جاؤ۔" گلاب جان نے کہا اور تمام کانسٹیبل گاڑی میں آ بیٹھے۔ گلاب جان کے

اشارے پر پولیس گاڑی سٹارٹ کر کے آگے بڑھادی گئی تھی۔

بہر حال یہ کامیاب چھاپہ تھا، گلاب جان نے جو شدید محنت کی تھی اس کا پھل بر حاصل ہو گیا تھا۔ سبحان طاہر کی بازیابی ایک بڑا کارنامہ تھا اور گلاب جان اس پر بہت خوش فاصلے طے ہوتے رہے...... رخ تھانے ہی کی طرف تھا...... پھر بلال سٹریٹ سے گزر ہوئے وہ خوفناک واقعہ پیش آ گیا...... اچانک ہی کسی جانب سے پولیس گاڑی کے ٹائروں فائرنگ ہوئی اور گاڑی لنگڑی ہو گئی۔ ڈرائیور نے فوراً ہی بریک لگایا تھا اور گلاب جان سنبھالے ایک دم سے نیچے کودنے کے لئے آگے بڑھا تھا، لیکن فوراً ہی ایک سفید سی پولیس گاڑی کے پاس آ کر گری اور گرتے ہی پھٹ گئی۔ اس سے سفید دھوئیں کا ایک غبار اور آن کی آن میں فضا میں پھیل گیا...... پھر ویسا ہی دوسرا گولہ سامنے کی سمت اور تیسرا طرف پھٹا۔ گلاب جان نے ناک پر ہاتھ رکھنے کی کوشش کی اور چیخ کر اپنے ساتھیوں خبردار کرنا چاہا کہ خواب آور گیس ہے، سنبھلنے کی کوشش کرو، لیکن وہ خود بھی نہیں سنبھ سکا تھا۔ گیس اتنی سریع الاثر تھی کہ ایک لمحے میں کام ہو گیا۔ گلاب جان کو ہلکی سی کھانسی اور اس کے بعد اس کا ذہن بوجھل ہوتا چلا گیا۔ اس نے ہاتھ پاؤں مار کر خود کو سنبھالنے کوشش کی لیکن نہ سنبھل سکا۔ یہ رہائشی علاقہ تھا اور اطراف میں فلیٹ بنے ہوئے تھے فلیٹوں کے چوکیدار اپنی ڈیوٹیوں پر مستعد تھے اور بعض جگہ فلیٹوں میں لوگ جاگ بھی رہے تھے۔ یہ شب خیزی کے عادی لوگ تھے...... انہوں نے فائرنگ کی آواز بھی سنی تھی ٹائروں کے پھٹنے کی آواز بھی۔ اس کے بعد انہوں نے فضا میں ایک بو بھی محسوس کی جس نے بہر حال انہیں تو متاثر نہیں کیا لیکن یہ اندازہ ضرور ہو گیا کہ کسی قسم کی کوئی گیس پھیلی ہے۔ چاروں طرف سنسنی پھیل گئی اور لوگ اپنے اپنے گھروں کی روشنیاں جلانے لگے۔ پھر بہ مشکل تمام فضا میں یہ دھواں منتشر ہوا اور علاقے کے چوکیدار اور دوسرے لوگ گروہوں کی شکل میں نکل آئے۔ وہ پولیس گاڑی کے پاس جاتے ہوئے ڈر رہے لیکن بہر حال یہ بھی ضروری تھا کہ صورت حال کا جائزہ لیں۔ قریب پہنچنے پر انہوں نے دیکھا کہ پولیس کے جوان زمین پر اور پولیس گاڑی میں بری طرح بے ہوش پڑے ہوئے ہیں۔

✿

بات اس قدر اہمیت کی حامل نہیں تھی۔ لیکن اچانک ہی اس نے اہم نوعیت اختیار کر

تھی اور معاملہ بے حد سنگین ہو گیا تھا۔ ایک اخبار کے معمولی رپورٹر کا اغوا بہت بڑی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ اس کی بیوی نے رپورٹ درج کرائی اور پولیس نے ایف آئی آر درج کر لی۔ اس کے بعد تفتیش شروع کر دی گئی۔ کچھ معاملات آگے بڑھے، سب انسپکٹر نے تفتیش میں آگے بڑھتے ہوئے ایک شخص کو گرفتار کیا اور اس کی نشاندہی پر زنجیر والی کوٹھی پر چھاپہ مارا گیا۔ کچھ لوگ گرفتار کئے گئے اور بعد میں سڑک پر اس پولیس گاڑی کو حادثہ پیش آیا جو مغوی کو بازیاب کر کے لا رہی تھی۔ مغوی کو دوبارہ اغوا کر لیا گیا اور پولیس پارٹی کو گیس کے گولوں کے ذریعے بے ہوش کر دیا گیا پھر پڑوسیوں نے علاقے کے تھانے کو اطلاع دی اور تھانے دار سپاہیوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ بے ہوش سپاہیوں، ایس آئی اور ایک سویلین شخص کو ہسپتال پہنچایا گیا جہاں تھوڑی دیر کے بعد وہ ہوش میں آ گئے اور آخر کار پولیس تھانے پہنچ گئے۔ یہ سارا واقعہ تھا، لیکن پولیس پارٹی پر گیس کے بموں سے حملہ اور کسی مغوی کا دوبارہ اغوا کر لیا جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی، چنانچہ صبح ہی صبح تمام معاملات کی رپورٹ ملنے کے بعد ڈی ایس پی، ایس پی اور کچھ دوسرے اعلیٰ افسران تھانے پہنچ گئے، شہاب بھی موجود تھا اور کافی پریشان نظر آ رہا تھا۔ گلاب جان بھی تھا اور وہ تمام سپاہی بھی۔ شہابو بھی موجود تھا جسے لاک اپ میں بند کر دیا گیا تھا۔ ڈی ایس پی صاحب نے تمام تفصیلات طلب کر لیں۔

ایس پی صاحب بھی اس تمام صورت حال سے خاصے متاثر نظر آ رہے تھے۔ شہاب نے پر اثر انداز میں رجسٹر اور روزنامچہ سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"سر! ایک خاتون اپنے دو بچوں کے ساتھ تھانے میں رپورٹ درج کرانے آئیں۔ آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں اور بہت زیادہ پریشان نظر آ رہی تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ ان کے شوہر سبحان طاہر کو اغوا کر لیا گیا ہے۔ یہ شخص ایک مقامی اخبار میں رپورٹر کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ انہوں نے کسی پر شبہ نہیں ظاہر کیا۔ ہم نے تمام معلومات حاصل کیں اور کسی مناسب نتیجے پر نہ پہنچ سکے۔ بہر حال ضابطے کی کارروائی کی گئی اور ان خاتون کو دلاسا دیا گیا کہ ان کے شوہر کو تلاش کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جائے گی، لیکن ہمارے پاس کوئی ایسا واضح اشارہ نہیں تھا ان سے سوالات کرنے پر بھی کوئی ایسی صورت حال علم میں نہیں آئی جس سے یہ اندازہ ہوتا کہ صحافی کو اغوا کرنے والے کون ہو سکتے ہیں، پھر اخبار کے دفتر سے رجوع کیا گیا اور ایڈیٹر زاہد فرقانی صاحب نے بتایا کہ سبحان طاہر ایک سخت گیر نوجوان تھا

اور رپورٹنگ میں حد سے تجاوز کر جاتا تھا۔ کھلی اور بے باک تحریریں لکھتا تھا، ہم نے یہ
لگایا کہ کسی ایسے شخص نے اسے اغوا کرایا ہے جس کے خلاف اس نے کوئی محاذ قائم کر رکھا
کیونکہ تاوان وغیرہ کا مسئلہ تو اس لئے نہیں ہو سکتا کہ وہ بے چارہ خود ایک بے حیثیت آدمی
پھر کسی نے ہمیں ٹیلی فون پر اطلاع دی کہ سبحان طاہر کو شہابو نامی ایک شخص نے اغوا کیا ہے
یہ شخص عموماً ماربل کلب میں نظر آتا ہے، چنانچہ میں نے اپنی مصروفیت کے پیش نظر
انسپکٹر گلاب جان کو ہدایات دیں اور گلاب جان نے شہابو کو ماربل کلب سے گرفتار کر لیا
یہاں لانے کے بعد اس سے معلومات حاصل کی گئیں اور تھوڑا سا تشدد کیا گیا تو اس نے
کہ سبحان طاہر زنجیر والی کوٹھی نامی ایک عمارت میں اغوا کر کے رکھا گیا ہے۔ ایس آئی گ
جان نے اس عمارت پر ریڈ کیا تو وہاں سبحان طاہر دستیاب ہو گیا۔ پولیس پر شدید فائرنگ
لیکن پھر فائرنگ کرنے والے بھاگ گئے اور ہم نے سبحان طاہر کو حاصل کر لیا۔ اس وقت
اس معاملے کی نوعیت اس قدر سنگین نہیں تھی لیکن بعد میں پولیس پارٹی پر گیس بم
حملہ کر کے سبحان طاہر کو دوبارہ اغوا کر لیا گیا۔ یہ کل تفصیل ہے۔"

"آپ نے بذات خود اس مشن میں حصہ کیوں نہیں لیا، شہاب ثاقب صاحب؟"

"سر، یہ روزنامچہ حاضر ہے، میں ایک دوسرے اہم سلسلے میں تفتیش کر رہا تھا اور آ
رات سے زیادہ وقت تک وہاں مصروف تھا۔ ایس آئی گلاب جان ایک ذمہ دار آفیسر ہے
میں نے اس پر مکمل بھروسہ کرنے کے بعد اسے اس مشن کی ذمہ داریاں سونپی تھیں۔"

"ہوں...... بہر حال وہ شخص شہابو کہاں ہے؟" ایس پی صاحب نے سوال کیا اور شہاب
نے گلاب جان کو اشارہ کیا۔ گلاب جان شہابو کو لے کر کمرے میں آیا اور وہیں سے صورت
حال کی نوعیت تبدیل ہو گئی۔ ایس پی صاحب کے منہ سے نکلا تھا۔

"ارے شہاب الدین صاحب آپ؟" شہابو نے طنزیہ نگاہوں سے ایس پی صاحب
دیکھا اور زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"جی آپ کا خادم اور ایس پی صاحب یہ نہ سمجھیں کہ یہ مذاق معمولی رہے گا آپ
ہمیں چھیڑا ہے اور ہم چھیڑنے والوں کو بھرپور جواب دیتے ہیں۔"

"انسپکٹر شہاب ثاقب آپ شہاب الدین صاحب کو نہیں پہچانتے؟"

"نہیں سر! میرا ان سے کبھی تعارف نہیں ہوا۔" شہاب نے اپنے مخصوص انداز میں

"کمال کرتے ہیں آپ۔ کیسے آدمی ہیں آپ، لوگوں میں فرق نہیں محسوس کرتے،
کوئی تفریق نہیں سمجھتے آپ معزز لوگوں میں اور لچے لفنگوں میں۔ یہ کیا کیا آپ نے......
سمجھ رہے ہیں آپ نے اپنے گلے میں رسی کا پھندا ڈال لیا ہے سمجھ رہے ہیں آپ؟"

بولا "م...... مم...... مم معافی چاہتا ہوں، مگر دیکھئے نا میرا تو کوئی تعارف ہی نہیں تھا
اور میں نے تو...... آپ ان سے پوچھ لیجئے کہ میری تو ان سے ابھی تک کوئی ملاقات
ہی نہیں ہوئی۔" انسپکٹر شہاب نے گھگھیائے ہوئے انداز میں کہا...... ایس پی صاحب کا چہرہ
سرخ ہو رہا تھا...... انہوں نے میز پر گھونسا مارتے ہوئے کہا۔

"بہت غلط کام کیا ہے آپ نے، بہت برا کام کیا ہے، افوہ، شہاب الدین صاحب
آیئے براہ کرم تشریف رکھئے آیئے۔"

"نہیں ایس پی صاحب تشریف رکھنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے درمیان کوئی مفاہمت
ہو گئی۔ یہ اب ذرا مشکل ہی ہے" شہابو کے لہجے کا زہریلا پن باقی تھا اور شہاب کے انداز سے
یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا دم ہی نکلا جا رہا ہو۔

"ایس پی صاحب نے غصیلی نظروں سے ڈی ایس پی صاحب کو دیکھا اور بولے۔
"آپ کے علم میں یہ تفصیل نہیں تھی۔"

"نہیں جناب، میں نے اس تھانے کا روزنامچہ نہیں دیکھا تھا۔

"حالانکہ آپ کو علم ہونا چاہئے تھا۔"

"سر پانچ تھانوں کی ذمے داری ہے مجھ پر اور رجسٹر آپ کے سامنے ہے مجھے پرسوں
یہاں کا ریکارڈ دیکھنا تھا۔"

"اب بتایئے کیا کریں۔"

"کوئی پریشانی کی بات تو نہیں ہے سر، سب کچھ معمول کے مطابق ہے۔"

"خاک معمول کے مطابق ہے، شہاب الدین صاحب ایک معزز آدمی ہیں آپ نہیں
جانتے۔ آپ کچھ بھی نہیں جانتے۔ ان پر تشدد بھی کیا گیا ہے۔"

"سر اس کا رزلٹ ملا ہے۔" ڈی ایس پی نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"ان کے بارے میں مخبری ہوئی ہے، اغوا کی ایف آئی آر ہے۔ ان کی گرفتاری کے بعد

ان کی نشاندہی پر مغوی بازیاب ہوا اور پھر ان کے آدمیوں نے اسے دوبارہ اغوا کرلیا۔ یہ ایک سنگین نوعیت کا کیس ہے...... ایک معزز آدمی اگر جرم کرے تو کیا وہ قانون سے بالا ہوتا ہے۔"

"زیادہ منطق نہ بگھاریں۔ آپ کو اصل صورت حال کا اندازہ نہیں ہے۔ یہ بتائیے اب کیا کریں۔"

"شہاب الدین صاحب کا اس کیس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"یہ گواہی تو عدالت میں ہی دی جاسکتی ہے۔"

"آپ لوگ کچھ نہیں کریں گے۔"

"ضرور کریں گے، مسٹر شہاب آپ تفتیش کریں گے کہ زنجیر والی کوٹھی کس کی ملکیت ہے۔ شہاب الدین صاحب نے سبحان طاہر کو کیوں اغوا کیا اور اس کے بعد وہ کون لوگ تھے جنہوں نے پولیس پارٹی پر یہ سنگین نوعیت کا حملہ کر کے مغوی کو دوبارہ حاصل کیا۔"

"اوہ...... یہ طریق کار بدلنا پڑے گا۔" ایس پی صاحب طیش کے عالم میں بولے۔

"سر کیسے، آپ کو علم ہے کہ زنجیر والی کوٹھی کے عقب میں فائرنگ کا تبادلہ ہوا۔ جہاں کے لوگ گواہی دیں گے۔ پولیس پر حملہ کر کے مغوی کو دوبارہ اغوا کیا گیا ہے، وہاں بھی پبلک کی گواہی ہے۔ اس کے علاوہ اخبار والے دونوں تھانوں سے رپورٹ لے چکے ہیں۔ اس کے بعد جو آپ کا حکم ہو۔"

ایس پی سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے چونک کر کہا۔

"شہاب صاحب کو لاک اپ میں لے جاؤ، آپ فکر نہ کریں شہاب الدین صاحب کچھ کریں گے۔"

"شہابو کے جانے کے بعد ایس پی نے کہا۔ یار تم لوگ سمجھ کیوں نہیں رہے وہ سیٹھ محمودہ کا خاص آدمی ہے اور سیٹھ محمودہ۔"

"لیکن سر وہ ایک اغوا میں ملوث ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن دیکھو میرے خیال میں خاصی گڑبڑ رہے گی، یہ تھانہ مشکل میں جائے گا۔"

"آپ کی سرپرستی رہی جناب عالی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بفضل تعالیٰ۔" شہاب

ایس پی صاحب چونک کر اسے دیکھنے لگے پھر بولے۔

"تمہارا ریکارڈ میرے علم میں ہے انسپکٹر شہاب اور تم جتنے مرنجان مرنج نظر آتے ہو اتنے ہو نہیں، میں سب سمجھتا ہوں مگر ہم کیا کریں ہمیں تو زنجیریں پہنا دی گئی ہیں، لوگ تو پولیس کو نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں، کیا سمجھتے ہیں، ہماری مشکلات پر غور نہیں کرتے۔ واردات ہو جاتی ہے تفتیش کرنا ہمارا فرض ہے، مجرم نہ پکڑا جائے تو ہم قابل سزا۔ پکڑلیں تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ مجرم کون ہے اس کی گرفتاری جائز ہے یا ناجائز اور اس جائز ناجائز کا تجزیہ مجرم کی حیثیت سے کیا جاتا ہے، ہمیں ان حالات سے گزرنا ہوتا ہے۔"

"جی سر، یہ درست ہے۔"

"محکمہ پولیس میں تمہیں آدم خور کہا جاتا ہے شہاب، یہ نہ سمجھنا کہ تنزلی کے بعد تمہیں نظرانداز کردیا گیا ہے البتہ میری تجویز ہے کہ نارمل رہو اور اس حد تک نہ جاؤ کہ تمہاری ڈیوٹی مستقل ہیڈ کوارٹر میں لگادی جائے۔"

"سر وہاں بھی تو کام ہوتا ہے۔" شہاب نے کہا اور ایس پی صاحب متفکرانہ نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔ پھر بولے۔

"اخبارات میں بھی کل تفصیل آئے گی، لیکن کاش دوپہر کے اخبارات پوری تفصیل لکھ دیں۔ رپورٹ کا منظر عام پر آنا ضروری ہے...... تمام روزنامچے مکمل رکھو اور مسٹر شہاب ممکن ہے میں اس سلسلے میں اپنا رویہ سخت رکھوں...... اسے مائنڈ نہ کرنا اور تھوڑی سی سختی اختیار کرنا ویسے سبحان طاہر کا دوبارہ اغوا خطرناک ہے...... اس بے چارے کو نقصان نہ پہنچ جائے۔"

"سر میں اس کے لئے پریشان ہوں۔"

"او کے، مہم جاری رکھو۔"

"سر اگر اس کی ضمانت کی کوشش کی جائے۔"

"ٹال جاؤ، کہو ابھی تفتیش جاری ہے۔"

"یس سر۔" شہاب نے کہا اور ایس پی مسکرانے لگا۔ پھر بولا۔ "تمہیں اپنی زندگی اور نوکری ہمیشہ داؤ پر لگوانے کا شوق ہے ایسا کیوں کرتے ہو؟"

"نہیں سر، ایسی بات نہیں ہے۔" شہاب نے نرم لہجے میں کہا، لیکن اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لئے جو شعلے بھڑکے تھے انہیں کسی نے محسوس نہیں کیا تھا۔

پھر ڈی ایس پی اور ایس پی صاحب ساتھ ہی اٹھ گئے۔ شہاب کو خوشی تھی کہ ان دونوں نے اس سے تعاون کیا تھا اور حقیقت کو قبول کیا تھا۔ ان کے جانے کے بعد اس کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کے منہ سے زیر لب نکلا۔

"آپ لوگ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں ایس پی صاحب، لیکن شہنشاہ آزاد ہے کسے کہاں کہاں بچائیں گے۔" آفس میں بیٹھ کر اس نے ایک کاغذ نکالا اور اس پر نوٹس لکھے۔

نمبر ایک...... شہاب الدین عرف شہابو کا ماضی کیا ہے۔

نمبر دو سیٹھ محمود وہ کون ہے، اس کا پس منظر کیا ہے؟

نمبر تین۔ فرقانی صاحب کو شہابو کا خیال کیسے آیا؟ وہ اپنے لکھے ہوئے ان نوٹس پر لکیریں بنانے لگا۔ پھر گلاب جان اندر داخل ہوا تو اس نے اس کاغذ کی پرچیاں کر کے اسے ڈسٹ بن میں ڈال دیا۔

"گلاب جان نے اندر آ کر سلیوٹ کیا تھا۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور وہ عجیب سی کیفیت کا شکار نظر آ رہا تھا۔

"کیا بات ہے گلاب جان، کچھ پریشان ہو۔"

"جی سر۔"

"ان لوگوں کی وجہ سے؟"

"خدا کی قسم صاحب کسی کا فکر نہیں ہے، اللہ رزق دیتا ہے۔ نوکری آنی جانی چیز ہے...... ہم اس بے چارے کے لئے پریشان ہیں جسے دوبارہ اغوا کر لیا گیا ہے۔"

"فکر مت کرو گلاب جان، وہ مل جائے گا۔"

"ایک بات سمجھ میں نہیں آیا صاحب۔"

"کیا؟"

"وہ لوگ اپنے آدمی کو کیوں نہیں لے گیا...... شہابو کو انہوں نے گاڑی میں کیوں چھوڑ دیا؟"

"بہت سادہ سی بات ہے گلاب جان، وہ شہابو پر سے شبہ مٹانا چاہتے ہیں۔ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر شہابو اس اغوا کا ذمے دار ہوتا تو اسے بھی غائب ہو جانا چاہئے تھا۔ یہی موقف اختیار کیا جائے گا۔"

"اوہ ہاں، ٹھیک ہے مگر اس نے تو زنجیر والی کوٹھی کی نشاندہی کی تھی۔"

"عدالت میں وہ مکر جائے گا۔" شہاب مسکرا کر بولا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہو صاحب۔ تو پھر اب ہم کیا کریں؟"

"اس کوٹھی کے بارے میں پتا لگاؤ کہ کس کی ہے کس کے قبضے میں تھی، جاؤ آرام سے کام کرو۔" شہاب نے کہا اور گلاب جان نے مستعدی سے گردن ہلا دی۔ پھر سلیوٹ کر کے باہر نکل گیا۔

❁

سبحان طاہر کو ہوش آگیا...... کچھ دیر تو وہ صورت حال کا اندازہ لگاتا رہا۔ یہ جگہ نہیں تھی جہاں وہ قید تھا لیکن پھر ذہن نے کام شروع کر دیا۔ وہ جگہ ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ پتہ یہ کون سی جگہ ہے...... اسے پوری طرح یاد آگیا کہ پولیس نے وہاں ریڈ کیا تھا...... جہاں وہ قید تھا پھر پولیس اسے لے کر چل پڑی تھی اور اس کے بعد راستے میں کچھ ہوا تھا، وہ زخمی تھا اس کے حواس قابو میں نہیں تھے...... ہر چند کہ اس نے خود کو سنبھالے رکھنے کی بے انتہا کوششیں کی تھیں لیکن پھر بھی بہت سے معاملات میں اس کا ذہن ساتھ نہیں دے پایا تھا۔ پولیس کی گاڑی میں جا رہا تھا کہ ایک تیز بو فضا میں منتشر ہوئی اور اس کے بعد اس کے حواس ساتھ نہ دے سکے اور اب یہاں آنکھ کھلی تھی اس نے پہلے اپنے حواس مجتمع کیے اس کھڑکی کی جانب نظر دوڑائی جس سے مدہم مدہم روشنی آرہی تھی۔ یہ روشنی سورج ہی کی معلوم ہوتی تھی اس کا مطلب ہے کہ صبح ہو گئی ہے۔ صبح کا احساس کرنے کے بعد اس نے ہمت کر کے گردن گھمائی اور مدہم روشنی کے باوجود، جو کچھ اسے نظر آیا اس نے ایک لمحے کے لئے اسے واقعی ذہنی طور پر معطل کر دیا اور اس جیسے عملی آدمی نے بھی سوچا کہ یہ عالم ہوش ہے یا عالم خواب۔ ایک کرسی پر اسے اپنی بیوی سائرہ نظر آئی تھی، جو آنکھیں بند کئے اور گردن ٹیڑھی کئے کرسی پر سو رہی تھی۔

"وہ بے اختیار اٹھ گیا اور اس کے منہ سے وحشت بھری آواز نکلی۔

"سائرہ۔" جواب میں سائرہ ہڑبڑا کر جاگ گئی۔ بے اختیار ہو کر کرسی سے اٹھی اور اس کے قریب پہنچ گئی...... اس نے وحشت بھرے انداز میں اس کے قریب بیٹھ کر اس کے بازو چھوتے ہوئے کہا۔

"ہوش آگیا آپ کو، ہوش آگیا۔" سائرہ کی آواز آنسوؤں اور مسرت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور ہونٹ خوشی سے مسکرا اٹھے۔

"ہوش آگیا ہے آپ کو، کیسی طبیعت ہے آپ کی؟"

"یار سائرہ طبیعت تو جیسی بھی ہے لیکن ذرا ایک چٹکی لو میرے جسم میں، بس ذرا یہ یقین دلا دو کہ ہوش میں ہوں یا اب بھی انٹا غفیل ہوں۔"

"طبیعت کیسی ہے آپ کی؟"

"جولانی پر ہے، پورے بدن میں مستی دوڑ رہی ہے یار میں کہتا ہوں ذرا نوچو تو سہی میرے بدن میں۔"

"نہیں خدا کے لئے نہیں آپ کو کوئی اندرونی تکلیف تو نہیں ہے۔"

"اب نہیں ہے پہلے تھی اور خالص اندرونی تکلیف تھی اور وہ تکلیف یہ تھی کہ میں تم سے جدا ہوں اور تم اور بچے مجھے یاد کر رہے ہوں گے مگر واقعی سائرہ بھئی نوچ لو نا یار۔"

"آپ کا تو پورا بدن زخمی ہے۔"

"ارے ہاں...... اوہو یہ۔ میرے زخموں پر بینڈیج کس نے کر دی، سائرہ بھئی میں سنجیدہ ہوں اکثر قید کے دوران خواب دیکھتا رہا ہوں کہ اچانک ہی تمہارے پاس پہنچ گیا ہوں اور اس وقت بھی مجھے یہ سب کچھ خواب ہی لگ رہا ہے، کیا خواب اتنے مضبوط بھی ہوتے ہیں۔"

"نہیں سبحان آپ ہوش میں ہیں، چائے بناؤں آپ کے لئے۔"

"ایں...... بابا یہ ہمیں اپنی حویلی تو نظر نہیں آرہی کمرے کا ڈیزائن بالکل مختلف ہے، ارے بچے کہاں ہیں؟"

"دونوں سو رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے نا؟"

"جی بالکل۔"

"مم...... مگر پیاری بیوی ذرا پہلے کھوپڑی سیٹ کر دو، کون سی جگہ ہے یہ، بھئی اٹھ کر بیٹھ رہا ہوں میں۔"

"لیٹے رہیں تو بہتر ہے۔"

"اور تم کہہ رہی ہو کہ تم چائے بھی بنا سکتی ہو؟"

"جی ہاں..... کچھ کھانا چاہیں تو وہ بھی مل سکتا ہے۔"

"علاؤالدین صاحب کہاں ہیں؟"

"جی؟"

"علاؤالدین..... علاؤالدین..... یہ مجھے سب کچھ جادو کے چراغ کا کارنامہ ہی معلوم ہوتا ہے، یوں لگتا ہے جیسے علاؤالدین صاحب سے ہمارا کوئی قدیم رشتہ ہے، مثلاً تمہارے بھائی وغیرہ۔ کیونکہ انہی سے ایسا کام لیا جا سکتا ہے۔"

"آپ ٹھیک ہو جائیں بس اس سے زیادہ اور کچھ نہیں چاہئے مجھے۔"

"وہ تو مجھے معلوم ہے لیکن علاؤالدین کی بات تو رہ ہی گئی۔"

"واقعہ علاؤالدین اور جادو کے چراغ جیسا ہی ہوا ہے سبحان۔"

"تو پھر ایک کام کرو۔"

"ہاں بولو۔"

"ذرا تم جن صاحب سے کہو کہ چائے وغیرہ بنا لائیں۔ مجھے تو تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں، حالانکہ میں ذہنی طور پر کمزور آدمی نہیں ہوں لیکن واقعات ہی کچھ ایسے ہیں جن سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ چکر جادو کے چراغ کا ہی ہے..... بھئی کمال ہے یہ بینڈیج کس نے کی میرے زخموں پر، تم نے بتایا نہیں۔"

"آپ اسی شکل میں یہاں لائے گئے ہیں۔"

"اور یہ جگہ کون سی ہے؟"

"یوں سمجھ لیجئے جنت ہے اور ایک فرشتے نے ہمیں اس جنت میں پہنچایا ہے۔"

"گویا بدولت انااللہ ہو گئے؟"

"خدا نہ کرے۔"

"تو پھر یہ جنت..... ارے باپ تم بھی تو اسی جنت میں ہو، اچھا اب ایسا کرو، ہمارے دماغ کو زیادہ تکلیف نہ دو، خود ہی جلدی سے صورت حال بتا دو۔"

"نہیں پہلے میں چائے لاتی ہوں۔" سائرہ نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

سبحان طاہر متحیرانہ انداز میں اسے دیکھتا رہا، یہ سب کچھ اس کے لئے ناقابل فہم تھا، پورے شہر میں اس کا کوئی ایسا ہمدرد نہیں تھا جو اس کی غیر موجودگی میں اس کے بیوی بچوں کو

اس طرح تحفظ دے سکتا۔ وہ تو عجیب سی کیفیت کا شکار تھا، سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنی جلدی اور اس طرح اسے نجات مل جائے گی اور وہ سائرہ اور بچوں کو دیکھ سکے گا، کئی بار اس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کی، کمزور اعصاب کا انسان نہیں تھا اور حقیقتوں کا ادراک رکھتا تھا۔ خواب جاگتے میں نہیں دیکھے جاتے، یہ جو کچھ نگاہوں کے سامنے ہے ایک ٹھوس سچائی ہے، اپنی جگہ سے اٹھا اور بستر پر بیٹھ گیا..... بستر بھی اسی معیار کا تھا کہ جگہ کوئی معمولی نہیں معلوم ہوتی تھی اور پھر یہ کمرہ، اس کی سجاوٹ ہر چیز اعلیٰ پائے کی اور قیمتی تھی، کون سی جگہ ہے یہ آخر کون سی جگہ ہے، پھر زخموں کی بینڈیج حالانکہ پولیس نے اسے برآمد کر لیا تھا اور اس کے بعد پولیس کو بھی نقصان پہنچایا گیا تھا، لیکن ہوش ایسی جگہ آئے گا یہ سوچا بھی نہیں تھا اور پھر سائرہ یہاں بہتر حالت میں موجود ہے۔" وہ اپنی جگہ سے اُٹھا، دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔

ناقابل یقین تھا سب کچھ، ایک راہداری میں اس کمرے کا دروازہ تھا اور بھی کئی کمرے نظر آ رہے تھے..... ایک جگہ سے ہلکی ہلکی آہٹیں اُبھر رہی تھیں، اسی جانب چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد وہاں پہنچ گیا۔

عالی شان کچن تھا جس میں جدید ترین ساز و سامان نظر آ رہا تھا..... خوب صورت کیبنٹ بنے ہوئے تھے، سائرہ وہاں اس طرح کام کر رہی تھی جیسے اس جگہ سے بخوبی واقف ہو کسی کی آہٹ محسوس کر کے چونک کر پلٹی اور سبحان کو دیکھ کر متحیر رہ گئی۔

"ارے آپ چل کر یہاں تک آ گئے؟"

"بھائی الٹا کھڑا ہونے سے یہ بہتر تھا کہ تھوڑا سا فاصلہ طے کر کے یہاں تک آ جایا جائے۔"

"جائیے نا، میں آ رہی ہوں۔"

"بچے کون سے کمرے میں ہیں؟"

"جس کمرے میں آپ تھے اس کے برابر والے کمرے میں۔"

"گویا اس پوری عمارت پر تمہارا قبضہ ہے"۔ سبحان طاہر نے کہا اور سائرہ مسکرا دی۔

"آپ جائیے۔"

"پہلے بچوں کو دیکھ لوں۔"

"جاگنے والے ہوں گے، صبح جلدی جاگ جاتے ہیں۔"

"پڑھائی لکھائی کا کیا حال ہے؟"

"بھلا یہ پڑھنے لکھنے کے لمحات تھے۔"

"خدا کی پناہ، سبحان طاہر نے دونوں ہاتھوں سے سر پیٹنے کی کوشش کی اور ایک ہلکی سی کراہ کے ساتھ رُک گیا۔ بالکل گنجائش نہیں تھی، سر میں بھی کئی جگہ ہلکے ہلکے زخم تھے۔ واپس پلٹا اور اندازہ لگاتا ہوا کمرے کے برابر والے کمرے میں آگیا۔ اعلیٰ قسم کی مسہری بچھی ہوئی تھی اور مسہری پر دونوں بچے سکون کی نیند سو رہے تھے...... وہ محبت بھری نگاہوں سے بچوں کو دیکھتا رہا...... دل چاہ رہا تھا کہ بڑھ کر پیشانیاں چوم لے مگر یہ مناسب نہیں ہوتا چنانچہ وہاں سے نکل آیا اور اپنے کمرے میں آبیٹھا...... چند لمحات کے بعد سائرہ ایک ٹرالی پر کافی چیزیں سجائے ہوئے اندر آگئی، چائے کے برتن بھی رکھے ہوئے تھے...... سبحان نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"درحقیقت یہ ایک طلسمی ماحول محسوس ہو رہا ہے مجھے...... یہاں جو کچھ تم استعمال کر رہی ہو سائرہ ہم نے تو اس کے خواب بھی نہیں دیکھے تھے۔"

"ہاں۔"

"اور اب بھی تم مجھے کچھ بتانا پسند نہیں کرو گی؟"

"چائے لیجئے...... بتا رہی ہوں، کچھ کھائیے یہ بتائیے کہ آپ کی طبیعت کیسی ہے اور یہ اتنے سارے زخموں کے نشان؟"

"اماں چھوڑو...... ہم تو ان لوگوں کے شکر گزار ہیں جنہوں نے ہمیں یہ زخم لگائے ہیں۔ شکر گزار اس لئے ہیں کہ انہی پر اکتفا کی، ہلکے ہلکے زخم، اماں سائرہ ذرا غور کر کے بتاؤ زندگی میں کبھی زخموں کی پروا کی ہے، یہ تو سچ کے تمغے ہیں جو ان لوگوں نے ہمیں عطاء کئے ہیں، قسمت والوں ہی کو یہ لمحات دیکھنا نصیب ہوتے ہیں ورنہ لوگ مصلحت کے ہاتھوں بک جاتے ہیں اور کبھی کبھی خود ان کا اپنا ضمیر بھی انہیں اپنی فروخت پر قبول نہیں کرتا...... تو پھر بات وہیں پر آکر رک گئی۔ پہلے یہ بتاؤ یہ جگہ کون سی ہے۔"

"ایک عمارت ہے، میں نہیں جانتی کس کی ملکیت ہے لیکن میں تمہیں تفصیل سے بتا رہی ہوں کہ تم ان ظالموں کے ہاتھ لگ گئے۔ میں نے زاہد فرقانی صاحب سے رجوع کیا

بڑی خشک روی سے پیش آئے اور اس کے بعد ایک بھی تسلی کا لفظ نہیں کہا...... میرے لئے اب اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں رہا کہ علاقے کے پولیس اسٹیشن جاؤں اور تمہارے اغوا کی رپورٹ لکھواؤں، معلومات کرتی ہوئی ہمت کر کے وہاں پہنچی اور پھر اسٹیشن انچارج سے ملاقات ہوئی۔ کیا بتاؤں کیا شخصیت ہے اس کی، تعجب ہوتا ہے...... میں تو عام زندگی میں ایسے نیک فطرت لوگوں کی توقع نہیں رکھتی کہ پولیس اسٹیشن میں بھی ایک ایسا شخص بیٹھا ہوا ہے...... بہن کہہ کر مخاطب کیا اس نے مجھے اور بہن کا روپ دے دیا...... رپورٹ لکھ لی گئی، ساری معلومات کرنے کے بعد اس نے اس تشویش کا اظہار کیا کہ اگر تم نے زبان نہ کھولی تو تجھے اور بچوں کو نقصان پہنچایا جائے گا...... اس نے مجھ سے کہا کہ کسی ایسی جگہ چلی جاؤں جہاں تحفظ کی فضا حاصل ہو سکے، میں نے اسے بتایا کہ ایسی کوئی جگہ میرے لئے اس دنیا میں نہیں ہے تو اس نے خود ہی یہ پیشکش کر دی اور کہا کہ اللہ کی ذات پر یقین ہے اور رشتوں پر بھروسا کرتی ہو، تو ایک بھائی سمجھ کر اس کے تحفظ میں آجاؤ اس وقت تک کے لئے جب تک کہ تم برآمد نہ ہو جاؤ...... بس وہ مجھے یہاں لے آیا اور اس کے بعد سے میں یہاں پر ہوں...... بینا نامی کوئی لڑکی ہے جو اس کی کوئی عزیز معلوم ہوتی ہے، یہاں آکر میری دلجوئی کیا کرتی ہے۔ جوہر خان نامی ایک شخص بھی ہے، ایک مہربان بزرگ جو اس قدر محبت سے گفتگو کرتا ہے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے سبحان، اس نے مجھ سے کہا ہے کہ جب تک ہم خطرے سے نہ نکل آئیں میں یہاں رہوں...... دنیا کی ہر سہولت مہیا کر دی ہے مجھے اور کچھ ایسا ماحول چند ہی لمحوں میں پیدا ہو گیا ہے کہ مجھے اس کی ذات پر بھروسا بھی ہو گیا ہے اور...... اور...... بس یہ ہے ساری داستان۔"

"مجھے یہاں وہی لایا تھا؟"

"نہیں...... بڑی حیران کن بات ہے، سو رہی تھی میں اسی کمرے میں بچوں کے ساتھ، اچانک کسی نے دروازے پر دستک دی اور میں چونک پڑی...... رات کے اس پہر کسی کی دستک میرے لئے انتہائی خوفناک تھی لیکن بہر طور دروازہ کھولنا پڑا...... باہر کوئی بھی نہیں تھا، بس کمرے کی روشنی جل رہی تھی اور دروازہ کھلا ہوا تھا...... میں سہمی ہوئی اس کمرے میں داخل ہوئی تو یہاں تمہیں بستر پر لیٹے ہوئے پایا...... ابھی تک مجھ سے کسی نے رابطہ نہیں قائم کیا ہے، یوں لگتا ہے جیسے کچھ لوگ تمہیں یہاں پہنچانے کے بعد دستک دے کر واپس چلے گئے،

تا کہ میں تم تک پہنچ جاؤں۔"

"یار لگتا ہے واقعی کسی سامری صاحب کا پھیرا ہو گیا۔ ہماری طرف، مہربان ہوئے ہیں، اللہ کے فضل کے سوا اسے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"کیا کہوں کیا نہ کہوں میں خود شدت سے حیران ہوں۔"

"کیا نام ہے اس تھانہ انچارج کا؟"

"شہاب ثاقب۔"

"اسی علاقے کا تھانہ انچارج ہے؟"

"ہاں۔"

"یہ نام سنا تو ہے پتا نہیں کس سلسلے میں یاد نہیں آ رہا...... کھوپڑی بھی ذرا سیٹ نہیں ہے اس وقت چائے کی ایک پیالی اور دو۔" سبحان طاہر نے کہا اور سائرہ اس کے لئے چائے کا دوسرا کپ بنانے لگی۔

❁

شام کے ساڑھے چھ بجے تھے، شہاب نے بینا کو فون کیا اور بینا نے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو بینا؟"

"شہاب صاحب، بھئی معافی چاہتی ہوں آپ نے مجھے یقیناً فون کیا ہوگا؟"

"طنز کر رہی ہو بینا؟"

"کیا مطلب؟"

"طنز کا مطلب طنز ہی ہوتا ہے۔"

"ہوتا تو ہے لیکن میرا خیال ہے، میری اس چیز سے کوئی واقفیت نہیں ہے۔"

"پھر اصلی معاملہ کیا ہے؟"

"اصلی معاملہ یہ ہے کہ آج ڈیڈی کے ساتھ کورٹ میں مصروف رہی، ڈیڈی نے بالکل غیر متوقع طور پر میرے سپرد ایک ذمے داری کر دی، ایک پرانا کیس تھا جس کے معاملات اٹکے رہ گئے تھے اور ڈیڈی کو وہ پورا کرنا تھا لیکن کورٹ پہنچنے کے بعد کچھ ایسی اُلجھنیں پیش آئیں کہ ڈیڈی بھی اُلجھ کر رہ گئے اور میں بھی، بس بار روم میں تھی، تھوڑی دیر پہلے فرصت ملی ہے، آپ یقین کیجئے، آفس پہنچی ہی ہوں۔"

"چلو پھر تو عزت سادات رہ گئی۔"

"کیا مطلب؟"

"اتفاق سے میں بھی شدید مصروف رہا اور یہ سوچتا رہا کہ بینا سے رابطہ کروں مگر نہ کر پایا۔"

"آہ کاش پہلے پتا چل جاتا۔"

"تو کیا ہوتا؟"

"جھوٹ ہی بول دیتی اور شکایت کا موقع مل جاتا۔"

"کیا شکایت کرتیں؟"

"یہی کہ آپ نے ٹیلی فون نہیں کیا؟"

"میرا خیال ہے یہ تمام پریکٹس بعد کے لئے رہنے دو۔"

"بعد کے لئے۔"

"ہاں۔"

"اچھا خیر یہ بتائیے کہاں سے فون کر رہے ہیں؟"

"تھانے سے۔"

"مصروفیت کیا ہے؟"

"زبردست۔"

"ملاقات نہیں ہوگی؟"

"دل چاہ رہا ہے۔" شہاب نے سوال کیا اور بینا چند لمحات کے لئے خاموش ہو گئی پھر بولی۔

"کریم سوسائٹی کی رپورٹ بھی نہیں ملی ہو گی؟"

"یہی میں تم سے پوچھنا چاہتا تھا۔"

"نہیں میں فون بھی نہیں کر سکی وہاں، ابھی کروں گی تھوڑی دیر کے بعد۔"

"جی نہیں آپ آ رہی ہیں میرے پاس۔"

"بہتر ہے۔"

"کوئی کام تو نہیں ہے فوری طور پر؟"

"اب نہیں ہے۔"

"بات کرنے کا انداز بتا رہا ہے کہ واسطی صاحب بھی موجود نہیں۔"

"جی ہاں، کچھ دوستوں کے ساتھ کہیں چلے گئے ہیں۔"

"ہم بھی تو دوست ہیں۔"

"جی میں سمجھی نہیں۔"

"مطلب یہ کہ آپ سے ہماری دوستی ہے یا نہیں؟"

"کیوں نہیں۔"

"تو پھر آپ ہمارے ساتھ کہیں چلی جائیے۔"

"فرمائیے کہاں؟"

"کسی بھی پر فضا رومانی مقام پر۔" شہاب نے کہا اور بینا پھر خاموش ہو گئی، شہاب بولا۔

"یہ کمال کی بات ہے، یعنی جب مطلب کی بات پر آتے ہیں تو آپ خاموش ہو جاتی ہیں۔"

"ہوٹل میں آجاؤں؟"

"اللہ آجائیے نا۔" شہاب نے کہا اور بینا کی ہنسی کی آواز سنائی دی، شہاب بولا۔

"آدھے گھنٹے کے اندر اندر آپ کو وہاں پہنچنا ہے۔"

"بہتر ہے پہنچ رہی ہوں۔"

مخصوص ہوٹل کے دروازے پر دونوں کا ٹکراؤ ہوا تھا...... دونوں مسکرا کر ایک دوسرے سے ملے تھے اور پھر اندر داخل ہو گئے تھے...... یہ ان کا خاص اڈہ تھا اور اب یہاں کے ویٹر وغیرہ انہیں پہچاننے لگے تھے...... ان کی مخصوص میز بھی خالی تھی، جہاں وہ پر سکون بیٹھ کر گفتگو کر سکتے تھے...... شہاب نے بینا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"بہت محنت نہ کیا کیجئے، آپ کے چہرے کا رنگ اتر جاتا ہے۔"

"مصنوعی رنگ تو نہیں ہے۔"

"ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے اور سنائیے جس مسئلے کے لئے کورٹ میں اتنا وقت صرف کیا، حل ہو گیا؟"

"جی ہاں، ڈیڈی کی معاونت کرنی پڑی تھی اور مضطرب تھی کہ کہیں آپ کو کوئی کام در پیش نہ ہو، ویسے واقعی آپ کو بھی کریم سوسائٹی کے بارے میں کوئی رپورٹ نہیں ملی؟"

"کوئی خاص رپورٹ ہے؟" شہاب نے سوال کیا۔

"نہیں بس میں یہی پوچھنا چاہتی تھی کہ سائرہ ٹھیک ہے؟"

"میرا خیال ہے اب بہت زیادہ ٹھیک ہو گی۔" شہاب نے کہا اور ویٹر کو اشارے سے آرڈر سرو کر دیا۔ بینا سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی پھر بولی۔

"سبحان طاہر کے سلسلے میں کوئی پیش رفت ہوئی؟"

"زبردست۔" شہاب نے جواب دیا۔

"ویری گڈ، کیا؟"

"سبحان طاہر کو برآمد کر لیا گیا۔"

"اوہ میرے خدا، کیا واقعی۔" بینا خوشی سے اُچھل پڑی۔

"ہاں بینا، اللہ کا شکر ہے کہ ہم نے بروقت اقدام کر کے اس کی زندگی محفوظ کر لی، ورنہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کیا صورت حال در پیش ہوتی لیکن اس کے لئے محنت شدید کرنا پڑی ہے۔"

"پلیز مجھے پوری تفصیل بتائیے۔" بینا نے کہا اور شہاب اسے گلاب جان کا کارنامہ سنانے لگا پھر اس نے کہا۔

"اور جس وقت گلاب جان، شہابو سے معلومات حاصل کرنے کے بعد زنجیر والی کوٹھی سے سبحان طاہر کو برآمد کر کے لا رہا تھا کہ راستے میں پولیس کی گاڑی پر بموں سے حملہ ہوا اور پولیس والوں کو بے ہوش کر کے سبحان طاہر کو دوبارہ اغوا کر لیا گیا۔"

"کیا؟" بینا کا چہرہ اتر گیا۔

"ہاں اور اب وہ کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں ہے۔"

"کیا؟" بینا پھر چونک پڑی پھر بولی۔

"بھئی خدا کے لئے آپ مجھے ذہنی طور پر جھٹکے نہ پہنچائیں۔"

"اس کے جواب میں ایک ایسا دلچسپ فقرہ منہ پر آرہا ہے جسے کہہ دینے کو دل بھی چاہتا ہے لیکن اخلاق و آداب کے منافی ہے۔"

"آپ فقروں کے چکر میں نہ پڑیئے مجھے بتائیے کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"ہاں بینا، جب گلاب جان، سبحان طاہر کو وہاں سے برآمد کر کے واپس چلا تو ڈبل او گینگ کے افراد نے گیس کے بموں سے گاڑی پر حملہ کیا اور سبحان طاہر کو وہاں سے نکال لائے۔"

"او مائی گاڈ، مگر کیوں؟"

"میں اسے محفوظ رکھنا چاہتا تھا، منظر عام پر آنے کے بعد وہ دوبارہ بھی خطرے میں پڑ سکتا تھا۔"

"اوہ اور شہابو کا کیا ہوا؟"

"وہ تھانے میں ہے۔"

"مگر اسے اغوا کیوں نہیں کیا گیا؟"

"یہی سب سے دلچسپ نکتہ ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"میں سیٹھ محمودہ سے ایک چھوٹا سا رابطہ کرنا چاہتا تھا، اگر شہابو اغوا ہو جاتا تو پھر سیٹھ محمودہ میری جانب توجہ نہ دیتی، لیکن شہابو کے سلسلے میں بڑی دلچسپ کشمکش شروع ہو چکی ہے۔"

"پہلے سیٹھ محمودہ والی بات کلیئر کیجئے۔"

"دیکھو نا ساری تفصیل سیٹھ محمودہ کو معلوم ہوتی، شہابو کا میرے پاس رہنا اس بات کی ضمانت ہے کہ سیٹھ محمودہ یا اس کے افراد مجھ سے رابطہ قائم کریں گے اور یہ چاہیں گے کہ اس کیس میں کوئی تبدیلی پیدا کروں، کیونکہ بظاہر کوئی امید نہیں ہے...... شہابو کے ذریعے سجان طاہر برآمد ہوا ہے اور پھر گلاب جان نے شہابو کی ایسی مرمت کی ہے کہ وہ خاصا پھوٹ بھی گیا ہے۔"

"سیٹھ محمودہ کی طرف سے کوئی پیش رفت ہوئی۔"

"جی نہیں بلکہ ہمارے ایس پی صاحب نے مجھے ٹھیک ٹھاک جھاڑ پلائی۔"

"وہ کیسے؟"

"اس لئے کہ وہ شہابو کو اچھی طرح جانتے تھے۔ ایک معزز آدمی کی حیثیت سے تو بہت سے پوائنٹ ہیں، ماربل کلب سے گلاب جان نے جس طرح شہابو کو گرفتار کیا وہاں کے ممبر جو بڑے بڑے لوگ ہیں۔ برا فروختہ ہوں گے۔ ان کی طرف سے کارروائی ہوگی اور پھر ابھی سیٹھ محمودہ کوئی لائحہ عمل ترتیب نہ دے پائی ہوگی۔ ویسے طاہر کا دوبارہ اغوا بھی ان لوگوں کو اُلجھن میں ڈال دے گا اور ہمارے لئے بھی بہت سی راہیں نکل آئیں گی، پہلے تو اس کی برآمدگی کا معاملہ ہوگا۔"

"وہ ہے کہاں؟"

"پہلے تو اسے ہیڈ کوارٹر لے جایا گیا۔ وہاں اس کی مرہم پٹی وغیرہ کی گئی اور اس کے بعد بے ہوشی ہی کے عالم میں اسے کریم سوسائٹی کی کوٹھی منتقل کر دیا گیا اور اب وہ اپنی بیوی کے پاس ہے۔"

"خدا کی پناہ اتفاق ہے کہ میں کوشش کے باوجود سائرہ سے رابطہ نہیں کر سکی...... سائرہ کی تو خوشیوں کا ٹھکانا نہیں ہوگا۔"

"اس کا فیصلہ تم خود کر سکتی ہو۔"

"ہاں یقیناً۔"

"اگر میں اغوا ہو جاتا اور اس کے بعد اچانک تمہارے پہلو میں ملتا، میرا مطلب ہے اس طرح جہاں تم موجود ہوتیں تو تمہاری کیا کیفیت ہوتی؟" بینا ایک بار پھر شرمگیں انداز میں مسکرانے لگی تھی۔

"نہیں بولو بتاؤ، کم از کم تم ان جذبات کا اظہار کر سکتی ہو جو سائرہ کے ہوں گے؟"

"بات آگے کیجئے نا۔"

"کیا مطلب؟"

"اب، اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟"

"بس میں نے ایک رابطہ کیا ہے سیٹھ محمودہ سے، چھیڑ چھاڑ تو رہے گی اور بات یقیناً آگے بڑھے گی، ابھی تو بہت سے راز، رازہائے سربستہ ہیں۔"

"یقیناً، ویسے واقعی کمال کا ذہن پایا ہے آپ نے شہاب صاحب، کس خوبصورتی سے آپ نے ان تمام واقعات کو انوکھے ٹرن دیئے ہیں...... میں تو سوچتی ہوں تو حیران رہ جاتی ہوں...... آپ انتہائی ذہنی وسعتوں پر پہنچے ہوئے ہیں۔"

"ویٹر جو کچھ لے آیا ہے فی الحال اسی پر اکتفا کرو، بعد میں جو کہو گی کھلاؤں گا۔" بینا ہنسنے لگی تھی۔

چائے وغیرہ کا دور چلا اور اس کے بعد بینا نے کہا۔

"کیا خیال ہے کریم سوسائٹی چلیں؟"

"اس انداز میں تو جہنم میں بھی جایا جا سکتا ہے چلئے۔"

"جلدی سے یہ سب کچھ صاف کیجئے پھر چلتے ہیں۔ آہ سائرہ کی تو خوشیوں کا ٹھکانہ نہیں ہوگا۔"

تمام امور سے فراغت حاصل کرنے کے بعد بینا اور شہاب کریم سوسائٹی کی طرف چل پڑے تھے۔

❁

جوہر خان نے آگے بڑھ کر کار کا دروازہ کھولا تو بینا نے جلدی سے کہا۔

"ارے ارے یہ آپ کیا کر رہے ہیں جوہر خان صاحب؟"

"جی...... کیا ہو گیا خیریت؟" جوہر خان نے تعجب سے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ نے کار کا دروازہ کیوں کھولا؟"

"کیوں بی بی آپ نیچے نہیں اتریں گی؟"

"جوہر خان صاحب آپ شرمندہ کر رہے ہیں...... یعنی میرے نیچے اترنے کے لئے آپ کار کا دروازہ کھول رہے ہیں؟"

"تو اس میں ایسی کون سی خاص بات ہو گئی؟"

"خاص بات ہے جوہر خان صاحب!" شہاب نے دوسری جانب سے اترتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں سمجھا صاحب؟"

"بھائی آپ ہمارے محترم ہیں، بڑے بھائی ہیں میرے آپ، آپ شرمندہ کر رہے ہیں مجھے۔"

"ارے نہیں شہاب صاحب، بس دل میں جذبات اُبھر آتے ہیں آپ کے لئے زندگی بدلی ہے آپ نے میری، زندگی کا مزہ دے دیا ہے، سچ کہہ رہا ہوں بے وقت کی ہے لیکن الا اپنے پر مجبور ہوں، ایک زندگی کا رُخ وہ تھا جسے گزارتے ہوئے دل کو کبھی نہیں ملا تھا، زندگی تو گزر ہی رہی تھی صاحب لیکن اندر کی خوشی نہیں ملتی تھی...... بس سب کچھ ٹھیک تھا لیکن اندر کا حال خراب تھا اور مزا نہیں آتا تھا جینے کا، اب تو جینے کا کچھ اور ہے، خاموشی، تنہائی، سکون، اللہ کی یاد، گناہوں کی توبہ...... زندگی ایسے سکون سے گزر رہی ہے کہ کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔"

"اصل میں بات کچھ اور تھی جوہر خان صاحب۔" شہاب نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا؟" جوہر خان بولا۔

"آپ نے صحیح راستہ نہیں پایا تھا اس وقت آپ کے اندر ایک اچھا انسان بسا ہوا تھا جو برائی کی جانب راغب نہیں ہوتا تھا لیکن بدقسمتی سے آپ کو غلط لوگوں کا ساتھ مل گیا تھا جنہوں نے آپ کے راستے زبردستی بدل دیئے تھے۔ خیر چھوڑیئے ان جذباتی باتوں کو آپ اس بات پر یقین کر لیجئے کہ آپ اس عمارت کے مالک ہیں بڑے بھائی کی حیثیت رکھتے ہیں میرے لئے، کبھی اپنے آپ کو کسی بھی شکل میں ملازمانہ محسوس کریں اور یہ سب کچھ جو آپ نے ابھی کیا ہے اس کے بعد نہ کریں میں آپ کو قسم دیتا ہوں۔" جوہر خان ہنسنے لگا، پھر بولا۔

"میں نے کہا نا یہ تو اندر کا پیار ہے، بینا بی بی بھی مجھے بہت اچھی لگتی ہے، بہت اچھے لوگ ہو تم دونوں، بس دل میں پیار امنڈ آتا ہے، جی تو چاہتا ہے سر پہ ہاتھ پھیروں، سینے سے لگاؤں لیکن بہرحال احترام بھی مانع ہے۔"

شہاب نے مسکراتے ہوئے جوہر خان سے معانقہ کیا اور بولا۔

"بڑے بھائیوں کا حق کوئی نہیں چھین سکتا چھوڑیئے ان جذباتی باتوں کو، یہ بتایئے ہمارے مہمانوں کا کیا حال ہے۔"

"ٹھیک ہے...... ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے خیریت معلوم کی ہے، میاں بیوی بچے سب خوش ہیں۔"

"گڈ" شہاب نے کہا اور بینا کو اشارہ کر کے اندر کی جانب چل پڑا۔ سامنے والی راہداری میں ہی سائرہ نظر آ گئی، کسی کام سے نکلی تھی، ان دونوں کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے ساکت ہوئی، پھر پلٹ کر واپس بھاگی چیختی ہوئی۔

"سجان، شہاب بھائی آئے ہیں، سجان شہاب اور بینا آئے ہیں۔" شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، بینا بھی مسکرا اُٹھی تھی، یہ سائرہ کی معصومیت تھی۔ بہرحال دونوں اندر داخل ہو گئے اور آگے بڑھ کر اس کمرے کے سامنے پہنچ گئے جس میں سجان مقیم تھا، برابر والا کمرہ بینا کے لئے تھا...... دروازے پر کھڑے ہو کر شہاب نے پوچھا۔

"بھئی ہم اندر آ سکتے ہیں؟"

"آیئے آیئے آپ اجازت لے رہے ہیں۔" اندر سے سائرہ کی آواز اُبھری اور شہاب اور بینا اندر داخل ہو گئے...... سجان بستر پر کمر لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ شہاب کو دیکھ کر جلدی سے

تھوڑا سا کھسکا اور نیچے اتر آیا۔

"ارے ارے لیٹے رہو، سبحان لیٹے رہو، تمہیں اتنی تیزی سے ابھی موومنٹ نہ کرنا چاہئے۔"

"موومنٹ میں سستی ہی تو مصیبت بن جاتی ہے شہاب صاحب۔" سبحان نے کہا اور اٹھ کر ہاتھ آگے بڑھا دیا...... شہاب نے جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"یہ بتاؤ کیسی طبیعت ہے؟"

"بہت اچھی، اتنی اچھی کہ شاید زندگی میں کبھی نہ رہی ہو، جانتے ہو کیوں؟" سبحان بے باکی سے بولا۔

"نہیں جانتا۔"

"انسان کی شکل دیکھی ہے بہت عرصے کے بعد اس ویران جزیرے میں انسان نظر آئے ہیں ورنہ یقین کرو انسان کی شکل دیکھنے کو ترس گئے تھے...... چاروں طرف ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا جس میں شارک مچھلیاں غوطے لگا رہی تھیں اور ہم تھوڑی سی خشکی پر کھڑے ہوئے انہیں دیکھ رہے تھے ان سے خوفزدہ ہو رہے تھے، ان سے جان بچانے کے لئے سرگرداں تھے...... پھر انسانوں کی شکل نظر آئی تو خوشی کیوں نہ ہوتی۔"

"بیٹھو، بیٹھ جاؤ، تم واقعی ایک پرجوش صحافی ہو۔" شہاب نے ہنستے ہوئے کہا اور سبحان مسکراتا ہوا بستر پر بیٹھ گیا...... بینا سائرہ کے ساتھ بیٹھ گئی تھی اور شہاب بھی سامنے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ سبحان نے کہا۔

"سر بے تکلفی میں بہت سی باتیں کہہ گیا ہوں، کیا کروں کہ کم بخت فطرت میں تھوڑا سا جنون ہے غالباً میں اب نارمل ہوں، تھوڑی سی دیوانگی ہے میرے اندر، بے تکا بول رہا ہوں لیکن سر میں آپ کو جانتا ہوں، آپ یقین کیجئے کہ آپ کا نام سننے کے بعد ذہن سے ایک لہر سرسراتی ہوئی گزر گئی تھی، لیکن بلاوجہ تکے نہیں مارتا اس لئے سائرہ سے کچھ نہیں کہا البتہ اب آپ کو دیکھنے کے بعد پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ آپ کو جانتا ہوں۔"

"گڈ، ویسے ایک صحافی کو پولیس والے کو جاننا چاہئے۔"

"یہ الگ بات ہے، اتفاق سے صحافی کی حیثیت سے میں کبھی آپ کے تھانے میں نہیں پہنچا اور آپ سے میں نے کوئی رپورٹ بھی نہیں لی، لیکن ایک تھانے دار کی حیثیت سے

نہیں، میں آپ کو ایک اور حیثیت سے جانتا ہوں۔"

"وہ بھی بتا دیجئے سبحان صاحب۔"

"سر بڑی سہمی ہوئی آواز میں پوچھ رہا ہوں کہ کیا آپ ثاقب حسین صاحب کے صاحب زادے ہیں۔"

شہاب نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور آہستہ سے بولا۔

"ہاں وہ میرے والد تھے۔"

سبحان نے ایک لمحے کے لئے آنکھیں بند کر لیں اور عجیب سے تاثر میں ڈوبا رہا...... پھر آنکھیں کھول کر گمبھیر لہجے میں بولا۔

"آپ جانتے ہیں وہ کون تھے؟"

"بھئی قسم کھا رہا ہوں کہ وہ میرے والد تھے۔" شہاب نے ظریفانہ لہجے میں کہا۔ بینا اور سائرہ ہنس پڑی تھیں، لیکن سبحان کے چہرے پر سنجیدگی ہی طاری رہی اس نے کہا۔

"وہ ہمارے سربراہ تھے، ہمارے لئے مشعل راہ تھے، ہم چند سرپھروں کا ٹولہ ہے جو انہیں اپنا مرشد سمجھتا ہے اور ہم ان کے نقش قدم پر آج تک چل رہے ہیں، سر کیا آپ یقین کریں گے کہ میں اس میں ایک لفظ غلط نہیں کہہ رہا...... ہم باقاعدہ ان کی یاد مناتے ہیں اور اس میں صرف چند افراد شامل ہیں...... بہرحال جو کچھ آپ نے کیا وہ صرف آپ ہی کر سکتے تھے، لیکن سر حقیقت حال کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔"

"حقیقت حال پر گفتگو کرنے کے لئے ہی تو ہم دونوں اس وقت یہاں آئے ہیں، بینا سے ملئے مسٹر سبحان، عدنان واسطی صاحب کی صاحبزادی ہیں، پیشے کے وکیل ہیں میرے ساتھ ایسے معاملات میں تعاون کرتی ہیں جن میں ان کے تعاون کی ضرورت ہو اور میں انہیں اپنا دست راست سمجھتا ہوں۔

"خدا آپ لوگوں کی عمر دراز کرے، مجھے میرے بچوں کی صورت دکھا کر آپ نے جو نیک کام کیا ہے اس کا صلہ میری دعا ہے کہ آپ کو ایسی شکل میں ملے کہ بس آگے زبان خاموشی ہی مناسب سمجھتی ہے۔"

"یہ بتائیے آپ کے زخم کیسے ہیں؟"

"میری آرزو ہے شہاب صاحب کہ ان زخموں کے نشانات میرے بدن سے کبھی نہ

مٹیں...... آپ یقین کیجئے میں توان زخموں کی تکلیف بھی دائمی کرنا چاہتا ہوں۔ یہ
اذیت مجھے میرے کام میں آگے بڑھانے میں معاون ثابت ہوگی، کیونکہ ان زخموں
پس منظر ہے، شہاب صاحب جن زخموں کا کوئی پس منظر نہ ہو۔ وہ بے شک خراب
ہیں، لیکن جن زخموں کے پیچھے کہانیاں ہوں اور ایسی کہانیاں جن کا دلی جذبات سے
ہو تو پھر ان زخموں کو کبھی ٹھیک نہیں ہونا چاہئے۔'' شہاب مسکراتا رہا۔ سبحان کے بارے
جو کچھ سنا تھا ویسا ہی نظر آرہا تھا...... سبحان نے کہا۔

''جتنا آپ میرے بارے میں جاننا چاہتے ہیں اتنی ہی خواہش میرے دل میں
میں کم از کم اس سلسلے میں آپ کی کارکردگی کی تفصیل معلوم کروں۔''

''بھئی میری کارکردگی اس سلسلے میں کوئی خاص نہیں ہے، بس یوں سمجھو کہ
تھانے آئیں، انہوں نے رپورٹ درج کرائی اور میں باعمل ہو گیا جو ذمہ داری میری تھی
اسے پورا کرنے کی کوشش میں مصروف ہوں۔''

''کسر نفسی سے کام لے رہے ہیں شہاب صاحب ورنہ ہم بھی اسی دشت کے سیاح
بہت کچھ جانتے ہیں، بس کہنا نہیں چاہتے، جس بات کو سب جانتے ہوں اس کے بارے
کہنا بلاوجہ اپنی ہمہ دانی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔''

شہاب ہنسنے لگا...... پھر بولا۔ ''بہر حال اس کے بعد ہم نے فرقانی صاحب سے رابطہ
ابتدائی کارروائی یہی ہو سکتی تھی...... فرقانی صاحب نے بے اعتنائی سے کام لیا اور اپنے
میں اس مسئلے کو کوئی اہمیت نہیں دی۔''

''ان کا قصور نہیں ہے...... ان کا قصور نہیں ہے، وہ چھوٹے چھوٹے بچوں کے
ہیں، جوان بیٹیاں ہیں ان کی...... ان کی اپنی مجبوریاں ہیں جناب، ورنہ وہ اتنے برے
نہیں ہیں۔''

''ہاں بالکل ٹھیک کہتے ہیں آپ سبحان، بہر حال رات کو فرقانی صاحب میرے
میرے گھر پہنچے اور انہوں نے شہابو کی نشاندہی کی۔''

''کیا واقعی؟'' سبحان اُچھل پڑا۔

''ہاں بالکل ایسا ہی ہوا ہے، آپ کو تعجب ہوا یہ سب سن کر۔''

''نہیں بالکل نہیں، مجھے تو یہ حیرت تھی کہ باقی ساری باتیں اپنی جگہ، فرقانی صاحب

بعد میں بھی اس سلسلے میں کوئی کارروائی نہیں کی، حالانکہ مجھے ان پر بہت یقین تھا۔''

''پھر فرقانی صاحب نے مجھے کچھ تصاویر دی ہیں اور یہ بتایا ہے کہ تم کس اہم پروجیکٹ
پر کام کر رہے تھے اور کچھ ایسی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے جو کچھ لوگوں
کے لئے نقصان دہ ہو سکتی ہیں اس سلسلے میں انہوں نے سیٹھ محمودہ اور شہابو کا نام بھی لیا اور
شہابو کے بارے میں تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ وہ ماربل کلب میں مل سکتا ہے۔''

سبحان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے وہ آہستہ سے بولا۔

''تصویریں آپ کے پاس پہنچ چکی ہیں؟''

''ہاں......'' چند لمحات خاموش رہنے کے بعد وہ کہنے لگا۔

''لیکن آپ نے اتنی برق رفتاری سے شہابو پر ہاتھ بھی ڈال دیا؟''

''ضروری تھا سبحان، مجھے یہ خوف تھا کہ یہ لوگ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا دیں۔''

''آپ نے اسے ماربل کلب سے گرفتار کیا؟''

''میرا اسسٹنٹ گلاب جان ایک شاندار آدمی ہے، ماربل کلب سے شہابو کو گردن سے
پکڑ کر ٹھوکریں مارتا ہوا باہر لایا تھا اور اس کے بعد اس نے شہابو کی جو حالت بنا دی تھی وہ شاید
تمہاری حالت سے مختلف نہیں تھی۔''

''آہ، کیا کارنامہ سر انجام دیا ہے بخدا بعد میں جو کچھ بھی ہو وہ اپنی جگہ، لیکن شہابو ناک
پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتا تھا، اگر ایسا ہوا ہے تو یہ میرے لئے منافع ہی منافع ہے۔'' سبحان واقعی
دیوانہ قسم کا آدمی تھا...... اسے اس بات کی پروا نہیں تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہوا بلکہ وہ اس
بات پر خوش تھا کہ شہابو کو اس طرح کلب سے لایا گیا...... شہاب نے سلسلہ گفتگو جوڑتے
ہوئے کہا۔

''مجھے اندازہ تھا سبحان کہ تمہاری زبان کھلوانے کے لئے وہ لوگ سائرہ یا بچوں کو بھی
نقصان پہنچا سکتے ہیں، چنانچہ میں نے انہیں گھر سے یہاں منتقل کر دیا۔''

''بخدا میرے دل میں بھی یہی احساس تھا، وہ کمبخت مجھ پر تشدد کر رہے تھے ان کے
فرشتے بھی مجھ سے کچھ نہ اُگلوا سکتے تھے، لیکن میرے دل میں یہ چور تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ
لوگ سائرہ اور بچوں کے ذریعے مجھے مجبور کرنے کی کوشش کریں، میرے لئے یہ سب سے
مشکل پہلو تھا...... خیر شہاب صاحب یہ کام آپ ہی کر سکتے تھے، ورنہ معاف کیجئے گا کون کسی

کی مشکل میں ساتھ دیتا ہے، لیکن یہاں تو جذبے خون سے منتقل ہوئے ہیں...... بھلا ان کو کون قتل کر سکتا تھا؟"

"سبحان، اصل مسئلہ کیا تھا؟"

"سر، وہ بھی بتاتا ہوں لیکن ایک درخواست میری بھی ہے، اسے صرف [illegible] کارروائی نہ سمجھئے۔"

"ہاں کہو۔"

"سر احتیاط رکھئے گا، بات بہت آگے کی ہے، آپ کو خود بھی محتاط رہنا ہوگا، سمجھ رہے ہیں نا آپ۔"

"ہاں اندازہ ہے مجھے، اب یہ بتاؤ کہ پورا قصہ کیا ہے؟"

"سر، ایک سیدھی سیدھی سی بات ہے، یہ وطن، یہ سرزمین کسی ایک شخص کی ملکیت تو نہیں ہے، کوئی کسی حیثیت کا مالک ہوتا ہے کوئی کسی حیثیت کا، اگر ہم سے پوچھا جائے ہماری قومیت، ہمارا وطن کون سا ہے تو کیا بتائیں گے، سر ہم وہی سب کچھ کہیں گے دوسرے بڑے لوگ کہتے ہیں، پھر سر آپ یہ بتائیے کہ پورے وطن پر ان کی اجارہ داری کیوں ہے، وطن کی بہتری کے لئے کام کریں، ہم ان کے گن گائیں گے، سپاس نامے پڑھیں گے ان کے لئے، ان پر شاعری کریں گے، مضمون لکھیں گے، لیکن سرحدوں پر سینہ تانے ہمارے جوان جو ہمیشہ گولیوں کی زد پر رہتے ہیں اس وطن کی حفاظت کے لئے سرگرداں ہیں اور وطن کے اندر جو دشمن وطن کی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں وہ اپنے کاموں میں مصروف ہیں، سر، کس کس کے ساتھ ناانصافی نہیں ہو رہی، آپ بتائیے سر، سرحد پار کے دشمنوں پر تو نظر رکھی جا سکتی ہے ان کے خلاف ہماری بندوقیں تنی ہوئی ہیں، لیکن سرحد کے اندر کے دشمن سر، یہ تو اس سے بھی زیادہ خطرناک لوگ ہیں...... انہیں کیوں آزادی دی گئی ہے، یہ کیوں وطن کی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں، وہ تصویریں کہاں ہیں سر، آپ مجھے دے سکتے ہیں وہ تصویریں۔"

"ہاں میرے پاس ہیں۔" شہاب نے کہا اور اپنے لباس کے اندرونی حصے سے وہ [illegible] نکال کر سامنے رکھ دیا...... سبحان نے پرجوش انداز میں ایک تصویر لے کر کہا۔

"دیکھئے اسے دیکھئے، یہ نوبل ہاؤس ہے، نوبل ہاؤس، سر! ذرا اسے اندر سے دیکھئے [illegible]

آپ تہہ خانوں میں منشیات کے انبار نظر آئیں گے، دنیا بھر کی تمام منشیات اس کے اندر پوشیدہ ہیں اور کوئی اس کا مالک ہے سر، آپ بتا سکتے ہیں کہ منشیات کے یہ ذخائر کیوں جمع کئے گئے ہیں۔ کہاں سے آئے ہیں، ان کا مصرف کیا ہے، میرے وطن کے نوجوان جنہیں سرحدوں پر بھی اپنی ذمے داریاں سنبھالنی ہیں، ملک کے اندرونی حصے میں ہر شعبے میں ہمیں ان کے طاقتور وجود کی ضرورت ہے، سر یہ منشیات ان سے ان کی قوتیں چھین رہی ہیں، ان کا عزم ان کا وقار چھین رہی ہیں، یہ بڑے سائنٹفک انداز میں فروخت ہوتی ہیں ان سے سرمایہ حاصل کیا جاتا ہے اور غیر ملکوں میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ منشیات کے سوداگر اپنے خاندانوں کو محفوظ کر چکے ہیں، لیکن سر ان خاندانوں کا کیا ہوگا جو ان منشیات کا شکار ہو کر بے کسی اور بے بسی کے عالم میں اسی زمین پر زندگی گزار رہے ہیں اور گزاریں گے...... سر، آپ مجھے بتائیے، یہ جگہ محفوظ کیوں ہے اس کی سرپرستی کون کر رہا ہے۔ سر، یہ دیکھئے، یہ دیکھئے ادھر یہ ڈریم پیلس ہے، خوابوں کا محل، آپ ذرا ان میں اندر جا کر دیکھئے، یہاں جو کچھ ہو رہا ہے سر آپ کی آنکھیں برداشت نہیں کر سکیں گی، یہ بھی ایک بہت بڑی شخصیت کی سربراہی میں چل رہا ہے، کیوں آخر کیوں کیا اس میں سرحد پار کے لوگ آتے ہیں، ہمارے دشمن یہاں عیش و عشرت کی زندگی گزارتے ہیں...... انہیں نقصان پہنچ رہا ہے یا اندر کے لوگوں کو، یہ کیوں قائم ہے سر، آپ ذرا اس کے پس منظر میں تو جائیے، ذرا دیکھئے تو سہی کہ اس میں کیا کیا ہو رہا ہے اور سر اسے دیکھئے یہ کبانہ کاٹیج ہے...... سر، اس میں زیر زمین تہ خانے اسمگل کی ہوئی ان اشیاء سے بھرے ہوئے ہیں جن کی ملک میں قلت پیدا کی جاتی ہے اور اس کے بعد انہیں آہستہ آہستہ نکال کر انتہائی مہنگے داموں فروخت کیا جاتا ہے۔ مجبور لوگ انہیں خریدنے کے لئے مجبور ہوتے ہیں، میں کہتا ہوں سر، یہ جرم ہے تو ختم کیوں نہیں کیا جاتا...... مجھے آپ جواب دیجئے اس کی سرپرستی کیوں کی جاتی ہے...... سر! عوامی سرمائے سے ملک میں بے شمار ادارے قائم ہیں جن کی ذمے داری یہ ہے کہ ملک سے برائیوں کا خاتمہ کریں...... عوام سے ٹیکس تو لیئے جاتے ہیں، عوام سے ہر طرح کی امداد تو لی جاتی ہے، لیکن وہ امداد عوام ہی کے خلاف کیوں استعمال ہو رہی ہے، یہ ادارے پابہ زنجیر کیوں کر دیئے گئے ہیں...... سر! میں انہی کی چھان بین کر رہا ہوں اور ان کے بارے میں تفصیلی رپورٹ شائع کرنا چاہتا ہوں...... سر! ان لوگوں کو میری کارروائیوں کی بھنک مل گئی۔ میں کیا اور میری اوقات کیا، انہوں نے ایک پتنگے کو ختم کرنے کا

فیصلہ کر لیا...... مجھے اٹھا لیا گیا...... وہ لوگ مجھ سے یہ معلوم کر رہے تھے کہ میں کیا کیا کارروائی کر رہا ہوں، یہ تصویریں کہاں ہیں جو میں نے حاصل کی ہیں، مجھے کیا کیا رپورٹیں مل چکی ہیں، بس اتنی سی بات ہے۔"

"لیکن سبحان تم یہ رپورٹیں کیسے شائع کرتے، کیسے یہ سب کچھ ہوتا سبحان، تمہارا اخبار تو یہ سب کچھ نہیں کرتا۔"

"سر! ایک اخبار آپ کی نگاہوں سے اُوجھل ہے اور اسے اُوجھل ہونا چاہئے، کیونکہ وہ چھپتا ہی بہت کم ہے، اختر عادل اس کا مالک ہے، ہم سرپھروں میں سے ایک وہ ہم سب سے زیادہ سرپھرا ہے، اخبار نکالتا ہے، معافیاں مانگ کر جیل سے باہر آ جاتا ہے اور اس کے بعد تھوڑے دن کے لئے بیوی بچوں کے کھانے پینے کا انتظام کرتا ہے اور پھر دوبارہ کسی مسئلے پر لکھ کر واپس جیل چلا جاتا ہے، سر ہم سب یہی تفصیل جمع کر رہے تھے...... آپ یہ نہ سمجھیں کہ وہ لوگ خاموش بیٹھے ہوئے ہوں گے، وہ میرے لئے کارروائی کر رہے ہوں گے، لیکن سر ان کے وسائل محدود ہیں۔"

"کون سا اخبار ہے؟" شہاب نے پوچھا اور سبحان نے مسکراتے ہوئے اخبار کا نام بتا دیا۔

"اتفاق ہے نظر سے نہیں گزرا۔"

"سر! بے چارہ اختر عادل بڑی ترکیب سے کام لیتا ہے، وہ بات کو بیلنس کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے، کبھی کسی کے بارے میں تعریف و توصیف کے انبار لگا دیئے، اس کی محبت حاصل کی، تھوڑے دن کے لئے بحال ہوا اور پھر کچھ نہ کچھ لکھ کر دوبارہ غائب ہو گیا...... بہت مارپیٹ ہوئی ہے اس کے ساتھ، لیکن سر، سرپھرا ہے، وہی یہ کام کرتا ہے۔"

"ہوں، صبح کا اخبار ہے؟"

"جی سر۔"

"تو باقی تمام باتوں سے پہلے تم ٹیلی فون پر اختر عادل سے رابطہ قائم کرو، باقی تفصیل میں تم سے بعد میں معلوم کروں گا، بلکہ رکو، تھوڑا سا رُک جاؤ...... ویسے کیا تم اختر عادل سے رابطہ قائم کر سکتے ہو۔"

"جی سر یقیناً۔"

"کیا تو نہیں ہے؟"

"نہیں سر بالکل نہیں...... اول تو ابھی ذرا میرے زخموں میں تھوڑی سی تکلیف ہے، بڑے دوڑ کے لئے کچھ گھنٹوں کا توقف چاہتا ہوں اس لئے بھی نہیں کیا سر اور پھر کسی کی عزت کا معاملہ بھی تھا مجھ سے پوچھا جاتا میں کہاں ہوں اور کیسے یہاں تک پہنچا تو کیا جواب دیتا۔"

"گڈ، اچھا کیا تم نے، ہاں اب ذرا مجھے یہ بتاؤ شہابو کا مسئلہ تو حل ہوا یا نہیں ہوا، یہ سیٹھ محمود وہ کون ہے؟" سبحان طاہر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے آہستہ سے کہا۔

"کچھ نہیں ہے سر، بالکل کچھ بھی نہیں ہے، یوں سمجھ لیجئے کچھ بڑوں کی لے پالک ہے، انہوں نے اسے رابطے کا ذریعہ بنا رکھا ہے، وہ ایک ٹرانسمیٹر ہے، کمپیوٹر ہے جس میں بہت بڑے بڑے لوگوں نے اپنے معاملات فیڈ کر دیئے ہیں اور اس کا نشریاتی نظام عمل کرتا رہتا ہے...... بڑے بڑے لوگ اسے اپنے درمیان رابطے کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں، وہ سب اسے پال رہے ہیں سر اور بس، اتنی سی بات ہے، آپ خود سمجھتے ہیں کہ ایسے لے پالک کیا حیثیت رکھتے ہیں، بس سر! صرف یہ بات ہے۔"

"ہوں، اس کے اختیارات تو بہت وسیع ہوں گے؟"

"سر، ہونے چاہئیں، اس کے اختیارات وسیع نہ ہوں گے تو کیا ہمارے اور آپ کے ہوں گے۔ سر، ایک بات تو بتایئے آپ؟"

"ہاں پوچھو۔"

"شہابو کہاں ہے؟"

"تھانے میں بند ہے۔"

"ابھی تک اس کی رہائی کے لئے کوئی کوشش نہیں ہوئی۔"

"ابھی تک براہ راست کسی نے مجھ سے رابطہ قائم نہیں کیا۔"

"سر! اوپر سے کارروائی ہوگی اوپر سے، آپ اطمینان رکھئے۔ آپ اسے زیادہ عرصے قید میں نہیں رکھ سکیں گے اور سر، ایک بات اور بتایئے آپ؟"

"ہاں پوچھو۔"

"یہ سب ہوا کیا تھا، پہلے تو مجھے پولیس نے وہاں سے رہا کرایا اور اس کے بعد پولیس پر حملہ کیا گیا، سر پھر میں نے اپنے آپ کو یہاں دیکھا...... آپ ہی کے تھانے سے وہ سب انسپکٹر پہنچا تھا جس نے وہاں چھاپہ مار کر ہمیں بازیاب کیا تھا؟"

"ہاں۔"

"پولیس پر حملہ کرنے والا کون تھا؟"

"اصل میں سبحان تم پر بہت زیادہ اعتماد کر رہا ہوں میں، میں نے خود ہی اپنے آدمیوں کے ذریعے تمہیں پولیس سے حاصل کیا تھا اور بات صرف یہی تھی کہ اگر تمہاری تلاش ہو تو تمہیں تھانے سے نہ حاصل کیا جائے اور وہ لوگ اس تذبذب کا شکار رہیں کہ تمہیں اغوا کرنے والے کون ہو سکتے ہیں، باقی رہا شہابو کا معاملہ تو اسے جان بوجھ کر میں نے اپنے تھانے میں رکھا ہے تاکہ سیٹھ محمودہ سے میرا رابطہ ہو سکے۔" سبحان طاہر کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت پھیل گئی اور اس نے ہاتھ پر ہاتھ مارا...... تکلیف سے کراہتا ہوا بولا۔

"زندہ باد، کچھ ہو جائے گا، سائرہ لکھ لو میری بات، قلم لاؤ اور لکھ لو، ہو جائے گا کچھ مقابلے کی لگتی ہے، آئی ایم سوری شہاب صاحب۔"

"اچھا تم ایک کام کرو، میں ایک رپورٹ تیار کرتا ہوں بیٹا، کاغذ قلم کا انتظام کرو، یہ سبحان یہ رپورٹ شائع ہو سکتی ہے؟"

"بالکل ہو سکتی ہے سر!"

"اس واقعے کی اطلاع کسی اخبار نے نہیں چھاپی، دوپہر کے اخبارات بھی خاموش ہیں اس کا مطلب ہے کہ اسے خاص طور سے محفوظ کیا گیا ہے، سبحان یہ خبر چھپنی چاہئے۔"

"معمولی سی بات ہے سر، آپ رپورٹ تیار کریں چھپ جائے گی۔"

"ویری گڈ، کل صبح ہی آسکے گی۔"

"جی سر! پورا اخبار اس سے بھرا ہوا ہوگا، میں وعدہ کرتا ہوں آپ سے۔"

"ٹھیک ہے۔" بینا پیڈ اور قلم لے آئی اور اس کے بعد شہاب ایک رپورٹ لکھنے لگا جس میں اس نے بے باک صحافی سبحان طاہر کے اغوا کی کہانی، ماربل کلب سے شہاب الدین عرف شہابو نامی ایک شخص کی گرفتاری، اس کا انکشاف اور پھر ایک عمارت سے سبحان طاہر کی برآمدگی اور اس کے بعد راستے میں اس کے اغوا کی وہ مکمل تفصیل ایسے موثر انداز میں لکھی کہ بعد میں اسے پڑھنے کے بعد سبحان نے کہا۔

"ونڈر فل، شہاب صاحب ویری گڈ، بخدا آپ کے اندر اگر صحافت کے جراثیم ہوتے تو ثاقب صاحب پر حرف آتا، کتنی خوبصورت رپورٹ تیار کی ہے۔ اب ذرا اسے

دے دیجئے اور ٹیلی فون آہ......" اس نے پھر کراہتے ہوئے کہا۔ "بڑا مستانہ انسان تھا، شہاب کو بے حد پسند آیا تھا اور اس کے ذہن میں ایک ہلکی سی گڑبڑ ہو رہی تھی لیکن بہرحال ابھی اس نے اپنے آپ پر قابو پائے رکھا۔"

ٹیلی فون پر نمبر ڈائل کئے گئے اور سبحان نے ریسیور کان سے لگالیا...... پھر بولا۔ "کون، زلفی صاحب بول رہے ہیں...... ہاں بھیا، پورے زندہ ہیں، ذرا عادل اختر کو دو...... ہاں دو، یار باقی باتیں بعد میں، ہاں جلدی دو!" اس نے کچھ لمحے انتظار کیا پھر بولا۔

"عادل۔"

"کون سبحان، واقعی یہ تم بول رہے ہو۔"

"ہاں، ہم ہی بول رہے ہیں۔"

"مگر فرقانی صاحب نے تو کچھ اور ہی خبر دی ہے۔"

"کیا؟"

"تم اغوا ہو گئے ہو۔"

"کب خبر دی ہے۔"

"ابھی...... اتفاق سے تمہیں فون کیا تھا اور اب تمہارے گھر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔"

"بھول کر بھی ادھر کا رخ نہ کرنا۔"

"کیوں۔"

"بھیڑیئے نگرانی کر رہے ہوں گے۔"

"بھابی اور بچے کہاں ہیں؟"

"اللہ کے فضل سے خیریت سے ہیں۔"

"تم کہاں سے بول رہے ہو؟"

"اغوا ہونے کے بعد بازیابی ہوئی، بازیابی کی جگہ سے بول رہا ہوں، میرا مطلب ہے اس جگہ جہاں اب پناہ گزین ہوں۔"

"قصہ کیا تھا؟"

"قصہ سیٹھ محمودہ تھا۔"

"اوہ اڑ گئے تھے؟"

"ہاں۔"

"کچھ ہاتھ لگا؟"

"بہت کچھ۔"

"زندہ باد مگر اکیلے اکیلے؟"

"یار کام شروع کرنا تھا، وہ لوگ ذرا تیزی دکھا گئے۔"

"پورا واقعہ بتاؤ۔"

"اغوا کر لیا تھا بھیا گھر سے بلا کر اور وہ مار لگائی کہ چھٹی کے ساتھ ساتھ باقی سارا دودھ بھی یاد آ گیا جو پیا تھا۔"

"مذاق کر رہے ہو۔"

"یہ بھی کوئی مذاق کی بات ہے۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"بس پولیس نے برآمد کر لیا۔"

"پولیس کو کیسے خبر ملی؟"

"تمہاری بھابی نے رپورٹ درج کرائی تھی۔"

"اس لئے کہتا تھا کہ یار تھوڑے سے تعلقات بڑھاؤ، ہم غیر شادی شدہ سہی مگر دیور تو تھے اپنی بھابی کے۔"

"باہر کی باتیں گھر نہیں لانا چاہتا تھا، بس اسی کا شکار ہو گیا۔"

"تو پھر کیا ہوا؟"

"پولیس نے ریڈ کیا، برآمد کیا اور پھر اغوا ہو گیا۔" سبحان نے کہا۔

"سبحان کہاں ہو تم، میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"ناممکن بلکہ ڈبل ناممکن۔"

"کیوں؟"

"کہاں یار، چھپا ہوا ہوں اور یقیناً پورے شہر میں بھیڑیئے میری بو سونگھتے پھر رہے ہوں گے، اب یہ سمجھ لو تم پر بہت سی باتوں کا انحصار ہے۔"

"مجھے بتاؤ کیا کرنا ہے؟"

"میرے اغوا کی رپورٹ کسی اخبار میں نہیں چھپی، اس رپورٹ کے ساتھ ساتھ تھوڑی سی کہانی اور بھی ہے...... ذرا کاغذ قلم نکال کر رکھ لو...... یوں سمجھ لو اس وقت اس کی چلتی ہی ہماری کامیابی کی ضمانت ہے ورنہ اخبار تو چھاپیں گے نہیں اور سیٹھ محمودہ باقی ساری باتوں کو دبا لے گی۔"

"ایک منٹ......" عادل اختر نے کہا اور اس کے بعد بولا۔

"ہاں پھر؟"

اور سبحان طاہر نے شہاب کی ترتیب دی ہوئی ساری رپورٹ عادل اختر کو دہرا دی اور وہ خاموشی سے لکھتا رہا...... تفصیلی رپورٹ دینے کے بعد اس نے کہا۔

"شہابو پر ہاتھ ڈال دیا گیا ہے۔"

"اس کی خبر تو آنی ضروری ہے، ورنہ اگر سیٹھ محمودہ اس سے پہلے کام دکھا گئی تو بڑی گڑبڑ ہو جائے گی۔"

"ضمیمہ چھاپے دیتا ہوں تم فکر ہی مت کرو۔"

"ضمیمہ چھاپو گے مگر کب؟"

"اب سے چار گھنٹے کے اندر تم بازار سے منگوا لینا۔"

عادل اختر نے کہا۔

"تھینک یو بھیا تھینک یو، بس یار جنگ شروع ہو گئی ہے اور ایک کمانڈر بھی مل گیا ہے، میرا خیال ہے بہت اچھا کام بنے گا۔"

"ٹھیک ہے، تھانہ کون سا بتایا؟" عادل اختر نے کہا اور شہاب نے زیر لب تھانے کا نام بتایا اور سبحان طاہر نے اسے بتا دیا۔

"بس ٹھیک ہے، ویسے وہاں کے انچارج سے بھی مل لوں گا۔ یار کوئی توپ چیز معلوم ہوتی ہے، شہابو ابھی تک بند ہے؟"

"ہاں۔"

"ویری گڈ، ویری گڈ، بہت بڑا ہاتھی پکڑا ہے، چلو ٹھیک ہے، اب یہ بتاؤ کہ تم سے دوبارہ بات چیت کب ہو گی؟"

"خود ہی ٹیلی فون کروں گا۔ تم پریشان مت ہونا، محفوظ جگہ ہوں، سائرہ اور بچے بھی

میرے پاس ہی ہیں اور باقی سب خیریت ہے۔"

"او کے فون بند کر دو۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور سبحان طاہر نے فون بند کر دیا۔ شہاب دوسری طرف کی گفتگو تو نہیں سن پا رہا تھا، لیکن اس گفتگو سے اس نے دوسری طرف کی پوری باتوں کا اندازہ لگا لیا تھا...... ریسیور رکھنے کے بعد سبحان طاہر نے کہا۔

"کیوں چیف سب ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں بالکل۔"

"ضمیمہ آجائے گا تھوڑی دیر کے بعد، چار گھنٹے کی بات کر رہا ہے، مگر وہ ایسی اعلیٰ کارکردگی کا مالک ہے کہ چار گھنٹے سے پہلے پہلے ہی ضمیمہ نکال دے گا۔"

"ٹھیک ہے، اچھا بھئی سبحان طاہر صاحب یہ تو رہی ساری تفصیل اور اب میں چلتا ہوں، یہ تصویریں آپ کی اجازت سے اب میں اپنے پاس ہی رکھ رہا ہوں۔"

"حفاظت سے رکھیں، انہی پر ہماری ساری کامیابی کا دارومدار ہے۔"

"فکر ہی نہ کرو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔" شہاب نے کہا اور بینا کو اشارہ کر کے اٹھ گیا...... چلتے وقت اس نے کہا۔

"اور سائرہ بہن، آخری بات آپ سے کہی جائے، جوہر خان آپ کے لئے حاضر ہے آپ کی ہر وہ ضرورت پوری کرے گا جو آپ اس سے کہیں گی اور اگر آپ تکلف کریں گی تو یہ آپ کا مسئلہ ہو گا۔"

"نہیں شہاب بھیا اب کیا تکلف کروں گی۔" سائرہ نے کہا اور شہاب، بینا کے ساتھ باہر نکل آیا...... بینا مسرور نظر آ رہی تھی اس نے کہا۔

"کمال ہے واقعی شہاب انسان جو کچھ نہ دیکھے اس کے بارے میں اس کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا، کوئی اگر سنا دے تو کہانی محسوس ہو لیکن جب وہ اس کہانی میں داخل ہوتا ہے تو اسے عجیب عجیب واقعات سننے کو ملتے ہیں ایسا بھی ہوتا ہے۔ بھئی کمال ہے، صحافت کا شعبہ بڑا ہی دلچسپ ہے، میں تو مان گئی۔"

"ہاں صحیح معنوں میں اگر تسلیم کرو تو یہ اندرون وطن وہ سرفروش ہوتے ہیں جو اندرونی اور بیرونی دشمنوں کے خلاف جنگ لڑتے ہیں اور اپنی زندگی داؤ پر لگائے رکھتے ہیں۔"

"اس میں کیا شک ہے۔" بینا نے متاثر انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"تو میڈم بات فی الحال یہاں ختم ہو گئی ہے، ہو سکتا ہے کہ کچھ وقت کے بعد ہم لوگ ان کی نگاہوں میں آ جائیں اس لئے کریم سوسائٹی کے سلسلے میں ذرا محتاط ہی رہنا ہو گا۔"

"میں سمجھتی ہوں۔"

"اب میں آپ کو آپ کے آفس کے نیچے اتارے دیتا ہوں، آپ جانیں آپ کا کام...... مجھے تھانے جانا ہے، ذرا وہاں کا بھی خیال رکھنا ہو گا۔ کام جاری ہے۔"

"مجھے یہیں اتار دیں، میں ٹیکسی لے کر چلی جاؤں گی۔"

"ارے اب ایسا بھی کیا...... ویسے آپ کو اتارنے کو تو کبھی بھی دل نہیں چاہتا۔" لیکن بہر حال...... شہاب نے بینا کو اس کے آفس کے سامنے اتارا اور خود تھانے کی جانب چل پڑا...... کوئی آدھا گھنٹہ ہوا تھا اسے تھانے آئے ہوئے کہ اسے کسی کی آمد کی اطلاع ملی...... کانسٹیبل نے ایک کارڈ لا کر سامنے رکھا جس پر لکھا ہوا تھا۔

"عادل اختر مقتول۔"

شہاب چونک پڑا...... اس نے اردلی سے کہا کہ آنے والے کو اندر بلا لے اور اردلی نے باہر کھڑے ہوئے آدمی کو اندر بھیج دیا۔

اجاڑ سی شکل و صورت کا مالک، ضرورت سے زیادہ لمبا قد، دبلے پتلے، ہاتھ پاؤں، بکھرے بال، بڑھی ہوئی داڑھی، بس کپڑے پہنے ہوئے تھے، نہ جانے کب سے پہنے ہوئے تھا اور اتارنا بھول گیا تھا...... شہاب نے کھڑے ہو کر اس کا خیر مقدم کیا اور وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑنے لگا...... بہر حال اس نے اپنا سوکھا، دبلا پتلا ہاتھ شہاب کے ہاتھ میں دے دیا اور شہاب نے اردلی سے کہا۔

"جس وقت تک میں اجازت نہ دوں کسی کو اندر نہ آنے دیا جائے۔"

"انچارج صاحب مار لگائیں گے کیا؟" آنے والے نے ظریفانہ انداز میں کہا۔

"تشریف رکھئے، پہلی بار کسی مقتول سے مل کر مجھے خوشی ہوئی ہے...... آج تک مقتول کے ورثا قتل کی رپورٹ درج کرانے آتے رہے ہیں، لیکن آج ایک مقتول سے ملاقات کر رہا ہوں۔"

"قتل کے مختلف طریقے ہوتے ہیں اور مختلف انداز، ہم تو وہ ہیں جو لمحہ لمحہ قتل ہوتے ہیں، اب بلاوجہ اتنی ساری رپورٹیں کون درج کرائے، اسی لئے مکمل طور پر اپنے آپ کو

مقتول سمجھ لیا ہے۔"

"دلچسپ بات ہے، ویسے اس کے علاوہ آپ کا کوئی اور تعارف بھی ہے۔"

"یہ ٹوٹا پھوٹا کیمرہ دیکھ رہے ہیں نا آپ میرے گلے میں لٹکا ہوا۔ بیس بار م[illegible] کرا چکے ہیں اسے...... رپورٹنگ کرنے جاتے ہیں تو آپ جیسے کرم فرما کبھی کیمرہ چھین [illegible] میں سے فلم نکال لیتے ہیں اور عہدہ اگر بڑا ہوا تو کیمرہ ہی اٹھا کر زمین پر دے مارتے ہیں بس خدا کا شکر ہے، بچپن میں کرکٹ کھیلنے کی عادت تھی اور کیچ پکڑنے میں اپنا جواب [illegible] رکھتے تھے، یہ کیمرہ ویسے تو کئی بار مرمت ہو چکا ہے لیکن کوشش یہ کرتے ہیں کہ زمین تک [illegible] پہنچنے پائے اور کیچ لے لیتے ہیں...... وہ آنکھ دبا کر بولا اور شہاب ہنس پڑا۔"

"گویا آپ رپورٹر ہیں۔"

"بس جی کیا ہیں یہ تو اللہ ہی جانے، ایک اخبار سے تعلق ہے اور اتفاق کی بات یہ ہے [illegible] آپ کے تھانے تک آج تک نہیں آنا ہوا...... اصل میں دفتر اس علاقے میں نہیں ہے، ویسے ہمارے علاقے کے تھانہ انچارج آج کل فضل حسین صاحب ہیں...... نو بار پکڑ چکے ہیں...... بے چارے بڑے شریف آدمی ہیں...... اگر مار پیٹ کرنا ہوتی ہے تو بس اخلاقاً مار [illegible] کرتے ہیں، کہتے ہیں زور سے ماروں گا تو ہڈیاں گڑبڑ ہو جائیں گی اور پھر کیسے گرفتار کروں گا۔" وہ بولا۔

خاصا دلچسپ آدمی تھا۔

"تو آپ جرنلسٹ ہیں؟"

"چلئے رپورٹر کے بعد آپ نے جرنلسٹ کہہ دیا، بڑی نوازش، بڑا شکریہ، سنا ہے آپ نے ایک بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے...... بس اس کے سلسلے میں کچھ معلومات حاصل کرنے آئے تھے۔"

"ضرور، حاضر ہوں اب بھی اور آئندہ بھی۔ اگر آپ کو پولیس کے سلسلے میں [illegible] معلومات درکار ہو تو بے دھڑک تشریف لے آیا کریں۔"

"بڑا شکریہ صاحب، ویسے ذرا نئے نئے معلوم ہوتے ہیں بلکہ "نووے آئے [illegible] سوہنیو۔" اس نے مصطفیٰ قریشی کے انداز میں کہا۔

"ہاں یہی بات ہے۔"

"بس اسی لئے ذرا بدلے بدلے نظر آتے ہو، ویسے باس نام کیا ہے؟"

"شہاب...... شہاب۔" اس نے بے باک آدمی کو جواب دیا۔

"احقر کو عادل اختر کہتے ہیں...... پڑھ ہی لیا ہو گا کارڈ میں، ایک اخبار نکالتے ہیں جس کا ڈیکلریشن بھی اس کیمرے کی طرح بہت سی بار کینسل ہو چکا ہے، نہ کوئی اشتہار ملتا ہے نہ کاغذ کا کوٹا اور اس کی وجہ صاف ظاہر ہے...... اگر ذرا مختلف انداز اختیار کرتے تو بہت کچھ ہوتا اپنے پاس، لیکن اللہ کا فضل ساتھ ساتھ ہے...... ہاں تو جناب مسئلہ اصل میں شہابو کا ہے بلکہ شہابو کا بھی نہیں سبحان طاہر کا ہے۔"

"جی جی...... وہ بھی آپ ہی کی برادری سے تعلق رکھتے تھے۔"

"رکھتا ہے، اللہ اسے سلامت رکھے بڑی قیمتی چیز ہے صحافت کے لئے...... اغوا ہو گیا تھا۔ اغوا ہونے کے بعد بازیاب کیا آپ نے اور اس کے بعد پھر اغوا ہو گیا، کیا قصہ ہے؟"

"آپ کو تمام رپورٹ تحریری طور پر پیش کی جا سکتی ہے، میں تفصیلی فائل منگوا دیتا ہوں۔"

"ضرورت نہیں ہے، بعض باتیں خود بخود معلوم ہو جاتی ہیں، ویسے پتا چلا کہ دوبارہ کس نے اغوا کیا اسے؟"

"ابھی تک نہیں، لیکن آپ اطمینان رکھئے پتا چل جائے گا۔"

"گڈ، لیکن جناب ایک بات عرض کریں آپ سے پتا چل جائے تو بات کو صیغہ راز میں رکھئے ہو سکتا ہے یہ اس کی زندگی کے لئے بہتر ہو۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔"

"تو اب اگر اجازت ہو تو لاک اپ میں جناب شہاب الدین عرف شہابو کی کچھ تصاویر بنا لیں؟"

"ضرور بنا لیجئے۔"

"بڑا شکریہ، بڑی مہربانی۔"

شہابو کی تصاویر بنائی گئیں اس پر اس نے کافی واویلا کیا تھا اور کہا تھا۔

"یہ تصویریں کیوں بنائی جا رہی ہیں میری، کیا اخبار میں چھپیں گی؟"

"یار تم یقین کرو اخبار میں تصویریں چھپوانے کے لئے تو لوگ بسوں کے آگے لیٹ

جاتے ہیں، بس تصویر آنی چاہئے اخبار میں، تم تو پھر بھی لاک اپ میں ہو۔“

”دیکھ بھائی ایک بات تمہیں بتادوں، اپنی تصویر اگر اخبار میں آئی تو پھر تیری بھی تصو
کسی اخبار میں ہی آئے گی، اس بات کا خیال رکھنا۔“

”یہ بات بھی لکھے دیتا ہوں۔“ عادل اختر نے کہا اور پھر اپنا کام کرنے کے بعد شہاب سے بولا۔

”شہاب صاحب ساری باتیں اپنی جگہ، آپ نے جس انداز میں تعاون کیا ہے اس کے لئے شکر گزار ہوں، اجازت چاہتا ہوں، اخبار کو ذرا ایسے وقت تک لے آنا چاہتا ہوں کہ پبلک اسے خرید لے...... ورنہ ایمانداری سے کہتا ہوں کہ ہفتے بھر تک فاقے کرنے پڑیں گے۔ اچھا پھر خدا حافظ۔“ وہ چلا گیا اور شہاب مسکراتی نگاہوں سے اسے جاتا دیکھتا رہا...... اس نے اپنے طور پر جو فیصلہ کیا تھا کہ ایک بڑی اچھی ٹیم ہاتھ آئی ہے اور اس ٹیم کو ذرا مختلف انداز میں ہینڈل کرتے ہوئے اپنا ساتھی بنائے رکھے گا اور اس کے لئے وہ اپنے ذہن میں ایک منصوبہ ترتیب دینے لگا۔

”زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ گلاب جان نے کمرے میں داخل ہونے کے بعد سلیوٹ کیا...... شہاب نے اسے جواب دیا پھر بیٹھنے کی پیش کش کی، گلاب جان شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔

”سر! میں اس عمارت کے بارے میں تفتیش مکمل کر کے آیا ہوں۔“

”ہاں گلاب جان کیا رپورٹ ہے اس کی؟“

”بڑی روایتی عمارت ہے سر، ایک ڈاکٹر صاحب کی کوٹھی ہے...... ڈاکٹر صاحب مر گئے ہیں، ان کا بیٹا ملک سے باہر ہے، جاتے ہوئے وہ ایک پراپرٹی ڈیلر کو اس کوٹھی کے اختیارات دے گیا ہے اور اسے ہدایت کر گیا ہے کہ اسے کرائے پر اٹھا دیا جائے...... پراپرٹی ڈیلر اس کے سلسلے میں سخت پریشان ہے، چار بار اس نے کوٹھی کرائے پر دی ہے اور چاروں بار کرائے دار ایسے غلط لوگ نکلے کہ اس کی جان پر بن آئی...... پہلے جو کرائے دار یہاں سے گئے تھے ان کا کاروبار کچھ غلط قسم کا تھا...... پڑوسیوں نے پولیس میں رپورٹ درج کرائی اور پڑوسیوں کی مد
سے کوٹھی خالی کرائی گئی۔ اس کے بعد پراپرٹی ڈیلر کے پاس ایک بزرگ عورت اور ایک م
آئے اور اس کوٹھی کے سلسلے میں انہوں نے بات کی...... مرد نے بتایا کہ وہ ریٹائرڈ لا
گزار رہا ہے...... بچے دوسرے شہر میں رہتے ہیں اور کبھی کبھی ملنے آجاتے ہیں، بس دونوں

میاں بیوی ہی اس کوٹھی میں رہیں گے...... تمام معاملات طے کر دیئے تھے انہوں نے اور پراپرٹی ڈیلر نے کوئی چودہ پندرہ دن پہلے ہی یہ کوٹھی کرائے پر دی تھی تو اب یہ صورت حال نکل آئی...... یہ ہے اس کی تفصیل۔“

”گویا بے کار رہا۔“

”جی سر، بالکل، ویسے بھی اس سے کوئی بہت ہی کارآمد بات معلوم ہونے کی امید نہیں تھی۔“ شہاب پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا تھا۔

عالی شان کوٹھی کے حسین سبزہ زار پر بہت ہی خوب صورت کرسیوں میں سے ایک پر سیٹھ محمودہ بیٹھی ہوئی تھی...... ایک بہت ہی خوبصورت کار پورچ میں کھڑی نظر آرہی تھی اور سیٹھ محمودہ کے سامنے ایک درمیانی عمر کا آدمی مودب بیٹھا ہوا تھا۔

"تسکین صاحب بس آپ یقین کریں اب تو کچھ تھکن سی محسوس ہونے لگی ہے۔ سوچتی ہوں کہ انسان اپنی زندگی میں اپنی ذات کے لئے کیا کیا کچھ نہیں کرتا، آپ اگر کسی کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں، اگر آپ کسی کے لئے دُکھی ہوتے ہیں تو میں آپ کو بتاؤں کہ اس کے لئے کچھ نہیں کرتے آپ...... بس آپ صرف اپنی ذات کی تسکین کے لئے یہ سب کچھ کرتے ہیں، کیونکہ اس سے آپ کی ذات کو سکون ملتا ہے۔"

سامنے بیٹھے ہوئے آدمی نے بلند و بالا قامت سفید رنگ اور اس عمر میں بھی انتہائی حسین نقوش کی مالک سیٹھ محمودہ کو دیکھا اور کہا۔

"اصل میں مرشد یہ وصف کی باتیں ہیں، آپ ہی کی زبان انہیں ادا کرسکتی ہے، یعنی دوسروں کی بھلائی بھی کریں آپ اور اسے بھی اپنی ذات کی خوشی کا ہی ایک حصہ قرار دیں۔"

"آپ یقین کیجئے بڑی عجیب بات ہے آپ کو مرحوم ابن صفی کا یہ شعر یاد نہیں ہے کیا۔"

بالآخر تھک ہار کے یارو ہم نے یہ تسلیم کیا
اپنی ذات سے عشق ہے سچا باقی سب افسانے ہیں

"آپ ہی بتایئے کیا حقیقت ہے ان الفاظ میں کتنی بڑی سچائی ہے آپ اپنے بچوں کو چاہتے ہیں اس لئے کہ وہ آپ کے بچے ہیں، بات کہاں تک پہنچی آپ کی ذات تک گویا آپ کے لئے ایک شے ہے وہ انہیں چاہتی ہے اور آپ اپنی چاہت کو چاہتے ہیں، اچھا لباس اچھا

کھانا اپنی پسند کے لوگ، اپنی پسند کی خواہشوں کی تکمیل، بات اپنی ہی ذات تک آجاتی ہے۔ آپ یقین کیجئے میں اگر کسی کے لئے کچھ کرتی ہوں تو میرے دل میں یہ تصور نہیں ہوتا کہ یہ شخص کے لئے کر رہی ہوں بلکہ اس کی مشکل حل کرنے کے بعد جو ایک طمانیت ایک سکون میں اپنے دل میں پاتی ہوں وہ میری ان کاوشوں کا صلہ ہوتا ہے۔"

"مرشد یہی تو بڑائی ہے آپ کی، کون سوچتا ہے اس انداز میں، لوگ تو کسی کو ایک روپیہ دے کر قرب و جوار میں نگاہیں دوڑاتے ہیں کہ دیکھنے والوں نے انہیں روپیہ دیتے ہوئے دیکھا یا نہیں اور اگر دیکھنے والے انہیں دیکھ رہے ہوتے ہیں تو وہ اپنی انا کی تسکین کر لیتے ہیں کہ کم از کم انہیں ایک روپیہ دیتے ہوئے دیکھا گیا، اس میں بے لوثی نہیں ہوتی، مرشد آپ کی ذات میں جو بے لوثی ہوتی ہے وہ بے مثال ہے۔"

"میں نے کہا نا اب آپ دیکھ لیجئے آپ میری تعریف کر رہے ہیں، کیوں؟ اس لئے کہ میں آپ کو پسند ہوں، آپ کو ناپسند ہوتی تو آپ میری تعریف نہ کرتے...... گھوم پھر کر بات کہاں پہنچی اپنی ذات تک۔"

"بخدا آپ نے ٹھیک فرمایا۔"

"اچھا خیر آپ نے ایک ذمہ داری ہمارے سپرد کی ہے، ہم کوشش کریں گے کہ اس کی تکمیل کردیں، آپ بھی دعا کیجئے، بھئی ہم تو دعائیں ہی کرتے ہیں اور ہمارے یہ محبت کرنے والے ہماری ان دعاؤں کی لاج رکھ لیتے ہیں تو پھر ٹھیک ہے۔"

"جی حضور۔"

"تو آپ جایئے تھوڑا سا کام کرنا ہے ہمیں۔"

"جی بہت بہتر۔" وہ شخص بولا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر ایک انتہائی قیمتی کار میں بیٹھ گیا جس کا باوردی ڈرائیور مستعد کار کے نزدیک کھڑا ہوا تھا۔ کار سٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی تو سیٹھ محمودہ نے وائرلیس بیل دبائی اور کافی فاصلے پر موجود دو جوان آدمی تیزی سے اس کی جانب چل پڑے۔

"ہاں نثار کیا بات ہے تم لوگ کچھ مضطرب نظر آرہے ہو۔"

"جی مرشد یہ اخبار ہے۔" حمید نامی نوجوان نے ایک ضمیمہ سیٹھ محمودہ کے سامنے رکھ دیا۔

"کیا ہے، کس سلسلے میں ہے؟" محمودہ نے کہا اور اخبار کی سرخی پر نگاہیں دوڑانے لگی۔

جوں جوں وہ اخبار پڑھتی جا رہی تھی، اس کے چہرے پر ایک عجیب سی سرخی چھاتی جا رہی تھی۔۔۔۔۔۔ اس نے پوری تفصیل پڑھ لی۔۔۔۔۔۔ چند ساعت تو وہ اس طرح ساکت رہی جیسے پتھر کا بت ہو اس کے بعد نرم لہجے میں بولی۔

"افسوس شہابو تو بہت ہی اچھا انسان ہے لیکن دُکھ ہمیں یہ ہے نثار میاں کہ جن لوگوں کی ہم دن رات پرورش کر رہے ہیں، جنہیں ہماری ذات سے کوئی تکلیف نہیں پہنچتی، ہمارے ساتھ یہ سلوک کیوں کرتے ہیں۔ کم از کم ہمیں شہابو کی گرفتاری کی خبر تو دینی چاہئے تھی، آپ لوگوں کو علم ہے کہ وہ ہمارا کس قدر کارآمد آدمی ہے۔"

"مرشد اس سلسلے میں جو ذمہ داری تھی وہ تو شفیق بیگ کی تھی۔"

"ہاں شفیق میاں ان دنوں اپنی ذمہ داریوں سے بے پروائی برتنے لگے ہیں، سنا ہے ساحل سمندر پر رنگ رلیاں مناتے رہتے ہیں اور باقی کام دوسروں پر چھوڑ دیا ہے۔ یہ ہے صحافی نوجوان ہے نا جس نے پچھلے دنوں سے خاصی گڑبڑ مچا رکھی ہے۔"

"جی مرشد۔"

"خیر کوئی ایسی بات نہیں ہے، شہاب میاں کہاں ہیں اس وقت، کیا تھانے میں بند ہیں اصل میں ہم شرمسار ہیں ان سے، وہ تو ہمارے لئے سب کچھ کرتے رہتے ہیں اور ہم نے ان کی خبر گیری بھی نہ کی، کیسی شرمندگی سے ان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آپ یوں کریں حمید میاں ذرا شفیق کو تلاش کریں اور تلاش کر کے ہمارے پاس بھیج دیں۔"

"جی مرشد۔"

"اور سنئے بہتر ہے کہ زیادہ وقت نہ لگے۔۔۔۔۔۔ ٹیلی فون پر رابطے کیجئے اور جیسے ہی وہ ملیں ان سے کہیں کہ وہ فوراً ہی ہم سے مل لیں۔"

"جی بہت بہتر۔" دونوں گردن جھکا کر چلے گئے تو سیٹھ محمودہ سامنے رکھے ہوئے اخبار پر نگاہیں دوڑانے لگیں اس کے بعد انہوں نے اخبار تہ کیا اور پھر سامنے سے آنے والی کار دیکھنے لگیں جو بہت ہی قیمتی اور شاندار کار تھی۔ اس سے دو افراد اتر کر نیچے آئے تھے اور سیٹھ محمودہ انہیں دیکھتی رہی تھی۔ انہوں نے آنے کے بعد سلام کیا تو سیٹھ محمودہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"زہے نصیب بڑے دنوں کے بعد آنا ہوا؟"

"جی مرشد بس آپ کی دعائیں لئے ہوئے کافی وقت گزر گیا تھا اور پھر آپ کو علم ہے کہ ہم خیر وبلی گئے ہوئے تھے۔"

"ارے ہاں کیسا رہا آپ کا وہ کیس؟"

"مرشد کی دعائیں ہوں اور کامیابی نہ حاصل ہو سکے، بفضل تعالیٰ سب کچھ ٹھیک کر کے آئے ہیں۔"

"خوشی ہوئی۔۔۔۔۔۔ ہماری طرف سے مبارک باد قبول کریں اور سنایئے کیسے مزاج جا رہے ہیں آج کل۔"

"مرشد کی دعاؤں کے سائے تلے سارے ہی کام ہو رہے ہیں۔"

"کوئی نیا کام تو نہیں ہم سے۔"

"نہیں مرشد بس شکر گزاری کے لئے حاضر ہوئے تھے۔"

"ہم آپ سے کہیں کہ بہت بہت شکریہ، ہم کچھ ذہنی طور پر مصروف ہیں تو آپ لوگ برا مان جائیں گے۔"

"ارے نہیں مرشد، آپ حکم دیجئے۔"

"نہیں بس کچھ توقف چاہتے ہیں۔"

"پھر حاضری دیں گے۔"

"ضرور، آپ کا گھر ہے ہزار بار تشریف لایئے۔" سیٹھ محمودہ نے کہا اور وہ دونوں جو ابھی بیٹھ کر لباس بھی درست نہ کرنے پائے تھے واپسی کے لئے اٹھ گئے۔۔۔۔۔۔ پھر بڑے احترام سے انہوں نے سیٹھ محمودہ کو سلام کیا اور محمودہ نے محبت بھری مسکراتی نگاہوں سے انہیں دیکھ کر گردن ہلا دی۔

وہ دونوں اپنی گاڑی میں بیٹھ کر واپس چلے گئے۔۔۔۔۔۔ دور سے نثار اور حمید آتے ہوئے نظر آئے اور چند لمحات کے بعد سیٹھ محمودہ کے پاس پہنچ گئے۔

"ہاں نثار میاں! کہو شفیق میاں کا کچھ پتا چلا؟"

"آ رہے ہیں کہتے ہیں پندرہ منٹ میں پہنچ جاؤں گا۔"

"کہاں مل سکے؟" سیٹھ محمودہ نے سوال کیا۔

"وہ مرشد، ساحل سمندر پر ہی تھے اور شاید۔۔۔۔۔۔ کیا عرض کریں آپ سے۔"

"نہیں، نہیں انسان کے اندر کمزوریاں تو ہوتی ہی ہیں میرا خیال ہے نشے میں بہک گئے؟"

دونوں نے سر جھکالیا...... سیٹھ محمودہ نے کہا۔ "چلو ٹھیک ہے کوئی بات نہیں ہے تم لوگ آرام کرو اور ہاں دیکھو، ذرا اطراف پر نگاہ رکھا کرو میاں، ہمیں بھی اپنی عزت بچانی ہے...... سمجھ رہے ہونا؟"

"جی مرشد۔"

"جاؤ آرام کرو...... کوئی ضرورت ہوئی تو بلالیں گے...... بال بچے تو ٹھیک ہیں نا، کوئی مشکل کوئی پریشانی تو نہیں ہے نا۔"

"نہیں مرشد، محبت ہے آپ کی۔" دونوں نے کہا اور اندر جانے کے لئے واپس مڑے تو سیٹھ محمودہ نے کہا۔

"ارے ادھر کہاں، اب کوئی کام نہیں ہے جاؤ۔"

"جی مرشد!" دونوں نے رُخ بدل لیا اور کوٹھی کے بیرونی گیٹ سے باہر نکل گئے...... پھر سیٹھ محمودہ اپنی جگہ سے اٹھی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آگے بڑھنے لگی، اس نے دروازے پر رک کر دروازے پر کھڑے ہوئے آدمی سے کہا۔

"ارے ہاں سنو وہ ابھی شفیق میاں آتے ہوں گے انہیں ہمارے بڑے کمرے میں بھیج دینا۔"

"جی میڈم!" ملازم نے کہا اور سیٹھ محمودہ اندر چلی گئی۔ وہ بڑا ہال کمرہ جس میں نہایت ہی اعلیٰ قسم کا فرنیچر سجا ہوا تھا، کئی راہداریاں گھومنے کے بعد اس نے دروازہ کھولا اور اندر پہنچ گئی۔ پھر اس نے ٹیپ ریکارڈر پر ہلکی موسیقی لگادی اور آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئی۔ موسیقی جاری رہی اور اس کے بعد کسی نے کہا۔

"میں حاضر ہو سکتا ہوں مرشد؟" آنے والا ایک دراز قامت اور بگڑی ہوئی شکل کا آدمی تھا...... سیٹھ محمودہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بھئی آیئے آیئے شفیق میاں! اب تو آپ کی صورت کو ترس جاتے ہیں...... ہمارے بلاوے سے تو آپ آہی جاتے ہیں کبھی کبھی خود آجایا کریں، آخر ایک رابطہ ہے، ایک تعلق ہے آپ سے۔"

"جی مرشد بس کچھ طبیعت خراب تھی ان دنوں آرام ہی کر رہا تھا۔"

"اچھا، اچھا خیریت کیا بات ہے؟"

"کوئی اہم بات نہیں ہے مرشد بس نزلے کا دائمی مریض ہوں، کبھی کبھی نزلے سے طبیعت ایسی بوجھل ہو جاتی ہے کہ آرام کرنا پڑتا ہے۔"

"ہاں ہاں یہ تو ہے، نزلہ کم بخت چیز ہی ایسی ہے کہ انسان کا جسم توڑ لیتا ہے، بہر حال علاج کراتے رہا کرو، کچھ ایسے اہم معاملات تھے جن کے بارے میں تم سے گفتگو کرنی تھی...... آؤ ذرا تنہائی میں چلتے ہیں۔" سیٹھ محمودہ نے کہا اور شفیق بیگ جو ابھی تک بیٹھنے بھی نہیں پایا تھا گردن خم کر کے کھڑا ہو گیا...... سیٹھ محمودہ اسے لئے ہوئے ایک دروازے پر پہنچی اور پھر اس نے اندر داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کر لیا...... یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں معمولی سا فرنیچر پڑا ہوا تھا۔

"بیٹھو شفیق میاں۔" سیٹھ محمودہ نے کہا اور خود شفیق بیگ کے سامنے ایک صوفے پر بیٹھ گئی، شفیق بیگ بھی بیٹھ گیا تھا۔

"وہ شفیق میاں اس صحافی کے بارے میں معلوم کرنا تھا جو پچھلے دنوں کچھ زیادہ ہی شور کرتا رہا ہے، سنا ہے کچھ تصویریں وغیرہ بنالی تھیں اس نے کچھ لوگوں کی رہائش گاہوں کی، عمارتوں کی یا ایسی ضروری چیزوں کی۔"

"سبحان طاہر کی بات کر رہی ہیں مرشد؟"

"ہاں یہی نام تھا، اب تم لوگ ہو تو ہم بھلا ان چکروں میں کیوں پڑیں، تمہیں سب کچھ معلوم ہوتا ہے، بہت کچھ کر رہے ہو، ہمارے لئے، کیسے شکریہ ادا کریں تمہارا۔"

"مرشد، میں تو خادم ہوں آپ کا۔"

"ہاں تو کیا رہا اس کے سلسلے میں؟"

"میڈم، شہابو نے اسے اٹھالیا تھا اور شہابو ہی اس کیس کو ہینڈل کر رہا ہے۔"

"اچھا، اچھا شفیق میاں، مگر تم بھی تو اس کے ساتھ ہی تھے نا۔"

"ہاں ہم دونوں ہی مل کر کام کر رہے ہیں، ہم دونوں نے مل کر اسے اٹھایا تھا لیکن پھر میں نے ذرا طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے یہ کام شہابو کے سپرد کر دیا تھا۔"

"اچھا اچھا ہاں ٹھیک تو ہے آدمی بیمار ہو تو بھلا کیا کر سکتا ہے، تو یہ بیماری کے لمحات

کہاں گزار رہے تھے آپ؟"

"بس مرشد ایسے ہی۔"

"اچھا، اچھا تمہیں اندازہ ہے کہ ہم ذاتی باتیں ذرا کم ہی پوچھتے ہیں، تو ذرا یہ دیکھو، یہ نہیں اس اخبار والے نے کیا کیا لکھ مارا ہے، کون سا اخبار ہے یہ، ہم نے پہلے تو کبھی نہیں دیکھا۔"

"کیا ہے مرشد؟" شفیق بیگ نے کہا اور ضمیمہ ہاتھ سے لے لیا، اس نے سرخی پڑھی اس کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ پھر وہ پورا اخبار ہی پڑھتا چلا گیا تھا...... اس کے چہرے پر بدحواسی کے آثار نظر آنے لگے تھے، سیٹھ محمودہ خاموشی سے آنکھیں بند کئے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے چند لمحے کے بعد آنکھیں کھولیں، شفیق بیگ کے منہ سے شاید کوئی لفظ نہیں نکل پا رہا تھا، وہ کچھ کہنے سے قاصر تھا۔

"یہ کیا لکھا ہے انہوں نے کہا، یہ سب کچھ سچ ہے؟"

"مم...... مرشد، مم...... میں اتفاق سے، مم...... مگر مجھے تو کہیں سے بھی اطلاع نہیں ملی۔"

"ہاں شفیق میاں اصل میں ساحل سمندر پر اطلاع دینے کون جاتا اور پھر ظاہر ہے آپ نے منع کر دیا ہوگا کہ ڈسٹرب نہ کیا جائے، انسان جب بیمار بھی ہوتا ہے اور شہر سے دور ہوتا ہے تو پھر وہ یہی چاہتا ہے کہ شہر سے دور رہے۔"

"یہ تو، یہ تو بہت برا ہوا، کیا شہابو تھانے میں ہے؟"

"شفیق بیگ اب یہ سوال بھی آپ ہم سے ہی کریں گے، بھئی کتنے افسوس کی بات ہے؟"

"مرشد مجھے اپنی غلطی کا احساس ہے اور، اور میں، میں یہ سب، یہ سب نہیں جانتا تھا، آپ بے فکر رہیں، میں ٹھیک کر لوں گا، سب کچھ ٹھیک کر لوں گا، آپ کو اندازہ ہے کہ یہ سب کچھ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔"

"ارے ارے ارے، یہ تو بہت بری بات ہے شفیق بیگ صاحب، کسی بڑی سی بڑی بات کے بارے میں یہ سوچ لینا کہ یہ کچھ حیثیت نہیں رکھتی، ذرا تکلیف دہ امر ہے اور اگر یہ سوچ زیادہ آگے بڑھ جاتی ہے تو پھر نقصانات شروع ہو جاتے ہیں، کیا خیال ہے آپ کا؟"

"جی مرشد۔"

"اور ویسے بھی ہم نے کئی بار آپ سے درخواست کی تھی کہ شفیق میاں ذرا اپنی ذمے

داریوں کا خیال رکھا کیجئے جو شخص ذمے داریوں سے نظریں چراتا ہے وہ بہتر نہیں ہوتا، اب دیکھئے نا عزت بنانے اور بچانے کے لئے انسان کو بڑی محنت کرنا پڑتی ہے، غلط کہہ رہی ہوں میں۔"

"میں شرمندہ ہوں مرشد۔"

"اوہو بھئی آپ شرمندہ بڑی جلدی ہو جاتے ہیں، آپ کو یاد ہے آپ کتنی بار شرمندہ ہو چکے ہیں، کئی بار ہم نے آپ کو سمجھایا، لیکن آپ نہیں سمجھ پاتے، اب بتائیے کیا سلوک کریں ہم آپ کے ساتھ؟"

"نہیں مرشد! میں، آپ بے فکر رہیں، میں سب ٹھیک کر لوں گا۔"

"شفیق بیگ آپ کو اندازہ ہے کہ شہابو کی زبان بھی کھلوائی جا سکتی ہے اور جیسا کہ اس کی زبان کھلوائی گئی، اب یہ بھی تو نہیں معلوم کہ صحافی کو دوبارہ کس نے اغوا کر لیا۔ ویسے ظاہر ہے پولیس کے ساتھ جو کچھ ہوا اسے پولیس کا ڈراما تو کہا نہیں جا سکتا اور پھر بھلا پولیس کو کیا پڑی ہے ڈراما کرنے کی۔"

"آپ نے ٹھیک فرمایا مرشد، مگر وہ کون لوگ ہو سکتے ہیں جنہوں نے اسے دوبارہ اغوا کر لیا۔"

"اب ہم بتائیں گے یہ باتیں آپ کو۔" سیٹھ محمودہ نے کہا۔

"نہیں مرشد، آپ اطمینان رکھیں میں سب کچھ معلوم کر لوں گا۔"

"ارے نہیں شفیق بیگ آپ کہاں تکلیف کریں گے، اب آپ کو تو ویسے ہی اتنی ساری تکلیفیں دے ڈالی ہیں ہم نے، ہم کبھی کسی کے ساتھ زیادتی پسند نہیں کرتے، جو کچھ تکلیفیں آپ کو ہوئی ہیں ہمیں ان کا ہی افسوس ہے۔ بہرحال کسی نہ کسی کے سپرد یہ کام کریں گے اور شفیق میاں اصل میں وہ جو ایک مثال ہے نا کہ گھوڑا اگر لنگڑا ہو جائے تو پھر بیکار ہی ہوتا ہے اور گھوڑا صرف وہ لنگڑا ہوتا ہے جو کسی کام کا نہ رہے، اب آپ کو تو صرف ایک ہی شوق پڑ گیا ہے کہ ساحل پر جائیں، لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے جائیں، شراب کی بوتلیں ہوں اور آپ عیاشی کریں، اکثر ہم نے سنا ہے کہ آپ وہیں پائے جاتے ہیں۔"

"مم...... مرشد اصل میں وہ بس ذرا بیماری تھی۔"

"ہاں، ہاں یہ بات تو ہے بیماری دور ہو جانی چاہئے شفیق بیگ، چلئے آپ بھی کیا یاد کریں

گے، ہم آپ کی بیماری دور کیے دیتے ہیں۔" سیٹھ محمودہ نے ہاتھ اٹھایا تو اس کے ہاتھ میں سائی لینسر لگا پستول نظر آیا۔ شفیق بیگ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں...... سیٹھ محمودہ نے بدستور محبت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا بھئی شفیق میاں تو پھر خدا حافظ۔" اس کے ساتھ ہی سائی لینسر لگے ہوئے پستول سے ڈز کی سی آواز نکلی اور شفیق بیگ کے سینے میں دل کی جگہ سوراخ ہو گیا۔

"کیا فائدہ آپ کو تکلیف دینے سے سنا ہے جاں کنی بڑی تکلیف دہ ہوتی ہے، لیجئے گولیوں ہی کا تو فرق ہے اور سہی۔" اس نے کہا اور مزید دو فائر شفیق بیگ کے سینے پر کر دیئے...... وہ منہ سے آواز نکالے بغیر زمین پر اوندھا آپڑا تھا۔

"افسوس بڑی خدمات سرانجام دی تھیں آپ نے ہماری، ہم آپ کے لئے دعائے مغفرت کریں گے شفیق میاں۔" سیٹھ محمودہ نے کہا اور پر اطمینان قدموں سے چلتی ہوئی اس کمرے سے باہر نکل آئی...... اس کمرے سے نکلنے کے بعد وہ ایک دوسرے کمرے میں پہنچی اور یہاں رکھے ہوئے ٹیلی فون پر کسی کا نمبر ڈائل کرنے لگی...... تھوڑی دیر کے بعد دوسری طرف سے رابطہ قائم ہو گیا تھا۔

"بھئی مامون خان، کیا کر رہے ہیں آپ آج کل؟"

"اوہو مرشد۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"بھول جائیے، بھول جائیے، مرشد کو، نظرانداز کر دیجئے مامون خان۔"

"مرشد آپ نے جو حکم دیا تھا، میں تو اس کی تعمیل میں لگا ہوا تھا۔"

"کام ہو گیا؟"

"جی مرشد، کام کیوں نہ ہوتا۔"

"اطمینان بخش طریقے سے؟"

"جی مرشد، بالکل اطمینان بخش طریقے سے۔"

"کوئی اطلاع نہیں دی آپ نے ہمیں؟"

"مرشد صرف ڈیڑھ منٹ ہوا ہے مجھے واپس آئے ہوئے، رات ہی کو تو آپ نے یہ ذمے داری میرے سپرد کی تھی۔"

"افوہ، کیا کریں بھئی ہمارا علاج کرائیے کسی سے مامون خاں یہ یادداشت کو نہ جانے کیا

ہوتا جا رہا ہے۔"

"مرشد آپ مجھے حکم دیجئے، میں حاضر خدمت ہوں۔"

"اخبار پڑھا آپ نے؟"

"جی خیریت؟"

"نہیں میرا مطلب ہے ایک ضمیمہ بھی شائع ہوا ہے۔"

"میری نگاہ سے نہیں گزرا مرشد۔"

"وہ اپنے شہابو میاں کو پولیس پکڑ کر لے گئی ہے، آپ ایسا کیجئے ضمیمہ منگوا لیجئے اب ہم اتنی تفصیل آپ کو کہاں سے بتائیں، خوامخواہ ٹیلی فون کا بل بڑھے گا۔"

"م...... مگر...... شش...... شہابو، کک...... کہاں سے، کیسے؟"

"سنا ہے ماربل کلب سے پولیس والے اسے ٹھوکریں مارتے ہوئے لے گئے تھے اور اس کے بعد وہ تھانے میں بند ہے۔ آپ ایسا کریں مامون خاں کہ پہلے اخبار منگا کر پڑھیں، تفصیل آپ کو اس اخبار سے معلوم ہو جائے گی، پھر ذرا تھانے چلے جائیں، خوشامد، درآمد کریں تھانہ انچارج کی کہ وہ شہابو کو چھوڑ دے، کہہ دیں اس سے کہ اچھا آدمی ہے اور اگر کوئی ثبوت وغیرہ بھی مل ہی گیا ہے تو غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے اور غلطیوں کا ازالہ بھی کر دیا جاتا ہے۔"

"جی آپ بالکل مطمئن رہیں۔"

"وقت ضائع نہ ہو جائے، آپ جائیے اور یہ کام کر کے دکھائیے۔"

"جی بہت بہتر۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور سیٹھ محمودہ نے ٹیلی فون بند کر دیا۔

"کتنے غم پال رکھے ہیں ہم نے اپنے لئے اور یہ بے وقوف لوگ خواہ مخواہ ہمیں پریشانیوں کا شکار کرتے رہتے ہیں کیا کریں کیا نہ کریں، کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔" وہ آہستہ آہستہ بڑبڑانے لگی۔

ایس پی صاحب اور ڈی ایس پی صاحب ساتھ ساتھ ہی تھانے پہنچے تھے اور شہاب نے بڑے احترام سے ان کا استقبال کیا تھا اور ڈسپلن کے مطابق انہیں کھڑے ہو کر سلیوٹ کیا تھا پھر اپنی میز سے نکل کر باہر آ گیا تھا۔

"تشریف رکھئے جناب۔"

"شکریہ شہاب بیٹھو، تم سے بات کرتے ہوئے اب تو خوف محسوس ہوتا ہے۔"

"ذرے کو نواز رہے ہیں آپ سرکار، ورنہ ظاہر ہے خادم پر ہر طرح آپ کا ادب لازم ہوتا ہے۔"

"یار بہت معلومات حاصل کی ہیں تمہارے بارے میں، بڑی خطرناک چیز ہو تم، ویسے شہاب! عمر میں بھی تم سے بڑا ہوں، تجربے میں بھی، دیکھو ماحول بہت بگڑا ہوا ہے، ہم لوگ اتنے غیر مخلص نہیں ہوتے اپنے پیشے سے اور اپنی ذمے داریوں کو بھی سمجھتے ہیں، لیکن کیا کیا جائے ہمیں بھی تو جینا ہوتا ہے، یا تو پھر یہ ہو کہ مکمل طور پر ہم پر ذمے داریاں عائد کی جائیں اور ہمیں کلی اختیارات دیئے جائیں، ایک اور شعبہ ہم پر بنایا جائے جو یہ معلومات حاصل کرے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ جائز ہے یا ناجائز، ہماری ضروریات بھی پوری کی جائیں۔ دیکھو نا ہم لوگ موت سے کتنے قریب ہوتے ہیں، صرف معمولی سی تنخواہ کے لئے زندگی تو نہیں گنوائی جاسکتی۔ اب ان حالات کو دیکھتے اور سوچتے ہوئے تھوڑا سا گداز پیدا ہو جاتا ہے، ہم غلط نہ بھی ہوں تو ہمارے اوپر عائد شدہ ذمہ داریاں ہمیں مجبور کر دیتی ہیں۔ شہاب مجھے علم ہے کہ تم نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں اور بعد کے حالات کا بھی علم ہے، یقین کرو مجھے عقیدت ہو گئی ہے تم سے، لیکن دوست زندہ تو رہنا ہو گا نا تمہیں، کیا کرو گے اس کے لئے۔"

"سر زندگی تو اللہ کی امانت ہوتی ہے، ہر جگہ وہ اپنی اس امانت کو واپس لے لیتا ہے، چاہے وہ ایئر کنڈیشنڈ کمرے کا اعلیٰ بستر ہو یا میدان کارزار، اگر دل میں اس بات کو پختہ کر لیا جائے تو سر اور کچھ اگر نہیں ہوتا تو کم از کم ڈر نہیں لگتا۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔"

"اس کے علاوہ سر، جب موت کو برحق تسلیم کیا جاتا ہے تو پھر باقی سب کچھ بھی برحق ہے، کچھ امانتیں لوگوں کے سپرد کی جاتی ہیں ان کا حساب بھی ہوتا ہے، یہاں نہ سہی وہاں سہی، کم از کم حساب کتاب تو درست رکھنا چاہئے۔"

"بہر حال شہاب یقین کرو، بہت باتیں کی ہیں میں نے ڈی ایس پی صاحب سے تمہارے بارے میں، تم سے اتفاق ضرور کرتا ہوں، لیکن بھائی تمہاری طرح دلیر نہیں ہوں، ڈر بھی لگتا ہے۔ پریشان بھی رہتا ہوں اب تمہارے لئے بھی پریشان ہوں۔"

"محبت ہے آپ کی سر۔"

"کیا ہوا شہابو کا؟"

"بند ہے ابھی...... تھوڑی سی تحقیقات کر رہا ہوں، سبحان طاہر برآمد ہو جائے پھر دیکھیں گے کہ بات کہاں تک پہنچتی ہے۔"

"کچھ پتا چلا کہ اسے اغوا کرنے والے کون تھے؟"

"پتا تو نہیں چلا سر لیکن اندازہ ضرور ہے۔"

"کیا؟"

"وہی لوگ جنہیں اس سلسلے میں ناکامی ہو گئی تھی۔"

"لیکن انہیں شہابو کو بھی ساتھ لے جانا چاہئے تھا؟"

"اس سلسلے میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں سر کہ شہابو کا نام تو منظر عام پر آچکا تھا اور شاید وہ لوگ شہابو کو منظر عام سے ہٹانا نہیں چاہتے تھے ورنہ اسے بھی غائب کر دیتے، اب اسے پولیس وین میں چھوڑ دینے کا مقصد یہ تھا کہ یہ اندازہ لگایا جاسکے کہ اگر شہابو اس معاملے میں ملوث ہوتا تو اسے بھی لے جایا جاتا...... وہ کچھ اور ہی لوگ ہیں جنہوں نے یہ تمام کارروائی کی تھی۔"

"ہاں بات پائیدار ہے اور وزن دار ہے یار، لیکن تعجب کی بات ہے، شہابو کے بارے میں تو خیر اس بات میں کوئی شک و شبہ ہی نہیں ہے کہ وہ سیٹھ محمودہ کا خاص آدمی ہے، ابھی ادھر سے تو کارروائی نہیں ہوئی؟"

"جی سر، ابھی تک نہیں ہوئی۔"

"کیا کرو گے؟"

"سر، اگر آپ لوگوں کا تعاون حاصل رہا تو جو کچھ کروں گا قانون کے مطابق ہی کروں گا۔"

"بھئی تعاون تو ہے، لیکن اگر صورت حال اوپر سے بگڑے گی تو بتاؤ ہم کیا کریں؟"

"اللہ پر بھروسا کرنا پڑے گا سر!"

"اور اگر سیٹھ محمودہ نے براہ راست تم سے رابطہ قائم کیا تو؟"

"اس کے لئے آپ حکم فرمائیے؟"

"دیکھ لو، بہتر یہ ہوگا کہ یہ سب کچھ ہمارے ذریعے نہ ہونے پائے۔"

"سر! میں نے عرض کیا نا آپ سے کہ میں بہر حال آپ کے احکامات کی تعمیل کروں گا۔"

"افسوس تو یہی ہے کہ اس سلسلے میں ہم تمہیں کوئی حکم نہیں دے سکتے، شہابو کچھ اور کہتا ہے؟"

"دھمکیاں دیتا رہتا ہے۔"

"ایک بات بتاؤ شہاب؟"

"جی سر۔"

"یہ اخبار میں تفصیلی رپورٹ کس نے دی؟"

"میں نے سر۔"

"کون ہے یہ اخبار والا؟"

"سر اخبار والا ہی ہے۔"

"بڑی تیزی سے چھاپا ہے اس نے یہ سب کچھ، ویسے اس شخص کے بارے میں معلومات حاصل ہو چکی ہیں، صاف گو شخص ہے، بلیک میلر نہیں ہے، لیکن تم دیکھ لینا مصیبت میں پھنس جائے گا، کہہ دیا ہے میں نے۔"

"سر! دعائیں کیجئے اس کے لئے آپ بھی اور میں بھی۔"

"ہاں بہر حال کوئی مشکل تو نہیں محسوس کر رہے؟"

"کر رہا ہوں سر۔"

"کیا؟" ایس پی صاحب نے چونک کر پوچھا۔

"سر! کم از کم میری اس حد تک تو مدد کیجئے گا کہ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہو تو آپ میرے گواہ بن سکیں، کوئی غلط کیس تو نہیں پکڑا ہے میں نے۔"

"خدا کرے تم ہر مصیبت سے بچے رہو۔"

کافی دیر تک گفتگو کرنے کے بعد دونوں حضرات چلے گئے تھے اور شہاب مسکراتا رہا تھا...... پھر دوسرے دن اس وقت جب وہ آفس میں پہنچا تو مامون خان نامی ایک شخص اس کا منتظر تھا...... گلاب جان تھوڑے فاصلے پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے چہرے پر سرخی نظر آرہی تھی...... گلاب جان نے اسے سیلوٹ کیا اور مامون خان نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے اس پر نگاہ

ڈالیں۔

وہ ایک عمر رسیدہ آدمی تھا، بڑی بڑی مونچھیں چہرے پر پھیلی ہوئی نظر آرہی تھیں، آنکھوں میں سرخی لہرا رہی تھی، قد و قامت بھی شاندار تھا۔ شہاب کو دیکھ کر بولا۔

"تب ہی تو...... اگر کوئی سمجھ دار آدمی ہوتے تو یہ سب کچھ نہ کرتے۔"

شہاب نے کرسی پر بیٹھ کر سوالیہ نگاہوں سے گلاب جان کو دیکھا تو گلاب جان نے کہا۔

"یہ مامون خان صاحب ہیں، شہابو کو لے جانے کے لئے آئے ہیں۔"

"اچھا، اچھا، اچھا، مامون خان صاحب ہیں، کہئے مامون خان صاحب کیسے مزاج ہیں؟"

"ابھی تک تو بہت خراب ہیں اگر تم لوگ سمجھ داری سے کام لو تو ٹھیک ہو سکتے ہیں، ایک بات بتاؤں تمہیں، ماربل کلب میں جو لوگ جاتے ہیں ان کی اپنی ایک حیثیت ہوتی ہے، پولیس کا اس طرح ماربل کلب میں گھس کر کسی شریف آدمی پر ہاتھ ڈال دینا بہت غلط بات ہے۔ اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے مترادف ہے۔"

"اوہو، آپ شہابو کی بات کر رہے ہیں، مگر خان صاحب شہابو ایک نوجوان صحافی کے اغوا کا ملزم ہے اس نے اعتراف کیا اور اس کی نشاندہی پر شہابو کو برآمد کر لیا گیا۔"

"سنا ہے یہ جھوٹ ہے، برآمد ہونے والا صحافی کہاں ہے؟" مامون نے کہا۔

"اسے دوبارہ اغوا کر لیا گیا ہے؟"

"کس نے اغوا کیا ہے اسے؟"

"انہی لوگوں نے جنہوں نے اسے پہلی بار اغوا کیا تھا۔"

"شہابو نے ان لوگوں کی نشاندہی نہیں کی؟"

"ابھی تک نہیں کی، لیکن ہم اس کے لئے ایک پروگرام بنا رہے ہیں، بول دے گا بے چارہ۔ بساط بھر کوشش کر رہا ہے کہ زبان بند رکھے لیکن زبان کھلوالی جاتی ہے خان صاحب۔"

"گویا تم اس پر تشدد کرنا چاہتے ہو۔"

"ہم نے اس پر کافی تشدد کیا ہے جس کے نتیجے میں اس نے وہ بات بتائی تھی۔ اب تشدد اور شروع کریں گے۔"

"اور اس کا نتیجہ جانتے ہو؟"

"میں سمجھا نہیں خان صاحب۔" شہاب نے کہا۔

"میاں عقل کے ناخن لو۔ یہ ایس آئی بہت اونچی اونچی باتیں کر رہا ہے، میں نے
سے پوچھا تھا تو اس نے بتایا کہ تھانہ انچارج صاحب نے چھاپا نہیں مارا تھا بلکہ یہ گیا تھا
کلب۔ بھئی دیکھو زیادہ پرجوش ہونا کبھی کبھی خطرناک بھی ہوتا ہے۔"

"مثلاً وہ خطرہ کس قسم کا ہو سکتا ہے خان صاحب۔" شہاب نے رازداری سے پوچھا۔

"بہت سے خطرے ہوتے ہیں، جن کی مختلف اقسام ہوتی ہیں، میں تو ایک عمر رسیدہ آدمی کی حیثیت سے تمہیں سمجھا رہا ہوں، شہابو اصل میں تنہا نہیں ہے، اس کی ایک پشت اور وہ کسی کے لئے کام کرتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر بات اونچے پیمانے پر آگے بڑھ گئی تو خود سوچو تمہارا کیا ہوگا؟"

"گلاب جان، خان صاحب کی بات تو بڑی وزن دار معلوم ہو رہی ہے، خان صاحب کہنا ہے کہ شہابو کی پشت پر کسی کا ہاتھ ہے، گلاب جان کیا ہمیں اس شخص کی تلاش نہیں جس کا ہاتھ شہابو کی پشت پر ہے؟"

"جی سر بالکل۔" گلاب جان نے جواب دیا۔

"اور خان صاحب کہتے ہیں کہ انہیں اس شخص کے بارے میں معلومات حاصل ہیں۔" شہاب مسکرا کر بولا۔

"جی سر بالکل۔"

"تو کیا خان صاحب ہماری مدد نہیں کر سکتے؟ مطلب یہ کہ یہ تو بتا سکتے ہیں کہ وہ شخص ہے جس کا ہاتھ شہابو کی پشت پر ہے۔"

"جی سر بالکل بتا سکتے ہیں۔"

"تو یار، اس کے لئے خان صاحب کو مجبور کیسے کیا جائے؟"

"صاحب ڈرائنگ روم میں لے جا کر الٹا لٹکا دیا جائے اور سر کے نیچے آگ جلا جائے، خان صاحب کا دماغ پگھلے گا تو معلومات خود باہر آجائیں گی۔" گلاب جان نے جو دیا اور مامون خان کا چہرہ آگ کی طرح سرخ ہو گیا۔

"دھمکیاں دے رہے ہیں آپ لوگ مجھے؟"

"نہیں سر، نہیں بالکل نہیں...... یار گلاب جان تم بھی کمال کرتے ہو...... اب ایسا کرو گے کہ خان صاحب کو لے جاؤ گے ڈرائنگ روم میں، الٹا لٹکا کر ان کے نیچے

گے۔"

"جی سر، یہ ڈیوٹی میرے سپرد کر دی جائے۔"

"افوہ ہر وقت مستعدی نہ دکھایا کرو، آدمی آدمی کو دیکھا کرو، بات تو پوچھو خان صاحب کیا کہنا چاہتے ہیں۔" شہاب نے نرمی سے کہا، پھر خان صاحب سے بولا۔

"جی خان صاحب چھوڑیئے ان باتوں کو، یار گلاب جان تم ہمیشہ الٹے سیدھے مشورے دیا کرتے ہو۔"

"یہ آدمی کچھ ضرورت سے زیادہ آگے نہیں ہے۔"

"ارے ارے خان صاحب، گلاب جان کو نہ چھیڑیئے، بس کیا بتاؤں آپ کو، سوچنے کے معاملے میں یہ شخص بڑا غلط ہے، پہلے کرتا ہے پھر سوچتا ہے اور مزے کی بات یہ کہ ہر نقصان اٹھانے کو تیار رہتا ہے۔ آپ چھوڑیئے ان باتوں کو اور یہ بتایئے کہ کیا کرنا چاہئے؟"

"شہابو کو چھوڑ دو۔"

"اس کی جگہ آپ رہیں گے؟" شہاب نے رازدارانہ انداز میں پوچھا اور مامون خان ایک دم پیچھے سرک گیا۔

"کک...... کیا فضول بات ہے؟"

"نہیں میرا مطلب ہے نفری تو پوری کرنی ہوتی ہے نا خان صاحب، مطلب یہ ہے کہ شہابو کی جگہ کون رہے گا؟"

"آفیسر شہابو کا تعلق ایک ایسی شخصیت سے ہے جس کا نام سنو گے تو حواس ٹھکانے آجائیں گے۔"

"اچھا......" شہاب نے خوفزدہ نگاہوں سے گلاب جان کو دیکھا، پھر بولا۔

"کون ہے وہ شخصیت؟"

"ابھی اس کا نام درمیان میں نہ آئے تو بہتر ہے...... آپ ایسا کرو انسپکٹر صاحب شہابو کو چھوڑ دو، اس کے نتیجے میں آپ کو جو فائدہ ہوگا آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ سمجھ رہے ہیں نا آپ؟"

"یار وہ تو ٹھیک ہے لیکن اب دیکھو نا ایف آئی آر بھی درج ہے اور اخبار میں بھی آچکا ہے، آخر میں تو تھانہ انچارج ہی ہوں نا، حکام پوچھیں گے تو کیا جواب دوں گا؟"

"تم لوگ ترکیبیں تو نکال لیتے ہو نا؟"

"یہی تو خرابی ہے مامون خان صاحب یہ کھوپڑی جو ہے ناکم بخت اتنی ٹھس ہے کہ ... تک کوئی ترکیب سوچ ہی نہیں سکی۔"

"ہوں، آخری بار کہہ رہا ہوں کہ کوئی خطرہ مول مت لو، مان لو، میری بات۔"

"آپ اس شخصیت کا نام بتائیے مجھے، سمجھ رہے ہیں نا، پتا تو چلے آخر کون ہے اور ... تو اس کے لئے بھی میرا خیال ہے کہ کوئی بات کر لیتے ہیں تاکہ پوری صورت حال سمجھ میں آجائے تو پھر کام کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔"

"اس کے علاوہ میں تم سے کوئی بات نہیں کر سکتا۔"

"کمال ہے اب آپ کے سوا تو میرا کسی سے کوئی تعارف نہیں ہے اور آپ ... بڑے نام کی دھمکی دے رہے ہیں، آپ ایسا کریں مامون خان وہ جو بڑا نام ہے نا اس سے میری بات کرا دیجئے۔"

"ہوں، ٹھیک ہے مگر جلد بازی نہ کرو، ایسا کرتے ہیں، میں چلتا ہوں مگر تم یہ ترکیب سوچ کر رکھنا کہ اسے کیسے نکال سکتے ہو؟"

"اتنے بڑے آدمی کا کوئی معاملہ ہے، ترکیب تو نکل آئے گی...... یہ اتنا مشکل کام نہیں ہوتا...... چلو ٹھیک ہے آپ بات کر لیجئے۔"

"مامون خان باہر نکل گیا تو شہاب نے مسکرا کر گلاب جان سے کہا"۔

"ہاں بھئی ٹھیک ہے۔"

"بالکل ٹھیک ہے سر، آپ مجھے آگے بڑھا دیجئے میرا کوئی مسئلہ نہیں ہے، میں ان معاملات سے نمٹ لوں گا اچھی طرح، آپ بالکل بے فکر رہیں میری طرف سے۔"

"ڈیئر گلاب جان، جان تمنا ایک بات کہوں تم سے، ذرا تھانے میں اور راستے میں ہوشیار رہنا اور سنو چار آدمیوں کو رائفلوں کے ساتھ ذرا چوکس کر کے بٹھا دو، ہو سکتا ہے کوئی آگے کا کھیل شروع ہو جائے۔"

"سمجھ گیا صاحب......" گلاب جان نے کہا۔ کوئی ایک گھنٹے کے بعد ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور شہاب نے ریسیور اٹھالیا، دوسری طرف سے ایک پاٹ دار زنانہ آواز سنائی دی۔

"تھانہ انچارج انسپکٹر شہاب سے بات کرنا چاہتی ہوں میں۔"

"خادم بول رہا ہے آپ کون ہیں؟"

"مجھے لوگ بلاوجہ سیٹھ محمودہ کہتے ہیں، حالانکہ میں تو فقیر منش ہوں سیٹھ تو بڑے لوگوں کو کہا جاتا ہے، تھوڑے سے پیسے ہیں میرے پاس جو میرے بھی کام آتے ہیں اور بہت سے دوسرے لوگوں کے بھی اور انہی پیسوں کے عوض لوگوں نے مجھے سیٹھ کہنا شروع کر دیا، ویسے کوٹھی نمبر 192 کریم سوسائٹی میں رہتی ہوں...... انسپکٹر تم سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"اوہو سیٹھ محمودہ صاحبہ آپ اور مجھ سے ملنا چاہتی ہیں...... بھئی بہت بڑا نام ہے آپ کا، بہت بڑی شخصیت ہے آپ کی اور ہم۔ چہ پدی چہ پدی کا شوربہ، آپ حکم دیجئے کب حاضر ہو جاؤں؟"

"سات بجے آجاؤ، شام کی چائے میں ذرا دیر سے پیتی ہوں۔"

"جی بہت بہتر حاضر ہو جاؤں گا۔" شہاب نے کہا اور دوسری جانب سے فوراً ہی فون بند ہو گیا...... شہاب ریسیور رکھنے کے بعد تھوڑی دیر تک مسکراتا رہا پھر اس نے ٹرانسمیٹر نکالا، ادھر ادھر دیکھا اور پھر اسے آن کر کے قریب رکھ لیا۔

"ڈبل او گینگ، ڈبل او گینگ، اوور۔"

"یس سر...... فور ر سیونگ۔"

"مجھے کچھ چیزوں کی ضرورت ہے فوری طور پر ڈبل او سیون کو سپلائی کر دی جائیں۔"

"یس سر حکم دیجئے دوسری طرف سے آواز آئی اور شہاب نے کچھ تفصیلات بتانے کے بعد ٹرانسمیٹر بند کر دیا۔

❋

کوٹھی میں آنے جانے والوں کا تانتا لگا رہتا تھا، لیکن شام کو ساڑھے چھ بجے سیٹھ محمودہ نے اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ اب نہ وہ کوئی فون ریسیو کریں گی اور نہ کسی سے ملاقات کریں گی، گیٹ پر کہلوا دیا جائے...... البتہ سات بجے انسپکٹر شہاب نامی ایک شخص آئے گا صرف اسے اندر آنے دیا جائے...... یہ احکامات فوراً نازل کر دیئے گئے...... ٹیلی فون آپریٹر ہمیشہ ٹیلی فون پر رہا کرتی تھی، چنانچہ آنے والی کالوں پر معذرت کی جانے لگی اور وقت گزرتا رہا...... مامون خان، سیٹھ محمودہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا...... سیٹھ محمودہ نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور ہنسنے لگی۔

"مامون خان دیکھو ناواقفیت انسان سے بہت کچھ کرالیتی ہے اور کہلوا دیتی ہے
طاقت کا اصل مخزن کیا ہے، جانتے ہو...... عقل صرف عقل، جسم کو کتنی ہی قوت فراہم
عقل سے عاری ہوا تو سمجھو کچھ بھی نہیں ہے، ایک معمولی سی شخصیت سے مار کھا جائے
گا...... اصل طاقت عقل ہے اور اسی کا استعمال اگر مناسب طریقے سے کرلیا جائے تو سمجھو
چیز تمہاری اپنی ہے، مجھے دیکھو کیا میں کوئی پہلوان ہوں، جسمانی طاقت میں دوسروں پر
فوقیت رکھتی ہوں لیکن کیا کچھ نہیں کرلیتی میں...... بولو کیا کچھ نہیں کرلیتی؟"

"آپ نے ٹھیک کہا مرشد لیکن وہ اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے، اس نے آپ کا نام بھی ٹھکرا دیا۔"

"ہاں ہاں...... ناعقل ہے بے چارہ، طاقت کے زعم میں مارا گیا حالانکہ ہے کیا، معمولی سا پولیس انسپکٹر...... اصل میں یہ لوگ اپنے چھوٹے چھوٹے علاقوں میں معمولی قسم کے جرائم پیشہ افراد پر بڑا رعب جما لیتے ہیں اور پھر یہ ان کا مزاج بن جاتا ہے، وہ اس مزاج کو ہر جگہ استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ ناعقلی نہیں ہے تو کیا ہے بتاؤ۔ مارے جاتے ہیں بے چارے۔

بھی میرے سامنے اسی غم و غصے کا اظہار کر رہے ہو، جو ایک کم عقل شخص کا وطیرہ ہو سکتا ہے...... نہیں مامون خان بھول جاؤ سب بے وقوفی کی باتیں ہیں، ہم اسے ٹھیک کر دیں گے۔"

"اصل میں مامون خان، کم بخت نے اپنی تقدیر پر مہر لگا دی ہے، ہم کیا کریں کیا کریں یقین کرو کسی کو دکھ دینے کے لئے دل نہیں چاہتا، ہر ایک کی تکلیف پر تڑپ اٹھتے ہیں ہم مگر جنہیں تکلیفیں خریدنے کا شوق ہو تم کیا کہو گے ان کے لئے۔ مامون خان تھوڑے بہت پیسے اگر وہ مانگتا، پریشان حال ہوتا تو ہم دے دیتے...... تم جانتے ہو دولت ہمارے لئے ایک بے حقیقت شے ہے، کبھی اس کی پروا نہیں کی ہم نے، لیکن بدنصیب ہے کم بخت، سیدھی سیدھی بات کرنے کے بجائے گھما کر ناک پکڑنا چاہتا ہے اور میں جانتی ہوں یقین کرو میں اچھی طرح جانتی ہوں، کچھ دیں گے اسے خاموش ہو جائے گا۔ جو کہیں گے کرے گا اور ہم دے دیتے لیکن اس دینے سے پہلے ہم اسے تھوڑی سی سزا دینا چاہتے ہیں اور سزا ضروری ہے اس کے لئے، کیونکہ اس نے ہمارے مامون خان کو ناراض کیا ہے سمجھے مامون خان کو۔"

"مرشد یہ تو نہیں پوچھوں گا کہ آپ اسے کیا سزا دینے کا ارادہ رکھتی ہیں لیکن بہرحال۔"

"بھئی کچھ عرصے کے لئے اس کی ملازمت ختم ہونی چاہئے، ذرا دھچکے پڑنے چاہئیں ہے...... رشوت خوری کا الزام۔

"گویا آپ اس کی زبان نہیں بند کرنا چاہتیں؟"

"نہیں بھئی زبانوں سے ہمیں بہت بہت زیادہ دلچسپی نہیں ہے، زبان تو اس کی ہزار طریقوں سے بند کی جا سکتی ہے لیکن ذرا تھوڑا سا لطف تو لیا جائے اس سے، دیکھیں تو سہی ہے کون، سامنے سے ہٹ جانا تم ہمارے، درمیان میں مت آنا، دیکھو میرا خیال ہے وہ آنے والا ہے، اگر وقت کا پابند ہوا تو؟"

ٹھیک سات بجے اردلی نے آکر اطلاع دی کہ انسپکٹر شہاب نامی ایک شخص آیا ہے اور مامون خان اپنی جگہ سے اٹھ گیا...... سیٹھ محمودہ نے آنے والے کو گہری نگاہوں سے دیکھا پھر وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی اور بدستور پیار بھرے لہجے میں بولی۔

"واہ نوجوانی کی عمر اور پھر ماشاءاللہ کسا ہوا سجا ہوا بدن، وردی بھی خوب پیاری لگ رہی ہے تمہارے بدن پر...... تم جیسے نوجوان کو دیکھ کر میرا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے، لوگ مجھے سیٹھ محمودہ کہتے ہیں...... آؤ یقیناً تم انسپکٹر شہاب ہو؟"

شہاب نے فرشی سلام کر ڈالا اور سیٹھ محمودہ مسکرا کر بولی۔

"پسند نہیں آیا، نہیں پسند آیا تمہارا یہ انداز تمہارا سینہ تنا ہوا ہونا چاہئے...... گردن اکڑی ہونی چاہئے، یہ شان ہو تو بات ہی کچھ اور ہو جاتی ہے۔"

"اصل میں میڈم احترام بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ آؤ آؤ بیٹھو...... آؤ میرے پاس آؤ بیٹھ جاؤ، بہت پیارے لگے ہو تم مجھے بہت ہینڈسم ہو۔"

"شش...... شکریہ میڈم۔" شہاب آگے بڑھ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کتنا عرصہ ہو گیا نوکری کرتے ہوئے؟"

"بیس سال۔" شہاب نیاز مندی سے بولا اور سیٹھ محمودہ چونک پڑی۔

"کتنے؟"

"بیس سال۔" شہاب معصومیت سے بولا۔

"عمر کیا ہے تمہاری؟"

"ستائیس سال۔"

"مذاق کر رہے ہو...... ویسے مجھے خوش مزاج نوجوان پسند ہیں شو، کھلنڈر، میرا بھی ایک بیٹا ہے...... تم سے عمر میں تین سال بڑا ہے، ایک بیٹی ہے...... اس سے نو سال چھوٹی۔"

"اللہ عمر میں برکت دے۔" شہاب کے لہجے میں خلوص بہ رہا تھا۔

"آمین۔" محمودہ بولی۔ "تمہارے اندر ادب بھی ہے، شرارت بھی۔ وہ بیس سال والی بات کلیئر کرو۔"

"تعلق غریب گھرانے سے ہے، سترہ سال سے مختلف نوکریاں کی ہیں، اخبار بیچے، مز مینی کی اور پھر پولیس میں بھرتی ہو گیا بیس سال ہو گئے نا۔"

"ارے واہ...... یہ بات ہے۔"

"جی۔"

"تب تو تم نے ٹھیک کہا لیکن میں پولیس کی نوکری کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔"

"جمعہ جمعہ آٹھ دن۔"

"ہاں...... یہی لگتا ہے...... ویسے یہ بڑی ذمے داری کی نوکری ہے، یہاں جوش سے زیادہ ہوش سے کام لینا ہوتا ہے۔"

"جی۔ میں سمجھا نہیں۔"

"قانون کا احترام بہت ضروری ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ قانون سازوں کا احترام بھی کرنا چاہئے۔"

"کرتا ہوں۔" شہاب بولا۔

"نہیں کرتے عزیزی، نہیں کرتے۔"

"کوئی غلطی ہو گئی ہے مجھ سے؟"

"ہاں...... ہوئی ہے۔"

"سنے بغیر معافی چاہتا ہوں۔"

"نہیں...... ابھی سنو...... کچھ لوگ قانون ساز ہوتے ہیں، کچھ قانون کے محافظ اور کچھ وہ جن کے لئے قانون بنتا ہے۔"

"کچھ؟" شہاب نے حیرت کا اظہار کیا۔

"کیا مطلب؟"

"میں نے تو پڑھا ہے کہ قانون ملک کے ہر شہری کے لئے یکساں ہوتا ہے۔"

"کتابوں میں پڑھا ہے نا؟"

"ہاں یقیناً۔"

"کتابیں لکھنے والے بھی تو عام لوگ ہی ہوتے ہیں۔ بہت سی باتیں نہیں جانتے بے چارے۔"

"آپ سمجھا دیجئے بیگم صاحبہ۔"

"لوگ مجھے صرف مرشد کہتے ہیں۔" سیٹھ محمودہ نے کہا۔

"میں بھی کہوں گا۔" شہاب خلوص سے بولا اور محمودہ اسے غور سے دیکھنے لگی۔

"کہو گے؟"

"دل و جان سے۔"

"سوچ لو...... مرشد کے حکم کی تعمیل کرنی ہوتی ہے۔"

"کروں گا۔"

"ہوں، تو بات ہو رہی تھی کتابیں لکھنے والوں کی، بلکہ قانون کی تو کچھ ایسے ہوتے ہیں جن کے لئے قانون بدل لئے جاتے ہیں اور یہی لوگ تقدیریں بدل دیا کرتے ہیں...... بے شک جن پر قانون لاگو ہوتا ہے ان کی گردن میں قانون کی رسی ڈالو مگر یہ رسی لے کر کسی ایسے شخص کی طرف نہ بڑھو جس کے لئے قانون بنتا ہے۔"

"جی مرشد؟" شہاب نے آہستہ سے کہا۔

"ایسے لوگوں کی ایک فہرست اپنے پاس رکھو...... یہ معلوم کرو کون کس سے رابطہ رکھتا ہے۔ ایسے کسی شخص کے کتے کو بھی نہ چھیڑو ورنہ نقصان ہوتا ہے۔"

"یہ اقوالِ زریں ہیں...... میں انہیں یاد رکھوں گا۔"

"ترقی پاؤ گے، کچھ بن جاؤ گے۔"

"شکریہ...... مرشد۔"

"ایک آدمی پکڑا ہے تم نے...... اس کا نام شہاب الدین ہے، لوگ اسے شہابو کہتے ہیں۔"

”جی ہاں......وہ میری تحویل میں ہے۔“

”ہمارا آدمی ہے وہ۔“

”اوہو......اس نے ایک صحافی کو اغوا کر کے حبس بے جا میں رکھا ہوا تھا......ان کی نشاندہی پر۔“

”مجھے پوری بات معلوم ہے بس یہ نہیں معلوم کہ وہ صحافی دوبارہ کس نے اغوا کرایا۔“

”شہابو کے ساتھیوں نے۔“

”اوہ نہیں ڈیئر......وہ شہابو کے آدمی ہوتے تو تو شہابو کو بھی ساتھ لے جاتے۔“

”نہیں مرشد......وہ شہابو کو اسی لئے نہیں لے گئے کہ شہابو پر سے شک ہٹ جائے اور وہ مفرور نہ کہلائے۔“ شہاب نے کہا اور سیٹھ محمودہ کی آنکھیں حیرت سے سکڑ گئیں۔

”انہوں نے اس کے بیوی بچوں کو بھی اغوا کر لیا ہے۔ وہ غائب ہو گئے ہیں۔“

”نہیں......ایسی بات نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے اس کی بیوی اپنے بچوں کو لے کر کہیں روپوش ہو گئی ہو۔“

”شہابو نے اغوا کا اعتراف کیا تھا۔“

”مارا پیٹا ہے اسے۔“

”مگر جس جگہ کا اس نے نام لیا تھا صحافی وہاں سے برآمد ہوا تھا۔“

”چلو ٹھیک ہے......اب میں کہوں کہ جو کچھ بھی ہے لیکن شہابو میرا آدمی ہے تو تم کیا کرو گے؟“ سیٹھ محمودہ نے کہا۔

”میں، میں کیا کر سکتا ہوں۔“

”اسے چھوڑنا ہے تمہیں......یہ ضروری ہے، اسی طرح تمہیں ہمارا آشیرباد حاصل ہو سکتا ہے۔“

”مگر اس کی ایف آئی آر درج ہے......اس کی خبر اخبار میں چھپ گئی ہے۔“ شہاب متفکر لہجے میں بولا۔

”یہی تو امتحان ہے تمہارا......اب تم دیکھو کون سا داؤ لگا سکتے ہو، لیکن اسے باعزت چھوڑنا ہے تمہیں اور ضرور چھوڑنا ہے۔“

”مگر مرشد......وہ صحافی؟“

”وہ بازیاب ہو جائے گا۔“

”شہابو نے اسے کیوں اغوا کیا تھا؟“

”بس بہت اونچا اڑ رہا تھا وہ......ان لوگوں سے ٹکرا رہا تھا جن پر قانون لاگو نہیں ہوتا۔“

”وہ کون لوگ ہیں مرشد؟“

”ہمارے مرید۔“ سیٹھ محمودہ مسکرا کر بولی۔

”اوہ۔“ شہاب نے آہستہ سے کہا، اسی وقت ایک نوجوان اندر داخل ہو گیا......خوبصورت جرسی اور پینٹ پہنے ہوئے اندر داخل ہوا تھا......چہرے سے ہی اوباش اور آوارہ نظر آتا تھا۔

”ہیلو مم۔“

”ہیلو جیم۔“ سیٹھ محمودہ مسکرا کر بولی۔

”سوشل ورک ہو رہا ہے؟“ نوجوان مسکرایا۔

”یہی سمجھ لو۔“

”کون ہیں یہ؟“

”پولیس آفیسر......تھانہ انچارج۔“

”او گڈ......میری ان سے دوستی کرا دو مم......ایک پولیس آفیسر سے دوستی چاہتا ہوں میں۔“

”کیا کرو گے؟“

”بس میری خواہش ہے۔“

”تمہاری خواہش......چلو بعد میں تمہاری یہ خواہش پوری کر دوں گی۔“

”ہیلو آفیسر......میرا نام جمشید ہے......میں ان کا بیٹا ہوں۔“

”ہیلو سر!“ شہاب کھڑے ہو کر جھکا۔

”یور کارڈ پلیز۔“ جمشید نے کہا اور شہاب نے جلدی سے اپنا کارڈ نکال کر اسے دے دیا......وہ اسے پڑھتا ہوا بولا۔ ”شہاب ثاقب......گڈ......میں تم سے ملوں گا۔“

”ضرور ملو۔“

”اوکے مم۔“ جمشید کمرے سے نکل گیا......سیٹھ محمودہ ناخوشگوار نظروں سے اسے

دیکھ رہی تھی...... اس کے جانے کے بعد بولی۔

"یہ اگر تم سے کبھی کسی غیر قانونی خواہش کا اظہار کرے تو مجھے بتائے بغیر کچھ نہ کرنا۔"

"جی مرشد۔"

"ہم کیا بات کر رہے تھے؟" اس نے ڈسٹرب کر دیا۔

"آپ صحافی کے بارے میں کہہ رہی تھیں۔"

"ہاں...... وہ بہت اونچا اُڑ رہا تھا...... اتنا اونچا کہ اس نے بڑے آدمیوں کے گھروں میں جھانکنا شروع کر دیا...... بس کچھ لوگ لگ گئے اس کے پیچھے۔"

"اوہ...... یہ بات ہے۔"

"سو فی صد...... خیر اب کام کی بات کرو...... ادھر ادھر کی بہت سی باتیں ہو گئیں۔"

"حکم دیں مرشد؟"

"یہاں سے واپس جاؤ اور شہابو کو چھوڑ دو۔"

"لیکن مرشد۔"

"تمہاری مدد کریں گے ہم۔"

"اور بھی بہت کچھ دیں گے ہم۔" سیٹھ محمودہ نے کہا اور پھر ایک چیک بک نکالی، پھر اس نے دو لاکھ روپے کا چیک لکھا اور شہاب کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "یہ ہماری طرف سے تحفہ...... تم پہلی بار یہاں آئے ہو۔"

شہاب مسکرانے لگا پھر بولا۔ "یہ چیک میرے اکاؤنٹ میں جمع ہو گا مرشد۔"

"ہاں۔"

"اور آپ نے دیا ہے۔"

"ہاں...... بالکل۔"

کس مد میں؟"

"کیا مطلب؟"

"کبھی اس اکاؤنٹ کی جانچ پڑتال ہو گئی تو میں کیا جواب دوں گا۔"

"تحفہ ہے یہ۔"

"پولیس والوں کو تحفے بلاوجہ نہیں دیئے جاتے...... کوئی یہ بات نہیں مانے گا اور میرا

ریکارڈ خراب ہو جائے گا۔"

"گڈ...... اس کا مطلب ہے ذہین ہو۔"

"اب تو مرشد کے زیر سایہ ہوں۔"

"خیر...... ٹھیک ہے...... کل مامون خان تمہارے پاس آئے گا اور نقد رقم دے دے گا اور تم...... تم شہابو کو رہا کر دو گے۔"

"حکم سے انحراف نہیں ہو گا مرشد!"

"خدا حافظ۔" سیٹھ محمودہ نے کہا اور شہاب اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ "اور سنو...... ہم تمہاری مدد کے لئے کسی کو بھیج دیں گے۔"

"میں سمجھا نہیں؟"

"بس اب جاؤ۔" سیٹھ محمودہ نے بیزار لہجے میں کہا اور شہاب وہاں سے باہر نکل آیا۔

❁

انسپکٹر شہاب کے جانے کے بعد مامون خان اندر سے نکل آیا...... محمودہ نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بولی۔

"ہوں...... کیا کہتے ہو؟"

"آدمی عجیب ہے مرشد۔"

"اور خطرناک بھی۔"

"بالکل ٹھیک مرشد...... کمبخت نے چیک نہیں لیا۔"

"ایسے لوگ جو بظاہر مرنجان مرنج ہوتے ہیں...... اندر سے کافی خطرناک نکلتے ہیں...... اس شخص نے میری ہر بات کو قبول کیا، میرا احترام بھی کیا لیکن ایک بھی کام ایسا کرنے کا وعدہ نہیں کیا جس کی میں نے خواہش کی...... یہاں تک کہ چیک بھی قبول نہیں کیا۔"

"جی مرشد۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اسے دیکھنا ہو گا۔"

"ضروری ہے۔"

"شہابو کی رہائی کا اس نے وعدہ تو کیا ہے۔"

"پورا نہیں کرے گا مرشد۔"

"کرے گا، کیسے نہیں کرے گا...... اسے جال میں جکڑنا ہے اور جکڑ جائے گا۔ فکر نہ
لیکن یہ جمشید، یہ حد سے بڑھتا جارہا ہے۔ اس سے دوستی کر رہا ہے۔"

"پھر کیا حکم ہے مرشد؟"

"نہیں ہم اپنے اصول نہیں بدلتے۔ اسے جال میں جکڑنا ضروری ہے...... اس کے بعد...... وہ ہم سے مخلص ہو جائے گا۔ ضرور ہو جائے گا۔ سنو" سیٹھ محمودہ نے کہا اور آہستہ آہستہ مامون خان کو کچھ سمجھانے لگی۔

"ٹھیک ہے مرشد۔" مامون خان نے کہا۔

✿

عدنان واسطی اور بینا، شہاب کو دیکھ کر حیران رہ گئے وہ اچانک ان کے گھر پہنچ گیا تھا۔

"خیریت شہاب میاں؟" واسطی صاحب نے خوشگوار حیرت سے کہا۔

"بالکل خیریت ہے...... بس دل چاہا کہ رات کا کھانا آپ کے ساتھ کھایا جائے۔"

"اوہ...... عدنان واسطی صرف اتنا کہہ سکے۔" بینا کے چہرے سے مسرت پھوٹ رہی تھی۔ کھانے کے بعد واسطی صاحب نے کہا۔

"کیا ہو رہا ہے آج کل؟"

"بس خاموشی ہے...... لوگوں نے جرائم کرنا چھوڑ دیئے ہیں...... یہ بڑی دلچسپ بات ہے۔ میرے علاقے میں جرائم خود بخود کم ہو جاتے ہیں۔"

"مجرم بے وقوف نہیں ہوتے۔"

"تھوڑا بہت مسئلہ چلتا رہتا ہے اور میں نے بینا سے کہا ہے. کہ واسطی صاحب کو ہر معاملے سے باخبر رکھا جائے۔"

"آپ کی اسی اجازت سے میں نے ابو کو اس معاملے میں بھی مختصراً بتا دیا ہے۔"

"سبحان طاہر والا معاملہ؟"

"جی...... چل رہا ہے۔"

"شہابو کی ضمانت تو نہیں ہوئی ابھی؟"

"نہیں...... سیٹھ محمودہ سے ملاقات ہوئی ہے۔"

"ہو گئی؟" بینا نے اُچھل کر کہا۔

"ہاں۔"

"کیا گفتگو ہوئی؟" بینا نے اشتیاق سے پوچھا اور شہاب نے جیب سے ایک ننھا سا ٹیپ ریکارڈر نکال لیا پھر بینا سے بولا۔

"کسی ٹیپ ریکارڈر سے ہیوی پاور والے اسپیکر نکال لاؤ...... ننھے ٹیپ ریکارڈر کو بڑے اسپیکر سے منسلک کر کے شہاب نے ٹیپ ریکارڈر آن کر دیا پھر اس وقت تک سناٹا چھایا رہا جب تک سیٹھ محمودہ کے آخری الفاظ نہ سنائی دیئے...... بعد میں بھی دیر تک خاموشی چھائی رہی تھی۔

"اور اسے شبہ نہیں ہو سکا کہ تم نے یہ گفتگو ریکارڈ کر لی ہے؟"

"نہیں سر۔" شہاب نے جواب دیا...... بینا مسکراتی نظروں سے شہاب کو دیکھ رہی تھی۔

"ویسے شہاب...... اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بے حد خطرناک عورت ہے اور یوں سمجھو کہ بادشاہ گر ہے اور جتنے بادشاہ اس نے بنائے ہیں وہ سب اس کے اطاعت گزار ہیں۔"

"سر...... میں نے بھی ہاتھیوں سے جنگ چھیڑی ہے...... مجھے تیتروں کا شکار پسند نہیں ہے۔"

"اللہ تمہاری حفاظت کرے۔"

شہاب وہاں سے چلا تو بینا اسے باہر تک چھوڑنے آئی پھر بولی۔ "کبھی کبھی تو میں بھی خوفزدہ ہو جاتی ہوں۔"

"اچھا۔" شہاب نے مسخرے پن سے آنکھیں نکال کر کہا۔

"واقعی...... آپ اپنی طرف سے بہت بے پرواہ ہیں۔"

"تو تم میرا خیال رکھا کرو۔"

"میں کیا کر سکتی ہوں...... ہر وقت آپ کے ساتھ تو نہیں رہ سکتی۔"

"یہ کون سا مشکل کام ہے۔"

"آپ مذاق کر رہے ہیں اور میں۔"

"لعنت ہے مذاق کرنے والے پر۔"

"پلیز اپنا خیال رکھا کریں۔"

"یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔"

"میرا کیا قصور ہے۔" بینا نے کہا اور شہاب چونک کر اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"تھوڑی سی مہلت بینا..... بس تھوڑی سی..... اس کے بعد۔" شہاب کے الفاظ پر بینا شرما گئی تھی۔

دوسری صبح تھانے میں شہاب بہت خوشگوار موڈ میں تھا..... اسے اندازہ تھا کہ اس کیس میں سست رفتاری ضروری ہے۔ بات بہت عجیب انداز میں آگے بڑھ رہی تھی اور ہر قدم سنبھال کر رکھنا تھا..... سبحان طاہر کا معاملہ تھا تو اسے تقدیر نے بہت عمدگی کے ساتھ رہائی دلا دی تھی..... باقی کوئی اہم کیس نہیں تھا لیکن اس کے باوجود بہت کچھ تھا اور شہاب زیادہ بھاگ دوڑ کرنا نہیں چاہتا تھا، کیونکہ اسے یہ نوکری قائم رکھنی تھی۔

دن کو پونے بارہ بجے کے قریب مامون خان آ گیا..... گلاب جان موجود نہیں تھا۔ اردلی نے اسے اندر پہنچا دیا۔ مامون خان نے اس سے مصافحہ کیا۔

"مرشد نے سلام کہا ہے۔"

"کیسی ہیں؟"

"مضطرب ہیں۔"

"کیوں؟"

"شہابو ان کا خاص آدمی ہے۔"

"انہوں نے کہا ہے میری مدد کریں گی اس سلسلے میں..... میں اپنی ذمے داری پر تو شہابو کو نہیں چھوڑ سکتا۔"

"ہاں..... وہ تمہاری مدد کا فیصلہ کر چکی ہیں..... یہ تمہاری امانت۔" مامون خان نے جیب سے ہزار ہزار کے نوٹوں کی دو گڈیاں نکالیں اور شہاب کی طرف بڑھا دیں۔

"ارے..... وہ..... اس کی کیا ضرورت تھی۔" شہاب نے گڈیاں اٹھاتے ہوئے کہا لیکن اس نے ایک نگاہ گڈیوں پر ڈالی تھی اور دوسرے لمحے اس کے جبڑوں کی مسکراہٹ ابھر آئیں..... انہی نگاہوں سے اب تک جیت رہا تھا..... گڈیوں کے کناروں پر اسے اینٹی کرپشن والوں کا نشان نظر آ رہا تھا..... دونوں گڈیاں اٹھا کر وہ میز کے پیچھے سے نکلا اور مسکراتا ہوا مامون خان کی طرف بڑھا اور نہایت محبت سے اس کے گلے لگ گیا۔ "مرشد سے میرا شکریہ ادا کر دیں..... آپ نہیں جانتے مامون خان صاحب۔ یہ میری مدت ملازمت کے دوران

پہلی اتنی بڑی رشوت ہے۔"

"او..... ہو..... ہو..... انچارج صاحب۔ آپ مرشد کو نہیں جانتے ان کے حلقہ بگوش ...وں میں جیتے ہیں..... اب آپ جلدی سے ان کا کام کر دیں۔" مامون خان مسکراتا ہوا بولا۔

"ہو جائے گا..... نہ ہونے کا کیا سوال ہے..... اب تو میں مرشد کے لئے جان بھی دے سکتا ہوں۔" شہاب گلوگیر لہجے میں بولا اور واپس اپنی جگہ آ بیٹھا۔

"تو پھر میں مرشد سے کیا کہہ دوں؟"

"ان سے کہہ دیں کہ انسپکٹر شہاب ان کا غلام ہے جو حکم دیں گی اس کی تعمیل ہو گی۔"

"شہابو کے سلسلے میں کیا کہہ دوں ان سے؟"

"بس کہہ دیں کہ ان کا کام ہو گیا۔"

"شکریہ..... میں چلتا ہوں۔" مامون خان مسکراتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"خدا حافظ۔" شہاب نے کہا اور مامون واپس مڑا..... وہ چند قدم آگے بڑھا تھا کہ اینٹی کرپشن کی ٹیم ایک ڈی ایس پی کی سربراہی میں اندر داخل ہو گئی۔ مامون خان مسکرا کر رک گیا تھا۔

"مسٹر شہاب ثاقب..... آپ براہ کرم دونوں ہاتھ سامنے کر کے کھڑے ہو جائیے۔"

شہاب نے کھڑے ہو کر ایڑیاں بجائیں اور ہاتھ سیدھے کر کے کھڑا ہو گیا..... ڈی ایس پی نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور وہ میز کے گرد پھیل گئے۔ "رکئے خان صاحب آپ نے رشوت دے دی؟"

"جی سر۔"

"سودا ہو گیا؟"

"جی سر۔" مامون خان بولا۔

"سر معلوم کر سکتا ہوں کیا بات ہے؟" شہاب نے پوچھا۔

"ضرور انسپکٹر شہاب..... مامون خان صاحب نے اینٹی کرپشن کو رپورٹ دی ہے کہ آپ شہاب الدین نامی ملزم کی رہائی کے لئے دو لاکھ رشوت طلب کر رہے ہیں اور اب یہ رشوت آپ کو دے دی گئی ہے۔"

"سر یہ کمینہ انسان اس وقت بھی مجھ سے سودے بازی کر رہا تھا...... آپ کا تعلق محکمے سے ہے...... آپ خود سمجھتے ہیں کہ ایک خطرناک جرم میں ملوث مجرم جس کی تح... میں ایک پورا خاندان، یعنی ایک جرنلسٹ، اس کی بیوی اور دو بچے ہوں اور اس کے خلاف ایف آئی آر درج ہو کتنی ہی رشوت لے کر کیسے رہا کیا جا سکتا ہے...... یہ شخص مجھے دو... پیش کرنا چاہتا ہے، اس کے ساتھ دھمکیاں دے رہا ہے کہ اگر میں نے شہابو کو رہا نہ کیا تو مجھے نوکری سے نکلوا دے گا اور اس وقت بھی میں نے اسے ذلیل کر کے یہاں سے نکل جانے لئے کہا ہے۔"

"اور رشوت کی رقم قبول کر لی ہے؟" ڈی ایس پی نے کہا۔

"تھوکتا ہوں رشوت پر۔"

"کیوں مامون خان صاحب۔"

"اور تھوک کر رشوت کی رقم جیب میں رکھ لیتے ہیں۔" مامون ہنس کر بولا۔

"سر یہ پورے محکمہ پولیس کی توہین ہے...... میں متعلقہ آرٹیکل کے حوالے سے اس شخص کے خلاف فوری کارروائی چاہتا ہوں...... ایک آن ڈیوٹی پولیس آفیسر پر اس کے تھانے میں رشوت ستانی کا الزام اور اینٹی کرپشن کو دھوکہ دے کر آفیسر کے خلاف کارروائی کرانے کی کوشش پر تین دفعات عائد ہوتی ہیں...... میرے سامنے میرا سینئر آفیسر ہے...... مجھے اجازت دیں کہ میں گواہی کے لئے اپنا عملہ طلب کر لوں۔"

"ہاں...... آپ اپنے عملے کو طلب کر لیں...... میں انہیں بلاتا ہوں۔" ڈی ایس پی نے اپنے آدمی کو اشارہ کیا اور وہ باہر نکل گیا...... اتفاق سے گلاب جان بھی آ گیا تھا...... ڈی ایس پی نے کہا۔

"آپ نے رشوت قبول نہیں کی؟"

"نہیں سر۔"

"اس شخص نے آپ کو پیشکش کی؟"

"جی سر۔"

"آپ تلاشی دیں گے۔"

"مجھے اعتراض نہیں ہے سر۔"

"او کے۔" ڈی ایس پی نے کہا۔

تھانے کا عملہ...... مع گلاب جان کے آ گیا...... تو ڈی ایس پی نے کہا۔ "میں تلاشی لے سکتا ہوں؟"

"یس سر۔"

"آپ آگے آ جائیے۔" ڈی ایس پی بولا اور شہاب دونوں ہاتھ سیدھے کئے آگے آ گیا...... گلاب جان کے جبڑے بھنچے ہوئے تھے...... ڈی ایس پی نے اچھی طرح تلاشی لی پھر اپنے آدمیوں سے بولا۔ "میز کے آس پاس کی درازوں اور کیبنٹ کی تلاشی لو۔"

عملہ تعمیل کرنے لگا اور پھر اطلاع دی گئی کہ رقم کہیں موجود نہیں ہے۔"

"آپ رقم دے چکے ہیں مامون خان صاحب؟"

"ابھی دی ہے سر...... یہ تو جادوگر معلوم ہوتا ہے۔" مامون خان حیرت سے بولا۔

"آپ نے اینٹی کرپشن سے دو لاکھ کی گڈیاں مارک کرائی تھیں۔"

"وہ میں نے دے دی ہیں۔"

"اور انہوں نے لے لی ہیں۔"

"جی ہاں۔" مامون خان حیرت سے بولا۔

"آپ نے خود دیکھ لیا کہ نوٹ ان کے پاس سے برآمد نہیں ہوئے۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟ آپ نے ہمارے محکمے کے ایک آفیسر پر رشوت طلبی کا الزام لگایا ہے، اینٹی کرپشن کو باقاعدہ ملوث کیا ہے اور اب آپ کہتے ہیں کہ آپ کیا کر سکتے ہیں...... آپ نے افسر کے خلاف سازش کی ہے، اس پر جھوٹا الزام لگایا ہے...... جمال حسین ان کی تلاشی لو۔" اعلیٰ افسر نے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا اور مامون خان کے پاس پہنچ گیا۔

"تلاشی دو۔"

"میری تلاشی لینے کا کیا مطلب ہے...... یہ تو الٹا چور کوتوال کو ڈانٹنے کی بات ہوئی۔" مامون خان نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"صاحب آپ تلاشی دو...... کوتوال مت بنو۔" جمال حسین نے کہا اور مامون خان نے ہاتھ اٹھا دیئے...... دو لاکھ کے نوٹوں کی گڈیاں اتنی بے وزن بھی نہیں ہوتیں کہ خود

مامون خان کو اس کا اپنی جیب میں ہونے کا احساس نہ ہوتا...... ہاتھ اٹھانے سے اس کے کرتے کی جیب لٹک گئی اور جمال حسین نے دونوں گڈیاں اس کی جیب سے نکال لیں۔ "یہ گئیں سر۔" اس نے کہا۔

ڈی ایس پی اینٹی کرپشن کی آنکھیں شرربار ہو گئیں، اس نے گڈیاں ہاتھ میں لے کر انہیں دیکھا پھر مامون خان کو، لیکن شدت حیرت سے مامون خان کی زبان بند ہو گئی تھی۔

"یہ کیا ہے؟"

"یہ...... یہ۔" مامون خان آگے نہ بول سکا۔

"مسٹر شہاب ثاقب۔" ڈی ایس پی نے کہا۔

"لیس سر؟" شہاب اٹینشن ہو گیا۔

"آپ اس کے خلاف درخواست لکھئے کہ اس نے آپ کے اور آپ کے تھانے کے عملے کے خلاف سازش کی، اینٹی کرپشن کو اس میں ملوث کیا...... میں اور میرے ساتھ آنے والے میرے عملے کے تمام لوگ اس کے گواہ ہوں گے...... ہم اس کے خلاف وہ کارروائی کریں گے کہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔"

"سر میری بات سن لیں آپ۔" مامون خان نے خود کو سنبھال کر کہا...... ادھر گلاب جان محرر کو ہدایات دینے لگا تھا۔

"عامر علی...... اسے ہتھکڑیاں لگا دو۔" اعلیٰ افسر نے کہا پھر وہ شہاب سے بولا۔ "سوری مسٹر شہاب...... چونکہ آپ اس کیس کے فریق ہیں اس لئے میں اسے آپ کی تحویل میں نہیں دے سکتا، لیکن آپ اطمینان رکھیں...... اس نے آپ کی نہیں پورے پولیس ڈیپارٹمنٹ کی توہین کی ہے۔ میں اسے بدترین سزا دلوا کر رہوں گا۔"

"تھینک یو سر۔" شہاب نے کہا۔

"میں ایک فون کرنا چاہتا ہوں۔" مامون خان نے کہا۔

"اپنے باپ کی کوٹھی میں ہو کیا جو فون کرو گے...... خاموش بیٹھو۔" افسر اعلیٰ سخت برہم ہو گیا تھا۔

"آفیسر...... اپنی زندگی کم کر رہے ہو۔" مامون خان غراتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"کیا مطلب؟"

"میں جتنے بڑے وسائل رکھتا ہوں...... تم سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"ویری گڈ...... اب تم اپنے ان وسائل کے بارے میں بھی بتاؤ گے۔"

"سر میری ڈیوٹی لگا دیں اور صرف دس منٹ دے دیں...... یہ اپنی پیدائش کے وسائل بھی بتا دے گا۔" گلاب جان نے درخواست کی اور افسر اعلیٰ اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔

"سوری ایس آئی...... تم لوگ فریق ہو لیکن بے فکر رہو...... ہم تمہارے ہی قبیلے کے ہیں...... سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

اس موقع پر عادل اختر کی آمد سونے پر سہاگہ ثابت ہوئی تھی، وہ اچانک ہی آ گیا تھا...... اندر آ کر اس نے گھگھیائی ہوئی آواز میں کہا۔

"سر میں شیطان صورت ہوں...... شیطان نہیں ہوں...... بس روزی کی تلاش میں پھیری لگاتا ہوں۔"

"کون ہیں آپ۔" افسر اعلیٰ نے پوچھا۔

"مظلوم ملت...... صحافی ہوں سرکار جس کی تقدیر میں روٹی کم ڈنڈے زیادہ ہیں...... پنج بورڈ کی نازک ادائی سے دل بہلاتے ہیں...... ڈنڈوں کی فراوانی ہے...... کبھی یہ ڈنڈے پولیس مارتی ہے اور کبھی دوسرے صاحب ذوق، شکایت یہ ہے کہ بھوکے پیٹ مارتے ہیں، حالانکہ محاورہ کھلا پلا کے مارنے کا ہے۔"

"آپ یوں کریں...... تصویریں بنالیں...... پوری رپورٹ آپ کو انچارج صاحب دیں گے۔" ڈی ایس پی صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"عزت افزائی کا شکریہ۔" عادل اختر نے اپنا کھٹارہ کیمرہ اتار لیا اور دھڑا دھڑ تصویریں بنانے لگا...... وہ تمام تصویریں بنا چکا تو ڈی ایس پی نے اشارہ کر کے اسے باہر جانے کے لئے کہا اور وہ باہر نکل گیا۔

اتنی دیر میں درخواست تیار ہو چکی تھی...... ڈی ایس پی صاحب نے اس پر نوٹ لکھ کر دستخط کئے...... ایف آئی آر رجسٹر پر دستخط ہوئے، پھر ڈی ایس پی صاحب ملزم کو لے کر چلے گئے...... شہاب مسرور تھا...... اس کی آنکھوں میں تیز چمک تھی، پھر اس نے عادل اختر کو طلب کر لیا۔

"سخت بے چین ہوں جناب...... بڑی عزت بڑھ گئی ہے، دوسرے اخبارات نے

مبارک باد دی ہے، اسی چکر میں حاضری ہوگئی تھی کہ شاید پھر کوئی ایسی خبر مل جائے۔"

"خبر بنائیے عادل اختر صاحب اور بڑے جذباتی الفاظ میں بنائیے...... سرخی دیجئے۔"

"محکمہ پولیس کے خلاف سازش۔"

"خفیہ ہاتھ محکمہ پولیس کو اپنے اشاروں پر نچانے کے لئے سرگرداں۔"

"زندہ باد۔" عادل اختر نے کہا اور پھر شہاب اسے محتاط انداز میں اس واقعے کی تفصیل بتانے لگا...... عادل اختر نوٹس لے رہا تھا...... وہ بہت مسرور نظر آرہا تھا...... رپورٹ مکمل کرنے کے بعد اس نے کہا۔

"دم لگ گیا ہے...... کھسک جاؤں۔"

"بیٹھیں...... کچھ کھائیں پئیں میرے ساتھ۔"

"رسم دنیا تو ہے لیکن موقع نہیں ہے سر...... ایک چٹ پر لکھ کر دے دیں کہ آپ نے کھلانے پلانے کی پیشکش کی ہے...... کسی وقت حاضری دے کر فرمائش کر دوں گا۔"

"میں یاد رکھوں گا...... بے فکر رہیں۔" شہاب نے ہنس کر کہا اور مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔

دلچسپ صورت حال تھی لیکن ذہنی ورزش سے بھرپور...... شہاب جانتا تھا کہ مامون خان سیٹھ محمودہ کے ایما پر یہاں آیا تھا، لیکن یہ عورت کیا چاہتی ہے...... اس نے رشوت کا چیک دینے کی کوشش کی تھی حالانکہ اس سے وہ خود بھی پھنستی تھی، پھر موجودہ صورت حال میں اگر وہ اس سے کام لینا چاہتی ہے تو یہ راستے کیوں اختیار کر رہی ہے...... یہ بات قابل غور تھی اور سمجھ میں نہیں آرہی تھی پھر نہ جانے کیوں اسے شہابو کا خیال آیا اور وہ اٹھ کر لاک اپ کے سامنے پہنچ گیا۔

شہابو خاموش بیٹھا تھا۔ "کہئے مسٹر شہاب الدین کیسے مزاج ہیں آپ کے؟"

"تم سناؤ۔" شہابو بولا۔

"دیکھ لیجئے...... بالکل ٹھیک ہوں۔" شہاب نے مسکرا کر کہا۔

"ماں ہے تمہاری؟"

"خدا کے فضل سے۔"

"اس سے کہو تمہاری خیر کی دعا مانگے۔"

"وہ مانگتی ہے۔"

"جب تک بچے ہوئے ہو خوش رہو...... مصیبت ایک دم آئے گی۔"

"فی الحال تو تمہاری سیٹھ محمودہ مصیبت میں گرفتار ہے۔"

"کیا خوب، وہ اور مصیبت میں؟"

"یقین کرو دوست...... مجھ پر دو حملے کر چکی ہے اور ناکام رہی ہے۔"

"کیا؟" شہابو اس بار چونک پڑا۔

"یقین کرو جھوٹ نہیں بول رہا۔" شہاب نے کہا اور اسے مامون خان وغیرہ کی تفصیل بتانے لگا...... شہابو دلچسپی سے یہ سب سن رہا تھا پھر اچانک ہی اس کے انداز میں تبدیلی رونما ہوئی تھی...... اس کا چہرہ رنگ بدل رہا تھا۔

"مامون خان گرفتار ہو گیا؟"

"ہاں۔"

"تمہاری اس سے ملاقات ہو گئی ہے...... میرا مطلب ہے سیٹھ محمودہ سے؟"

"میں نے تمہیں جو کچھ بتایا ہے اس میں جھوٹ نہیں ہے۔"

"اوہ۔" وہ کچھ سوچنے لگا...... شہاب نے اس کے چہرے پر تاریکی پھیلتے دیکھی تھی، پھر وہ آہستہ سے بولا۔ "انچارج صاحب آپ کی مجھ سے کوئی ذاتی دشمنی ہے؟"

"پولیس کی کسی سے ذاتی دشمنی نہیں ہوتی لیکن جو قانون کو تماشا بنائے...... پولیس اس کا دشمن ہوتی ہے۔"

"تو مجھے بچاؤ...... میری زندگی خطرے میں ہے...... خدا کے لئے مجھے کسی ایسی جگہ پہنچا دو، جہاں مجھے قتل نہ کیا جا سکے۔"

"کیا مطلب؟" شہاب چونک پڑا۔

"مجھے قتل کر دیا جائے گا...... اسے لکھ لو...... مجھے قتل کر دیا جائے گا۔" شہابو خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا اور شہاب غور سے اسے دیکھنے لگا۔

"کون قتل کرے گا؟"

"کوئی بھی...... اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔"

"کس کے؟"

"سیٹھ محمودہ کے۔"

"گڈ...... مگر تم تو اس کے خاص آدمی ہو۔"

"تھا...... اب نہیں ہوں...... وہ اب تک مجھے رہا کرا لیتی اگر وہ اس میں ناکام رہتی ہے تو...... تو اب مجھے قتل کرا دے گی...... میں مرنا نہیں چاہتا...... انسپکٹر خدا کے لئے میری زندگی بچالو...... اب وہ صرف میرے قتل کے احکامات دے گی۔"

"ایک شرط پر؟" شہاب نے کہا۔

"ہر شرط منظور ہے مجھے...... جو پوچھو گے بتاؤں گا...... پہلے میری زندگی کی حفاظت کا بندوبست کرلو...... تمہیں خدا کا واسطہ...... مجھے بچالو۔" شہابو لرزنے لگا۔

شہاب پرخیال نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

پھر وہ ایک دم ہنس پڑا اور شہابو سہمی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"آپ میری بری حالت پر ہنس رہے ہیں انچارج صاحب۔"

"ہنسی کی بات ہی ہے شہابو، ابھی تھوڑی دیر پہلے تم شعلہ بنے ہوئے تھے، غلط فہمیوں میں مبتلا تھے اور اب مجھ سے زندگی بچانے کی بھیک مانگ رہے ہو۔"

"آپ نہیں سمجھتے انچارج صاحب! اگر وہ مجھے رہا کرانے کی کوشش میں ناکام رہی ہے اور مامون خان بھی جال میں پھنس گیا ہے تو اس پر دیوانگی طاری ہو جائے گی اور پھر سب سے پہلے ہماری ہی باری آئے گی، وہ اس بات پر ناراض ہو جائے گی کہ ہم گرفتار کیوں ہوئے، وہ اسی قدر کھسکی ہوئی عورت ہے۔"

"بہرحال یہ تمہارا معاملہ ہے، میرا خیال ہے مجھے اس سلسلے میں دلچسپی نہیں لینی چاہئے۔"

"دیکھو انچارج صاحب...... آپ پولیس افسر ہو اور میں آپ سے اپنی زندگی بچانے کی درخواست کر رہا ہوں، یہ تو آپ کا فرض بنتا ہے۔"

"یار ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے تم سے جو بات کی تھی اصل میں اس وقت میں ماضی میں تمہارا رویہ بھول گیا تھا، تم کس انداز میں مجھ سے گفتگو کرتے رہے ہو، تمہارا خیال تھا کہ ماربل کلب سے تمہیں گرفتار کرنے میں میرا سب کچھ ختم ہو جائے گا پھر تم نے خیال ظاہر کیا کہ تم سیٹھ محمودہ کے خاص آدمی ہو اور تمہاری گرفتاری میرے لئے عذاب بن جائے گی، یہ عذاب دوبار مجھ پر مسلط کرنے کی کوشش تو کی گئی ہے اور وہ ناکام رہی ہے، اب اگر تم مجھے اس کے بارے میں کچھ بتانا بھی چاہو تو میرے لئے تو بیکار ہوگا، کیونکہ میں خود اس کے سلسلے میں کافی معلومات حاصل کر چکا ہوں۔"

”تو تم میری زندگی بچانے کے لئے کچھ بھی نہیں کرو گے؟“

”سوچ رہا ہوں کہ کروں یا نہ کروں لیکن تم جیسے شاطر لوگوں سے کچھ بعید بھی نہیں ہے، زندگی بچ جانے کے بعد تم پھر اپنا رویہ تبدیل کر دو گے۔“

”نہیں، موت جب انسان کو آنکھوں کے سامنے نظر آنے لگے تو زندگی بچانے کے لئے وہ ہر جتن کرتا ہے۔“

”ہو سکتا ہے سیٹھ محمودہ تمہیں ہلاک کرنے کی کوشش نہ کرے۔“

”اور ہو سکتا ہے کرے۔“

”بہر حال کیا کیا جاسکتا ہے؟“

”نہیں نہیں، خدا کے لئے اس طرح میری زندگی خطرے میں مت ڈالو، میں تم سے کہہ تو چکا ہوں کہ اس بارے میں جو کچھ تم پوچھو گے بتاؤں گا۔“

”اچھا تو پھر چلو ایک بات ہی بتا دو۔“

”ابھی نہ پوچھو۔“

”شرط رکھ رہے ہو؟“

”نہیں، میں پریشانی کی کیفیت میں ہوں۔“

”مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، کیونکہ تم جو کچھ کرتے رہے ہو یا جو کچھ کر چکے ہو وہ اتنا ہے کہ تمہارے لئے معافی ممکن نہیں ہے۔“

”مجھے جو بھی سزا دلوانی ہے عدالت سے دلوا دینا لیکن اس وقت تو میری زندگی بچانے کے لئے کچھ کرو۔“

”سیٹھ محمودہ کے لئے اور کون کون کام کرتا ہے؟“

”اتنے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے، ارے اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں، بہت بڑے بڑے لوگ اس کے پارٹنر ہیں، نہ جانے کیا کیا کرتی ہے وہ، تم ایسا کرو ابھی ان چکروں میں مت پڑو میرے دوست، اس وقت مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں۔“

”کمال ہے بھئی، اپنے مطلب کے لئے لوگ کس طرح چولا بدل لیتے ہیں...... تھوڑی دیر پہلے تمہارا کچھ اور انداز تھا اور اب کچھ اور ہے۔“

”جوتے مار لو میرے سر پر، جو دل چاہے کر و لیکن اس وقت مجھے بچانے کی کوشش کرو۔“

”بات اصل میں صرف میری ذات کی نہیں ہے بلکہ تمہیں گلاب جان نے گرفتار کیا ہے، گلاب جان سے مشورے کے بغیر میں تمہارے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔“

”اتنا تو کر سکتے ہو کہ میری حفاظت کا بندوبست کر دو...... مجھے کتے کی موت نہ مرنے دو۔“

”یہ تھانہ ہے اور یہاں ہر وقت پولیس کی نفری رہتی ہے...... میرا خیال ہے اگر تمہارے خلاف کوئی کارروائی ہوتی بھی ہے تو تھانے میں وہ کامیاب نہیں ہو سکے گی۔“

”اس بھول میں مت رہو، وہ بہت خطرناک ہے، اتنی کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔“

”اب تم یہاں بھی اس کے لئے کام کر رہے ہو؟“

”کیا مطلب؟“

”مجھے ڈرائے جا رہے ہو مسلسل۔“

”انچارج صاحب آپ کو خدا کا واسطہ، دیکھو اس وقت میرے ساتھ انتقامی رویہ نہ اختیار کرو میں ہارا ہوا جواری ہوں، سیٹھ محمودہ کے بارے میں جو کچھ پوچھو گے وہ بتا دوں گا، جتنا معلوم ہے اتنی تفصیل سے بتاؤں گا کہ تمہارے لئے بڑا کارآمد رہے گا، حالانکہ میں جانتا ہوں، تمہیں اس سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔“

”مطلب؟“

”تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے، ہم جیسے معمولی کارکنوں کو قبضے میں کر لینا اتنا بڑا کارنامہ نہیں ہے، وہ اگر اس وقت ہمیں رہا کرانے میں کامیاب نہیں ہو پائی ہے تو یہ بھی اس کے لئے کوئی مشکل بات نہیں ہے، اگر اس تک بات پہنچے گی تو تمہیں پتا نہیں ہے کہ کون کون تمہارے آڑے آئے گا۔“

”ٹھیک ہے گلاب جان سے مشورہ کر لوں اور اس وقت تک جب تک گلاب جان کوئی مشورہ نہ دے یا اس بات پر آمادہ نہ ہو جائے کہ تمہیں مدد دی جائے تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا، میں یہاں مسلح کانسٹیبلوں کی ڈیوٹی لگوائے دیتا ہوں۔“ شہاب نے کہا اور اس کے پاس سے ہٹ آیا...... بہر حال یہ بدلی ہوئی صورت حال شہاب کے لئے بھی دلچسپی کا باعث تھی، چند لمحات قبل شہابو ویسے ہی اکڑ رہا تھا جیسے اب تک اکڑتا چلا آیا تھا لیکن یہ ساری تفصیل سننے کے بعد اس کی کیفیت ایک دم بگڑ گئی تھی اور بات سمجھ میں بھی آ رہی تھی......

ظاہر ہے وہ سیٹھ محمودہ کو جانتا ہوگا...... سیٹھ محمودہ۔ شہاب نے دل ہی دل میں سوچا تھوڑی دیر میں گلاب جان آ گیا، سلیوٹ کیا اور شہاب کے سامنے بیٹھ گیا...... اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"صاحب، اس سلسلے میں مزا تو آ رہا ہے۔"

"آ رہا ہے نا گلاب جان؟"

"ہاں صاب، خدا کا قسم، اینٹی کرپشن والے اگر اسے اپنے ساتھ نہ لے گئے ہوتے تو دل کی ساری حسرتیں نکال لیتے، یہ لوگ کتنے بڑھ بڑھ کر بول رہے ہیں۔"

"میرا خیال ہے اب ان کے بڑھ کر بولنے کا وقت ختم ہو گیا ہے۔"

"وقت تو ختم ہوگا صاب، خدا کا قسم ہمیں آپ پر ناز ہے، دشمن کی چال کو ناکام بنانا بھی بہت بڑی بات ہے۔"

"مگر یار سیٹھ محمودہ، میری سمجھ میں نہیں آئی ایک طرف وہ مجھ سے مفاہمت چاہتی ہے اور دوسری طرف اس نے پے در پے دو حملے کر ڈالے میرے اوپر، اب اتنا بے وقوف تو کوئی بھی نہیں ہوتا کہ دو لاکھ کی رشوت چیک کی شکل میں وصول کرے۔"

"ایک بات بولوں آپ کو صاب، عورت اگر ہٹلر اعظم بھی بن جائے تو رہے گی عورت ہی صاب، بہت ٹھیک بات وہ نہیں سوچ سکتی۔"

"خیر ایسی بات نہیں ہے گلاب جان، عورت کا کردار دونوں رُخ میں کبھی کبھی بڑا ... فل رہا ہے...... بہر حال شہابو نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔"

"کیا مطلب صاب؟" گلاب جان بولا اور شہاب اسے شہابو کے بارے میں تفصیل بتانے لگا، گلاب جان سوچ میں ڈوب گیا تھا پھر اس نے کہا۔

"پھر آپ اس کا کیا کرو گے صاب؟"

"ویسے ایک بات بتاؤں گلاب جان، کار آمد مہرہ ہے اور سیٹھ محمودہ کے خلاف بن... بہترین گواہ ثابت ہو سکے گا۔"

گلاب جان کسی سوچ میں ڈوب گیا پھر اس نے کہا۔

"تو پھر صاب ایک کام کرو۔"

"ہاں بولو؟"

"ہو سکتا ہے ادھر سے کوئی کارروائی نہ ہو یا ہو سکتا ہے ہو، اگر ہم اسے استعمال کرنا چاہتے ہیں تو پھر ہمارا خیال ہے اس کو ادھر سے ہٹا دو۔"

"مگر کہاں لے جائیں گے؟"

"کسی بھی جگہ صاب، ادھر سے ہٹا دیا جائے اور اس کے لئے میرے پاس ایک منصوبہ ہے۔"

"کیا؟"

"صاب، اس آدمی کو ڈرانے کے لئے آپ ایسا کرو کہ آج رات کو ایک کھیل کھیل ڈالتے ہیں۔"

"کیا؟"

"تھوڑا کار توس خراب کرنا ہوگا، گولیاں چلوا دیتے ہیں علاقے میں، میرا مطلب ہے تھانے کے احاطے میں اور اس کے بعد اس کو یہاں سے نکال کر کسی اور جگہ پہنچا دیتے ہیں...... وہ خود بھی اس واقعے کے بعد سامنے آنے کی کوشش نہیں کرے گا۔"

"تمہارا مطلب ہے کہیں اس کی مرضی کے مطابق چھپا دیا جائے اسے۔"

"جی صاب۔"

"نہیں گلاب جان اگر ایسا کیا تو یہ وہاں سے بھی فرار ہو جائے گا اور ہمیں کوئی فائدہ نہیں حاصل ہوگا۔"

"پھر آپ اس کو میرے حوالے کر دو۔"

"تم کہاں لے جاؤ گے اسے؟"

"صاب میرا اڈیرہ ہے، میرے علاقے کا لوگ اِدھر رہتا ہے میرے گاؤں کا آدمی ہے اور وہ اس کی حفاظت کرے گا۔"

"رسک ہے گلاب جان، بہر حال یہ ایک جرائم پیشہ عورت کا ساتھی ہے کوئی گڑ بڑ ہو سکتی ہے۔"

"پھر آپ جیسا مناسب سمجھو صاب۔"

"اس کے علاوہ اگر ہم فائرنگ کرنے کے بعد اسے یہاں سے نکالتے ہیں اور یہ شو کرتے ہیں کہ تھانے پر حملہ کر کے اسے حاصل کر لیا گیا تو ہماری بھی پکڑ ہوتی ہے اور پتا

نہیں کیا کیا حالات پیش آئیں گے، ابھی میں براہ راست سیٹھ محمودہ کو اپنے آپ سے ... نہیں کرنا چاہتا۔"

"پھر جیسا آپ مناسب سمجھو۔"

"اس کے لئے کوئی بہتر فیصلہ کرنا ہوگا۔ البتہ جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا کہ تھانے میں چوکسی کرا دو تاکہ سچ مچ کوئی ایسا کام نہ ہو جائے جو ہمارے لئے بھی نقصان دہ ہو۔"

"ٹھیک ہے صاب، اس کے لئے میں آپ کو اپنی خدمات پیش کرتا ہوں، آپ بالکل اطمینان رکھو۔"

"ٹھیک ہے گلاب جان۔" شہاب نے مطمئن انداز میں گردن ہلا دی۔

سیٹھ محمودہ اپنی شاندار رہائش گاہ کے ایک عالی شان کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی اس کے چہرے پر شدید غصے کے آثار تھے، چند لمحات وہ اسی طرح خاموش بیٹھی رہی پھر اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر سامنے رکھے ہوئے ٹیلی فون پر کسی کے نمبر ملائے اور انتظار کرنے لگی...... دوسری طرف سے آواز آنے پر اس نے کہا۔

"کون بول رہا ہے میں سیٹھ محمودہ ہوں، ہاں بڑے صاحب کہاں ہیں، میٹنگ میں، واپسی کب ہوگی، تم اپنے بارے میں بتاؤ، تم کون بول رہے ہو؟ جبار شاہ ٹھیک ہے، میں نے تمہارا نام نوٹ کرلیا ہے جبار شاہ، سنو بڑے صاحب جب بھی آئیں، ان سے کہنا مجھے فون کریں، نام یاد رہے گا میرا، ہوں۔" اس نے یہ کہہ کر فون پٹخ دیا، اسی وقت ایک حسین لڑکی دروازے سے اندر داخل ہوئی اور مسکراتی ہوئی سیٹھ محمودہ کے پاس پہنچ گئی۔

"ہیلو مما، کیا ہو رہا ہے اکیلے یہاں بیٹھ کر؟" سیٹھ محمودہ نے عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھا پھر بولی۔

"کیا ہو سکتا ہے، تم لوگوں کی فکر، بس اور میری زندگی میں کیا ہے؟"

"مما سمجھ میں نہیں آتا، اب ہم لوگوں کے بارے میں آپ کون سی فکروں میں مبتلا ہیں، سب کچھ تو ہے ہمارے پاس؟"

"اس سب کچھ کو برابر رکھنے کے لئے بھی تو سوچنا ہی پڑتا ہے۔"

"میں تو آپ سے سینکڑوں بار کہہ چکی ہوں کہ سوئٹزر لینڈ چلو مما! قسم کھاتی ہوں

وہاں کی زندگی اس قدر شاندار ہے کہ میں تمہیں بتا نہیں سکتی، میرا تو وہاں جا کر واپس آنے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔"

"نہیں شیما ہم یہیں بہتر ہیں، تم وہاں ایک ٹورسٹ کی حیثیت سے جاتی ہو تو وہ جگہ تمہیں بہت خوبصورت لگتی ہے، مستقل وہاں آباد ہو جاؤ گی تو تھوڑے ہی دن میں دل اکتا جائے گا، یہاں کی زندگی میں جو ہنگامے ہیں، ہمیں جو مقام حاصل ہے وہ وہاں نہیں حاصل ہو سکتا۔"

"مما آپ کا یہ خیال غلط ہے، ہم اپنی دولت کے بل پر وہاں بھی اپنے لئے مقام حاصل کرلیں گے۔"

"دولت کے بل پر تم وہاں عیش و عشرت کی زندگی بے شک حاصل کر سکتی ہو لیکن ہم سے زیادہ دولت مند وہاں موجود ہیں، ہمیں وہ حیثیت نہیں مل سکے گی جو یہاں حاصل ہے۔"

"آپ ہمیشہ مجھے ایسی ہی باتیں کر کے ٹال دیتی ہیں، اچھا سنئے میں آج رات کو ڈنر پر جا رہی ہوں، واپسی میں دیر ہونے کا خطرہ ہے اسی لئے رات کو اپنی دوست کے پاس ہی رک جاؤں گی، آپ میرے لئے فکر نہ کریں۔"

"ٹھیک ہے مائی ڈاٹر، او کے۔" لڑکی مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی، اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور سیٹھ محمودہ نے ایک بٹن دبایا، ٹیلی فون ٹرالی شاید ریموٹ کنٹرول تھی چلتی ہوئی اس کے پاس آکر رک گئی، بیل تین بار ہو چکی تھی، سیٹھ محمودہ نے ریسیور اٹھالیا اور بولی۔

"ہیلو۔"

"ہیلو مرشد، جادو بول رہا ہے۔"

"تم سب کسی گٹر میں دفن کر دینے کے قابل ہو۔" سیٹھ محمودہ نے نفرت بھرے لہجے میں کہا اور دوسری طرف خاموشی طاری ہو گئی، چند لمحات کے بعد کہا گیا۔

"میں سمجھا نہیں مرشد؟"

"کیا سمجھاؤں تمہیں، جو باتیں تمہارے خود سمجھنے کی ہیں وہ تو سمجھتے نہیں ہو، اب میرے لئے یہی کام رہ گیا ہے کہ میں تم لوگوں کو بچوں کی طرح سبق پڑھاؤں اور تم سبق پڑھ پڑھ کر ایک ایک قدم آگے بڑھو۔"

"میں نے تو آپ کو ایک خاص سلسلے میں فون کیا تھا؟"

"کیا بکو؟"

"مرشد، میں نے ابھی تھوڑی دیر قبل ایک اخبار دیکھا ہے۔ اس اخبار میں ایک خبر چھپی ہے اپنے مامون خان کے بارے میں۔"

"ہاں میں نے وہ نفرت بھری خبر دیکھی ہے۔"

"مگر یہ کیا قصہ ہے، مامون خان ایک تھانہ انچارج کو رشوت دینے کی کوشش میں اینٹی کرپشن والوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔"

"جادو، میرے زخموں پر نمک نہ چھڑکو سب کچھ ختم ہوتا جارہا ہے مگر ایک بات سن لو، میں یہ سب کچھ ختم ہونے سے پہلے تم میں سے ایک ایک کو ختم کر دوں گی۔"

"مرشد مرشد، آپ مجھے قدم بوسی کی اجازت دیں، میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔"

"نہیں، تمہیں میری کوٹھی میں نہیں دیکھا جانا چاہئے...... صورت حال غیر مناسب ہو گئی ہے، ہم اس وقت کچھ ایسے خطرناک دشمنوں کے جال میں گھر گئے ہیں جو ہمارے خلاف کوئی ایسی گہری کارروائی کر رہے ہیں جو ابھی سمجھ میں نہیں آئی ہے۔"

"مرشد ہماری یہ گفتگو محفوظ ہے؟"

"ہاں، میں نے بٹن دبادیا ہے جس کے بعد ہماری گفتگو کہیں ریکارڈ نہیں ہو سکتی۔" سیٹھ محمودہ نے کہا۔

"تب ٹھیک ہے مرشد، آپ کا کوئی حکم نہیں ملا تھا مجھے آپ کو پتا ہے کہ جادو ہمیشہ آپ کے حکم پر مستعد رہتا ہے۔"

"خاک مستعد رہتے ہو، وہی تو میں کہہ رہی ہوں کہ بچوں کی طرح سبق پڑھایا جاتا رہے، تو بنی ہوئی لکیر پر چلتے رہتے ہو ارے میں کہتی ہوں میرا نمک کھاتے ہو، میری وجہ سے زندگیاں بن گئی ہیں تمہاری، تم لوگ خود میرا خیال نہیں رکھ سکتے، اب مجھے یہ احساس ہو رہا ہے کہ شاید میں نے رحم دلی کر کے تم جیسے بے کار لوگوں کے ساتھ بہتر نہیں کیا، تمہارا تو اپنا ایک مخصوص انداز ہوتا ہے اور جب تک تمہیں تمہاری رسی سے نہ باندھا جائے تم لوگ کام نہیں کرتے۔"

"مرشد، آپ کا حق ہے کہ آپ مجھے جتنا چاہیں برا بھلا کہیں، جس قدر چاہیں ناراض ہوں لیکن خدا کے لئے مجھے کچھ تفصیل تو بتادیجئے۔"

"سب نمک حرام، میرا سرمایہ حاصل کر کے عیش و عشرت اور عیاشی کر رہے ہیں

ان کی آنکھوں پر چربی چڑھی ہوئی ہے...... عقل خبط ہو گئی ہے، وہ شفیق مردود نہ جانے نکل بھاگا ہے میرے لئے جان دینے کا عزم رکھتا تھا، پتا نہیں چل رہا اس کا کہ کہاں غائب ہو گیا ہے۔"

"آپ سے کچھ کہے بغیر مرشد؟"

"مت مرشد مرشد کرو، میرا خون کھولتا ہے اور اس کے بعد وہ کمینہ شہابو، سیٹھ شہاب الدین بنے کے بعد اپنی اوقات ہی بھول گیا، دو کوڑی کا لفنگا، سڑکوں پر مارا مارا پھرنے والا، میں نے اپنی سرپرستی میں لیا تو سیٹھ شہاب الدین بن گیا، بڑے بڑے کلبوں کی ممبر شپ لے لی اور سمجھنے لگا اپنے آپ کو کہ بڑا صاحب حیثیت اور صاحب اثر آدمی ہے، ایک چھوٹا سا کام لیا تھا اس سے، صحیح طریقے سے وہ کام نہیں کر سکا، نظروں میں آگیا اور پھر پاگل کتوں کی طرح پکڑ کر تھانے میں ڈال دیا گیا...... تھانہ انچارج ایک نوجوان آدمی ہے اور لگتا ہے کہ ہمارے لئے خاصی بڑی مصیبت بن جائے گا، مامون خان کو بھیجا تھا اس کے پاس کہ ذرا قابو میں لے آئیں لیکن سب گدھے ہیں، سب گدھے ہیں، جو کام مامون خان سے کرایا گیا تھا پتا نہیں اس بے غیرت انسان نے، کس انداز میں کیا کہ سارا کھیل ہی چوپٹ ہو گیا اور باقی خبر تم نے پڑھ لی ہوگی، اینٹی کرپشن والوں کو، اصل میں ہم نے خود ہی انفارم کیا تھا اور رشوت کی رقم ان سے مارک کرائی تھی، یہ بھی بتادیا تھا کہ یہ رقم رشوت کے طور پر ایک تھانہ انچارج کو دی جارہی ہے جس نے شہابو کے خلاف غلط کیس بنادیا ہے۔ اصل میں مسئلہ کچھ اور ہی تھا، کام نہیں تھانہ انچارج کے خلاف بھی نہیں کرنا تھا بلکہ اسے صحیح معنوں میں اپنے مریدوں میں شامل کرنا تھا لیکن یہ حرام خور صحیح طور پر کام نہیں کرپایا اور خود اینٹی کرپشن والوں کے ہاتھوں میں آگیا، خبر تم نے پڑھ ہی لی ہے، اخبار میرے سامنے بھی آچکا ہے۔"

"میں نے خبر پڑھنے کے بعد ہی آپ سے بات کی تھی مرشد! اب آپ مجھے بتائیے کہ اس میں میرا کیا قصور ہے؟"

"سنو مجھے جانتے ہو جادو، جو کچھ بناتی ہوں اگر میری مرضی کے مطابق نہ بنے تو اسے ٹکڑے کرادیتی ہوں، سمجھ رہے ہو نا میری بات، میں تم سب لوگوں کی ایک میٹنگ بلاؤں گی اور ایک جگہ بلاؤں گی، جہاں ڈائنامائیٹ لگادیئے گئے ہوں گے اور اس کے بعد ریموٹ کنٹرول سے وہ عمارت اڑادوں گی، یہ ثابت کرنا میرے لئے مشکل نہیں ہوگا کہ کوئی تخریب کاری

ہوئی ہے، میری بات سمجھ رہے ہو، تمہیں یہ سب کچھ بتانے کا مقصد یہ ہے کہ ایک چانس
دینا چاہتی ہوں، شفیق جہنم رسید ہو گیا، شہابو اب میرے کام کا نہیں رہا، مامون خان بھی
میری فہرست سے نکل گیا ہے اور جو میری فہرست سے نکل جاتا ہے اسے دنیا چھوڑنی پڑتی
ہے لیکن تم سنبھل جاؤ، سمجھ رہے ہو، یہ آخری وارننگ ہے۔"

"مرشد آپ کے ہاتھوں ہر وقت موت قبول کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن آپ کا
وفادار رہ کر، مجھے تو ابھی تک کوئی حکم ہی نہیں ملا ہے۔"

"ارے کیا بات کرتے ہو، ایک ایک چیز کا حکم مجھے دینا ہوگا تو پھر تم گدھوں کو پالنے کی
کیا ضرورت تھی، دو کوڑی کے لوگوں سے رابطہ کرتی، چھ چھ پیسے کے کرائے کے غنڈے
سارے کام کر دیتے بلاوجہ تم پر اتنا وقت اور پیسے ضائع کرتی ہوں۔"

"مرشد میرے ذہن میں یہ آتا ہے کہ سب سے پہلے شہابو اور مامون خان کی چھٹی
کر دی جائے، وہ لنگڑے گھوڑے ہیں اور لنگڑے گھوڑے بے مقصد ہی ہو جاتے ہیں۔"

"اتنا آسان ہے ان کی چھٹی کرنا کیسے کرو گے؟"

"آپ بے فکر رہیں، شہابو کے لئے میں تھانہ اڑا دوں گا، مامون خان کو دیکھوں گا کہ وہ
کس طرح ہاتھ آتا ہے لیکن مرشد ان لوگوں کے لئے کم از کم یہی سزا ہونی چاہئے؟"

"جادو، کمبختوں نے زبان کھول دی تو مشکلات کا شکار ہو جاؤں گی، باقی تو خیر کسی
چیز کی پروا نہیں ہے، بس ذرا شرمندگی اٹھانی پڑے گی، کیونکہ میری سرپرستی کرنے والوں
نے بھی یہی کہا ہے کہ کام بے شک کروں لیکن اتنا موثر اور جامع ہونا چاہئے وہ کام کہ ہر مسئلے
میں مجھے ان کی ضرورت پیش نہ آئے، کوئی بڑی ہی بات ہو تو ان لوگوں سے رابطہ قائم کیا
جائے، اب تم دیکھو یہ چھوٹے چھوٹے غنڈے ہمارے راستوں میں آنے لگے ہیں، کوئی سنے
گا تو کیا کہے گا۔ تفصیل بتاؤں گی تو مجھ پر ہی تھوکا جائے گا۔"

"میں سمجھ رہا ہوں مرشد، بہر حال آپ مجھے حکم دیجئے، تھانہ اڑا دوں کیا خیال ہے؟"

"پھر وہی گدھے پن کی باتیں، تمہیں تفصیل کیا بتاؤں، تھانیدار میرے پاس آچکا ہے
کوئی بہت ہی چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ آسانی سے جال میں نہیں پھنسے گا اور اگر اس
وقت کوئی ایسی کارروائی کر دی گئی تو سمجھ لو کہ مزید مشکلیں شروع ہو جائیں گی، سارا خیال
ہماری ہی طرف جائے گا، میں ایسا کوئی کھیل کھیلنا نہیں چاہتی لیکن یہ خطرہ بھی ہے کہ شہابو

مامون خان زبان نہ کھول دیں...... خیر ابھی تھوڑا سا توقف اور کئے لیتی ہوں لیکن ذلیلو تم
خود بھی ماحول پر نظر رکھو اور سارے کام سکول کے بچوں کی طرح نہ کرو۔"

"مرشد ہم تو آپ کے حکم کے غلام ہیں، جس طرح حکم دیں گی کریں گے پھر بھی
میں آپ کے گرد پورا احصار قائم کئے دیتا ہوں۔"

"بس بس جو کچھ بھی کرو عقل کے ساتھ کرنا، سمجھ رہے ہو نا، اب میں زیادہ لوگوں کی
غلطیاں برداشت نہیں کر پاؤں گی؟"

"ٹھیک ہے مرشد!"

"بس اب اپنی یہ منحوس آواز بند کر لو۔" سیٹھ محمودہ نے کہا اور دوسری طرف سے
فون بند ہو گیا...... سیٹھ محمودہ گہری سانس لے کر سوچ میں ڈوب گئی تھی، پھر اس نے دوبارہ
فون اٹھا کر کسی کے نمبر ڈائل کئے اور دوسری طرف کی آواز سن کر بولی۔

"شکر ہے...... آپ مل گئے۔"

"اوہو...... سویٹ محمودہ۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"باتیں بنانے کے علاوہ کچھ اور بھی آتا ہے آپ کو۔" محمودہ ناز بھری آواز میں بولی۔

"بہت کچھ آتا ہے...... تم حکم کر کے دیکھو...... لوگ تمہیں سیٹھ محمودہ کہتے ہوں
گے...... صرف ایک ہم ہیں جو تمہیں ہمیشہ سویٹ محمودہ کہتے ہیں، کہو خیریت کیا بات ہے؟"

"بددل ہو گئی ہوں، بس آپ کے شہر سے بوریا بستر سمیٹنے کے بارے میں سوچ رہی
ہوں۔"

"ارے ارے خدا نہ کرے، شہر کی رونق ہو تم، تم چلی گئیں تو بہت سوں کو تمہارے پیچھے
پیچھے وہاں تک جانا پڑے گا جہاں تم گئی ہو گی، کیا فائدہ بے چاروں کو پریشان کرنے سے۔"
دوسری طرف سے چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"دیکھو میرا دل نہ جلاؤ، کوئلوں سے جلی بیٹھی ہوں۔"

"جلیں تمہارے دشمن سوئٹی...... بات کیا ہے، کچھ زیادہ ہی بددل نظر آرہی ہو۔"

"لعنت بھرا ماحول ہو گیا ہے، ٹکے ٹکے کے لوگ سیٹھ محمودہ کے منہ کو آنے لگے ہیں
دو کوڑی کی عزت ہو کر رہ گئی ہے۔"

"بھئی اب ہمیں کچھ پتا ہو تو ہم جانیں۔"

"بہت برے حالات ہوگئے ہیں، تفصیل سے بتانے کی باتیں ہیں۔"

"تو آجاؤ نا یا ہمیں بلالو، انکار کس کافر نے کیا ہے۔"

"نہیں ساحل والی کوٹھی میں ملو، میں خود تمہیں حالات بتاؤں گی، خیر جانو بہت ... کے بعد مشکل میں پھنسی ہوں اور یوں لگتا ہے جیسے سب نے مجھے ناکارہ سمجھ کر میر ... میں یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ اب میرے لئے کچھ نہیں کریں گے۔"

"ہم سے یہ امید رکھتی ہو محمودہ؟"

"کس سے کیا اُمید رکھی تھی سب نے ہی دل توڑ دیا ہے۔"

"نہیں بھئی ہم اپنی سویٹ محمودہ کا دل پھر سے جوڑ دیں گے۔"

"تو پھر کس وقت پہنچوں؟"

"آٹھ بجے، رات کا کھانا ہمارے ساتھ ہی کھاؤ۔"

"ساحل والی کوٹھی میں؟"

"وہی تمہاری پسندیدہ جگہ ہے۔"

"میں آٹھ بجے پہنچ جاؤں گی۔" سیٹھ محمودہ نے کہا۔

"ہم انتظار کریں گے۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور سیٹھ محمودہ نے فون بند کردیا اور کھسیانے انداز میں بولی۔ "کمینے کہیں کے۔"

اینٹی کرپشن کے ڈی ایس پی کو بھی چڑھ ہی گئی تھی، جو کچھ اسے کہا گیا تھا معاملہ ا... کے خلاف نکلا تھا اور پھر شہاب ثاقب کا کیس تھا، ڈی ایس پی سینئر تھا اور پھر اسے یہ بات معلوم تھی کہ شہاب نادر حیات صاحب کا دست راست رہ چکا ہے اور اس دور میں اس نے نادر حیات صاحب کے ساتھ مل کر بہت سے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں ... ایسا شخص تو برا نہیں ہوتا، فرائض کی انجام دہی ضروری تھی، چنانچہ ڈی ایس پی نے قانون کے مطابق کارروائی کی لیکن اس کا نتیجہ جو کچھ نکلا تھا اور مامون خان نے جس طرح ایک پو... افسر کے خلاف تحقیر آمیز گفتگو کی تھی اس نے ڈی ایس پی کو برافروختہ کردیا تھا اور اس کے بعد وہ نہایت سخت رویئے کا مظاہرہ کرتا رہا تھا۔ ہیڈ کوارٹر لانے کے بعد اس نے مامون خان کو ایک خاص کمرے میں طلب کرلیا۔ یہ بھی ایک قانونی حقیقت تھی کہ اگر کسی پر

بہت ہوجائے کہ اسے کسی کو رشوت دینے یا لینے کا الزام لگانے کے سلسلے میں گرفتار کیا گیا تو بہت سے قانونی راستے تھے، مامون خان پر یہ تمام قانون لاگو ہوتا تھا لیکن ڈی ایس پی اس کے ساتھ بھی کچھ رعایت کرنے پر تیار تھا...... اصل میں ڈبل مائنڈڈ ہوگیا تھا، اب یہ تو نہیں کہا جاسکتا تھا کہ کون کس حد تک ہے مامون خان نے جس طرح تھانے میں پورے اعتماد سے یہ بات کہی تھی کہ رشوت کی رقم انسپکٹر کو دی جاچکی ہے اس میں کیا راز تھا؟ یہ بات ڈی ایس پی کو نہیں ہضم ہورہی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ رقم مامون خان کی جیب سے ہی نکلی تھی۔ ڈی ایس پی اس راز کو حل کرنا چاہتا تھا، چنانچہ کمرہ خاص میں اس نے مامون خان سے کہا۔

"دل تو چاہتا ہے کہ تمہارے کپڑے اتروا کر اتنے کوڑے لگواؤں تمہارے بدن پر کہ آئندہ کسی پولیس آفیسر پر رشوت ستانی کا الزام لگانے سے باز رہو لیکن معلوم کرنا چاہتا ہوں یہ کہ تم نے یہ سب کچھ کیوں کیا ہے؟"

"دیکھو صاحب اختیارات رکھتے ہو اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس وقت جو چاہو کرسکتے ہو لیکن ہماری ایک بات سن لو، ہم نے غلط نہیں کہا تھا، ہم یہ بات نہیں جانتے کہ نوٹوں کی جو دونوں گڈیاں ہم نے پولیس آفیسر کو دی تھیں وہ واپس ہماری جیب میں آگئیں۔ کیسے آگئیں۔"

"پھر وہی مرغے کی ایک ٹانگ۔"

"آفیسر مارو ہمیں کھال اتار دو ہماری لیکن اصل میں بات یہی ہے، رقم اسے دے دی گئی تھی؟"

"پھر وہ تمہاری جیب میں کیسے پہنچ گئی؟"

"یہ ہمیں ابھی تک نہیں معلوم ہوا؟"

"ہوں، اچھا ایک بات بتاؤ، یہ رقم کس نے اور کیوں بھجوائی تھی انسپکٹر شہاب ثاقب کو؟"

"کسی نے نہیں بھجوائی تھی صاحب۔ شہاب الدین ہمارا دوست ہے بچپن کا ساتھ رہا ہے اس سے ہمارا، وہ برا آدمی نہیں ہے...... یہ بات ہم اچھی طرح جانتے ہیں مگر ہم یہ نہیں جانتے کہ اس صحافی سے اس کی نہ چل گئی ہوگی، کوئی پھڈا ضرور ہوا ہوگا اور یہ بھی سچ ہے کہ اس پھڈے کے تحت وہ صحافی کو اٹھا کر لے گیا ہوگا، غصے والا آدمی ہے لیکن اتنا ہم جانتے ہیں کہ نہ وہ صحافی کو کوئی نقصان پہنچا سکتا تھا اور نہ اس کے خلاف کوئی کارروائی کرسکتا تھا..... اس نے بے شک جرم کیا ہے، کسی کو حبس بے جا میں رکھنا بہت بڑا جرم ہے، مگر صاحب غلطی

انسان سے ہو ہی جاتی ہے...... ہم نے یہی چاہا تھا کہ وہ چھوٹ جائے اور اس کے لئے پولیس آفیسر سے ہمارا معاملہ دو لاکھ روپے میں طے ہوا تھا، باقی سب آپ کے سامنے ہے ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ پولیس آفیسر نے کوئی ایسا کام دکھادیا جو ہماری بھی سمجھ میں نہیں آسکا۔" ڈی ایس پی گہری نگاہوں سے مامون خان کو دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"اب تم کیا چاہتے ہو؟"

"صاب آپ پکڑ کر لے آئے ہو، دولاکھ روپے ہماری جیب میں موجود ہیں...... ہمیں اچھی طرح معلوم ہے آپ مالک ہو صاب جو دل چاہے کرو، بھلا آپ کو اس وقت کون روک سکتا ہے۔"

"تو تمہارے پیچھے کوئی نہیں ہے۔"

"آگے پیچھے کوئی نہیں ہے آپ صرف پیچھے ہی کی بات مت کرو۔"

"کیا کرتے ہو؟"

"ٹرانسپورٹ کا کاروبار ہے اس کے بارے میں آپ پوری چھان بین کر سکتے ہیں۔"

"سمگلنگ کراتے ہو؟"

"پکڑے جائیں تو پھانسی کی سزا دے دینا، ایسا کوئی کام نہیں کرتے، وہ تو بس یار کی یاری میں مارے گئے۔"

"ہوں، تمہیں ایک تحریری معافی نامہ لکھنا ہوگا جس میں تم یہ اعتراف کرو گے کہ تم نے شہاب الدین عرف شہابو کو رہا کرانے کے لئے دولاکھ روپے رشوت کی پیشکش کی تھی جسے شہاب ثاقب نے قبول نہیں کیا اور اینٹی کرپشن والوں کو کوئی ثبوت نہیں مل سکا کہ انسپکٹر رشوت لے رہا ہے۔" مامون خان کچھ سوچنے لگا، کافی دیر تک وہ ذہنی اُلجھن کا شکار رہا پھر اس نے کہا۔

"اگر ہم نہیں بھی لکھیں گے صاب تو آپ دونوں میں سے ایک کام ضرور کر سکتے ہو ہمارے خلاف کیس بنا کر ہمیں سزا کرادو یا پھر جو آپ چاہو کرو اس لئے ہم وہی کہیں گے جو آپ کہہ رہے ہو۔"

"ٹھیک ہے، میں محرر کو بھیجے دیتا ہوں معافی نامہ لکھ کر اس پر دستخط کرو، میں دیکھوں گا کہ تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں؟" ڈی ایس پی چلا گیا لیکن مامون خان سخت ہیجان کا شکار

ہو گیا تھا، جو کچھ ہوا تھا وہ اس کے تصور سے باہر تھا...... یہ سب کیسے ہوا اللہ ہی بہتر جانتا تھا لیکن اب یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ڈی ایس پی کی بات پر عمل کرے یا نہ کرے، کیس با سانی بن سکتا تھا...... وہ پولیس کی تحویل میں تھا اور ساری کہانی اُلٹی ہو گئی تھی۔ اب اگر سیٹھ محمودہ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے تو یہ آسان کام نہیں تھا...... کوئی تدبیر نہیں تھی اس کے پاس اور جہاں تک سیٹھ محمودہ کا معاملہ تھا تو اس وقت وہ ہلکی پڑ رہی تھی، جو کچھ اس نے کر ڈالا تھا مامون خان کو معلوم تھا لیکن اب اس کی رہائی ممکن نہیں ہو سکتی تھی اور یہ بات مامون خان کو مار رہی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا کام الٹا ہو جانے کے بعد اسے سیٹھ محمودہ کو جواب دینا مشکل ہو جائے، اگر ان لوگوں کے چنگل سے نکل جائے تو کوئی تدبیر کی جاسکتی ہے اور اس کے لئے بہتر طریقہ کار یہی ہے کہ وہ ڈی ایس پی کی بات مان لے، بعد میں جو بھی صورت حال ہوئی دیکھ لے گا بلکہ سیٹھ محمودہ سے یہی کہے گا کہ اس سے زبردستی ایک تحریر لی گئی ہے لیکن اس نے سیٹھ محمودہ کا نام کہیں نہیں لیا۔ ہاں یہی کہا جائے گا بلکہ وہ یہ بھی کہے گا سیٹھ محمودہ سے کہ اینٹی کرپشن والوں نے اس کے ساتھ دھوکہ دہی کی اور پولیس آفیسر نے پولیس آفیسر کا ساتھ دیا...... یعنی کیس الٹا کر دیا گیا جبکہ اس نے آفیسر کو رشوت پیش کردی تھی یہ تدبیر اور تجویز اسے خود ہی پسند آئی تھی، اس طرح کم از کم جان بچنے کے امکانات تھے پھر جب محرر آیا تو اس نے اس سے تعاون کرتے ہوئے کہا۔

"آپ ہمارا بیان لکھو گے نا صاب، ایسا کرو آپ کو جو بتایا گیا ہے وہ آپ خود لکھ لو ہم دستخط کردیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" محرر نے کہا اور پھر وہ مامون خان کا بیان لکھنے لگا اور معافی نامے کے طور پر اسے تحریر کر کے مامون خان کے سامنے پیش کر دیا، مامون خان نے ایک نظر اس پر ڈالی اور اس کے بعد معافی نامے پر دستخط کر دیئے، اینٹی کرپشن آفیسر نے اس کے نوٹ اسے واپس کر دیئے تھے، مامون خان کو تھوڑی دیر کے بعد رہا کر دیا گیا...... خود اسے اس بات کی امید نہیں تھی وہ تو یہ سمجھتا تھا کہ بری طرح پھنس گیا ہے اور اب کوئی مشکل ہی پیش آنے والی ہے...... سیٹھ محمودہ جب شہابو کو نہیں نکال سکی تو اسے کیا نکال سکے گی لیکن بہرحال یہ اس کی تقدیر تھی کہ آفیسروں نے اس سے تعاون کیا تھا۔ البتہ وہ اس بات پر اب بھی حیران تھا کہ نوٹوں کی گڈیاں واپس اس کی جیب میں کیسے پہنچ گئیں...... یہ ایک بڑی انوکھی بات تھی

جسے سمجھنا اس کے لئے ممکن نہیں تھا، پولیس ہیڈ کوارٹر کی عمارت سے باہر نکلنے کے بعد اس نے سوچا کہ اب فوری طور پر سیٹھ محمودہ سے رابطہ قائم کرنا چاہئے، لیکن بہر حال ذہن الجھا ہوا تھا...... تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا رہا، چونکہ سیٹھ محمودہ کے ساتھ بہت سی ایسی مجرمانہ کارروائیوں میں حصہ لیتا رہا تھا جن کی نوعیت کافی خطرناک تھی، اس لئے کچھ ذہانت بھی تھی...... کافی لمبا فاصلہ طے کرنے کے بعد آخر کار اس نے سیٹھ محمودہ کی کوٹھی کی جانب رخ کیا اور تھوڑی دیر کے بعد اس کوٹھی میں داخل ہو گیا...... مختلف لوگوں سے گفتگو کرنے کے بعد وہ سیٹھ محمودہ کے سامنے جا پہنچا...... وہ اس وقت ایک آرام کرسی میں دراز آنکھیں بند کئے گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی اور کوئی بھی شخص اس کے پاس موجود نہیں تھا، پھر اس نے شاید مامون خان کے قدموں کی آواز سن لی۔

آنکھیں کھولیں اور مامون خان کو دیکھ کر سنبھل کر بیٹھ گئی۔ ایک لمحے تک اس پر نگاہیں جمائے رہی، مامون خان اس کے قریب پہنچ گیا تھا۔

”رہا ہو گئے تم؟“

”جی مرشد۔“

”کیسے؟“

”مرشد کوئی بڑا کیس تو تھا نہیں مجھ پر، عجیب و غریب واقعات پیش آئے ہیں سنانا چاہتا ہوں۔“

”بیٹھو۔ تم سب آج کل بڑے عجیب و غریب واقعات سنا رہے ہو مجھے، کیا ہو گیا ہے تم لوگوں کو؟“

”کچھ نہیں مرشد، زندگی میں یہ نشیب و فراز تو چلتے ہی رہتے ہیں ہم لوگوں کے خلاف کام کرتے ہیں تو ہمارے خلاف بھی کوئی نہ کوئی مصروفِ عمل ہو جاتا ہے۔“

”ہاں یہ تو فطرت کا ایک حصہ ہے، بیٹھو بھئی تمہارا آنا اس وقت میرے لئے بڑا تعجب خیز ہے، میں تو سمجھ رہی تھی کہ شہابو کی طرح تم بھی گئے۔“

”حالات بڑے سنگین ہیں مرشد!“

”اب تم انہیں رنگین بنانے کی کوشش مت کرو، جو کچھ ہوا ہے مجھے بتاؤ۔“

”مرشد جو کچھ ہوا ہے وہ غلط ہوا ہے، ہماری توقع کے بالکل برخلاف۔“

سیٹھ محمودہ کی آنکھوں میں غصے کے آثار نظر آئے تو مامون خان نے جلدی سے کہا

”پروگرام کے مطابق اینٹی کرپشن کے ایک ڈی ایس پی سے نوٹ سائن کرائے پہنچ گیا شخص کے پاس جس کا نام شہاب ہے، بات چیت کی میں نے اس سے اور اس کم بخت نے بڑی اچھی طرح مجھ سے بات چیت کی...... نوٹ میں نے اس کے حوالے کر دیئے اور اس نے انہیں لے کر اپنی جیب میں رکھ لیا...... مرشد پھر معمول کے مطابق اینٹی کرپشن والے آئے اور انہوں نے رسمی کارروائی کے لئے چھاپہ مارا...... نوٹ انسپکٹر کی جیب سے برآمد ہوئے لیکن انسپکٹر نے آفیسر سے کچھ کہا اور بس وہیں سے پانسہ پلٹ گیا۔“

”مرشد آپ کو تو پتا ہی ہے کہ پولیس والے، پولیس والوں کی مدد نہیں کریں گے تو کیا ہماری مدد کریں گے۔“

”میں پھر وہی سوال کروں گی کہ کیا مطلب؟“

”بس جی اینٹی کرپشن والے تو الٹے ہی مجھ پر چڑھ گئے...... کہنے لگے کہ نوٹ آفیسر کی جیب سے برآمد نہیں ہوئے ہیں بلکہ تمہاری اپنی جیب میں موجود ہیں...... میں نے کہا بھائی میرے سامنے تم نے وہ نوٹ اس کی جیب سے نکالے ہیں لیکن اکیلا تھا میں، بھلا ان بہت سارے لوگوں کے سامنے میری کیا چل سکتی تھی، اینٹی کرپشن کا افسر اعلیٰ اس بات پر مصر ہو گیا مرشد کہ آفیسر نے رشوت لی ہی نہیں ہے بلکہ رشوت کا الزام اس پر لگا کر اسے پھنسایا جا رہا ہے۔ بس جناب مجھے پکڑ لے گئے وہ، ہیڈ کوارٹر لے گئے...... وہاں لے جا کر بند کر دیا اور مرشد اس کے بعد مجھ سے پوچھا گیا کہ بتاؤ رشوت بھجوانے کے پس پشت کون ہے...... خیر مرشد یہ بات تو آپ بھی جانتی ہیں کہ مامون خان گردن کٹا دیتا آپ کا نام کبھی زبان پر نہیں لاتا...... میں نے یہی کہا اس سے کہ شہابو میرا دوست ہے اور میں اسے ہر قیمت پر رہا کرانا چاہتا ہوں، یہ پیسے میں نے خود جمع کئے ہیں...... مرشد بہت دیر تک میرے ساتھ سختی کرتے رہے مارا پیٹا مجھے لیکن اس کے علاوہ میں نے اور کوئی بیان نہیں دیا پھر انہوں نے آپس میں بات چیت کی اور اس بات چیت کے نتیجے میں مجھ سے ایک معافی نامہ لکھوایا گیا۔“

”کیا؟“ سیٹھ محمودہ چونک پڑی۔

”ہاں معافی نامہ۔“

”کیسا معافی نامہ؟“

"یہی کہ میں نے افسر کو رشوت دینے کی کوشش کی تھی اور افسر نے اسے ٹھکرا دیا تھا۔"

"لکھ دیا؟"

"لکھنا پڑا...... میری کنپٹی پر پستول رکھ دیا گیا تھا۔"

"کیا تحریر تھی اس کی؟"

"وہ تت...... تحریر...... مم...... مرشد تحریر تو میں نے ٹھیک سے نہیں پڑھی۔"

"کیا؟ یعنی تم سے معافی نامہ لکھوایا گیا اور تم نے اس کی تحریر ٹھیک سے نہیں پڑھی۔"

"محرر نے لکھا تھا جی؟"

"محرر نے لکھا بھی تھا تو تم نے پڑھا نہیں اسے؟"

"بس سرسری سی نظر ڈالی تھی مرشد، کچھ الٹی سیدھی باتیں لکھی تھیں اس میں اور جب اس میں میری کوئی مرضی شامل نہیں تھی تو میں نے سوچا کہ پڑھنے سے کیا فائدہ۔"

"مرشد وہ جو چاہتے لکھ لیتے آپ خود بتایئے میں اس میں کیا ترمیم کرتا، کیا وہ میری ترمیم مان لیتے، الٹی میری مرمت کرتے۔"

"ہنہ پھر؟"

"بس جی میں نے دستخط کر دیئے۔"

"اس کے بعد؟"

"اس کے بعد انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔"

"بھئی واہ بڑے رحم دل لوگ ہیں کہ کوئی کیس بنانے کی کوشش نہیں کی تمہارے خلاف۔"

"نہیں مرشد۔"

"اور وہ دو لاکھ روپے؟"

"وہ میری جیب میں موجود ہیں مرشد۔"

"یعنی وہ رقم بھی تمہیں واپس کر دی؟"

"ہاں مرشد۔"

"بھئی کون فرشتے ہیں وہ، جو اتنا خیال رکھتے ہیں انسانوں کا یعنی تمہیں چھوڑ بھی دیا انہوں نے، جبکہ تم نے ایک پولیس آفیسر کو پھنسانے کی کوشش کی تھی اور وہ رقم بھی واپس کر دی...... کچھ ناممکن سی باتیں لگ رہی ہیں مامون خان۔" سیٹھ محمودہ استہزائیہ انداز میں بولی۔

"میں سمجھا نہیں مرشد؟"

"ارے تم فکر مند مت ہو، میں تو ان لوگوں کے بارے میں کہہ رہی ہوں، کوئی جال تو نہیں بچھایا انہوں نے؟"

"کیا جال بچھا سکتے ہیں مرشد؟"

"خیر پھر تم رہا ہو گئے؟"

"جی مرشد۔"

"اور سیدھے یہاں آ گئے؟"

"جی مرشد...... نن نہیں مرشد۔" مامون خان کو اچانک اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔

"کیا مطلب؟"

"بس جی میں شہر کے چکر لگاتا رہا اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتا رہا کہ کہیں میرا پیچھا تو نہیں کیا جا رہا مگر مرشد ایسی کوئی بات نہیں تھی...... انہیں میرے بارے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکا، کیونکہ آپ کا تو میں نے نام تک نہیں آنے دیا تھا...... بس پھر میں آپ کے پاس آ گیا، مرشد یہ نوٹ۔"

"ہاں ہاں...... نوٹوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے مامون خان، اصل میں ہمیں کوئی ایسا لائحہ عمل تیار کرنا چاہئے جس سے یہ سارا مسئلہ حل ہو...... اصل میں اور تو کوئی خاص بات نہیں ہے لیکن اس کم بخت صحافی کے پاس ان تمام جگہوں کی تصویریں پہنچ چکی ہیں...... اصل کام تو ارادہ ہے کہ ہمیں وہ تصویریں درکار ہیں۔ آؤ ذرا میرے ساتھ۔"

سیٹھ محمودہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی اور پھر وہ اسے اس مخصوص کمرے میں لے گئی جہاں وہ اپنا خفیہ کام کیا کرتی تھی، اس کمرے میں دو کرسیاں پڑی ہوئی تھیں، ایک سیٹھ محمودہ کی اپنی تھی جس کے بارے میں شاید عام لوگوں کو کچھ پتا نہیں تھا لیکن وہ بڑی کراماتی کرسی تھی...... دوسری کرسی کوئی بیس فٹ کے فاصلے پر کمرے کے وسط میں پڑی ہوئی تھی۔

"بیٹھو۔" مامون خان اس کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ہاں مامون خان تو اب تم مجھے یہ بتاؤ دیکھو پہلے میری بات سنو۔ غور سے سنو...... تم نے بہت بڑی غلطی کی...... کی نا تمہارا کیا خیال ہے؟"

"جی مرشد! اصل میں ایک بات ہے میں برائی نہیں کر رہا، کسی کی بات یہ ہے کہ ہم

ہیں ذمے دار لوگ تفریح، عیاشی تو ہر ایک کے دل میں ہوتی ہے، اب کیا میرا دل نہیں چاہتا مرشد کہ میں بھی ایسی زندگی بسر کروں لیکن بات پھر وہی آجاتی ہے کہ اگر آنکھیں اور دماغ کھلے نہ رکھو تو مسئلہ خراب ہو جاتا ہے..... شہباز ان دنوں بہت اونچا اڑنے لگا تھا..... آپ نے نذر عنایت تھی مرشد، مانتا ہوں لیکن آپ کی عزت کو بھی تو قائم رکھنا تھا نا؟"

"بالکل، بالکل..... بہر حال میں یہ کہہ رہی تھی کہ ان دنوں مجھے پے در پے ذہنی الجھنوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ ذہنی الجھنیں مجھ سے برداشت نہیں ہوتیں..... میں نے اپنے تمام ساتھیوں کو ہمیشہ وہ سب کچھ دیا ہے جو ان کی خواہش ہوتی ہے۔ عیش و عشرت کی زندگی اعلیٰ درجے کی رہائش گاہیں، کھانے پینے کے لئے عمدہ سے عمدہ اور پھر ان کا مستقبل محفوظ کر دیا ہے میں نے، کمبخت ساری زندگی جھک مارتے رہتے اتنا نہ کما پاتے جتنا میں نے انہیں دیا ہے، لیکن اس کے نتیجے میں مامون خان میرے مفادات کا خیال رکھنا بھی تو ضروری ہے..... اب دیکھ ہر شخص لکیر کا فقیر بنا رہتا ہے تم رشوت کی رقم لے کر گئے تھے، تمہیں ہر قیمت پر اپنا یہ کام سرانجام دینا چاہئے تھا، کیا اس وقت میں تمہارے ساتھ ہوتی اور تمہارے ہاتھوں میں نوٹ دے کر کہتی کہ مامون خان کسی طرح یہ نوٹ اس آفیسر کی جیب تک پہنچا دو، ہمارا کام کیا ہونا چاہئے مامون خان! جو ذمے داریاں جس شخص کے سپرد کی جاتی ہیں وہی انہیں پوری طرح سرانجام دیتا ہے، اب اگر ہر مسئلے میں، میں خود ہی آگے بڑھ کر سب کچھ کرتی رہوں تو پھر تم لوگوں کا کیا مصرف رہ جاتا ہے؟"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں مرشد! لیکن آپ مجھے خود بتایئے نوٹ پولیس آفیسر کی جیب میں پہنچ گئے۔ اینٹی کرپشن والوں نے بروقت چھاپہ مار دیا لیکن اگر اب اس کے بعد وہ خود ہی اس سے منحرف ہو جائیں کہ نوٹ آفیسر کی جیب سے نہیں نکلے تو مرشد کوئی کیا کر سکتا ہے بتایئے کوئی کیا کر سکتا ہے؟"

"مامون خان تمہارا کیا خیال ہے میں نے زندگی بھر جھک ماری ہے؟"

"جی مرشد؟"

"بے وقوف ہوں میں؟"

"نن..... نہیں مرشد کیسی باتیں کرتی ہیں آپ۔"

"تو پھر کیا میں تمہاری اس کہانی پر یقین کرلوں؟"

"کہانی۔" مامون خان نے آہستہ سے کہا۔

"تو پھر تم کیا سمجھتے ہو مامون خان! جب اینٹی کرپشن والے کسی نوٹوں پر دستخط کرتے ہیں تو اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ وہ تمہاری درخواست پر عمل کر رہے ہیں، پھر ایسا نہیں ہوتا مامون خان کہ وہ اس شخص کو چھوڑ دیں گے جس کی جیب سے نوٹ برآمد ہوں، کر ہی نہیں سکتے وہ ایسا۔"

"مم مرشد، کک کر لیتے ہیں، کر لیا ہے۔"

"آہ مامون خان کاش انہوں نے ایسا کر لیا ہوتا۔"

"جی مرشد؟"

"تم اب بھی اصل بات مجھے نہیں بتاؤ گے؟"

"مرشد اصل بات تو کوئی ہے ہی نہیں۔" مامون خان نے کہا اور سیٹھ محمودہ نے قہقہہ لگایا پھر بولی۔

"یہ ہوئی نا بات..... تم کہتے ہو اصل بات کوئی ہے ہی نہیں تو پھر ہوا کیا تھا کیا بات ہوگئی بتاؤ؟"

"مم مرشد جو کچھ میں نے کہا ہے، بات وہی ہے۔"

"ہائے اسی کی تو کھا رہے ہیں ہم، سچ اور جھوٹ کی پرکھ نہ کر سکیں تو سیٹھ محمودہ کو سیٹھ محمودہ کون کہے؟ سمجھ رہے ہو نا مامون خان، سچ نہیں بول رہے تم، افسوس سچ نہیں بول رہے، خیر ہم سچ اور جھوٹ کے چکر میں بہت زیادہ پڑتے نہیں..... دیکھو مامون خان پچھلے چند دنوں سے تم لوگ بالکل گدھے ثابت ہو رہے ہو کوئی شخص اپنا کام کر کے ہی نہیں دے رہا، بس میرے بل پر عیش کر رہے ہو، کھا رہے ہو پی رہے ہو، ہڈ حرام ہوتے جا رہے ہو جو لوگ میرے ساتھ محبت کر رہے ہیں، رعایتیں کرتے ہیں، میرے لئے سب کچھ کرنے پر آمادہ رہتے ہیں، تو کیا وہ پاگل ہیں یا سب مسخرے ہیں؟ نہیں مامون خان ایسی بات نہیں ہے بات صرف یہ ہے کہ میں ان کے لئے اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کرتی ہوں اور وہ مجھے اس کا صلہ دیتے ہیں۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں مرشد۔"

"پھر تم کیا کہتے ہو؟"

"جی مرشد؟"

"کیا کہتے ہو اپنی ان کوتاہیوں کے سلسلے میں، میں جانتی ہوں اصل بات تم نہیں بتاؤ گے۔"

"اصل بات کوئی اور ہے ہی نہیں۔"

"تو میں خود بھی تو یہی کہہ رہی ہوں کہ جو اصل بات ہے وہ تم مجھے بتاؤ گے نہیں اور مامون خان میں ان دنوں بہت زیادہ مشکلات کا شکار ہوں بس یوں سمجھ لو کہ شدید ذہنی اُلجھنوں میں مبتلا ہوں، برداشت نہیں کر پا رہی، آج کل یہ بوجھ، میں نے شفیق کو بھی ختم کر دیا ہے، بالکل بے کار وقت گزار رہا تھا وہ، کسی کام کا ہی نہیں رہا ہے کوئی، ہائے میں کیا کروں۔" سیٹھ محمودہ کی آواز گلوگیر ہو گئی۔ اس نے پیچھے ہاتھ ڈال کر اپنا پرس اٹھایا اس میں سے پستول نکال لیا اور مامون خان کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھیل گئیں۔

"مرشد وہ دراصل میں آپ..... آپ مرشد میرے بارے میں تو بالکل غلط فہمی کا شکار ہیں، میں تو آپ کا غلام ہوں، یوں سمجھ لیجئے کہ صرف آپ کی صورت دیکھ کر جیتا ہوں آپ کے اشارے پر ناچتا ہوں۔"

سیٹھ محمودہ نے سائی لینسر نکال کر پستول کی نالی پر فٹ کیا اور مامون خان کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔

"آپ..... آپ مجھے قتل کرنا چاہتی ہیں مرشد؟"

"نہیں مامون خان میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے قتل نہیں کرنا چاہتی کیا کروں تم لوگوں نے مجھے تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے، اب دو دو ٹکے کے آدمیوں سے شکست ہو رہی ہے..... اگر انسپکٹر شہاب نے تم سے وہ رقم قبول نہیں کی تو اس کا مقصد ہے کہ اسے شبہ ہو گیا ہو گا، کوئی ایسی بات نکل گئی ہو گی تمہاری زبان سے جس سے وہ مشکوک ہو گیا ہو گا..... اب تم خود بتاؤ مامون خان! جب تم اتنے چھوٹے چھوٹے کام نہیں کر سکو گے تو پھر بھلا مجھے تمہاری کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔"

"مرشد آپ مجھے موقع دیجئے گا، میں..... آپ یقین کریں..... مامون خان نے اتنا ہی کہا تھا کہ اچانک اسے سر پر ایک کلک کی سی آواز سنائی دی، چھت پر ایک خانہ کھلا تھا اور کالے رنگ کا کوبرا براہ راست مامون خان کے سر پر آ پڑا تھا..... ڈھائی گز لمبا سانپ جس نے مامون خان کے جسم پر گرتے ہی اپنا کام دکھا دیا..... مامون خان کی گردن پر وار کیا تھا اس نے اور شہ

رگ کے قریب اپنے دانت گاڑ دیئے تھے..... مامون خان تو اس پستول ہی کی جانب متوجہ تھا جو سیٹھ محمودہ کے ہاتھ میں تھا، اس کوبرے کا تو اسے تصور بھی نہیں تھا، اس عمارت میں رہنے والے یہ بالکل نہیں جانتے تھے کہ سیٹھ محمودہ نے اس عمارت میں کیا کیا کارنامے سرانجام دیئے رکھے ہیں، وہ بس اتنی ہی معلومات رکھتے تھے جتنی انہیں فراہم کی جاتی تھیں۔

سانپ نے آخر کار مامون خان کی گردن چھوڑی اور ایک دم سے رینگتا ہوا نیچے اتر آیا اب وہ پھن پھیلا کر کھڑا ہو گیا تھا..... مامون خان نے دونوں ہاتھوں سے گردن پکڑ لی تھی..... اس کے پورے وجود میں چنگاریاں دوڑتی چلی جا رہی تھیں اور اس کی آنکھیں دہشت سے پھٹی ہوئی تھیں۔

"مرشد جلدی کر ڈالی آپ نے مرشد، آپ نے..... آپ نے جلدی کر ڈالی..... آپ..... آپ مرشد، کتیا کی بچی کیا نہیں کیا ہم نے تیرے لئے، ذرا سی غلطی، تیرا بیڑہ غرق، ذرا سی غلطی..... آہ..... آہ..... آہ....." مامون خان کی زبان بند ہو گئی۔ زہر نے اثر دکھانا شروع کر دیا تھا اور ویسے بھی سانپ شکل و صورت سے بہت خوفناک اور زہریلا معلوم ہوتا تھا..... بالکل سیاہ، سیٹھ محمودہ نے مامون خان کی کیفیت کو دلچسپی سے دیکھا..... پھر پھن اٹھائے کھڑے ہوئے سانپ کو اور اس کے بعد سائی لینسر لگا کر پستول سیدھا کر کے سانپ کے پھن پر اس نے دو فائر کئے اور سانپ کے پھن کے چیتھڑے اُڑ گئے..... اس نے تڑپ تڑپ کر وہیں دم توڑ دیا تھا..... یہ ایک وحشیانہ کارروائی تھی۔ وہ چاہتی تو مامون خان کو اپنی پستول کی گولیوں کا نشانہ بھی بنا سکتی تھی، لیکن شاید اس کے اندر کوئی ایسی حس موجود تھی جو انسان کو نت نئے انداز میں قتل کر کے لطف اندوز ہوتی ہے اور اس وقت مامون خان کو ایڑیاں رگڑتے ہوئے وہ بڑی پر شوق نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

مامون خان کرسی سے گرا تو سیدھا سانپ کے اوپر آ گیا اور اس کے اوپر چند لمحات تڑپنے کے بعد سرد ہو گیا، سیٹھ محمودہ خاموشی سے بیٹھی ان دونوں کو دیکھتی رہی، پھر اس کے ہونٹوں سے آہستہ سے نکلا۔

"صحیح بات یہ ہے کہ اب مجھے اپنے سٹاف میں خاصی تبدیلیاں کرنی پڑیں گی، اس سے بہتر تو یہ سانپ ہے جس نے بہر طور وہی فرض سرانجام دیا جس کی اسے ہدایت کی گئی تھی، میرا خیال ہے میں ان کتوں کو دودھ پلانے کی بجائے ایسے سانپوں کو دودھ پلاؤں جو کم از کم اپنا

صحیح کام سرانجام دے کر آخر کار فنا ہو جائیں۔

اس نے ایک گہری سانس لی، پستول کا سائی لینسر اتار کر پرس میں رکھا...... پرس کی زپ بند کی اور پھر کراہتی ہوئی اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

❁

شام کا وقت تھا کوئی سات بجے تھے، شہاب سادہ لباس میں لاک اپ کے سامنے پہنچا سنتری کو اشارہ کیا اور سنتری لاک اپ کا تالا کھولنے لگا...... شہابو چونک کر شہاب کو دیکھ رہا تھا...... اس نے شہاب کو وردی کے بغیر دیکھ کر ایک لمحے تک تو نہیں پہچانا تھا...... یہ تو ایک خوب صورت سا جوان آدمی تھا جبکہ انسپکٹر کی وردی میں وہ ایک خطرناک شکل کا انسپکٹر ہی نظر آتا تھا، بہر حال پھر شہابو نے اسے پہچان لیا...... شہاب نے خشک لہجے میں کہا۔ "آؤ......"

ایک نگاہ میں شہاب نے محسوس کر لیا تھا کہ شہابو کا چہرہ بری طرح اترا ہوا ہے، اس میں وہ اکڑ فوں باقی نہیں رہ گئی ہے جو کچھ وقت پہلے تک تھی اب اس کے حواس درست ہو گئے ہیں اور شاید اسے موت کی پرچھائیاں نظر آنے لگی ہیں...... بہر حال شہاب کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی...... ہاں اس وقت وہ شہابو کے ساتھ کچھ کام کرنا چاہتا تھا...... شہابو کھڑا ہو گیا...... سنتری نے لاک اپ کا تالا کھول دیا تھا...... شہاب نے کہا۔

"آؤ میرے ساتھ......" شہابو آہستہ قدموں سے باہر نکل آیا، لیکن تھانے کی عمارت سے باہر جاتے ہوئے اس کے دل میں ایک عجیب سی کپکپی پیدا ہو گئی تھی...... بہر حال وہ باہر احاطے میں آیا...... احاطے میں ایک اعلیٰ درجے کی پجارو کھڑی ہوئی تھی...... شہاب نے ڈرائیونگ سیٹ کے برابر کا دروازہ کھول کر اس سے کہا۔

"آجاؤ......" شہابو دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا اور شہاب نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی...... پجارو کے شیشے رنگین تھے اور باہر سے ان میں اندر نہیں جھانکا جا سکتا تھا...... شہاب نے پجارو سٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

شہابو ساکت و جامد بیٹھا ہوا تھا بڑی عجیب کیفیت تھی اس کی...... درحقیقت اب اسے موت کی پرچھائیاں نظر آنے لگی تھیں، وہ سیٹھ محمودہ کو اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ کس قسم کی عورت ہے...... شہابو کی وجہ سے اسے کچھ ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا، سب سے بڑی ناکامی تو تھی کہ وہ ابھی تک شہابو کو آزاد نہیں کرا سکی تھی اور جب ایسی کوئی صورت حال پیش آجاتی

تھی تو شہابو سے زیادہ یہ بات اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ پھر سیٹھ محمودہ پر جنون طاری ہو جاتا تھا اور وہ اپنی ہی بوٹیاں نوچنا شروع کر دیتی تھی، اب یہ الگ بات ہے کہ وہ بوٹیاں اس کے اپنے وہ رتن ہوا کرتے تھے جن پر وہ بے دریغ دولت خرچ کرتی تھی اور اس میں کوئی شک بھی نہیں تھا کہ وہ جن لوگوں کو اپنے ساتھ شامل رکھتی تھی انہیں اتنا دیتی تھی کہ ان لوگوں کی ضرورت سے باہر ہو جائے۔

شہابو بھی ایک درمیانہ درجے کا آدمی تھا اور کچھ عرصے قبل اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی، پھر سیٹھ محمودہ کی نگاہ کرم ہوئی اور شہابو کو اس کے قدموں میں جگہ مل گئی۔ کوئی اور تھا جو اسے سیٹھ محمودہ کے پاس لے گیا تھا یہ کہہ کر کہ ایک بزرگ خاتون ہیں جس کے سر پر ہاتھ رکھ دیتی ہیں سمجھ لو اس پر ہما کا سایہ ہو جاتا ہے، دولت اس کے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتی اور ساری زندگی عیش و عشرت میں گزرتا ہے...... یہی ہوا تھا...... شہابو کے سر پر بھی اس تندرست و توانا ہما کا سایہ ہو گیا تھا اور اس کے بعد تو شہابو کی شخصیت ہی بدل گئی اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے سیٹھ محمودہ کے لئے بڑے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے تھے اور وہ کام کئے تھے جن میں بیشتر میں اسے زندگی کی بازی لگانی پڑی تھی، لیکن اس کے صلے میں جو کچھ اسے ملا تھا وہ بھی کم نہیں تھا...... سیٹھ محمودہ نے اسے شہابو سے شہاب الدین بنا دیا تھا اور اب اعلیٰ درجے کے لوگوں میں اس کا اٹھنا بیٹھنا تھا...... عیش و عشرت کی زندگی گزار رہا تھا لیکن ہر کمال کو زوال ہوتا ہے اور اب وہ روبہ زوال تھا اور یہ جانتا تھا کہ سیٹھ محمودہ کی ذہنی کیفیت اس وقت کیا ہو گئی ہو گی...... پھر نہ جانے کس خیال کے تحت اس نے پجارو کے ہینڈل کو غیر محسوس طریقے سے گھمایا، یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اگر کوئی مناسب جگہ حاصل ہو جائے تو فرار میں کیا مشکل پیش آسکتی ہے، لیکن مدمقابل بھی کوئی معمولی چیز نہیں تھا...... ایک لمحے میں شہابو نے محسوس کر لیا کہ ہینڈل آٹو میٹک لاک ہے، کیونکہ وہ اپنی جگہ سے کھسک بھی نہیں رہا تھا...... شہاب اس کے ان احساسات سے بے پرواہ ڈرائیونگ کر رہا تھا...... پھر اس نے پجارو کا رخ ساحل سمندر کی جانب کر دیا...... شہابو کو اس وقت احساس ہوا تھا جب اس نے لہروں کا شور سنا تھا، بات اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی، راستے بھر وہ بھی خاموشی میں ڈوبا رہا تھا اور انسپکٹر شہاب نے بھی اس سے کوئی گفتگو نہیں کی تھی، شہابو نے باہر جھانکا ماحول بالکل سنسان اور خاموش تھا...... بادلوں میں کچھ ایسی سفیدی رچی ہوئی تھی کہ

نیچے کا ماحول بالکل ہی تاریک نہیں ہوا تھا، گاڑی رکنے کے بعد شہاب نیچے اترا اور اشارے سے اس نے شہابو کو اترنے کے لئے کہا، شہابو خاموشی سے نیچے اتر گیا تھا، شہاب اس کا انتظار کر رہا تھا، شہابو نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر اس کے قریب پہنچ کر آہستہ سے بولا۔

"انسپکٹر صاحب آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں؟"

"تم کیا سمجھتے ہو؟"

"سمجھ میں نہیں آیا، انسپکٹر صاحب، کیا آپ...... کیا آپ مجھے یہاں کوئی سزا دینا چاہتے ہیں؟"

"نہیں شہابو، سزا دینے کا وقت گزر گیا ہے۔" انسپکٹر شہاب نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"سمجھا نہیں صاحب؟"

"سزا دینے کے لئے تھانے سے بہتر اور کون سی جگہ ہو سکتی تھی شہابو، میں وہاں جو چاہتا کر سکتا تھا تمہارے ساتھ، نہیں کیا، اس کا مطلب جانتے ہو کیا ہے؟"

"نہیں سر۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔"

"جی صاحب؟"

"اور اس کی بھی وجہ ہے شہابو، پوچھو کیا؟"

"بتا دیجئے؟"

"اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے ایک ایسے شخص کے خلاف خوف کا اظہار کیا جو مجرم ہے، جرائم پیشہ ہے، تمہیں اپنی زندگی کا خطرہ لاحق ہو گیا ہے، حالانکہ میں چاہتا تھا کہ تم مر جاؤ، تم جیسے لوگ جو اقدار سے بے نیاز ہو کر ہر طرح کے کام کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں، زندہ رہنے کے قابل نہیں ہوتے، لیکن یہ بات بھی میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ بڑا مجرم کوئی اور ہی ہے، تم صرف وہ لوگ ہو جو پیسوں کے لئے اپنا ایمان بیچ دیتے ہو، شہابو! میں تمہیں ان الفاظ کے بعد کوئی نصیحت نہیں کروں گا، یہ تمہارا اپنا فعل ہے کہ تم نے اپنے لئے کون سی زندگی کا انتخاب کیا، یہ ساحل ہے، میرے پاس بے شک پستول ہے لیکن وعدہ کرتا ہوں کہ تم پر پستول نہیں استعمال کروں گا، بھاگنا چاہتے ہو؟" شہابو خاموشی سے انسپکٹر شہاب کو دیکھتا رہا، پھر جب

کچھ نہ بولا تو انسپکٹر شہاب نے خود ہی کہا۔

"میرا خیال ہے تم بھاگنا چاہتے ہو، کیونکہ تم پجارو میں بیٹھ کر دروازہ کے آٹو میٹک لاک کو ٹٹولتے رہے ہو۔" شہابو چونک پڑا، ایک لمحے کے لئے اس کے بدن میں تھرتھری سی پیدا ہو گئی، پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں صاحب میں بھاگنا چاہتا تھا لیکن اب نہیں بھاگنا چاہتا۔"

"کیوں؟"

"اس کے لئے آپ مجھے معاف کرنا صاحب، اس لئے کہ آپ مجھے ظرف والے معلوم ہوتے ہو۔" انسپکٹر شہاب نے چونک کر اسے دیکھا پھر آہستہ سے بولا۔

"اور اس سے پہلے تمہارا کیا خیال تھا؟"

"برا مت ماننا انسپکٹر صاحب، اس سے پہلے آپ میری نگاہ میں صرف ایک پولیس والے تھے، آپ دلیر آدمی ہو ہمیں اس طرح یہاں تک لانا اور وہ بھی ہتھکڑی کے بغیر معمولی بات نہیں ہے، ہم جانتے ہیں کہ آپ اپنے رسک پر ہمیں یہاں تک لائے ہو۔"

"ہاں شہابو، میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ اگر اس وقت بھاگنا چاہتے ہو تو بھاگ جاؤ میں تمہارا پیچھا نہیں کروں گا۔"

"صاحب ہمیں معلوم ہے کہ اگر ہم اس وقت بھاگ گئے تو پھر ہمیں زندگی بھر بھاگنا پڑے گا۔"

"بالکل ٹھیک کہتے ہو اور وہ زندگی جو خوف کے عالم میں گزاری جائے، کیا زندگی ہوتی ہے شہابو؟"

"نہیں جناب آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

"تو پھر وہ کام کرو جس میں تمہیں زندگی مل جائے۔"

"وہ کام کیا ہے صاحب۔"

"مجھے سیٹھ محمودہ کے ان اندرونی رازوں سے واقف کر دو، جن سے میں اسے اپنے شکنجے میں پھنسا سکوں۔"

"صاحب چل کر گاڑی میں بیٹھیں۔"

"کیوں؟"

"بس دل چاہ رہا ہے۔"

"کیا کھلی فضا اس کے لئے بہتر نہیں ہے؟"

"کہیں بیٹھو صاحب، آپ یقین کرو، میرے پیروں کی جان نکل رہی ہے۔"

"ہمت مائی ڈیئر، ہمت، ہمت سے کام لو، ہمت چالاکی سے زیادہ بہتر ہے، سمجھ رہے ہو اور آؤ ادھر بیٹھتے ہیں۔" شہاب نے کہا اور پھر ساحل سے تھوڑا سا ہٹ کر دونوں ریت پر بیٹھ گئے۔ شہابو کہنے لگا۔

"ایک بات بتائیں ہم آپ کو انسپکٹر صاحب؟"

"ہاں بتاؤ، ہر وہ بات بتاؤ جو میرے کام آسکے؟"

"سیٹھ محمودہ اصل میں کچھ بھی نہیں ہے، وہ ایک رابطے کا ذریعہ ہے، ایک ٹیلی فون ہے، ٹرانسمیٹر ہے وہ، اس ٹرانسمیٹر پر بہت بڑے بڑے لوگ آپس میں رابطے کرتے ہیں اور انہوں نے رابطے کے لئے ایک جگہ بنا رکھی ہے، وہ جگہ ہے سیٹھ محمودہ، وہ لوگ اپنا کام اس کے ذریعے دوسرے کے کانوں تک پہنچاتے ہیں اور دوسرا اپنی خواہشوں کا اظہار اس کے ذریعے تیسرے تک کرتا ہے اور چونکہ بہت بڑے بڑے لوگ مل کر سیٹھ محمودہ کو پال رہے ہیں اس لئے صاحب اس کی گردن بہت اونچی ہو گئی ہے، وہ کسی سے بھی اپنا کام نکلوا سکتی ہے۔ یہ ہے سیٹھ محمودہ، آپ اس پر ہاتھ ڈالو گے بات نہیں بنے گی صاحب، کسی قیمت پر نہیں بنے گی، وہ کسی سے کہے گی اور آپ فیل ہو جاؤ گے، مجھے تو بس یہ حیرت ہے کہ میرے سلسلے میں اب تک وہ ناکام کیوں رہی، مگر میں اس کی بات بھی سمجھتا ہوں، وہ اب اپنے آپ کو خود بھی کچھ سمجھنے لگی ہے...... اس کا کہنا ہے کہ چھوٹے چھوٹے کاموں کے لئے بڑے بڑے لوگوں کو استعمال نہیں کرنا چاہئے...... انہیں استعمال کرنے کے لئے بڑا کام ضروری ہوگا، لیکن صاحب، ہماری کیا اوقات، ہماری کیا حیثیت، اب وہ جھنجلا گئی ہوگی اور سوچ رہی ہوگی کہ میرا خاتمہ کرادے، اسی لئے صاحب میں نے آپ سے زندگی کی درخواست کی تھی۔"

"شہابو کوئی کچھ نہیں بگاڑے گا تمہارا، ٹھیک کہتے ہو، ایسے بڑے بڑے لوگوں کے سامنے میری کوئی حیثیت نہیں ہے، لیکن بہرحال میں بھی ایک ضدی آدمی ہوں جو کچھ کرنے کے لئے قدم اٹھا چکا ہوں اسے اس وقت تک جاری رکھنا چاہتا ہوں جب تک کہ میرے پاؤں نہ کاٹ دیئے جائیں، سمجھ رہے ہو نا تم، تم سے مجھے ان لوگوں کے بارے میں

معلومات حاصل کرنی ہے جو سیٹھ محمودہ کے پس پشت ہیں۔"

"آپ کو یہ بات بتادوں صاحب، یہ بات تو شاید سیٹھ محمودہ کے باپ کو بھی نہ معلوم ہو، بہت چالاک عورت ہے وہ اپنے ذرائع چھپا کر ہی رکھتی ہے، ہاں ہم آپ کو کچھ ایسے لوگوں کے نام بتا سکتے ہیں جو اس کے شریک کار ہیں۔"

"بتاؤ؟" شہاب نے کہا۔

"آپ لکھو صاحب، بڑے بڑے سرمایہ داروں میں جو لوگ اس سے کام لیتے ہیں ان میں طاہر جمالی، شیخ اختیار، فاضل فیروز اور غلام سوری ہے۔ غلام سوری کا نام آپ نے سنا ہوگا، صاحب بہت بڑی چیز ہے، بڑے بڑے کارنامے سرانجام دے چکا ہے، اعلیٰ پائے کے سمگلروں میں شمار ہوتا ہے لیکن اس نے اپنا ایک دوسرا رُخ بھی رکھا ہے، دوسرا رخ حکام بالا سے اپنے تعلقات بنانے کا ہے، کیونکہ اس نے پچھلی حکومتوں کے لئے بھی کئی ایسے کارنامے سرانجام دیئے ہیں جن کی وجہ سے حکومتیں ہمیشہ اسے رعایت دیتی چلی آئی ہیں اور صاحب ایک بات بتائیں آپ کو، غلام سوری ایک ایسا آدمی ہے جو سیٹھ محمودہ کو خاطر میں نہیں لاتا، ان لوگوں کا ملنا جلنا ضرور ہے لیکن اس بات کا ہمیں اچھی طرح اندازہ ہے کہ نہ غلام سوری سیٹھ محمودہ کو پسند کرتا ہے اور نہ سیٹھ محمودہ اسے، کیونکہ بہت سے معاملوں میں غلام سوری نے اپنے تعلقات سے کام لے کر سیٹھ محمودہ کے کام کور کروادیا ہے۔"

"گڈ، کیا وہ لوگ اب بھی ملتے ہیں؟"

"ہاں صاحب، ایک بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی صاحب، ہم لوگوں کا آپس میں جھگڑا ہوتا ہے، ہم جھگڑا کرتے ہیں، کھلم کھلا ایک دوسرے کو گالیاں دیتے ہیں ان کی برائیاں کرتے ہیں، ہر جگہ بیٹھ کر اور لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہمارے تعلقات اچھے نہیں ہیں لیکن صاحب یہ سیاست دان، یہ بڑے بڑے لوگ جن کے بیانات آپ اخباروں میں دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کی زندگی کے گاہک ہیں، لیکن صاحب، جب کسی تقریب میں ملتے ہیں تو گلے بھی ملتے ہیں، مصافحہ بھی کرتے ہیں، ایک دوسرے کو تحفے تحائف بھی دیتے ہیں، ہنستے مسکراتے تصویریں بھی کھنچواتے ہیں اور دوسرے دن ان کا بیان اور کچھ آجاتا ہے۔ صاحب یہ کیسے لوگ ہیں۔" شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

"ہاں، بہرحال انسان ہیں وہ بھی! اب کیسے ہیں، کیا ہیں، یہ تو وہی جانتے ہیں۔"

"ہمیں حیرت ہوتی ہے صاحب آپ یقین کرو، تو میں آپ سے کہہ رہا تھا کہ غلام سوری. سیٹھ محمودہ کے ہاں تقاریب میں آتا ہے...... سیٹھ محمودہ اس کے ہاں چلی جاتی ہے. دونوں لان میں بیٹھ کر چائے پیتے ہیں، لیکن یہ بات سب کو معلوم ہے کہ غلام سوری سیٹھ محمودہ کو پسند نہیں کرتا اور سیٹھ محمودہ اسے۔"

"اچھا، شہاب الدین ٹھیک ہے اب تم یہ تصویریں دیکھو اور مجھے بتاؤ کہ ان عمارتوں میں کون کون سی عمارت کس جگہ واقع ہے اور اس کی کیا صورت حال ہے۔" شہابو نے صبر و سکون کے ساتھ تصویروں کو دیکھا تھا اور اس وقت شہاب گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا...... تجربہ اسے بھی تھا زندگی کا اور وہ یہ اندازہ لگا رہا تھا کہ اس وقت شہابو کی کیا کیفیت ہے، اگر اس کا تجربہ ساتھ دے رہا تھا تو اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ شہابو اس کا دست راست بن گیا ہے اور اب وہ جو کچھ بول رہا ہے سچ بول رہا ہے، انسپکٹر شہاب نے تھوڑی دیر کے بعد اس سے پوچھا۔

"ہاں...... بولو کیا کہتے ہو ان کے بارے میں؟"

"صاحب، سب جگہوں کو جانتا ہوں، انہی تصویروں کی وجہ سے صحافی سبحان کو اغوا کرایا گیا تھا، آپ کو یہ تصویریں اسی سے حاصل ہوئی ہیں نا؟"

"ہاں۔"

"اب جو کچھ ہو گیا صاحب اس پر شرمندگی سے کوئی فائدہ نہیں، آج میں آپ سے یہ کہتا ہوں کہ مجھے اسے اغوا کرنے کا افسوس ہے تو آپ کہیں گے بھلا اب کیا فائدہ، صاحب دیکھو بس ایک بار میری مدد کر دو، میں مرنا نہیں چاہتا ہوں، لیکن آپ اطمینان رکھو، آپ جو کہو گے وہی کروں گا۔"

"زندگی موت اللہ کے ہاتھ ہے شہابو، لیکن میں بھی تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میں زندہ ہوں تو تم بھی زندہ رہو گے اور اگر انہوں نے تمہیں مار دیا تو پھر میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں اپنے ہاتھوں سے خودکشی کر لوں گا، اس سے زیادہ میں تمہیں اور کوئی اطمینان نہیں دلانا چاہتا۔"

"ٹھیک ہے صاحب، ہمیں آپ کی بات پر بھروسا ہے مرد کی زبان اس کی پیشانی سے ظاہر ہوتی ہے۔"

"اب ہم آپ کے ساتھ ہر کام کے لئے تیار ہیں صاحب! بہت حوصلہ بڑھا دیا ہے آپ نے ہمارا۔" شہاب اسے لے کر وہاں سے چل پڑا، پھر اس نے شہابو کو ایک اوپن ایئر ریستوران میں کھانا کھلایا، شہابو خوفزدہ تھا، لیکن اپنے آپ کو ہمت بھی دلائے ہوئے تھا، بزدلی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتا تھا...... ویسے بھی بزدل نہیں تھا، کھانے کے بعد شہاب نے ایک بار پھر پجارو سٹارٹ کی اور وہ لوگ وہاں سے چل پڑے، شہابو ایک ایک عمارت کی نشاندہی کر رہا تھا اور شہاب اس کے اطراف کا پورا پورا جائزہ لے رہا تھا۔ پتا نہیں اس کے ذہن میں کیا منصوبہ تھا۔ الغرض تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس تھانے کی عمارت میں پہنچ گیا...... گلاب جان ڈیوٹی پر مستعد تھا...... شہابو کو لاک اپ میں پہنچاتے ہوئے شہاب نے گلاب جان سے کہا۔

"گلاب جان! شہابو اب ہماری عزت کا معاملہ بن گیا ہے، اسے لاک اپ ہی میں رکھنا ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اعلیٰ افسران کسی بھی وقت اس کے سلسلے میں ہم سے رجوع کر سکتے ہیں، لیکن بہر حال اس کی زندگی بچنی چاہئے۔" گلاب جان نے شہاب کی جانب دیکھا، سینے پر ہاتھ رکھا اور گردن جھکا کر بولا۔

"یہ انسپکٹر شہاب کا نہیں میرے استاد کا حکم ہے، میں جان کی بازی لگا کر اس حکم کی تعمیل کروں گا۔"

"شکریہ گلاب جان!" انسپکٹر شہاب نے کہا۔

اختر عادل کی کھٹارا موٹر سائیکل شور مچاتی ہوئی تھانے کے احاطے میں داخل ہوگئی۔ احاطے میں موجود سپاہی اسے دیکھ کر مسکرانے لگا، لیکن اختر عادل ان مسکراہٹوں سے بے نیاز تھا۔

"انسپکٹر صاحب موجود ہیں۔" اس نے پوچھا اور اثبات میں جواب ملنے پر شہاب کے آفس میں داخل ہوگیا۔ شہاب اسے دیکھ کر استقبالیہ انداز میں مسکرایا تھا۔

"سلام پیش کرتا ہوں انسپکٹر صاحب!"

"وعلیکم السلام، آؤ صحافی کیا حال ہے تمہارا؟"

"بالکل ٹھیک ہوں سر، وہ میرا یار کہاں ہے، بڑی تلاش ہے مجھے اس کی۔"

"اسے ابھی صیغہ راز ہی میں رہنے دو اختر عادل، باہر کی دنیا ابھی تک اس کے لئے سازگار نہیں ہے۔"

اختر عادل کے چہرے پر تشویش کے آثار پھیل گئے، وہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

"ٹھیک ہے سر، ظاہر ہے جو کام ہم خود نہیں کر سکتے اس کے لئے دعوے کیوں کریں۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں، واقعی باہر کی دنیا ابھی اس کے لئے سازگار نہیں ہے..... خیر یہ چھوڑیئے ان باتوں کو، ابھی آپ یہ بتایئے کہ ہمارے لئے کیا ہو رہا ہے، ویسے سر آپ کو یقین دلاؤں کہ آپ کی ان دو دفعہ کی عنایات نے میرا بڑا پرانا رکا ہوا کاغذ کا بل ادا کرا دیا ہے، بخدا نہ جانے کتنے کتنے جھوٹ بول کر تھوڑا سا کاغذ بے چارے ڈیلروں سے حاصل کر لیتا تھا ظاہر ہے ادائیگی تو ضروری ہوتی ہے، حالانکہ شاید آپ اس بات پر یقین نہ کریں کہ اخبار کا

زیادہ تر کام میں خود ہی کرتا ہوں، بہر حال چھوڑیئے، میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا جس تھا یہ تمام کہانیاں نکل آئیں۔"

"نہیں اختر عادل! فکر کی کوئی بات نہیں ہے تم یہ سمجھ لو کہ اب تمہارا اخبار چمکنے والا ہے۔"

اختر عادل کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"نہیں سر، دو خبروں سے کچھ نہیں بنتا، اخبار نکالنے کے لئے تو بہت کچھ ضروری ہوتا ہے، خیر یہ میری نہیں اخبار کی قسمت ہے، میں اپنی قسمت کو اخبار سے تو منسلک کرنا ہی نہیں چاہتا کیونکہ اس کے بعد اس کی ایک کاپی بھی کبھی نہیں نکل سکے گی۔"

"تم جیسا صاحب عزم انسان اس قسم کی باتیں کرتا ہوا اچھا نہیں لگتا۔"

"کوئی چٹ پٹی سی خبر مل سکے گی صاحب، اصل میں اخبار اس قدر پسماندہ ہے کہ دوسرے لوگ لفٹ نہیں دیتے، نہ جانے آپ کس ٹائپ کے آدمی ہیں کہ مجھ جیسے بیکار انسان کو بھی گھاس ڈال دیتے ہیں۔"

"اختر عادل احمقانہ بات مت کرو، اس انداز گفتگو کے لئے معافی چاہتا ہوں، یہ ایک پولیس والے کا طرز گفتگو نہیں ہے بلکہ ایک زبردستی دوست بن جانے والے شخص کا ہے۔"

اختر عادل نے جذباتی نگاہوں سے شہاب کو دیکھا پھر بولا۔

"دوست!"

"ہاں۔"

"مجھ جیسے آدمی سے دوستی کریں گے آپ؟"

"پھر وہی حماقت کی باتیں جن کا کوئی سر پاؤں نہیں ہے۔"

"بہت بڑی عزت دی ہے آپ نے، اصل میں آپ کے پاس عزت کچھ زیادہ ہی ہوگی جو آپ دوسروں کو تقسیم کرتے پھرتے ہیں، ورنہ لوگ ایسا کہاں کرتے ہیں، بہر حال شکریہ آپ کا تعاون ہی دوستی کی ضمانت ہوگا۔"

"بالکل میں تمہارے ساتھ تعاون کروں گا، جہاں تک سبحان کا مسئلہ ہے وہ خیریت سے ہے، بس مجھے اس بات کا دکھ ہے کہ اس کے بچے بے چارے تعلیم کا حرج کر رہے ہیں لیکن سب کچھ زندگی کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے، وہ ان کا سرپرست رہے بچوں کے لئے اس سے زیادہ قیمتی اور کوئی چیز نہیں ہوگی۔"

"بالکل ٹھیک کہا آپ نے جناب! لیکن شہاب صاحب، آپ اتنی دور تک کیوں سوچتے ہیں؟"

"کیسی باتیں کرتے ہو اختر عادل، انسان کو سوچنا چاہئے جو نہیں سوچتے وہ غبی ہوتے ہیں اور معاشرے میں اپنا فرض پورا نہیں کرتے، اب میں معاشرے پر کوئی بحث نہیں کروں گا...... تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں جس کا پورا پورا خیال رکھنا۔"

"ارشاد۔" اختر عادل نے کہا۔

"یہ دو دفعہ جو تم نے خبریں لگائی ہیں، ان خبروں نے کسے کسے نقصان پہنچایا ہے، اس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے چنانچہ اس بار تم خطرے میں ہو۔"

"جی، شہاب صاحب ایک بات بتاؤں؟"

"ہاں بولو؟"

"بخدا، حالات سے اس قدر مایوس ہو چکا ہوں کہ اب ایک ہی چیز کا منتظر رہتا ہوں۔" شہاب نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا تو وہ مسکراتا ہوا بولا۔

"موت۔"

"اتنے مایوس ہو تم؟"

"ہاں شہاب صاحب، راستے بالکل مسدود ہیں، زندگی کی کوئی خواہش پوری کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا تو اس کے بعد زندگی کا تصور کھو بیٹھا ہوں، کسی بھی سڑک پر گولیوں کی باڑھ سینے پر کھانے کے لئے تیار رہتا ہوں۔"

"یہ مقام بہت اونچا ہوتا ہے اور جو شخص اس مقام تک پہنچ جاتا ہے وہ بڑا قیمتی ہو جاتا ہے، بہت سوں کے لئے، بس تم اپنا خیال رکھنا اور پوری طرح محتاط رہنا، فی الحال میرے پاس کوئی خبر نہیں ہے، لیکن اختر عادل تھوڑا سا وقت اور گزار لو اس کے بعد، میں تم جیسے آدمی کو کوئی مالی مدد پیش نہیں کرنا چاہتا حالانکہ میری دلی آرزو ہے کہ تمہارے تھوڑے بہت مسائل میں سنبھال لوں۔" اختر عادل نے قہقہہ لگایا اور بولا۔

"کمال کرتے ہیں صاحب، نہ تو میں ذات کا سید ہوں نہ صاحب حیثیت ہوں، اصولی طور پر تو مجھے اپنے اخبار کے لئے زکوٰۃ کی اپیل کرنی چاہئے، لیکن ظاہر ہے آپ خود سمجھتے ہیں ایسا کوئی عمل کروں گا تو لوگ کیا کہیں گے، اس سلسلے میں، ویسے ذاتی طور پر مجھے زکوٰۃ کی

ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔"

"ہوں تو پھر تو یوں کرو، یہ دس ہزار روپے رکھ لو، اسے زکوٰۃ سمجھ کر مت رکھنا بلکہ دوست کا تحفہ سمجھ کر رکھ لینا۔"

"آہ میرے دوست اس تحفے کو میں دل و جان سے قبول کرتا ہوں، یقین کرو نہ جانے کتنا عرصہ ہو گیا، ہزار روپے کے نوٹ کی شکل نہیں دیکھی اور کہاں دس دس۔" اختر عادل نے وہ نوٹ قبول کر لئے اور شہاب ہنسنے لگا پھر بولا۔

"اب اگر تم نے دوستی کو یہاں تک نبھانے کا فیصلہ کر لیا ہے تو پھر ایک درخواست اور کر سکتا ہوں تم سے؟"

"یعنی دس ہزار روپے کی رقم ادا کرنے کے بعد بھی درخواست اب تو صرف احکامات چاہئیں مجھے۔"

"دوستی میں احکامات نہیں دیئے جاتے۔"

"دیکھو یار! اتنے بڑے آدمی بننے کی کوشش مت کرو، یقین کرو ایک طویل عرصہ ہو گیا مجھے کسی بڑے آدمی کی صورت دیکھے ہوئے۔"

"نہیں میں بڑا بننے کی کوشش نہیں کر رہا۔"

"خیر، وہ کیا کہنا تھا جو کہہ رہے تھے۔"

"پیسوں کی ضرورت جب بھی پیش آئے میرے پاس آ جانا، یہ اس وقت تک کے لئے جب تک کہ ہم ان معاملات سے نہیں نمٹ لیتے، اس کے بعد میں تمہیں ایک پروگرام پیش کروں گا، سمجھ رہے ہو نا؟" اختر عادل عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا، پھر بولا۔

"نظریہ تبدیل کر دیا ہے یار تم نے چلو ٹھیک ہے فی الحال تو میں یہاں سے نکلنے کے بعد پٹرول کی ٹنکی بھرواؤں گا، یقین کرو نہ جانے کتنے عرصہ گزر گیا اس موٹر سائیکل کو سروس کرائے ہوئے اور اس کی پوری ٹنکی فل کرائے ہوئے، آج یہ بھی کیا یاد کرے گی، اس کے بعد کسی اعلیٰ سے ہوٹل میں کھانا کھاؤں گا، کیا خیال ہے؟"

"ٹھیک ہے تمہارا جو دل چاہے کرو۔"

"مگر پیسے سنبھال کر رکھنے پڑیں گے، خیر کوئی بات نہیں ہے۔" پھر اس کے بعد اختر عادل شہاب کے دفتر سے نکل آیا تھا...... موٹر سائیکل کو کک لگائی اور شور مچاتی ہوئی موٹر

سائیکل پر بیٹھ کر وہ باہر نکل آیا، لیکن ذہن عجیب و غریب خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ انسپکٹر اسے کس سلسلے میں پھانس رہا ہے، ویسے آدمی کچھ عجیب سا ہی لگتا ہے، عجیب نہ ہوتا تو سجان کو کیسے پناہ دیتا، کیا اس دور میں بھی ایسے عجیب و غریب لوگوں کی گنجائش ہے، اختر عادل نے سوچا، سامنے ہی پٹرول پمپ نظر آیا اور اس نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور موٹر سائیکل اس طرف بڑھادی، پھر وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا پٹرول پمپ کی ٹنکی کے پاس پہنچ گیا اور اٹینڈنٹ سے موٹر سائیکل کی ٹنکی میں پٹرول ڈالنے کے لئے کہا، ٹنکی فل کرانے کے بعد اس نے ادائیگی کی اور وہاں سے آگے بڑھ گیا...... بہت خوش نظر آرہا تھا وہ...... پھر ایک ریستوران کے سامنے موٹر سائیکل روکی، اپنے حلیئے پر نظر ڈالی، ایک لمحے کے لئے ٹھٹکا اور پھر ریستوران میں داخل ہو گیا...... میز پر بیٹھ کر اس نے کئی پسندیدہ کھانوں کا آرڈر دیا اور انتظار کرنے لگا...... ذہن اب بھی سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا...... اخبار کے کچھ ایسے مسائل بھی تھے جو دو دنوں میں اخبار کی زیادہ سیل کی آمدنی سے بھی حل نہیں ہو سکے تھے...... دس ہزار روپے جیب میں تھے، ابھی تو اخراجات کا آغاز ہوا ہے ان مسائل سے بھی نمٹ ہی لے گا...... ہو سکتا ہے انسپکٹر نشے میں ہو، ان لوگوں کے لئے نشہ آور چیزوں کا حصول کیا مشکل ہو سکتا ہے، ہوش آئے گا تو سنبھل جائے گا اور اپنے الفاظ پر نادم ہو گا اور رقم پر افسوس کرے گا، اس سے پہلے کہ وہ رقم واپس مانگی جائے مسئلوں سے نمٹ لینا زیادہ مناسب ہو گا...... بہرحال پسندیدہ کھانا کھایا اور اس کے بعد وہاں سے اٹھ گیا...... بل ادا کر کے باہر آیا، موٹر سائیکل کو کک لگائی اور وہاں سے بھی چل پڑا...... دماغ ہوا میں اُڑ رہا تھا...... تھوڑی دور جا کر موٹر سائیکل سے ایک عجیب سی آواز اُبھری اور وہ پھٹ پھٹ کر کے بند ہو گئی۔ اختر عادل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

میڈم میری اپنی بھی یہی کیفیت ہے، بہت عرصے کے بعد پسندیدہ کھانا پیٹ بھر کر کھایا ہے، برداشت نہیں ہو رہا، آپ کی بھی ٹنکی پہلی بار فل ہوئی ہے، بھئی یوں محسوس ہوتا ہے جیسے قدرت تقدیر پلٹنے میں لگ گئی ہے...... آپ بھی ذرا ظرف سے کام لیجئے، اس نے تھوڑا سا وقفہ دے کر پھر موٹر سائیکل کو کک لگائی، لیکن موٹر سائیکل سٹارٹ نہیں ہو سکی۔

آخر میں بھی تو پورا پیٹ بھر کر کھانے کے بعد چل رہا ہوں، یہ نخرے کیسے؟! اختر عادل اسے ایک دیوار کے ساتھ کھڑا کر کے اس کے پلگ وغیرہ کا جائزہ لینے لگا، اسی وقت ایک لینڈ

کروزر آکر اس کے قریب رُکی تھی اور اس سے چند افراد نیچے اتر آئے تھے...... اختر عادل نے چونک کر انہیں دیکھا اور پھر ان کے ہاتھوں میں دبے ہوئے پستول دیکھ کر اس کی آنکھوں میں حیرت کے نقوش اُبھر آئے۔

"اماں کیا بات ہے بھائی، کیا لوٹنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"ایک لفظ منہ سے نکلا تو گولی حلق میں داخل کر دوں گا۔"

"میرے حلق میں اب کسی چیز کے داخلے کی گنجائش نہیں ہے، پیٹ بھر کر کھانا کھا کر آیا ہوں۔"

"مسخرے بننے کی کوشش مت کرو، چلو ادھر سے۔"

"کک...... کیا مطلب؟"

"چلو۔" ان میں سے دو افراد آگے بڑھے اور انہوں نے اختر عادل کو بازوؤں سے پکڑ لیا، سامنے والے شخص نے کہا۔

"اور میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ شور مچانے کی ہر کوشش ناکام ہو گی۔"

"پیارے بھائی چل رہا ہوں لیکن غور سے دیکھ لو مجھے، میں کوئی خوب صورت و نازک اندام حسینہ نہیں ہوں، ایک بد شکل آدمی ہوں...... کچھ غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہو، ذرا غور سے دیکھ لو یار۔" لیکن ان لوگوں نے اسے اٹھا کر گاڑی میں پھینک دیا، ڈرائیونگ سیٹ پر ڈرائیور موجود تھا...... گاڑی اس نے آگے بڑھا دی۔

"ہائے کمبختو! میری غیر منکوحہ اکیلی رہ گئی، لاک بھی نہیں لگایا ہے اس میں، تمہارا ستیاناس، لے تو جا رہے ہو مجھے، لیکن کیا ہو گا میری موٹر سائیکل کا کیا ہو گا؟"

"تم خاموش نہیں بیٹھو گے؟"

"اب یار کیسے خاموش بیٹھوں دوسری کبھی نہیں خرید سکوں گا پیارے بھائی، ارے باپ رے، اب سمجھ گیا گھپلا ہو گیا، اماں تمہیں کیسے پتا چل گیا بتاؤ گے؟"

"کیا؟" برابر بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے پوچھا۔

"یہی کہ ہماری اس پھٹی ہوئی قمیض کی جیب میں بھی کچھ ہے۔"

"اگر تم خاموش نہیں بیٹھے تو میں پستول کا دستہ تمہارے سر پر مار کر تمہیں بے ہوش کر دوں گا۔"

"تھو ہے ایسی زبان پر جو کھوپڑی کی دشمن ہو جائے۔" اختر عادل نے کہا اور خاموش ہو گیا، لیکن اس کا ذہن سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا اور وہ انسپکٹر شہاب کی پیش گوئی پر غور کر رہا تھا، لیکن یہ سب کچھ اتنی جلدی ہو جائے گا اسے اندازہ نہیں تھا...... باہر کی کوئی چیز نظر نہیں آ رہی تھی اور اسے پتا نہیں چل رہا تھا کہ وہ لوگ اسے کہاں لے جا رہے ہیں۔

سفر زیادہ طویل نہیں رہا...... اسے یوں محسوس ہوا جیسے گاڑی کسی عمارت کے سامنے رکی ہو، پھر گیٹ کھلا اور گاڑی اندر داخل ہو گئی، اس کے بعد وہ رک گئی تھی۔

پھر وہ سب نیچے اترے اور اختر عادل کو بھی نیچے اتار لیا گیا...... وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا لیکن عقب سے اسے زور سے دھکا دیا گیا اور وہ گرتے گرتے بچا۔ اس نے گھور کر دھکا دینے والے کو دیکھا اور دانت پیس کر بولا۔

"بخدا نہ ملے بچپن میں، ورنہ اس وقت جوان ہو کر میرے ساتھ یہ سلوک نہ کر پاتے۔"

بات کچھ انوکھی تھی اس لئے دھکا دینے والے کو بھی متوجہ ہونا پڑا، اس نے متعجب لہجے میں کہا۔

"بچپن میں؟"

"ہاں۔"

"کیا مطلب؟"

"یار بچپن میں میرے ماں باپ اور جاننے والے پپو کہا کرتے تھے۔"

"پپو......" وہ ہنس پڑا۔

"ہاں پپو، جانتے ہو کیوں؟"

"بھئی ہم کیا جانیں۔" وہ شخص بھی اب لطف لینے کے موڈ میں نظر آنے لگا تھا۔

"بڑی جاندار چیز تھا میں بالکل گول مٹول۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"بس یار پھر جوان ہو گیا۔" اختر عادل درد بھرے لہجے میں بولا۔

"آگے بڑھتے رہو اور بتاؤ کہ جوان ہونے کے بعد کیا ہوا؟"

"جوان ہونے کے بعد۔" اختر عادل نے ایک بار پھر دانت پیسے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس نے قدم بھی آگے بڑھائے رکھے تھے...... پھر وہ دردناک لہجے میں بولا۔

"جوان ہوا تو فقر و فاقہ ملا، غربت ملی، بے روزگاری ملی، اخبار چلایا تو اخبار نہ چل سکا، فاقہ کشی کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا...... میں بھی فاقے کر رہا تھا اور میرا اخبار بھی اور ہم دونوں فاقہ کشی بہت منحنی ہو گئے اور اس کے بعد یہ عالم ہو گیا کہ کوئی زور سے دھکا دے تو گرنے سے بھی مشکلوں سے بچا جاتا ہے۔"

وہ لوگ باتیں کرتے ہوئے ایک کمرے تک پہنچ گئے، کمرے کا دروازہ کھولا گیا اور اختر عادل کو اس میں دھکیل دیا گیا...... پھر دروازہ باہر سے بند ہو گیا تھا...... اختر عادل نے گہری سانس لی، جیب میں رکھے ہوئے ہزار ہزار کے نوٹ نکالے اور انہیں کسی مناسب جگہ محفوظ کرنے کے لئے جگہ تلاش کرنے لگا...... پتلون کی بیلٹ ایک جگہ سے ادھڑی ہوئی تھی، اس کے ذہن میں ترکیب آ گئی، اس نے نوٹوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا اور انہیں باریک باریک فولڈ کر کے آدھے نوٹ ایک سمت داخل کر دیئے اور آدھے ایک سمت...... اس کے بعد اس نے اطمینان سے پتلون کی بیلٹ بند کر لی تھی، شکر تھا کہ ان لوگوں نے ابھی تک اس کی جیبوں کی جانب توجہ نہیں دی تھی، لیکن وہ لوگ چہرے مہرے سے جیبوں کی جانب توجہ دینے والے معلوم بھی نہیں ہوتے تھے...... اس کا مطلب ہے کہ انسپکٹر شہاب نے جو پیش گوئی کی تھی وہ فوراً ہی پوری ہو گئی تھی اور اب ذرا ذہانت سے کام لینا ہو گا۔ وہ کسی نامعلوم ہستی سے سوال جواب کا منصوبہ بنانے لگا۔ ذہین آدمی تھا، بہر حال ایک نکتے پر پہنچ کر مطمئن ہو گیا۔

سیٹھ محمودہ متفکر انداز میں بیٹھی ہوئی اپنے کسی آدمی سے بات کر رہی تھی کہ ان لوگوں میں سے ایک شخص اس کے پاس پہنچ گیا جو اختر عادل کو اغوا کر کے لائے تھے اور سیٹھ محمودہ نے بھویں اٹھا کر اسے دیکھا پھر بولی۔

"ہاں ستار کیا بات ہے؟"

"مرشد ہم اسے لے آئے ہیں۔"

"کسے؟"

"اس صحافی کو۔"

"سبحان کو۔" سیٹھ محمودہ چونک پڑی۔

"نہیں مرشد، بلکہ اسے جس نے اپنے اخبار میں۔"

"کہاں لے آئے ہو؟"

"کمرے میں بند کر دیا ہے۔" اس شخص نے بتایا اور سیٹھ محمودہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"یہاں کوٹھی میں لے آئے ہو۔"

"جی مرشد۔"

"کیوں؟" سیٹھ محمودہ جھلا کر بولی تھی۔

"مرشد، جادو استاد نے یہی کہا تھا۔" سیٹھ محمودہ نے دونوں ہاتھ سے سر پکڑ لیا...... دیر تک خاموش رہی، آنے والا پرسکون انداز میں اسے دیکھ رہا تھا...... تب سیٹھ محمودہ نے اپنے برابر بیٹھے ہوئے آدمی سے کہا۔

"دیکھ رہے ہو تم دیکھ رہے ہو...... کوئی ہے ان لوگوں میں ڈھنگ کا آدمی، ارے میں پوچھتی ہوں کوئی ہے مجھے بتاؤ کوئی ہے، کوئی ٹھیک کام کر رہا ہے، مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے سب نے ایک ہی قسم کھالی ہے مجھے تباہ و برباد کرنے کی، مجھے فنا کر دینے کی۔ سمجھ رہی ہوں سب کچھ سمجھ رہی ہوں، اچھی طرح سمجھ رہی ہوں، اب بتاؤ کیا کروں اس کمینے جادو سے کہا تھا کہ ذرا اس صحافی کی خبر لے لے...... اس نے اسے یہاں پہنچا دیا...... ارے کیسے لائے ہو تم اسے؟" سیٹھ محمودہ نے اس بار سامنے کھڑے ہوئے آدمی کو مخاطب کر کے کہا۔

"جی اغوا کیا ہے۔"

"سبحان اللہ سبحان اللہ، مگر تمہارا کیا قصور، جادو نے تم سے یہی کہا ہوگا کہ اسے میری کوٹھی میں لے جاؤ۔"

"جی مرشد۔"

"محمودہ چند لمحات سوچتی رہی، پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور آہستہ سے بولی۔

"کہاں بند کیا ہے اسے؟"

"جی کمرے میں۔"

"ہوں، چلو ٹھیک ہے کچھ کرتی ہوں میں لیکن بہر حال اب کیا کیا جائے، جب سارے کے سارے ہی نکمے ہو گئے ہیں تو مجھے ہی مصیبت بھگتنی پڑے گی۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور دوسرا آدمی بھی جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

"آؤ تم دونوں میرے ساتھ آؤ۔" سیٹھ محمودہ نے کہا اور اس شخص کی رہنمائی میں اس

کمرے میں داخل ہو گئی جس میں اختر عادل کو بند کیا گیا تھا۔

اختر عادل اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا۔ دروازہ کھلا اور سیٹھ محمودہ اندر داخل ہو گئی تو اختر عادل نے سرد نگاہوں سے اسے دیکھا...... سیٹھ محمودہ نے آگے بڑھ کر کہا۔

"نوجوان صحافی، میں کس طرح تم سے معافی مانگوں، اصل میں بس کچھ لوگ مالکان کی خوشنودی میں لگے رہتے ہیں، یہ کم بخت کمینہ جس سے میں نے کہا تھا کہ میں اس صحافی سے ملنا چاہتی ہوں جس نے اخبار میں رپورٹنگ کی تھی تو یہ تمہاری تلاش میں نکل کھڑا ہوا اور پھر ان لوگوں نے یہ اعلیٰ کارکردگی دکھائی کہ تمہیں اغوا کر کے لے آئے اور مجھے اطلاع دی، میں تو سن کر ہکا بکا رہ گئی اب اس کم بخت کے لئے سزا بھی تم خود ہی تجویز کرو گے، اس کے لئے ہی نہیں بلکہ وہ جو تمہیں اس طرح یہاں تک لانے میں ملوث ہیں، براہ کرم میرے ساتھ آؤ مجھے اندازہ ہے کہ اگر کسی شخص کو اس طرح لایا جائے تو اس کی ذہنی کیفیت کیا ہوتی ہوگی، مگر میں کیا کروں؟ بس بعض اوقات کسی دوسرے کی وجہ سے اتنی شرمندگی برداشت کرنا پڑتی ہے کہ انسان کے پاس کہنے کے لئے کچھ نہیں رہتا۔ آؤ میرے ساتھ براہ کرم آؤ، مجھے امید ہے کہ تم ان لوگوں کی حماقت کو معاف کر دو گے اور اس میں میرا قصور نہیں سمجھو گے۔"

"آپ جو کوئی بھی ہیں خاتون! اگر واقعی آپ کو اس بات کا احساس ہے کہ یہ لوگ میرے ساتھ زیادتی کر کے مجھے یہاں تک لائے ہیں تو براہ کرم سب سے پہلے ایک کام کیجئے گا۔" اختر عادل نے کہا۔

"ہاں کہو۔"

"میری موٹر سائیکل خراب ہو گئی تھی اس کے پلگ چیک کر رہا تھا کہ یہ لوگ پہنچ گئے، موٹر سائیکل وہیں کھڑی کر دی گئی اور انہوں نے مجھے گھسیٹ کر گاڑی میں ڈال لیا، مجھے اس بات کا خطرہ ہے کہ میری موٹر سائیکل کوئی نہ لے جائے۔"

"کہاں ہے موٹر سائیکل؟"

"وہ مرشد وہاں...... وہ"

"گدھے کے پلے فوراً گاڑی لے کر جاؤ اور موٹر سائیکل کو اپنی تحویل میں لے لو، بلکہ اٹھا لے آؤ، یہ یہاں سے اسے لے جائیں گے اور تم...... کیا نام ہے تمہارا؟"

"اختر عادل۔"

"اختر عادل تم بالکل فکر مت کرو، اگر تمہاری موٹر سائیکل وہاں سے غائب ہوئی تو میں یہاں سے تمہیں نئی موٹر سائیکل پر بھیجوں گی میرا وعدہ ہے۔"

"ایں......" اختر عادل کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"ہاں وعدہ کر رہی ہوں میں۔"

"تب تو خدارا انہیں وہاں نہ بھیجئے گا۔" اختر عادل بولا اور سیٹھ محمودہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیا مطلب؟"

"کہیں ایسا نہ ہو خاتون کہ موٹر سائیکل وہیں مل جائے۔"

"ارے تو پھر؟"

"پھر کیا خاتون...... نئی موٹر سائیکل کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتا اور آپ اس وقت غصے میں ہیں، یقیناً مجھے نئی موٹر سائیکل مل جائے گی۔"

سیٹھ محمودہ ہنسنے لگی، پھر بولی۔ "آؤ آؤ بہت کچھ مل سکے گا تمہیں، موٹر سائیکل کیا چیز ہے۔" وہ اسے لئے ہوئے ایک بڑے کمرے میں پہنچ گئی اور اسے وہاں بیٹھنے کی پیش کش کی۔

"بیٹھ جاؤں۔" اختر عادل نے پوچھا۔

"کیوں خیریت۔" سیٹھ محمودہ بولی۔

"میرے کپڑے بہت خراب ہیں خاتون اور یہ صوفے۔"

"بیٹھ جاؤ بیٹے، تم شاید مجھ سے واقف نہیں ہو۔"

"جی یہی تو بد قسمتی ہے، ویسے ایک بات عرض کروں۔"

"ہاں، بیٹھو تو سہی۔" سیٹھ محمودہ نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا اور اختر عادل بھی تھوڑے فاصلے پر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

"ہاں اب کیا کہنا چاہتے تھے۔"

"شکل و صورت سے آپ نہایت مہربان خاتون معلوم ہوتی ہیں اور نہ جانے کیوں مجھے آپ میں اپنائیت اپنائیت سی لگتی ہے۔"

"تمہاری مہربانی ہے، ویسے تم جس عمر کے نوجوان ہو میرا بیٹا بھی اسی عمر کا ہے۔ ظاہر ہے میری آنکھوں میں تمہارے لئے محبت کے جذبات نہیں ہوں گے تو کیا ہوگا، مگر تم

بھی ناراض ہوں ان لوگوں پر، جو تمہیں اس طرح لے کر آئے یقین کرو کچھ معلومات لے تم سے ملاقات کرنا چاہتی تھی، یہ نہیں کہا تھا ان لوگوں سے کہ تمہیں اس طرح لے آئیں، کچھ زیادہ ہی ذہانت دکھانے لگے ہیں یہ لوگ، خیر کیا پیو گے؟"

"نہیں، اس وقت شکریہ، اتفاق سے تقدیر کی دیوی آج ہی مہربان ہوئی ہے، کھا پی لیا ہے ورنہ ہم صحافی کھانے پینے کی کسی پیش کش کو کہاں ٹھکرانے والے ہوتے ہیں۔" سیٹھ محمودہ ہنسنے لگی پھر بولی۔

"تم نے مجھ سے میرا نام نہیں پوچھا۔"

"ہمت نہیں کر پا رہا، اس عالی شان کوٹھی میں ایسی عالی شان شخصیت کے سامنے اپنے آپ کو احساس کمتری کا شکار محسوس کر رہا ہوں۔"

"سنا ہے صحافی بڑے بڑوں کو خاطر میں نہیں لاتے۔"

"ہاں جو مکمل صحافی ہوتے ہیں اور جو کسی اخبار کے مالک بھی ہوں، مگر ایک ایسے اخبار کے مالک جسے نہ کاغذ کا کوٹہ ملتا ہو نہ سرکاری اشتہارات تو اس کی کیفیت جو ہو سکتی ہے اس کا نمونہ آپ کے سامنے موجود ہے۔"

"اوہو اوہو، اچھا اچھا...... خیر کوئی بات نہیں، ہاں اختر عادل ہے نا تمہارا نام؟"

"جی!"

"مجھے سیٹھ محمودہ کہتے ہیں۔"

"جی!" اختر عادل کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"کیوں اس میں حیرت کی بات ہے، غالباً تمہیں سیٹھ کے لفظ پر اعتراض ہے، کسی عورت کو سیٹھ بہت کم کہا جاتا ہے۔"

"نہیں مجھے اس بات پر بالکل حیرت نہیں ہوئی ہے کیونکہ آپ کا نام میں سن چکا ہوں۔"

"اچھا اچھا چلو خیر کوئی بات نہیں ہے، ہاں تو میں تم سے یہ کہہ رہی تھی کہ پچھلے دنوں تمہارے اخبارات میں دو دفعہ کچھ ایسی خبریں شائع ہوئی ہیں، جن کا تعلق اتفاق سے مجھ سے ن قائم ہو گیا ہے۔"

"میرے اخبار میں دو خبریں، جن کا تعلق آپ سے ہے، سمجھ میں نہیں آیا۔" اختر عادل بولا۔

"صحافی، سبحان کے اغوا کا معاملہ، میرے آدمی شہابو کی گرفتاری، اس کا تعلق میرے ہی تھا۔"

"آپ سے؟"

"ہاں۔"

"آپ سے کیسے؟"

اس لئے کہ شہابو میرا ملازم تھا، یوں سمجھ لو سارے کام وہ میرے ہی لئے کرتا تھا۔ میں نہیں جانتی کہ اس نے صحافی کو کیوں اغوا کیا، لیکن بہر حال وہ گرفتار ہو گیا اور کہیں نہ کہیں سے موڑ توڑ کر اس کہانی کا رخ میری جانب مبذول کیا جا سکتا ہے، ہاں اگر اخبارات میں تفصیل شائع نہ ہوتی تو میں تھوڑی سی کوشش کر کے اس کم بخت کو رہا کرا لیتی اور پھر اس کے بدن کی کھال اتار کر اس سے پوچھتی کہ سبحان طاہر کو کس لئے اغوا کیا..... پتا نہیں اس نے پولیس کو کیا بیان دیا، لیکن تمہارے اخبار نے اس خبر کو مرکز بنا کر میرے راستے بند کر دیئے اور پھر یہی نہیں بلکہ دوسری بار بھی تمہارا حملہ مجھ پر ہی ہوا..... یعنی مامون خان کی گرفتاری، رشوت کی پیش کش وغیرہ وغیرہ۔"

"اوہ!" اختر عادل نے شرمندگی کے انداز میں کہا اور دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔

سیٹھ محمودہ گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی..... چند لمحات خاموش رہنے پر اختر عادل نے کہا۔

"کیا کروں اب مجھے بتایئے؟ آپ کو کیسے یقین دلاؤں، یہ تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کوئی ایسی بات ہو سکتی ہے، میں نے تو بس خبروں کے طور پر اسے چھاپا تھا اور چونکہ اسے چھاپنے کے لئے مجھے کاغذ کے پیسے مل گئے تھے، اس لئے میں نے ان خبروں کو تفصیل سے چھاپ دیا، لیکن سیٹھ محمودہ اگر آپ کے دو آدمی جو آپ کے ملازم ہیں، اگر کوئی ایسا کام کرتے ہیں جو ذاتی نوعیت کا ہو تو اس سے آپ پر کیا اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔"

"اثرات تو مرتب نہیں ہوتے لیکن تم جانتے ہو جو لوگ عزت سے زندگی گزارنا چاہتے ہیں ان کے بہت سے دشمن پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ دشمن کسی طور یہ بات پسند نہیں کرتے کہ عزت دار لوگوں کی عزت قائم رہے، کوئی اپنے طور پر کوئی حرکت کرے تو اشارہ اسی سمت کیا جانے لگتا ہے جس سے ان کا تعلق ہو، خلق خدا ہے کس کس کی زبان ...

سے ..... اگر کوئی یہ کہہ بیٹھے کہ شہابو نے میرے کہنے پر یہ سب کچھ کیا ہے تو میں اس کا کیا بگاڑ لوں گی، مجھے بتاؤ، کہنے والوں کی زبان تو کوئی نہیں روک سکتا، جیسے تم نے اپنے اخبار میں تفصیل لکھ دی..... حالانکہ مسئلہ بالکل الگ ہے، شہابو اپنی کسی حرکت پر گرفتار ہوا..... مامون خان اس کا دوست تھا چونکہ دونوں ساتھ ساتھ کام کرتے تھے اس نے اپنے طور پر شہابو کو رہا کرانے کی کوشش کی اور ممکن ہے کسی چالاکی کا مظاہرہ کر بیٹھا ہو، انسپکٹر سے اس نے بات کی ہو، انسپکٹر نے انکار کر دیا ہو، مامون خان چڑ گیا ہو اور اس نے اینٹی کرپشن والوں سے انسپکٹر کو گرفتار کرانے کی کوشش کی ہو، یہ سب کچھ ہو سکتا ہے، لیکن مجھے یقین ہے بلکہ تم بھی لکھ کر رکھ لو آخر کار تان مجھ پر ہی ٹوٹے گی۔"

"میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ میں کس قدر شرمندہ ہوں، لیکن آپ خود ہی یہ فیصلہ کر سکتی ہیں خاتون کہ میرا اس سلسلے میں آپ سے کوئی کلیش نہیں ہو سکتا..... میری تو آپ سے پہلی ملاقات ہوئی ہے۔"

"ابھی تم نے بات کہی تھی۔"

"کیا؟"

"یہی کہ تمہیں ان خبروں کو تفصیل سے شائع کرنے کیلئے کاغذ کے پیسے مل گئے تھے۔"

"جی میڈم۔"

"ایک منٹ!" سیٹھ محمودہ نے انگلی اٹھا کر کہا اور اختر عادل اسے دیکھنے لگا..... سیٹھ محمودہ بولی۔

"لوگ مجھے میڈم یا خاتون نہیں بلکہ مرشد کہہ کر مخاطب کرتے ہیں، یہ ان کی محبت ہے کہ وہ مجھے بلا وجہ مرشد کہہ لیا کرتے ہیں، لیکن بس نہ جانے کیوں یہ لفظ میرے دل کو بھی بھا گیا ہے ہاں یہ الگ بات ہے کہ جب لوگ مجھے مرشد کہنا شروع کرتے ہیں تو میں ان سے ایک بات کہتی ہوں کہ اگر میری اس قدر عزت کر رہے ہو تو پھر میری ہر بات مانو گے اور اس میں پہلی بات یہ ہوگی کہ میرے سامنے سچ بولو گے تو اختر عادل کیا تم بھی مجھے اس نام سے پکارنا پسند کرو گے؟"

"دل و جان سے، مرشد دل و جان سے۔"

"سمجھ لو، کہے کا قول نبھانا پڑتا ہے۔"

"نبھاؤں گا۔" اختر عادل بولا۔

"ہوں...... تو پھر مجھے مرشد کہہ کر پکارو۔"

"جی مرشد۔"

"اب بتاؤ کاغذ کے وہ پیسے کس نے دیئے تھے؟"

"مرشد وہ ایک دراز قامت آدمی تھا، باریک ترشی ہوئی مونچھیں، ایک قدیم فلم سٹار کی شکل کا تھا...... میرے پاس آیا اس نے میری میز پر ایک کارڈ رکھا، جس پر جاپان کے جھنڈے جیسا سرخ گول نشان بنا ہوا تھا اور پھر کاغذ پر بکھری ہوئی تفصیل میرے سامنے رکھ دی...... یہ شہابو کے بارے میں کارروائی کی تفصیل تھی...... کرسی پر بیٹھ کر اس نے کہا۔"

"صحافی تمہیں یہ تفصیل اپنے اخبار کی زینت بنانی ہے، ہم جانتے ہیں کہ تمہارا اخبار دو کوڑی کا ہے، نہ چھپتا ہے نہ بکتا ہے بلکہ جب چھپے گا نہیں تو بکے گا نہیں...... اخبار چھاپو، ہو سکتا ہے مستقبل میں تمہارے لئے روشن امکانات پیدا ہو جائیں...... اس کے ساتھ ہی اس نے میڈم آٹھ ہزار روپے نقد میرے سامنے رکھ دیئے۔ شاید آپ یقین نہ کریں آٹھ ہزار میرے لئے بہت قیمتی تھے، چھاپ دی میں نے پوری تفصیل، بس اس کے بعد میڈم مجھے ٹیلی فون پر ایک شخص نے کہا کہ رقم میرے پاس پہنچ جائے گی میں فوراً تھانے پہنچ جاؤں اور وہاں جا کر رپورٹنگ کروں، یہ اس وقت کی بات ہے میڈم، جب مامون خان کا مسئلہ ہوا تھا...... میں تھانے پہنچا، تھانے کا انچارج ذرا نرم طبیعت کا آدمی ہے حالانکہ صورت حال ایسی تھی لیکن یہ بھی مسئلہ تھا کہ این دا اسپاٹ میرے علاوہ کوئی اور صحافی موجود نہیں تھا...... تھانہ انچارج نے شاید یہ بھی چاہا کہ اس وقت اس کی صحیح رپورٹنگ ہو جائے، چنانچہ اس نے مجھے لفٹ دے ڈالی، بلکہ بعد میں ایک پیالی چائے بھی پلائی تھی...... ادھر آٹھ ہزار روپے اس وقت میری میز پر موجود تھے جب میں اس رپورٹنگ کے بعد اپنے آفس واپس پہنچا اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہے میڈم، آئی ایم سوری مرشد، یہ ہے اس غریب صحافی کی کہانی۔"

سیٹھ محمودہ پر خیال انداز میں اس کی صورت دیکھ رہی تھی...... پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"کارڈ پر اس نشان کے علاوہ کوئی تحریر نہیں تھی؟"

"بالکل نہیں۔"

"تم نے پوچھا نہیں کہ یہ سرخ نشان کیا ہے؟"

"نہیں پوچھا میں نے۔"

"کیوں؟"

"آپ خود سوچ لیجئے کسی غربت زدہ، فاقہ زدہ افلاس زدہ کے سامنے اگر آٹھ ہزار روپے کے نوٹ آ جائیں تو وہ باقی کسی چیز کے بارے میں سوچ سکتا ہے؟ اخبار کا کاغذ، ذاکر صاحب کے تین سو بیس روپے، جس کے لئے وہ تین سو بیس چکر لگا چکے تھے اور چھوٹے چھوٹے قرضے ادا ہو گئے تھے اور اخبار بھی چھپ گیا تھا۔"

سیٹھ محمودہ کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے نفرت کے آثار نظر آئے، پھر اس نے اس لہر کو دبا لیا اور آہستہ سے بولی۔

"اب مجھے بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"آپ اگر حکم دیں مرشد تو ان دونوں خبروں کی تردید چھاپ دوں؟"

"کیا فضول بات کر رہے ہو، تمہاری تردید چھاپنے سے کیا ہو جائے گا، بلکہ یہ تردید تو غلط ہو گی، دونوں واقعات ہوئے ہیں...... شہابو لاک اپ میں ہے اور مامون اینٹی کرپشن کی تحویل میں ہے، یا ممکن ہے اینٹی کرپشن والوں نے اسے چھوڑ دیا ہو، کیونکہ بہر حال اس کے اوپر کوئی بڑا کیس تو نہیں تھا لیکن تردید کرو گے تو کوئی قبول نہیں کرے گا کیونکہ بات تو نہ صرف یہ کہ منظر عام پر آ چکی ہے بلکہ بڑے بڑے لوگوں کے علم میں آ چکی ہے۔"

"تو پھر آپ یوں کیجئے کہ اپنا جوتا اتار کر دونوں خبروں کے سلسلے میں پچاس پچاس جوتے میرے سر پر مار دیجئے، کاش میں اس کے علاوہ آپ کو اور کوئی پیش کش کر سکتا۔"

"ہوں، خیر ایسی کوئی بات نہیں ہے اچھا اب تم یوں کرو تھوڑی دیر انتظار کرو، تمہاری موٹر سائیکل آ گئی تو ٹھیک ہے ورنہ میں تمہیں موٹر سائیکل دے دوں گی اور سنو ایک کام کرنا ہو گا تمہیں۔"

"جی مرشد دل و جان سے۔"

"اگر اس کے بعد کوئی خبر تم تک لائی جائے تو تم فوراً اس خبر کو شائع کرنے سے پہلے ٹیلی فون نمبر پر مجھ سے رابطہ قائم کرو گے اور مجھے اس خبر کی پوری تفصیل بتاؤ گے اس کے علاوہ تمہارے پاس کیمرہ تو ہے نا؟"

"جی مرشد۔"

"اگر ممکن ہو سکے تو کسی طرح اس آدمی کی تصویر اتار لینا، جیسے بھی ہو سکے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب وہ واپس چلا جائے اور کہیں سیڑھیاں وغیرہ اترنے لگے تو تم چھپ کر اس کی تصویر لے لو۔ بس مجھے اس کے چہرے کا ہلکا سا خاکہ درکار ہے۔"

"آپ بالکل مطمئن رہیں..... خادم یہ فرض اس طرح سرانجام دے گا کہ آپ ... خوش کر دے گا۔"

"ہوں، لو یہ تھوڑے سے پیسے رکھ لو، تمہارے کام آئیں گے۔"

"نہیں مرشد، جب کسی کو مرشد کہہ دیا جائے تو پھر اس سے کیا لینا دینا۔"

"نہیں میں کہہ رہی ہوں رکھ لو۔" سیٹھ محمودہ نے پرس سے جو کچھ نکالا تھا وہ اتنا تھا کہ اسے دیکھ کر اختر عادل پر سکتہ طاری ہو گیا تھا..... ہزار ہزار ہی کے نوٹ تھے اور جتنے سیٹھ محمودہ کے ہاتھ میں آئے تھے اس نے انہیں موڑ کر اختر عادل کی جانب بڑھا دیا تھا..... اختر عادل نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر وہ نوٹ دونوں ہاتھوں میں لئے انہیں مٹھیوں میں کس لیا اور ان کی موٹائی سے یہ اندازہ لگانے لگا کہ یہ کتنی رقم ہو سکتی ہے..... پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"یہ..... یہ میں مرشد کا تبرک سمجھ کر لے جا رہا ہوں اور انہیں دل و جان سے زیادہ عزیز رکھوں گا۔"

"تم باہر جا کر بیٹھو، میں اپنے آدمی سے کہے دیتی ہوں اور جو وعدہ میں کرتی ہوں اس سے کبھی انحراف نہیں کرتی، موٹر سائیکل اگر نہ آئے تو مجھے اطلاع بھجوا دینا، میں تمہیں یہاں سے ایک موٹر سائیکل دے دوں گی۔"

"شرمندہ کر رہی ہیں مرشد۔" اختر عادل نے کہا لیکن اس دوران سیٹھ محمودہ اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی تھی، پھر ایک آدمی نے اس سے کہا۔

"آؤ باہر بیٹھو۔" اور اختر عادل اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔

آج کا دن اس کے لئے بڑا ہی بھاگوان ثابت ہوا تھا..... باہر بیٹھ کر وہ سوچنے لگا کہ کس کی صورت دیکھی تھی..... بہرحال جس کی بھی صورت تھی لاجواب تھی کیونکہ اس نے اختر عادل کو چند گھنٹوں کے اندر نہ جانے کیا سے کیا بنا دیا تھا..... دس ہزار روپے انسپکٹر شہاب نے دیئے تھے اور یہ نوٹوں کی موٹی سی گڈی چالیس پینتالیس ہزار سے کم رقم نہیں ہوگی ممکن ہے اس سے بھی کچھ زیادہ ہو..... آہ، کاش یہ لوگ سامنے سے ہٹ جائیں تو ذرا یہ رقم

گن لی جائے..... لیکن کوئی بھی کم بخت سامنے سے نہیں ہٹ رہا تھا اور ان سب کے سامنے گننے کا موقع نہیں تھا..... پھر تھوڑی دیر کے بعد ایک آدمی اس کی موٹر سائیکل لئے ہوئے کوٹھی میں داخل ہوا اور اختر عادل اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کی جانب جھپٹا۔

"کلچ بدلوانا پڑا ہے اس کا۔"

"پیسے دوں، پیارے بھائی۔"

"نہیں اسے لو اور یہاں سے رفوچکر ہو جاؤ، کم بخت کو لانے میں جس قدر مشکل کا سامنا کرنا پڑا ہے تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"ہاں نازک اندام ہے، غیر محرموں کو ذرا کم ہی ہاتھ لگانے دیتی ہے۔" اختر عادل نے کہا۔ پھر اس نے موٹر سائیکل سنبھال کر اس میں کک لگائی اور اس پر بیٹھ کر بڑی شان کے ساتھ کوٹھی سے باہر نکل آیا..... اب اسے کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی جہاں بیٹھ کر وہ سیٹھ محمودہ کے دیئے ہوئے نوٹ گن سکے۔

***

فون کی بیل بجی تو شہاب نے ریسیور اٹھا لیا۔

"انسپکٹر شہاب سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی میں بول رہا ہوں۔"

"شہاب میاں میں زاہد فرقانی بول رہا ہوں۔"

"السلام علیکم جناب، کہئے کیسے مزاج ہیں؟"

"ٹھیک ہوں، ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔"

"حکم دیجئے کہاں حاضری دوں؟"

"عزیزی اگر تھوڑا سا احترام کر لو میرا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس کا حق رکھتا ہوں۔"

"ارشاد فرمائیے۔"

"میرے پاس آ سکو گے دفتر؟"

"جی یقیناً۔"

"لیکن سادہ لباس میں، کیونکہ میں بہت ڈرپوک قسم کا آدمی ہوں۔"

"حاضر ہو جاتا ہوں، بتایئے کب تک؟"

"جس قدر جلد ممکن ہو سکے۔"

"جی بہتر ہے۔" شہاب نے کہا..... ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے بینا کو فون کیا تھا اور پروگرام بھی یہی تھا کہ کریم سوسائٹی میں دونوں ملاقات کریں..... ان دنوں ذرا بینا سے ملاقات کم ہی رہی تھی..... بس فون پر رابطہ ہوتا رہتا تھا لیکن مل نہیں سکے تھے..... شہاب خود بھی بے چینی محسوس کر رہا تھا، بینا نے بھی شکایت کی تھی اور کہا تھا کہ کیا بات ہے، جواب میں شہاب نے کہا تھا کہ آتش شوق کو بھڑکا رہا ہوں تاکہ جب ملیں تو جذبات بے قابو ہو جائیں۔

"خدا را ایسا نہ کیجئے گا، جذبات کا قابو میں رہنا ہی بہتر ہوتا ہے۔"

شہاب اٹھنے ہی والا تھا، بہر حال اس نے سوچا کہ زاہد فرقانی سے ملاقات کر کے نکل جائے گا..... پتا نہیں زاہد فرقانی صاحب کو اتنے دن کے بعد کیسے خیال آ گیا تھا..... بہر حال وہ اٹھا اور گلاب جان کو مستعد رہنے کے لئے کہا..... شہابو ابھی تک خیریت سے تھا لیکن وہ خوفزدہ رہتا تھا اور اب اس کے اندر بہت سی تبدیلیاں رونما ہو گئی تھیں، یہ تو وقت کا تقاضا ہوتا ہے، گناہ جب انتہا کو پہنچ جاتے ہیں تو پھر احساس گناہ قاتل ہوتا ہے اور شہابو اسی قتل و غارت گری سے گزر رہا تھا، جوہر خان کا بھی معاملہ ایسا ہی تھا، لیکن جوہر خان صاحب ظرف تھا اور اس نے ضمیر کی آواز پر اپنے آپ کو برائیوں سے ہٹایا تھا اور پھر اچھا بنا تو ایسا کہ اب اس پر آنکھیں بند کر کے بھروسا کیا جا سکتا تھا۔

لباس کا انتظام شہاب نے تھانے میں بھی رکھا تھا..... ضروریات پیش آتی رہتی تھیں..... بہر حال لباس تبدیل کرنے کے بعد وہ اپنی پرائیویٹ کار میں چل پڑا..... بڑی انوکھی شخصیت تھی اس کی، جب پولیس کی وردی میں ہوتا تو دیکھنے والوں کی آنکھوں میں تعریف کے آثار نمودار ہوئے بغیر نہ رہتے اور جب سول ڈریس میں آتا تو ایک خوش باش کھلنڈرا نوجوان محسوس ہوتا تھا..... بہر حال کچھ دیر کے بعد وہ اخبار کے دفتر کے سامنے رک گیا..... گاڑی پارک کی اور اتر کر اندر داخل ہو گیا..... ایڈیٹر کے کمرے میں زاہد فرقانی موجود تھے..... انہوں نے کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا..... ہاتھ ملایا اسے کرسی پر بیٹھنے کی پیشکش کی پھر اسے متجسس نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولے۔

"کچھ نہیں ہو سکا اس مظلوم کا؟"

"نہیں فرقانی صاحب اس سے رابطہ ہو گیا ہے۔"

"کیا؟" زاہد فرقانی چونک پڑے۔

"ہاں اس کا کہنا ہے کہ وہ جہاں بھی ہے خیریت سے ہے۔"

"اور اس کے بیوی بچے؟"

"اس کے پاس موجود ہیں اور خیریت سے ہیں۔"

"خدا کا شکر ہے تم سے خود بات ہوئی تھی۔" زاہد فرقانی نے پوچھا۔

"جی۔"

"اوہ میرے خدا شاید تمہیں یقین نہ آئے شہاب میاں کہ میں کس طرح اس کے لئے تڑپتا رہا ہوں، ویسے بڑے سنگین حالات ہیں، اخبار کے مالکان نے اسے اخبار سے علیحدہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور مجھے اس کی اطلاع دے دی ہے بلکہ اس کے بارے میں میرے پاس نوٹیفکیشن بھی آ گیا ہے۔"

شہاب کے چہرے پر تلخی کے آثار پھیل گئے..... اس نے کہا۔ "صرف چند روز کی غیر حاضری کی بنیاد پر۔"

"میں سمجھتا ہوں ایسا نہیں ہے۔"

"پھر؟"

"بس وہ جو سلسلہ چل رہا ہے سمجھ رہے ہو نا تم؟"

"جی..... لیکن کیا آپ لوگوں کی ملازمتیں اس قدر ناپائیدار ہوتی ہیں۔"

زاہد فرقانی کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی..... انہوں نے کہا۔

"اس ناپائیدار زندگی کی مانند اور زندگی سے زیادہ قیمتی اور کوئی شے نہیں ہوتی۔"

"ٹھیک ہے یہ آپ لوگوں کا ذاتی معاملہ ہے۔"

"بے چارے سبحان کو ان مشکلات سے نکلنے کے بعد اس کی اعلیٰ کارکردگی کے جرم کی سزا ملے گی۔"

"نہیں فرقانی صاحب ایسا نہیں ہوگا۔"

"کیا مطلب؟"

"ابھی مطلب نہیں بتا سکتا میں آپ کو، لیکن سبحان طاہر خیریت سے ہے اور اس کے

بعد بھی خیریت سے رہے گا۔" زاہد فرقانی نے گہری سانس لی اور آہستہ سے بولے۔

"ہاں کبھی کبھی کچھ مسیحا ایسے مل جاتے ہیں جو نہ جانے کون کون سی مشکلات کا حل بن جاتے ہیں۔ میں اصل میں خود تمہارے پاس آتا لیکن تھانے جانے سے گریز کرنا چاہتا ہوں...... سچی بات یہ ہے کہ خود بھی ڈرتا ہوں اور دنیا بھی ڈراتی ہے...... پتا نہیں کون کب کس حال میں دیکھ لے، باز پرس ہو اور مشکلات کا حل میرے پاس نہ رہے...... تم سے ایک رشتہ نکل آیا ہے جس کی بنا پر تم سے یہاں آنے کے لئے کہہ دیا تھا۔"

"آپ کو اختیار ہے ہزار بار مجھے یہاں بلایئے بلکہ ذاتی طور پر اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو ضرور فرمایئے اس تعلق کو میں بھی نظر انداز نہیں کر سکتا جو میرے اور آپ کے درمیان ہے اور بہر حال رشتے نباہنے چاہئیں۔"

شہاب نے زاہد فرقانی صاحب کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے اور خاصا متاثر ہو گیا تھا پھر انہوں نے اس کے لئے چائے منگائی اور کہنے لگے۔

"بس ذرا سبحان طاہر کے معاملے میں تشویش تھی اس لئے میں نے تمہیں زحمت دی۔"

"تو پھر جس طرح آپ نے مجھ پر اعتبار کیا اور وہ اہم چیزیں مجھے دیں اسی طرح میں بھی آپ پر اعتبار کرتے ہوئے یہ الفاظ آپ سے کہہ رہا ہوں کہ وہ بالکل خیریت سے ہے اور یوں سمجھ لیجئے کہ وہ اس کے بچے اب کسی مشکل کا شکار نہیں ہونے پائیں گے۔"

"آمین۔" زاہد فرقانی نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد شہاب ان سے رخصت ہو کر باہر نکل آیا...... ہر انسان کے اندر جذبات ہوتے ہیں سب کسی کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا چاہتے ہیں، لیکن بعض اوقات ماحول اس طرح پست کر دیتا ہے کہ بہت کچھ چاہنے کے باوجود کچھ نہیں کیا جا سکتا...... یہی کیفیت زاہد فرقانی کی تھی لیکن انہوں نے اپنا فرض سر انجام دیتے ہوئے جس طرح سبحان طاہر کی فراہم کردہ تصاویر اسے دی تھیں اس سے شہاب کو بڑا فائدہ ہوا تھا اور زاہد فرقانی کی عزت بھی کرتا تھا...... پھر تھوڑی دیر کے بعد اس کی کار کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں داخل ہو گئی۔ سبحان طاہر اور اس کے بیوی بچے بظاہر خوش و خرم نظر آرہے تھے، سبحان طاہر نے اس کا استقبال کیا اور مسکراتا ہوا بولا۔

"آپ ہی کی کوٹھی میں ایک میزبان کی حیثیت سے آپ کا استقبال کرتے ہوئے کتنا عجیب لگتا ہے، شہاب صاحب، لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ جیسا عالی ظرف اس بارے میں

نہیں سوچتا ہوگا، لیکن ہم بہت کچھ سوچتے ہیں۔"

"سبحان رشتوں کے لئے ضروری نہیں ہوتا کہ ہم نام نہاد بندھنوں میں بندھے ہوں، کبھی اجنبی لوگ بھی کچھ ایسی قربت اختیار کر جاتے ہیں کہ تمام رشتے اس کے سامنے ہیچ ہو جاتے ہیں۔"

"اس میں کیا شک ہے اور ہم ان دنوں انہی مراحل سے گزر رہے ہیں، سائرہ تو بڑی جذباتی ہو جاتی ہے بعض اوقات اور کہتی ہے سبحان کیا رشتے کیا ناطے، وہ اپنے نہیں ہیں جو زندگی کی علامت بن جائیں۔"

"ٹھیک کہتی ہیں سائرہ!" شہاب نے کہا۔

"کہو باہر کی دنیا کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہے...... کسی بھی نقصان سے محفوظ رہو گے تم، اپنے بارے میں کچھ نہ سوچو۔"

"اب بھلا کیا سوچوں گا، مفت کا کھا رہا ہوں، مفت کا پی رہا ہوں، مزے سے جی رہا ہوں۔ یقین کرو سائرہ تو بہت ہی خوش ہے، کہتی ہے کتنے عرصے کے بعد ہم لوگوں کو اس طرح ساتھ رہنے کا موقع ملا ہے ورنہ ترس گئی تھی یہ تو، نہ رات اپنی نہ دن اپنا...... بچے بھی بہت خوش نظر آتے ہیں اور ان کمینوں کی قوت فکر ہم سے بہتر ہے، پتا ہے آپ کو کیا کہنے لگے ہیں؟"

"کیا کہنے لگے ہیں؟" شہاب نے محبت بھری نظروں سے سبحان طاہر کے خوب صورت بچوں کو دیکھ کر کہا۔

"بچو کیا کہتے ہو تم انہیں؟"

"ماموں صاحب۔" بچی نے جلدی سے کہا اور شہاب مسکرانے لگا پھر بولا۔

"تب تو مجھے اس گڑیا کا شکریہ ادا کرنا چاہئے کہ اس نے مجھے ایک پسندیدہ نام دیا......" ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ بینا آ گئی، تو سبحان طاہر کا دوسرا بچہ کہنے لگا۔

"لیجئے ماموں صاحب، ممانی آ گئیں۔" شہاب کا پرزور قہقہہ فضا میں بلند ہوا اور بینا کچھ جھینپنے والے انداز میں سب کو دیکھنے لگی...... سائرہ اور سبحان مسکرا رہے تھے...... ان دونوں کو معلوم تھا کہ بینا ایک طرح سے شہاب کے اسسٹنٹ کی حیثیت رکھتی ہے۔

"کون ممانی، کیا قصہ ہے...... بڑے قہقہے اڑ رہے ہیں یہاں، کھانے پینے کا کیا

انتظام ہے سائرہ صاحبہ؟"

"کچن سنبھال رکھا ہے میں نے اور جوہر خان صاحب کچھ زیادہ ہی خوش ذوق ہیں۔ نہ جانے کیا کیا لاکر دے دیتے ہیں...... ہم لوگ تو واقعی کھا کھا کر موٹے ہوئے جا رہے ہیں۔"

"فی الوقت کیا مل سکے گا؟"

"آپ جو کہیں۔"

"ایسی کوئی چیز جو فوراً تیار ہو سکے۔"

"جھینگے رکھے ہوئے ہیں اور کارن فلور بھی ہے۔"

"ارے واہ اور اس کے ساتھ کافی؟"

"بالکل ملے گی۔"

"تو پھر زندہ باد بلکہ تمام لوگ زندہ باد۔" بینا نے خوشگوار موڈ میں کہا اور شہاب کہنے لگا۔

"دیکھا آپ نے سجان صاحب کسی خاتون کو ممانی کہنے کے کیا نتائج ہوتے ہیں۔" سجان ہنس پڑا تھا بینا بولی۔

"آخر یہ ممانی کا کیا چکر ہے؟"

"سوری بینا، میرا اس میں کوئی قصور نہیں ہے، بس یہ بچے شرارت کر رہے تھے۔"

"کیوں بھئی کیا شرارت کر رہے تھے آپ لوگ؟"

"بات ہو رہی تھی انکل کی، ہم انہیں ماموں صاحب کہتے ہیں۔" سجان کے بیٹے نے کہا۔

"تو پھر؟"

"بس آپ آئیں تو گڑیا نے آپ کو ممانی کہنا شروع کر دیا۔"

بینا کا چہرہ ایک لمحے کے لئے عجیب سا ہوا پھر وہ کھسیانے انداز میں خاموش ہو گئی اور بولی۔

"میں ذرا دیکھتی ہوں سائرہ جھینگے کیسے بناتی ہے وہ کمرے سے باہر نکل گئی تو سجان نے کہا۔

"شہاب صاحب جو کچھ میں محسوس کر رہا ہوں...... کیا وہ سچ ہے۔" سجان کے معنی خیز انداز پر شہاب بھی مسکرانے لگا۔

"پتا نہیں یار ابھی تو زندگی کے اتنے سفر باقی ہیں کہ کسی اور بارے میں سوچا ہی نہیں جا سکتا۔"

"خیر میں ان مکھن بازوں کی طرح یہ سفارش نہیں کروں گا اور آپ کی ذاتی زندگی میں

دخل نہیں دوں گا جنہیں تھوڑی دیر کے لئے منہ لگا لیا جائے تو وہ اپنے آپ کو نہ جانے کہاں سے کہاں تک لے جاتے ہیں لیکن اتنا ضرور عرض کروں گا کہ آپ دونوں یکجا بہت اچھے لگتے ہیں۔"

"بینا اور سائرہ آگئیں...... کافی اور تلے ہوئے جھینگے لطف دینے لگے تو سجان نے کہا۔

"کہئے ہماری تقدیر کے فیصلے کس شکل میں ہو رہے ہیں۔"

"سب کچھ ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے، اصل میں مسئلہ یہ ہے سجان صاحب کہ فرض کیجئے ہم اپنے طور پر اعلیٰ حکام کو ان جگہوں کی نشاندہی بھی کر دیں جن کی تصویریں آپ نے حاصل کی ہیں تو اس سے کیا ہوگا، چھاپے پڑیں گے یا ممکن ہے نہ بھی پڑیں اور اگر پڑیں تو وہاں کچھ دستیاب نہ ہو کیونکہ جن لوگوں نے وہاں جو کچھ رکھا ہوا ہے انہیں چھاپے پڑنے سے بہت پہلے آگاہ کر دیا جائے گا اور بلاوجہ شرمندگی ہی اٹھانی پڑے گی...... اصل میں ابھی تک میں یہ سوچ رہا ہوں کہ کس طرح آغاز کیا جائے اور کیسے اس مسئلے کو نمٹایا جائے نہ کوئی قتل کا کیس ہے نہ کوئی ایسا جرم جسے بہت بڑا ایشو بنایا جا سکے، ایک صحافی اغوا ہو گیا ہے اور لاپتہ ہے...... سیٹھ محمودہ علم میں آئی ہے اس کے آدمی پکڑے گئے ہیں لیکن اگر اس سے رجوع کیا جائے تو وہ سیدھی سی بات کہہ دے گی کہ یہ لوگ اس کے ملازم ضرور ہیں لیکن ان کے ذاتی معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ تو پھر کیا فائدہ ہوگا ان ساری کاوشوں سے سوائے اس کے کہ سیٹھ محمودہ بھی محتاط ہو جائے گی اور وہ اب بھی میں کسی ایسی ترکیب کو تلاش کرنے میں ابھی تک ناکام رہا ہوں جس کے تحت ان سب لوگوں کا گھیراؤ کیا جا سکے۔"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے ان پر کچے ہاتھ ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ محتاط ہو کر ایسے انتظامات کر لیں کہ اس کے بعد ہم ان کا نام و نشان بھی نہیں پا سکیں۔"

"میرا بھی یہی اندازہ ہے۔" شہاب نے کہا...... بینا پرخیال انداز میں اسے دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

"میں بھی اس بات سے اتفاق کرتی ہوں کہ جلد بازی نہ کی جائے تو بہتر ہے۔"

"ہاں واقعی ہم لوگ بھی اس بات سے متفق ہیں۔" سجان نے پھر موڈ بدل کے کہا اور بینا اسے گھورنے لگی۔

"ارے کیوں خیریت؟" شہاب نے ان دونوں کی کیفیت کو محسوس کر کے کہا۔

"ہاں بھئی خیریت ہے میں تو اصل میں اس لئے کہہ رہا تھا کہ ان دنوں ہمارا انتہائی سے بڑا رومان چل رہا ہے۔"

"سبحان پلیز!"

"یار دیکھو سچائیوں کو چھپانے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے اور وہ بھی ان افراد کے سامنے...... اصل میں شہاب صاحب عرصہ دراز سے محترمہ کی فرمائش تھی کہ کچھ عرصے کے لئے چھٹی لے لی جائے۔ اب آپ خود سوچئے اخباری زندگی میں چھٹی لینے کا مطلب ہے کہ ملازمت ہی سے چھٹی اور اس کے بعد چھٹی کے یہ اوقات نئی ملازمت کی تلاش میں صرف کر دیئے جائیں تو چھٹی تو کبھی نہیں مل سکی...... باقی چھٹی کے سلسلے میں ہم لوگ کم از کم یہ سوچنے کی اہلیت نہیں رکھتے کہ فرصت کے یہ لمحات کسی پہاڑی مقام پر گزارے جائیں...... بھئی پہاڑیاں بہت اونچی ہوتی ہیں اور ہم لوگ اتنے کمزور ہیں کہ ان اونچی پہاڑیوں کو سر کرنا ناممکن ہی ہے ہمارے لئے، یہاں کھانے پینے کے لئے بھی ہے وہ آرام دہ بستر اور فرنیچر موجود ہے جس کا تصور ہم نے صرف خوابوں میں ہی کیا تھا...... میں یہ کہہ رہا ہوں کہ جتنا بھی وقت مل رہا ہے اچھا ہے اس کے بعد تو وہی غم دوراں چنانچہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ ذرا سوچ سمجھ کر اور اطمینان کے ساتھ سیٹھ محمودہ پر ہاتھ ڈالئے گا تا کہ ناکامی کے امکانات نہ رہیں اور ذرا اس میں وقت لگا لیجئے گا۔"

شہاب اور بینا ہنسنے لگے تھے، پھر شہاب نے ہی کہا۔ "سبحان ایسی باتیں مت کرو میں کوئی دعویٰ نہیں کرتا لیکن بہر حال کہا جاتا ہے نا کہ اگر کچھ اچھے دوست یکجا ہو جائیں تو بہت سے مسائل حل ہو جاتے ہیں پھر گڑیا اور گڈے بھی ہیں تمہارے ساتھ ان پیارے بچوں کا مستقبل تاریک نہیں رہنا چاہئے...... تم اتنے دلیر اور بہادر صحافی ہو کہ تمہیں تمہارا مقام ملنا چاہئے۔"

"کمال کرتے ہو شہاب...... تمہیں تمہارا مقام مل گیا؟" شہاب نے گہری نگاہوں سے سبحان کو دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"ہاں۔"

"واقعی تعجب کی بات ہے...... پہلی بار کسی کی زبان سے یہ سیر حاصل لفظ سن رہا ہوں"

"میں سمجھتا ہوں انسان کو اپنی زندگی میں مطمئن ہونا چاہئے۔"

کافی دیر تک یہ گفتگو جاری رہی اور اس کے بعد شہاب اور بینا ان لوگوں سے اجازت لے کر وہاں سے اٹھ گئے...... شہاب نے سبحان طاہر کو زاہد فرقانی کے انکشاف کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔

❁

سیٹھ محمودہ کچھ علیل ہو گئی تھی ان دنوں شدید ذہنی انتشار کا شکار تھی، اسے محسوس ہو رہا تھا کہ گزرنے والا وقت اس کے حق میں بہتر نہیں ہے...... شاید ہی زندگی میں ایسے لمحات آئے ہوں جب اس نے اپنے آپ کو کسی معمولی درجے کے انسان کے سامنے بے بس محسوس کیا ہو...... وہ اچھے خاصے وسائل رکھتی تھی اور اب تک یہی ہوتا آیا تھا کہ کچھ زبان سے نکلا پایہ تکمیل کو پہنچ گیا لیکن کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے تھے کہ وہ اپنے وسائل سے بھی کام نہیں لے سکی تھی اور اس انتشار نے اسے بستر پر پہنچا دیا تھا وہ بہت سے فیصلے کر رہی تھی...... تیمارداروں سے اس نے معذرت کر لی تھی اس کی خاص سیکرٹری اس کے پاس اس وقت بھی موجود تھی...... وہ اس کے تمام رازوں سے آشنا تھی اور سیٹھ محمودہ اس پر بھی بہت اعتبار کرتی تھی، جوان العمر اور دلکش عورت تھی...... عمر تقریباً بتیس سال تھی...... بہر حال سیٹھ محمودہ نے اسے ہمیشہ ذہین اور وفادار پایا تھا...... اس وقت بھی وہ اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی...... کافی دیر خاموشی سے گزر گئی تو سیکرٹری نے کہا۔

"مرشد میں نے آپ کو اس قدر نڈھال کبھی نہیں دیکھا آپ ضرورت سے زیادہ پریشان ہو گئی ہیں؟"

سیٹھ محمودہ نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور بولی۔ "تم حالات سے بے خبر تو نہیں ہو ملیحہ! اصل میں یہ سارا کھیل ہم نے جس انداز میں شروع کیا اور پھر یہ جس نہج تک پہنچ گیا اس کے عوامل تمہارے علم میں ہیں، اس زندگی کو اپنانے کے لئے ہمیں کیا کچھ کرنا پڑا ہے تم اس سے ناواقف تو نہیں ہو؟"

"ہاں مرشد میں اس سے ناواقف نہیں ہوں۔"

"ایسے حالات میں ملیحہ اب اچانک ہمیں یہ احساس ہو رہا ہے کہ ہم نے جس اونچے پوائنٹ پر اس کھیل کا آغاز کیا تھا اس معیار کے لوگوں کو اپنے ساتھ شامل نہیں کر سکے تم جانتی

ہو ہمیں بڑے بڑوں کا تعاون حاصل ہے، لیکن ہر چیز کا ایک ڈھب ہوتا ہے، ایک انداز ہوتا ہے اگر ہم کسی بہت بڑے انسان سے یہ کہیں کہ وہ ہماری ڈرینج لائن صاف کرا دے تو تم خود بتاؤ کیا ہم اپنی نگاہوں میں ہی مضحکہ خیز نہیں ہو جائیں گے...... چھوٹے چھوٹے کاموں کے لئے ہم نے کتنے آدمیوں کو رکھا تھا لیکن ہماری دی ہوئی مراعات سے فائدہ اٹھا کر وہ سب عیش و عشرت میں مشغول ہو گئے اور وہ کام نہ کر سکے جو ان کے سپرد کئے جاتے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی ملیحہ ہمیں ایک بات کا اور شدت سے احساس ہے۔"

"وہ کیا؟"

"ہم نے بہت بڑے راز ان کم ظرفوں کے حوالے کر دیئے جو اس معیار کے نہیں تھے...... اب یہ چند افراد جو ہمارے ذریعے کوٹھیوں اور بنگلوں کے مالک بن چکے ہیں اور اعلیٰ درجے کی کاروں میں گھومتے ہیں اس قابل نہیں رہے کہ ان سے مزید کوئی کام لیا جائے... اصل میں ان دنوں اسی ذہنی انتشار نے ہمیں بستر پر دراز کر دیا ہے۔"

"مرشد چھوٹا منہ بڑی بات ہے، میں اپنی بساط سے بڑھ کر بات کر رہی ہوں، کیا مجھے اس کی اجازت ہے؟"

"کہو ملیحہ کسی فضول بحث میں نہ پڑو۔" سیٹھ محمودہ نے کہا۔

"مرشد اگر آپ بستر علالت پر لیٹ کر سوچیں گی تو بھلا کیا بہتر سوچ سکیں گی کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ جس طرح آپ نے آج تک حالات کو اپنے قابو میں رکھنے کے لئے شدید محنت کی ہے اسی طرح آپ اپنے اوپر بھروسا کریں اور اس سلسلے کا حل دریافت کریں۔"

"تم ہماری کچھ مدد کر سکتی ہو؟"

"آپ کا حکم ہو تو کچھ مشورے دوں؟"

"ہاں کہو!"

"مرشد اس گھاس کو کاٹ ڈالئے جس میں کانٹے اگ آئے ہیں۔"

"مطلب؟"

"ان سب کو صاف کر دیجئے جو آپ کے رازوں کے امین ہیں کام کرنے والے لاتعداد مل جاتے ہیں کچھ عرصے کے لئے ایسے کام ملتوی رکھئے جن سے آپ کو ان کی ضرورت پیش آئے، ہمارے پاس کیا کچھ نہیں ہے، ہم ان کے بغیر بھی گزارہ کر سکتے ہیں...... جہاں تک

آپ کے ان بڑے لوگوں سے تعلقات ہیں تو آپ ان کے درمیان ذریعہ بنی رہیں لیکن ایسے چھوٹے چھوٹے کاموں میں ہاتھ نہ ڈالیں جن سے آپ کو مشکل پیش آئے کچھ اور لوگوں کو تب کیا جا سکتا ہے، دولت کے بل پر کیا نہیں کیا جا سکتا۔"

سیٹھ محمودہ تھوڑی سی کھسکی اور پھر مسہری سے کمر لگا کر بیٹھ گئی۔

"ٹھیک کہتی ہو واقعی ٹھیک کہتی ہو اس گھاس کا کاٹ ڈالنا بہتر ہے لیکن ذرا سی مشکل ہے ہمیں؟"

"کیا؟"

"یہ نہیں جانتے کہ شہابو نے اس افسر کے سامنے کیا زبان کھولی ہے اور وہ مامون خان، وہ تو غائب ہی ہو گیا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"اس نے جو کچھ کیا تھا اسے احساس ہو گیا ہے کہ اسے اس کی ناکامیوں کا کیا صلہ ملے گا، پولیس نے تو اسے چھوڑ دیا لیکن اب وہ روپوش ہو گیا ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ شاید وہ اب یہاں کبھی نہ آئے، رفیق وغیرہ اب اس دنیا میں نہ رہے، ایک وہ کم بخت جادو ہے جس کا جادو زمین کی پستیوں میں آ پڑا ہے، ہمیں شہابو درکار ہے وہ مل جائے تو ہم اس سے بس اتنا معلوم کریں کہ پولیس انسپکٹر تک کیا معلومات پہنچ چکی ہیں اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے ملیحہ کہ ہمیں یوں لگ رہا ہے جیسے ہم ہی میں سے کوئی، میرا مطلب ان لوگوں سے ہے جو میرے ساتھی ہیں، میرے خلاف کوئی عمل کرنے میں مصروف ہے، وہ صحافی اس طرح غائب ہو گیا بیوی بچوں سمیت جیسے اسے زمین نگل گئی ہو۔ آخر اسے یہ سہارا کس نے دیا اور پھر دوسرا صحافی جس کے بارے میں، میں نے تمہیں بتایا تھا اس نے جو انکشاف کیا ہے وہ بھی قابل غور ہے...... آخر وہ کون ہے جس نے اسے مالی مدد دے کر اخبارات میں تفصیل چھپوائی ہے، یقینی طور پر ہمارا کوئی درپردہ دشمن۔"

سیکرٹری کی آنکھوں میں غور و فکر کے آثار اُبھر آئے، اس نے چند لمحات کے بعد آہستہ سے کہا۔

"آپ ٹھیک کہتی ہیں مرشد۔"

"ان تمام چیزوں کا پتا چلانے والے آسمان سے تو نہیں اتر سکتے اور پھر سب سے زیادہ

افسوس ناک بات یہ ہے کہ جس شخص پر ہم آنکھیں بند کر کے بھروسا کر سکتے تھے اس کا ان تمام معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"کون مرشد؟"

"جمشید کی بات کر رہے ہیں، لڑکی کا تو خیر مسئلہ ہی بالکل الگ ہے، ارے ہمارا کیا ہے اس دنیا میں ان دونوں کے سوا...... ہم یہ سب کچھ کیوں کر رہے ہیں؟ کیا صرف اس لئے نہیں کہ میری بیٹی کو ایک اچھا مستقبل مل جائے اور میرا بیٹا وہ سب کچھ حاصل کر لے جس کی میں نے آرزو کی تھی...... میں اسے اپنے تعلقات سے کام لے کر وزارت کے عہدے تک پہنچانا چاہتی ہوں لیکن میرے تصورات کا وزیر سنوکر کلب میں چیمپئن شپ حاصل کرتا ہوا نظر آتا ہے یا پھر اپنے دوستوں کے ساتھ رنگ رلیاں مناتا ہوا...... کیا میرے لئے اس سے زیادہ غم کی بات اور کوئی ہو سکتی ہے۔کہ جن کے لئے میں نے اپنے آپ کو اس منزل پر لا کھڑا کیا ہے ان میں سے کوئی میرا ہمنوا نہیں ہے، کوئی میری پشت پر سہارا بن کر نہیں کھڑا ہوتا۔"

"مرشد! آپ خود ایک مضبوط چٹان ہیں آپ سہاروں کی متلاشی نہ رہئے، اپنے طور پر بڑھ کر قدم اٹھائیے خود ایسے عمل کیجئے اپنی ذہانت سے کہ سب کچھ آپ کے زیر نگیں آ جائے۔"

"کیسے ممکن ہو سکتا ہے...... یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے ہمیں اس شخص کا پتا چاہئے جو اخبارات میں وہ تمام رپورٹیں شائع کراتا ہے ارے پولیس والوں کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے ان کے پاس تو ہر دوسرے دن کوئی نہ کوئی کیس آتا رہتا ہے اور وہ اس کی تفتیش کر کے بات ختم کر دیتے ہیں، بھلا انہیں کیا پڑی ہے کہ ہمارے خلاف کوئی ایسا عمل کرائیں پھر وہ سرخ دائرے والا کون ہے؟"

"سرخ دائرہ؟"

"ہاں...... اختر عادل نام تھا اس صحافی کا اور اس نے بتایا تھا کہ صرف ایک سرخ دائرے والا کارڈ اس کے سامنے رکھا جاتا ہے اور بات ختم ہو جاتی ہے۔"

ملیحہ سوچ میں ڈوب گئی...... کافی دیر تک خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"مرشد اس سلسلے میں ایک ہی تصور میرے ذہن میں آتا ہے۔"

"کیا؟ بولو ملیحہ، ہم اس وقت تنکوں کا سہارا تلاش کر رہے ہیں۔"

"مرشد کیوں نہ ہم اس انسپکٹر سے دوبارہ رجوع کریں جس نے شہابو کو گرفتار کیا ہوا ہے؟"

سیٹھ محمودہ سوچ میں ڈوب گئی تھی...... کافی دیر تک وہ غور کرتی رہی پھر اس نے عجیب سی نگاہوں سے ملیحہ کو دیکھا اور پر خیال انداز میں بولی۔

"وہ آدمی بہت چالاک معلوم ہوتا ہے مجھے، لیکن ذرا سی غلطی ہو گئی مجھ سے ملیحہ، نہ جانے کیوں میرے ذہن میں یہ سنک سوار ہو گئی کہ اسے مٹھی میں لینے کے لئے پہلے میں کسی جال میں جکڑ لوں لیکن دہری غلطی ہوئی تھی مجھ سے، مجھے اسی وقت سنبھل جانا چاہئے تھا جب اس نے مجھ سے چیک نہیں قبول کیا تھا، واقعی اس شخص نے تعاون کی پیش کش کر دی تھی نہ جانے کیوں کچھ جلد بازی ہو گئی مجھ سے، اب کیا کرنا چاہئے؟ اگر وہ شخص قابو میں آ جائے تو میں سمجھتی ہوں۔" سیٹھ محمودہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے چند لمحات خاموش رہنے کے بعد کہا۔ "اور ان لوگوں سے بہتر کارکن اور کون ثابت ہو سکتا ہے، یعنی وہ جو کہتے ہیں نا کیا مثال ہے وہ۔ رکھوالی کے لئے ان کا انتخاب، ارے واہ کیا خوب صورت آئیڈیا ہے اور یہ بات اگر اعلیٰ پیمانے پر کی جائے تو پھر اعلیٰ لوگوں سے رابطے قائم کرنا ہوں گے اور اگر اس سے ذرا نچلی سطح پر رکھا جائے تو زیادہ کار آمد ثابت ہو سکتا ہے، ذرا فون اٹھاؤ۔"

سیٹھ محمودہ نے کہا اور ملیحہ نے جلدی سے قریب رکھا ہوا فون اٹھا کر اس کے بستر کے قریب رکھ دیا...... سیٹھ محمودہ نے ٹیلی فون پر شہاب کے تھانے کے نمبر ڈائل کئے اور چند لمحات کے بعد دوسری طرف سے آواز آئی۔

"انسپکٹر شہاب!"

"ہماری آواز پہچانو تو جانیں۔" سیٹھ محمودہ نے کہا۔

"جسے خلوص دل سے مرشد کہہ دیا جائے اس کی آواز اگر ذہن میں نہ بس جائے تو مرشد کہنے والا مخلص نہیں ہوتا اور کبھی فیض نہیں پا سکتا۔"

"آفیسر ضرورت سے زیادہ چالاک ہو، زندگی کی دعائیں دینے کے علاوہ اور کیا کر سکتی ہوں۔"

"مرشد کی محبت ہے۔" شہاب کی آواز سنائی دی اور محمودہ چند لمحات کے لئے خاموش ہو گئی پھر بولی۔

"شکایت نہیں کرو گے کوئی؟"

"جن کے ذہن روشن ہوں ان سے کچھ کہنا بھلا کیا معنی رکھتا ہے۔"

"ہمیں یقین ہے تم اتنے ہی زیرک انسان ہو واقعی مان گئے۔"

"مرشد بس ایک افسوس ہے تھوڑا سا۔"

"کہو...... دل میں بھڑاس نہیں رہنی چاہئے۔"

"جب حلقہ بگوشوں میں شامل کر لیا تھا تو پھر یہ سزا کیسی؟"

"امتحان بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔" سیٹھ محمودہ نے کہا۔

"یہ کیسا امتحان تھا؟"

"کبھی کبھی وہ ہوتا ہے جو نظر کچھ اور آتا ہے اور اصل کچھ اور ہوتی ہے۔"

"گلہ ہے دل میں مرشد۔"

"ازالہ کیسے ہو؟"

"نہیں ابھی عقیدت دل سے کم نہیں ہوئی ہے۔"

"جھوٹ بول رہے ہو؟"

"شاید نہیں۔"

"ثبوت دو گے؟"

"بسر و چشم۔"

"ہوں تو پھر سب سے پہلے وہ سنو جو ہم کہنا چاہتے ہیں۔"

"ارشاد!"

"اصل میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں بحالت مجبوری پال لیا جاتا ہے، وہ پل تو جاتے ہیں لیکن کتوں کی سمت سے نکل کر سانپوں کی سمت اختیار کر لیتے ہیں، کتے تو وفادار ہوتے ہیں کھلاؤ پلاؤ تو دم ہلاتے ہیں لیکن سانپ ہمیشہ آستین میں داخل ہو جاتے ہیں اور خاموشی سے ڈسنے لگتے ہیں، ہم نے اپنے اختیارات اور لوگوں کی محبتوں کے دم پر کچھ لوگوں کو مراعات دیں اور ان سے کہا کہ ہمارے لئے تھوڑا بہت کام کر دیا کریں، ضرورتیں پیش آتی ہی رہتی ہیں چنانچہ ان لوگوں نے ابتداء تو کتوں کی وفاداری جیسے انداز سے کی لیکن عیش و عشرت کی زندگی پائی تو سانپ بن گئے...... شہابو کی بات لے لو، ہمارے بل پر نہ جانے

کیا کام شروع کئے اور ہمیں کانوں کان خبر نہ ہوئی، ہاں جب گرفتار ہو گیا تو ہمارا ہی سہارا تلاش کرنے کی کوشش کی اور اس کے بعد اصل انکشافات کئے، تم جانتے ہو انسپکٹر! ایسے موقعوں پر دشمن فوراً چوکس ہو جاتے ہیں اور اپنا اپنا عمل کرنے کے بارے میں سوچنے لگتے ہیں، سو جیسے ہی یہ ہوا اس انکشاف کی خوشبو فضا میں منتشر ہوئی ہمارے کچھ دشمن بھی سرگرم عمل ہو گئے اور پھر مامون خان کو ہم نے تمہارے پاس بھیجا...... مامون خان کسی بھی طور ہماری ہدایات کے زیر عمل اس انداز میں تمہارے پاس نہیں بھیجا گیا تھا جس انداز میں وہ خود گیا...... یا تو عقب سے اس کی کسی نے رہنمائی کی یا پھر اس نے اپنے طور پر جدت طرازی کی اور جو کچھ تمہارے ساتھ واقعات پیش آئے ان کا عمل اسی نے کیا تھا لیکن ہوا یہ، شرمندگی ہمیں اٹھانی پڑی اور اس کے بعد ہم خفت کی بنا پر تم سے رجوع کرنے کی ہمت نہ کر سکے۔"

"مرشد آپ کا حلقہ بگوش ہوں، مجھے مطمئن کر دیتیں آپ، ذہن سکون پا جاتا، ورنہ بھلا ایک معمولی سا انسپکٹر آپ کا کیا بگاڑ سکتا ہے؟"

"یہ سچ بھی ہے انسپکٹر! واقعی ہمارے کرم فرما ہمیں مشکلات میں نہیں پڑنے دیتے...... خیر ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ماضی کو بھول جایا جائے۔"

"خیر میں ہر حکم کی تعمیل کے لئے حاضر ہوں۔"

"سوچ لو؟"

"انتہائی کوشش کروں گا مرشد کہ لفظوں کا احترام کروں۔"

"خوب، شہابو کی ضمانت قبول کر لو۔" شہاب کی آواز چند لمحات کے لئے بند ہو گئی تھی پھر اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے مرشد! آپ نے امتحان کی بات کی تھی نا میں امتحان دینے کے لئے تیار ہوں۔"

"کیا مطلب؟" سیٹھ محمودہ کے لہجے میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی؟

"مرشد کے حکم کی تعمیل آنکھیں بند کر کے خوف و خطر سے بے نیاز ہو کر اور مرشد سے کوئی صلہ وصول کئے بغیر۔"

"گویا تم شہابو کی ضمانت لو گے؟"

"ہاں مرشد! صرف آپ کے حکم کی تعمیل میں...... ورنہ بات جس حد تک آگے پہنچ چکی ہے آپ خود اس کی گواہ ہیں۔"

"ہر فکر سے بے نیاز ہو جاؤ، پہلے قدم اٹھالو اس کے بعد اُلجھنیں ہمارے لئے چھوڑ دو، ہم ہر قدم پر تمہارا دفاع کریں گے، کیونکہ تم جو کچھ کرو گے ہمارے حکم کی تعمیل میں کرو گے۔"

"عرض کیا نا نوکری ہی جائے گی زیادہ سے زیادہ اس سلسلے میں سزا ہو جائے گی، معطل کردیا جاؤں گا لیکن کم از کم ان الفاظ کی لاج رہ جائے گی جو مرشد کہہ کر زبان سے ادا کئے ہیں۔"

"انسپکٹر شہاب، سیٹھ محمودہ مرد نہیں عورت ہے مرد اپنی زبان سے پھر سکتے ہیں عورت کی زبان بھی آزما کر دیکھو۔"

"مرشد مجھے حکم دیجئے اور کچھ نہ کہیں آپ سے کوئی صلہ ملے یا نہ ملے لیکن مرد کی زبان کو بھی مرد ہی کی زبان ثابت کرنا چاہتا ہوں میں۔"

"تو پھر بے خوف و خطر شہابو کی ضمانت قبول کرلو جو کوئی پوچھے اس سے کہہ دینا کہ ضمانت قبول کرلی اور اس کا کوئی جواب نہیں ہے میرے پاس۔"

"آپ حکم فرمایئے کون ضمانت لے رہا ہے؟"

"حسن علی نامی ایک شخص تمہارے پاس پہنچے گا کچھ کاغذات وغیرہ لے کر، میرا حوالہ دے گا اور بس تم ضمانت قبول کر کے شہابو کو اس کے حوالے کر دینا۔"

"تعمیل حکم ہو گی آپ اس شخص کو جس قدر جلد مناسب سمجھیں روانہ کردیں۔" شہاب کی آواز سنائی دی۔

"انسپکٹر تم نے مجھ پر جس اعتماد کا اظہار کیا ہے بس یوں سمجھو کہ اپنے گرد تحفظ کا ایک مضبوط حصار قائم کرلیا ہے، اطمینان رکھو تمہاری ہر مشکل کا حل میں تمہیں پیش کروں گی۔"

"مرشد میں ہر چیز سے بے نیاز ہو کر آپ کی خدمت سر انجام دے رہا ہوں۔"

"شکریہ ادا کریں گے تمہارا لیکن ذرا اطمینان کے ساتھ...... تو حسن علی تمہارے پاس پہنچ رہا ہے۔"

"میں اس کا انتظار کر رہا ہوں مرشد!" شہاب نے جواب دیا اور سیٹھ محمودہ نے فون بند کر دیا...... ملیحہ دوسری طرف کی آواز تو نہیں سن رہی تھی لیکن سیٹھ محمودہ کے مطمئن چہرے اور ان الفاظ سے گفتگو کا اندازہ ضرور لگا رہی تھی سیٹھ محمودہ نے فون بند کر کے آنکھیں اٹھائیں اور مطمئن انداز میں گردن ہلادی۔

گھر کی زندگی باہر کی دنیا سے بہت مختلف ہوتی ہے، ماحول خوشگوار ہو، اہل خانہ مطمئن ہوں تو جینے کا مزا ہی بدل جاتا ہے اور اب یہ گھرانہ خوشحال تھا...... سب نے اعتراف کیا تھا کہ ان کے حالات شہاب نے بدلے ہیں...... شہاب کبھی ان واقعات پر غور کرتا تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل جاتی تھی...... وہ اس گھر کے نکموں میں شمار ہوتا تھا لیکن اب صورت حال ہی مختلف تھی۔

شام کو گھر میں داخل ہوا تو ثریا بھابی نے کہا۔ "شہاب میرے کمرے میں آؤ۔"

"جی بھابی۔"

"یہ وردی اتار کر آؤ...... مجھے ڈر لگتا ہے...... چائے یہیں پینا۔"

"خیریت ہے بھابی؟"

"ہاں بالکل خیریت ہے۔"

لباس وغیرہ بدل کر وہ بھابی کے کمرے میں داخل ہو گیا...... چائے تیار تھی اور ثریا بھابی مسکرا رہی تھیں۔

"جی بھابی؟"

"بھئی اب تمہاری شادی کا مسئلہ سنگین نوعیت اختیار کر گیا ہے۔"

"خدا خیر کرے۔"

"ان کا نام فاروق علی ہے گلیکسی امپوریم کا نام سنا ہے؟"

"جی۔"

"اس کے مالک ہیں۔"

"کیا ہوا نہیں؟"

"کل چار بجے آرہے ہیں۔"

"کک...... کیوں؟"

"تمہیں دیکھنے۔"

"خرید رہے ہیں کیا مجھے؟"

"ہاں...... اپنی بیٹی کے لئے...... خوبصورت لڑکی ہے، تصویر دیکھو...... فائق کے کسی دوست نے یہ رشتہ تلاش کیا ہے۔"

ثریا بھابی نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ایک لفافہ نکالا اور اس سے ایک تصویر نکال کر شہاب کے سامنے کر دی۔

"میں نامحرم لڑکیوں کو نہیں دیکھتا۔"

"فکر نہ کرو...... ہم اسے تمہارے لئے محرم بنا رہے ہیں۔"

"ایک درخواست کروں بھابی؟"

"کرو۔"

"اس محرم پر اوپر پیش اور تشدید لگا دیجئے۔"

"کیا مطلب؟"

"محرم بنتا ہے...... میرے لئے یہ خبر ماہ محرم کی طرح غمناک ہے۔"

"مذاق نہیں...... امی نے یہ فریضہ مجھے سونپا ہے اور میں نے یہ ذمے داری قبول کر لی ہے کہ تمہیں تیار کر لوں۔"

"مگر میں تیار نہیں ہوں۔"

"نہیں شہاب...... یہ مسئلہ بہت سنجیدہ ہے...... زندگی کو آگے بڑھاؤ...... تمہارے بعد واثق کی باری ہے۔"

"آپ لڑکا بدل دیں بھابی...... ذرا چینج ہو جائے گا...... فلموں میں اور کبھی کبھی عام زندگی میں ایسا ہوتا ہے مگر عام طور سے لڑکیاں بدل دی جاتی ہیں اس بار لڑکا سہی۔"

"شہاب پلیز!"

"بھابی پلیز...... ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔"

"کب آئے گا؟"

"دیر لگے گی بھابی۔"

"آخر کیوں؟"

"بس بھابی...... میری کچھ پرابلمز ہیں اور پھر بھابی میری اپنی پسند کا بھی تو خیال

یں...... یہ بالکل الگ معاملہ ہے۔"

"کوئی لڑکی تمہاری نگاہ میں ہے؟"

"ہاں۔"

"کون؟"

"ابھی نہیں بتاؤں گا۔" شہاب نے کہا اس مرحلے پر ثریا بھابی خاموش ہو گئی تھیں اور شہاب اپنے کمرے میں آ گیا تھا...... بہت دیر تک وہ اس گفتگو پر مسکراتا رہا تھا۔

رات کو اسے ایک ٹیلی فون موصول ہوا۔ "شہاب ثاقب صاحب سے بات کرنی ہے۔"

"ہیلو اختر عادل...... خیریت؟" شہاب نے اس کی آواز پہنچان لی۔

"علم نجوم سے کتنی واقفیت ہے آپ کو مسٹر شہاب؟"

"کیوں؟"

"ہم اغوا ہو گئے تھے۔"

"گڈ...... اس وقت بھی اغوا؟"

"نہیں...... اغوا سے واپسی پر سیدھے آپ کے پاس پہنچے تھے لیکن آپ تھانے میں موجود نہیں تھے...... یار وہ دس ہزار تو قیامت ثابت ہوئے اور وہ مقولہ سچ ہو گیا کہ پیسے کو پیسہ کھینچتا ہے۔"

"تفصیل بتاؤ؟"

"تفصیل بہت دل گداز ہے۔" اختر عادل نے کہا اور پھر اس نے اپنے اغوا، سیٹھ محمودہ سے ملاقات اور باقی پوری کہانی اسے سنا دی پھر بولا۔ "نیندیں حرام ہو گئی ہیں...... معلوم ہو گئیں ہیں...... اپنی رہائش گاہ ذرا اوپن ایئر ہے تین جگہ وہ پیسے چھپا چکا ہوں چوتھی کوئی جگہ نہیں مل رہی۔"

شہاب نے کوئی جواب نہیں دیا...... وہ سوچ میں ڈوبا ہوا تھا...... دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ہیلو۔"

"انجانے میں تم ایک شاندار کام کر گئے ہو اختر عادل۔"

"کیا؟"

"سرخ نشان والے کارڈ کی کہانی۔"

"ہیں؟" اختر عادل حیرانی سے بولا۔

"اب کہیں سے بھی کوئی خبر سیٹھ محمودہ کے بارے میں نہیں چھاپو گے اور اس کے لئے مستعد رہو گے۔"

"سمجھ رہا ہوں۔"

"کھیل دوسرے انداز میں شروع کر دیں گے...... آرام کرو اور پیسے ہضم کرنے کی کوشش کرو۔"

"کل حاضری دوں گا۔"

"پہلے فون کر لینا۔"

"او کے۔" دوسری طرف سے فون بند ہو گیا اور شہاب کچھ سوچ کر مسکرانے لگا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ "سیٹھ محمودہ۔"

❁

گرے کلر کی ایک خوبصورت کار تھانے کے احاطے میں آ کر رکی اور اس سے ایک شخص نیچے اتر آیا...... کار میں مزید دو افراد موجود تھے، جن میں سے ایک نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی ہوئی تھی، دوسرا عقبی نشست پر بیٹھا رہا تھا اور تیسرا آدمی جو دُبلے پتلے بدن کا مالک تھا اور ایک خوبصورت سوٹ میں ملبوس تھا اتر کر انچارج کے آفس کی جانب چل پڑا، اس نے ایک کانسٹیبل سے تھانہ انچارج کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور پھر انسپکٹر شہاب کے کمرے میں داخل ہو گیا۔

شہاب نے حسب عادل نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور آہستہ سے کہا۔

"آئیے...... کون صاحب ہیں آپ، کیا بات ہے؟"

"میرا نام حسن علی ہے۔"

"اوہو حسن علی صاحب، کیا آپ کے پاس کوئی کارڈ وغیرہ موجود ہے آپ کا؟"

"جی پلیز۔" دراز قامت آدمی نے اپنی جیب سے کارڈ نکال کر شہاب کے سامنے رکھ دیا...... شہاب نے کارڈ پر ایک نظر ڈالی اور بولا۔

"کاغذات؟"

"جی ساتھ لایا ہوں۔"

"لائیے پلیز۔"

حسن علی نے اپنے لباس سے کچھ کاغذات نکالے۔ انسپکٹر شہاب کے سامنے رکھ دیئے، شہاب نے ان کا جائزہ لیا اور اس کے بعد گردن ہلا کر بولا۔

"ٹھیک ہے یہاں دستخط کر دیجئے۔" اس کے ساتھ ہی اس نے گھنٹی بجا دی تھی......

گلاب جان کمرے میں داخل ہو گیا۔

"یہ حسن علی صاحب ہیں...... شہابو کی ضمانت کے لئے آئے ہیں...... میں نے ان کی ضمانت قبول کر لی ہے۔"

"جی سر۔"

"تم ذرا ضابطے کی کارروائی کرادو، یہ کاغذات ساتھ لے جاؤ......جی حسن علی صاحب آپ کیا پینا پسند کریں گے؟"

"نہیں انسپکٹر صاحب بہت بہت شکریہ بس کام ذرا جلدی کرادیں تو بہتر ہے، کچھ اور ذمے داریاں بھی میرے سپرد کی گئی ہیں۔"

"جی جی بس چند منٹ۔" انسپکٹر شہاب نے کہا اور خاموشی سے اس شخص کا جائزہ لینے لگا...... حسن علی میز کی سطح ناخن سے کھرچ رہا تھا جس سے اس کے ذہنی اضطراب کا اندازہ ہوتا تھا، پھر گلاب جان واپس آگیا اور اس نے کاغذات دوبارہ شہاب کے سامنے رکھ دیئے...... شہاب نے ان کا جائزہ لینے کے بعد گلاب جان سے کہا۔

"شہابو کو نکال لاؤ۔"

گلاب جان گردن ہلا کر چلا گیا...... تھوڑی دیر کے بعد شہابو اس کے ساتھ اندر داخل ہو گیا......اسے صورت حال کا اندازہ نہیں تھا لیکن حسن علی کی شکل دیکھ کر وہ چونکا اس کے چہرے پر خوف کے آثار اُبھر آئے تھے۔

"تمہاری ضمانت ہو چکی ہے شہابو، تم حسن علی کے ساتھ جا سکتے ہو؟"

شہابو کا منہ حیرت سے کھل گیا، اس کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا......اس نے آہستہ سے کہا۔

"لیکن صاحب جی۔"

"ضمانت ہو گئی ہے اب تم تھانے میں نہیں رہ سکتے۔"

"کک، کیا...... کیا بکواس کر رہے ہیں آپ۔" شہابو دہشت زدہ لہجے میں بولا۔

"آپ اسے لے جا سکتے ہیں...... یہ شاید اپنا ذہنی توازن کھوتا جا رہا ہے۔" انسپکٹر شہاب نے خشک لہجے میں کہا۔

"چلو شہابو تمہاری ضمانت ہو گئی ہے۔"

"لعنت بھیجتا ہوں میں اس ضمانت پر، میں کہیں نہیں جانا چاہتا...... چلو جاؤ تم، مجھے

ضمانت نہیں کرانی اپنی...... میں لاک اپ ہی میں رہنا چاہتا ہوں، چلے جاؤ میں کہتا ہوں، ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔" شہابو بری طرح بپھر گیا تھا...... حسن علی نے شہابو سے کہا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے، چلو میرے ساتھ۔"

"نہیں جاؤں گا سب جانتا ہوں، بک گئے نا انسپکٹر، سارے وعدے ختم ہو گئے نا تمہارے، خدا کی لعنت ہے تم پر، پیسے کے لئے تم لوگوں نے دنیا کا ہر وہ کام کیا ہے جو انسان نہیں کر سکتے، ارے رحم کی بھیک مانگی تھی میں نے تم سے، کہا تھا میری زندگی بچالو...... دھوکا دیا مجھے، اپنے سارے کام نکال لئے اور اس کے بعد دودھ کی مکھی سمجھ لیا مجھے...... نہیں جاؤں گا چاہے مجھے زندگی یہیں کھونی پڑ جائے...... بالکل نہیں جاؤں گا کیا سمجھتے ہو تم لوگ کیا میں کچھ نہیں کر سکتا۔" شہابو کے منہ میں جو اول فول آتا رہا وہ بکتا رہا...... حسن علی خاموش نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"شہابو میرا تمہارا ابھی تو کوئی تعلق ہے، یہ ضمانت میں نے اپنے طور پر کرائی ہے اور یہ تو انسپکٹر صاحب کی مہربانی ہے کہ انہوں نے یہ ضمانت قبول کر لی ہے، چلو میں تمہیں ہر طرح کے تحفظ کا یقین دلاتا ہوں۔"

"کتے ہو تم سب کتے ہو، ہڈی کے سامنے دم ہلانے والے، دھوکا دیا ہے اس انسپکٹر نے مجھے، خدا کی لعنت ہو اس پر۔"

"اس تھانے میں تم جو بکواس کر رہے ہو اس کا نتیجہ جانتے ہو؟" گلاب جان نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اب کیا نتیجہ اور کیسا نتیجہ، جو نتیجہ نکلنے والا ہے میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں...... مار دیا تم لوگوں نے مجھے، قتل کر دیا، قاتل ہو، تم لوگ قاتل ہو۔" شہابو کی آواز بھرا گئی۔ وہ ہونٹ خشک کرنے لگا اور پھر سنجیدگی سے بولا۔

"چلو...... دوستی تو میری اور تمہاری بھی رہی ہے...... بہت کچھ ساتھ ساتھ کیا ہے ہم نے لیکن اگر تم بھی میری زندگی کے درپے ہو گئے ہو تو ٹھیک ہے، چلو لے چلو مجھے مقتل میں، گردن اُڑا دو میری، سولی پر چڑھا دو چلو چلو اب اگر یونہی زندگی کی شام ہونی تھی تو کون روک سکتا ہے۔ چلو۔" شہابو نڈھال ہو گیا۔

حسن علی نے ایک بار پھر انسپکٹر شہاب کا شکریہ ادا کیا اور اسے لے کر باہر نکل آیا......

کار میں پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا آدمی نیچے اتر گیا تھا اور حسن علی نے شہابو کو پچھلی نشست پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ شہابو بیٹھ گیا تو حسن علی بھی اس کے برابر بیٹھ گیا اور پھر اس نے دوسرے آدمی سے کہا۔

"تم دوسری طرف سے گھوم کر آ جاؤ۔"

"جی سر۔"

ڈرائیور نے کار سٹارٹ کر کے ریورس کی اور پھر اسے گھما کر تھانے کی عمارت سے باہر نکل آیا...... حسن علی نے تھانے سے باہر نکلنے کے بعد کہا۔

"شہابو بہت جذباتی ہو رہا ہے داور، اسے ذرا سنبھالے رکھو، یہ ضمانت نہیں کرانا چاہتا تھا اپنی اور اس نے تھانے میں بہت شور و غل مچایا ہے۔" داور نے پستول کی نالی شہابو کی کمر سے لگا دی اور شہابو آہستہ سے بولا۔

"یہیں گولی مار دو یا کہیں اور لے جا کر مارو گے، کیا حکم ملا ہے تمہیں مرشد سے؟"

"تم پاگل ہو گئے ہو، ساری باتیں دیوانگی کی کر رہے ہو، تم ہمارے اپنے ساتھی ہو۔ تمہیں اندازہ نہیں سیٹھ محمودہ نے کیا کیا جتن کر کے تمہاری ضمانت کرائی ہے۔"

"اچھی طرح اندازہ ہے مجھے...... اس کے سامنے پیش کرو گے اور وہ کتیا کی بچی مجھے کتے چھڑوا دے گی، اب بھلا وہ مجھے کیا چھوڑے گی۔"

"تم مرشد کو گالیاں دے رہے ہو۔"

"کوئی مرشد نہیں ہے، ہم لوگ وقت کے پجاری تھے...... حسن علی میں تم سے صاف صاف کہے دیتا ہوں، سیٹھ محمودہ کسی کی ہمدرد نہیں ہے، جب تک ہم شکاری کتوں کی مانند اس کے لئے صحیح صحیح شکار کر لیتے ہیں، ہماری عزت ہے، آبرو ہے، توقیر ہے اور جب بھی ہم کوئی ایسا کام کر ڈالتے ہیں جو اس کی مرضی کے خلاف ہو تو ہماری کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی، ہم سب کتے ہیں کتے...... آج میں تمہارے ہاتھوں اس کا شکار ہو رہا ہوں کل تم کسی اور کے ہاتھوں اس کا شکار ہو جاؤ گے۔"

"زیادہ بکواس مت کرو، تم بہت زیادہ بول رہے ہو اور جتنا بول رہے ہو اپنے حق میں نقصان کر رہے ہو، کسی کا کچھ نہیں بگڑے گا لیکن سیٹھ محمودہ تمہارے ساتھ جو سلوک کرے گی تم سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"ہاں میں جانتا ہوں...... وہ میرے ساتھ جو سلوک کرے گی میں سوچ بھی نہیں سکتا۔" شہابو نے غمزدہ لہجے میں کہا اور پھر عقبی سیٹ سے سر لگا کر آنکھیں بند کر لیں، حسن علی خاموش تھا...... کار آگے بڑھ رہی تھی...... حسن علی جانتا تھا کہ شہابو کو کہاں لے جانا ہے اس کے لئے اسے ہدایات دے دی گئی تھیں پھر کار مختلف راستے طے کرتی ہوئی ایک سنسان سی سڑک پر مڑی تو ڈرائیور نے ایک دم سے گاڑی کو بریک لگائے...... سامنے ہی ایک گاڑی راستہ روکے ہوئے کھڑی تھی، حسن علی چونک پڑا اس نے کہا۔

"یہ کون ہے؟"

"پتا نہیں صاحب۔"

"گاڑی روکو۔" حسن علی بولا اور ڈرائیور نے گاڑی روک دی...... حسن علی چند لمحات سامنے دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

"کیا خیال ہے گاڑی واپس موڑ لی جائے؟"

"صاحب یوں لگتا ہے جیسے اس گاڑی میں کوئی خرابی ہو گئی ہے، انداز گاڑی کا راستہ روکنے جیسا نہیں ہے۔" ڈرائیور نے کہا اور حسن علی ڈرائیور کی بات پر غور کرنے لگا پھر بولا۔

"چلو آگے چلو، کون گدھا ہے جس نے یہ عمل کیا ہے۔"

"جی سر۔" ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھائی اور تھوڑی دیر کے بعد وہ سامنے کھڑی ہوئی گاڑی کے پاس پہنچ گئے...... قرب و جوار میں کوئی موجود نہیں تھا لیکن جیسے ہی وہ نیچے اترنے لگے، اچانک ہی چند افراد سڑک کے نشیب سے باہر نکل آئے، یہ نقاب پوش تھے اور ان کے چہرے نہیں دیکھے جا سکتے تھے لیکن ان کے ہاتھوں میں ہلکی سٹین گنیں دبی ہوئی تھیں اور ان کا رخ ان کی جانب تھا جبکہ حسن علی اور اس کے ساتھیوں کے پاس صرف پستول تھے، ان میں سے ایک نے کہا۔

"ہاتھ بلند کر کے نیچے اتر آؤ، ورنہ بدن چھلنی کر دیئے جائیں گے۔"

"کک کون ہو تم کیا چاہتے ہو؟"

"تم نیچے اتر رہے ہو یا پھر......" ان میں سے ایک نے سٹین گن سیدھی کی تو حسن علی اور اس کے دونوں ساتھی نیچے اتر آئے...... شہابو گاڑی میں ہی بیٹھا ہوا تھا لیکن اب اس نے آنکھیں کھول دی تھیں...... تب ایک نقاب پوش اس کے قریب پہنچا اور اس نے

آہستہ سے کہا۔

"شہابو نیچے اتر آؤ۔"

"کک...... کیوں؟"

"آؤ ہم تمہارے اپنے ساتھی ہیں...... نیچے آجاؤ۔" اس شخص نے نرم لہجے میں کہا اور شہابو نیچے اتر آیا...... اس شخص نے شہابو کا بازو پکڑ کر اسے ایک طرف کرتے ہوئے کہا۔

"چلو تم اس گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔" اس شخص نے شہابو کو سامنے کھڑی ہوئی گاڑی میں بٹھا دیا اور حسن علی اور اس کے دونوں ساتھیوں سے بولا۔

"اب تم تیزی سے دوڑ لگاؤ اور اتنی دور چلے جاؤ کہ ہماری گولیوں کی رینج میں نہ رہو جب تم اتنی دور نکل جاؤ گے، تو ہم تم پر گولیاں چلائیں گے، تم میں سے ایک بھی اگر اتنے قریب موجود نظر آیا تو مجبوری ہو گی...... چلو!ان میں سے ایک نے ہلکا سا برسٹ مارا جو زمین پر لگا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی حسن علی اور اس کے دونوں ساتھی دوڑنے لگے تھے اور پھر وہ برق رفتاری سے دوڑتے ہوئے بہت دور نکل گئے...... سٹین گن والوں نے ان کی گاڑی پر ایک برسٹ مارا اور پچھلے دونوں پہیے ناکارہ کر دیئے، پھر وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر چل پڑے...... شہابو ان کے ساتھ تھا اور ان کے درمیان بیٹھا ہوا تھا...... گاڑی سٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی جس کا اندازہ حسن علی وغیرہ کو ہو گیا اور حسن علی فوراً پلٹ پڑا۔

"خدا غارت کرے یہ کون تھے۔" اس نے ششدر لہجے میں کہا اور پھر کیف افسوس ملتا ہوا بولا۔

"اوہ میرے خدا ہم نے تو ان کی کار کا نمبر بھی نہیں دیکھا۔"

"میں نے دیکھ لیا ہے سر۔" ڈرائیور نے جواب دیا۔

"نوٹ کر لیا ہے؟"

"جی سر۔"

"چلو تم نے زندگی بچنے کے کچھ امکانات پیدا کر دیئے ہیں اوہ مائی گاڈ، کون ہو سکتے ہیں یہ لوگ، دیکھو شاید انہوں نے ہماری گاڑی کے ٹائر بھی ناکارہ کر دیئے ہیں۔"

"ایسا ہی لگتا ہے سر...... ٹائر پھٹنے کی آواز میں نے سنی تھی۔" وہ واپس پلٹ پڑے اور تھوڑی دیر کے بعد گاڑی کے نزدیک پہنچ گئے...... انہوں نے گاڑی کو دیکھا اور پھر ٹھنڈی

سانس لے کر بولے۔

"چلو اسے دھکا لگوا کر سائیڈ پر کرو۔" اب کسی گاڑی سے لفٹ ہی لینی پڑے گی لیکن جو کچھ ہوا ہے، تمہیں پتا ہے مرشد ان دنوں کتنی پریشان ہے، ہر شخص پر غصہ نکال رہی ہے...... ہم پر بھی مصیبت نازل ہو گی لیکن میرا خیال ہے مرشد اس بار کوئی بہت بڑا شخص اپنے پیچھے لگا چکی ہے اس کے دشمن اسے مسلسل شکست سے دوچار کر رہے ہیں۔"

"یہاں سے آگے بڑھنے کی سوچو حسن علی صاحب، کہیں ایسا نہ ہو کہ کچھ اور ہو جائے۔" حسن علی کے دوسرے ساتھی نے کہا اور حسن علی پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا پھر وہ دور سے آتی ہوئی ایک گاڑی کو دیکھنے لگا اور سڑک پر آکر اسے اشارہ کرنے لگا...... گاڑی قریب آکر رک گئی تھی...... غالباً وہ کوئی ڈرائیور تھا جو گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا حسن علی نے آگے بڑھ کر اس سے بڑے عاجزانہ انداز میں کہا۔

"جناب اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو ذرا ہمیں آگے تک چھوڑ دیجئے بس ایسی جگہ جہاں سے ہمیں ٹیکسی مل جائے۔"

"آگے سینما ہاؤس سے ٹیکسی مل جائے گی، کیا آپ کی گاڑی خراب ہو گئی ہے؟"

"ہاں دونوں ٹائر برسٹ ہو گئے ہیں۔"

"چلیں آئیں بیٹھ جائیں۔" وہ تینوں خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گئے اور گاڑی آگے بڑھ گئی پھر ایک جگہ ڈرائیور نے گاڑی روک دی اور کہا۔

"وہ سامنے ٹیکسیاں نظر آرہی ہیں۔"

"تمہارا بہت بہت شکریہ۔" حسن علی نے شرافت سے کہا...... ڈرائیور کو اس نے پچاس روپے کا ایک نوٹ دیا اور ڈرائیور شکریہ ادا کر کے آگے بڑھ گیا...... حسن علی کے ساتھی نے کہا۔

"تم اس قدر نرم دل کیسے ہو گئے؟"

"کیا مطلب؟"

"گاڑی پستول کے زور پر بھی اس سے چھینی جا سکتی تھی۔"

"دیکھو اس وقت میرا دماغ اس قدر خراب ہو رہا ہے کہ میں برداشت نہیں کر سکوں گا، تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ ہم لوگ کس مصیبت کا شکار ہونے والے ہیں...... گاڑی چھینتا اس

سے میں۔"

"جی یہی کہہ رہا ہوں میں۔"

"اور ہماری گاڑی وہاں کھڑی ہوئی تھی...... کیا ڈرائیور یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ جن لوگوں کی گاڑی خراب ہو گئی ہے وہی گاڑی چھین کر بھاگ گئے ہیں اور اس کے بعد کیا ہوتا۔"

جس شخص نے حسن علی سے یہ الفاظ کہے تھے اس نے دانتوں تلے زبان دبالی اور آہستہ سے بولا۔

"سوری سر...... واقعی میں نے بڑی بے عقلی کی بات کی تھی۔"

"چلو اب ہم ایک نئی مصیبت سے دوچار ہونے جا رہے ہیں لیکن سنو ہم سیدھے سیٹھ محمودہ کے پاس نہیں جائیں گے بلکہ ابھی اسے صرف اطلاع دیں گے اور اس کے جواب کا انتظار کریں گے۔"

"ٹھیک ہے جناب۔" حسن علی کے ساتھیوں نے جواب دیا۔

❁

بینا ریستوران میں داخل ہو گئی اور اس نے شہاب کو فوراً ہی دیکھ لیا...... شربتی رنگ کے شلوار سوٹ میں ملبوس ایک کھلنڈرا سا نوجوان جس کے بارے میں کوئی یہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ اس کی شخصیت میں کوئی خطرناک بات بھی ہو سکتی ہے...... بینا محبت بھری نگاہوں سے اسے دیکھتی ہوئی آگے بڑھ گئی...... شہاب اسے دیکھ کر مسکرایا پھر بولا۔

"کوئی شکایت نہیں رہنی چاہئے آپ کو مجھ سے مس بینا۔"

"شکایت۔"

"ہاں کئی بار ایسا ہو چکا ہے کہ آپ پہلے آ گئی ہیں اور میں بعد میں پہنچا ہوں۔"

"یہ تو شکایت کی بات نہیں ہوئی۔" بینا نے کہا۔

"چلئے آپ کہہ رہی ہیں تو مان لیتے ہیں۔"

"اس سوٹ میں بہت خوبصورت لگ رہے ہیں آپ۔"

"ارے کیا واقعی؟"

"ہاں۔"

"اس کے جواب میں مجھے کیا کہنا چاہئے؟"

"ویٹر کو اشارہ کرنا چاہئے اور اس سے کھانا منگوانا چاہئے، کیونکہ مجھے سخت بھوک لگ

ہی ہے۔" بینا نے کہا اور شہاب نے ویٹر کو اشارہ کر دیا...... ویٹر نے مینو لا کر اس کے سامنے کھا اور بینا اس میں اپنی پسند کی چیزیں تلاش کرنے لگی۔ آرڈر لکھوانے کے بعد اس نے کہا۔

"جناب! کھانا آتے آتے کچھ گفتگو ہو جانی چاہئے۔"

"موضوع بتانا پسند کریں گی آپ؟"

"کیا اس سے دلچسپ موضوع اور کوئی ہو سکتا ہے جو ان دنوں چل رہا ہے؟"

"یقیناً ہو سکتا ہے۔"

"تو پھر آپ اس موضوع پر بات چیت کیجئے۔"

"کلیجہ تھام لیجئے۔"

"جی نہیں، لوگ دیکھیں گے تو مذاق اُڑائیں گے۔" بینا نے کہا اور ہنس پڑی۔

"تھامنا پڑے گا آپ کو کیونکہ اہل ستم ظالم آسمان بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"آپ کے لئے؟"

"ہم دونوں کے لئے۔"

"اول تو اہل ستم کا تعین ہی مشکل ہے اور پھر میں یہ جانتی ہوں کہ ہم ہر طرح محفوظ ہیں۔"

اتنی خوش فہمی اچھی نہیں ہوتی۔"

"ہوتی ہے، آپ مجھے اس بارے میں چیلنج نہ کریں۔"

"اہل خاندان، محترمہ بھابی صاحبہ، میری ہمشیرائیں اور والدہ صاحبہ آج کل میری شادی کرانے کے لئے بضد ہیں۔"

"اچھا۔" بینا مسکرا کر بولی۔

"جی۔"

"یہ تو اچھی بات ہے، زندگی کا اہم مرحلہ ہے یہ، آپ کو سنجیدگی سے اس بارے میں غور کرنا چاہئے۔"

"کس کی بات مانوں...... ان کی یا اپنے دل کی؟"

"یہ فیصلہ آپ ہی کو کرنا ہے۔"

"انہوں نے لڑکی پسند کر لی ہے۔"

"اچھی ہی ہو گی۔" بینا کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا۔

"کیا تم سے اچھی؟"

"یقیناً۔"

"فضول باتیں مت کرو۔"

"کیا آپ واقعی سنجیدہ ہیں؟"

"ہاں۔"

"تو پھر مجھے کیوں بتا رہے ہیں؟"

"اب کچھ کرنا پڑے گا بینا۔"

"کیا؟"

"بھئی شادی اور کیا۔"

"وہی تو کہہ رہی ہوں کر لیجیے۔"

"تم تیار ہو؟"

"مم...... میں؟" بینا کسی قدر ہکلا کر بولی۔

"تو تمہارا خیال ہے کہ میں ان کے کہنے کے مطابق کہیں اور شادی کر لوں؟" بینا خاموش ہو گئی...... ویٹر نے کھانا لگانا شروع کر دیا تھا...... وہ خاموشی سے کھانے میں مصروف ہو گئی...... شہاب شرارت بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"یہ تو ہوا ایک موضوع اب آیئے اس موضوع سے ہٹتے ہیں مس بینا۔"

"جی۔" بینا کا ہاتھ لرز گیا۔

"ویسے آپ چاہیں تو اس موضوع پر مجھ سے مزید باتیں کر سکتی ہیں۔"

"نہیں، میں اور کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔"

"شادی کے علاوہ۔"

"پلیز مذاق نہ کیجیے۔" بینا نے کہا۔

"بھئی بحالت مجبوری مجھے ان لوگوں کو بتانا پڑا ہے کہ لڑکی میں نے پسند کر لی ہے اور اسی سے شادی کرنی ہے مجھے۔"

"کھانا کھایئے، کیا باتیں لے کر بیٹھ گئے ہیں آپ، بتایئے ادھر کیا ہو رہا ہے؟"

"تمہارے ہاں رشتہ لانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔"

"میں وہاں کی بات نہیں کر رہی۔"

"تو پھر۔"

"میرا مطلب ہے سبحان کے بارے میں۔"

"چلو ٹھیک ہے، آؤ اب اس موضوع پر آجاتے ہیں، کیس انتہائی دلچسپ مرحلے میں خل ہو گیا ہے، ویسے مجھے حیرت ہے کہ تم نے اب تک مجھے رپورٹ نہیں دی۔"

"آپ اِدھر اُدھر کی باتیں جو کرنے لگتے ہیں۔"

"چلو اب اِدھر کی باتیں کر لیتے ہیں...... یہ ادھر کی باتیں تھیں۔"

"سردار علی نے یہ تصویریں مجھے دی ہیں۔" بینا نے کہا اور کھانا کھاتے ہوئے ٹشو سے ھ صاف کر کے ایک پرس سے تین تصویریں نکال کر شہاب کے سامنے رکھ دیں...... ہاب ان تصویروں کا جائزہ لیتا رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"جی ہاں، اس شخص کا نام نصیر بیگ ہے، غلام سوری کے اہم آدمیوں میں شمار ہوتا ہے...... غالباً اس کا پرائیویٹ سیکرٹری یا پھر منتظم قسم کی کوئی شخصیت۔"

"گڈ، توقع کے مطابق ہے اور اگر ہم غور سے اس کا جائزہ لیں تو میرا خیال ہے انجم اس سلے میں بہترین آدمی ثابت ہو سکتا ہے۔"

"یعنی۔"

"اس کی جسامت چہرے کی بناوٹ اور انداز، کیا خیال ہے؟"

"مگر میں سمجھی نہیں کہ آپ کس سلسلے میں انجم کا نام لے رہے ہیں؟"

"حالات دلچسپ صورت اختیار کر چکے ہیں...... ادھر سے کوئی رپورٹ ملی؟"

"کدھر سے؟"

"ہیڈ آفس سے۔"

"ادھر سے رپورٹ موصول ہو چکی ہے۔"

"کیا؟"

"شہابو کو ان لوگوں نے حاصل کر لیا ہے اور اب وہ ہیڈ آفس میں ہے۔"

"ویری گڈ...... کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی۔"

"نہیں سب کچھ نارمل ہے۔"

"گاڑی کے بارے میں کیا صورتحال رہی؟"

"نمبر پلیٹ غلام سوری کی ایک فیکٹری کی ایک گاڑی کی لگا لی گئی ہے اور اب اسے اتار دیا گیا ہوگا۔"

"گویا سارے کام پرفیکٹ۔"

"جناب عالی۔"

"تو پھر کہنے کے لئے کیا رہ جاتا ہے سوائے شادی کی بات چیت کے..... یہ تصویر میں رکھ رہا ہوں بلکہ ایسا کرو تم ہی رکھ لو اور ان سے کہو کہ انجم کے چہرے پر میک اپ کر دیا جائے۔"

"میں آج ہی یہ ہدایات دے دیتی ہوں۔"

"بلکہ انجم کو ہیڈ کوارٹر منتقل کر دو بعد کی ہدایات میں خود اسے دے دوں گا۔"

"ٹرانسمیٹر پاس رکھنا ہوگا۔"

"ہاں۔"

"او کے چیف، اب آپ یہ بتائیے کہ آپ اس سلسلے میں کر کیا رہے ہیں؟"

"صورت حال اس بار بہت مختلف اور ذرا تبدیل ہے بینا، ہم لوگ کس قدر بدنصیب ہیں کہ ہمیں ان لوگوں سے محتاط رہنا پڑتا ہے جنہیں ہم اپنا محافظ سمجھتے ہیں..... بس تفصیلات میں جانا بیکار ہی ہے کوئی فائدہ نہیں، لوگ جرائم کرتے ہیں اور ان کے پشت پناہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو درحقیقت تمام باگ ڈور سنبھالے ہوئے ہیں لیکن ہمیں انہی سے سب سے زیادہ محتاط رہنا پڑتا ہے..... بینا اس بار صورت حال یہ ہے کہ سیٹھ محمودہ براہ راست کوئی مجرم نہیں ہے لیکن وہ بہت سوں کی پشت پناہی کرتی ہے..... اس طرح یہ کوئی باقاعدہ کیس نہیں ہے، حالانکہ میرے علم میں بہت سی ایسی عمارتیں آچکی ہیں..... جہاں غیر قانونی طور پر ملک میں لائے گئے سامان کے انبار ہیں..... یہ بھی پتا چل چکا ہے کہ وہ کس کس کی ملکیت ہیں..... ساری ملی بھگت ہے بہت بڑے بڑے لوگ دولت جمع کر رہے ہیں..... عوام غربت وافلاس، بیروزگاری کے شکار ہیں اور یہ لوگ..... بہت برا ہو رہا ہے بینا وطن کے ساتھ..... بہت برا ہو رہا ہے۔"

"یہ تو دنیا جانتی ہے شہاب لیکن۔"

"ہاں.....اس لیکن سے آگے تاریک خلا ہے۔"

"خیر.....اب مجھے اپنا پروگرام تو بتاؤ۔"

"کیا پروگرام بتاؤں بینا..... بس ہاتھ پاؤں مار رہا ہوں..... دیکھو کیا ہوتا ہے۔"

"میں تفصیل معلوم کر رہی ہوں۔" بینا نے کسی قدر سرد لہجے میں کہا اور شہاب چونک کر اسے دیکھنے لگا پھر اس کے چہرے پر وہی شوخ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"لوگ بیوی کو نصف بہتر کہتے ہیں..... سمجھتے ہی نہیں ہیں احمق کہیں کے۔"

"کیا مطلب؟"

"بیوی تو بہتر ہی بہتر ہوتی ہے۔"

"یہ اچھی خاصی گفتگو میں بیوی کہاں سے ٹپک پڑی؟" بینا نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"اوہ ہونہہ..... اچھی خاصی بیوی میں گفتگو کہاں سے ٹپک پڑی..... اب دیکھو نا..... بڑی افسردہ گفتگو تھی..... تم نے ایک ڈانٹ پلا کر موڈ بحال کر دیا۔"

"ارے نہیں سوری..... میرا لہجہ نہ جانے کیوں خراب ہو گیا..... معافی چاہتی ہوں لیکن یہ سچ ہے..... حالات سے لاعلمی چل رہی ہے مکمل..... میں اُلجھن میں ہوں۔"

"سچ بینا..... اپنی نوعیت کا منفرد کیس ہے..... کیس یہ ہے کہ کوئی کیس نہیں ہے..... صحافی سبحان نے ایسے لوگوں کے خلاف تفتیش کی جو ملک دشمن سرگرمیوں میں مصروف ہیں..... اسے اغوا کر لیا گیا لیکن خدا کا شکر ہے اس کی زندگی بچ گئی، پھر سیٹھ محمودہ کا نام آیا..... وہ ایک خطرناک عورت بے شک ہے لیکن کوئی جرم سامنے نہیں آیا اس کا۔"

"بالکل ٹھیک۔"

"وہ ہم سے کھیل رہی ہے..... چوہے بلی کا کھیل اور ہم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے..... میں اس کا کچھ بگاڑنا چاہتا ہوں۔"

"کیسے؟"

"مگرمچھ کو مگرمچھ سے لڑا کے۔"

"کیا مطلب؟"

"ہاں..... وہی محبوبانہ سوالات..... جن کے بعد دل چاہتا ہے کہ سیدھے قاضی صاحب کے گھر کا رخ کیا جائے۔"

"پتا نہیں یہ دھمکی آپ مجھے کیوں دیتے ہیں۔" بینا نے مسکرا کر کہا۔

"یہ دھمکی ہے۔" شہاب نے کہا۔

انداز دھمکی جیسا ہی ہوتا ہے لیکن ایک بات سنیں...... باتوں میں نہ ٹالیں مجھے بتائیں کیا کر رہے ہیں آپ؟" اور شہاب آہستہ آہستہ اسے اپنا منصوبہ بتانے لگا۔

فون کی گھنٹی بجی تو اختر عادل نے ریسیور اٹھالیا...... "ہیلو...... ٹرپل ایٹ، ٹرپل ٹو ون...... کیا آپ نے اسی نمبر پر رنگ کیا ہے؟"

"جی۔" جواب ملا۔

"کون صاحب ہیں؟"

"شہاب۔"

"کمال ہے صاحب۔"

"کیوں؟" شہاب کی ہنسی سنائی دی۔

"عرصہ دراز سے یہ فون بیمار تھا اور لوگ اسے بھول گئے تھے...... پہلی گھنٹی آپ نے بجائی ہے۔"

"چلو گھنٹی بج گئی۔"

"خیریت؟"

"ہاں...... ایک صاحب تم سے ملاقات کریں گے...... میرے عزیز ہیں...... انہیں کوئی مشکل درپیش ہے...... ممکن ہو تو ان کی مدد کر دو لیکن تم جانتے ہو میں ایک شریف آدمی ہوں۔"

"سو فیصد۔"

"میرے نام کا انہیں کوئی شبہ بھی نہیں ہونا چاہئے۔"

"ایں۔" اختر عادل چکرا گیا۔

"اماں کیسے صحافی ہو...... بڑی معمولی بات کہی ہے میں نے۔"

"ٹھیک ہے۔" اختر عادل نے کہا۔

"تو پھر خدا حافظ۔" دوسری طرف سے فون بند ہو گیا اور اختر عادل دیر تک ریسیو

پکڑے اس کی بات سمجھنے کی کوشش کرتا رہا، پھر گہری سانس لے کر ریسیور رکھ دیا...... بہت عرصے سے بے کسی کی زندگی گزار رہا تھا...... کوئی بات ہی نہیں بن رہی تھی...... ضمیر فروش نہیں تھا...... ضمیر کی قیمت مل جایا کرتی ہے لیکن یہی ایک شے اپنی ہوتی ہے پھر کیا رہ جاتا ہے۔

وہ ایک سمارٹ آدمی تھا...... اندر داخل ہو کر اس نے جیب سے ایک کارڈ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا...... اختر عادل نے کارڈ دیکھا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں...... سادہ کارڈ پر ایک سرخ دائرہ بنا ہوا تھا۔

"سیٹھ محمودہ کے خلاف ایک رپورٹ چھاپنی ہے آپ کو۔"

"ایں...... ہاں۔" اختر عادل نے حیرت سے کہا۔

"کیا آپ کو میرے بارے میں کوئی فون نہیں ملا؟"

"جی ہاں۔ ملا ہے...... آپ تشریف رکھئے۔"

"نہیں...... بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے، یہ سرخ دائرہ آپ کے خیال کے مطابق ہے۔"

"سو فیصد...... کمال ہے۔"

"تو پھر میری تصویر بنالیں۔"

"میں بنالوں گا لیکن اس طرح نہیں...... جب آپ واپس جائیں گے تب بناؤں گا...... وہ بھی اس طرح کہ آپ کو احساس نہ ہو۔"

"میں سمجھ رہا ہوں...... یہ رپورٹ ہے اور یہ تصویر۔" نووارد نے ٹائپ شدہ تحریر اختر عادل کے سامنے رکھتے ہوئے کہا اور ایک بلڈنگ کی تصویر اس کے حوالے کر دی، پھر نووارد بولا۔ "یہ دس ہزار روپے اس کام کا معاوضہ ہے...... رپورٹ بعد میں پڑھ لیجئے...... میرا یہاں سے جلد چلے جانا ضروری ہے۔"

"آیئے...... آپ کی تصویر بنالوں۔" اختر عادل نے اپنا کیمرہ درست کر کے کہا پھر مہارت سے ایک ایسی تصویر بنائی جسے دیکھ کر یہ احساس ہو کہ تصویر صاحب تصویر کی لاعلمی میں کھینچی گئی ہو...... نووارد شکریہ ادا کر کے باہر نکل گیا تو اختر عادل اس تحریر کو پڑھنے لگا۔

یہ ایک آسیب زدہ عمارت کے بارے میں تفصیل تھی...... جس کے بارے میں لکھا تھا کہ یہ جدید طرز کی خوبصورت عمارت ہے لیکن بند اور ویران ہے...... راتوں کو اس کی کھڑکیاں روشن نظر آتی ہیں اور ان پر سائے لہراتے ہیں...... کبھی کبھی عمارت سے آہوں اور

سسکیوں کی آوازیں بھی اُبھرتی ہیں...... بظاہر اسے آسیب زدہ عمارت کہا جا سکتا ہے لیکن ممکن ہے اس کے اسرار کچھ اور ہوں...... ممکن ہے یہاں کچھ ایسے لوگوں کو رکھا گیا ہو جنہیں خاص وجہ سے اغوا کیا گیا ہو...... یہ واقعات پولیس کی فوری توجہ چاہتے ہیں۔"

اختر عادل نے رپورٹ پڑھ کر گہری سانس لی، اسی وقت دوبارہ فون کی گھنٹی بجی۔ "ہیلو"

"ہاں...... کام ہو گیا؟"

"جی سر۔"

"دس ہزار امانت ہیں...... تصویر ڈیویلپ کرالو اور مرشد سے رابطہ کرو...... رپورٹ اسے پیش کر سکتے ہو۔"

"سمجھ گیا سر۔"

"اور کوئی خدمت؟"

"نہیں سر شکریہ۔" رسمی گفتگو کے بعد فون بند ہو گیا اور اختر عادل رپورٹ دوبارہ پڑھنے لگا۔

❁

حسن علی، سیٹھ محمودہ کے کمرے میں داخل ہو گیا...... جمشید، محمودہ کے پاس موجود تھا اور سیٹھ محمودہ خوشگوار موڈ میں نظر آ رہی تھی۔

"آؤ حسن علی...... سناؤ کیسے ہو؟"

"کچھ کہنا چاہتا ہوں مرشد۔"

"جمشید جاؤ...... یہ سب بچوں کا کھیل نہیں ہوتا...... سوری صاحب بہت بڑے آدمی ہیں...... کوئی عام آدمی ہوتا تو اسے انکار کی مجال نہیں ہوتی لیکن سوری صاحب۔ وہ سخت مزاج انسان ہیں ان سے ذرا طریقے سے بات کرنی ہو گی۔"

"میں نوشین کو بہت عرصے سے جانتا ہوں ممی لیکن۔"

"کیا وہ بھی تم سے متاثر ہے؟"

"اسے ہونا پڑے گا۔" جمشید نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"اس نے میری توہین کی ہے ممی...... کہتی ہے تم ہو کس کھیت کی مولی میں اسے بتانا

چاہتا ہوں کہ میں کس کھیت کی مولی ہوں۔"

"کیا مطلب...... کوئی جھگڑا ہوا ہے تم دونوں کے درمیان؟"

"اس نے مجھ سے بدتمیزی کی تھی...... ہم ایک ڈنر پارٹی میں شریک تھے...... میں نے اسے اپنا پارٹنر بنانے کی کوشش کی تو اس نے انکار کر دیا ممی...... آپ کا بیٹا کسی کا انکار برداشت نہیں کرتا...... میں نے اسے زبردستی نچایا تو وہ بپھر گئی۔"

"پھر کیا ہوا؟" سیٹھ محمودہ نے پوچھا۔

"اس نے مجھے برا بھلا کہا۔"

"اور اب تم اس سے شادی کرنا چاہتے ہو؟"

"میں اسے اپنے پنجرے میں بند کرنا چاہتا ہوں جہاں سے وہ کبھی نہ نکل سکے...... شادی کر کے میں اس کے ساتھ جو سلوک کروں گا وہ دیکھنے کے قابل ہو گا۔"

"جمشید۔ ہوش کی دوا کرو۔"

"کیا مطلب ممی؟"

"تمہیں اندازہ ہے کہ میں ان دنوں کس مشکل میں ہوں...... تم میرے لئے مزید مشکلات پیدا کرنا چاہتے ہو۔"

"کوئی مشکل نہیں ہے...... میں خود بھی سب کچھ کر سکتا ہوں...... آپ میرے کیس پر غور کریں۔" جمشید نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا...... سیٹھ محمودہ دروازے کو دیکھتی رہی پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

"حسن علی...... یہ انسان اولاد کے سامنے کس قدر مجبور ہوتا ہے۔"

"جی مرشد۔"

"اور یہ کمبخت اولاد...... یہ نت نئے مسائل کھڑے کرتی رہتی ہے...... ہر مشکل سے بے نیاز...... اب اسے دیکھو...... بے وقوف...... اسے کوئی احساس ہی نہیں ہے۔ ہاں...... تم...... ارے تم اب آئے ہو...... مجھے رپورٹ بھی نہیں دی...... کام ہو گیا؟"

"مرشد...... فون پر آپ سے مسلسل رابطہ کرتا رہا ہوں لیکن آپ موجود نہیں تھیں۔"

"کوئی ایک مصروفیت ہے میری...... ہزاروں غم ہیں اس جان ناتواں کے لئے۔"

"کام ہو گیا تھا مرشد لیکن۔"

"کیا...... کوئی لیکن بھی ہے...... شہابو کہاں ہے؟"
"اسے...... اغوا کر لیا گیا۔"
"تھانے سے؟"
"نہیں مرشد...... وہ۔"
"خدا تم سب کو نیست و نابود کر دے...... کمبخت مارو گولی ایک تو اچھی خبر سنا دو...... ارے صورت حرام آگے تو بول؟"
حسن علی نے سیٹھ محمودہ کو پوری تفصیل بتا دی اور وہ خاموشی سے سنتی رہی پھر بولی۔
"تو وہ زندہ نکل گیا...... کیا خیال ہے یہ انسپکٹر کی کوئی چال تو نہیں ہو سکتی؟"
"وہ آپ کا حلقہ بگوش ہے مرشد...... بہت اچھا انسان ہے...... بڑی لگن سے اس نے سارا کام کر دیا...... اس بے چارے کی کوئی چال نہیں تھی۔"
"میرا حلقہ بگوش...... ان حلقہ بگوشوں کو تو میں مانتی ہوں پھر کیا ہوا۔"
"آپ نہیں ملیں مرشد...... تو ہم نے اس دوران دوسرا کام کیا۔"
"کیا؟"
"گاڑی کا نمبر دیکھ لیا تھا...... رجسٹریشن آفس سے اس کے بارے میں پوری معلومات حاصل کر لی ہیں اور مرشد۔"
"ہاں بولو۔"
"وہ غلام سوری کی فیکٹری کی گاڑی ہے...... فیکٹری کے کاموں میں استعمال ہوتی ہے۔"
"غلام سوری...... اوہ سمجھی...... اوہ...... سمجھی مگر بچوں کی بات پر، تو یہ قصہ ہے۔" سیٹھ محمودہ نے کہا...... اس وقت ایک ملازمہ نے آکر کہا۔ "ایک آدمی آیا ہے کہتا ہے مرشد سے ملنا بہت ضروری ہے۔" سیٹھ محمودہ نے خونی نگاہوں سے ملازمہ کو دیکھا پھر بولی۔
"جو کچھ کہہ رہی ہے اس کے معنی خود تجھے معلوم ہیں؟"
"مرشد، مرشد۔"
"مرشد کی بچی بس اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ایک آدمی آیا ہے، کون ہے، کیا کہتا ہے، کیا حلیہ ہے، کیوں ملنا چاہتا ہے، کیا وہ اس قابل ہے کہ ہم سے ملاقات کرے۔"
"مرشد ایک پھٹیچر سی موٹر سائیکل پر آیا ہے اور اپنا نام اختر عادل بتاتا ہے...... ملازمہ

نے کانپتے ہوئے کہا لیکن اختر عادل کا نام سن کر سیٹھ محمودہ ایک دم چونک پڑی اور چند لمحات سوچنے کے بعد اس نے کہا۔
"بٹھا اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا...... میں آ رہی ہوں۔" ملازمہ الٹے قدموں باہر نکل گئی تھی، سیٹھ محمودہ چند لمحے سوچتی رہی اور اس کے بعد اپنی جگہ سے اٹھ گئی، پھر وہ خاموشی سے ڈرائنگ روم میں پہنچی تھی اور صوفے پر بیٹھا ہوا اختر عادل جلدی سے کھڑا ہو گیا تھا...... وہ سیٹھ محمودہ کے قریب پہنچا، بڑی عقیدت سے دونوں ہاتھ آگے بڑھائے اور سیٹھ محمودہ نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔
اختر عادل نے احترام سے وہ ہاتھ، ہاتھ میں لے کر اسے چوما پھر آنکھوں سے لگایا اور اس کے بعد اُلٹے قدموں پیچھے ہٹ گیا...... سیٹھ محمودہ ایک صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔
"اختر عادل ہے تمہارا نام...... دیکھو ہم نے کیسا یاد رکھا۔"
"مرشد بڑے دن گزر گئے ہیں اگر آپ جیسی شخصیت کو میرا نام یاد رہ جاتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ میرے اچھے دور کا آغاز ہو گیا ہے۔"
"کیسے آنا ہوا؟"
"مرشد ویسے تو جرات نہ ہوتی لیکن پہلی بات یہ کہ مرشد کا حکم، دوسری بات یہ کہ صورت حال ایسی، مرشد کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری تھا۔"
"کہو...... جو کچھ کہنا ہے جلدی کہو، کیا بتائیں ان کم بخت ماروں کو...... ہمارے تو دن رات مصروف کر دیئے ہیں انہوں نے، کسی کام کا نہ چھوڑا...... کوئی اپنی کوئی مشکل لے کر آجاتا ہے کوئی سفارش کرانے آجاتا ہے، سمجھ میں نہیں آتا کیسے اس مشکل سے جان چھڑائیں اچھا خیر چھوڑو تم بتاؤ، خیریت ہے، کیا بات ہے؟"
"مرشد نے حکم دیا تھا کہ اگر اس بار کوئی خبر مجھ تک پہنچے اور خاص طور سے اس سرخ کارڈ کے ذریعے تو مرشد کو فوراً اطلاع دوں۔"
"تو کیا پھر کوئی خبر آئی ہے تمہارے پاس؟"
"مرشد خبر تو آپ سے متعلق نہیں ہے لیکن آئی اسی سرخ کارڈ کے حوالے سے۔"
"خبر کیا ہے...... تفصیل بتاؤ۔" سیٹھ محمودہ نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا اور اختر عادل نے سب سے پہلے سرخ کارڈ نکال کر سیٹھ محمودہ کے سامنے رکھ دیا۔

"یہ وہ نشان ہے مرشد جس کے بارے میں، میں نے آپ سے عرض کیا تھا۔"

"ہوں۔" سیٹھ محمودہ نے کارڈ ہاتھ میں لے کر غور سے دیکھتے ہوئے کہا پھر بولی۔

"ہمیں اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے، بہر حال چھوڑو ان باتوں کو...... کیا قصہ ہے آگے بتاؤ؟"

"یہ وہ رپورٹ ہے مرشد اور یہ دس ہزار روپے جو اس رپورٹ کے ساتھ مجھے موصول ہوئے ہیں۔" اختر عادل نے دونوں چیزیں سیٹھ محمودہ کے سامنے رکھ دیں اور اس نے پیسوں پر نظر ڈالے بغیر وہ ٹائپ شدہ رپورٹ اٹھا کر پڑھنا شروع کر دی اور پھر اس کے چہرے پر شدید ہیجان کے آثار نظر آنے لگے...... عمارت کی تصویر دیکھ کر تو وہ پسینہ پسینہ ہو گئی تھی، اس کے بعد اس نے بار بار اس رپورٹ کو پڑھا کافی دیر تک گم صم بیٹھی رہی، اختر عادل خاموشی سے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہا تھا، پھر اس نے کہا۔

"مرشد یہ اس آدمی کی تصویر ہے، آپ کے حکم کے مطابق میں نے نظر بچا کر اتار لی تھی، ذرا واضح نہیں ہے لیکن پھر بھی چہرے کے نقوش سے اندازہ ہو جاتا ہے۔"

سیٹھ محمودہ نے وہ تصویر بھی جلدی سے ہاتھ میں لے لی تھی اور اس کے بعد ان تمام چیزوں کو باری باری بغور دیکھتی رہی تھی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"صحافی اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تم نے بڑی خوش اسلوبی سے اپنا فرض پورا کیا ہے، ہم خوش ہوئے ہیں تم سے...... سنو، تھوڑا سا وقت گزر جانے دو ہم اس اخبار کی سرپرستی کریں گے، تمہیں ہر وہ چیز دیں گے جس کی تمہیں ضرورت ہو گی...... تمہارا اپنا پریس لگا دیں گے اور پورا پورا پریس سٹاف دیں گے تمہیں، بے فکر رہو، تم اب ہماری تحویل میں آ گئے ہو، بہت اچھا کیا تم نے کہ یہ چیزیں لے کر ہمارے پاس آ گئے۔"

"مرشد یہ آپ کے کام کی ہیں۔"

"کم از کم کچھ اندازے تو ہوتے ہیں...... خیر چلو چھوڑو، ہاں اب یہ بتاؤ آگے کیا کرو گے؟"

"مرشد کے حکم کی تعمیل۔"

"کیا مطلب؟"

"مرشد حکم دیں کہ اب اس سلسلے میں کیا کروں؟"

"یہ تفصیلی رپورٹ چھاپنی نہیں ہے۔"

"نہیں چھپے گی مرشد۔"

"اور اگر تم سے اس بارے میں پوچھا گیا تو؟"

"میرے بارے میں؟"

"نہیں میرا مطلب ہے یہ سوال تو کیا جائے گا تم سے کہ جب تم نے دس ہزار روپے قبول کر لئے تو یہ تصویر اور خبر کیوں نہیں چھاپی۔"

"مرشد بڑی آسان سی ترکیب ہے۔"

"وہ کیا بھئی، ہمیں بتاؤ؟"

"بیمار پڑ جاتا ہوں چند روز کے لئے...... ایک ہفتہ گزار دیتا ہوں نہ اخبار نکالوں گا نہ گھر جاؤں گا، نہ دفتر جاؤں گا اور اس کے بعد اگر معلومات حاصل کی گئیں تو یہ دس ہزار روپے واپس دے کر کہوں گا کہ تصویر اور رپورٹ بیماری کے دوران غائب ہو گئیں۔"

"وہ دوبارہ تمہیں وہ دونوں چیزیں فراہم کریں گے۔"

"تو پھر مرشد جو بھی حکم دیں۔"

"چھاپو گے نہیں کسی قیمت پر یہ...... سمجھ رہے ہو نا؟"

"جی مرشد نہیں چھپے گی، آپ بے فکر رہیں، زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ انہیں دس ہزار روپے واپس کرنا پڑیں گے۔"

"اس کی تو تم فکر ہی مت کرو، یہ بیس ہزار روپے سنبھالو...... تمہارے ان چند روز کا خرچہ، پیسے تمہیں یہیں سے ملتے رہیں گے لیکن میں یہ نہیں چاہتی کہ اس سلسلے میں وہ لوگ تم پر کوئی تشدد کریں۔" سیٹھ محمودہ نے کہا۔

"نہیں مرشد، میں ان سے کہہ دوں گا کہ وہ یہ خبر کسی اور اخبار میں چھپوا لیں...... میں نہیں چھاپ سکتا، کیوں کہ میرے اخبار کی ایک پالیسی ہے ایسی بے تکی خبریں اور آسیب وغیرہ کی تفصیل میرے اخبار میں نہیں چھپتی۔"

"ہوں یہ بھی لمحہ فکریہ ہے۔"

"کیا مرشد؟"

"یہ کہ وہ کسی اور اخبار سے رجوع کر لیں؟"

"آپ چاہتی ہیں کہ یہ رپورٹ اور تفصیل بالکل نہ چھپے؟"

"ہاں۔"

"تو پھر مرشد اس تصویر کے بارے میں تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ تنہا ہی ہے آپ اسے رکھ لیجئے گا۔"

"کیا بچوں کی سی باتیں کرتے ہو، یہ تصویر وہ ایک بار مہیا کر چکے ہیں کیا دوسری بار نہیں دے سکتے۔"

"یہ بھی ہے۔"

"خیر تم نے مجھے بروقت یہ بتادیا کہ وہ لوگ ایسا کوئی کام کر رہے ہیں یہی کافی ہے باقی میں دیکھوں گی کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہوں۔"

"مرشد آپ مجھے اپنے خادموں میں تصور کیجئے حکم دیتی رہا کریں مجھے کہ کیا کرنا ہے۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں، ٹیلی فون تو ہے نا تمہارے پاس؟"

"جی مرشد...... بہت دن سے بند پڑا ہوا تھا...... آپ کی نظر عنایت ہوئی تو ٹھیک ہو گیا۔"

"وقتی طور پر یہ تکلیف اٹھالو، اس کے بعد ہم تمہارے معاملات خود دیکھیں گے، ہمیں خود بھی ایک ایسے اخبار کی ضرورت ہے جو ہمارے لئے کام کرے۔"

"مجھ سے بھلا بہتر اور کون ہو گا آپ کے لئے۔"

"تو پھر ایک بات سنو۔"

"جی مرشد۔"

"زیادہ تر رابطہ ٹیلی فون پر رکھا کرو، ہمیں بار بار پریشان نہ کیا کرو، میرا مطلب سمجھ رہے ہونا؟ آنے والے وقت میں چونکہ ہمیں ایک ساتھ چلنا ہے اس لئے میں چاہتی ہوں کہ ابھی میرا تم سے براہ راست کوئی تعلق ظاہر نہ ہو...... بعد میں بھی میں تمہاری سرپرستی بے شک کروں گی لیکن اس طرح نہیں کہ لوگ یہ سمجھ جائیں کہ تم میری آواز ہو۔"

"مرشد میں تو آپ کے جوتوں کی خاک ہوں۔"

"اور پیسوں کی جب بھی ضرورت ہو ٹیلی فون کر کے مانگ لینا...... ہم انتظام کر دیں گے۔"

"مرشد۔" اختر عادل نے ہاتھ جوڑے اور کھڑا ہو گیا۔

"یہ تینوں چیزیں ہمارے پاس چھوڑ جاؤ، تمہیں ان کی ضرورت تو نہیں ہے؟"

"ضرورت اگر ہوتی تو مرشد کے لئے ہوتی، میرا اپنا کیا ہے، اجازت چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے بہت بہت شکریہ اس اطلاع کا...... تم نے ہمیں بروقت ہوشیار کر دیا ہے۔"

"جی مرشد......" اور اس کے بعد اختر عادل سلام کر کے باہر نکل گیا اور سیٹھ محمودہ گہری سوچوں میں ڈوب گئی۔

❁

ساحل سمندر پر ایک خوش نما کوٹھی کے وسیع و عریض لان میں ایک شخص بیٹھا ہوا کسی کا انتظار کر رہا تھا...... عالی شان کوٹھی میں بہت سے ملازم موجود تھے، جو دبے قدموں ادھر سے ادھر جا رہے تھے...... گیٹ پر دو مسلح چوکیدار مستعد تھے...... کوٹھی کے ایک گوشے سے کتوں کی خرخراہٹ سنائی دے رہی تھی...... ماحول بڑا پراسرار اور پروقار تھا...... کچھ دیر کے بعد ایک خوب صورت کار کوٹھی کے دروازے پر آکر رکی اور چوکیداروں نے فوراً ہی دروازہ کھول دیا...... ڈرائیور کار کو اندر لیتا چلا گیا...... کار کی پچھلی نشست پر سیٹھ محمودہ بیٹھی ہوئی تھی...... کار پورچ میں جاکر رکی تو اندر موجود ایک ملازم نے دروازہ کھول دیا اور پرادب لہجے میں بولا۔

"صاحب ادھر لان پر آپ کے منتظر ہیں۔"

سیٹھ محمودہ نے لان کی جانب دیکھا تو کرسی پر بیٹھے ہوئے آدمی نے ہاتھ اٹھا کر ہلایا اور سیٹھ محمودہ اس جانب چل پڑی...... اس کے شانے پر ایک بڑا سا بیگ لٹکا ہوا تھا اور وہ آہستہ قدموں سے لان کی جانب بڑھ رہی تھی...... قریب پہنچی تو وہ شخص کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

"اگر ملازمین نہ دیکھ رہے ہوتے تو تمہیں سلیوٹ مارتا۔" اس شخص نے کہا اور سیٹھ محمودہ نے شکایت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا...... پھر ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"جب تم ایسی باتیں کرتے ہو تو جی اور جل اٹھتا ہے۔"

"کمال کرتی ہو ہماری رانی...... یعنی ہم تو تمہارے اس جی کو خوش کرنے کے لئے دنیا کی نعمت تمہارے قدموں میں ڈال دینا چاہتے ہیں اور تم ہو کہ ہمیشہ افسردہ ہی نظر آتی ہو۔"

"تم لوگ کیا کہوں میں تمہیں منہ سے کوئی بری بات بھی نہیں نکل سکتی تمہارے لئے۔"

"چلو خیر چھوڑو پہلے یہ بتاؤ ٹھنڈا پینا ہے یا کچھ گرم؟"

"ٹھنڈا ہی پلاؤ، تاکہ جلے ہوئے سینے کو کچھ سکون ملے۔" اس شخص نے سامنے رکھے چوکور سے بکس کا بٹن آن کیا اور بولا۔

"نہایت ہی عمدہ قسم کا کاک ٹیل جوس لے آؤ۔" اور پھر اس نے بٹن بند کر دیا..... پھر مسکراتی نظروں سے سیٹھ محمودہ کو دیکھتے ہوا بولا۔

"جوانی ہے کہ نکھرتی ہی چلی آرہی ہے۔ بھئی کیا صریتہ ہے، کچھ ہمیں بھی بتادو، کچھ عرصے اور جوان رہ لیں گے تمہارے رات میں۔"

"بھئی دیکھو ایسی باتیں نہ کرو، پہلے بیمار سے اس کا حال پوچھتے ہیں..... پھر اپنی پر اترتے ہیں۔" سیٹھ محمودہ نے کہا۔

"کون بد بخت بیمار ہے..... تم اور بیمار..... تم جس دن بیمار ہوئیں ہم خودکشی کر لیں گے۔"

"بکے جاؤ گے بکے جاؤ گے..... منہ سے اچھا فال بھی نکالا کرو، خودکشی کریں تمہارے دشمن..... تم خودکشی کر لو گے تو کیا میرا جینا ضروری ہوگا!"

"ارے نہیں..... وہ جو کہتے ہیں نا تم سلامت رہو ہزار برس۔"

"رہ لئے سلامت، تم لوگ رہنے دو تب نا۔"

"کوئی غلطی ہو گئی ہم سے۔"

"غلطی ہو گئی، اب کیا کہوں اور کس زبان سے کہوں، تم ہی لوگوں کی خدمت گزاری میں لگی رہتی ہوں، ہمیشہ یہی سوچتی رہتی ہوں کہ کہیں تم لوگوں پر کوئی آنچ نہ آئے..... تمہاری عزت، تمہارا وقار قائم رہے لیکن کبھی کبھی میرے بارے میں بھی سوچ لیا کرو۔"

"بھئی محمودہ اب تم ذلیل کرنے پر تل گئی ہو، کچھ بولو تو سہی، کیا مشکل درپیش ہے؟"

"ایک ہو تو کہوں..... لگتا ہے دشمنوں نے محاذ بنا لیا ہے میرے خلاف اور اب ہر شخص مجھے فنا کرنے پر تل گیا ہے، دیکھو مجھے مر جانے پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور تم سب مل کر مجھے، لیکن ایسے نہ مارو کہ موت کے بعد بھی اپنی نظروں میں ذلیل رہوں۔"

"محمودہ اب میں سنجیدہ ہو گیا ہوں..... مجھے بتاؤ کیا قصہ ہے؟"

"قصہ کیا ہے بس تھوڑے دن پہلے کی بات ہے، ایک صحافی کی سرگرمیوں کے بارے میں سنا تھا، کچھ لوگوں کے بارے میں رپورٹیں حاصل کرتا پھر رہا تھا اور لازمی بات ہے کہ بلیک میل کرنا چاہتا تھا..... بھئی کسی کو کچھ چاہئے تو سیدھی سیدھی بات کرے لیکن وہ کچھ

قوم پرست بننے کی کوشش کر رہا تھا..... مجھے پتا چل گیا..... ایک آدمی سے کہا میں نے اپنے کہ اٹھا کر کم بخت کو تھوڑی سی مار لگا دی جائے اور زبان بند کر دی جائے اس کی..... اٹھا لیا اس نے اور ایک جگہ لے جا کر بند کر دیا..... تھوڑی بہت مار پیٹ بھی کی..... پھر پولیس نے اسے برآمد بھی کر لیا اور پولیس سے کسی اور نے اسے حاصل کر لیا۔"

"پولیس سے حاصل کر لیا؟"

"ہاں۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"وہیں سے تو کھیل خراب ہوا اور مجھے یہ اندازہ ہوا کہ بات کسی ایسے ویسے کی نہیں ہے بلکہ کوئی میرے خلاف کام کر رہا ہے..... وہ صحافی کو لے گئے..... صحافی کے پاس کچھ ایسا مواد بھی تھا جس سے کچھ لوگوں کو نقصان پہنچ سکتا تھا..... وہ میں نہیں تھی، براہ راست دوسرے ہی تھے..... وہ جن کے لئے میں مرتی ہوں، بہرحال ان لوگوں نے اپنا کام کیا اب مجھے ذرا تشویش ہوئی..... خیر میں نے اس آدمی کو پولیس سے چھڑا لیا، لیکن کوئی اسے پھر اٹھا لے گیا۔"

"کیسے؟"

"شہابو کی بات کر رہی ہوں اپنے اس آدمی کی جس کے ذریعے میں نے صحافی کو اغوا کرایا تھا۔"

"اور صحافی؟"

"وہ تو ملا ہی نہیں کم بخت، مگر مجھے پتا ہے کہ وہ کہاں ہے؟"

"اچھا اچھا خوب، یہ اچھی بات ہے کہ تمہیں پتا ہے کہ وہ کہاں ہے۔"

"تو اور کیا، میں بھی آنکھیں کھلی نہ رکھوں تو پھر کیا کروں..... وہ جو کہتے ہیں نا کہ جس تن لاگے سو تن جانے۔"

"کئے جاؤ کئے جاؤ مجھے ذلیل، بھئی مجھے کیا معلوم تھا ان ساری باتوں کے بارے میں..... تمہیں فوراً مجھ سے رجوع کرنا چاہئے تھا۔"

"پے در پے پریشانیوں کا شکار رہی میں، تم جانتے ہو ان لوگوں کو جن کے لئے میں کام کرتی ہوں اور جو اپنی اپنی مشکل لے کر میرے پاس چلے آتے ہیں لیکن میری کسی مشکل میں میرا ساتھ کبھی نہیں دیتے..... بہرحال میں تو انہیں نہیں چھوڑ سکتی وہ جو کہتے ہیں نا۔

سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

تو جگر کے درد کو لئے اپنے طور پر کام کرتی رہی اور آخر کار پتا چل گیا کہ

کون معشوق ہے اس پردہ زنگاری میں

"واہ کیا بات ہے، تو یہ معشوق کون ہے؟"

"نام نہیں لوں گی ابھی، لیکن اتنا ضرور کہوں گی کہ وہ جو بھی ہے برا کر رہا ہے...... اختلاف اپنی جگہ ہوتے ہیں...... بھئی میں کہتی ہوں میری گردن کاٹ دو، اف کر جاؤں تو محمودہ نام نہیں ہے لیکن وہ تو نہ کرو جس سے راتوں کی نیندیں حرام ہو جائیں، تو یہ تصویر دیکھو یہ رپورٹ پڑھو۔" محمودہ نے اپنے بیگ سے اختر عادل کی فراہم کی ہوئی رپورٹ نکال کر اس کے سامنے رکھ دی۔

"یہ کیا ہے؟"

"اس عمارت میں سامان ہے میرے ایک خاص آدمی کا اور خدا جھوٹ نہ بلائے تو کروڑوں روپے کا سامان ہے، وہ لوگ اس طرح پولیس کو اس جانب متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔"

"اچھا اچھا، ارے واہ بھئی بڑے چالاک لوگ ہیں کون ہیں آخر...... گویا اس طرح انہوں نے اس عمارت کو آسیب زدہ ظاہر کر کے اور درپردہ کچھ شبہات کا اظہار کر کے پولیس کو اس جانب متوجہ کرنے کی کوشش کی ہے۔"

"تو اور کیا۔"

"ہوں...... ہماری محمودہ کو کوئی اس طرح پریشان کرے، برداشت کیسے کریں گے ہم۔"

"اب مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟"

"یہ بتاؤ تمہیں کس پر شبہ ہے؟"

"شبہ نہیں اب تو یقین ہو گیا ہے...... یہ آدمی جس کی میں نے تمہیں تصویر دکھائی غلام سوری کا آدمی ہے اور غلام سوری اس وقت میرے خلاف برسرپیکار ہے۔"

"اوہ مائی گاڈ۔" اس شخص نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"کیوں کھسک گئی ہوا۔" سیٹھ محمودہ نے طنزیہ انداز میں کہا اور وہ شخص پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا، پھر بولا۔

"غلام سوری، میرا بھی دوست ہے۔"

"تو پھر میں چلتی ہوں۔" سیٹھ محمودہ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ارے ارے، کیا بے وقوفی ہے، بیٹھو...... کیا نخرے ہیں...... خیر نخرے بھی اپنوں سے کئے جاتے ہیں...... بیٹھو محمودہ ایسے نہیں بگڑتے۔"

"میرا دشمن تمہارا دوست ہے پھر میں کیا کروں یہاں بیٹھ کر۔"

"وہ میرا دوست ہے اور تم۔"

"ہم کیا ہماری اوقات کیا۔"

"تم ہماری زندگی ہو۔"

"بس جی نہ جلاؤ۔"

"سنجیدگی سے بات کرو محمودہ! خطرناک آدمی ہے، اس سے دشمنی بہت خطرناک ہے۔"

"اس طرح بے سہارا ہوا انسان تو واقعی مشکل ہے۔"

"ارے ہم مر گئے ہیں کیا، ویسے تمہارے پاس بھی تو بہت سے کام کے آدمی ہیں۔"

"اگر ہوتے تو بات ہی کیا تھی...... ایک سے ایک نکما، ایک سے ایک ناکارہ، حرام خور۔"

"محمودہ ایک کام کرو...... واہ کیا عمدہ بات ذہن میں آئی ہے...... میں تمہیں دو جادوگر دیئے دیتا ہوں...... سچ مچ کے جادوگر...... جو ہر کام کر سکتے ہیں۔"

"پھر مذاق۔"

"تمہاری قسم مذاق نہیں...... ایسے اعلیٰ درجے کے لوگ ہیں کہ تم دنگ رہ جاؤ گی...... انسائیکلوپیڈیا ہیں وہ ہر بڑے آدمی کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں...... وہ تمہیں...... بھئی واہ، کیا آئیڈیا ذہن میں آیا ہے۔"

"وہ کیا کریں گے؟"

"وہ سب کچھ جو تم چاہتی ہو...... ایک منٹ رکو۔" اور پھر اس نے موبائل فون اٹھایا اور ایک نمبر ڈائل کر کے کان سے لگا لیا۔

پھر آواز آنے پر بولا۔ "کیو بالیف؟"

"الیف...... دوسری طرف سے آواز آئی۔

"کیو...... کہاں ہے؟"

"موجود ہے۔"

"میری آواز پہچان لی؟"

"جی سر!"

"سمندر والی کوٹھی پر ہوں..... آجاؤ، انتظار کر رہا ہوں۔" اس نے فون بند کیا اور مسکرانے لگا۔

"آخر کون ہیں یہ۔" سیٹھ محمودہ نے کہا۔

"بہت بڑے آدمی..... اصل میں تمہارا طریقہ کار کچھ اور رہا ہے محمودہ..... ہمیشہ اپنے گرد بڑے آدمی رکھو..... چھوٹے لوگوں کی ذہنی سطح بھی کم ہوتی ہے..... اب باقی باتیں ان کے آنے کے بعد ہوں گی۔"

آنے والے دو آدمی تھے..... نہایت سلیقے کا لباس پہنے..... چہروں سے مہذب اور پڑھے لکھے نظر آتے تھے..... قریب آکر دونوں نے سلام کیا اور محمودہ کے سرپرست نے کہا۔

"ان لوگوں کا نام جاننا ضروری نہیں ہے کیوں کہ یہ خود اپنے نام بھول چکے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"تم ان میں سے ایک کو ایف، دوسرے کو کیو، کہہ سکتی ہو۔"

"یہ کیا مسخرہ پن ہے۔" سیٹھ محمودہ نے کہا۔

"جو بھی ہے بہر حال ہے..... میں انہیں جادوگر کہہ سکتا ہوں اور یہ خود کو جادوگر ثابت کریں گے۔"

"بھروسے کے لوگ ہیں۔"

"نہ ہوتے تو میں یہاں بلاتا..... تم لوگ بیٹھ جاؤ..... اس وقت محمودہ ایاز کا معاملہ نہیں ہے..... سب ایک ہوگئے ہیں۔" سرپرست نے کہا اور وہ دونوں شکریہ ادا کر کے بیٹھ گئے..... تب سرپرست بولا۔ "انہیں یقین نہیں ہے کہ تم جادوگر ہو..... چلو کچھ شعبدے انہیں دکھاؤ، یہ کون ہیں؟"

"سیٹھ محمودہ۔"

"کیا شجرہ ہے ان کا۔"

"وسیم آباد کے ایک سکول ماسٹر کی بیٹی ہیں..... نوجوانی سے شوقین مزاج تھیں، کئی عشق کئے، شریف النفس سکول ماسٹر نے ایک سادہ سے نوجوان سے شادی کر دی..... انہوں

نے چھ سال سکون سے گزارے، دو بچوں کی ماں بن گئیں، پھر وہ شخص یعنی ان کا شوہر قتل ہوگیا اور یہ بیوہ ہوگئیں..... پھر کچھ عرصے کے بعد انہوں نے ایک زمیندار سے شادی کر لی جو پہلے سے شادی شدہ تھا..... اس کی پہلی بیوی دولت مند گھرانے سے تعلق رکھتی تھی لیکن وہ بھی سانپ کے کاٹے سے ہلاک ہوگئی..... اس کی دولت بھی زمیندار کے قبضے میں آگئی..... اس کے بعد زمیندار بھی فوت ہوگیا اور ان کا دل وسیم آباد سے اکتا گیا..... یہ اس شہر میں آگئیں اور انہوں نے ایک دارالامان کھول لیا..... اس دارالامان نے انہیں شہر کی ہر دلعزیز خاتون بنا دیا..... اس کے بعد دارالامان انہوں نے ختم کر دیا اور نیکیوں کی راہ پر چل پڑیں..... اس دن کے بعد سے آج تک نیکیاں کر رہی ہیں۔"

سیٹھ محمودہ کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا..... خود سرپرست شدید حیران نظر آرہا تھا..... بہت دیر کے بعد اس نے کہا۔ "کیا واقعی یہ سچ ہے۔"

"جھوٹ بول رہے ہیں مٹے مارے۔" سیٹھ محمودہ بوکھلا کر بولی۔

"خیر چھوڑیئے، ہم یار کی یاری کے قائل ہیں..... اس کے ماضی سے ہمیں کیا..... ایف اور کیو، کچھ دن تمہیں ہماری محمودہ کے لئے کام کرنا ہوگا..... یہ تمہیں اپنی مشکل بتائیں گی اور تم ان مشکلات کا حل تلاش کرو گے۔"

"یس سر۔"

"کیوں محمودہ اطمینان ہوا؟"

"اللہ جانے۔" محمودہ گہری سانس لے کر بولی۔

"تم لوگ ہماری دوست کو مطمئن کرو گے۔"

"آپ اطمینان رکھیں سر۔"

"اور کچھ محمودہ؟"

"نہیں بس ٹھیک ہے۔"

"اتنی بددلی سے نہ کہو، یہ بڑے کام کے لوگ ہیں، تم ان کی حیثیت نہیں جانتیں مگر وقت تمہیں سمجھا دے گا۔"

"تو اب میں کیا کروں؟"

"انہیں ساتھ لے جاؤ..... اپنی کوٹھی میں جگہ دو، پھر ان کی کار کردگی دیکھو۔"

"تو اب میں جاؤں؟"

"یہ سوال ہم سے کر رہی ہو، ہم اس زندگی میں تمہیں جانے کی اجازت دیں گے...... ساری زندگی یونہی ہمارے سامنے بیٹھ کر گزار دو۔"

"شرم کرو، بوڑھے منہ مہاسے...... بچوں کے سامنے ایسی باتیں کر رہے ہو۔"

"بچوں کے کان، آنکھیں، زبان اور ہاتھ ہمارے ہیں، مکمل ہماری ملکیت، اس لئے فکر نہ کرو۔"

"اب میں چلتی ہوں۔"

"خدا حافظ۔" سرپرست نے کہا۔

✻

غلام سوری گٹھے ہوئے بدن، بھاری جبڑوں اور تنگ پیشانی والا آدمی تھا...... بہت سے جرائم کر چکا تھا...... اس وقت شہر کے بہت بڑے بزنس مینوں میں شمار ہوتا تھا...... بہت عالی شان کوٹھی میں رہتا تھا...... اس وقت بھی وہ اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا تھا...... سامنے کئی موبائل فون رکھے ہوئے تھے...... ایک ڈیجیٹل ڈائری سامنے موجود تھی...... پھر اس نے فون اٹھایا ہی تھا کہ ایک خوب صورت لڑکی اندر داخل ہوئی اور غلام سوری نے فون رکھ دیا۔

لڑکی اس کے پاس پہنچ گئی...... اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"کیا آپ اپنا تعارف کرا سکتے ہیں سر؟" لڑکی کے لہجے پر غلام سوری مسکرا دیا۔

"تمہاری والدہ ہمیں تمہارا باپ کہتی تھیں بیٹے۔"

"ان کی موت کے بعد ہمارا رشتہ ختم ہو گیا کیا؟"

"ایسا ہوتا تو نہیں ہے۔"

"ہو گیا ہے۔" لڑکی غرائی۔

"کمال ہے، ہمیں نہیں معلوم تھا۔"

"آپ نے خود کیا ہے۔"

"ارے ہماری مجال ہے کہ ہم ایسا کریں۔"

"کتنے دن کے بعد ملے ہیں آپ مجھے۔"

"وہ...... ہاں بیٹے، کاروباری آدمی ایسا ہی بیگانہ ہو جاتا ہے اپنوں سے۔"

"ٹھیک ہے...... آپ اپنا کاروبار کریں...... ہم بھی اپنا کوئی ٹھکانا کر لیں گے۔"

"ارے نہیں بیٹا...... یہ کاروبار ہم کس کے لئے کر رہے ہیں...... ہم تو تمہارے ماں باپ کی پوسٹ پر نوکری کر رہے ہیں۔"

"لفاظی، چرب زبانی اور کچھ نہیں۔"

"کیوں بیٹے۔"

"ہمارے لئے نوکری کر رہے ہیں آپ۔"

"سو فیصد۔"

"تاکہ ہم عیش کریں۔"

"بالکل۔"

"تب آپ یہ نوکری چھوڑ دیں۔"

"کیا مطلب؟"

"ہماری خوشی کے لئے آپ یہ بزنس ختم کر دیں...... ہمارے لئے ایک چھوٹا سا مکان بنا دیں...... ہمارے ساتھ رہیں اور بس...... ہم اس میں خوش رہیں گے۔"

"ویری گڈ، اچھا آئیڈیا ہے...... اس پر ورک کریں گے...... مگر بات کیا ہے؟"

"دو کوڑی کے ہیں ہم لوگ۔"

"نہیں بیٹا...... ہم ارب پتی ہیں۔"

"بیکار ہے یہ سب۔"

"کوئی بات ہوئی ہے، یا یہ صرف روایتی غصہ ہے۔"

"کیا اب مجھے آپ کے دوستوں کی دل جوئی کرنی پڑے گی...... لڑکی نے کہا اور غلام سوری اُچھل پڑا۔"

"نوشین؟"

"جی ڈیڈی۔"

"اپنے الفاظ کو سمجھ کر بول رہی ہوں۔"

"جی بالکل۔"

"جمشید کو جانتے ہیں آپ۔"

"جمشید...... سنا ہوا نام ہے، یاد نہیں آ رہا۔"

"سیٹھ محمودہ کا بیٹا۔"

"ٹھیک ہے جانتا ہوں، یاد آ گیا۔"

"کتنے بڑے لوگ ہیں وہ؟"

"کیا بات ہے بات بتاؤ۔" غلام سوری کی آواز کرخت ہو گئی۔

"اس نے بد تمیزی کی ہے میرے ساتھ...... مجھے ڈانس کی پیشکش کی تھی، میں نے اسے مسترد کر دیا تو اس نے زبردستی مجھے دبوچ کر چکر دیئے...... دھمکیاں دیں۔"

"اوہ......" غلام سوری کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

"اس کا خیال ہے کہ وہ ہم جیسے بے شمار لوگوں کو خرید سکتا ہے۔" نوشین نے کہا۔

"کیا چاہتی ہو؟"

"سزا...... بدترین سزا۔"

"موت؟"

"نہیں، موت نہیں...... ایسی سزا جسے سب انجوائے کریں اور اسے اپنی اوقات معلوم ہو جائے۔"

"ٹھیک ہے، اگر وہ اتنے ہی لوگوں کے سامنے تم سے معافی مانگے جتنے اس وقت موجود تھے، تمہارے جوتے چاٹے...... تمہارے قدموں میں گر پڑے تو۔"

"تو شاید میں اسے معاف کر دوں۔"

"تم یوں کرو...... ان لوگوں کی فہرست بنالو، ایک پارٹی ارینج کرو، ان سب کو انوائٹ کرو ہم یہ فنکشن کریں گے۔"

"وعدہ ڈیڈی؟"

"یہ تمہارا نہیں میرا کیس ہے، اب تم جاؤ۔" غلام سوری نے کہا۔

"او کے، ڈیڈی...... یہ سب ضروری ہے۔"

"جاؤ۔" غلام سوری نے کہا اور نوشین باہر نکل گئی...... اس کے جانے کے بعد غلام سوری دیر تک بیٹھا غصے سے کھولتا رہا...... پھر اس نے موبائل اٹھا کر سیٹھ محمودہ کے نمبر ڈائل کئے اور انتظار کرنے لگا...... دوسری طرف سے فون ریسیو کیا گیا تو اس نے کہا۔

"سیٹھ محمودہ سے بات کراؤ۔"

"کون صاحب؟"

"غلام سوری۔"

"جی بہتر......" پھر چند لمحوں کے بعد سیٹھ محمودہ کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو، شیر شاہ۔"

"محمودہ...... تم سے اہم بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور کرو۔"

"جمشید تمہارا بیٹا ہے نا؟"

"تمہارا بھی ہے۔" سیٹھ محمودہ نے کہا۔

"خدا نہ کرے میرا خون اس قدر گندہ ہو، ویسے تمہاری ایک بیٹی بھی ہے اور شاید جوان بھی ہے۔"

"سوری، نشے میں ہو۔" محمودہ کی آواز ناگن کی پھنکار سے مشابہ تھی۔

"شیشے کے گھر میں پتھر مارا ہے تمہارے بیٹے نے...... میری بیٹی سے بدتمیزی کی ہے۔"

"ہاں، مجھے علم ہوا ہے، لیکن شاید وہ بدتمیزی نہیں تھی...... کچھ ڈانس وغیرہ کا معاملہ تھا...... اس نے مجھے بتایا تھا اور ایک فرمائش بھی کی تھی مجھ سے، میں تم سے بات کرنا چاہتی تھی مگر تم نے ابتدا کچھ غلط کر دی ہے۔"

"مطلب۔"

"جمشید نوشین کو پسند کرتا ہے...... اس سے شادی کرنا چاہتا ہے...... میں نے سوچا کیا حرج ہے، تم سے یہی بات کرنی تھی مجھے۔"

"گڈ، محمودہ...... دو بچے ہیں تمہارے۔" سوری کے لہجے میں زہر بھرا ہوا تھا۔

"بہت ہی پیارے...... میں نے ان کی ہر خوشی پوری کی ہے۔" محمودہ نے کہا۔

"ان کے باپ کا کیا نام ہے؟"

دوسری طرف کچھ دیر کے لئے خاموشی چھا گئی...... پھر محمودہ نے کہا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو تم؟"

"وہ بتانا چاہتا ہوں تمہیں جو شاید تم بھول گئی ہو...... یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ان بچوں کا

کوئی باپ نہیں ہے...... وہ گناہ زندے ہیں اور تم...... تم ایک سپر مارکیٹ کی سیلف سروس سٹور...... جس میں متعدد اشیاء سجی ہیں...... ہر شخص اپنی پسند کی چیز خود اٹھالیتا ہے...... کیا تم خود کو ایک ایسی شریف عورت کہنا چاہتی ہو جو کسی بہتر خاندان سے رشتہ کر سکے...... اپنے بارے میں کبھی غور نہیں کیا محمودہ۔"

"کچھ زیادہ گالیاں نہیں دے دیں سوری۔" محمودہ کا لہجہ اچانک بدل گیا۔

"اس میں ایک بھی گالی نہیں تھی...... یہ تو میں نے تمہیں تمہاری اوقات بتائی ہے...... گالیاں تو اس کے بعد شروع ہوتی ہیں...... سنو جو کچھ تمہارے بیٹے نے کیا ہے اسے اس کا ازالہ کرنا ہوگا۔"

"کیسے؟"

"اس بارے میں تمہیں بتادوں گا۔"

"دل کی بھڑاس نکل گئی۔" محمودہ نے کہا۔

"ابھی کہاں...... اب تو کھیل شروع ہوا ہے...... آگے کا انتظار کرو۔" غلام سوری نے فون بند کر دیا۔

❁

سیٹھ محمودہ خود ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔ ایف اور کیو دونوں پچھلی نشست پر تھے...... سیٹھ محمودہ کے چہرے پر بڑی سنگین خاموشی طاری تھی۔ اس کا ذہن خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ کار کوٹھی میں داخل ہوگئی۔ پورچ میں اترنے کے بعد اس نے ان دونوں سے کہا۔

"آؤ" اور وہ دونوں سیٹھ محمودہ کے ساتھ چلتے ہوئے اندر داخل ہوگئے۔ محمودہ کہیں بھی نہیں رکی تھی بلکہ سیدھی مختلف راستوں سے گزرتی ہوئی اس بڑے کمرے میں پہنچی تھی، جہاں اس نے اپنا عقوبت خانہ بنایا ہوا تھا...... دونوں شاطر آدمی خاموشی سے اس کے ساتھ چلتے ہوئے وہاں تک آگئے تھے۔

"بیٹھو۔" سیٹھ محمودہ نے انہیں دو نشستوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا جو الگ الگ پڑی ہوئی تھیں اور خود ان سے کچھ فاصلے پر ایک صوفے پر بیٹھ گئی، چند لمحات خاموشی طاری رہی پھر اس نے کہا۔

"بڑے صاحب نے مجھے تم لوگوں کے نام ایف اور کیو بتائے ہیں۔ میں نہیں جانتی ان کا پس منظر کیا ہے، لیکن تم لوگوں نے مجھے سخت حیران کر دیا ہے۔" وہ دونوں مسکرانے لگے پھر ایف نے کہا۔

"میڈم ہماری زندگی عجیب و غریب حالات میں گزری ہے اور حقیقت یہ ہے کہ نام بعض اوقات انسان کے لئے سب سے بڑا دکھ ہوتے ہیں۔"

"ٹھیک کہا تم نے، واقعی نام بعض اوقات انسان کے لئے سب سے بڑا دکھ ہوتے ہیں، لیکن دیکھو میں عورت ہوں ان تمام ذہین لوگوں کی طرح چالاک نہیں ہوں اور انہوں نے

میرے شانوں پر اتنے بوجھ لاد دیئے ہیں کہ بس کیا بتاؤں، کمبخت کھلونے کی طرح مجھ سے کھیلتے ہیں مگر میں بھی تو انسان ہوں، انسانوں کی طرح جینا چاہتی ہوں، تم مجھے بتاؤ یہ انسان، انسان سے جینے کا حق کیوں چھین لیتے ہیں؟"

"میڈم طاقت ہر دور میں اپنا ایک مقام یاد دلاتی رہی ہے، ظلم وہی لوگ کرتے ہیں جن کے پاس طاقت ہوتی ہے دوسرے مظلوم ہوتے ہیں، اگر انہیں کمزور کے نام سے بھی پکارا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔"

"تو گویا کمزوروں کو جینے کا حق نہیں ہوتا۔"

"جیتے ہیں میڈم لیکن طاقتوروں کے قدموں تلے۔"

"تو تم مجھے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گے؟"

"میڈم جتنا آپ کو معلوم ہو گیا اتنا ہی کافی ہے، ہمارے بارے میں زیادہ جان کر آپ کو کوئی فائدہ بھی نہیں ہو گا۔"

"مگر تم میرے بارے میں اتنا کیسے جانتے ہو۔ جتنا تم نے بتایا؟" سیٹھ محمودہ نے سوال کیا اور دونوں مسکرانے لگے پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"میڈم! اس ملک میں اس شہر میں لاکھوں افراد رہتے ہیں۔ ہم یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ ہم سب کو جانتے ہیں، لیکن چند ایسے اہم لوگ، ہماری نظروں سے پوشیدہ نہیں۔"

"دیکھو میرے بچوں کی مانند ہو تم...... بہت چھوٹے ہو عمر میں مجھ سے، میں تمہاری اس صفت کو تسلیم کرتی ہوں تم نے واقعی مجھے حیرت سے دیوانہ کر دیا ہے کیونکہ جتنی معلومات کا اظہار تم نے کیا اتنی معلومات شاید ہی کسی اور کو ہوں۔"

"دوسروں میں اور ہم میں فرق ہے نا میڈم۔"

"نہیں شاید اس کے بعد کی معلومات نہیں ہیں یا ہیں؟"

"بعد کی۔"

"ہاں، یہ معلومات نہیں ہیں تمہیں کہ اس کے بعد میں نے اپنی زندگی کا محور کیا بنایا؟"

"وہ معلومات تو منظر عام پر ہیں میڈم۔"

"ہاں، یہ بھی ٹھیک کہتے ہو...... بہرحال یہ بتاؤ کہ تم نے اور کسی کو میرے بارے میں کیا بتایا ہے؟"

"اور کسی کو کچھ نہیں میڈم۔"

"اچھا، چلو ٹھیک ہے، اچھا پھر یہ بتاؤ، ٹھہرو کچھ پیو گے؟"

"تھینک یو میڈم۔"

"نہیں پتہ پیو۔" وہ بولی اور اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ اس نے گہری نگاہوں سے ان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"ڈرنک کرتے ہو؟"

"میڈم کے سامنے کیسے جرات ہو سکتی ہے؟" ان دونوں نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"جرات کرو، میں بھی اس وقت پیاس محسوس کر رہی ہوں، کبھی کبھی ضرورت پڑنے پر اپنی پسند بھی بتاؤ۔" وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر بولی۔

"اتنی بڑی شخصیت کے ہاتھوں جو بھی مل جائے۔" پھر میڈم نے ایک الماری سے بوتلیں نکالیں، گلاس سائفن وغیرہ اور پھر تین گلاس سامنے رکھ دیئے پھر ان سے بولی۔

"اپنے لئے بھی بناؤ اور میرے لئے بھی، کم از کم یہ کام تو تم کر سکتے ہو۔"

اس نے کہا اور جگہ بدل کر بیٹھ گئی۔ کیو نے تین گلاس بنائے، سائفن کی پھواریں ماریں اور اس کے بعد ایک گلاس احترام سے میڈم کے سامنے کر دیا۔

"تھینک یو۔" وہ گلاس کو ہونٹوں تک لے گئی پھر واپس لا کر ان سے چیئرز کیا اور وہ دونوں اپنی جگہ بیٹھ گئے...... میڈم نے گلاس ہاتھ میں پکڑے پکڑے کہا۔

"تو کیا گفتگو کر رہے تھے ہم؟"

"میڈم ابھی ہم نے کسی گفتگو کا آغاز نہیں کیا ہے۔"

"ہاں شاید، دیکھو کچھ ایسے اجنبی لوگ میرے راستے پر لگ گئے ہیں جنہیں میں خود سے دور رکھنا چاہتی ہوں، بڑے نقصانات کا باعث بنے ہیں وہ میرے لئے اور میں یہ چاہتی ہوں کہ ان لوگوں سے اپنی جان چھڑا لوں۔"

"آپ اس کی فکر ہی نہ کریں میڈم، ہم آپ کے ساتھ ہیں آپ کی آرمی ہیں ہم۔"

"مگر ایک بڑی مشکل ہے۔" میڈم نے ان کے گلاس کو دیکھتے ہوئے کہا، جنہیں وہ بے صبری سے خالی کر گئے تھے اور اب اس بات کے منتظر تھے کہ میڈم انہیں مزید پینے کی اجازت دے۔

"تم بے تکلفی سے اپنا کام جاری رکھو، ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ میری فطرت بہت عجیب ہے، بعض اوقات میں بہت بڑے بڑے کام چھوٹے کاموں پر قربان کر دیتی ہوں مثلاً یہ کہ اگر میں کسی بہت بڑی مشکل کا شکار ہوں اور کوئی چھوٹی مشکل راستے میں آجائے تو میں چھوٹی مشکل اگر میری توجہ کا باعث ہو زیادہ اہم سمجھ لیتی ہوں اور اسے دور کرنے کی خواہاں رہتی ہوں...... سمجھ رہے ہو نا تم...... اب کتنے تعجب کی بات ہے میرے لئے کہ کچھ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو میرے ماضی کو اس طرح جانتے ہیں...... میں تم سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ میرے ماضی کے بارے میں اتنی تفصیل تمہیں کیسے معلوم ہوئی؟"

"میڈم یہ بات آپ کے لئے اس قدر دلکش نہیں ہے، جتنا وہ کام جس کے لئے آپ نے ہمیں طلب کیا ہے۔"

"اس کا فیصلہ غالباً تمہیں نہیں کرنا چاہئے۔"

"بعض فیصلے ایسے ہوتے ہیں میڈم جنہیں ہم خود کرنے کے لئے مجبور ہیں۔"

"آہ یہی تو میری مشکل ہے، یہی مسئلہ تو میرے لئے سب سے زیادہ اُلجھن کا باعث ہے کہ جو فیصلہ مجھے کرنا ہوتا ہے میں ہی کرتی ہوں کسی اور کو اس کا حق کبھی نہیں دیتی، ظاہر ہے اس وقت بھی یہی مشکل درپیش ہے...... اب تم خود سوچو بڑے صاحب نے تمہیں بہت بڑے رتبے کے ساتھ یہاں بھیجا ہے اور مجھ سے کہا ہے کہ تم میری تمام مشکلات کا حل ہو، لیکن جو نئی مشکل میرے لئے پیدا ہوگئی ہے اس کا حل بھی ہے کسی کے پاس...... تم میرا ماضی جانتے ہو، تم نے میرے سامنے میری کہانی دہرائی، زندگی بھر ساتھ ہی تو نہیں رہو گے...... جہاں تک اس کہانی کا بڑے صاحب کے علم میں آجانے کا معاملہ ہے تو بڑے صاحب نے اس کہانی کو جاننے کے بعد اپنی زندگی مختصر کر لی ہے...... میرے لئے کوئی مشکل نہیں ہے کہ میں انہیں دنیا کے نقشے سے ختم کر دوں، لیکن یہ بات میرے دل میں خلش بنی رہے گی کہ میری کہانی تم تک کیسے پہنچی، بتادو مجھے کہاں سے معلومات حاصل کیں تم نے؟"

"میڈم افسوس ہے ہم آپ کو یہ نہیں بتا سکتے۔"

"واقعی افسوس کی بات ہے، مجھے خود افسوس ہے کہ میں تم سے وہ کام نہ لے سکی جو مجھے لینا چاہئے تھا اور اندازہ ہو گیا تھا مجھے، چلو ٹھیک ہے ہر کام اپنے وقت پر ہو جاتا ہے، اللہ مالک ہے میں تو درویش صفت عورت ہوں، شراب وغیرہ میں نہیں پیتی بلکہ دوسروں کے لئے

رکھتی ہوں، کبھی کبھی بڑے موقع سے کام آجاتی ہے...... اب تم اپنی کیفیت پر غور کرو، کیا کیفیت ہے تمہاری، میری شراب تو میرے گلاس میں موجود ہے، لیکن اس شراب میں ملا ہوا زہر تمہارے معدے کو متاثر کر چکا ہے، میں نہیں چاہتی کہ یہ کہانی کہیں اور بھی جائے، نئے نئے مسئلے کھڑے ہو جاتے ہیں...... مشکل ہی مشکل ہے میرے لئے۔" سیٹھ محمودہ نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا گلاس ایک طرف رکھ دیا، لیکن وہ دونوں اٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے اور پھر لہرانے لگے تھے ان کے منہ سے کچھ آوازیں بھی نکلی تھیں، لیکن یہ آوازیں سنائی نہیں دی تھیں...... پھر وہ لہراتے ہوئے اوندھے منہ زمین پر آرہے ان کی گردنیں ٹیڑھی ہو گئی تھیں، سیٹھ محمودہ نے کہا۔

"بتاؤ، کیا ہیں یہ بڑے صاحب بھی، یہ میری مشکل کا حل تلاش کیا تھا انہوں نے، بڑے آدمی بھیجے تھے، دو بڑے آدمی، بہت افسوس کی بات ہے، یہ سیٹھ محمودہ کی آگے کی زندگی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے، نامکمل معلومات تھیں بے چاروں کی، چلو دنیا سے چلے گئے، نہ جانے کتنوں کے حق میں اچھا ہوا۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کمرے سے باہر نکل آئی...... ایک دوسرے کمرے میں پہنچ کر اس نے ٹیلی فون اٹھایا، ایک نمبر ڈائل کیا اور بولی۔

"جادو۔"

"مرشد۔"

"آجاؤ کچھ سامان لے جانا ہے تم نے، احتیاط سے آنا ایسا سامان ہے کہ دوسروں کی نگاہوں میں نہیں آنا چاہئے۔"

"میں پہنچ رہا ہوں میڈم۔" دوسری جانب سے آواز آئی اور سیٹھ محمودہ نے فون بند کر دیا۔

❁

عدنان واسطی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "آئیے شہاب میاں، آپ کا اس طرح آجانا بہت اچھا لگتا ہے، آئیے، بینا شہاب آئے ہیں...... بینا بھی باہر نکل آئی۔ شہاب نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"مجھے یہاں اس طرح آتے ہوئے کوئی جھجک نہیں محسوس ہوتی۔"

"شہاب میاں اب اس کی گنجائش بھی نہیں رہی ہے۔" عدنان واسطی نے محبت بھرے

انداز میں کہا...... کمرے میں بیٹھنے کے بعد شہاب بولا۔ ”بینا آپ کو ذرا میرے ساتھ چلنا ہے، کچھ کام ہے۔ واسطی صاحب بینا کو لے جاسکتا ہوں۔“

واسطی صاحب مسکرادیئے پھر بولے۔ ”کیا میرے لئے منع کرنے کی گنجائش ہے۔“

شہاب نے کوئی جواب نہیں دیا، البتہ شرارت آمیز نگاہوں سے بینا کو دیکھا تھا...... بینا شہاب کی معنی خیز گفتگو پر مسکراتی ہوئی اندر چلی گئی۔ عدنان واسطی صاحب نے کہا۔

”اصولی طور پر میں بینا سے تمہاری مصروفیات کے بارے میں نہیں پوچھتا، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ سیکرٹ سیکرٹ ہوتے ہیں۔“

”اگر بینا آپ کو نہیں بتاتیں تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ بینا کی غلطی ہے، میری جانب سے آپ کے لئے کوئی پابندی نہیں ہے کیونکہ جو راز میرے سینے میں ہو سکتا ہے آپ سے بہتر اس کا امین اور کون ہو سکتا ہے۔“

”شکریہ بیٹے، بہر حال اب کچھ کہنا ہی برا لگتا ہے، کیا ہو رہا ہے آج کل؟“

”بس وہی واسطی صاحب، اپنے شوق پورے کر رہا ہوں۔“

”ہاں مجھے اندازہ ہے کہ تمہارے شوق کیا ہیں ان دنوں کیا ہو رہا ہے؟“

”کچھ عفریت یا زہریلے اژدھے اپنے پھن لہرا رہے ہیں اور انہوں نے ہمیشہ کی مانند قانون کو اپنی گرفت میں جکڑ رکھا ہے...... اصل میں واسطی صاحب اب جرائم کا انداز بھی ایسا ہو گیا ہے کہ بعض جگہ جرم کو جرم بھی نہیں کہا جاتا...... سبحان نامی ایک صحافی اغوا ہو گیا تھا۔“

”وہ تو پوری تفصیل معلوم ہے مجھے۔“

”اس کے سلسلے میں سیٹھ محمودہ کا نام منظر عام پر آیا تھا۔“

”بالکل۔“

”بس انہی معزز خاتون کے سلسلے میں کام کر رہا ہوں۔“

”کچھ بات بنی ہے؟“

”ہاں، ماحول پر ان سب کی گرفت ہے اور قانونی طور پر انہوں نے کوئی ایسا سقم نہیں چھوڑا کہ میں انہیں گرفتار کر سکوں، کچھ جگہیں سبحان کے ذریعے علم میں آئی ہیں، یقینی طور پر سبحان نے بلاوجہ ہی ان عمارتوں کو ظاہر نہ کیا ہوگا، لیکن میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ میں ان عمارتوں پر چھاپہ نہیں مار سکتا، چھاپہ مار بھی لوں تو جو کچھ وہاں سے برآمد ہوگا وہ ہماری

تحویل میں بھی نہیں رہ سکے گا۔ یا اسے کسی کی تحویل میں دینے کے بعد محفوظ نہیں رکھا جاسکتا۔ یہ مشکل حالات ہیں، لیکن کام کر رہا ہوں کوشش کر رہا ہوں کہ ان اژدھوں کو اژدھوں سے لڑادیا جائے تاکہ یہ خود ہی ایک دوسرے کو ختم کر دیں...... اصل مسئلہ تو وہی ہے کہ برائی کو ختم ہونا چاہئے۔“

عدنان واسطی نے کوئی جواب نہیں دیا بس خاموش نگاہوں سے شہاب کو دیکھتے رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد بینا نے چائے وغیرہ لگادی...... چائے کا دور ختم ہوا تو شہاب نے کہا۔

”بینا میں نے اجازت لے لی ہے آپ کو میرے ساتھ چلنا ہے اور عدنان صاحب ممکن ہے زیادہ وقت لگ جائے، آپ فکر نہ کیجئے گا۔“

”نہیں، میں فکر نہیں کر رہا۔“

کچھ دیر کے بعد بینا نیچے اتر آئی، لیکن ایک بڑی ویگن دیکھ کر اس نے حیرت سے کہا۔“

”واہ کیا خوب صورت گاڑی ہے، خریدی ہے؟“

”نہیں ایک کرم فرما سے قرض لی ہے، لیکن اگر تمہیں پسند ہو خریدی بھی جاسکتی ہے۔“

”ہاں ہم ایک ایسی گاڑی لیں گے۔“

”تو پھر ٹھیک ہے، وہ کچھ پیش کیا جاتا ہے نا، میرا مقصد ہے نئی نویلی دلہن کو...... تو گاڑی کی چابی دے دیں گے آپ کو۔“

”سوجھ گئی۔“

”بھئی کمال کرتی ہو اب راہ میں کوئی رکاوٹ باقی رہی ہے اور عدنان واسطی صاحب صحیح معنوں میں قدر دان انسان ہیں...... ان کا تو شکریہ ادا ہی نہیں کیا جاسکتا...... میں نے کہا بینا کو لے جاؤں، کہنے لگے میں نے کب منع کیا ہے...... اب دیکھو نا یہ لے جانے کا معاملہ تو بڑا ذو معنی ہے۔ یعنی رخصت کر کے بھی لے جایا جاسکتا ہے تمہیں۔“

”بھئی چھوڑو ان باتوں کو، یہ بتاؤ کہاں جا رہے ہو؟“

”ہاں آپ یوں کیجئے مس بینا کہ ویگن کے عقبی حصے میں چلی جائیے آپ کے لئے ایک لباس موجود ہے، آج آپ کو ذرا ایک ہنٹر والی بننا ہوگا۔“

”اوہو کیوں؟“

”بعد میں بتادیں گے بھئی۔ آپ لباس تبدیل تو کر لیجئے۔“

"یہاں ویگن میں؟"

"اسے دیکھئے۔" شہاب نے کہا...... پھر ایک بٹن دبا اور ویگن کے درمیان ایک پارٹیشن ہو گیا۔ ایک بڑا سا پردہ جو کافی موٹا تھا ڈرائیونگ سیٹ اور ویگن کے عقبی حصے کے درمیان آ گیا تھا۔ بینا نے تعریفی انداز میں گردن ہلائی اور کہا۔

"واقعی عمدہ چیز ہے۔"

"تو پھر سمجھ لیں آپ کی۔"

بینا ویگن کے عقبی حصے میں پہنچ گئی، جہاں ایک چست لباس رکھا ہوا تھا...... نقاب بھی ساتھ میں تھا، اسلحہ بھی موجود تھا...... بہر حال بینا نے وہ لباس پہنا اور اس بات پر حیران رہ گئی کہ وہ اس کے بدن پر بالکل فٹ تھا، لیکن یہ لباس پہننے کے بعد اسے کچھ شرم سی محسوس ہو رہی تھی...... جھینپتی ہوئی آگے آئی تو شہاب نے اسے دیکھ کر کہا۔

"ویری گڈ۔"

"مذاق اُڑا رہے ہیں۔"

"کمال ہے...... یعنی اتنی چاہت سے ہم نے آپ کے لئے یہ لباس تیار کروایا ہے اور ہم ہی اس کا مذاق اُڑائیں گے...... اب آپ یوں کیجئے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالئے، وہی کام مجھے بھی کرنا ہے جو آپ کر کے آئی ہیں۔" شہاب نے گاڑی ایک سائیڈ پر لگاتے ہوئے کہا اور بینا ڈرائیونگ سیٹ پر آ گئی، پھر بولی۔

"چلوں کہاں؟"

"بس مناسب انداز میں چلتی رہیے، سڑک سیدھی ہی جاتی ہے۔" شہاب ویسا ہی لباس تبدیل کر کے بینا کے برابر آ بیٹھا تھا...... پھر اس نے کہا۔

"ہاں بائیں سمت۔" بینا نے ویگن کو بائیں سمت موڑ دیا تو شہاب نے کہا۔

"میڈم اب ہمیں ایک عمارت پر رُکنا ہے...... عمارت کا نقشہ میں نے مکمل طور پر ذہن نشین کر لیا ہے...... ہم آسانی سے اس میں داخل ہو جائیں گے، ہمیں وہاں جا کر اپنا کام کرنا ہے۔"

"کیسی عمارت ہے؟"

"اچھی ہے خوب صورت بھی ہے اور غالباً چھ منزلہ ہے، شہر کے بیچوں بیچ ہے۔"

بینا ہنسنے لگی، پھر بولی۔ "ٹھیک ہے اب اور کچھ نہیں پوچھوں گی۔"

"پوچھنے کا وقت بھی نہیں رہا ہے...... وہ عمارت نظر آ رہی ہے۔" شہاب نے ایک جگہ ویگن روک دی۔

یہ ایک موٹر گیراج تھا اور یہاں اور بھی کئی گاڑیاں کھڑی تھیں...... آس پاس کوئی موجود نہیں تھا...... شہاب نے ایک کینوس کا تھیلا اٹھا کر کاندھے پر باندھا اور اس کے بعد بینا کو اشارہ کر کے ایک جانب چل پڑا...... وہ عمارت کے صدر گیٹ پر پہنچ گیا تھا، سامنے ہی اسٹول پر ایک چپڑاسی بیٹھا ہوا غالباً ناک میں نسوار چڑھا رہا تھا...... شہاب اور بینا وہاں پہنچے تو چپڑاسی اٹھ کھڑا ہوا، وہ مسلح بھی تھا اس نے سٹین گن سیدھی کر کے کہا۔

"کیا بات ہے ادھر کیسے آیا؟"

"وہ ہمارے کچھ ساتھی ادھر، او ہو وہ آ گئے۔" شہاب نے چوکیدار کے عقب میں دیکھ کر کہا اور چوکیدار بے اختیار پلٹ پڑا، لیکن عقب میں کچھ نہیں تھا...... اس نے گردن ہلائی تو شہاب کے ہاتھ میں دبے پستول کی نال اس کی جانب اٹھی ہوئی تھی...... اس سے پہلے کہ چوکیدار کچھ سمجھتا، ایک غبار سا اس کی ناک پر پڑا...... چوکیدار کی سٹین گن اوپر اٹھ گئی...... جسے شہاب نے اطمینان سے اپنے ہاتھ میں سنبھال لیا...... پھر اندر داخل ہو کر چوکیدار کو کھینچتا ہوا اندر لے آیا...... چوکیدار کے ہاتھ پاؤں بے جان ہو گئے تھے...... شہاب نے عمارت کے گیٹ کو اندر سے بند کیا اور آگے بڑھ گیا...... شیشے لگا دروازہ جو اندر سے پوری طرح بند تھا...... یہی اس عمارت میں داخل ہونے کا واحد دروازہ تھا...... شہاب تالے پر پہنچ گیا اور پھر اس نے ایک عجیب سی نلکی نکال کر کی ہول سے لگائی اور اس کے بعد سائیڈ میں لگا ہوا بٹن دبا دیا...... صرف چند سیکنڈ وہ انتظار کرتا رہا اور اس کے بعد تالا کھل گیا...... بینا حیرت سے بولی۔

"یہ کیا ہے؟"

"بس یوں سمجھ لو کہ سامری سے میرا رابطہ قائم ہو گیا ہے...... اس نے کچھ جادوئی چٹکلے میرے حوالے کر دیئے ہیں...... اب یہ تالا کبھی ٹھیک نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ اندر سے گل گیا ہے۔"

"ترقی ہوتی جا رہی ہے۔"

"ہونی چاہئے نا۔" بینا نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلادی اور شہاب وہاں سے آگے بڑھ گیا...... پھر وہ ایک بڑے سے ہال میں پہنچ گیا...... اس نے بینا کو دیکھا اور پھر بینا کو اشارہ کر کے لفٹ کی جانب بڑھ گیا۔

لفٹ شاید بند کردی گئی تھی لیکن آن کرنے کا سوئچ موجود تھا...... عمارت جدید ساخت کی تھی اور اس میں زندگی کی ہر ضروریات موجود تھیں...... پہلی منزل پر پہنچنے کے بعد شہاب نے اس فلور کا جائزہ لیا...... ہر چیز گرد آلود تھی، بے شمار کمرے تھے جن میں فرنیچر پڑا ہوا تھا، لیکن صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ انہیں استعمال نہیں کیا جا رہا۔ شہاب نے کئی کمروں کی تلاشی لی، کچھ الماریوں میں سے اسے کاغذات وغیرہ ملے اور اس نے محدود ٹارچ کی روشنی میں کاغذات کا جائزہ لیا، لیکن کوئی ایسی چیز نہیں ملی جو قابل غور ہوتی...... دوسری منزل پر بھی ایسی ہی چیزیں موجود تھیں، لیکن تیسری منزل پر جب شہاب کمروں کا جائزہ لے رہا تھا تو اس کا ہاتھ بجلی کے سوئچ بورڈ پر پڑا اور دفعتاً ہی ایک دیوار اپنی جگہ سے کھسکنے لگی۔

بینا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں...... شہاب نے متحیرانہ نگاہوں سے اسے دیکھا...... دیوار کے پیچھے سے ایک بڑا ریک نمودار ہوا تھا جو نیچے سے لے کر چھت تک مختلف پیکٹوں سے بھرا ہوا تھا...... شہاب نے ان میں سے ایک پیکٹ نکال کر دیکھا...... پھر ان میں سے کھول کر ایک شیشی نکالی، شیشی میں ایک پاؤڈر بھرا ہوا تھا...... شہاب نے ہتھیلی پر وہ پاؤڈر نکال کر دیکھا...... بینا ٹارچ کی روشنی ڈال رہی تھی اور پھر شہاب کے حلق سے ایک گہری سانس نکلی...... اس نے شیشی کو ایک جانب پھینک دیا تو بینا آہستہ سے بولی۔

"شہاب کیا یہ مناسب ہے؟" شہاب نے کوئی جواب نہیں دیا...... وہ اب ہر سوئچ کو ٹٹول رہا تھا...... تب انہیں یہ احساس ہوا کہ جگہ جگہ سوئچ بورڈ پر لگے ہوئے بٹنوں میں ایک خاص سوئچ موجود تھا جسے مخصوص طریقے سے دبانے سے ایسی الماریاں کھلتی تھیں اور یہ الماریاں ہر کمرے کی دیواریں بنی ہوئی تھیں اور ان میں ادویات کے پیکٹ چھت تک چنے ہوئے تھے...... بینا خود ششدر تھی...... شہاب بہت دیر تک اس فلور پر مصروف رہا اور اس کے بعد بینا کو اشارہ کر کے لفٹ میں داخل ہونے کے بجائے سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا......

تیسری، چوتھی، پانچویں اور آخر میں چھٹی منزل، ہر منزل پر اسی قسم کی الماریاں خاص طور سے بنی ہوئی تھیں...... ایک نظر اگر ان کمروں پر ڈالی جاتی تو یہ احساس ہوتا تھا کہ یہاں کچھ

بھی نہیں ہے...... خوب صورت صاف ستھری سپاٹ دیواریں اور بس...... لیکن ان دیواروں کے پیچھے جو کچھ تھا اس کی مالیت کا صحیح اندازہ تک نہیں لگایا جا سکتا تھا...... بینا نے بوکھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

"شہاب، یہ ڈرگس ہیں؟"

"جعلی۔" شہاب نے جواب دیا۔

"اوہ میرے خدا...... کتنی زیادہ مقدار میں ہیں یہ۔"

"ہاں...... جعلی ادویات، کافی دن پہلے مجھے اس سلسلے میں تھوڑی بہت معلومات حاصل ہوئی تھیں، لیکن چونکہ کیس میرے پاس نہیں آیا تھا اور میں دوسرے معاملات میں اُلجھ گیا تھا لیکن میں نے اس جانب غور ہی نہیں کیا تھا۔"

"مگر یہ عمارت؟"

"جس کی بھی ہے بینا اس نے جس انداز میں تعمیر کرائی ہے اس سے تم اس کے بارے میں صحیح طور پر اندازہ لگا سکتی ہو۔"

"گویا تمہیں اس بارے میں علم نہیں کہ اس عمارت کا مالک کون ہے؟"

"چند نام میری نگاہوں کے سامنے ہیں، انہی میں سے کوئی ہوگا۔ بینا، ان لوگوں نے اپنے گرد اس طرح حصار قائم کیا ہوا ہے کہ ہم ان پر آسانی سے ہاتھ نہیں ڈال سکتے...... یہ بہت مضبوط لوگ ہیں اور اگر ہم اس کا انکشاف بھی کردیں تو یقین کرو صرف وہ ہوگا جو ہوتا چلا آیا ہے، یہ سب دوائیں یہاں سے اٹھوادی جائیں گی، کہاں جائیں گی اور ان کا کیا ہوگا بعد میں نہ تم بتا سکتی ہو نہ میں۔"

"وہ نام کون سے ہیں شہاب؟"

"بے شمار...... طاہر جمالی، شیخ اختیار، خالد فیروز، غلام سوری اور نہ جانے کتنے۔ یہ لوگ...... بس بینا، اس وقت مجھ سے کچھ کہا نہیں جا رہا ان کے بارے میں۔" شہاب کی آواز شدت جوش سے لرز رہی تھی اور بینا خاموش نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی...... اس وقت شہاب کا چہرہ نہ جانے کیوں اسے بے حد خطرناک نظر آ رہا تھا۔

شہاب نے دواؤں میں سے ایک شیشی اٹھائی اور بینا کے سامنے کرتا ہوا بولا۔

"دیکھو یہ جعلی دوا ہے اور اس کی تاریخ...... بینا، اس کی تاریخ ختم ہو چکی ہے۔ یہ جعلی

دوا بھی زہر بن چکی ہے لیکن یہ نئی پیکنگ کے ساتھ بازار میں آجائے گی اور بینا، اسے استعمال کرنے والے...... آہ بینا! میرے اہل وطن کے ساتھ کیا ہو رہا ہے یہ...... کون سا ایسا وقت آئے گا جب ہمیں کسی کی محبت کسی کی ہمدردی حاصل ہوگی۔ کب اہل وطن، وطن والوں سے محبت کریں گے، یہ کون لوگ ہیں جو موت فروخت کر رہے ہیں بینا، یہ موت کے سوداگر کب تک ہمارے سروں پر مسلط رہیں گے۔ بینا کچھ ہونا چاہئے کچھ ہو جانا چاہئے...... یہ سب کچھ تو ٹھیک نہیں ہے یقین کرو یہ سب کچھ بہت برا ہے، بینا بہت زیادہ برا۔"

بینا خاموشی سے شہاب کی صورت دیکھتی رہی، شہاب ایک کرسی پر بیٹھ گیا تھا...... چند لمحات وہ خاموشی سے بیٹھا سوچتا رہا، بینا اپنی جگہ کھڑی تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس کے ہیولے کو دیکھ رہی تھی...... ٹارچ بجھادی گئی تھی، لیکن شہاب کا چہرہ بینا کو چمکتا ہوا نظر آرہا تھا...... کچھ دیر کے بعد شہاب نے کہا۔

"مجبوریاں ہیں بینا، مجبوریاں ہیں...... میں یہ عمارت بارود سے اڑا دیتا، یہ عمارت بے شک زمین بوس ہو جاتی لیکن اس کے قرب و جوار میں جو کچھ ہے اسے بھی شدید نقصان پہنچتا بینا، بینا ان سارے ریکوں میں اربوں روپے کی دوائیں بھری ہوئی ہیں، انہیں بے کار یہاں محفوظ نہیں کیا گیا، یہ استعمال ہوں گی، مظلوموں پر اور اس کے بعد المناک واقعات رونما ہوں گے، مجھے یقین ہے، مجھے یقین ہے کہ اور کچھ بھی نہیں ہو سکتا...... بینا کچھ کرنا چاہئے، یہاں تک آئے ہیں تو کچھ کر کے ہی نکلیں، کیا کہتی ہو اس بارے میں؟"

"شہاب کیا عمارت کو دھماکے سے اڑا دو گے؟"

"ہونا تو یہی چاہئے...... ریزہ ریزہ ہو جانا چاہئے ایسی عمارتوں کو، جہاں انسانوں کے لئے موت محفوظ کی گئی ہے، لیکن میں یہ نہیں کر سکتا، کیا کروں کچھ سمجھ میں نہیں آتا...... چھاپہ ڈلوا سکتا ہوں یہاں...... برآمد کر سکتا ہوں یہ سب کچھ لیکن اس کے بعد...... اس کے بعد مجھے راستے سے ہٹا دیا جائے گا...... وہ لوگ سب کچھ اپنے ہاتھ میں لے لیں گے، لیکن مجھے یقین نہیں ہے بینا، بالکل یقین نہیں ہے...... نہ جانے کیا ہوگا اس کے بعد، کون کیا کرے گا، یہ ختم ہونا چاہئے بینا، یہ ختم ہونا چاہئے...... یہ سب کچھ تباہ ہونا چاہئے۔"

بینا خاموشی سے اس کی صورت دیکھتی رہی...... شہاب سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا...... اس کی نظر ایک کھڑکی کی جانب اٹھی ہوئی تھی، کھڑکی کے دوسری جانب پائپ نظر آرہے تھے،

شہاب انہیں دیکھتا رہا اور پھر ایک دم چونک کر سیدھا ہو گیا...... چند لمحات خاموشی سے اسی طرح رہا اور اس کے بعد اٹھ کر بینا سے بولا۔

"آؤ......" بینا اس کے ساتھ چل پڑی...... اس بار شہاب لفٹ میں داخل ہوا تھا اور نیچے تک آگیا تھا...... وہ غالباً لفٹ سے کچھ دیکھتا بھی آیا تھا...... نیچے پہنچنے کے بعد اس نے ان پائپوں کو دیکھا اور ایک بار پھر بینا کے ساتھ لفٹ میں ہی بیٹھ کر اوپر کی منزل کی جانب چل پڑا...... عمارت کی چھت پر پانی کا بہت بڑا ٹینک بنا ہوا تھا...... ٹینک بہت مضبوطی سے تعمیر کیا گیا تھا...... پائپ اسی میں سے آرہے تھے، شہاب چند لمحات سوچتا رہا اور اس کے بعد اس کے چہرے پر ایک مسرور سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔

"آؤ میں تمہیں صحیح معنوں میں زیرو زیرو سیون بن کر دکھاؤں...... اب ایسا ہی کام کرنا ہے ہمیں...... تم ایسا کرو کہ یہ تمام الماریاں کھول دو جو اس کمرے میں بنی ہوئی ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" بینا نے کہا اور آگے بڑھ گئی...... پھر وہ تمام ریک کھول دیئے گئے، جو پورے فلور کے کمرے میں بنے ہوئے تھے، اسی کے بعد شہاب نیچے کی منزل پر آگیا اور پھر وہ تمام ریک کھولتے چلے آئے...... مکمل طور پر نیچے پہنچنے کے بعد شہاب نہ جانے کیا کیا کرتا رہا...... وہ اس عمارت کے باتھ روم دیکھ رہا تھا...... وہ پائپ دیکھ رہا تھا جو کھڑکیوں کے ساتھ ساتھ گئے تھے پھر اس کے بعد شہاب نے ایک نئے کام کا آغاز کر دیا...... مخصوص قسم کے اوزار نکال کر پائپوں کو توڑ کر ان کا رخ اندر کی جانب کرنے لگا...... اس نے بے شمار پائپ توڑے اور ان کا رخ اندر کی جانب کر دیا...... گراؤنڈ فلور پر پہنچنے کے بعد اس نے وہ تمام رخنے بند کرنا شروع کر دیئے جو سیوریج کے تھے...... واش رومز کے بیسن، فلیش، ہر چیز کے والو بند کر دیئے تھے اس نے۔ نیچے پانی کی سپلائی مکمل طور پر بند کر دی گئی تھی اور اس کے بعد شہاب نے بینا سے کہا۔

"اب تم باہر رکو، میں آرہا ہوں۔"

"کک...... کہاں، شہاب؟"

"آرہا ہوں بینا، اطمینان رکھو، مجھے کچھ نہیں ہوگا اور ایک بار پھر لفٹ اوپر کی منزل کی جانب چل پڑی...... واٹر ٹینک پوری طرح بھرا ہوا تھا...... پانی کی سپلائی بند کر دی گئی تھی۔ شہاب نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر مین لائن کھول دی۔

عمارت میں ایک خوفناک شور اُبھرا اور شہاب دوڑ کر لفٹ میں داخل ہو گیا...... پھر لفٹ برق رفتاری سے نیچے اترنے لگی...... بینا کو بھی یہ خوفناک شور بڑا عجیب محسوس ہوا تھا...... شہاب نے باہر نکلتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑا اور برق رفتاری سے دروازے کی جانب دوڑا، پھر اس نے بینا سے کہا۔

"پوری سپیڈ سے بھاگو ہمیں اپنی گاڑی تک پہنچنا ہے۔" بینا نے اس کی ہدایت پر عمل کیا تھا...... شہاب نے ویگن میں بیٹھ کر ویگن سٹارٹ کر دی اور پھر عمارت سے تھوڑا فاصلہ اختیار کر کے ایک جگہ کھڑا ہو گیا...... عمارت کی کھڑکیوں اور دروازوں سے پانی کی پھواریں باہر نکل رہی تھیں، نیچے گراؤنڈ فلور سے بھی پانی کا ریلا رخنوں سے بہہ کر آ رہا تھا...... بینا نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"یہ...... یہ کیا ہو رہا ہے شہاب؟"

"میں نے اس عظیم الشان ٹینک کا منہ کھول دیا ہے اور کمروں سے گزرنے والے پائپ توڑ دیئے ہیں اب اوپر بنے ہوئے اس عظیم الشان ٹینک کا پانی اس عمارت میں بھر رہا ہے...... تم دیکھو اس کے نکلنے کی رفتار بہت تیز ہے...... بینا وہ ساری ادویات ان مریضوں تک تو نہیں پہنچ پائیں گی جو بیمار ہوتے ہیں، صحت کی تلاش میں نکلتے ہیں اور موت خرید لاتے ہیں۔" بینا گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر اس نے کہا۔

"لیکن شہاب ادویات تو شیشیوں میں محفوظ ہیں؟"

"ہاں میں جانتا ہوں، میں تمام شیشیوں کو توڑ نہیں سکتا تھا بینا، ہم دو افراد مل کر یہ سب کچھ نہیں کر سکتے تھے لیکن کم از کم یہ تو ہو گا کہ اب قرب وجوار کے لوگ اس جانب متوجہ ہو جائیں گے اور یہ عمارت کسی نہ کسی شکل میں کھلے گی جو بند پڑی ہوئی تھی بینا او ہو دیکھو، وہ دیکھو، تقدیر نے میرا ساتھ دیا ہے بینا۔" بینا بھی چونک کر اس جانب متوجہ ہو گئی تھی...... عمارت کی کھڑکیوں میں روشنی کے جھماکے ہو رہے تھے اندر ہلکی ہلکی آوازیں بھی اُبھر رہی تھیں۔

"یہ یہ کیا ہوا؟"

"وہ جو میرے ذہن میں نہیں آیا تھا، لیکن قدرت نے میرے عمل کی تکمیل کر دی، کہیں سے وائرنگ شارٹ ہو گئی، پانی سے شارٹ سرکٹ ہو گیا ہے اب پوری عمارت میں

دھماکے ہوں گے اور سارا کام مکمل ہو جائے گا بینا، میں نے غلط نہیں کیا ہے یہ تائید غیبی ہے میرے لئے ویری گڈ گڈ گڈ ویری گڈ، وہ دیکھو آہ وہ دیکھو۔" اور بینا نے خوفزدہ نگاہوں سے دیکھا اب عمارت کی تمام منزلوں پر خوفناک دھماکے ہو رہے تھے...... قریب وجوار میں بھی یہ دھماکے سنائی دے رہے تھے...... شہاب نے اسٹیرنگ سنبھال لیا اور وین سٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ وہ عجیب وغریب کیفیت میں نظر آ رہا تھا...... اس سے پہلے بینا نے اسے اس روپ میں نہیں دیکھا تھا...... تھوڑے فاصلے پر نکل آنے کے بعد بینا نے کہا۔ "شہاب سنبھالو خود کو، تم کچھ زیادہ ہی جذباتی نہیں ہو گئے۔"

"ایں......" شہاب نے چونکی ہوئی نگاہوں سے بینا کو دیکھا اور بولا۔ "بینا یہ سب اچھا ہوا ہے، لیکن یہ ایک عمارت نہیں ہے ایسی بہت سی عمارتیں ہیں اور اب بات یہیں تک محدود نہیں رہی ہے، میں کوئی روایتی پولیس مین نہیں ہوں میرا ایک مشن ہے، یہ مشن میرے باپ کا بھی تھا بینا، میرے باپ نے ہمیشہ سچائیوں کی جانب قدم بڑھائے اور آخر کار انہی سچائیوں کے سمندر میں ڈوب کر انہوں نے اپنی زندگی ختم کر لی...... بینا میں بھی یہی چاہتا ہوں، میں اپنے جیسے سچ کے علمبرداروں کا محافظ ہوں، سمجھ رہی ہو نا تم میں سب کی مدد کروں گا، ابھی اور بھی بہت کچھ باقی ہے، لیکن میں تیل دیکھنا چاہتا ہوں تیل کی دھار دیکھنا چاہتا ہوں اس کے باوجود اگر ان لوگوں نے آپس میں سمجھوتا کر لیا تو پھر بینا، پھر......" شہاب خاموش ہو گیا۔

بینا نے آہستہ سے کہا۔ "چلو کریم سوسائٹی چلتے ہیں۔" شہاب نے زور سے آنکھیں بھینچی پھر بولا۔ "ٹھیک ہے چلو۔" اور ویگن کا رخ کریم سوسائٹی کی کوٹھی کی جانب ہو گیا۔

❀

غلام سوری نے موبائل اٹھا لیا، دوسری طرف سے آواز آئی۔ "پوکر بول رہا ہے سر۔"

"کیا بات ہے؟"

"سر آپ کو اطلاع مل گئی۔"

"کیسی اطلاع؟"

"کوئی خاص خبر نہیں پہنچی آپ کو؟"

"کیا تم سے کچھ معلوم کرنے کے لئے تمہاری منت کرنی پڑے گی۔" غلام سوری نے

ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"اوہ نہیں سر، میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ منحوس خبر میری زبان سے آپ تک پہنچے۔"

"پوکر...... تم جو بکواس کر رہے ہو، تمہیں اس کا اندازہ ہے۔" سوری غضب ناک لہجے میں بولا۔

"سر لائم ہاؤس تباہ کر دیا گیا۔"

"کیا؟" غلام سوری کے ہاتھ سے موبائل گر گیا...... اس نے جلدی سے اسے اٹھا کر کہا...... "کیا کہا تم نے؟"

"جی سر...... لائم ہاؤس تباہ کر دیا گیا بڑی چالاکی سے کام کیا گیا ہے...... لائم ہاؤس کے اوور ہیڈ ٹینک کے والو کھول دیئے گئے اور پانی کی لائن کو تمام منزلوں پر کاٹ کر پانی اندر پہنچا دیا گیا۔"

"کیا...... کیا بک رہے ہو......" غلام سوری رو دینے والی آواز میں بولا۔

"جی سر...... اس وقت پولیس نے اسے گھیرے میں لیا ہوا ہے، دور دور تک پہرہ لگا دیا گیا ہے...... سارے شہر کا پریس وہاں موجود ہے۔"

"تم کہاں ہو پوکر؟" غلام سوری نے سنبھل کر کہا۔

"موقع پر ہوں سر۔"

"میرے پاس آ جاؤ۔"

"میں خود بھی آنا چاہتا ہوں سر۔"

"وہاں کچھ لوگوں کو ضرور چھوڑ دینا، اندر کی صورت حال معلوم ہے؟"

"جی سر...... اندر داخل ہو چکا ہوں چالاکی سے، بعد میں باہر آنا پڑا۔"

"کیا قید خانہ بھی...... اچھا تم فوراً آ جاؤ۔" غلام سوری نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"اوکے سر۔"

فون بند کر کے غلام سوری بحرانی کیفیت کا شکار ہو گیا...... اس کے چہرے پر پسینہ نمودار ہو گیا...... وہ گہری گہری سانسیں لینے لگا۔

"اوہ میرے خدا...... اوہ مائی گاڈ۔"

پھر وہ اس وقت تک شدید اضطراب کا شکار رہا جب تک ایک ملازم نے آ کر اطلاع نہ

دی...... "صاحب جی منیجر صاحب آئے ہیں۔" اس کے بلانے پر پوکر اندر داخل ہو گیا...... اچھی جسامت کا ایک شاطر آدمی معلوم ہوتا تھا۔

غلام سوری نے سہمی نظروں سے اسے دیکھا پھر بولا۔

"ہاں۔"

"ٹینک کے والو کھول کر لائنیں کاٹ دی گئیں...... لیور کھول دیئے گئے اور سب کچھ تباہ ہو گیا...... پھر شارٹ سرکٹ ہوئے اور دھماکوں سے لوگ جاگ گئے...... انہوں نے پولیس کو اطلاع دی...... بجلی بند کر کے حالات پر قابو پایا گیا۔"

"وجہ معلوم ہو سکی؟"

"یہ سب کچھ کیا گیا ہے سر!" پوکر نے جواب دیا اور غلام سوری اسے دیکھتا رہا...... پھر بولا۔

"پوکر اب قید خانہ بھی پوشیدہ نہیں رہے گا۔"

"اب تک پتا چل چکا ہو گا سر۔"

"تمہیں اندازہ ہے کہ کیا ہو گیا؟"

"مجھ سے زیادہ کسے اندازہ ہو گا، ہمارے لئے مشکلات کے پہاڑ کھڑے ہو گئے...... ایک ارب ستر کروڑ کی سپلائی دینی تھی سر...... چھبیس تاریخ سے دواؤں کی پیکنگ شروع کرنی تھی...... وہ تو اب ختم ہو گئیں سر! اب یہ رقم واپس کرنی پڑے گی۔"

"قید خانے میں اسی کروڑ روپے کا مال تھا، صابر خان پاگل ہو جائے گا اسے کیسے سنبھالیں گے۔"

"جی سر اندازہ ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ہم ختم ہو گئے...... کیوں پوکر، ختم ہو گئے ہم...... واقعی ختم ہو گئے اور...... ہم جانتے ہیں کہ ہمیں کس نے ختم کیا ہے۔"

"آپ جانتے ہیں سر!"

"ہاں، ہم نے طوائف کو کہہ دیا تھا مگر سچ کہا تھا جھوٹ تو نہیں کہا تھا...... اب سب کچھ ختم ہو چکا ہے پوکر، تمہیں کچھ کام کرنے ہیں۔"

"حکم دیں سر۔"

غلام سوری خاموشی سے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "لائم ہاؤس کے کاغذات تو جعلی ہیں،

پولیس اس کی ملکیت کے بارے میں تو پتا نہیں چلا سکے گی۔"

"جی سر، وہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ بات کچھ عرصہ نبھی رہے گی..... ٹھیک ہے پوکر، ہوتا ہے یوں بھی ہوتا ہے..... ہو جاتا ہے کبھی کبھی..... پوکر تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہے۔"

"جی سر میں سمجھا نہیں۔"

"تمہارا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے، کوئن پارک کی کوٹھی میں جو کچھ ہے تم لے لو..... میں نے تمہیں دیا۔"

"سر بالکل نہیں سمجھا۔" پوکر حیرت سے بولا۔

"دیکھو، میں تقریباً تین ارب کے پھیر میں آچکا ہوں، سب کچھ فروخت کر دوں تب بھی ایک دو ارب بھی نہیں حاصل کر سکتا..... اس لئے کاروبار تو یوں گیا..... جن لوگوں سے تعلق ہے وہ مجھ سے زیادہ خطرناک ہیں اس لئے اب اپنا بچاؤ کرنا ہے۔"

"سر آپ ہمت نہ ہاریں۔"

"نہیں پوکر ہمت نہیں ہار رہا، مگر جو حقیقت ہے وہ نظر آ رہی ہے..... اس لئے عقل سے کام لے رہا ہوں، کوئن پارک کی کوٹھی تمام مال سمیت تمہاری ہے..... یہ تمہاری خدمات کا صلہ ہے..... میرے کچھ کام تمہیں فوری کرنے ہیں۔"

"میری جان حاضر ہے سر۔"

"تو پھر سنو، کام ارجنٹ ہیں۔" غلام سوری نے کہا اور پوکر کو آہستہ آہستہ کچھ بتانے لگا..... آخر میں پوکر نے افسردہ لہجے میں کہا۔

"سر کوئی اور حل نہیں نکل سکتا۔"

"تم بتاؤ!" غلام سوری نے کہا..... پوکر خاموش ہو گیا تھا..... غلام سوری نے پھر کہا۔

"اور کوئی حل نہیں ہے پوکر، چنانچہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہی کرو۔"

"جی سر۔"

"جاؤ، باقی سب کچھ بھول جاؤ۔"

"اوکے سر۔"

پوکر کے جانے کے بعد غلام سوری کچھ دیر سوچتا رہا پھر واش روم میں جا کر اس نے چہرہ

وغیرہ صاف کیا پھر واپس کمرے میں آ گیا..... اس کے بعد اس نے نوشین کو طلب کر لیا..... نوشین آ گئی تو اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہیلو بیٹے، کیا ہو رہا ہے؟"

"کچھ نہیں ڈیڈی، آج کل گھر میں پڑی رہتی ہوں۔"

"کیوں بیٹے؟"

"آپ کو معلوم نہیں ہے۔"

"ارے، ہمیں کیا معلوم۔"

"کسی کا سامنا کرنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"وجہ؟"

"وہ میرا مذاق اُڑائیں گے، کیا بگاڑ لیا میں نے جمشید کا..... اس نے تو مجھے رسوا کر دیا۔"

"سوری بیٹے، ہم نے پروگرام بدل دیا ہے۔"

"کیا ڈیڈی؟"

"وہ پارٹی والا پروگرام کینسل۔"

"گڈ، آپ ڈر گئے ڈیڈی۔" نوشین نے طنزیہ کہا۔

"نہیں بیٹے، ہمیں وہ پروگرام ہلکا محسوس ہوا۔"

"کیا مطلب؟"

"وہ سزا بھرپور نہیں ہو گی، اس کے لئے موت کی سزا سے کم کوئی سزا نہیں ہے، نہ صرف جمشید کو بلکہ..... بلکہ اس کی بہن بھی تو ہے، کیا نام ہے اس کا؟"

"سویرا!"

"دونوں کی شام کر دیں گے۔" سوری مسکرا کر بولا اور نوشین خوفزدہ ہو گئی۔

"نہیں ڈیڈی، اس حد تک نہیں۔"

"یہی مناسب ہے، لوگوں کو پتا تو چلے کہ اس کتے نے کس کی توہین کی تھی۔"

"نہیں ڈیڈی نہیں۔" نوشین نے کہا۔

"وہ صائمہ کہاں ہے ان دنوں، پچھلے دنوں تم امریکہ کے بارے میں کہہ رہی تھیں۔"

"آپ نے میری مانی ڈیڈی۔"

"پھر الزام، پھر الزام، ہم نے کہا تھا کچھ دن رک جاؤ، ہم اب اپنا وعدہ پورا کر رہے ہیں۔"

"تو کیا ڈیڈی...... تو کیا۔"

"ہاں منیجر سے کہہ دیا ہے کہ تم لوگوں کے لئے جلد انتظام کر دے تم تیاریاں کر لو۔"

"اوہ ڈیڈی ڈارلنگ، مائی سویٹ ڈیڈی،" نوشین خوشی سے باپ سے لپٹ گئی۔

"کوئی خاص بات نہیں ہے مرشد...... آپ نے دل و دماغ پر کچھ زیادہ ہی بوجھ لے لئے ہیں...... خود کو ریلیکس کیجئے...... بہتر ہے کچھ دیر باہر نکل جائیں۔"

"دوائیں لکھ دیں تم نے۔" سیٹھ محمودہ نے کہا۔

"جی مرشد۔"

"جاؤ آرام کرو۔" سیٹھ محمودہ نے خشک لہجے میں کہا اور ڈاکٹر اپنا بیگ سنبھالنے لگا...... پھر وہ سلام کر کے باہر نکل گیا...... محمودہ کی تیوریاں چڑھی ہوئی تھیں، کچھ دیر کے بعد وہ بولی...... "سب کا ایک ہی انداز ہے کوئی کم بخت سر بدل کر نہیں بولتا، ملیحہ کیا دنیا بس اتنی ہی رہ گئی ہے۔"

"ایک عرض کروں مرشد؟"

"خاک مرشد...... کاہے کی مرشد، لعنت کے ماروں نے اصلیت ہی بھلا دی...... اب آئینہ بھی دیکھو تو اپنی شکل نہیں پہچانی جاتی۔"

موبائل پر اشارہ موصول ہوا تو ملیحہ نے فون اٹھا لیا۔

"ہیلو۔" وہ بولی۔

"کون...... سیکرٹری صاحبہ۔"

"ہاں، کون ہے۔"

"جادو۔" "مرشد سے بات کراؤ...... جادو کی آواز اُبھری...... اور محمودہ نے ہاتھ بڑھا دیا۔

"ہاں کہو؟"

"اطلاع مل گئی مرشد۔"

"کون مر گیا منحوس؟" محمودہ نے کہا۔

"غلام سوری!" دوسری طرف سے آواز آئی اور محمودہ اس طرح اٹھ گئی جیسے

کرنٹ لگا ہو۔

"کیا بک رہا ہے۔"

"کتے کی موت مر گیا مرشد۔"

"جادو، کتے کے پلے کیا بک رہا ہے۔"

"اس عمارت پر کام ہو گیا مرشد جس میں اس کا مال بھرا ہوا تھا...... جادو نے کہا اور پوری تفصیل دہرا دی...... محمودہ سکتے کے عالم میں سن رہی تھی...... پھر وہ دیر تک خاموش رہی تھی...... دوسری طرف سے کوئی آواز نہیں آئی تو جادو نے کہا۔

"مرشد۔"

"ہاں سن رہی ہوں، جادو کتنے آدمی ہیں تمہارے پاس؟"

"مرشد کوئی ضرورت ہے کیا؟"

"ہاں۔"

"جتنے آپ چاہیں گی ہو جائیں گے۔"

"بیس خطرناک اور لڑاکا قسم کے آدمیوں کو ساتھ رکھو کسی بھی وقت ضرورت پیش آسکتی ہے۔" محمودہ نے کہا۔

"فکر نہ کریں مرشد بلکہ حکم دیں کہ کیا کرنا ہے؟"

"بس ایسے ہی خطرہ محسوس ہو رہا ہے، ذرا محتاط رہو اور آدمیوں کو تیار رکھو۔"

"آدمی آپ کو ہمیشہ تیار ملیں گے مرشد! آپ اس کی بالکل فکر نہ کریں۔" جادو نے جواب دیا اور سیٹھ محمودہ نے فون بند کر دیا پھر آہستہ سے بولی۔

"ملیحہ کچھ اور کام بھی کرنے ہیں۔"

"جی مرشد۔"

"ایسا کرو ٹیلی فون پر ڈیوائس لگا دو، ٹیلی فون ٹیپ ہونا چاہئے، ایسا کرو فرید کو بلاؤ وہ یہ کام کر دے گا۔"

"ٹھیک ہے مرشد۔" ملیحہ نے کہا...... سیٹھ محمودہ کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے کہا۔

"بات کچھ زیادہ ہی بگڑتی لگ رہی ہے، کہیں وہ کم بخت مجھ پر شک نہ کرے، کچھ باتیں پہلے بھی ایسی ہی ہو چکی ہیں حالانکہ میں نے ان بد بختوں کی ہمیشہ پشت پناہی کی ہے، اپنے تعلقات

سے کام لے کر انہیں مشکلوں سے بچائے رکھا ہے، مگر میں جانتی ہوں کہ...... جاؤ تم فرید کو بلاؤ۔" ملیحہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی تھی...... پھر ایک نوجوان آ گیا اور سیٹھ محمودہ کی ہدایت کے مطابق کاموں میں مصروف ہو گیا...... سیٹھ محمودہ انتظار کرتی رہی تھی...... نوجوان جب اپنے کام سے فارغ ہوا تو اس نے کہا۔

"ہو گیا؟"

"جی مرشد سارا کام ٹھیک ہو گیا ہے آپ چیک کر کے دیکھ لو۔"

"ٹھیک ہے، تم جاؤ۔" وہ چلا گیا تو سیٹھ محمودہ نے غلام سوری کے نمبر ڈائل کئے اور ریسیور کان سے لگالیا، لیکن دوسری جانب سے پتا چلا کہ غلام سوری موجود نہیں ہے...... پھر سیٹھ محمودہ نے کئی بار اسے ٹرائی کیا تھا، لیکن غلام سوری اپنی جگہ موجود نہیں ملا تھا۔

❋

شہاب بہت مطمئن نظر آ رہا تھا، بینا نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولی۔

"بہت زیادہ خوش ہیں۔"

"ہاں بینا کھیتی پک گئی ہے، بس اب فصل کٹنے والی ہے۔"

"کیا آئیڈیا ہے آپ کا؟"

"جہاں تک میرا اندازہ ہے چوکھی رہے گی، ویسے ڈبل زیرو سیون کے افراد ان عمارتوں پر تعینات ہو گئے ہیں۔"

"جی...... اور اس کے ساتھ ساتھ ہی میں نے انہیں گشت کی ہدایت بھی کر دی ہے، وہ مسلسل پٹرولنگ پر رہیں گے۔"

"ٹھیک ہے، شہابو کے بارے میں کیا رپورٹ ہے؟"

"ہیڈ کوارٹر میں ہی موجود ہے اور مطمئن ہے۔"

"ٹھیک، لیکن بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی...... ویسے اس عمارت کا تو کباڑہ ہو گیا۔"

"نہ صرف کباڑا ہو گیا بینا، بلکہ اور بھی بڑا گھپلا نکل آیا۔"

"کیا؟" بینا نے چونک کر سوال کیا۔

"ہم نے یہ تو اندازہ لگایا نہیں تھا کہ عمارت کے نیچے تہ خانہ بھی ہو سکتا ہے، عمارت کے نیچے اسلحے کے عظیم الشان ذخائر نکلے ہیں، کروڑوں روپے کی مالیت کے ذخائر، یہ سمجھ لو

وہ عمارت پورا بارود خانہ تھی اور خدانخواستہ اگر اس بارود خانے میں پانی نہ پہنچ جاتا اور کسی اور طرح شارٹ سرکٹ ہو جاتا تو اندازہ یہ لگایا گیا ہے کہ قرب وجوار کا کم از کم دس کلومیٹر کا علاقہ تباہ و برباد ہو جاتا، کیا مشکل ہے، بینا، اہل وطن نے وطن کے لئے کس طرح تباہی کے سامان کر رکھے ہیں۔"

"تو پھر شہاب، باقی عمارت کے بارے میں کیا کہتے ہو؟"

"کچھ نہیں کہا جا سکتا بینا، میں تو واقعی خوفزدہ ہو گیا ہوں، ویسے میں نے ہیڈ کوارٹر کو رپورٹ دی ہے اور ایمرجنسی سکواڈ طلب کر لئے ہیں لیکن بد قسمتی ہے، کیا کروں، کیا بتاؤں، ابھی میری خواہش کی تکمیل نہیں ہو رہی بلکہ مجھ سے الٹے سیدھے سوالات کئے جا رہے ہیں کہ کیا قصہ ہے، میں بھی اڑ گیا ہوں، میں نے کہہ دیا ہے کہ ابھی کوئی قصہ میرے علم میں نہیں ہے، بس کچھ شواہد ملے ہیں کہ شہر میں کچھ گڑبڑ ہونے والی ہے، دیکھو کیا ہوتا ہے کوشش تو کر رہا ہوں کہ سپیشل سکواڈ مل جائے تو ان عمارتوں کے اردگرد پھیلادوں۔" بینا پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگی تھی۔

❋

سیٹھ محمودہ کو ٹیلی فون کال موصول ہوئی تھی اور سیٹھ محمودہ نے فون آن کر دیا تھا...... دوسری طرف سے آواز ابھری۔

"ہیلو، سیٹھ محمودہ۔" سیٹھ محمودہ نے غلام سوری کی آواز پہچان لی تھی، جلدی سے بولی۔

"کہاں مر گئے تھے تم غلام سوری، پاگلوں کی طرح تمہیں تلاش کرتی پھر رہی ہوں۔"

"کتیا کی بچی! میں تیری خاندانی حیثیت جانتا ہوں، کم از کم اتنے دنوں میں تجھے شریف لوگوں کی زبان تو سیکھ لینی چاہئے تھی۔"

سیٹھ محمودہ ایک دم خاموش ہو گئی، کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔

"خوب! غلام سوری خوب...... میں نے تو یہ زبان اپنائیت میں استعمال کی تھی، جب سے تمہارے نقصان کے بارے میں سنا ہے، مسلسل فون کر رہی ہوں، اپنے آدمیوں سے پوچھ لینا معلوم کرنا چاہتی تھی کہ کیا ہوا ہے؟"

"یہ معلوم کرنا چاہتی تھی یا یہ معلوم کرنے کی خواہشمند تھی کہ زندہ ہوں یا مر گیا۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو، ہم تو ہمیشہ تمہاری زندگی کی دعائیں مانگتے رہتے ہیں؟"

"یقیناً یقیناً مجھے اندازہ ہے، لیکن سیٹھ محمودہ جو کچھ تو نے کیا ہے تجھے نہیں کرنا چاہئے تھا، اپنی اوقات بھول گئی کمینی عورت، اوقات بھول گئی اپنی، ارے تو کیا ہے ہمارے سامنے۔ تو صرف ایک مرکز ہے ہمارا اہم تجھ سے کام لیتے ہیں بس اور تیری کیا اوقات ہے۔"

"غلام سور! جو کچھ کہہ رہے ہو اس پر غور بھی کر رہے ہو، مجھ سے ایسی باتیں کر رہے ہو؟"

"بہر حال اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تو نے مجھے مالی بحران میں مبتلا کر دیا ہے، لیکن ہوتا ہے چلتا ہے نمٹ لوں گا اس بحران سے البتہ اس کے بدلے ایک تحفہ پیش کیا ہے تجھے، وہ تحفہ وصول کر لے بس میرے خیال میں میرا دل تو مطمئن ہو گیا۔"

"کک...... کیا بک رہے ہو کک...... کیسا تحفہ؟"

"گاڑی ہے تیرے پاس ایک سیاہ رنگ کی، ویگن جو تیرے گھر کے عقبی حصے میں کھڑی رہتی ہے، تحفہ اس میں موجود ہے...... اچھا بس پھر ختم کرتا ہوں اور ایک بات سن لے، مجھے جو نقصان ہوا ہے تو یہ نقصان اب میری ذات تک محدود نہیں رہے گا، دوسروں کو بھی کچھ فائدے پہنچاؤں گا میں، یہ تو میرے لئے ممکن نہیں ہے کہ صرف میں دیوالیہ اور قلاش کہلاؤں کچھ مزے تیرے دوسرے ساتھیوں کو بھی چکھنے پڑیں گے۔"

"غلام سوری مجھ سے ملاقات کرو، میں تم سے بات کرنا چاہتی ہوں۔" جواب میں دوسری طرف سے فون بند ہو گیا...... سیٹھ محمودہ ریسیور ہاتھ میں لئے کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔

"ملیحہ جاؤ ذرا دیکھو تو سہی کیا تحفہ ہے اس میں لیکن ایسے نہیں، ذرا خیال رکھنا، کہیں کم بخت نے گاڑی میں کوئی بم وغیرہ نہ چھپا دیا ہو...... فرید ہی کو استعمال کرو، وہ ٹیکنیکل آدمی ہے، ذرا چار چھ بندوں کو لے کر جاؤ، اچھا میں خود چلتی ہوں، تم سوچو گی تمہیں مروا رہی ہوں ایسی بات نہیں ہے...... پھر تقریباً چھ افراد سیٹھ محمودہ اور ملیحہ کے علاوہ اس خوب صورت کوٹھی کے عقبی حصے میں پہنچ گئے تھے انہیں ہدایات دے دی گئی تھیں اور انہوں نے تمام حفاظتی انتظامات کر لئے تھے، ویگن اس وقت بے حد خوفناک چیز بن گئی تھی...... ویگن کا دروازہ کھولا گیا اور ٹارچوں کی روشنیاں اندر ڈالی گئیں، لیکن دیکھنے والے اندر نگاہ ڈال کر بری طرح سہم کر پیچھے ہٹ گئے تھے...... سیٹھ محمودہ خود بھی چونکی تھی...... وہ لوگ دو قدم پیچھے ہٹے تو وہ دس قدم پیچھے ہٹ گئی...... تب ان میں سے ایک نے کہا۔

"مرشد۔"

"کک...... کیا ہے؟"

"مرشد، آپ خود دیکھ لیں۔"

"اکیلے نہیں مرنا چاہتے تم، میرے ساتھ مرو گے تو آؤ تم کیا سمجھتے ہو مجھے، ایسے ہی سارا نظام تو نہیں قائم کر لیا تھا۔"

سیٹھ محمودہ نے کہا اور ویگن کے پاس پہنچ گئی...... ٹارچوں کی روشنیوں میں جو منظر سیٹھ محمودہ کو نظر آیا اس کے لئے وہ ناقابل یقین تھا، اندر دو لاشیں رکھی ہوئی تھیں...... ایک جمشید کی دوسری سویرا کی...... سیٹھ محمودہ پر سکتہ سا طاری ہو گیا...... چند لمحے وہ خاموش رہی اس کا پورا بدن لرز رہا تھا...... لباس پسینے میں شرابور ہو گیا تھا...... پھر اچانک اس کے اندر ایک عجیب سی دیوانگی اُبھر آئی اور وہ ویگن پر چڑھ گئی...... ٹارچوں کی روشنیاں دونوں کو نمایاں کر رہی تھیں...... ان کے سینوں میں گولی ماری گئی تھی اور دونوں پاس پاس ویگن میں پڑے ہوئے تھے...... سیٹھ محمودہ انہیں دیکھتی رہی...... اس کا چہرہ آگ کی طرح سرخ ہو گیا تھا...... پھر وہ آہستہ سے بولی۔

"یہ کیا کیا ہے اس نے...... یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی...... میرے بچے مار دیئے اس نے...... میرے بچے مار دیئے...... یہ غلط ہو گیا...... کھیل تو ہمارے درمیان تھا...... بچوں سے کیا واسطہ...... ہیں دیکھو بچوں سے تو کوئی واسطہ بھی نہیں تھا...... ارے واہ کیا بزدلی دکھائی ہے اس نے، اس...... سویرا...... جمشید۔"

"وہ ایک دم خاموش ہو گئی...... پھر لہرائی اور ویگن میں ہی بے ہوش ہو گئی۔

دونوں کی تدفین نہایت خاموشی سے کر دی گئی تھی...... محمودہ نے کسی کو خبر نہیں کی تھی...... بس رات کی تاریکی میں یہ کام ہو گیا تھا...... جادو اور دوسرے لوگ اس کام میں پیش پیش تھے...... سیٹھ محمودہ حیرت ناک طور پر نارمل ہو گئی تھی۔

پانچ دن گزر گئے...... چھٹے دن محمودہ نے جادو کو طلب کر لیا...... وہ خاموشی سے اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"کتنے آدمی ہیں تمہارے پاس؟"

"بہت ہیں مرشد...... حکم دو۔"

"ڈائنامائٹس کا انتظام کر سکتے ہو؟"

"ہو جائے گا مرشد۔"

"سوچ سمجھ کر بات کرو۔"

"جی مرشد...... آپ کے ہر حکم کی تعمیل ہو جائے گی۔"

"بیوی بچے ہیں تمہارے؟"

"نہیں مرشد۔"

"ملک سے باہر جانا چاہتے ہو؟"

"اگر حکم ہو تو۔"

"دو کروڑ روپے دے دوں گی تمہیں...... تمہاری زندگی اچھی گزر جائے گی۔ دبئی چلے جانا...... پیسے تمہیں وہیں مل جائیں گے...... پہلے تمہارا اطمینان کرادوں گی۔"

"مرشد میں آپ کو جانتا ہوں، آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔" جادو نے دل سوزی سے کہا۔

"نہیں جادو نہیں، میری بات کو گرہ میں باندھ کر رکھو سب ناقابل بھروسا ہیں کسی پر بھروسا کرو گے تو زندگی کھو بیٹھو گے اور سنو ضرورت ہی سب کچھ ہوتی ہے...... ضرورت پوری ہو جائے تو اچھا ہے برائیوں سے بچو، انسان پھنستا ہے تو پھر نکل نہیں پاتا...... کوئی راستہ نظر آجائے نکلنے کے لئے تو سمجھو تقدیر ساتھ دے گئی۔ دو کروڑ روپے بہت ہوتے ہیں، بدل لینا اپنے آپ کو اور پھر ہو سکے تو کوئی غلط کام نہیں کرنا...... جادو زندگی کی ہما ہمی تو آخر کار ختم ہو جاتی ہے...... بدن کہتا ہے اب سکون سے بیٹھو، یہ سکون کبھی کبھی چاہنے کے باوجود نہیں ملتا...... جادو بڑی آرزو ہوتی ہے انسان کی کہ وہ برائیوں کے شکنجے سے نکل جائے، پھنسنا اپنے ہاتھ میں ہوتا ہے روشنی دور سے روشنی نظر آتی ہے لیکن اس کے سائے میں جتنی تاریکیاں پھیلی ہوتی ہیں وہ تصور سے باہر ہوتی ہیں...... پھر کف افسوس ملنے کے سوا باقی کچھ نہیں رہ جاتا...... میں نے بھی آج تک ان اژدہوں پر بھروسا کر کے کیا پایا کچھ بھی نہیں...... جب میرا وقت آیا تو سب بھاگ گئے، کوئی میرے کام نہ آیا میں یہی چاہتی ہوں جادو کہ تم خود کو سنبھال لو، سمجھ رہے ہو نا میری بات؟"

"جی مرشد۔"

"محمودہ کہو بلکہ محمودی کہو، اپنے بچے کھو بیٹھی میں، آج کی بات نہیں ہے جادو بہت بار یہ چاہا کہ فرار حاصل کرلوں ان تمام اژدہوں سے جو میرے بدن سے لپٹے ہوئے ہیں مگر کیا کرتی بڑی سخت گرفت تھی ان کی...... نکل نہیں سکی تھی میں...... خیر جانے دو...... نقصان ہونا تھا ہو گیا، کیا کروں ان تمام چیزوں کا، کسے دوں، بانٹنے کو دل بھی تو نہیں چاہتا...... نہ جانے کس کس کے لئے کیا کیا کچھ رکھا تھا چلو چھوڑو، ہاں تو تم سن رہے میری بات؟"

"جی مرشد۔"

"دیکھو کام کچا مت کرنا...... آخری بھروسا کر رہی ہوں میں تم پر کوئی کچا کام مت کرنا...... سمجھ رہے ہو نا۔"

"جی مرشد۔"

"بہت سے بوجھ لاد سکتی تھی میں تم پر، مگر اب کسی اور کو کھونا نہیں چاہتی، یہ سب کچھ تو میں نے اپنے ہاتھ سے کیا ہے کسے الزام دوں، میں نے بھی تو وہ سب کچھ کیا ہے جادو، میں نے بھی تو زندگیاں لی ہیں جادو، یہی سب کچھ میرے ساتھ ہو گیا تو اب کیا شکوہ...... نہیں جادو میں شکوہ بھی تو نہیں کر سکتی اپنے اعمال خود اپنی نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں...... اچھا تو میرے بیٹے جو کچھ میں کہہ رہی ہوں وہ کر لینا اس سے دل کو کچھ سکون مل سکتا ہے...... ایسے تو نہیں باز آجاؤں گی میں۔"

"آپ حکم دیں مرشد۔" جادو نے کہا۔

"دیکھو وقت دے رہی ہوں تمہیں پہلے اپنی روانگی کا مکمل بندوبست کرلو، بس میرا کام کرنا اور کام سے فراغت حاصل کرتے ہی ایئرپورٹ پہنچ جانا...... ایسا انتظام کر لینا کہ تمہاری فلائٹ تمہیں مل جائے...... پھر یہاں رکنے کی ضرورت نہیں ہے...... مانو گے تو نا میری بات؟"

"جی مرشد۔"

"کان قریب لاؤ، میں تمہیں تفصیلات بتادوں پھر سیٹھ محمودہ جادو کو بہت دیر تک کچھ سمجھاتی رہی تھی اور جادو گردن ہلاتا رہا تھا۔"

پہلا بلاسٹ آٹھ بج کر پچیس منٹ پر ہوا تھا اور پوری عمارت زمین پر آرہی تھی، وہ تو شکر تھا کہ جگہ ایسی تھی کہ عام لوگ وہاں موجود نہیں تھے، پھر بھی چند افراد جو عمارت کے نگران تھے عمارت کے ملبے تلے دب گئے...... دور دور تک دروازے، کھڑکیاں اور شیشے ٹوٹے تھے، دھماکے کی شدت سے آس پاس کی بہت سی عمارتوں میں شگاف پڑ گئے تھے......

پھر دوسرا دھماکہ اور اس کے بعد تیسرا دھماکہ...... خوف ناک تباہی پھیل گئی تھی اور انتظامیہ کے تمام محکمے دوڑ پڑے تھے، جانی نقصانات نہ ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا...... ایسے خوف ناک دھماکہ جن کا تصور کرنا بھی مشکل تھا...... انتظامیہ کے ہر فرد پر ذمہ داری آپڑی تھی...... اب علاقوں کی بات نہیں رہ گئی تھی۔

شہاب بھی گھر میں موجود تھا کہ رات کی ڈیوٹی پر موجود آفیسر نے اسے اطلاع دی اور جن عمارتوں کے بارے میں اطلاع دی ان کی تباہی کا حال سن کر شہاب کے رونگٹے کھڑے ہوگئے...... پھر وہ برق رفتاری سے دوڑ پڑا تھا، لیکن کوئی فائدہ نہیں...... البتہ اس نے اپنی فورس بالکل مختلف جگہوں پر لگائی تھی اور اسے علم تھا کہ اور کون کون سی ایسی عمارتیں ہیں جن میں اب بلاسٹ ہوسکتا ہے اور یہ کوشش بڑی کارگر رہی تھی...... اس وقت وہ سبحان طاہر کی فراہم کردہ تصاویر کے تحت ایک ایسی عمارت کے پاس پہنچا تھا جو ابھی تک صحیح سالم تھی اور شاید بروقت ہی پہنچ گیا تھا کیونکہ سیاہ رنگ کی وہ کار جس میں پانچ افراد سوار تھے بڑے پراسرار انداز میں عمارت کے بغلی حصے میں رُکی تھی اور شہاب پوری طرح مستعد ہوگیا تھا...... اس نے کہا۔

"گلاب جان بغیر کسی تکلف کے ان لوگوں کو قبضے میں لے لو چاہے نتیجہ کچھ ہی برآمد ہو۔" گلاب جان مستعد آدمی تھا اور بڑی مستعدی کے ساتھ اس نے انتہائی برق رفتاری سے کام کیا تھا...... وہ چار آدمی جن کی سربراہی پانچواں شخص کر رہا تھا آہستہ آہستہ عمارت کی جانب بڑھ رہے تھے اور انہوں نے کوئی وزنی چیز اٹھا رکھی تھی...... گلاب جان نے اچانک ہی ان پر عقب سے چھاپہ مارا اور پولیس کے تمام افراد نے ان سب کو دبوچ لیا جو شخص ان کی سربراہی کر رہا تھا اس نے پستول نکال کر فائر بھی کیا لیکن گولی کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکی، البتہ اس کے سر پر رائفل کا بٹ مار کر اسے زخمی کر دیا گیا اور پھر ان پانچوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ بڑی بروقت کارروائی تھی...... ڈائنامائٹ کا جو ذخیرہ ان کے پاس سے برآمد ہوا تھا وہ

اس عمارت کو تباہ کرنے کے لئے کافی تھا...... شہاب نے پوری طرح انہیں جکڑ کر پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچادیا تھا...... ساری رات اس نے ان عمارتوں کی نگرانی کی تھی...... لیکن اندازہ ہوگیا تھا کہ یہی ایک گروپ سرگرم عمل تھا اور اسی نے تین عمارتیں اُڑائی تھیں۔

صبح کو شہاب ہیڈ کوارٹر پہنچ گیا...... یہاں آئی جی صاحب، ڈی آئی جی، ایس ایس پی، تمام حضرات موجود تھے...... یہ لوگ بھی ساری رات ہی مختلف کارروائیوں میں مصروف رہے تھے...... شہاب اس وقت بڑی وی آئی پی حیثیت اختیار کر گیا تھا...... آئی جی صاحب نے کہا۔

"مسٹر شہاب! اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ نے بروقت کارروائی کر کے مجرموں کو گرفتار کیا ہے لیکن آپ اس عمارت تک کیسے پہنچے جہاں یہ کارروائی ہونے والی تھی؟"

"میں بہت عرصے سے اس سلسلے میں کام کر رہا ہوں سر۔"

"کیا آپ کو اس تباہی کا خطرہ تھا؟"

"نہیں جناب، اس حد تک نہیں۔"

"پھر بھی یہ عمارتیں اس حیثیت سے آپ کی نگاہوں میں مشکوک تھیں۔"

"جی سر۔"

"کیوں؟"

"سر اس کا جواب میں ابھی نہیں دے سکتا۔"

"کیوں؟"

"پوری رپورٹ تفصیل سے پیش کروں گا۔"

"سوال میں کر رہا ہوں۔"

"جی سر۔"

"جواب دو۔"

"سر ابھی ممکن نہیں ہے، ان لوگوں کو ڈائنامیٹ سمیت گرفتار کیا گیا ہے...... اگر ایسا نہ ہوتا تو کیا آپ میری کاوشوں کو کوئی اہمیت دیتے۔"

"غیر ضروری سوال ہے۔"

"سر، یہ وردی، یہ اعزاز...... آپ کی نہیں پورے محکمے کی امانت ہے...... میں اسی کے حوالے سے آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ پولیس کی زیادہ سے زیادہ نفری ان عمارتوں پر

لگادی جائے جن کی میں نشاندہی کروں۔"

"صرف نشاندہی نہیں، مجھے ان کے بارے میں رپورٹ دو۔"

"وقت آنے پر۔"

"تم ضد کر رہے ہو آفیسر۔"

"سر آپ سے ضد کر رہا ہوں، اپنے افسر اعلیٰ سے اور یہ ضد ضرورت کے تحت ہے...... اس کی جواب دہی کروں گا، ورنہ سر، کل ان عمارتوں میں کچھ نہ ہوگا، یہ خالی ہوں گی اور میں کچھ بھی ثابت نہ کر سکوں گا۔"

"کیا ہے ان عمارتوں میں؟"

"شاید اربوں روپے کی مالیت کے غیر قانونی ساز و سامان۔" شہاب نے جواب دیا۔

"تمہیں یقین ہے۔"

"جی سر!"

"کس کی ملکیت ہے؟"

"یہ بعد میں بتاؤں گا! اور سنئے سر! پریس پر کوئی پابندی نہ لگائی جائے...... میں نے تمام اخبارات کے نمائندوں کو فون کر کے وہاں پہنچنے کی ہدایت کر دی ہے۔"

"کیا یہ اپنی حد سے تجاوز نہیں ہے۔"

"نہیں سر! یہ بالکل ضروری اور قانونی قدم ہے...... اگر بروقت یہ نہ ہوتا تو کچھ بھی نہ ہوتا۔"

"تم سر پھرے آدمی معلوم ہوتے ہو۔"

"شکریہ سر! اس خطاب کے لئے میں آج تک سرگرداں تھا...... بے حد شکریہ۔" شہاب کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی...... پھر اس نے کہا۔ "ایک اور عرض کروں سر، ان عمارتوں کے مالکوں کو ابھی ایک دلچسپ کھیل میں حصہ لینا ہے...... آپس میں خونریزی کے کھیل میں...... برائی اپنے ہاتھوں دم توڑے گی سر، شیطنیت آپس میں دست و گریبان ہو گی۔"

"گویا قتل و غارت گری ہو گی؟"

"جی سر...... لیکن یہ ضروری ہے۔"

"انسپکٹر شہاب ثاقب، تمہیں سختی سے مجبور کیا جا سکتا ہے کہ تم فوراً سب کچھ بتا دو۔"

"سر میرے باپ کا نام ثاقب حسین تھا...... شبیہ حق ثاقب حسین، اگر ان کے بارے میں جانتے ہیں تو آپ کو ضرور معلوم ہو جائے گا کہ اس خاندان کی لغت میں لفظ مجبوری موجود نہیں ہے۔" شہاب نے بے باکی سے کہا اور وہ لوگ اسے پریشان نظروں سے دیکھنے لگے...... پھر آئی جی صاحب نے ڈی آئی جی سے کہا۔

"یہ جو کچھ کہتا ہے کرو۔"

"یس سر!" ڈی آئی جی نے کہا۔

❁

سیٹھ محمودہ نے فون اٹھا لیا۔ "ہیلو!"

"محمودہ، میں طاہر جمالی بول رہا ہوں۔"

"ہیلو جمالی صاحب!"

"یہ کیا ہو گیا محمودہ۔"

"بڑے کھلاڑیوں کا کرکٹ میچ ہو رہا ہے۔"

"محمودہ، میرا اربوں روپے کا نقصان ہو گیا۔"

"شیخ اختیار کا بھی ہوا ہے، فاضل فیروز کے مال پر بھی قبضہ ہو گیا ہے...... اب تو یہ عمارتیں فوج کے قبضے میں آ گئی ہیں کیوں کہ ان سے جدید ترین اسلحہ بھی برآمد ہوا ہے۔"

"مگر کیسے؟"

"کالی بلی تو ہمارے ہی تھیلے میں گھسی ہوئی ہے، میں کب تک تمہارا دفاع کروں۔"

"اتنا تو بتا سکتی ہو، وہ کون ہے؟"

"میرے پاس آ سکتے ہو؟"

"اس وقت نہیں، میری جان پر بنی ہوئی ہے۔"

"تو پھر سنو، جو کچھ میں سنا رہی ہوں اسے سنو۔" سیٹھ محمودہ نے کہا اور ملیحہ کو اشارہ کیا...... پھر غلام سوری کا ریکارڈ کیا ہوا کیسٹ آن کر دیا...... پورا کیسٹ سننے کے بعد طاہر جمالی کی آواز ابھری۔

"اوہ...... یہ غلام سوری، تو یہ اس نے کیا ہے...... ہم نے تو اسے نقصان نہیں پہنچایا تھا۔"

"مگراس نے سب کا تیاپانچہ کر دیا۔" دوسری طرف سے فون بند ہو چکا تھا۔

غلام سوری اپنی کوٹھی کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا گہری سوچ میں ڈوبا نظر آرہا تھا...... اس کے سامنے کئی ٹیلی فون رکھے ہوئے تھے اور وہ وقفے وقفے سے آنے والی ٹیلی فون کالز سن رہا تھا...... پھر اسے ایک فون موصول ہوا۔

"ہاں کیا بات ہے؟"

"غلام سوری میں فاضل فیروز بول رہا ہوں۔"

"اوہو کہو فاضل فیروز۔"

"کیا کاروبار یہی ہوتا ہے غلام سوری۔"

"بہت دیر کے بعد مجھ سے گفتگو کرنے کا خیال آیا تمہیں۔" غلام سوری نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ہاں تم نے جو گڑھا ہمارے لئے کھودا ہے اس کی گہرائی سے نکلنا آسان کام تو نہیں تھا۔"

"تم سب گدھے ہو، ناکارہ اور اپنی حیثیت کے ناقابل۔"

"اور تم غلام سوری؟"

"میری بات چھوڑو، یہ بتاؤ کیا تم تمام لوگوں نے مجھے ہی اپنا ٹارگٹ بنایا ہوا ہے۔"

"چالاک آدمی کیا تو اس طرح اپنی موت سے بچ سکتا ہے۔"

"گدھے، بالکل گدھے ہو تم...... میں......" غلام سوری نے اتنا ہی کہا تھا کہ اچانک ڈرائنگ روم کا دروازہ ایک زوردار آواز کے ساتھ کھلا اور اس کے ساتھ ہی چند افراد بھرا مار کر اندر داخل ہو گئے...... ان کے ہاتھوں میں سٹین گنیں تھیں، پھر انہوں نے غلام سوری پر فائرنگ شروع کر دی اور فون کا ریسیور غلام سوری کے ہاتھ سے گر پڑا...... آخری بات جو اس کے کانوں تک پہنچی تھی وہ ایک طنزیہ قہقہہ تھا اور اس کے بعد اس کا پورا جسم گولیوں سے اس طرح چھلنی ہوا تھا کہ شاید جسم کا کوئی بھی حصہ نہیں بچ سکا تھا...... سٹین گن بردار اس کے بعد ڈرائنگ روم کی قیمتی اشیاء پر گولیاں برسانے لگا پھر کوٹھی کے دوسرے حصوں میں پہنچ گئے اور ہر چیز تباہ و برباد کر دی...... دس منٹ تک وہ اس کمانڈو ایکشن میں مصروف رہے اور اس کے بعد باہر نکل آئے...... پھر انہوں نے کئی دستی بم عمارت پر پھینکے اور عمارت

خوفناک دھماکوں سے گونج اٹھی...... وہ لوگ مختلف گاڑیوں میں بیٹھ کر چلے گئے تھے...... غلام سوری کی اس کوٹھی میں جتنے افراد تھے، وہ سب اس دہشت گردی کا نشانہ بن گئے تھے۔

انسپکٹر شہاب، سیٹھ محمودہ کی کوٹھی میں داخل ہو گیا، کوٹھی کے حالات بالکل پرسکون تھے کوئی ایسی کارروائی دیکھنے میں نہیں آئی جسے احتیاطی کارروائی کہا جا سکے...... وہ لوگ پرسکون تھے۔ غالباً سیٹھ محمودہ کی طرف سے انہیں ہدایات تھیں اور یوں لگ رہا تھا جیسے وہ انتظار میں ہی ہوں...... ڈرنگ روم میں محمودہ پرسکون انداز میں بیٹھی ہوئی تھی...... شہاب، گلاب جان کے ساتھ اندر داخل ہو گیا...... سیٹھ محمودہ نے آسودہ نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر آسودہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے نرم لہجہ میں کہا۔

"آؤ انسپکٹر آؤ...... بڑے سست رفتار ہو گیا تمہیں بہت پہلے نہیں آنا چاہئے تھا۔"

"بس مرشد آپ تو جانتی ہی ہیں کہ ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے، آپ روحانیت سے تعلق رکھتی ہیں، ہم تو جو کچھ بھی سیکھتے ہیں آپ ہی سے سیکھتے ہیں۔"

"مردوں پر طنز نہیں کیا کرتے انسپکٹر، طنز تو ان زندہ انسانوں پر کیا جاتا ہے جو مقابلے کے لئے سینہ تان کر کھڑے ہوں۔" سیٹھ محمودہ نے کہا اور شہاب خاموشی سے اسے دیکھنے لگا، پھر بولا۔

"آپ کی گرفتاری کے وارنٹ ہیں میرے پاس۔"

"ارے ہم تو کب سے انتظار کر رہے ہیں، اب تم ہی سست ہو تو ہم کیا کریں...... ویسے جینے کی دعائیں دوں گی تمہیں آج خلوص دل سے جینے کی دعائیں دوں گی تمہیں...... تم نے ہم سب کا تیاپانچہ کر کے رکھ دیا...... اصل میں غلطی مجھ سے ہی ہوئی تھی...... پہلی ہی بار جب آئے تھے اور چیک قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا تو میرے دل کو یہ احساس ہوا تھا کہ عقل رکھتے ہو، حالات کو سمجھنا جانتے ہو...... ہو جاتی ہے غلطی کبھی کبھی انسپکٹر ہو گئی...... چلو خیر ٹھیک ہے، ہاں ایک بات کہوں تم سے...... چاہو تو مان لینا حالانکہ تم سے اپنی بات منوانے کا کوئی جواز نہیں ہے میرے پاس، لیکن انسان کہتا ہی ہے کچھ نہ کچھ کہتا ہی ہے۔"

"جی مرشد۔"

"مت اڑاؤ میرا مذاق، مرشد مرشد مت کہو مجھے، محمودہ ہے میرا نام بلکہ محمودی ہے، بڑے پس ماندہ گھرانے کی عورت ہوں...... بس ایک دن آسمان کی جانب پرواز شروع کر دی

تھی اڑتی رہی، آخرکار تھک گئی۔ چلو چلیں۔" اس نے سوال کیا اور شہاب نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی۔

سیٹھ محمودہ نے خاموشی سے گرفتاری دے دی...... شہاب کے ساتھ آئی ہوئی لیڈی سب انسپکٹر نے سیٹھ محمودہ کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دی تھی۔

پولیس ہیڈ کوارٹر میں بڑے بڑے افسروں نے ان کا استقبال کیا تھا...... بہت بھیانک واقعات ہوئے تھے...... بہت سی انسانی جانیں ضائع ہوئی تھیں...... ایک عجیب افراتفری مچی ہوئی تھی۔

سیٹھ محمودہ نے بیان دیا۔

"ہاں، میں ایک بے اوقات عورت ہوں...... وہ ساری برائیاں کیں میں نے جو معاشرے کو تباہ کرنے کے لئے کافی ہوتی ہوں، لیکن جن لوگوں کی پشت پناہی مجھے حاصل رہی ذرا ان کے نام لکھو۔"

اس کے بعد اس نے ان لوگوں کے نام بتانے شروع کئے اور افسران بالا دنگ رہ گئے۔

"بکواس کرتی ہو تم...... اپنے ساتھ ان لوگوں کو ملوث کرنا چاہتی ہو۔"

"پہلی بار تو سچ بول رہی ہوں ظالمو، میری کوٹھی پر چھاپہ مارو، سارا ریکارڈ موجود ہے...... اب کس کے لئے جھوٹ بولوں گی...... میرے بچے دشمنوں کا شکار ہو گئے۔"

سیٹھ محمودہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی...... وہ اپنے بچوں کی موت کے بعد پہلی بار روئی تھی۔

شہاب نے تفصیلی رپورٹ پیش کر دی...... اس نے کہا۔

"سر! میرے پاس ایک عورت اپنے بچوں کے ساتھ روتی ہوئی آئی...... یہ ایک صحافی سبحان طاہر کی بیوی تھی جسے اغوا کر لیا گیا تھا...... میں نے سبحان طاہر کی بازیابی کے لئے کوششیں شروع کیں اور اسے برآمد کر لیا، لیکن عین اس وقت جبکہ ہم اسے لے کر آ رہے تھے پولیس وین پر حملہ کیا گیا اور سبحان طاہر کو دوسرے گروپ نے اغوا کر لیا...... اصل میں وہ سچا صحافی ان بڑے بڑے لوگوں کی ملک دشمن سرگرمیوں کے بارے میں تفتیش کر رہا تھا...... وہ پھر ہمارے ہاتھ سے نکل گیا، لیکن سیٹھ محمودہ کے جس آدمی نے سبحان طاہر کو اغوا کیا تھا وہ میرے پاس رہ گیا اور اسی سے یہ اہم انکشافات ہوئے۔ بعد میں سبحان طاہر بھی کسی طرح اس

دوسرے گروپ کے چنگل سے نکل بھاگا، لیکن دیر ہو چکی تھی...... ایک دوسرے کے خلاف تخریب کا عمل شروع ہو چکا تھا...... میں نے سبحان طاہر کے انکشاف پر بچ جانے والی عمارتوں کا تحفظ کیا اور وہاں سے جادو نامی اس شخص کو اس کے گروپ کے ساتھ گرفتار کیا، جس نے سیٹھ محمودہ کے بارے میں انکشاف کئے۔"

"سبحان طاہر کہاں ہے؟" آئی جی صاحب نے پوچھا۔

"میرے پاس ایک فون نمبر ہے جس پر اسے پیش ہونے کا میسج دیا جا سکتا ہے۔"

"اسے طلب کرو۔"

"یس سر!"

"اور شہابو کہاں ہے؟"

"میرے پاس لاک اپ میں ہے سر! میں اسے سلطانی گواہ کے طور پر پیش کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔" شہاب نے معصومیت سے کہا اور آئی جی سکندر حسین شاہ اسے عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگے...... ان کے چہرے پر کشمکش کے آثار تھے، پھر انہوں نے کہا۔

"انسپکٹر! تمہاری رپورٹ جامع ہے...... لیکن میں اس عہدے تک پہنچنے کے لئے نہ جانے تجربات کی کتنی عمر سے گزرا ہوں...... بہرحال میں اس رپورٹ سے مطمئن ہوں، لیکن تم سے...... بعد میں بات ہو گی۔"

بعد کی داستان معمول کے مطابق تھی۔ بہت کچھ ہوا تھا...... بڑے جوڑ توڑ ہوئے تھے۔ کچھ ملک سے فرار ہوگئے تھے...... وہ جو نوشتہ تقدیر سے واقف تھے جو خود میں سے ہوئے تھے وہ پھنس گئے تھے...... کچھ دوسروں کے مفاد کا ذریعہ بنے تھے، کچھ قانون کے پیٹ میں سما گئے تھے...... ہر ایک کی اپنی پہنچ تھی جو مضبوط تھا بچ گیا اور جو مضبوط نہ تھا اسے دوسروں کے الزامات قبول کرنے پڑے۔

شہاب کا کام ختم ہو گیا تھا...... شہاب نے جبار بیگ سے کہا۔

"سر آپ نے میری ابتدا کی ہے آپ کو میں دوسروں سے بالکل مختلف سمجھتا ہوں اور آپ کا بے حد احترام کرتا ہوں۔"

"عزیزم یہ تو تمہاری محبت ہے، لوگ ایک دوسرے کے کام آتے ہی ہیں لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ ناہید سلیمی کی نااہلی ایک ایسے کردار کو جنم دینے والی ہے جو ملک کے لئے باعث فخر ہو۔"

"جی سر، سر ایک سوال کرنا چاہتا ہوں آپ سے۔"

"ہاں ہاں بولو۔" جبار بیگ نے بڑی مشکل سے خود پر قابو پایا ہوا تھا۔

"سر آپ کی عمر کتنی ہے؟"

"کیوں بھئی خیریت...... سمجھ لو بڑھاپے کی منزل میں داخل ہو گیا ہوں اور اب یہ سمجھتا ہوں کہ کسی بھی وقت اس ڈھلان کا آخری کنارہ آسکتا ہے۔"

"سر، میں آپ کے بہی خواہوں میں سے ہوں اور میری دلی آرزو ہے کہ کوئی آپ کی نیک نامی کو داغ دار نہ کر سکے۔"

"یہ تو تمہاری محبت ہے عزیزی، ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ تم ان دنوں بے شمار افراد کے لئے موضوع بنے ہوئے ہو۔"

"سر میں آپ سے توقع رکھتا ہوں کہ آپ مجھے ہر بہتر چیز سے آگاہ کریں گے۔"

"ہاں کیوں نہیں، کیوں نہیں۔"

"تو وہ موضوع کیا ہے۔" شہاب نے سوال کیا اور سیٹھ جبار بیگ ادھر ادھر دیکھنے لگے...... پھر آہستہ سے بولے۔

"لوگ تمہیں ایک ہولناک خطرہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ زندگی جو وہ گزار رہے ہیں موجودہ حالات کے تحت بے حد ضروری ہے اور وہ رکاوٹیں جو کاروبار کی راہ میں آئیں اس انداز میں مناسب نہیں ہوتیں، اب تو شناسا بھی ایک دوسرے سے کترانے لگے ہیں...... شہاب بیٹے! اپنے اندر تھوڑی سی نرمی تھوڑی سی لچک پیدا کرو اس وقت زمانے کا رنگ بدل گیا ہے...... بین الاقوامی کاروباری حلقوں میں جو کچھ ہو رہا ہے تھوڑی سی اس سے واقفیت حاصل کرلو...... دنیا کے رنگ ڈھنگ سمجھ میں آجائیں گے...... اپنے لوگوں کو دوسرے سے پیچھے لانے کی کوشش نہ کرو ان کی بھی مجبوریاں ہیں۔"

"گویا آپ کا کہنا ہے سر کہ کاروبار میں بے ایمانی وطن عزیز میں رہنے والوں کے ساتھ بدسلوکی، دواؤں میں ملاوٹ، اشیائے خورد و نوش میں ملاوٹ، سمگلنگ اسلحے کی آزادانہ نقل و حرکت اور برائیوں کا ہر وہ پہلو جس کا تعلق کسی بڑے آدمی سے ہو نظر انداز کر دینا چاہئے۔"

"نن...... نہیں میرا یہ مطلب تو نہیں ہے۔"

"سر اہل وطن ہی سے وطن بنتا ہے، ہم اگر اپنوں کو اپنی ہوس کی چکی میں پیس ڈالیں گے تو کس کے ساتھ رہیں گے، کیا ہم انہیں دعوت دیں گے جو ہمارے اپنے نہیں ہیں...... ان سے کہیں گے کہ آؤ ہمارے ساتھ رہو، ہمارے اپنے تو ختم ہو چکے ہیں۔"

"ب...... بالکل نہیں، میرا یہ مطلب نہیں۔"

"تو پھر مجھے بتائیے، میں جن لوگوں سے نبرد آزما ہوں، وہ کیا کر رہے ہیں...... میں نے ان لوگوں کو نقصان پہنچایا ہے ان کا اپنوں کے ساتھ کیا طرز عمل ہے...... سر مجھے اس بات کا جواب دے دیجئے۔"

"نہیں یہ...... یہ بات تو تم ٹھیک کہتے ہو۔"

"سر بین الاقوامی پیمانے پر اگر آپ اپنی ذہانت کو بروئے کار لاتے ہیں اور باہر کے کاروباری حلقوں کو اپنی ذہانت سے وطن عزیز کے لئے بہتر طور پر استعمال کر سکتے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ دولت کے حصول کے ساتھ ساتھ یہ قومی خدمت بھی کہلائی جاسکتی ہے...... لیکن ہم وہ کر رہے ہیں سر، جس سے ہمارے اپنوں کو نقصان پہنچ رہا ہے۔"

"ہاں...... غلط ہے۔"

"تو ہم اس شخص کو جو آپ کے سامنے اپنی مشکل کو بیان کرے...... اس کے سلسلے میں میرا نام پیش کر دے، سمجھایئے سر، میں تو اپنی زندگی وقف کر چکا ہوں۔"

"یقینا یقیناً میں تم سے اتفاق رکھتا ہوں۔" جبار بیگ اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتے تھے...... تب شہاب نے کہا۔

"اور سر، وہ زمین جو کسی اور کی ملکیت تھی اور جس کے وارث اب اس دنیا میں نہیں رہے ہیں اور جسے ٹرسٹ کے حوالے کر دیا گیا تھا اور جس پر ایک رفاہی ادارہ قائم ہونے والا تھا اور جس رفاہی ادارے کے لئے بہت بڑا قرض حاصل کیا گیا تھا اب آپ کی ملکیت ہے اور آپ نے جن داموں اسے خریدا ہے سر! وہ زمین کی اصل قیمت نہیں ہے...... اصولی طور پر تو وہ رفاہی ادارہ وہاں قائم ہونا چاہئے لیکن جہاں تک مجھے علم ہے آپ اس پر تقریباً چار کروڑ روپیہ خرچ کر چکے ہیں، آپ مجھے بتایئے کیا یہ قومی نقصان نہیں ہے؟"

سیٹھ جبار بیگ کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا...... دیر تک وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے شہاب کو دیکھتے رہے، پھر انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"میں یہ نہیں پوچھوں گا شہاب کہ تم نے یہ معلومات کہاں سے حاصل کیں، وہ میرے کون سے دشمن تھے جنہوں نے تمہیں اس بارے میں اتنی تفصیلات بتائیں، لیکن تمہاری یہ معلومات قابل قدر ہیں اور میں تم پر فخر کرتا ہوں کہ تم نے اپنے پیشے کے ساتھ مکمل طور پر انصاف کیا ہے...... بات اصل میں یہ تھی شہاب کہ وہ زمینیں بہر طور فروخت ہونی تھیں...... ایک کنسٹرکشن کمپنی ان زمینوں کو اپنے لئے حاصل کرنا چاہتی تھی، وہ لوگ میرے مخالف تھے اور انہی کی وجہ سے میں اس جانب متوجہ بھی ہوا...... پھر ان کی کوششوں کے خلاف اس زمین کے حصول میں مجھے کامیابی حاصل ہو گئی، شہاب! زمین تو جانی ہی تھی اور کوڑیوں کے مول ہی جانی تھی...... بس اتنا سمجھ لو کہ میں ان لوگوں سے بازی جیت گیا اور

وہ لوگ میرے مقابلے میں یہ بازی ہار گئے۔"

"جی سر مجھے یہ بھی معلوم ہے اور اس کنسٹرکشن کمپنی کے مالکان کو بھی میں جانتا ہوں، لیکن وہ واقعہ اب ختم ہو چکا ہے۔"

"ہاں میرا مطلب ہے سرکاری کاغذات میں تو ختم ہو گیا ہے، لیکن تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو مجھے بتاؤ؟"

"سر میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ کی وہ رقم ڈوبنی نہیں چاہئے۔"

"بیٹے زندگی کا یہ کھیل اگر نہ کھیلا جائے تو زندگی مشکل ہی ہو جائے گی میرے لئے...... میں نے تو نہایت خفیہ طریقے سے سب کچھ کیا تھا۔"

"سر آپ کا لگایا ہوا یہ پودا پروان چڑھ رہا ہے اور مسلسل پروان چڑھ رہا ہے لیکن بہر حال اسے آپ کی کرم فرمائی کی ضرورت ہے۔"

"شہاب میاں انکار کس بدنصیب نے کیا ہے۔"

"جی سر اگر آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں آپ سے کچھ مانگنا چاہتا ہوں تو اس خیال کو دل سے نکال دیجئے گا۔"

"نن...... نہیں اگر تم مجھ سے کچھ مانگو گے بھی تو اپنا ہی سمجھ کر مانگو گے نا...... لعنت ہے مجھ پر، اگر میں تمہاری چھوٹی موٹی خواہشات کی تکمیل نہ کر سکوں۔"

"نہیں سر آپ یقین کیجئے میں آپ سے کچھ مانگنے نہیں آیا اور رہا وہ زمین کا معاملہ تو جب سرکاری طور پر یہ کیس ختم کر دیا گیا ہے تو مجھے کیا غرض پڑی ہے کہ میں گڑے مردے اکھاڑوں۔"

"میں تمہارا احسان مند ہوں بیٹے اور بہت اچھا کیا تم نے مجھے اس سے آگاہ کر دیا کہ یہ بات جو ابھی تک صرف میرے سینے میں تھی نہیں اور بھی جاسکتی ہے...... میرے لئے تو بڑی مشکلات پیدا ہو جاتیں...... تم دیکھو نا میرے اطراف کس قدر خالی ہیں...... میرے پاس تو کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو صرف میرے لئے کام کر سکے۔"

"جی سر میں جانتا ہوں، سر وہ ایک درخواست تھی آپ سے۔"

"ہاں ہاں کہو۔"

"میری آرزو ہے کہ آپ ایک اخبار کی سرپرستی قبول فرمائیں۔"

"کیا؟"

"جی ہاں...... نگراں اعلیٰ کی حیثیت سے اس اخبار میں آپ کا نام ہونا چاہئے، اس کے تمام اخراجات اور دفتر کی عمارت یہ ساری چیزیں آپ کی اپنی ہونی چاہئیں، اعلیٰ درجے کا پریس، پبلسٹی کے تمام اخراجات، سٹاف کی تنخواہیں، آپ سمجھ رہے ہیں نا...... آپ اس اخبار کے مالک کی حیثیت رکھیں گے اور سر جو لوگ اس اخبار سے منسلک ہوں گے آپ ان کو اپنے اختیارات سے کام لے کر مکمل تحفظ فراہم کریں گے۔"

"کیوں نہیں کیوں نہیں...... مم...... مگر یہ کیا یہ ایک انوکھی اور نئی بات نہیں ہے؟"

"ہے سر۔" شہاب مسکرا کر بولا۔

"اور تمہارے ذہن میں یہ بلاوجہ ہی نہیں آئی ہوگی۔"

"بالکل درست فرمایا آپ نے سر، میں جب کچھ سوچتا ہوں تو اس کی ہر نوک پلک پہ غور کرتا ہوں اور اس کے بعد فیصلہ۔"

"جب تم فیصلہ کر چکے ہو تو پھر بھلا میں تم سے انکار کر سکتا ہوں؟"

"میں آپ کا کس زبان سے شکریہ ادا کروں سر۔"

"نہیں بھئی تم نے میرے لئے بھی بہت کچھ کیا ہے۔"

"اول تو میں نے کچھ کیا نہیں ہے، آپ کے لئے سر اور اگر کچھ کیا بھی ہے تو آپ کے بھی مجھ پر بہت احسانات ہیں...... اس اخبار کی پالیسی، اس کے منتظمین کے رحم و کرم پر ہوگی۔ آپ صرف ان کا تحفظ کریں گے۔"

"کک...... کیا وہ حکومت کے خلاف لکھیں گے؟"

"قطعی نہیں۔"

"کیا ان کی پالیسی میں کوئی خاص نمائندگی ہوگی۔"

"بالکل نہیں۔"

"تو پھر مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"بس وہ بے لاگ اخبار ہوگا، بے لاگ تنقیدیں کرے گا، بے لاگ خبریں چھاپے گا، کوئی پابندی نہیں قبول کی جائے گی اس پر۔"

"میں سمجھ رہا ہوں...... لیکن کیا اس سے میرے دشمنوں کی تعداد میں اضافہ نہیں

ہو جائے گا۔"

"آپ کی آرمی آپ کے سامنے موجود ہے سر، آپ کے دشمنوں کی تعداد میں اگر اضافہ ہوا بھی تو آپ کی آرمی آپ کا تحفظ کرے گی۔"

"ہاں میں سمجھ رہا ہوں...... مم...... مگر شہاب کیا اس اخبار کے لئے کوئی ڈیکلریشن لینا ہوگا؟"

"نہیں سر، وہ اخبار ایک معمولی اخبار کی حیثیت سے ابھی تک چھپ رہا ہے، لیکن انتہائی بے کسی اور کسمپرسی کی حالت میں، وہ مایہ ناز صحافی جو اس اخبار کو چلا رہے ہیں، بہت ہی پسماندہ زندگی گزار رہے ہیں، سر اپنے سٹاف کو اگر ایک شاندار زندگی نہ دی جائے تو لعنت ہے کاروبار پر۔" شہاب نے کہا اور سیٹھ جبار بیگ صوفے کی پشت سے ٹک گیا...... وہ شہاب کے چہرے میں چھپی ہوئی چالاکی دیکھ رہا تھا...... اس کی آنکھوں میں چمکتی ہوئی بجلیاں دیکھ رہا تھا جن کا مطلب یہ تھا کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے حرف بہ حرف وہی ہونا چاہئے اور بات اگر اس سے مختلف ہوئی تو قابل معافی نہیں ہوگی۔ سیٹھ جبار بیگ نے کہا۔

"دیکھو شہاب، میں تم سے کہیں بھی منحرف نہیں ہو سکتا جس طرح تم چاہو کرو اور مجھے اس سلسلے میں ہدایات دو۔ براہ کرم مجھے تمام تفصیلات سے آگاہ کرو اور اس کے لئے کوئی تکلف نہ کرو۔"

"سر بہت معمولی سی بات ہے، کاغذ قلم لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں؟" سیٹھ جبار بیگ نے تھوک نگل کر کہا اور پھر شہاب کو کاغذ قلم بھی انہوں نے ہی مہیا کیا تھا۔ شہاب نے لکھا۔

"وہ جو آپ کے پاس اندرون شہر جہاں غیر قانونی جھونپڑیاں پڑی ہوئی تھیں، ایک پلاٹ ہے میرے خیال میں اخبار کے دفتر کے لئے انتہائی نفیس جگہ ہے اس پلاٹ پر آپ نے ایک عمارت بھی بنائی ہے جو میں دیکھ چکا ہوں، یوں لگتا ہے جیسے آپ کے ذہن میں بھی ایسا ہی کوئی تصور ہو کہ آپ وہاں اخبار کا دفتر بنائیں گے۔ اصل میں اس کے عقبی حصے میں جو جگہ آپ نے چھوڑی ہوئی ہے وہاں پریس آرام سے لگایا جا سکتا ہے۔"

سیٹھ جبار بیگ کا چہرہ تاریک ہو گیا، آہستہ سے بولے۔

"بہت قیمتی جگہ ہے وہ شہاب، وہاں میرا ایک امپوریم بنانے کا ارادہ تھا۔"

"میں نے اسی لئے آپ کی عمر پوچھی تھی جناب، آپ بتایئے کیا کیا کریں گے آپ اور کیا کریں اس امپوریم کا۔ ناہید سیلمی کو آپ نے جو فرم بنا کر دی ہے وہ اسے ہی کنٹرول نہیں کرپاتے آپ کو تمام دردسری اپنے سر لینا ہوگی اور پھر سر ایک بات آپ سے اور عرض کروں، اخبار بھی بری چیز نہیں ہے، آپ اس کے مالک ہوں گے، تمام اخراجات، سارا اسٹاف رکھیں گے آپ، وہ لوگ جو اخبارات کی اہم ذمے داریاں سنبھالیں گے، بس انہیں آپ کو کچھ مراعات دینا ہوں گی اور وہ لوگ بڑی صلاحیتیں بھی رکھتے ہیں اور پھر سر آپ کے تعلقات معمولی تو نہیں ہیں، سرکاری و غیر سرکاری اشتہارات آپ کے ایک اشارے پر آپ کے قدموں میں ہوں گے۔"

"ہاں تت...... تمہارا مطلب ہے کہ اس کی آمدنی۔"

"جی سر، بالکل آپ کی ہوگی...... یہ کون احمق کہتا ہے کہ آپ صرف خرچہ کر ڈالئے اور اس سے کچھ نہ کمایئے۔ سر آپ دیکھئے تو سہی اور پھر اخبار کی بات ہی کیا ہوتی ہے، مگر اعلیٰ جبار بیگ، آپ جانتے ہیں کہ ایک اخبار کے مالک کی سوشل حیثیت کیا ہوتی ہے، سرکاری حلقوں میں اس کا کس طرح احترام کیا جاتا ہے اور سر بڑے بڑے لوگ اس سے خوفزدہ رہتے ہیں، لوگ اپنی پگڑی اچھالنا پسند کرتے ہیں تو پھر وہ جگہ انتہائی موزوں ہے، مشینری خریدنا ہوگی آپ کو، فرنیچر ڈلوانا ہوگا اور سر اس کے برابر جو آپ کی ایک بلڈنگ ہے جس میں آپ نے بہت شاندار اپارٹمنٹس بنائے ہوئے ہیں، اس میں دو فلیٹ ان بے چارے دو اہم ذمے داروں کے حوالے کردیئے جائیں گے جو اس اخبار کو اصل میں چلانے کا ذریعہ ہوں گے ان میں سے ایک کا نام اختر عادل ہے اور دوسرے کا نام سبحان طاہر ہے...... بچوں کے ساتھ رہیں گے، تنخواہیں ذرا بہتر دے دیجئے گا تاکہ دل جمعی سے کام کرسکیں...... جسٹ سمپل کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے سر۔"

"اور۔"

"بس ایک اخبار کے لئے جو بھی اخراجات ہوسکتے ہیں اور پھر جما جمایا اخبار ہے بس ذرا سرمائے کی کمی کی بنا پر پسماندہ پڑا رہا ہے، لیکن نئی آن، نئی بان اور نئی شان کے ساتھ جب اس کا ایک بار پھر افتتاح ہوگا آپ کے ہاتھوں تو سر پھر دیکھنے دکھانے والی چیز ہوگی۔"

"اور۔" سیٹھ جبار بیگ نے کہا۔

"نہیں سر، بس اور کچھ نہیں۔"

"اس سے تمہارا کیا واسطہ ہوگا؟"

"سر، آج تک میں نے آپ سے کچھ طلب کیا ہے؟"

"نہیں، میرا یہ مطلب نہیں ہے۔"

"تو پھر میرا اور کیا واسطہ ہوگا اس سے، آپ اخبار کے مالک ہوں گے اور میں فخر کروں گا کہ ایک اخبار تو ایسا ہے جو میرے کرم فرما کا ہے۔"

سیٹھ جبار بیگ سوچ میں ڈوب گئے...... ایک گہری سانس لے کر بولے۔

"تمہیں انکار تو نہیں کرسکتا نا میں۔"

"تھینک یو سر، تھینک یو ویری مچ، تو پھر میں اطمینان رکھوں کہ آپ۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں تم نے کہہ دیا بس ٹھیک ہے، لیکن وہ دو نام جو تم نے لئے ہیں۔"

"تھوڑے توقف کے بعد میں ان لوگوں سے آپ کی ملاقات کرادوں گا۔"

"ٹھیک ہے، بھلا میرے سوچنے کی کیا گنجائش ہے، تم نے فیصلہ کرلیا مناسب ہے۔"

سیٹھ جبار بیگ نے کہا اور شہاب نے ان کا دلی شکریہ ادا کیا اس کے بعد وہ وہاں سے اٹھ گیا تھا۔

❁

سبحان طاہر عدالت سے واپس آیا تھا، پیشیاں ہو رہی تھیں...... اس کا بیان لیا گیا تھا اور اس نے ان بڑے بڑوں کو کٹہرے میں دیکھا تھا جو شاید اپنے ذاتی کٹہرے رکھتے تھے...... سبحان طاہر کا خون سیروں بڑھ گیا تھا، شہاب نے اسے اجازت دی تھی کہ کھل کر بیانات دے اور جو حقیقتیں ہیں انہیں منظر عام پر لائے چنانچہ سیٹھ محمودہ کے سلسلے میں سبحان طاہر کا بیان معزز عدالت کے سامنے ہوا تھا اور پھر شہابو کو بھی سلطانی گواہ کی حیثیت سے پیش کیا گیا تھا، یہ سب کچھ ہوا تھا، سبحان طاہر جیسے سر پھرے لوگ یہ پروا نہیں کرتے کہ بعد کے نتائج کیا ہوں گے، بیانات کے بعد وہ واپس اپنی رہائش گاہ پر آگیا تھا...... اس کا رواں رواں خوشی سے کھلا ہوا تھا...... سائرہ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"خیریت تو ہے؟"

"ہاں سائرہ! جتنی خیریت اب ہے اتنی کبھی نہیں تھی، میں یقین کرو نہیں سمجھ پارہا کہ یہ سب کیا ہوا ہے، کیا ہوسکتا ہے یہ سب سائرہ۔"

"اب مجھے کیا معلوم کیا ہوا ہے؟"

"وہ سب کچھ ہو چکا ہے جس کے خواب میں نے دیکھے تھے...... میرے وطن کے خلاف سازشیں کرنے والے آخر کار کیفر کردار کو پہنچ گئے، سائرہ، یقین کرو مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میں نے الیکشن جیتا ہے اور مجھے وزارت کا عہدہ مل گیا ہے، پریس فوٹوگرافروں نے میری تصویریں بنائی ہیں اور مجھے بہت بڑا مقام دیا گیا ہے اور تو اور سائرہ میرے لئے میرے اخبار کی ایک پیشکش بھی ہے۔"

"کیا؟"

"اخبار والے جو بہر طور مجھے نوکری سے نکال چکے تھے واپس میری اپنی شرائط پر مجھے اخبار میں لینے کے لئے تیار ہیں۔"

"ایک بات بتاؤں سبحان؟"

"ہاں بولو۔"

"کیا، اپنی نوکری جوائن نہیں کرو گے۔"

"شہاب کی مرضی کے بغیر کچھ بھی نہیں کروں گا۔"

"اصل میں بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں جن میں خود کو ہی شرمندگی کا احساس ہوتا ہے، اگر تم یہ محسوس کرتے ہو کہ سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے تو پھر یہاں کیوں ہیں ہم لوگ، بچوں کی تعلیم کا تو خیر شدید نقصان ہو ہی گیا، لیکن ہمیں اپنا گھر بھی دیکھنا ہے، کیا اب بھی ہمیں ہمارے گھر میں خطرہ ہے؟"

"بالکل نہیں۔"

"تو پھر شہاب صاحب سے بات کر لو نا، یہاں کب تک ہم پڑے رہیں گے؟"

"میں کیا کہوں سائرہ، اس عظیم انسان نے جو کچھ کیا ہے میرا تو رواں رواں اس کا ممنون کرم ہو گیا ہے، پتا نہیں کیا محسوس کرے۔"

"اس سے زیادہ یہ بات غلط ہے کہ سب کچھ ٹھیک ہو جانے کے باوجود ہم یہاں سے جانے کے لئے نہیں کہتے۔"

"تو پھر یوں کرو کہ تم بینا کو فون کرو۔"

"میں تو صرف آپ کی اجازت کی منتظر ہوں، فون کئے لیتی ہوں۔" سائرہ نے بینا کو

فون کیا، نمبر معلوم تھا اور یہ فون عدنان واسطی کے دفتر کا ہی تھا، بینا مل گئی۔

"بینا میں سائرہ بول رہی ہوں۔"

"سائرہ طاہر۔"

"میری آواز نہیں پہچانتیں بھئی۔"

"اوہو سائرہ، فون پر تم سے گفتگو کم ہی ہوئی ہے، آواز کافی بدلی بدلی سی ہے۔"

"بینا، میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"ارے کل شام ہی کو تو ہماری ملاقات ہوئی تھی، ویسے خیریت تو ہے۔"

"کچھ کہنا چاہتی ہوں آپ سے۔"

"مل کر کہو گی یا ٹیلی فون پر بھی کہہ سکتی ہو؟"

"نہیں ٹیلی فون پر بھی کہہ سکتی ہوں۔"

"تو پھر بتاؤ یار کچھ مصروفیات ہیں، تمہارے پاس آنے میں تو وقت لگ جائے گا۔"

"بینا آج سبحان کا بیان بھی ہو گیا ہے۔"

"ہاں بالکل۔"

"بینا کیا اب ہمارا یہاں رہنا مناسب ہے، بچوں کی تعلیم کا حرج بھی ہو رہا ہے۔"

"جانا چاہتی ہو؟"

"جانا تو ہے نا بینا۔"

"ویسے ایک بات کہوں سائرہ آپ سے، شہاب اگر مناسب سمجھتے تو آپ سے کہہ دیتے اس بات کے لئے، میرا خیال ہے انتظار کر لیجئے کہ شہاب آپ سے خود اس بارے میں کہیں۔" سائرہ ایک لمحے کے لئے خاموش ہوئی تو بینا نے کہا۔

"ویسے اور تو کوئی بات نہیں ہے۔"

"بینا ہم شرمندہ ہو رہے ہیں۔"

"خیر شرمندہ ہونا تو کوئی ایسی بری بات نہیں ہے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیوں شرمندہ ہو رہی ہو آپ؟" بینا نے پر مزاح انداز میں کہا۔

"آپ خود سوچ لیجئے اب اور کب تک یہاں پڑے رہیں، اللہ نے ہمارے مسائل تو حل کر دیئے اور اس کے لئے ایک فرشتہ خصلت شخص کو ہمارا مددگار بنایا لیکن۔"

"ہاں...... ہاں میں سمجھ رہی ہوں، اچھا ایسا کریں سائرہ تھوڑا سا انتظار کرلیں میں شہاب صاحب سے اس سلسلے میں بات کرتی ہوں۔"

"یہ ٹھیک ہے۔"

بینا نے شہاب سے گفتگو کی اور سائرہ کے بارے میں تفصیلات بتائیں تو شہاب نے کہا۔

"ہاں میں خود بھی اس بارے میں بہت غور وخوض کر رہا ہوں...... ویسے بینا کچھ کام کیا ہے میں نے۔"

"کیا مطلب؟" بینا تعجب سے بولی اور شہاب جبار بیگ کے ساتھ جو گفتگو ہوئی تھی اس کی تفصیلات بتانے لگا پھر اس نے کہا۔

"جب ہم لوگوں نے اس شخص کے لئے اتنا کام کیا ہے تو یہ چھوٹا سا کام اور کردیا جائے میں نے جبار بیگ صاحب کا گیئر دبایا ہوا ہے پہلے ان دونوں فلیٹوں کی ڈیکوریشن ہو رہی ہے۔ تنخواہ وغیرہ کا مسئلہ بھی میں نے اتنی خوش اسلوبی سے حل کیا ہے کہ تم سنو گی تو خوش ہو جاؤ گی...... اصل میں ہر اس قسم کے آدمی کے کچھ ایسے مسائل ہوتے ہیں جن پر نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے...... جبار بیگ صاحب بڑی خوش اسلوبی سے اختر عادل کے اخبار کی سرپرستی کے لئے تیار ہوگئے ہیں اور اب اس سلسلے میں تمام انتظامات ہو رہے ہیں۔" بینا مسکرانے لگی پھر اس نے کہا۔

"خدا آپ کو نظر بد سے بچائے شہاب جو لوگ آپ کے پنجے میں پھنسے ہوئے ہیں وہ آپ کے تمام کام خوش دلی سے تو نہ کرتے ہوں گے۔"

"بینا اس دنیا میں خوش دلی سے نیک کاموں کے کرنے کا تو تصور ہی ختم ہوگیا ہے، کہاں کرتے ہیں لوگ خوش دلی سے نیک کام، لیکن اب مجبوری ہے کیا کیا جائے۔"

"تو پھر میں کیا کہوں؟"

"ان سے کہو کچھ وقت اور آرام کریں میں خود بھی ان دنوں آرام ہی کر رہا ہوں، ویسے بددلی سے تمام کام نمٹائے جاسکتے ہیں، لیکن کسی کی محبت حاصل کرنا دنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔"

"میں مسکراؤں۔" بینا نے شرارت سے کہا۔

"مسکراہٹ تو خوش دلی کی علامت ہے۔"

"تو پھر؟"

"کچھ نہیں۔" شہاب نے شانے ہلائے اور بینا ہنسنے لگی...... درحقیقت شہاب اس دوران بہت سے معاملات سے نمٹ رہا تھا اس کے تمام ساتھی اس سے خوش تھے...... گلاب جان خاص طور سے شہاب کے مداحوں میں سے تھا اور ایک طرح سے اس سے عقیدت رکھتا تھا۔ وہ جس قسم کا انسان تھا اس کے مطابق عمل کر رہا تھا، مجال ہے کسی کی شہاب کے لئے ایک لفظ غلط بول جائے ویسے بھی اتفاقیہ طور پر اس بار تھانے کا عملہ شہاب کے لئے بہت ہی شاندار ثابت ہوا تھا...... وہ اتنے برے لوگ نہیں تھے اور شہاب سے بھرپور تعاون کرتے تھے...... بہرحال جو معاملات اس سلسلے میں منظر عام پر آئے تھے وہ بھی اپنے طور پر بڑی انوکھی حیثیت کے حامل تھے...... آئی جی صاحب نے ابھی تک شہاب کو چھیڑنے کی کوشش نہیں کی تھی، ایڈیٹر فرقانی صاحب نے بھی ایک دوبار شہاب سے ملاقات کی تھی اور کہا تھا۔

"شہاب صاحب! سبحان طاہر ابھی تک اپنے گھر نہیں آیا وہ کہاں ہے اور اب کیوں روپوش ہے بظاہر بات سمجھ میں نہیں آئی، اخبار کے مالک چاہتے ہیں کہ وہ اپنی ذمہ داریاں دوبارہ سنبھال لے۔"

"فرقانی صاحب! مجھ سے زیادہ آپ ذہین ہیں، ان حالات میں اس کو جو نوٹس دیا گیا تھا کیا اس کے بعد وہ دوبارہ اپنی نوکری پر واپس آسکتا ہے۔"

"جہاں تک میرا اندازہ ہے شہاب ثاقب صاحب اسے اور کہیں سے کوئی ذریعہ حاصل نہیں ہے...... لگی ہوئی نوکری کو چھوڑنا میرے خیال میں مناسب تو نہیں ہے۔"

"مگر اسے تو نوکری سے نکال دیا گیا تھا فرقانی صاحب۔"

"یہ سب کچھ تو چلتا رہتا ہے، آنا جانا تو لگا ہی ہوتا ہے۔"

"پھر بھی کم از کم ہم اسے مجبور نہیں کرسکتے۔"

"میں صرف اس کی بھلائی کے لئے کہہ رہا ہوں ورنہ میرا کوئی ذاتی معاملہ نہیں ہے۔"

"اگر اس نے خود اس خواہش کا اظہار کیا تو میں آپ کو فوراً اطلاع دوں گا۔" بات ختم ہوگئی پھر ایک دن اختر عادل شہاب کے دفتر میں آیا...... اتفاق کی بات یہ کہ تھوڑی ہی دیر پہلے جبار کا ٹیلی فون بھی آیا تھا اور انہوں نے بتایا تھا اپنی بلڈنگ کی پہلی منزل پر انہوں نے وہ دونوں فلیٹ ڈیکوریٹ کرالئے ہیں اور ان کی چابی بھجوا رہے ہیں...... ابھی ان کا آدمی چابی

لے کر نہیں آیا تھا کہ اختر عادل آ گیا تھا، اس نے حسب عادت مسکراتے ہوئے شہاب کو سلام کیا پھر بولا۔

"سر وہ جو چڑیاں کھیت چگ گئیں اب اس کھیت میں ڈنٹھل باقی رہ گئے ہیں، میں نے اخراجات تو ذرا کنٹرول میں رکھے ہیں اصل میں اخبار کی گڈول ریگولر نہ ہونے کی وجہ سے خراب ہو گئی ہے، پرانے قرضے ادا ہو چکے ہیں اور میں ساکھ بنانے کی فکر میں سرگرداں ہوں وہ تو اپنی دکان بڑھا گئے جن کے پاس دوائے دل تھی اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"اختر عادل میں چاہتا ہوں کہ تمہارا یہ اخبار سورج بن کر صحافت کے آسمان پر چمکے، کیا تم اس کے خواہش مند نہیں ہو۔"

"میں تو چاند کے چکر میں تھا شہاب صاحب، سورج کا فاصلہ تو بہت زیادہ ہے، اخبار میں اگر ایک چاند بھی لگ جائے تو میں چار چاند کا تصور چھوڑ دوں، آپ سورج کی بات کر رہے ہیں۔"

"بھئی دوستیاں اپناؤ سورج تک پہنچنا مشکل کام تو نہیں ہوگا۔"

"بس...... پیری مریدی کا قائل نہیں ہوں ورنہ آپ کو اپنا پیر مان لیتا اور پیر کی دعائیں حاصل کرتا اخبار کے لئے۔"

"تو سمجھ لو بچہ ہماری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں تیاریاں کر لو تمہیں اخبار کے لئے ایک پالیسی اپنانا ہوگی تم اور سبحان طاہر مل کر یہ اخبار نکالو گے اور پالیسی یہ ہوگی کہ بے لاگ لکھو۔"

"وہ تو سب کچھ ٹھیک ہے لیکن جناب ایک اخبار کو ایک چاند لگانے کے لئے ہی کھوپڑی چاند جیسی ہو جاتی ہے۔"

"میں کوشش کروں گا کہ تمہیں ایک فنانسر مل جائے۔"

"بخدا اگر کوئی اچھا فنانسر واقعی اس اخبار کی مدد کرے تو پھر آپ یوں سمجھ لیجئے کہ بہت تھوڑے وقفے کے اندر اندر اس اخبار کو ملک کا مقبول ترین اخبار بنا دوں گا۔"

"تمہارے لئے ایک اعلیٰ درجے کی بلڈنگ جس میں اخبار کا دفتر ہو، ایک شاندار پریس اور تم دونوں کی رہائش گاہ دفتر کے پاس...... کیسا رہے گا؟"

"آپ یقین کریں شہاب صاحب انسان کی زندگی میں ایک بہت بڑی نعمت اسے حاصل ہے۔"

"کیا؟"

"خواب۔"

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ جو نا آسودہ خواہشیں، نا آسودہ ہیں رات کی تاریکیوں میں آنکھیں بند کر کے ان تمام نا آسودہ خواہشوں کو پورا کیا جا سکتا ہے، میں نے زندگی میں یہی خواب دیکھے ہیں کبھی کہیں سے کوئی مخیّر آدمی مجھے ملتا ہے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہے کہ میاں اپنے اخبار کو ایک روشن اخبار بناؤ بتاؤ کتنا پیسہ خرچ ہوگا، پھر میں تصورات میں اس شخص کے ساتھ بیٹھ کر مذاکرات کرتا ہوں اور وہ میری ہر شرط پوری کرتا چلا جاتا ہے...... شہر کے وسط میں ایک عالی شان بلڈنگ جس میں پورے اخبار کا دفتر پھیلا ہوا ہوتا ہے برابر میں میرا فلیٹ ہوتا ہے اور میں اس اخبار کے مطلق العنان ایڈیٹر کی حیثیت سے اپنا کام سرانجام دیتا ہوں، آپ وہی کہانی مجھے سنا رہے ہیں جو میں نے اکثر خوابوں میں دیکھی ہے۔"

"سنتے ہیں کہ خواب حقیقتوں کا عکس ہوتے ہیں اختر عادل۔"

"کاش میں الف لیلیٰ ہوتا۔"

"تو کیا کرتے؟"

"الہ دین کے دور میں جاتا الہ دین سے کہتا کہ بھائی الہ دین اپنا چراغ کچھ وقت کے لئے مجھے ادھار دے دے تاکہ میں چراغ کے جن سے اپنی فرمائشوں کا اظہار کر سکوں۔"

"حکم دو میرے آقا کیا چاہتے ہو؟" شہاب نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

"اے چراغ کے جن ایک اخبار کا دفتر مجھے دلا دے اور رہائش کے لئے ایک فلیٹ، بس اتنی سی آرزو ہے۔"

"آقا اس کے لئے آپ کو تھوڑے دن انتظار کرنا پڑے گا۔"

"میں حاضر ہوں غلام۔" اختر عادل نے بھی مسخرے پن سے کہا اور دونوں ہنسنے لگے

کافی دیر تک یہ تفریحی گفتگو ہوتی رہی اور پھر اختر عادل کے جاتے ہی جبار بیگ کا آدمی چابیاں لے کر آ گیا تھا اور اس نے شہاب کو مکمل تفصیل بتا دی تھی، پھر تقریباً ایک ہفتے کے بعد شہاب نے سبحان طاہر اور اختر عادل کو یکجا کیا، جبار بیگ کو پہلے سے اطلاع دے دی گئی تھی اور جبار بیگ نے اپنے گھر پر ان کے لئے ضیافت کا انتظام کیا تھا۔"

”یہ سیٹھ جبار ہیں اور جبار بیگ صاحب یہ ملک کے مایہ ناز صحافی اختر عادل اور سبحان طاہر ہیں۔“ شہاب نے ان کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

”اوہ...... یہ نام کافی آشنا ہیں۔“ جبار بیگ نے کہا۔ ”اب صورت آشنائی بھی ہو رہی ہے۔“

”یقیناً!“

”جناب اختر عادل صاحب اور محترم سبحان طاہر صاحب، جبار بیگ میرے کرم فرما ہیں اور میرے کیریئر کے آغاز کے لئے وہ بنیاد، جس پر میں نے اپنے مستقبل کی عمارت کی ابتدا کی ہے۔“

”ہمارے لئے محترم شخصیت ہیں۔“

”محترم جبار بیگ کو لوگوں کا کیریئر بنانے کا بے حد شوق ہے اور وہ ہمیشہ ان کوششوں میں مصروف رہتے ہیں کہ کوئی مل جائے ایسا کہ جس کا کیریئر بنایا جا سکے۔ بس پکڑا اور کیریئر بنا دیا۔“

”بڑا پراسرار شوق ہے۔“ اختر عادل نے تبصرہ کیا۔

”اس کے علاوہ ان کے کچھ نمائندے بھی ان کے لئے کام کرتے ہیں جیسے کہ میں۔“

”آپ نمائندے؟“

”ہاں۔“

”ویری گڈ۔“

”چنانچہ مجھے تم دو افراد نظر آئے جو میرے خیال میں بلا کیریئر پھر رہے تھے۔“ شہاب نے بھی پر مزاح انداز اختیار کیا۔ جبار بیگ چونکہ اپنے آپ کو ذہنی طور پر اس تمام کام کے لئے تیار کر چکے تھے نہ صرف تیار کر چکے تھے بلکہ انہوں نے اس کام کا آغاز اس انداز میں کر ڈالا تھا کہ اس وقت سبحان طاہر اور اختر عادل کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا لیکن شہاب جانتا تھا کہ اس نے ان لوگوں کے لئے کچھ کر لیا ہے...... جبار صاحب کو مجبور کر کے، بہرحال اب جبار صاحب بھی خوش دلی سے ان تمام معاملات میں حصہ لے رہے تھے اور انہیں ایک اور احساس بھی تھا وہ یہ کہ ایک پولیس آفیسر کو اپنا ہمنوا بنا کر اور اسے محکمہ پولیس میں ملازمت دلا کر انہوں نے اپنے لئے انتہائی بہتر مقام پیدا کر لیا تھا اور اب کم از کم شہاب ان کی کوئی بات

ٹالتا نہیں تھا بلکہ بہت سے معاملات میں انہوں نے شہاب کا سہارا بھی لیا تھا اور اس سے مکمل طور پر فائدے حاصل کئے تھے، چنانچہ اب ایک اخبار کا مالک بننے کے بعد انہیں احساس تھا کہ ان کی آواز کچھ اور موثر ہو جائے گی، چنانچہ انہوں نے یہ کڑوے گھونٹ با آسانی برداشت کر لئے تھے۔

اختر عادل اور سبحان طاہر ان حقیقتوں کو جاننے کے خواہاں تھے، جن کی بنا پر شہاب نے انہیں جبار بیگ صاحب سے ملوایا تھا اور یہ اندازہ تو وہ لگا چکے تھے کہ جبار بیگ کی اصل شخصیت کیا ہے...... بہرحال شہاب نے پر لطف انداز میں انکشاف کیا۔

”میں نے جبار بیگ صاحب کو ایک پیشکش کی بلکہ ایک تجویز پیش کی اور جبار بیگ نے میری وہ تجویز منظور کر لی...... تجویز یہ ہے کہ تمہارے اس اخبار کو سیٹھ جبار بیگ صاحب مالی مدد دیں...... نگراں اعلیٰ کی حیثیت سے ان کا نام اخبار میں شامل ہو گا اور ان کے مشورے اور دیگر معاملات میں بھی تمہیں ان سے مکمل طور پر تعاون کرنا پڑے گا۔ کیا خیال ہے، کیا یہ سب کچھ تمہارے لئے قابل قبول ہو گا؟“

اختر عادل کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا تھا۔ آج تک اس کے دل میں یہی آرزو رہی تھی کہ اخبار کو مالی سپورٹ حاصل ہو جائے تو وہ اس اخبار کی شکل بدل دے لیکن اس جیسے سچے اور کھرے لوگوں کو اس قسم کی سپورٹ مشکل ہی سے ملتی ہے...... وہ سکتے کے عالم میں رہ گیا۔ جب وہ کچھ نہ بولا تو شہاب نے پھر کہا۔

”اور آپ لوگوں پر اپنی محبت کے اثرات محسوس کر کے میں نے سیٹھ جبار بیگ سے اس سلسلے میں وہ تمام معاملات طے کر لئے ہیں جو کرنے چاہئے تھے۔ ہم نئے ڈیکلریشن کو کوئی اہمیت نہیں دیں گے کیونکہ اختر عادل کا اخبار بہت پرانا ہے۔“

”لیکن بوسیدہ نہیں۔“ اختر عادل فوراً بولا۔

”بالکل نہیں...... یہ بات میں جانتا ہوں اس کے علاوہ سبحان طاہر کے کیس کے دوران فرقانی صاحب نے اخبار کے مالک کا فیصلہ سنایا تھا اور کہا تھا کہ سبحان طاہر کو مکمل طور پر اخبار سے علیحدہ کر دیا گیا ہے اور اب وہ لوگ پیش کش کر رہے ہیں کہ سبحان طاہر اخبار میں واپس جائیں، جبکہ ان کے لئے ان کا اپنا اخبار موجود ہے، اختر عادل صاحب ہو سکتا ہے آپ کو میرے یہ فیصلے پسند نہ آئیں لیکن بہرحال اپنی رائے کا اظہار کرنا ہر شخص کا حق ہے، میرے

دل میں جو کچھ ہے وہ اس وقت میں آپ کے سامنے کلیئر کر دینا چاہتا ہوں۔"

"تو اس کے لئے اتنی تمہید کی کیا ضرورت ہے۔"

"اختر عادل نے کہا۔

"سبحان طاہر، سائرہ طاہر اور ان کے بچوں سے میرے کچھ ایسے مراسم ہو گئے ہیں کہ اب میں انہیں خود سے الگ نہیں سمجھتا اور اپنے طور پر اگر میں کچھ کرتا ہوں تو اس میں سبحان طاہر کو پہلے مد نگاہ رکھنا ضروری سمجھتا ہوں...... اختر عادل، سبحان ہی کے ذریعے میری آپ تک رسائی ہوئی۔"

"ایکسکیوزمی آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ شہاب صاحب!"

"اخبار کے فنانسر سیٹھ جبار بیگ ہوں گے نگران اعلیٰ کی حیثیت سے ان کا نام دیا جائے گا لیکن اخبار میں باقی اختیارات آپ دونوں کے برابر ہوں گے اور میں اس شرط کے لئے ایک معاہدہ کرنا چاہتا ہوں۔"

اختر عادل ہنس پڑا پھر بولا۔ "آپ کا خلوص نیت ہونا قابل نظر انداز نہیں ہے لیکن بہر حال میرے اور سبحان طاہر کے معاملات کچھ ایسے ہیں جن میں اگر تھوڑی بہت آپ کے علم میں کوئی بات نہیں ہے تو ہم اس کی وضاحت کر دیں...... ہم دونوں بہت اچھے دوست ہیں اور میرا خیال ہے بس اتنا کہہ دینا کافی ہے، ہماری دوستی کے درمیان دنیا کی کوئی شے رکاوٹ نہیں ہے۔ دولت، عزت و شہرت ہم دونوں یہ تمام چیزیں آپس میں تقسیم کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہے ہیں اور اب بھی تیار ہیں، اگر آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ سبحان طاہر کو میرے اخبار میں وہ حیثیت حاصل ہو جو برابر کے پارٹنر کی ہوتی ہے تو بس میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ چیف ایڈیٹر سبحان طاہر ہوں گے اور میں اسسٹنٹ ایڈیٹر کی حیثیت سے خوشی سے کام کرنے کے لئے تیار ہوں، باقی اگر اخبار سے کوئی آمدنی ہوتی ہے تو اس کا فیصلہ سیٹھ جبار بیگ صاحب کر دیں گے یا پھر آپ ہماری تنخواہیں مقرر کر دیجئے، جیسا آپ لوگ مناسب سمجھیں۔"

یہ گفتگو بہت دیر تک ہوتی رہی اور بڑی خوب صورتی سے تمام معاملات طے ہو گئے...... تب ان دونوں پر ان کے فلیٹوں کے بارے میں انکشافات کئے گئے اور اس کے بعد دوسری کارروائیاں ہوئیں...... درحقیقت سبحان طاہر اور اختر عادل کو خوابوں کی وہ تعبیر مل گئی جنہیں وہ کبھی قابل تعبیر نہیں سمجھتے تھے...... پہلے آراستہ فلیٹ دیکھے گئے اس کے بعد دفتر

کی عمارت، نیا پریس اور یہ تمام چیزیں دیکھ کر وہ خوشی سے دیوانے ہو گئے تھے...... اس موقع پر شہاب نے بینا کو بھی طلب کر لیا تھا، کیونکہ شہاب کے ایسے کھیلوں میں بینا اس کی ہمیشہ کی ساتھی ہوتی تھی۔

بینا بھی ان لوگوں کی کیفیت سے بے حد لطف اندوز ہو رہی تھی...... دونوں خوشی سے ناچ رہے تھے۔ شہاب نے کہا۔

"اب آپ لوگ رقصاں رہیں اور ہمیں اجازت دیں...... باقی معاملات آپ کے اور جبار بیگ کے درمیان ہیں ہم لوگ چلتے ہیں۔"

بینا کے ساتھ شہاب واپسی کے لئے چل پڑا اور پھر دونوں اپنے پسندیدہ ہوٹل کے اس پر سکون گوشے میں آ بیٹھے جہاں فرصت کے لمحات ان کے لئے بہت خوبصورت اور قیمتی ہوا کرتے تھے...... بینا مسکرا رہی تھی کہنے لگی۔

"کیا ہی عمدہ بات ہے مگر شہاب اس طرح ہمیں بھی تو بڑی مدد حاصل ہوئی ہے۔"

"یقیناً کوئی بھی کام ایسا نہیں ہوتا بینا! اور میں سمجھتا ہوں انسان کے ذہن میں کبھی آ ہی نہیں سکتا جس میں کہیں نہ کہیں تھوڑی بہت اس کی اپنی غرض بھی پوشیدہ نہ ہوتی ہو۔"

بینا شہاب کے الفاظ پر غور کرنے لگی پھر بولی۔ "مجھے اس سے اختلاف ہے۔"

"اختلاف ظاہر کرو۔"

"کبھی کبھی بہت سے معاملات ایسے ہوتے ہیں جن سے اپنا کوئی مفاد وابستہ نہیں ہوتا۔"

"کوئی ایک چھوٹی سی مثال؟"

"کیا مثال دوں؟"

"نہیں بینا کسی بھی مسئلے میں جب ہم کسی اختلاف کا اظہار کرتے ہیں تو اس کی کچھ وجوہ تو ہوتی ہیں۔" شہاب نے کہا اور بینا ہنس پڑی پھر بولی۔

"ہاں ہوتی ہیں۔"

"تو پھر بتاؤ؟"

"شہاب ایک بات بتائیے۔"

"جی پوچھئے۔"

"میرے اور آپ کے درمیان کیا مفاد وابستہ ہے آپ کس مفاد کے تحت مجھے اتنی

اہمیت دیتے ہیں یا میرا کون سا ایسا مفاد ہے جس کے لئے میں ذہنی طور پر آپ سے شدید مخلص ہوں؟"

"غلط سوال ہے بینا...... میرے اور آپ کے درمیان ٹھوس مفادات ہیں۔"

"میں نہیں مانتی۔"

"آپ نہ مانئے اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"تو پھر آپ ثابت کیجئے۔"

"میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" شہاب نے کہا اور بینا حیرت سے منہ کھول کر رہ گئی۔

"جی مس بینا، میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں، آپ کو پسند کرتا ہوں، آپ سے محبت کرتا ہوں، جب میں نے آپ کو پہلی بار دیکھا تو آپ میرے ذہن پر اثرانداز ہوئی تھیں اور اس اثراندازی کی بنا پر میں آپ کی جانب بڑھا...... میں نے آپ سے روابط قائم کئے...... عدنان واسطی صاحب سے اتنی زیادہ گہرائیوں سے ملا، میری محبت آپ لوگوں پر نثار ہوگئی...... میں نے سب کچھ کیا آپ کے لئے جس طرح بھی آپ لوگ پسند کرتے تھے اور اس کے پیچھے ایک مفاد تھا وہ مفاد کیا تھا جانتی ہیں آپ، میں آپ سے شادی کرنا چاہتا تھا۔"

"خدا آپ سے سمجھے شہاب۔"

"کمال کر رہی ہیں آپ...... آپ نے وضاحت کرنے کے لئے کہا میں نے وضاحت کر دی...... میں نے تو آپ سے کھلا کھلا مفاد وابستہ رکھا تھا۔ بغیر کسی مفاد کے میں آپ کے پاس ایک لمحہ نہیں گزار سکتا تھا اور آپ بتایئے اب آپ بتایئے مجھے مس بینا کہ کیا آپ مجھے ناپسند کرتی ہیں؟"

"یہ کیا بات ہوئی۔"

"مس بینا آپ مجھے ناپسند کرتی ہیں؟" شہاب پرزور لہجے میں بولا۔

"بالکل نہیں۔"

"گویا آپ پسند کرتی ہیں مجھے؟"

"ہاں کرتی ہوں۔"

"تو پھر بتایئے نا کوئی مفاد وابستہ ہوا نا آپ کا مجھ سے...... ورنہ آپ، آپ کسی اور سے

اس قدر منسلک کیوں نہ ہو جاتیں۔"

"نہیں جیت سکتی آپ سے۔"

"یہی زیادہ بہتر ہے، ساری زندگی مجھ سے ہار کر ہی خوش رہ سکتی ہیں۔" شہاب نے کہا اور بینا ہنستی رہی۔

بہت دیر تک دونوں اس پرلطف گفتگو میں کھوئے رہے تھے اور بہت سی خوشگوار ان کے درمیان ہوئی تھیں، پھر اس کے بعد شہاب نے بینا کو اس کے گھر چھوڑا اور خود اپنے گھر کی جانب چل پڑا۔

زندگی کی ڈگر غیراطمینان بخش نہیں تھی، جو کام ختم ہو گیا تھا اس کی جانب توجہ بے مقصد مبذول نہیں کی جا سکتی تھی...... وقت گزر رہا تھا اور تھانے کے معاملات بھی چل رہے تھے...... ادھر بینا بھی اپنے طور پر مطمئن تھی...... اخبار منظرعام پر آگیا تھا اور جس سج دھج اور نئے انداز کے ساتھ آیا تھا اس نے اخبار کی دنیا میں کھلبلی مچادی تھی، بڑے اعلیٰ پیمانے پر کام کیا تھا اختر عادل اور سبحان طاہر نے...... اپنی تمام صلاحیتیں وقف کر دی تھیں، اخبار کی افتتاحی تقریب میں بھی شہاب وغیرہ کو مدعو کیا گیا تھا...... شہاب کے اپنے قرب و جوار کے لوگ بھی اس میں شریک تھے جن میں عدنان واسطی صاحب اور دوسرے تمام سرکردہ افراد بھی تھے...... بہرحال مبارکبادوں کے پیغامات موصول ہوئے...... صحافیوں نے ان دونوں کی کارکردگی پر مقالے پڑھے...... بڑے بڑے لوگوں نے اس اخبار کو سراہا اور اس پر تبصرہ آرائی ہوئی، یہ زندگی کے وہ پہلو تھے جنہیں زندگی سے دور نہیں کیا جا سکتا...... انہی چھوٹی چھوٹی باتوں سے خوشیاں ملتی ہیں...... بہت دن ہو گئے تھے، کوئی ایسا کیس نہیں آیا تھا جسے شہاب اپنے شایان شان سمجھتا، بس وقت گزر رہا تھا...... ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے اپنی کوئی شاہراہ متعین نہیں کی تھی۔ اعلیٰ افسران سے بھی اس کے اچھے تعلقات چل رہے تھے...... خاص طور سے اس کیس کی تکمیل کے بعد آئی جی سکندر صاحب نے اسے کافی اہمیت دینا شروع کر دی تھی اور بظاہر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اسے پسندیدہ نگاہوں سے دیکھتے ہوں...... بہت بڑے عہدیدار تھے ایک ایس ایچ او سے براہ راست تعلقات تو نہیں ہو سکتے تھے لیکن ایک دو ملاقاتیں جو پرادب ماحول میں ہوئیں...... ان میں سکندر شاہ صاحب نے شہاب کو بہت سراہا تھا اور کمال مہربانی سے ان سے پیش آئے تھے بلکہ انہوں نے یہ پیشکش

بھ تھی کوئی مشکل مرحلہ پیش ہو تو شہاب ان سے براہ راست رجوع کر سکتا ہے، ٹھیک معاملے میں کوئی ایسا پہلو پوشیدہ نہ ہو جس میں کسی کا مفاد وابستہ ہو...... شہاب مدہم سکراہٹ کے ساتھ خاموش ہو گیا۔

گہری چال
ایم اے راحت

"جناب والا بظاہر اس کیس میں کوئی ایسی اُلجھی ہوئی کہانی پوشیدہ نہیں ہے۔ مجرم نے جرم کیا اس کے خلاف ثبوت حاصل ہوگئے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مجرم کوئی تربیت یافتہ مجرم نہیں تھا...... مجرم کے تصورات اس کے ذہن میں اس کوٹھی میں کام کرتے ہوئے پیدا ہوئے تھے جوان آدمی تھا، حالات اور شواہد کی روشنی میں زندگی کے ان اصولوں سے متاثر ہوا جو انسانی فطرت کا حصہ ہوتے ہیں پھر اس کے بعد اپنی کوششوں میں ناکام رہ کر گھٹن کا شکار ہوا اس گھٹن میں اس نے قتل جیسے بھیانک جرم کا ارتکاب کیا اور اس کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ جو کچھ بھی ہاتھ لگے اسے کافی سمجھ کر فرار ہو جائے۔ ان کوششوں میں گرفتار ہوا اور اب عدالت کے سامنے پیش ہے، معزز افراد کی گواہیاں مکمل ہو چکی ہیں چنانچہ مجرم کو قرار واقعی سزا دی جائے جس کا وہ مرتکب ہے۔"

"وکیل صفائی کچھ کہنا چاہتے ہیں؟" معزز عدالت نے وکیل صفائی کی جانب دیکھا اور وکیل صفائی نے اٹھ کر گردن خم کی اور پھر بولا۔

"نہیں جناب۔"

"فیصلے کے لئے عدالت اگلے ماہ کی ستائیس تاریخ مقرر کرتی ہے۔" مجسٹریٹ نے کہا اور عدالت برخاست ہوگئی...... مجرم کو کٹہرے سے باہر نکالا گیا تو نہ جانے کیوں عدنان واسطی کو اس کا چہرہ دیکھ کر ایک ذہنی جھٹکا سا لگا...... اکیس بائیس سال کی عمر کا نوجوان لڑکا چہرے پر اس قدر معصومیت تھی کہ یقین نہیں آتا تھا کہ وہ قتل جیسے جرم کا ارتکاب کر سکتا ہے...... مجرم کی آنکھ میں خون منجمد ہو جاتا ہے، شکل و صورت کیسی ہی ہو لیکن آنکھیں بتاتی ہیں کہ وہ عالم جنون میں کس حد تک جا سکتا ہے، لڑکا آنکھوں میں اس سرخی سے محروم تھا اور یہ

سرخی الفاظ میں تو بیان کی جاسکتی تھی لیکن ثبوت نہیں تھی...... ہاں یہ الگ کتاب تھی لیکن اس کتاب میں کوئی تحریر نہیں تھی اور نہ ہی یہ کسی مستند قانون داں کی لکھی ہوئی تھی...... یہ تو کتاب فطرت تھی جسے صرف تصور کی آنکھ سے پڑھا جاسکتا ہے، جذبات کی آنکھ سے دیکھا جاسکتا ہے۔

عدنان واسطی کے دل میں ایک خلش سی بیدار ہوگئی تھی، لیکن بہرحال بے شمار معاملات ایسے ہوتے ہیں جن کا تعلق اپنی ذات سے نہیں ہوتا اور متاثر ہونے کے باوجود ان معاملات کے لئے کچھ کیا نہیں جاسکتا، چنانچہ کمرہ عدالت سے باہر آکر عدنان واسطی صاحب بھی اس شخص کو بھول گئے اور اپنے معاملات میں مصروف ہوگئے...... ایک کیس ہی کے سلسلے میں گئے تھے اور پیش کار سے کچھ کام تھا جس کی بنا پر عدالت کے ختم ہونے کے انتظار میں بیٹھ گئے تھے...... تب انہوں نے اس کیس کی روداد سنی تھی...... مختصر سی روداد جس کی تفصیل انہیں معلوم نہیں تھی...... بہرحال بات ختم ہوگئی، باہر نکل آئے...... ایک دوست نے کیفے میں چائے کی پیش کش کی اور وہ کیفے کی جانب چل پڑے...... کیفے کی دیوار کے ساتھ دو افراد بیٹھے ہوئے تھے...... سادہ لوح دیہاتی قسم کے...... مرد بہت افسردہ نظر آرہا تھا...... عورت اپنے قریب رکھی ہوئی گٹھڑی کھول رہی تھی۔

پھر عدنان واسطی اپنے دوست کے ہمراہ کیفے میں داخل ہو کر ایک میز پر جا بیٹھے...... یہ ایک دلچسپ بات تھی کہ ان کی میز کے برابر ہی ایک بڑی سی کھڑکی بنی ہوئی تھی اور اس کھڑکی کے پاس ہی وہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے جنہیں ایک بزرگ جوڑا کہا جاسکتا تھا...... ان کی آوازیں بھی عدنان واسطی اور ان کے دوست کے کانوں میں پہنچ رہی تھیں، لیکن عدنان واسطی کا دوست ان کی جانب متوجہ نہیں تھا۔

عورت کی آواز اُبھری۔

"کھالو علی محمد...... پیٹ میں کچھ نہیں ہوگا چل پھر بھی نہیں سکو گے...... یہیں کسی سڑک پر گر کر مر جاؤ گے، یہ تو کھاپی لو۔"

"تم بھی تو کھاؤ زہرہ...... تم کب سے بھوکی ہو۔"

"کیا کھاؤں...... کیسے کھاؤں...... اسے دیکھا تھا تم نے؟"

"ہاں دیکھا تھا۔"

"بات نہیں کرنے دی ہمیں اس سے؟"

"ہاں پولیس والے بڑے سخت دل کے مالک ہوتے ہیں۔" بوڑھے شخص نے کہا۔

"ذرا سی بات کر لیتے ہم اس سے تو ان کا کیا بگڑ جاتا۔"

"سمجھتی نہیں ہو زہرہ...... دنیا میں ہر کام کے لئے پیسے چاہئے ہوتے ہیں...... ہمارے پاس کچھ پیسے ہوتے نا تو ہمیں بات کر لینے دی جاتی۔"

"یہ میرے پاس جو تھوڑے سے پیسے ہیں کیا ان سے بات ہو سکتی تھی؟"

"شاید مان جاتے اور شاید نہ بھی مانتے...... کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"کچھ اور سوچو علی محمد...... ہمارا بیٹا کیا ہم سے ہمیشہ کے لئے چھن جائے گا؟"

علی محمد نے کوئی جواب نہیں دیا...... چند لمحات خاموشی رہی لیکن عدنان واسطی پوری طرح اسی جانب ہی متوجہ تھے...... ان کا دوست اتفاق سے کسی اور سے ملنے کے لئے اٹھ گیا تھا...... عدنان واسطی دیر تک ان کی باتیں سنتے رہے...... علی محمد نے کہا۔

"اب ان باتوں کو لے کر بیٹھ گئی۔ دکھا کیا ہے؟"

"یہ روٹیاں ہیں، میں گلاس میں پانی لاتی ہوں بس یہ تھوڑی کھا لیتے ہیں اگر نہیں کھائیں گے تو چلا نہیں جائے گا۔"

"ہاں یہ تو ہے، ویسے رات کہاں گزاریں گے؟"

"جیسے کل رات گزاری تھی، ویسے ہی گزار لیں گے بلکہ اس درخت کے نیچے چلیں گے وہاں ہمیں کسی نے روکا بھی نہیں تھا۔"

"بیٹھے بیٹھے سونے سے کمر اکڑ گئی ہے۔"

"تو کیا کریں، نور محمد کو کیسے بچائیں؟"

"ہم کیا بچائیں گے اللہ ہی بچائے گا۔"

"یہ لوگ مجھے یوں لگ رہا ہے علی محمد جیسے یہ لوگ ہمارے نور محمد کو مار دیں گے۔"

"ہاں ایسا ہی لگتا ہے۔"

"تو پھر کیا کریں گے ہم؟"

"کچھ نہیں...... فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے زہرہ ہم بھی مر جائیں گے۔"

"ہائے بے چاری بانو تو ایسے ہی بیٹھی رہ جائے گی...... ٹھیکرے کی مانگ تھی، کیا سوچے

گا فقیر محمد بھی کہ بیٹی کو کہاں پھنسا دیا۔"

"پاگل ہو زہرہ...... کون کسی کے بارے میں سوچتا ہے...... تم نے دیکھا نہیں کہ فقیر محمد نے کس طرح اپنا رویہ بدل لیا اور برادری میں کیسے کھڑے ہو کر کہہ گیا کہ بھائی جیسی کرنی ویسی بھرنی...... اب اپنے حالات خود دیکھو کون کسی کا ساتھ دیتا ہے زہرہ...... اب جو ہو گا دیکھا جائے گا...... لے آدھی روٹی تو کھا لے۔"

"قسم کھاتی ہوں علی محمد، مجھے بھوک نہیں لگ رہی۔"

"تو مجھ سے کیوں کہے جا رہی ہے؟"

"مجھے لگ رہا ہے کہ اگر تم نے روٹی نہ کھائی تو چل پھر نہیں سکو گے۔"

"پاگل ہے ری، جوان بیٹا زندگی اور موت کی کشمکش میں گرفتار ہے، میں تو اتنا چل سکتا ہوں زہرہ کہ بڑے بڑے جوان بھی چلنے کا تصور نہ کر سکیں...... میں چل لوں گا تم فکر مت کرو۔"

"روٹی تو کھا لو تھوڑی سی۔"

"کیا روٹی لگا رکھی ہے، کلیجہ چبا رہا ہوں اپنا...... روٹی کی گنجائش نہیں ہے۔"

"دیکھو علی محمد تھوڑی سی روٹی کھا لو تمہیں میری قسم۔"

""جا جا جا...... پانی لے آ گلاس میں زہرہ، بلاوجہ اپنی قسمیں دے دیتی ہے...... ساری زندگی تیری قسمیں پوری کرتا رہا ہوں...... منع کروں گا تو کہے گی کہ بدل گیا...... پانی تو لے آ کم از کم...... روٹی حلق سے اتارنا مشکل ہو جائے گا۔"

عورت اپنی جگہ سے اٹھ گئی...... عدنان واسطی کا کلیجہ خون ہو رہا تھا، آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی آ گئی تھی۔ گفتگو سے تھوڑے بہت حالات کا اندازہ بھی ہو گیا تھا اور معاً ہی دل میں یہ خیال گزرا تھا کہ وہ سادہ لوح اور معصوم سا نوجوان جسے قتل کا ملزم قرار دیا گیا ہے، کیا انہی دونوں کا بیٹا ہے...... بس ایک خیال تھا جو دل میں آیا تھا لیکن اس کے بعد کسی صاحب دل کو اپنے آپ پر قابو پانا کتنا مشکل ہو سکتا ہے۔ اس کا اندازہ صاحب دل کو ہی ہو سکتا ہے۔

عدنان واسطی اپنی جگہ سے اٹھے تو ان کا دوست ان کے پاس آ گیا۔

"ارے کہاں چلے بھئی...... ذرا ایک دس منٹ کے لئے باتیں کرنے چلا گیا تھا۔"

"ہاں یار، کوئی بات نہیں، بس مجھے بھی ایک بہت ضروری کام یاد آ گیا ہے ذرا بینا کو

دیکھ لوں۔"

"بینا بیٹی بھی آئی ہوئی ہے؟"

"آئی ہے میرے ساتھ بلکہ وہ دیکھو وہ سیڑھیاں اتر رہی ہے۔" عدنان واسطی نے بلڈنگ کی سیڑھیاں اترتے ہوئے بینا کو دیکھ لیا تھا...... بینا فائل دبائے آ رہی تھی، کوئی کام تھا شاید اسے۔

"او کے یار پھر ہو سکا تو میں آفس میں آؤں گا۔"

"آ جانا۔" عدنان واسطی نے کہا اور اس کے بعد کیفے سے باہر نکل آئے اور ایک جگہ کھڑے ہو کر بینا کا انتظار کرنے لگے۔

زہرہ نامی عورت اپنے سلور کے گلاس میں کہیں سے پانی لے آئی تھی اور دونوں کھڑکی کے پاس بیٹھ گئے تھے...... بینا نے عدنان واسطی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی ڈیڈی اب کیا پروگرام ہے میرا خیال ہے اور تو کوئی کام نہیں ہمیں؟"

"ہے۔" عدنان واسطی نے کہا۔

"اوہو تو پھر بتایئے۔"

"آؤ ذرا۔" عدنان واسطی آہستہ آہستہ آگے بڑھ گئے پھر وہ کیفے کی دیوار سے تھوڑے فاصلے پر رُخ بدل کر کھڑے ہو گئے...... وہ دونوں روٹی کھانے میں مصروف تھے۔

"جی ڈیڈی۔" بینا نے کہا۔

"بینا تمہارا رخ اس جوڑے کی طرف ہے، ذرا اسے دیکھو۔" بینا نے ان دونوں پر نظر ڈالی...... عورت زبردستی معمر آدمی کے منہ میں باسی روٹی کے نوالے ٹھونس رہی تھی اور وہ نوالے چبا چبا کر ایک ایک گھونٹ پانی سے حلق میں اتار رہا تھا، آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے، بینا کا کلیجہ دھڑک اٹھا۔

"ڈیڈی بہت عجیب منظر ہے، بہت ہی عجیب منظر ہے۔" عدنان واسطی مختصر سے الفاظ میں بینا کو ان دونوں کی گفتگو کے بارے میں بتانے لگے اور بینا دھڑکتے دل کے ساتھ انہیں دیکھنے لگی پھر اس نے کہا۔

"ڈیڈی کیا زندگی بے کار شے نہیں ہے، اگر ایسے لوگوں کے کام نہ آ سکے؟"

"لعنت ہے اس زندگی پر۔"

"ڈیڈی اٹھائیے انہیں، لے کر چلتے ہیں۔"

"ہاں بیٹا جو کچھ یہ کررہے ہیں انہیں کر لینے دو کچھ دیر انتظار کر لینا زیادہ بہتر ہوگا۔"

دونوں ساکت کھڑے رہے...... مرد نے عورت کو بھی روٹی کا ایک ٹکڑا کھلایا ان کی آنکھوں سے غم بہہ رہا تھا اور وہ اس قدر دل شکستہ نظر آرہے تھے کہ ان کی آنکھوں کی ویرانی دیکھ کر دلوں کی دھڑکنیں بند ہوجائیں پانی پینے کے بعد عورت نے گلاس اس گٹھڑی میں رکھا اور بولی۔

"اُٹھیں یہاں سے علی محمد۔"

"ہاں اٹھو...... کیسے بیٹھے ہوئے ہیں ہم لوگ، چلو خیر ٹھیک ہے۔ مولا جس حال میں بھی رکھے اس کی مرضی۔"

دونوں اپنی جگہ سے اٹھے تو بینا آگے بڑھ کر ان کے قریب پہنچ گئی اور اس نے انہیں سلام کیا...... ایک مہذب شہری لڑکی کو اس طرح مہربان دیکھ کر دونوں اچنبھے میں رہ گئے۔ مرد نے کہا۔

"وعلیکم السلام بی بی جی۔ کک کوئی غلطی ہوگئی ہم سے؟"

"جب کسی کو سلام کیا جاتا ہے بابا صاحب تو کسی غلطی کے جواب میں نہیں کیا جاتا۔"

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔"

"ہمیں آپ سے کچھ کام ہے۔"

"ہم سے؟"

"ہاں بابا صاحب۔ میں وکیل ہوں اور یہ میرے والد...... یہ بھی وکیل ہیں۔" عدنان واسطی بھی ان کے قریب پہنچ گئے تھے۔

"وکیل...... بیٹے وکیل بہت بڑا لفظ ہے اگر اس لفظ کی گہرائیوں میں کھو جاؤ تو دوسرا سرا نہ پاسکو بہت بڑا کام کررہے ہو بیٹے...... سوچو گے ہر بوڑھا آدمی اپنی عمر سے فائدہ اٹھاتا ہے...... میں تمہیں نصیحت کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا لیکن بیٹے وکیل بڑی ذمے داریوں کا لفظ ہے یہ، کچھ ذمے داریاں ضرور پوری کردینا۔"

"آپ ہمیں تھوڑا سا وقت دیں گے بابا صاحب؟"

"وقت ہی وقت ہے ہمارے پاس، جیسا تم کہو۔" بوڑھے نے ہچکچاہٹ کے ساتھ کہا۔

"تو آئیے ہمارے ساتھ۔" دونوں تیار ہوگئے...... کسی قدر اُلجھے ہوئے نظر آرہے تھے پھر جب وہ بینا کی خوبصورت کار کے پاس پہنچے تو جھجکنے لگے...... دونوں نے ایک دوسرے کو سہمی ہوئی نظروں سے دیکھا...... مرد نے کہا۔

"بیٹھ جا زہرہ، بیٹھ جا...... جو کوئی بھی کرے گا ہماری مشکل حل ہی کرے گا چاہے کسی بھی شکل میں کرے۔"

"ہاں بیٹھ جائیے آپ لوگ، ہم آپ کو کسی ویرانے میں لے جاکر قتل نہیں کرنا چاہتے۔"

"یہی میں زہرہ سے کہہ رہا تھا کر بھی دوگے تو اچھا ہی کروگے ہمارے ساتھ۔" مرد نے کہا...... واسطی صاحب بینا کے ساتھ بیٹھ گئے اور بینا نے کار اسٹارٹ کرکے آگے بڑھا دی۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد اس نے پوچھا۔ "آفس چلیں ڈیڈی؟"

"نہیں گھر چلتے ہیں واسطی صاحب نے کہا اور بینا نے آنکھیں بند کرکے گردن ہلادی...... وہ دونوں سادہ لوح معصوم دیہاتی خاموش بیٹھے ہوئے تھے ویسے مرد کی گفتگو میں اس قدر شستگی تھی کہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ تھوڑا بہت پڑھا لکھا آدمی ہے، لہجہ عورت کا بھی صاف تھا لیکن ان کے انداز بالکل معصومانہ تھے...... راستے میں ان سے کوئی گفتگو مناسب نہیں سمجھی گئی پھر جب تھوڑی دیر کے بعد واسطی صاحب نے گاڑی روکی تو وہ ہچکچاتے ہوئے نیچے اتر گئے۔

"آئیے۔"

"چلئے صاحب جہاں دل چاہے لے چلئے۔"

"آپ بے فکر ہوکر آجائیے۔" واسطی صاحب انہیں اندر لے گئے۔ بینا بھی بہت زیادہ متاثر نظر آرہی تھی...... واسطی صاحب نے کہا۔

"میری اور آپ کی جسامت تقریباً ایک جیسی ہے، آپ کا لباس میلا ہوچکا ہے اگر آپ برا نہ محسوس کریں تو پہلے نہا کر لباس تبدیل کرلیجئے آپ کا لباس بہت میلا ہورہا ہے۔"

مرد نے نگاہیں اٹھا کر انہیں دیکھا اور بولا۔ "وکیل صاحب کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے ہیں کیا؟"

"مطلب؟"

"نہ جانے کیا سمجھ رہے ہیں آپ مجھے...... میرے اوپر یہ مہربانی کیوں کر رہے ہیں؟"

"ایک بات بتایئے علی محمد صاحب؟"

"جی......جی آپ...... آپ میرا نام بھی جانتے ہیں مگر کیسے، کیسے؟" معمر شخص نے کہا۔

"جی میں آپ کا نام بھی جانتا ہوں۔"

"مگر کیسے؟"

"بس جانتا ہوں...... میں آپ سے ایک سوال کر رہا تھا؟"

"جی؟"

"کچھ پڑھے لکھے ہیں آپ؟"

"بس تھوڑی بہت دینی تعلیم ہے اور کچھ نہیں ہے۔"

"تھوڑی بہت دینی تعلیم...... یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں اگر دینی تعلیم کسی کو حاصل ہے تو کیا اس کے بعد کسی اور دنیاوی تعلیم کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔" علی محمد متاثر نگاہوں سے واسطی صاحب کو دیکھنے لگا پھر بولا۔

"بات تو بہت بڑی کہہ دی ہے آپ نے۔"

"تو پھر دینی تعلیم کے سہارے ہی میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں ہمارے رسول اکرم ﷺ نے انسانوں کو انسانوں کے بارے میں کیا ہدایات دی تھیں؟"

"بہت کچھ......وہ ہدایات جس کے بعد ہدایات ختم ہو جاتی ہیں۔"

"انسان سے انسان کا رشتہ بتایا تھا انہوں نے۔"

"ہاں۔"

"تو پھر آپ اس قدر اُلجھے ہوئے کیوں ہیں؟"

"اس لئے عزیزی کہ انسان انسان سے اپنا رشتہ بھول گیا ہے۔"

"اور اگر کسی کو کبھی یہ رشتہ یاد آجائے تو؟"

"تو...... میرا علم محدود ہے، میں نہیں جانتا کہ اسے اس کا کیا صلہ ملے گا۔"

"تو پھر آپ اس قدر حیران نہ ہوں اگر میں نے کسی محبت کے رشتے سے آپ کے لئے اپنے دل میں کوئی محبت پیدا کی ہے تو آپ اس سے انکار نہ کریں نہ ہی اس بات پر حیران ہوں اب میں آپ کو کپڑے بھجواتا ہوں، یہ غسل خانہ ہے آپ جایئے نہایئے اور زہرہ بہن کو

میری بیوی سنبھال لیں گی۔"

"کمال ہے اب یہ کون سی تعلیم ہے کہ آپ کو ہم دونوں کے نام معلوم ہو گئے۔"

"اس کے بارے میں آپ کو بعد میں بتا دیا جائے گا۔" پھر کافی دیر لگ گئی تھی...... بینا نے زہرہ کو بھی اپنی والدہ کا ایک سادہ سا لباس پہنا دیا تھا اور پھر ان کے سامنے کھانا سجا دیا تھا۔

"ہم......ہم۔"

"پھر تکلف کر رہے ہیں آپ...... زہرہ بہن آپ سمجھایئے ہمارے علی محمد بھائی کو۔"

زہرہ کی آنکھوں سے مسلسل آنسو ٹپک رہے تھے...... لاکھ کوشش کرتی تھی لیکن آنسو رک نہیں پا رہے تھے...... بہر حال بینا اور عدنان واسطی دونوں نے مل کر ان لوگوں کو کھانا کھلایا اور علی محمد نے بہ مشکل تمام تھوڑا سا کھانا کھایا پھر بولا۔

"بس وکیل صاحب اتنا کافی ہے۔ نہ جانے کیوں دل میں ایک روشنی کی کرن پیدا ہو گئی ہے...... اللہ کی قسم میں سمجھ نہیں پا رہا کہ یہ روشنی کیسی ہے، شاید آپ کا محبت بھرا انداز دیکھ کر دل کو یہ احساس ہوا ہے کہ دنیا میں ابھی محبت کے نام پر کچھ باقی ہے...... شاید اسی وجہ سے دل کو ایک ہلکی سی خوشی نصیب ہوئی ہے۔"

"ارے نہیں علی محمد بھائی، یہ محبتیں تو ہم پر قرض ہیں، ہمیں ایک دوسرے کو لوٹانی ہیں، یہ ہمیں ہمارے فرض یاد دلاتی ہیں، اگر ہم اپنے ان فرائض کو پورا نہیں کریں گے تو کبھی خوش بھی نہیں رہیں گے۔"

"ٹھیک کہتے ہیں آپ، ٹھیک کہتے ہیں۔" علی محمد نے افسردگی سے کہا۔

"میں ذرا دس منٹ میں آیا...... آپ لوگ آرام سے یہاں بیٹھئے...... میں آپ سے کچھ بات کروں گا۔"

جب عدنان واسطی کمرے سے نکل گیا اور بینا کو بھی ساتھ لے گیا تو علی محمد نے اپنی بیوی سے کہا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے زہرہ؟"

"خدا کے نیک بندے لگتے ہیں، پتا چل گیا ہو گا ہمارے بارے میں کہیں سے...... انسان کو انسان پر رحم تو آتا ہی ہے نا علی محمد! کوئی اتنی اہم بات نہیں ہے تم غلط نہ سوچو...... جو کچھ کر رہے ہیں اللہ انہیں اس کا صلہ دے گا۔"

"کاش ہم نے بھی کسی کے ساتھ کچھ کیا ہوتا تو آج ہم اللہ سے اس کا صلہ مانگتے۔" علی محمد نے کہا اور اس کی آواز رندھ گئی...... زہرہ کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے تھے...... پھر وہ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

"بس کر علی محمد، ایسی باتیں نہ سوچ! اللہ ہم سے غافل نہیں ہوگا وہ ضرور ہماری بھی سنے گا ہمارے برے دن کٹ ہی جائیں گے۔"

تھوڑی دیر کے بعد بینا اور عدنان واسطی واپس آگئے تھے...... عدنان واسطی نے کہا۔

"ہاں علی محمد صاحب اب ذرا ہمیں اپنے بارے میں بتا دیجئے...... دیکھیں میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ میں وکیل ہوں اور آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔" علی محمد عجیب سی نگاہوں سے عدنان واسطی کو دیکھنے لگا تھا...... کچھ دیر خاموش رہا، پھر بولا۔

"صاحب جی! آپ ہمیں اپنا نام نہیں بتائیں گے؟"

"ارے ہاں معافی چاہتا ہوں، میرا نام عدنان ہے...... عدنان واسطی اور میں وکیل ہوں اور یہ میری بیٹی بینا واسطی ہے یہ بھی میرے ساتھ ہی وکالت کرتی ہے۔"

"شہروں کی باتیں شہروں جیسی، ہم کسی عورت کے وکیل ہونے کا خیال بھی نہیں کرسکتے تھے...... بہر حال باپ بیٹی وکالت کرتے ہیں...... وکیل صاحب ہمیں نہیں معلوم اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ آپ کو ہمارے بارے میں کہاں سے تفصیلات معلوم ہوگئیں۔ بہر حال آپ کا حکم ہے آپ نے احسان کیا ہے ہم پر۔ ہم بے سہارا لوگ تھے، ہمارے پاس شہر میں کوئی سہارا نہیں ہے...... وکیل صاحب، ایک جگہ درخت کے نیچے بسیرا کرتے ہیں...... رات بیٹھے بیٹھے گزری ہے تیسری بار شہر آئے ہیں اس سے پہلے شہر کبھی دیکھا بھی نہیں تھا...... ایک مشکل میں پڑگئے ہیں وکیل صاحب۔"

"ایسا کرب، ایسا درد تھا اس آواز میں ایسی تڑپ تھی کہ دل سینے سے نکلا پڑ رہا تھا...... کچھ لمحے بعد اس نے اپنی آواز پر قابو پانے کی کوشش کی پھر گلا صاف کر کے بولا۔

"بڑی مشکل آپڑی ہے ہم پر وکیل صاحب! دیکھیں اللہ ہمیں اس مشکل سے کب نکالتا ہے ابھی تو جان پر بنی ہوئی ہے۔"

"ہاں، مجھے اپنی وہ مشکل بتائیے آپ۔" عدنان واسطی نے کہا۔

"وکیل صاحب چھانگا گلی کے رہنے والے ہیں ہم، چھانگا گلی چک نمبر سترہ، میرا نام علی

محمد ہے، چھانگا گلی کا ایک غریب سا آدمی ہوں وہیں پیدا ہوا، وہیں زندگی گزار دی ایک چھوٹی سی دکان کرتا تھا چھانگا گلی میں، مڈل تک پڑھا ہوا ہوں اور بس تھوڑی سی کتابوں میں شد بد ہوگئی ہے۔ دکان بہت چھوٹی سی تھی اتنا ہی دے سکتی تھی کہ ہم میاں بیوی روٹی کھالیں اور اپنا کام چلالیں، اللہ نے بیٹا دیا تھا اور اس کے بعد کوئی اور اولاد نہیں ہوئی، نور محمد کو ہم نے جیسے بھی بن پڑا مڈل تک پڑھالیا چونکہ بستی میں مڈل تک ہی تعلیم ہوتی ہے، بیٹا بڑا ہوگیا تو ایک جاننے والے کی بیٹی سے اس کی منگنی کردی اور اس کے بعد بیٹے کے دل میں یہ امنگ پیدا ہوگئی کہ کمائی کرے، ہمارے پاس کوئی ذریعہ بھی نہیں تھا...... وکیل صاحب لیکن ہماری چھوٹی سی بستی میں نوکریاں نہیں ملتیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہ کوئی کسی کی بھینس پر نوکر ہوجائے...... زمینوں پر کام کرلے، لیکن نور محمد چاہتا تھا کچھ بن کر بانو کو بیاہ کر لائے، آرزو تھی یہ اس کی، بیٹے پر فیصلہ چھوڑ دیا تھا کہ بیٹا جیسے تو مناسب سمجھے کر، شہر میں آکر نوکری کرنے کی سوجھی اسے وکیل صاحب۔ ہم نے کبھی شہر نہیں دیکھا تھا نور محمد نے بھی نہیں دیکھا تھا...... بستی والوں میں سے کچھ لڑکے شہر آئے تھے...... ترقی کرگئے تھے ہم نے سوچا ہمارا کام بھی چل جائے گا۔ دل پر پتھر رکھ کر بیٹے کو شہر بھیج دیا اور دعائیں کرنے لگے اس کے لئے پھر اس نے ہمیں خط لکھا اور بتایا کہ اللہ نے اس کا کام کردیا ہے ابھی ایک گھر میں نوکری مل گئی ہے اور پانچ سو روپے تنخواہ ہوگئی ہے گھر والوں نے کہا ہے کہ اگر اس نے ٹھیک سے کام کیا تو اس کی ترقی بھی ہوجائے گی، ابتدا بہت اچھی تھی وکیل صاحب دکان کی آمدنی ڈیڑھ دو سو روپے مہینہ سے زیادہ نہیں تھی، بس اللہ دال روٹی دے ہی رہا تھا، ایک چھوٹی سی جھونپڑی بھی بنا رکھی تھی کوئی بڑی مشکل نہیں تھی سوائے اس کے کہ ہم یہ سوچتے کہ نور محمد کی شادی کر کے بہو کو کہاں رکھیں گے، حالانکہ زہرہ کہتی تھی کہ باہر تھوڑا سا چھپر اور ڈال لیں گے، ہمارا کیا ہے اس میں گزارہ کرلیں گے، بہو بیٹے اندر رہیں گے ہم باہر۔ مگر ہم ہنستے تھے یہ کہتے تھے کہ پھر ان کے بچے ہوں گے تو کیا ہوگا۔ ہر ماں باپ ایسی ہی کہانیاں ایک دوسرے کو سناتے رہتے ہیں وکیل صاحب، ہم میاں بیوی بھی انہی کہانیوں میں کھوئے ہوئے تھے ہمارا بیٹا یہاں کام کر رہا تھا، چھ بلکہ سات مہینے گزر گئے، کیوں زہرہ؟"

"ہاں...... سات مہینے اس نے پیسے بھیجے تھے۔" زہرہ نے سسکی سی لے کر کہا۔

"ہاں سات مہینے، ٹھیک کہتی ہے تو پھر وکیل صاحب آٹھواں مہینہ ہمارے لئے

نحوست کا مہینہ بن کر آیا اس کے بعد پیسے بھی بند ہو گئے اور خط بھی بند ہو گئے، ایک مہینہ گزرا دو مہینے، جب تین مہینے گزر گئے تو زہرہ نے کہا کہ علی محمد کہیں نور محمد بھٹک تو نہیں گیا، اس نے ہم سے رشتہ تو نہیں توڑ لیا کہیں، شہر میں جا کر وہ کسی جال میں تو نہیں پھنس گیا، میرے پاس ان سوالات کا کوئی جواب نہیں تھا وکیل صاحب سوائے اس کے کہ میں شہر آ کر پتا کروں، نور محمد نے اپنے خط میں یہاں کا پتا لکھا تھا جس گھر میں وہ کام کرتا تھا، خط تو ہمارے پاس ایسے رہتے تھے جیسے بس، کیا کہوں کوئی بڑا لفظ منہ سے نہ نکل جائے۔ میں نے ہمت کی، دکان بند کی اور شہر آ گیا...... وکیل صاحب شہر ہم جیسے دیہاتیوں کے لئے وہ جگہ ہوتی ہے جہاں آ کر ہماری عقل کھو جاتی ہے...... پورے چودہ دن میں مجھے اس کوٹھی کا پتا لگا تھا جہاں میرا نور محمد کام کرتا تھا، کوٹھی پہنچ گیا نوکروں سے معلوم کیا تو انہوں نے ایک بری ہی کہانی سنائی...... انہوں نے بتایا کہ نور محمد کو کوٹھی کے مالک کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا ہے اور وہ جیل میں ہے، میں کچھ نہیں کہوں گا وکیل صاحب یہ آپ کا بیٹا ہے نا آپ کے اور بچے بھی ہوں گے، اولاد کے بارے میں اچانک ایسی خبر ملے تو دل پر جو گھونسا پڑتا ہے بس لفظوں میں نہیں کہا جا سکتا، پیروں میں کھڑے رہنے کی ہمت نہیں رہی تھی...... زمین پر بیٹھ گیا۔ سینہ پکڑ کر، نوکر کو رحم آ گیا تھا۔ مجھ سے پوچھنے لگا کہ نور محمد سے میرا کیا تعلق ہے، میں نے اسے بتایا کہ اس کا باپ ہوں، چھانگا گلی سے آیا ہوں تو ملازم نے مجھے تفصیل بتائی۔"

"علی محمد بابا میں وہ تفصیل معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی صاحب بتا رہا ہوں۔" علی محمد نے کہا پھر بولا۔

"نوکر نے بتایا کہ نور محمد نے رات کی تاریکی میں مالک کو چھرا مار کر ہلاک کر دیا اور سامان سمیٹ کر لے آیا، رات کی تاریکی میں چونکہ گیٹ پر پہرا ہوتا ہے اور نکلنا بہت مشکل کام تھا سامان اس نے اپنے پلنگ کے گدے کے نیچے چھپا دیا اور انتظار کرنے لگا کہ صبح ہو تو یہاں سے نکل جائے مگر رات ہی میں اسے پکڑ لیا گیا اور اب وہ مالک کے قتل کے الزام میں جیل میں بند ہے وکیل صاحب کوئی بھی رشتہ ایسا نہیں ہوتا جس پر انسان اپنی زبان سے کوئی الزام لگائے، سب اپنے اپنوں کو بے قصور سمجھتے ہیں میں بھی انہی میں سے ہوں مگر جب میں نے غور سے سوچا تو نور محمد میں مجھے ایسی کوئی بات نظر نہیں آئی نہ وہ چور تھا اور نہ قاتل کسی کو

نہیں مار سکتا تھا وہ کسی کو بھی نہیں مار سکتا تھا، سوال ہی نہیں پیدا ہوتا وکیل صاحب، بہر حال میں نے ساری معلومات حاصل کیں اور اس کے بعد اپنے نور محمد سے ملنے کی کوششیں شروع کر دیں، مجھ جیسے دیہاتی کو اس میں کیا مشکلات پیش آئیں کہنا بے کار ہے بس یوں سمجھ لیجئے آخری حد تک پہنچ گیا تھا تب میری ملاقات نور محمد سے ہوئی وکیل صاحب جالیوں کے پیچھے، جالیوں پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا مجھے دیکھ کر بلک بلک کر رو پڑا...... اس نے اپنی ماں کی قسم کھائی کہ نہ اس نے چوری کی ہے نہ قتل کیا ہے وکیل صاحب، ایک اکیلا بیٹا ماں کی جھوٹی قسم کبھی نہیں کھا سکتا اس کے آنسو بتا رہے تھے کہ اس نے کچھ نہیں کیا مگر ہم اس کے لئے کیا کر سکتے تھے...... میری تو سمجھ ہی ساتھ چھوڑ چکی تھی...... ہانپتا کانپتا بستی پہنچا زہرہ سے میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اس وقت بھی جھوٹ نہیں بولا ہم دونوں کی کیا حالت ہوئی تھی اللہ بہتر جانتا ہے...... زہرہ پر تو غشی طاری ہو گئی تھی مگر غشی سے کام نہیں چلتا تھا...... بستی کے سیانوں سے مشورے کئے سب کو بتا دیا کہ کیا ہوا ہے فقیر محمد بھی آ گیا اور بدبخت نے آنکھیں بدل لیں، ارے برا وقت تو کسی پر بھی پڑ سکتا ہے...... اللہ سے توبہ کی جائے مدد مانگی جائے اس نے بجائے اس کے جس پر برا وقت پڑا ہو اس سے فوراً ہی نفرت شروع کر دی جائے مگر فقیر محمد نے ایسا ہی کیا تھا وکیل صاحب، بستی کے کچھ اور لوگ بھی تھے ہزار منہ ہزار باتیں...... مشورہ یہی دیا گیا کہ شہر جا کر وکیل کیا جائے اور نور محمد کا کیس لڑا جائے...... ہم جیسے غریب لوگ وکیل صاحب! جب ایسی بیماری ہم پر آ جاتی ہے جس کا علاج لاکھوں میں ہوتا ہے تو خاموش ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور اپنے بیمار کو مردہ سمجھ لیتے ہیں کیونکہ ہم ان کا علاج نہیں کرا سکتے۔ ہمارے پاس چھوٹی سی دکان تھی ایک جھونپڑی تھی جس کی مالیت کچھ بھی نہیں تھی وکیل کرنے کے لئے دکان بیچ دی اور ایک بار پھر شہر آ گئے، یہاں آ کر وکیلوں سے بات چیت کی ایک وکیل صاحب کیس لینے پر تیار ہو گئے جو کچھ لائے تھے ان کے حوالے کر دیا اور انہیں وہ بھی بہت کم لگا پیروں میں پڑ کر ان سے کہا کہ وکیل صاحب اپنے بیٹے کی زندگی کی قیمت تو ہم نہیں دے سکتے، غلامی کریں گے ان کی ہمارے بیٹے کو بچا لیں...... بہر حال وکیل صاحب تیار ہو گئے تھے مقدمہ چالو ہو گیا، ہم تھوڑے دن رہ کر واپس زہرہ کے پاس چلے گئے...... یہ تو ہمیں پتا چل گیا تھا کہ مقدمہ آسان نہیں ہے کوئی سننے کے لئے تیار نہیں تھا اور ہماری سنتا بھی کون اگر ہم اپنے منہ سے کہتے کہ ہمارا بیٹا بے گناہ ہے، سب ہی ایسے کہا کرتے ہیں مگر نور

محمد پر ہمیں یقین تھا بس دو بار ملے ہیں اس دوران اس سے کیونکہ اس سے ملنے کے لئے بھی خرچہ کرنا پڑتا ہے وکیل صاحب بے چارے کیس لڑ رہے تھے ہمارا اور جب ہم ان سے پوچھتے تھے وکیل صاحب کچھ امید ہے تو وہ خاموش ہو جاتے تھے، البتہ انہوں نے مجھ سے ضرور کہا تھا کہ سچ سچ بتا دو نور محمد ایسا کر سکتا ہے یا نہیں۔ میں نے انہیں یہی جواب دیا کہ وکیل صاحب نہیں کر سکتا وہ ایسا۔ وہ خاموش ہو جاتے تھے پھر ہم نے اپنی وہ جھونپڑی بھی بیچ دی اور اب ہم تیسری دفعہ یہاں آئے ہیں یوں سمجھ لیں وکیل صاحب چھانگا گلی سے رشتہ توڑ آئے ہیں اپنا، لوگوں نے اچھا سلوک نہیں کیا ہمارے ساتھ، ہم نے کہا بھی کہ بھائیو! اپنے نور محمد کی جان بچانے کے لئے ہمارے لئے چندہ کر لو، مجبوری ہے بے کسی ہے مان لو ہماری بات، مگر سچی بات یہ ہے کہ ہر ایک کے اپنے مسائل ہوتے ہیں کوئی مدد نہیں کی ہماری کسی نے، آ گئے تھے یہاں بیٹا عدالت میں تو صورت دیکھ لی اس کی، بات کرنے کے لئے پیسے چاہئے ہوتے ہیں اب ہمارے پاس پیسے بھی نہیں ہیں وکیل صاحب، سب کچھ ختم ہو گیا ہے وکیل صاحب پتا نہیں کیوں اب تو رگوں میں خون بھی نہیں دوڑتا، خون بھی سوکھتا جا رہا ہے وکیل صاحب پتا نہیں کیا ہو گا آگے کیا ہونا ہے، اللہ ہی سمجھتا ہے۔"

"وہ وکیل صاحب کیا کہتے ہیں جو آپ کا کیس لڑ رہے ہیں علی محمد صاحب۔" عدنان واسطی نے پوچھا۔

"مسکرا کر خاموش ہو جاتے ہیں صاحب، کبھی کبھی تو سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتے اور پیسے مانگ رہے تھے ہم نے کہا کہ وکیل صاحب اب کچھ نہیں ہے ہمارے پاس، بس اس دن سے بات کرنا بھی چھوڑ دی ہے۔"

"آج آپ کے بیٹے کی پیشی تھی عدالت میں؟"

"ہاں وکیل صاحب آپ نے دیکھا تھا اسے کتنا دبلا ہو گیا ہے ارے لوگ کہتے تھے کہ نور محمد تمہارا تو بیٹا لگتا ہی نہیں علی محمد، اچھی جان بن گئی تھی اس کی، پیارا لگتا تھا کیوں زہرہ؟"

"لگتا تھا کیوں کہہ رہے ہو علی محمد وہ تو ابھی زندہ ہے۔"

زہرہ نے کہا اور اس کی ہچکیاں بندھ گئیں...... بینا نے بے اختیار ہو کر زہرہ کے قریب بیٹھ کر کہا۔

"نہیں، چچی جان آپ بالکل نہ روئیں آپ کا بیٹا انشاء اللہ زندہ رہے گا اگر وہ بے قصور

ہے تو میں آپ کو یقین دلاتی ہوں چچی جان! آپ کا بیٹا زندہ رہے گا۔" بینا کی آواز گلوگیر ہو گئی اور دونوں کو بڑی ڈھارس ملی، علی محمد نے کہا۔

"وکیل صاحب ہم آپ کو سب کچھ بتا چکے ہیں اب یہ تو اللہ ہی جانتا ہے کہ کیا ہو گا لیکن ہم آپ کی ہمدردی کو بھلائیں گے نہیں وکیل صاحب، آپ نے جس طرح ہم بے سہارا لوگوں کو سہارا دیا ہے یہی بہت بڑی بات ہے وکیل صاحب ہم مجبور لوگ بے غیرت بھی ہو جاتے ہیں کبھی کبھی، ہمیں مرنے میں کوئی عار نہیں ہے لیکن اس وقت مرنا چاہتے ہیں، جب...... جب ہمارے بیٹے کو پھانسی ہو جائے، ہو سکتا ہے وہ بچ جائے ہم مر گئے تو اسے بڑا دکھ ہو گا اور جس وقت تک ہم زندہ ہیں وکیل صاحب ہمیں صرف اتنی جگہ دے دیجئے کہ ہم آنے والے وقت کا انتظار کر لیں بیٹا بچ گیا تو اسے لے کر چلے جائیں گے نہ بچ سکا تو جس دن اسے موت کی سزا دی جائے گی اس دن کے بعد ہم آپ کو آپ کے دروازے پر بھی نظر نہیں آئیں گے، مل سکتی ہے ہمیں تھوڑی سی جگہ؟"

"علی محمد انسان کو اتنا مایوس نہیں ہونا چاہئے...... اگر مایوسی اسی انتہا تک پہنچ جائے تو یہ دنیا ختم ہو جائے گی علی محمد، آپ تو پڑھے لکھے دین دار آدمی ہیں یہ گھر آپ کے لئے ہے بے فکری سے رہیں ہم صرف ایک بات کہہ سکتے ہیں نور محمد اگر بے گناہ ہے تو انشاء اللہ اسے بچا لیں گے اور اس سے یہ غلطی ہو گئی ہے تو پھر ہم آپ سے معافی مانگ لیں گے۔"

"ٹھیک ہے وکیل صاحب میں اللہ کے فیصلے کا انتظار کروں گا، باقی کسی گناہ گار کی مدد کرنا تو ویسے بھی ٹھیک نہیں ہو گا اگر اس بدنصیب نے کسی جذبے کے تحت یہ سب کر ڈالا ہے تو پھر ذرا مجبوری ہو گی۔"

"ٹھیک ہے بینا! ان دونوں کو عزت کے ساتھ ایک کمرہ دو اور ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھا جائے، علی محمد صاحب ابھی تو آپ میرے کپڑوں سے ہی گزارہ کیجئے آپ کی تمام ضرورتوں کا انتظام کر دیا جائے گا۔" علی محمد نے ہاتھ جوڑ دیئے اور بولا۔

"بخدا کوئی ضرورت نہیں ہے میری بس تھوڑی سی جگہ دے دو، اپنی بچی کھچی روٹی دے دو ہمارا تو کچھ کھانے کو دل بھی نہیں چاہتا۔"

ان دونوں کو ایک کمرے میں مقیم کر دیا گیا...... عدنان واسطی نے اس کام سے فارغ ہونے کے بعد بینا سے کہا۔

”کیا خیال ہے بینا شہاب سے رابطہ کریں؟“

”میں کرلوں گی۔“

”دلچسپی لے گا؟“

”ڈیڈی شہاب کو جاننے کے بعد آپ یہ سوال کر رہے ہیں۔“

”نہیں...... خدا اسے اس کی نیکیوں کا اجر دے۔“ واسطی صاحب نے کہا اور بینا پر خیال انداز میں انہیں دیکھنے لگی۔

❀

”**جناب** عالی کیا فرماتے ہیں اس سلسلے میں؟“

”بینا ہماری زندگی کا تو مشن ہی یہی ہے، اب ضروری تو نہیں ہے کہ ہم اپنے ہی مطلب کے کیس تلاش کریں، یہ تو کوئی بات نہیں ہوگی، تم نے بہت ہی اچھا کیا کہ انہیں اپنے گھر ٹھہرالیا کیا اندازہ ہوگا واقعی، لیکن اس کے باوجود اگر تم کسی بھی قسم کی اُلجھن محسوس کرو تو کریم سوسائٹی کی کوٹھی انہی تمام کاموں کے لئے مخصوص ہے۔“

”نہیں...... بے چاروں کو بھرپور توجہ درکار ہے شہاب، ہمارے گھر ان کا خیال رکھا جائے گا، بے فکر رہو۔“

”اب دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ اس کیس کے بارے میں تفصیلات معلوم کی جائیں، کیا ان کے پاس کیس کی فائل کی نقل موجود ہے۔“

”اتنے سادہ اور ناواقف لوگ ہیں کہ کسی بھی شکل میں ان کے پاس کچھ نہیں ہے، عدالتوں وغیرہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تم ملو گے تو تمہیں اندازہ ہو جائے گا۔“

”مل لوں گا، لیکن کم از کم وہ اس وکیل کے بارے میں بتا سکتے ہیں۔“

”ہاں بالکل۔“ فیض شاہ ہے اس کا نام جس نے وہ کیس لیا ہے اور ڈیڈی کا کہنا ہے کہ بس اپنے مطلب کا آدمی ہے یقینی طور پر اس نے ان تھوڑے سے پیسوں میں اس کیس میں پوری پوری دلچسپی نہیں لی ہوگی۔“

”وکالت کا پیشہ بہت مقدس ہوتا ہے، خدا جانے وہ کس دل کے مالک لوگ ہوتے ہیں جو کسی غریب کو نظرانداز کردیتے ہیں، لیکن میں یہ بات جانتا ہوں بینا کہ ایسے لوگوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے ورنہ انسانی جذبے ان تمام چیزوں سے زیادہ برتر اور عظیم ہوتے ہیں۔“

عدنان واسطی صاحب اس وقت کہاں ہیں؟''

''ڈیڈی آفس ہی میں ہیں۔''

''چلو ان سے مل لیتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' بینا نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد دونوں واسطی صاحب کے سامنے پہنچ گئے۔ واسطی صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں خواب میں بھی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ بینا کو مایوسی ہوئی ہے کیونکہ میں شہاب کو جانتا ہوں۔''

''فیض شاہ سے آپ اس کیس کی تفصیل معلوم کر لیجئے۔''

''میرا خیال ہے رہنے دیتے ہیں میں اس کیس کا فائل اپنے طور پر نکلوا لیتا ہوں۔''

''ایسا کر لیجئے۔''

''ٹھیک ہے رات تک یہ فائل مجھے مل جائے گا آج کل لوگ مجھ سے خصوصی تعاون کرنے لگے ہیں۔'' عدنان واسطی نے مسکراتے ہوئے کہا پھر بولے۔

''تو پھر ایسا کرو اگر کوئی خاص مصروفیت نہ ہو تو رات کو کھانا ساتھ ہی کھائیں گے ان لوگوں سے بھی مل لینا اور فائل بھی دیکھ لیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔''

بینا نے گھر پہنچنے کے بعد کچن سنبھال لیا تھا اور پھر ساڑھے سات بجے شہاب، عدنان واسطی کے گھر پہنچ گیا۔ شلوار قمیض میں ملبوس ہمیشہ کی مانند خوب صورت نظر آنے والا۔ واسطی صاحب نے اس کا استقبال کیا تھا اور پھر اسے علی محمد اور زہرہ سے ملایا تھا۔ واسطی صاحب نے کہا۔

''یوں سمجھ لیں علی محمد بھائی کہ اب نور علی کے لئے پوری محنت کے ساتھ کام شروع ہو گیا ہے اور ہم لوگوں کی پوری ٹیم اسے بچانے کی پوری پوری کوشش کرے گی، یہ انسپکٹر صاحب ہیں، شہاب ہے ان کا نام...... سمجھ لو پولیس بھی تمہاری پشت پر آگئی، قانون بھی آگیا اب انشاء اللہ تعالیٰ نور محمد کے لئے اعلیٰ پیمانے پر کام شروع ہو جائے گا۔'' دونوں نے ممنون نگاہوں سے ان لوگوں کو دیکھا تھا اور کچھ نہیں بولے تھے...... مایوسیوں کی جو زردی ان کے چہروں پر کھنڈی ہوئی تھی اسے دیکھ کر دل کے تار ہل جاتے تھے...... پھر تمام کاموں سے

فارغ ہونے کے بعد فائل کی وہ نقول سامنے رکھ لی گئیں اور ان میں درج تفصیلات پڑھی جانے لگیں، نور محمد نے گھر کے ایک ملازم کی حیثیت سے اس کوٹھی تک رسائی حاصل کی تھی وہ خود ہی کوٹھی تک پہنچا تھا اور اتفاق سے جب وہ ملازم سے اپنی نوکری کی بات کر رہا تھا تو کوٹھی کی مالکہ پروین فاروقی کسی کام سے آگئی تھی اور اس نے نور محمد کے بارے میں پوچھا تھا تو ملازم نے بتایا کہ بی بی جی یہ شخص گھر میں نوکری کرنا چاہتا ہے...... پروین فاروقی نے اسے اندر بلا لیا تھا اور اس سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کر کے اسے اپنی کوٹھی میں ملازم کی حیثیت سے رکھ لیا تھا اور ایک اور ملازم حکمت سے کہا تھا کہ اسے وہ خالی کمرہ دے دے جو اس کے کوارٹر میں بیکار پڑا ہوا ہے، بس اس دن سے نور محمد نے اس گھر میں کام کرنا شروع کر دیا تھا، اس گھر میں اور بھی کئی ملازم تھے نور محمد کو صبح ڈیوٹی پر لگایا جاتا تھا جو ملازم غیر حاضر ہوتا تھا یا اپنا کام نہیں کر پاتا تھا نور محمد اس کی جگہ کام کرتا تھا...... شیخ زاہد فاروقی جو اس گھر کا مالک تھا ایک کاروباری آدمی تھا اور اس کی زیادہ مصروفیت اپنے کاروبار میں ہی رہا کرتی تھی، جبکہ اس کی بیوی پروین گھر کے تمام معاملات سنبھالتی تھی، ان لوگوں کی کوئی اولاد نہیں تھی، مزید تفصیلات سے پتا چلا کہ شیخ زاہد فاروقی کی پہلی بیوی گل افشاں کو طلاق ہو چکی تھی اور اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ گل افشاں کے یہاں بھی اولاد نہیں ہوئی تھی، پروین سے شیخ زاہد فاروقی کی شادی کو چھ سال گزر چکے تھے اور ان چھ سالوں میں پروین کے یہاں بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی جبکہ شیخ زاہد فاروقی اولاد کا خواہش مند تھا پھر شیخ زاہد فاروقی کو قتل کر دیا گیا اور قاتل نور محمد منظر عام پر آگیا، بہت سی ایسی باتیں تھیں جن پر غور کیا جا سکتا تھا، مثلاً یہ کہ پروین کی توجہ نور محمد پر کچھ ضرورت سے زیادہ تھی اور ملازموں کے کہنے کے مطابق نور محمد کا ہر طرح سے خیال رکھا جاتا تھا، کبھی کبھی پروین اس کے ساتھ پائیں باغ میں حوض کے کنارے بھی بیٹھی رہا کرتی تھی اور وہ دونوں باتیں کرتے رہا کرتے تھے، لیکن پروین ہی نے نور محمد کی ایف آئی آر درج کرائی تھی اور نور محمد کو موت کی سزا دینے کا مطالبہ کیا تھا، اس کے بعد قتل کی پوری واردات کی تفصیل تھی جو کچھ یوں تھی کہ نور محمد نے رات کی تاریکی میں شیخ زاہد فاروقی کا قتل کیا، گھر سے قیمتی اشیاء جمع کیں اور صبح کا انتظار کرنے لگا چونکہ چوکیدار صبح چھ بجے اپنی ڈیوٹی ختم کر دیتا تھا اور اس کے بعد گیٹ پر کبھی کبھی نور محمد کو بھی کھڑا کر دیا جاتا تھا...... نور محمد اس سامان کے ساتھ اس لئے باہر نہیں نکلا تھا کہ رات میں نکلتے ہوئے

چوکیدار اس پر شبہ کرے گا، قتل کی خبر صبح ہی کو ملی تھی کیونکہ پروین جلدی اٹھنے کی عادی تھی اور اکثر پائیں باغ میں چہل قدمی کرتی تھی، اپنے آپ کو فٹ رکھنے کے لئے جاگنگ کرتی تھی، کبھی کبھی زاہد فاروقی بھی اس کے ساتھ ہوتا تھا، وہ زاہد فاروقی کے کمرے میں گئی تو اس نے زاہد فاروقی کو خون میں لت پت پڑا پایا...... شور مچایا گیا اور اس کے بعد ملازم حکمت نے بتایا کہ رات کو اسے کچھ شبہ ہوا تھا اور اس نے محسوس کیا تھا کہ کوئی اندرونی کوٹھی سے بھاگتا ہوا نکلا ہے اور پھر کوارٹر میں جا گھسا ہے لیکن حکمت کی سمجھ میں نہیں آیا تھا اور پھر وہ نیند کی جھونک میں بھی تھا اس لئے کوئی اندازہ نہیں لگا سکا تھا، پھر جب ان لوگوں نے پولیس کو خبر کی اور ملازم حکمت اور دوسرے دو ملازم اس کمرے میں داخل ہوئے جہاں نور محمد سوتا تھا تو نور محمد وہاں مل گیا اس کے پلنگ کے گدے کے نیچے خون آلود چھرا اور قیمتی زیورات، نوٹوں کی دو گڈیوں کے ساتھ مل گئے اور اس کے بعد پولیس نے اسے گرفتار کر لیا...... حکمت کا بیان کچھ دوسرے بیانات اور یہ تمام چیزیں نور محمد کے خلاف مکمل ثبوت مہیا کرتی تھیں لیکن نور محمد کا کہنا تھا کہ وہ بے گناہ ہے اور اپنے مالک کو قتل کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا، عدالت کے سامنے نور محمد کا جو بیان ہوا تھا اس کی تفصیل بھی موجود تھی اس نے کہا تھا۔

"صاحب جی مالک کا نمک کھانے کے بعد مالک کی نمک حرامی کے بارے میں ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے، ہم نے قتل نہیں کیا ہے صاحب جی بس اور کچھ نہیں کہیں گے ہم، ہم تو پہلی بار نوکری کے لئے نکلے تھے پر اللہ کو جو بھی منظور ہو، ہم نے کسی کو بھی نہیں مارا ہے صاحب جی۔" بس یہ نور محمد کا بیان تھا اس سے جرح بھی کی گئی تھی اور اس کے نتیجے میں وہ کوئی موثر جواب نہیں دے سکا تھا، پوری تفصیل پڑھنے کے بعد شہاب نے کہا۔

"اس میں تو بہت سے ایسے نوکدار پہلو نکلتے ہیں واسطی صاحب جو ہر حال میں اس کیس کو سہارا دے سکتے ہیں۔"

"کیوں نہیں لیکن اندازہ یہ ہوتا ہے کہ اس کیس پر وہ توجہ نہیں دی گئی جو کسی دولت مند آدمی کے کیس پر دی جا سکتی تھی، شیخ زاہد فاروقی ایک اچھا کاروباری آدمی تھا اور اس کی بیوی پروین فاروقی نے اس کی ایف آئی آر درج کروائی، گواہیاں اور دوسرے حالات بیچارے نور محمد کو قاتل قرار دے رہے ہیں اب یہ بتاؤ آگے کیا کرنا ہے؟"

"واسطی صاحب اگر آپ اس کیس کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہیں تو آپ کو کیا دقتیں پیش

آئیں گی۔"

"کچھ نہیں آسان سی بات ہے، اول تو یہ کہ فیض شاہ بذات خود اس میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہا میں اگر اپنا وکالت نامہ پیش کروں گا تو آسانی سے اپنے آپ کو اس کیس میں انٹر کر سکتا ہوں، ابھی چونکہ فیصلہ بھی نہیں ہوا ہے فرض کرو اگر فیصلہ ہو بھی جاتا ہے تو میں اپیل دائر کر دوں گا اور اس کے بعد حقائق کو منظر عام پر لاؤں گا۔"

"خیر یہ آپ دیکھئے ہم لوگ، میرا مطلب ہے میں اور بینا اس سلسلے میں کام کا آغاز کر دیتے ہیں وہاں کی صورت حال آپ سنبھالئے باقی حقیقتوں کا ہم پتا لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔"

"شکریہ شہاب۔" عدنان واسطی نے کہا اور شہاب مسکرانے لگا۔

"ایک انسانی مسئلہ ہے شکریئے وغیرہ کی میرے خیال میں کوئی گنجائش نہیں ہے...... ویسے کھانا واقعی بہت عمدہ تھا اب ان لوگوں کو سنبھالے رکھنا آپ لوگوں کا کام ہے، ہمیں اپنا کام کرنے دیجئے پھر بینا شہاب کو باہر تک رخصت کرنے آئی تھی۔" شہاب نے کہا۔

"کل کا لنچ ساتھ ہوگا؟"

"کیوں خیریت؟"

"لنچ کی یا؟"

"نہیں میرا مطلب ہے کوئی خاص بات ہے؟" بینا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"انتہائی اہم۔" شہاب سنجیدہ چہرہ بنا کر بولا اور بینا بھی ایک دم سنجیدہ ہوگئی۔

"تو پھر کل ہی کیوں؟"

"کیا مطلب؟"

"میں بے چین رہوں گی۔"

"تو تمہارا کیا خیال ہے...... میں بے چین نہیں ہوں؟"

"شہاب صاحب...... میری بات مان لیں گے۔"

"مان چکا ہوں بینا...... میری مجال کہ میں تمہاری بات ماننے سے انکار کر دوں۔"

"تو پھر جو کچھ ہے مجھے آج ہی بتا دیجئے...... کل تک خلجان میں مبتلا رہوں گی۔"

"نہیں بینا...... ہمیں جو کل کرنا ہے وہ آج نہیں کر سکیں گے۔"

"آخر کیوں؟"

"مجبوری ہے بینا۔" شہاب ٹھنڈی سانس لے کر بولا اور بینا بے بسی سے اسے دیکھنے لگی پھر بولی۔

"جیسی آپ کی مرضی حالانکہ آپ اگر چاہیں تو مجھے کچھ اشارہ ہی دے دیں۔"

"سوری بینا...... یقین کرو جو میں کل کرنا چاہتا ہوں...... وہ آج کر نہیں سکتا۔"

"آخر کرنا کیا ہے؟" بینا جھلا کر بولی۔

"لنچ! اب تم خود بتاؤ...... ہم اس وقت لنچ کیسے کر سکتے ہیں کیا یہ مجبوری نہیں ہے۔"

"صرف لنچ۔" بینا چیخ کر بولی۔

"تو اور کیا۔" شہاب نے کہا اور اپنے رخساروں پر توبہ کرنے لگا...... بینا کھسیائے ہوئے انداز میں ہنسنے لگی تھی۔

❀

شہاب نے مسکراتے ہوئے بینا کا استقبال کیا...... لنچ کا وقت ہو گیا تھا...... شہاب نے شاید ویٹر سے کہہ دیا تھا کہ مس بینا آ رہی ہیں ان کے آنے کے بعد مینو لائے، چونکہ دونوں کی نشست مستقل یہاں رہتی تھی اس لئے ویٹر ان دونوں کو پہچانتے تھے...... بینا کے بیٹھتے ہی ویٹر نے مینو لا کر رکھ دیا۔

"جی بینا؟" شہاب نے کہا اور بینا مینو دیکھ کر آرڈر نوٹ کرانے لگی۔ جب ویٹر آرڈر لے کر چلا گیا تو شہاب نے کہا۔

"بینا ان ویٹرز کا ہمارے بارے میں کیا خیال ہو گا؟"

"کیا مطلب؟"

"کیا یہ ہمارے بارے میں کچھ سوچتے ہوں گے؟ ہم اکثر یہاں آتے ہیں۔"

"انسان سوچوں سے دور کہاں ہوتا ہے۔"

"ان کی سوچ کتنی دلچسپ ہو گی۔" شہاب مسکرا کر بولا پھر کہنے لگا۔ "بینا کچھ پوچھوں بتاؤ گی۔"

"جی؟"

"کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟" شہاب نے کہا اور بینا منہ کھول کر رہ گئی۔ "جواب چاہتا

ہوں۔" شہاب پھر بولا۔

"یہ سوالات، ہمارے معیار کے ہیں؟"

"ہاں ہیں بینا...... کیوں نہیں ہیں...... تم بوڑھی ہو گئی ہو یا میں...... ہم اپنی شخصیت پر کتنے ہی خول چڑھا لیں لیکن اس خول کے پیچھے ہم ہی ہوتے ہیں...... طلب اور آرزوؤں کے انسان...... کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔"

"نہیں۔" بینا نے کہا۔

"یہ لمحات زندگی کی خوشگوار یادیں بن کر گم ہو جاتے ہیں...... مجھے جواب دو۔"

"نہ جواب دوں تو؟"

"برا مان جاؤں گا۔"

"پھر کیا کریں گے؟"

"ایک ماہ تک سنجیدہ رہوں گا۔"

"ارے باپ رے، یہ گوارا نہیں ہے۔"

"تب پھر جواب دو۔"

"ہاں...... کرتی ہوں۔"

"مجھے زندگی کا ساتھی بنانا چاہتی ہو؟"

"ہاں۔"

"چلو ایجاب و قبول تو ہو گیا...... مس بینا آپ کو اس محبت کا احساس کب ہوا؟"

"شہاب پلیز۔" بینا شرماتی ہوئی بولی۔

"جواب دیجئے مس بینا۔"

"کمال کرتے ہیں آپ...... بس ہوا تھا...... یاد نہیں...... یقین کریں یاد نہیں۔" بینا بولی۔

اسی وقت ویٹر نے کھانا لگانا شروع کر دیا اور شہاب اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "اکرام خان...... تم کتنے عرصے سے ہمیں دیکھ رہے ہو؟"

"جی سر!"

"تم ہمیں کب سے جانتے ہو؟"

"جب سے آپ آتے ہیں صاحب۔"

"ہمارے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"کچھ نہیں صاحب۔"

"تمہارے خیال میں ہمارے درمیان کیا رشتہ ہو سکتا ہے؟"

"صاحب جی!"

"اکرام خان جواب دو۔"

"آپ دونوں منگیتر ہیں اور یہاں کھانا کھاتے ہیں...... بی بی جی کالج سے آتی ہوں گی اور آپ دفتر سے۔" ویٹر نے جواب دیا اور شہاب ہنس پڑا...... پھر اس نے جیب سے نوٹ نکال کر ویٹر کو انعام دیا اور وہ مسکراتا ہوا چلا گیا۔

"شہاب کیا ہو گیا ہے آپ کو؟" بینا نے بھی ہنستے ہوئے کہا۔

"یہ لمحات حیات کا سرمایہ ہوتے ہیں بینا...... ہم یہ ساری باتیں ماضی کی کتاب میں درج کریں گے۔"

"ہمارے ماضی کی کتاب بہت ضخیم ہو گی شہاب؟"

"ہاں...... بہت کچھ ہو گا اس میں۔"

"مظلوم نور محمد بھی؟"

"اب کیا کریں گے اس سلسلے میں؟" بینا نے کہا اور شہاب ہنس پڑا۔

"تم نے آج گھما دیا...... چلو کھانا کھائیں لیکن میرا موڈ اب بھی وہی ہے۔"

"مطلب؟" بینا نے پلیٹ سیدھی کر کے کہا اور پھر شہاب کی پسند کا کھانا پلیٹ میں ڈالنے لگی۔

"ابتدا نور محمد کے بارے میں معلومات سے کریں گے۔"

"کیسے؟"

"چھانگا گلی جائیں گے چک نمبر سترہ میں علی محمد اور اس کے بیٹے کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے۔"

"ہم جائیں گے؟" بینا بولی۔

"ہاں...... ہم دونوں...... کیوں؟"

"میرا مطلب تھا کہ ڈبل اوگینگ میں سے کسی کو بھیجا جا سکتا ہے۔"

"جی نہیں...... ہم جائیں گے اور بائی روڈ جائیں گے...... سمجھ گئیں آپ۔"

"میں بھلا انکار کر سکتی ہوں۔"

"یار زندگی میں اپنے لئے بھی تو کچھ ہو۔" شہاب نے کہا۔

❁

بل کھاتی سڑک تاحد نگاہ پھیلی ہوئی تھی...... پہاڑی ٹیلے، کہیں کہیں درخت...... ایک بستی میں شہاب نے لینڈ روور روکی تھی اور لوگ انہیں دیکھنے لگے تھے۔

"باباجی بھوکے ہیں ہم لوگ۔" شہاب نے ایک بوڑھے سے کہا۔

"آپ شہر کے رئیس ہو بابو جی...... غریب آپ کو کیا کھلا سکتے ہیں...... گڑ اور باجرے کی روٹی کھاؤ گے؟"

"او باباجی...... وہی تو کھانا ہے۔"

"میں سینڈوچ لائی ہوں شہاب۔" بینا نے کہا۔

"ہرگز نہیں...... گڑ، روٹی کھائیں گے۔" شہاب نے کہا اور بینا ہنس پڑی۔

"آپ واقعی بہت عجیب ہو رہے ہیں ان دنوں۔" اس نے کہا...... کھیت کے قریب پیڑ کے نیچے بیٹھ کر باجرے کی موٹی روٹیاں، گڑ کے ٹکڑے اور گاڑھا دودھ...... زندگی کا دوسرا رخ پیش کرتا تھا...... پیٹ بھر کر کھایا...... بوڑھے کا شکریہ ادا کیا اور وہاں سے چل پڑے، پھر رات کو چھانگا گلی پہنچ گئے...... رات لینڈ روور میں گزاری...... صبح کو ٹھنڈی کافی اور باسی سینڈوچ سے ناشتا کیا پھر ایک گزرتے ہوئے آدمی کو روکا۔

"کچھ معلومات کرنی ہیں دوست۔ یہ چک نمبر سترہ ہے نا؟"

"جی صاب۔"

"علی محمد رہتا تھا یہاں...... دکان تھی اس کی؟"

"ہاں صاحب...... وہ یہاں سے چلا گیا ہے۔" اس شخص نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"کہاں چلا گیا ہے؟"

"شہر...... بیٹے کی مصیبت جھیلنے۔"

"دکان کہاں ہے اس کی؟"

"بیچ دی اس نے...... دکان بھی، جھونپڑی بھی۔"

"کیوں؟"

"اس کے بیٹے نے خون کر دیا تھا...... اب مقدمہ چل رہا ہے۔"

"ہاں صاحب۔ ہماری بیٹی کی تقدیر پھوٹی تھی نور محمد کے ساتھ۔"

"اوہو...... تمہارا نام فقیر محمد ہے۔" شہاب نے کہا اور وہ شخص چونک پڑا۔

"آپ کیسے جانتے ہو صاب؟"

"تھانے میں تمہارا نام بھی لکھا ہوا ہے...... فقیر محمد اور دیکھو میں تھانے دار ہوں اور تفتیش پر آیا ہوں۔" شہاب نے اپنا کارڈ نکال کر اسے دکھایا جس پر اس کی تصویر وردی میں لگی ہوئی تھی...... فقیر محمد کا چہرہ اتر گیا۔

"ہمارا نام کیوں سرکار، ہمارا کیا تعلق؟"

"تمہاری بیٹی بانو سے نور محمد کی منگنی ہوئی تھی۔"

"وہ تو توڑ دی ہم نے سرکار!"

"تمہیں اسی کی سزا ملے گی...... اس وقت تک جب تک نور محمد کو پھانسی نہ ہو جائے تمہیں منگنی توڑنے کا حق کس نے دیا۔"

"مگر سرکار!"

"میں تمہیں گرفتار بھی کر سکتا ہوں...... کم سے کم تین سال کی سزا دلواؤں گا تمہیں۔" شہاب کڑک کر بولا...... اس دوران اور بھی کئی افراد وہاں پہنچ گئے تھے...... یہ معلوم کرنے کہ تھانے دار تفتیش کے لئے آیا ہے، سب مستعد ہو گئے ایک چارپائی ڈالی گئی اور شہاب نے ان لوگوں کے سامنے بھی فقیر محمد کو ڈانٹا۔

"پہلے تھانے دار صاحب نے تو یہ بات نہیں کہی تھی۔" فقیر محمد نے حیرانی سے کہا۔

"ٹھیک ہے...... میں تمہیں گرفتار کرتا ہوں۔"

"معاف کر دیجئے سرکار...... ہم تو بے گناہ ہی مارے جائیں گے۔"

"دیکھو، فقیر محمد تم شریف آدمی معلوم ہوتے ہو میری بات غور سے سن لو...... ہو سکتا ہے نور محمد نے یہ جرم نہ کیا ہو، گر وہ مجرم نہیں ہے تو تمہیں منگنی توڑنے کا کوئی اختیار نہیں ہے...... ہاں اگر وہ مجرم ثابت ہو جائے تو پھر تم جو چاہو کرنا۔"

"جو حکم سرکار!"

"اب آپ لوگ یہ بتائیے...... کیا نور محمد کسی کو قتل کر سکتا ہے؟"

"خدا لگتی کہیں سرکار...... وہ تو بڑا معصوم لڑکا تھا...... یہیں پیدا ہوا، پلا بڑھا کبھی کوئی شکایت نہ ملی اس کی...... اللہ جانے کیا ہو گیا سرکار اس نے ایسا کام کبھی نہ کیا ہوگا۔" ایک بزرگ نے کہا۔

"آپ کو یقین ہے؟"

"ہاں صاحب...... اللہ کو منہ دکھانا ہے۔"

تمام لوگوں نے اس چھوٹے سے خاندان کی بے گناہی کی بات کی تھی...... ان کا ماضی بے داغ تھا...... فقیر محمد کو یہ ہدایت کر کے کہ اس وقت تک بانو کے بارے میں اور کچھ نہ سوچے شہاب نے اپنا کام ختم کر لیا پھر وہ لوگ واپس چل پڑے...... بینا بہت متاثر نظر آ رہی تھی۔

"یہ کون سا قانون تھا جناب کہ فقیر محمد منگنی نہ توڑے؟"

"میرا قانون۔"

"اوہ! یعنی شہنشاہ کا۔"

"جی نہیں شہاب کا۔ کیونکہ وہ بھی محبت کرتا ہے۔"

"میں نے آپ کو ایسے کھلنڈرے موڈ میں کبھی نہیں دیکھا۔" بینا نے کہا۔

❀

اس کیس میں جو کردار ملتے ہیں شہاب، ان میں مقتول کی پہلی بیوی گل افشاں، جو طلاق یافتہ ہے، دوسری بیوی پروین، ایک گواہ ملازم حکمت، یہ اہم کردار ہیں...... تفتیشی رپورٹ میں مقتول کے کوائف بھی درج ہیں...... نمبر ایک اس کی پہلی بیوی گل افشاں جس سے اس وقت زاہد فاروقی کی شادی ہوئی تھی، جب وہ ایک معمولی آدمی تھا اور باہر سے آنے والے پرانے کپڑوں کا کاروبار کرتا تھا...... بارہ سال تک اس کے یہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی...... گل افشاں ایک سکول ماسٹر کی بیٹی تھی، اس کے ماں باپ مر چکے ہیں اور صرف ایک بھائی اور بھاوج ہیں جن کے پاس اب وہ رہتی ہے...... اس نے دوسری شادی نہیں کی اور ایک سکول میں نوکری کرتی ہے، دوسری بیوی پروین ایک سرکاری افسر کی بیٹی ہے اور یہ افسر ایکسپورٹ پروموشن بیورو میں کام کرتا ہے...... ابھی تک ڈیوٹی پر ہے...... پروین ایک سمارٹ اور پڑھی لکھی عورت ہے اور زاہد فاروقی سے کوئی اٹھارہ سال چھوٹی ہے...... خوبصورت اور بھرپور

جوان عورت ہے، نمبر تین ملازم حکمت جو گل افشاں کے دور سے اس گھر کا ملازم ہے...... گھر کی خوشحالی کا آغاز گل افشاں کے دور سے ہی ہو گیا تھا...... زاہد فاروقی کے بارے میں پولیس کا جو تفتیشی ریکارڈ ہے وہ یہ ہے کہ اس نے اپنی محنت ہی سے سب کچھ بنایا پرانے کپڑوں کے کاروبار کے ساتھ اس نے سپلائی کے کچھ کام بھی کئے، کچھ سفارت خانوں سے فرنیچر وغیرہ کے ٹھیکے حاصل کئے اور اس کے بعد ایک فرم کی بنیاد ڈالی جس کا آغاز ایک چھوٹی سی عمارت سے ہوا تھا اور اب وہ فرم ایک شاندار عمارت میں منتقل ہو گئی ہے اس کا کام اس کے منیجر سنبھالتے ہیں اور وہ پروین فاروقی کو جواب دہ ہوتے ہیں...... وہی اس کاروبار کی منیجنگ ڈائریکٹر ہے...... یہ تفصیلی رپورٹ ہے جو اس فائل سے ہمیں حاصل ہوئی ہے۔

"تمام ریکارڈ میں پولیس کی جو تفتیش ہے عدنان صاحب اس میں آپ نے ایک خاص بات محسوس کی؟"

"ہاں اس کا تو میں تم سے پہلے ہی تذکرہ کر چکا ہوں شہاب میاں۔"

"یعنی؟"

"اصل میں ملزم کی پوزیشن بالکل ہی معمولی سی تھی، وہ تو بڑی بات ہے کہ اس کے ماں باپ نے جو کچھ جمع پونجی تھی بیچ کر اس کے مقدمے کی پیروی تو شروع کی لیکن وہ لوگ جیسے ہیں اس کا تمہیں خود اندازہ ہے بے چارے شہر تک سے واقف نہیں ہیں...... فیض شاہ نے بھی بس یوں سمجھ لو، بھاگتے بھوت کی لنگوٹی پکڑی اور اس سلسلے میں کوئی کام نہیں کیا...... اسے منع کون کر سکتا تھا...... کیس بڑے سرسری انداز میں ختم کر دیا گیا ہے اور چالان پیش کر دیا گیا ہے...... میں سمجھتا ہوں اگر اس کی گہرائی میں تفتیش کی جاتی تو شاید کچھ مثبت پوائنٹ حاصل ہو جاتے۔"

شہاب نے عدنان واسطی صاحب سے مکمل اتفاق کیا تھا پھر اس نے بینا سے کہا۔

"بینا ہم اس کیس کی تفتیش اپنے انداز میں کریں گے، جیسا کہ بستی کے لوگوں سے معلوم ہوا ہے کہ یہ خاندان بد کردار نہیں تھا اور خصوصاً وہ لڑکا لوگوں کی نگاہوں میں بے قصور ہے اور اس قسم کا نہیں ہے...... تو میرے خیال میں واسطی صاحب ہم کام کا آغاز اس انداز میں کئے دیتے ہیں کہ پہلے جیل میں نور محمد سے ملاقات کر لی جائے، ذرا سا جائزہ لے لیا جائے اس کا اور اس کے ساتھ ساتھ ہی اگر آپ مناسب سمجھیں تو وکالت نامے پر اس

سائن بھی کرالیں...... فیض شاہ صاحب کو تو کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

"نہیں بالکل نہیں...... وہ بہت لاابالی انسان ہے اور سچی بات یہ ہے کہ میں برائی نہیں کر رہا کسی کی، اس کے کلائنٹ اس سے نالاں ہی رہتے ہیں، کیونکہ وہ تاریخوں پر نہیں پہنچتا اور بے پروائی برتنے کا عادی ہے...... مزید یہ کہ وہ ایسے چھوٹے موٹے کیس بھی پکڑ لیتا ہے جو معمولی سی آمدنی کے ہوتے ہیں...... بہرحال کسی کی برائی کرنا میرا مقصد نہیں ہے، میں صرف یہ کہہ رہا تھا کہ فیض شاہ اعتراض نہیں کرے گا اور جب ہم عدالت میں ہوں گے اور یہ کیس پیش ہو گا تو میں اپنا وکالت نامہ داخل کر کے اس کے سلسلے میں معزز عدالت سے مہلت طلب کر لوں گا۔"

"قانونی نکات آپ بہتر جانتے ہیں واسطی صاحب...... آپ وکالت نامہ تیار کر لیجئے کیا کل تک یہ کام ممکن ہو گا؟"

"ہاں کیوں نہیں...... دوپہر کے بعد اس سے ملاقات کے لئے کوئی بھی وقت متعین کر لو۔"

"بہت بہتر۔" پھر شہاب نے بینا سے کہا۔ "اور مس بینا آپ بھی اپنے کام کا آغاز کر دیجئے...... یہ ایک پتا درج ہے...... یہ پتا زاہد فاروقی کی پہلی بیوی گل افشاں کا ہے...... پولیس نے بے شک تمام معاملات میں تفتیش کر لی ہے لیکن اب ہم تفتیش کر رہے ہیں...... آپ گل افشاں سے ملئے اور اس سے معلومات حاصل کیجئے۔"

"ٹھیک ہے پھر کل میں یہ ڈیوٹی سرانجام دے لیتی ہوں۔"

"او کے۔"

دوسرے دن شہاب نے جیل سے رابطہ قائم کر کے نور محمد سے ملاقات کے انتظامات کر لئے...... تقریباً تین بجے واسطی صاحب بھی آ گئے اور دونوں جیل پہنچ گئے...... جیلر کے تعاون سے نور محمد سے ایک الگ کمرے میں ملاقات ہوئی...... اصل میں جیلر بھی اب شہاب سے واقف ہو گیا تھا اور اسے اس بات کا علم تھا کہ یہ نوجوان پولیس آفیسر صرف ایک ایس ایچ او ہی نہیں ہے بلکہ اس کے اختیارات بہت زیادہ وسعت رکھتے ہیں، کئی ایسے معاملات ہو چکے تھے جن میں اسے جیلر سے تعاون درکار ہوا تھا اور جو انداز اختیار کیا گیا تھا وہ بہت اعلیٰ پیمانے کا تھا، چنانچہ جیلر اب اس سے پورا پورا تعاون کرتا تھا...... نور محمد کو کمرے میں لایا گیا...... اس کی

صحت کافی متاثر نظر آرہی تھی، آنکھوں کے گرد حلقے پڑے ہوئے تھے، ہونٹ خشک تھے اور وہ ایک عجیب سہمی سہمی کیفیت کا شکار تھا...... گردن جھکا کر خاموش بیٹھ گیا...... عدنان واسطی نے کہا۔

"نور محمد تم سے کچھ بات کرنی ہے؟"

"جی صاحب۔" نور محمد نے جواب دیا۔

"دیکھو سب سے پہلے اس خیال کو ذہن سے نکال دو کہ تمہیں موت کی سزا ہو گی۔"

نور محمد نے چونک کر عدنان واسطی کو دیکھا پھر آہستہ سے بولا۔

"صاحب مجھے تو موت کی سزا ہو چکی ہے...... یہاں تو جو بھی مجھ سے ملتا ہے، مجھے ایسی درد بھری نظروں سے دیکھتا ہے کہ یوں لگتا ہے جیسے میری لاش اس کے سامنے پڑی ہو...... ایک بے گناہ انسان کی لاش کو دیکھ کر لوگ جس طرح افسردہ ہو جاتے ہیں اسی طرح لوگ مجھے دیکھ کر افسردہ ہو جاتے ہیں...... صاحب آپ پہلے آدمی ہیں جو مجھ سے بے تکی بات کہہ رہے ہیں...... معاف کیجئے گا، میں کیسے یہ خیال نظر انداز کر دوں، سب کچھ تو یہی ہو رہا ہے ایک بے گناہ کی گردن پھانسی کے پھندے میں پھنس گئی ہے، اب بھلا کیسے نکل سکے گی وہ؟"

"نور محمد بہت زیادہ باتیں نہیں کرتے اگر تم اپنے آپ کو بے گناہ کہتے ہو تو کیا خدائی عدالت کو بھول گئے، تمہارا کیا خیال ہے، ساری قوتیں یکجا ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی بہتری چاہے تو مجال ہے کسی کی کہ وہ کسی کو نقصان پہنچا سکے۔"

"بہت دعائیں مانگی ہیں صاحب کوئی صورت نظر نہیں آرہی...... دعائیں بھی ان کی پوری ہوتی ہیں، جو عبادت گزار اور پرہیز گار ہو...... ہمیں اعتراف ہے کہ ہم اللہ کی عبادت نہیں کر سکے۔"

"تمہارے ماں باپ بھی تو ہیں نور محمد، جو دن رات تمہارے لئے دعائیں کر رہے ہیں۔"

"ہاں بے چارے۔"

"اب ان باتوں کو چھوڑو نور محمد، جو کچھ میں پوچھ رہا ہوں مجھے بتاؤ۔"

"پوچھ لیجئے صاحب آپ بھی یقیناً پوچھنے کا اختیار رکھتے ہوں گے۔ ورنہ یہاں مجھے آپ کے سامنے کیسے لایا جاتا؟"

"ٹھیک کہتے ہو...... ہم تمہاری رہائی کے لئے کوششیں کر رہے ہیں، بشرطیکہ تم واقعی

بے گناہ ہو۔"

"صاحب ایک بات بتا دیجئے؟"

"پوچھو؟"

"کیا بے گناہی کے ثبوت آسمان سے نہیں اتر سکتے...... میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اگر اللہ بے گناہوں کی مدد کرتا ہے تو زمین سے تو ان ثبوتوں کا حصول ممکن نہیں ہے، آسمانوں ہی سے یہ سب کچھ ہونا چاہئے۔"

"میں نے کہا نا نور محمد زیادہ باتیں نہیں کرتے صرف کام کی بات کرو۔"

"جیسا آپ کا حکم ہو صاحب، ہم تو غلام ہیں آپ کے۔"

"نور محمد تم نے یہ قتل نہیں کیا؟"

"نہیں صاحب ہم نے یہ قتل نہیں کیا...... ہم انسانوں کے لئے زندگی دے تو سکتے ہیں...... زندگی لینا ہمارے بس کی بات نہیں ہے...... ساری زندگی ہم نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جس سے کسی انسان کو نقصان پہنچے۔"

"ٹھیک ہے اب ذرا مجھے اس کوٹھی کے حالات بتاؤ جہاں تم ملازمت کرتے تھے۔"

"صاحب حالات کیا بتائیں، بڑے صاحب جو قتل ہو گئے بہت نیک اور شریف آدمی تھے...... سختی ان کے مزاج میں بالکل نہیں تھی...... بال بچے نہیں تھے اس لئے افسردہ رہتے تھے...... بیگم صاحب گھر کی مالک تھیں، جو حکم دیتی تھیں وہی ہوتا تھا اور صاحب گھر کے کسی معاملے میں کبھی نہیں بولتے تھے۔"

"دونوں کے درمیان لڑائی ہوئی تھی؟" شہاب نے سوال کیا۔

"آپ یقین کرو صاحب، گھر کے اندر بھی رہتے تھے ہم اور باہر بھی، لڑائی اگر ہوتی ہو گی تو ایسے کہ کسی اور کو معلوم نہ ہو...... ہمارے سامنے کبھی کوئی ایسی لڑائی نہیں ہوئی جسے لڑائی کہا جا سکے۔"

"اب ایک بات کا جواب بڑی احتیاط سے دو نور محمد...... نہ شرمانے کی ضرورت ہے نہ جھجکنے اور گھبرانے کی...... تم نے اندازہ تو لگایا ہو گا کہ بیگم صاحبہ عمر میں زاہد فاروقی سے بہت چھوٹی تھیں، نور محمد تم بے وقوف نہیں معلوم ہوتے...... تمہاری باتیں یہ بتاتی ہیں کہ تم بے حد سمجھدار ہو، یہ بتاؤ بیگم صاحبہ کبھی تم پر مہربان ہوئیں؟"

نور محمد نے تلخ نگاہوں سے شہاب کو دیکھا اور بولا۔

"صاحب بہت مہربان ہیں وہ ہم پر...... مہربان تھیں لیکن اگر آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ بدکار تھیں اور ہم سے ان کی کوئی ایسی ویسی بات ہوئی تو پہلے بھی یہ بتا چکے ہیں کہ مالک ماں باپ کی حیثیت رکھتے ہیں...... ہماری بھی ماں ہیں صاحب۔ بیگم صاحبہ عمر میں بے شک ہم سے بہت چھوٹی تھیں لیکن صاحب نہ انہوں نے کبھی ہمیں بری نگاہ سے دیکھا اور نہ ہم نے انہیں...... ارے ہم تو انہیں بھرپور نظر سے دیکھتے بھی نہیں تھے اور کبھی کبھی وہ اس بات پر چھیڑتی بھی تھیں۔"

"ایک ملازم ہے حکمت...... وہ کہتا ہے کہ تم اکثر اس سے بیگم صاحبہ کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں کرتے رہتے تھے۔" شہاب نے کہا اور جواب میں نور محمد نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا پھر آہستہ سے بولا۔

"صاحب جس طرح ہم آپ سے یہ بات کہہ رہے ہیں کہ ہم بے گناہ ہیں اور ہم نے اپنے مالک کو قتل نہیں کیا اسی طرح ہم آپ سے یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی...... اسی طرح ہم نے اس بدبخت سے بیگم صاحبہ کے بارے میں کچھ نہیں کہا...... ہاں وہی ہمیں اکساتا رہتا تھا...... کہتا تھا کہ نور محمد تم اپنے آپ کو نہیں سمجھتے بیگم صاحبہ کے دل کی بات نہیں سمجھتے تم...... بڑے بے وقوف انسان ہو...... موقع سے فائدہ اٹھاؤ...... مالکن جوان ہے، تم پر توجہ دیتی ہے، وارے نیارے ہو جائیں گے تمہارے...... دولت لوٹو، مالکن کا جی خوش کرو...... صاحب ایسے موقعوں پر ہمارا ذہن تھوڑا بہت بھٹکتا تھا مگر پھر ہم استغفار پڑھتے تھے...... کئی بار ہم نے حکمت کو ڈانٹا بھی تھا اور کہا تھا کہ فضول باتیں نہ کرے ورنہ بیگم صاحبہ سے بھی کہا جا سکتا ہے۔"

"ہوں...... حکمت نے بیان دیا ہے کہ بیگم صاحبہ نے تمہیں بہت سے اچھے جوڑے بھی سلوا کر دیئے اور کبھی کبھی وہ یہ کہتی تھیں کہ نور محمد یہ کپڑے پہن کر آؤ اور اس کے بعد وہ تمہیں دیکھتی رہتی تھیں؟"

"جی صاحب ایسا اکثر ہوا ہے مگر صاحب اس وقت بیگم صاحبہ کے دل میں کیا ہے، نہ کبھی ہم نے غور کیا اور سچی بات ہے کہ انہوں نے بھی کبھی کوئی ایسی ویسی بات ہم سے نہیں کی اور نہ کہی۔"

"ویسے کپڑے وغیرہ دیتی تھیں وہ تمہیں؟"

"بہت کپڑے دیئے صاحب، ہم تو شرمندہ ہو جاتے تھے۔"

"اور یہ بھی کہتی تھیں کہ پہن کر دکھاؤ؟"

"جی صاحب کہتی تھیں...... ایک دفعہ ہم نے مونچھیں چھوڑ دی تھیں اور ہماری مونچھیں کافی گھنی ہو گئی تھیں تو بیگم صاحبہ نے کہا۔

"نور محمد تم مونچھیں صاف ہی کرتے ہوئے اچھے لگتے ہو جاؤ انہیں کاٹ دو...... یہ اچھی نہیں لگ رہی ہیں؟"

"پھر تم نے کیا کیا؟"

"مالکن کا حکم مانا صاحب۔"

"ہوں...... نور محمد کوئی اور ایسا شخص ہو سکتا ہے جو فاروقی صاحب کو قتل کر کے الزام تمہارے سر رکھنا چاہتا ہو؟"

"خدا قسم صاحب ہمیں نہیں معلوم۔"

"تم کبھی فاروقی صاحب کی پہلی بیوی گل افشاں سے ملے ہو؟"

"جی صاحب ایک دو بار ہمیں وہاں بھیجا گیا تھا۔"

"کس نے بھیجا تھا؟"

"خود فاروقی صاحب نے۔"

"کیوں؟"

"کچھ سامان بھجوانا تھا لیکن گل افشاں بیگم صاحبہ نے نفرت سے وہ سامان واپس کر دیا تھا اور ہمیں ڈانٹ کر کہا تھا کہ اب آئندہ ادھر کبھی مت آنا۔"

"اور کوئی پرچا وغیرہ بھیجا تھا تمہارے ہاتھ فاروقی صاحب نے؟"

"نہیں صاحب بالکل نہیں۔"

"وہ سامان کیا ہوتا تھا؟"

"صاحب ایک دفعہ ایک سوٹ کیس بھجوایا تھا جس میں ہمیں نہیں معلوم تھا کہ کیا ہے...... ایک دفعہ براؤن رنگ کا ایک لفافہ بھجوایا تھا...... بیگم صاحبہ نے اسے کھولے بغیر ہی واپس کر دیا تھا۔"

"وہاں کسی اور سے تمہاری ملاقات ہوئی؟"

"جی ہاں؟"

"کس سے؟"

"وہ بیگم صاحبہ کے بہنوئی صاحب تھے۔"

"ان سے کوئی بات چیت ہوئی؟"

"نہیں صاحب...... اچھے مزاج کے آدمی تھے...... ہم نے گل افشاں بیگم صاحبہ کو پوچھا تو انہوں نے ہمیں ان کے کمرے میں بھیج دیا، بس۔"

"ٹھیک...... اچھا لو یہاں دستخط کرو، تمہیں دستخط کرنا آتے ہیں؟"

"جی صاحب آتے ہیں...... مڈل پاس کیا ہے ہم نے مگر یہ دستخط؟"

"کر دو کر دو...... اس جگہ اور سنو یہ عدنان واسطی صاحب ہیں تمہارے نئے وکیل۔"

"نئے وکیل؟"

"ہاں۔"

"معاف کیجئے گا صاحب...... فیض شاہ صاحب تو ہمارے لئے کچھ کر ہی نہیں رہے...... نہ ہم سے کوئی بات کرتے ہیں بس الٹی سیدھی باتیں کر کے چلے جاتے ہیں...... صاحب آپ کو کس نے وکیل کیا ہے ہمارا؟"

"تمہارے ماں باپ نے۔"

"اماں اور بابا اس دن عدالت میں نظر آئے تھے کیا حالت ہو گئی تھی بے چاروں کی...... صاحب پتا ہے آپ کو...... وہ بستی واپس چلے گئے یا یہیں کہیں شہر میں ہیں؟"

"ملنا چاہتے ہو ان سے؟"

"ہاں صاحب...... کون نہیں ملنا چاہتا صاحب۔"

"ایک کام کرو نور محمد، ذرا سا انتظار کر لو...... ابھی ان سے ملنا مناسب نہیں ہے بہتر یہی ہو گا کہ تم اس کیس سے چھٹکارہ پا جاؤ، اطمینان سے ان کے ساتھ رہنا اور جہاں دل چاہے رہنا۔"

نور محمد کی آنکھوں میں حسرت کے آثار پیدا ہو گئے وہ مدھم سے انداز میں مسکرایا اور بولا۔

"صاحب آپ کو خدا سلامت رکھے...... کم از کم گڑ نہیں تو گڑ کی سی بات تو کہہ دیتے

ہیں...... ہم بچ جائیں گے آپ نے کہہ دیا آپ کا شکریہ! مگر ہم بچیں گے نہیں صاحب بس نہ جانے کیوں دل کہتا ہے کہ کوئی سہارا نہیں ہے...... غربت بڑی بری چیز ہے صاحب۔"

"اطمینان رکھو نور محمد، اللہ پر بھروسا رکھا جاتا ہے آخر تک...... مایوسی کفر ہوتی ہے...... اچھا اب تم آرام کرو۔"

واپسی میں عدنان واسطی نے کہا۔ "نہیں یار شہاب یہ لڑکا مجرم نہیں ہے، سچ بول رہا ہے تلخ ہو گیا ہے چونکہ اسے اپنے سامنے کوئی سہارا نظر نہیں آتا۔" شہاب نے خاموشی سے گردن ہلا دی تھی...... وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"میں نے اپنے خیال کا اظہار شاید جلد بازی میں کر دیا ہے...... تم سے تمہاری رائے نہیں پوچھی۔"

"ہر چند واسطی صاحب...... انسان چہروں پر خول چڑھانے کا عادی بھی ہوتا ہے اور ماہر بھی لیکن۔"

"میں تم سے اتفاق کرتا ہوں لیکن تھوڑا سا تجربہ مجھے بھی ہے، اتنے گہرے خول جرم کی دنیا میں طویل تجربے کے بعد چڑھائے جا سکتے ہیں اور ان کے لئے مہارت درکار ہوتی ہے، جبکہ وہ نو عمر ہے اور معمولی تعلیم یافتہ ہے۔"

"گویا اس کے بارے میں آپ کا فیصلہ حتمی ہے؟"

"مان لو گے میری بات؟"

"کبھی انکار کیا ہے؟"

"تو پھر لکھ لو...... وہ قاتل نہیں ہے۔"

شہاب مسکرایا پھر بولا۔ "میں آپ کے تجربے کو کبھی چیلنج نہیں کروں گا۔"

"شکریہ شہاب...... اب ہمیں اصل قاتل کو تلاش کرنا ہے۔"

"انشاء اللہ۔" شہاب نے خلوص سے کہا اور واسطی صاحب مسکرائے تھے...... شہاب بھی ان کے اس وقت کے انداز پر مسکرایا تھا۔

* * *

درمیانے درجے کی عمارت تھی، رہائشی فلیٹ لیکن ذرا گندے، احاطے سے گزرنے کے بعد سیڑھیاں چڑھتی ہوئی بینا مطلوبہ فلیٹ پر پہنچ گئی، شام کے تقریباً ساڑھے چار بجے

تھے بیل بجانے پر ایک عورت نے دروازہ کھولا اور سوالیہ نگاہوں سے بینا کو دیکھنے لگی۔

"مجھے مس گل افشاں سے ملنا ہے۔"

"آیئے۔" عورت نے کہا اور پھر پیچھے ہٹ گئی پھر اس نے آواز دی۔"

"افشاں...... کوئی خاتون تم سے ملنے آئی ہیں۔" دروازہ کھلا دُبلی پتلی سی دراز قامت عورت نے سپاٹ نگاہوں سے بینا کو دیکھا اور پھر مدہم سی مسکراہٹ سے بولی۔

"آیئے۔" بینا نے اس کا جائزہ لیا، سادہ سی شکل وصورت کی مالک تھی چہرے پر تلخیاں چھپی ہوئی تھیں اور انہیں گہری نگاہوں سے ہی محسوس کیا جاسکتا تھا...... کشادہ پیشانی اس بات کی غماز تھی کہ فراخ دل ہے اور کسی دور میں خوش اخلاق بھی ہوگی۔"

"تشریف رکھئے۔" اس نے پر اعتماد لہجے میں ایک کرسی کی طرف اشارہ کرکے کہا اور بینا بیٹھ گئی۔

"ہمارا تعارف نہیں ہوسکا، ویسے ایک بات عرض کردوں...... اگر آپ کا بچہ میرے سکول میں داخل ہے اور آپ امتحانی کاپیوں کے سلسلے میں معلومات حاصل کرنے آئی ہیں تو میں قسم کھاتی ہوں کہ تمام کاپیاں مکمل ہوکر واپس جاچکی ہیں بلکہ یوں سمجھ لیجئے کہ میں آپ کو انسانوں جیسی شکل میں اسی لئے نظر آرہی ہوں کہ کام مکمل کرکے واپس پہنچا دیا ہے ارے توبہ...... توبہ...... بچوں کی امتحانی کاپیاں جانچنا، آپ یوں سمجھ لیجئے کہ بس، کیا الفاظ استعمال کروں اس بارے میں۔"

"نہیں محترمہ گل افشاں میں امتحانی کاپیوں کے سلسلے میں نہیں آئی ہوں۔"

"تب آپ اطمینان سے بیٹھئے اور مجھے بتایئے، چائے پئیں گی آپ میں ابھی بنا کر لاتی ہوں آپ کے لئے؟"

"بخدا بالکل حاجت نہیں ہے اور پھر آپ کا اتنا وقت بالکل نہیں لوں گی کہ آپ چائے بنانے جائیں۔"

"ارے دو منٹ میں بن جائیگی...... پی لیں آپ کے ساتھ ساتھ ہم بھی پی لیں گے۔"

"کچھ زیادہ وقت لوں آپ کا تو آپ محسوس تو نہیں کریں گی۔" وہ ہنسنے لگی پھر بولی۔

"اصل میں ایک بیماری ہے مجھے اور شاید بچپن ہی سے ہے لیکن چائے کا پانی رکھ آؤں بھابی چائے بنا کرلے آئیں گی۔"

"وہ آپ کی بھابی ہیں؟"

"ہاں میں ابھی آئی۔" گل افشاں نے کہا اور باہر نکل گئی، پھر چند ہی لمحات کے بعد وہ واپس آگئی تھی اس نے اطمینان سے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اب اپنا نام تو بتا دیجئے مجھے۔"

"بینا ہے میرا نام۔"

"جی...... اور میرا نام چونکہ آپ لے چکی ہیں اور میرے پاس تشریف لائی ہیں اس لئے اپنا نام بتانا تو بے سود ہی ہے۔"

"جی بالکل لیکن مجھے ایک خدشہ ہے افشاں صاحبہ۔"

"کیا؟"

"چائے آنے سے پہلے اگر میں اپنے مافی الضمیر کا اظہار کردوں تو شاید چائے سے بھی محروم ہو جاؤں۔"

"نہیں ایسی کیا بات ہے بتایئے کیا بات ہے کیسے آنا ہوا؟"

"محترمہ گل افشاں میں وکیل ہوں، وکالت کرتی ہوں اپنے والد عدنان واسطی کے ساتھ یہ میرا کارڈ ہے۔" بینا نے اپنا کارڈ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا اور گل افشاں کے چہرے پر جلتے ہوئے چراغ بجھ گئے، ان چند لمحات میں وہ کچھ کھل سی گئی تھی بینا نے آہستہ سے کہا۔

"آپ کہہ چکی ہیں کہ آپ مجھے مایوس نہیں کریں گی۔"

"بچپن کی ایک عادت کے بارے میں بتا رہی تھی میں آپ کو۔" "میں بچپن میں جو دوست بناتی تھی نا وہ خوش شکل ہوتی تھیں، میری اپنی شکل صورت تو نارمل ہی تھی لیکن میں نے زندگی بھر جتنی لڑکیوں کو دوست بنایا ان سب کی شکل وصورت بہت اچھی تھی...... آپ بھی بہت پیاری خاتون ہیں لیکن ایک ذرا سی تشویش ہوگئی ہے ہمیں آپ کے سلسلے میں، کیا آپ کسی خاص تحقیقات کے سلسلے میں میرے پاس آئی ہیں؟"

"جی افشاں صاحبہ۔"

"اور یہ تحقیقات کہیں زاہد فاروقی کے قتل کے سلسلے میں تو نہیں ہے۔"

"جی ہاں؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا یہ تحقیقات کتنی بار ہوگی...... دیکھئے ہر شریف آدمی ایسے حالات سے بچنا چاہتا ہے جو اس کے لئے مشکل اور ناخوشگوار ہوں...... مجھے تو عدالت تک میں گھسیٹا جا چکا ہے اور میں اپنا بیان دے چکی ہوں، اب آپ کو ایسی کیا ضرورت پیش آ گئی، آپ خود سمجھنے کی کوشش کریں بینا صاحبہ جب سلسلے سے کوئی واسطہ ہی نہ رہا ہو اس میں اگر انسان کو گھسیٹا جائے تو اس کی ذہنی کیفیت کیسے معقول رہ سکتی ہے۔"

"افشاں صاحبہ آپ جس قدر صاف ستھری خاتون ہیں اور آپ کے انداز اور رویئے نے جو اثرات مجھ پر مرتب کئے ہیں ان سے مجھے ایک دلی ڈھارس ہوئی ہے...... میں آپ سے صرف چند الفاظ کہوں گی اگر آپ کا دل چاہے تو انہیں قبول کر لیجئے ورنہ وعدہ کرتی ہوں کہ خاموشی سے یہاں سے اٹھوں گی اور واپس چلی جاؤں گی اور دوبارہ کم از کم میں آپ کو پریشان نہیں کروں گی۔" گل افشاں نے نگاہیں اٹھا کر بینا کو دیکھا اتنی دیر میں وہ دوسری عورت چائے کی دو پیالیاں ٹرے میں رکھے ہوئے اندر آ گئی تھی، اس نے ٹرے میں رکھی ہوئی پیالیوں میں سے ایک بینا کو دی اور دوسری گل افشاں کو۔

"بھابی آپ اپنے لئے چائے نہیں لائیں؟"

"نہیں بھئی اخلاق مانع ہے کہ میں آپ دونوں کے درمیان مداخلت کروں ہاں جب اپنی ملاقات کی ضروری باتیں ختم کر لو تو چاہو تو مجھے آواز دے لینا۔"

"ارے نہیں آپ بیٹھئے آپ سے کیا پردہ۔" گل افشاں نے کہا۔

"نہیں بھئی پلیز اور سوری ڈیئر، آپ بھی مائنڈ نہ کریں۔" عورت نے کہا اور باہر نکل گئی...... بینا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"ویری گڈ۔" کیا ہی اچھا ماحول ہے، قابل قدر اور قابل فخر۔" گل افشاں نے گردن جھکا لی پھر آہستہ سے بولی۔

"اللہ تعالیٰ ہر انسان کے لئے کچھ سہارے ضرور رکھتا ہے ورنہ اس کے بے کس بندے کہاں پھرتے رہیں۔"

"یقیناً...... آپ کے سگے بھائی ہیں۔"

"سگا کیا چیز ہوتی ہے کم از کم میں نہیں جانتی وہ میری خالہ کے بیٹے ہیں لیکن شاید میری ماں کا بیٹا بھی ہوتا تو ان سے زیادہ میرا خیال نہ رکھ سکتا۔"

"خوب۔" گل افشاں صاحبہ آپ میری آمد کے مقصد سے بے زاری کا اظہار کر چکی ہیں لیکن میں آپ کو ایک مختصر سی تفصیل بتادوں، میرے والد عدنان واسطی عدالت سے واپس آ رہے تھے...... انہیں دو بے کس ماں باپ ملے دیہاتی تھے، بے وسیلہ اور بے سہارا تھے، یوں سمجھ لیجئے ایک روٹی تھی ان کے پاس جس میں سے آدھی آدھی دونوں نے تقسیم کی اور ایک دوسرے کو کھانے کی تلقین کرنے لگے، بہر حال انسان ان مناظر کو کیسے نظر انداز کر سکتا ہے، بعد میں ان لوگوں سے پتا چلا کہ وہ اپنے بیٹے کے مقدمے کے سلسلے میں چھانگا گلی نامی ایک جگہ سے آئے ہیں...... بیٹا ایک کوٹھی میں نوکری کرتا تھا، گھر کے مالک قتل ہو گئے اور اس قتل کے الزام میں اس بیٹے کو گرفتار کر لیا گیا...... سارے ثبوت اس کے خلاف فراہم ہو گئے لیکن ہماری تفتیش یہ کہتی ہے کہ وہ لڑکا قاتل نہیں ہے، ہم یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں فی سبیل اللہ، اللہ کے نام پر اور اسی سلسلے میں آپ سے بھی مدد درکار ہے۔"

"ساری تفصیل معلوم ہے مجھے، بیچارے زاہد فاروقی، بس کیا کہا جائے کبھی کبھی یہ فیصلہ مشکل ہو جاتا ہے کہ کون انسان کس قدر انسانی صفات رکھتا ہے اور کتنی وسعت ہے اس کے دل میں۔"

"مختصراً کچھ بتانا پسند کریں گی آپ؟"

"اب آپ آئی ہیں اور آپ نے یہ اظہار کیا ہے تو میرا اخلاقی فرض بنتا ہے کہ جتنی میری معلومات ہیں آپ کو بتادوں لیکن خدارا کہیں مجھے ہی قاتل کی حیثیت سے شناخت نہ کر لیجئے گا، میں نے زندگی میں کبھی کوئی کیڑا مکوڑا بھی نہیں مارا اور پھر اب اپنے بارے میں کیا کہا جائے میرا خاندان غریب بے شک ہے لیکن ہم لوگ جرائم پیشہ نہیں ہیں۔"

"بہر حال میں نے دنیا میں ابھی بہت زیادہ تجربات نہیں کئے ہیں لیکن جو مختصر سے تجربات کر چکی ہوں ان سے تھوڑی بہت انسانی شناخت تو ہو گئی ہے، آپ تصور بھی نہ کریں کہ میں آپ کے بارے میں کسی غلط انداز سے سوچوں گی، پلیز۔" بینا نے کہا۔

"جی...... تو اگر آپ کوئی خاص سوال مجھ سے کرنا چاہتی ہیں تو کیجئے...... میں جواب دوں گی۔"

"پہلا سوال یہ ہے کہ زاہد فاروقی سے بھی کیا آپ کا کوئی رشتہ تھا؟"

"نہیں بس والدین کے پاس ہمارا رشتہ آیا کسی ذریعے سے ہماری شادی ہو گئی، اس

وقت بھی وہ زندگی کی جدوجہد میں مصروف تھے کاروبار کرنا چاہتے تھے، بہت معمولی پیمانے پر کاروبار کا آغاز کیا میرے والد نے میری والدہ سے جو گفتگو کی تھی وہ یہ تھی کہ لڑکا محنتی ہے ہاتھ پاؤں کا اچھا ہے، شریف زادہ ہے تقدیر ہوئی تو کما کھالے گا اور بس، میں زاہد فاروقی کے چھوٹے سے مکان میں پہنچ گئی، والدہ تھیں ان کی جن کا کچھ عرصے کے بعد انتقال ہو گیا...... زاہد فاروقی جدوجہد کرتے رہے، ہمارا کاروبار چمک اٹھا زاہد فاروقی صاحب نے ایک مکان خریدا اور اس میں مجھے منتقل کر دیا پھر دوسرا مکان خریدا، کاروبار پہلے سے بہت اچھا ہو گیا تھا، پھر اچانک ہی انہیں خیال آیا کہ ہمارے یہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی ہے وہ بالکل روایات میں کھو گئے تھے اور کہنے لگے تھے کہ جو کچھ کر رہے ہیں ہماری اپنی ذات کے لئے تو بہت کافی ہے لیکن کوئی مستقبل نہیں ہے ہمارا اور پھر اس بات کو جوں جوں ان کا کاروبار ترقی کرتا گیا وہ زیادہ محسوس کرنے لگے اور ان کی نظریں بدلنے لگیں...... ہم دونوں نے اپنا اپنا طبی معائنہ کرایا، میں بانجھ تھی یہ بات ثابت ہو گئی تھی...... زاہد فاروقی صاحب نے مجھ سے کہا کہ وہ اولاد کے خواہش مند ہیں اور دوسری شادی کرنا چاہتے ہیں...... بہر حال جب انسان سے اقتدار کھوتا ہے تو اس کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ میری بھی ہوئی، ہمارے درمیان خاصے اختلافات پیدا ہو گئے اور پھر زاہد فاروقی صاحب نے کوشش کر کے ایک جگہ اپنا رشتہ طے کر لیا لیکن وہاں سے شرط ہوئی کہ مجھے طلاق دے دی جائے اس کے بعد ہی یہ ممکن ہو سکتا ہے اور زاہد فاروقی صاحب نے مجھ سے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ مجھے طلاق دینا چاہتے ہیں، ہمارا مہر گیارہ ہزار تھا...... زاہد فاروقی صاحب نے مجھے طلاق دے دی اور پھر بہت کچھ دینا چاہا لیکن میرے بھائی نے اسے قبول نہیں کیا اور مجھے اپنے پاس لے آئے...... وہ دنیا جو تنکا تنکا کر کے ہم نے آباد کی تھی، دوسرے کی ملکیت بن گئی میرا کچھ نہ رہا حالانکہ آپ یقین کیجئے بیٹا جب ہم نے اپنی تعمیر کا آغاز کیا تھا تو میں نے خود پر کھانا پینا حرام کر لیا تھا، بہت کسمپرسی سے اپنے اخراجات چلائے اور زاہد کو کاروبار کرنے دیا لیکن بہر حال ان کی اپنی مشکل تھی نہ ہوتی تو کوئی حرج نہیں تھا...... انہوں نے اس چیز کو دل سے قبول نہیں کیا...... میں یہاں آ گئی اس کے بعد زندگی تو گزارنی ہی تھی۔“

”آپ نے کچھ نہیں لیا ان سے؟“

”جو میرا تھا، جو سب کچھ میرا تھا اس میں سے کچھ لینا میرے پورے وجود کو ریزہ ریزہ

کرتا تھا میں نے ان سے مہر کی وہ رقم بھی نہیں لی سب کچھ واپس کر دیا انہیں۔“

”کیا اس کے بعد زاہد فاروقی صاحب نے آپ کو کچھ دینے کی کوشش کی؟“

”یہ کوشش انہوں نے آخر تک جاری رکھی تھی اور ہم پر اخلاق انداز میں منع کرتے رہے تھے، کئی بار اس سلسلے میں کچھ لانے والے کو سخت سست بھی کہا گیا تھا، پتا نہیں کس قسم کے انسان تھے وہ۔“

”جی۔ گل افشاں صاحبہ میں آپ کے احساسات کو سمجھ رہی ہوں کچھ اور سوالات کرنا چاہتی ہوں۔“

”کیجئے...... اب میں جواب دے تو رہی ہوں آپ کو۔“

”آپ کو کیا زاہد فاروقی صاحب کی نئی بیگم پروین کے بارے میں کچھ معلومات ہیں؟“

”بخدا نہیں...... ہمارے کچھ ذرائع بھی نہیں تھے اور پھر سچی بات یہ تھی کہ میرے اندر اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ اس ٹائپ کی چھان بین کروں، جو کچھ کرنا تھا نہیں کرنا تھا میں نے تو پروین صاحبہ کو دیکھا بھی نہیں اور آج تک نہیں دیکھا لیکن سنا یہ ہے کہ عمر میں ان سے بہت چھوٹی ہیں اور خاصی تیز مزاج خاتون ہیں۔“

”کوئی اور ایسا کردار جس کے بارے میں یہ شبہ کیا جائے کہ زاہد فاروقی سے اس کی کوئی رنجش ہو؟“

”کیا میرا اتنا کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ میں نے ایک گھریلو عورت کی طرح زندگی گزاری اور آخر تک گھر ہی رہی گھر سے باہر کے حالات نہ میں نے کبھی معلوم کرنے کی کوشش کی اور نہ ہی مجھے بتائے گئے۔“

”گویا آپ اس پر بالکل روشنی نہیں ڈال سکتیں کہ زاہد فاروقی کو کس نے قتل کیا؟“

”جن لوگوں سے واسطے ٹوٹ جاتے ہیں اور اس طرح ٹوٹ جاتے ہیں کہ دل غم و اندوہ کا شکار ہے کیا ان کے بارے میں چھان بین جاری رہنی چاہئے، اگر آپ یہ سمجھتی ہیں کہ میں نے کوشش کر کے زاہد فاروقی کو اس دنیا سے رخصت کرایا ہے تو میں اس کے جواب میں وہی سب کچھ کہوں گی جو پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ اتنا عرصہ طلاق شدہ عورت کی زندگی گزاری ہے میں نے، نہ دوسری شادی کی ہے نہ زندگی میں اور کوئی رنگ لانے کی کوشش کی ہے جو واسطے ٹوٹ گئے سو ٹوٹ گئے، کم از کم میں نے کبھی اس سلسلے میں بعد میں، کوئی کوشش نہیں کی

آپ معلومات حاصل کرسکتی ہیں میرے سکول میں بہت تھوڑی سی تنخواہ سے آغاز کیا تھا...... انہوں نے میرا، میری محنت اور کارکردگی کی بنا پر اب اس وقت میری تنخواہ بہت اچھی ہے اور مجھے یقین ہے کہ میری زندگی کے جو لمحات باقی ہیں آرام سے گزر جائیں گے۔“

”ہوں...... یہ سوال میں آپ سے کرنا چاہتی تھی آپ نے خود ہی جواب دے دیا، دوسری شادی کے بارے میں کبھی نہیں سوچا آپ نے۔“

”اپنے اندر جو کمی ہے اس کی سزا بھگتی میں نے جبکہ اس کمی کا تعلق مجھ سے نہیں ہے، کیا اس کے بعد اپنے لئے نئی سزاؤں کی تلاش میں نکل جاتی۔“ اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور بینا گہری سانس لے کر چائے کے گھونٹ لینے لگی۔

❀

بینا نے گل افشاں کی پرزور وکالت کرتے ہوئے کہا۔ ”میں خود کو بہت ذہین نہیں کہتی شہاب! لیکن یہ ضرور کہہ سکتی ہوں کہ وہ عورت، وہ کوئی جرم نہیں کرسکتی۔“

”اب ہمیں پروین سے ملنا ہے۔“

”بتاؤ...... کیا پروگرام ہے؟“

”ساتھ ہی چلیں گے۔“

”او کے۔“

زاہد فاروقی کی خوبصورت کوٹھی کا گیٹ کھلا ہوا تھا...... سفید رنگ کی ہنڈا اکارڈ باہر نکلی اور ایک سڑک پر مڑ گئی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک خوش پوش شخص بیٹھا ہوا تھا جسے ان دونوں نے بس ایک نگاہ دیکھا تھا...... ایک ملازم گیٹ بند کرنے لگا تو شہاب نے ہارن بجادیا...... وہ رُک گیا پھر ان کے پاس آگیا۔

”جی صاحب...... کس سے ملنا ہے؟“

”پیچھے ہٹو!“ شہاب کرخت لہجے میں بولا اور کار آگے بڑھادی...... ملازم کو اُچھل کر پیچھے ہٹنا پڑا تھا...... ملازم ارے ارے کرتا رہ گیا...... شہاب نے پورچ میں کار روک دی...... بینا مسکرا کر بولی۔

”غصہ آگیا؟“

”اس کے انداز میں بہت بدتمیزی تھی۔“ شہاب آہستہ سے بولا...... ملازم گیٹ بند

کر کے دوڑا چلا آرہا تھا لیکن سامنے ایک عمر رسیدہ عورت بھی کھڑی نظر آرہی تھی...... وہ بھی شاید ملازمہ تھی...... شہاب نے اسے اشارہ کیا اور وہ قریب آنے لگی لیکن اتنی دیر میں وہ ملازم بھی آگیا تھا...... ہلکے بدن لیکن چوڑے چہرے والا تھا اور چہرے پر ایک نوک داڑھی کی شکل میں نکلی ہوئی تھی۔

”صاحب ڈیوٹی ہے گیٹ پر۔ یہ شریف آدمیوں کا طریقہ ہے اندر آنے کا؟“ وہ قریب آکر بولا اور شہاب کا زناٹے دار تھپڑ اس کے چہرے پر پڑا...... ملازم کا منہ گھوم گیا اور وہ گال پکڑ کر رہ گیا...... وہ ملازمہ بھی قریب آگئی تھی اور شہاب کے اس عمل سے سہم گئی تھی۔

”مسز فاروقی سے کہو کہ کچھ لوگ ان سے ملنا چاہتے ہیں۔“

”جی سرکار۔“

”میری بات سنئے صاحب...... آپ نے غریب سمجھ کر تھپڑ ماردیا۔ اب آپ کو ایسے نہیں جانے دوں گا۔“ شہاب نے رُخ بدلا پھر پلیٹ کر ایک گھونسا اس کے چہرے پر رسید کردیا...... یہ گھونسا ذرا دوسرے قسم کا تھا...... اس بار ملازم چکرا کر دور جا گرا تھا۔

”ڈرائنگ روم کدھر ہے؟“ شہاب نے سہمی ہوئی ملازمہ سے پوچھا۔

”ادھر...... ادھر سرکار۔“ ملازمہ نے کہا اور جلدی سے آگے بڑھ گئی...... ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے شہاب نے ملازمہ سے پوچھا۔

”اس ملازم کا کیا نام ہے؟“

”حکمت۔“ ملازمہ نے جواب دیا۔

”جاؤ...... بیگم صاحبہ سے کہو کہ کچھ مہمان آئے ہیں۔“ ملازمہ فوراً باہر نکل گئی تھی۔

”یہ وہی گواہ ہے۔“ بینا نے کہا۔

”ہاں یہی نام تھا۔“

”خاصا شاطر معلوم ہوتا ہے۔“

”ہاں۔“

”اس کے ساتھ اس عمل کی کوئی خاص وجہ؟“

”بالکل نہیں۔“

”پھر اسے مارا کیوں؟“

"بس دل چاہا تھا۔"

"ارے واہ...... ایسے ہی دل چاہا تھا۔"

"یقین کرو، بعض لوگوں کو ایسے ہی مارنے کو دل چاہتا ہے۔" ویسے بینا ایک غلطی ہو گئی۔ شہاب نے کہا۔

"کیا؟"

"وہ سفید کار والا کون تھا...... اسے دیکھنا چاہئے تھا۔"

"کے ایکس او...... نوے پچانوے۔" بینا نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"ہنڈا اکارڈ کا نمبر تھا۔"

"ویری گڈ۔" شہاب کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ ایک خوب صورت عورت اندر داخل ہوئی...... بے حد خوبصورت لباس پہنا ہوا تھا اور بہت پر کشش نظر آ رہی تھی...... چہرہ میک اپ سے بے نیاز تھا...... اس نے اندر داخل ہو کر سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا پھر اس کی آنکھوں میں عجیب سا تاثر پھیل گیا۔

"میرا نام پروین ہے۔"

"ہیلو مسز فاروقی۔" شہاب نے خوش اخلاقی سے کہا پھر بولا۔ "میں شہاب ثاقب ہوں اور یہ۔"

"آپ کی مسز؟" پروین مسکرا کر بولی۔

"اوہ، نہیں۔" یہ بینا واسطی ہیں۔

"سوری۔ آپ بہن بھائی تو نہیں ہیں؟"

"اللہ نہ کرے۔" شہاب جلدی سے بولا۔

"ویری گڈ...... آپ شادی شدہ ہیں شہاب صاحب؟"

"نہیں۔"

"اور یہ؟"

"یہ بیچاری بھی نہیں ہیں۔" شہاب نے مسکرا کر کہا۔

"تب آپ دونوں کو شادی کر لینی چاہئے۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ آپ کی جوڑی حسین جوڑی ہے...... ویسے آپ میری ان باتوں پر مجھے پاگل کہہ سکتے ہیں برا نہیں مانوں گی...... حسین جوڑے دیکھ کر میرا دل چاہتا ہے کہ وہ یکجا ہو جائیں۔"

"وجہ بتانا پسند کریں گی؟"

"ہاں کیوں نہیں...... اصل میں، میں اس سلسلے میں بدترین محرومیوں کا شکار رہی ہوں۔" اس نے کہا اور دونوں حیران رہ گئے پھر وہ چونک کر بولی۔ "لیکن آپ کون ہیں؟"

"آپ کی دلچسپ باتوں میں اپنا تعارف کرانے کا خیال ہی نہیں آیا...... میرا نام شہاب ثاقب ہے، یہ بینا واسطی ہیں۔"

"گڈ...... اس کے علاوہ؟"

"میں پولیس آفیسر ہوں، یہ وکیل۔"

"فاروقی کے قتل کے چکر میں آئے ہیں؟"

"جی۔"

"سارا امیج خراب کر دیا آپ لوگوں نے اپنا۔" وہ منہ بنا کر بولی۔ "کاش آپ کچھ اور ہوتے۔"

"مثلاً؟" شہاب مسکرا کر بولا۔

"بھلا کیا مثال دی جا سکتی ہے...... اس کے علاوہ کچھ بھی ہوتے...... خیر اب کیا پریشانی ہے آپ لوگوں کو؟"

"کیس ابھی چل رہا ہے...... محترمہ۔"

"جب تک کیس چلتا رہے گا مجھے پریشان کیا جاتا رہے گا...... مجھ سے جو کچھ پوچھا گیا میں نے بتا دیا...... فاروقی صاحب کو قتل کیا گیا...... پولیس کو مجرم بھی مل گیا اب اسے سزا دیجئے۔"

"آپ کے خیال میں نور محمد قاتل ہو سکتا ہے؟"

"اس نے مجھ سے مشورہ نہیں کیا تھا...... پولیس نے اسے کھوجا تھا...... اسے ثبوت ملے اور اس نے نور محمد کو گرفتار کر لیا۔"

"میں نے آپ کا خیال پوچھا ہے؟"

"میرا کوئی خیال نہیں ہے۔"

"اس نے قیمتی سامان چوری کیا تھا؟"

"سامان اس کے پاس سے برآمد ہوا تھا۔"

"کیوں کیا آپ کے خیال میں وہ چور تھا؟"

"نہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"میرے خیال میں وہ چور نہیں تھا...... پہلے مجھے اس پر کوئی ایسا شبہ نہیں ہوا۔"

"معاف کیجیے مسز فاروقی، خیال ظاہر کیا جاتا ہے... نوجوان لڑکا آپ پر بری نگاہ رکھتا تھا، کیا یہ درست ہے؟"

"بدبخت نے مجھ سے کبھی نہیں کہا۔" وہ اچانک مسکرادی۔

"اگر کہتا تو کیا کرتیں آپ؟"

"خوش ہوتی اور اسے نکال دیتی...... کم از کم قاتل تو نہ بنتا...... ایسے شخص کو زندہ رہنا چاہیئے تھا۔" اس نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا...... بینا اسے ششدر نگاہوں سے دیکھ رہی تھی...... شہاب کے ہونٹوں پر بھی مدہم مسکراہٹ تھی۔

"ایک اور خیال ہے مسز فاروقی...... ہو سکتا ہے مسٹر فاروقی کی پہلی بیگم نے یہ سازش کی ہو؟"

"شاید۔"

"نہیں...... آپ کے خیال میں کیا وہ ایسا کر سکتی ہیں؟"

"پھر میرا خیال...... ارے بابا یہ آپ لوگوں کا کام ہے...... آپ پتا لگایئے اگر نور محمد قاتل نہیں ہے تو آپ نے اسے کیوں پکڑا ہے، اگر وہ قاتل ہے تو اسے سزا دے دیجیے، اگر گل افشاں نے قتل کی سازش کی ہے تو اسے گرفتار کر لیجیے۔"

"یہ کام آپ بھی تو کر سکتی ہیں۔" شہاب نے کہا اور وہ شوخ نظروں سے شہاب کو دیکھنے لگی پھر بولی۔

"وردی پہن کر آیئے اور مجھے گرفتار کر لیجیے۔"

"سوری مسز فاروقی ابھی ایک صاحب یہاں سے گئے ہیں...... غالباً ہنڈا اکارڈ میں...... وہ کون تھے؟"

"قاتل!" اس نے کہا اور قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔ شہاب نے تسلیم کیا تھا کہ بہت ٹیڑھی شخصیت سے واسطہ پڑا ہے اور اب اس پر خصوصی توجہ دینی پڑے گی...... وہ گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیتا رہا پھر بولا۔

"معاف کیجیے گا مسز فاروقی، آپ کے شوہر کی موت کو اتنا زیادہ عرصہ بھی نہیں گزرا۔"

"جی بالکل۔"

"اور آپ بہت ہشاش بشاش نظر آ رہی ہیں۔"

"آپ یقین کریں گے مسٹر شہاب...... میں نے ایک گھنٹے بھی سوگ نہیں منایا۔"

"کیا آپ کے تعلقات زاہد فاروقی سے اچھے نہ تھے؟"

"بہت اچھے تھے آپ تحقیقات کر سکتے ہیں لیکن میں اس شخص کو پسند نہیں کرتی تھی۔"

"وجہ بتانا پسند کریں گی؟"

"وجوہ واضح ہیں...... میری اور ان کی عمر کا نمایاں فرق پھر ان کی خود غرضی۔"

"خود غرضی؟"

"سو فیصد...... آپ اپنی حیثیت، اپنے اختیار سے ناجائز فائدہ اٹھائیں گے تو کون آپ کو پسند کرے گا...... ایک عورت جان بوجھ کر بانجھ نہیں ہوتی...... کسی میں کوئی قدرتی کمی ہے تو آپ اسے قبول نہ کریں...... جو بھی اس کی تقدیر ہو لیکن آپ بعد میں اس سے خوشیاں چھین کر اسے مجسم زخم بنا دیں...... کیا یہ اچھی بات ہے؟"

"آپ کا مطلب ہے کہ......؟"

"ہاں...... میں گل افشاں کے بارے میں کہہ رہی ہوں۔"

"آپ کو اس سے ہمدردی ہے؟"

"نہیں۔" وہ سخت لہجے میں بولی۔

"آپ ہم لوگوں کے سوالات سے اکتا نہیں رہیں؟"

"بالکل نہیں...... اس نے بپھرے ہوئے لہجے میں کہا اور شہاب چکرائی ہوئی آنکھوں سے بینا کو دیکھنے لگا۔

پروین فاروقی کچھ دیر خیالات میں ڈوبی رہی پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ بولی۔

"ظاہر ہے آپ چائے وغیرہ نہیں پئیں گے میں آپ سے پوچھوں گی کہ آپ چائے یا کافی لینا پسند کریں گے تو اس کے جواب میں آپ کہیں گے کہ نہیں شکریہ اس کی ضرورت نہیں ہے، میرے خیال میں اس کے بعد مجھے آپ سے اصرار نہیں کرنا چاہئے کیونکہ میں نہیں جانتی کہ آپ نے کتنی دیر سے چائے نہیں پی ہے اور اس وقت آپ کا موڈ ہے بھی یا نہیں، دیکھئے نا وقت کتنی قیمتی شے ہے، لوگ بیکار انداز میں وقت کو ضائع کر دیتے ہیں اس دوران ہم بہت سی کام کی باتیں کر سکتے ہیں...... مثلاً یہ کہ میں آپ کو وہ داستان ہوشربا سناؤں جو آپ کے مطلب کی ہو اور انداز ایک کہانی کا اختیار کر لوں جیسے میں آپ سے کہوں کہ ایک بادشاہ تھا جو اپنی مملکت میں بڑے مظالم ڈھاتا تھا اور پھر یوں ہوا، یوں ہوا...... آپ یوں سمجھئے کہ ایک شخص تھا اچھا انسان تھا، باپ تھا اور اپنی بیٹی کی بہترین پرورش کرتا تھا...... نام تھا اس کا مرزا توقیر بیگ اور اس کی بیٹی کا نام پروین توقیر تھا...... تو پروین توقیر نے بی اے تک تعلیم حاصل کی تھی اور چونکہ اس کی ماں یعنی میری ماں کا انتقال ہو چکا تھا، باپ کی پوری پوری توجہ مجھے حاصل تھی وہ کسی فرم میں کیشیئر کی حیثیت سے کام کرتے تھے اور اس بات کے آرزو مند تھے کہ مجھے کوئی شہزادہ لا کر دیں جو بعد میں بادشاہ بن جائے اور پوری دنیا پر حکمرانی کرے اور پھر میں اس بادشاہ کی ملکہ بن کر زندگی عیش و عشرت سے گزار دوں، اصل میں پتا نہیں کیوں لوگ ماں باپ بن کر احمق ہو جاتے ہیں...... ویسے لوگ احمق تو نہ جانے کون کون سے معاملات میں ہوتے ہیں، جوانی کی عمر میں وہ طلسمی خواب دیکھتے ہیں...... نہ جانے کیا کیا

پھر شادی ہوتی ہے تو احساس ہوتا ہے کہ برے پھنسے، کیا سوچیں تھیں جن کا کوئی تصور ہی نہیں ہے اور جو حقیقت سے اتنی دور رہیں کہ بعد میں دوڑتے دوڑتے پاؤں تھک جائیں اور ان سوچوں کو نہ پایا جا سکے، لیکن اس کے باوجود سوچتے ہیں۔

میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا تھا کیوں کہ تھوڑی سی دنیا کے حقائق پر نظر رکھنی تھی، لیکن باپ کو کوششوں کے باوجود راہ راست پر نہیں لا سکی، بارہا میں نے ان سے کھلی زبان سے گفتگو کی اور کہا کہ شادی وادی کرنی ہے میری تو اپنا کوئی ہم پلہ لڑکا دیکھ کر کر دیں تاکہ میرا بوجھ ان پر سے کم ہو جائے اور وہ ریٹائرمنٹ لے کر سکون کی زندگی بسر کر سکیں، لیکن نہیں مانے صاحب اور تلاش میں رہے کسی شہزادے کی، پھر یوں ہوا کہ ایک حادثہ ہو گیا ان کے ساتھ...... سردیوں کی رات میں نہ جانے کہاں سے آ رہے تھے کہ فالج کے اثرات نمودار ہو گئے اور ایک ہاتھ اور ایک پاؤں بیکار ہو گیا...... چلئے شہزادہ تو نہ ملا نوکری گئی...... پھر جناب عالی ایک صاحب سے ملاقات ہوئی کسی ایسے مسئلے میں آئے تھے جو ذرا سا الجھ گیا تھا...... نام تھا مقبول جمال، ایک چھوٹا سا کاروبار کرتے تھے جن میں میرے والد ان کے ہمراہ ہوتے تھے یعنی کیشئر کا کام میرے والد ہی کیا کرتے تھے پارٹ ٹائم میں، اور کچھ حسابات وغیرہ میرے والد کے پاس ہوتے تھے جن کے بارے میں معلومات حاصل کرنے وہ ہمارے گھر آئے تھے اور والد صاحب نے ہدایت کی تھی کہ ان کے لئے چائے اور سموسے بنا کر لائے جائیں...... تو جناب ہم نے انہیں چائے اور سموسے پیش کئے...... پتا نہیں انہیں چائے زیادہ پسند آئی تھی یا سموسے، بڑی تعریفیں کر ڈالیں...... ہمارے بارے میں پوچھا ان سے، اور اس کے بعد والد صاحب سے بے پناہ ہمدردی کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اگر والد صاحب چاہیں تو ان کے چھوٹے سے دفتر میں ہمیں جگہ مل جائے گی تو جناب ایسا ہی ہوا...... والد صاحب نے چاہا اور یہ بھی ظاہر کیا کہ مقبول جمال صاحب نوجوان فرشتے ہیں...... اب پتا نہیں بوڑھے فرشتے زیادہ نیک دل ہوتے ہیں یا نوجوان، والد صاحب کے خیال میں مقبول جمال صاحب اس عمر میں ہی بڑے نیک دل ہو گئے تھے...... خیر جناب حکم والد کیسے ٹالا جا سکتا تھا...... نوکری کی اور ویسے بھی ہم گھر سے باہر نکل کر دنیا دیکھنا چاہتے تھے...... خیال تھا کہ والد صاحب تو اب معذور ہو گئے چنانچہ فرشتوں کی تلاش ذرا مشکل ہو گی، خود ہی دیکھتے ہیں کوئی انسان مل جائے اور انسان مقبول جمال کی شکل میں ہمارے سامنے آ گیا تھا...... کیا بات تھی

مقبول جمال صاحب کی، دس بجے چائے، دوپہر کا کھانا، زندگی کی ہر ضرورت فراہم کرنے کو تیار اور پھر چوری چوری ہمیں دیکھنے کا سلسلہ الگ، یوں ہوتا تھا کہ ہم بیٹھے کام کر رہے ہوتے تھے جو واقعی ایک سنجیدہ کام ہوتا تھا...... نگاہیں اٹھاتے تو یوں محسوس ہوتا کہ مقبول جمال صاحب ہمیں دیکھ رہے ہیں، لیکن وہ جو کہتے ہیں ناکہ۔

یوں نظر مجھ پر تو ڈالی جائے گی
جب میں دیکھوں گا ہٹالی جائے گی

ایسا ہی ہوتا تھا، عورت کے محسوسات کے بارے میں تو آپ کو بہت سا علم ہوگا...... لاتعداد افسانہ نگاروں نے یہ بات لکھی ہے کہ عورت بڑی روشن ضمیر ہوتی ہے بلکہ روشن دماغ ہوتی ہے، ایک لمحے میں دیکھنے والے کی نظر کو دیکھ لیتی ہے...... تو ہم نے بھی دیکھ لیا کہ مقبول جمال صاحب ہمارے لئے دل میں کچھ کچھ رکھتے ہیں، خیر برا نہیں لگا تھا کیوں کہ ہم خود چکر میں تھے کہ ہمارا بھی کوئی ٹھکانہ ہو جائے، اب آپ سے کیا چھپانا، یقین کرلیں اس میں زندگی کی کوئی اور طلب باقی نہیں تھی بلکہ ایک بے اطمینانی تھی جو نہ جانے کیوں اپنی زندگی میں سرایت کر گئی تھی یا پھر یہ کہیں کہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا تھا اور کسی دریا کے کنارے بیٹھ جانا چاہتے تھے...... مطلب یہ کہ کنارے کا حصول ہماری خواہش تھا...... اس لئے ہم نے سوچا کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے...... پھر یہی بہت سمجھا کہ چوری کی نگاہوں کے جواب میں چوری کی نگاہیں ڈالی جائیں اور اس طرح ڈالی جائیں کہ مقبول جمال صاحب بھی یہ محسوس کرلیں کہ ہم انہیں دیکھتے ہیں۔

خیر مقبول جمال صاحب اپنا چھوٹا سا کاروبار کر رہے تھے اسے بڑھانے کی فکر میں سرگرداں تھے اور بڑی محنت کرتے تھے اس سلسلے میں ہم ان کا بھرپور ساتھ دیتے تھے، یہ سوچ کر کہ یہ شخص ہمارا مستقبل بھی بن سکتا ہے اور اگر بن جاتا تو برا نہیں ہوتا...... خیر ہم انہیں اپنا مستقبل سمجھ کر دیکھتے رہے...... اس دوران دو تین بار محترم جناب مرحوم و مغفور زاہد فاروقی صاحب بھی وہاں تشریف لاتے رہے اور مقبول جمال صاحب زاہد فاروقی کے سامنے اس طرح بچھ جاتے جیسے قالین ہوں، ہر طرح کی خاطر مدارات ہوتی تھی، بہت کچھ ہوتا تھا...... زاہد فاروقی صاحب نے کئی بار ہم سے بھی گفتگو کی تھی، معمر بزرگ تھے، ہم انہیں بڑے احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے کیونکہ بہر طور ہمارے مستقبل کے مالک یا چلئے فرم

کے مالک ان کا احترام کرتے تھے، لیکن ایک دن اپنے مقبول جمال صاحب نے ہمارے والد سے خفیہ ملاقات کی، بہت دیر تک ان کے پاس بیٹھے رہے لیکن اس وقت جب ہم دفتر میں تھے...... پھر ہم گھر آئے تو والد صاحب نے بہت سی باتوں کے بعد ہم سے ایک بات کی اور بڑی عجیب بات کی کہنے لگے کہ مقبول جمال صاحب کئی گھنٹے ان کے پاس گزار کر گئے ہیں اور وہ بیچارے اتنے نیک اور ہمدرد انسان ہیں کہ ہمارے مستقبل کے لئے پریشان رہتے ہیں اور اس پریشانی کا حل لے کر وہ قبلہ والد صاحب کے پاس آئے تھے اور دو تین گھنٹے گفتگو فرمائی تھی تو جناب انسپکٹر صاحب اور انسپکٹری صاحبہ پھر یوں ہوا کہ والد صاحب کے اس انکشاف پر تو ہماری باچھیں کھل گئیں ہم نے سوچا کہ پیا کے گھر سے سندیس آگیا اور اب ہم چلے پیا کے دیس لیکن والد صاحب نے کباڑہ کردیا...... یہ انکشاف کر کے کہ ہمارے خاندان کے ہمدرد اول یعنی مقبول جمال صاحب ہمارے لئے جو رشتہ لے کر آئے ہیں وہ جناب زاہد فاروقی صاحب کا ہے، مقبول جمال صاحب نے والد صاحب قبلہ کو بتایا کہ زاہد فاروقی صاحب بڑے کھاتے پیتے اور دولت مند آدمی ہیں ان کی پہلی بیگم بوجوہ اولاد ان کی نگاہوں سے گر چکی ہیں اور وہ عقد ثانی کرنے کے خواہش مند ہیں تاکہ اولاد نرینہ سے بہرہ ور ہوسکیں اور صاحب ہماری تو کھوپڑی گھوم گئی، ہم نے والد صاحب سے چار چار ہاتھ کئے ہم نے کہا کہ انہوں نے زاہد فاروقی صاحب میں کیا دیکھا ہے اور اگر دیکھا ہے تو شاید فالج کے بعد ان کی نظر کمزور ہوگئی ہے اور عقل بھی کیوں کہ وہ ان سے تھوڑے ہی چھوٹے ہوں گے اور پھر ہم کسی شادی شدہ شخص سے شادی کیوں کریں، ہم نے بڑی کھل کر مخالفت کی۔

لیکن والد صاحب نے پہلے دلائل اور پھر وسائل سے کام لیا...... ناراض ہوگئے، پھر سخت ہوگئے ہمیں گھر سے نکالنے کی دھمکی دی، کہنے لگے کہ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے، زندگی صرف محبت کے سہارے نہیں چلتی، بلکہ زندگی میں ایسے تلخ مسائل کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے جن کا تعلق مالی بہتری سے ہوتا ہے، ہمیں والد صاحب کے معاملے میں نہیں بولنا چاہئے، لیکن ہم نے ایک بات صاف کہہ دی وہ یہ کہ اگر پہلی بیگم کو رکھا گیا تو ہمارا وجود اس گھر میں مشکل ہوگا، بس جناب مقبول جمال صاحب پر جو غصہ تھا کہ بھیجہ باہر نکال دیں ان حضرات کا، ارے خوامخواہ ہماری نگاہوں سے بھی چوری کرائی اور ہمارے دل میں محبت کے دیپ جلادیئے ویسے ایک بات ہم آپ کو بتادیں محبت وجبت ہم نے نہیں کی تھی ان سے، بس ایک

احساس تھا ایک خیال تھا کہ ٹھیک ٹھاک آدمی ہے ترقی کر جائے گا کوئی ایسی بات نہیں ہے
چلا لیں گے کچھ کم زیادہ میں...... لیکن وہ شخص تو کچھ نکلا ہی عجیب کچھ سمجھ میں ہی نہیں آیا
آخر وہ ہمیں اپنے لئے دیکھتا تھا یا زاہد فاروقی کے لئے...... خیر صاحب مسئلہ چلتا رہا، ہماری
شرط کو آخری شرط تصور کر ہی لیا گیا اور زاہد فاروقی صاحب سے اس کا تذکرہ کیا گیا اور مذاق
ہی مذاق میں ایک بے چاری کی زندگی اجڑ گئی...... آپ یقین کریں گلفشاں کے بارے میں
میرا یہی خیال ہے کہ اس کے ساتھ بڑی زیادتی ہوئی، لیکن میں نے نہیں کی...... یہ زیادتی
زاہد فاروقی صاحب نے کی، اب مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ ایسا کر ہی ڈالیں گے اور جب ایسا ہو
گیا تو مجبوراً یہ زہر پینا پڑا ہمیں اور زاہد فاروقی صاحب ایک ٹوپی اور شیروانی پہن کر آ گئے۔
ہمارے گھر میں نکاح ہوا خاموشی سے ہمیں لے جایا گیا اور دلچسپ بات یہ کہ پیارے ابا جان
انتظار کر رہے تھے کہ ہم گھر خالی کریں تو وہ بھی گھر خالی کریں ہم حجلہ عروسی میں تھے اور
جان کنی کے عالم میں ہمارے جاتے ہی ان پر دورہ پڑا اور صبح کو ہمیں یہ خوشخبری ملی کہ والد
صاحب نے ہمیں اپنے فرض سے سبکدوشی کے بعد اپنی سرپرستی سے بھی سبکدوش کر دیا ہے۔
خیر باپ تو تھے، غم بھی ہوا، دکھ بھی ہوا، بہت کچھ ہوا، سو جناب ہم نے آہستہ آہستہ
صبر کر لیا...... ویسے زاہد فاروقی صاحب بہت اچھے انسان تھے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔
نیک دل، نرم دل، ہم سے پوری پوری دلچسپی رکھتے تھے، ہاں بس عمر کے معاملات تھے اور ان
کی وہ ناجائز خواہشات، ہم تو نہیں ناجائز ہی کہیں گے کیوں کہ اولاد کا تعلق تو اللہ تعالیٰ کے
حکم سے ہوتا ہے...... گلفشاں کو اولاد نہ ملی، ہمیں بھی نہ مل سکی، نہ اس میں ہمارا قصور تھا
گلفشاں کا...... زاہد فاروقی صاحب کو اگر غم تھا تو صرف یہی کہ ہم بھی گلفشاں کے نقش قدم
پر چلے اور ہم نے ان کی وہ آرزو پوری نہ کی...... ایک دوبار ہم نے کہا کہ وہ ایسا کریں کہ
تین ٹرائی کریں ہو سکتا ہے تیسری ڈائنگ ان کے کسی کام آ جائے، مگر ایسے موقعوں پر وہ
نروس ہو جاتے تھے...... ہماری نگاہیں ہی ایسی ہوتی تھیں...... خیر زاہد فاروقی برے انسان
نہیں تھے اور یہ سچی بات تھی کہ ہم نے ایک بیوی کی حیثیت سے جو فرائض ہماری سمجھ میں
آئے ضرور پورے کئے اور کوشش کی کہ اپنے فرائض سے غفلت نہ برتیں، کوٹھی کے
معاملات چلتے رہے، وہ لڑکا بے چارہ جس کا نام نور محمد تھا ملازم کی حیثیت سے رکھا گیا تھا بہت
پیاری سی شکل کا مالک تھا اور ہم اکثر یہ سوچتے تھے کہ اگر اس غریب سے لڑکے کو اچھا لباس

پہنا دیا جائے تو پتا بھی نہیں چلے گا کہ اس کا کسی غریب خاندان سے تعلق ہے...... بہت سے
لباس بنوا کر دیئے ہم نے اسے بہت سی ایسی مراعات سے نوازا جو ہونا نہیں چاہئے تھا، اب
لوگوں نے اگر کسی نگاہ سے دیکھا ہو تو دیکھا ہو ہم نے اس بات کو ہمیشہ جوتے پر مارا، ارے ہمارا
دل دماغ کے ساتھ تھا تو ہم لوگوں کی پرواکیوں کرتے لیکن پھر زاہد فاروقی صاحب کو قتل
کر دیا گیا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمیں ان کی اچھائیوں کا پورا پورا احساس رہا اور ہم بڑے
مضمحل ہوئے لیکن سوگ ووگ کے چکر میں ہم نہیں پڑتے تھے...... ہم نے اپنے والد کا
سوگ نہیں منایا تو ان کا سوگ کیا مناتے بس وقت گزر گیا اور بات ختم ہو گئی، اب آپ
لوگوں نے جو یہ چکر چلا رکھا ہے تو یہ آپ کا اپنا کام ہے اور کوئی کام نہیں ہو گا آپ کو، کہئے
افسانہ کیسا رہا۔"

بینا اور شہاب خاموش نگاہوں سے پروین کو دیکھ رہے تھے...... بینا بار بار مسکرا رہی تھی
لیکن شہاب سنجیدہ تھا...... شہاب نے اس کے چپ ہونے کے بعد کہا۔

"بس۔"

"اور بھی کچھ رہ جاتا ہے۔"

"آپ کی اپنی سوچ اپنے خیالات۔"

"نہیں جناب معذرت خواہ ہوں میں نے اس بارے میں نہ کچھ سوچا اور نہ کچھ خیالات
کا اظہار کیا۔"

"آپ نے یہ نہیں سوچا محترمہ پروین کہ پولیس آپ کو پریشان کر سکتی ہے۔"

"کر سکتی ہے کیا مطلب، اچھا خاصا پریشان کیا گیا ہے ہمیں اگر اور بھی پریشانیاں
ہمارے مقدر میں ہیں تو ہم حاضر ہیں۔"

"وہ آپ پر زاہد فاروقی کے قتل کے بارے میں شبہ بھی کر سکتی ہے۔"

"دلائل تو دینے ہوں گے اسے۔"

"کیوں نہیں۔"

"مثلاً اگر آپ ہم پر کوئی شبہ کریں تو کیا دلائل دیں گے۔"

"یہی کہ آپ کا ذہن ان سے نہیں مل سکا۔"

"مگر ذہن نہ ملنے کے نتیجے میں قتل تو نہیں کیا جا سکتا، اگر آپ کہتے ہیں کہ قتل کر ہی دیا

ہے تو جناب سراغ لگایئے اور پہنچایئے ہمیں پھانسی کے پھندے پر بھئی دیکھئے نا اینڈ تو ہونا ہے اب یہ الگ بات ہے کہ ہمارا ڈراپ سین کیا لکھا گیا ہے، ہم اسے واقعی نہیں بدل سکتے۔"

"مقبول جمال کے کردار کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔"

"بہت گھٹیا انسان ہے وہ اور گھٹیا اس لئے ہے کہ اس نے ہم سے خود شادی کرنے کے بجائے زاہد فاروقی سے ہماری شادی کرادی...... باقی اگر کوئی اور گھٹیا پن اس کے اندر ہو تو ہم نہیں جانتے۔"

"وہ آپ سے ملاقات کرتے رہتے ہیں۔"

"ارے اب بھی وہ ہمارا سب سے بڑا ہمدرد ہے اور سب سے گھٹیا بات یہ ہے اس کی کہ ہمیں اب بھی انہیں نگاہوں سے دیکھتا ہے، پتا نہیں اس کی آنکھوں میں کوئی خرابی ہے یا پھر ہی بے وقوف ہیں۔"

"اب اگر وہ آپ سے ملاقات کرتے ہیں تو کیا کہتے ہیں۔"

"آج بھی ابھی تھوڑی دیر قبل ہمارا دماغ چاٹ رہا تھا ہم سے پوچھ رہا تھا کہ ہم مستقبل میں کیا ارادے رکھتے ہیں، اصل میں زاہد فاروقی صاحب نے ہمارا دل بہلانے کے لئے فرم کے معاملات ہمارے سپرد کر دیئے تھے اور شاید آپ کو یہ بات خاصی مشتبہ محسوس ہو اور آپ سوچنے لگیں کہ اصل مسئلہ یہ تھا وہ ہے کہ ہم فرم کے مینجنگ ڈائریکٹر ہیں، سارے معاملات ہمارے علم میں لائے جاتے ہیں ہم سے دستخط کرائے جاتے ہیں اور اس سلسلے میں ہمیں خاصی اہمیت دی جاتی ہے اب بھی یہی تمام چکر چل رہا ہے حالانکہ ایمانداری کی بات ہے کہ ہم کاروبار وار وبار کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔"

"ابھی جو صاحب ہنڈا اکارڈ میں؟"

"ہاں وہی مقبول جمال صاحب ہیں۔"

"ہوں...... ان کی فرم الگ ہے۔"

"ہاں ترقی کر رہے ہیں اس میں کوئی شک نہیں ہے، ذرا سست رفتار ہیں لیکن ہر جا میں کام ہو رہا ہے اور حالات سنا ہے خاصے بہتر ہو گئے ہیں ہمارے زمانے میں ہنڈا اکارڈ نہیں تھی، ان کے پاس بلکہ فسٹ سکس ہنڈرڈ لئے پھرتے تھے۔"

"ہوں، تو مقبول جمال صاحب اکثر آپ کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں۔"

"جی ہاں اور اب ہم ذرا اُلجھ گئے ہیں، اب ان کی پذیرائی کرنے کو دل نہیں چاہتا، انہوں نے ذہن تو خراب کر دیا ہے ہمارا، اب بھلا ان سے کیا رجوع کر سکیں گے۔"

"کیا آپ...... معاف کیجئے گا محترمہ پروین فاروقی کیا آپ نے مقبول جمال صاحب کے دل کے راز کا پتا لگایا ہے۔"

"نا بابا نا، پہلے بھی ایک بار حماقت کی تھی اب بار بار یہ حماقت نہیں کرنا چاہتی اور اب ان باتوں سے کیا فائدہ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اب دوبارہ ان کی جانب رجوع ہو جائیں گے تو انسپکٹر صاحب آپ بتایئے کیا ایسا ممکن ہے۔"

"کیوں نا ممکن کیوں ہے۔"

"کمال کرتے ہیں آپ، کوئی ایسا شخص ہوتا، ہمارا بچھڑا ہوا محبوب ہوتا جس کی یاد میں ہم سولہ سولہ آنسو بہاتے اور رات کی تنہائیوں میں تارے گننے کی کوشش کرتے تب تو بات الگ تھی کہ چلو چھٹکارہ مل گیا اب ہم اس سے رجوع کریں، ایک فلمی کہانی کا اچھا اینڈ ہو سکتا تھا لیکن آپ خود بتایئے کہ ایک شخص نے خود اپنے ہاتھوں سے ہمیں ہماری مرضی کے خلاف ایک جہنم کی بھٹی میں پھینک دیا تو کیا ہمارا دل اس کی جانب دوبارہ رجوع ہو سکتا ہے۔"

"ہوں...... آپ بہت دلچسپ شخصیت ہیں۔"

"چھوڑیئے آپ بھی آئے تو ایک ایسی خاتون کے ساتھ جن کے لئے آپ کی نگاہوں میں محبت کے جذبات تھے ورنہ آدمی تو آپ بھی اچھے خاصے ہیں، خوب صورت بھی ہیں اور خوش جمال بھی، آپ کو ذرا گہری نگاہوں سے تاڑتے لیکن آپ خود بزی نکلے۔"

"جی یہ تو ہے۔" "اچھا اجازت...... شہاب نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا اور پروین فاروقی نے ایک زبردست قہقہہ لگایا۔

"باہر جا کر یہ محترمہ آپ سے کہیں گی کہ خبردار اس تفتیش کو بھاڑ میں جھونکو آئندہ پروین فاروقی کی جانب رُخ مت کرنا مگر بی بی ایک بات آپ سنتی جایئے میں بری عورت نہیں ہوں، نہ کسی کو قتل کر سکتی ہوں، میں تو بس حالات کی چکی میں گھومتا ہوا ایک ایسا گیہوں کا دانہ ہوں جس پر ابھی دونوں پاٹوں کا دباؤ نہیں پڑا ہے اور ایسے رخنوں میں چلی جاتی ہوں جن کی تلاش مجھے نہیں ہوتی لیکن پسنے سے بچ جاتی ہوں کبھی پسنا ہو گا پس جاؤں گی۔"

شہاب ایک لمحے کے لئے سکتے کے سے عالم میں بیٹھا پروین فاروقی کو دیکھتا رہا پھر بولا۔

"او کے پروین صاحبہ بے حد شکریہ واقعی آپ کے ساتھ ان چند لمحات کی نشست میں بہت لطف آیا ہے کاش یہ ایک غم ناک حادثے کے نتیجے میں نہ ہوتی۔"

"گویا یہ اختتامی الفاظ واپسی کا اشارہ ہیں، بیٹھئے کچھ دیر، اب اگر آپ کہیں تو آپ کو چائے وغیرہ بھی پلا دی جائے؟"

"نہیں واقعی اس کی ضرورت باقی نہیں رہی ویسے صرف چند سوالات اور۔"

"جی فرمائیے۔"

"وہ لڑکا جس کا نام نور محمد تھا کیا قاتل ہو سکتا ہے؟"

"میں نے پہلے بھی آپ سے یہ بات کہی تھی اور اس سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ میں ان جھگڑوں میں زیادہ نہیں پڑتی...... سامان برآمد ہوا تھا اس کے پاس سے، کم بخت اس وقت لے کر بھاگ جاتا یہ ساری باتیں بڑی عجیب ہیں اللہ بہتر جانتا ہے، آپ یقین کریں مجھے اس بارے میں کچھ نہیں معلوم۔"

"اچھا اجازت۔" شہاب نے کہا اور وہ لوگ وہاں سے اٹھ گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد ان کی کار اپنے اس مخصوص ریستوران کے پاس آئی تھی...... بینا نے ایک بار بھی سوال نہیں کیا تھا کہ شہاب اسے کہاں لے جا رہا ہے، البتہ شہاب نے کار سے اترتے ہوئے کہا۔

"آپ سوچتی تو ہوں گی مس بینا کہ اب میں نے حد سے آگے بڑھنے کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔"

"حد......؟" بینا نے سوال کیا۔

"قیامت ڈھا دیتی ہیں آپ کبھی کبھی، ویسے آپ کا یہ سوالیہ انداز اور جملہ اس قدر رومانوی حیثیت کا حامل ہے کہ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

"آگے بڑھ کر ریستوران میں داخل ہونا چاہیے پھر ایک میز پر بیٹھنے کی بجائے چائے اور کچھ لوازمات کا آرڈر دینا چاہیے اور اس کے بعد کہنا چاہیے کہ مس بینا لیجئے میں آپ کی پسند سے آگاہ ہوں۔"

"ہاں یہ تو کرنا ہی ہے۔" شہاب نے آگے قدم بڑھاتے ہوئے کہا اپنی مخصوص میز پر بیٹھنے کے بعد ویٹر کو چائے اور لوازمات کا آرڈر دے کر شہاب نے کہا۔

"ویسے پروین سے ملاقات کر کے مزا آیا۔"

"ہیا ویسا، بڑی تلخ عورت ہے۔"

"اور انتہائی پر مزاح بھی۔"

"ہاں واقعی ایسی گفتگو پہلے کبھی سننے کو نہیں ملی۔" بینا نے کہا اور شہاب سوچ میں ڈوب گیا پھر چند لمحات کے بعد بولا۔

"ویسے بینا! اگر غور کیا جائے تو اس کے تلخ ہونے کے تمام لوازمات اس سے منسلک ہیں۔"

"انسان کی زندگی بھی بڑی عجیب ہوتی ہے بعض اوقات فیصلہ کرنے والے صرف فیصلہ کرتے ہیں اور اس فیصلے کو اپنا حق سمجھ لیتے ہیں، یہ سب کچھ اصولی طور پر ہونا نہیں چاہئے شہاب۔"

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ والدین کا تسلط اولاد پر اس قدر ضروری ہے کہ اسے ہر طرح کی کانٹے دار جھاڑیوں سے بچائیں، دھوپ سے بچائیں، بارش اور سردی سے بچائیں، لیکن جب زندگی میں مستقبل کا فیصلہ کرنے کا وقت آئے تو میرے خیال میں اسے اپنے حق کو استعمال کرنے دیا جائے۔"

"نہیں بینا ہم حتمی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے۔"

"کیوں؟"

"دیکھو جس ماحول کے ہم پروردہ ہیں اس میں بہت سے ایسے اُلجھے ہوئے راستے آجاتے ہیں کہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جائے...... کبھی کبھی نوجوانی کی عمر کے غلط فیصلے پوری زندگی کا عذاب بن جاتے ہیں، شکل بدلنے والے ایسی ایسی بدلی ہوئی شکلوں میں سامنے آتے ہیں کہ ان کی اصلیت کو پہچاننا مشکل ہو جائے، اپنے فیصلے ہوتے ہیں اس لئے انسان احتجاج کا حق بھی کھو بیٹھتا ہے لیکن والدین اس کے بعد بھی دُکھ میں مبتلا ہو جاتے ہیں اس احساس کے ساتھ کہ ان کے بچے پر سکون زندگی نہیں گزار رہے۔"

"اور کبھی کبھی والدین جو غلط فیصلے کر لیتے ہیں ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"بات وہاں بھی غلط ہے، بس یہ کچھ ایسی اُلجھی ہوئی ڈور ہے جسے سلجھانا ممکنات میں سے نہیں ہے۔"

"لیکن ہم ان سینڈوچز کو بہ آسانی کھا سکتے ہیں اور ویسے بھی یہ سینڈوچز انتہائی لذیز ہیں...... پلیز لیجئے۔" بینا نے ویٹر کی لائی ہوئی پلیٹ شہاب کی جانب سرکاتے ہوئے کہا اور شہاب نے ایک سینڈوچ اٹھالیا...... بینا بھی بڑے انہماک سے سینڈوچ کھانے میں مصروف ہوگئی تھی کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد شہاب بولا۔

"نور محمد کا کردار تو بہت پیچھے رہ جاتا ہے، اگر ہم صرف انہی عوامل کا جائزہ لے لیں جن کے تحت زاہد فاروقی کو قتل کیا گیا ہے تو میرے خیال میں ہمیں اس قسم کے شواہد مل جائیں گے کہ قاتل نور محمد جیسا اناڑی آدمی نہیں ہو سکتا جس نے زندگی میں پہلا قتل کیا ہو اور پھر تم خود سوچو بینا کہ ایک قاتل چاہے وہ کسی بھی سطح کا انسان ہو قتل کرنے کے بعد صرف اس خیال کے ساتھ اس عمارت میں رک جائے جس میں اس نے قتل کیا ہے کہ ابھی باہر جانے کا راستہ نہیں ہے تو میرے خیال میں اس سے زیادہ احمقانہ تصور کوئی اور نہیں ہو سکتا، اگر پولیس صرف اسی پہلو پر غور کر لیتی تو کم از کم کسی دوسرے کا تصور ضرور ذہن میں اُبھر آتا...... نور محمد ہر قیمت پر چاہے اسے زخمی ہی کیوں نہ ہونا پڑتا وہ سامان لے کر جو اس نے چرایا تھا وہاں سے نکل جانے کی کوشش کرتا...... کیا تم اس بات سے اتفاق کرتی ہو۔"

"سو فیصد بابا، اس کے بعد تو ہر لمحہ پھانسی کا پھندا اپنی جانب بڑھتا ہوا محسوس ہوتا...... بھلا خطرے کی جگہ رکنے کا کیا تصور کیا جاسکتا ہے اور وہ بھی چوری کی دولت کے ساتھ۔"

"یہ بالکل نفسیاتی معاملہ ہے، یہیں سے نور محمد کی رہائی زیر عمل آجاتی ہے...... خیر چھوڑو ہم باقی باتوں پر غور کر لیتے ہیں...... نور محمد تو ویسے بھی اصولی طور پر قاتل کی فہرست سے نکل چکا ہے...... اب گلفشاں کا سوال آتا تھا بڑی پاور فل شخصیت تھی اس کی قاتل کی حیثیت سے، کیونکہ وہ ایک ایسی عورت تھی جس نے زاہد فاروقی کے ساتھ زندگی کے اس دور میں تعاون کیا جب وہ ارتقاء کی منزل میں تھا اور اس کی حیثیت کچھ نہیں تھی، بعد میں اسے ٹھکرا دیا جاتا تو ظاہر ہے اس کے اندر انتقامی جذبے پیدا ہو سکتے تھے لیکن ان انتقامی جذبوں کے لئے نور محمد سے رابطہ ذرا مشکل تھا...... لیکن فرض کر لیا جائے جیسا کہ نور محمد نے کہا کہ اسے کئی بار زاہد فاروقی نے گلفشاں کے پاس بھیجا اور گلفشاں کا رویہ اس کے ساتھ بہتر نہ رہا، نور محمد اگر قاتل ہوتا تو دوسری حماقت یہ نہ کرتا کہ اس بارے میں ہمیں بتا دیتا...... اگر اس کا رابطہ گلفشاں سے تھا، مطلب سمجھ رہی ہیں نا...... میں گلفشاں کے راستے کے حوالے سے یہ

بات کہہ رہا ہوں، اب تم کیا کہتی ہو گلفشاں کے بارے میں؟"

"اس کا تو نام ہی نہیں لیا جا سکتا۔"

"اور تمہیں یقین ہے کہ تمہارا یہ فیصلہ جذباتی نہیں ہے۔"

"ہاں مجھے یقین ہے لیکن ایک بات ضرور کہوں گی۔"

"وہ کیا؟"

"فیصلہ میرا ہے۔"

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ابھی میں اس قدر پر اعتماد نہیں ہوں کہ اتنا جامع فیصلہ دے سکوں آپ کے لئے گنجائش موجود ہے مسٹر شہاب۔"

شہاب کسی سوچ میں ڈوب گیا...... پھر آہستہ سے بولا۔

"بہر حال گلفشاں کو ہم اس انداز میں اپنے ساتھ شامل کر لیتے ہیں کہ وہ قاتل نہیں ہے، پروین کی بات رہ گئی تو اگر پروین کو اسے قتل کرنا ہوتا تو اتنا طویل عرصہ اس کے ساتھ گزارنے کی کیا ضرورت تھی، یہ کام تو ابتدا میں ہی ہونا چاہئے تھا۔"

"چنانچہ جناب اب باقی رہ گئی شخصیت مقبول جمال صاحب کی، بڑا پراسرار کریکٹر ہے اور پروین کی کہانی کی روشنی میں مزید پراسرار ہو جاتا ہے۔" شہاب پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا اور اس کے بعد بہت دیر تک خاموشی طاری رہی پھر اس نے گردن اٹھائی تو بینا ایک دم بول پڑی۔

"صرف اور صرف وہی ایک ایسی مشکوک شخصیت رہ جاتی ہے جس پر غور کیا جاسکتا ہے۔"

"ہاں۔" "بہت گہرائی کے ساتھ، میں اس سلسلے میں کچھ اور بھی اشارے دینا چاہتا ہوں۔"

"اشاروں کی ضرورت نہیں آپ جو کہنا چاہتے ہیں صاف صاف کہیں۔" بینا شرارت سے بولی اور شہاب ہنس پڑا۔

"وہ اشارے میں آپ کو نہیں کر رہا تھا نا۔"

"تو پھر؟" بینا نے ادھر اُدھر دیکھا اور پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

"افسوس یہاں تو میری طرح کوئی خوبصورت لڑکی بھی نہیں ہے۔"

"آپ خوبصورت لڑکی ہیں۔"

"ہو گئی ہوں۔" بینا اب شہاب سے خاصی بے تکلف ہو گئی تھی۔

"وہ کیسے؟"

"بس...... کسی کی نگاہوں کو آئینہ سمجھ لیا ہے اور اس آئینے میں اپنا چہرہ خاصا حسین
آتا ہے۔"

"شاعری کر رہی ہو؟"

"شاعری اگر اندرونی خواہش کا اظہار ہے تو میں سمجھتی ہوں ہر شخص کو شاعری کر
چاہئے۔"

"ان کی پناہ وہ اشعار کیسے ہوں گے۔"

" استاد۔" بینا نے جواب دیا اور دونوں مسکراتے رہے پھر شہاب بولا۔

"بینا میرے ذہن میں دو افراد اور کچھ ایسے معاملات ہیں جن پر توجہ دینا ضروری ہے مثلاً ہمیں پروین کو اپنے اعتماد میں لینا ہوگا۔"

"کس طرح، ویسے مجھے اس کے کچھ الفاظ یاد ہیں۔" بینا نے پھر شرارت بھری آ
میں کہا۔

"کیا؟"

"کہہ رہی تھی کہ آپ بھی آئے تو ایک انسپکٹری کے ساتھ۔" شہاب نے ایک قہق
لگایا تھا پھر کہنے لگا۔

"واقعی بہت دلچسپ عورت ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے اگر اسے بہت اچھا ما
ملتا تو وہ ایک بہترین طنز نگار ہوتی۔"

"بڑی تعریفیں ہو رہی ہیں جناب اور اعتماد میں لینے کی بات بھی کی جا رہی ہے کیا
اس سلسلے میں مشکوک ہو جانا چاہئے؟"

"چاہو تو ہو سکتی ہو، شک محبت کی علامت ہوتا ہے۔"

"خیر خیر ہم بہت زیادہ منطق میں نہیں پڑیں گے...... تو آپ کیا کہہ رہے تھے؟"

"بینا مقبول جمال کے بارے میں ذرا ہوشیاری سے غور کرنا ہوگا میرے خیال میں
او گینگ کے دو افراد کو اس پر لگا دیتے ہیں۔"

"دوسری شخصیت پروین کی؟"

"نہیں پروین کو مشکوک نگاہوں سے نہیں دیکھا جا سکتا لیکن میں یہ کہہ رہا تھا کہ اسے اعتماد میں لینا ہوگا۔"

"وہ کیسے؟"

"اس کے بارے میں پورا پلان تمہیں پیش کروں گا لیکن وہاں ایک اور شخص ہے جس پر ذرا گہری نگاہ رکھنا ہوگی بلکہ اسے بھی ڈبل او گینگ کے حوالے کر دیا جائے۔"

"کون؟"

"حکمت۔"

"یہ کون صاحب ہیں۔"

"وہی ملازم جو ہمیں دروازے پر ملا تھا اور یہ بات قابل غور ہے کہ حکمت، نور محمد کے قتل کا گواہ ہے اور نور محمد اسی کے کوارٹر کے ایک حصے میں رہتا تھا ویسے بھی وہ شخص اپنی شکل و صورت اور اپنی گفتگو سے کچھ گڑبڑ نظر آتا ہے مجھے۔"

"تو پھر اسے اٹھوا لیا جائے۔" بینا نے کہا۔

"غور کیا تھا میں نے اس بات پر۔"

"تو پھر؟"

"اگر حکمت کسی کا آلہ کار ہے تو اس کی گمشدگی سے وہ شخص ہوشیار ہو جائے گا۔"

"بالکل ٹھیک، ایسے کام اگر گہرائیوں کے ساتھ ہوں تو پھر کسی کو شک کا موقع نہیں ملنا چاہئے۔"

"ہمیں یہ اندازہ لگانا ہوگا کہ حکمت کا تعلق کسی طرح مقبول جمال سے تو نہیں ہے۔"

"اس کے لئے میرا خیال ہے حکمت پر کچھ لوگوں کو متعین کر دیا جائے۔"

"ہاں تم ایسا کرو کہ اپنی پسند کے دو افراد کو مقبول جمال کے بارے میں تمام تفصیلات معلوم کرنے کے لئے تعینات کر دو اور دو افراد کو حکمت کے بارے میں تفصیل بتا کر انہیں اس پر نگرانی کے طور پر متعین کر دیا جائے اور میں تم سے ایک اجازت چاہتا ہوں۔"

"اجازت؟"

"ہاں۔"

"وہ کیا؟"

"پروین سے تنہائیوں میں ملنے کی اجازت۔"

"ارے باپ رے، عورت خطرناک ہے۔"

"یار میں تو خطرناک نہیں ہوں۔"

"ہاں آپ...... آپ ٹھیک آدمی ہیں، کیسی باتیں کر رہے ہیں...... مذاق اپنی جگہ لیکن باقی جو کچھ ہے وہ اصل میں مذاق ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا اور دونوں کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے پھر بینا بولی۔

"میرے خیال میں اب یہاں سے اٹھا جائے، وہ جو کہتے ہیں نا کہ "کل کرے سو آج کرے سو اب۔" تو مجھے آپ اجازت دیں گے کہ میں ڈبل او گینگ کو اس کی ڈیوٹی پر تعینات کر دوں۔"

"ٹھیک ہے کہاں جاؤ گی؟"

"کریم سوسائٹی۔"

"تو پھر میں تمہیں کریم سوسائٹی چھوڑ دیتا ہوں۔"

"آپ کہاں جائیں گے؟"

"تھانے......" شہاب نے کہا اور بینا ہنس پڑی۔

"عجیب سے انداز میں کہا ہے آپ نے۔"

"تو اور کیا۔"

"او کے...... چلئے پھر اٹھیں۔" بینا نے اپنی چائے کا آخری گھونٹ لیا اور اس کے بعد بل کی رقم ادا کر کے وہ وہاں سے اٹھ گئے۔

حکمت اپنے کوارٹر میں چلا گیا تھا لیکن کوارٹر کی ایک کھڑکی کا پٹ کھول کر وہ اس کے قریب بیٹھ گیا، یہاں سے اندرونی عمارت کا صدر دروازہ نظر آتا تھا...... وہ نگاہیں جمائے بیٹھا رہا پھر طویل انتظار کے بعد اس نے ان دونوں کو باہر نکلتے ہوئے دیکھا...... دونوں کار میں بیٹھ کر چل پڑے تھے...... تب حکمت اپنی جگہ سے اٹھا اور باہر نکل آیا...... کچھ دیر وہ باہر ٹہلتا رہا

پھر اندر داخل ہو گیا...... کچھ دیر کے بعد وہ پروین فاروقی کے سامنے تھا۔

"باہر کوئی کام تو نہیں ہے بیگم جی؟"

"نہیں کیوں؟"

"ذرا باہر جا رہے ہیں۔"

"کیوں؟"

"وہ جی بس حقے کا تمباکو ختم ہو گیا ہے۔" حکمت نے گردن جھکا کر کہا۔

"نہیں مجھے کوئی کام نہیں ہے۔" پروین فاروقی نے جواب دیا اور حکمت گردن جھکا کر باہر نکل آیا...... گیٹ سے باہر نکلنے کے بعد اس کی رفتار تیز ہو گئی اور اچھا خاصا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک میڈیکل سٹور کے سامنے پہنچ گیا...... میڈیکل سٹور پر ایک شخص موجود تھا اس نے حکمت کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"آ بھئی حکمت خیر تو ہے۔"

"وہ بس صاحب جی ملاں کی دوڑ مسجد...... آپ کے پاس تو ایک ہی کام سے آ جاتے ہیں ہم۔"

"اچھا اچھا ٹیلی فون کرنا ہے؟"

"ہاں جی وہ بس کیا بتائیں، کبھی کبھی۔"

"کیا گھر کے لوگ تجھے ٹیلی فون نہیں کرنے دیتے؟"

"صاحب جی جتنے بڑے لوگ ہوتے ہیں نا، یہ بس نام کے بڑے ہوتے ہیں اور پھر ملازموں کو تو یہ سمجھتے ہیں جیسے اللہ کی مخلوق ہی نہیں ہیں، کیا بتائیں صاحب جی دنیا بہت بری ہے، بہت ہی بری۔"

"فلاسفر مت بن بھائی، چل ادھر بیٹھ جا کر لے فون، تجھے کبھی منع کیا ہے۔" میڈیکل سٹور کے مالک نے فون حکمت کی طرف بڑھا دیا...... نہ جانے اس سے کیا رابطہ قائم کر رکھا تھا...... وہ فون حکمت کو دے کر اپنے کاموں میں مصروف ہو گیا...... حکمت نے ایک فون نمبر ڈائل کیا اور ریسیور کان سے لگا لیا تھوڑی دیر کے بعد دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ہاں کون ہے؟"

"حکمت بول رہا ہے۔"

"ہاں حکمت بولو...... خیر ہے؟"

"جی صاحب جی، غریبوں کی خیر کہاں ہوتی ہے۔"

"کیوں کیا ہوا؟"

"آپ جب نکلے تھے نا تو آپ نے ایک گاڑی دیکھی ہو گی جو ادھر ہی آ رہی تھی؟"

"گاڑی؟"

"جی سر سفید رنگ کی تھی۔"

"میں نے غور نہیں کیا بات کیا ہے؟"

"صاحب جی گیٹ پر آ کر ہم سے دروازہ کھلوانے کی کوشش کی تو ہم نے پوچھا کہ ہے کون...... گیٹ کھلا ہی ہوا تھا...... ہم بند کرنے جا رہے تھے تو وہ صاحب جو تھے انہوں نے گاڑی ہی چڑھا دی ہمارے اوپر...... بڑے عجیب لوگ تھے صاحب جی...... اندر چلے گئے، ہم لپکے کہ بھائی بتا تو دو کون ہو، تو تھپڑ مار دیا ہمارے منہ پر۔"

"کیا؟"

"ہاں جی۔"

"کون تھے وہ لوگ؟"

"صاحب جی جوان سا آدمی تھا، ایک عورت بھی تھی اس کے ساتھ بڑا عجیب معلوم ہوتا تھا پھر وہ اندر چلے گئے اور بیگم جی سے بہت دیر تک باتیں کرتے رہے۔"

"تمہارے تھپڑ مار دیا؟"

"جی صاحب جی۔"

"مگر کیوں؟"

"مجھے کیا معلوم صاحب جی، میں نے تو بس پوچھا تھا کہ ہیں کون اور کس سے ملنا ہے...... وہ تو ڈاکو معلوم ہوتے تھے صاب...... خیر بیگم جی سے باتیں کرتے رہے اور بہت دیر تک ان کے پاس رہے اب ہم سامنے تو جا نہیں سکتے تھے، اب وہ چلے گئے ہیں تو آپ کو خبر دے رہے ہیں...... آپ نے حکم کیا تھا نا جی کہ ہر آنے جانے والے پر کڑی نظر رکھی جائے مگر صاحب جی یہ تھپڑ تو بڑا غلط پڑا ہے ہمارے گال پر۔"

"حلیہ بتاؤ؟"

"بس صاحب جی بتایا تو ہے، آدمی ہی تھے، بڑھیا کپڑے پہنے ہوئے تھے، عورت بھی بہت اچھی تھی لڑکی سی معلوم ہوتی تھی۔"

"حکمت تم سے کہا ہے میں نے کہ ایسے موقعوں پر بزدلی مت دکھلایا کرو، پروین کے آس پاس رہا کرو اور دیکھا کرو کہ کس سے کیا باتیں کرتی ہے۔"

"صاحب جی مالک تو مالک ہی ہوتے ہیں، ہمت کیسے پڑے ہماری۔"

"اچھا یہ بتاؤ اس گاڑی کا نمبر دیکھا؟"

"نمبر۔" حکمت نے کہا پھر ہنس کر بولا۔ "آپ کو تو جیسے معلوم ہی نہیں ہے صاحب جی ہمیں پڑھنا لکھنا کہاں آتا ہے وہ تو ٹیلی فون کے نمبر آپ نے گھما کر دکھا دیئے ہیں ہمیں کہ پہلے یہ گھماؤ پھر یہ گھماؤ پھر یہ۔ بس ہم نے جگہیں پکڑ لی ہیں، ورنہ ہمیں تھوڑی معلوم ہے کہ کیا نمبر ہے۔" حکمت نے کہا۔

"وہ اچھا بھئی ٹھیک ہے۔"

"صاحب جی کون ہو سکتے ہیں وہ آپ کے خیال میں؟"

"کیسی باتیں کرتے ہو حکمت! اتنی دور بیٹھ کر میں یہ کیسے بتا سکتا ہوں کہ وہ کون ہو سکتے ہیں مگر بات تم نے عجیب کہی ہے، کوئی شریف آدمی ہوتا تو کسی ملازم کے گال پر اس طرح تھپڑ تو نہیں مار دیتا۔"

"کیا بتائیں جی بس۔ آج کل شکل سے جو شریف نظر آتے ہیں وہی سب سے گڑ بڑ ہوتے ہیں۔"

"کون ہو سکتے ہیں وہ؟"

"بند کر دیں جی فون، یہ تو ہمارے دوست کی مہربانی ہے کہ اتنی دیر وہ ہمیں ٹیلی فون کرنے دیتا ہے ورنہ ہمارے لئے تو یہ بھی مشکل ہو جائے۔ ویسے صاحب جی ڈر لگتا ہے۔"

حکمت فضول باتوں سے گریز کرو، بس ہم نے تمہاری بات سن لی، اب تم ٹیلی فون بند کر دو۔

"جی صاحب جی۔"

"میں خود تم سے ملوں گا۔"

"جی صاحب جی۔" حکمت نے کہا اور ٹیلی فون بند کر دیا۔

میڈیکل سٹور کا مالک اس کی باتوں سے بے نیاز اپنے کام میں مصروف تھا۔ ویسے بھی حکمت اتنی آہستہ آہستہ بول رہا تھا کہ الفاظ کسی اور کی سمجھ میں نہ آئیں، پھر اس نے پانچ روپے کا نوٹ ٹیلی فون کے نیچے دبایا اور مالک کو سلام کر کے باہر نکل آیا۔

❀

سردار علی اور انجم شیخ نے بینا کو مقبول جمال کے بارے میں رپورٹ پیش کی۔ ڈبل ا گینگ کی ایک اہم رکن کی حیثیت سے وہ لوگ بینا کا بڑا احترام کرتے تھے۔ بہر حال ٹرانسمیٹر پر انجم شیخ نے کہا۔

"میڈم آپ کی ہدایت کے مطابق ہم نے مقبول اینڈ کمپنی کے بارے میں پوری پوری چھان بین کر لی ہے۔ یہ کمپنی کچھ عجیب نوعیت کی حامل ہے۔ چھوٹا سا دفتر ہے لیکن بڑی خوبصورتی سے اس کی ڈیکوریشن کی گئی ہے، تین آدمیوں کا سٹاف ہے، چوتھا اس دفتر کا مالک مقبول جمال ہے۔ تھوڑی بہت امپورٹ ایکسپورٹ کر لیتے ہیں۔ یہ لوگ لیکن نہ ہونے کے برابر۔ سٹاف کو بڑی باقاعدگی سے تنخواہ ملتی ہے۔ مقبول جمال گرین سکوائر کے اپارٹمنٹ نمبر 231 میں رہتا ہے۔ شاندار کار ہے اس کے پاس اور بظاہر اچھی خاصی حیثیت کا مالک ہے۔ تنہا آدم ہے، غیر شادی شدہ ہے، اس کی اس فرم کے بارے میں جو تفصیلات معلوم ہوتی ہیں وہ یہ ہیں کہ پہلے وہ بڑی کسمپرسی کے عالم میں گزر بسر کر رہا تھا۔ سٹاف میں بھی صرف ایک آدمی تھا جس کا نام شمشیر خان ہے۔ اب تین افراد ہیں۔ تینوں کو اپنے باس سے کوئی شکایت نہیں ہے، بقول ان کے کاروبار چل پڑا ہے۔ مقبول جمال اب اچھی خاصی حیثیت کا مالک ہے۔ اس کے ماضی کے بارے میں کچھ پتا نہیں چل سکا میڈم، کیونکہ اس کا حلقہ احباب محدود ہے اور کوئی بھی ایک ایسا فرد نہیں ملا جو اس کے بارے میں شناسائی کا اظہار کرتا۔ بڑی محدود شخصیت کا مالک ہے۔"

"اس کی یہ فرم کتنے دن سے قائم ہے؟"

"تقریباً چار سال سے۔"

"اور مین پوائنٹ یہ ہے کہ وہ پہلے بہت کسمپرسی کے عالم میں تھا۔" بینا نے پوچھا۔

"جی میڈم اور اس اپارٹمنٹ میں اسے منتقل ہوئے صرف چند سال ہوئے ہیں۔"

"ہوں ٹھیک...... او کے۔" بینا نے کہا اور اس کے بعد سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

بینا تھوڑی دیر تک پنسل سے سر کھجاتی رہی اور اس کے بعد ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر اس نے شہاب کے تھانے کے نمبر ڈائل کئے۔ ریسیور شہاب نے ہی اٹھایا تھا۔

"ہیلو۔"

"کمال ہے بینا یعنی اب بھی تسلیم نہیں کرو گی۔"

"کیا؟"

"کوئی اچھا سا شعر یاد نہیں آ رہا ہے اس موقع کے لئے اس لئے معذرت۔"

"موقع کیا ہے؟"

"وہ جو کہتے تھے نا کبھی کہ دل کے آئینے میں ہے تصویر یار۔"

"جی جی؟"

"اب ذرا صورت حال بدل گئی ہے۔"

"اس کے بارے میں بھی ارشاد فرما دیں۔" بینا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بس اب کچھ یوں ہے کہ ٹیلی فون کے ریسیور میں ہے آواز دوست۔"

"ہنہ یہ نہیں جما۔" بینا نے کہا۔

"نہ سہی آواز دوست تو سنائی دے گئی جب کے یاد ہی کیا تھا۔"

"رپورٹ مل گئی ہے۔"

"ارشاد ہو جائے۔"

"فارغ ہیں؟"

"قطعی نہیں۔"

"اوہو کیا کر رہے ہیں؟"

"تمہیں یاد کر رہے ہیں۔" شہاب نے جواب دیا اور بینا ہنس پڑی پھر بولی۔

"اب سن تو لیں رپورٹ کیا ہے؟"

"چلو تمہاری حسین آواز میں کچھ تو سنیں گے، رپورٹ ہی سہی۔" شہاب نے کہا اور بینا چند لمحات کے لئے خاموش ہو گئی۔

"ہیلو۔"

"ہاں ہاں سن رہی ہوں۔ ٹیلی فون کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا۔"

"ریسیور کی تو ضرورت بھی نہیں ہے، جو کچھ کہنا ہے ویسے ہی کہہ دو عاشقوں کا رابطہ تو ہواؤں سے رہتا ہے۔ ویسے بینا ایک بات بتائیں؟"

"جی۔جی۔جی پوچھیں۔ دور جدید......" بینا جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہوگئی۔

"ہاں ہاں دور جدید سے متعلق کیا کہا جا رہا تھا؟"

"کچھ نہیں...... ہواؤں کا پیغام کبھی کبھی حضرت مجنوں وصول کر لیا کرتے تھے اور ڈراما نگار بلکہ اسٹیج آرٹسٹ ہواؤں کے اس پیغام کو بڑی محنت سے وصول کرتے تھے، لیلیٰ مجنوں کا ڈراما کرتے ہوئے، بہر حال چھوڑیئے ان باتوں کو، مقبول جمال کے بارے میں رپورٹ موصول ہوئی ہے، تھوڑی سی کار آمد بھی ہے زیادہ نہیں۔"

"ہاں کیا رپورٹ ہے۔" شہاب بھی سنجیدہ ہو گیا اور بینا نے تمام تفصیل شہاب کے سامنے دہرا دی۔ شہاب چند لمحوں کے لئے سوچ میں ڈوب گیا تھا پھر بولا۔

"میرے خیال میں بینا اس سے زیادہ معلومات ہو بھی نہیں سکتی تھیں۔"

"ہاں یقیناً...... اندازہ یہی تھا ویسے شہاب کیا خیال ہے ہم اپنے اس نظریئے پر قائم رہ سکتے ہیں؟" بینا نے سوال کیا۔

"کوئی حرج بھی نہیں ہے بینا۔ میرے خیال میں تصور خاصا مضبوط ہے لیکن اگر اس میں کوئی سقم نکلا تو بعد میں دیکھ لیں گے کہ کیا صورت حال ہے۔ فی الحال اس لائن پر کام کرنا بہتر رہے گا۔"

"ویسے شہاب کیا یہ ظلم نہیں ہے؟"

"بہت ظلم ہے بینا لیکن بس تھوڑا سا وقت اور گزار لو۔ میرا اپنا تو اندازہ یہی ہے کہ شادی کرنے کے بجائے محبت کرنا زیادہ دلکش ہوتا ہے، محبوب کی طلب کی آنچ دل و دماغ کو ہمیشہ متحرک رکھتی ہے اور انسان اس آنچ میں آہستہ آہستہ سلگتا رہتا ہے، قربت کی خواہش اور قربت نہ ہونے کا یقین۔ میرا خیال ہے میں غلط بول رہا ہوں۔"

"بالکل غلط بول رہے ہیں آپ، یہ کیا کہانی شروع کر دی آپ نے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب تو خود میری سمجھ میں نہیں آیا۔"

"تم نے کہا تھا نا کہ یہ ظلم ہے۔"

"آپ نے کون سا ظلم سمجھا؟"

"میرے اور تمہارے درمیان کے فاصلے۔"

"نہیں جناب ایسی کوئی بات نہیں ہے، مجھے خود بھی ابھی اپنی ممی اور ڈیڈی کے ساتھ بہت وقت گزارنا ہے۔"

"کیوں...... تو شادی کے بعد اس میں کیا گڑبڑ ہو جائے گی۔"

"آپ کا مطلب کیا ہے؟"

"مطلب یہ ہے کہ سب ساتھ ساتھ ہی رہیں گے۔"

"خدا آپ سے سمجھے۔ میں اس ظلم کی بات نہیں کر رہی تھی۔" بینا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تو پھر؟"

"میرا مطلب ہے گنجائش تھی تحقیق کی ایک غریب کی گردن میں پھانسی کا پھندہ فٹ ہو گیا تو لوگوں نے سوچا کہ اب مزید تگ و دو کی کیا ضرورت ہے...... ایک شخص لٹکانے کے لئے مل گیا ہے تو اسے لٹکا دیا جائے۔"

"بینا ہمارا جہاد تو یہی ہے کہ ایسے مظلوم لوگوں کے لئے جدوجہد کریں۔"

"آپ غیر سنجیدہ ہو جاتے ہیں شہاب۔" "میں واقعی بڑی دُکھی ہوں۔"

"بینا ایسے دُکھ تو ہمیں بارہا جھیلنے پڑے ہیں تم نے دیکھا نہیں کہ کس طرح آسانی سے بے گناہوں کو جیل اور پھر تختہ دار تک پہنچا دیا جاتا ہے کیونکہ ان کی دادرسی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ اہل ثروت اپنے لئے اخراجات کر کے آسانیاں فراہم کر لیتے ہیں اور غریب ان پر قربان ہو جاتا ہے۔"

"ہمارے اس جہاد کی جدوجہد تیز ہونی چاہئے شہاب۔" "ہم ایک آدھ آدمی کو بچا لیتے ہیں لیکن دیکھو کتنے بے گناہ ناانصافیوں کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔"

"کاش ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ ہوتا بینا! جس سے ہم ان سب کو بچا سکتے۔"

"ہاں۔" بینا نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا پھر بولی۔

"تو اب کیا پروگرام ہے؟"

"نہیں بینا اس پر جے رہنا ہے اب ایسا کرتا ہوں کہ اس سلسلے کے دوسرے پورشن پر

کام کرتا ہوں۔"

"بتاؤ گے؟"

"ٹیلی فون پر؟"

"یہی مناسب سمجھو۔" بینا نے کہا اور شہاب ہنس پڑا پھر بولا۔

"بہت چالاک ہو بینا۔"

"کیوں؟"

"اب تم کہو گی کہ ریستوران پہنچ جایا جائے؟"

"جی نہیں، مجھے فرصت نہیں ہے آپ ٹیلی فون پر ہی بتائیے۔"

"ناراض ہو گئیں؟"

"نہیں جناب بالکل نہیں۔ ویسے بھی واقعی کچھ مصروف ہوں۔" بینا نے کہا۔

"ٹھیک ہے بینا۔ میں اس سلسلے کے دوسرے پہلو پر کام شروع کر رہا ہوں۔"

"مثلاً؟"

"مثلاً یہ کہ ہمارے علم میں جو باتیں آئی ہیں ان میں ایک بات یہ بھی اہمیت رکھتی ہے کہ مقبول جمال نے پروین کی شادی زاہد فاروقی سے کرائی تھی اور مقبول جمال کو تھوڑے عرصے کے اندر اندر ترقی حاصل ہوئی ہے نیز یہ کہ پروین اب اس فرم کی دیکھ بھال کر رہی ہے جس کا تعلق زاہد فاروقی سے ہے، کچھ لوگ اس فرم میں ضرور ایسے ہوں گے جنہیں یہ بات معلوم ہو گی کہ زاہد فاروقی اور مقبول جمال کے درمیان اور کیا رشتے تھے۔"

"یعنی؟"

"دولت کے رشتے کی بات کر رہا ہوں۔"

"گڈ، بالکل ٹھیک۔ تو میرے خیال میں اس کے لئے کیا زاہد فاروقی کی فرم کا چیف اکاؤنٹنٹ مناسب نہیں رہے گا؟"

"بالکل مناسب رہے گا۔ یہی میرے ذہن میں ہے۔"

"تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟"

"نہیں بینا میرا خیال ہے طریقہ کار مختلف رکھا جائے، آخر میں ایک تھانیدار ہوں صرف ڈبل او گینگ کا چیف آفیسر ہی نہیں۔"

"ہوں سمجھ رہی ہوں۔ مجھے رپورٹ ضرور دیجئے گا۔"

"تمہیں دل دے دیا ہے بینا۔ دل سے پوچھ لینا رپورٹ پتا چل جائے گی۔"

"او کے میں ٹیلی فون بند کر رہی ہوں۔" بینا نے کہا اور خدا حافظ کہہ کر ٹیلی فون بند کر دیا۔

مقبول جمال نے پروین فاروقی کے نمبر ڈائل کئے اور ریسیور کان سے لگالیا۔ دوسری جانب سے پروین کی آواز سنائی دی تھی۔

"ہیلو۔"

"پروین میں جمال بول رہا ہوں۔"

"جی سر حکم فرمائیے۔"

"پروین تم اب بھی مجھے سر کہنا نہیں چھوڑو گی؟"

"کیسے چھوڑ سکتی ہوں سر۔ آپ کی نوکر رہ چکی ہوں۔"

"میں جانتا ہوں پروین تم انتہا پسند ہو، وہ نظریات نہیں چھوڑ سکتیں جو تمہارے ذہن میں بس گئے ہیں۔"

"آپ کی باتیں اتنی اُلجھی ہوئی ہوتی ہیں سر کہ نہ پہلے کبھی میری سمجھ میں آئیں نہ اب آئی ہیں۔ میں آپ کی نوکر رہ چکی ہوں آپ کی فرم میں آپ کی سیکرٹری اور اس وقت میں آپ کو سر ہی کہا کرتی تھی۔"

"پروین تم کبھی یہ بھول نہیں سکتی۔" مقبول جمال نے درد بھرے لہجے میں کہا۔

"سر انسان اگر اپنے ماضی کو بھول جائے تو میں سمجھتی ہوں کہ وہ ہمیشہ ٹھوکریں کھاتا ہے۔"

"دیکھو مجھ سے اس لہجے میں بات نہ کرو پروین...... میں بیمار ہوں...... میں اس قدر بیمار ہوں پروین کہ تم تصور نہیں کر سکتیں۔"

"تو سر میں آپ کے لئے صحت یابی کی دعائیں کروں گی۔"

"مجھے دعاؤں کی نہیں مدد کی ضرورت ہے۔"

"اگر آپ تنہا ہیں تو میں آپ کے لئے ڈاکٹر ارینج کئے دیتی ہوں...... بہر حال آپ کے مجھ پر بہت سے احسانات ہیں۔"

"مجھے ڈاکٹر کی نہیں تمہاری ضرورت ہے پروین۔"

"میری؟"

"ہاں۔"

"لیکن میں کون سی دوا دے سکتی ہوں آپ کو؟"

"میری تیمارداری کو آجاؤ۔"

"میں؟"

"ہاں۔"

"کہاں آجاؤں سر؟"

"میرے فلیٹ پر۔"

"سر اس کے لئے معذرت خواہ ہوں، آپ کو اندازہ ہے کہ زمانہ بہت نازک چیز ہے، لوگ انگلیاں اٹھانے میں ایک لمحہ دریغ نہیں کرتے، کسی کے کردار کو مسخ کر دینا ان کے لئے دنیا کی سب سے آسان بات ہوتی ہے۔ تھوڑی سی زندگی باقی رہ گئی۔ عزت سے گزر جائے تو بہتر نہیں ہے اور آپ سے زیادہ میری بہتری اور کون چاہ سکتا ہے۔ آپ کو اندازہ ہے سر کہ میں بہرحال آپ کے احسان مندوں میں سے ہوں اور آپ نے واقعی مجھ پر بڑے احسانات کیے ہیں۔ بھول تو نہیں سکتی نا۔"

"پروین میں تم سے ملنا چاہتا ہوں...... تمہارے پاس آنا چاہتا ہوں۔"

"بیماری کے عالم میں؟"

"ہاں۔ آج میں تم سے یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ میری ہر بیماری کا علاج تم ہو۔ پروین تمہارے سامنے آکر میں نروس ہو جاتا ہوں، وہ نہیں کہہ پاتا جو دل میں ہوتا ہے بہت غور کرنے کے بعد میں نے یہی فیصلہ کیا کہ ٹیلی فون پر تم سے اپنی تمام ذہنی کیفیت بیان کر دوں۔"

"سر میرا خیال ہے آپ کی ذہنی کیفیت میں بخوبی سمجھتی ہوں...... یہ میرا اپنا خیال ہے، آپ اس کی تصدیق نہ کر پائیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔"

"پروین میں آنا چاہتا ہوں۔"

"آپ آتے رہتے ہیں سر، میں نے منع تو نہیں کیا آپ کو۔"

"میں آرہا ہوں۔"

"تشریف لائیے آج آپ کی آمد کوئی ایسی دھماکہ خیز چیز نہیں ہوگی میرے لئے۔"

"ہوگی پروین...... آج میں...... آج میں...... پروین میں آرہا ہوں، پلیز اور کچھ نہ کہنا بس میں آرہا ہوں خدا حافظ۔" مقبول جمال نے ٹیلی فون بند کر دیا، چند لمحات ریسیور کو گھورتا رہا پھر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ لباس تبدیل کر کے اپنی گاڑی میں بیٹھا اور سیٹھ زاہد فاروقی کی کوٹھی کی جانب چل پڑا، راستے بھر وہ سوچ میں ڈوبا رہا تھا اور پھر اس وقت چونکا جب گاڑی زاہد فاروقی کی کوٹھی کے سامنے پہنچ گئی۔ ہارن بجانے پر حکمت نے دروازہ کھولا اور مقبول جمال کو دیکھ کر چونک پڑا۔ مقبول جمال نے کار آہستہ آہستہ آگے بڑھائی اور بولا۔

"وہ لوگ دوبارہ تو نہیں آئے؟"

"نہیں جناب۔"

"مجھ سے زیادہ بات مت کرو، گیٹ بند کر دو۔" مقبول جمال نے کہا اور گاڑی آگے لے جا کر پورچ میں روک دی۔ نیچے اترا اور اس کے بعد کئی راستوں سے گزرتا ہوا ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا۔ ایک ملازم سے اس نے کہا کہ وہ آیا ہے پروین کو اطلاع دے دی جائے۔

تھوڑی دیر کے بعد پروین ایک سادہ سے لباس میں ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئی۔ مقبول جمال نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہیلو پروین۔ دل تو چاہتا تھا کہ آج تمہاری خوابگاہ میں پہنچ جاؤں لیکن پھر جرات ساتھ نہ دے سکی۔"

"سر آپ ایک تعلیم یافتہ آدمی ہیں، ادب و آداب سے واقف، ہر بات کے شناسا۔ یہ بات آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ خوابگاہیں امانت ہوتی ہیں۔"

"ہاں میں جانتا ہوں۔" وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"میرا بھی یہی خیال تھا۔"

"تم نے میری خیریت نہیں پوچھی؟"

"ارے ہاں شاید......" پروین نے کہا۔

"میں شدید بیمار ہوں۔"

"مجھے افسوس ہوا۔" پروین نے کہا اور پھر کافی دیر خاموشی سے گزر گئی۔ مقبول جمال غمزدہ نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"چائے کے لئے نہیں پوچھو گی؟"

"ضرور پوچھوں گی، کیا آپ چائے پئیں گے جناب؟"

"ہاں...... تم شاید یقین نہ کر پاؤ مجھے چھو کر دیکھو شدید بخار میں مبتلا ہوں۔" پروین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

"تمام باتوں کے باوجود میرا تعلق مشرق سے ہے اور مذہباً مسلمان ہوں، کہا یہ جاتا ہے کہ غیر محرم کو چھونا گناہ ہے۔"

"کتنے تیر برساؤ گی پروین۔"

"سر میں محسوس کر رہی ہوں کہ آپ واقعی بیمار ہیں...... آج آپ کی گفتگو اتنی معیاری نہیں ہے جتنی معیاری گفتگو آپ کرتے رہے ہیں۔"

"ہاں پروین تم یہ بات کہہ سکتی ہو۔ کیا کیا جائے انسان کیا چیز ہے، کبھی کبھی نیکیاں کرتا ہے اور وہی نیکیاں اس کی گردن کے گرد پھانسی کا پھندہ بن جاتی ہیں۔ پروین آج سب کچھ کہہ دینا چاہتا ہوں شاید آخری بار، مجھے تھوڑا سا برداشت کر لو پروین آج میرے دل کا پورا حال سن لو، وعدہ کرتا ہوں ایک مرد کی طرح کہ اس کے بعد کبھی یہ الفاظ دوبارہ زبان پر نہیں لاؤں گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے پروین کہ دوبارہ تم سے کبھی ملنے کی کوشش بھی نہ کروں۔"

"ارے ارے نہیں، ایسا نہ کیجئے آپ کو تو اندازہ ہے کہ میرے شناسا اور ہمدرد نہ ہونے کے برابر ہیں۔ کاروباری لوگ تو بہت سے ہیں چلے آتے ہیں لیکن ایسا کوئی نہیں ہے جو اتنی بے تکلفی سے یہاں آ جاتا ہو، بہر حال آپ جو کہنا چاہتے ہیں کہیں، میں نے منع تو نہیں کیا ہے آپ کو۔"

مقبول جمال نے غمزدہ انداز میں گردن جھکا لی تھی، کچھ دیر وہ خاموش رہا پھر جب اس نے آنکھیں اٹھائیں تو اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے اس نے کہا۔

"پروین تم پہلی بار ملازمت کے سلسلے میں میرے پاس آئیں تو میرے دل میں تمہارے لئے ہمدردی کا ایک مقام پیدا ہو گیا، تمہاری معصوم صورت دیکھ کر میرے دل کو یہ احساس ہوا کہ خدا کرے تم میرے پاس خوش رہو، خدا کرے میں تمہارے لئے وہ سب کچھ کر سکوں جو ایک انسان ایک انسان کے لئے کر سکتا ہے۔ پروین اس تصویر کی وجہ میرا اکلوتا بیٹا تھا۔ میں نے بڑی بے کسی اور کسمپرسی میں زندگی گزاری بلکہ یوں سمجھو ایک طویل دور مجھ پر

ایسا رہا جب میں نے ہمیشہ کسی ہمدرد کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں، میں نے ہزاروں خواب دیکھے...... یہ خواب عجیب ہوتے تھے پروین۔ کبھی میں سوچتا کہ کوئی اچانک مجھ تک پہنچے گا مجھ سے کہے گا کہ تم میرے بیٹے کے ہمشکل ہو، میرا بیٹا مر چکا ہے، میں تمہیں اس کی جگہ دینا چاہتا ہوں اور اس کے بعد پروین مجھے محبت کا وہ مقام حاصل ہو گیا جس کا میں آرزومند تھا، لیکن اس مقام کی عمر کوئی نہیں تھی۔ تصور سے آنکھ کھلی اور اس کے بعد وہی ویرانے جو میرے اطراف بکھرے ہوتے تھے۔ اتنا غیر مستحکم ہو گیا تھا، پروین اپنے وجود میں کہ یہ یقین ہی کھو بیٹھا تھا کہ زندگی میں کبھی میرا بھی کوئی مقام ہو گا، کوئی میرے قریب آئے گا۔ مجھے قبول کرے گا...... مجھے...... مجھے اپنا لے گا پروین، نہیں ہو سکا ایسا یہاں تک کہ تم آئیں تمہارے ساتھ جو رویہ میں نے اختیار کیا وہ فطری تھا، ان حقیقتوں پر مشتمل جو دنیا کی حقیقتیں ہوا کرتی ہیں لیکن پھر پروین میرے دل میں تمہارے لئے محبت کا ایک مقام پیدا ہوا، پروین میں نے، میں نے تمہیں چاہنا شروع کر دیا لیکن ایک پسماندہ ذہن یہ سوچنے سے قاصر رہا کہ اس کی چاہت اسے بھی مل سکتی ہے، میں نے اپنے آپ سے زیادہ تمہیں چاہنا شروع کر دیا اور پھر میری یہی دیوانگی اس سوچ کی بنیاد بنی کہ تمہیں ایک حسین زندگی دوں پروین، میں نے اپنی قربانی دے دی میں نے اپنے آپ کو تم پر قربان کر دیا...... تمہاری بہتری کے لئے چونکہ میرے حالات ایسے نہیں تھے کہ جس مقام پر میں تمہیں دیکھنا چاہتا تھا، تمہارا ہاتھ پکڑ کر تمہیں وہاں تک لے جا سکوں، پروین پتھرا لیا میں نے اپنے آپ کو اور میری دیوانگی نے تمہیں ایک بار پھر مجھ سے دور کر دیا، میں نے اجنبی کر دیا تمہیں اپنے لئے اور زاہد فاروقی تمہاری تقدیر کا مالک بن گیا...... پروین بعد میں کس طرح میں انگاروں کے بستر پر لوٹا ہوں، میں نے کیسی بھیانک راتیں گزاری ہیں...... شاید میں انہیں تمہارے سامنے بیان نہ کر سکوں اور پروین اس کے بعد تقدیر نے تمہارے ساتھ یہ بھیانک کھیل کھیلا، میں کسی کو کچھ نہیں کہوں گا، جو کچھ ہوا پروین وہ نوشتہ تقدیر تھا لیکن آج...... آج طوفان کے راستے کھل گئے ہیں۔ آج میرا دل شدت سے رو رہا ہے جو کہنا چاہتا ہوں، وہ کہہ رہا ہوں تم سے...... پروین روز اول بھی میں تمہیں دیوانہ وار چاہتا تھا اور اب بھی میری دیوانگی میں کوئی کمی نہیں ہے...... پروین میں وقت کے اس فیصلے کو اپنے لئے سمجھنے کا خواہشمند ہوں...... میری آرزو ہے کہ جو کچھ میں کھو چکا ہوں وہ پا لوں، پروین سوچو میرے بارے میں غور کرو اب کوئی

رکاوٹ نہیں ہے، میں کچھ نہیں چاہتا تم سے، یہ جو کچھ تمہارے پاس ہے پھینک دو اب میں اس قابل ہوں کہ تمہیں خوش رکھ سکوں، پروین میں تمہیں حاصل کرنا چاہتا ہوں بالکل اسی طرح جیسے روز اول میں نے تمہارے خواب دیکھے تھے۔"

پروین کچھ عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گئی وہ غور سے اسے دیکھ رہی تھی اور محسوس کر رہی تھی کہ اس کی آنکھوں میں ایک دیوانگی کی چمک ہے، کیا یہ چمک حقیقی ہے۔ آہ...... کوئی ایسا پیمانہ ہوتا جو اس چمک کی حقیقت جان لی جاتی جو باتیں وہ کر رہا ہے وہ پروین کو متاثر کر رہی تھیں، کیا یہ شخص سچ بول رہا ہے، کیا اس نے صرف میرے لئے ایثار کیا تھا لیکن جو کچھ یہ کہہ رہا ہے کیا وہ ممکن ہے، کیا دنیا اس کی اجازت دے گی...... کیا یہ سب کچھ ہو سکتا ہے۔"

وہ بہت دیر تک سوچتی رہی اور مقبول جمال اس کا چہرہ دیکھتا رہا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"گویا آپ چاہتے ہیں سر کہ؟"

"نہیں پروین مجھے سر نہ کہو وہ تو میں کبھی نہیں تھا، میں تو خادم تھا تمہارا خدمت کرنا چاہتا تھا تمہاری۔"

"لیکن مقبول صاحب آپ مجھے خود بتایئے کیا ہو سکتا ہے اب۔"

"پروین سب کچھ ہو سکتا ہے، کیا بگڑا ہے کچھ بھی نہیں بگڑا شاید میری تقدیر نے ہی مجھے یہ موقع فراہم کیا ہے، میں برا انسان نہیں ہوں پروین میں یہ نہیں کہتا کہ زاہد فاروقی کا مر جانا بہتر ہوا۔ طبعی موت ہوتی تو شاید اس قدر افسوس نہ کیا جاتا لیکن وہ بے چارہ ایک حادثے کا شکار ہو گیا اور حادثے کوئی نہیں روک سکتا۔ پروین میں نے تو اپنے دل پر پتھر رکھ لیا تھا اور جس لئے رکھا تھا آج تمہیں سب کچھ بتا دیا ہے، لیکن اب یہ کمبخت دل نہیں مانتا وقت نے ایک بار پھر تمہیں میری دنیا میں لا پھینکا ہے اور اب میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا پروین، اب میں...... اب میں۔"

"مجھے سوچنا ہو گا جمال صاحب بہت کچھ سوچنا ہو گا اور آپ یقیناً مجھ سے اتفاق کریں گے۔ جمال صاحب آپ نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں بھی اپنی زبان آپ کے سامنے کھولوں، میں نے تو تصور بھی نہیں کیا تھا کہ آپ نے جس طرح میری پذیرائی کی اس کے بعد آپ مجھے ایک ایسے شخص کے حوالے کر دیں گے جس کا کبھی مجھ سے ذہنی رابطہ نہیں ہو سکا...... آپ خود سمجھ سکتے ہیں آپ خود سوچ سکتے ہیں، کتنا فرق تھا ہماری عمروں میں، کتنا

اختلاف تھا ہماری سوچوں میں اور مجھے وہ سب کچھ گزارنا پڑ رہا تھا، بھول گئی تھی میں اپنے آپ کو کہ میں کیا ہوں، آپ یقین کیجئے میں نے اپنی عمر زاہد فاروقی کی عمر سے ہم آہنگ کر لی تھی، اپنی سوچیں بوڑھی کر لی تھیں، جوانی کا ایک بھی دن میرا اپنا نہیں رہا، بوڑھی بن کر زندگی گزاری میں نے۔" پروین کی آواز گلوگیر ہو گئی اور مقبول جمال اس کے قریب آ گیا۔

"مجھے اپنی غلطی کا احساس ہے پروین! اور یہ احساس اس شدت سے مجھ پر حاوی ہے کہ میں ضبط کا ہر بند توڑ بیٹھا ہوں، مجھ پر غور کرنا پروین، ہمدردی سے غور کرنا ساری زندگی تنہائی کے صحرا میں جلتا رہا ہوں، جتنی بھی زندگی باقی رہ گئی ہے اس میں تھوڑی سی نمی چاہتا ہوں، محبت کی نمی۔ مجھ پر غور کرنا پروین بس یہی کہنا چاہتا تھا میں تم سے، جا رہا ہوں۔"

"بیٹھیں...... کچھ پئیں گے، کوئی ٹھنڈی چیز۔" مقبول جمال نے غمزدہ انداز میں گردن جھکا لی، پروین نے ملازم کو بلا کر کوئی مشروب لانے کے لئے کہا، مقبول جمال کافی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"وہ اس وقت جب میں تمہارے پاس سے جا رہا تھا تو میں نے ایک گاڑی دیکھی تھی۔ غور نہیں کیا تھا اس پر لیکن اس میں کچھ اجنبی لوگ تھے، غالباً ایک مرد اور ایک عورت، کون تھے وہ؟"

"نام تو مجھے یاد نہیں رہا لیکن ان کا تعلق پولیس سے تھا۔ مجھ سے معلومات حاصل کرنے آئے تھے۔"

"نام ذہن میں نہیں ہے۔ کیا وہ سی، آئی، ڈی سے تعلق رکھتے تھے۔"

"نہیں شاید...... کیا نام بتایا تھا انہوں نے اپنا، بالکل یاد نہیں رہا۔"

"کیا سوالات کر رہے تھے۔"

"بس وہی...... جو اس سے پہلے کئے جاتے رہے ہیں۔"

"اب اس کی کیا گنجائش ہے، قاتل تو پکڑا گیا ہے مقدمہ چل رہا ہے تمام ثبوت اور شواہد مل گئے ہیں اسے پھانسی ہو جائے گی مزید تفتیش کیا معنی رکھتی ہے۔"

"پتا نہیں۔"

"تم نے انہیں کیا بتایا پروین؟" مقبول جمال نے سوال کیا اور پروین ہنس پڑی۔

"بس...... آنکھ مچولی کھیلتی رہی۔ جو کچھ دل میں تھا کہہ دیا...... اچھے لوگ تھے بہت

دوستانہ انداز تھا کوئی تفتیش مکمل کر رہے ہوں گے۔ عدالتی کارروائیوں کے سلسلے میں۔ سچی بات ہے میں نے زیادہ غور ہی نہیں کیا۔"

"کچھ نام وغیرہ یاد نہیں آتا ان کا؟"

"میں نے غور ہی نہیں کیا تھا۔ تھوڑی دیر بیٹھے میں نے چائے بھی نہیں پلائی تھی انہیں۔ آپ جانتے ہیں ان دنوں مجھ پر کتنی بیزاری طاری ہے۔" مقبول جمال پر خیال انداز میں اس کی صورت دیکھتا رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"تعجب کی بات ہے۔ چالان پیش ہو چکا ہے مقدمہ چل رہا ہے پھر کیسی تفتیش۔ معلوم کرنا پڑے گا بلکہ معلوم کرنا چاہئے۔" پروین نے کوئی جواب نہیں دیا۔

❀❀❀

گلاب جان ایسے معاملات میں بڑی کارآمد شخصیت تھی، اس کا رویہ ایسا ہوتا تھا کہ انسان کی آدھی جان تو پہلے ہی نکل جائے، ویسے بھی طاہر داؤد کچھ ایسی شخصیت کا مالک تھا جو صرف کاروباری اور اپنے کام سے کام رکھنے والی ہوا کرتی ہیں۔ اس کا چہرہ پیلا پڑ رہا تھا اور وہ کانپ رہا تھا۔ گلاب جان اسے لئے ہوئے شہاب کے آفس میں داخل ہو گیا۔

شہاب نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا اور نرم لہجے میں بیٹھنے کی پیشکش کی۔ طاہر داؤد کانپتا ہوا بیٹھ گیا تھا۔ گلاب جان نے کہا۔

"صاحب یہ اس فرم کا اکاؤنٹنٹ ہے۔"

"کیا تم نے انہیں فرم سے گرفتار کیا ہے؟"

"ابھی گرفتار کدھر کیا ہے صاب ابھی تو شرافت سے لے کر آئے ہیں۔ فرم کے باہر چھٹی کر کے نکلے تھے، ہم انہیں گاڑی میں بٹھا لائے۔"

"جناب عالی میرا جرم کیا ہے، پولیس کو مجھے گرفتار کرنے کی ضرورت کیوں پیش آگئی؟"

"طاہر داؤد تمہیں گرفتار نہیں کیا گیا ہے، پولیس کی تفتیش کو سمجھتے ہو نا، ہم ایک قتل کے سلسلے میں تفتیش کر رہے ہیں اور یہ قتل تمہاری فرم کے مالک زاہد فاروقی کا ہے۔"

"صاحب ہم سے پوچھ گچھ تو ہو چکی ہے۔"

"کیا پوچھ گچھ ہوئی تھی تم سے؟"

"بس یہی صاحب، تھانے بلایا گیا تھا اور ہم سے پوچھا گیا تھا کہ کیا ہم کسی ایسی شخصیت کی نشاندہی کر سکتے ہیں جو زاہد فاروقی صاحب کی قاتل ہو سکتی ہے۔ صاحب ان کا قتل ان کے گھر میں ہوا۔ ان کے معاملات کیا ہیں ہمیں کیا معلوم، ہم تو فرم کے معاملات سے تعلق رکھتے

ہیں اور ان کے احکامات کی پابندی کرتے رہتے ہیں۔ اب بیگم صاحبہ کا ہم سے رابطہ رہتا ہے اور ان کے احکامات کی پابندی کرتے ہیں لیکن ہمارا اصل کام تو حساب کتاب رکھنا ہے۔"

"طاہر داؤد صاحب! ایک بات آپ اچھی طرح جان لیجئے پولیس جب کوئی بات اگلوانا چاہتی ہے تو اسے ہر طرح کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ ہمارا کبھی کسی سے ذاتی جھگڑا نہیں ہوتا، ہم تو صرف جرم کی تفتیش چاہتے ہیں، ہاں اگر کچھ لوگ ذاتی معاملات پر اتر آئیں اور ہمارے راستے کی رکاوٹ بنیں تو پھر ہماری مجبوریاں سامنے آجاتی ہیں اور ہم ہر طرح کی سختی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔"

"سر میں تو ایک شریف آدمی ہوں، میرا ساری زندگی کا ریکارڈ بے داغ ہے۔ نہ میں نے کبھی کوئی بے ایمانی کی۔ نہ حساب کتاب میں کوئی گھپلا ہوا آپ جس طرح چاہیں معلومات حاصل کرلیں، اس کے باوجود اگر کسی نے مجھ پر کوئی الزام لگایا ہے تو براہ کرم آپ مجھے بتا دیجئے۔ میں اس کی صفائی پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔"

طاہر داؤد کی حالت واقعی بہت خراب ہو رہی تھی، اصل میں اس پر ابتدائی دباؤ ڈال کر اسے حقیقت پر زبان کھولنے کے لئے مجبور کرنے کا تصور تھا۔ ورنہ ایک شریف آدمی کو پریشان کرنا خود شہاب کی فطرت میں شامل نہیں تھا۔

شہاب نے چند لمحات خاموشی اختیار کی پھر کہا۔ "دیکھئے طاہر داؤد صاحب ہم کبھی کبھی تحقیقات کرنے پر اس طرح مجبور ہو جاتے ہیں کہ دوسرا ہمیں ظالم سمجھنے لگتا ہے بات یہ نہیں ہے لوگ تعاون نہیں کرتے اور ہمارے لئے مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں۔ خیر آپ سے جو معلومات ہمیں کرنی ہیں ان کے بارے میں پہلے آپ کو یہ بتا دوں کہ وہ صرف آپ کے اور پولیس کے درمیان ہیں۔ میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ ہمیں صرف جرم سے دشمنی ہوتی ہے انسان سے نہیں، مجرم جو کوئی بھی ہو وہ ہمارا حریف بن جاتا ہے۔ شریف آدمیوں کو پریشان کرنا شاید کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ آپ سے جو سوالات میں کروں، آپ یہ سمجھ لیجئے کہ وہ آپ کے اور پولیس کے درمیان ایک راز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بات اگر کہیں آپ کی زبان سے نکل گئی تو آپ یوں سمجھ لیجئے کہ اس کے بعد صحیح معنوں میں ہماری اور آپ کی دشمنی کا آغاز ہوگا۔"

"نہیں صاحب ہم تو دشمنیاں مول لینا ہی نہیں چاہتے۔ آپ کا جو حکم ہوگا اس کی تعمیل

کی جائے گی، آپ بالکل اطمینان رکھئے۔"

"طاہر داؤد صاحب خوب غور کرکے بتائیے کہ زاہد فاروقی اور مقبول جمال کے درمیان کیا تعلقات تھے؟" طاہر داؤد کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے حیرت کے آثار نظر آئے پھر وہ آہستہ سے بولا۔

"قسم لے لیجئے صاحب، مالکوں کے تعلقات تو ہزاروں افراد سے ہوتے ہیں۔ ملازموں کو ان کی کھوج نہیں کرنی چاہئے۔ ان کے درمیان لین دین چلتا رہتا تھا۔

"میں اسی لین دین کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔" شہاب نے کہا۔

"صاحب صحیح تفصیل تو ہمارے کھاتوں میں درج ہوگی، لیکن یوں سمجھ لیجئے کہ کئی بار بڑی بڑی رقمیں اکاؤنٹ سے نکالی گئیں اور مقبول صاحب کو پیش کی گئیں۔ اس کے لئے فاروقی صاحب نے ہمیں خصوصی ہدایات دی تھیں۔ ہم نے یہ رقمیں براہ راست ہی مقبول جمال صاحب کے حوالے کی ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کھاتوں میں مقبول جمال صاحب کا نام نہیں ہے بلکہ وہ زاہد فاروقی صاحب کے ذاتی اکاؤنٹ میں شامل کی گئی ہیں۔"

"گڈ، کیا وہ تاریخیں آپ کے پاس موجود ہیں جن میں یہ رقمیں ادا کی گئیں؟"

"ایک ایک چیز موجود ہے جناب، کھاتوں میں ہے۔"

"کچھ اندازہ ہے یہ رقومات کتنی ہوں گی؟"

"کچھ دن پہلے آڈٹ ہوا تھا جناب اور ہم نے معلومات بھی حاصل کی تھیں کہ وہ رقمیں کس کے حساب میں ڈالیں۔ فاروقی صاحب نے یہی کہا تھا کہ ان کے ذاتی اکاؤنٹ میں ڈال دی جائیں۔ رقم تقریباً ساٹھ لاکھ تھی۔"

"ساٹھ لاکھ؟" شہاب نے حیرت سے پوچھا۔

جی صاحب! کچھ اوپر ہی..... صحیح فیگر ہم آپ کو رجسٹر میں دیکھ کر بتا سکیں گے۔"

"اور کتنی بار یہ رقمیں دی گئی ہیں؟"

"تین چار بار صاحب۔ کبھی بیس لاکھ کبھی دس لاکھ، بس ایسے ہی فیگر میں۔"

"ہوں اور ان کا کوئی حساب کتاب مقبول جمال کے نام پر نہیں تھا؟"

"بالکل نہیں..... کھاتوں میں مقبول جمال صاحب کا نام ہی نہیں ہے، نہ انہیں ان رقموں کے چیک پیش کئے گئے بلکہ ہمیں ہدایت کی جاتی تھی کہ رقم منگوالی جائے اور مقبول

جمال صاحب جب بھی آئیں ان کے حوالے کر دی جائے۔"

"ٹھیک...... بس اتنی سی بات تھی طاہر داؤد صاحب جو آپ سے معلوم کرنی تھی۔ آپ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے، جو آپ سے کہا گیا ہے اس پر عمل کر لیجئے، ہم آپ کا نام بھی بھول جائیں گے...... ہاں یہ ٹیلی فون نمبر رکھ لیجئے اور ذرا ان تاریخوں کے بارے میں تفصیلات کل کسی وقت بتا دیجئے اور اس کے بعد سب کچھ بھول جائیے۔ خاص طور سے آپ کو یہ خیال رکھنا ہے کہ آپ کا یہاں آنا اور ہمارے سوالات۔ بس یہ آپ کے ذہن سے نکل جانے چاہئیں، کوئی اگر آپ سے کتنا ہی پوچھے، آپ اس بارے میں قطعی نہیں بتائیں گے۔ یہ سمجھ لیجئے کہ یہ پولیس سے تعاون ہے۔"

"اگر ہماری زبان سے یہ بات کہیں باہر نکل جائے تو آپ ہمیں پھانسی دے دیجئے گا صاحب، ہم ویسے بھی پولیس کا احترام کرتے ہیں۔"

"آپ جا سکتے ہیں طاہر داؤد صاحب گلاب جان طاہر صاحب کو عزت و احترام کے ساتھ باہر پہنچا دو۔" گلاب جان نے سلوٹ کر کے طاہر سے باہر چلنے کے لئے کہا تھا...... شہاب طاہر داؤد کے اس بیان پر گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

پروین کا ذہن سلگ رہا تھا...... اس نے اپنے آپ کو حالات کے سپرد کر دیا تھا۔ تقدیر بھی عجیب چیز ہوتی ہے ایسے ایسے جھٹکے دیتی ہے کہ انسان چکرا کر رہ جائے، زندگی ایک کھلی کتاب کی مانند تھی، بس زمانے کے ہاتھوں شکار ہوتی رہی تھی اپنے طور پر اس نے اپنی تمام زندگی میں کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ وقت نے جن راستوں پر لا ڈالا انہی پر چلتی رہی اور اب ایک نیا دوراہا سامنے آ گیا تھا۔ مقبول جمال نے جس دل سوزی سے اپنی کہانی سنائی تھی اس نے پروین کے ذہن کو پھر سے ڈانواں ڈول کر دیا تھا۔ خود بھی پڑھی لکھی تھی، احمق نہیں تھی، یہ جانتی تھی کہ اس کی زندگی اب اس قدر غیر مستحکم نہیں ہے، فرم کے معاملات چل رہے تھے اس کے مشیر قانونی نے اسے تمام حساب کتاب پیش کئے تھے اور پروین نے بہر حال ان پر نگاہ رکھی تھی اور خاصے بہتر انداز میں اپنے پورے اسٹاف کو کنٹرول کیا تھا۔ وہ صرف ایک سیدھی عورت نہیں تھی بلکہ زاہد فاروقی کی موت کے بعد اس نے اپنے مستقبل پر بھی غور کیا تھا لیکن مقبول جمال کبھی اس طرح اس کے ذہن میں نہیں آیا تھا اور اب جب مقبول جمال نے

داستان غم سنا کر گیا تھا تو وہ اس مشکل کا شکار ہو گئی تھی کہ اب کیا کرے...... مردوں کے بارے میں گہرا نظریہ نہیں رکھتی تھی اور نہ ہی اسے کوئی تجربہ تھا، لیکن زندگی خاصی طویل تھی اور اس زندگی میں تنہائیاں ہی تنہائیاں شاید اس کے لئے عذاب جاں بن جائیں اپنے آپ کو جس طرح ڈھالا تھا اس میں ایک استحکام تو بے شک تھا لیکن اس خوف کا شکار تھی کہ آنے والا کوئی لمحہ اس استحکام کو ختم نہ کر دے اور تنہائیاں اسے کسی ایسے المیے سے دوچار نہ کر دیں جو اس کے لئے باعث مصیبت بن جائے۔ ایک ساتھی ایک ہمراز زندگی کے لئے ضروری ہوتا ہے، کیا یہ شخص جو کچھ کہہ رہا ہے وہ سچ ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو پھر اس نے تو وہ ایثار کیا ہے جو شاید انسانوں کے بس کی بات نہیں ہے...... سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ایثار پر بھروسا کیا جائے یا نہیں، اپنے آپ کو تلخیوں کے ماحول میں ڈھال کر اس نے خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کر لی تھی لیکن اب اچانک ہی یہ احساس ہو رہا تھا کہ زندگی ایک ساتھی کے بغیر نامکمل ہو گی...... کیا کیا جائے اور کیا نہ کیا جائے۔

رات اسی سوچ بچار میں گزر رہی تھی کہ اچانک ٹیلی فون پر ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی فون کر رہا ہو، حالانکہ گھر میں دو لائنیں تھیں لیکن جس کسی نے بھی فون کیا تھا اس لائن پر کیا تھا جس کا کنکشن یہاں پر موجود تھا۔ اسے تعجب ہوا اور اسی تعجب کی وجہ سے اس نے خاموشی سے ریسیور اٹھا لیا اور ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر دوسری طرف ہونے والی گفتگو سننے لگی۔ کوئی کہہ رہا تھا۔

"سر جی حکمت بول رہا ہے۔"

"ارے حکمت خیریت اتنی رات گئے۔"

"صاحب جی رات تو زیادہ نہیں ہوئی ہے۔"

"پھر بھی چلو خیر چھوڑو، خیر بتاؤ کیا بات ہے؟"

"صاحب جی ہم بڑے پریشان ہیں۔"

"کوئی اور بات ہو گئی کیا۔"

"نہیں صاحب، بات تو کوئی نہیں ہوئی ہے لیکن اب ہمارا کام کر دیں تو اچھا ہے۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو حکمت ابھی میں تمہارا کام کیسے کر سکتا ہوں اور مطلب کیا ہے تمہارا اس بات سے؟"

"صاحب جی بچے بہت یاد آ رہے ہیں، دو تین ماہ سے ہم انہیں تنخواہ تو بھیج دیا کرتے ہیں مگر اب یہاں دل نہیں لگ رہا ہمارا۔ ہمارا دل چاہ رہا ہے کہ اپنے گاؤں چلے جائیں اور بچوں کے ساتھ رہیں۔"

"حکمت ابھی جلد بازی نہ کرو، بس یوں سمجھ لو کہ پھل پکنے ہی والے ہیں۔"

"صاحب جی آپ نے ہمیں پچاس ہزار روپے دینے کا وعدہ کیا تھا اور ہم نے سوچا تھا کہ جب آپ یہ رقم ہمیں دے دیں گے تو ہم اپنے گاؤں واپس چلے جائیں گے، ایک ٹریکٹر خریدیں گے اور بچوں کے ساتھ رہ کر کھیتی باڑی کریں گے، صاحب جی اگر کوئی گڑبڑ ہو گئی تو سارا کیا دھرا مٹی میں مل جائے گا۔ یہ رقم آپ کے لئے بہت بڑی نہیں ہے صاحب جی، ہمارے پیسے ہمیں دے دو اور اس کے بعد جو دل چاہے کرتے رہو، ہم تو ہوں گے ہی نہیں۔"

"حکمت دیکھو میں تمہیں ایک بات سمجھاؤں، ہمارے لئے اس وقت تک خطرہ ہے جب تک کے نور محمد کے کیس کا فیصلہ نہ ہو جائے، اسے پھانسی کی سزا نہ دے دی جائے...... دیکھو حالات کسی وقت بھی ایسا رُخ اختیار کر سکتے ہیں کہ ہمیں اور تمہیں مل کر کوئی حکمت عملی کرنی پڑ جائے، سمجھ رہے ہو نا میری بات...... تم ساتھ ہو گے تو ہم کوئی بہتر بات سوچ سکیں گے...... تمہیں پتا ہے اس سلسلے میں تمہارے علاوہ اور کوئی راز دار نہیں ہے۔"

"دیکھیں صاحب جی وہ جو کہتے ہیں نا کہ خون سر پر چڑھ کر بولتا ہے، کبھی کبھی ہمیں لگتا ہے جیسے کوئی ہماری گردن دبا رہا ہو، صاحب جی جب ٹٹول کر دیکھتے ہیں تو بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے پھانسی کا پھندا ہماری گردن میں کس رہا ہو۔"

"ایسا کبھی نہیں ہو گا حکمت، میں جو ہوں۔"

"صاحب جی آپ بے شک ہو، مگر آپ کی مہربانی ہو گی آپ اپنا وعدہ پورا کر دو اور ہمیں ہماری رقم دے کر چھٹی کرو ہماری۔"

"اُفوہ بھئی اس وقت پچاس ہزار کی رقم میرے پاس نہیں ہے۔ تم سمجھتے کیوں نہیں ہو میں نے چڑیا کو دانہ ڈالا ہے...... میری ملاقات ہوئی ہے پروین سے اور میں نے اسے اپنی محبت کا یقین دلایا ہے۔ حکمت کام تو پورا ہو جانے دو، پروین سے میری شادی ہو جائے اس کے بعد ظاہر ہے زاہد فاروقی کی تمام دولت میری ملکیت ہو گی اور پھر تمہیں پچاس ہزار کے بجائے ایک لاکھ بھی دیئے جا سکتے ہیں۔ دیکھو دوست زندگی گزارنے کے لئے اور اچھی زندگی

گزارنے کے لئے صبر کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ہم نے بیج ڈالا ہے، پودا نکل آیا ہے اور اب وہ پودا پھل دینے ہی والا ہے۔"

"صاحب جی ہمیں ڈر لگتا ہے آپ نے ہم سے ہمارے مالک کا خون کرایا ہے اور ہم ہر وقت یہ سوچتے رہتے ہیں کہ گناہ تو کر لیا ہے ہم نے، پتا نہیں اس گناہ کا پھل کھانے کا موقع ہمیں ملے گا یا نہیں۔"

"بے وقوف آدمی ٹیلی فون پر ایسی باتیں کی جاتی ہیں، خود بھی مرو گے اور مجھے بھی مرواؤ گے، کہاں سے فون کر رہے ہو؟"

"نہیں صاحب جی فون پر کوئی خطرہ نہیں ہے، سب سو چکے ہیں۔ وہ میڈیکل سٹور تو بند ہو چکا تھا...... ہمارا دل نہیں مان رہا تھا، دیکھو صاحب جی تمہیں اللہ کا واسطہ ہمارا کام کر دو۔"

"تم گدھے ہو ایسے میں یہ سب کچھ نہیں کر سکتا...... تم ایسی باتیں کر رہے ہو جس سے ہم دونوں پر مصیبت آ جائے گی۔"

"صاحب جی ہم تو ایک طرح سے بے گناہ ہی ہیں، ہم نے جو کچھ کیا ہے آپ کے کہنے پر کیا ہے۔"

"بکواس کئے جا رہے ہو اچھا سنو، ایک ڈیڑھ ہفتہ انتظار کر لو، میں تمہاری رقم تمہیں دے دوں گا تم دفع ہو جانا...... میں نے ایسا بے صبرا آدمی کبھی نہیں دیکھا، تھوڑے دن انتظار کر لیتے تو اصل رقم کے علاوہ انعام بھی مل جاتا۔"

"صاحب! آپ ہمیں پچاس ہزار روپے دے دو بس ہم اپنے گاؤں چلے جائیں گے اور ہمیں کچھ نہیں چاہئے۔"

"اچھا اچھا انتظام تو کرنا ہی ہو گا نا مجھے۔"

"صاحب جلدی سے کر لو، ہم آپ کے ہاتھ جوڑتے ہیں۔"

"اچھا بس اب فون بند کر دو، اگر کسی نے تمہاری آواز سن لی تو مصیبت بن جائے گی۔"

"جی صاحب جی ہم آپ کو پھر فون کریں گے۔"

"فون مت کرنا میں تم سے خود بات کروں گا، اس سلسلے میں۔ ہو جائے گا تمہارا کام، زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"بہت بہت مہربانی صاحب جی۔" حکمت نے فون بند کر دیا لیکن پروین کا پورا بدن پسینے

میں ڈوب گیا تھا۔ وہ تھر تھر کانپ رہی تھی...... ایک انوکھا انکشاف ہوا تھا۔ بھلا مقبول جمال کی آواز وہ ٹیلی فون پر کیسے نہ پہچانتی، حکمت کی آواز بھی پہچان لی تھی اور جو کہانی ان دونوں کے درمیان ہو رہی تھی اس کا ایک ایک لفظ بھی اس کی سمجھ میں آ رہا تھا، اس کا پورا وجود جہنم کی آگ میں سلگنے لگا تھا اور پہلی بار اس کے دل میں اس نوجوان لڑکے کے لئے ہمدردی اور شرمندگی کے آثار پیدا ہوئے تھے جو ان کا عذاب بھگت رہا تھا...... آہ...... نور محمد بے گناہ ہے اور اسے زبردستی کی سزا مل رہی ہے۔ قاتل حکمت ہے اور اس قتل کا محرک مقبول جمال، یہ تو بڑی خوفناک بات ہے، تو یہ تھا مقبول جمال کا پورا کھیل۔ آہ اس نے جو کچھ کیا جان بوجھ کر کیا۔ ناقابل اعتبار ہستی ہے مرد کی، یہ کبھی کسی کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتا۔ بدبخت، بدطینت، بدفطرت، مقبول جمال تو نے جو کچھ کیا ہے وہ انتہائی کریہہ حرکت ہے، آہ...... میں تجھے کیسے معاف کر دوں، وہ معصوم نوجوان جسے اگر خوب صورت لباس پہنا دیا جاتا تو کسی اچھے گھرانے کا فرد معلوم ہوتا، موت کی سزا کا انتظار کر رہا ہے اور یہ سزا اسے ہو جائے گی، نہیں ایسا نہیں ہونا چاہئے، ایسا بالکل نہیں ہونا چاہئے۔

پروین تجھلتی رہی، پھر آہستہ آہستہ اس نے اپنے ذہن کو پرسکون کرنے کی کوشش کی، اب اس پر ایک ذمہ داری عائد ہوئی تھی، ایک فرض بن گیا تھا اس کا۔ بے گناہ کو موت سے بچانا اس کا کام تھا جس کی ایف آئی آر اس نے درج کرائی تھی، وہ نہیں جانتی تھی کہ ایک کوئی بات ہے بلکہ اسے نفرت ہوئی تھی، نور محمد سے جو کچھ بھی تھا لیکن بہرحال زاہد فاروقی اس کا شوہر تھا اور اس شخص نے اس کے شوہر کو قتل کر دیا تھا۔ آہ یہ سازش مقبول جمال نے کی ہے وہ اس کے شوہر کا قاتل۔ مقبول جمال میں کوئی جاہل عورت نہیں ہوں، میں سمجھتی ہوں کہ یہ تو قدرت کی جانب سے میری رہنمائی ہے کہ تیری حقیقت وقت سے پہلے میرے سامنے آ گئی۔ تو نے جان بوجھ کر پہلے زاہد فاروقی سے میری شادی کرائی اور پھر اسے قتل کرا دیا۔ اس خیال کے تحت کہ بعد میں تو میری زندگی کا مالک بن جائے گا اور زاہد فاروقی کی دولت تیرے قبضے میں ہوگی۔ اس کے بعد تجھ جیسا بدطینت آدمی مجھے بھی قتل کر سکتا ہے۔ یہ تیرے لئے کون سا مشکل کام ہوتا، لیکن اب...... اب ایسا ہو نہیں سکتا۔ میری جو رہنمائی ہوئی ہے میں اس سے فائدہ اٹھاؤں گی لیکن پوری ذمہ داری کے ساتھ ان ثبوتوں کے ساتھ جو تیرے لئے پھانسی کا پھندا بن سکیں۔ بہرحال پروین کے ذہن میں یہ آگ بھڑک رہی۔

پھر اس نے کئی گلاس پانی پیا، اعصاب پرسکون ہوئے تو اس کے بعد اس نے سوچنا شروع کیا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ یہ دونوں بھی اسے یاد آئے جن میں سے ایک کا نام شہاب اور دوسری کا بینا تھا۔ ان دونوں کی تلاش کس طرح کی جائے بہت دیر تک وہ منصوبہ بندی کرتی رہی تھی۔ پھر اس نے سکون کی ایک گہری سانس لی، اپنے طور پر اسے وہ گر استعمال کرنا ہوں گے جو اسے موت کے پھندے میں پھنسا دیں۔ بہت ذہانت، بہت عقل مندی سے کام کرنا ہوگا۔ باقی جہاں تک رہا مستقبل کا سوال تو اب مستقبل کے لئے بہت سوچ کر فیصلے کرنا ہوں گے، بہت دیر تک وہ انہی سوچوں میں گرفتار رہی اور اس کے بعد پرسکون ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔

اختر عادل اور سبحان طاہر نے اخبار کو اس سج دھج کے ساتھ نکالا تھا کہ شہاب بھی حیران رہ گیا تھا۔ یہ لوگ باصلاحیت تھے اور بڑی خوبیوں کے مالک۔ اخبار کی ترتیب وغیرہ دیکھ کر شہاب بہت خوش ہوا تھا اور پھر اس دن اختر عادل صبح ہی صبح اس کے پاس پہنچ گیا۔ شہاب نے مسکراتے ہوئے اس کا خیر مقدم کیا تھا۔

"سر اصولی طور پر مجھے پہلا اخبار لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہئے تھا لیکن یہ کچھ روایتی بات ہو جاتی، میں نے سوچا کہ آپ کو اپنے اس درخت کے بارے میں دوسروں کی زبانی خبریں پہنچیں تو زیادہ مناسب ہوگا، میں سمجھتا ہوں اس سے آپ کی خوشی دوچند ہو جاتی۔"

"ٹھیک اور میں نے اخبار دیکھنے کے بعد تمہیں مبارکباد اسی لئے نہیں دی کہ دوسروں کی زبان سے اس اخبار کے لئے مبارکباد سنوں۔" اختر عادل ہنسنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

"شہاب صاحب! آج رات کو غریب خانے پر دوست جمع ہو رہے ہیں۔ اصل میں ہمیں یقین نہیں آ رہا کہ یہ سب کچھ جو ہوا ہے وہ ابوالحسن کے ساتھ نہیں ہوا ہے بلکہ ہمارے ساتھ ہوا ہے اور الف لیلیٰ کا ابوالحسن ہارون رشید کے دور میں نہیں ہے اس لئے آج میں اس بات کا یقین دلانے کے لئے آپ کو رات کے کھانے پر ہمارے ساتھ شریک ہونا پڑے گا۔"

"ضرور بھئی، مجال ہے جو ہم نہ پہنچیں، لیکن آپ کو ایک اور شخصیت کو تکلیف دینا ہوگی۔"

"اگر مس بینا اور عدنان واسطی کی بات ہے تو سبحان طاہر ان کے پاس جاچکے ہیں۔ ہاں اس کے علاوہ اور کوئی بات ہو تو آپ فرمائیے۔"

"نہیں بس یہی کہنا تھا۔"

"تو پھر رات کو آپ کا انتظار کریں گے ہم لوگ۔" شہاب نے وعدہ کر لیا تھا۔

بہر حال دوستوں کی یہ محفل شہاب کے لئے بڑی دلکشی کا باعث تھی، رات کو جب وہ وہاں پہنچا تو تمام افراد نے اس کا استقبال کیا، وہ اس کے لئے پھولوں کے ہار لئے کھڑے ہوئے تھے۔

"نہیں جناب بات اگر صرف ایک شخصیت کی ہوتی تو میں یہ ہار ضرور پہن لیتا اس میں تو یوں سمجھئے بہت سے لوگ ہار پہنانے کے قابل ہیں اس لئے میں اپنی یہ پذیرائی قبول نہیں کر سکوں گا اور پھر میں نے تو آپ لوگوں کے ساتھ اپنی دانست میں اچھا سلوک کیا ہے اور آپ مجھے "ہار" سے دوچار کرنا چاہتے ہیں۔"

شہاب کی بات سے سب ہی محظوظ ہوئے تھے، پھر اختر عادل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہر چیز کا ایک فاؤنڈر ہوتا ہے آپ نے اس اخبار کی بنیاد رکھی ہے۔"

"یہ بھی غلط...... اخبار کی بنیاد تو رکھی جاچکی تھی آپ یہ کہہ سکتے ہیں اختر عادل صاحب کہ بس وہ مالی بحران کا شکار تھا۔ کیا مہمانوں میں کسی اور کو بھی آنا ہے۔" شہاب نے عدنان واسطی صاحب سے ہاتھ ملا کر مسکراتی نگاہوں سے بینا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر آپ کی مراد سیٹھ جبار سے ہے تو وہ ہماری اس محفل کے اہل نہیں تھے۔ فنانسر صرف فنانسر ہوتا ہے یہاں جو ایک گروپ ہے وہ الگ نوعیت کا حامل ہے اور اب ہم اپنے طور پر سپاس گزاری کرنا چاہتے ہیں۔ سبحان کا خیال تھا شہاب صاحب کہ فرقانی صاحب کو بھی مدعو کیا جائے لیکن میں نے مناسب نہیں سمجھا۔"

"ہاں...... بہر حال وہ دوسرے اخبار سے تعلق رکھتے ہیں اور میرے خیال میں یہ بہتر ہی کیا آپ نے، لیکن یہ آپ سپاس گزاری کی کیا بات کر رہے ہیں؟"

"ہم سپاس نامے کے ساتھ اخبار کی کاپیاں آپ کو پیش کرنا چاہتے ہیں۔"

"اس کے لئے میں آپ سے عرض کروں کہ پہلے دن کا اخبار اور آج تک کے اخبار میں نے اپنی تنخواہ کی کمائی سے خریدے ہیں۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ یہ محکمہ پولیس کی طرف

سے خرید آگیا ہوگا۔ یہ اخبار خرید کر میں نے ریکارڈ کے طور پر فائل کیا ہے۔"

"آپ ہر معاملے میں تیز رفتاری سے نکل جاتے ہیں شہاب صاحب۔" سبحان طاہر نے کہا۔

"ہاں میں تیز رفتار ہوں مسٹر سبحان طاہر! اور اس لئے سب سے پہلے سپاس نامہ میں آپ کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

"واہ...... چلئے چھٹی ہوئی۔" سبحان طاہر نے کہا۔ سائرہ اور بچے بھی موجود تھے...... بینا، سائرہ سے بہت زیادہ گھل مل گئی تھی۔ شہاب نے کہا۔

"خواتین و حضرات! کھانے کے وقت سے پہلے اس کام کا آغاز ہو جانا چاہئے تاکہ کھانے کے بعد کی خوش گپیاں مختلف نوعیت کی حامل ہوں، جہاں تک سپاس نامے کا تعلق ہے تو ابتدا میں سبحان طاہر سے کروں گا۔ ایک بے باک اور نوجوان صحافی جس نے شعبہ صحافت کی آبرو قائم رکھنے کے لئے اپنی زندگی پر دُکھ جھیلا اور وہ روایت تازہ کی جو میرے باپ کے نام سے بھی موسوم ہے، آپ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں ثاقب حسین کا بیٹا ہوں اور ثاقب حسین بھی ان بے باک اور سچے صحافیوں میں سے تھے جنہوں نے اپنی انا کی خاطر جان لٹا دی اور جھوٹ سے کبھی سمجھوتا نہیں کیا، اس لحاظ سے آپ لوگ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ میرا روحانی رابطہ اس شعبے سے ہے اور ایک اخبار کو پھلتا پھولتا دیکھ کر مجھ سے زیادہ خوشی شاید کسی اور کو نہ ہو۔ سبحان طاہر صاحب کی دلیری نے ایک بار پھر ماضی میرے ذہن میں تازہ کر دیا اور ان کے لئے میں نے جو کچھ کیا وہ یوں سمجھ لیجئے کہ اصولی طور پر اپنے باپ کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے کیا اور مجھے خوشی ہے کہ سبحان طاہر اس معیار پر پورے اترے، اس کے بعد میں اختر عادل صاحب کو اپنے خلوص بھرے جذبات پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے مشکل ترین حالات میں کسی کی بے جا مدد قبول کرنے کے بجائے صحافت کی سچائی کو زندہ رکھا اور آخر کار ایک وقت ایسا آگیا جب انہیں اس کا پھل ملا اور اب وہ ایک مقتدر صحافی ہیں۔ اس کے بعد کوئی اور شخصیت اس قابل نہیں ہے جسے سپاس نامہ پیش کیا جائے جہاں تک سیٹھ جبار کی مالی اعانت کا تعلق ہے تو سیٹھ جبار جیسے لوگوں کو ہم دوستوں میں شمار نہیں کرتے۔ وہ تو حالات کی مجبوری کا شکار ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ یہ مجبوری ان پر تمام عمر مسلط رہے۔ باقی جہاں تک اخبار کی پالیسی کا تعلق ہے تو اس کے سرکردگان ہی اس کی پالیسی مقرر کریں گے،

ہاں ذاتی طور پر میں اخبار سے کچھ ایسے فائدے ضرور حاصل کرتا رہوں گا بشرطیکہ ان دوستوں کو گوارا ہو، جس سے میرے ذاتی کام میں مجھے مدد حاصل ہو سکے، میں سمجھتا ہوں میرے یہ الفاظ یہیں تو میرا ساتھ دیتے ہیں اور اس کے بعد رنگ بدل جاتا ہے۔"

شہاب بیٹھ گیا تو اختر عادل نے اٹھ کر کہا۔ "صاحبو! ہمارا تعلق صرف ایک پولیس آفیسر سے نہیں ہے بلکہ ثاقب حسین کے بیٹے شہاب ثاقب سے ہے، چنانچہ اس نام کے بعد یہ گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ ہم مزید کچھ کہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ شہاب صاحب نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جبار سیٹھ کو ہمارے لئے مدد پر آمادہ کیا اور اس اخبار کو پاؤں پہ کئے۔ ہم ان کے شکر گزار ہیں۔"

"اور اب اس کے بعد میں ضرور کہنا چاہوں گا کہ یہ گروپ ایک الگ حیثیت کا حامل ہے، ابھی ہم صرف یہ سمجھتے ہیں کہ شہاب صاحب نے ایک اخبار کو نئی زندگی عطا کی ہے اور ان کے یہ افکار بھی سامنے آئے ہیں کہ سچائی لکھتے ہوئے اخبار ہمیشہ ان لوگوں کی مدد کرے جو مشکلات کا شکار ہوتے ہیں۔ ہم شہاب صاحب سے وعدہ کرتے ہیں کہ یہ اخبار ان کے لئے ہے اور اس یقین کے ساتھ یہ وعدہ کیا جا رہا ہے کہ شہاب صاحب سچ کو زندہ رکھیں گے، میں خاص طور سے شہاب صاحب کے طریقہ کار اور ان کے ساتھ مس بینا اور عدنان واسطی صاحب کا تعاون ذہن میں رکھتا ہوں اور یہ پیش کش کرتا ہوں کہ اس وقت جو افراد اور جنہیں معتبر سمجھا جاتا ہے یہاں جمع ہوئے ہیں وہ اپنے آپ کو ایک گروپ کی شکل میں سمجھیں اور ہم سب ایک دوسرے کے تعاون کے لئے کمربستہ ہیں۔ عدنان واسطی صاحب ایک ایسے وکیل ہیں جنہوں نے ہمیشہ سچ کا ساتھ دیا اور کوئی ایسا کیس قبول نہیں کیا جو سچ پر مبنی نہ ہو اور اس کی وجہ سے انہوں نے نہایت پسماندہ زندگی گزاری...... یہ بات میں ان کے انٹرویو لے کر نہیں کہہ رہا بلکہ یہ میری اپنی تحقیق ہے۔ مس بینا ایک ہونہار وکیل ہیں اور ساتھ ہی شہاب صاحب کی دست راست بھی۔ اس کی اطلاع مجھے سبحان طاہر سے ملی ہے۔ تمام باتیں مدنگاہ رکھتے ہوئے میں درخواست کرتا ہوں کہ یہ گروپ اپنے آپ کو مستحکم ثابت کر دے۔"

"میں اس بات سے اتفاق کرتا ہوں۔" شہاب نے سب سے پہلے کہا۔

"میں بھی۔" عدنان واسطی صاحب بولے۔

"اور میں بھی۔" بینا نے کہا۔

"اب...... میرا خیال ہے ڈائننگ ٹیبل پر حملہ کیا جائے، مس بینا اور سائرہ نے مل کر باورچی خانے میں جو کارنامے سرانجام دیئے ہیں ذرا ان کا جائزہ لے لیا جائے۔" اور قہقہوں اور مسرت آمیز گفتگو کے درمیان یہ پورا گروہ ڈائننگ ٹیبل کی جانب چل پڑا۔ شہاب کو یہ سن کر حیرت ہوئی تھی کہ بینا نے کھانا پکانے میں سائرہ کا ساتھ دیا ہے، بعد میں جب تنہائی میں چند لمحات کے لئے بینا اسے ملی تو شہاب نے کہا۔

"یعنی ہمیں بتائیے بغیر؟"

"جناب عالی قاضی صاحب نے ابھی ہمارا فارم تیار نہیں کیا ہے اس کے بعد ہر بات آپ کو بتائی جائے گی۔ اصل میں یہ آپ کے لئے سرزنش بھی ہے۔"

"سرزنش۔"

"جی ہاں۔"

"بھلا وہ کیا؟"

"اب دیکھئے ان لوگوں کے درمیان کتنی مفاہمت ہے میں سبحان طاہر اور سائرہ کی بات کر رہی ہوں، مجھے تو وہ مقام ابھی حاصل نہیں ہو سکا ہے۔" شہاب بینا کی زبان سے یہ بات سن کر بھونچکارہ گیا تھا پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بینا بہت عجیب بات کہہ دی ہے آپ نے، ایک بات عرض کروں آپ سے۔ ایک لمحہ صرف ایک لمحہ نہیں لگے گا اور آپ کے ہاتھوں میں زنجیریں ڈال دی جائیں گی، میں تو بس کچھ عرصے کے لئے آپ کی آزادی چاہتا ہوں۔"

بینا قہقہہ مار کر ہنس پڑی اور بولی۔ "آپ نے عورت کی قوت کو دیکھا شہاب صاحب، بس دو جملوں نے آپ کو چت کر دیا۔"

"نہیں بینا زندگی میں یہ مسرتیں کون نہیں چاہتا لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان کی راہ میں کوئی بڑی رکاوٹ بھی نہیں ہے۔"

"آپ تو واقعی سنجیدہ ہو گئے۔ بھئی مذاق کیا ہے میں نے۔"

"اچھا ان لوگوں کا حال بتائیے۔"

"کون؟"

"علی محمد اور زہرہ"۔

"شہاب بڑی محبت ہو گئی ہے مجھے ان سے، بہت ہی اچھے لوگ ہیں اتنے سادہ اور معصوم لوگ اب بھی اس دنیا میں موجود ہیں، حیرت ہوتی ہے۔"

"کیا کرتے رہتے ہیں؟"

"بس کوشش کرتے ہیں کہ گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹائیں، مگر ہم انہیں ایسا نہیں کرنے دیتے۔ نمازیں پڑھتے رہتے ہیں، میں نے بڑی دعائیں مانگتے دیکھا ہے انہیں۔"

"ان کی دعائیں پوری ہونے کا وقت قریب ہے بیٹا۔"

شہاب نے متاثر کن لہجے میں کہا۔

پروین اپنے آپ کو اپنے ارادوں میں بہت مستحکم پا رہی تھی بلکہ اس انکشاف نے اب اس کے دل میں زندگی کی ایک نئی امنگ جگا دی تھی۔ زندہ رہنے کے لئے صرف اپنی ہی خوشیاں تو کافی نہیں ہیں کبھی کبھی دوسروں کو بھی اپنی زندگی کی خوشیوں میں شریک کر لینا چاہئے۔ وہ بے چارہ سیدھا سادا انسان موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا ہے اور خدا کا احسان ہے کہ اسے ابھی تک سزائے موت نہیں ہوئی۔ اللہ کو اس کی زندگی بچانی مقصود تھی جو ان حقیقتوں کا ادراک ہو گیا ورنہ وہ بے موت مارا گیا تھا۔ پروین کے وجود میں ایک ہیجان برپا ہو چکا تھا۔ حقیقت کو منظر عام پر لانا، زاہد فاروقی کے قاتل کو پھانسی کے پھندے تک پہنچانا دودھ کا دودھ پانی کا پانی کرنا اب اس کی ذمہ داری تھی۔ خدا کو بھی یاد کرنا ضروری ہے۔ اپنی ہی ذات کے لئے زندہ رہنا تو بے حسی ہے، اس کے اندر ایک نئی ترنگ پیدا ہو گئی تھی، چنانچہ اس نے تمام تیاریاں مکمل کر لیں۔

حکمت کو اس نے خونی نگاہوں سے دیکھا تھا۔ یہ شخص اس کے سہاگ کا قاتل ہے، زاہد فاروقی اس کے لئے قطعاً قابل اعتنا نہیں تھا لیکن بہر حال اس کا سائبان تھا وہ اس کے نام سے منسوب ہو گئی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسے کبھی زاہد فاروقی سے ذہنی لگاؤ نہیں محسوس ہوا تھا لیکن زندگی کے کچھ سال متبرک آیتوں کے سائے میں جو نکاح کے وقت ادا کی جاتی ہیں اپنا ایک الگ مقام رکھتے تھے اور اس مقام سے روگردانی کسی طور ممکن نہیں تھی۔ ظالم کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے بڑی ذہانت سے کام کرنا تھا اور ذہانت کی اس سے بڑی

ہی نہیں تھی۔

چنانچہ چاروں طرف سے اطمینان کرنے کے بعد اس نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھایا۔ جانتی تھی کہ مقبول جمال اس وقت اپنے دفتر ہی میں موجود ہوگا۔

نمبر ڈائل کرنے کے بعد اس نے ریسیور کان سے لگا لیا۔ دوسری جانب سے مقبول جمال کی آواز ابھری تھی۔

"ہیلو۔"

"ہیلو مقبول جمال صاحب سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"پروین......!" مقبول جمال نے اس کی آواز پہچان لی تھی۔

"ہاں میں ہی بول رہی ہوں۔" پروین نے بوجھل لہجے میں کہا۔

"خیریت پروین؟"

"مصروف ہو؟"

"بالکل نہیں، دنیا کی ہر مصروفیات تم پر تمہاری آواز پر قربان کی جا سکتی ہیں۔"

"نہیں پلیز مجھے بتاؤ، میں تمہارے کام میں رخنہ اندازی نہیں کرنا چاہتی۔"

"پروین کیا بات ہے؟"

"آ سکتے ہو؟"

"کمال ہے یہ سوال کر رہی ہو تم مجھ سے، مجھے ایک آواز دو، جہاں کہیں بھی ہوں گا دوڑا چلا آؤں گا۔"

"مقبول میں سخت ذہنی اُلجھن کا شکار ہوں، مدد چاہتی ہوں تمہاری۔"

"مجھے بتاؤ پروین کیا بات ہے؟"

"آ سکتے ہو تو آ جاؤ۔"

"او کے میں آ رہا ہوں۔" مقبول جمال نے کہا پھر بولا۔

"ویسے تم خیریت سے تو ہو نا پروین؟"

"ہاں ذہنی اُلجھن کے علاوہ اور کوئی اُلجھن نہیں ہے۔"

"او کے، او کے، میں تمہاری تمام ذہنی اُلجھنوں کا علاج کروں گا پروین، میں آ رہا ہوں۔"

"میں انتظار کر رہی ہوں۔" پروین نے کہا اور فون بند کر دیا۔ اس کے چہرے پر ایک

سنگین سی کیفیت طاری تھی۔ فون بند کرنے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور ایک صوفے پر جا بیٹھی۔ اس نے ذہنی طور پر اپنے آپ کو تیار کر لیا تھا۔ پانی کا جگ اور گلاس سامنے رکھا ہوا تھا۔ مقبول جمال کے آنے سے پہلے اس نے کئی گلاس پانی پیا اور جب مقبول جمال کمرے میں داخل ہوا تو وہ افسردہ سی بیٹھی ہوئی تھی۔ مقبول جمال ایک خوب صورت سوٹ میں ملبوس تھا۔ پروین نے اس کا سراپا دیکھا اور اس کے دل میں نفرت کی پرچھائیاں گہری ہو گئیں، لیکن اس وقت وہ اپنی زندگی کی بہترین اداکاری کر رہی تھی۔ اس نے ہاتھ ٹکا کر اٹھنا چاہا، لیکن مقبول تیزی سے آگے پہنچ گیا، اس نے کہا۔

"نہیں پروین بیٹھو، تم تو خاصی نڈھال ہو رہی ہو اس وقت۔"

پروین نے کوئی جواب نہیں دیا...... سامنے رکھے ہوئے گلاس کا آدھا بچا ہوا پانی اٹھایا اور اپنے حلق میں انڈیل لیا...... مقبول اس کے برابر آکر صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ یہ صوفہ اس سنگل صوفے کے برابر پڑا ہوا تھا جس پر پروین بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے خاص طور سے خیال رکھا تھا کہ بڑے صوفے پر بیٹھنے سے گریز کرے تاکہ مقبول صاحب کہیں اس کے قریب ہی آکر براجمان نہ ہو جائیں۔

مقبول نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"پروین کیا بات ہے؟"

پروین اوپری سانسیں لیتی رہی۔ پھر اس نے گہری سانس لے کر خود کو پرسکون کرتے ہوئے کہا۔

"مقبول تمہارے انکشاف نے میرے ذہن میں آگ لگا دی ہے میں بہت پریشان ہوں مقبول۔"

"میرے انکشاف نے۔" مقبول کسی قدر گھبرا سا گیا۔

"ہاں مقبول تم عجیب انسان نہیں ہو۔" مقبول کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے آہستہ سے کہا۔

"اگر تم مجھے عجیب سمجھتی ہو تو ممکن ہے عجیب ہی ہوں، میں نے آج تک کبھی اپنے آپ پر غور نہیں کیا۔"

"مقبول جو باتیں میں کر رہی ہوں، نہ تو کسی ایسے ذہنی جذبے سے متاثر ہو کر کر رہی

ہوں جس کی میں وضاحت نہیں کر سکتی اور نہ ہی میرے اندر کوئی اور احساس ہے، حیران ہوں میں شدید حیران ہوں اور شاید اس وقت تک پرسکون نہ ہو پاؤں جب تک، جب تک۔"

"ہاں ہاں آگے کہو۔"

"نہیں مقبول مجھے صرف چند سوالات کے جواب دو۔"

"ہاں پوچھو۔"

"جب تم اپنے دل میں میرے لئے کوئی جگہ رکھتے تھے تو تم نے مجھے اپنی زندگی سے دور کیوں کر دیا۔"

مقبول چند لمحات خاموش رہا، پھر اپنی جگہ سے اٹھا، آگے بڑھ کر دروازہ بند کیا اور دوبارہ صوفے پر آکر بیٹھ گیا، پھر اس نے کہا۔

"میں تمہیں وجہ بتا چکا ہوں پروین۔"

"کیا وجہ بتا چکے ہو؟"

"میں تمہیں چاہتا تھا اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا تھا، لیکن میرے دل میں ایک چور تھا۔"

"کیسا چور؟"

"پروین میرے حالات ایسے نہیں تھے کہ میں تمہیں وہ مقام دے سکوں جو میں تمہیں دینا چاہتا تھا۔"

"حالانکہ اتنی اہمیت تو نہیں رکھتے ہم، صرف تقدیر کے غلام ہوتے ہیں، تقدیر ہمیں کچھ دینا چاہتی ہے تو دے دیتی ہے اور نہیں دینا چاہتی تو جو ہوتا ہے وہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔"

"ٹھیک کہتی ہو پروین بالکل ٹھیک کہتی ہو، لیکن پروین تقدیر کے ساتھ تدبیر کا بھی تو ایک شعبہ ہے۔"

"تدبیر؟"

"ہاں تدبیر۔"

"بھلا کیا تدبیر کی تم نے۔"

"یہ کہ تمہاری شادی ایک ایسے دولت مند شخص سے کرا دی جو تمہیں زندگی کی ہر خوشی دے سکے۔"

"ہونہہ ہر خوشی۔ دولت ہر خوشی نہیں دے سکتی۔"

"لیکن ایک بات یاد رکھو پروین، دولت کے بغیر ہر خوشی ختم ہو جاتی ہے۔"

"یہ تمہارا نظریہ ہے۔"

"نہیں نظریہ نہیں بلکہ تجربہ ہے۔"

"تو پھر بتاؤ، مجھے کیا خوشی ملی۔ کیا ملا مجھے، محبت، قربت، زاہد فاروقی ایک عمر رسیدہ انسان تھا۔ تم کیا سمجھتے ہو کیا میں اس کے ساتھ کبھی خوش رہی۔

"میں جانتا تھا کہ ایسا نہیں ہوگا۔"

"تو پھر؟"

"بس تدبیر اور اس تدبیر کے لئے میں نے برسوں انتظار کیا ہے پروین۔"

"مطلب؟"

"مطلب ابھی نہیں بتاؤں گا، پہلے تم مجھے یہ بتاؤ اور آج بالکل صاف اور کھلے لہجے میں بتاؤ۔"

"کیا؟"

"کیا تم مجھے قبول کر سکتی ہو پروین؟"

اس بار پروین نے چند لمحات خاموشی اختیار کی اور اس کے بعد اداس لہجے میں بولی۔

"میں نے تو تمہیں اس وقت قبول کر لیا تھا مقبول جب میں تمہارے سامنے پہنچی تھی، میرے دل میں یہ آرزو ابھری تھی کہ کاش مجھے زندگی بھر کے لئے تمہارا سہارا مل جائے۔"

"کیا واقعی؟"

"یہ سوال مجھ سے دوبارہ مت کرنا۔"

"سوری پروین سوری، تو تم کیا سمجھتی ہو، میں احمق انسان ہوں۔"

"میں نہیں جانتی، لیکن تم نے...... تم نے اگر مجھ سے محبت کی تھی تو تم نے اپنی محبت کسی اور کے ہاتھوں کیوں سونپ دی۔"

"اس لئے کہ میں ایک فراخ ذہن انسان ہوں۔"

"فراخ ذہن۔"

"ہاں۔"

"اس میں فراخ ذہنی کا کیا تعلق ہے، یہ تو بے حسی ہے۔"

"نہیں پروین! یہ ایک منصوبہ تھا، مکمل منصوبہ۔"

"کیسا منصوبہ؟"

"یہ کہ تمہیں ایک دولت مند شخص کے حوالے کر دوں، میں جانتا تھا کہ زاہد [illegible] کے قرب وجوار میں کچھ نہیں [illegible] انسان ہے اور بے پناہ دولت کا مالک ہے اس نے تمہاری جانب التفات کی نگاہ سے دیکھا تو میرے ذہن میں اسی وقت ایک منصوبہ آ گیا۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" پروین حیرت سے بولی اور مقبول جمال کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"پروین، میں یہ چاہتا تھا کہ زندگی میں خوشیوں کے ساتھ دولت بھی آئے اور تم یقین کرو، میں نے اتنا طویل انتظار کیا ہے کہ شاید ہی کوئی شخص اتنا انتظار کر سکے جانتی ہو کیوں؟"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ میں تمہیں مستحکم بنیاد پر حاصل کرنا چاہتا تھا۔ میں نے زاہد فاروقی سے تمہاری شادی صرف اس لئے کرائی تھی پروین کہ اس کے بعد تم اس کی دولت کی مالک بن جاؤ اور پھر میں، تمہیں اپنی زندگی میں قربت دوں، اگر تم قبول کر لو تو اور اگر نہ قبول کرو تب بھی مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ کم از کم تم تو مطمئن اور مسرور زندگی گزار سکتی تھیں۔"

"مم...... مگر...... مگر؟"

"پروین اب آج جب تم نے میرا دل کھولنا چاہا ہے تو میں تم سے کوئی پردہ نہیں رکھنا چاہتا۔"

"پہیلیاں نہ بھجواؤ، بتاؤ کیا کہہ رہے ہو"

"تم کیا سمجھتی ہو زاہد فاروقی اپنی موت مرا ہے۔"

"ہر گز نہیں اسے، اسے قتل کیا گیا ہے۔"

"کس نے قتل کیا؟"

"اس بدبخت اور آوارہ چھوکرے نے جس کا نام نور محمد ہے۔"

"ہر گز نہیں پروین ہر گز نہیں...... وہ بے قصور ہے اس نے کچھ نہیں کیا...... یہ سب، سوری پروین آج میں اپنی زندگی کا سب سے اہم راز تمہیں دے رہا ہوں، یہ سب میں

نے کیا ہے۔"

"تم نے!!" پروین دہشت بھری آواز میں بولی۔

"ہاں...... میں نے۔"

"کک...... کیا کہہ رہے ہو۔"

"ہاں، میں تمہیں اپنے منصوبے کے بارے میں بتا رہا ہوں اور یہ سب کچھ میں نے تمہارے لئے کیا ہے پروین صرف تمہارے لئے۔"

"مم...... مگر کیسے؟"

"حکمت میرا آلہ کار ہے، زاہد فاروقی کو منصوبے کے مطابق حکمت نے قتل کیا، جو زیورات اڑائے اور انہیں منصوبے کے مطابق نور محمد کے کمرے میں اس کے بستر میں چھپا دیا...... نور محمد تو بالکل بے ضرر انسان تھا۔ خون آلود چھیرا اور زیورات حکمت نے اس کے بستر میں رکھے تھے اور اس کے بعد ہم نے نور محمد کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ شک کا کوئی تصور ہی نہیں رہ گیا اور زاہد فاروقی سے بھی چھٹکارا مل گیا اور اب تم اس کی تمام دولت کی مالک ہو۔ مجھے اس دولت میں سے ایک پیسہ نہیں چاہئے پروین، میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے اپنے غلاموں کی حیثیت سے اپنے ساتھ رکھو، لیکن زندگی کی وہ تمام خوشیاں تمہیں حاصل رہیں جو میں تمہیں دینا چاہتا تھا۔ پروین اس دنیا میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو اپنی زندگی میں اپنے محبوب کے لئے سب کچھ کرنا چاہتے ہیں لیکن ناکامیاں ان کا ساتھ نہیں چھوڑتیں...... میں طویل عرصے سے جدوجہد کر رہا ہوں، یہ سوچا تھا میں نے کہ میں اپنی کمائی ہوئی دولت سے تمہاری زندگی میں خوشیاں لاسکوں لیکن ممکن نہیں ہو سکا، راستے رکے ہوئے تھے اور کوئی راستہ نہیں تھا میرے پاس، مجبوراً میں نے یہ قدم اٹھایا...... سمجھیں پروین کسی محبت کرنے والے کا اس سے بڑا تحفہ اپنے کسی محبوب کے لئے نہیں ہو سکتا اور تم یہ سمجھتی ہو کہ میں یہ بات نہیں جانتا کہ تم زاہد فاروقی کے ساتھ خوش نہیں ہو گی۔ پروین ایک ایک لمحہ میں نے تم پر غور کیا ہے اور تمام غور و خوض کرنے کے بعد ہی میں نے یہ منصوبہ پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے۔"

"اوہ میرے خدا، میرے تو فرشتے بھی نہیں سوچ سکتے تھے یہ بات۔"

"مجھے صرف ایک بات کا جواب دو پروین۔"

"کیا؟"

"کیا تم نے میری اس محبت کو قبول کیا ہے؟"

"نہ کرتی تو تمہیں یہاں بلاتی کیوں۔"

"اور جو کچھ میں نے کیا ہے کیا تم اس بات کو تسلیم کرتی ہو کہ تمہارے لئے کیا ہے؟"

"لیکن...... لیکن تم تو بہت گہرے انسان ہو، مقبول جمال۔"

"نہیں ڈارلنگ، انسان اپنی محبت میں خود غرض ہو ہی جاتا ہے۔ میں ایک خود غرض انسان ہوں، میں نے تمہیں پانے کے لئے تمہیں خوشیاں دینے کے لئے اپنے آپ کو بہت گہرائیوں میں گرا لیا ہے۔"

"مقبول جمال! اگر کبھی یہ بات منظر عام پر آ گئی تو۔"

"نہیں اس کا کوئی امکان نہیں ہے، میں بے وقوف آدمی نہیں ہوں۔"

"مقبول مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔"

"کیا مطلب؟"

"میں یہاں سے نکلنا چاہتی ہوں۔"

"یہ تو بہت خوب صورت کوٹھی ہے۔"

"مجھے اس کی خوب صورتی سے کوئی غرض نہیں ہے...... تم مجھے اپنے چھوٹے سے اپارٹمنٹ میں لے چلو، میں وہاں زیادہ خوش رہوں گی۔"

"اوہ سویٹ، زندگی کو تم سمجھتی نہیں ہو۔ میں تمہیں سمجھاؤں گا کہ زندگی کیا چیز ہوتی ہے اور ابھی...... ابھی تو یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ زمانے کی نگاہیں بہت گہری ہوتی ہیں حالانکہ سارے مسئلے حل ہو گئے ہیں لیکن پھر بھی ہمیں احتیاط سے کام لینا ہو گا۔ ابھی تو میں بہت عرصے تک تم سے احترام کا رشتہ رکھوں گا اور اس کے بعد آہستہ آہستہ تم میرے ساتھ باہر کی دنیا میں نکلو گی۔ لوگ ہم پر انگشت نمائی کریں گے، کہیں گے کہ دیکھو زاہد فاروقی کی بیوہ ایک شخص سے پینگیں بڑھا رہی ہے، لیکن ہمیں ان تمام باتوں سے کوئی غرض نہیں ہو گی، ہم اپنی منزل کی جانب قدم بڑھاتے رہیں گے اور اس کے بعد ہم ایک ہو جائیں گے، اس دوران اس بدبخت کو بھی پھانسی ہو جائے گی۔ مسئلہ ختم ہو جائے گا۔" پروین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آہ مقبول جمال تم بے حد ذہین ہو۔ میں نہیں سوچ سکتی تھی کہ تم اتنی ذہانت کے مالک ہو گے۔"

"محبت انسان کو نہ جانے کون کون سے راستے دکھا دیتی ہے، مجھے تو خوشی ہے کہ تم نے بہر طور میری قربت کو میری محبت کو میری کاوشوں کو قبول کر لیا۔"

"ہاں شاید، شاید اب میں ذہنی طور پر مطمئن ہو جاؤں گی۔"

"پروین اس سے زیادہ اعتماد کوئی کسی کو دے سکتا ہے جو میں نے تمہیں دیا ہے، میں نے اپنے جرم کا اعتراف کیا ہے تمہارے سامنے۔"

"ہاں میں جانتی ہوں۔"

"بس کچھ وقت خاموشی اختیار کیے رکھو، یہی رویہ اپنائے رکھو دنیا کی نگاہوں سے بچنے کے لئے اور یہ بے حد ضروری ہے۔ وہ کم بخت لوگ دوبارہ نظر نہیں آئے۔"

"کون؟"

"وہی جس کے بارے میں تم نے کہا تھا۔"

"نہیں، پتا نہیں کون لوگ تھے؟"

"تم یقین کرو جب سے تم نے وہ انکشاف کیا ہے میں ذہنی طور پر پریشان ہوں۔"

"کیوں؟"

"بھئی اُلجھن صرف یہ ہے کہ جب سارے معاملات منظر عام پر آ چکے ہیں تو پھر یہ از سر نو تفتیش کیسی کی جا رہی ہے۔"

"کیا تم خوفزدہ ہو؟"

"نہیں خیر مجھ تک تو ان کی رسائی ناممکن ہی ہو گی، لیکن بہر حال دیکھیں گے ان حالات کو بھی دیکھیں گے، اچھا اب یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے کیوں بلایا تھا؟"

"اب بھی یہ سوال کرو گے؟"

"ہاں کرنا تو ہے۔"

"بس جو انکشاف تم مجھ پر کر کے گئے تھے اس نے مجھے ذہنی بحران میں مبتلا کر دیا تھا میں وضاحت چاہتی تھی تم سے اس کی۔"

"اس سے زیادہ وضاحت اور کیا کی جا سکتی ہے؟"

"ہاں، اب میں مطمئن ہوں۔"

"تو بس پھر اب اطمینان سے رہو، مجھے اجازت دو، تمہاری تشفی ہو گئی، میں اپنے کچھ کام کر لوں۔"

"کچھ کھاؤ گے پیو گے نہیں میرے ساتھ۔"

"اس وقت نہیں، اب ہماری زندگی ایک نئے دور میں داخل ہوئی ہے پروین، میں آتا جاتا رہوں گا اور کھانے پینے کا مسئلہ یہ ہے کہ جو کچھ تم مجھے کھلاؤ گی کھاؤں گا میں تو تنہا آدمی ہوں، زندگی میں کبھی وہ ماحول نہیں ملا جس کا آرزومند ہر شخص ہوتا ہے۔"

"میں تمہاری تمام آرزوئیں پوری کروں گی۔" پروین نے محبت سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور مقبول جمال اسے پیار بھری نگاہوں سے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"اچھا تو پھر اب میں چلوں۔"

"خدا حافظ۔ چلو میں تمہیں باہر تک چھوڑ آؤں۔" پروین نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر وہ اس وقت تک وہاں کھڑی رہی جب تک مقبول جمال اپنی کار میں بیٹھ کر واپس نہیں چلا گیا، لیکن چور نگاہوں سے اس نے دیکھا تھا کہ حکمت اپنے کوارٹر کے دروازے پر کھڑا مقبول جمال کو عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہا ہے...... پھر وہ گہری سانس لے کر آہستہ آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی واپس کوٹھی کے اندرونی حصے کی جانب چل پڑی۔ اپنے کمرے میں آ کر اس نے گہری سانس لی۔ چاروں طرف دیکھا اور اس کے بعد اس صوفے کی جانب بڑھ گئی جس پر وہ بیٹھی ہوئی تھی۔ دو صوفے جو کارنر سے آپس میں ملے ہوئے تھے ان کے درمیان گہرا خلا موجود تھا۔ کارنر ٹیبل کے اندرونی حصے میں ایک انتہائی حساس اور قیمتی ٹیپ ریکارڈر رکھا ہوا تھا جو اب بھی مسلسل چل رہا تھا۔ پروین نے گیپ میں ہاتھ ڈال کر ٹیپ ریکارڈر نکالا اور اسے اپنے سامنے رکھ لیا...... پھر اس نے اس میں لگے ہوئے کیسٹ کو ریوائنڈ کیا اور اسے سننے لگی۔ دروازہ بند ہونے کی وجہ سے باہر کی آوازیں بھی اندر نہیں پہنچ پا رہی تھیں اور جو ریکارڈنگ ہوئی تھی وہ اتنی شفاف تھی کہ ایک ایک لفظ بہ خوبی سنا جا سکتا تھا، چنانچہ پروین اور مقبول جمال کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی وہ حرف بہ حرف ریکارڈ ہو گئی تھی۔ پورا کیسٹ سننے کے بعد پروین نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور آسودہ انداز میں گردن ہلانے لگی۔ پھر اس نے کیسٹ کو نہایت احتیاط سے اس کے کیس میں رکھا اور اسے اپنی گود

میں چھپا کر گہری سانسیں لینے لگی۔

❁

طاہر داؤد شدید ذہنی خلجان میں مبتلا رہا تھا، وہ ایک شریف آدمی تھا...... ساری زندگی اپنے کام سے کام رکھا تھا، ان لوگوں میں سے تھا جو جیو اور جینے دو کا فلسفہ اپناتے ہیں۔ نہ کسی سے لڑائی نہ جھگڑا۔ ایک پر سکون زندگی، مشین کی مانند، لیکن اس کی زندگی میں یہ تلاطم پیدا ہوا تھا۔ اس کا کیا قصور تھا...... مالک کی ہدایت، مالک کی دولت، جہاں چاہے لٹائے، لیکن سنگین صورت حال یہ تھی کہ زاہد فاروقی کا انتقال ہو چکا تھا اور بہر حال یہ ایک خوفناک حادثہ تھا...... پھر خصوصی بات یہ تھی کہ زاہد فاروقی طبعی موت نہیں مرا تھا، قتل کیا گیا تھا اور پولیس پہلے بھی اس بارے میں تفتیش کر چکی تھی، لیکن براہ راست طاہر داؤد سے کوئی سوال نہیں کیا گیا تھا۔ چہ جائیکہ پولیس اسٹیشن لے جایا جائے۔ انچارج نے جو ہدایت دی تھیں اتنی مشکل نہیں تھی، لیکن پھر بھی طاہر داؤد جس فطرت کا انسان تھا اس نے اسے ذہنی اذیت کا شکار کر دیا تھا...... بے شک اسے ہدایات دی گئی تھیں کہ وہ اس سلسلے میں کسی سے رابطہ نہ کرے لیکن طاہر داؤد کا دل نہیں مان رہا تھا...... اب جو کچھ بھی ہو جائے وہ ایک الگ بات ہے کم از کم مالکہ کو تو اس بارے میں بتانا ضروری ہے، چنانچہ دوسرے دن صبح ہی صبح وہ خود دفتر کے وقت سے پہلے زاہد فاروقی کی کوٹھی پہنچ گیا، اندر داخل ہوا، پروین بھی جاگ گئی تھی اور چائے وغیرہ پی رہی تھی کہ طاہر داؤد کے آنے کی اطلاع ملی اور پروین نے حیرانی سے اسے بلوالیا۔

"کیا بات ہے اکاؤنٹنٹ صاحب، خیریت تو ہے کوئی اُلجھن پیش آگئی ہے؟"

"ایسی ویسی اُلجھن میڈم، وہ ہوا ہے جو میری پوری زندگی میں کبھی نہیں ہوا۔"

"کیا بات ہے مجھے بتائیے؟"

"میڈم کل جب چھٹی کر کے آفس سے باہر نکلا تو پولیس نے مجھے گرفتار کر لیا۔"

"خیریت، کس سلسلے میں؟"

"تھانہ انچارج کے سامنے پیش ہوا میں اور تھانہ انچارج نے مجھ سے جو سوالات کئے میڈم انہوں نے میری حالت خراب کر دی۔"

"کیا سوالات کئے تھے؟" پروین فاروقی نے پوچھا اور طاہر داؤد نے اسے

تفصیلات بتادیں...... پروین کے چہرے پر اچنبھے کے آثار پیدا ہو گئے اس نے کہا۔

"ایک بات بتائیے طاہر صاحب؟"

"جی میڈم۔"

"تھانہ انچارج کی شکل و صورت کیسی تھی؟"

"جی......" طاہر داؤد حیرت سے بولا۔

"یہ بات میں ایک خاص وجہ سے پوچھ رہی ہوں۔"

"میڈم تھانے ہی کی عمارت تھی، وہاں پورا عملہ موجود تھا...... تھانے دار جوان اور خوب صورت آدمی تھا۔"

"کیا نام تھا اس کا؟"

"شاید شہاب ثاقب۔"

"اوہو، ویری گڈ، تو آپ اس سے ملے، اس نے کیا کہا؟"

"جو آپ کو بتا چکا ہوں میڈم، اور اب اس نے مجھ سے وہ تاریخیں طلب کی ہیں جن تاریخوں میں وہ رقومات مقبول جمال صاحب کو دی گئی ہیں۔"

"تو پھر اب آپ کو پریشانی کیا ہے؟"

"میڈم نہ جانے کیا اُلجھاؤ ہے، اب فاروقی صاحب تو اس دنیا میں نہیں ہیں، آپ ہی کے سپرد تمام معاملات ہیں، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ میں بہت خوفزدہ ہوں، لیکن بہر حال آپ کا ملازم بھی ہوں، آپ کی کیا ہدایات ہیں اس بارے میں؟"

"مجھے ذرا تھانے کا پتا بتائیے۔" پروین نے کہا اور طاہر داؤد اسے راستے کی پوری تفصیلات بتاتا رہا۔ پھر پروین نے پر سکون لہجے میں کہا۔

"آپ نہایت احتیاط سے وہ تمام تفصیلات مہیا کیجئے اور تھانہ انچارج کو پہنچا دیجئے گا، مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے، ظاہر ہے پولیس ابھی زاہد فاروقی کے کیس کا فیصلہ نہیں کر سکی ہے، اس کی اپنی کچھ ضروریات ہوں گی جن کے لئے اس نے آپ سے یہ تفصیلات طلب کی ہیں، لیکن ایک بات کا خاص خیال رکھئے گا۔"

"جی میڈم۔"

"واقعی کسی کو اس بارے میں اور کچھ نہ معلوم ہو، میرا مسئلہ خیر بالکل الگ ہے لیکن

مقبول جمال صاحب کا آپ خاص طور سے خیال رکھئے گا۔“

”جی بہت بہتر۔“ طاہر داؤد نے کہا اور اس کے بعد وہ خاصی حد تک مطمئن ہو گیا تھا جاتے ہوئے اس نے البتہ اتنا ضرور کہا۔

”میڈم آپ جانتی ہیں کہ میں ایک بے ضرر انسان ہوں، آپ کی خیر خواہی پر پولیس کی ہدایت کی خلاف ورزی کی ہے میں نے، خدا کے لئے کہیں مجھے کسی مصیبت میں گرفتار نہ کرا دیجئے گا۔“

”آپ بالکل مطمئن رہیں طاہر داؤد صاحب اور آپ کسی کو یہ نہ بتائیں کہ آپ نے مجھے یہ تفصیل بتائی ہے۔“

”میں یہی عرض کرنا چاہتا تھا اگر پولیس آپ سے بھی بیان لے تو مجھے بچا لیجئے پلیز۔“

”ٹھیک ہے، آپ مطمئن رہیں۔“

میڈم نے کہا اور طاہر داؤد کسی قدر پرسکون انداز میں باہر نکل آیا اور اس کے بعد آفس پہنچ کر اس نے وہ ریکارڈ چھاننا شروع کر دیا جس میں ان تاریخوں کا اندراج تھا۔

✹

تھانے کی عمارت کے احاطے میں ایک کار آ کر رکی اور شہاب اپنی کھڑکی سے اسے دیکھنے لگا۔ ڈائریکشن ایسی ہی تھی کہ یہ جگہ شہاب کے آفس سے صاف نظر آتی تھی لیکن اس سے جو شخصیت نیچے اتری اسے دیکھ کر شہاب حیران رہ گیا۔ پروین فاروقی کو وہ اچھی طرح پہچانتا تھا۔ گلاب جان موجود تھا اس نے گلاب جان سے کہا۔

”گلاب جان ذرا دیکھنا جلدی سے، یہ خاتون جو آئی ہیں انہیں احترام کے ساتھ لے آؤ۔“

”یس سر۔“ گلاب جان نے کہا اور تیزی سے باہر نکل گیا کچھ دیر کے بعد پروین فاروقی گلاب جان کے ساتھ اندر داخل ہو گئی۔ اس نے شہاب کو دیکھا، مسکرا کر آنکھیں کیں اور گردن ہلائی اور پھر بے تکلفی سے اس کے سامنے آ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

”آپ یہ نہ سمجھئے مسٹر شہاب کہ میں عادی مجرم ہوں اور تھانوں وغیرہ سے مجھے پوری پوری واقفیت ہے، کسی تھانے میں جانے کا تصور ہی بڑا بھیانک ہوتا ہے اور آپ یقین کیجئے اس ماحول میں آ کر میں خاصی خوفزدہ ہو گئی ہوں، لیکن آپ کتنی ہی وردیاں پہن

آپ کے چہرے کی نرمی اور آنکھوں میں جگمگاتی ہوئی مسکراہٹ میرا خیال ہے کسی کو خوفزدہ نہ ہونے دیتی ہو گی۔“ شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آپ نے وردی میں مجھے پہچان لیا؟“

”ہاں، حالانکہ بڑی تبدیلی ہو گئی ہے، اس وقت آپ ایک کھلنڈرے اور شوخ سے نوجوان معلوم ہوتے تھے اور اس وقت واقعی آپ نے خوب چولا بدلا ہوا ہے، وردی میں بھی بہت پیارے لگ رہے ہیں آپ، لیکن ایک بار پھر میں آپ سے یہ الفاظ کہوں گی۔“ اس نے کہا اور رک کر گلاب جان کی طرف دیکھنے لگی پھر بولی۔

”ان کی وجہ سے مجھے اپنے الفاظ کنٹرول کرنا ہوں گے۔“

”نہیں میڈم میں باہر چلا جاتا ہوں۔“ گلاب جان زیر لب مسکرا کر بولا اور باہر چلا گیا۔

”میں جانتی ہوں آپ نے بڑا اچھا ماحول بنا رکھا ہو گا، یہاں انسان اپنی فطرت کو کس طرح تبدیل کر سکتا ہے؟“

”جی۔“

”پتا نہیں کیا کہہ رہی تھی، بھول گئی، خیر چھوڑیئے...... ہاں شاید یہ کہہ رہی تھی میں کہ آپ کی پسندیدگی کے یہ الفاظ کسی ذہنی بخار کا نتیجہ نہیں ہیں اور نہ میرے اندر آپ کو دیکھ کر کوئی ایسا ہیجان برپا ہوا ہے، وہ آپ کے ساتھ جو خوب صورت سی خاتون آئی تھیں، یقیناً اس بات سے خوفزدہ ہو جائیں گی کہ میں آپ سے بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہی ہوں لیکن آپ انہیں یہ اطمینان دلا دیجئے کہ پروین فاروقی زبان کی بے تکلف ضرور ہے لیکن اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے اس کے ذہن میں۔“

”پروین صاحبہ! اتنی صاف ستھری خواتین آپ یقین کیجئے میرے لئے بھی انتہائی قابل احترام ہوتی ہیں اور میں ان کی عزت اور ان سے محبت کرتا ہوں۔“

”شکریہ، ویسے آپ کو اندازہ ہے کہ آپ میرے ساتھ کتنی بڑی زیادتی کر رہے تھے۔“

”ارے، یہ پوچھنے سے پہلے کہ وہ زیادتی کیا تھی میں آپ سے معافی مانگنا ضروری سمجھتا ہوں۔“

”چلئے معاف کر دیا۔“

”تو اب یہ بتایئے زیادتی کیا تھی؟“

"اپنا کوئی پتا نشان دے کر آئے تھے آپ مجھے؟"

"آپ نے مانگا ہی نہیں۔"

"مطلب؟"

"زبردستی میں آپ کو یہ کیسے بتاتا کہ جی میں فلاں جگہ رہتا ہوں یا میرا تھانہ اس جگہ ہے یہ میرا ٹیلی فون نمبر ہے۔"

"ہاں شاید مجھ سے غلطی ہو گئی تھی، نام بتایا تھا آپ نے مجھے اپنا۔"

"جی۔"

"خیر پتا چل ہی گیا آپ کا۔"

"ہاں، اتنا مشکل کام بھی نہیں تھا۔"

"تھا...... وہ تو اتفاق کی بات ہے کہ طاہر داؤد میرے پاس آ گیا تھا اور اس نے مجھے ساری بات بتا دی تھی، حالانکہ آپ نے اسے منع کیا تھا کہ کسی کو یہ نہ بتایا جائے، لیکن وفادار آدمی ہے فرض پورا کرنے آ گیا...... اصل میں وہ جس طبقے سے تعلق رکھتا ہے وہ بڑا امن پسند اور بے ضرر طبقہ ہے...... بے چارہ اس قدر خوفزدہ ہو گیا ہے کہ چہرہ اترا ہوا تھا۔"

"تو اس نے آپ کو تمام تفصیلات بتا دیں۔"

"ہاں۔"

"خیر آپ یہ بتایئے کیا پینا پسند کریں گی؟"

"تھانے کی عمارت میں بیٹھ کر کچھ کھانا پینا اچھا نہیں لگتا، یہ جگہ تو بڑی خوفناک تصور کی جاتی ہے، وہ تو شکر ہے کہ آپ کی کرسی پر کوئی خوفناک بڑی بڑی مونچھوں والا آدمی نہیں بیٹھا ہوا، ورنہ سچی بات یہ ہے کہ شاید میں بھی یہاں آنے کی جرات نہ کرتی۔" شہاب ہنسنے لگا تھا پھر اس نے کہا۔

"پھر بھی کچھ پی لیجئے، میں اپنی نیک کمائی سے آپ کو پلاؤں گا۔"

"ایسے نہیں جناب کھلانا پلانا اگر ہے تو کسی ہوٹل میں لے جایئے، اپنے گھر لے جایئے وہاں کھلایئے، اس وقت ایسا نہ کریں۔"

"چلئے ٹھیک ہے آپ کا قرض رہا مجھ پر۔"

"وصول کرلوں گی کسی وقت اگر زندہ رہی۔" پروین نے ہنستے ہوئے کہا۔ شہاب نے

واقعی پروین پسند آئی تھی، اس کی گفتگو وہاں بھی بڑی دلچسپ اور دلکش تھی اور اس وقت بھی وہ بڑی اچھی گفتگو کر رہی تھی، شہاب نے کہا۔

"مجھے تلاش کرنے کی کوئی خاص وجہ ضرور ہو گی۔"

"ہاں اصل میں میرے دل میں خوف خدا جاگ اٹھا ہے۔" پروین نے کہا۔

"جی۔"

"جی ہاں۔"

"بہت اچھی بات ہے۔"

"اور میں انسان بننے کی کوشش کر رہی ہوں، شاید پہلے میں اپنے آپ میں گم تھی اور میں نے انسانی اقدار کو بہت پیچھے ڈال دیا تھا۔"

شہاب گہری نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا اس بات کے جواب میں وہ کچھ بولا نہیں تھا، پروین نے کہا۔

"وہ معصوم سا لڑکا واقعی معصوم تھا پہلے بھی کہہ چکی ہوں آپ سے کہ خوش شکل تھا اور بڑی اچھی شخصیت کا مالک، اگر اس کی کچھ تراش خراش ہو جاتی، خیر ایسے تو بہت سے لوگ نظر آتے ہیں وقت کسے کیا دیتا ہے، یہ تو وقت ہی کو معلوم ہوتا ہے یا پھر اسے جو محرومیوں میں مبتلا رہے۔ آپ سے گفتگو کے بعد بہت سی باتیں میرے ذہن میں آئیں اور میں نے گہرائیوں سے اس پر سوچا پھر نہ جانے کیوں میرے دل میں اس لڑکے کے لئے ہمدردی کے جذبات جاگ اٹھے، میں نے غور کیا اور غور کرنے کے بعد تھوڑا سا پریکٹیکل بھی کر ڈالا۔"

"پریکٹیکل"

"جی ہاں۔ آپ کو زحمت تو ہو گی ظاہر ہے تھانوں میں آپ گانے بجانے کا انتظام نہ رکھتے ہوں گے۔"

"جی......!" شہاب حیرت سے بولا اور پروین ہنس پڑی، پھر بولی۔

"یہ جو خطرناک آدمی باہر گیا ہے جو سچ مچ پولیس والا لگتا ہے اسے بلایئے، یہ میری گاڑی کی چابی ہے، اس سے کہئے میری گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ایک ٹیپ ریکارڈر رکھا ہوا ہے وہ اٹھا لائے۔"

شہاب نے گھنٹی بجا دی تھی اردلی آ گیا اور شہاب نے وہ احکامات اردلی کو دے

دیئے...... اردلی چابی لے کر باہر نکل گیا تھا...... شہاب نے سوال کیا۔

"کیا ہے اس ٹیپ ریکارڈر میں۔"

"جو کچھ ہے اس ٹیپ ریکارڈر میں نہیں، بلکہ اس کیسٹ میں ہے، ٹیپ ریکارڈر پر تو میں آپ کو یہ کیسٹ سنوانا چاہتی ہوں۔" پروین نے کہا اور اپنے پرس سے ایک کیسٹ نکال کر شہاب کے سامنے رکھ دیا۔ شہاب نے کیس میں سے کیسٹ نکال لیا اور اسے دیکھنے لگا۔

"نظر نہیں آئے گا اس میں کچھ سننے کی چیز ہے۔" پروین بولی اور شہاب انتظار کرنے لگا، اردلی ٹیپ ریکارڈر لے آیا تو شہاب نے وہ ٹیپ ریکارڈر سامنے رکھا اور بولا۔

"اس کی لیڈ کہاں ہے؟"

"نہیں، سیل سے چلتا ہے یہ اور سیل اس میں موجود ہے۔" شہاب نے ٹیپ ریکارڈر میں کیسٹ لگایا اور اس کے بعد پروین کی اجازت سے اسے آن کر دیا جو گفتگو شروع ہوئی اس کے دو چار ہی الفاظ سن کر شہاب بری طرح چونک پڑا تھا اور اس کے بعد انتہائی خاموشی کے ساتھ اس نے پورا کیسٹ سنا...... اس کے چہرے پر شدید جوش نظر آ رہا تھا اور آنکھوں میں بے پناہ چمک پیدا ہو گئی تھی۔ یہ سب کچھ تو اس کے تصور سے بھی باہر تھا۔ پروین خود ایسا کرے گی اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا...... کیسٹ کو دوبارہ ریوائنڈ کر کے سنا اور اس کے بعد شہاب نے گہری سانس لے کر کہا۔

"مسز فاروقی آپ کے اس کارنامے کے بارے میں آپ سے کیا کہوں؟"

"کہئے نہیں بلکہ بتایئے کہ کیا یہ آپ کے لئے کار آمد ہو سکتا ہے؟"

"آپ نے تو مجرم کو پکڑ کر میرے سامنے کر دیا ہے، مع اس اہم ثبوت کے جو شاید مجھے حاصل کرنے میں شدید دشواریاں ہوتیں۔"

"اور میرا خیال ہے کہ اس ثبوت کی روشنی میں وہ لڑکا بھی بے گناہ ثابت ہو جاتا ہے۔"

"قطعی۔"

"تو پھر باقی ذمہ داری آپ کی ہے یا اگر مزید کچھ ذمہ داری آپ میرے شانوں پر ڈالنا چاہتے ہیں تو میں اس کی انجام دہی سے بھی گریز نہیں کروں گی۔"

"پروین صاحبہ انسان فطری طور پر انسان ہی ہے پتا نہیں وہ کون کون سے عوامل ہوتے ہیں جو اسے انسانیت کے راستوں سے ہٹا کر حیوان بنا دیتے ہیں لیکن بہر حال جب بھی اس کی

فطرت میں نیکیاں جاگتی ہیں وہ انسانیت کے لئے بہت کار آمد ثابت ہوتا ہے، آپ نے جو کچھ کیا ہے آپ تصور نہیں کر سکتیں کہ وہ کس حیثیت کا حامل ہے، آپ نے میرے دل میں ایک اہم مقام بنا لیا ہے پروین صاحبہ اور آپ یقین کیجئے میں اس کا بڑا احترام کرنے لگا ہوں اگر آپ کو وہ حقیقتیں نہ بتاؤں تو مجھے خود پسند نہیں آئے گا اور آپ سے نئے قائم ہونے والے رشتے کے مطابق یہ ضروری ہو گیا ہے کہ آپ میرے ساتھ چائے پئیں۔"

"اب آپ کے رشتے کا معاملہ ہے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" پروین مسکرا کر بولی اور شہاب نے ایک بار پھر اردلی کو بلا کر اسے جلد چائے لانے کے لئے کہا اس کے ساتھ ساتھ ہی اسے ہدایت کی کہ اس وقت کوئی بھی شخصیت آ جائے وہ اس سے ملے گا نہیں پھر وہ پروین کی جانب متوجہ ہو کر بولا۔

"آپ کی ملاقات میں ایک اور صاحب سے کراؤں گا نام ہے عدنان واسطی، وکالت کرتے ہیں اس دن ان کی صاحبزادی میرے ہمراہ تھیں بینا واسطی، وہ بھی وکالت کرتی ہیں اپنے والد کے ساتھ اور اس کے ساتھ ساتھ ہی وہ کبھی کبھی پولیس کے معاملات میں مجھ سے تعاون بھی کرتی ہیں۔"

"جی۔"

"عدنان واسطی صاحب عدالت میں اپنے فرائض میں مصروف تھے کہ انہیں ایک ایسے دیہاتی جوڑے سے واسطہ پڑا جو عجیب و غریب گفتگو کر رہا تھا۔ شہاب نے رفتہ رفتہ پروین کو وہ تمام گفتگو سنا دی جو اس کے علم میں تھی غیر محسوس انداز میں پروین کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے تھے اسی دوران اردلی چائے رکھ گیا تھا اور خود ہی اس نے چائے بنا کر ان دونوں کے سامنے پیش کر دی تھی...... شہاب خود بھی چائے کی جانب متوجہ نہیں ہوا، اس نے پوری تفصیل آخر تک پروین کو سنا دی...... پروین کو اچانک ہی احساس ہوا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں اس نے پرس سے رومال نکال کر آنسو خشک کئے اور آہستہ سے بولی۔

"میں کیا اور میری بساط کیا، یہ سب قدرت کے معاملات ہیں کہ اس نے میرا ذہن اس جانب راغب کیا اور صورت حال بنتی چلی گئی۔ پتا نہیں اس گناہ کے نتیجے میں مجھے کیا سزا بھگتنا ہوگی، ویسے بھی اس دنیا میں تن تنہا ہوں دیکھیں کیا ہوتا ہے، لیکن شہاب صاحب نہ

جانے کیوں آپ لوگ کچھ ضرورت سے زیادہ ہی اچھے ہیں، خیر چھوڑیئے ان باتوں کو، اوہو...... چائے تو ٹھنڈی ہو گئی۔“

”ٹھہریئے میں دوسری بنوا دیتا ہوں۔“

”نہیں میں ٹھنڈی چائے ہی پیتی ہوں۔“ پروین نے کہا اور اپنی پیالی اٹھا کر ہونٹوں سے لگائی چند گھونٹ لئے پھر آہستہ سے بولی۔

”اور اب میں یہ محسوس کرتی ہوں کہ میں اس سلسلے میں بری الذمہ نہیں ہوئی بلکہ مجھے کچھ اور ذمے داریاں بھی پوری کرنی ہیں۔“

”حکمت ہمارے سامنے رہ جاتا ہے ہمیں حکمت کے معاملے کو اور ٹریس کرنا ہے، پروین صاحبہ میں آپ کا ٹیلی فون ٹیپ کرنا چاہتا ہوں۔“

”بخوشی آپ کا جو دل چاہے کیجئے گا مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔“

”تو پھر آپ کی اجازت سے میں یوں کرتا ہوں کہ پولیس کے کچھ افراد کو ٹیلی فون کے ڈیپارٹمنٹ کا آدمی قرار دے کر وہاں بھیجتا ہوں کام ہو جائے گا۔“

”ٹھیک ہے آپ چاہیں تو میں ٹیلی فون میں گڑبڑ کر کے یہ کہہ دوں گی کہ میں نے کمپلینٹ کی ہے۔“

”آپ جیسا مناسب سمجھیں۔“

”اس کے بعد سارے معاملات سے مجھے آگاہ رکھئے گا۔“

”جی لیکن ابھی نہیں۔“

”آپ یہ بتایئے کہ مجھے اس سلسلے میں مزید کیا کرنا ہو گا؟“

”میں آپ کو بہت جلد اس سلسلے میں تفصیلات بتاؤں گا۔“

”تو پھر مجھے اجازت دیجئے ہو سکتا ہے طاہر داؤد بھی آپ کے پاس پہنچ جائے، میں یہ نہیں چاہتی ہوں کہ اسے صورت حال کا علم ہو۔ مقبول جمال اس سے بھی رابطہ کر سکتا ہے۔“

”آپ اسے پوری طرح اپنے جال میں پھنسائے رکھئے گا، معاف کیجئے جملہ غلط ہے لیکن مجبوری۔“

”میں سمجھتی ہوں۔“ پروین نے کہا اور مزید کچھ دیر بیٹھنے کے بعد وہ اجازت لے کر وہاں سے چلی گئی شہاب پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کیسٹ کو دیکھ رہا تھا اور پھر اس نے گلاب

جان کو آواز دی۔ پروین کا ٹیپ ریکارڈر واپس اس کی کار میں رکھوا دیا گیا تھا...... گلاب جان اندر آ گیا تو شہاب اسے تفصیل سے اس بارے میں بتانے لگا۔

بہر حال اب تمام انکشافات مکمل ہو گئے تھے اور وہ بڑے اطمینان سے کہہ سکتا تھا کہ نور محمد بس چند روز کی اُلجھن کا شکار ہے اور اس کے بعد اس کی رہائی یقینی۔“

عدنان واسطی اور بینا حیران نگاہوں سے شہاب کی صورت حال دیکھ رہے تھے...... شہاب اس وقت ان کے گھر پر ہی موجود تھا اور ٹیپ ریکارڈر پر کیسٹ چل رہا تھا...... عدنان واسطی صاحب پوری طرح اس آواز میں منہمک تھے، پھر جب ٹیپ ریکارڈر بند ہو گیا تو انہوں نے تعجب سے شہاب کو دیکھا اور بولے۔

”یہ یقینی طور پر مسز فاروقی اور مقبول جمال کی گفتگو ہے۔ یہ مقبول جمال وہی شخص ہے نابینا جس کے بارے میں تم نے مجھے تفصیل بتائی ہے۔“

”جی ڈیڈی۔“

”بات ہی صاف ہو گئی۔ اوہ...... میرے خدا یہ آوازیں آخر کس طرح حاصل کی گئیں۔“ جواب میں شہاب نے پروین کی آمد اور اس سلسلے میں مکمل تفصیل بتا دی عدنان واسطی متاثر لہجے میں بولے۔

”وہ ذات کریم تو بہر حال اپنے بندوں کی محافظ اور نگراں ہے، بھلا انسان، انسان کے خلاف کیا کر سکتا ہے...... بے گناہ کو سزا مل جاتی ہو گی لیکن پتا نہیں کیوں اس کا پس منظر کیا ہوتا ہو گا، لیکن کم از کم نور محمد جیسے لڑکے کو اللہ تعالیٰ مشکل میں نہیں چھوڑ سکتا تھا، تم ان لوگوں کی حالت دیکھو شہاب تو تمہارے آنسو نکل آئیں گے، بس عبادت الٰہی میں مصروف رہتے ہیں بہت معمولی سا کھا لیتے ہیں، جینے کے لئے، میں ان کی آنکھوں میں لاتعداد سوال دیکھتا ہوں لیکن بیچارے اپنی زبان پر کوئی سوال نہیں لاتے، دعائیں دیتے رہتے ہیں ہمیں کہ کم از کم انہیں ایک چھت تو ملی ہوئی ہے بہت سمجھاتے ہیں میں اور میری بیوی لیکن بہر حال دونوں ہی سمجھدار ہیں، اچھا خیر یہ باتیں تو رہیں الگ، یہ تو یوں سمجھو شہاب کہ سب کچھ اوپن ہو گیا اب ایسا کرو پھر تمہارے اپنے ذہن میں کوئی خیال ہے؟“

”نہیں واسطی صاحب اس وقت میں آپ کے پاس اسی لئے آیا ہوں کہ آپ مجھے آگے

کے اقدامات کے بارے میں روشنی دکھائیں گے۔" واسطی صاحب مسکرانے لگے پھر بو

"خیر، ہمیں بھی زندہ رکھنا چاہتے ہو تم یہ بات ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"ہم اور تمہیں روشنی دکھائیں گے۔"

"میرے اس اعتماد کو نہ توڑیئے واسطی صاحب۔"

"سوری بھئی سوری مجھے یہ بات کرنی ہی نہیں چاہئے تھی۔ اچھا تو اب ایسا کرنا ہ پروین فاروقی کی جانب سے تمہیں ایک ایف آئی آر درج کرنی ہے، پروین فاروقی سے ک مقبول جمال کے خلاف اپنے شوہر کے قتل کی ایف آئی آر درج کرائے اور بنیادی نکتہ یہ کہ یہ بات اسے بعد میں معلوم ہوئی، اس وقت جب مقبول جمال نے ٹیلی فون پر اس سے ا دل کی بات کہی اور یہ بتایا کہ یہ کچھ جو ہوا ہے وہ اس نے حکمت کی مدد سے پروین کے حص کے لئے کیا ہے۔ پروین فاروقی بیان دے کہ بہر حال وہ ایک مشرقی عورت ہے اور اپنے ش کے قاتل کو محبوب کا درجہ نہیں دے سکتی، مختصر تفصیلات لکھنا پڑیں گی اور عدالت میں اس کا بیان ہو جائے گا۔ وہ ایف آئی آر میں بتائے گی کہ جب اسے حقیقت کا علم ہوا تو اس چالاکی سے مقبول جمال کو اپنے پاس بلایا اور اس سے اس بارے میں تفصیلات پوچھیں کے نتیجے میں حقیقت منظر عام پر آئی۔ اس نے ان تفصیلات کو ریکارڈ کرنے کا بندوبست تھا اور اب اس نے دیانتداری سے یہ تمام تفصیلات پولیس کو پیش کر دی ہیں تاکہ ایک گناہ موت کا شکار نہ ہو جائے، اس کے ساتھ ساتھ ہی حکمت کا بیان، میرا مطلب ہے اس کے خلاف کوئی اور ثبوت حاصل ہو جائے۔"

"اس کے امکانات ہیں۔ میں نے اس کا بندوبست کر لیا ہے۔"

"بس تو پھر معاملے کو اسی انداز میں آگے بڑھاؤ، میرے خیال میں اگلی پیشی کی ہم اطمینان سے اس کیسٹ کی مدد سے نور محمد کو رہا کرا لیں گے، بعد میں کیس چلتا وہ ایک الگ بات ہو گی۔"

شہاب نے مکمل انتظامات کر لئے تھے اپنے منصوبے کے تحت اس نے پروین کے گھر کے تمام ٹیلی فون ٹیپ کر لئے تھے اور اس کی ریکارڈنگ کا معقول بندوبست کر چنانچہ ان انتظامات کے بعد دوسرے دن وہ باقاعدہ پولیس کی وردی میں پروین فار

پاس پہنچ گیا اور اس نے پروین فاروقی سے ملاقات کی، حکمت کے لئے انتظام کر لیا گیا تھا اور ڈبل او گینگ کے ممبران بدستور اس کوٹھی کے اردگرد موجود تھے...... حکمت کے بارے میں انہیں ہدایت تھی کہ اگر وہ فرار ہونے کی کوشش کرے تو اسے فوراً پکڑ لیا جائے۔ پروین فاروقی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی اور شہاب کو دیکھ کر مسکرانے لگی پھر اس نے گلاب جان کو دیکھا اور بولی۔

"سچ مچ بہت ڈر لگ رہا ہے لیکن بہر حال آپ لوگ یقیناً کسی مسئلے میں آئے ہوں گے۔"

"جی۔" یہ ہمارے ہیڈ محرر ہیں اور ایف آئی آر رجسٹرڈ، مسز فاروقی آپ کو اپنے شوہر کے قتل کے سلسلے میں نئی ایف آئی آر درج کرانی ہے۔"

"ضرور ضرور...... میں جانتی ہوں کہ آپ قانونی کارروائیاں ضرور کریں گے، بتایئے مجھے ایف آئی آر میں کیا لکھوانا ہے۔" شہاب اسے تمام تفصیلات بتانے لگا تو پروین فاروقی بولی۔

"تو پھر آپ یہ سب کچھ لکھ لیجئے نا اور مجھ سے دستخط کرا لیجئے۔"

"مناسب۔" لیجئے محرر صاحب لکھئے جو میں بول رہا ہوں لکھئے۔" اور اس کے بعد شہاب نے عدنان واسطی صاحب کی ہدایت کے مطابق وہ ساری تفصیلات ایف آئی آر میں درج کرائیں اور انہیں پڑھنے کے بعد پروین فاروقی سے اس پر دستخط کرا لئے پروین فاروقی نے کہا۔

"چائے وغیرہ تو چلے گی؟"

"نہیں...... آپ تو خوفزدہ ہیں اور پولیس کے آنے پر حیران بھی۔ ابھی کم از کم اس بات کا اظہار کیجئے گا۔"

"ایک بات بتایئے؟"

"مقبول جمال کب گرفتار ہو جائے گا؟"

"اس ایف آئی آر کے بعد ہم زیادہ دیر نہیں لگائیں گے، بس ایک تھوڑا سا موقع حکمت کو دینا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے اس نے پولیس کو یہاں آتے ہوئے دیکھا ہو گا اور اس کے پیٹ میں درد شروع ہو گیا ہو گا، اب وہ ضرور مقبول جمال سے گفتگو کرے گا...... بس یہی گفتگو ہماری اہم ضروریات ہے اس کے بعد۔"

"میں تو صرف یہ کہہ رہی تھی کہ بھئی اب جو کچھ بھی ہے مجھے اس عمر میں مرنا پسند

نہیں ہے نہ میں اس قدر جذباتی ہوں کہ اب دُنیا سے کنارہ کش ہو جاؤں، دیکھوں گی یہ مستقبل کیا ہوتا ہے اور پھر اتنا اچھا پولیس آفیسر میرا دوست بن گیا ہے اس کے ذریعے بھی کوئی نہ کوئی کام چلانے کی کوشش کروں گی، مگر یہ نہ سمجھنا کہ میں اس لڑکی کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کروں گی جس کا نام بینا ہے۔" شہاب ہنس دیا اس نے کہا۔

"مسز فاروقی آپ اتنی نفیس خاتون ہیں کہ شاید اس کیس کے اختتام کے بعد ہم بہت ہی گہرے دوست بن جائیں اور آپ ہم سے آسانی سے پیچھا نہ چھڑا سکیں۔"

"اس کیس کے اختتام کے بعد ہی کیوں اس سے پہلے کیوں نہیں۔"

"تو پھر یہ سمجھئے کہ ہم دوست بن چکے ہیں اور آپ کو اپنے بہت سے معاملات میں شریک بھی کریں گے...... ہمیں تو اچھے ساتھیوں کی ضرورت رہتی ہے۔"

"او کے...... چلو اچھا ہے...... ہمیں بھی جینے کے لئے کچھ مل جائے گا ورنہ سچی بات یہ ہے تنہا جینا بھی کوئی جینا ہوتا ہے۔" پروین نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"خوش آئند بات یہ ہے مسز فاروقی کہ آپ کو سازشیوں سے نجات مل جائے گی اور آپ ایک آزاد فضا میں سانس لیں گی۔"

"خدا جانے۔" پروین نے آزردگی سے کہا پھر شہاب نے اس سے واپسی کی اجازت لے لی۔ باہر نکلا تو اس کی نگاہیں چاروں طرف بھٹکنے لگیں۔ حکمت کے بارے میں بہت سے خدشات ذہن میں تھے لیکن بہر حال ڈبل او گینگ کے ممبر ہمیشہ اپنے معیار پر پورے اترتے تھے۔ شہاب کو یقین تھا کہ اگر حکمت نے کہیں روپوش ہونے کی کوشش کی تو وہ اسے روپوش نہ ہونے دیں گے۔ ویسے یہ فائنل پچ تھا...... امکان اسی بات کا تھا کہ پولیس کی آمد کے بعد حکمت کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور اس کے بعد یہ آخری کام بھی مکمل ہو جائے گا۔ بہر حال جال لگا ہوا تھا اور اب پرندے کے اس طرف رخ کرنے کا انتظار تھا۔

❀❀❀

آخر کار یہ مرحلہ بھی بحسن وخوبی طے پا گیا...... جو گفتگو پروین فاروقی کے ٹیلی فون سے ٹیپ کی گئی۔ وہ کچھ اس طرح تھی۔

"ہیلو صاحب جی!"

"کون حکمت؟"

"جی صاحب جی۔"

"کیا بات ہے بھئی، تم کچھ ضرورت سے زیادہ ٹیلی فون نہیں کرنے لگے ہو؟"

"صاحب جی اب تو ہم یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ آپ ہمیں بے وقوف بنا رہے ہیں۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو حکمت، کیوں کام بگاڑ رہے ہو، اب تو سب کچھ تکمیل کے مراحل میں ہے۔"

"ایسا ہی لگ رہا ہے صاحب جی کہ سب کچھ تکمیل کے مراحل میں ہی ہے۔" حکمت کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔

"دیکھو حکمت جلد بازی مت کرو میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ جو وعدہ تم سے کیا گیا ہے وہ ضرور پورا کیا جائے گا۔"

"اس وقت صاحب جی ہم گرفتار ہو چکے ہوں گے؟"

حکمت بولا۔

"تم گرفتار نہیں ہو گے حکمت، سارا معاملہ ٹھیک ہونے والا ہے، بس عدالت کی طرف سے دیر ہو رہی ہے، ورنہ باقی سب ٹھیک ہے، تم زیادہ پریشان نہ ہو، تھوڑا سا وقت اور گزار لو۔"

"دیکھو صاحب جی ایک تو ہم آپ کے کہنے پر قاتل بنے، قسم کھاتے ہیں کہ زند
میں کبھی کسی کو جانی نقصان نہیں پہنچایا تھا، ہم بھی انسان ہیں صاحب جی۔ ہمارا دل بھی
لڑکے کے لئے دکھتا ہے، جو بے گناہ مصیبت میں گرفتار ہوا ہے...... آپ نے قتل ہم سے
اور پھنس وہ بے چارہ گیا۔ صاحب جی دیکھئے ہم آپ سے کھل کر کہے دے رہے ہیں ہم
انسان ہیں دل کسی بھی وقت بے ایمان ہو سکتا ہے اور ہم حقیقت سامنے لے آئیں گے
نے کہہ دیا ہے آپ سے نتیجہ کچھ بھی ہو۔"

"حکمت تمہارا بھی کچھ انتظام کرنا پڑے گا مجھے۔"

"ارے صاحب جی آپ ہمارا کیا انتظام کریں گے آپ نے تو ہمارا سارا انتظام پہلے کر دیا ہے، دیکھئے ہم نے آپ کے کہنے پر اپنے مالک کو قتل کیا اور اس کے بعد آپ ہمیں اب تک چکر دے رہے ہیں، ہم تو بس یہ چاہتے ہیں کے آپ ہماری رقم ہمیں دے دیں اور یہاں سے نکل جائیں، نہ جانے کیوں ہمیں یہ لگ رہا ہے کہ کوئی گھپلا ہو رہا ہے۔"

"کیوں لگ رہا ہے تمہیں یہ؟" مقبول جمال نے سوال کیا۔

"پولیس آئی تھی آج۔"

"کیا؟"

"جی ہاں پولیس آئی تھی آج اور تقریباً ایک گھنٹے تک بیگم صاحبہ کے کمرے میں رہی
صاحب جی پولیس کو دیکھ کر ہماری جان نکلتی ہے دل میں چور جو ہے۔"

"کیا بات کر رہے ہو پولیس کس وقت آئی تھی اور کیوں آئی تھی؟"

"اب کیا ہم بیگم صاحبہ کے کمرے میں گھس کر یہ بات معلوم کرتے؟"

"تمہیں کرنا تو یہی چاہئے تھا حکمت؟"

"نہیں صاحب جی آپ زیادتی کر رہے ہو ہمارے ساتھ دیکھو ہم نے اب تک آپ
کہا مانا ہے آپ ہماری رقم ہمیں دے دو، ہم یہاں سے نکل جانا چاہتے ہیں۔"

"حکمت، حکمت، حکمت، ٹھیک ہے، تم میرے لئے کہیں وبال جان نہ بن جاؤ
بندوبست کرنے کی کوشش کرتا ہوں، مگر پولیس آئی تھی تعجب ہے، خیر ایسا کرو
گھنٹوں کا انتظار کر لو، میں تمہاری رقم تمہیں کسی نہ کسی شکل میں پہنچا دوں گا مگر اس کے
اس طرح روپوش ہو جانا کہ کبھی نظر نہ آؤ۔"

"آپ فکر ہی نہ کرو صاحب جی...... ایسے جائیں گے کہ پتا چلے دنیا ہی سے چلے گئے۔"
حکمت نے جواب دیا۔

"اچھا بس ٹھیک ہے، کہاں سے ٹیلی فون کر رہے ہو؟"

"گھر ہی سے کر رہے ہیں صاحب جی۔"

"تم نے بڑا خطرناک راستہ اپنایا ہے حکمت اگر کہیں تمہارا ٹیلی فون سن لیا گیا تو؟"

"نہیں صاحب جی اب ہم اتنے بے وقوف بھی نہیں ہیں...... بیگم صاحبہ کسی کام سے نکلی ہوئی ہیں۔"

"کیا پولیس کے ساتھ؟"

"نہیں صاحب جی وہ بعد میں الگ سے گئی تھیں۔"

"اوہو یہ بھی اچھا کیا تم نے۔"

"پھر دوسری گفتگو پروین اور مقبول جمال کی تھی، جو کچھ یوں تھی۔"

"ہیلو پروین۔"

"ہیلو مقبول خیریت؟"

"پولیس آئی تھی۔"

"ہاں...... مقبول کچھ عجیب سا احساس ہو رہا ہے مجھے؟"

"کیا؟"

"یہ از سر نو چھان بیان کیوں شروع ہو گئی؟"

"کیا کہہ رہے تھے وہ لوگ؟"

"بس مجھ سے میرے بیانات لے رہے تھے کہہ رہے تھے کہ کیا مجھے یقین ہے کہ نور محمد ہی زاہد فاروقی کا قاتل ہے؟"

"پھر تم نے کیا کہا؟"

"فی الحال تو میں نے انہیں ٹال دیا ہے لیکن لگتا ہے کچھ اُلجھنیں پیش آ جائیں گی۔"

"یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے، خیر اللہ مالک ہے دیکھتے ہیں کیا ہو سکتا ہے اپنی بچت بھی تو کرنی ہے۔"

"ہوں، تمہیں خود ہی سارے معاملات سنبھالنے ہیں تم جانتے ہو کہ میں تو ایک کمزور

عورت ہوں۔"

"فکر مت کرو، دیکھیں گے کیا صورت حال بنتی ہے اچھا پھر خدا حافظ۔"

"مجھ سے مل نہیں رہے؟"

"ابھی ذرا احتیاط برتنی پڑے گی، مجھے کچھ نئے لائحہ عمل ترتیب دینا ہوں گے...... اطمینان سے ملاقات کروں گا تم سے لیکن محتاط رہو۔"

"او کے۔"

دونوں ٹیپ شدہ کالیں سننے کے بعد شہاب نے گلاب جان کو طلب کیا اور کہا۔

"گلاب جان پولیس فورس کے ساتھ جاؤ اور حکمت کو گرفتار کرلو۔"

گلاب جان نے سیلوٹ کیا اور اس کے بعد تفصیلات لے کر وہاں سے نکل گیا۔ شہاب خود مقبول جمال کو گرفتار کرنے کی تیاریاں کرنے لگا اور پھر خود بھی ایک جیپ میں بیٹھ کر چل پڑا...... مقبول جمال اپنے دفتر میں ہی مل گیا تھا...... شہاب کو دیکھ کر اس کا رنگ اڑ گیا پھر اس نے خود کو سنبھال کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"زہے نصیب، آیئے انسپکٹر...... خیریت؟"

"خیریت نہیں ہے جمال صاحب۔"

"کیوں کیا ہوا؟"

"آپ کی دوست آپ سے منحرف ہو گئی۔"

"کون؟"

"پروین فاروقی کی بات کر رہا ہوں۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میری دوست پروین فاروقی، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں انسپکٹر صاحب؟"

"مسٹر جمال، پروین فاروقی نے آپ کے خلاف اپنے شوہر کے قتل کی ایف آئی آر درج کرائی ہے۔" شہاب نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا اور اس نے مقبول جمال کے بدن میں ہلکی سی لرزش دیکھی پھر اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"میرے خلاف، فاروقی صاحب کے قتل کی ایف آئی آر، لیکن انسپکٹر صاحب، فاروقی صاحب کا قاتل تو گرفتار ہو چکا ہے اور اس نے میرا مطلب ہے۔"

"جی بالکل درست کہا آپ نے۔" فاروقی صاحب کا قاتل صحیح معنوں میں

گرفتار ہو گیا ہے اور اس کا نام حکمت مراد ہے۔"

شہاب کے ان الفاظ پر بھی مقبول جمال کی وہی کیفیت دوبارہ ہو گئی تھی۔

"حکمت، حکمت مراد؟"

"جی۔"

"آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں میری سمجھ میں بالکل نہیں آرہا؟"

"لیکن آپ کے سمجھنے یا نہ سمجھنے سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔ یہ آپ کی گرفتاری کا وارنٹ ہے۔" شہاب نے ایک کاغذ مقبول جمال کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن انسپکٹر صاحب میرے خلاف یہ الزام کیوں لگا دیا گیا؟"

"اس لئے مقبول جمال صاحب کہ آپ نے یہ قتل کرایا ہے...... حکمت کے ہاتھوں اور اس کے اتنے ثبوت مل گئے ہیں کہ اب آپ ان ثبوتوں کی تردید نہیں کر سکتے۔"

"نہیں، انسپکٹر صاحب، میں دعوے سے کہتا ہوں کہ میرے خلاف کوئی سازش کی جارہی ہے۔"

"ہو سکتا ہے یہ تو آپ کو اب عدالت ہی میں ثابت کرنا ہوگا۔"

"دیکھئے انسپکٹر صاحب، ہر انسان کو ایک انسان کی حیثیت سے دوسرے انسان سے مدد طلب کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے، اگر میں آپ سے یہ درخواست کروں کہ آپ میرے خلاف ہونے والی سازش کو ختم کر دیں اور میری مدد کریں تو کیا آپ ایک بے گناہ کی مدد کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے؟"

"دل و جان سے مقبول جمال صاحب، ہم اور کر ہی کیا رہے ہیں...... آپ دیکھئے نا پولیس کا تو کام ہی یہ ہے کہ مظلوموں کی مدد کرے لیکن دوسروں کو بھی تو پولیس کی مدد کرنی چاہئے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں، معمولی حیثیت کا آدمی ہوں آپ بتایئے مجھے آپ کی کیا خدمت کرنی ہو گی؟"

"ارے واہ مقبول جمال صاحب، یعنی اب اپنی مجبوریوں کا رونا روئیں آپ کے سامنے آپ کو اچھا لگے گا؟"

"نہیں نہیں ہرگز نہیں...... وہ ایک تھوڑی سی چیز پڑی ہوئی ہے میرے پاس اگر قبول

فرمائیں تو مجھے خوشی ہوگی۔"

"تحفے کون قبول نہیں کرتا مقبول جمال صاحب۔"

مقبول جمال نے میز کی دراز میں ہاتھ ڈالا اور نوٹوں کے کچھ بنڈل نکال کر سامنے رکھ لئے۔"

"یہ پچاس ہزار ہیں..... مزید بھی دیئے جا سکتے ہیں لیکن فی الحال۔"

"ارے اس کی کیا ضرورت تھی مقبول جمال صاحب لیکن آگے بھی تو کچھ کرنا ہوگا؟"

"وہ تو ٹھیک ہے میں اور بھی کچھ کروں گا، فی الحال اگر آپ یہ قبول فرمالیں تو مجھے مسرت ہوگی۔"

"اور یہ قبول کرکے مجھے بھی مسرت ہوگی..... مقبول جمال صاحب!" شہاب نے نوٹ جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔" اور مقبول جمال کے چہرے پر بشاشت آگئی پھر وہ بولا۔

"لیکن اب آپ اس سلسلے میں کیا کریں گے؟"

"آپ کو گرفتار کرکے یہاں سے لے جاؤں گا، لاک اپ میں بند کردوں گا پھر اس کے بعد تفتیش کی جائے گی، پھر اس کے بعد جو بھی صورت حال سامنے آئے۔"

"کوئی ایسی تدبیر نہیں ہے کہ میں اپنی آزادی کے لئے آزاد رہ کر کام کروں؟"

"یہ فی الحال تو نہیں ہو سکتا، دیکھنا یہ ہے کہ اب اس کیس میں کتنی جان باقی رہتی ہے، آپ کو چلنا تو ہوگا میرے ساتھ؟"

"جی ہاں وہ تو ٹھیک ہے، اصل میں تھوڑے سے پیسے اور پڑے ہوئے ہیں بنک میں اگر آپ چاہیں تو کسی کے نام چیک کاٹ دوں؟ میرا مطلب ہے اگر آپ براہ راست وصول نہ کرنا چاہیں۔"

"گلاب جان کے نام سے چیک کاٹ دیجئے آپ۔" مقبول جمال نے پچاس ہزار روپے کا چیک اور کاٹا اور شہاب نے اسے بھی شکریے کے ساتھ قبول کرلیا پھر بولا۔

"تو زحمت فرمایئے۔"

"آپ کی مرضی ہے آپ دیکھ لیجئے گا۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے آپ چلئے، تشریف لایئے میرے ساتھ۔"

شہاب نے بے شک اتنا ضرور کیا تھا کہ مقبول جمال کو ہتھکڑی لگا کر تھانے نہیں لایا

بلکہ اپنے ساتھ ہی جیپ میں بٹھا کر تھانے لے آیا تھا اور پھر یہاں آنے کے بعد اس نے کہا۔

"جی مقبول جمال صاحب آپ ایف آئی آر کی نقل دیکھنا چاہیں گے؟"

"بالکل بالکل۔" مقبول جمال نے کہا اور اس کے بعد شہاب نے اس کے سامنے ایف آئی آر پیش کردی..... مقبول جمال اسے پڑھتا رہا پھر بولا۔

"مجھے تعجب ہے مجھے بے حد تعجب ہے..... پروین فاروقی نے آخر ایسا کیوں کیا؟"

"میرا خیال ہے اس کا ضمیر جاگ گیا ہے؟"

"جی۔"

"جی ہاں..... اب آپ دیکھئے نا وہ بے چارہ نور محمد آپ کو علم ہے کہ وہ قاتل تو نہیں ہے..... قتل تو آپ نے حکمت کے ذریعے کرایا ہے اور اس بے چارے پر سارا الزام رکھ دیا ہے۔"

"حکمت کہاں ہے..... کیا آپ نے اسے بھی گرفتار کرلیا؟"

مقبول جمال نے پوچھا۔

"ابھی پتا چل جاتا ہے۔" شہاب نے کہا اور گھنٹی بجادی ایک اردلی آیا تو اس نے پوچھا۔

"گلاب جان واپس آگئے ہیں؟"

"جی سر آگئے ہیں۔"

"ملزم کو لائے ہیں؟"

"جی سر..... ملزم لاک اپ میں بند ہے۔"

"گلاب جان کو بھیج دو میرے پاس۔"

"جی سر۔" اردلی سلیوٹ کرکے چلا گیا اور اس کے جانے کے چند لمحات کے بعد ہی گلاب جان، شہاب کے پاس پہنچ گیا۔

"گلاب جان ان سے ملو، مقبول جمال ہے ان کا نام بڑے اچھے آدمی ہیں..... یہ پچاس ہزار روپے تمہیں پیش کئے ہیں انہوں نے، تمہیں یہ چیک کل صبح کیش کرالینا ہوگا۔" شہاب نے چیک گلاب جان کو دیتے ہوئے کہا اور گلاب جان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"جی سر ٹھیک ہے مگر؟"

"نہیں گلاب جان اگر کوئی تحفتاً کچھ پیش کرے تو میرا خیال ہے اس کا دل توڑنا نہیں

چاہئے...... یہ رقم تم وصول کر لینا، بعد میں دیکھیں گے کہ اس کا کیا کیا جائے گا...... ویسے مقبول جمال صاحب بہت اچھے آدمی ہیں اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ تم نے حکمت کو گرفتار کر لیا؟"

"جی۔"

"حکمت کیا کہتا ہے اس بارے میں؟"

"سر ہم نے ابھی اس سے پوچھ گچھ نہیں شروع کی ہے۔"

"اگر وہ یہ بات کہتا ہے کہ میں نے ایسا کوئی قدم اٹھایا ہے اور اسے اس قتل پر آمادہ کیا ہے تو بکواس کرتا ہے، جھوٹ بولتا ہے۔"

"تو سامنا کئے لیتے ہیں حکمت سے۔" شہاب نے دوستانہ انداز میں کہا۔

مقبول جمال کو یہ احساس ہو رہا تھا کہ انسپکٹر شہاب اس کے سلسلے میں خاصا نرم ہو چکا ہے۔

بہر حال حکمت کو لایا گیا، اس کا چہرہ بھی پیلا پڑ رہا تھا...... مقبول جمال کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خوف کی سرخی اتر آئی۔

"صاحب ایک قتل کیا ہے ہم نے، اس بات سے انکار نہیں کریں گے...... انسان دولت کے لئے بھٹک جاتا ہے ہم بھی بھٹک گئے تھے اور اس کمینے کی باتوں میں آ گئے تھے لیکن صاحب ہمیں اجازت دو ایک قتل اور کر دیں ہم۔"

"کیا مطلب ہے حکمت؟"

"اس کمینے آدمی کا قتل کرنا چاہتے ہیں ہم، جس نے ہمارے ہاتھوں قتل کرایا، ہمارے مالک کا خون، نمک حرامی کرائی ہم سے اور ہمارے لئے کچھ نہیں کیا۔"

"بکواس کرتا ہے یہ، میں نے اس سے کچھ نہیں کہا۔"

"صاحب تھوڑا موقع دے دو ہمیں، ہم اس کے منہ سے یہ بات کہلوا دیں گے کہ ہم بکواس نہیں کر رہے۔"

"کیا واقعی؟" شہاب نے خوشی سے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

"جی صاحب، موقع دے دو ہمیں آپ کو ساری حقیقت معلوم ہو جائے گی اب ہم اس بات سے انکار کرنا نہیں چاہتے کہ ہم نے قتل نہیں کیا ہے مگر ہم نے جس کام کے لئے کیا ہے اس کی تفصیل بھی آپ کو بتا دیں گے، بلکہ ہم کیا بتائیں گے یہ آدمی خود بتائے گا، آپ ہم دونوں کو بس اکیلا چھوڑ دو۔"

"چلو یہ ٹھیک رہے گا جان ایسا کرو، دونوں کو لاک اپ میں ایک ساتھ بند کر دو۔"

"جی آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" مقبول جمال کہنے لگا۔

"بھئی دیکھئے نا اس کی خواہش ہے۔"

"مگر انسپکٹر صاحب، یہ جنگلی، کمینہ ہے، ذلیل ہے، یہ یہ مجھے نقصان پہنچا دے گا۔"

"اس نقصان سے بچنے کے لئے بہتر ہے کہ آپ وہ کریں جو یہ کہہ رہا ہے...... جاؤ گلاب جان دونوں کو بند کر دو۔" شہاب نے کہا اور گلاب جان تعمیل کے لئے تیار ہو گیا۔

"آپ انسپکٹر صاحب آپ۔"

"جاؤ بھئی مجھے دوسرے کام بھی کرنے ہیں۔" شہاب کا لہجہ دفعتاً خشک ہو گیا۔

گلاب جان، مقبول جمال اور حکمت کو لے کر لاک اپ کی جانب چل پڑا...... مقبول جمال نے کہا۔

"کیا یہ انسپکٹر صاحب میرے ساتھ بد عہدی نہیں کر رہے ہیں؟"

"چلو چلو...... ورنہ میں جو عہد کروں گا وہ زیادہ خطرناک ہو گا۔" گلاب جان نے لاک اپ کے دروازے پر پہنچنے کے بعد دونوں کو اندر دھکیل دیا اور پھر غصیلے لہجے میں بولا۔

"حکمت کوئی بد تمیزی نہیں کرو گے صاحب کے ساتھ سمجھے، اب جو کچھ ہے بعد میں دیکھا جائے گا...... سمجھ لینا اگر کوئی گڑبڑ کی تو کھال اتار دوں گا تمہاری۔" گلاب جان، حکمت سے یہ کہہ کر واپس چل پڑا۔ شہاب مسکرا رہا تھا گلاب جان نے کہا۔

"سر یہ پچاس ہزار؟"

"گلاب جان کبھی کبھی کچھ ضرورتیں رک جاتی ہیں ان کی تکمیل کرنی ہی پڑتی ہے، تم ایسا کرو کل یہ چیک کیش کرا لینا اور اپنے ساتھیوں میں بانٹ دینا۔" گلاب جان نے ممنونیت سے گردن ہلا دی تھی۔

اس کے بعد کوئی گنجائش نہیں رہ گئی تھی آخر کار جرم کی حقیقت واضح ہو گئی تھی اور بے گناہ کی بے گناہی کے لئے قدرت کی جانب سے انتظامات ہو گئے تھے، حکمت اقرار جرم پر آمادہ تھا، پروین گواہی دینا چاہتی تھی اس کے علاوہ اکاؤنٹنٹ اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ وہ کیسٹ موجود تھے، نور محمد کی خوشیوں کے دن قریب آ رہے تھے، سب ہی تعاون پر آمادہ تھے...... چنانچہ عدنان واسطی اور بینا نے شہاب کی مدد سے تمام تیاریاں مکمل کیں اور اس کے

بعد جب نور محمد کی تاریخ کے مطابق پیشی ہوئی تو بالکل نئے معاملات جج صاحب کے علم میں لائے گئے، عدنان واسطی نے سب سے پہلے نور محمد کے وکیل کی حیثیت سے وکالت نامہ عدالت کے سامنے پیش کیا اور معزز جج صاحب نے اسے قبول کرتے ہوئے عدنان واسطی سے کہا۔

"جی واسطی صاحب! اس سلسلے میں کیا کچھ اور ایسے شواہد رہ گئے ہیں جو آپ کے علم میں ہیں اور آپ نے اس کیس کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے۔"

"جناب والا وہ شواہد ایسے ہیں کہ ان کی تردید نہیں کی جا سکتی...... عدالت کی اجازت سے میں سب سے پہلے کچھ حقائق جناب والا کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی۔"

"قاتل نور محمد نہیں ہے بلکہ ایک اور ہی شخص ہے جو اس کیس میں مکمل طور پر پس پردہ رہا ہے اور مسٹر فاروقی مرحوم کی بیگم مسز پروین فاروقی کی نئی معلومات کے تحت ان کی ایف آئی آر میں اس قاتل کی نشاندہی کی گئی ہے...... پھر وہ کیسٹ اور اس کے بعد کی تمام تفصیلات کے ساتھ حکمت کو پیش کیا گیا اور حکمت نے عدالت کے سامنے اپنے قاتل ہونے کا اعتراف کیا اور وہ تمام تفصیل بتائی جس کے تحت اس نے فاروقی صاحب کو قتل کیا تھا، زاہد فاروقی کی بیوہ پروین فاروقی نے گواہی دی پھر وہ کیسٹ عدالت کے سامنے لائے گئے اور اس طرح کیس کی نوعیت ہی بدل گئی۔ فاضل عدالت کو یہ کہتے ہی بن پڑا کہ ایک بے گناہ کو فوری طور پر رہائی دی جائے اور اس کیس کو تفصیل کے ساتھ از سر نو پیش کیا جائے، نور محمد سکتے کے عالم میں تھا...... کوئی بات اس کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہی تھی...... معمول کے مطابق اسے پولیس نے اپنی تحویل میں نہیں لیا اور شہاب نے اسے پروین کے حوالے کیا تو وہ بلک بلک کر رو پڑا۔

"یہ سب کیا ہے مالکہ مجھے کچھ نہیں معلوم، میرا سر چکرا رہا ہے۔ خدا کے لئے مجھے یہ بتادو اب میرا کیا ہوگا؟"

"آؤ۔" پروین نے کہا اور نور محمد کو ساتھ لے کر عدالت سے باہر نکل آئی...... مقبول جمال اور حکمت کو ایک بار پھر پولیس کی تحویل میں دے دیا گیا تھا اور عدالت نے شہاب کو ہدایت کی تھی کہ کیس کی مکمل تفصیلات اگلی پیشی پر پیش کی جائیں اور اس کے بعد قاتلوں کو

جیل بھیج دیا جائے...... بہر حال باہر نکلنے کے بعد پروین نے شہاب سے درخواست کی کہ اگر وہ مناسب سمجھے تو اس کے گھر چلے...... شہاب نے آمادگی کا اظہار کر دیا تھا۔

عدنان واسطی، بینا واسطی، پروین، نور محمد اور شہاب پروین کی کوٹھی پہنچ گئے تھے۔ نور محمد کی حالت اب بھی ابتر تھی اور وہ یقین نہیں کر پا رہا تھا کہ وہی کچھ ہوا ہے جو اسے نظر آ رہا ہے۔"

کوٹھی میں پہنچ کر بھی وہ سکتے کے سے عالم میں بیٹھا رہا تھا، تب پروین نے کہا۔

"نور محمد میں تم سے بے حد شرمندہ ہوں کہ حالات کی روشنی میں جو کچھ میں نے محسوس کیا یا مجھے باور کرایا گیا، میں نے اسی کے مطابق عمل کیا لیکن آخر کار وقت نے یہ ثابت کر دیا کہ تم بے گناہ ہو، میں تمہیں، تمہاری بے گناہی کی مبارک باد دیتی ہوں۔"

"ہم کیا کہیں بیگم صاحبہ، ہم کیا کہیں...... ہم تو بالکل بھی نمک حرام نہیں تھے ہم تو اپنے مالک کی بڑی عزت کرتے تھے...... ہمارے ماں باپ نے ہمیں یہی سمجھایا تھا، مگر ہم برباد ہو گئے...... بیگم صاحبہ ہم تو تباہ ہو گئے۔ سب کچھ ختم ہو گیا ہمارا...... ہمارے ماں باپ کوڑی کوڑی کو محتاج ہو گئے، کچھ بھی نہیں کر سکے ہم ان کے لئے۔"

"نہیں نور محمد یہ وقتی بات تھی، تمہارے اوپر سے گردش ٹل گئی ہے، ہم لوگوں کو ذلیل و خوار ہونا تھا سو ہو گئے ہیں، کچھ برباد نہیں ہوا...... تمہارے ماں باپ بھی خیریت کے ساتھ ہیں اور نور محمد اور بھی بہت کچھ ہے۔"

"ارے چھوڑیئے بیگم صاحبہ اب کچھ نہیں ہے۔"

"ایسی باتیں مت کرو...... بانو اب بھی تمہاری ہے نور محمد، میں بانو کو تم سے منسوب کر کے اس گھر میں لاؤں گی...... اب تم اس گھر میں ملازم نہیں میرے بھائی کی حیثیت سے ہو نور محمد، میرا بھی کون ہے اس دنیا میں، تم ہی لوگوں کے سہارے زندگی گزاروں گی، شہاب صاحب اب آپ اس کے والدین کو بھی یہاں منتقل کر دیجئے...... میں ان لوگوں کو اب کہیں نہیں جانے دوں گی۔"

شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

"پروین صاحبہ مجھے یقین تھا کہ آپ اپنی عظمت کا ثبوت اسی طرح دیں گی، بہر حال میں آپ کی بے پناہ عزت کرتا ہوں اور پھر اس کے بعد وہی سب کچھ جو ان لوگوں کو زندگی بخشتا تھا...... ماحول میں تبدیلی بھی ہو جاتی تھی...... دلوں کو خوشی بھی ملتی تھی نور محمد کو جب

اس کے والدین کے سامنے پیش کیا گیا تو علی محمد اور زہرہ دنگ رہ گئے...... علی محمد نے اس کے ہاتھوں کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"تیری ہتھکڑیاں کیسے اتر گئیں نور محمد اور پولیس بھی تیرے ساتھ نہیں ہے، کیا پولیس تجھے ہم سے ملانے لائی ہے۔"

"اب میں رہا ہو گیا ہوں...... مجھے رہائی مل گئی ہے۔" اور پھر جو رقت آمیز مناظر ایسے موقعوں پر دیکھنے میں آسکتے ہیں وہی آئے اور آخر کار پروین، نور محمد، علی محمد اور زہرہ کو لے کر اپنے ساتھ چلی گئی۔ سب کچھ ٹھیک تھا اور اب اس کیس میں کوئی ایسی اُلجھن باقی نہیں رہ گئی تھی جو باعث تردد ہو۔ ہاں اس واقعہ کے تیسرے دن جو چھٹی کا دن تھا، عدنان واسطی نے اپنے گھر پر کھانے کا انتظام کیا تھا اور شہاب کو کھانے پر مدعو کیا تھا، باقی اور کوئی اس میں شریک نہیں تھا...... شہاب وقت مقررہ پر پہنچ گیا اور بے تکلفی سے گفتگو ہونے لگی۔ شہاب نے کہا۔"

"بینا کیا ان دنوں ہم کچھ زیادہ ہی نیک اور شریف نہیں ہو گئے؟"

"بینا مسکراتی نگاہوں سے شہاب کو دیکھنے لگی پھر اس نے کہا"۔

"میرا خیال ہے وہ تو ہمیشہ سے تھے۔"

"نہیں سیٹھ محمودہ کے بعد کوئی ایسی آسامی ہاتھ نہیں لگی جس سے آمدنی ہوئی ہو۔"

"شہاب صاحب ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ہم اس آمدنی کو جو ہمیں ہو چکی ہے، کچھ سالوں پر تقسیم کر لیں...... ابو تو ہمیشہ یہی کہتے رہتے ہیں کہ اب اتنے سارے پیسے آگئے ہیں کہ ہاتھ پاؤں باندھ کر بیٹھنے کو دل چاہتا ہے اور بار بار یہ خیال آتا ہے کہ دفتر وغیرہ بند کر دیا جائے، آخر ہم ان پیسوں کا کریں گے کیا؟"

"نہیں بینا یہ مناسب نہیں ہے، اصل میں فنڈ تو واقعی بہت ہے ہمارے پاس لیکن پھر بھی اس میں تھوڑا بہت اضافہ ہوتا رہنا چاہئے۔"

واسطی صاحب ہنسنے لگے پھر انہوں نے کہا۔ "بھئی میں اب تم سے متفق ہو چکا ہوں شہاب میاں، میں یہ نہیں کہتا کہ ہر کیس میں آمدنی ہونی چاہئے، لیکن بہر حال جہاں سے بھی کچھ نہ کچھ ہو ہاتھ لگتے رہنا چاہئے۔"

"بے شک جناب بے شک، ورنہ پھر زندگی کا لطف ادھورا رہ جاتا ہے۔"

بینا ہنستی رہی تھی...... پر تکلف ماحول میں یہ کھانا ختم ہوا اور اس کے بعد شہاب بہت دیر تک بینا سے باتیں کرتا رہا۔

بہر حال معمولات چلتے رہے، عدنان واسطی کی حیثیت واقعی کچھ عجیب سی ہو گئی تھی۔ اب ان کے ساتھی وکیل انہیں ذرا مختلف نگاہوں سے دیکھنے لگے تھے، اس دن بھی عدالت میں ایک وکیل نے عدنان واسطی سے کہا۔

"بھئی واسطی صاحب، کم از کم ایک بار الہ دین کے اس چراغ کی زیارت تو کرا دیجئے ہمیں جو آپ کے ہاتھ لگ گیا ہے اور چراغ کا جن آپ کو کہیں سے کہیں پہنچائے دے رہا ہے...... آپ یقین کیجئے اب تو ہماری لائن کے تمام لوگ ایک ہی بات کہنے لگے ہیں...... وہ یہ کہ واسطی صاحب نے اس عمر میں وہ پر پرزے نکالے ہیں کہ اچھے اچھے جوان وکیلوں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ تجربہ بے شک اہمیت رکھتا ہے لیکن اس تجربے کو واسطی صاحب نے ذخیرہ کیا اور اب اس ذخیرے کو استعمال کر رہے ہیں...... واسطی صاحب ہنس کر خاموش ہو گئے تھے۔

زندگی کے شب و روز میں اگر تبدیلیاں نہ ہوں تو گردش فلک کے بارے میں کون سوچے، شہاب خوش اسلوبی سے اپنی زندگی کے معاملات نبیڑ رہا تھا، گھر کی کیفیت بدل چکی تھی اور اسے زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں کامیابیاں حاصل ہو گئی تھیں...... ایک جانب اس کے دوست ایک شاندار اخبار چلا رہے تھے اور اب تو جبار سیٹھ بھی اس اخبار میں پوری پوری دلچسپی لے رہے تھے...... ویسے سرمایہ دار کی ذہنیت کا صحیح تجزیہ جبار سیٹھ سے ہو جاتا تھا حالانکہ وہ بس شہاب کے ٹرانس میں آکر اخبار کی جانب متوجہ ہوئے تھے لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد انہیں احساس ہوا تھا کہ یہ اخبار ان کی اپنی شخصیت میں چار چاند لگانے کا باعث بنا ہے اور ان کے سرمایہ دار ساتھی اب اس بات سے خاصے متاثر رہنے لگے ہیں کہ جبار سیٹھ کے پاس ایک ایسا ذریعہ موجود ہے جس سے ان کے مخالفوں کو نقصانات پہنچ سکتے ہیں، حالانکہ سبحان طاہر اور اختر عادل ایسے لوگ نہیں تھے کہ اخبار کی پالیسی پر جبار سیٹھ کو اثر انداز ہونے دیتے، لیکن ایسے چھوٹے موٹے معاملات جن سے اخبار کا مفاد بھی مجروح نہیں ہوتا تھا اور وقار بھی، وہ جبار سیٹھ کی مرضی کے مطابق کر لیا کرتے تھے...... ویسے چونکہ خود کاروباری لوگ نہیں تھے اس لئے انہیں یہ اندازہ نہیں ہو پاتا تھا کہ جبار سیٹھ کے لئے کرنے والے چھوٹے چھوٹے اقدامات خود جبار سیٹھ کے لئے کس اہمیت کے حامل ہیں اور وہ ان سے کیا

فائدہ اٹھاتا ہے۔"

تو بات ہو رہی تھی گردش چرخ کی اور جس طرح زمین گول ہوتی ہے اسی طرح بعض معاملات بھی بڑے گول مول ہوتے ہیں۔ اخبار کی ایک چھوٹی سی خبر نے شہاب کو مسرت سے دیوانہ کر دیا تھا اور وہ خبر یہ تھی کہ ڈی آئی جی نادر حیات جن کا تبادلہ کر دیا گیا تھا اب ایک نئی حیثیت سے واپس آ رہے تھے اور یہ حیثیت تھی سی بی آئی کے ڈائریکٹر جنرل کی، نادر حیات صاحب کو اس سی بی آئی کا ڈائریکٹر جنرل بنا کر بھیجا جا رہا تھا اور وہ بہت جلد اپنی ڈیوٹی کا چارج لینے والے تھے۔ ڈی آئی جی نادر حیات صاحب کی شخصیت وہ واحد شخصیت تھی جس نے نہ صرف شہاب کو مکمل طریقے سے سپورٹ کیا تھا بلکہ ان کی شخصیت میں شہاب کی شخصیت بھی ہم آہنگ تھی اور دونوں کا انداز فکر یکساں تھا...... شہاب کو اب یہ احساس ہو رہا تھا کہ نادر حیات صاحب واپس آنے کے بعد اسے نہیں بھولیں گے، بہر حال پھر اس کی اپنی معلومات کے تحت اسے علم ہو گیا کہ نادر حیات صاحب واپس آ رہے ہیں لیکن یہاں اس کی انا سامنے رہی وہ دیوانہ وار چاہنے کے باوجود اپنے آپ کو نادر حیات صاحب کی خدمت میں لے جانے سے باز ہی رہا...... البتہ اسے مایوسی نہیں ہوئی چونکہ نادر حیات صاحب کا فون اسی شام اسے موصول ہوا تھا جس صبح وہ یہاں آئے تھے اور یہ فون اسے اس کے گھر پر ہی موصول ہوا تھا اس وقت جب وہ اپنے تمام معمولات سے فراغت حاصل کر کے اپنے گھر میں اپنے اہل خاندان کے ساتھ زندگی کا لطف اٹھا رہا تھا...... بہن، بہنوئی بھی آئے ہوئے تھے، دلچسپ موضوعات چل رہے تھے اور شہاب ان میں اپنی ہمہ دانی کا مظاہرہ کر رہا تھا کہ فائق حسین نے اسے بتایا کہ اس کا فون ہے۔

شہاب نے فون ریسیو کیا تو دوسری جانب سے آنے والی آواز کو فوراً ہی پہچان لیا۔

"شہاب صاحب؟"

"جی سر...... آپ کا خادم، آپ کا جان نثار۔"

"ہوں تمہیں معلوم تھا کہ میں واپس آ رہا ہوں؟"

"جی سر۔"

"اور تم نے مجھے خوش آمدید بھی نہیں کہا؟"

"سر میرے اندر جو کچھ پوشیدہ ہے اگر آپ اسے میری ہی ملکیت رہنے دیں تو بہ

آپ کا دلی شکر گزار ہوں گا۔" شہاب نے کہا اور نادر حیات صاحب اس کے الفاظ میں کھو گئے پھر چند لمحات کے بعد بولے۔

"ہاں میں جانتا ہوں کہ تم کس قسم کے نوجوان ہو، دوسرے شاید تمہاری اس بات سے گریزاں ہوتے لیکن میں چونکہ تمہیں جانتا ہوں اس لئے میری محبت میں اور اضافہ ہی ہوا ہے بے شک شہاب کسی غیور نوجوان کو اپنے تھوڑے سے مفاد کے لئے گرنا نہیں چاہئے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی میں تم سے اپنے ایک اور رشتے کا تعارف چاہتا ہوں۔"

"آپ مجھے شرمندہ نہ کریں نادر حیات صاحب!"

"چلو پھر ٹھیک ہے...... میں اپنے آئندہ کے الفاظ کو ختم کر دیتا ہوں...... اب تم یہ بتاؤ کہ مجھ سے ملاقات کب کر رہے ہو؟"

"سر میرا تو دل یہ چاہتا تھا کہ میں آپ کو اس مقام سے یہاں تک لے کر آؤں جہاں آپ کا قیام ہے لیکن آپ نے خود ہی میری وکالت کر دی ہے۔"

"تو پھر آجاؤ...... میری کوٹھی کا پتا نوٹ کر لو...... ابھی میں نے کسی سے رابطہ قائم نہیں کیا ہے اور کل صبح سے میں اپنا چارج لینا شروع کروں گا...... میں نے یہ بھی نہیں معلوم کیا کہ تم کیا کر رہے ہو...... ظاہر ہے میں کسی بھی شخص سے تمہارے بارے میں یہ سوال نہیں کر سکتا تھا۔"

"میں ابھی حاضر ہو رہا ہوں سر آپ مجھے پتا نوٹ کرا دیجئے۔" شہاب نے کہا اور نادر حیات صاحب نے اسے شہر کے ایک انتہائی پوش علاقے کا پتا بتا دیا...... شہاب نے سلسلہ منقطع کرنے کے بعد تیاریاں شروع کیں اور اس سبھا سے اٹھ کر چل پڑا...... اس نے ان لوگوں سے معذرت کر لی تھی اور کہا تھا کہ ایک محکماتی کام آ پڑا ہے پھر وہ مطلوبہ پتے پر پہنچ گیا۔

سی بی آئی کے ڈائریکٹر جنرل کے شایان شان کوٹھی تھی...... دروازے پر مسلح سپاہی موجود تھے، انہیں شہاب کی آمد کے بارے میں اطلاع دے دی گئی تھی اور نام پوچھنے کے بعد انہوں نے شہاب کو اندر جانے کی اجازت دے دی...... نادر حیات صاحب اس کے منتظر تھے، برآمدے میں ہی انہوں نے شہاب کا استقبال کیا، شہاب نے گردن جھکا کر انہیں سلام کیا تو انہوں نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور شہاب اس محبت سے بے پناہ متاثر ہوا...... نادر حیات صاحب نے اسے دیر تک اپنے سینے سے لگائے رکھا اور پھر اسے اپنے ساتھ لئے ہوئے

ڈرائنگ روم میں داخل ہوگئے۔

"اصل میں شہاب کچھ لوگوں کا مقام خود بخود اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ انہیں آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ شاید میرا مزاج تمارے مزاج سے بہت ملتا جلتا ہے۔ اس لئے تم سے مجھے خصوصی محبت محسوس ہوتی ہے، میں وہاں رہ کر بھی تمہیں یاد کرتا رہا اور یہ میرے لئے مشکل کام نہیں تھا کہ میں تمہارا ٹرانسفر کرا کے تمہیں اپنے پاس بلالیتا لیکن دو باتیں تھیں...... پہلی تو یہ کہ میں تمہیں مجروح نہیں کرنا چاہتا تھا...... میں جانتا تھا کہ تم جیسے لوگ کسی کے محتاج نہیں ہوتے اور اپنا کام ہر قیمت پر چلا لیتے ہیں...... دوسری بات یہ تھی کہ جس علاقے میں، میں تعینات تھا وہاں خاصی بہتر حالت تھی اور میں سمجھتا تھا کہ اس ماحول کو تمہاری زیادہ ضرورت ہے، کہو شہاب اپنا کام اسی انداز میں سرانجام دے رہے ہو یا راہ میں رکاوٹیں آگئیں؟"

شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے مودب لہجے میں کہا۔

"ان رکاوٹوں کو عبور کرنا ہی تو محنت ہے سر، ورنہ باقی کام ہوا ہی کرتے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں...... تمہیں روکنا آسان بات نہیں ہے...... تم رکاوٹوں کو عبور کرنا جانتے ہو۔"

"جی سر آپ کی محبت اور عنایت ہے اور یہ حقیقت ہے کہ راستے کٹھن ہوتے ہیں تو کام کرنے کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔"

"بے شک، اپنے فرض اور اپنی ذمے داریوں سے محبت کرنے والے جنونی ہی اس لطف کو جانتے ہیں، جو مشکلات میں رہ کر کام کرنے میں آتا ہے...... کیا صورت حال ہے؟ مجھے بتاؤ؟"

"بالکل مناسب ہے جناب، اس دوران کچھ اژدھے مارے ہیں ان کی تفصیلی رپورٹ آپ کو پیش کروں گا۔"

"ارے نہیں، وہ میرا شعبہ ہے...... بہرحال مجھے بتاؤ تمہارا کام تمہاری توقع کے مطابق ہو رہا ہے؟"

"جی سر...... تقریباً۔"

"تعیناتی کہاں ہے؟"

"ایک تھانے کا انچارج ہوں اور انسپکٹر کے عہدے تک پہنچ چکا ہوں۔" شہاب نے پرمزاح انداز میں کہا۔ "اور نادر حیات صاحب چونک پڑے۔"

"کیا مطلب؟"

"تنزلی ہوگئی ہے اور اب ایک انسپکٹر ہوں۔"

نادر حیات صاحب کا چہرہ سرخ ہوگیا...... دیر تک سوچ میں ڈوبے رہے پھر بولے۔

"میں جانتا ہوں بلکہ ایسا ہونا چاہئے تھا کیونکہ سونا تپ کر ہی کندن بنتا ہے، کیونکہ تمہارے جذبوں کی آگ بھڑکانے کے لئے یہ سب کچھ بہت ضروری ہے بہرحال مجھے یقین ہے کہ اس کے باوجود تمہارے راستے نہیں رکے ہوں گے؟"

"جی سر میں آپ کو رپورٹ پیش کروں گا کہ اس دوران میں کیا کیا کرتا رہا ہوں۔"

"اب یہ بتاؤ آئندہ کیا پروگرام ہے؟"

"نہیں سر مجھے کوئی ترقی نہیں چاہئے بلکہ ایک طرح سے یوں سمجھئے کہ میں ترقی سے گریزاں بھی ہوں اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ بڑی حیثیت حاصل کرنے کے بعد میرے راستے اور دائرہ عمل محدود ہو جاتا ہے...... میں خود یہ چاہتا ہوں کہ جہاں تک میری رسائی ہو میں ہاتھ پاؤں مارتا رہوں...... اس طرح کم از کم ایک ذمے دار شخص کی حیثیت سے کام کرتا ہوں اور کسی بھی شعبے کو نظر انداز نہیں کرتا، چاہے کوئی کتنی ہی بڑی شخصیت میرے راستے میں مزاحم کیوں نہ ہو۔"

"میں جانتا ہوں شہاب! لیکن بہرحال اتنا اعتماد ضرور رکھتا ہوں کہ اگر میں خود تمہارے بارے میں فیصلہ کروں تو تم اس سے منحرف نہیں ہوگے۔"

"میں یہ بھی جانتا ہوں، خیر بجائے اس کے کہ ہم تکلف میں پڑیں میں تم پر اپنا مقصد واضح کردوں تاکہ وقت ضائع کئے بغیر تم اپنے آپ کو ذہنی طور پر اس کے لئے تیار کرلو، سی بی آئی میں ٹرانسفر کے بعد، جب یہاں میری منتقلی کا معاملہ طے ہوا تو میں نے اپنے طور پر وزارت داخلہ سے تمام گفت و شنید کرلی اور میری اپنی جو ضروریات تھیں، میں نے انہیں بیان کردیا...... خدا کا شکر ہے کہ میرے موقف کو تسلیم کرتے ہوئے مجھے ان تمام ضروریات کو پورا کرنے کا یقین دلا دیا گیا، جنہیں میں نے بیان کیا تھا، چنانچہ میری اپنی خواہش کے مطابق مجھے ایک ایسا خفیہ ڈیپارٹمنٹ قائم کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے جس میں، میں

اپنی پسند کے لوگوں کو شامل کر سکوں...... میرے ذہن میں جو منصوبہ ہے وہ یہ ہے کہ تم اپنے طور پر سے ایک ڈیپارٹمنٹ تشکیل دو اور اس میں اپنی پسند کے لوگوں کو منظر عام پر لانے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ انہیں اپنے طور پر اپنے ساتھ شامل رکھو اور اب ذرا اپنی کارکردگی کا انداز بدل لو...... ویسے تو ملک میں ہونے والا ہر جرم ہمارے لئے قابل دست اندازی ہے لیکن یہ حیثیت حاصل کرنے کے بعد تمہارا دائرہ کار بڑھ جائے گا اور چھوٹے موٹے جرائم نہیں بلکہ ملکی پیمانے پر ہر طرح کے جرائم میں تم مداخلت کر سکو گے، چاہے وہ کسی بھی نوعیت کے ہوں...... بات صرف اتنی ہو گی کہ تمہیں اس کے لئے کام کرنا ہو گا، مثلاً کچھ ایسے جرائم بھی ہو جاتے ہیں جو اخلاقی نوعیت بھی رکھتے ہیں اور انہیں اینٹی اسٹیٹ بھی کہا جاتا ہے۔ ایسے جرائم کے سلسلے میں بعض اوقات پولیس اس سطح پر کام نہیں کر پاتی جس کے بعد ان کی تفتیش کی جا سکے، یا ان کی حقیقتیں منظر عام پر لائی جا سکیں...... تمہارا یہ خفیہ ڈیپارٹمنٹ اس کے لئے کام کرے گا لیکن اس بارے میں تمہیں خفیہ رہنے کی ضرورت نہیں ہے...... تمہارا اپنا ایک عہدہ ہو گا جس کی تفصیل میں تمہیں بعد میں بتا دوں گا اور اس عہدے کے تحت تم اپنے افراد سے کام لے سکتے ہو، جنہیں تم خود تلاش کر کے اپائنٹ کرو گے اور انہیں کبھی منظر عام پر آنے کی ضرورت نہیں ہو گی...... پسند نہ کرو تو مجھے بھی بتانا، ضروری نہیں ہے کیونکہ شعبہ صرف تمہارا ہو گا۔ تمہیں اس کے لئے ایک الگ جگہ دی جائے گی جسے تم اپنی پسند کے مطابق جو دل چاہو حیثیت دے سکتے ہو لیکن اس کے علاوہ پولیس ڈیپارٹمنٹ کے ہیڈ آفس میں تمہارا اپنا ایک آفس ہو گا۔ ان تمام تفصیلات کو اپنے ذہن میں رکھ لو اور مجھے ایک سیٹ اپ بنا کر دو تا کہ میں اس کے مطابق منظوری لے لوں، جن لوگوں کو تم اپنے طور پر اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہو انہیں باقاعدہ اپائنٹ منٹ لیٹر دیئے جائیں گے...... بس ان کے نام مختصر کوائف قانونی طور پر درج کئے جائیں گے۔ ان کی تصاویر تک ضروری نہیں ہیں

شہاب سکوت کے عالم میں یہ سب کچھ سن رہا تھا...... بہت بڑا مقام دیا جا رہا تھا اسے، بلکہ سب کچھ اس کا خواب تھا...... اس طرح وہ اپنے ان جانثار ساتھیوں کو بہترین ملازمت ساتھ ساتھ قانونی حیثیت دے سکتا تھا، جو اب تک صرف اس کے ایما پر کام کر رہے تھے...... انہیں باقاعدہ سرکاری تنخواہیں ملیں گی اور ان کا اپنا ایک مقام ہو گا، یہ سب کچھ اعلیٰ حیثیت کا حامل تھا اور شہاب کے خوابوں کی تعبیر اسے مل رہی تھی اس طرح اس کا

دائرہ کار بھی بڑھ جائے گا...... وسعتیں بھی اور پھر کام کرنے کا اصل لطف آئے گا کیونکہ وہ اپنے پھیلاؤ میں کام کر سکتا تھا...... نادر حیات صاحب اسے تمام تفصیلات بتاتے رہے اور پھر انہوں نے کہا۔

"تم بالکل خاموش ہو شہاب! یہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں تمہارے لئے بھی قابل قبول ہو گیا یا نہیں؟"

"سر آپ اس بات کو قابل قبول کہہ رہے ہیں جو میرے لئے خوشگوار خوابوں کی حیثیت رکھتی تھی۔"

"گویا تمہیں میری تجاویز قبول ہیں؟"

"دل و جان سے سر اور میں ان پر بہت خوش ہوں، اس سے بڑا انعام میرے لئے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"

"تو پھر جیسا کہ میں نے تم سے کہا کہ تم مجھے اپنا یہ سیٹ اپ جس قدر جلد ممکن ہو سکے بنا کر دو اور اس کے بعد میں تمہیں اس کے انچارج کی حیثیت دیتا ہوں۔"

"سر! چند چیزیں آپ کے گوش گزار کر دینا ضروری ہو گا۔"

"ہاں ضرور۔"

"مجھے جس عہدے سے بھی نوازا جائے، میرا اپنا ڈیپارٹمنٹ آپ کے لئے بھی خفیہ ہو گا اور ڈیپارٹمنٹ کے لئے میں بھی خفیہ ہوں گا یعنی وہ لوگ یہ بات نہیں جانیں گے کہ میں ان کا سربراہ ہوں۔"

"یہ تم پر منحصر ہے، گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اپنے اس ڈیپارٹمنٹ سے تم خود بھی متعارف نہیں رہنا چاہتے۔"

"جی سر، بعض اوقات کام لینے کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے۔"

"تو ٹھیک ہے ہم ان کے لئے ایک عمارت مخصوص کئے دیتے ہیں، تمہارا آفس تو ہیڈ آفس میں ہو گا ہی، باقی تم کام جس طرح ان سے لینا چاہو لے سکتے ہو، یعنی ایک جانب تمہیں پولیس فورس کی مدد بھی حاصل رہے گی اور دوسری طرف تمہارا وہ خفیہ ڈیپارٹمنٹ بھی کام کرے گا۔"

"سر میں یہی چاہتا ہوں۔"

"تم جو کچھ بھی چاہتے ہو یوں سمجھ لو بس مجھے بتا دینا شرط ہوگا...... میری طرف سے تمہاری ہر خواہش کی منظوری ابھی اور اسی وقت تمہیں دی جاتی ہے۔" پھر کافی دیر تک وہ حیات صاحب شہاب سے باتیں کرتے رہے اور جب شہاب وہاں سے اٹھا تو خوشی سے دیوانہ ہو رہا تھا۔

اماں بی اس خوشخبری کو سننے کا پہلا حق رکھتی تھیں...... شہاب ان کے قریب پہنچ کر بولا۔ "اماں بی...... ذرا پاؤں ہٹائیے۔" نعیمہ بیگم نے چونک کر پاؤں ہٹائے۔

"کیا بات ہے شہاب بیٹے؟" انہوں نے پیار سے پوچھا۔

"وہ اماں بی جنت تلاش کر رہا ہوں۔"

"ایں۔" نعیمہ بیگم کچھ نہ سمجھ پائیں لیکن ثریا بھابی مسکرانے لگیں پھر انہوں نے کہا۔

"مبارک ہو اماں بی! شہاب میاں بالغ ہو گئے۔"

"پتا نہیں کیا الٹی سیدھی باتیں کر رہے ہو تم لوگ، میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا۔" اماں بی نے پریشان لہجے میں کہا۔

"آپ کے پاؤں کے نیچے جنت تلاش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اب آپ ان سے جو کچھ کہیں گی یہ مان جائیں گے...... جنت اسی لئے تلاش کی جا رہی ہے میرا مطلب ہے اگر آپ شادی وغیرہ کے بارے میں ان سے کہیں گی تو وہ انکار نہیں کریں گے۔"

"ارے ثریا بھابی! اماں کو بلاوجہ غلط راستہ نہ دکھائیے۔"

"چھوڑیں شہاب میاں! اب دیکھئے نا بالوں میں سفیدی آتی جا رہی ہے اتنی سی بات نہیں سمجھوں گی۔"

"بس بس بہت زیادہ ذہین ہونا بھی اچھی بات نہیں ہے...... اماں بی کے پیروں کے نیچے جنت اس لئے تلاش کر رہا ہوں کہ آخر کار انہی کی دعاؤں کے نتیجے میں مجھے یہ کامیابی نصیب ہوئی ہے سمجھ رہی ہیں نا آپ، یہ تو ایک طرح کا خراج عقیدت ہے۔"

"ارے چھوڑو چھوڑو شہاب میاں، بہت اچھی طرح سمجھتی ہوں تمہاری عقیدت کو میں۔"

"ثریا بھابی یہ ماں بیٹے کا معاملہ ہے، آپ غیر خاتون کہاں ٹانگ اڑانے بیٹھ گئیں۔"

"ارے ارے کیا بک رہے ہو شہاب، ثریا غیر ہیں؟" اماں بی کو فوراً ہی یہ خیال ہوا کہ کہیں شہاب کی باتوں کا برا نہ مان جائے ثریا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اب یہ کچھ بھی کہہ لیں یہ کھسیانی بلی کے کھمبا نوچنے والی بات ہے...... آپ بالکل اس چکر میں نہ پڑیں اور ذرا پوچھیں ان سے کہ اب اس جنت سے یہ کیا کام لینا چاہتے ہیں۔"

"کمال ہے ثریا بھابی! واقعی عورت بڑی خطرناک چیز ہوتی ہے لیکن یہاں آپ دھوکا کھا گئیں محترمہ، میرا ابھی دور دور تک شادی کرنے کا کوئی خیال نہیں ہے...... میں اماں بی سے عقیدت کا اظہار اس لئے کر رہا ہوں کہ ایک بار پھر میرا عہدہ بڑھ گیا ہے۔"

"کیا؟" اماں بی نے کہا۔

"ہاں بس دفتری الٹ پھیر ہیں، آپ لوگوں کو بتانا نہیں چاہتا لیکن خراج عقیدت تو پیش کر سکتا ہوں۔"

"بیٹے بس اب اس سلسلے میں کچھ کہنا تو میں سمجھتی ہوں اپنے آپ ہی کو بے وقوف بنانا ہے، ماں باپ کے دل سے اولاد کے لئے دعاؤں کے علاوہ اور کیا نکل سکتا ہے...... اگر اللہ نے تمہیں ترقی دی ہے تو یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔" ثریا بھابی مسکرانے لگیں اور بولیں۔

"دیکھا موقعے پر پکڑے گئے تو کس صفائی سے بات ٹال دی؟"

"دیکھیں گے ثریا بھابی آپ کو بھی دیکھیں گے، ایک دن جب یہ اظہار کریں گے کہ ہم شادی کرنا چاہتے ہیں تو پھر آپ سے اپنی پسند کی دلہن مانگیں گے۔"

"خدا کی قسم اگر وہ میرے بس سے بھی باہر ہوئی تو جان کی بازی لگا دوں گی اسے حاصل کرنے کے لئے۔" ثریا بھابی نے محبت سے کہا اور یہ حقیقت تھی کہ اب حالات ایک دم تبدیل ہو گئے تھے۔ ایک دور وہ تھا جب شہاب اس گھر کا سب سے نکما شخص مشہور تھا...... بیچارہ واثق اور فائق حسین سبھی کچھ نہ کچھ کرتے تھے اور شہاب اپنے کمرے میں بس پلنگ توڑتا تھا لیکن اب صورت حال بدل گئی تھی...... لوگ وقت سے سمجھوتا کر لیتے ہیں اور وقت خود اپنی زبان بولتا ہے، چنانچہ اب اس گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ وہ تو صرف اماں بی کی ایک آرزو تھی کہ سب اسی گھر میں قیام کریں اس لئے اس گھر کو اب کلاسک کا درجہ دیا گیا تھا...... دنیا کی ہر وہ چیز جس کا پہلے یہاں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا اس گھر میں آ گئی تھی...... اماں بی کا اپنا بنک بیلنس تھا...... فائق حسین کی ترقی کافی حد تک ہو چکی تھی...... ناہید سلیمی نے ہر وہ کام کیا تھا جو جبار سیٹھ نے اس سے کہا تھا بلکہ ناہید سلیمی کا تو صرف نام تھا...... جبار سیٹھ پیچھے سے ڈور ہلاتا تھا اور اب تو جبار سیٹھ پوری طرح شہاب کی مٹھی میں تھا...... بہر حال

شہاب کو خوشی تھی کہ نادر حیات صاحب اب اس کے براہ راست سر براہ تھے۔ اس کے اور نادر حیات کے درمیان زبردست انڈر سٹینڈنگ تھی اب دیکھنا یہ تھا کہ اس نئے عہدے کے تحت اسے کیا کیا ذمے داریاں سنبھالنی پڑتی ہیں...... ویسے اس عہدے کی اہمیت کو وہ بخوبی سمجھتا تھا، چنانچہ تمام امور سے فارغ ہونے کے بعد وہ نادر حیات صاحب کے حکم کے مطابق پولیس ہیڈ آفس کی جانب چل پڑا...... ابھی تک یہ بات کسی کے علم میں نہیں آئی تھی کہ نادر حیات صاحب نے کوئی ذمے داری اس کے سپرد کی ہے اور آتی بھی کیسے، ابھی اس کا باقاعدہ اناؤنس منٹ نہیں ہوا تھا لیکن اس بات کو فائنل کرنے کے بعد شہاب سب سے پہلے بینا اور اس کے بعد اپنے ساتھیوں کو اطلاع دینا چاہتا تھا۔

غرض وہ نادر صاحب کے آفس پہنچ گیا...... نادر حیات صاحب ایک ذمے دار افسر تھے...... بہت وقت کے پابند، چنانچہ وہ آفس میں آچکے تھے اور انہوں نے اپنی سیٹ سنبھالی ہی تھی کہ شہاب نے ان کے کمرے میں داخل ہو کر انہیں سیلوٹ کیا...... انسپکٹر ہی کی وردی میں تھا...... نادر حیات صاحب نے سنجیدہ نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولے۔

"ہاں بالکل ٹھیک، میں خود بھی یہی سب کچھ پسند کرتا ہوں بہر حال جو اختیارات مجھے حاصل ہوئے ہیں ان کے تحت میں تھوڑی دیر کے بعد اپنا یہ نوٹیفکیشن تم تک پہنچا دوں گا...... فی الحال تمہیں اپنے تھانے میں ہی ہونا چاہئے۔"

"ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں جناب؟"

"ہاں بولو؟"

"کیا یہ بات ابھی زبان تک لائی جاسکتی ہے؟"

"تمہیں تمہارے عہدے کے بارے میں بتا دیا گیا ہے اور ظاہر ہے میں بھی وقت ضائع کرنا پسند نہیں کرتا...... سارے کام ہو رہے ہیں، میں آج خود چارج لے رہا ہوں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی میں اپنا کام بھی فوراً ہی شروع کر دینا چاہتا ہوں، تم جس تھانے میں ہو وہاں کوئی ایسا آفیسر تمہارے زیر نگاہ ہے جسے تمہاری جگہ سونپی جاسکے۔"

"جی سر۔"

"کون ہے وہ؟"

"گلاب جان ہے اس کا نام۔"

"کیا ہے؟"

"ایس آئی ہے سر۔"

"ٹھیک ہے ہم اسے تھانہ انچارج کا عہدہ دے سکتے ہیں...... میں اس سلسلے میں تمہاری سفارشات انسپکٹر جنرل صاحب تک پہنچا دوں گا۔"

"تو گویا مجھے زبان کھولنے کی اجازت ہے؟"

"مکمل طور پر...... تم چاہو تو آج کا دن اس سلسلے میں نکال لو...... کل باقی تمام تفصیلات طے ہو جائیں گی۔"

"بہت بہتر جناب۔"

پھر شہاب وہاں سے واپس چل پڑا تھا...... تھانے کا عملہ جب سے شہاب اس آفس میں آیا تھا زیادہ ہی بہتر ہو گیا تھا ویسے یہ لوگ بھی اب ہنسی خوشی زندگی گزار رہے تھے...... ابھی تک بینا کو شہاب نے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا لیکن اب اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ نادر حیات صاحب نے جو کچھ کہہ ہے اب اس میں کسی بھی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے، چنانچہ آج کا دن وہ بھی انہی مصروفیات میں گزارنا چاہتا تھا۔

گلاب جان نے اس کے کمرے میں آکر اسے سیلوٹ کیا تو انسپکٹر شہاب نے مسکراتے ہوئے اس کا خیر مقدم کیا اور گلاب جان سے مصافحہ کرتے ہوئے بولا۔

"بیٹھو گلاب جان میں تمہارا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔"

گلاب جان بیٹھ گیا تو شہاب نے کہا۔

"پتا نہیں یہ تمہارے لئے خوشخبری ہوگی یا نہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ تمہیں خوش ہونا چاہئے۔"

"کیا بات ہے سر؟" گلاب جان نے پوچھا۔

"گلاب جان میں اس تھانے سے جا رہا ہوں۔"

"کیا؟" گلاب جان کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"ہاں...... میرا ٹرانسفر ہو گیا ہے۔" شہاب نے کہا اور گلاب جان کے چہرے پر غم و اندوہ کے آثار نظر آنے لگے...... وہ آہستہ سے بولا۔

"آپ کیا کہہ رہے ہیں سر؟"

"ہاں گلاب جان۔"

"سر اس سے بری خبر میرے لئے اور کوئی ہو سکتی ہے؟"

"بالکل بری خبر نہیں ہے یہ گلاب جان۔"

"یہ آپ کہہ رہے ہیں صاحب...... کبھی کبھار ہی تو زندگی میں ایسے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے جن سے صرف محکمانہ ہی نہیں دلی رابطہ بھی ہو جاتا ہے...... ہمارے اور آپ کے درمیان جو وقت گزرا ہے صاحب، کیا اس کی کوئی قیمت لگائی جاسکتی ہے؟"

"بالکل نہیں گلاب جان لیکن زندگی میں ہر شخص کو ترقی کا موقع ملنا چاہیئے۔"

"آپ کی ترقی ہوئی ہے صاحب یا آپ کو صرف تھانہ ٹرانسفر کر دیا گیا ہے؟"

"نہیں گلاب جان مجھے سی بی آئی میں لے لیا گیا ہے۔"

"اوہو میں نے اخبار میں پڑھا تھا نادر حیات صاحب سی بی آئی کے ڈائریکٹر جنرل ہو کر یہاں آنے والے ہیں۔"

"وہ آچکے ہیں۔"

"اوہو صاحب تھوڑی بات تو میرے علم میں بھی ہے...... نادر حیات صاحب سے تو آپ کا پہلے بھی تعلق رہ چکا ہے۔"

"ہاں گلاب جان۔"

"خیر صاحب اگر آپ کا عہدہ بڑھ رہا ہے تو گلاب جان آپ کو مبارک دیتا ہے کیونکہ آپ سے محبت کرنے والوں میں سے ایک ہے، آپ کو میں اپنا استاد مانتا ہوں، سر آپ یقین کریں آپ نے مجھے جو راہ دکھائی ہے اب وہ راہ میرے لئے مشعل راہ بن گئی ہے۔"

"شکریہ گلاب جان...... ویسے بھی تم بے فکر رہو میں جب بھی تمہاری ضرورت محسوس کروں گا، تم سے رابطہ رکھوں گا...... ویسے بھی ایک خوشخبری میں تمہیں سنا دوں۔"

"اور بھی کوئی خوشخبری ہے صاحب اس کے علاوہ؟"

گلاب جان نے مغموم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"ہاں ہے۔"

"وہ کیا؟"

"میں نے تمہارے لئے سفارش کی ہے، یہ تھانہ تمہیں ہی دے دیا جائے گا اور تمہیں

انچارج بنا دیا جائے گا۔"

"صاحب خوشی کی بات ہے مگر آپ یقین کرو یا نہ کرو، ہمیں غم زیادہ ہے، آپ کے ساتھ ہمارا وقت بہت اچھا گزرا تھا۔"

"زندگی باقی ہے گلاب جان تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ فکر مت کرو۔"

"شکریہ صاحب، آپ کب ادھر سے جاؤ گے؟"

"ابھی اس بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔" شہاب نے کہا اور گلاب جان پھیکی سی ہنسی ہنس کر خاموش ہو گیا تھا...... شہاب کا خود بھی یہی حال تھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہاں بھی اس کا وقت پہلے تھانے کی مانند بہت اچھا گزر رہا تھا لیکن بہر حال ایک نئی زندگی کا آغاز ہونے جا رہا تھا، اب تک جو وقت گزرا تھا اس میں بہت سے ایسے سنسنی خیز لمحات آئے تھے جو اس کے لئے یادگار حیثیت رکھتے تھے لیکن بہر حال سی بی آئی کا معاملہ بالکل مختلف تھا، یہ محکمہ محدود نہیں تھا۔ صرف ایک شہر نہیں اب تو پورے ملک میں کوئی بھی کام کسی بھی جگہ ذمے داری کے طور پر سونپا جا سکتا تھا لیکن بہر حال اب اس کے بعد بینا کا معاملہ تھا...... شہاب نے تھانے ہی سے بینا کو فون کیا اور بینا نے فون ریسیو کر لیا۔

"ہیلو بینا۔"

"ہیلو شہاب...... کیا حال ہیں خیریت؟"

"ہاں بالکل خیریت ہے بس یوں سمجھ لو اب تمہاری ضرورت پیش آگئی ہے۔"

"جی۔"

"ہاں...... میرا خیال ہے ہمیں باقی معاملات طے کر لینے چاہئیں۔"

"جانتی ہوں شرارت کئے بغیر آپ نہیں رہ سکتے۔"

"بالکل ٹھیک خیال ہے تمہارا بینا...... واقعی میں شرارتیں کئے بغیر نہیں رہ سکتا لیکن اب ایک ایسی شرارت ہو گئی ہے میرے ساتھ کہ پتا نہیں اسے سن کر تمہارا ردعمل کیا ہو؟"

"خیریت تو ہے، خیریت بتائیں؟"

"میرا تبادلہ کر دیا گیا ہے۔" شہاب نے کہا اور دوسری طرف چند لمحات کے لئے خاموشی طاری ہو گئی پھر بینا بولی۔

"کیا کسی اور شہر؟"

"ہاں بینا...... یہاں سے کسی دور دراز علاقے میں جانا ہوگا۔"

"تو پھر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟"

"خدا حافظ کہنا چاہتا ہوں تمہیں۔" شہاب نے کہا اور دوسری جانب چند لمحات کے لئے پھر خاموشی طاری ہوگئی پھر بینا نے کہا۔

"شہاب صاحب اصل میں بڑا عجیب احساس ہے میرا، پتا نہیں آپ میرا مذاق اڑائیں گے یا سنجیدگی سے سنیں گے اسے۔"

"نہیں بالکل سنجیدگی سے سنوں گا۔"

"وعدہ کر رہے ہیں؟"

"ہاں۔"

"تو پھر ایک بات سن لیجئے آپ، اگر آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ کا تبادلہ ہوگیا ہے اور آپ یہ شہر چھوڑ کر میرے بغیر کہیں جا رہے ہیں تو کیا آپ کا خیال ہے کہ میں یقین کر لوں گی؟"

"جی...... تو کیا آپ میرے ساتھ چلیں گی؟"

"شہاب خدا کے لئے مذاق میں بھی ایسی باتیں مت کرو، مجھے اچھی نہیں لگتیں۔"

"ارے ارے بھائی مطلب کیا ہے؟"

"اگر ایک قبر میں دو مردوں کو دفن کئے جانے کی اجازت ہوتی تو میں یہی چاہتی کہ مجھے آپ کے ساتھ ہی دفن کیا جائے۔" بینا نے کہا اور شہاب قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

"آپ ہنس رہے ہیں۔"

"ہاں بھائی اپنے انجام پر افسوس ہو رہا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"گویا آپ نے طے کر لیا کہ پہلے مجھے ہی مرنا ہے۔"

"جی۔" بینا نے کہا۔

"جی ہاں آپ نے فرمایا تھا کہ میری موت کے بعد آپ کی تدفین بھی میرے ساتھ ہی کر دی جائے گی...... گویا آپ کو یقین ہے کہ میں آپ سے پہلے مر جاؤں گا۔"

"خدا نہ کرے...... وہ تو بس میں نے۔"

"اچھا بھئی اب فضول باتیں بہت زیادہ ہوگئیں، اب یہ بتاؤ کہاں مل رہی ہو۔"

"جہاں آپ حکم دیں۔"

"پھر ایسا کرتے ہیں اپنے اس دیرینہ دوست کے پاس چلتے ہیں۔"

"کون دوست؟"

"اکرام خان اور کون۔" شہاب نے کہا اور بینا ہنس پڑی۔

اکرام خان اس ہوٹل کے ویٹر کا نام تھا جہاں وہ بیٹھا کرتے تھے اور ویٹر ان کے بارے میں عجیب وغریب پیش گوئیاں کر چکا تھا۔

بینا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کتنی دیر میں پہنچیں گے وہاں۔"

"واسطی صاحب کہاں ہیں؟"

"کورٹ میں ہیں۔"

"تم کیا کر رہی تھیں؟"

"بس کچھ فائلنگ کر رہی تھی۔"

"چھوڑو فائلنگ وائلنگ بس آجاؤ۔"

"میں پہنچ رہی ہوں۔"

"اگر چاہو تو میں تمہیں ساتھ لے لوں۔"

"نہیں گاڑی ہے میرے پاس، آجاتی ہوں۔"

"تو پھر پہنچ جاؤ، میں بھی آرہا ہوں۔" تھوڑی دیر کے بعد دونوں ہوٹل کے اس کیبن میں بیٹھے ہوئے تھے، جو ان کے لئے مخصوص تھا...... بینا نے مسکراتی نگاہوں سے شہاب کو دیکھا اور بولی۔

"جی ہاں اب فرمائیے یہ صرف ایک شرارت ہے یا حقیقت؟"

"نہیں بینا، یہ بالکل سچ ہے اور حقیقت ہے...... اس ہوٹل میں بیٹھ کر ہم نے بہت سے اہم فیصلے کئے ہیں اور اب میں بہت ہی اہم خوشخبری اس ہوٹل میں تمہیں سنانے جا رہا ہوں۔"

"تو پھر ارشاد ہو جائے۔"

"یہ سچ ہے یا شاید تم نے اخبارات میں پڑھا ہو کہ ڈی آئی جی نادر حیات کو ایک بار پھر

یہاں منتقل کر دیا گیا ہے۔"

"نہیں میری نگاہ سے یہ خبر نہیں گزری، تو کیا وہ آگئے ہیں؟"

"ہاں سی بی آئی کے ڈائریکٹر جنرل بن کر۔"

"اوہ ویری گڈ، اوہو میں سمجھ گئی بالکل سمجھ گئی۔"

"بھلا مجھے بھی سمجھائیے گا۔"

"یقینی بات ہے نادر حیات صاحب آپ کو چھوڑنا پسند نہیں کریں گے۔"

"یہ نادر حیات صاحب تو نمبر دو ہیں، نمبر ایک تو ایسے لوگوں میں تم ہو۔"

"ہاں ہوں۔"

"گڈ اور شاید میں بھی ایسے ہی لوگوں میں سے ایک ہوں...... اس کا مطلب ہے کہ نادر حیات صاحب تیسرے نمبر پر گئے۔"

"بالکل قطعی تیسرے نمبر پر گئے۔" بینا ہنس کر بولی۔ شہاب نے سنجیدہ ہو کر کہا۔

"لیکن کچھ ایسے معاملات درپیش ہیں بینا کہ ہمیں ان پر گہرے انداز میں غور کرنا ہوگا...... اصل میں ہماری زندگی کا جو سیٹ اپ بن چکا ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس سیٹ اپ میں بہت بڑا اپ سیٹ ہے۔" شہاب نے کہا اور بینا بھی سنجیدہ ہو گئی۔

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ وہ مجھے سی بی آئی میں لے چکے ہیں اور اب اس سلسلے میں کسی وہم کی گنجائش نہیں ہے، میرا عہدہ بڑھا دیا گیا ہے اور سی بی آئی میں جانے کا مطلب یہ ہے کہ اب ہمارے کام کا انداز بالکل تبدیل ہو جائے گا، ویسے بینا یقین کرو پہلے مجھے جو عہدہ دیا گیا تھا وہ میرے لئے اتنا دلچسپ اور دلکش نہیں تھا جتنا تھانہ انچارج کی حیثیت سے میں زندگی کو انجوائے کر رہا تھا...... ہمارا اپنا جو طریقہ کار تھا وہ بالکل مختلف تھا جو کچھ کر رہے تھے اس میں ہمیں کوئی دقت نہیں ہوتی تھی لیکن اب میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں کافی آگے بڑھ کر کام کرنا ہوگا۔"

"چونکہ میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتی، اس لئے جاننا چاہتی ہوں۔"

"حقیقت یہ ہے بینا کہ تفصیلات ابھی تک خود میرے علم میں نہیں ہیں لیکن جہاں تک میرا اندازہ ہے پچھلے دور میں تو ہم کسی بھی طرح اپنے معاملات کو نمٹا لیا کرتے تھے ہمیں صرف مقامی طور پر کام کرنا ہوتا تھا لیکن اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو صورت حال تو

اب جو تبدیلی رونما ہوئی ہے وہ یوں ہے کہ شاید ہمیں ملک سے باہر جا کر بھی کام کرنا پڑے یا ہو سکتا ہے ملک کے دوسرے حصوں میں بھی ہمیں اہم ترین ضروریات کے لئے بھیجا جائے، یہ میرا اندازہ ہے کہ خاصی جدوجہد رہے گی اور اس کے لئے ہمیں اپنے طریقہ کار میں بہت سی تبدیلیاں کرنا ہوں گی۔"

"اوہ میرا کیا ہوگا؟" بینا نے سوال کیا اور شہاب ہنس پڑا...... پھر کہنے لگا۔

"جس طرح ایک فوجی اپنی نئی نویلی دلہن کو چھوڑ کر محاذ جنگ پر چلا جاتا ہے اور اس کی شریک حیات دامن پھیلا کر اس کے لئے دعائیں کرتی ہے اسی طرح تم بھی میرے لئے دعائیں کیا کرنا۔"

"جناب عالی آپ نے مجھے باقاعدہ اپنی سیکرٹری اپائنٹ کیا ہے...... بھول جائیے اس بات کو کہ اب آپ تنہا کچھ کر سکتے ہیں...... میرا ساتھ تو یقیناً رہے گا آپ جہاں کہیں بھی اپنے کاموں کے سلسلے میں جائیں گے، میرے لئے بھی آپ کو گنجائش نکالنا ہوگی...... میں دعائیں تو تازندگی آپ کے لئے کرتی رہوں گی لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی عمل بھی کرنا ہوگا مجھے، اس خیال میں بھی نہ رہئے گا کہ آپ مجھ سے الگ رنگ رلیاں مناتے رہیں گے۔"

"ارے بینا تم سے الگ رہ کر رنگ ہی کہاں رہیں گے جو رلیاں مناؤں گا، تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

"جی نہیں آپ اس نئے عہدے کو اسی وقت قبول کریں گے جب آپ کو میرے ساتھ رہنے کی اجازت مل جائے۔"

"دوسری شکل میں؟"

"نوکری چھوڑ دیجئے، وکالت کیجئے۔"

"ارے توبہ، اتنے خوفناک ارادے ہیں۔"

"اب تو ہیں، میرا کیا قصور ہے اس میں۔" بینا نے کہا اور اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی آگئی۔ شہاب نے اس نمی کو فوراً ہی محسوس کر لیا اور جلدی سے بولا۔

"نہیں بینا سوری، مذاق کا یہ انداز خود مجھے بھی ناپسند ہے جو کسی کو آزردہ کر دے...... نہ ہی میں کوئی امتحان لے رہا ہوں تمہارا...... یہ الفاظ تو مذاق میں کہے تھے میں نے، بے شک مجھے وہی سب کچھ عہدہ ملا ہے جو میں نے تمہیں بتایا ہے اس میں کوئی غلط بیانی نہیں ہے لیکن

بینا اگر نادر حیات صاحب خود یہ پیش کش نہ کرتے جو انہوں نے کی ہے تو پھر میں اسے کے طور پر ان کے سامنے پیش کر دیتا۔"

"کون سی پیش کش؟" بینا نے سوال کیا۔

"نادر حیات صاحب نے مجھے ایک آرگنائزیشن بنانے کے لئے کہا ہے جس میں اپنی مرضی کے مطابق اپنے پسندیدہ افراد کو منتخب کر سکتا ہوں، یہ لوگ در پردہ رہ کر معاونت کریں گے اور ان کی باقاعدہ پوسٹنگ سی بی آئی میں ہو گی۔ ان کے تمام کوائف حیات صاحب کے سامنے مجھے پیش کرنا ہوں گے...... سمجھ رہی ہو نا میری بات اور اس محترمہ بینا واسطی بھی شامل ہوں گی۔ گویا اب آپ سی بی آئی کی سرکاری افسر ہیں اور آپ عہدہ بھی کم نہیں ہے، لیکن آپ کسی کو جوائننگ رپورٹ نہیں دیں گی بلکہ آپ کا تعلق سربراہ سے رہے گا۔"

"واقعی......؟" بینا کی آنکھیں مسکرا اٹھیں۔

"ہاں بینا! یہ بھلا کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ میں تمہارے بغیر یہ سب کچھ قبول کر لیتا واقعی اگر کہیں سختی ہوتی تو یہ ملازمت چھوڑ دیتا میں۔"

"مطمئن رہ سکو گے شہاب!"

"دیکھنا ہو گا بینا، اگر اطمینان نصیب نہ ہوا تو میں معذرت کر لوں گا نادر صاحب سے اور واپس اپنے اس عہدے پر آ جاؤں گا کیونکہ میں دولت کمانے کے لئے یا اپنی زندگی کے کوئی خاص مقاصد حاصل کرنے کے لئے محکمہ پولیس میں نہیں آیا تھا بلکہ میرا ایک نظریہ ہے اور وہ نظریہ جہاں کہیں بھی مجروح ہو گا میرے تمام مقاصد فوت ہو جائیں گے، پھر بھلا میں کسی کے حکم کی تعمیل کر سکوں گا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"مجھے آپ پر ناز ہے شہاب۔"

"اچھا تو محترمہ اب معاملات تو تقریباً تمام طے ہیں بلکہ شاید اگر میں نے تساہل سے کام لیا تو ڈی آئی جی صاحب اس سلسلے میں مجھ سے جواب طلبی کر لیں گے، اصلیت یہ ہے کہ مجھے فوری طور پر وہ تمام تفصیلات انہیں پیش کرنی ہیں، نوٹیفکیشن مل جائے گا اس میں کوئی دقت نہیں ہے کیونکہ نادر حیات صاحب نے بذات خود پرائیویٹ طور پر مجھ سے ملاقات کر کے مجھے تمام تفصیلات سمجھا دی ہیں...... میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت ہمارے سامنے وہ سب کچھ

آ گیا ہے جس کے ہم خواہش مند تھے...... میرا مطلب یہ ہے کہ اب ہمیں کسی خاص الجھن میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہو گی۔ ڈبل او گینگ کی پوری ٹیم سی بی آئی میں منتقل ہو جائے گی، ان سب کو بھی یہ سرکاری عہدے حاصل کر کے بے حد خوشی ہو گی...... میں اپنے دوستوں کی فطرت کو اچھی طرح جانتا ہوں، وہ لوگ مجھ سے ان کاموں کا معاوضہ لے کر خوش نہیں ہوتے، مجھے یقین ہے کہ جب یہ خوش خبری انہیں حاصل ہو گی تو وہ بے پناہ مسرور ہو جائیں گے اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان کی اپنی شخصیتیں اسی طرح صیغہ راز میں رہیں گی۔"

"تو پھر ان لوگوں کو یہ خوش خبری کب سنائیں گے؟"

"بس اٹھتے ہیں یہاں سے...... کریم سوسائٹی چلنا ہے وہاں سے انہیں تمام اطلاعات دیں گے۔"

"طریقہ کار وہی رہے گا؟"

"ہاں بالکل، لیکن انہیں یہ نہیں معلوم ہو گا کہ شہنشاہ کس شکل میں ان سے کام لے رہا ہے۔"

"سوچ لیں شہاب، اس کے بعد آپ کا اپنے آپ کو چھپانا مشکل ہو جائے گا۔"

"میں پوری کوشش کروں گا بینا، لیکن ایک بات میں جانتا ہوں وہ یہ کہ اگر میرے ساتھیوں کو یہ بات معلوم بھی ہو گئی کہ میں شہنشاہ ہوں تو وہ اس بات کو اپنے سینے میں محفوظ رکھیں گے اور ہم سے منحرف نہیں ہوں گے لیکن اس کے لئے بھی میرے ذہن میں ایک تدبیر ہے۔ اب کم از کم یہ ہے کہ میں براہ راست ان سے رابطے قائم کر سکوں گا۔"

"وہ کیسے؟"

"ڈبل او گینگ کا آٹھواں ممبر بن کر۔"

"یعنی؟"

"مطلب یہ ہے کہ اب شہاب ثاقب بھی ڈبل او گینگ میں شامل ہو گا اور اس کی اطلاع ان لوگوں کو دے دی جائے گی۔"

بینا شہاب کے الفاظ پر غور کرتی رہی پھر اچھل پڑی۔

"ارے واقعی، واہ کیا زبردست آئیڈیا ہے، یعنی یہ کہ آپ...... اوہو ویری گڈ خیر مجھے

اس بات کا تو یقین ہے کہ آپ کی سوچ بہت دور تک ہوتی ہے اور شاید کوئی بھی ایسا پہلو نہ ہوتا جس پر آپ غور نہ کرتے ہوں...... ویری گڈ اس کا مقصد ہے سارے مسائل حل ہو جائیں گے پھر تو کہیں باہر بھی جانا پڑا تو میں آپ کے ساتھ ہوں گی۔“

شہاب مسکرانے لگا تھا۔

کریم سوسائٹی کی کوٹھی پہنچنے کے بعد اس نے ٹرانسمیٹر پر ڈبل او گینگ کو کال کیا اور دوسری جانب سے فوراً ہی اس کی کال ریسیو کر لی گئی۔

”سی پی کنٹرول ریسیونگ سی پی کنٹرول ریسیونگ۔“

”ہیلو کون کون موجود ہے۔“ شہاب نے شہنشاہ کے لہجے میں کہا۔

”سر! اس وقت تقریباً تمام افراد موجود ہیں، بس مس واسطی نہیں ہیں۔“

”ہوں اپنا اپنا نام بولتے جاؤ۔“

”جی سر، حکم!“

”سردار علی۔“

”جی سر میں ہوں۔“

”شوکت نعیم؟“

”جی سر میں بھی ہوں۔“

”فراز، سالک، انجم، فراست۔“ شہاب باری باری سب کے نام لیتا چلا گیا اور سب ہی نے جواب دیئے تب شہاب نے کہا۔

”دوستو یہ بھی اتفاق ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ایک خوشگوار اتفاق کہ تم سب اس وقت یہاں موجود ہو، یکجا ہونے کی کوئی خاص وجہ؟“

”نہیں سر، یہ وقت ہم سب لوگوں کے آپس میں ملاقات کا ہوتا ہے اور ہم سب اسی مرکز پر جمع ہو کر ایک دوسرے کی خیریت سے آگاہی حاصل کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے معلوم کیا جاتا ہے کہ کوئی ذمہ داری ہمارے سپرد تو نہیں کی گئی، فراست نے جواب دیا۔

”ہوں، گڈ...... اس وقت میرے پاس تم لوگوں کے لئے ایک ایسی خوشخبری ہے جسے بیان کرتے ہوئے میں اس سے کہیں زیادہ خوش ہوں، جو اسے سننے کے بعد تمہیں خوشی حاصل ہوگی...... میرا خیال ہے تم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ میں تمہیں کیا بتانا چاہتا ہوں،

میں ڈرامے پسند نہیں کرتا، جو حقیقت ہے اسے بغیر کسی تمہید کے تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں، بارہا یہ خیال میرے دل میں آیا کہ تم لوگ اپنے ماضی سے فرار حاصل کر کے اور ان مشکلات سے گزر کر مجھ تک پہنچے جو تمہارے ذہنوں پر ایک ناگوار بوجھ کی حیثیت سے مسلط رہی ہیں...... میں بارہا تمہاری ان الجھنوں کو دور کرنے کی کوشش میں مصروف رہا ہوں اور یہ سوچتا رہا ہوں کہ وہ کون سا طریقہ کار ہو جو تمہیں اس احساس سے نجات دلا سکے کہ تم شہنشاہ کے لئے کام کر رہے ہو اور اس سے معاوضہ وصول کرتے ہو، حالانکہ میں نے ہمیشہ یہی کہا کہ جو کچھ تمہاری خدمت ہو سکتی ہے اسے میں معاوضے کے طور پر نہیں کرتا بلکہ یہ ہم سب کی مشترکہ کمائی ہوتی ہے جسے ہم آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں، خیر یہ بات بالکل ہی الگ نوعیت رکھتی ہے، لیکن اب یہ سلسلہ ختم ہو گیا ہے...... تم لوگوں کے لئے ایک پیش کش کی گئی ہے اور میں نے اس پر غور کر کے اسے قبول کر لیا ہے، اب تم سرکاری ملازم ہو اور تمہیں حکومت سے اعلیٰ درجے کی تنخواہیں اور مراعات حاصل ہوں گی، لیکن میں نے اپنے طور پر اس سلسلے میں گفت و شنید کی ہے اور کچھ ایسے معاملات پیش کئے ہیں جنہیں منظور تو کر لیا گیا ہے لیکن ابھی اس میں تھوڑی سی پیچیدگی ہوگی، سمجھ رہے ہو نا میری بات۔“

لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تھا، شہاب جانتا تھا کہ وہ لوگ ان الفاظ کے سحر میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ شہاب نے پھر کہا۔

”سی بی آئی کے نئے سربراہ سابق ڈی آئی جی نادر حیات صاحب ہیں بہت ہی نفیس شخصیت کے مالک، مجھ سے ان کی غائبانہ شناسائی تھی اور بعض معاملات میں انہیں یہ احساس ہو گیا تھا کہ کوئی پوشیدہ شخصیت بعض جگہ مداخلت کرتی ہے اور وہ مداخلت غیر قانونی نہیں ہوتی بلکہ قانون کی پوری پوری مدد کے لئے کی جاتی ہے، چنانچہ انہوں نے اپنے ذرائع سے کام لے کر مجھ سے رابطہ قائم کیا اور کہا کہ میں ایک ایسا گروہ بناؤں جو سی بی آئی کے لئے کام کرے، اس گروہ کے مختلف عوامل ہوں اور وہ اپنے طور پر ملک بھر میں ملکی مفاد کی ضروریات کے لئے کام کرے...... میں نے یہ پیش کش قبول کر لی...... تم لوگوں کو میرے گروہ کے ساتھیوں کا درجہ دیا گیا ہے اور میں بدستور تمہارا چیئرمین ہوں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی ایک شخص کا اور اضافہ کیا گیا ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ تم بھی اس شخص سے ناواقف نہیں ہو گے اس کی کارکردگی بے مثال رہی ہے...... نادر حیات صاحب نے اس کے لئے مجھ سے سفارش کی اور

یہی ایک ایسا نکتہ تھا جس پر مجھے اُلجھن ہو سکتی تھی، لیکن بہر حال میں نے اس شخص کی
رپورٹ پڑھنے کے بعد اسے اپنے گروپ میں شامل کر لیا ہے، کیا تم انسپکٹر شہاب کو جانتے ہو؟"

"جی سر، بالکل جانتے ہیں...... ہم نے آپ سے تذکرہ بھی کیا ہے کہ بیشتر ایسے معاملات سامنے آئے ہیں جن میں شہاب ثاقب بھی انہی راستوں پر چلا ہے جن پر ہم چل رہے تھے۔"

"ہاں تم لوگوں نے بارہا اس کی نشاندہی کی یہ شخص میرے لئے بھی ایک پسندیدہ شخصیت کا مالک تھا، لیکن ظاہر ہے میں اسے کوئی خاص اہمیت نہیں دے سکتا تھا لیکن اب صورت حال مختلف ہے اور میں نے اسے اپنے گروپ میں قبول کر لیا ہے۔"

"کیا اسے ہم پر فوقیت حاصل ہو گی؟"

"ہرگز نہیں...... یہ بے شک منظر عام پر رہے گا اور ہمارے اور حکومت کے درمیان رابطے کا کام دے گا بلکہ صحیح بات یہی ہے کہ میں نے یہ بھی مناسب سمجھا کہ ایک شخص ہمارے اور سرکاری حکام کے درمیان رابطہ بنا رہے...... اس سے ہمیں لاتعداد فوائد حاصل ہوں گے لیکن یہ شخص کبھی بھی تم لوگوں کے بارے میں کسی سے کوئی ذکر نہیں کرے گا اس کا اسے حلف نامہ بھرنا پڑے گا اور جہاں تک میرا تعلق ہے یہ میری شخصیت سے اسی طرح ناواقف رہے گا جس طرح آج تک بینا واسطی ناواقف ہیں۔"

"جی سر۔"

"اب تم لوگ مجھے یہ بتاؤ کہ کیا تم نے اس خبر کو اپنے لئے خوشی کی خبر محسوس کیا ہے؟"

"سر اگر آپ حقیقت جاننا چاہتے ہیں تو شاید یہ عظیم خوشخبری ہمارے لئے اس سال سب سے عظیم تحفہ ہے۔"

"بس تو پھر ٹھیک ہے، میں بینا واسطی کو نئی ہدایات جاری کروں گا اور وہ آپ تک یہ فوائد پہنچا دیں گی...... اب اس کے بعد ہمارا ایک باقاعدہ آفس ہو گا جس کی نوعیت سرکاری ہو گی اور ہو سکتا ہے کہ ہمیں وہاں بھی کچھ ایسے انتظامات کرنا پڑیں جو ہمارے ان تمام ... کے لئے ضروری ہوں۔"

"سر آپ کو بھی یہ نئی حیثیت مبارک ہو...... ہم سمجھتے ہیں کہ آپ کی کاوشوں کو مناسب صلہ دیا گیا ہے۔"

"میری ہر کاوش کا صلہ وہ لمحات ہوتے ہیں جب ہم کسی کو مشکلات سے نکال ...

اور اب ہماری ذمہ داریاں مزید بڑھ گئی ہیں۔"

"جی سر۔" دوسری جانب سے جواب ملا۔

"تو پھر ٹھیک ہے اب اس کے بعد تم اپنے طور پر اپنی خوشیوں میں اضافہ کرو...... میں بھی تمہیں مبارکباد پیش کرتا ہوں...... خدا حافظ۔" شہاب نے کہا اور ٹرانسمیٹر کا سلسلہ منقطع کر دیا...... بینا مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"جی کیا فرماتی ہیں محترمہ؟"

"ونڈر فل، آپ نے تقریباً تمام بندوبست کر لیا۔"

"ضروری تھا بینا۔" شہاب سنجیدگی سے بولا۔

نادر حیات کی شخصیت معمولی تو تھی نہیں کہ ان کے فیصلے پر کوئی اثر انداز ہو سکے، سارے معاملات برق رفتاری ہی سے طے ہو گئے تھے اور ایک خوبصورت عمارت جس کی تلاش بڑی چھان بین کے بعد کی گئی تھی۔ اس محکمے کے لئے حاصل کر لی گئی تھی اور اس میں تمام انتظامات مکمل کر لئے گئے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی بقیہ کام بھی اسی برق رفتاری سے ہوا تھا...... بینا کو جب اس کا سرکاری اپائنٹ منٹ لیٹر دیا گیا تو بینا کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چھلک آئے تھے...... عدنان واسطی بھی بے حد متاثر تھے اور اس بات سے بے پناہ خوش تھے کہ بینا واسطی ایک بڑی سرکاری عہدے دار بن گئی تھی۔ شہاب کو بھی اس سلسلے میں مبارکباد دی گئی اور تنہائی میں شہاب نے ہنستے ہوئے بینا سے کہا۔

"یہ نہ سمجھنا عزیزہ کہ میں بیوی کی کمائی کھانے والوں میں سے ہوں اور میں نے اس لئے تمہیں یہ ملازمت دلائی ہے کہ ہمارا اور ہمارے بچوں کا مستقبل محفوظ ہو جائے۔ مطلب سمجھ رہی ہو نا میرا۔" بینا شرما کر خاموش ہو گئی تھی۔

"نہیں محترمہ بلکہ بیگم صاحبہ، میں اس سلسلے میں آپ کی رائے سنجیدگی سے لینا چاہتا ہوں۔"

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں شہاب۔ میرا رواں رواں آپ کا احسان مند ہے، حقیقت یہ ہے کہ چہ پدی چہ پدی کا شوربا۔ ہم لوگ اس قابل کہاں تھے کہ کوئی سرکاری عہدہ ملتا، آپ یقین کیجئے شہاب میں نے زندگی میں بڑے بڑے خواب دیکھے ہیں لیکن بھول کر بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ میرے خوابوں کی تعبیر مجھے اس طرح حاصل ہو جائے گی...... بہر حال آپ کا شکریہ بھی ادا کروں تو کیسے کروں میری سمجھ سے باہر ہے۔"

"کمال ہے ایسی چھوٹی چھوٹی سی باتیں بھی آپ کی سمجھ میں نہیں آتیں، میں حیران ہوں۔" شہاب نے شرارت آمیز لہجے میں کہا اور بینا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"میں جانتی ہوں آپ کوئی ایسی بات مجھ سے نہیں کہیں گے جس پر مستقبل میں مجھے کسی بھی وقت شرمندگی کا احساس ہو سکے۔"

"اوہ، فلمی باتیں مکمل فلمی باتیں اور وہ بھی انڈین فلموں والی، ہم ایک مسلم مملکت کے باسی ہیں ہمارے ہاں انڈین فلموں کا رواج نہیں ہے...... آپ نے یہ کیسے سوچ لیا؟ بینا! اصل میں شکریہ ادا کرنے کا جو طریقہ میں بتانا چاہتا تھا وہ صرف یہ تھا کہ اپنے ہاتھ سے آپ ایک عمدہ سی چائے کی پیالی بنا کر شکریئے کے طور پر پیش کر دیں۔" بینا ہنس پڑی تھی۔

بہرحال اس پراسرار عمارت میں تمام انتظامات کر کے ان لوگوں کو اس کا چارج دے دیا گیا اور ڈبل او گینگ کے تمام ممبر اپنے اپنے طور پر مناسب انتظامات کرنے لگے۔ ادھر حیات صاحب نے شہاب کو اپنے آفس میں طلب کر لیا۔

"ہاں بھئی شہاب میرا خیال ہے تم نے اطمینان بخش طریقے سے اپنا کام مکمل کر لیا۔"

"جی سر۔"

"تو پھر اپنے اس نئے ڈیپارٹمنٹ کا افتتاح کر دو۔"

"میں حاضر ہوں سر، کوئی ذمے داری سونپنا چاہتے ہیں آپ مجھے؟"

"ہاں، بلال ڈیرہ، یہ اس جگہ کا مکمل نقشہ ہے اطراف کی آبادیوں کے بارے میں تفصیلات درج ہیں، کیا تم نے اس جگہ کا نام سنا ہے۔"

"سرسری طور پر سر۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اس علاقے میں نہیں گئے ہو۔"

"جی نہیں۔"

"سنگلاخ پہاڑوں اور کھردرے لوگوں کا علاقہ ہے...... آبادی یوں سمجھ لو زیادہ غریب طبقے کی ہے لیکن جو امیر ہیں وہ بے پناہ امیر ہیں اور ان کے مختلف ذرائع ہیں جن میں اسمگ ہیروئن کی فروخت نہیں ہے اور نہ ہی یہاں اسلحہ سازی ہوتی ہے...... علاقے میں شہری آبادی ہے...... عالی شان عمارتوں کی کمی ہے لیکن اس کے قرب و جوار میں بہت شکار ملتا ہے...... کہیں کہیں درندے بھی پائے جاتے ہیں لیکن انہی علاقوں میں آبادیاں

قائم ہیں اور ایسی آبادیاں کہ تمہیں وہاں جا کر حیرانی ہو گی...... درندوں کی کیفیت یہ ہے کہ بھول کر بھی ان آبادیوں کا رخ نہیں کرتے کیونکہ ان آبادیوں میں ان سے زیادہ خونخوار درندے موجود ہیں...... بچہ بچہ اسلحہ استعمال کرنا جانتا ہے اور وہاں اچھی خاصی گڑبڑ چلتی رہتی ہے، لیکن معاملات آپس ہی میں سلجھا لئے جاتے ہیں...... آبادیوں میں اجنبیوں کو دیکھ کر حیرت نہیں کی جاتی، کیونکہ بے شمار سرکاری منصوبے وہاں زیر عمل ہیں اور ایک مخصوص علاقہ صنعتی علاقہ قرار دے دیا گیا ہے۔ نئی نئی صنعتوں کا قیام عمل میں آ رہا ہے اور وہاں کی آبادی بہت خوش ہے...... خاص طور سے علاقوں کے سردار جن کی خواہش تھی کہ ان کے اپنے علاقوں میں بھی ترقی ہو، میں بلال ڈیرہ کے بارے میں تمہیں ساری تفصیلات بتا چکا ہوں...... کسی ایک کی سرداری قائم نہیں ہے، چھوٹے چھوٹے سردار چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں...... ان میں سے کچھ گرم مزاج اور خونخوار طبیعت کے مالک ہیں، کچھ ناریل ہیں، سکول کے ساتھ ساتھ کالج بھی تعمیر ہو چکے ہیں، میرا خیال ہے اس سے زیادہ تعارف مناسب نہیں ہے...... ویسے وہاں کی زندگی میں تھوڑی سی تبدیلی محسوس ہو گی تمہیں، اب آ جاؤ طورخم جاہ پر، طورخم جاہ اس علاقے کا ایک بڑا رئیس ہے...... اس کے پتے کو ذہن نشین کر لو...... طورخم جاہ کا بیٹا خرم جاہ تقریباً تین ماہ سے غائب ہے اور طورخم جاہ کو یقین ہے کہ اسے اغوا کیا گیا ہے...... اسے کچھ لوگوں پر اغوا کا شبہ بھی ہے جن میں شاہ سلطان کا نام سرفہرست ہے...... یہ بھی ایک سردار ہے اور اپنا ایک الگ مقام رکھتا ہے...... دونوں کے درمیان دیرینہ دشمنی قائم ہے...... یہ دشمنی مختلف انداز میں نکلتی رہتی ہے، لیکن بہرحال تمہیں دیکھنا ہے کہ بات کہاں تک پہنچ گئی ہے...... مسئلہ طورخم جاہ کے بیٹے خرم جاہ کی بازیابی کا ہے، اصل میں، میں انہی علاقوں میں تعینات تھا اور ان سب لوگوں سے میری شناسائی ہے...... شاہ سلطان بھی معمولی آدمی نہیں ہے اور یہی کیفیت طورخم جاہ کی ہے...... بہرحال یہ کیس سرکاری طور پر ہمارے پاس موجود ہے اس تبادلے کی وجہ سے میں نے اسے تھوڑا سا آگے بڑھا دیا تھا لیکن اب اس نئی حیثیت سے میں تمہیں یہ کام سونپ رہا ہوں...... تمہیں بڑی ہوشیاری کے ساتھ خرم جاہ کا سراغ لگانا ہے اور یہ معلوم کرنا ہے کہ کہیں اسے زندگی سے تو محروم نہیں کر دیا گیا...... کام کٹھن ہو گا لیکن بہرحال اب میں تمہیں ایک کمپنی کے کرائے انجینئر کی حیثیت سے وہاں بھیج رہا ہوں...... اپنا گروپ بھی اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو

یا اگر اس گروپ کو منظرِ عام پر نہ لانا چاہو تو میں اس کے لئے بھی الگ ہی بندوبست کر دوں۔"

"یہ زیادہ بہتر رہے گا جناب۔"

"وہ تو بہتر رہے گا لیکن یہ بتاؤ کیا اس سلسلے میں تم اپنے آپ کو مستعد پاتے ہو؟ کرلوگے اسے یا دقت ہوگی؟"

"نہیں جناب، میں اپنی بھرپور کوشش سے خرم جاہ کو تلاش کروں گا۔"

"ہاں بے شک یہی تمہیں کرنا ہے۔"

"مجھے کب روانہ ہونا ہوگا؟"

"ضروری تیاریوں کے بعد جب تم پسند کرو۔"

"کیا آپ طور خم جاہ کو یہ اطلاع دیں گے کہ میں کس حیثیت سے آرہا ہوں۔"

"نہیں، بلکہ میں تمہیں ایک ایسے شخص کا حوالہ دے کر اس تک پہنچاؤں گا جس کی لوگ بہت عزت کرتے ہیں۔"

"جی سر، وہ کون ہے؟"

"یوں سمجھ لو ہمارے ہاں کے ایک صوبائی وزیر جو اس صوبے کو سنبھالے ہوئے ہے لیکن میرے بہت دوست اور عام وزیروں سے ذرا مختلف۔" نادر حیات نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو مجھے اس کے حوالے سے طور خم جاہ سے ملنا ہوگا۔"

"اپنا کام اگر ذرا مختلف انداز میں شروع کرو تو زیادہ بہتر ہے، بعد میں طور خم جاہ سے بھی ملاقات کر لینا۔"

"کیا ان لوگوں کی تصاویر مجھے دستیاب ہو سکتی ہیں؟"

"نہیں...... میں نے اس کا کوئی بندوبست نہیں کیا، لیکن ان کی شخصیتیں ایسی نہیں ہیں کہ تمہیں ان کی تلاش میں دقت ہو۔"

"تو پھر آپ بقیہ انتظامات فرما دیجئے...... جب آپ مجھے ہدایت دیں گے کہ انتظامات مکمل ہو گئے ہیں تو میں روانہ ہو جاؤں گا۔"

"مجھے انتظامات کے لئے چار گھنٹوں سے زیادہ نہیں درکار ہوں گے...... انتظامات تمہیں کرنے ہیں، اپنے سٹاف کو تمام ضروری امور کے لئے تیار کر کے چاہو تو وہاں بھیج

دو اور اس کام کے لئے مجھے زیادہ سے زیادہ کل تک کا وقت درکار ہوگا۔" شہاب نے پُرمسرت انداز میں گردن ہلا دی تھی۔

۞

بات ہی ایسی تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جو ماحول کی نامہربانیوں کے شکار تھے...... سخت محنت اور لگن سے تعلیم حاصل کی تھی...... نوجوانی میں خوبصورت مستقبل کے خواب بنے تھے لیکن جوانی کو مصائب اور ناکامیوں کی قید بامشقت سنا دی گئی تھی۔ اچھے مستقبل نے انہیں ٹھکرا دیا تھا...... تب ان کے اندر بغاوت نے جنم لیا اور بہت مختصر وقت رہ گیا تھا جب وہ جرم کی دنیا میں داخل ہو کر اپنا حق چھیننے والوں میں شمار ہو جاتے کہ شہنشاہ نے انہیں اپنے سحر میں گرفتار کر لیا...... اس مسافر نے ان سے سوال کیا کہ کیا وہ وطن سے نفرت کرتے ہیں؟

"نہیں۔"

"کیا وہ سمجھتے ہیں کہ سرزمین وطن نے ان سے ناانصافیاں کی ہیں؟"

"نہیں۔"

"ناانصافی کرنے والے کون ہیں؟"

"اہل وطن۔"

"کیا وہ جو سروں پر زندگی کے مصائب کا بوجھ اٹھائے ہوئے شہر کی سڑکوں پر رواں دواں رہتے ہیں اور رات کو سردی اور گرمیوں میں دھوپ برداشت کرتے ہیں؟"

"نہیں۔"

"جب تم اپنے جرائم کا آغاز کرو گے تو کیا گیہوں کے ساتھ گھن نہیں پس جائے گا؟"

"ایسا ہوتا ہے۔"

"تو کیا تم اپنے ضمیر کو پرسکون کر سکو گے؟"

"ہم مجرم بننے کے بعد انسانیت کی صف سے نکل جائیں گے۔"

"گویا یہ تسلیم کرتے ہو کہ مجرم انسانیت کی صف سے باہر کا شخص ہوتا ہے؟"

"ہاں یقیناً۔"

"تب تم برے انسان نہیں ہو، جس کے اندر نیکی اور بدی کی تمیز ہوتی ہے وہ برا نہیں ہوتا، سنو اہل وطن کے وہ لوگ جو تمہاری حق تلفی کا باعث ہیں بے شک تمہارے عتاب کا

نشانہ ہونا چاہئیں، لیکن مجرم بن کر اپنے وطن کی زمین کو داغ نہ دو، سرزمین وطن تمہیں محبت کی نگاہوں سے دیکھتی ہے اور اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ تم اس کے سینے پر رواں دواں ہو...... زمین نے کبھی تمہیں نفرت سے اپنے آپ سے دور ہٹانے کی کوشش نہیں کی...... اس کا سینہ تمہارے لئے بھی اتنا ہی کشادہ ہے جتنا دوسروں کے لئے، اس کا مقصد ہے کہ قصور سرزمین وطن کا نہیں بلکہ ان برے انسانوں کا ہے جو اپنی ذات کے لئے دوسروں کو نظرانداز کر دیتے ہیں...... کیوں نہ ان کے خلاف کمربستہ ہو جاؤ اور اپنا ہی نہیں اپنے جیسوں کا بھی تحفظ کرو، ہر کام کے لئے قربانی دینا ہوتی ہے اور یہ قربانی زیادہ طویل نہیں...... تمہاری موت کے بعد تمہیں بقائے دائمی نہیں بلکہ اس زندگی میں تمہیں تمہارے عمل کا پھل ملے گا۔ صبر کرنا جانتے ہو تو مجھے بتاؤ اور پھر میں تمہیں بتاؤں گا کہ زندگی کو کس انداز میں آگے بڑھاؤ، میں تمہارا وکیل ہوں تمہاری رہنمائی کرنا چاہتا ہوں اور رفتہ رفتہ ان سب نے اس نظریئے کو تسلیم کیا اور اس معمولی سی جھونپڑی میں اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کر کے شہنشاہ کی ہدایت کے مطابق عمل کرنے پر راضی ہو گئے...... ابتدائی لمحات بڑے دلچسپ اور پر مشقت تھے، لیکن گزارہ ہونے لگا تھا۔ کھلے آسمان کے نیچے زندگی گزارنے کی بجائے شہنشاہ نے انہیں اپنے ذاتی وسائل سے کام لے کر چھتیں مہیا کی تھیں اور اس کے بعد انتہائی مشکل وسائل کے ساتھ انہوں نے آگے کی جانب سفر شروع کیا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ حالات نے بہتری کا رخ اختیار کیا اور شہنشاہ سے ان کی عقیدت مستحکم ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ یہ وقت آیا تھا اور اب جب ان کے ہاتھوں میں ملک کے ایک مقتدر ادارے کے اہم ترین کارکنوں کے اپائنٹ منٹ لیٹر موجود تھے تو وہ یہ سوچ رہے تھے کہ انہیں اس منزل تک پہنچانے والی خدا کی ذات نے ان کے لئے ایک ایسا وسیلہ مہیا کیا جس نے آخر کار انہیں ان کا منصب دلا دیا تھا اور اب اس خوبصورت عمارت کے شاندار ایئرکنڈیشنڈ ہال میں اپنی اپنی میزوں پر بیٹھ کر وہ لوگ اپنے آپ کو مکمل سمجھ رہے تھے اور سب کے سب ذہنی طور پر بے پناہ خوش تھے کہ کم از کم انہیں ایک مقام ملا اور وہ بھی اس شکل میں کہ وہ خود پر جس قدر ناز کرتے کم تھا...... سردار علی فراست علی، انجم شیخ اور دوسرے تمام افراد سحر میں گرفتار تھے اور انہیں یقین نہیں آتا تھا کہ انہوں نے منزل پالی ہے...... جدید ترین نظام کے تحت ایک پراسرار محکمہ ان کی اپنی ملکیت تھا اور اب وہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کی ذمہ داریاں شدید تر ہیں۔

شہنشاہ کی طرف سے انہیں ان کی اس نئی زندگی کا پہلا پیغام موصول ہوا۔

"سی پی کنٹرول، سی پی کنٹرول اٹینڈنگ اوور۔"

"ہیلو کیسے ہو تم لوگ؟" شہنشاہ کی آواز اُبھری۔

"سر بہت خوش ہیں۔"

"خوشی کا سب سے پہلا مقام یہ ہے کہ تم لوگ اپنے وطن کی انتظامیہ کے لئے سرکاری طور پر کام کر رہے ہو اور یہ بہت بڑی بات ہے۔"

"ہم سمجھتے ہیں سر۔"

"تم اس سلسلے کا پہلا کام کرنے جا رہے ہو دوستو اب بھی انہی لائنوں پر کام کر رہے ہو اور ہمارا بنیادی نظریہ یہی ہے کہ وہ بڑی مچھلیاں جو جال کی جانب رخ نہیں کرتیں یا پھر کبھی اگر ان پر جال ڈالا جاتا ہے تو ان کے دانت اتنے تیز ہیں کہ وہ باآسانی یہ جال کاٹ کر نکل جاتی ہیں...... ہماری لڑائی انہی کے خلاف ہے...... اب تک ہم جو کچھ کرتے رہے ہیں اس میں ہماری وہ حیثیت نہیں تھی جو ہونی چاہئے تھی لیکن بہرحال کام ہماری مرضی کے مطابق تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ تم لوگ بھی اس سے مطمئن ہی ہو گے۔"

"جی سر۔"

"خیر میں کوئی تقریر نہیں کرنا چاہتا بلکہ تمہیں تمہارے نئے منصب کی مبارک باد دیتے ہوئے اس سلسلے کے پہلے کام کی ابتدا کر رہا ہوں۔"

وہ سب ہمہ تن گوش ہو گئے...... شہنشاہ کی آواز اُبھری۔

"ایک کمپنی اپنا ایک سٹاف بھیج رہی ہے...... کمپنی کا نام نوٹ کر لو اس نام کے تحت تمہیں باقاعدگی کے ساتھ وہاں روانہ ہونا ہے، کمپنی کے افراد وہاں تمہاری رہائش کا بندوبست کریں گے اور اس کے بعد ہم وہاں کام شروع کریں گے...... جگہ کا نام ہے، "بلال ڈیرہ" ایک نیم پہاڑی علاقہ ہے اور وہاں صنعتی ترقی ہو رہی ہے...... نور مختلف قسم کے لوگوں کا علاقہ ہے اس لئے احتیاط رکھنا ضروری ہے، ہو سکتا ہے تم میں سے کوئی بلال ڈیرہ کے بارے میں نہیں جانتا ہو لیکن اگر کوئی جانتا ہے تو دوسروں کو اس کی تفصیل بتا دے اور اگر نہیں جانتا تو پھر میں تمہیں اس کے بارے میں تمام تفصیل مہیا کئے دیتا ہوں۔"

"میں جانتا ہوں سر۔" انجم شیخ نے کہا۔

"کتنا جانتے ہو؟"

"بہت زیادہ سر...... میں وہاں تھوڑا سا وقت گزار چکا ہوں۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے انجم شیخ۔"

"تو پھر تم اپنے تمام دوستوں کو اس علاقے سے آگاہ کر دو...... کمپنی کے نمائندے تمہیں بلال ڈیرہ اسٹیشن پر خوش آمدید کہیں گے اور تمہارے لئے معقول بندوبست کر دیا جائے گا...... تمہیں باقاعدہ وہاں کام کرنا ہے...... ٹرانسمیٹر وغیرہ ساتھ رکھنا اور میری ہدایات کا انتظار کرنا...... جیسا کہ میں نے تمہیں اپنے اس نئے ممبر کے بارے میں بتایا یعنی شہاب ثاقب تو میں اسے بھی یہ ہدایت کروں گا کہ تم لوگوں پر نظر رکھے اور تمہیں ضروری امور سے آگاہ کرتا رہے...... بینا واسطی بھی وہیں ہوگی بلکہ بینا واسطی کو میں نے ہدایت کر دی ہے کہ وہ شہاب ثاقب کو اٹینڈ کرے، بہر حال تمہیں اپنے اس کام کا آغاز جس قدر جلد ممکن ہو سکے کر دینا چاہئے...... دو دن کے اندر اندر تمہیں بلال ڈیرہ روانہ ہو جانا ہے...... باقی تم سے نیا کانٹریکٹ وہیں ہوگا۔"

"جی سر۔"

"اور کوئی سوال؟"

"میرا خیال ہے سر اس سلسلے میں مزید کوئی سوال باقی نہیں رہتا...... ہمیں آپ کی ہدایات وہیں پر ملتی رہیں گی۔ بس ہمارے لئے اتنا کافی ہے۔"

"اور ضروری انتظامات جو تمہیں یہاں سے کر کے جانے ہیں ان کے بارے میں تم جانتے ہو۔"

"کوئی ایسی چیز تو نہیں سر جس کی الگ سے اہمیت ہو...... مثلاً آتشیں ہتھیار وغیرہ۔"

"ہاں بالکل اس کا انتظام تمہیں یہیں سے کر کے چلنا ہے، لیکن اطمینان رکھو تمہاری حیثیت اب قانونی ہے اور اس کے لئے تمہیں کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

"تھینک یو سر تھینک یو ویری مچ۔"

"اور کوئی بات؟"

"نہیں سر سب کچھ ٹھیک ہے۔"

شہنشاہ کی آواز بند ہو گئی اور یہ لوگ مسرت سے ناچنے لگے...... سب ہی خوش

ہو رہے تھے...... فراست علی نے کہا۔ "سب سے اہم بات یہ ہے کہ اب ہم قانونی طور پر بھی محفوظ ہیں اور ہر کام اپنی پسند کے مطابق کر سکتے ہیں۔"

"یہ ذمہ داریاں مزید محتاط رہنے کی ہدایت کرتی ہیں...... فراست علی کیا خیال ہے؟"

"بالکل بالکل۔" اور اس کے بعد یہ لوگ اس نئی ہدایت کے تحت اپنے اپنے پروگرام ترتیب دینے میں مصروف ہو گئے...... انجم شیخ انہیں بلال ڈیرہ کے بارے میں مفصل تفصیلات بتانے لگا، اس نے کہا۔

"ممکن ہے اب اس علاقے میں تبدیلیاں ہو گئی ہوں لیکن اس کے بارے میں تمہیں اتنا بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ بڑے اکھڑ اور بد مزاج لوگوں کا علاقہ ہے...... ویسے حیرت کی بات یہ ہے کہ آزادی ہے وہاں، یعنی یوں سمجھ لو کہ ایک ملا جلا سا انداز ہے، بہت زیادہ پردے کی پابندی نہیں ہے۔ رقص و موسیقی سے وہ لوگ بہت دلچسپی رکھتے ہیں اور جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے قہوہ خانے بنے ہوئے ہیں جن میں رقص ہوتا ہے۔ مختلف قسم کے معاملات ہوتے ہیں لیکن یہ نہ سمجھنا کہ وہ لوگ بدکار ہیں...... مطلب یہ ہے کہ وہاں آزادی کے علاوہ پابندیاں بھی ہیں اور کسی سے دشمنی مول لینے کا مطلب یہ ہے کہ وہاں سے زندہ واپسی ممکن نہ ہو۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ایک آزاد سٹی۔"

"تقریباً۔"

"اور ہم کاؤبوائز کی حیثیت سے وہاں جائیں گے۔"

"اب اس کا فیصلہ تو تمہیں وہاں پہنچ کر ہی کرنا ہوگا لیکن میرا خیال ہے ہم وہاں کاؤبوائز بن کر نہیں جا سکیں گے چونکہ وہاں کے لوگ ہم سے زیادہ خطرناک ہیں۔" وہ سب ہنسنے اور مسکرانے لگے اور اس کے بعد نئے نئے منصوبے بنائے جانے لگے۔

❁

عدنان واسطی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں بھئی کوئی منصوبہ پس پشت نہیں جا پڑا...... اصل میں تم نے مجھے پھر سے متحرک کر دیا ہے اور اب لوگ میرے بارے میں یہ کہنے لگے ہیں کہ پرانی زمین پر نئی کھاد ڈالی گئی ہے اور میں نے ایک نیا چولا بدلا ہے...... بات تو ایک وکیل کی ہے اور مجھے کوئی دقت نہیں ہوگی، سرگرمیوں میں تھوڑی سی کمی کر دوں گا...... کیا فرق پڑتا ہے ویسے بھی زندگی

گزارنے کے اتنے لوازمات پیدا کر دیئے ہیں تم نے کہ اب زندگی دلچسپ بھی ہو گئی ہے اور آسان بھی اور پھر شعبہ تو وہی ہے یعنی یہ کہ تم کوئی بھی کیس جو تمہارے خیال میں ضرورت کے مطابق ہو میرے حوالے کر سکتے ہو...... انویسٹی گیشن تمہاری ہی ہو گی اور قانونی عوامل میرے...... وہ لوگ ہم سے محروم تو نہیں ہو جائیں گے جو ہماری مدد کے خواہاں ہوتے ہیں اور جہاں تک رہ گیا معاملہ بینا کا...... تو حقیقت تو یہی ہے کہ بینا کے اپنے مستقبل کا آغاز میرے لئے سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے...... وہ کبھی ایسا کوئی منصب حاصل کرے گی میرے تصور میں بھی نہیں تھا......اگر تمہارے ذہن میں یہ خیال ہے کہ اس شعبے میں پہنچ کر میرے لئے کوئی مشکل پیدا ہو جائے گی تو میرے خیال میں یہ تو بالکل مناسب نہیں ہے شہاب! کیونکہ میں تو ویسے بھی سکون ہی کی زندگی چاہتا ہوں۔"

"بس واسطی صاحب میں بھی یہی چاہتا تھا کہ آپ کی سوچ ایسی کوئی شکل اختیار نہ کرنے پائے۔"

"بھول جاؤ بیٹے...... میں اتنے سست ذہن کا مالک نہیں ہوں...... میرا ایک نظریہ تھا جس کی تکمیل ہو گئی...... تم بڑی خوشی کے ساتھ اپنا کام سرانجام دو اور جہاں میری ضرورت محسوس کرو یہ سمجھ لینا کہ میں اس کے لئے انتظار کروں گا۔"

شہاب مطمئن ہو گیا...... ڈبل او گینگ، بلال ڈیرہ روانہ ہو چکا تھا اور اب شہاب اور بینا جا رہے تھے...... بذریعہ ٹرین ہی سفر کرنا تھا کیونکہ بلال ڈیرہ میں ہوائی سروس نہ تھی...... واسطی صاحب انہیں اسٹیشن تک چھوڑنے آئے تھے...... باقی تمام لوگوں سے بھی اجازت لے لی گئی تھی اور ایک عجیب سے ماحول میں یہ لوگ آخر کار بلال ڈیرہ روانہ ہو گئے...... ضرورت کا وہ سارا سامان موجود تھا جو کسی جگہ شفٹ ہوتے ہوئے ساتھ لیا جاتا ہے اور بینا بھی اس انداز پر ہنس رہی تھی پھر اس نے کہا۔

"محکمہ سراغ رسانی کے لوگ اس انداز میں بھی سفر کرتے ہوں گے یہ بات میری معلومات میں نہیں تھی۔"

"نہیں کرتے بینا اس انداز میں سفر...... یہ تو میری کاوشیں ہیں کہ میں نے اس سفر کو ایک ایسا انداز دیا ہے۔"

"مطلب!" بینا نے تعجب سے کہا۔

"سچی بات یہ ہے بینا کہ بڑا خوفزدہ ہوں۔" شہاب نے کہا۔

"آپ اور خوفزدہ؟" بینا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیوں کیا تم نے مجھے شیر دل کا خطاب دے دیا ہے؟"

"میں نے تو نہیں دیا یہ خطاب۔" بینا نے کہا اور شہاب سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا...... بینا پھر بولی۔

"اور نہ ہی میرا جملہ ادھورا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"شیر دل کو شیر دل کہا جائے گا۔"

"اچھا اچھا سمجھ گیا۔ وہ جو کڑک دل کبھی لرزتے نہیں ہیں۔" شہاب ہنس کر بولا اور بینا بھی ہنس پڑی۔

"ویسے بینا بتادوں۔"

"کیا؟" بینا نے تحیرانہ انداز میں کہا۔

"اپنے خوف کی وجہ؟"

"سچ مچ خوفزدہ ہیں آپ؟"

"ہاں۔"

"اس ماحول سے جس میں جا رہے ہیں۔"

"نہیں ماحول سے تو خیر میں شاید کبھی خوفزدہ نہ ہوں کیونکہ بہر طور تم نے شیر دل کا خطاب دے دیا ہے لیکن بڑے بڑے دل والے عورت کے سامنے حواس کھو بیٹھے ہیں اور وہ نہیں کہہ پاتے جو ہو چکا ہوتا ہے۔"

"بھئی آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہیں، ایک تو پتا ہی نہیں چلتا کہ کس وقت آپ سنجیدہ گفتگو کر رہے ہوتے ہیں اور کس وقت آپ شرارت کے موڈ میں ہوتے ہیں۔ آپ بتایئے نا کیا خاص بات ہے؟"

"سچ بینا قصور میرا نہیں ہے۔ نادر حیات صاحب نے بس یہی مناسب سمجھا تھا...... اصل میں وہ ہمیں جو شکل دینا چاہتے ہیں میرا مطلب ہے وہاں پہنچنے کی، اس میں یہ سب کچھ ضروری تھا اور انہوں نے مجھ سے پوچھ لیا تھا کہ کیا ایسا ممکن ہے؟"

"آخر کیا؟" بینا نے کہا۔

"ہم لوگ ہنی مون سے پہلے ایک غیر جگہ اس حیثیت سے منتقل ہو رہے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ میری فیملی ہیں۔" شہاب نے اس انداز میں کہا کہ بینا کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔

"یعنی یہ جملہ سننے کے بعد بھی آپ ہنس رہی ہیں۔ اس کا مقصد ہے کہ میرا مستقبل محفوظ ہے۔"

"شہاب پلیز بتایئے تو سہی کیا قصہ ہے؟"

"وہاں میں ایک سروے انجینئر کی حیثیت سے جارہا ہوں اور اپنی بیگم کے ساتھ جارہا ہوں...... وہاں ہمارا استقبال اسی انداز میں کیا جائے گا۔"

بینا کا چہرہ سرخ ہو گیا، شہاب گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ تب بینا نے کہا۔

"خدا کی پناہ کیا واقعی؟"

"ہاں بینا...... حقیقت کا رنگ پیدا کرنے کے لئے یہ ضروری تھا۔"

"تو پھر اس میں خوف زدہ ہونے کی کیا بات ہے؟"

"کیا مطلب تم برا تو نہیں مانیں اس بات کا؟"

"میں نے تو اس بات کا بھی برا نہیں مانا کہ میں محکمہ سراغ رسانی کی رکن ہو گئی ہوں۔"

"اوہو، یعنی اردو کا تجزیہ کر رہا ہوں، گویا اگر آپ نے اس بات کا برا نہیں مانا مس بینا تو اس بات کا بھی برا نہیں مانا۔"

"ضرورت ہے اس کی؟"

"اسے تو میں نے کبھی ذہن سے نظر انداز نہیں کیا۔"

شہاب شرارت سے بولا اور بینا اسے گھورنے لگی پھر بولی۔

"اب آپ الفاظ سے کھیل رہے ہیں۔"

"نہیں تمہاری ان حسین آنکھوں سے۔"

"ارے توبہ توبہ اس وقت تو باہر کی ہوا بھی اندر نہیں آ رہی کیونکہ ایئر کنڈیشنڈ کمپارٹمنٹ میں ہیں۔"

"آپ نے کہا ہے نا بینا کہ ضرورت ہے اس بات کی یعنی اصلیت میں؟"

"جی اصلیت کی بات میں نہیں کر رہی۔"

"تو پھر؟"

"میرا مطلب ہے کہ ہم جس کام کے لئے جا رہے ہیں اگر اس کے لئے اس بات کی ضرورت ہے تو اسے ذہن پر مسلط کرنے سے کیا فائدہ جو کام ہو رہا ہے وہ تو بہر طور اپنی جگہ ایک اہمیت رکھتا ہے۔"

"دل خوش کر دیا ہے مس بینا، یقین کرو میں الجھا ہوا تھا اب سنجیدہ ہوں۔"

"نہیں مسٹر شہاب! اُلجھنے کی ضرورت نہیں ہے اور پھر آپ خود ہی اُلجھتے ہیں اور خود ہی سلجھ جاتے ہیں...... میں نے تو کبھی کچھ کہا بھی نہیں ہے۔"

شہاب محبت بھری نظروں سے بینا کو دیکھنے لگا۔ سفر کو واقعی ایک ایسا رنگ دے دیا گیا تھا کہ ایک عجیب سی خوشگوار کیفیت محسوس ہو رہی تھی۔ پھر دو محبت کرنے والے کسی بھی انداز میں اگر یکجا ہو جائیں تو دلوں میں خواہ مخواہ ایک میٹھی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور اس وقت دونوں ہی اس بات کو محسوس کر رہے تھے۔ دوران سفر شہاب کا رویہ ایسا ہی رہا تھا جیسے ایک ذمہ دار شوہر اپنی بیوی کے ساتھ اپنی ملازمت پر جا رہا ہو، کسی سے کوئی شناسائی نہیں حاصل کی تھی، شہاب نے کیونکہ وہ اس کا قائل نہیں تھا...... ویسے نادر حیات صاحب نے جو آخری پیغام شہاب کو دیا تھا وہ یہ تھا کہ اسٹیشن پر مفتی حیات موجود ہوگا اور مفتی حیات پولیٹیکل ایجنٹ بھی ہے اور سی بی آئی کا نمائندہ بھی...... در پردہ وہ سی بی آئی کے لئے کام کرتا ہے...... ویسے اس کا عہدہ سرکاری پولیٹیکل ایجنٹ کا ہے اور وہ وہاں ایک باوقار حیثیت رکھتا ہے۔ نادر حیات صاحب نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ جس کمپنی کے سروے انجینئر کی حیثیت سے وہ جا رہا ہے تو اس کا کوئی نمائندہ بھی اسے ضرور لینے آئے گا اور اگر ایسا نہ ہوا تو مفتی حیات خود اس سے ملاقات کرے گا۔ مفتی حیات کے بارے میں نادر حیات صاحب نے ساری تفصیلات بتا دی تھیں اور شہاب کو یہ بھی علم ہو گیا تھا کہ مفتی حیات نادر حیات صاحب ہی کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور ان کا کوئی قریبی رشتہ دار ہے۔ اس کی تصاویر وغیرہ بھی شہاب کو فراہم کر دی گئی تھیں اور مفتی حیات کو شہاب کے سلسلے میں ٹیلی فون بھی کر دیا گیا تھا۔ بہر حال یہ شخص شہاب کے لئے بڑی کار آمد حیثیت رکھتا تھا اور شہاب نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر اسٹیشن پر کمپنی کے نمائندے نہ پہنچے تو مفتی حیات ہی کا سہارا لے گا۔

بہر حال سفر جاری رہا اور جب سفر کا اختتام ہوا تو وہ لوگ اپنے کمپارٹمنٹ سے نیچے اُتر آئے۔ سب سے پہلے شہاب نے دیکھا کہ کچھ لوگ ایک پلے کارڈ لئے کھڑے ہوئے ہیں جس پر شہاب ثاقب لکھا ہوا ہے۔ شہاب کو اس کے اصلی نام سے ہی یہاں بھیجا گیا تھا۔ شہاب، بینا کے ساتھ آگے بڑھ گیا اور ان لوگوں نے پر تپاک خیر مقدم کرتے ہوئے اسے خوش آمدید کہا اور اپنے ساتھ ایک خوبصورت کار میں لے کر چل پڑے۔

موسم معتدل تھا نہ گرمی نہ سردی اور راستے بدصورت نہیں تھے، گو زندگی بے ترتیب تھی لیکن پھر بھی ایک حسن اس میں چھپا ہوا تھا۔ شہر کی پرفسوں زندگی سے یہ زندگی نہایت سادہ اور حسین معلوم ہوتی تھی...... کمپنی کے نمائندے شہاب کو ایک ایسے علاقے میں لے گئے جہاں خوبصورت کوارٹر بکھرے ہوئے تھے اور ایک بڑا سا احاطہ ان کوارٹروں کے گرد پھیلا ہوا تھا۔ گیٹ پر باقاعدہ پہرے کا انتظام تھا۔ گاڑی اندر داخل ہو گئی اور پھر ایک کاٹیج نما خوب صورت مکان کے سامنے رُک گئی۔

فاروق نامی شخص نے شہاب سے کہا۔ ”انجینئر صاحب آپ کے لئے یہ کوارٹر منتخب کیا گیا ہے اور یہاں تمام ضروریات زندگی مہیا کر دی گئی ہیں۔ براہ کرم جائزہ لیجئے اور اس کے بعد ہمیں بتا دیجئے کہ آپ کو کس شے کی ضرورت ہو گی۔“

شہاب اس خوبصورت کاٹیج میں داخل ہو گیا۔ بلاشبہ ضروریات کی تمام چیزوں سے آراستہ کر دیا گیا تھا، ایک چھوٹا سا کچن، بیڈ روم، ڈرائنگ روم اور ٹیلی فون وغیرہ سب کچھ موجود تھا۔ کمپنی کے نمائندے فاروق نے کہا۔

”آپ کو گاڑی بھی پہنچا دی جائے گی اور اس کے بعد وہ افراد بھی مہیا کر دیئے جائیں گے جو سروے میں آپ کے ساتھ ہوں گے۔ فی الحال آپ دو دن تک آرام کریں اور اپنے طور پر اس علاقے میں گھوم لیجئے گا۔ اگر آپ چاہیں گے تو آپ کو ڈرائیور بھی فراہم کر دیا جائے گا اور اگر آپ خود اپنے طور پر سیر و سیاحت کرنا چاہیں گے تو وہ بھی ممکن ہے۔“

”شکریہ مسٹر فاروق آپ آرام کیجئے، میرے خیال میں ہمارے لئے یہ جگہ نہایت موزوں ہے۔“

فاروق کے جانے کے بعد شہاب نے بینا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”حقیقت یہ ہے کہ بینا زندگی میں بہت سے خواب دیکھے جاتے ہیں اور ان خوابوں کی

تعبیر عجیب عجیب شکل میں ملتی ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”جیسے میرے ذہن میں یہ تصور تھا کہ کبھی ہم لوگ جب اپنا گھر بسائیں گے تو ایسے ہی کسی خوبصورت مقام پر پہنچ کر ایسے ہی کسی کاٹیج میں زندگی کے تھوڑے سے لمحات ضرور گزاریں گے۔“ بینا ہنس پڑی پھر بولی۔

”میں تو پہلے ہی کہہ چکی ہوں شہاب صاحب کہ آپ کی سنجیدگی اور غیر سنجیدگی کبھی میری سمجھ میں نہیں آتی۔“

”یار کمال ہے یعنی جو سنجیدہ ہونے کے لمحات ہوتے ہیں انہیں تم غیر سنجیدگی میں شمار کر لیتی ہو۔“

”ویسے علاقہ اتنا خوبصورت تو نہیں ہے، مجھے تو پسند نہیں آیا۔“

”چلو پھر ٹھیک ہے ابھی ہماری کون سی شادی ہو گئی ہے، شادی کے بعد ذرا سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں گے کہ زندگی کی ان آرزوؤں کی تکمیل ہم کون سے مقام پر کریں گے۔“

”اچھا اب مذاق ختم ہو گیا نہیں؟“

”کمال ہے جو زندگی کا سب سے اہم موضوع ہے تم اسے مذاق قرار دے رہی ہو۔“

”اچھا بابا اچھا بولئے جو آپ کا دل چاہے وہ بولئے۔“

”جی نہیں، میرا خیال ہے یہاں ہمیں کوئی ملازم وغیرہ فراہم نہیں کیا گیا ہے، اس لئے ذرا کچن دیکھئے اور ناشتے کا بندوبست کیجئے۔“ بینا ہنس کر کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ شہاب بینا کے ساتھ آزادی کے ان لمحات میں بہت مسرور تھا، لیکن آج تک اس کی آنکھوں میں بینا کے لئے کوئی میل نہیں آیا تھا...... زندگی کا سنگلاخ سفر ختم ہو چکا تھا اور سکون کے لمحات شروع ہو گئے تھے۔ وہ شدید محنت کے بعد اب ذہن میں ٹھنڈک پا رہا تھا۔

بینا آ گئی...... اس نے ناشتے کی ٹرے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ ”ان لوگوں نے واقعی کمال کے انتظامات کئے ہیں لگتا ہے گرہستن عورت نے ہر چیز کی نشاندہی کی ہے اور اس کی ہدایت پر انتظامات کئے گئے ہیں۔“

”کیوں؟“

"وہ معمولی چیزیں تک موجود ہیں جن کے بارے میں، میں بھی نہیں جانتی تھی۔"

"گڈ...... سمجھدار لوگ ہیں۔"

کچھ دیر کے بعد بیل بجی...... آنے والا ایک مقامی آدمی تھا۔

"میرا نام صفدر خان ہے...... آپ کے لئے گاڑی لایا ہوں...... چیف صاحب نے بتا ہے کہ اگر آپ بولو تو میں آپ کو سیر کراؤں ورنہ چابی آپ کو دے دوں۔"

"ابھی تو ہمیں تمہاری ضرورت پڑے گی صفدر خان۔" میں نے کہا۔

"مجھے آپ کا ڈیوٹی دیا گیا ہے صاحب...... آپ باہر نکل کر دیکھو...... وہ سامنے میرا کوارٹر ہے...... ویسے میں صبح نو بجے سے پانچ بجے تک ادھر ڈیوٹی پر ہوں...... باہر بیٹھا ہوں گا...... اس کے بعد جب بھی آپ کو میری ضرورت ہو۔"

صفدر خان چلا گیا تھا...... اس کے بعد شہاب نے ٹرانسمیٹر پر ڈبل او گینگ کے ممبروں سے رابطہ کیا...... دوسری طرف انجم نے اس کی کال ریسیو کی تھی۔

"دوستو! میں شہاب ثاقب بول رہا ہوں...... ڈبل او گینگ کا نیا ممبر۔"

"ہیلو شہاب صاحب...... ہمیں آپ کے بارے میں بتا دیا گیا ہے۔"

"ہاں وہاں میرا آپ سے باقاعدہ تعارف نہیں ہو سکا لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"بے شک۔"

"آپ لوگ بتائیے آپ یہاں پہنچنے کے بعد کیا محسوس کر رہے ہیں؟"

"کچھ نہیں، ہمیں حیرت انگیز طریقے سے مہمانوں کی طرح ہی خوش آمدید کہا گیا اور کمپنی ایریا میں ہماری رہائش تین تین افراد کے طور پر مہیا کر دی گئی ہے۔ ہم مطمئن ہیں۔"

"ٹھیک، آپ کے سپرد کوئی ذمے داری کی گئی ہے؟"

"ابھی تک نہیں...... بس ہمیں کچھ ضروری سروے فائل دیئے گئے ہیں اور کہا گیا کہ ان پر اپنی رپورٹ لکھیں۔"

"آپ کیا محسوس کر رہے ہیں؟"

"کچھ نہیں معمولی سا کام ہے۔"

"مطمئن ہیں؟"

"جی۔"

"اپنے کوارٹروں کے نمبر بتا دیجئے اور اگر ٹیلی فون ہے تو ٹیلی فون نمبر بھی تاکہ آپ سے رابطہ رہے،" ویسے مجھے مس بینا کے ساتھ یہاں بھیجا گیا ہے اور مس بینا میرے ساتھ ہی ج نمبر تین میں مقیم ہیں۔" انجم شیخ نے شہاب کی خواہش کے مطابق اپنے اپنے کوارٹر کے نمبر اور ٹیلی فون نمبر بتائے اور شہاب نے مطمئن ہو کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

ویسے اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ کام کا یہ انداز اس کے لئے نیا اور اجنبی تھا۔ لیکن پر لطف اور کوئی ایسی مشکل نوعیت نہیں رکھتا تھا جس سے انہیں وقت کا سامنا کرنا پڑے۔

دوسرے دن اسے اپنی جوائننگ رپورٹ دینا تھی اور اس کے لئے بھی وہ متردد نہیں تھا...... یہاں انہیں بہت اچھا ریسپشن دیا گیا تھا۔

دوپہر کے بعد صفدر خان کے ساتھ وہ لوگ ایک شاندار لینڈ روور میں بیٹھ کر نکل گئے...... صفدر خان بہت باتونی آدمی تھا...... تھوڑی سی گفتگو کے بعد ہی یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ خوش مزاج شخص ہے۔ اس نے اپنے آٹھ بچوں اور جھلائی ہوئی بیوی کی کہانی سنائی اور شہاب اور بینا ہنستے رہے...... وہ شہری حالات کا بھی جائزہ لے رہے تھے۔

شہر کے دو پورشن تھے۔ ایک ذرا بہتر لوگوں کا علاقہ جہاں مخصوص ساخت کے مکانات بنے ہوئے تھے۔ ایک علاقہ پسماندہ لوگوں کا تھا جن کی گلیاں کوچے اور بازار پسماندگی کا شکار تھے لیکن ایک اہم بات محسوس کی تھی وہ یہ تھی کہ پورا شہر جس حیثیت کا بھی حامل تھا لیکن انتہائی صاف ستھرا تھا۔ بازار بھی گنجلک لیکن اچھی حیثیت کے حامل تھے۔ اشیا کا فقدان تھا اور ضروریات زندگی کی بے شمار چیزیں یہاں نہیں نظر آرہی تھیں۔ پھر کمپنی ایریا تھا جو صنعتیں یہاں لگائی جا رہی تھیں ان کے لئے الگ علاقے مخصوص کر دیئے گئے تھے۔ خصوصاً وہ علاقہ جسے مستقبل میں ایک بڑے صنعتی علاقے کا درجہ دیا جاتا تھا۔ وہ بھی خاصا الگ تھلگ تھا...... چٹیل پہاڑیاں موسمی اثرات سے بے آب و گیاہ تھیں اور اندازہ ہو رہا تھا کہ یہاں گرمیوں کے موسم میں شدید گرمی اور سردیوں کے موسم میں شدید سردی پڑتی ہوگی...... صفدر خان انہیں بہترین گائیڈ کے طور پر ملا تھا اور وہ سب کے بارے میں بتاتا جا رہا تھا...... شہاب نے اپنی پسند کا سوال کیا۔

"یہاں سب ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہوں گے صفدر خان؟"

"جی صاب، اس وقت تک جب تک یہاں حکومت کی کمپنیاں نہیں آئی تھیں۔ سب

ایک دوسرے سے واقف تھے لیکن نئے لوگوں کو سب لوگ نہیں جانتے، کیونکہ یہ باہر سے آئے ہوئے لوگ ہیں۔"

"مقامی لوگوں اور ان آنے والوں کے درمیان کبھی کوئی جھگڑا تو نہیں ہوتا صفدر خان؟"

"صاحب ان لوگوں کو بھی سمجھا دیا گیا ہے کہ ادھر کے لوگ مہمانوں کو بہت عزت دیتے ہیں لیکن مہمانوں کو بھی میزبانوں کی عزت کرنا پڑتی ہے...... ابھی تک تو کوئی ایسا بات نہیں ہوا لیکن اگر ہوا تو بہت خطرناک ہوگا کیونکہ اگر یہ بات یہاں کے لوگوں کے دماغ میں آ گیا کہ باہر سے آنے والا لوگ ان کے لئے برا ہے تو پھر ایک آدمی کا برائی نہیں رہے گا بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی برا سمجھا جائے گا۔" شہاب اس صورت حال کو سمجھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"یہاں طورخم نامی ایک رئیس ہے؟"

"ارے صاب اس کا تو مت بولو...... وہ بے چارہ زندہ درگور کر دیا گیا ہے۔"

"کیوں؟"

"ایک ہی بیٹا تھا اس کا...... ایک ہی بیٹا، اس کو بھی اغوا کر لیا گیا اور ابھی تک اس کا کوئی نہیں چل سکا...... خرم جاہ بہت اچھا نوجوان تھا۔ میرا ایک بھائی طورخم جاہ کے ہاں ڈرائیور ہے...... وہ بولتا تھا کہ طورخم جاہ کا تو کمر جھک گیا ہے۔ ٹھیک ہے صاب جوان بیٹا اگر اغوا ہو جائے تو باپ کا کمر جھک ہی جاتا ہے۔"

"یہ پتا نہیں چل سکا کہ کس نے اغوا کیا ہے؟"

"صاحب کچھ لوگوں کو شبہ ہے مگر ہم لوگ ایسا نام کبھی نہیں لیتا جس سے بعد میں ہمارا زبان کاٹ لیا جائے۔"

"مطلب یہ کہ تم جانتے ہو کہ طورخم جاہ کے بیٹے کو کس نے اغوا کیا ہے لیکن بولنا نہیں چاہتے۔"

"ایسا ہی بات ہے صاب، مگر ہم جتنا جانتے ہیں وہ اتنا ہی ہے جتنا دوسرے لوگ جانتے ہیں...... ادھر ادھر کی زبان سننے کو ملتا ہے صاب بس مگر بولنا اچھا نہیں ہوتا۔"

"ہوں...... تم لوگوں کے آپس میں بھی جھگڑے ہو جاتے ہیں؟"

"غریب لوگ کا کس سے جھگڑا صاحب! ہاں کبھی کبھی جب بڑے لوگ آپس میں جھگڑا

کرتے ہیں تو غریب لوگ لپیٹ میں آ جاتے ہیں ہمیں کسی نہ کسی کا ساتھ دینا ہوتا ہے۔"

"ویری گڈ یہ طورخم جاہ رہتا کدھر ہے؟"

"ابھی صاحب وہ کیا آپ کے سامنے ہے۔" صفدر خان نے ایک بڑے احاطے کی جانب اشارہ کیا جس کی سفید دیواریں پہاڑی ٹیلوں پر پھیلی ہوئی تھیں اور ان سفید دیواروں کے عقب میں ایک عمارت نظر آ رہی تھی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ خاصی خوبصورت بنی ہوئی ہے۔ صدر گیٹ تک جانے کے لئے سڑک الگ سے بنی ہوئی تھی اور اس کے دونوں جانب بڑی خوبصورت جھاڑیاں لگائی گئی تھیں۔

"طورخم جاہ یہاں رہتا ہے؟"

"جی صاحب۔"

"ٹھیک اور یہاں کون کون ایسے لوگ ہیں جو یہاں کے مقتدر لوگوں میں ہیں۔"

"صاحب ادھر سب بڑا لوگ ہے، آپ اس آدمی کو پوچھو جو سر پر ٹوکرا اٹھائے جا رہا ہے...... آپ دیکھو اس کے کندھے سے بھی رائفل لٹکا ہوا ہے وہ بھی بڑا آدمی ہے۔"

"ہوں لیکن جیسے طورخم جاہ ہے اس کی طرح کے لوگ بھی تو رہتے ہوں گے؟"

"ایسے لوگ بھی بہت ہیں صاحب...... شاہ سلطان ہے اور تھوڑے فاصلے پر خانم زمانی ہے اور بہت سے لوگ ہیں۔"

"شاہ سلطان کے طورخم جاہ سے کیسے تعلقات ہیں؟"

"ابھی صاحب آپ تو یوں لگتا ہے کہ جیسے ادھر جاسوسی کرنے آیا ہے، ابھی ہمارے کو کیا معلوم ان بڑے لوگوں کا بڑے لوگوں سے کیسا تعلق ہوتا ہے۔" صفدر خان نے کہا اور شہاب نے فوراً خود کو سنبھال لیا...... بینا نے گہری نگاہوں سے شہاب کو دیکھا تھا اور اس کے بعد وہ خاموش ہو گئے تھے...... علاقہ زیادہ بڑا نہیں تھا اس لئے تمام جگہوں کی سیر کرنے میں انہیں بہت وقت نہیں لگا کوئی ایسی قابل ذکر جگہ نہیں تھی جسے تفریح گاہ کہا جا سکے، لوگ واقعی خشک اور کھردری زندگی گزارتے تھے...... اسلحے کی بھرمار تھی اور کوئی بھی غیر مسلح شخص نظر نہیں آتا تھا...... ڈی جی نادر حیات کے الفاظ شہاب کے ذہن میں تھے، بہرحال پہلے سروے کے بعد شہاب نے واپسی کا فیصلہ کیا اور کچھ دیر کے بعد وہ اپنی رہائش گاہ میں آ گئے۔ دوسری صبح بینا اور شہاب چیف انجینئر کے پاس اپنی جوائننگ رپورٹ دینے گئے تاکہ

اس کے بعد کام شروع کیا جاسکے اور مناسب جگہ فیصلہ بھی کیا جاسکے۔ جلد بازی کی ضرورت ممکن نہیں تھی، سارے کام آہستگی سے ہی شروع کرنے تھے...... انہیں چیف انجینئر کے کمرے میں پہنچادیا گیا لیکن اندر داخل ہو کر شہاب کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا جو شخص بڑی میز کے عقب میں بیٹھا ہوا تھا وہ چوڑے شانوں اور جاندار چہرے والا آدمی تھا لیکن اس کی تصویر مفتی حیات کی حیثیت سے شہاب کو دکھائی گئی تھی، باہر دروازے پر چیف انجینئر کا بورڈ بھی لگا ہوا تھا...... اس غیر معمولی طور پر قوی ہیکل شخص نے اپنی کرسی سے کھڑے ہو کر شہاب کی جانب مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھادیا اور شہاب نے اس کا انتہائی چوڑا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر گرم جوشی سے دبایا...... مفتی حیات نے بینا کو بھی سر خم کر کے خوش آمدید کہا اور بیٹھنے کا اشارہ کر کے مسکراتا ہوا بولا۔

"آپ لوگوں کو مجھے اس سیٹ پر دیکھ کر یقیناً حیرت ہوئی ہو گی کیونکہ نادر حیات صاحب نے مجھے بتادیا تھا کہ بہت سے ایسے معاملات ہیں جو آپ کو ابھی تک نہیں بتائے گئے ہیں اور ان کی ذمہ داری میرے ہی سپرد ہے۔"

"سر آپ یہاں چیف انجینئر کی حیثیت سے۔"

"ہاں...... تم اسے میری تیسری حیثیت کہہ سکتے ہو۔ دو کے بارے میں تمہیں معلوم ہے۔"

"پتا نہیں مجھے اس بارے میں کیوں نہیں بتایا گیا؟"

شہاب نے کہا۔

"یہ وہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جو ہم آپس کی ملاقات میں بھی مل کر ایک دوسرے کو بتا سکتے تھے...... نادر حیات صاحب نے یہ ایک تفریحی پہلو چھوڑا تھا اور مجھ سے اس کا تذکرہ بھی کیا تھا انہوں نے...... میں نے بھی اس سے لطف لیا تھا...... آپ سچ بتائیے آپ کو مجھے یہاں اس سیٹ پر دیکھ کر لطف نہیں آیا؟" شہاب ہنسنے لگا تھا پھر اس نے کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مجھے بہت حیرانی ہوئی ہے لیکن اس بات سے خوش بھی ہوں کہ میرا کام زیادہ آسان ہو گیا کیونکہ جس پوسٹ پر مجھے تعینات کیا گیا ہے میں اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا اور یہ سوچ رہا تھا کہ اپنے افسران بالا کو کس طرح مطمئن کر سکوں گا۔" مفتی حیات خوش دلی سے ہنسنے لگا پھر اس نے کہا۔

"ان تمام چیزوں کا خیال رکھا گیا تھا مسٹر شہاب ثاقب! خیر اب ہم اپنی گفتگو کے دو حصے کئے لیتے ہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کو ایک مخصوص علاقے میں سروے کرنا ہے۔ یہ علاقہ متنازعہ ہے حکومت کا کہنا ہے کہ یہ خانم زمانی کی زمینوں میں نہیں آتا جبکہ خانم زمانی کا کہنا ہے کہ یہ علاقہ اس نقشے میں موجود ہے جو ان کی ملکیت کے طور پر ان کے پاس ہے...... حکومت نے اس بات کو تسلیم کیا۔ آپ کو اسی علاقے میں سروے کرنا ہے...... کچھ نشانات وغیرہ لگائیے اس بات کے قوی امکانات ہیں کہ خانم زمانی کے آدمی آپ کے راستے میں مداخلت کریں گے...... یہاں آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے آپ کو اس سلسلے میں غیر متعلق ظاہر کریں اور خانم زمانی کے ساتھ بہتر گفتگو کر کے ان سے تعلقات بڑھائیں...... خانم زمانی بھی اس معاملے میں ایک اہم کردار معلوم ہوتی ہیں۔ ابھی تک انہیں بالکل چیک نہیں کیا گیا ہے، اس کی ابتدا آپ کریں گے۔"

"گویا طور خم جاہ کے بیٹے کی نشاندہی میں خانم زمانی کا کوئی کردار ہو سکتا ہے؟"

"سو فیصد یہ ایک مثلث ہے جس میں طور خم جاہ، شاہ سلطان اور خانم زمانی آتے ہیں تو اس علاقے کی مکمل نشاندہی آپ کو کر دی جائے گی اور اس کے ساتھ ہی اگر آپ ضروری سمجھتے ہیں تو بجائے غیر متعلق افراد کے میرے خیال میں آپ کو آپ کا ہی سٹاف دے دیا جائے آپ اس کے ساتھ زیادہ ایڈجسٹ ہو سکتے ہیں...... باقی رہا سروے کا معاملہ تو اس کی تھوڑی سی بنیادی تربیت میں آپ کو ابھی یہیں دیئے دیتا ہوں اور اس کے لئے میں نے یہ تصویریں تیار کر رکھی ہیں۔

مفتی حیات نے وہ تصویریں ایک لفافے سے نکالیں اور ایک ایک کر کے انہیں شہاب کے سامنے پیش کرنے لگا...... یہ تصویریں ان آلات کی تھیں جو اس سلسلے میں استعمال ہوتے ہیں...... پھر کچھ سروے انجینئر ان تصویروں میں دکھائے گئے جو سروے کر رہے تھے، اس کا بھی طریقہ کار بتا دیا گیا ہے۔ شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ نے تو چند ہی لمحوں میں مجھے باقاعدہ سروے انجینئر بنا دیا مفتی صاحب۔"

"یہ ضروری تھا کچھ خاص باتیں بھی آپ ذہن نشین کر لیجئے بلکہ میں انہیں تحریری شکل میں آپ کے حوالے کر دیتا ہوں...... اب آپ کا دوسرا کام یہ ہے کہ آپ کو سہ مکھی کھیلنا پڑے گی، حالانکہ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے اس میں مقامی لوگ بے شک دلچسپی لے رہے

ہیں اور ان میں یہ مقابلہ بھی چل رہا ہے کہ حکومت کی جانب سے کی جانے والی ترقیاتی کارروائیوں میں وہ حکومت کی مدد کریں اور اس طرح عوام کو یہ تاثر دیں کہ وہ اپنے علاقے کی ترقی کے خواہاں ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بے شمار افراد ایسا کرتے ہیں، وہ ایک الگ عمل ہے لیکن میں جس تکون کا تذکرہ کر چکا ہوں اس کا اپنا مسئلہ بھی ہے۔ آپ خانم سے بھی تعلق رکھیں گے...... شاہ سلطان سے بھی اور طور خم جاہ سے بھی اور پھر ان کے درمیان سے اصل بات نکالیں گے جیسا کہ میں نے آپ سے کہا کہ طور خم جاہ کے بیٹے خرم جاہ کا اغوا بظاہر اغوا برائے تاوان ہے لیکن جہاں تک ہمارا اندازہ ہے اس کے پیچھے کچھ اور بھی عوامل کارفرما ہیں جن کی کوئی تفصیل سامنے نہیں آسکی بس کچھ شبہات ہیں جن کی تصدیق ہی اصل کام ہے اور ان شبہات کی تصدیق آپ کو انہی تینوں خاندانوں سے ہو سکے گی، آپ کہاں تک ان کے درمیان اپنے لئے جگہ بنا سکتے ہیں۔ یہ آپ کی ذمہ داری اور قابلیت ہے۔'' شہاب نے گہری سانس لے کر گردن ہلائی۔ اب اس کیس میں اسے پوری پوری دلچسپی محسوس ہو رہی تھی، پھر مفتی حیات نے کہا۔

''اور اس سلسلے میں پہلا قدم میں آپ کے ساتھ اٹھا رہا ہوں، کل شام کو ساڑھے پانچ بجے شاہ سلطان کے یہاں پارٹی ہے اور اس پارٹی میں مجھے بھی مدعو کیا گیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ آپ اور مس بینا بھی میرے ساتھ اس پارٹی میں شریک ہوں، اس طرح سب سے پہلی شناسائی شاہ سلطان سے ہو جائے گی۔ آپ کو مسٹر شہاب اپنے لئے جگہ بنانی ہے اور یہ آپ کا اپنا کام ہوگا۔''

''جی...... بہت بہتر۔'' یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ ایک کردار سے میری شناسائی اتنی آسانی سے ہو جائے گی ویسے پارٹی کی نوعیت کیا ہے؟''

''شاہ سلطان کو اس کا شوق ہے اور وہ اس قسم کی تقریبات منعقد کرتا رہتا ہے، شہر کے بہت سے لوگ آتے ہیں اور کبھی کبھی باہر کے لوگ بھی آجاتے ہیں، تعلقات بڑھانے کا شوق ہے ویسے پڑھا لکھا آدمی ہے اور اس نے اپنے گھر کا ماحول بھی خاصا آزاد رکھا ہے، وہاں کچھ ایسے کردار بھی ملیں گے جو تمہیں دلچسپ محسوس ہوں گے، اس ماحول کی مناسبت سے تم ان کرداروں کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔''

''ایک اور سوال جناب۔'' میں کس حیثیت سے وہاں جاؤں گا۔

''میرے ساتھ ہو گے میرے مہمان کے طور پر، تمہارا تعارف کراؤں گا شاہ سلطان سے، اس کی کوئی فکر نہ کرو، یار باش آدمی ہے، بہر حال کام تمہارا مختصر ہی سہی مائی ڈیئر شہاب، یہیں شناسائی ضروری ہو گی۔''

''ٹھیک ہے جناب۔''

''تو پھر یوں کرنا کہ ملاقات تو خیر ہماری ہو گی ہی اس دوران اگر چاہو تو اس علاقے کا ایک چکر لگا لینا بعد میں باقاعدگی سے ادھر چلے جانا کم از کم علاقے سے شناسائی ہو جائے گی، تمہارے پاس جو ڈرائیور ہے وہ تمہیں با آسانی اس جگہ تک لے جائے گا ویسے وہ قابل اطمینان آدمی ہے...... کسی بھی اہم ضرورت پر اس کو استعمال کر سکتے ہو۔ میں نے تمہارے لئے اس کا انتخاب سوچ سمجھ کر کیا ہے۔'' شہاب نے مطمئن انداز میں گردن ہلا دی تھی اور اس کے بعد وہ وہاں سے اٹھ گئے تھے، باقی کام دلچسپ تھا۔

ڈبل او گینگ سے ملاقات کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا اور اس کے لئے بینا نے اپنے طور پر ان لوگوں سے گفتگو کر کے وقت مقرر کر دیا...... رات کو ان کی رہائش گاہوں میں سے ایک پر اس ملاقات کا بندوبست کیا گیا تھا اور جب شہاب، بینا کے ساتھ وہاں پہنچا تو وہ سب اس کا انتظار کر رہے تھے۔ شہاب نے مسکراتے ہوئے ان تمام لوگوں سے ہاتھ ملائے اور انہوں نے شہاب کو اپنے گروہ میں خوش آمدید کہا۔ شہاب کہنے لگا۔

''حضرات! دلچسپ بات یہ ہے کہ ہمارا اور آپ کا تقرر بالکل نئے اور مختلف محکمے میں ہوا ہے، ایک انسپکٹر کی حیثیت سے اور اس سے پہلے کچھ اور طریقہ کار کے مطابق میں پولیس کے ادارے سے منسلک رہ چکا ہوں لیکن یہ تجربات میرے لئے نئے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہمارا سربراہ ایک انوکھی شخصیت کا مالک ہے جس کے بارے میں شاید آپ لوگ جانتے ہوں لیکن مجھے ابھی اس سے محروم رکھا گیا ہے۔''

''نہیں شہاب صاحب! اسے اس حد تک جانتے ہیں کہ وہ ہماری روح کی گہرائیوں میں اترا ہوا ہے، لیکن اگر وہ ہمارے سامنے آجائے تو ہمارے فرشتے بھی نہیں سوچ سکتے کہ وہ شہنشاہ ہے۔''

''میں سمجھتا ہوں دوستو! اس طرح اس نے اپنی ایک انفرادیت قائم رکھی ہے...... ہم نا شناسا سے منحرف ہو سکتے ہیں لیکن اندھیرے کا تیر کسی بھی سمت سے ہم تک پہنچ سکتا

ہے..... یہ بڑی دلچسپ صورت حال ہے، بہر حال آپ تمام لوگوں سے ملاقات میرے لئے خوشی کا باعث ہے اور اب جو ذمہ داری بنیادی طور پر مجھے سونپی گئی ہے میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں کو بھی اس سے آگاہ کردوں، ہماری ٹیم بنادی گئی ہے اور یہاں جس طرح ہمیں پہنچایا گیا ہے اس کی ایک باقاعدہ ضمانت موجود ہے، یعنی اگر کوئی ہماری جانب سے شبہ کا شکار بھی ہو تو ہم پر شک نہ کر سکے اور میں سمجھتا ہوں یہ اس لئے کیا گیا ہے کہ ہمارا واسطہ اکھڑ اور خطرناک لوگوں سے رہے گا ورنہ کسی ایسے مرحلے پر ہم اپنی شخصیتوں کو الگ الگ بھی استعمال کر سکتے ہیں۔"

"بے شک مسٹر شہاب اس میں کوئی شک نہیں ہے، ابھی تو آپ شہنشاہ کے کارنامے آئندہ دیکھیں گے تو آپ کو لطف آئے گا اور یہ احساس ہوگا کہ وہ لاکھوں انسانوں کا مجموعی ذہن ہے بلکہ کبھی کبھی تو ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ وہ کوئی انسان ہے بھی یا نہیں یا صرف ایک مشینی ذہن کا مالک ہے۔"

"کیا آج تک کبھی کوئی ایسا موقع نہیں آیا کہ آپ کو اس کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہو؟"

"قطعی نہیں..... ہم اس کے سائے تک سے روشناس نہیں ہیں۔" فراست علی نے بتایا۔

"بہر حال میں اسے برا نہیں سمجھتا اس طرح ہم اپنی ذمہ داریوں پر الرٹ رہیں گے، کل صبح کے بارے میں میرے ذہن میں یہ خیال ہے کہ ہم اس علاقے کا سروے کریں جس پر آئندہ ہمیں کام کرنا ہے، آپ لوگوں کے پاس گاڑیاں وغیرہ تو ہیں۔"

"نہیں، لیکن ہمیں یہ آفر کردی گئی ہے کہ اگر ہم کہیں مشترکہ طور پر بھی کوئی کام کرنا چاہیں تو گاڑی ہمیں فراہم کردی جائے گی اس کے علاوہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہم جب بھی چاہیں اپنے کام کے لئے موٹر بائیک حاصل کر سکتے ہیں چاہے سب کو ایک ہی وقت میں ایک موٹر سائیکلوں کی ضرورت پیش آئے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے کل دس بجے ہم نقشے کے مطابق روانہ ہو رہے ہیں، آپ اپنے طور پر اپنے لئے گاڑیوں کا بندوبست کر لیجئے۔" پھر شہاب نے ان لوگوں کے ساتھ چائے پی اور بینا کے ساتھ واپس پلٹ پڑا وہاں سے نکلنے کے بعد بینا بے اختیار ہنس پڑی..... شہاب اس کی ہنسی کی وجہ سمجھتا تھا پھر بھی اس نے سوال کر ہی ڈالا۔

"کیوں بینا کس بات پر ہنسی آ گئی۔"

"وہ لوگ شہنشاہ کے بارے میں کتنی عقیدت بھری گفتگو کر رہے تھے اور آپ سے پہلی بار ملاقات اور شناسائی کا اظہار، وہ شہنشاہ کے بارے میں آپ کو بتانا چاہتے تھے، اگر ان کے فرشتوں کو بھی اس بات کا گمان ہو جائے کہ شہنشاہ خود ان کے درمیان موجود ہے تو ان کی ذہنی کیفیت کیا ہوگی۔"

"نہیں شہنشاہ کے بارے میں معلوم نہ ہونا ہی مناسب ہے اس طرح ہر شخص کم از کم اپنی ذمہ داریاں تھوڑے سے خوف کے احساس کے ساتھ پوری کرتا ہے..... ویسے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ سب خوف کے احساس سے نہیں بلکہ فرض شناسی کے طور پر اپنے فرائض بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے ہیں لیکن بہر حال انسانی فطرت میں کچھ نہ کچھ سقم ہوتا ہی ہے۔"

"اور میں اپنے بارے میں بھی سوچتی ہوں۔" بینا نے کہا۔

"وہ کیا؟"

"وہ یہ کہ میں شہنشاہ کو جانتی ہوں۔"

"شہنشاہ کو۔"

"ہاں۔"

"کس حیثیت سے؟"

"مم..... میرا مطلب ہے کہ کیا آپ کو معلوم نہیں ہے؟"

"شہنشاہ کو اگر تم ایک ملکہ کی حیثیت سے جانو، تب بات ہو بینا۔"

بینا اس وقت بہت زیادہ جذباتی ہو رہی تھی کہنے لگی۔

"میں شہنشاہ کی ملکہ نہیں بلکہ اس کی خادمہ ہوں، اس کے جوتوں کی خاک، اس نے مجھے جو مقام دیا ہے وہ میری اوقات سے کہیں بڑھ کر ہے لیکن تقدیر جب کھلتی ہے تو اس کے لئے کسی انسان کی شناخت نہیں کرتی۔"

"اب تم اگر ایسی باتیں کرو گی بینا تو پھر میں بھی ان کا جواب اسی انداز میں دوں گا۔"

"دیجئے کس نے منع کیا ہے آپ کو۔"

"نہیں بینا، بات نہیں بنے گی دوست..... اصل میں تمہیں اندازہ نہیں ہے میں اس وقت دہری کیفیت کا شکار ہوں۔"

"وہ کیسے؟"

"مستقبل میں میرے ایک خوب صورت گھر کی مالکہ میرے ساتھ ہے اور حال میں ایک ایسی محبوبہ جس سے بڑی محبت کے ساتھ میں عشق کر رہا ہوں...... ابھی میرا دل اس عشق سے نہیں بھرا، جب یہ شعبہ مکمل ہو جائے گا تو پھر اپنی محبوب کو بیوی کی حیثیت دے کر اس کی پوجا کروں گا۔ ابھی تو ہم دونوں کے درمیان ایک مشترکہ معاہدہ چل رہا ہے لیکن ایک بات میں اب بھی کہہ رہا ہوں کہ جب بھی دل چاہے بینا، تم اپنے اس احساس کا اظہار کر سکتی ہو کہ اب تم گھر میں بیٹھ کر صرف بیوی کی حیثیت سے رہو گی۔"

"اب آپ جب یہ ساری باتیں کر رہے ہیں شہاب تو مجھے بھی زبان کھولنے دیجئے۔"

"ارے بابا کس نے منع کیا ہے آپ کو، ضرور زبان کھولئے۔"

"شادی کے بعد کیا مجھے گھر میں بیٹھنا ہوگا؟"

"ہاں بینا، یہ بڑا اچھا سوال ہے اور بڑی اہمیت کا حامل بھی، کر ڈالا ہے تم نے تو میں تمہیں جواب دے رہا ہوں...... اصل میں کبھی کسی وقت ہمارے گھر کا جائزہ لو، اس گھر میں داخل ہو کر دیکھو وہاں کیسے لوگ رہتے ہیں، ان کا طرز زندگی کیا ہے، کون ہیں وہ بتا بھی چکا ہوں تمہیں کہ میری شادی کے لئے نئے نئے ہتھکنڈے استعمال کئے جا رہے ہیں لیکن میں ابھی اس سے گریز کرنا چاہتا ہوں۔ اماں جی ہیں ایک ایسی بزرگ خاتون جو قدامت پرست ہیں اور جنہوں نے دنیا کو ایک الگ ہی نگاہ سے دیکھا ہے، وہ سوچ بھی نہیں سکتیں کہ ایک عورت اس طرح اس جدید دنیا میں اپنے طور پر اتنی اہم ذمہ داریاں پوری کر سکتی ہے، ان کے خیال میں عورت کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ وہ ایک خوب صورت گھر تشکیل کرے اور انہوں نے اپنی محدود عقل کے مطابق وہ ذمہ داریاں بخوبی پوری کی ہیں جس کا ایک ثبوت میں بھی ہوں...... میرے گھر میں ایک بھابی بھی ہیں...... بہت اچھی خاتون ہیں، بہت ہی اچھی میرے بھائی ہیں...... گھر میں جب ایک نئے کردار کا اضافہ ہوگا تو وہ کردار اپنی فراست سے کام لے کر اس گھر کی زندگی میں چار چاند لگائے گا۔ یہ ممکن نہیں ہوگا بینا کہ شادی کے بعد تم میرے ہمراہ اس طرح کے کارنامے سر انجام دیتی پھرو۔"

بینا نے مسکراتی نگاہوں سے شہاب کو دیکھا اور بولی۔

"تو آپ کا خیال ہے میں اس بات سے انحراف کروں گی۔"

"نہیں بینا اگر اتنا اعتماد نہ ہوتا تو تم سے اس موضوع پر کبھی بات نہ کرتا۔"

"شہاب صاحب، ایک بات کہوں میں آپ سے...... عورت شاید فطری طور پر اس بات کی خواہش مند ہوتی ہے کہ وہ صرف خاتون خانہ ہو ایک گھر سنبھالے اور اس گھر وا اپنی فراست سے دنیا کی ہر خوشی بخش دے...... وہ شوہر کی کمائی کھائے، شوہر کے بچوں کو پالے اور یہی شاید اس کا صحیح مقام ہے۔"

"بالکل بینا، میرے گھر کا بھی یہی ماحول ہے۔"

"اور آپ یقین کیجئے شہاب! میں بھی اس گھر کی اس ماحول کی پروردہ ہوں آپ کو مجھ سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔" بینا نے کہا اور شہاب بے اختیار ہنس پڑا...... بینا، شہاب کی اس وقت کی ہنسی سے کچھ جھینپ سی گئی تھی، اس نے کہا۔

"کیوں آپ ہنسے کیوں؟"

"نہیں بینا، بس اس لئے ہنس رہا ہوں کہ جو وقت بیت رہا ہے غنیمت ہے اس کے بعد مس بینا مجھے ہر صبح بتایا کریں گی کہ بازار سے یہ سودا سلف لے کر آنا ہے، بچوں کے لئے یہ کرنا ہے، گھر میں اس چیز کی کمی ہے، یہ نہیں ہے، وہ نہیں ہے اور مزید کیا کرنا ہے۔ بینا اس وقت کیسے لگے گا۔"

"زندگی کے مختلف رنگ ہوتے ہیں شہاب، ایک عمر میں داخل ہونے کے بعد یہی رنگ سب سے اچھے لگتے ہیں۔"

بہر حال اسی قسم کی باتیں ہوتی رہی تھیں اور وقت بڑی خوش اسلوبی سے گزر گیا تھا...... دوسرے دن شہاب نے ٹرانسمیٹر پر ان لوگوں سے رابطہ قائم کیا تو سردار علی نے اوکے کی کال دی اور شہاب بینا کے ساتھ اس ضروری ساز و سامان کے ساتھ باہر نکل آیا جو اسے فراہم کر دیا گیا تھا، خاص قسم کی دوربینیں، فیتے، کیمرے اور ایسا ہی دوسرا ساز و سامان جسے اپنی گاڑی پر بار کر کے وہ صفدر خان کے ساتھ باہر نکل آئے...... صفدر خان کو تفصیلات بتا دی گئی تھیں کیونکہ جب ڈبل او گینگ کے تمام افراد ایک بڑی لینڈ روور میں سوار ہو کر آگے بڑھے تو شہاب نے کہا۔

"صفدر خان ہمیں۔"

"جانتا ہوں صاحب، مجھے چیف انجینئر صاحب سے پوائنٹ کے بارے میں پتا چل گیا

ہے، ہم اسے گولڈ پوائنٹ کہتے ہیں۔"

"گڈ...... تب ان لوگوں کی رہنمائی بھی تمہیں ہی کرنی ہے۔"

"یہ بھی جانتا ہوں صاحب، شہری آبادیاں عبور کرتے ہوئے وہ آخر کار شہر سے باہر نکل آئے اور اب سنگلاخ چٹانوں اور پتھریلے ٹیلوں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آ رہا تھا، پیلے رنگ کی پگڈنڈیاں بکھری ہوئی تھیں اور مختلف سمتوں کو جاتی تھیں...... پھر ایک ڈھلان اترنے کے بعد انہیں ایک عظیم الشان عمارت نظر آئی، یہ عمارت بھی بالکل اسی انداز کی تھی، جیسے طورخم جاہ کی رہائش گاہ تھی۔ شہاب نے صفدر خان سے اس کے بارے میں پوچھا تو وہ ہنس کر بولا۔

"ادھر آگے جاؤ گے صاحب تو آپ کو ایک عجیب و غریب جگہ نظر آئے گی، ادھر پانی کا آبشار ہے وہ دیکھو ایک ندی چمکتا ہوا نظر آتا ہے...... وہ اس آبشار سے بنی ہے، آبشار شاہ سلطان کے گھر کے احاطے کے باہر نکلتا ہے اور دوسرے علاقوں میں جاتا ہے۔"

"اوہو شاہ سلطان ادھر رہتا ہے؟"

"جی صاحب۔"

"کمال ہے بھئی یوں لگتا ہے جیسے یہ لوگ اس علاقے کے سب سے بڑے لوگ ہوں۔"

"نہیں صاحب سب سے بڑا لوگ یہ نہیں ہے، البتہ ادھر آبادیاں آپ کے شہروں جیسی نہیں ہیں، ملا جلا شہر تو آپ نے دیکھ لیا اب ادھر دور دور کے علاقے میں ایسی عمارتیں بکھری پڑی ہیں جو یہاں کے بڑے بڑے لوگوں کی رہائش گاہیں ہیں، آپ دیکھو گے تو آپ کو حیرانی ہوگی...... میرے ساتھ جو آپ نے سیر کیا وہ تو بلال ڈیرہ کا سیر تھا، بلال ڈیرہ سے باہر نکلنے کے بعد بھی یہ علاقہ بہت دور تک پھیلا ہوا ہے اور اس کے درمیان کبھی کبھی اتنا فاصلہ ہوتا ہے کہ آپ یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ ویرانوں میں بھی اس طرح زندگی آباد کی جاسکتی ہے۔"

گولڈ پوائنٹ بہرحال تقریباً پچیس کلومیٹر کے فاصلے پر تھا اور یہاں بھی ایک انوکھی زندگی نظر آ رہی تھی وہ بلند و بالا مینار جسے دور سے دیکھا جاسکتا تھا لیکن وہ کسی مسجد کے مینار کی شکل کا نہیں تھا بلکہ کسی قلعے کی فصیل کی طرح نظر آتا تھا اس کے بارے میں سوال کرنے پر صفدر خان نے بتایا۔

"ادھر خانم زمانی کا محل ہے...... خانم زمانی کے بارے میں بھی آپ یہ نہیں کہہ سکتے

صاحب کہ وہ کتنی بڑی رئیس ہے...... ابھی گولڈ پوائنٹ وہ جو سامنے نظر آ رہا ہے، وہ ایریا جدھر آپ دیکھتے ہو تین پہاڑیاں ایک ساتھ کھڑا ہوا ہے، وہ گولڈ پوائنٹ ہے۔"

بہرحال پگڈنڈی آگے چل کر ختم ہوگئی تھی اور اس سے پھوٹنے والی ایک شاخ اس جانب جا رہی تھی جدھر خانم زمانی کا محل بتایا گیا تھا، حالانکہ جس جگہ یہ لوگ موجود تھے وہاں سے صرف وہی فصیل یا مینار نظر آتا تھا باقی اور کچھ نہیں دیکھا جاسکتا تھا، لیکن اس فصیل یا مینار سے دور دور تک کے علاقے کی مانیٹرنگ کی جاسکتی تھی، بڑی پراسرار زندگی تھی یہاں کی اور شہاب سوچ رہا تھا کہ اس کے اپنے وطن میں ایسی ایسی انوکھی جگہیں موجود ہیں جن کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہاں کیا کچھ ہے...... کچھ دیر کے بعد وہ گولڈ پوائنٹ پہنچ گئے، علاقے کے بارے میں بہت سی تفصیلات حاصل ہوچکی تھیں اس لئے اب اس چکر میں پڑنے کے بجائے کام کرنا زیادہ مناسب تھا، چنانچہ ڈبل او گینگ کے ممبروں نے سروے یونٹ کے کام سرانجام دینے شروع کر دیئے، ایک طویل احاطے میں سرخ رنگ کی وہ جھنڈیاں زمین میں لگانا شروع کر دی گئیں جو لینڈ روور میں رکھ کر لائی گئی تھیں اور ان کے ذریعے اس علاقے کا احاطہ کرنا تھا جس کے بارے میں چیف انجینئر سے شہاب کو ساری معلومات ہوچکی تھیں لیکن کام کرتے ہوئے ابھی دس منٹ سے زیادہ بھی نہیں گزرے تھے کہ دفعتاً ہی دور سے کچھ گھڑ سوار آتے نظر آئے...... ان کا رخ انہی کی جانب تھا۔

شہاب کو احساس ہو گیا کہ کوئی غیر مناسب صورت حال پیش آنے والی ہے لیکن اس پراسرار نگر میں اپنا کام بڑی احتیاط کے ساتھ سرانجام دینا تھا۔ گھڑ سوار تقریباً بیس کی تعداد میں تھے اور انہوں نے رفتار خاصی تیز رکھی تھی چنانچہ آن کی آن میں وہ اس علاقے میں پہنچ گئے اور پھر انہوں نے طوفانی انداز میں ان کے گرد چکر لگانے شروع کر دیئے...... یہ ایک عجیب و غریب طریقہ تھا...... تقریباً پانچ منٹ تک وہ ان کے گرد دوڑتے رہے اور پھر رک گئے، ان کا رخ انہی کی جانب تھا اور وہ سب مسلح نظر آ رہے تھے لیکن اپنی بندوقیں یا رائفلیں انہوں نے اپنے ہاتھوں میں نہیں لی ہوئی تھیں بلکہ وہ ان کے شانوں ہی سے لٹکی ہوئی تھیں...... ایک گھڑ سوار آگے بڑھا اور اس نے گرجدار آواز میں کہا۔

"سب سمٹ کر ایک جگہ جمع ہو جاؤ۔"

شہاب نے پرسکون نگاہوں سے اسے دیکھا اور آگے بڑھ آیا۔ "اس مداخلت کی وجہ

جان سکتے ہیں ہم؟"

"تم میں سے کس کس کے پاس ہتھیار ہیں؟" اس شخص نے سوال کیا۔

"ہمارے پاس ہتھیار کہاں سے آئے بھائی ہم تو کمپنی کے ملازم لوگ ہیں۔"

"کیا ہمیں تمہاری تلاشی لینے کی ضرورت پیش آئے گی؟"

"یہ عجیب سوال ہے اس کا فیصلہ تو تم خود کر سکتے ہو۔"

"ہم تمہاری زبان پر اعتبار کریں گے، ہمیں آخری بات بتاؤ، کیا تم لوگوں کے پاس ہتھیار موجود ہے؟"

"نہیں...... ہم انجینئر ہیں اور یہاں صرف اپنا کام کرنے آئے ہیں۔"

"علاقہ جانتے ہو کس کا ہے؟"

"ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ سرکاری زمین ہے اور یہاں حکومت کو اپنا کام کرنا ہے۔"

"نہیں ابھی اس کا فیصلہ نہیں ہوا کہ یہ سرکاری زمین ہے یا نہیں...... اس بارے میں خانم زمانی کو اعتماد میں نہیں لیا گیا اور خانم زمانی اسے اپنا علاقہ تصور کرتی ہے...... اس علاقے میں آنے والے پہلے خانم زمانی کو سلام کہتے ہیں پھر اس کے بعد ادھر کوئی کام کرتے ہیں۔ تم لوگوں نے بہت غلط طریقہ کار اختیار کیا ہے...... اگر تم مسلح ہوتے تو تمہیں ابھی اس کا مزہ چکھا دیا جاتا...... یہاں ہتھیار لے کر آنے والے کو دشمن تصور کیا جاتا ہے اور اس علاقے میں داخل ہونے والے کو مہمان! اور اگر وہ خانم زمانی کا مہمان نہیں بنتا تو پھر اس علاقے میں نہیں رہ سکتا۔"

"ہمیں کیا کرنا ہوگا؟"

"تمہاری سلامتی اسی میں ہے کہ تمہارے پاس ہتھیار نہیں ہیں...... سب جمع ہو جاؤ اور یہ سامان سمیٹو اور پہلے خانم زمانی کو سلامی دو۔"

"ٹھیک ہے اگر یہ ضروری ہے تو ہمیں اس بارے میں نہیں بتایا گیا تھا ورنہ ہم ایسا نہ کرتے۔"

"تم لوگ اب بھی یہ کر سکتے ہو، چلو فوراً۔" اس شخص نے کہا اور اس کے بعد اس نے اپنے شانے سے رائفل اتاری...... یہ گویا دھمکی تھی کہ اگر ان لوگوں نے ایسا نہیں کیا تو انہیں گولیوں کا سامنا کرنا پڑے گا...... شہاب نے اپنے تمام ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ گاڑیوں

میں بیٹھ جائیں اور اس کے بعد خود بھی بینا کو اشارہ کر کے اپنی گاڑی میں آ بیٹھا۔

گھڑ سواروں نے ان کا چاروں طرف سے احاطہ کر لیا تھا اور وہ شخص جس نے ان سے گفتگو کی تھی ان کی رہنمائی کر رہا تھا اور اس کے بعد انہیں سنگلاخ چٹانوں پر ایک اور مشکل سفر طے کرنا پڑا...... تب وہ ایک نیچی محراب سے گزرے جسے دروازہ کہا جا سکتا تھا لیکن اس میں گیٹ نہیں لگا ہوا تھا...... البتہ اس کے اطراف میں ایک عظیم الشان احاطہ تھا اور فصیل جو دور سے مینار نما نظر آ رہی تھی اصل دروازہ تھی اس کی بلندیوں کے نیچے ایک عظیم الشان دروازہ بنا ہوا تھا جس پر دس مسلح گارڈ کھڑے ہوئے تھے...... ان لوگوں کو جیپ اور گاڑیوں سے اتارا گیا اور پھر گھوڑے سوار نیچے اتر آئے...... انہوں نے ان کی تلاشی نہیں لی تھی بلکہ انہیں ایک قطار کی شکل بنا کر اس فصیل کے دروازے سے گزارا گیا تھا...... اس ویران اور بے آب و گیاہ چٹیل میدانی سلسلے میں ایسی عمارت طلسماتی عمارت ہی تصور کی جا سکتی تھی کیونکہ فصیل کے دروازے سے داخل ہونے کے بعد انتہائی موٹے ایرانی قالینوں کا فرش تھا اور یہ فرش راہداری کے آخری سرے تک چلا گیا تھا اس کے بعد ایک بہت بڑا ہال تھا جس میں لاتعداد فانوس لٹکے ہوئے تھے اور سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس ہال کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اگر ایئر کنڈیشننگ نہیں کی گئی تو پھر کیا طریقہ کار استعمال کیا گیا ہے...... ہال میں قالین کے رنگ کے صوفے بچھے ہوئے تھے اور ایک طرف ایک بہت بڑا ڈائس نما پلیٹ فارم بنا ہوا تھا...... وہ لوگ وہاں پہنچ گئے تو اس شخص نے کہا۔

"بیٹھو یہاں آرام کرو، دوپہر کے کھانے کے بعد خانم زمانی تم سے ملاقات کرے گی۔"

"دوپہر کے کھانے کے بعد؟" شہاب نے حیرانی سے سوال کیا۔

"ہاں...... مہمان کو مہمان کے آداب ادا کرنے چاہئیں، تمہیں دوپہر تک یہاں بیٹھنا ہوگا...... تمہارا سامان بالکل محفوظ ہے، جس طرح تمہاری زبان پر اعتبار کر کے ہم نے تمہارے جسموں کو ہاتھ نہیں لگایا ہے اور تمہاری تلاشی نہیں لی ہے اس طرح تمہیں بھی ہم پر اعتبار کرنا ہوگا...... آرام سے بیٹھو۔" اور اس کے بعد وہ لوگ واقعی آرام سے بیٹھے رہے تھے...... ایک عجیب و غریب صورت حال تھی جس پر ہنسی آ رہی تھی، لیکن پہاڑوں کی روایتیں بھی زندہ ہو کر ان کی نگاہوں کے سامنے آ گئی تھیں، انہیں معزز مہمان بنایا گیا تھا لیکن گرفتار کر کے لایا گیا تھا اور اب انہیں دوپہر کا کھانا بھی یہیں کھانا تھا اور اس وقت تک

یہاں قید رہنا تھا لیکن یہ قید بھی دلچسپی کا باعث بنی...... اس ماحول سے سب ہی لطف اندو ہو رہے تھے، لیکن بہر حال چونکہ سب ہی سمجھ دار لوگ تھے اس لئے انہوں نے احتیاط سے کام لیا تھا اور ایسی کوئی گفتگو نہیں کی تھی جس کے سنے جانے سے خطرات پیدا ہو سکیں، لیکن بہر حال یہ بڑا صبر آزما وقت تھا۔

دن کے ایک بجے ان لوگوں کو اس ہال سے نکال کر ایک دوسرے ہال میں لے جایا گیا جہاں ایک وسیع و عریض دستر خوان لگا ہوا تھا، شاندار قالین پر خوب صورت دستر خوان بچھا گیا تھا جس پر اعلیٰ درجے کے برتن لگے ہوئے تھے...... پھر خانم زمانی ان کے درمیان آ گئی ایک طویل القامت خاتون جس کے بال چاندی کے تاروں کی مانند سفید تھے اور چہرہ ان بالوں سے ہم آہنگ نہیں تھا لیکن بہر حال وہ ایک عمر رسیدہ عورت تھی...... اندر داخل ہو کر اس نے ان لوگوں کو سلام کیا اور شہاب نے کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا اور سلام کا جواب دیا...... باقی تمام لوگ بھی کھڑے ہو گئے تھے۔

"آپ لوگ بیٹھئے، کھانا حاضر ہے۔" خانم زمانی نے کہا اور خود بھی ایک سرے پر بیٹھ گئی...... خادموں نے کھانا لگانا شروع کر دیا تھا...... سالم بکرے، سالم مرغ اور خاص قسم کی تندوری روٹیاں دوسرے لوازمات کے ساتھ ایک عجیب و غریب فضا پیدا ہو گئی تھی۔ بالکل ایک طلسماتی ماحول تھا...... بہر حال اس کے بعد کھانا کھایا گیا اور اس دوران مکمل خاموشی طاری رہی...... کھانے کے بعد خانم زمانی اٹھ گئی اور اس نے انہیں اسی ہال میں طلب کر لیا اب وہ ڈائس نما پلیٹ فارم پر پہنچ گئی تھی اور یہ لوگ اس کے ارد گرد بیٹھ گئے تھے۔

"ہاں اب تم لوگ بتاؤ، کیا صورت حال ہے کس چیز کا سروے کر رہے ہو تم؟"

"ہماری کمپنی یہاں کچھ تعمیرات کرنا چاہتی ہے خانم اس کے لئے ہمیں سروے کرنے بھیجا گیا ہے۔"

"دیکھو ابھی تک میں صرف یہ باتیں سنتی رہی تھی، مجھے امید نہیں تھی کہ اتنی جلدی یہاں کام کا آغاز ہو جائے گا، تم لوگ واپس جاؤ اور یہ خیال دل سے نکال دو کہ یہاں کوئی تعمیر ہو گی، یہ ہمارا آبائی علاقہ ہے اور غاصبانہ انداز میں ناپ تول کر کے یہ طے کر لیا گیا ہے کہ یہ علاقہ سرکاری حیثیت رکھتا ہے، ایسی بات نہیں ہے اور اگر ایسی بات ہوتی تو ہم اس علاقے کو حکومت سے خرید لیتے اور اس کی منہ مانگی قیمت ادا کرتے...... کسی قیمت پر یہاں کوئی

تعمیر نہیں ہو سکتی۔ کچھ لوگوں نے ترقی کے نام پر یہاں بے حیائی اور فحاشی کا جو داؤ کھیلا ہے بہت جلد اسے مکمل طور پر ناکام بنا دیا جائے گا، ترقی اپنی جگہ لیکن بے حیائی کے وہ مناظر میں بالکل نہیں برداشت کر سکتی جو ترقی کے نام پر ہمارے ان پر سکون علاقوں میں برپا کئے جائیں گے اپنے حکام سے کہو پہلے مجھ سے مذاکرات کریں مجھ سے بات کریں اور تم لوگوں کو میں ذاتی طور پر اطلاع دیتی ہوں کہ دوبارہ یہاں آ کر اپنی زندگی کھونے کی کوشش مت کرنا بس اب تم لوگ جا سکتے ہو۔ میں نے جو کچھ کہا ہے اس کا خیال رکھا جائے۔" خانم زمانی ڈائس سے اتر کر واپس چلی گئی اور شہاب خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے بھاری لہجے میں کہا۔

"ہمیں واپس چلنا ہو گا۔" اور اس کے بعد وہ لوگ اپنی گاڑیوں میں بیٹھ کر واپس چل پڑے تھے...... راستے میں صفدر خان نے کہا۔

"اور جب اس نے کہہ دیا ہے صاحب کہ ادھر اور کوئی تعمیری کام نہیں ہو گا تو آپ سمجھ لو یہ کام نہیں ہو گا۔"

شہاب کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

وہ واپس کمپنی ایریا میں آگئے...... بینا نے اندازہ لگالیا تھا کہ شہاب غیر مطمئن نہیں ہے
پھر بھی واپس آکر اس نے کہا۔

"کسی ایکشن فلم کا سا لطف آرہا ہے...... خاص طور سے اس احساس کے ساتھ کہ
ہم بھی اس کے کردار ہیں۔"

"کیا کردار ہے ہمارا؟"

"کچھ نہ کچھ تو ہے۔" بینا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"نہیں بینا مجھے مرکزی کردار ہی پسند ہے۔"

"مرکزی کردار؟"

"ظاہر ہے ہیرو اور ہیروئن۔" بینا ہنسنے لگی پھر بولی۔

"واقعی آپ کا کیا کردار ہے کیسا تجربہ رہا یہ؟"

"برا تو نہیں ہے۔"

"لیکن شہاب وہ عورت کتنی عجیب تھی۔"

"کس لحاظ سے؟"

"ہر لحاظ سے، اس کا قد و قامت، اس کا چہرہ، لیکن اس چہرے پر چاندی جیسے سفید
شخصیت بے حد پر وقار تھی...... شہاب ان علاقوں میں جو کچھ بکھرا ہوا ہے میں سمجھتی ہوں
ہمارے وطن کا پراسرار ترین حصہ ہے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے...... میں بھی کبھی ان علاقوں میں اس طرح نہیں

"ایک سوال کا جواب دیں شہاب؟"

"ارشاد۔"

"آپ نے اپنی زندگی میں کیا کچھ دیکھا ہے؟"

"سنجیدگی سے بتاؤں یا غیر سنجیدگی سے۔"

"نہیں پلیز شہاب، سنجیدگی سے۔"

"حقیقت تو یہ ہے بینا کہ بہت کچھ ہونے کے باوجود میں کچھ بھی نہیں ہوں، اب تو نہیں میری زندگی کے ہر پہلو سے آشنائی ہو چکی ہے، کچھ عرصے پہلے اپنے گھر میں ایک نکما اور ناکارہ شخص تصور کیا جاتا تھا۔ فائق حسین اور واثق حسین گھر کے کماؤ پوت تھے اور ان کا اپنا ایک مقام تھا، جبکہ میں نے اپنی زندگی میں ایک الگ ہی راہ کا تعین کیا ہوا تھا اور یہ سوچتا تھا کہ جو کچھ کروں گا اپنی پسند کے مطابق کروں گا، چاہے اس کے لئے کتنا ہی وقت کیوں نہ ضائع ہو جائے اور بینا وہ جو کہتے ہیں کہ شکر خورے کو شکر ہی ملتی ہے...... میری خواہش پوری ہو گئی۔ باقی جہاں تک دنیا دیکھنے کا تعلق ہے سچ یہ ہے کہ اپنی کائنات کی وسعتیں تمہارے وجود میں سمودی ہیں...... اگر تم نہ ملتیں تو ممکن ہے کہ زندگی میں کچھ اور کی خواہش کرتا، لیکن اب کوئی خواہش رہی نہیں ہے، کیونکہ میں نے اپنے آپ کو تم میں مطمئن کر لیا ہے۔"

"خدا کی پناہ، یہاں آکر آپ کے اوپر کچھ زیادہ رومان سوار نہیں ہو گیا۔"

"نہیں بینا ایسی کوئی بات نہیں ہے، یہ رومان تو ہمیشہ میرے ذہن پر سوار رہتا تھا یہ الگ بات ہے کہ یہاں کچھ ایسا محسوس کر رہا ہوں کہ دل کو کچھ زیادہ ہی خوشی ہوتی ہے۔"

"کیسا؟"

"بھئی اب میں تو نہیں کہتا، لیکن لوگ جو سمجھتے ہیں وہ مجھے بھی اچھا لگتا ہے۔"

"کیا؟" بینا کے چہرے پر سرخی پھیل گئی۔

"وہ تمہیں میری مسز سمجھتے ہیں۔"

"کمال ہے شہاب، سمجھ میں نہیں آتا، آپ کو سنجیدہ کیسے رکھا جائے۔"

"کیوں سنجیدہ کرنا چاہتی ہو بینا جب خوش ہوں تو خوشیوں کا اظہار بھی میرا حق ہے۔"

"اچھا بابا اچھا اب ٹھیک ہے۔ یہ بتایئے اب کریں گے کیا؟"

"کچھ نہیں بینا، ظاہر ہے نہ میں ایک سروے انجینئر ہوں اور نہ یہ میرا اصل کام، بس ہم یہاں اپنے مشن کا آغاز کریں گے...... ویسے ایک بات بتاؤں تمہیں، یہ ماحول مجھے بہت

پر اسرار لگ رہا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں ہو گا ہمیں ایسے خطرناک لمحات سے گزرنا ہو گا، اصل میں ابھی تک کوئی تعین نہیں ہو سکا ہے کہ کرنا کیا ہے، بعد میں دیکھیں گے کیا صورت حال ہوتی ہے۔"

"ویسے یہ مہمان نوازی بھی بڑی روایتی قسم کی رہی، یہ سمجھو بہت سی داستانیں تازہ ہو گئی ہیں، کھانا بہت شاندار تھا۔"

"ہاں، یہاں کی روایتی حیثیت کا حامل۔"

مفتی حیات سے رات ہی کو ملاقات ہوئی تھی۔ خود ہمارے کوارٹر میں آ گیا تھا اور میں نے اس کا پُرجوش خیر مقدم کیا۔

"مفتی صاحب آپ کو۔"

"مجھے معلوم ہے، میں تمہاری طرف سے غافل تو نہیں ہوں، نادر حیات صاحب نے تمہیں یہاں بھیجا ہے اور مجھ پر تمہاری ذمے داریاں ڈال دی ہیں۔"

"دلچسپ بات ہے ہم دونوں وہ کر رہے ہیں جو ہمارا کام نہیں ہے۔"

"میرا مسئلہ تو خیر ذرا مختلف ہے، مجھے تو یہ سب کچھ کرنا ہی ہے۔ تم کامیاب ہو جاؤ تو اور خدانخواستہ ناکام رہو تو مجھے یہ حیثیت قائم رکھنی ہے کیونکہ اسی حیثیت سے میں یہاں اپنا کام چلا رہا ہوں...... بات صرف اتنی سی نہیں ہے مسٹر شہاب کہ مجھے اس مسئلے میں تمہارے ساتھ تعاون کرنا ہے، بلکہ مجھے یہاں کے تمام معاملات بھی دیکھنا ہوتے ہیں اور ان کے سلسلے میں باقاعدہ رپورٹیں مرتب کرنا ہوتی ہیں۔"

"آپ کا کام واقعی مشکل ہے، ویسے خود آپ کا تعلق تو یہاں سے نہیں ہے۔"

"یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہیں۔" مفتی حیات نے مسکراتے ہوئے کہا پھر بولا۔

"بہر حال اصل کام تو تمہیں اب سب سے روشناس ہونا ہے۔ میں حتمی طور پر تو کوئی بات نہیں کہہ سکتا لیکن طورخم شاہ کے اس معاملے سے خانم زمانی کا بھی کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہے۔ میں اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں جانتا، لیکن میری چھٹی حس یہی بتاتی ہے اور اتنا میں تم سے کہہ دوں کہ میری چھٹی حس نے کبھی مجھے دھوکا نہیں دیا ہے۔"

"اچھا اب یہ بتائیے کہ ہمیں دوبارہ اس علاقے میں جانا ہے یا نہیں۔"

"نہیں بھائی، مجھے تمہاری زندگی سے دلچسپی ہے بس یہ تو تمہارا رجسٹریشن تھا۔ تم اس

حیثیت سے رجسٹرڈ ہو گئے...... خانم زمانی کے لئے تو خیر میں نہیں کہہ سکتا لیکن جن لوگوں نے تمہیں وہاں دیکھا اور جس حیثیت سے تمہیں خانم زمانی کے پاس لے گئے اس کے بعد کم از کم اس علاقے میں تمہارا تعارف ہو گیا۔ لوگ یہ ضرور کہیں گے کہ ایک سروے انجینئر کو خانم زمانی نے گرفتار کر لیا تھا۔ اب یہ الگ بات ہے کہ اس گرفتاری کو تم قانونی طور پر کوئی شکل قرار نہیں دے سکتے جو قابل گرفت ہو کیونکہ خانم زمانی نے تمہیں ایک بات سے آگاہ کیا لیکن اب خانم زمانی تمہیں جان گئی اور یہ سب سے اچھا ہوا۔"

"مفتی صاحب آپ خاصے ذہین آدمی ہیں۔"

"نہیں اس میں میری ذہانت کا کوئی دخل نہیں ہے...... یوں سمجھ لو یہ ایک پلاننگ تھی جو نادر حیات صاحب نے میرے ساتھ کی تھی۔"

"گڈ، میرا کل کا دن۔"

"بس یونہی سیاحت اور آوارہ گردی میں گزارو، بلکہ یہ آوارہ گردی ہی تمہارے لئے سب سے مناسب ہے...... اپنے آدمیوں سے کہو کہ یہاں کی تفریحات میں حصہ لیں...... یہاں باقی اور کوئی خطرہ نہیں ہے۔ بس کسی عورت کی جانب غلط نظر نہ ڈالیں اور بہتر ہے کسی سے جھگڑا مول لینے کی کوشش نہ کریں، دوستوں کے لئے یہاں بہت گنجائش ہے اور لوگ انہیں عزت دیتے ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ زیادہ افراد کی ضرورت بھی نہیں تھی لیکن بہر حال تمہارے کام کرنے کا انداز الگ ہو گا اور نادر حیات صاحب نے تم سے جو کچھ کہا ہے تمہیں اسی کے مطابق کرنا تھا۔"

"جی۔"

"کل ایسا کرو، ایک تھوڑا سا گشت کر لو، قرب و جوار کا جائزہ لے لو۔ کوئی واقعہ پیش آئے تو اسے اپنے ذہن میں رکھنا، تمہیں شام کا پروگرام تو یاد ہے نا، ہمیں ڈنر پر جانا ہے۔"

"ایک سوال ہے؟"

"جی۔"

"کیا مس بینا بھی میرے ساتھ جا سکیں گی؟"

"تم دونوں جاؤ گے بھئی، وہ شخص جس کے ساتھ کوئی عورت ہوتی ہے بڑا معزز سمجھا جاتا ہے۔"

"دوسرا سوال یہ کہ کیا وہاں یہاں کا روایتی انداز ہوگا؟"

"نہیں یہی ایک دلچسپ بات ہے، شاہ سلطان کی تقریبات مخلوط ہوتی ہیں اور ایک مخصوص طبقے میں ان تقریبات کو اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھا جاتا لیکن بہر حال یہ تعلیم یافتہ لوگ ہیں اور قبائلی ہونے کے باوجود ذرا آزادانہ سوچ رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں پردے کا اتنا شدید رواج نہیں ہے جو کرنا چاہتا ہے اسے بے شک کرے اور جو نہیں کرنا چاہتا اس کے لئے کوئی پابندی نہیں ہے۔"

"شرکاء کون ہوں گے؟"

"کچھ مقامی لوگ جن سے شاہ سلطان کے اچھے تعلقات ہیں اور باقی وہ جو یہاں کی صنعتی ترقی میں اہم عہدے دار کی حیثیت رکھتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" شہاب نے پرخیال انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ یہ ساری تفصیلات اس نے ذہن نشین کرلی تھیں اور پھر رات گئے تک وہ بینا سے باتیں کرتا رہا تھا...... اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بینا، پوری ٹیم بڑے تذبذب کا شکار ہوگی۔"

"کس سلسلے میں؟"

"میرے اور تمہارے سلسلے میں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ میں تازہ تازہ ان کی ٹیم میں شامل ہوا ہوں لیکن تمہیں میرے ساتھ اتنا بے تکلف دیکھ کر وہ حیران ہوں گے۔"

"اس سے بھی ایک استحکام کا اظہار ہوتا ہے۔" بینا نے کہا۔

"یہ کہ شہنشاہ کی ٹیم کے افراد ایک دوسرے پر مکمل اعتبار کرتے ہیں۔"

"وہ تو واقعی کرتے ہیں۔" شہاب نے معنی خیز نگاہوں سے بینا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

دوسرا دن مفتی حیات کے پروگرام کے مطابق گزارا گیا تھا۔ وہ لوگ سروے کا سامان لے کر مختلف علاقوں میں فضول حرکتیں کرتے رہے تھے جن کا کوئی مقصد و مفہوم نہیں تھا۔ پھر دوپہر کے بعد واپس آگئے تھے...... شام کے لئے تیاریاں بھی کرنا تھیں...... بینا نے شہاب کے لئے خود ایک خوب صورت سوٹ کا انتخاب کیا تھا...... تیاریاں کرتے ہوئے شہاب نے اپنا لباس نکالنا چاہا تو بینا نے کہا۔

"میں نے لباس نکال دیا ہے۔"

"اوہ...... کیا واقعی؟" شہاب کی آنکھوں میں شرارت ناچنے لگی۔

"کوئی شرارت کی بات نہیں ہوگی۔" بینا نے کہا اور وہاں سے چلی گئی۔ شہاب مسکراتا ہوا باتھ روم کی جانب چل پڑا تھا۔

مفتی حیات نے مقررہ وقت پر ان کے دروازے پر دستک دی اور کلائی کی گھڑی سامنے کرتا ہوا بولا۔

"میں تو صحیح وقت پر پہنچ گیا ہوں کیا تم تیار ہو؟"

"ہاں مفتی صاحب۔" شہاب نے جواب دیا اور مفتی حیات مسکرانے لگا پھر بولا۔

"ویری گڈ، جو لوگ پریکٹیکل ہوتے ہیں وہ واقعی فضول کاموں میں وقت ضائع نہیں کرتے تو پھر آئیے آپ لوگ۔"

بینا شہاب کی آواز پر باہر آگئی اور دونوں مفتی حیات کی لینڈ روور میں بیٹھ کر چل پڑے۔ مفتی حیات خود بھی ایک پراسرار شخصیت کا مالک تھا...... اس نے جس طرح یہاں اپنا مقام قائم کر رکھا تھا وہ بھی اپنی نوعیت کی الگ ہی بات تھی...... تین تین حیثیتوں کا مالک اور پھر شاید اس علاقے کی مقبول شخصیت بھی۔ شہاب نے اس کے بارے میں بھی سوچا تھا۔

راستے جانے پہچانے تھے اور ڈرائیور نے شہاب کو تقریباً پورا بلال ڈیرہ ہی دکھا دیا تھا، چنانچہ جب لینڈ روور شاہ سلطان کے قلعہ نما مکان کے سامنے پہنچی تو مفتی حیات نے کہا۔

"کیا تم اس جگہ سے واقف ہو؟"

"صفدر خان نے مجھے راستے سے گزرتے ہوئے بتایا تھا کہ یہ سلطان شاہ کی رہائش ہے۔"

شاہ سلطان کی اس رہائش گاہ کے بیرونی حصے میں کچھ گاڑیاں پارک تھیں، بڑے سے عظیم الشان صدر دروازے سے اندر داخل ہوئے تو دنیا ہی مختلف نظر آئی۔ بہت وسیع و عریض احاطہ تھا جس کے ایک گوشے میں بڑی نفاست سے لان لگایا گیا تھا اور یہ جدید ساخت کا لان تھا...... دوسری جانب سوئمنگ پول بھی تھا۔ بہت سے درختوں نے پورے احاطے کو گھیرا ہوا تھا۔ سامنے جو عمارت نظر آرہی تھی وہ بھی رومن سٹائل کی عمارت تھی جس کے ستون بہت بلند تھے۔ عمارت ذہن پر اثرات چھوڑتی تھی۔ بہر حال یہ لوگ اس جانب بڑھ گئے جہاں اور بھی بہت سے افراد نظر آرہے تھے۔ شاہ سلطان ایک انتہائی توانا شخصیت کا مالک پررعب آدمی تھا۔ بہت ہی نفیس لباس میں ملبوس مہمانوں کا استقبال کر رہا تھا۔ مفتی

حیات کو دیکھ کر اس نے کہا۔

"اخاہ! مفتی صاحب آیئے تشریف لایئے اور یہ دونوں معزز مہمان، ان سے میرا تعارف کرایئے۔"

"یہ ہمارے سروے انجینئر شہاب ثاقب ہیں اور یہ ان کی مسز بینا ثاقب، دونوں ہی سروے انجینئر ہیں۔"

"آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی مسٹر شہاب اور بینا کو دیکھ کر مزید خوشی ہوئی، کیونکہ اس قسم کی بچیاں مجھے پسند ہیں...... جن کے چہرے پر اعتماد اور آنکھوں میں فتح مندی کی چمک ہوتی ہے، میں معزز مہمانوں کو خوش آمدید کہتا ہوں۔"

"شکریہ شاہ سلطان صاحب، حالانکہ ہم یہاں آتے ہوئے جھجک رہے تھے۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ بن بلائے مہمان تھے۔"

"دیکھو پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے تمہارے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا، اگر پتا چل جاتا تو میں خود تم لوگوں کو دعوت دیتا لیکن اگر تم نے اس بڑائی کا ثبوت دیتے ہوئے میرا مہمان بننے کا اعزاز مجھے دیا ہے تو میں اس کی دل سے قدر کرتا ہوں...... مہمان خدا کی رحمت ہوتے ہیں۔ اب یہ خیال اپنے دل سے نکال دینا کہ تم لوگ بن بلائے مہمان ہو، تم شاہ سلطان کے معزز مہمان ہو۔"

"شکریہ شاہ سلطان۔"

"مفتی تمہارا بھی شکریہ، میرے مہمانوں کو عزت سے بٹھاؤ۔" مفتی حیات نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی اور شہاب اور بینا کو ساتھ آنے کا اشارہ کر کے آگے بڑھ گیا۔ اس نے ایک میز سنبھالتے ہوئے کہا۔

"یہاں بیٹھو، میرے خیال میں تمہیں دوسرے لوگوں سے زیادہ ملاقات نہیں کرنی چاہئے، تمہیں اہم لوگوں سے متعارف کراؤں گا۔"

شہاب اور بینا بیٹھ گئے...... پھر مفتی وہاں نظر آنے والے لوگوں کے بارے میں تفصیلات بتانے لگا۔ بہت سے لوگ دوسرے شہروں سے بھی آئے تھے، مفتی نے کہا۔

"مسٹر شہاب اصل میں جیسا کہ میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا کہ شاہ سلطان بیرونی

ہیں بہت زیادہ رہ چکا ہے، بے شک وہ ان پہاڑوں کا باشندہ ہے، لیکن جدت پسند ہے اور اس جدت پسندی کو تم اس کی اس رہائش گاہ میں بھی دیکھ رہے ہوگے۔"

"ہاں مفتی صاحب۔" شہاب نے جواب دیا۔

"اس کے تعلقات بھی بہت بہتر ہیں۔"

"یقیناً، اندازہ ہو رہا ہے، لیکن کیا طورخم جاہ اس تقریب میں نہیں آئے گا؟"

"نہیں وہ دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہیں اور اس بارے میں بے شمار افراد جانتے ہیں۔"

"اور خانم زمانی۔" شہاب نے سوال کیا اور مفتی حیات اسے چونک کر دیکھنے لگا پھر بولا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم بہترین جا رہے ہو۔"

"نہیں ابھی کچھ نہیں مفتی صاحب میں نے یونہی سوال کر لیا ہے کیونکہ یہاں تعلقات کی بات ہو رہی ہے تو خانم زمانی کے شاہ سلطان سے کیسے تعلقات ہیں؟"

"بہتر نہیں، یعنی ایسے نہیں کہ خانم زمانی شاہ سلطان کی تقاریب میں شرکت کریں۔"

"گڈ۔" شہاب نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

وہ یہاں موجود لوگوں کو دیکھتے رہے، شاہ سلطان مہمانوں کا استقبال کرتا رہا اور پھر شاید تمام ہی مہمان آگئے۔ مفتی حیات اس قدر اہمیت کا حامل نہیں تھا کہ شاہ سلطان اس کے پاس آکر بیٹھتا لیکن پھر بھی اس نے دو ایک بار ان کے قریب آکر ان کی خیریت دریافت کی تھی...... پھر مفتی حیات نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"سلامہ سلطان۔" شہاب اور بینا کی نگاہیں اس جانب اُٹھ گئیں۔ جدید تراش کے سفید لباس میں ملبوس ایک عورت تین چار لڑکیوں کے جھرمٹ میں آرہی تھی اور مسکرا مسکرا کر معزز مہمانوں سے ہاتھ ملا رہی تھی۔

"یہ کون ہے؟" شہاب نے مفتی حیات سے سوال کیا۔

"شاہ سلطان کی بہن۔"

"بہت ماڈرن ہے۔"

"اس نے زندگی کا بیشتر حصہ غیر ممالک میں گزارا ہے۔"

"شادی شدہ ہے؟"

"نہیں۔"

"کچھ عجیب سا انداز نہیں ہے اس کا۔"

"بہت زیادہ ماڈرن ہے اور شاید اپنا ایک بہتر مقام رکھتی ہے، لیکن سنا یہ گیا ہے کہ بہت سخت گیر اور سخت مزاج عورت ہے۔"

شہاب اپنی پیشہ وارانہ مہارت سے اسے دیکھ رہا تھا اور اس نے ایک لمحے میں یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ سلامہ سلطان کی شخصیت میں کوئی ایسی بات ضرور ہے جو اسے دوسروں سے منفرد کرتی ہے۔ اس کی نیلی آنکھوں میں بھوکی بلیوں جیسی چمک تھی...... مختلف میزوں سے گزر کر وہ شہاب کے سامنے سے بھی گزری...... ایک لمحے کے لئے ٹھٹکی پھر گردن خم کر کے مسکراتی ہوئی بولی۔

"ہیلو۔"

"ہیلو، خانم سلامہ۔" مفتی حیات نے کہا...... سلامہ سلطان نے مفتی حیات سے ہاتھ ملایا اور پھر شہاب کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولی۔

"ہیلو ینگ مین، بہترین، بہت عمدہ۔" پھر اس نے ایک نگاہ بینا پر بھی ڈالی...... اسے بھی ہیلو کہا اور خاموشی سے آگے بڑھ گئی۔ شہاب نے قریب سے اس کا جائزہ لیا تھا...... اس کے جبڑوں کی بناوٹ بتاتی تھی کہ مفتی حیات کا کہنا بالکل درست ہے غرض یہ کہ یہاں آ کر بوریت نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ چند چہروں سے شناسائی ہو گئی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان میں سے کوئی چہرہ شہاب کے لئے کسی خاص اہمیت کا حامل نہیں تھا اور اس نے یہاں آنے کے بعد یہ شناسائی بے شک حاصل کر لی تھی لیکن اس سے کوئی خاص نتیجہ اخذ نہیں ہوا تھا...... مفتی حیات نے کہا۔

"کیا اندازہ ہے اس پارٹی کے بارے میں؟"

"یہاں کے ماحول سے بالکل مختلف۔"

"اس کی وجہ میں تمہیں بتا چکا ہوں، ویسے شاہ سلطان پر خاصی چہ میگوئیاں ہوتی ہیں اور اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ یہاں برائی پھیلا رہا ہے لیکن یہ خیال صرف قدامت پرست لوگوں کا ہے۔ بہت سارے لوگ شاہ سلطان کو پسند کرتے ہیں۔"

پھر مختلف پروگرام جاری رہے اور اس کے بعد اعلیٰ درجے کا ڈنر دیا گیا۔ اس میں بھی

انفرادیت رکھی گئی تھی۔ ایک جانب پہاڑی مقامات کے کھانوں کی ڈشیں سجی ہوئی تھیں تو دوسری جانب یورپین کھانے بھی تھے...... بہر حال ایک اعلیٰ درجے کی پارٹی تھی۔ شہاب اور بینا بھی اس سے لطف اندوز ہو رہے تھے، پھر اچانک ایک خوبصورت سی لڑکی بینا کے قریب پہنچ گئی۔

"ہیلو۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور بینا نے بھی اس کی مسکراہٹ کا جواب اسی مسکراہٹ سے دیا۔

"میں محسوس کر رہی ہوں کہ آپ صرف اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ہی رہی ہیں، کیا یہاں آپ کی کسی سے شناسائی نہیں ہے؟"

"کیوں نہیں...... میں یہاں تعارف حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

"تو پھر اس سلسلے میں میری خدمات کیوں نہ حاصل کریں میرا نام میرا ہے۔"

"ہیلو میرا۔"

"آیئے میرے ساتھ۔" بینا نے شہاب کی جانب دیکھا اور شہاب نے گردن ہلا دی۔ بینا اس کے ساتھ آگے بڑھ گئی تھی۔

"آپ کو پہلی بار یہاں دیکھا ہے؟" میرا نے کہا۔

"جی میں پہلی بار ہی یہاں آئی ہوں۔"

"آیئے آپ کو بہت سی دلکش لڑکیوں سے ملاؤں۔" اور پھر میرا بینا کو لئے ہوئے آگے بڑھتی رہی۔ بینا خود بھی خاصی دلچسپی محسوس کر رہی تھی۔ مفتی حیات کو اس کے کسی شناسا نے بلا لیا اور شہاب چند لمحات کے لئے تنہا رہ گیا لیکن پھر عقب سے ایک ہاتھ آگے بڑھا اور کسی نے اس کے برابر کی کرسی گھسیٹ لی، شہاب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، سلامہ سلطان تھی...... شہاب سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"ہیلو۔" سلامہ سلطان نے پھر کہا۔

"ہیلو میڈم۔"

"تم تنہا بیٹھے ہوئے ہو؟" وہ بولی۔

"نہیں، اتنا تنہا بھی نہیں ہوں...... میرے اطراف میں بے شمار افراد بکھرے ہوئے ہیں۔" شہاب نے جواب دیا۔

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے لیکن میں نے سوچا تمہیں کچھ کمپنی دوں۔"

"بہت بہت شکریہ میڈم۔"

"مجھے جانتے ہو؟"

"جی، آپ کا تعارف مفتی حیات نے کرایا ہے، آپ سلامہ سلطان ہیں۔"

"ہاں لیکن میرا ایک اور تعارف بھی ہے۔"

"کیا؟" شہاب نے سوال کیا اور وہ مسکراتی نگاہوں سے شہاب کو دیکھتی رہی، اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا پھر وہ بولی۔

"میں نے ہی تمہاری ساتھی لڑکی کو یہاں سے ہٹایا ہے لیکن وہ خوش ہے۔" شہاب چونک کر سلامہ کو دیکھنے لگا تو وہ بولی۔

"ہاں، تم سے تنہائی میں بات کرنا چاہتی تھی۔"

"جی فرمایئے۔"

"یوسف چاغ کو جانتے ہو؟"

"یوسف چاغ۔"

"ہاں اگر وہ میری نگاہوں کے سامنے پہاڑی سے گر کر نہ مر گیا ہوتا تو میں کبھی یہ بات تسلیم نہیں کرتی کہ تم یوسف چاغ نہیں ہو۔"

"اوہ وہ کون تھا؟" شہاب نے سوال کیا۔

"میرا دوست، بہت اچھا دوست، سان البرز میں مجھے ملا تھا اور میرے ساتھ اس نے حسین لمحات گزارے تھے۔"

"کیا وہ میرا ہمشکل تھا؟"

"اتنا کہ تم اسے دیکھو تو لگے آئینہ دیکھ رہے ہو، اگر یہاں کوئی اس کا جاننے والا ہوتا تو تمہیں یوسف چاغ کہہ کر ہی مخاطب کرتا۔"

"بہت خوب، مجھے ایسے واقعات سے بڑی دلچسپی محسوس ہوتی ہے، کاش میں بھی اپنے ہمشکل کو دیکھ سکتا۔"

"عظیم صلاحیتوں کا مالک تھا، یوں سمجھ لو کہ چٹکیوں میں پورے ماحول کو تبدیل کر دیا کرتا تھا۔ تمہیں دیکھ کر وہ میرے ذہن پر اس شدت سے سوار ہوا کہ میرا دل چاہا کہ تم سے

ملاقات کروں، تم ہو بہو اس کی تصویر ہو، ویسے بہت اچھی شخصیت کے مالک لگتے ہو، گٹھا ہوا بدن، آنکھوں سے جو احساس ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بے حد پھرتیلے اور اپنے مقابل پر فتح پانے کی صلاحیت رکھتے ہو۔"

"آپ کی محبت اور مہربانی ہے۔"

"وہ لڑکی کون ہے تمہاری؟" سلامہ سلطان نے سوال کیا۔

"زندگی کی ساتھی۔" شہاب مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا اور سلامہ سلطان کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی چند لمحات خاموش رہی پھر آہستہ سے بولی۔

"کتنا عرصہ ہوا اسے تمہاری زندگی میں شامل ہوئے؟"

"زیادہ نہیں۔"

"مطمئن ہو؟"

"کیوں نہیں۔" اب شہاب کو کسی قدر حیرت ہوئی تھی...... سلامہ سلطان اس سے عجیب سے سوالات کر رہی تھی، اس سوال کے بعد وہ پھر خاموش ہو گئی تو شہاب نے ہی کہا۔

"پوچھ سکتا ہوں میڈم کہ یہ سوال آپ نے کیوں کیا؟"

"نہیں...... بس میرا مزاج مختلف لوگوں سے، بہت مختلف ہے ویسے میں سمجھتی ہوں کہ یہ بہتر نہیں ہے۔"

"کیا؟" شہاب حیرت سے بولا۔

"مجھے تم سے اختلاف ہے، تم سے ہی نہیں بلکہ اس ملک کے بے شمار افراد سے، بہت پسماندہ معاشرہ ہے ایسا کہ اس پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔"

"جی۔" شہاب نے حیرانی سے کہا۔

"ہاں...... اصل میں یہاں کا پورا نظام ہی غلط ہے، اول تو میں نے دیکھا اور سنا ہے کہ یہاں والدین اولاد کے مستقبل کا فیصلہ کرتے ہیں...... کیسی عجیب بات ہے، ہر ایک کا اپنا مزاج ہوتا ہے، ہر ایک کی اپنی ضروریات اور طلب ہوتی ہے، ہم اگر کسی کو زندگی کا ساتھی بناتے ہیں تو ہماری یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ ساتھی ہماری توقعات کے مطابق ہو ایسے جسے ہم اچھی طرح جان لیں، بوجھ لیں۔ والدین کتنا عرصہ ساتھ دیتے ہیں ایک مختصر وقت وہ گزارتے ہیں اور اس کے بعد ان کی اپنی زندگی کا اختتام ہو جاتا ہے، گزارا کسے کرنا ہوتا ہے

اولاد کو اور اس کی زندگی کا ساتھی کون ہوتا ہے جس کے بارے میں ابتداء میں وہ کچھ نہیں جانتا، لیکن پھر اسے زندگی کی گاڑی گھسیٹنی ہوتی ہے...... پسند یا ناپسند کے ساتھ، تم مجھے بتاؤ کیا یہ بہتر ہے۔" شہاب حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"آپ کا کیا خیال ہے اس سلسلے میں میڈم؟"

"میرا خیال یہ ہے کہ زندگی کا ایک ایسا دور آزادی سے گزرنا چاہئے جس میں ہر طرح کے تجربات کا سامنا کرنا ہوتا ہے اور جب عمر پختگی میں داخل ہونے لگے اس منزل میں جہاں اپنے فیصلے اتنے ٹھوس اور مستحکم ہوں کہ غلطی کی گنجائش نہ رہے اور اگر غلطی ہو جائے تو پھر کسی سے گلہ نہ رہے، بے شمار افراد کو میں نے آہیں بھرتے ہوئے دیکھا ہے...... عورت ہو یا مرد، وہ مجبور ہوتے ہیں اس شخص کے ساتھ زندگی بسر کرنے پر جو کسی نہ کسی شکل میں اس کی زندگی میں داخل ہو چکا ہوتا ہے...... میرا خیال ہے تمہیں میری یہ باتیں پسند نہیں آرہی ہوں گی لیکن بہر حال یہ میرا موقف ہے یہ میرا نکتہ نظر ہے، ایسے ہی...... ہاں سنو میں تم سے تنہائی میں بھی کچھ گفتگو کرنا چاہتی ہوں، اگر تم ایک معتبر انسان ہو تو ایسا کرو کہ کسی مناسب وقت مجھ سے رابطہ قائم کرو...... کچھ ایسی باتیں بتاؤں گی تمہیں جنہیں سن کر تم حیران رہ جاؤ گے۔"

"جی...... میں حاضری دینے کی کوشش کروں گا۔"

"لیکن سنو دوست یہ جگہ ایسی ہے کہ ہم اتفاقیہ طور پر ملے ہیں نہ میری تم سے کوئی شناسائی تھی اور شاید اب بھی نہیں ہے نہ میں تم سے تمہارا تعارف مانگتی ہوں کہ تم کون ہو کیا ہو لیکن میرے دل میں ایک راز چھپا ہوا ہے، ایک ایسا راز جو میں کسی کو بتانا چاہتی ہوں، اگر تم پسند کرو تو تم میرے شریک راز بن جاؤ، تم سے پہلے یوسف چاغ میری زندگی کا راز دار تھا لیکن اسے میرا محبوب، میرا شوہر نہ سمجھنا خصوصی طور پر تمہیں یہ بتا دوں کہ ہو سکتا ہے تم میرے بارے میں تجزیہ کرتے ہوئے یہ سوچو کہ میں تم سے کوئی ایسا خفیہ تعلق چاہتی ہوں جو تمہارے ضمیر کو بوجھ محسوس ہو خیال رکھنا اس بات کا میں بدکردار عورت نہیں ہوں اور نہ ہی مجھے ان فضولیات سے دلچسپی ہے جو صنفوں کے درمیان ہوتی ہے...... میں انسان کو خاص طور سے اپنی پسند کے انسان کو اپنے قریب لانا چاہتی ہوں اور یہ راز معلوم کر کے تم بہت خوش ہو گے یوں سمجھ لو تمہارے ذہن پر کوئی بوجھ نہیں ہوگا۔"

"آپ ایک بہت معزز اور دلچسپ خاتون ہیں، میں آپ سے تنہائی میں ملنا ضرور پسند

کروں گا۔"

"مجھے ٹیلی فون کرنا آج نہیں کل دن میں کسی وقت اور ہم ایک پروگرام طے کر لیں گے لیکن جیسا کہ میں نے تم سے کہا ابھی میں اپنے الفاظ کی وضاحت نہیں کر سکی۔"

"جی میڈم فرمائیے؟" شہاب بولا۔

"یہاں تم مجھ سے یہ کہہ سکتے ہو کہ نہیں میڈم معافی چاہتا ہوں، شاید میں آپ کے ساتھ تنہائی کا خطرہ مول نہ لے سکوں...... میں خاموشی سے تمہاری میز سے اٹھوں گی اور چلی جاؤں گی اور اس کے بعد تمہاری طرف رخ بھی نہیں کروں گی لیکن اگر تم وعدہ کرتے ہو کہ مجھ سے ملو گے اور میرے دل کی کہانی سنو گے تو پھر یہ راز کسی اور کو نہیں معلوم ہونا چاہئے...... یہاں تک کہ اسے بھی نہیں جسے تم اپنی شریک زندگی کہتے ہو۔"

"اور اگر میں آپ سے اس کا وعدہ کر لوں تو آپ اس وعدے پر یقین کر لیں گی؟"

"تمہاری پیشانی کی جو تحریر ہے وہ میں نے پڑھ لی ہے، اگر یہ تحریر نہ پڑھ پاتی تو شاید تم پر اتنا اعتماد نہ کرتی۔"

"یعنی آپ یہ سمجھتی ہیں کہ میں آپ سے جو وعدہ کروں گا وہ ٹھوس اور مستحکم ہوگا۔"

"ہاں۔"

"ٹھیک ہے...... میں آپ کو کہاں ٹیلی فون کروں؟"

"میرا نمبر ذہن نشین کر لو میں تمہیں یہ نمبر لکھ کر نہیں دے سکتی...... موبائل فون کا نمبر ہے اور یہ فون صرف میرے تصرف میں رہتا ہے کیا تمہارے اندر اتنی صلاحیت ہے کہ ایک نمبر تمہیں بتا دیا جائے تو تم اسے ذہن نشین کر لو۔"

"جی میڈم۔"

"تو پھر میرا نمبر اپنے دماغ پر لکھ لو۔" اس نے ایک نمبر دہرایا اور شہاب نے مطمئن انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"آپ کی عظیم شخصیت کے ساتھ یہ نمبر میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ بہت بہت شکریہ میڈم...... آپ نے مجھے ایک عجیب تصور دیا ہے لیکن وہ میرے لئے ناخوشگوار نہیں ہے۔"

سلامہ سلطان نے کوئی جواب نہیں دیا اور اپنی جگہ سے اٹھ گئی وہ بہت مقبول عورت معلوم ہوتی تھی کیونکہ شہاب کے پاس سے ہٹتے ہی وہ ایک بار پھر ہجوم کے درمیان گھر گئی تھی لیکن

شہاب اس کے بارے میں نہ جانے کیا کیا سوچتا رہا پھر بینا واپس آ گئی اسی دوران مفتی حیات بھی شہاب کے پاس آ کر بیٹھ گیا تھا...... اس نے مسکراتی نگاہوں سے شہاب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"سلامہ سلطان بہت کم لوگوں سے مخاطب ہوتی ہے۔ تمہارے پاس اس نے کافی دیر صرف کی۔"

"ہاں بظاہر ایک مخلص عورت معلوم ہوتی ہے۔" مفتی حیات نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ بینا مسکراتی ہوئی شہاب کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"تمہارا اچھا خاصہ تعارف ہو گیا بینا۔" شہاب نے کہا۔

"ہاں۔ بہت اچھا ماحول ہے مجھے بے حد پسند آیا۔" بینا زیرک تھی اور کسی پر بھی اپنی دلی کیفیت کا اظہار نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔ پھر انہوں نے شاہ سلطان سے اجازت لی اس نے ایک بار پھر ان کا شکریہ ادا کیا اور یہ لوگ واپس چل پڑے...... مفتی حیات کہنے لگا۔

"یوں سمجھ لو یہ ایک خصوصی معاملہ تھا میں چاہتا تھا کہ تم ان تمام لوگوں سے متعارف ہو جاؤ تاکہ بہت سے لوگ تمہیں جان لیں اور تمہیں اپنے طور پر کہیں کوئی دقت پیش نہ آئے، واپس اپنے ٹھکانے پر پہنچنے کے بعد بھی مفتی حیات نے کہا۔

"ایسے مواقع بہت کم حاصل ہوں گے ہمیں...... کیوں نہ تم مجھے ایک پیالی کافی کے لئے مدعو کر دو۔"

"ضرور مفتی صاحب میں تیار کرتی ہوں۔" بینا نے کہا مفتی حیات شہاب کے پاس بیٹھ گیا پھر بولا۔

"ویسے مسٹر شہاب میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم یہاں آنے کے بعد کیا محسوس کر رہے ہو؟"

"ابھی مجھے وقت ہی کتنا ہوا ہے مفتی صاحب البتہ چند ایسی خاص چیزیں میں نے محسوس کر لی ہیں یعنی جن لوگوں سے ہمارا تعلق ہے...... ہمیں ان کی شخصیت کے بارے میں تھوڑا بہت اندازہ ہوتا جا رہا ہے...... مثلاً جیسے طورخم جاہ یا پھر خانم زمانی جن سے شاہ سلطان کے اچھے تعلقات نہیں ہیں۔"

"ہاں اور بھی ایسے چند افراد ملیں گے تمہیں جو اس معاملے سے بے شک متعلق نہیں ہیں لیکن ہو سکتا ہے جب تم اس کام کا کسی خاص شکل میں آغاز کرو تو تمہیں ان سے مدد ملے۔"

میں نے ان افراد کے نام نہیں پوچھے تھے، یہ شہاب کا اپنا اندازہ تھا...... زیادہ پھیلاؤ اختیار کرنا کسی بھی کام کو منتشر کر دیتا ہے اور یہ انتشار بہر حال کام کو الجھا دیتا ہے شہاب کو یہ سب پسند نہیں تھا پھر مفتی حیات کے جانے کے بعد بینا اور شہاب آپس میں گفتگو کرنے لگے بینا نے کہا۔

"وہ لڑکی میرا جو مجھے لے کر گئی تھی سلامہ سلطان کی خادمہ تھی۔ سلامہ سلطان کی سات خادمائیں ہیں جو بڑی حیثیت کی مالک ہیں اور انہیں خادمہ نہیں دوست کہا جا سکتا ہے۔ بہت چالاک قسم کی خواتین ہیں اور میرا خیال ہے سلامہ سلطان کی بہترین محافظ بھی۔"

"کیا وہ تمہیں اس لئے لے گئی تھی بینا کہ سلامہ سلطان میرے پاس آ کر بیٹھ جائے۔"

بینا کھل کھلا کر ہنس پڑی پھر بولی۔

"سو فیصد۔ تم نے یہ اندازہ لگا لیا نا؟"

"کیا مطلب؟" شہاب حیرت سے بولا۔

"تھوڑی ہی دیر کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ مجھے تمہارے پاس سے اٹھا لانے کا کوئی خاص مقصد نہیں تھا سوائے اس کے کہ سلامہ سلطان کو تمہارے پاس تنہائی میں بیٹھنے کا موقع دیا جائے۔"

"مگر یہ عورت کیا چاہتی ہے مجھ سے؟"

"اس کی شخصیت سے تم نے کوئی اندازہ لگایا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ ہے جناب کہ آپ کے ساتھ رہتے ہوئے اب مجھے بھی چہرہ شناسی آ گئی ہے۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ اس قدر قربت کے باوجود میں نے تمہارے چہرے پر اپنے لئے کچھ ایسے تاثرات نہیں پائے جو رنگین لمحات کا تصور پیدا کر دیتا ہے۔"

"میں جانتی ہوں شرارت کر رہے ہو اس لئے ان الفاظ پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گی۔"

"ارے...... کمال ہے بھئی، یعنی جب بھی کبھی دلی جذبات زبان پر آ جائیں تو انہیں شرارت کے کھاتے میں ڈال دیا جاتا ہے، یہ تو زیادتی ہے بینا۔"

"بس شہاب کو جانتی ہوں اچھی طرح اور بے حد اعتماد کرتی ہوں۔"

"تعجب ہے صاحب، یہ انسانوں نے بھی کیا کیا تصورات ایجاد کر لئے ہیں۔ دل کی طلب کو بھی شرافت کے لبادے میں ملفوف کر دیا جاتا ہے چلئے ٹھیک ہے۔"

"موضوع سے ہٹا رہے ہیں مجھے، لگتا ہے سلامہ سلطان نے ذہن پر اچھا خاصہ اثر ڈالا ہے۔"

"نہیں موضوع سے نہیں ہٹ رہا تم کچھ کہہ رہی تھیں اس کے بارے میں؟"

"اب کچھ اور کہوں گی تو غلط الفاظ تو تلاش نہیں کر سکتی، صحیح الفاظ میں کہوں گی تو آپ۔"

"ارے..... ارے نہیں بینا کہئے، کسی چیز کے بارے میں وہی کہا جا سکتا ہے جو ہوتا ہے۔"

"بات فیس ریڈنگ کی ہو رہی تھی۔"

"ہاں بالکل۔"

"کیا وہ ایک اوباش عورت نہیں ہے؟" بینا نے کہا اور شہاب سوچ میں ڈوب گیا، چند لمحات کے بعد اس نے کہا۔

"بینا ہو سکتا ہے لیکن اس نے اس خیال کی خود نفی کر دی ہے۔"

"کیسے؟"

"وضاحت کر کے۔"

"کیا وضاحت کی تھی۔" بینا نے کہا اور شہاب اسے اس کے الفاظ بتانے لگا۔

"کیا واقعی؟"

"ہاں اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ مجھ سے تنہائی میں ملنا چاہتی ہے۔"

"اوہ..... وجہ؟"

"کہتی ہے کوئی راز مجھے بتانے کی خواہشمند ہے۔" بینا سوچ میں ڈوب گئی پھر اس نے کہا

"تو پھر آپ اس سے ضرور ملئے شہاب صاحب۔"

"طنز کر رہی ہو؟"

"نہیں خدا کی قسم بالکل نہیں طنز کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔"

"جس کا اظہار آپ نے ابھی چند لمحے قبل کیا ہے۔"

"وہ تو میں نے سلامہ کے بارے میں کیا تھا۔"

"اسی کی بات کر رہا ہوں۔"

"میں نے شہاب کی بات تو نہیں کہی۔"

"مطلب؟"

"بھئی میرا تعلق تو شہاب سے ہے نا اور شہاب کو جس طرح مجھ پر مکمل اعتماد ہے اسی طرح مجھے بھی شہاب پر ہے۔"

شہاب مسکراتی نگاہوں سے بینا کو دیکھنے لگا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"تھینک یو بینا۔"

"ضرور ملئے..... ظاہر ہے یہی لوگ ہمیں ہماری منزل کی جانب لے جائیں گے۔"

"ہوں۔" شہاب سوچ میں ڈوب گیا پھر تھوڑی دیر کے بعد بولا۔

"خانم زمانی سے بھی ملاقات ہو گئی، شاہ سلطان سے بھی ہو گئی اب طور خم جا رہ گیا ہے ذرا اسے بھی دیکھنا ہے کہ وہ کیا شے ہے۔"

"مفتی حیات صاحب ہی اس سلسلے میں مدد کر سکتے ہیں۔"

"ہوں..... ویسے کل مجھے سلامہ سلطان کو فون کرنا ہے۔"

"تھوڑا سا آگے بڑھ جائیں..... کیا بگاڑ لے گی آپ کا۔"

"نہیں..... خیر بگاڑ تو کچھ نہیں سکتی بس ذرا یہ احساس رہتا ہے کہ کسی اُلجھن میں نہ پڑ جاؤں۔"

"نہیں نہیں میرا خیال ہے ایسا نہیں ہو سکتا ہماری پوری ٹیم موجود ہے، ویسے یہ لوگ بھی مطمئن ہی نظر آ رہے ہیں۔"

"ان میں یہ خاص خوبی ہے بینا کہ کبھی مجھے کسی ایسے معاملے میں ڈسٹرب نہیں کرتے جو ان کے ذہنوں میں اُلجھا ہوا ہو، سب بیچارے میری ہدایت کے مطابق کام کرتے رہتے ہیں۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے اور اصل میں اس کی وجہ ان کا آپ پر اعتماد ہے۔"

"مجھے براہ راست اس سلسلے میں مخاطب نہ کرو بینا۔"

"نہیں جناب..... یہ ہماری تنہائی کی باتیں ہیں۔" بینا نے کہا اور پھر وہ سونے کی تیاریاں کرنے لگے..... معمولات وہی کے وہی، سروے کا ڈراما کرنے کے لئے باہر نکلنا پڑتا تھا، ظاہر ہے شخصیت برقرار رکھی جاتی تھی اور اس وقت بھی وہ ایک ایسے دور دراز علاقے میں سروے

سروے کھیل رہے تھے جو آبادی سے خاصے فاصلے پر تھا۔ شہاب نے ایک جیپ دیکھی جو ان کی جانب چلی آرہی تھی اور اس میں دو افراد سوار تھے چونکہ اس کا رخ ان ہی کی طرف تھا اور جیپ ذرا اجنبی قسم کی تھی اس لئے وہ اس کی جانب متوجہ ہو گئے...... کچھ دیر کے بعد ان کے قریب آکر رک گئی وہ دونوں آدمی مقامی ہی تھے جو اس میں بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے ایک نے نیچے اترتے ہوئے کہا۔

"مسٹر شہاب، آپ لوگوں میں سے کون ہے؟"

"میں ہوں۔"

"آپ ذرا ادھر آیئے۔" اس نے کہا اور شہاب تھوڑا سا آگے بڑھ گیا۔

"خانم سلامہ سلطان نے کہا ہے کہ آج شام کو چھ بجے آپ ان سے ملاقات کر لیجئے۔"

"میں خود انہیں فون کرنے والا تھا۔"

"ابھی تک آپ نے فون نہیں کیا تھا اس لئے خانم سلامہ نے ہمیں آپ کی تلاش میں بھیجا۔"

"ٹھیک ہے مجھے چھ بجے کہاں پہنچنا ہوگا؟"

"خانم کے محل کے عقبی حصے میں جو بڑا سا درخت ہے اسی کے پاس...... وہاں سے آپ کو رہنمائی ملے گی۔"

"سامنے کے حصے سے نہیں؟"

"نہیں...... خانم نے یہی کہا ہے اور آپ بالکل تنہا آئیں گے، کسی کو بتائے بغیر۔"

"ٹھیک ہے میں پہنچ جاؤں گا۔"

"پھر بھی آپ خانم سے فون پر بات کر لیجئے، اب سے ایک گھنٹے کے بعد۔" اس نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھ کر کہا اور اس کے بعد وہ لوگ جیپ میں بیٹھ کر واپس چلے گئے...... شہاب نے شانے اچکائے تھے، بینا کی آنکھوں سے تجسس جھانک رہا تھا...... دوسرے لوگ اپنے کاموں میں مشغول تھے اور کسی نے اس سے کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں کی تھی لیکن بینا نے سوال کر ڈالا۔

"کیا کہہ رہے تھے یہ لوگ؟"

"خانم سلامہ سلطان کے قاصد تھے، شام کو چھ بجے مجھے ان کے پاس پہنچنا ہے۔"

"میں بھی جاؤں گی؟"

"نہیں بینا تمہیں تو اس کا علم بھی نہیں ہے۔" بینا ہنسنے لگی تھی پھر وہ اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے...... ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد شہاب نے موبائل فون پر وہ نمبر ڈائل کیا جو خانم سلامہ نے مجھے دیا تھا اور دوسری طرف سے اسی کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو یوسف چاغ۔" شہاب ہنسنے لگا تو وہ بھی ہنس پڑی پھر بولی۔

"مجھے کہنے دو کوئی حرج نہیں ہے۔"

"میں آپ کی خوشی سے خوش ہوں۔"

"میرا پیغام تمہیں مل گیا؟"

"جی۔"

"اصل میں کچھ بدحواس بھی ہوں اور جلد باز بھی، کبھی کوئی بات دل پر ٹھن جاتی ہے تو خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس کی تکمیل ہو جائے، تمہاری طرف سے مجھے کوئی پیغام نہیں ملا تھا اس لئے میں نے اپنے آدمیوں کو تمہاری تلاش میں بھیج دیا۔"

"میں آپ کو فون کرنا چاہتا تھا۔"

"چلو کوئی حرج نہیں ہے، تو پھر پہنچ رہے ہو؟"

"جی۔"

"سنو احتیاط سے آنا، کیا میں تمہارے لئے گاڑی بھیج دوں؟"

"میں صفدر خان کے ساتھ آجاؤں گا۔"

"مناسب نہیں ہوگا۔"

"تو پھر؟"

"تم یوں کرنا ساڑھے پانچ بجے اپنی رہائش گاہ سے باہر آجانا میرے ڈرائیور، بلکہ یہی دونوں افراد جو تم سے مل چکے ہیں تمہیں وہاں سے ساتھ لے لیں گے۔"

"اگر آپ یہ بہتر سمجھتی ہیں تو ٹھیک ہے۔"

"او کے۔" اس نے اچانک فون بند کر دیا...... سچ مچ سرپھری عورت معلوم ہوتی تھی۔ بینا کو حالات سے لاعلم رکھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ شہاب نے اسے تفصیل بتادی تھی، پھر مقررہ وقت پر وہ تیار ہو گیا...... بینا نے اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ تیاری مجھے خاصی خطرناک لگ رہی ہے۔"

"احتیاطاً کہے دے رہا ہوں کہ بھول کر بھی کبھی کسی غلط فہمی کو دل میں نہ لانا۔" شہاب نے کہا اور بینا قہقہہ لگا کر ہنس پڑی پھر بولی۔

"شہاب صاحب بزدل ہیں ڈر گئے۔" شہاب ہنسنے لگا...... مفتی حیات وغیرہ کو اس نے اس سلسلے میں کچھ نہیں بتایا تھا، جب وہ مقررہ وقت پر باہر نکلا تو وہی دونوں افراد اس جیپ پر موجود تھے...... شہاب خاموشی سے ان کے ساتھ بیٹھ گیا، انہوں نے بھی ایک لفظ نہیں کہا تھا...... جیپ اسٹارٹ ہو کر چل پڑی اور راستے بھر خاموش رہنے کے بعد آخر کار شہاب وہاں پہنچ گیا...... وہ بڑا سا گھنا درخت موجود تھا جس کا حوالہ دیا گیا تھا، یہاں ان لوگوں نے شہاب کو جیپ سے نیچے اتار دیا اور پھر جیپ موڑ کر واپس چل پڑے...... قرب وجوار میں کوئی موجود نہیں تھا...... یہاں بھی کئی دروازے بنے ہوئے تھے، پھر ایک دروازہ کھلا اور اس میں وہی لڑکی میرا نظر آئی جس نے کل کی تقریب میں بینا کو شہاب کے پاس سے ہٹایا تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھایا اور شہاب کو اپنی جانب آنے کا اشارہ کیا۔ شہاب اس طرف بڑھ گیا تھا چند لمحات کے بعد لڑکی نے کہا۔

"معاف کیجئے گا آپ کو انتظار کرنا پڑا کیا یہاں پہنچے ہوئے آپ کو دیر ہو گئی؟"

"نہیں۔"

"براہ کرم آئیے۔" شہاب خاموشی سے اندر داخل ہو گیا...... دروازے کی دوسری جانب کھلی جگہ تھی، لیکن صرف چند گز کے فاصلے پر ایک اور دروازہ کھلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ میرا اسے لے کر اس دروازے سے اندر داخل ہو گئی اور اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا، پھر ایک راہداری سے گزار کر وہ اسے ایک کمرے میں لائی، اس کمرے میں فرش کے علاوہ اور کوئی چیز نظر نہیں آ رہی تھی، لیکن ایک کھلے دروازے سے سیڑھیاں نیچے کو چلی گئی تھیں اور ان سیڑھیوں پر روشنی ہو رہی تھی، میرا اسے گائیڈ کرنے لگی...... شہاب کو ایک لمحے میں ایک احساس ہوا تھا کہ اس تہ خانے میں داخل ہونا کسی سنگین نوعیت کا حامل بھی ہو سکتا ہے لیکن بہرحال اب تو یہاں آ ہی گیا تھا...... سیڑھیاں بڑی نفاست سے بنائی گئی تھیں اور ان کا اختتام ایک ہال میں ہوتا تھا...... ہال میں ٹھنڈی اور پرسکون روشنی پھیلی ہوئی تھی، بہت وسیع ہال تھا سامنے کے حصے پر قالین کا فرش اور اس کے دوسری جانب ایک روشن جگہ بہت ہی اعلیٰ

درجے کی مسہری بچھی ہوئی تھی، اس کے قریب ایک انتہائی حسین صوفہ سیٹ پڑا ہوا تھا اور تیز روشنی میں سلامہ سلطان مسہری پر دراز نظر آ رہی تھی، اس نے قاعدے کا لباس پہنا ہوا تھا اور عجیب شاہانہ انداز میں بیٹھی ہوئی تھی۔ شہاب ایک لمحے کے لئے اپنی جگہ ساکت ہو گیا...... یہ انداز تو کچھ بہتر نہیں تھا سلامہ سلطان جس عالم میں نظر آ رہی تھی اسے دیکھ کر قدیم زمانے کی وہ ملکائیں یاد آ جاتی تھیں جن کی حرم سراؤں کی رنگین داستانیں زبان زد عام تھیں اور ان داستانوں میں بہت سے پراسرار واقعات پوشیدہ تھے، میرا واپس چلی گئی اور شہاب آہستہ آہستہ چلتا ہوا سلامہ سلطان کے قریب پہنچ گیا، اس نے مسکراتی نگاہوں سے شہاب کو دیکھا اور بہت احترام سے بولی۔

"آئیے تشریف رکھئے مسٹر شہاب! آپ کا کیا خیال تھا کیا مجھے آپ کا نام یاد نہیں ہو گا؟"

"نہیں میڈم کیوں نہیں۔"

"بیٹھئے براہ کرم بیٹھئے۔" اس نے کہا اور پھر قریب لٹکی ہوئی سونے کی ایک گھنٹی کو ہاتھ سے ہلایا، عقبی دروازے سے دو لڑکیاں اندر داخل ہوئیں تو سلامہ سلطان نے کہا۔

"معزز مہمان کو کچھ پینے کے لئے پیش کرو۔"

"کیا بہتر نہیں ہو گا...... میڈم سلامہ کہ آپ یہ تکلف نہ کریں؟"

"نہیں یہ بہتر نہیں ہو گا۔" سلامہ سلطان نے مسکراتے ہوئے کہا اور شہاب گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

"ہاں مسٹر شہاب میں نے آپ سے کہا تھا کہ میں آپ کو ایک ایسے اہم راز سے آگاہ کروں گی جو آپ کو بتانا کچھ ضروری محسوس ہو رہا تھا مجھے؟"

"میں حیران رہا ہوں اس وقت سے اب تک کہ آخر خانم سلامہ نے مجھے اس راز کا رازدار بنانے کے قابل کیوں سمجھا؟"

"اس کی وجہ یوسف جاغ ہے۔"

"جی! اور یہ پراسرار شخصیت جو افسوس اب اس دنیا میں نہیں ہے میرے لئے بڑی حیرت انگیز ہے، بہرحال وہ کیا راز ہے؟"

"صبر کرو پتا چل جائے گا ویسے کیا تمہاری بیوی نے تمہیں تنہا میرے پاس آنے کی اجازت دے دی تھی؟"

"آپ کا حکم تھا کہ میں کسی کو آپ کی اس ہدایت کے بارے میں نہ بتاؤں اور آپ جرأت مند شخصیت کی مالک ہیں..... اسے مدنگاہ رکھتے ہوئے میں بھلا حکم سے سرتابی کیسے کر سکتا تھا چنانچہ میری بیوی کو کچھ نہیں معلوم۔"

"آہ..... بالکل یوسف چاغ کی مانند..... قابل اعتماد، خوبصورت شخصیت، میں محسوس کر رہی ہوں کہ تم میرے دل میں وہ مقام حاصل کرتے جا رہے ہو جو کبھی یوسف چاغ کو حاصل تھا۔" •

"شکریہ خانم سلامہ۔"

"ایک سوال کروں تم سے؟"

"ضرور خانم!"

"خاندانی پس منظر کیا ہے؟"

"معمولی سے خاندان کا فرد ہوں..... والد صاحب صحافی تھے اور بس۔"

"شادی کیوں کر لی؟"

"جی....." شہاب حیرت سے بولا۔

"دل میں یہ خیال نہیں آتا کہ کوئی بڑا مقام حاصل کرو۔ قابل فخر مقام، خان بنو، رئیس اعظم بنو؟"

"میرے لئے یہ خواب ہے خانم۔"

"کبھی کبھی ایسے لوگ مل جاتے ہیں جو خوابوں کو حقیقت بنا دیتے ہیں..... وہ میں ہوں سمجھے وہ میں ہوں جو خوابوں کو حقیقت میں بدل دیتا ہے، میرے منظور نظر بنو تو خان بن سکتے ہو، اس علاقے میں وہ مقام حاصل کر سکتے ہو جو یہاں کے بڑے بڑے لوگوں کو حاصل نہیں ہے، سمجھے..... میں تقدیر گر ہوں، میں تقدیر بنا سکتی ہوں بشرطیکہ کوئی میری نظر التفات حاصل کر لے، لیکن کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا پڑتا ہے، سمجھے تمہیں کچھ کھونا پڑے گا اور چوری چھپے نہیں بلکہ علی الاعلان۔"

"مجھے کیا کھونا ہو گا خانم؟"

"اپنی پچھلی زندگی کو بھول جانا پڑے گا، یہ بات ذہن سے بالکل فراموش کر دو گے کہ تمہارا کچھ پس منظر ہے اور اس پس منظر میں کوئی اور بھی شامل ہے، جیسے تمہاری بیوی۔"

شہاب نے گہری نگاہوں سے سلامہ سلطان کو دیکھا..... عجیب سی عورت لگ رہی تھی بڑی دلکش، پروقار، لیکن ذہنی طور پر بھٹکی ہوئی..... اس کی آنکھوں میں اس وقت بھی بھوکی بلیوں جیسی چمک تھی۔

"بولو..... منظور ہے؟"

"میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں خانم، آپ کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنی بیوی سے کنارہ کش ہو جاؤں؟"

"میرا جو مطلب ہوتا ہے اسے سمجھنا ضروری ہے اس کے بارے میں سوال کرنا مناسب نہیں۔"

"لیکن خانم کیا آپ کو یہ آسانی حاصل ہے؟"

"مطلب؟"

"کیا شاہ سلطان اس کی اجازت دے دیں گے؟"

"میں اپنی مرضی کی مالک ہوں، جو کچھ ہے ہمارے والدین کا ورثہ ہے، جو میرا ہے وہی اتنا ہے کہ ہم ایک اعلیٰ درجے کی زندگی گزار سکیں اور لوگ تمہیں فخر سے خان کہہ سکیں۔"

"لیکن شاہ سلطان صاحب یہ پسند نہیں کریں گے اور ویسے بھی آپ کو علم ہے کہ وہ سخت مزاج آدمی ہیں اور ان کے مشاغل پراسرار ہیں، کیا ہم ان کا مقابلہ کر سکیں گے؟"

"میں مانتی ہوں لیکن میں تمہاری پشت پر رہوں گی..... میں جو ہوں بھلا شاہ سلطان کی مجال کہ وہ میرے معاملے میں ٹانگ اڑا سکے۔"

"میری ملاقات ایک شخص طور خم جاہ سے ہوئی تھی، طور خم جاہ کا کہنا ہے کہ شاہ سلطان بہت خطرناک آدمی ہے وہ تو یہ بھی کہتا ہے کہ اس نے طور خم جاہ کے بیٹے خرم جاہ کو اغوا کر لیا ہے۔"

"یہاں کے معاملات بہت الجھے ہوئے ہیں، حالانکہ یہاں کے رہنے والے سادہ لوح ہوتے ہیں لیکن اس سادہ لوحی میں وہ جو ایک فطرت چھپی ہوئی ہے وہ اپنی جگہ ہے۔ ہمیں ان جھگڑوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں..... شاہ سلطان نے جو کچھ کیا ہے وہ خرم جاہ کے خلاف کیا ہے لیکن شاہ سلطان کی یہ جرات نہیں ہو سکتی کہ وہ سلامہ کے معاملے میں آڑے آئے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں خانم سلامہ مجھے آپ کی خدمت میں رہنا ہو گا۔"

"ایسے کمتر الفاظ استعمال مت کرو..... میں نے تمہیں اپنی خدمت میں رہنے کے لئے نہیں کہا بلکہ یہ کہا ہے کہ تم اپنے آپ سے کنارہ کش ہو جاؤ اور میری قربت اختیار کر لو ماضی کو بھول کر..... باقی سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔"

"خانم میں سوچنا چاہتا ہوں۔"

"سوچ۔" خانم سلامہ نے پھر شہاب کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا اور پھر بولی۔

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا تم میرے معیار کے انسان ثابت ہو سکتے ہو؟"

"میں نہیں کہہ سکتا خانم سلامہ، میں تو آپ سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ معمولی درجے کا ایک انسان ہوں اور کسی بھی طرح آپ کے معیار کا نہیں ہو سکتا۔"

"ٹھیک ہے جو کمی تمہارے اندر ہو گی اسے میں پوری کر لوں گی..... تمہیں تربیت دوں گی، جانتے ہو میرے تربیت دینے کا انداز کیا ہے؟"

"نہیں خانم میں نہیں جانتا۔"

"آؤ میں تمہیں بتاتی ہوں..... اس طرف آ جاؤ" اس نے کہا اور شہاب کا ہاتھ پکڑ کر اسے ایک وسیع کمرے کے وسط میں لے آئی، اس کے بعد واپس پلٹی ایک طرف بنی ہوئی الماری کھولی اور پھر الماری میں سے جو کچھ نکال کر وہ شہاب کے سامنے آئی اسے دیکھ کر شہاب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

وہ چمڑے کا ایک چابک تھا، بہت ہی نفاست سے بنا ہوا۔ خانم سلامہ نے چابک کھولا اور اسے فضا میں لہرانے لگی..... شہاب پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس چابک کو دیکھ رہا تھا..... خانم سلامہ کے الفاظ یاد کر کے وہ چوکنا سا ہو گیا۔ اب اسے ایک عجیب سا احساس ہو رہا تھا..... خانم سلامہ کچھ ابنارمل سی عورت تھی..... اس نے چمڑے کے چابک کو گھمایا اور اس کے بعد پوری قوت سے اسے شہاب کے مارا لیکن شہاب جھکائی دے کر اپنے آپ کو بچا گیا تھا..... چابک جس انداز میں گھمایا گیا تھا اگر اس کے بدن پر پڑ جاتا تو یقینی طور پر کھال سمیت واپس جاتا۔ خانم سلامہ کی آنکھیں جھکتی جا رہی تھیں اور اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا، اس نے دانت کچکچا کر دوبارہ چابک گھمایا اور شہاب پھر اپنے آپ کو بچا گیا..... تیسری اور چوتھی بار بھی اس نے حملہ کیا اور شہاب اُچھل اُچھل کر اپنے آپ کو بچاتا رہا..... ابھی تک چابک نے اس کے بدن

کو نہیں چھوا تھا..... خانم سلامہ پر دیوانگی کا دورہ پڑ گیا اور اس کے بعد شائیں شائیں کی آواز کمرے میں گونجتی رہی اور شہاب اپنی بے پناہ پھرتی کا مظاہرہ کرتا رہا..... ہوش و حواس رخصت ہوئے جا رہے تھے لیکن اب یہ احساس جڑ پکڑ گیا تھا کہ وہ ایک خطرناک عورت ہے جس پھرتی سے وہ چابک گھما رہی تھی کوئی اور اپنے آپ کو اس طرح نہیں بچا سکتا تھا لیکن شہاب ایک جمناسٹر کی طرح داؤ پیچ استعمال کر رہا تھا..... کبھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کرتا اور خانم سلامہ جو اس بات کی متوقع ہوتی کہ وہ دوسری طرف جائے گا وہیں کا نشانہ لیتی اور مایوس ہو جاتی۔ تقریباً دس منٹ تک یہ خوفناک کھیل جاری رہا اور اس کے بعد خانم سلامہ تھک گئی تھی اور اس طرح لڑکھڑا رہی تھی جیسے سخت نشے میں ہو، پھر وہ نشہ آلود لہجے میں بولی۔

"اپنے آپ کو ایک جگہ ساکت رکھو، میں تمہاری تربیت کرنا چاہتی ہوں، میں..... میں تمہیں کتے کی طرح اپنا غلام، اپنا فرمانبردار بنانا چاہتی ہوں، تعاون کرو میرے ساتھ ورنہ میں تمہیں گولی مار دوں گی۔"

"میں اس تربیت کے بغیر ہی آپ کی غلامی کے لئے تیار ہوں خانم۔" شہاب نے کہا اور خانم نے آخری بار ہاتھ گھمایا..... اس بار شہاب نے چابک کو ڈھیلا پا کر اس کا سرا پکڑ لیا اور پھر ایک زوردار جھٹکا دیا تو چابک خانم سلامہ کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ اوندھے منہ زمین پر گر پڑی۔ شہاب نے چابک لپیٹا اور پریشان نگاہوں سے خانم سلامہ کو دیکھنے لگا، پھر اس نے محسوس کر لیا کہ خانم سلامہ بے ہوش ہو چکی ہے..... کوئی بات کھوپڑی میں نہیں آ رہی تھی لیکن اچانک ہی اسے اپنی خطرناک صورت حال کا احساس ہوا تھا۔ اس عالم میں کوئی اگر اسے یہاں دیکھ لے تو جان بچانا مشکل ہو جائے..... پہاڑی علاقوں کی روایات بہت خطرناک ہوتی تھیں، اس کا اندازہ شہاب کو بھی تھا وہ سوچ رہا تھا کہ شاید تجسس میں ڈوب کر اس نے کچھ جلد بازی کا ثبوت دے دیا ہے، اس سلسلے میں اس طرح یہاں نہیں آ جانا چاہئے تھا اور اب سب سے پہلی فرصت میں اسے یہاں سے نکل جانا چاہئے، ورنہ کسی بڑے عذاب میں گرفتار ہو جائے گا۔

چمڑے کا چابک پھینکنے کے بعد اس نے خانم سلامہ کو اس کی جگہ سے اٹھایا، بہت وزنی عورت تھی شہاب کو دانتوں پسینے آ گئے لیکن بہر حال اس نے اسے لے جا کر مسہری پر لٹا دیا اور پھر ہاتھ صاف کر کے وہاں سے واپس پلٹا لیکن اچانک ہی اس کے پورے بدن کے رونگٹے

کھڑے ہوگئے۔

دروازے میں شاہ سلطان کھڑا ہوا تھا اور کسی سنگی ستون کی مانند اپنی جگہ ساکت اسے دیکھ رہا تھا...... شہاب ٹھٹک کر رہ گیا...... شاہ سلطان خاموش نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا پھر مدہم لہجے میں بولا۔

”آؤ میرے ساتھ آؤ۔“

شہاب کا خون خشک ہو رہا تھا...... ایک عجیب مشکل میں پڑ گیا تھا، کوئی سرپاؤں ہی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا...... تاہم وہ شاہ سلطان کے ساتھ چل پڑا...... شاہ سلطان اسے لئے ہوئے تہہ خانے سے باہر آیا اور پھر آہستہ سے بولا۔

”خاموشی سے میرے ساتھ ساتھ چلے آؤ۔“ شہاب نے کان دبا کر عمل کیا تھا...... یہ تو جانتا تھا کہ شاہ سلطان نے اسے پہچان لیا ہے اور بہرحال شاہ سلطان کے بارے میں نادر حیات صاحب سے جو معلومات حاصل ہوئی تھیں، وہ بہتر نہیں تھیں...... شاہ سلطان اسے لئے ہوئے ایک بہت ہی آرام دہ خواب گاہ میں پہنچ گیا، دروازہ کھول کر اس نے اندر قدم رکھا اور شہاب سے بولا۔

”آ جاؤ۔“

شہاب اندر داخل ہوگیا...... شاہ سلطان نے دروازہ بند کیا، کمرے میں مدہم روشنی پھیلی ہوئی تھی اس نے تیز روشنی جلانے کی کوشش نہیں کی اور شہاب سے بولا۔

”بیٹھ جاؤ...... مدہم روشنی تمہیں ناگوار تو نہیں گزرتی؟“

”نہیں جناب۔“

”ٹھیک ہے بیٹھ جاؤ۔“ وہ خود بھی شہاب سے کافی فاصلے پر بیٹھ گیا...... شہاب کا چہرہ بغور دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

”یہاں کیوں آئے تھے؟“

”خانم سلامہ کا حکم تھا۔“

”یہ حکم تمہیں کب ملا تھا؟“

”اس وقت جب میں آپ کے پاس پارٹی میں آیا تھا۔“

”تو خانم سلامہ نے تم سے کیا کہا؟“

”انہوں نے کہا کہ وہ مجھ سے ملنا چاہتی ہیں اور ان کا حکم بجالانا میرا فرض ہے۔“

”پھر کیا ہوا؟“

”میں نے تعمیل حکم کی؟“

”ہوں...... اس کے بعد؟“

”خانم سلامہ مجھ سے کچھ غیر متوقع سی گفتگو کرنے لگیں جو میرے لئے بے حد خوفناک تھی اور اس وقت میں یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ یہاں سے نکل جاؤں کہ انہوں نے چابک نکال لیا اور اپنی دانست میں مجھے کتے کی مانند سدھانے لگیں۔“

شاہ سلطان سرد نگاہوں سے شہاب کو دیکھ رہا تھا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

”طورخم جاہ کا کیا معاملہ ہے۔“

شہاب کا ذہن ایک بار پھر الجھ گیا...... اس کا مطلب ہے کہ شاہ سلطان کو اس کی وہاں موجودگی اور گفتگو کے بارے میں سب کچھ معلوم تھا...... فیصلہ ایک لمحے میں کرنا تھا ورنہ یہاں تنہا تھا اور کسی کو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں ہے، یہاں تک کہ مفتی حیات کو بھی نہیں...... اس وقت آسانی سے مارا جا سکتا ہے...... وہ چند لمحات گہری سانسیں لیتا رہا اس کے بعد اس نے کہا۔

”طورخم جاہ کے بارے میں خانم سلامہ سے معلومات حاصل کر رہا تھا۔“

”کون ہو؟“

”جی۔“

”تم انجینئر نہیں ہو، کوئی الگ شخصیت کے مالک معلوم ہوتے ہو...... دیکھو سچ بولنا تمہارے حق میں سودمند رہے گا، میرے ذہن میں تمہارے لئے ابھی تک کوئی برائی نہیں ہے کیونکہ میں نے تمہاری شرافت کو دیکھا ہے...... پہلے میں تمہیں سلامہ کے بارے میں بتادوں...... وہ ذہنی مریضہ ہے، تم اسے ایک مکمل پاگل عورت کہہ سکتے ہو...... میری بہن ہے اور جن حالات کا وہ شکار ہوئی ہے میں تمہیں اس کے بارے میں بتانا پسند نہیں کرتا، بس یوں سمجھ لو کچھ ایسے حادثے پیش آئے کہ سلامہ سلطان ذہنی طور پر غیر متوازن ہوگئی۔ دنیا کے کئی ملکوں میں میں نے اس کا علاج کرایا ہے اگر اس نے تم سے کسی یوسف چاغ کا تذکرہ کیا ہے تو میں تمہیں بتادوں کہ یوسف چاغ نامی کسی آدمی کا دنیا میں کوئی وجود نہیں ہے، وہ صرف

اس کے ذہن کی اختراع ہے...... نہ جانے کیوں ہے یہ بات، نہ میں جان سکا ہوں اور نہ ہی ڈاکٹر مجھے اس کے بارے میں بتا سکے ہیں...... وہ انتہائی خطرناک قسم کی مریض ہے اور اس کا یہ مرض اسے سیڈسٹ بنا چکا ہے، وہ اذیت رساں بھی ہے...... اذیت پسند بھی اس نے جو کچھ تم سے کہا ہے اسے اس کی دیوانگی سمجھو اور اس دیوانگی میں کوئی سچائی یا حقیقت نہیں...... تم نے خود کو دیکھ لیا کہ وہ تمہیں تمہاری بیوی کو چھوڑ کر اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتی ہے لیکن ایک چابک لے کر تمہیں کتے کی طرح سدھار رہی تھی۔ میں تمہیں یہ بتانا ضروری نہیں سمجھتا کہ اس نے اس دیوانگی میں کیسے کیسے ہولناک اقدامات کر ڈالے ہیں اور مجھے کس کس طرح اس کی حفاظت کرنی پڑی ہے...... یہ سلامہ سلطان کا معاملہ ہے اور اب تم کم از کم یہ خیال دل سے نکال سکو گے کہ وہ کوئی بدکردار عورت ہے اس کا تصور بھی دل میں نہ رکھنا...... تمہیں اپنی قربت میں لانے سے پہلے وہ تمہیں ہلاک کر دیتی...... بہرحال یہ تو رہا سارا معاملہ ایک طرف ہاں میں تمہیں ایک بات اور بتا دوں کہ چونکہ میں ساری صورت حال سے واقف ہوں اس لئے اس پر نگاہ بھی رکھتا ہوں اور میں نے اس سے تمہاری تمام گفتگو سنی ہے اور اس گفتگو نے مجھے تمہاری طرف سے کچھ نرم کر دیا ہے، لیکن طورخم جاہ کا معاملہ میرے لئے ذرا سا الجھا ہوا ہے اور اب اگر تم اپنی حقیقت کا اعتراف نہیں کرو گے تو سمجھ لو کہ میرے دل میں تمہاری برائیوں کا آغاز ہو جائے گا...... کیا تمہارا تعلق محکمہ پولیس سے ہے، محکمہ سراغ رسانی سے ہے؟ جواب سچ کی شکل میں مانگتا ہوں۔"

شہاب کے ذہن کی چرخی برق رفتاری سے کام کر رہی تھی...... ایک لمحے سوچنے کے بعد اس نے کہا۔

"شاید ایسا ہی ہے۔"

"گڈ یہ اعتراف کر کے تم نے برا نہیں کیا...... آنے والا وقت تمہیں اس حقیقت کا احساس دلائے گا جو میری زبان سے ادا ہوئی ہے۔"

"جی۔"

"اگر محکمہ سراغ رسانی سے تمہارا تعلق ہے تو دیکھو جہاں اتنا اعتراف کیا ہے وہاں کچھ اور بھی اعترافات کر لو۔"

"مثلاً...... شہاب نے سوال کیا۔

"تمہارا تعلق کسی نہ کسی شکل میں نادر حیات سے ہے؟"

"شاہ سلطان صاحب آپ بلال ڈیرہ کی بہت بڑی شخصیت ہیں...... یقیناً آپ کو یہاں ایسے وسائل حاصل ہوں گے جس سے آپ اپنے کسی بھی مخالف کو نقصان پہنچا سکتے ہیں لیکن ان تمام باتوں کے جواب میں، میں آپ سے صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہاں میں کسی بری نیت سے داخل نہیں ہوا تھا، صرف معلومات حاصل کرنا تھیں، جو میری ڈیوٹی ہے۔"

"شہاب ثاقب ہے تمہارا نام؟"

"جی۔"

"شہاب کبھی کبھی انسان اپنی مرضی کے خلاف کوئی رسک لے لیتا ہے تو اسے فائدے بھی حاصل ہو جاتے ہیں، میں نہیں سمجھتا کہ میں تمہیں کس طرح اس بات کا یقین دلاؤں کہ میں تم سے مخلص ہوں اور اب جب کہ کوئی ایسا موقع مجھے حاصل ہوا ہے تو میری آرزو ہے کہ میں تم سے وہ کہوں جو نہ کبھی مجھ سے پوچھا گیا اور نہ کبھی میں نے کسی کو بتایا...... کبھی کبھی ایسی فضا قائم ہو جاتی ہے کہ ایک شخص جو بالکل بے گناہ ہوتا ہے اور کسی بھی معاملے میں ملوث نہیں ہوتا اس پر شکوک و شبہات کئے جاتے ہیں اور وقت اس قسم کے تانے بانے بنتا ہے کہ وہ ان تانوں بانوں میں پھنس ہی جاتا ہے لیکن حقیقت وہ نہیں ہوتی جس کی تعمیر بڑی محنت سے کی جاتی ہے۔"

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں شاہ سلطان؟"

"بھول جاؤ اس بات کو کہ شاہ سلطان اس وقت یہاں کوئی سربراہ حیثیت ہے، تم مجھے ملے ہو اور مجھے تمہاری پیشانی پر شرافت کی وہ لکیریں نظر آئی ہیں جو کسی شریف انسان میں ہو سکتی ہیں اس کا ثبوت بھی مجھے حاصل ہوا ہے...... سلامہ کی دیوانگی سے تم نے کوئی فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی بلکہ شریف انسان کی حیثیت سے کسی کی عزت کی حفاظت کی ہے...... تمہارا یہ احسان ہے مجھ پر یہ الگ بات ہے کہ میں سلامہ کی جانب سے غافل نہیں تھا اور اگر تم سلامہ کی اس دیوانگی سے کوئی فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے تو میں اپنی آبرو بچانے کے لئے تمہیں یہاں خاموشی سے قتل کر دیتا اور کسی کو اس کی بھنک تک نہ لگنے دیتا لیکن اس شرافت کے جواب میں ایک شریفانہ طرز عمل اختیار کرنا چاہتا ہوں میں...... مجھ سے تعاون کرو، ہو سکتا ہے یہ تمہارے لئے بھی بہتر ثابت ہو۔"

شہاب گہری نگاہوں سے شاہ سلطان کو دیکھ رہا تھا...... اس کا تجربہ کہہ رہا تھا کہ اس کے اندر ایک سچا انسان چھپا ہوا ہے اور جو کچھ وہ اس وقت کہنا چاہتا ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے، چنانچہ اس نے اپنا رویہ بدل لیا اور بولا۔

”جی شاہ سلطان صاحب، آئیے ہم اور آپ سچ کا تبادلہ کرتے ہیں۔“

”میں اس کے لئے تمہارا شکر گزار ہوں گا، مجھے بالکل ایک دیوانہ آدمی نہ سمجھو...... ویسے بھی میں ان پہاڑوں میں بسنے والی دیوانگی کا قائل نہیں ہوں...... مہذب دنیا سے میرا تعلق ہے...... تم نے شاید میری پارٹی میں ہی دیکھ لیا...... میں جیو اور جینے دو والی زندگی گزارنا چاہتا ہوں...... اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ کیا ڈی آئی جی، سابق ڈی آئی جی نادر حیات سے تمہارا تعلق ہے؟“

”جی بالکل۔“

”اب چونکہ تم خانم سلامہ سے طور خم جاہ کے بارے میں معلومات حاصل کر رہے تھے اس لئے یہ بات قدرتی طور پر میرے ذہن میں پیدا ہو جاتی ہے کہ کیا تم طور خم جاہ کے سلسلے میں تحقیق کر رہے ہو؟“

”جی ہاں۔“

”اس تحقیق کے لئے نادر حیات نے تمہیں بھیجا ہے؟“

”جی۔“

”یہاں تمہارا تعلق کس سے ہے؟“

”کسی سے نہیں...... بس یوں سمجھ لیجئے کہ میں اپنے طور پر یہاں آیا ہوں...... اس تحقیق کے لئے۔“

شہاب فوراً ہی مفتی حیات کو چھپا گیا تھا...... بہرحال اتنا تو نہیں کر سکتا تھا وہ...... شاہ سلطان نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے...... اب تمہیں یہ بتایا گیا ہوگا کہ طور خم جاہ کا بیٹا خرم جاہ اغوا کر لیا گیا ہے؟“

”جی۔“

”اور تمہیں اس کی تلاش ہے؟“

”جی بالکل۔“

”اور اس کا ذمہ دار شاہ سلطان کو قرار دیا گیا ہے؟“

”اشارہ دیا گیا ہے اور مجھے اسی بارے میں تحقیق کرنی ہے۔“

”تو شاہ سلطان تمہارے سامنے ہے اور میں اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش نہیں کر رہا...... نہ ہی اپنی پوزیشن کہیں اور صاف کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میرے اندر اتنی ہمت ہے کہ اپنا تحفظ کر سکوں اور سرکاری حکام مجھ پر ہاتھ نہ ڈال سکیں، یہ بات میں کھل کر کہہ رہا ہوں، کہو تو میں تمہارے سامنے یہ اعتراف کر لوں کہ ہاں خرم جاہ کو میں نے اغواء کر کے قتل کر دیا ہے، لیکن ایسا ہے نہیں...... نہ میں نے خرم جاہ کو اغواء کیا ہے اور نہ قتل...... اس سلسلے میں، میں تمہاری تھوڑی سی رہنمائی کرنا چاہتا ہوں...... تمہارے اندر اگر صلاحیت ہے تو معلومات حاصل کرو، جو اشارہ میں تمہیں دینا چاہتا ہوں اس پر کام کرو اگر کامیابی حاصل کر لو گے تو آگے کی بات کروں گا ورنہ پھر ایک ایسا انسان سمجھوں گا جو کسی معاملے کی چھان بین کی صلاحیت نہیں رکھتا۔“

”جی فرمایئے۔“

”یہاں ایک جگہ پیلی پہاڑی کے نام سے مشہور ہے بہت زیادہ شہرت نہیں ہے اس کی لیکن پیلی پہاڑیوں کا علاقہ بلال ڈیرہ کے مشرقی حصے میں خاصا آگے جا کر ہے وہ بے مصرف جگہ ہے اور راستے میں صرف چٹانوں اور پتھروں کے علاوہ تمہیں اور کچھ نہیں ملے گا...... لوگ ادھر کا رخ نہیں کرتے لیکن اگر تم پیلی پہاڑیوں میں کچھ خفیہ وقت گزار لو تو میں سمجھتا ہوں کہ تمہیں کچھ اشارے مل جائیں گے...... یہ بھی بتا دوں تمہیں کہ پیلی پہاڑیوں کے دامن میں جابجا غار چھپے ہوئے ہیں...... ان غاروں کا ایک دوسرے سے واسطہ بھی ہے اور کہیں کہیں چھوٹی سرنگیں پائی جاتی ہیں، اگر وہاں جانے کے بعد تم نے کچھ کام کر ڈالا تو یہ سمجھ لو کہ بہت سے انکشافات تم پر خود بخود ہو جائیں گے۔“

شہاب دلچسپی سے شاہ سلطان کی صورت دیکھ رہا تھا، پھر اس نے کہا۔

”لیکن شاہ سلطان جب آپ نے مجھ سے اتنا تعاون کیا ہے تو مجھے یہ بھی بتا دیجئے کہ پیلی پہاڑیوں میں کیا ہے؟“

”کیا بے وقوف سمجھتے ہو تم مجھے، میں تمہیں یہ تفصیل بتا دوں اور تم کچھ نہ کر پاؤ...... مگر تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ یہ ایک دوستانہ تعاون ہے، کچھ خاص تصورات کے نتیجے

میں جن کا اظہار میں تم سے کر چکا ہوں...... نہ میرے اوپر کوئی ذمے داری ہے اور نہ ہی کوئی خوف ہے، مجھے کہ میری گردن پھنس جائے گی...... اس کے باوجود اگر تم میرے ان الفاظ سے متفق نہ ہو اور یہ سب کچھ نہ کرنا چاہو اور میرے ہی خلاف تحقیقات کر کے واپسی چاہو تو پھر اس بات پر بھی یقین کر لو کہ میری جانب سے کوئی مداخلت نہیں ہو گی اور اگر تم یہاں سے میرے خلاف کچھ ثبوت لے جاتے ہو تو یہ بات میں نے پہلے ہی نادر حیات سے کہہ دی تھی کہ قانون اس کی مٹھی میں ہے وہ جو کارروائی کرنا چاہے میرے ساتھ کر لے، پولیس مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکے گی اور تم سے بھی یہی بات کہہ رہا ہوں بس اتنا ہی کہنا چاہتا تھا تم سے...... تمہارا شکریہ۔"

شہاب چند لمحات کچھ سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔ "جب یہاں تک گفتگو ہو رہی ہے شاہ سلطان تو آخری بار مجھے یہ بتائیے کہ کیا خرم جاہ کے اغواء میں آپ کا ہاتھ نہیں ہے؟"

"نہیں...... بالکل نہیں۔"

"بس تو ٹھیک ہے...... آپ یوں سمجھ لیجئے کہ اب پیلی پہاڑیوں کے سفر کے بعد ہی آپ سے ملاقات ہو گی، اگر میں وہاں کے بارے میں کچھ انکشافات کر سکا تو آپ کو بتاؤں گا اور اس کے بعد آپ سے آئندہ کے لئے تعاون مانگوں گا۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس وقت تمہیں بہت کچھ بتاؤں گا...... ایسے راز چھپے ہوئے ہیں میرے سینے میں کہ تمہارے علم میں آجائیں گے تو تمہارے لئے مشعل راہ بن جائیں گے۔"

"اجازت چاہتا ہوں۔" شہاب نے کہا۔

"میں اپنا آدمی تمہارے ساتھ بھیجے دیتا ہوں...... اسی راستے سے واپس جاؤ جس راستے سے آئے ہو۔ وہی بہتر رہے گا۔"

"ایک سوال اور؟"

"ہاں ہاں۔"

"خانم سلامہ سے اگر دوبارہ میری ملاقات ہو یا ان کا کوئی پیغام مجھ تک پہنچے تو مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"ایسا نہیں ہو گا اس کی ذمے داری میں قبول کرتا ہوں۔"

شہاب نے گردن ہلا دی اور اس کے بعد شاہ سلطان نے اپنے ایک معتمد کو اس کے

ساتھ روانہ کر دیا۔

شہاب جب واپس اپنی رہائش گاہ پہنچا تو بینا اس کا انتظار کر رہی تھی۔ شہاب نے چونک کر کہا۔

"ارے تم جاگ رہی ہو بینا؟"

"کیوں سو جانا چاہئے تھا مجھے؟"

"اصولی طور پر تو سو جانا چاہئے تھا۔"

"نہیں جناب اصولی طور پر نہیں سونا چاہئے تھا...... آپ لباس تبدیل کر لیجئے وہ لباس رکھا ہوا ہے۔" بینا نے ایک جانب اشارہ کیا۔

"شکریہ جناب۔" شہاب نے کہا اور لباس لے کر واش روم کی جانب بڑھ گیا...... لباس بدل کر واپس آیا تو بینا کمرے میں موجود نہیں تھی، پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ کافی کی دو پیالیاں لئے ہوئے اندر آگئی۔ کافی کی سوندھی سوندھی خوشبو نے بڑی فرحت بخشی تھی...... شہاب مسکراتا ہوا بولا۔

"گویا اب آپ براہ راست دل میں آبیٹھی ہیں۔"

"پتا نہیں...... کیوں؟" بینا مسکرا کر بولی۔

"اگر آپ یہاں نہ ہوتیں تو آپ کو یہ کیسے معلوم ہوتا کہ اس وقت کافی کو دل چاہ رہا ہے؟"

"بینا ہنس پڑی پھر اس نے کہا۔" بس جناب کیا کہا جا سکتا ہے اس سلسلے میں۔"

"کچھ نہ کچھ تو کہا جانا چاہئے۔"

"جی نہیں...... کہہ دینے سے بات کا وزن خراب ہو جاتا ہے۔"

"تھوڑی سی وضاحت برائے زندگی۔"

"اللہ آپ کو سلامت رکھے لیکن وضاحت جانے دیجئے۔"

"خیر اب تم اتنا اصرار کر رہی ہو تو جانے دیتے ہیں لیکن واقعی کافی کی شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔"

"میں نے اس ضرورت کو محسوس کر لیا۔"

شہاب کافی کے گھونٹ لینے لگا تو بینا بولی۔

"جی بات اصولوں کی ہو رہی تھی۔"

"جی ہاں۔"

"اصولی طور پر تو مجھے آپ کا انتظار کرنا چاہئے تھا۔"

"کس حیثیت سے؟" شہاب نے سوال کیا اور بینا پھر ہنس پڑی پھر بولی۔

"آپ کی اسسٹنٹ کی حیثیت سے۔"

"مزہ خراب نہ کرو بینا...... اسسٹنٹ کی حیثیت سے تو تمہیں اس وقت چھٹی پر ہونا چاہئے تھا چونکہ رات کا وقت ہے۔"

"آپ سے جیتنا بھی نہیں چاہتی۔" بینا محبوبیت سے بولی اور شہاب محبت بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

کچھ دیر تک دونوں خاموشی سے کافی کے گھونٹ لیتے رہے پھر بینا نے کہا۔

"جب تک اس ملاقات کے واقعات نہیں سنائیں گے میں سوؤں گی نہیں۔"

"میں ان میں کچھ ردوبدل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، جو ضروری ہے۔"

"کیوں؟" بینا چونک کر بولی۔

"ان میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں۔"

"ہم سے بھی پردہ ہوگا۔"

"یہی تو ممکن نہیں...... ورنہ اب تک شروع بھی ہو جاتا۔"

"تنگ نہ کریں شہاب۔" بینا ناز بھرے انداز میں بولی پھر شہاب نے اسے شروع سے آخر تک کے واقعات سنا ڈالے...... بینا سوچ میں ڈوب گئی تھی...... بہت دیر تک خاموش رہی پھر شہاب نے کہا۔

"اب بتائیے مس بینا کیا کریں؟"

"واقعات دلچسپ ہیں۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب کیا کریں؟"

"پیلی پہاڑیوں کا جائزہ لیں گے۔"

"اصولی طور پر لینا چاہئے لیکن ایک تصور دل میں ہے۔" شہاب نے کہا۔

"کیا؟"

"شاہ سلطان نے یہ رویہ اختیار کر کے چکر دینے کی کوشش تو نہیں کی ہے۔"

"اس کا امکان تو ہے۔"

"بالکل ہو سکتا ہے...... وہ اپنی دانست میں ایک سرکاری افسر سے خفیہ طور پر نجات حاصل کرنے کی کوشش کر سکتا تھا...... یعنی آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش یہ دوسری بات ہے کہ اس کوشش کا نتیجہ اس کی توقع کے خلاف ہوتا لیکن اس کے سوچنے کا انداز دوسرا بھی ہو سکتا ہے۔"

"ویری گڈ...... کافی اور دو۔" شہاب نے دلچسپی سے کہا اور بینا نے دوبارہ اس کی پیالی پر کردی۔

"مذاق تو نہیں اڑائیں گے میری باتوں کا؟"

"بخدا نہیں...... پورے اعتماد سے بات کرو۔"

"دیکھئے...... معاملہ شاہ سلطان پر لگے ہوئے ایک الزام کا ہے اور یہ الزام طور خم جاہ نے لگایا ہے۔"

"بالکل؟"

"ہو سکتا ہے...... شاہ سلطان اس طرح تحقیق کا راستہ بدلنا چاہتا ہو۔"

"کس طرح؟"

"وہاں...... کچھ ایسے حالات پیدا کر کے۔"

"ہاں ممکن ہے۔"

"دوسری صورت یہ ہے کہ آپ کے ٹریس ہونے کے بعد وہ یہ بھی جاننا چاہتا ہو کہ آپ کے ساتھ اور کون ہے، تاکہ سب سے بیک وقت نمٹا جا سکے۔"

"اتنی جیو بینا کہ جینے سے اکتا جاؤ۔" شہاب نے تعریفی لہجے میں کہا۔

"عجیب دعا ہے۔"

"بخدا بڑی ذہانت کی باتیں کر رہی ہو۔"

"شکریہ...... تو ہمیں یہ دونوں پہلو مدنگاہ رکھنا ہوں گے۔"

"مشورہ کیا ہے؟"

"ایک بار طور خم جاہ سے ملاقات ہو جاتی تو اچھا تھا۔"

"ہاں...... یہ بہتر تو تھا۔"

"طریقہ کیا ہو؟"

"شاید یہ ابھی مفتی حیات کے ذہن میں بھی نہیں ہے۔"

"کیا مفتی حیات کو اس بارے میں کچھ بتائیں گے؟"

"نہیں...... ہم کسی کی انگلی پکڑ کر تو نہیں چلیں گے۔"

"یقیناً...... اس کا کیا سوال ہے۔" پھر دیر تک وہ اس موضوع پر سوچتے رہے۔ شہاب بولا۔

"کافی اور دو۔"

"ارے نہیں پھر نیند نہیں آئے گی۔"

"آرام سے آجائے گی۔" شہاب مسکرا کر بولا۔ "زانو پر لٹا لینا...... دامن سے ہوا کرنا...... نیند سکون سے آجائے گی۔"

"نہیں...... اب کافی نہیں ملے گی۔"

"یس منسٹر پھر کیا فیصلہ کیا؟"

"میری رائے ہے پیلی پہاڑیوں کو دیکھ لیا جائے۔"

"کل یہی کرنا ہے۔"

"ٹیم کو ساتھ رکھیں گے؟"

"اس پر غور کریں گے۔"

"بس اب چھٹی۔"

"یس منسٹر۔" شہاب مسکرا کر بولا۔

دوسری صبح شہاب نے اپنے پروگرام کا فیصلہ کر لیا...... اس نے بینا کو اس سے آگاہ کیا تو وہ تشویش سے بولی۔

"یہ خطرناک بات ہے...... کم از کم مجھے تو ساتھ رکھیں۔"

"نہیں بینا...... پلیز۔" شہاب نے کہا اور بینا خاموش ہو گئی۔

مفتی حیات کو چونکہ اس بارے میں کوئی تفصیل نہیں معلوم تھی اس لئے اس نے اس دن شہاب سے ملاقات بھی نہیں کی تھی۔ دوپہر تک شہاب نے ڈبل او گینگ سے بھی کوئی رابطہ نہیں کیا۔ البتہ اس نے صفدر خان سے پیلی پہاڑیوں کے بارے میں پوچھا تھا۔

"پیلی پہاڑیاں!" صفدر خان حیرت سے بولا۔

"ہاں...... کیوں؟"

"نہیں صاحب...... وہ تو بہت دُور ہیں...... بالکل سرحد کے پاس...... اس سے تھوڑا آگے بارڈر ہے۔"

"بہت دُور ہیں۔"

"ہاں صاحب!"

"بہر حال ادھر جانا ہے۔ گاڑی جا سکے گی؟"

"راستہ بہت خراب ہے صاحب مگر اپنا ٹائیگر ادھر جا سکتا ہے۔"

"ہمیں چلنا ہے...... چیف انجینئر صاحب نے حکم دیا ہے۔"

"ٹھیک ہے صاحب۔"

منصوبے کے مطابق شہاب نے تیاریاں کیں...... ڈبل او گینگ کے افراد کو بھی ساتھ لے لیا تھا اور وہ بھی ایک لینڈ روور حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ شہاب نے سارے انتظامات مکمل کر لئے تھے۔ دونوں گاڑیاں کوئی ڈھائی گھنٹے سفر کرتی رہیں، پھر پیلی پہاڑیاں نظر آنے لگیں...... راستہ واقعی بہت مشکل تھا، دوپہر ڈھل چکی تھی...... تمام لوگ سروے کے آلات اور دُور بین سنبھال کر وہاں کام میں مصروف ہو گئے...... تاحد نگاہ ویرانی اور سناٹے کا راج تھا...... شہاب زیادہ تر اطراف کا جائزہ لیتا رہا تھا، پھر شام کے اندھیرے فضا میں اترنے لگے...... تب شہاب نے سردار علی سے کہا۔

"مسٹر سردار علی! ہمیں یہاں رُکنا ہے۔"

"جی۔" سردار علی حیرت سے بولا۔

"اگر آپ کو اس میں دقت ہو تو میں کسی اور کو۔"

"نہیں سر...... بالکل نہیں...... میں تو۔"

"اور یہ بات پوشیدہ بھی رکھنی ہے۔"

"او کے سر۔"

"میں چاہتا ہوں اس ڈرائیور کو یہ نہ پتا چل سکے...... ویسے تو یہ قابل اعتماد آدمی ہے لیکن پھر بھی۔"

"اس کے لئے کیا طریقہ استعمال کریں گے؟"

"میرے پاس منصوبہ ہے۔"

"او کے...... میں خوشی سے تیار ہوں۔" سردار علی نے کہا۔

تب شہاب نے اپنے منصوبے پر عمل شروع کر لیا...... اس نے انجم اور شوکت سے کہا۔

"تم لوگ صفدر خان کے ساتھ واپس چلو...... ہم دس منٹ کے بعد آئیں گے...... صفدر خان تم ان لوگوں کو لے جاؤ۔"

"جی صاحب ٹھیک ہے۔" صفدر خان نے کہا...... ان لوگوں کو روانہ کرنے کے بعد شہاب نے سالک فراز اور فراست سے کہا۔

"آپ لوگوں کو اب اس دوسری جیپ میں جانا ہے...... میں اور سردار علی یہاں رکیں گے۔"

"اوہ۔" فراست کے منہ سے آواز نکلی۔

"کل صبح...... جس وقت بھی ممکن ہو سکے تم لوگ یہاں آ جانا...... راستہ یاد رہے گا؟"

"بے شک جناب لیکن۔"

"ہم رات یہیں گزاریں گے۔"

"بہتر۔"

"خاص بات یہ ہے کہ کسی کو وہاں یہ بات معلوم نہ ہو...... میں نے اسی لئے ان لوگوں کو صفدر کے ساتھ بھیج دیا ہے۔"

"او کے سر۔" پھر وہ لوگ وہاں سے چل پڑے تھے...... شہاب نے پہلے سے ایک جگہ منتخب کر رکھی تھی جہاں وہ پوشیدہ ہو گئے...... یہ ایک چٹانی کٹاؤ تھا...... شہاب نے پوچھا۔

"تمہارے پاس پستول ہے؟"

"موجود ہے سر۔"

"گڈ...... ہمیں پوشیدہ رہ کر رات کا انتظار کرنا ہے۔"

"آپ کے خیال میں یہاں کچھ ہو سکتا ہے؟"

"امکان ہے سردار علی۔"

"دن میں تو کوئی ایسا شبہ نہیں ہو سکا۔"

"رات کی بات اور ہے۔"

"او کے سر۔"

"کیا تمہیں مجھ پر اعتبار ہے؟"

"ہمیں اس پر مکمل اعتماد ہے جس نے ہمیں آپ کے بارے میں اعتماد دلایا ہے۔"

"شہنشاہ؟"

"جی سر۔"

"کیا وہ ایک روایتی کردار نہیں ہے سردار علی؟"

"شاید لیکن بہترین روایات کا حامل۔"

"میرا اس کا ساتھ اب ہوا ہے...... مجھے اس کے بارے میں بتانا پسند کرو گے؟"

"جتنا ہمیں معلوم ہے ضرور۔"

"بتاؤ۔"

"وہ شہنشاہ ہے۔" سردار علی نے مسکرا کر کہا۔

"اور؟"

"بس اس سے زیادہ کچھ نہیں معلوم۔" سردار علی نے کہا اور شہاب مسکرانے لگا۔

"تم لوگ اس کے بہت اچھے ساتھی ہو؟"

"ہم وہ لوگ ہیں جناب...... جو زمانے کے ستم سے تنگ آ کر خودکشی کے لئے تیار ہو چکے تھے...... یہ خودکشی نہایت بھیانک ہوتی لیکن اس نے ہمیں اس بھنور سے نکال کر آج ایک انوکھا مقام دے دیا ہے...... ہم سب کی کہانی یکساں ہے سر...... آپ اور مس بینا جی دو کردار ایسے ہیں جو ہم سے مختلف داستان رکھتے ہیں۔"

"ہاں مس بینا وکیل ہیں۔"

"اور آپ پولیس آفیسر۔"

"خیر...... میرا معاملہ تو یہ ہے کہ مجھے میرے محکمے سے ٹرانسفر کر کے شہنشاہ کی تحویل میں دے دیا گیا ہے، لیکن مس بینا کا معاملہ سمجھ میں نہیں آتا۔" سردار علی خاموش رہا تھا...... شہاب پھر بولا۔ "معاف کرنا...... تم لوگوں کی اس سے عقیدت کی وجہ میں سمجھتا ہوں لیکن تمہارے اندر کبھی انسانی فطرت تو جاگی ہو گی؟"

"سمجھا نہیں شہاب صاحب؟"

"کبھی یہ خیال دل میں پیدا ہوا ہو گا کہ وہ کون ہے؟"

"لاتعداد بار۔"

"تم نے اس کی کھوج نہیں کی؟"

"کبھی نہیں۔"

"کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے؟"

"بالکل نہیں جناب...... کیوں کہ ہم اس کی پسند کے خلاف کبھی کچھ نہیں کرتے، وہ اگر مناسب سمجھے گا تو ہمیں خود اپنے بارے میں بتادے گا۔" سردار علی نے کہا۔

"سب تمہارے انداز میں سوچتے ہیں؟"

"بالکل۔" سردار علی نے جواب دیا...... شہاب خاموش ہو گیا...... رات ہو چکی تھی...... گہرا اندھیرا چھا گیا تو وہ اپنی جگہ سے نکل آئے، پھر شہاب پیلی پہاڑیوں سے اپنا فاصلہ کم کرنے لگا، لیکن اس کے لئے وہ چٹانوں کی آڑ لے رہا تھا اور اس نے نمایاں ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ رات کی تاریکیوں میں پیلی پہاڑی بے حد پراسرار نظر آرہی تھیں...... اچانک ہوا کے دوش پر ایک آواز ان کی سماعت سے ٹکرائی اور وہ آنکھیں پھاڑنے لگے...... کچھ نظر نہیں آرہا تھا لیکن پھر سردار علی نے ایک طرف اشارہ کیا۔

"سر...... وہ...... ادھر۔" شہاب آنکھیں پھاڑنے لگا...... وہ جیپ تھی اور روشنیاں بجھائے اس طرف آرہی تھی...... شہاب خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

دفعتاً پیلی پہاڑیوں کے پاس ایک جگہ سے سبز روشنی چمکی...... غالباً جیپ کو سگنل دیا جارہا تھا...... روشنی چار بار چمکی تھی...... اس کے بعد جیپ کی ہیڈ لائٹس روشن ہو گئیں...... وہ سحر زدہ سے یہ کارروائی دیکھ رہے تھے۔

"یہ غالباً کلیرنس سگنل تھا، کیوں کہ اس کے بعد ہی جیپ نے ہیڈ لائٹس جلائی ہیں۔" سردار علی نے تبصرہ کیا۔

"ہمیں اسی جگہ پہنچنا ہے سردار علی...... جہاں سے سگنل دیا گیا ہے۔"

"جی سر۔" سردار علی نے کہا پھر وہ ایک طرف اشارہ کر کے بولا۔ "وہ درہ ہے۔"

"اس...... ہاں آؤ۔" شہاب نے کہا...... دونوں بے حد احتیاط سے اس طرف چل پڑے...... جیپ کی روشنیاں ان کی رہنمائی کر رہی تھیں...... درے کے درمیان پہنچ کر انہیں

اوپر چڑھنا پڑا، پھر وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں ایک غار کا دہانہ تھا...... یہاں انہیں چند افراد نظر آرہے تھے...... وہ تاریک سائے محسوس ہو رہے تھے، پھر جیپ وہاں پہنچ گئی اور ایک پٹرومیکس روشن کر لیا گیا۔

جیپ سے تین آدمی نیچے اترے تھے...... ان میں سے ایک شخص نے کہا۔

"ہاں دوستو...... سب ٹھیک ہے ناں؟"

"بالکل ٹھیک ہے۔" وہاں موجود لوگوں میں سے ایک نے کہا۔

"ادھر سے پیغام ملا؟" گھنی مونچھوں والے توانا شخص نے پوچھا۔

"ایک بجے ہیلی کاپٹر پہنچے گا۔"

"ٹھیک...... تم لوگوں کو تکلیف تو نہیں ہوئی؟"

"نہیں شکریہ۔"

"چلو ٹھیک ہے...... لو اسے چیک کرلو۔" مونچھوں والے نے ایک بریف کیس سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"چیک کرلیں۔"

"کیا حرج ہے۔"

"تم ہمیشہ یہی بات کہتے ہو اور اس کے جواب میں ہم بھی تم سے ایک ہی بات کہتے ہیں کہ اس کی ضرورت نہیں...... آج بھی یہی الفاظ ہیں ہمارے۔" مونچھوں والا ہنسنے لگا تھا۔

"چلو درجمال۔ کھانے پینے کی چیزیں نکالو۔"

"جی۔" جیپ میں آنے والے ایک شخص نے کہا...... وہ سب وہیں بیٹھ گئے تھے...... شہاب اور سردار علی نے ان کے چہرے اچھی طرح دیکھ لئے تھے، پھر وہیں کھانے پینے کی محفل جم گئی۔

"ٹھیک ایک بجے وہ سب مستعد ہو گئے، پھر ایک طرف چل پڑے جہاں وہ رکے تھے وہاں ایک صاف ستھری اور وسیع جگہ تھی، لیکن وہ ہیلی کاپٹر ان کے لئے سخت حیران کن تھا جو پیلی پہاڑیوں کے عقب سے نمودار ہوا تھا...... حیرانی کی بات یہ تھی کہ اس کی مشین بے آواز تھی...... شاید وہ ہیلی کاپٹروں کی کوئی جدید ترین قسم تھی، کیونکہ اس سے قبل انہوں نے ایسا بے آواز ہیلی کاپٹر نہیں دیکھا تھا۔

شہاب اور سردار علی نے بھی اپنی جگہ بدل لی تھی...... اب وہ ان سب کو اس جگہ دیکھ رہے تھے جہاں ہیلی کاپٹر اترنے والا تھا...... نیچے سے وہی سبز سگنل دیا جا رہا تھا...... ہیلی کاپٹر نیچے اترا اور کچھ لوگ اس میں سوار ہو گئے، پھر وہ بہت مختصر وقت کے بعد دوبارہ فضا میں بلند ہو گیا اور ایک سمت اختیار کر کے سیدھا چل پڑا...... نیچے کھڑے لوگ اسے دیکھتے رہے تھے...... جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو وہ لوگ واپس آنے لگے...... وہ باتیں کر رہے تھے جو رات کے سناٹوں میں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

"ہاں...... انہوں نے یہی تاریخ دی ہے...... ٹھیک ہے میرے خیال میں مناسب وقفہ مل جائے گا۔"

"یقیناً۔"

شہاب اور سردار علی دم سادھے دبکے ہوئے تھے۔ وہ لوگ جیپ کے قریب پہنچ گئے پھر جیپ وہاں سے چل پڑی لیکن اب انہوں نے ہیڈ لائٹس پھر بجھالی تھیں...... جیپ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ وہ لوگ اپنی جگہ ساکت چھپے رہے تھے لیکن اب سنسان پہاڑیوں میں کوئی آہٹ نہیں سنائی دے رہی تھی۔

"میرے خیال میں اب یہاں کوئی نہیں ہے۔"

"یہی اندازہ ہوتا ہے...... کیونکہ تجربہ کر لیا جائے۔" شہاب نے کہا۔

"کیسے؟"

"دیکھتے ہیں۔" شہاب نے کہا...... پھر ٹٹول کر ایک پتھر اٹھا لیا اور اسے اس غار کے سامنے اُچھال دیا جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ وہ ان کا مسکن ہے، پھر کئی منٹ کے انتظار کے بعد بھی کوئی آہٹ نہیں سنائی دی تو شہاب نے کہا۔ "یقیناً مطلع صاف ہے...... آؤ ہم غار کا جائزہ لیں گے۔"

"کاش ہمارے پاس ٹارچ ہوتی۔"

"ہے۔" شہاب نے کہا اور دونوں اپنی جگہ سے ہٹ گئے...... آنکھیں رات کی تاریکی میں دیکھنے کی عادی ہو گئی تھیں...... غار تک پہنچنے میں انہیں کوئی دقت نہیں ہوئی، پھر چند لمحات سن گن لے کر وہ اندر داخل ہو گئے...... شہاب نے تیز روشنی والی ٹارچ نکال کر روشن کر لی...... دونوں کے پستول ان کے ہاتھوں میں تھے اور وہ محتاط تھے لیکن اندر کوئی نہیں

تھا...... غار خاصا کشادہ تھا اور اندر بہت کچھ پڑا ہوا تھا...... کمبلوں کے ڈھیر، الیکٹرونک لیمپ وغیرہ...... یہ سب کچھ بے ترتیبی سے چھوڑ دیا تھا۔

"اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ دوبارہ آئیں گے۔" سردار علی نے کہا۔

"بیس تاریخ کو۔"

"آج اٹھائیس تاریخ ہے۔"

"ہاں...... بائیس دن کے بعد۔"

"لیکن یہ کیا ہو سکتا ہے؟" سردار علی نے کہا...... شہاب نے اس بات کا جواب نہیں دیا تھا...... سردار علی بھی خاموش ہو گیا...... کچھ دیر کے بعد شہاب نے الیکٹرک لیمپ روشن کر لیا اور اس کی روشنی میں ہر چیز کا جائزہ لینے لگا...... وہ بیئر کے ڈبوں پر چسپاں لیبل دیکھ رہا تھا...... دوسری اشیاء سے اندازہ لگا رہا تھا۔

پھر بقیہ وقت انہوں نے وہیں گزارا تھا...... یہاں تک کہ صبح کے آثار نمودار ہو گئے...... تب وہ باہر نکل آئے تھے۔

"آؤ چلیں...... پیدل چلنے کی ہمت ہے؟"

"بالکل ہے شہاب صاحب۔" سردار علی نے مسکرا کر کہا اور وہاں سے چل پڑے پھر اس وقت تک وہ پیدل چلتے رہے، جب تک ہمت نے ساتھ دیا لیکن انہوں نے ان کی مشکل آسان کر دی تھی جو جیپ لے کر وہاں پہنچ گئے تھے...... وہ سخت دشوار گزار راستہ طے ہو گیا تھا جو جیپ کے لئے ایک مشکل سفر تھا...... انجم اور فراست آ گئے تھے۔

"سب خیریت ہے؟" شہاب نے پوچھا۔

"جی شہاب صاحب۔"

"خان کو شبہ تو نہیں ہو سکا؟"

"بالکل"

بینا نے مسکرا کر شہاب کا استقبال کیا تھا...... اس کے چہرے پر مسرت کے آثار تھے...... وہ بولی۔ "سیدھے غسل خانے جایئے کپڑے موجود ہیں۔"

"اللہ تم جیسی...... سب" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا...... گرم پانی نے

غسل سے آدھی تھکن دُور کردی تھی۔ اس کے بعد بقیہ کسر بہترین ناشتا دیکھ کر پوری ہوگئی۔

"ایک بار پھر اللہ تم جیسی...... سب کو دے...... رات کو تم نے کون کون سے گیت گائے؟"

"مجھے گانا نہیں آتا۔"

"سیکھنا چاہئے۔" شہاب نے سنجیدگی سے کہا...... ناشتے سے فارغ ہو کر بینا نے کہا۔

"چلئے سو جائیے۔"

"کیوں۔"

"اس لئے کہ آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں۔"

"مگر میں تم سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"نیند پوری ہونے کے بعد۔"

شہاب، بینا کے بارے میں سوچتے سوچتے سو گیا تھا، پھر دوپہر کو تین بجے جاگا تھا...... بینا کچھ فاصلے پر بیٹھی ایک رسالہ پڑھ رہی تھی...... شہاب اسے دیکھتا رہا...... بینا اسے اس وقت بہت اچھی لگ رہی تھی...... بڑی اپنائیت تھی اس میں...... بہت دیر اسی طرح گزر گئی پھر بینا نے ہی اسے دیکھا اور اس کی آنکھیں کھلی دیکھ کر چونک پڑی...... اس نے جلدی سے رسالہ رکھا اور اٹھ کر اس کے پاس آگئی۔

"آپ جاگ گئے۔"

"ہاں۔"

"مجھے آواز بھی نہ دی۔"

"تم وہاں بیٹھی بہت اچھی لگ رہی تھیں۔"

"کمال کرتے ہیں آپ...... بس اب اٹھ جائیے...... مفتی حیات صاحب کا دو بار فون آچکا ہے۔"

"خیریت؟"

"بس پوچھ رہے تھے کہ آپ خیریت سے ہیں...... میں نے کہہ دیا کہ ہلکا سا بخار ہوگیا ہے...... کہنے لگے ڈاکٹر کی ضرورت ہے تو میں نے کہا کہ نہیں۔ میڈیسن دے دی ہے۔"

"کہاں دی ہے میڈیسن۔" شہاب نے کہا۔

"بخار کہاں ہے۔" بینا ہنس دی۔

"اندر ہے...... میں اسے باہر نہیں لانا چاہتا...... اب یہ بتاؤ کھانے کے لئے کچھ ہے؟"

"آپ کو بس چائے اور ہلکی سی خوراک ملے گی...... ورنہ معدہ ڈسٹرب ہو جائے گا...... بس رات کو کھانا کھائیں گے۔"

"گڈ۔" شہاب نے کہا۔ "چائے وغیرہ سے فراغت ہوئی تھی کہ مفتی حیات آگیا۔

"خیریت شہاب؟ کچھ موسمی اثرات ہوگئے؟"

"معمولی سے۔"

"اب کیا کیفیت ہے؟"

"بالکل ٹھیک ہوں۔"

"وہ...... طور خم جاہ تم سے ملنا چاہتا ہے۔"

"جی۔" شہاب اُچھل پڑا۔

"ہاں...... نادر حیات کے حوالے سے...... مجھ سے رابطہ کر کے ایسے حوالے دیئے ہیں جو غلط نہیں...... شاید اس نے نادر حیات صاحب سے رابطہ کیا تھا۔" مفتی حیات نے کہا۔

"اور آپ کے خیال میں نادر حیات صاحب نے اسے میرا حوالہ دے دیا۔"

"یقیناً...... اس کے الفاظ یہی بتاتے تھے...... اس نے مجھ سے کہا کہ میں دارالحکومت سے آنے والے شہاب ثاقب سے اس کا رابطہ کرادوں، بہرحال اس کے بعد میں نے تم سے رابطہ کیا تھا لیکن پتا چلا کہ تمہاری طبیعت کچھ خراب ہوگئی ہے۔"

"جی ہاں جناب بس موسمی اثرات ہی سمجھ لیجئے...... معمولی سی حرارت ہوگئی تھی...... سر میں درد تھا سوچا تھوڑا سا آرام کرلیا جائے۔"

"پھر میں اسے ٹیلیفون کر کے یہ بتا دیتا ہوں کہ آج یہ ممکن نہیں ہے۔"

"کیوں نہیں مفتی صاحب، آپ چلیں گے میرے ساتھ؟"

"اگر تم مناسب سمجھو تو۔"

"نہیں ہم آج ہی چلتے ہیں۔"

"اس کے لئے بھی اس نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ اگر اس ملاقات کا بندوبست ہوسکے تو اسے فون پر اطلاع دے دی جائے۔"

"تو آپ یہ اطلاع دے دیجئے گا۔"

"بہتر ہے۔" اور پھر مفتی حیات نے یہیں بیٹھ کر موبائل ٹیلی فون پر طور خم جاہ سے ملاقات کی اور رابطہ قائم ہو جانے پر اسے بتایا۔

"طور خم صاحب، مسٹر شہاب ثاقب سے رابطہ قائم ہو گیا ہے اور میں نے انہیں آپ کا پیغام پہنچا دیا ہے۔"

"تو وہ کب مجھ سے ملاقات کرے گا؟" طور خم جاہ نے کہا۔

"آپ جب حکم دیں۔"

"حکم دینے کی بات نہیں، اسے جلد از جلد میرے پاس لے آؤ۔"

"بہتر ہے...... آج؟"

"آج...... تھوڑی دیر کے بعد۔"

"میرا خیال ہے ہم دو گھنٹے کے بعد آپ کے پاس پہنچ سکیں گے۔"

"آ جاؤ...... میرے آدمی تمہارا انتظار کریں گے...... میں انہیں ہدایت کئے دیتا ہوں۔" طور خم جاہ کی آواز سنائی دی اور اس کے بعد سلسلہ منقطع ہو گیا۔

طور خم جاہ ہی وہ آخری شخصیت رہ گئی تھی جس سے ابھی تک ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ شاہ سلطان نے جو کچھ کہا تھا اس کی ایک عجیب شکل میرے سامنے آئی تھی لیکن سچی بات یہ ہے کہ کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا...... یہ اندازہ تو ہو گیا تھا کہ ان لوگوں نے جو خفیہ طور پر ایک جیپ میں یہاں آئے تھے...... غار کے مکینوں کو بریف کیس میں رقم وغیرہ ہی دی تھی، کیونکہ جن الفاظ کا تبادلہ ان کے درمیان ہوا تھا ان سے یہی ظاہر ہوتا تھا لیکن وہ رقم کس سلسلے میں تھی اور وہ سب کچھ کیا تھا...... یہ بات صیغہ راز میں تھی، یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ غار میں فروکش افراد کا تعلق کہاں سے تھا لیکن جس سمت سے وہ آئے تھے...... ادھر جن سرحدوں کا حوالہ دیا جاتا تھا اس کے بارے میں شہاب کو بہر طور معلومات حاصل تھیں، پھر مفتی حیات نے اجازت لیتے ہوئے کہا۔

"تو ٹھیک ہے تم یوں کرو تیار ہو کر میرے پاس آ جاؤ، دونوں ساتھ چلیں گے۔"

شہاب نے اس بات سے اتفاق کر لیا تھا، بینا کہنے لگی۔

"مجھے تو معلوم ہی نہیں ہو سکا کہ گزری رات کی کہانی کیا تھی؟"

"رات ہماری ہے بینا۔" شہاب نے معنی خیز لہجے میں کہا اور بینا مسکراتی نگاہوں

سے دیکھنے لگی پھر بولی۔

"تو جناب کس کے لئے تیاریاں کروں؟"

"ارے ہاں واقعی، لیکن طور خم جاہ کے ہاں ایسے کسی تجربے کی امید نہیں ہے۔"

"بس کیجئے جناب توبہ کیجئے اللہ سے ورنہ اگر خانم سلامہ کامیاب ہو ہی جاتیں تو حالات بڑے خراب نظر آتے۔" بینا نے کہا اور کھل کھلا کر ہنس پڑی...... شہاب بھی مسکرانے لگا تھا۔

"ویسے پوری رات جاگ کے گزری ہو گی، حلیہ ہی خراب ہو گیا ہے۔"

"ہاں بینا گزری رات بڑے دلچسپ تجربات کی حامل تھی، میں تمہیں ان کے بارے میں ذرا تفصیل سے ہی بتاؤں گا۔"

"بہر حال پہاڑوں میں رات گزاری ہے، یقینی طور پر یہ سب کچھ بے مقصد نہیں ہو گا، اچھا تو میں آپ کا لباس نکالے دیتی ہوں۔"

"یہاں آ کر تم نے ایک عجیب ذمے داری سنبھالی ہے بینا اور میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ یہاں سے واپس جانے کے بعد تو میرے اور تمہارے درمیان اتنا فاصلہ ہو جائے گا، پھر میں کیا پہنوں گا۔"

"اچھا اچھا بس، مجھے میرا کام کرنے دیجئے۔" بینا کے پاس شاید اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا یا وہ جواب دینا نہیں چاہتی تھی...... پھر اس نے شہاب کے لئے لباس وغیرہ نکالا اور مقررہ وقت پر شہاب تیار ہو کر چل پڑا۔

مفتی حیات اس کا منتظر تھا...... دونوں گاڑی میں بیٹھے اور مفتی حیات نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

"کہو اب تک کی صورت حال سے کام کی کوئی بات محسوس ہوئی؟"

"مفتی صاحب! ابھی تو میں صرف تجربات کر رہا ہوں، دیکھنا یہ ہے کہ آنے والا وقت کیا ہوتا ہے؟"

"اپنے تجربات سے اگر مناسب سمجھو تو مجھے بھی آگاہ کرتے رہنا۔"

"جی یقیناً جیسے ہی کوئی کام کی بات ہوئی ظاہر ہے آپ سے رابطہ تو از حد ضروری ہو گا۔" شہاب نے جواب دیا پھر کہنے لگا۔

"مگر یہ طور خم جاہ صاحب کس مزاج کے مالک ہیں؟"

"بہت کم ملاقات ہوئی ہے مجھ سے، لیکن ذرا اکھڑ مزاج شخصیت ہے...... تاہم ز
وقت سے اس کا بیٹا اغوا ہوا ہے اس وقت سے اس بے چارے کی حالت بہتر نہیں ہے اور یہ
فطری بات ہے کہ کسی کو ایسا صدمہ برداشت کرنا پڑتا۔"

"خرم جاہ کی عمر کتنی تھی؟"

"جوان ہو گیا تھا، بہت اچھی شخصیت کا مالک تھا۔"

"آپ نے دیکھا ہے؟"

"ملاقات بھی ہوئی تھی میری، بہت نیک فطرت نوجوان تھا، بڑا ہنس مکھ اور ملنسار تھا۔" شہاب گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا۔

ایک عظیم الشان حویلی کے صدر دروازے پر جیپ رُکی تو دو مسلح افراد نے دروازہ کھول دیا اور جیپ کو اندر جانے کا اشارہ کیا...... مفتی حیات جیپ کو ڈرائیو کرتا ہوا اندر داخل ہو گیا تھا...... یہ علاقہ بھی بہت بڑا تھا لیکن اس میں شاہ سلطان کی قیام گاہ جیسی بات نظر نہیں آ رہی تھی...... کچھ قدیم سا ماحول تھا ایک جانب بھینسوں کا باڑہ بنا ہوا تھا اور آٹھ دس بھینسیں کھڑی ہوئی تھیں...... دوسری طرف شاید گھوڑوں کا اصطبل تھا، عمارت کا صدر دروازہ قدیم طرز کا بنا ہوا تھا اور اس میں محرابیں نظر آ رہی تھیں...... اس کے بعد مہمان خانہ تھا اور اس مہمان خانے تک ان لوگوں کو محدود رکھا گیا...... یہاں دیوان پڑے ہوئے تھے...... مفتی حیات اور شہاب بیٹھ گئے۔ ایک ملازم اطلاع دینے اندر چلا گیا تھا۔ بڑا سا دروازہ، اندرونی زنان خانے کی جانب جاتا تھا اور چند لمحوں کے بعد اس بڑے سے دروازے سے طور خم جاہ نمودار ہوا، لیکن اسے دیکھ کر شہاب کے پورے بدن میں سنسنی کی لہریں دوڑ گئی تھیں...... طور خم جاہ نڈھال نظر آ رہا تھا...... ویسے اچھی تنومند شخصیت کا مالک تھا اور مقامی لوگوں کی صحیح نمائندگی کرتا تھا...... لباس بھی اسی طرز کا پہنا ہوا تھا۔ البتہ اس کے چہرے پر غور و فکر اور مردنی چھائی نظر آ رہی تھی...... کسی قدر مضمحل بھی تھا...... آہستہ آہستہ چلتا ہوا قریب آیا...... مفتی حیات کے ساتھ شہاب بھی کھڑا ہو گیا تھا...... دونوں نے سلام کیا تو طور خم جاہ نے نگاہیں اٹھا کر انہیں دیکھا پھر ہاتھ وغیرہ ملائے بغیر سامنے دیوان پر بیٹھ گیا۔

"آپ کا مزاج ٹھیک ہے طور خم جاہ صاحب؟" مفتی حیات نے پوچھا۔

"ہاں ٹھیک ہوں۔" طور خم جاہ نگاہیں اٹھائے بغیر بولا...... پھر چند لمحات کے بعد

خاموشی چھا گئی۔ اس کے بعد اچانک اس نے گردن اٹھا کر شہاب اور مفتی حیات کو دیکھا پھر شہاب کی طرف انگلی اٹھا کر بولا۔

"تم ہو وہ جسے نادر حیات نے یہاں بھیجا ہے؟"

"جی طور خم جاہ صاحب۔"

"اور تم نے مجھ سے ملاقات نہیں کی، مجھے ہی تمہاری تلاش میں گھوڑے دوڑانے پڑے اور نادر حیات سے معلومات حاصل کر کے تمہارے بارے میں معلوم کرنا پڑا۔" اس کے لہجے میں تلخی تھی۔

"جی طور خم جاہ صاحب آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"یہ تم مجھ سے سوال کر رہے ہو؟"

"میرا خیال ہے میں نے آپ کا نام لیا ہے۔" شہاب نے بھی ترش لہجے میں کہا۔

"مفتی حیات یہ لڑکا کیا کہتا ہے، کس طرح بات کرتا ہے۔"

"شہاب صاحب، یہ طور خم جاہ ہیں...... نادر حیات صاحب کے دوست۔"

"میں جانتا ہوں...... نادر حیات صاحب نے مجھے ان کے بارے میں بتایا ہے۔"

"میں تم سے یہ سوال کرتا ہوں کہ جب نادر حیات نے تمہیں یہاں بھیجا تھا تو یہ نہیں کہا تھا کہ تم مجھ سے آ کر ملاقات کرو۔"

"نہیں یہ نہیں کہا تھا۔" شہاب نے تحمل سے جواب دیا۔

"عجیب آدمی ہے وہ، میں لمحہ لمحہ تڑپ رہا ہوں، میری حالت خراب ہوتی جا رہی ہے اور وہاں لوگوں کے دلوں میں سکون پھیلا ہوا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کوئی کچھ نہیں کر پائے گا، کوئی بھی کچھ نہیں کر پائے گا۔" پھر وہ دوبارہ شہاب کی طرف رخ کر کے بولا۔

"تمہیں کتنے دن ہو گئے یہاں آئے ہوئے؟"

"کیا آپ نے میرا انٹرویو لینے کے لئے مجھے یہاں بلایا ہے؟" شہاب نے سوال کیا اور طور خم جاہ پھر اسے گھورنے لگا، اس کے چہرے سے صاف اندازہ ہوتا تھا کہ وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا ہے...... پھر وہ جیسے خود پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا اور چند لمحات کے بعد اس نے کسی قدر نرم لہجے میں کہا۔

"نادر حیات نے تمہیں میرے بارے میں بتایا تو ہو گا...... میں بیمار ہوں، ذہنی طور پر بھی

اور جسمانی طور پر بھی، نہیں پہلے تم یہ بتاؤ، اچھا چلو اس کو بھی چھوڑو، مفتی حیات سے میں نے تم سے ملنے کی فرمائش کی تو تمہارے دل میں کیا خیال آیا، یہ بھی نہ بتانا چاہو تو پھر تم خود بتاؤ تم یہاں کیسے آئے ہو، کیا کہا ہے نادر حیات نے، کم از کم میری تسلی کے لئے کچھ تو کہو؟"

"طورخم جاہ صاحب نادر حیات نے مجھے ایک کیس کی تفتیش کرنے کے لئے یہاں بھیجا ہے اور صرف یہ ہدایات دی ہیں کہ میں یہ معلومات حاصل کروں کہ خرم جاہ کو کس نے اغوا کیا تھا اور کہاں رکھا ہے...... یہ معلومات حاصل کرنے کے بعد میں خرم جاہ کو برآمد کرنے کی کوشش کروں۔"

"اور تم یہ کوشش کر رہے ہو۔"

"ہاں...... ظاہر ہے میرے افسر اعلیٰ نے مجھے اسی لئے یہاں بھیجا ہے۔"

"مگر میرے دوست میری معلومات کے بغیر تم کیسے خرم جاہ کو تلاش کر سکتے ہو۔"

"میرا اپنا طریقہ کار ہے طورخم جاہ صاحب لیکن اس کے باوجود اگر آپ کچھ معلومات فراہم کرنا چاہتے ہیں تو یہ آپ کی مرضی ہے۔"

"مجھے یوں لگتا ہے جیسے نادر حیات نے دوستی ختم کر کے، میرے معاملے میں دلچسپی لینا چھوڑ دی ہے ورنہ اصولی طور پر اسے تمہیں یہ بتانا چاہئے تھا کہ فوراً مجھ سے آ کر ملو، معلومات حاصل کرو اور پھر ان لائنوں پر کام کرو جن سے میرا خرم جاہ برآمد ہو سکے، مگر اس نے یہ نہیں کہا، یہ ایک خانہ پری کی ہے اس نے آہ...... یوں لگتا ہے کہ اب، اب مجھے خرم جاہ کبھی نہیں ملے گا۔"

"ایسی بات نہیں ہے طورخم جاہ صاحب، خرم جاہ سے آپ کی ملاقات ہو گی اور بہت جلد ہو گی، میں اس سلسلے میں کام شروع کرنے والا ہوں۔"

"نادر حیات ادھر افسر اعلیٰ بن کر آیا تھا...... ہم نے کیا نہیں کیا اس کے ساتھ اسے ایک معزز انسان کا مقام دیا، ہم نے یہ کوشش کی کہ اس کی موجودگی میں ادھر کوئی جرم نہ ہو تاکہ اس کی شان بڑھے اس کا ریکارڈ مضبوط ہو، یہ کہا جائے گا کہ نادر حیات نے مکمل کنٹرول حاصل کر لیا ہے، پورا پورا تعاون کیا ہم نے اس کے ساتھ پھر ہم پر ہی ظلم ہوا اور نادر حیات نے نجانے کیا کیا وعدے کئے، پھر اس کے بعد اس کا تبادلہ ہو گیا اور بات ختم ہو گئی...... ارے بابا کون دوستی نبھاتا ہے، کون دوستی کے چکر میں پڑتا ہے، کون کسی کی آگ میں کودتا ہے......

آگ تو ہمارے سینے میں لگی ہوئی ہے...... جل تو ہم رہے ہیں...... نادر حیات اب وہاں کسی اور کو یہ یقین دلا رہا ہو گا کہ وہ دوست ہے اور ہر طرح دوستی نبھائے گا، اگر اس نے تمہیں یہاں بھیجا تھا تو مجھے اطلاع دینا چاہئے تھی اسے، میں نے خود اس سے رابطہ کیا پوچھا کہ نادر حیات کیا ہمیں بھول گیا تو اس نے جواب دیا کہ اس نے ایک افسر تفتیش کے لئے بھیجا ہے اور وہ افسر وہاں پہنچ گیا ہے، بہت مشکل سے اس نے ہمیں یہ بتایا کہ اس افسر کے بارے میں مفتی صاحب سے معلوم کرو...... دیکھو نا یہ خانہ پری نہیں ہے تو اور کیا ہے۔"

"نہیں طورخم جاہ صاحب میں کام شروع کر چکا ہوں۔"

"کیا تم نے کوئی مشین لگایا ہے ادھر، اس مشین کو پاور دیا ہے اور وہ مشین چلتا ہے، کیسے کام شروع کر چکے ہو تم...... معلوم ہے میرا بیٹا کس نے اغوا کیا ہے۔" شہاب نے نگاہیں اٹھا کر طورخم جاہ کو دیکھا پھر بولا۔

"آپ کو معلوم ہے کہ آپ کا بیٹا کس نے اغوا کیا ہے۔"

"یہ ہے تمہاری معلومات، مفتی حیات دیکھو اس نوجوان لڑکے کو دیکھو جس نے ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوا دنیا دیکھا ہے اور یہ تفتیش کر رہا ہے...... نہیں بابا نہیں...... ہمارا خاندانی معاملہ ہے، ٹھیک ہے ہم نہیں چاہتے تھے کہ برائی کو برائی سے ختم کیا جائے...... ہم تو یہ چاہتے تھے کہ کام ٹھیک طرح ہو لیکن ایسا لگتا نہیں ہے...... اب ہمیں ہی دیکھنا ہو گا کچھ، اب ہمیں ہی دیکھنا ہو گا۔"

مفتی حیات نے طورخم جاہ کی طرف دیکھا اور بولا۔

"کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں طورخم جاہ صاحب کہ اب آپ بندوق اٹھا لیں گے۔"

"تو کیا کریں بابا تم بتاؤ کیا کریں، خرم جاہ کو بھول جائیں چھوڑ دیں اس کو ایسے ہی۔"

"دیکھئے آپ کو یہ اطلاع دے دی گئی ہے کہ اس سلسلے میں کام ہو رہا ہے اور آپ قانون کو ہاتھ میں نہ لیں، اس کے بعد اگر آپ نے کوئی خطرناک قدم اٹھایا تو یہ رپورٹ میں دارالحکومت بھیج دوں گا۔"

"قانون...... قانون...... قانون، اپنا قانون میرے سینے میں اتار دو مجھے قانون کی ٹھنڈائی پلاؤ تاکہ میرے سینے کی یہ جلن دُور ہو جائے۔"

"طورخم جاہ صاحب آپ بتائیے تو سہی آپ کا ذہن کس طرف جاتا ہے کس پر شبہ

ہے آپ کو۔"

"بتایا تھا بابا...... اب نئے سرے سے ہمیں کتاب کے اوراق الٹنے پڑیں گے...... نوجوان آفیسر! تم لوگ جو کچھ کر رہے ہو میری سمجھ سے باہر ہے...... سنو، خرم جاہ کے بارے میں اگر معلومات حاصل کرنا ہے تو شاہ سلطان کا گردن پکڑ لو ہمارا دشمن نمبر ایک ہمیں ختم کرنے کا خواہش مند، جو خانہ خراب گولی اس لئے نہیں چلاتا کہ وہ جانتا ہے کہ طور خم جاہ کے سامنے نہیں رک سکے گا، وہ لومڑی کا کھیل کھیل رہا ہے...... گیدڑ کی چال چل رہا ہے اور ہم یہ سوچتے ہیں کہ سچ مچ ایک اچھے انسان کی حیثیت سے زندگی بسر کریں اور پہاڑوں میں اسی جگہ قائم رہیں جہاں رہتے ہیں، لیکن لگتا ہے حکومت اسے اس طرف جانے پر مجبور کر رہی ہے جہاں ہمارا اپنا قانون ہوتا ہے، اب تو مجبوری ہے کیا نام ہے تمہارا نوجوان آفیسر شاید شہاب ثاقب، یہی نام بتایا ہے نادر حیات نے ہمیں۔"

"جی میرا یہی نام ہے۔"

"کیا کر لو گے تم خرم جاہ کی رہائی کے لئے، کتنے عرصے میں اس کو برآمد کر لو گے۔"

"زیادہ وقت نہیں لگے گا طور خم جاہ صاحب۔"

"شاہ سلطان کو دیکھو بابا اسکو چیک کرو اس سے پتا لگاؤ وہی تمہیں سب کچھ بتائے گا اور کون ہے بھلا خرم جاہ کے بارے میں جاننے والا۔"

"آپ مجھے بتائیں گے کہ خرم جاہ کب اور کن حالات میں اغوا ہوا۔"

"بابا وہ اغوا ہو گیا، ہمارا نوجوان بیٹا ہمارا اکلوتا بیٹا، بس اس کو دیکھو، شاہ سلطان کو پکڑو، معلومات حاصل کر سکتے ہو تو اس سے معلوم کرو تمہیں سب پتا چل جائے گا اور اگر نہیں تو پھر مجبوری ہے...... مفتی حیات کہہ دو ادھر رپورٹ دے دو ہمارے بارے میں، ہم تھوڑا سا انتظار اور کئے لیتے ہیں اور اس کے بعد اپنی آگ میں ہمیں خود جلنا ہو گا لیکن ہم یہ نہیں کہتے کہ کون کون اس آگ میں جل کر راکھ ہو جائے گا...... ہمارے اندر اس سے زیادہ ہمت نہیں ہے اور نوجوان تمہیں جب بھی ہمارا ضرورت ہو ہمارے پاس آؤ کوئی تو خبر دو ہمیں۔" طور خم جاہ نے گردن جھکا لی اور مفتی حیات شہاب کی جانب دیکھنے لگا پھر بولا۔

"شہاب صاحب کے لئے اور کوئی حکم ہے۔"

"ارے بابا ہم کیا حکم دے گا تم نے دیکھا جب ہم بولا تو یہ نوجوان ناراض ہو گیا، نہیں

بابا نوجوان ہم پر ناراض ہو تو ہمیں غصہ نہیں آتا کیونکہ ہم اپنا جوان کھوئے بیٹھے ہیں...... سب اس جیسے ہیں ہمارے لئے، بچے، اگر ہم سے کوئی غلطی ہو گئی ہو تو ہمیں معاف کرنا مفتی حیات کھانا کھا کر جاؤ گے تم لوگ ہم تمہارے ساتھ کھانا نہیں کھائیں گے کیونکہ ہم نے کھانا پینا چھوڑ رکھا ہے۔"

"میں آپ کے دکھ میں برابر کا شریک ہوں۔"

"ارے بابا ایسا مذاق کا بات مت کرو ہمارے دکھ میں تم برابر کا شریک کیوں ہو گا بابا، دکھ ہمارا ہے ہمیں ہی دکھی رہنے دو...... اچھا اب ہم زیادہ دیر تمہارے پاس نہیں بیٹھیں گے۔" طور خم جاہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اسی دروازے سے دوسری جانب چلا گیا...... مفتی حیات نے گہری سانس لی چند لمحے الجھا ہوا بیٹھا رہا پھر کھڑا ہو گیا۔

"آؤ چلتے ہیں۔" شہاب بھی خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا، کچھ دیر کے بعد وہ دونوں باہر نکل آئے اور اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گئے...... گاڑی ریورس ہو کر باہر نکل گئی تھی...... مفتی حیات کچھ خاموش خاموش سا تھا...... تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے کہا۔

"یہ حقیقت ہے کہ اسے اپنی زندگی میں پہلی بار یہ تلخ زبان سننے کو ملی ہے، مجھے تو تعجب ہے کہ وہ کیسے برداشت کر گیا۔" شہاب نے نگاہیں اٹھا کر مفتی حیات کو دیکھا اور بولا۔

"اسے برداشت کرنا ہی تھا مفتی صاحب۔"

"تم یہاں کے ماحول کو نہیں سمجھتے ڈیئر شہاب بڑے سر پھرے ہوتے ہیں یہ لوگ قدرتی طور پر بھی اور پھر طور خم جاہ تو ویسے بھی اس علاقے کا رئیس ہے...... یہاں سب اس کے آگے ہاتھ جوڑتے ہیں۔"

"میرا تعلق یہاں سے نہیں ہے مفتی صاحب۔"

"مگر دوست تمہیں کام تو کرنا ہے نا۔"

"مجبوری تو نہیں ہے۔"

"اوہو...... تم بھی خاصے تیز مزاج معلوم ہوتے ہو۔"

"کیا آپ نے اب تک میرے اندر کوئی تیز مزاجی پائی ہے۔"

"نہیں نہیں، خود کو سنبھالو تم نہیں جانتے کہ ہمارا اس طرح چلے آنا بھی اس کے لئے یہ گالی ہے۔"

"کیا مطلب؟" شہاب نے پوچھا۔

"اس نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں تمہیں کھانا کھلائے بغیر یہاں سے نہ جانے دوں، جانتے ہو کیوں؟"

"نہیں میں نہیں جانتا۔"

"اس نے تمہیں مہمان کا درجہ اور مجھے میزبان کا درجہ دے دیا تھا اور یہ میری ذمہ داری تھی کہ میں وہاں تمہارے لئے کھانے کا بندوبست کرتا اور اس کے بعد تمہیں لے کر آتا۔"

"یہ یہاں کی رسم ہے۔"

"رسم تو ہے لیکن چونکہ وہ ان دنوں دلبرداشتہ ہے، تم نے دیکھا نہیں کتنا مضمحل اور نڈھال نظر آرہا تھا اس کا یہ رویہ صرف اس لئے تھا لیکن بہر حال بہتر نہیں تھا، میں خود بھی اس کا اعتراف کرتا ہوں اور مجھے خود ہی اس کی جواب دہی بھی کرنی ہوگی، بھئی ہم تو دریا میں رہتے ہیں تمہیں خود اندازہ ہے مگر مچھوں سے بیر نہیں لے سکتے۔"

"مگر میں دریا میں نہیں رہتا اور مجھے مگر مچھوں سے بیر لینے میں خاصی دلچسپی ہے۔"

"نہیں شہاب پلیز اپنے آپ کو ٹھنڈا رکھو اسے معاف کردو، وہ ایک دکھی باپ ہے۔"

"مفتی صاحب! میں تو اس سے ملنا بھی نہیں چاہتا تھا میں اپنا کام اپنے طور پر شروع کرنا چاہتا ہوں اور میرے خیال میں مجھے اس کے لئے کسی کی ضرورت بھی نہیں ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے ظاہر ہے یہ قانون کا معاملہ بھی ہے، خیر چھوڑو شاہ سلطان کے بارے میں تمہاری اب کیا رائے ہے؟"

"سب کو دیکھنا ہے سب کچھ دیکھوں گا آپ اطمینان رکھئے، طورخم جاہ کا معاملہ مجھے ہی سنبھالنا ہے...... میں سنبھال لوں گا اور وعدہ کرتا ہوں کہ آپ تک آنچ نہیں آئے گی۔"

"بھئی میری بھی تو کچھ ذمہ داریاں ہیں۔"

"کیا؟"

"یہ کہ تمہیں یہاں کی اونچ نیچ سے آگاہ رکھوں، یہ میری ڈیوٹی بھی ہے میرا فرض بھی ہے اور میں چاہتا بھی یہی ہوں۔"

"آپ مطمئن رہیں مجھے جب بھی آپ کی مدد کی ضرورت ہوگی آپ سے رجوع کروں گا۔"

"اچھا خیر چھوڑو اب تم ان تین بڑی پارٹیوں سے مل لئے ہو ویسے طورخم جاہ کا رویہ شاید تمہارے ساتھ بہتر نہ رہے...... شاہ سلطان کو ٹٹولو، ملاقات تو ہو ہی چکی ہے تمہاری، دوبارہ بھی اس سے ملو اور اپنے طور پر جو کچھ بھی کرو براہ کرم مجھے اس سے لاعلم نہ رکھنا۔"

"آپ مطمئن رہیں۔" پھر شام کے جھٹپٹے فضاؤں میں اتر آئے تھے، جب وہ گھر پہنچے اور مفتی حیات صاحب کو خدا حافظ کہہ کر شہاب بینا کے پاس آگیا۔

"میں تو واقعی اس وقت ایک گھریلو عورت ہو کر رہ گئی ہوں۔"

"سوری بینا...... تمہیں ان لمحات میں خاصا انتظار کرنا پڑا ہے میرا۔"

"اکیلی بور ہو رہی ہوں۔"

"یقیناً ہو رہی ہوگی لیکن میرا خیال ہے کہ میں تمہیں واپس بھجوا دوں۔"

"کیا، کیا کہا...... یہ میری بات کا جواب ہے۔" بینا نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"نہیں واقعی میرا خیال ہے اب ہمیں خاصی تیزی سے کام کرنا ہوگا۔"

"اچھا لباس وغیرہ بدل لیجئے کہیں جانا تو نہیں ہے اب۔"

"کہاں جاؤں گا۔"

"میرا مطلب ہے کوئی نئی طلبی تو نہیں ہے۔" بینا بے اختیار مسکرا پڑی۔

"خانم سلامہ کی طرف سے۔"

"ہاں، انہی کا خیال تھا دل میں۔"

"نہیں بھئی مجھے کاٹھ کباڑ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" پھر لباس تبدیل کر کے شہاب بینا کے سامنے آبیٹھا۔

"کھانا کھائیں گے۔"

"کیوں کھلا کھلا کر موٹا کئے دے رہی ہو۔"

"نہیں کھانا تو کھانا ہے آپ نے کھایا کیا ہے۔"

"ٹھیک ہے مگر ابھی نہیں۔"

"ہاں یہ الگ بات ہے، کچھ پلاؤں؟"

"آنکھوں سے۔" شہاب نے سوال کیا۔

"جی نہیں، پیالوں سے۔"

"واہ، شاعروں نے ویسے کوئی جگہ خالی نہیں چھوڑی ہے، یہ آنکھیں بھی مے کے پیالوں سے تشبیہ دی گئی ہیں۔"

"توبہ توبہ کس گندی چیز کا نام لے رہے ہیں، واقعی شاعروں نے بڑی گڑبڑ کی ہے، خواہ مخواہ ایک شریف آدمی کو بھی شرابی بننے کی دعوت دیتے ہیں۔" دونوں اسی طرح دلچسپ گفتگو کرتے رہے پھر شہاب نے کہا۔

"گزری رات کی کہانی سناؤ۔"

"میں؟" بینا مسکرا کر بولی۔

"ہاں، ظاہر ہے شب فراق کی اپنی ایک داستان ہوتی ہے تو شب فراق کیسے گزری۔" شہاب نے کہا۔

"نہیں جناب، آپ اسے شب فراق کیوں کہتے ہیں، شب انتظار کیوں نہ کہتے، مجھے تو انتظار تھا اور صبح پر یقین بھی۔"

"ہاں بھئی، اصل میں پولیس کی نوکری نے شاعرانہ ذوق چھین لیا، وہ تو خدا تمہارا بھلا کرے کہ دل میں کچھ نازک جذبات کا احساس رہا، ورنہ شاید بالکل ہی بنجر زمین ہو جاتے...... خیر شب انتظار کا تو ایک اپنا الگ تصور رہا لیکن ہماری رات خاصی دلچسپ رہی۔"

"وہی تو اصل بات ہے، بتائیے کیسی گزری؟"

"بری نہیں۔"

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ جس کام کے لئے رات کالی کی تھی اس میں کچھ پیش رفت ہوئی۔"

بینا دلچسپی سے شہاب کی صورت دیکھتی رہی اور شہاب اسے گزری رات کے واقعات سناتا رہا۔ بینا کے چہرے پر حیرت کے نقوش تھے...... وہ یقین نہ کرنے والی نگاہوں سے شہاب کی صورت دیکھتی رہی، شہاب خاموش ہوا تو اس نے کہا۔

"کیا واقعی۔"

"ہاں۔"

"اور آئندہ کے لئے بیس تاریخ طے ہو گئی ہے گویا، انہوں نے ہمیں ہماری کارکردگی کے لئے ایک مناسب وقت دیا ہے۔"

"ارے واہ یہ تو واقعی سوچا بھی نہیں تھا لیکن کیا یہ ایک نیا معاملہ نہیں ہے شہاب؟"

"ہے تو سہی اور میں سمجھتا ہوں کہ کافی سنگین نوعیت کا ہے اور سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ مجھے جو نئی ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں ان کے تحت یہ کارروائی میرے حساب میں بھی آتی ہے...... گویا مجھے پورا پورا موقع ملا ہے کہ میں اپنی اس نئی ذمہ داری کو پورا کروں۔"

"کہیں ایسا تو نہیں ہے شہاب کہ نادر حیات صاحب نے اس سلسلے میں تمہیں خاص طور سے یہ ذمہ داری دی ہو اور یہ بات ان کے علم میں ہو کہ ان سرحدی علاقوں میں کوئی گڑبڑ ہو رہی ہے۔" شہاب سوچ میں ڈوب گیا...... پھر اس نے کہا۔

"میرے خیال میں یہ ممکن نہیں ہے بینا۔"

"کیوں؟"

"اس طرح نادر حیات صاحب اس بات کو پوشیدہ رکھ کر کوئی خاص فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے اور اگر اس قسم کا کوئی معاملہ ہوتا تو وہ مجھے تاریکی میں بالکل نہ رکھتے کیونکہ اس سے خطرات بھی درپیش تھے۔"

بینا پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگی پھر اس نے شہاب سے اتفاق کیا۔

"ہاں یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے پھر اب۔"

"آگے کی تو سنو۔"

"جی جی جی۔" بینا جلدی سے بولی۔

"اس کے بعد مفتی حیات صاحب مجھے طور خم جاہ کے پاس لے گئے، یعنی آج کا پروگرام اور یہ پروگرام بھی اچھا خاصا دلچسپ نکلا۔"

"کیوں کیا وہاں بھی کوئی خانم سلامہ ٹائپ کی خاتون موجود ہیں۔" بینا نے مسکرا کر پوچھا۔

"نہیں، طور خم جاہ ایک بدمزاج انسان ہے، میرا خیال ہے اس نے اپنے بیٹے کے اغوا کے سلسلے میں پھر نادر حیات صاحب سے رابطہ قائم کیا اور یقینی طور پر کچھ ایسے حالات پیش آگئے ہوں گے کہ نادر حیات صاحب کو اسے میری یہاں موجودگی کے بارے میں بتانا پڑا...... ہماری ملاقات ہوئی، روایتی قسم کا انسان ہے لیکن بے چارہ بیٹے کے غم سے نڈھال نظر آ رہا تھا...... اس نے خاصی تلخ گفتگو کی اور میرا خیال ہے اس گفتگو کا اختتام تلخی پر ہی ہوا ہے۔"

"مطلب۔"

"اس نے ڈنر کی دعوت دی تھی اور خود مفتی حیات سے یہ کہہ کر چلا گیا تھا کہ یہ لوگ کھانا وغیرہ کھا کر جائیں...... ظاہر ہے ہمیں مہمان خانے میں بٹھا کر کھانا کھلایا جاتا، ہو سکتا ہے مفتی حیات صاحب کو میرے اس عمل سے اختلاف ہو، کہہ بھی یہی رہے تھے کہ وہ دریا میں رہتے ہیں اور مگر مچھوں سے ان کا واسطہ پڑتا رہتا ہے...... میں نے صاف انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ مجھے مگر مچھ پسند نہیں ہیں اور میں عموماً انہیں شکار کر لیا کرتا ہوں۔"

"ہوں گویا اس کا مقصد ہے کہ کلیش شروع ہوا۔"

"نہیں بینا کلیش ولیش کا مسئلہ نہیں ہے، اصل بات جو تمہیں بتا رہا تھا وہ یہی تھی کہ پیلی پہاڑیوں میں اس کارروائی کے دوران جو افراد جیپ سے آئے تھے ان میں ایک جو، ان لوگوں کو سربراہ کی حیثیت سے ہدایت دے رہا تھا طور خم جاہ تھا۔"

بینا اُچھل پڑی اور شہاب مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا، بینا نے کہا۔

"کیا کہہ رہے ہو بھئی، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔"

"ان میں سے ایک طور خم جاہ تھا، اس وقت سے بالکل مختلف جب میں نے اسے دیکھا، بالکل ہی مختلف چاق و چوبند، تندرست و توانا جبکہ یہاں اپنی رہائش گاہ میں وہ ایک نڈھال انسان نظر آرہا تھا۔"

"اوہ میرے خدا...... تمہارا مطلب ہے کہ۔"

"فی الحال تو مطلب یہی ہے جب تک یہ نہ ظاہر ہو جائے کہ طور خم جاہ کا کوئی جڑواں بھائی بھی ہے اور اگر جڑواں بھائی نہیں ہے تو پھر اتنی مماثلت کسی اور میں نہیں ہو سکتی۔"

"ارے واہ یہ تو واقعی ایک عجیب اور دلچسپ سلسلہ ہے، لیکن طور خم جاہ اگر جرائم پیشہ آدمی ہے تو کیا وہ اپنے بیٹے کی رہائی کے لئے اپنے طور پر کوئی کارروائی نہیں کر سکتا تھا؟"

"یہیں سے تو معاملات دلچسپ ہو گئے ہیں بینا اور ظاہر ہے ہم ان دلچسپ واقعات کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔"

"یہ تو واقعی ایک بہت ہی دلچسپ کہانی شروع ہو گئی، پھر اب کیا کریں گے۔"

"کچھ نہیں...... دیکھیں گے ابھی تو صورت حال میں اور بھی بہت سی تبدیلیاں رونما ہوں گی...... دو افراد تو سامنے آئے ہیں لیکن خانم زمانی کی اس سلسلے میں کوئی اُلجھن درپیش نہیں ہے نہ ہی اس کا کوئی معاملہ ہمارے سامنے آیا ہے۔"

"پھر خانم زمانی کا اس سلسلے میں کیا تعلق ہو سکتا ہے۔"

"ب نے کیوں بینا، یوں سمجھ لو کہ کبھی کبھی میری چھٹی حس بھی جاگ اُٹھتی ہے۔"

"اب بھی جاگی ہوئی ہے۔" بینا نے شرارت بھرے لہجے میں کہا۔

"بڑا ذو معنی لفظ ہے، تفصیل میں نہ جاؤ۔" شہاب بولا اور بینا اس کے الفاظ پر غور کرنے لگی...... بہر حال یہ دلچسپ معاملات اسی انداز میں جاری تھے۔ دوسری صبح شہاب نے خود ہی مفتی حیات سے رابطہ قائم کیا اور مفتی حیات نے اسے اپنے پاس طلب کر لیا...... اپنے دفتر میں اس نے شہاب کا استقبال کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں شہاب کہئے، ویسے ایک بات کہوں، پتا نہیں آپ کی کیا کیفیت ہے لیکن مجھے ان تمام معاملات میں خاصی دلچسپی محسوس ہو رہی ہے، ایک سنسنی ہے ماحول میں، ایک عجیب سی گھٹن آمیز سنسنی جس پر اگر غور کیا جائے تو خاصی دلچسپ صورت حال کا احساس ہوتا ہے...... یوں لگتا ہے جیسے اندر ہی اندر کوئی کھچڑی پک رہی ہو، کچھ ہونے والا ہو۔"

"آپ کے احساسات یہ ہو سکتے ہیں مفتی صاحب۔"

"خود تمہارا کیا خیال ہے؟"

"کوئی خاص نہیں کام اسی انداز میں ہوتا ہے۔"

"بھئی تم سی بی آئی والے ایسے معاملات سے زیادہ متعلق ہوتے ہو اور تمہارا ہی تجربہ اس سلسلے میں زیادہ موثر اور کار آمد ہوتا ہے۔"

✻

شہاب تھوڑی دیر تک ان سے باتیں کرتا رہا اور اس کے بعد وہاں سے اُٹھ گیا...... مفتی حیات صاحب کا معاملہ بس اتنا ہی تھا کہ وہ ضرورت پڑنے پر شہاب کی مدد کر دیں...... شہاب کے تمام پروگرام ان کی مرضی سے ترتیب نہیں پا سکتے تھے، چنانچہ آج کے پروگرام کے مطابق اس نے تیاریاں کیں اور پھر اپنے مخصوص انداز میں چل پڑا۔ بینا کو بھی ساتھ لے لیا تھا...... ویسے شہاب یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس نے صرف اپنی تسکین طبع کے لئے بینا کو ساتھ رکھا ہوا ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس سنگین صورت حال میں بینا کی موجودگی مناسب نہیں ہے...... تاہم یہ تجربہ تھا جس سے اس نے آئندہ کے لئے رہنمائی حاصل کی تھی۔ محبت، لگن اور اگاوٹ اپنی جگہ، کام اپنی جگہ اور پھر کسی مرحلے پر بینا کی زندگی بھی خطرے میں پڑ سکتی تھی

اور یہ کسی طور مناسب نہیں ہوتا۔"

بینا شاید خود بھی یہ بات محسوس کررہی تھی اور ان سارے معاملات میں اپنا مقام تلاش کررہی تھی۔ راستے میں اس نے شہاب سے یہ بھی کہا۔

"ابھی تک اس مسئلے میں میری ڈیوٹی سامنے نہیں آئی۔"

"ہاں بینا، یہ ذرا عجیب بات ہے۔"

"مگر تم میرے لئے کوئی کام نکالو شہاب۔"

"یہ بڑا خطرناک علاقہ ہے بینا، یہاں تو میں یہ بھی نہیں کرسکتا کہ تمہیں کسی سے منسلک کردوں اور تم اپنے طور پر معلومات حاصل کرو۔"

بینا پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگی تھی۔

ایک دور دراز علاقے کو منتخب کرکے ان لوگوں نے اپنے طور پر کام شروع کردیا...... ویسے یہ علاقہ طورخم جاہ کے رہائشی مکان سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا اور شہاب نے اس جگہ کو خاص طور سے منتخب کیا تھا۔ ٹمیالے رنگ کی پہاڑیاں بلند تھیں اور یہاں سے دوربینوں کے ذریعے طورخم جاہ کا جائزہ لیا جاسکتا تھا...... پھر اس وقت دوپہر سر سے گزر رہی تھی، جب اچانک ہی چٹانوں میں فائرنگ کی آواز گونج اٹھی...... گولیاں کسی پوشیدہ جگہ سے چلائی گئی تھیں اور کام کرنے والوں کے پاس سے گزر کر چٹانوں کو ادھیڑنے لگی تھیں...... غالباً کئی افراد تھے جو چھپ کر گولیاں چلارہے تھے۔

ڈبل او گینگ کے تمام مستعد ممبروں نے پوزیشن لے لی اور شہاب کی جانب سے اشارے کا انتظار کرنے لگے، لیکن شہاب نے انہیں ہدایت دی کہ کوئی جوابی کارروائی نہ کی جائے اور اس سلسلے میں ابھی خاموشی ہی اختیار کی جائے، پھر اچانک ہی یوں محسوس ہوا جیسے گولیوں کا رخ تبدیل ہوگیا ہو...... کافی دیر تک ادھر فائرنگ ہوتی رہی تھی اور اس کے بعد یوں لگا جیسے کسی اور گروہ نے ان حملہ آوروں پر گولیاں چلانا شروع کردی ہوں اور انہوں نے اپنے دفاع میں گولیاں چلائی ہوں...... شہاب اور اس کے ساتھی چٹانوں کی آڑ میں مستعد بیٹھے ہوئے تھے...... وہ سب بھی مسلح تھے لیکن اندھادھند گولیاں برسانے کی اجازت انہیں شہاب نے نہیں دی تھی اور وہ خود بھی یہی محسوس کررہے تھے کہ یہ صورت حال خطرناک ہوسکتی ہے کیونکہ بہرحال یہاں وہ مختلف حیثیت سے آئے ہوئے تھے۔

پھر تقریباً چار پانچ منٹ تک گولیوں کا شور برپا رہا اور اس کے بعد گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں سنائی دیں...... ان کے علاقے میں داخل ہونے والا طورخم جاہ تھا جو گھوڑے پر سوار تھا اس کے ساتھ چار گھوڑے سوار اور تھے، طورخم جاہ نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"کہاں ہو تم سامنے آؤ، حملہ آور بھاگ گئے ہیں...... وہ بے غیرت بھاگ گئے ہیں...... مسٹر شہاب سامنے آؤ، کدھر ہو تم لوگ، خبردار مجھے دشمن مت سمجھنا۔"

شہاب نے ایک لمحے کے لئے پرخیال انداز میں گردن ہلائی...... پھر معنی خیز نگاہوں سے بینا کو دیکھا اور اس کے بعد اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا۔

"شکر ہے خدایا، ورنہ آج میرا منہ کالا ہوگیا تھا۔" طورخم جاہ نے گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا اور پھر نفرت بھرے لہجے میں بولا۔

"وہ کمینہ لوگ شاہ سلطان کا آدمی تھا۔ انہوں نے اپنا چہرہ کپڑے سے چھپایا ہوا تھا مگر میرا نام طورخم جاہ ہے، میں سب سمجھتا ہوں سب جانتا ہوں اس کتے کو پتا چل گیا ہے کہ تم لوگ میرے لئے ادھر آئے ہو۔ تمہارا لوگ زخمی تو نہیں ہوا؟"

"نہیں طورخم جاہ صاحب، ہم لوگ خدا کے فضل سے خیریت سے ہیں۔"

"خدا کا شکر ہے ورنہ آج میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کرتا۔ میرا گھر یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے اور میں نے تم لوگوں کو یہاں آتے ہوئے دیکھ لیا تھا، مگر مجھے نہیں معلوم تھا کہ شاہ سلطان تمہیں میرے ہی علاقے میں مارنے کی کوشش کرے گا۔ آؤ میرے ساتھ آؤ ابھی ادھر چھوڑو کام آؤ میرے ساتھ آؤ۔"

شہاب نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور اس کے بعد اپنے ساتھیوں کو اشارہ کرکے گاڑیوں میں جا بیٹھا...... طورخم جاہ اس کی رہنمائی کررہا تھا...... ایک بار پھر وہ تمام لوگ طورخم جاہ کی رہائش گاہ میں داخل ہوگئے۔

"تمہارا لوگ زخمی تو نہیں ہوا۔"

"ہم لوگوں نے پہلی گولی چلتے ہی چٹانوں کی آڑ لے لی تھی، طورخم جاہ صاحب، خدا نے ہمیں محفوظ رکھا۔"

"میں نہیں بول سکتا، میں نہیں چاہتا کہ ادھر خون کا ندیاں بہے، لیکن شاہ سلطان مجھے مجبور کررہا ہے۔" طورخم جاہ نے انہیں عزت و احترام کے ساتھ ٹھہرایا اور ان کے سامنے

بیٹھ گیا...... پھر اس نے چونک کر بینا کو دیکھا اور بولا۔

"یہ بچی کون ہے؟"

"میری وائف ہے طور خم جاہ صاحب۔"

"اوہ خدا کے بندے تم ادھر پکنک کو نکلا ہے اس کو ساتھ لانے کا کیا ضرورت تھا۔"

"ہم لوگ ہر جگہ ساتھ ہی جاتے ہیں۔"

"اوہ بابا میں اس کی حفاظت کے خیال سے بولتا ہوں، ویسے تمہارا مرضی ہے مگر تم نے دیکھا شاہ سلطان کیسا آدمی ہے...... ہم لوگ مہمانوں پر کبھی گولی نہیں چلاتے لیکن جب اسے یہ معلوم ہوا کہ تم میرے لئے آئے ہو تو وہ برداشت نہیں کر سکا...... وہ بڑا چالباز اور سازشی آدمی ہے، دیکھو جوان میں ایک بار پھر تم سے کہتا ہوں میں نے نادر حیات سے بھی یہی بات کہی تھی کہ ہمارا کھیل اگر ہمیں خود ہی ختم کر لینے دیا جائے تو زیادہ اچھا ہے، ہم جانتے ہیں ایک دوسرے کو اور ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسے کب کیا کرنا چاہئے...... وہ بولتا ہے کہ قانون کو ہاتھ میں مت لو طور خم جاہ، ارے بابا ادھر قانون کا کیا کام...... ہم پہاڑی لوگ ہیں، ہمارا اپنا قانون ہی ادھر ٹھیک رہتا ہے اس بدبخت نے ہمارے سینے میں سوراخ کیا ہے...... ہمارا چھاتی زخمی کیا ہے اس نے بابا، ہم سات دن کے اندر اندر شاہ سلطان سے اپنا بیٹا واپس لے لیں گے...... ہمیں اجازت تو دو، اب کب تک قانون ہمارے لئے ادھر ادھر پھرتا رہے گا...... ہم جانتے ہیں وہ کچھ نہیں کر سکے گا...... تم واپس چلے جاؤ، ہمارا پیغام نادر حیات کو دے دو اس سے کہو نادر حیات تمہارا دوستی اپنی جگہ، مگر یہ دوستی ہمیں ہمارا بیٹا نہیں واپس دے سکتا...... یہ ہمارا ایمان ہے، ہمیں ہمارا کام کرنے دو، خدا کا واسطہ تم کو، ہمیں مت روکو۔"

❋

شہاب خاموشی سے طور خم جاہ کی یہ باتیں سنتا رہا پھر طور خم جاہ نے کہا۔

"کل تم لوگ واپس چلا گیا تم نے ہمارا کھانا نہیں کھایا، کیسا برا بات ہے، دیکھو ہم زخمی ہے ایک زخمی آدمی تو بالکل معافی ہوتا ہے، ہماری کسی بات کا برا مت ماننا، ابھی تم صاحب اولاد نہیں ہوا ہے، جب تمہارا اولاد ہو جائے گا اور خدانخواستہ وہ ایک دن بیمار ہو گا تو تم دیکھو گے کہ تمہارے دل پر کیا گزرتی ہے، ہمیں معاف کر دینا ہم کسی وقت تمہارا باقاعدہ دعوت کریں گے، سمجھے۔"

"آپ اس کی بالکل فکر نہ کریں طور خم جاہ صاحب ہم آپ ہی کا نمک کھا رہے ہیں یہاں رہ کر۔"

"کدھر بابا کدھر، ادھر تو ہمارا دشمن بھی رہتا ہے، دیکھو اپنا حفاظت کرو ادھر ادھر نہ پھرا کرو، شاہ سلطان ڈر گیا ہے...... وہ سوچتا ہے کہ کہیں تم واقعی اس کا سراغ نہ لگا لے، اب ہم کیا بولے، تمہارا کام تم جانتے ہو مگر ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ ہم خرم جاہ کا پتا لگا لیں گے اور کوئی نہیں لگا سکتا۔"

"تو آپ کیوں نہ یہ پتا لگا کر ہماری مدد کریں طور خم جاہ صاحب۔"

"صرف پتا ہی نہیں لگانا ہو گا برادر، جب ہم اس کا پتا لگا لیں گے تو اسے لے کر بھی آئیں گے، پتا لگانے کے بعد ایک منٹ کے لئے اس کو چھوڑنا بہتر نہیں ہو گا۔"

"جی میں سمجھ رہا ہوں۔"

"ابھی میں تم کو مبارک باد دیتا ہوں کہ تم بچ گئے، آئندہ خیال رکھنا...... میں تم کو تمہارے محافظوں کے ساتھ تمہاری رہائش گاہ تک پہنچائے دیتا ہوں۔"

"نہیں آپ فکر نہ کریں ہم چلے جائیں گے۔"

"ضد نہ کرو میں تمہارا بڑا ہوں میری بات مانو۔" پھر طور خم جاہ کے آدمی ان لوگوں کو کمپنی کی رہائش گاہ تک چھوڑ کر گئے تھے۔

شہاب کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ تھی وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ اسے کہاں اور کس عالم میں دیکھ چکا ہے...... ایسی صورت میں طور خم جاہ کی کوئی بھی کوشش شہاب کی نگاہوں میں مشکوک ہی ہو سکتی تھی، جو گولیاں ان لوگوں پر چلائی گئی تھیں اس وقت یہ بالکل کھلے علاقے میں تھے۔ ڈبل او گینگ کے کچھ افراد تو اس حملے کا شکار ہو ہی سکتے تھے اور پھر جو لوگ رائفلیں استعمال کرتے ہیں وہ کم از کم ایک آدھ نشانہ تو صحیح لگا ہی سکتے ہیں، تمام گولیاں چٹانوں پر ادھر ادھر پڑی تھیں اور اس کے بعد طور خم جاہ ان کی مدد کے لئے پہنچ گیا تھا، لیکن اب شہاب محسوس کر رہا تھا کہ یہ واقعات ایک دلچسپ مرحلے میں داخل ہو چکے ہیں...... بینا سے بات ہوئی تو شہاب نے کہا۔

"اب نئے راستے اختیار کرنے ہوں گے بینا...... اس کے علاوہ نادر حیات صاحب سے کچھ مخالفت ہو سکتی ہے۔"

"وہ کیوں؟"

"سیدھی سی بات ہے...... میں اس قدر بے وقوف تو نہیں ہوں کہ طورخم جاہ کے فریب کا شکار ہو جاؤں...... وہ زیادہ آگے بڑھ رہا ہے...... پھر جو کچھ میں نے دیکھا ہے وہ بھی نظرانداز نہیں کر سکتا...... وہاں کیا لین دین ہو رہا ہے، یہ ابھی تک نہیں معلوم ہو سکا، لیکن یہ پتا چل گیا ہے کہ پڑوسی ملک سے کوئی ساز باز ہے اور اس کا ذمے دار طورخم جاہ ہے اور طورخم جاہ نادر حیات کا دوست ہے۔"

"اوہ، یہ معاملہ ہے، لیکن......"

"ہاں، کہو۔"

"نادر حیات صاحب کا ماضی، وہ ایک محبِ وطن اور فرض شناس انسان ہیں۔"

"بس یہیں سے ان کے بارے میں پتا چلے گا لیکن میں بھی کوئی حماقت نہیں کروں گا۔"

"مطلب؟"

"دیکھتی جاؤ۔" شہاب مسکرا کر بولا اور بینا گہری سانس لے کر خاموش ہو گئی۔

پھر کئی دن کسی خاص واقعے کے بغیر گزر گئے...... اس رات بینا اور شہاب کھانے سے فارغ ہوئے تھے کہ موبائل فون پر ایک کال موصول ہوئی۔

"میں شاہ سلطان بول رہا ہوں۔"

"اوہو شاہ صاحب، آپ خیریت سے ہیں۔"

"میں خیریت سے ہوں، لیکن تم شاید طورخم جاہ سے ٹریپ ہو گئے ہو۔"

"نہیں، ایسی بات نہیں ہے، آپ کو یہ خیال کیسے آیا۔" شہاب نے کہا۔

"مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ تمہارا فون نمبر مس کر بیٹھا اور تم نے مجھے رابطے کے قابل نہیں سمجھا۔"

"اس گستاخی پر شرمندہ ہوں، لیکن اس کی وجہ بھی تھی۔"

شہاب نے کہا۔

"بھلا کیا؟"

"آپ بہت بڑی شخصیت ہیں۔"

"مطلب؟"

"آپ سے ملاقات کا کوئی جواز نہیں تھا میرے پاس۔"

"بے وقوف ہو، میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"جیسے حکم دیں۔"

"آج، ابھی۔"

"کہاں حاضر ہو جاؤں۔"

"تمہاری رہائش گاہ کے عقب میں ایک باغ ہے اس کے دروازے کے پاس، تنہا اور خاموشی سے آ جاؤ۔" "میں یہاں موجود ہوں۔"

"میں حاضر ہو رہا ہوں۔" شہاب نے کہا۔

"خدا حافظ۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور فون بند ہو گیا۔

شہاب نے صورت حال بتائی اور بینا تشویش سے بولی۔

"مناسب ہو گا۔"

"ہاں کوئی حرج نہیں ہے۔"

"تنہا جاؤ گے؟"

"بے فکر رہو بینا، پریشانی کی بات نہیں ہے۔" شہاب نے کہا پھر تیار ہونے میں اس نے زیادہ دیر نہیں لگائی تھی...... کچھ دیر کے بعد وہ باغ کے دروازے پر پہنچ گیا...... بائیں سمت سے کسی گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی تھی، پھر گھوڑے سوار اس کے سامنے آ گیا...... وہ ایک اور گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے تھا جس کی پشت پر زین کسی ہوئی تھی لیکن پشت خالی تھی۔

❀

"گھوڑے پر سواری کر لیتے ہو؟"

"ہاں۔"

"تو اسے سنبھالو...... اور میرے ساتھ آ جاؤ۔" شہاب نے ایک لمحے سوچا پھر لگام سنبھال کر پھرتی سے گھوڑے پر سوار ہو گیا...... شاہ سلطان بھی تنہا آیا تھا...... اس نے گھوڑے کا رخ ایک سمت کر دیا اور کوئی دس منٹ تک دوڑنے کے بعد وہ ایک اور باغ میں داخل ہوئے...... باغ کے درمیان ایک عمارت بنی ہوئی تھی...... یہاں کچھ مسلح افراد نظر آ رہے

تھے جنہوں نے آگے بڑھ کر دونوں گھوڑوں کی لگامیں تھام لیں۔

❁

"ایمان خان، ماحول ٹھیک ہے۔"

"جی شاہ۔"

"نظر رکھنا، کوئی چور آسکتا ہے، صرف گولی کی زبان میں بات کرنا۔"

"بے فکر رہو شاہ۔" ایمان خان نے کہا اور شاہ سلطان شہاب کو اشارہ کر کے عمارت کے دروازے کی طرف چل پڑا...... ایک بڑے اور روشن کمرے میں داخل ہو کر اس نے مسکراتے ہوئے شہاب کو دیکھا اور ایک صوفے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"بیٹھو۔"

"شکریہ شاہ صاحب۔" شہاب پر سکون انداز میں بولا۔

شاہ سلطان مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا...... پھر اس نے کہا۔

"تم نے میرا دل جیت لیا ہے، بہترین تربیت یافتہ افسر معلوم ہوتے ہو...... اس روز میں نے تمہیں سلامہ کے ہنٹر سے بچتے ہوئے دیکھا تھا، آج گھوڑے کی سواری کرتے ہوئے دیکھا ہے، نڈر لگتے ہو، میں تم سے بہت متاثر ہوا ہوں۔"

"شکریہ شاہ صاحب۔"

"سنا ہے تم پر حملہ ہوا تھا۔"

"آپ کو علم ہے۔" شہاب نے گہری نظروں سے اسے دیکھ کر کہا۔

"میں نے حملہ کرایا تھا، مجھے علم نہیں ہوگا۔"

"جی......!" شہاب چونک کر بولا۔

"یہ سچ ہے شہاب خان۔" شاہ سلطان مسکرا کر بولا۔ پھر کہنے لگا...... "لیکن حملہ آوروں کو ہدایت تھی کہ تمہیں یا تمہارے ساتھیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔"

"میں کچھ اور سمجھا تھا۔" شہاب واقعی حیران ہو گیا تھا۔

"کیا؟"

"میں اسے طورخم جاہ کا ڈراما سمجھ رہا تھا۔"

"نہیں...... وہ میرا ڈراما تھا۔"

"وجہ پوچھ سکتا ہوں۔"

"طورخم جاہ کو یہ یقین دلانا چاہتا تھا کہ میرے اور تمہارے درمیان کوئی گٹھ جوڑ نہیں ہے بلکہ میں تمہیں تشویش کی نظروں سے دیکھ رہا ہوں۔"

"مجھے واقعی حیرت ہوئی ہے، لیکن شاہ صاحب میں آپ سے ایک دو سوال کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور کرو۔" شاہ سلطان مسکرا کر بولا۔

"آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ میں پیلی پہاڑیوں میں جا کر صورت حال کا جائزہ لوں گا۔"

"اور تم نے میری بات کو نظرانداز کر دیا، مجھے اس بات کا افسوس ہے۔"

"آپ نے صورت حال کی وضاحت نہیں کی تھی۔"

شہاب نے کہا اور شاہ سلطان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے...... پھر وہ سرد لہجے میں بولا۔

"وضاحت میں آج بھی نہیں کروں گا...... یہ تمہاری ڈیوٹی ہے تم پوری کرو، اگر میں تمہیں کچھ اور بتاتا تو تم صرف یہ سوچتے کہ یہ میری طورخم جاہ سے دشمنی بول رہی ہے۔"

"آپ کو اس پر کس طرح کا شبہ ہے۔" شہاب نے سوال کیا اور شاہ سلطان نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھنے لگا، پھر مسکرایا۔

"میں تمہیں پسند کرتا ہوں نوجوان، لیکن ہمارا اپنا ایک انداز ہے ایک مقام ہے ہمارا...... ان علاقوں میں اگر کوئی جرم ہوتا ہے تو حکومت کا فرض ہے اس جرم کو تلاش کرے...... تم نے میری بات نظرانداز کر دی...... اس لئے حالانکہ میں نے اپنی فطرت کے خلاف تمہیں ایک بات کی نشاندہی کی تھی۔"

"میں نے آپ کی بات نظرانداز نہیں کی شاہ صاحب۔"

"مطلب۔"

"پیلی پہاڑیوں میں ایک غار ہے وہاں کھانے پینے کا سامان اور بستر پڑے ہوئے ہیں۔ چند روز پہلے وہاں کچھ لوگ قیام پذیر تھے...... طورخم جاہ نے انہیں نوٹوں سے بھرا ایک بریف کیس دیا...... ایک ہیلی کاپٹر سرحد پار کی پہاڑیوں سے آیا اور وہ لوگ اس سے واپس چلے گئے...... دوبارہ جلد آنے کے لئے کہہ کر۔"

شہاب نے بغور شاہ سلطان کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا..... شاہ سلطان کا منہ حیرت سے کھل گیا..... پھر اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور وہ کپکپاتی آواز میں بولا۔

”پناہ خدایا..... تم سچ کہتے ہو۔“

”اس کا فیصلہ آپ کریں گے شاہ صاحب۔“

”فیصلہ..... فیصلہ تو ہو گیا..... ایک نہیں بہت سے فیصلے خدا کی قسم دل خوش کر دیا اور مغز ہمارا ہی خراب ہو گیا تھا..... ہم نے یہ نہیں سوچا کہ حکومت نے ایک تربیت یافتہ افسر بھیجا ہے..... سنو دوست اب ہمیں زبان کھولنے میں کوئی دقت نہیں ہے، اب ہم پورے خلوص سے تمہاری مدد کریں گے..... ہم خود ان پہاڑوں کو کالی بھیڑوں سے پاک کرنا چاہتے ہیں..... ہاں طور خم جاہ جرائم پیشہ ہے..... آج کا بات نہیں نہ جانے کب سے وہ جرائم کر رہا ہے..... وطن کے غلاف کام کر رہا ہے..... اس کا دشمن سے گٹھ جوڑ ہے..... وہ آج کل اسلحے کا اسمگلنگ کر رہا ہے، مگر یہ دوسری بات ہے..... ابھی میں تمہارے سامنے ایک ایسا انکشاف کرتا ہوں جو تمہاری آنکھیں کھول دے گا۔“ شاہ سلطان نے کہا، پھر اس نے اندرونی دروازے کی طرف رخ کر کے کہا۔

”تم دونوں اندر آ جاؤ، آ جاؤ موسم خوشگوار ہے۔“

شہاب کی نظریں اسی طرف اٹھ گئیں، دروازے سے ایک خوب صورت نوجوان اندر داخل ہوا..... بے حد خوب صورت نوجوان تھا..... اس کے عقب میں ایک حسین لڑکی پورا بدن اور سر ڈھکے لجاتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھی۔

شاہ سلطان نے نوجوان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”اسے پہچانو شہاب صاحب جانتے ہو یہ کون ہے؟“

”نہیں۔“ شہاب نے کہا۔

”یہ خرم جاہ ہے۔“ شاہ سلطان نے کہا۔

❁ ❁ ❁

کچھ لمحے تو بات سمجھ میں ہی نہیں آئی اور جب سمجھا تو حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے..... خرم جاہ..... یعنی طور خم جاہ کا بیٹا..... وہ جو اغواء ہو گیا تھا اور طور خم جاہ کو یقین تھا کہ اسے شاہ سلطان نے اغواء کیا ہے۔

شہاب نے حیرت سے اسے دیکھا..... کچھ عجیب سی کیفیت ہو گئی تھی اس کی..... وہ اندازہ لگانے لگا..... خرم جاہ کے چہرے پر ایسی کیفیت نہیں تھی جس سے یہ اندازہ ہو کہ وہ کسی مشکل کا شکار ہے اور پھر اس کے پیچھے موجود لڑکی۔

شاہ سلطان پر نگاہ پڑی تو اسے مسکراتے ہوئے پایا..... اس نے نرم لہجے میں کہا۔ ”میں جانتا ہوں تم اس وقت بہت حیران ہو گے۔ بات حیرانی کی ہے لیکن تم نے میرے دل میں جو مقام حاصل کر لیا ہے وہ مجھے مجبور کر رہا ہے کہ اب تم سے کوئی بات نہ چھپائی جائے۔“

”یہ خرم جاہ ہے..... طور خم جاہ کا بیٹا۔“

”اور یہ آپ کے پاس ہے۔“

”ہاں..... میری پناہ میں ہے۔“

”پناہ میں؟“

”اس سے پوچھ سکتے ہو..... میری طرف سے ممانعت نہیں ہے۔“

”نہیں لیکن۔“

”بیٹھ جاؤ خرم..... تم بھی بیٹھو دوجانہ۔“ شاہ سلطان نے کہا اور دونوں بیٹھ گئے۔ ”سنو شہاب ثاقب میں تمہیں پوری کہانی سناتا ہوں..... یہ کہانی عجیب ہے لیکن ایک بات یاد رکھنا یہ ضروری ہے۔“

"کیا شاہ سلطان؟"

"میں جھوٹ بہت کم بولتا ہوں، بلکہ بولتا ہی نہیں...... اس وقت میں تمہیں جو کچھ بتا رہا ہوں...... وہ کھرا سچ ہے اس میں جھوٹ تلاش کرنے کی کوشش نہ کرنا۔"

"ٹھیک ہے شاہ صاحب!"

"یہ وہی خرم جاہ ہے جس کی تلاش کے لئے طور خم جاہ نے نادر حیات سے رابطہ قائم کیا تھا اور جس کے اغواء کی کہانی پھیلائی تھی...... میں تمہیں اس کا پس منظر بتاتا ہوں...... یہ خرم جاہ ہے لیکن طور خم جاہ کا بیٹا نہیں ہے۔"

"یعنی یہ کوئی اور؟" شہاب نے سوال کیا...... وہ شدید حیران تھا۔

"نہیں...... میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ یہ وہی خرم جاہ ہے۔"

"تو پھر...... یہ طور خم جاہ کے۔"

"ہاں...... طور خم جاہ کے بارے میں، کچھ کہتے ہوئے میں نے ہمیشہ احتیاط کی ہے جبکہ وہ شیطان ہر جگہ مجھے رسوا کرنے کی کوشش کرتا ہے...... وہ ابتداء سے کمینہ انسان ہے اور جرم اس کی فطرت میں شامل رہا ہے...... بہت ہی کینہ پرور انسان ہے...... اب تم وہ کہانی سنو گے وہ تمہیں بہت حیرت ناک محسوس ہوگی۔"

شہاب نے ایک نگاہ خرم جاہ پر ڈالی...... اسے عجیب احساس ہو رہا تھا...... وہ شخصیت سامنے آگئی تھی جس کے حصول کے لئے اسے یہاں بھیجا گیا تھا...... اس طرح اچانک اس کا کام ختم ہو گیا تھا لیکن ابھی سب کچھ تاریکی میں تھا...... طور خم جاہ کو اگر پیلی پہاڑیوں میں نہ دیکھا ہوتا تو شاید شاہ سلطان کی باتوں کے بارے میں اسے شبہ رہتا لیکن اس کی شخصیت کا ایک پہلو بہر حال اس کی نگاہوں کے سامنے تھا...... اس کے علاوہ خرم جاہ کے نقوش میں طور خم جاہ کی کوئی جھلک نہیں نظر آتی تھی، جبکہ ان نقوش سے ایک شناسائی کا احساس ہوتا تھا...... نہ جانے ان میں کس کی جھلک تھی۔

شاہ سلطان نے کہا۔

"میں کوئی کہانی سنا کر تمہارا وقت نہیں برباد کرنا چاہتا لیکن کبھی کبھی حقیقتیں بھی کہانی کی مانند ہوتی ہیں۔"

"یقیناً شاہ صاحب!"

"اور پھر کہانی کا مرکزی کردار بھی تمہارے سامنے موجود ہے مگر میں کہانی کو دل آرام شاہ کے نام سے شروع کرتا ہوں...... ان علاقوں کی ایک مقتدر شخصیت تھی، شریف النفس اور انسان دوست، اس کے علاوہ خاندانی دولت مند اور خاندانی دولت مندوں کے اندر جو وقار ہوتا ہے وہ دل آرام شاہ کے اندر موجود تھا لیکن کچھ ایسے تھے جو اس کی عزت، اس کی دولت سے حسد کرتے تھے اور اسے ہمیشہ زک پہنچانے کی کوشش کرتے تھے۔"

"تب یوں ہوا کہ دل آرام شاہ کا جھگڑا کسی بات پر طور خم جاہ سے ہو گیا اور طور خم جاہ نے دل میں یہ بات رکھ لی کہ دل آرام شاہ کو کوئی ایسا نقصان ضرور پہنچائے گا جس سے اس کی حیثیت یا اس کی شخصیت ختم ہو جائے۔ دل آرام شاہ بارہ سال تک بے اولاد رہا لیکن اپنی بیوی سے زیادہ اسے اولاد کی خواہش تھی...... عورت تو پھر بھی عورت ہوتی ہے مرد جانتا ہے کہ اپنا وقار، اپنی عزت اور اپنی نسل قائم رکھنے کے لئے کیا کچھ کرنا ہوتا ہے، دولت کے یہ انبار کسی وارث کے بغیر منہ چڑھاتے نظر آتے تھے، بہت منتوں مرادوں کے بعد قدرت نے اسے ایک بیٹے سے نوازا اور دل آرام شاہ کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہ رہا، اس نے بے پناہ خوشیاں منائیں اور بلال ڈیرہ میں عید کا سا سماں پیدا کر دیا...... باقی لوگ تو خوش تھے لیکن طور خم جاہ کے سینے پر سانپ لوٹ رہے تھے...... پھر یوں ہوا کہ اس جشن کے دوران طور خم جاہ نے دل آرام شاہ کے بیٹے کو اغوا کر لیا اور دل آرام جو جشن میں ڈوبا ہوا تھا اس بات سے واقف نہ ہو سکا کہ اس کے ساتھ کیا ہو چکا ہے اور جب دل آرام کو بیٹے کی گمشدگی کا علم ہوا تو وہ شدت غم سے دیوانہ ہو گیا۔ تلاش کرنے کی جس قدر کوششیں کی جا سکتی تھیں کی گئیں، لیکن ان میں کامیابی نہیں حاصل ہوئی اور دل آرام اس غم میں بستر سے جا لگا...... جو کرنے والے تھے وہ اپنا کام کر چکے تھے۔ دل آرام کا غم اسے زندگی سے محروم کرنے کا باعث بن گیا اور وہ بیٹے کی جدائی کو برداشت نہ کر سکا اور مر گیا...... طور خم جاہ چونکہ خود بھی بے اولاد تھا چنانچہ اس نے ایک نیا ڈرامہ کیا، وہ اپنی بیوی کو بلال ڈیرہ سے باہر لے گیا اور بہت عرصے تک اس نے اپنی بیوی کو بستی سے باہر رکھا پھر اس نے بستی میں اپنے صاحب اولاد ہونے کا اعلان کیا اور کچھ عرصے کے بعد اپنی بیوی کو ایک خوب صورت بچے کے ساتھ لے کر بستی واپس آگیا لیکن وہ بچہ دراصل دل آرام شاہ کا بیٹا تھا...... دل آرام شاہ بے چارہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسا ہوگا لیکن بد بخت طور خم جاہ کی برائیوں کو منظر عام پر لانے کے لئے قدرت نے ایک وجود کو پیدا

کر دیا تھا...... وہ ملازم جو طور خم جاہ کا آدمی تھا اور جس نے دل آرام شاہ کے بیٹے کو اغوا کیا تھا جس کا نام اغوا کے وقت تک کچھ نہیں رکھا گیا تھا اور طور خم جاہ نے اس کا نام خرم جاہ رکھا تھا...... خرم جاہ، طور خم جاہ کے بیٹے کی حیثیت سے پروان چڑھتا رہا...... طور خم جاہ کے لئے اب سب کچھ بے کار ہو گیا تھا...... دشمن جسے زک پہنچانے کے لئے اس نے بچے کو اغوا کیا تھا موجود ہی نہیں رہا تھا تو پھر کس کو یہ سب کچھ دکھانے کے لئے کوشش کرتا کہ اس نے کیا انتقام لیا ہے لیکن پھر بے اولاد ہونے کی وجہ سے خرم جاہ سے اسے محبت ہو گئی اور اس نے خرم جاہ کو اپنے بیٹے ہی کی طرح پروان چڑھایا۔ خرم جاہ کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ طور خم جاہ اس کا باپ نہیں ہے، بس وہ اس کو اپنا باپ اور اس کی بیوی کو اپنی ماں سمجھ کر زندگی گزارتا رہا...... دونوں اب یہ بات بھول گئے تھے کہ خرم جاہ ان کا بیٹا نہیں ہے...... یوں یہ کہانی آگے بڑھتی رہی حتیٰ کہ خرم جاہ کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے شہر بھیج دیا گیا، جس جگہ خرم جاہ تعلیم حاصل کر رہا تھا وہیں میرے بھائی کی بیٹی یعنی میری بھتیجی دوجانہ بھی تعلیم حاصل کر رہی تھی اور ان دونوں کے درمیان پہلے شناسائی ہوئی اور پھر یہ جان کر کہ دونوں بلال ڈیرہ کے باشندے ہیں ان کے درمیان اور یگانگت ہو گئی اور یہ یگانگت محبت میں تبدیل ہو گئی۔ تب خرم جاہ نے یہ کوشش کی کہ دوجانہ سے اس کی شادی ہو جائے...... اس نے اپنے باپ طور خم جاہ سے اس کا تذکرہ کر دیا اور طور خم جاہ یہ جان کر کہ وہ میری بھتیجی ہے اس بات سے انکاری ہو گیا اور اس نے خرم جاہ کے ساتھ سختی کی۔"

"اک منٹ شاہ سلطان کیا طور خم جاہ کو آپ سے بھی پرخاش تھی؟"

"وہ خانہ خراب ہر اس شخص سے ملتا جلتا ہے جو اس کے برابر آنے کی کوشش کرے وہ اس بستی میں اپنے آپ کو سب سے بڑا انسان سمجھنا چاہتا ہے اور اپنے مد مقابل سے ہمیشہ نفرت کرتا رہا ہے۔ اس نے اس سلسلے میں تمام کوششیں کیں کہ خرم جاہ، دوجانہ کا خیال دل سے نکال دے لیکن خرم جاہ، دوجانہ کو صدق دل سے پیار کرتا تھا۔ میرا بھائی چونکہ اس دنیا میں نہیں تھا اس لئے میری بھتیجی کی ذمے داری میرے اوپر ہی عائد ہوتی تھی۔ بات آگے بڑھتی رہی اور جب میرے علم میں پہنچی تو میں نے طور خم جاہ سے بہت محبت سے کہا کہ دو بچوں کی زندگی برباد کرنے سے بہتر ہے کہ انہیں یکجا کر دیا جائے۔ طور خم جاہ نے میرا مذاق اڑایا، میری تضحیک کی اور اس کوشش میں مصروف ہو گیا کہ مجھے ذلیل و خوار کرے لیکن

خداوند عالم جس کو ذلیل کرنا چاہتا ہے وہی ذلیل ہوتا ہے...... طور خم جاہ باقاعدہ میرا دشمن بن گیا اور میرے خلاف سازشیں کرنے لگا، لیکن اس کے جواب میں جب میں نے اپنی کوششوں کا آغاز کیا اور صرف اپنی عزت بچانے کے لئے طور خم جاہ کا تعاقب کیا اور یہ دیکھنا چاہا کہ وہ میرے خلاف کیا کرتا ہے تو یہ بات میرے علم میں آئی کہ طور خم جاہ دشمن ملک سے ساز باز کر کے اپنے وطن میں اسمگلنگ کرتا ہے، سرحد پار سے مختلف قسم کا سامان جو ملک کی معیشت کے لئے بھی اور امن و امان کے لئے بھی نقصان دہ ہوتا ہے آتا ہے اور طور خم جاہ اسے خرید کر پورے ملک میں پھیلا دیتا ہے۔ میں نے براہ راست یہ بات حکومت تک نہیں پہنچائی اور انتظار کرتا رہا کہ کوئی مناسب قدم اٹھے تو پھر میں اپنی معلومات کا انکشاف کروں، میرے کہنے سے سارا کام درست نہیں ہو جائے گا اور پھر یوں ہوا کہ مجھے اس کے بارے میں خاصی معلومات حاصل ہو گئیں لیکن دوجانہ اور خرم جاہ کا معاملہ عجیب شکل اختیار کر چکا تھا...... یہاں تک کہ خرم جاہ مجھ سے ملا اور اس نے میرے قدموں پر گر کر درخواست کی کہ وہ عزت اور محبت کے راستے سے میرے خاندان میں شامل ہونا چاہتا ہے۔ میں سنگدل انسان نہیں ہوں مسٹر شہاب ثاقب...... میں نے ان کے بارے میں غور کیا اور قدرت نے ان کی مدد کی...... وہ آدمی میرے ہاتھ لگ گیا جو خرم جاہ کو اغوا کر کے لایا تھا، لیکن اس سے پہلے ہی خرم جاہ پر بھی یہ انکشاف ہو گیا اور وہ انکشاف اس طرح ہوا کہ وہ آدمی ایک دن طور خم جاہ سے باتیں کر رہا تھا اور طور خم جاہ اس سے کہہ رہا تھا کہ خرم جاہ کو شاہ سلطان کی بھتیجی سے بچایا جائے، وہ اس کی شادی شہر ہی کے کسی دولت مند گھرانے میں کر کے اسے شہر میں فروکش کر دینا چاہتا ہے تاکہ وہ راز جو راز ہے ہمیشہ راز ہی رہے اور یہ بات منظر عام پر نہ آ جائے...... بہر حال وہ آدمی ہمارے پاس پہنچ گیا...... کیونکہ وہ خرم جاہ سے محبت کرتا تھا اور پھر اس نے سارا انکشاف کر دیا...... خرم جاہ جو خود بھی یہ باتیں سن چکا تھا بہت دلبرداشتہ ہو گیا اور اس کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ اپنے باپ کا گھر چھوڑ دے گا، میں نے اس کو بتایا کہ یہ بات جنگ و جدل کا باعث بن جائے گی اور بلال ڈیرہ میں کافی خون ریزی ہو گی لیکن پھر خرم جاہ کا منہ دیکھتے ہوئے میں نے اس سے کہا کہ وہ طور خم جاہ کا گھر چھوڑ دے، میں اسے پناہ دوں گا...... تو پھر یہی ہوا...... خرم جاہ نے اس قسم کا ماحول پیش کیا جس سے یہ اندازہ ہوا کہ اسے کوئی وہاں سے اٹھا کر لے گیا ہے اور وہ خفیہ طور پر میرے پاس آ گیا...... میں نے ان دونوں کا نکاح کیا اور

اس کے بعد انہیں پناہ دے دی اب یہ میری پناہ میں رہتے ہیں اور طور خم جاہ شبہ کے باعث پولیس کو یہ بتانے لگا کہ اس کے بیٹے خرم جاہ کو میں نے اغوا کیا ہے...... مجھے وقت کا انتظار تھا، میں چاہتا تھا کہ پولیس اس سلسلے میں بڑے پیمانے پر تحقیقات کا آغاز کرے تو میں تمام حقائق کو سامنے لاؤں لیکن اس طرح کہ طور خم جاہ مکمل طور پر مجرم ثابت ہو جائے یعنی یہ بھی پتا چل جائے کہ وہ جرائم پیشہ آدمی ہے اور ملک کے خلاف کام کر رہا ہے...... مسٹر شہاب میں اس بات کے انتظار میں تھا کہ اگر طور خم جاہ زیادہ کوشش کرے خرم جاہ کے بارے میں تو پھر اسے پوری طرح منظر عام پر لایا جائے کیونکہ میں کوئی کچا کھیل نہیں کھیلنا چاہتا تھا۔ طور خم جاہ سے براہ راست دشمنی لینے کی بجائے میں یہ چاہتا تھا کہ حکومت اس پر ہاتھ ڈالے اور اس طرح ان بچوں کی گلو خلاصی ہو۔“

”یہ ہے وہ ساری کہانی جو میں نے تمہارے سامنے پیش کر دی، اگر تمہارے اندر صلاحیت ہے تو اس سلسلے میں تحقیقات کرو...... وہ آدمی بھی میں تمہارے سامنے پیش کر دوں گا جو خرم جاہ کو دل آرام شاہ کے گھر سے اٹھا لایا تھا، وہ ساری باتیں ثبوت کے ساتھ پیش کرے گا اور تمہیں حقیقت کا علم ہو جائے گا۔“

شہاب بڑی سنسنی محسوس کر رہا تھا...... کہانی نے ایک دلچسپ رخ اختیار کر لیا تھا...... اس نے خرم جاہ کی طرف دیکھا اور خرم جاہ نے کہا۔

”میں اور میری بیوی پرسکون زندگی گزارنا چاہتے ہیں، جناب اور یہ ساری باتیں حقیقت سے تعلق رکھتی ہیں۔“

”یقیناً خرم جاہ اور تم اطمینان رکھو وہ سب کچھ ہو گا جو انصاف کا تقاضا ہے لیکن خرم جاہ ایک سوال میں تم سے کرتا ہوں۔“

”جی مسٹر شہاب!“ خرم جاہ نے شائستہ لہجے میں کہا۔

”تمہاری والدہ کہاں گئیں؟“

”افسوس ابھی شاہ سلطان نے مجھے ان کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔“

”کیا مطلب؟“

”ان کا کہنا ہے کہ میری والدہ زندہ ہیں لیکن اگر وقت سے پہلے انہوں نے اس کا انکشاف کر دیا تو صورت حال بگڑ جائے گی، حالانکہ میں سخت مضطرب ہوں یہ معلوم کرنے کے لئے کہ

میری ماں کون ہیں اور کہاں ہیں۔ میں...... میں انہی کے قدموں میں جانا چاہتا ہوں۔“

”بس تھوڑا سا انتظار، دیکھو بیٹے میں نے جو کچھ کیا ہے تم دونوں کے تحفظ کے لئے کیا ہے۔“

”کیا آپ نے یہ بات معلوم کرنے کی اپنے طور پر کوشش نہیں کی مسٹر خرم جاہ کہ آپ کی والدہ کون ہیں اور کہاں ہیں اور دل آرام شاہ کون تھا، یہ تو بڑی آسانی سے پتا چل جائے گا۔“

”مجھے اس کا موقع ہی نہیں ملا اور جب موقع ملا اور انکشاف ہوا تو اس کے بعد دوسرے معاملے میرے سر پر اس طرح سوار تھے کہ میں اپنی ماں کے سلسلے میں ابھی تک تحقیقات نہیں کر سکا ہوں اور اس وقت چونکہ مجھے چھپنا پڑ رہا ہے اس لئے بھی میں یہ کاوش جاری نہیں رکھ سکا اور پھر شاہ صاحب میرے محسن ہیں اس لئے ان کی خواہش پر عمل کرنا بھی میرا فرض ہے لیکن میں اندر سے کس قدر مضطرب ہوں یہ بات دوجانہ آپ کو بتا سکے گی۔“

”نہیں میں سمجھتا ہوں اور میرا خیال ہے شاہ سلطان کا کہنا درست ہی ہے...... تم تھوڑے دن اور صبر کر لو ورنہ طور خم جاہ جیسا بد طینت شخص تمہیں دوبارہ بھی غائب کرا سکتا ہے اور ممکن ہے دوجانہ کی زندگی کو بھی خطرہ لاحق ہو جائے۔“ شہاب نے کہا۔

”یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں اور اسی کی وجہ سے میں بھی خاموشی اختیار کئے ہوئے ہوں۔“ خرم جاہ نے کہا۔

”ٹھیک ہے شاہ سلطان صاحب آپ اس سلسلے میں اطمینان رکھیں...... جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ بیس تاریخ ہمارے ان معاملات کے لئے انتہائی اہمیت کی حامل ہے اور شاید اس وقت ہم کوئی انتہائی مناسب قدم اٹھانے میں کامیاب ہو جائیں، اس کے بعد جو کچھ بھی ہو گا منظر عام پر آ جائے گا۔“

”خدا تمہارا بھلا کرے...... ویسے ایک بات سمجھ لو شہاب ثاقب...... یہاں تمہیں جس معاملے میں بھی میری ضرورت پیش آئے اس سے گریز نہ کرنا، میں دل و جان سے تمہارے لئے حاضر ہوں۔“

”اور میں بھی ثاقب صاحب آپ یقین کیجئے میں دل سے آپ کے ساتھ تعاون کرنے پر آمادہ ہوں۔“

"تم لوگ صرف اتنا کرو کہ اپنے آپ کو جس طرح بھی پوشیدہ رکھ سکتے ہو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرو کسی کو تمہارے بارے میں کوئی علم نہیں ہونا چاہئے اس سے ہمارے کام میں آسانی ہوگی۔ شہاب ثاقب نے کہا اور اس کے بعد اس نے شاہ سلطان سے اجازت لے لی تھی۔

بینا کو درحقیقت ایک گھریلو ماحول کا سا ہی لطف آ رہا تھا...... عورت کسی بھی سطح پر نکل آئی ہو لیکن اس کے اندر عورت پن برقرار ہی رہتا ہے...... وہ بہت ہی غیر معمولی کیس ہوتے ہیں، جہاں عورت اپنی شناخت کھو بیٹھے اور مردوں کے شانہ بشانہ آکر کھڑی ہو جائے لیکن آخر کار اسے اپنے منصب پر واپس جانا ہوتا ہے۔ یہ ان عورتوں کی بات ہوتی ہے جو نجانے کون کون سے عوامل سے گزر کر اس منزل تک پہنچتی ہیں لیکن بینا بالکل ہی مختلف شخصیت کی مالک تھی، باپ کے ساتھ جو زندگی بسر کی وہ ایک الگ ہی زندگی تھی لیکن اپنی بے پناہ صلاحیتوں کو اس نے کبھی استعمال نہیں کیا تھا اور زندگی کی ایک ڈگر ذہن میں آنے کے باوجود اسے اپنی منزل دور محسوس ہوتی تھی لیکن نہ جانے وہ کون سا قبولیت کا وقت تھا جب اس کی دعا قبول ہوئی تھی اور شہاب کی شخصیت اس کے سامنے آگئی تھی، پھر تو اسے اپنے راستے بالکل ہی آسان محسوس ہونے لگے تھے اور اب وہ بہت مطمئن تھی لیکن شہاب کے لئے دل میں جو جگہ پیدا ہوئی تھی اس نے اسے زندگی کی تمام مسرتوں سے ہمکنار کر دیا تھا اور یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ وہ اسی جگہ کو اپنی منزل سمجھتی تھی، اس کے بعد بھی اگر زندگی میں کچھ حاصل ہو جائے تو وہ خوش بختی کی آخری حد تصور کی جاسکتی تھی۔

چنانچہ اس وقت بھی وہ ایک گھریلو عورت کی مانند شہاب کی منتظر تھی اور شہاب کو احساسات کی زبان سمجھنے میں کبھی کوئی دقت نہیں ہوئی تھی، چنانچہ اس وقت جب وہ بینا کے پاس پہنچا تو اس نے بینا کے چہرے پر وہی تمام تاثرات دیکھے جو ایک منتظر محبوب یا پھر بیوی کے چہرے پر ہو سکتے ہیں...... شہاب کی رگ ظرافت کیوں نہ پھڑکتی...... اس نے اندر داخل ہو کر کہا۔

"اور بیگم سب خیریت ہے؟"

"جی سب خیریت ہے۔" بینا نے جواب دیا پھر چونک کر بولی۔

"کیا کہا آپ نے؟"

"کبھی کبھی میں مستقبل کے الفاظ بولنے لگتا ہوں۔"

"شرارت آپ کی رگوں میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔"

"اب کس نے کوٹی، کس نے بھری...... مجھے اس بارے میں کیا معلوم...... تم خود سوچ لو ڈیئر بینا کہ بعض اوقات انسان وہ ہوتا ہے جو نہیں ہوتا۔"

"اچھا اچھا اب آپ بیٹھیں تو سہی...... نہ جانے کہاں کہاں کی باتیں شروع کر دیں، میں بے چینی سے آپ کی منتظر تھی۔"

"یہ بے چینی تمہارے چہرے سے جھلک رہی ہے لیکن تمہیں خود ہی کوئی حل سوچنا ہوگا۔ آخر میری اسسٹنٹ ہو۔"

"حل؟"

"ہاں۔"

"مگر کس سلسلے میں؟" بینا نے سچ مچ تعجب سے کہا۔

"اس بے چینی کو رفع کرنے کے سلسلے میں، میں بڑے بڑے خطرناک مجرموں کی گردنیں مروڑ سکتا ہوں، سب کچھ کر سکتا ہوں لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنے گھر والوں سے کیسے کہوں کہ بینا کو میری زندگی سے ہم آہنگ کر دیں۔"

"توبہ یہ بات کرنے کا انداز ہے آپ کا کہ قیامت؟"

"بات کرنے کا انداز میرا ہے اور قیامت تم ہو؟" شہاب نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا اچھا بس بہت ہو گیا...... اب آپ جا کر کپڑے وغیرہ تبدیل کر لیجئے۔"

"جیسا تم پسند کرو۔" شہاب نے ایک صوفے پر نیم دراز ہوتے ہوئے کہا۔

"کپڑے نکال دوں آپ کے؟"

"صرف نکالو گی، تبدیل کون کرائے گا؟"

بینا شرمائے ہوئے انداز میں ہنس پڑی...... پھر اس نے کہا۔

"سنجیدہ ہو جائیے، میں کپڑے نکال رہی ہوں آپ کے۔"

"تو اس میں دھمکی دینے والی کیا بات ہے۔" شہاب نے کہا اور بینا ہنستی ہوئی وہاں سے ہٹ گئی۔

لباس وغیرہ تبدیل کرنے کے بعد شہاب اس کے سامنے آ بیٹھا۔

"بینا دماغ کی چولیں ہل گئی ہیں۔"

"ناممکن۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ کا دماغ بہت مضبوط ہے۔"

"جب کوئی خوبصورت عورت یا وہ جو دل میں رہتی ہو، دماغ میں سمائی ہو، کوئی تعریفی جملہ بولتی ہے تو انسان اپنے آپ کو کیا چیز سمجھنے لگتا ہے...... بینا آخر مرد اتنے احمق کیوں ہوتے ہیں؟"

"مرد اور احمق...... بالکل متضاد بات ہے...... ایسا نہیں ہوتا...... جناب بلکہ مرد احمق بن کر عورت کو بے وقوف بناتے ہیں۔"

"خیر میں تمہارے تجربے کو چیلنج نہیں کر سکتا۔"

"وہاں کیا رہا یہ بتائیے اور آپ کے دماغ کی چولیں کیوں ہل گئی ہیں؟"

"بات بڑی انوکھی اور باعث حیرت ہے بینا۔"

"میرا خیال ہے اب آپ بتا ہی دیں تو زیادہ بہتر ہے بڑی دیر سے تمہید باندھے جا رہے ہیں۔" بینا نے کہا اور تب شہاب نے شروع سے آخر تک ساری کہانی بینا کو سنادی اور بینا بھی تصویر حیرت بن گئی۔ بہت دیر تک وہ خاموشی سے شہاب کی صورت دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

"تو وہ دونوں وہاں ملے تھے آپ کو؟"

"ہاں۔"

"اور دوجانہ؟"

"ایک چادر اوڑھے بیٹھی رہی تھی...... میں نے اس کا چہرہ نہیں دیکھا، حالانکہ میں چاہتا تھا کہ اس کا چہرہ دیکھوں۔" شہاب نے کہا۔

"کیوں؟"

"افوہ...... پھر وہی عورت والا سوال کیا...... میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ شاہ سلطان جو کچھ کہہ رہا ہے وہ سب کچھ کیا ہے، ویسے بینا ابہام تو ہیں ناں؟"

"کیسے؟"

"بھئی انسان بڑی خطرناک چیز ہے اور کبھی کبھی ایسے لوگ بھی سامنے آجاتے ہیں جو زبردست ذہنی قوتوں کے مالک ہوتے ہیں اور ایسی کہانی بنتے ہیں کہ سننے والا دنگ رہ جا حالانکہ یہ کہانی حقیقت پر مبنی نہیں ہوتی۔"

"میں سمجھی نہیں؟"

"کون کہہ سکتا ہے کہ شاہ سلطان نے جو کہانی سنائی ہے وہ حرف بہ حرف درست ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ خرم جاہ، شاہ سلطان کا کوئی ایسا گرگا نہیں ہے جس نے اس کی ہدایت اپنے آپ کو خرم جاہ کی حیثیت سے پیش کیا ہو اور کون کہہ سکتا ہے کہ دوجانہ کون تھی، اصل مسئلہ ہے یقین کرنا بہت مشکل کام ہے۔"

"لیکن شہاب طور خرم جاہ کا ایک پہلو تو سامنے آچکا ہے؟"

"زندہ باد بینا...... خدا کی قسم ایسے موقعوں پر میرا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے اور سینہ نہیں کس چیز سے پھٹنے لگتا ہے۔"

"کیسے موقعوں پر؟"

"تم نے وہ بات کہی ہے جو ان واقعات کی بنیادی حیثیت رکھتی ہے اور تمام چیزوں مستحکم کرتی ہے، یعنی طور خرم جاہ کی اس شخصیت کا اظہار۔"

"نہیں یہ حقیقت تو ہے...... ساری باتیں اپنی جگہ لیکن اس کا ایک پہلو تو ہماری نگا کے سامنے آیا ہے۔"

"بس یہی بات مجھے اس کے لئے مجبور کرتی ہے کہ میں شاہ سلطان کی بات پر یقین کرلوں ویسے بھی شاہ سلطان مجموعی طور پر ابھی تک ایک مناسب آدمی ثابت ہوا ہے۔"

"ایک بات اور۔"

"ہاں ہاں کہو بالکل کہو...... تم جو کچھ کہتی ہو میرے دل میں اترتا چلا جاتا ہے۔"

"اور آپ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے۔"

"ارے ارے کیا میں پھر کوئی حرکت کر بیٹھا؟" شہاب نے تعجب سے کہا او پڑی پھر بولی۔

"مفتی حیات صاحب اس سلسلے میں ہمارے معاون نہیں ہو سکتے؟"

"مفتی حیات!" شہاب نے پرخیال انداز میں گال کھجایا پھر بولا۔

"میرے خیال میں یہ مناسب نہیں ہوگا۔"

"کیوں؟"

"مفتی حیات صاحب کو ان تمام باتوں کا راز دار فوری طور پر نہیں بنایا جاسکتا۔"

"وجہ بتانا پسند کریں گے آپ؟"

"ہاں۔"

"تو بتایئے؟"

"طورخم جاہ نادر حیات کا دوست ہے اور مفتی حیات، نادر حیات سے بے انتہا عقیدت رکھتے ہیں ہوسکتا ہے طورخم جاہ کے خلاف کوئی ایسی بات انہیں پسند نہ آئے اور یہ ساری بات منظر عام پر آجائے۔"

"ہوں لیکن ویسے تو مفتی حیات طورخم جاہ کے سلسلے میں۔"

"نہیں بینا...... مکمل طور پر نہیں، مجھے مارجن تو رکھنا ہی ہوگا...... فوری طور پر میں کسی بھی شخص پر اعتبار نہیں کرسکتا۔"

"ایک بات بتایئے؟"

"ہاں پوچھو؟"

"کیا طورخم نے آپ کو خرم جاہ کی کوئی تصویر نہیں دکھائی؟"

"افسوس نہیں اور اتفاق کی بات یہ ہے کہ میں نے بھی اس سے اس کی کوئی تصویر نہیں طلب کی۔"

"حالانکہ یہ بنیادی مسئلہ تھا۔"

"بالکل بنیادی مسئلہ تھا لیکن کیا، کیا جائے...... جب انسان گرفتار عشق ہوجاتا ہے تو دماغی صلاحیتیں کچھ کند ہوجاتی ہیں۔"

"خدا کی پناہ...... بات سے بات نکالنا کوئی آپ سے سیکھے۔" بینا نے کہا۔

"خاصی دیر تک وہ دونوں آپس میں باتیں کرتے رہے...... ذہنی شگفتگی کے لئے یہ سب بہت ضروری تھا اس کے بعد اس نے کہا۔

"ہاں بیناب ان تمام واقعات کی روشنی میں مجھے سنجیدگی سے کوئی لائحہ عمل طے کرنا ہے...... مفتی حیات صاحب کے سلسلے میں کچھ نہیں کیا جاسکتا اور مجھے یہ تمام باتیں ان سے

پوشیدہ رکھنی ہوں گی بلکہ تمہیں سچ بتاؤں میں تو ابھی اس سلسلے میں نادر حیات صاحب پر بھی مکمل بھروسا نہیں کرسکتا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اس بار تو مجھے ہر لمحہ مدنگاہ رکھنا ہوگا کہ نادر حیات صاحب نے مجھے طورخم جاہ کے بیٹے خرم جاہ کی تلاش کے لئے یہاں بھیجا ہے اور صورت حال معلوم کرنے کی ہدایت کی ہے۔ طورخم جاہ کے الفاظ سے بھی یہی پتا چلتا ہے کہ وہ نادر حیات صاحب کی دوستی پر بھروسا رکھتا ہے، ایسی صورت میں نادر حیات صاحب کا مسئلہ ذرا ٹیڑھا ہوجاتا ہے۔"

"لیکن کیا تمہارا خیال ہے کہ نادر حیات صاحب اپنے دوست کا خیال کریں گے؟"

"نادر حیات صاحب بہت نفیس شخصیت کے مالک ہیں لیکن کیا کروں بینا زندگی اس انداز میں آج تک پیش آتی رہی ہے کہ وقت مجھے محتاط رہنے کی ہدایت کرتا ہے۔"

"یعنی یہ کہ نادر حیات صاحب سے بھی احتیاط کرنا ہوگی۔" بینا بولی۔

"ہاں...... تمہارے سوا ہر شخص سے احتیاط کرنا میں سمجھتا ہوں بہتر رہے گا۔"

"میرے سوا۔" بینا لجاجت سے بولی۔

"ہاں بینا...... انسان اگر اپنے آپ سے مخلص نہ ہو تو پھر وہ کچھ بھی نہیں کرسکتا۔"

بینا شہاب کے الفاظ کے تاثرات میں ڈوب گئی تھی، پھر اس نے کہا۔

"لیکن اب آپ کریں گے کیا؟"

"مجھے کچھ وقت کے لئے شہر واپس جانا ہوگا جبکہ تم یہاں موجود رہو گی۔"

"اوہ۔" بینا نے آہستہ سے کہا۔

"کیوں پیا بن دل نہیں لگے گا؟"

"لگے گا تو نہیں لیکن مجبوری؟"

"ہاں بینا ایسے وقت میں ہمیں سخت مزاج اور مضبوط ہونا چاہئے۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے میں مطمئن ہوں اور ماحول بھی میرے خیال میں خاصا ہے اور پھر باقی افراد تو نہیں جائیں گے؟"

"نہیں بالکل نہیں...... تم اس دوران ان کے ساتھ گپیں لڑا سکتی ہو۔"

"تو پھر کب جا رہے ہیں آپ؟"

"میرا خیال ہے ایک دو دن کے اندر اندر ہمارے پاس ابھی تھوڑا سا وقت ہے اور ہم اس سلسلے میں مزید کام کر سکتے ہیں، مثلاً یہ کہ شاہ سلطان کے بیان کی تصدیق کے لئے مجھے طور خرم جاہ سے ملنا ہوگا اور خرم جاہ کی تصویر حاصل کر کے یہ دیکھنا ہوگا کہ جو شخص خرم جاہ کی حیثیت سے میرے سامنے پیش کیا گیا ہے کیا یہ وہی شخص ہے۔"

"ویسے تو خیر کسی بھی شخص کو میک اپ کر کے بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔"

"ہاں ایسا ہو سکتا ہے لیکن پھر بھی کوئی حرج نہیں ہے۔"

"او کے یہ مناسب خیال ہے۔"

دوسرے دن شہاب نے طور خرم جاہ کی رہائش گاہ پر جا کر اس سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا اور تھوڑی دیر کے بعد اسے طور خرم جاہ نے طلب کر لیا...... خاصی خوش اخلاقی سے پیش آیا تھا، کہنے لگا۔

"ہیلو آفیسر، تمہارے بارے میں بہت کچھ سوچا ہے میں نے اور میرے ذہن میں نہ جانے کیا کیا تصورات اُبھرنے لگتے ہیں۔" شہاب نے نیاز مندی سے کہا۔

"یہ تو میری خوش قسمتی ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ آپ نے کس انداز میں میرے بارے میں سوچا ہے۔"

طور خرم جاہ چند لمحات خاموش رہا پھر کہنے لگا۔ "ایک صاحب دل آدمی نوجوان لڑکوں کے بارے میں اچھے انداز میں ہی سوچ سکتا ہے، تم خوش شکل ہو تمہاری پیشانی روشن ہے اور روشن پیشانیوں والے نوجوان مجھے بہت پسند آتے ہیں...... نجانے کیوں انہیں دیکھ کر میرے دل میں خواہش اُبھرتی ہے کہ انہیں ایک شاندار مستقبل کا مالک ہونا چاہئے، نوجوان آفیسر تمہارا ماضی کیا ہے۔"

"تھوڑا سا آپ کو بتایا تھا میں نے اپنے بارے میں طور خرم جاہ صاحب!"

"ہاں ہاں شاید لیکن کیا تم اسے دہرانا پسند کرو گے۔"

"درمیانہ درجے کے ایک گھرانے کا آدمی ہوں زندگی میں کبھی اتنی روشنی نہیں دیکھی کہ آنکھیں خیرہ ہو جائیں...... پولیس کی نوکری میں آیا ہوں، کوشش کر رہا ہوں کہ ایمانداری کے ساتھ اپنے فرائض انجام دوں اور اپنا مستقبل روشن کروں۔"

"ہوں...... ایمان انسان کی زندگی کا ایک حصہ ہوتا ہے اور اگر کوئی شخص جرائم پیشہ نہیں ہے تو وہ ایمانداری سے ہی سارے کام کرتا ہے لیکن کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ کسی کے لئے کچھ کیا جائے اور میرے دل میں یہ خواہش اس طرح اُبھری ہے کہ میں تم سے خود بھی ملاقات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔"

"یہ تو میری خوش بختی ہے۔"

"کسے دولت کی ضرورت نہیں ہوتی، کسے اپنے اُلجھے ہوئے مسائل درست کرنے کی خواہش نہیں ہوتی۔"

"جی طور خرم جاہ صاحب!"

"میں نے زندگی میں بہت کچھ کمایا ہے اور جو کچھ کمایا تھا اس سے اپنے بیٹے کا مستقبل بنا دیا تھا لیکن بد بختوں نے مجھ سے میرا بیٹا چھین لیا...... میں نہیں جانتا آفیسر کہ تم کس پیمانے پر کام کر رہے ہو...... میں نے شاید تم سے کوئی تلخ لہجہ بھی اختیار کیا تھا لیکن اس تلخ لہجے کی بنیاد اپنی اولاد کی تڑپ کے علاوہ اور کچھ نہیں تھی تاہم مجھے اس پر افسوس ہوا ہے اور میں تم سے اس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔"

"نہیں طور خرم جاہ صاحب میں خلوص دل سے آپ کو اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ نے مجھ سے کوئی تلخ لہجہ یا کوئی تلخ انداز اختیار کیا ہے تو میں نے اس بات کا برا نہیں مانا اور میں آپ کے لئے دل میں وہی عزت، وہی مقام رکھتا ہوں جو آپ جیسی شخصیتوں کے لئے ہونا چاہئے۔"

"یہ تمہاری بڑائی ہے لیکن میرے دوست میرے بچے کی بازیابی کے لئے تم اس پیمانے پر کام کرو جس کا کوئی جواب نہ ہو، میں چاہتا ہوں کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے تم خرم جاہ کو برآمد کرو۔"

"میں انتہائی کوشش کر رہا ہوں۔"

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اب تک تمہیں ان کوششوں میں کس حد تک کامیابی حاصل ہوئی ہے۔"

"بہت بڑی بات نہیں کر سکتا لیکن یہ یقین دلاتا ہوں آپ کو کہ بہت مختصر وقت باقی رہ گیا ہے...... میں اسے برآمد کر لوں گا۔"

"خدا تمہارا بھلا کرے، میں مرد ہوں کسی کے سامنے رو نہیں سکتا ورنہ دل تو چاہتا ہے کہ اتنے آنسو بہاؤں کہ آنکھوں میں آنسو خشک ہو جائیں۔"

"ایک ضرورت پیش آگئی ہے مجھے۔"

"اپنی ہر ضرورت مجھ سے بیان کردو اور بے فکر ہو جاؤ، بتاؤ کیا چاہتے ہو۔"

"مجھے خرم جاہ کی کوئی تصویر چاہئے۔"

"حالانکہ یہ بنیادی اہمیت کی بات ہے لیکن اتفاق ہے اس موضوع پر کوئی گفتگو نہیں ہوئی، میں تمہیں ابھی اس کی تصویر فراہم کئے دیتا ہوں...... ابھی آیا۔" طور خم جاہ نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر اندر چلا گیا...... شہاب پراسرار انداز میں مسکرانے لگا تھا...... تھوڑی دیر کے بعد طور خم جاہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں براؤن رنگ کا ایک لفافہ موجود تھا...... دوسرے ہاتھ میں ایک اور لفافہ تھا جو سفید رنگ کا تھا اس نے تصویر نکالی اور شہاب کے سامنے پیش کر دی...... شہاب نے تصویر کو دیکھا...... سو فیصدی خرم جاہ کی تصویر تھی...... تاہم اس نے اپنے چہرے سے کسی تاثر کا اظہار نہیں ہونے دیا اور وہ تصویر اپنے پاس رکھ لی، تب طور خم جاہ نے دوسرا لفافہ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ محبت کا تحفہ ہے نا...... اسے رشوت سمجھنا اپنے لئے کوئی امداد، بس دل چاہا کہ تمہیں کچھ دوں اور یہ دل یوں بھی چاہا کہ میرے دل میں تمہارے لئے برادرانہ جذبات اُبھر آئے ہیں، اب اس سلسلے میں انکار کر کے مجھے مایوس مت کرنا محبت کی کسی بھی جنبش کا جواب محبت ہی سے دیا جاتا ہے۔"

"یہ...... یہ...... یہ کیا ہے؟"

"جو کچھ بھی ہے گھر لے جا کر اسے کھولنا اور خبردار اس کی واپسی کی کوشش مت کرنا۔"

"آپ کا حکم ماننے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔"

شہاب نے کہا اور لفافہ اپنے لباس میں رکھ لیا...... ایک لمحے میں اس نے محسوس کر لیا تھا کہ لفافے میں جو کچھ ہے اس کی توقع سے بہت زیادہ ہے...... دیر تک وہ طور خم جاہ سے خرم جاہ کے بارے میں باتیں کرتا رہا اور اس کی گفتگو سے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتا رہا کہ طور خم جاہ کس کیفیت کا شکار ہے، پھر اس کے بعد اس نے طور خم جاہ سے اجازت طلب کر لی تھی۔

لفافہ بینا کے سامنے کھولا گیا اس میں آٹھ لاکھ روپے تھے اور بینا نے حیرت بھری

نگاہوں سے شہاب کو دیکھا پھر بے اختیار کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

"کیوں کیا ہوا بینا؟" شہاب نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"سچ مچ آپ کماؤ پوت ہیں۔" ان الفاظ پر شہاب نے بھی قہقہہ لگایا تھا پھر اس نے کہا۔

"میں تو پچھلے کچھ دنوں سے خاصی بددلی کا شکار تھا بینا اور یہ سوچ رہا تھا کہ آمدنی کچھ کم ہو گئی ہے...... ویسے تو خیر نادر حیات صاحب نے اور جو کچھ کیا ہو نا کیا ہو لیکن ایک بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔"

"کیا؟"

"تم لوگوں کو سرکاری ملازمت دے کر، میرا مطلب ہے ڈبل او گینگ کو اتنی معقول تنخواہیں ملنے لگی ہیں کہ اگر میں مالی طور پر انہیں سپورٹ نا بھی کروں تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن بہر حال ہم ان حصوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔"

"مگر جناب یہ ڈاکہ زنی آپ نے کی ہے؟"

"بخدا...... آج تک کبھی ڈاکہ زنی نہیں کی لوگ خود ہی خوشی سے بہت کچھ دے دیا کرتے ہیں...... نہ جانے کیوں طور خم جاہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ میں کچھ کر کے ہی دکھا دوں گا اور اگر میں نے وہ کچھ کر کے دکھایا جو طور خم جاہ کے تصور میں بھی نا ہو تو شامت آجائے گی، غالباً اس نے پیش بندی کی ہے اور مجھے اپنی مٹھی میں لے کر اس بات کے لئے آمادہ کیا ہے کہ اگر میں کچھ حقیقتوں کو پا بھی جاؤں تو اس رقم کے عوض ان سے چشم پوشی کروں یا زیادہ سے زیادہ یہ کروں کہ اس سے مزید رقم کا مطالبہ کروں لیکن اس نے یہ رقم دے کر مجھے اس بات کا احساس دلایا ہے کہ وہ ہر لحاظ سے میرے لئے کار آمد شخصیت ہے۔"

"ہے تو سہی۔"

"ہاں بینا ہے تو سہی لیکن میں اسی پر قناعت کروں گا۔"

"کیا مطلب؟"

"بھاگتے بھوت کی لنگوٹی کا مقولہ سنا ہے تم نے؟"

"جناب یہ لنگوٹی نہیں ہے، یہ تو پورا ڈریس ہے۔"

"تو چلو ہم مقولے کو تبدیل کر لیتے ہیں یعنی بھاگتے بھوت کا پورا ڈریس ہاتھ آجائے تو غنیمت ہے۔" شہاب نے کہا...... بینا ہنستی رہی تھی شہاب پھر بولا۔

"مال غنیمت ہاتھ آ گیا ہے لیکن ساری باتیں اپنی جگہ، میرے باپ کا نام ثاقب حسین تھا اور وہ ایک سچے صحافی تھے، سمجھ رہی ہو نا میرا مطلب؟" بینا نے گہری سانس لے کر گردن ہلا دی تھی پھر شہاب نے کہا۔

"اور اب بینا میرے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ مفتی حیات صاحب سے اس کا تذکرہ کر دوں کہ شہر جانا ہے مجھے، وہ ذرا احتیاط رکھیں گے۔"

"مناسب...... ویسے خرم جاہ کی تصویر کی کیا پوزیشن رہی؟"

"سو فیصدی وہی تصویر ہے۔"

"میک اپ؟"

"اندازہ تو نہیں ہوتا لیکن اس پہلو کو آخری وقت تک نظر انداز نہیں کروں گا...... ہو سکتا ہے اس میں کوئی گڑ بڑ ہو۔" بینا نے پر خیال انداز میں گردن ہلا دی تھی، مفتی حیات صاحب نے شہاب کی بات سن کر چونکتے ہوئے کہا۔

"کوئی خاص بات ہے؟"

"نادر حیات صاحب سے ملاقات کرنے جا رہا ہوں آپ کا کوئی پیغام ہو تو مجھے بتا دیجئے؟"

"نہیں میرا کوئی پیغام نہیں ہے، بہر حال تمہارے وہاں تک پہنچنے کا انتظام میں کئے دیتا ہوں، واپسی کب تک ہو گی؟"

"بہت جلد۔"

"اس دوران میں تمہارے بارے میں۔"

"میرے خیال میں خاموشی ہی اختیار کی جائے تو بہتر ہو گا۔"

"مناسب۔" مفتی حیات صاحب نے کہا اور اس کے بعد شہاب بینا سے رخصت ہو کر واپس دارالحکومت چل پڑا...... یہ دورہ انتہائی تیز رفتار تھا اور اس میں شہاب وہ رقم بھی لے گیا تھا جو اسے یہاں سے ملی تھی کوئی چیز اس کے پاس بر آمد نہیں ہونی چاہئے تھی کیونکہ بہر حال اسے اپنی پوزیشن بھی مستحکم رکھنی تھی۔

آئی جی نادر حیات صاحب سے شہاب نے ان کی کوٹھی پر ہی ملاقات کی تھی اس نے بالکل غیر متوقع طور پر ان کے سامنے پہنچ کر انہیں حیران کر دیا تھا اور نادر حیات صاحب نے خوشگوار حیرت کے ساتھ اسے دیکھا اور تعجب سے بولے۔

"شہاب تم! کیا تم بلال ڈیرہ سے واپس آ گئے؟"

"عارضی طور پر جناب! آپ سے ملاقات کرنا بے حد ضروری تھا...... معذرت خواہ ہوں کہ اس طرح آپ کے پاس سیدھا چلا آیا۔"

"میرا خیال ہے اس میں معذرت کی تو کوئی گنجائش نہیں ہے۔" نادر حیات صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تب میں اسے آپ کی محبت قرار دے سکتا ہوں...... اصل میں سر بلال ڈیرہ پہنچنے کے بعد اپنی تمام تر کاوشوں کے دوران مجھ پر کچھ اور انکشافات بھی ہوئے اور ان انکشافات کے تحت میں اس بات کے لئے مجبور ہو گیا کہ میں آپ سے اس سلسلے میں تبادلہ خیال کروں۔"

"ہاں، ہاں بالکل تم نے درست کیا...... اصل میں شہاب جو ذمے داری تمہیں سونپی گئی ہے اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ تم لکیر کے فقیر ہو یا میری جانب سے کسی خاص اشارے کے منتظر رہو ملکی معاملات کی بہتری اور جرائم کی بیخ کنی کے لئے تمہاری نگاہ جس طرف بھی اٹھ جائے ایک محافظ وطن کی حیثیت سے تم بلا تکلف اس کے لئے کام شروع کر دو اور جہاں کہیں میری خدمات کی ضرورت پیش آ جائے تو یوں سمجھ لو کہ میں تمہارے ساتھ ہوں میں اپنے ساتھ ساتھ تمہاری نیک نامی بھی چاہتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ تم جیسے بے لاگ اور محب وطن افراد اپنا صحیح مقام پائیں۔"

"ان نیک جذبات کے لئے شاید میں کسی بھی زبان سے آپ کا شکریہ نہ ادا کر سکوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے خیر، باقی افراد کہاں ہیں؟"

"وہ وہیں اپنی ذمے داریاں پوری کرنے میں مصروف ہیں۔"

"اور خرم جاہ سے ملاقات ہوئی؟"

"جی ہاں...... سلسلہ جاری ہے اور میں پوری وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ بہت مختصر وقت میں، میں خرم جاہ کو بر آمد کر لوں گا...... میں نے جال پھیلا دیا ہے اور کام بالکل اطمینان بخش انداز میں ہو رہا ہے۔"

"اور خرم جاہ کا ایک ہی بیٹا تھا اور میں چاہتا ہوں کہ وہ اپنی اولاد کو پا لے اس کا خیال ہے شاہ سلطان نے خرم جاہ کو اغوا کیا ہے، وجوہات کی تفصیل شاید تمہارے علم میں آ گئی ہوں حالانکہ شاہ سلطان بھی میری نگاہ میں اتنا برا آدمی نہیں ہے لیکن انسان کو برا بننے میں

دیر کتنی لگتی ہے، بہر حال جو کچھ بھی ہے دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہونا چاہئے...... خرم جاہ کی زندگی کو کوئی خطرہ نہیں پیش آنا چاہئے، ورنہ مجھے طور خم جاہ سے شرمندگی ہو گی۔“

”آپ بالکل اطمینان رکھئے جناب ایسا ہی ہو گا لیکن جو معاملہ میرے علم میں آیا ہے وہ ذرا ان معاملات سے مختلف ہے اور اب آپ نے یہ کہہ کر میری بڑی ہمت افزائی کی ہے کہ آپ مجھے ہر طرف نگاہ رکھنے کی اجازت دیتے ہیں۔“

”بے شک۔“

”بلال ڈیرہ کا ایک حصہ پیلی پہاڑیوں کے نام سے منسوب ہے۔“

”میں جانتا ہوں۔“

”پیلی پہاڑیوں کا جغرافیائی محل وقوع بھی مجھے کسی حد تک معلوم ہو چکا ہے، کیا اس سے پہلے کبھی آپ کے علم میں یہ بات نہیں آئی کہ وہاں اسمگلنگ بھی ہوتی ہے۔“

”کیا؟“ نادر حیات اُچھل پڑے۔

”جی ہاں...... جغرافیائی لحاظ سے بھی اس بارے میں سوچا جا سکتا تھا۔“

”جس دوران میں وہاں رہا مجھے کوئی ایسی رپورٹ نہیں حاصل ہو سکی۔“

”لیکن میں اعتماد سے یہ بات کہنے میں حق بجانب ہوں کہ یہ سلسلہ تو کافی عرصے سے جاری ہے۔“

”میرے لئے انکشاف ہے اور اگر تم یہ انکشاف نہ کرتے تو شاید مجھے تسلیم کرنے میں دقت ہوتی لیکن میں جانتا ہوں کہ تم ٹھوس بنیاد پر ہی یہ بات کہہ رہے ہو گے اور اگر ایسا ہے تو سچی بات یہ ہے کہ میرے لئے شرمناک ہے کیونکہ کبھی یہ بات میرے کانوں تک نہیں پہنچ سکی۔“

”اتفاق بھی ہو سکتا ہے جناب۔“

”شاید لیکن کیا تمہیں اس بات کا یقین ہے۔“

”جی ہاں۔“

”اور بتا سکتے ہو کہ اس کے ذمے دار کون افراد ہیں۔“

”نہیں جناب...... ابھی اس سلسلے میں کوئی حتمی بات کہنا ممکن نہیں ہے۔“

”کیا تم نے اپنی آنکھوں سے کوئی ایسا عمل دیکھا ہے۔“

”جی ہاں۔“ پیلی پہاڑیوں کے اس طرف سے اسمگلنگ کا سامان آتا ہے اور یہاں اسے وصول کیا جاتا ہے اور ادائیگی کر دی جاتی ہے...... ممکن ہے یہاں سے بھی سرحد کے اس پار کچھ سامان جاتا ہو۔“

”بڑی سنسنی خیز اطلاع ہے کیونکہ بلال ڈیرہ کے سردار یہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے علاقے میں کبھی کوئی ایسا مذموم کام نہیں ہونے دیں گے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ سردار غیور اور صاحب زبان ہیں۔“

”جرم ہمیشہ چھپ کر کیا جاتا ہے جناب اور مجرم کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے جرم کو دنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھے، سرداروں کو اس کام کی بھنک نہیں ملی ہو گی۔“

”ایسا ہی ہو سکتا ہے لیکن تم نے مجھے حیران کر دیا ہے۔“

”سر آپ کے پاس حاضری کا مقصد یہی تھا کہ ٹھوس بنیادوں پر کام ہو اس طرح کہ کوئی اس کی تردید نہ کرے اور آپ جانتے ہیں کہ میرے پاس محدود وسائل ہیں، میں مکمل طور پر ان اسمگلروں پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔“

”کیا چاہتے ہو؟“

”پولیس فورس اور وہ بھی اس طرح کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو، ہم اس جگہ کا پورا جغرافیہ متعین کر کے وہاں اس قسم کے انتظامات کرتے ہیں کہ آخری وقت تک کسی کو اس بات کا علم نہ ہونے پائے۔“

”مثلاً۔“

”کیا ہمیں ہیلی کاپٹر حاصل ہو سکتے ہیں؟“

”یقیناً ہو سکتے ہیں...... ملک میں اسمگلنگ ختم ہونی چاہئے اور یہ ہماری ذمے داری ہے۔“

”کتنے ہیلی کاپٹر مل سکتے ہیں؟“

”کتنے چاہتے ہو؟“

”میری تو خواہش ہے کہ ان علاقوں سے اتنا فاصلہ رکھا جائے کہ کسی کو اس بارے میں علم نہ ہو سکے اور جب مقررہ وقت ہو تو یہ ہیلی کاپٹر فضا میں پرواز کرنے کے بعد اس علاقے کو گھیرے میں لے لیں اور وہاں سے مجرموں کے خلاف کارروائی کی جائے ورنہ اگر ہم پولیس فورس اس انداز میں وہاں پہنچاتے ہیں کہ اس کی موجودگی کا علم ڈیرہ کے علاقوں کو ہو جائے تو

پھر یہ سمجھ لیجئے کہ ہم کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"گویا تم موقع پر کوئی کارروائی کرنے کے خواہش مند ہو۔"

"جی ہاں۔" بیس تاریخ کو سرحد پار سے مال آ رہا ہے جو یہاں پر وصول کیا جائے گا اور اس کے بعد دوسری تاریخ کا کوئی تعین نہیں کیا جا سکتا۔"

"یقین سے کہہ رہے ہو؟"

"جی ہاں۔" شہاب نے جواب دیا اور نادر حیات صاحب سوچ میں ڈوب گئے، پھر انہوں نے ایک کاغذ اپنے سامنے رکھا اور اس پر آڑھی ترچھی لکیریں بناتے رہے اس کے بعد وہ شہاب کی طرف متوجہ ہو گئے اور انہوں نے کہا۔

"دیکھو یہ بلال ڈیرہ ہے۔" شہاب اس کاغذ پر جھک گیا تھا...... نادر حیات صاحب نے ایک جگہ نشان لگایا اور شہاب اسے غور سے دیکھنے لگا، تب نادر حیات صاحب نے کہا۔

"اور یہ خان خیل ہے۔"

"میں اس بارے میں نہیں جانتا۔"

"بلال ڈیرہ سے کوئی آٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر چھوٹی سی بستی خان خیل ہے؟"

"جی سر۔"

"اور اتنے ہی فاصلے پر یہ دوسری بستی جو بلال ڈیرہ سے قریب ہے اس کا نام ڈرانہ ہے، ڈرانہ اور خان خیل بستی سے آٹھ یا دس کلومیٹر کے فاصلے پر بلال ڈیرہ ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ دونوں علاقے ایسے ہیں کہ چشم زدن میں ہمارے ہیلی کاپٹر وہاں پہنچ سکتے ہیں۔"

"جی سر۔"

"فی الحال میں چھ ہیلی کاپٹرز کا وعدہ کرتا ہوں اور ان چھ ہیلی کاپٹرز کی مدد سے ہم چند لمحوں میں بلال ڈیرہ کے اس علاقے میں پیلی پہاڑیوں تک پہنچ سکتے ہیں، میرا خیال ہے یہ فورس کافی رہے گی؟"

"نہایت مناسب، ہم ان ہیلی کاپٹرز میں کتنے کتنے جوانوں کو لا سکتے ہیں؟"

"چھے چھے جوان۔"

"بہت زیادہ ہیں جناب، میرا خیال ہے یہ سب سے بہتر عمل ہے لیکن شرط یہی ہے کہ ان دونوں بستیوں میں ہیلی کاپٹروں اور جوانوں کی موجودگی کی خبر نہ پھیلنے پائے۔"

"میں نے اسی لئے ان قرب و جوار کی بستیوں کا اندازہ قائم کیا ہے ورنہ بلال ڈیرہ میں بھی یہ تمام فورس اتر سکتی تھی۔"

"جناب عالی مجھے بہت زیادہ کامیابی حاصل ہوئی ہے اور میں اس سلسلے میں بے حد خوش آپ یہ سمجھ لیجئے کہ اس میں میری بقا بھی شامل ہے بلکہ معاملہ ہی اس سے تعلق رکھتا ہے۔"

"شہاب تمہیں اس وقت بھی میں نے اسی لئے پسند کیا تھا کہ تم ایک باعمل اور قابل اعتماد انسان ہو اور آج بھی میں تم سے اس لئے محبت اور الفت کا اظہار کرتا ہوں کہ مجھے تمہاری صلاحیتوں پر ناز ہے، جہاں تک میرے وعدے کا تعلق ہے تو صرف ایک چیز مجھے مجبور کر سکتی ہے اور وہ ہو گی میری موت ورنہ تم یہ سمجھ لو کہ یہ سارا کام مکمل ہو گا۔"

"انتہائی شکر گزار ہوں جناب، اب اس کے لئے میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ مجھے رابطے کی چیزیں فراہم کر دیں۔"

"وہ میں تمہیں ابھی اسی لمحے مہیا کر سکتا ہوں۔"

"جی...... نہایت نوازش ہو گی۔" تب آئی جی نادر حیات صاحب اپنی جگہ سے اٹھے، کسی اور کمرے میں گئے اور اس کے بعد جو ٹرانسمیٹر وہ لے کر آئے تھے وہ انتہائی مختصر لیکن انتہائی وسیع حیطہ عمل کے حامل تھے۔ انہوں نے ٹرانسمیٹروں کے بارے میں تمام تفصیلات بتائیں اور اس کے بعد انہیں آپریٹ کرنے کا تمام طریقہ بھی پھر انہوں نے کہا۔

"یہ ایک ٹرانسمیٹر اس وقت میرے پاس رہے گا جب ہم آپریشن کریں گے، میں خان خیل میں موجود رہوں گا اور تم مجھ سے کہہ سکتے ہو کہ مقررہ وقت آ گیا ہے۔"

"بہت مناسب ہے۔"

"اور شہاب اس کے علاوہ مجھے بتاؤ۔"

"نہیں جناب باقی سب ٹھیک ہے۔"

"اچھا یہ بتاؤ طور خم جاہ کیا کہتا ہے؟"

"مضطرب ہے جناب، اپنے بیٹے کے حصول کے لئے...... ویسے کچھ سوالات طور خم جاہ کے بارے میں بھی آپ سے کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور کرو۔"

"آپ کا اس سے کس طرح سے تعلق ہوا؟"

"اوہو...... کوئی تعلق نہیں ہے میرا اس سے، بس یوں سمجھ لو یار باش آدمی ہے، اس علاقے کا دولت مند آدمی بھی ہے اور دوستیاں رکھنا جانتا ہے، میں چونکہ وہاں تعینات تھا اس لئے مجھ سے ملتا رہا، کئی بار میرے اعزاز میں پارٹیاں بھی کیں...... خود میں نے بھی اسے ہر تقریب میں بلایا ویسے تو میرا تعلق وہاں کے تمام سرداروں سے تھا کیونکہ انہی کے تعاون سے میں ان علاقوں میں کام بہتر انداز میں کرتا رہا تھا...... بہر حال اس طرح کی شناسائیں دوستی کی شکل ہی اختیار کرلیتی ہیں۔ آدمی تیز ہے اور سردار ٹائپ کا ہے، یہ اس کی شخصیت ہے۔"

"اور شاہ سلطان سے آپ کے مراسم نہیں ہو سکے۔"

"بے شک ہوئے تھے، شاہ سلطان شاید طورخم جاہ سے زیادہ ذہین انسان ہے اور وہ غیر ممالک میں بھی رہ چکا ہے چنانچہ اس کا طرز رہائش بھی ذرا مختلف ہے۔"

"شاہ سلطان پر طورخم جاہ نے خرم جاہ کے اغوا کا الزام لگایا ہے کیا اس کا کوئی پس منظر آپ کے علم میں آسکا ہے۔"

"کوئی اہم پس منظر نہیں ہے، طورخم جاہ کا کہنا ہے کہ چونکہ شاہ سلطان بھی ایک دولت مند آدمی ہے اور علاقوں پر اپنی اجارہ داری چاہتا ہے، کچھ زمینوں کے معاملات بھی تھے جس کے سلسلے میں ان کے آپس میں تعلقات خراب ہوئے اور طورخم جاہ کا خیال ہے کہ صرف طورخم جاہ کو شکست دینے کے لئے شاہ سلطان نے اس کا کلیجہ نکال لیا ہے۔"

"آپ کے خیال میں شاہ سلطان اس قسم کا آدمی ہو سکتا ہے۔"

"نہیں شہاب اس سوال کا کوئی جواب ممکن نہیں ہے...... برائیاں جب انسان کے دل میں فروغ پاتی ہیں تو وہ کچھ بھی کر ڈالتا ہے اور اس کیلئے ہم کسی آدمی کو نامزد نہیں کر سکتے۔"

"بہت بہت شکریہ جناب...... بس یہی سوالات مجھے آپ سے کرنے تھے۔"

"تو پھر تمہاری واپسی کب ہو رہی ہے؟"

"فوری طور پر جناب...... تمام سٹاف کو وہیں چھوڑ کر آیا ہوں، میں نہیں چاہتا کہ وہ بھٹکتے رہیں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے ہمارے درمیان یہ بیس تاریخ کا مسئلہ تم یہ سمجھو بالکل طے ہے اور تمہیں اس سلسلے میں قطعی پریشانی یا مایوسی نہیں ہو گی۔"

"بے حد شکر گزار ہوں جناب۔" اور اس کے بعد شہاب آئی جی نادر حیات صاحب سے رخصت ہو کر چل پڑا تھا...... یہاں کا کام اطمینان بخش طریقے سے ہو گیا تھا اور کوئی ایسی چیز باقی نہیں رہ گئی تھی جو پریشانی کا باعث ہوتی، اہل خاندان کے بارے میں یہ اندازہ تھا کہ مناسب طریقے سے یہ وقت گزار رہے ہوں گے...... خوش قسمتی سے کوئی ایسی اُلجھن درپیش نہیں آئی تھی جو شہاب کے لئے باعث پریشانی ہوتی، سب لوگ مطمئن تھے...... اعتدال پسندی بہر طور ہر لحاظ سے بہتر ہوتی ہے چنانچہ بلال ڈیرہ روانگی کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا ویسے تو عدنان واسطی صاحب بھی تھے، بہت اعتماد کیا تھا انہوں نے شہاب پر، جس قسم کے انسان تھے اس کا بھی اندازہ شہاب کو تھا لیکن اعتماد ہی سے دنیا کے کام چلتے ہیں اور بہر حال اعتماد کی بھی ایک قیمت ہوتی ہے۔"

بلال ڈیرہ میں بینا، شہاب کی منتظر تھی لیکن اسے بھی شاید یہ اندازہ نہیں تھا کہ شہاب اس قدر جلد واپس آجائے گا...... شہاب کو دیکھ کر وہ حیرت و مسرت سے گنگ رہ گئی اور شہاب مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"کیوں...... آپ دارالحکومت نہیں گئے۔"

"بس بینا کیا بتاؤں زندگی میں کیسے کیسے عجیب تجربات ہوتے ہیں...... انسان کو اگر کوئی شخص یہ سمجھ لے کہ وہ تجربات کی تمام منازل سے گزر چکا ہے تو میں سمجھتا ہوں وہ بے وقوف ہے۔"

"یقیناً اس تمہید کے بعد آپ اپنا کوئی حیرت ناک تجربہ بیان کریں گے؟"

"ہاں...... ہر وہ تجربہ جو زندگی میں پہلی بار ہوتا ہے...... انسان کے لئے باعث حیرت ہی ہوتا ہے۔"

"تو فرمائیے کیا تجربہ ہوا آپ کو؟"

"یہ محبت آخر کیا چیز ہے؟"

"کیا بتاؤں اگر اس کا کوئی وجود ہوتا تو اس کا تجزیہ آپ کے سامنے پیش کرتی۔"

"گویا محبت کا وجود نہیں ہے۔"

"نہیں میرا مطلب یہ نہیں ہے۔"

"تو پھر؟"

”محبت اگر مجسم ہوتی تو؟“

”تو مجھے دیکھ لونا۔“ شہاب نے کہا۔

”پہلے بھی بارہا اعتراف کرچکی ہوں کہ آپ جیسی ذہانت کہیں سے نہیں حاصل کرسکتی، آپ، آپ میں یہ صلاحیت ہے کہ آپ سامنے والے کو لاجواب کردیں۔“

”اس بات سے میں اتفاق نہیں کرتا۔“ شہاب نے کہا۔

”کیوں؟“

”جو لاجواب ہو اسے بھلا کیا لاجواب کیا جاسکتا ہے۔“ بینا آنکھیں بند کرکے ہنسنے لگی پھر بولی۔

”ملاقات ہوگئی؟“

”ہاں۔“

”تسلی بخش رہی؟“

”واقعی۔“

”کیا آپ نے اپنا یہ فیصلہ برقرار رکھا؟“

”کون سا؟“

”میرا مطلب ہے طور خم جاہ کے بارے میں۔“

”بالکل بالکل بینا..... میں نے تم سے کہا ہے نا کہ زندگی میں ایسے رسک کبھی نہیں لینے چاہئیں جو ناکامی سے دوچار کردیں..... وقت پر سب کچھ خود ہی پتا چل جائے گا۔“

”عمدہ بات ہے کیا طے پایا؟“

”نادر حیات صاحب مکمل تعاون پر آمادہ ہیں۔“ شہاب نے کہا اور بینا کو نادر حیات صاحب سے ہونے والی گفتگو کی تفصیل بتانے لگا..... بینا نے پرخیال انداز میں کہا۔

”بڑا سنسنی خیز معرکہ رہے گا اور شاید ان معرکوں سے مختلف جو آج تک آپ کو پیش آتے رہے ہیں۔“

”ہاں بینا یقیناً ایسا ہی ہے۔“

پھر اس کے بعد مختلف باتیں ہوتی رہیں، یہاں کا ماحول بالکل پرسکون تھا..... شہاب نے بقیہ افراد سے ملاقات کی تو وہ شہاب سے مل کر بہت خوش ہوئے اور انہوں نے کہا۔

”شہاب صاحب ہمیں تو کچھ کرنا ہی نہیں پڑ رہا بس آوارہ گردی کرتے ہیں اور اپنے ٹھکانے پر واپس آجاتے ہیں۔“

”میرا خیال ہے دوستو یہی ہمارا طریقہ کار ہے ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ تم لوگوں کو بڑی دلچسپ سچویشن کا سامنا ہے، میں ایک ایسی نادیدہ شخصیت کا کارکن ہو کر خود زندگی میں پہلی بار بڑی عجیب و غریب کیفیت محسوس کررہا ہوں اور میرے دل میں یہ آرزو ہے کہ کسی وقت شہنشاہ سے براہ راست ملاقات ہو..... وہ شخص جو اس قدر بے پناہ صلاحیتوں کا مالک ہے خود کیا چیز ہوگا۔“

”شاید ایسا نہ ہوسکے شہاب صاحب!“

”کیوں؟“

”وہ نہیں چاہتا کہ اس کی شخصیت منظر عام پر آئے۔“

”وہ تو نہیں چاہتا لیکن ہم لوگ تو کوشش کرسکتے ہیں۔“

”میری رائے ہے شہاب صاحب کہ یہ کوشش نہ کریں آپ۔“ فراست حسین نے کہا۔

”آخر کیوں..... اس کی وجہ بتانا پسند کریں گے آپ مسٹر فراست؟“

”کس قدر مخلص اور محبت کرنے والا شخص ہے وہ کہ شاید الفاظ میں بیان نہ کیا جاسکے..... ہماری ایک ایک ضرورت کا خیال رکھتا ہے، بار بار دہرانے سے کچھ عجیب لگتا ہے لیکن آپ یہ سمجھ لیجئے کہ اس وقت جب ہم سماجی خودکشی پر آمادہ تھے اس نے ہمیں زندگی دی اور دنیا میں ہمارا ایک مقام بنادیا۔“

”سماجی خودکشی؟“

”ہاں..... دو ہی چیزیں ہوتی ہیں..... یا تو انسان خود مر جائے یا پھر اپنے ضمیر کو مردہ کرلے اور دنیا کے دکھوں سے بے تعلق ہو جائے..... ہم میں سے زیادہ تر لوگ ایسے ہی ہیں، جو معاشی بدحالی کا شکار ہو کر یا تو جرم پر مائل ہوئے تھے یا یہ سوچ رہے تھے کہ یہ دنیا ہمارے قابل نہیں ہے، ایسے وقت میں شہنشاہ نے ہمیں سہارا دیا اور آج اس منزل پر پہنچادیا..... بتایئے کوئی کم بات ہے یہ؟“

”یہ بات بالکل ٹھیک کہتے ہو۔“

”آپ کا مسئلہ ذرا مختلف ہے آپ ایک مضبوط بنیاد پر شہنشاہ گروپ میں شامل ہوئے

ہیں، چنانچہ آپ کا انداز فکر بھی مختلف ہو سکتا ہے۔"

"نہیں انسان ہمیشہ انسانوں سے تعاون کر کے ہی دوستیاں حاصل کر سکتا ہے..... آپ لوگوں کی داستانیں سن کر میرے دل میں بھی اس شخصیت کی عظمت پیدا ہو گئی ہے۔"

"تو پھر آپ خود یہ سوچئے کہ اس نے ہماری ہر ضرورت، ہر خواہش کا خیال رکھا اور ہم اس کی ایک خواہش پوری نہ کر سکیں۔"

"یعنی کون سی خواہش؟"

"یہ کہ اسے صیغہ راز میں ہی رہنے دیں۔" شہاب مسکرانے لگا پھر بولا۔ "سوری واقعی میرا خیال ہے میں غلط سوچنے لگا تھا۔"

پھر بہت دیر تک باتیں ہوتی رہی تھیں، بعد کے دن درمیانے طریقے ہی سے گزرے تھے..... اتفاق کی بات تھی کہ نہ شاہ سلطان سے ملاقات ہوئی تھی، نہ طور خم جاہ سے، شہاب نے بھی یہی کوشش کی تھی کہ وہ مصروف رہے اور ان دونوں سے کوئی ملاقات نہ ہو..... اس طرح کم از کم وہ اپنے تاثرات چھپائے رکھ سکتا تھا..... یہاں تک کہ بیس تاریخ آ گئی اور یہ صبح ہی بڑی سنسنی خیز تھی..... بینا نے گہری نگاہوں سے شہاب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ بے حد مضبوط اعصاب کے مالک ہیں ورنہ ایسے سنسنی خیز لمحات میں تو انسان کی راتوں کی نیندیں غائب ہو جاتی ہیں۔"

شہاب ہنسنے لگا تھا پھر اس نے کہا..... "اس کی کچھ وجوہات ہیں بینا..... سنسنی خیز لمحات تو مجھ پر ہر لمحہ بیتتے ہیں اور راتوں کی نیندیں حرام ہونے کا جہاں تک تعلق ہے تو وہ ابتدا میں ہو چکی ہیں، جب تک میری تم سے اس قدر قربت نہیں ہوئی تھی۔"

"اللہ کی پناہ..... ہر وقت میں ہی سامنے آ جاتی ہوں۔"

بس بینا یہی تو تجربات ہیں جو زندگی میں ہو رہے ہیں..... دوپہر اور اس کے بعد شام کے چار بجے تک شہاب کے انداز میں کوئی خاص بات نہیں تھی لیکن چار بجے اس نے شہنشاہ کی حیثیت سے اپنے گروپ کو پیغامات نشر کئے اور انہیں خاص قسم کی ہدایات دے کر روانہ ہونے کے لئے کہا۔ پانچ بجے وہ خود بھی تیاریوں کے ساتھ بینا سے اجازت لے کر چل پڑا تھا..... ایسی مہمات میں بینا کی شرکت حماقت ہی قرار دی جا سکتی تھی اور بینا نے بھی اس کے لئے کوئی ضد نہیں کی تھی۔

ادھر ڈبل او گینگ کے تمام ممبر منتشر ہو کر ان پہاڑیوں میں دور دور تک پھیل گئے تھے..... شہاب کو ان کی صلاحیتوں پر مکمل بھروسا تھا..... ویسے اندازہ نہیں لگا پایا تھا کہ طور خم جاہ کی طرف سے کیا کارروائی ہو رہی ہے، لیکن پھر جب خود بھی انتہائی محتاط انداز میں وہ پہلی پہاڑیوں تک پہنچا اور اس نے اس جانب کا رخ کیا جہاں وہ غار موجود تھا جس غار میں وہ مختلف اشیاء دیکھ چکا تھا اور جوان لوگوں کا پوائنٹ تھا..... تو وہاں اس نے چند افراد کو دیکھا جو خاص قسم کی رائفلوں سے مسلح وہاں موجود تھے..... شہاب کے دل کو یہ اطمینان نصیب ہوا کہ پروگرام میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے..... بہت سے وسوسے اس کے دل میں رقصاں رہے تھے اور یہ سوچتا رہا تھا کہ اس دوران کہیں کوئی ایسی تبدیلی نہ ہو گئی ہو کہ اسے شرمندہ ہونا پڑے..... نادر حیات صاحب کے زیر تحت بالکل ہی ان سے منسلک ہو کر یہ پہلا کام تھا جو شہاب کر رہا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ اس کام کی تکمیل اس انداز میں ہو کہ نادر حیات صاحب کا مکمل اعتماد اسے حاصل ہو جائے..... یہاں ان لوگوں کو دیکھ کر اسے ایک گونہ اطمینان ہوا تھا اور اس کے بعد اسے وہ جگہ سنبھالنی تھی جہاں سے وہ بقیہ وقت تک کے لئے اپنی کارروائی کر سکے، ویسے اسے یہ اطمینان بھی تھا کہ ڈبل او گینگ کے ممبر اپنی پوری ذہانت کے ساتھ یہاں مصروف عمل ہیں اور اس ذہانت کا اظہار اس بات سے ہوتا تھا کہ اسے وہاں کسی کا وجود نہیں ملا تھا، پھر بھی انہیں چیک کرنے کے لئے اس نے ٹرانسمیٹر پر رابطہ قائم کیا اور اسے فوراً ہی جواب ملا تھا..... بات سردار علی سے ہوئی تھی۔

"بالکل مسٹر شہاب آپ اطمینان رکھیں..... ہم سب نے پوری محنت کے ساتھ اپنی جگہیں منتخب کی ہیں۔"

"کہا یہ گیا ہے کہ آپ لوگ صرف اپنی جگہ سے نگرانی جاری رکھیں اور اگر کوئی ایسی صورت حال پیش آئے کہ خود آپ کی زندگی خطرے میں پڑ جائے تو آپ پوری ذہانت سے اپنے مدمقابل پر قابو پانے کی کوشش کریں اور اگر ایسا کچھ نہ ہو تو آپ کا کام صرف نگرانی ہے، عملی طور پر آپ اس وقت تک حصہ نہ لیں گے جب تک کہ آپ کو ہدایت نہ ملے۔"

"میں ایک سوال کرنا چاہتا تھا آپ سے؟"

"ضرور کیجئے۔"

"اگر کوئی ایسا شخص ہمیں بھاگتا ہوا نظر آ جائے جو مشکوک ہو تو ہم اسے قابو میں کرنے

کی کوشش کر سکتے ہیں؟"

"سو فیصدی...... کسی کو یہاں سے نکلنا نہیں ہو گا...... مجھے جو ہدایات ملی ہیں وہ یہ ہیں کہ پولیس فورس ہیلی کاپٹروں کے ذریعے اس علاقے پر ریڈ کرے گی اور اس وقت کرے گی جب مال سرحد سے یہاں تک پہنچ چکا ہو گا اور اس کی وصولیابی کی جا رہی ہو گی...... آپ لوگوں کو پولیس کے معاملات میں مداخلت نہیں کرنا ہو گی لیکن اگر کوئی ایسی صورت حال پیش آجائے تو مجبوری ہو گی، میرا مطلب ہے کہ اگر کوئی مشکوک شخص آپ تک پہنچے تو آپ کا فرض ہو گا کہ آپ اسے گرفتار کر لیں...... اس کے علاوہ یہ خطرہ بھی موجود ہے کہ پولیس فورس آپ کو بھی مجرم سمجھ لے اگر ایسا کوئی لمحہ آجائے تو اپنے آپ کو خاموشی سے قانون کے حوالے کر دیجئے آپ جانتے ہیں کہ بعد میں آپ کا بال بیکا نہیں ہو گا۔"

"او کے مسٹر شہاب۔" سردار نے کہا اور اس کے بعد سلسلہ منقطع ہو گیا۔

انتظار کے لمحات کس قدر جان لیوا ہوتے ہیں...... اس کا اظہار ایسے بے شمار افراد پر ہو چکا ہو گا جنہیں کسی سنسنی خیز لمحے کی آمد کا انتظار ہو اور یہی کیفیت اس وقت شہاب پر بیت رہی تھی، گھڑی کی سوئیاں تھیں کہ اٹھلا رہی تھیں اور آگے بڑھنے کا نام ہی نہیں لیتی تھیں...... بمشکل تمام نہ جانے کتنا وقت گزارنے کے بعد رات کی تاریکی نے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لیا اور تقریباً پونے آٹھ بجے ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا...... یہ وہ ٹرانسمیٹر تھا جو نادر حیات صاحب نے شہاب کو دیا تھا...... شہاب کو اس اشارے کا انتظار تھا اس نے فوراً ہی کال ریسیو کی۔

"ہیلو اوور۔"

"ہیلو سر شہاب بول رہا ہوں۔"

"کہو شہاب خیریت سے تو ہو؟"

"جی سر بالکل۔"

"ہم نے دن کی روشنی میں پیلی پہاڑیوں کا ایک چکر لگا کر ماحول کا جائزہ لے لیا ہے اور دور تک گشت کرنے کے بعد واپس آگئے ہیں۔"

"اوہو، مجھے اس کا علم نہیں ہو سکا تھا۔"

"یہ کام میں نے صرف دو آدمیوں کے ساتھ کیا تھا اور وہ بھی ایک فوجی ہیلی کاپٹر کے

ذریعے...... ہمیں دو پرائیویٹ اور چار فوجی ہیلی کاپٹر حاصل ہوئے ہیں، میرے پاس چھتیس متعدد افراد موجود ہیں جو ہر قسم کی صورت حال پر قابو پانے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اب مجھے صرف وہ پوائنٹ بتاؤ جہاں تم اور تمہارا گروہ موجود ہے۔" شہاب نے خوش دلی کے ساتھ ان مقامات کے متعلق بتایا تھا۔

"بالکل ٹھیک بلکہ آپریشن کے وقت ان سے کہو کہ مزید پیچھے ہٹ جائیں۔"

"بہت بہتر جناب۔"

"تمام صورت حال مکمل اور میری گرفت میں ہے...... فکر نہ کرنا بس میں تمہاری طرف سے اشارہ کا منتظر رہوں گا۔"

بہت بہت شکریہ جناب۔" شہاب نے جواب دیا۔

"او کے شہاب۔"

"اوور اینڈ آل۔" شہاب نے ٹرانسمیٹر بند کر دیا...... اب اس کے ہونٹوں پر ایک پرسکون مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

لمحے برس بن کر گزرتے رہے بڑا صبر آزما وقت تھا اور پوری طرح ان لوگوں کے ذہنوں سے کھیل رہا تھا پھر کچھ تحریک ہوئی اور دو جیپیں بلال ڈیرہ کی جانب سے آتی ہوئی نظر آئی تھیں...... شہاب کی دوربین کا رخ ان کی جانب ہو گیا...... رات کی تاریکی میں صرف ان کے ہیولے دیکھے جا سکتے تھے لیکن اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا...... یہ طور خم جاہ اور اس کے ساتھی ہی ہو سکتے تھے جو پوائنٹ پر آرہے تھے...... شہاب ان پر نگاہیں جمائے رہا...... اس کا اندازہ درست نکلا دونوں جیپیں اسی جگہ پہنچ گئی تھیں یہ علاقہ ایسا تھا کہ اس کا کچھ حصہ بالکل صاف ستھرا تھا اور یہاں کارروائی ہو سکتی تھی، یہ دیکھنا تھا کہ ان کا طریقہ کار کیا رہتا ہے، کچھ الجھن سی تھی اور یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ مال کتنا اور کس شکل میں آرہا ہے لیکن بہر حال اب جو کچھ تھا سامنے آنے ہی والا تھا۔

جیپیں پہنچ گئیں اور ان سے تقریباً پندرہ آدمی نیچے اتر آئے، یہاں سے ذرا یہ تمام منظر صاف نظر آرہا تھا...... شہاب کے ہونٹوں پر تشویش نظر آنے لگی اتنے سارے مسلح افراد بہ طور خطرناک ہو سکتے تھے اور یقینی طور پر سخت معرکے کا امکان موجود تھا...... خود شہاب بھی تیار ہو کر ہی آیا تھا...... ڈبل او گینگ کے افراد بھی مسلح تھے...... اپنے تحفظ کے ساتھ

ساتھ ہی وہ کسی ناخوشگوار صورت حال سے نمٹنے کا انتظام بھی رکھتے تھے..... بہر حال جیپوں کو ایک طرف کھڑا کر دیا گیا اور اس کے بعد وہ لوگ بھی انتظار کرنے لگے پھر تقریباً ایک گھنٹے کے بعد شہاب نے فضا میں ایک سفید روشنی بلند ہوتے ہوئے دیکھی..... غالباً آتش بازی ایسی چیز جو زمین سے فضا میں روشنی کی لکیر بناتے ہوئے گزری تھی..... دوسری بار پھر آتش بازی چھوڑی گئی اور یہ کافی فاصلے پر چھوڑی گئی تھی لیکن چند ہی لمحوں کے بعد ادھر سے اس کا جواب دیا گیا اور ویسی ہی آتش بازی فضا میں چھوڑی گئی، لیکن یہ سبز لکیر بناتی ہوئی گزرتی تھی۔

صورت حال سمجھ میں آرہی تھی، یہ اشارے تھے اور سبز روشنی کا اشارہ اس بات کا مظہر تھا کہ لائن کلیئر ہے اور وہ لوگ آسکتے ہیں..... شہاب کے ہونٹوں پر پر اسرار مسکراہٹ پھیل گئی۔

اب وقت آگیا تھا کہ وہ نادر حیات صاحب کو اس صورت حال کی اطلاع دے دے..... اس نے ٹرانسمیٹر نکال لیا اور اسے آن کر کے چہرے کے قریب کر کے سرگوشی کے انداز میں بولا۔

"ہیلو، شہاب اسپیکنگ اوور۔"

"ریسیونگ..... اوور۔"

"سر! کام شروع ہو گیا۔"

"تفصیل۔"

"گروپ ون آچکا ہے۔"

"شامی۔"

"جی سر۔"

"کتنے افراد ہیں۔"

"نئے آنے والے تقریباً پندرہ..... چار افراد کو پہلے سے یہاں دیکھا گیا ہے۔"

"مسلح ہیں۔"

"مہلک ہتھیاروں سے، آٹومیٹک گنیں ہیں ان کے پاس۔"

"کوئی مورچہ بندی کی گئی ہے۔"

"نہیں۔"

"ہوں..... آگے کہو..... اوور۔"

"پہاڑیوں کے دوسری جانب روشنی کا سگنل دیا گیا ہے اور یہاں سے کلیئرنس مل گئی ہے۔"

"ہمیں کتنا مارجن رکھنا ہے۔"

"ابھی کچھ زیادہ وقت لینا ہوگا۔"

"میں جانتا ہوں..... ہم الرٹ ہیں تم ہمیں دس منٹ دو گے؟"

"او کے سر۔"

"اوور..... اینڈ آل۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور شہاب نے ٹرانسمیٹر بند کر دیا..... پھر ادھر سے ٹارچ سے روشنیوں کے سگنل دیئے جانے لگے اور شہاب کی نظریں دور دور تک بھٹکنے لگیں..... اس نے انجم کو کال کیا۔

"مسٹر انجم۔"

"یس مسٹر شہاب۔"

"آپ لوگوں نے کچھ دیکھا۔"

"بخوبی دیکھ رہے ہیں جناب۔"

"ہوشیار ہیں۔"

"پوری طرح..... آپ مطمئن رہیں۔"

"او کے..... اوور اینڈ آل۔"

"دلچسپ صورت حال تھی..... ایسی سچویشن سے پہلی بار واسطہ پڑا تھا لیکن زندگی کا ایک دلچسپ تجربہ تھا..... کچھ دیر کے بعد دو دیو ہیکل ٹرک سست رفتاری سے رینگتے ہوئے نظر آئے..... وہ اسی طرف آرہے تھے..... شہاب کو مناسب وقت پر مناسب فیصلے کرنے تھے..... یہ اس کی ذمے داری تھی..... پھر جب ٹرک وہاں پہنچ کر رک گئے تو شہاب نے ان پر نگاہ جمادی..... تقریباً دس افراد ان ٹرکوں سے نیچے اترے تھے اور ان کا استقبال کیا گیا تھا..... اس عرصہ میں شہاب نے سب سے اہم بات یہ نوٹ کی تھی کہ وہ سب پوری طرح مطمئن تھے اور بڑے اطمینان سے سارے کام کر رہے تھے..... یہ سب سے اطمینان بخش بات تھی اور اب مناسب وقت تھا کہ نادر حیات صاحب کو اطلاع دے دی جائے..... وہ منتظر تھے۔

"ہاں شہاب بولو۔"

"دو ٹرک آئے ہیں...... دس افراد ان سے اترے ہیں۔"

"تعداد تقریباً تیس ہوگی۔"

"یس سر۔"

"تمہارے آدمی مستعد ہیں۔"

"پوری طرح۔"

"ہم چل پڑیں۔"

"جی سر۔"

"وہاں روشنی ہے؟"

"جی سر...... رات میں جگہ تلاش کرنے میں آپ کو دقت نہیں ہوگی۔" شہاب نے جواب دیا، اس نے انہیں روشنی کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

سلسلہ منقطع کر کے وہ ان لوگوں کا جائزہ لینے لگا...... ٹرک ان لوڈ ہونے لگے تھے اور تمام لوگ برق رفتاری سے بڑے بڑے کارٹن نیچے اتار رہے تھے...... شہاب کی کنپٹیاں چیخ رہی تھیں اور ایک ایک لمحہ ذہن میں دھمک رہا تھا...... یہاں کام بڑی مستعدی سے ہو رہا تھا اور ویران پہاڑیوں میں یہ سب بھوتوں کی کارروائی محسوس ہو رہی تھی۔

پھر اچانک ہی ہیلی کاپٹروں کی گھن گرج سنائی دی اور پہاڑوں میں کام کرنے والے سکتے میں رہ گئے۔ شہاب ان لوگوں کی کیفیت بخوبی نوٹ کر رہا تھا، مگر نادر حیات صاحب تجربے کار تھے...... ہیلی کاپٹر چاروں طرف سے آئے تھے اور روشنی کا تعین کر کے آن کی آن میں ان کے سروں پر پہنچ گئے تھے۔ ان میں طاقتور سرچ لائٹیں لگی ہوئی تھیں جو اچانک روشن ہو گئی تھیں اور وہ سب چندھیا گئے تھے...... پھر نہایت کامیابی سے انہیں نشانہ بنایا جانے لگا اور پہلے حملے میں چھ سات افراد ڈھیر ہو گئے...... شہاب اپنی جگہ ساکت تھا...... پہاڑوں میں دن جیسی روشنی پھیل گئی تھی...... ہیلی کاپٹر میں موجود تجربے کار جنگجو اپنا پہلا عمل مکمل کرنے کے بعد آن کی آن میں دور نکل گئے اور اس کے بعد مناسب جگہوں پر اتر گئے...... اس طرح وہ نیچے سے ہونے والی کارروائیوں سے بچ گئے تھے ورنہ خطرہ تھا کہ نیچے والے سنبھل کے ہیلی کاپٹروں پر فائرنگ شروع نہ کر دیں...... نادر حیات صاحب نے دن کی روشنی میں یہاں کا

…ت کر کے جگہوں کا تعین کر لیا تھا...... نادر صاحب ہر طرح کے حربے استعمال کر رہے تھے، چنانچہ روشنیاں ایک دم بند ہو گئیں...... آپریشن کرنے والوں نے ایسی جگہوں پر مورچے سنبھالے جہاں سے وہ ان جگہوں کو روشن کر سکیں...... پہلے ایک دم تیز روشنی نے ان لوگوں کو نقصان پہنچایا تھا، پھر گہری تاریکی نے اور اب وہ بدحواس نظر آ رہے تھے...... اس کا اظہار ان کے بے تحاشا گولیاں برسانے سے ہوا۔ وہ اب اپنا ایمونیشن ضائع کر رہے تھے اور صرف چٹانوں کو نشانہ بنا رہے تھے...... ایک دو سرچ لائٹیں نشانہ بنی تھیں...... باقی سب محفوظ تھیں...... بہت سے جی چھوڑ گئے اور انہوں نے بھاگنا شروع کر دیا اور نادر صاحب کے آدمیوں نے انہیں نشانہ بنا لیا۔

یہ اتفاق ہی تھا کہ ان میں سے ایک نے شہاب کی طرف رخ کر لیا تھا اور شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی...... وہ تیار ہو گیا اور جونہی مفرور اس کے قریب سے گزرا...... اس نے پاؤں اڑا دیا...... وہ بری طرح گرا تھا، لیکن ایسے ہی سانپ کی طرح پلٹا تھا، البتہ اس طرح گرنے سے رائفل اس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی...... شہاب نے اسے چھپا لیا اور مسکرا کر بولا۔

"تھینک یو ڈیئر۔ تمہاری مہربانی ہے کہ تم نے مجھے بھی شہیدوں میں شامل کر لیا۔

نیچے دبا ہوا شخص کافی طاقتور اور تنومند تھا اور شدید جدوجہد کر رہا تھا لیکن شہاب کی آواز سن کر اس کی جدوجہد ماند پڑ گئی...... غالباً اسے ذہنی جھٹکا لگا تھا۔

"کک کون ہے۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"خادم ہی سمجھو۔"

"مسٹر شہاب۔" وہ بولا اور اب شہاب کے حیران ہونے کی باری تھی...... لیکن اس نے گرفت ڈھیلی نہیں کی تھی۔ "مسٹر شہاب یہ تم ہو۔" اس نے کہا۔

شہاب نے طور خم کی آواز پہچان لی تھی...... پھر وہ سنبھل گیا۔ اس کے بعد اسی انداز میں کہا۔

"مگر تم کون ہو؟"

"شہاب مجھے چھوڑ دو، مجھے یہاں سے نکال دو۔" طور خم جاہ نے التجا کی۔

"مگر کیوں جناب؟"

"اوہ مجھے پہچانو، میں طور خم جاہ ہوں۔"

"کون؟"

"طور خم جاہ۔"

"بے وقوف سمجھتے ہو مجھے...... ایک شریف آدمی کو بدنام کر رہے ہو۔"

"شہاب میں طور خم جاہ ہی ہوں۔"

"پھر بکواس، جانتے ہو طور خم جاہ کون ہے...... اس علاقے کا ایک معزز آدمی...... ایک ایسا شریف آدمی جسے میں خود جانتا ہوں...... تم اسے بدنام کر رہے ہو۔"

"اوہ...... بے وقوف کے بچے...... جب میں کہہ رہا ہوں۔" طور خم نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"گالی دیتا ہے۔" شہاب نے اسے بری طرح رگڑتے ہوئے کہا اور وہ بھی جدوجہد کرنے لگا...... بدحواس تھا اس لئے مار کھا رہا تھا ورنہ کافی طاقتور آدمی تھا...... شہاب نے دو تین ٹھوکریں رسید کر کے کہا۔ "ہاں اب بول، کون ہے تو...... طور خم جاہ جیسے شریف آدمی کو بدنام کرتا ہے۔"

"اوہ قدرتی بے وقوف، میرا چہرہ دیکھ لے۔" طور خم جاہ رندھے ہوئے لہجے میں بولا۔

"پھر جھوٹ، پھر بکواس۔" شہاب نے اسے ایک ہاتھ رسید کرتے ہوئے کہا۔

"شہاب میں تجھے ایک کروڑ روپیہ دوں گا...... مجھے چھوڑ دے میں طور خم جاہ ہی ہوں۔"

"جس شریف انسان کا تو نام لے رہا ہے اس کی میں بہت عزت کرتا ہوں...... بس اسی بات پر تجھے نہیں چھوڑوں گا۔" شہاب نے کہا اور پھر ایک ایسی ضرب اس کی گردن پر لگائی کہ اس کے حواس ساتھ چھوڑ گئے...... اس سے زیادہ نہیں کھیلا جا سکتا تھا کیونکہ کوئی دوسرا بھی ادھر آ سکتا تھا...... دوسری طرف سے نادر حیات کے آدمی کامیابی حاصل کرتے جا رہے تھے...... ان لوگوں کو بڑی مہارت سے گھیر لیا گیا تھا اور اب میگا فون پر نادر حیات کی آواز اُبھر رہی تھی۔

"تمہاری ہر کوشش تمہیں موت کی طرف لے جا رہی ہے۔ زندگی چاہتے ہو تو ہتھیار پھینک دو۔"

رفتہ رفتہ ان کے حوصلے پست ہونے لگے...... پھر مقابلہ بند کر دیا گیا اور پولیس کے

جوان کود کود کر سامنے آنے لگے۔ انہوں نے اب کوئی مداخلت نہیں کی تھی...... پھر دیر کے بعد ان کی مشکیں کس لی گئیں...... چودہ لاشیں اکٹھی کی گئی تھیں، باقی سب گرفتار کر لئے گئے تھے...... نادر حیات کی آواز اُبھری۔

"شہاب کیا تم قریب ہو؟"

"سر، خادم حاضر ہے...... دو افراد کو ادھر بھیج دیجئے۔" شہاب نے کہا۔

"روشنی کا اشارہ دو۔"

"یس سر!" شہاب ٹارچ سے اشارہ دینے لگا اور دو آدمی اس کے پاس پہنچ گئے۔

"اسے احتیاط سے کس لو...... یہ اس گروہ کا سرغنہ ہے۔"

شہاب نے آنے والوں سے کہا اور انہوں نے شہاب کی ہدایت پر عمل کیا...... کچھ دور ہٹ کر شہاب نے ڈبل او گینگ کے ممبروں کو کال کیا...... سردار علی نے کال ریسیو کی تھی۔

"شہاب بول رہا ہوں۔"

"یس سر۔"

"باقی لوگوں سے تم رابطہ کر لو سردار علی اور نہایت خاموشی کے ساتھ پیچھے ہٹ کر سب اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاؤ...... اب یہاں تمہاری ضرورت نہیں رہی ہے۔"

"او کے مسٹر شہاب۔"

"احتیاط ضروری ہے...... غلط فہمی میں تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔"

"مطمئن رہیں جناب۔" سردار علی نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

اس طرف سے مطمئن ہونے کے بعد شہاب، نادر حیات کو تلاش کرتا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا...... آئی جی نادر حیات نے مسکراتے ہوئے اس کا خیر مقدم کیا تھا اور نہایت خلوص کے ساتھ اسے مبارکباد دی تھی۔

"میں تم پر فخر کرتا ہوں شہاب اور خود پر بھی کہ نہ میں نے پہلے تمہارا انتخاب غلط کیا تھا اور نہ اب یہ ایک بالکل الگ کیس ہے جس میں تم نے ایک اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دے ڈالا بہرحال میری طرف سے مبارکباد قبول کرو۔"

"بے حد شکریہ جناب آپ جیسا افسر اعلیٰ بھی تو کسی کو ملے جس کی موجودگی میں انسان کا دل، شیر کے دل کی طرح نڈر ہو جاتا ہے۔" شہاب نے جواب دیا۔

"اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا سامان لایا گیا ہے، میں نے اپنے آدمیوں کو سخت احتیاط کی ہدایت کر دی تھی کیونکہ اگر ایمونیشن گولیوں کا نشانہ بنتا تو زبردست تباہی پھیل جاتی اور ہم دونوں کو بھی خطرہ لاحق ہو جاتا، نہایت مسرت کی بات ہے کہ ہمارا کوئی آدمی ضائع نہیں ہوا۔"

"ان قیدیوں کو کہاں لے جانا ہے جناب؟"

"خان خیل، وہاں میں نے سردار بختیار گل سے تمام معاملات طے کر لئے ہیں اور وہاں پہنچنے کے بعد بات آگے بڑھائی جائے گی۔ اب یہ مشورہ دو کہ فی الحال ہمارا دوسرا قدم کیا ہونا چاہئے؟"

"میرا خیال ہے بظاہر کسی اور مداخلت کی امید نہیں، پہلے زندہ افراد کو جنہیں قید رکھا گیا ہے۔ خان خیل پہنچادیا جائے اس کے بعد ان لاشوں کا بندوبست کرنا ہے..... ہم صرف چند افراد کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں باقی یہاں مورچہ بند رہیں گے..... میں اپنے ساتھ جن افسروں کو لایا ہوں انہیں ہدایات جاری کئے دیتا ہوں..... تمہارا کام فی الحال ختم ہو گیا ہے..... باقی باتیں بعد میں کریں گے۔"

"بے حد شکریہ جناب، لیکن میں سمجھتا ہوں میرا کام ختم نہیں ہوا۔" شہاب نے کہا اور اس کے ان الفاظ پر نادر حیات نے چونک کر اسے دیکھا پھر بولے۔

"میں سمجھا نہیں۔"

"آپ نے یہ نہیں پوچھا جناب کہ اس تمام کارروائی کا سرغنہ کون ہے؟"

"اوہ مائی گاڈ، شدید ذہنی ہیجان کے عالم میں یہ اہم نکتہ میرے ذہن سے نکل گیا..... میں انہی لوگوں میں اُلجھا رہا..... کیا تم اس کارروائی کے سرغنہ کو جانتے ہو، کیا وہ کہیں اور موجود ہے؟"

"نہیں جناب، وہ ان لوگوں ہی میں شامل ہے۔"

"اوہ، کیا وہ زندہ ہے؟"

"جی ہاں، میں نے اسے فرار ہوتے ہوئے پکڑا ہے۔"

"گڈ کہاں ہے وہ؟"

"جو سپاہی اسے لے کر یہاں آئے ہیں، میں ان سے معلومات حاصل کرتا ہوں۔" سپاہیوں نے اس شخص کی نشاندہی کر دی جو ابھی تک بے ہوش تھا اور شہاب نادر حیات کو لے

کر اس کے پاس پہنچ گیا۔

"یہ سرغنہ ہے جناب۔" نادر حیات نے ٹارچ کی روشنی اس شخص کے چہرے پر ڈالی اور ان کے منہ سے ہلکی سی آواز نکل گئی۔

"طورخم جاہ۔"

"جناب عالی!" نادر حیات صاحب ایک دم گنگ ہو گئے تھے..... کچھ لمحات خاموش رہے پھر بولے۔

"شہاب، جن باتوں کا تم سے اظہار کر چکا ہوں ان میں کہیں کوئی فریب نہیں ہے، نہ ہی میں اپنے وطن، اپنی قوم اور اپنے فرائض سے غیر مخلص آدمی ہوں، شاید پہلے بھی میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ میری زندگی کا نقطہ نظر ایک ہی رہا ہے، اگر فرض کو پورا نہ کر پاؤ اور رکاوٹیں راہ میں آئیں تو جذباتی ہونے کے بجائے اپنے آپ کو اس فرض کے لئے نااہل قرار دے دو، لیکن واقعی مجھے اس کا پتا نہیں تھا کہ طورخم جاہ وطن دشمن بھی ہو سکتا ہے۔ اس انکشاف نے مجھے خود اپنی نگاہوں میں شرمندہ کر دیا ہے، لیکن شہاب اب تو کچھ سوالات تم سے فوری طور پر کرنا ضروری ہو گئے ہیں..... شاید میں اپنے آپ کو ان سوالات سے باز نہیں رکھ سکتا۔"

"میں حاضر ہوں جناب؟"

"جس وقت تم نے مجھے پہاڑوں میں ہونے والی اس مذموم کارروائی کی اطلاع دی تھی تو کیا تمہیں طورخم جاہ کا علم ہو چکا تھا؟"

"جناب عالی!"

"اس کے علاوہ اس شخص کے بارے میں اور کیا معلومات حاصل کر سکے ہو؟"

"میرے خیال میں اس کا انکشاف اس جگہ مناسب نہیں ہو گا۔"

❋ ❋ ❋

"اوہ میرے خدا، لیکن شہاب اب میری طرف سے مزید مبارک باد قبول کرو، تم ایک آئیڈیل انسان ہو، تم نے ہر طرح کی احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر یہ کارنامہ سرانجام دیا ہے...... اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اپنے دوست کی جان بچانے کی کوشش کرتا یا اس کے بعد کروں گا تو براہ کرم میری تم سے درخواست ہے کہ آئندہ میرے بارے میں اس انداز میں مت سوچنا، وطن دشمن میرا ذاتی دشمن ہے چاہے وہ میرا سگا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔"

"میں آپ کی عظمت کو سلام کرتا ہوں نادر حیات صاحب۔"

"اوہ اس شخص نے میری ساری عمر کی محنت کو رائیگاں کر دیا، آہ میں ایک ایسے شخص کو نہیں پہچان پایا جو درپردہ میرے وطن کا دشمن تھا...... اس بدبخت کو اتنی بدترین سزا دلاؤں گا میں کہ لاکھوں افراد کو عبرت حاصل ہو۔" نادر حیات صاحب کے لہجے میں غراہٹ پیدا ہو گئی تھی اور اس کے بعد شہاب نے انہیں کسی قدر گم صم ہی دیکھا تھا...... پتا نہیں کیا کیا تصورات ان کے ذہن میں تھے...... کارروائیوں کا آغاز ہو گیا...... شہاب نے نادر حیات کی موجودگی میں ان تمام چیزوں کا جائزہ لیا...... کچھ کارٹن کھول کر دیکھے گئے...... جدید ترین اسلحہ ان میں موجود تھا اور یہ اندازہ لگا لیا گیا تھا کہ سب میں اسلحہ ہی ہے۔ جن لوگوں کو یہاں ڈیوٹی پر تعینات کیا گیا تھا انہیں خصوصی طور پر ہدایات جاری کی گئیں اور اس کے بعد ان قیدیوں کو ہیلی کاپٹروں میں بٹھا کر خان خیل لے جایا جانے لگا...... فاصلہ بہت ہی مختصر تھا، ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہوتے اور چند لمحات کے بعد خان خیل اتر جاتے۔

ادھر سردار بختیار گل ان لوگوں کے ساتھ معاون کار تھا، اس کی عظیم الشان رہائش گاہ کے احاطے میں ان کے اپنے ملازموں کی کافی تعداد موجود تھی اور نادر حیات صاحب نے

اسے تمام صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا...... سردار بختیار نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"ہم ان پہاڑوں کی عظمتوں کو سربلند رکھنے کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک دینے کے لئے تیار رہتے ہیں اور بدفطرت لوگ ہمیں بدنام کرنے پر تلے رہتے ہیں...... نادر حیات یہ مت سمجھنا کہ پہاڑوں میں رہنے والے اور بھی لوگ اس جیسے ہوں گے...... پہاڑوں میں غیور اور وطن دوست پیدا ہوتے ہیں اور ہم اپنے فرائض بغیر تمہاری حکومت کی حمایت کے سرانجام دیتے رہتے ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ دشمن نے ہر علاقے میں اپنی من مانی کارروائیاں کی ہیں لیکن ان پہاڑوں کے جیالے ہمیشہ ان کے لئے خوف کا باعث رہے ہیں اور وہ چوری چھپے اگر کچھ کر سکتے ہیں تو کرتے رہے ہیں...... منظر عام پر آ کر کبھی انہوں نے پہاڑوں میں رہنے والوں سے ٹکر نہیں لی۔"

"میں جانتا ہوں بختیار گل تم اس کی فکر مت کرو۔"

"اگر تمہیں کچھ افراد کی ضرورت ہے تو میں ان کا انتظام بھی کر سکتا ہوں۔" بختیار گل نے پیش کش کی۔

"اگر ضرورت ہوئی تو میں تم سے درخواست کروں گا، فی الحال مجھے بیرونی رابطوں سے کچھ لوگوں کو یہاں بلوانا ہے اور اس کے بعد نادر حیات صاحب اپنا کام کرتے رہے تھے۔"

شہاب نے بھی ان تمام کاموں کی بھرپور نگرانی کی تھی...... تھوڑی دیر کے بعد یہ تمام کام بھی ہو گیا اور ہیلی کاپٹر وہاں چھوڑ دیئے گئے تھے تاکہ کسی ایمرجنسی میں کام کیا جا سکے...... پھر صبح کی روشنی پھوٹنے سے قبل بہت سے افراد وہاں پہنچ گئے تھے جن کا تعلق سیکورٹی فورسز سے تھا اور انہوں نے کچھ دیر کے بعد اس علاقے کا نظام سنبھال لیا۔

ڈیرہ بلال میں رہنے والوں کو اس تمام کارروائی کا علم نہیں ہو سکا تھا جب فورسز نے بلال ڈیرہ میں داخل ہو کر طورخم جاہ کی رہائش گاہ کا محاصرہ کر لیا تو پورا ڈیرہ بلال ششدر رہ گیا...... کچھ لوگوں نے اختلاف بھی کیا لیکن دوسرے سردار اعتماد میں لئے جا چکے تھے، جن میں شاہ سلطان بھی تھا اور لوگوں کو سمجھایا بجھایا گیا کہ طورخم جاہ ایک وطن دشمن انسان ہے اور اسے اسلحے کی اسمگلنگ میں رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہے اس لئے وہ لوگ مداخلت نہ کریں...... اس بات سے لوگ ٹھنڈے ہو گئے تھے...... پھر سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ طورخم جاہ کی رہائش گاہ میں ایک زیرزمین اسلحہ خانہ دریافت ہوا جس میں کروڑوں روپے کی مالیت کا خوفناک اسلحہ

پوشیدہ تھا...... سیکورٹی فورسز نے اس اسلحے پر بھی قبضہ کر لیا تھا...... بات بہت اوپر پہنچ چکی تھی اور اب آئی جی نادر حیات کا رابطہ براہ راست وزارت داخلہ سے تھا اور بہت سے بڑے بڑے افراد یہاں پہنچنے والے تھے...... شہاب کو دن کے ساڑھے گیارہ بجے فرصت ملی تھی، اس دوران مفتی حیات، بینا کو بتا چکے تھے کہ صورت حال بہت ہی گھمبیر رخ اختیار کر گئی ہے۔

ادھر وہ تمام افراد بھی پہنچ گئے تھے...... بینا کو رات کو جگانے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن دن کی روشنی میں انہوں نے بینا کو تمام صورت حال سے آگاہ کر دیا...... بینا نے اصرار سے پوچھا۔

"شہاب خیریت سے تو ہے، کوئی نقصان تو نہیں پہنچا اسے؟"

"نہیں میڈم، شہاب صاحب نے تو اس وقت وہ کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔"

بینا مسرور ہو گئی تھی۔

شہاب نے بڑی خوش اسلوبی سے یہ تمام کام سرانجام دے لئے تھے...... ادھر نادر حیات کی مصروفیات انتہا کو پہنچی ہوئی تھیں...... اسلحہ کروڑوں ڈالر کی مالیت کا تھا اور اس سے یہ اندازہ کیا جارہا تھا کہ کون سا ملک اس اسلحے کی اسمگلنگ میں ملوث ہے، لیکن بہر حال کسی سے کیا شکوہ، جب اپنے ہی اپنی زمین کے دشمن ہو جائیں تو دوسروں سے کچھ کہنا بے مقصد ثابت ہو سکتا ہے، اس لئے اس سلسلے میں خاموشی اختیار کی گئی...... اسلحے کے ٹرک قبضے میں لے کر دارالحکومت روانہ کر دیئے گئے اور ان کی حفاظت کے لئے سخت بندوبست کیا گیا، ان تمام کاموں میں کافی وقت صرف ہوا تھا...... ادھر بینا نے شہاب کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"تو آخر آپ نے وہ کارنامہ سرانجام دے ہی دیا جس کے لئے آپ یہاں آئے تھے۔"

"جس کے سر پر بینا کا سایہ ہو وہ کیا نہیں کر سکتا۔"

"شہاب بہت بڑا کام ہوا ہے میں سمجھتی ہوں اس سے آپ کو بہت شہرت ملے گی۔"

"اصل میں اس شہرت سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

شہاب نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں نہیں ہے، مجھے تو اچھی لگتی ہے۔"

"نہیں بینا میں ایک اور شہرت کا طالب ہوں۔" شہاب اسی سنجیدگی سے بولا اور بینا کی صورت دیکھنے لگا۔

"پوچھو گی نہیں وہ کون سی شہرت ہے؟"

"پوچھنا چاہتی ہوں۔"

"تو پوچھو۔"

"بتا دیجئے۔"

"میں چاہتا ہوں کہ لوگ مجھے محبتوں کا چچا زاد بھائی سمجھیں اور میرا اور بینا کا نام افسانوں اور کہانیوں میں لکھا جائے۔"

"خدا نہ کرے جو ہم اس نہج پر پہنچیں۔" بینا نے خلوص دل سے کہا اور شہاب مسکرانے لگا...... معاملات خوش اسلوبی سے چل رہے تھے...... اس دوران شہاب نے کسی اور سمت رخ نہیں کیا تھا...... نادر حیات واپس دارالحکومت چلے گئے تھے اور شہاب کو ابھی یہاں بہت سے کام نمٹانے تھے، پھر شاہ سلطان اچانک وہاں پہنچ گیا جہاں شہاب کی رہائش گاہ تھی...... بہر حال وہ بلال ڈیرہ کا معزز آدمی تھا...... وہاں خاصی ہلچل مچ گئی، خود مفتی حیات نے شاہ سلطان کو اس جگہ خوش آمدید کہا تھا...... شاہ سلطان نے کہا۔

"میں شہاب سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں، ہاں آئیے۔"

"نہیں مفتی حیات بس مجھے وہاں پہنچا دو جہاں شہاب ہے اور اس کے بعد تم اپنے کام میں مصروف ہو جاؤ۔" مفتی حیات نے شہاب کی رہائش گاہ پر شاہ سلطان کو پہنچا دیا۔ شہاب خود شاہ سلطان کو دیکھ کر حیران رہ گیا تھا...... اس نے بڑے پر تپاک انداز میں شاہ سلطان کا استقبال کیا...... شاہ سلطان نے کہا۔

"نہیں ڈیئر شہاب ایک بہت بڑی شخصیت سے ملنے آیا ہوں میں، تم اس طرح میرا استقبال نہ کرو۔"

"یہ آپ کی بڑائی ہے شاہ سلطان صاحب اور بہر حال اس بات کو میں کبھی نہیں بھولوں گا کہ اس بہت بڑے کام کے لئے آپ نے میری رہنمائی کی تھی۔"

"رہنمائی تو میں ایک ہزار افراد کی کر سکتا تھا لیکن میری ہمت بھی تم جیسے کسی شخص کو

دیکھ کر ہی پڑی اور میں نے یہ سب کچھ تم پر منکشف کر دیا، مجھے بے حد خوشی ہے شہاب ثاقب کہ میں نے بالکل صحیح آدمی کا انتخاب کیا تھا۔"

"آپ کو تمام صورت حال معلوم ہو گئی۔"

"ہاں شہاب، بہت بڑے مجرم کو گرفتار کرایا ہے تم نے، بہت بڑے مجرم کو گرفتار کرلیا ہے لیکن اب میں تم سے ایک درخواست اور بھی کرنا چاہتا ہوں۔"

"حکم دیجئے شاہ سلطان۔"

"وہ اپنے اختیارات سے کام لے کر نکلنے نہ پائے اگر ایسا ہو گیا شہاب تو یوں سمجھ لو ان پہاڑوں میں خون برسے گا...... آسمان سرخ ہو جائے گا...... میں اس بدفطرت آدمی کو اچھی طرح جانتا ہوں اور اب تو تمہیں یہ بھی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اسے سرحد پار کا تعاون بھی حاصل ہے وہ اپنے لئے محفوظ جگہ تلاش کرے گا اور یہاں خون کی بارش کر کے فرار ہو جائے گا۔"

"آپ اطمینان رکھئے شاہ سلطان ایسا کبھی نہیں ہو گا۔"

"شکریہ...... اور میری طرف سے دلی مبارک باد، ایک تحفہ بھی لایا ہوں تمہارے لئے۔"

"نہیں شاہ صاحب ہماری تمام کاوشوں کا تحفہ آپ کی یہ عنایت ہے کہ آپ خود چل کر یہاں آئے۔" بہر حال وہ تحفہ شہاب کو وصول کرنا ہی پڑا تھا اور اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ خاصا بھاری بھر کم تحفہ ہے جو ایک بڑے لفافے کی شکل میں تھا، شاہ سلطان نے کہا۔

"اور اس کا کسی اور سے کوئی واسطہ نہیں ہے...... یہ میری خوشی اور تم جیسے نوجوانوں کے لئے ایک انعام ہے۔"

"شاہ صاحب اب کم از کم ایک اور بات کا حق دار تو ہوں میں۔"

"ہاں ہاں بالکل۔"

"کیا آپ یہ نہیں بتائیں گے کہ خرم جاہ کس کا بیٹا ہے۔"

"اب یہ بتانے میں مجھے کوئی عار نہیں ہے بلکہ تھوڑی سی کارروائی تمہیں بھی میرے ساتھ کرنا ہو گی۔"

"حکم دیجئے۔"

"ذرا یہاں سے فارغ ہو جاؤ اگر کچھ اور ذمہ داریاں نہیں ہیں تمہاری۔"

"میں صرف اسی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے یہاں رکا ہوا ہوں کیونکہ آئی جی صاحب کو یہ اطلاع دینی ہے کہ خرم جاہ کا کیا ہوا۔"

"اوہ..... اگر یہ بات ہے تو پھر کل کا دن ہم اس کے لئے منتخب کرتے ہیں۔"

"آپ یہ بتانا پسند نہیں کریں گے کہ خرم جاہ دل آرام کا بیٹا ہے لیکن اس کی ماں کے بارے میں آپ نے کہا ہے کہ وہ زندہ ہے۔"

"ہاں، وہ زندہ ہے۔"

"کون ہے؟"

"خانم زمانی۔" شاہ سلطان نے انکشاف کیا اور شہاب کے ذہن میں ایک چھناکا ہوا، بینا بھی ششدر رہ گئی تھی اس نے بے اختیار پوچھا۔

"خانم زمانی، وہ..... وہ شہاب جہاں ہم گئے تھے؟"

"ہاں وہ مغموم عورت بہت ہمت والی ہے، اکلوتا ہی بیٹا تھا اس کا باپ بیٹے کی گمشدگی برداشت نہیں کر سکا..... ماں کے سینے پر بھی یقیناً اس کا غم ہوگا..... شہاب اب یہ تمہارا فرض ہے کہ بیٹے کو ماں تک پہنچاؤ۔"

"آپ نے خرم جاہ کو بھی یہ بات نہیں بتائی۔"

"آہ..... وقت آنے کا انتظار کر رہا تھا تمہیں یہ کھیل بھی کھیلنا ہوگا۔"

"ہم لوگ اس کے لئے تیار ہیں۔" بینا نے کہا۔

"تو پھر میں تمہارے ساتھ ہر طرح کا تعاون کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" شاہ سلطان کے جانے کے بعد بینا نے متحیر لہجے میں کہا۔

"شہاب یہ تو ایک بہت ہی دلچسپ کہانی منظر عام پر آئی ہے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے۔"

"مجھے خانم زمانی یاد ہے، بہت ہی شاندار عورت تھی۔"

"ہاں..... لیکن بینا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس سلسلے کو ہم کیسے آگے بڑھائیں گے۔"

"کوئی منصوبہ بنانا ہوگا شہاب، کوئی دلچسپ اور خوب صورت منصوبہ۔"

"ٹھیک ہے بہر حال یہ ایک خوب صورت معاملہ ہے۔"

"تو پھر اب کیا ارادہ ہے۔"

"میرا خیال ہے پہلے ہمیں خرم جاہ سے رجوع کرنا چاہئے۔"

"مناسب ہوگا لیکن اس کے لئے کیا ہم لوگ شاہ سلطان کے گھر نہیں جائیں گے۔"

"وہیں چلیں گے۔" بینا اور شہاب اب آزاد ہو گئے تھے..... ڈبل او گینگ کے ممبران کو وہاں سے واپس بھیج دیا گیا تھا..... شاہ سلطان سے اس موضوع پر پھر بات چیت ہوئی اور ایک لائحہ عمل منتخب کر لیا گیا..... مفتی حیات ان واقعات کے بعد شہاب کا بہت گرویدہ ہو گیا تھا..... شہاب کو یہاں زبردست مراعات حاصل تھیں، ویسے پوری بستی سنسنی کا شکار تھی..... ابھی تک پولیس فورس طور خم جاہ کے مکان پر لگی ہوئی تھی اس کے اہل خاندان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی گئی تھی، بستی کے لوگ طور خم جاہ کے جرائم سے واقف ہو کر اس سے نفرت کا اظہار کر رہے تھے..... یہ غیوران وطن سب کچھ برداشت کر سکتے تھے وطن کے خلاف جب سازش کا انکشاف ہوا تو ہر شخص طور خم جاہ کے خلاف ہو گیا، بہر حال طور خم جاہ نے جو بویا تھا وہ کاٹ لیا، اب یہ نیا مرحلہ باقی تھا اور اس مرحلے کی تکمیل کے لئے شہاب اور بینا خانم زمانی کے علاقے میں پہنچ گئے..... علاقے میں مستعد افراد ہمیشہ گشت کرتے رہتے تھے..... انہیں روکا گیا اور جب شہاب نے خانم زمانی سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا تو اسی مخصوص انداز میں اسے خانم زمانی کے سامنے پہنچا دیا گیا..... پر وقار عورت نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں نے تم لوگوں کو پہچان لیا ہے، کہو خیریت سے ہو۔"

"جی خانم..... آپ کی خدمت میں حاضری کے بارے میں سوچ کر ذرا وحشت زدہ تھے۔" خانم زمانی اس وقت کچھ اچھے موڈ میں معلوم ہوتی تھی، مسکرا کر بولی۔

"کیوں..... کیا میں بہت بھیانک ہوں۔"

"نہیں خانم! آپ کا رعب آپ کا دبدبہ ہمیں خوفزدہ کرتا ہے۔"

"اگر تم مجھے انسان سمجھنے سے گریز کرتے ہو تو پھر ٹھیک ہے تمہارے یہ الفاظ مناسب ہیں اس وقت کی بات کچھ اور تھی بہر حال مجھے اپنی زمینوں کا اس وقت تک خیال کرنا ہے جب تک میں زندہ ہوں۔"

"جی خانم۔"

’’خیر سناؤ تم یہاں کیسا وقت گزار رہے ہو، ویسے مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ شاید تم نے حکومت کے سامنے میرا کیس مناسب الفاظ میں پیش کر دیا ہے کیونکہ اس کے بعد یہ کوشش ابھی تک نہیں کی گئی۔‘‘

’’یقیناً خانم زمانی یہ آپ کے اور حکومت کے درمیان کا معاملہ ہے لیکن ہم بہرحال آپ کی خدمت میں حاضر ہو چکے تھے اور کچھ ایسا تاثر لے کر گئے تھے کہ ہمارے دل میں آپ کے لئے ایک مقام پیدا ہو گیا تھا۔‘‘

’’اخلاقاً بھی یہ الفاظ کہہ رہے ہو تو مجھ پر شکریہ لازم ہو جاتا ہے اس لئے تمہارا شکریہ۔‘‘

’’خانم اصل میں ہم یہاں کسی اور ہی مقصد کے لئے آئے تھے۔‘‘

’’کہو میرے لائق کوئی خدمت ہو تو مجھے بتاؤ۔‘‘

’’نہیں آپ کی نوازشات کافی ہیں ہمارے لئے، ان واقعات کا تذکرہ کرنا چاہتے تھے جو اس وقت بلال ڈیرہ میں پیش آئے ہیں۔‘‘

خانم کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے...... چند لمحات سوچتی رہی پھر اس نے کہا۔

’’ہاں...... طورخم جاہ اس علاقے کا اک برا انسان تھا...... لوگ اس کے بارے میں جانتے تھے اور جانتے ہیں لیکن اس وقت جو ماحول چل رہا ہے اس میں ہر شخص اپنی عزت بچانے کے لئے سرگرداں رہتا ہے اور پھر یہ بھی سوچا جاتا ہے کہ برائی کا انجام برا ہوتا ہے...... بجائے اس کے کہ خود اپنے سر کوئی عذاب مول لیا جائے خدا کی بے آواز لاٹھی کا انتظار کرنا زیادہ مناسب رہتا ہے میں جانتی تھی کہ آخرکار طورخم جاہ کی برائیاں سامنے آئیں گی لیکن اتنا بھی علم نہیں تھا مجھے کہ وہ ایک برا انسان ہونے کے ساتھ ساتھ ملک دشمن بھی ہے، میں سمجھتی ہوں یہ جو کارروائی کی گئی ہے اس وقت انتہائی مناسب اور بہتر کارروائی ہے بلکہ میرے دل میں یہ خواہش ابھری تھی کہ میں یہ کارروائی کرنے والوں کو خراج تحسین پیش کروں، لیکن کچھ اس قسم کا مزاج بن گیا ہے کہ دنیا سے گریزاں رہتی ہوں۔‘‘

’’خانم زمانی کچھ انکشافات کرنے ہیں آپ پر اگر آپ کی اجازت ہو تو۔‘‘

’’اگر کوئی خاص بات بتانا چاہتے ہو تو ضرور بتاؤ معاملات بہرحال دلچسپ ہیں، میرے

آدمیوں نے بھی کچھ معلومات حاصل کی ہیں۔‘‘

’’جی خانم اور اسی تفتیش کے لئے ہمیں یہاں بھیجا گیا تھا۔‘‘ شہاب نے کہا اور خانم زمانی اچھل پڑی۔

’’تت...... تمہیں۔‘‘

’’جی ہاں...... ہم ایک دوسرے محکمے سے منسلک ہو کر سروے انجینئروں کی حیثیت سے یہاں پہنچے تھے اور اس دوران ہم نے یہاں کے بارے میں معلومات حاصل کی ہیں۔‘‘

’’اوہ میرے خدا تو کیا یہ تمہاری ہی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔‘‘

’’ہم اسے آپ کی دعاؤں کا نتیجہ اور بلال ڈیرہ میں اچھے لوگوں کی موجودگی کا نتیجہ کہہ سکتے ہیں۔‘‘

’’تت...... تت...... تم...... تم خفیہ محکمے سے تعلق رکھتے ہو۔‘‘

’’جی خانم، ہمارا تعلق سی بی آئی سے ہے۔‘‘

’’اور اس بچی کا بھی؟‘‘

’’جی...... یہ میری اسسٹنٹ ہیں۔‘‘

’’بھئی واہ...... او ہو دیکھو قدرت نے میری خواہش کس طرح پوری کر دی، یعنی میں ان لوگوں کو خراج تحسین پیش کرنا چاہتی تھی جنہوں نے یہ کارنامہ سرانجام دیا ہے اور وہ لوگ یہیں میرے پاس چلے آئے...... نوجوان یقین کرو تمہاری وقعت میرے دل میں بے پناہ بڑھ گئی ہے جو لوگ وطن کی بقا کے لئے سینہ سپر رہتے ہیں وہ قابل احترام ہوتے ہیں...... تم قابل احترام ہو اور قابل مبارکباد بھی...... میں تمہیں انعام دیئے بغیر یہاں سے رخصت نہیں کروں گی۔‘‘

’’خانم ہم آپ سے انعام ہی وصول کرنے آئے ہیں۔‘‘

’’یقیناً، یقیناً اگر تمہاری کچھ خواہش ہو تو مجھے بتاؤ۔‘‘

’’شکریہ خانم...... ہماری پہلی خواہش ہے کہ ہم جو پوچھیں آپ بلا تعرض ہمیں بتا دیں۔‘‘ شہاب نے کہا اور خانم چونک کر اسے دیکھنے لگی...... کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے خشک لہجے میں کہا۔

’’کیا تم مجھ سے طورخم جاہ کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہو؟‘‘

”نہیں خانم۔“

”اس خانہ خراب نے مجھ پر کوئی الزام تو نہیں لگایا...... میں تمہیں بتادوں وہ دل میں مجھ سے بغض رکھتا ہے، ممکن ہے وہ مجھے اپنے ساتھ گھسیٹنا چاہتا ہو۔“

”نہیں خانم، ایسا نہیں ہے۔“

”تم لوگوں کو مجھ پر کوئی شبہ ہے؟“

”قطعی نہیں۔“

”تو پھر مجھے کیوں پریشان کر رہے ہو، پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو۔“

”ابھی آپ نے کہا تھا کہ وہ دل میں آپ سے بغض رکھتا ہے۔“

”اس کی وجہ؟“

”ایک پرانی کہانی۔“

”آپ کے شوہر کا نام دل آرام جاہ تھا؟“

”ہاں۔“ خانم زمانی آہستہ سے بولی۔

”اور ایک المناک حادثے نے ان سے زندگی چھین لی؟“

”ایسا ہی ہوا تھا۔“

”وہ حادثہ آپ کی اکلوتی اولاد کے سلسلے میں تھا۔“

”سب کچھ معلوم کر چکے ہو تو اپنی کہو، مجھ سے کیوں پوچھے جا رہے ہو۔“ خانم جھلا کر بولی۔

”آپ نے اپنے بیٹے کی تلاش کیوں ترک کر دی؟“

”افسوس میرے اندر قوت پرواز نہیں ہے، میں آسمانوں میں اسے تلاش نہیں کر سکتی تھی۔“

”کیا آپ کو اس کے زمین پر موجود ہونے پر یقین نہیں تھا۔“

”زمین دل آرام نے کھنگال لی تھی۔“

”آپ کا خیال طور خم جاہ کی طرف کیوں نہیں گیا۔“

”کیا......؟“ خانم اُچھل پڑی۔

”اس کے بارے میں آپ نے کیوں نہیں سوچا تھا۔“ شہاب نے کہا اور خانم کے

چہرے پر ہیجان نمودار ہونے لگا...... اس کا تنفس تیز ہو گیا...... اس نے کسی قدر نڈھال لہجے میں کہا۔

”میرے خدا، کیا طور خم نے دوران تفتیش کوئی اظہار کیا ہے؟“

”نہیں خانم، بالکل نہیں...... ہم اس کے بارے میں تفتیش کر رہے ہیں اس لئے ہر پہلو کو مد نظر رکھا جا رہا ہے۔“

”کیوں میرے زخم تازہ کر رہے ہو۔“

”کاش ہم آپ کے زخموں کو مرہم دے سکیں۔“ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد خانم نے کہا۔

”خان نے اس بارے میں تفتیش کی تھی لیکن کچھ نہ پا سکے اور پھر کوئی خاص خیال بھی نہیں اُبھرا تھا...... خان بہت جلد ہمت توڑ بیٹھے اور اس دنیا میں نہ رہے۔“

”آپ کو علم ہے اس واقعے کے کچھ عرصے کے بعد طور خم جا بھی بیٹے کا باپ بنا تھا۔“

”اپنا اپنا نصیب۔“

”اور اس نے اپنے بیٹے کا نام خرم جاہ رکھا تھا۔“

”شاید۔“

”اور اس کا بیٹا ڈیرہ بلال میں نہیں پیدا ہوا تھا۔“

”کیا مطلب؟“

”اس کی بیوی اپنے میکے چلی گئی تھی اور بیٹے کی پیدائش کے بعد واپس آئی تھی۔“

”ہمیں اتنی معلومات نہیں۔“

”آپ کو یہ بھی نہیں معلوم کہ شاہ سلطان نے طور خم جاہ کے بیٹے کو اغوا کر لیا تھا۔“

”ہاں میں نے سنا تھا لیکن ان لوگوں میں دشمنی چلتی رہتی ہے...... اب تم میری بات سنو نوجوان، اگر تمہیں مجھ سے کوئی بات پوچھنی ہے تو مطلب کی بات کرو مجھے اختلاج ہو رہا ہے...... یہ باتیں مجھے پسند نہیں آرہیں۔“

”ہم سے تعاون کیجئے خانم ہمیں آپ کے بیٹے کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہوئی ہیں۔“ شہاب نے کہا اور خانم زمانی کا چہرہ پھر سرخ ہو گیا...... اس کی آنکھیں انگارہ ہو گئیں۔ اس نے کرخت لہجے میں کہا۔

"تم مجھ سے چوہے بلی کا کھیل کھیل رہے ہو...... میری شخصیت کو چکنا چور کر رہے ہو۔"

"آپ خود کو اعتدال میں رکھیں، ہم سڑک کے لوگ نہیں ہیں سرکاری افسر ہیں، انسان بن کر جواب دیں۔" شہاب کا لہجہ بھی کرخت ہو گیا اور وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"جس لہجے میں تم مجھ سے بات کر رہے ہو اس کے بعد زندہ واپس جانے کی توقع رکھتے ہو۔"

"کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی آپ ہمارا خانم، اس ہوا میں نہ رہیں...... آپ کو اس محل سے نکال کر پولیس کی گاڑی میں بٹھا کر لے جایا جا سکتا ہے۔"

"خون کی ندیاں بہا دوں گی۔" خانم غرا کر کھڑی ہو گئی۔

"ارے چھوڑیئے آپ طور خم جاہ کا تو کچھ بگاڑ نہیں سکیں جو آپ کے بیٹے کو اغوا کر کے لے گیا۔"

"بکواس مت کرو۔" خانم چیخی۔

"اس نے بڑے اطمینان سے آپ کے بیٹے کو اغوا کیا اور سازش کر کے اسے اپنی بیوی کے ساتھ میکے بھیج دیا...... پھر وہ اطمینان سے آپ کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنا کر یہاں لے آئی اور طور خم جاہ نے اسے خرم جاہ کی حیثیت سے روشناس کرایا...... کوئی شک بھی نہیں کر سکا۔"

خانم نے پھر ایک جھٹکا کھایا اور بیٹھتی چلی گئی۔ لیکن وہ منہ سے کچھ نہ بولی تھی۔

"بے چارے خرم جاہ کے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ طور خم جاہ کا نہیں دل آرام شاہ کا بیٹا ہے...... یہ بات تو اسے آج تک نہیں معلوم کہ اس کی ماں کون ہے لیکن شاہ سلطان کو اس کا پتا مل گیا کیونکہ اس کی بھتیجی خرم جاہ کو پسند کرتی تھی...... اسے اغوا کرنے والے کا نام مل گیا جس نے خرم جاہ کو اغوا کیا تھا۔"

"کیا...... کیا کہہ رہے ہو تم؟" خانم لرزتی آواز میں بولی۔

"اور شاہ سلطان نے اس راز سے واقف ہو کر اسے خفیہ پناہ دے دی اور اس مناسب وقت کا انتظار کرنے لگا جب اسے آپ کے حوالے کر دے لیکن اسے طور خم جاہ کا خوف تھا...... وہ جنگ وجدل اور خرم جاہ کی زندگی کے لئے خطرہ نہیں چاہتا تھا۔"

"اوہ...... کیا کہہ رہے ہو تم؟" خانم کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے۔

"تب شاہ سلطان نے انسپکٹر جنرل سے رابطہ قائم کیا...... ہم نے طور خم جاہ کو چیک کیا اور اس جرائم پیشہ شخص سے سارے راز معلوم کر لئے...... اس سے ہمیں یہ بھی پتا چلا کہ خرم جاہ آپ کا بیٹا ہے۔"

"خرم جاہ کہاں ہے؟ وہ زندہ ہے؟" خانم روتے ہوئے بولی۔

"نہ صرف زندہ ہے بلکہ کچھ دیر کے بعد آپ کے پاس آنے والا ہے...... شاہ سلطان نے اب اسے سب کچھ بتا دیا ہے مگر پریشانی یہ ہے کہ آپ اسے پہچان لیں گی؟"

"ایک ماں سے یہ پوچھ رہے ہو۔" خانم نے روتے ہوئے کہا۔ "بلاؤ...... خدا کے لئے اسے بلا دو۔"

شاہ سلطان سے تمام پروگرام طے ہو گیا تھا اور شہاب نے اسے وقت دے دیا تھا...... ایک خادم نے اندر داخل ہو کر کہا۔

"شاہ سلطان کچھ مہمانوں کے ساتھ آپ سے ملنا چاہتے ہیں خانم۔"

"میں دیکھتا ہوں کہ وہی لوگ ہیں یا......" شہاب نے کہا اور بینا کو اشارہ کر دیا...... بینا بھی بادل نخواستہ اٹھ گئی تھی...... ایک لمحے کے لئے تو وہ شہاب کا اشارہ نہیں سمجھ سکی تھی لیکن پھر نہ جانے کیوں اسے احساس ہوا کہ شہاب اسے یہاں سے ہٹانا چاہتا ہے چنانچہ وہ بھی شہاب کے پیچھے پیچھے باہر نکل گئی تھی۔

اندازہ بالکل درست تھا، باہر شاہ سلطان اور خرم جاہ موجود تھے، دو جانہ کو شاید وہ جان بوجھ کر ساتھ نہیں لائے تھے بہر حال شاہ سلطان نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

"کیا کیفیت ہے مسٹر شہاب؟"

"آپ خانم سے ملاقات کر لیجئے میں نے انہیں صورت حال بتا دی ہے۔"

"کیا خانم کو یہ اطلاع دے دی گئی ہے کہ خرم جاہ ان کا بیٹا ہے اور زندہ ہے؟"

"ہاں۔"

شہاب نے خرم جاہ کی صورت دیکھی، چہرہ سرخ ہو رہا تھا، آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔ ظاہر ہے وہ جس صورت حال سے گزر رہا ہو گا اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا...... شہاب نے کہا۔

"شاہ سلطان، خانم کو تمام تفصیلات بتا دی ہیں میں نے آپ خرم کو لے کر اندر

آ جایئے، مجھے ایک تھوڑا سا وقت درکار ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" شاہ سلطان کچھ نہیں سمجھ پایا تھا چنانچہ وہ خرم جاہ کے ساتھ اندر چل پڑا تو شہاب نے بینا کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آؤ بینا۔"

"بینا خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑی تھی...... کچھ دیر کے بعد شہاب اپنی رہائش گاہ پر پہنچ گیا...... بینا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی، اس نے کہا۔

"یہ بہتر ہی ہے میں خود بھی اس بات سے اتفاق کرتی ہوں۔"

"کس بات سے؟"

"ایسے رقت انگیز مناظر ہمارے اندر کمزوریاں پیدا کر سکتے ہیں۔"

"اور پھر بینا اس کے بعد تو کچھ ایسا انداز ہوتا ہے جیسے کوئی داد وصول کرنا چاہتا ہو، ہمارا وہاں رہنا ایسے ہی احساس کا مظہر تھا جیسے ہم اپنے کئے دھرے کی داد وصول کرنا چاہتے ہوں۔"

بینا مسکرادی تو شہاب نے اسے دیکھ کر کہا...... "تم مجھ سے غیر متفق ہو۔"

"ارے نہیں نہیں، مگر لطف لے رہی ہوں۔"

"وہ کیوں جناب؟"

"بس ہے ایک بات۔"

"بتایئے مس بینا۔"

"نہیں...... نہیں بتاؤں گی۔"

"ارے اپنے مجازی خدا سے ضد کی جا رہی ہے۔"

"جی ہاں۔"

"وجہ؟"

"بس میری مرضی...... ضد ضد ہوتی ہے اور ضد کی وجہ نہیں بتائی جا سکتی۔"

"بھئی کمال کی ایک نافرمان بیوی ہو۔"

"نافرمان بالکل نہیں۔"

"بیوی تو ہو۔"

"مجھے کیا معلوم۔"

"پھر بھی بینا۔"

"میں یہ سوچ رہی تھی کہ دلیر شاہ کس موقع پر اپنی دلیری سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔"

"کون دلیر شاہ۔"

"جناب شہاب ثاقب۔"

"واہ...... تم نے میرا نام دلیر شاہ رکھا ہے۔"

"ہیں تو سہی آپ۔"

"ویسے بینا کیا خیال ہے ہم اپنے پہلے بیٹے کا نام۔"

"اے اے مسٹر شہاب اتنی لمبی چھلانگیں مت لگایئے...... یعنی بیوی کے لفظ پر میں خاموش رہی ہوں تو آپ باپ بھی بن گئے۔" بینا نے کہا اور پھر خود ہی اپنے جملے پر شرما گئی...... شہاب قہقہے لگانے لگا تھا...... بینا اس کے بعد کچھ نہیں بولی...... وہ لوگ رہائش گاہ پہنچ گئے تھے...... بینا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بے چارہ شاہ سلطان انتظار ہی کر رہا ہو گا کہ آپ اس کے پاس آئیں۔"

"میرا خیال ہے بینا اب ہمارا یہاں رکنا مناسب نہیں ہے، چنانچہ فوراً بوریا بستر باندھو۔"

"بوریا تو ہے نہیں، بستر ان لوگوں کا ہے البتہ یہ مختصر سا سامان ہے۔"

"چلو وہی سہی۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا...... اس کے بعد مفتی حیات صاحب سے بھی ملاقات کی ضرورت نہیں رہی تھی...... یہ سب فضولیات تھیں، رسمی معاملات میں الجھنے کا وقت بھلا کس کے پاس تھا چنانچہ وہ لوگ وہاں سے واپس چل پڑے...... بینا کے ذہن میں اب بھی بہت سے سوالات مچل رہے تھے...... اس نے کہا۔

"ایک بات بتائیں شہاب۔"

"جی پوچھیے۔"

"خانم زمانی سے گفتگو کرتے ہوئے کچھ لمحوں کے لئے آپ کا لہجہ خشک ہو گیا تھا اور مجھے حیرت ہوئی تھی، خانم زمانی کی کوئی بات کیا ذہن کو چبھ گئی تھی۔"

"نہیں بینا ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"ہوا تو تھا نا ایسا۔"

"ہاں۔"

"اس کی وجہ جاننا چاہتی ہوں۔"

"میں اس پر ایک اہم انکشاف کرنا چاہتا تھا اور بینا انسان بہر حال انسان ہوتا ہے بعض اوقات وہ اس قسم کے چونکا دینے والے الفاظ برداشت نہیں کرپاتا اور اس کی کیفیت خراب ہو جاتی ہے...... خانم زمانی بہر حال جس علاقے کی رہنے والی ہے یہاں تیز مزاجی انسانی فطرت کا خاصا بن جاتی ہے اس سے بھلا کبھی کسی نے ایسی زبان میں بات کیوں کی ہوگی چنانچہ میں نے اسے دوہری کیفیت کا شکار کردیا تھا...... اسے میرے الفاظ پر شدید غصہ آیا ہوگا اور اسی غصے کے عالم میں میں نے اس پر اس کے بیٹے کی زندگی کا انکشاف کیا اس طرح بات بیلنس ہوگئی...... وہ دوہری کیفیت کا شکار ہو کر یہ شدید ذہنی جھٹکا برداشت کرگئی۔"

"قسم کھاؤں ایک بات کی۔"

"کھالو۔" شہاب نے کہا اور بینا ہنسنے لگی پھر بولی۔

"میں سمجھ گئی تھی۔"

"یار کمال ہے یعنی ہم زندگی کے ان تمام مراحل سے گزر چکے جن میں ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوششیں ختم ہو جاتی ہیں، اس کے بعد بھلا تم میری بات نہیں سمجھو گی تو پھر اور کون سمجھے گا۔"

بہر حال یہ دلچسپ گفتگو کافی دیر تک جاری رہی تھی...... ان لوگوں کو اپنے کیس کی کامیابی پر بے پناہ خوشی تھی...... وہ ایک اہم کارنامہ سرانجام دے کر وہاں سے پلٹ رہے تھے...... آئی جی نادر حیات بھی یقینی طور پر شہاب کے اس کارنامے سے مسرور ہوں گے، اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے بینا نے کہا۔

"ویسے ایک بات مجھے بڑی سنسنی خیز محسوس ہوئی۔"

"وہ کیا۔" شہاب نے پوچھا۔

"طور خم جاہ، آئی جی نادر حیات صاحب کا دوست تھا اور اس کی فرمائش پر نادر حیات صاحب نے یہ سارا کھڑاک پھیلایا تھا، آپ نے طور خم جاہ کو ہتھکڑیوں سے جکڑ کر نادر حیات صاحب کی خدمت میں پیش کردیا۔"

"مجرم مجرم ہوتا ہے بینا اور ویسے بھی تمہارے علم میں ہے کہ ماضی میں میرا اور نادر حیات صاحب کا کچھ واسطہ رہ چکا ہے، مجھے طور خم جاہ سے کوئی دشمنی نہیں تھی، مجرم کی

حیثیت سے وہ سامنے آیا تو میں نے اس کے جرم کا سراغ لگا کر اسے قانون کے حوالے کردیا...... ایسے کسی موقع پر اگر اقربا پروری یا دوستی نبھا ہی جائے تو میرے خیال میں یہ ایک انتہائی افسوسناک قدم ہوتا اور نادر حیات صاحب سے اس کی توقع میں بالکل نہیں رکھتا تھا۔" آخر کار وہ لوگ شہر پہنچ گئے، بینا کو اس کی رہائش گاہ پر پہنچایا اور پھر کسی وقت عدنان واسطی سے ملاقات کا وعدہ کر کے شہاب اپنے گھر کی جانب چل پڑا...... بہر حال ساری ذمہ داریاں اپنی جگہ...... گھر گھر ہوتا ہے...... اہل خاندان میں واپسی ہمیشہ ایک خوشگوار تاثر ذہن میں چھوڑتی ہے...... یہاں کے معاملات حسب معمول تھے، تمام لوگ خوش و خرم، بہنیں شاداں، ماں اور بھابیاں زندگی کی لطافتوں سے بہرہ ور اور یہ بات سب ہی جانتے تھے کہ شہاب کی کاوشوں نے اس گھر کو بے پناہ خوشحالی بخشی ہے۔ نعیمہ بیگم بیٹے پر ناز کرتی تھیں...... بھابیاں بھی خوش تھیں اور بھائی بھی یہ تسلیم کرتے تھے کہ وہ نکما جو کتابوں میں گم رہتا تھا، آخر کار اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ نمودار ہو گیا ہے اور اس نے جو کچھ کیا ہے وہ اس خاندان کے لئے کس قدر اہمیت کا حامل ہے...... اہل خاندان میں وقت گزارنے کا تصور اور وہ بھی ایسے لمحات کے بعد جو جان گسل ہوں اور زندگی اور موت کی کشمکش جاری رہی ہو اور اس کے بعد زندگی پر فتح حاصل ہوئی ہو، شہاب خود بھی ان معمولات سے لطف اندوز ہوتا رہا تھا، لیکن پھر اسے خود ہی نادر حیات صاحب کا فون موصول ہوا تھا...... فائق حسین نے سنسنی خیز انداز میں کہا۔

"انسپکٹر جنرل صاحب کا فون ہے۔"

"اوہ ہاں۔" شہاب بولا اور جلدی سے فون پر پہنچ گیا، دوسری طرف سے نادر حیات بول رہے تھے۔

ہاں بھئی شہاب ثاقب۔"

"سوری سر...... بس آپ کی خدمت میں حاضری کی تیاریاں کر رہا تھا۔"

"نہیں...... میں نے خود تمہیں آرام کرنے کا وقفہ دیا تھا...... اب کیا کیفیت ہے؟"

"ٹھیک ہوں جناب۔"

"آسکو گے۔"

"حکم فرمائیے۔"

"دفتر کی بات نہیں کر رہا...... میں بھی اس وقت گھر پر ہی ہوں اور گھر سے ہی بات کر رہا ہوں۔"

"جیسا آپ کا حکم۔"

"آ جاؤ۔" نادر حیات صاحب نے کہا اور شہاب نے کچھ دیر میں پہنچنے کا وعدہ کر کے فون بند کر دیا...... پھر وہ سادہ لباس میں ہی نادر حیات صاحب کی کوٹھی پر پہنچا تھا کیونکہ گھر کا معاملہ مختلف ہی ہوتا تھا...... نادر حیات صاحب اپنی کوٹھی کے لان میں کچھ کتابیں سامنے رکھے ہوئے بیٹھے تھے اور شہاب کی آمد کے منتظر تھے...... دروازے کے سنتری نے دروازہ کھولنے کے ساتھ ساتھ سلیوٹ بھی کیا تھا...... پولیس کا ہی آدمی تھا جس کی یہاں ڈیوٹی تھی...... نادر حیات صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے شہاب کو اپنی جانب بلالیا اور شہاب ان کے سامنے پہنچ گیا۔

"سلیوٹ نہیں سلام۔" نادر حیات صاحب بولے اور شہاب انہیں سلام کر کے ان کے اشارے پر ان کے سامنے بیٹھ گیا...... نادر حیات صاحب محبت بھری نگاہوں سے شہاب کو دیکھ رہے تھے اور شہاب یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ نادر حیات صاحب کی ذہنی کیفیت کیا ہے۔

"ہاں شہاب! میں بہر حال تمہیں مبارک باد دیئے بغیر نہیں رہ سکوں گا، کیونکہ تم نے غیر متوقع طور پر ایک اہم ترین کارنامہ سرانجام دیا ہے بلکہ یہ پہلا موقع ہے کہ زندگی میں، میں نے اپنے تجربے کی مات محسوس کی ہے۔"

شہاب نے نگاہیں اٹھا کر نادر حیات صاحب کو دیکھا اور بولا۔

"یہ کیوں جناب؟"

"بھئی میں نے تمہیں طورخم جاہ کی مدد کے لئے بھیجا تھا...... اچھا خاصا عرصہ میں نے اس علاقے میں گزارا ہے...... بہت سے لوگوں کے لئے کام کیا ہے اور اپنے فرائض پورے کئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں طورخم جاہ کو نہیں سمجھ سکا تھا...... ان کے علاقوں کے لوگ سادہ لوح ہوتے ہیں، بے شک وہاں جرائم بھی ہوتے ہیں لیکن اتنے گہرے نہیں ہوتے...... یہ پہلا ہی موقع ہے کہ کوئی وہاں کا آدمی اس قدر چالاک نکلا کہ میری ساری عمر کے تجربے کو اس نے دھوکا دے دیا...... طورخم جاہ نے کچھ اس انداز میں مجھ سے اپنے بیٹے کی گمشدگی کی شکایت

کی تھی کہ میں واقعی اس سے متاثر ہو گیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ یہاں ٹرانسفر ہونے کے باوجود میں نے ذاتی طور پر ذمہ داری پر تمہیں وہاں بھیجا لیکن جو کچھ تم کر کے آئے ہو وہ ابھی تک میرے لئے ناقابل یقین ہے، ویسے شک کی کوئی بات نہیں ہے...... طورخم جاہ تو بدترین مجرم ثابت ہوا ہے۔"

"کیا اس نے اقبال جرم کر لیا؟"

"نہ کرنے کا کیا سوال تھا...... رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔"

"آپ سے کوئی شکایت تو نہیں کی۔"

"اب ان حالات میں کیا شکایت کرتا...... میں تو خود اس قدر جذباتی ہو گیا تھا کہ دل چاہتا تھا کہ اسے خود اپنے ہاتھوں سے سزائے موت دے دوں لیکن بہر حال یہ ممکن نہیں تھا، تاہم تم نے بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے تم اس راستے پر کیسے آئے۔"

"بس جناب قدرت میری رہنمائی کرتی ہے آپ کو اندازہ ہے کہ میں تو آپ کی ہدایت پر خرم جاہ کی تلاش میں نکلا تھا۔ واقعات اور حالات اس قسم کی صورت حال اختیار کر گئے کہ میں طور خم جاہ کے اس جرم کے راستے پر پڑ گیا اور آخر کار میں نے یہ تمام باتیں معلوم کر لیں۔"

"خرم جاہ کا کیا ہوا؟"

"خرم جاہ کو اس کی ماں کے حوالے کر دیا گیا ہے۔"

"ذرا تفصیل بتاؤ۔" آئی جی صاحب نے کہا اور شہاب، نادر حیات صاحب کو مکمل تفصیل بتانے لگا۔ وہ بڑی دلچسپی سے یہ تمام واقعات سن رہے تھے۔ تفصیل سننے کے بعد انہوں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"شہاب میں سمجھتا ہوں کہ تم میرے وطن کا ایک نادر سرمایہ ہو۔ ویسے تمہیں اس بات کی خوشی ہو گی کہ ملک بھر میں پھیلنے والے خوفناک اسلحے کے تاجر کی گرفتاری کے سلسلے میں بات مجھ تک ہی محدود نہیں رہی...... وزیر داخلہ نے یہ بات بہت آگے بڑھائی اور اس کے بعد تمہارے لئے ایک اعزاز منتخب کیا گیا ہے جس کا اعلان مناسب وقت پر ہو جائے گا اور میں سمجھتا ہوں کہ تم اس اعزاز کے مستحق ہو۔" شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے کہا۔

"سر! میں ایک بات آپ سے ضرور عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ جب میں اپنے دلی

جذبات کا اظہار کرتا ہوں تو ان میں سچائی ہوتی ہے کوئی ریاکاری یا فریب نہیں ہوتا۔"

"کہنے کی ضرورت نہیں ہے شہاب، میں نے بھی اپنی عمر گزاری ہے، انسانوں کی سمجھ ہے مجھے۔" نادر حیات صاحب نے کہا۔

"میرے لئے سب سے بڑا اعزاز یہ ہے کہ آپ مجھ پر اعتبار کرتے ہیں اور میری خواہش کی تکمیل بھی...... طور خم جاہ آپ کا دوست تھا...... میں نے اسے ایک مجرم کی حیثیت سے شناخت کیا اور آپ کی تحویل میں دے دیا، آپ نے مجھ پر اعتبار کیا اور مجرم کو مجرم سمجھا...... یہ بہت بڑا اعزاز ہے میرے لئے کہ آپ مجھ پر اس قدر اعتبار کرتے ہیں۔"

نادر حیات صاحب جذباتی ہو گئے، چند لمحات کچھ نہ بول پائے پھر انہوں نے کہا۔

"یہ وطن جب ہمارے شانوں پر اتنی بھاری ذمہ داریاں رکھتا ہے اور ہم اس کی وفاداری کا حلف اٹھاتے ہیں تو ہمارے درمیان ہمارا دین ہمارا مذہب، ہمارا خدا ہوتا ہے اور ہم اس کے نام کے ساتھ مکمل سچائیاں استعمال کرتے ہوئے حلف اٹھاتے ہیں، جو لوگ اپنے حلف سے بھٹک جاتے ہیں شاید وہ کچھ دنیاوی فائدے حاصل کر لیتے ہوں لیکن میں نہیں سمجھتا کہ کون سا دل رکھتے ہیں وہ اپنے سینے میں، انہیں اپنی موت، اپنی قبر یاد نہیں رہتی۔ تھوڑی سی چمک دمک کے لئے وہ اپنی ابدی زندگی برباد کر لیتے ہیں...... شہاب ہم بہت کچھ کھو دیتے ہیں کچھ پانے کے لئے جو نہیں کھونا چاہئے۔"

"بے شک جناب اور یہی میرا اعزاز ہے کہ آپ مجھ پر اعتبار کرتے ہیں۔"

"سنو شہاب! ہم لوگ شاید جذباتی ہو گئے ہیں۔ جذبات کا زندگی سے گہرا تعلق ہے، میں اس سے انکار نہیں کرتا...... بہر حال میں جس عہدے پر فائز ہوں اس میں مجھے مکمل اختیارات حاصل ہیں۔ پہلے بھی میں نے تم سے کہا ہے اور آج بھی اس بات کا اعادہ کرتا ہوں کہ میں تمہیں فری ہینڈ دے رہا ہوں، مجرم کسی بھی جگہ ہو وطن کے کسی بھی حصے کو نقصان پہنچا رہا ہو معاشرے کے لئے کہیں بھی ناسور بنا ہوا ہو، کسی بھی مظلوم کی گردن پر اس کا پاؤں ہو تو تم اس تک پہنچو اور ایک ہدایت اور بھی کر دوں اپنے عہدے کا معیار منتخب نہ کرنا۔ جرم اگر ایک ٹھیلے پر پھل بیچنے والا کرے یا مظلوم کسی جھونپڑی میں سسک رہا ہو، ٹھیلہ یا جھونپڑی کا تعین نہ کرنا صرف اپنے فرائض منصبی ادا کرنا جو تمہاری ذمہ داری ہے، بڑے بڑے جرائم کے چکر میں مت پڑنا، جرم کسی بھی پیمانے پر کیا جائے جرم ہوتا ہے اور تم پر واجب ہے کہ اس جرم کی بیخ کنی کے

لئے اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کر دو۔"

"میں سمجھتا ہوں جناب۔"

"بس اعتماد کا یہ اعزاز تمہارے سینے پر موجود ہے، باقی گورنمنٹ تمہیں اگر کچھ دے گی وہ نہ میری جیب سے ہوگا اور نہ میرا تم پر کوئی احسان۔"

شہاب دلی مسرتوں میں ڈوبا ہوا نادر حیات صاحب کی کوٹھی سے واپس ہوا تھا...... پھر وہ وہاں سے سیدھا بینا واسطی کی تلاش میں چل پڑا تھا...... بینا عدنان واسطی صاحب کے ساتھ دفتر میں موجود تھی۔ عدنان واسطی نے بڑی محبت سے شہاب کا استقبال کیا...... اکرم سے چائے منگوائی گئی۔ عدنان واسطی، شہاب سے اس کیس پر بات کرنے لگے پھر بولے۔

"بھئی تم نے ایک بڑی اُلجھن میں پھنسا دیا ہے مجھے۔"

"معلوم ہونے سے پہلے ہی معافی کا خواستگار ہوں جناب۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"واقعی وہ جو کہا جاتا ہے کہ ناکہ میں تو کمبل کو چھوڑنا چاہتا ہوں لیکن کمبل مجھے نہیں چھوڑتا، اب تم نے کچھ ایسا مقام دے دیا ہے مجھے کہ لوگ واقعی مجھے بہت بڑا وکیل سمجھنے لگے ہیں...... میاں جتنا بڑا میں وکیل ہوں خوب اچھی طرح جانتا ہوں اور تم بھی اس سے ناواقف نہیں ہو گے، بس کیسز ہیں کہ چلے ہی آ رہے ہیں، خوشامدیں اور سفارشیں الگ کہ میں یہ کیس اپنے ہاتھ میں لے لوں، عقل ساتھ نہیں دیتی عمر بھی اتنی ہو گئی ہے اب دو ہی باتیں ہیں یا تو اپنی ریٹائرمنٹ کا اعلان کر دوں اور ایک گوشے میں جا بیٹھوں مگر پھر یہ سوچتا ہوں کہ لوگ کہیں گے کہ عدنان واسطی صاحب بیٹی کی کمائی کھا رہے ہیں اس لئے یہ طعنہ بھی برداشت نہیں کر سکتا مگر اُلجھنیں ہیں کہ چلی آ رہی ہیں، بتاؤ کیا کروں۔" شہاب ہنسنے لگا پھر اس نے کہا۔

"آپ بے شک اتنے کیس نہ لیجئے کہ تھکن ہو جائے لیکن واسطی صاحب زندگی کا بہترین مشغلہ ہے کہ مظلوموں کی دادرسی ہو، آپ اس کیس پر ہاتھ ڈالئے جس کے بارے میں آپ یہ محسوس کریں کہ قابل توجہ ہے اور بس، معاوضے وغیرہ کی فکر نہ کیجئے۔"

خیر...... ذرا کچھ دن آرام کر لو اس کے بعد تمہیں اپنی دُکھ بھری داستان سناؤں گا کیسے کیسے لوگ آ رہے ہیں اور کیا کیا چاہتے ہیں، ان میں کچھ ایسے بہت بڑے لوگ بھی ہیں

جنہیں یہ اندازہ ہو گیا ہے کہ عدنان واسطی صاحب کو اچانک الہ دین کا چراغ مل گیا ہے۔ وہ نہ صرف مشکل مسئلے حل کر لیتے ہیں بلکہ ان کی اپنی پہنچ بھی ہے چنانچہ ان سے فائدہ اٹھایا جائے اور کچھ ایسے واقعات بھی ہیں جو واقعی قابل توجہ ہیں، اُلجھنیں اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ ان میں سے ایک آدھ کیس کو اپنے ہاتھ میں لے لوں، بس تمہاری واپسی کا انتظار تھا۔"

"میں واپس آ گیا ہوں اور آپ سے ایک شکایت کرنا چاہتا ہوں۔"

"شکایت؟"

"جی۔"

"ضرور کرو بھئی کیا قصہ ہے؟"

"واسطی صاحب! میں گھر کی مرغی دال برابر تو نہیں کہہ سکتا، ہاں یہ کہہ سکتا ہوں کہ گھر کی بینا پر آپ نے اعتبار نہیں کیا۔"

"واہ...... گھر کی بینا۔" واسطی صاحب نے کہا اور ہنسنے لگے، بینا بھی مسکرا رہی تھی پھر واسطی صاحب بولے۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"بس بینا کے بارے میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔"

"ہاں...... بتاؤ کیا بتانا چاہتے ہو؟"

"میرا خیال ہے دو باتیں ہیں آپ کی صحبت نے مس بینا کو ایک شاندار وکیل بنا دیا ہے اور پھر یہ وکیل ہیں بھی، تھوڑی سی میرے ساتھ سنگت نے انہیں عقدہ کشائی کا فن دے دیا ہے میرے بجائے آپ ان سے رجوع کریں کیوں نہیں کرتے۔"

"اس کے لئے بھی تمہاری اجازت کی ضرورت تھی۔" عدنان واسطی نے کہا۔

"جی......" شہاب کے لہجے میں ہلکی سی بوکھلاہٹ نمودار ہو گئی، لیکن عدنان واسطی نے شاید اپنے الفاظ پر خود ہی غور نہیں کیا تھا، کہنے لگے۔

"استاد شاگرد کے درمیان کسی اور کو نہیں آنا چاہئے اور پھر استاد کی اجازت بھی تو ضروری ہوتی ہے۔"

"میری طرف سے مکمل اجازت ہے مس بینا کو اور آپ کو اس بات کا اعتبار دلاتا ہوں

کہ مس بینا بذات خود بھی اعلیٰ ترین صلاحیتوں کی مالک ہیں اور بہت سے معاملات میں خود میں ان پر مکمل بھروسا کرتا ہوں بلکہ یہ میری رہنمائی بھی کر دیتی ہیں۔"

"اور جو کچھ ہے سو ہے لیکن اگر تم بینا کے دوست ہو، استاد ہو تو نہایت اعلیٰ ظرف۔"

"آپ اپنے الجھے ہوئے کیس مس بینا کو بخوبی سنا دیں، اس کے بعد میں بھی ان کو اسسٹ کروں گا۔"

"واہ...... یعنی تم بینا کے اسسٹنٹ۔" واسطی صاحب نے قہقہہ لگایا۔

"جناب عالی ایک تاج محل تیار کیا ہے میں نے اس پر ناز کیوں نہ کروں۔" بہت دیر تک اسی طرح کی باتیں ہوتی رہیں۔ کافی دیر کے بعد وہ یہاں سے رخصت ہوا پھر مزید چند روز خاموشی سے گزر گئے، شہاب اپنے دوسرے معمولات میں مصروف رہا تھا ایک شام جب وہ اپنے گھر واپس لوٹا تو گھر کے دروازے پر اس نے ایک عجیب منظر دیکھا، قرب وجوار کے لوگ گردنیں نکال نکال کر شہاب کے گھر کی جانب دیکھ رہے تھے، دروازے پر چار دیوہیکل انسان کھڑے ہوئے تھے جن کے ہاتھوں میں خوفناک ایل ایم جی دبی ہوئی تھیں اور ان کا انداز پہرہ دینے والا تھا، شہاب ایک دم دھک سے ہو گیا تھا...... ان کے لباس سادہ تھے لیکن شکلیں خوفناک، ویسے بھی قد آور اور قوی ہیکل جوان تھے...... ایک جانب دو پجارو گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں...... شہاب نے اپنی گاڑی ایک جانب کھڑی کی اور اتر کر آگے بڑھا تو مسلح افراد نے کڑی نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر ان میں سے ایک نے پوچھا۔

"کدھر جاتا ہے صاحب۔"

"میرا گھر ہے بھائی، مگر تم کون ہو؟"

"آپ کا گھر ہے؟"

"ہاں میں یہیں رہتا ہوں۔" وہ لوگ راستے سے ہٹ گئے، شہاب اندر داخل ہوا، اندر بھی عجیب سی کیفیت نظر آ رہی تھی لیکن سامنے ہی خانم زمانی کو دیکھ کر شہاب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں...... خانم زمانی نعیمہ بیگم اور بھابھی کے ساتھ کھڑی ہوئی تھیں...... دوجانہ بھی موجود تھی...... شہاب ان لوگوں کو دیکھ کر ششدر رہ گیا تھا۔

"لو وہ آ گیا۔" نعیمہ بیگم نے کہا اور خانم زمانی کی نگاہیں سامنے اٹھ گئیں...... وہ مسکرانے لگی تھیں، شہاب حیران سے آگے بڑھا...... خانم زمانی کو سلام کیا اور حیران سا ان کے قریب

پہنچ گیا۔

"ہوں، مفروروں کو گرفتار کر کے سزائیں دی جاتی ہیں، اب تم سزا بھگتنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

"آپ خیریت سے تو ہیں خانم۔"

"ہاں...... لیکن تم خیریت سے نہیں ہو۔"

"اگر کوئی قصور ہوا ہے مجھ سے تو سزا یقینی طور پر ملنی چاہئے۔"

"قصور ہوا ہے تم سے، تم ہمارے اوپر احسانات کا انبار لاد کر خاموشی کے ساتھ وہاں سے فرار ہو گئے۔"

"اوہ......" شہاب ہنسنے لگا تو خانم زمانی نے پھر کہا۔

"تم کیا سمجھتے تھے ہم اتنے ناکارہ لوگ ہیں کہ تمہارا اسراغ بھی نہیں لگا سکتے۔"

"نہیں خانم اصل میں۔"

"بیٹھو، بیٹھو آؤ بیٹھو، اصل میں کہو...... نعیمہ بیگم اپنے اس لاڈلے سے پوچھئے کہ کیا یہ احسان کر کے اس طرح فرار ہو کر ہم سے چھپ سکتا تھا۔" نعیمہ بیگم بھی ہنسنے لگیں...... شہاب کہنے لگا۔

"خرم جاہ کہاں ہے؟"

"نہیں اسے خرم جاہ مت کہو میں نے اس کا نام رحمان شاہ رکھا ہے اور اب تم اسے رحمان شاہ کے نام سے ہی پکارو گے۔"

"کہاں ہے وہ۔"

"وہ انسپکٹر جنرل نادر حیات کی تلاش میں گیا ہے، واپس آ جائے گا۔"

"مگر خانم آپ؟"

"ہاں شہاب تم نے میرے ویرانے کو گلزار بنا دیا...... تم نے میرے گھر میں چمن کھلا دئیے اور اس کے بعد تم اتنی خاموشی سے ادھر نکل آئے، میں اتنی ناسپاس تو نہیں ہوں کہ تمہارے اس احسان کے جواب میں خاموشی سے اپنے گھر بیٹھ جاتی...... رحمان شاہ اس کی بہو، سلطان شاہ ہم سب تمہارے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے بعد آخر کار یہاں پہنچ گئے، سلطان شاہ بھی آیا ہوا ہے ہمارے ساتھ اور رحمان شاہ کے ساتھ نادر حیات کی

طرف گیا ہے، سارے واقعات ہمیں معلوم ہو چکے ہیں، شہاب بس جو کچھ تم نے کیا ہے اس کے جواب میں، میں صرف اتنا ہی کہہ سکتی ہوں کہ خدا تمہیں اس کا اجر دے۔"

"بے شک، خدا میرے بچے کو اس کی محبت بھری کاوشوں کا اجر دے خانم زمانی لیکن شہاب، خانم زمانی نے جو کچھ کیا ہے اس کے بارے میں تمہارا فیصلہ آخری ہوگا، میں نے اماں سے کہہ دیا ہے۔" نعیمہ بیگم بھی ایک غیور بیٹے کی ماں اور ایک غیور شوہر کی بیوی تھیں... شہاب نے حیرت سے انہیں دیکھا اور بولا۔

"میں سمجھا نہیں امی۔"

"اتنا کچھ لائی ہیں کہ انہوں نے ہمیں دولت مند بنا دیا ہے۔"

"اگر محبتوں کو اتنی آسانی سے ٹھکرایا جاسکتا ہے تو آپ ضرور انہیں ٹھکرائیں نعیمہ بیگم، میں اپنا سامنہ لے کر واپس چلی جاؤں گی، یہ تو ایک پیار ہے، یہ تو ایک سپاس گزاری ہے جو مجھے کرنی چاہئے تھی قبول کرنا نہ کرنا تمہارا کام ہے، ہم لوگ اپنے محسن کو اپنی زندگی سے زیادہ قیمتی سمجھتے ہیں۔"

"جو کچھ خانم زمانی لائی ہیں امی وہ ہمارے سر آنکھوں پر، ہم اسے قبول کرتے ہیں، خانم ہماری مہمان ہیں اور ان کی سب سے بڑی بڑائی یہ ہے کہ بہت بڑی شخصیت ہونے کے باوجود رانی جیسا مقام رکھنے کے باوجود یہ ہمارے اس غریب خانے میں موجود ہیں ورنہ اپنے چند روزہ قیام کے لئے یہ یہاں کا کوئی فائیو سٹار ہوٹل خرید سکتی تھیں۔"

بہر حال ان دلچسپ معاملات میں باتیں ہوتی رہیں، پھر خرم جاہ یا موجودہ رحمان شاہ بھی آ گیا...... شہاب سے بڑے خلوص سے گلے ملا تھا، شاہ سلطان بھی ان کے ساتھ تھا...... سب بہت خوش و خرم نظر آ رہے تھے اور سارے اہل خاندان ایک عجیب سی کیفیت کا شکار تھے...... خانم زمانی نے کہا۔

"اور وہ بچی کہاں ہے میں اس سے ملنا چاہتی ہوں، کیا وہ تمہارے ساتھ نہیں رہتی؟"

"کون بچی؟" نعیمہ بیگم نے کہا۔

"وہ امی...... وہ میری اسسٹنٹ ہے۔"

"ہاں...... اور میری محسن، میں اس کے گھر بھی جانے کا ارادہ رکھتی ہوں لیکن کیا یہ ممکن ہو سکے گا شہاب کہ تم اسے یہاں بلالو۔"

"جی...... جی وہ۔"

"تم اسے یہیں بلالو، یہ میری درخواست ہے۔"

"جی بہتر ہے۔" پھر کافی دیر تک خانم زمانی کے ساتھ مصروف رہ کر شہاب ٹیلی فون کی جانب بڑھ گیا تھا لیکن وہ عجیب و غریب کیفیت کا شکار تھا...... بینا کو آج پہلی بار گھر پر بلا رہا تھا اور ایک عجیب سی کیفیت محسوس کر رہا تھا لیکن بہر حال ماحول ایسا بن گیا تھا کہ بینا کو بلائے بغیر چارہ کار نہیں تھا اس نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھایا اور نمبر ڈائل کرنے لگا...... پھر بینا سے رابطہ ہو گیا تھا۔

"بینا! زندگی کا سب سے مشکل وقت آ گیا ہے، میری مدد کرو۔"

"خیریت شہاب؟"

"وہی تو نہیں ہے۔"

"کیا ہو گیا؟" بینا متوحش ہو گئی تھی۔

"خانم زمانی یہاں آ گئی ہے۔" شہاب نے کہا اور پھر بینا کو پوری تفصیل سنا دی، پھر بولا۔ "اور اب تمہیں یہاں آنا پڑے گا۔"

"خدا تمہیں سمجھے، مجھے خوفزدہ کر دیا۔"

"تم خوفزدہ نہیں ہو؟"

"بھلا یہ خوف کی بات ہے، اپنے گھر آتے ہوئے کیسا خوف ہو سکتا ہے۔"

"تم واقعی غیر معمولی ہو بینا۔" شہاب نے اعتراف کیا تھا۔

بینا کے ساتھ واسطی صاحب بھی آئے تھے...... شاندار ڈنر کا اہتمام کیا گیا تھا...... خانم زمانی نے بینا کو گلے لگا کر کہا۔

"اتنی نرم و نازک بچی کس طرح زندگی موت کا کھیل کھیلتی ہے، میں نہیں سمجھی وکیل صاحب آپ بھی قابل مبارک باد ہیں کہ اتنی ذہین بچی کے باپ ہیں۔"

"میں فخر کرتا ہوں کہ یہ بچے وطن کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔"

خانم زمانی نے بینا کو بھی قیمتی تحائف سے لاد دیا تھا...... بہر حال یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک خانم زمانی یہاں موجود رہیں، لیکن جاتے ہوئے وہ شگوفہ چھوڑ گئی تھیں جس کے بارے میں ثریا بھابی نے شہاب کے کان کھینچتے ہوئے کہا۔

"اور تم اب تک ہمیں بے وقوف بناتے رہے ہو۔"

"ارے نہیں بھابھی..... اللہ کے کاموں میں دخل دینے کی مجال کون کر سکتا ہے۔"

"کیا مطلب۔"

"آپ کو جو کچھ بتایا ہے اللہ نے بتایا ہے۔"

"بکواس مت کرو..... مجھے اس لڑکی کے بارے میں تفصیل بتاؤ۔"

"کس لڑکی کے بارے میں؟"

"اداکاری مت کرو، میں بینا کی بات کر رہی ہوں۔"

"اوہ بینا، وہ ایک مظلوم لڑکی ہے۔"

"مظلوم کیوں؟"

"بس بھابھی..... بے چاری کی شادی ہوئی، ایک سال کے بعد شوہر معذور ہو گیا دو بچے ہیں، واسطی صاحب بوڑھے ہو چکے ہیں اب شوہر اور بچوں کا بوجھ اسی پر ہے..... پورے گھرانے کو پال رہی ہے۔"

"اوہ..... سوری شہاب، میں کچھ اور ہی سمجھی تھی۔"

"میرے کان کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"تم نے مجھے مغموم کر دیا۔" ثریا بھابھی نے اس کا کان چھوڑتے ہوئے کہا اور شہاب خاموشی سے باہر نکل گیا۔

موت کے
ایم اے راحت

سردار علی نے کار روک دی...... موسم بھی خوبصورت تھا، ماحول بھی دلکش۔ انجم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بڑی مناسب جگہ کار روکی ہے تم نے۔"

"مناسب جگہ کیوں؟"

"ان علاقوں سے درجنوں بار گزرے ہیں لیکن ان کا حسن کبھی نہیں نظر آیا...... ادھر دیکھو...... وہ قدرتی جھیل اور اس پر منڈلاتے ہوئے پرندوں کا حسن۔ یار سردار علی یہ پرندے ہم سے زیادہ خوش نصیب نہیں ہیں۔"

"پتا نہیں ویسے انسان کی طلب کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔"

سردار علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔" انجم گہری سانس لے کر بولا۔ "اس میں کوئی شک نہیں ہے مگر میں سمجھتا ہوں سردار علی یہ طلب ہی زندگی سے دلچسپی برقرار رکھتی ہے، اگر کسی کو اس کی خواہش کے مطابق سب کچھ مل جائے تو پھر بتاؤ، وہ کیوں جیئے، آگے کیا ہوگا اس کے پاس کرنے کے لئے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے، طلب ہی وجود میں تحریک برپا کرتی ہے لیکن طلب پوری ہونے کے کیا کیا ذرائع قدرت تعمیر کرتی ہے اس پر غور کیا ہے؟"

"کیوں نہیں اپنی ہی بات لے لو، تمہاری زندگی کے مختصر حالات مجھے معلوم ہیں اور تمہیں میری زندگی کے، ہم وہ لوگ ہیں جو اپنے منصب کے حصول میں ناکام رہے اور یہ عین ممکن تھا کہ ہمارے رخ جرم کی جانب ہو جاتے لیکن ایک ذریعہ ہمارے لئے پیدا کیا گیا جس نے ہمیں سنبھالا اور اس کے بعد ہماری تربیت کی...... یہاں تک کہ ہمیں ہماری منزل پر لا کھڑا کیا۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے، وہ ہمارے لئے ایک مقدس رہنما کا درجہ رکھتا ہے اور اس نے ہر طرح ہماری تربیت کی ہے، یہاں تک کہ اب دیکھ لو۔"

"مگر بات وہی پیدا ہو جاتی ہے، کیا اس کے بعد ہماری سب ختم ہو گئی؟"

"نہیں ڈیئر یہ بات تو خیر ہمارے درمیان متنازعہ ہے کہ طلب ختم ہو جائے تو زندگی ختم ہو جاتی ہے اور شکر ہے کہ ہمیں منزل بھی اس جگہ سے ملی ہے جہاں سے آگے کے سفر کے درجنوں راستے نظر آتے ہیں، اب ہماری زندگی کا محور بدل گیا ہے سب کچھ حاصل ہونے کے بعد یہ تصور دل میں آ بسا ہے کہ اپنے لئے تو سب کچھ حاصل ہو گیا اب یہ حاصل دنیا کے لئے ہونا چاہئے۔"

"بالکل، اس لحاظ سے واقعی ہم دوسروں سے بہت منفرد ہیں۔"

یہ حقیقت بھی تھی...... ڈبل او گینگ کے تمام ہی ممبرز ایسی ہی داستانوں کے امین تھے، ان کی زندگی ان کی خواہش کے مطابق نہ گزرنے کی وجہ سے ایک طرح سے ناکامی سے دوچار تھی اور پھر شہنشاہ نے انہیں سنبھالا، ابتدائی حالات بے حد نامساعد رہے، مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن شہنشاہ نے انہیں کچھ اس طرح ہپناٹائز کر لیا تھا کہ مشکل ترین حالات کے باوجود زندگی ان کے لئے مزیدار ہو گئی تھی اور رفتہ رفتہ وہ اپنی منزل کی جانب چل پڑے تھے...... یہاں تک کہ اس جگہ آ کھڑے ہوئے تھے جہاں انہیں اعلیٰ درجے کی سرکاری ملازمتیں حاصل ہو گئی تھیں، انہی ملازمتوں کے حساب سے ان کے لئے رہائش گاہیں، گاڑیاں وغیرہ مہیا کر دی گئی تھیں اور وہ اب ایک آسودہ حال زندگی گزار رہے تھے جس میں صرف کام کی مشکلات کے علاوہ اور کوئی مشکل شامل نہیں تھی۔

اس وقت بھی سردار علی اور انجم صرف تفریح کی غرض سے لانگ ڈرائیور پر نکلے تھے، کوئی کام نہیں تھا...... دور تک سفر کرتے چلے گئے تھے اور اس کے بعد شام ڈھلے وہاں سے واپسی ہو رہی تھی...... موسم واقعی بے حد خوشگوار تھا اور یہ ننھی سی جھیل اس وقت شام کے ڈھلتے ہوئے سایوں کی روشنی میں ایک ایسا منظر پیش کر رہی تھی کہ دل بے اختیار مچل اٹھے۔

"تو پھر آؤ جب گاڑی یہاں رکی ہے تو تھوڑا سا اس موسم سے لطف اندوز بھی ہو لیا جائے۔ ذرا ان پرندوں کے ساتھ اس جھیل کی سیر کر لی جائے۔"

"یعنی؟"

"مجھے نہانے کا بے حد شوق ہے، یہ شوق کہاں پورا ہوتا ہے لیکن اس وقت ذہنی طور پر کچھ ایسی آزادی محسوس ہو رہی ہے کہ دل بے اختیار مچل اٹھا ہے۔"

"میں تمہاری خواہش میں مداخلت نہیں کروں گا لیکن ہم سے زیادہ ہماری یہ کار باذوق ہے۔"

"کیا مطلب۔" انجم نے چونک کر پوچھا۔

"میں نے اسے نہیں روکا بلکہ یہ خود بخود یہاں رک گئی ہے۔ اب تھوڑی دیر کے بعد یہ اپنے رنگ میں واپس آ جائے گی۔"

"بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔"

"پچھلے کچھ دنوں سے اس کا فیول پمپ ذرا خراب ہو گیا ہے اور جب یہ گرم ہو جاتا ہے تو گاڑی بند ہو جاتی ہے، پھر تھوڑی دیر تک اسے ٹھنڈا کرنا پڑتا ہے۔ بس بے پروائی کی بنا پر اسے ٹھیک نہیں کرا سکا حالانکہ کئی بار سوچ چکا ہوں کہ دوسرا بدلوا دوں۔"

"یہ تو بہت ضروری ہے اگر کسی اہم کام کے دوران ایسا ہو جائے تو؟"

"ہاں بس اپنی ہی بے پروائی ہے، بعض اوقات کاموں میں کوتاہی ہو ہی جاتی ہے ورنہ باقی کوتاہیوں کا موقع کہاں ملتا ہے۔"

"یہ بھی سمجھ لو ہمارا کام ہی ایسا ہے، اگر کسی اہم ذمے داری کو پورا کرتے ہوئے کار کے اس نخرے کا شکار ہوئے تو مشکل پیش آ جائے گی۔"

"کل یہ کام کر لوں گا۔" سردار علی نے کہا اور دونوں سڑک سے اتر کر اس جھیل کی جانب چل پڑے، جو واقعی قدرت کی صناعی کا بہترین نمونہ تھی، پھر کافی دیر تک وہ جھیل میں نہاتے رہے تھے اور فضا میں اندھیرا پھیل گیا تھا۔ فیول ٹھنڈا ہونے کے بعد گاڑی ایک ہی سلف میں اسٹارٹ ہو گئی اور دونوں وہاں سے واپس چل پڑے، پھر شہر میں داخل ہونے میں چند ہی لمحات رہ گئے تھے کہ اچانک انہیں بریک لگانے پڑے...... ایک حادثہ ہوا تھا...... کار ان کے سامنے سے ہی گزری تھی اس میں چند افراد سوار تھے لیکن انہوں نے غور ہی نہیں کیا تھا...... نہ اس کی ضرورت پیش آئی تھی لیکن پھر وہ تھوڑے ہی فاصلے پر پہنچی تھی کہ اچانک ایک ذیلی شاہراہ سے ایک ٹرک نمودار ہوا اور اس رفتار سے نمودار ہوا کہ کار سنبھل نہ سکی،

کار کی ٹکر سے وہ پوری کی پوری فضا میں اچھل گئی تھی اور پھر لڑھکنیاں کھاتی ہوئی سڑک سے دُور جا گری تھی، ٹرک اپنے کام سے فراغت حاصل کر کے سڑک پر سیدھا ہوا اور رکے بغیر برق رفتاری سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ ان دونوں نے وہ حادثہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور جس طرح کار فضا میں اُچھل کر لڑھکنیاں کھاتی ہوئی دور تک گئی تھی اس سے یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ کار کے اندر جو بھی افراد موجود تھے ان کی زندگیاں بھی اب محال ہی ہیں۔ اب اسی وقت فیصلہ کرنا تھا کہ یا تو ٹرک کا پیچھا کیا جائے یا پھر کار والوں کو دیکھا جائے۔ ٹرک تو نکل گیا تھا لیکن کار پڑی ہوئی تھی۔ ایک لمحے کے اندر اندر ان کی کار وہاں پہنچ گئی...... سڑک پر شیشے بکھرے ہوئے تھے ان سے تھوڑا ہی پہلے سردار علی نے کار روک دی اور پھر دونوں برق رفتاری سے نیچے اتر کر سڑک کے کنارے پڑی ہوئی کار تک پہنچ گئے...... کار الٹی تھی اور اس میں چار افراد موجود تھے...... ایک معمر شخص جو بہترین شخصیت کا مالک تھا لیکن اس کے دونوں ہاتھ اب اس کے بدن سے منسلک نہیں تھے اور کار میں ہی کسی جگہ پڑے ہوئے تھے...... برابر میں شاید کوئی عورت تھی...... اس کا اندازہ اس کے بدن سے ہی ہوتا تھا کیونکہ اس کا سر اس کے شانوں پر موجود نہیں تھا...... پچھلی سیٹ پر دو چھوٹی عمر کے بچے تھے۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی لیکن وہ بھی اس طرح چکنا چور تھے کہ ایک نگاہ میں یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اب وہ زندہ نہیں ہیں...... اسٹیرنگ کے پیچھے جو شخص بیٹھا ہوا تھا وہ اپنے ہاتھوں سے محروم ہو گیا تھا لیکن بغور دیکھنے سے یہ اندازہ ہوا کہ اسٹیرنگ اس کے سینے میں داخل ہو کر اس کی پسلیاں توڑ چکا ہے...... چار انسانوں کی موت اور وہ بھی اس طرح ان لوگوں کو گم صم کر دینے کے لئے کافی تھی۔ وہ اپنی جگہ ساکت کھڑے ان لاشوں کو دیکھتے رہے پھر انجم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”اب کیا کریں؟“

”یہ مر چکے ہیں...... اب کوئی جلد بازی بے مقصد ہے۔“

”لل...... لیکن وہ ٹ...... ٹرک؟“

”اب نکل گیا ہوگا۔“

”یہ اچانک ہی اس سڑک سے مین سڑک پر آیا تھا یا؟“

”کچھ سمجھ میں نہیں آتا، دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔“

”آہ کس قدر بھیانک حادثہ ہے، وہ تو شکر ہے کار میں آگ نہیں لگی۔“

”ہوں، کار کا نمبر دیکھو۔“ سردار علی نے کہا اور انجم شیخ نے کار کا نمبر نوٹ کر لیا۔

”میرا خیال ہے اسے ہاتھ لگانا مناسب نہیں ہے ذرا آؤ ایک منٹ، ٹارچ ہے گاڑی میں؟“

”ہاں ہے۔“

”نکالو ٹارچ۔“ ٹارچ لے کر وہ لوگ اس جگہ پہنچ گئے جہاں وہ ذیلی سڑک نظر آتی تھی اور پھر وہ ٹرک کے ٹائروں کا جائزہ لینے لگے...... سردار علی ٹارچ کی روشنی زمین پر ڈالتا ہوا تھوڑا سا آگے بڑھا...... ذیلی سڑک باقاعدہ ذیلی سڑک نہیں تھی بلکہ دور سے دیکھنے سے وہ کوئی سڑک محسوس ہوتی تھی...... سڑک ہی کا ایک حصہ جو تھوڑا سا ٹوٹا ہوا تھا کچے راستے کو چلا گیا تھا اور اس کے بعد وہ نہایت احتیاط کے ساتھ ٹرک کے ٹائروں کے نشانات کا جائزہ لینے لگے...... تھوڑی دیر میں ساری صورت حال واضح ہو گئی، ٹرک اسی سمت سے آیا تھا جدھر کار جا رہی تھی اور آنے کے بعد وہ یہاں رکا تھا اس سے غالباً ڈیزل کے کچھ قطرات ٹپک رہے تھے جو اب بھی اسی طرح نظر آتے تھے...... وہ یہاں آنے کے بعد مڑا تھا اور ریورس ہو کر اس جگہ تک پہنچا تھا...... گویا ٹرک پہلے سے وہاں کھڑا ہوا تھا جبکہ اس کے کھڑا ہونے کا کوئی جواز نہیں تھا...... سردار علی نے تمام چیزوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

”انجم! یہ ایک جانا بوجھا ایکسیڈنٹ ہے...... ٹرک یہاں پہلے سے موجود تھا اور غالباً کار کا انتظار کر رہا تھا اور اس کے بعد دور سے کار کو آتے ہوئے دیکھ کر انہوں نے نہایت مناسب وقت پر ٹرک کو آگے بڑھایا اور کار کو ٹکر مار دی، چند لمحوں کی دیر ہو جاتی تو کار آگے بڑھ جاتی...... بڑا پرفیکٹ اقدام قتل تھا۔“

”اقدام قتل؟“

”سو فیصد، آہ کاش ٹرک کا نمبر بھی ہماری نگاہوں میں آ سکتا۔“

”اس کا آخری نمبر ٹرپل زیرو تھا...... شروع کے نمبر نہیں دیکھ سکا میں۔“

”ٹرپل زیرو۔“

”ہاں۔“

”یہ بھی خاصا غنیمت ہے۔“

”مگر اب کریں کیا؟“

”اس کے سوااور کچھ نہیں کہ شہر چلیں اور پھر کسی پولیس اسٹیشن کو حادثے کی اطلاع دے دیں۔“

”ہاں...... کچھ نہیں کیا جاسکتا۔“ سردار علی نے واپس گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا...... انجم بھی اس کے قریب بیٹھ گیا تھا پھر انہوں نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھادی...... ٹائروں میں یقیناً شیشے چبھے ہوں گے لیکن پھر بھی سردار علی نے پوری پوری احتیاط کی تھی اور اس کے بعد وہ سامنے نگاہ جمائے شہر کی جانب کار دوڑانے لگے۔

❀❀❀

قصور شاید فیاض علی کا بھی نہیں تھا۔ نوعمری میں شادی ہوئی تھی اور وہ بھی شاید رشتے وغیرہ کا کوئی سلسلہ تھا۔ خاندان کی ایک ایسی لڑکی سے اسے منسوب کیا گیا تھا جو عمر میں اس سے چار سال بڑی تھی لیکن بزرگوں کے معاملات بعض خاندانوں پر اس طرح مسلط ہوتے ہیں کہ کبھی کبھی اس سے بڑے ایسے رونما ہوتے ہیں لیکن فیاض علی فطرتاً نیک نفس انسان تھا اور اس نے کبھی بیوی کو اس بات کا احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ اسے پسند نہیں کرتا۔ زندگی کے معاملات تھے...... نبھانے ہی پڑتے تھے...... اب یہ الگ بات ہے کہ خود فریدہ کو اس بات کا احساس تھا اور پھر اس کی صحت بھی بہتر نہیں تھی۔ ایک بیٹا پیدا ہوا تھا اور اس کے بعد کوئی اولاد بھی نہیں ہوئی۔ بیٹے کا نام شاہد علی رکھا گیا تھا...... فیاض علی کی دولت پشتینی تھی اور بہترین کاروبار ورثے میں منتقل ہوا تھا۔ اپنی فطرت کے مطابق اس نے اس کاروبار کو وسیع سے وسیع تر کر دیا تھا اور بہت اضافہ کر لیا تھا۔ دولت کی ریل پیل تھی لیکن دولت کی ریل پیل بھی فریدہ کی صحت بحال نہ کر سکی اور پھر اس وقت جب شاہد علی سولہ سال کا تھا فریدہ اس دنیا سے کوچ کر گئی۔ ویسے تو سب کچھ تھا لیکن گھر کا ایک ایسا فرد جدا ہو گیا تھا جس نے گھر کو گھر بنایا ہوا تھا...... تین سال تک فیاض علی غم و اندوہ میں ڈوبا رہا۔ کاروبار بھی تھا، مشاغل بھی تھے لیکن تنہائی کا شدید احساس اسے ذہنی طور پر مضطرب رکھتا تھا پھر یہ اس کی اپنی کوشش نہیں تھی، بلکہ نورین کچھ ایسی ہی دم ساز ثابت ہوئی اس کے لئے کہ وہ اس سے متاثر ہوتا چلا گیا۔ فطرت نورین کی بھی بری نہیں تھی اور نہ ہی وہ فیاض علی کی دولت پر فدا تھی۔ بس ایک عجیب سا لگاؤ اسے اپنے مغموم باس سے ہو گیا تھا اور یہ لگاؤ عمر کو نہیں دیکھ رہا

تھا...... نتیجے میں کچھ ایسی صورت حال ہوئی کہ فیاض علی نورین سے شادی پر آمادہ ہوگئے۔ نورین کے اہل خاندان درمیانے درجے کے لوگ تھے...... نورین فیاض علی کی سیکرٹری کی حیثیت سے ملازمت کرتی تھی اور والدین کا خیال تھا کہ فیاض علی نے ان کی بیٹی کو ورغلایا ہے...... عمر کا بے شک فرق تھا لیکن فیاض علی کی صحت بہت عمدہ تھی اور وہ اپنی عمر سے کم لگتے تھے...... اس کے باوجود نورین کے والدین اور خصوصاً نورین کا بھائی نیاز بیگ اس شادی کے لئے تیار نہیں تھا، وہ بہت سخت مزاج نوجوان تھا اور تھوڑے سے قدیم خیالات کا مالک، نورین کو پہلے بڑی اُلجھن پیش آئی لیکن پھر اس نے اپنی والدہ سے اپنے خیالات کا تذکرہ کر دیا...... گھر میں کہرام مچ گیا۔ خصوصاً نیاز بیگ نے اس سلسلے میں بڑے شدید الفاظ استعمال کئے...... نورین سے ایک سال چھوٹا تھا لیکن اپنی فطرت کی وجہ سے گھر میں سب پر حاوی تھا۔ نورین کو اپنا سنہرا مستقبل تاریک ہوتا محسوس ہوا تو اس نے سرکشی اختیار کی، یہاں تک کہ کھل کر کہہ دیا کہ اگر ان لوگوں نے اس کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کیں تو وہ گھر چھوڑ کر کہیں اور بھاگ جائے گی اور اس گھر کی ناک کٹوادے گی۔ جبکہ دوسری شکل میں اسے عزت کے ساتھ رخصت کر دیا جائے۔ بات خاصی شدت اختیار کر گئی اور نورین کے والدین نے عزت بچانے کی خاطر بس اتنا کیا کہ نیاز بیگ کو کہیں اور بھیج دیا اور پھر فیاض علی کو بلا کر سادگی سے نکاح پڑھوا دیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اب نورین اس گھر سے کوئی رابطہ نہ رکھے۔ وہ اسے آئندہ کبھی قبول نہیں کریں گے...... فیاض علی کو دکھ تھا کہ نورین سے اس کا گھر چھن گیا لیکن نورین اس نئی زندگی سے بہت خوش تھی اور اس نے زندگی کے بیشتر سال فیاض علی کے ساتھ خوشگوار گزارے، جبکہ شاہد علی نورین کو اپنی ماں کی حیثیت سے قبول نہیں کر سکا...... ابتداء میں تو نورین نے اسے ہر طرح کا اعتماد دینے کی کوشش کی لیکن شاہد علی ایک ایسی لڑکی کو جو خود اس کی اپنی زندگی میں شامل ہو سکتی تھی، ماں نہیں کہہ سکتا تھا اور اس کے نتائج ناخوشگوار نظر آنے لگے، تو آخر فیاض علی نے شاہد علی کی یہ خواہش پوری کر دی کہ وہ اسے بیرون ملک بھیج دیں...... شاہد امریکہ روانہ ہو گیا تھا، حسین امریکہ میں اس کا دل بھی لگ گیا...... تعلیم حاصل کر رہا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنے دل و دماغ کو بہلانے کی کوشش میں بھی مصروف تھا۔ کچھ ایسے لوگوں سے بھی اس کی شناسائی ہوئی تھی جو اس کے اپنے ہم وطن تھے اور وہاں مختلف امور کے تحت آئے ہوئے تھے ان میں سب سے زیادہ

دلچسپ دوست دانش تھا۔ ایک شاطر اور ہنس مکھ نوجوان جو کھل کر یہ کہتا تھا کہ امریکن اپنے آپ کو بہت زیادہ چالاک سمجھتے ہیں اور ساری دنیا میں انہوں نے اپنا جال پھیلا رکھا ہے لیکن وہ انہی امریکنوں کو بے وقوف بنائے گا اور ان سے اپنی دال روٹی چلائے گا۔ دانش کے بارے میں شاہد علی کو بہت زیادہ معلومات نہیں تھیں وہ کون ہے، کہاں سے تعلق رکھتا ہے لیکن اس کی شخصیت ایسی باغ و بہار تھی کہ شاہد علی کو وہ بے حد پسند تھا۔ فیاض علی بیٹے کو خاصا جیب خرچ بھیجتے تھے اور شاہد علی بڑی شان و شوکت سے یہاں رہتا تھا۔ امریکہ میں بھلا دوستوں کی کیا کمی...... مقامی اور غیر مقامی بہت سے ایسے لوگ اس کے اردگرد پھیل گئے تھے جو اسے پرنس کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے اور شاہد علی کو یہ تخاطب بہت پسند تھا...... گھر سے بددل ہو کر آیا تھا۔ باپ سے بہت زیادہ رغبت نہیں تھی...... بس اس حد تک کہ وہ اسے مناسب جیب خرچ بھیجتا رہے، چنانچہ اس نے بھی یہاں بہترین زندگی گزارنا شروع کر دی لیکن باپ سے فطرت میں تھوڑی سی شرافت بھی ملی تھی جس کی بنا پر وہ ان بری لڑکیوں کے ہتھے نہ لگ سکا جو ایسے نوجوانوں کی تاک میں رہتی ہیں، لیکن نیورا کوریل اتنی حسین تھی کہ اسے ایک بار دیکھنے سے کبھی دل نہ بھرے اور بار بار دیکھنے کو جی چاہے...... سو نیورا کوریل آہستہ آہستہ شاہد علی کے قریب ہونے لگی اور آخر کار ایک ایسا مقام آگیا جب شاہد علی نے نیورا کوریل کو اپنی بہترین دوست تصور کر لیا...... اب اس کے اخراجات کا زیادہ حصہ نیورا کوریل پر خرچ ہوتا تھا۔

ادھر نیورا کوریل کی کہانی یہ تھی کہ وہ بھی ایک معمولی سے گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ حسن و جمال قدرت نے دیا تھا اور نیورا کو اس کا پورا پورا احساس تھا۔ اپنی دوستوں سے وہ کہا کرتی تھی کہ جب اسے یہ سب کچھ آسمانوں سے ملا ہے تو اسے خود بھی آسمانی شخصیت کی مانند رہنا چاہئے...... اب یہ الگ بات تھی کہ نہ ماں باپ کے اتنے وسائل تھے کہ وہ بیٹی کی خواہشیں پوری کر سکتے اور نہ نیورا کوریل کے اپنے وسائل لیکن شاہد علی سے ملاقات کرنے کے بعد نیورا کوریل اپنے خوابوں کی تعبیر بھی خوابوں ہی کی شکل میں دیکھنے لگی تھی...... ہر چند کہ شاہد علی اس کے مزاج حسن پر اور معیار حسن پر پورا نہیں اترتا تھا...... وہ اپنا مد مقابل کسی ایسے شخص کو چاہتی تھی، جو بہترین شخصیت رکھتا ہو جبکہ شاہد علی درمیانہ سی شکل و صورت کا نوجوان تھا اور نہ ہی اس کی فطرت میں کوئی ایسی اہم بات تھی جو کسی کے لئے باعث توجہ ہو سوائے اس کے کہ اس کا طرز زندگی بہترین تھا، لیکن تمام خواہشیں مکمل طور پر تو

پوری نہیں ہو جاتیں، نیورا کوریل جانتی تھی کہ شاہد علی کے ساتھ زندگی کا دوسرا حصہ بہت خوشگوار گزر سکتا ہے اور وہ مالی طور پر بہترین حیثیت حاصل کر سکتی ہے، چنانچہ اس نے شاہد علی کی شخصیت کو نظر انداز کر دیا تھا۔ شناسا حلقوں میں اب یہ بات محسوس کی جانے لگی تھی کہ نیورا کوریل اور شاہد علی ایک دوسرے میں کھو گئے ہیں۔ دانش کو اب یہ شکایت پیدا ہونے لگی تھی کہ شاہد علی جو عموماً ہر جگہ اس کے ساتھ دیکھا جاتا تھا اب اس سے کترانے لگا ہے، چنانچہ وہ اس کھوج میں لگ گیا کہ اس کی وجہ کیا ہے لیکن زیادہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔

اعلیٰ درجے کے ہوٹلوں میں ان دونوں کو یکجا دیکھا جانے لگا پھر ایسے تفریحی مقامات پر جہاں عام لوگ تفریح نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ وہاں کے اخراجات بے حد وسیع تھے......

دانش کے دل میں ایک ہلکا سا دھبہ پڑ گیا...... بہر حال وہ یہ جانتا تھا کہ عورت دنیا کا ہر کام کر سکتی ہے اس سے قبل اسے شاہد علی سے مالی امداد بھی حاصل ہوتی رہتی تھی، جو ان دنوں بند ہو گئی تھی...... دولت کا حصول اس کے لئے بھی کوئی بہت مشکل نہیں تھا، کیونکہ اس کی فطرت میں کچھ ایسے پہلو پوشیدہ تھے جن سے وہ ابھی خود بھی روشناس نہیں ہوا تھا...... کوئی بھی کام کرتے وقت اس کے دل میں انتہائی بے رحمی پیدا ہو جاتی تھی، امریکہ آ گیا تھا لیکن وسائل کچھ نہیں تھے...... ماں باپ کا ٹھکرایا ہوا تھا...... ویسے بھی اس کا باپ ایک دفتر میں ہیڈ کلرک تھا...... کئی بھائی، معمولی سی آمدنی، لیکن اس کے دل میں ہمیشہ ہی امریکہ آنے کی خواہش مچلتی رہتی تھی، پھر نہ جانے کیسے کیسے جتن کر کے اور نہ جانے کیا کیا کچھ کر کے وہ امریکہ آ ہی گیا تھا اور یہاں کی رنگ رلیوں میں مست ہو گیا تھا لیکن مالی پریشانیاں اپنی جگہ، ان سے نمٹنے کے لئے خاصی تگ و دو کرنی پڑتی تھی اور کئی بار ایسے نازک مسائل آ گئے تھے کہ وہ پولیس کے جال میں پھنستے پھنستے بچا تھا...... بے پناہ شاطر اور چالاک ہونے کی وجہ سے بچ گیا تھا لیکن یہ احساس ہمیشہ دل میں رہتا تھا کہ یہ طریقہ زندگی مناسب نہیں ہے۔

ریٹا سے اتفاقیہ طور پر ہی ملاقات ہوئی تھی۔ ویسے اس نے نیورا کے ساتھ ریٹا کو بارہا دیکھا تھا اور ایک بار دونوں کی شناسائی بھی ہو گئی تھی، وہ بھی نیورا اور شاہد علی کی موجودگی میں۔

اس وقت وہ ایک چھوٹے سے اوپن ایئر ریسٹورنٹ میں بیٹھا ہوا تھا کہ اسے ریٹا نظر آئی، اچھی شکل وصورت اور گداز بدن کی مالک لڑکی تھی...... دانش ایک دم اسے پہچان گیا اور اس نے ریٹا کو بھی اپنی جانب متوجہ کیا...... ریٹا حیرانی سے اسے دیکھتے ہوئے اس کے

قریب آ گئی تھی۔

”سوری مس ریٹا، میں یہ بات تو خلوص دل سے تسلیم کرتا ہوں کہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ کوئی مجھے یاد رکھے۔“

”اوہ نہیں یہ میری کمزوری ہے، میرے سارے شناسا یہی بات کہتے ہیں کہ میں کھوئی ہوئی یادداشت کی مریضہ ہوں۔“

”خیر آپ کسی کی تلاش میں یہاں آئی ہیں؟“

”نہیں مسٹر بس یوں سمجھ لیجئے کہ ضرورت نے اس طرف کا رخ کرایا ہے۔“

”ضرورت؟“

”ارے ارے تشریف رکھئے۔“

”شکریہ۔“ ریٹا بیٹھ گئی۔

”پہلے یہ بتایئے آپ کیا کھانا پسند کریں گی، ٹھہرئیے میں مینو منگواتا ہوں۔“

ریٹا مسکرانے لگی، پھر بولی۔

”خیر اب اتنی شدید بھوک بھی نہیں لگ رہی کہ آپ سے شناسائی حاصل کئے بغیر کھانے پینے کی فرمائش کر دوں...... میں جس کام میں ناکام رہی ہوں، آپ مجھے بتا دیجئے کہ میری آپ کی ملاقات کہاں ہوئی تھی۔“

”وہ ملاقات ایسی تھی بھی نہیں کہ آپ مجھے یاد رکھ سکتیں، اب یہ اپنا اپنا معاملہ ہوتا ہے یعنی یہ کہ کچھ چہرے ذہنوں سے چپک کر رہ جاتے ہیں۔ میں اگر اس قابل نہیں تھا تو مس ریٹا کم از کم آپ یقینی طور پر اس قابل ہیں کہ آپ کو ایک بار دیکھ کر بھولا نہ جا سکے۔“

”پیٹ تو آپ کی باتوں سے ہی بھر گیا...... اتنی خوبصورت باتیں کرنے والا بھلا کسی کو کہاں ملتا ہے جب کہ خود آپ کی اپنی شخصیت ایسی نہیں ہے کہ اسے نظر انداز کیا جا سکے...... میں اپنے آپ کو بدذوق سمجھ رہی ہوں کہ آپ کو کیوں نہ یاد رکھ سکی۔“

”میرا نام دانش ہے۔“

”اور آپ مجھے میرے نام سے مخاطب کر ہی چکے ہیں چنانچہ میں بھلا آپ کو اپنا نام کیا بتاؤں؟“

”نیورا کوریل اور اس کے دوست کے ہمراہ ہماری ملاقات ہوئی تھی؟“

"بالکل یاد آگیا...... اوہ واقعی اب تو بالکل یاد آگیا...... آپ سے دوبارہ ملاقات کر کے بے حد خوشی ہوئی مسٹر دانش۔"

"اب تو مجھے اجازت دیں گی آپ؟" دانش بولا اور ریٹا ہنس پڑی۔

دانش نے ویٹر کو طلب کر کے ریٹا کی پسند کی کچھ اشیاء منگوائیں اور پھر ریٹا کی جانب دیکھنے لگا۔

"آپ کے کیا مشاغل ہیں مس ریٹا؟"

"کچھ نہیں بس ایک فرم میں پارٹ ٹائم کرتی ہوں اور پڑھ رہی ہوں۔"

"گڈ...... گویا خود کفیل؟"

"یہی سمجھ لیجئے۔"

"بہت قابل احترام ہوتے ہیں وہ لوگ، جو اپنے طور پر اپنی زندگی بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔"

"میں سمجھتی ہوں انسان اپنی زندگی خود ہی بنا سکتا ہے، اپنے تصورات، اپنے خیالات کے مطابق۔"

"بالکل ٹھیک کہا آپ نے...... ویسے نیورا آپ کی بہترین دوست ہے۔"

"ہاں ہم لوگ غالباً چھٹی یا ساتویں کلاس کے ساتھی ہیں اور عمر کا ایک بیشتر حصہ ہم نے ساتھ ساتھ ہی گزارا ہے۔"

"نیورا کوریل کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟" ریٹا ہونٹ سکوڑ کر کچھ سوچنے لگی پھر بولی۔ "اپنے دوست کے بارے میں برے الفاظ کہنا کوئی اچھی بات نہیں۔ ہے لیکن میں نیورا کے لئے اچھے الفاظ کہاں سے لاؤں۔"

"کیا مطلب؟"

"نہیں بس ایسے ہی میں نے کہہ دیا تھا۔"

"واقعی دو اچھے دوستوں کے بارے میں کریدنا اچھی بات نہیں ہے لیکن نہ جانے کیوں میرا دل چاہتا ہے کہ اس سلسلے میں معلومات حاصل کروں...... آپ کو علم ہے کہ شاہد میرا دوست ہے؟"

ریٹا عجیب سی نگاہوں سے دانش کو دیکھنے لگی، اسی وقت ویٹر نے ان کا آرڈر سرو کر دیا اور

ریٹا خاموشی سے کھانے میں مصروف ہوگئی۔ دانش کو نہ جانے کیوں اس کی آنکھوں کی یہ کیفیت عجیب ہی محسوس ہوئی تھی، وہ اس کے بولنے کا منتظر رہا پھر اس نے کہا۔

"کیوں مس ریٹا...... آپ مجھے اپنی دوست کے بارے میں بتانا نہیں چاہتیں؟"

"ایسی بات نہیں ہے ڈیئر دانش، اصل میں نیورا کوریل کو میں بچپن سے جانتی ہوں، وہ خود ایک معمولی سے گھرانے کی فرد ہے اور سچی بات یہ ہے کہ اس کے گھر سے اسے کوئی سپورٹ نہیں ہے، یعنی وہ جو کچھ بھی کرے سیاہ و سفید، وہ خود اس کی مالک ہے اور اس کے اپنے وسائل کچھ نہیں ہیں...... جب کہ وہ ایک خوبصورت لڑکی ہے۔"

"جی؟"

"اس کے مزاج میں ایک خاص تمکنت ہے وہ اپنے آپ کو کسی ریاست کی شہزادی سمجھتی ہے اور شہزادی بننے کے خواب دیکھ رہی ہے لیکن مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اب اسے ایک ایسا بے وقوف مل گیا ہے جو اسے خواب دکھا سکتا ہے اور شاید اس کے خواب پورے بھی ہو سکتے ہیں۔"

ریٹا کے لہجے کی جلن کو دانش نے محسوس کیا تھا...... وہ اسے ہوا دیتا ہوا بولا۔

"حالانکہ حقیقت یہ ہے مس ریٹا کہ آپ بھی کسی سے کم نہیں ہیں لیکن ہر انسان کو ایک ہی انداز میں نہیں سوچنا چاہئے۔"

"میں تمہیں ایک بات بتاؤں، وہ میری بے تکلف دوست ہے، وہ حسن پرست بھی ہے اور شاہد علی کو بحیثیت مرد بالکل پسند نہیں کرتی لیکن وہ کھل کر کہتی ہے ہر چیز یکجا نہیں مل سکتی۔ دولت کی خواہش ہے تو اب اس سے بھی زیادہ بدشکل کوئی نوجوان ہوتا تو وہ اسے قبول کر لیتی۔"

"گڈ...... فطرتاً وہ حسن پرست ہے۔"

"ہاں بے حد، اسے اچھی شخصیتوں سے پیار ہے۔"

"بہر حال یہ اس کی اپنی سوچ ہے، ویسے کیا اسے یقین ہے کہ شاہد علی اسے اپنا لے گا۔"

"میرا خیال ہے اس نے جتنا مضبوط جال اس لڑکے پر ڈالا ہے اس سے اس لڑکے کا نکلنا مشکل ہی ہے۔"

"جی جی ہو سکتا ہے۔"

"ویسے تم اس کے دوست ہو تو اسے سمجھاؤ، نیورا کوئی اچھی لڑکی نہیں ہے وہ صرف اس کی دولت پر فدا ہوئی ہے اور اسے اس کی ذات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"نہیں مس ریٹا میرا خیال ہے یہ ایک غیر دانشمندانہ قدم ہے جبکہ آپ جانتی ہیں کہ میرا نام دانش ہے۔" ریٹا ہنسنے لگی تھی پھر وہ بولی۔

"میں نے تو بس ایسے ہی کہہ دیا تھا۔"

"چلئے چھوڑیئے ہم اپنی باتیں کریں...... آپ نے اپنی زندگی کے لئے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"ابھی کچھ نہیں، اس وقت تک نہیں جب تک کہ میں اپنی زندگی کا کوئی مقصد نہ پالوں...... بھلا یہ بھی کوئی زندگی ہے، تھوڑے سے پیسے، اس کے بعد تعلیم، تعلیم مکمل ہو جائے، تب میں یہ سوچوں گی کہ میرا تعلق اس دنیا سے ہے ابھی تو آپ یہ سمجھ لیجئے مسٹر دانش کہ میں ایک کٹی ہوئی پتنگ کی مانند ہوں۔"

دانش خاموش ہو گیا...... یہ اتفاق اسے بڑا قیمتی محسوس ہو رہا تھا اور اس کے ذہن میں نہ جانے کیا کیا خیالات بننے لگے تھے، پھر اس نے اپنے منصوبے پر کام شروع کر دیا اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ پچھلے کچھ دنوں سے شاہد علی اس سے الگ الگ رہنے لگا تھا لیکن اسے تلاش کر لینا مشکل کام نہیں تھا اور اس وقت ہوٹل مارک گاسے کے خوبصورت اوپن ایئر لائن پر وہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے...... جب دانش ان کے پاس پہنچا...... دانش نے بڑی ذہانت سے ان کا پورا منصوبہ معلوم کر لیا تھا...... مارک گاسے کا یہ خوبصورت لان ایک بلند و بالا پہاڑی پر تھا اور یہاں سے واشنگٹن کی روشنیاں اتنی خوبصورت نظر آتی تھیں کہ دیکھنے والا مسحور ہو کر رہ جائے۔ گو دو محبت کرنے والوں کے درمیان مداخلت مناسب نہیں تھی لیکن دانش جان بوجھ کر وہاں پہنچا تھا...... وہ اس قدر حسین اور خوبصورت لباس میں تھا کہ بے شمار نگاہیں اس کی جانب اٹھ گئی تھیں ویسے بھی گوری چٹی رنگت کا مالک اور نہایت خوش شکل نوجوان تھا...... شاہد علی اس کے سامنے بہت دبا دبا رہتا تھا اور اس وقت جو سوٹ دانش پہنے ہوئے تھا...... اس کے بارے میں اسے علم تھا کہ یہ اس کا شکاری سوٹ ہے یعنی بہت کم ایسے مواقع آئے تھے جب امریکہ کی لڑکیوں نے اسے اس عالم میں دیکھا ہو اور دیکھتی نہ رہ گئی ہوں۔

وہ ان دونوں کے قریب پہنچا تو دونوں چونک کر اسے دیکھنے لگے...... دانش نے ایک لمحے میں نیورا کی نگاہوں میں پسندیدگی کے جذبات دیکھے تھے...... ادھر شاہد علی نے بھی

خوش اخلاقی کا ہی مظاہرہ کیا تھا۔

"ارے تم یہاں؟"

"ہاں...... سوال بالکل مکمل اور جامع ہے، مجھ جیسا آدمی یہاں کیسے ہو سکتا ہے؟"

"کیا مطلب؟" شاہد علی بولا۔

"بس ایسے ہی آ گیا تھا معافی چاہتا ہوں پھر کبھی ملاقات ہو گی۔"

"ارے سنو تو سہی دانش سنو بات تو سنو۔" شاہد علی نے کہا۔

"ہاں ہاں شاہد کوئی ایسی بات نہیں، میں تو صرف اس لئے واپس جا رہا ہوں کہ تم دونوں یہاں یکجا ہو میں کباب میں ہڈی نہیں بننا چاہتا۔"

"مسٹر ہڈی آپ تشریف رکھیں گے یا پھر میں آپ کو پکڑ کر زبردستی یہاں بٹھا دوں۔" شاہد علی نے کسی قدر شرمندگی محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں شاہد میں تو تمہارے بہت اچھے دوستوں میں سے ہوں اور اچھے دوست کا کام یہی ہونا چاہئے کہ دوست کے ہر جذبے کا خیال کرے۔"

"یار تم مجھے شرمندہ کر رہے ہو؟"

"مس نیورا آپ بتایئے کیا میں انہیں شرمندہ کر رہا ہوں؟" دانش نے نیورا کی جانب متوجہ ہو کر کہا جو اپنی حسین نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں انتہائی پسندیدگی کے تاثرات تھے...... آخر یہ شکاری سوٹ کسی جگہ فیل ہو جائے، یہ دانش کی لغت میں نہیں تھا...... اس نے ایک لمحے میں محسوس کر لیا تھا کہ نیورا اس کی جانب پوری طرح سے متوجہ ہے...... بہر حال اس نے اس وقت شاہد علی کو کسی شبہ کا موقع نہیں دیا اور بیٹھ گیا۔

"تو جناب یہ تفریحات ہو رہی ہیں بھئی، یہ دولت بڑی عجیب چیز ہے، انسان کو دنیا کی ہر فرحت بخش دیتی ہے آپ یقین کیجئے میں آپ دونوں پر رشک کر رہا ہوں۔"

دونوں ہنسنے لگے تھے پھر شاہد نے پوچھا۔ "تم ادھر کیسے نکل آئے؟"

"یار بہت عرصے سے مارک گاسے کی تعریفیں سن رہا تھا اور خاص طور سے اس لان کی جہاں سے واشنگٹن سمٹ جاتا ہے جبکہ یہ ایک ناممکن کام ہے۔"

"ہاں یہ جگہ بہت خوبصورت ہے۔"

"تو آج میں نے سوچا کہ یہاں کا نظارہ کر لیا جائے۔"

"تنہا ہو؟"

"پوری کائنات میں۔" دانش نے جواب دیا۔

"نہیں ہم ہیں تمہارے لئے۔"

"یہ الفاظ دل کو بڑھاتے ہیں، معافی چاہتا ہوں مس نیورا یہ تو میرا دوست ہے لیکن آپ کو یقیناً میری مداخلت ناگوار گزری ہو گی۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں مسٹر دانش، انسان انسان سے دور رہنا تھوڑی پسند کرتا ہے اور پھر آپ جیسی شخصیت۔"

"اب تو آپ دونوں ہی کا شکریہ ادا کرنا پڑے گا...... ایسے فراخ دل لوگ اس دنیا میں کہاں موجود ہوتے ہیں۔" بہر حال یہاں وہ سب کافی دیر تک بیٹھے رہے اور دانش نے ایک لمحے میں یہ محسوس کر لیا کہ وہ نیورا کو متاثر کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے، جبکہ سادہ فطرت شاہد علی کے دل میں دانش کے لئے کوئی ایسا تصور نہیں تھا...... بہر حال دانش اپنے پروجیکٹ پر کام کرنے لگا...... اس کے ذہن میں ایک خوفناک منصوبہ ترتیب پا رہا تھا...... وہ خفیہ طریقے سے نیورا کوریل کا تعاقب کرنے لگا اور ایک دن اس نے ایک ایسی مناسب جگہ کوریل کو پایا جہاں وہ اس سے ملاقات کر سکتا تھا...... اس وقت بھی وہ خوب سج دھج میں تھا اور نیورا کوریل اسے دیکھ کر مسحور ہو گئی تھی۔

"ہیلو نیورا...... شاید تم نے مجھے پہچان لیا ہو؟"

"آپ شاید کا لفظ استعمال کریں گے مسٹر دانش؟"

"ہاں یہ ضروری ہے۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ مجھ جیسے بے حقیقت لوگوں کو یاد رکھنے کی کوئی خاص وجہ نہیں ہوتی۔" نیورا نے جلدی سے کہا۔

"اپنی حقیقت کا علم انسان کو خود کہاں ہوتا ہے۔"

"اچھا یہ ایک دلچسپ منطق ہے، میں سمجھتا ہوں انسان اپنے آپ کو خود ہی بہتر سمجھتا ہے۔"

"کبھی کبھی نہیں سمجھتا۔"

"ہو سکتا ہے۔" دانش نے جواب دیا۔

"آؤ وہ سامنے ایک خوبصورت کافی ہاؤس ہے میری طرف سے میرے ساتھ کافی پیو۔"

"شاہد کہاں ہے؟"

"اوہ وہ نہیں اس وقت میں مسٹر شاہد کے ساتھ نہیں ہوں۔"

"اچھا اچھا...... بہر حال آیئے۔"

دونوں کافی ہاؤس میں جا بیٹھے، ماحول بے حد خوشگوار اور رومینٹک تھا، نیورا نے دانش کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"مسٹر دانش آپ کا تعلق بھی کیا اسی شہر سے ہے جہاں شاہد علی رہتے ہیں۔"

"ہاں اتفاق سے۔"

"تب تو آپ شاہد علی کے بارے میں خاصی معلومات رکھتے ہوں گے۔"

دانش کو واقعی شاہد علی کے بارے میں خاصی معلومات حاصل تھیں، اکثر شاہد علی دانش کو اپنے بارے میں بتاتا رہتا تھا...... یہ تک بتا دیا تھا شاہد علی نے اسے کہ اس کے باپ فیاض علی نے دوسری شادی کر لی ہے اور اس کی ماں ایک نوجوان لڑکی ہے اور شاہد اسے ناپسند کرتا ہے۔ یہ بھی بتایا تھا شاہد نے اسے کہ فیاض علی ایک بے حد دولت مند انسان ہے اور بہت کچھ ہے اس کے پاس لیکن اب اس بہت کچھ کے وارث بھی پیدا ہو گئے ہیں...... نئی بیوی کے دو بچے ہیں، ایک بیٹا اور ایک بیٹی اور اب فیاض علی کی پوری توجہ اپنے ان دونوں بچوں کی طرف ہے۔

بہر حال یہ معلومات حاصل تھیں اسے اور وہ اس وقت نیورا سے اپنی ملاقات کو ایک اہم حیثیت دینا چاہتا تھا اس نے کہا۔

"ویسے اس میں کوئی شک نہیں ہے مس نیورا کہ جب بھی میں آپ کو شاہد علی کے ساتھ دیکھتا ہوں میرے دل میں ایک عجیب سا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔" نیورا نے چونک کر اسے دیکھا اور بولی۔

"کیا احساس مسٹر دانش؟"

دانش مغموم سے انداز میں مسکرا کر خاموش ہو گیا...... نیورا پھر بولی۔

"آپ نے بتایا نہیں؟"

"کچھ باتیں اضطراری طور پر زبان سے نکل جاتی ہیں لیکن پھر فوراً ہی یہ احساس ہو جاتا ہے کہ انسان کو اپنے الفاظ پر احتیاط رکھنی چاہئے۔"

نیورا برق پاش نگاہوں سے دانش کو دیکھنے لگی پھر بولی۔

"اگر کسی انسان کو اپنوں میں تصور کر لیا جائے مسٹر دانش تو۔"

"ہاں مس نیورا کچھ لوگ اس طرح اپنے اپنے سے لگتے ہیں کہ انسان خود حسرتوں کا شکار ہو جاتا ہے۔"

"اچھا آپ کو کوئی ایسا لگا؟"

"ہاں۔"

"کون ہے وہ خوش نصیب۔"

"نہیں مس نیورا آپ نہ جانے کیا سمجھیں؟"

"میں کچھ نہیں سمجھوں گی، آپ بتائیے۔"

"وہ آپ ہیں مس نیورا۔" دانش نے بے اختیارانہ انداز میں کہا اور سلیں پگھل گئیں...... وہ تھوڑی دیر تک دانش کو دیکھتی رہی پھر اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"میں کیا کہوں دانش، کیا کہوں میں؟"

"اب آپ نے مجھ سے وہ کہلوالیا ہے مس نیورا جو درحقیقت میری زندگی کا ایک اہم راز ہونا چاہئے تھا...... آپ کو بھی وہ سب کچھ کہنا چاہئے جو آپ کے ذہن میں آئے۔"

"دانش انسان اگر کسی کو اپنی زندگی کا اتنا اہم راز دے دے تو اس کا مقصد ہے جس کے سامنے وہ اس راز کو افشا کر رہا ہے وہ اسے بہت بڑی حیثیت دیتا ہے۔"

"یہ تو حقیقت ہے مس نیورا۔"

"دانش تمہارا اور شاہد کا کوئی مقابلہ نہیں ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تم جس قدر دلکش شخصیت کے مالک ہو تمہارے مقابلے میں شاہد کچھ بھی نہیں ہے مگر دانش میں تمہیں سب کچھ سچ سچ بتا دوں گی جھوٹ نہیں بول رہی اس وقت تمہارے سامنے...... شاید ہی کبھی کسی نے اتنی بڑی حماقت کی ہو۔ میں ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتی ہوں جہاں بے کسی اور کسمپرسی کا دور دورہ ہوتا ہے۔ ہم بہت درمیانے درجے کے لوگ ہیں...... میرے پاس کبھی

زندگی کی وہ خوشیاں نہیں پہنچیں جن کی آرزو دلوں میں ہوتی ہے۔ میں ہمیشہ ان خوشیوں کو ترستی رہتی ہوں...... دانش اس کے بعد میں نے زندگی میں یہ فیصلہ کیا کہ انسان کی اپنی پسند کچھ نہیں ہوتی۔ وقت اور حالات سے سمجھوتا کرنا سب سے بہتر بات ہوتی ہے، زندگی میں ایسے راستے تلاش کئے جائیں جن سے زندگی پرسکون گزرے بس اسی نظریئے کو میں نے اپنی زندگی کا مقصد بنالیا، مجھے معاف کرنا دانش! میں اس وقت بہت گھٹیا گفتگو کر رہی ہوں...... شاہد علی کے بارے میں، میں نے جو کچھ سنا ہے اس سے مجھے یہ اندازہ ہوا ہے کہ وہ اگر مجھے میری پسند مہیانہ بھی کر سکے تب بھی کم از کم وہ میری زندگی کو پرآسائش بنا سکتا ہے...... بس یہی ایک تصور میرے دل میں ہے جس کی بنا پر میں اس کی جانب متوجہ ہوئی ہوں۔"

"تم نے میرے ذہن و دل کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے نیورا، آہ میں اپنی ذات میں بھٹکنے لگا ہوں۔"

"اور تم دانش، تم ایک آئیڈیل نوجوان ہو، تم یقین کرو اس وقت مجھے تمہارے ساتھ بیٹھے محسوس کر کے اتنی خوشی ہو رہی ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتی...... میں ان نگاہوں کو دیکھ رہی ہوں جو تم پر اٹھتی ہیں، ان میں پسندیدگی کے جذبات ہوتے ہیں اور ان سے کہیں زیادہ گہرے جذبات میرے سینے میں ہیں لیکن دانش میں نے تم پر دل کھول دیا ہے۔"

"نیورا! جب تم نے مجھ پر دل کھول دیا ہے تو پھر تم بھی یہ کان کھول کر سن لو کہ اس کائنات میں، میں صرف تم کو چاہتا ہوں اور یہ چاہت بہت پہلے سے ہے اس وقت سے جب میں نے تمہیں یہاں پہلی بار دیکھا تھا۔" دانش نے ذہانت سے کام لے کر وہ واقعات دہرائے جب نیورا نے اس کی جانب توجہ بھی نہیں کی ہو گی لیکن واقعات حقیقت تھے اور نیورا کو یاد تھے...... وہ حیرانی سے دانش کو دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

"اور تم نے اپنے ان جذبات کو دل کی گہرائیوں میں اس قدر چھپا کر رکھا؟"

"ہاں نیورا اس لئے کہ میں تمہیں وہ سب کچھ مہیا نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہی کر سکتا ہوں جو تمہاری آرزو ہے لیکن تمہارے لئے دنیا کی ہر قربانی دے سکتا ہوں میں، میں نیورا، میں ڈاکے ڈال سکتا ہوں، میں قتل و غارت گری کر سکتا ہوں...... میں سب کچھ تباہ کر سکتا ہوں اگر تمہاری طرف سے مجھے ذرا بھی سہارا مل جائے۔"

"اوہ نہیں، میں تمہیں یہ سب کچھ کرنے کو نہیں کہہ سکتی لیکن مجھے بتاؤ میں کیا

کروں...... تم یقین کرو دانش، میری زندگی میں ایک عجیب خلاء ہے، میں اس خلاء کو پر کرنا چاہتی ہوں مگر مجھے کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔" دانش نے محبت بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"نیورا، میں کچھ بھی نہیں ہوں...... میں تمہارے سامنے اعتراف کرتا ہوں کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں لیکن قدرت نے مجھے دماغ دیا ہے اگر مجھے تمہارا سہارا مل جائے تو جیسا کہ میں نے تم سے کہا میں سب کچھ کر سکتا ہوں۔"

"میں ہر لمحہ تمہارے ساتھ ہوں دانش...... تم اپنے فیصلے کرو ان میں مجھے میرا حصہ بتا دو تم کبھی مجھے اپنے آپ سے پیچھے نہیں پاؤ گے۔"

"ٹھیک ہے نیورا اگر یہ بات ہے تو تم سمجھ لو کہ ہم نے دنیا فتح کر لی لیکن نیورا کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا پڑتا ہے...... میں خود بھی کھونے کے لئے تیار ہوں اور تمہیں بھی اس کے لئے تیار رہنا ہوگا۔"

"اب یوں سمجھ لو دانش کہ میرا سب کچھ تمہارے لئے ہے، میری ہر جنبش تمہارے کہنے کے مطابق ہوگی، مجھے گائیڈ کرنا دانش مجھے گائیڈ کرنا۔"

"تو پھر سنو نیورا میری پہلی ہدایت یہ ہے کہ شاہد علی کو مکمل طور پر تمہاری گرفت میں ہونا چاہئے۔"

"کیسے؟"

"تم اس پر اپنی محبتوں کی بارش کر دو...... اس طرح اسے اپنے وجود میں جکڑ لو کہ وہ تم سے ہٹ کر سوچنا چھوڑ دے مجھے بھی نظر انداز کر دے، یوں سمجھ لو کہ تمہیں یہ کرنا ہے نیورا کہ شاہد علی تمہارے علاوہ کچھ اور سوچنا چھوڑ دے سمجھ رہی ہو نا؟"

"لیکن؟"

"نہیں نیورا لیکن...... نہیں سمجھ لو ہمارے حسین مستقبل کا آغاز ہو گیا ہے اور اب اس میں لیکن کی گنجائش نہیں ہے۔"

"او کے دانش او کے۔" نیورا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

❁

شاہد علی ماں کی موت کے بعد ذہنی طور پر اپنے آپ کو اس قدر تنہا محسوس کرتا تھا کہ

کبھی کبھی تنہائی کے احساس سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے تھے...... دنیا میں اس کا اپنا کوئی بھی نہیں تھا جس سے دل کے سارے راز کہہ سکتا...... بڑی عجیب سی زندگی تھی اس کی لیکن نیورا نے اس کے دل کے یہ داغ کافی حد تک دھو دیئے تھے اور وہ اب یہ محسوس کرنے لگا تھا کہ وہ تنہا نہیں ہے...... نیورا آہستہ آہستہ اس سے پوری طرح کھل گئی تھی اور اس طرح اسے چاہنے لگی تھی کہ بعض اوقات شاہد کو اپنی قسمت پر ناز ہونے لگتا تھا...... ایک اتنی حسین لڑکی اور اس طرح اس کی طلب گار، وہ اپنے آپ کو دنیا کا خوش قسمت انسان سمجھنے لگا تھا اور اب تو نیورا اس سے کھل کر کہہ چکی تھی کہ شاہد جو لمحات تم سے دور رہ کر گزرتے ہیں وہ میری زندگی کے بدترین لمحات ہوتے ہیں...... شاہد ہم کب تک اس طرح ایک دوسرے سے ملتے رہیں گے؟"

"نیورا، فیصلہ تمہیں کرنا ہے، میرے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے۔"

"کیسا فیصلہ؟"

"دیکھو میں اپنے والد کی بھیجی ہوئی رقم پر گزارا کر رہا ہوں...... اس میں کوئی شک نہیں ہے نیورا کہ میں ایک ناکارہ نوجوان نہیں ہوں...... میں خود بھی وہ سب کچھ کما سکتا ہوں جس سے تمہیں خوشحال زندگی دے سکوں لیکن پھر بھی مجھے سوچنا تو ہے اس بارے میں، کوئی نہ کوئی فیصلہ تو کرنا ہوگا اور اگر ہم جذباتی ہو کر کوئی فیصلہ کر بیٹھیں گے نیورا، تو کہیں یوں نہ ہو کہ کل تمہیں اپنے اس فیصلے پر افسوس ہو۔"

"کیا تم یہ بات سوچ سکتے ہو شاہد کہ تمہارے سلسلے میں مجھے کسی فیصلے پر اعتراض ہوگا؟"

"نیورا! کیا تمہارے والدین اس بات کے لئے تیار ہو جائیں گے کہ میں تم سے شادی کر لوں۔"

"میں خود مختار ہوں، بالغ ہوں اور پھر ان کی طرف سے مجھ پر کوئی پابندی بھی نہیں ہے کیا تم نے یہ محسوس نہیں کیا ہمارا معاشرہ ان تمام چیزوں کا متحمل نہیں ہے...... زندگی کا ایک مخصوص دور بے شک ماں باپ کے ساتھ گزرتا ہے لیکن اس کے بعد یہ ہمارے ہاں کا قانون ہے کہ ماں باپ ہماری تقدیر کے مالک نہیں ہوتے...... وہ ہمارے فیصلوں کے آڑے نہیں آتے۔"

"تو پھر تم، تمہاری اپنی کیا رائے ہے؟"

"جو کچھ تمہارے والدین بھیجتے ہیں شاہد، وہ ہماری زندگی کے لئے کافی ثابت ہوگا۔"

"یہ تم مجھ پر چھوڑ دو...... ہاں کچھ اور مسائل ہیں جن پر گفتگو ضروری ہے۔"

"ہاں ضرور۔" نیورا نے کہا اور پھر دونوں کافی دیر تک باتیں کرتے رہے تھے اور یہ گفتگو نتیجہ خیز ثابت ہوئی تھی۔

دانش کو پوری رپورٹ دیتے ہوئے نیورا نے کہا۔ "بددل تو نہیں ہو دانش؟"

"صورت سے بے وقوف نظر آتا ہوں۔" دانش بولا۔

"بالکل نہیں لیکن بہر حال مجھ پر تو یہ فرض ہے کہ تمہارے جذبات کا خیال رکھوں، ویسے تم یقین کرو دانش مجھے تھوڑا سا افسوس ہے۔"

"یہی کہ تم سے پہلے کوئی اور میری زندگی میں داخل ہو رہا ہے۔"

"ایک پائیدار زندگی کو اپنانے کے لئے ہمیں کچھ نقصانات بھی برداشت کرنے پڑتے ہیں تم کیا سمجھتی ہو نیورا کیا میں اس بات سے خوش ہوں گا لیکن مجبوری اور پھر ایک اچھے مستقبل کے لئے تو کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑتا ہے، ہم تو اپنا اچھا مستقبل تلاش کر رہے ہیں۔"

"وہ مجھ سے شادی کرنے پر رضامند ہو گیا ہے۔"

"تو اس کام میں جتنا بھی جلدی کرو گی ہمارے لئے فائدہ مند ہوگا۔"

"میں سمجھتی ہوں کہ اگر میں اس سے کہوں تو وہ کل ہی اس پر آمادہ ہو جائے گا۔"

"آج کیوں نہیں؟" دانش نے ہنستے ہوئے کہا اور نیورا بھی ہنسنے لگی پھر بولی۔

"لیکن تم نے اپنا آئندہ کا منصوبہ مجھے نہیں بتایا۔"

"اصل میں بہت سے منصوبے ایسے ہوتے ہیں جنہیں انتہائی خفیہ رکھنا ضروری ہوتا ہے اس لئے نہیں کہ کسی سے کوئی خطرہ ہوتا ہے بلکہ اس لئے کہ غلطی سے کوئی ایسی بات زبان سے نکل جاتی ہے جو شبہ کا باعث بن جاتی ہے...... سمجھ رہی ہو نا تم؟"

"اچھی طرح...... میں نے تو برسبیل تذکرہ کہہ دیا تھا...... مقصد اور کچھ تھوڑی تھا۔"

"او کے نیورا، او کے اب تم جلد از جلد اس احمق کو اپنی جیب میں رکھ لو تاکہ ہم فوری طور پر اپنے منصوبے کا آغاز کر سکیں۔"

"او کے...... تم سمجھ لو کہ یہ کام ہو گیا۔" نیورا مسکرا کر بولی۔

❁

دونوں ہی جانتے تھے کہ بہر حال کسی نہ کسی طرح حادثے کا علم پولیس کو ہو ہی جائے گا، گزرنے والی گاڑیاں ہی اس کی اطلاع دے سکتی تھیں...... یہ فیصلہ انہوں نے راستے میں کیا کہ کسی پولیس اسٹیشن کو اطلاع دینے کے بجائے پہلے شہنشاہ سے رابطہ قائم کر کے یہ تفصیل بتائی جائے اور دونوں اس بات پر متفق ہو گئے...... شہر میں داخل ہونے کے بعد شہنشاہ سے فوراً رابطہ قائم کیا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ٹرانسمیٹر پر شہنشاہ کی آواز اُبھری۔

"ہاں...... کون ہے؟"

"سر، سردار علی اور انجم شیخ۔"

"دونوں بول رہے ہیں۔"

"نہیں سر میں سردار علی عرض کر رہا ہوں۔"

"عرض کرو۔" شہنشاہ کی آواز میں شوخی تھی۔

"سر ایک حادثہ ہو گیا ہے میں آپ کو اطلاع دینا چاہتا تھا۔"

"خیریت کیا بات ہے؟" شہنشاہ کی ٹھہری ہوئی آواز اُبھری اور جواب میں دونوں نے اپنی مصروفیات اور اس کے بعد حادثے کی تفصیل شہنشاہ کو بتائی۔

"تمہیں یقین ہے کہ ان میں سے کوئی زندہ نہیں بچ سکا۔"

"نہیں سر اگر اس کے امکانات ہوتے تو ظاہر ہے ہم وقت ضائع نہ کرتے۔"

"ہوں...... بہر حال بات عام نوعیت کی اس لئے نہیں ہے کہ تم اس میں کسی ٹرک کی کارروائی کو شامل کر رہے ہو جو جانی بوجھی کارروائی تھی۔"

"جی سر۔"

"ویسے میں نے تمہارے لئے بڑی آسانیاں فراہم کر دی ہیں اور اب تمہارے مسائل کے حل کے لئے مسٹر شہاب ثاقب موجود ہے...... ویسے بینا واسطی بھی ایک ذہین خاتون ہے اپنے چھوٹے موٹے مسائل کے لئے براہ راست شہاب سے رابطہ قائم کر لیا کرو...... وہ ذہین نوجوان ہے اور میں نے بلاوجہ اسے اپنے ساتھ شامل نہیں کیا۔"

"سر...... آج آپ نے یہ ہدایت کر دی ہے، آئندہ ہم اس کے لئے پورا پورا خیال رکھیں گے۔"

"اب بھی تم یونہی کرو شہاب سے تمام تفصیلی گفتگو کرو، ساری صورت حال اسے بتاؤ

اور پھر اس سے یہ بھی کہہ دو کہ اس سلسلے میں وہ کارروائی کرنے کے لئے آزاد ہے، ہاں جب کوئی موثر بات اسے معلوم ہو جائے تو مجھ سے ضرور رابطہ کرلے۔"

"بہت بہتر جناب؟"

"خدا حافظ!" سردار علی نے کہا اور پھر ٹرانسمیٹر پر ہی شہاب سے رابطہ قائم کیا جانے لگا، جس میں کوئی دقت نہیں ہوتی تھی کچھ لمحوں کے بعد شہاب کی آواز اُبھری۔

"شہاب ثاقب!"

"سر! آپ کو اہم واقعے کی اطلاع دینی ہے۔"

"کون بول رہا ہے؟"

"سر میں سردار علی بول رہا ہوں۔"

"ہاں سردار علی خیریت کیا بات ہے۔" شہاب نے کہا اور ایک بار پھر سردار علی کو پوری کہانی شہاب کے سامنے دہرانی پڑی۔

"اوہ مائی گاڈ...... لوکیشن کیا ہے۔"

"نکسن روڈ سے جو سیدھی سڑک جاتی ہے اس پر تقریباً کوئی بارہ کلو میٹر کا فاصلہ طے کرنا ہوگا۔"

"یہ ممکن نہیں کہ تم مجھے کسی ایسی جگہ مل جاؤ بلکہ نکسن روڈ کے چوراہے پر ملو اور پھر ہم ساتھ ہی چلیں۔"

"بالکل ممکن ہے۔"

"او کے پھر میں نکسن روڈ پہنچ رہا ہوں، تم لوگ وہاں پہنچ جاؤ۔"

"ٹھیک ہے جناب۔" سردار علی نے جواب دیا اور ٹرانسمیٹر بند کر دیا۔

"شہنشاہ مسٹر شہاب پر بہت زیادہ اعتماد کرنے لگا ہے۔"

"تمہارا اپنا کیا خیال ہے، میں تو اس شخص سے بہت متاثر ہوں۔"

"شہاب سے؟"

"ہاں یار ذہین آدمی ہے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے اور پھر ظاہر ہے شہنشاہ کا انتخاب ہے، دونوں ہی اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک ہیں، میرا مطلب بینا واسطی سے بھی ہے لیکن ایک بات تم نے خاص طور

سے محسوس کی؟"

"ایسا کرو نکسن روڈ چلتے ہیں راستے میں تمام باتیں محسوس کرلیں گے۔" سردار علی نے پر مزاح انداز میں کہا اور انجم نے گردن ہلا دی تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر اپنی کار میں بیٹھ کر چل پڑے تھے ابھی شہاب نکسن روڈ نہیں پہنچا تھا چنانچہ وہ لوگ باتیں کرنے لگے۔

"ہاں...... تم نے کسی بات کو محسوس کرنے کے لئے کہا تھا؟"

"بینا اور شہاب کے بارے میں کہہ رہا تھا۔"

"کیا؟"

"کیا ان دونوں میں ایک اہم انڈر سٹینڈنگ نظر نہیں آتی۔"

"بینا چونکہ ایک وکیل صاحب کی بیٹی ہے اور خود بھی وکیل ہے اور شہاب کے بارے میں یہ بات ہمارے علم میں ہے کہ وہ بہت سے مراحل سے گزر چکا ہے، ممکن ہے ان دونوں کے درمیان پہلے سے شناسائی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ بینا کے بعد شہاب کو شہنشاہ تک پہنچانے کے لئے بینا ہی کا عمل کام آیا ہو۔"

"ممکن ہے...... او ہو دیکھو وہ کار آ رہی ہے۔" ہیڈ لائٹس ان کی ہی طرف آ رہی تھیں اور تھوڑی دیر کے بعد شہاب کی کار وہاں پہنچ گئی، دونوں نے اتر کر اس سے ہاتھ ملایا تھا۔

"شہنشاہ کو اس بارے میں اطلاع دی۔"

"جی ہاں اطلاع دے دی ہے۔"

"گڈ...... میں نے یہ سوچا کہ پہلے تم سے ملاقات کرلوں...... اس کے بعد شہنشاہ کو اس حادثے کی اطلاع دی جائے، کم از کم اطلاع دینا ضروری ہے۔"

"ہم نے بتا دیا تھا اور ہمیں ہدایت کی گئی تھی کہ فوری طور پر آپ سے رابطہ قائم کیا جائے، بلکہ اس کے بعد کے لئے بھی ہمیں یہی ہدایت دے دی گئی ہے کہ کسی بھی واقعے کی اطلاع براہ راست شہنشاہ کو دینے کے بجائے آپ کو دے دی جائے۔"

"بس...... میں اسے اس کی محبت ہی کہہ سکتا ہوں لیکن یہ حقیقت ہے کہ لاکھ کوشش کے باوجود میرا ذہن ابھی تک اس بات سے مطمئن نہیں ہو سکا کہ شہنشاہ کی شخصیت کیا ہے۔"

"اور شاید مطمئن ہو بھی نہ سکے مسٹر شہاب۔"

"آؤ دونوں گاڑیوں میں چلنا پڑے گا تم اپنی کار آگے لے چلو ویسے ہم ساتھ بھی جا سکتے

تھے لیکن یہی بہتر ہے ممکن ہے پولیس وہاں پہنچ چکی ہو اگر ایسی صورت ہو سردار علی تو پھر سیدھے ہی نکل چلنا اور وہاں رکنے کی کوشش نہ کرنا۔"

"او کے۔" سردار علی نے جواب دیا۔ انجم نے کوشش کی کہ وہ شہاب کے ساتھ بیٹھ جائے، حادثہ پر پولیس ابھی موجود نہیں تھی اپنی گاڑیاں ایک کنارے کھڑے کر کے وہ تینوں نیچے اتر آئے شہاب غالباً تیاریاں کر کے آیا تھا کیونکہ اس کی گاڑی میں لگی ہوئی ایکسٹرا فلڈ لائٹ نے تباہ شدہ کار کو اپنے دائرے میں لے لیا اور قرب وجوار کا پورا علاقہ روشن ہو گیا......

سڑک پر شیشے بکھرے ہوئے تھے اور دور دور تک کے مناظر واضح تھے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی گئی کہ اس دوران دوسری گاڑیاں ادھر سے گزری ہیں یا نہیں...... بکھرے ہوئے شیشے یہ بتاتے تھے کہ گاڑیاں ان پر سے گزری ہیں پتا نہیں پولیس کو کسی نے اطلاع دی یا نہیں، تاہم وہ اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے...... شہاب نے لاشیں دیکھیں اور سردار علی نے محسوس کیا کہ اس کے چہرے پر غم کے آثار اُبھر آئے ہیں......اس نے اپنی کار میں سے کیمرہ نکالا اور ان لاشوں کی تصویریں اتارنے لگا......اس کام سے فراغت حاصل کر کے اس نے کار کی ڈکی کھولی اور چھوٹی ڈکی میں کاغذات وغیرہ تلاش کرنے لگا ابھی ان کاغذات کی دیکھ بھال کر ہی رہا تھا کہ مخالف سمت سے تیز روشنیاں نظر آئیں...... بہر حال شہاب نے ان روشنیوں کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی لیکن آنے والی پولیس موبائل تھی اور اس میں بہت سے افراد بیٹھے ہوئے تھے جو نیچے اتر آئے......غالباً کوئی انسپکٹر ساتھ تھا اس کے اشارے پر پولیس کانسٹیبلوں نے رائفلیں تان لیں، انسپکٹر آگے بڑھا اور شہاب کو دیکھتا ہوا بولا۔

"کیا ہو رہا ہے یہ؟"

"انسپکٹر صاحب تحقیقات کر رہا ہوں۔"

"ادھر لاؤ یہ کاغذات۔" اس نے شہاب کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا اور شہاب نے کار کی بک اور دوسرے کاغذات اس کے حوالے کر دیئے...... انسپکٹر نے خود بھی پستول نکال لیا تھا۔

"تم ہو کون اور یہ حادثہ کیسے ہوا؟"

"انسپکٹر صاحب میں آپ کو بتادوں گا پہلے آپ اپنے ابتدائی کام کر لیجئے۔"

"مسٹر......اس حادثے کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟"

پولیس انسپکٹر نے اس تباہ شدہ کار میں جھانک کر دیکھا پھر بوکھلائے ہوئے انداز میں پیچھے ہٹ گیا۔

"اوہ میرے خدا۔" اس کے منہ سے سہمی ہوئی آواز نکلی تھی، پھر اس نے شہاب کی گاڑی کی طرف دیکھا جس کی فلڈ لائٹیں روشن تھیں اور اس کے بعد اس نے پھر کڑی نگاہوں سے شہاب کو گھورتے ہوئے کہا۔

"میں پوچھتا ہوں۔"

"نہیں انسپکٹر آپ یہ لہجہ اختیار نہ کریں یہ دیکھئے یہ میرا کارڈ ہے۔" شہاب نے اپنا کارڈ نکال کر انسپکٹر کے سامنے کر دیا۔

"کارڈ۔" انسپکٹر اسے مشتبہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا، پھر کارڈ پر اس کی نظر پڑی اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، اس نے ایک بار پھر شہاب کو اور اس کے کارڈ کو دیکھا اور دوسرے لمحے اس کی ایڑیاں بج اٹھیں۔

"سوری سر مجھے یقین ہے کہ آپ میری اس گستاخی کو محسوس نہیں کریں گے...... آپ مجھے بتائیے کہ کیا کسی اجنبی شخص سے مجھے یہ رویہ نہیں اختیار کرنا چاہئے تھا۔"

"میں کب کہہ رہا ہوں انسپکٹر۔"

"سر یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ آپ یہاں پہنچ گئے لیکن سر؟"

"انسپکٹر اصل میں اس حادثے کے بارے میں مجھے اتفاقیہ طور پر ہی معلوم ہوا میں خود ایک اہم کام کے لئے یہاں سے جا رہا تھا کہ مجھے یہ گاڑی نظر آئی جو کام میں کرنے جا رہا تھا وہ بھی اہم نوعیت کا ہے لیکن یہاں یہ کیفیت دیکھ کر مجھے رکنا پڑا اور پھر یہ سب کچھ مجھے نظر آیا۔"

"سوری سر! اب تو میری مشکل ہی حل ہو گئی۔ آپ یقینی طور پر اس سلسلے میں اپنے طور پر بھی تفتیش کریں گے۔"

"نہیں انسپکٹر! یہ آپ کا علاقہ ہے لیکن کیا آپ مجھے یہ بتانا پسند کریں گے کہ آپ کو اس کے بارے میں اطلاع کیسے ملی۔"

کوئی گاڑی ادھر سے گزری ہو گی ان لوگوں نے پولیس اسٹیشن فون کیا تھا اور اپنا نام بتانے سے انکار کیا تھا......انہوں نے بتایا تھا کہ ایک خوفناک حادثہ اس جگہ ہوا ہے اور تباہ شدہ کار ابھی وہیں پڑی ہوئی ہے، بہر حال دیکھنا تو تھا چنانچہ میں موبائل لے کر فوراً چل پڑا۔

"آپ تفتیش نامہ تیار کر لیجئے اور یہ میرا کارڈ ہے، اگر ضرورت پیش آئے تو آپ مجھ سے رابطہ قائم کریں، ویسے میں اپنے طور پر تحقیق کرنے رک گیا تھا لیکن ظاہر ہے یہ حق آپ کا ہے لیکن اگر کوئی خاص معلومات آپ کو حاصل ہو جائے تو براہ کرم مجھے ضرور بتائیے بلکہ میں خود بھی آپ سے کسی وقت رابطہ قائم کروں گا...... ہم لوگوں نے نہ تو یہاں کسی چیز کو چھیڑا ہے، سوائے ان کاغذات کے جن سے میں کار کے مالک کا پتا چلانے کی کوشش کر رہا تھا۔"

"آپ کو علم ہوا جناب؟"

"ہاں...... کار کسی فیاض علی کے نام ہے، بس اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں معلوم۔"

"اگر آپ کا حکم ہو تو یہ کاغذات؟"

"نہیں، نہیں اس میں سے ہر چیز آپ اپنے پاس رکھیں...... بس میں نے آپ سے جو عرض کر دیا وہ آپ مناسب سمجھتے ہیں۔"

"اوکے سر۔"

"تو پھر مجھے اجازت؟"

"میرے لئے کوئی ہدایت؟"

"ہدایت یہی ہے کہ آپ پوری محنت سے اپنا کام کریں اور معلوم کریں کہ یہ مظلوم کون تھے اور یہ حادثے کیسے ہوا؟"

"اوکے سر۔"

"چلو۔" شہاب نے سردار علی اور انجم شیخ کو حکم دیا اور وہ دونوں اپنی گاڑی میں جا بیٹھے، شہاب نے انہیں اشارہ کر دیا تھا کہ سیدھے ہی چلیں تاکہ یہ بات طے ہو جائے کہ ہم کسی اور کام سے ادھر جا رہے تھے اور خاص طور سے اس حادثے کے لئے یہاں نہیں رکے ہیں، چنانچہ دونوں گاڑیاں آگے پیچھے چل پڑیں۔

❀❀❀

ثریا بھابی، واثق حسین کے ساتھ شاپنگ کے لئے نکلی ہوئی تھیں...... گھر میں گاڑی موجود تھی، واثق حسین خود ڈرائیونگ کرنا سیکھ چکے تھے اور اکثر اہل خاندان کو لے کر کبھی کبھی نکل پڑتے تھے، اس وقت صرف ثریا ان کے ساتھ تھی اور ایک عمدہ سے شاپنگ سینٹر میں شاپنگ ہو رہی تھی...... گاڑی سامنے فٹ پاتھ کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی...... واثق حسین کو کچھ کام تھا اس لئے انہوں نے کہا تھا کہ وہ چند لمحات کے بعد ثریا بھابی کو گھر چھوڑ کر خود کہیں چلے جائیں گے...... بہر حال شاپنگ ہو رہی تھی کہ ثریا بھابی کو اس کے بارے میں بتایا گیا تھا اس نے ثریا کے دل میں بینا کے لئے بڑا گداز پیدا کر دیا تھا...... بینا بھی شاید شاپنگ ہی کے لئے نکلی تھی اور اس وقت اس کے پاس گاڑی نہیں تھی بلکہ ایسے ہی بس ٹہلتی ہوئی نکل آئی تھی، اس کا گھر بھی شاپنگ سینٹر سے دور نہیں تھا...... ثریا بھابی اسے دیکھ کر اس کی جانب لپکیں اور قریب پہنچ کر بولیں۔

"بینا...... بینا سنئے۔" بینا نے چونک کر دیکھا اور ایک لمحے میں ثریا بھابی کو پہچان لیا۔

"اوہ ثریا بھابی، ہیلو...... خیریت آپ یہاں کیسے نظر آ رہی ہیں؟"

"کچھ شاپنگ کرنے نکلی تھی مگر تم یہاں؟"

"ہاں ثریا بھابی بس ایسے ہی میں بھی کچھ شاپنگ ہی کے لئے نکلی تھی۔"

"جو خریدنا تھا خرید لیا؟"

"نہیں کوئی ایسی خاص چیز خریدنی بھی نہیں تھی سب ہی۔"

"تو آؤ نا کچھ دیر ساتھ رہے۔"

"جیسا آپ پسند کریں، ویسے میرا گھر یہاں سے کچھ فاصلے پر ہے۔"

"کہاں؟"

"وہ سامنے جو آپ کو ایک علاقہ نظر آرہا ہے بس وہیں میری رہائش گاہ ہے۔"

"بھئی تو پھر تم ہمیں اپنے گھر چائے پلا دو یا اگر وقت ہو تو ہمارے ساتھ چلو تمہیں واپس چھوڑ دیا جائے گا۔"

"نہیں بھائی گھر ہمارا زیادہ قریب ہے اور آپ اگر ہمیں یہ عزت بخشنے کے لئے تیار ہیں تو پھر آیئے۔"

"میرے شوہر میرے ساتھ ہیں اور انہیں جانا ہے میں ایسا کرتی ہوں انہیں یہاں سے روانہ کئے دیتی ہوں، بعد میں چلی جاؤں گی۔"

"اگر بھائی صاحب کے پاس وقت ہو تو کم از کم چائے پر تو انہیں مدعو کر ہی لیجئے۔"

"نہیں پھر سہی، میں ابھی واثق حسین کو بتا کر آجاتی ہوں، ہم لوگ پہلے تھوڑی سی شاپنگ کریں گے پھر میں تمہارے ساتھ تمہارے گھر چلوں گی۔"

"اوکے...... جیسا آپ پسند کریں۔" بینا نے کہا شہاب کی بھابی تھی ملاقات بھی ہو چکی تھی اور بینا کے لئے اس سے زیادہ خوشی اور کیا ہو سکتی تھی کہ اب ان کے درمیان گھریلو تعلقات ہوتے جارہے تھے...... ثریا بیگم نے واثق حسین کو بتایا اور انہوں نے اسے اجازت دے دی۔

"تو پھر ٹھیک ہے میں چلتا ہوں تم سامان چاہو تو گاڑی ہی میں پڑا رہنے دو، ٹیکسی سے آجاؤ گی نا؟"

"ہاں میں آجاؤں گی آپ فکر نہ کریں۔"

"اوکے۔"

"آیئے کم از کم اس سے ہیلو ہائے تو کر لیجئے۔"

"چلو۔" واثق حسین نے کہا اور بینا کی جانب چل پڑے۔

"ہیلو بینا...... کہئے کیسی ہیں آپ؟"

"ٹھیک ہوں جناب آپ لوگ مجھے عزت بخشنے بڑی خوشی ہوگی۔"

"ایسا کرو بینا آج عزت کے لئے ہماری بیگم کو لے جاؤ ہم پھر کسی وقت حاضر ہو جائیں گے۔"

"اگر اہم مصروفیت نہ ہو تو آپ چلئے۔"

"واقعی بہت ضروری کام ہے بلکہ یہ تو تم نے میری مدد کی ہے، تم یوں کرنا ایک ٹیکسی منگوا دینا۔"

"اس کی تو آپ فکر ہی نہ کریں۔" بینا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوکے پھر خدا حافظ۔" پھر اس کے بعد مزید کچھ تھوڑی سی شاپنگ کی گئی اور آخر کار بینا، ثریا بیگم کو لے کر چل پڑی...... واسطی صاحب موجود نہیں تھے، اتفاق کی بات یہ تھی کہ بینا کی والدہ بھی کسی رشتے دار سے ملاقات کے لئے گئی ہوئی تھیں...... گھر اس وقت خالی ہی پڑا تھا اور بینا کوئی مصروفیت نہ ہونے کی وجہ سے نکل آئی تھی...... بہر حال تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں گھر پہنچ گئیں اور بینا آٹومیٹک لاک کھول کر اندر داخل ہوگئی، مکان پہلے تو جیسا بھی ہو لیکن اب بدلے ہوئے حالات کے تحت اس میں خاصا عمدہ فرنیچر آچکا تھا، زندگی کے وہ رکے ہوئے معاملات طے ہوگئے تھے جو پیسے کی کمی کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے اور اب یہ ایک خوشحال گھر نظر آتا تھا۔

"تم نے گھر بہت خوبصورتی سے سجایا ہے۔"

"شکریہ ثریا بھابی، آپ کے آنے سے مجھے بڑی مسرت ہو رہی ہے۔"

"اس دن کے بعد سے تم سے ملاقات ہی نہیں ہوئی...... ثاقب سے تو تمہاری ملاقات اکثر ہوتی رہتی ہوگی؟"

"جی ہاں...... ہم لوگ ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔"

"بھئی ان دنوں بڑا لطف آرہا تھا خاص طور سے وہ سرحدی خاتون...... بہت اچھا تاثر چھوڑا تھا انہوں نے ہم پر مگر سنا ہے بہت بڑی شخصیت کی مالک ہیں...... ایسے لوگوں سے ایک بار ملاقات کر کے دل کو افسوس ہی ہوتا ہے کہ دوسری ملاقات کی گنجائش نہیں ہے۔"

"نہیں ثریا بھابی میرا خیال ہے اگر ہم کبھی بلال ڈیرہ جانے کی کوشش کریں تو آپ یقین کریں وہ بڑی پذیرائی کریں گی ہماری۔"

"دل تو واقعی بہت چاہتا ہے کہ اس ہنگامہ خیز زندگی سے نکل کر تھوڑا سا دوسری د نظارہ کیا جائے لیکن کیا، کیا جائے بھئی ذمے داریاں مہلت نہیں دیتیں۔"

"یہ تو حقیقت ہے۔"

"خیر تم سناؤ؟"

"بعد میں سناؤں گی ذرا چائے بنالاؤں۔"

"ایک بات کہوں بینا مائنڈ تو نہیں کرو گی؟"

"نہیں بھابی۔"

"یقین کرو چائے کا کوئی خاص موڈ نہیں تھا بس تمہارے پاس آنا تھا۔"

"نہیں بھابی بہت مختصر وقت لگے گا آپ فکر نہ کریں، میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گی پلیز آپ بیٹھیے۔"

"اوکے...... چلو جیسا تم پسند کرو۔" ثریا بھابی گہرا سانس لے کر بولیں اصل میں وہ صورت حال کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھیں، گھر خالی خالی لگ رہا تھا، بچوں کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے گھر میں کوئی موجود نہ ہو، بہر حال تھوڑی دیر کے بعد بینا چائے بنا کر لے آئی، چائے کے ساتھ بہت سے لوازمات بھی تھے۔

"ہو گیا نا تکلف۔" ثریا بھابی نے کہا۔

"نہیں بھابی یہ کوئی تکلف نہیں ہے، آپ نے ہمیں گھر آنے کی عزت بخشی ہے تو اب ہمارا حوصلہ بھی بڑھ گیا ہے، میں سب لوگوں کو کسی وقت ڈنر پر مدعو کروں گی۔"

"جب دل چاہے بھئی اور مجھے یہ اندازہ ہے کہ تم لوگ مصروف ہو ورنہ میں تو تم سے فرمائش کرتی کہ جب بھی فرصت ملے آیا کرو نا، زندگی ان مصروفیات کے علاوہ بھی بہت کچھ ہوتی ہے"۔

"اب ہمت بڑھ گئی ہے بھابی، ضرور حاضری دوں گی۔"

"بچے کہاں ہیں سکول وغیرہ گئے ہیں؟"

"نہیں...... اس گھر میں چھوٹے بچے نہیں ہیں۔"

"میں تمہارے بچوں کی بات کر رہی ہوں۔" ثریا بھابی نے کہا اور بینا نے حیران نگاہوں سے ثریا بھابی کو دیکھا پھر آہستہ سے بولی۔

"میرے بچے؟"

"ہاں، شہاب مجھے تمہارے بارے میں سب کچھ بتا چکے ہیں مگر تعجب ہے اس وقت نہ تمہارے شوہر نظر آ رہے ہیں نہ بچے۔" بینا پر مسلسل حیرت کا دورہ پڑا ہوا تھا وہ تعجب ہو جائیں گے۔"

بھری نگاہوں سے ثریا بھابی کو دیکھ رہی تھی پھر اس نے بمشکل تمام خود کو سنبھال کر کہا۔

"شش...... شہاب آپ کو میرے بارے میں سب کچھ بتا چکے ہیں؟"

"ہاں۔" ثریا بھابی وثوق بھرے لہجے میں بولیں اور بینا کی آنکھیں مزید پھیل گئیں...... بھابی پھر بولیں۔

"تو یہ کوئی ایسی بات تو نہیں ہے بینا، زندگی میں انسان کے ساتھ بڑی بڑی ٹریجڈی ہو جاتی ہے، ہم سب قدرت کے فیصلوں پر مجبور ہیں اور جو لوگ ثابت قدمی سے ان فیصلوں کو قبول کر لیتے ہیں وہ اللہ کے نیک بندوں میں شمار ہوتے ہیں...... اب اس میں تمہارا کوئی قصور تو نہیں ہے، یہ سب تو تقدیر کے کھیل ہیں۔"

"کک...... کیا بتایا ہے شہاب نے آپ کو بھابی؟"

"تم شاید کچھ......؟"

"نہیں پلیز آپ مجھے بتائیے۔"

"شہاب نے مجھے بتا دیا ہے کہ تمہارے دو بچے ہیں، شوہر معذور ہو چکا ہے، والدین ہیں اور اب تم اپنے پورے خاندان کے لئے ان کی کفالت کا ذریعہ ہو، بینا بہت عظیم ہوتے ہیں وہ لوگ جو دوسروں کا بوجھ اٹھائے اپنی زندگی گزار دیتے ہیں...... معمولی کام نہیں ہوتا یہ...... میں تمہیں داد دیتی ہوں...... مبارک باد دیتی ہوں۔"

لیکن ثریا بیگم کے ان الفاظ کے جواب میں بینا کا قہقہہ ابل پڑا تھا وہ انتہائی کوشش کے باوجود ہنسی نہیں روک سکی تھی اور ثریا بیگم کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

"بینا تم ہنس رہی ہو؟" جواب میں بینا کی ہنسی اور زیادہ تیز ہو گئی اور ثریا بیگم پریشان نگاہوں سے اسے دیکھنے لگیں۔

"میں واقعی کچھ سمجھی نہیں ہوں؟"

"نہیں بھابی، بس کیا بتاؤں میں آپ کو۔" بینا کی آنکھوں میں ہنستے ہنستے آنسو آ گئے تھے اور ثریا بھابی پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھیں...... انہیں حیرت تھی کہ افسوس کے جواب میں یہ قہقہے کیا معنی رکھتے ہیں...... تب انہوں نے کہا۔

"اچھا ایک بات بتاؤ بینا...... معافی مانگ لوں گی تم سے کیا شہاب نے کوئی شرارت نہیں کی مگر نہ جانے کیوں مجھے ہنسی آ رہی ہے۔"

"یہ ہنسی آنے والی بات ہے؟"

"تو اور کیا۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"بس بھابی اپنے اس دکھ پر توروتے روتے زندگی گزر گئی ہے، اب میں نے ہنسنا شروع کر دیا ہے جب کوئی میری پریشانی، میرے غم پر کچھ درد بھری باتیں کرتا ہے تو آپ یقین کیجئے مجھے ہنسی آتی ہے، میں نے اپنے غم کو ہنسی میں اڑا دیا ہے بھابی، کیا کروں روتے روتے تو عمر بیت گئی۔" بینا بھی کسی سے کم نہیں تھی۔

ثریا بھابی اس پر غور کرتی رہیں اور ان کا دل مزید دکھوں سے بھر گیا...... تو یہ لڑکی اپنے آپ کو اس ہنسی کی آڑ میں چھپا رہی ہے...... بہرحال باکمال لڑکی ہے ان کی ہمدردیاں بینا کے ساتھ جوں کی توں برقرار رہی تھیں اور بینا کے دل میں قہقہے مچل رہے تھے...... شہاب نے یہ شرارت غالباً اس دن کی تھی جب بینا پہلی بار اس کے گھر گئی تھی...... پتا نہیں اس نے ایسا کیوں کیا تھا لیکن بینا کو بہرحال یہ اندازہ تھا کہ شہاب کی فطرت میں شوخی ہے، حالانکہ پہلے اس نے یہ سوچا تھا کہ بھابی کو باقاعدہ اپنی کار میں بٹھا کر لے جائے گی اور ان کے گھر چھوڑ کر آئے گی، لیکن اب اس انکشاف کی روشنی میں اسے یہی ظاہر کرنا تھا کہ وہ بمشکل تمام اس گھر کو سنبھالے ہوئے ہے۔ یہی اچھا تھا کہ گھر کے دوسرے افراد اس وقت موجود نہیں تھے، ورنہ یہ شرارت مزید بڑھ جاتی اور اسے دوسرے لوگوں کو بھی سنبھالنا پڑتا، پھر کچھ دیر کے بعد ثریا بھابی نے رخصت کی اجازت مانگی تھی اور بینا سے وعدہ لے لیا تھا کہ وہ ان کے پاس آئے گی، اس کے علاوہ انہوں نے لاتعداد پیشکش بھی کی تھیں اور بینا نے ان کا شکریہ ادا کیا تھا، پھر وہ انہیں ٹیکسی تک پہنچانے بھی آئی تھی اور ان سے رخصت ہونے کے بعد گھر واپس آ کر خوب ہنسی تھی، پھر کسی خیال کے تحت اس نے شہاب کو ٹیلی فون کیا، لیکن شہاب اسے اس وقت کہیں نہیں ملا تھا بینا کوششیں کرنے کے بعد بیٹھ گئی اور ایک بار پھر اس کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

❁❁❁

بہرحال نظر انداز کرنے والا معاملہ بھی نہیں تھا...... شہاب نے وہ بھیانک حادثہ دیکھا تھا اور اس سے متاثر بھی ہوا تھا...... خصوصاً سردار علی کی رپورٹ جو اس ٹرک کے بارے میں تھی۔ ویسے تو اس قسم کے دلدوز حادثات اکثر ہو جاتے ہیں...... کوئی حادثہ ہو تو حادثہ کرنے والا سب سے پہلے اپنے بچاؤ کی کوشش کرتا ہے۔ خاص طور سے بڑی گاڑیاں تو سڑک پر یہ غور بھی نہیں کرتیں کہ ان کے علاوہ بھی کوئی اس سڑک پر سفر کر رہا ہے، کوئی زد میں آ جائے تو جو ہو گا دیکھا جائے گا کہ اصول پر کام کیا جاتا تھا لیکن جیسا کہ سردار علی نے بتایا وہ ایک الگ صورت حال تھی اور دوسری صبح وہ گھر سے نکلنے کے بعد سیدھا اسی طرف آیا تھا اور اس نے سردار علی کی ہدایت کے مطابق وہاں سب کچھ دیکھا تھا...... پولیس انسپکٹر نے رات کو ساری کارروائی مکمل کر لی تھی، گاڑی ابھی یہیں موجود تھی اور دو کانسٹیبل پہرہ دے رہے تھے...... لاشوں کو اٹھوا لیا گیا تھا۔

شہاب نے اس جگہ کا معائنہ کیا اور سردار علی کی بات سے متفق ہو گیا، کیونکہ وہاں ٹرک کے ٹائروں کے نشانات اس بات کے گواہ تھے کہ ٹرک کو یہاں ریورس کر کے لایا گیا ہے اس جگہ روکا گیا ہے اور پھر حادثہ خصوصی طور پر کیا گیا...... ٹرپل زیرو بھی اس کے ذہن میں تھا پھر وہاں سے وہ واپس سیدھا علاقے کے تھانے ہی پہنچا تھا۔

رات والا انسپکٹر ڈیوٹی پر موجود تھا...... شہاب اس وقت چونکہ وردی میں تھا اس لئے انسپکٹر نے اسے سلیوٹ کیا اور پھر بڑے احترام سے اسے اپنے آفس میں بٹھایا۔

"مجھے پہچان گئے انسپکٹر؟"

"جی سر...... ویسے رات کے واقعات پر میں شرمندہ ہوں۔"

"رات کو کوئی واقعہ بھی ہوا تھا؟"

"سر آپ کا نام تو میں نے بہت سن رکھا ہے، پہلے آپ تھانہ انچارج بھی تھے، سر میں آپ کی صورت سے واقف نہیں تھا...... بہر حال سر ہماری ڈیوٹی ایسی ہی ہوتی ہے۔"

"میں جانتا ہوں کیا نام ہے تمہارا؟"

"فاروق علی صاحب۔"

"ٹھیک ہے فاروق علی صاحب، آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔" شہاب نے کہا۔

"صاحب میں نے آپ کو کہا ہے سر!"

"چلو پھر ہم تمہیں فاروق علی کہہ دیتے ہیں، اچھا اب یہ بتاؤ کچھ معلومات ہوئیں، لاشیں کہاں پہنچا دیں؟"

"سرکاری ہسپتال میں سر...... تمام رات مصروف رہا ہوں۔"

"تمہاری آنکھوں سے اس کا اندازہ ہو رہا ہے بہر حال اسی کو تو ڈیوٹی کہتے ہیں فاروق علی...... یہ بتاؤ، کیا کیا کر ڈالا تم نے؟"

"سر لاشیں تو پوسٹ مارٹم کے لئے بھیجی ہیں...... باقی گاڑی کی رجسٹریشن پلیٹ سے معلومات حاصل کر لی گئی ہیں، بس اب میں تھوڑی دیر کے بعد فیاض علی صاحب کے گھر روانہ ہونے والا تھا۔"

"فیاض علی۔" شہاب نے سوالیہ نگاہوں سے انسپکٹر کو دیکھا۔

"جی سر۔" متوفی کا نام فیاض علی ہی ہے، گھر کا پتا بھی معلوم ہو چکا ہے، باقی تفتیش کے لئے روانہ ہونے ہی والا تھا۔"

"اگر تم پسند کرو انسپکٹر تو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں؟"

"یہ تو میری خوش قسمتی ہے سر، بہر حال آپ کا تعلق جس محکمے سے ہے اس کے بارے میں، میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ کسی بھی کیس میں فوری مداخلت کر سکتا ہے اور محکمہ پولیس کو اس کے ساتھ تعاون کی ہدایت ہے۔"

"ٹھیک ہے پھر کتنی دیر میں روانہ ہو رہے ہو؟"

"سر اگر آپ چائے وغیرہ پسند کریں؟"

"نہیں فاروق علی بلکہ میری رائے ہے کہ تھانے میں کبھی کسی کو کچھ کھلایا پلایا مت کرو

یہ اچھا نہیں لگتا۔"

"ٹھیک ہے سر...... تو میں نفری تیار کئے لیتا ہوں۔"

"او کے...... تمہارے ہی ساتھ چلوں گا، اپنی گاڑی یہیں چھوڑے دیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے سر۔"

پھر شہاب فاروق علی کے ساتھ ہی اس کی موبائل وین پر بیٹھ کر فیاض علی کی رہائش گاہ پہنچا تھا...... مکان تلاش کرنے میں زیادہ دقت پیش نہیں آئی لیکن مکان کی کیفیت دیکھ کر یہ اندازہ ہو گیا کہ فیاض علی اعلیٰ پائے کی شخصیت ہے، بہت عالی شان کوٹھی تھی جس کے بڑے گیٹ پر چوکیدار مستعد نظر آ رہا تھا...... پولیس گاڑی دیکھ کر چوکیدار کچھ متوحش سا ہو گیا تھا پھر یہ تمام لوگ نیچے اترے...... چوکیدار کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں...... قریب پہنچنے کے بعد انسپکٹر نے کہا۔

"دروازہ کھولو۔"

"یس سر۔" چوکیدار نے جلدی سے دروازہ کھول دیا تھا۔

"گاڑی اندر لے آؤ۔" انسپکٹر نے کانسٹیبل کو حکم دیا اور پولیس موبائل اندر داخل ہو گئی، ایک سپاہی کو وہیں اتار لیا گیا تھا...... انسپکٹر اور شہاب وہیں رک گئے تھے...... شہاب نے چوکیدار سے پوچھا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"شہزاد خان۔" چوکیدار نے جواب دیا۔

"تمہارے مالک کا کیا نام ہے؟"

"فیاض علی۔"

"کہاں ہے وہ؟"

"صاب وہ کہیں باہر گیا ہے، ابھی واپس نہیں آیا۔"

"کوٹھی میں اور کون کون ہے؟"

"بہت سا لوگ ہے صاب پر نوکر لوگ ہے مالک لوگ نہیں ہیں۔"

"ہوں...... آؤ۔" شہاب نے انسپکٹر کو اشارہ کیا اور وہ لوگ آگے بڑھ گئے۔

پولیس موبائل کا کوٹھی میں داخل ہونا اور وہ بھی اندر سب ہی ملازموں کے لئے

باعث تشویش تھا...... ایک کسی قدر پڑھی لکھی شکل کا آدمی لیکن عمر رسیدہ خاص طور سے ان کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا تھا اور خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا...... باقی ذرا نچلے درجے کے ملازم تھے...... غالباً باورچی اور مالی وغیرہ۔

کوٹھی کی حالت اندر سے بہت شاندار تھی اور دیکھنے دکھانے سے تعلق رکھتی تھی۔ شہاب نے اس شخص کو اشارہ کیا اور وہ قریب آگیا۔

"آپ کا نام کیا ہے جناب؟"

"حضور طیب علی کہتے ہیں مجھے۔"

"آپ یہیں رہتے ہیں؟"

"جی فیاض علی صاحب کا نمک خوار ہوں۔"

"کیا کرتے ہیں آپ یہاں؟"

"حضور گھر کے تمام کاموں کی دیکھ بھال کرتا ہوں، فیاض علی صاحب کے ذاتی معاملات کا بھی میں ہی نگران ہوں۔"

"تب آپ کام کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ آیئے اندر آیئے اور ان ملازموں سے کہئے کہ اپنے اپنے کوارٹرز میں جائیں یا پھر یہیں ایک جگہ رہیں...... کوئی کہیں باہر جانے کی کوشش نہ کرے۔"

"جی حضور میں کہے دیتا ہوں۔" طیب علی نے کہا اور تمام لوگوں کو ہدایت جاری کردی...... اس کے بعد وہ اندر آگیا تھا جہاں شہاب اور انسپکٹر پہلے سے دو سب انسپکٹروں کے ہمراہ موجود تھے...... کوٹھی کے اس وسیع و عریض دروازے کے دوسری جانب ایک وسیع ہال مہمان خانے کی صورت میں تھا...... ڈرائنگ روم وغیرہ شاید دوسری طرف تھا لیکن یہاں بھی اتنا قیمتی فرنیچر پڑا ہوا تھا کہ جس کی قیمت لاکھوں روپے لگائی جاسکتی تھی۔

ایک طائرانہ نگاہ ہال پر ڈالنے کے بعد انسپکٹر اور شہاب صوفوں پر بیٹھ گئے...... طیب علی کو بھی سامنے ہی بٹھالیا گیا تھا۔

"طیب علی صاحب، فیاض صاحب کہاں گئے ہوئے ہیں؟"

"حضور سارا گھر پریشان ہے، وہ گاڑی لے کر کسی کام سے گئے تھے...... بیگم صاحبہ اور بچے بھی ساتھ تھے کہہ گئے تھے کہ شام تک واپس آجائیں گے لیکن کوئی اطلاع بھی نہیں دی

انہوں نے اور واپس بھی نہیں آئے ہیں...... ہم سب بے حد پریشان ہیں اور فیاض صاحب کے بارے میں ہی باتیں کر رہے تھے کیونکہ وہ ایک ذمہ دار آدمی ہیں...... اگر کہیں ایسی کوئی دیر وغیرہ ہو بھی جاتی ہے تو اطلاع مل جاتی ہے ہمیں اور ہم مطمئن ہو جاتے ہیں...... حالانکہ حضور ملازموں کو اس کا حق حاصل نہیں ہوتا لیکن فیاض علی صاحب کچھ اتنے فرشتہ صفت آدمی ہیں کہ انہوں نے ہم لوگوں کو اپنا کنبہ ہی بنا رکھا ہے اور ہمیں سارے معاملات سے آگاہ رکھتے ہیں۔"

"گویا وہ اس طرح گئے ہوئے ہیں کہ ان کا اس طرح واپس نہ آنا باعث تشویش ہے۔"

"جی حضور ایسا ہی ہے۔"

"آپ نے ان کے بارے میں معلومات حاصل کیں؟"

"دفتر فون کیا تھا، مگر بے چارے دفتر والوں کو کیا معلوم۔"

"کون سے دفتر؟"

"وہ جی مالک کی ایک فرم ہے، فیاض انٹر پرائزز کے نام سے، بس وہیں۔"

"وہاں کس سے بات ہوئی آپ کی؟"

"منیجر صاحب سے منیجر صاحب کا نام اسرار زیدی ہے، مگر وہ کہتے ہیں کہ صاحب دفتر نہیں آئے، انہیں کچھ نہیں معلوم ہے۔"

"تم نے انہیں یہ بتایا کہ صاحب گھر بھی واپس نہیں آئے۔"

"جی صاحب بتا دیا ہے۔"

"ہوں، بہر حال میں تم سے جو معلومات حاصل کر رہا ہوں ذرا ہوشیاری کے ساتھ اور غور کر کے مجھے اس بارے میں بتانا۔"

"صاحب ہمیں یہ حق تو حاصل نہیں ہے کہ ہم آپ سے کچھ پوچھیں لیکن ہمیں ایک بات بتا دیجئے پولیس کا اس طرح یہاں آنا کسی خاص بات کی وجہ سے ہے۔"

"ہاں ایسا ہی ہے اور بہتر ہے کہ اس سے زیادہ تم اور کچھ نہ پوچھو بلکہ جو پوچھا جائے صرف اسکا جواب دو۔"

"میں حاضر ہوں حضور، بس اتنا بتا دیجئے کہ مالک تو خیریت سے ہیں ناں؟" طیب علی نے کہا۔

"یہ بھی بتادیا جائے گا، فی الحال جو کچھ تم سے پوچھا جارہا ہے اس کا جواب دو۔"

"جی صاحب۔"

"یہاں اس کوٹھی میں کون کون رہتا ہے۔"

"مالک فیاض علی، بیگم صاحبہ دونوں بچے اور ہم لوگ ہیں۔"

"کوئی اور رشتے دار وغیرہ نہیں رہتا؟"

"نہیں صاحب کوئی نہیں رہتا۔"

"فیاض علی صاحب کے کتنے بچے ہیں؟"

"سرکار بڑی بیگم سے ایک بیٹا ہے جو امریکہ میں ہے، چھوٹی بیگم صاحبہ سے دو بچے ہیں، وہ یہیں رہتے ہیں...... باقی سب ملازم وغیرہ ہیں...... رشتے ناطے دار کوئی نہیں ہے۔"

"فیاض علی نے دوسری شادی کب کی؟"

"بڑی بیگم صاحبہ کی موت کے تین چار سال بعد۔"

"بڑی بیگم کا انتقال ہو گیا؟"

"جی صاحب۔"

"بیٹے کا نام کیا ہے؟"

"کون سے سرکار...... وہ جو باہر ہیں؟"

"ہاں۔"

"اس کا نام شاہد علی ہے۔"

"امریکہ میں ہیں۔"

"جی۔"

"ہوں...... چھوٹی بیگم صاحبہ کا خاندان یہیں پر ہے؟"

"جی سرکار۔"

"کہاں رہتے ہیں وہ لوگ؟"

"سرکار ہمیں نہیں معلوم۔"

"کیا مطلب۔"

"ملنا جلنا نہیں ہے سرکار ان کا۔"

"اچھا اچھا، نام تو پتا ہوگا ان کا۔"

"جی صاحب مرزا ریاض بیگ۔"

"پتا نہیں معلوم؟"

"نہیں صاحب۔"

"چھوٹی بیگم بھی نہیں ملتی تھیں ان سے؟"

"نہیں سرکار۔"

"اچھا یہ بتاؤ وہ کون ایسا شخص ہے جس سے ان کے بارے میں مکمل تفصیلات معلوم ہوسکیں۔"

"ویسے تو صاحب ڈرائیور ابراہیم ان کا گھر وغیرہ سب جانتا ہے، سب سے پرانا آدمی وہی ہے۔"

"ڈرائیور ابراہیم کون سا ہے اسے بلاؤ؟"

"باہر ہی موجود ہے، آپ حکم دیں تو میں خود بلا کر لے آؤں۔"

"ہاں جاؤ۔" شہاب نے کہا اور طیب علی باہر نکل گیا...... انسپکٹر خاموشی سے شہاب کی کارروائی دیکھ رہا تھا...... شہاب نے کہا۔

"تفصیلات تو معلوم کرنی ہی چاہئیں انسپکٹر، ویسے بظاہر یہ صرف ایک حادثہ معلوم ہوتا ہے۔"

"یہی میں عرض کرنے والا تھا سر...... ایسے واقعات اکثر ہوتے رہتے ہیں۔"

"پھر بھی تھوڑی سی تفتیش تو ضروری ہے۔"

"جی۔" انسپکٹر فاروق علی نے جواب دیا...... پھر ابراہیم خان بھی آ گیا...... خاصا عمر رسیدہ آدمی تھا...... حیران بھی تھا...... شہاب نے اس کے ساتھ بڑی نرمی کا سلوک کیا اور بولا۔

"بیٹھئے ابراہیم بابا آپ سے کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں۔"

"جی حکم فرمایئے سرکار۔"

"یہ مرزا ریاض بیگ جو تمہاری چھوٹی بیگم صاحبہ کے والد ہیں، کہاں رہتے ہیں۔"

"سرکار ایک کچی بستی ہے وہیں پر رہتے ہیں۔"

"پتا بتاؤ، پتا لکھو انسپکٹر۔" شہاب نے کہا اور انسپکٹر نے ابراہیم خان کا بتایا ہوا پتا نوٹ

کر لیا...... پھر وہ ان سے تمام ضروری امور معلوم کرتے رہے تھے...... پتا یہ چلا کہ وہ نوجوان شاہد علی جو امریکہ میں ہے اس کا پتا ان لوگوں میں سے کسی کو نہیں معلوم...... البتہ فیاض علی کی فرم کا منیجر اس بارے میں پوری تفصیل بتا سکے گا۔ شہاب بہت دیر تک ان لوگوں سے معلومات حاصل کرتا رہا پھر اس نے طیب علی اور ابراہیم خان سے کہا۔

"تم لوگوں کے لئے یہ خبر بے شک افسوس ناک ہوگی لیکن زندگی اور موت کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا...... تمہارے مالک فیاض علی اور ان کے بیوی اور بچے ایک حادثے میں ہلاک ہوگئے ہیں...... چاروں زندہ نہیں بچ سکے...... ان کی لاشیں پولیس ہسپتال میں ہیں، پولیس اپنی کارروائی کے بعد یہ لاشیں یہاں پہنچادے گی تم جسے اطلاع دینا چاہو اطلاع دے دینا...... ان کی تدفین وغیرہ جس طرح بھی مناسب سمجھو کرنا، اب ہم چلتے ہیں۔"

کچھ لمحوں تک ان دونوں پر سکتہ طاری رہا اور اس کے بعد وہ لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے، لیکن شہاب انسپکٹر فاروق علی کے ہمراہ باہر نکل آیا تھا...... باہر نکل کر اس نے کہا۔

"فاروق علی تمہارے علاقے کا کیس ہے جس طرح چاہو اس سلسلے میں تحقیقات کرو جس سے چاہو ملو...... میرا خیال ہے یہ ایک عام حادثہ ہے اور اس سلسلے میں کسی اُلجھن کی گنجائش نہیں ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے سر، بہرحال میں اندراج تو کئے لیتا ہوں۔"

"ہاں ٹھیک ہے اچھا اب مجھے واپس تھانے ہی چھوڑ دو۔"

"پولیس کانسٹیبل، یہاں چھوڑنا ہے سر۔"

"میرا خیال ہے دو کانسٹیبل چھوڑ دو...... ابتدائی کارروائیاں ہو جائیں...... لاشوں کے بارے میں روزنامچے وغیرہ تیار کر کے انہیں بھجوا دینا۔" اس کے بعد انسپکٹر نے شہاب کو تھانے پر چھوڑ دیا تھا جہاں سے وہ اپنی کار میں بیٹھ کر چل پڑا۔

❁

کچھ ایسی مصروفیات رہی تھیں کہ آج پورا دن بینا سے فون پر بھی گفتگو نہیں ہو سکی تھی...... گھر ذرا جلدی واپسی ہوگئی تھی، کیونکہ یہ علم تھا کہ کچھ مہمان آرہے ہیں...... یہ مہمان بہن کے سسرال والے تھے، ماں کی ہدایت اور حکم بہر طور شہاب کے لئے بنیادی حیثیت رکھتا تھا۔ نعیمہ بیگم اگر کسی بات کا حکم دے دیں تو پھر اس سے گریز ممکن نہیں تھا اور

خاص طور سے اس وقت سے جب سے شہاب کو اس کی منزل ملی تھی ورنہ اس سے پہلے در حقیقت وہ گھر کی ایک ناپسندیدہ شخصیت تھی لیکن خود اسے گھر والوں کے رویئے پر کبھی کوئی اعتراض نہیں ہوا تھا، وجہ خود جانتا تھا...... حقیقت شناس اور ماحول سے واقفیت رکھتا تھا...... اس وقت اہل خاندان خود ایسی مشکلات کا شکار تھے جن کا حل اس وقت شہاب کے پاس بھی نہیں تھا اور وہ کبھی کسی بھی لمحے اپنے اہل خاندان کو اس جرم کا مرتکب نہیں سمجھتا تھا کہ وہ اس سے بے پروائی برتتے ہیں۔ وہ جانتا تھا کہ جو صورت حال اس وقت لاحق ہے اس کے تحت ذہنی طور پر انہیں اتنا ہی پریشان ہونا چاہئے لیکن بہرحال اب اس کے بعد اس نے اکثر ان کے چہروں پر پشیمانی اور شرمندگی دیکھی تھی لیکن خود اس قدر باظرف تھا کہ کبھی کسی بات کی کوئی شکایت نہیں کی تھی۔ زندگی کی گاڑی چل رہی تھی اور اب سب ہی انتہائی مطمئن تھے بلکہ ایک طرح سے زیادہ ہی مطمئن تھے۔

بہرحال شہاب مہمانوں میں گھلا ملا رہا اور خاصی رات گزر گئی۔ ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ پورا دن بینا سے ملاقات نہ ہو...... دل میں ایک خلش تھی لیکن ابھی رات باقی تھی، ملاقات بھی ہو جائے گی۔ آخر کار کھانے وغیرہ سے فراغت حاصل کر کے مہمان واپس چلے گئے تو شہاب بھی اپنی خواب گاہ میں جانے کی تیاری کرنے لگا لیکن اسی وقت ثریا بھابی نے اسے روک لیا تھا۔

ثریا بھابی اس وقت اکیلی تھیں...... واثق حسین نعیمہ بیگم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔

"نیند آرہی ہے شہاب۔" انہوں نے پوچھا۔

"نہیں بھابی، حکم...... مگر یہ حکم ایسا ویسا نہیں ہونا چاہئے۔"

"نہیں شہاب تم سے بینا کے بارے میں بات کرنا چاہتی تھی۔"

"خیریت؟" شہاب نے چونک کر کہا۔

"بس وہ آج ذرا شاپنگ وغیرہ کرنے گئی تھی تمہارے بھائی کے ساتھ، انہیں کہیں جانا تھا وہیں شاپنگ سینٹر میں بینا بھی مل گئی۔"

"اوہو، اچھا پھر؟" شہاب نے آنکھیں گول کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئی، بلکہ میں نے پیش کش کی تھی کہ وہ تھوڑا وقت میرے ساتھ گزارے، لیکن بینا کہنے لگی کہ اس کا گھر بالکل قریب ہے، میں ایک پیالی چائے

اس کے ساتھ ہی پی لوں۔"

"ارے باپ رے......" شہاب آہستہ سے بولا، لیکن ثریا بیگم نے اس پر غور نہیں کیا تھا ان کے چہرے پر افسوس کے تاثرات پھیلے ہوئے تھے۔

"اور پھر بھابی؟" شہاب نے سوال کیا۔

"گئی تھی اس کے گھر لیکن کچھ عجیب سی کیفیت کا شکار ہو کر آئی ہوں۔"

"کیسی کیفیت؟" شہاب گھٹی گھٹی سانس کے ساتھ بولا۔

"گھر تو ان کا ایسا ہے کہ دیکھ کر ہی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ خاصی خوشحال ہے۔"

"جی بھابی، بے چارے بہتر حالات میں آچکے ہیں ورنہ پہلے خاصی بے کسی کی کیفیت تھی۔"

"معذور شوہر کیا کوئی دولت مند آدمی ہے۔"

"جج......جی۔" شہاب نے گہری نگاہوں سے بھابی کا جائزہ لیا اور یہ دیکھ کر اسے حیرت ہوئی کہ ثریا بیگم کے چہرے پر کسی قسم کے معنی خیز تاثرات نہیں تھے بلکہ بالکل سادہ سادہ سے تاثرات تھے...... وہ کہنے لگیں۔

"کوئی بھی موجود نہیں تھا گھر میں، کہنے لگی کہ سب لوگ گئے ہوئے ہیں...... پھر میں نے بچوں کے بارے میں پوچھا اس کا معذور شوہر بھی گھر میں موجود نہیں تھا...... میں نے اس سے بڑی ہمدردی کی اور جب میں نے معذور شوہر اور بچوں کا تذکرہ کیا تو وہ بے اختیار قہقہے لگانے لگی...... میں وہاں سے اُلجھن میں پڑ گئی ہوں...... شہاب اس کے قہقہے نارمل نہیں تھے...... وہ لڑکی اپنے اندر شاید بہت سے دکھ چھپائے ہوئے ہے...... میں نے قہقہوں کی وجہ پوچھی تو کہنے لگی کہ اپنے دکھوں پر سب ہی روتے ہیں اس نے اپنے اندر یہ تبدیلی پیدا کر لی ہے کہ اب وہ اپنے غم پر قہقہے لگاتی ہے کیونکہ روتے روتے اس کے آنسو خشک ہو چکے ہیں اس لئے رونے کی بجائے اسے ہنسی آتی ہے...... ذرا غور کرو شہاب کتنی خوب صورت لڑکی ہے، اسے دیکھ کر یہ احساس نہیں ہوتا کہ وہ شادی شدہ ہے۔ میرا خیال ہے والدین نے بھی کچھ زیادتی ہی کی ہے، بہت نوعمری میں شادی کر دی ہوگی ویسے کیا تمہیں اس کے بارے میں کچھ معلوم ہے کہ اس کا شوہر پہلے سے معذور تھا یا بعد میں معذور ہو گیا...... بہت سے لوگ ایسا بھی کرتے ہیں نا کہ دولت کے لئے بچیوں کو اندھے بن کر کنوئیں میں دھکیل دیتے ہیں

باقی زندگی تو انہیں ہی دوزخ میں گزارنی پڑتی ہے نا یقین کرو میرا دل تو ایسا بوجھل ہوا کہ میں تمہیں بتا نہیں سکتی۔"

"ذرا مجھے تفصیل سے بتایئے بھابی۔"

"بھئی اور کیا تفصیل بتاؤں، بتا تو چکی ہوں کہ اس کے ساتھ چلی گئی تھی چائے وغیرہ پلائی بے چاری نے، میں نے خود ہی شوہر کے بارے میں پوچھا تو حیرانی سے میری طرف دیکھنے لگی، پھر میں نے بچوں کے بارے میں سوال کیا اور اس کے بعد یہ بتایا کہ شہاب نے اس کے بارے میں پوری تفصیل بتائی ہے، بس قہقہے لگانے لگی اور جب میں نے ان قہقہوں کی وجہ پوچھی تو مجھ سے وہی کہا جو میں تمہیں کہہ چکی ہوں، کہنے لگی بھابی آپ نے رونے والے تو بے شمار دیکھے ہوں گے لیکن میں اپنے غموں پر قہقہے لگاتی ہوں۔"

"پپ......پھر کیا ہوا؟"

"ارے پھر کیا ہوتا بس میں چلی آئی۔"

"وہ آپ کو چھوڑنے آئی تھی؟"

"نہیں پہلے تو کہہ رہی تھی کہ میں خود آپ کو چھوڑ دوں گی لیکن پھر میرے ساتھ ساتھ آئی اور مجھے ٹیکسی کرا کر دی۔"

"ہوں......" شہاب نے گہری سانس لی...... ثریا بیگم کہنے لگیں۔

"وہ تمہارے ساتھ کام کرتی ہے؟"

"جی بھابی۔"

"اس کا خاص خیال رکھو، شوہر کسی ہسپتال میں ہے۔"

"اللہ جانے۔"

"کیا مطلب۔"

"مم...... میرا مطلب ہے ہسپتال ہی میں ہے۔"

"ویسے گھر میں تو فراغت معلوم ہوتی ہے۔"

"جی ہاں اللہ کا شکر ہے۔" شہاب نے جواب دیا...... ثریا بھابی بہت دیر تک بینا کے لئے اظہار ہمدردی کرتی رہی تھیں اور شہاب کی کھوپڑی ہوا میں ناچتی رہی تھی، پھر وہ رخصت ہو گئیں اور شہاب نے جوتا اتار کر اپنے سر پر لگانے شروع کر دیئے...... اس نے گن کر دس

جوتے لگائے اور پھر جوتا زمین پر پھینک کر بولا۔

"بیٹا شہاب کبھی کبھی مذاق بہت آگے بڑھ جاتا ہے، اب بولو کیا کرو گے۔" پھر اس نے دروازہ بند کیا اور ٹیلی فون کی جانب بڑھ گیا...... ریسیور اٹھایا، بینا کے نمبر ڈائل کئے اور ریسیور کان سے لگالیا، عموماً ان اوقات میں وہ بینا کو فون کیا کرتا تھا اور خاص طور سے اس وقت جب بینا سے ملاقات نہ ہو، بینا بھی شاید منتظر ہی رہتی تھی فون اسی نے اٹھایا تھا۔

"میں کیا بولوں، سچی بات یہ ہے کہ کبھی کبھی انسان خود اپنے جال میں پھنس جاتا ہے۔" جواب میں بینا کی ہنسی سنائی دی تھی۔

"سوری بینا بہت کم ایسے مواقع آئے ہیں جب مجھے تم سے معذرت کرنی پڑی ہے۔"

"مگر اس شرارت کی ضرورت کیوں پیش آئی۔"

"بعض شرارتیں ضرورت کے بغیر کرلی جاتی ہیں، بینا واقعی میں شرمندہ ہوں۔"

"ارے کیسی باتیں کررہے ہیں شہاب، میں نے آپ کی شرارت سے لطف لیا ہے مگر بے چاری بھابی میرے سلسلے میں بہت رنجیدہ ہوگئی ہیں۔"

"ظاہر ہے ایک نوجوان لڑکی کا معذور شوہر اور دو بچے ان کے لئے بڑی افسردگی کا باعث تھے۔"

"مگر آپ بھی تو بعض اوقات ایسا بے تکا مذاق کرتے ہیں، باقی ساری باتیں اپنی جگہ لیکن میرے بے چارے شوہر کو معذور کیوں کردیا آپ نے؟"

"بس بینا غلطی ہوگئی اور تم نے اس غلطی کو جس طرح نبھایا ہے اس کے لئے بھی میں تمہارا شکرگزار ہوں۔"

"لیکن جناب آپ نے مجھے بلاوجہ بھابی کے سامنے شرمندہ کردیا، اب اگر دوبارہ کبھی ان سے ملاقات ہوگی تو وہ کیا کہیں گی کہ میں نے بھی آپ کی شرارت میں شرکت کی تھی۔"

"ویسے تو تم میرے ہر مسئلے کی شریک ہو بینا اسے بھی برداشت کرلینا کسی مناسب موقع پر صورت حال کی وضاحت کردیں گے۔"

"مصروف کہاں رہے جناب؟"

"کل صبح ملاقات ہوگی تو تفصیل بتاؤں گا۔"

"کوئی خاص بات ہے۔"

"ہاں خاص ہی سمجھ لو۔" شہاب نے کہا۔

"اوکے، پھر کل؟"

"ہاں کریم سوسائٹی پہنچ جانا۔"

"کس وقت؟"

"دس بجے۔"

"اوکے۔"

بینا نے جواب دیا اور شہاب نے فون بند کردیا...... اس کے بعد وہ کافی دیر تک خود ہی اپنی شرارت سے لطف اندوز ہوتا رہا تھا...... بے چاری ثریا بھابی بینا کے سلسلے میں واقعی افسردہ ہوگئی تھیں، بہرحال دوسرے دن ٹھیک دس بجے کریم سوسائٹی پہنچ گیا...... بینا کی کار وہاں موجود تھی...... بینا نے مسکراتی نگاہوں سے اس کا استقبال کیا تھا اور شہاب نے اسی طرح ٹانگیں ٹیڑھی کرلی تھیں جیسے بمشکل تمام چل پارہا ہو، بینا ہنستے ہنستے دہری ہوگئی تھی۔

"خدا ہی سمجھے آپ سے شہاب۔"

"نہیں ایسا نہ کہو پہلے تم مجھے سمجھ لو۔"

"یہ کیسی چال چل رہے ہیں۔"

"معذور ہوں۔" شہاب نے جواب دیا۔

"خدا نہ کرے۔" پھر دونوں سنجیدہ ہوگئے...... شہاب نے بینا کو اس کیس کے بارے میں تفصیل بتائی اور بینا بھی افسردگی سے گردن ہلانے لگی پھر بولی۔

"لیکن شہاب کیا ضروری ہے کہ وہ کوئی سازش ہو۔"

"وہ ٹرک جسکا نمبر ٹریس نہیں کیا جاسکا لیکن یہ اندازہ ہوگیا ہے کہ وہ وہاں پہلے سے منتظر کھڑا ہوا تھا...... عام حالات میں بینا اسے ایک سیدھا سادا ایکسیڈنٹ سمجھا جاسکتا تھا لیکن بس ٹرک کا معاملہ ذرا ٹیڑھا ہے اور پھر ویسے بھی تھوڑے بہت حالات تو معلوم کرنے ہی ہوں گے، وہ شخص ایک دولت مند آدمی ہے بلکہ تھا اور بے چارے کا پورا گھرانا ختم ہوگیا ہے اس کے علاوہ بینا ایک ایسا بیٹا بھی اس کا جو امریکہ میں ہے اور اس کی پہلی بیوی کا بیٹا ہے، ہوسکتا ہے معاملات میں کوئی گڑبڑ ہو، سردار علی اور انجم کا تو یہی خیال ہے کہ وہ ایک باقاعدہ جانی بوجھی سکیم تھی جس کے تحت ان لوگوں کو ختم کیا گیا ہے۔"

"تب تو پھر دیکھنا ہوگا۔" بینا نے پرخیال انداز میں گردن ہلا کر کہا۔

"ضروری نہیں ہے بینا کہ ہم بہت بڑے بڑے کیس اپنے ہاتھ میں لیں بلکہ حقیقت ی ہے کہ جرم کہیں اور کسی جگہ کسی بھی شکل میں ہو قابل مذمت ہوتا ہے اور مجرم کو ہر جگہ س ملنی چاہئے۔"

"آپ نے ان کے گھر کا جائزہ لے لیا؟"

"نوکروں کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔"

"آپ نے یہ بھی بتایا تھا کہ دوسری بیوی کا گھرانا بھی ہے۔"

"ہاں، وہ بھی ہمارے حساب میں آتا ہے۔"

"تو پھر کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے؟"

"یقیناً ویسے تو انسپکٹر فاروق علی یہ کیس کر رہا ہے لیکن بہرحال ہمیں اس سلسلے م مراعات حاصل ہیں اور ہم کسی بھی معاملے میں اپنی ٹانگ اڑا سکتے ہیں...... یہ الگ بات ہے ک کیس بعد میں تھانے ہی کو دے دیا جائے۔"

"او کے...... پھر کیا خیال ہے آپ کا؟"

"ہمارا خیال تو ذرا مختلف ہی ہے بینا لیکن ابھی اس کے لئے ذرا انتظار کرنا پڑے گا۔"

"کیا مطلب؟"

"میں ذاتی گفتگو کرنے لگا تھا۔"

"بس یہی کہوں گی کہ خدا ہی آپ سے سمجھے، بات میں سے بات نکال دیتے ہیں۔"

"پہلے میرا خیال ہے فرم کے منیجر سے ملاقات کرتے ہیں، ساری صورت حال ا کے علم میں ہوگی۔"

"او کے۔"

"تو پھر چلیں؟"

"جیسا آپ پسند کریں۔" بینا، شہاب ہی کی کار میں اس کے ساتھ چل پڑی تھی راستے میں دونوں باتیں کرتے رہے تھے، پھر وہ مطلوبہ پتے پر پہنچ گئے جہاں فیاض انٹر پرا کا بہت بڑا بورڈ لگا ہوا تھا لیکن فرم کے دروازے پر تالا پڑا ہوا تھا اور ایک نوٹس بورڈ لگا ہو جس میں ملازمین کو اطلاع دی گئی تھی کہ فیاض علی صاحب کی کوٹھی پر پہنچ جائیں ان کا انتق

ہو گیا ہے۔

"ہوں...... فرم میں سوگ منایا جا رہا ہے۔"

"تو پھر اب......؟"

"ظاہر ہے کوٹھی چلتے ہیں۔" پھر دونوں کوٹھی چل پڑے تھے...... شہاب اس وقت سادہ لباس میں تھا لیکن اس کے پاس اس کے تمام کاغذات وغیرہ موجود تھے، کوٹھی میں اس وقت خاصے لوگوں کا ہجوم تھا...... یہ دونوں بھی اندر داخل ہو گئے اور پھر فیاض انٹر پرائزز کے جنرل منیجر کو تلاش کرنا مشکل کام نہیں ثابت ہوا، اچھی شخصیت کا مالک عمر رسیدہ آدمی تھا...... شہاب نے اسے اپنا کارڈ دکھایا تو اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"جناب عالی، یہ ایک دلدوز حادثہ ہے لیکن ظاہر ہے اس کی تمام حقیقتوں سے آپ ہی آشنا ہوں گے ویسے ایسے واقعات نئے نہیں ہیں حادثے کئے جاتے ہیں اور اس کے بعد موقع سے فرار ہو جانے والے اپنے آپ کو پوشیدہ رکھتے ہیں، لیکن آپ کا کیا خیال ہے یہ صرف ایک حادثہ نہیں ہے۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں لیکن بہرحال پولیس کا فرض ہے کہ حادثے کی مکمل تحقیقات کرے۔"

"جی...... جی۔"

"میں آپ سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور میں حاضر ہوں۔"

"آپ کو وہ پتا تو معلوم ہوگا، میرا مطلب ہے فیاض علی صاحب کے صاحبزادے شاہد علی کا پتا جو امریکہ میں ہیں۔"

"جی ہاں بیرسٹر درانی نے فوری طور پر انہیں اطلاع دی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"بیرسٹر درانی فیاض علی صاحب کے قانونی مشیر ہیں اور انہوں نے فوری طور پر شاہد علی کو اس بارے میں اطلاع دے دی ہے لیکن لاشوں کی تدفین کر دی گئی ہے کیونکہ انہیں زیادہ عرصے نہیں رکھا جا سکتا تھا۔"

"گڈ...... بیرسٹر درانی یہاں موجود ہیں؟"

"جی ہاں وہ صاحب۔" منیجر نے ایک طرف اشارہ کیا پھر شہاب اور بینا نے بیرسٹر درانی سے ملاقات کی...... بیرسٹر درانی نے شہاب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کو پہچانتا ہوں شہاب ثاقب، ممکن ہے آپ مجھے نہ جانتے ہوں۔"

"نہیں جناب شناسائی بے شک نہیں ہوئی لیکن ہمارا آپ کا تو چولی دامن کا ساتھ ہے۔"

"جی۔جی۔جی۔"

"ویسے درانی صاحب ہم اس بات کا بھی شبہ کر رہے ہیں کہ اس حادثے کے پیچھے کوئی اہم پہلو ہو۔"

"ممکن ہے ظاہر ہے پولیس اس بارے میں بہتر سمجھتی ہے۔"

"آپ نے شاہد علی کو اس بارے میں اطلاع دے دی ہے۔"

"جی ہاں فون پر۔"

"کچھ کہا ہے انہوں نے؟"

"جی یہ کہا ہے کہ فوراً آ رہے ہیں حالانکہ میں نے انہیں بتا دیا تھا کہ تدفین ہو گئی ہے لیکن وہ پھر بھی یہاں پہنچ رہے ہیں، ظاہر ہے بیٹا ہے پہنچنا ہی ہے۔"

"گڈ...... اس کے علاوہ بیرسٹر صاحب کیا آپ کا واسطہ کبھی ان لوگوں سے بھی پڑا ہے۔"

"کن لوگوں سے؟"

"میرا مطلب ہے مسٹر فیاض کے اپنے خاندان سے۔"

"یہ دوسری مسز جن کا حادثہ ہوا ہے؟"

"جی ہاں۔"

"نورین ہے ان کا نام اور ان کے والد کا نام غالباً مرزا ریاض بیگ ہے، بہر حال یہاں کے ایک ملازم کے ذریعے مرزا ریاض بیگ کے گھرانے کو بھی اطلاع بھجوا دی گئی ہے۔"

"ان میں سے کوئی آیا؟"

"کوئی نہیں۔"

"ان کا پتا آپ کے پاس ہے؟"

"جی ہاں موجود ہے۔"

"مجھے عنایت کریں گے۔"

"کیوں نہیں، کیوں نہیں۔" بیرسٹر درانی نے کہا اور پھر شہاب نے یہ پتا نوٹ کر لیا...... بیرسٹر درانی کہنے لگا۔

"بظاہر تو یہ حادثہ ہی لگتا ہے لیکن پھر بھی آپ اپنے طور پر جو کارروائی مناسب سمجھیں کریں اور میری خدمات کی ضرورت جہاں بھی ہو میں اس کے لئے حاضر ہوں۔"

"یقیناً درانی صاحب میں آپ کا شکر گزار ہوں۔"

"اوکے......" تھوڑی دیر تک یہاں قیام کیا گیا اور اس کے بعد شہاب نے فیصلہ کیا کہ اس پتے پر نورین کے اہل خاندان سے بھی ملا جائے، پتا ذہن نشین کر لیا گیا تھا...... شہاب اور بینا وہاں سے چل پڑے پھر وہ اس کچی آبادی میں پہنچ گئے جو ملی جلی کیفیت کی حامل تھی...... سڑکیں گندی، مکان ٹوٹے پھوٹے، انہی میں کچھ بہتر مکان بھی تھے جس مکان کا پتا انہیں ملا تھا وہ خاصی بوسیدہ حالت میں تھا...... دروازے پر دستک دی گئی اور چند لمحات کے بعد ایک نوجوان آدمی نے دروازہ کھول دیا، اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں...... چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے...... شہاب نے کہا۔

"مرزا ریاض بیگ یہیں رہتے ہیں؟"

"جی ہاں فرمائیے، کیا تکلیف ہے آپ کو؟" اس نے کھردرے لہجے میں کہا۔

"آپ...... آپ کون ہیں؟"

"نیاز بیگ ہے میرا نام۔"

"ہم محکمہ پولیس سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"خفیہ والے ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"ہتھکڑیاں لائے ہیں؟"

"جی۔"

"ہم لوگوں کو گرفتار کر لیجئے۔"

"نیاز صاحب کیا گھر پر آئے ہوئے کسی شخص کا استقبال اس طرح کیا جاتا ہے؟"

"کون ہے نیاز۔"

"پولیس آئی ہے ابو۔" نیاز نے جواب دیا۔

"پپ...... پولیس۔"

"جی ہاں، خفیہ پولیس۔"

"آیئے۔" نیاز بیگ نے طنزیہ انداز میں کہا...... شہاب نے بینا کی طرف دیکھا اور دونوں اندر داخل ہو گئے...... اندر کچھ رونے کی آوازیں آرہی تھیں...... ایک چھوٹے سے دالان میں چارپائی پڑی ہوئی تھی اور اس پر ایک معمر آدمی موجود تھا...... غالباً یہی مرزا ریاض بیگ تھا...... اس کی آنکھیں بھی سرخ ہو رہی تھیں اور وہ بار بار کندھے پر پڑے ہوئے رومال سے آنکھیں پونچھ رہا تھا...... پھر اس نے غصیلی آواز میں کہا۔

"یہ کیا ٹوں ٹوں لگا رکھی ہے، بند کرو یہ ٹوں ٹوں...... آیئے صاحب آیئے آپ عجیب پولیس والے ہیں۔"

"یہ ہمارا کارڈ ہے ہم آپ سے کچھ معلومات حاصل کرنے آئے ہیں۔"

"ہم سے آخر کیا معلومات حاصل کریں گے آپ، سالہا سال ہو گئے ہم نے یہ در ہی بند کر دیا تھا، اب بلاوجہ ہمیں تنگ کیا جا رہا ہے، کیا ضرورت تھی ہمارے پاس اطلاع بھجوانے کی، کون سا واسطہ رہا ہے ہمارا۔"

"نیاز بیگ ہر ایک سے بد تمیزی اچھی نہیں ہوتی۔"

بزرگ نے کہا۔

"تو پھر یہ لوگ آخر ہمارے گھر کیوں آرہے ہیں، ہمیں اطلاع بھجوانے کی کیا ضرورت تھی، جو کام ہمیں کرنا چاہئے تھا وہ قدرت نے کر دکھایا۔" نیاز بیگ غصیلے لہجے میں بولا۔

"دیکھئے آپ کا یہ رویہ درست نہیں ہے نیاز بیگ، بہتر ہے ہمیں ہماری ضرورت کے مطابق معلومات فراہم کر دیں۔"

"صاحب ہمارا قصور نہ پہلے تھا اور نہ اب ہے اب اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں ہمارا ہاتھ ہے تو خدا کی قسم گرفتار کر لیجئے، پھانسی دے دیجئے پورے گھر کو، ہم تو یہی چاہتے ہیں، یہ بھی کوئی زندگی ہے ہم اپنی مصیبتوں میں گرفتار ہیں جسے جو کرنا تھا اس نے کر لیا اب اس نے اپنے کئے کا انعام پایا ہے تو مصیبت ہم لوگوں پر پڑ رہی ہے ہم تو پہلے ہی بڑے ذلیل و خوار ہو چکے ہیں۔"

"آپ بیٹھئے، صاحب یہ تو ہمیشہ کا پاگل ہے۔" مرزا ریاض بیگ نے کہا اور شہاب ان

کے برابر بیٹھ گیا...... بینا نے ایک لمحے کے لئے شہاب کو دیکھا اور پھر اندر چلی گئی، عورتیں اندر ہی تھیں...... کسی نے اس سلسلے میں کوئی تعرض نہیں کیا تھا، شہاب بیٹھ گیا۔

"تھوڑی سی معلومات ضروری ہے، ویسے تو یہ ایک حادثہ ہے لیکن اس بات کے امکانات بھی ہیں کہ یہ حادثہ جان بوجھ کر کیا گیا ہو۔"

"اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ایسا ہم نے کیا ہے تو تحقیقات کیجئے حالانکہ ہم انہیں اس قابل بھی نہیں سمجھتے تھے کہ انہیں ہلاک کیا جائے اور پھر اب تو بات بہت پرانی ہو گئی، ہلاک کرنا ہوتا ہمیں تو پہلے ہی کر دیتے، اس وقت جب ہماری ناک کٹی تھی۔"

نیاز بیگ نے کہا۔

"تو پھر بولے جا رہا ہے، ہمیشہ میرا باپ بننے کی کوشش کرتا ہے، مجھے بات کرنے دے اور خبردار تیرے منہ سے ایک لفظ بھی نکلا۔" مرزا ریاض بیگ نے آخر نیاز بیگ کو ڈانٹ ہی دیا۔

"نیاز بیگ صاحب آپ تسلی رکھئے پولیس سے تعاون کیجئے۔"

"اجی ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے پولیس ولیس سے تعاون کرنے کی، ہمیں کوئی غرض نہیں ان تمام معاملات سے۔"

"چپکا نہیں ہو گا تو۔" مرزا ریاض بیگ دہاڑا۔

"چپ بیٹھا ہوں، چپ بیٹھا ہوں اب نہیں بولوں گا۔"

نیاز بیگ نے کہا۔

"جی صاحب آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں؟"

"بس تھوڑی سی تفصیل۔"

"تفصیل یہ ہے کہ نورین ہماری بیٹی تھی، ہمارا گھر اسے پسند نہیں آیا، ملازمت کرتی تھی، فیاض انٹر پرائزز میں چکر چل گیا ان لوگوں کا، بڑے آدمیوں کے لئے یہ سب کچھ آسان ہوتا ہے اور لڑکیاں...... بد قسمتی تو یہ ہے کہ ہمارا معاشرہ اور ماحول اتنا بگڑ چکا ہے اور معاشی مسائل اس قدر شدید ہو گئے ہیں کہ ہم نے اپنے اقدار چھوڑ دیئے ہیں، اب مجبوری کو کیا کیا جائے، صاحبزادی گھر سے نکل پڑی تھیں، اپنی زندگی بنانے کے لئے، بن گئی زندگی، بچے بھی گئے، شوہر بھی گیا خود بھی دنیا سے چلی گئی۔"

مرزا ریاض بیگ کی آواز بھرا گئی۔

"شادی انہوں نے اپنی مرضی سے کی تھی؟"

"جی صاحب، گڑے مردے اکھاڑ رہے ہیں ہماری بدقسمتی نے اب بھی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا تو ہم کیا کر سکتے ہیں، تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے وہ تو ہونا ہی ہے۔"

"اس کے بعد ان سے آپ کی ملاقات نہیں ہوئی؟"

"بہت کوشش کی اس نے ملنے کی مگر نہ ہمیں اس کی دولت سے کوئی سروکار تھا اور نہ اس سے جو چیز ہمارے ہاتھ سے نکل گئی اور وہ بھی ایسے کہ بہت عرصے تک ہمیں دوسروں سے منہ چھپانے پڑے تھے...... اس سے آپ بتائیے کیا واسطہ رکھا جاتا، بس ہمارا کوئی واسطہ نہیں تھا وہ اپنے طور پر ہم سے ملنے کی کوشش کرتی رہتی تھی لیکن آخر کار اسے صاف صاف منع کرنا پڑا اور ہم نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا کہ بی بی ہمیں ہماری جھونپڑی میں مست رہنے دو، تم اپنا محل سجا کر بیٹھی رہو، ہمیں نہ تمہارے محل سے کوئی دلچسپی ہے اور نہ تم سے...... بہت بار کوشش کے بعد آخر کار اس نے ملنا جلنا چھوڑ دیا تھا۔"

"کوئی خبر گیری بھی نہیں کی آپ نے اس کی؟"

"نہیں، عزت ہی لے گئی تھی ہماری پھر کیا خبر گیری کرتے اپنی عزت ہی چھپانے میں مصروف رہے تھے۔"

"آپ یقین کریں میرا تو اب دل ٹھنڈاا ہے۔" مرزا نیاز بیگ بولا۔

"تو پھر بولا۔"

"کیسے نہ بولوں ابو، آپ خود بتائیے اب یہ لوگ رو پیٹ رہے ہیں میں کہتا ہوں کس کے لئے رو رہے ہیں یہ لوگ انہیں چپ کرا دیجئے ورنہ...... ورنہ کچھ ہو جائے گا۔"

"دیکھئے نیاز بیگ آپ بھی صبر سے کام لیجئے، بہر حال انسان سے غلطی ہوتی ہے آپ لوگوں کو نورین سے دکھ پہنچا تھا لیکن اب تو وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔"

"تو بابا ہم کیا کریں نہیں ہے اس دنیا میں، ہماری دنیا سے تو وہ بہت پہلے نکل چکی تھی۔"

"پھر بھی اگر پولیس کو آپ کی ضرورت ہوئی تو۔"

"ابھی سے لے چلئے بعد کی بات کیوں کر رہے ہیں، ہمیں اس جرم میں پھانسی ہونی چاہئے، ہمیں اس جرم میں پھانسی کی سزا ہونی چاہئے کہ وہ ہمارے گھر میں پیدا ہوئی تھی۔"

"بینا آیئے۔" شہاب نے بینا کو آواز دی اور بینا باہر آ گئی۔

"بہتر ہے جناب۔"

"معاف کیجئے گا افسر صاحب مجھے افسوس ہے یہ سر پھرا لڑکا ہے، بہر حال خون تو ہمارا ہی تھا اب غم و اندوہ سے کیسے چھٹکارا پا سکتے ہیں، زندہ تھی تو سوچ رکھا تھا کہ چلو ٹھیک ہے اس کی دنیا الگ ہو گئی ہے لیکن اس نے تو دنیا ہی چھوڑ دی۔" مرزا ریاض بیگ کی آواز رندھ گئی اور پھر وہ رونے لگے...... شہاب نے ان لوگوں کو رسمی الفاظ میں تسلی دی اور اس کے بعد بینا کے ساتھ باہر نکل آیا...... کار میں بیٹھ کر اس نے کار آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں بینا یہ روٹھے ہوئے لوگ ہیں ان سے کسی جرم کی توقع ممکن نہیں ہے، بہر حال پھر بھی ذہن میں رکھنا ہوگا۔" بینا خاموش ہو گئی، وہ خود بھی افسردہ نظر آ رہی تھی۔ غالباً اندر موجود صورت حال نے اسے متاثر کیا تھا۔

نیورا کوریل شاہد علی کی زندگی میں شامل ہو گئی، شاہد کے خیال کے مطابق یہ اس کی حسین زندگی کا آغاز تھا جس میں نیورا کوریل جیسی حسین لڑکی شامل ہو گئی تھی، امریکی معاشرہ بھی خوب ہے کسی کو کسی کی فکر نہیں، نیورا کوریل کے والدین نے اس سلسلے میں کوئی تعرض نہیں کیا تھا بلکہ صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اب وہ بالغ ہے اور اس کے خیالات اور زندگی پر ان کا کوئی حق نہیں ہے...... نیورا نے شاہد کی آرزو کے مطابق شاہد علی کا مذہب قبول کر لیا تھا اور اس سلسلے میں ایک چھوٹی سی رسم ادا ہوئی تھی، مسلمان ہونے کے بعد اس کا نام فرزانہ طے کیا گیا تھا اور اب وہ فرزانہ کے نام سے پکاری جاتی تھی، اس قدر صابر و شاکر تھی کہ اس نے شاہد علی سے کوئی فرمائش نہیں کی تھی بلکہ شاہد علی نے کہا تھا کہ فرزانہ تمہیں فرزانہ بنانے کے بعد مجھ پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں میں انہیں پورا کرنے کی پوری پوری کوشش کروں گا لیکن اس میں کچھ وقت لگ جائے گا تم محسوس تو نہیں کرو گی۔"

"سنو مسٹر شاہد اب میں تمہاری بیوی ہوں تمہاری صحت، تندرستی اور تمہاری ذہنی فکروں کا خیال رکھنا میری ذمہ داری ہے مجھے یہ بتاؤ کہ اپنے ڈیڈی کو اس بارے میں اطلاع دو گے یا نہیں۔"

"ابھی نہیں جب تک صورت حال اس انداز میں چلتی رہے گی چلاتے رہیں گے پھر

کوئی مجبوری آ گئی تو دیکھا جائے گا۔"

"میں اس سلسلے میں تم سے کوئی اختلاف نہیں کروں گی۔" اگر انہیں یہ بات معلوم نہیں ہو گی تو وہ تمہارے اخراجات تو تمہیں بھیجتے رہیں گے نا۔"

"ظاہر ہے وہ مجھے بڑی باقاعدگی کے ساتھ ملتے رہے ہیں اور ان میں کبھی کوئی دقت نہیں پیش آئی۔"

"تو بس تم جو پیسے فضول خرچی میں باہر اڑایا کرتے تھے اب ہم انہیں اپنے اس چھوٹے سے گھر کے لئے محفوظ رکھیں گے اور ہم انہی سے کام چلائیں گے، میں تمہیں ملازمت وغیرہ نہیں کرنے دوں گی۔"

"لیکن فرزانہ ہمارے مستقبل کے لئے یہ ضروری ہو گا، کون جانے میرے والد مستقبل میں میرے ساتھ کیا سلوک کریں...... اب ان کے اپنے بھی بچے ہیں، ہو سکتا ہے مجھے نظر انداز کیا جائے۔"

"دیکھو میں حقائق سے کام لوں گی، وہ ایسا کر نہیں سکتے...... آخر کار ان کے چھوڑے ہوئے ورثے میں تمہارا بھی حصہ ہو گا، تمہیں تمہارا حصہ مل جائے گا لیکن ہم کیوں ابھی سے اس کے بارے میں سوچیں ہمیں تو ان کی زندگی کی دعائیں مانگنی ہیں۔"

"تم کس قدر اچھی ہو، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"

"اور تم کم ہو کیا؟" فرزانہ نے کہا، بہر حال زندگی کے شب و روز خوش اسلوبی سے گزر رہے تھے...... دانش اور دوسرے چند رفقاء بڑی خوشی سے ان کی شادی کی تقریب میں شریک ہوئے تھے...... دانش کو کہیں جانا پڑا تھا چنانچہ چند روز کے بعد وہ اجازت لے کر چل پڑا تھا، بہر حال یہ اس کے اپنے معاملات تھے، زندگی پر سکون گزر رہی تھی لیکن پھر اس ساکن جھیل میں ایک کنکر آ پڑا اور سطح مرتعش ہو گئی، شاہد علی کے ملک سے اسے ٹیلی فون موصول ہوا تھا، یہ ٹیلی فون کال بیرسٹر درانی نے کی تھی...... شاہد علی نے کال ریسیو کی تو بیرسٹر درانی نے کہا۔

"مسٹر شاہد علی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی میں بول رہا ہوں۔"

"شاہد علی ولد فیاض علی؟"

"جی ہاں۔"

"مسٹر شاہد علی آپ کو فوراً وطن واپس پہنچنا ہے۔"

"خیریت جناب۔"

"نہیں خیریت نہیں ہے، شاہد آپ کے علم میں یہ بات ہو کہ میں آپ کے والد فیاض علی کا قانونی مشیر ہوں اور ان کے تمام مفادات کی نگرانی کرتا ہوں، میں ایک حقیقت پسند آدمی ہوں مسٹر شاہد علی اس لئے آپ سے یہ کہتے ہوئے مجھے زیادہ دقت نہیں ہو رہی کہ آپ کے والد ایک حادثے کا شکار ہو کر اب اس دنیا میں نہیں رہے، حادثہ حال ہی میں ہوا ہے لیکن حادثے کے بعد ان کی تدفین ضروری ہو گئی تھی چنانچہ ان کی تدفین کر دی گئی ہے۔"

شاہد علی ریسیور ہاتھ میں لئے بیٹھا رہ گیا تھا، اس کے دل کو زبردست دھکا لگا تھا کچھ بھی تھا باپ نے اپنے طور پر جو کچھ کیا لیکن بہر حال باپ تھا...... زندگی کا ایک دور اس کی قربت سے وابستہ تھا اور پھر ویسے بھی فیاض علی نے کچھ بھی کیا تھا لیکن اسے کبھی کسی مشکل کا شکار نہیں ہونے دیا تھا...... بیرسٹر درانی کی آواز آئی۔

"مسٹر شاہد علی آپ ایک ذمہ دار اور سمجھ دار نوجوان ہیں، خود کو سنبھالئے آپ کا یہاں آنا از حد ضروری ہے، جائیداد وغیرہ کے معاملات بھی ہیں جو آپ کو سنبھالنے ہیں۔"

"آخر ڈیڈی کا یہ حادثہ کیسے ہوا؟"

"پوری تفصیل تو آپ کو یہیں آ کر معلوم ہو گی لیکن حادثے سے ان کی دوسری بیگم نورین اور ان کے دونوں بچے بھی ان کے ساتھ ہی ہلاک ہو گئے ہیں۔"

"اوہ...... مائی گاڈ۔"

"میں نے آپ کو یہ اطلاع دے دی ہے آپ فوری طور پر تیاریاں شروع کر دیجئے اور جس طرح بھی بن پڑے جلد از جلد وطن واپس پہنچ جائیے تاکہ میں آپ کی امانتیں آپ کے سپرد کر دوں، خدا حافظ۔" شاہد علی دوسری طرف سے فون بند ہونے کے بعد بھی ریسیور ہاتھ میں لئے بیٹھا رہ گیا تھا۔

پھر فرزانہ نے اسے اس عالم میں دیکھا اور جلدی سے اس کے پاس آ گئی۔

"کس کا فون تھا شاہد؟" شاہد علی نے پھر بھی کوئی جواب نہیں دیا تھا...... فرزانہ نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"بتاتے کیوں نہیں کس کا فون ہے؟" شاہد علی کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈوب گئی تھیں...... فرزانہ نے ریسیور اس کے ہاتھ سے لیا، کان سے لگایا، لائن بے جان تھی اس نے ریسیور واپس رکھا اور شاہد علی کو جھنجھوڑتے ہوئے بولی۔

"مجھے نہیں بتاؤ گے، شاہد علی کس کا فون تھا؟"

"میرے ڈیڈی کا حادثہ ہو گیا فرزانہ۔"

"کیا......؟" فرزانہ اُچھل پڑی۔

"ہاں میرے ڈیڈی اب اس دنیا میں نہیں ہیں، نہ میری سوتیلی ماں اور نہ میرے سوتیلے بھائی بہن، وہ چاروں ایک حادثے میں ہلاک ہو گئے۔" فرزانہ کے چہرے پر ایک رنگ آیا ایک لمحے کے لئے اس کی آنکھوں میں مسرت چمکی، لیکن دوسرے لمحے اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا، وہ سہمی ہوئی آواز میں بولی۔

"اوہ مائی گاڈ، کب کیسے؟"

"تفصیل نہیں معلوم فرزانہ، لیکن لیکن یہ بہت برا ہوا، یہ بہت ہی برا ہوا۔"

"اوہ ڈیئر شاہد! میں تمہارے غم میں برابر کی شریک ہوں۔" فرزانہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

"ہمیں جانا ہو گا فرزانہ، ہمیں جانا ہو گا...... فوراً انتظامات کرو، جیسے بھی بن پڑے ہم جائیں گے۔"

"ہاں جانا ہو گا، ہمیں جانا ہو گا۔" فرزانہ نے رندھی ہوئی آواز میں کہا اور اس کے بعد شاہد کو دلاسے دیتی رہی تھی...... شاہد در حقیقت غم زدہ ہو گیا تھا۔ باپ کی تصویر آنکھوں میں گھوم رہی تھی، ایک ایک لمحہ یاد آ رہا تھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ فیاض علی نے دوسری شادی کر کے اس سے اپنے دلی رشتے توڑ دیئے تھے لیکن پھر بھی وہ اس کے باپ تھے اور شاہد کسی طرح انہیں نظر انداز نہیں کر سکتا تھا...... ایک روٹھا ہوا بیٹا ضرور تھا، لیکن بہر حال اس کی رگوں میں فیاض علی کا ہی خون تھا۔

پھر تیاریاں ہونے لگیں اور ان لوگوں نے واپسی کا بندوبست کر لیا...... آخر کار وہ ایک طیارے میں بیٹھ کر وطن واپس چل پڑے...... نیورا کوریل یا موجودہ فرزانہ، دانش کو داد دے رہی تھی۔ دانش کی پوری سکیم کامیابی سے ہمکنار تھی اور فرزانہ کے دل میں رہ رہ کر مسرتوں

کا طوفان امڈ رہا تھا...... دانش در حقیقت ایک ذہین نوجوان ہے، شاہد سے کہیں بہتر، باعمل اور پر جوش، اب دیکھنا یہ ہے کہ دانش کے تمام منصوبے آگے اسی کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں یا نہیں، لیکن بہر حال نیورا کوریل اپنی پوزیشن محفوظ محسوس کر رہی تھی...... دانش اپنے منصوبے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ پھر زندگی کا عیش و عشرت تو اس کا حصہ بن ہی چکا ہے...... دانش نہ سہی شاہد سہی، بلکہ ایک بے وقوف شوہر ایک چالاک عاشق سے کہیں بہتر ہوتا ہے...... ایشیا دیکھنے کی خواہش بارہا اس کے دل میں مچلتی تھی، لیکن اس قدر بے وسائل تھی کہ بس اس خواہش کو خواب ہی کی صورت دے سکتی تھی، لیکن اب یہ خواب اس طرح حقیقت بن رہے تھے کہ خود اس کے تصور میں بھی نہیں تھا...... بہر حال اس نے اپنی دہری کیفیت کو برقرار رکھا اور ایک طویل سفر طے ہو گیا...... طیارہ رن وے پر اتر گیا...... انہیں ریسیو کرنے کوئی بھی نہیں آیا تھا، نہ ہی کسی کو اطلاع دی گئی تھی، لیکن بہر حال شاہد ایک اچھی عمر میں یہاں سے گیا تھا اور اس قدر بے حواس نہیں تھا کہ اپنے گھر کو نہ پہچان سکے...... ایک ٹیکسی نے اسے فیاض علی کی رہائش گاہ پر پہنچا دیا، ٹیکسی رکی، سامان اتارا گیا اور طیب علی نے سب سے پہلے اس کا استقبال کیا۔

ابراہیم خان ڈرائیور بھی اس وقت کے شناساؤں میں سے تھا جب وہ یہاں سے گیا تھا...... ان دونوں نے رو رو کر آنکھیں سرخ کر لیں...... شاہد علی بھی ان کے ساتھ آہ و زاری میں مصروف تھا، لیکن نیورا کوریل خاموش نگاہوں سے اس ماحول کو دیکھ رہی تھی، اس کے دل میں اب بھی مسرتوں کے طوفان امڈ رہے تھے اور اسے غم زدہ ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے خاصی مشکل پیش آ رہی تھی...... آخر کار طیب علی نے شاہد کو تمام تفصیل بتائی اور یہ بھی بتایا کہ پولیس اس سلسلے میں تحقیقات کر رہی ہے...... شاہد نے تمام تفصیلات سنی تھیں...... پھر بیرسٹر درانی کو فون کیا گیا اور شام کو بیرسٹر درانی یہاں آ گئے...... انہوں نے پہلے تو اظہار تعزیت کیا اس کے بعد کہا۔

"مسٹر شاہد علی جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی چکا ہے...... بد نصیب خاندان اس طرح موت کا شکار ہو گیا کہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن اب آپ اپنی ذمے داریاں سنبھالیں گے...... یہ خاتون کون ہیں، کیا آپ کی دوست ہیں؟"

"یہ فرزانہ ہے میری بیوی۔"

"کیا؟"

"جی ہاں، اس کا پہلا نام نیورا کوریل تھا، لیکن بعد میں ہمارے درمیان جو تعلقات قائم ہوئے اس کی بناپر اس نے میرا مذہب قبول کر لیا اور ہم دونوں نے شادی کر لی ہے۔"

"اوہ! کیا یہ بات فیاض علی صاحب کو معلوم تھی؟"

"نہیں، انہیں اطلاع نہیں دی تھی میں نے۔"

"خیر، ظاہر ہے یہ آپ کا بالکل ذاتی معاملہ ہے، میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ سارے معاملات آہستہ آہستہ آپ اپنی تحویل میں لے لیجئے، میری رائے تو یہ ہے کہ اب باہر کی سکونت ترک کر کے آپ یہیں قیام کریں اور یہاں اپنا کاروبار سنبھالیں، کافی جائیداد اور دولت ہے، جو بہت وسعتوں میں پھیلی ہوئی ہے...... آپ کو اس سلسلے میں خاصی الجھنوں کا سامنا کرنا پڑے گا، لیکن آپ بے فکر رہیں ہم سب آپ کے مددگار ہیں، آپ کو ہر طرح سے آسانیاں فراہم کی جائیں گی۔"

"حادثے کے بارے میں کوئی ایسی تفصیل نہیں ہے جس سے یہ پتا چل سکے کہ حادثے کے ذمے دار کون لوگ تھے، وہ گرفتار نہیں ہوئے؟"

"نہیں حادثہ ایک ویران سڑک پر ہوا تھا اور حادثہ کرنے والے ابھی تک نامعلوم ہیں۔"

"پولیس اس سلسلے میں تحقیقات کر رہی ہوگی؟"

"ظاہر ہے۔"

"میں پولیس کے افسران سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"اس کا بندوبست بھی کر دیا جائے گا، مسٹر شہاب اس کیس کے انچارج ہیں اور وہی اس پر کارروائی کر رہے ہیں...... یہ ان کا ٹیلی فون نمبر ہے...... آپ چاہیں تو انہیں براہ راست بھی رنگ کر سکتے ہیں۔" شاہد علی نے اسی رات شہاب کو تلاش کیا تھا اور شہاب سے ٹیلی فون پر اس کی ملاقات ہو گئی تھی۔

"میرا نام شاہد علی ہے جناب، آج ہی امریکہ سے واپس آیا ہوں، باپ کا نام فیاض علی ہے جن کا ان کی بیگم اور بچوں کے ساتھ ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔"

"اوہو مسٹر شاہد علی آپ واپس آ گئے۔"

"جی، باپ کی موت کی اطلاع ملنے کے بعد پہنچا ہوں...... آپ سے ملاقات کرنا

چاہتا ہوں۔"

"بہتر ہے اس کے لئے کل دن کا کوئی وقت مقرر کر لیجئے۔"

"جیسا آپ مناسب سمجھیں۔"

"تو پھر کل دن کو گیارہ بجے میں آپ کے پاس پہنچ رہا ہوں۔"

"او کے، میں انتظار کروں گا۔"

پھر دوسرے دن گیارہ بجے شہاب کی ملاقات شاہد علی سے ہوئی...... شاہد علی نے اس خوب صورت پولیس آفیسر کو پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا تھا اور اس کے بعد اس نے فرزانہ کا اس سے تعارف کرایا۔

"یہ میری مسز ہیں۔"

"اوہو، کیا نام ہے ان کا؟"

"اب فرزانہ ہے، اس سے پہلے نیورا کوریل کے نام سے پکاری جاتی تھیں۔"

"آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی مسز شاہد علی، ویسے مسٹر شاہد علی، کیا اس شادی کی اطلاع آپ کے والد کو تھی؟"

"نہیں، میں انہیں اطلاع نہیں دے سکا تھا، ہماری شادی کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔"

"بہرحال مجھے بے حد افسوس ہے آپ کے والد آپ کی خوشیوں میں شریک نہیں ہو سکے۔"

"آفیسر یہ نہیں پتا چل سکا کہ اس حادثے کا ذمے دار کون تھا؟"

"ابھی تک نہیں، لیکن بہرحال پولیس کوشش کر رہی ہے۔"

"میں ان لوگوں کو سزا دلوانا چاہتا ہوں، جنہوں نے مجھے میرے باپ کی شفقت سے محروم کر دیا۔"

"ہماری انتہائی کوشش ہوگی کہ ایسا ہی ہو، میں اجازت چاہتا ہوں آپ کو ابھی اپنے معمولات سنبھالنے میں وقت لگے گا، ویسے آپ کا کیا خیال ہے کیا اب آپ یہیں قیام کریں گے یا واپس امریکہ جانا مقصود ہے؟"

"نہیں اب میں اپنے وطن میں ہی رہوں گا، امریکہ سے مجھے کوئی زیادہ لگاؤ نہیں ہے۔"

"مسز شاہد علی کے عزیز و اقارب تو وہیں ہوں گے؟"

"بس یہ اگر کبھی چاہیں گی تو وہاں جاسکتی ہیں، لیکن ہم نے تقریباً سب سے ناطہ توڑ لیا ہے۔"

"بہر حال میں آپ کے غم میں شریک ہوں مجھے اجازت دیجئے۔"

بعد میں یہ لوگ پولیس آفیسر کے بارے میں گفتگو کرتے رہے تھے۔

❁

ڈبل او گینگ کے دوسرے افراد کا بھی یہی خیال تھا کہ ان واقعات میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے، بے شک ایک حادثہ ہوا اور ایک خاندان موت کی آغوش میں جاسویا، ظاہر ہے ٹرک ڈرائیور اپنی زندگی بچانے کے لئے حادثے کے بعد بھاگ نکلا، لیکن سردار علی اور انجم شیخ کا دل اس بات کو قبول نہیں کرتا تھا، ٹرک جس جگہ سے نکلا تھا اس سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ وہاں اس حادثے ہی کے لئے ٹھہرا ہوا تھا اور یہ ایک جانا بوجھا حادثہ ہے، شہاب نے بھی اس سلسلے میں جس قدر تحقیقات کی تھیں اس میں صرف یہی ایک پہلو مشکوک تھا ورنہ اپنے طور پر وہ نورین کے اہل خاندان کو بھی دیکھ چکا تھا وہ لوگ اس قدر انتقامی مزاج نہیں رکھتے تھے اور پھر اگر انتقام ہی لینا ہوتا تو اس وقت لیتے جب نورین نے اپنے گھر والوں کی مرضی کے خلاف فیاض علی سے شادی کرلی تھی...... اتنا طویل عرصہ گزرنے کے بعد یہ انتقام کیا معنی رکھتا تھا اور پھر ایسے لوگ نظر بھی نہیں آتے تھے...... باقی معاملہ ان لوگوں کا تھا یعنی امریکہ سے آنے والے شاہد علی کے بارے میں بھی یہی اندازہ ہوتا تھا کہ سیدھا سادا نوجوان ہے اور نہ ہی کوئی شک وشبہ اس کی بیوی کی جانب سے کیا جاسکتا تھا، کیونکہ یورپین عورت تھی...... باقی معلومات بھی حاصل کرلی گئی تھیں، یعنی یہ کہ یہ لوگ امریکہ ہی میں مقیم تھے اور بیرسٹر درانی کی طرف سے اطلاع ملنے پر یہاں آئے تھے، کوئی ایسا پہلو نمایاں نہیں تھا جس سے اس شک کو تقویت پہنچتی، لیکن بس یہی دونوں تھے جن کا دل اس بات پر نہیں ٹھک رہا تھا کہ یہ صرف ایک حادثہ ہے، بہر حال انہیں اپنے طور پر بھی کام کرنے کی آزادی تھی چنانچہ سردار علی اور انجم شیخ ٹرکوں کے ان اڈوں کو چھانتے پھر رہے تھے، جہاں عموماً ٹرک کھڑے ہوا کرتے تھے، شہر کے نواحی علاقوں میں ایسے کئی اڈے تھے، پھر اس دن وہ اس مخصوص علاقے میں پہنچے تھے جہاں کئی ٹرانسپورٹ کمپنیاں اپنا دفتر قائم کئے ہوئے تھیں...... انہوں نے حلئے

بھی بدلے ہوئے تھے اور عام قسم کے حلیوں میں نظر آرہے تھے...... کوئی انہیں دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ کسی خاص حیثیت کے حامل لوگ ہیں، پھر ایک ٹرک کی نمبر پلیٹ پر دونوں کی نگاہیں جم گئی تھیں...... اس ٹرک کا نمبر گیارہ آٹھ صفر صفر صفر (118000) تھا اور یہ تین صفر ہی ان کے لئے باعث توجہ تھے...... ویسے ابھی تک کسی ٹرک پر ایسا کوئی نمبر نظر نہیں آیا تھا جس کے آخر میں تین صفر ہوں چنانچہ اس ٹرک کو یہاں دیکھ کر ان کے ذہنوں میں تجسس جاگ اٹھا اور اس کے بعد دونوں ٹہلنے والے انداز میں آگے بڑھ کر اس ٹرک کے قریب پہنچ گئے، ٹرک سے تھوڑے فاصلے پر ایک گنڈیری والا بیٹھا ہوا تھا...... انجم شیخ نے گنڈیریاں خریدیں، ان کی نگاہیں ٹرک کے اگلے حصے پر لگی ہوئی تھیں اور یہ دیکھ کر انہیں ایک دم سے ایک شاک سا لگا کہ ٹرک کا اگلا حصہ خاصا دبا ہوا تھا، یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس دبے ہوئے حصے کو ٹھونک پیٹ کر ٹھیک کرلیا گیا ہو اور ایک سائیڈ کی لائٹ وغیرہ بھی نئی لگی ہوئی نظر آرہی تھی اور یہ ٹرک کا بائیں سمت کا حصہ تھا، پچویشن کے لحاظ سے جس طرف سے وہ کار آرہی تھی اور جس سائیڈ سے ٹرک نکلا تھا تو کار کو ٹکر مارنے کے لئے ٹرک کو شہر کی جانب موڑتے ہوئے بائیں سمت کا حصہ ہی استعمال ہوا تھا اور اس ٹرک میں وہ ساری چیزیں نظر آرہی تھیں...... سردار علی نے دیکھا کہ ٹرک کے سائیڈ پر زور آور خان ٹرانسپورٹ کمپنی لکھا ہوا نظر آرہا تھا، دونوں نے وہیں بیٹھ کر گنڈیریاں کھاتے ہوئے کہا۔

"یہ ٹرک کس کا ہے؟"

"کون سا؟" گنڈیری والے نے پوچھا۔

"یہ جو سامنے کھڑا ہے۔"

"یہ زور آور خان کا ہے۔"

"اس کمپنی کا دفتر کہاں ہے؟"

"وہ ٹرک کا پیچھے صاحب۔"

"اسے کون چلاتا ہے؟"

"ڈرائیور صاحب۔"

"نہیں، میرا مطلب ہے کوئی خاص ڈرائیور ہے۔"

"ہاں...... وہ ٹرک غلام دل چلاتا ہے، غلام دل ہمارا دوست ہے۔"

"بس غلام دل ہی اس ٹرک کو چلاتا ہے یا کوئی اور بھی؟"

"نہیں صاحب بس غلام دل ہی اس ٹرک کو چلاتا ہے۔"

"ٹھیک ہے...... غلام دل کدھر رہتا ہے، کچھ معلوم ہے تمہیں؟"

"کوئی کام ہے اس سے صاحب۔"

"ہاں ایسے ہی ایک ذاتی کام تھا اس سے۔"

"وہ ادھر اس کا اڈہ ہے، بہت سا لوگ رہتا ہے ادھر۔"

"اچھا...... اچھا......" گنڈیری والے سے خاصی معلومات حاصل کرنے کے بعد دونوں وہاں سے اٹھے اور پھر اس اڈے کی جانب جا نکلے، ڈرائیوروں کی بہت بڑی تعداد وہاں رہا کرتی تھی، ایک جگہ کھانا ایک جگہ پکانا، عورتیں وغیرہ نہیں تھیں اس لئے یہ لوگ اس اڈے پر پہنچ گئے پھر سردار علی نے وہاں غلام دل کو پوچھا، چوڑے چکلے جسم والا ایک آدمی کھڑا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

"میرا نام غلام دل ہے۔"

"اوہو غلام دل خان صاحب، ہمارا ایک دوست ہے رفیق خان، آپ اسے جانتے ہو؟"

"رفیق خان، کدھر کا رہنے والا ہے۔"

"یہ تو معلوم نہیں بس ٹرک ہی چلاتا ہے، وہ کہہ رہا تھا ایک دن آپ کے بارے میں، کہتا تھا غلام دل اس کا دوست ہے اور بہت اچھا آدمی ہے۔"

"رفیق خان...... ہمارے کو یاد نہیں آرہا۔"

"گورا رنگ ہے بڑی بڑی مونچھیں ہیں، سرحد کے علاقے کا ہی رہنے والا ہے۔"

"اس نے ہمارا نام لے کے بولا تھا؟"

"ہاں۔"

"اوبابا پتا نہیں ہمیں یاد کیوں نہیں آرہا، رفیق خان...... او شہزادے آدھر آ......" غلام دل نے ایک دوسرے آدمی کو پکارا اور شہزادا اٹھ کر قریب آگیا۔

"اویار رفیق خان کو جانتا ہے تو؟"

"رفیق خان...... نہیں میں نہیں جانتا۔"

"کوئی اور غلام دل ہوگا صاحب۔"

"ہو سکتا ہے۔"

"رفیق خان سے کوئی کام تھا آپ کو۔"

"ہاں غلام دل ویسے یہ کام تم بھی کر سکتے ہو، ہمارا ایک چھوٹا سا مسئلہ ہے اگر تم ہمیں تھوڑا سا وقت دے سکو۔"

"ٹھیک ہے کوئی بات نہیں ہے، رفیق خان بھی ہمیں یاد آجائے گا ہو سکتا ہے ہمارا کوئی دوست ہو جسے ہم نام سے نہ جانتے ہوں۔"

"پھر آؤ ہمارے ساتھ چائے پیو۔"

"ٹھیک ہے صاحب آجاؤ...... او، شہزادے تو ادھر ٹھہر میں صاحب سے مل کر آتا ہوں۔" غلام دل نے کہا اور وہ دونوں اسے ساتھ لے کر ادھر سے چل پڑے۔

"وہ سامنے ہوٹل ہے صاحب چلو ادھر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔"

"نہیں غلام دل یہ بات ہوٹل میں بیٹھ کر نہیں ہوگی، آؤ تھوڑی دیر ادھر چلتے ہیں وہ جو سفید گاڑی کھڑی ہوئی ہے۔"

"ٹھیک ہے صاحب۔" غلام دل نے کہا، سردار علی اور انجم شیخ جان بوجھ کر ٹرک کے سامنے سے گزرے تھے، سردار علی نے چونک کر کہا۔

"یہ ٹرک تم ہی چلاتے ہونا؟"

"ہاں، ہم اس کے مستقل ڈرائیور ہیں، مگر آپ یہ کیوں پوچھتے ہو؟"

"رفیق خان ہی نے بتایا تھا کہ غلام دل زور آور خان ٹرانسپورٹ کمپنی کا ٹرک چلاتا ہے۔"

"اویار میرے کو وہ یاد کیوں نہیں آتا۔"

"آجائے گا آجائے گا۔" ان دونوں نے کہا اور غلام دل کو لئے ہوئے گاڑی کے قریب پہنچ گئے...... فوری فیصلہ کیا گیا تھا چنانچہ اس کے لئے احتیاط کے ساتھ کام کرنا تھا...... گاڑی کے قریب پہنچ کر جب اس کا دروازہ کھولا گیا تو غلام دل نے حیرت سے کہا۔

"یہ گاڑی تمہارا ہے صاحب؟"

"نہیں یار میں ڈرائیور ہوں اس کا آؤ بیٹھو ادھر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" سردار علی نے کہا اور پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا اس کے ساتھ ہی اس نے انجم کو اشارہ کیا اور انجم شیخ تیار ہو گیا تھا، جونہی غلام دل گاڑی میں بیٹھنے کے لئے جھکا انجم شیخ کا کراٹے کا بھرپور ہاتھ اس

کی گردن کی ایک مخصوص رگ پر پڑا، پھر دوسرا اور تیسرا کیونکہ غلام دل ایک طاقتور آدمی تھا لیکن تیسرے ہاتھ نے اسے بالکل نڈھال کر دیا اور اس کے بعد انجم شیخ نے اسے گاڑی کی عقبی سیٹ پر ٹھونسا تھا، بہرحال غلام دل کو گاڑی کی عقبی سمت میں ٹھونسنے کے بعد اس نے دروازہ بند کیا اور دوسری جانب سے گھوم کر پیچھے آ بیٹھا...... سردار علی نے اسٹیرنگ پر بیٹھ کر کار اسٹارٹ کر دی تھی اور اس کے بعد وہ برق رفتاری سے چل پڑے تھے...... دونوں کے دل و دماغ شدید سنسنی محسوس کر رہے تھے، یہ پہلا واقع تھا کہ انہوں نے شہنشاہ کی ہدایت کے خلاف اپنے طور پر ایک کام کے سلسلے میں کارروائی کا آغاز کیا تھا اور بہرحال ٹرک کے مل جانے سے انہیں یہ امید ہو چلی تھی کہ اب کم از کم یا توان کے ذہن سے کسک دور ہو جائے گی یا پھر اس سلسلے میں کچھ معلومات حاصل ہو جائیں گی لیکن اس کے لئے انہوں نے مخصوص طریقہ کار متعین کیا تھا، ویسے بھی انہیں محکمے کی طرف سے وردیاں ملی تھیں، اب یہ الگ بات ہے کہ ان وردیوں کا کوئی استعمال نہیں تھا، وہ اپنے طور پر صرف اس خفیہ ادارے سے وابستہ تھے اور خفیہ طور پر ہی کام کیا کرتے تھے، لیکن پھر بھی انہیں ان کے عہدے کے مطابق وردیاں بھی فراہم کر دی گئی تھیں، لیکن وہ غلام دل کو لے کر اپنی اسی پرانی کمین گاہ پر پہنچے تھے جہاں سے انہوں نے اپنے کام کا آغاز کیا تھا...... یہ جگہ ہر لحاظ سے بہتر تھی اور آج تک مشکوک نہیں ہوئی تھی، اس کے علاوہ یہاں ایسی جگہیں بنائی گئی تھیں جہاں خطرناک قسم کے لوگوں سے نمٹنے کے لئے اعلیٰ ترین انتظامات تھے، باہر کا حصہ ایک کباڑ خانے کی حیثیت رکھتا تھا اور کچھ عرصے پہلے انہوں نے ریڑھیوں پر یہ کوڑا کرکٹ جمع کیا تھا، ایک عجیب زندگی سے ان کا آغاز ہوا تھا اور آخر کار وہ اس منزل تک پہنچے تھے، یہاں آ کر غلام دل کو اس خفیہ تہہ خانے میں پہنچا دیا گیا جو بڑے بڑے خطرناک لوگوں کا مسکن بن چکا تھا...... بہرحال اس سلسلے میں جو کارروائی انہوں نے کی تھی اس پر انہیں اعتماد بھی تھا، اب تک صورت حال یہی رہی تھی کہ وہ ہر کام شہنشاہ کی ہدایت کے مطابق کیا کرتے تھے، یہ پہلا ہی عمل تھا اور وہ اپنی کامیابی کی دعائیں مانگ رہے تھے...... غلام دل کو وہاں لٹانے کے بعد طے یہ کیا گیا کہ وردی پہن کر اس سے تحقیقات کی جائے، چنانچہ ایک وقت کا تعین کر کے وہ تہہ خانے سے باہر نکل آئے...... باہر آ کر وردیاں تبدیل کی گئیں اور حلئے میں خاصا فرق پیدا کر لیا گیا، پھر وہ غلام دل کے پاس پہنچ گئے اور اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگے، تھوڑی سی کوشش کے بعد

غلام دل ہوش میں آ گیا تھا...... اس نے متوحش نگاہوں سے چاروں سمت دیکھا اور پھر اپنی گردن سہلانے لگا، تب ہی اس کی نظران دونوں پر پڑی تھی اور وہ حلق سے ہلکی سی آواز نکال کر اٹھ کر بیٹھ گیا تھا، تہہ خانے میں تیز روشنی تھی اور اس تیز روشنی میں غلام دل ان لوگوں کو بخوبی دیکھ سکتا تھا...... وردی دیکھ کر اس کی گھگی بندھ گئی...... بے شک جسم و جاں میں توانا آدمی تھا لیکن اندرونی طور پر شاید اس قدر توانا نہیں تھا اس کی آنکھیں چکرائی چکرائی سی نظر آنے لگیں تو سردار علی نے آہستہ سے آگے بڑھ کر نرم لہجے میں کہا۔

”اور تمہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے غلام دل کہ ہمارا تعلق محکمہ پولیس سے ہے۔“ غلام دل نے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

”صاحب میرا قصور کیا ہے، میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں...... میں توان کے لئے محنت مزدوری کرتا ہوں، آپ لوگ مجھے ادھر کیوں لے آئے ہو؟“

”دیکھو غلام دل جو سنگین واقعہ ہوا ہے وہ اس قدر خطرناک ہے کہ تمہیں سزائے موت بھی ہو سکتی ہے، اس بات کو صرف دھمکی نہ سمجھنا...... یہ ایک حقیقت ہے اور ہم نجانے کتنی مشکل سے تمہیں تلاش کرتے ہوئے تمہارے پاس پہنچے ہیں۔“

”سس...... سزائے موت، رحم کرو صاحب معافی دے دو، خدا کا قسم ہم نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے صاحب، ہم تو ایک شریف آدمی ہیں، آپ ہمارے بارے میں کسی سے پوچھ لو ہم نے کبھی کوئی ایسا کام نہیں کیا صاحب، صاحب دیکھو، آپ کو دھوکا ہوا ہے کوئی، آپ ہمارے بارے میں جدھر سے چاہو پتا کر لو، صاحب ہم شریف آدمی ہے ہم زور آور خان کے یہاں نو سال سے کام کرتا ہے...... ہم نے کوئی ایسا کام نہیں کیا صاحب، آپ پہلے تحقیق کر لو، اگر ہم کسی جرم میں پایا جائے تو بے شک ہمیں سزا دو، کسی دھوکے میں ہم کو مت مارنا صاحب، ہم آپ کے آگے ہاتھ جوڑتے ہیں۔“

”نہیں غلام دل ڈرنے کی ضرورت نہیں، میں نے تمہیں صرف یہ بتانا ہے کہ اگر تم نے سچ کو چھپانے کی کوشش کی تو پھر ہمارے لئے تمہاری زندگی بچانا مشکل کام ہوگا، تمام حقیقت بالکل سچائی کے ساتھ بیان کر دو۔“

”کون سا حقیقت صاحب؟“ غلام دل نے کہا۔

”سولہ تاریخ کی رات تم نے جو ایکسیڈنٹ کیا تھا وہ کس کے کہنے پر کیا تھا؟“ سردار علی

نے پوچھا۔

غلام دل نے ایک لمحے سوچا پھر اچانک اس کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ ”سولہ تاریخ، ایکسیڈنٹ۔

”ہاں جس میں چار افراد ہلاک ہوئے ہیں، رات کا وقت تھا۔“

”او خدایا، پناہ، سولہ تاریخ رات، مگر ایکسیڈنٹ۔“ غلام دل بہت نروس ہو گیا تھا...... پھر وہ آہستہ سے بولا۔ ”مروادیا، خدا تجھے غارت کرے۔“ سردار علی اور انجم اسے غور سے دیکھ رہے تھے...... اس وقت غلام دل اداکاری نہیں کر رہا تھا...... ویسے بھی وہ عام سا آدمی تھا...... دیر تک وہ چکراتا رہا، پھر اس کے چہرے پر غصے کے آثار نظر آنے لگے...... پھر وہ کسی قدر سرد لہجے میں بولا۔

”ہمارا ایک بات مانو صاب، ہمارے کو پورا بات بتاؤ، خدا کا قسم ہم بالکل سچ بولے گا۔“

”جو ٹرک تم چلاتے ہو، سولہ تاریخ کی رات کو ایک حادثہ کر کے فرار ہو گیا تھا...... اس حادثے میں چار افراد ہلاک ہوئے ہیں اور یہ ٹکر جان بوجھ کر ماری گئی ہے۔“

”صاب گناہ ہمارا ہے، سزا ہمیں ملنا چاہئے، لیکن ہم آپ کو اس خانہ خراب کا نام ضرور بتائے گا جس نے ایسا کیا ہے...... میرے کو بولتا تھا ایک نالے کا پل سے ٹکرا گیا تھا...... خنزیر کمینہ کہیں کا...... ہم اسے گرفتار کرائے گا صاب، آپ ہمارے ہاتھ میں ہتھکڑی ڈال کر لے چلو۔“

”تفصیل بتاؤ غلام دل۔“

”اس خانہ خراب کا نام!“

❀❀❀

غلام دل ایک لمحے کے لئے رُکا پھر سرد لہجے میں بولا۔

”جلال شاہ ہے۔“

”جلال شاہ کے بارے میں تفصیل بتاؤ۔ غلام دل۔“

سردار علی نے پوچھا۔

غلام دل نے اب اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا اس کی آنکھوں سے سخت غصے کے آثار ظاہر ہو رہے تھے، اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

”تقدیر کا خرابی ہے صاحب پر کیا کرے، انسان ہمدردی اور محبت کے لئے تو مجبور ہوتا ہے، وہ کمینہ اپنے آپ کو ہمارے دیس کا بتاتا تھا، اپنے آپ کو بہت معصوم ظاہر کرتا تھا صاحب، کہتا تھا شادی ہو گئی ہے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں کوئی والی وارث نہیں ہے ان کا، تقدیر کے بھروسے پر اپنا شہر چھوڑ کر یہاں آیا ہے اور ادھر قسمت آزمائی کرنا چاہتا ہے۔“

”گویا تمہارا کوئی پرانا شناسا نہیں ہے؟“ انجم شیخ نے پوچھا۔

”نہیں صاحب اگر زندگی بچ گیا تو ایک بات کا قسم کھاتا ہے ہم آئندہ کسی پر بھروسا نہیں کرے گا اور اگر زندگی نہ بچا تو اچھا ہے غلطی کرنے والے کو سزا ملنی ہی چاہئے...... اقبال پلازہ کے دوسری منزل کے فلیٹ نمبر چودہ میں رہتا ہے...... اقبال پلازہ کے نیچے ایک چھوٹا ہوٹل ہے ایک دن ہم ہوٹل میں بیٹھا چائے پی رہا تھا کہ وہ اندر داخل ہوا، شکل سے اتنا معصوم لگتا تھا کہ ہم متاثر ہو گیا...... باہر والا سے ایک چائے اور بن مانگا اور اس کے بعد بن کو چائے میں ڈبو ڈبو کر کھانے لگا، ہمیں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ غریب آدمی ہے، ہمارے دل میں اس کے لئے ہمدردی جاگا اور پھر ہم نے اس سے دوستی کیا...... میرے کو ایسا غم کا کہانی سنایا صاحب کہ

میرا دل اس کے لئے موم ہو گیا، میں نے اس کو بولا کہ اگر اس کو ڈرائیونگ آتا ہے تو ہم اس کو زور آور خان کے پاس نوکری دلا دے گا، اس نے ہم سے بولا کہ اس کو ڈرائیونگ آتا ہے، ابھی بہت عرصے سے اس نے یہ کام چھوڑا ہوا ہے...... صاحب ہم چار دن تک اس کو اپنے گھر میں ڈرائیونگ سکھاتا رہا...... ابھی زور آور خان اپنے وطن گیا ہوا ہے، ہم انتظار کر رہا تھا کہ وہ واپس آجائے تو ہم اس کو جلال شاہ کے بارے میں بولے...... سولہ تاریخ کو اس نے ہم کو بولا کہ غلام دل اگر اجازت دو تو تھوڑی دیر کے لئے ٹرک لے جانا چاہتا ہوں...... ہم دیکھ چکا تھا صاحب کہ وہ ٹھیک ٹرک چلاتا ہے...... ہم اس کو چابی دے دیا اور وہ ٹرک لے کر نکل گیا...... واپس آیا صاحب تو ٹرک کو نقصان پہنچا ہوا تھا۔ ہم سے بولا کہ پلیا سے ٹکرا گیا ہے، ہمیں افسوس ہوا، پورا کام تو نہیں کرا سکتا تھا، تھوڑا پیسا اس کے پاس تھا، تھوڑا ہمارے پاس، تھوڑا سا ڈینٹ کا کام کروایا...... نیا لائٹ لگوالیا...... ابھی زور آور خان صاحب کی واپسی کے بعد ٹرک کو بالکل ٹھیک کراتا...... دل میں ہم نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ آئندہ ہم اس کو ٹرک نہیں دیں گے، پر ہمارے کو کیا معلوم تھا کہ ادھر وہ ایکسیڈنٹ کر کے آگیا ہے...... خانہ خراب اگر ہمارے کو بتادیتا تو ہم دوسرا کام کرتا...... پر اس نے ہم کو دھوکے میں رکھا صاحب، ہمیں نہیں معلوم تھا کہ ایسا کوئی کام ہوا ہے...... ہمیں بالکل نہیں معلوم تھا صاحب۔"

"تم نے بتایا ہے کہ وہ اقبال پلازہ کے فلیٹ نمبر چودہ میں رہتا ہے۔"

"جب وہ غریب آدمی تھا تو اس نے فلیٹ کرائے پر کیسے لے لیا؟"

"میں نے اس سے پوچھا تھا صاحب...... کہنے لگا کہ غلام دل زندگی تو گزارنی ہے، جو تھوڑے بہت پیسے گھر سے لے کر آیا تھا اس سے سر چھپانے کا یہ ٹھکانہ تلاش کر لیا ہے...... بس اب اس کے بعد نوکری چاہئے، بچوں کو بھی ادھر بلالوں گا...... صاحب میں اس کو بولا تھا کہ میں اس کا مدد کروں گا وہ بے فکر رہے مگر آپ دیکھو کس طرح اس نے ہمارا بغل میں خنجر مارا ہے، ابھی آپ مانو یا نہ مانو ہم سے غلطی ہوا ہے، زور آور خان کو بھی ہم پورا بات سچ بتائے گا اور آپ لوگ اگر ہمارے کو مجرم سمجھتے ہو تو ہم آپ سے یہ نہیں بولتا کہ ہم کو سزا مت دو" ہم خود شریف آدمی ہیں صاحب! ایسا کیسے پسند کر سکتا ہے، ایک جرم ہوا ہے اور مجرم خود کو چھپاتا ہے اگر آپ ہمارے کو اجازت دو تو ہم اس خنزیر کے بچے کو خود پکڑ کر آپ کے سامنے پیش کرے۔"

"تم اس سے آخری بار کب ملے تھے؟"

"آخری بار صاحب...... تین چار دن ہو گیا۔"

"اس حادثے کے بعد؟"

"ابھی صاحب ہمارے کو تو معلوم ہی نہیں تھا کہ یہ حادثہ ہوا ہے، ہم تو اس کو ویسے ہی ملتا تھا۔"

"تین چار دن پہلے تم اس سے کہاں ملے تھے؟"

"اقبال پلازہ کے اسی ہوٹل میں صاحب، ہم اکثر ادھر جا کر بیٹھتے ہیں، بچہ لوگ تو ادھر نہیں ہے وہ تو اپنا شہر میں ہے، ہم ادھر ایسے ہی رات کو بیٹھ جاتا ہے، ٹرک لے کر نکلتا ہے، تو پھر سفر کرتا ہے۔"

انجم شیخ نے سردار علی کو دیکھا اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ غلام دل جو کچھ کہہ رہا ہے وہ سچ ہی ہے لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ غلام دل کا کیا کیا جائے، اگر اسے آزادی دی جاتی ہے تو کہیں بات بگڑ نہ جائے اور اس طرح اسے قید رکھنا بھی مناسب نہیں تھا۔

دونوں وہاں سے ہٹ آئے تو انجم شیخ نے سردار علی سے کہا۔

"ہاں اب بولو۔"

"یار کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری یہ پرواز ہمارے لئے نقصان دہ ہو؟"

"کیا مطلب؟"

"بات تو خیر آگے بڑھ رہی ہے انداز بھی مناسب ہے لیکن اور کچھ نہ سہی تو کم از کم شہاب صاحب کو ہی اس بارے میں اطلاع دے دی جائے۔"

"میرے دل میں کچھ اور ہے۔"

"کیا؟"

"جب ہمیں یہ وردیاں اور یہ اعزاز دیا گیا ہے تو ہم اس کا حق کیوں نہ ادا کریں۔"

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ہماری تفتیش غلط راستوں پر نہیں ہے...... ٹرک کا سراغ لگایا ہے ہم نے اور یہ تھوڑی بہت باتیں بھی معلوم ہوئی ہیں تو کیوں نہ کوئی ٹھوس نتیجہ حاصل کر کے اس کے مطابق کام کیا جائے اور کوئی بھرپور معلومات حاصل کرنے کے بعد ہی شہاب صاحب کو

اطلاع دی جائے۔"

"ویسے شہنشاہ کی ہدایت تمہیں یاد ہے؟"

"کیا؟"

"اس نے کہا تھا کہ شہاب پر مکمل اعتماد کیا جا سکتا ہے۔"

"ہاں یاد ہے اور شہاب ویسے بھی ایک قابل اعتماد شخصیت ہے، اس نے کبھی ہم لوگو کے ساتھ یہ رویہ نہیں اختیار کیا جیسے اسے ہم پر فوقیت حاصل ہو، دوستانہ انداز میں ہر بات کرتا ہے۔"

"خیر شہاب کی شخصیت غیر متنازعہ ہے اور تھوڑے ہی عرصے میں وہ ہم سے اس قد گھل مل گیا ہے کہ اس نے ہمیں شکایت کا کبھی کوئی موقع نہیں دیا...... اب جیسا تم مناسب سمجھو فیصلہ کرو۔"

"میرا خیال ہے غلام دل کو قید میں رکھنا اب بے سود ہے، ویسے بھی ہم اسے مجرمانہ طو پر اٹھا کر لائے ہیں اور اگر وہ اس معاملے میں سچ کہہ رہا ہے تو پھر ذرا اسے اور کیوں نہ ٹٹول جائے بھاگ کر کہاں جائے گا۔"

"تو پھر اب کیا کرنا ہے؟"

"میرا خیال ہے تفتیش کی کڑی جوڑنی چاہئے، اگر ہم اس وقت اقبال پلازہ کے فلیٹ نم چودہ پر چھاپہ مارتے ہیں تو ہو سکتا ہے وہ ہاتھ آجائے، اگر موقع دیا گیا اور اسے علم ہو گیا ک غلام دل غائب ہے تو شاید وہ خود بھی غائب ہونے کی کوشش کرے۔"

"یعنی اسی وقت؟"

"ہاں۔"

"وردی میں؟"

"غلام دل کو ساتھ لو گے؟"

"لینا چاہئے وہ تصدیق کرے گا۔"

"او کے...... تو پھر لباس تبدیل کر لو۔"

لباس تبدیل کرنے کے بعد وہ غلام دل کے پاس پہنچے تو غلام دل کی آنکھوں آنسوؤں کی نمی تھی...... اس نے گردن اٹھا کر کہا۔

"بچے لوگ بھی تھے صاحب!"

"کہاں؟"

"اس کار میں جس کا ایکسیڈنٹ کیا گیا؟"

"ہاں دو بچے تھے۔"

"صاحب میں بھی بال بچوں والا آدمی ہوں...... اس خانہ خراب نے جو کچھ بھی کیا بہت برا کیا، اس کو کم از کم اپنے گناہ کے بارے میں ہم کو بتانا چاہئے تھا۔"

"غلام دل بات بہت بڑھ گئی ہے، تمہاری زندگی بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔"

"خدا کا قسم صاحب زندگی اللہ کی امانت ہے، اس نے دیا ہے وہ واپس بھی لے گا ہم کو اس کا پروا نہیں ہے مگر ہم اس کے جرم کا پردہ چاک کرنا چاہتا ہے۔"

"صورتحال خراب ہوئی تو تمہارے اوپر بھی مصیبت آسکتی ہے غلام دل۔"

"اللہ مالک ہے صاحب مصیبت کو آنا ہے تو کون ٹال سکتا ہے، مگر ہمارا آرزو ہے کہ چار انسانوں کا قاتل گرفتار ہو اس کو سزا ملے آپ ہمارے سپرد جو بھی ذمے داری کرنا چاہو صاحب، غلام دل غریب آدمی ہے مگر خاندان کا خراب نہیں ہے...... ہم آپ کو دھوکا نہیں دیں گے۔"

"ٹھیک ہے غلام دل۔" اور اس کے بعد وہ سادہ لباس میں غلام دل کے ساتھ چل پڑے۔

ذہن میں بہت سے خیالات تھے، کوئی بات حتمی طور پر نہیں کہی جا سکتی تھی، لیکن پھر بھی کم از کم کوشش کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا، چنانچہ یہ سفر طے ہوا۔

رات خاصی ہو چکی تھی اور ماحول پر ایک گہری خاموشی مسلط تھی، یہاں چونکہ ٹرکوں کا اڈہ تھا اس لئے تھوڑی بہت رونق ان جھونپڑا ہوٹلوں میں نظر آرہی تھی اور لوگ ادھر سے ادھر آجا رہے تھے...... رات کو چونکہ ٹرک لوڈ ہوا کرتے تھے اس لئے اب بھی یہ کام جاری تھا لیکن ان کی جانب کسی نے توجہ نہیں دی تھی...... بہر حال وہ سب اقبال پلازہ پہنچ گئے...... زیادہ تر ٹرکوں کا کام کرنے والے ان فلیٹوں میں رہا کرتے تھے۔

فلیٹ نمبر چودہ کے سامنے پہنچ کر انہوں نے ایک لمحے میں اندازہ لگا لیا کہ اس وقت فلیٹ میں کوئی موجود نہیں ہے، غلام دل نے بھی اس کی تصدیق کر دی تھی۔

"وہ خانہ خراب اس وقت ادھر نہیں معلوم ہوتا صاحب!"

"ایسا کرتے ہیں غلام دل کہ اسے ہوٹلوں وغیرہ میں تلاش کرتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے صاحب آؤ۔" غلام دل نے کہا...... انجم شیخ اور سردار علی نیچے اتر آئے اور پھر دور دور ہی سے ان ہوٹلوں کا جائزہ لیا گیا لیکن جلال شاہ ان میں سے کسی ہوٹل میں موجود نہیں تھا۔ غلام دل کے چہرے پر بھی مایوسی کے آثار پھیلتے جا رہے تھے۔

غلام دل نے کہا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے صاحب کہ اب وہ ادھر نہیں ہے۔"

"کیوں نہ اس کے فلیٹ کی تلاشی لے ڈالی جائے۔" انجم بولا۔

"یہی کرنا پڑے گا۔" سردار علی نے کہا۔

"دروازے پر تالا لگا ہوا ہے صاحب مگر آپ تو قانون کا آدمی ہے آپ تالا توڑ سکتا ہے، ویسے بھی ابھی آس پاس کوئی موجود نہیں ہے۔"

"ہاں آؤ۔" ایک بار پھر وہ فلیٹ کے دروازے پر پہنچ گئے تھے، تالا کھولنا اتنا مشکل کام نہیں ثابت ہوا، فلیٹ میں گہری تاریکی پھیلی ہوئی تھی...... دروازہ بند کرنے کے بعد روشنی کا سوئچ تلاش کیا گیا، بلب لگے ہوئے تھے، چنانچہ پیلی مدقوق روشنی پھیل گئی۔

فلیٹ خالی تھا، دو کمرے، ایک چھوٹا سا کچن، باتھ روم وغیرہ لیکن صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ فلیٹ میں اب کچھ بھی نہیں ہے...... چاروں طرف کوڑا کرکٹ پھیلا ہوا تھا...... کیلوں کے چھلکے، چوسی ہوئی گنڈیریاں اور بسکٹوں کے خالی ڈبے، اندر کمرے میں کچھ صفائی تھی، تھوڑی ہی دیر میں دونوں کمرے دیکھ لئے گئے...... بغیر دروازوں کی الماریاں خالی پڑی ہوئی تھیں، صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ جلال شاہ اب اس فلیٹ میں موجود نہیں ہے...... سردار علی نے غلام دل سے کہا۔

"تم تو پہلے یہاں آچکے ہو؟"

"ہاں میں آپ سے بولا، کئی بار۔"

"یہاں اس کا سامان بھی ہوتا تھا"

"ادھر یہ جو کھونٹیاں لگا ہوا ہے ادھر کپڑے لٹکے رہتے تھے، الماری میں بھی کپڑے رکھے ہوا کرتے تھے کوئی سوٹ کیس وغیرہ اس کے پاس نہیں تھا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اب اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ وہ یہاں سے جا چکا ہے۔"

"ابھی صاحب جرم کیا ہے اس نے، ہم کو دھوکا دیتا رہا اور اب غائب ہو گیا۔ خدائی خوار

تقدیر کا اچھا تھا۔"

انجم شیخ اور سردار علی خاصے افسردہ ہو گئے تھے...... یہ صورت حال معلوم ہونے کے بعد اصل آدمی تک نہ پہنچنا ان کے لئے ایک دکھ کا لمحہ تھا، پھر وہ باہر نکل آئے، غسل خانے کے پاس جو کوڑے کا ڈھیر پڑا ہوا تھا کسی خیال کے تحت سردار علی اس کا جائزہ لینے لگا پھر اچانک ہی وہ کوڑے کے ڈھیر پر جھک گیا...... اس نے اس میں سے کوئی چیز اٹھائی تھی۔

چوکور کاغذ کے دو تین ٹکڑے تھے...... انجم شیخ اس کی طرف دیکھنے لگا...... یہ ایک فضائی کمپنی کا ٹکٹ تھا جس کے کچھ کوپن اس میں لگے ہوئے تھے...... ان میں سے ایک کوپن پر دانش عظیم کا نام لکھا ہوا تھا اور باقی تمام تاریخ وغیرہ بھی درج تھی...... یہاں کوڑے کے اس ڈھیر میں اس کوپن کا مل جانا یقینی طور پر حیرت ناک بات تھی...... تاریخ بھی زیادہ پرانی نہیں تھی...... بہرحال ٹکٹ کے اس ٹکڑے کو جیب میں رکھ لیا گیا اس سے زیادہ اور کچھ نہیں دستیاب ہوا تھا۔

پھر باہر آنے کے بعد انجم شیخ نے اپنا ٹیلی فون نمبر لکھ کر غلام دل کو دیا اور کہا۔

"غلام دل تم جانتے ہو بات یہیں ختم نہیں ہو گئی...... تمہیں انسانی ہمدردی کی بنیاد پر بھی اور اپنی جان بچانے کے لئے بھی پولیس کا ساتھ دینا ہوگا، اگر وہ تمہیں نظر آجائے تو ذرا بھی اس بات کا اظہار مت کرنا کہ تمہیں اس پر کوئی شبہ ہوا ہے یا ایسی کوئی بات تمہارے علم میں آئی ہے، اس سے محبت کا برتاؤ کرنا اور اس نمبر پر اطلاع دے دینا...... خیال رہے غلام دل کہ اس آدمی کو گرفتار کرنا بے حد ضروری ہے، چار انسانوں کے قتل کا معاملہ ہے۔"

"صاحب آپ اطمینان رکھو...... یہ ہمیں نظر آگیا تو ہم خدا کا قسم، ہم اسے گرفتار کرائے بغیر نہیں چھوڑے گا یہ ہمارا ایمان ہے۔"

اس کے بعد انہوں نے غلام دل کو چھوڑ دیا تھا اور کار میں بیٹھ کر چل پڑے تھے۔

"کام ہوا لیکن ادھورا رہ گیا۔" سردار علی نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"کوشش تو کی تھی۔"

"لیکن جہاز کا یہ ٹکٹ کیا یہ اہمیت کا حامل نہیں ہے؟"

"سو فیصد ہے، دانش عظیم...... اس نام کے ٹکٹ پر سفر کرنے والا یہ آدمی امریکہ سے آیا ہے لیکن یہ کون ہے اور ٹکٹ کے اس ٹکڑے کا تعلق اس فلیٹ سے کیسے رہا؟"

"میرے خیال میں اس سلسلے میں بھی معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔"

"ہاں یقینی طور پر اس ایئر لائنز کی کمپنی سے اس کے بارے میں شاید کچھ تفصیلات ہمیں مہیا ہو جائیں۔"

"یار ہم باقاعدہ جاسوس نہیں بن گئے۔" انجم ہنس کر بولا اور سردار علی بھی ہنسنے لگا۔

"ہاں لیکن ناکام جاسوس۔" اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

❀

عالی شان کوٹھی، عالی شان کاروبار، کاریں، زندگی کی وہ تمام خوشیاں جن کا کبھی نیورا کوریل نے خوابوں میں تصور کیا تھا اب اس کے قدموں میں تھیں اور وہ اپنے کئے پر نازاں تھی..... بڑا صحیح انتخاب کیا تھا اس نے، جوانی کے یہی چار لمحے تو ہوتے ہیں جن میں صحیح لطف حاصل کیا جاسکتا ہے..... زندگی عیش و عشرت کا نام ہے اور وہ زندگی اسے حاصل ہو چکی تھی جہاں تک بات رہ گئی شاہد علی کی تو بہر حال وہ ایک اچھا شوہر تھا اور اس کے ساتھ زندگی بہتر انداز میں گزاری جاسکتی تھی..... گو ویسے زندگی میں بے شمار چاہتیں ہوتی ہیں لیکن جتنا بھی حاصل ہو جائے وہی بہتر اور غنیمت ہوتا ہے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ شوہر کی شکل و صورت اور شخصیت کیا ہے۔ ویسے بھی شاہد علی ایک نرم مزاج اور نرم خو آدمی تھا۔ نیورا کوریل یا موجودہ نام کی فرزانہ محسوس کرتی تھی کہ وہ اس قدر خوش نہیں ہے جتنا اسے خوش ہونا چاہئے تھا..... کاروبار کی تفصیلات میں اُلجھ کر کافی دن تک وہ نیورا کوریل کی طرف متوجہ نہیں ہو سکا تھا..... درانی صاحب جو ایڈووکیٹ تھے اس کے معاون کار تھے اور شاہد نے تقریباً تمام چارج لے لیا تھا، حساب کتاب کے کھاتے طویل تھے لیکن کچھ ایسے قابل اعتماد دوست بھی تھے، جو مدد کر رہے تھے..... یہ دوستی اصل میں فیاض علی صاحب سے تھی فیاض علی کے بیٹے کی حیثیت سے ان لوگوں نے شاہد علی کو خلوص دل سے تسلیم کیا تھا بہت سے مسائل اور بہت سے جھگڑے تھے اور شاہد علی محسوس کر رہا تھا کہ سرپرست کس قدر عظیم اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ فیاض علی نے بے شک دوسری شادی کر لی تھی لیکن انہوں نے اسے کبھی کسی مشکل کا شکار نہیں ہونے دیا تھا..... اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ کسی اختلاف رکھ کر اس کے خلاف دل میں بہت سے خیالات تو بسائے جاسکتے لیکن حقیقتوں پر غور کر کے اس کی اچھائیوں کو نظر انداز کر دینا سب سے آسان کام ہوتا ہے۔

ادھر نیورا کوریل نے ایک عجیب و غریب انداز اپنایا تھا۔ اس نے مشرقی عورتوں کو پیچھے چھوڑ دیا تھا..... شوہر پرستی میں گھر کی دیکھ بھال میں، ملازمین کے ساتھ برتاؤ میں، اس نے کمال کا ثبوت دیا تھا..... بے حد چالاک لڑکی تھی..... زندگی گزارنا جانتی تھی، چنانچہ اس نے فوراً ہی گھر پر آمرانہ تسلط اختیار نہیں کیا بلکہ ملازموں کو اپنے ساتھ لے کر چلی، بہت جلد ہی اس نے بہترین اردو سیکھ لی تھی، بولنے کا انداز بے شک ٹیڑھا میڑھا تھا لیکن اظہار اور مفہوم کا سمجھنا اس کی بے پناہ صلاحیتوں کا مظہر تھا..... ملازموں کو بھی اس کی ٹوٹی پھوٹی اردو میں لطف آتا تھا اور پھر سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس نے ان ملازموں کو پوری طرح اپنے حق میں کر لیا تھا..... کوارٹروں کو دیکھا تو طیب علی سے کہا۔

"مسٹر طیاب علی یہ آپ لوگ کیسے رہتا ہے؟"

"کیوں بیگم صاحب؟"

"ادھر تو بہت گندا ہوتا۔"

"نہیں بیگم صاحب ٹھیک ہے۔"

"کدھر ٹھیک ہے، ابھی دیکھو ادھر وائیٹ واش نہیں ہے اور یہ تمہارا بیڈ روم ادھر کچھ نہیں ہے۔"

طیب علی ہنسنے لگا پھر بولا۔ "بیگم صاحب ہم نوکر ہیں اس گھر کے، مالک نہیں۔"

"ایک بات ہم تم کو بولے طیاب علی؟"

"جی بیگم صاحب؟"

"واٹ نوکر؟"

"جی۔"

"میرا مطلب ہے نوکر کا کیا مطلب ہوتا ہے؟"

"بیگم صاحب ہم نوکر ہیں اس گھر کے آپ کے، آپ جو کہیں گی اسے مانیں گے۔"

"نہیں..... تم نوکر نہیں۔"

"تو پھر؟"

"تم انسان ہے کیا سمجھے۔"

"وہ تو ہیں۔" طیب علی ہنسنے لگا۔

"انسان کو انسان کا مافق رہنا مانگتا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے بیگم صاحب لیکن ہم بھی یہاں ٹھیک ہیں بیگم صاحب۔"

"کیسے ٹھیک ہے، یہ بیڈروم ٹھیک نہیں۔"

"تو پھر کیا کریں؟"

"تم نہیں کرو، میں کرے گا۔"

"آپ؟"

"ہاں میں...... میں ٹھیک کرے گا تمہارا بیڈروم۔"

"آپ کیا کریں گی بیگم صاحب؟"

"دیکھو سب لوگ کا بیڈروم کا وائیٹ واش کراؤ، میرا مطلب ہے اپنا کوارٹر وائیٹ واش کراؤ ہم پے منٹ کرے گا...... یہ سارا سامان جو تم ادھر جمع کیا باہر پھینکو، گندا گاڑی کو دے دو...... ادھر ہم نیا سامان ڈالے گا۔"

"بیگم صاحب!"

"نہیں، ہم بیگم صاحب۔"

"جی بیگم صاحب۔"

"تم ہمارا حکم مانتا؟"

"جی بیگم صاحب۔"

"تو ہم حکم دیتا کہ یہ سارا سامان باہر پھینک دو۔"

"مم...... مگر؟"

"حکم نہیں مانتا؟"

"نہیں بیگم صاحب ہم آپ کا حکم مانیں گے۔"

"یہ گندا سامان باہر پھینک دو۔"

"ٹھیک ہے بیگم صاحبہ، جیسا آپ کا حکم۔" ملازموں کو ایک مشغلہ مل گیا تھا...... دیکھیں بیگم صاحب کیا کرتی ہیں پھر بیگم صاحب نے وائٹ واش کرنے والوں کو طلب کیا اور سارے کوارٹروں کی مرمت ہونے لگی...... ملازموں کے لئے نیا فرنیچر آ گیا...... بیگم صاحب نے ان سے ان کی تنخواہیں پوچھیں پھر اپنی جیب سے انہیں امداد دی گئی...... غریب

آدمی کو اور کیا چاہئے...... فرزانہ بیگم کے نام کے نعرے گونجنے لگے...... سب کی محبتیں ان کے ساتھ ہو گئیں۔

ادھر شاہد علی اپنے کاروباری امور کو سلجھانے میں مصروف تھا تو ادھر نیورا کوریل نے یہاں اپنے لئے مشغلہ دریافت کر لیا تھا...... شاہد علی ذہنی طور پر بوجھل تھا لیکن بہر حال اس نئی زندگی کے آغاز کو اس نے بہتر انداز میں شروع کیا تھا...... اس دن دفاتر کی چھٹی تھی شاہد گھر میں تھا...... ایک ٹرک نوکروں کا بوسیدہ سامان اٹھا رہا تھا تو شاہد علی نے نیورا کوریل سے کہا۔

"یہ سب کیا ہے فرزانہ؟"

"شاہد صاحب آپ اپنے طور پر اپنے امور سلجھانے میں مصروف ہیں اور میں اپنی زندگی کے لئے مشاغل تلاش کر رہی ہوں۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے لیکن کیا کر رہی ہیں آپ؟"

"ایک سوال کروں آپ سے؟"

"ضرور۔"

"آپ کے دوسرے اہل خانہ کہاں ہیں؟"

"خدا ہی جانے۔"

"کوئی ایسا نام آپ کے علم میں نہیں ہے جس سے آپ بچپن میں متعلق رہے ہوں۔"

"نہیں...... کوئی ایسا نام نہیں ہے۔"

"تعجب ہے۔"

"کیوں اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟"

"آپ ذہنی طور پر بھی اپنوں سے بہت دور ہو گئے۔"

"شاید۔"

"اس کی وجہ؟"

"میرا ذہنی بحران۔"

"یعنی سوتیلی ماں؟"

"ہاں۔"

"اب آپ کی کیا کیفیت ہے، کیا آپ نے اپنے ڈیڈی کو معاف کر دیا ہے۔"

شاہد علی گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"دل کی بات کہوں فرزانہ۔"

"ہاں۔"

"اب میں اپنے آپ کو ایک مجرم سمجھتا ہوں، میرا ضمیر مجھے مسلسل کچوکے دے رہا ہے۔"

"وہ کیوں؟"

"میرا خیال ہے میں نے اپنے باپ کے ساتھ تعاون نہیں کیا، میرا سلوک میرے باپ کے ساتھ اچھا نہیں رہا۔"

"آپ مجھے تفصیل بتاؤ شاہد، کس تعاون کی بات کر رہے ہیں آپ؟"

"ماں تو مر چکی تھی نا میری؟"

"ہاں۔"

"اور باپ زندہ تھا۔"

"بالکل۔"

"تو پھر مجھے باپ کی خوشیوں میں شریک ہونا چاہئے تھا۔"

"کس طرح؟"

"ارے میرے والد نے مجھے زندگی میں ایک لمحے تکلیف نہیں ہونے دی، اتنا کچھ کیا میرے لئے کہ میں زندگی میں ہر جدوجہد کو بھول گیا، اگر انہوں نے اپنی خوشی کے لئے دوسری شادی کر لی تھی تو مجھے ان سے تعاون کرنا چاہئے تھا۔"

نیورا کوریل پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگی پھر بولی۔

"شاہد تمہیں ایسا واقعہ کرنا چاہئے تھا۔"

"لیکن میں نے نہیں کیا؟"

"غلطی انسان سے ہو جاتی ہے شاہد، جو کام نہیں کیا اب اسے یاد کرنے سے کیا فائدہ۔"

"وہ تو ٹھیک ہے فرزانہ لیکن کیا کوئی ایسا طریقہ نہیں ہے کہ انسان اپنی غلطیوں کو جاننے کے بعد ان کا ازالہ کر سکے۔"

نیورا کوریل ہنسنے لگی پھر بولی۔ "بھلا ایسے کیسے ہو سکتا ہے...... تمہارا دل اپنے فادر کے لئے دکھتا ہے نا اور فادر اس دنیا میں نہیں ہیں پھر اس کے بعد تم کس سے تعاون کرو گے؟"

"کاش کوئی ماضی کے ان لمحات کو واپس لا سکے...... میں اپنے باپ کے کئے گئے نقصانات کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں...... میں ان کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔"

"زندگی میں شاید ہر شخص کی یہی آرزو ہوتی ہے لیکن آرزو کرنے والا خود بھی جانتا ہے کہ ایسا ممکن نہیں ہوتا۔"

"ہاں فرزانہ ایسا ممکن نہیں ہوتا۔"

"تو پھر جو کام ممکن نہیں ہے اسے سوچنے سے کیا فائدہ۔"

"میں تمہیں سچ بتاؤں فرزانہ، میرے دل پر شدید دباؤ رہتا ہے۔"

"شاید ایسا نہیں ہونا چاہئے۔"

"واقعی نہیں ہونا چاہئے فرزانہ لیکن میں کیا کروں میرے ساتھ ایسا ہوتا ہے، مجھے ہر لمحے دکھ ہوتا ہے لیکن فرزانہ میں تمہارا شکر گزار بھی ہوں۔"

"ارے ارے میں نے ایسا کون سا کام کر دیا۔"

"فرزانہ میں تم سے یہ توقع نہیں رکھتا تھا۔"

"اوہ مائی گاڈ طنز کر رہے ہو مجھ پر، کوئی غلطی ہو گئی ہے مجھ سے، سوری یار میں بھی زندگی میں ناتجربے کار ہوں مجھے کوئی ایسا خاص تجربہ نہیں ہے، ابھی گھریلو زندگی گزارنے کا غلطی ہو گئی ہے تو بتانے سے پہلے اسے معاف کر دو۔"

"فرزانہ کیسی باتیں کر رہی ہو۔"

"تو پھر تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میں صدق دل سے کہہ رہا ہوں کہ میں تمہارا شکر گزار ہوں۔"

"چلو یہ تو اچھی بات ہے لیکن اتنا تو بتا دو کہ کس سلسلے میں؟"

"تم نے ایک مغربی لڑکی ہونے کے باوجود مشرق کا جو بھرم قائم رکھا ہے، میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ ایک عظیم بات ہے...... یہاں سب لوگ تم سے خوش نظر آتے ہیں، سارے معاملات بہتر نظر آتے ہیں اور یہ سب تم نے اپنی محنت سے کیا ہے۔"

"شاہد آئی لو یو...... جب میں تم کو چاہتی ہوں تو یہ سمجھ لو کہ مجھ تم سے وابستہ ہر چیز سے پیار ہے۔"

"میرے والد کی تصویر، میری سوتیلی ماں کی تصویر، میری اپنی ماں کی تصویر، ان بچوں

کی تصویریں، میں نے ایک دن دیکھا تھا کہ تم نے ان ساری تصویروں کو بڑی محبت سے صاف کر کے ان کی جگہ سجا دیا تھا۔"

"یہ تمہاری اپنی زندگی کے ساتھی تھے...... میں ان کے ساتھ کوئی غلط سلوک کیسے کر سکتی ہوں۔"

"ہاں فرزانہ...... ان کا مجھ سے تعلق تھا اور اب جب یہ میرے درمیان نہیں ہیں تو میں سوچتا ہوں۔"

"ایک بات بتاؤ شاہد؟"

"ہوں پوچھو۔"

"تم کس حد تک مجھ پر بھروسا کرتے ہو؟"

"اب یہ سوال نہ کرو۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ اب میں بھروسے کی منزل سے نکل گیا ہوں۔"

"یعنی؟"

"اب میں خود تمہاری خواب گاہ کا ایک ڈیکوریشن پیس ہوں اور مجھے تمہاری توجہ کی ضرورت ہے۔"

"نو ڈیکوریشن پیس، تم میرے دل میں سجی ہوئی میرے خوابوں اور میری آرزوؤں کی تصویر ہو جسے میں اپنی زندگی کے آخری سانس تک اپنے سینے سے لگائے رکھنا چاہتی ہوں۔"

"شکریہ فرزانہ شکریہ۔"

"ایک بات کہوں تم سے؟"

"ہاں ضرور کہو۔"

"اپنے آپ کو سنبھالو میں تمہارے چہرے پر اضمحلال کی پرچھائیاں دیکھ رہی ہوں۔"

"فرزانہ میں تمہیں سچ بتا رہا ہوں کہ میں ایک ذہنی دباؤ کا شکار ہوں، کوئی ایسی مشکل نہیں ہے لیکن نہ جانے کیوں مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ میرے باپ اور میری سوتیلی ماں اور بہن بھائیوں کی ہلاکت میں کوئی نہ کوئی الجھن ضرور ہے اگر کوئی الجھن نہیں ہے تب بھی میں اپنے آپ کو ان کا مجرم سمجھتا ہوں کہ میں ان کے قاتلوں سے انتقام نہ لے سکا۔"

"تمہارے ہاں کی پولیس اس بات کا اندازہ نہیں لگا سکی کہ ان کا ایکسیڈنٹ کرنے والا کون تھا؟"

"ہاں ابھی تک کچھ نہیں ہو سکا۔" فرزانہ یا نیورا کو ریل کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے کچھ پرچھائیاں سی آگئیں...... دانش عظیم اسے یاد آیا تھا اور اس کے ذہن میں نہ جانے کیسے کیسے خیالات جنم لینے لگے تھے...... بہر حال دانش اسے پسند تھا لیکن اب یہاں آنے کے بعد ان حالات کا اندازہ لگا کر اسے موقع ہی نہیں مل سکا تھا کہ دانش کے بارے میں سوچے...... دانش نے بھی اس سے ملاقات نہیں کی نہ جانے کہاں گم ہو گیا تھا وہ۔

اس کے سلسلے میں فرزانہ دہری کیفیت کا شکار تھی، کبھی کبھی تو اس کا ذہن کہتا تھا کہ ان تمام راستوں کو آسان کرنے میں دانش کا ہاتھ ہے اور کبھی وہ یہ سوچتی کہ یہ صرف تقدیر کا فیصلہ ہے، یعنی وہ ہو گیا جو اس کے خوابوں کی تکمیل کا باعث بنا اور وہ یہاں آگئی۔ بے شک دانش اس کے دل میں دھڑکتا تھا، لیکن اب اس کی یاد ایک ثانوی حیثیت اختیار کر گئی تھی...... زندگی کی حقیقتیں تو کچھ اور ہی ہیں، یہ عیش و عشرت، یہ شان و شوکت یہی تو زندگی میں روشن رہتی ہیں...... باقی سب کچھ یہیں حاصل ہو جاتا، اگر یہ سب کچھ دانش نے نہیں کیا اور یہ تقدیر کا فیصلہ ہے کہ وہ شاہد کے ساتھ رہے تو یہ فیصلہ اسے قبول کرنا ہوگا، خلوص دل کے ساتھ ذہنی طور پر وہ بہت طاقتور تھی اور جانتی تھی کہ جس ماحول میں وہ رہ رہی ہے اگر اس سے سمجھوتہ کر کے اسے اپنے حق میں بہتر نہ بنایا تو پھر زندگی میں الجھنوں کا آغاز ہو جاتا ہے اور کبھی کبھی یہ الجھنیں سب کچھ چھین لیتی ہیں...... بہر حال صورت حال ابھی تک اس کے حق میں تھی اور کبھی کبھی وہ وسوسوں کا شکار ہو جاتی تھی، لیکن پھر ان تمام وسوسوں کو ذہن سے نکال کر وہ اپنے طور پر، اپنے آپ کو مطمئن رکھنے کی کوشش کرتی تھی...... شاہد علی کے لئے اس کے دل میں حقیقی معنوں میں کوئی محبت کا مقام پیدا نہیں ہو سکا تھا، ذہنی طور پر وہ دانش ہی سے متاثر تھی اور اب بھی کبھی کبھار وہ اپنی تنہائیوں میں دانش کی آرزو کرتی تھی جو نہ جانے کہاں گم ہو گیا تھا، اس کے راستے ہموار کر کے اس کی دنیا سے دور چلا گیا تھا، لیکن بہر حال اس نے بھی برا نہیں کیا تھا، زندگی کی ڈگر پر سب کچھ ہی تو پڑا ہوا نہیں مل جاتا، کچھ نظر انداز بھی کرنا پڑتا ہے، چنانچہ وہ یہاں کے حالات اور یہاں کے ماحول کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی اور ہر سمت سے محتاط تھی۔ ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا...... جمعہ جمعہ آٹھ دن تو

ہوئے تھے یہاں آئے ہوئے لیکن پھر بھی اس دوران اس نے جو کچھ کر ڈالا تھا وہ اس کی ذہنی صلاحیتوں کا جیتا جاگتا ثبوت تھا۔

ایک دن دو افراد حویلی میں آئے اور ایسے وقت آئے جب شاہد بھی موجود تھا، یہ ایک عمر رسیدہ مرد اور عورت تھے...... مرد نے آتے ہی زار و قطار رونا شروع کر دیا اور شاہد سے لپٹ گیا...... شاہد علی بھونچکارہ گیا تھا...... عورت بھی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی اور نیورا کوریل حیران نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی...... مقامی لوگ تھے، مخصوص قسم کے روایتی لوگ، شاہد علی نے بمشکل تمام انہیں اپنے آپ سے جدا کیا اور پوچھا کہ وہ کون ہیں تو مرد نے کہا۔

”بیٹے کیا کہا جائے۔ تقدیر ایسے ہی گل کھلاتی ہے، جو اپنے ہوتے ہیں وہ اتنے دور چلے جاتے ہیں کہ انسان سوچ بھی نہ سکے...... میں تمہارا ماموں ہوں بیٹے، مراد علی ہے میرا نام اور یہ تمہاری ممانی رقیہ ہیں۔“

”ماموں، ممانی؟“

”ہاں بیٹے تمہاری امی کی موت نے ہم لوگوں کے رشتے ہی ختم کر دیئے، مرحومہ زندہ تھیں تو کبھی کبھی اپنی غربتوں کو سمیٹ کر ان سے مل لیا کرتے تھے...... ان کا انتقال ہو گیا تو مرحوم فیاض علی سے سارے رشتے ہی ٹوٹ گئے ہمارا خون کا رشتہ تم سے تھا، فیاض علی سے نہیں...... ایک بار فیاض علی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بے اعتنائی کا اظہار کیا، ہم نے سوچا کہ ہم تو بے لوث آدمی ہیں بہن کی محبت میں اور بھائیوں کی تڑپ میں چلے آئے تھے۔ ہم نے ان سے کہا کہ فیاض علی بے فکر رہو، ہم تمہارے راستے کی رکاوٹ نہیں ہیں۔ شادی کر لی ہے تم نے، یہ تمہارا حق تھا، ہم تو صرف اپنے بھانجے کو پوچھنے چلے آئے تھے۔ بس اس کے بعد ان کے گھر نہیں آئے۔ اب نہ جانے کہاں کہاں سے پتا چلا کہ تم وطن واپس آ گئے ہو، سو تمہیں دیکھنے کی تڑپ میں چلے آئے، بس دل ہی نہ مانا، بہن کی محبت نے مجبور کیا کہ اس کے بچے کو اپنی محبتوں سے محروم نہ کریں، یوں بھی بیٹے ہم لاولد ہیں قدرت نے ہمیں اولاد سے نہیں نوازا ہم نے بھی سوچا کہ اب کہاں در بدر بھٹکتے پھریں گے بھانجے ہی کی خدمت میں وقت صرف کریں گے۔

”یعنی یعنی آپ؟“

”ہاں میاں ہم بدنصیب تمہارے ماموں ہیں۔“

”وہ ٹھیک ہے، لیکن۔“

”لیکن کیا میاں...... نوکروں کے کوارٹر میں رہنے کی جگہ دے دینا اور کچھ نہیں مانگیں گے تم سے۔“

نیورا کوریل نے اس وقت آگے بڑھ کر صورت حال کو سنبھالا اور بولی۔

”لیکن شاہد علی تم نے اپنے ماموں کو کبھی نہیں دیکھا۔“

”مجھے تعجب ہے میری ان سے ملاقات بھی نہیں ہوئی۔“

”ارے بیٹے میں تو یہاں تھا ہی نہیں۔ باہر محنت مزدوری کرتا تھا دوبئی چلا گیا تھا میں۔ امی تمہاری یہاں رہتی تھیں، میری تو ملاقات ہی بہت کم ہوا کرتی تھی...... تمہیں بھی بس بچپن میں دیکھا تھا ایک بار؟“

”طیب علی تو آپ کو ضرور جانتا ہو گا؟“

”کک کون طیب علی۔“

”میں بلاتا ہوں۔“ شاہد علی نے کہا اور طیب علی کو آواز دی۔ طیب علی آ گیا...... اس نے اجنبی نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھا تھا پھر شاہد علی نے کہا۔

”طیب علی آپ انہیں جانتے ہیں؟“

”نہیں صاحب کون ہیں یہ؟“

”اماں طیب علی بھول گئے، آنکھ کا پردہ تو رکھا ہوتا ایسی بھی بے اعتنائی کیا۔ یاد نہیں میرا نام مراد علی ہے۔“

”معافی چاہتا ہوں صاحب مجھے یاد نہیں...... ویسے بھی بوڑھا ہو چکا ہوں یادداشت خراب ہو چکی ہے۔“

”سالا ہوں فیاض علی کا۔“

”ہماری تو آپ سے بھی ملاقات نہیں ہوئی صاحب۔“

”تم نے ایک بار بھی مجھے نہیں دیکھا طیب علی!“

”نہیں صاحب۔“

”اچھا ٹھیک ہے تم جاؤ۔“

طیب علی چلا گیا...... ماموں مراد سر جھکا کر بیٹھ گئے تھے ممانی بھی گردن جھکائے بیٹھی

تھیں...... نیورا کوریل نے کہا۔

"مجھے جانتے ہیں آپ؟"

"ایں...... بی بی تم تو کرسچین لگتی ہو۔"

"جی ہاں میں کرسچین ہوں مگر شاہد علی کی بیوی ہوں۔"

"ارے میری بچی، میری لعل، میری لخت جگر، نور نظر۔" ممانی بیگم نے آگے بڑھنے کی کوشش کی لیکن نیورا پہلے ہی پیچھے ہٹ گئی پھر سرد لہجے میں بولی۔

"دیکھئے آپ لوگ اگر شاہد علی کے ماموں ہیں تو میں آپ کا احترام کرتی ہوں لیکن آپ لوگوں کو اس کوٹھی میں رہنے کے لئے جگہ نہیں مل سکتی ہم اس کے لئے مجبور ہیں۔"

"ایں کتنے افراد رہتے ہو تم لوگ یہاں؟"

"یہ سوال بے کار ہے آپ کا اور نا ہی ہم اس کا کوئی جواب دینا پسند کریں گے۔"

"بیٹی تمہارا رویہ کچھ اچھا نہیں ہے ہمارے ساتھ۔"

ماموں مراد بولے۔

"اس کے لئے میں معافی چاہتی ہوں آپ سے ہم اصل میں یہاں کسی کی موجودگی برداشت نہیں کر سکتے۔"

"مم...... مگر میں شاہد علی کا ماموں ہوں۔"

"ہوں گے، ضرور ہوں گے لیکن آپ کو اگر کسی چیز کی ضرورت ہے تو آپ مجھے بتائیے۔ میں آپ کی وہ ضرورت پوری کرنے کی کوشش کروں گی۔"

"بیٹی اصل میں ہم تمہیں بتا چکے ہیں کہ ہماری کوئی اولاد نہیں ہے، یہاں پڑے رہیں گے تمہارے بھی کام آئیں گے گھر کے چھوٹے موٹے کام بھی کر دیا کریں گے۔"

"نہیں جناب یہ ممکن نہیں ہے اور۔"

"تو تم نے ہمیں کوئی بے عزت سمجھا ہوا ہے ہم اپنی دنیا خود بسا سکتے ہیں۔"

"تو میں نے آپ کو اس کے لئے منع بھی نہیں کیا ہے۔"

نیورا کوریل سخت لہجے میں بولی۔

"چل رقیہ چل، یہ ہمارا کیا بھلا کریں گے انہیں تو خود مدد کی ضرورت ہے جن کے پاس دل دماغ نہیں ہے، وہ کسی کا کیا بھلا کر سکتے ہیں۔"

"چلو تم ہی لے آئے تھے مجھے یہاں...... دونوں چلے گئے۔"

شاہد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی...... نیورا کوریل نے اسے دیکھ کر کہا۔

شاہد میری بات کا برا تو نہیں مانا تم نے؟"

"کون سی بات کا فرزانہ؟"

"میں نے ان لوگوں کو۔"

"ایک بات کہوں فرزانہ گھر کی مالک تم ہو، میں نہیں اور اگر گھر کے مالکوں کو صحیح انداز میں کام نہ کرنے دیا جائے تو پھر وہ گھر کے مالک تو نہیں ہوتے۔"

"بہت بہت شکریہ...... اصل میں شاہد ایسے لوگ گھروں کی تباہی کا باعث بنتے ہیں، بربادی پھیلاتے ہیں وہ اور گھروں میں نفاق ڈالتے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں فرزانہ۔" پھر فرزانہ نے بعد میں شاہد کے سامنے ہی طیب علی کو بلایا اور بولی۔

"طیب علی بابا ان لوگوں کو آپ واقعی نہیں جانتے۔"

"آپ کے سامنے بھلا جھوٹ کیوں بولوں گا بیگم صاحب۔ کبھی نہیں دیکھا میں نے انہیں، کبھی نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" فرزانہ نے کہا...... شاہد علی مسکراتا رہا تھا۔

بہرحال یوں وقت گزر رہا تھا اور کوئی ایسی مشکل نہیں پیش آئی تھی جس سے نیورا کوریل کو اپنے مشن میں دقت ہوتی لیکن اس کے ذہن کے گوشوں میں بس ایک ہی تصور رہتا تھا اور وہ تھا دانش عظیم کا۔

پھر ایک شام جب آسمان بادلوں سے بھرا ہوا تھا...... چند لمحات قبل ٹیلی فون پر شاہد سے بات ہو چکی تھی...... شاہد نے اسے بتایا تھا کہ وہ آج ذرا دیر تک مصروف رہے گا ایک کاروباری میٹنگ ہے اور نیورا کوریل اپنے بیڈروم میں لیٹی ہوئی ایک کتاب دیکھ رہی تھی کہ دروازے پر ایک ہلکی سی دستک ہوئی اور نیورا کوریل نے کہا۔

"ہاں آجاؤ۔" اس کا خیال تھا کہ کوئی ملازم ہی کسی کام سے آیا ہوگا لیکن آنے والی شخصیت کو دیکھ کر وہ بری طرح اُچھل پڑی تھی...... وہ دانش عظیم تھا۔

نیورا کوریل کے پورے بدن میں گرم گرم لہریں دوڑ گئیں، دانش معمول کے مطابق

بہت خوب صورت نظر آ رہا تھا...... مقامی لباس شلوار قمیض میں وہ اور بھی حسین لگ رہا اس کی تیز روشن آنکھوں میں زندگی اور کامیابی کی چمک تھی...... نیورا کوریل ایک بار پھر عورت بن گئی اور دوسرے لمحے وہ اپنی جگہ سے اُٹھی اور دونوں ہاتھ بڑھا کر دانش کی جا بڑھی...... دانش عظیم نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا تھا پھر دانش نے بھاری آواز میں کہا

"کیسی ہو نیورا؟"

"ٹھیک ہوں...... تم تو میری دنیا سے چلے ہی گئے تھے۔"

"ارے کیوں؟"

"کتنا عرصہ ہو گیا، کتنے عرصے کے بعد ملے ہو۔"

"مگر تم میری دنیا میں مکمل طور پر چھائی ہوئی تھیں...... کوریل، تم نے یہ کیسے سمجھ کہ میں تمہاری دنیا سے چلا گیا؟"

"کہاں تھے تم؟"

"بابا اپنے کام میں مصروف تھا۔"

"آؤ بیٹھو...... اف دانش میں تمہیں کیا بتاؤں، کن حالات کا شکار رہی ہوں میں۔"

"مجھے تمہاری زندگی کے ہر لمحے کے بارے میں معلومات حاصل ہیں نیورا۔"

"مگر کیسے؟"

"تم اگر یہ سوچتی ہو کہ میں بے وقوف ہوں تو یہ تمہارا خیال ہے۔"

"مگر ہوا کیا...... کہاں تھے تم یہ تو بتاؤ؟"

"ابھی چند روز قبل تم سے ملا تھا۔"

"مجھ سے؟"

"ہاں۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو۔"

"سچ کہہ رہا ہوں۔"

"میں نہیں مانتی۔"

"نہ مانو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"مگر میں تو تم سے نہیں ملی۔"

"میں نے کہا نا، میں تو تم سے ملا تھا...... تم نے کچھ زیادہ ہی احتیاط برت لی تھی۔"

"دانش پلیز کیوں مذاق کر رہے ہو۔"

"ماموں مراد یاد نہیں ہے تمہیں؟"

"مم...... مم...... ماموں مراد؟"

"ہاں۔"

"پھر تم انہیں کیسے جانتے ہو؟"

"میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں، شاہد کے ماموں جو روتے پیٹتے یہاں آئے تھے۔"

"اوہ مائی گاڈ، تت تو۔"

"جی...... وہ میں ہی تھا، شاہد کا ماموں مراد۔"

"اور تمہارے ساتھ وہ عورت؟"

"میری ایک مقامی دوست، جو ایک تھیٹر میں اداکاری کرتی ہے۔"

"اوہ میرے خدا! دانش کیا واقعی؟" نیورا کوریل نے کہا اور پھر بے اختیار ہنس پڑی...... دانش بھی مسکرانے لگا تھا پھر اس نے کہا۔

"کہو میری اداکاری کیسی تھی؟"

"اوہ میرے خدا! تمہیں دیکھ کر میں کس قدر خوش ہوں دانش، میں بتا نہیں سکتی اور یہ تصور کر کے مجھے کتنی حیرت ہو رہی ہے کہ وہ تم تھے، کیا عمدہ اداکاری کی تھی تم نے؟"

"مگر تم نے میرا سب کیا دھرا چوپٹ کر دیا؟"

"کیوں؟"

"بھئی میں نے سوچا تھا کہ اس طرح مجھے تمہارے قریب آنے کا موقع مل جائے گا...... تم لوگ مجھے اپنے درمیان جگہ دے دو گے اور میں تمہارے قریب رہ کر اپنے کام کا آغاز کر سکوں گا۔"

"مگر مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ تم ہو؟"

"تم بہت چالاک ہو کوریل، تم نے میرا منصوبہ چوپٹ کر دیا، اگر تم مجھے یہاں جگہ دے دیتیں تو مجھے بڑی آسانی ہو جاتی۔"

"آئی ایم سوری دانش، لیکن کم از کم تم مجھے فون تو کر سکتے تھے، تم مجھے ٹیلی فون کر کے

یہ بتادیتے کہ تم اس طرح آرہے ہو۔"

"بس تمہیں سرپرائز دینا چاہتا تھا...... میں اپنے آپ کو کسی ایسے وقت تم پر منکشف کرتا جب میرا کام ہو جاتا۔"

"اب اس میں میرا قصور نہیں ہے دانش! میں نہیں سمجھ سکی تھی کہ وہ تم ہو۔"

"خیر کوئی بات نہیں ہے...... میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جو کچھ ہوتا ہے بہتر ہی ہوتا ہے...... بہرحال تمہیں مبارک باد دیتا ہوں کہ تم نے نہایت کامیابی سے اپنے قدم جمائے۔"

"دانش ایک بات بتاؤ؟"

"ہاں پوچھو۔"

"یہاں تم کب پہنچے؟"

"بس تمہارے ساتھ جو منصوبہ طے ہوا تھا اس کے مطابق میں امریکہ سے چل پڑا اور یہاں آگیا، تم نہیں سمجھتیں یہاں آنے کے بعد آج تک میں اپنے کسی عزیز واقارب سے نہیں ملا ہوں، اصل میں یہ نہیں ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ میں یہاں آگیا ہوں، ورنہ ان لوگوں میں گھر جاتا۔"

"پھر؟"

"پھر منصوبے کے مطابق مجھے اپنے کام کا آغاز کرنا پڑا...... پہلے یہاں صفائی ضروری تھی۔" دانش مکاری سے مسکرا کر بولا۔

"صفائی۔"

"تو اور کیا؟"

"مگر کس قسم کی صفائی؟"

"ظاہر ہے ڈارلنگ ان لوگوں کو راستے سے ہٹانا تھا جو بیچارے شاہد کی دولت پر سانپ بنے بیٹھے تھے۔"

"یعنی۔"

"مسٹر فیاض علی، ان کی دوسری بیگم اور وہ دونوں بچے اگر ان میں سے ایک بھی زندہ رہ جاتا تو ظاہر ہے جائیداد اور دولت کے راستے صاف نہیں ہو سکتے تھے۔"

"تت...... تت...... تم نے، تم نے وہ ایکسیڈنٹ کیا؟"

"ہاں ظاہر ہے اور کون کر سکتا تھا۔ یہ سب کچھ میں نے تمہارے لئے کیا ہے نیورا کوریل، میں تمہاری ان تمام خواہشوں کی تکمیل چاہتا تھا جن کا اظہار تم نے مجھ سے کیا تھا...... میں مانتا ہوں نیورا کہ میں خود اس حیثیت کا مالک نہیں ہوں، لیکن انسان جب کسی سے پیار کرتا ہے، کسی کی چاہت اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے تو یہ اس کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ ان چاہتوں کا تحفظ بھی کرے، نیورا تم کیا سمجھتی ہو، میں نے بہت بڑی قربانی دی ہے، میں نے تمہیں کسی اور کی آغوش تک پہنچایا ہے، یہ ایک مرد کے لئے اور کم از کم مشرقی مرد کے لئے معمولی بات نہیں ہوتی...... بہت جبر اور بہت صبر کرنا پڑتا ہے...... میں نے یہ صبر اپنے لئے نہیں تمہارے لئے کیا ہے، نیورا کوریل یہ ایک سچی بات ہے کہ میں تمہیں اپنی شدید ترین محبت سے کم از کم اتنا ضرور دے سکتا تھا کہ تم زندگی میں کسی مشکل کا شکار نہ رہتیں لیکن میں نے تمہاری طلب میں جو کچھ پایا اپنے آپ کو میں نے اس کے قابل نہیں سمجھا، تب مجبوراً مجھے تمہارے لئے قربانی دینی پڑی...... میں نے یہ راستہ اپنایا اور اب تک اس پر کامیابی سے چل رہا ہوں۔"

"لیکن دانش، یہ سب کچھ تو ٹھیک ہے، آہ میں نہ جانے کیوں خوفزدہ ہوگئی ہوں...... دانش تمہیں میرے لئے قاتل بننا پڑا۔"

"یہ تو ہمارے منصوبے میں شامل تھا ورنہ اور کون سا راستہ ہو سکتا تھا مجھے بتاؤ...... میں نے تمہیں یہ بتا دیا تھا کہ اب میں جو کچھ کروں گا تمہارے لئے کروں گا اور یہ مجھ پر لازم ہے کہ میں تمہاری ان آرزوؤں کی تکمیل کردوں جنہوں نے تمہارے دل میں جگہ پائی ہے۔ نیورا اور کوئی راستہ نہیں تھا...... میرے پاس اس کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا تھا میں اس سلسلے میں، بہرحال اب ہم اتنا آگے نکل گئے ہیں کہ ہمیں اسی راستے پر آگے کا سفر کرنا ہوگا۔"

"میں سمجھتی ہوں لیکن اب، اب ہمیں کیا کرنا ہے؟"

"اگر تم اس قدر سخت نہ ہوتیں ماموں مراد کے سلسلے میں تو ہمیں جو کچھ کرنا تھا یہیں رہ کر کرتے لیکن تھوڑی سی غلطی میری بھی تھی...... مجھے واقعی تمہیں سرپرائز دینے کے بجائے اس سلسلے میں اطلاع دے دینی چاہئے تھی، تاکہ تم ماموں مراد کے ساتھ نرمی برتتیں اور وہ مسئلہ آسانی سے حل ہو جاتا پھر بھی میں یہ سمجھتا ہوں کہ جو کچھ ہوا غلط نہیں ہوا، جو نہیں ہو سکا وہ اب سہی، سنو ڈیئر! میں تم سے بہت زیادہ ملاقاتیں نہیں کروں گا لیکن یہ ایک

سچائی ہے کہ جو کچھ بھی ہوگا وہ بہتر انداز میں ہوگا، یہ ایک شیشی رکھو اپنے پاس، یہ ہمارے کام کے آغاز میں اور انجام میں مدد دے گی۔“ دانش نے ایک شیشی جیب سے نکال کر نیورا کوریل کو دیتے ہوئے کہا۔

”کیا ہے اس میں؟“

”آبِ حیات۔“

”یہ کیا ہوتا ہے؟“

”یہ...... یہ ہماری خواہشوں کی تکمیل کرے گا، یہ اس سلسلے کا دوسرا مرحلہ ہے، تم اس میں سے تین قطرے روزانہ شاہد علی کو دو گی، یہ بے رنگ اور بے مزہ ہے، چائے کافی یا کھانے کی کسی بھی چیز میں صرف تین ڈراپس باقاعدگی کے ساتھ تمہیں شاہد کو دینا ہوں گے۔“

”سلو پوائزن؟“

”ہاں بالکل ٹھیک سمجھیں تم لیکن اس شیشی کو سنبھال کر رکھنا تمہاری ذمے داری ہے۔“

”ٹھیک ہے۔“ نیورا کوریل نے وہ شیشی اپنے گریبان میں چھپالی۔

”نہیں یہاں نہیں، یہاں تک تو شاہد کی رسائی بہت آسان ہوگی۔“ نیورا ہنسنے لگی پھر بولی۔

”تم بے فکر رہو میں اسے محفوظ کر دوں گی...... اس کے بعد۔“

”کچھ نہیں، یہ آہستہ آہستہ اپنا اثر دکھاتی جائے گی...... تم اپنی محبت جس طرح شاہد پر لٹا رہی ہو اسی طرح لٹاتی رہو اور اس کے بعد آخر کار سارا کھیل ختم ہو جائے گا...... تم اتنی محبت کا اظہار کرو اس پر کہ وہ اپنا سب کچھ تمہارے نام کرنے پر مجبور ہو جائے، کچھ عرصے کے بعد وہ خود ہی محسوس کرے گا کہ اس کی اپنی صحت خراب ہوتی جا رہی ہے...... وہ جذباتی ہو کر تمہارے تحفظ کے لئے اپنا سب کچھ تمہارے نام کر دے گا اور اس کے بعد نیورا پھر کون ہوگا جو ہمارے راستے کی رکاوٹ بنے گا۔“ نیورا نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور بولی۔

”ڈیئر تمہیں خود حوصلہ کرنا پڑے گا، اگر کوئی بہت ہی اہم بات ہو تو میں تمہیں ایک نمبر دیئے دیتا ہوں اس پر مجھے ٹیلی فون کر دینا۔“

”ہاں ایسا ذریعہ رکھو کہ میں تم سے رابطہ رکھوں اور بالکل ہی الگ نہ ہو جاؤں۔“

”نمبر لکھ لو۔“ دانش نے کہا اور نیورا کوریل نے اس کا بتایا ہوا نمبر ایک ڈائری پر نوٹ

کر لیا...... اس کے بعد بولی۔

”ٹھیک ہے دانش یہاں آنے کے بعد میں نے بہت عرصے تک یہ سوچا کہ تم کب مجھ تک پہنچتے ہو پھر میرے ذہن پر مایوسی سی طاری ہونے لگی تھی۔“

”ارے میں تمہیں کیسے نظرانداز کر سکتا تھا ڈیئر، کیا بات کرتی ہو تم، ویسے ماحول تو بالکل ٹھیک ٹھاک ہے نا؟“

”بالکل ٹھیک ہے...... میں نے اسے اپنے حق میں بنایا ہے۔“

نیورا نے جواب دیا پھر چونک کر بولی۔

”مگر تم یہاں کیسے آئے؟“

”اب تو جس راہ پر قدم رکھ دیا ہے اس کی ہر اونچ نیچ سے واقف ہوتا جا رہا ہوں، کسی کو میری یہاں آمد کا علم نہیں ہے...... چھپ کر آیا ہوں چھپ کر ہی چلا جاؤں گا اور زیادہ وقت تمہارے ساتھ نہیں گزاروں گا کیونکہ ہوشیار انسان وہی ہے جو پہلے اپنے حالات کو مکمل کرلے اس کے بعد سکون کی راہ اپنائے چنانچہ اب مجھے اجازت دو۔“

”مم...... میں تمہیں باہر چھوڑنے نہیں جا سکوں گی۔“

”میں تمہیں اس کی اجازت بھی نہیں دوں گا۔“ دانش نے کہا اور اس کے بعد وہ نیورا کوریل سے ملاقات کر کے کمرے کے دروازے سے باہر نکل گیا...... نیورا کوریل کے بدن پر ہلکی ہلکی کپکپاہٹ طاری تھی، پھر اس نے گہری سانس لے کر آنکھیں بند کر لیں، پتا نہیں منہ کا مزہ کیوں خراب ہو گیا تھا۔

❁ ❁ ❁

سردار علی اور انجم شیخ اپنے کام میں مصروف تھے، ویسے بھی کوئی خاص ہدایت نہیں تھی، اسے وہ اپنا ذاتی کام سمجھ کر کر رہے تھے لیکن واقعات کی گاڑی اس طرح رکتی ہے کہ پھر آگے کے راستے بند ہو جاتے ہیں...... انہوں نے شدید چھان بین کی تھی، یہ پتا چل گیا تھا کہ ٹکٹ پر درج شدہ مطلوبہ تاریخ کو امریکہ سے ایک شخص آیا تھا جس کا نام دانش عظیم تھا لیکن ظاہر ہے اس کا شجرہ نسب تو نہیں معلوم ہو سکتا تھا کون تھا، کہاں گیا، کیا واقعات تھے، کیا بات تھے کچھ پتا نہیں چل سکا تھا اور یہاں آکر تفتیش کی گاڑی رک گئی تھی...... لے دے کر صرف غلام دل تھا، اگر اس کے ذریعے کسی طرح اس شخص تک رسائی حاصل ہو جائے جس نے ایک سے وہ حادثہ کا تھا تو شاید بات اپنے طور پر آگے بڑھ سکے لیکن کچھ مشکل ہی نظر آتا تھا۔ سردار علی اور انجم شیخ اس وقت ایک ہوٹل میں بیٹھے ہوئے تھے سامنے چائے کے کپ رکھے ہوئے اور ان کی آنکھیں سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں...... آخر کار انجم شیخ نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"انسان کچھ چھوٹے موٹے کام کر کے دل میں یہ سوچ لیتا ہے کہ وہ اپنے راستوں پر خاصی برق رفتاری سے آگے بڑھ رہا ہے، لیکن اونٹ اور پہاڑ کا مسئلہ، جس نے بھی کہا ہے غلط نہیں کہا ہے، واقعی اونٹ جب پہاڑ کے نیچے آتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ بلندی کیا چیز ہوتی ہے...... ہم نے اب تک بہت سے معاملات میں شہنشاہ کی ہدایت کے مطابق کام کیا ہے اور اس طرح آگے بڑھے ہیں کہ احساس یہی ہوا ہے کہ ہماری کارکردگی نے بڑے بڑے مشکل مسئلے حل کر ڈالے لیکن اب دیکھو۔"

"ٹھیک کہتے ہو یار واقعی اس وقت تو بالکل ہی ٹھس ہو کر رہ گئے ہیں، کچھ سمجھ میں نہیں

آرہا کہ کیا کیا جائے۔"

"وہی ایک بات، یعنی غلام دل۔"

"میں سمجھتا ہوں انجم مشکل ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"تمہارا کیا خیال ہے واقعات کیا کہتے ہیں؟"

"پتا نہیں کیا کہتے ہیں۔"

اگر ہم ایک کڑی بناتے ہیں کہ دانش عظیم نے بھیس بدل کر وہ طریقہ کار اختیار کیا اور بدلے ہوئے نام کے ساتھ غلام دل سے ملا، میرا مطلب ہے جلال شاہ کے نام سے اور اس کے بعد اس نے یہ واردات کی تو اس سلسلے میں اپنا کام مکمل کرنے کے بعد بھلا اس بات کے کیا امکانات ہیں کہ وہ دوبارہ غلام دل کے سامنے آنے کی کوشش کرے اور پھر جیسا کہ اس ٹکٹ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شخص امریکہ سے آیا، ظاہر ہے کوئی بے وقوف آدمی نہیں ہوگا۔"

"میرا خیال ہے شہاب صاحب سے ملاقات کی جائے۔"

"شہاب ایک نفیس انسان ہے اور تم نے محسوس کیا ہوگا کہ ہم لوگوں کے ساتھ اس کا رویہ بالکل دوستانہ ہے، ابھی تک تو ایک لمحے کے لئے بھی یہ احساس نہیں ہونے دیا اس نے کہ وہ اپنے آپ کو ہم پر فوقیت دیتا ہے۔"

"یقیناً...... جبکہ اس میں کوئی شک کی بات ہی نہیں ہے کہ ایک اعلیٰ پولیس آفیسر ہے اور بہر حال اپنا ایک مقام رکھتا ہے۔"

"میں خود اس شخص کو بے پناہ پسند کرتا ہوں۔"

"تو کہہ کیا رہے تھے۔"

"یہ کہ کیوں نہ شہاب سے اس بارے میں بھی بات چیت کی جائے۔"

"او کے پھر اٹھو۔" شہاب کو تلاش کرنے میں خاصی مشکلات پیش آئی تھیں لیکن آخر کار انہوں نے اسے پا ہی لیا تھا اور اس کے بعد ایک ہوٹل ہی میں ان کی نشست ہوئی تھی، شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جناب یقینی طور پر آپ کے چہروں پر پھیلا ہوا تجسس بتا رہا ہے کہ آپ کوئی اہم بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"بس وہی شہاب صاحب یا تو آپ ہمیں کہیں مصروف کر دیجئے ورنہ بیکاری را[س] نہیں آ رہی۔"

"خیریت...... کیا بات ہے؟" "مصروفیت کا جہاں تک تعلق ہے تو وہ تو جب تک شہنش[اہ] اعظم کی جانب سے کوئی ہدایت نہیں ملتی فراغت ہی ہے۔"

"شہاب صاحب آپ اپنے طور پر، میرا مطلب ہے کبھی کبھی جب ہم آپ کی شخصیت پر غور کرتے ہیں تو کچھ عجیب سا احساس ہوتا ہے۔"

"مثلاً۔" "مثلاً یہ کہ آپ خود ایک اعلیٰ آفیسر ہیں اور اپنے طور پر بھی بہت کچھ کر[تے] رہتے ہوں گے اور اب جبکہ ہمارا تعلق باقاعدہ ایک ایجنسی سے قائم ہو گیا ہے تو ہم آپ [کی] ہدایت کے تحت بھی کام کر سکتے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ کوئی کام بھی تو سامنے ہو۔"

"ویسے ایک بات بتائیں گے شہاب صاحب؟"

"ضرور۔"

"شہنشاہ کا اس ایجنسی سے کیا تعلق ہے جس میں ہم کام کر رہے ہیں۔"

"دلچسپ سوال ہے لیکن اس سلسلے میں سوال میں سوال پیدا ہو جاتا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"کیا آپ کے خیال میں شہنشاہ نے مجھے آپ پر فوقیت دی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ آپ کا کیا خیال ہے کہ کیا میں شہنشاہ کی شخصیت سے واقف ہوں۔"

"نہیں شہاب صاحب ہم اس سلسلے میں یہ تو نہیں کہہ سکتے کیونکہ جہاں تک ہم نے آپ کی طبیعت کا اندازہ لگایا ہے آپ ایک سیدھے سچے اور صاف گو آدمی ہیں اور یقینی طور [پر] ہم لوگوں کے لئے دل میں بڑی گنجائش رکھتے ہیں، اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو آپ ہمیں [بتا] ضرور دیتے۔"

"بالکل ٹھیک کہا آپ لوگوں نے دوستو، حقیقت میں ایسی کوئی بات نہیں ہے شہنشاہ ایک پراسرار شخصیت کا نام ہے اور آپ لوگ یقین کیجئے کہ میں بہت عرصے سے محکمہ پولیس سے منسلک ہوں اور زندگی میں بڑی نشیب و فراز دیکھے ہیں میں نے، لیکن ایسی بھی شخصیت

کوئی کوئی ہی ہوتی ہے جو اس قدر پراسرار ہو، میں اس کے بارے میں بالکل نہیں جانتا اور اس کی فطرت کا بھی یہ ایک پہلو ہے کہ وہ صرف ٹو دی پوائنٹ بات کرتا ہے یعنی ہمیں جس حد تک کسی معاملے میں ملوث کرنا ہو، بس اس سے زیادہ نہیں۔"

"خیر بہرحال بات ہو رہی تھی ان لمحات کی جن میں ہم مصروف نہیں ہیں لیکن ہم نے مصروفیت تلاش کر لی ہے۔"

"بہتر یہی ہے کہ ہم انہی لمحات کی بات کریں۔" شہاب نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اصل میں شہاب صاحب آپ بھی ہم سے اختلاف نہیں کر پائے کہ ٹرک کا وہ حادثہ جو ہوا تھا وہ حادثہ نہیں بلکہ ایک جانا بوجھا اقدام تھا۔"

"ہاں...... ٹرک جس طرح اس جگہ جا کر کھڑا ہوا تھا اور پھر وہاں سے اس انداز میں چلا تھا اس کے بعد تو مجھے بھی یہی شبہ ہے۔"

"ہم سوچ رہے تھے کہ کوئی ٹھوس اور جامع کام ہو تو پھر آپ کو اطلاع دے کر ہم بھی بغلیں بجائیں لیکن لگتا ہے کہ ہماری بغلیں بجیں گی نہیں۔"

"اوہ نہیں بات بغلیں بجانے کی نہیں ہوتی، آپ سب لوگ بہرطور اب ذمے دار ارکان میں سے ہیں۔"

"شہاب صاحب ہم نے اس ٹرک کی تلاش جاری رکھی تھی اور آخرکار ہم نے اسے پالیا۔"

"گڈ۔" شہاب نے چونک کر ان دونوں کو دیکھا اور اس کی آنکھوں میں دلچسپی کی چمک اُبھر آئی۔

"اسے تلاش کر لیا گیا اور اس بات کا پورا یقین ہو گیا کہ یہی وہ ٹرک ہے۔"

"ٹرک کہاں ہے۔"

"اس جگہ جہاں سے ٹرکوں پر لوڈنگ ہوتی ہے اور گڈز کمپنیاں ان کے ذریعے مال منتقل کرتی ہیں، اصل میں ٹرپل زیرو والا ٹرک ایک ہی ہمارے علم میں آیا اور پھر ہم نے اس کے بائیں حصے پر وہ نشانات تلاش کر لئے جو حادثے کے نشانات تھے اس کی ایک لائٹ بھی ٹوٹ گئی تھی اور جو نئی لگوائی گئی تھی۔" شہاب دلچسپی سے ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا...... سردار علی نے شروع سے آخر تک تمام کہانی سنا دی جس میں غلام دل کے اغوا کا تذکرہ اس کے بعد اس کا انکشاف، جلال شاہ کے بارے میں پھر جلال شاہ کے فلیٹ کی تلاشی وہاں سے ٹکٹ کا ملنا اور

ایئرپورٹ سے اس تاریخ کو آنے والے شخص کے بارے میں معلومات، آخر میں سردار علی نے کہا۔

”بس اس کے بعد گاڑی رک گئی اور لاکھ سر مارنے کے باوجود کچھ پتا نہیں چل سکا۔“

”میں سمجھتا ہوں آپ لوگوں نے جس طرح ان لائنوں پر کام کیا ہے یہ تو بڑی قابل قدر بات ہے، میں پورے اعتماد سے کہتا ہوں کہ جس حد تک آپ لوگوں نے یہ تفتیش کی ہے اس میں مکمل طور سے پرفیکشن ہے اور کہیں کوئی سقم نہیں ہے۔“

”چلئے ٹھیک ہے جناب یہاں تک تو آپ نے ہماری تعریف کردی اس کے بعد کیا ہوگا۔“

”لمحہ فکریہ ہے اس کا مطلب ہے کہ حالات کچھ کچھ سامنے آرہے ہیں، ویسے آپ لوگوں نے اس قدر محنت کی ہے تو اب اسی موضوع پر گفتگو کرنے کو جی چاہتا ہے، ویسے میں شاہد علی سے بھی ملا ہوں بظاہر تو سادہ لوح شخص معلوم ہوتا ہے اور اپنے باپ کی موت پر آزردہ ہے لیکن ہم لوگ اس سلسلے میں ہر پہلو پر نظر رکھ سکتے ہیں۔“

”جی شہاب صاحب میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ میرا دل اس ایکسیڈنٹ کو ایک اتفاقیہ حادثہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہے، وہ سب ایک جانی بوجھی اسکیم تھی اور باقاعدہ یہ واردات کی گئی، ٹرک کے مل جانے اور پھر غلام دل سے ہونے والی گفتگو نے سارے مسئلے کو حل کردیا۔“

”بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ بات اب خاصی سنسنی خیز شکل میں سامنے آئی ہے، یعنی ایک شخص جو امریکہ سے آیا اور اس نے ایک ایسا پراسرار طریقہ کار اختیار کیا یقینی طور پر امریکہ سے کسی کی آمد اس سلسلے میں خاصی اہم نوعیت کی حامل ہے...... جیسے خود شاہد علی۔“

انجم اور سردار علی سوالیہ نگاہوں سے شہاب کو دیکھنے لگے تو شہاب نے پرخیال لہجے میں کہا۔

”شاہد علی بہت عرصے پہلے امریکہ چلا گیا تھا اس لئے کہ اس کے باپ نے دوسری شادی کرلی تھی اور وہ سوتیلی ماں کے ساتھ رہنے کے لئے تیار نہیں تھا، وہاں پہنچنے کے بعد اس نے جو کچھ بھی رنگ رلیاں منائی ہوں لیکن پھر اس نے ایک امریکن لڑکی سے شادی کرلی اور وہاں وقت گزارتا رہا اس کے بعد ہوسکتا ہے اس نے طے کیا ہو کہ سوتیلی ماں اور سوتیلے بھائی بہن راستے سے ہٹ جانے چاہئیں، چنانچہ ایک مکمل منصوبہ بندی کے تحت اس نے کسی کو یہاں بھیجا اور اس سلسلے میں کارروائی زیر عمل لائی گئی، پھر جب یہاں کام مکمل ہوگیا تو وہ امریکہ سے اپنی بیوی کے ساتھ چل پڑا ایک طرح سے اسے تو کسی قسم کی رکاوٹوں کا سامنا

نہیں کرنا پڑا جہاں تک دانش عظیم کا تعلق ہے تو کوئی بھی شخص کرائے کا کارکن بن کر یہ ذمے داری سرانجام دے سکتا ہے...... دانش عظیم کو اس کی اس کاوش کا معاوضہ ادا کردیا گیا ہوگا اور اب شاہد کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، سوتیلے بھائی بہن کا بھی وجود نہیں ہے اور دوسرا کوئی ایسا کردار بھی نہیں ہے جو اس دولت کا حصے دار ہو۔“

”بہت مضبوط بنیاد ہے یہ، ہم اس پر کام شروع کرسکتے ہیں۔“

”تھوڑا سا مزید کام کرنا پڑے گا۔“ شہاب پرخیال لہجے میں بولا۔

”کیا؟“

”امریکہ سے شاہد علی کے بارے میں تفصیلی رپورٹ درکار ہوگی، بہرحال ہم کمزور بنیاد پر کام نہیں کرسکتے۔“

”یقیناً...... یقیناً۔“

”یہ کام میں کرلوں، سرکاری طور پر میں اس سلسلے میں شاہد علی کے بارے میں معلومات حاصل کرسکتا ہوں اور میری پوری پوری مدد کی جائے گی۔“

”لیکن سر اس سلسلے میں اپنے آپ کو صیغہ راز میں رکھنا ہوگا۔“

”یقیناً...... اور میں سمجھتا ہوں کہ شہنشاہ سے بھی اس سلسلے میں اجازت لے لوں۔“

”یہ آپ بہتر سمجھتے ہیں۔“

”تو پھر تمہیں یہ کرنا ہے کہ غلام دل سے بہت احتیاط کے ساتھ خفیہ رابطے رکھو ہوسکتا ہے کسی وقت اسے دانش عظیم نظر آجائے۔“

”بہت بہتر...... گویا ہم یہ کام جاری رکھیں۔“

”بالکل...... بالکل، میں کوشش کرتا ہوں کہ امریکہ سے مجھے شاہد علی کے بارے میں تفصیلی رپورٹ موصول ہوجائے، باقی اور کوئی ایسا پوائنٹ سامنے نہیں ہے جس کے تحت ہم اپنی یہ کارروائی کرسکیں۔“

”ٹھیک ہے جناب، آپ نے ہمارے خیالات کی تصدیق کرکے ہمارا دل بڑھا دیا ہے، ہم لوگ پوری ہمت کے ساتھ اپنا یہ کام جاری رکھیں گے۔“ اس کے بعد وہ ہوٹل سے اٹھ گئے تھے۔

❁❁❁

طیب علی کو الٹیوں پر الٹیاں ہو رہی تھیں اور اس کی حالت کافی خراب ہو گئی تھی.....
ابراہیم خان اس کا سب سے پرانا ساتھی تھا..... ملازم تو یہاں کئی تھے لیکن یہی دونوں ایسے ملازم تھے جن کی مدت ملازمت کافی طویل تھی اور صحیح معنوں میں وہ اس گھرانے کے نمک خوار تھے اور طویل عرصے سے نمک خواری کر رہے تھے..... انہوں نے اس گھر کے عروج و زوال کی بہت ساری داستانیں اپنی آنکھوں سے دیکھی تھیں اور اس کے بعد بری طرح دلبرداشتہ ہو گئے تھے..... خاص طور سے طیب علی تو اس وقت سے یہاں تھا جب اس گھر میں خوشیوں کا دور دورہ تھا اس کے سامنے ہی بڑی بیگم کا انتقال ہوا تھا، پھر چھوٹی بیگم بھی اس کے سامنے ہی آئی تھیں اور طیب علی دل مسوس کر رہ گیا تھا..... گھر کا پورا انظام ہی بگڑ گیا تھا..... بڑی بیگم بہت ہی سمجھدار اور زمانہ شناس خاتون تھیں، ان کی موجودگی میں بڑی خوش اسلوبی سے گھر کے معاملات چل رہے تھے..... سب خوش تھے لیکن اس کے بعد ان کی عمر نے وفا نہیں کی اور وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئیں، پھر طیب علی نے شاہد علی کو باہر جاتے ہوئے دیکھا..... بہت عرصے تک وہ شاہد علی کو یاد کرتا رہا تھا لیکن بہرحال ایک نوکر کی اوقات ہی کیا ہوتی ہے، مالک جس بات میں خوش نوکر کو بھی اس پر خوش رہنا پڑتا ہے، لیکن نورین بیگم بھی بری نہیں ثابت ہوئی تھیں، یہ الگ بات کہ ان کے سامنے کچھ مسائل ہی نہیں آئے تھے لے دے کے ایک سوتیلا بیٹا تھا تو سمجھدار فیاض علی نے اسے بھی ملک سے باہر بھیج دیا تھا تاکہ کوئی مشکل مرحلہ نہ پیدا ہونے پائے اور اس کے بعد وقت گزرتا رہا تھا لیکن وہ حادثہ بڑا روح فرسا تھا جب ان لوگوں کو اپنے مالک کی موت کا علم ہوا تھا۔

روزی اور رزق تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جہاں سے وہ دینا چاہتا ہے دے دیتا ہے

لیکن محبتوں کے رشتے بھی اپنا ایک مقام رکھتے ہیں اور یہ محبت ہی تھی کہ طیب علی نے کئی دن تک کھانا نہیں کھایا تھا اور شدید افسردہ رہا تھا، پھر شاہد علی آ گیا اور ان لوگوں کو تھوڑی سی تقویت ہو گئی۔

باپ کی طرح بیٹا بھی اچھی فطرت کا مالک تھا اور تو اور یہ کرنٹی جو ولایت سے آئی تھی اور اس جیسی کرنٹیوں کے بارے میں جتنی کہانیاں سنی گئی تھیں یہ ان سے بالکل مختلف نکلی تھی۔ ملازموں کے لئے اس نے خاص طور سے جو کچھ کیا تھا اس نے تو سچی بات یہ ہے کہ ملازموں کے دل میں اس کا مقام ہی کچھ اور کر دیا تھا اور وہ سوچنے لگے تھے کہ لوگ کیسی کیسی جھوٹی کہانیاں گھڑ لیتے ہیں، اس جیسی اچھی عورت بھلا بری کیسے ہو سکتی ہے، اس نے سب ہی کا خیال کیا تھا اور بارہا یہ کہا تھا کہ تم لوگ اپنے آپ کو ملازم سمجھتے ہو تو سمجھتے رہو، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ تو اس حویلی کا یا کوٹھی کا چھوٹا سا خاندان ہے جس سے کسی کو بھی اپنے آپ سے جدا نہیں کیا جا سکتا اور اس وقت ہر ملازم کی زبان پر چھوٹی بیگم کا نام تھا جنہوں نے ان کی ہر مشکل دور کر دی تھی۔

طیب علی بھی ان ہی میں سے تھا اور اس نے بارہا یہ سوچا تھا کہ اس کوٹھی کی تقدیر میں ہی خوشحالی ہے..... بڑی بیگم تھیں تو انہوں نے گھر کو بہتر سنبھالا ہوا تھا..... نورین بیگم بھی بری نہیں تھیں اور اب یہ چھوٹی بیگم آئی ہیں تو انہوں نے تو سب پر ہی فوقیت حاصل کر لی ہے ورنہ اس دور میں اتنے بڑے لوگ کب کسی کا خیال رکھتے ہیں، ملازموں کے درمیان اکثر یہ گفتگو ہوا کرتی تھی کہ ولایتی لوگ ہیں اور سنا ہے کہ ولایت میں انسانی اقدار کا بہت خیال رکھا جاتا ہے۔

یہ تمام باتیں اکثر ان کے درمیان ہوتی تھیں لیکن طیب علی کے گنہگار کانوں نے جو سنا تھا اور گنہگار آنکھوں نے جو کچھ دیکھا تھا اس نے اچانک ہی اسے حواس باختہ کر دیا تھا۔

اس وقت بالکل اتفاقیہ طور پر وہ ادھر سے گزر رہا تھا..... جب اس نے اس اجنبی آدمی کو چھوٹی بیگم کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔

خوش پوش آدمی تھا، اچھی شکل و صورت کا مالک تھا اس نے طیب علی کو نہیں دیکھا تھا لیکن طیب علی نے اسے بخوبی دیکھ لیا تھا اور ایک لمحے کے لئے کانپ کر رہ گیا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ کسی خطرناک ارادے سے چھوٹی بیگم کے کمرے میں داخل ہوا ہو اور طیب علی سب کچھ بھول

کر جاں فروشی پر آمادہ ہو گیا تھا...... اس نے سوچا تھا کہ ابھی اس کی ہڈیوں میں اتنی جان ہے کہ اپنے مالکوں کے دشمنوں سے نمٹ سکے، پھر وہ دبے قدموں دروازے تک پہنچا تھا اور پہلے اس نے کی ہول سے اندر جھانک کر دیکھا تھا...... یہ معلوم کرنے کے لئے کہ دیکھوں تو سہی وہ اندر کیا کر رہا ہے لیکن جو منظر اس کی نگاہوں کے سامنے آیا تھا اس نے اس کے اعصاب کی جان نکال لی تھی۔

چھوٹی بیگم اس اجنبی شخص سے اس طرح چمٹی ہوئی تھیں جیسے برسوں کے بچھڑے ملتے ہیں اور چمٹنے کا یہ انداز کسی بھی طرح پاکیزگی نہیں رکھتا تھا۔

طیب علی کے قدم جم گئے اور آنکھ کی ہول سے نہ ہٹ سکی، اس کے بعد وہ بالکل غیر اختیاری طور پر ہی وہیں چپکا کھڑا رہا تھا جب تک کہ اس نے یہ محسوس نہ کر لیا کہ وہ اجنبی شخص اب باہر نکلنا چاہتا ہے...... اس کے گنہگار کانوں نے ان کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سنا تھا اور اس نے نہ جانے کس کس طرح اپنے آپ کو چکرا کر گرنے سے سنبھالا تھا...... ایک عظیم سازش، ایک ایسی انوکھی سازش اس کے علم میں آئی تھی جس کا وہ خواب میں بھی تصور نہیں کر سکتا تھا۔ وہاں سے ہٹ کر وہ سیدھا اپنے کوارٹر میں آیا تھا اور اس طرح بے جان ہو کر اپنی چارپائی پر گر پڑا تھا کہ پہلے کبھی اس کی یہ حالت نہیں ہوئی تھی...... دماغ چکرا رہا تھا، آنکھوں کے آگے اندھیرا چھاتا جا رہا تھا، ایک ایک لفظ زہریلی لکیروں کی طرح اس کے دل میں پیوست ہو رہا تھا، ایک ایک آواز کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ بن کر اتر رہی تھی، تو...... تو...... تو یہ سب ایک سازش تھی...... یہ...... یہ...... یہ...... اس کے مالک کے خلاف سازش تھی۔" وہ اپنی موت نہیں مرے تھے، انہیں ہلاک کیا گیا تھا اور اس ہلاکت میں چھوٹی بیگم کا بھی برابر کا ہاتھ تھا...... اب یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ جو شخص ان سے اس بری طرح چمٹا ہوا تھا وہ ان کا عاشق زار تھا...... سازش امریکہ میں تیار کی گئی تھی اور اس نے آ کر ان تمام لوگوں کو ہلاک کر دیا تھا اور اب اس کے چھوٹے مالک شاہد علی کی موت کی باری تھی۔ آہ نہیں...... آہ نہیں...... یہ تو نہیں ہونا چاہئے، یہ چھوٹی بیگم انسان نہیں درندہ ہے...... یہ ایک خونی ناگن ہے جس نے ان لوگوں پر اپنا فریب کا جال ڈالا ہے اس کے بعد اس کا اصل روپ نمایاں ہو گا جو کچھ بھی ہو یا نہ ہو لیکن چھوٹے مالک کی زندگی بچانا میری اپنی زندگی سے زیادہ قیمتی ہے، آہ لیکن میں بے وسیلہ شخص کیا کروں گا، کیا کروں کیا نہ کروں اور اس کے بعد اس کی طبیعت

بگڑنا شروع ہو گئی تھی، اسے اپنا کلیجہ بیٹھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا اور الٹیاں آ رہی تھیں...... پھر ساری رات وہ اس کیفیت کا شکار رہا تھا...... شدید دماغی اُلجھن نے اس کا اندرونی نظام خراب کر دیا تھا...... ابراہیم نے کہا۔

"طیب بھائی ہسپتال چلے جاؤ، ورنہ مر جاؤ گے دیکھو تو سہی کیا حالت ہو رہی ہے آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے ہیں، رات بھر میں چہرہ پیلا ہو گیا ہے۔"

"ٹھیک ہو جاؤں گا یار ٹھیک ہو جاؤں گا...... خود بخود ٹھیک ہو جاؤں گا۔" طیب نے کہا۔

"ضد مت کرو، ورنہ میں چھوٹی مالکن سے جا کر بات کروں گا۔"

"نہیں ابراہیم تجھے خدا کی قسم ایسا مت کرنا۔"

"بھائی کیوں ضد کر رہے ہو...... اچھا چلو ڈاکٹر کو یہیں بلا لاؤں۔"

"کیا بات کرتا ہے یار...... زندگی میں کبھی تو نے مجھے دوا دارو کرتے ہوئے دیکھا ہے؟"

"تو تمہاری یہ حالت بھی تو زندگی میں کبھی نہیں ہوئی۔"

"ہاں واقعی۔" طیب علی ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"رات کو کیا کھا لیا تھا؟"

"وہی جو تم سب نے بھی کھایا تھا۔"

"لیکن ہم لوگ تو بالکل ٹھیک ہیں۔"

"اب اللہ کی مرضی ہے یار...... تھوڑی دیر کے لئے مجھے تنہا چھوڑ دے، میں واقعی ٹھیک ہو جاؤں گا۔" طیب علی نے کہا۔ معاً اس کے ذہن میں خیال ابھرا کہ کیوں نہ ابراہیم خان کو اپنا راز دار بنا لے...... وہ بھی ایک وفادار آدمی ہے اور مالکوں کا وفادار کبھی یہ پسند نہیں کرے گا کہ چھوٹے مالک اس طرح زندگی سے محروم ہو جائیں، لیکن انسان کا کیا بھروسا، کون کب کس لالچ کا شکار ہو جائے، چھوٹی بیگم نے سب ہی پر تو اپنا جال ڈالا ہوا ہے، ممکن ہے ابراہیم خان سوچے کہ طیب علی فضول باتیں کر رہا ہے...... چھوٹی بیگم پر الزام لگا رہا ہے اور اس کے بعد وہ چھوٹی بیگم سے یہ تذکرہ کر دے، جان کے لالے پڑ جائیں گے، شاہد علی الگ خطرے میں پڑ جائے گا، مجھے اپنی تو کوئی پروا نہیں ہے لیکن مالک کا خاندان اس طرح تباہ و برباد نہیں ہونا چاہئے، ان کی زندگی بھر کی کمائی اس طرح غیروں کے ہاتھ میں نہیں جانی چاہئے، اس کے لئے سوچ سمجھ کر بھروسا کرنا ہوگا پھر اور کون ہے ایسا۔

اسے درانی صاحب یاد آئے، مالک کے وکیل بھی تھے دوست بھی تھے، ایک دو دفعہ فیاض علی نے اسے کسی کام سے درانی صاحب کے پاس بھیجا بھی تھا...... بڑے اچھے آدمی تھے لیکن وہی مسئلہ، کون کب بک جائے کیا کہا جا سکتا ہے، ہو سکتا ہے درانی صاحب بھی دھوکا دے جائیں، نہیں اپنی جان خطرے میں پڑے تو کوئی بات نہیں ہے لیکن بیگم صاحبہ کا معاملہ ایسی ہے کہ کچھ نہ کچھ ہونا ہی چاہئے، نہ جانے کب تک اس کا ذہن ان خیالات میں غوطے کھاتا رہا، طبیعت سنبھل نہیں رہی تھی، پھر اچانک ہی اسے کچھ خیال آیا اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

یہاں سے باہر نکل کر تو دیکھا جائے، کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا...... باہر نکلا تو ابراہیم خان نظر آ گیا۔

"کیوں طیب علی کیا بات ہے، جا رہے ہو کہیں؟"

"ہاں ابراہیم خان...... بس ذرا ایسے ہی کسی ڈاکٹر کی تلاش میں نکلوں گا۔"

"چلو میں لے چلوں تمہیں...... چھوٹی بیگم سے پوچھ لیتے ہیں...... گاڑی میں لے چلوں گا...... تمہاری طبیعت تو کافی خراب ہو رہی ہے۔"

"نہیں ابراہیم خان میں چلا جاؤں گا، اب بھلا نوکروں کے لئے بھی گاڑیاں نکلیں گی۔"

"بھائی تیری مرضی ہے، تو کچھ ضرورت سے زیادہ ہی منطقی بنتا ہے۔ جا چلا جا۔"

"کوئی کام ہو تو بیگم صاحب کو بتا دینا کہ ڈاکٹر کے پاس گیا ہوں، صاحب تو جا چکے ہیں۔"

"ہاں ہاں بتا دوں گا، بتا دوں گا، جا اپنا خیال کر...... علاج کرا اور سن پیسے تو نہیں چاہئیں۔"

"ارے نہیں ابراہیم خان تمہاری دعائیں ہیں پوری کی پوری تنخواہ یونہی رکھی رہ جاتی ہے...... میرے پاس خرچ ہی کیا ہوتا ہے۔"

وہ آہستہ آہستہ گیٹ کی جانب بڑھا اور پھر گیٹ سے باہر نکل گیا...... دل میں کوئی خاص بات نہیں تھی...... بس یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں بیٹھ کر کچھ سوچے گا، کوئی ایسی بات جس سے کام بن جائے...... بے چارہ شاہد علی کس طرح دشمنوں کے جال میں پھنسا ہوا ہے...... اس کے فرشتوں کو بھی گمان نہیں ہوگا۔

پھر اچانک ہی اس نے ایک گاڑی گیٹ کے پاس رکتے ہوئے دیکھی...... اس گاڑی میں جو شکل اسے نظر آئی وہ پہلے بھی دیکھ چکا تھا...... یہ شہاب تھا...... طیب علی کو اتنا معلوم تھا کہ

یہ کوئی پولیس آفیسر ہے...... شہاب کو دیکھتے ہی نہ جانے کیوں اس کے دل میں ایک خیال اُبھرا...... اگر اس سے بات کی جائے تو پولیس کا آدمی ہے، یہ زیادہ قابل بھروسا ہو سکتا ہے، اب کسی نہ کسی سے تو کچھ نہ کچھ کہنا ہی پڑے گا ورنہ اپنا ہی ستیاناس ہو جائے گا...... اس سے پہلے کہ شہاب گاڑی اندر لے جانے کے لئے یا پارک کر کے دروازے کے اندر داخل ہونے کی کوشش کرتا وہ دوڑتا ہوا شہاب کے پاس پہنچ گیا۔

شہاب نے چونک کر اسے دیکھا تھا...... طیب علی اس کے قریب پہنچ کر بولا۔

"سلام صاحب۔"

"اوہو طیب علی خیریت تو ہے۔" شہاب کی آواز اُبھری۔

"آپ ہمیں جانتے ہو صاحب؟"

"اوہو اس دن تم سے ملاقات تو ہوئی تھی نا؟"

"آپ کو ہمارا نام بھی یاد رہا؟"

"ہاں کیوں نہیں طیب علی...... دیکھ لو میں نے تمہیں تمہارے نام سے پکارا ہے۔" شہاب مسکراتا ہوا بولا۔

"صاحب آپ اندر جا رہے ہو؟"

"ہاں کیوں، کوئی خاص بات ہے مجھے بتاؤ۔"

"بہت خاص بات ہے صاحب...... ہم اللہ کا نام لے کر نکلے تھے...... اللہ نے ہماری مدد کی ہے کہ آپ ہمیں مل گئے صاحب ہم آپ کو کچھ بتانا چاہتے ہیں۔"

"ہوں آؤ طیب علی گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔"

"صاحب ہماری طبیعت بہت خراب ہے...... ہم...... ہم جانتے ہیں کہ ہم کیوں بیمار ہو گئے ہیں۔"

"آؤ آؤ بیٹھ جاؤ گاڑی میں۔"

طیب علی نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر جلدی سے شہاب کی گاڑی میں بیٹھ گیا...... شہاب نے کار اسٹارٹ کر کے ریورس کی اور جلدی سے آگے بڑھا دی...... نجانے کیوں طیب علی کو یہ احساس ہو رہا تھا کہ قدرت نے اس کی مدد کی ہے اور اسے اس کی وفاداری کا صلہ مل رہا ہے...... بہر حال کافی فاصلہ طے ہو گیا اور پھر ایک چھوٹے سے ہوٹل کے سامنے شہاب نے

کار روک دی۔

درمیانہ درجے کا معمولی سا ہوٹل تھا...... غالباً شہاب کے دل میں یہ خیال تھا کہ طیب علی کسی اچھے ہوٹل میں نہیں جاسکے گا لیکن یہ جگہ اس کے مزاج کے مطابق تھی۔

گاڑی ہوٹل سے کافی فاصلے پر کھڑی کر کے شہاب اس کے ساتھ ہوٹل کی جانب بڑھ گیا...... پھر ہوٹل کی ایک میز پر بیٹھ کر اس نے چائے منگوالی...... طیب علی اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا...... شہاب گہری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا تو طیب علی نے کہا۔

"صاحب ہم یہ تو نہیں کہتے کہ ہم کوئی بہت ہی ایماندار اور نمک حلال آدمی ہیں بس اتنا کہیں گے صاحب کہ بس ماں باپ نے یہی سمجھایا تھا کہ جس کا نمک کھاؤ اس سے غداری مت کرو۔"

"یقیناً طیب علی...... اچھے والدین یہی سکھاتے ہیں۔" شہاب بدستور اس کے چہرے کو ٹٹولنے والی نگاہوں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"اللہ ہمیں معاف کرے صاحب، پتا نہیں ہم سے کوئی غلطی ہو رہی ہے یا ہم ٹھیک راستے پر ہیں، لیکن جو کچھ ہمارے دل میں ہے اگر ہم نے کہا نہ تو ہماری جان ہی نکل جائے گی۔"

"تم پورے اعتماد اور بھروسے کے ساتھ جو کہنا چاہتے ہو مجھ سے کہو طیب علی اور اطمینان رکھو تمہیں میری ذات سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔"

"اللہ مالک ہے صاحب...... صاحب کچھ ایسی باتیں ہمارے علم میں آئی ہیں جنہیں سوچ سوچ کر ہمارا کلیجہ پھٹا جا رہا ہے۔"

"مجھے بتادو دل ہلکا ہو جائے گا۔" اور اس کے بعد طیب علی نے شہاب کو وہ ساری باتیں بتائیں جو اس کے علم میں آ گئی تھیں...... شہاب کی آنکھوں میں گہرے تجسس اور دلچسپی کی چمک نظر آ رہی تھی...... طیب علی نے آخر تک بتانے کے بعد شہاب کی صورت دیکھی اور شہاب پر خیال انداز میں میز کی سطح کھٹ کھٹانے لگا...... پھر اس نے کہا۔

"اس شخص کا حلیہ بتا سکتے ہو طیب علی؟"

"ہاں صاحب اچھی طرح دیکھا تھا ہم نے" طیب علی نے کہا اور اپنی یادداشت کے مطابق دانش عظیم کا حلیہ دہرانے لگا...... شہاب کے لئے دانش عظیم کا نام اجنبی نہیں تھا...... اس کا ذہن برق رفتاری سے کام کر رہا تھا...... بقول سردار علی کے غلام دل نے جو تفصیل بتائی

تھی اور جو ٹکٹ وہاں سے ملے تھے وہ دانش عظیم کے نام کے ہی تھے...... صورتِ حال شہاب کی سمجھ میں آ رہی تھی اور وہ خاصی سنسنی کا شکار تھا...... یہ تو بڑی عمدہ بات ہو گئی کہ یہاں سے صورت حال کا اندازہ ہو گیا...... اب اس سلسلے میں کوئی مناسب فیصلہ کرنا تھا...... طیب علی پر اسے مکمل بھروسا تھا کہ یہ جھوٹ نہیں بول رہا اور اس میں جھوٹ کی گنجائش تھی بھی نہیں۔

کافی دیر تک سوچتے رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"طیب علی! تمہیں اپنے مالک کی جان بچانی ہے...... ظاہر ہے اب شاہد علی کی زندگی بھی خطرے میں ہے؟"

"جی صاحب، بالکل۔"

"لیکن طیب علی کام اس طرح سے نہیں ہو جاتا تمہیں مزید ہمت کرنا ہوگی۔"

"صاحب ہم بہت غریب آدمی ہیں، ہمارا کوئی سہارا نہیں ہے، ہماری زندگی بچنا مشکل ہو جائے گی۔"

"یہ سب کچھ تو کرنا پڑے گا طیب علی ہمت کے بغیر دنیا کا کوئی کام نہیں ہو سکتا۔"

"ہمت کریں گے صاحب، آپ ہم سے حکم کرو کہ ہمیں کیا کرنا ہے؟"

"سب سے پہلی بات تو یہ کہ اپنے آپ پر قابو پاؤ...... اگر تم اس طرح گھبرائے گھبرائے نظر آئے تو بیگم صاحب کو تم پر شک ہو سکتا ہے۔"

"ہم جانتے ہیں صاحب اللہ مالک ہے...... سنبھال لیں گے خود کو۔"

"تو پھر تمہیں سب سے پہلا کام یہ کرنا ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے اور جیسے بھی موقع مل جائے بیگم صاحبہ سے تم وہ شیشی حاصل کرو، سمجھ رہے ہو نا میری بات۔" طیب علی کی آنکھیں خوف سے پھیل گئی تھیں۔

وہ سوچ میں ڈوب گیا تھا...... شہاب نے پھر کہا۔

"نہیں اس میں پریشان ہونے کی بات نہیں ہے...... تمہیں بس ایسے موقع کی تاک میں رہنا ہوگا جب بیگم صاحبہ گھر پر موجود نہ ہوں...... ظاہر ہے وہ شیشی ساتھ لئے لئے نہیں پھرتی رہیں گی...... شیشی ان کی خواب گاہ میں کہیں پوشیدہ ہوگی...... ویسے بھی جتنا تم اس گھر کو جانتے ہو اتنا تمہاری بیگم صاحبہ نہیں جانتیں۔"

"شیشی ہمیں مل جائے تو کیا کریں صاحب؟"

"ہاں، ابھی یہاں سے اٹھیں گے، میں تمہیں ایک جگہ دکھاتا ہوں بس شیشی وہاں ایک آدمی تک پہنچا دینا اور بے فکر رہو تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی...... شبہ ہی نہ ہونے دینا ویسے تم یہ جانتے ہو طیب علی کہ اس شیشی میں زہر ہے اور وہ زہر تمہارے مالک کے بیٹے شاہد علی کو دیا جائے گا اور اس کے بعد شاہد علی بھی زندگی سے محروم ہو جائے گا اور پھر تمہارے مالک کے دشمن، تمہارے مالک کی دولت پر عیش کریں گے...... ان پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔" طیب علی کے چہرے پر سرخی پھیل گئی، اس نے آہستہ سے کہا۔

"زندگی اللہ کی امانت ہوتی ہے صاحب، اگر ہم اپنی اس نمک حلالی میں کام آ بھی گئے تو ہمیں کوئی افسوس نہیں ہوگا۔"

"بے شک زندگی اللہ کی امانت ہوتی ہے، طیب علی لیکن اب تمہیں اس بات پر بھی بھروسا رکھنا چاہئے کہ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچنے دوں گا تم بالکل بے فکر رہو...... ہم ہزار آنکھوں سے تمہاری نگرانی کریں گے اور تمہاری حفاظت کریں گے۔"

"ٹھیک ہے صاحب آپ بالکل اطمینان رکھو۔"

"چلو اپنی چائے ختم کرو...... میں تمہیں ساتھ لے کر چلتا ہوں۔" پھر شہاب طیب علی کو ساتھ لے کر چل پڑا تھا اور اس کے بعد اس نے کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں جوہر خان سے اس کی ملاقات کرائی تھی...... اس نے کہا۔

"یہ جوہر خان صاحب ہیں، چوبیس گھنٹے یہاں رہتے ہیں...... تم وہ شیشی انہیں لا کر دے سکتے ہو۔"

"ٹھیک ہے صاحب ہم ایسا ہی کریں گے۔"

"آؤ اب میں تمہیں چھوڑ دوں۔"

"نہیں صاحب چلے جائیں گے ہم۔"

"ٹھیک ہے طیب علی، میں اس لئے تمہیں واپس چھوڑنے نہیں جا رہا کہ کہیں کوئی تمہیں میرے ساتھ دیکھ نہ لے، کام ہوشیاری سے ہونا چاہئے۔"

"بالکل صاحب۔" اور اس کے بعد طیب علی وہاں سے واپس چل پڑا تھا لیکن اب اس کا ذہن کافی حد تک مطمئن تھا۔

❀❀❀

بینا نے مسکراتی نگاہوں سے شہاب کو دیکھا اور بولی۔

"باس، آج کل ملاقاتوں میں کچھ کمی واقع ہو گئی ہے۔"

"نہیں بینا، یہ صرف تمہارا خیال ہے بھلا کمی کیسے ہو سکتی ہے۔"

"ہاں شاید، یہ خیال ہی ہو۔"

"ویسے میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے دل میں اب میرے لئے مقام بڑھتا ہی جا رہا ہے۔"

"میرے دل میں تو بڑھتا جا رہا ہے لیکن آپ نے میرے راستے روک دیئے ہیں۔"

"توبہ توبہ، بھلا تمہارے راستے کون روک سکتا ہے؟"

"جناب نے مجھے ایک معذور شوہر کی بیوی بنا دیا ہے اور دو بچوں کی ماں، اب بھلا آپ کے گھر میں میرے لئے کس انداز میں سوچا جائے گا۔"

"بینا کی باتیں، ارے شہاب کی باتوں پر اس کے گھر میں یقین کون کرتا ہے...... کوئی بھی ایسا لمحہ آ جائے گا جب بھابی ہی کو بے وقوف بنا دیں گے ہم۔"

"جی نہیں، آپ بنا دیں گے میں نہیں بنا سکتی۔"

"کیوں؟" شہاب آنکھیں نکال کر بولا۔

"اس لئے کہ میرا اور ان کا زندگی بھر کا ساتھ ہوگا۔"

شہاب کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے عجیب سے تاثرات پھیل گئے...... اس نے مسکراتی نگاہوں سے بینا کو دیکھا پھر بولا۔

"کیا بات کہی ہے بینا...... درحقیقت سہانے خواب دکھا دیئے ہیں...... بینا میرا خیال ہے کہ تمہاری یہ باتیں اب مجھے تم سے دور نہیں رہنے دیں گی۔"

"ہم دور کہاں ہیں۔" بینا نے مسکراتی نگاہوں سے شہاب کو دیکھتے ہوئے کہا اور شہاب بھی مسکرانے لگا...... پھر سنجیدہ ہو کر بولا۔

"بینا وہ واقعہ یاد ہے نا؟"

"کون سا؟"

"ٹرک کا حادثہ ہوا تھا اور چار افراد جاں بحق ہو گئے تھے۔"

"فیاض علی والا معاملہ۔"

"ہاں بینا اس کے سلسلے میں خاصی پیش رفت ہوئی ہے۔"

"گڈ...... کیا؟"

"وہ حادثہ نہیں قتل تھا۔"

"واقعی؟" بینا نے حیرانی سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

"ہاں بینا، دنیا کے چند ہی تو کھیل ہوتے ہیں، سنگدل لوگ ہنستے بستے گھروں کو دولت کے لئے زندگی سے محروم کر دیتے ہیں...... سازشیں ہوتی ہیں، جال پھیلائے جاتے ہیں اور کبھی کبھی یہ جال اتنے مضبوط ہوتے ہیں کہ انہیں توڑنا ممکن نہیں ہوتا۔"

"آپ اس سلسلے میں کام کر تو رہے تھے۔"

"میں تو کام خیر کر ہی رہا تھا بینا، لیکن ایک بات کا میں پورے طور پر قائل ہوں کہ خون ناحق سر چڑھ کر بولتا ہے، قدرت خود بخود مواقع مہیا کرتی ہے اب یہ معاملہ بھی ایک عجیب و غریب نوعیت اختیار کر گیا ہے۔"

"مجھے بتایئے شہاب پلیز۔"

"ہاں بینا، میں امریکہ سے کچھ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن میرا خیال ہے اب ان کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔"

"کیوں؟"

"اصل میں بینا شاہد علی کا معاملہ یہ ہے کہ وہ یہاں سے امریکہ چلا گیا تھا بلکہ اس کے باپ نے ہی اسے امریکہ پہنچانے میں اس کی معاونت کی تھی۔ شاہد علی اپنی سوتیلی ماں کو برداشت نہیں کر سکتا تھا اور آخر کار وہ یہاں سے رخصت ہو گیا...... ظاہر ہے ایک ایسے آدمی کی ذہنیت کیا ہو گی جس سے اس کا اپنا گھر چھن گیا تھا...... وہاں اس نے نیورا کوریل نامی ایک

لڑکی سے شادی کر لی جو بعد میں مسلمان ہو کر فرزانہ کہلائی، یہاں فیاض علی کا قتل ہوا اور اس کے بعد شاہد علی اپنی بیوی کے ساتھ واپس آ گیا اور اب اس نے یہاں آ کر اپنا کاروبار سنبھال لیا ہے اور اس کے راستے کی کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی ہے...... فیاض علی صاحب کے دوسرے دونوں بچے بھی مر چکے ہیں۔"

"اوہ میرے خدا کیا شاہد علی نے اپنے باپ، سوتیلی ماں اور سوتیلے بھائی بہن کو قتل کرانے کی سازش کی ہے۔"

"سو فیصد خیال اسی کی جانب جا سکتا ہے بینا اور اس کے لئے ثبوت تلاش کئے جا سکتے ہیں، لیکن معاملہ کچھ اور ہی نکل آیا ہے۔"

"اوہ...... وہ کیا؟" جواب میں شہاب نے بینا کو ساری کہانی سنانا شروع کر دی...... بینا کی آنکھیں حیرت سے کھلی ہوئی تھیں اور گہری نگاہوں سے شہاب کا جائزہ لے رہی تھی...... شہاب کے خاموش ہونے کے بعد اس نے کہا۔

"تو دانش اور کوریل کا معاملہ ہے؟"

"ہاں بینا...... ویسے سردار علی اور انجم نے بھی اس سلسلے میں خاصا کام کیا ہے، ورنہ شاید معاملہ دب ہی جاتا اور آخر کار بے چارہ شاہد علی بھی زندگی سے محروم ہو جاتا۔"

"بڑی بات ہے، واقعی بڑی بات ہے...... اس میں کوئی شک نہیں شہاب کہ تقدیر خود ہی انسان کا فیصلہ کرتی ہے...... وہ لوگ اپنی کوششوں میں خاصی حد تک کامیاب ہو گئے تھے، لیکن بس ظاہر ہے ان تمام برائیوں کو دیکھنے والی بھی تو کوئی ذات ہے۔"

"ہاں کیوں نہیں۔"

"تو پھر اب کیا پروگرام ہے آپ کا؟"

"طیب علی ذرا اپنے معاملے میں کامیاب ہو جائے اس کے بعد میں اس سلسلے میں آگے قدم بڑھاؤں گا۔"

"اس کا کامیاب ہونا ضروری ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ پہلے سے شاہد علی کو ہوشیار کر دیں۔"

"بینا کوشش تو کی جا سکتی ہے، لیکن بغیر کسی ثبوت کے یہ مشکل ہو گا اور پھر ذرا یہ کام کر لیا جائے اس کے بعد دیکھتا ہوں...... اس بات کو بھی ذہن میں رکھو کہ شاہد علی نے اس

سے عشق کر کے شادی کی ہے۔ آسانی سے وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرے گا کہ نیورا کوریل اس کی زندگی کے درپے ہے اور کسی اور سے اس کے تعلقات ہیں۔" بینا گہری گہری سانسیں لینے لگی تھی۔

طیب علی کو اب کافی حوصلہ ہو گیا تھا...... اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مالک وفاداری میں اگر جان بھی کام آ جائے تو نقصان نہیں ہوتا وہ مسلسل تاک میں لگا ہوا تھا... حالت کافی بہتر ہو گئی تھی اور اس نے اپنے آپ کو پوری طرح سنبھال لیا تھا...... ابراہیم خان بھی مطمئن ہو گیا تھا...... پورا دن گزر گیا، پھر رات بھی گزر گئی...... دوسرے دن نیورا کوریل اور شاہد علی ساتھ ساتھ ہی کار میں بیٹھ کر نکلے تھے...... شاہد علی تو آفس جا رہا تھا...... فرزانہ کو شاید کوئی اور کام ہو گا...... ظاہر ہے ملازموں کو اس بارے میں کچھ نہیں معلوم لیکن طیب علی جو مسلسل تاک میں لگا ہوا تھا یہ دیکھ کر خوش ہو گیا...... خود بھی جانتا تھا اور شہاب نے بھی اس سے یہی کہا تھا کہ جو کچھ کرنا ہے پوری احتیاط کے ساتھ کیا جائے اور کسی کو کانوں کان اس کی بھنک نہ ملے ورنہ صورت حال خراب ہو سکتی ہے، چنانچہ اس نے ابراہیم خان کو بھی اپنا رازدار نہیں بنایا اور ان لوگوں کے نکل جانے کے بعد خاموشی سے نیورا کوریل کے کمرے میں داخل ہو گیا اور فرنیچر صاف کرنے لگا...... اس کی تیز نگاہیں ہر جگہ کا جائزہ لے رہی تھیں...... تقریباً پندرہ منٹ کی کوشش کے بعد اسے کامیابی حاصل ہو گئی...... وہ شیشی اسے نیورا کوریل کی ڈریسنگ ٹیبل میں مل گئی تھی...... نیورا کوریل نے اسے بڑی احتیاط سے چھپایا ہوا تھا جبکہ ڈریسنگ ٹیبل پر باقی میک اپ کا پورا پورا سامان پھیلا ہوا تھا...... طیب علی نے احتیاط سے وہ شیشی اپنے لباس میں چھپائی اور اس کے بعد باہر نکل آیا...... ابراہیم خان سے اس نے کہا۔

"ابراہیم خان ایک ضروری کام سے تھوڑی دیر کے لئے جا رہا ہوں...... صاحب لوگ ابھی واپس نہیں آئیں گے...... بیگم صاحب آ جائیں تو تم سنبھال لینا۔"

"کہاں تک جا رہے ہو؟" کچھ تھوڑا سا سودا سلف مجھے منگوانا ہے لا دو گے؟"

"کیوں نہیں لاؤں گا بتاؤ کیا منگوانا ہے۔" طیب علی نے کہا اور ابراہیم خان نے اسے اپنی مطلوبہ اشیا کے بارے میں بتا دیا...... طیب علی اس سے پیسے لے کر نکل گیا تھا...... وہ جگہ اس

نے واپس آتے ہوئے اچھی طرح یاد کر لی تھی جو اسے دکھائی گئی تھی...... مطلوبہ شیشی لے کر جب وہ کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں پہنچا تو اسے وہ کار بھی نظر آ گئی...... شہاب اس وقت کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں ہی موجود تھا جوہر خان کو سلام کیا تو اس نے کہا۔

"اوہو...... طیب علی تم آ جاؤ صاحب اندر ہی ہیں۔"

"یہ اچھی بات ہے۔" طیب علی نے کہا...... جوہر خان نے اسے شہاب کے پاس پہنچا دیا...... شہاب، طیب علی کو دیکھ کر ہی خوش ہو گیا تھا۔

"اوہو طیب علی تمہارے چہرے سے لگتا ہے کہ تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہو؟"

"جی صاحب بالکل۔"

"وہ شیشی ہے تمہارے پاس؟"

"جی صاحب۔" طیب علی نے شیشی نکال کر شہاب کے حوالے کر دی اور شہاب اسے غور سے دیکھنے لگا اس کے چہرے پر سنسنی پھیل گئی تھی کچھ دیر وہ شیشی کو دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

"چلو طیب علی تمہاری ایک مشکل اور حل کر دی جائے...... بس تھوڑی دیر میں ابھی تمہیں ساری صورت حال بتائے دیتا ہوں۔" شہاب نے کہا اور اس کے بعد اس نے شیشی کو احتیاط سے اپنے لباس میں رکھ لیا...... طیب علی شہاب کے ساتھ باہر نکل آیا تھا...... شہاب اسے کار میں لے کر چل پڑا، پھر ایک میڈیکل سٹور سے اس نے کچھ لیکوئیڈ وغیرہ خریدا اور اسے خریدنے کے بعد واپس باہر نکل آیا...... پھر شیشی کا زہریلا لیکوئیڈ پھینک کر اس نے اسے خوب اچھی طرح صاف کیا اور پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد اپنا خریدا ہوا لیکوئیڈ اس میں منتقل کر دیا...... طیب علی یہ سارے کام دیکھ رہا تھا...... اس کے بعد شہاب نے شیشی اسے دیتے ہوئے کہا۔

"بات ختم ہو گئی، اب جو اس میں دوا ہے وہ بالکل بے ضرر ہے اور کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی...... تمہاری تقدیر اگر ساتھ دے جائے اور بیگم صاحبہ ابھی واپس نہ پہنچی ہوں تو یہ شیشی تم اسی جگہ رکھ دینا جہاں سے اٹھائی ہے اور اگر بیگم صاحبہ واپس آ گئی ہوں تو پھر بھی اس موقع کی تاک میں رہنا کہ تمہیں دوبارہ اسے وہاں تک پہنچانے کا موقع مل جائے۔"

"ٹھیک ہے صاحب۔" طیب علی نے جواب دیا...... اس کے بعد شہاب سے رخصت ہو کر چل پڑا...... ابراہیم خان کا بتایا ہوا سامان اس نے بازار سے خریدا اور تقریباً دوڑتا ہوا

واپس پہنچا تھا، یہ دیکھ کر اسے سکون ہوا کہ کار واپس نہیں آئی تھی لیکن پھر بھی اس نے سامان ابراہیم خان کو دیتے ہوئے پوچھا۔

"بیگم صاحبہ نے تو مجھے نہیں پوچھا۔"

"بیگم صاحبہ تو ابھی واپس نہیں آئی ہیں۔"

"اوہو...... اچھا اچھا۔" طیب علی نے مطمئن لہجے میں کہا۔

اس کا دل خوشی سے دھڑک رہا تھا...... اس نے آخر کار نہایت احتیاط کے ساتھ شیشی واپس اسی جگہ رکھ دی جہاں سے اس نے اسے اٹھایا تھا اب وہ پوری طرح مطمئن نظر آرہا تھا۔

❁

شہاب نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا...... فیاض انٹر پرائزز کے ملازمین باہر نکل رہے تھے...... پھر کچھ دیر کے بعد اس نے شاہد علی کو بھی اپنی کار میں باہر آتے ہوئے دیکھا...... شاہد علی خود ہی کار ڈرائیو کر رہا تھا اور یہ اچھی بات تھی...... شہاب نے اپنی کار سٹارٹ کی...... فیاض انٹر پرائزز کی عمارت کے سامنے وہ تقریباً بیس منٹ تک اپنی کار میں بیٹھا شاہد علی کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہا تھا...... شاہد علی کی کار آگے بڑھی تو اس نے بھی اپنی کار اس کے پیچھے لگادی تھی...... بہت غور و خوض کے بعد اس نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ شاہد علی سے اس کے آفس میں ملاقات نہیں کرنا چاہئے...... ایک باقاعدہ سازش ہو رہی تھی اور کوئی نہیں جان سکتا تھا کہ اس سازش کے شریک کار اور کون کون ہیں۔ یہ بھی ممکن تھا کہ نیورا کوریل اور اس کے عاشق زار دانش عظیم نے فرم کے کچھ لوگوں کو بھی اپنے ساتھ ملا رکھا ہو...... بہر حال یہ ایک احتیاطی قدم تھا پھر ایک ایسی سڑک پر جو سنسان تھی اور یہاں شہاب اپنا کام کر سکتا تھا...... شہاب نے اپنی کار کی رفتار اچانک تیز کی اور اس کے بعد شاہد علی کی کار کو اوور ٹیک کر کے اسے ہاتھ سے اشارہ کرنے لگا...... شاہد علی حیران ہو گیا تھا لیکن آخر کار اس نے کار روک دی...... شہاب نے اپنی کار اس کی کار کے برابر لگادی تھی، پھر شہاب گاڑی سے نیچے اترا اور شاہد علی کے پاس پہنچ گیا۔

"ہیلو مسٹر شاہد علی۔"

"ہیلو سر، آپ وہ پولیس آفیسر ہیں نا۔"

"جی مسٹر شاہد علی۔"

"خیریت جناب۔"

"ہاں بالکل خیریت ہے...... آپ کا کچھ وقت لینا چاہتا ہوں۔"

"تو پھر تشریف لائیے میرے ساتھ میرے گھر چلئے۔"

"نہیں مسٹر شاہد علی آپ یہ بتائیے کہ آپ کو کوئی فوری کام تو نہیں ہے۔"

"نہیں بالکل نہیں۔"

"تب آئیے کسی ریستوران میں بیٹھ کر بات ہو گی۔"

"جیسا آپ پسند کریں۔"

"اپنی گاڑی میری کار کے ساتھ لے آئیے۔" شہاب نے واپس کار میں بیٹھتے ہوئے کہا اور پھر کار آگے بڑھادی...... تھوڑی دیر کے بعد دونوں کاریں ایک ریستوران کے سامنے رک گئیں جو بہت پر سکون اور خوبصورت تھا...... شاہد علی کے چہرے پر حیرانی کے نقوش نظر آرہے تھے...... وہ خاصا متجسس تھا لیکن بہر حال اس نے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ شہاب ریستوران میں داخل ہوا اور پھر ایک پر سکون گوشہ منتخب کر کے دونوں وہاں جا بیٹھے...... شاہد حیران نظر آرہا تھا۔

"کیا پینا پسند کریں گے شاہد صاحب۔"

"میرا خیال ہے کافی۔"

"مناسب۔" شہاب نے کہا اور کچھ لمحات کے بعد ویٹر کو کافی کا آرڈر دے دیا۔ شاہد نے کہا۔

"آپ کے اس پر اسرار انداز سے میں خاصا پریشان ہو گیا ہوں۔"

"نہیں پریشانی کی کوئی بات نہیں شاہد صاحب اصل میں آپ سے بالکل تنہائی میں کچھ گفتگو کرنا چاہتا تھا۔"

"آفس کیوں نہ تشریف لے آئے؟"

"بتا چکا ہوں، آپ کو کہ بالکل تنہا آپ سے گفتگو کرنا چاہتا تھا۔"

"جی۔" شاہد علی نے آہستہ سے کہا اور اس کے بعد متجسس نگاہوں سے شہاب کو دیکھتا رہا۔ شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کہئے آپ نے اپنے والد کے کاروبار کو بخوبی سنبھال لیا۔"

"جی ہاں...... میرے اوپر تو ناگہانی افتاد آپڑی ہے لیکن مرتا کیا نہ کرتا ظاہر ہے پوری
ہمت کے ساتھ یہ سب کچھ کرنا تھا اب اسے ایسے تو چھوڑ نہیں سکتا۔"

"بے شک...... بے شک...... ویسے آپ قابل مبارک باد ہیں شاہد علی صاحب۔"
شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی۔"

"جی ہاں...... کسی بھی قسم کی الجھنوں سے پاک کاروبار آپ کو ملا ہے۔ الجھنیں خود بخود
آپ کے راستے سے ہٹ گئیں جبکہ اگر آپ کی سوتیلی والدہ اور بہن بھائی زندہ رہتے تو آپ
کو کاروبار اس طرح نہ مل جاتا۔"

"نہیں جناب...... کاروبار تو بہت عرصے سے میرے والد کر رہے ہیں، اگر میں چاہتا تو
کسی بھی وقت رجوع کر کے ان سے کاروبار کو سنبھالنے کا ارادہ ظاہر کر سکتا تھا لیکن میرا مزاج
اس قسم کا ہے ہی نہیں...... بس یوں سمجھ لیجئے کہ یہ سب کچھ جو کرنا پڑا ہے حالات کے تحت
کرنا پڑا ہے۔"

"حالات کو اپنے حق میں ہموار کرنے میں بھی انسان کو کس قدر مشکلات کا سامنا کرنا
پڑتا ہے۔" شہاب نے کہا اور شاہد علی اس کی بات سمجھنے کی کوشش کرنے لگا پھر جب سمجھا
اس کے چہرے پر حیرت کے نقوش پیدا ہو گئے۔

"میں سمجھا نہیں جناب۔" اس نے کہا اس وقت ویٹر نے کافی کے برتن لا کر سامنے
رکھ دیئے اور شہاب کافی بنانے لگا پھر اس نے ایک پیالی شاہد علی کے سامنے رکھی اور دوسری
کے چند سپ لئے اور بولا۔

"پلیز۔" شاہد علی نے خود بھی اپنی کافی اٹھائی تھی۔ وہ کسی قدر متوحش نظر آرہا تھا۔
لمحات کے بعد وہ پھر بولا۔

"آفیسر آپ کے لہجے سے مجھے ایک عجیب سا احساس ہو رہا ہے۔"

"ہونا چاہئے شاہد علی صاحب۔ انسان اگر اتنا حساس نہ ہو تو اتنے بڑے بڑے کام
کر ڈالے۔"

"جی۔" شاہد علی نے جلدی سے اپنی کافی کی پیالی نیچے رکھ دی۔

"جی ہاں شاہد علی صاحب میں آپ کو اس سلسلے میں مبارک باد دے رہا تھا، ویسے

علی صاحب آپ نے امریکہ سے واپس آنے کے بعد اپنے والد کے قاتلوں کے سلسلے میں
بڑی پرجوش باتیں کی تھیں...... میرا خیال ہے اب آپ نے اپنے والد کے قاتلوں سے
سمجھوتہ کر لیا ہے۔"

"میں پھر آپ سے یہی عرض کروں گا کہ آپ کا لہجہ مجھے شک و شبہ میں گرفتار کر رہا
ہے۔"

"کیا شک کا کوئی وجود ہے شاہد علی صاحب؟" شہاب نے شاہد کی آنکھوں میں دیکھتے
ہوئے کہا۔

"آفیسر براہ کرم جو کچھ آپ کے دل میں ہے مجھے بتایئے۔"

"مبارک باد ہی سے آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ میں آپ کو آپ کی محنت اور کاوشوں کی
مبارک باد دے رہا ہوں۔"

"کیسی محنت، کیسی کاوش؟"

"جو آپ نے اپنے والد کی دولت حاصل کرنے کے لئے کی ہے...... دوسری صورت
میں اگر آپ کی سوتیلی والدہ اور آپ کے بہن بھائی زندہ رہتے تو حصہ تو بے شک آپ کو
اپنے والد کی دولت میں سے ملتا لیکن غالباً چوتھائی اور اب آپ بلاشرکت غیرے اس دولت
کے مالک ہیں۔"

"لعنت بھیجتا ہوں اس دولت پر، اس جائیداد اور کاروبار پر جو میرے والد کی زندگی کی
قیمت پر مجھے ملا...... اگر آپ یہ کہنا چاہتے ہیں آفیسر کہ اس دولت و کاروبار کے حصول کے
لئے میں نے کوئی مجرمانہ کارروائی کی ہے تو یہ انتہائی شرمناک اور افسوس ناک بات ہے......
بے شک آپ کا تعلق محکمہ پولیس سے ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی میں سمجھتا ہوں
آپ انسان بھی ہیں، کم از کم انسان کی حیثیت سے آپ کو میرے جذبات کا بھی تھوڑا بہت
خیال رکھنا چاہئے۔"

"ہاں...... لیکن افسوس انسان ہی انسان کا دشمن ہوتا ہے اور کبھی کبھی دشمنی اس قدر
بدنما ہوتی ہے کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"تو کیا آپ کا خیال ہے کہ اپنے والد کی موت میں میرا کوئی ہاتھ ہے؟"

"خیال نہیں مسٹر شاہد علی بلکہ کچھ شبہات سمجھ لیجئے...... اب دیکھئے نا میں نے ابتدا ہی

میں آپ کو بتادیا ہے کہ اگر آپ کی والدہ اور بہن بھائی زندہ ہوتے تو اس جائیداد کا چوتھا حصہ آپ کو ملتا...... ظاہر ہے آپ کو یہ بات پسند نہیں ہو گی۔"

"ہوں۔" شاہد علی کے انداز میں ایک تبدیلی رونما ہو گئی، اس نے کافی کا کپ اٹھایا چند گھونٹ لئے اور سوچنے والے انداز میں شہاب کو دیکھتا رہا پھر مدہم لہجے میں بولا۔

"ایک پولیس آفیسر کی حیثیت سے آپ یہ شبہ کر سکتے ہیں لیکن میں آپ کو دعوت دیتا ہوں آفیسر کہ جس طرح بھی چاہیں کھل کر اِس بارے میں تحقیق کریں...... اگر مجھ پر کوئی ایسی سازش ثابت ہو جائے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کو مجھ پر مقدمہ چلانے، پھانسی دینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی...... میں خود کشی کرلوں گا۔ یہ ایک مرد کا وعدہ ہے آپ سے۔"

"ویری گڈ...... شاہد علی صاحب خود کشی کی دو تین اقسام ہوتی ہیں...... میرا خیال ہے خود کشی تو آپ کر چکے ہیں۔"

"کچھ نہیں سننا چاہتا آفیسر آپ کو اپنے کام پر اختیار ہے، آپ تحقیقات کیجئے اور اگر اس وقت اس سلسلے میں کوئی ثبوت آپ کے پاس موجود ہے اور آپ یہ ثابت کر سکتے ہیں تو براہ کرم مجھے یہاں سے ہتھکڑی لگا کر لے جائیے، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

"شاہد علی صاحب آپ اب ذرا مختلف انداز میں سوچئے...... آپ کے والد کا حادثہ نہیں ہوا بلکہ ٹرک سے ٹکر جان بوجھ کر ماری گئی اور انہیں قتل کر دیا گیا۔ اس بات کے تمام ثبوت میرے پاس موجود ہیں...... یہ ایک اتفاقی حادثہ نہیں بلکہ جانا بوجھا قدم ہے اور آپ کے والد، سوتیلی والدہ اور دونوں بہن بھائی باقاعدہ ایک سازش کے تحت قتل کئے گئے ہیں۔"

"سازش...... سازش...... سازش...... کون کر سکتا ہے یہ سازش اور یہ سازش کرنے سے کسی کو کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ میرے سوال۔"

"ہاں...... آپ کے سوا تو کیا آپ یہ بات تسلیم نہیں کریں گے، شاہد صاحب کہ آپ نے اپنے والد کو قتل کیا؟"

"خدا کی قسم آفیسر آپ مجھے وہ گالیاں دے رہے ہیں جو شاید آپ کو نہیں دینا چاہئے تھیں۔"

"معذرت خواہ ہوں اس کے لئے لیکن شاہد صاحب کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان انجانے میں اپنوں کا دشمن بن جاتا ہے۔ فرض کیجئے آپ نے یہ سازش نہ کی ہو لیکن کچھ ایسے لوگوں کو آپ کے بارے میں علم ہو کہ آپ ایک نہایت دولت مند اور حاجت ثروت آدمی ہیں...... اس نے آپ کے والد کو نشانہ بنا ڈالا ہو۔"

"مگر کیوں اور وہ کون ہو سکتا ہے؟"

"ہاں یہ سوال دلچسپ ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کی مسز ہوں جن کا پرانا نام نیورا کوریل ہے۔" شاہد علی کا ہاتھ بری طرح لرز گیا۔ اس کے چہرے پر شدید غصے کے آثار نظر آئے پھر اس نے کہا۔

"افسوس میرا واسطہ اس سے پہلے کبھی محکمہ پولیس سے نہیں پڑا لیکن امریکہ میں پولیس ایسی نہیں ہوتی۔ انسان انسان کے جذبات کا خیال بھی رکھتا ہے۔ آپ بہت بے رحم ہیں انسپکٹر، جس بے رحمی سے آپ یہ مختلف الزامات لگا رہے ہیں، معاف کیجئے گا وہ غیر انسانی ہے۔"

"اس کے لئے میں آپ سے شرمندہ بھی ہوں شاہد علی صاحب اور معذرت بھی چاہتا ہوں لیکن ہو سکتا ہے جو کچھ میں نے کہا ہے اس میں صداقت ہو؟"

"نیورا کوریل کا نام اب فرزانہ ہے۔ وہ میرا مذہب قبول کر چکی ہے اس کے ساتھ ساتھ ہی آپ تصور نہیں کر سکتے کہ وہ کس قدر نفیس اور تعاون کرنے والی عورت ہے۔ اس نے میرا سارا غم بانٹ لیا ہے، اس نے مجھے وہ زندگی دی ہے شہاب صاحب جس کا انسان خوابوں میں ہی تصور کر سکتا ہے وہ اس قدر وفا شعار اور محبت کرنے والی عورت ہے کہ آپ تصور نہیں کر سکتے اور آپ جیسے لوگ اس پر ایک لاکھ الزامات لگائیں لیکن میں وہ الزامات کبھی قبول نہیں کروں گا۔" شہاب پھر مسکرانے لگا، اس کے بعد اس نے کہا۔

"براہ کرم کافی لیجئے۔"

"آپ کا رویہ ایک دوسرے سے متضاد ہے، ایک جانب آپ وہ باتیں کر رہے ہیں جو میرے دل پر چرکے اور زخم لگائیں، دوسری جانب آپ نے دوستانہ انداز اختیار کیا ہے۔"

"ٹھیک ہے شاہد علی صاحب، آپ سے بہت سی معذرتیں کروں گا لیکن اب جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے صبر و سکون سے سنئے اور اگر واقعی اپنے والد کے قاتلوں کی نشاندہی چاہتے ہیں تو مجھ سے تعاون کیجئے۔"

"جی فرمائیے۔"

"دانش عظیم کون ہے؟" شہاب نے سوال کیا اور شاہد علی اُچھل پڑا۔

"آپ...... آپ اسے کیسے جانتے ہیں۔ وہ میرا دوست ہے۔"

"کہاں ہے؟"

"میں یہ نہیں جانتا۔"

"امریکہ میں اس کے مشاغل کیا تھے؟"

"اس کے مشاغل۔"

"جی ہاں...... آپ کا دوست ہے تو آپ کو اس بارے میں معلومات تو حاصل ہوں گی۔"

شاہد کے چہرے پر مختلف رنگ آ رہے تھے، وہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"وہ ایک لاابالی اور کھلنڈرے سے مزاج کا نوجوان تھا...... تعلیم کی غرض سے وہاں گیا تھا لیکن تعلیم کم اور دوسرے مشاغل زیادہ تھے۔ وہ چھوٹے موٹے مجرمانہ اقدام بھی کر لیتا تھا جو کم از کم ایسے نہیں ہوتے تھے جو قابل دست اندازی پولیس ہو۔"

"کتنے عرصے سے آپ کی اس سے ملاقات نہیں ہوئی؟"

شاہد سوچ میں ڈوب گیا پھر اس نے کہا۔

"بہت زیادہ وقت نہیں ہوا لیکن امریکہ میں ہی اس سے میری ملاقات ہوئی تھی اور اس کے بعد وہ شاید کہیں چلا گیا تھا۔"

"شاید۔"

"جی ہاں۔"

"کیا آپ کو دیار غیر میں اپنے دوست کے مشاغل معلوم نہیں تھے...... اس نے آپ کو یہ بتایا نہیں تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے؟"

"نہیں۔"

"کوئی اطلاع نہیں تھی اس کے بارے میں آپ کو؟"

"نہیں۔"

"نیورا کوریل سے آپ کی شادی ہونے کے بعد وہ وہاں سے غائب ہوا تھا۔"

"جی ہاں...... وہ ہماری شادی میں شریک تھا۔"

"اندازاً کتنے عرصے کے بعد۔"

"صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے۔"

"کیا آپ یہ بات جانتے تھے کہ وہ کہاں کا باشندہ تھا؟"

"میرے ہی وطن کا میرے ہی شہر کا۔"

"کیا اس نے آپ کو کبھی اپنے والدین کا پتا بتایا تھا؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ کبھی میں نے پوچھا ہی نہیں۔"

"یعنی بس ایسی ہی دوستی تھی آپ لوگوں کی؟"

"نہیں جناب عادتیں ہوتی ہیں...... مجھے اس کے گھریلو حالات معلوم کرنے سے کبھی کوئی دلچسپی نہیں ہوئی اس لئے میں نے کبھی پوچھا بھی نہیں۔"

"اور اسے آپ کے گھریلو حالات معلوم تھے؟" شہاب نے سوال کیا اور شاہد گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"جی ہاں معلوم تھے۔"

"یہ بھی معلوم تھا کہ آپ کے والد نے دوسری شادی کر لی ہے اور آپ کے بہن بھائی بھی ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"شاہد صاحب کیا دانش کے نیورا کوریل سے بھی تعلقات تھے؟"

"ہم مشترکہ دوست تھے۔"

"نیورا کوریل سے آپ کی ملاقات کس انداز میں ہوئی؟"

"بالکل عام انداز میں۔"

"دانش کو آپ نے کبھی نیورا کوریل کے قریب دیکھا۔"

"بارہا...... میں نے کہا نا کہ ہم مشترکہ دوست تھے۔"

"گڈ...... تو شاہد علی صاحب میں آپ کو ایک اور کہانی سنا رہا ہوں کہانی یہ ہے کہ دانش اور نیورا کوریل کے تعلقات آپس میں بہت گہرے تھے۔ ممکن ہے کبھی انہوں نے آپ کو اپنے ان گہرے تعلقات کی ہوا نہ لگنے دی ہو؟"

"پلیز...... آفیسر پلیز۔"

"سنئے اور غور کیجئے...... جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں...... یہ چار افراد کے قتل کا معاملہ ہے...... آپ بے شک اسے نظرانداز کرسکتے ہیں لیکن آپ جانتے ہیں کہ پولیس کی ذمہ داریاں کیا ہوتی ہیں...... ہم ان معاملات کو قطعی نظرانداز نہیں کرسکتے۔"

"لیکن اگر آپ کوئی ایسی بات کہنا چاہتے ہیں جو میرے لئے ناقابل برداشت ہو تو براہ کرم اس سے گریز کیجئے۔"

"بہت سی باتیں آپ کے لئے ناقابل برداشت ہوسکتی ہیں، لیکن اگر ان میں کچھ حقیقت ہے تو ان حقیقتوں سے گریز کیسے کیا جاسکتا ہے۔"

"اب آپ کہنا کیا چاہتے ہیں آفیسر؟"

"جو کہانی میں آپ کو سنا رہا ہوں وہ یہ ہے کہ نیورا در اصل آپ سے نہیں دانش عظیم سے محبت کرتی ہے۔ ان دونوں کا آپس میں گٹھ جوڑ تھا۔ دانش عظیم آپ کے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا...... اسے علم تھا کہ آپ ایک دولت مند آدمی ہیں اور آپ کے گھریلو مسائل کیا ہیں، پھر اس نے نیورا کوریل کو اپنے ساتھ اس سازش میں شریک کیا اور نیورا کوریل اس کے ایما پر آپ کی جانب متوجہ ہوئی۔ آپ دونوں کے درمیان گہرے تعلقات اور روابط ہوئے اور دانش کی اسکیم کے تحت نیورا کوریل نے آپ سے شادی کرلی، جبکہ درحقیقت یہ سب دانش کے ایما پر ہوا تھا۔"

"آپ حد سے بڑھ رہے ہیں آفیسر...... میں آپ کو اس کی اجازت نہیں دوں گا۔" شاہد نے برافروختہ ہوتے ہوئے کہا۔

"میں آپ سے اجازت طلب بھی نہیں کررہا شاہد صاحب...... سکون سے بیٹھئے اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے غور سے سنئے۔" شہاب کا لہجہ سخت ہوگیا۔

"آپ...... آپ عجیب بات کررہے ہیں۔"

"میں کہہ رہا ہوں آپ خاموش ہوکر صرف وہ سنئے جو میں آپ کو بتا رہا ہوں۔" شہاب کا لہجہ اس قدر سرد تھا کہ شاہد کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ یہ نوجوان خوب صورت آفیسر جس کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ اس کا لہجہ اس قدر خوفناک اور سرد تھا اس وقت اسے بے حد خوفناک لگا تھا...... وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر خاموش ہوگیا۔ انسپکٹر

شہاب بولا۔

"نیورا کوریل نے دانش کے ایمان پر آپ سے شادی کرلی اور آپ پر اپنی مضبوط گرفت قائم کرلی، اس کے بعد دولت کے حصول کے لئے دوسرا اقدام اٹھانے کی ضرورت تھی، چنانچہ دانش خاموشی سے امریکہ سے واپس آگیا...... یہاں آنے کے بعد اس نے آپ کے اہل خاندان کے بارے میں چھان بین شروع کردی، ان کے مشاغل معلوم کئے اور اس کے بعد اس نے ایک نیا کھیل کھیلا۔

وہ جلال شاہ کی حیثیت سے ایک ٹرک اڈے پر ایک شخص سے اپنے تعلقات قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا اور وہیں اقبال پلازہ نامی ایک عمارت میں ایک فلیٹ لے کر رہنے لگا...... اس کا منصوبہ پوری کامیابی کے ساتھ زیر عمل تھا۔ ایک مخصوص دن اسے اس بات کا علم ہوا کہ آپ کے والد سوتیلی ماں اور چھوٹے بہن بھائی کسی کام سے کہیں جارہے ہیں، وہ ان کی تاک میں لگ گیا...... پھر ایک مناسب جگہ اس نے ان کی کار کو ٹرک سے ٹکر مار کر ان چاروں کو ہلاک کردیا اور ان کی ہلاکت کے بعد اس نے وہ جگہ چھوڑ دی اور اپنے آپ کو کہیں اور منتقل کرلیا۔ سن رہے ہیں آپ، آپ کو اپنے والدین کی موت کی اطلاع ملی اور آپ اپنے وطن واپس آگئے...... یہاں آکر آپ نے صورت حال معلوم کی لیکن اس اتفاقیہ حادثہ کے بارے میں پولیس کو بھی کوئی حقیقت معلوم نہیں تھی، چنانچہ آپ کو کچھ نہیں معلوم ہوسکا تو رفتہ رفتہ آپ نے اپنے آپ کو ایڈجسٹ کرنا شروع کردیا...... مسٹر شاہد علی دانش کا منصوبہ تقریباً پایہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے اور اب بھی اس کا نیورا کوریل سے رابطہ قائم ہے۔ آپ جانتے ہیں ان لوگوں کا دوسرا اقدم کیا ہوگا؟"

شہاب نے کہا اور جیب سے ایک شیشی نکال کر سامنے رکھ دی۔ شاہد علی نے نہ سمجھنے والے انداز میں اس شیشی کو دیکھا تھا۔

"اس میں ایک مہلک زہر ہے جس کے تین قطرے آپ کو روزانہ پلائے جاتے ہیں اور آپ کو یہ سلو پوائزن آہستہ آہستہ موت کی جانب لے جارہا ہے۔"

شاہد کے ہاتھ بے اختیار اپنے سینے پر پہنچ گئے تھے...... شہاب نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور کہا۔

"لیکن ہم جاگ رہے ہیں، یہ سازش کامیاب نہیں ہونے دی گئی اور اسے ناکام بنانے

میں آپ کے ایک ایسے وفادار ملازم کا ہاتھ ہے جس کا نام میں ابھی آپ کو نہیں بتا سکتا لیکن یوں سمجھ لیجئے کہ اندر کے معاملات اس کے ذریعے مجھ تک پہنچے ہیں...... یہ شیشی تبدیل کر دی گئی ہے اور اب آپ کی مسز جو لیکوئیڈ آپ کو دے رہی ہیں وہ زہر نہیں ہے بلکہ ایک عام سادہ سا ٹانک ہے جو آپ کو قطعاً نقصان نہیں پہنچا سکتا...... خدا کا شکر ہے شاہد صاحب کہ بروقت اس سازش کا علم ہم لوگوں کو ہو گیا اور آپ موت کے منہ میں جانے سے بچ گئے لیکن مجھے دکھ ہے کہ آپ کو ایک ایسی عورت نے ٹریپ کیا ہے جو آپ کی بیوی ہے، جسے آپ نے اپنی زندگی کا ساتھی منتخب کیا ہے۔ شاہد صاحب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ آپ کی موت کے بعد آپ کی دولت آپ کی بیگم کو منتقل ہو جائے گی اور جب یہ دولت آپ کی بیگم کو منتقل ہو جائے گی تو دانش کو اس کی زندگی میں آنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ یہ ان لوگوں کا مشترک منصوبہ ہے۔"

شاہد نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا...... دیر تک بیٹھا کچھ سوچتا رہا پھر فکر مندانہ لہجے میں بولا۔

"لیکن آفیسر یہ بات یہ بات آپ کو۔"

"بے کار باتوں میں وقت ضائع نہ کیجئے شاہد صاحب میں نے آپ کو شریک راز بنایا ہے اگر آپ کو واقعی اپنے والدین کی موت اور خود اپنی زندگی سے کوئی دلچسپی ہے تو آپ کو میرے منصوبے پر عمل کرنا پڑے گا۔ ساری باتوں کی وضاحت خود بخود ہو جائے گی۔ میرے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن اتنا میں ضرور کہوں گا کہ اگر آپ کو اپنی زندگی پیاری ہے تو آپ اپنے آپ کو سنبھالئے کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت سے پہلے ان لوگوں پر یہ ظاہر ہو جائے کہ آپ ان کی حقیقت سمجھ چکے ہیں۔"

شاہد آہستہ آہستہ نارمل ہوتا جا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر خوف کے آثار بھی نمودار ہو گئے تھے پھر اس کے منہ سے آہستہ سے نکلا۔

"فرزانہ کیا وہ ایسی ہے؟"

"ہاں ڈیئر شاہد تم کیا سمجھتے ہو یہ یورپین چھپکلیاں جو انتہائی معمولی گھرانوں سے تعلق رکھتی ہیں ان کا مستقبل یہ ہوتا ہے کہ وہ کال گرل بن جائیں اور ان کے لئے یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی ہاں اگر انہیں کوئی ایسا بے وقوف مل جائے جو صرف ان کے رنگ و روپ پر

نثار ہو کر ان کی شخصیت کو نظر انداز کر بیٹھے تو بھلا اس سے زیادہ خوش قسمتی ان کے لئے اور کیا ہو سکتی ہے، آپ بھی ایک ایسی عورت کے جال میں پھنسے ہیں اور وہ کامیابی سے اپنی منازل طے کر رہی ہے۔"

"ہاں میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فرزانہ ایسی ہو سکتی ہے۔"

"آپ اگر سوچ سکتے تو اس جال میں کیسے گرفتار ہو سکتے تھے۔"

"لیکن آفیسر ہو سکتا ہے آپ کو غلط فہمی ہوئی ہو۔"

"ہاں ہو سکتا ہے لیکن آپ یہ بتایئے کہ کیا آپ اس سلسلے میں میرے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں یا پھر مجھے کوئی اور بندوبست کرنا پڑے گا۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"اس سازش کو مکمل طور پر طشت از بام کرنے کے لئے ابھی مجھے کافی کام کرنا ہے۔ آپ پر ان حالات کا انکشاف میں نے اس لئے بھی کر دیا ہے کہ کہیں آپ کو کسی اور ذریعے سے دھوکا دے کر قتل نہ کر دیا جائے۔ اس لئے آپ کو محتاط رکھنا ضروری ہے۔"

"تت تو...... پھر...... تو پھر مجھے کیا کرنا چاہئے۔"

"آپ ایسا کیجئے ایک پندرہ دن کے لئے اپنے آپ کو میرے حوالے کر دیجئے۔"

"کیا آپ مجھے گرفتار کریں گے؟"

"ہرگز نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں ہو گی۔" وہ خاصا مضطرب نظر آ رہا تھا۔

"اپنے حوالے کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ میرے اشاروں پر کام کیجئے اور اگر میرے یہ اندازے غلط ثابت ہو جاتے ہیں تو آپ اطمینان رکھئے میں آپ سے دست بستہ معافی مانگ لوں گا اور مسز شاہد کی بھی عزت کروں گا۔"

"نہیں آفیسر یہ بات تو میں جانتا ہوں کہ پولیس کو کسی سے کوئی ذاتی پرخاش تو نہیں ہوتی۔"

"ہاں مسز نیورا کوریل سے بھی کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے اور نہ ہی ہم دانش عظیم سے کوئی دشمنی رکھتے ہیں، لیکن اگر مسٹر فیاض علی ان کی بیوی اور دو بچوں کا قاتل دانش ہے اور آپ کی بیگم نیورا کوریل بھی اس کی شریک کار ہے تو پھر آپ یہ سمجھ لیجئے کہ ہم کسی قیمت پر انہیں نہیں چھوڑیں گے۔"

"تو آپ کیا سمجھتے ہیں آفیسر، میں اتنا ہی بے غیرت بیٹا ہوں کہ اپنے باپ کے قاتل اپنے سینے پر پروان چڑھاؤں گا۔"

شاہد علی نے کہا۔

"ہونا بھی نہیں چاہئے، آپ جس قوم کے باشندے ہیں وہ کم از کم اس طرح غیروں کا نشانہ نہیں بن سکتی، لیکن آپ کو اپنے آپ پر مکمل قابو رکھنا ہوگا۔"

"آپ مطمئن رہیں...... جب آپ نے میرے سامنے حقیقت کا اظہار کر دیا ہے تو میں آپ کے سامنے کوئی کمزور شخصیت نہیں ثابت ہوں گا۔"

"شکریہ مسٹر شاہد بہر حال آپ کو بڑی ہمت کے ساتھ ہر کام کرنا ہے۔"

"اب آپ مطمئن رہیں آپ مجھے کہیں کمزور نہیں پائیں گے۔"

"تو پھر سنئے آپ کو آج سے اپنی اداکاری کا آغاز کرنا ہے۔"

"کیسی اداکاری؟"

"آپ اپنے سینے میں شدید جلن کا اظہار کریں گے اور اپنے آپ کو بیمار ظاہر کریں گے جس سے ان لوگوں کو یہ اندازہ ہو جائے کہ آپ پر زہر اثر انداز ہو رہا ہے اور اس کے بعد آپ کو دو یا تین دن کے اندر یہ کہہ کر گھر سے نکلنا ہے کہ کاروبار کے سلسلے میں آپ کو کہیں باہر جانا پڑ رہا ہے۔"

"جی پھر۔"

"اور اس کے بعد آپ کو میرے پاس آجانا ہے، میں وہ جگہ آپ کو بتا دوں گا جہاں آپ کو آنا ہے۔"

"پھر آپ کیا کریں گے؟"

"اس کے بعد میں جو کچھ بھی کروں گا اس کا براہ کرم مجھ سے ابھی جواب طلب نہ کیجئے گا۔ یہ میں آپ کو تفصیل سے بتا دوں گا...... ویسے اگر آپ چاہیں تو انتہائی احتیاط کے ساتھ اپنی بیگم کو پڑھ سکتے ہیں اور یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ آپ کے لئے دل میں کیا تصورات رکھتی ہیں۔"

شاہد علی کرسی سے ٹک گیا تھا۔ اس کے چہرے پر دلی افسوس کے تاثرات تھے۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"آپ مطمئن رہیں جناب آپ جس طرح کہیں گے میں اسی طرح کروں گا۔"

"ویری گڈ، میں اب بھی آپ کو پیش کش کر رہا ہوں کہ اگر کہیں میرا یہ خیال غلط ثابت ہو جائے تو آپ مطمئن رہئے، آپ کو اور آپ کی مسز کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"آپ نے دانش کو یہاں دیکھا ہے۔"

"اب ان باتوں سے گریز کیجئے...... وقت خود بخود آپ کے سامنے بہت سے فیصلے کرے گا۔ ویسے میرا یہ نمبر رکھ لیجئے...... اگر کوئی اہم بات اس دوران ہو تو آپ مجھ سے اس نمبر پر رابطہ کر سکتے ہیں۔"

"جی بہت بہتر۔"

"انتہائی معذرت خواہ ہوں کہ آپ کو یہ ذہنی صدمہ میں نے پہنچایا اور تکلیف بھی دی، لیکن بہر حال یہ سب کچھ بے حد ضروری تھا اور میں بھی اس کے لئے مجبور۔"

"میں جانتا ہوں آفیسر۔"

"آئیے اب یہاں سے اٹھیں۔" شہاب نے کہا اور بل طلب کر لیا۔

❋

شاہد علی نے کار اسٹارٹ کی۔ دوسری کار نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ اس دوران شاہد علی اپنی گاڑی کے اسٹیئرنگ پر بیٹھا اس کار کو گھورتا رہا تھا جس سے شہاب گیا تھا۔ پھر اس نے اپنی کار بھی گیئر میں ڈالی اور آگے بڑھا دی...... دل و دماغ مکمل طور پر بے سکون ہو گئے تھے۔ کیا واقعی یہ سچ ہے کیا واقعی فرزانہ بے وفا ہے کیا کیا...... کیا وہ...... اور پھر امریکہ کی لاتعداد داستانیں اس کے ذہن کے پردوں سے ٹکرانے لگیں...... یہ بے وفا قوم ہے۔ کبھی کسی کا ساتھ نہیں دیتی اور لاتعداد ایسے لوگ ان امریکی لڑکیوں کا شکار ہو چکے ہیں جن کا تعلق دوسرے ممالک سے تھا اور جو سادہ لوح تھے کیا واقعی میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے لیکن میں نے تو فرزانہ کو زندگی کا ہر سکھ، ہر خوشی دی ہے۔ میں نے تو اس کے ساتھ ہمیشہ بہتر سے بہتر سلوک کیا۔ وہ...... وہ...... وہ دانش کو چاہتی ہے۔ بہت سے واقعات اس کے ذہن میں گردش کرتے رہے۔ ماضی پر نظر ڈالی تو کئی بار اسے اس قسم کے شبہات کا اظہار ہوا جن پر پہلے اس نے توجہ نہیں دی تھی۔ دانش اور نیورا کوریل واقعی ایک دوسرے سے بہت زیادہ بے تکلف تھے اور اس وقت شاہد نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا تھا، لیکن آج بے تکلفی کے

وہ لمحات اسے یاد آ رہے تھے۔ وہ اپنے آپ کو مسلسل دھوکا دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ خدا کرے ایسا نہ ہو...... خدا کرے وہ بے وفا نہ ہو۔ میں نے تو اسے بڑی سچائیوں سے چاہا تھا لیکن اگر وہ واقعی اس آفیسر کے کہنے کے مطابق ہے تو پھر قابل معافی نہیں ہے۔ اعتماد کا قتل جسم کے قتل سے کہیں زیادہ بدترین ہوتا ہے اور اعتماد کے قاتل کو سزا ملنا ہی چاہئے اور پھر اگر اس کی وجہ سے اس کے والد کو زندگی سے محروم ہونا پڑا ہے تو پھر تو لعنت ہے میری اس عیش و عشرت کی زندگی پر...... میں نے اپنے باپ کی لاش پر اپنے لئے سکون کا محل تعمیر کیا ہے۔ یہ تو ایک بدترین عمل ہے جس پر میں خود اپنے آپ کو معاف نہیں کر سکتا۔

نجانے کیا کیا سوچیں دامن گیر رہیں اور وہ بہت دیر تک سڑکوں پر گاڑی گھماتا رہا۔ پٹرول ختم ہو رہا تھا...... ایک پٹرول پمپ سے اس نے گاڑی کا ٹینک فل کرایا۔ زیادہ دیر گھر سے باہر رہنے کا مطلب نیورا کوریل کو شک کا شکار کرنا تھا۔ اس کے مشاغل میں کوئی تبدیلی نہیں آنی چاہئے، کم از کم اس آفیسر کے کہنے کے مطابق تھوڑا تجربہ تو کر کے دیکھا جائے۔ ممکن ہے آفیسر ہی کا خیال غلط نکلے لیکن اپنے آپ کو سنبھالنا بے حد ضروری ہے۔ ذرا سی لغزش نقصان پہنچا سکتی ہے۔ اسے زہر کی اس شیشی کا خیال آیا اور اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ نیورا کوریل اس کی زندگی سے کھیلنا چاہتی ہے کیا وہ ایسی ہے؟ پھر اس کے سراپا میں ڈوبا ہوا وہ اپنی کوٹھی تک پہنچا تھا لیکن گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی اس نے اپنے آپ کو مکمل طور پر سنبھال لیا تھا۔

ملازمین اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ نیورا کوریل یا فرزانہ نے اس معصومیت اور خوب صورت مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور مسکراتی ہوئی بولی۔

"جناب کو گھڑی کا کچھ خیال ہے؟"

"گھڑی۔"

"دیکھئے نا کیا ٹائم ہو رہا ہے۔"

"ہاں سوری فرزانہ بس کیا بتاؤں تمہیں۔"

"کیوں کوئی خاص بات ہے۔ آیئے پہلے کپڑے تبدیل کر لیجئے۔"

چائے کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتے ہوئے اس نے محبت بھری نگاہوں سے فرزانہ کو دیکھا اور غور کرنے لگا کہ وہ اپنی اداکاری میں کامیاب ہے یا نہیں۔ فرزانہ مسکراتی نگاہوں

سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ ہنس کر بولا۔

"فرزانہ کیا ہماری اس گھریلو زندگی کا آغاز نہیں ہو گیا جو انسانوں کے ذہن میں ہوتی ہے۔"

"اب اس میں کوئی شک کی بات ہے۔"

"نہیں تھوڑے ہی دن پہلے کی بات تو ہے ہم نے اس انداز میں نہیں سوچا تھا۔"

"سوچا تھا مسٹر شاہد۔"

"کب؟"

"جب ہم نے شادی کی تھی، ورنہ ہم دوست تھے دوستوں کی حیثیت کے ساتھ رہ رہے تھے...... شادی کرنے کے بعد تو ہم نے اس زندگی کا آغاز کیا تھا جس کا پھل اب ہمیں مل رہا ہے۔ کاش آپ کی زندگی میں وہ المیہ رونما نہ ہوا ہوتا، آپ یقین کیجئے شاہد میں تو یہ محسوس کرتی ہوں کہ آپ کی یہ دکھی کیفیت میرے لئے نقصان کا باعث ہے۔"

"وقت ہر زخم مندمل کر دیتا ہے فرزانہ، ماں کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گا، مگر باپ کی موت کو بہر حال میں نظر انداز نہیں کر سکتا...... میرے دل پر گہرا صدمہ ہے ویسے ان دنوں نجانے کیوں میری طبیعت بھی کچھ گری گری رہتی ہے۔" شاہد نے کہا اور اس نے بخوبی فرزانہ کو چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کے دل کو ایک دھچکا سا لگا تھا لیکن بہر حال اس نے خود کو سنبھالے رکھا۔

"گری گری سی محسوس ہوتی ہے۔" فرزانہ نے بے چینی سے پوچھا۔

"ہاں سینے پر ایک عجیب سی جلن کا احساس رہتا ہے۔"

"بدہضمی تو نہیں ہے۔"

"وہ جلن بدہضمی کی نہیں ہے۔ پتا نہیں کیا ہو گیا ہے...... اعصاب بھی کچھ گرے گرے سے محسوس ہو رہے ہیں۔"

"کب سے ایسا ہو رہا ہے؟"

"بس ایک دو دن سے۔"

"کسی ڈاکٹر سے رجوع کریں۔"

"ارے نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے ہو سکتا ہے کام کی تھکن ہو۔ اصل میں فرزانہ

میں نے یہ زندگی بھلا کب گزاری ہے۔"

"یہ بات تو ہے شاہد لیکن صحت مند رہنا بھی ضروری ہے۔"

"ہاں میں جانتا ہوں...... بہر حال اب دیکھو ایک ضروری کام کے سلسلے میں شہر سے باہر جانا ہے اور غالباً دو یا تین دن میں واپسی ہو گی۔"

"شہر سے باہر؟"

"ہاں دوسرے شہر۔"

"کیوں؟"

"بھئی کاروبار۔"

"مگر تمہارا جانا کیا ضروری ہے کسی اور کو بھیج دو۔"

"میرا ہی جانا ضروری ہے فرزانہ۔"

"میں بھی چلوں ساتھ۔"

"میرا خیال ہے مناسب نہیں رہے گا کیونکہ معاملہ خالصتاً کاروباری ہے۔"

"ہاں میں تو بور ہو جاؤں گی۔"

"یقیناً میں تمہیں لے بھی نہیں جا سکتا۔"

"تو کب جا رہے ہو؟"

"میرا خیال ہے کل دوپہر کو آفس سے نکل جاؤں گا۔"

"اتنی جلدی؟"

"ہاں بھئی کوشش کروں گا کہ کام جلد سے جلد ختم ہو جائے۔"

"امکان کیا ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے واپسی کا امکان کیا ہے؟"

"کم از کم تین دن۔"

"اوہ میرے خدا مجھے تین دن تم سے جدا رہنا پڑے گا۔"

"اب تو ہماری زندگی میں ایک ٹھہراؤ پیدا ہو گیا ہے۔ آئندہ بھی ایسا ہوا کرے گا۔"

"میں عادت ڈالوں گی۔ ظاہر ہے مجھے تمہاری زندگی کے ہر لمحے سے تعاون کرنا ہے۔"

"ایک بات بتاؤ فرزانہ؟"

"ہاں پوچھو۔"

"تم مجھ سے مطمئن ہو؟"

"کیوں یہ سوال کیوں کیا تم نے؟"

"دل چاہ رہا ہے۔"

"تمہارا اپنا کیا اندازہ ہے؟"

"نہیں یہ جواب نہیں ہے میرے سوال کا۔"

"جناب میں بالکل مطمئن ہوں۔"

"فرزانہ تم بہت خوب صورت ہو۔"

"شکریہ۔"

"اور میں نے بارہا محسوس کیا ہے کہ میں تمہارے معیار پر پورا نہیں اترتا۔"

"شاہد اب ایسی باتیں کرو گے؟"

"نہیں فرزانہ واقعی۔ ویسے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ امریکہ کی زندگی بھی بڑی خوشگوار تھی، کیا خیال ہے فرزانہ، ہم یہ کاروبار یہاں سے ختم کر کے کیوں نہ امریکہ واپس چلیں؟"

"امریکہ؟" وہ عجیب سے انداز میں بولی۔

"ہاں کیوں؟"

"ابھی تو ہمیں یہاں آئے ہوئے وقت ہی کتنا گزرا ہے، دیکھیں گے سوچیں گے اس کے بارے میں بھی۔"

"ہاں ظاہر ہے...... جلدی تو میں بھی نہیں کر سکتا۔"

"ویسے تمہاری طبیعت اب کیسی ہے؟"

"بس ایک بوجھ بوجھ سا ہے دل و دماغ پر۔"

"تھوڑا سا آرام کر لیا کرو...... اب اس وقت مجبوری ہے...... باہر چلے جاؤ بے شک لیکن اس کے بعد میں سمجھتی ہوں کہ کچھ دن تمہیں ریسٹ کرنا چاہئے...... گھر پر ہی آرام کرنا مناسب ہو گا...... میں خود بھی اس کی قائل نہیں ہوں کہ ذرا ذرا سی بات پر ڈاکٹروں کو اپنی

جانب متوجہ کیا جائے...... انسان خود بخود اپنے آپ کو بیمار محسوس کرنے لگتا ہے۔"

"میں تو ویسے بھی ڈاکٹر وغیرہ کا قائل نہیں ہوں...... بس ہو سکتا ہے یہ اعصابی تھکن ہو۔"

"اعصابی تھکن سے واقعی سینے میں جلن بھی ہو جاتی ہے۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں، بہر حال چھوڑو، کس چکر میں پڑ گئے، کیا خیال ہے کہیں گھومنے چلیں؟"

"نہیں میں اس وقت تمہیں بالکل کہیں گھومنے کی اجازت نہیں دوں گی۔ چلو آرام کرو۔" فرزانہ نے کہا اور پھر وہ بہت دیر تک شاہد کے پاس بیڈ روم میں بیٹھی رہی تھی اور پھر اس نے کہا۔

"میں تمہارے لئے کچھ لے کر آتی ہوں۔"

"ابھی تو چائے پی ہے۔"

"رات کا کھانا۔"

"ابھی نہیں کھاؤں گا؟"

"ٹھیک ہے پھر تم ایسا کرو تھوڑی دیر آرام کر لو میں واقعی تم میں تھکن کے آثار پا رہی ہوں۔"

"او کے فرزانہ تھینک یو ویری مچ۔" شاہد نے کہا اور اپنے بستر پر آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا...... فرزانہ خاموشی سے باہر نکل گئی تھی۔

شاہد کے دل و دماغ پر ایک سنسنی سی طاری تھی۔ پتا نہیں یہ اس آفیسر کے کہنے کے اثرات تھے یا پھر ایک حقیقت۔ وہ اس سے کچھ خوف زدہ سا ہو گیا تھا۔ فرزانہ اس کی زندگی کے درپے ہے وہ اسے زہر دے رہی ہے ایسا ہو سکتا ہے کیا اس کا انداز اب تک اس کا طریقہ کار بہ سب کچھ تو اس بات کی نفی کرتا تھا۔ کیا وہ اسے بے وقوف بنا رہی ہے...... آہ فرزانہ اگر ایسا ہے تو تم یقین کرو تم نے میرے ساتھ ظلم کیا ہے۔ میں نے تو کبھی تمہارے بارے میں غلط انداز میں نہیں سوچا...... میں نے تمہیں زندگی کا ساتھی اور سہارا سمجھا...... بات جہاں تک دانش کی ہے فرزانہ تو وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔ وہ جس طرح اپنے دوست کو دھوکا دے سکتا ہے اسی طرح تمہیں بھی۔ آہ کاش یہ سب کچھ سچ نہ ہو لیکن اگر یہ سچائی ہے تو اس بات پر بھی یقین کر لو کہ اگر وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاتا تو تمہارے ساتھ کبھی نہ رہتا۔ وہ صرف اس

دولت کے حصول میں پڑ جاتا جو میرے ذریعے تم تک منتقل ہوتی۔ اگر یہ سب کچھ سچ ہے فرزانہ تو تو نے واقعی ایک اچھے انسان کے ساتھ بہت برا سلوک کیا ہے، تجھے یہ سب کچھ نہیں کرنا چاہئے تھا۔ کاش تو نے ایسا نہ کیا ہو...... لیکن...... لیکن میں اپنی اس بے کلی سے کیسے نجات پاؤں گا، وہ نجانے کب تک اس غم و اندوہ کا شکار رہا پھر اس کے ذہن میں آہستہ آہستہ نفرتیں اُبھرنے لگیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ میری وجہ سے میرا باپ قتل ہوا...... آہ کچھ بھی تھا، لیکن میرے باپ نے تو میرے ساتھ کبھی برائی نہیں کی تھی۔ وہاں امریکہ میں بھی مجھے زندگی بھر کبھی کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ فرزانہ میری شاہ خرچی کی وجہ ہی سے تو میری جانب متوجہ ہوئی تھی۔ بے شک ڈیڈی نے دوسری شادی کر لی تھی، لیکن میری جانب سے وہ کبھی غافل نہیں ہوئے۔ مجھے کبھی کوئی تکلیف نہیں دی اور میری ہی وجہ سے وہ موت کی نیند جا سوئے...... ایک بدترین موت کا شکار ہوئے۔ بے شک مجھے ان معصوم بہن بھائیوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، لیکن بہر حال وہ تو اس سارے معاملے میں بالکل ہی بے قصور تھے۔ یہ تو بہت ہی برا ہوا ہے...... افسوس یہ تو بہت ہی برا ہوا ہے۔ وہ متضاد کیفیات کا شکار رہا...... پھر فرزانہ ہی نے اسے جگایا تھا۔

"سوتے رہو گے...... کیسی طبیعت ہے اب۔"

"میں واقعی سو گیا تھا۔" اس نے اپنے آپ کو سنبھال کر کہا...... فرزانہ کی قربت سے اسے خوف سا محسوس ہونے لگا تھا، لیکن بہر حال اب وہ اس قدر احمق بھی نہیں تھا کہ اس خوف کا اظہار فرزانہ پر کر دیتا...... اس نے کہا۔

"بس ٹھیک ہی ہے طبیعت، ایسا کرنا فرزانہ دو چار جوڑے کپڑے نکال دینا، تین دن کے لئے کافی ہوں...... ایک چھوٹے سے سوٹ کیس میں دیگر ضروریات کی چیزیں بھی رکھ دینا۔"

"میں سب کر دوں گی...... کیا اپنی گاڑی سے جاؤ گے۔"

"نہیں بھئی اپنی گاڑی چھوڑ جاؤں گا...... تم آفس سے منگوا لینا۔"

"پروگرام کیا ہے؟"

"بتایا تھا تمہیں، صبح کو یہ سب چیزیں تیار کر کے گاڑی میں رکھوا دینا اور اس کے بعد میں آفس چلا جاؤں گا، پھر وہیں سے اپنے کام پر نکل جاؤں گا، تم میری کمی کو محسوس تو نہیں کرو گی۔"

"کیوں تم کیا سمجھتے ہو محسوس نہیں کرنا چاہئے مجھے؟"

"مجبوری ہے۔"

"یہ تو میں جانتی ہوں...... میں نے تم سے کچھ کہا اس سلسلے میں۔"

"نہیں فرزانہ ٹھیک ہے، چلو اب کیا پروگرام ہے؟ آج طبیعت کچھ مضمحل سی ہے۔"

"کہیں باہر چلیں؟"

"ہاں ایسا ہی کرتے ہیں، کھانا باہر کھائیں گے۔" شاہد نے کہا اور فرزانہ تیار ہو گئی۔ ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے پر تردد کے نقوش نظر آئے تھے لیکن دوسرے لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا تھا...... شاہد نے دل ہی دل میں سوچا کہ ممکن ہے یہ سوچ رہی ہو کہ باہر کے کھانے میں وہ اپنی کارروائی کی تکمیل کیسے کرے گی وہ زہر اسے کیسے دے سکے گی لیکن بہر حال وہ خود بھی خوفزدہ تھا، حالانکہ شہاب نے اسے کہہ دیا تھا کہ زہر کی شیشی تبدیل کر دی گئی ہے، لیکن پھر بھی نجانے کیوں شاہد کے ذہن میں خوف کا ایک احساس تھا...... بہر حال تھوڑی دیر کے بعد وہ وہاں سے باہر نکل آئے اور شاہد اسے اپنی کار میں بٹھا کر لے چلا...... ایک خوبصورت سے ہوٹل میں انہوں نے اپنے لئے ایک میز منتخب کی اور بیٹھ گئے...... ویٹر نے مینو لا کر رکھ دیا تھا۔

"تمہاری پسند سے کھاؤں گا۔" شاہد نے کہا اور فرزانہ ویٹر کو آرڈر نوٹ کرانے لگی۔ ویٹر آرڈر لے کر چلا گیا اور شاہد اس سے باتیں کرنے لگا۔

❀ ❀ ❀

دل و دماغ شدید ہیجان کے شکار تھے...... پوری دنیا میں اب اس کے علاوہ کون ہے لیکن یہ...... یہ دشمن ہے...... اسے قتل کرنا چاہتی ہے۔ یہ جس کے لئے دل میں پیار ہی ہے...... مجھ سے زیادہ بدنصیب بھی روئے زمین پر کوئی دوسرا نہ ہوگا۔ ماں باپ ختم ہو گئے۔ چھوٹے چھوٹے بہن بھائی بھی تھے۔ بلاوجہ ذہن میں شدت آگئی تھی، سوتیلی ماں بہر حال انسان ہی تھی۔ کیا بگاڑتی میرا...... کیا کر لیتی، دنیا جب برائی پر آمادہ ہوتی ہے تو پھر تعین مشکل ہو جاتا ہے...... جنہیں دشمن سمجھا جائے وہی سب سے بڑے دوست بھی ثابت ہو سکتے ہیں، یہ فیصلہ کرنا کتنا مشکل کام ہے کہ کس کے دل میں دشمنی چھپی ہوئی ہے اور کون دشمن ہے، اگر باپ سے تعاون کر لیتا، ماں کی موت کو تقدیر کا فیصلہ سمجھ لیتا تو اتنی دوری تو نہ ہوتی۔ یا ان سے پھر اسے زندگی میں شامل کرنے سے پہلے کچھ دعائیں حاصل کر لیتا۔ کم از کم باپ سے مشورہ ہی کر لیتا تو آج یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا...... آہ کیا کروں، کیا دل کی حالت اسی سے بیان کر دوں...... اس سے کہوں کہ بدبخت عورت میری دولت چاہتی ہے تو لے لے، جو کچھ میرے پاس ہے سب مجھ سے لے لے...... بس مجھ سے اپنا پیار نہ چھین، میں اوباش فطرت نہیں ہوں، میں کسی سے دشمنی مول نہیں لے سکتا، مجھے محبت چاہئے یا پھر اس پولیس آفیسر کو گولی مار دوں جو میرے ذہن کو پراگندہ کر گیا ہے۔

"کیا بات ہے ڈارلنگ، کچھ عجیب سے نظر آ رہے ہو۔ کھوئے کھوئے سے پریشان پریشان سے۔" نیورا کوریل نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا اور اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ ایک لمحے کے لئے دل چاہا کہ ساری حقیقتیں اس کے سامنے منکشف کر دے...... محبت بھی مانگے اور زندگی کی بھیک بھی لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے خود کو

سنبھالا۔ نہیں، اب اس قدر کھلونا بھی نہیں بننا چاہئے اور پھر بات ان مظلوموں کی بھی
جنہیں اگر میری وجہ سے مارا گیا ہے تو شاید میرے لئے بھی معافی کا کوئی خانہ نہیں ہے
ایسا بھی ہوتا ہے...... کبھی کبھی اولاد کی پرورش کر کے انسان ایسے خسارے سے بھی دو
ہو جاتا ہے۔ فوراً ہی دل میں مکاری نے جنم لیا اور وہ مسکرا کر بولا۔

"فرزانہ کیا تمہیں علم ہے کہ میں تم سے کس قدر محبت کرتا ہوں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے مجھے علم نہیں ہوگا۔"

"ہونا تو چاہئے۔"

"میں جانتی ہوں ڈیئر۔"

"بس تو پھر یہ سمجھ لو کہ اس تین دن کی جدائی کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

"چھوڑو کیوں اپنے سر اتنے جھگڑے مول لئے ہیں...... کاروبار پہلے بھی چل رہا تھا
چلتا رہے گا...... طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے...... اگر کوئی اتنا ہی ضروری کام ہے تو کسی اور
بھیج دو۔" فرزانہ یا نیورا کوریل نے دلسوزی سے کہا۔

"جانا ہی تو ضروری ہے، کسی اور سے کام چل سکتا تو ضرور اسے بھیج دیتا۔"

"تو پھر ہمت کرو، ظاہر ہے میں تمہاری بیوی ہوں تمہاری واپسی کا انتظار کروں گی۔"

شاہد ہنس دیا...... پھر اس کے بعد وہ بہت دیر تک ہوٹل میں بیٹھے باتیں کرتے رہے
اس کے بعد شاہد اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

خواب گاہ میں جب تک نیورا کوریل جاگتی رہی وہ اس سے باتیں کرتا رہا...... پھر سو گیا
لیکن یہ سونا صرف دکھاوے کے لئے تھا...... احساسات بھلا سونے دیتے...... جاگتا رہا
اور سوچتا رہا...... دل و دماغ بے قابو ہوئے جا رہے تھے...... ایسی کسی شخصیت سے دل کی بات
کیا کہنا جو زندگی بھی لینے کے درپے ہو لیکن کیا اس بدبخت عورت کو اور کیا اس بے غیرت
انسان کو اپنی دولت دے کر اس دنیا سے رخصت ہو جانا چاہئے، ہرگز نہیں...... اتنی آسانی
سے مرنے والوں میں بھی نہیں ہوں میں۔

رات کے نجانے کون سے حصے میں اس نے اپنے آپ کو بہر حال اس تجربے کے لئے
تیار کر لیا تھا حالانکہ دل کے ہر گوشے سے یہی آواز نکلتی تھی کہ آفیسر کو بھی غلط فہمی ہو
ہے لیکن اگر دانش عظیم اس طرح یہاں موجود ہے اور نیورا کوریل کے اس سے معاملات چل

رہے ہیں تو پھر......؟

صبح کو ناشتے پر البتہ وہ پر سکون تھا۔

پھر نیورا کوریل نے اس کے لئے لباس تیار کئے، اس کے پسندیدہ لباس، اگر آفیسر کا کہنا
سچ ہے تو یہ عورت دنیا کی سب سے بڑی اداکارہ ہے...... اسے اس شاندار اداکاری کے ایوارڈ
ملنے چاہئیں، لیکن بہر حال تجربہ شرط ہے، چنانچہ وہ نیورا کوریل سے رخصت ہو کر اپنا سوٹ
کیس اپنی گاڑی میں رکھ کر دفتر جانے کے لئے تیار ہو گیا۔

"ڈرائیور گاڑی لے آئے گا اور اس دوران جب میں یہاں موجود نہیں ہوں......
تمہیں مکمل آزادی ہے...... گھومنا پھرنا اپنی پسند کی تفریحات کرنا۔"

"کس کے ساتھ؟" نیورا بولی۔

"ضروری ہے کہ کسی کا ساتھ ہو...... میرے تصور کو اپنے ساتھ قائم رکھنا۔"

پھر وہ کار میں بیٹھ کر بہت دیر تک سوچتا رہا۔ آخر کار شہاب کو فون کیا اور تھوڑی دیر
کے بعد اس سے رابطہ قائم ہو گیا۔

"شہاب صاحب میں شاہد علی بول رہا ہوں۔"۔

"جی شاہد علی صاحب۔"

"آپ کی ہدایت کے مطابق میں نے تمام کام کر لیا ہے۔"

"گڈ دفتر سے کس وقت اٹھیں گے؟"۔

"لنچ کے بعد۔"

"تو پھر ٹھیک ہے، میں آپ کو ایک پتا بتا دیتا ہوں یا تو اس پتے پر آ جائیے یا پھر جیسا بھی
آپ پسند کریں۔"

"نہیں میں آ جاؤں گا...... آپ مجھے پتا بتا دیجئے اور شہاب نے اسے کریم سوسائٹی کا پتہ
بتا دیا پھر بولا"۔

"آپ یہاں آرام سے پہنچ جائیں گے۔ ممکن ہو سکا تو میں آپ کو یہیں ملوں گا۔"

"بہت بہتر شہاب صاحب، میں آپ کی ہدایت کے مطابق اس پتے پر پہنچ جاؤں گا۔"

لنچ پر اس نے منیجر کو اپنے کام سمجھائے اور اس سے بھی یہی کہا کہ ایک ضروری کام کے
سلسلے میں وہ شہر سے باہر جا رہا ہے اور دو تین دن تک اس کی واپسی ممکن نہیں ہو گی...... گاڑی

بھی اس نے ڈرائیور کے حوالے کر دی تھی اور ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر چل پڑا تھا۔

کافی دور تک وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر سفر کرتا رہا...... ٹیکسی ڈرائیور کو اس نے ایئرپورٹ چلنے کے لئے کہا تھا لیکن پھر جب اسے یقین ہو گیا کہ اس وقت کوئی بھی اس کی نگرانی کے لئے موجود نہیں ہے تو اس نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

”معاف کرنا ڈرائیور کچھ غلطی ہو گئی۔“

”کیا ہوا صاحب؟“

”یار میں اپنا ٹکٹ وغیرہ تو بھول ہی آیا جس جہاز سے مجھے سفر کرنا تھا...... وہ دس منٹ کے اندر اندر روانہ ہو جائے گا...... ٹائم ختم ہو گیا۔“

”آپ بولو صاحب کیا کرے؟“

”چلو یار چلو...... دوسری بکنگ کرانی پڑے گی۔“

”ادھر ہی لے چلے صاحب جدھر سے آپ کو لایا ہے۔“

”نہیں...... میں تمہیں پتا بتاتا ہوں۔“ تھوڑی دیر کے بعد وہ کریم سوسائٹی پر اتر گیا تھا...... کوٹھی تلاش کرنے میں اسے کوئی دقت نہیں ہوئی۔ ایک چھوٹا سا اٹیچی کیس لے کر وہ کوٹھی کے گیٹ پر پہنچا تو ایک آدمی اسے اپنا منتظر ملا۔

”آپ کا نام شاہد علی ہے جناب۔“ اس نے سوال کیا۔

”ہاں...... میں شاہد علی ہوں۔“

”میرا نام جوہر خان ہے۔“

”میں شہاب صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔“

”اندر آپ کا انتظار کر رہے ہیں، آیئے۔“ جوہر خان نے کہا اور شاہد علی کو لے کر اندر چل پڑا...... ایک بڑے سے خوبصورت کمرے میں اسے انسپکٹر شہاب اور ایک خوب صورت سی لڑکی نظر آئی تھی، شہاب نے کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا۔

”آیئے شاہد صاحب...... یہ بینا ہیں اور مجھے اسسٹ کرتی ہیں۔“

شہاب نے بینا سے شاہد علی کا تعارف کرایا۔

شاہد نے بینا کو سلام کیا اور بولا۔ ”رسمی طور پر مجھے یہی کہنا چاہئے مس بینا کہ آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں زندگی کے جس عذاب میں گرفتار ہوں اس

میں شاید خوشیوں کا کوئی گزر نہیں ہے...... اس لئے ان الفاظ کو ادا نہ کرنے پر مجھے معاف کر دیجئے گا۔“

”بیٹھئے شاہد صاحب زندگی میں بہت سے کھیل ایسے ہوتے ہیں جو انسان کی توقع کے خلاف ہوتے ہیں، شہاب صاحب سے مجھے آپ کی پوری داستان معلوم ہو چکی ہے اور وہ اس لئے کہ بہر حال میرا اور ان کا جو تعلق ہے اس میں یہ سب کچھ بے حد ضروری تھا...... بات اصل میں صرف اتنی سی ہے کہ تھوڑی سی غلطی کبھی کبھی نجانے کتنے بڑے نقصان کا باعث بن جاتی ہے۔ مجھے تو صرف اس بات کا دکھ ہے کہ آپ کے والد...... والدہ اور بہن بھائی اس دولت کا شکار ہو گئے جو بہر حال لازمی طور پر ابھی کسی کے قبضے میں نہیں آئی ہے۔“

”شاہد صاحب آپ نے فرزانہ صاحبہ کو مطمئن کر دیا ہے۔“

”جی ہاں۔“ شاہد علی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”تھوڑا سا وقت آپ کو یہیں گزارنا ہو گا...... میں انتظامات کرتا ہوں اور اس کے بعد آپ کو میری ہدایت پر عمل کرنا ہو گا۔“

”آفیسر میں نہیں جانتا کہ آپ کی پوسٹ کیا ہے...... البتہ اتنا اندازہ مجھے ہو گیا ہے کہ آپ کا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے، میں شہاب ہی کہہ کر آپ کو مخاطب کروں گا...... براہ کرم میری بات کا برا نہ مانئے۔“

”جی نہیں کسی کو کسی بھی نام سے مخاطب کیا جائے تو بھلا اس میں برا ماننے کا کیا تصور اُبھرتا ہے۔“

”میں بہت دلبرداشتہ ہوں سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں، بس یوں سمجھئے ایک بسی بسائی دنیا اجڑ رہی ہے میری۔“

”یہ آپ کی غلط فہمی ہے، آپ بدکرداروں کو کیفر کردار تک پہنچانے میں اپنا فرض ادا کر رہے ہیں...... اگر آپ مجھ سے تعاون نہ بھی کرتے تو آپ یقین کیجئے مجھے یہ کام تو کرنا ہی تھا۔“

”آہ، کوئی گنجائش تو باقی نہیں ہے...... میرا مطلب ہے شک کی کوئی گنجائش کہ وہ ایسی نہ نکلے۔“

"میں نہیں کہہ سکتا لیکن بہر حال میرے الفاظ میں آپ کو مایوسی ہی ملے گی۔"

"تو پھر اب مجھے بتایئے کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"آپ نے جب اطلاع دی کہ آپ یہاں پہنچ رہے ہیں، تو میں نے بھی کچھ انتظا[...] کر لئے ہیں...... آپ کو اس کیس میں باقاعدہ پولیس کی مدد کرنی ہوگی اور آپ کو اپنا [...] صاف کرنے کے لئے بھی یہ ضروری ہے، لیکن شاہد علی صاحب میں آپ کو تھوڑا سا بر[...] کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی۔"

"ابھی تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص یہاں پہنچے گا میں اس سے آپ کی ملاقات کرا[...] گا اور پھر آپ کو اپنی ہی کوٹھی میں ایک اجنبی کی حیثیت سے کچھ وقت گزارنا پڑے گا۔"

"مطلب؟"

"اور اپنی آنکھوں سے دیکھنا ہوگا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے...... میری دعا ہے کہ وہ ہو[...] آپ کی خواہش ہے لیکن اگر آپ کی خواہش کے مطابق وہ سب نہ ہو تو ایک ہدایت میں آپ کو دوں گا اور آپ کو اس پر عمل کرنا ہوگا۔"

"کیا؟"

"اپنے جذبات پر قابو رکھئے، کوئی ایسا عمل وقت سے پہلے نہ کر ڈالئے گا جو پولیس [...] لئے مشکل کا باعث بن جائے۔"

"میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں لیکن میں وہاں کیسے رہ سکوں گا۔"

"اس کا انتظام میں کر رہا ہوں۔" پھر کافی دیر تک انتظار کرنا پڑا تھا...... پھر اس کے بعد طیب علی کریم سوسائٹی کی اس کوٹھی میں داخل ہوا تھا، جوہر خاں اسے چھوڑنے آیا تھا لیکن اندر بینا اور شہاب کے ساتھ اپنے مالک کو دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا...... شاہد علی کے چہرے پر شدید حیرت کے نقوش تھے۔

"طیب علی تم!" اس نے حیرانی سے کہا لیکن طیب علی کے منہ سے کوئی جواب نہیں نکلا تھا...... وہ سہمی ہوئی نگاہوں سے شہاب کو دیکھ رہا تھا۔

"بیٹھو طیب علی، تمہارا رتبہ اب ایک معمولی آدمی کا نہیں ہے اور اگر شاہد صاحب غصہ کریں تو جو محسن ہوتا ہے وہ بہت بڑے رتبے کا حامل ہوتا ہے...... یہ وہ محسن ہے شاہد [...]

صاحب جس کے ذریعے یہ تمام انکشافات ہوئے۔"

"بابا طیب علی۔" اور طیب علی اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا...... اس نے جھک کر شہاب کے پاؤں پکڑے اور زار و قطار رونے لگا۔

"بابا یہ سچ ہے کیا، بابا یہ سب کچھ سچ ہے کیا؟" شاہد نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا لیکن طیب علی کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل سکا تھا۔ شہاب نے اسے خاموشی سے رونے دیا اور جب اس کے دل کی بھڑاس نکل گئی تو پھر اس نے کہا۔

"مالک فیاض علی صاحب برے انسان نہیں تھے...... ان کے ساتھ برائی ہو گئی ہے مالک، بہت افسوس کی بات ہے بہت برا ہوا ہے مالک، ہم اپنے مالک کی موت کا غم کبھی نہیں بھلا سکیں گے۔"

"شاہد خاموشی سے طیب علی کی صورت دیکھتا رہا...... شہاب نے کہا۔

"طیب علی اب تم پر فرض ہے کہ اپنے مالک کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچاؤ اور اس کے لئے اگر تم نے ذرا بھی اپنے آپ کو ڈھیلا چھوڑا تو نہ صرف تمہارے مالک کی روح، خدا کا قانون بلکہ زمین کا قانون بھی تمہیں معاف نہیں کرے گا۔ اس وقت قانون کو تم لوگوں کی مدد کی ضرورت ہے۔ یوں سمجھ لو یہ سب کچھ تم اپنے ملک کے لئے نہیں بلکہ قانون کی مدد کے لئے کر رہے ہو اور اگر قانون کو تمہارے اس کام میں ذرا بھی سقم محسوس ہوا تو پھر تم قابل گرفت ہو گے۔"

"صاحب! ہم نے اب تک آپ کی ہدایت پر جو کچھ کیا ہے اگر اس میں کوئی کمی رہ گئی ہے تو ہم معافی چاہتے ہیں لیکن آپ اطمینان رکھئے آپ جو حکم دیں گے ہم وہی کریں گے۔"

"تو پھر سنو! ابھی تھوڑی دیر کے بعد میں شاہد علی صاحب کا چہرہ بدلے دیتا ہوں، تم انہیں خاموشی سے اپنے کوارٹر لے جاؤ گے اور یہ کہو گے کہ تمہارا بھانجا آیا ہے...... وہ بھی اس وقت جب کوئی شاہد علی کو دیکھ لے، شاہد علی رات کی تاریکی میں وہاں پہنچیں گے، ابھی انہیں تمہارے ساتھ بھیجنا مناسب نہیں ہوگا...... میں نے اپنا ایک پروگرام فوری طور پر بدل دیا ہے۔ انہیں اپنے کوارٹر میں ٹھہرا دینا اور کوشش کر کے انہیں دوسروں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہی رکھنا...... تمہارا پہلا کام یہ ہوگا۔"

"مگر صاحب، مالک کی شکل تو سب لوگ پہچان لیں گے۔"

"ابھی تھوڑی دیر کے بعد اپنے مالک کی شکل تم خود بھی نہیں پہچان پاؤ گے۔"

"مم...... مگر کیسے صاحب؟"

"تم یہ میرے اوپر چھوڑ دو۔"

"ٹھیک ہے جو آپ کا حکم۔"

"اس کے بعد تمہیں یہاں سے واپس جا کر تفصیلی طور پر دیکھنا ہے کہ تمہاری مالکہ فرزانہ بیگم کے معمولات کیا رہتے ہیں...... یہ تمام تفصیل تم مجھے فون پر بتاؤ گے اور اس لئے تمہیں بے شک تکلیف ہو گی لیکن جب کام شروع کر ہی دیا ہے تو چھوٹی موٹی تکلیف خیال نہ رکھنا۔"

"اس کی تو آپ بالکل فکر ہی نہ کریں مالک، ہم تو جان کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔"

"میں تم سے جو کچھ بھی کہوں تمہیں وہ کرنا ہے کیونکہ طیب علی زہر کی وہ شیشی تم ہی مجھے لا کر دی تھی۔ وہ ساری کہانی ذرا شاہد علی کو سنا دو جو تم مجھے سنا چکے ہو۔"

"زبان نہیں کھلتی صاحب؟"

"زبان کھولنی چاہئے تمہیں۔"

"ہاں طیب علی، بہر حال طیب علی بتاؤ تاکہ میرے دل کو تھوڑا سا قرار حاصل ہو۔" او
پھر طیب علی نے ساری کہانی شاہد علی کو سنا دی...... شاہد کے چہرے پر جذبات کی سرخی نظ آ رہی تھی، اس نے کہا۔

"اور وہ زہر کی شیشی تم نے وہاں سے ہٹائی تھی۔"

"ہاں اور افسر صاحب نے اس کی جگہ دوسری شیشی ہمیں دے دی تھی۔"

"ٹھیک ہے طیب علی میں اب تم سے بھی شرمندہ ہوں کیا کہوں کیا نہ کہوں؟"

"اب کچھ نہ کہو شاہد، اپنے آپ کو مجسم انتقام بنا لو اگر کسی نے تمہارے خلاف سازش کی ہے تو اس سازش کو ختم کرنا تمہارا فرض ہے اور شاہد علی ویسے بھی میں تم سے کہوں: طویل زندگی ہے اس میں لوگ ملتے بھی ہیں بچھڑ بھی جاتے ہیں، جو بچھڑ گئے ان کا غم کرو ا جو بچھڑ جائیں اور وہ نہ ہوں جو تم سمجھتے ہو تو اس پر خدا کا شکر ادا کرو اور آنے والے وقت اپنے لئے ایک بہتر زندگی تلاش کرو۔" شاہد علی خاموش ہو گیا تھا...... بہر حال طیب علی

شاہد علی کے سامنے ہی پوری بریفنگ کی گئی۔ بینا بھی اس معاملے میں شریک تھی اور اس کے بعد شہاب، شاہد علی کو لے کر دوسرے کمرے میں چلا گیا جہاں میک اپ وغیرہ کا سامان موجود تھا...... بینا طیب علی اور جوہر خان سے باتیں کرتی رہی تھیں۔

شہاب نے انتہائی مہارت سے شاہد علی کا میک اپ کیا...... شاہد بہر طور امریکہ میں رہتا تھا...... ان تمام چیزوں سے تھوڑی بہت واقفیت بھی رکھتا تھا...... ویسے بھی ذہین نوجوان تھا اور اس وقت ایک اعلیٰ پولیس آفیسر کے سامنے تھا...... شہاب نے تمام معاملات کو مدنگاہ رکھتے ہوئے اس کے چہرے کا میک اپ کیا اور اسے نچلے درجے کا ایک ایسا فرد بنا دیا جسے دیکھ کر کوئی یہ سوچ بھی نہ سکے کہ یہ اس حیثیت کا مالک ہو گا...... پھر جب شاہد علی نے آئینہ دیکھا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"مائی گاڈ، مائی گاڈ۔"

"اس سلسلے میں اور کوئی مشورہ شاہد صاحب۔"

"آپ شہاب صاحب آپ، بس میں کیا کہوں براہ راست مجھے اس کا تجربہ کبھی نہیں ہوا، فلموں وغیرہ میں دیکھا ہے یا پھر مختلف واقعات سنے اور پڑھے ہیں، لیکن چہرے اس طرح تبدیل کر دیئے جاتے ہیں آپ یقین کریں میں سخت حیران ہوں، آپ تو بین الاقوامی معیار کی شخصیت ہیں۔"

"ارے چھوڑیئے، شاہد صاحب، صرف اپنے معیار کی بات کیجئے...... اب آپ کو ایک ایسا لباس بھی پہننا پڑے گا جو بہر طور آپ کے شایان شان نہیں، باقی اور کوئی تفصیل بتانے کی ضرورت تو آپ کو نہیں ہے۔"

پھر اس لباس میں شاہد علی کو لے کر شہاب جب کمرے میں داخل ہوا تو بینا تک حیران رہ گئی تھی۔ طیب علی نے اجنبی نگاہوں سے شاہد علی کو دیکھا...... وہ یہی سمجھا تھا کہ کوئی اور ہے اور ایک دم خاموش ہو گیا تھا...... تب شہاب نے کہا۔

"طیب علی یہ تمہارے مالک شاہد علی ہیں۔"

"جی۔" طیب علی بوکھلائے ہوئے انداز میں کھڑا ہو گیا۔

"پہچان لو انہیں اب یہ تمہارے بھانجے ہیں، نام کچھ بھی رکھ لو۔"

"میرا نام رمضان ہے۔" شاہد علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ویری گڈ، بہترین نام منتخب کیا ہے..... شاہد صاحب آپ نے۔"

"مم..... مالک..... س، سچ مچ، ارے باپ رے یہ کیسے ہو گیا؟"

"اب تم نے انہیں دیکھ لیا..... اطمینان سے واپس جاؤ اس سے زیادہ تمہارا گھر غائب رہنا مناسب نہیں ہے۔"

"جی صاحب ٹھیک ہے۔" پھر طیب علی ان لوگوں سے اجازت لے کر وہاں سے چل پڑا تھا۔

❀ ❀ ❀

آخر کار نیورا کوریل نے اپنے آپ کو مطمئن کر لیا تھا، حالانکہ ابتدا میں دل کی خلش نے بے چین کیا تھا..... سوچوں کا انداز ذرا سا تبدیل ہوا تھا لیکن پھر دانش کے ساتھ ایک خوبصورت زندگی کے تصور نے اسے مطمئن کر دیا تھا..... دولت بھی ہاتھ آجائے گی اور محبوب بھی، پھر اس کے بعد اور کیا درکار ہوگا..... تقدیر موقع بھی دے رہی تھی..... کافی وقت گزر گیا..... شام کو تقریباً چھ بجے اس نے دانش کو ٹیلی فون کیا، دانش نے فوراً ہی فون ریسیو کیا تھا۔

"ہیلو دانش! نیورا بول رہی ہوں۔"

"دانش کا آدھا بدن۔"

"ڈیئر وہ چلا گیا ہے۔"

"کہاں گیا ہے یہ کچھ پتا چل سکا۔"

"اصل میں ان باتوں کو میں ہی نہیں پوچھتی۔"

"ضرورت بھی نہیں ہے لیکن کم از کم یہ بھروسا ہونا چاہئے کہ وہ اتنے ہی عرصے کے لئے گیا ہے جتنا اس نے تم سے کہا ہے۔"

"میرا خیال ہے اس نے مجھ سے جھوٹ نہیں بولا۔"

"ہاں، اس کی نہ ضرورت ہے اور نہ امکان تو پھر اب کیا پروگرام ہے جناب عالی؟"

"آجاؤ۔"

"کتنی آسانی سے کہہ رہی ہو آجاؤ..... کیا میرا وہاں آنا خطرناک نہیں ہو سکتا۔"

"خطرناک!"

"تو اور کیا، ملازم بھی تو ہیں وہاں۔"

"ملازم میری مٹھی میں ہیں اور پھر بہر حال اب ایسا بھی نہیں ہے کہ میں ان سے خوفزدہ ہو جاؤں۔"

"ہوں مگر میں رات کو پہنچوں گا۔"

"کیوں خیریت کوئی مصروفیت ہے؟"

"مصروفیت ہی سمجھ لو۔"

"کیا مصروفیت ہے؟"

"نہیں بس کوئی خاص نہیں میں یہ کہہ رہا تھا کہ دن کی روشنی میں ہمیں وہاں ہونا نہیں چاہئے۔"

"دانش تم خوفزدہ ہو؟"

"ارے کیسی باتیں کرتی ہو، میں اور خوف دو الگ الگ چیزیں ہیں۔"

"تو پھر آ جاؤ کھانا کہیں باہر ہی کھائیں گے۔"

"ہوں تو پھر یوں کرتے ہیں کہ تم گاڑی لے کر نکلو، ڈرائیور کی ضرورت نہیں ہے اور اس کے بعد ہوٹل انٹر نیشنل پہنچ جاؤ۔ راستہ یاد ہے نا؟"

"ہاں میں جانتی ہوں۔"

"بس وہیں ملاقات ہوگی اس کے بعد میں تمہاری کار میں ہی وہاں چلوں گا بہتر یہ ہوگا کہ چھپ کر چلوں۔"

"چلو ایسا کر لو۔"

"بس اس کے بعد تفریحات کریں گے۔"

"او کے میں پہنچ جاؤں گی۔" نیورا کوریل نے کہا اور پھر وہ انتظار کرنے لگی...... خاصا وقت گزارنے کے بعد وہ کار میں بیٹھی اور کار لے کر باہر نکل آئی...... اب اسے یہاں کے بارے میں خاصی معلومات ہو چکی تھیں...... ہوٹل انٹر نیشنل میں دانش نے اس کا استقبال کیا۔ نیورا کوریل بھی خوبصورت لباس میں ملبوس تھی...... دانش اسے دیکھ کر مسکراتا ہوا بولا۔

"اور ایک بہادر لڑکی کو میں اپنے سامنے دیکھ کر خوش آمدید کہتا ہوں۔"

"بہادر لڑکی!" نیورا نے عجیب سی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

"کیوں؟"

"اس بات کو ذہن میں رکھنا کہ میں بالکل بہادر نہیں ہوں۔"

"کیا بات کرتی ہو نیورا، اس کا مطلب ہے کہ تم اپنے آپ کو سمجھتی ہی نہیں ہو۔"

"دانش یقین کرو کبھی کبھی شدید خوفزدہ ہو جاتی ہوں۔"

"بھلا کس بات سے؟"

"یہی کہ جو کچھ ہم سوچ رہے ہیں، کیا وہ اتنی آسانی سے ہو جائے گا؟"

"میرا خیال ہے ساٹھ فیصد ہو چکا ہے، اب رہ کیا گیا ہے۔"

"ساٹھ فیصد۔"

"تو اور کیا؟"

"نہیں، ابھی وہ تو نہیں ہوا ہے جو ہم چاہتے ہیں۔"

"مثلاً۔"

"مثلاً وہ جائیداد و دولت کی میرے نام منتقلی۔"

"اس سلسلے میں جلد بازی بالکل نہ کرنا...... آہستہ آہستہ سوچنے دو۔"

"مگر تم بتاؤ ایسا کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟"

"دیکھو جس وقت اس کی حالت زیادہ بگڑنے لگے اور وہ بستر مرگ پر پہنچ جائے تو خود اس کے دل میں گداز ہوگا تم اپنا یہ طریقہ کار جاری رکھنا یعنی اس سے محبت کا بے پناہ اظہار۔ یہی چیز اس کے دل میں گداز پیدا کرے گی اور وہ یہ سارا کام خود بخود کر دے گا۔" نیورا سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ دانش کی بات اس کی سمجھ میں آ رہی تھی، کچھ لمحات کے بعد اس نے کہا۔

"ہاں یہی طریقہ نیچرل ہوگا۔"

"اس کے علاوہ نیورا ہمیں بہت زیادہ ایک دوسرے سے نہیں ملنا چاہئے حالانکہ خود میرا بھی دل للچاتا ہے۔ تم کیا سمجھتی ہو؟"

"اب یہ بتاؤ ہم کریں کیا؟" نیورا نے سوال کیا۔

"مجھ سے محبت۔" دانش مسکرا کر بولا اور نیورا بھی مسکرانے لگی۔

"اس کے لئے کہنے کی ضرورت ہے؟"

"ہے تو نہیں، لیکن تم نے یہ سوال کیا تو میں کہہ رہا ہوں۔"

چلو چھوڑو ان باتوں کو، اس شریف آدمی نے ہمیں یکجا ہونے کا موقع دیا ہے تو اس موقعے کو ہم یوں نہیں گنوائیں گے اب باقی ساری باتیں گھر چل کر ہوں گی۔" اور پھر دانش نے ویٹر کو کھانے کا آرڈر نوٹ کرا دیا تھا۔

❁

ایک عجیب سی تھکن ایک عجیب سا احساس، دل میں پژمردگی ذہن میں مستقبل کا خوف، تنہا زندگی کیسے گزرے گی نیورا کوریل اگر واقعی وہی نکل آتی ہے جس کا شبہ ظاہر کیا گیا ہے تو پھر زندگی سے اس کا فاصلہ ہو جائے گا۔ یہ فاصلے میں کس طرح قبول کروں گا...... آہ...... کاش یہ سب کچھ نہ ہو، آہ...... کاش لیکن تقدیر میں جو کچھ لکھا ہوتا ہے اسے کیسے ٹالا جاسکتا ہے...... شہاب اپنے طور پر درست تھا...... ایک اعلیٰ پولیس آفیسر لیکن انتہائی اعلیٰ شخصیت کا مالک، ورنہ ایسے لوگ کہاں ہوتے ہیں، فرض کی انجام دہی بے شک ایک مقام رکھتی ہے لیکن اس کے لئے ذاتی جنون بہت کم پایا جاتا ہے...... تمام منصوبے طے ہوچکے تھے...... آخر کار مقررہ وقت پر شہاب نے اس کی اپنی کوٹھی پر چھوڑ دیا تھا۔ ایک طاقتور ڈکٹو فون سیٹ اسے دیا گیا تھا اور طیب علی کی ڈیوٹی لگائی گئی تھی کہ وہ اس ڈکٹافون سیٹ کو بیڈ روم میں پہنچا دے، اس کے لئے جگہ بھی منتخب کرلی گئی تھی اور یہ بات شاہد سے زیادہ بہتر کون جانتا تھا کہ یہ ڈکٹافون سیٹ کہاں نصب کیا جاسکتا ہے، باقی اس کی کوئی ذمہ داری نہیں رکھی گئی تھی اور شہاب نے اس سے کہا تھا کہ بقیہ معاملات وہ اس پر چھوڑ دے۔ اس کے لئے شہاب نے اپنے طور پر بندوبست کیا تھا کیونکہ ایک عام آدمی پر وہ اتنے بڑے کام کا بھروسا نہیں کرسکتا تھا۔ البتہ اور دوسرے ایسے انتظامات کرلئے گئے تھے، طیب علی اس کا اس دیوار کے قریب منتظر تھا جس کی نشاندہی شاہد علی نے خود کی تھی۔ مقررہ وقت پر وہ اپنے میک اپ میں دیوار کو عبور کر کے طیب علی کے پاس پہنچ گیا...... طیب علی نے اسے سلام کیا...... سلام کا جواب دے کر اس نے کہا۔

"کیا کیفیت ہے طیب علی؟"

"بیگم صاحبہ گئی ہوئی ہیں۔"

"کہاں؟"

"یہ تو نہیں معلوم صاحب۔"

"اکیلی گئی ہیں۔"

"جی ہاں خود کار چلا کر لے گئی ہیں...... ڈرائیور کو بھی ساتھ نہیں لیا۔"

"یہ نہیں پتا چل سکا کہ کہاں گئی ہیں؟" شاہد نے مغموم لہجے میں کہا۔

"نہیں صاحب بھلا یہ کیسے پتا چل سکتا تھا۔" طیب علی کا کہنا بالکل درست تھا...... مالکوں سے یہ سوال تو نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کہاں جارہے ہیں، بہرحال شاہد علی ایک ناخوشگوار کام کی سرانجام دہی کے لئے تیار ہوگیا اور گزرنے والے وقت کا انتظار کرتا رہا۔ وہ جاگ رہا تھا اور طیب علی اس کے ساتھ جاگ رہا تھا...... مالک کے غم کو وہ اچھی طرح سمجھتا تھا، دوسرے کسی آدمی کو اس کی یہاں موجودگی کا احساس نہیں ہوا تھا اور شاہد علی طیب علی کے کوارٹر ہی میں پوشیدہ تھا۔ مزید پوشیدہ رہنے کے لئے اس نے جگہ منتخب کرلی تھی۔ طیب علی کا کوارٹر بھی ایسی جگہ تھا جہاں سے گیٹ پر نظر رکھی جاسکتی تھی اور کوٹھی کے بیرونی حصے کا پوری طرح جائزہ لیا جاسکتا تھا...... پھر رات کو تقریباً گیارہ بجے دونوں کی واپسی ہوئی اور کار سے نیورا کوریل کے ساتھ دانش عظیم کو اترتے دیکھ کر شاہد علی کا کلیجہ خون ہوگیا۔ اس کی آنکھوں میں نمی اُبھر آئی اور وہ شدید درد و کرب کے عالم میں سوچنے لگا کہ یہ بدکار عورت کس طرح اسے بے وقوف بناتی رہی ہے۔ اب بھی بھلا کسی شک و شبہ کی گنجائش ہے۔ بہرحال یہ سارا مسئلہ بڑا عجیب و غریب تھا اور پھر وہ ان دونوں کو کوٹھی میں جاتے دیکھتا رہا، بہت دیر ہوگئی لیکن نہ اسے اور نہ ہی طیب علی کو یہ احساس ہوسکا کہ اسی جگہ اور اسی دیوار سے شہاب بھی نیچے کودا ہے اور اس کے بعد طیب علی کے کوارٹر میں داخل ہوگیا ہے۔ وہ دونوں اسے دیکھ کر چونک پڑے تھے۔ شاہد نے حیرانی سے کہا۔

"سر آپ؟"

"ہاں شاہد صاحب، اصل میں مجھے بھی کام کرنا ہے نا! ظاہر ہے میں اپنے کام کو نظر انداز نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

"تو کیا آپ کو معلوم ہے؟"

"ہاں مجھے معلوم ہے کہ وہ دونوں ابھی ابھی کوٹھی میں داخل ہوئے ہیں۔"

"میں آپ کے سامنے شرم سے نگاہیں نہیں اٹھا سکتا شہاب صاحب۔" شاہد علی نے درد بھرے لہجے میں کہا۔

"کیوں بھئی ایسی کیا بات ہے؟"

"آہ...... کبھی کبھی اولاد والدین کے لئے اس طرح بھی عذاب بن جاتی ہے، کیا عجیب بات ہے، میں ابھی اولاد کو نہیں جانتا لیکن جاننے کی ضرورت بھی نہیں، ماں باپ کس طرح اولاد کی پرورش کرتے ہیں، بہت سی آرزوؤں اور امنگوں کے ساتھ یہ تو حق ہے ان کا شہاب صاحب کہ وہ جس درخت کی آبیاری کریں اس کے سائے کے بھی آرزومند ہوں لیکن کبھی کبھی یہ سائے کس قدر زہریلے ہو جاتے ہیں، کاش ایسا نہ ہوتا۔"

"حوصلہ رکھئے شاہد صاحب...... فیصلے غلط بھی ہو جاتے ہیں، بہرحال خوشی کی بات یہ ہے کہ اس سلسلے میں آپ بے قصور نکلے ورنہ آپ یقین کیجئے اگر میری طرح تحقیقات کرنے والا کوئی اور نہ ہوتا تو سیدھا سیدھا آپ کو مجرم قرار دے دیا جاتا اور اپنی سوتیلی ماں اور سوتیلے بہن بھائیوں کے قاتل آپ ہی قرار پاتے۔"

"کاش ایسا ہو جاتا، مجھے اس ناکردہ گناہ کی سزا مل جاتی، موت کی سزا ہو جاتی تو کم از کم یہ عذاب میری زندگی میں شامل نہ ہوتا...... آہ...... وہ زیادہ بہتر ہوتا کیونکہ وہی میرے گناہوں کا کفارہ ہوتا۔"

"آپ کو حوصلہ رکھنا چاہئے، دیکھئے یہ ایک طاقتور ٹیپ ریکارڈر ہے اور یہ ڈکٹافون کا وہ ریسیور اصل میں یہ کام میں نے کسی اور کے سپرد کیا تھا لیکن بعد میں یہ فیصلہ کیا کہ میں خود ہی آپ کی موجودگی میں ان کے درمیان ہونے والی گفتگو سنوں تاکہ آپ کو بھی نیورا کوریل اور اپنے اس دوست نما دشمن کے بارے میں صحیح طور سے اندازہ ہو جائے۔"

شاہد نے کوئی جواب نہیں دیا تھا...... شہاب اس کے سامنے ہی ٹیپ ریکارڈر سیٹ کرنے لگا...... وائرلیس پر بیڈروم کی آوازیں اُبھرنے لگی تھیں...... دانش عظیم کسی بات پر ہنس رہا تھا، نیورا کوریل نے کہا۔

"دانش یہاں تمہارا کون کون ہے؟"

"میرا۔" دانش بولا۔

"ہاں۔"

"نیورا کوریل ہے اور۔"

"اور کون ہے؟"

"پھر نیورا کوریل ہے۔" دانش نے کہا اور نیورا کوریل ہنس پڑی۔

"میرے علاوہ بھی کوئی اور ہے؟"

"تمہارے علاوہ اس کائنات میں کوئی اور نہیں ہے، تم کوئی اور بات کر رہی ہو؟"

"تم مجھے اتنا چاہتے ہو۔"

"نیورا، تم نے خود غور نہیں کیا اس پر؟"

"نہیں خیر مجھے یہ تو یقین ہے کہ تم مجھے بے پناہ چاہتے ہو۔"

"اتنا نیورا کوریل کہ تمہاری وجہ سے میں چار افراد کا قاتل بن چکا ہوں۔"

"سچ بتاؤ دانش اس سے پہلے بھی کبھی کسی کو قتل کیا؟"

"نہیں نیورا قتل نہیں کیا میں نے لیکن میری فطرت میں ایک عجیب سی ہیجان خیزی رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم سے اب کچھ چھپانے کو بھی دل نہیں چاہتا...... میں نے یورپ میں بھی بہت سے جرائم کئے ہیں...... اصل میں میری فطرت کا یہ پہلو ایک عجیب سے انداز میں متاثر ہوا ہے۔ بعد میں تمہیں کبھی اس کی کہانی بھی سناؤں گا۔"

"قتل تم نے پہلی بار کئے ہیں۔"

"ہاں...... اور اس کے لئے انتہائی ذہانت سے ایک طریقہ کار منتخب کیا۔"

"میں لباس تبدیل کر لوں اس کے بعد تم سے بات چیت کروں گی۔"

"کیا مطلب؟ لباس تبدیل کرنے کے لئے تمہیں کہیں اور جانا پڑے گا؟"

"بے شرم آدمی۔"

"ارے...... ارے...... یہ تم پر مشرقیت کا بھوت کیوں سوار ہوتا جا رہا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"یعنی اب تمہیں لباس تبدیل کرنے کے لئے مجھے بے شرم بھی کہنا پڑے گا۔" نیورا ہنس پڑی تھی پھر وہ بولی۔

"ویسے ایک بات کہوں؟"

"ہاں کہو۔"

"مشرق کی ہوائیں بڑی معصوم ہوتی ہیں۔"

"معصوم؟"

"ہاں...... سخت، زہر آلود۔"

"بھلا کن معنوں میں؟"

"یہاں رہ کر خواہ مخواہ تقدس کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ دل میں اور بہت سے ایسے احساسات اُبھر آتے ہیں جو نہیں اُبھرنے چاہئیں۔"

"یعنی شرافت کے جراثیم پیدا ہونے لگتے ہیں۔"

"ہاں...... یہی سمجھو۔"

"چلو خیر یہ یہاں کی ہواؤں کا قصور ہے...... میرا نہیں۔"

دانش نے کہا اور اس کے بعد سرسراہٹیں سنائی دیتی رہیں...... شاہد علی کا سر پھر شرم سے جھک گیا تھا۔ شہاب نے اسے تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

"نہیں شاہد علی وہ صرف تمہاری ایک غلطی ہے۔ بیوی نہیں۔" شاہد علی نے آنسو بھری آنکھیں اٹھا کر شہاب کو دیکھا اور اس کی ہلکی ہلکی سسکیاں شروع ہو گئیں۔

"ارے ارے...... شاہد علی تمہیں تو خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ تمہیں اپنے باپ کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کا موقع مل رہا ہے۔"

"اب...... اب کیا کریں گے شہاب صاحب؟"

"دیکھتے رہو سنتے رہو کوئی ایسی بات نہیں ہے...... پریشان ہونے کی بالکل کوئی ضرورت نہیں۔" شہاب نے کہا اور پھر خاموش ہو کر دوسری طرف کی باتیں سننے لگا۔

"ہاں اب بتاؤ؟"

"بس بھئی ظاہر ہے تم تو شاہد کی زندگی میں شامل ہو گئیں...... شادی کر لی تم دونوں نے اور اس کے بعد رقابت نے مجھے وہ منظر برداشت نہیں کرنے دیا اور اس کا بہترین طریقہ میں نے یہی سوچا کہ یورپ چھوڑ دوں، پھر میں یہاں آ گیا اور اس کے بعد میں نے وہ طریقہ کار منتخب کیا جس کے تحت پہلا قدم مکمل طور پر کامیاب ہو جائے۔"

"اس کے لئے کیا طریقہ کار اختیار کیا تم نے؟"

"سب سے پہلے میں نے فیاض علی صاحب کا جائزہ لیا ان کی مصروفیات ان کی مشغولیات، ان کی بیوی، ان کے بچے یہ سب اندازہ لگانے لگا میں کہ کون سا ایسا لمحہ ہو سکتا ہے جب میں انہیں اس دنیا سے رفو چکر کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔"

"پھر۔" نیورا کوریل نے دلچسپی سے پوچھا۔

"نیورا میرے ذہن کی تمہیں داد دینی پڑے گی۔ میں یہ تمام اندازے قائم کرنے کے بعد سوچنے لگا کہ وہ کون سا ایسا مناسب طریقہ ہو جس سے ان لوگوں کو ٹھکانے لگایا جا سکے اور کوئی خاص شبہ بھی نہ ہو سکے، اس کے لئے میں نے اپنا روپ بدلا اور ایک لااُبالی سے انسان کی حیثیت سے اقبال پلازہ نامی ایک عمارت میں ایک فلیٹ حاصل کیا...... یہاں زیادہ تر تنہا لوگ رہا کرتے ہیں کیونکہ وہ علاقہ ٹرانسپورٹروں کا علاقہ ہے اور وہاں سب سے بڑا ٹرک اڈہ ہے، مجھے ایک ٹرک درکار تھا، پھر اس ٹرک کے حصول کے لئے میں نے غلام دل نامی ایک معصوم سے شخص کا سہارا حاصل کیا اس سے دوستی کر لی اور پھر ایک رات اس وقت جب مجھے علم تھا کہ فیاض علی اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ ایک چھوٹے سے قریبی شہر گیا ہوا ہے، میں غلام دل سے ٹرک لے کر نکل آیا اور میں نے ٹرک ایک ایسی جگہ کھڑا کر دیا جہاں سے ان لوگوں کو گزرنا تھا، بہت بڑا رسک تھا یہ لیکن بہرحال میری تقدیر نے میرا ساتھ دیا اور جب میں نے ان کی کار آتے ہوئے دیکھی تو میں تیار ہو گیا اور اس کے بعد ٹرک سے میں نے کار کو ٹکر ماردی اور اس انداز میں ماری کہ کوئی بھی نہ بچ سکا اور بس میرا کام پورا ہو گیا۔"

"بچے بھی تھے۔" نیورا کوریل نے افسوس بھرے انداز میں کہا۔

"یہ تم کس انداز میں گفتگو کر رہی ہو نیورا، وہ بچے ہی تو ہمارے لئے سب سے زیادہ خطرناک ہو سکتے تھے کیونکہ وہ اس دولت اور جائیداد کے حصے دار تھے اور بہرحال ان کی موجودگی اس جائیداد کا تصفیہ نہیں کر سکتی تھی۔"

"ہوں...... مگر تم نے سوچا خوب اور اس کے بعد تم نے وہ جگہ چھوڑ دی ہوگی۔"

"پھر وہاں رہنا اپنی موت کو آواز دینا تھا۔"

"اس ٹرک کا پتہ چل گیا۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، بہرحال غلام دل بھی ایک کردار تھا جس سے مجھے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا تھا۔"

"دانش کوئی ایسی غلطی تو نہیں کر بیٹھے ہو تم کہ پولیس ہمیں شناخت کر لے۔" جواب میں دانش کی ہنسی سنائی دی تھی۔

"نہیں ڈارلنگ انسان محبت میں پاگل ہو کر نجانے کیا کیا کر بیٹھتا ہے لیکن بہرحال

عقل و دانش کا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہئے اور دانش تو میں خود ہوں اور اس کا مفہوم بھی عقل ہی ہے۔" دانش ہنس کر بولا، نیورا کوریل خاموش ہو گئی...... شہاب سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور شاہد علی اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہو گیا شہاب صاحب؟"

"یار شاہد علی معاف کرنا تمہاری یہ اداسی مجھے پسند نہیں آ رہی، تمہارے باپ، سوتیلی ماں اور بہن بھائیوں کے قاتل کا پتا چل گیا ہے اور اب وہ اپنی گردن پھانسی کے پھندے کے لئے تیار کرنے کو موجود ہے اور تم اداس بیٹھے ہو، مردوں کا کھیل ہے شاہد کبھی کبھی ایسی عورتیں بھی زندگی میں آ جاتی ہیں لیکن اس کے لئے افسردگی، میں سمجھتا ہوں غیر مناسب ہے بلکہ صحیح معنوں میں اپنے والد کے ساتھ ناانصافی کر رہے ہو تم، تقدیر نے تمہیں یہ موقع دیا ہے کہ ان بے گناہ معصوموں کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچاؤ۔"

"میں اپنی اس کمزوری کا اعتراف کرتا ہوں شہاب صاحب، کوشش کروں گا کہ میرے ذہن سے یہ داغ دھل جائے۔"

"اصل میں یہ سوچ رہا ہوں میں کہ یہ کام تو اتنا آسان ہو گیا کہ میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا، میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ بہت سے پاپڑ بیلنے پڑیں گے اور بہر حال دانش عظیم کو گھیرے میں لانے کے لئے بہت سی چالیں چلنا پڑیں گی لیکن دیکھو خون یوں سر چڑھ کر بولتا ہے، گناہ اس طرح سامنے آ جاتے ہیں، جرم کرنے والا جرم کرتے ہوئے ایک خونی درندہ ہوتا ہے لیکن خونی درندے کو بھی یہ سوچنا چاہئے کہ زندگی اللہ کی امانت ہوتی ہے اور کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ کچھ لمحوں کی خوشیوں کے لئے دوسروں کی زندگی چھین لے، جب گناہ کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے تو اسی طرح انسان کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں، میرا خیال ہے اب مزید وقت ضائع کرنے کی گنجائش نہیں، تم اپنے چہرے سے یہ میک اپ اتار دو، یہ میک اپ تو میں نے اس لئے کیا تھا کہ ممکن ہے چند روز تمہیں یہاں گزارنے پڑیں، دانش فوراً ہی یہاں آنے کی بے وقوفی نہ کرے...... لیکن یہ میرا خیال تھا ورنہ قدرت کچھ اور ہی سوچ رہی تھی اور قدرت نے وہ کر دکھایا، اب تم یہ دیکھو یہ پورا اعتراف ریکارڈ ہو گیا ہے...... میں یہ بھی جانتا ہوں یعنی غلام دل، مجھے اس کے بارے میں رپورٹ مل چکی ہے، یہ شخص بہترین گواہ ہے، بات ہی ختم ہو جاتی ہے۔"

"تو پھر اب کیا ارادہ ہے؟"

"قاتل کو مزید مہلت دینا گناہ ہے۔"

"اور یہ بدبخت عورت؟"

"وہ فاحشہ اپنے جرم کے ساتھ گرفتار ہو جائے گی۔"

"ٹھیک ہے۔" پھر شہاب نے اس کا میک اپ اتارا تھا اور وہ منہ ہاتھ دھو کر اپنی اصلی شکل میں آ گیا تھا، اس دوران شہاب اپنے محکمہ کے افراد کو ٹرانسمیٹر پر طلب کر رہا تھا اور پھر ان کا انتظار کرنے میں تھوڑا سا وقت صرف ہوا، وہ لوگ اندر داخل ہوئے تھے اور باقاعدہ گیٹ سے اندر آئے تھے چوکیدار کو قابو میں کر لیا گیا تھا، ویسے پھر بھی احتیاط برتی جا رہی تھی...... شہاب نے احتیاط کے پیش نگاہ انہیں ایسی جگہوں پر متعین کر دیا جہاں سے اگر دانش عظیم بھاگنے کی کوشش کرے تو اسے گرفتار کر لیا جائے اور اس کے بعد اس نے شاہد سے کہا۔

"اپنے جذبات اپنے احساسات کو قابو میں رکھنا تمہارا اب نیورا کوریل سے کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ بدبخت عورت صرف ایک مجرمہ ہے۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اعانت جرم میں اسے بھی موت سے کم سزا نہیں دلواؤں گا، یہ میرا عہد ہے آؤ۔"

پھر شہاب شاہد علی کے ساتھ آگے بڑھ گیا وہ شاہد علی کی کیفیت کو محسوس کر رہا تھا لیکن اسے یہ اطمینان تھا کہ شاہد کے پاس کوئی ہتھیار وغیرہ نہیں ہے...... شاہد سے زیادہ عمارت کے بارے میں اور کون جان سکتا تھا، کچھ لمحوں کے بعد وہ خواب گاہ پر پہنچ گئے...... دروازہ اندر سے بند تھا اور کوئی ایسی کھڑکی اندر موجود نہیں تھی جس سے دانش فرار ہو سکے، شاہد کے چہرے پر اب خون کی سرخی لہرا رہی تھی، لیکن وہ اپنے آپ کو قابو میں کئے ہوئے تھا...... دروازے پر تیسری بار دستک دی تو اندر سے نیورا کوریل کی آواز سنائی دی۔

"کون ہے...... کیا بات ہے۔"

"دروازہ کھولئے...... شہاب نے کہا۔

"میں سو رہی ہوں بھاگ جاؤں کون ہے اس وقت، یہ آنے کا وقت ہے۔"

"ایک بہت بڑی بات ہو گئی ہے میڈم، کوٹھی میں آگ لگ گئی ہے، براہ کرم دروازہ کھولیں۔" شہاب نے کہا۔

"آگ۔" اندر کچھ ہڑبڑاہٹ سنائی دی اور چند لمحوں کے بعد تیز روشنی ہوئی، پھر

دروازہ کھل گیا، نیورا کوریل شب خوابی کے لباس میں کھڑی ہوئی تھی، شہاب آگے تھا اور شاہد اس کے پیچھے، نیورا نے شہاب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"مگر تم کون ہو؟" "اور کیا؟" نیورا کوریل کے منہ سے اتنا ہی نکلا تھا کہ شہاب نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے زور سے دھکا دیا اور ایک تیز آواز کے ساتھ پیچھے گرتے گرتے بچی، شہاب اندر داخل ہو گیا اور اس کے پیچھے شاہد بھی، شاہد نے دروازہ بند کر لیا تھا، نیورا کوریل نے دہشت بھری نظروں سے شاہد کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"تت...... تم...... تم۔" شاہد نے جواب نہیں دیا، شہاب چاروں طرف نگاہیں دوڑا رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"دانش عظیم باہر نکل آؤ مجھے علم ہے کہ تم واش روم میں چھپے ہوئے ہو۔" نیورا کوریل کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا اس نے خوفزدہ نگاہوں سے واش روم کی جانب دیکھا شہاب نے شاہد سے کہا۔

"شاہد علی یہ عورت باہر نہ نکلنے پائے میں واش روم دیکھتا ہوں۔"

واش روم کا دروازہ شاید اندر سے بند نہیں کیا گیا تھا، شہاب نے برق رفتاری سے دوڑ لگائی اور اسی وقت دانش نے اس پر حملہ کر دیا...... شہاب کے دروازہ کھولنے سے پہلے دانش دروازہ کھول کر شہاب پر ٹوٹ پڑا تھا، لیکن بدنصیب یہ نہیں جانتا تھا کہ واسطہ کس سے ہے، شہاب نے اسے اپنے بدن پر روکا اس کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اسے زمین پر پٹخ دیا، دانش نے نیچے گرتے ہی اٹھ کر ایک بار پھر شہاب پر حملہ کیا تھا لیکن اس بار شہاب کا گھونسا اس کے جبڑے پر پڑا اور وہ اُچھل کر مسہری پر جا گرا، وہ خونی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا، نیورا کوریل دیوار سے جا لگی اور شاہد دروازے پر پتھر کے بت کی مانند خاموش کھڑا ہوا تھا، دانش نے ایک بار پھر کوشش کی اور پھر شہاب کے ہاتھوں اچھا خاصا پٹ گیا، شہاب نے اس کے جبڑے سوجا دیئے تھے، دانش زمین پر گر کر ہانپنے لگا تو شہاب نے اسے گریبان سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے دانش، دولت ہی اس دنیا میں سب کچھ نہیں ہوتی اور یہ سفید فاحشہ اس کا تو کام ہی یہ ہے، بہر حال تم دونوں اپنے آپ کو زیر حراست سمجھو، میرا تعلق محکمہ پولیس سے ہے۔"

پھر شہاب نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی اور چند لمحات کے بعد دانش اور نیورا کوریل کو

ہتھکڑی لگا دی گئی، نیورا کوریل نے خوفزدہ نگاہوں سے شاہد کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"شاہد...... شاہد یہ سب کیا ہے۔"

"یہ سب کیا ہے نیورا۔" شاہد نے دانش کی جانب اشارہ کر کے کہا اور نیورا خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی، پھر نیورا اور دانش کو گاڑی میں بٹھا کر پولیس ہیڈ کوارٹر لایا گیا...... شہاب کے پاس اب بہترین ثبوت موجود تھے، چنانچہ دونوں کو لاک اپ میں داخل کر دیا گیا اور اس کے بعد شہاب نے شاہد کو سمجھا بجھا کر روانہ کر دیا، پھر یہ کیس چلتا رہا شہاب نے تمام شواہد جمع کر کے عدالت میں چالان پیش کر دیا اور بس اتنا ہی کام تھا، اس کا لیکن جو ثبوت دانش اور نیورا کوریل کے بارے میں فراہم کئے گئے تھے، ان میں قطعی یہ گنجائش نہیں تھی کہ ان لوگوں کی زندگی کا امکان رہتا، دونوں کو آخر کار موت کی کرسی تک جانا تھا، شاہد البتہ خاصا دلبرداشتہ نظر آ رہا تھا، بینا اور شہاب نے ایک دن اس کی کوٹھی پر جا کر اسے سمجھایا۔

"ڈیئر شاہد، میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ زندگی کے کھیل انوکھے ہوتے ہیں اور کبھی کبھی انسان انجانے پن میں ایسے اقدامات کر بیٹھتا ہے جو بہت بڑے نقصانات کا باعث بن جاتے ہیں، لیکن بہر حال زندگی خود اپنا مرہم ہوتی ہے، اب تم نئے سرے سے زندگی کا آغاز کرو اور یوں سمجھو کہ جو کچھ پیش آیا تھا وہ ایک دلدوز سانحہ تھا اور کچھ نہیں، محبت اس سے کی جا سکتی ہے جس سے محبت حاصل ہو، اپنا کاروبار سنبھالو ان دونوں کو سزائے موت ہو گی اور تم ان کی سزائے موت کا منظر بالکل اجنبی نگاہوں سے دیکھو گے۔"

"شہاب صاحب! آپ کا شکر گزار ہوں میں اور یقیناً آپ کی ہدایت پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا۔" شاہد نے وعدہ کیا۔

❀

دوپہر کی چلچلاتی دھوپ پڑ رہی تھی...... صحرائی علاقہ تھا اس لئے دھوپ کی شدت بے پناہ تھی لیکن کچی دیواروں کا یہ زمین دوز کمرہ جنت نظیر بنا ہوا تھا...... ٹھنڈا...... نم، ایئر کنڈیشنڈ۔

فضل کامل نے سلام پھیرا...... پھر نہالہ کی طرف دیکھا اور بولا۔ "نماز پڑھ لی۔"

"ہاں۔"

"پھر دو گھڑی لیٹ کیوں نہیں جاتیں۔"

"آج کیا دن ہے۔" نہالہ نے پوچھا۔

"دن۔!" فضل کامل بولا۔

"ہاں کیا دن ہے آج۔"

"تجھے اب بھی دن یاد رکھنے کا شوق ہے۔"

"کوئی شوق نہیں ہے۔"

"پھر کیوں پوچھ رہی ہو؟"

"نہانا ہے...... جمعہ کا انتظار کر رہی ہوں۔"

"بالٹی میں پانی آئے گا تو پتا چل جائے گا کہ جمعہ ہے...... کون یاد رکھے!" فضل کامل ٹھنڈی سانس کے بعد بولا۔

نہالہ نے ٹھنڈی سانس لے کر کمرے کی چھت کی طرف دیکھا۔ پھر آہستہ سے بولی۔

"کب تک امتحان لے گا مولا کریم کب تک امتحان لے گا ہمارا، فنا نہیں کر دیتا تو اسے ہم نے بے شک گناہ کئے ہوں گے، لیکن سزا کب پوری ہوگی ہماری، مٹادے مالک اسے مٹادے اس روئے زمین سے۔"

"نہالہ کتنی بددعائیں دے گی تو مولا کریم کی مرضی ہوگی، جب ہی مٹے گا وہ، کیوں بلاوجہ اپنی زبان کو تھکاتی ہے، داماد کو بددعا دیتی ہے...... اری چل دعا نہ دے تو اسے مگر بددعا بھی تو نہ دے۔" فضل کامل مدھم لہجے میں بولا۔

"الٰہی ہمیں ہمارے صبر کا پھل دے، الٰہی اسے مٹادے مٹادے میرے مولا اسے۔"

"کیا پتا ری مولا کریم کو کیا منظور ہے اور اب تو تیرہ سال گزر چکے ہیں پتا نہیں ہماری شملہ کے کتنے بچے ہوں بچوں کے باپ کو بددعا دے رہی ہے تو، بچوں کے سر سے سایہ نہیں اٹھ جائے گا اس کا۔"

"مولا کریم یہ سایہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اٹھادے، مولا کریم ہماری مشکلوں کی بھی شنوائی ہو جائے...... مولا کریم ہم کب تک ایسے زندگی گزاریں گے، کسی ایک کا تو فیصلہ کر ہمیں اٹھالے یا اسے فنا کر دے۔"

"اچھا اچھا، کیسی ٹھنڈ ہو رہی ہے یہاں پر، ذرا باہر جھانک کر دیکھ، یہ بھی مولا کریم کی مرضی ہی ہے، نجانے کتنے اس وقت باہر کی دھوپ میں جل رہے ہوں گے، شاہ گڑھی

ری یاد نہیں...... تجھے، ارے چیل انڈہ چھوڑ دیتی ہے، پرندے درختوں سے گر گر کر مر جاتے ہیں، یہاں تو بڑی ٹھنڈ ہے، اس کا بس چلتا تو یہ ٹھنڈک بھی ہم سے چھین لیتا، چل جو کچھ اس نے دیا ہے اس پر شکر ادا کر اس کا، لیٹ جا دو گھڑی سو لے، سکون مل جائے گا۔"

"میل بدن میں کاٹ رہا ہے، سکون کیا خاک ملے گا۔"

"قناعت کر قناعت، شکر کر مولا کریم کا، جو ملا ہے سو ٹھیک ہے، بس یہی تقدیر میں تھا، لیٹ جا سو جا شاباش۔" فضل کامل نے بیوی کو نرم لہجے میں کہا اور پھر خود بھی لیٹ گیا" خاصے فاصلے پر کرم کامل بے سدھ زمین پر لیٹا ہوا تھا، اس کے نیچے گدڑی کا ڈھیر تھا، فضل کامل نے اس پر نظر ڈالی اور آواز دی۔

"کرم"

"جی بابا۔"

"سو رہا ہے کیا؟"

"سونے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"یہ بستر اپنے نیچے سے ہٹا دے، اس وقت اس کی کیا ضرورت ہے، زمین ٹھنڈی ہو رہی ہے آرام سے لیٹ جا۔"

"سب ٹھیک ہے بابا تم آرام کرو۔" نوجوان کرم نے کہا اور فضل کامل کروٹ بدل کر لیٹ گیا...... نہالہ بھی دیوار سے چپک کر لیٹ گئی تھی، کچی دیواریں مٹی سے کھدی ہوئی، جن سے مٹی جھڑ جھڑ کر کناروں پر جمع ہو جاتی تھی اور اس مٹی سے کھیلنا بڑا اچھا لگتا تھا، اس پر نشانات بھی بنائے جا سکتے تھے، اگر ہلکی سی نمی ہوتی تو گھروندے بھی بنائے جا سکتے تھے اس کے، یہ ایک دلچسپ مشغلہ ہوتا تھا، مدھم سی آوازیں اس کچے کمرے میں گونجتی رہیں اور پھر یہ آوازیں گہری گہری سانسوں میں تبدیل ہو گئیں، فضل کامل کو سوتے میں خراٹے لینے کی عادت تھی اور اس کی نیند بھی قیامت کی تھی، بس آنکھیں بند کیں اور اس کے خراٹے گونجنے لگے...... کرم کامل کئی بار ماں سے کہہ چکا تھا۔

"بابا کی نیند تو کمال کی ہے ایسی نیند اس عمر میں کبھی نہیں دیکھی۔" نہالہ نے اپنے بیٹے سے کچھ نہیں کہا تھا، لیکن شوہر شناس عورت اچھی طرح جانتی تھی کہ یہ خراٹے مصنوعی ہیں، فضل کامل ان لوگوں کا حوصلہ بڑھانے کے لئے اپنے آپ کو بے فکر ظاہر کرنے کی

کوشش کرتا ہے، ورنہ وہ کب تہجد پڑھتا تھا...... اب تورات کو جب بھی آنکھ کھل جاتی ہے بیٹھے ہوئے ہی دیکھا جاتا، نجانے کیا کیا پڑھتا رہا ہے بہر حال اس نے بیٹے سے کبھی اس بارے میں کچھ نہیں کہا تھا...... خاصی دیر اسی طرح گزر گئی، کرم کامل خود بھی سونے کی اداکاری کر رہا تھا، لیکن جب اس نے محسوس کیا کہ باپ اور ماں سو گئے تو گردن اٹھا کر انہیں دیکھا، ان کے گہرے سانسوں کی آوازیں سنیں، پھر آہستہ سے اٹھ کر بیٹھ گیا بیٹھنے کے بعد اس نے داہنے پاؤں کے نیچے سے وہ گدڑی اپنی جگہ سے ہٹائی اور اس کے نیچے سے کوئی چیز نکال لی، یہ کھانے کا چمچہ تھا، اس نے گدڑی کے نیچے بنے ہوئے گڑھے کو غور سے دیکھا، اچھا خاصا گڑھا تھا اور اسے بڑے ماہرانہ انداز میں تھوڑا سا نیچے لے جا کر دیوار کی جانب موڑ دیا گیا تھا، کوئی ڈھائی فٹ کھدائی ہو چکی تھی اور کرم کامل اس میں پاؤں ڈال کر دیکھ چکا تھا، اس نے بڑی احتیاط کے ساتھ چمچے کو اپنے داہنے پاؤں کی انگلی اور انگوٹھے میں دبایا اور اس کے بعد کہنیوں کے بل لیٹ گیا، پھر اس مدہم خاموشی میں سر سر، سر سر کی آوازیں گونجنے لگیں، کچی مٹی آہستہ آہستہ جھڑ رہی تھی، یہ کام اب وہ پیروں سے ہی لے سکتا تھا، کیونکہ دونوں ہاتھ پہنچوں کے پاس سے کاٹ دیئے گئے تھے، وہ اسی قید خانے میں جوان ہوا تھا...... تیرہ سال ہو گئے تھے اور شاید اس وقت وہ دس سال کا تھا جب اسے اس جگہ لایا گیا تھا، لیکن دس سال پہلے اس کے دونوں ہاتھ موجود تھے، یعنی اس وقت وہ پندرہ سال کا تھا جب اس قید خانے میں اسے ایسی ہی ایک چیز حاصل ہو گئی تھی اور اس نے قید خانے کی دیواروں کو کھرچنا شروع کر دیا تھا، وہ ایک سرنگ بنانا چاہتا تھا ایک ایسی سرنگ جو اس موٹی دیوار کے دوسری طرف نکل جائے...... ایک ایسی چمنی نما سرنگ جس میں گھس کر وہ ایک ایک کر کے باہر نکل سکیں، لیکن اس کی بد قسمتی تھی کہ جب گڑھا تین فٹ کا ہو گیا اور بلندی کی جانب سفر کرنے لگا تو اس گڑھے کو دیکھ لیا گیا اور یہ اندازہ بھی لگا لیا گیا کہ سرنگ بنائی جا رہی ہے...... رمل نے فوراً ہی ذمے داروں کو اطلاع دی اور پھر بات اوپر پہنچ گئی اور اوپر سے احکامات آ گئے، "سرنگ بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔" گرجدار اور خوفناک آواز نے کہا۔

"ہم یہاں سے نکلنا چاہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، یہ یہاں سے نکلنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے اس لڑکے نے بڑی محنت کی ہے، رمل اس کے دونوں ہاتھ کٹوا دو...... ڈاکٹر امام کو بلا لینا وہ اس کے ہاتھوں کی مرہم پٹی

کر دے گا، لے جاؤ اسے۔"

نہالہ اور فضل کامل آنسوؤں سے پاؤں دھوتے رہے تھے، لیکن جس کے پاؤں دھوئے جا رہے تھے وہ آنسوؤں سے متاثر ہونے والوں میں سے نہیں تھا، ان کے سروں کو ٹھوکریں لگا کر وہ واپس چلا گیا، رمل کی ذمہ داری تھی کہ اس کے احکامات کی تعمیل کرے تو پھر یوں ہوا کہ پورے بیس دن کے بعد کرم کامل اپنے ماں باپ کے پاس پہنچا تھا اور اس کے دونوں ہاتھوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں، اس کے ہاتھوں کی انگلیاں اور پوری ہتھیلی پہنچوں کے پاس سے ہاتھوں کے ساتھ موجود نہیں تھی، لیکن ڈاکٹر بہت اچھا تھا؟ ایسا علاج کیا کہ سارے زخم بھر گئے اور کرم کامل ہٹا کٹا ہو گیا، ماں باپ کی آہیں اور آنسو مٹی میں ملتے رہے، لیکن مٹی نرم تک نہ ہوئی اور بات ختم ہو گئی۔ کرم کامل ہاتھوں کے بغیر جیتا رہا اور پھر بات ختم ہو گئی تھی۔ بھلا ایسی بھی کیا بات، ہاتھ گئے سو گئے زندگی تو بچی ہوئی تھی۔ سرسراہٹ مسلسل گونج رہی تھی اور فضل کامل کے گہرے سانس بھی اس میں ہم آہنگ ہو گئے تھے، لیکن جیسا کہ نہالہ کا خیال تھا کہ فضل کامل سوتا نہیں ہے بس سونے کی اداکاری کرتا ہے...... یہی ہوا وہ اچانک ہی اٹھ کر بیٹھ گیا، اسے پتہ نہیں تھا کہ بیٹے نے ہاتھوں کو کھونے کے بعد پیروں کا استعمال شروع کیا ہے...... کرم کامل اس وقت اپنے کام میں بڑی تندہی سے مصروف تھا، فضل کامل نے اسے دیکھا اور اس کا اوپر کا سانس اوپر نیچے کا نیچے رہ گیا...... جھنجھوڑ کر نہالہ کو جگایا اور نہالہ ہڑبڑائی ہوئی آواز میں بولی۔

"کیا ہے، کیا ہو گیا؟" لیکن اس کیا ہے اور کیا ہو گیا کو کرم کامل نے بخوبی سن لیا تھا، وہ اپنی جگہ ساکت ہو کر زمین پر اس طرح لیٹ گیا جیسے سو رہا ہو لیکن اس کے دونوں پاؤں گڑھے میں داخل ہو گئے تھے، فضل کامل اپنی جگہ سے اٹھا نہالہ کا ہاتھ پکڑا اور بیٹے کے پاس جا کھڑا ہوا، کرم کامل نے آنکھیں بند کر لی تھیں، تب فضل کامل نے آہستہ سے اس کے قریب بیٹھ کر اس کے سینے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"اس وقت تیرے دونوں پاؤں اس گڑھے میں داخل ہیں، کرم کامل اور میرا دل کم بخت نجانے کون سے پتھر سے بنا ہوا ہے کہ دھڑکنا نہیں بھول جاتا۔ مجھے اچانک یوں محسوس ہو رہا ہے کہ کرم کامل جیسے تیرے دونوں پاؤں بھی کٹ گئے ہوں...... ایسا ضرور ہو جائے گا۔ کرم مجھے یقین ہے ایسا ضرور ہو جائے گا۔"

کرم کامل بے سدھ پڑا رہا...... فضل کامل نے کہا۔ ''پھر تو اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکے گا...... میرا بدن ہی اتنا کمزور ہو گیا ہے کہ میں تیری خدمت نہیں کر سکتا میرے بچے...... تیری ماں تو بالکل کمزور ہو گئی ہے۔''

کرم نے آنکھیں کھول دیں...... پھر آہستہ سے بولا۔ ''تب مجھے مرنے کی اجازت دیدو بابا۔''

''ابھی نہیں...... نہ جانے کیوں میرے دل میں ابھی مایوسی کا اندھیرا نہیں چھایا...... کچھ کرنیں جی رہی ہیں ابھی۔ روشنی کی ان کرنوں کو بجھ جانے دے...... اس کے بعد ہم تینوں ایک ساتھ خودکشی کریں گے...... ہم ایک ایک کر کے نہیں مر سکتے کتنا مشکل ہو گا یہ''۔

تو خود سوچ تو مر جائے گا تیری ماں رو رو کر اپنی بینائی کھو بیٹھے گی، میں کس طرح جیوں گا، انتظار کر لیتے ہیں کرم، تھوڑا سا انتظار اور کر لیتے ہیں...... یہ کم بخت کرنیں نجانے کیوں جاگ رہی ہیں، یہ روشنی نجانے کہاں سے آ رہی ہے، مایوسی کفر ہوتی ہے بیٹا، زندگی تو خیر جیسی گزری تو بھی جانتا ہے میں بھی جانتا ہوں، خودکشی نہ کریں تو ایک گناہ سے بچ جائیں گے ورنہ پھر روز محشر جواب دینا مشکل ہو جائے گا، کرم کچھ تو بچے ہمارے پاس دنیا نہ سہی عاقبت ہی بچ جائے، اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ میری دی ہوئی زندگی پر تمہارا کیا حق تھا کہ تم نے اسے ختم کر لیا، میں جانتا ہوں کہ کتنا جینا ہے، کتنا مرنا ہے، میرے کام میں مداخلت کی تھی تم نے تو کیا جواب دیں گے ہم، اب یہ تو نہیں کہ شکایتیں کرنے بیٹھ جائیں وہ سب کچھ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے...... ہمارا شکایتیں کرنا تو بیکار ہی ہوگا نا جی، کرم، ابھی کچھ اور جی، یہ سب کچھ مت کر بیٹا، یہ ممکن نہیں ہو سکتا، شیطان کو قوتیں دی گئی ہیں انسان کو نقصان پہنچانے کے لئے اور قوتیں جہاں سے دی گئیں تو جانتا ہے، ارے ہم ان قوتوں کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں کرم؟''

''تم اسے زندگی کہتے ہو بابا...... زندگی اسے کیسے کہا جا سکتا ہے۔''

''مانتا ہوں بیٹا سب کچھ مانتا ہوں، لیکن اب کیا کیا جائے جن تصورات میں دنیا میں جئے ہیں اب تھوڑی سی تکلیف ملنے پر انہیں کیسے ذہن سے بھلا دیں۔''

''تھوڑی سی، میں نے ہوش اسی غار میں سنبھالا ہے بابا، باہر کی دنیا کیسی ہے کون جانے، بابا؟''

''پھر بھی بیٹا حقیقت میں نے تیرے سامنے پیش کر دی...... اب تو ہی مجھے مشورہ دے

ہے کہ کیا کرنا چاہئے مجھے، ہٹ ذرا دیکھوں تو سہی کیا کیا ہے تو نے؟'' کرم کو ہٹا کر فضل کامل نے اس گڑھے کو دیکھا جسے ایک احمقانہ کوشش کہا جا سکتا تھا، جسے ذہنی فتور اور جنون کہا جا سکتا تھا، بھلا ایک چمچے سے کہیں سرنگیں کھودی جاتی ہیں...... لیکن بیٹے سے بھی کیا کہتا۔ سچ ہی تو کہہ رہا تھا، اس قید میں جوان ہوا تھا وہ فضل کامل نے اسے پیار سے تھپتھپایا اور بولا۔

''اس گڑھے کو بند کر دے، بیٹا، اس گڑھے کو بند کر دے...... کہیں کوئی مشکل نہ پیش آ جائے، مان لے بیٹا میری بات، مان لے، چل ہٹ ادھر سرک جا، میں خوف کے اس گڑھے کو چھپانے کی کوشش کرتا ہوں، یہ چمچہ بھی اسی میں دفن کر دے کہیں یہ کسی کی نگاہوں میں نہ آ جائے، مصیبت میں پڑ جائیں گے ہم۔'' فضل کامل نے کرم کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے آگے گھسیٹا اور پھر گڑھے کو پر کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

❀ ❀ ❀

بہت بڑی آبادی تھی، بہت سے لوگ رہتے تھے شاہ گڑھی نام تھا، شاہوں کا یہ سلسلہ بہت قدیم تھا، ہمیشہ ہی سے شاہ یہاں حکمران آئے تھے، گڑھی ان ہی کی ملکیت تھی، پرانے شاہوں نے گڑھی میں کسی اور کو زمیندار نہیں رہنے دیا تھا اور قرب وجوار کے تمام علاقے ج سرسبز و شاداب تھے شاہوں کی ملکیت تھے، اب یہ الگ بات ہے کہ چلچلاتی دھوپ، شدید گرمی نے زمینوں کو بنجر کر دیا تھا، کھیت بڑی مشکل سے اگتے تھے، باغ بڑی مشکل سے ہر رہتے تھے، کچھ علاقے ایسے تھے جو بالکل بنجر تھے اور کچھ علاقے لوگوں نے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی شکل میں اپنے لئے آباد کر لئے تھے اور بعض جگہوں پر کسی اور کی محنت سے خاصا کام ہو گیا تھا...... بہر حال شاہوں کا یہ سلسلہ آج تک چلا آتا تھا اور قدیم رہنے والے ان شاہوں کے غلام تھے، لیکن جو نئے پیدا ہوئے تھے وہ بھی ان کے غلام ہی پیدا ہوتے تھے بلکہ ان کی پیدائش کی اجازت اس لئے دی جاتی تھی کہ وہ شاہوں کے غلام رہیں اور موجودہ شاہ کفالت شاہ تھا، کفالت شاہ نے بھی آئندہ کے لئے شاہ تعین کر لیا تھا اور آئندہ کا یہ شاہ طارق شاہ تھا جو ابھی صرف سولہ سال کا تھا اور آداب شاہی کی تربیت حاصل کر رہا تھا، لیکن کفالت شاہ ذرا مختلف قسم کا انسان تھا، ویسے تو شاہوں کی شان ہی اور ہوتی ہے اور وہ ہمیشہ اپنے اندر کوئی نہ کوئی انفرادیت رکھتے ہیں، لیکن کفالت شاہ کا معاملہ ذرا بالکل مختلف تھا، اصل میں وہ صوفی او درویش تھا، ابتداء ہی سے درویش نہیں تھا وہ بلکہ اس نے اپنے باپ صولت شاہ کی زندگی میں اپنا وقت زیادہ تر یورپ میں گزارا تھا، تعلیم کی غرض سے گیا تھا اور جب واپس آیا تھا تو صولت شاہ بستر مرگ پر تھا اپنی تمام تر جائیداد روایات اس نے کفالت شاہ کے حوالے کر دی تھیں اور کفالت شاہ نے بالکل اسی انداز میں اپنے باپ کی موت کے بعد شاہی کا آغاز کیا تھا، جس

طرح شاہ جیا کرتے ہیں، لیکن پھر کچھ عرصے کے بعد اس پر کسی درویش کی نظر ہو گئی تھی اور اس کے رنگ ڈھنگ بدلتے چلے گئے تھے، پہلے زلفیں شانوں تک پہنچیں، داڑھی سینے تک اور اس کے بعد اس کے انداز میں نرمی اور درویشی آتی چلی گئی، اس نے پکی حویلی میں رہنے کے بجائے کچی حویلی آباد کی، پکی حویلی صولت شاہ نے بنوائی تھی اور اس طرح بنوائی تھی کہ لوگ دور دور سے اسے دیکھنے آتے تھے اور عش عش کرتے ہوئے جاتے تھے...... دنیا کی ہر آسائش اس میں مہیا کر دی گئی تھی، کچی حویلی البتہ پکی حویلی کے عقب میں خاصے فاصلے پر تھی اور کسی پرانے دور میں استعمال ہوتی تھی، سب کچھ مٹی کا بنا ہوا تھا، لیکن ایسا کہ نوادرات میں شامل ہو سکے، ان نوادرات کو قائم رکھنے کی کوشش بھی کی گئی تھی اور کفالت شاہ نے جب سے اسے آباد کیا تھا اس وقت سے اس کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی تھی، درختوں سے گھری ہوئی بے مثال حیثیت کی مالک، اس قدیم سائنس کی علمبردار جو بہر طور جدید سائنس سے کہیں زیادہ موثر اور کار آمد تھی، اس حویلی کے بھی بڑے راز تھے، شاہوں نے ہمیشہ ہی شاہی کی تھی اور شاہی میں جہاں دوستوں کے لئے ایک مقام رکھا جاتا تھا وہیں دشمنوں کے لئے بھی معقول بندوبست کیا جاتا ہے، دوستوں کو تو خیر دنیا کے سامنے لا کر ان کی عزت افزائی کی جا سکتی ہے، لیکن دشمنوں کا معاملہ ذرا ٹیڑھا ہوتا ہے اور دشمنوں کے لئے کچی حویلی میں بہت کچھ تھا، اب یہ الگ بات ہے کہ کفالت شاہ نے دشمن پیدا ہی نہیں کئے تھے، وہ تو شاہ گڑھی کا سب سے نرم خو اور نرم دل انسان تھا، اب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ شاہ ہر گھر کے دروازے پر چکر لگا کر لوگوں سے ان کی مشکل معلوم کریں، لیکن اگر کوئی مشکل میں گرفتار کفالت شاہ کے سامنے آ جاتا تھا تو اس کی مشکل عموماً دور ہی ہو جایا کرتی تھی، لوگ کفالت شاہ کو دعائیں دیا کرتے تھے، لیکن کچھ ایسے بھی تھے جن کے دل میں کفالت شاہ کے لئے دعا نہیں تھی، البتہ وہ اسے تنہائی میں بھی بددعا نہیں دے سکتے تھے کہ کہیں کفالت شاہ کی روحانیت ان کے الفاظ کو نہ سن لے، بھلا کفالت شاہ سے بھی دشمنی کی جا سکتی ہے۔ تو یہ تھا کفالت شاہ، درویشوں کی طرح کچی حویلی میں رہتا تھا، لیکن تنہا صرف چند خاص ملازموں کے ساتھ، کیونکہ بقیہ افراد پکی حویلی میں رہتے تھے، کفالت شاہ کی حرم پکی حویلی میں ہی تھی اور وہاں کی شان و شوکت دیکھنے کے قابل ہوتی تھی، کفالت شاہ کی امارت کا الگ روپ دیکھنا ہو تو پھر پکی حویلی میں دیکھا جائے، کچی حویلی میں وہ ایک درخت کے نیچے عظیم الشان چارپائی بچھائے بیٹھا رہتا تھا، حقہ

بھرنے والے ساتھ ہوتے تھے، حقے کا بڑا شوقین تھا...... بہرحال یوں زندگی گزر رہی تھ
اور شاہ گڑھی کی عجیب وغریب کہانیاں لوگوں کو سنائی جاسکتی تھیں، بلاشبہ اپنی روایتوں ک
لحاظ سے ایک عجیب وغریب جگہ تھی، البتہ کچھ کہانیاں ایسی بھی تھیں جو دوسروں کے ل
شاید ناقابل یقین ہوں، مثلاً شملہ، فضل کامل کی بیٹی جوان ہوئی اور اس کی جوانی کفالت شاہ کی
نگاہ میں آگئی، بس یونہی گزر رہا تھا، ایک دن موسم بہار تھا، ہلکی بارش کا موسم، آموں کی فص
تیار تھی اور آموں کے باغ جہاں ایک طرف کوئل کوک رہی تھی، وہیں اس درخت کے
نیچے بھی ایک کوئل کوک رہی تھی اور اوپر بولنے والی کوئل کا مذاق اڑا رہی تھی، کیونکہ اس
کوئل کی آواز درخت کی کوئل سے زیادہ حسین تھی، وہ کوئل کو چھیڑتے ہوئے اچھل اچھل
کر درخت پر لٹکا ہوا ایک آم توڑنے کی کوشش کر رہی تھی اور کفالت شاہ سحر زدہ نگاہوں
سے اسے دیکھ رہا تھا، تب آگے بڑھ کر اس نے کہا۔

”کون ہے تو؟“ جواب میں ہرنی جیسی آنکھوں والی شملہ نے اسے دیکھا اور بولی۔

”اور تو کون ہے؟“

”میں کفالت شاہ ہوں۔“

”تو میں عدالت شاہ ہوں۔“ وہ ایک دم بولی اور ہنس پڑی...... بس کفالت شاہ کو یہ
ہنسی بھا گئی تھی، کہنے لگا۔

”ہم تیری عدالت میں موجود ہیں۔“

”تم شاہ جی ہونا؟“

”ہاں۔“

”تو پھر ایسے کیوں مارے مارے پھر رہے ہو؟“

”بس ری گھومنے نکل آئے تھے۔“

”تو پھر گھومو میں تو چلی۔“

”سن کہاں رہتی ہے، کس کی بیٹی ہے؟“

”معلوم کرو تو جانیں۔“ اس نے کہا اور ہنستی ہوئی بھاگ گئی، بھلا کفالت شاہ کے
کیا مشکل تھا کہ وہ یہ بات معلوم کرلے، فضل کامل کو بلا لیا تھا، کچی حویلی میں ہی بلایا تھا جب
وہ عام ملنے والوں سے پکی حویلی میں ملتا تھا، پھر جب سے اس پر درویشی طاری ہوئی تھی

ت سے تو وہ بہت کم لوگوں سے ملتا تھا، فضل کامل نے کہا۔

”شاہ جی، بڑی عزت بڑھی ہے میری حکم فرمائیے۔“

”فضل کامل، ہم تمہاری بیٹی سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔“

کفالت شاہ نے کہا اور فضل کامل پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا، وہ جانتا تھا کہ
کفالت شاہ شادی شدہ ہے، شاہینہ اس کی بیوی ہے اور اس کا بیٹا بھی ہے طارق شاہ جو چھوٹا بے
شک ہے، لیکن بہرحال اس نے آہستہ سے کہا۔

”شاہ جی! وہ تو بہت چھوٹی ہے اور پھر آپ؟“

”کبھی ایسا نہیں ہوا فضل کامل کہ کسی نے ہمارے سامنے لفظ مگر کہا ہو۔“

”شاہ جی وہ تو آپ کی رعایا ہے، آپ کی بیٹی کے برابر ہے۔“ فضل کامل نے بے ساختگی
میں کہہ دیا۔

”بیٹی کے برابر ہے، بیٹی تو نہیں ہے اور پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے، کیا ہم بوڑھے
ہوگئے ہیں۔ کیا ہم؟“

”شاہ جی، شاہینہ بھی تو ہیں۔“

”یہ سوچنا تمہارا کام نہیں ہے فضل کامل، شاہینہ آج ہیں کل نہیں رہیں گی۔“

”شاہ جی آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“

”ہم سے بحث کر رہے ہو۔“

”مگر شاہ جی۔“

”دو مگر ہوگئیں، تیسری نہیں ہونی چاہئے فضل کامل۔“

شاہ جی میں اپنے بیٹے سے مشورہ کرلوں، بیوی سے پوچھنا ہوگا۔“ فضل کامل نے کہا۔

”ہم سمجھتے تھے فضل کامل کہ تم یہ بات سن کر خوشی سے دیوانے ہو جاؤ گے جو عزت
تمہیں مل رہی ہے اسے سر آنکھوں پر رکھو گے، لیکن تمہارے اس اگر مگر نے ہمیں ذہنی طور
پر پریشان کر دیا ہے، یہ ہونا نہیں چاہئے فضل کامل۔“

”ہاں، لیکن اس کے باوجود میں آپ کو جواب نہیں دے سکتا۔“

”جاؤ، سوچنا غور کرنا، ایسے کام ضد کر کے تو نہیں کرائے جاسکتے، ہم تو تمہیں اپنا
بزرگ بنا رہے ہیں اور تمہیں یہ حق حاصل ہے کہ فضل کامل کہ ہمیں نظرانداز کر دو۔“

"میں سوچ کر آپ کو جواب دوں گا شاہ جی۔"

"ٹھیک ہے، اگر تم انکار کرو گے تو ہم یہ سوچیں گے کہ یہی بہتر ہوگا کیونکہ بہر طور تم جہاندیدہ اور سمجھدار ہو۔"

فضل کامل سلام کر کے چلا گیا تھا، پھر اس نے اپنی بیوی سے یہ بات کہی اور شملہ نے اسے سن لیا...... ماں کے بجائے وہ خود بول پڑی۔

"بابا، اس سے تو اچھا ہے کہ تم مجھے زمین میں دفن کر دو، مجھے اس کی صورت سے نفرت ہے۔"

"بیٹیاں ایسے معاملے میں نہیں بولتیں بیٹی۔" پھر اس نے اپنی بیوی سے کہا۔

"تو ہمیں کیا کرنا چاہئے، یہ بات تم جانتی ہو کہ شاہ جی کا معاملہ ہے اس نے جو کچھ منہ سے نکال دیا وہ پتھر کی لکیر ہوتا ہے۔"

"تو تم خود سوچو۔"

"ایک ہی بات سمجھ میں آتی ہے۔"

"کیا؟"

"آدھی رات جب چاروں طرف تاریکی پھیل جائے تو ہم چاروں یہاں سے نکل چلیں اور اتنی دور چلے جائیں کہ کفالت شاہ ہمیں تلاش نہ کر سکے۔"

"اور گھر بار چھوڑ دیں۔"

"سوچ لو نہالہ، گھر بار چھوڑنا پڑے گا، قیمتی سامان باندھ لیتے ہیں اور اس کے بعد یہاں سے نکل چلتے ہیں۔"

"جیسا تم مناسب سمجھو۔"

شملہ خوشی سے اس کام میں شریک ہو گئی تھی اور انہوں نے یہی کیا تھا...... رات کو ساڑھے بارہ کے قریب وہ چوروں کی طرح بستی سے نکلے تھے اور چوروں کی طرح خاموشی سے چلتے ہوئے بستی سے خاصی دور نکل آئے تھے، وہ جگہ سخی بات کہلاتی تھی، سخی بات کے پاس سے گزرتے ہوئے انہیں دس آدمیوں کا ایک ایسا گروہ ملا جو منہ ڈھاٹے باندھے ہوئے ان کے سامنے آیا اور اس کے بعد کھیل بدل گیا...... فضل کامل بھلا دس آدمیوں کا کیا مقابلہ کر سکتا، بیوی تھی بیٹی تھی چھوٹا سا بچہ تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ سب کو بے ہوش کر دیا گیا اور اس کے

بعد جب انہیں ہوش آیا تو وہ ایک بہت بڑے عجیب و غریب کمرے میں پڑے ہوئے تھے، کچی مٹی کا بنا ہوا کمرہ وسیع و عریض تھا اور اس میں ننگے فرش کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا...... پھر کچھ اور دن چڑھا تو انہوں نے کفالت شاہ کو دیکھا، مسکراتا ہوا اندر آیا تھا، کہنے لگا۔

"بھاگ رہے تھے فضل کامل؟"

فضل کامل بھلا کیا جواب دیتا۔

"غلط فیصلہ کیا تم نے اور کبھی کبھی غلط فیصلے زندگی پر محیط ہو جاتے ہیں، ہماری بے عزتی کرنے والے کہاں جیتے ہیں۔"

"مگر شاہ جی، تم خود اسے اپنی آنکھوں سے دیکھو، معصوم ہے، کمسن ہے اور تم۔"

"اب تو ہمیں اس قدر جلال دلا رہا ہے کہ ہم تجھے زندہ جلا کر خاکستر کر دیں، جو کچھ میں کہہ رہا ہوں کان کھول کر سن، خاموشی سے یہاں وقت گزار، میں اس لڑکی کو لئے جا رہا ہوں۔"

"میں نہیں جاؤں گی۔" شملہ غرا کر بولی۔

"سنو، لڑکی سنو بات سنو، تم یہاں سے چل رہی ہو پکی حویلی اور یہ لوگ جو ہیں نا، تمہارا بھائی، ماں اور باپ یہ ابھی فی الحال یہاں موجود ہیں، میں ایسا کروں گا کہ انہیں چار دن تک یہاں زندہ رکھوں گا اور چار دن کے اندر اگر تم نے میری بات نہ مان لی تو پھر ان کی لاشیں تمہیں آکر دکھا دوں گا، اس کے بعد بھی وہی ہوگا جو میں چاہتا ہوں، جو عزت تمہیں راس نہیں آرہی میں اب بھی تمہیں وہی عزت دینا چاہتا ہوں ورنہ ایک کلی کو پھول بنا دینا کون سا مشکل کام ہوتا ہے، سوچ لینا غور کر لینا۔"

کفالت شاہ خود تو بھلا کسی کو کیا ہاتھ لگاتا، شملہ کو وہاں سے ہٹا کر ایک ایسی جگہ پہنچا دیا گیا جو شاید پکی حویلی ہی کا کوئی حصہ تھا، اس کے بعد تیسرے دن شملہ نے اس بات کو قبول کر لیا کہ قاضی کو بلایا جائے اور خود کو کفالت شاہ کے نکاح میں دے دیا جائے...... ماں باپ اور بھائی کی زندگی عزیز تھی، کفالت شاہ نے یہ شرط بھی پیش کر دی تھی کہ اس کے والدین زندہ رہیں گے اور ایک وقت گزرنے کے بعد انہیں اس کے سامنے پیش کر دیا جائے گا، لیکن صرف دیکھنے کی حد تک یہ بتانے کے لئے کہ وہ زندہ ہیں بہر حال شملہ کفالت شاہ کے نکاح میں آگئی اور اسے پکی حویلی ہی میں پہنچا دیا گیا جہاں شاہینہ سے اس کی پہلی ملاقات ہوئی، شاہینہ نے تجربے کی آنکھ سے اس نوخیز لڑکی کو دیکھا تو کرخت لہجے میں بولی۔

"کون ہیں تیرے ماں باپ ری؟"

"وہ وہ فضل کامل کی بیٹی ہوں مالکن۔"

"ہوں، مالکن کہہ رہی ہے مجھے بدبخت، مالکن سمجھتی ہے تو مالکن کی سیج پر کیوں آبیٹھی؟"

"میں خود نہیں آئی مالکن۔"

"تو پھر؟"

"شاہ جی نے زبردستی کی ہے میرے ساتھ، میرے ماں باپ کو پکڑ لیا ہے، میرے بھائی کو پکڑ لیا ہے، کہتے تھے کہ اگر میں نے ان کے ساتھ نکاح نہ کیا تو وہ میرے ماں باپ کو مار دیں گے، وہ شاہ جی کے قبضے میں ہیں مالکن اور شاہ جی نے جو کچھ بھی کیا ہے زبردستی کیا ہے۔"

شاہینہ کی آنکھوں سے چنگاریاں ابھرنے لگیں اس نے شملہ کو تسلی دی اور کہا کہ وہ دیکھے گی کہ وہ اس کے لئے کیا کر سکتی ہے اور پھر جب کفالت شاہ پکی حویلی پہنچا اور اس طرح پہنچا جیسے وہ وہاں پہنچتا تھا کیونکہ اسے اپنی درویشی قائم رکھنے کے لئے دنیا سے کنارہ کشی کا اظہار کرنا ہوتا تھا اور وہ جب بھی پکی حویلی آتا اس طرح آتا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی اور اس کے لئے اس نے خفیہ راستے بنا رکھے تھے، تو جب وہ شملہ کا تصور آنکھوں میں بسائے پکی حویلی پہنچا تو شملہ کی خلوت گاہ میں اسے شاہینہ ملی، شعلہ جوالہ بنی ہوئی۔ غصے سے کھولتی ہوئی، کفالت شاہ نے مسکرا کر اسے دیکھا اور بولا۔

"اچھا ہوا تم یہاں موجود ہو، تجربہ بڑی چیز ہوتا ہے اور آج تمہارا تجربہ ہماری زندگی میں ایک عجیب لطافت کا حامل ہوگا، دروازہ بند کر دو تم ہمارے ساتھ رہو گی۔"

"شاہ جی، تمہارے کالے کرتوتوں سے میں اچھی طرح واقف ہوں سب کچھ جانتی ہوں تمہارے بارے میں، جو گندگی تم کرتے رہے ہو میں نے اسے اپنے دوپٹے سے چھپا کر رکھا ہے، زمانے میں کسی کے سامنے زبان نہیں کھولی، یہ سوچ کر کہ اور کچھ بھی سہی تم نے میرا مقام تو مجھے دے دیا ہے، بیوی کہلاتی ہوں میں تمہاری، لیکن شاہ جی نوبت یہاں تک کیسے پہنچ گئی، کیوں ایک مظلوم لڑکی کو تم نے اپنے پنجوں میں پھانسا ہے اور وہ بھی اس طرح کہ انسانیت کانپ اٹھے، شرافت لرز کر رہ جائے، شاہ جی ایسا کیوں کیا تم نے؟" کفالت شاہ ہنسا پھر بولا۔

"کبھی کبھی زندگی میں تبدیلی بھی کیا مزہ دیتی ہے شاہینہ...... ہم دنیا سے سوال کرتے

ہیں اور دنیا ہمیں ہمارے سوالات کا جواب دیتی ہے، ارے تمہیں معلوم ہے کہ ہم کس پائے کے آدمی ہیں، اس چھوٹی سی جگہ بیٹھ کر ملک پر حکومت کر رہے ہیں ہم...... جب وزیروں کو مشکل آتی ہے تو سیدھے کفالت شاہ کے پاس چلے آتے ہیں کہ شاہ جی اس جنجال میں پھنس گئے ہیں...... مصیبت سے نکالو ہم دعا کرتے ہیں اور ہماری دعا پوری ہو جاتی ہے، ہم ترستے ہیں شاہینہ اس بات کو کبھی کبھی کوئی ہم سے بھی سوال کرے اور ہمیں اس کے سوال کا جواب دینا ہو...... ٹھیک کہتی ہو تم، یہ سچ ہے شاہینہ کہ نہ صرف بستی شاہ گڑھی میں بلکہ آس پاس بھی ہم سے محبت کرنے والے ہمارے لئے تحائف بھیجتے رہتے ہیں۔ ہم یہ تحفے قبول کر کے انہیں انعام سے نوازتے ہیں، پھر یہ تحفے چلے جاتے ہیں، مگر کبھی کبھی وہ جیسا کہ ہم نے تم سے کہا کہ تبدیلی میں ایک الگ لطف آتا ہے، یہ لڑکی بہت اچھی ہے شاہینہ، تم سے کہیں زیادہ خوبصورت ہے...... نوجوان ہے، نوخیز ہے ذرا دیکھو اسے، کوئی کوئی چیز ایسی ہوتی ہے جس کے بارے میں انسان یہ سوچتا ہے کہ وہ صرف اس کے تصرف میں رہے، دوسروں کے بھیجے ہوئے تحفے تو ہم آخر کار آزاد کر دیتے ہیں...... کبھی زندگی سے کبھی اپنی گرفت سے، لیکن یہ ہمیں اتنی اچھی لگی کہ ہم نے سوچا چلو کوئی حرج نہیں ہے اور پھر شاہینہ تم نے تو یہاں آکر ہمارے ذہن میں ایک نیا تصور پیدا کر دیا ہے، دونوں بیویاں ہو ہماری، واہ کیا بات ہے۔"

"شاہ جی! اسے آزاد کرو۔" شاہینہ نے بھاری لہجے میں کہا اور کفالت شاہ کی آنکھیں کچھ بڑی ہو گئیں" معمول سے کچھ زیادہ ہی بڑی ہو گئیں، معمول سے کچھ زیادہ سرخ ہو گئیں، وہ سرخ سرخ آنکھوں سے شاہینہ کو دیکھتا رہا۔ پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"یہ بھی ایک اچھا تجربہ ہے ہمارے لئے، حکم دے رہی ہو ناواہ شاہینہ واہ۔"

"میری زندگی میں یہ سب کچھ ناممکن ہے شاہ جی، کبھی آپ کے آڑے نہیں آئی، لیکن آج جب زبان کھول دی ہے تو پھر یہ سمجھ لو کہ تمہیں میری یہ بات ماننی پڑے گی۔"

"ہاں یہ تو ہے، جب انسان زبان کھول دے تو اس کی بات ماننی پڑتی ہے، چلو کچھ اور باتیں ہو جائیں شاہینہ، مثلاً یہ کہ اگر میں تمہاری بات نہ مانوں تو۔"

"تو بہت برا ہوگا، شاہ جی۔"

"ارے وہ بھی تو ہمیں بتاؤ کتنا برا ہوگا کیا برا ہوگا، بتاؤ شاہینہ اچھا لگ رہا ہے تمہارے منہ سے یہ سب کچھ؟"

"شاہ جی میں تمہارے کالے کرتوتوں کا بھانڈہ پھوڑ دوں گی۔"

"واہ مزہ آیا اور؟"

"شاہ جی، اچھا نہیں ہوگا، عورت اور ناگن کا فرق سمجھتے ہو، عورت ناگن سے زیادہ خوفناک ہوتی ہے اور اس وقت جب اس سے اس کا مان چھینا جا رہا ہو، سب کچھ برداشت کر رہی ہوں، شاہ جی کبھی تمہاری کسی برائی پر زبان نہیں کھولی، لیکن یہاں تم سے تعاون نہیں کروں گی، یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔"

"شاہینہ اسی لئے تو تیری قدر کرتے ہیں ہم کہ بات بڑے مزے کی کہتی ہے، یعنی یہ ہمارے کالے کرتوتوں کا بھانڈہ پھوڑ دے گی، کیا مزہ آئے گا اس وقت جب تو دنیا کے سامنے چیخ چیخ کر کہہ رہی ہوگی کہ کفالت شاہ اوباش طبع ہے۔ عیاش ہے، عورت خور ہے اور لوگ تجھے پتھر مار رہے ہوں گے کہ تو ان کے مالک کو، ان کے روحانی پیشوا کو اتنے برے برے الزامات لگا رہی ہے، مگر نہیں شاہینہ ایسا نہیں ہونا چاہئے، ہم تیری دوسری بات پر غور کر رہے ہیں، عورت اور ناگن کا فرق، کیا عورت واقعہ ناگن ہوتی ہے شاہینہ؟"

"ہوتی نہیں ہے، حالات اسے بنا دیتے ہیں۔"

"تو کیوں نہ تیرا امتحان لے لیا جائے؟"

"کیسا امتحان؟" شاہینہ نے کہا۔

شملہ ایک بے جان بت کی مانند ایک ڈیکوریشن پیس کی طرح مسہری پر دلہن بنی بیٹھی یہ ساری باتیں سن رہی تھی، شاہ نے اپنے ڈھیلے ڈھالے لباس سے ایک عجیب و غریب چیز نکالی، دو کالے کالے پلاسٹک کے بنے ہوئے انگوٹھے نما اوزار تھے، انہیں انگلیوں پر پہننے کی جگہ بھی موجود تھی، انہوں نے دونوں اوزار اپنی انگلیوں میں پہنے پھر مسکراتے ہوئے بولے۔

"یہ دیکھ یہ کیا ہے۔"

"کیا ہے شاہ جی؟"

"میں نے ان ہی کا نام کنوتھا رکھا ہے، کیا نام رکھا ہے کنوتھا، اب کنوتھا کے معنی کیا ہیں یہ تو میں بالکل نہیں جانتا لیکن ان کی بناوٹ جو ہے نا اس بناوٹ کو دیکھ کر یہی ایک نام میرے ذہن میں ابھرتا ہے، کیا ابھرتا ہے کنوتھا اور جانتی ہے اس کا کیا کام ہے؟"

"نہیں شاہ جی۔"

"بتاتا ہوں، بتاتا ہوں۔" کفالت شاہ نے کہا اور زمین پر بیٹھ گیا...... پھر اس نے مسکراتی نگاہوں سے شاہینہ کو دیکھا اور آہستہ سے بولا۔

"ویسے خوبصورت تو بھی بہت ہے، حقیقت یہ ہے اگر سچ پوچھے تو...... جب اس کی عمر تھی تو تو اس سے زیادہ خوبصورت تھی، ورنہ میں تجھ سے شادی نہ کرتا، آج بھی تیرا بدن بہت خوبصورت ہے شاہینہ، ذرا یہ پائنچہ اوپر کر۔" کفالت شاہ نے خود ہی شاہینہ کا پائنچہ اوپر کیا اور اس کی سفید پنڈلی نمایاں ہو گئی۔ سنگ مرمر سے بنی ہوئی...... سڈول، سفید بے داغ، شاہینہ کچھ سمجھ نہ پائی تھی، لیکن شاہ جی نے کنوتھا آہستہ سے اس کی پنڈلی سے چھوا اور پھر زور سے دونوں انگلیاں دبا دیں۔ شاہینہ کے حلق سے سی کی آواز نکلی تھی، کنوتھے میں شاید خاص قسم کی سوئیاں پوشیدہ تھیں جنہوں نے شاہینہ کی پنڈلی پر دو سرخ نشان بنا دیئے اور خون کی دو ننھی بوندیں پنڈلی پر ابھر آئیں، کفالت شاہ مسکراتا ہوا پیچھے ہٹ گیا تھا۔

"تو یہ ہے کنوتھا، ارے ناگن کو ناگ ڈسے گا تو ناگن کا کچھ بگڑنا تو نہیں چاہئے...... بے وقوف عورت تو نے کبھی ناگن دیکھی ہے ناگن ناگن ہوتی ہے...... عورت عورت، اب دیکھ اپنی پنڈلی پر یہ نشان، سانپ کے کاٹے کے نشان ہیں، سانپ جب کاٹتا ہے نا تو اس طرح گول نشان بن جاتے ہیں اور تجھے کاٹ لیا ہے سانپ نے یہ سانپ اصلی نہیں، یہ سانپ اصل میں تیرے سامنے کھڑا ہوا ہے، شیش ناگ، غور سے دیکھ میں شیش ناگ سے زیادہ خطرناک ہوں...... لیٹ جا لیٹ جا، اب تھوڑی دیر کے بعد تیرے پیروں کی جان نکلنی شروع ہو جائے گی، اس کے بعد تیرا بدن نیلا پڑ جائے گا، یہ کنوتھا جو ہے نا، یہ مجھے میرے ایک بہت ہی قریبی دوست نے بنا کر دیا تھا، اس کے اندر اسپرنگ لگے ہوئے ہیں اور اسپرنگوں کے پیچھے کوبرا کا زہرہ ہے، ایک خطرناک کوبرا کا زہر، جب یہ گول سے سوراخ کرتے ہیں تو زہر کا دہانہ کھل جاتا ہے اور وہ اس طرح انسانی بدن میں داخل ہو جاتا ہے جس طرح سانپ اپنا زہر انسان کے بدن میں منتقل کرتا ہے، بس تھوڑی دیر، بیٹھ جا بیٹھ جا، تو کانپ رہی ہے۔" شاہینہ کو اچانک ہی یہ احساس ہوا تھا...... جیسے اس کے بدن کے اندر ہلکی ہلکی گرمی پیدا ہو رہی ہے، رگوں میں دوڑنے والا خون کھولتا جا رہا ہے، اس میں بے پناہ حدت بڑھ گئی ہے، پھر یہ حدت آگ کی شدت میں تبدیل ہو گئی اور شاہینہ کے حلق سے کراہیں نکلنے لگیں، وہ بیٹھ گئی۔ پھر اس جگہ زمین پر لیٹ گئی، ادھر شملہ ساری باتیں سن کر تھر تھر کانپ رہی تھی اس نے شاہینہ کو ماہئی

بے آب کی طرح تڑپتے ہوئے دیکھا، اس کی آنکھیں پھیل گئیں، چہرہ کرب و شدت
تصویر بن گیا، پھر رفتہ رفتہ اس کی آواز حلق میں گھٹ گئی اور اس کے بعد وہ ساکت ہوگئی۔
نور آنکھوں سے بے بسی جھانک رہی تھی، ایک معذرت تھی ان آنکھوں میں شملہ کے
کچھ نہ کر سکی وہ اس کے لئے، لیکن بہر حال قول کو نبھانے کے لئے اس نے جان کھودی
کفالت شاہ نے مسکرا کر اسے دیکھا پھر شملہ سے بولا۔

"لوگ کسی نیک کام کی تکمیل کے لئے بکرے کی قربانی دیتے ہیں، گائے بھینس
اونٹ قربان کرتے ہیں، دیکھ شملہ میں نے تیری اور اپنی زندگی کا آغاز ایک قربانی دے کر
ہے اور تو کافی خوش نصیب معلوم ہوتی ہے۔ یہ بات آج ثابت ہوگئی، ارے لوگ میری
عزت کرتے ہیں، مجھے پہنچا ہوا بزرگ مانتے ہیں، ایک بزرگ کی حیثیت سے کہہ رہا ہوں تجھ
سے سوتن نہیں برداشت کرنی پڑی تجھے، خوش نصیب ہے کہ نہیں ایک بیٹا ہے اس کا طارق
شاہ، میرا ابھی ہے میں اس سے محبت کرتا ہوں بس تھوڑی سی دیکھ بھال اس کی کرنا پڑے گی
تجھے اور تجھے کیا کرنا پڑے گا، درجنوں ملازم اور ملازمائیں ہیں، زبان بند رکھنا بس اور اس سے
تجھے یہ بھی اندازہ ہوگیا ہوگا شملہ کہ میرے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہئے، دیکھ سمجھا
ہوں تجھے، تیرا شوہر ہوں،، کبھی میرے سامنے لفظ اگر، مگر اور نہیں مت کہنا، بھول جا بھول
ان تینوں لفظوں کو، جو میں کہوں اسے اپنی تقدیر سمجھ لینا، اپنا مان، اپنی زندگی سمجھنا، ہاں صرف
ہاں ٹھیک ہے نا، اب ذرا دو منٹ رک جا، میں اس کی لاش ایک ایسی جگہ پہنچا دوں جہاں سے
میری تصدیق کے طور پر دنیا کے سامنے آجائے یعنی یہ کہ اسے سانپ نے کاٹا ہے، کوئی بھی
نہیں کہہ سکتا کہ یہ سانپ کی ڈسی ہوئی نہیں ہے اور شملہ یہ ہے بھی سانپ ہی کی ڈسی ہوئی
اپنے لئے مخالف گفتگو کرنے والوں کو میں سانپ ہی کی طرح ڈس لیتا ہوں، تو اس سے تجھے
بھی اندازہ ہوگیا ہوگا شملہ کہ تجھے میرے ساتھ اب کس طرح پیش آنا ہے، اپنی جان بے
شک تو کھو سکتی ہے، لیکن ماں باپ اور بھائی اسی شکل میں زندہ رہیں گے جب میرے لئے
اپنی آنکھیں اندھی اور کان بہرے کرلے گی۔" تو شملہ نے ہتھیار ڈال دیئے تھے، بس اس
کے بعد زندگی گزرنے لگی تھی اور اب تو تیرہ سال ہوگئے تھے، زندگی کے تیرہ سال، ان تیرہ
سالوں میں دو دفعہ اسے اس کے ماں باپ اور بھائی کی شکل دکھائی گئی تھی، لیکن اس طرح کہ
کسی کو پتا نہ چل سکے، خود انہیں بھی...... اس نے انہیں زندہ دیکھا تھا، لیکن جس حال میں دیکھا

کا دل ہی جانتا تھا اور اب وہ اسی انداز میں جینے کی عادی ہوگئی تھی۔

بات بہت پہلے کی تھی، اس وقت کی جب کفالت شاہ نے اپنے باپ صولت شاہ کی
موت کے بعد شاہ گڑھی کی شاہی سنبھالی تھی اور اس کے بعد جوڑ توڑ کر کے اس قدر بلندی
حاصل کرلی تھی کہ یہ حقیقت ہے کئی الیکشن اس بات کے گواہ تھے کہ کفالت شاہ نے جس
کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اسے جیتنا تو ہوتا ہی تھا، کیسے یہ بات شاید جیتنے والا خود بھی نہیں جانتا
تھا...... کفالت شاہ کا جوڑ توڑ ایسا سائنٹفک ہوتا تھا کہ اس جوڑ کا کوئی توڑ نہیں ہوتا تھا اور الیکشن
جیتنے کے بعد پسندیدہ وزارتیں حاصل کرنے کے لئے بڑے بڑے لوگ ننگے پاؤں چل کر کچی
حویلی پہنچتے تھے اور کفالت شاہ سے دعاؤں کے طالب ہوتے تھے، بس کسی کو دعا مل جائے تو
سمجھو بیڑہ پار۔

لیکن دعاؤں کی بھی ایک قیمت ہوتی ہے اور یہ قیمت بہر طور کفالت شاہ کو پہنچ جاتی
تھی۔ قرب و جوار میں اب بھی کچھ زمینیں ایسی تھیں جو کفالت شاہ کے قبضے میں نہیں تھیں،
بس آہستہ آہستہ جس طرف نظر اٹھ جاتی تھی اس طرف کفالت شاہ کی نظر عنایت ہوتی چلی
جاتی تھی، مامون بیگ کے پاس بہت چھوٹی سی زمین تھی اور مامون بیگ نے اس زمین پر
آموں کا باغ لگایا تھا، یہ تقدیر تھی یا مامون بیگ کی محنت کہ اس کے جیسے آم دور دور تک کی
آبادیوں میں نہیں پیدا ہوتے تھے، کفالت شاہ کو اس نے آموں کا یہ تحفہ پہنچایا تھا، کفالت شاہ
آموں کا رسیا تھا، آموں کو دیکھ کر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے مامون بیگ! کیوں تکلیف کی تم نے۔"

"شاہ جی، یہ تکلیف تو میری تقدیر کا سب سے سنہرا دور ہے، اگر آپ آم قبول کرلیں۔"

"مامون بیگ، آم ہماری کمزوری ہیں لیکن نفس کشی کر رہے ہیں جو طلب انسان کے
دل میں شدت اختیار کر جائے اس سے گریز ہی تو یوں سمجھ لو کہ اطاعت انسانیت ہے، چکھ
لیتے ہیں تمہارا دل رکھنے کے لئے۔" اور کفالت شاہ نے وہ آم چکھے، خوشبودار رسیلے اور ایسے
کہ جنہیں کھایا جائے، کفالت شاہ نے پسندیدگی کا اظہار کیا اور اس کے کچھ دن کے بعد اس نے
مامون کو بلا بھیجا۔

"مامون بیگ کتنے درخت ہیں تمہارے اس باغ میں؟"

"بہت سے ہیں سرکار۔"

"کسی وقت تمہارے باغ کا جائزہ لیں گے۔"

"میری خوش بختی ہوگی حضور۔"

پھر کفالت شاہ نے اس باغ کا جائزہ لیا اور اس کے بعد ہنستا ہوا بولا۔

"مامون بیگ! جہاں اتنے قیمتی اور اتنے لذیذ آم لگے ہوئے ہوں وہاں ان کی حفاظ
کوئی معقول بندوبست نہیں ہے، یہ تو بہت قیمتی جگہ ہے، میرا خیال ہے تم اس کی دیکھ بھ
کے متحمل نہیں ہو سکتے، ایسا کرو اسے ہمارے حوالے کر دو، ہم یہاں اپنے آدمی متعین کر
گے۔ تم یہی کرنا کہ زیادہ سے زیادہ اس کی دیکھ بھال کر سکتے ہو، پیسے لے لو ہم سے اس کے
پھر ہمیں تحفہ دے دو، کیونکہ عموماً لوگ ہم سے کسی چیز کے پیسے نہیں لیتے، باقی رہا جہاں ت
تمہارا معاملہ تو بھئی دیکھو زندگی میں میانہ روی ضروری ہے، درختوں کے پھل بیچ کر ہم
جو کچھ حاصل کر سکتے ہو وہ میرے خیال میں تمہاری حیثیت سے زیادہ ہے، میری مانو ما
بیگ باغ کا تصور اب ذہن سے نکال دو، میں پٹواری کو بھیج دوں گا کاغذات مکمل کرالے
ان پر دستخط کر دینا، اطمینان سے رہو گے اور پھر ہم دیکھیں گے کہ تمہاری زندگی گزار
کے لئے کیا کر سکتے ہیں۔" مامون بیگ کا خون خشک ہو گیا تھا، لیکن بہرحال یہ بات ا
طرح جانتا تھا کہ شاہ جی جو کچھ کہہ دیتے ہیں وہ پتھر کی لکیر ہوتا ہے، ہو سکتا ہے ان کی دعا
سے اس کی زندگی میں کچھ اور ترقی بن جائے بیٹا بیٹی سکون سے زندگی گزاریں۔ شامل ب
جوان ہو گیا تھا تھوڑی بہت تعلیم بھی حاصل کر لی تھی اس نے مامون بیگ نہیں چاہتا کہ
کی زندگی آتش فشاں بن جائے اور آخر کار لوگ اسی طرح اس سے ہمدردی کریں جیسا ک
واقعات میں ہوا تھا، یعنی ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے کفالت شاہ کی بات نہیں مانی تھ
ساری باتیں اس نے لمحوں میں سوچیں اور عاجزی سے بولا۔

"شاہ صاحب! جس چیز پر آپ کی نظر ہو جائے بھلا پھر کسی اور کی مجال ہے کہ وہ ا
اپنی ملکیت سمجھے، آپ پٹواری بھیجیں نہ بھیجیں یہ آپ کی مرضی ہے ارے میں غریب
آپ کو کیا تحفہ دے سکتا ہوں، جیسا آپ حکم کریں گے ویسا ہی ہو جائے گا۔"

"سمجھدار آدمی مجھے اپنی اولاد کی طرح پیارے ہوتے ہیں۔ بڑی اچھی بات ہے ما
بیگ تم نے یہ نہ کہا کہ سوچوں گا سرکار یا مشورہ کروں گا کسی سے، ہم سے بڑا مشورہ کون
دے سکتا ہے تمہیں تو پٹواری آجائے گا دستخط کر دینا۔"

مامون بیگ نے یہ بات اپنے گھر والوں کو بھی نہیں بتائی تھی، لیکن چھپنے والی بات کہاں چھپ سکتی ہے، معلومات سبھی کو ہو گئی، شامل بیگ کو بھی اور شامل بیگ غم و غصہ سے دیوانہ ہو گیا، کئی دن تک باپ سے بات نہ کی، مامون بیگ نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"بیٹا یہ باغ بھی مجھے اپنی اولاد ہی کی طرح عزیز تھا، لیکن بے جان درخت جاندار درختوں سے زیادہ قیمتی نہیں ہوتے...... میرا باغ تو اور فضیلہ ہے، میں تمہاری پرورش کروں گا، دیکھ لیں گے بیٹا زندگی میں کیا لکھا ہے۔"

"مگر ابا باغ ہمارا ہے۔"

"تھا بیٹے ہے نہ کہنا، کیونکہ ہے کہنے میں ہم نہیں ہوں گے۔"

"یہ ظلم نہیں ہے؟"

"اپنی زبان بند رکھنا یہ میرا حکم ہے، کبھی اس ظلم کے خیال کو آواز نہ بنانا بہت کچھ دیکھنا ہے ابھی ہمیں زندگی میں۔"

شامل خاموش ہو گیا تھا لیکن اس کے دل میں ایک داغ لگ گیا تھا، پھر خاصا وقت گزر گیا، باغ اب مامون بیگ کی ملکیت نہیں رہا تھا، البتہ کفالت شاہ نے ایک دن مامون کے ساتھ شامل کو دیکھ کر کہا۔

"بیٹا ہے نا تمہارا؟"

"جی شاہ جی۔"

"بڑا شاندار جوان ہے ایسے جوانوں کو یا تو فوج میں ہونا چاہئے یا پولیس میں، میرا خیال ہے محکمہ پولیس زیادہ اچھا ہے، اسے بھرتی کرا دیتا ہوں، ایسا کرنا شامل کل میرے پاس آجانا، خط دے دوں گا تمہیں اپنے ایک محبت کرنے والے کے نام، سب انسپکٹر لگ جاؤ گے، تھوڑے دن کی ٹریننگ کے بعد ایسا کروں گا کہ تمہیں...... یہیں آس پاس کہیں لگا دوں گا۔ بستی والوں کے کام آنا ہمارے بھی کام آنا اپنا آدمی ہوگا تو چھوٹی موٹی باتیں ٹلتی رہیں گی، کچھ رہے ہونا اور پھر پولیس کی نوکری ساری کسر پوری ہو جائے گی، جسے جو کہہ دیتے ہیں وہ مان لیتا ہے، بڑی محبت کرتے ہیں لوگ ہم سے، تو کل آجانا۔" بعد میں شامل نے اپنے باپ سے کہا۔

"میں اس مردود کی کوئی مدد قبول نہیں کروں گا۔"

"یہ چھری ہے نا، لے یہ اپنے ہاتھ سے میری گردن پر پھیر دے، اپنی ماں کو مار اور اپنی بہن کو مار دے سمجھ رہا ہے نا، کر دے ختم ہم لوگوں کو اس کے بعد جو تیرا دل چاہے کرنا، ارے کیوں ہم سب کی زندگی کا دشمن بنا ہے اور پھر نوکری مل رہی ہے تجھے اچھی نوکری نوکری مل جائے گی، شاہ جی کی بات مانے گا پاگل تو باغ تو نہیں لیکن اتنا ضرور کما لے گا کہ جیسے دس باغ کہیں اور خرید سکے۔"

باپ کی بات شامل کی سمجھ میں آ گئی، گو اسے تمام باتوں کا احساس تھا، لیکن یہ بات بھی تھا کہ شاہ جی سے گریز کر کے بچنا مشکل ہو جائے گا۔ اپنے گھر کے لئے عذاب نہیں چاہتا تھا خاموشی سے شاہ جی کی کچی حویلی پہنچ گیا اور کفالت شاہ نے اسے ایک بند لفافہ دے دیا اور یہ بتا دیا کہ اسے کہاں جانا ہے، چنانچہ تمام کام مکمل ہو گئے اور اس کے بدن پر سب انسپکٹر کی وردی سج گئی، اب یہ اس کی صلاحیت تھی کہ وہ اس وردی کے پھولوں میں کتنا اضافہ کرتا ہے، لیکن صلاحیت نہیں تھی بلکہ شاہ جی کی کسی اور نظر کرم کا موقع ملنا چاہئے تھا، بہر حال وہ اپنا کام کرتا رہا۔ ادھر مامون بیگ مطمئن تو خیر نہیں تھا، لیکن بہر حال زندگی کو اس نے اپنے لئے آسان بنا لیا تھا اور یوں وقت گزرتا رہا، پھر بہت وقت گزر گیا اور مامون بیگ نے جب ابرار خان کی بات سنی تو حیران رہ گیا، ابرار خان بھی اس بستی کا رہنے والا تھا نیک آدمی تھا، عمر رسیدہ تھا، پہلی بیوی مر چکی تھی اور اچھا خاصا کھا پی رہا تھا، اس نے دست بستہ مامون بیگ سے درخواست کی کہ اگر وہ اسے اپنے داماد کے طور پر قبول کرلے تو اسے بے حد خوشی ہوگی مامون بیگ تو دنگ رہ گیا تھا، ایک لمحے کے لئے اسے غصہ بھی آیا تھا اور اس نے کہا تھا۔

"ابرار خان کیا کہہ رہے ہو، ہوش گنوا بیٹھے ہو کیا؟"

"نہیں مامون بیگ ایسی بات نہیں ہے، وہ اصل میں کبھی کبھی کفالت شاہ جی کے قدموں میں شرف باریابی کے لئے حاضر ہو جاتا ہوں، مجھ سے کہنے لگے کہ ابرار تنہا زندگی کب تک گزارتا رہے گا، کسی نیک بخت سے شادی کرلے، گھر آباد کرلے اپنا ایسے پھر سے تو نخ ہو جائے گا اچھا رہے گا...... تیرے لئے اور پھر زور دے کر کہا کہ یہ کام جلدی کرلے، یہ بات کئی بار میرے ذہن میں آئی تھی کہ کبھی تم سے بات کروں آج ہمت کر ڈالی ہے۔"

"تو بد بخت پھر میرا ہی گھر کیوں دیکھا تو نے، اپنی عمر کی کسی عورت کو دیکھ۔

"ایسی بات نہ کہو مامون بیگ، مرد کے بارے میں تو یہ مشہور ہے نا کہ مرد ساٹھا تو پاٹھا...... پھر میری عمر تو بہت کم ہے...... تھوڑا ہی سا فرق ہو گا فضیلہ سے۔ سوچ لو بجائے اس کے کہ یہ رشتہ شاہ صاحب کی معرفت بھجواؤں میری ہی بات مان لو تو بہتر ہے۔"

یہ ایک دھمکی تھی۔ مامون بیگ سوچ میں ڈوب گیا، بہت غور کرتا رہا اور آخر کار اس نے کہا کہ ابرار خان اسے کچھ وقت دے دے...... اس وقت میں بھی وہ بس یہ سوچتا رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے اور اس کے سوا اور کچھ نہیں سوچ پایا تھا کہ ابرار خان جو کچھ کہہ رہا ہے اسے ہی مان لیا جائے، لیکن بات جب گھر میں پہنچی اور فضیلہ کے کانوں تک گئی تو فضیلہ نے تو قیامت برپا کر دی بات ماں ہی سے کر سکتی تھی اور ماں سے اس نے کھل کر کہہ دیا کہ وہ نیاز علی سے شادی کرے گی جو اس کے بچپن کا ساتھی ہے اور دونوں کے درمیان عہد و پیمان ہیں۔

ماں نے لرزتی آواز میں کہا۔ "بیٹی تیرے اس انکشاف پر تیرا غیرت مند باپ ٹوکا مار کر تیری گردن اڑا دیتا...... لیکن اب ہم غیرت مند رہے کہاں ہیں...... ہماری غیرتیں تو کفالت شاہ کے پاس گروی رکھی ہوئی ہیں...... سب ہی جانتے ہیں کہ کچی حویلی کا درویش کچی حویلی کا درویش نہیں بلکہ اژدہا ہے۔ جو کسی بھی وقت کسی کو بھی اپنی زہریلی پھنکاروں سے ہلاک کر سکتا ہے...... فضیلہ تیرا باپ بھی پریشان ہے...... اب بیٹی جو تقدیر میں لکھا ہے اسے قبول کرلو...... بھلا کیا کر سکتے ہیں ہم؟"

فضیلہ خاموش ہو گئی، لیکن اس نے دل میں اس بات کو نہیں مانا تھا اور اس کے بعد اس نے اپنے عمل کا آغاز کر دیا...... چنانچہ ایک دن رات کے بارہ بجے اس نے گھر کی چیزیں اٹھا کر توڑنا پھوڑنا شروع کر دیں اور اپنا چہرہ عجیب بنا لیا، بال کھول لئے اور کھیلنے لگی...... کچھ ہی دنوں میں شاہ گڑھی والوں کو پتا چل گیا کہ فضیلہ پر جن کا سایہ ہو گیا ہے اور وہ آسیب زدہ ہو گئی ہے...... فضیلہ جانتی تھی کہ زندگی بچانے کے لئے اور اس بوڑھے کھوسٹ سے بچنے کے لئے جس قدر تکلیفیں اٹھا لے گی وہی اس کی زندگی بچا سکتی ہیں، چنانچہ اس نے اپنی شکل بگاڑ لی، حلیہ خراب کر لیا، اپنے آپ کو بھی اذیتیں دینے لگی۔ گھر والوں کو بھی پریشان کرنے لگی، یہاں تک کہ اس نے نیاز کو بھی اپنا اصل مسئلہ نہیں بتایا تھا۔

پھر بے چارہ مامون بیگ سخت اذیتوں میں مبتلا ہو گیا، جوان بیٹی تماشا بن گئی تھی اور سارے مسئلے پیچھے رہ گئے تھے...... لے دے کے بات وہیں تک پہنچی بستی والوں نے کہا کہ

کفالت شاہ کے علاوہ بھلا اور کون ہے جو فضیلہ کو اس مصیبت سے نجات دلا سکتا ہے اور بستی والوں کی لعن طعن پر آخر کار مامون بیگ کو فضیلہ کو ساتھ لے کر کفالت شاہ کے پاس پکی حویلی میں جانا پڑا۔

پکی حویلی کا درویش درخت کے نیچے بیٹھا اپنے افکار و خیالات سے لوگوں کو آگاہ کر رہا تھا...... نیکیوں کا درس دے رہا تھا، محبتوں کی تلقین کر رہا تھا، سننے والے سن رہے تھے اور دل میں خدا سے توبہ کر رہے تھے کہ ایک شیطان کی زبان سے یہ ساری باتیں سن رہے ہیں۔

فضیلہ کو کفالت شاہ کے سامنے لایا گیا...... کفالت شاہ نے ایک نگاہ سے دیکھا۔

دراز قامت، چھریرا بدن، جوانی سے سجا پتلی سی کمر، حسین وجود، چہرہ بگاڑ لیا گیا تھا لیکن درویش کی نگاہوں نے اس چہرے کی اصلیت کو بھی دیکھ لیا تھا...... مامون بیگ سے پوچھا۔

”کون ہے یہ مامون بیگ؟“

”بیٹی ہے میری شاہ صاحب فضیلہ۔“

”اوہ ہاں بستی والوں سے اس کے بارے میں کچھ سنا تو ہے کوئی اسے ستا رہا ہے۔“

”جی شاہ صاحب اب آپ کی خدمت میں لے آیا ہوں۔“

”بھئی تم لوگ مجھے بڑا پریشان کرتے ہو، بہت تھکا دیا ہے مجھے، کیا نہیں کرتا میں تمہارے لئے، پوری شاہ گڑھی کے لئے رات بھر دعائیں مانگتا رہتا ہوں، چلہ کشی کرتا رہتا ہوں...... خوفزدہ رہتا ہوں کہ کہیں کسی مصیبت کا شکار نہ ہو جاؤ، لے جاؤ، لے جاؤ اسے اندر لے جاؤ، رمل، شاہو، اتنے سارے لوگوں کے سامنے میں اس بچی کو رسوا نہیں کرنا چاہتا تم اسے لے جاؤ اور اپنی نگرانی میں رکھو...... میں ذرا مامون بیگ سے بات کر لوں...... مامون بیگ بیٹھ جاؤ۔“

فضیلہ کو رمل اور شاہو اندر لے گئے اور ایک کمرے میں بند کر دیا، فضیلہ اس نئی افتاد سے ذرا خوفزدہ ہو گئی تھی، کہیں شاہ جی اصلیت کو نہ پا جائیں، پہنچے ہوئے بزرگ ہیں وہ الگ اپنے طور پر سوچ رہی تھی اور ادھر کفالت شاہ مامون بیگ سے ضرورت سے کچھ زیادہ نرمی سے بات کر رہا تھا۔

”تم ہمارے سچے وفادار ہو، ہمارے بہت اچھے ساتھی با عزت اور قابل عزت، بتاؤ مامون بیگ ہم کیا کریں؟“

”شاہ صاحب بس آپ کی خدمت میں آ گئی ہے۔“

”ذرا تفصیل بتاؤ، ہوتا کیا ہے۔“ اور مامون بیگ نے ساری کہانی سنا دی۔

”ہاں تمام نشانات ایسے ملتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی شریر جن نے اپنا اثر ڈال دیا ہے باقاعدہ مقابلہ کرنا پڑے گا اس سے، ٹھیک ہے بچی کو ایسے تو نہیں چھوڑا جا سکتا، لیکن اب اسے اس وقت تک یہاں رہنے دو جب تک کہ ہم اس سے دو دو ہاتھ نہ کر لیں، معلوم کریں گے کون ہے کیا ہے، کیوں اس بچی کو ستا رہا ہے۔“

”شاہ صاحب، ویسے تو جو آپ کا حکم ہو، لیکن اس کی ماں اسے بہت چاہتی ہے اس کی جدائی برداشت نہ کر سکے گی، آپ اگر کہیں تو اس کی ماں کو بھیج دوں۔“

”کیوں اس سے اکتا گئے ہو...... جنوں کے بارے میں کچھ جانتے نہیں ہو کیا...... ایسے میں ہم خود خطرے میں ہوں گے تم اس بے چاری کو اور خطرے میں ڈالنا چاہتے ہو...... سنبھال کر رکھنا اسے سمجھے“

”ٹھیک ہے شاہ صاحب۔“ مامون بیگ نے جواب دیا عجیب سی الجھن کا شکار ہو گیا تھا وہ۔

بہر حال وہاں سے واپس چل پڑا...... شاہ جی دوسرے لوگوں سے باتیں کرتے رہے تھے۔

پھر رات ہو گئی، رات کو شاہ جی پکی حویلی میں اپنے مخصوص کمرے میں پہنچے، نیا سفید لباس تبدیل کیا...... عطر لگایا، داڑھی میں کنگھی کی، بال سنوارے اور بن ٹھن کر اس کمرے کی جانب چل پڑے جہاں فضیلہ کو رکھا گیا تھا...... فضیلہ ایک چارپائی پر دراز تھی اور اپنے مستقبل پر غور کر رہی تھی۔

دروازہ کھلا اور کفالت شاہ کی صورت نظر آئی، تو احترام سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ کفالت شاہ نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا، آہستہ آہستہ آگے بڑھے اور بولے۔

”کچھ کھایا تم نے؟“

فضیلہ نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ پھر بولے۔

”کیا حلیہ بنا رکھا ہے، چلو منہ ہاتھ دھو لو۔“ فضیلہ نے پھر بھی کوئی جواب نہیں دیا شاہ جی مسکرا کر بولے۔

”دیکھو اگر تم مجھے بھی اس لکڑی سے ہانکنا چاہتی ہو، جس سے اپنے سیدھے سادے ماں باپ کو ہانکتی رہی ہو تو ظاہر ہے یہ ممکن نہیں ہو گا۔ میں نے بہت سے جن دیکھے ہیں

تمہارے اوپر سایہ کرنے والے جن کو بھی دیکھ چکا ہوں میں...... چاہو تو اصلیت بتادوں نہیں تو پھر تمہارے سارے جن ایک ساتھ اتار دوں گا...... میرا نام کفالت شاہ ہے۔“

”شاہ جی۔“ میں فضیلہ لکنت زدہ لہجے میں بولی۔ شاہ جی کا رعب بھی اس پر طاری تھا کفالت شاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”ہاں ہوئی نا بات...... یہ ہے اچھی لڑکیوں کا اچھا انداز...... چل ایسا کر، پہلے منہ ہاتھ دھولے...... برا حلیہ بنا رکھا ہے۔“

پھر شاہ جی نے اس کا منہ ہاتھ دھلایا، بال سنوارنے کو کہا...... فضیلہ نے شاہ جی کی ہدایت پر عمل کیا تھا...... کفالت شاہ غور سے اسے دیکھتا رہا...... پھر بولا۔

”اب بیٹھ بتا کیا ہوا، بتا کیا بات ہے...... آ میرے ساتھ آ۔“

شاہ جی اسے لئے ہوئے اپنی مخصوص خوابگاہ میں پہنچ گئے، حسین و جمیل خوابگاہ جس کا کچی حویلی میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، خوشبوؤں سے مہکتی ہوئی عظیم الشان مسہری، شاہ جی نے فضیلہ کو اس پر بٹھادیا...... فضیلہ ابھی تک سحر زدہ تھی...... بہر حال شاہ جی بہت بڑی شخصیت کے مالک تھے، بلکہ شاہ گڑھی ہی کے مالک تھے اور شاہ گڑھی کے رہنے والوں کے بھی۔“

”ہاں بول کیا قصہ ہے؟“

”شاہ جی میں اس بوڑھے سے شادی نہیں کرنا چاہتی! شاہ جی آپ نے بھی میری مدد نہیں کی آپ نے بھی ابا سے کہہ دیا کہ یہ سب ٹھیک ہے۔“

”تجھے کہاں دیکھا تھا بے وقوف اس وقت ہم تو سمجھے تھے کہ کوئی کالی کلوٹی میلی کچیلی بد شکل سی لڑکی ہوگی...... اگر ہم تیری صورت دیکھ لیتے تو کیا ہم اس کی اجازت دیتے۔“

”شاہ جی میں آپ کا بڑا احسان مانوں گی اگر آپ شاہ جی آپ میری مدد کردو جی......ا تو پاگل ہوگئے ہیں وہ شاہ جی وہ...... میں...... شاہ جی میں...... میں تو نیاز علی سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔“

”اچھا اچھا...... نیاز علی کون ہے ذرا تفصیل سے بتا۔“ اور فضیلہ نے شاہ جی کو تفصیل بتادی...... شاہ جی نے محبت بھرے انداز میں فضیلہ کا سر اپنے سینے سے لگالیا۔

”اس قدر خوب صورت بچی...... اس قدر نرم و نازک کتنی نازک ہے تو اور تجھے وہ بے

وقوف مامون بیگ ایک بوڑھے شخص کے حوالے کر رہا تھا، سوال ہی نہیں پیدا ہوتا...... میں تو کہتا ہوں کہ تو نیاز علی کے بارے میں بھی غور کرلے دوبارہ تیری، شادی تو میں کسی ایسے حسین مرد سے کراؤں گا کہ جسے دیکھ کر لوگ کہیں کہ ہاں کوئی ہے۔“ شاہ جی کو کچھ زیادہ ہی پیار آگیا تھا اس پر اور جب فضیلہ کو اس پیار کا احساس ہوا تو اس کا دل دھک سے رہ گیا، اس نے شاہ جی کا چہرہ دیکھا اور اس وقت اسے جو کچھ نظر آیا ایک عورت کی آنکھ ہی دیکھ سکتی ہے...... وہ جلدی سے اٹھ گئی، اس سے پہلے شاہ جی کے بارے میں اس کا یہ تصور تھا کہ وہ ایک بہت ہی محبت بھرے انسان ہیں...... آخر کیوں نہ ہوتے بستی کے باپ ہیں، ساری بستی کو سنبھالے ہوئے ہیں، لیکن اس وقت یہ چہرہ بستی کے باپ کا نہیں تھا...... وہ جلدی سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

”ارے کیوں کیا ہوا؟“

”شاہ جی بس آپ میرا فیصلہ کردو جی، ابا کو منع کردو کہ وہ ایسا نہ کرے، شاہ جی آپ کے پاؤں دھو دھو کر پیئوں گی۔“ کفالت شاہ ہنسنے لگا پھر اس نے کہا۔

”ہوجائے گا جیسا تو چاہے گی ہوجائے گا، نیاز علی بھی تیری زندگی میں آجائے گا، لیکن ہمیں عمل تو کرنے دے، سن ہم تجھ پر عمل کریں گے اور سب کچھ خود بخود ٹھیک ہوجائے گا۔“

”شاہ جی بس میرا یہ کام کرادو۔“

”کہانا ابھی تو تیرے گرد حصار باندھنا ہے ہمیں، حصار میں رکھنا پڑے گا تجھے تاکہ دنیا کی تکلیفوں سے محفوظ رہے۔“

فضیلہ کچھ نہ سمجھ پا رہی تھی اور پھر شاہ جی نے اسے آہستہ آہستہ سب کچھ سمجھادیا...... فضیلہ کی ایک نہیں چل سکی تھی اور شاہ جی اپنی خباثت میں ایک اور خباثت کا اضافہ کرچکے تھے، فضیلہ گنگ رہ گئی تھی، شاہ جی کے آگے دم بھی نہ مار پائی تھی، لیکن جب احساس ہوا کہ کیا ہوگیا تو وہ پاگل ہوگئی۔

”یہ شاہ جی، یہ شاہ جی کمینے، شاہ جی خدا تجھے غارت کرے، شاہ جی تو تو، میں تجھے شاہ جی میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی، میں تجھے۔“

”پاگل بے وقوف، تیری زندگی بنانے کے لئے ہم تو اتنی محنت کر رہے ہیں، نیاز علی

سے شادی کرنے ہے تجھے ناکل صبح کو اسے بلا کر تیرا نکاح کر دیں گے، اس سے اور مامون بیگ سے کہہ دیں گے کہ جو کچھ ہم نے سمجھا بہتر کیا۔"

"کمینے ذلیل، بھیڑ کی کھال اوڑھنے والے بھیڑیئے، وحشی کتے میں تجھے پوری بستی میں رسوا کر دوں گی، میں تجھے بتاؤں گی کہ کسی کی عزت سے کھیلنے کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔"

"اری پاگل، ایک تو تیرا کام کیا ہم نے اور پھر تو ایسی فضول باتیں کر رہی ہے، نیاز علی کو حاصل کرنا ہے تجھے یا نہیں۔" شاہ جی نے اس کی کلائی پکڑتے ہوئے کہا اور فضیلہ نے شاہ جی کی کلائی میں دانت گاڑ دیئے، شاہ جی کے حلق سے ایک آواز نکل گئی تھی، فضیلہ وہاں سے بھاگی، دروازہ کھولا اور ایک لمبی چھلانگ لگادی، لیکن رمل اور شاہو جانتے تھے کہ ان کی ڈیوٹی کیا ہے...... انہوں نے کرکٹ کی گیند کی طرح فضیلہ کو کیچ کر لیا اور اس کا منہ دبوچے ہوئے اندر لئے آئے۔

"ہاں ہاں ہاں، بیچاری آسیب زدہ ہے ہوش میں نہیں آ رہی، کوئی بہت ہی خراب جن اس کے ساتھ سختی کر رہا ہے، دیکھتے ہیں رمل سوچتے ہیں، کچھ کرتے ہیں فی الحال اسے ہاتھ پاؤں باندھ کر یہاں ڈال دو، اگر چیخے تو منہ میں کپڑا ٹھونس دو، دیکھتے ہیں سوچتے ہیں۔" فضیلہ نے جس قدر قوتوں کا مظاہرہ کیا تھا وہ شاہ جی کے تصور سے باہر تھیں وہ رمل اور شاہو کے قبضے میں نہیں آ رہی تھی، وہ تندرست و توانا لڑکی تھی لیکن آخر کار لڑکی ہی تھی، دونوں نے اسے کس دیا اور آخر کار باہر نکل گئے، شاہ جی اسے دیکھنے لگے۔

پھول تو دو دن بہار جاں فزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

"ارے ہم سے ٹکر لے رہی ہے تو پاگل، بستی کو بتائے گی ہمارے بارے میں، کیسے بتائے گی، تیرا آسیب تجھے زندہ چھوڑے گا تب نا یہ دیکھ یہ کیا ہے ہمارے پاس۔" شاہ جی نے اپنے لباس سے کنوتھا نکال لیا اسے انگلیوں اور انگوٹھوں میں پہنا فضیلہ مسلسل مدافعت کر رہی تھی۔

"افسوس ہے ہمارے ساتھ تعاون کرتی تو تیرے دل کی ساری مرادیں پوری کر دیتے لیکن اب کیا کیا جائے تو نے تو طریقہ ہی دوسرا اختیار کیا دیکھ یہ کنوتھا بڑے کام کی چیز ہے ذرا دیکھ اسے" شاہ جی نے ہاتھ آگے بڑھایا اور اس کی پنڈلی کنوتھے میں دبالی، فضیلہ آہستہ سے تڑپی اور اس کے بعد پھر اپنی اس جدوجہد میں مصروف ہو گئی لیکن رفتہ رفتہ اسے احساس ہوا

اس کے بدن کی جان نکل رہی ہے...... پھر اسے اپنا پورا وجود آتش زدہ محسوس ہوا...... آنکھوں اور کانوں سے شعلے نکلنے لگے اور رفتہ رفتہ اس کی ذہنی قوتیں جواب دینے لگیں اور تھوڑی دیر کے بعد اس کی آنکھیں بے نور انداز میں کھلی رہ گئیں۔

رات کے تین بج رہے تھے جب مامون بیگ کے گھر کے دروازے پر زور زور سے ضربیں پڑیں، مامون بیگ جاگ رہا تھا، اس کی بیوی بھی جاگ رہی تھی، نجانے کیوں مامون بیگ کو یہ احساس ہو رہا تھا کہ اس کی زندگی میں کوئی بہت بڑا حادثہ ہونے والا ہے، پہلا حادثہ تو باغ کے چھن جانے کا تھا لیکن زندگی بچانے کے لئے اس نے باغ کی قربانی دے دی تھی، لیکن یہ سب کچھ جو ہوا تھا، یہ ٹھیک نہیں ہوا تھا وہ جاگ رہا تھا، بری طرح ڈرتا ہوا دروازے تک پہنچا، دروازے پر رمل اور شاہو کھڑے ہوئے تھے۔

"کک...... کیا ہوا کیا ہوا؟"

"جلدی چلو، شاہ جی انتظار کر رہے ہیں۔"

"خیریت، کیا بات ہے؟"

"اب یہ سب کچھ تمہیں یہیں بتانا پڑے گا، اٹھو جلدی چلو، شاہ جی نے کہا ہے کہ فوراً تمہیں بلا کر لاؤں۔" رمل نے کہا اور مامون بیگ بادل نخواستہ الٹے سیدھے کپڑے پہن کر ان لوگوں کے ساتھ چل پڑا لیکن وہ کچی حویلی کی طرف نہیں جا رہے تھے ان کا رخ بھاندری کی طرف تھا، مامون بیگ نے حیرانی سے کہا۔

"ادھر کہاں؟"

"گردن کاٹنے لے جا رہے ہیں تمہاری، چلتے رہو سیدھے۔" شاہو غرا کر بولا۔

"بات تو بتا دو بھائی، تمہارا اپنا آدمی ہوں، شاہ جی کا وفادار ہوں۔"

"تمہاری لڑکی نے کوئی گل کھلایا ہے۔"

"کک...... کیا مطلب۔"

"مطلب تمہیں شاہ جی ہی بتائیں گے۔" رمل نے کہا بھاندری کا علاقہ شاہ گڑھی کا پرانا علاقہ تھا، پہلے یہاں کچھ مکانات آباد تھے لیکن اب یہ علاقہ غیر آباد ہو گیا تھا، ایک جگہ مامون بیگ کو روشنی نظر آئی، چند افراد کھڑے ہوئے تھے اور کوئی کارروائی کر رہے تھے، وہیں پر

کفالت شاہ بھی موجود تھے، مامون بیگ کو دیکھ کر اس نے دُکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"مامون بیگ! میں تمہارے غم میں برابر کا شریک ہوں۔"

"ہاں مامون بیگ اور اپنے آپ کو بھی کبھی معاف نہیں کر سکوں گا، چلہ کشی کر رہا تھا دعائیں پڑھ رہا تھا، نجانے کس طرح نکل بھاگی۔"

"نن...... نن...... نکل بھاگی کک...... کون؟"

"آہ وہی مظلوم لڑکی، پتا نہیں کس کی نظر کھا گئی تھی اسے۔"

"شاہ جی خدا کے لئے مجھے بتایئے کیا ہوا؟"

"وہ رکھی ہوئی ہے اس کی لاش، ان لوگوں نے کنوئیں سے نکالی ہے، کنوئیں میں چھلانگ لگا دی تھی اس نے، میں خود دوڑ پڑا تھا اس کے پیچھے پیچھے لیکن جوان تھی تندرست اور طاقتور تھی اور اس کے بعد اس سے پہلے کہ رمل اور شاہو اسے پکڑیں اس کنوئیں میں کود گئی، بڑی مشکلوں سے اسے رسیوں کی مدد سے نکالا ہے، میں تمہیں بتا نہیں سکتا مامون بیگ کہ کتنا غمزدہ ہوں میں اس کے لئے، بس تمہارے لئے صبر کی دعا ہی کر سکتا ہوں۔" مامون بیگ پتھرا گیا...... تھوڑے فاصلے پر فضیلہ کی لاش رکھی ہوئی تھی، نیلے رنگ میں تبدیل ہو گئی تھی، مامون بیگ اسے دور سے ہی دیکھتا رہا، قریب جانے کی ہمت نہیں ہوئی تھی، بس اتنا ہی معلوم ہو جانا کافی تھا کہ وہ فضیلہ نہیں اب ایک لاش ہے، صرف ایک لاش شاہ جی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"انسان کو صبر و استقامت سے کام لینا چاہئے، ہو سکتا ہے اسی میں اس کی بہتری ہو، میں انتظام کرتا ہوں گھر لے جاؤ اور بہتر ہے کہ زیادہ اس کی تشہیر نہ کرو اور شاہو تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ کل ہی دن کی روشنی میں مزدوروں کو بلا کر اس کنوئیں میں مٹی بھروا دو اور اسے بالکل ہموار کرا دو اس کا نام و نشان باقی نہ رہے، نجانے آئندہ یہ کتنے انسانوں کی زندگی ختم کرنے کا باعث بن جائے، آہ اس غم سے میری طبیعت نڈھال ہو رہی ہے، مامون بیگ کی مدد کرو، میں چلتا ہوں، بڑی افسردگی کا شکار ہوں آرام کروں گا۔"

"جی شاہ جی...... آپ بالکل فکر نہ کریں۔" رمل اور شاہو نے نیاز مندی سے کہا۔

"ہاشم! مجھے سہارا دے کر لے چلو، میں اپنے وجود میں بڑی کمزوری محسوس کر رہا ہوں۔"

"جی شاہ جی" کفالت شاہ کے دوسرے ملازم نے کہا اور کفالت شاہ ڈگمگاتے قدموں

سے کچی حویلی کی جانب چل پڑا...... در حقیقت وہ بستی کی ایک نوجوان بچی کی موت کے احساس سے بہت نڈھال ہو گیا تھا، آخر بستی کا باپ تھا، رمل اور شاہو نے ہمدردی سے کہا۔

"کبھی کبھی ایسے حادثے دل کو بری طرح نڈھال کر دیتے ہیں...... چلو مامون بیگ لاش گھر لے چلو، آہ کیسی جوان اور خوبصورت لڑکی ہے مگر کیا کیا جائے، اتنی ہی زندگی تھی بیچاری کی چلو رمل لاش اٹھانے میں مدد کرو۔"

❁

شامل کو اطلاع بھی دیر سے ملی تھی، اطلاع دینے والا کوئی نہیں تھا، جب یہاں سارے کام ہو گئے تھے تب شامل تک یہ خبر پہنچ پائی تھی اور خبر بھی خود کفالت شاہ نے بھجوائی تھی...... انہوں نے اپنا ایک آدمی بھیجا تھا، شامل کو اس نے یہ روح فرسا خبر سنائی اور دُکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"کیا کرتے شامل، یہاں تمہاری تلاش میں، میں نے کیا نہیں لیا، لیکن تم مجھے مل ہی نہیں پائے۔"

"مم...... مگر یہ کیسے ہوا۔" شامل نے غم و اندوہ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"بس اللہ کی مرضی، باقی ساری باتیں تمہیں وہیں چل کر معلوم ہوں گی۔"

شامل نے بمشکل تمام اپنے افسران سے چھٹی لی اور اس کے بعد بستی چل پڑا...... بستی میں کچھ بھی ہو جانے کی توقع رکھتا تھا وہ، کفالت شاہ کو اچھی طرح جانتا تھا لیکن بہر حال یہ واقعہ جس طرح بھی ہوا وہ اس کے لئے بڑا اندوہناک تھا، ایک ہی بہن تھی اس دنیا میں، بے حد چاہتا تھا اسے، گھر پہنچا تو باپ نے اپنے طور پر ایک فیصلہ کر رکھا تھا، وہ جانتا تھا کہ جوان خون ہے کب تک جوش میں نہیں آئے گا، بات کو اس طرح توڑ مروڑ کر اس کے سامنے پیش کیا گیا اور اس انداز میں اسے سامنے لایا گیا کہ شامل کو کوئی شبہ نہیں ہو سکا، باپ کے ساتھ وہ بھی نجانے کتنی دیر روتا رہا تھا۔

"بابا اب تو یہ بستی چھوڑ دو۔" اس نے غمزدہ لہجے میں کہا۔

"ہاں اب بستی میں رہنے کو دل نہیں چاہتا، تو ہی کچھ کر شامل کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تو ہمیں شہر ہی بلا لے؟"

"ایسا ہی کروں گا بابا، میں یہ سوچ رہا تھا کہ میری ترقی ہو جائے کوئی بات بن جائے تو

پھر میں تم سب کو شہر ہی بلالوں، لیکن میری فضیلہ کی تقدیر میں یہ سب کچھ نہیں تھا، بابا ...
ایسا ہوا کیسے فضیلہ...... فضیلہ۔"

لیکن باپ نے پھر بھی کوئی تفصیل نہیں بتائی تھی اسے، دوسرے لوگوں کو بھی ... کفالت شاہ کی طرف سے یہ ہدایت مل گئی تھی کہ بیچارے شامل کو ذہنی طور پر مضطرب نہ ... جائے، شامل بہن کی آخری رسومات میں شریک رہا لیکن چھٹیاں بھی کم ملی تھیں، پھر کفالت شاہ نے اسے تسلیاں دیتے ہوئے کہا۔

"شامل جو ہونا تھا وہ ہوگیا، اس کی زندگی ہی اتنی تھی، یہ قدرت کے فیصلے ہیں ہم تم بھلا کیا کر سکتے ہیں، نئی نئی نوکری ہے تمہاری اپنی ذمے داریوں پر توجہ دو، میں تو چاہتا ہوں کہ تم ترقی پر ترقی کرتے چلے جاؤ اور بھی بہت سی باتیں سوچی ہیں میں نے تمہارے لئے، رفتہ رفتہ ہی بتاؤں گا...... بہر حال مجھے اس معصوم بچی کی موت پر اتنا ہی دکھ ہے جتنا تم لوگوں کو ہو سکتا ہے، پتا نہیں بیچاری کی تقدیر کیا تھی، بہر حال اب جو ہونا تھا وہ تو ہوگیا جاؤ ہمت کے ساتھ شہر واپس جاؤ اور اپنی ڈیوٹی سنبھالو۔"

"شاہ صاحب میں چاہتا ہوں کہ اپنے ماں باپ کو بھی وہیں لے جاؤں۔"

"بہت اچھی بات ہے مجھے بتاؤ میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔"

"بس شاہ صاحب جا رہا ہوں، کوشش کروں گا کہ وہاں کوئی ایسا ٹھکانہ تلاش کرلوں جہاں ان لوگوں کو بھی لے جا کر رکھوں بستی میں اب ہمارا کچھ نہیں رہ گیا ہے۔"

"ارے بنگلے میں جو ہوں...... میں نہیں ہوں تم لوگوں کا۔"

"آپ ہی تو ہیں شاہ صاحب، ورنہ اور کس کا سہارا ہے۔"

"بری بات، بری بات، سب سے بڑے سہارے کو کیوں بھول جاتے ہو، جو ہم سب کا سہارا ہے۔" کفالت شاہ نے کہا۔

بہر حال بیچارہ شامل خود بھی زیادہ وقت نہیں رک سکتا تھا، چنانچہ چل پڑا لیکن جب بستی سے باہر پہنچا اور اس جگہ جہاں سے وہ بس میں سوار ہو کر شہر جانا چاہتا تھا، وہاں اسے ماما کا چھی ملا، ماما کا چھی بھی بستی کا ایک کسان تھا اور بہت عرصے سے بستی میں رہتا تھا، غریب سا آدمی تھا، مظلوم اور معصوم سا اس کی زندگی میں کوئی ایسی بات نہیں تھی جو قابل ذکر ہوتی اس لئے کہ سدا کا بے اوقات تھا لیکن اس وقت ماما کا چھی نے شامل کا راستہ روک لیا تھا۔

"شامل بیٹا کچھ بات کرنا چاہتا ہوں تجھ سے سنے گا میری بات ناراض تو نہیں ہوگا، بگڑے گا تو نہیں مجھ پر۔"

"کیا بات ہے ماما کا چھی، میں اور تم پر بگڑوں گا تم میرے بزرگ ہو۔"

"ارے بیٹا غریب کسی کا کچھ نہیں ہوتا...... تو نے کہہ دیا ہمارا دل رکھ لیا تیری مہربانی، آ...... بس تو تھوڑی دیر کے بعد پھر مل جائے گی تجھے، وہ کھیت کی مینڈھ جو ہے نا اس پر چل کر بیٹھتے ہیں۔"

"تم مجھے بات تو بتاؤ ماما کا چھی؟"

"سننا چاہتا ہے تو ذرا صبر و سکون کے ساتھ ہمیں تھوڑا وقت دے آ۔" اور شامل اس کے ساتھ آگے بڑھ کر مینڈھ پر بیٹھ گیا، ماما کا چھی نے ایک اونچی جگہ چڑھ کر دور دور تک دیکھا تھا پھر اتر کر شامل کے پاس آ بیٹھا تھا۔

"زندگی کتنی ہی مشکل کیوں نہ ہو اسے ختم کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا...... ہم یہ دیکھ رہے تھے اوپر چڑھ کر کہ اس وقت کوئی ہمیں دیکھ تو نہیں رہا تو پولیس میں ہے نا۔"

"ہاں...... ماما کا چھی۔"

"تو پولیس بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی؟"

"کس کا ماما کا چھی۔"

"بھیڑیوں کا بھیڑیوں کا...... پولیس بھیڑیئے نہیں مار سکتی۔"

"کیسے بھیڑیئے...... کیسی بات کر رہے ہو تم۔"

"جیسے کہ تو نہیں جانتا، جیسے کہ تجھے بالکل پتا نہیں ہے کہ تیری زمینوں کو کھانے والا کون ہے، تیرا باغ تجھ سے کس نے چھین لیا ہے...... جیسے کہ تو کچھ بھی نہیں جانتا، ارے اتنی بھی کیا بزدلی، ہیں...... اور پھر پولیس والا ہے تو کچھ نہیں کر سکتا کیا، بول کچھ بھی نہیں کر سکتا۔"

"ہاں کا چھی اللہ کچھ لوگوں کو ایسی قوتیں دے دیتا ہے کہ کوئی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔" شامل نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"ایک بات کہوں، دیکھ میں تو بے پڑھا لکھا آدمی ہوں کچھ بھی نہیں جانتا دنیا کے بارے میں پر تو پڑھا لکھا ہے ایسی قوتیں اللہ نہیں دیتا انسان کو شیطان دیتا ہے...... شیطان اور شیطان کے خلاف کام کرنا ثواب ہے، اسے نقصان پہنچانا بھی ثواب ہے، کیا خیال ہے تیرا

کفالت شاہ سلطان نہیں ہے؟"

"ماما کاچھی کیا ہو گیا ہے تمہیں؟"

"اب جو بھی ہے برداشت نہیں ہو رہا، پیٹ پھول رہا ہے مر جاؤں گا، مر جاؤں گا، کسی سے دل کی بات نہ کہی تو!"

"کون سی دل کی بات۔"

"جانتا ہے تیری بہن کے ساتھ کیا ہوا، جانتا ہے کیا ہوا ہے۔" ماما کاچھی نے کہا اور شامل اُچھل پڑا۔

"فضیلہ کے ساتھ۔"

"ہاں...... فضیلہ تیری بہن، مامون بیگ کی بیٹی، میری بیٹی، ہم سب کی بیٹی، ارے سب کے دل پتھر ہو گئے کوئی سچ بولنے کو تیار نہیں ہوتا، میں بولوں گا سچ میں بولوں گا، اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے میں نے، قسم ایمان کی اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؟"

"کیا۔" شامل سہمے ہوئے لہجے میں بولا۔

"عزت لوٹی تھی اس کی، وہ عزتوں کا ڈاکو ہے، تھوڑے عرصے پہلے اس نے ایک اور عزت لوٹی تھی، فضیلہ کو بھی اس نے ایسے ہی لوٹا، ہاں ایسے ہی لوٹا تھا اس نے فضیلہ کو بھی رمل اور شاہو کچی حویلی سے اس کی لاش لے کر نکلے تھے اور پھر انہوں نے وہ لاش خود اندھے کنوئیں میں ڈالی تھی، آنکھوں سے دیکھا ہے میں نے اپنی، نیند نہیں آتی مجھے...... راتوں کو سوتا نہیں ہوں...... یہ بات تو بہت عرصے سے سب جانتے ہیں، اس وقت بھی نیند نہیں آ رہی تھی، بھاگا بھاگا پھر رہا تھا...... جب میں نے انہیں دیکھا اور پھر ان کا پیچھا کیا...... انہوں نے فضیلہ کو میرے سامنے کچی حویلی سے نکال کر اندھے کنوئیں میں ڈالا تھا، پھر شامل وہ بھی پہنچ گیا تھا...... میرا مطلب ہے کفالت شاہ اور اس کے بعد سارے کے سارے نوٹنکی کرتے رہے...... انہوں نے بات ہی پلٹ کر رکھ دی...... کہنے لگے فضیلہ خود بھاگ گئی تھی، جھوٹ بول رہے ہیں سارے، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، شامل میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ارے...... کوئی تو ظالم کی گردن پکڑو، کوئی تو کچھ کر کے دکھاؤ میں سچ کہتا ہوں جھوٹ بولوں تو یہاں پر بھی منہ کالا ہو اور آسمان میں بھی ارے کوئی تو اس کی دادرسی کرو، ابھی تو نجانے کتنی بچیاں اس طرح اس کی بھینٹ چڑھیں گی، نجانے کتنے گھر اجاڑے گا وہ کتنی

نہیں لوٹے گا، روکو اسے روکو...... کوئی بھی نہیں ہے کیا، سب کے سب بزدل چوہے بن کر گئے ہو، دھت تمہارے کی...... جاؤ جہنم میں میرا کیا؟" ماما کاچھی اٹھ کر وہاں سے آگے بڑھ گیا لیکن شامل وہیں بیٹھا رہا تھا جو کچھ اس کے کانوں نے سنا تھا وہ اس کا خون کھولانے کے لئے کافی تھا لیکن محکمہ پولیس میں اسے بہترین تربیت دی گئی تھی، دنیا کو سمجھنے لگا تھا یہاں بیٹھ کر اس نے ٹھنڈے دل سے غور کیا، ماما کاچھی کی بات غلط نظر نہیں آتی تھی، لیکن یہ بھی جانتا تھا کہ بات کچھ بھی نہیں رہے گی...... کفالت شاہ کو قتل کرنا بھی آسان کام نہیں ہے، چاہے اس کے بعد پھانسی پر کیوں نہ چڑھ جاؤں لیکن یہ ہونا ممکن نہیں ہے، کچھ سوچنا ہو گا گہرائیوں کے ساتھ کچھ سوچنا ہو گا، پھر اس نے کئی بسیں مس کر دی تھیں اور وہیں بیٹھا سوچتا رہا تھا......

آخر میں اس نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ مکار دشمن کو مکاری ہی سے مارنا بہتر ہو گا، جوش کے عالم میں عمل کرنے والے جس طرح ناکامیوں کا شکار ہوتے ہیں وہ اس کے علم میں تھا اس جیسے شیطان اپنی پشت بہت مضبوط رکھتے ہیں اور اس کا اندازہ اسے محکمہ پولیس میں آنے کے بعد ہو گیا تھا کہ کفالت شاہ کیا حیثیت رکھتا ہے، بڑے بڑے حکام صرف اس کا نام سن کر کھڑے ہو جاتے تھے اور یہ بھول جاتے تھے کہ وہ اس وقت ان کے سامنے نہیں ہے تو ایسے آدمی کو ہلاک کرنے کی کوشش کا نتیجہ بھی برا نکل سکتا ہے، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ پہلے ماں باپ کو شہر بلا لیا جائے اور اس کے بعد کوئی ایسی ترکیب سوچی جائے جس سے کفالت شاہ سے انتقام لیا جا سکے، آخری بس پکڑ کر وہ شہر چل پڑا تھا۔

شہاب نے گردن کے اشارے سے سب انسپکٹر کے سلام کا جواب دیا اور کار آگے بڑھا دی لیکن اچانک ہی اسے ایک احساس ہوا تھا، سب انسپکٹر کے چہرے پر کچھ اس طرح کے تاثرات تھے جیسے وہ اس سلام کے بعد بھی اس سے کچھ کہنا چاہتا ہو اور ایسا دو تین بار ہو چکا تھا، یہ سب انسپکٹر جو کہ نوجوان اور خوبصورت تھا کئی بار اس طرح اس کے سامنے آیا تھا جس سے یہ احساس ہوا کہ وہ خصوصاً اسے سلام کرنا چاہتا ہے، شہاب نے پہلے کبھی غور نہیں کیا تھا لیکن اس وقت بھی یہی ہوا تھا، تھوڑا سا آگے بڑھ کر اس نے کار روک دی اور پھر اسے ریورس کر کے پیچھے لے گیا...... نوجوان سب انسپکٹر اسی جگہ کھڑا ہوا تھا۔

"سنو۔" شہاب نے اسے مخاطب کیا اور سب انسپکٹر نے پھر اسے سلیوٹ جھاڑ دیا،

شہاب نے گردن کے اشارے سے پھر جواب دیا اور کہا۔

"کیا کر رہے ہو؟"

"کچھ نہیں سر۔"

"ڈیوٹی پر ہو۔"

"جی نہیں ڈیوٹی سے تو آف ہو چکا ہے۔"

"گھوم کر ادھر آؤ۔" شہاب نے کہا اور سب انسپکٹر دوڑتا ہوا اس کے سامنے سے گز کر دوسری جانب آ گیا۔

"لیس سر۔"

"بیٹھو۔" شہاب نے اشارہ کیا۔

"جی سر۔"

"بیٹھ جاؤ ڈرتے ہو مجھ سے؟" شہاب بولا۔

"نہیں سر۔"

"تو پھر آؤ بیٹھو۔"

"لیس سر۔" سب انسپکٹر دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔

شہاب نے کار آگے بڑھا دی۔

"کہیں جا رہے تھے؟"

"جی سر۔"

"کہاں؟"

"اپنی رہائش گاہ پر سر۔"

"کہاں رہتے ہو۔"

"سر پہلے پولیس لائن میں رہتا تھا لیکن اب ایک فلیٹ لیا ہے کرائے پر۔" سب انسپکٹر نے اپنے فلیٹ کا بتایا۔

"ہوں ٹھیک ہے وہیں جانا تھا تمہیں۔"

"نن...... نہیں سر۔"

"کیا مطلب......"

"سر میں...... میں۔"

"کھل کر کہو، جو بھی کہنا چاہتے ہو۔"

"سر میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا تھا۔"

"اوہ......! اچھا کہو کیا بات ہے؟"

"سر ذرا طویل گفتگو ہے، سر میں انتہائی معافی چاہتا ہوں مجھے اپنے اور آپ کے درمیانی فرق کا پورا پورا احساس ہے سر لیکن میری مجبوری سمجھئے آپ، سر میں آپ سے کچھ زیادہ وقت لینے کا خواہش مند ہوں، سر آپ کو خدا کا واسطہ آپ مجھے ایک بڑے افسر کی طرح نظر انداز نہ کیجئے گا، سر میں نے بہت سی امیدیں باندھ رکھی ہیں آپ سے۔"

"ارے بھائی سر سر کہہ کر کیوں میرا سر کھائے جا رہے ہو...... میرا نام شہاب ہے اور میں اس وقت بالکل سر نہیں ہوں تم اپنا نام تو بتاؤ مجھے۔"

"شامل بیگ ہے سر میرا نام۔"

"یہ سر بیچ میں سے نکال نہیں سکتے؟"

"شہاب...... یا اگر بہت زیادہ عہدے کا خیال رکھنا چاہتے ہو تو شہاب صاحب کہہ لو اور اب یہ بتاؤ کہ چائے کہاں پلا رہے ہو، اپنے فلیٹ میں یا کہیں اور؟"

"وہ...... م...... میرا فلیٹ تو بہت معمولی سا ہے۔"

"چائے بنانے کا سامان ہے اس میں۔"

"جی...... وہ تو ہے۔"

"تو یار چلو، ویسے کون رہتا ہے تمہارے اس فلیٹ میں، بیگم صاحبہ، والدین یا۔"

"نہیں...... ابھی تو میں اس میں تنہا ہی رہتا ہوں۔"

"واہ...... تو پھر مزا آئے گا نا آرام سے بیٹھ کر باتیں کریں گے، ہوٹل میں شور ہو گا ویٹر سر کھاتا رہے گا، پھر وہی سر آ گیا بیچ میں ہیں...... چلو فلیٹ ہی چلتے ہیں۔"

"جی...... بے حد شکریہ۔"

"پتا بتاؤ۔" اور شامل نے شہاب کو پورا پتا دہرا دیا۔

"گڈ......" تھوڑی دیر کے بعد شہاب کی کار اس بلڈنگ کے سامنے رک گئی جو متوسط طبقے کے لوگوں کی رہائش گاہ تھی، یہاں شہاب نے کار ایک جانب پارک کی اور نیچے اتر کر اسے

لاک کرنے لگا، شامل بھی جلدی سے نیچے اتر گیا تھا، وہ بری طرح سہما ہوا تھا لیکن شہاب کی گفتگو نے اسے کافی سہارا دیا تھا کچھ لمحوں کے بعد وہ دوسری منزل کے ایک فلیٹ کے دروازے پر رکے اور شامل نے جلدی سے دروازہ کھول دیا اور باادب انداز میں کھڑا ہو گیا۔

"دیکھو بھائی شامل اس بات کو بالکل بھول جاؤ کہ تمہارا عہدہ کیا ہے اور میرا عہدہ کیا ہے، اس وقت نہ تم ڈیوٹی پر ہو اور نہ میں ہوں، بات اگر کھل کر نہ ہو تو پھر مزا نہیں آتا اس میں اس لئے تکلف درمیان سے ہٹاؤ عمدہ سی چاؤ بناؤ، چائے کے بعد باتیں کریں گے۔ ویسے یہ فلیٹ تو اچھا خاصا ہے، باہر سے عمارت ذرا خراب نظر آتی ہے لیکن کمرے بڑے کشادہ ہیں، کتنے کمرے ہیں اس فلیٹ میں۔"

"سر دو۔"

"سر بالکل نہیں۔" شہاب نے کہا اور شامل بے اختیار مسکرا پڑا۔

"جناب دو بیڈ روم ہیں، ایک ڈرائنگ روم ہے اور ایک یہ چھوٹا سا پیسج ہے وہ کچن اور باتھ روم وغیرہ ہیں۔"

"سب کچھ ہے تو میں ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوں...... وردی اتار کر چائے بناؤ گے یا وردی پہنے پہنے؟"

"جی نہیں میں پہلے چائے بنا لیتا ہوں۔"

"اوکے...... مستعد آفیسر ایسے ہی ہوتے ہیں، جاؤ ہم تمہارے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے ہیں، تم چائے بناؤ۔" شامل انتہائی مسرت کے عالم میں کچن کی جانب چلا گیا تھا اور شہاب ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا تھا، ڈرائنگ روم میں چند معمولی سی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں...... ایک طرف ایک میز تھی، صوفہ سیٹ یا قالین وغیرہ بالکل نہیں تھا...... تمام چیزیں معمولی حیثیت کی حامل تھیں، بہر حال اسے اب یہ یقین ہو گیا تھا کہ اس سے پہلے بھی وہ نوجوان اس سے کچھ کہنا ہی چاہتا تھا اور ہمت نہیں کر پا رہا تھا...... بہر حال یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی کیا بات کہنا چاہتا ہے، وہ یقینی طور پر اپنی ترقی وغیرہ کے سلسلے میں یہ انداز نہیں اختیار کیا جاتا، پھر بھی بہر حال اگر کسی کا کام میرے ذریعے ہو سکتا ہے بشرطیکہ مجھے کام کی نوعیت کا پتا چل جائے تو اسے کرنے میں کوئی حرج نہیں ہوتا، پھر ایک ایسا انسان جو انسان ہونے کے باوجود اس قدر کمتر محسوس کرے اپنے آپ کو ہمیشہ ہی

شہاب کی توجہ میں رہا تھا اور وہ اس نوجوان کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا، وہ خاموشی سے بیٹھا کمرے کے ماحول کا جائزہ لیتا رہا، پاؤں پھیلا رکھے تھے اور پھر ماحول کو اور ذرا سی بے تکلفی بخشنے کے لئے اس نے اپنے جوتے بھی اتار دیئے اور بے تکلف ہو کر بیٹھ گیا تھا، تھوڑی ہی دیر کے بعد شامل ٹرے میں چائے کے برتن اور ایک پلیٹ میں بسکٹ رکھے اندر آ گیا۔

"میں عجیب سی کیفیت محسوس کر رہا ہوں جناب، آپ تو خیر اپنے اندر سے بہت بڑے انسان ہیں جو آپ نے میری یہ دعوت قبول کر لی، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ لوگ انسانوں کو انسان سمجھنا چھوڑ دیتے ہیں۔"

"چھوڑو یار بیٹھو، بلکہ ایسا کرو مزا نہیں آ رہا ذرا بے تکلفی کا ماحول ختم ہو گیا ہے اور پھر اس وقت تمہاری وردی سے ڈر بھی لگ رہا ہے بھائی، اے ایس آئی ہو کسی بات پر بگڑ گئے تو ہمارے پاس تو اس وقت ہمارا سروس کارڈ بھی نہیں ہے، اس لئے وردی اتار لو اور آرام سے بیٹھو جس طرح ہم جوتے اتار کر بیٹھے ہوئے ہیں۔"

شامل نے ایک نظر اس پر ڈالی اور پھر مسکراتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا...... شہاب چائے کے برتنوں کی جانب متوجہ ہو گیا تھا...... شامل تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا، شلوار سوٹ میں ملبوس، بہت ہی خوبصورت نوجوان نظر آ رہا تھا، شہاب نے تعریفی نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر مسکراتا ہوا بولا۔

"لیجئے شامل صاحب آج اپنے آفیسر اعلیٰ کے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے پیجئے۔"

"شکریہ سر۔" اس نے کہا اور چائے کی پیالی اٹھا کر اپنے سامنے رکھ لی پھر بڑی لجاجت سے بولا۔

"سر یہ بسکٹ۔"

"میرے شایان شان نہیں ہیں لیکن میں کھاؤں گا، ٹھیک ہے جو حکم شامل صاحب۔" شہاب نے بسکٹ اٹھا کر دانتوں سے کترنا شروع کر دیا، شامل کے چہرے پر بے پناہ محبت نظر آ رہی تھی اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"خدا کی قسم اتنی دعائیں نکل رہی ہیں آپ کے لئے دل سے کہ شاید میں نے اتنی دعائیں کبھی اپنے آپ کو بھی نہ دی ہوں گی۔"

"چلو کچھ دے ہی رہے ہو لے تو نہیں رہے، ویسے چائے کے دوران ہی اگر ہماری گفتگو

کا آغاز ہو جائے تو کوئی حرج ہے؟"

"جی نہیں سر۔"

"تو پھر شروع ہو جاؤ۔" شہاب نے بے تکلفی سے کہا اور سامنے رکھی چائے کی پیالی اٹھا کر ہونٹوں سے لگالی۔

شامل گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا تھا...... پھر اس نے کہا۔

"سر...... جہاں تک آپ کے بارے میں میری معلومات ہیں وہ یہ ہیں کہ آپ نے بہت مختصر سی ملازمت کے دوران بہت سے مرحلے طے کیے ہیں...... ترقی اور تنزلی کے کئی دور دیکھے ہیں۔"

"ہاں...... یہ سچ ہے مسٹر شامل۔"

"لوگ آپ پر تبصرے کرتے ہیں۔"

"لوگ؟"

"جی سر...... میری مراد محکمے کے لوگوں سے ہے۔"

"کیا کہتے ہیں وہ۔"

"یہی کہ یہ شخص بڑی محنت سے اپنے زوال کا درخت اگاتا ہے اور اس میں کبھی لچک نہیں آتی۔"

"بہت خوب...... اتنا پسند کیا جاتا ہوں میں اپنے محکمے میں۔" شہاب مسکرا کر بولا۔

"ان کا کہنا ہے کہ آپ اپنی ترقی کے مواقع اپنے پیروں تلے مسل دیتے ہیں۔"

"وہ کیسے؟"

"اس طرح کہ آپ تقدیر گروں کی آشیرباد نہیں لیتے۔"

"مسٹر شامل آپ مسلمان ہیں۔"

"الحمدللہ...... جی ہاں۔"

"تب میری رائے ہے کہ اصطلاحاً بھی یہ جملہ استعمال نہ کریں آپ جانتے ہیں تقدیر گر کون ہے۔"

"اللہ رب العزت۔" شامل نے جواب دیا۔

"پھر میں کسی کی آشیرباد کیوں لوں...... میں مشرک تو نہیں بننا چاہتا۔"

"درست فرمایا آپ نے...... اور میں نے اسی لئے آپ سے اس طرح ملاقات کرنے کی درخواست کی ہے وہ کہتے ہیں کہ آپ ہمیشہ شارک کا شکار کرتے ہیں اور اسے کبھی نہیں چھوڑتے۔"

"کسی شارک کی خبر دینا چاہتے ہو۔"

"جی سر...... اور کچھ مظلوموں کی بے کسی کی داستان آپ کو سنانا چاہتا ہوں...... آپ کے پاس وقت تو ہے نا سر۔"

"بالکل ہے شامل، مگر وہ بے کس کون ہیں؟" شہاب نے پوچھا۔

"میں...... اور مجھ جیسے بہت سے دوسرے! شامل کی آواز بھرا گئی اور شہاب چونک کر اسے دیکھنے لگا...... اس کے بعد چند لمحے خاموشی طاری ہو گئی تھی۔

"آپ پولیس آفیسر بھی ہیں اور پھر ایک توانا جوان بھی۔"

آپ کی آنکھوں میں شعلوں کے بجائے آنسوؤں کی نمی کیوں ہے مسٹر شامل؟"

"سر مجبوریاں...... ایک کنبے کا بوجھ۔"

"میں سمجھ رہا ہوں...... چلئے ٹھیک ہے...... آپ خود کو تنہا نہ سمجھیں...... میں آپ کے ساتھ ہوں...... اب آپ بغیر کسی تمہید کے مجھے بتائیں۔"

"آپ نے شاہ گڑھی کا نام سنا ہے۔"

"شاہ گڑھی...... ہاں...... شاید۔"

"فاصلہ زیادہ نہیں ہے...... ایک درمیانہ درجے کی آبادی ہے...... میں وہیں کا رہنے والا ہوں۔"

"ٹھیک۔"

"شاہ گڑھی کا موجودہ شاہ کفالت شاہ ہے۔"

"ویری گڈ تو کیا وہاں اب بھی بادشاہت قائم ہے۔"

"اور بادشاہ تو شاید کہیں نہ کہیں مشکل کا شکار ہو جاتے ہوں گے لیکن وہ کبھی نہیں ہوتا۔"

"دلچسپ۔"

"اس نے روحانیت کا لبادہ اوڑھا ہوا ہے، لیکن وہ بھیڑ کی کھال میں بھیڑیا ہے...... اس نے شاہ گڑھی میں کسی کو نہیں بخشا...... ہمارے باغات قبضے میں کئے اور مجھے محکمہ پولیس میں

بھرتی کرادیا اور بڑے بڑے اس کے حضور سر جھکاتے ہیں...... اسے کہیں زوال نہیں ہے سر...... اس نے...... اس نے میری بہن کو بے آبرو کر دیا...... اور...... راز کھل جانے کے خوف سے اسے ہلاک کرادیا۔" شامل رونے لگا۔

شہاب خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔

شامل دیر تک سسکتا رہا اور شہاب نے اس سے ایک لفظ بھی نہ کہا...... پھر وہ خاموش ہو گیا تو شہاب بولا۔ "مجھے اب مکمل تفصیل بتائیے مسٹر شامل؟"

"جی سر!"

"کفالت شاہ کا بائیو ڈیٹا......" شہاب نے کہا اور شامل اسے پوری تفصیل بتانے لگا۔

"ایک ہی بیٹا ہے اس کا۔"

"جی سر۔"

"کیا نام ہے۔"

"طارق شاہ۔"

"کتنی عمر ہے۔"

"جوان ہو چکا ہے۔"

"اس کا کیا ٹائپ ہے۔"

"سر اس کی کوئی کہانی سامنے نہیں آئی۔"

"ہوں...... آپ کی بہن کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا۔"

شہاب نے پوچھا اور شامل نے پوری تفصیل اسے بتادی، تفصیل سننے کے بعد شہاب کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "ماما کا اچھی صحیح الدماغ آدمی ہے۔"

"جی سر۔"

"اس سے قبل بھی بستی میں ایسی وارداتیں ہوئی ہیں۔"

"اکثر۔"

"بستی والوں کا کیا خیال ہے۔"

"سر بستی کے لوگ کبھی شاہ پر کوئی تبصرہ نہیں کرتے۔"

"کیوں؟"

"ظاہر ہے وہ اس سے خوفزدہ ہیں۔"

"اس کے خلاف پہلے کوئی ثبوت ملا ہے۔"

"ثبوت کہاں سے مل سکتا ہے سر۔"

"لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں۔"

"سو فیصد، لیکن اس نفرت کے اظہار کی جرات نہیں رکھتے...... آپ مجھے بتائیے...... ہم چھوٹی سی زمین کے مالک ہیں، ہمیں زمین سے بغیر کسی وجہ بے دخل کر دیا گیا اس کے بعد ہم اس سے محبت کریں گے ہمارے جیسے بے شمار لوگ اس طرح اس کا شکار ہو گئے۔"

"اس کی ذات سے کسی کو فائدہ حاصل ہوا ہے؟"

"ضرور ہوا ہوگا لیکن ان لوگوں کو جو اس کے لئے حلال حرام کی تمیز کھو بیٹھے ہیں۔"

"تو مسٹر شامل...... آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔" شہاب نے پوچھا اور شامل اسے دیکھنے لگا پھر اس نے لرزتی آواز میں کہا۔

"اس تفصیل کے بعد بھی مجھے اپنی بات کا اظہار کرنا ہوگا جناب عالی۔"

"مطلب؟"

"میں آپ کے بارے میں مشہور داستانوں کی روشنی میں آپ کا عمل دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"آپ پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ آپ نے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے اور اس میں آپ کی کوئی ذاتی دشمنی شامل نہیں ہے۔"

"زمینوں پر میں نے لعنت بھیج دی تھی سر، لیکن میری بہن بچھڑ گئی ہے...... میرے دل میں آگ جل اٹھی ہے سر...... ذاتی دشمنی تو شروع ہو گئی ہے۔"

"تو مسٹر شامل...... اگر ملزم کے بارے میں الزامات کے ثبوت حاصل ہو جاتے ہیں تو میں اس کے لئے سزائے موت تجویز کرتا ہوں بلکہ اسے یقینی قرار دیتا ہوں۔" شہاب نے گرجدار آواز میں کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا...... شامل اسے دور تک چھوڑنے آیا تھا۔

❀❀❀

شہاب کی کار کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں داخل ہوگئی۔ جوہر خان دوڑ کر اس کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے جلد ہی سے دروازہ کھولا تھا۔ شہاب نیچے اتر آیا۔

"کیا بات ہے جوہر خان، کوئی غلطی ہوگئی مجھ سے۔"

شہاب نے غیر متوقع سوال کیا اور جوہر خان بھونچکا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

"نہیں صاحب میں سمجھا نہیں۔"

"پھر اس طرح ناراضگی کا اظہار کر رہے ہو!"

"ناراضگی!"

"ہاں...... یہ میری کار کا دروازہ کھولا ہے تم نے۔" شہاب نے کہا اور جوہر خان چونک کر کار کے دروازے کو دیکھنے لگا پھر بولا۔

"میں نے تو آہستہ سے کھولا ہے جناب۔"

"مگر کیوں۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"کیا تم یہ ظاہر کرنا چاہتے ہو کہ میں یہاں تمہیں ملازموں کا درجہ دیتا ہوں۔"

"نہیں صاحب خدانخواستہ۔"

"تو پھر میرے بھائی گھر کے بڑے اگر دروازہ کھولنا شروع کر دیں تو چھوٹوں کا کیا ہونا چاہئے۔ کیا تم مجھے شرمندہ کرنا چاہتے ہو؟"

"ارے نہیں شہاب صاحب، خدا کی قسم ایسی کوئی بات نہیں ہے بس یونہی دل چاہا ہم نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا...... یہ تو ہمارے اندر کی خوشی ہے۔ محبت کے وہ جذبے

ہیں جو آپ کے لئے دل میں موجود ہیں۔ صاحب بس ہم کیا کہیں آپ سے۔"

"نہیں جوہر خان کہو...... میں سننا چاہتا ہوں ویسے بھی تم مجھ سے بہت کم بات چیت کرتے ہو۔"

"بس صاحب محبت کرتے ہیں آپ سے، جو زندگی آپ نے ہمیں دے دی ہے اس کے لئے ہمارے دل میں جذبات ہیں...... کبھی کبھی یہ جذبات اُبھر آتے ہیں تو ایسے کام کر لیا کرتے ہیں، یہ تو اندر سے آواز اُبھرتی ہے۔"

"تم مطمئن ہو جوہر خان!"

"جی صاحب...... اور ہمیشہ آپ کے لئے دعائیں کرتے ہیں کہ اللہ آپ کا بھلا کرے، برائیوں کے راستے سے ہٹا کر اچھے راستے پر لگانے والے کو بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے صاحب جتنا اچھے راستے پر چل پڑنے والے کو۔"

"خیر میں اس بات سے انکار نہیں کروں گا جوہر خان لیکن یقین کرو کبھی کبھی تمہارے بارے میں سوچتا ہوں۔"

"کیا صاحب؟" جوہر خان نے پوچھا۔

"یہی کہ پتا نہیں تم خود اپنے دل میں کیا سمجھتے ہو گے...... میں نے یہاں اس کوٹھی کی ذمہ داری تمہیں سونپ دی ہے اور خود مزے کرتا پھرتا ہوں، تم یہاں خواہ مخواہ بندھ کر رہ گئے ہو۔"

"نہیں صاحب ایسی بات نہیں ہے...... اصل میں ہمارے دل میں آپ کے لئے جو محبت کے جذبے اُبھرتے ہیں وہ صرف اسی احساس کے تحت اُبھرتے ہیں کہ ہم کچھ بھی نہیں تھے، کیا ہم ایک بدکار شخص کی بدکاریوں کے ساتھی...... زندگی میں خواہ مخواہ ہی اتنے گناہ سر لے لئے صاحب کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ عمر ناتمام ان گناہوں کے کفارے کا سبب بن بھی سکتی ہے...... گڑگڑاتے ہیں اللہ کے حضور کہ جو کچھ کر چکے ہیں اس پر ہمیں معاف کر دے۔"

"جوہر خان تنہائی محسوس کرتے ہو گے۔"

"تنہا کہاں ہیں صاحب۔" جوہر خان نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"بس ہمارے احساسات ہماری عبادت ہمارے ساتھ ہے، تنہائی میں جب بھی موقع

ملتا ہے اپنے خدا سے آس لگا کر بیٹھ جاتے ہیں اور دعائیں مانگتے ہیں کہ خدا ہمارے گناہ معاف کر دے۔“

”جوہر خان میرے دل میں بار بار ایک خیال آتا ہے۔“

”کیا صاحب!“

”تم شادی کر لو۔“ شہاب نے کہا اور جوہر خان ہنسنے لگا پھر بولا۔

”صاحب آپ سے مذاق تو کر نہیں سکتے، لیکن آپ یقین کریں اب کسی دوسرے کو اپنی زندگی میں کبھی شامل نہیں کریں گے جو ہماری زندگی میں شامل ہو گیا ہے وہی ہمارے لئے بہت ہے۔“

”کون!“

”بس صاحب اپنی توبہ کا احساس، اسی کے ساتھ گزارا کرتے ہیں۔“

”پھر بھی جوہر خان اتنی بڑی کوٹھی تمہیں سنبھالنی پڑتی ہے۔“

”صاحب ہم یہاں کے حالات اچھی طرح جانتے ہیں، آپ اپنے طور پر اگر کسی کو یہاں رہنے کے لئے چھوڑنا چاہیں تو وہ الگ بات ہے، لیکن ہم اتنا جانتے ہیں کہ اس کوٹھی کے راز، راز ہی رہنے چاہئیں اور اس کے لئے ہم ہی کافی ہیں۔“

”پھر بھی جوہر خان میری طرف سے تمہیں پیش کش ہے، اگر کوئی تمہارے اپنے اعتماد اور بھروسے کا آدمی ہو تو تم اسے لا کر یہاں رکھ سکتے ہو، اس کے اخراجات اور تنخواہ کی پرواہ مت کرنا...... جو کچھ تم کہہ دو گے وہ بالکل ٹھیک ہو گا۔ مالک ہو تم اس کوٹھی کے۔“

”بس صاحب زیادہ جذباتی باتیں کرنا دھوکے بازی ہوتی ہے، ہم تو بالکل مطمئن ہیں لیکن اگر آپ نے کبھی کسی کو یہاں بھیجا اور ہمیں اس کے لئے ہدایت کی کہ ہمیں اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے تو آپ کو کوئی شکایت کبھی نہیں ہوگی۔“

شہاب نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور مسکرا کر بولا۔

”تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔“

”نہیں صاحب ہم صرف یہ احساس رکھتے ہیں کہ کہیں ہماری وجہ سے اس کوٹھی کو تو کوئی تکلیف نہیں ہے۔“ جوہر خان نے ہنس کر کہا اور شہاب بھی ہنسنے لگا، پھر بولا۔

”بینا آنے والی ہوں گی۔ میں ان کا انتظار کر رہا ہوں۔“

”ہم کوئی کھانے پینے کی چیز بنا دیں صاحب۔“

”نہیں میں نے بینا کو ہدایت کر دی ہے کہ آتے ہوئے ہوٹل سے ہم تینوں کے لئے لنچ بھی لے کر آئے۔“

”ٹھیک ہے صاحب...... کافی وغیرہ!“

”ہاں...... مگر وہ بینا بنا لے گی۔“

”ٹھیک ہے صاحب۔“ جوہر خان نے کہا اور دروازے کی جانب چلا گیا...... شہاب مسکراتا ہوا اندر داخل ہو گیا تھا...... سادہ لباس میں تھا اور جب وہ سادہ لباس میں ہوتا تھا تو یہ اندازہ ہی نہیں ہوتا تھا کہ اس کا تعلق محکمہ پولیس سے ہے۔

تقریباً تمام ہی معاملات ٹھیک ٹھاک چل رہے تھے، گھر کے حالات بہتر تھے، تمام اہل خاندان مطمئن تھے، نادر حیات صاحب کی معاونت شامل حال تھی اور شہاب اپنے طور پر ایک پرسکون زندگی گزار رہا تھا لیکن بہرحال شامل سے ملاقات کے بعد جو صورت حال ذہن میں آئی تھی وہ بڑی سنگین تھی...... شاہ گڑھی کے کفالت شاہ کا پورا کچا چٹھا سننے کے بعد شہاب کو یہ احساس ہو چکا تھا کہ ایک شاندار مہم اس کی منتظر ہے اور یہ حقیقت ہے کہ وہ فارغ بیٹھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ زندگی کے معمولات خاصے ڈھب پر آ گئے تھے، اہل خاندان بھی مطمئن تھے اور وہ بھی جن کا تعلق اس کی زندگی سے ہوا تھا اور جنہیں اس کی مدد کی ضرورت تھی۔ فی الحال اور کوئی مسئلہ نہیں تھا، لیکن شامل نے جو کہانی سنائی تھی وہ بڑی دلدوز اور اندوہناک تھی اور شہاب نے جو فیصلہ شامل کے سامنے کیا تھا وہ اب اس کے تمام تر احساسات میں شامل تھا اور وہ اس کے لئے کوئی عمدہ پلان ترتیب دینا چاہتا تھا اور اس کے لئے ذہنی شگفتگی ضروری ہوتی ہے اور ذہنی شگفتگی کے لئے بینا۔

تب ہی اس نے بینا کو دیکھا...... دروازے میں کھڑی مسکرا رہی تھی...... سفید لباس میں وہ اندر داخل ہوئی تو شہاب زور زور سے سانس کھینچنے لگا...... اس کے چہرے پر شرارت کے آثار بکھر گئے...... بینا کو دیکھ کر اس کے ذہن میں جو شرارتیں کلبلاتی تھیں ان کا اندازہ ہی کچھ اور ہوتا تھا...... بینا دو قدم آگے بڑھی اور غور سے شہاب کو دیکھنے لگی۔

”خیر یہ تو میں جانتی ہوں کہ آپ کے ذہن میں کوئی شرارت کلبلا رہی ہے، اب ذرا اس شرارت کی تشریح ہو جائے۔“

"خراماں خراماں معطر معطر"

شہاب نے کہا اور شعر ادھورا چھوڑ دیا۔ بینا منتظر رہی کہ وہ آگے کچھ کہے لیکن شہاب خاموش ہو گیا۔

"میرا خیال ہے تک بندی کے لئے کوئی مناسب جملہ نہیں مل رہا۔"

"یعنی اس کے بعد بھی کسی مناسب جملے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔"

"شعر پورا کیجئے!"

"مصرع اولیٰ میں نے کہہ دیا ہے، مصرع ثانی آپ خود ہیں مس بینا۔"

"یعنی نسیم!"

"توبہ کیجئے صاحب، نسیم میں وہ لطافت کہاں جو اس چنبیلی کے پھول میں ہے۔"

"چنبیلی کا پھول۔"

"جی صاحب آئینہ سامنے ہے غور کر لیجئے۔"

"یعنی۔"

"یہ سفید لباس یہ سفید چہرہ کیا بات ہے بالکل یوں لگتا ہے جیسے کوئی پھول مجسم ہو کر ڈالی سے ٹوٹ کر پیدل چل پڑا ہو۔"

"اللہ آپ پر رحم کرے۔"

"دعا کا شکریہ تشریف رکھئے...... شہاب نے کہا اور بینا بیٹھ گئی"۔

"شرارت کا موڈ کچھ زیادہ ہی لگتا ہے۔"

"جی ہاں، اصل میں انسان کو جب بھوک لگتی ہے نا تو دو ہی چیزیں ہوتی ہیں یا تو وہ کراہتا ہے پیٹ پکڑ کر یا پھر شاعری شروع کر دیتا ہے۔"

بینا ہنس پڑی اور بولی۔ "جوہر خان لنچ بکس لے کر آ رہا ہے...... میں نے کہا جوہر خان ذرا میری مدد کرو تو کہنے لگا بی بی صاحب آپ جایئے، مجھے معلوم ہے کہ ان میں سے دو لنچ بکس آپ کے ہیں اور ایک میرا ہے...... آپ کے لنچ بکس لے کر میں آ رہا ہوں...... میرا خیال ہے کچن میں گیا ہو گا۔"

"ذرا وقت دیکھئے کیا کھانے کے علاوہ اس وقت اور کوئی بات کی جا سکتی ہے۔"

"کی تو نہیں جا سکتی لیکن آپ کر رہے ہیں۔"

"کیا کیا جائے، کھانے کا انتظار۔"

"گویا اب تک جو آپ فرما رہے تھے وہ بھوک کے عالم میں تھا۔"

"جی ہاں۔"

"بڑے عجیب آدمی ہیں آپ...... میں سمجھی آپ واقعی میرے لباس کی تعریف کر رہے ہیں۔"

"مس بینا نجانے آپ کی حس لطافت کہاں کھوتی جا رہی ہے۔"

"کیوں؟"

"ارے بابا بھوک کی بھی تو مختلف اقسام ہوتی ہیں، یہ پیٹ کی بھوک تو خیر کسی نہ کسی طرح پوری ہو ہی جاتی ہے لیکن!"

"بس بس بس...... جوہر خان کے قدموں کی آوازیں آ رہی ہیں۔" بینا نے کہا اور شہاب ہنس کر خاموش ہو گیا...... جوہر خان ایک ٹرے میں لنچ بکس کا سامان سجا کر اندر لایا تھا اور پھر اس نے وہ سامان رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"صاحب یہ لنچ بکس اتنے بڑے بڑے کیوں ہوتے ہیں کیا آپ دونوں اتنا کھانا کھائیں گے۔"

"مس بینا سے پوچھئے جوہر خان صاحب، یہ ذرا کچھ زیادہ ہی فضول خرچ ہو گئی ہیں۔"

"ابھی تو ایک ٹرے اور ہے صاحب میں لے کر آ رہا ہوں۔"

"لایئے لایئے اللہ مالک ہے...... ویسے بھوک بھی بہت زور سے لگ رہی ہے، چلئے کھانا شروع ہو جایئے۔" شہاب نے کہا اور آستین سمیٹ کر ٹیبل کے قریب آ بیٹھا۔

"ہاتھ دھویئے جا کر۔"

"کس سے۔" شہاب نے سوال کیا!

"ہاتھ دھویئے پلیز۔"

"تو پھر آیئے نا۔" شہاب بولا اور بینا بھی ہنستی ہوئی اُٹھ گئی۔ شہاب نے اسے آگے جانے کا راستہ دیا تھا۔

"نہیں پہلے آپ۔"

"اللہ پہلے آپ۔" شہاب لپک کر بولا اور بینا ہنستی ہوئی واش روم کی جانب بڑھ گئی،

تھوڑی دیر کے بعد دونوں کھانے پر آ بیٹھے، اس درمیان جوہر خان نے دوسری ٹرے بھی لا کر رکھ دی تھی۔

"سبحان اللہ گویا باقاعدہ دعوت۔" شہاب نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا...... پھر جوہر خان سے بولا۔

"تو جوہر خان انتظار کس بات کا ہے آپ بھی بسم اللہ کہہ کر پل پڑیئے...... ویسے تو چیزیں موجود ہیں نا۔"

"جی صاحب۔" جوہر خان مسکراتا ہوا باہر نکل گیا شہاب نے کہا۔

"آپ نے پوچھا نہیں کہ میں اس کے آگے کیا کہنا چاہتا تھا۔"

"اس کے آگے آپ یہ کہنا چاہتے تھے کہ بینا جلدی سے کھانا شروع کرو دیر ہو رہی ہے۔" بینا نے کہا اور خود کھانے کی جانب ہاتھ بڑھا دیئے...... شہاب بھی کھانے میں مصروف ہو گیا تھا، اس کے بعد نجانے کیوں کھانے کے دوران شہاب مسلسل خاموش ہی رہا تھا...... بہر حال کھانے کی صفائی ہوتی رہی جس قدر کھا سکتے تھے کھایا اور اس کے بعد شہاب نے بچی ہوئی چیزوں کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"اب ان کا کیا کیا جائے۔"

"ایں ہاں واقعی، جوہر خان کو دے دیں گے فقیر وغیرہ تو آتے ہی رہتے ہیں۔"

"بینا۔"

"ہاں کیوں؟"

"اپنے آگے کا بچا ہوا فقیروں کو دو گی، وہ جو ہم سے زیادہ مستحق ہوتے ہیں۔"

"چھوڑیئے جناب شہاب صاحب، بات نہ کہیئے فقیروں کی کبھی ان کی دنیا میں جا کر دیکھیئے، یہ مستحق کا لفظ اب بڑا عجیب ہو گیا ہے، اپنی پسند کی چیز لیتے ہیں...... اگر معیار سے گرا ہوا کھانا ہو تو نخوت سے کہہ کر چلے جاتے ہیں کہ میاں کبھی ہمارے گھر آنا کھانا کھلا کر دکھائیں گے تمہیں۔" شہاب بھی ہنس پڑا تھا اس نے کہا۔

"یہ تو واقعی تم ٹھیک کہہ رہی ہو بینا۔"

"خیر اب چھوڑیئے، کیا خیال ہے کافی بنا کر لاؤں۔"

"جوہر خان کہہ تو رہے تھے لیکن تھوڑا سا انتظار کر لو، ممکن ہے وہ خود ہی ہمیں کافی بنا

دیں اب اس قدر جلد بازی بھی مناسب نہیں ہے۔"

"اچھا آپ یہ فرمایئے وہ خاص سلسلے میں میٹنگ کیا تھی!"

"اصل میں سب سے خاص سلسلہ جو ہے اس کے لئے صرف ہماری میٹنگ کافی نہیں ہوگی۔"

"کیا۔" بینا نے کچھ نہ سمجھ کر کہا۔

"ہماری شادی۔"

"جی...... تو آپ ایسا کیجئے کہ پہلے جس قدر مذاق فرما سکتے ہیں اتنا مذاق فرما لیجئے، اس کے بعد کام کی باتیں کریں گے۔" بینا ناراضگی سے بولی۔

"کمال کرتی ہو یار، یعنی ہماری شادی صرف ایک مذاق ہے۔"

"فی الحال۔" بینا نے آہستہ سے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"آپ یہ مذاق مسلسل کئے جا رہے ہیں، مجھے نجانے کیا کیا بنا دیا ہے شادی شدہ، بچوں کی ماں...... اب...... اب۔"

"ارے بابا وہ تو ایک ضروری اور اہم مسئلہ تھا اس کو بار بار درمیان میں لا کر آپ مجھے شرمندہ کرنے کی کوشش فرماتی رہتی ہیں۔"

"آپ ہی نے شروع کیا ہے، میں کیا کروں۔"

"ہم ختم بھی کر دیں گے آپ بے فکر رہئے۔"

"کیسے ختم کریں گے۔"

"آپ سے شادی کر کے۔" شہاب نے جواب دیا۔

جوہر خان نے پھرتی دکھائی تھی، ہلکی سی دستک دے کر وہ اندر آ گیا۔ کافی کی ٹرے لے آیا تھا۔

"برتن اُٹھا لوں صاحب۔"

"ہاں اُٹھا لو۔" شہاب نے کہا اور جوہر خان نے برتن اُٹھانا شروع کر دیئے...... بینا کافی بنانے لگی تھی...... کافی کی پیالی شہاب کے سامنے سرو کرنے کے بعد اس نے کہا۔

"کیوں نہ اب کام کی باتیں ہو جائیں۔"

"جی بہت بہتر۔ آپ ایسا کیجئے...... اپنا پیڈ اور قلم سنبھال لیجئے۔"

"او کے۔" بینا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی ایک الماری سے اس نے ایک پیڈ اور قلم نکالا اور پوری سنجیدگی سے شہاب کے سامنے بیٹھ گئی...... شہاب اب خود بھی سنجیدہ نظر آنے لگا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ "لکھئے۔"

"شاہ گڑھی۔" بینا نے اس کی ہدایت پر عمل کیا تو شہاب پھر بولا۔

"کفالت شاہ۔" بینا نے یہ نام بھی لکھا اور چونک کر شہاب کو دیکھنے لگی...... شہاب کی نگاہیں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ بینا نے جس انداز میں دیکھا تھا اس سے یہ احساس ہوتا تھا کہ اس نام سے اسے کوئی واقفیت ہے۔

"جی آپ سے سوال مس بینا...... آپ یہ نام سن کر کیوں چونکیں۔"

"میں اس نام سے واقف ہوں۔"

"کیسے!"

"یہ شاہ گڑھی یہاں سے کچھ فاصلے پر۔"

"جی بالکل۔"

"اور کفالت شاہ وہاں کا جاگیردار۔"

"جی بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ انہیں کیسے جانتی ہیں!"

"آپ یہ بتائیے کہ ضحاک نزوی گروپ کے بارے میں کچھ جانتے ہیں۔"

"جی ہاں نام سنا ہے...... وکیلوں کا ایک بہت بڑا پینل ہے اور مسٹر ضحاک نزوی اس کے سربراہ۔"

"جی ہاں بالکل۔"

"تو یوں سمجھ لیجئے کہ کفالت شاہ کے تمام قانونی امور کی نگرانی ضحاک نزوی صاحب کرتے ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ ان کا پورا پینل اور یہ بات آپ کے علم میں لانا ضروری ہے کہ یہ پینل طاقتور ترین سمجھا جاتا ہے۔"

"گڈ ویری گڈ...... گویا پہلوانی کا مزا آئے گا۔" شہاب بولا۔

"کیا مطلب؟"

"پہلوانی کا مطلب پہلوانی ہوتا ہے۔"

"نہیں کوئی ان لوگوں کے خلاف چکر ہے۔"

"سو فیصد۔"

"خیر یہاں خوفزدہ کون ہوتا ہے، لیکن بہرحال بڑا شاطر گروپ ہے اور بڑے اعلیٰ پیمانے پر کام کرتا ہے، مسٹر ضحاک نزوی نے اپنے طور پر اس قسم کا ایک نظام قائم کر رکھا ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہمارے معاملات سے تھوڑا سا ملتا جلتا ہے۔"

"یعنی۔"

"بہت سے معاملات میں نزوی گروپ اپنے طور پر بھی کام کرتا ہے اور خود اس کے کارکن بعض معاملات کی تفتیش وغیرہ کیا کرتے ہیں۔"

"ویری گڈ، چلئے ٹھیک ہے اب آپ یہ سنئے کہ ہمارا واسطہ اب کفالت شاہ سے پڑے گا۔"

"کوئی خاص بات ہے!"

"بہت ہی خاص بات!"

"تو پھر فرمائیے!"

"ایک چھوٹی سی کہانی سننا پڑے گی آپ کو!"

"حاضر ہوں...... لکھنا تو نہیں ہوگی؟"

"نہیں، کہانیاں لکھنے کا کام ہمارا نہیں ہے۔"

"چلئے پھر سنائیے۔"

"تو پھر ایک اور شخص کا نام لکھئے آپ...... وہ ہے شامل بیگ...... یہاں محکمہ پولیس میں ایس آئی ہے۔" شہاب نے کہا اور پھر نہایت مختصر الفاظ میں لیکن موثر طریقے سے شامل بیگ کی سنائی ہوئی کہانی اس نے بینا کے سامنے دہرا دی، بینا کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے...... جب شہاب کہانی کا آخری جملہ تک سنا چکا تو بینا نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ اس بار پھر ایک اژدہا شکار کرنا پڑے گا ہمیں۔"

"بالکل مناسب الفاظ کہے آپ نے مس بینا!"

"واقعات جس انداز میں اور جس شخص کی معرفت علم میں آئے ہیں ان سے یہ احساس ہو جاتا ہے کہ اس میں ذرہ برابر جھوٹ نہیں ہے اور پھر بینا وہی انسانی کمزوری کی بات طاقت حاصل کرنے کے بعد وہ اپنے آپ کو طاقت کا دیوتا سمجھنے لگتا ہے حالانکہ وہ اتنا طاقتور نہیں

ہوتا۔ آخر کار اسے کسی نہ کسی وقت جال میں پھنسنا ہوتا ہے، جس طرح ہم اور بہت سے معاملات سے نمٹ چکے ہیں اسی طرح اب ہمیں اس دشمن کے خلاف کام کرنا ہوگا۔"

"جی اندازہ ہو رہا ہے۔"

"اور یہ تو ظاہر ہے کہ ہم اسے چھوڑیں گے نہیں۔"

"نہیں...... جب یہ بات ہمارے علم میں آگئی ہے تو پھر بھلا ہم یہ گناہ کیسے کر سکتے ہیں۔"

"گڈ تو بینا اب ذرا بالکل سنجیدہ گفتگو ہو جائے ہمیں اس طریقے کار کا تعین کرنا ہے جس کے تحت ہم اسکے خلاف تفتیش کا آغاز کریں گے اور آخر کار اسے کیفر کردار تک پہنچادیں گے۔"

"جی۔"

"ملزم کی فطرت کے بارے میں یہ اندازہ ہوا ہے کہ وہ اوباش ہے، بھیڑ کی کھال میں بھیڑیا اس نے روحانیت کا چکر چلا رکھا ہے اور ایسے لاتعداد واقعات ہمارے علم میں آچکے ہیں کہ اس قسم کے لوگ اپنی شکار گاہ میں شکار کھیلنے کے لئے بھیڑ کی کھال اوڑھ کر ہی جاتے ہیں، سمجھ رہی ہو نا تم اور اس کے بعد شکار کرتے ہیں لیکن ان کے گرد ایک مضبوط حصار ہوتا ہے اور وہ اس حصار میں اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے ہیں، ہمیں اس حصار کا بھی خیال رکھنا ہوگا اور یہ بھی سوچنا ہوگا کہ بھیڑیئے کے لئے چارہ کیا لگایا جائے!"

"جی۔"

"بینا میری باتوں کا برا تو نہیں مانتی ہو کبھی۔"

"کیوں؟" بینا نے چونک کر پوچھا۔

"کبھی کبھی ایسے الفاظ کہہ جاتا ہوں جو غیر مناسب ہوتے ہیں۔"

"مطلب!"

"مطلب یہ ہے کہ ہمیں اسے اپنے جال میں لانے کے لئے کوئی ایسا سنہرا جال پھینکنا ہوگا اور تم نے شاید کبھی آئینہ نہیں دیکھا۔"

"جی۔" بینا کچھ نہ سمجھ کر بولی۔

"تم سے زیادہ سنہری لڑکی میں نے آج تک اور کوئی نہیں دیکھی۔" شہاب نے کہا اور بینا چونک کر اسے دیکھنے لگی...... ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نظر آئے۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"میں تیار ہوں۔"

"یعنی...... یعنی؟"

"یہی کہنا چاہتے ہیں نہ آپ مسٹر شہاب کہ میری شخصیت سے کام لیں گے۔"

"بینا آپ شہنشاہ گروپ کی ایک اعلیٰ آفیسر ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ہی میری ہونہار ساتھی۔"

"ہونہار ساتھی۔" بینا ہنس پڑی۔

"اسسٹنٹ کہنا چاہتا تھا لیکن کاروباری لفظ ہو جاتا۔" شہاب نے مسکرا کر کہا۔

"آپ مجھے بتائیے کہ مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

"اتنا خوب صورت بننا ہوگا کہ وہ شخص دیکھ کر دیوانہ ہو جائے۔"

"اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی!"

"اگر آپ اس پر اعتراض کریں گی تو ہزاروں ترکیبیں...... لیکن یہ ایک مختصر راستہ ہے جس سے ہمیں آسانی سے وہاں تک رسائی حاصل ہو سکے گی۔"

"گویا آپ مجھے پھر داؤ پر لگائیں گے!"

"ہاں بینا میں آپ کو داؤ پر لگانا چاہتا ہوں لیکن آپ کی عزت کی حفاظت تو میری زندگی کے ہر سانس پر فرض ہے، جان کی بازی لگادوں گا آپ کے تحفظ کے لئے، اس سلسلے میں آپ قطعی بے فکر رہیں۔"

"ٹھیک ہے، لگایئے لگایئے جان کی بازی میرے تحفظ کے لئے...... مجھے کیا آپ ہی اپنا مال خرچ کر رہے ہیں۔"

"کیا واقعی؟"

"نہیں سنجیدگی کا دامن بالکل نہیں چھوڑنا ہے اس وقت۔" بینا نے کہا اور شہاب نے جلدی سے اپنی قمیض کا دامن پکڑ لیا...... بینا سنجیدہ ہونے کے باوجود ہنس پڑی۔

"باز نہیں آئیں گے نا آپ۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا مس بینا۔"

"اچھا اچھا خیر چھوڑیئے، طریقہ کار کیا ہوگا۔"

"طریقہ کار تلاش کرنا ہوگا۔"

"یعنی۔"

"بھئی ویسا ہی کوئی طریقہ کار جیسا ہم پچھلے ایک کیس میں اختیار کر چکے ہیں۔"

"ہوں آسانی ہوگی۔"

"میں نے کہا نا اس مشکل کا حل تلاش کرنا ہوگا۔"

"تو پھر میں کیا کروں۔"

"تیار رہئے گا، ویسے ماشاءاللہ آپ خاصی خوب صورت ہیں، لیکن ان دنوں اپنے حسن جاں سوز پر ذرا زیادہ نگاہ رکھئے گا۔"

"فضول باتیں بالکل نہیں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے ہم یہ طے کر چکے ہیں...... ویسے بینا کفالت شاہ کے اطراف کا بھی جائزہ لے لیا گیا ہے، میں شامل بیگ کو زیادہ شامل حال نہیں کرنا چاہتا، لیکن ایک بار پھر اس سے ملاقات کر کے کچھ اہم باتیں معلوم کروں گا اور اس کے بعد آپ کو آگاہ کروں گا۔"

"کب تک کا ارادہ ہے۔"

"شادی کا!"

"جی نہیں...... شاہ گڑھی جانے کا۔"

"اوہ اچھا ہاں...... بس بہت جلد یوں سمجھ لیجئے کہ کوئی موثر ذریعہ حاصل ہو جائے اس کے بعد ہم چل پڑیں گے، بھلا اس میں کیا دقت ہے۔"

"گروپ کے ساتھ رہنا ہے۔"

"گروپ کو صرف الرٹ کر دینا ہے...... فاصلہ زیادہ نہیں ہے شاہ گڑھی کا... ایمرجنسی ہوئی تو ٹرانسمیٹر پر کال کر کے بلا لیں گے۔"

"مناسب۔" بینا نے جواب دیا۔

"ویسے یہ کھانا بھی بہت مناسب تھا۔" شہاب نے کہا اور بینا ہنسنے لگی، پھر بولی۔

"چلیں۔"

"ابھی کہاں...... ابھی تو نجانے کتنا وقت لگے گا۔" شہاب اپنی شرارت سے باز نہیں آ رہا تھا، بینا اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھے بھی کچھ کام ہیں، آیئے چلیں۔"

"ٹھیک ہے۔" شہاب بھی اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

شہاب نے دوسری ملاقات خود شامل سے کی تھی اور شامل اسے اپنے فلیٹ کے دروازے پر دیکھ کر حیران رہ گیا تھا...... پھر وہ انتہائی ممنونیت سے اسے اندر لے گیا، بڑی عزت واحترام سے بٹھایا اور بولا۔

"آپ مجھے طلب کر لیتے سر۔"

"میرے سر میں کوئی خرابی ہوتی تو میں تمہیں طلب کرتا...... سر میں خرابی نہیں تھی اس لئے خود یہاں آ گیا، یہ بتاؤ مصروف ہو۔"

"نہیں شہاب صاحب بالکل نہیں۔"

"تھوڑی سی معلومات مجھے اور کرنی ہے کفالت شاہ کے بارے میں۔"

"جی...... جی۔"

"ظاہر ہے کفالت شاہ شادی شدہ ہوگا۔"

"جی سر...... اس کی پہلی بیوی مر چکی ہے۔"

"کیا نام تھا اس کا۔"

"شاہینہ۔"

"انتقال کیسے ہوا؟"

"سانپ نے کاٹ لیا تھا۔"

"ہوں، وہ بیٹا طارق شاہ اس کا ہے؟"

"جی۔"

"پہلی بیوی سے مراد یہ ہے کہ اس کی دوسری بیوی بھی ہے؟"

"جی ہاں۔"

"وہ کون ہے۔"

"اس کی اپنی دریافت، شاہ گڑھی کی ہی ایک لڑکی تھی، شملہ نام ہے۔"

"لڑکی۔"

"جی ہاں، اس کی عمر سے کافی چھوٹی۔"

"وہ ہے۔"

"جی ہاں۔"

"اس کے اہل خاندان۔"

"لاپتا ہو چکے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"سر اب جب صورت حال ہمارے سامنے ہے تو ان کے لاپتا ہونے کی وجہ بھی سامنے آجاتی ہے۔"

"یعنی زبردستی۔"

"ہاں۔"

"ویری گڈ، یہ کام کی بات ہوئی اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسا کردار موجود ہے جو مظلومیت کا شکار بھی ہے اور اس کی تحویل میں بھی ہے۔"

"پتا نہیں سر ایسے تو بہت سے افراد موجود ہوں گے۔"

"بہر حال وہ اہمیت رکھتا ہے اور طارق شاہ۔"

"وہ شاہینہ ہی کا بیٹا ہے۔"

"باپ بیٹے کے کیسے تعلقات ہیں؟"

"طارق شاہ کمسن ہے، سولہ سترہ سال کی عمر ہوگی...... ابھی ویسے جیسا کہ میں نے ابھی آپ سے عرض کیا کہ اس کے بارے میں ابھی کوئی ایسی رپورٹ نہیں ہے جو قابل توجہ ہو۔"

"ہوں، اچھا تو اب یہ بتاؤ کہ تم بذات خود ان معاملات میں کس حد تک حصہ لینا چاہتے ہو۔"

"سر زندگی کی بازی لگانے کے لئے تیار ہوں۔" شامل بیگ نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"اور اگر میں کہوں کہ زندگی کو قیمتی سمجھ کر اس کی بازی نہ لگاؤ تو۔"

"میں سمجھا نہیں سر۔"

"مطلب یہ کہ ان تمام معاملات سے بالکل بے تعلق ہو جاؤ۔"

"یہ سب کچھ آپ کے حکم پر منحصر ہے۔"

"تب پھر تم اسے میرا حکم نہ سمجھو بلکہ مصلحت سمجھو۔"

"جی۔"

"شامل اپنے آپ کو اس قدر غیر متعلق کر لو ان تمام معاملات سے جیسے ان سے تمہارا کوئی واسطہ ہی نہیں ہے اپنی تمام خدمات اس کے لئے پیش کر دو، مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ تم مجھ سے پہلے جا کر میری نشاندہی وہاں کر دو۔"

"سر آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔"

"نہیں شامل میں یہ چاہتا ہوں کہ اس کے ذہن میں تمہاری طرف سے شبہ کی ایک رتی بھی نہ پیدا ہو سکے، تم اسی طرح اس سے اپنی وفاداریوں کا اظہار کرتے رہو، میں اصل میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہیں یا تمہارے والدین کو کوئی نقصان پہنچے، پھر بعد میں جب صورت حال ہمارے قابو میں آجائے گی تو پھر ایک ایک کو دیکھ لیں گے، لیکن اس وقت تک شامل تم میری ہدایت کے مطابق اپنے آپ کو بالکل ان معاملات سے بے تعلق رکھو، اگر کبھی اتفاق سے وہ تمہیں طلب کر کے میرے بارے میں معلومات حاصل کرے تو بے شک تم اسے میرے بارے میں جو معلومات تمہیں حاصل ہیں وہ اسے دے دینا، بس میرے گھر کا پتا نہ بتانا، چاہے اس کے لئے وہ کتنی ہی کوشش کرے۔"

"جی سر، میں ان الفاظ پر بے حد شرمندہ ہوں۔"

"نہیں شامل ہم ان خون خوار بھیڑیوں سے لڑائی کا آغاز کر رہے ہیں، تمام پہلوؤں سے ہوشیار رہنا ضروری ہے اپنے والدین کو بالکل وہیں رہنے دو، جیسا کہ تمہارا پروگرام تھا کہ پہلے تم انہیں یہاں لے آؤ گے لیکن مصلحتاً ابھی انہیں وہاں سے مت لانا، کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا تو ہو سکتا ہے وہ تمہاری طرف سے بھی شبہ کا شکار ہو جائے۔"

"سر میں سمجھ رہا ہوں۔"

"بس مجھے یہی تمہیں بتانا تھا، اپنے آپ کو ان معاملات سے بالکل بے تعلق رکھو، اب تم خود سمجھدار آدمی ہو اگر اتفاق سے کوئی ایسا موقع آجائے کہ وہ تمہیں استعمال کرنے کے بارے میں سوچے تو تم استعمال ہوتے رہنا اور یہ کہنے کی مجھے ضرورت نہیں ہے کہ میرے علم ... مارہ کرے۔"

"جی سر۔"

"بس تمہیں یہی بتانا چاہتا تھا، اس کے بعد اجازت۔"

"سر، وہ کچھ چائے وغیرہ۔"

"یقین کرو اس وقت موڈ نہیں ہے، پھر کبھی سہی۔" شہاب نے کہا اور اس کے بعد شامل کے پاس سے اُٹھ گیا...... کوئی پروگرام نہیں تھا۔ آئندہ کا فائنل لائحہ عمل طے کرنا تھا لیکن اس کے لئے بینا کو تلاش کرنا ضروری تھا، لیکن بینا کی تلاش مشکل بھی نہیں تھی...... بینا کو ساتھ لے کر وہ اپنے مخصوص ہوٹل میں جا بیٹھا، بینا نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو مسٹر شہاب کسی نتیجے پر پہنچ چکے ہیں۔"

"ہاں بینا میرا خیال ہے اب ہمیں وقت نہیں ضائع کرنا چاہئے۔"

"یعنی روانگی۔"

"تمہارا کیا خیال ہے۔"

"بالکل...... کام شروع ہو جائے تو اس میں دیر کرنا مناسب نہیں ہوتا۔"

"تمہاری کوئی پرابلم تو نہیں ہے۔"

"کیسا پرابلم۔"

"میرا مطلب ہے، چلنے کے لئے تیار ہو۔"

"بالکل۔"

"اوکے...... اب مجھے چند ضروری انتظامات کرنے ہوں گے، آخر ہمیں کوئی حیثیت بھی اختیار کرنی ہوگی۔"

"فیصلہ کر لیا ہے!"

"نادر حیات صاحب سے مدد لیں گے۔"

"میرا خیال ہے اس کی ضرورت نہیں پیش آئے گی، لیکن بہر حال انہیں حالات سے آگاہ کرنا ضروری ہے...... محکماتی کارروائی کے طور پر انہیں کیس کی رپورٹ دینا ضروری ہے۔"

"یقیناً۔"

"بس تو تیار ہو جاؤ۔ میں آخری انتظامات کرتا ہوں۔"

شہاب نے کافی طلب کر لی اور کافی سے فارغ ہو کر وہ وہاں سے اُٹھ گئے۔

❁

نادر حیات نے پر محبت نگاہوں سے اپنے اس ہونہار آفیسر کو دیکھا...... پھر اسے بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود بھی بیٹھ گئے۔

"کیسے ہو شہاب۔"

"سر بالکل ٹھیک ہوں۔"

"کیا مصروفیات ہیں۔"

"کچھ وقت پہلے بالکل نہیں تھیں۔"

"اب؟"

"ہو گئی ہیں۔"

"میں سمجھ گیا تھا کہ ضرور کوئی ایسی بات ہے۔ کوئی کیس تلاش کیا ہے۔"

"جی ہاں۔"

"ہوں...... تفصیل بتاؤ۔"

"سر شاہ گڑھی کے جاگیردار کفالت شاہ کے بارے میں کچھ شکایات موصول ہوئی ہیں۔" شہاب نے کہا اور نادر حیات چونک پڑے۔

"اوہ......" انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"اور آپ اس سے واقف ہیں۔"

"پہلے نہیں تھا...... اب ہو گیا ہوں۔"

"مطلب یہ کہ میرے آجانے سے۔" شہاب نے کہا۔

"نہیں...... ضماک نزدوی کو جانتے ہو۔"

"جی...... ضماک پینل...... جو کفالت شاہ کے قانونی محافظ ہیں۔"

"ہاں...... کچھ لوگوں سے بات ہو رہی تھی، انہیں اس پینل سے شکایت ہے مجھے بتا گیا ہے کہ یہ پینل کبھی کبھی جارحانہ انداز اختیار کر لیتا ہے۔"

"اور اسے کفالت شاہ کا تعاون حاصل ہے۔"

"بالکل اور بتایا گیا ہے کہ کفالت شاہ سرکاری حلقوں میں بہت با اثر ہے۔"

"بالکل ٹھیک...... یہی اس کا مکمل تعارف ہے۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"شکایت کیا ہے؟"

"سر اس جمہوری دور میں کسی سرمایہ دار کو یہ حق کہاں حاصل ہے کہ وہ اپنی جاگیر میں انسانوں کی تقدیر کا مالک بن جائے...... لوگوں کی عزتیں اس کے قدموں تلے ہوں...... اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو یہ جرم ہے اور ہمیں مجرم کے خلاف سرگرم عمل ہونا ہے۔"

"کسی نے شکایت کی ہے۔"

"میرے علم میں آیا ہے۔"

"گویا کوئی باقاعدہ شکایت نہیں ہے۔"

"نہیں سر۔"

"پھر کیا کرو گے؟"

"تحقیقات۔"

"گویا اس کا جرم تلاش کرو گے۔"

"جی ہاں۔"

"یہ کہنے کی ضرورت تو نہیں ہے کہ ہوشیار رہنا ہوگا...... وہ بے شک کچھ نہ ہوگا لیکن اس کے اطراف مضبوط ہوں گے۔ تمہیں ان کا خیال رکھنا ہوگا۔"

"اللہ پر بھروسا ہے جناب۔"

"میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔"

"سرکاری طور پر میں رپورٹ تیار کرتا ہوں اور آپ کیس پر تفتیش کی اجازت دیجئے۔"

"ہاں ٹھیک ہے...... تم یہ کام کر کے میرے دستخط کرا لو۔"

"کام کر کے حاضر ہوا ہوں سر۔" شہاب نے اپنی جیب سے کاغذات نکالے اور نا

ت کے سامنے رکھ دیئے...... نادر حیات صاحب نے وہ ڈرافٹ پڑھا اور پھر اس پر دستخط کر کے اپنی مہر لگا دی...... پھر مسکرا کر بولے۔

"میرے بھرپور تعاون کے ساتھ میری دعائیں بھی تمہارے ساتھ شامل ہیں۔"

"مجھے ان دعاؤں پر پورا بھروسا ہے...... اجازت چاہتا ہوں۔" شہاب کاغذات سمیت روانہ ہو گیا۔

❁

شاہ گڑھی کا سارا نظام کفالت شاہ کے ہاتھوں میں تھا، سب کچھ اس کی مرضی سے ہوتا تھا لیکن کچھ امور ایسے بھی تھے جن سے اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی...... انہی میں سے ایک یہاں کی ڈسپنسری تھی...... ڈاکٹر کھوسہ یہاں کا انچارج تھا...... دو نرسیں دو وارڈ بوائے ایک ڈسپنسر تھے...... نرسیں ہی ڈاکٹر تھیں، خود ڈاکٹر کھوسہ شکار کا شوقین تھا اور کفالت شاہ کی اس پر نظر کرم تھی۔ بس کافی تھا...... مست مولا آدمی تھا کام چل رہا تھا۔

کچھ عرصہ قبل شاہ گڑھی میں ملیریا کی وبا پھیلی تھی اور خاصا نقصان ہوا تھا...... تب ڈاکٹر کھوسہ نے ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ کو لکھا تھا کہ اکیلا وہ اتنی بڑی آبادی کو نہیں سنبھال سکتا، اسے ایک ڈاکٹر اور ایک لیڈی ڈاکٹر درکار ہے۔ اس بات کو عرصہ بیت گیا تھا...... ملیریا ختم ہو گیا بات بھی ختم ہو گئی نہ ڈاکٹر کھوسہ کو اس کی پروا تھی کہ اس کی درخواست کا کیا بنا نہ محکمے والوں کو اس سے دلچسپی تھی...... بات ختم ہو گئی۔

اس وقت بھی موسم بے حد خوشگوار تھا اور ڈاکٹر کھوسہ اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا شکار کا منصوبہ بنا رہا تھا کہ ایک جیپ ڈسپنسری کے علاقے میں آ کر رکی...... بہت عمدہ شکاری جیپ تھی...... کھوسہ بے اختیار بول اُٹھا۔

"واہ...... کیا لاجواب چیز ہے۔"

"جیپ سے ایک خوبصورت اور بے حد سمارٹ لڑکی نیچے اُتری تھی۔

"واقعی...... بہت خوبصورت ہے۔" اس کے دوست نے کہا، "مگر کون ہے۔"

"کیا کون ہے؟"

"لل...... لڑکی۔"

"گدھے ہو تم...... میں جیپ کی بات کر رہا ہوں...... شکار کے لئے بہترین پہاڑوں کی

رانی، مگر واقعی...... کون ہیں یہ دونوں شاہ گڑھی کے تو نہیں ہو سکتے۔"

"ہونہہ...... شاہ گڑھی...... یہاں ایسے تر و تازہ لوگ کہاں ہوتے ہیں۔"

"سمارٹ لڑکی اور شاندار نوجوان ان کے قریب آگئے...... نوجوان نے قریب آکر کہا

"ڈاکٹر کھوسہ۔"

"ہاں میں ہوں...... فرمایئے۔"

"یہ لوگ کون ہیں۔"

"میرے دوست ہیں۔"

"آپ کو ان سے کب فرصت ملے گی۔"

"فرصت ہے...... فرمایئے۔"

"تنہائی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ایں...... ہاں...... آیئے۔" ڈاکٹر کھوسہ اپنی جگہ سے اُٹھ گیا، پھر وہ آر ایم او کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ "تشریف رکھئے۔" کرسیوں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"شکریہ...... میرا نام ابن ثاقب ہے اور یہ بینا واسطی ہیں۔"

"ٹھیک ہے...... آگے کہئے۔"

"یہ ہمارے کاغذات......" نوجوان نے فائل سامنے کرتے ہوئے کہا جو اس کے ہاتھ میں تھی۔

"کاغذات...... کیسے کاغذات۔"

"آپ دیکھ لیجئے۔"

"ایں...... ہاں...... ضرور۔" ڈاکٹر نے کاغذات کھول لئے پھر وہ انہیں غور سے دیکھتا رہا...... پھر بولا۔ "اوہو...... آپ دونوں ڈاکٹر ہیں۔"

"جی نہیں۔" شہاب بولا۔

"کیا۔"

"ابھی کہاں ڈاکٹر ہیں...... ہاؤس جاب بھی مکمل نہیں ہوا لیکن کام چل گیا۔"

"کیسے؟"

"بس والد صاحب ایک بڑے عہدے پر ہیں...... سفارش ہو گئی اب یہاں کچھ سیکھ لیں

کم از کم نوکری تو ملی۔"

"یہاں سیکھ لو گے......" ڈاکٹر کھوسہ نے قہقہہ لگایا۔

"جی آپ کے قدموں میں رہ کر۔"

"ایک بات کہوں...... بالکل صحیح جگہ آئے ہو۔"

"جی یقیناً۔"

"میاں پوری بات سن لو...... اس کے بعد تم بھی میری طرح قہقہے لگاؤ گے۔"

"سنایئے سر۔" شہاب دلچسپی سے بولا۔

"یقین کرو...... تم یہاں سیکھنے آئے ہو نا، مگر میرا دعویٰ ہے کہ جو کچھ پڑھا ہے وہ بھی بھول جاؤ گے۔"

"وہ کیسے؟" شہاب حیرت سے بولا۔

"جیسے میں بھول گیا۔"

"آپ کیسے بھول گئے جناب۔" بینا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... وہ میں بتاتا ہوں...... پہلی بات...... یہاں کی آب و ہوا بہت اچھی ہے...... لوگ بیمار نہیں ہوتے...... خواتین کی ضروریات ان کے گھروں میں پوری ہو جاتی ہیں، زیادہ سے زیادہ ناصرہ اور حمیدہ چلی جاتی ہیں۔"

"ناصرہ اور حمیدہ کون ہیں؟"

"ان ٹرینڈ نرسیں ہیں۔"

"ان ٹرینڈ؟" شہاب ہنس پڑا۔

"ان کے رشتے داروں میں بھی کوئی عہدے دار ہوگا...... اگر کوئی رشتے دار عہدے دار ہو تو پھر ٹریننگ وغیرہ کا جھگڑا بے کار ہوتا ہے...... پوری ڈسپنسری وہی چلاتی ہیں، میرا کوئی دخل نہیں ہوتا۔"

"بہت خوب۔"

"چنانچہ عیش کرو۔"

"لیکن سر...... آپ نے ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ کو لکھا تھا۔"

"میاں نہ لکھتا تو لکھنا پڑھنا بھی بھول جاتا۔" ڈاکٹر کھوسہ نے کہا پھر بولا۔ "اب یہاں

کوئی کام ہی نہیں ہے تو کیا کریں...... ویسے زیادہ تر بیماریوں کا علاج شاہ جی کرتے ہیں۔"

"وہ ڈاکٹر ہیں۔"

"نہیں۔"

"پھر کون ہیں؟"

"شاہ گڑھی کے بادشاہ...... عامل...... روحانی علاج کے ماہر اور۔" اچانک ڈاکٹر کھوسہ نے چونک کر بینا کو دیکھا...... پھر بولا۔ "بہر حال ٹھیک ہے۔ تم دونوں جب تک دل چاہے یہاں عیش کرو...... کوئی مشکل نہ ہوگی...... رہائش بہت ہے...... سارے کام آسانی سے ہو جاتے ہیں...... آج کے لئے اتنا ہی کافی ہے...... ہاں ایک بات بتاؤ؟"

"جی۔"

"یہ جیپ سرکاری ہے۔"

"جی نہیں۔"

"تمہاری اپنی ہے۔"

"جی ہاں۔"

"کچھ ادھار قرض کے قائل ہو۔"

"سمجھا نہیں۔"

"کبھی کبھی یہ جیپ ادھار دے دیا کرو گے۔"

"آپ کو۔"

"ہاں۔" ڈاکٹر کھوسہ نے کہا...... "اصل میں جیپ میرے پاس بھی ہے مگر کمبخت عمر میں مجھ سے بھی بڑی ہے...... کانپتی اور کھانستی رہتی ہے...... شکار کا سارا مزہ خراب کر دیتی ہے...... میں کبھی کبھی احتیاط سے چلایا کروں گا۔"

"ضرور ڈاکٹر صاحب...... آپ جب دل چاہے اسے استعمال کریں۔" شہاب نے کہا۔

"ایڈوانس شکریہ...... میں سب کو بلا کر تمہارا تعارف کر دیتا ہوں...... ابھی آیا۔" ڈاکٹر کھوسہ اُٹھ کر باہر نکل گیا۔

❁

دونوں کمرے پرانے طرز کے بنے ہوئے تھے، چونکہ پرانے طرز کے تھے اس لئے

حفظان صحت کے تمام تقاضے پورے کرتے تھے...... بے حد کشادہ، روشن اور ہوادار تھے...... باتھ روم بھی صاف ستھرے تھے۔

"کمرے شاندار ہیں۔" بینا نے پسندیدگی سے کہا۔

"اور ماحول بھی۔"

"سب مزے کر رہے ہیں...... کوئی کام نہیں ہے اور تنخواہ لگی ہے۔"

"ہوں۔ اور ڈاکٹر کھوسہ۔"

"کیا خیال ہے اس کے بارے میں۔" بینا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"دلچسپ اور لاابالی آدمی ہے...... البتہ کفالت شاہ کا نام لے کر اس نے ایک بار تشویش کی نظروں سے تمہیں دیکھا تھا۔"

"اتنے ٹکڑے کروں گی اس کفالت شاہ کے کہ کوئی گن بھی نہ سکے گا...... بینا اب وہ پرانی بینا نہیں ہے۔" بینا نے کہا اور شہاب مسکرانے لگا، پھر بولا۔

"ویسے معرکہ زبردست رہے گا۔" ایک مشکل تو خود بخود حل ہو گئی۔

"وہ کیا؟"

"یہاں کے معاملات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے ڈاکٹر ہونے کا بھرم رہ جائے گا۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے۔" بینا نے ہنستے ہوئے کہا۔ بس جیپ کی رشوت دینی ہوگی۔"

"پورا اسٹاف ایک ہی رنگ میں رنگا ہوا ہے...... سب مزے کر رہے ہیں۔" ڈاکٹر کھوسہ جیپ ادھار لے کر نکل گیا تھا اور دوپہر کے بعد بارش ہونے لگی تھی، چنانچہ ناصرہ اور حمیدہ آگئیں...... وہ ان کے لئے کچھ لائی تھیں۔

"کیا ہے یہ؟" بینا نے پوچھا۔

"پکوڑے...... گلگلے...... بارش کا تحفہ ڈاکٹرنی صاب...... کھا کر دیکھو جی یہ چٹنی ہے۔"

"شکریہ؟ تم نے پکائے ہیں۔"

"دونوں نے جی؟ آپ آئے تو ابر رحمت چھا گیا۔"

"تم لوگوں نے کھائے۔"

"نہیں جی...... اب کھائیں گے۔"

"تو پھر ہمارے ساتھ ہی بیٹھ جاؤ۔" دونوں نرسیں ان کے رویئے سے خوش تھیں...... بینا ان سے سوالات کرنے لگی...... انہوں نے بھی وہی سب کچھ بتایا تھا جو ڈاکٹر کھوسہ نے...... پھر بینا چالاکی سے کفالت شاہ پر آ گئی...... شہاب بظاہر بے تعلق نظر آ رہا تھا لیکن اس کے کان اسی گفتگو پر لگے ہوئے تھے۔

"سنا ہے بہت بڑے بزرگ ہیں کفالت شاہ صاحب۔"

"ملی ہو ان سے۔" حمیدہ نے کہا۔

"نہیں۔"

"کبھی نہ ملنا...... بے موت ماری جاؤ گی۔"

"کیوں؟"

"عورت خور ہے...... دانت لگائے بغیر کھا جاتا ہے۔"

"ارے نہیں...... لوگ تو بڑی عزت کرتے ہیں ان کی۔"

"کسی کو بڑی قسم دے کر پوچھنا...... پھر وہ بتائے گا کہ کون کتنی عزت کرتا ہے اس کی۔" حمیدہ نے کہا۔

"کیا مطلب؟" بینا نے حیرانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"بس جو کہا ہے نا آپ سے وہ کر کے دیکھ لینا آپ کو پتا چل جائے گا یہاں اس کی کتنی عزت کی جاتی ہے۔"

"حمیدہ مجھے کچھ بتاؤ تو سہی؟"

"بی بی جی، یہاں بتانے کی سزا موت ہوتی ہے۔" اس بار ناصرہ نے کہا۔

"اوہو اس کا مطلب ہے کہ تم مجھ پر شک کرتی ہو۔" بینا نے منہ پھیلاتے ہوئے کہا۔

"ارے بی بی کیسی باتیں کرتی ہو...... بھلا آپ پر شک کیوں کریں گے ہم۔" ناصرہ حیرت سے بولی۔

"تو اور کیا؟"

"مگر اس میں آپ پر شک کی کیا بات ہوئی ڈاکٹرنی صاحبہ۔"

"تو یہاں اس وقت کیا کفالت شاہ کے آدمی بیٹھے ہوئے ہیں...... میں ہی تو ہوں جو تم سے پوچھ رہی ہوں اور تم کہہ رہی ہو کہ بتانے کی سزا موت ہوتی ہے۔" بینا نے کسی قدر

ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"ارے نہیں نہیں یہ مطلب نہیں۔"

"تو پھر کیا مطلب ہے۔"

"اگر آپ کی زبان سے یہ بات کہیں باہر نکل گئی تو گردن کس کی پھنسے گی۔"

"تو میں اور کیا کہہ رہی ہوں...... یہی تو کہہ رہی ہوں کہ تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں ہے...... ٹھیک ہے ناصرہ میں نہیں پوچھتی۔" بینا نے ناراض ہونے کا مظاہرہ کیا۔

"نہیں ڈاکٹرنی صاحبہ آپ اتنی پیاری ہو جی آپ پر تو ہم کوئی شبہ کر ہی نہیں سکتے...... اصل میں میں آپ کو بتاتی ہوں۔" ناصرہ سب کچھ بتانے پر آمادہ ہو گئی، پھر وہ کہنے لگی۔

"ڈاکٹرنی صاحبہ وہ ایک خونخوار آدم خور ہے...... آدم خور نہیں بلکہ میں نے آپ سے پہلے بھی کہا ہے کہ عورت خور ہے، بہت سے ایسے دُکھ بھرے واقعات ہو چکے ہیں یہاں کہ اگر ان پر غور کرو تو دل چاہتا ہے کہ چیختے ہوئے یہاں سے بھاگ نکلو...... ہائے کیسی کیسی معصوم لڑکیاں اس کی بھینٹ چڑھ گئی ہیں...... سب ہی جانتے ہیں کہ اصل بات کیا ہے، لیکن سب ہی نے آنکھیں بند کر لی ہیں...... یہاں تک کہ ان لوگوں نے بھی جن کے گھر میں یہ حادثے ہوئے ہیں...... بس کسی طرح اس کم بخت کی نظر پر چڑھ جائے کوئی سمجھ لو جی بچنا مشکل ہو جاتا ہے...... ہزار حیلے بہانے سے اٹھوا لیتا ہے، بلوا لیتا ہے اور پھر دو ہی صورتیں ہوتی ہیں...... اگر لڑکی عزت دار ہوئی اور اس نے خاموشی اختیار نہ کی تو پھر یوں سمجھ لو کہ کہیں نہ کہیں سے اس کی لاش برآمد ہو جاتی ہے۔"

"مگر یہ کیسے پتا چلتا ہے کہ اس نے اپنی عزت کھو دی ہے۔"

"بس ڈاکٹرنی صاحب پتا چل جاتا ہے، آخر ہم بھی تو ہیں یہاں سب سمجھتے ہیں...... سب جانتے ہیں۔"

"ڈاکٹر کھوسہ بھی جانتے ہیں۔"

"کون نہیں جانتا جی آپ یہ سمجھ لو کہ یہاں جو قدم جمانا چاہتا ہے اس کفالت شاہ کے زیرِ کفالت آنا پڑتا ہے اور اگر کسی نے سرکشی کی تو باہر کا ہو تو کبھی واپس نہیں جاتا...... بستی کا ہو تو کہیں نہ کہیں زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور مجال ہے کہ کوئی یہ ثابت کر جائے کہ یہ کفالت شاہ کا شکار ہوا ہے۔"

"تب تو وہ بہت خطرناک آدمی ہے؟"

"دیکھو ڈاکٹرنی صاحب ہم اتنا تو نہیں جانتے کہ ڈاکٹر بننے کے لئے کیا کیا تجر
ضروری ہوتے ہیں، لیکن آپ کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا کا کوئی تجربہ ابھی آپ
نہیں ہے...... ہماری جانو تو ایک کام ضرور کرنا۔"

"ہاں بولو۔"

"بے ضرورت باہر مت نکلنا اور کوشش کرنا کہ کبھی کفالت شاہ کی نظر میں نہ آسکو۔"

"بڑی خطرناک بات ہے۔"

"بات واقعی خطرناک ہے جی...... لیکن جو آپ سے کہا ہے وہ آپ کی بھلائی کے لئے
ہے...... آپ کی عمر ہی کیا ہے اور پھر اللہ نظر نہ لگائے اتنی خوب صورت ہو کہ کفالت شاہ تو
آپ کو ایک نظر دیکھتے ہی پاگل ہو جائے گا اور اس کے بعد آپ کے لئے کام شروع ہو جائے گا
جی...... مگر ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے آپ آئی ہو تو کچھ موٹی موٹی باتوں کا خیال رکھنا
حالانکہ یہ مشکل ہی ہے؟"

"کیا؟" بینا نے سوال کیا۔

"یہی کہ آپ کفالت شاہ کی نگاہوں سے دُور رہیں...... ایک بات بتاؤ ڈاکٹرنی صاحب؟"

"پوچھو۔"

"یہ جو بڑے ڈاکٹر صاحب آئے ہیں نا آپ کے ساتھ یہ آپ کے کون ہیں۔"

"کوئی نہیں حمیدہ...... ظاہر ہے ہم لوگ ایک پیشے سے تعلق رکھتے ہیں شہر کے بڑے
ہسپتال میں ہم دونوں ساتھ ہی ہاؤس جاب کرتے تھے، اس کے بعد ہماری ڈیوٹیاں بھی ایک
ہی جگہ لگائی گئی ہیں۔"

"معاف کرنا جی...... انہیں بھی سمجھا دینا یہ بات ذرا خیال رکھیں، کبھی کفالت شاہ کا
راستہ کاٹنے کی کوشش نہ کریں...... ویسے تو یہ سرکاری ہسپتال ہے آپ کو پتا ہے کہ یہاں کے
سارے علاج کفالت شاہ ہی کر لیتا ہے...... الٹے سیدھے ٹونے ٹوٹکے بتا دیتا ہے لوگوں کو، کبھی
کبھی کسی کو فائدہ بھی ہو جاتا ہے...... خود اپنے پاس جڑی بوٹیاں بھی رکھتا ہے، ایک اور خاص
بات بتائیں آپ کو۔"

"ہاں ضرور...... ظاہر ہے میں اگر تم سے یہاں کے بارے میں معلومات حاصل نہیں

روں گی تو کس سے کروں گی۔"

"ایک بات ڈاکٹر کھوسہ نے بھی کہی تھی اور ہم نے بھی اس کا تجربہ کیا تھا۔"

"کیا۔"

"جب کفالت شاہ کسی لڑکی کو ختم کرنا چاہتا ہے تو عام طور سے یہی دیکھا گیا ہے کہ وہ
سانپ کے کاٹے کا شکار ہوتی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"اندازہ یہی ہے کہ کفالت شاہ نے زہریلے سانپ پال رکھے ہیں اور جب کسی کو ختم
کرانا ہوتا ہے اسے تو وہ اس پر سانپ چھوڑ دیتا ہے، ہمارے پاس کئی رپورٹیں آئی ہیں، ڈاکٹر
کھوسہ نے پوسٹ مارٹم بھی کیے ہیں...... سانپ کے کاٹے کے نشان بھی ملتے ہیں اور سانپ
ہی کا زہر ان کے جسموں میں پایا جاتا ہے۔" حمیدہ نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

بینا نے ایک جھرجھری سی لی تھی...... پھر اس نے کہا۔

"تو کیا وہ سپیرا ہے؟"

"اتنے بڑے لوگوں کے لئے سپیرا ہونا ضروری تو نہیں ہے...... ہزاروں سپیرے اس
کے لئے کام کرتے ہوں گے۔"

"کبھی کوئی ایسا جیالا نہیں پیدا ہوا یہاں تمہاری اس شاہ گڑھی میں جو کفالت شاہ کے ان
گندے اعمال کو منظر عام پر لائے۔"

"نہیں جی...... حالانکہ بستی کے لوگ اس بات کی آرزو کرتے ہیں کہ کوئی ایسا جوان
اس بستی میں بھی پیدا ہو جائے جو انہیں کفالت شاہ کی برائیوں سے نجات دلا دے۔"

"یہاں پولیس چوکی بھی تو ہے؟" بینا نے کہا اور حمیدہ ہنس پڑی۔

"ہاں پولیس والا افسر جو ہے نا وہ سب سے پہلے صبح ہونے کے بعد اللہ کا نام لینے کی
بجائے کفالت شاہ کا نام لیتا ہوگا، اسی کے بل پر چل رہا ہے وہ۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" بینا نے آہستہ سے کہا۔ پھر بولی۔

"بہر حال تم لوگ بہت اچھی ہو...... میری دوست ہو، بھول کر بھی نہ سوچنا کہ
میرے اور تمہارے درمیان کوئی ایسا رشتہ ہے، میں تمہیں اپنی دوست سمجھتی ہوں۔"

"آپ کی مہربانی جی...... اس طرح ذرا ساتھ رہنے میں مزہ آجاتا ہے، کفالت شاہ کی

بات بھی ہم نے آپ کو اس لئے بتائی۔"

"کفالت شاہ شادیاں کرنے کا شوقین نہیں ہے۔"

"نہیں جی...... اسے اس کی ضرورت ہی نہیں پیش آتی اپنی پسند ہر طرح حاصل کر لیتا ہے۔"

"اس کی موجودہ بیوی کون ہے۔"

"شملہ......" حمیدہ نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"کیوں تم نے ٹھنڈی سانس کیوں بھری۔"

"بس ڈاکٹرنی صاحب عجیب سی کہانی ہے شملہ کی بھی۔"

"کیا۔"

"یہیں کی بچی ہے، اچھا خاصا گھر تھا، بڑے عزت دار لوگ تھے اس کے ماں باپ...... پر نجانے کہاں چلے گئے گم ہی ہو گئے جی۔"

"کیا مطلب!"

"چند افراد پر مشتمل گھرانہ تھا...... فضل کامل شملہ کا باپ تھا، کرم کامل اس کا بیٹا، بیوی اور بے چاری شملہ...... پھر یوں ہوا بستی والوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ شملہ کفالت شاہ کی نگاہ پر چڑھ گئی...... اس وقت شاید وہ ناتجربے کار تھا تھوڑا سا...... شادی کے لئے بات کی فضل کامل سے اور بستی والوں کا کہنا ہے کہ فضل کامل نے انکار کر دیا، لیکن پھر شملہ سے شادی بھی ہو گئی...... کفالت شاہ کی اور اس کے بعد فضل کامل، کرم کامل اور اس کی بیوی کی یہاں سے کہیں چلے گئے۔"

"شملہ اس کی بیوی ہے اب بھی۔"

"ہاں جی...... پکی حویلی میں رہتی ہے، مگر شاید ہی کبھی کسی سے اس کی ملاقات ہوئی ہو۔"

"اور اس کے ماں باپ کا پتا نہیں چل سکا۔"

"جو لوگ قبر کی گہرائیوں میں دفن ہو جاتے ہیں ان کا کبھی پتا نہیں چلتا ڈاکٹرنی صاحب۔"

"اور کفالت شاہ کی پہلی بیوی شاہینہ۔"

"اس کا پوسٹ مارٹم ڈاکٹر کھوسہ نے ہی کیا تھا۔"

"کیا مطلب۔"

"سانپ کے کاٹے کا شکار ہو گئی تھی۔"

"اور بیٹا۔"

"بیٹا اس کی آنکھوں کا نور ہے اس کے بعد ہونے والا شاہ...... بھلا اسے کیا نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

بینا خاموش ہو گئی...... شہاب نے اس انداز میں ایک ہاتھ اٹھایا جیسے آستین سیدھی کر رہا ہو، لیکن اصل میں یہ ایک اشارہ تھا بینا کے لئے جو کہ معلومات وہ حاصل کرنا چاہتا ہے فی الحال اسے حاصل ہو گئی ہیں اور انہی پر بس کر لیا جائے...... زیادہ گفتگو کرنے سے یہ عورتیں کہیں کسی شبہے کا شکار نہ ہو جائیں، چنانچہ بینا خاموش ہو گئی۔

"آپ کھاؤ جی اور کھاؤ۔"

"نہیں حمیدہ بس تمہارا بے حد شکریہ...... ویسے واقعی کے لحاظ سے تم نے زبردست کام کیا ہے، میں تمہاری شکر گزار ہوں...... باقی بچے ہوئے تم لے جاؤ دوسروں کے کام آجائیں گے۔" اور اس کے بعد وہ دونوں وہاں سے اُٹھ گئی تھیں۔

ان دونوں کے جانے کے بعد بینا نے شہاب سے کہا۔

"گویا اس کے بعد آپ کو مزید معلومات کی ضرورت نہیں تھی۔"

"اس کے بعد وہ ہمیں کچھ معلومات فراہم بھی نہیں کر سکتی تھیں بینا۔" شہاب نے جواب دیا۔

"ہوں...... تو سر پھر اب کیا پروگرام ہے۔"

"معاملات مجھے لگتا ہے کہ خاصی کامیابی کے ساتھ آگے بڑھیں گے، ہم نے بہت ہی مختصر وقت میں ٹھیک ٹھاک معلومات حاصل کر لی ہیں اب اس کے بعد ہم اپنے کام کا آغاز خوبصورتی سے کر سکیں گے۔"

"ایک بات بتائیے مسٹر شہاب؟"

"جی۔"

"ان لوگوں کی ضرورت تو نہیں ہے۔"

"شہنشاہ گروپ کی۔"

"ہاں۔"

"میرا خیال ہے ابھی نہیں ہے جب ضرورت ہو گی انہیں طلب کر لیں گے۔"

"او کے...... اب اس کے بعد ہمیں نیا پروگرام ترتیب دینا ہے۔" بینا نے کہا اور شہاب سوچ میں ڈوب گیا...... پھر ڈاکٹر کھوسہ آ گیا۔

"تم لوگ یہاں آکر کسی پریشانی کا شکار ہو۔" اس نے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔

"نہیں سر...... آپ کو یہ خیال کیوں آیا۔"

"تمہاری سرد مہری دیکھ کر۔"

"نہیں سر...... بہر حال اجنبی جگہ ہے۔" شہاب نے مسکرا کر کہا۔

"ایک ایسی جگہ بھی اجنبی ہوتی ہے جہاں انسان پیدا ہو جوان اور پھر بوڑھا ہو جاتا ہے...... کیا سمجھے۔" اس نے کہا۔

"آپ سمجھیں مس بینا۔" شہاب نے بینا کو گھورتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔" بینا معصومیت سے بولی۔

"خرگوشوں کی طرح سہمے سہمے ایک گوشے میں بیٹھے رہو گے تو ماحول سے اجنبی رہو گے۔"

"تو پھر کیا کریں سر۔"

"یہ جیپ جو ساتھ لائے ہو اس میں آگ لگا دو۔"

"جی؟" شہاب حیرت سے بولا۔

"میرے پاس ایسی جیپ ہوتی تو اب تک میں دُنیا کے سفر پر نکل چکا ہوتا، برخوردار اور برخورداری گھومو پھرو ہنسو، بولو لائف انجوائے کرو۔"

"سر ڈیوٹی از ڈیوٹی۔"

"بکومت۔" ڈاکٹر بے اختیار بولا...... پھر چونک کر انہیں دیکھا اور بولا۔ "سوری...... تم نے یہاں کسی کو ڈیوٹی کرتے دیکھا ہے، بولو دیکھا ہے۔"

"اور آپ۔"

"میری طرف سے کوئی پابندی نہیں ہے...... یہاں کام کرنے کا کوئی رواج نہیں ہے اور کام بھی نہیں ہے...... تم ڈیوٹی پر الرٹ رہو گے تو لوگ تمہیں بے وقوف سمجھیں گے، تمہاری مرضی ہے بے وقوف کہلاؤ۔"

"اور پھر ہم کیا کریں۔"

"جتنے عرصے یہاں ہو عیش کرو...... تعلیم حاصل کی ہے...... ہاؤس جاب کیا ہے...... ان پورے دور کی تھکن اتارو اور جب تازہ دم ہو جاؤ تو یہاں سے کسی اور جگہ اپنا ٹرانسفر کرا لو ورنہ جو لکھا پڑھا ہے سب بھول جاؤ گے۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور دروازے کی طرف چل پڑا...... پھر دروازے پر رک کر بولا۔

"میری طرح۔"

پھر وہ باہر نکل گیا۔

ڈاکٹر کھوسہ واقعی مزے کا آدمی تھا اور پھر اس مختصر وقت میں ان لوگوں نے یہ اندازہ بھی لگا لیا تھا کہ واقعی شاہ گڑھی میں ڈسپنسری کا ہونا یا نہ ہونا یکساں ہی حیثیت رکھتا ہے، کوئی رخ ہی نہیں کرتا تھا اس کی وجہ بھی غالباً یہی ہو سکتی ہے کہ یہاں آنے والے کو کبھی کوئی فائدہ ہی نہ ہوا ہو گا، کوئی توجہ ہی نہیں دیتا تھا، بس نام نہاد ڈسپنسری چل رہی تھی...... بہر حال ان دونوں نے اب تک یہاں کے حالات کا بہترین تجزیہ کر لیا تھا اور اپنے لئے لائحہ عمل بھی طے کر لیا تھا کہ انہیں کس انداز میں کام کرنا ہے، ڈاکٹر کھوسہ ان کی جیپ سے بہت خوش تھا اور دوبارہ اس کو لے جا چکا تھا...... شہاب نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا تھا...... ظاہر ہے کہ یہاں سب کے تعاون سے کام کرنا تھا، ماحول بھی ٹھیک ٹھاک تھا، سرکاری تنخواہیں ملتی تھیں، پھر بھلا کس کو کسی الجھن میں مبتلا ہونا پڑتا...... آخر کار طے شدہ منصوبہ کے تحت انہوں نے شاہ گڑھی کا پہلا چکر لگایا اور اس کے مختلف علاقوں کو دیکھتے رہے، فیض نامی ایک وارڈ بوائے ان کی رہنمائی کر رہا تھا اور ہر جگہ کے بارے میں بتاتا جا رہا تھا، چھوٹی سی آبادی کا گھومنا پھرنا ہی کیا لیکن شاہ گڑھی کے آس پاس کے علاقے بھی کافی خوبصورت تھے، باغات لہلہا رہے تھے...... پھلوں سے لدے ہوئے تھے، البتہ یہ ایک دلچسپ بات تھی کہ یہاں چوریاں وغیرہ نہیں ہوتی تھیں، خصوصاً باغات کے یہ لدے پھل لوگوں کو للچاتے نہیں تھے...... آخر کار شہاب نے کہا۔

"بینا، یہاں جو کچھ دیکھا ہے ہم نے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ لوگ خوش تو نہیں ہیں لیکن جو کفالت شاہ کے ساتھ تعاون کرتے ہیں انہیں کوئی پریشانی بھی نہیں ہے۔"

"ہاں۔"

"اب اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ تم کفالت شاہ کی نگاہوں میں آؤ۔" بینا نے مسکرا کر شہاب کو دیکھا تو شہاب نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔

"بینا اول تو تم ہی ایک ایسے شخص کے لئے کافی ہو جو بدکار ہے، باقی رہا دوسرا معاملہ تو تم اطمینان رکھو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تمہاری عزت پر کوئی حرف آیا تو شاید ایک نئی کہانی جنم لے۔"

"جذباتی ہوگئے۔"

"تمہارے سلسلے میں بینا میں بہت جذباتی ہوں۔" شہاب نے سنجیدہ لہجے میں کہا اور بینا اسے چونک کر دیکھنے لگی پھر بولی۔

"شہاب۔"

"ہاں بینا، کیا سمجھتی ہو تم مجھے۔"

"سوری یار میں نے تو بس ایسے ہی شرارت سے کہہ دیا تھا۔"

"سوری بینا لیکن بہر حال انسان ہوں، کبھی کبھی جذبات اُبھر ہی آتے ہیں۔"

"بڑا مزہ آیا اس گفتگو میں۔"

"تو پھر اب تم یوں کرو اطراف بھی دیکھ لئے ہیں اب تم نے، اب ہم اس کمبخت کے بارے میں یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ اس کے اپنے مشاغل کیا ہوتے ہیں، تم یوں کرو کہ چوبیس گھنٹے کا ایک پروگرام ترتیب دے لو، بلکہ چوبیس گھنٹے نہیں، ظاہر ہے رات تو اس میں شمار نہیں کی جاسکتی، بارہ بارہ گھنٹے، یعنی پورا پورا دن، جیپ لے کر اطراف کا جائزہ لو اور کوشش کرو کہ اس کی نگاہ میں آؤ اور اگر اس طرح نہ ممکن ہو سکا تو پھر دوسرا قدم اُٹھائیں گے۔"

"وہ کیا ہوگا؟"

"ڈاکٹر کھوسہ ہمیں اس کمبخت کے پاس لے جائے گا اور ہم اس سے سپاس گزاری کا مظاہرہ کریں گے، ظاہر ہے اس کی قدم بوسی سے لوگوں کو فائدے ہی ہوتے ہوں گے۔"

"ہوں، ٹھیک ہے ایسا کرلیں گے۔" بینا نے جواب دیا اس کے بعد بینا جیپ لے کر نکل کھڑی ہوئی، صبح نو بجے ناشتے سے فراغت ہونے کے بعد وہ جیپ لے کر آوارہ گردی کو نکل گئی تھی...... ڈاکٹر کھوسہ آرام سے اپنا کام کرتا رہتا تھا، وہ اسی بات کا قائل تھا کہ جیو اور جینے دو، خود بھی عیش کرو اور دوسرے کے عیش میں دخل اندازی نہ کرو، بس اپنے شوق کا شکار

تھا...... بینا تھوڑی سی دور چلی تھی کہ سورج چھپ گیا، آسمانوں پر بادلوں کے ٹکڑے جمع ہونے لگے، اس دوران وہ اس علاقے کو اتنا دیکھ چکی تھی کہ کہیں بھی ہو ڈسپنسری واپس پہنچنے میں اسے کوئی وقت نہیں تھی، پھر وہ باغات کے ایک سلسلے کے پاس سے گزر رہی تھی کہ اس نے ایک خوبصورت اور قیمتی گاڑی دیکھی، یہاں اس جگہ اتنی قیمتی کار ظاہر ہے صرف ایک ہی شخص کے پاس ہو سکتی تھی اور وہ تھا کفالت شاہ چنانچہ بینا نے عقب نما آئینے میں کار کا جائزہ لینے کے بعد اپنا عمل شروع کر دیا اور فوراً ہی ایک ایسے پتھر پر اپنی گاڑی کا پچھلا ٹائر چڑھا دیا جو خاصا اونچا تھا اور اس کے بعد اس نے انجن بند کر دیا...... پھر وہ نیچے اتری اور پتھر پر چڑھے ہوئے ٹائر کو دیکھنے لگی، اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے، سفید رنگ کی قیمتی کار، سست رفتاری سے اسی طرف آرہی تھی، چنانچہ چند لمحات کے بعد وہ اس کے قریب پہنچ گئی اور اس سے ایک خوبصورت سا نوجوان نیچے اتر آیا، بینا نے ایک لمحے میں اس کا جائزہ لے لیا تھا، عمر سولہ، سترہ یا اٹھارہ سال کے قریب ہوگی، بہت ہی معصوم چہرہ تھا لیکن جسامت سے وہ ایک مکمل مرد معلوم ہوتا تھا...... چہرے کی معصومیت ہی عمر کا احساس دلاتی تھی، اس نے عجیب سی نگاہوں سے بینا کو دیکھا اور بینا کے ہونٹوں پر ایک دل آویز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہیلو۔" اس نے آہستہ سے کہا، یہ دیکھ چکی تھی کہ نوجوان کار میں اکیلا ہی ہے اس کے مخاطب کرنے سے نوجوان کی ہمت بھی بندھی اور وہ دو قدم آگے بڑھ آیا۔

"ہیلو۔"

"دیکھ رہے ہیں آپ اس پتھر نے کس طرح مجھ پر پتھراؤ کیا ہے۔" بینا بولی اور نوجوان مسکرادیا۔

"پتھر اور پتھراؤ؟"

"تو اور کیا، مجھے اندازہ ہی نہیں تھا کہ جیپ کا ٹائر اس پر چڑھ جائے گا۔"

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟"

"میں نہیں نکال پارہی اسے۔"

"تو میں نکال دوں گا۔"

"پلیز میری مدد کیجئے۔"

"ابھی لیجئے۔" نوجوان نے کہا اور اس کے بعد اس نے بڑے اطمینان سے اپنی کار

سٹارٹ کی، اسے آگے بڑھایا جیپ کے پیچھے لگایا اور فرسٹ گیئر میں ڈال کر جیپ کو دھکا دے دیا...... بینا کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔

"ارے آپ کی کار تباہ ہو جائے گی۔"

"ہو جانے دیجئے کم از کم آپ کی پریشانی تو دور ہو گئی۔"

"دیکھئے تو سہی اس کے بمپر کو نقصان تو نہیں پہنچا۔"

"نہیں پلیز آپ نہ دیکھئے۔"

"آپ کا بے حد شکریہ۔"

"بس۔" نوجوان بولا اور بینا اسے چونک کر دیکھنے لگی۔

"جی میں سمجھی نہیں۔"

"ویسے بہت بری بات ہے، آپ یہ سمجھ لیجئے کہ جس نے یہ لفظ ایجاد کیا ہے اس نے انسانوں پر بڑی زیادتی کی ہے۔"

"ارے واہ کیسے۔" بینا نے سوال کیا۔

"کوئی کتنے ہی نیک جذبے کے تحت کسی کے لئے کوئی کام کرے اس کا معاوضہ شکریہ کی شکل میں ادا ہو جاتا ہے، اب آپ آگے بڑھ جائیں گی اور بھول جائیں گی کہ آپ کے لئے کسی نے کچھ کیا تھا اور اگر کسی کے دل میں یہ خواہش ہو کہ وہ کسی سے کچھ باتیں کرے تو وہ دل مسوس کر رہ جائے گا، بس یہی ہو گا نا۔" بینا نے دلچسپ نگاہوں سے نوجوان کو دیکھا اور بولی۔

"آپ تو کمال کی شخصیت ہیں۔"

"چھوڑیئے میڈم، جائیے شکریہ ادا کر لیا آپ نے بات ختم ہو گئی۔"

"تو میں اپنا شکریہ واپس لے لیتی ہوں۔" بینا نے کہا اور نوجوان عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا، پھر ہنس پڑا اور بولا۔

"آپ بہت اچھی باتیں کرتی ہیں۔"

"اور آپ نہیں۔"

"پتا نہیں، کبھی کسی نے میری تعریف نہیں کی۔"

"تو پھر اپنی گاڑی سٹارٹ کر کے میری جیپ کے ساتھ آیئے، کسی ایسی جگہ بیٹھتے ہیں جو خوبصورت ہو، دیکھئے نا آسمان کا کیا حشر کیا ہے بادلوں نے، اب زمین کے رہنے والے ان

نظر کو کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں، آیئے پلیز۔" نوجوان کے چہرے پر عجیب سی خوشی نظر آئی تھی، بینا نے اپنی جیپ میں بیٹھ کر جیپ سٹارٹ کر دی اور نوجوان کی کار اس کے پیچھے چل پڑی۔

بینا اپنے طور پر یہ اندازہ لگا چکی تھی کہ کوئی شخصیت ہی ہے جس طرح آزادانہ وہ یہاں گھوم پھر رہا ہے، اس سے اس ماحول کا شناسا بھی معلوم ہوتا ہے، پھر فوراً ہی اس کے ذہن میں شاہ کا خیال آیا تھا جو کفالت شاہ کا بیٹا تھا اور اس نے سوچا کہ یہ تو ایک بہت اچھا کردار ہاتھ لگا ہے، چنانچہ وہ اسے ہاتھ سے نہیں گنوانا چاہتی تھی، چند لمحوں کے بعد عقب سے ہارن کی آواز سنائی دی اور بینا نے عقب نما آئینے میں دیکھا غالباً وہ اس سے سائیڈ مانگ رہا تھا، بینا نے جیپ ایک طرف کر لی اور نوجوان اس کے قریب پہنچ گیا۔

"میں آپ کی رہنمائی کرتا ہوں آیئے۔"

"او کے۔" بینا بولی اور نوجوان نے اپنی کار آگے نکال لی...... رفتار سست ہی رکھی تھی، آگے چل کر راستہ کچا تھا وہ اس کچے راستے پر اتر گیا اور بینا نے بھی جیپ اس کے پیچھے لگا رکھی تھی جہاں اس سفر کا اختتام ہوا تھا...... وہ ایک انتہائی خوبصورت باغ تھا، اس کا احاطہ خاردار تاروں سے کیا گیا تھا اور ان خاردار تاروں کے دوسری جانب پھلدار درختوں کے جھنڈ نظر آرہے تھے...... ایک بڑا سا گیٹ بنا ہوا تھا جو ایک بیل ہی کی تراش سے بنایا گیا تھا۔

کار اس میں داخل ہو گئی...... تھوڑے ہی فاصلے پر ایک خوشنما عمارت بنی ہوئی تھی اور عمارت اس قدر خوشنما تھی کہ دیکھ کر جی خوش ہو جائے...... عمارت کے سامنے کار رک گئی اور بینا نے بھی اپنی جیپ کار کے سامنے لا کھڑی کی، پھر نیچے اترتی ہوئی بولی۔

"واہ، یہ تو انتہائی حسین جگہ ہے۔" نوجوان بھی کار سے اتر آیا تھا۔

"آپ کو پسند آئی؟"

"کمال کی جگہ ہے...... میں تو تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ شاہ گڑھی جیسے چھوٹے علاقے میں کوئی اتنی خوبصورت جگہ بھی بنائی گئی ہو گی۔"

"کہیں باہر سے آئی ہیں...... آیئے۔" نوجوان نے کہا اور بینا اس کے ساتھ بے تکلفی سے آگے بڑھ گئی۔

نوجوان اسے عمارت کے عقبی حصے میں لے گیا، حسین ترین شیڈ بنائے گئے تھے، بہت بڑا سوئمنگ پول تھا جس پر درمیان تک جانے کے لئے راستہ بنایا گیا تھا...... یہ راستہ پھولوں

سے سجا ہوا تھا...... بے حد شفاف پانی تھا...... وہ درمیان کی جگہ جو بنائی گئی تھی اچھی خاصی چوڑی تھی اور وہاں حسین ترین کرسیاں رکھی ہوئی تھیں...... اوپر بھی ایک محرابی چھت بنائی گئی تھی...... بینا نے آنکھیں بند کر کے گردن جھٹکی اور بولی۔

"یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی حسین خواب دیکھا جا رہا ہو۔" نوجوان مسکرا دیا، پھر بولا۔

"آئیے...... پانی کے درمیان بیٹھ کر بہت اچھا لگتا ہے۔"

عمارت میں ملازم بھی نظر آئے تھے جنہوں نے صرف دور سے دیکھنے پر اکتفا کی تھی...... بہر حال بینا نوجوان کے ساتھ سوئمنگ پول کے درمیانی حصے میں جا بیٹھی، پھر اس نے کہا۔

"جناب! آپ دیکھ لیجئے کتنے اعتماد کا ثبوت دیا ہے میں نے اب تک...... نہ کوئی تعارف ہوا آپ سے، نہ کوئی اور بات اور میں آپ کے ساتھ یہاں تک چلی آئی۔"

"اصل میں آپ کا تعلق شہر سے ہے اور ایک شہری ہو کر بھی اگر آپ اس قدر جرات مند نہ ہوتیں تو ذرا تعجب کی بات تھی۔"

"ویری گڈ...... آپ کو شہر کا اچھا خاصا تجربہ لگتا ہے۔"

"جی ہاں...... حالانکہ میں نے شہر بہت کم دیکھا ہے۔"

"تو کیا ہم اب بھی ایک دوسرے سے تعارف نہیں حاصل کریں گے؟"

"آپ بیٹھئے اور یہ بتائیے کیا پینا پسند کریں گی؟"

"اس حسین ماحول میں تو کوئی گرم ہی چیز بہتر رہے گی؟"

"کافی؟"

"یہاں مل سکے گی؟"

"میں نے انتظام کیا ہے۔"

"آپ نے۔"

"جی ہاں۔"

"گویا یہ جگہ۔"

"جی ہاں...... یہ میرا باغ ہے۔"

"واہ، تب تو یوں لگتا ہے کہ میں کسی بہت بڑے آدمی سے اتفاقیہ طور پر متعارف ہو گئی

ہوں۔" نوجوان ہنسنے لگا پھر بولا۔

"ٹھیک ہے، آپ کا جو دل چاہے کہیں، ظاہر ہے میں آپ کے الفاظ پر پابندی تو نہیں لگا سکتا۔"

"اب یہ تو بتا دیجئے آپ کون ہیں؟"

"طارق ہے میرا نام۔"

"میں بینا ہوں۔"

"خوب، برا تو نہیں مانیں گی اگر کچھ کہوں؟"

"اب تک مانی ہوں؟"

"اب تک میرا خیال ہے میں نے کوئی ایسی بات ہی نہیں کہی۔"

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔" بینا ہنس پڑی پھر بولی۔

"تو بتائیے وہ کون سی بات تھی جس کا میں برا مان سکتی ہوں۔"

"آپ کے نام کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا تھا۔"

"کہئے۔"

"یہ نام آپ نے خود رکھا ہے یا والدین نے۔"

"نہیں بھئی...... میرے والدین نے ہی رکھا ہے۔"

"تب وہ بڑے خوش ذوق ہوں گے اور انہوں نے نو مولودیت ہی میں آپ کا مستقبل دیکھ لیا ہو گا۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ یقیناً کسی بینا ہی کی طرح اپنے وجود میں ایک جھنکار رکھتی ہیں...... یہ جھنکار محسوس کی جا سکتی ہے۔"

کمال ہے طارق صاحب! حالانکہ آپ کی عمر اتنی بڑی نہیں ہے لیکن آپ کی باتیں بہت بڑی ہیں۔

"مس بینا...... میری عمر بہت زیادہ ہے، آپ سوچ بھی نہیں سکتیں۔"

"نہیں طارق صاحب جھوٹ بولنے کی نہیں ہو رہی۔"

"پتا نہیں عمر صرف ماہ و سال کی گردش کو کہا جاتا ہے یا تجربے کی بھی کوئی عمر ہوتی ہے۔"

"واہ، نہیں طارق صاحب تجربے کی عمر بھی تسلیم کی جاتی ہے۔"

"میں اپنی اسی عمر کی بات کر رہا تھا۔"

"کمال کی شخصیت ہے آپ کی، آپ کیا کرتے ہیں؟"

"بس یونہی آوارہ گردی کرتا رہتا ہوں...... اپنی اداسیوں کو دفن کرنے کے لئے ایک قبر کی تلاش ہے۔" اس نے جواب دیا اور بینا سنجیدہ ہو گئی۔

"پلیز طارق صاحب! اس عمر میں ایسی باتیں نہ کیجئے۔"

"وہی تو بد قسمتی ہے کہ تجربے نے بوڑھا کر دیا ہے، آپ یقین کریں دل نہیں لگتا اس دنیا میں۔"

"کیوں؟"

"بس یونہی۔" وہ عجیب سے انداز میں بولا۔

"آپ یہیں رہتے ہیں؟"

"جی ظاہر ہے، یہ میرا باغ ہے۔"

"یہاں زیادہ تر زمینیں اور باغات وغیرہ کفالت شاہ صاحب کی ہیں۔"

"وہ میرے والد ہیں۔"

"اوہو...... آپ طارق شاہ ہیں...... اوہ میرا دماغ بھی کتنا خراب ہے، آپ نے اپنا نام طارق بتایا...... میں نے صرف طارق مان لیا، طارق شاہ صاحب معاف کیجئے...... میں نے آپ سے بے تکلف ہونے کی کوشش کی ہے اصل میں مجھے آپ کے مرتبے کا احساس نہیں تھا۔"

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ میرا مرتبہ زمین میں دفن کر دیں اور مجھے صرف طارق رہنے دیں۔"

"آپ کچھ عجیب سی باتیں نہیں کر رہے؟"

"لگ رہی ہوں گی آپ کو اور سوچ رہی ہوں گی آپ کہ ایک خوبصورت سی لڑکی کو دیکھ کر میں نے بہکنا شروع کر دیا ہے...... پلیز ایسا نہ سوچئے، آپ کی عزت آپ کا احترام آپ کی امانت ہے میرے پاس...... میں آپ کی امانت میں کبھی خیانت نہیں کروں گا۔"

"بہت نفیس انسان ہیں آپ، آپ کی ہر بات میرے دل پر ایک نقش چھوڑ رہی ہے۔"

"بیناجی، بس کوئی شکایت نہیں کروں گا دنیا کی، اپنے ماحول کی، اپنی تقدیر کی، لیکن جب

کوئی ایسا مل جاتا ہے جو انسانی احساسات و جذبات کو سمجھنا جانتا ہو تو نجانے کیوں دل میں یہ خواہش بیدار ہو جاتی ہے کہ اس سے اپنی کیفیت کی باتیں کی جائیں۔"

"آپ ضرور کیجئے۔"

"نہیں بیناجی، میں ایک بار پھر معافی چاہوں گا شاید میں ضرورت سے زیادہ فضول باتیں کر چکا ہوں۔"

"نہیں بالکل نہیں، آپ چھوڑیئے ان باتوں کو، اپنے مشاغل بتایئے آپ کیا کرتے ہیں؟"

"سچ بیناجی کچھ بھی نہیں کرتا، صبح کو جاگتا ہوں، تھوڑی سی ورزش کرتا ہوں، ناشتا کرتا ہوں اور اس کے بعد سوچتا ہوں کہ کیا کروں، دوپہر تک یہ سوچتا رہتا ہوں...... یہاں تک کہ لنچ کا وقت ہو جاتا ہے...... لنچ کرتا ہوں، اس کے بعد ایک گھنٹہ آرام کرنے کی ہدایت ہے، پھر میرے اتالیق آ جاتے ہیں...... مجھے دُنیا کے بارے میں بتاتے ہیں اور وہ باتیں ذہن نشین کر لیتا ہوں...... چار بجے کے بعد پھر رہائی مل جاتی ہے، لیکن میں اسے رہائی نہیں قید سمجھتا ہوں...... میں اپنے خیالات اپنے احساس میں قید رہتا ہوں...... بیناجی اور سمجھ میں نہیں آتا کہ قید کی یہ مدت کتنی طویل ہو گی؟"

"معافی چاہتی ہوں طارق شاہ صاحب۔"

"خدا کے لئے آپ مجھے شاہ نہیں کہیں، صرف طارق کہیں، میرے اس مطالبے میں بے تکلفی کا وہ اظہار نہیں ہے جو فلموں میں ہیرو یا ہیروئن ایک دوسرے کے لئے کہتے ہیں، اپنی قربت کا اظہار کرنے کے لئے بلکہ اس لفظ شاہ کے ساتھ مجھے شرم آتی ہے، شاہ آزاد ہوتے ہیں، قیدی نہیں ہوتے، آپ مجھے صرف طارق کہیں۔"

"آپ نے دل دکھا دیا میرا، پتا نہیں آپ کو کیا غم ہے؟"

"پوچھ لیجئے نا، کسی کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا، مگر ٹھہریئے میں پہلے کافی کے لئے کہہ دوں۔" طارق شاہ نے کہا اور اپنی جگہ سے اُٹھ کر اس راستے سے آگے بڑھ گیا...... بینا ایک لمحے کے لئے اس کی ہمدردی کا شکار ہو گئی تھی، لیکن دوسرے لمحے اسے اپنے منصب کا خیال آیا، طارق شاہ کی باتیں بتاتی تھیں کہ وہ اپنے ماحول سے باغی ہے پتا نہیں اس کے سینے میں کیا کیا راز چھپے ہوں گے، یہ تو ایک بہت اچھا دوست ثابت ہو سکتا ہے لیکن فوراً ہی سارے راز

حاصل کر لینا بھی مناسب نہیں تھا...... بہر حال وہ انتظار کرتی رہی، طارق واپس آ گیا تھا۔

"اور اب جب میں اندر جانے کے بعد یہاں تک آیا ہوں تو میں نے دل میں سوچا کہ کیا حماقت کی باتیں کر ڈالی ہیں میں نے آپ سے، کسی کے اس طرح مل جانے کے بعد اور وہ بھی اگر کوئی مہربان شخصیت ہو تو بجائے خوشگوار گفتگو کے اسے دُکھوں میں ڈال دینا کہاں کی بات ہے۔" بینا نے اپنے چہرے پر افسردگی طاری کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں طارق صاحب، اگر کوئی شناسا ہی مل جائے اور وہ اپنے دل میں کسی کے لئے پسندیدگی اور محبت کے جذبات رکھتا ہو، معاف کیجئے گا میری محبت کو بھی آپ وہ محبت نہ سمجھ لیں جو ایک عجیب انداز کی چیز ہوتی ہے، میں تو کہہ رہی تھی کہ اس کے بعد دل تو یہی چاہتا ہے کہ ساتھی کے سارے دُکھ معلوم کر لئے جائیں۔"

"ساتھی۔"

"ہاں، دوست کہہ لو۔"

"نہیں آپ یقین کریں اتنا خوبصورت لفظ کہا ہے آپ نے کہ دل مچل گیا ہے۔"

"کیا کہتا ہے دل؟"

"یہ کہ سچ مچ آپ ساتھی ہی سمجھیں۔"

"چلئے سمجھ لیا۔"

"شکریہ، صرف لفظ ہی کی بات نہیں ہو گی ہر لفظ ایک وزن رکھتا ہے، ایک قیمت رکھتا ہے، آپ یہ وزن اور قیمت بھی ملحوظ خاطر رکھیں گی۔"

"ٹھیک ہے۔"

"تو بینا جی اب مجھے آپ اپنے بارے میں بتائیے، یہ جیپ بہت خوبصورت ہے ایک نگاہ میں ہی مجھے پسند آئی تھی، لیکن اس کا رجسٹریشن دارالحکومت کا ہے...... آپ دارالحکومت سے آئی ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"کہاں کیسے، کس کے پاس اور کب؟"

"چاروں سوالات ایک ساتھ۔"

"جی ہاں، کیونکہ ان کا جواب ایک ہی ہو گا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ کے ہاں ایک ڈسپنسری ہے۔"

"جی ہاں سرکاری ڈسپنسری ہے۔"

"میں اس میں ڈاکٹر کی حیثیت سے آئی ہوں۔"

"ارے واقعی کب؟"

"کافی دن ہو گئے۔"

"ظاہر ہے میں قاضی نہیں ہوں کہ سارے شہر سے میری واقفیت ہو، شاہ گڑھی بے
ی چھوٹی جگہ ہے لیکن بہت سی جگہیں ایسی ہیں جن کی اہمیت اس قدر نہیں ہوتی تو آپ
ینسری میں ڈاکٹر بن کر آئی ہیں۔" اس نے کہا اور پھر ہنس پڑا۔

"ڈاکٹر کے نام پر ہنسے ہیں آپ۔"

"کیوں؟"

"میرا خیال ہے وہ واحد ڈسپنسری ہے جس میں کبھی کسی مرض کا علاج نہیں ہوتا۔"

"یہاں آنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا ہے۔"

"آپ یہاں کیوں آ گئیں؟"

"مجھے یہاں ہاؤس جاب کے بعد تعینات کیا گیا ہے۔"

"دشمنی تھی کسی سے؟"

"ارے نہیں کیوں؟"

"یہ جگہ بھی کسی کو بھیجنے کی ہے...... بڑی عجیب ڈسپنسری ہے۔ لیکن بہر حال سرکاری
حالات کا بھی مجھے پتا ہے، ویسے مس بینا آپ کو یہاں آکر بڑی مایوسی ہوئی ہو گی۔"

"بس اس حد تک کہ اس ڈسپنسری میں کوئی کام نہیں ہوتا۔"

"جی ہاں شاید ڈاکٹر کھوسہ وہاں کے انچارج ہیں۔"

"جی۔"

"اکثر شکار پر مل جاتے ہیں، بڑے اچھے شکاری ہیں...... تعجب ہے ڈاکٹر کیسے ہیں......
یہ تعجب اس وقت ختم بھی ہو جاتا ہے جب ڈسپنسری کا ایک چکر لگا لیا جائے، بہتر ہوتا کہ
ایک یتیم خانہ کھول لیا جاتا۔" بینا بھی ہنسنے لگی پھر اس نے کہا۔

"میرے ساتھ ڈاکٹر ابن ثاقب بھی ہیں، ہم دو ہی یہاں آئے ہیں۔"

"یہ تو بہت اچھا ہوا...... آپ رہیئے یہاں، آپ کی وہ خواہشات تو پوری نہیں ہو سکیں گی، یعنی یہ کہ آپ یہاں کچھ سیکھ سکیں، لیکن یہ ضرور سیکھ سکیں گی آپ کہ کیا کیا ہوتا ہے۔"

"جی ویسے آپ نے انتہائی دلچسپ انداز میں اپنی گفتگو کا رُخ میری جانب موڑ دیا ہے اور اپنے آپ کو صاف بچا گئے ہیں۔"

"میں نے کہا تھا کہ خواہ مخواہ آپ دُکھی ہو گئی تھیں اور میں نے سوچا کہ یہ غلط ہے پہلی ملاقات ہی میں آپ دُکھ سمیٹ کر یہاں سے گئیں تو دوبارہ کبھی میری جانب رُخ کرنے تھوکنا بھی پسند نہیں کریں گی۔"

"طارق آپ بہت اچھے انسان ہیں...... میں آپ سے کوئی ضد نہیں کروں گی، ظاہر ہے کہ انسان پہلی ملاقات میں کسی کو فوراً ہی اپنا دُکھ نہیں دے دیتا، لیکن آپ سے ایک بات ضرور کہوں گی وہ یہ کہ میں واقعی آپ کی ساتھی بن سکتی ہوں، ہر الٹے سیدھے جذبے سے پاک ہو کر ایک اچھے دوست، ایک اچھے ساتھی کی حیثیت سے۔"

"خدا کی قسم بہت قیمتی الفاظ ہیں آپ کے، میں نے سینے میں رکھ لئے ہیں، کاش آپ ویسی ہوں۔"

"ٹھیک ہے طارق صاحب کوشش کروں گی کہ ویسی بن سکوں۔"

"میرے باغ میں بڑے اچھے پھل ہیں، بہت کم استعمال ہوتا ہے ان کا ہم لوگ انہیں باہر بھجوا دیا کرتے ہیں، لیکن میں آپ کو اپنے باغ کے خاص قسم کے سیب پیش کروں گا، آپ کو یقیناً پسند آئیں گے۔"

"بے حد شکریہ اور میں آپ کو جواب میں کسی ایسی دوا کا ایک پیکٹ ہی پیش کر سکتی ہوں جو آپ کے ذہن و دل کو سکون بخشے۔" بینا نے کہا اور طارق ہنسنے لگا پھر بولا۔

"نہیں...... آپ کے یہ الفاظ ہی میرے لئے دوا ہیں۔" پھر کافی آ گئی اور بینا نے برتن سنبھال لئے۔

"میں میزبان ہوں...... مجھے میزبانی کرنے دیجئے۔"

"آپ میزبان ہیں طارق؟" بینا نے عجیب سے الفاظ میں پوچھا۔

"جی۔" طارق چونک کر بولا۔

"آپ میزبان نہیں ساتھی ہیں۔" طارق خاموش ہو گیا، اس کے بعد دونوں خاموشی

سے کافی پیتے رہے تھے، کافی لانے والے ملازم کو اشارہ کر کے طارق نے بلایا اور بولا۔

"سترہ نمبر کے تمام پکے ہوئے پھل تو لاؤ۔"

"تمام نہیں طارق صاحب۔" بینا بولی اور طارق نے مسکرا کر گردن ہلا دی، پھر ملازم سے بولا۔

"اور انہیں بہت خوبصورتی کے ساتھ پیک کر کے لاؤ، تحفہ دینا ہے۔"

"جی سرکار۔" ملازم گردن جھکا کر چلا گیا...... بینا کافی پیتے ہوئے بولی۔ "ارے بڑی اعلیٰ کافی ہے، مقامی تو نہیں معلوم ہوتی۔"

"اب میں آپ سے بڑی شان سے کہوں کہ یہ ورجینیا سے منگوائی گئی ہے۔"

"آپ کافی شوقین معلوم ہوتے ہیں۔"

"بس یہی چند شوق پورے کر لیتا ہوں۔" طارق نے جواب دیا...... بہت ہی اعلیٰ قسم کے بالکل سرخ سیب آ گئے جو ایک بہت بڑے ٹوکرے میں بڑی خوبصورتی سے پیک کئے گئے تھے، بینا نے انہیں دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ تحائف دینے کے عادی معلوم ہوتے ہیں۔"

"میں نہیں میرے والد صاحب، لیکن وہ کاروباری تحفے ہوتے ہیں اور یہ حقیقی تحفہ ہے۔"

ملازم نے ٹوکرا اٹھا کر بینا کی جیپ میں رکھوا دیا، کافی پینے کے بعد بینا نے گھڑی دیکھی اور بولی۔

"تو اب اجازت چاہئے، ظاہر ہے ملازم پیشہ ہوں۔"

"جی جی، میں آپ کو اس سے زیادہ روکوں گا بھی نہیں، لیکن ساتھی ایک بات کہوں۔"

"ہاں۔"

"پھر کب ملاقات ہو گی؟"

"میں سرکاری ڈسپنسری میں ہوں، آپ جب چاہیں آ سکتے ہیں اور اگر مجھے کوئی ہدایت دیں گے تو میں بھی پہنچ جاؤں گی۔"

"میں آؤں گا۔" طارق نے کہا اور اس کے بعد وہ وہاں سے اُٹھ گئے...... طارق اسے ڈسپنسری تک چھوڑنے آیا تھا۔

"آیئے۔"

"اب نہیں، ملاقات کا مزہ جاتا رہے گا، پھر آؤں گا۔"

"خدا حافظ۔" بینا نے کہا اور وہ واپس چلا گیا، بڑا اچھا تاثر چھوڑا تھا طارق نے اس پر، بہت ہی اچھا...... شہاب سے طارق سے ہونے والی گفتگو بیان کرتے ہوئے بینا نے کہا۔

"میرے خیال میں شہاب ایک بہت ہی کار آمد شخصیت ہاتھ لگی ہے۔"

"میں تو حیران ہوں بینا، میرا ذہن اس طرف نہیں گیا تھا۔"

"ذہن تو میرا بھی نہیں گیا تھا، لیکن مجھے اب یوں محسوس ہو رہا ہے کہ یہ شخص ہمارے لئے بے حد کار آمد ثابت ہوگا، ویسے ایک برے باپ کا بہت اچھا بیٹا ہے۔"

"ہاں بینا، جو گفتگو تم نے سنائی ہے اس کے بارے میں، اس سے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے باپ کے تمام کالے کرتوتوں سے واقف ہے اور ان پر شرمندہ اور افسردہ بھی ہے۔"

"اب یہ بتایئے جناب شہاب صاحب کہ میں اس ساتھی کو کس طرح کنٹرول کروں۔"

"ویسے بینا...... یہ لفظ مجھے بہت برا لگا ہے۔"

"ارے نہیں نہیں، یقین کریں، اس نے خود ہی اپنے الفاظ کے بعد ان احساسات کی نفی کی ہے اور یہ ظاہر کر دیا ہے کہ وہ کوئی عاشقانہ موڈ نہیں رکھتا...... ویسے یوں لگتا ہے جیسے بہت ہی زیادہ بے زار ہے اپنے ماحول سے۔"

"ایسے کردار بڑے کار آمد ہوتے ہیں، بشرطیکہ تم انہیں صحیح طور پر ہینڈل کر سکو۔"

"ایک بات بتایئے جناب شہاب صاحب؟"

"ارشاد عالی۔"

"کیا طارق ہی سے وہاں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے سے کام چلایا جائے؟" شہاب سوچ میں ڈوب گیا، پھر بولا۔

"نہیں، طارق بہرحال دو نمبر کی حیثیت رکھتا ہے...... ایک نمبر پر تو وہی بدکار شخص آتا ہے۔"

"ایک بات اور کہوں۔"

"ہاں وہ بھی کہئے۔"

"ہم ابھی کفالت شاہ کے بارے میں جو الفاظ ادا کر رہے ہیں میرا خیال ہے یہ اس وقت تک موزوں نہیں ہیں جب تک کہ ہم اس کی شخصیت کو جانچ نہ لیں۔"

"ہوں...... بات وزن دار ہے ٹھیک ہے میں سمجھ رہا ہوں تم کیا کہنا چاہتی ہو...... بہرحال ہمارے پاس تو ابھی کافی وقت ہے، ہمیں اس مسئلے کو دیکھنا ہی ہوگا۔" شہاب نے جواب دیا۔

بہرحال طارق ایک کار آمد شخصیت تھی، بینا نے جاتے ہوئے اس سے منصفانہ انداز نہیں پوچھا تھا کہ پھر وہ کب ملے گا وہ خود بھی اسے بھٹکانا نہیں چاہتی تھی، سادہ لوح اور معصوم نوجوان ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی جذباتی حادثے کا شکار ہو جائے، بہرحال عمر میں بھی اس سے خاصا چھوٹا تھا اور ویسے بھی بینا اس کی پذیرائی کسی طور نہیں کر سکتی تھی، ہاں جن جذبوں کا اس نے اظہار کیا تھا اس کے تحت ایسی شخصیتیں بہت دیر تک ساتھ رہ جاتی ہیں۔"

لیکن دوسرے دن کوئی دس بجے کے قریب طارق آ گیا تھا، ڈاکٹر کھوسہ نے اسے دیکھا اور اس کے سامنے بچھ بچھ گیا۔

"طارق شاہ صاحب آپ اور اس غریب خانے پر۔"

"یہ سرکاری غریب خانہ ہے کھوسہ صاحب۔"

"جی، جی ہاں...... جی ہاں...... مم...... مگر میں بس یونہی خیریت تو ہے؟"

"مس بینا سے ملنا ہے۔"

"مس بینا، ڈاکٹر بینا؟"

"جی جی۔"

"ہاں...... ہاں وہ اندر موجود ہیں...... میں اطلاع کرتا ہوں۔" کھوسہ نے کہا اور پھر خود اندر دوڑا چلا گیا...... بینا نے باہر نکل کر طارق کا استقبال کیا تھا اور طارق اس کے پاس پہنچ گیا تھا۔

"یقیناً بہت سے الفاظ ہیں میرے پاس جو اس وقت میری آمد کے سلسلے میں ہیں لیکن یہ یہاں کھڑے کھڑے تو نہیں ادا کر سکتا۔"

"آیئے آیئے، میں تو خود آپ کو پیشکش کرنے والی تھی۔" طارق نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

"وہ الفاظ یہ ہیں کہ رات بھر آپ کے بارے میں سوچتا رہا اور صبح کو آپ سے دوری برداشت نہیں کر سکا، چنانچہ آپ کی جانب دوڑ لگا دی...... اب آپ اس تشویش کا شکار نہ

ہو جائیے کہ ایک نوجوان لڑکا آپ پر عاشق ہو گیا ہے اور آپ کے بغیر مضطرب رہنے لگا ہے۔ سمجھ رہی ہیں نا آپ، عشق کے علاوہ سب کچھ چلے گا معافی چاہتا ہوں مس بینا ہاتھ جوڑ کر بار بار یہ وضاحت اس لئے کرنی پڑتی ہے کہ آپ نوجوان اور خوبصورت ہیں اور میں بہر حال جو کچھ بھی ہوں البتہ ایک بات آپ سے کہوں اگر آپ برا نہ مانیں۔“

”کمال ہے، آپ کے اتنے سارے الفاظ کا بالکل برا نہیں مانا ہے میں نے۔“

”جی جی۔“

”میں آپ سے عمر میں خاصا چھوٹا ہوں، مگر میں آپ کو بڑی بہن نہیں کہہ سکتا، کیونکہ مجھے بہن کہنا سکھایا نہیں گیا ہے، البتہ اگر آپ دل میں کسی قسم کے جذبوں کا حساب رکھتی ہیں تو اس حساب میں آپ مجھے وہیں جگہ دے دیں، جس کے بارے میں، میں نے کہا ہے۔“

بینا رک کر اسے دیکھنے لگی، تب شہاب نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

”جناب عالی! میں آپ دونوں کی باتیں سن رہا ہوں اور اتنے اچھے لوگوں کو میں اپنے کمرے میں دعوت دینا چاہتا ہوں۔“ بینا ہنس کر بولی۔

”یہ ڈاکٹر ابن ثاقب ہیں۔“

”سر آپ کا نام مس بینا کی زبانی سن چکا ہوں...... آپ نے میرے الفاظ سن لئے ہیں، آپ بھی ڈاکٹر ہیں، آپ براہ کرم صرف انہیں اتنا بتا دیجئے میری مراد مس بینا سے ہے کہ یہ میرے بارے میں کسی تشویش کا شکار نہ ہوں......اگر کوئی اضطراب کوئی تصور میرے ذہن میں بیدار ہوا ہے تو وہ صرف ایک اچھے جذبے کے تحت ایک اچھے ساتھی کے لئے۔“

”میں سمجھتا ہوں طارق شاہ صاحب، آپ کے ان الفاظ کے بعد یہ سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا ہے کیونکہ لفظ اور ان کی ادائیگی آواز کا تاثر، چہرے کے تاثرات یہ تمام چیزیں انسان کے ان جذبات کا کھل کر اعلان کر دیتی ہیں جو اس کے سینے میں موجزن ہوتے ہیں بے دھڑک، بے تکلف، یہاں آئیے میرا نام تو بینا آپ کو بتا ہی چکی ہیں...... ہم دونوں نے ایک ہی ہسپتال میں ہاؤس جاب کیا ہے اور ہم دونوں بہت اچھے دوست ہیں، میں آپ کو بینا جیسی اچھی خاتون کا ساتھی بننے کی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔“ اس کے بعد ان کے درمیان بے تکلفی ہو گئی، طارق نے کہا۔

”آپ کو شکار سے دلچسپی نہیں ہے۔“

”نہیں طارق شاہ صاحب۔“

”دیکھئے ایک بات عرض کروں...... یہ لفظ شاہ مجھے بڑا پریشان کرتا ہے، میرے اچھے دوست ہیں آپ لوگ...... آپ مجھے صرف طارق کہا کریں۔“

”جی طارق صاحب......اصل میں ہمارا معاملہ ذرا مختلف ہے۔“

”کیا؟“

”جب زخمی لوگ ہمارے پاس آتے ہیں تو ہمارے دل میں ان کے لئے درد پیدا ہو جاتا ہے، ہماری آرزو ہوتی ہے کہ ان کے زخموں کا سارا درد سمیٹ لیں اور انہیں سکون دیں...... شکار کا مطلب ہے کہ کسی بھی ذی روح کو اذیت سے دوچار کرنا یا اسے ہلاک کر دینا، میں سمجھتا ہوں یہ ڈاکٹر کا کام نہیں ہے۔“

”اور ڈاکٹر کھوسہ کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟“

”صرف یہی کہ خدا اس شخص کو عقل دے اور اس سے اس کا یہ شوق خود بخود ختم کرا دے، ظاہر ہے وہ ہمارا انچارج ہے ہم اس سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔“

”نجانے اتنے اچھے لوگ اس بدنما جگہ کیوں آگئے؟“

طارق شاہ نے گہری سانس لے کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”بدنما جگہ، جہاں آپ جیسے لوگ ہوں طارق وہ جگہ بدنما کیسے ہو سکتی ہے۔“

”مجھ جیسے لوگ، بے بس مجبور، لاچار، معذور۔“ طارق شاہ نے افسوس بھرے لہجے میں کہا اور شہاب گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لینے لگا، پھر بولا۔

”عجیب الفاظ ہیں آپ کے طارق شاہ صاحب!“

”آپ کو لگ رہے ہوں گے ورنہ عجیب ہیں نہیں۔“

”آپ اتنی بڑی شخصیت کے مالک ہیں اتنے بڑے باپ کے بیٹے ہیں اس کے بعد واقعی سب کچھ بہت عجیب لگتا ہے اور یقین نہیں آتا۔“

”ابن ثاقب صاحب آپ لوگوں کے پاس دل کا مرہم لینے آیا ہوں...... آپ کیوں مجھ سے ایسی باتیں کر رہے ہیں جو میرے غموں میں اضافہ کرے۔“

”چلئے ٹھیک ہے پھر ہم آپ سے وہ باتیں کرتے ہیں جو آپ کی پسند ہوں، ویسے بینا کو آپ کے بھیجے ہوئے سیب کھلائے، کمال کا تحفہ تھا، مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے آپ نے

خاص طور سے انہیں اگایا ہو، ورنہ اتنے نفیس سیب سچی بات ہے میں نے تو کبھی نہیں دیکھے۔"

"ہاں وہ میرے باغ کا خاص تحفہ ہے۔" طارق شاہ نے جواب دیا۔

"کیا اللہ کی شان ہے جناب پھل بھی اپنی مرضی سے اگائے جاتے ہیں۔" شہاب نے ہنستے ہوئے کہا...... اس وقت ڈاکٹر کھوسہ آ گیا، چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے...... طارق شاہ کو دیکھ کر جھک جھک کر سلام کرنے لگا۔

"کمال ہے واقعی کمال ہے...... یعنی اس ڈسپنسری کی تقدیر میں یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ ہمارے چھوٹے شاہ جی اس میں قدم رکھیں، تقدیر جاگ گئی اس کی تو، شاہ صاحب آپ جس طرح بھی یہاں آئے ہو وہ ایک الگ بات ہے لیکن آج اتنی خوشی ہو رہی ہے کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتا۔" شہاب اور بینا نے طارق شاہ کے چہرے پر ناگواری کے اثرات دیکھے تھے، لیکن پھر وہ خود کو سنبھال کر بولا۔

"کہیے ڈاکٹر صاحب کیسے ہیں آپ۔"

"بقول شخصے شاہ کا مصاحب ہوں، اچھا کیوں نہیں ہوں گا شاہوں کی شاہی میں، عیش ہو رہے ہیں آپ فرمائیے کیسے قدم رنجہ فرمایا۔"

"بس آ گیا۔"

"میرا مطلب ہے کہ کوئی خدمت ہمارے لائق!"

"دعا کرتا ہوں کہ کوئی ایسی خدمت درکار نہ ہو جو آپ کے لائق ہو۔" طارق شاہ نے کہا اور ڈاکٹر کھوسہ ہنسنے لگا۔

"آپ دونوں چھوٹے شاہ جی سے ملے۔" ڈاکٹر کھوسہ نے بینا اور شہاب سے سوال کیا۔

"جی ہاں۔" شہاب نے جواب دیا۔

"بس جی بہت ہی اچھے انسان ہیں چھوٹے شاہ جی، ان کی برکتیں ہیں شاہ گڑھی پر، جدھر نگاہ ہو جائے تقدیریں بدل جاتی ہیں...... ویسے چھوٹے شاہ جی سے آپ لوگوں کی دوستی اتنی جلدی کیسے ہو گئی؟"

"آپ کو اس بات سے پریشانی ہوئی ہے ڈاکٹر صاحب۔"

" طارق شاہ نے ان لوگوں کے جواب دینے سے پہلے ہی کہہ دیا۔

"ارے نہیں نہیں بلکہ میں تو بے پناہ خوش ہوں، کم از کم کوئی ایسا لمحہ تو آیا جب چھوٹے شاہ جی کسی وجہ سے بھی سہی لیکن ہمارے پاس آئے...... ہم تو جتنا اپنی خوش بختی پر ناز کریں کم ہے...... ارے ہاں ڈاکٹر ثاقب، ڈاکٹر بینا آپ دونوں نے بڑے شاہ جی کو سلام کیا؟"

"نہیں ڈاکٹر کھوسہ ہماری ان سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔"

"غلطی میری ہے غلطی میری ہے، ارے باپ رے کیا بھول ہو گئی...... کبھی کبھی دماغ پر ایسی برف جم جاتی ہے کہ سامنے کی باتیں نظر نہیں آتیں شاہ جی تو ہوں گے ناراض ارے یہ تو پہلا فرض تھا ہمارا کہ انہیں جا کر سلام کرتے...... بھئی غلطی مجھ سے ہوئی تم لوگوں کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے شاہ گڑھی میں ہو اور ابھی تک بڑے شاہ جی سے برکتیں نہیں لی تمہیں، ارے ان کے بغیر تو برکتوں کا تصور ہی ختم ہو جاتا ہے...... میں خود لے کر چلوں گا تمہیں شام کو ان کے پاس۔" ڈاکٹر کھوسہ نے کہا اور طارق شاہ کے چہرے پر ناگواری کے آثار نظر آنے لگے...... اس نے ایک نگاہ بینا کو دیکھا دیکھتا رہا، شہاب اس کی ہر کیفیت کو نوٹ کر رہا تھا اس نے کہا۔

"خیر اب یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ بھی نہیں ہے آپ لوگ یہ کیوں بتائیں انہیں کہ آپ لوگ کب یہاں آئے ہیں، بس ڈاکٹر کھوسہ آپ جب بھی ان سے ملیں کہیں کہ نئے ڈاکٹروں نے آ کر ڈسپنسری سنبھالی ہے۔"

"یہ ہوتی ہے بڑائی دیکھ رہے ہیں نا۔ حالانکہ بڑے شاہ جی والد ہیں ان کے، لیکن نیک دلی تو اس خاندان پر ختم ہے۔ ٹھیک ہے ایسا ہی کریں گے شاہ جی آپ یہ بتائیے میں آپ کی کیا خدمت کروں۔ یہ سیب کیسے مہک رہے ہیں بڑی اعلیٰ خوشبو ہے۔"

"شاہ جی کے باغ کے ہیں تحفہ ملا ہے ہمیں۔" شہاب نے جلدی سے کہا۔

"کمال ہے صاحب کمال ہے...... جانتے ہیں آپ ابن ثاقب یہ وہ سیب ہیں جو یورپ اور امریکہ تک جاتے ہیں...... مشرق وسطیٰ کے شیوخ ان کی فرمائش کرتے ہیں اور بڑے شاہ جی یہ فرمائشیں پوری کرتے ہیں۔ باقی لوگوں کی تو بات ہی نہ پوچھیے۔ وزیر اعلیٰ، وزیر اعظم سب ہی کی یہ خواہش ہوتی ہے، مگر ایک باغ کے کتنے سیب ہوں اور پھر یہ تو کچھ خاص ہی درخت ہیں۔ بھائی بہت بڑی بات ہے بہت بڑی بات ہے۔ آپ لوگ تو قسمت کے دھنی ہیں۔"

"کھوسہ صاحب ہم کچھ گفتگو کر رہے ہیں۔" طارق شاہ کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔

"اچھا اچھا کوئی خاص گفتگو ہے تو معافی چاہتا ہوں آپ یہ فرمائیے چھوٹے شاہ صاحب کہ آپ کی خدمت کیا کی جائے، کیا کھانا کیا پینا پسند کریں گے؟"

"کھا کر اور پی کر آیا ہوں، بس ان لوگوں سے شہری زندگی کے بارے میں کچھ گفتگو کر رہا ہوں، اگر ہمیں اس کا موقع دیں تو۔"

"موقع ہی موقع ہے، موقع ہی موقع ہے۔" ڈاکٹر کھوسہ نے کہا اور سلام کر کے باہر نکل گیا۔ طارق شاہ کے چہرے پر حقارت کے آثار پھیلے ہوئے تھے اس نے کہا۔

"انسان بے حد مجبور ہے، اپنی ضرورتوں کا غلام ہے وہ۔ معاف کیجئے گا آپ لوگ بھی یہاں ڈاکٹر کی حیثیت ہی سے آئے ہیں، لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد آپ یہاں سے بیزار ہو جائیں گے۔ بہتر تو یہی ہو گا کہ آپ یہاں اپنے لئے کوئی اور مشغلہ تلاش کر لیں...... یہ ڈسپنسری تو بس نام نہاد ہے، اگر آپ اس کے سٹور روم کا جائزہ لیں گے تو آپ کو ایسی تمام دوائیں ملیں گی جن کی تاریخ استعمال تک کی ختم ہو گئی ہو گی اول تو یہاں کوئی مریض آتا ہی نہیں اور غلطی سے بے چارہ آ بھی جائے تو آپ خود سوچئے، تاریخ ختم ہونے کے بعد ناکارہ ہونے والی دوائیں اگر انہیں ملیں گی تو کیا فائدہ ہو گا...... یہ آپ لوگ جانتے ہیں۔ ویسے ایک بات کہوں آپ سے!"

"جی شاہ صاحب۔"

"ہو سکے تو تھوڑا بہت کام کر لیجئے یہاں، ڈاکٹر کھوسہ کے بارے میں کیا کہوں آپ سے، آپ لوگ خود بھی دنیا کو سمجھتے ہوں گے اور پھر ڈاکٹر کھوسہ جیسے لوگ قابل رحم ہیں، زندگی کو جس انداز میں گزارنا چاہتے ہیں وہ مردہ لوگوں کا انداز ہوتا ہے، یہ ذہنی طور پر مردہ لوگ ہیں، بس یہ سمجھتے ہیں کہ ایک شخص کو خوش رکھ لیا جائے سب ٹھیک ہے، باقی کی کوئی ضرورت نہیں ہے، قابل معافی ہیں یہ لوگ جناب بس ان کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا...... یہاں بھی امراض ہوتے ہیں لیکن ڈسپنسری میں موت ہوتی ہے، ناکارہ دواؤں کا استعمال اور کیا کر سکتا ہے، تھوڑا سا سہارا دیجئے اس ڈسپنسری کو ورنہ پھر آپ جانیں اور آپ کا کام بھلا میری کیا اوقات کہ کسی کو نصیحت کر سکوں۔"

"جی شاہ صاحب۔"

"ویسے دل تو بہت چاہتا ہے کہ آپ لوگوں کو اپنی طرف سے بھی کوئی پارٹی یا دعوت

ہاں، لیکن کیا کیا جائے نہ تو یہاں اچھے ہوٹل ہیں اور سچی بات یہ ہے کہ باقی ماحول ان تمام چیزوں کے لئے سازگار نہیں ہے۔"

"ایک سوال بار بار ذہن کو پریشان کر رہا ہے چھوٹے شاہ صاحب۔"

"کیا شروع کر دیا آپ نے...... ڈاکٹر کھوسہ کا شکار ہو گئے آپ ابن ثاقب صاحب۔"

"کیا مطلب؟"

"یہ چھوٹے شاہ صاحب اور بڑے شاہ صاحب کیا ہوتے ہیں، آپ کو اپنا نام بتا چکا ہوں، آپ یقین کیجئے یہ فضول جملے سن سن کر کان زخمی ہو گئے ہیں، ذہن پر چوٹ پہنچتی ہے پلیز آپ مجھے صرف طارق کہیں۔"

"طارق صاحب۔" شہاب نے کہا۔

"شکریہ۔" طارق شاہ بولا اور ہنس پڑا، پھر بینا کی طرف دیکھ کر بولا۔

"بینا صاحبہ سے شکریہ کے بارے میں کچھ ایسے الفاظ کہے تھے کہ اب خود اپنی زبان سے شکریہ ادا کر کے شرمندہ ہو رہا ہوں۔"

بینا بھی ہنسنے لگی، شہاب کہنے لگا۔ "جہاں تک میرا خیال ہے تعلیمی سلسلے میں آپ کو یا تو ہمیں ہونا چاہئے تھا یا پھر کسی غیر ملک میں آپ کا ذریعہ تعلیم کیا ہے؟!"

"وہ اتالیق جو اس میں کوئی شک نہیں کہ ماہر تعلیم ہیں، آپ یوں سمجھ لیجئے کہ اتالیقوں کی ایک فوج سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے مجھے، انگریزی کے استاد، آکسفورڈ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کئے ہوئے ہیں اور بہترین معاوضہ ملتا ہے انہیں...... اسی طرح عربی کے استاد، فلسفے کے استاد، اردو کے استاد، استادوں کی ایک فوج ہے اور شاگرد بے چارہ ایک، ہر شخص اسے اپنا علم گھول کر پلا دینا چاہتا ہے لیکن بہر حال جس قدر ضرورت ہے پی رہا ہوں اس سے زیادہ کا حوصلہ نہیں۔"

"لیکن شہر میں تعلیم کیوں نہیں دلائی جا رہی۔"

"کفالت شاہ صاحب نے جو کچھ پسند کیا بس وہی مناسب ہوتا ہے، اپنی خواہش کا اظہار ممکن نہیں۔"

"اوہ اچھا!" شہاب نے گہری سانس لے کر کہا۔

کافی دیر تک طارق شاہ بیٹھا رہا اور اس کے بعد اجازت لے کر بولا۔

"دل تو یہ چاہتا ہے کہ آپ سے دوسری ملاقات کے بارے میں پوچھوں، لیکن بہر حال اب اتنی جلدی بھی مناسب نہیں ہوتی، لیکن ایک پروگرام ترتیب دوں گا بینا نے میرا باغ دیکھا ہے، وہ مکمل طور پر میری ملکیت ہے کسی وقت وہاں آپ کی دعوت کی جائے گی۔"

"طارق صاحب ان تمام تکلف کو جانے دیجئے اور سنئے ہماری ملاقاتیں روزانہ ہونی چاہئیں۔ اب ہم اتنی بھی جرات نہیں کرسکتے کہ آپ سے کہیں کہ آپ یہاں آجایا کریں..... آپ جہاں بھی ہمیں ہدایت کریں گے مقررہ وقت پر ہم وہاں پہنچیں گے۔"

"وعدہ!"

"جی بالکل۔"

"تو پھر اس وقت تو نہیں لیکن دوسری ملاقات کے لئے خود آپ کے پاس حاضری دوں گا۔"

اس کے بعد وہ چلا گیا تھا۔ بینا اور شہاب خاموشی سے ایک دوسرے کی صورت دیکھتے رہے تھے۔ پھر شہاب نے مطمئن لہجے میں کہا۔

"بینا یہ معاملہ تو بڑی خوبصورتی سے آگے بڑھ رہا ہے۔"

"ہاں۔"

"میرے خیال میں یہ کردار درمیان سے ایسا نکل آیا ہے کہ ہم اس سے بڑا کام لے سکتے ہیں۔"

"یقین کرو شہاب! مجھے اس پر بہت رحم آتا ہے۔ کس قدر اداس اور مایوس سا انسان ہے۔ بس یہ سمجھ لو کہ باپ کی طرح بدکاریوں کا شکار نہیں ہے۔"

"یقیناً بینا ویسے گھر کا بھیدی ہے تمام معاملات ضرور اگل دے گا، میں سمجھتا ہوں اسے اپنی مٹھی میں جکڑنا ضروری ہے۔"

"اور شاہ جی کو سلام۔" بینا نے کہا اور ہنس پڑی شہاب نے بھی قہقہہ لگایا تھا۔

"وہ تو بالکل ضروری ہے کھوسہ ہمیں لے کر جائے گا لیکن ایک بات ہے بینا، تازیانے لگانے ہیں اس شخص پر جس کا نام طارق شاہ ہے کیونکہ یہی ہمارے لئے سب سے کارآمد ثابت ہوگا۔"

"میں سمجھ رہی ہوں۔" بینا نے کہا اور دونوں گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

❁

ڈاکٹر کھوسہ مقررہ وقت پر آگیا، تیار ہو کر آیا تھا، پروگرام کے مطابق بینا اور شہاب تیار تھے، ڈاکٹر کھوسہ نے کہا۔

"ایک مشورہ دوں، مان لینا۔"

"کیوں نہیں ڈاکٹر صاحب۔" شہاب نے کہا۔

"میری جیپ پر چلو، یہ مناسب رہے گا۔"

"اگر مناسب رہے گا تو ٹھیک ہے ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"تم نے یہ نہیں پوچھا کہ میں یہ کیوں کہہ رہا ہوں۔"

"پوچھنے کی ضرورت تو نہیں تھی ڈاکٹر صاحب، آپ پسند کریں تو بتا دیجئے۔"

"تمہاری جیپ بہت شاندار ہے۔" ڈاکٹر کھوسہ نے کہا۔

"تو پھر!"

"اور جو چیز کفالت شاہ صاحب کو پسند آجاتی ہے وہ ان کی ملکیت ہوتی ہے کسی دوسرے کی نہیں۔"

"جی پھر۔"

"میاں پھر پھر لگا رکھی ہے، بات صاف ہے، سمجھنے میں دقت ہو رہی ہے تو اور بات ہے۔"

"تو کیا آپ کا خیال ہے۔"

"ہاں..... ہاں بس یہی خیال ہے میرا، باقی تمام مرضی ہے اتنی شاندار چیز آسانی سے تو ان کو نہیں دی جا سکتی اور پھر وہ کبھی کبھی میرے استعمال میں رہتی ہے۔" ڈاکٹر کھوسہ نے کہا اور شہاب کو بے اختیار ہنسی آگئی، پھر اس نے کہا۔

"بہر حال آپ ہمارے انچارج ہیں، جو آپ کا حکم ہوگا ہمیں تو وہی کرنا ہے نا۔"

"بس ایک خیال رکھنا، ہمیشہ فائدے والی بات کروں گا میری بات پر کبھی شک نہ کرنا۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ڈاکٹر۔" پھر بینا اور شہاب ڈاکٹر کھوسہ کے ساتھ چل پڑے تھے، ویسے تو کئی بار کچی حویلی اور پکی حویلی کے سامنے سے گزرے تھے اور اسے دیکھا تھا، لیکن

آج پہلی بار کچی حویلی میں داخل ہوئے تھے، وقت ایسا تھا کہ شاہ صاحب مجمع عام لگائے بیٹھے ہوا کرتے تھے اور ان کے عقیدت گزار ان کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے، اس وقت بھی سات آٹھ افراد زمین پر بیٹھے ہوئے تھے اور خود کفالت شاہ صاحب ایک چوکی پر، برابر میں مٹھائی کا ٹوکرہ رکھا ہوا تھا، ہر آنے والے کو یہ مٹھائی پیش کی جاتی تھی اور وہ تبرک کے طور پر لے کر وہیں کھالیا کرتا تھا، کئی خادم قرب وجوار میں موجود ہوتے تھے...... کفالت شاہ صاحب کسی اہم مسئلے پر گفتگو کر رہے تھے، ڈاکٹر کھوسہ نے اپنی گاڑی روک دی اور سب چونک کر اسے دیکھنے لگے، پھر بینا اور شہاب بھی نیچے اترے اور کفالت شاہ صاحب کی آنکھیں بھی ان پر جم گئیں، ڈاکٹر کھوسہ نیاز مندی سے آگے بڑھا، بینا اور شہاب بھی اس کے ہم قدم تھے، دونوں نے سلام کیا اور کفالت شاہ اپنی چوکی سے اُٹھ کھڑا ہوا، اس نے پہلے شہاب اور پھر بینا کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پاٹ دار لہجے میں بولا۔

"جن کی پیشانیاں روشن ہوتی ہیں، جن کی آنکھوں سے مستقبل کا غرور جھلکتا ہے وہ قابل احترام ہوتے ہیں، میں آپ دونوں نئے مہمانوں کو خوش آمدید کہتا ہوں، ڈاکٹر کھوسہ کون ہیں یہ؟"

"حضور کفالت شاہ صاحب آپ کی قدم بوسی کو حاضر ہوئے ہیں، نئے ڈاکٹر ہیں، ہاؤس جاب مکمل کر کے یہاں آئے ہیں اور اپنی ڈیوٹیاں سنبھالی ہیں، میں نے کہا کہ اگر برکت و کامیابی سے دلچسپی رکھتے ہو تو سب سے پہلے کفالت شاہ صاحب کو جا کر سلام کرو، یوں سمجھو زندگی سنور جائے گی۔"

"ارے ڈاکٹر کھوسہ اتنی بڑی بڑی باتیں مت کیا کرو، ہمارے بارے میں کہ ہمیں خود شرمندگی ہو، زندگی سنوارنے والی ذات تو کسی اور ہی کی ہے ہم تو بس دعائیں کر دیا کرتے ہیں...... بیٹھو بچو بیٹھو۔" لہجے میں اتنی مٹھاس، اتنی نرمی اور اتنی حلاوت تھی کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ انسان کے روپ میں شیطان اس طرح بھی چھپ سکتا ہے، دونوں عقیدت مندی سے بیٹھ گئے، کفالت شاہ نے اپنے پیچھے کھڑے ہوئے خادم کو دیکھا، خادم نے جلدی سے پلیٹ اٹھائی، ٹوکرے میں سے مٹھائی نکالی، دونوں ہاتھوں میں لئے ہوئے کفالت شاہ کے پاس پہنچا، کفالت شاہ نے مٹھائی کی پلیٹ پر ہاتھ سیدھا کیا اور اس کے بعد اشارہ کر دیا، چنانچہ مٹھائی ان لوگوں کے سامنے پیش کی گئی اور ڈاکٹر کھوسہ کے اشارے پر انہوں نے اس میں سے

ئی کا ایک ٹکڑا اٹھالیا، تبرک کھانے کے بعد کفالت شاہ نے کہا۔

"ہاں بچو تو تم نے ہاؤس جاب مکمل کیا ہے اور اب اپنی پہلی ڈیوٹی سنبھالی ہے، دیکھو یہ ڑمی ہے، ایک فقیر کا گھر، فقیر کی آرزو یہ ہوتی ہے ہمیشہ کہ مہمانوں کو کبھی کوئی تکلیف و، قیام ڈسپنسری ہی میں ہے تمہارا؟"

"جی شاہ صاحب۔" شہاب نے جواب دیا۔

"تکلیف ہوتی ہو گی وہاں۔"

"نہیں شاہ صاحب بالکل پر سکون ہیں۔"

"تکلف نہ کرنا، ورنہ ہم تمہارے لئے بندوبست کریں۔"

"نہیں شاہ صاحب بالکل آرام سے ہیں۔"

"ڈاکٹر کھوسہ بچوں کو تکلیف ہوئی تو تمہیں معافی نہیں دی جائے گی۔"

"شاہ صاحب آپ کی نگری میں بھلا تکلیف کا کیا سوال ہے۔" کھوسہ نے کہا۔

"ان کے لئے جس شے کی ضرورت ہو، ہمیں اطلاع کرا دینا مہیا ہو جائے گی۔"

"جی شاہ صاحب۔"

"اور تمہارا بہت بہت شکریہ، نام کیا ہے بچو تمہارا۔"

"میرا نام ابن ثاقب اور یہ ڈاکٹر بینا ہیں۔"

"ٹھیک ہے میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے میرے پاس آنے کی زحمت کی، بس نہ نے کیوں میری بستی کے لوگ مجھے بہت چاہتے ہیں، یہ ان کی بڑائی ہے میری نہیں، ملتے رہنا، آخری بار کہہ رہا ہوں اگر یہاں کوئی تکلیف اٹھائی تو میرا دل مجھے شرمندہ کر دے گا، ے لئے ایک تکلیف ضرور کرنا کہ کوئی بھی مشکل ہو مجھ تک اطلاع پہنچا دینا، ویسے بھی تم اس سے ملاقاتیں ہوتی رہیں گی۔"

"بہت بہت شکریہ شاہ صاحب ہمیں تو انتہائی مسرت ہے کہ آپ جیسی عظیم ہستی کے س میں آگئے۔" چند منٹ یہ لوگ یہاں بیٹھے رہے اور اس کے بعد ڈاکٹر کھوسہ نے ت طلب کر لی۔

"تمہارا بھی شکریہ ڈاکٹر کھوسہ کہ ہماری اتنی عزت کرتے ہو اور ہمارا اتنا خیال رکھتے پھر یہ لوگ وہاں سے واپس چل پڑے تھے اور ڈاکٹر کھوسہ راستے بھر کفالت شاہ صاحب

کی بڑائی کے گن گا تا رہا تھا، شہاب نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی، کہنے لگا۔

"واقعی، شاہ گڑھی تو بڑی برکتوں سے مالا مال ہے ڈاکٹر کھوسہ، آپ نے اتنے بڑے آدمی سے ہماری ملاقات کرائی۔"

"مالک ہے شاہ گڑھی کا، اس کے حکم پر شاہ گڑھی میں صبح ہوتی ہے اور اس کے حکم پر سورج ڈوبتا ہے، مگر انکساری دیکھو کیا بات ہے مجال ہے جو کبھی پیشانی شکن آلود ہو جائے بہرحال یہ ضروری تھا، ویسے شاہ گڑھی ہے تو ایک چھوٹی سی آبادی لیکن اتنی اچھی آبادی ہے یہ کہ کچھ عرصے رہو گے تو پتا چل جائے گا۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ڈاکٹر کھوسہ!" شہاب نے کہا، رات کے کھانے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد شہاب اور بینا یکجا ہو گئے اور اس کے بعد پہلی بار کفالت شاہ پر تبصرے کا آغاز ہوا۔

"جناب شہاب ثاقب صاحب، تو ملے آپ ہمارے کفالت شاہ صاحب سے۔"

"ہاں ملے۔" شہاب گہری سانس لے کر بولا۔

"کیا اندازہ لگایا؟"

"بہت بڑا اداکار ہے، بہت بڑا بینا میں بے شک چند لمحات اس کے سامنے رہا، لیکن میری مسلسل کوشش یہی رہی کہ اس کی گہرائیوں میں اتر تا رہوں، تم نے دیکھا کتنی مٹھاس کتنی حلاوت تھی اس کے لہجے میں اور کیا پر جلال انداز تھا۔ بینا میں اسی کا جائزہ لیتا رہا، ایک بھی اس نے بھرپور نگاہ تم پر نہیں ڈالی، لیکن جو پہلی نگاہ اس نے تم پر ڈالی تھی بس یوں سمجھو کہ تمہاری تصویر اس نے اپنے ذہن کے کیمرے میں محفوظ کر لی۔ کمبخت کی نگاہوں نے سر کے بالوں سے لے کر پیر کے ناخنوں تک کا جائزہ لے لیا تھا اور اس کے بعد اس نے تم سے مسلسل بے تعلقی کا اظہار کیا۔" شہاب نے کہا اور بینا کھلکھلا کر ہنس پڑی...... شہاب غصیلی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"کیوں اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔"

"تمہارے لہجے میں بڑی شدید رقابت ہے۔"

"ایک بات بتا دوں اس کی دونوں آنکھیں نکال کر تمہارے پیروں میں نہ ڈال دیں تو شہاب نہیں۔"

"توبہ توبہ کیسی گھناؤنی باتیں کر رہے ہو، بھلا ہمیں کیا غرض پڑی ہے اس کی دونوں آنکھیں نکالنے کی۔ قانون کا مجرم ہوا تو قانون کے سپرد کر دیں گے اور بس ہمارا کام ختم۔"

"اس نے اس انداز میں تمہیں دیکھا کیوں؟"

"اس انداز میں مجھے ہزاروں آدمی دیکھیں گے تو سب کی آنکھیں نکال لو گے۔"

"دل تو یہی چاہتا ہے۔"

"نہیں جناب اپنے آپ پر اعتماد ہونا ضروری ہے۔"

"چلو ٹھیک ہے تم سفارش کر رہی ہو تو مان لیتا ہوں ورنہ میں نے تو تہیہ کر لیا تھا۔"

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب کیا کیا جائے؟"

"نہیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ہمیں جو کرنا تھا کر چکے ہیں، اب ادھر سے ہی کارروائی شروع ہو گی۔"

"تمہیں یقین ہے۔" بینا نے سوال کیا۔

"ہاں مجھے تو پورا یقین ہے۔"

"چلو پھر ٹھیک ہے اس کا مطلب ہے کہ راوی فی الحال چین لکھتا ہے۔"

"پتا نہیں کیا لکھتا ہے، میرا تو خون کھول رہا ہے۔"

"ٹھنڈا پانی پلاتی ہوں، اس خون میں شامل ہونے کے بعد اس کی گرمی کم کرے گا اور اس کے بعد پر سکون نیند آ جائے گی۔" بینا نے کہا اور واقعی شہاب کو ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس پیش کیا جسے شہاب نے قبول کر لیا تھا اور اس طرح اس کے پانی پینے پر بینا پھر ہنس پڑی تھی۔

"او کے اب آرام کرتی ہوں۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔" شہاب نے کہا اور بینا اپنے کمرے میں چلی گئی، لیکن شہاب بہت دیر تک کفالت شاہ کے بارے میں سوچتا رہا تھا، ویسے اسے کفالت شاہ کی شخصیت دیکھ کر اس بات کا یقین آ گیا تھا کہ واقعی وہ بے حد خطرناک انسان ہے اور اس کی جانب سے ہوشیار رہنا ہو گا، اب تک کے جو واقعات سنے تھے، اسے دیکھنے کے بعد کم از کم شہاب کے دل میں اس کی تصدیق ہو رہی تھی، دوسرے لوگ اگر اسے فرشتہ صفت سمجھیں تو سمجھیں لیکن شہاب اس کی اصلیت کو پہچان چکا تھا اور سچی بات یہ ہے کہ اسے فرشتہ سمجھنے والا کوئی نہیں تھا، بات اس

قدر بھی ڈھکی چھپی نہیں رہی تھی، یہ الگ بات ہے کہ شیطان کو شیطان کہنے والا شاہ گڑھی میں کوئی بھی نہیں تھا۔

اور شہاب کا خیال بالکل درست ہی تھا، کفالت شاہ بھی اس وقت اپنی خوابگاہ میں موجود تھا اور ایک آرام کرسی پر دراز ہلکے ہلکے ہلکورے لے رہا تھا، اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ جانے کب تک وہ اسی طرح سوچ میں ڈوبا رہا، بینا اس کی آنکھوں میں تھی، بہت خوبصورت اور ماڈرن لڑکی، ویسے تو بہت سے لوگوں نے اس کے لئے بہت کچھ کیا تھا لیکن بینا کو دیکھ کر اس کے ذہن میں جو تصور اُبھرا تھا، وہ بالکل ہی انوکھا تھا، کتنی حسین، کتنی نفیس اور کتنی موزوں جسمانیت کی لڑکی ہے، ڈاکٹر ہے، بہرحال جو کچھ بھی ہے، لیکن انتہائی غیر معمولی ہے...... بدنصیب ہے جو میرے سامنے آگئی، کہیں اور زندگی گزارتی تو شاید اس کے نصیب میں کچھ نہ ہوتا لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ سمجھدار بھی ہو اور اگر سمجھدار ہوئی تو لطف آجائے گا، ایسی شخصیت ہے کہ طویل عرصے تک ساتھ رہ سکتی ہے، پھر نجانے کس خیال کے تحت اس نے پاس رکھی ہوئی گھنٹی بجائی، اس وقت رمل ڈیوٹی پر ہوتا تھا، یہ دونوں بھی عجیب شخصیتوں کے حامل تھے، کوئی دیکھ کر یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ رمل اور شاہو پڑھے لکھے نوجوان ہوں گے، وہ اچھے خاصے تعلیم یافتہ تھے لیکن کفالت شاہ کی ہدایت پر انہوں نے حلیہ ایسا بنا رکھا تھا کہ لوگ انہیں شاہ گڑھی کا ان پڑھ باشندہ ہی سمجھتے تھے، رہنے والے بھی شاہ گڑھی کے نہیں تھے بلکہ کفالت شاہ نے انہیں کہیں اور سے ہی دریافت کیا تھا، اب دریافت کرنے کی وجہ بھی یہی تھی کہ شاہ گڑھی والوں کے فریب میں نہ آجائیں اور ان کی جانب سے کسی ہمدردی کا شکار نہ ہوجائیں، لیکن وہ دونوں بے حد وفادار تھے اور کفالت شاہ کے لئے وہ سب کچھ کرنے پر آمادہ رہتے تھے جو کوئی مشین کر سکتی ہے، انسانی ذہن سے سوچنا انہوں نے چھوڑ دیا تھا اور صرف مشینی ذہن استعمال کرتے تھے اور اس کے فوائد بھی انہیں حاصل ہو رہے تھے جن کی تفصیل بیکار ہی ہے...... رمل اندر آگیا اور جھک کر بولا۔

"بڑے شاہ جی حکم۔"

"رمل، کیا دیکھ رہے ہو ہمارے اندر۔" کفالت شاہ نے رمل کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"بے چینی، اضطراب، بے سکونی جو شاہ جی کی شخصیت کا حصہ نہیں ہے۔" رمل نے جواب دیا۔

"وجہ جانتے ہو۔"

"وجہ رمل نہیں جانے گا تو اور کون جانے گا شاہ جی۔"

"وہ سامنے جو کرسی پڑی ہے اٹھا کر لاؤ اور ہمارے سامنے بیٹھ جاؤ۔"

"شاہ جی، جس دن رمل کرسی پر بیٹھ گیا تو اپنی گردن اپنے ہاتھوں سے کاٹ لے گا، اس کی جگہ شاہ جی کے قدموں میں ہے، رمل کی جگہ نہ چھیننے کا آپ نے وعدہ کیا ہے شاہ جی، اس وعدے کو نبھایئے۔" رمل نے کہا اور کفالت شاہ کے پیروں کے پاس بیٹھ گیا۔ کفالت شاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی، اس نے کہا۔

"اور حقیقت یہی ہے رمل کہ تمہاری یہی شخصیت مجھے پسند ہے خیر چھوڑو، یہ تمہارا اپنا معاملہ ہے، میں تمہیں جو مقام دیتا ہوں وہ کچھ اور ہے۔"

"یہ شاہ جی کی بڑائی ہے کہ اپنے غلاموں کو اپنے وفادار کتوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔"

"تو تم کہہ رہے تھے کہ میری اس وقت کی بے چینی اور بے سکونی کی وجہ جانتے ہو۔"

"شاہ جی کا حکم درکار ہے...... ڈسپنسری اتنی محفوظ جگہ نہیں کہ وہاں سے کسی لڑکی کو اٹھا کر لانا کوئی مشکل کام ہو۔"

"نہیں رمل نہیں، پھولوں کا استعمال بھی صاحب ذوق ان کی کوالٹی پر کرتے ہیں، سمجھ رہے ہو نا، وہ اٹھا کر لانے کی چیز نہیں ہے، ہم تو کچھ اور ہی چاہتے ہیں رمل، ہم وہ چاہتے ہیں جو بہت مشکل ہوتا ہے، لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ مشکل آسان بنائی جاسکتی ہے۔"

"شاہ جی کا حکم چاہیئے۔"

"اس وقت ہم نے تمہیں اس لئے نہیں بلایا رمل کہ ہم تمہیں اسے اٹھا کر لانے کی ہدایت کریں، بلکہ ہم تو تم سے بات چیت کرنا چاہتے ہیں۔"

"شاہ جی آپ کا غلام حاضر ہے۔"

"کون ہے، کہاں سے آئی ہے، اطلاع تو یہ ملی ہے کہ دارالحکومت سے آئی ہے، ڈاکٹرنی نئی ہے اور ہاؤس جاب مکمل کرنے کے بعد پہلی بار اس کی پوسٹنگ شاہ گڑھی میں ہوئی ہے۔"

"یہی بتایا تھا ان لوگوں نے شاہ جی میں سن رہا تھا۔"

"کوئی اونچا کھیل کھیلنا ہوگا رمل، کوئی اونچا کھیل کھیلنا ہوگا، وہ جلدی کی چیز نہیں ہے، جلدی نہیں کی جاسکتی اس کے ساتھ، ڈاکٹرنی بنی ہے کسی بڑے باپ کی بیٹی بھی ہو سکتی ہے، ساری باتوں پر غور کرنا ہوگا...... بعض کام ایسے ہوتے ہیں رمل جن کے لئے انسان تڑپتا اور سلگتا تو ہے لیکن اس کے باوجود اسے سوچنا پڑتا ہے، غور کرنا پڑتا ہے رمل، غور اور ہم نے تجھے اس وقت اسی لئے بلایا ہے کہ ہمارے ساتھ مل کر غور کر۔" رمل کے چہرے پر ہلکے سے حیرت کے آثار نمودار ہوگئے تو کفالت شاہ نے کہا۔

"کیوں رے، حیران کیوں ہے؟"

"نہیں شاہ جی، زندگی میں یہ پہلا موقع ہے کہ آپ کے منہ سے یہ الفاظ سنے ہیں شاہ جی آپ اور سوچیں گے، وہ بھی کسی لڑکی کے بارے میں۔"

"ہاں رمل سوچیں گے ہم، اس لئے کہ وہ سوچنے ہی کی چیز ہے۔" کفالت شاہ نے مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا پھر بولا۔

"دیکھ عقل جو ہوتی ہے نا اگر اس کا ساتھ چھوڑ دیا جائے اور اپنے آپ کو اس آخری حد میں سمجھ لیا جائے جہاں اس کے بعد کچھ نہیں ہوتا تو سمجھ لے کہ جو کچھ ہونا ہوتا ہے بہت جلد ہو جاتا ہے، دیر نہیں لگتی اس میں، پاگل، عقل کا تقاضا یہی ہے کہ طاقت کو جمع کرتے رہو، جمع کرتے رہو اور جب اس کے خرچ کا موقع آئے تو پھر اسے خرچ کرو، ہم یہی کر رہے ہیں اس بار اور یہ بڑا ضروری ہے رمل۔"

"یقیناً شاہ جی کی عقل بہت بڑی ہے۔"

"تو یوں کر رمل کہ اس کا پیچھا کر تارہ، نگاہ رکھ اس پر، کیا کرتی ہے کس طرح ڈسپنسری میں وقت گزارتی ہے، باہر کب نکلتی ہے، نکلتی ہے تو کہاں کہاں جاتی ہے، کس چیز سے دلچسپی لیتی ہے، یہ کام کر، سمجھ رہا ہے نا...... باقی سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا...... رمل، بھلا آج تک کوئی ہم سے بچ کر نکلا ہے ارے جسے ہم نے پسند کیا وہ تو اسی وقت ہماری ملکیت بن جاتا ہے، جب ہماری پسند کی پہلی نگاہ اس پر پڑتی ہے ہاں ایک بات اور ہے جو ہم تجھ سے کہنا چاہتے ہیں رمل۔"

"حکم شاہ جی۔"

"وہ لڑکا جو اس کے ساتھ ہے نا، انسانوں کا تجربہ کیا ہے تو نے کبھی؟"

"نہیں شاہ جی...... ہم نے تو صرف آپ کی غلامی کی ہے اور یہ سوچ کر کی ہے کہ آپ جو سوچتے ہیں وہی ہمارا راستہ ہوتا ہے۔"

"وہ لڑکا، اس کے چہرے کی بناوٹ، اس کی آنکھوں کا رنگ، اس کا جسم و جاں، رمل ایک بات ہماری لکھ لے وہ طوفان ہے طوفان، سمجھ رہا ہے نا، ہے تو ڈاکٹر لیکن اس کے بدن کی بناوٹ بتاتی ہے کہ ایک طاقتور نوجوان بھی ہے، آنکھوں کا رنگ بتاتا ہے کہ ان میں گہرائیاں ہیں، پیشانی کی کشادگی بتاتی ہے کہ گہری سوچ رکھتا ہے اور بہت تیز اور چالاک ہے، اصل میں جو اندازہ ہمیں لگا ہے وہ یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے عشق تو نہیں کرتے، ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے محبت تو نہیں ہے، اگر ایسا ہے رمل تو ذرا سی گڑبڑ ہو جائے گی، ہمیں سب سے پہلا فیصلہ اس آدمی کے بارے میں کرنا پڑے گا کیونکہ جس چیز کو ہم پسند کرتے ہیں پھر وہ اتنی پاکیزہ ہو جاتی ہے کہ کوئی میلی نگاہ اس پر نہیں پڑنی چاہئے، کبھی نہیں پڑنی چاہئے کیونکہ وہ ہماری عزت، ہماری آبرو بن جاتی ہے، سمجھ رہا ہے نا تو، ہمارے بعد اس کا جو بھی حشر ہو یا پھر اس کے رویئے سے ہمارے دل میں اس کے لئے جو بھی بات پیدا ہو جائے وہ بعد کی بات ہے، بہت بعد کی، ویسے تیرا کیا خیال ہے اس بارے میں؟"

"شاہ جی، ہو بھی سکتا ہے، لڑکا بھی بہت خوبصورت ہے۔"

"یہی تو پریشانی کی بات ہے اور پھر دونوں ساتھ کے پڑھے ہوئے ہیں، ویسے ہم یہ بات جانتے ہیں کہ اس قسم کے لوگ شہری زندگی میں پلنے والے آپس میں ایک دوسرے سے بے تکلف بھی ہوتے ہیں، ان کو دیکھو تو یوں لگتا ہے جیسے ایک دوسرے کے عاشق زار ہوں لیکن ان کے درمیان کچھ روایتیں بھی ہوتی ہیں، کچھ ایسی باتیں بھی ہوتی ہیں جنہیں بہر حال کہنا تو اچھا ہی پڑے گا، سمجھ رہے ہو نا یعنی وہ صرف ایک دوسرے کے معاملات میں ایک ہی شکل نہیں رکھتے، ان میں کچھ تبدیلیاں ہوتی ہیں مکمل تبدیلیاں۔"

"سمجھ رہا ہوں شاہ جی سمجھ رہا ہوں...... شہر میں لڑکے اور لڑکی بھی گہرے دوست ہوتے ہیں۔"

"ہاں ہاں بالکل، یہی کہنا چاہتے تھے ہم۔"

"پھر بھی شاہ جی اگر معلوم کریں تو کوئی حرج تو نہیں ہے۔"

"نہیں حرج کیا، بلکہ ضروری ہے لیکن معلوم کرنے کا طریقہ کیا ہوگا؟" کفالت شاہ نے کہا اور رمل سوچ میں ڈوب گیا، پھر آہستہ سے بولا۔

"شاہ جی ہمارے لئے کیا مشکل ہے، وہاں اور بھی تو لوگ ہیں، فیضا وہاں وارڈ بوائے کا کام کرتا ہے، دو عورتیں بھی ہیں جو نرسیں ہیں، شاہ جی کسی کو بھی اپنے دام میں لے لیا جائے گا۔"

"نہیں رمل نہیں، بات اس پائے کی نہیں ہے جس پائے کی تو سوچ رہا ہے، غور کرنے والی بات ہے ایسے نہیں رمل کہیں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑنی ہے۔"

"تب پھر شاہ جی کا جو بھی حکم ہو، ویسے شاہ جی آپ یقین کرو مجھے تو بڑی حیرت ہو رہی ہے اس بار آپ کچھ زیادہ نہیں سوچ رہے۔"

"ہاں زیادہ سوچ رہے ہیں، لیکن جس لئے سوچ رہے ہیں وہ شاید ابھی تیری سمجھ میں نہیں آسکے گا، ٹھیک ہے ابھی کچھ نہ کر تو، ہم خود ہی کریں گے، ہاں جو ہم نے تجھ سے کہا ہے وہ ذرا دماغ میں رکھنا...... شاہو کو بھی ڈیوٹی پر لگادے اور خود بھی کبھی کبھی اس بات پر غور کرے کہ وہ کرتی کیا ہے۔ دونوں نکلتے ہیں تو ساتھ ہی نکلتے ہیں، کہاں کہاں جاتے ہیں، اس کی دلچسپیاں کیا ہیں، اس بار ہم ذرا سوچ سمجھ کر ہی کام کریں گے۔"

"جو حکم شاہ جی۔"

"بس جا کر آرام کر، ہم تو ابھی بیٹھے ہوئے سوچ رہے ہیں، فیصلے کرنے ہیں ہمیں بہت سے۔"

"جو حکم شاہ جی۔" رمل اپنی جگہ سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔

❁

شاہ گڑھی میں بہر حال برا وقت نہیں گزر رہا تھا اور دونوں مطمئن تھے، کسی بھی بڑے کام کرنے کے لئے وقت تو خرچ ہوتا ہی ہے، یہ اندازہ بھی انہیں ہو چکا تھا کہ کوئی بھی تھوڑا سا سمجھدار انسان ہو تو شاہ گڑھی کی ڈسپنسری میں ڈاکٹر کی حیثیت سے ملازمت کرنے میں اسے کوئی دقت نہیں ہوگی، طارق شاہ سے دو تین ملاقاتیں ہوئی تھیں، پچھلی رات بھی طارق شاہ آیا تھا اور اس نے کہا تھا۔

"کل دوپہر کا کھانا آپ دونوں میرے ساتھ میرے باغ میں کھائیں گے۔"

"طارق صاحب، یہ اس بے تکلفی کی بات نہیں رہی جو ہمارے درمیان پیدا ہو چکی ہے۔"

"کیوں؟" طارق نے شہاب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کھانا پینا تو بس اتنا ہی کافی ہے کہ جہاں بھی بیٹھ جائیں شکم سیری کرلیں، اس کے لئے اہتمام تو کوئی ضروری چیز نہیں ہوتا۔"

طارق مسکرانے لگا پھر بولا۔

"یہ بے تکلفی ہی کا معاملہ ہے کہ میں نے آپ کیلئے اپنی پسند کی چیزیں تیار کرائی ہیں۔"

"چلئے ٹھیک ہے اب ہم اس قدر اعتراض بھی نہیں کریں گے کیونکہ بہر حال یہ سب بھی ضرورتوں میں شامل ہے۔"

"پھر کل بارہ بجے میں آپ کے پاس آجاؤں گا، آپ لوگ میرے ساتھ چلیں گے۔"

"وہ طارق صاحب کیا آپ نے ڈاکٹر کھوسہ کو بھی؟"

شہاب نے سوال کیا اور طارق اسے چونک کر دیکھنے لگا، پھر سرد لہجے میں بولا۔

"نہیں اور اس کی وجوہ ہے۔"

"بتانا پسند کریں گے۔"

"ڈاکٹر کھوسہ میری نگاہ میں ایک عام آدمی ہے وہ شخص جو دوسروں کی خوشامدیں کرکے اپنی حیثیت اور اپنی جگہ برقرار رکھنے کی کوشش کرے معاف کیجئے گا اس کا احترام دل میں کبھی نہیں پیدا ہوتا اور پھر یہ دوستوں کی محفل ہے اس میں کسی غیر کی گنجائش نہیں۔"

"نہیں بس یونہی سوال کرلیا تھا صرف اس لئے کہ اگر ڈاکٹر کھوسہ کوئی ذمے داری ہمارے سپرد کرے تو اس سے گریز کیا جاسکے۔"

"نہیں، ڈاکٹر کھوسہ کے لئے آپ کے یہ الفاظ کافی ہوں گے کہ طارق شاہ کے ساتھ نکل جارہے ہیں۔"

"وہ تو میں سمجھتا ہوں۔"

بہر حال اس کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہوگیا تھا...... دوسرے دن وقت مقررہ پر طارق شاہ پہنچ گیا، بینا اور شہاب تیار تھے...... طارق شاہ نے انہیں اپنی جیپ لینے کی اجازت دے دی

تھی اور خود اپنی کار میں باغ کی طرف چل پڑا تھا۔

وہ حسین جگہ ان دونوں کو بھی بے حد پسند تھی اور دو بار وہ وہاں جا چکے تھے، طارق شاہ نے ابھی تک ان سے یہ سوال نہیں کیا تھا کہ ان کی ملاقات اس کے باپ سے ہوئی یا نہیں، بینا اور شہاب نے بھی خاص طور سے یہ تذکرہ اس کے سامنے نہیں چھیڑا تھا، اصل میں بڑی احتیاط سے کام لینا تھا، باپ بیٹے تھے ان کے درمیان کوئی روابط تھے اس کا بھی صحیح طور پر کوئی اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ طارق شاہ اپنے باپ کے بارے میں گفتگو کرنے سے ہمیشہ گریز کرتا تھا، ایک آدھ بار تذکرہ بھی نکل آیا تو وہ خاموشی سے ٹال گیا...... بہر حال باغ میں جو اہتمام کیا گیا تھا وہ نظر آ رہا تھا...... اس خوشنما عمارت میں بڑی عمدگی سے تمام انتظامات کئے گئے تھے اور کچھ نئے لوگ بھی نظر آ رہے تھے جنہیں یقیناً کھانے وغیرہ کی تیاری کے لئے یہاں بلایا گیا تھا، پھر جب دستر خوان سجا تو شہاب نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بڑے آدمیوں کی باتیں بھی بہت بڑی ہوتی ہیں، آپ لوگوں کے لئے میرا یہی خیال ہے اور یہی احساس میرے دل میں موجود ہے۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، آپ کا جو دل چاہے کہیں اپنے بارے میں بھی، کبھی آپ نے کچھ سوچا۔" شہاب نے ہنستے ہوئے کہا، لیکن طارق شاہ ان الفاظ پر سنجیدہ ہو گیا۔

"ہاں اپنے بارے میں میں نے جب بھی سوچا بڑی مایوسی کا شکار رہا ہوں۔"

"مجھے آپ کے ان الفاظ پر اعتراض ہے طارق صاحب اور معاف کیجئے گا بے تکلفی یہ اجازت آپ ہی نے مجھے دی ہے۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں ایک اچھی بات کہنے کے بعد کیا ضروری ہے کہ آپ مجھے میری بے اوقاتی کا احساس دلا دیں۔"

"بے اوقاتی کا نہیں طارق صاحب، ہم آپ سے وہ بات کہہ رہے ہیں جو کہ حقیقت ہے۔"

"کیا یہ ممکن نہیں ہو سکتا کہ آپ یہ موضوع ترک کر دیں؟"

"چلئے اگر آپ کی خواہش ہے تو ٹھیک ہے۔"

پھر اس کے بعد کھانا شروع کیا گیا، کئی قسم کے پرند کا گوشت تھا...... ہرن کے گوشت کے کباب بنائے گئے تھے، مختلف قسم کی وہ تمام چیزیں موجود تھیں جو عام زندگی میں

انے کے لئے کبھی نہیں ملتیں، ویسے بھی شہاب کھانے پینے کا شوقین تھا اور واقعی اس دعوت کا لطف آیا تھا جس میں صرف تین افراد تھے، اتنی ساری اشیاء پکائی گئی تھیں کہ اس میں سے تھوڑی تھوڑی سی چکھنا بھی ان کے لئے مشکل ہو گیا۔ بہر طور یہ ایک پر تکلف اور پراہتمام دعوت تھی جسے شہاب اور بینا نے خاصا پسند کیا تھا...... دعوت کے بعد تھوڑی سی چہل قدمی کی گئی، طارق شاہ نے واقعی خوش ذوقی کا ثبوت دیا تھا...... ایک بڑے سے گھنے درخت کے نیچے کرسیاں لگوائی گئی تھیں جہاں موسم کی شدت کا ذرہ برابر احساس نہیں ہوتا تھا، یہاں بیٹھ کر وہ لوگ دنیا جہاں کی باتیں کرنے لگے اور اسی وقت بینا نے بڑی ذہانت کے ساتھ کفالت شاہ کا موضوع چھیڑ دیا۔

"طارق صاحب بہت سی باتیں ہو چکی ہیں ہمارے اور آپ کے درمیان آپ نے اپنی ذہنی کیفیت کا بھی کئی بار اظہار کیا ہے لیکن کچھ سوالات جو دل میں مچلتے ہیں وہ اب بھی تشنہ ہیں۔"

"اصل میں کفالت شاہ صاحب کے بارے میں آپ سے معلومات حاصل کرنا تھیں۔" طارق ایک دم سنجیدہ ہو گیا، کچھ لمحے خاموش رہا پھر بولا۔

"جی فرمائیے۔"

"کبھی ہم نے آپ کی زبان سے کفالت شاہ صاحب کے بارے میں کچھ نہیں سنا۔"

"آپ دونوں کے درمیان کیسے تعلقات ہیں، یہاں کچھ نرسیں وغیرہ ہیں وہ بتا رہی تھیں کہ آپ کی والدہ ایک حادثے کا شکار ہو گئی تھیں۔"

"جی ہاں انہیں سانپ نے ڈس لیا تھا۔"

"اوہ، یہ نہیں معلوم تھا، آپ کی عمر کتنی تھی اس وقت؟"

"کافی چھوٹا تھا۔"

"میرا مطلب ہے کفالت شاہ صاحب نے تو آپ کو ماں کا درجہ بھی دیا ہوگا۔"

"پتا نہیں ماں کا درجہ کیا ہوتا ہے، بہر حال میری پرورش ہو رہی ہے اور مجھے کوئی دقت نہیں ہے، لیکن ان ساری باتوں کے ساتھ ساتھ ذہن میں ایک ایسی خلش ہے جسے شاید میں الفاظ میں بیان نہ کر سکوں...... ہاں یہ بات الگ ہے کہ اگر میری زبان سے میرے دل کی آواز نکل گئی تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اس کا نتیجہ کیا ہو گا۔"

”کیا مطلب؟“

”آپ یہ بتائیے کہ ان سوالات سے آپ کو کیا حاصل ہو رہا ہے۔“ طارق شاہ نے کسی قدر اُلجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

”نہیں طارق شاہ صاحب! حاصل تو کچھ نہیں ہو رہا، آپ سے جو تعلق پیدا ہو گیا ہے اس کے تحت دل میں یہ خیال گزرا کہ آپ سے کچھ آپ کے ذاتی معاملات بھی پوچھے جائیں۔“

”میری ذات سے متعلق جو سوال ہے آپ یقین کیجئے اس کا جواب دینے سے کبھی گریز نہیں کروں گا، اس کے علاوہ آپ جو کچھ بھی پوچھیں گے میں آپ کو ضرور بتاؤں گا، لیکن پلیز بس کفالت شاہ صاحب کے تذکرے کو جانے دیجئے مجھے ایک کرب کا احساس ہوتا ہے۔“

”کک...... کیا مطلب؟“ بینا نے خوبصورت اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

”بس یوں سمجھ لیجئے کہ اگر مجھے موقع ملتا یا میری پیدائش سے قبل کوئی مجھ سے یہ پوچھتا کہ کیا تم کفالت شاہ کے ہاں پیدا ہونا چاہتے ہو تو بخدا میں انکار کر دیتا۔“ طارق شاہ نے کہا اور پھر ایک دم جھرجھری سی لے کر چونک کر انہیں دیکھنے لگا پھر بولا۔

”میں آپ لوگوں سے اپنی دوستی کے نام پر درخواست کرتا ہوں کہ براہ کرم اس موضوع کو ٹال دیجئے گا اور کوئی بات کیجئے...... یہ موضوع میرے دل میں زخم ڈال دیتا ہے۔“

”اوہ سوری طارق صاحب آئندہ اس سلسلے میں مکمل خیال رکھا جائے گا۔“

”آپ لوگ مجھے معاف کر دیجئے، میرے ان الفاظ سے بھی آپ کے دل میں تجسس پیدا ہوا ہو گا کہ آخر یہ سب کچھ کیا ہے اور سنئے میں آپ لوگوں کو ایک بات بتائے دیتا ہوں کہ شاہ گڑھی میں کوئی بھی فرد ایسا نہیں بستا جو آپ کو کوئی نقصان پہنچا سکے، کیونکہ یہاں کے لوگوں کو یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ آپ میرے دوست ہیں لیکن آپ کو اگر میں ہوشیار رہنے کی تلقین کروں تو صرف کفالت شاہ صاحب سے یہ بات اپنی گرہ میں باندھ لیجئے کہ آپ کو یہاں صرف اور صرف کفالت شاہ کا خوف کرنا ہو گا۔ بہتر ہے کہ ان کے سامنے آپ لوگ زیادہ نہ جائیں...... شاید اس سے زیادہ میں اپنے باپ کے بارے میں اور کچھ نہ کہ

ہوں۔“ طارق شاہ کا چہرہ شدت جوش سے تمتما رہا تھا اور بینا اور شہاب اسے دیکھ رہے تھے۔
شہاب دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ یہ شخص بہر حال ٹیڑھی کھیر ہے اس سے اس قدر
تعلقات تو بڑھا لئے گئے ہیں لیکن کفالت شاہ کے سلسلے میں یہ کوئی موثر ذریعہ نہ بن سکے۔
بہر حال اتنا ہی کافی تھا کہ اس کے ساتھ کفالت شاہ تک خصوصی طور پر رسائی ہو سکتی تھی۔
بہر حال ان دونوں نے جو جال پھیلایا تھا اس سے مطمئن تھے۔ کام سست رفتاری سے ہو گا اس
کا بخوبی اندازہ تا۔ فتح مندی پانے کا یقین بھی تھا۔

❁ ❁ ❁

کمالے کے جانے کے بعد بھی کفالت شاہ کچھ دیر وہیں کھڑا رہا، پھر آہستہ قدموں سے چلتا ہوا کچی حویلی میں اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔ دُور کھڑے ہوئے جاگل نے یہ دیکھ لیا تھا کہ شاہ جی نے اسے جس کام کے لئے مامور کیا ہے وہ خود بخود پایہ تکمیل تک پہنچ گیا۔ یہ پتا چل گیا کہ رات کا واقعہ کس شخص سے منسوب ہے۔ وہ لڑکی کمالے کی بیٹی تھی، اب یہ تو شاہ جی خود ہی فیصلے کر سکتے تھے کہ اصل بات کیا ہے۔ کچھ دیر تو اس کی ہمت نہ پڑی لیکن پھر وہ شاہ جی کے کمرے کی جانب چل پڑا، کفالت شاہ اپنے کمرے میں کمر پر دونوں ہاتھ باندھے ٹہل رہا تھا...... دروازے پر آہٹ ہوئی تو اس نے گردن اُٹھا کر دیکھا پھر جاگل کو دیکھ کر آہستہ سے گردن ہلائی جیسے اس کے آجانے سے غیر مطمئن نہ ہو۔

"حاضری دے سکتا ہوں شاہ جی؟" جاگل نے پوچھا۔

"آؤ آؤ۔" کفالت شاہ نے کہا اور جاگل جھک کر کمرے کے دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ وہ اس قدر دراز قامت تھا کہ جب کفالت شاہ نے اسے دیکھا تو صرف اس کا سینہ نظر آ رہا تھا...... اس سے کفالت شاہ نے یہ اندازہ لگایا کہ آنے والا جاگل ہے...... کمرے میں داخل ہو کر جاگل کفالت شاہ کے سامنے کھڑا ہو گیا...... کفالت شاہ بدستور ٹہل رہا تھا، پھر وہ رکا اور ایک کرسی کی جانب بڑھ گیا۔ کرسی پر بیٹھ کر اس نے کہا۔

"ہاں جاگل کیا کہنا چاہتا ہے؟"

"شاہ جی حکم ہو تو عرض کروں؟"

"بول، بول۔"

"شاہ جی پتا چل گیا...... رات والی لڑکی کس کی بیٹی تھی؟"

"ہاں پتا چل گیا۔" کفالت شاہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

"شاہ جی ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

"کہہ، کیا کہنا چاہتا ہے؟"

"شاہ جی کمالے جھوٹ تو نہیں بول رہا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ شاہ جی کہ لڑکی ظاہر ہے اگر بچ گئی ہے تو اس کے پاس پہنچی ہو گی، کمالے نے سوچا ہو گا کہ شاہ جی کو کہیں یہ شبہ نہ ہو جائے کہ اس کی بیٹی شاہ کا راز لے کر وہاں پہنچ گئی ہے اور شاہ جی اس کے دشمن نہ بن جائیں تو اس چالاک آدمی نے یہ کیا کہ اس طرح آپ کے پاس آگیا۔"

کفالت شاہ چونک کر جاگل کو دیکھنے لگا...... دیر تک سوچتا رہا...... پھر گردن نفی میں ہلا کر بولا۔

"نہیں جاگل، کس کی بات کر رہا ہے، بالکل بے وقوفی کی بات ہے تیری۔"

"کیوں شاہ جی۔" جاگل نے کہا۔

"یہ لوگ اتنے چالاک نہیں ہیں، یہ بستی کے سیدھے سادے لوگ اتنا بڑا کھیل نہیں کھیل سکتے۔ بات ان کی عقل ہی میں نہیں آسکتی جاگل...... نہیں یہ اتنے چالاک نہیں ہیں، بات کچھ اور ہی ہے۔"

"شاہ جی جو کچھ سوچتے ہیں وہ کوئی دوسرا نہیں سوچ سکتا، جاگل دونوں ہاتھ باندھ کر بولا اور کفالت شاہ پھر گہری سوچ میں ڈوب گیا...... کچھ لمحوں کے بعد اس نے کہا۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جاگل، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ کوئی اور ہی چکر ہے، جاگل اس چکر ہی کا پتا لگانا ہو گا ہمیں۔"

"آپ کا مطلب ہے شاہ جی۔"

"ہاں، کوئی ہے، کوئی خاص ہی بات ہے، ہم یہ بھی سوچ سکتے ہیں کہ لڑکی بستی سے باہر نکل گئی یا پھر کسی اور کے چنگل میں پھنس گئی۔ وہ کون ہو سکتے ہیں جو ہماری نگری میں ہمارے بندوں پر گولیاں چلا کر انہیں ہلاک کر دیں...... جاگل وہ اس بستی کے لوگ نہیں ہو سکتے، کہیں اور کے بندے ہیں وہ...... مگر کون ہیں؟ کہاں چھپے ہوئے ہیں؟ یہ پتا لگانا پڑے گا۔"

"شاہ جی میرے لئے کیا حکم ہے؟" جاگل نے سوال کیا اور کفالت شاہ ایک بار پھر سوچ میں ڈوب گیا۔ وہ جانتا تھا کہ جاگل کتے کی طرح وفادار ہے، اس کے احکامات سے کبھی گردن نہیں اٹھا سکتا، لیکن وہ اس قدر ذہین نہیں ہے کہ معاملے کی تہہ تک پہنچ جائے...... ایک اور شخص تھا جو بہت ذہین تھا، کفالت شاہ نے اسے اپنی جاگیر پر ایک ایسی جگہ پر بھیجا ہوا تھا جہاں کچھ لوگ سرکشی کر رہے تھے...... جابر نے وہاں جا کر صورت حال پوری طرح سنبھال لی تھی...... اس کے بعد جابر ہی ایک ایسا شخص تھا جو کفالت شاہ کا اس قدر رازدان اور اس کے ہر مسئلے میں کام آنے والا تھا...... اب اس وقت اسے جابر کی شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی...... تھوڑی دیر سوچنے کے بعد اس نے کہا۔

"جاگل! دو بندوں کو بھیج دے ہوشیاری کے ساتھ...... ان سے کہنا کہ زمیندارے سے جابر کو بلا کر لائیں...... جابر سے کہیں کہ شاہ جی کو تیری ضرورت ہے۔ اپنے کام کسی کے سپرد کر کے سیدھا شاہ جی کے پاس آ جائے۔"

"جو حکم شاہ جی، میں خود چلا جاؤں۔"

"ایں، نہیں تو میرے ساتھ رہ بس ذرا دو سمجھدار بندوں کو بھیج دے...... ایسے کہ کسی کو شبہ نہ ہو سکے...... بہت غور کرنا ہے۔"

"جی شاہ جی۔"

"تو اب میری صورت کیا دیکھ رہا ہے، جا کام شروع کر اپنا۔ بھیج دے کسی کو، اس کے بعد میرے پاس آنا۔"

"جی شاہ جی۔"

جاگل واپس مڑا اور کمرے سے باہر نکل گیا...... کفالت شاہ نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لی تھیں، وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا نظر آ رہا تھا۔

❁

رات کا بقیہ حصہ بھی انہی سوچوں میں گزر گیا۔ فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا...... اس اندھیر نگری کے بارے میں اچھی طرح سے اندازہ ہو چکا تھا۔ لوگ کفالت شاہ سے منحرف بھی تھے اور اس سے خوف زدہ بھی...... شاید بستی کا ایک بھی شخص کفالت شاہ کے بارے میں کوئی غلط لفظ منہ سے نکالنے پر آمادہ نہیں ہو سکتا تھا، ان حالات میں صورت حال کو اپنے قابو

میں رکھنا کافی مشکل نظر آ رہا تھا...... بینا نے تجویز پیش کی۔

"شہاب کیوں نہ ہم ڈبل او گینگ کو یہاں طلب کر لیں؟"

شہاب نے چونک کر بینا کو دیکھا پھر بولا۔

"کیوں؟"

"چھوٹے موٹے معاملات کا آغاز تو ہو گیا ہے، اس کا اندازہ تمہیں ہو گیا ہے، ویسے اس لڑکی کو ہم شہر بھی بھجوا سکتے ہیں...... میں یہ سوچ رہی تھی کہ کفالت شاہ کے خلاف اس سے بڑی گواہ شاید اور کوئی نہیں ہو سکتی...... ہمیں اس کی پوری پوری حفاظت کرنا ہو گی۔"

شہاب کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

"بات درست ہے بینا، ہم سوچ سکتے ہیں اس بارے میں لیکن بہت سے مسئلے سامنے ہیں۔"

"مثلاً؟" بینا نے پوچھا۔

"ڈبل او گینگ کے افراد یہاں کس حیثیت سے پہنچیں گے۔ یہ اندازہ تو تم بھی لگا چکی ہو گی کہ کفالت شاہ بے حد چالاک ہے اور چاروں طرف نگاہ رکھتا ہے۔ اس کے آدمی پوری بستی کی نگرانی کرتے ہیں...... اگر کوئی نئی شخصیت یہاں نظر آئے گی تو کفالت شاہ اس کے بارے میں پوری پوری چھان بین کرے گا اور پھر ان لوگوں کا اس کی نگاہوں میں آ جانا کوئی مشکل کام نہیں ہو گا...... یہاں اس نے جو ماحول پیدا کر رکھا ہے اس میں ڈبل او گینگ کے افراد کے لئے خطرہ بھی ہو سکتا ہے۔ یہ رسک ابھی لینا ممکن نہیں ہے۔"

بینا سوچ میں ڈوب گئی پھر بولی۔

"میں تو اس لڑکی کی حفاظت کے خیال سے کہہ رہی تھی۔"

"ہاں میں سمجھ رہا ہوں اور اس کے لئے یقیناً کوئی مناسب بندوبست کرنا ہو گا مجھے۔"

بہرحال اسی طرح کی گفتگو کے دوران صبح ہو گئی۔ بینا بدستور سسک رہی تھی اور اس کے الفاظ سن کر بینا اور شہاب کو دکھ ہو رہا تھا...... وہ روتے ہوئے بار بار کہنے لگتی تھی۔

"ابا نے منع کیا تھا، ہائے مجھے ابا نے منع کیا تھا۔ کہہ رہا تھا مینا بیٹا گھر سے باہر رات کو نہیں جاتے...... حالات خراب ہیں، ہائے مجھے کیا معلوم تھا کہ حالات میں کیا خرابی ہے، میں تو بس یہ سوچ رہی تھی کہ میری سہیلی میرے نہ آنے پر برا مانے گی۔ اماں بھی ابا پر ناراض ہوتی رہتی

ہے، مگر ابا کا فیصلہ ٹھیک ہی تھا...... ہائے مجھے کیا معلوم تھا...... بابو جی، بابو صاحب مجھے میرے گھر پہنچادو...... تمہیں اللہ کا واسطہ، کوئی پتا نہیں ابا پہلے تو اماں کو مار ڈالے گا پھر خود اپنی جان دے دے گا۔ وہ ایسا ہی ہے، میرے ماں باپ مر جائیں گے، بابو جی مجھے کسی بھی طرح۔“

”مینا دیکھو اپنے آپ کو سنبھالو، تم نے اپنے باپ کا کہنا نہیں مانا تھانا۔“ بینا کہنے لگی۔

”ہاں بیگم جی، بس کیا کروں بچی ہی تو ہوں، بھول ہو گئی۔“ مینا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، لیکن اس نے فوراً ہی مسکراہٹ کو سمیٹ لیا پھر بولی۔

”اب جو بھول ہو چکی ہے تم سے، تم دیکھو کہ قدرت نے تمہاری جان بچائی ہے۔ اب ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں وہی کرو، اگر تم اپنی مرضی سے کچھ کرنا چاہو تو دروازہ کھولے دیتی ہوں، جاؤ باہر چلی جاؤ، جس طرح چاہو کرو...... ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے...... ہم نے تمہاری جان بچانے کی کوشش کی ہے۔“

”باہر چلی جاؤں اکیلی؟“ مینا نے معصومیت سے کہا۔

”تو اور کیا...... تمہارا کیا خیال ہے کیا ہماری گردن پھنساؤ گی تم...... کیا کفالت شاہ کے آدمی یہ نہیں سوچیں گے کہ ہم نے تمہیں بچایا ہے اور پھر وہ ہمارے دشمن ہو جائیں گے۔“

”سو تو ہے بیگم جی...... وہ بڑا ہائے وہ تو کیسا بھوت جیسا نظر آتا تھا مجھے...... بیگم جی نہ جانے وہ میرے ساتھ کیا کرتا؟“

”فضول باتیں کر رہی ہو تم...... اب تم ایسا کرو خاموشی سے یہاں رہو، تمہیں یہاں چھپانا بھی ایک مشکل کام ہے...... تمہاری آواز بھی باہر سن لی گئی تو ہم لوگ مصیبت میں پھنس جائیں گے۔“

”میں کیا کروں پھر بتاؤ میں کیا کروں؟“ مینا نے کہا۔

”تم ابھی خاموشی سے یہاں چھپی رہو، ہم دیکھتے ہیں کہ تمہارے لئے کیا بندوبست کر سکتے ہیں۔“

پھر شہاب اور بینا صبح کی روشنی پھوٹتے ہی باہر نکل آئے۔ در حقیقت ان کا ذہن کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ مینا کے سلسلے میں کیا کریں۔ خطرہ مول لے چکے تھے...... کفالت شاہ کے تین آدمیوں کی ہلاکت ویسے تو شہاب کے لئے سرکاری طور پر کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی، لیکن ابھی وہ اس شکل میں سامنے آ بھی تو نہیں سکتے تھے۔ سارا کھیل ادھورا رہ جاتا۔

ی کچھ بھی نہیں ہو سکا تھا، کفالت شاہ کے خلاف...... چنانچہ ایک ایک قدم پھونک رکھنا تھا...... باہر لان میں ڈاکٹر کھوسہ نظر آیا۔ اپنی گاڑی کا بونٹ اٹھائے اس پر جھکا ہوا تھا، ہیں دیکھ کر مسکرایا اور بولا۔

”شرم بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔“

”جی۔“ شہاب نے حیرت سے پوچھا۔

”شرم کی بات کر رہا ہوں، شرم کی۔“

”اس وقت آپ کو اس کا خیال کیسے آگیا ڈاکٹر کھوسہ۔“

”ہاں، ہاں بھئی طنز کرو، طنز کرو مجھ پر لیکن کیا کروں خدا اس کم بخت کو غارت کردے، گاڑیوں میں آگ بھی لگ جایا کرتی ہے، بندہ اپنے ہاتھ سے تو آگ نہیں لگا سکتا، اپنا نقصان ز تو نہیں کر سکتا، لیکن اگر اتفاقیہ طور پر کسی چیز میں آگ لگ جائے یا وہ ختم ہو جائے یا تباہ ہو جائے تو پھر صبر آ ہی جاتا ہے۔ اب اس زندہ جیپ پر میں کیسے صبر کروں۔“

”زندہ جیپ۔“ شہاب اور بینا ہنس پڑے۔

”تو اور کیا کبھی کبھی چلتی ہے تو کم بخت ایسے چلتی ہے کہ میں سوچتا ہوں کہ اس نے اپنے سارے گناہ دھو ڈالے اور کبھی رکتی ہے تو اس طرح، اب موسم دیکھو ذرا، آسمان کی طرف نگاہیں اٹھاؤ۔“

”جی جی۔“

”کیا خوب صورت موسم ہے، ایسے موسم میں جنگل کے جانور ہمیں کوس رہے ہوں گے۔“

”کیوں؟“

”میاں کمال کرتے ہو یعنی وہ آزادی سے پھر رہے ہیں اور وہ ہمارے سینے پر مونگ دل رہے ہیں...... مونگ ہی ہوتی ہے نا وہ؟“

”جی ہاں۔“

”مگر سینے پر مونگ کیسے دلی جاتی ہے؟“

”جی؟“ شہاب حیرت سے بولا۔

”میاں مونگ ایک سخت چیز ہے اور سینہ نرم۔“

"محاورے میں دلی جاتی ہے۔"

"ایسی کی تیسی اس محاورے کی جس کا کوئی مفہوم نہ ہو۔"

"محاورے تو عموماً ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

"ہوتے ہوں گے، میں نے تو ایک بھی ایجاد نہیں کیا۔"

ڈاکٹر کھوسہ جھلایا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"مسئلہ کیا ہے؟"

"کمال کرتے ہو یار یعنی اتنی دیر سے جو سنا رہا ہوں، کیا سنا رہا ہوں، داستان الف لیلیٰ یا داستان یوسف زلیخا پتا نہیں کیا ہوتی ہے، میرا مطلب ہے کہ تم میرا مطلب نہیں سمجھ سکتے۔"

"ہماری گاڑی لے جائیں۔"

"اسی لئے تو شرم کی بات کر رہا تھا۔" ڈاکٹر کھوسہ سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

"یعنی آپ۔"

"ہاں میاں، کتنی بار مانگوں تمہاری گاڑی اب تو شرم آنے لگی ہے، شرم کی وجہ سے میری زبان نہیں کھلتی۔"

"بینا ڈاکٹر کھوسہ کو جیپ کی چابی لا دو۔" شہاب نے کہا اور بینا ہنستی ہوئی واپسی کے لئے مڑ گئی۔

"خدا تمہیں اتنا زندہ رکھے کہ زندگی سے تنگ آ جاؤ۔" ڈاکٹر کھوسہ نے کہا۔

"ارے ارے ڈاکٹر کھوسہ صاحب آپ تو برا بھلا کہنے لگے۔"

"نہیں واقعی میرا دل مچل رہا ہے بس جی چاہتا ہے کہ جنگل کے جانور ہوں اور ہم ایک دوسرے سے آنکھ مچولی کھیلتے پھریں۔" ڈاکٹر کھوسہ نے اس انداز سے کہا کہ شہاب کے حلق سے قہقہہ آزاد ہو گیا۔ اتنی دیر میں بینا چابی لے آئی تھی۔

"پٹرول ہے؟" ڈاکٹر کھوسہ نے پوچھا۔

"جی ہاں، خاصا پٹرول بھرا ہوا ہے...... ویسے بھی اس میں کئی پٹرول کین موجود ہیں۔"

"خدا۔"

"بس بس بس، زیادہ دعائیں دینے کی ضرورت نہیں، آپ کی دعائیں بھی خطرناک ہو جاتی ہیں۔"

ڈاکٹر کھوسہ اپنے ساتھ کچھ اور لوگوں کو بھی لے گیا تھا...... عموماً ایسا ہی ہوتا تھا مگر مدد کے لئے وہ وارڈ بوائے کو لے جایا کرتا تھا۔ اب ڈسپنسری میں صرف ناصرہ اور حمیدہ رہ گئی تھیں اور یہ بھی اچھی بات تھی...... شہاب نے اسی لئے جلدی سے اپنی گاڑی دے دی تھی۔ پھر ڈسپنسری میں تنہائی ہو جائے تاکہ بینا کو چھپانے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ڈاکٹر کھوسہ ان لوگوں کو دعائیں دیتا ہوا چلا گیا تھا۔

"ہوں، آج کے دن کے لئے تو کم از کم تھوڑی آسانی ہوئی اب باقی رہ گئیں حمیدہ اور ناصرہ۔ ان لوگوں کو بھی کسی طرح بھگا دیتے ہیں۔" بینا نے کہا۔

"کیسے؟"

"اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی کام نہیں ہوتا تو یہ لوگ بھی چلی جاتی ہیں، یہاں ان کے اپنے گھر وغیرہ بھی ہیں۔"

"تو پھر تم یہی کام کرو...... میں اس کے بعد ذرا سکون سے سوچ سکوں گا۔" شہاب نے کہا اور بینا حمیدہ اور ناصرہ کی جانب چل پڑی دونوں ہی کچھ سست سی نظر آ رہی تھیں...... بینا کو دیکھ کر جلدی سے بولیں۔

"ارے ڈاکٹرنی صاحبہ کوئی کام تھا تو ہمیں بلا لیتیں۔"

"یہاں کیا کام ہوتا ہے حمیدہ!"

"ہاں جی...... یہ تو ہے...... سچی بات یہ ہے کہ پنشن کے بعد بھی انسان کو کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا ہے لیکن اس ڈسپنسری کو اللہ سلامت رکھے یہاں ڈیوٹی کے دوران بھی کبھی کچھ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی، ہم نے تو بہت عرصہ ہوا نرسوں کے کپڑے بھی نہیں پہنے...... ویسے ڈاکٹرنی صاحبہ آج کی اگر چھٹی مل جائے ہمیں تو بڑا کام ہو جائے۔" بینا خوشی سے اُچھل پڑی وہ تو خود یہ سوچ کر آئی تھی کہ ان لوگوں کو کس طرح یہاں سے ٹالے تاکہ آرام سے کچھ وقت گزارا جا سکے...... تاہم اس نے کہا۔

"کہاں جانے کا ارادہ ہے؟"

"بس ڈاکٹرنی صاحبہ آج ذرا کچھ کام بھی تھے اور پھر ڈاکٹر کھوسہ بھی چلا گیا ہے، اب تو آپ ہی لوگ ہیں...... آپ تو یہیں رہتے ہو جی اگر آپ اجازت دیں تو ہم شام تک کے لئے چلے جائیں۔"

"ہاں...... ہاں چلی جاؤ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔"

"اللہ آپ کو خوش رکھے۔"

پھر تھوڑی دیر بعد حمیدہ اور ناصرہ بھی چلی گئیں...... شہاب باہر ہی تھا اور بینا کمرے کے اندر...... جب وہ دونوں چلی گئیں تو بینا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"چلئے جناب آج کا دن تو ہمیں فرصت کا مل گیا...... اب لڑکی کے کھانے پینے کا کوئی بندوبست کریں حالانکہ اسے کھلانا بھی مشکل ہوگا...... اس کے بعد سوچیں گے کہ ہمیں اس سلسلے میں کیا کرنا چاہئے۔"

"ٹھیک ہے۔" شہاب نے گردن ہلا کر کہا اور اس کے بعد بینا اور شہاب بینا کے سلسلے میں کچھ ضروری تیاریاں کرنے میں مصروف ہوگئے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک وہ اس کے بارے میں کوئی صحیح فیصلہ نہیں کرپائے تھے کہ اسے کہاں پوشیدہ رکھا جاسکے، جبکہ یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ وہ کفالت شاہ کے سلسلے میں ایک اہم اور کارآمد گواہ ثابت ہوسکتی تھی۔

❋

طارق شاہ بے شک بیمار ہوا تھا لیکن یہ بیماری اس کے لئے ایسی متبرک ثابت ہوئی کہ اس کا دل اندر سے بے پناہ خوش ہوگیا...... کسی ایسی شخصیت کا مل جانا جس میں محبت اور احترام کا جذبہ مشترک ہو اس کے لئے ایک بے حد خوشگوار تجربہ تھا، شملہ کے بارے میں اسے بس اتنا ہی معلوم تھا کہ وہ اس کی سوتیلی ماں ہے۔

شاہ گڑھی میں کفالت شاہ کے قانون پر عمل درآمد ہوتا تھا جس ذہن کو جو بات سمجھادی جاتی تھی بھلا مجال ہے کہ وہ اس سے منحرف ہوسکے۔ ہر چند کہ طارق شاہ کے دل میں اپنے باپ کے لئے لاتعداد احساسات تھے۔ اس کا دل اندر سے اُبلتا تھا، کبھی کبھی وہ چاہتا تھا کہ ان احساسات کو کسی نہ کسی شکل میں زبان پر لے آئے لیکن کس کے سامنے کوئی ایسا تھا ہی نہیں...... پچھلے دنوں بینا اور شہاب سے ملاقات ہوئی تھی وہ لوگ بے چارے ہسپتال کے ڈاکٹر تھے...... اچھی طبیعت کے مالک تھے اور طارق شاہ ان سے بے تکلف ہوگیا تھا...... بہت اچھے لگے تھے وہ لوگ اور طارق شاہ کا دل چاہا تھا کہ ان پر اپنے دل کے سارے راز کھول دے، لیکن پھر دل مسوس کر خاموش ہوگیا تھا...... پہلی بات تو یہ کہ وہ بے چارے کر ہی کیا سکتے تھے، سوائے دل جوئی کے اور پھر طارق شاہ کی ہمت بھی نہیں پڑے گی کہ اپنے باپ کے

خلاف زبان کھولے لیکن شملہ کا معاملہ اور تھا وہ اسی راستے کی راہی تھی، اتنا تو طارق شاہ بھی سمجھتا تھا کہ شملہ کے ساتھ بھی کوئی بہت اچھا نہیں کیا جارہا ہوگا...... کفالت شاہ تو اس طرف کا رخ ہی نہیں کرتا تھا...... ویسے طارق شاہ کو اس بات کا بھی اندازہ تھا کہ پکی حویلی میں کسی میں بھی مجال نہیں ہے کہ کفالت شاہ کے بارے میں غلط انداز سے سوچ سکے، اسی لئے کفالت شاہ نے یہاں اپنے جاسوسوں کا پہرہ بھی نہیں بٹھایا تھا...... طارق شاہ کو بھی اس نے پوری اجازت دی ہوئی تھی، بس جن معاملات میں پابندی تھی ان معاملات میں تھی، باقی طارق شاہ اپنی مرضی سے سب کچھ کرسکتا تھا اور اسے کہیں بھی کسی جگہ رکاوٹ پیش نہیں آتی تھی، جن معاملات میں کفالت شاہ نے اسے پیچھے رکھا تھا ان پر طارق شاہ کا دل ہمیشہ روتا تھا...... وہ آزاد فضاؤں کا پنچھی نہیں تھا بلکہ ایک بہت بڑے پنجرے میں قید تھا اور اس پنجرے کا نام شاہ گڑھی تھا...... تعلیمی لحاظ سے اسے دُنیا کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل ہوچکی تھیں...... اس کے اتالیق اسے ہر طرح کی تعلیم دیتے تھے، لیکن بس وہ محدود سی دنیا دیکھنے کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے اس طرح سے تو لڑکیاں بھی گھروں میں قید نہیں رہتیں جس طرح کفالت شاہ نے طارق شاہ کو باہر کی دُنیا سے دُور رکھا تھا۔

شملہ کے بارے میں وہ بہت کچھ سوچتا رہا، اسے افسوس بھی ہورہا تھا کہ اب تک ایسی شفیق اور مہربان عورت سے ملاقات کیوں نہیں کی۔ بس ایک نفرت کا احساس اس کے دل میں جاگزیں تھا اور وہ نفرت یہ تھی کہ اس عورت نے اس کی ماں کی جگہ لے لی ہے لیکن اتنی اچھی عورت پتا نہیں وہ کیا حالات ہوں وہ شملہ سے ایک بار اس کے بارے میں معلومات ضرور کرے گا ممکن ہے اس کا دل اس کی جانب سے بالکل ہی صاف ہوجائے...... بہرحال وقت گزرتا رہا بدن پر نقاہت طاری تھی...... باہر نکلنے کا ابھی دل میں خیال نہیں آیا تھا، تھوڑی طبیعت بحال ہوجائے تو اس کے بعد بینا اور شہاب سے بھی ملنا تھا...... خاصا وقت گزر گیا ہے۔ وہ لوگ سوچتے ہوں گے کہ بڑے آدمی کا بیٹا ہے...... بھول گیا، حالانکہ ایسی بات نہیں ہے...... بہرحال ان سے معذرت کرلوں گا۔

دن گزر گیا...... ویسے اس نے یہ محسوس کیا تھا کہ نجمہ اور دوسری ایک دو ملازمائیں خصوصی طور پر اس کا خیال رکھ رہی ہیں...... نجمہ کی خیر بات ہی اور تھی...... وہ ان تمام معاملات کی رازدان بن گئی تھی...... دیکھیں کس حد تک وزنی شخصیت رکھتی ہے، کہیں ایسا نہ

ہو زبان کھول دے ویسے طارق شاہ کو اتنا خطرہ بھی نہیں تھا...... اگر کفالت شاہ تک بات پہنچ گئی تو وہ اس کا سامنا کر لے گا...... آخر انسانی زندگی پر کس حد تک پابندیاں لگائی جا سکتی ہیں، رات کو اس کا دل مچلنے لگا اور وہ وقت کا انتظار کرتا رہا پھر جب پکی حویلی میں سناٹا چھا گیا، ملازم تمام کاموں سے فارغ ہو کر اپنے اپنے کمروں میں سونے چلے گئے تو وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور چوروں کی طرح چلتا ہوا شملہ کے دروازے پر پہنچ گیا، لیکن دروازے پر دستک دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی، اس کے دروازے پر پہنچتے ہی دروازہ کھل گیا تھا...... وہ حیران رہ گیا۔ دروازہ کھولنے والی نجمہ تھی۔

"ارے تم یہاں کیوں کھڑی تھی؟"

"آپ کا انتظار کر رہے تھے ہم لوگ شاہ جی۔" نجمہ نے کہا۔

"کیا واقعی؟"

"ہاں...... اندر آ کر دیکھ لیجئے۔" نجمہ مسکرا کر بولی۔

اندر شملہ کھڑی ہوئی تھی...... طارق شاہ نے اسے سلام کیا تو اس نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں آ رہا ہوں۔"

شملہ مسکرا دی پھر بولی۔

"بس معلوم ہو گیا...... اس بارے میں اور کوئی سوال نہ کرو۔"

"بیٹھ سکتا ہوں۔"

"پوچھنے کی بات ہے؟" شملہ نے کہا اور بڑے پیار سے اسے کرسی پر لے جا کر بٹھا دیا۔

طارق شاہ بیٹھ گیا اس نے مسکراتی نگاہوں سے شملہ کو دیکھا تو شملہ نے کہا۔

"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟"

"بتا نہیں سکتا۔" طارق شاہ بولا۔

"کیا مطلب؟"

"افسوس ہوتا ہے کہ پہلے یہ بیماری مجھ پر کیوں طاری نہ ہوئی۔"

"ارے، ارے کیوں؟"

"آپ کو نہیں معلوم آنٹی کہ اس بیماری نے مجھے کیا دیا ہے۔"

"کیا دیا ہے؟" شملہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"آنٹی۔" طارق شاہ نے کہا اور شملہ بھی ہنسنے لگی پھر بولی۔

"کیسی عجیب بات ہے طارق شاہ۔"

"کیا آنٹی؟"

"یہی کہ کتنے عرصے سے ہم لوگ ساتھ رہتے رہے ہیں، ایک عمر گزر گئی لیکن وہ لمحہ اچانک ہی آیا کہ جس لمحے میں تم مجھ سے اس قدر بے تکلف ہو گئے۔"

"ہاں آنٹی اسی پر تو افسوس کر رہا ہوں۔"

"خیر چھوڑو...... اب ٹھیک ہونا۔"

"بالکل ٹھیک ہوں...... آپ یہ سمجھ لیجئے کہ آپ نے مسیحائی کی ہے ورنہ شاید زیادہ عرصے تک بیمار رہتا۔"

شملہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور خاموش ہو گئی تو طارق شاہ بولا۔

"کیوں آنٹی آپ کچھ عجیب سی ہو گئیں۔"

"نہیں بس ایسے ہی۔" شملہ نے گردن جھٹک کر کہا پھر بولی۔

"کچھ کھاؤ گے؟"

"دل تو بالکل نہیں چاہ رہا آنٹی آپ حکم دیں گی تو ضرور کھاؤں گا۔"

"کچھ پھل لے لو۔"

"جی آنٹی۔"

شملہ نے نجمہ کو اشارہ کیا اور نجمہ باہر نکل گئی۔ طارق شاہ اسے مسکرا کر دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

"کیسی عجیب بات ہے آنٹی...... میرے اتنے قریب محبت کا ایک آبشار بہہ رہا تھا اور میں نے کبھی اس کے قطرے سے لطف حاصل نہیں کیا، اب یہ محسوس ہو رہا ہے جیسے میں اس آبشار کے نیچے آ بیٹھا ہوں۔"

"میں یہ ساری باتیں اس انداز میں نہیں کر سکتی طارق شاہ لیکن یقین کرو میں بھی اتنی ہی پیاسی ہوں...... طارق شاہ عجیب سی زندگی گزاری ہے میں نے، شاید میری زندگی تمہاری زندگی سے مختلف نہ ہو...... شاید وہی احساسات تمہارے دل میں بھی ہوں

جو میرے دل میں ہیں...... حقیقت یہ ہے طارق شاہ کہ...... کہ بس تم سے کچھ کہتے ہوئے عجیب سا محسوس ہوتا ہے۔"

"عجیب سا کیوں آنٹی؟"

"مجھے معاف کرنا اگر میری زبان سے کوئی غلط لفظ نکل جائے تو اس کے بارے میں غور نہ کرنا بلکہ یہ سوچنا کہ میں سادگی سے جو کہنا چاہتی تھی وہ کہہ دیا۔"

"آنٹی اگر ہمارے درمیان بھی یہ کھوٹ قائم رہی تو پھر آپ بتایئے کہ ہم خلوص کا اظہار کس کے سامنے کریں گے۔"

"میں یہ کہہ رہی تھی کہ پتا نہیں شاہ جی کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا رہا ہو..... پتا نہیں تمہارے دل میں ان کے لئے کیا مقام ہو میں کوئی ایسی ویسی بات کہہ جاؤں جو تمہیں بری لگ جائے۔"

"آنٹی یہ وعدہ کر رہی ہیں کہ دل کی بات سنیں گی، دل کی باتیں کہیں گی۔"

"کیا مطلب؟"

"مجھے بھی اس کی اجازت دیں کہ میں اپنے دل کے سارے راز آپ کو بتا سکوں۔"

"کیا تم ایسا کر سکو گے طارق شاہ؟"

"ہاں آنٹی پہلے میں ایسا کرنا چاہتا ہوں اور اس کے بعد اگر آپ مجھے اس قابل سمجھیں تو مجھے بھی اپنی کیفیات کے بارے میں بتا دیجئے...... یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ انسان انسان کے کام آتا ہے اور کچھ نہیں تو آپ نے میرے سر پر ہاتھ رکھا ہے، کم از کم یہ ہاتھ تو قائم رہنے دیں۔ مجھے آپ پر اعتبار ہے آنٹی، مکمل اعتبار ہے۔ ہو سکتا ہے آنے والا وقت آپ کو بھی مجھ پر اعتبار دلا دے۔"

شملہ اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھنے لگی پھر بولی۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو طارق شاہ؟"

نجمہ پھل لے کر آ گئی تھی۔ طارق شاہ نے اسے دیکھا تو شملہ نے کہا۔

"پورے اعتماد سے یہ بات کہہ رہی ہوں طارق شاہ کہ نجمہ کو ہم سے الگ نہ سمجھو...... ہم دونوں ہی تمہارے ہر معاملے کی راز دان ہیں اور ایک دوسرے کے دلوں کا حال جانتی ہیں۔"

"نہیں آنٹی میں جانتا ہوں...... نجمہ ایک اچھی عورت ہے۔"

"بیٹھ جاؤ نجمہ۔"

نجمہ بیٹھ گئی تو طارق شاہ نے کہا۔

"آنٹی، میری پرورش جس انداز میں ہوئی۔ آپ کو بھی علم ہے، بہت چھوٹا تھا کوئی احساس نہیں تھا مجھے...... میں نہیں جانتا تھا کہ ماں کیا چیز ہوتی ہے۔ آنٹی پتا نہیں کیوں جوں جوں بڑا ہوتا چلا گیا مجھے یہ احساس ہوتا رہا تھا کہ میرے ساتھ کچھ ناانصافیاں ہو رہی ہیں...... میری پرورش میں کچھ ایسی باتیں سامنے آ رہی ہیں جو دنیا میں نہیں ہوتیں...... آنٹی میں نہیں جانتا کہ دنیا کے بہت سے معاملات کس انداز میں چلتے ہیں۔ لوگ کس طرح خوش رہتے ہیں۔ آنٹی جوں جوں شعور کی منزل میں میں داخل ہوتا چلا گیا۔ بہت سے احساسات ہوئے مجھے معاف کیجئے گا، آنٹی آپ کہہ رہی تھیں کہ میں بڑے شاہ جی کے سلسلے میں کسی بات کا برا مان جاؤں گا نہیں آنٹی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اگر آپ کو علم نہیں ہے کہ بڑے شاہ جی کیا چیز ہیں تو میں اپنی معلومات آپ تک پہنچاؤں گا۔ آنٹی میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں میری عمر جتنی بھی ہے لیکن وقت سے پہلے مجھے بہت سی ایسی باتوں کا ادراک ہوا ہے جو میری عمر کے کسی لڑکے کو نہیں ہوتا...... آنٹی میں نے دیکھا ہے کہ بستی کے لوگ بڑے شاہ جی کو ایک خوفناک اژدہا سمجھتے ہیں، ان سے خوف زدہ رہتے ہیں...... لوگ ان کا احترام نہیں کرتے وہ جو ان کے پاس اپنے مسائل لے کر آتے ہیں اس لئے نہیں آتے کہ بڑے شاہ جی ان کے مسائل حل کریں گے، بلکہ اس لئے آتے ہیں کہ وہ جانتے ہیں کہ ان کے مسائل بڑے شاہ جی نے ہی پیدا کئے ہیں اور اگر وہ چاہیں تو ان کے مسائل کو سمیٹ کر انہیں زندگی کی مشکلات سے نجات دلا سکیں...... آپ سمجھ رہی ہیں نا آنٹی...... شاہ جی مسائل پیدا کرتے ہیں اور لوگ اپنے مسائل کا حل انہی کے پاس تلاش کرنے آتے ہیں کیونکہ ان کے باقی تمام راستے بند کر دیئے گئے ہیں، باہر کے لوگوں کی یہ بات ہے آنٹی جہاں تک گھر کا تعلق ہے تو ہم سب بھی اسی کیفیت کا شکار ہیں...... ہم بھی ان کی مملکت کے وہ حقیر ذرے ہیں جنہیں وہ جب چاہیں اپنے پاؤں سے رگڑ سکتے ہیں...... آنٹی میں بالکل نہیں کہہ سکتا کہ میرے دل میں بڑے شاہ جی کا کیا مقام ہے۔ میں یہ دیکھتا ہوں کہ وہ میرے ساتھ رعایت برتتے ہیں لیکن آنٹی نہ جانے کیوں میرے دل میں ایک خلش ہے۔ ایک احساس ہے میرے دل میں...... بڑے شاہ جی کے بارے میں میں بہت زیادہ برے الفاظ نہیں کہوں گا لیکن آپ یقین کریں ان کی کچھ ایسی باتیں

میرے دل میں آچکی ہیں جو آنٹی آپ کے سامنے میں بیان نہیں کر سکتا، وہ غیر انسانی باتیں ہیں...... انسان انسانوں کے ساتھ یہ سلوک نہیں کرتے بڑے شاہ جی بظاہر درویش بنے رہتے ہیں، لیکن میں جانتا ہوں آنٹی کہ ان کے اس روپ کے پیچھے دوسرا روپ کون سا ہے۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے اور اب جب ان کے سلوک اچھی طرح دیکھ چکا ہوں، جان چکا ہوں میرے دل میں بارہا یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ میری ماں کے ساتھ کیا سلوک ہوا ہوگا۔ آنٹی میری ماں کے ساتھ کیا سلوک ہوا...... مجھے اپنی ماں کی صورت یاد نہیں ہے، وہ کیسی تھی...... کس طرح چلتی تھی...... کس طرح ہنستی تھی...... کس طرح بولتی تھی، زندگی میں کبھی ہنسی بھی تھی یا نہیں۔

میرا دل مجھ سے کہتا ہے کہ میری ماں کے ساتھ کوئی ایسا ہی سلوک ہوا جو...... جو۔" طارق شاہ کی آواز بھرا گئی، شملہ کی آنکھوں میں بھی آنسو تیرنے لگے تھے...... نجمہ نے گردن جھکا لی تھی۔ طارق شاہ چند لمحات کے بعد سنبھل کر بولا۔

"آنٹی آپ کو اس بارے میں کچھ معلوم ہے۔ خدا کی قسم میں آپ کو کسی ایسی بات کے لئے مجبور نہیں کرنا چاہتا جس پر آپ کو بھی دُکھ ہو لیکن آنٹی بہر حال میری یہ دلی آرزو ہے۔ میرے دل میں یہ خیال ہے کہ کہیں سے مجھے میری ماں کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکے...... میرا دل تڑپتا ہے آنٹی خدا کے واسطے آپ کو اس بارے میں اگر کچھ معلوم ہے تو مجھے ضرور بتا دیجئے۔"

شملہ کے رخساروں پر آنسو بہنے لگے...... طارق شاہ نے کہا۔

"آنٹی آپ رو رہی ہیں...... میں سخت شرمندہ ہو رہا ہوں نہ جانے کیوں آپ رو رہی ہیں...... میں نے شاید آپ کے دل کے کسی ایسے تار کو چھیڑ دیا ہے جس سے آپ کا اپنا ماضی بھی وابستہ ہے...... آنٹی آپ کہہ چکی ہیں کہ آپ نے خاص مقام مجھے دے دیا ہے، اپنے دل میں تو کیا اس کی کوئی گنجائش ہے کہ آپ کا بیٹا آپ کا طارق شاہ نا سہی میں آپ کا بیٹا لیکن دنیا تو مجھے یہی کہے گی آنٹی اگر صحیح معنوں میں مجھے میرا مقام دیا جائے تو...... تو میں آپ کا بیٹا ہی ہوا...... آنٹی آپ کیا مجھ سے کوئی بات چھپائیں گی۔"

"نہیں طارق شاہ نہیں۔" شملہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تو مجھے بتائیے آنٹی مجھے بتائیے آنٹی خدا کے لئے مجھے بتائیے میری ماں کے ساتھ اس

گھر میں کیا سلوک ہوا تھا...... آنٹی آپ کو خدا کا واسطہ مجھے ایک بار ضرور بتائیے۔"

شملہ نے آنسو بھری نگاہوں سے نجمہ کی جانب دیکھا اور بولی۔

"نجمہ میں کیا کروں مجھے بتاؤ نجمہ میں کیا کروں؟"

نجمہ نے کہا۔

"آپ وہ کریں مالکن جو آپ کو ان حالات میں کرنا چاہئے۔"

"مجھے بتاؤ نجمہ تمہیں خدا کا واسطہ مجھے بتاؤ...... یہ مجھ سے پہلی بار زندگی میں کوئی سوال کر رہا ہے...... میں اسے کیسے مایوس کر دوں لیکن لیکن میں اپنی زبان سے جو کچھ کہوں گی تم بتاؤ نجمہ کیا وہ درست ہوگا؟"

"نہیں۔" نجمہ نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"تو پھر مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟"

"مم...... ماگھی کو بلا لیجئے۔" نجمہ آہستہ سے بولی۔

"کیا؟" شملہ نے حیرت سے منہ کھول دیا۔

"ہاں...... ماگھی کو بلا لیجئے۔"

"لیکن...... لیکن۔"

"نہیں آپ ماگھی کو جانتی ہیں، اچھی طرح جانتی ہیں۔"

"ہاں جانتی تو ہوں لیکن۔"

"ماگھی کون ہے آنٹی، نجمہ ماگھی کون ہے؟" طارق شاہ نے دونوں سے سوال کیا۔

"ماگھی وہ ہے چھوٹے شاہ جی جس نے آپ کی ماں کو بچپن سے گود میں کھلایا تھا، ماگھی وہ ہے شاہ جی جو صرف آپ کی ماں کی محبت میں، بڑے شاہ جی کی حویلی تک آ گئی تھی۔ وہ اس کی خادمہ تھی، آیا تھی چھوٹے شاہ جی اور صرف اس کے لئے یہاں آئی تھی اور جب آپ کی ماں اس دنیا سے رخصت ہو گئی تو ماگھی بہت عرصے تک اپنا ذہنی توازن کھوئے رہی...... رفتہ رفتہ اسے صبر آیا تھا، اس وقت سے وہ پکی حویلی ہی میں پڑی ہوئی ہے...... اس کا کوئی اور سہارا بھی نہیں تھا، لیکن چھوٹے شاہ جی وہ آپ کی ماں کی موت کا راز جانتی ہے۔"

"کہاں ہے ماگھی...... آہ میں عجیب ہوں وہ سارے کردار میرے ارد گرد بکھرے ہوئے تھے جو میرے دل کے بند دروازے کھول سکتے تھے، لیکن میں ان سے بے خبر رہا...... میں

واقعی بے وقوف انسان ہوں...... نجمہ ماگھی کہاں ہے؟"

"یہیں ہے شاہ جی۔" نجمہ نے جواب دیا۔

"تو مجھے اجازت دیجئے آنٹی کہ میں ماگھی سے بات کروں کیا آپ مجھے اس کا موقع دیں گی، کیا آپ اس بات سے خوف زدہ تو نہیں ہوں گی کہ میں یہ سب کچھ آپ کے کمرے میں بیٹھ کر کر رہا ہوں لیکن ایک بات آپ سن لیں میرے سامنے یہ نام آیا ہے...... میں...... میں یہ سارے دروازے کھول کر رہوں گا آنٹی...... آنٹی آپ اطمینان رکھیں میں اتنا بے وقوف بھی نہیں ہوں کہ کوئی اندھا قدم اٹھا بیٹھوں...... میں اپنے آپ پر ہر طرح کا قابو رکھوں گا...... یہ بات تو میرے دل میں بار بار آچکی ہے آنٹی کہ میری ماں قدرتی موت نہیں مری...... شاہ جی کے اطوار دیکھ کر مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ شاہ جی شاید دنیا کے ہر شخص کے ساتھ فریب کرتے ہیں، ہاں یہ کہتے ہوئے مجھے کوئی شرم نہیں آتی، کوئی دُکھ نہیں ہوتا آپ لوگ نہیں جانتے میرے دل میں کیا کیا کچھ ہے...... میں اس لاوے کو سامنے لاؤں تو آپ یقین کیجئے کہ خود جل کر خاکستر ہو جاؤں گا، میں اسے اپنے اندر ہی پکنے دے رہا ہوں...... آنٹی خدا کے لئے مجھے اس کا موقع دیجئے کہ میں تمام حقیقتوں سے روشناس ہو سکوں۔"

"نجمہ...... جاؤ ماگھی کو جگا کر لے آؤ۔"

"جی مالکن۔" نجمہ نے جواب دیا اور اپنی جگہ سے اُٹھ کر باہر نکل گئی۔

"آہ، کیا کیا ہے میری زندگی میں، کیا کیا ہے آنٹی، کیا بتاؤں آپ کو...... کس انداز میں زندگی گزار رہا ہوں، کیا کیا محسوس کیا ہے میں نے اپنے آپ کو میں سونے کے پنجرے میں بند چڑیا ہوں آنٹی جو اس پنجرے میں گھوم تو سکتی ہے آزاد نہیں ہو سکتی، مجھے سونے کے اس پنجرے سے نفرت ہے آنٹی...... مجھے ساری دنیا سے نفرت ہے، آپ یقین کیجئے میں نہیں جانتا کہ میرے دل میں کیا ہے؟"

شملہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور آہستہ سے کہا۔

"ہر دل میں ایک طوفان ہوتا ہے طارق شاہ اور وہ طوفان دلوں ہی میں بند رہتا ہے...... مرنے والے اس طوفان کے ہاتھوں مر جاتے ہیں اور دل نہیں کھول پاتے...... کچھ زندگیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جو اسی انداز میں گزرتی ہیں۔"

"نہیں آنٹی میرا خیال ہے کہیں نہ کہیں ہر اس شخص کا انداز فکر غلط ہوتا ہے جو اپنے

ر گھٹ گھٹ کر مرجاتا ہے، اسے راستے تلاش کرنے چاہئیں، ضرور تلاش کرنے چاہئیں۔"

"شاید مگر میرے اندر اتنی ہمت کبھی پیدا نہیں ہوئی، تم جانتے ہو کہ میں ایک بے بس کمزور انسان ہوں صرف شاہ جی کی رعایا جس کی اپنی کوئی آواز نہیں ہے، جس کا اپنا کوئی نام نہیں ہے۔"

طارق شاہ گردن جھکا کر بیٹھ گیا، وہ ماگھی کا انتظار کر رہے تھے۔ طارق شاہ نے ماگھی کو بھی دیکھا ہو گا۔ ظاہر ہے پکی حویلی ہی میں رہتی تھی لیکن وہ کسی میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا تھا، صرف چند افراد سے اس کا واسطہ تھا جنہیں وہ جانتا تھا اور بس، پکی حویلی میں کیا ہو رہا ہے۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا، یہاں تک کہ اس نے کبھی شملہ کے بارے میں بھی غور نہیں کیا تھا، سوائے اس کے کہ لوگوں نے اسے بتایا تھا کہ وہ اس کی سوتیلی ماں ہے۔ کیا ہے...... کیسی ہے...... کس انداز میں اس کے بارے میں سوچتی ہے۔ اس پر کبھی طارق شاہ نے غور ہی نہیں کیا تھا اور اب اسے اس کا افسوس ہو رہا تھا۔ کافی دیر تک خاموشی طاری رہی پھر اس وقت ٹوٹی جب نجمہ ماگھی کے ساتھ اندر داخل ہو گئی۔ اس نے ماگھی کا بازو پکڑا ہوا تھا۔ خاصی ضعیف عورت تھی۔ سارے بال سفید تھے اور چہرے پر حزن وملال نظر آتا تھا۔ طارق شاہ کو دیکھ کر وہ چونکی اور اس نے جلدی سے کہا۔

"سلام چھوٹے شاہ جی۔"

"سلام ماگھی، آؤ بیٹھ جاؤ۔"

"کوئی غلطی ہو گئی ہم سے، چھوٹے شاہ جی کوئی غلطی ہو گئی مالکن۔"

"نہیں ماگھی بالکل خوف نہ کرو...... تم اس وقت محفوظ جگہ ہو، آرام سے بیٹھ جاؤ۔"

شملہ کے نرم الفاظ سے ماگھی کو حوصلہ ہوا اور خوف زدہ سی بیٹھ گئی۔ بہر حال چھوٹے شاہ جی سامنے تھے اور وہ ان کے سامنے اپنی اوقات کو سمجھتی تھی۔ طارق شاہ نے ماگھی کے قریب پہنچ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ماگھی تم بزرگ ہو میری، تمہاری عزت تمہارا احترام سر آنکھوں پر آج میں تم سے کچھ مانگنا چاہتا ہوں ماگھی۔"

"ہیں چھوٹے شاہ جی۔" ماگھی کی حیرت زدہ آواز اُبھری۔

"ہاں۔"

"ہم سے مانگنا چاہتے ہیں۔"

"ہاں ماگھی۔"

"ہمارے پاس کیا ہے چھوٹے شاہ جی۔ دیکھو ہمارے دونوں ہاتھ خالی ہیں، ہم کیا دیں گے تمہیں چھوٹے شاہ جی۔"

"ماگھی مجھے علم ہوا ہے کہ میری ماں کو تم نے اپنی گود میں پرورش کیا۔ کیا یہ سچ ہے۔"

"ہیں..... ہاں۔" ماگھی ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں بھرتی ہوئی بولی۔

"ایک بات بتاؤ ماگھی جس عورت کو تم نے اپنی گود میں پرورش کیا کیا اس عورت کی اولاد تمہارے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔"

"چھوٹے شاہ جی آپ کیا کہہ رہے ہو جی۔ ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔" ماگھی ہراساں لہجے میں بولی۔

"میں یہ کہہ رہا ہوں کہ جس عورت کو تم نے اپنی آغوش میں پرورش کیا کیا اس کی اولاد سے تمہیں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"چھوٹے شاہ جی..... یہ خالی ہاتھ دیکھ رہے ہو..... ان خالی ہاتھوں میں آپ کا دیا ہوا ہی آتا ہے۔ چھوٹے شاہ جی یہ کسی کو کیا دے سکتے ہیں..... رہی بات دلچسپی کی شاہ جی تو ہم جتنے چھوٹے لوگ ہوتے ہیں نہ دل کی بات دل ہی میں رکھتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں کہ ان باتوں کا ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا چھوٹے شاہ جی۔"

"خیر چھوڑو..... ماگھی یہ بتاؤ میری ماں کی موت کیسے ہوئی؟"

ماگھی کا چہرہ تاریک ہو گیا، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے شملہ اور نجمہ کو دیکھنے لگی، پھر اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"چھوٹے شاہ جی، ہم کیا بتائیں جی۔"

"دیکھو ماگھی یہ میں پوچھ رہا ہوں تم سے..... اس عورت کا بیٹا جس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ شاید تم سے زیادہ اور اسے کوئی نہیں چاہتا تھا۔"

ماگھی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، پھر اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"چھوٹے شاہ جی زندگی تو اب ختم ہونے کو ہے۔ ہم موت سے نہیں ڈرتے پر آپ یہ کرو گے معلوم کر کے۔"

"ماگھی میں اس عورت کا بیٹا ہوں۔" طارق شاہ نے کہا اور ماگھی خاموش ہو گئی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں، اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے، پھر یوں محسوس ہوا جیسے جلال میں آ گئی ہو، اس کی دھندلائی ہوئی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ اس نے کہا۔

"مار ڈالا تھا..... مار ڈالا تھا بڑے شاہ جی نے..... ہماری مانا کو مار ڈالا تھا۔ ہاں بڑے شاہ جی نے مار ڈالا تھا اسے..... ہم سے زیادہ اور کون جان سکتا ہے یہ بات۔"

"مگر ماگھی ہم نے تو یہ سنا ہے کہ اسے سانپ نے کاٹا تھا۔"

"سانپ نہیں چھوٹے شاہ جی..... ہماری گردن دبا کر ہمیں مار دو جوتا رکھ کے دبا دو ہماری گردن مر جائیں گے، پر ایک بات سمجھ لو کسی سانپ نے نہیں کاٹا تھا اسے..... وہ سانپ تو اس کا مالک تھا جس نے اسے کاٹا۔"

"مطلب۔"

"بڑے شاہ جی..... بڑے شاہ جی نے اسے اپنے ہاتھوں سے مارا..... تم نے دیکھا نہیں ہوگا ہم نے دیکھا تھا۔ کوئی چیز ہوتی ہے بڑے شاہ جی کے ہاتھ میں، وہ اسے اپنے انگوٹھے اور انگلی میں پہن لیتے ہیں اور پھر وہ اس سے کسی کو بھی مار دیتے ہیں، ہاں ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا..... چھپ کر دیکھا..... انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے اسے مارا تھا۔ ہماری مانا کو مار دیا..... مار ڈالا شاہ جی نے مار ڈالا اسے۔" ماگھی کا لہجہ اس قدر پر درد تھا کہ سب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے..... طارق پر جلال نگاہوں سے ماگھی کو دیکھ رہا تھا۔

"مجھے تفصیل بتاؤ ماگھی؟"

"چھوٹے شاہ جی آپ..... آپ..... آپ کچھ نہ پوچھیں جی۔"

"ماگھی میں تمہیں حکم دیتا ہوں، تم جانتی ہو میں کون ہوں؟ مجھے بتاؤ کیسے مارا گیا میری ماں کو، کیوں مارا گیا۔"

"اس کی وجہ سے؟"

"کیا مطلب؟"

"بڑے شاہ جی اس سے شادی کرنا چاہتے تھے..... پکی حویلی میں ایک ہی عورت رہتی ہے..... بڑے شاہ جی یہ نہیں چاہتے کہ کوئی ان پر انگلی اٹھائے۔ انہوں نے روپ دھار رکھا ہے۔ وہ نہیں چاہتے کوئی اس روپ پر شک و شبہ کرے، سمجھ رہے ہو نا چھوٹے شاہ جی.....

اس عورت کو وہ یہاں لانا چاہتے تھے، اس پر عاشق ہو گئے تھے۔ اسے اپنی بیوی بنانا چاہتے تھے وہ...... بڑی...... بڑی...... بڑی مالکن نے میری ماما نے اس کی مخالفت کی اور بھلا شاہ جی اسے کیسے زندہ رہنے دیتے، مار دیا انہوں نے بڑے آرام سے مار دیا اور وہ مر گئی۔ کون تھا اس کا پوچھنے والا...... اس کا بھی کوئی پوچھنے والا نہیں ہے، جب بھی بڑے شاہ جی کو کوئی اور لڑکی پسند آئے گی وہ اسے مار دیں گے، پھر اس کی جگہ دوسری لڑکی لے لے گی، سمجھ رہے ہو نا تم...... اور کچھ پوچھنا چاہتے ہو مجھ سے؟"

"ہاں ماگھی۔"

"کیا؟"

"پھر...... پھر کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں ہوا...... انہوں نے اس سے شادی کر لی...... فضل کامل، بے چارہ فضل کامل کب چاہتا تھا کہ اس کی بیٹی شملہ پکی حویلی میں دلہن بن کر آئے...... بڑا فرق تھا شاہ جی میں اور اس میں...... اس نے اپنی بھرپور کوشش کی کہ شملہ کی ان سے شادی نہ ہو سکے...... اس کا بیٹا بھی تھا چھوٹا سا بیٹا تھا اور اس کی بیوی تھی نہالہ، پھر تینوں غائب ہو گئے...... لوگوں نے کہا کہ وہ بستی چھوڑ کر بھاگ گئے، مگر ماگھی یہ جانتی ہے کہ وہ بستی چھوڑ کر نہیں بھاگے۔" طارق سرخ چہرہ لئے ماگھی کی باتیں سن رہا تھا، پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"تو پھر کہاں گئے وہ؟"

"یہ تو اللہ ہی جانے...... پر...... پر۔"

"ہاں ماگھی کہو۔"

"پر۔"

"کہو کیا بات ہے۔"

"ہمیں یہ پتا چلا کہ وہ کچی حویلی میں موجود ہیں۔"

"کون؟"

"فضل کامل، اس کی بیوی اور بیٹا۔"

"موجود ہیں سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"ہو سکتا ہے وہ موجود ہوں اب بھی وہیں۔"

"کچی حویلی میں۔"

"ہاں۔"

"مگر کسی نے تو انہیں وہاں دیکھا نہیں۔"

"کون دیکھ سکتا ہے...... شاہ جی نہ چاہیں تو انہیں کون دیکھ سکتا ہے، کچی حویلی کے نیچے تہہ خانے ہیں۔" ماگھی نے جواب دیا۔

"اور وہ زندہ ہیں؟"

"یہ میں نہیں کہہ سکتی۔"

"ماگھی تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"دیکھو ماما کی قسم یہ بات میں کسی کو نہیں بتاؤں گی اور ماما کی قسم کھائی ہے میں نے...... تو تم بھی مجھ سے یہ نہ پوچھو...... تم مجھے مار سکتے ہو...... قتل کر سکتے ہو، لیکن یہ بات میں نہیں بتاؤں گی کہ کس نے مجھے یہ بات بتائی ہے۔"

"ہوں۔" شملہ کے حلق سے سسکیاں نکل گئیں۔

"میرے ماں باپ زندہ ہیں۔" اس نے ٹوٹی ہوئی آواز میں کہا۔

"ماگھی اور کیا جانتی ہو اس سلسلے میں تم؟"

"بس چھوٹے شاہ جی ہم جانتے ہیں، بس اتنا جانتے ہیں ہم کہ اب ہماری موت قریب آگئی ہے مگر یقین کرو ہمیں زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ہم زیادہ جینا بھی نہیں چاہتے...... بہت جی لیا اب کیا کریں گے جی کر وہ تو بس بوجھ ہے زندگی کا جو گھسیٹ رہے ہیں...... اب ہمیں جانے دو جی...... بس جتنا بول لیا اس سے زیادہ بولنا ہمارے بس میں نہیں تھا...... ہم جا رہے ہیں۔" ماگھی اُٹھی اپنی جگہ سے اور باہر نکل گئی۔

شملہ بدستور سسکیاں لے رہی تھی۔ کافی دیر تک ماحول پر سناٹا طاری رہا کوئی کچھ نہیں بول سکا تھا، پھر طارق شاہ نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"آنٹی آنسو پونچھ دیجئے...... ہر انسان کی زندگی کا کوئی مقصد ہوتا ہے، میں ان لوگوں میں سے ہوں جن کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں تھا...... لاتعداد بار اپنے بارے میں سوچا کہ میں کیوں زندہ ہوں، مستقبل میں مجھے کیا کرنا ہے...... لوگ کہتے ہیں کہ میں آخر کار بڑے شاہ جی کا منصب سنبھالوں گا، لیکن اس وقت تک کیا میں زندہ رہ سکوں گا۔ کیا ان حالات میں آپ

لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں زندہ رہ سکوں گا...... سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن میں زندہ رہنا چاہتا ہوں...... اب میری زندگی کا مقصد سامنے آیا ہے...... مجھے جینا ہے۔

"آنٹی! آپ اپنے آنسو خشک کر لیجئے۔ میرا ساتھ دیجئے میں یہ نہیں کہتا کہ آپ میرے ساتھ کسی جدوجہد میں شامل ہوں لیکن، لیکن اب اس حویلی میں ایک نئے کھیل کا آغاز ہوگا...... ایک بالکل نئے کھیل کا...... اگر آپ کے ماں باپ زندہ ہیں تو آنٹی میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ انہیں تلاش کر لوں گا...... انہیں آپ کے سپرد کر دوں گا۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے...... ٹھیک ہے آپ مجھ پر اعتماد کریں یا نہ کریں، لیکن میرا آپ سے یہ وعدہ ہے...... اب میں چلتا ہوں آنٹی۔ ملاقات ہوتی رہے گی اس بات کو ہمیں ذہن سے نکالنا ہوگا کیونکہ ہمیں اپنے مقصد کی تکمیل کرنی ہے خدا حافظ۔" طارق شاہ نے کہا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔

❀ ❀ ❀

جابر کفالت شاہ کے پاس پہنچ گیا۔ گٹھے ہوئے مضبوط بدن کا مالک بھاری جبڑوں کی بناوٹ سے یہ احساس ہوتا تھا کہ انتہائی سخت دل اور بے رحم ہے۔ آنکھوں سے انتہائی شاطر نظر آتا تھا...... کفالت شاہ کے سامنے پہنچ کر جھک گیا۔

"شاہ جی پر قربان، بہت عرصے کے بعد شاہ جی کی زیارت ہوئی ہے۔ شاہ جی اس طرح نظرانداز نہ کر دیا کریں...... کبھی کبھی اپنی قدم بوسی کی اجازت دے دیا کریں...... شاہ جی دل بے قرار رہتا ہے۔"

"جیتے رہو جابر...... جیتے رہو...... ہم جانتے ہیں کہ تم ہم سے زیادہ کمینے ہو...... ہم سے زیادہ شاطرانہ گفتگو کر سکتے ہو، مگر کوئی بات نہیں کوئی بات نہیں پسند ہیں ہمیں ایسے لوگ...... ایسے لوگ ہمیں پسند ہیں جو اندر سے پتھر اور اوپر سے موم نظر آتے ہوں، ہمیں ایسے ہی لوگوں کی ضرورت ہے۔"

"دنیا کے سامنے جابر کچھ بھی ہو شاہ جی۔ آپ کا کتا ہے...... غلام ہے۔"

"ہاں...... تو آپ مطلب کی بات پر آجاؤ...... کیسا چل رہا ہے تمہارا کام۔"

"مجال ہے شاہ جی کہ شاہ جی کے کتے پر کوئی بری نظر ڈال دے، ایک ایک کو ٹھیک کر کے رکھ دیا ہے...... بہت سوں نے سرکشی کی مگر جابر کی پیٹھ پر شاہ جی کا ہاتھ تھا۔"

"کیا تمہیں معلوم ہو گیا ہے جابر کہ رمل مر چکا ہے۔"

"جی۔" جابر اُچھل پڑا۔

"اور اس کے ساتھ دو ہمارے اور وفادار بھی مارے جا چکے ہیں۔"

"مارے جا چکے ہیں شاہ جی۔"

"ہاں۔"

"کیا کہہ رہے ہیں شاہ جی...... یہ بات تو سامنے بھی نہیں آئی کوئی نہ کوئی تو تجھے پتا سکتا تھا۔"

"اس لئے کہ بات سامنے کی نہیں ہے۔"

"اوہو، شاہ جی سے کوئی بدتمیزی کی تھی اس نے؟" جابر نے مطمئن انداز میں پوچھا۔

"ایسی بات بھی نہیں تھی۔"

"تو پھر شاہ جی پھر کیا ہوا؟"

"اب شاہ گڑھی میں کوئی ایسی قوت داخل ہوگئی ہے جو کفالت شاہ کے غلاموں کو ہلاک کر سکتی ہے۔"

"شاہ جی کے علم میں ہے کہ وہ کون ہے؟" جابر نے خونخوار لہجے میں پوچھا اور کفالت شاہ نظر اٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔

"دماغ میں بھوسہ بھر گیا ہے، کیا تیرے اگر میرے علم میں ہوتا تو کیا میں تجھے یہ بتانے کے لئے بلاتا کہ کچھ لوگ میرے سامنے آکھڑے ہوئے ہیں...... چیتھڑے اُڑا کے رکھ دیتا ان کے۔ اصل بات تو یہی ہے کہ بلی تھیلے میں چھپی ہوئی ہے۔"

"اوہ یہ بات ہے...... مگر واقعہ کیا ہوا تھا؟"

"میرا یار ہے نا تو کہ میں تجھے واقعہ بتانے بیٹھوں۔"

"نہیں شاہ جی نہیں...... بس غلام کو تو حکم دیجئے...... اشارہ کر دیجئے...... بستیوں کی بستیاں تباہ کر دوں گا۔"

"بستیاں تباہ کرنے کے لئے تجھے نہیں بلایا جابر...... تجھے کام کرنا ہے کام...... ایک لڑکی ہمارے پاس سے بھاگ گئی تھی۔ کچی حویلی سے اگر کوئی نکل جائے تو سمجھو کفالت شاہ کے منہ پر جوتا پڑ گیا...... ہمارے منہ پر جوتا پڑا ہے جابر۔"

"کون لڑکی تھی شاہ جی؟"

"کمالے کی بیٹی...... یہیں شاہ گڑھی میں رہتا ہے۔"

"وہ گھر پہنچ گئی؟"

"اگر گھر پہنچ جاتی تو پھر بات ہی کیا تھی؟"

"تو پھر مالک پھر کیا ہوا؟"

"ہم نے اس کو رمل سے منگوایا تھا...... لے آیا وہ ہمارے پاس...... دھوکہ ہم ہی کھا گئے...... تیز تھی...... طاقتور تھی...... چالاک تھی...... دھوکے سے نکل گئی اور پھر غائب ہوگئی۔ رمل اور دو آدمیوں کو اس کے پیچھے بھیجا تو وہ تینوں ہلاک ہوگئے۔"

"تو...... تو کیا لڑکی نے۔"

"نہیں...... انہیں گولیاں چلا کر مارا گیا۔"

"مگر شاہ جی بستی میں تو کسی کے پاس یہ ہتھیار نہیں ہیں۔"

"نہ بستی والوں کی مجال ہے کہ ہمارے حکم کے بعد بستی میں کسی کے پاس آتشیں ہتھیار ہوں...... کوئی ہتھیار رکھے۔"

"کچھ نئے لوگ تو بستی میں داخل نہیں ہوئے؟"

"نہیں...... کہیں سے کوئی رپورٹ نہیں ہے...... جاگل کام کر چکا ہے مگر جاگل صرف بدن ہے عقل نہیں ہے...... یہ کام تجھے کرنا ہے۔"

"کمالے کا کام تو نہیں ہے شاہ جی؟"

"کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن کمالے ہمارے پاس آیا تھا...... ہمارے پاس فریاد لے کر آنے والا اتنا چالاک نہیں ہو سکتا کہ ہمیں ہی بے وقوف بنانے آئے۔"

"تب تو بات بہت اُلجھی ہوئی ہے۔"

"تجھے کس لئے بلایا ہے ہم نے...... اپنے بلانے کا مطلب نہیں جانتا۔"

"جانتا ہوں شاہ جی جانتا ہوں...... تھوڑا سا وقت دے دیجئے دودھ کا دودھ پانی کا پانی کر کے رکھ دوں گا۔"

"یہی کرنا ہے تجھے۔"

"شاہ جی بالکل فکر نہ کریں جتنی جلدی ہو سکا اصل آدمی کو آپ کے سامنے لے آؤں گا...... شاہ جی ویسے اجازت دیجئے کہ بستی میں جس طرح چاہوں تفتیش کروں۔"

"ٹھیک ہے لیکن کسی پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے مجھ سے مشورہ ضرور کر لینا۔"

"ٹھیک ہے شاہ جی۔" جابر نے جواب دیا اور اس کے بعد وہاں سے باہر نکل آیا۔

پھر تقریباً چالیس گھنٹے کے بعد وہ دوبارہ کفالت شاہ کے پاس آیا...... کفالت شاہ اس

دوران اس کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا، لیکن جابر نے پوری بستی کھنگال ڈالی تھی...... ایک بھی ایسا آدمی نظر نہیں آیا تھا جس کے بارے میں یہ سوچا جاسکے کہ وہ باہر کا ہے اور ایسا کوئی عمل کر سکتا ہے...... اپنے طور پر جابر نے ساری معلومات حاصل کر لی تھی...... کفالت شاہ نے اسے دیکھا اور بولا۔

"ہاں۔"

"شاہ جی لگتا ہے جو کوئی بھی تھا کام کر کے بھاگ گیا۔"

"کیا مطلب؟"

"لڑکی بھی پوری بستی میں کہیں نہیں ہے شاید آپ کو یہ بات معلوم نہیں ہے کہ کمالے آدھا پاگل ہو چکا ہے، اب وہ قبرستان کی ایک قبر پر بیٹھا رہتا ہے اور وہاں سے گزرنے والے سے پوچھتا ہے کہ اس کی بیٹی کی قبر کون سی ہے، اس کی بیوی زار و قطار روتی رہتی ہے...... کمالے کا میں نے اندازہ لگایا ہے شاہ جی...... وہ اتنا چالاک بھی نہیں ہے اور اتنی مجال بھی نہیں ہے اس کی کہ شاہ جی کے سامنے گردن اٹھا سکے۔"

"بکواس کئے جا رہا ہے۔ کمالے، کمالے، کمالے یہ بات تو ہم پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ کمالے اتنا چالاک نہیں ہے تو نے اس دوران کیا کیا ہے؟"

"شاہ جی بستی میں کوئی نیا آدمی بھی نہیں ہے...... بس ایک اندازہ لگایا ہے میں نے۔"

"کیا اندازہ لگایا ہے؟"

"یہ شاہ جی کہ کوئی گزرتا ہوا بندہ لڑکی کو اپنے ساتھ لے گیا۔"

"کیا مطلب؟"

"وہ یہاں سے بھاگ گئی تھی، ہو سکتا ہے کسی ہیرو کے ہاتھ لگ گئی ہو اور وہ ہیرو ہمارے تین بندوں کو ہلاک کر کے اسے لے کر نکل گیا ہو۔"

کفالت شاہ کچھ سوچتا رہا پھر اس کے چہرے پر تشویش کے آثار پھیل گئے۔

"جابر، ویسے تو تو یہ جانتا ہے کہ ہم ہر طرح کے برے سے برے حالات کو سنبھالنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ کئی منسٹر ہمارے لئے کام کر رہے ہیں...... مجال ہے کوئی ہماری بات سے منہ موڑے...... جہاں سے بھی جو ہوگا ہم دیکھ لیں گے، لیکن اس کے باوجود سیر کو سوا سیر ملتا ہے، جابر یہ نہیں چاہتے ہم...... ایسا نہ ہو کہ لڑکی کسی غلط ہاتھوں میں لگ کر کسی ایسی

جگہ جا پہنچے جہاں سے اس کی کہانی عام ہو جائے۔"

"شاہ جی حکم کریں جابر حاضر ہے۔"

"ٹھیک ہے جابر اب جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ ہم ڈرتے نہیں ہیں کسی سے...... اپنی ہر کوشش کر چکے لیکن زندگی میں پہلی بار ہمیں شکست ہوئی ہے لڑکی خاصی خوب صورت اور سانولی سلونی تھی وہ بھی یاد آتی ہے اور اپنی شکست بھی۔"

"شاہ جی جابر پوری بستی کو آگ لگا سکتا ہے آپ کے لئے اگر آپ حکم دیں تو۔"

"نہیں ٹھیک ہے تو واپس جا اپنے کام پر...... دیکھ لیں گے جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

"جیسا حکم شاہ جی۔" جابر نے جواب دیا۔

"کب واپس جا رہا ہے؟"

"شاہ جی کا حکم ہو تو آج کی رات اور رُک جاؤں۔"

"ہاں...... بالکل کل دن میں جانا۔"

"شاہ جی کو سلام کر کے جاؤں گا۔" جابر نے جواب دیا اور وہ کفالت شاہ کے پاس سے نکل آیا۔

تین دن گزر چکے تھے اور ان تین دنوں میں شہاب اور بینا کو کافی محنت کرنا پڑی تھی، کسی ایک زندہ وجود کو ہسپتال کے ایک کمرے میں چھپائے رکھنا معمولی بات نہیں تھی...... وہ لوگ بڑی ذہانت سے کام لے رہے تھے...... اصل میں شہاب کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا اس کے بارے میں۔ یہاں کام تو ہو رہا تھا اور اسے یقین تھا کہ کام صحیح اندازہ میں ہو جائے گا لیکن بینا کو منظر عام پر لانے کا مطلب یہ تھا کہ بات بری طرح بگڑ جائے...... اس لڑکی کو تحفظ بھی دینا تھا...... اس کے علاوہ شہاب نے کمالے کی حالت بھی دیکھی تھی اور اسے بہت افسوس ہوا تھا...... وہ اپنے طور پر مصروف رہا تھا...... کمالے کے بارے میں معلومات بھی حاصل کرتا رہا تھا اور اسے علم ہو گیا تھا کہ کمالے ذہنی توازن کھو بیٹھا ہے اور آہستہ آہستہ اس کے گھر کی حالت تباہ ہوتی جا رہی ہے...... ایک اور گھر کو تباہی کے غار میں دھکیلنے سے بچانا تھا اور شہاب اس سلسلے میں سوچ رہا تھا، پھر اس پر وہی کیفیت طاری ہو گئی جسے جنونی کیفیت کہا جا سکتا تھا اور اس شام مغرب کے وقت اس نے بینا سے کہا۔

"نہیں بینا یہ کوئی حل نہیں ہے۔ ہم نے کبھی چوہوں کی طرح زندگی نہیں گزاری...... ہمیشہ مردانگی کا ثبوت دیتے رہے ہیں تو اب کیا ہم ایک کونے میں چھپ کر بیٹھ جائیں...... اس سے زیادہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔"

بینا چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"میں سمجھی نہیں شہاب۔"

"کام تو بینا ہونا ہی ہے...... ہم اپنے جیسی کوشش کر لیتے ہیں کہ ہمیں کوئی دقت نہ ہو لیکن بہر حال کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہے...... میرا خیال ہے آج اس لڑکی کا معاملہ نپٹا دیا جائے۔"

"کیسے؟" بینا سرسراتی آواز میں بولی۔

"کمالے، اس کی بیوی اور اس لڑکی کو شہر پہنچانا ہوگا۔"

"اوہ تینوں کو؟"

"ہاں۔"

"کیسے، کیا ڈبل او گینگ کے افراد کو بلاؤ گے؟"

"بالکل نہیں۔"

"تو پھر؟"

"میں خود یہ کام کروں گا۔"

"مگر کیسے شہاب؟"

"جیسے بھی ہو سکے بینا یہ کام کرنا ہے۔"

"اگر مجھے اپنا منصوبہ بتاؤ تو شاید میں بھی اس سلسلے میں کوئی مشورہ دے سکوں۔"

"بینا جب کوئی منصوبہ ذہن میں نہ آئے تو وہ کرنا چاہئے جو دل کہے۔"

"بابا دل کیا کہہ رہا ہے کچھ ہمیں بھی تو پتا چلے۔" بینا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"رات گزر جانے دو...... کمالے اور اس کی بیوی کو اس کے گھر سے اُٹھانا پڑے گا اور اس کے بعد بینا کو اس کے ساتھ لے کر میں یہاں سے چل پڑوں گا...... راتوں رات انہیں شہر پہنچانے کے بعد صبح ہونے سے پہلے واپس آجاؤں گا۔"

"شہاب۔" بینا سرسراتی آواز میں بولی۔

"ہاں کہو۔" شہاب نے کہا لیکن بینا دیر تک کچھ نہ کہہ سکی...... وہ عجیب سی نگاہوں سے شہاب کو دیکھ رہی تھی، پھر اس نے کہا۔

"منصوبہ اچھا ہے لیکن شہر جا کے صبح سے پہلے واپس آسکو گے؟"

"کیوں نہیں۔"

"کمالے اور اس کی بیوی کو کیسے حاصل کرو گے؟"

"ہوش و حواس کے عالم میں انہیں ان کے گھر سے نکال کر لانا اور اتنا سفر کرانا مناسب نہیں ہوگا۔"

"تو پھر؟"

"میں انہیں بے ہوش کر دوں گا؟"

"کیسے؟"

"ڈسپنسری میں کم از کم اتنے لوازمات موجود ہیں...... مجھے معلوم ہے۔"

"اور میں نہیں جاؤں گی تمہارے ساتھ؟"

"مناسب نہیں ہوگا بینا...... میں اس وقت ہر حادثے کا انتظار کروں گا...... کوئی بھی واقعہ ہوا اس سے باآسانی نبٹ لوں گا...... اگر تم ساتھ ہوگی تو مجھے دقت ہوگی بینا...... محسوس نہ کرنا میری بات کو۔"

"شہاب کیا کبھی تم نے مجھے۔"

"نہیں بینا...... پلیز اگر میں نے کوئی فیصلہ کر لیا ہے تو تمہیں صرف اس کی تائید کرنی چاہئے۔"

"او کے۔" بینا نے آہستہ سے کہا اور اس کے بعد بظاہر مطمئن نظر آنے کی کوشش کرنے لگی۔

ڈنر پر شہاب ہنستا مسکراتا رہا تھا، پھر اس نے بینا سے کہا۔

"بینا یہاں چھپے چھپے تم تنگ آ گئی ہوگی۔"

"نہیں صاحب، تنگ نہیں آئے ہم...... ہم تو یہ سوچ رہے ہیں کہ دُنیا میں آپ جیسے بھی ہوتے ہیں...... صاحب جی جن کے چہرے روشن ہوتے ہیں وہی اچھے لوگ ہوتے ہیں، کالے چہرے والے لوگ اچھے نہیں ہوتے...... ہم نے یہی اندازہ لگایا ہے۔"

"نہیں بینا ایسی کوئی بات نہیں ہے...... یہ سب اپنے سوچنے کی باتیں ہیں...... اچھا سنو، آج رات تم یہاں سے نکل جاؤ گی۔"

"کک، کہاں صاحب جی۔" بینا نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں تمہیں یہاں سے شہر لے جاؤں گا۔"

"شہر۔"

"ہاں۔"

"صاحب جی ہمارے ماں باپ تو مر جائیں گے۔"

"نہیں بینا تمہارے ماں باپ بھی تمہارے ساتھ ہوں گے۔"

"ہیں۔"

"ہاں بینا۔"

"مگر صاحب جی وہ...... وہ۔"

"بس میں تمہیں یہ بات بتائے دیتا ہوں بینا...... تیار رہنا۔ اپنے آپ کو سنبھالے رکھنا...... کوئی غلط بات نہ ہو۔"

"صاحب جی آپ بے فکر رہیں۔" بینا نے جواب دیا۔

"بینا تمہیں ایک جگہ لے کر جائیں گی رات کی تاریکی میں...... ان کے ساتھ چلی آنا اور کسی قسم کی فکر نہ کرنا۔"

"جی صاحب جی۔" بینا نے جواب دیا۔

بعد میں شہاب نے بینا کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"بینا ظاہر ہے ہم زیادہ رسک نہیں لیں گے...... یہاں سے اس سڑک تک تم جاؤ گی جہاں سے گاڑیاں گزرتی ہیں...... میں ان دونوں کو لے کر آؤں گا اور اس کے بعد بینا کو وہیں سے ساتھ لے لوں گا...... تم احتیاط کے ساتھ واپس چلی آنا۔"

"ٹھیک ہے شہاب، بالکل بے فکر رہو۔ میں مستعد ہوں۔"

"اور بینا اپنا خیال رکھنا۔"

"جی سر، آپ مطمئن رہیں۔" بینا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

منصوبے کے مطابق شہاب نے اپنے کام کا آغاز کر دیا...... ہسپتال کی ڈسپنسری سے کلوروفارم مل گیا تھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ کافی پرانا تھا لیکن اس کے استعمال کی تاریخ ختم نہیں ہوئی تھی...... شہاب نے اس میں سے تھوڑی سی مقدار لے کر ایک شیشی میں بھر لی اور پھر احتیاط سے اسے واپس اپنی جگہ رکھ دیا...... تمام تیاریاں مکمل تھیں اور شہاب اس وقت ہر طرح کا خطرہ مول لینے کے موڈ میں تھا۔ پہلی بات تو یہ کہ بینا اور اس کے ماں باپ اب اس قدر زندگی سے بیزار ہو گئے تھے کہ کسی بھی لمحے موت کو گلے لگا سکتے تھے...... دوسری بات یہ تھی کہ بینا کفالت شاہ کے خلاف سب سے موثر گواہ تھی اور اس سے کام لیا جاسکتا تھا، چنانچہ اس کا تحفظ ضروری تھا۔ شہاب جانتا تھا کہ اگر اس نے بینا کو اس کے گھر پہنچا دیا تو وہ خطرے میں پڑ جائے گی۔ کفالت شاہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا، بہر حال رات کو تقریباً ساڑھے بارہ

بجے شہاب اپنی جیپ لے کر خاموشی سے باہر نکل آیا...... کافی دُور تک اس نے جیپ کو دھکا[illegible] تھا اور پھر اسے سٹارٹ کر کے چل پڑا تھا۔

شاہ گڑھی میں اس وقت موت کا سا سناٹا طاری تھا...... کوئی ذی روح جاگتا ہوا نظر نہیں آ رہا تھا...... شہاب نے لائٹیں بجھا رکھی تھیں اور صرف اندازے سے ڈرائیونگ کر رہا تھا...... ویسے بھی یہاں اتنا وقت گزر چکا تھا کہ اسے تمام جگہوں کے بارے میں معلومات ہو چکی تھی...... کمالے کے گھر کو بھی وہ اچھی طرح سے دیکھ چکا تھا...... اس گلی کے آخری سرے پر پہنچ کے اس نے جیپ روک دی اور خاموشی سے اس میں بیٹھ کر چاروں طرف دیکھتا رہا کہ کہیں کوئی اس کا نگران تو نہیں ہے، جب اسے اطمینان ہو گیا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے تو وہ سناٹے میں ایک سائے کی طرح نیچے اتر کر کمالے کے گھر کی جانب چل پڑا، جو کچھ کرنا تھا خاموشی سے کرنا تھا...... دروازہ بند تھا لیکن مکان کے احاطے کی دیواریں اتنی اونچی نہیں تھی کہ شہاب انہیں پھلانگ نہ سکے۔ دیوار پھلانگنے کے بعد سب سے پہلے اس نے اندر سے دروازہ کھولا...... اندر کے کمرے میں مدھم سی روشنی ہو رہی تھی اور کچھ مدھم مدھم آوازیں بھی آ رہی تھیں...... شہاب چوکنا ہو گیا، اس نے ایک رومال نکال کر اپنے چہرے پر لپیٹ لیا اور اسے گرہ لگانے کے بعد اندرونی کمرے کی طرف چل پڑا، پہلے اس نے جھانک کر اندر کا منظر دیکھا کمالے کی بیوی رضیہ سو رہی تھی اور کمالے زمین پر بیٹھا ہوا زور زور سے ہل رہا تھا۔

"ہاں، میں جانتا ہوں، سب کچھ جانتا ہوں، ایسا تو نہیں ہو سکتا وہ واپس آ جائے گی، وہ ضرور واپس آ جائے گی ہیں، کیا کہا تم نے...... آ جائے گی نا واپس...... آ جائے گی، ابھی وہ دروازے پر آہستہ آہستہ دستک دے گی اور میں اپنی جگہ سے اُٹھ جاؤں گا، پھر میں اس سے کہوں گا کمینی اتنا وقت کہاں لگا دیا...... وہ کہے گی ابا بس ذرا دیر ہو گئی مجھے معاف کر دے......ابا معاف کر دے مجھے...... تو میں اسے معاف کر دوں گا...... کتنے دن سے دُور ہے مجھ سے...... میں اس سے کوئی ناراض رہ سکتا ہوں۔ میں اس سے ناراض نہیں رہ سکتا ہیں...... ٹھیک ہے نا ٹھیک کہتے ہو، سو رہی ہے رضیہ سوتی رہ۔ سوتی رہ۔ تو آخر کب تک جاگے گی...... ارے تیری بھی تو بیٹی ہے نا...... تو سو جا...... میں جاگ رہا ہوں...... جب وہ دروازے بجائے گی تو میں جا کر دروازہ کھول دوں گا...... تو بے فکری سے سو جا۔"

شہاب کے دل میں ایک گولہ سا آ پھنسا...... بہر حال یہ الفاظ جو کچھ تھے شہاب ان کی

اہمیت کو سمجھ رہا تھا...... اس نے کلوروفارم کی شیشی نکالی، اسے ہلکا سا رومال پر چھڑکا اور اس کے بعد تیار ہو گیا، اس نے باہر دالان میں پڑے ہوئے تخت کو آہستہ آہستہ بجایا...... بالکل اس طرح جیسے کوئی دروازہ بجا رہا ہو...... اندازہ درست نکلا کمالے باہر نکل آیا تھا۔

"آ گئی نا، اتنی دیر...... منع کرتا ہوں...... رات بے رات باہر نہیں جایا کرتے بیٹا۔"

کمالے آگے بڑھا لیکن اچانک ہی شہاب نے عقب سے اس کی ناک پر کلوروفارم والا رومال رکھ دیا...... کمالے نے ذرا بھی جدوجہد نہیں کی تھی، شہاب کے ہاتھوں میں وہ بے بس ہو گیا اور اس کے بعد اس کا بدن ڈھیلا پڑ گیا...... شہاب نے آہستہ سے اسے اٹھا کر اس تخت پر لٹا دیا جسے اس نے ابھی ابھی بجایا تھا، اس کے بعد وہ کھلے دروازے سے اندر داخل ہو گیا...... تھکی ہوئی ماں اتنی گہری نیند سو رہی تھی کہ اسے کوئی احساس نہیں ہو سکا...... شہاب نے آگے بڑھ کے رومال اس کی ناک پر بھی رکھ دیا...... عورت نے ہلکی سی کسمساہٹ کے ساتھ ساتھ پاؤں ڈال دیئے، اب وہ بھی بے سدھ ہو گئی تھی۔ شہاب نے اسے اٹھایا اور پھر کاندھے پر ڈال کر دروازے کی جانب بڑھ گیا...... سخت مشقت کا کام تھا...... پوری گلی عبور کر کے جیپ تک پہنچنا تھا لیکن بہر حال ضروری تھا...... عورت کو جیپ کی سیٹوں کے درمیان لٹانے کے بعد وہ دوبارہ واپس پلٹا اور اس بار وہ کمالے کو اٹھا کر لے گیا...... غریب کی پونجی گھر میں پڑی ہوئی تھی...... کوئی بھی اسے صاف کر سکتا تھا، لیکن جو پونجی لٹنے والی تھی اسے دوبارہ واپس نہیں لایا جا سکتا تھا اور وہ تھی زندگی۔

کفالت شاہ نے ان دونوں کو اس لئے چھوڑا ہوا تھا کہ انہیں کچھ نہیں معلوم تھا۔ اگر اسے ذرا بھی شبہ ہو جاتا تو یقینی طور پر دونوں اب تک ختم ہو چکے ہوتے...... بہر حال یہ سارا سامان تو شہاب خود بھی انہیں دے سکتا تھا۔ کمالے کو جیپ میں لٹانے کے بعد شہاب نے جیپ سٹارٹ کی اور اس کے بعد وہ چل پڑا، اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے...... وہ بری طرح چوکنا تھا۔

اس وقت اس کے راستے میں کوئی اگر مزاحمت کرتا تو اسے یقینی طور پر اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑتے، لیکن خوش قسمتی تھی دوسروں کی یا اس کی کہ کوئی مزاحمت نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ وہ اس موڑ تک پہنچ گیا جہاں اس نے رات کی تاریکی میں دو سائے دیکھ لئے تھے...... وہ بینا اور مینا تھیں...... ان کے پاس جا کر اس نے جیپ روک دی تھی...... بینا جلدی

سے آگے آئی۔

"کام ہو گیا؟"

"ہاں۔"

"جاؤ مینا گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔"

"مینا اب تم واپس جاؤ...... ہوشیار رہنا اپنا خیال رکھنا۔"

"اور شہاب۔"

"میں جانتا ہوں تم کیا کہنا چاہتی ہو؟ بالکل ٹھیک ہے...... مینا۔ آرام سے جاکر سو جاؤ...... یہ میری ہدایت ہے...... او کے۔" شہاب نے کہا اور اس کے بعد اس نے جیپ سڑک پر چڑھادی، پھر شہر کا رُخ اختیار کر کے اس نے جیپ آگے بڑھادی...... مینا خاموشی سے اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی، اسے نہیں معلوم تھا کہ عقبی سیٹ پر اس کے ماں باپ موجود ہیں...... شہاب نے اسے اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا، پہلے وہ اس علاقے سے نکل جانا چاہتا تھا...... کیا کہا جاسکتا ہے کفالت شاہ نے شاہ گڑھی کی حفاظت کے لئے اپنے کتے چھوڑ رکھے ہوں اور وہ کتے نگرانی کرتے ہوں...... شہاب کو اندازہ ہو گیا تھا کہ کفالت شاہ کے غلام کتوں ہی کی طرح وفادار ہیں اور وہ یقینی طور پر کفالت شاہ کے مفادات کی نگرانی کرتے ہوں گے، لیکن قسمت یاور تھی کیونکہ شبہ کی کوئی بات نہیں تھی اس لئے سڑکیں بھی سنسان ہی ملیں...... شہاب تیز رفتاری کا ریکارڈ قائم کر رہا تھا...... شاندار جیپ جسے ڈاکٹر کھوسہ کئی بار نظر لگا چکا تھا...... سبک روی سے سڑک پر دوڑ رہی تھی...... کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد شہاب نے جیپ کی رفتار آہستہ کی...... اب اسے ذرا اطمینان ہو گیا تھا...... مینا خاموش بیٹھی ہوئی تھی، اس نے ڈیش بورڈ کے ایک حصے کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا...... اس کے دانت بھنچے ہوئے تھے...... رات کی تاریکی میں اگر شہاب اس کا چہرہ دیکھ سکتا تو مینا کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھاریں بہتی اسے نظر آجاتیں، لیکن وہ تاریکی کی وجہ سے کچھ نہ دیکھ سکا...... جب اسے اطمینان ہو گیا کہ ماحول بالکل پرسکون ہے تو اس نے آہستہ سے کہا۔

"مینا۔"

"جی صاحب جی۔"

"کیا سوچ رہی ہو؟"

"صاحب جی کچھ نہیں۔" مینا کی بھنچی بھنچی آواز اُبھری اور شہاب چونک پڑا۔

"ارے تم رو رہی ہو؟"

"صاحب جی آپ ہمیں کہاں لے جا رہے ہو۔"

"مینا مجھ پر شبہ کرتی ہو۔"

"اللہ کو مان کر کہتی ہوں صاحب جی کہ آپ...... آپ لوگ...... تو فرشتے ہیں مگر آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں صاحب جی...... اللہ نے کیسی بپتا مجھ پر ڈال دی ہے۔"

"دیکھو مینا...... برا وقت آجاتا ہے...... انسان کو ہمت سے اس کا مقابلہ کرنا چاہئے...... میں گاڑی کی رفتار سست کر رہا ہوں، اب یہاں سے اُٹھ کر تم پچھلی سیٹ پر چلی جاؤ۔"

"جی صاحب جی۔"

"ہاں...... جیپ کے پچھلے حصے میں تمہارے ماں باپ موجود ہیں۔"

"کیا؟" مینا کی آواز چیخ کی صورت میں اُبھری۔

شہاب کو خوف ہوا کہ کہیں وہ اس کوشش میں جیپ سے باہر ہی چھلانگ نہ لگادے، اس نے نرم لہجے میں کہا۔

"جب تک میں گاڑی نہ روکوں تم پچھلی سیٹ پر نہ جانا اور سنو اپنے آپ کو سنبھالے رکھنا وہ دونوں بے ہوش ہیں...... ابھی بہت دیر تک خاموش رہیں گے۔" شہاب نے آہستہ آہستہ جیپ سڑک کے کنارے کر کے روک دی...... مینا اس طرح جیپ کے پچھلے حصے میں کودی تھی کہ گرتے گرتے بچی اور شہاب کو خطرہ ہوا کہ کہیں وہ اپنے ماں باپ پر ہی نہ جا پڑے...... پھر شہاب نے جیپ آگے بڑھادی تھی اور پیچھے سے وہ مینا کے رونے کی آوازیں سنتا رہا...... بہر طور انسانی جذبات ہوتے ہیں...... ان جذبات کو روکا تو نہیں جاسکتا...... شہاب خود بھی متاثر تھا لیکن اپنے اس اقدام سے وہ بے حد خوش تھا، بس اب اتنا کرنا تھا اسے کہ ان تینوں کو بحفاظت شہر پہنچادے اور اس کے بعد اسے کم از کم ان تین افراد کی زندگی کا تو اطمینان ہو جاتا...... باقی رہا اس کا اپنا معاملہ تو ظاہر ہے ایسی مہمات اس کی زندگی میں اکثر آتی رہتی تھیں...... جیپ کی رفتار پھر طوفانی شکل اختیار کر گئی اور یہ حقیقت ہے کہ اس وقت شہاب واقعی بہت تیز رفتار سے جیپ چلا رہا تھا...... زندگی میں بہت کم ایسے مواقع آئے تھے لیکن اسے اپنے آپ پر اعتماد تھا، چنانچہ یہ فاصلہ جتنے وقت میں طے ہوا اتنے وقت میں اسے

طے کرنے کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا...... آخر کار وہ شہر میں داخل ہو گیا...... شہر بھی خاموش تھا...... وہ مختلف راستے طے کرتا ہوا کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں داخل ہو گیا...... جوہر خان کو اس وقت اس کی آمد کی امید نہیں تھی لیکن بہر حال اس نے دروازہ کھولا تھا اور شہاب کو دیکھ کر مستعد ہو گیا تھا۔

"معاف کرنا جوہر خان اس وقت تمہیں تکلیف دی۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں صاحب؟"

"آؤ ذرا میرے ساتھ گیٹ بند کر دو۔" شہاب نے کہا اور اس کے بعد جیپ کو آگے لے گیا پھر...... جیپ کھڑی کرنے کے بعد اس نے جوہر خان کی مدد سے پہلے کمالے کو نکال کر اندر پہنچایا پھر مینا کی مدد سے اس کی ماں کو...... جوہر خان ساتھ ہی اندر آ گیا تھا، مینا اپنے ماں باپ پر نثار ہوئے جا رہی تھی...... ایک شاندار کمرے میں بستر پر دونوں کو لٹایا گیا اور اس کے بعد شہاب نے مینا سے کہا۔

"دیکھو مینا یہ جوہر خان ہیں۔"

"جی صاحب جی۔"

"تمہیں اس وقت تک اس جگہ رہنا ہے جب تک کہ تمہاری زندگی کی مکمل حفاظت نہ ہو، ویسے یہ شہر ہے اور یہاں کسی کفالت شاہ کی نہیں چل سکتی، چنانچہ اپنے ماں باپ کے ہوش میں آ جانے کے بعد ان کی تم خدمت کرنا...... یہاں تمہیں کھانے پینے کی کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ جوہر خان یہ پیسے رکھو، ان لوگوں کے لئے لباس وغیرہ خرید لینا...... ہو سکتا ہے مجھے واپسی میں خاصے دن لگ جائیں، ان کی ضروریات کا پورا پورا خیال رکھنا۔

"آپ کو یہ کہنے کی ضرورت ہے صاحب...... ظاہر ہے جو لوگ ہمارے مہمان بنے ہیں میں ان کا خیال رکھوں گا۔"

"صاحب جی یہ کب ہوش میں آ جائیں گے؟"

"تم بالکل فکر مت کرو...... صبح تک بھی ہوش میں آ سکتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس سے زیادہ دیر لگ جائے...... تم انہیں سمجھا بجھا لینا اور سنو مینا کمالے سے کہہ دینا کہ اس عمارت سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کرے ورنہ یہ کوشش اس کے لئے خطرناک ہو گی...... اچھا جوہر خان تم اطمینان سے اب یہاں وقت گزارو...... میں چلتا ہوں۔"

"صاحب جی ابھی سے۔"

"ہاں...... تم یہاں کی ذمہ داری سنبھال لو...... ان لوگوں کی حفاظت ضروری ہے۔"

"آپ اطمینان رکھیں۔" جوہر خان نے کہا اور شہاب فوراً ہی جیپ سٹارٹ کر کے وہاں سے نکل پڑا...... شاندار جیپ کا انجن اتنا زیادہ فاصلہ طے کرنے کے بعد اور اتنی رفتار سے چلنے کے بعد بھی گرم نہیں ہوا تھا...... یہ اس کی شاندار کارکردگی تھی۔ بہر حال اس کے بعد شہاب کو ایک پٹرول پمپ پر رکنا پڑا اور اس نے پٹرول کے تمام کین بھروا لئے...... جیپ کی ٹنکی بھی فل کروالی تھی، پھر اس کے بعد اسی رفتار سے واپسی بھی تھی...... فاصلہ اب اتنا کم بھی نہیں تھا کہ شہاب اُڑ کر پہنچ جاتا جس وقت وہ بستی میں داخل ہوا تو صبح کی روشنی پھوٹ رہی تھی اور شہاب تیز رفتاری سے اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا، لیکن ابھی وہ ڈسپنسری تک نہیں پہنچا تھا کہ اسے ایک اور جیپ نظر آئی...... یہ جیپ بھی بہت عمدہ تھی اور شہاب نے کچی حویلی میں دیکھ چکا تھا...... یہ اندازہ لگانے میں اسے کوئی دقت نہیں ہوئی کہ کفالت شاہ اس جیپ میں موجود ہے کیونکہ چند محافظ بھی اس کے ساتھ نظر آ رہے تھے۔

شہاب ایک لمحے میں سمجھ گیا اس نے اپنا حلیہ درست کیا اور پھر جیپ کی رفتار کو کسی قدر سست کر کے آگے بڑھنے لگا...... سامنے والی جیپ رُک گئی تھی اور اس میں موجود افراد شہاب کو دیکھ رہے تھے...... شہاب نے آہستہ آہستہ جیپ کا رُخ اس جیپ کی جانب کر دیا، پھر اس نے اس جیپ کے قریب لے جا کر اپنی جیپ روک دی اور مسکراتا ہوا جیپ سے نیچے اتر آیا۔

"خوش قسمتی ہے میری شاہ جی کہ صبح ہی صبح آپ کے نیاز حاصل ہو گئے...... سنا ہے کہ نیک اور متبرک لوگوں کا چہرہ دیکھنے سے اگر دن کا آغاز ہو تو وہ دن بہت خوبصورت ہوتا ہے۔"

کفالت شاہ گہری نگاہ سے شہاب کو دیکھ رہا تھا، اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں کس قابل ہوں ڈاکٹر صاحب میں کیا اور میری بساط کیا...... بس مولا کا کرم ہے...... زندگی گزر رہی ہے اور جہاں تک خوبصورت دن کے آغاز کا تعلق ہے تو ایک چھوٹی سی بستی میں دن، دوپہر، شام اور رات ایک ہی جیسے ہوتے ہیں...... یہ آپ کا شکر تو نہیں ہے یہاں زندگی کی روانی ہی مختلف ہوتی ہے۔"

"نہیں شاہ جی، آپ نے اس بستی کو جس قدر حسین بنا دیا ہے وہ بھی تو ایک کام

ہے...... معمولی بات نہیں۔" کفالت شاہ ہنسنے لگا تھا پھر اس نے کہا۔

"آؤ ہمارے ساتھ بھی تھوڑا سا سفر کرو...... کہاں گھوم پھر رہے ہو۔"

"بس شاہ جی صبح خیزی کی عادت ہے...... صبح کو جلدی جاگتا ہوں تھوڑی سی ہوا خوری کرتا ہوں...... یہ زندگی کا معمول ہے۔"

کفالت شاہ نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا پھر آہستہ سے بولا۔

"بڑی خوبصورت گاڑی ہے کبھی کبھی اس کی صفائی بھی کر لیا کرو۔" شہاب نے ایک دم چونک کر اپنی جیپ کو دیکھا...... جیپ گرد آلود ہو رہی تھی اور صاف ظاہر تھا کہ وہ کسی لمبے سفر سے آ رہی ہے، اس کے علاوہ اگر اس کے بونٹ پر ہاتھ رکھ دیا جاتا تو یہ بھی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس نے ایک طویل سفر طے کیا ہے...... بہر حال کفالت شاہ کے یہ الفاظ اسے بڑے پراسرار محسوس ہوئے تھے...... تاہم اس نے خود کو سنبھال کر فوراً کہا۔

"بس شاہ جی زندگی میں بے اعتدالی ہے اور ہر چیز اس بے اعتدالی کا شکار ہو جاتی ہے۔"

"ہاں گاڑی اتنی خوبصورت ہے کہ میں یہ الفاظ کہنے پر مجبور ہوا ویسے بات سنو ڈاکٹر...... ڈاکٹر ہو تم تو۔"

"جی شاہ جی...... میں سمجھا نہیں۔"

"ڈاکٹر کو معلوم ہے کہ شراب پینے سے لیور خراب ہو جاتا ہے۔"

"جی ہاں میں جانتا ہوں۔" شہاب نے جواب دیا۔

"اس کے باوجود پیتے ہو۔"

"جی...... میں سمجھا نہیں۔"

"آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں...... جھکے ہوئے پپوٹے بتاتے ہیں کہ جی بھر کر پیتے ہو...... ابھی نوجوانی کی عمر ہے برداشت کر جاؤ گے...... آگے مشکلات پیش آئیں گی۔"

شہاب نے اپنے چہرے پر شرمندگی کے آثار پیدا کر لئے...... کفالت شاہ بغور اس کا چہرہ دیکھتا رہا پھر بولا۔

"نہیں شرمندہ تو اپنے آپ سے ہوا جاتا ہے کسی اور سے نہیں، وقت ملا کرے تو کبھی کبھی آ جایا کرو...... تمہارے بزرگ ہیں ہم...... کچھ اچھی باتیں بتا دیں گے...... ہو سکتا ہے تمہارے کام آ جائیں۔"

"تعمیل حکم کروں گا شاہ جی۔" شہاب نے نرم لہجے میں کہا۔

"جاؤ، آرام کرو پر ذرا کم کر دو...... ہمارا مشورہ ہے۔" کفالت شاہ نے اپنے ڈرائیور سے گاڑی آگے بڑھانے کو کہا اور ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

شہاب خاموشی سے اپنی جگہ کھڑا اس جیپ کو آگے جاتے دیکھتا رہا، پھر جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تو شہاب کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ پھیل گئی، وہ اپنی جیپ میں آ بیٹھا اور جیپ سٹارٹ ہو کر چل پڑی...... تھوڑی دیر کے بعد وہ ڈسپنسری کے احاطے میں داخل ہو رہی تھی...... بینا شہاب کی منتظر تھی، جو کیفیت شہاب کی ہو رہی تھی وہی بینا کی تھی...... آنکھیں گہری گہری سرخ، گو اس نے چہرہ وغیرہ دھو کر خود کو سنوار لیا تھا، لیکن آنکھیں چغلی کھا رہی تھیں...... شہاب نے گہری نگاہ سے دیکھا تو وہ مسکرا دی۔

"خدا کا شکر ہے تم خیریت سے واپس آ گئے۔"

شہاب مسکراتا ہوا بینا کے ساتھ اندر داخل ہو گیا...... ڈسپنسری میں سناٹا چھایا ہوا تھا...... بھلا کسے ضرورت تھی کہ اتنی صبح جاگنے کی کوشش کرے...... شہاب بینا کے ساتھ اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔

"بخدا ایسے لمحات میں دل چاہتا ہے کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گھر بسا لیا جائے۔"

"شرارتوں کا آغاز ہو گیا صبح ہی صبح...... یہ بتاؤ کہ چائے لے کر آؤں؟"

"ارے بیٹھو...... چائے میں اتنی لذت کہاں ہو گی جو تمہارے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے میں ہے۔"

"سب خیریت تو ہے نا...... جو کام کرنے گئے تھے آرام سے ہو گیا۔"

"ہاں بالکل، کسی کے فرشتوں کو بھی پتا چل نہیں پایا کہ اب کمالے، اس کی بیوی اور بیٹی کہاں ہیں۔"

"گڈ...... ویری گڈ...... راستے میں کوئی رکاوٹ تو پیش نہیں آئی۔"

"خدا کا شکر ہے بالکل نہیں لیکن تم نے بہت خوبصورتی سے موضوع بدل دیا ہے۔"

"جی نہیں کوئی موضوع نہیں بدلا...... آپ گھر بسانے کی بات کر رہے تھے۔"

"ہاں، بالکل۔"

"گھر بسا ہوا تو ہے۔"

"ایسے نہیں جناب...... آنکھوں کی یہ سرخی ویسے تو حقیقی ہے لیکن ابھی ذرا اپنے ہاتھوں سے باہر ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"جاگتی رہی ہیں آپ۔"

"تو تمہارا کیا خیال ہے سو جاتی۔"

"کیوں بھئی آپ کو کیا تکلیف تھی؟"

"تم گئے تھے، راستہ خطرناک تھا...... میں ساتھ نہیں تھی...... تم بھی جاگ رہے تھے میں بھی جاگتی رہی۔"

"سبحان اللہ! اسی لئے تو کہہ رہا ہوں اب تاب انتظار نہیں...... کاش! ان لفظوں میں حقیقت کا وہ رنگ بھی آجائے۔"

"شہاب آجائے گا رنگ، بس یہ باتیں مت کرو...... خوامخواہ من کو بھٹکا دیتے ہو۔"

"ماشاء اللہ...... ماشاء اللہ! تو من بھٹک جاتا ہے۔"

"کیوں، کیا میں انسان نہیں ہوں۔" بینا نے عجیب سے لہجے میں کہا اور شہاب چونک کر اسے دیکھنے لگا...... ان الفاظ میں اس نے شکایت کا اظہار کیا تھا پھر وہ بے اختیار مسکرا پڑا۔

"سوری بینا! نجانے کیوں میں نے اس مسئلے کو آگے بڑھا دیا ہے...... کوئی حل نہیں ہے...... گھر والوں سے تذکرہ کروں گا اور یقینی طور پر انہیں اس بات پر آمادہ کر لوں گا۔"

"جی نہیں، بالکل نہیں۔"

"ارے کیا مطلب؟ اچھا اچھا سمجھ گیا وہ جو کہتے ہیں نا کہ عورت کی "نہیں" دراصل "ہاں" ہوتی ہے۔"

"میں وہ عورت نہیں ہوں...... کیا تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو؟"

"بابا پھر کم از کم مجھے بتا دو، لہجے کی یہ شکایت اور اس کے بعد حقیقت سے انکار...... دونوں میں سے کس بات کو سچ سمجھوں۔"

"لہجے میں کوئی شکایت نہیں تھی، اگر اپنے جذبات کا اظہار کھل کر کر دیا جائے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ کوئی شکایت کی جا رہی ہے...... شہاب کتنی بے باک ہو گئی ہوں میں شاید تم یقین نہ کر پاؤ...... تمہیں کس انداز میں مخاطب کرنے لگی ہوں...... حالانکہ جانتی ہوں

کہ تم کیا ہو؟ لیکن بس شہاب یوں سمجھ لو کہ میں اپنے آپ کو تمہارے وجود کا ایک حصہ سمجھنے لگی ہوں...... شاید پاؤں، شاید ہاتھ، میں نہیں جانتی کہ میں تمہارے بدن کا کون سا حصہ ہوں؟ دوری کا احساس ہی نہیں ہوتا...... باقی رہا جہاں تک معاملہ دوسرا تو بہرحال جب اس بات کا اعتراف کر چکی ہوں کہ میں تمہارے وجود کا ایک حصہ ہوں تو پھر دل میں ہر بات جنم لیتی ہے، لیکن اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ سب کچھ پا لیا جائے...... شہاب! اگر ہم ایک دوسرے کو پالیں گے تو پھر ہمارے درمیان کیا رہ جائے گا؟"

"ارے باپ رنے...... اتنا گہرا فلسفہ نہ جھاڑو...... یہ عارضی لمحات ہیں جو گزر رہے ہیں...... ایک دن ایسا آئے گا کہ بم پھٹے گا...... ہم خود بھی مفلوج ہو جائیں گے اور پھر وہ ہو گا جو وقت چاہے گا...... یہ دن تمہاری خواہش کے مطابق بھی آسکتا ہے...... آج تو وعدہ نہیں کرتا لیکن کل کا وعدہ کر سکتا ہوں۔"

"بڑے جذباتی ہو گئے شہاب!"

"کمال ہے...... جذبات نہ ہوں تو زندگی کا کیا تصور کیا جا سکتا ہے۔" شہاب نے جواب دیا۔

"میں چائے بنا کر لاتی ہوں...... غسل کر لو...... کیا حلیہ ہو رہا ہے! کپڑے نکالے دیتی ہوں۔" بینا نے کہا اور پھر شہاب لباس لے کر غسل خانے میں داخل ہو گیا اور بینا برق رفتاری سے کچن کی جانب بڑھ گئی...... پانی کی ٹھنڈی پھواروں کے نیچے شہاب غسل کرتا رہا، اس کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی تو بینا بھی ساری رات جاگتی رہی ہے۔ محبت کا یہ انوکھا انداز تھا...... یہ لگاؤ اور یہ چاہت ہر دل میں نہیں ہوتی، کسی کسی کو ہی یہ محبتیں ملتی ہیں...... لیکن ان کا اپنا ایک انداز ہے اور اس انداز کی قیمت اہل دل ہی جانتے ہیں...... بہرحال غسل سے فارغ ہو کر باہر آیا تو سامنے گرم گرم ناشتا دیکھا...... بینا اس کا انتظار کر رہی تھی...... شہاب نے ایک نگاہ اس پر ڈالی اور اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"چلو شروع کرو۔"

"ہاں۔"

"ویسے کبھی کبھی تم مجھے شرمندہ کر دیتی ہو بینا۔"

"کیوں؟"

"اس سے اچھا تھا کہ میں تمہیں ساتھ ہی لے جاتا...... یہاں تنہا اور نجانے کیسے کیسے

سوسوں کا شکار رہی ہو گی۔"

"جی نہیں۔"

"نہیں رہی۔"

"نہیں۔"

"اچھا۔" شہاب نے گہری سانس لے کر کہا۔

"یہ نہیں پوچھا کہ میں وسوسوں کا شکار کیوں نہیں رہی۔"

"اچھا یہ مجھے پوچھنا چاہئے؟"

"ہاں۔"

"تو بتادیجئے میڈم!"

"اس لئے کہ مجھے اعتماد تھا۔"

"کس بات پر؟"

"یہی کہ جو کام کرنے نکلے ہو وہ ہر خطرہ پیش آنے کے باوجود مکمل کر لو گے اور خیریت سے واپس آجاؤ گے۔"

"کیا واقعی! اتنا اعتماد ہے مجھ پر؟"

"کتنی بار یہ سوال کرو گے؟" بینا نے کہا۔

"تھینک یو بینا! تھینک یو ویری مچ...... اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تم نے مجھے جینے کا ایک اتنا حسین راستہ بتادیا ہے کہ مجھے قدم بڑھانے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔"

"ان لوگوں کو کریم سوسائٹی پہنچایا ہے۔"

"ہاں! وہی محفوظ ترین جگہ ہے اور اب ان کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"بہت بڑا کام کیا ہے شہاب! یہ سمجھ لو کہ ایک گھر بچالیا ورنہ وہ وحشی ان لوگوں کو ختم کر دیتا۔"

"حالات یہی بتاتے ہیں بینا! بینا جرات کر کے وہاں سے بھاگ آئی اور کفالت شاہ کو شاید زندگی میں پہلی بار اتنا تلخ تجربہ ہوا...... وہ یقینی طور پر کسی زخمی سانپ کی طرح پھنکار رہا ہو گا...... ویسے ملا تھا مجھے۔"

"کہاں؟" بینا نے چونک کر پوچھا۔

"دلچسپ واقعہ ہوا ہے بینا! میں تم سے اس بارے میں گفتگو کرنا چاہتا تھا۔"

"کیا، کیا بتاؤ تو سہی؟"

"میں ان لوگوں کو پہنچانے کے بعد واپس آرہا تھا، جب شاہ گڑھی میں داخل ہوا تو وہ کم بخت اپنی جیپ میں صبح خوری کرتا ہوا نظر آگیا۔"

"تو پھر؟"

"میں اس کے پاس گیا کیونکہ اس نے مجھے دیکھ لیا تھا۔"

"اوہ مائی گاڈ!" بینا نے آہستہ سے کہا۔

"بڑی پراسرار گفتگو کی اس نے مجھ سے...... ویسے مجھے شبہ ہے بینا کہ اسے مجھ پر شک ہو گیا ہے۔"

"کیسا شک؟" بینا نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"کیوں خوف زدہ ہو رہی ہو؟"

"نہیں مجھے بتاؤ کیسا شک؟"

"اس نے مجھ سے کچھ سوالات کئے...... مثلاً مجھے دیکھتا رہا، جب میں قریب پہنچ گیا اور میں نے سلام کیا تو جواب قاعدے سے دیا لیکن کم بخت نے گاڑی پر گہری نظر ڈالی، وہ گرد آلود ہو رہی تھی...... ظاہر ہے رات بھر سفر کیا تھا...... وہ تو شکر ہے کہ بونٹ کو نہ دیکھا ورنہ گرم انجن میرا پول کھول دیتا۔"

"کیا کہنے لگا؟"

"کہنے لگا اتنی خوبصورت گاڑی کی پروا نہیں کرتا میں...... یہ بھی کہنے لگا کہ صبح خوری کو نکلا ہوں شاید، لیکن اکیلا کیوں ہوں...... پھر اس نے میری سرخ آنکھوں پر بھی غور کیا اور کہنے لگا کہ میں زیادہ شراب نہ پیا کروں لیور خراب ہو جائے گا...... باتیں تو اس نے بہت ساری کیں بینا، لیکن ان کے پس پردہ جو گہرائی تھی وہ میں نے صاف محسوس کی۔"

"یعنی اسے ہم پر شبہ ہو گیا ہے۔"

"ہو سکتا ہے...... لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے...... ظاہر ہے ہم یہاں سیر و سیاحت تو کرنے نہیں آئے...... ہمیں بہر طور اس کا سامنا کرنا ہی ہے۔"

"کیا یہ قبل از وقت نہیں ہو گیا؟"

"نہیں بینا! کس انداز میں سوچ رہی ہو؟ کیا ہوتا ہے قبل از وقت اور بعد از وقت سے؟ ہونا تھا اگر اسے شبہ ہو گیا ہے تو اور اچھا ہے...... ہماری رفتار بڑھ جائے گی۔"

بینا گہری گہری سانسیں لینے لگی پھر اس نے کہا۔

"لیکن شہاب ہوشیار رہنا پڑے گا...... وہ لومڑی کی طرح چالاک ہے۔"

"مجھے اندازہ ہے تم بے فکر رہو...... میرا مطلب ہے کم از کم اس بارے میں فکر مند نہ ہو...... ہوشیار تو ہم رہیں گے۔"

"ہاں! خیر ان لوگوں کو اب وہاں پہنچا دیا ہے...... اب کیا کرنا ہے۔"

"بینا کوئی اور بہتر راستہ، ویسے تمہارا کیا خیال ہے اس سلسلے میں کام تو ہو رہا ہے...... رفتار بے شک سست ہے لیکن اژدہے اتنی آسانی سے نہیں پکڑے جا سکتے...... ہمارا سابقہ تجربہ بھی یہی ہے۔"

"ہاں!" بینا نے ایک گہری سانس لی اور پھر شہاب کے لئے چائے انڈیلنے لگی۔

❀ ❀ ❀

طارق شاہ بہت عجیب و غریب کیفیات کا شکار تھا...... اچانک ہی اسے اپنی اہمیت کا احساس ہونے لگا تھا...... اس سے پہلے وہ اپنے آپ کو ایک حقیر اور بے مقصد شخصیت کا مالک سمجھتا تھا...... کوئی مصرف ہی نہیں تھا زندگی کا...... بس بے کار جی رہا تھا...... لوگ اس کے قدموں پر نثار ہوتے تھے...... آگے پیچھے پھرتے تھے اس کے لئے سب کچھ کرنے پر تیار رہتے تھے لیکن وہ جانتا تھا کہ ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے جس اس سے کوئی دلی رغبت ہو، جو اس سے محبت کرتا ہو...... جو اسے چاہتا ہو...... میٹھے بول جگہ جگہ سے سننے کو ملتے تھے، لیکن ان میں صاف ریاکاری جھلکتی اور یہ احساس ہو جاتا تھا کہ ان کی مجبوری ان کے الفاظ تبدیل کر رہی ہے...... حقیقت میں اگر وہ دل سے بولنا چاہیں تو یہ الفاظ بہت مختلف ہوں گے، پھر اس دوران اسے دو ایسی شخصیتیں ملیں جو اس فریب سے پاک تھیں اور اس کا دل بے اختیار ان کی جانب راغب ہو گیا...... بینا اور شہاب! یہ دونوں ڈاکٹر تھے اور ان سے ملاقات کر کے طارق شاہ کو پہلی بار زندگی میں خوشی حاصل ہوئی تھی، لیکن کچھ احساسات بھی تھے۔ دل تو چاہتا تھا کہ ہر وقت ان کی قربت رہے لیکن یہ بھی سوچتا تھا کہ کہیں وہ اس سے بددل نہ ہو جائیں...... بہت زیادہ کسی پر مسلط رہنا بھی تو اچھا نہیں ہوتا...... اس کے علاوہ یہ احساس بھی تھا اسے کہ بڑے شاہ جی کو کہیں اعتراض نہ ہو...... کچھ پابندیاں تو بہر حال عائد کی گئی تھیں اس پر...... بستی کے لوگوں کی بات اور تھی...... وہ تو شاہ جی کے کتے تھے...... شاہ جی جو چاہتے وہی کرتے جو سوچتے وہی ہوتا...... کس کی مجال تھی کہ طارق شاہ کو شاہ جی کے خلاف بھڑکا سکتا یا کوئی ایسا عمل کر سکتا جو شاہ جی کی مرضی کے خلاف ہو، لیکن وہ باہر کے لوگ تھے...... شاہ جی کے زیر اثر نہیں تھے...... کہیں ایسا نہ ہو کہ شاہ جی کو اعتراض ہو جائے۔ طارق

شاہ کو خیر کوئی نقصان وہ نہیں پہنچا سکتے تھے، لیکن ان لوگوں کو نقصان پہنچ سکتا تھا...... اس لئے وہ خود بھی احتیاط کرتا تھا اور اب اچانک ہی اسے ایک ایسی محبت ملی تھی جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا...... شملہ، شملہ کے دل میں جب محبت کا احساس جاگا تو وہ بھی بے اختیار ہو گئی اور وہ اظہار کیا اس نے اپنی محبت کا کہ طارق شاہ حیران رہ گیا...... اس نے سوچا کہ محبت کا یہ آبشار تو اس کے بالکل قریب گر رہا تھا۔ پتہ نہیں کیوں وہ اس کی نمی سے محروم رہا...... ایک آدھ بار کوشش تو کر کے دیکھ لیتا یہ سب کچھ اسے بہت پہلے مل جاتا...... وہ اتنے عرصے کی پیاس کے بعد ملا تھا...... کنواں تو اس کے قریب ہی موجود تھا، لیکن وہ پیاسا رہا...... جبکہ وہ کسی بھی لمحے اس کنویں سے سیراب ہو سکتا تھا۔ پھر شملہ نے اسے اپنی داستان سنائی...... اس نے اسے محبتوں کا وہ تحفہ دیا تھا جو اس کی زندگی بھر کی طلب تھی...... اس کے جواب میں وہ اسے کیسا تحفہ دے...... شملہ نے اپنے غم کا جو اظہار کیا تھا وہ بے پایاں تھا اور طارق شاہ کو یہ احساس ہو رہا تھا کہ غموں کی ماری شملہ اندر سے کس قدر زخمی ہے...... اس سے اس کا سب کچھ چھین لیا گیا تھا...... رہی بات کفالت شاہ صاحب کی تو طارق کے دل میں کفالت شاہ کے لئے بہت سا کینہ تھا...... کفالت شاہ نے درحقیقت اسے سونے کے پنجرے میں بند کر رکھا تھا اور کوئی پنچھی شاید اپنے صیاد سے محبت نہ کر سکتا ہو۔ وہ تو اس کا دشمن ہوتا ہے...... جس نے اسے قید کر رکھا ہو اور اب وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کے سینے میں ایک اور آگ کا اضافہ ہو گیا ہے...... نتیجہ کچھ بھی ہو...... انسان تو انسان ہوتا ہے۔ کفالت شاہ بہت پہلے سے تھا...... کیا نہیں جانتا تھا وہ...... ساری بستی جانتی تھی تو کیا وہ نہیں جان سکتا تھا کہ کفالت شاہ کیا چیز ہے...... حسین نوجوان لڑکیاں اس کی خلوت میں لائی جاتی ہیں۔ انہوں نے اس سے تعاون کر لیا تو زندگی پا گئیں ورنہ کبھی کبھی تو ان کی لاشیں بھی دستیاب نہیں ہوتی تھیں...... یہ بات طارق شاہ جانتا تھا کہ وہ کون لوگ ہیں جو کفالت شاہ کے معاون ہوتے ہیں اور اس کے لئے یہ سب کچھ کرتے ہیں، لیکن اب صورت حال بدلنی چاہئے...... یہ سب کچھ نہیں ہونا چاہئے...... مجھے اتنا مظلوم نہیں بنے رہنا چاہئے...... مضبوط ہاتھ پاؤں رکھتا ہوں...... اپنا ایک مقام رکھتا ہوں...... کفالت شاہ کے نام سے منسوب ہوں اور مستقبل میں شاہ گڑھی میری ملکیت ہو گی...... اس وقت اگر میں کفالت شاہ کے بیٹے کی حیثیت سے منظر عام پر آؤں گا تو نفرتوں کے سوا کچھ اور نہ پاؤں گا...... مجھے نفرتوں میں اپنے لئے محبت کی جگہ بنانی چاہئے اور

اس کے لئے ظاہری بات ہے کہ قدم اٹھانا ہو گا...... یہ سوچے سمجھے بغیر کہ کفالت شاہ میرا باپ ہے...... یہ سوچ کر عمل کرنا ہو گا کہ آنے والے وقت میں شاہ گڑھی کا انتظام مجھے سنبھالنا ہے......لوگ سب سے پہلا سوال مجھ سے یہ کر سکتے ہیں کہ اگر میں اپنے شاہ گڑھی کے لوگوں سے مخلص ہوں تو میں نے ایک خطرناک شخص کے خلاف کوئی قدم کیوں نہیں اٹھایا۔

ان سوچوں میں بچگانہ پن بھی تھا اور جوانی کا جوش بھی تھا...... ذہن دوڑاتا رہا اور ایک بار پھر شہاب اور بینا ذہن میں آ گئے...... یہ لوگ شاہ جی کے زیر اثر نہیں ہیں کہ اگر انہیں اپنا شریک راز بنا کر ان سے مشورہ کیا جائے تو جہاں دیدہ لوگ ہیں اور کچھ نہیں تو بہتر مشورے تو دے سکیں گے، جبکہ بستی میں اور کوئی ایسا نہیں تھا جو شاہ جی کے لئے ایک لفظ بھی اپنے منہ سے نکال سکے...... یہ بات دل میں جڑ پکڑ گئی...... ویسے بھی کافی دن ہو گئے تھے ان دونوں سے ملے ہوئے...... دل تو دھڑکتا تھا لیکن وہی احساس مانع تھا لیکن آج اس کے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔

وہ اپنی گاڑی میں بیٹھا اور ڈسپنسری کی جانب چل پڑا...... کچھ دیر کے بعد وہ ڈسپنسری کے دروازے پر رکا اور پھر جیپ اندر لے گیا...... ڈاکٹر کھوسہ ایک طرف نظر آیا تھا...... کیاریوں کو پانی دے رہا تھا...... اسے دیکھ کر اس نے جلدی سے اپنا کام ختم کیا اور ہاتھ صاف کرتا ہوا طارق شاہ کے پاس آ گیا۔

"کیا تقدیر ہے ہماری...... کیا عزت مل رہی ہے ہمیں...... چھوٹے شاہ جی تو اب اکثر یہاں آنے لگے ہیں...... شاہ جی! آپ یقین کرو...... خود کو اس قابل نہیں سمجھتے مگر جب کبھی ہم پر یہ مہربانی ہو جاتی ہے تو دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔"

"کیا بات ہے ڈاکٹر کھوسہ؟ کیا زمانہ قدیم میں کسی رئیس کے مصاحب رہے ہو؟" طارق شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سمجھا نہیں چھوٹے شاہ جی۔"

"کیسی گھٹیا گفتگو کر رہے ہو...... میں جانتا ہوں کہ کبھی دل میں میرا نام بھی نہیں آتا ہو گا اور اس وقت یوں دیکھ رہے ہو کہ زمین آسمان کے قلابے ملائے دے رہے ہو۔"

"ارے نہیں چھوٹے شاہ جی...... جذبات کے اظہار کی ایسے توہین نہ کریں...... سچی بات ہے رعایا ہیں آپ کی...... مالکوں کو یاد نہیں کریں گے تو کیا کریں گے۔"

"شکار کیسا جا رہا ہے؟"

"بس چھوٹے شاہ جی دعائیں ہیں آپ کی...... بڑے شاہ جی کی اجازت سے عیش کی بسر ہو رہی ہے۔"

"مجھے تو یوں لگتا ہے ڈاکٹر کھوسہ جیسے تم جنگل کے سارے جانور کھا جاؤ گے۔" طارق شاہ نے کہا اور کھوسہ ہنسنے لگا پھر بولا۔

"نہیں شاہ جی! اب ایسی بات بھی نہیں۔"

"ویسے وہ تمہارے دونوں ڈاکٹر کہاں ہیں؟ میرا خیال ہے بے چاروں کو ڈیوٹی پر لگا رکھا ہے تم نے اور خود عیش و عشرت کرتے رہتے ہو۔"

"نہیں شاہ جی یہی تو ایک خاص بات ہے اپنی شاہ گڑھی میں یہاں کوئی بیمار ہی نہیں ہوتا اور جب کوئی بیمار نہیں ہوتا تو پھر بھلا ہمارا کیا کام؟ عیش کرتے ہیں شاہوں کی شاہی میں۔"

"کہاں ہیں وہ دونوں؟"

"اندر موجود ہیں۔"

"ہوں۔" طارق شاہ شہاب اور بینا کے کمرے کی طرف چل دیا اس نے دستک دی تو بینا نے دروازہ کھولا اور طارق شاہ کو دیکھ کر خوش ہو گئی۔

"ارے طارق شاہ صاحب، آئیے آئیے...... اچانک!"

"جی ہاں...... شکایت کرنے آیا ہوں آپ سے۔" طارق شاہ نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

شہاب نے بھی مسکرا کر اس سے ہاتھ ملایا تھا...... طارق شاہ بیٹھ گیا اور بولا۔

"شکایت کرنے آیا ہوں آپ لوگوں سے۔"

"شکایت کس کی؟" شہاب نے پوچھا۔

"آپ کی۔"

"ارے واہ! ہم سے ہماری شکایت۔"

"تو اور کیا...... سچی بات تو یہ ہے کہ میں تو اس لئے زیادہ آپ لوگوں کو آ کر پریشان نہیں کرتا کہ آپ سوچیں گے کہ کفالت شاہ کا بیٹا ہے اپنا حق سمجھ کر ہماری مرضی ہو یا نہ ہو ہمارے سر پر مسلط ہو جاتا ہے، لیکن آپ نے یہ نہیں سوچا کہ طارق شاہ کا اس دنیا میں کوئی

اور نہیں ہے...... اگر کوئی محبت سے بات کر لیتا ہے تو اس کے بارے میں سوچتا رہتا ہے۔"

شہاب اور بینا اسے دیکھنے لگ گئے، پھر شہاب نے کہا۔

"نہیں طارق شاہ صاحب آپ خود سوچئے ہماری آپ تک رسائی کیسے ممکن ہے؟"

"کیوں؟"

"کیا آپ کی حویلی میں باہر والوں کو آنے کی اجازت ہے۔"

"میرے پاس تو آ سکتے تھے۔"

"ہاں آ سکتے تھے لیکن کیا آپ اسے مناسب سمجھتے۔"

طارق شاہ سوچ میں ڈوب گیا پھر اس نے کہا۔

"بس اتنا ہوتا کہ بڑے شاہ جی خاص طور سے آپ لوگوں کی جانب متوجہ ہو جاتے...... مجھ سے پوچھا جاتا کہ آپ سے میرے کیا روابط ہیں اور ہو سکتا ہے کہ مجھ پر پابندی لگا دی جاتی۔"

"وہ الفاظ کہہ رہے ہیں آپ طارق شاہ صاحب جو ہمارے دل میں ہیں۔"

"کیا ہو رہا ہے؟"

"کچھ نہیں۔"

"تو پھر باہر نکلئے نا۔"

"چلئے ہمیں بھلا کب انکار ہے۔" شہاب نے کہا۔

"تو پھر تیار ہو جائیے...... لباس وغیرہ بدل لیجئے میں ذرا باہر ڈاکٹر کھوسہ کے کان کھینچتا ہوں۔" شہاب ہنسنے لگا...... طارق شاہ باہر نکل آیا تھا...... ڈاکٹر کھوسہ کیاریوں کو پانی دے رہا تھا...... دونوں باتیں کرتے رہے تھوڑی دیر کے بعد شہاب اور بینا آ گئے۔

"ڈاکٹر صاحب! طارق شاہ صاحب ہمیں کہیں لے جانا چاہتے ہیں۔"

"مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو بھائی...... کیا مرغا بنواؤ گے مجھے۔" ڈاکٹر کھوسہ نے اپنی عادت کے مطابق کہا۔

"آپ کی اجازت۔"

"آج سے لے کر اس وقت تک جب تک تم لوگ یہاں موجود ہو۔" ڈاکٹر کھوسہ نے جواب دیا۔

"آیئے میری ہی گاڑی میں چلئے۔"

"جی۔"

پھر شہاب طارق شاہ کے پاس بیٹھ گیا اور بینا جیپ کے پچھلے حصے میں...... طارق شاہ ڈرائیونگ کرنے لگا، وہ کچھ خاموش خاموش سا تھا...... شہاب بھی چند لمحے خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

"شکایت تو یہی ہے نا۔"

"کیا مطلب؟"

"بیمار ہو گیا تھا۔"

"ارے کیا واقعی؟"

"ہاں، خاصا بخار چڑھ گیا تھا۔"

"مگر کیوں؟"

"یہ تو بخار ہی بتا سکتا ہے۔" طارق شاہ نے کہا اور ہنسنے لگا۔

"واقعی...... تب تو زیادتی ہو گئی آپ ہی ذرا سی کوشش کر لیتے۔"

"کیا؟"

"ڈاکٹر تو ہیں نا ہم لوگ...... کیا آپ یہ بات تسلیم نہیں کرتے۔"

"کیوں نہیں۔"

"یہ الگ بات ہے کہ آپ کی ڈسپنسری میں آکر اپنی ساری تعلیم بھولتے جا رہے ہیں۔"

"یہ تو ہو گا یہاں۔"

"مگر آپ ہی طلب کر لیتے۔"

"بس کچھ موقع ہی نہیں آیا اور میں نے زحمت نہیں دی۔"

"بڑا افسوس ہوا، واقعی چہرے سے آپ کچھ ہلکے نظر آ رہے ہیں۔" بینا نے پیچھے سے کہا۔

"آیئے آپ کو آج نئی جگہ لے جاؤں۔" طارق شاہ نے کہا اور جیپ کا رُخ تبدیل کر دیا، لیکن جس جگہ وہ شہاب کو لے گیا تھا، وہ جگہ شہاب کی دیکھی ہوئی تھی...... یہاں ایک خوبصورت علاقہ تھا...... کھیت بکھرے ہوئے تھے اور ان کے درمیان ایک ایسی جگہ بنی ہوئی تھی جہاں آرام سے بیٹھا جا سکے...... یہ ایسا مچان تھا جہاں سڑک والے کھیتوں کی رکھوالی کیا

کرتے تھے اس کے نیچے کا میدان صاف ستھرا تھا اور کھیتوں کے درمیان یہ جگہ بنائی گئی تھی...... طارق شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اگر کسی کو رازداری سے گفتگو کرنا ہو تو یہ بہترین جگہ ہے، کیونکہ یہاں کوئی چھپ کر سننے والا نہیں ہوتا۔"

"مگر ہمارے درمیان ایسی کون سی رازداری ہو سکتی ہے، طارق شاہ صاحب، جس کے لئے ہم یہاں تک آئیں؟" شہاب نے کہا۔

"نہیں کبھی کبھی ایسی ضرورتیں پیش آ جاتی ہیں۔" طارق شاہ نے سنجیدگی سے جواب دیا اور شہاب چونک کر اسے دیکھنے لگا...... طارق شاہ کا لہجہ بتاتا تھا کہ اس کے دل میں کچھ ہے...... وہ کچھ کہنا چاہتا ہے...... چنانچہ شہاب اور بینا سنجیدگی سے اس کی جانب متوجہ ہو گئے...... وہ اس کے بولنے کا انتظار کر رہے تھے اور طارق شاہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا...... کچھ لمحوں کے بعد اس نے گردن اُٹھا کر کہا۔

"آپ لوگ سوچتے تو ہوں گے کہ یہ کیسا شخص ہے...... بلاوجہ جان کا روگ بن گیا ہے...... حقیقت یہ ہے کہ اگر میں بڑے شاہ جی کا بیٹا نہ ہوتا تو آپ اپنی مرضی کے خلاف مجھے قبول نہ کرتے۔"

"یوں لگتا ہے طارق شاہ جیسے کچھ زیادہ ہی ناراض ہو گئے ہو۔" بینا نے کہا۔

"نہیں بینا جی! ایسی بات نہیں ہے...... آپ کیوں یہ محسوس کر رہی ہیں۔"

"تمہاری باتوں کی وجہ سے۔"

"نہیں آپ یقین کریں دل سے کہہ رہا ہوں...... ہاں ذرا سی شکایت ضرور تھی جس طرح بھی بن پڑتا میری خبر لے لیتے آپ تو میری عزت بڑھ جاتی۔"

"نہیں طارق شاہ اگر یہ شکایت ہے تو آئندہ تمہیں نہیں ہو گی...... تم ہمارے لئے بڑی اہمیت کے حامل ہو۔"

"دل میں کچھ ایسے لاوے ہیں شہاب صاحب کہ انہیں اُگل دینا چاہتا ہوں...... آتش فشاں ہے میرے سینے میں جو پھٹ جائے گا...... خدا کے لئے مجھے مر جانے دیجئے۔" طارق شاہ کی آواز بھرا سی گئی اور بینا نے اس کے قریب ہو کر اس کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"ایک دن تم نے مجھے بہن کہا تھا طارق شاہ۔"

"ہاں۔"

"بہر حال زبان بہت بری چیز ہوتی ہے...... بعض اوقات یہ دلوں میں ایسا گداز پیدا کر دیتی ہے کہ شاید کسی قیمت پر اسے نہ خریدا جا سکے، اگر کچھ تمہارے دل میں ہے اور تم ہمیں اس قابل سمجھتے ہو تو خدا کے لئے اسے اُگل دو ورنہ یہ گھٹن تمہیں واقعی بیمار کر دے گی۔" بینا کے لہجے کی ہمدردی نے طارق شاہ کی آنکھوں میں نمی پیدا کر دی، وہ چند لمحات خاموش سر جھکائے کچھ سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

"عیسائی مذہب میں دلوں کا غبار پادری کے سامنے جا کر نکال دیا جاتا ہے اور لوگ کون فیس کر کے اپنے گناہوں کا کفارہ کر لیا کرتے ہیں۔ میں خدا کے فضل سے عیسائی نہیں ہوں، لیکن میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ اس طرح سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہو گا...... کسی سے کہہ دینے سے دل یقیناً ہلکا ہو جاتا ہے، اس کا تجربہ شاید آپ لوگوں کو بھی ہو۔"

"ہاں کیوں نہیں...... بہر حال وہ ان کا معاملہ ہے لیکن ہم کسی کو بھی اپنی محبتوں کا امین بنا سکتے ہیں، کسی کو بھی اپنے رازوں میں شریک کر سکتے ہیں...... بعض لوگ واقعی برے نہیں ثابت ہوتے جیسے ہم۔"

طارق شاہ ان الفاظ پر دھیرے سے مسکرا دیا پھر بولا۔

"تو یوں سمجھ لیجئے میں آپ کے سامنے کون فیس کرنا چاہتا ہوں لیکن اپنی طرف سے نہیں اپنے باپ کی طرف سے۔" طارق شاہ کے ان الفاظ نے ان دونوں کو چونکا کر دیا تھا، وہ خاموش نگاہوں سے طارق شاہ کو دیکھنے لگے...... طارق شاہ ہلکی سی ہنسی ہنسا پھر بولا۔

"آپ بھی کیا سوچتے ہوں گے جب بھی آتا ہوں آپ کے سامنے اپنا رونا لے کر بیٹھ جاتا ہوں۔"

"انسان اسی کے سامنے اپنے دل کا حال کہتا ہے طارق شاہ جسے اس قابل سمجھتا ہے...... آپ نے ہمیں یہ اہمیت دی ہے اس کے لئے تو ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔"

"ایسی باتیں نہ کیجئے...... خدا کے واسطے ایسی باتیں نہ کریں...... خدا کے واسطے مجھے اپنے دل میں وہ مقام دے دیں جو ایک انسان دوسرے انسان کو دیتا ہے...... مجھے بالکل برا نہ سمجھیں آپ...... بھول جائیں اس بات کو کہ میں کفالت شاہ کا بیٹا ہوں، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر آپ مجھے اس نظریئے سے دیکھیں گے تو میرے دل میں شرمندگی کے علاوہ اور کچھ نہ

ہو گا...... آپ جانتے ہیں میرے باپ کو جانتے ہیں...... وہ کیا چیز ہے، کیا ہے وہ؟ جانتے ہیں آپ؟" طارق شاہ کے لہجے میں کسی قدر ہیجان سا پیدا ہو گیا۔

شہاب اور بینا نے اب بھی کچھ نہیں کہا تھا...... طارق شاہ دوبارہ بولا۔

"بتا چکا ہوں آپ کو...... بتا چکا ہوں...... میرے اور شاہ جی کے درمیان باپ بیٹے کا رشتہ ہے لیکن آپ یقین کیجئے میں بلاوجہ کسی سے نفرت نہیں کرتا...... اب یقین کیجئے میں نے ہمیشہ اپنے دل میں اپنے باپ کو ایک غیر شخصیت کا مالک سمجھا ہے...... اس لئے کہ کبھی مجھے وہ الفاظ نہیں ملے وہ انداز نہیں ملا جو باپ کی شفقت کا انداز ہوتا ہے۔ شاید آپ میری اس بات پر یقین کر سکیں گے کہ ہر انسان کے دل میں کچھ خواہشیں ہوتی ہیں، حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ خواہشیں بے مقصد ہیں...... کسی کو زبردستی محبت کرنے پر آمادہ نہیں کیا جا سکتا، لیکن خواہش تو ہوتی ہے نا...... اگر دل میں خواہش مرتی رہے تو اس دل کا کیا ہو گا...... وہ دل مردہ ہو جائے گا، میں ایک مردہ دل انسان ہوں شہاب صاحب...... بینا جی میں ایک مردہ دل انسان ہوں کیونکہ مجھے بچپن سے لے کر آج تک وہ اعتماد نہیں ملا جو کسی اپنے کو اپنے پر ہوتا ہے...... باپ سے بالکل محروم رہا...... ماں بچپن ہی میں مر گئی...... مری نہیں بلکہ مار دی گئی...... ہاں میری ماں مجھ سے چھین لی گئی۔"

"چھین لی گئی؟"

"ہاں...... قتل کر دیا گیا اسے...... میں اب پورے اعتماد اور وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میری ماں کو قتل کر دیا گیا۔"

"کس نے قتل کیا؟" شہاب نے فوری سوال کیا۔

"کفالت شاہ نے...... اس بستی کے مالک نے...... اس بستی کے سب سے زیادہ خونخوار شخص نے جو بذات خود ایک اژدہا ہے۔ جس کے پاس زہریلے دانت نہیں ہیں لیکن اس نے ایسے زہریلے دانت ایجاد کر لئے ہیں جنہیں انسانی جسم پر دبانے سے سانپ کے دانتوں کے نشانات بن جاتے ہیں، ان نقلی دانتوں میں زہریلے سانپوں کا زہر ہے، وہ زہر جسم میں اتر جاتا ہے اور بڑے آرام سے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ جو شخصیت دنیا چھوڑ گئی ہے وہ سانپ کے کاٹے کا شکار ہوئی...... سمجھ رہے ہیں نا آپ...... اور یہ کفالت شاہ ہے جو ایسا کرتا ہے۔ یہ ایک نہیں کئی لڑکیاں اس بستی کی کئی نوجوان لڑکیاں سانپ کے کاٹے کا شکار ہو چکی ہیں...... مر چکی ہیں

وہ...... کوئی نہیں کہہ سکتا کہ انہیں سانپ نے نہیں کاٹا بلکہ وہ سانپ کفالت شاہ ہے۔ سمجھ رہے ہیں نا آپ...... کفالت شاہ میرا باپ!"

"طارق شاہ کیا کہہ رہے ہو؟"

"جو کہہ رہا ہوں اسے سچ سمجھیں اور خدا کے لئے پوری توجہ سے اسے سنیں۔ سمجھ رہے ہیں نا آپ...... کفالت شاہ ایک اوباش طبع انسان ہے...... وہ بے شک میرا باپ ہے...... میں اس کا خون ہوں لیکن افسوس ہے مجھے کہ میں اس کا خون ہوں...... اس نے لاتعداد لڑکیوں کو قتل کیا ہے...... اپنی ہوس کی بھینٹ چڑھا کر اس نے انہیں زندگی سے محروم کر دیا ہے اور یہ بات دنیا جانتی ہے...... سب جانتے ہیں لیکن کوئی کچھ بول نہیں سکتا، کیونکہ انہیں اپنی زندگی سے پیار ہے لیکن اب میں خاموش نہیں رہ سکتا...... میرے باپ کو اس کے جرائم کی سزا ملنی چاہئے۔ ہے کوئی اس دنیا میں جو ایک اژدہے کو سزا دے سکے...... آپ سمجھ رہے ہیں نا...... میری سوتیلی ماں ہے پکی حویلی میں...... شملہ ہے اس کا نام...... اسی بستی کی ایک خوبصورت اور معصوم لڑکی ہے، اس قدر خوبصورت کہ واقعی اس کے حسن کی داد دی جا سکتی ہے۔ کفالت شاہ یوں تو عام لڑکیوں کو اپنی ہوس کی بھینٹ چڑھا لیتا ہے لیکن کبھی کبھی وہ دوسرے انداز میں بھی سوچتا ہے۔ شملہ کو اس نے زندگی سے محروم نہیں کیا بلکہ اس سے شادی کر لی اور شادی کرنے سے پہلے اس نے میری ماں کو زندگی سے محروم کر دیا تاکہ وہ شملہ کو اس کی جگہ دے سکے اور لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ کفالت شاہ ایک عیاش آدمی ہے...... اس نے میری ماں کو قتل کیا ہے...... خدا کی قسم کھاتا ہوں اس نے میری ماں کو قتل کیا ہے۔ اس کی پوری پوری گواہی مل گئی ہے...... ماگھی، ماگھی پکی حویلی کی ملازمہ ہے۔ ایک قدیم ملازمہ...... وہ ملازمہ جس نے میری ماں کو اپنی آغوش میں کھلایا تھا وہ نیم دیوانی ہو گئی ہے۔ میری اماں کی موت کے صدمے سے اور...... اور...... اس نے میرے سامنے زبان کھول دی ہے اور شملہ خود ایک مظلوم عورت ہے...... میں آج تک اسے ایک سوتیلی ماں سمجھتا رہا...... مجھے بتایا گیا تھا کہ سوتیلی ماں مظالم ڈھاتی ہیں...... محبت نہیں کرتیں...... میں ذہنی طور پر اس سے دور رہا، لیکن...... لیکن اب میرے اور اس کے درمیان تمام دیواریں ہٹ گئی ہیں، اس نے مجھے اپنے سائے میں جگہ دے دی ہے۔ اس نے ماں کی حیثیت سے میرے سر پر ہاتھ رکھ دیا ہے لیکن آپ نہیں جانتے کہ اس کے دل میں بھی ایک غم کا سمندر موجزن ہے کیونکہ...... کیونکہ اس

کے باپ فضل کامل نے اس کا ہاتھ کفالت شاہ کے ہاتھ میں دینے سے انکار کر دیا تھا...... یہ بات بہت پرانی ہے...... شملہ کا ایک چھوٹا بھائی تھا جو بہت کم عمر تھا، جب فضل کامل نے شملہ کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دینے سے انکار کر دیا تو اس نے فضل کامل اس کے بیٹے کرم کامل اور اس کی بیوی نہالہ کو غائب کر دیا...... لوگوں نے یہی سمجھا کہ وہ بستی چھوڑ کر چلے گئے یا پھر ممکن ہے یہ نہ سمجھا ہو کیونکہ یہاں کے لوگ جو سمجھتے ہیں وہ اپنی زبان پر نہیں لاتے، لیکن وہ تینوں غائب ہو گئے اور اس کے بعد ان کا پتا نہیں چل سکا مگر اب مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ پکی حویلی کے کسی تہہ خانے میں قید ہیں...... وہ زندگی کی سزا بھگت رہے ہیں...... شہاب صاحب اور بینا سمجھ رہے ہیں نا آپ...... وہ زندگی کی سزا بھگت رہے ہیں اور میری سوتیلی ماں شملہ ان کی یاد میں آٹھ آٹھ آنسو روتی ہے...... دیکھئے اس نے مجھے محبت دی...... اس نے مجھے وہ مقام دیا ہے جس سے میں محروم رہا ہوں...... میری زندگی بے مقصد ہی گزری ہے اور اب...... اب جب ایک ماں کا ہاتھ میرے سر پر پہنچا ہے تو مجھ پر بھی کچھ فرائض عائد ہو گئے ہیں...... شہاب صاحب لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں؟ میں کچھ کرنا چاہتا ہوں...... میں اس کے ماں باپ اسے واپس دلانا چاہتا ہوں تاکہ میں اسے اس شفقت اور محبت کا بدلہ دے سکوں جو اس نے مجھے دی ہے۔ وہ محبت جو مجھے کبھی نہیں ملی۔" طارق شاہ کا چہرہ شدت جوش سے سرخ ہو رہا تھا اور وہ دیوانگی کے عالم میں یہ سب باتیں کر رہا تھا۔

شہاب اور بینا خاموشی سے اس کی صورت دیکھ رہے تھے...... انہیں ان انکشافات پر شدید حیرت ہو رہی تھی لیکن یہی انکشافات وہ کرانا چاہتے تھے، پھر اسی لئے انہوں نے طارق شاہ تک رسائی حاصل کی تھی اور آج انہیں ان کی محنت کا پھل مل رہا تھا...... دونوں نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا تھا...... چند لمحات خاموش رہنے کے بعد شہاب نے کہا۔

"طارق شاہ! میں تمہارے دُکھ کو محسوس کر رہا ہوں، واقعی یہ انوکھی اور دلدوز داستان ہے...... ماں کا وجود انسان کے لئے کیا ہوتا ہے...... بس اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا...... میں کفالت شاہ کے بارے میں کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنا چاہتا لیکن یہ ایک سچائی ہے کہ اگر انہوں نے اس طرح کا ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا ہے تو یہ اچھی بات نہیں ہے۔"

"سب ڈرتے ہیں ان سے...... سب ان سے ڈرتے ہیں...... کوئی زبان کھولنے کی

جرات نہیں کر سکتا۔" طارق شاہ نے کہا۔

"لیکن طارق شاہ کبھی یہ بات اعلیٰ حکام کے کانوں تک نہیں پہنچی...... میرا مطلب ہے وہ جو قانون کی نگرانی کرتے ہیں۔"

"ہوں قانون...... قانون ان دنوں جس طرح بے حرمت ہو رہا ہے اس کی مثال کہیں نہیں ملتی ہے ہر صاحب اقتدار شخص نے اپنا قانون الگ بنا رکھا ہے اور وہ اس قانون پر عمل در آمد بھی کراتا ہے...... اول تو بستی کا کوئی شخص کبھی یہ جرات نہیں کر سکتا کہ یہاں سے نکل کر قانون کا دروازہ کھٹکھٹائے اور اگر ایسا کر بھی لیتا ہے وہ تو کفالت شاہ کے ہاتھ اس قدر لمبے ہیں کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کی زبان بند کر سکتے ہیں...... شہاب صاحب! میں جانتا ہوں کہ میں بہت بری باتیں کر رہا ہوں لیکن میرا ضمیر مجھے اس کی اجازت دے رہا ہے کہ میں یہ باتیں کروں...... میں بھی انسان ہوں اس کے بعد اس دُنیا میں میرا بھی ایک مقام ہوگا...... مجھ سے میرا مقام چھین لیا گیا ہے، مجھے...... مجھے اگر آپ حقیقت کی نگاہ سے دیکھیں تو مجھے بھی کفالت شاہ صاحب نے اپنا محکوم بنالیا ہے...... مجھے بتائیے کہ کیا کسی انسان پر حکومت کرنا جائز بات ہے...... یا کفالت شاہ صاحب جو کچھ کر رہے ہیں وہ درست ہے...... انسانوں سے ان کی زندگی چھین لینا ان کی عزت و آبرو چھین لینا، ان کا سب کچھ چھین لینا کیا ہے، یہ سب کچھ...... کیا آپ اس کا ساتھ دیں گے۔"

"نہیں طارق شاہ۔"

"تو مجھے بتائیے کہ میں کیا کروں؟ میں آپ سے مشورہ لینا چاہتا ہوں...... شہاب صاحب اور بیناجی مجھے مشورہ دیجئے...... میں کیا کروں؟ اگر میں کچھ نہ کر سکا تو آپ یقین کیجئے میں خودکشی کرلوں گا۔"

"خدانہ کرے طارق شاہ...... آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔" بینا نے ہمدردی سے کہا۔

"کیا کروں؟ بتائیے کیا کروں؟ کتنا بے بس ہوں میں کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتا۔"

"شملہ اس سلسلے میں آپ سے کیا کہتی ہیں؟"

"کچھ نہیں...... آنسو بھری کہانی ہے وہ...... صرف آنسو بھری کہانی...... اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے ...... بے بس لاچار، کفالت شاہ کو اگر اس کے بعد کوئی اور لڑکی پسند آگئی اور انہوں نے اسے اپنے حرم میں داخل کرنا چاہا تو شملہ کی کہانی ختم ہو جائے گی...... میں سمجھتا

ہوں، جہاں تک میری معلومات ہے جہاں تک ماگھی کہتی ہے...... شملہ کے ماں باپ زندہ ہیں اور یہ کام شاید اب شملہ کو بلیک میل کرنے کے لئے کیا گیا ہے کہ وہ کبھی اپنی زبان نہ کھولے...... سمجھ رہے ہیں نا آپ؟"

"ہاں! سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کچی حویلی میں انہیں کیسے تلاش کیا جائے؟"

"ہاں، ہر طرف بے بسی اور مایوسی ہے...... کوئی حل نظر نہیں آ رہا مجھے...... کچی حویلی میں سب کفالت شاہ کے کتے ہیں...... سب اس کے وفادار ہیں...... اس سے فائدے حاصل کرتے ہیں کوئی میرے ساتھ تعاون کرنے پر آمادہ نہیں ہوگا، بلکہ کہیں اگر میں زبان کھول بھی دوں تو کفالت شاہ میرے بھی دشمن ہو جائیں گے...... بتائیے مجھے کہ کتنا بے بس ہوں میں۔"

"لیکن ایسا کون ہو سکتا ہے جسے اس جگہ کے بارے میں معلومات حاصل ہو۔"

"پتا نہیں کون جانتا ہے کون نہیں جانتا ہے۔"

"ایک بات کہوں طارق شاہ صاحب۔" شہاب نے کہا۔

"جی کہئے خدا کے لئے کہئے۔"

"آپ کو کچی حویلی ہی میں سے کوئی ایسا شخص تلاش کرنا پڑے گا۔"

"کتنا مشکل کام ہے یہ...... میں کیسے انتخاب کروں گا؟ کیسے تلاش کروں گا؟"

"سنئے اگر وہ کسی تہہ خانے میں ہیں اور زندہ ہیں تو کوئی نہ کوئی شخص انہیں کھانا وغیرہ تو پہنچاتا ہوگا...... زندہ رہنے کے لئے کھانا کھلانا ضروری ہے...... کفالت شاہ ایسا تو کرتے ہوں گے۔"

طارق شاہ سوچ میں ڈوب گیا پھر اس نے کہا۔

"اس کا نام ہاشو ہے۔"

"کس کا نام؟"

"کچی حویلی کا باورچی ہے وہ۔"

"تو پھر۔"

"ہاشو ہر شخص کو کھانا کھلانے کا ذمہ دار ہے۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ ہاشو اس بارے میں جانتا ہوگا۔"

"اگر وہ لوگ زندہ ہیں اور کسی تہہ خانے میں قید ہیں تو ہاشو ضرور ان کے بارے میں

جانتا ہوگا۔"

"تب تو میرا خیال یہ ہے کہ آپ کو ہاشو پر ہاتھ ڈالنا چاہئے۔"

"کیسے مگر کیسے؟"

"اس کے لئے طارق شاہ صاحب کچھ دیر انتظار کرلیں...... کوئی موثر ترکیب سوچتے ہیں...... آپ جلد بازی سے کام نہ لیں...... اب جب اتنا عرصہ گزر چکا ہے تو تھوڑا سا اور سہی۔"

"شہاب صاحب! مجھے آپ کی مدد درکار ہے...... اب میں اس مسئلے کو نظر انداز نہیں کرسکتا...... شملہ کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے اور شہاب صاحب میں نے ان سے وعدہ کرلیا ہے کہ ان کے ماں باپ کو بازیاب کرواؤں گا...... اگر وہ زندہ ہوئے...... مرگئے تو مجبوری ہے لیکن شہاب صاحب میں زندگی کی بازی لگا کر ان لوگوں کو بازیاب کرانا چاہتا ہوں۔"

"آپ کبھی حویلی آتے جاتے رہتے ہیں؟"

"نہ ہونے کے برابر...... بس کبھی کوئی ضرورت ہوتی ہے تو چلا جاتا ہوں۔"

"کفالت شاہ صاحب آپ کے ساتھ کس طرح پیش آتے ہیں۔"

"تقریباً بتا چکا ہوں، نرم لہجہ ہوتا ہے لیکن انداز میں بے رُخی ہوتی ہے جیسے مجھے احساس دلایا جارہا ہو کہ میری ایک حد ہے اس حد کو عبور کرنے کی کوشش نہ کرو۔"

"آپ نے وہ حد کبھی عبور کرنے کی کوشش کی ہے؟"

"نہیں...... بددل رہا ہوں...... مایوس رہا ہوں...... بلاوجہ جھگڑے مول نہیں لئے لیکن یہ پرانی بات ہے اب میں جان پر کھیل جانا چاہتا ہوں۔"

"آپ ہم سے مشورہ لے رہے ہیں طارق شاہ صاحب؟"

"ہاں...... خدا کے لئے میری مدد کیجئے، مجھے مشورہ دیجئے۔"

"تو پھر سنئے، ہم آپ کی مدد بھی کریں گے اور مشورہ بھی دیں گے شرط یہ ہے کہ آپ اسے مانیں۔"

"مانوں گا...... بخدا وعدہ کرتا ہوں مانوں گا۔"

"تو پھر کچھ دیر خاموش رہیں تھوڑا سا کام ہمیں بھی کرلینے دیجئے...... ہم آپ کی پوری پوری مدد کریں گے...... سمجھ رہے ہیں نا آپ اگر جلد بازی میں آپ نے کوئی قدم اٹھایا تو کوئی منصوبہ کامیاب نہیں ہوسکے گا۔"

"ٹھیک ہے...... آپ جب تک حکم دیں گے اس وقت تک مین انتظار کروں گا۔"

"ہمارا ابھی حویلی آنا کسی طور مناسب نہیں ہے...... ہاں کفالت شاہ صاحب کو سلام کرنے اب ضرور جانا ہوگا...... ویسے بھی انہوں نے ہدایت کی ہے اس کی۔"

"احتیاط رکھئے گا، جہاں زہر ہوتا ہے وہاں نقصان پہنچ سکتا ہے۔" طارق شاہ نے کہا اور اس کے بعد کافی دیر تک وہ بیٹھا اس موضوع پر بات کرتا رہا...... وہ اپنے دل کے سارے چھالے کھول چکا تھا اور اب کسی حد تک وہ پرسکون نظر آرہا تھا۔

شہاب اور بینا نے اسے بہت کچھ سمجھایا بجھایا اور اس کے بعد وہ وہاں سے واپس چل پڑے۔

کفالت شاہ نے ایک بار پھر جابر کو طلب کر لیا تھا...... اب سب سے بڑا مرحلہ اس کے لئے کسی ایسے آدمی کا تھا جو اس کا اتنا ہی رازدان ہو جتنا رمل تھا اور نئے نئے معاملات کو سوچتے ہوئے اس کے ذہن میں یہی آیا تھا کہ جابر کو وہاں سے واپس بلا لیا جائے...... رمل کے بعد جابر ہی ایک ایسی شخصیت تھی جس پر اسے پورا پورا اعتماد تھا...... چالاک، شاطر، بے رحم، ذہین یہ جابر کی خصوصیات تھیں...... جابر جس وقت وہاں پہنچا تو کفالت شاہ بے چینی کے عالم میں ٹہل رہا تھا...... جابر نے معمول کے مطابق اسے سلام کیا اور کفالت شاہ رک کر اسے دیکھنے لگا۔

"جہاں تو کام کر رہا ہے جابر وہاں کے حالات آج کل کیا ہیں؟"

"سب کو کتا بنا دیا ہے شاہ جی، جو سرکش تھا اس کی گردن جھکا دی ہے...... شاہ جی کے لئے۔" جابر نے جواب دیا۔

"میں تجھے بتا چکا ہوں کہ رمل مر چکا ہے...... جا گل ہے تو کام کا آدمی لیکن بے وقوف ہے، وہ صرف بدن ہے دماغ نہیں...... سمجھ رہا ہے نا تو۔"

"جی شاہ جی۔"

"تو میں یہ چاہتا ہوں جابر کہ تو یہاں میرے پاس رہ۔"

"شاہ جی کا جو حکم...... جابر تو صرف حکم کا غلام ہے۔"

"ٹھیک ہے اب تو یہیں رک جا جابر...... وہاں کسی اور کو بھیج دیں گے...... یا پھر تو خود وہاں کوئی انتظام کرنا چاہے...... اپنی جگہ کسی کو لگانا چاہے تو میری طرف سے تجھے اجازت ہے۔"

"شاہ جی کی عنایت ہے۔" جابر نے جواب دیا۔

"بیٹھ جا بلکہ آ اندر آ...... میرے ساتھ آ...... تجھ سے بہت انوکھی باتیں کرنی ہیں آج مجھے۔"

"جی شاہ جی۔" جابر نے کہا اور کفالت شاہ اسے لے کر اندرونی کمرے تک پہنچ گیا۔ بیٹھ کر اس نے کہا۔

"کچھ کشف ہو رہا ہے ہم پر کچھ کشف ہو رہا ہے جابر...... نئے نئے خیالات آ رہے ہیں آج کل...... رمل کے مرنے کے بعد ہم ویسے بھی خود کو اکیلا اکیلا محسوس کر رہے ہیں، چنانچہ ان دنوں صرف وظیفے ہی پڑھتے رہتے ہیں اور ان وظیفوں سے ہمیں کچھ عجیب سی باتیں معلوم ہوئی ہیں۔"

"کیا شاہ جی؟" جابر نے سوال کیا اور کفالت شاہ گہری سوچ میں ڈوب گیا، کچھ دیر کے بعد اس نے گردن اٹھا کر کہا۔

"ہم نے پچھلے واقعات کا تذکرہ تجھ سے کیا تھا...... وہ کم بخت لڑکی آج تک ہمارے ہاتھ نہیں لگی...... کچھ پتا نہیں چل سکا کہ کہاں مر گئی وہ تیرے جانے کے بعد بھی ہم نے بہت کوشش کی...... خود دن اور رات گشت کیا اور یہ جاننا چاہا کہ یہاں کون ہے، ایسا جو ہمارے مقابلے میں آنے کی کوشش کر رہا ہے...... اس لڑکی کے بارے میں صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ کوئی اسے یہاں سے نکال لے گیا...... کہاں؟ کیسے؟ یہ کچھ نہیں معلوم...... ہم نے تجھ سے یہ بھی کہا تھا کہ تلاش کر کہ اس آبادی میں کوئی نیا بندہ تو نہیں داخل ہوا...... وہ کون ہے جس نے ہماری طاقت کو تسلیم نہیں کیا...... تو پتا نہیں چلا سکا جابر۔ تو پتا نہیں چلا سکا۔"

"شاہ جی جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے بستی میں لوگ آتے جاتے تو بے شک ہیں لیکن ایسا کوئی بندہ نہیں ہے جو یہاں ٹک گیا ہو اور اس کے اندر اتنی جان ہو کہ کفالت شاہ صاحب کے سامنے کھڑا ہو سکے۔"

"ہیں جابر ایسے کچھ لوگ ہیں جو نئے بھی ہیں، یہاں تک بھی گئے ہیں اور ہم ان کے ماضی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔"

"جی شاہ جی۔" جابر حیرت سے بولا۔

"ہاں جابر ہیں بلکہ ہیں، نہیں ہے۔"

"کون شاہ جی؟"

"بتاتے ہیں تجھے بتاتے ہیں۔" کفالت شاہ نے کہا اور جابر اسے سنسنی خیز نگاہوں سے دیکھنے لگا...... یہ بڑی حیرت کی بات تھی کہ اسے ایسی کوئی بات معلوم نہیں ہوئی تھی...... ہو سکتا ہے کہ کوئی نگاہوں سے اُوجھل رہ گیا ہو۔ بہر حال وہ کفالت شاہ کے بولنے کا انتظار کرنے لگا...... کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد کفالت شاہ نے کہا۔

"شہر سے آئے ہیں...... دارالحکومت سے آئے ہیں دو افراد ہیں...... ایک کلیوں جیسی نازک لڑکی اور ایک نوجوان...... نام ہے شہاب اور لڑکی کا نام بینا ہے۔"

"شاہ جی کون ہیں وہ؟" جابر نے پوچھا۔

"ڈسپنسری ہے نا اپنی، اس ڈسپنسری میں نئے ڈاکٹروں کی حیثیت سے آئے ہیں۔"

"اوہ! شاہ جی میری توجہ اس طرف نہیں گئی مگر کیا آپ کے خیال میں۔"

"ہاں ہاں بتا رہے ہیں...... تیز رفتاری کا مظاہرہ نہ کر...... مرد ایک نوجوان اور طاقت ور آدمی ہے...... ہم نے پہلی نگاہ ہی میں اسے دیکھ کر کہا تھا کہ وہ بہت تیز اور چالاک معلوم ہوتا ہے...... ڈاکٹر ہے...... ڈسپنسری ہی میں رہتے ہیں دونوں...... یہی دو اجنبی اس وقت یہاں موجود ہیں...... تم جانتے ہو جابر کہ ڈسپنسری میں کوئی کام تو ہوتا نہیں ہے...... ڈاکٹر کھوسہ وہاں کا انچارج ہے...... عیش کر رہا ہے...... سرکاری طور پر ان دونوں کو یہاں بھیجا گیا ہے...... میں یہ نہیں کہتا کہ وہ غلط لوگ ہیں، لیکن جب انسان کے دل میں کوئی شبہ پیدا ہو جاتا ہے تو پھر ہر چیز کو دیکھنا ہوتا ہے...... وہ کون ہیں؟ اور کیا اس سلسلے میں ان کا کوئی ہاتھ ہو سکتا ہے...... میں بالکل یقین سے نہیں کہہ سکتا لیکن نئے لوگ ضرور ہیں...... خاص طور سے مرد...... اسے ٹٹولنا ضروری ہے جابر اور یہ کام تجھے کرنا ہے۔"

"شاہ جی کوئی مشکل ہی نہیں ہے...... بس آپ کا حکم درکار ہے۔" جابر نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"اُٹھا لیتا ہوں انہیں شاہ جی! پکڑ کر بند کر لیں گے اور اس کے بعد بھلا ان کی مجال ہے کہ وہ زبان نہ کھول سکیں...... ہمیں کون روکے گا شاہ جی...... ہماری مملکت میں ہیں وہ۔"

"جابر کیا تو بھی ایسی بے وقوفی کی باتیں کر سکتا ہے...... احمق آدمی یہ کام تو ہم خود بھی کر سکتے تھے، لیکن سن...... دل کی ساری باتیں بتا رہے ہیں تجھے...... وہ لڑکی تو ہمارا پھول

ہے...... وہ میلا نہیں ہونا چاہئے...... سمجھ رہا ہے نا تو...... ہماری محبت ہے وہ...... بڑی احتیاط برت رہے ہیں ہم اس کے لئے...... بڑا صبر کر رہے ہیں ہم...... دیکھے گا تو دیکھتا رہ جائے گا...... شہری لڑکی ہے...... بہت خوبصورت ہے...... بہت نازک مزاج ہے...... یوں سمجھ لے کہ وہ تیری نئی شاہینہ ہے۔"

"جی شاہ جی۔"

"ہاں...... جابر فیصلہ کر چکے ہیں ہم...... تھوڑا سا انتظار کر رہے ہیں، اگر یہ واقعات درمیان میں نہ آ جاتے جابر تو اب تک ہم اس پر ہاتھ ڈال چکے ہوتے اور جس پر ہم ہاتھ ڈال دیں بھلا مجال ہے اس کی، لیکن معلومات کرنا پڑیں گی ان کے بارے میں...... ذرا پیچھے سے دیکھنا پڑے گا کہ وہ ہیں کیا؟ تو جانتا ہے کہ وہ کچھ بھی ہیں ہمارے لئے یہ مشکل نہیں ہوگا کہ ہم انہیں اپنی غلامی میں لے لیں...... لڑکی اور نوجوان ایک دوسرے سے بہت زیادہ بے تکلف ہیں...... وہ ہر وقت ساتھ رہتے ہیں لیکن جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے دونوں کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ دونوں ایک دوسرے کو چاہنے لگے ہیں...... لڑکا بھی خوبصورت ہے...... حسین نوجوان ہے اور لڑکی بھی اور پھر دونوں کا پیشہ ایک ہی ہے۔"

"شاہ جی! آپ نے تاوقت لگا لیا...... یہ تو بہت بڑی بات ہے۔"

"فضول باتوں سے گریز کر...... ترکیب سوچ ایسی ترکیب جو ہمارے پہلے اقدامات سے مختلف ہو...... سمجھ رہا ہے نا تو۔"

"شاہ جی کا دماغ آسمان سے براہ راست تعلق رکھتا ہے...... بھلا جابر کی ذہنی وسعتیں اس قدر کہاں ہیں کہ شاہ جی کے دماغ تک پہنچ سکے...... جابر تو صرف شاہ جی کا غلام ہے...... ان کا کتا ہے، جو حکم دیں گے کرے گا...... آپ اگر حکم دیں شاہ جی تو بلاوجہ انتظار نہ کیا جائے...... چلئے لڑکی آپ کو پسند ہے...... لڑکے کو راستے سے ہٹا دیتے ہیں۔"

"نہیں جابر...... ابھی نہیں...... کام اس طرح ہونا چاہئے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے، ویسے تو ہم نے جو چاہا ہے وہ کرتے ہی رہے ہیں لیکن اس بار ذرا طریقہ بدلنا ہوگا...... دیکھ، لاکھ طاقتور ہو انسان لیکن دشمن سے ہمیشہ چوکنا رہنا چاہئے۔ شہر سے میں کوشش کرتا ہوں یہ معلومات حاصل کرنے کی کہ ان دونوں کا بیک گراؤنڈ کیا ہے؟ یہ پتا چل جائے گا، یہ اتنا مشکل کام نہیں ہوگا...... اس کے لئے میں شہر ہی میں اپنے بندوں کو لگا دوں گا

لیکن یہاں کچھ کرنا ہے...... یہاں سے ان دونوں کے بارے میں معلومات حاصل ہونی چاہئے...... سمجھ رہا ہے نا تو...... ایک ترکیب ذہن میں آتی ہے۔"

"وہی تو میں کہہ رہا تھا کہ جو شاہ جی سوچ سکتے ہیں وہ بھلا جابر کہاں سوچ سکتا ہے۔"

"ہوں ہاشو۔" کفالت شاہ نے کہا۔

"ہاشو؟"

"باورچی۔" کفالت شاہ مسکرا کر بولا۔

"ہاں اپنا باورچی نا۔"

"ہاں اس کی بات کر رہا ہوں۔"

"سمجھا نہیں کچھ شاہ جی۔"

"ہاشو بیمار ہے...... سمجھا جابر ہاشو بیمار ہے اپنا...... کیا تکلیف ہے اسے...... یہ ہمیں کیا معلوم، کہتا ہے کہ پیٹ میں درد ہوتا ہے...... کیوں ہوتا ہے بھئی ہمیں نہیں معلوم...... جو بات ہمیں نہیں معلوم وہ ڈاکٹروں کو معلوم ہونی چاہئے نا...... اور پھر یہ ڈسپنسری آخر کس دن کام آئے گی...... ہیں نا...... کچھ نہ کچھ تو ہونا چاہئے یہاں...... ہاشو کو ڈسپنسری بھجوا دو...... بلاؤ بلاؤ، ہاشو کو بلاؤ...... جا جابر ہاشو کو بلا۔" کفالت شاہ نے کہا اور جابر جلدی سے اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔

ہاشو پرانا ملازم تھا...... حویلی کا نمک کھاتا تھا۔ شاہ جی کے حکم پر ہر کام کرتا تھا، یہ سوچے سمجھے بغیر کہ کام کی نوعیت کیا ہے...... قدیم ملازم ہونے کی وجہ سے شاہ جی کے تمام معاملات اسے اسی طرح معلوم تھے جس طرح یہاں رہنے والے دوسرے ملازموں کو اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تہہ خانے میں کھانا پہنچانا اسی کی ذمہ داری تھی...... فضل کامل، کرم کامل اور اس کی بیوی کو کھانا وہی دیا کرتا تھا...... کچھ دیر کے بعد وہ جابر کے ساتھ کفالت شاہ کے پاس پہنچ گیا اور کفالت شاہ اسے بغور دیکھنے لگا پھر ایک دم ہنس پڑا۔

"ہاشو کیا تکلیف ہے تجھے؟"

"جی شاہ جی...... میں تو ہٹا کٹا ہوں...... اللہ کا فضل ہے جی...... آپ کی دعائیں ہیں۔"

"نہیں تو ہٹا کٹا نہیں ہے...... بیمار ہے تو...... پیٹ میں درد ہے تیرے اس جگہ...... ادھر آ۔" اس نے ہاشو کو آواز دی اور ہاشو ہانپتا کانپتا آگے بڑھ آیا۔

"اس جگہ تیرے درد ہے...... اور کافی دن سے ہے...... کبھی کبھی یہ درد شدید ہو جاتا ہے...... دورہ سا پڑ جاتا ہے ہاشو، سمجھ رہا ہے نا۔"

"شاہ جی نہیں سمجھ رہا۔" ہاشو رندھی ہوئی آواز میں بولا۔

"دیکھ ہاشو، ڈسپنسری میں داخل ہونا ہے تجھے...... جابر لے جائے گا ہماری طرف سے حکم دے گا ڈاکٹر کھوسہ کو، اسے بتائے گا کہ ہاشو کو تکلیف ہے اس کا علاج کرے...... سمجھ رہا ہے نا تو...... تیرا وہاں علاج ہوگا...... وہیں تیرے لئے بستر لگ جائے گا...... جب تک تو ٹھیک نہیں ہو جائے گا وہاں سے نہیں آئے گا اور تو جانتا ہے کہ تو کب تک ٹھیک نہیں ہوگا۔"

"نہیں جانتا شاہ جی۔"

"سن ہاشو، جو کچھ ہم بتا رہے ہیں...... غور سے سن...... وہاں ایک نیا ڈاکٹر اور ڈاکٹرنی آئے ہیں...... وہیں رہتے ہیں...... کام دھندا تو نہیں کچھ ہے نہیں...... گھومتے پھرتے رہتے ہیں...... ڈاکٹر کا نام شہاب ہے...... لڑکی کا نام بینا ہے...... ہمیں ان دونوں کے بارے میں مکمل رپورٹ چاہئے...... وہاں دو نرسیں بھی ہیں اور بھی لڑکے وغیرہ کام کرتے ہیں...... کسی کو اپنا رازدان بنانے کی ضرورت نہیں، ہوشیاری سے کام کرنا ہے، اگر ہو سکے تو ان دونوں سے دوستی بڑھا لینا...... ان کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرنی ہے۔ شہر میں کہاں رہتے ہیں...... کیا کرتے ہیں، ڈسپنسری میں رہ کر کہاں کہاں گھومتے ہیں...... نوجوان ڈاکٹر کیا کرتا ہے۔ ان دونوں کے بیچ کیا تعلقات ہیں...... کیا دونوں ایک دوسرے سے عشق کرتے ہیں یا پھر یونہی ہم پیشہ ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے متاثر ہیں...... ہاشو، یہ کام کرنا ہے تجھے۔"

شاہ جی کی آواز بھاری ہو گئی۔

"شاہ جی کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ آپ نے مجھے پہلے بتا دیا ہوتا تو پہلے کر دیا ہوتا۔"

"پہلے بتا دیا ہوتا تجھے...... باپ ہے نا تو ہمارا...... اب جب سمجھا رہے ہیں تجھے بتا رہے ہیں تجھے، لیکن لغزش نہیں ہونی چاہئے۔ ہاشو، تو جانتا ہے میرے پاس لغزش کی معافی نہیں ہے...... ایک اہم کام پر لگا رہا ہوں تجھے...... معلومات ہونی چاہئے...... احتیاط رکھنی چاہئے، کبھی یہ ظاہر مت کرنا کہ تجھے کسی مقصد کے لئے یہاں بھیجا گیا ہے...... یہ تیری ڈیوٹی ہے...... نئی ڈیوٹی، سمجھ رہا ہے نا تو۔"

"جو حکم شاہ جی۔"

"تو بس تھوڑی دیر کے بعد چل پڑ یہاں سے۔ جابر لے جائے گا...... درد سے تڑپتا ہوا جائے گا تو سمجھا۔"

"جی شاہ جی۔"

"ہوشیار سے کام کرنا، انعام ملے گا۔"

"شاہ جی کا غلام ہوں...... آپ فکر نہ کریں۔" ہاشو نے جواب دیا اور کفالت شاہ نے مسکرا کر جابر کو دیکھا۔

"جابر بے چارے مریض کو ہسپتال لے جاؤ، دیکھو تو کتنی تکلیف میں ہے وہ۔" کفالت شاہ نے مکاری سے کہا اور جابر نے مسکرا کر گردن خم کر دی۔

❁

جیپ ڈسپنسری میں داخل ہو گئی، خاصا شور شرابا ہو رہا تھا...... جابر کے ساتھ کئی اور افراد تھے...... ہاشو بڑی اچھی اداکاری کر رہا تھا۔ وہ چیخ چلا رہا تھا۔

"ہائے مرا...... ہائے مرا...... ہائے مر گیا...... ہائے مر گیا...... مجھے بچالو...... مجھے بچالو۔" ڈاکٹر کھوسہ کے ساتھ شہاب اور بینا بھی باہر نکل آئے تھے...... ڈاکٹر کھوسہ حیرت سے منہ پھاڑے سامنے دیکھ رہے تھے...... جابر ہاشو کو سنبھالتے ہوئے اندر لا رہا تھا...... اس نے چیخ کر کہا۔

"ارے ڈاکٹر کھوسہ کیا دیکھ رہے ہو...... مریض آیا ہے تمہاری ڈسپنسری میں...... کوئی انتظام نہیں ہے تمہارے پاس...... ارے وہ چارپائی لے آؤ، جس میں مریض کو لے جایا جاتا ہے۔"

"مم...... مم...... مریض۔" ڈاکٹر کھوسہ ہکلائی ہوئی آواز میں بولا۔

"پاگل ہو گئے ہو تم، حالت نہیں دیکھ رہے تم اس کی...... مم...... مم، کر رہے ہو۔"

"اسٹریچر، اسٹریچر۔" ڈاکٹر کھوسہ نے چیخ کر کہا اور دونوں وارڈ بوائے اندر دوڑ گئے...... اسٹریچر کے پہیئے کو زنگ لگ گیا تھا لیکن کسی نہ کسی طرح وہ اسے گھسیٹتے ہوئے لائے اور اس کے بعد ہاشو کو اس پر لٹا دیا گیا۔

"کیا ہو گیا؟ سانپ نے کاٹ لیا کیا؟" ڈاکٹر کھوسہ نے کہا۔

"ڈاکٹر تم ہو یا میں؟" جابر نے کہا۔

"نن...... نہیں میرا مطلب ہے کہ کیا...... کیا ہو گیا ہے اس کو؟"

"پیٹ میں درد ہوا ہے اس کے...... اس کا علاج کرو...... شاہ جی نے اسے یہاں بھیجا ہے...... شاہ جی کا باورچی ہے، خاص آدمی ہے۔"

"اچھا...... اچھا...... ٹھیک ہے...... چلو چلو، لے چلو اسے۔" اور پھر تمام لوگ اندر داخل ہو گئے۔

ڈسپنسری کباڑ خانہ بن چکی تھی...... دوائیں وغیرہ بے شک موجود تھیں، لیکن کچھ کی کچھ، ادھر ہاشو اسٹریچر پر تڑپ رہا تھا...... بمشکل تمام اسے بیڈ پر لٹایا گیا اور ڈاکٹر کھوسہ اس کا معائنہ کرنے لگا...... جابر وغیرہ پاس ہی کھڑے تھے، شہاب اور بینا بھی موجود تھے۔

"کیا تکلیف ہے تم کو؟ کیوں شور مچا رہے ہو؟"

"درد، ہائے درد، ہائے مر گیا...... درد سے۔"

"کہاں درد ہے؟"

"یہاں ڈاکٹر صاحب یہاں، ہائے ہائے، ہائے مر گیا۔"

"ڈاکٹر شہاب!" کھوسہ نے شہاب کو آواز دی۔

"جی ڈاکٹر۔"

"میرا خیال ہے اسے فوراً انٹروینس دیا جائے۔"

"ہے؟"

"ہاں...... ہاں کیوں نہیں...... جاؤ دیکھو۔"

شہاب اس الماری کی جانب بڑھ گیا جدھر اشارہ کیا گیا تھا...... شکر تھا کہ انٹروینس انجکشن آؤٹ آف ڈیٹ نہیں ہوئے تھے اور ابھی ان کی تاریخ استعمال باقی تھی، چنانچہ شہاب نے فوراً ہی انجکشن سرنج میں بھرا اور اسے ہاشو کے بازو میں لگا دیا...... جابر وغیرہ وہیں کھڑے ہوئے تھے...... ڈاکٹر کھوسہ نے کہا۔

"میں نے اسے فوری درد بند ہونے کا انجکشن دے دیا ہے، درد تھم جائے گا لیکن مجھے تھوڑی سی تفصیل تو معلوم ہو جائے۔"

"اکثر اسے درد ہوتا رہتا ہے۔ اور اسی طرح تڑپتا ہے یہ...... شاہ جی نے کہا کہ اسے

ڈسپنسری میں داخل کرادو......ڈاکٹر کھوسہ اس کا علاج کرے گا۔"

"ارے شاہ جی سب سے بڑا ڈاکٹر ہیں...... شاہ گڑھی کے میں ان کے سامنے کیا وقعت رکھتا ہوں۔"

"شاہ جی ڈاکٹر نہیں ہیں وہ درویش ہیں...... عالم ہیں...... جب انہوں نے محسوس کیا کہ اسے دواؤں کی ضرورت ہے تو اسے یہاں بھیج دیا گیا...... اس لئے اپنی زبان بند رکھو، ڈاکٹر کھوسہ۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، بالکل ٹھیک ہے...... شاہ جی نے ہمیں اس قابل سمجھا، یہ تو ہماری عزت افزائی ہے...... بالکل بے فکر رہیں ٹھیک ہو جائے گا۔"

"تو شاہ جی سے کیا کہوں۔"

"شاہ جی کا کیا حکم ہے؟"

"اسے یہیں داخل رکھنا ہے اس وقت تک جب تک اس کا مرض جڑ سے دُور نہ ہو جائے۔"

"ہو جائے گا...... بھلا یہ بھی کوئی بات ہے...... ہو جائے گا ٹھیک۔" ڈاکٹر کھوسہ نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

"تو میں شاہ جی کو اطمینان دلادوں؟"

"ضرور، ضرور...... شاہ جی سے کہہ دینا کہ ان کا غلام ان کے ہر حکم کی تعمیل کرے گا...... یہ بندہ یہاں سے ٹھیک ہو کر جائے گا۔ آپ بالکل فکر نہ کریں۔"

"تو ہم جائیں؟"

"جائیے...... میں جو ہوں۔"

"کوئی ضرورت ہے؟"

"کیسی باتیں کرتے ہیں...... شاہ جی کا باورچی ہے...... بھلا ضرورت کیا ہوگی۔" ڈاکٹر کھوسہ نے جواب دیا۔

آہستہ آہستہ خود کو پرسکون ظاہر کر رہا تھا...... حالانکہ راستے بھر وہ جابر کی خوشامد کرتا آیا تھا اور کہتا آیا تھا کہ اسے دوائیں پینا پڑیں گی...... نجانے کیسی کیسی دوائیں ہوں گی...... وہ تو کبھی زندگی میں بیمار نہیں ہوا...... اس کے پیٹ میں درد آج تک نہیں ہوا...... اب اسے یہ

انجکشن برداشت کرنا پڑا تھا تو اس کا منہ بگڑا ہوا تھا...... لیکن بہرحال شاہ جی کا حکم تھا، جو حکم ہو اس کی تعمیل تو کرنا ہی ہوتی ہے...... جابر اور دوسرے لوگ پھر وہاں سے نکل گئے...... ڈاکٹر کھوسہ نے ہاشو کو دیکھا اور پھر کہا۔

"اب کیسا لگ رہا ہے؟"

"آرام آگیا ہے ڈاکٹر صاحب۔"

"جو انجکشن میں نے تمہیں لگایا ہے وہ بڑے کام کا ہوتا ہے اور اس سے تکلیف دور ہو جاتی ہے۔"

"جی ڈاکٹر صاحب۔"

"یہ درد تمہیں کوئی خاص چیز کھانے سے اُٹھتا ہے۔"

"نہیں ڈاکٹر صاحب، بس تھوڑے دن ہوگئے ہیں...... اُٹھتا ہے تو بڑے زور سے اُٹھتا ہے۔" ہاشو نے جواب دیا۔

"کیا خیال ہے ڈاکٹر شہاب؟"

"سر آپ کے سامنے میں کیا بول سکتا ہوں۔"

"چیک کرنا پڑے گا...... ہو سکتا ہے کہ معدے میں رسولی ہو۔" ڈاکٹر کھوسہ نے کہا۔

"جی۔"

"تم دیکھو۔" ڈاکٹر کھوسہ بولا اور شہاب ہاشو پر جھک گیا...... وہ اسے کچھ دیر دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

"آپ اسے میرے سپرد کردیجئے ڈاکٹر صاحب...... میں انشاء اللہ اسے ٹھیک کرلوں گا۔" شہاب نے کہا۔

"ٹھیک ہے...... اب نرسوں کو بلاؤ۔" ڈاکٹر کھوسہ نے ڈاکٹر بینا سے کہا...... بینا نے حمیدہ اور ناصرہ کو طلب کرلیا۔

"کمرے کی پوری طرح سے صفائی کردو...... بہت عرصے کے بعد کوئی مریض آیا ہے...... ہمارے لئے تو بڑی عزت کی بات ہے...... کوئی تکلیف نہیں ہونا چاہئے...... سب لوگ اس کی خدمت کروگے، سمجھ گئے اور کوئی ضرورت ہے تمہیں؟"

"نہیں ڈاکٹر صاحب۔"

"بس ٹھیک ہے چونکہ کفالت شاہ صاحب نے کہا ہے کہ تمہیں یہاں رکھا جائے..... تمہیں انڈر آبزرویشن رکھا جائے گا...... سمجھ رہے ہونا۔"

"جی۔"

"نہیں سمجھ رہے...... خیر کوئی بات نہیں...... مطلب یہ ہے کہ یہ پتا چلایا جائے گا کہ تمہیں درد کیوں ہوتا ہے......اب جب بھی درد ہو بتادینا۔"

"ڈاکٹر صاحب وہ تو خود پتا چل جائے گا۔" ہاشو نے جواب دیا۔

"ایں، ہاں، مگر شور مت مچانا، سمجھے ورنہ بے ہوشی کا انجکشن دے دیا جائے گا۔"

"نن...... نہیں، ڈاکٹر صاحب، بالکل شور نہیں مچاؤں گا...... وعدہ کرتا ہوں۔" ہاشو نے جواب دیا۔

"تو ٹھیک ہے ڈاکٹر شہاب اسے دیکھئے اور جو بھی رپورٹ ہو مجھے دیجئے۔"

"آپ مطمئن رہیں۔" شہاب نے زیر لب مسکرا کر کہا اور پھر ناصرہ اور حمیدہ کو ہدایات دینے کے بعد شہاب بینا کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آیا...... باہر وہ جیپ جا چکی تھی جس میں ہاشو کو لایا گیا تھا...... شہاب نے بینا کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"بینا۔"

"ہوں۔"

"کچھ محسوس کیا۔"

"ہاں۔"

"کیا؟"

"گڑبڑ۔"

"گڈ، گویا تم بھی وہی سوچ رہی ہو جو میں نے سوچا۔"

"سو فیصد...... آپ کو ایک بات یاد ہے شہاب۔"

"کیا؟"

"طارق شاہ صاحب نے ہاشو ہی کا نام لیا تھا۔"

"ہاں...... باورچی...... کچی حویلی کا باورچی۔"

"آپ کا کیا خیال ہے اس بارے میں؟"

"بینا میں نے اس دن تم سے کہا تھا نا کہ کفالت شاہ کا مجھے اس طرح ملنا خطرناک ثابت ہوگا......اس کی ابتدا ہو گئی ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے شہاب کہ اسے خاص طور سے یہاں بھیجا گیا ہے۔"

"سو فیصد...... یہ اصل میں کفالت شاہ کا جاسوس ہے۔"

"جاسوس کس کے خلاف کام کرے گا۔"

"ظاہر ہے ہمارے خلاف۔"

"اوہ...... کیا یہ سنجیدہ بات نہیں ہے۔"

"ہے تو سنجیدہ، لیکن تم ایک بات پر غور کرو۔"

"کیا؟"

"طارق شاہ کو یہ بہت مشکل معلوم ہو رہا تھا کہ ہاشو کو وہ کس طرح اپنے جال میں پھانسے گا، لیکن سیانا کو اہمیشہ نقصان اُٹھاتا ہے...... تم نے دیکھا کہ کفالت شاہ خود اپنے جال میں پھنس گیا۔"

"مطلب؟"

"ہاشو خود یہاں آ گیا۔"

"تو پھر اب۔"

"بہت سوچ سمجھ کر کام کرنا ہوگا...... ابھی طارق شاہ کی مدد نہیں لی جا سکتی، کیونکہ معاملہ تھوڑا سا ڈاکٹر کھوسہ کا بھی ہے اور ڈاکٹر کھوسہ کے بارے میں تم نے اندازہ لگا لیا ہے وہ صرف ایک خوشامدی آدمی ہے اور کسی بھی طور کفالت شاہ سے بگاڑنا پسند نہیں کرے گا، چنانچہ ہمیں جو کچھ بھی کرنا ہے خود ہی کرنا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہوئی کہ یہ شخص خود ہی ہمارے قبضے میں آ گیا...... طارق شاہ سے کس طرح رابطہ ہو۔"

"کیا مطلب؟" ابھی تو تم نے کہا تھا کہ طارق شاہ سے ابھی اس سلسلے میں کچھ نہیں کہنا۔"

"لیکن پھر بھی کچھ کام آ پڑا ہے اس سے۔"

”پکی حویلی کا چکر لگالیا جائے؟“

”مناسب نہیں ہوگا؟“

”ہو سکتا ہے طارق شاہ خود ہی آجائے۔“

”ہاں۔“

”تو پھر اب کیا پروگرام ہے؟“

”ڈاکٹر بننا پڑے گا بھئی، ویسے یہ اچھی بات ہے کہ مریض بھی ایسا ملا جو اصل میں بیمار نہیں ہے...... اس کا علاج کرنے میں ہمیں آسانی ہوگی۔“ شہاب نے کہا اور بینا مسکرا دی۔

پھر یہ بھی اتفاق تھا کہ طارق شاہ اسی دن شام کو آگیا...... بینا اور شہاب نے دور ہی سے اسے دیکھ لیا تھا...... وہ دونوں ڈسپنسری سے نکل آئے...... ڈاکٹر کھوسہ اپنی رہائش گاہ میں تھا اور اس وقت باہر نہیں نکلتا تھا...... ہاشو کو ان لوگوں کے حوالے کر کے وہ مطمئن ہو گیا تھا...... ویسے ڈسپنسری میں یہ ایک خوشگوار دن تھا کہ یہاں بھی کوئی مریض آیا اور یہاں داخل ہوا...... طارق شاہ کو انہوں نے دور ہی سے جالیا اور پھر اس کی کار کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئے۔

”کسی مناسب جگہ چلو۔“ شہاب نے کہا اور طارق شاہ نے گاڑی آگے بڑھا دی...... اس کے چہرے پر عجیب سے آثار پھیل گئے تھے۔

”خیریت، آج آپ بڑے پراسرار نظر آرہے ہیں۔“

”ہم پراسرار نہیں ہیں بلکہ پراسرار واقعہ ہو گیا ہے۔“

”کیا؟“

”بس اس جگہ، اس درخت کے نیچے گاڑی روک دو میرا خیال ہے محفوظ جگہ ہے۔“

”ہاں، کوئی خاص طور سے توجہ نہیں دے گا مگر بات کیا ہے...... آپ لوگوں نے مجھے خاصے تجسس میں مبتلا کر دیا ہے۔“

”طارق شاہ صاحب وہ شخص آگیا ہے جس کی آپ کو تلاش تھی۔“

”کون؟“

”اس کا نام ہاشو ہے۔“

”کچی حویلی کا باورچی۔“

”ہاں۔“

”کہاں آگیا ہے؟“

”ڈسپنسری۔“

”کیا مطلب...... میں بالکل نہیں سمجھا۔“

”کفالت شاہ صاحب نے اسے بھیجا ہے وہ درد سے تڑپتا ہوا یہاں پہنچا ہے۔“

”ڈسپنسری میں بھیجا ہے؟“

”ہاں۔“

”یہ بات تو میں اچھی طرح جانتا ہوں، ڈاکٹر شہاب کہ ڈسپنسری میں کفالت شاہ صاحب اپنے کسی مریض کو نہیں بھیج سکتے...... انہیں ڈسپنسری پر بھروسا ہی نہیں ہے اور پھر ویسے بھی یہاں وہی آسکتا ہے جسے موت کی آرزو ہو...... معاف کیجئے میں آپ پر طنز نہیں کر رہا...... ڈسپنسری کی حالت آپ نے خود دیکھ لی ہوگی۔“

”ہاں بے شک۔“

”اس کا مطلب ہے کوئی گڑبڑ ہے۔“

”آپ کا بھی وہی خیال ہے جو ہمارا ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”میرا خیال ہے کفالت شاہ نے اسے ہمارے خلاف جاسوسی کے لئے بھیجا ہے۔“

طارق شاہ کے چہرے پر عجیب سے آثار پھیل گئے، کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے کہا۔

”یقیناً سو فیصد...... اس کا مطلب ہے انہیں کوئی شبہ ہو چکا ہے۔“

”سو فیصد۔“ شہاب نے کہا۔

”تو پھر اب؟“

”خیر کوئی اور تو بات نہیں ہے، لیکن ایک مسئلہ ہے۔“

”کیا؟“

”یہاں شاہ گڑھی میں ہمیں کوئی ایسی جگہ چاہئے طارق شاہ صاحب جو شاہ گڑھی میں رہنے والوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو، مطلب یہ ہے کہ وہاں ہم اپنا تھوڑا بہت کام کر سکیں...... آپ نے ہمیں جس راستے پر لگایا ہے ہم اس کی تکمیل کرنا چاہتے ہیں۔“

”کیا کام کرنا چاہتے ہیں آپ؟“

"فرض کیجئے کسی کو وہاں رکھنا ہو اور اس طرح کہ بات پوشیدہ رہے، کیا ایسا کوئی عمل ہو سکتا ہے؟"

"بالکل ہو سکتا ہے؟"

"کس طرح؟"

"میرا باغ کیسا رہے گا جہاں میں ایک بار آپ کو لے گیا تھا۔"

"وہاں جو لوگ موجود ہیں؟"

"آپ یقین کیجئے وہ بالکل میرے ہمراز ہیں...... آج تک کفالت شاہ کو یہ بات معلوم نہیں ہو سکی کہ میں نے آپ کی وہاں دعوت کی تھی...... وہاں جو دو تین افراد ہیں آپ یوں سمجھ لیجئے دو سو فیصد مجھ سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش آجائے کہ انہیں مجبوراً کفالت شاہ کو بتانا پڑے تو؟"

"میں انہیں ہدایت کر دوں گا تو وہ کبھی نہیں بتائیں گے۔"

"آپ سوچ لیں طارق شاہ صاحب...... یہ بہت سنگین مسئلہ ہو گا...... ہماری بات اگر وقت سے پہلے کفالت شاہ صاحب کے کانوں تک پہنچ گئی تو آپ کا تو خیر کچھ نہیں بگڑے گا لیکن کفالت شاہ صاحب ہمیں نہیں چھوڑیں گے۔"

"اگر آپ مجھ پر بھروسہ رکھتے ہیں تو اس جگہ پر بھی بھروسہ رکھیں۔"

"ہوں...... تو پھر آپ یوں کیجئے طارق شاہ صاحب کہ ابھی وہاں چلے جائیں اور وہاں جو افراد موجود ہیں ان کو صرف یہ ہدایت کر دیجئے کہ ڈاکٹر شہاب اور بینا اگر کسی وقت یہاں پہنچیں اور کسی کو یہاں لا کر رکھنا چاہیں یا یہاں وہ خود کوئی کام کریں تو ان کا راز کبھی باہر نہیں جانا چاہئے۔"

"آپ مطمئن رہئے۔"

"تو پھر ہمیں ڈسپنسری پر چھوڑ دیجئے گا۔" شہاب نے کہا اور طارق شاہ نے گردن ہلائی پھر گاڑی واپس موڑ کر ڈسپنسری کے دروازے تک پہنچا اور اس کے بعد انہیں اتار دیا...... شہاب بینا کے ساتھ اندر داخل ہو گیا تھا...... کچھ دیر کے بعد وہ اپنے کمرے میں پہنچ گئے۔

"بیٹھو بینا۔" شہاب نے کہا اور بینا بیٹھ گئی۔

"بات آہستہ آہستہ کامیابی کی طرف بڑھ رہی ہے...... کفالت شاہ کو اس بات کا شبہ

ہو گیا ہے کہ اس رات کو کہیں اور تھا اس شک کی وجہ کیا ہے...... یہ میں نہیں جانتا لیکن بہر حال وہ بہت چالاک آدمی ہے...... اپنے آدمیوں کی موت کے بعد وہ ظاہر ہے قاتلوں کی تلاش میں تو ہو گا...... اس کے لئے اس نے کیا جال بچھایا ہے، اس کے بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن بینا، ہاشو کی یہاں آمد بے مقصد نہیں ہے۔"

"تو پھر بتائیے کیا کیا جائے؟"

"تم ڈاکٹر ہو۔"

"ہاں۔"

"اور خوبصورت بھی ہو۔"

"مطلب؟" بینا چونک کر بولی۔

"خوبصورت ڈاکٹر مریض کے لئے بڑی پرکشش ہوتی ہے۔"

"کہنا کیا چاہتے ہیں جناب؟"

"ہاشو کو اندر سے ٹٹولو۔"

"ہوں...... ٹھیک ہے میں کوشش کروں گی۔"

"صرف کوشش نہیں بینا...... بڑی محنت سے کام کرنا ہو گا...... ذرا صحیح طرح سے جائزہ لینا...... ویسے میں اسے اس قدر وحشت زدہ کر دوں گا کہ وہ خود ہی زبان کھولنے پر آمادہ ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" بینا نے جواب دیا اور اس کے بعد وہ خاصی دیر تک منصوبہ بندی کرتے رہے تھے۔

"رات کو نو بجے کھانے وغیرہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد شہاب بینا کے ساتھ اس کمرے کی جانب چل پڑا جہاں ہاشو کو رکھا گیا تھا...... ہاشو بیڈ پر پڑا ہوا تھا...... نرس حمیدہ وہاں موجود تھی...... ان لوگوں کے لئے یہ سب ایک عجوبہ تھا...... ڈسپنسری میں کافی عرصے سے کوئی مریض نہیں آیا تھا...... نہ جانے کفالت شاہ صاحب کو کیا سوجھی کہ انہوں نے ڈسپنسری کی قسمت جگا دی...... نرسوں کو بھی کام کرنا پڑا تھا اور وارڈ بوائے کو بھی...... کمرے کی صفائی وغیرہ خوب اچھی طرح سے کر دی گئی تھی، آخر کفالت شاہ صاحب کا مریض تھا کوئی معمولی بات نہیں تھی...... شہاب اور بینا اس کے پاس پہنچ گئے...... انہوں نے حمیدہ سے

ہاشو کی طبیعت دریافت کی۔

"جس وقت سے انجکشن لگایا ہے ڈاکٹر صاحب، خاصی بہتر حالت نظر آ رہی ہے...... درد بھی نہیں اُٹھا۔"

"ہوں...... میں ذرا ان کا معائنہ کروں گا۔" ڈاکٹر شہاب نے کہا۔

"جی ڈاکٹر صاحب۔"

پھر شہاب دیر تک ہاشو کی نبض دیکھتا رہا تھا...... آنکھیں، زبان دیکھی اور پھر پیٹ کو ٹٹولنے لگا...... وہ جگہ جگہ سے ہاشو کا پیٹ دبا رہا تھا اور اس سے پوچھ رہا تھا کہ "کہاں تکلیف ہوتی ہے؟" ایک جگہ پر ہاشو نے کہا۔

"بس یہیں ڈاکٹر صاحب یہیں۔"

شہاب اس جگہ کو دیر تک دبائے بیٹھا رہا، پھر اس نے بینا سے کہا۔

"معدے میں رسولی ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے ڈاکٹر۔"

"اچھا خاصا بڑا آپریشن کرنا پڑے گا۔"

"ہاں یقیناً...... کم از کم اس جگہ سے اس جگہ تک پیٹ کاٹنا ہو گا...... پتہ نہیں کتنی بڑی رسولی ہے۔"

"میرا خیال ہے خاصی بڑی ہے...... بہر حال آپریشن کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے، ورنہ اسے بار بار تکلیف ہوتی رہے گی۔" ہاشو کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا، وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

"لیکن کیا یہ آپریشن خطرناک نہیں ہو گا ڈاکٹر شہاب؟"

"کیا کیا جائے...... خطرہ تو مول لینا ہی پڑے گا۔"

"اس میں تو مریض کی جان بھی جا سکتی ہے۔" بینا تشویش زدہ لہجے میں بولی۔

"ہاں...... عموماً ایسے آپریشن کامیاب نہیں ہوتے۔ پھر تمہیں پتا ہے ڈاکٹر بینا کہ یہاں ہمارے پاس معقول انتظامات بھی نہیں ہیں، اگر کوئی ایمرجنسی پیش آ گئی تو کیا کر سکتے ہیں۔"

"جی ڈاکٹر لیکن اس کے باوجود آپریشن کرنا ہو گا۔"

"ٹھیک ہے اور پھر یہ آپریشن کب تک کریں گے؟"

"میرا خیال ہے کل دن کا کوئی وقت رکھ لیا جائے۔"

"ٹھیک ہے ڈاکٹر کھوسہ سے اس سلسلے میں کوئی بات کر لی جائے۔" اتنی دیر میں ڈاکٹر کھوسہ بھی وہاں پہنچ گیا...... وہ ان لوگوں کو دیکھنے لگا تو ڈاکٹر شہاب نے کہا۔

"پتا چل گیا ہے ڈاکٹر کھوسہ کہ اسے کیا تکلیف ہے؟"

"پتا چل گیا ہے؟"

"جی۔"

"کیا تکلیف ہے؟"

"رسولی ہے معدے میں۔"

"اوہو...... کیا واقعی۔"

"ہاں۔"

"تب تو اسے شہر کے کسی ہسپتال میں منتقل کرنا پڑے گا۔"

"نہیں ڈاکٹر صاحب بھلا اس کا رسک کیسے لیا جا سکتا ہے...... ہو سکتا ہے راستے ہی میں مریض کو تکلیف ہو جائے، ایسی صورت میں اس کی زندگی کو خطرہ بھی لاحق ہو سکتا ہے۔"

"تو پھر؟"

"میں آپریشن کروں گا۔"

"تم؟"

"ہاں۔"

"مم...... میرا مطلب ہے یہاں انتظامات۔"

"سارے انتظامات کو رہنے دیجیے ڈاکٹر صاحب...... اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"اگر تمہیں اطمینان ہے تو پھر جیسا مناسب سمجھو۔"

"براہ کرم تمام لوگوں کو ہدایت کر دیجیے کل دن کو ہم اس کا آپریشن کریں گے۔"

"تم سب کو احکامات دے دو اور ضروری تیاریاں کر لو۔" ڈاکٹر کھوسہ نے کہا۔

کچھ دیر تک وہ ہاشو کے قریب اسی طرح کی باتیں کرتے رہے...... ڈاکٹر کھوسہ کے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم تھا کہ یہ سب کیا چکر ہے؟ لیکن شہاب اور بینا نے دزدیدہ نگاہوں

سے ہاشو کا چہرہ دیکھا تھا جس پر مردنی چھا گئی تھی، پھر ڈاکٹر کھوسہ چلا گیا اور شہاب بھی اس کے ساتھ باہر نکل گیا...... بینا کو یہاں چھوڑ دیا گیا تھا...... بینا نے نرس حمیدہ سے کہا۔

"حمیدہ تم اگر چاہو تو آرام کرو...... میں مریض کے پاس موجود ہوں...... گیارہ بجے کے بعد ناصرہ کو یہاں بھیج دینا...... ویسے تو کوئی خاص ضرورت نہیں ہے، لیکن پھر بھی رات بھر اس کی نگرانی کرے گی اور احتیاط رکھے گی، کل ہمیں اس کا آپریشن کرنا ہے۔"

"جو حکم ڈاکٹر صاحب!" حمیدہ نے جواب دیا اور باہر نکل گئی...... ہاشو کی حالت بگڑتی جا رہی تھی۔

بینا اس کے پاس بیٹھ گئی۔

"دیکھو! میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں۔"

ہاشو نے نگاہیں اُٹھا کر اسے دیکھا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"جی ڈاکٹر صاحبہ!"

"بیوی بچے ہیں تمہارے؟"

"نہیں جی کوئی نہیں ہے۔"

"اور کوئی ایسا عزیز و اقارب جسے تم اپنے پاس بلانا چاہتے ہو۔"

"جی۔" ہاشو مردہ لہجے میں بولا۔

"دیکھو ہاشو...... میں تمہیں تاریکی میں نہیں رکھنا چاہتی...... کل ہم جو آپریشن کر رہے ہیں وہ بہت بڑا اور خطرناک آپریشن ہے...... تمہارے معدے سے رسولی نکالی جائے گی اور اس میں تمہاری زندگی کو خطرہ بھی ہو سکتا ہے، چنانچہ اگر ایسی کوئی خواہش تمہارے دل میں ہو، کسی سے ملنا چاہتے ہو تو ہمیں بتا دو۔"

"ہاشو...... تھوک نگلنے لگا تھا...... کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔ "ڈاکٹر صاحبہ آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں...... ہاں...... ضرور میں سن رہی ہوں۔" بینا نے ہمدردی سے کہا۔

ہاشو کچھ دیر اسے دیکھتا رہا...... بینا اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات کا جائزہ لے رہی تھی، وہ بری طرح خوفزدہ ہو گیا تھا...... پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"ڈاکٹر صاحبہ۔"

"ہاں ہاشو کہو، کیا بات ہے؟"

"ڈاکٹر صاحبہ ہمارے پیٹ سے کچھ نہیں نکلے گا جی۔"

"کیا مطلب؟"

"کوئی رسولی وسولی نہیں ہے ہمارے پیٹ میں...... آپ کو بلاوجہ شبہ ہو گیا ہے اس ات کا۔"

"ڈاکٹر ہم ہیں یا تم...... ہم نے پوری طرح اندازہ لگا لیا ہے کہ تمہارے پیٹ میں رسولی ہے...... کل آپریشن ہو جائے اور زندہ بچ جاؤ تو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔"

"ارے بلاوجہ کی باتیں کر رہی ہیں آپ...... ہم اچھے خاصے ہٹے کٹے ہیں...... کوئی کلیف نہیں ہے ہمیں۔"

"تو کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ کفالت شاہ بے وقوف آدمی ہے۔" بینا نے کہا اور اس کا چہرہ اتر گیا۔

"کک...... کک...... کیسی باتیں کر رہی ہو...... کک...... کیسی باتیں کر رہی ہو۔" اس نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ یہاں تمہیں کفالت شاہ صاحب کے آدمی لے کر آئے ہیں اور انہوں نے ڈاکٹر کھوسہ کو حکم دیا ہے کہ تمہارا علاج کیا جائے...... بھلا ہم میں سے کسی کی مجال ہے کہ کفالت شاہ صاحب کا حکم ٹال دیں۔"

"تو علاج کرنے کے لئے کہا ہے انہوں نے...... پیٹ پھاڑنے کے لئے تو نہیں کہا۔" ہاشو جھلا کر بولا۔

بینا نے بمشکل تمام ہنسی روکی تھی وہ کہنے لگی۔

"یہ فیصلہ کرنے والے تم کون ہو؟ جب ہمیں پتا چل گیا کہ پیٹ درد کی وجہ رسولی ہے تو اسے تو نکالنا ہی ہوگا ہاشو۔"

"دیکھو بی بی بات سنو...... تمہیں خدا کا واسطہ بات سنو...... کچھ بگاڑا ہے ہم نے تمہارا؟"

"بالکل نہیں۔"

"تو پھر کیوں ہماری جان لینے کے چکر میں پڑ گئی ہو...... ارے بابا کچھ نہیں ہے ہمیں...... تم کھا کر کہتے ہیں تم سے...... پڑا رہنے دو کچھ دن...... ٹھیک ہو گئے تو چلے جائیں گے۔"

"اور اگر دوبارہ تمہارے پیٹ میں درد اٹھا تو مصیبت کس کی آئے گی ہماری نا۔"

"نہیں اُٹھے گا...... قسم کھاتے ہیں نہیں اُٹھے گا۔"

"تم آپریشن سے گھبرا رہے ہو...... میں اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"ہم تو اناڑی ڈاکٹروں سے گھبرا رہے ہیں جنہوں نے بلاوجہ ہمارے پیٹ میں رسولی تلاش کر لی ہے۔"

"تو پھر یہاں کیوں آئے ہو تم جھک مارنے۔"

"کون...... الو کا پٹھا آیا ہے...... ارے ہمیں تو بھیج دیا گیا ہے...... کیا کہیں؟ کیا نہ کہیں؟"

"بھیج دیا گیا ہے؟"

"دیکھو بی بی یا تو تم خاموشی سے یہاں سے چلی جاؤ ورنہ پھر ہم خود ہی چلے جائیں گے جو ہو گا دیکھا جائے گا...... نہیں بابا نہیں...... زندگی ایسی چیز تو نہیں ہے کہ اسے مذاق ہی مذاق میں گنوا دیا جائے...... ارے جان ہے تو جہان ہے ورنہ کیا ہے...... لعنت بھیجتے ہیں تمام چیزوں پر...... ویسے بھی اکتا گئے ہیں اس منحوس بستی سے۔" اس نے کہا اور بستر سے اُٹھنے لگا۔

بینا اب ذرا چکرا گئی تھی کہ اگر یہ شخص یہاں سے بھاگ گیا تو بڑی مشکل ہو جائے گی وہ بھی جلدی سے کھڑی ہو گئی، پھر اس نے کہا۔

"تم نہیں جا سکتے۔"

"جا رہے ہیں...... بس جا رہے ہیں ہم...... کوئی نہیں روک سکتا ہمیں۔" اس نے کہا اور اسی وقت دروازے سے شہاب اندر داخل ہو گیا، اس نے اپنے عقب میں دروازہ بند کر دیا تھا۔

"لو، وہ بھی آ گئے ملک الموت۔" ہاشو نے شہاب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

شہاب ایک چست جرسی میں ملبوس تھا اس نے جینز پہنی ہوئی تھی اور بے حد سمارٹ نظر آ رہا تھا...... اس نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کھول کر جیب میں رکھی اور کلائی ملتا ہوا بولا۔

"ڈاکٹر بینا...... میرا خیال ہے کل تک کا انتظار کئے بغیر ابھی اس کا آپریشن کر دینا چاہئے...... بھاگ گیا تو کیا ہو گا۔"

ہاشو نے آستین چڑھائی تھیں۔

"چھو کر دیکھو مجھے...... جبڑے توڑ دوں گا۔"

"مجبوری ہے بینا...... مریض کا ذہنی توازن بھی خراب ہوتا جا رہا ہے شاید...... اب تو

اسے ٹھیک کرنا ہی ہو گا۔"

"تمہاری تو ایسی تیسی...... تم شہر کے چھوکرے مجھے کیا ٹھیک کرو گے۔" اس نے کہا اور سینہ تان کر دروازے کی جانب بڑھنے لگا لیکن جیسے ہی وہ شہاب کے قریب سے گزرا...... شہاب کا زوردار تھپڑ اس کے منہ پر پڑا اور اس کی گردن ٹیڑھی ہو گئی...... جواب میں اس نے پلٹ کر گھونسا چلایا لیکن شہاب نے اس کی کلائی پکڑ کر اس طرح موڑی کہ وہ قلابازی کھا کر نیچے گر گیا...... شہاب نے ایک لات اس کی کمر پر جما دی تھی، وہ جلدی سے پیچھے ہٹ گیا پھر اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ہاتھا پائی کر رہے ہو ہم سے...... پہلوانی کی ہے دس سال تک...... آؤ دیکھ لیں تمہیں۔"

"لگتا ہے بے چارہ آپریشن کے خوف سے پاگل ہو گیا ہے...... تم چھریاں وغیرہ تیار کر لو...... میں ذرا اس کی حالت درست کرتا ہوں۔" شہاب نے کہا اور بینا ہنسی روکتی ہوئی ایک طرف بڑھ گئی، حالانکہ یہاں چھریاں وغیرہ کچھ بھی نہیں تھیں...... وہ بلاوجہ ایک جگہ کھڑ پڑ کرنے لگی...... ہاشو نے پھر شہاب پر حملہ کیا تھا...... وہ گردن جھکا کر شہاب کے سینے پر ٹکر مارنے جا رہا تھا...... شہاب نے اس کی گردن پکڑ لی اور بغل میں دبا کر اسے پلٹ دیا، پھر وہ اس کے سینے پر گھٹنا رکھ کے بیٹھ گیا۔

"چھوڑ دے...... ابے چھوڑ دے...... جان سے مار دوں گا۔

ہاشو ہے میرا نام۔"

لیکن شہاب نے تین چار تھپڑ اس کے منہ پر مارے...... وہ کوشش کر رہا تھا کہ ہاشو کی چیخ وغیرہ نہ نکلنے پائے، اس نے ہاشو کی گردن دبوچ لی اور اس کے بعد پھر اس کی مرمت کرنے لگا...... ہاشو نے ٹانگ اٹھا کر اس کی گردن میں قینچی ڈالنے کی کوشش کی تھی لیکن شہاب جھک گیا اور اس نے ہاشو کی پیشانی پر ٹکر ماری...... ہاشو کی ٹانگیں پھر سیدھی ہو گئی تھیں اور پیشانی پر پڑنے والی ٹکر نے اس کے حواس چھین لئے تھے۔

"تو ڈاکٹر ہے یا پہلوان۔"

"تمہارا آپریشن تو کرنا ہی ہے ہاشو...... چاہے کچھ بھی ہو جائے۔"

"بھائی...... تیرے ہاتھ جوڑتے ہیں تجھے اللہ کا واسطہ، قسم کھا کر کہتے ہیں کہ بیمار نہیں ہیں۔"

"گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ شاہ جی نے تمہیں بلاوجہ یہاں بھیج دیا ہے۔"

"بلاوجہ نہیں بھیجا...... جان تو چھوڑ دے ہماری...... بتادیں گے۔"

"بینا وہ رسی اٹھا کر لاؤ جو کونے میں پڑی ہوئی ہے۔" شہاب نے کہا۔

"ر...... ر...... رسی...... رسی کو کیا کرے گا بھائی...... ارے او ڈاکٹر بھائی صاحب کیا ارادہ ہے تمہارا؟"

"تمہارے ہاتھ پاؤں باندھنے پڑیں گے...... ایسے باز نہیں آؤ گے۔"

"اور اس کے بعد آپریشن کرو گے۔" ہاشو نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"اگر تمہارے بارے میں تمام حقیقتیں معلوم ہو گئیں تو دوسری بات ہے ورنہ آپریشن تو کرنا ہی ہو گا۔"

"دیکھو بھائی ایک بات کہہ رہا ہوں تجھ سے...... پیٹ پھاڑنے سے پہلے مجھ سے بات کر لینا۔"

"ٹھیک ہے...... بینا صرف پاؤں باندھ دو...... ہاتھوں کو میں دیکھ لوں گا، اگر یہ اور مرمت چاہتا ہے تو اور مرمت کر دی جائے گی اس کی۔" چنانچہ بینا نے رسی سے ہاشو کے پاؤں مضبوطی سے کس کر باندھ دیئے...... شہاب نے اس کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے گھسیٹا اور پھر اسے بستر پر ڈال دیا گیا۔

"سنو...... میرا بالکل دماغ خراب نہیں ہے، بلکہ تم لوگوں نے میری پٹائی کر دی ہے نا اس کے بعد میرا دماغ بالکل ٹھیک ہو گیا ہے...... تھوڑی بہت خرابی اگر تھی بھی تو وہ نکل گئی ہے...... برائی کا نتیجہ برائی ہی ملتا ہے...... کسی کے لئے اپنی عزت کھو دینا کوئی اچھی بات نہیں ہے...... کسی بہت زیادہ بڑے باپ کا بیٹا نہیں ہوں لیکن ایک بات بتاؤں میرا باپ پانچوں وقت کا نمازی تھا، میں ہی گندا شیطان نکل گیا...... ہائے اچھی زندگی کی تلاش میں انسان پتا نہیں کیا کر بیٹھتا ہے، دیکھو ڈاکٹر صاحب بڑے تگڑے آدمی معلوم ہوتے ہو...... بدن کی چولیں ہلا کر رکھ دی ہیں، کیا پہلوانی کرتے رہے ہو؟"

"پھر راستے سے بھٹک رہے ہو ہاشو۔"

"آجاتا ہوں...... آجاتا ہوں یار راستے پر لیکن سنو میری تمہاری کوئی دشمنی ہے۔"

"یہ بات تم خود اچھی طرح جانتے ہو کہ میری تمہاری کوئی دشمنی ہے یا نہیں۔"

"نہیں ہے قسم اللہ کی نہیں ہے...... میں تو بس تقدیر کا مارا ہوں، کتا ہوں، کتا، پھٹکار بھرا کتا...... صحیح معنوں میں میرے سر پر جوتے پڑنے چاہئیں...... کہاں سے کہاں پہنچ گیا تھا...... انسانیت ہی کھو بیٹھا تھا مگر جب آدمی شیطان کے چنگل میں پھنس جاتا ہے تو پھر اپنی اصلیت بھول ہی جاتا ہے...... مجھے اپنی اصلیت یاد آ گئی ہے، بھائی صاحب مان لینا میری بات، جھوٹ مت سمجھنا...... بہت دن بعد اللہ کا نام لے رہا ہوں لیکن تمہیں اللہ کا واسطہ میری بات جھوٹ مت سمجھنا۔"

"تم اطمینان رکھو ہاشو اگر کوئی بات ہے تمہارے دل میں تو بے دھڑک بتادو۔"

"دیکھو بھائی ادھر تم پیٹ پھاڑنے پر تلے ہوئے ہو...... جان جانے کا خطرہ ہے...... جان تو خیر کبھی بھی چلی جاتی ہے لیکن اگر انسان کو یہ پتا ہو کہ ایک بلاوجہ کی بات سر پر آپڑی ہے تو پھر تو اسے دُکھ ہوتا ہی ہے۔"

"تمہاری بات بالکل سمجھ میں نہیں آ رہی ہے...... اس لئے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" شہاب نے کہا۔

"میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میری تمہاری کوئی دشمنی نہیں ہے...... ادھر تم پیٹ پھاڑے بنا باز نہیں آؤ گے...... ادھر باہر نکلا تو شاہ جی گردن کٹوادیں گے...... وہ زیادہ خطرناک بات ہے...... تم ایسا کرو کوئی آپریشن مت کرو میرا...... میں بالکل بیمار نہیں ہو...... مجھے تو شاہ جی نے ایک منصوبے کے تحت بھیجا ہے۔"

"منصوبہ۔" شہاب نے جیب میں ہاتھ ڈال کر کہا۔

"ہاں منصوبہ، میری بات غور سے سنو۔"

شہاب اس کے قریب آیا اس کا تکیہ اس کے سر کے نیچے برابر کیا اور پھر اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"ہاشو کیا بات ہے؟ جو بات ہے مجھے بتادو...... میں اور ڈاکٹر بینا وعدہ کرتے ہیں کہ تمہاری بات ہمارے پاس امانت رہے گی...... یہ بات تو تمہیں معلوم ہے کہ ہم شاہ جی کے غلام نہیں ہیں...... ہم تو ڈاکٹر ہیں شہر سے آئے ہیں...... شہر واپس چلے جائیں گے...... ہمیں شاہ جی سے کیا لینا دینا ہے۔"

"ٹھیک ہے...... اللہ تمہیں خوش رکھے...... بتائے دے رہا ہوں اور اب خود کو تقدیر کے حوالے کر دیا ہے...... موت لکھی تقدیر میں ہے تو پھر آ ہی جائے گی۔" شاہ جی نے مجھے یہاں تمہاری خیر خبر لینے کے لئے بھیجا ہے۔"

"ہماری خیر خبر۔"

"ہاں شاہ جی کے بارے میں تمہیں بتادوں، بہت ہی شیطان آدمی ہے بلکہ شاید شیطان بھی اپنے معاملات میں ان سے صلاح مشورہ کرتا ہوگا اور میں کیا بلکہ یہ ساری بستی یہ بات جانتی ہے۔ بستی کا سارا مال واسباب چھین لیا جس کے پاس جو کچھ تھا وہ شاہ جی کے پاس پہنچ گیا، اب یہ بستی قلاش لوگوں کی بستی ہے...... نہ کسی کے پاس کھیت ہے نہ زمینیں نہ باغ ہیں نہ باغیچے، سب کچھ شاہ جی کی تحویل میں پہنچ چکا ہے۔ باقی وہ لوگ محنت مزدوری کرتے ہیں...... کھاتے پیتے ہیں اور شاہ جی کی نگری میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہے...... اس ملک کی حکومت شاہ جی کے ہاتھ میں ہے...... ہوگی کوئی پولیس، ہوگی کوئی حکومت، یہاں تو اگر کوئی پولیس کے پاس پہنچ بھی جائے تو سمجھ لو شاہ جی کی بھٹ میں پہنچ گیا، وہاں سے نکلنا مشکل ہو جاتا ہے، کیونکہ وہاں سے فوراً ہی انہیں اطلاع پہنچادی جاتی ہے کہ ان کے خلاف شکایت آئی ہے اور اس کے بعد شاہ جی اس شخص کو زندہ نہیں چھوڑتے، جو شکایت لے کر جاتا ہے، ایسے کیس کئی بار ہو چکے ہیں...... ہم سے زیادہ کون جانتا ہے، ہم تو شاہ جی کے غلاموں میں ہیں...... کچی حویلی جیسے بدکاری کے اڈے پر ہم اپنی ڈیوٹی انجام دیتے رہے ہیں، ان سانپوں کو دودھ پلا پلا کر پالتے رہے ہیں...... ابھی تھوڑے دن پہلے شاہ جی کے تین بندے مار دیئے گئے تھے۔ شاہ جی اس دن سے سانپ کی طرح پھنکار رہے ہیں...... ان قاتلوں کی تلاش میں اندازہ لگاتے رہے ہیں کہ وہ کون ہو سکتے ہیں جو شاہ جی کے بندوں کو مار رہے ہیں، ان کا شبہ تمہاری طرف گیا ہے...... کوئی شبہ ہو گیا ہے انہیں...... اب مجھے یہاں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ بیمار کی حیثیت سے ہسپتال میں رہوں...... تمہارے بارے میں معلومات کروں، کون ہو، کیا ہو، کہاں آتے جاتے ہو؟ راتوں کو کیا کرتے ہو؟ یہ ذمے داری لگائی گئی تھی میری مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹا ہو گیا۔"

شہاب اور بینا دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہے تھے...... شہاب نے کہا۔

"لیکن شاہ جی کو ہم پر شبہ کیوں ہو گیا؟"

"اب یہ تو شاہ جی جانتے ہیں۔"

"مگر ایک بات تو بتاؤ ہاشو...... اب جب تم نے یہ سب مجھے بتادیا ہے تو آگے تم کیا کرو گے؟"

"بھائی صاحب ہاتھ جوڑ کر کہہ رہے ہیں...... ہماری زندگی بخشوا دو اگر شاہ جی کے خلاف کچھ کر رہے ہو تو کرتے رہو...... قسم اللہ کی ایک لفظ نہیں بتائیں گے انہیں...... یاد رکھو، زندگی ہم نے شاہ جی کی غلامی میں کھودی ہے اب اگر تم ہمارا ساتھ دو تو ہمیں یہاں سے بھگا دو...... راتوں رات بستی چھوڑ دیں گے...... جدھر منہ اٹھا نکل جائیں گے۔"

"تم سمجھتے ہو کہ شاہ جی تمہیں زندہ چھوڑ دیں گے۔"

"پتا ہے، پتا ہے...... نہ جانے کہاں کہاں تک ہاتھ پھیلے ہوئے ہیں ان کے مگر کوشش کریں گے کسی کونے کھدرے میں چھپے رہیں گے۔"

"اس کے بجائے تم دوسرا کام کیوں نہیں کرتے۔"

"کیا؟"

"یہیں رہو...... ہم تمہارا کوئی آپریشن نہیں کریں گے نہ تمہیں دوائیں دی جائیں گی بلکہ علاج کے بہانے ایسی چیزیں دی جائیں گی جو زیادہ سے زیادہ پانی ہو گا یا کوئی شربت ہو گا...... اس طرح ہم تمہارا علاج کریں گے، اس کے علاوہ تم شاہ جی کو بھی رپورٹیں دیتے رہو...... جیسے انہوں نے کہا ہے...... رپورٹیں یہ ہوں گی کہ ہم ٹھیک ٹھاک، سیدھے سادے بندے ہیں، کوئی غلط کام نہیں کرتے اور تم نے ہمیں کوئی غلط کام کرتے ہوئے نہیں دیکھا...... ایسی باتیں جو نہ ہمارے خلاف ہوں اور نہ تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔"

"تم ایسا کرنے دو گے مجھے۔"

"بالکل لیکن اس کی بھی ایک شرط ہے؟"

"وہ کیا بھائی صاحب بتاؤ...... اب ہم ساری شرطیں مانیں گے۔"

"کچی حویلی کے راز تم ہمیں بتاؤ گے۔" شہاب نے کہا۔

اس کے چہرے پر ایک بار پھر مردنی چھا گئی، کچھ لمحوں کے لئے اس نے آنکھیں بند کرلیں پھر آہستہ سے بولا۔

"کچی حویلی کے راز تم بستی میں رہنے والے کسی بھی شخص سے پوچھ سکتے ہو۔"

"نہیں وہ راز نہیں بلکہ جو راز تم جانتے ہو۔"

"ہم کون سے راز جانتے ہیں؟"

"کیا ہوتا ہے کچی حویلی میں؟"

"یہی تو ہم تمہیں بتارہے تھے کہ کچی حویلی میں جو کچھ ہوتا ہے اسے کون نہیں جانتا۔"

"تم اپنی زبان سے بتاؤ گے اور زیادہ چالاک بننے کی کوشش مت کرو، اگر ہمارا تعاون چاہتے ہو تو۔"

"بتا چکے ہیں کہ شاہ جی نے سب سے سب کچھ چھین لیا ہے، بستی والوں کے پاس کچھ نہیں ہے...... بس جی رہے ہیں وہ اور کہیں بھی ان کی کوئی شنوائی نہیں ہے...... بستی کی وہ نوجوان لڑکیاں جو بے چاری غریبوں کی بیٹیاں ہیں لائی جاتی ہیں...... شاہ جی کی ہوس کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں اور اگر اس کے بعد شاہ جی کو اس بات کا اطمینان ہوتا ہے کہ لڑکیاں زبان نہیں کھولیں گی تب تو ان کی زندگی بخش دی جاتی ہے اور اگر انہیں شبہ ہو جائے کہ ان کی زبان کھل جائے گی تو پھر ان کی زبان ہی نہیں رہتی...... یہاں کئی ایسے اندھے کنویں ہیں جن میں ان کی لاشیں ڈلوائی جاتی ہیں، انہیں سانپ ڈس لیتے ہیں لیکن وہ سانپ خود شاہ جی ہیں اور کوئی نہیں۔"

"وہ کیسے؟"

"کنو تھا جانتے ہو کیا چیز ہوتی ہے؟"

"کنو تھا۔" شہاب نے کہا۔

"انگوٹھے اور انگلیوں میں پہنا جاتا ہے...... لمبے لمبے دانت بنے ہوئے ہیں اس میں۔ پیچھے کے حصے میں ربڑ لگی ہوئی ہے...... ربڑ میں سانپ کا زہر بھرا جاتا ہے...... کنو تھا پنڈلی، ران، بازو یا کمر پر رکھ کر انگوٹھے اور انگلی کی مدد سے دبایا جاتا ہے اور سانپ کے دانتوں کے نشان بن جاتے ہیں، جب کنو تھا انسانی گوشت پر دبتا ہے تو دانتوں کے خول پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور زہر کی نالی کھل جاتی ہے، وہ زہر ان زخموں میں اتر جاتا ہے...... اصلی سانپ کا زہر ہوتا ہے جسے، شاہ جی کے لئے سپیرے مہیا کرتے ہیں، جب وہ ختم ہو جاتا ہے بس پھر کون کہہ سکتا ہے کہ اسے سانپ نے نہیں کاٹا جس کی لاش نگاہوں کے سامنے آتی ہے۔"

"اوہ مائی گاڈ یہ...... کہاں ہوتا ہے؟"

"شاہ جی کے پاس۔"

"ایک بات بتاؤ تم بہت عرصے سے شاہ جی کے خادم ہو۔"

"جی ہاں۔"

"کیا طارق شاہ کی ماں کو شاہ جی نے قتل کیا تھا؟"

"اپنی بیوی کو؟"

"ہاں پہلی بیوی کو۔"

"ہاں جی شاہ جی نے قتل کیا تھا مگر وہ بھی سانپ کے کاٹے کا پتا چلا تھا۔"

"شملہ کی وجہ سے۔"

"ہاں جی...... اب آپ سے کیا بات چھپانی شملہ ہی کی وجہ سے۔"

"مگر شاہ جی نے شملہ کو اس طرح حاصل کر کے ہلاک کیوں نہیں کر دیا۔"

"زیادہ پسند آگئی تھی شاہ جی کو۔" ہاشو نے نہ جانے کیوں اس بار بینا کی جانب دیکھا تھا۔

"جو انہیں پسند آجائے اسے وہ اپنی بیوی بنا لیتے ہیں۔"

"ہاں جی...... ایک بات کہیں ہمارا قرض ہو جائے گا آپ پر۔"

"کہو...... تمہارا قرض اتارنے کی پوری پوری کوشش کی جائے گی۔"

"ڈاکٹرنی صاحبہ کو جس قدر جلد ممکن ہو سکے یہاں سے واپس بھیج دیجئے ورنہ زندگی بھر ہاتھ ملتے رہیں گے۔" اس نے بینا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور شہاب کا منہ حیرت سے کھل گیا...... بینا کی کیفیت بھی یہی ہوئی تھی۔

"کیا مطلب ہے؟"

"آپ کیا سمجھتے ہیں اگر شاہ جی ڈاکٹرنی صاحبہ کو حاصل کرنا چاہتے تو آپ انہیں روک سکتے تھے...... ارے کچھ سے کچھ ہو جاتا اور ڈاکٹرنی صاحبہ ان کی آغوش میں پہنچ جاتیں...... بعد میں جو ہوتا وہ آپ کے سامنے آ ہی جاتا لیکن شاہ جی نے ڈاکٹرنی صاحبہ کو بھی اپنے لئے پسند کر لیا ہے۔"

"کیا؟" شہاب چیخ پڑا۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں ہم...... جھوٹ نکل آئے تو گردن کاٹ دینا ہماری۔ ہم نے اپنے کانوں سے پہلے رمل سے بات ہوتی ہوئی سنی ہے اور اس کے بعد جابر اور جاگل سے......

شاہ جی کو بار بار یہ پیشکش کی گئی کہ ڈاکٹرنی صاحبہ کو اٹھا کر شاہ جی کے پاس لے آیا جائے لیکن شاہ جی نے سب کو ڈانٹتے ہوئے کہا کہ پاگلو وہ تمہارے مستقبل کی ہونے والی شاہینہ ہے اس کے بارے میں اس انداز سے گفتگو مت کرو...... اس جیسی لڑکی کو پکی حویلی کی زینت ہونا چاہئے، وہ دو لمحے کے لئے مسلا جانے والا پھول نہیں ہے بلکہ برسوں کی چیز ہے...... اس لئے ڈاکٹرنی صاحبہ کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ آپ دیکھ لیجئے جو بات ہم کہہ رہے ہیں اگر آپ نے نہ مانی تو ڈاکٹرنی صاحبہ بے چاری عذاب میں گرفتار ہو جائیں گی۔ ارے شاہ جی کو کون روک سکتا ہے، اگر یہ کسی بہت بڑے افسر کی بیٹی ہوئی تو آپ دیکھیئے کہ شاہ جی کیا کیا ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں...... آخر کار وہ ان پر قابو پا ہی لیں گے۔"

شہاب سکتے کے عالم میں رہ گیا تھا اور بینا کا چہرہ غصے کی شدت سے سرخ ہو گیا تھا، وہ بری طرح تلملا رہی تھی...... شہاب نے چند لمحات کے بعد بینا کی جانب دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مدہم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"خیر ٹھیک ہے تمہاری بات سر آنکھوں پر، ڈاکٹرنی صاحبہ کی حفاظت کا بندوبست کر لیا جائے گا مگر یہ تو بتاؤ کہ اگر شملہ نے اس بات کی مخالفت کی تو؟"

"کس بات کی؟"

"یہی کہ ڈاکٹرنی صاحبہ پکی حویلی میں پہنچ جائے۔"

"شملہ...... اس بے چاری کی اپنی اوقات کیا ہے۔ جب تک شاہ جی کو پسند رہی سہاگن رہی اب تو بیوہ ہے...... کوئی حیثیت نہیں ہے اس کی۔"

"اب میں جو تم سے ایک خاص بات پوچھ رہا ہوں، اگر وہ بات تم نے صحیح بتا دی تو یوں سمجھ لو تمہاری زندگی کے بچنے کے امکانات پیدا ہو جائیں گے۔"

"ارے چھوڑیئے بھائی صاحب ہم تو خود کو آدھا مردہ تصور کر چکے ہیں...... جتنی زبان کھل گئی ہے ہماری اس میں سے اگر دو لفظ بھی شاہ جی کے کانوں تک پہنچ گئے یا نیت ہی کا پتا چل گیا انہیں ہماری تو ہم کیا بچیں گے۔"

"نہیں ہاشو اطمینان رکھو...... میں یہ نہیں کہتا کہ تم مجھ پر اعتماد کر لو لیکن یوں سمجھ لو کہ اگر میں کسی شریف باپ کا بیٹا ہوں تو تمہاری زندگی کی حفاظت کے لئے اپنی زندگی کی بازی لگا دوں گا...... بالکل فکر مت کرو۔"

"پوچھو صاحب جی، کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"شملہ کے ماں باپ کہاں ہیں؟" شہاب نے سوال کیا اور ہاشو نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا پھر بولا۔

"تین زندہ مردے پکی حویلی کے قبرستان میں دفن ہیں۔"

"زندہ مردے؟"

"ہاں صاحب جی، دل تو ہر انسان کے اندر ہوتا ہے پوری عمر بیت گئی اس تہہ خانے میں وہ چھوٹا سا بچہ جس کا نام کرم کامل تھا جوان ہو گیا اور جوانی کے جوش میں اس نے تہہ خانے میں سرنگ بنانے کی کوشش کی ہم نہیں تھے...... صاحب وہ دو اور بندے تھے جو انہیں کھانا وغیرہ پہنچایا کرتے تھے...... انہوں نے دیکھ لیا بچے کو سرنگ بناتے ہوئے، حالانکہ کھانے کی چھری اور چمچ سے بھلا کوئی سرنگ بنائی جا سکتی ہے...... شاہ جی کو بتا دیا کم بختوں نے اور شاہ جی نے اس کے دونوں ہاتھ کٹوا دیئے۔"

شہاب نے تکلف سے آنکھیں بھینچ لی تھیں۔

"پھر کیا ہوا مر گیا؟"

"نہیں جی جوان ہو چکا ہے...... پر ہم نے ایک بات دیکھی ہے اس کی آنکھوں میں: جنون پل رہا ہے...... اتنی تیز چمک ہے کہ آنکھوں سے آنکھیں ملانا مشکل ہو جاتا ہے...... ایک بار موقع مل گیا اگر اسے ہم قسم کھا کر کہہ رہے ہیں کہ اگر ایک بار اسے موقع مل جائے تو چھوڑے گا نہیں کفالت شاہ کو۔"

"اور اس کے ماں باپ؟"

"بے چاری نہالہ اور فضل کامل تو بوڑھے ہو چکے ہیں۔"

"زندہ ہیں؟"

"ہاں جی اللہ نے جتنی زندگی لکھ دی ہے بس اسے پورا کر رہے ہیں۔"

"تم اس تہہ خانے کا راستہ جانتے ہو؟"

"کیوں نہیں صاحب جی، باورچی ہیں ہم کھانا تو اب ہم ہی انہیں دیتے ہیں۔"

"ہوں...... تو اب تم ایسا کرو...... میں کاغذ منگواتا ہوں پکی حویلی میں مجھے اس تہہ خانے میں داخل ہونے کا راستہ بتاؤ۔" شہاب نے کہا۔

"کیا کرو گے صاحب جی؟ کیا تم کچی حویلی میں داخل ہو کر انہیں وہاں سے نکالو گے؟"

"یہ سوال مت کرو ہاشو۔"

"ٹھیک ہے جی اب سب کچھ کرنے پر تیار ہیں۔"

"بینا ایک کاغذ اور قلم لے آؤ۔" شہاب نے کہا۔

بینا شدید غصے کے عالم میں تھی اس کے باوجود خاموشی سے باہر نکل گئی۔ شہاب خاموشی سے ان واقعات کے بارے میں سوچ رہا تھا...... بینا کاغذ لے آئی تو شہاب نے ہاشو سے کہا۔

"ہاں ہاشو کچی حویلی کے اندر داخل ہونے کے بعد کہاں کہاں سے گزرنا ہوتا ہے، اس تہہ خانے تک پہنچنے کے لئے؟"

پھر تقریباً دس منٹ تک شہاب ہاشو سے وہ نقشہ سمجھتا رہا تھا...... اس کے بعد اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے ہاشو، بات سامنے آگئی ہے اب تمہیں پرسکون ہو جانا چاہئے۔"

"پرسکون ہیں صاحب جی لیکن وہ ہمارے پیٹ کی رسولی؟"

"تمہارے پیٹ کی رسولی باہر آگئی ہے ہاشو...... آپریشن ہو گیا ہے تمہارا۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا اور ہاشو کی آنکھوں میں حیرت کے نقوش اُبھر آئے...... شہاب نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"لیکن اگر واقعی تم زندگی بچانے کے خواہش مند ہو تو صرف اور صرف میری ہدایت پر عمل کرنا...... ظاہر ہے کفالت شاہ تم سے صورت حال معلوم کرنے کے لئے بندوں کو بھیجے گا...... معلومات حاصل کرائے گا اور تم اس سے یہی کہو گے کہ ہتھیلی پر سرسوں نہیں جمائی جا سکتی...... تم معلومات کر رہے ہو اپنی طرف سے کچھ الٹی سیدھی باتیں کر لینا...... اسی طرح تم محفوظ رہ سکتے ہو۔"

"اور اس کے بعد ڈاکٹر صاحب۔"

"اس کے بعد بھی تم زندہ رہو گے ہاشو...... وہ لوگ زندہ رہتے ہیں جن کا رخ نیکیوں کی جانب ہوتا ہے...... کم از کم وہ اس طرح حرام موت نہیں مرتے، اس بات پر ایمان رکھنا۔"

پھر وہ دونوں باہر نکل آئے۔

بینا ضرورت سے زیادہ ہی خاموش تھی تھوڑا آگے بڑھنے کے بعد شہاب نے کہا۔

"یار بینا بڑا گھپلا ہو جاتا ہے بار بار میں خطرے میں پڑ جاتا ہوں۔" بینا نے نگاہیں اٹھا کر شہاب کو دیکھا پھر بولی۔

"کیوں؟"

"کتنی بار ایسا ہو چکا ہے کہ یار لوگ تمہارے چکر میں پڑ جاتے ہیں...... کہیں تو محلوں کی رانی بننے کی حیثیت اختیار کر جاتی ہو کہیں حویلیوں کی رانی۔"

بینا خاموش رہی...... دونوں اپنے کمرے میں داخل ہو گئے پھر بینا نے کہا۔

"شہاب ایک خواہش ہے میری...... پوری کر دو گے؟"

"سبحان اللہ، کیا نو لکھا بنوانا ہے؟" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے اس بدبخت کی خلوت تک پہنچ جانے دو...... میرے لئے راستہ فراہم کرو۔"

"ارے باپ رے۔"

"نہیں شہاب، پلیز سنجیدہ ہو جاؤ۔"

"مم...... مگر...... کیوں...... مم...... مس بینا۔"

"شہاب مجھے اپنے آپ کو آزما لینے دو...... میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ میں اس دنیا میں زندہ رہنے کے قابل ہوں یا نہیں...... اس کمینے کو اس کی تمام حرکتوں کی سزا نہ دی تو بینا نام نہیں...... زندگی کھو دوں گی لیکن اس کی حرکت کا مزہ ضرور چکھاؤں گی۔"

"مجھے خود سے الگ سمجھتی ہو بینا۔" شہاب نے عجیب سے پُر تاثر لہجے میں کہا اور بینا چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"ہاں بینا...... تمہاری طرف اٹھنے والی ہر نگاہ کو نابینا بنانا میری ذمے داری ہے۔ تم میری ذمے داری مجھ سے کیوں چھین رہی ہو...... پلیز بینا ایسا نہ کرو...... اس شخص کی بدنگاہی کا انتقام مجھے لینے دو، چونکہ اس نے میرے وجود پر بری نظر ڈالی ہے۔" شہاب بہت دیر تک بینا کو سمجھاتا رہا تھا۔

❀❀❀

جابر پاگل کتے کی طرح پوری بستی میں معلومات حاصل کرتا پھر رہا تھا...... وہ جانتا تھا کہ کفالت شاہ جس کو جی چاہے اٹھا کر آسمان پر بٹھا دیتا ہے اور جب اس کا جی چاہتا ہے وہ اسے زمین کی گہرائیاں دکھا دیتا ہے، چنانچہ کچھ کر کے دکھانا تھا...... وہ محسوس کر رہا تھا کہ کفالت شاہ اس وقت خاصا دل برداشتہ ہے اور اپنے طور پر کچھ کرنا چاہتا ہے۔ بہر حال ابھی تک کوئی اہم بات معلوم نہیں ہو سکی تھی۔ ڈسپنسری میں وہ ہاشو سے بھی ملا تھا اور اس سے کافی دیر تک باتیں کرتا رہا تھا...... اس کے علاوہ بستی کا چپہ چپہ گھوما تھا لیکن کوئی ایسی بات معلوم نہ ہو سکی تھی جو قابل غور ہوتی، پھر وہ کفالت شاہ کے پاس پہنچ گیا۔ کفالت شاہ نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔

"کیا خبر لائے جابر؟"

"شاہ جی کوئی تیر تو نہیں مار سکا ہوں ابھی تک لیکن امید ہے کہ بہت جلد دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"

"کتنی جلد؟ تو دودھ اور پانی کے چکر میں پڑا رہے گا...... کہیں یوں نہ ہو کہ ڈاکٹرنی ہاتھ سے نکل جائے ہمیں کسی اور بات کی پروا نہیں ہے۔"

"شاہ جی ہاشو کی رپورٹ بھی ملی ہے مجھے وہ ٹھیک کام کر رہا ہے...... پتا یہ چلا ہے کہ دونوں کے بیچ کوئی رشتہ نہیں ہے، بس یوں سمجھ لیجئے کہ ساتھ ساتھ تعلیم حاصل کی ہے جو یونیورسٹی کے لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے سے یوں بے تکلف ہو جاتے ہیں کہ لگتا ہے کہ آپس میں عشق کر رہے ہوں مگر ایسی بات نہیں ہے، وہ بس عزت کرتے ہیں ایک دوسرے کی، چونکہ دونوں کا پیشہ ایک ہی ہے۔"

"جی خوش ہوا، جابر جی خوش ہوا اگر وہ پاگل ڈاکٹر اس لڑکی سے عشق کر رہا ہوتا تو ہم اس پر اپنے کتے چھوڑ دیتے جو اس کے بدن کے گوشت کی ایک ایک بوٹی نوچ لیتے اور ہڈیاں تک چبا لیتے کسی کو اس کا حق نہیں ہے کہ ہماری پسند پر ہاتھ ڈالے، اگر اس بستی میں کوئی ہمارے لئے کچھ کر بھی رہا ہے تو انتظار کر لیتے ہیں...... اس کی ہوشیاری کا...... دیکھیں گے کون کہاں سے کہاں کام کر رہا ہے...... ارے سب ٹھیک کرنا جانتے ہیں ہم...... کس کی مجال ہے کہ وہ کفالت شاہ سے ٹکر لے سکے لیکن اب بہت دن گزر گئے ہیں جابر، کچھ کر ڈالنا چاہئے۔"

"شاہ جی حکم کریں...... کیا کرنا ہے؟"

"ماحول بنانا پڑتا ہے...... اندازہ لگانا پڑتا ہے...... ایسا کرو کہ دعوت کر دو ان لوگوں کی کچی حویلی میں بکرے بھنوا دو...... ہسپتال کے سارے عملے کو بلا لو...... سمجھ رہے ہو نا...... تھوڑی سی بات کانوں میں ڈال دی جائے ہو سکتا ہے کوئی کام کی بات نکل ہی آئے۔"

"شاہ جی کا حکم سر آنکھوں پر...... شاہ جی جو حکم دیں۔" جابر نے کہا۔

"تو ٹھیک ہے جابر، تم ہماری طرف سے ڈاکٹر کھوسہ اور ان دونوں کو خاص طور سے دعوت دے دو۔"

"کس دن کا کہوں شاہ جی؟"

"کل شام کی بہتر رہے گی۔" کفالت شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور اس کے بعد جابر وہاں سے اُٹھ گیا۔

دوسرے دن صبح وہ ڈسپنسری پہنچ گیا...... ڈاکٹر کھوسہ سے ملاقات کی اور کفالت شاہ کا پیغام دیا...... ڈاکٹر کھوسہ کی تو باچھیں کھل اُٹھی تھیں اس نے کہا۔

"شاہ جی اتنی بڑی عزت دیں گے ہمیں کبھی...... ہم نے تو خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔"

"تو آپ جاگتے میں سوچ لو...... وہ دونوں نئے ڈاکٹر کہاں ہیں؟"

"یہیں موجود ہے؟"

"انہیں بھی شاہ جی کی دعوت دینا چاہتا ہوں میں۔"

"ارے بس سمجھو کہ ٹھیک ہے۔" ڈاکٹر کھوسہ نے کہا۔

"کیوں فضول باتیں کرتے ہو ڈاکٹر۔ شاہ جی کا حکم ہے یہ۔"

"ہاں، ہاں تو پھر چلو، میں کب منع کر رہا ہوں بھائی۔" شہاب اور بینا نے بھی یہ دعوت

سنی اور شہاب فوراً ہی بول اُٹھا۔

"کفالت شاہ صاحب نے جو عزت افزائی کی ہے ہماری...... اس کے لئے اس کا شکریہ ادا کرنے ہم شام کو پہنچ جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب۔"

بینا نے اس کے جانے کے بعد شہاب کو بغور دیکھا تو شہاب نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"آغاز ہو گیا ہے بینا...... میرا خیال ہے ہمارا کام اب آخری منزل تک آ رہا ہے۔"

پھر شام کو ڈاکٹر کھوسہ بڑے کروفر کے ساتھ ان دونوں کے ساتھ شاہ جی کی حویلی میں پہنچ گیا تھا...... باقی سٹاف کے لئے کھانا یہیں بھجوادینے کا پیغام ملا تھا...... کفالت شاہ نے کچی حویلی کے ایک مخصوص حصے میں ان کا استقبال کیا تھا...... چارپائیاں بچھادی گئی تھیں...... ان پر قیمتی چادریں بچھی تھیں، تکئے لگے ہوئے تھے...... کفالت نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے ہوئے کہا۔

"خانہ درویش میں یہی سب کچھ ملے گا ڈاکٹر صاحب...... ہم جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ آپ کے قابل نہیں ہے لیکن فقیر کی کٹیا میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہوتا۔"

"اس کی برکت ہی کچھ اور ہے شاہ جی۔" ڈاکٹر کھوسہ نے کہا۔

"بیٹھئے آپ لوگ، بی بی آپ بھی بیٹھئے، بڑی بات ہوتی ہے ان لڑکیوں کو میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں جو اتنے بڑے بڑے کام کر لیتی ہیں...... نرم و نازک معصوم معصوم سی لڑکیاں بھلا اتنی محنت کے قابل کہاں ہوتی ہیں۔ ہماری تو روایت ایک ہی ہے گھر کی زینت گھر کو زینت بخشے اور بس لیکن بہر حال اپنا اپنا شوق، والدین کی سوچ جو ہے ٹھیک ہے۔ خیر، تم سناؤ ڈاکٹر کہیں ملک سے باہر وغیرہ نہیں جانا چاہتے...... چلے جاؤ، نوجوانی کی عمر ہے کچھ بن جاؤ گے۔ ہماری مدد حاضر ہے...... جرمنی جانا چاہو، امریکہ جانا چاہو، جاپان جانا چاہو، سمجھ لو چلے گئے...... تمہارا یہ فقیر بڑی پہنچ رکھتا ہے...... ہر رکاوٹ راستے سے ہٹ جائے گی۔ باقی چیزوں کی فکر نہ کرنا۔"

"شاہ جی بڑی عنایت ہے آپ کی، بس اپنی کھال کے مطابق سوچا ہے ہمیشہ...... جو کر سکتا تھا بس وہی کیا ہے...... بہت سہانا خواب دکھایا ہے آپ نے۔"

"ہم خواب نہیں دکھاتے...... خوابوں کو حقیقت بناتے ہیں۔" کفالت شاہ نے پر

رعب آواز میں کہا۔

پھر دوسری باتیں ہوتی رہیں اس کے بعد کفالت شاہ نے شہاب سے کہا۔

"اپنا داہنا ہاتھ آگے بڑھاؤ۔"

شہاب نے فوراً داہنا ہاتھ آگے بڑھادیا...... کفالت شاہ نے اس کے ہاتھوں کی لکیریں دیکھیں اور بولا۔

"ہوں...... ڈاکٹر کھوسہ تم اپنی ڈاکٹر سے بات کرو ہم ذرا اس نوجوان ڈاکٹر کو تھوڑی دیر کے لئے تم سے الگ لے جانا چاہتے ہیں۔"

"ضرور شاہ جی ضرور۔" ڈاکٹر کھوسہ نے کہا۔

"آؤ، کیا نام ہے تمہارا؟"

"شہاب۔"

"پورا نام بتاؤ؟"

"شہاب ثاقب۔"

"واہ، داد دیتے ہیں ان ماں باپ کی جنہوں نے تمہارا یہ نام رکھا جو نام ہے وہ نظر آتے ہو...... آؤ ذرا ہمارے ساتھ۔"

پھر وہ شہاب کو لے کر ایک اور گوشے میں پہنچ گیا اس نے شہاب کو بیٹھنے کی پیشکش کرتے ہوئے کہا۔

"دنیا میں وہ کام کبھی نہیں ہو سکتا جسے خود انسان آگے بڑھ کر نہ کرے...... شرم و حیا الگ چیز ہوتی ہے لیکن دل کے تقاضے اس سے مختلف...... ایک سوال کرنا چاہتے ہیں تم سے۔"

"جی شاہ جی حکم۔"

"اس لڑکی سے عشق کرتے ہو؟"

"جی؟"

"نہیں، سوال سن چکے ہو میرا، کان بھی ٹھیک ہیں تمہارے، عقل بھی ٹھیک ہے، سوال کا صرف جواب دیا جاتا ہے...... کھل کر بتاؤ ہمیں۔"

"نہیں شاہ جی ایسی کوئی بات نہیں ہے...... وہ بس میری ہم پیشہ ہے...... بہت اچھی لڑکی ہے...... دل سے عزت کرتا ہوں اس کی...... اس سے زیادہ اور کوئی بات نہیں ہے۔"

"جیتے رہو...... دعا دیتے ہیں تمہیں درازی عمر کی اور جیتے رہو گے کیونکہ تمہیں جینا ہی چاہئے...... اب ہم تمہیں اپنے دل کی بات بتا رہے ہیں...... ہماری عمر وغیرہ کا خیال نہ کرنا...... شادی کرنا چاہتے ہیں ہم اس لڑکی سے اور اس میں انکار کی گنجائش نہیں ہے۔"

شہاب ایک لمحے کے لئے بھونچکارہ گیا لیکن دوسرے لمحے اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور کہا۔

"شاہ جی بڑی دلچسپ بات کہی ہے آپ نے...... یعنی انکار کروں گا تو میں...... مجھے اس کا کیا حق پہنچتا ہے۔"

"نہیں، نہیں تم سمجھے نہیں اس بات کو، انکار سے ہماری مراد یہ ہے کہ تم ہماری بات کی تائید کرو گے...... اس لڑکی کے والدین کو راضی کرنا تمہارا کام ہے...... بتادینا کہ شاہ گڑھی کی شاہینہ بنے گی وہ، لاکھوں ایکڑ زمین ہوگی اس کی...... حویلی، جائیداد اور وہ سب کچھ جس کا وہ لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے...... سب انہیں مل جائے گا...... شہر میں جو باعزت مقام وہ چاہتے ہیں وہ انہیں حاصل ہو جائے گا...... ملیں، فیکٹریاں لگائیں، بھائی بہن ہیں تو انہیں بھی عیش کرائیں...... یہ کفالت شاہ کا فرمان ہے...... کون ہیں اس کے والدین؟ کیا کرتے ہیں؟"

"بس وہ شاہ جی بزنس مین ہیں...... چھوٹا موٹا کاروبار کرتے ہیں...... بے چارے معمولی حیثیت کے لوگ ہیں۔"

"ہیں نہیں تھے...... اب وہ معمولی حیثیت کے لوگ نہیں رہے، لیکن نوجوان ڈاکٹر اس کام کی ابتدا تمہیں کرنی ہے اور تمہیں تو ہم پیشکش کر ہی چکے ہیں...... جب کوئی ہمارے لئے کام کرتا ہے تو ہم اسے اتنی بلندی تک لے جاتے ہیں کہ اسے دنیا بہت چھوٹی محسوس ہونے لگتی ہے سمجھ رہے ہو نا...... یہ کام تمہیں سرانجام دینا ہے اور اس کے بعد یوں سمجھ لو کہ دنیا کی ہر نعمت تمہارے لئے موجود ہوگی۔"

"شاہ جی مجھے حکم دیں کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"کل صبح شہر چلے جاؤ اور لڑکی کا باپ جو کوئی بھی ہے...... اس سے جا کر بات کرو...... ہمارا تعارف کرا دینا اس سے تمہارا کام ہوگا...... بس سمجھ لو ہم جو چاہتے ہیں وہ تم سمجھ چکے ہو۔"

"شاہ جی بالکل اطمینان رکھیں...... پہلی بات تو یہ ہے کہ اس بات پر کسی کو اعتراض ہوگا

ہی نہیں، دوسری بات یہ کہ اگر کوئی اعتراض ہوگا تو پھر یہ خادم کس دن کام آئے گا۔"

"اور جیو اور جیو...... جینے کا ریکارڈ توڑ دو...... بس یہی کہنا تھا تم سے تو کل تم یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔"

"شاہ جی کا جو حکم۔"

"اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہنا تم سے...... آؤ بیٹھو، سب کے ساتھ بیٹھو۔" کفالت شاہ نے کہا اور شہاب اس کے ساتھ باقی لوگوں کے پاس آ گیا۔

بینا دزدیدہ نگاہوں سے شہاب کو دیکھ رہی تھی اور شہاب کے چہرے پر ایک انوکھی مسکراہٹ تھی...... بینا اس مسکراہٹ کا مفہوم نہیں سمجھ پا رہی تھی...... بہر حال ایک شاندار اور پر تکلف دعوت کی گئی اور دعوت کے بعد کفالت شاہ نے بینا کو ہیرے کا ایک انتہائی قیمتی ہار تحفے کے طور پر پیش کیا...... بہت ہی اعلیٰ درجے کی دو گھڑیاں، ایک شہاب کو اور ایک ڈاکٹر کھوسہ کو پیش کی گئی...... بینا نے اعتراض کیا تھا لیکن ڈاکٹر کھوسہ نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں ڈاکٹر بینا...... شاہ جی کے تبرک کو کبھی رد نہیں کرنا چاہئے...... رکھ لو رکھ لو۔"

شہاب کے اشارے پر بینا نے وہ ہار رکھ لیا تھا، پھر وہ وہاں سے واپس چل پڑے...... بینا اپنی آرام گاہ میں پہنچ کر شہاب سے بولی۔

"کیا کہہ رہا تھا وہ مردود تمہیں الگ لے جا کر؟"

جواب میں شہاب نے قہقہہ لگایا پھر اس نے کہا۔

"لعنت کا مارا مجھے اپنا سالا بنانے پر تیار تھا۔" یہ کہہ کر شہاب زور زور سے ہنسنے لگا...... بینا غصیلے لہجے میں بولی۔

"کیا کہہ رہے ہو شہاب؟ تم غیر سنجیدہ ہو، جبکہ میری جان جلی جا رہی ہے۔"

"تمہارے بچوں کا ماموں، تمہارے بچوں کا ماموں۔" شہاب حلق پھاڑ پھاڑ کر قہقہے لگاتا رہا اور بینا منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔

"ٹھیک ہے نہ بتاؤ...... اب میں تم سے کچھ نہیں پوچھوں گی۔"

"بینا مجھے سونے دو ابھی...... کچھ دیر اور سونا چاہتا ہوں...... جاگوں گا تو صورت حال بالکل مختلف ہوگی۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے میں کب کچھ پوچھ رہی ہوں۔" پھر شہاب بہت دیر تک بینا سے

باتیں کرتا رہا تھا اور بینا جھلتی رہی تھی، پھر دوسرے دن صبح شہاب نے تیاریاں شروع کر دیں...... ڈاکٹر کھوسہ کو بھی اس سلسلے میں کچھ نہیں بتایا گیا تھا، لیکن اپنا ساز و سامان خاموشی سے جیپ میں رکھنے کے بعد شہاب نے بینا سے کہا۔

"تم بیٹھو بینا...... ابھی یہاں سب لوگ سو رہے ہیں...... میں ذرا ابھی آیا۔" شہاب اندر داخل ہوا اور اس نے سوتے ہوئے ہاشو کو جگایا...... وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا تھا۔

"کیا ہوا ڈاکٹر صاحب، کیا آج میرا آپریشن کرنا ہے؟"

"نہیں ہاشو ہوش و حواس سنبھال...... بس خاموشی سے میرے ساتھ آ جاؤ۔" شہاب نے کہا اور ہاشو حیران حیران سا اُٹھ گیا...... شہاب اسے ساتھ لئے ہوئے جیپ تک پہنچا...... بینا جیپ میں موجود تھی...... شہاب نے ہاشو سے کہا۔

"سیٹوں کے درمیان کافی جگہ ہے ہاشو، یہاں لیٹ جاؤ، تمہیں تھوڑی دیر تک یہیں لیٹنا پڑے گا۔"

"مم...... مگر ڈاکٹر صاحب۔"

"دیکھو اگر فضول باتیں کیں تو ذمے دار خود ہو گے۔"

"نہیں جی کوئی فضول بات نہیں کر رہے بس پوچھ رہے تھے۔" ہاشو نے کہا اور اس کے بعد وہ جیپ کی سیٹوں کے درمیان لیٹ گیا تھا...... ہاشو کو زندہ لے جانا ضروری تھا اس کے لئے وہ خود بھی ہوشیار تھا اور بینا بھی لیکن ابھی کسی سنگین صورت حال کی انہیں خود بھی امید نہیں تھی کیونکہ کفالت شاہ کے آدمی ابھی ان پر شبہ نہیں کر سکتے تھے، چنانچہ وہ کامیابی سے شاہ گڑھی سے باہر نکل آئے پھر جب ایک طویل فاصلہ طے ہو گیا اور اس بات کے امکانات نہ رہے کہ اب کوئی کارروائی ہو سکتی ہے تو شہاب نے گردن موڑ کر کہا۔

"ٹھیک ہے ہاشو اب اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔"

ہاشو اُلجھے اُلجھے سے انداز میں اُٹھ کر بیٹھ گیا تھا، پھر اس نے کہا۔

"اگر ہماری سمجھ میں بھی کچھ آ جاتا تو اچھا تھا۔"

"تم زندہ رہنا چاہتے ہو نا ہاشو؟" شہاب نے سوال کیا اور ہاشو پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"سڑکوں پر کٹے ہوئے پاؤں والے کسی بھکاری سے پوچھو کہ کیا وہ زندہ رہنا چاہتا ہے تو

وہ یہی جواب دے گا...... ہاں، اسے اپنے معذور جسم کا احساس نہیں ہو گا جس کو گھسیٹ گھسیٹ کے وہ تنگ آ چکا ہو گا، لیکن پھر بھی زندگی کا دامن نہیں چھوڑنا چاہتا صاحب جی۔"

"ٹھیک کہتے ہو، میں نے کوشش کی ہے کہ تمہاری زندگی قائم رہے جس کا میں نے تم سے وعدہ کیا تھا۔"

شہاب کے ان الفاظ پر ہاشو دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔

"اس کے علاوہ اور ہمیں کچھ نہیں بتائیں گے صاحب جی۔"

"ہاں ہاشو، بتا دوں گا...... پہلے میں تمہیں کسی محفوظ جگہ پہنچا دوں گا۔"

"شاہ گڑھی سے باہر نکل آئے ہیں نا ہم؟"

"بہت دُور آ گئے ہیں۔"

"یقین نہیں آتا بھائی صاحب۔" ہاشو نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔

"یقین آ جائے گا مگر تم کیوں یہ بات کہہ رہے ہو؟"

"اس لئے کہ ہم نے ساری زندگی کفالت شاہ صاحب کی نگرانی میں بسر کی ہے...... اپنی مرضی سے سوچنے کے قابل ہی نہیں رہے تھے ہم اور اب بھی آپ یقین کرو صاحب جی کہ دل نہیں چاہتا کہ اپنے طور پر کچھ سوچیں، کوئی سوال کریں۔"

"آرام سے بیٹھے رہو...... میرا خیال ہے اب تمہاری ایک نئی زندگی کا آغاز ہو رہا ہے۔"

"ہائے لوگوں کی زندگی کا آغاز کب سے ہو جاتا ہے ہماری زندگی کا آغاز اس وقت ہو رہا ہے جب ہم انجام کے قریب ہیں۔"

بینا نے مسکراتی نگاہ سے شہاب کو دیکھا اور آہستہ سے بولی۔

"ہر شخص فلسفہ بول لیتا ہے۔"

"کیوں انسان کو عقلی طور پر کمتر کیوں سمجھتی ہو...... خیالات تو ہر ذہن میں ہوتے ہیں...... یہ الگ بات ہے کہ انہیں صحیح الفاظ کا روپ دینا مشکل ہو جاتا ہے، کیونکہ تعلیمی کمی مانع ہوتی ہے۔" شہاب نے کہا اور بینا خاموش ہو گئی۔

سفر جاری رہا...... ظاہر ہے ملا کی دوڑ مسجد تک...... شہاب کریم سوسائٹی کی کوٹھی ہی پر پہنچا تھا اور یہ ایسے تمام لوگوں کے لئے بہترین پناہ گاہ تھی...... البتہ یہ الگ بات ہے کہ کریم سوسائٹی کی اس کوٹھی میں کمالے...... اس کی بیوی اور بینا موجود تھیں اور یہاں جوہر خان نے

ان کا حلیہ ہی بدل دیا تھا...... اتنا تو جوہر خان بھی جانتا تھا کہ شہاب کے مہمان کم حیثیت نہیں ہوتے اور حیثیت اسی کی ہوتی ہے جس کا نمک کھایا جائے، یعنی شہاب...... چنانچہ اس نے اپنے طور پر بھی بہت کچھ کیا تھا...... صاف ستھرے کپڑے، لباس چند روزہ پر سکون زندگی نے ان لوگوں کا حلیہ ہی بدل دیا تھا...... کمالے بھی بہتر حالت میں نظر آرہا تھا اور پھر ظاہر ہے اس نے جوہر خان سے لاتعداد سوالات کئے ہوں گے اور جوہر خان نے کم از کم انہیں یہ ضرور بتا دیا ہوگا کہ اب وہ محفوظ ہاتھوں میں ہیں اور ان کے دشمن ان پر قابو نہیں پا سکتے...... بہرحال شہاب اور بینا ہاشو کو لے کر اندر داخل ہو گئے...... ظاہر ہے سب ایک دوسرے کے شناسا تھا...... ہاشو نے انہیں دیکھا اور شدت حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔ "یہ...... یہ...... یہ بھی یہاں موجود ہیں؟"

"میں کیا کہوں صاحب، میرے بارے میں تو آپ کو سب کچھ پتا چل گیا ہے۔"

"لیکن ایک بات ہے ہاشو...... کیا تم یہاں انسان کی طرح رہ سکتے ہو۔"

"انسان ہیں کہاں؟ صاحب جی، بس تھے، کبھی، ماں باپ نے تو انسان ہی پیدا کیا ہوگا لیکن پتا نہیں ہمارا قصور تھا یا ماں باپ کا قصور تھا یا پھر تقدیر کا کہ انسانیت سے دور ہوتے چلے گئے۔"

"وہ جو کہا جاتا ہے نا کہ صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آجائے تو اسے بھولا نہیں کہہ سکتے۔"

"تو کیا ہماری شام ہو گئی ہے؟"

"ہاں شاید تمہارے گناہوں کی شام۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو صاحب جی...... زندگی کے چند روز ہی ہمیں انسانوں کی طرح بسر کرنے کو مل جائیں تو ہم یہ سمجھیں کہ چلو ٹھیک ہے اتنی ہی عمر تھی اپنی۔"

اسی طرح کی باتیں ہوتی رہیں اور شہاب نے ہنس کر جوہر خان سے کہا۔

"آج کل تمہارے مہمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے جوہر خان...... تھک تو نہیں جاتے؟" جوہر خان ہنسنے لگا پھر بولا۔

"زندگی تو اسی میں ہے شہاب صاحب، تھکنا کیا معنی رکھتا ہے۔" شہاب ان لوگوں کو پوری طرح سمجھا بجھا کر وہاں سے چل پڑا پھر اس نے بینا سے کہا۔

"بہتر ہے بینا اب تم بھی کچھ وقت آرام کر لو...... میں ذرا سخت مصروف رہوں گا۔"

"گھر چھوڑو گے مجھے شہاب؟" بینا نے سوال کیا۔

"ہاں اب مجبوری ہے...... تمہارے ہی گھر چھوڑنا پڑے گا۔" شہاب نے معنی خیز لہجے میں کہا اور بینا مسکرا دی۔

پھر تھوڑی دیر کے بعد شہاب بینا کے گھر کے قریب پہنچ گیا تو بینا نے کہا۔

"آیئے...... ناشتا کر کے جانا ہے بلکہ بہتر ہے کہ غسل وغیرہ بھی کر لیں۔"

"تم تو اسے ابھی سے میرا مکمل سسرال قرار دے رہی ہو۔"

"چلئے آپ اسے نامکمل سمجھ لیں۔ آیئے تو صحیح۔"

عدنان واسطی اور مسز واسطی ان لوگوں کو دیکھ کر خوش ہو گئے تھے...... عدنان واسطی کی ہمت بھی قابل داد تھی...... جوان بیٹی کو انہوں نے شہاب کے ساتھ اس طرح چھوڑ دیا تھا کہ بعد میں اس کی خبر بھی نہ مل سکتی تھی لیکن اعتماد کی ایک منزل ہوتی ہے اور اس منزل پر پہنچنے کے بعد انسان بہت سے وسوسوں سے آزاد ہو جاتا ہے...... شہاب نے غسل وغیرہ کیا اور بینا کو یہ سب کچھ بہت اچھا محسوس ہوا...... وہ اپنی ماں کے ساتھ کچن میں داخل ہو گئی تھی اور جلدی جلدی ناشتا تیار کیا جا رہا تھا...... عدنان واسطی صبح خیزی کے عادی تھے...... تیار ہو کر بیٹھے ہوئے تھے...... شہاب کے پاس پہنچ کر وہ مسکرائے اور بولے۔

"ناشتا آنے میں ابھی دیر ہے...... کیوں نہ ہم کچھ تبادلہ خیال کر لیں۔"

"بالکل واسطی صاحب...... میں خود بھی آپ سے فوری طور پر ملتا...... چلئے یہ وقت مل گیا ہے ٹھیک ہے...... آپ کو تمام حالات سے آگاہ کرنا ضروری ہے کیونکہ ایک انتہائی سنسنی خیز مقدمہ آپ تک پہنچنے والا ہے۔"

"گڈ، ویری گڈ، کیا سلسلہ ہے؟" عدنان واسطی نے کہا اور شہاب انہیں کفالت شاہ، شاہ گڑھی اور وہاں کے تمام معاملات بتانے لگا...... عدنان واسطی غور سے تمام تفصیل سن رہے تھے...... یہاں تک کہ شہاب نے کمالے، بینا، کمالے کی بیوی اور ہاشو کے بارے میں بھی سب کچھ بتا دیا...... عدنان واسطی سنتے رہے پھر انہوں نے کہا۔

"اس میں ایک کردار رہ جاتا ہے؟"

"کون سا؟"

"شملہ۔"

"ہاں...... اس تک میری رسائی نہیں ہو سکی لیکن آپ کا کیا خیال ہے اس کی رسائی ضروری تھی۔"

"طارق شاہ تمہارا مہرہ ہے...... یقین ہے کہ وہ باپ کا ساتھ نہیں دے گا۔"

"نہیں...... بالکل نہیں دے گا۔"

"پھر بھی اگر شملہ کی طرف سے ایک درخواست دے دی جاتی تو اس کے ذریعے ایف آئی آر کٹوا سکتے تھے۔"

"میں مانتا ہوں لیکن آپ یقین کیجئے یہ سوچنے کے باوجود میں نے ایسا نہیں کیا۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ شاہ جی کے سانپ ہر جگہ رینگتے پھرتے ہیں، مجھے یہ خوف تھا کہ بے شک طارق شاہ اپنے ماحول کو مکمل قرار دیتا ہے لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ وقت سے پہلے ہوشیار ہو جائے۔"

"ہاں یہ خدشہ تو تھا۔"

"اس کا ازالہ ہم اس طرح کر سکیں گے کہ کچی حویلی سے فضل کامل، کرم کامل اور اس کی بیوی کو برآمد کر لیا جائے گا...... اس کی تفصیل معلوم کر چکا ہوں اور پھر ہاشو ایک بہترین گواہ ہے...... واردات کا گواہ، کمالے اور اس کی بیوی اور خود بینا ہوں گے۔"

"نہیں کیس بہت مضبوط ہے ایسی بات نہیں ہے...... میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر اس کا اضافہ ہو جاتا تو زیادہ بہتر تھا لیکن اب ان حالات کی روشنی میں کوئی حرج نہیں ہے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے شہاب کہ کیا تم اس پر اتنی آسانی سے ہاتھ ڈال لو گے۔"

"مطلب؟"

"میرا تو یہ خیال ہے کہ اس سلسلے میں نادر حیات صاحب سے مکمل مشورہ کرو۔"

"سو فیصد، واسطی صاحب، معاملہ بہت ٹیڑھا ہے...... دیکھنا پڑے گا...... نادر حیات صاحب کے بغیر میں یہ کام نہیں کروں گا، بلکہ آپ یوں سمجھ لیجئے کہ اب یہاں سے سیدھا نادر حیات صاحب کے ہی پاس جاؤں گا کیونکہ ہم دونوں وہاں سے غائب ہو گئے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ ہاشو بھی، چنانچہ وہ فوراً ہوشیار ہو جائے گا...... یہ کام جلد از جلد کرنا ہو گا۔"

"ہاں یقیناً۔"

"تو پھر آپ تیاریاں شروع کر دیجئے..... حالات تو آپ کے علم میں آگئے ہیں..... اس کے علاوہ بینا آپ کی مدد کریں گی..... کاغذات تیار کر لیجئے میں یہاں سے سیدھا نادر حیات صاحب ہی کے پاس جاؤں گا۔" ناشتے وغیرہ سے فراغت حاصل کر کے شہاب وہاں سے چل پڑا، چونکہ ابھی زیادہ وقت نہیں ہوا تھا اس لئے اس نے نادر حیات صاحب کی رہائش گاہ کی طرف ہی رخ کیا تھا اور کچھ دیر کے بعد وہ وہاں پہنچ گیا..... نادر حیات صاحب کو اطلاع ملی..... شہاب کی بہر طور ان کی نگاہ میں ایک اہمیت تھی، چنانچہ انہوں نے اسے اندر بلا لیا اور ڈرائنگ روم میں اس سے ملاقات کی..... شہاب نے سلام کرنے کے بعد کہا۔

"نادر حیات صاحب میں اپنا شاہ گڑھی والا کیس تقریباً مکمل کر چکا ہوں۔"

"کفالت شاہ۔" نادر حیات پر تشویش لہجے میں بولے اور شہاب ان کی صورت دیکھتا رہا، پھر اس نے کہا۔

"کیوں..... آپ نے یہ نام اس انداز میں کیوں لیا؟"

"اس لئے کہ تمہاری غیر موجودگی میں اس کے بارے میں خاصی معلومات حاصل کرتا رہا ہوں۔"

"گڈ! مجھے بتانا پسند کریں گے؟"

"بہت لمبے ہاتھ ہیں اس کے اور یہ حقیقت ہے..... کئی منسٹر اس کے دوست ہیں اور اس کی ان تک براہ راست رسائی ہے۔"

"ایسا ہوتا ہے نادر حیات صاحب۔"

"ہاں..... میں جانتا ہوں..... خیر چھوڑو یہ بتاؤ کہ کیا صورت حال ہے۔" جواب میں شہاب نے (الف) سے لے کر (ے) تک جتنی تفصیلات تھیں نادر حیات صاحب کو بتادیں۔ نادر حیات صاحب کا چہرہ سرخ ہو گیا..... دیر تک وہ سوچتے رہے پھر اس نے کہا۔

"نہیں نہ ہم اپنے پیشے سے غدار ہو سکتے ہیں اور نہ انسانیت کے دشمن اگر ایک ایسا انسان دشمن لوگوں پر عرصہ حیات تنگ کئے ہوئے ہے تو ہمیں جان کی بازی لگانا ہو گی شہاب۔"

"ان حالات کی روشنی میں آپ کا کیا حکم ہے؟"

"دیکھو! دو ایف آئی آر تو فوراً ہی درج کرا لیتے ہیں..... میں ابھی تھانے کے انچارج کو طلب کرتا ہوں..... ایک ایف آئی آر تو کمالے اور بینا کی طرف سے درج کراؤ اور دوسری

شملہ کی طرف سے شملہ کو بلا کر یہ ایف آئی آر بھی مکمل کرالو..... بعد میں ہم شملہ کو دیکھیں گے کہ وہ ہماری کس حد تک مدد کر سکتی ہے..... عورت ذات ہے ہو سکتا ہے شوہر پرست بھی ہو لیکن ہمارے پاس یہ آسانی موجود ہے کہ ہم فضل کامل کو اس کی بیوی اور بیٹے سمیت برآمد کر سکتے ہیں..... بشرطیکہ تم اس محاذ پر کامیاب ہو جاؤ۔"

"بے شک اور اگر ایک ایسا شخص برآمد ہوتا ہے جس کے ہاتھ سرنگ کھودنے کے جرم میں کٹوا دیئے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ کیس خاصا مضبوط ہو جائے گا۔"

"ہاں۔" نادر حیات صاحب پر تشویش لہجے میں بولے۔

"آپ کے لہجے میں کچھ کمزوری ہے جناب۔" شہاب نے کہا۔

"نہیں میرے لہجے میں کمزوری نہیں ہے..... میں اس معاشرے کی کمزوریوں سے خوف زدہ ہوں، خیر تو پھر ایسا کرتے ہیں کہ پارٹی ترتیب دیتے ہیں فوراً کام طوفانی انداز میں ہونا چاہئے۔"

"میرا ابھی یہی خیال ہے۔" شہاب نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے شروع ہو جانا چاہئے۔" اس کے بعد نادر حیات صاحب تمام کام کرتے رہے..... شہاب ان کے پاس ہی موجود تھا پھر وہ ان کے ساتھ ہی ان کے گھر سے نکل کر پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچا تھا..... کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دی گئی تھی کہ یہ زبردست پولیس فورس کس لئے تیار کی جارہی ہے..... بے شمار جوان اکٹھے کر لئے گئے تھے اور انہیں پوری طرح مسلح ہونے کو کہا گیا تھا..... نادر حیات صاحب خود یہ چھاپہ مارنا چاہتے تھے اور اس سلسلے میں تمام منصوبہ بندی ہو گئی تھی۔ شہاب کو اپنے گھر تک جانے کی مہلت نہیں ملی تھی..... دوپہر کے بعد کئی پولیس کے ٹرک اور جیپیں شاہ گڑھی کی جانب چل پڑیں..... اس وقت شہاب وردی میں تھا اور ڈی آئی جی نادر حیات صاحب پولیس پارٹی کی قیادت کر رہے تھے..... رفتار اچھی خاصی تیز رکھی گئی تھی، لیکن پھر بھی جب وہ شاہ گڑھی میں داخل ہوئے تو شام کے ساڑھے چار بج رہے تھے..... فوراً ہی کچی حویلی کو گھیرے میں لے لیا گیا..... سب سے پہلا مرحلہ فضل کامل، اس کی بیوی اور بیٹے کو برآمد کرنے کا تھا..... نادر حیات صاحب پولیس پارٹی کے ساتھ جب حویلی میں داخل ہوئے تو کفالت شاہ اپنے حواریوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا..... پولیس اس طرح شاہ گڑھی پہنچی تھی کہ کفالت شاہ کو اس کی اطلاع بھی نہیں

مل سکی تھی...... پولیس کے جوان چاروں طرف سے شاہ گڑھی میں گھسے تھے اور انہوں نے منصوبے کے تحت تمام ایسی جگہوں کو گھیر لیا تھا جہاں سے کوئی خطرہ در پیش ہو سکتا تھا...... پہلے کچی حویلی کا چاروں طرف سے محاصرہ کیا گیا...... اس کے بعد پولیس کے تقریباً دس جوان پکی حویلی کی جانب بھیج دیئے گئے اور ان کی قیادت ایک انسپکٹر کے سپرد کر دی گئی جس کی ذمے داری یہ تھی کہ پکی حویلی میں جتنے بھی افراد ہیں انہیں گن پوائنٹ پر لے لیا جائے اور انہیں ایک جگہ جمع کر لیا جائے۔

کفالت شاہ نے پولیس افسروں کو دیکھا...... ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے پر تردد کی لکیریں اُبھریں لیکن دوسرے لمحے پر سکون ہو گیا...... نہایت شاطر اور مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔

"واہ...... پولیس اس طرح ہماری اجازت کے بغیر کچی حویلی میں داخل ہو سکتی ہے...... پہلے ہم نے کبھی اس بارے میں نہیں سوچا تھا لیکن اب سوچتے ہیں تو خود پر ہنسی آتی ہے...... پولیس والے بھی تو انسان ہی ہوتے ہیں، اگر کسی سے ملنے کے لئے آجائیں تو کوئی حرج نہیں ہے...... ویسے ہم آپ کی وردی پر جو اعزازات دیکھ رہے ہیں افسر اعلیٰ صاحب اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ڈی آئی جی کے عہدے پر ہیں۔"

"جی کفالت شاہ صاحب اور یہ میرے معاون آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی شہاب ثاقب ہیں۔"

کفالت شاہ نے شہاب کو دیکھا...... پہلے شاید وہ وردی کی وجہ سے شہاب کو پہچان نہیں سکا تھا لیکن اب ایک لمحے میں اس نے شہاب کو پہچان لیا اور دوسری بار اس کے چہرے پر کچھ تاریکیاں نمودار ہوئیں...... پریشانی کی ایک لہر اس کے چہرے سے گزر گئی اور پھر وہ مسکرا دیا۔

"اچھا اچھا...... ڈاکٹر شہاب...... بھئی واہ...... یعنی ڈاکٹر بھی اور پولیس افسر بھی...... ڈبل رول یا پھر یہاں کوئی جاسوسی وغیرہ کا چکر تھا...... چلو بیٹھو...... تم لوگ، کھڑے کیوں ہو؟"

"نہیں کفالت شاہ صاحب بیٹھنے کی گنجائش نہیں ہے ہمارے پاس آپ کے وارنٹ ہیں، آپ کو گرفتار بھی کرنا ہے اور کچی حویلی کی تلاشی بھی لینی ہے۔"

"وارنٹ؟" کفالت شاہ کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہو گئیں۔

"جی کفالت شاہ صاحب وارنٹ۔"

"ویسے تو پولیس کا کام ہی یہی ہے وارنٹ لانا، وارنٹ لے جانا، گرفتار کرنا مگر بھئی ہمیں کس خوشی میں گرفتار کر رہے ہو؟"

"اس کی تفصیل آپ کو کچی حویلی کی تلاشی کے بعد بتائی جائے گی۔"

"نہیں افسر صاحب کچی حویلی کی تلاشی لینا کوئی معمولی بات نہیں ہے...... یہاں خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔"

"پولیس کا کام ہی خون کی ندیوں کو عبور کرنا ہے کفالت شاہ صاحب...... بسم اللہ کیجئے، بہائیے خون کی ندیاں۔"

"ارے ہم نہیں بہائیں گے ہمارے وفادار ہماری گرفتاری برداشت نہیں کر سکیں گے۔"

"تو انہیں موت کی نیند سلا دیا جائے گا...... پولیس کی ذمے داریاں ہوتی ہیں۔"

"واہ، بڑی سخت زبان استعمال کرتے ہو بھئی...... آخر ہو نا ڈی آئی جی...... خیر کیا تلاش کرنا چاہتے ہو...... کم از کم یہ تو بتانا ہوگا تمہیں؟"

"مسٹر شہاب آپ اپنا کام کیجئے۔"

"یس سر۔"

"بیس پولیس افسران کو لے لیجئے اور سنئے میں آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ اگر ذرہ برابر مزاحمت ہو تو بے دریغ مزاحمت کرنے والوں کو گولی مار دیجئے گا۔"

قریب کھڑے جابر اور جاگل نے کلاشن کوفیں سیدھی کیں تو پولیس نے رائفلیں سنبھال لیں۔

"ان سب سے کہئے کفالت شاہ صاحب کہ فوراً ہتھیار زمین پر ڈال دیں...... ذرہ برابر اس سلسلے میں مداخلت کی گئی تو آپ یوں سمجھ لیجئے کہ یہ سارا کھیل اسی جگہ ختم ہو جائے گا اور آپ سب مقدمے وغیرہ کی زحمت سے بھی بچ جائیں گے۔"

"یعنی تم ہمیں جان سے مارو گے۔"

"جی، بالکل، آپ سمجھدار آدمی ہیں۔"

"واہ بھئی...... یہ دن بھی دیکھنا تھا...... چلو ٹھیک ہے...... فقیروں کا کیا جاتا ہے...... ڈال دو تم سب ہتھیار زمین پر ڈال دو...... کوئی بات نہیں ہم تو مہمانداری کے سارے اصول

نبھاتے ہیں...... اب پولیس اگر کسی کے گھر مہمان پہنچے گی تو ایسے ہی پہنچے گی...... کام ہے اس کا، قصور تو نہیں کہہ سکتے ہم۔" جاگل اور جابر وغیرہ نے کلاشن کوفیں نیچے رکھ دیں...... ان سب کے چہروں پر خون اترے ہوئے تھے۔

ادھر شہاب اپنی تمام تر ذہانت سے کام لے کر ہاشو کے بتائے ہوئے نقشے کے مطابق وہ تہہ خانہ تلاش کر رہا تھا...... یہ اس وقت کا سب سے اہم کام تھا، چنانچہ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ اس تہہ خانے تک پہنچ گیا اور پھر تہہ خانے کی مختصر گہرائیوں میں اتر گیا...... یہاں اسے فضل کامل، کرم کامل اور اس کی بیوی مل گئے تھے...... تینوں نے شاید طویل عرصے کے بعد انسانوں کو دیکھا تھا...... وہ یقین نہیں کرپا رہے تھے کہ یہاں ان مخصوص لوگوں کے علاوہ کوئی اور بھی آسکتا ہے...... شہاب نے نہایت ہمدردی کے ساتھ انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"آپ فضل کامل ہیں؟"

"ہاں۔"

"میرے جسم کی وردی دیکھ کر آپ نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ میرا تعلق محکمہ پولیس سے ہے۔"

"جی صاحب۔"

"آپ لوگ یوں سمجھ لیجئے کہ اب آزاد ہوگئے ہیں...... زندگی کی ان مصیبتوں سے...... ہمارے ساتھ آئیے۔"

شہاب نے انہیں سہارا دے کر اوپر کی جانب قدم بڑھا دیئے پھر وہ انہیں باہر لے آیا...... تمام لوگ اسی طرف دیکھ رہے تھے...... پولیس کے جوانوں نے کچی حویلی کے چپے چپے پر قبضہ کر لیا تھا اور ڈی آئی جی نادر حیات صاحب کے حکم کے مطابق ہر چیز کی تلاشی لی جارہی تھی...... تمام انتظامات کیے گئے تھے...... کفالت شاہ کی ان عیش گاہوں کی تصاویریں بھی لی گئیں جہاں معصوم لڑکیوں کی زندگیاں برباد کی جاتی تھیں...... ہر طرح کے کام کیے جارہے تھے...... ہر جگہ کی تصاویر لی جارہی تھیں اور پوری شاہ گڑھی پر سنسنی طاری ہوگئی تھی...... کچی حویلی اور پکی حویلی پولیس کے گھیرے میں تھیں...... پکی حویلی میں شملہ اور طارق شاہ کو تحویل میں لے لیا گیا تھا...... بڑا زبردست کام سرانجام دیا جارہا تھا...... بہت سی گرفتاریاں ہوئی تھیں اور اس کے بعد شاہ جی کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی گئی تھیں۔

پھر شاہ گڑھی کے بہت سے معزز لوگوں کو طلب کیا گیا اور ان سے کفالت شاہ کے بارے میں سوالات کیے جانے لگے...... کفالت شاہ کی نگاہیں ایک ایک کا جائزہ لے رہی تھیں...... نادر حیات اور انسپکٹر شہاب کی تمام تر کوششوں کے باوجود بستی کے ایک بھی آدمی نے شاہ گڑھی کے کفالت شاہ کے خلاف ایک لفظ بھی نہ کہا...... ڈاکٹر کھوسہ وغیرہ اس سلسلے میں بالکل بے کار شخصیات تھیں...... کفالت شاہ بار بار شہاب کو دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

"واہ رے ڈاکٹر...... ہمارا نمک کھانے کے بعد تو نے ہم پر بڑا مضبوط وار کیا ہے لیکن ناکامی رہے گی تجھے...... درویشوں کے ساتھ یہ سب کچھ کرنا کبھی کسی کو پھلا ہے جو تجھے پھلے گا۔"

شہاب نفرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا تھا لیکن بولا کچھ نہیں تھا۔

پھر شاہ گڑھی سے کفالت شاہ کی رخصتی کا منظر بھی عجیب تھا، جہاں جہاں اطلاع پہنچتی جارہی تھی لوگ جمع ہوتے جارہے تھے...... پولیس نے مجمع کی طرف رائفلیں تان رکھی تھیں...... کفالت شاہ اور اس کے خاص حواریوں کو گاڑیوں میں بٹھایا گیا...... شملہ اور طارق شاہ کو بھی پولیس نے اپنی تحویل میں لے لیا تھا اور ان سے معذرت کر کے کہا گیا کہ وہ حفاظت کی غرض سے تحویل میں لئے جارہے ہیں...... فضل کامل، کرم کامل اور شملہ کی ماں نہالہ ابھی تک شملہ کے سامنے نہیں پہنچی تھیں انہیں دوسری گاڑی میں رکھا گیا تھا تاکہ ان کی کیفیات خراب نہ ہوں۔

بہرحال کفالت شاہ گرفتار ہو کر چل پڑا اور پولیس کی بہت بڑی تعداد اس کے ساتھ تھی...... ہر لحہ چوکسی ضروری تھی...... کہیں بھی کسی طرف سے کفالت شاہ کے حواری حملہ کر سکتے تھے اور اسے چھڑانے کی کوشش کی جاسکتی تھی...... اس بات کا خاص خیال رکھا گیا تھا۔

لیکن شاہ گڑھی کے رہنے والوں کو یہ امید بالکل نہیں تھی...... وہ سب ایک عفریت کی شکست دیکھ رہے تھے...... کفالت شاہ خاموش بیٹھا ہوا تھا...... ڈی آئی جی نادر حیات اس کے ساتھ تھے اور پیچھے بہت سے گن مین ہوشیار اور مستعد تھے...... یونہی راستے طے ہوتے رہے پھر وہ پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ گئے...... ڈی آئی جی نادر حیات صاحب احکامات دے کر گئے تھے، چنانچہ ایک لاک اپ میں کفالت شاہ کو منتقل کر دیا گیا تھا...... جاگل، جابر اور دوسرے چند افراد جو وہاں سے گرفتار ہوئے تھے بالکل الگ قید کیے گئے تھے...... کفالت شاہ لاک اپ میں خاموشی سے زمین پر بیٹھ گیا...... وہ عجیب و غریب کیفیت کا شکار تھا۔

ادھر طارق شاہ، شملہ کے ساتھ موجود تھا اور چونکہ پکی حویلی پر دوسرے پولیس افسران نے ریڈ کیا تھا اس لئے طارق شاہ کو ابھی تک شہاب کی صورت دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا، لیکن جب پولیس ہیڈ کوارٹر کے ایک مخصوص کمرے میں شملہ اور طارق شاہ کو لے جایا گیا تو وہاں فضل کامل، کرم کامل اور نہالہ موجود تھے...... کچھ لمحے تو شملہ اپنے ماں باپ کو نہ پہچان سکی لیکن ماں باپ کی نگاہیں مختلف ہوتی ہیں۔

فضل کامل کے حلق سے دلدوز چیخ نکلی اور نہالہ بھی چونک کر شملہ کو دیکھنے لگی...... شملہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے ماں باپ کو دیکھ رہی تھی اور پھر اس پر دیوانگی سی طاری ہو گئی...... طارق شاہ بھی وہیں موجود تھا اور یہ عجیب و غریب منظر دیکھ رہا تھا...... کچھ ہی لمحوں میں اسے احساس ہو گیا تھا کہ یہ شملہ کے ماں باپ ہیں اور وہ عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا، پھر یہ جذباتی مناظر دیر تک جاری رہے اور شملہ نے کرم کامل کو دیکھا...... کرم کامل کے الفاظ بڑے دلگداز تھے اس نے کہا۔

"کاش میں ابھی ہاتھ پھیلا کر تمہیں اپنے سینے سے لگا سکتا میری بہن۔"

"یہ...... یہ کیسے ہو گیا...... یہ کیسے ہو گیا۔" شملہ روتے ہوئے بولی...... نجمہ اسے سنبھالے ہوئے تھی اور طارق شاہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے ان سب کو دیکھ رہا تھا...... تب شہاب کمرے میں داخل ہوا اور وہ لوگ اس پولیس آفیسر کو دیکھنے لگے جو وردی میں بہت شاندار نظر آ رہا تھا...... شہاب، طارق شاہ کے قریب پہنچ گیا تو طارق شاہ نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر اس کے پورے بدن کو ایک شدید جھٹکا لگا...... اس نے انتہائی حیران لہجے میں کہا۔

"ڈاکٹر صاحب۔"

"بہت دیر میں پہچانا طارق شاہ۔"

"ڈاکٹر صاحب آپ پولیس کی وردی میں؟"

"ہاں طارق شاہ افسوس بھی ہوتا ہے یہ کہتے ہوئے کہ تمہیں تھوڑا سا دھوکا دینا پڑا...... یعنی یہ کہ میں نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ اصل میں...... میں اور بینا پولیس آفیسر ہیں۔"

"بب...... بب...... بینا...... بینا بھی۔" طارق شاہ نے کہا۔

"ہاں...... ہم کفالت شاہ کے خلاف تحقیقات کر رہے تھے...... میں نہیں جانتا طارق

شاہ کے اس واقعہ سے تمہارے دل میں ہمارے خلاف کیا جذبات پیدا ہوں گے...... تم ناراض بھی ہو سکتے ہو اور تمہاری ناراضگی بجا ہو گی، لیکن کیا کیا جائے پولیس کو کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑتا ہے اپنے معاملات کی تفتیش کے لئے۔"

طارق شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا...... وہ گم صم سا بیٹھا رہا تھا...... کافی دیر تک اس قسم کی کارروائیاں ہوتی رہیں...... شملہ نے بھی بے دھڑک کفالت شاہ کے خلاف مکمل بیان دیا تھا اور بتایا تھا کہ کس طرح اس کے ساتھ یہ صورت حال پیش آئی...... ادھر بینا، کمالے اور اس کی بیوی بھی کفالت شاہ کے خلاف مدعی تھے...... بعد میں ساری تفصیلات عدنان واسطی صاحب کو بتائی گئیں اور وہ برق رفتاری سے کیس کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔

ڈی آئی جی نادر حیات صاحب بھی سنسنی کا شکار تھے اور ان کا یہ خیال درست ہی نکلا...... بڑے بڑے لوگوں کی جانب سے انہیں ٹیلی فون موصول ہوئے اور آخر کار انہیں ایک مخصوص شخصیت نے طلب کر لیا جو بڑی حیثیت کی حامل تھی...... نادر حیات صاحب وہاں پہنچ گئے...... یہ نشست خفیہ رکھی گئی تھی چنانچہ صرف چند افراد وہاں موجود تھے...... بڑی شخصیت نے نادر حیات صاحب سے سوال کیا۔

"مسٹر حیات جرائم تو بہت سے ہوتے ہیں اور بہت بڑے بڑے لوگ ان میں ملوث ہوتے ہیں لیکن کبھی کبھی کچھ ایسی معزز شخصیتوں کو جن کی بہت بڑی اور اہم حیثیت ہوتی ہے، گرفتار کرتے ہوئے ہم لوگوں کو بھی اعتماد میں لینا ہوتا ہے۔"

"میں جانتا ہوں جناب! لیکن غالباً یہ ایسے موقع پر ہوتا ہے جب اس بڑی شخصیت کو گرفتار کرتے وقت کچھ اوہام ہوں اور ثبوت نامکمل ہوں۔"

"آپ جنہیں ثبوت کہتے ہیں ڈی آئی جی صاحب، کیا وہ ناقابل تردید نہیں ہوتے۔"

"جی جناب کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے لیکن کچھ ثبوت ایسے ہوتے ہیں جو ناقابل تردید ہوتے ہیں۔"

"گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ نے مکمل طور پر کفالت شاہ کو جکڑ لیا ہے؟"

"میں نے نہیں...... قانون نے۔"

"نادر حیات صاحب آپ کو خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔" بڑی شخصیت نے کہا اور نادر حیات کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"سر پولیس کی نوکری معمولی چیز نہیں ہوتی...... ہمیں واقعی بڑی بڑی مشکلات سے گزرنا پڑتا ہے اور ہم اس کے لئے تیار رہتے ہیں۔"

"اس سلسلے میں جس قدر بیانات اور جتنی رپورٹیں آپ نے تیار کی ہیں...... وہ آپ مجھے فراہم کر دیجئے...... آپ اس کے پابند ہیں۔"

"جی سر...... مجھے اس سے انکار نہیں ہے۔" نادر حیات نے پرادب لہجے میں کہا۔

"اور سنئے کفالت شاہ کو آپ نے کہاں رکھا ہے؟"

"سر پولیس لاک اپ میں۔"

"آپ ہدایت کر دیجئے کہ کفالت شاہ کو پولیس لاک اپ میں کوئی دقت نہ ہو...... ویسے اس سلسلے میں تفتیش کس نے کی ہے؟"

"سر ظاہر ہے میرے ماتحتوں نے۔"

"ان کے نام بھی مجھے پیش کر دیجئے گا۔"

"لیس سر۔" نادر حیات صاحب نے جواب دیا۔

"جا سکتے ہیں آپ۔"

نادر حیات صاحب سلوٹ کرتے ہوئے واپس چل پڑے تھے لیکن ان کی پیشانی پر شکنوں کے لاتعداد جال پھیلے ہوئے تھے...... صورت حال کی نزاکت کا احساس ہو رہا تھا...... حالانکہ اس بات کا اندازہ پہلے بھی تھا لیکن اتنی جلدی اس کا آغاز ہو جائے گا اس کی امید نہیں تھی...... بہرحال سرفروش زندگی کی بازی لگاتے ہیں اور اس کے بعد فتح یا شکست قدرت کے ہاتھ ہوتی ہے...... اس کہانی میں بھی ایک سنگین صورت حال کا سامنا پیدا ہو گیا تھا اور اس کا فیصلہ تو حالات ہی کر سکتے تھے کہ نتیجہ کیا نکلے گا۔

نادر حیات صاحب نے فوراً ہی شہاب کو اپنی رہائش گاہ پر طلب کر لیا تھا۔ ٹیلی فون پر انہوں نے شہاب سے کہا تھا۔

"شہاب...... فوراً میرے پاس آ جاؤ۔ میں کوٹھی پر تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"

"خیریت جناب، آپ کے لہجے سے بڑی تشویش کا اظہار ہو رہا ہے۔" شہاب نے کہا۔

"ہاں...... میں سخت تشویش زدہ ہوں اور تمہاری فوری ضرورت محسوس کر رہا ہوں...... اس کے علاوہ شہاب جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے غور سے سنو، میری ہدایت ہے کہ

میری باتوں کو نظرانداز کرنے کی کوشش نہ کرنا۔"

"جی فرمائیے؟"

"اپنے اہل خانہ کو اپنے گھر سے کہیں اور منتقل کر دو...... براہ کرم اس میں تساہل نہ ہونے پائے...... میری اس بات کو میرا حکم سمجھنا۔"

"سر یہ تو میرے لئے ممکن نہیں ہے، اگر آپ ان کے تحفظ کے خیال سے یہ بات کہہ رہے ہیں تو آپ کی ہدایت کے مطابق میں ان کے تحفظ کا بندوبست کئے دیتا ہوں۔"

"جو کچھ بھی ہو بہرحال ان کا تحفظ کرنے کے لئے کوئی کسر نہ اٹھانا۔"

"بہت بہتر...... آپ مطمئن رہیئے گا۔" شہاب نے کہا۔

"ڈی آئی جی سے فون پر سلسلہ منقطع ہونے کے بعد اس نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا اور اس کے بعد شہنشاہ کی حیثیت سے ڈبل او گینگ کو ٹیلی فون کیا جو فوراً ہی موصول ہو گیا۔

"کون ہے؟"

"توصیف۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"توصیف اپنی پوری ٹیم کو لے کر بہترین ہتھیاروں کے ساتھ انسپکٹر شہاب کی رہائش گاہ کے اردگرد پھیل جاؤ اور وہاں موجود ہر شخص کی حفاظت کرو...... انسپکٹر شہاب کے اہل خاندان سخت خطرے میں ہیں، اگر کوئی مشکوک صورت حال پاؤ تو ضرورت کے مطابق سخت سے سخت اقدامات کر سکتے ہو۔"

"بہت بہتر جناب۔" دوسری طرف سے توصیف کی آواز آئی اور شہاب نے مطمئن ہو کر فون بند کر دیا۔

ڈبل او گینگ کے تربیت یافتہ افراد پر اسے مکمل اعتماد تھا، لیکن اس کام سے فارغ ہونے کے بعد اس کے ہونٹوں پر تشویش کی لہریں پھیل گئی تھیں...... نادر حیات صاحب کا لہجہ بتاتا تھا کہ بات سنگین نوعیت کی ہے۔ اب وہ اتنا احمق بھی نہیں تھا کہ گھر سے نکلتا اور سیدھا نادر حیات کی کوٹھی پر پہنچ جاتا...... سادا لباس کے ساتھ ساتھ اس نے چہرے کی تھوڑی سی مرمت بھی کر ڈالی تھی اور پھر وہ چل پڑا تھا لیکن راستے میں اسے ایک اور خیال آیا جس طرح اس کی اپنی زندگی خطرے میں تھی یا بقول نادر حیات صاحب کے اس کے اہل خاندان کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو سکتا تھا، اسی طرح بینا اور عدنان واسطی کا خاندان بھی متاثر ہو سکتا تھا،

چنانچہ اس نے نادر حیات صاحب کی رہائش گاہ پر جانے سے پہلے بینا کے آفس کی جانب رُخ کیا...... بینا وہاں موجود تھی...... شہاب کو دیکھ کر مسکرائی اور سامنے رکھے ہوئے فائل ایک سمت سرکا دیئے۔

"تشریف لائیے جناب۔"

"بالکل نہیں، واسطی صاحب کہاں ہیں بینا؟"

"ڈیڈی کورٹ میں ہیں کیوں؟"

"تم فوراً ان کے پاس چلی جاؤ، اپنی والدہ اور واسطی صاحب کو لے کر کریم بلاک سوسائٹی کی کوٹھی پہنچنا ہے تمہیں۔"

"والدہ کو بھی لے کر۔" بینا حیرت سے بولی۔

"کبھی کبھی بینا احکامات ماننے ہی کی گنجائش ہوتی ہے...... یہ میرا حکم ہے اور مجھے یقین ہے کہ تم اس میں دیر نہیں لگاؤ گی۔"

"آپ بیٹھیۓ تو سہی...... آپ کا حکم سر آنکھوں پر لیکن۔"

"اس وقت بیٹھ نہیں سکتا...... یوں سمجھ لو کہ وقت نکال کر تمہارے پاس آیا ہوں ٹھیک ہے، میں کچھ دیر بعد تم سے ٹرانسمیٹر پر رابطہ کروں گا اور تم مجھے بتاؤ گی کہ تمام کام چھوڑ کر تم کریم سوسائٹی میں منتقل ہو چکے ہو۔"

"ٹھیک ہے۔" بینا نے جواب دیا۔

"خدا حافظ۔" شہاب بولا اور پھر وہ وہاں سے نکل آیا...... پھر نادر حیات کی کوٹھی پر پہنچنے کے لئے اس نے خاصے لمبے راستے اختیار کئے تھے اور آخر کار کوٹھی میں داخل ہو گیا تھا۔

نادر حیات بے چینی سے اس کا انتظار کر رہے تھے...... شہاب سے اب کافی مانوس ہو گئے تھے اور اس کے ساتھ بہت محبت بھرا سلوک کرتے تھے...... انہوں نے شہاب کا استقبال کیا اور پھر اسے اپنے کمرہ نشست میں لے کر آ گئے۔

"بڑے دلچسپ معاملات ہوتے ہیں ہماری ذمہ داریوں سے متعلق اور جو لوگ دیانت داری سے اپنے فرائض انجام دینا چاہتے ہیں زیادہ ہی مشکلات کا شکار رہتے ہیں۔"

"اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے جناب تو یقینی طور پر یہ کفالت شاہ کا معاملہ ہے۔"

"ہاں، بالکل...... اصل میں اس قسم کے لوگوں کے تعلقات بہت وسیع ہوتے ہیں۔

کبھی کبھی ان کے سرپرست یا ان سے مروت برتنے والے حقیقتوں کو نظر انداز کر کے گفتگو کرتے ہیں...... میں کسی کا نام نہیں لینا چاہتا...... یوں سمجھ لو کہ ایک بہت بڑی شخصیت نے مجھے طلب کر کے کفالت شاہ کے متعلق تمام رپورٹیں مانگی ہیں اور جہاں تک میرا اندازہ ہے بہت جلد کفالت شاہ کو کوئی بہتر سہولت حاصل ہو جائے گی۔"

شہاب کے جبڑے بھینچ گئے اور مسلز ابھر آئے...... اس نے کہا۔ "نہیں جناب ایسی کوئی بات نہیں ہے وہ مجرم ہے...... اس کے جرائم کے لاتعداد ثبوت مل گئے ہیں، چنانچہ یہ ممکن نہیں ہو گا کہ اسے بچایا جا سکے۔"

"ہم آخری حد تک یہی کوشش کریں گے۔"

"آخری حد نہیں ہوتی جناب...... جب کام کرنا ہوتا ہے تو وسعتیں بڑھالی جاتی ہیں۔"

شہاب نے کہا اور ڈی آئی جی نادر حیات صاحب اسے دیکھنے لگے پھر بولے۔

"بہرحال میں تمہارے ساتھ ہوں، جذباتی نہ ہونا...... دیکھتے ہیں اس سلسلے میں بات کہاں تک پہنچتی ہے...... میں تمہیں صرف اس حقیقت سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ ایک ایک لمحہ ہوشیاری کے ساتھ گزارو...... صورت حال خاصی سنگین ہو سکتی ہے...... میں نے ذاتی طور پر یہ ہدایت کرنا مناسب سمجھا اور اس کے علاوہ میں نے جو کچھ کہا تھا۔"

"جی اس کی تکمیل ہو گئی ہے۔"

"بہتر، تو پھر اس سلسلے میں کوئی خاص عمل؟"

"قانون کے خلاف کچھ نہیں ہو گا۔"

"یہی میں چاہتا ہوں کیونکہ شاید تھوڑا تمہاری فطرت سے آگاہ ہوتا جا رہا ہوں۔"

"نہیں جناب مجھے خود بھی اپنی اور آپ کی عزت کا خیال رہتا ہے۔" پھر کافی دیر تک کفالت شاہ کے بارے میں باتیں کرتے رہے...... شہاب نے نادر حیات صاحب کو یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کے ذہن میں کوئی خاص منصوبہ ہے یا نہیں بس سطحی گفتگو کرتا رہا تھا اور اس کے بعد وہاں سے واپس چل پڑا تھا، لیکن اب اسے اندازہ تھا کہ اسے اب کیا کرنا ہے، چنانچہ اس نے اس سلسلے میں کارروائیاں شروع کر دیں اور ظاہر ہے شہاب کے اقدامات معمولی نہیں ہو سکتے تھے...... اس نے بہت سے پہلو محفوظ کر لئے تھے...... ظاہر ہے جن لوگوں کی ضرورت اس وقت پیش آ سکتی تھی اس وقت انہیں استعمال کرنا ضروری ہوتا ہے چنانچہ طاہر

سجان اور اختر...... جیسی شخصیتوں کی موجودگی میں اس قسم کے کام با آسانی کیئے جاسکتے تھے، جب وہ اخبار کے دفتر میں داخل ہوا تو اتفاق کی بات تھی کہ طاہر سجان اور اختر دونوں ہی موجود تھے...... شہاب ان کے لئے جو حیثیت رکھتا تھا انہوں نے زندگی میں ایک لمحہ بھی اسے نظر انداز نہیں کیا تھا...... وہ جو کچھ تھا وہ بخوبی جانتے تھے...... یہ الگ بات ہے کہ شہاب نے انہیں ان کے کام میں آزاد چھوڑ دیا تھا اور خود اپنے کاموں میں مصروف رہتا تھا، لیکن شہاب کے پہنچنے پر وہ دونوں وارفتہ ہوگئے، اس کا پرتپاک استقبال کیا...... شہاب نے ان سے معانقہ کرنے کے بعد بیٹھتے ہوئے کہا۔

"شاید تم لوگوں نے سوچا ہو کہ کام ختم ہو گیا اور میں نے تمہاری جان چھوڑ دی۔"

"ہاں...... ہم نے بہت دُکھ کے ساتھ یہی سوچا ہے۔"

"دُکھ کے ساتھ؟"

"ظاہر ہے۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ ہم چاہتے تھے کہ شہاب صاحب کی دوستی اور قربت ہمیں ہر لمحہ حاصل رہے۔"

"میں ایسے بھلا کیسے کر سکتا تھا۔"

"نہیں...... یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے بس ایک خواہش اور آرزو ہے۔"

"آپ لوگ اپنا کام بخوبی سرانجام دے رہے ہیں مجھے آپ سے اگر کوئی لالچ ہوتا ہے تو میں فوراً آپ کے پاس پہنچ جاتا ہوں۔"

"لفظ لالچ استعمال کریں گے آپ؟"

"ہاں کیا حرج ہے؟"

"ظاہر ہے آپ کو روک نہیں سکتے۔"

"اچھا اب کہانی ایک اور سنو جو میں تمہارے لئے لایا ہوں۔"

"ٹھیک۔" اختر عادل نے کہا۔

معمول کے مطابق اس نے ایک ٹیپ ریکارڈر لا کر سامنے رکھ دیا اور پھر اسے آن کرتے ہوئے بولا۔

"کوئی حرج تو نہیں ہے اس میں؟"

"کرنے کے بعد پوچھ رہے ہو؟"

"نہیں ابھی ایک بٹن دبانے کی دیر ہے سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"نہیں بٹن دباؤ۔" شہاب نے کہا۔

"گڈ، تو کوئی خاص رپورٹ ہے؟"

"ہاں۔"

"کیا ہے؟"

"شاہ گڑھی نامی ایک علاقہ ہے۔"

"اور کفالت شاہ وہاں کا سربراہ تصور کیا جاتا ہے۔" اختر عادل نے کہا اور شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں جانتا ہوں کہ تمہیں قرب وجوار سے اتنا ہی واقف ہونا چاہئے۔"

"اور کفالت شاہ کی رپورٹ اچھی نہیں ہے۔ وہاں کے لوگ اس سے خوف زدہ رہتے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک ہے...... اب آگے بھی تم ہی بتا دو۔"

"نہیں پلیز اس سے آگے مجھے نہیں معلوم...... اصل میں ہمیں اس کے بارے میں کوئی مواد نہیں ملا۔"

"وہی مواد میں تمہیں مہیا کرنے جا رہا ہوں...... اب تم اس قسم کے مضمون بناؤ جس کی میں تمہیں ہدایت دوں...... فوری طور پر تمہارے اخبار کی وساطت سے یہ فریادیں صدر اور وزیراعظم کو پہنچ جانی چاہئیں...... پہلا مسئلہ تین افراد سے تعلق رکھتا ہے بلکہ چار افراد کہہ سکتے ہو تم لیکن چوتھے کو اس میں شامل نہ کرو ابھی اس کی شخصیت واضح نہیں ہو پائی ہے...... پہلے شخص کا نام ہے فضل کامل، اس کا بیٹا ہے کرم کامل اور اس کی بیوی نہالہ جسے کفالت شاہ نے اپنی نجی حویلی میں محبوس کر رکھا ہے...... ان تینوں کو اس نے تیرہ چودہ سال سے قید میں ڈال رکھا تھا، ایک بار کرم کامل نے اس قید خانے سے فرار ہونے کی کوشش کی تھی تو سرنگ بنانے کے الزام میں کفالت شاہ نے اس کے دونوں ہاتھ کٹوا دیئے...... وہ ایک نوجوان لڑکا ہے لیکن اپنے دونوں ہاتھوں سے محروم۔" شہاب اختر عادل کو نہالہ، فضل کامل اور کرم کامل

کے بارے میں پوری تفصیل سنانے لگا جو ریکارڈ ہو رہی تھی اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں نے پیڈ اٹھا کر سامنے رکھ لئے تھے اور شارٹ ہینڈ میں یہ داستان درج کرتے جا رہے تھے، تقریباً تمام داستان سنانے کے بعد شہاب نے کہا۔

"اور یہ فریاد صدر مملکت اور وزیر اعظم کے پاس درخواستوں کی شکل میں بھیجی جائے اور ان لوگوں کی جانب سے کہا جائے کہ ان کے ساتھ انصاف کیا جائے، اس کے علاوہ طاہر تم میرے ساتھ چلو گے میں تمہیں ان لوگوں کی تصاویر مہیا کروں گا، میرا مطلب ہے تم براہ راست ان لوگوں کی تصاویر کھینچ سکو گے اور چاہو تو ان سے سوالات کر سکتے ہو لیکن تمہیں یہ ظاہر نہیں کرنا کہ ان تینوں کو میں نے کہاں رکھا ہے۔"

"ٹھیک۔"

"نمبر ایک یہ ہوا، اب نمبر دو، کچھ اور نام درج کرو...... اس میں ایک نام کمالے، دوسری اس کی بیوی اور تیسری اس کی بیٹی مینا، ان لوگوں کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا ہے وہ بے حد دردناک ہے...... مینا عدالت میں گواہی دے گی کہ جو کچھ ہوا ہے وہ کیا ہے؟ کمالے اور اس کی بیوی کی تصاویر بھی تمہیں مینا کے ساتھ حاصل ہو جائیں گی۔ ان کی تفصیل نوٹ کرو۔"

اور اس کے بعد شہاب نے مینا کے ساتھ پیش آنے والے والی تفصیل اسے بتائی۔

ان کے چہرے جوش اور سنسنی کا شکار تھے...... ظاہر ہے شہاب جیسی معتبر شخصیت انہیں بریف کر رہی تھی تو اس میں شک کی کوئی گنجائش نہ تھی، گواہ کے طور پر کئی نام سامنے لائے گئے...... ڈاکٹر کھوسہ، ناصرہ، حمیدہ، پھر کچھ اور تفصیلات ان لوگوں کو بتانے کے بعد شہاب نے کہا۔

"اور اب تمہاری ڈیوٹی ہے کہ شاہ گڑھی جاؤ...... کفالت شاہ گرفتار ہو چکا ہے، وہاں اس کی بیوی شملہ اور بیٹا طارق شاہ ہیں...... شملہ فضل کامل کی بیٹی ہے...... ہو سکتا ہے وہ شوہر کے خلاف گواہی دینے پر تیار نہ ہو یا ہو سکتا ہے اس قابل نہ ہو کہ وہ گواہی نہ دے سکے...... طارق شاہ کو بھی اس معاملے میں براہ راست نہیں گھسیٹیں گے...... عدالت میں جب مقدمہ چلے گا تو طارق شاہ بھی کسی نہ کسی صورت سامنے آئے گا ہی البتہ بستی کے لوگوں سے اس بارے میں ایک سروے کر سکتے ہو، میرا مطلب یہ ہے کہ آج کا اخبار جو کل شائع ہو گا ان تمام تفصیلات سے پر ہونا چاہئے...... گو یہ اخباری پالیسی کے خلاف ہے لیکن باقی خبروں کو پیچھے

لے آؤ اور اس تفصیل کو تصاویر کے ساتھ اس طرح فلش کرو کہ پھر اسے کراس کرنے کی نوبت نہ آسکے، اس کے علاوہ میں یہ نہیں چاہتا نہ صرف تمہارا ہی اخبار اس سلسلے میں ملوث ہو بلکہ اپنے ان اخباری دوستوں اور صحافیوں کو جن سے تمہارا گہرا تعلق ہے ان تفصیلات سے آگاہ کر دو اور جس قدر مواد انہیں مہیا کر سکتے ہو کر دو تاکہ دوسرے اخبارات بھی اس تفصیل کو چھاپیں...... سمجھ رہے ہو نا میری بات؟"

طاہر سبحان نے مسکرا کر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"آپ بالکل مطمئن رہیں شہاب صاحب، جو باتیں آپ نے ہمیں بتادی ہیں ہم انہیں سمجھ چکے ہیں اور اب آپ بالکل اطمینان رکھیں ہاں تصاویر وغیرہ مہیا کرتے کے سلسلے میں آپ ہماری مدد کریں۔"

"تو پھر اٹھو میرے ساتھ۔" شہاب نے کہا۔

اور وہ دونوں تیار ہو گئے...... دو تجربہ کار صحافی یہ جانتے تھے کہ انہیں کس انداز میں اپنا کام کرنا ہے، چنانچہ وہ مصروف عمل ہو گئے...... شہاب نے انہیں تمام تفصیلات مہیا کر دی تھیں اور پھر دوسرے دن کے اخبارات خود ڈی آئی جی نادر حیات صاحب کے لئے ناقابل یقین تھے...... وہ تصاویر بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ اخبارات میں شائع ہوئی تھیں اور وہ اپیلیں بھی جو صاحب دل حضرات سے کی گئی تھیں...... اتنا واویلا مچایا تھا ان اخبارات نے کہ پورے ملک کی مشینری حرکت میں آ گئی...... چاروں طرف ٹیلی فون کھڑکھڑانے لگے اور اس سلسلے میں خود وزیر اعظم اور صدر مملکت نے متعلقہ محکموں سے تفصیلات طلب کر لیں...... ڈی آئی جی نادر حیات صاحب خود بھی ششدر رہ گئے تھے...... شہاب یہ چال چلے گا ان کے تصور میں بھی نہیں تھا، لیکن انہیں یہ احساس ہو رہا تھا کہ اس کے بعد کفالت شاہ کے خلیفوں کے لئے کچھ کرنا ممکن نہیں رہے گا اور تقریباً دس بارہ دن کی کاوشوں کا نتیجہ سامنے نکل آیا، خود صدر مملکت صاحب کی طرف سے کفالت شاہ کے خلاف تحقیقات مکمل کر کے اسے قرار واقعی سزا دینے کا حکم دیا گیا تھا...... بڑے بڑے افسران اور سیاست دانوں نے اس سلسلے میں اپنے اپنے بیانات دیئے تھے اور نادر حیات صاحب آسودہ ہو گئے تھے...... شہاب سے اس دوران رابطہ نہیں ہوا تھا لیکن نادر حیات صاحب نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ شہاب جیسی شخصیت کو کسی بھی جگہ شکست دینا ممکن نہیں ہو گا، وہ بے حد مطمئن اور مسرور تھے نتیجہ خاطر

خواہ ہی نکلنا تھا...... اب کفالت شاہ کی طرف داری کرنے والا کوئی بھی نہیں تھا اور ڈی آئی جی نادر حیات صاحب کو اس سلسلے میں اس شخصیت نے بھی طلب نہیں کیا تھا جس نے انہیں ہدایات جاری کی تھیں...... پھر جب پہلی بار مقدمہ عدالت میں پیش ہوا تو بڑی عجیب اور دلچسپ صورت حال سامنے آئی۔

شاہ گڑھی کے تقریباً تین سو افراد احاطہ عدالت میں پہنچ گئے وہ شور مچا رہے تھے کہ وہ کفالت شاہ کے خلاف گواہی دینے کے لئے آئے ہیں...... عدالت سے باہر وہ نعرے لگا رہے تھے اور کفالت شاہ کے کالے کرتوت چیخ چیخ کر بیان کر رہے تھے...... سارے شہر کا پریس وہاں موجود تھا اور ان لوگوں کی دھڑا دھڑ تصاویر لی جا رہی تھیں...... شہاب بھی وہاں موجود تھا لیکن ڈاکٹر کھوسہ کو ان لوگوں کے درمیان دیکھ کر وہ حیران رہ گیا، پھر تفریح طبع کی خاطر وہ ڈاکٹر کھوسہ کے پاس پہنچا...... ڈاکٹر کھوسہ نے اسے دیکھا اور دوڑ کر اس سے لپٹ گیا۔

"ارے واہ ڈاکٹر صاحب، آپ تو سچ مچ کے ڈاکٹر نکلے۔"

"عدالت میں آپ کے خلاف گواہی دینے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔" شہاب نے کہا اور ڈاکٹر کھوسہ کا چہرہ اتر گیا۔

"مم...... میرے خلاف۔"

"جی ہاں...... آپ کی ڈسپنسری کے خلاف جس میں کبھی کوئی مریض نہیں ہوتا۔"

"ارے بابا مریض کہاں سے لاتا، آپ کو تو پتا ہی ہے ڈاکٹر صاحب بلکہ افسر صاحب کہ سارے مریضوں کا علاج تو کفالت شاہ کر دیا کرتا تھا۔"

"ویسے آپ کا بھی سرپرست تھا وہ۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو ڈاکٹر صاحب بلکہ افسر صاحب، ہمارے ساتھ...... کیا تھا وہ...... آپ نے خود دیکھا ہے اتنا عرصہ ہمارے ساتھ رہ کر بس وہی والی بات ہے کہ اس گاؤں میں رہنا تھا اور ہاں جی...... ہاں جی...... کہنا تھا اگر نہ کہتے تو ہمارا جو حال ہوتا آپ کو خود معلوم ہے...... ویسے ڈاکٹر صاحب ایک تکلیف ہو گئی ہمیں۔"

"خیریت، خیریت آپ کو کیا تکلیف ہو گئی۔"

"دراصل ہماری جیپ بالکل نہیں چل رہی...... آپ سے کم از کم یہ فائدہ تو تھا کہ ادھار آپ سے جیپ مل جایا کرتی تھی۔" شہاب نے قہقہہ لگایا...... دوبارہ ڈاکٹر کھوسہ نے کہا۔

"ویسے افسر صاحب، اللہ کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے...... یہ ہونا تھا لیکن آپ نے کمال کیا...... بڑی بات تھی آفیسر صاحب بڑی بات تھی...... دنیا تو یہ کہتی تھی کہ یہ شیطان کا دوسرا روپ ہے اور شیطان ازل سے ابد تک رہے گا، اسی طرح یہ کم بخت اپنی عمر کی آخری منزل تک درندہ رہے گا اور اپنے گھناؤنے کام بھی کرتا رہا کرے گا۔"

"آپ نے خود ہی یہ الفاظ کہہ دیئے کہ اللہ کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔ بس بات ختم ہو گئی۔"

"ہاں بالکل ٹھیک...... ویسے کیا واقعی ہمارے خلاف عدالت میں کوئی بیان لیا جائے گا۔"

"نہیں خیر وہ تو میں مذاق کر رہا تھا...... آپ بہت اچھے انسان ہیں ڈاکٹر کھوسہ، اگر عدالت میں اس ڈسپنسری سے متعلق کوئی بات آئی تو اس کی گواہی میں دوں گا۔"

"شکریہ ڈاکٹر صاحب میرا مطلب ہے آفیسر صاحب۔"

ڈاکٹر کھوسہ اپنے مخصوص لہجے میں بولا۔

کمرہ عدالت میں کفالت شاہ کی پیشی تھی اور وہ کٹہرے میں کھڑا ہوا تھا...... کیفیت میں اب بھی کوئی فرق نہیں تھا...... سینہ تانے بلند و بالا قد و قامت کا مالک، دیکھنے والوں پر اس کی شخصیت کی ہیبت طاری ہوتی تھی...... شہاب جب کمرے میں داخل ہوا تو کئی بار نگاہیں اٹھا کر کفالت شاہ نے اسے دیکھا تھا...... ویسے شہاب کی نگاہیں شملہ اور طارق شاہ کو تلاش کر رہی تھیں، لیکن دونوں موجود نہ تھے اور یہ بڑے تعجب کی بات تھی اس کا مطلب ہے کہ انہوں نے کمرہ عدالت میں آنا پسند نہیں کیا لیکن بہرحال جب مقدمہ چلے گا تو ان کی طلبی لازم ہو گی...... پہلی پیشی میں فرد جرم پڑھ کر سنائی گئی اور عدالت نے سماعت شروع کر دی...... چند گواہان گزارے گئے اور اس کے بعد پیشی پڑ گئی، لیکن شہاب اب دوسرے راستوں سے بھی ہوشیار رہنا چاہتا تھا...... چنانچہ اس نے ڈی آئی جی نادر حیات صاحب سے درخواست کی کہ "اب جبکہ کفالت شاہ کے حلیف قانونی طور پر اسے تحفظ دینے میں ناکام رہے ہیں تو دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اسے اغوا یا فرار کرانے کی کوشش کی جائے، چنانچہ اس سلسلے میں ڈی آئی جی نادر حیات صاحب اپنے فرائض سرانجام دیں۔" نادر حیات صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے شہاب تم مطمئن رہو...... میں اس وقت تک اس کی بذات خود حفاظت کروں

گا، جب تک اس کے مقدمہ کا فیصلہ نہ سنا دیا جائے...... یہ ذمہ داری میں پوری کروں گا۔"

"شکریہ جناب۔"

بہر حال معاملات تقریباً ہموار ہو گئے تھے اور اب اس بات کے امکانات نہیں رہے تھے کہ کفالت شاہ کی گردن بچ سکے، چنانچہ شہاب بھی تقریباً مطمئن ہو گیا تھا اور معمولات پھر اسی طرح جاری ہو گئے تھے، لیکن اس شام بینا واسطی نے شہاب کو کئی جگہوں پر تلاش کرنے کے بعد ٹریس آؤٹ کر لیا اور جب وہ ملا تو وہ کہنے لگی۔ "کم از کم اس بات سے تو آگاہ کر دیا کریں کہ اس وقت کہاں ہوں گے؟"

"اوہو، اوہو، یہ شاید آپ کے حقوق کی پہلی ڈانٹ ہے۔" شہاب نے کہا۔

"جی نہیں نہ کوئی حقوق ہیں نہ ڈانٹ ہے: بلکہ ہم لوگ...... ہم لوگ جس پیشے سے متعلق ہیں اس میں ایک دوسرے کے بارے میں اتنی معلومات ہونی چاہئے۔"

"کیا بات ہے کچھ ناراض ہو؟"

"نہیں، شاید آپ کو یقین نہ آئے شہاب کہ میں نہ جانے کہاں کہاں آپ کو تلاش کر چکی ہوں۔"

"کمال ہے...... حالانکہ یہ فرض میرا بنتا ہے۔"

"جی نہیں...... میں ہمیشہ آپ کو اپنی موجودگی سے آگاہ رکھتی ہوں۔"

"واقعی واقعی لطف آ رہا ہے...... کیا بعد میں بھی اسی طرح ڈانٹ ڈپٹ سننی پڑے گی۔"

"بعد میں۔" بینا نے عجیب سے لہجے میں کہا اور شہاب ایک لمحے کے لئے ساکت رہ گیا، اسے اس طرح محسوس ہوا جیسے ان الفاظ میں شکایت ہو لیکن بینا نے بھی اپنے انداز کو محسوس کر لیا تھا، چنانچہ وہ جلدی سے بولی۔

"اور اب آپ کتنی دیر میں گھر پہنچ رہے ہیں، یہ بتائیے؟"

"کیوں، خیریت؟" شہاب نے چونک کر پوچھا۔

کفالت شاہ کے مسئلے کے ہموار ہونے کے بعد اس نے بینا واسطی وغیرہ کو اپنے گھر واپس آ جانے کی اجازت دے دی تھی اور وہ مطمئن تھے لیکن اس وقت بینا کی یہ طلبی کچھ عجیب سی محسوس ہوئی تھی۔

"جی ہاں، بالکل خیریت ہے...... آپ بس گھر آ جائیے۔"

"آخر کچھ بتاؤ تو سہی، کیوں منے کو بخار ہو گیا ہے۔"

شہاب نے کہا اور بینا نے ہنستے ہوئے فون بند کر دیا...... شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی...... بہر حال بینا کے لہجے سے اندازہ ہوتا تھا کہ کوئی ایسی تشویش کی بات نہیں ہے...... ہو سکتا ہے کہ خود اس کے ذہن میں کوئی شرارت کلبلائی ہو...... بینا بہر طور اب شرارتیں بھی کرنے لگی تھی، چنانچہ شہاب نے اپنی مصروفیات ترک کیں اور اس کے بعد وہ چل پڑا، تھوڑی دیر کے بعد وہ عدنان واسطی کی رہائش گاہ پر پہنچ گیا تھا...... کوئی ایسی خاص بات محسوس نہیں ہوئی تھی، لیکن جب وہ اندر داخل ہوا تو اس نے محسوس کیا کہ کچھ مہمان بھی آئے ہوئے ہیں اور پھر جب بینا اسے اس کمرے میں لے گئی جسے ڈرائنگ روم کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا تو وہاں دو افراد کو دیکھ کر شہاب ششدر رہ گیا تھا وہ شملہ اور طارق شاہ تھے۔

طارق شاہ کا چہرہ ستا ہوا تھا اور وہ کچھ بیمار بیمار سا نظر آ رہا تھا...... بہت مضمحل، نڈھال لیکن ان لوگوں کا یہاں پہنچ جانا شہاب کے لئے بہت حیران کن تھا...... تاہم وہ بڑے تپاک سے طارق شاہ سے ملا...... طارق شاہ نے بھی اس سے محبت کا اظہار کیا تھا۔

"اگر تم مجھ سے کوئی شکایت کرنا چاہتے ہو طارق شاہ تو اپنی شکایت سے پہلے میری بات سن لو اور اس کے بعد خود فیصلہ کر لینا۔"

"نہیں میں آپ سے کوئی شکایت نہیں کرنا چاہتا بلکہ شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔" طارق شاہ نے کہا۔

"میں صرف اس لئے تمہارے پاس نہیں پہنچا طارق شاہ کہ کہیں تم اپنی معصومیت میں میری آمد کو کوئی غلط رنگ نہ دے دو۔" طارق شاہ نے اسے نگاہیں اٹھا کر دیکھا اور بولا۔

"بس اس سلسلے میں ایک ہی بات عرض کر سکتا ہوں۔"

"کیا؟"

"میں شاید بہت ہی برے انسان کا بیٹا ہونے کے ناطے اس قابل نہیں ہوں کہ میری سچائیوں پر یقین کیا جا سکے۔"

شہاب عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا اس نے کچھ لمحے خاموشی اختیار کرنے کے بعد کہا۔

"طارق شاہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا کہ اگر تمہاری شخصیت میں کوئی کمی ہے یا تم اسے محسوس کرتے ہو تو میں آرزو کرتا ہوں کہ تم خلوص دل سے مجھے اپنا بڑا بھائی سمجھو تاکہ میں بھی تمہاری شخصیت میں داخل ہو جاؤں، جہاں تک تمہاری ذات کا تعلق ہے طارق شاہ، شاید تم اس بات پر یقین نہ کر سکو کہ میں نے تمہیں بالکل مختلف انداز میں دیکھا ہے اور تم اس قدر اپنے اپنے مجھے لگتے ہو کہ میرے الفاظ خود مجھے جھوٹ محسوس ہوں۔" طارق شاہ کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لئے نمی آئی تھی، لیکن وہ ان آنسوؤں کو پی گیا، اس نے کہا۔

"تو پھر آپ نے میری خبر کیوں نہیں لی؟"

"صرف اس احساس کے تحت کہ کہیں تم یہ محسوس نہ کرو کہ میں تمہیں شرمندہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"نہیں...... قصور میرا نہیں تھا...... میں اپنے باپ کی کسی کاوش میں شریک نہیں تھا...... وہ اپنے قول و فعل کے خود ذمہ دار تھے...... انہوں نے جو کچھ کیا میرے علم سے باہر تھا...... یہ میری ماں ہیں...... لیکن اب میں انہیں ماں نہیں آنٹی کہتا ہوں...... ان کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ آپ بھی جانتے ہیں اور میں بھی جانتا ہوں...... اصل میں بڑے بھائی کی حیثیت سے میں آپ سے مشورہ چاہتا ہوں کہ مجھے اب کیا کرنا چاہئے؟ جہاں تک میرے باپ کا سوال ہے تو خدا نے اسے اپنی بارگاہ میں طلب کر لیا ہے۔ وہ رسی تنگ ہو گئی ہے جو اپنی حد تک دراز تھی، چنانچہ میں برائی سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا...... شاید میری تقدیر میں نافرمان بیٹا لکھا ہوا بھی تھا، لیکن بہر حال میں ایک ایسے شخص کی فرمانبرداری نہیں کر سکتا جس کے وجود سے لاکھوں سسکیاں اور آہیں چمٹی ہوئی ہوں۔"

شہاب متاثر نگاہوں سے طارق شاہ کو دیکھ رہا تھا...... اس نے کہا۔

"اور طارق شاہ اب جبکہ تم نے مجھے اتنا بڑا اعزاز دے دیا ہے کہ تم مجھے اپنا بڑا بھائی کہہ سکتے ہو تو پھر مجھ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ میں اپنی بساط بھر تمہاری رہنمائی کروں۔"

"میں اس کا خواہش مند ہوں جناب۔" اس نے کہا۔

"تو پھر طارق شاہ تمہارے شانوں پر ایک ذمہ داری آ پڑی ہے اور تم پوری دیانت کے ساتھ اس ذمہ داری کو پورا کرو۔"

"کیا؟ مجھے بتائیے جناب؟"

"زخموں سے چور چور بستی کا علاج کرو...... یہی تمہاری ذمہ داری ہے...... تمہیں ہر اس شخص کی شکایت دور کر دینی چاہئے جو کفالت شاہ سے نقصان اٹھا چکا ہے...... اس کے سوا تم کچھ اور نہیں کر سکتے، جہاں تک کفالت کا تعلق ہے تو معاف کرنا طارق شاہ انہوں نے اتنے سنگین جرم کئے ہیں کہ ان کی زندگی ممکن نہیں ہے...... بات میری حد تک نہیں یا کسی اور کی حد تک نہیں ہے...... جتنے افراد کے وہ مجرم ہیں چاہے وہ زندہ ہوں یا مردہ وہ انصاف چاہتے ہیں اور مجھے معاف کرنا طارق شاہ، کسی بھی بنیاد پر میں مجرموں کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کر سکتا۔"

طارق شاہ کو کافی دیر سمجھانے کے بعد شہاب مطمئن ہو گیا، کیونکہ طارق شاہ کے چہرے پر اطمینان نظر آ رہا تھا...... بہر حال ان لوگوں کو خاطر مدارات کے ساتھ رخصت کیا گیا، پھر عدنان واسطی، بینا واسطی اور شہاب بہت دیر تک بیٹھے گفتگو کرتے رہے تھے۔

کفالت شاہ کا مقدمہ مضبوط بنیادوں پر چل رہا تھا اور حالات بتا رہے تھے کہ اب اسے بچانے والا کوئی بھی نہیں ہے...... مجرم کو جرم کی سزا ملنی ہی ہے...... لاتعداد گواہیاں تھیں...... بیانات تھے...... وہ لوگ تھے جنہیں نقصان پہنچ چکا تھا...... چنانچہ اب قانون اتنا بھی بے رحم نہیں ہو سکتا تھا کہ مجرم کو سزا دینے میں گریز کرے...... بہر حال یہ معاملہ قانون کے حوالے تھا اور فیصلہ غیر متوقع نہیں تھا...... کافی دن اسی طرح گزر گئے...... پھر ایک دن انہیں طارق شاہ کا پیغام ملا...... اس نے بینا واسطی، عدنان واسطی اور شہاب کو شاہ گڑھی میں دعوت دی تھی۔

"جانا پڑے گا اور جانا بھی چاہئے۔" شہاب نے بینا سے کہا۔

"ہاں کیا حرج ہے؟"

بہر حال جب یہ لوگ شاہ گڑھی پہنچے تو شہاب نے مسکراتے ہوئے اپنی گاڑی کا رخ ڈسپنسری کی طرف کر دیا...... ڈاکٹر کھوسہ اس میں موجود تھا...... ڈسپنسری کی صورت ہی بدل گئی تھی...... اندر داخل ہوئے یہ لوگ تو ڈاکٹر کھوسہ جیپ کو پہچان گیا اور دوڑتا ہوا قریب آ گیا...... اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس جیپ کو بار بار میرے سامنے لا کر میری رال نہ ٹپکایا کریں جناب شہاب صاحب...... حالانکہ اب میری بھی جیپ ٹھیک ہو گئی ہے انجن ہی بدلوا لیا ہے سسری کا...... اب ٹھیک چلتی ہے، لیکن اس جیپ کی کیا بات ہے۔"

"اور ڈسپنسری کی بھی کیا بات ہے؟"

"ہاں..... طارق شاہ صاحب نے مجھے سچ مچ ڈاکٹر بنادیا ہے اور اب یاد کرنا پڑ رہا ہے کہ کون سے مرض کے لئے کون سی دوا کام آتی ہے..... میں تو سب کچھ بھول ہی گیا تھا، ویسے کچھ نیا عملہ بھی آگیا ہے..... یہ بھی طارق شاہ کی سفارش پر ہوا ہے اور آپ اندر سے دیکھیں بڑے بستر وستر لگوادیئے گئے ہیں بھئی..... دوائیں بھی موجود ہیں۔" شہاب، بینا واسطی، عدنان واسطی نے ڈسپنسری کا معائنہ کیا پھر اس کے بعد طارق شاہ کی پکی حویلی کی جانب چل پڑے لیکن راستے سے گزرتے ہوئے شہاب نے کچی حویلی کا وہ ملبہ دیکھا جو ڈھیر کی شکل میں وہاں پڑا ہوا تھا..... کچی حویلی مسمار کرادی گئی تھی اور اب اس کا نام و نشان ہی نہیں تھا..... بینا نے متاثر لہجے میں کہا۔

"واقعی یہ مثال یہاں پوری ہوتی ہے کہ شیطان کے گھر ولی پیدا ہو جاتا ہے اور ولی کے گھر شیطان۔"

طارق شاہ نے ان کا بڑا پر جوش خیر مقدم کیا تھا..... فضل کامل کرم کامل اور نہالہ اب اسی پکی حویلی میں رہتے تھے اور خاصی بہتر زندگی گزار رہے تھے..... بہر حال یہ ہوا تھا اس کیس کا انجام..... جہاں تک کفالت شاہ کا تعلق تھا تو اس کا انجام سب کی نگاہوں کے سامنے تھا..... البتہ شامل بیگ ایک دن شہاب کے پاس پہنچا اس کے ہاتھوں میں مٹھائی کا ایک چھوٹا سا ڈبہ تھا اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایک شریف آدمی ممنونیت کے طور پر بس یہی پیش کر سکتا ہے شہاب صاحب..... آپ نے ہمیں ہمارا منصب واپس دلادیا ہے اور نہ جانے کس کس کی دعائیں حاصل کی ہیں آپ نے۔"

"میں تو خود تمہارا شکر گزار ہوں..... کہ تم نے میری نشاندہی ایک ایسے مسئلے کی جانب کی جو میری نگاہوں سے اُوجھل تھا۔" شہاب نے جواب دیا۔

❁

خود پرست
ایم اے راحت

ذیشان کا ماضی کیا تھا...... یہ نا قابل ذکر بات ہے...... ہر شخص کا کوئی نہ کوئی ماضی ہوتا ہے اور ہر شخص اپنے طور پر زندگی گزارنے کے بعد نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچتا ہے...... ایک الگ بات ہے...... اصل بات وہ واقعہ ہے جو اس شخص کی زندگی سے منسوب ہو جیسے ذیشان...... کیسے کیسے مراحل سے گزرا تھا...... زندگی نے کون کون سے راستے منتخب کئے تھے یہ ایک طویل کہانی ہے...... واقعات کا آغاز اس وقت سے کیا جا سکتا ہے جب اچانک ہی ایک پولیس آفیسر نے ذیشان کی میز کے گرد محاصرہ قائم کر لیا اور اس کے بعد ذیشان کو بتایا گیا کہ اس کی فرم کے مالکان نے اس پر ایک بڑے غبن کا الزام لگایا ہے اور ایف آئی آر درج کرا دی ہے...... ذیشان ششدر رہ گیا تھا...... کیا کیا تھا کیا نہیں کیا تھا، لیکن اس وقت اس ناگہانی سے نمٹنے کا کوئی ذریعہ اس کے پاس نہیں تھا...... اس پرائیویٹ فرم میں وہ ایک اکاؤنٹنٹ کی حیثیت سے کام کرتا تھا اور اس کے مالکان نے ابھی تک اس پر ایسی کسی کیفیت کا اظہار نہیں کیا تھا جس سے یہ احساس ہو کہ وہ اس پر کوئی شبہ کرتے ہیں...... بہر حال ذیشان نے اپنے دفاع میں کچھ باتیں کہیں مگر اس سے کہا گیا کہ چونکہ ایف آئی آر درج ہو چکی ہے اس لئے بہر طور اسے تھانے چلنا ہے۔

ذیشان شادی شدہ تھا...... بیوی تھی، دو بچے تھے اور سچی بات یہ ہے کہ ارد گرد کچھ بھی نہیں تھا...... اس کے ہوش و حواس گم ہو گئے تھے...... اس کے مالکان خشک مزاج اور خالص قسم کے کاروباری تھے، حالانکہ ذیشان کو بتایا گیا تھا کہ کسی ایسی رقم کے بارے میں چھان بین ہو رہی ہے جو دستیاب نہیں ہو پا رہی لیکن مالکان نے اپنے طور پر یہ چالاکی کی تھی کہ ذیشان کو بتائے بغیر پولیس سے رابطہ کر لیا تھا تاکہ ذیشان اپنے دفاع میں کچھ نہ کر سکے...... بہر حال کچھ

لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں اللہ کے کرم کے بعد صرف اپنی ذات پر بھروسا کرنا ہوتا ہے اور کبھی کبھی اپنی ذات پر بھروسا اتنا ساتھ نہیں دے پاتا کہ انسان اپنا دفاع بھی کر سکے، چنانچہ ذیشان پر مقدمہ قائم ہو گیا...... اپنے دفاع میں جو کچھ کر سکتا تھا اس نے کیا...... ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے تھے...... بیوی کے آنسو، بچوں کی حسرت آمیز آوازیں اس کے دل کو کچوکے دیتی رہتی تھیں، لیکن ان کا تحفظ نہ ہو سکا اور آخر کار اسے تین سال کی سزا سنا دی گئی۔

زندگی کو جو شدید دھچکا لگا تھا اس نے ذیشان کو بے حواس کر دیا، لیکن بے حواسی کسی درد کا درماں نہیں بنتی بلکہ اس سے سوچنے سمجھنے کے وسائل ختم ہو جاتے ہیں اور انسان کچھ بھی نہیں کر پاتا...... یہ تین سال بہر طور ذیشان کو جیل میں گزارنے پڑے...... اس کی بیوی صوفیہ ان روایتی عورتوں میں سے تھی جن پر مشرق ناز کرتا ہے...... بچوں کے ساتھ اس نے یہ تین سال کس طرح گزارے یقینی طور پر قابل فخر تھے، حالانکہ صوفیہ بہت حسین تھی لیکن جیل میں اس نے ذیشان سے جتنی ملاقاتیں کیں، ہر ملاقات میں اس کا چہرہ پہلے سے مختلف نظر آتا تھا...... زمانے کے گرم و سرد نے اس پر اپنے نقوش کندہ کر دیئے تھے...... اپنے بچوں کو پالنے کے لئے صوفیہ نے بہت سے کام کئے تھے...... اس نے لوگوں کے کپڑے سیئے...... بچوں کو ٹیوشن پڑھائی...... جیل سے رہائی ذیشان کے لئے ایک اور دردناک پہلو بن گئی...... بیوی بچوں سے مل جانے کی خوشی تھی لیکن گھر کی حالت زار دیکھ کر اس کا دل خون کے آنسو رو دیا...... بچے تعلیم سے محروم تھے...... گھر میں کچھ بھی نہیں تھا...... بس جو تھوڑا بہت ہو جاتا تھا اسی پر گزارا ہو جاتا تھا...... یہ بات ذیشان کے لئے قابل فخر تھی کہ اطراف کے لوگ بے شک اسے بری نگاہ سے دیکھتے تھے لیکن صوفیہ کے لئے ان کے دل میں بڑا اچھا مقام تھا...... ذیشان جیل سے رہا ہوا تھا، اس نے کیا کیا تھا اور کس طرح وہ سب کچھ ثابت ہوا تھا وہ ایک الگ بات تھی، دیکھنے والوں کو اس سے دلچسپی نہیں تھی...... بس اتنا کافی تھا کہ ایک بدکار شخص برائی کرنے کے بعد سزا پانے گیا ہے...... بہرحال ذیشان کو صرف اس بات کی خوشی تھی کہ کم از کم صوفیہ کا کردار کسی کی نگاہوں میں مشکوک نہیں ہو سکا، جبکہ وہ ایک نوجوان اور خوبصورت عورت تھی...... جن لوگوں نے اس کے ساتھ یہ کرم فرمائی کی تھی انہیں بھلا اس کا کیا جواب دیا جاتا...... بات ہی ختم ہو گئی تھی، لیکن تقدیر ابھی ذیشان سے مذاق کرنے پر تلی ہوئی تھی...... اس کی شدید تر[illegible]شیں جاری تھیں لیکن ملازمت اس سے کوسوں دور

تھی...... کہیں بھی کوئی کام کرنے کو نہیں مل رہا تھا جو کیفیت وہ اپنے گھر کی دیکھ چکا تھا اس کے تحت اس کی خواہش تھی کہ جس طرح بھی بن پڑے کچھ نہ کچھ کر لے لیکن حالات اس طرح اس کے راستے روکے ہوئے تھے جیسے اس سے کچھ اور ہی چاہتے ہوں...... کچھ اور کرنا ذیشان کے بس سے باہر تھا...... فطرتاً وہ ایک نیک نفس انسان تھا اور اس نے کبھی برائیوں کی طرف رخ نہیں کیا تھا...... تقدیر کا ایک دھچکا تھا یا کچھ لوگوں کی بددیانتی کہ انہوں نے اسے مجرم بنا ڈالا تھا...... ذیشان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا...... دل میں بہت سے باغیانہ خیال بھی آتے...... دل چاہتا کہ ان لوگوں سے انتقام لے لیکن ایسے ہی مرحلے ہوتے ہیں جب انسان اپنے آپ کو سنبھال لیتا ہے اور ذیشان خود کو سنبھالنے کی فکر میں سرگرداں تھا...... یہاں تک کہ مایوسیوں کے سائے مزید گہرے ہونے لگے اور وہ مختلف انداز میں سوچنے لگا...... تمام دن سڑکوں پر آوارہ گردی کرتا...... ہر شخص کو امید بھری نگاہوں سے دیکھتا اور دل یہ چاہتا کہ کوئی اس کا ہاتھ پکڑ کے کہے ”کیا پریشانی ہے؟ آؤ تمہاری اس پریشانی میں تمہارا ساتھ دیں...... تمہاری مدد کریں۔“

بڑی بڑی چمچماتی کاروں میں گھومتے لوگ زمین پر رینگنے والے کیڑوں سے بے پروا اپنے اپنے ایوانوں میں مست تھے...... کسی کو کیا پڑی ہے کہ ان پر نگاہ ڈالے...... ذیشان کے دل میں باغیانہ خیال اُبھرتے رہے...... اس کا حلیہ بے حد خراب ہو گیا تھا...... گھر میں فاقہ کشی تھی...... صوفیہ اب بھی اپنا فرض سرانجام دے رہی تھی لیکن ذیشان کو احساس تھا کہ وہ ایک ناکام باپ اور ایک ناکارہ شوہر ثابت ہو گیا ہے...... وہ انتہائی کوشش کر رہا تھا کہ اسے کوئی چھوٹا موٹا کام مل جائے لیکن اس کی یہ ضرورت پوری نہیں ہو رہی تھی، اس کے انداز میں ایک نمایاں تبدیلی پیدا ہوتی جا رہی تھی...... اس کا دل چاہنے لگا کہ کوئی جرم کرے...... جب بغیر جرم کئے سزا بھگت سکتا ہے تو جرم پر اگر کوئی سزا بھگت لی جائے تو دل کو کم از کم سکون تو مل سکتا ہے۔

اس دن دوپہر کا وقت تھا وہ معمول کے مطابق اپنی ناکام زندگی کو گھسیٹ رہا تھا...... یہ ایک خوبصورت شاہراہ تھی جس کے کنارے پر ایک حسین ترین باغ بنا ہوا تھا...... اس باغ میں ایک چھوٹی سی کینٹین تھی اور اس کے سامنے بنچیں پڑی ہوئی تھیں...... تھوڑی بہت دیر آرام کرنے والوں کے لئے وہ بہترین جگہ تھی، کیونکہ وہ لب سڑک تھی...... دوپہر کا وقت

ہونے کی وجہ سے لوگ وہاں نظر نہیں آرہے تھے، البتہ نیلے رنگ کی ایک شاندار مرسڈیز سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی تھی اور باغ کی ایک بنچ پر ایک لڑکی یا عورت پاؤں رکھے ہوئے کھڑی تھی...... فٹ پاتھ سے گزرتے ہوئے ذیشان کی نظر اس پر پڑی اور نظر ٹک اس لئے گئی کہ عورت بہت فیشن ایبل تھی، وہ جینز پہنے ہوئے تھی اور آنکھوں پر سن گلاسز لگائے ہوئے تھی جس کو ایک نگاہ دیکھنے سے ہی اندازہ ہو جاتا تھا کہ بہت قیمتی ہیں...... اس نے چہرے پر حسین میک اپ کیا ہوا تھا، بالوں کا اسٹائل بھی بے حد شاندار تھا...... غالباً وہاں سے گزرنے والا ہر شخص اس پر نگاہ ڈالے بغیر نہ گزرتا تھا...... وہ اس طرح کھڑی تھی جیسے کسی کا انتظار کر رہی ہو...... نیلے رنگ کی مرسڈیز بھی یقینی طور پر اس کی ملکیت تھی، کیونکہ وہ اسی کے عقب میں کھڑی تھی اس کی نگاہ بار بار کلائی پر اٹھ جاتی جہاں خوبصورت گھڑی بندھی ہوئی تھی۔

ذیشان اسے دیکھتا ہوا آگے بڑھ گیا لیکن نہ جانے کیوں کچھ فاصلے پر جا کر اس کے قدم رُک گئے...... تجسس کا ایک جذبہ اس کے دل میں سر اُبھارنے لگا...... اس کی نگاہ باغ کی کینٹین پر پڑی جہاں پر سناٹا چھایا ہوا تھا...... یہ وقت ایسا نہیں تھا کہ کینٹین چلتا، کیونکہ باغ میں اس عورت کے سوا کوئی نہ تھا، کافی فاصلے پر پہنچ کر ذیشان نے اس پر پھر نظر ڈالی، اس نے اس عورت کو آگے بڑھتا ہوا دیکھا...... وہ مرسڈیز کی جانب جا رہی تھی...... مرسڈیز میں بیٹھ کر اس نے کار سٹارٹ کی اور چل پڑی...... ذیشان نے زور سے گردن جھٹکی اور پھر ان لوگوں کے بارے میں سوچنے لگا جن کے لئے زندگی اتنی دلکش اور پر سکون ہے...... قیمتی گاڑیوں میں سفر کرتے ہیں۔ اعلیٰ درجے کی زندگی گزارتے ہیں اس طرح تقدیر کے مارے انہیں صرف حسرت سے دیکھتے ہیں...... ذیشان نے ایک گہری سانس لے کر اس سفید بنچ پر نظر ڈالی جہاں ابھی پر وہ کھڑی تھی، تبھی اس کو ایک چھوٹا سا ہینڈ بیگ نظر آیا...... سفید بنچ پر جو چمک رہا تھا۔

ذیشان کا دل ایک دم سے دھک سے ہو گیا، اس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا اور پھر وہ باغ کی جانب بڑھنے لگا، فاصلہ زیادہ نہیں تھا، اس سے پہلے کہ کسی کی نظر اس ہینڈ بیگ پر پڑ جائے اور وہ اسے اپنی ملکیت قرار دے لے اس سے پہلے ذیشان خود وہاں کیوں نہ پہنچ جائے...... دنیا اسی انداز میں جی رہی ہے اور اس سے پیچھے رہ جانا ناکامیوں کا باعث ہوتا ہے...... ذیشان برق رفتاری سے قدم اُٹھاتا ہوا وہاں تک پہنچا اور پھر اس طرح بینچ پر بیٹھ گیا جیسے اسے دنیا کی نگاہوں سے چھپانا چاہتا ہو کچھ ہی لمحوں کے بعد اس نے احتیاط

سے ہینڈ بیگ اٹھایا اور اسے کھولنے لگا...... ہینڈ بیگ میں ہلکے میک اپ کا سامان رکھا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی نوٹوں کی ایک گڈی بھی جسے دیکھ کر ذیشان کی آنکھوں میں تاریکیاں اترنے لگیں...... اس نے نوٹوں کی گڈی کا جائزہ لیا خاصی رقم تھی اور یہ رقم ذیشان کو کم از کم اس دور تک کے لئے فکروں سے آزاد کر دیتی جس دور میں اسے ملازمت نہ مل جاتی، اس کی آنکھیں خواب بننے لگیں...... اسے دوسری چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی ہو سکتا ہے اس میں دوسری قیمتی اشیاء بھی ہوں لیکن ذیشان کو ان قیمتی اشیاء کی قطعی ضرورت نہ تھی، وہ اب بھی اپنے آپ کو ایک حد تک محدود رکھنا چاہتا تھا آہ! کیا یہ رقم اس کے لئے زندگی کا پیغام لا سکتی ہے...... ہینڈ بیگ کو یہیں رہنے دینا چاہئے، اگر کہیں اس عورت کو یہ یاد آ جائے اور وہ واپس پلٹ آئے تو اسے مایوسی نہ ہو یا پھر اگر کسی اور کی نگاہ اس پر پڑ جائے تو وہ جانے اور اس کا کام مجھے اپنا یہ کام کر کے پھرتی سے نکل جانا چاہئے، لیکن ابھی اس نے نوٹوں کی گڈی اپنے لباس میں پوشیدہ کی ہی تھی کہ وہی مرسڈیز اسے واپس پلٹتی ہوئی نظر آئی اور ذیشان کی آنکھوں میں تاریکی گہری ہو گئی...... کیا تقدیر اسے ایک بار پھر دھوکہ دینا چاہتی ہے...... مرسڈیز نے سڑک پر یوٹرن لیا اور عین اس جگہ آ کے کھڑی ہو گئی جہاں وہ پہلے کھڑی تھی...... لڑکی برق رفتاری سے نیچے اتری...... وہ تیزی سے ذیشان کی جانب بڑھی...... پرس وہیں رکھا ہوا تھا اور ذیشان کا بدن پسینے سے شرابور تھا، اس کے اعصاب مفلوج ہو گئے تھے...... نوٹوں کی گڈی پرس سے نکل کر اس کے لباس میں پہنچ چکی تھی اور وہ ایسا بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اسے پرس میں منتقل کردے...... عورت اس کے پاس پہنچ گئی اس نے گہری نگاہوں سے ذیشان کو دیکھا اور بولی۔

"آپ کا خیال درست ہے...... ہینڈ بیگ میرا ہی ہے۔"

"جج...... جی۔"

عورت نے ہاتھ آگے بڑھایا اور ذیشان نے اس کا ہینڈ بیگ اس کے حوالے کر دیا......

عورت نے ہینڈ بیگ کھول کر دیکھا...... ذیشان سوچ رہا تھا کہ اب وہ چیخ و پکار کرے گی اور قرب و جوار سے اور کوئی نہ سہی تو کم از کم کینٹین سے ملازم نکل آئیں گے...... اس کے بعد پھر ایک لمبی سزا...... بہتر ہے اس ناکام زندگی سے وہ جیل کی کوٹھڑی ہی بہتر ہے...... کم از کم لوگ یہ تو کہیں گے کہ ذیشان پھر جیل پہنچ گیا ہے اور صوفیہ کو اسی انداز میں زندگی گزارنی

ہے جیسے گزارتی رہی ہے...... ہینڈ بیگ کھول کر عورت نے اسے بند کیا اور ذیشان کی طرف دیکھنے لگی پھر آہستہ سے بولی۔

"کیا آپ میرے ساتھ چلنا پسند کریں گے؟"

ذیشان جانتا تھا کہ وہ اسے کہاں لے جانا چاہتی ہے لیکن یہ بھی ایک عجیب انداز تھا وہ بھاگنا چاہتا تھا، جانتا تھا کہ اعصاب اس قدر کشیدہ ہیں کہ اب بھاگنا بھی اس کے بس میں نہیں ہے۔

"آئیے پلیز۔" عورت کے لہجے میں نرمی تھی۔

"ذیشان ایک مجرم کی طرح اس کے ساتھ چل پڑا...... لڑکی مرسڈیز کے قریب پہنچ گئی اس نے دروازہ کھولا اور کہا۔

"بیٹھیے۔"

ذیشان سیٹ پر بیٹھ گیا...... اس لڑکی نے کار سٹارٹ کی اور پھر آگے بڑھادی...... ذیشان اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا...... نہ جانے کس طرح اس نے اپنے حواس مجتمع کر کے کہا۔

"اس ہینڈ بیگ سے نوٹوں کی گڈی بے شک میری جیب میں منتقل ہو چکی ہے لیکن اسے میں آپ کو واپس کرنا چاہتا ہوں۔"

جواب میں عورت آہستہ سے ہنسی اور بولی۔

"کر دیجئے گا ایسی کیا جلدی ہے۔"

"کیا آپ پولیس اسٹیشن جا رہی ہیں؟" ذیشان نے کہا۔

"ارے نہیں، یہ آپ نے کیوں سوچا۔"

عورت کے لہجے نے اسے چونکا دیا تھا...... پھر اس نے سوچا کہ وہ اس سے کوئی دلچسپ مذاق کرنے کی کوشش کر رہی ہے...... ذیشان نے پھر کہا۔

"دیکھئے...... آپ کو خود اندازہ ہے کہ آپ کا ہینڈ بیگ اس وقت بے سہارا پڑا ہوا تھا...... میری بجائے کوئی اور بھی دیکھتا تو اسے اپنی ملکیت سمجھ لیتا...... میں نے...... میں نے بھی ایک مجرمانہ قدم اٹھایا ہے لیکن براہ کرم کیا آپ ایسا کر سکتی ہیں۔"

"دیکھئے مسٹر آپ ہر طرح کی غلط فہمی دل سے نکال دیجئے...... میں پولیس اسٹیشن جا رہی ہوں اور نہ میں ان نوٹوں کے بارے میں اتنی مضطرب ہوں آئیے کسی جگہ بیٹھتے ہیں

اپنا حلیہ درست کر لیجئے پلیز۔" عورت نے کہا اور ایک چھوٹا سا کنگھا نکال کر اس کے حوالے کرتے ہوئے بولی۔

"آپ کے بال منتشر ہیں...... ویسے تو آپ نے اپنا حلیہ خراب بنا رکھا ہے لیکن پلیز کم از کم اپنے بالوں کو تو درست کر لیجئے۔"

"آپ۔"

"براہ کرم کسی اُلجھن میں نہ پڑیئے...... میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"یہ...... یہ آپ کے نوٹ۔"

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں...... آپ کم از کم تھوڑا سا وقت تو دیجئے مجھے۔" عورت کے لہجے میں ایسی نرمی اور دلکشی تھی کہ ذیشان کا دماغ چکرا کر رہ گیا...... کنگھا اس کے ہاتھ میں تھا پھر اس نے اپنے بالوں کو درست کیا...... پھر تھوڑی دیر کے بعد عورت نے ایک چھوٹے سے ریسٹورنٹ کے سامنے کار روک دی اور پھر بولی۔ "آئیے۔"

ذیشان سحر زدہ سا اس کے ساتھ اتر گیا...... دل خیالات کا مرکز ہوتا ہے اور اس وقت خیالات کے اس مرکز میں نئے نئے خیالات جنم لے رہے تھے...... کیا یہ سب کچھ؟ کیا تقدیر کوئی مناسب فیصلہ کر رہی ہے، کیا اس کی دعائیں آسمان پر پہنچ گئی ہیں...... عورت اسے لئے ریسٹورنٹ کے اندر پہنچ گئی...... دوپہر کا سنسان وقت ان کے لئے یہاں بھی معاون ثابت ہوا تھا...... کافی میزیں خالی تھیں...... عورت اسے لئے ہوئے گوشے کی میز پر جا بیٹھی۔

"اب آپ بتائیے کچھ کھانا پینا پسند کریں گے یا چائے اور مشروب سے ہی کام چلے گا۔"

"آپ تکلف۔"

"بے کار باتیں ہیں...... تکلف آپ کر رہے ہیں...... میرا خیال ہے کہ آپ کچھ کھا لیجئے یا کچھ اسنیکس وغیرہ۔"

پھر اس نے خود ہی ویٹر کو ایک اچھا خاصا آرڈر دے ڈالا...... ذیشان اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش میں مصروف ہو گیا تھا...... بہر طور وہ پڑھا لکھا آدمی تھا...... اس قدر ناآشنا بھی نہیں تھا، اگر حالات کوئی نیا رخ اختیار کر رہے ہیں تو اسے حالات کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے، چنانچہ اس نے خود کو پرسکون کر لیا اور عورت بھی اس وقت تک خاموش رہی جب تک کہ چائے اور اسنیکس وغیرہ نہ آ گئے۔

"نہایت سکون اور اطمینان سے کچھ لیجئے۔"

ذیشان نے چائے کی پیالی اپنی جانب سرکائی اور اس کے بعد ٹماٹو کیچپ اپنی پلیٹ میں اُلٹنے لگا...... بھوک واقعی لگ رہی تھی، حالانکہ ان دنوں وہ خود کو بھوک پیاس سے بے نیاز رکھنے کی کوشش کر رہا تھا...... عورت بھی اس کا ساتھ دیتی رہی...... تھوڑا سا کھانے کے بعد ذیشان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ جو کہا جاتا ہے ناکسی کو کھلا پلا کر مارنا...... آپ غالباً اسی منصوبے پر عمل کر رہی ہیں۔"

عورت کی کھنکتی ہوئی ہنسی سنائی دی اس نے کہا۔

"اپنے دل میں جتنے چاہیں وسوسے پال لیں میں اس کے بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں...... آپ نے محسوس نہیں کیا کہ اب تک آپ کے ساتھ میرے رویئے میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی۔"

"ہاں...... آپ خاص ستم ظریف ہیں۔" ذیشان کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

عورت ہنسی اور بولی۔

"کہتے رہیں جو جی چاہے کہتے رہیں اور لیجئے پلیز۔"

"شکریہ ایک بھوکے کو کھانا کھلانا اچھی بات ہے۔" ذیشان نے اپنی بھوک کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

عورت خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی، پھر ذیشان بولا۔

"اب شکم سیر ہو گیا ہوں...... براہ کرم اب گفتگو شروع کیجئے کھلا تو دیا ہے آپ نے...... اب یہ بتائیے کہ یہیں ماریں گی یا کہیں اور لے جا کر۔"

"آپ ویسے اچھے دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

عورت نے کہا۔

ذیشان مسکرا دیا پھر بولا۔

"جی ہاں فقر و فاقہ کشی کے بعد جب انسان کے پیٹ میں کچھ پہنچ جاتا ہے تو اس کے اندر جولانیاں اُبھر آتی ہیں اور اس وقت میں اسی کیفیت میں ہوں۔"

عورت کے چہرے پر کچھ دیر کے لئے ایک خاموش سی سنجیدگی طاری ہو گئی، پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"اور اب اگر میں آپ کو آپ کے نام سے پکاروں تو آپ کو حیرت ہو گی کیا مسٹر ذیشان؟"

ذیشان نے پھر اسے چونک کر دیکھا تو وہ آہستہ سے بولی۔

"کیا میں آپ سے کہوں کہ جیل سے باہر آنے کے بعد بھی زندگی آپ پر بے حد تلخ گزر رہی ہے تو سوال کرنے کی ضرورت نہیں...... میں جانتی ہوں کہ آپ شدید حیران ہوں گے لیکن ذیشان صاحب کبھی کبھی کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو کسی کو کسی طرح جانتے ہیں...... اس کے بارے میں علم بھی رکھتے ہیں اور کبھی اس کا اظہار نہیں ہونے دیتے اس میں ان کی کچھ مجبوریاں پوشیدہ ہوتی ہیں...... یا پھر یوں سمجھ لیجئے کہ میں بھی آپ کو جانتی ہوں اور اتنا جانتی ہوں کہ ایک ناکردہ جرم کی سزا میں آپ کو تین سال جیل میں گزارنے پڑے اور اس کے بعد وہاں سے نکل کر آپ ایک تلخ زندگی گزار رہے ہیں۔" ذیشان کو ایک بار پھر چکر آنے لگے...... کون ہے یہ عورت؟ کیسا عجیب اتفاق ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں تو اتفاقیہ طور پر وہاں سے گزر رہا تھا کہ میں نے اس عورت کو دیکھا...... یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ میرا تعاقب کر رہی ہو اور میرے بارے میں اتنا جاننے کے بعد میرے پیچھے لگی ہو...... کیا قصہ ہے یہ؟ یہ تو ایک طرح کی جادوگری ہو گئی تھی...... ذیشان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا...... عورت نے کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد کہا۔

"ذیشان صاحب میں نہیں جانتی کہ آپ نے جیل میں تین سال گزارنے کے بعد وہ بھی بغیر کسی جرم کے...... آپ کے اندر کون کون سے خیالات پیدا ہوئے ہیں لیکن ایک سوال میں آپ سے کرنا چاہتی ہوں اور وہ سوال یہ ہے کہ کیا آج بھی آپ دنیا کو اسی نگاہ سے دیکھنے کے قائل ہیں جس نگاہ سے پہلے دیکھنے کے قائل تھے...... دیکھئے میں نہ تو کوئی مبلغ ہوں اور نہ آپ کو نصیحت کرنا چاہتی ہوں...... ایک ایسی بات جو میرے دل میں ہے، آپ جس لئے گریزاں نظر آتے ہیں اگر میں آپ کے کانوں تک پہنچا دوں تو آپ یوں سمجھ لیجئے کہ یہ ایک انسان کی دوسرے انسان کو پیش کش ہے...... تھوڑی سی شناسائی یا معلومات ہے جو وہ دوسرے کو منتقل کرنا چاہتا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ آپ کی فرم کے مالکان کی کچھ رقم کم ہو گئی...... انہوں نے آپ سے پوچھا نہیں اور بتایا نہیں بلکہ اپنا کام کر گئے۔ رقم انہیں حاصل نہ ہو سکی لیکن آپ کو سزا ہو گئی اور اس کے بعد سے اب تک آپ مصائب کا شکار ہیں، کیا اس دنیا میں پھر آپ اسی انسان کی حیثیت سے دوبارہ جانا چاہتے ہیں جو اپنے جیسے کے ہاتھوں

ناکردہ جرم کی سزا پا چکا ہے۔"

"نہیں۔"

"گڈ...... یہ ایک اچھا فیصلہ ہے اور میں اس فیصلے کو برقرار رکھنے میں آپ کی مدد کر سکتی ہوں۔"

"کیسے؟" ذیشان نے اپنے آپ کو اب سنبھال لیا تھا۔

"مدد کرنے کے مختلف انداز ہوتے ہیں...... بعض دفعہ مدد اس طرح کی جاتی ہے کہ وہ احسان نہیں بننے پاتی...... مطلب یہ کہ میں آپ کو اگر کوئی کام دینا چاہوں اور اس کا مناسب معاوضہ ادا کروں تو کیا آپ آمادہ ہوں گے؟"

"کام کی نوعیت کیا ہے؟"

"آسان نہیں ہے اور جب اس طرح کے کام کسی سے لئے جاتے ہیں تو وہ آسان نہیں ہوتے...... ہاں ان کا معاوضہ اتنا مناسب ہوتا ہے کہ انسان کو یہ احساس نہ رہے کہ اس نے کوئی غلطی کی ہے...... میرا کام بہت رازداری سے کرنا ہوگا آپ کو، اس کا معاوضہ اتنا مناسب ادا کیا جائے گا کہ آپ کو پریشانی نہ رہے گی۔"

"کیا وہ غیر قانونی کام ہے؟" ذیشان نے اُلجھتے ہوئے سوال کیا۔

"میرا خیال ہے کہ نہیں۔"

"تو پھر آپ بتائیے کیا کام ہے وہ؟"

"نہیں ذیشان صاحب...... آپ ایسا کیجئے کہ کل کسی جگہ آپ مجھے ملیں یا پھر کوئی ایسی جگہ منتخب کر لیجئے کہ میں آپ کو فون کر کے اپنا پروگرام بتادوں اور پھر کسی مناسب جگہ بیٹھ کر گفتگو کر لیں گے کہ کیا کرنا ہے؟ کیا آپ ایسا ٹیلی فون نمبر مجھے دے سکتے ہیں جس پر میں آپ سے رابطہ قائم کر سکوں۔"

"کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ آپ خود مجھے اپنا فون نمبر دے دیں، میں آپ کو رنگ کر لوں۔" ذیشان نے کہا۔

عورت سوچ میں ڈوب گئی پھر آہستہ سے بولی۔

"ایسا نہ کریں...... بلکہ آپ خود غور کریں۔"

"تو پھر کوئی وقت بتادیں مجھے...... آپ کا انتظار کر لوں گا مثلاً میرے گھر سے کچھ فاصلے

پر ایک میڈیکل سٹور ہے اور اس میڈیکل سٹور کا مالک میرا شناسا ہے...... آپ مجھے وقت بتادیں گی تو میں وہاں پہنچ جاؤں گا اور آپ کا انتظار کروں گا۔"

"بہت مناسب بات ہے...... کل دن کے گیارہ بجے میں آپ کو ٹیلی فون کروں گی اور مجھے اس میڈیکل سٹور کا نمبر بتا دیجئے گا۔" ذیشان نے نمبر بتایا اور عورت نے اپنے ہینڈ بیگ سے ایک چھوٹی سی نوٹ بک نکال کر ایک خوبصورت قلم سے اسے نوٹ کر لیا پھر بولی۔

"ٹھیک ہے ذیشان صاحب میرا خیال ہے کہ آپ کی اور ہماری ڈیل بہترین رہے گی...... کیا خیال ہے اب یہاں سے اٹھا جائے؟"

"وہ ایک جرم کا اعتراف کر رہا ہوں میں؟"

"یعنی میرے ہینڈ بیگ میں موجود وہ نوٹوں کی گڈی جو اس وقت آپ کے لباس کی جیب میں منتقل ہو چکی ہے۔"

"جی۔"

"وہ آپ کی ملکیت ہے...... آپ چاہیں تو اسے اس کام کا ایڈوانس سمجھ لیں اور ان الفاظ کے ساتھ کہ اگر آپ نے میرے کام نہ کرنے کا فیصلہ کیا تو میں اس گڈی کو واپس کرنے کا مطالبہ نہیں کروں گی سمجھ رہے ہیں نا آپ...... دوستی کا پہلا قدم سمجھ لیجئے گا۔"

ذیشان خاموش رہا...... عورت نے اسی پرس سے کچھ اور نوٹ نکالے اور بل کی رقم میز پر رکھ کے اُٹھ کھڑی ہوئی...... پھر ذیشان اس کے ساتھ باہر نکل آیا تھا۔

"اور اب میں آپ کو خدا حافظ کہوں گی۔" عورت نے کہا اور ذیشان نے گردن ہلادی...... پھر اچانک اس کے ذہن میں ایک بجلی کی سی لہر دوڑ گئی...... عورت کار سٹارٹ کر کے اسے آہستہ سے آگے بڑھا رہی تھی کہ ذیشان نے اس کار کا نمبر اپنے ذہن میں نوٹ کر لیا...... بہرحال وہ ایک تعلیم یافتہ آدمی تھا اور جس انداز میں عورت نے اس سے ملاقات کی تھی اس نے اس کے اندر شدید جستجو پیدا کر دی تھی اور وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ وہ کون عورت ہے جو اسے اس حد تک جانتی ہے اور اس نے اسے کس کام کی پیش کش کی ہے...... بہرحال کام پر آمادہ ہو گیا تھا وہ...... فیصلہ اس نے کر لیا تھا کہ اگر ایسا غیر قانونی کام نہیں ہے جو اس کی گردن میں پھانسی کا پھندا بن جائے تو وہ اس عورت کا کام ضرور کرے گا...... دنیا اسے کیا دے رہی ہے جواب وہ اس انداز میں زندگی گزارنے کا سوچے...... اس کے ساتھ ساتھ ہی کم از کم

اتنا تو ہونا چاہئے کہ جس کے لئے وہ کام کر رہا ہے وہ خود کو انتہائی پراسرار نہ سمجھنے لگے...... وہ بذات خود اس کے بارے میں کچھ ہی جان لے...... مرسڈیز کا نمبر نوٹ کرنے کے بعد اس نے اپنے قدم آگے بڑھا دیئے...... اب وہ ایک ذہین آدمی ہونے کی حیثیت سے اپنے اقدامات کا آغاز کرنا چاہتا تھا...... پیسے جیب میں ہوں تو بہت سے کام آسان ہو جاتے ہیں...... ٹریفک ڈیپارٹمنٹ رجسٹریشن برانچ میں پہنچنے کے بعد اس نے اس کلرک سے رابطہ قائم کیا جس کے پاس رجسٹریشن کی تفصیلات ہوا کرتی تھیں...... پھر اس کار کے نمبر کے تحت اس نے رقم کے عوض جو معلومات حاصل کیں اس سے اس کا پتا چلا کہ مرسڈیز ایک دولت مند تاجر کی تھی جس کا نام اختیار احمد تھا اور وہ سچے موتیوں کا کاروبار کرتا تھا...... جو پتہ رجسٹریشن میں درج تھا وہ شہر کے ایک انتہائی پوش علاقے کا تھا...... ذیشان کے دل میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی...... اس نے کچھ دیر کے بعد ایک رکشا لیا اور اس علاقے کی جانب چل پڑا، کوٹھی نمبر سات سو سترہ ایک انتہائی حسین عمارت تھی اور اس عمارت کو دور سے دیکھنے پر ہی اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ کس حیثیت کے آدمی کی عمارت ہو سکتی ہے...... ویسے احتیاط کے ساتھ کوٹھی کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس نے اس عمارت کے پورچ پر نظر ڈالی تھی، لیکن مرسڈیز وہاں پر موجود نہیں تھی...... اگر عورت اسی بنگلے میں رہتی ہے تو ابھی تک شاید وہ گھر نہیں پہنچی...... ذیشان کو بہت بڑی کامیابی حاصل ہوئی تھی...... اب اس کے دل میں یہ جاننے کی خواہش تھی کہ عورت کی اصل حیثیت کیا ہے؟ اور اس کے لئے وہ کوئی ایسا طریقہ کار اختیار کرنا چاہتا تھا کہ وہ کار آمد رہے...... دنیا کو اب اس نے دنیا کے انداز میں دیکھنا شروع کر دیا تھا، چنانچہ عمارت نمبر سات سو سترہ کے سامنے جو عمارت تھی وہ اس کی جانب چل پڑا...... درمیانی فاصلہ اچھا خاصا تھا...... سامنے کی عمارت کے دروازے پر چوکیدار نظر آ رہا تھا...... ذیشان اس کے پاس پہنچ گیا، اس نے ذیشان کو دیکھا اور بولا۔

"کس سے ملنا ہے؟"

"تم سے۔"

"ہم سے۔" چوکیدار حیرت سے بولا۔

"ہاں...... کیا نام ہے تمہارا؟"

"صاحب بات کیا ہے؟"

"کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہے بس تھوڑی سی معلومات حاصل کرنا تھی۔"

"کیسی معلومات صاحب؟"

"دیکھو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا رہا میں...... میرے خیال میں یہ ایک نوٹ تمہاری بہت سی ضروریات پوری کر سکتا ہے۔" ذیشان نے جیب سے سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر اس کے سامنے لہرایا اس کو چوکیدار مشتبہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"ضرورت تو پوری کر سکتا ہے صاحب یہ مت پوچھنا کہ کوٹھی میں داخل ہونے کا راستہ کون سا ہے...... یہاں کون کون رہتا ہے...... دیکھو صاحب زمانہ اتنا برا ہے...... انسان کو ایسی بات کرنا پڑ جاتی ہے...... ہم اس کوٹھی کے وفادار چوکیدار ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے مالک محفوظ رہیں۔"

ذیشان ہنسنے لگا پھر بولا۔

"اچھے سمجھدار آدمی معلوم ہوتے ہو...... میں تم سے کوئی ایسی بات نہیں پوچھوں گا...... اگر سمجھدار ہو تو بتاؤ کہ میں تمہیں چہرے سے کوئی چور ڈاکو نظر آتا ہوں۔"

چوکیدار ہنسنے لگا پھر بولا۔

"یہی تو خرابی ہو گئی ہے اس زمانے میں جو چہرے سے چور ڈاکو نظر نہیں آتے اصل میں وہی چور اور ڈاکو ہو گئے ہیں...... صاحب ہم سیاست دان نہیں ہیں...... پڑھے لکھے ہیں...... اخبار پڑھ لیتے ہیں یہاں نوکری کر رہے ہیں اور مالکوں کے وفادار ہیں، صاحب وقت اس حد تک خراب ہو گیا ہے کہ لوگوں نے چوری اور ڈکیتی کو بھی ایک پیشے کے طور پر شروع کر دیا ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو لیکن میرے دوست اس کی وجوہات بھی تم جانتے ہو۔"

"نہیں صاحب اتنا نہیں جانتے ہم۔"

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"اکبر خان ہے جی۔"

"اکبر خان یہ نوٹ رکھ لو...... مجھے تھوڑی سی معلومات درکار ہے سمجھنے کی کوشش کرو تم۔"

"صاحب کیا معلومات کرنا چاہتے ہیں آپ؟ ہم نوٹ نہیں لیں گے آپ سے......

اگر ایسی معلومات ہوئی جسے دینے میں ہمیں کوئی مشکل نہ ہوئی تو بغیر نوٹ کے آپ کو دے دیں گے۔"

"آپ بہت اچھے انسان معلوم ہوتے ہو مگر تمہاری اس کوٹھی کے بارے میں نہیں میں سامنے والی کوٹھی کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"اوہو یہ سامنے والی کوٹھی۔"

"ہاں۔"

"آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہو صاحب...... اس عمارت میں ایک خاتون رہتی ہے ایک بہت خوبصورت خاتون...... پتلون پہنتی ہیں اور نیلے رنگ کی گاڑی چلاتی ہیں...... بیوی ہے اختیار احمد صاحب کی۔"

"اچھا اچھا...... میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اختیار احمد کی اپنی عمر کیا ہے؟"

"ارے صاحب دولت مند لوگوں کی عمر پوچھنے کے قابل نہیں ہوتی...... اختیار احمد صاحب کی عمر تو بہت زیادہ ہے۔"

"مگر ان کی بیوی کی عمر تو۔"

"ہاں صاحب...... وہ بس آپ سے کیا کہیں...... ارے بڑے آدمیوں کا شوق ہے...... اختیار احمد صاحب بہت بڑے آدمی ہیں...... اپنا شوق ان جیسے آدمی پورا نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا...... کیا آپ نے بیگم صاحبہ کو دیکھا ہے۔"

"ہاں...... اسی لئے تو میں حیران ہوں کیونکہ مجھے معلوم ہوا تھا کہ اختیار احمد صاحب کی عمر بہت زیادہ ہے اور بیگم صاحب...... اکبر خان اب تمہیں بتانے میں مجھے دقت نہیں ہو رہی تو بیگم صاحبہ جو ہیں نا ایک زمانے میں میرا اور ان کا ساتھ رہ چکا ہے...... ہم لوگ یونیورسٹی میں ساتھ پڑھا کرتے تھے اور اس کے بعد ہم ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے...... میری کیفیت تو تم دیکھ رہے ہو...... ایک غریب سا آدمی ہوں...... مجھے اس بات پر حیرانی ہے کہ وہ اتنی شاندار کوٹھی میں کیسے پہنچ گئی۔"

"صاحب یہی تو افسوس کا بات ہے آج کل انسان کو ترقی کرنے کے لئے کچھ دوسرے ہی راستے تلاش کرنے پڑتے ہیں...... ہم اتنا تو نہیں جانتے کہ یہ سب کیا ہے ہم غریب آدمی ہیں...... نوکر ہیں ادھر مگر اتنا معلوم ہے کہ بہت زندہ دل ہیں بیگم جی اور گاڑی اڑائے اڑائے

پھرتی ہیں اور اختیار احمد صاحب بیمار ہیں، سخت بیمار ہیں۔"

"بیمار ہیں؟"

"ہاں صاحب کوئی بڑی ہی بیماری ہے...... ڈاکٹر اور نرسیں اس کوٹھی میں آتے جاتے نظر آتے ہیں۔ پر بیگم صاحب کو اس کی بالکل پروا نہیں ہے...... اپنی گاڑی اڑاتی پھرتی ہیں۔"

"ہاں اکبر خان...... زمانہ ایسا ہی ہو گیا ہے...... بہر حال۔"

"وہ صاحب ایک بات پوچھیں آپ سے؟"

"پوچھو۔"

"کوئی چکر وغیرہ چل رہا تھا آپ کا؟"

"نہیں...... بس وہ میری بہت اچھی دوست تھی اب تو شاید وہ مجھے پہچاننے سے بھی انکار کر دے...... میں یہاں تھا نہیں...... دوسرے شہر میں رہتا تھا...... ایک بار معلومات حاصل کی تو پتا چلا کہ محترمہ ہواؤں میں اُڑ رہی ہیں...... بس معلومات حاصل کرتا پھر رہا ہوں اس کے بارے میں۔"

"چھوڑو صاحب زندگی ایسے گزارنے کی چیز نہیں ہوتی...... انہوں نے اپنا مقام تلاش کر لیا آپ اپنا مقام تلاش کرو۔"

"اکبر خان تمہارا بہت بہت شکریہ...... اب بھی اگر تم چاہو تو یہ رقم مجھ سے لے سکتے ہو۔"

"چھوڑو صاحب چھوڑو...... اکبر خان بڑا دل والا ہے...... چھوٹا موٹا پیسہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا...... آپ کا بہت بہت شکریہ۔"

ذیشان وہاں سے واپس پلٹ پڑا...... ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں اس دنیا میں کچھ ایسے دل والے بھی نظر آ جاتے ہیں جن کے سامنے روپے کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، حالانکہ کچھ عرصے پہلے سو روپے کا یہ نوٹ انسان کے لئے اتنی اہمیت کا حامل تھا کہ اس کے حصول کے لئے وہ نہ جانے کیا کچھ کر سکتا تھا، لیکن اکبر خان نے وہ نوٹ قبول نہیں کیا تھا...... ذیشان کے ذہن میں لاتعداد خیالات تھے...... اتنی بڑی رقم کو محفوظ کرنا بھی ضروری تھا، اسے صوفیہ کے حوالے کرنا ہو گا زندگی کی جو صعوبتیں اس نے اٹھائی ہیں بہر حال قابل قدر تھیں لیکن صوفیہ کو اس رقم کے بارے میں سمجھانا بے حد ضروری ہو گا...... پھر وہ اپنے ذہن میں کہانیاں

بنتا ہوا اپنے گھر کی جانب چل پڑا تھا...... گھر میں داخل ہوا تو بچے معمول کے مطابق خو
ہو کر اس کے قریب آ گئے...... تین سال کی جدائی کے بعد تو باپ ملا تھا...... بچے اس پر جا
چھڑکتے تھے......ان کی محبت سے کبھی کبھی ذیشان کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے کہ کاش وہ ا
کے لئے بہتر زندگی کا سامان مہیا کرنے میں کامیاب ہو جائے، اس نے دل میں سوچا......
صوفیہ موجود نہیں تھی بچی نے بتایا کہ وہ سلائی کے کپڑے لے کر گئی ہے...... ذیشان انتظ
کرنے لگا...... کچھ دیر کے بعد صوفیہ واپس آ گئی...... اس نے تیس روپے اس کے سامنے
رکھتے ہوئے کہا۔

"سلائی کے پیسے مل گئے ہیں...... آج تو گھر میں بالکل پیسے نہیں تھے۔"

ذیشان نے افسردہ نگاہوں سے صوفیہ کو دیکھا اور کہا۔

"تمہاری اس محبت کا صلہ شاید میں مرتے دم تک نہ دے سکوں...... صوفیہ! کہ
ہوئے شرم آتی ہے مجھے کہ جو ذمہ داریاں میری تھیں وہ تمہیں پوری کرنی پڑ رہی ہیں۔"

صوفیہ ہنس دی اور بولی۔

"آپ کی سوچ ہے ورنہ میں کوئی احسان نہیں کر رہی...... یہ بچے ہم دونوں کے ہ
اور ہماری ذمہ داری ہیں...... یہ ذمہ داری تمہیں بھی پوری کرنی ہے اور مجھے بھی......
دونوں مل کر ہی یہ ذمہ داری پوری کریں گے...... ایک فرد بھی دوسرے پر احسان نہ
جتائے گا۔"

"پھر بھی صوفیہ، ذمہ داریاں تو تقسیم ہوتی ہیں...... بہر حال تم نے جس طرح میر
معاونت کی ہے...... میرے دل میں اس کا احترام ہے اور صوفیہ زندگی میں اگر موقع مل سکا
اس کا صلہ ضرور دوں گا...... شاید تمہیں یاد ہو گا کافی عرصہ پہلے کی بات ہے...... میں نے ایک
شخص کا ذکر کیا تھا تم سے۔"

"کس کا؟"

"امتیاز تھا اس کا نام۔"

"کون تھا؟" صوفیہ نے سوال کیا۔

"تمہیں یاد نہیں ہے۔"

"ہاں کچھ ذہن میں نہیں آ رہا۔"

"میرا دوست تھا...... میرے بچپن کا دوست...... کافی عرصے تک ہم دونوں کا ساتھ رہا
تھا...... پھر وہ شارجہ چلا گیا تھا...... وہاں وہ ملازمت کرنے لگا اور ہمارے رابطے ختم ہو گئے۔"

"مجھے بالکل یاد نہیں ہے۔"

"امتیاز کسی دن خود یہاں آئے گا...... مجھ سے ملے گا...... یہ بات بھی شاید صوفیہ
تمہارے ذہن میں نہ رہی ہو کہ جب امتیاز دوبئی گیا تو میں نے اسے دو ہزار روپے دیئے تھے۔"

"ارے واقعی مجھے تو سچ مچ یاد ہی نہیں ہے...... تم نے کبھی تذکرہ نہیں کیا۔"

"تذکرہ کیا تھا صوفیہ لیکن تمہیں یاد نہیں رہا...... خیر چھوڑو ان باتوں کو...... امتیاز
اچانک مجھ مل گیا...... شارجہ سے آیا ہوا ہے...... غالباً یہاں اس کی شادی وغیرہ کا سلسلہ چل
رہا ہے......کچھ دن کیلئے آیا ہے، چلا جائے گا...... کہہ رہا تھا کہ میرے پاس ضرور آئے گا۔"

"کب آئے گا؟" صوفیہ نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔

ذیشان ہنسنے لگا...... اندر سے اسے شرمندگی ہو رہی تھی، اپنی مخلص بیوی کے آگے
جس نے اس کی عزت برقرار رکھنے کے لئے اپنی زندگی تباہ کر دی تھی۔

"نہیں تم سمجھنے کی کوشش کرو...... باہر سے کوئی شخص آئے گا تو اس کی خاطر مدارات
تو کرنا ہو گی، ہم لاکھ خراب حیثیت میں ہی سہی لیکن ہمارے ہاں تو کوئی مہمان بھی نہیں آتا،
اگر ایک آ رہا ہے تو اس کے لئے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہو گا۔"

"جیسا تم چاہو کرنا، لیکن اس وقت اس نے میرے ساتھ جو کچھ کیا ہے میں اس کا صلہ
نہیں دے سکتا۔"

"اتنی ضد کی اس نے صوفیہ کے مجھے اس کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔"

"کس سلسلے میں؟"

"میں نے بتایا نا کہ اس نے دو ہزار لئے تھے مجھ سے۔"

"ہاں تو پھر؟"

"وہ اس نے واپس کئے ہیں...... نہایت ممنونیت اور احسان کے اظہار کے ساتھ......
اس کا کہنا ہے کہ یہ دو ہزار اس کی زندگی میں جتنے معاون ثابت ہوئے وہ ان کا صلہ لاکھوں کی
شکل میں بھی نہیں دے سکتا، پھر اس نے انتہائی زبردستی کر کے مجھے یہ کچھ نوٹ دیئے ہیں
صوفیہ...... تم یقین کرو میں کوئی چھوٹا سا احسان کر کے اس کا صلہ نہیں لینا چاہتا تھا لیکن اس

نے اس طرح سے مجبور کیا کہ میں واقعی مجبور ہو گیا...... بڑی قسمیں دیں اور ایسی قسمیں جنہیں میں رد نہیں کر سکتا تھا۔" ذیشان نے نوٹوں کی گڈی صوفیہ کی گود میں ڈال دی......

صوفی پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا...... وہ سہمی ہوئی آواز میں بولی۔

"یہ تو بہت ہیں۔"

"یہی نہیں صوفیہ بلکہ امتیاز نے مجھے بہت سی پیشکشیں کی ہیں، اس نے کہا ہے کہ میں یہاں پر کوئی چھوٹا موٹا کاروبار شروع کروں...... وہ مجھے ایک بڑی رقم قرض کے طور پر دے گا...... اس نے کہا ہے کہ اگر میرا کاروبار جم جائے اور زندگی میں مجھے بھی اتنا منافع حاصل ہو جائے کہ میں اس کی دی ہوئی رقم اسے واپس کر سکوں ورنہ اس کی واپسی بھی ضروری نہیں ہے۔"

صوفیہ حیران رہ گئی تھی پھر اس نے کہا۔

"اس کے علاوہ بھی اور دے گا؟"

"ہاں صوفیہ کہتا تو یہی ہے۔"

"تو کیا تم لے لو گے؟" صوفیہ نے کہا۔

ذیشان سوچ میں ڈوب گیا، پھر اس نے کہا۔

"دُنیا نے جتنے چرکے لگائے ہیں نا ہم نے جن حالات میں گزارا کیا ہے نا اس کے بعد دل نہیں چاہتا کہ اپنے ان اقدار کا ڈھول پیٹتا رہوں جن کے نتیجے میں تین سال کی ناکردہ سزا بھگتنی پڑی اور پھر یہ کوئی جرم نہیں ہے...... یہ تو قرض ہے...... اگر اس قرض سے ہماری کچھ زندگی بدل سکتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ مجھے انکار نہیں کرنا چاہئے۔"

صوفیہ سوچ میں ڈوب گئی پھر بولی۔

"کہیں کوئی اور مشکل نہ بن جائے؟"

"ہر طرح کی مشکلات کا خیال رکھوں گا صوفیہ...... تمہیں میرا معاون رہنا چاہئے۔"

"تو یہ رقم۔"

"آرام سے خرچ کرو...... جو ضرورتیں رکی ہوئی ہیں انہیں پورا کرو...... ہر طرح کی آسائشیں لے لو اپنے لئے...... بچوں کے لباس بناؤ...... سب خرچ کر ڈالو صوفیہ...... یہ تمہارے ہی لئے ہیں اور ہاں سنو! مجھے اس میں سے صرف دو نوٹ دے دو۔" ذیشان نے کہا

اور گڈی میں سے دو نوٹ نکال کر اپنے پاس رکھ لئے۔

صوفیہ کے ہاتھ لرز رہے تھے لیکن بہر حال شوہر کا سہارا حاصل تھا...... اس نے رقم اپنے پاس رکھ لی اور ذیشان کی آنکھوں میں آسودگی اُبھر آئی...... ذہن میں کچھ خدشات ضرور تھے...... پتا نہیں وہ عورت جس کا نام ابھی تک اسے معلوم نہیں ہو سکا تھا...... سوائے اس کے کہ وہ سیٹھ اختیار کی بیوی تھی...... اس سے کیا چاہتی ہے؟ بہر حال ذیشان نے یہ بھی سوچ لیا تھا کہ اگر ایسی کوئی سادہ سی بات ہوئی جیسا کہ اس عورت نے کہا ہے کہ وہ غیر قانونی معاملہ نہیں ہے تو پھر وہ اس کا ساتھ دے گا، اب کچھ بھی ہو زندگی گزارنے کے لئے اپنے لئے بھی تو کچھ کرنا ہی ہوتا ہے...... اس خیال نے اسے مطمئن کر دیا تھا، وہ رات بہت خوشیوں اور سکون کی رات تھی، گھر میں بہترین کھانا پکا تھا...... ان تیس روپوں کی اب کوئی اہمیت نہ رہی تھی جو کہ صوفیہ سلائی کے بدلے میں لائی تھی...... رات کے کھانے کے بعد میاں بیوی بہت دیر تک باتیں کرتے رہے...... بچے سو گئے تھے اور جب صوفیہ بھی سو گئی تو ذیشان کا ذہن وسوسوں میں گھر گیا...... بہر حال دوسرے دن اسے گیارہ بجنے کا انتظار تھا، دس بجے ہی وہ میڈیکل سٹور پہنچ گیا...... میڈیکل سٹور کے مالک کا نام جاوید تھا...... اس سے سلام دعا ہوئی...... جاوید ایک اچھا انسان تھا...... ایک دوسرے کے پرانے شناسا تھے یہ لوگ، جاوید جانتا تھا کہ ذیشان جیسے شخص کو یقیناً کسی ناکردہ جرم کی سزا ملی ہے...... اس شخص نے بھی بہت خیال رکھا تھا ذیشان کے گھر کا، اس کے بچوں کا...... ذیشان نے اسے بتایا کہ اس کے ایک دوست کا فون آنے والا ہے...... وہ اس کے انتظار میں ہے پھر ٹھیک گیارہ بجے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔

جاوید کے فون اٹھانے سے پہلے ذیشان نے آگے بڑھ کر فون اٹھا لیا تھا...... پھر اس کی توقع کے مطابق دوسری طرف سے آواز اُبھری۔

"دیکھئے مجھے مسٹر ذیشان سے بات کرنی ہے۔"

ہاں میڈم میں ہی بول رہا ہوں۔" ذیشان نے کہا۔

"اوہ، تم فون کا انتظار کر رہے تھے۔"

"ہاں ظاہر ہے آپ نے مجھے گیارہ بجے کا وقت دیا تھا۔"

شکریہ...... مجھے وقت کی پابندی کرنے والے لوگ بے حد پسند ہیں...... اچھا مسٹر

ذیشان آپ ایک کام کیجئے...... آپ کو گرین سکوائر پہنچنا ہے...... گرین سکوائر کے بارے میں آپ جانتے ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"گرین سکوائر کی تیسری منزل پر فلیٹ نمبر ایک سو تیرہ ہے، سمجھ رہے ہیں نا ذہن نشین کر لیں یا نوٹ کر لیں...... گرین سکوائر تھرڈ فلور، فلیٹ نمبر ایک سو تیرہ...... ایک سو تیرہ کے دروازے پر جب آپ رکیں گے تو دروازے کے برابر ہی ایک چھوٹا سا خلا ہے وہ کال بیل کا خلا ہے لیکن اس کا نچلا حصہ تھوڑا سا ٹوٹا ہوا ہے...... وہاں آپ کو فلیٹ کی چابی مل جائے گی، اس چابی سے فلیٹ کا تالہ کھولئے اور اندر آ کر بیٹھ جائیے...... یہ کام اب آپ ایک گھنٹے کے بعد کریں گے...... میں ایک گھنٹہ کے اندر وہاں پہنچ جاؤں گی۔"

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ مجھ سے پہلے وہاں پہنچ جائیں؟"

"یہ میں اس لئے کہہ رہی ہوں کہ اگر آپ مجھ سے پہلے پہنچ جائیں تو وہاں جا کر اندر بیٹھ جائیے میں آ جاؤں گی۔ میں پہلے پہنچ گئی تو پھر تو آپ کو فلیٹ کا دروازہ کھلا ہی ملے گا۔"

"ٹھیک ہے...... آپ کتنی دیر میں وہاں پہنچیں گی؟"

"ایک گھنٹے کے اندر اندر۔"

"تو بہتر یہی ہے کہ میں آپ کا انتظار کر لوں۔"

"جیسا آپ مناسب سمجھیں مسٹر ذیشان...... بہر حال ایک گھنٹے کے اندر اندر۔"

"بہت بہتر، میں پہنچ رہا ہوں۔"

"او کے......" دوسری طرف سے آواز آئی اور فون کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

ذیشان نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر ریسیور رکھ دیا تھا...... پھر وہ جاوید کا شکریہ ادا کر کے گھر واپس آیا...... لباس تبدیل کیا...... حلیہ درست کیا...... تھوڑی سی رقم اس کی جیب میں موجود تھی جسے اس نے اپنے لئے مناسب سمجھا اور پھر وہ وہاں سے چل پڑا۔

کافی دور آنے کے بعد اس نے ایک رکشا روکا اور اسے گرین سکوائر کا پتا بتا دیا۔

گرین سکوائر تک کا تمام سفر وسوسوں میں ڈوبا ہوا تھا...... وہ ایک عجیب سی بے چینی اور بے کلی محسوس کر رہا تھا، لیکن بہر حال ایک سنہرا مستقبل سامنے تھا...... صوفیہ کے ساتھ جھوٹ بولا تھا اور اب اس جھوٹ کو نبھانا بھی تھا لیکن اس کے باوجود یہ فیصلہ اس نے کر لیا تھا

کہ اگر کام اتنا ہی خطرناک ہوا جسے کرنے سے زندگی ایک بار پھر مشکلات کا شکار ہو جائے تو وہ اس سے گریز کرے گا، البتہ اس پر اسرار عورت کی معلومات پر اسے حیرانی تھی...... نہ جانے وہ اسے کتنا جانتی ہے...... نہ جانے اس کے بارے میں اس نے اتنی معلومات کیسے حاصل کر لیں...... ذیشان نے تو خیر جو کچھ کیا تھا وہ ایک الگ بات تھی اور وہ اسے ہر حالت میں اپنے ذہن میں رکھنا چاہتا تھا لیکن عورت کی معلومات کا کیا ذریعہ ہے...... یہ بات ذیشان کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی، بہت غور کیا تھا اس نے لیکن کوئی فیصلہ نہیں کر سکا...... یہاں تک کہ رکشا ڈرائیور نے کہا۔

"صاحب وہ سامنے گرین سکوائر ہے۔"

"ہاں بس یہیں روک دو۔" ذیشان نے کہا۔

رکشے سے اتر کر اس نے رکشا ڈرائیور کو بل کی رقم ادا کی، اس کے بعد وہ ٹہلنے کے سے انداز میں آگے بڑھ گیا...... گرین سکوائر ایک رہائشی عمارت تھی اس کے اطراف میں اور فلیٹ بھی تھے...... بظاہر یہ عام سی عمارت تھی...... عمارت کے مکین درمیانہ درجے کے لوگ تھے...... پتا نہیں فلیٹ نمبر ایک سو تیرہ کی کیا کیفیت ہے...... کیا کرنا چاہئے...... ویسے یہ ذرا عجیب سی بات تھی کہ اس عورت نے اسے فلیٹ کی چابی کی جگہ بتا دی تھی...... آخر وہ چابی وہاں کس لئے رکھی جاتی ہو گی، ذیشان بہت کچھ سوچتا رہا...... ایک بار دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ فلیٹ پر پہنچ کر پہلے سے وہ داخل ہو جائے...... فلیٹ کا جائزہ لے لے...... ہو سکتا ہے وہاں اسے ایسی کوئی چیز مل جائے جس سے اسے احساس ہو جائے کہ عورت اس سے کیا چاہتی ہے؟ لیکن پھر خوف دامن گیر ہو گیا...... کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اس فلیٹ میں داخل ہو اور کوئی ایسی مصیبت سامنے آ جائے جسے رد کرنا اس کے لئے ممکن نہ ہو...... کہیں فلیٹ میں کوئی لاش پڑی ہو اور وہ اندر داخل ہو اور اس کے فوراً بعد پولیس آ جائے اور اسے گرفتار کر لے...... وہ خوف سے لرز کر رہ گیا لیکن بہر حال کافی دیر تک وہ راہداری میں ٹہلتا رہا...... راہداری کے آخری سرے پر خلا تھا جس سے باہر سڑک کو دیکھا جا سکتا تھا، پھر اسے وہ مرسڈیز نظر آ گئی...... دور سے آ رہی تھی...... وہ مطمئن ہو گیا...... تھوڑی دیر بعد مرسڈیز گرین سکوائر کے سامنے والے حصے میں جا رکی...... ذیشان نے یہ بات خاص طور سے نوٹ کی تھی کہ مرسڈیز گرین اسکوائر سے ہٹ کر کھڑی کی گئی ہے پھر اس نے اس عورت کو اترتے ہوئے

دیکھا...... اس وقت وہ سادہ سے لباس میں تھی اور گردن جھکائے اس طرف آ رہی تھی...... ذیشان اپنی جگہ کھڑا رہا...... تھوڑی دیر کے بعد عورت اس فلیٹ کے سامنے رُکی...... پہلے اس نے اس ٹوٹے ہوئے خلا میں ہاتھ ڈال کر وہ چابی نکالی پھر دروازہ کھولا...... ابھی وہ دروازہ کھول رہی تھی کہ ذیشان تیز تیز قدموں سے چل کر اس کے قریب پہنچ گیا...... عورت نے اسے سرد نگاہوں سے دیکھا اور اس کے بعد فلیٹ میں داخل ہو گئی...... ذیشان بھی اس کے پیچھے پیچھے ہی داخل ہو گیا تھا...... ذیشان کے اندر قدم رکھتے ہی عورت نے پلٹ کر فلیٹ کا دروازہ بند کر دیا، پھر وہ ذیشان کو اشارہ کر کے چل پڑی...... فلیٹ تین کمروں پر مشتمل تھا...... ایک لاؤنج تھا جس کی داہنی سمت ایک قطار میں ایک بڑا سا کچن اور واش روم وغیرہ تھے...... تین کمروں میں سے ایک کمرا ڈرائنگ روم کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا...... عورت نے اطمینان سے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئی...... ذیشان بھی اس کے پیچھے اندر داخل ہو گیا تھا...... ڈرائنگ روم میں سادہ سا فرنیچر رکھا ہوا تھا...... ہلکا پھلکا سا کم قیمت کا قالین بچھا ہوا تھا...... ویسے بھی فلیٹ کی حالت بہت اچھی نہ تھی...... ایک رہائش گاہ کہا جا سکتا تھا اسے۔

"بیٹھو۔" عورت نے اس سے کہا۔

اور ذیشان بیٹھ گیا...... ویسے وہ گہری نگاہوں سے اس عورت کا جائزہ لے رہا تھا اور اپنے تجربے کی نگاہ سے اس نے یہ اندازہ بھی لگا لیا تھا کہ بہت تیز اور چالاک قسم کی عورت ہے اور زمانہ اچھی طرح دیکھے ہوئے ہے...... خوبصورت بھی ہے اور سمارٹ بھی، کسی کو بھی اپنی جانب متوجہ کرنے کی اہلیت رکھتی ہے لیکن ذیشان اس انداز میں اس سے کسی طور متاثر ہونے والوں میں سے نہیں تھا...... زمانے کی گردش کا ستایا ہوا کوئی شخص فوراً ہی ذہنی طور پر لطیف خیالات کی طرف مائل نہیں ہو سکتا...... یہی کیفیت اس وقت ذیشان کی تھی، جو وقت وہ جیل سے نکلنے کے بعد گزار چکا تھا اس نے اس کے اندر اتنی تلخیاں بھر دی تھیں کہ اب کوئی بھی حسین شے اسے متاثر نہیں کر سکتی تھی...... عورت کے بیٹھنے کا انداز بھی بے حد پرکشش تھا...... غالباً وہ اپنے جسمانی نقوش کی حشر سامانیوں سے واقف تھی اور جانتی تھی کہ جب صنف مخالف کا کوئی شخص اس کے سامنے ہو تو اسے اپنی جانب کیسے متوجہ کیا جا سکتا ہے...... اب یہ تو نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ ذیشان کو ایسے کسی ہتھیار سے مارنا چاہتی ہے کیونکہ

بہرحال اس وقت ذیشان جس کیفیت میں تھا اس کیفیت میں وہ ایک مرد کی حیثیت سے کسی عورت کے لئے قابل اعتنا نہیں ہو سکتا تھا اور عورت بھی ایسی جو ایک ماہر شکاری کی حیثیت رکھتی ہو...... ذیشان نے ان چند لمحات میں ان تمام باتوں کا جائزہ لیا تھا اور غالباً عورت بھی کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی اس لئے اس نے ذیشان کو یہ وقفہ دے دیا تھا پھر اس کی جانب وہ متوجہ ہوئی اور بولی۔

"گھبرا رہے ہو؟"

"کس بات سے؟" ذیشان کا لہجہ سرد تھا۔

"ایک فطری بات ہے ایسے کسی پراسرار ماحول میں کسی کو بلانا اور اس کے بعد ایک اجنبی جگہ ایسے خیال کے ساتھ بیٹھنا جس کا علم انسان کو نہ ہو...... فطری طور پر گھبراہٹ کا باعث بن سکتا ہے۔"

"تجزیہ نگاری کی کوشش نہ کرو...... میرا خیال ہے ہمیں کام کی بات شروع کر دینی چاہئے۔" ذیشان نے اپنے لہجے سے یہ ظاہر کیا کہ عورت کی ظاہری حیثیت سے وہ کسی طور متاثر نہیں ہے اور صرف کام کی بات کرنا چاہتا ہے...... تب عورت بولی۔

"میں نے تمہارا نام اپنی زبان سے پکارا...... تم نے ابھی تک مجھ سے میرا نام نہیں پوچھا۔"

"ضروری نہیں سمجھا۔"

"حالانکہ کل ایک بڑی رقم تم مجھ سے لے چکے ہو۔"

"میڈم لے نہیں چکا۔" ذیشان نے جواب دیا اور عورت ہنس پڑی۔

"ہاں وہ تو تم نے میرے ہینڈ بیگ سے چرائی تھی۔"

"یقیناً آپ یہ کہہ سکتی ہیں۔"

"گویا اپنی محنت سے تم نے حاصل کیا۔" اس نے کہا اور ذیشان بھی بے اختیار مسکرا دیا۔

"کہاں حاصل کیا وہ تو میں آپ کو واپس کرنے کو تیار تھا۔"

"اور یہ غلط طریقہ کار تھا۔"

"کیوں؟"

"رقم ہاتھ میں آتے ہی تمہیں وہاں سے بھاگ جانا چاہئے تھا۔"

"پتا نہیں کیوں میں ایسا نہیں کر سکا۔"

"خیر، میں شاید غیر ضروری باتیں کر رہی ہوں...... میرا نام ناہید اختیار ہے...... ناہید احمد بھی کہتے ہیں لوگ مجھے۔"

ذیشان نے گردن خم کی اس نے یہ اظہار نہیں کیا تھا کہ وہ اس کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات حاصل کر چکا ہے، لیکن اس بات پر اسے حیرت ہوئی تھی کہ عورت نے کم از کم اپنے بارے میں سچ بولا تھا...... تاہم ذیشان نے سوال کیا۔

"یہ اختیار...... یہ احمد؟"

"اختیار احمد میرے شوہر کا نام ہے۔"

"اچھا...... اچھا۔" ذیشان احمد کسی قدر مطمئن لہجے میں بولا۔

"مسٹر ذیشان جس انداز میں میری آپ سے ملاقات ہوئی ہے اور جس انداز میں، میں نے آپ کو یہاں طلب کیا ہے اس سے آپ کو یہ احساس تو ہو گا کہ یہ کوئی نیک کام نہیں ہے بلکہ زندگی کی ان ضروریات میں سے ایک ہے جنہیں قانون کبھی کبھی مجرمانہ عمل کا نام دے دیتا ہے۔"

"میں نے شاید آپ سے پہلے بھی یہ بات کہی تھی کہ کیا مجھے کوئی غیر قانونی کام کرنا ہو گا؟"

"دیکھو مائی ڈیئر ذیشان زمانے کی برائیوں پر میں لیکچر نہیں دینا چاہتی لیکن یہ بات میں ہی نہیں دنیا جانتی ہے کہ اس وقت ہر وہ شخص قانون کی خلاف ورزی کر رہا ہے جسے محفوظ انداز میں قانون شکنی کا موقع مل جاتا ہے...... میں زیادہ گہرائیوں میں نہیں جاؤں گی کیونکہ بات موضوع سے ہٹ جائے گی...... ہم وہ کام کرتے ہیں یعنی فرض کرو ایک جگہ چھوٹی سی دکان لگا لیتے ہیں، چلتی پھرتی دکان اور دیکھتے رہتے ہیں کہ کوئی پولیس وین تو آس پاس میں نہیں ہے وہ آتا ہے تو ہم اس دکان کو اٹھا کر وہاں سے چل پڑتے ہیں، کیا وہ دکان لگانا غیر قانونی نہیں ہے لیکن وہ دکان کیوں لگائی جاتی ہے کیونکہ وہ اپنے پیٹ کی ضرورت ہوتی ہے...... میں نے شاید کوئی موثر مثال نہیں دی...... میں ایسے تمام کاموں کے بارے میں کہہ رہی ہوں جو غیر قانونی ہوتے اور اندر سے دل و دماغ یہ بات جانتے ہیں کہ وہ غیر قانونی ہیں لیکن ہم انہیں کرتے ہیں...... ہمارے ذہنوں میں اس وقت قانون نہیں بلکہ وہ پولیس والا ہوتا ہے جو ادھر سے گشت کرتا ہوا گزر سکتا ہے اور سچی بات بتاؤں وہ پولیس والا بھی غیر قانونی عمل کرتا ہے...... وہ اگر تنہا ہو اور اسے موقع مل جائے تو دس بیس روپے لے کر وہ دکان عارضی طور پر

وہاں قائم رہنے دیتا ہے ان باتوں کو کہنے سے میری مراد یہ ہے کہ ہر وہ شخص اپنے مفاد کے لئے کام کرتا ہے جسے یہ کام کرنے کا موقع مل جائے...... وہ یہ نہیں سوچتا کہ کون سا کام قانونی ہے اور کون سا غیر قانونی...... ہاں ہم اس چیز کو خطرناک قرار دے سکتے ہیں جو یقینی طور پر سزا کا معاملہ ہو، جیسے قتل، ڈاکہ، چوری اور ایسے دوسرے واقعات جن کے لئے بہر حال قانون میں معافی کا لفظ نہیں ہے اور میں نے جو تم سے کہا تھا کہ میرا کام غیر قانونی نہیں ہے وہ اسی بنیاد پر کہا تھا کہ نہ تو اس کام میں کوئی قتل پوشیدہ ہے، نہ کوئی ڈاکہ زنی اور نہ ہی ایسا نا قابل یقین عمل جس سے سزا کا تصور ضروری ہو جائے، جو کام ہم کریں گے وہ یقینی طور پر قانونی تو نہیں ہو گا بلکہ ایک حد تک خاصا خطرناک ہو گا، لیکن یوں سمجھ لو کہ اگر ایسے کام کا انکشاف بھی ہو جائے تو میرے پاس اس کے لئے ایسے پہلو موجود ہیں جو ہمارے لئے بچت کا باعث بن سکتے ہیں۔" ذیشان اس کے الفاظ سن رہا تھا...... اس کی باتیں سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا...... یہ اندازہ تو اس نے چند لمحوں ہی میں لگا لیا تھا کہ عورت غیر معمولی طور پر ذہین اور چالاک ہے...... اس کے الفاظ بھی اسی کیفیت کے غماز تھے...... ذیشان سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

"میں سمجھ رہا ہوں آپ کی بات اور کافی حد تک سمجھ گیا ہوں محترمہ ناہید۔"

"تم مجھے صرف میڈم کہہ کر مخاطب کرو...... میں نے نام اس لئے بتایا کہ تم یہ نہ سمجھو کہ میں خود کو تم سے چھپانا چاہتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے میڈم...... میرا خیال ہے کہ ہمارے درمیان بہت سی باتیں ہو چکی ہیں اور آپ کو خود بھی اندازہ ہو گا کہ اب وہ باتیں جاننے کا تجسس کس قدر بڑھ گیا ہے جس کے لئے آپ نے مجھے طلب کیا ہے۔"

"میں خود بھی ٹو دی پوائنٹ آنا چاہتی ہوں۔"

"جی۔"

"دیکھو مسٹر ذیشان جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا کہ جو کچھ میں کرنا چاہتی ہوں اس میں جرم کا ایک پہلو بے شک چھپا ہوا ہے...... میں اس سے انکار نہیں کرتی اور جب انسان کسی کو اپنے جرم میں شریک کرتا ہے تو اسے خود بھی خوف ہوتا ہے کہ کہیں وہ اس کے لئے باعث مصیبت نہ بن جائے۔"

"جی۔" ذیشان نے کہا۔

"ایسی صورت میں انسان کے ذہن میں اپنے تحفظ کا خیال بھی پیدا ہو جانا ایک فطری عمل ہے۔"

"کیوں نہیں۔"

"اپنا مقصد تمہیں بتاتے ہوئے کیا مجھے اس خوف کا شکار نہیں ہونا چاہئے؟"

"یہ میں نہیں جانتا۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ میں آپ کی دریافت ہوں...... آپ میری نہیں۔"

"غلط بات ہے...... میں نے جو رقم تمہیں دے دی بغیر کسی لالچ کے...... وہ بھی اس انداز میں کہ اگر میں چاہتی تو تمہیں مشکل میں ڈال سکتی تھی۔"

"اب جو ہو چکا وہ ہو چکا...... نہ میں وہ رقم آپ کو واپس کرنے لگا ہوں نہ آپ اس کی واپسی کا مطالبہ مجھ سے کر رہی ہیں، چنانچہ آگے کے کسی بھی قدم کو اس سے منسلک کرنے کی کوشش نہ کریں...... آپ کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

ذیشان کے ان الفاظ پر وہ مسکرا دی پھر بولی۔

"مانتی ہوں اس بات کو لیکن کیا میں اس بات کو کہنے میں حق بجانب نہیں ہوں کہ آگے کے جو اقدامات میں کرنے والی ہوں میرے لئے باعث تشویش ہو سکتے ہیں۔"

"میڈم یہ سارے فیصلے صرف آپ کو کرنا ہوں گے۔"

"یہ بھی مانتی ہوں اور انہی فیصلوں کے تحت میں یہ کاغذ تمہارے سامنے پیش کرنا چاہتی ہوں۔" اس نے اپنے ہینڈ بیگ سے ایک کاغذ نکالا جس پر ایک تحریر درج تھی...... اس تحریر میں یہ لکھا ہوا تھا کہ "میں ایک لاکھ روپے بطور قرض مسز ناہید اختیار سے لے رہا ہوں جس کی واپسی ایک ماہ کے اندر اندر ہو جائے گی...... یہ قرض لینے کے بعد میں رسید دے رہا ہوں اور اگر ایک ماہ کے اندر اندر میں اس رقم کی واپسی نہ کر سکا تو مسز ناہید کو یہ اختیار ہے کہ وہ میرے خلاف قانونی چارہ جوئی کریں۔"

"یہ کیا ہے؟" ذیشان نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"تمہیں اس پر دستخط کرنا ہوں گے۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ تم میرے قابو میں رہو۔"

ذیشان ہنسنے لگا اور بولا۔

"میڈم اگر آپ مجھ سے کوئی کام لینا چاہتی ہیں تو یقینی طور پر میرا پہلا سوال یہ ہوگا کہ آپ نے مجھ پر بھروسا کیسے کیا؟ دوسری بات یہ کہ میرے ذہن میں یہ شدید تجسس ہے کہ آپ میرے ماضی کے بارے میں اتنا کچھ کیسے جانتی ہیں...... میں بھی یہ جاننا چاہوں گا کہ اس کا ذریعہ کیا ہے؟ اور میرا انتخاب کیوں کیا گیا ہے؟ کیا آپ کے خیال میں یہ غیر فطری امر ہے؟"

"مسٹر ذیشان آپ یقین کریں کہ یہ کوئی ایسا اہم مسئلہ نہیں ہے...... میں آپ کو اس کے بارے میں کسی نہ کسی وقت ضرور بتا دوں گی کہ ایسا کیسے ہوا؟ یہ اتنی اہم بات نہیں ہے۔"

"میڈم...... اہم ہے۔"

"آخر کیوں؟"

"بالکل اسی طرح جیسے آپ اپنا کوئی راز مجھے سونپتے ہوئے مجھے اپنا ایک لاکھ کا مقروض ظاہر کرنا چاہتی ہیں۔"

"اوہ، گڈ...... یقین کرو اس بات پر مجھے پریشان ہونا چاہئے تھا لیکن پریشان ہونے کی بجائے میں خوش ہوں اور خوش اس لئے ہوں کہ بہرحال ایک ذہین شخص سے میرا واسطہ پڑا ہے۔"

"اس کاغذ کو واپس اپنے پرس میں رکھ لیجئے...... میں کسی ایسے کاغذ پر دستخط نہیں کروں گا...... ہمارے درمیان اگر اعتماد قائم ہو سکتا ہے تو صرف فرضی بنیادوں پر قائم ہو سکتا ہے...... مجھے اگر کسی ایسے کام میں کوئی فائدہ ہوگا جو میں کروں آپ کے لئے تو میں پوری دیانت داری سے وہ کام آپ کے لئے کروں گا...... آپ کو اگر احساس ہو جائے کہ میں وہ کام کرنے کے قابل ہوں تو آپ مجھ سے وہ کام لیجئے گا...... میرا خیال ہے اب اسی پر بات ختم ہونی چاہئے۔"

وہ ذیشان کو دیکھتی رہی، دیر تک دیکھتی رہی اور اس کے بعد اس نے وہ کاغذ اٹھا کر پرزے پرزے کر دیا اور اس کی ایک گولی بنائی...... چند لمحے سوچتی رہی اور اس کے بعد اسے مٹھی میں دبا لیا پھر بولی۔

"ٹھیک ہے میں نے تم سے اتفاق کر لیا ہے مسٹر ذیشان۔"

"آپ اس بات پر بھروسا رکھیں...... حالات نے مجھے اس منزل پر لا کھڑا کیا ہے جہاں میں بہتر فیصلے نہیں کر سکتا...... میں اپنے آپ کو درست کرنے کی فکر میں سرگرداں ہوں، اگر کوئی ایسا کام ہو گا جیسا آپ نے کہا تو میرا خیال ہے میں اسے کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"ٹھیک ہے میں نے مان لیا ہے...... اب میری بات سنو...... اختیار احمد ایک خاصا دولت مند آدمی ہے...... سچے موتیوں کا کاروبار کرتا ہے...... اس کا یہ کاروبار یہاں سے دبئی تک پھیلا ہوا ہے بلکہ یہ سمجھو کہ دبئی ہی اس کی صحیح مارکیٹ ہے...... جاپان، ملائشیا اور انڈونیشیا سے وہ سچے موتی خریدتا ہے...... اس نے اپنے چھوٹے چھوٹے کارخانے لگا رکھے ہیں، وہاں وہ انہیں پالش کرواتا ہے اور اس کے بعد انہیں دبئی میں فروخت کرتا ہے...... یوں سمجھو کہ ایک طرح سے اس کا کاروبار سیٹ ہے...... خاصا عمر رسیدہ آدمی ہے اس کی پہلی بیوی کا انتقال ہو گیا ہے...... میں اس کی دوسری بیوی ہوں...... یوں سمجھ لو ذیشان میں اپنے آپ کو پاک باز اور پارسا عورت نہیں کہتی، ان معنوں میں کہ میں نے اختیار احمد سے شادی کا جو فیصلہ کیا وہ پوری طرح سوچ سمجھ کر کیا کہ میں ایک دولت مند گھرانے میں جاؤں گی اور بقیہ زندگی عیش و عشرت سے گزرے گی...... مسٹر ذیشان! اختیار احمد سے میرا تعارف ایک کلب میں ہوا تھا اور وہاں سے ہم دونوں کے تعلقات آگے بڑھے...... میرا ماضی نہ تو اتنا داغ دار ہے کہ مجھے اس پر شرمندگی سے گردن جھکانی پڑے نہ اتنا روشن کہ میں اس پر فخر کر سکوں...... سمجھ لیں کہ ایک بے سہارا لڑکی تھی میں اور کسی بہتر سہارے کی تلاش میں سرگرداں جو اختیار احمد کی شکل میں مجھے نظر آیا...... میں نے اپنی عمر کو بھول کر اس سے شادی کر لی، اپنے مستقبل کے لئے لیکن بعد میں مجھے علم ہوا کہ اختیار احمد ایک خود غرض انسان ہے...... وہ اپنی عیاشی، اپنی دل بستگی کے لئے غیر ممالک میں جا کر لاکھوں خرچ کر دیتا ہے...... ہانگ کانگ، بنکاک، سنگاپور اور نہ جانے کہاں کہاں اس نے خوب سیر و سیاحت کی ہے لیکن میرے بغیر...... میں نے اپنی زندگی کے سارے خواب پورے کرنے کے لئے اس سے شادی کی تھی، لیکن یہ سمجھ لو ذیشان کہ میرا ایک بھی خواب پورا نہیں ہوا...... وہ کنجوس شخص مجھے صرف ایک گھر، ایک کار اور ایک عام سی زندگی دینے پر آمادہ ہو سکا اور یہ گھر، یہ کار سب اسی کا ہے...... میرے نام کوئی چیز نہیں ہے...... بیمار رہنے لگا ہے مگر اب بھی اس کی عیاشیاں عروج پر ہیں...... میں سوچتی ہوں کہ وہ مر بھی جائے گا لیکن یہ سب کچھ مجھے نہیں دے گا...... میں تو بالکل قلاش رہ

گئی...... ایک لگا بندھا خرچ مجھے دیتا ہے اس کے سوا کچھ نہیں جبکہ میری اپنی امنگیں اور آرزوئیں کچھ اور ہیں...... یہ میری اس سے شکایت ہے بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ مجھے اپنے مستقبل کی ناپختگی کا احساس ہے...... سمجھ رہے ہو نا مسٹر ذیشان؟"

"ہاں میڈم۔" ذیشان نے جواب دیا۔

"ایک عورت کے دل میں اپنے شوہر کے لئے اگر خود غرضی پیدا ہو جاتی ہے تو یہ اہم بات نہیں ہے۔"

"جی۔"

"اب آؤ دوسری طرف...... اس کی پہلی بیوی سے ایک لڑکی ہے جس کی عمر اٹھارہ انیس سال کے قریب ہے...... بیٹی باپ کے بارے میں کوئی بہتر خیال دل میں نہیں رکھتی، کیونکہ اختیار احمد نے اسے بھی ان تمام ضروریات سے محروم رکھا ہے جو ایک نوجوان لڑکی کی ضروریات ہو سکتی ہیں...... وہ فطرتاً ہی ایسا ہے...... بس یوں سمجھ لو کہ نوشاد بھی میری طرح عدم تحفظ کا شکار ہے۔"

"نوشاد، اختیار احمد کی بیٹی کا نام ہے؟" ذیشان نے سوال کیا پھر دوبارہ کہا۔ "آپ کے اس سے کیسے تعلقات ہیں؟"

"بے حد مناسب، اچھے تعلقات ہیں اور ایسے تعلقات سوتیلی ماں بیٹی کے نہیں ہوتے بلکہ جیسے دو دوستوں کے ہوتے ہیں...... وہ میری دوست ہے...... اختیار احمد سے اختلاف کے باوجود جب میں نے محسوس کیا کہ وہ لڑکی بھی میری طرح مظلوم لڑکی ہے تو اس سے ہمدردیاں بہت زیادہ بڑھ گئیں...... ہم دونوں ایک دوسرے کے اچھے برے کے شریک ہیں۔"

"ٹھیک۔"

"چنانچہ ہم دونوں کا یہ مشترکہ پروگرام ہی ہے جو ہم نے ترتیب دیا ہے اور اب تم تیسرے فرد ہو جو اس پروگرام میں شامل ہو رہے ہو۔"

"پروگرام کیا ہے؟"

"اب مجبوری ہے میں تمہیں بتائے بغیر نہیں رہ سکتی...... صورت حال یہ ہے کہ میں نے اور نوشاد نے ایک پروگرام ترتیب دیا ہے...... نوشاد کو اغوا کیا جائے گا۔"

ذیشان اس بات پر چونک پڑا...... اس نے حیرت سے کہا۔

”اغوا؟“

”ہاں...... بیچ میں مت بولو...... پہلے میری پوری بات سن لو...... نوشاد کو اغوا کیا جائے گا اور اس کے عوض بیس لاکھ روپے تاوان طلب کیا جائے گا۔“

”جی سن رہا ہوں۔“

”لیکن اصل میں نوشاد کو اغوا نہیں کیا جائے گا۔“ وہ پراسرار انداز میں بولی۔

”تو پھر؟“

”وہ اپنی خوشی سے اپنے گھر سے آجائے گی...... ہم ایسا انتظام کریں گے کہ وہ پوشیدہ رہے اور مسٹر ذیشان تمہارا کام یہ ہوگا کہ اغوا کنندہ کی حیثیت سے تم اختیار احمد سے بیس لاکھ روپے طلب کرو...... بس یہاں تمہیں ایک شاندار ڈرامہ کرنا ہوگا۔“

ذیشان کے بدن میں سرد لہریں دوڑ گئیں اس نے کہا۔

”گویا مجھے۔“

”ہاں بالکل اور اس کا معاوضہ تمہیں تین لاکھ ملے گا اور ذیشان یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ اگر تم دس سال تک کوششیں کرو تو اکٹھا تین لاکھ نہیں دیکھ سکتے اور نہیں کما سکتے...... تم نے بھی دنیا دیکھ لی ہے...... یہ تین لاکھ روپے حاصل کرنے کے بعد تم کوئی چھوٹا موٹا کاروبار کرسکتے ہو...... تندرست و توانا اور مضبوط آدمی ہو...... تین لاکھ کا تم کوئی بھی پروگرام بنا سکتے ہو...... فیصلہ تمہارے اختیار میں ہے اگر تم کرنا چاہو تو میرے ساتھ تعاون کرسکتے ہو۔“

ذیشان گہری سوچ میں ڈوب گیا دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

”بات بے شک قتل وغیرہ کی نہیں ہے لیکن کیا یہ ایک سنسنی خیز قدم نہیں ہوگا۔“

”سنو ذیشان! میں نے اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا ہے نہ صرف میں نے بلکہ نوشاد نے بھی...... ہم تمہیں اس بات کی امید دلاتے ہیں کہ یہ کوشش کسی سنگین جرم میں کبھی تبدیل نہیں ہوسکتی۔“

”کیا مطلب؟ کیسے؟“ ذیشان نے سوال کیا۔

”فرض کرو وہ کنجوس شخص اپنی بیٹی کے عوض بیس لاکھ روپے تاوان ادا کرنے پر آمادہ نہ ہو اور اس سلسلے میں کچھ اور کارروائیاں کرے تو اس بات کو ہم نیا رنگ دے سکتے ہیں۔“

”مثلاً؟“

”مثلاً یہ کہ جب کارروائی عروج پر پہنچ جائے تو نوشاد خود اپنے گھر واپس آجائے اور یہ کہے کہ اس بور ماحول سے تنگ آگئی تھی اور اپنے لئے خود ایک جگہ منتخب کرلی تھی...... وہ صرف اپنے باپ کو پریشان کرنے کے لئے اس کے ساتھ یہ مذاق کررہی تھی...... نوشاد یہ تمام ذمے داری اپنے اوپر لینے کو تیار ہے...... ظاہر ہے یہ ایسا جرم نہیں ہوگا جس پر قانون اسے سزا دے سکے...... زیادہ سے زیادہ باپ بیٹی کے درمیان ایک چھوٹا سا اختلاف پیدا ہوجائے گا، جس کے لئے نوشاد ذہنی طور پر تیار ہے، جہاں تک بات ہماری اس مہم کی کامیابی کی رہی تو اس میں تمہارا بہت بڑا حصہ ہوگا...... ایک ایسے شخص کی حیثیت سے تم اختیار احمد کو ہراساں کرسکتے ہو وہ تم کرو گے جو ایک سنگ دل انسان ہے اور دولت کے حصول کے لئے جو قتل کرنے سے دریغ نہیں کرے گا۔“

ذیشان دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

”کیا اختیار احمد اپنی بیٹی سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے؟“

”ہاں محبت تو وہ مجھ سے بھی کرتا ہے لیکن مسئلہ محبت کا نہیں ہے بعض جگہ وہ دولت کو ہر چیز پر ترجیح دیتا ہے اور محبتوں کو قربان کردیتا ہے، چنانچہ یہ بات وثوق سے نہیں کہی جاسکتی کہ ہم اختیار احمد کو وہ رقم ادا کرنے پر تیار کرلیں گے لیکن میں یہ کوشش کروں گی اور انتہائی کوشش کروں گی...... اس وقت جب تم اپنا مطالبہ اس کے سامنے پیش کرو گے۔“

”غور تو کرنا پڑے گا اس پر کیونکہ صورت حال تو بہر حال سنگین ہے۔“

”تمہاری مرضی ہے اس سے زیادہ تحفظ تمہیں اور کیا دیا جاسکتا ہے...... ہم یہ الزام تم پر کسی طور عائد نہیں ہونے دیں گے، بلکہ اسے ایک مذاق کا رنگ دے کر ساری بات ختم کرنے کی ضمانت دی جاتی ہے تمہیں۔“

”پھر بھی میڈم...... تھوڑا سا سوچنے کا وقت تو دیجئے گا۔“

”تمہاری مرضی ہے...... چاہو تو سوچ لو۔“

”میرا خیال ہے مجھے اس کے لئے چوبیس گھنٹوں کا وقت درکار ہوگا۔“

”ٹھیک ہے کل اسی وقت، اسی فلیٹ میں تم مجھ سے مل سکتے ہو۔“

”بہت بہتر میں کل گیارہ بجے حاضر ہوجاؤں گا۔“

”اوکے مسٹر ذیشان، میرا خیال ہے کہ میں یہاں نہ تو تمہاری خاطر مدارات کرسکتی

ہوں اور نہ ہی اس کے انتظامات ہیں...... ویسے تمہیں بتادوں کہ یہ فلیٹ میری ایک دوست کا ہے...... میری تحویل میں رہتا ہے...... کبھی کبھی یہاں آجاتی ہوں اور میری دوست لندن گئی ہوئی ہے، وہ وہاں ملازمت کرتی ہے...... ایک براڈکاسٹنگ کے ادارے میں۔"

"مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔"

"کل گیارہ بجے میں یہاں تمہارا انتظار کروں گی۔"

"ٹھیک ہے۔"

"اٹھو۔"

اور اس کے بعد وہ دونوں فلیٹ سے باہر نکل آئے...... ذیشان نے اس ٹوٹی ہوئی جگہ کو صاف دیکھ لیا تھا جہاں میڈم کے کہنے کے مطابق فلیٹ کی چابی موجود تھی...... میڈم نے اس سے کہا۔

"اگر مجھ سے پہلے پہنچ جاؤ تو اطمینان سے یہاں سے چابی نکال کر اندر داخل ہو جانا...... کسی کو اس کا اندازہ نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے میڈم آپ اطمینان رکھیں...... کل میری یہیں پر آپ سے ملاقات ہوگی تو آپ کو اپنا آخری فیصلہ سنادوں گا۔"

"اوکے...... اب تم ایسا کرو کہ ٹہلتے ہوئے اسی جھروکے کے پاس چلے جاؤ جہاں سے مجھے دیکھتے رہے اور جب میری کار یہاں سے چلی جائے تو واپس جاسکتے ہو۔"

"اوکے۔" ذیشان نے کہا۔

پھر اسی کے مطابق تمام عمل کیا گیا تھا...... جھروکے میں سے ذیشان اس پراسرار عورت کو دیکھ رہا تھا...... پلان بہت شاندار تھا لیکن ذیشان یہ بات جانتا تھا کہ اس پلان کے مزید جرم ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا...... ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں عورتیں اپنی کاوشوں میں کامیاب نہ ہونے پائیں اور اختیار احمد کچھ مشکل ہی انسان ثابت ہو...... یہ دونوں تو صاف نکل سکتی ہیں...... ذیشان پھنس جائے گا اور اس کے لئے بچنا انتہائی مشکل ہو جائے گا...... چنانچہ خطرہ تو ہے، اس کے علاوہ دوسری بات بھی ذیشان کے ذہن میں رہی تھی...... ناہید کا کہنا بالکل درست تھا...... تین لاکھ روپے حاصل کرنا صرف ایک خواب ہو سکتا ہے، کم از کم ذیشان جیسے آدمی کے لئے اس خواب کی تعبیر ناممکن ہی ہے...... چنانچہ اگر تھوڑی سی محنت

کرلی جائے...... کوشش کرلی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے...... ایک بہتر مستقبل کا آغاز ہوسکتا ہے...... صوفیہ ایک سیدھی سادی عورت تھی...... اسے ایسے راز میں شریک کرنے کا مطلب یہ تھا کہ خود اپنی گردن میں پھانسی کا پھندا لگایا جائے۔

وہ گھر میں داخل ہوا تو بیوی اور بچوں کے ساتھ بہت خوش اخلاقی سے پیش آتا رہا...... اپنی کہانی کو اس نے آگے بڑھالیا تھا اور صوفیہ کو مطمئن کر دیا تھا لیکن اس کے ذہن میں سوچوں کا بسیرا رہا اور وہ اس سلسلے کے باقی معاملات پر بھی غور کرتا رہا۔

دوسرے دن گیارہ بجے ناہید کے ساتھ میٹنگ تھی...... اس نے سوچا اپنے ہاتھ میں بھی کچھ ہونا چاہئے کہ جس سے صرف اس کی گردن نہ پھنسے بلکہ یہ بات ایک باقاعدہ پروگرام کی شکل اختیار کر جائے اور اس نے تدبیر سوچ لی تھی، چنانچہ شام کو وہ اپنے گھر سے باہر نکلا...... کچھ رقم صوفیہ سے طلب کی اور اسے جیب میں ڈال کر چل پڑا...... بازار سے اس نے ایک اچھے سے برانڈ کا چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر خریدا اس میں سیل ڈالے اور اسے اچھی طرح چیک کر کے وہاں سے چل پڑا...... اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ کام کو شاندار انداز ہی میں کرنا چاہئے چنانچہ تمام تر تیاریوں کی تکمیل کے بعد دوسرے دن صبح ساڑھے نو بجے وہ گھر سے باہر نکل آیا اور سیدھا گرین سکوائر پہنچا...... گیارہ بجے کا وقت تھا...... یہ تو ممکن نہیں تھا کہ ناہید وہاں پہنچ گئی ہو...... اسے فلیٹ میں داخل ہونے کے لئے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی...... چابی اپنی جگہ سے نکال کر وہ فلیٹ میں داخل ہوا اور اس کے بعد اسی ڈرائنگ روم میں پہنچا یہاں اس نے احتیاط کے ساتھ ایسی جگہ تلاش کرنا شروع کر دی جہاں ٹیپ ریکارڈر کو ایسی جگہ چھپایا جاسکے کہ جب چاہے اسے ہاتھ بڑھا کر آن کر لیا جائے...... صوفے کی پشت کا حصہ تھوڑا سا پھٹا ہوا تھا...... جہاں سے لکڑی کا فریم جھانک رہا تھا...... ذیشان نے وہاں وہ ٹیپ ریکارڈر حفاظت سے چھپادیا اور پھر اپنے پروگرام کی ریہرسل کر کے دیکھی...... ہاتھ کو احتیاط کے ساتھ صوفے کے عقب میں لے جایا جائے تو ٹیپ ریکارڈر کا پلے اور ریکارڈر دبا دیا جائے...... ایسا اس نے دو تین بار کر کے دیکھا کیسٹ سیٹ تھا...... اس نے خود ہی اپنی آواز اس میں ریکارڈ کی اور اسے یہ اندازہ ہو گیا کہ اگر ناہید ان صوفوں میں سے کسی صوفے پر بیٹھی ہو تو ریکارڈر میں اس کی آواز ریکارڈ کرنے میں کوئی مشکل نہ ہو، پھر مطمئن ہو کر اس نے ٹیپ ریکارڈر وہیں چھوڑ دیا اور برق رفتاری سے ڈرائنگ روم سے باہر نکل آیا...... فلیٹ کو لاک

کیا...... چابی اس کی جگہ رکھی اور گرین سکوائر سے باہر نکل آیا۔

آج وہ ناہید کا استقبال باہر سڑک پر کرنا چاہتا تھا تاکہ ناہید کو اس بات کا کوئی شبہ نہ ہو سکے، پھر ٹھیک گیارہ بجے اس نے نیلی مرسڈیز آتے ہوئے دیکھی...... پچھلے دن مرسڈیز جس جگہ پر کھڑی ہوئی تھی وہ اس سے کچھ فاصلے پر جاکر کھڑا ہوا تاکہ ناہید اسے دیکھ لے...... البتہ ناہید کے ساتھ آج اس نے ایک خوبصورت لڑکی کو اترتے ہوئے دیکھا تھا اور اسے دیکھ کر ذیشان کے انداز میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی...... دُبلے پتلے بدن کی مالک انتہائی دلکش نقوش کی یہ لڑکی اپنے اندر کسی کو جذب کرنے کی بے پناہ صلاحیت رکھتی تھی...... اس کے اخروٹی رنگت کے بال لمبے لمبے اور ایک خاص انداز سے بنے ہوئے تھے، وہ ایک سادہ سا لباس پہنے ہوئے تھی اور اس کی چال میں بھی ایک انوکھی بات تھی...... سڑک عبور کرنے کے بعد وہ گرین سکوائر میں داخل ہو گئی...... ناہید نے ذیشان کو دیکھ لیا تھا اور غیر محسوس انداز میں اشارہ کیا تھا، چنانچہ ان لوگوں کے اندر داخل ہونے کے بعد ذیشان بھی باآہستگی سیڑھیاں عبور کر کے آخر کار فلیٹ پر پہنچ گیا جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا...... ذیشان کو ایک لمحے میں اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ لڑکی اختیار احمد کی بیٹی نوشاد تھی، لیکن جس قدر دلکش شخصیت کی مالک تھی وہ...... اسے ذیشان دیر تک ذہن سے محو نہیں کر سکا تھا...... فلیٹ میں داخل ہو کر اس نے دروازہ بند کیا تو اس کے دل میں ایک وسوسے نے سر اُبھارا...... کہیں ایسا نہ ہو کہ ان دونوں میں سے کوئی اس جگہ بیٹھ گئی ہو جہاں ذیشان نے خود بیٹھنا تھا، اگر ایسا ہوا تو اس کے لئے خاصی مشکل پیش آسکتی ہے...... ڈرائنگ روم میں داخل ہونے کے بعد اس نے سب سے پہلے اسی بات کا جائزہ لیا تھا لیکن شکر تھا کہ وہ دونوں سامنے والے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھیں اور وہ صوفہ خالی تھا جس پر ذیشان کو بیٹھنا تھا...... ذیشان نے خوش اخلاقی سے سلام کیا اور پھر وہ صوفے پر بیٹھ گیا...... ناہید اسے دیکھ رہی تھی...... ذیشان مسکرا دیا تو ناہید نے کہا۔

"اصل میں یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی میں کہ تم اپنے دل میں کیا سوچیں لے کر آئے ہو...... کہا جاتا ہے کہ چہرہ دل کا آئینہ ہوتا ہے اور اگر تھوڑی سی محنت کر لی جائے اس آئینے میں تو دل کی باتیں چہرے سے عیاں ہو جاتی ہیں...... میرا تجربہ اگر اس وقت دھوکا نہیں دے رہا تو تمہارے چہرے سے اندازہ ہوتا ہے کہ تمہیں اتفاق ہے...... ارے ہاں میں نوشاد کا تفصیلی تعارف تم سے کروانا تو بھول گئی...... میرا خیال ہے کل کی نشست میں، میں

نے تمہیں نوشاد کے بارے میں تفصیلات بتا دی تھیں، اس وقت میں انہیں اس لئے ساتھ لے کر آئی ہوں کہ کہیں تمہارے ذہن میں کوئی ابہام نہ رہ جائے...... تم یہ نہ سوچنے لگو کہ نوشاد ہمارے منصوبے میں شریک ہے یا نہیں...... میں نے نوشاد کو تمہارے بارے میں تفصیلات بتا دی ہیں اور تم اگر چاہو تو اس سے سوالات کر سکتے ہو۔"

"نہیں میڈم! بھلا میں ان سے کیا سوالات کروں گا...... باقی جو ساری باتیں ہوں گی ظاہر ہے ان کے سامنے ہی ہوں گی۔"

"ہاں بے شک۔"

"خود آپ کے ذہن میں تو کوئی نئی بات پیدا نہیں ہوئی؟"

"نہیں کوئی ایسی بات نہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"مس نوشاد کیا آپ میڈم ناہید کے ساتھ اس منصوبے میں شریک ہیں؟"

"ہاں بالکل۔" اس نے مترنم آواز میں جواب دیا...... اس کے چہرے پر ایک ہلکی سی گھبراہٹ نظر آ رہی تھی۔

ناہید نے کہا۔

"دیکھو نوشاد ابھی ہمارے پاس وقت ہے، اگر تم نے ذرہ برابر کمزوری کا اظہار کیا تو بات صرف تمہاری ذات تک محدود نہیں ہے۔ ہم دونوں بھی اس میں برابر کے ملوث ہیں...... ہر شخص مضبوطی سے اپنے طور پر کام کرے گا، چنانچہ فیصلہ کر لو۔"

"نہیں...... بس یونہی کبھی کبھی میرے ذہن پر بوجھ سا آ پڑتا ہے۔"

"اختیار احمد سے کچھ حاصل کرنے کے لئے ہمیں اس بوجھ کو سر سے اتارنا ہو گا۔ ہاں مسٹر ذیشان آپ چاہیں تو نوشاد سے سوالات کر سکتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے مزید سوالات کی گنجائش نہیں ہے۔ طے یہ ہوا تھا کہ مس نوشاد اپنے گھر سے غائب ہو جائیں گی اور آپ انہیں کسی محفوظ جگہ پوشیدہ کر دیں گی، پھر اس کے بعد مجھے اختیار احمد صاحب سے رجوع کر کے تاوان کی رقم طلب کرنا ہو گی۔"

"ہاں بالکل یہی منصوبہ ہے ہمارا۔" ناہید نے جواب دیا۔

"اس کام کا آغاز کب کرنا ہے ہمیں؟"

"میرا خیال ہے کہ ہمارے درمیان جب سارے معاملات طے ہو چکے ہیں تو اب دیر

کرنا بے کار ہے۔ زیادہ سے زیادہ پرسوں۔" ناہید نے کہا۔

"مس نوشاد کو پوشیدہ رکھنے کے لئے کون سی جگہ استعمال کی جائے گی؟"

"ایک درمیانے درجے کا ہوٹل ہے..... ایک ایسی جگہ جہاں کسی کا دھیان نہیں جا سکتا..... اس ہوٹل میں ایک کمرہ آج ہی حاصل کر لیا جائے گا اور اس کے بعد انہیں وہاں منتقل کر دیا جائے گا۔"

"سوچ لیجئے اس سلسلے میں کوئی دقت تو نہ ہو گی؟"

"بالکل نہیں..... میں اکثر سیر و تفریح کے لئے کبھی کبھی ایک آدھ دن کے لئے گھر سے نکل جاتی ہوں۔"

"جی میڈم..... جو پروگرام آپ نے سوچا ہے..... اس میں آپ کو کہاں کہاں سقم نظر آتا ہے..... جیسا کہ آپ کا خیال ہے کہ اختیار احمد صاحب ایک کنجوس آدمی ہیں، معاف کیجئے گا تو کیا وہ اتنی بڑی رقم ادا کرنے کو تیار ہو جائیں گے۔"

"یہ فیصلہ تمہیں کرنا ہے ڈیئر ذیشان..... تمہیں اس کے لئے ایک ماحول بنانا ہوگا..... یوں سمجھو کہ آئیڈیا ہمارا ہے..... سکرپٹ تمہارا ہوگا۔"

"ٹھیک، مناسب ہے تو پھر پرسوں تک یہ تمام کارروائی ہو جانی چاہئے، یعنی ہوٹل میں کمرے کا حصول اور اس کے بعد باقی تمام کام۔"

"یہ سب میری ذمے داری ہے۔"

"اس ہوٹل سے مجھے بھی واقفیت ہونی چاہئے۔"

"خود جا کر دیکھ سکتے ہو..... علاقے کا نام میں بتائے دیتی ہوں..... ہوٹل کا نام صحارا ہے۔"

"تو پھر سکرپٹ یوں ہوگا..... پورا دن نوشاد اپنے گھر میں رابطہ رکھیں گی..... شام آپ اپنے گھر سے نکلیں گی..... بالکل اسی طرح جیسے آپ اپنے ڈیڈی سے اجازت لیا کر ہیں..... کسی قسم کے تردد یا الجھن کا مظاہرہ نہ کریں گی تاکہ کوئی شبہ نہ ہو اس کے بعد وہ پہنچ جائیں اور اپنے کمرے میں مقیم ہو جائیں گی۔ اس دوران میڈم آپ کو یہ کرنا ہوگا کہ اس کمرے کا نمبر بتا دیجئے گا..... تفصیل کے ساتھ اور ویسے بھی میں آپ سے عرض کردوں کہ آپ براہ راست اس سارے معاملے میں شریک رہیں گی۔"

"کس طرح؟" ناہید نے سوال کیا۔

"دیکھئے بات اس قدر آسان تو نہ ہوگی..... اختیار احمد صاحب اب اس قدر بے اختیار نہ ہوں گے کہ وہ اپنی بیٹی کی گم شدگی یا اغوا کے سلسلے میں کسی سے کوئی رابطہ ہی نہ کریں..... سمجھ رہی ہیں نا آپ..... وہ اپنے طور پر ہر ممکن کوشش کریں گے اور اس کے لئے وہ پولیس سے مدد بھی لے سکتے ہیں۔"

"اس کی آپ کو ضمانت دیتی ہوں کہ وہ پولیس سے رجوع نہیں کریں گے۔"

"اس کی وجہ؟" ذیشان نے سوال کیا۔

لیکن ناہید نے کڑی نگاہوں سے ذیشان کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "دیکھئے مسٹر ذیشان آپ کا اور ہمارا تعلق صرف ان معاملات سے ہے..... اس کے آگے پیچھے کیا ہے اس کے بارے میں نہ تو آپ مجھ سے سوالات کریں گے اور نہ میں کسی طور ان کا جواب دینا پسند کروں گی۔" اس کا لہجہ حتمی تھا..... پھر ذیشان نے کہا۔

"ٹھیک ہے مجھے آپ کے ذاتی معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے اور نہ کوئی دلچسپی لیکن ان واقعات کے سلسلے میں جو سب کچھ ہم کر رہے ہیں ان کے بارے میں یہ سب کچھ پوچھنا چاہوں گا۔"

"اس کے لئے یہ بھی ہے کہ اگر وہ بتانے کے قابل ہوئیں تو بتاؤں گی ورنہ نہیں۔"

"ٹھیک ہے..... تو آپ کو یقین ہے اس بات کا کہ اختیار احمد صاحب پولیس سے رجوع نہیں کریں گے۔"

"ہاں..... میں آپ کو یہ یقین دلاتی ہوں اس کے علاوہ ایک بات اور بھی ہے کہ اگر کوئی ایسا قدم وہ لوگ اٹھائیں گے یعنی اختیار احمد صاحب تو میں ان کو منع کروں گی..... آخر میں ان کی بیوی ہوں..... مجھے کسی قدر تو ان کے امور پر اختیار حاصل ہے۔"

"ہاں یہ تو ہے میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں۔"

"بس اس کے بعد میں کسی پبلک کال بوتھ سے اختیار احمد صاحب کو فون کروں گا اور اس رقم کے حصول کے لئے ان سے بات کروں گا۔"

"جس طرح اغوا برائے تاوان کا عمل کرنے والے پراسرار طریقے سے رقم طلب کرتے ہیں آپ بالکل اسی طریقے سے یہ رقم ان سے طلب کریں گے۔"

"ظاہر ہے۔"

"رقم کہاں وصول کریں گے آپ؟"

"کسی بھی مناسب جگہ۔"

"لیکن مسٹر ذیشان اس سلسلے میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خود آپ کا اپنا ٹھکانہ کون سا ہوگا؟"

"آپ نے یہ بہت اچھی بات کہی...... ظاہر ہے میں آپ کو اپنا گھر کا پتا تو بتانا پسند نہیں کروں گا۔" ذیشان نے کہا۔

ناہید کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور بولی۔

"میں آپ کا گھر جانتی ہوں۔"

"کیا؟"

"جی ہاں...... میں جانتی ہوں مسٹر ذیشان...... آپ کا کیا خیال تھا کہ میں آپ کا گھر نہیں جانتی ہوں گی۔"

"اوہ، ہاں...... واقعی اور یہ سوال ہمیشہ میرے ذہن میں کلبلاتا رہے گا کہ آپ کو میرے بارے میں یہ معلومات کیسے حاصل ہوئیں؟"

"ٹھیک ہے...... اس کلبلاہٹ کا علاج میرے پاس نہیں ہوگا۔" ناہید نے بے رحمی سے کہا۔

"آپ اس سے آگے کیا کہنا چاہتی تھیں؟"

"میرا مطلب ہے آپ یہ رقم لے کر کہاں جائیں گے؟"

"کہیں نہ کہیں تو جاؤں گا۔"

"وہی آپ سے کہنا چاہتی ہوں...... دیکھئے برا بالکل نہ مانئے گا...... ہم کوئی مہذب کام کر نہیں رہے کہ کسی شرافت کی توقع رکھیں، رقم وصول ہونے کے بعد آپ کہیں بھی غائب ہو سکتے ہیں...... اپنے بیوی بچوں کو کہیں منتقل کر سکتے ہیں...... میں اور نوشاد آپ کو کہاں تلاش کرتے پھریں گے۔"

"آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ میں بیس لاکھ روپے کی رقم لے کر فرار ہو سکتا ہوں۔"

"ظاہر ہے جو شخص تین لاکھ روپے کے عوض یہ کام کرنے کو تیار ہے تو بیس لاکھ بہت بڑی رقم ہے۔"

"آپ یہ چاہیں گی کہ ان بیس لاکھ روپوں پر آپ ہی کا مکمل قبضہ ہو۔"

"خیر اس کا فیصلہ آپ کو خود ہی کرنا ہوگا...... ابھی ہم نے ایک دوسرے کے لئے کام شروع نہیں کیا ہے۔"

"نہیں نہیں، میرا یہ مطلب نہیں ہے...... کام تو ہم شروع کر چکے ہیں۔"

"تو پھر اس کا فیصلہ بھی آپ ہی کیجئے کہ یہ سب کچھ کیسے ہوگا۔"

"ہاں...... یہ فیصلہ کرنا ذرا مشکل ہو رہا ہے میرے لئے۔"

"تو پھر یوں کیجئے کہ آپ مجھ پر اعتماد کریں...... اس کے لئے اگر کوئی اور ترکیب آپ کے ذہن میں ہو تو میں اس پر عمل کرنے کو تیار ہوں۔"

ناہید کچھ دیر سوچتی رہی اس نے سوالیہ نگاہوں سے نوشاد کو دیکھا لیکن ذیشان کو اندازہ ہوتا جارہا تھا کہ نوشاد اس منصوبے میں بے شک شریک تو ہے اور لازمی بات ہے اسے بھی اپنے باپ سے ایسی ہی شکایات ہوں گی کہ وہ اپنے باپ کو چوٹ دینے پر آمادہ ہو گئی ہے، بظاہر وہ سادہ سی لڑکی نظر آتی تھی، اس کے برعکس ناہید شکل ہی سے چالاک نظر آتی تھی...... بہرحال ناہید نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"ذیشان صاحب اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب نہیں ہے میرے پاس کہ میں آپ پر اعتماد کروں۔"

"میرے خیال میں بھی مناسب ہے ویسے اگر زبانی بات کسی کو مطمئن کر سکتی ہے تو میں آپ سے یہ عرض کروں گا کہ میں نے صرف تین لاکھ کا خواب دیکھا ہے...... بیس لاکھ کا نہیں اور بعد میں بھی ظاہر ہے کہ ہم ایک دوسرے سے تعاون کر سکتے ہیں۔"

"یہی میں بھی کہنا چاہتی تھی۔"

"آپ مطمئن رہیں ایسا ہی ہوگا۔"

"اوکے...... ویسے میری ایک رائے ہے کہ بیس لاکھ روپے کی رقم لینے کے بعد اسی فلیٹ میں واپس آجایئے گا...... یہاں ہمارے رابطے اب تک جس طرح آسان رہے ہیں آئندہ بھی اسی طرح آسان رہیں گے۔"

"یہ مناسب بات ہے میں ایسا کرلوں گا۔" ذیشان نے کہا۔

"تو پھر اور کوئی ایسی بات جو ہمارے درمیان ہونا باقی رہ گئی ہو؟"

"میرے خیال میں نہیں۔"

"تو پھر ایسا کیجئے کہ آپ اٹھ کر یہاں سے چلے جائیے...... اس کے بعد ہم باہر نکل جائیں گے...... رابطوں کے لئے وہ فون نمبر آپ کا ہے اور میں اسی کے ذریعے رابطہ کر لوں گی کیونکہ اور کوئی طریقہ کار مناسب نہیں رہے گا۔"

"میرا یہ خیال ہے کہ یہ فلیٹ ہماری ملاقاتوں کا ذریعہ ہے۔"

"اصل میں ہمارا ایک ہی جگہ بار بار ملنا مناسب نہیں ہوگا۔"

"تو پھر شہر میں کچھ ایسے مقامات بنا لیتے ہیں مثلاً وہ جگہ جہاں پہلی ملاقات ہوئی تھی۔"

"گڈ...... کل پھر ہماری ملاقات اسی جگہ گیارہ بجے ہوگی، اس کے بعد ہم دیکھ لیں گے کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے تو پھر کل گیارہ بجے۔" ذیشان نے کہا...... اس کے دل میں یہ تشویش پیدا ہو گئی تھی کہ اگر وہ فلیٹ سے اُٹھ کر چلا گیا تو ایسا نہ ہو کہ یہ دونوں خواتین اس فلیٹ میں رہیں اور کسی طرح ٹیپ ریکارڈر کا راز کھل جائے لیکن اس سلسلے میں زیادہ بحث بھی نہیں کر سکتا تھا وہ، چنانچہ وہ خاموشی سے اپنی جگہ سے اُٹھا پھر چلتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے کل گیارہ بجے۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔"

پھر ذیشان فلیٹ سے باہر نکل آیا...... پہلے وہ سیڑھیوں کی جانب بڑھا لیکن پھر اس نے ایک منصوبے کے تحت سیڑھیوں کا رخ تو کیا مگر اوپر جانے والی سیڑھیوں کا...... اوپر ایک ایسی جگہ جا کر کھڑا ہو گیا جہاں وہ اس فلیٹ کے دروازے پر نظر رکھ سکتا تھا...... وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ خواتین کتنی دیر لگاتی ہیں...... اس کے وسوسے بے سود ثابت ہوئے...... اس کے نکلنے کے کوئی تین یا چار منٹ بعد ناہید اور نوشاد باہر نکل آئیں اور سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئیں...... ذیشان نے سکون کی ایک سانس لی تھی...... اس کا مطلب ہے کہ انہوں نے فلیٹ وغیرہ کی تلاشی لینے کی کوشش نہیں کی، اس بات کے بظاہر کوئی امکانات نہیں تھے کہ انہیں شبہ ہوتا کہ ذیشان کوئی ایسا کام کرنا چاہتا ہے...... ذیشان کا ذہن جب جرم کی طرف مائل ہوا تھا تو اس کی برق رفتاری بڑھ گئی تھی اور وہ بہترین انداز میں سوچنے لگا تھا...... تین لاکھ روپوں کا حصول شاید اس کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ ہوتا...... غبن کا جو الزام اس پر لگا

گیا تھا وہ صرف الزام ہی تھا...... ذیشان یہ سوچ رہا تھا کہ کاش اس کے ہاتھ کوئی ایسا ذریعہ لگ جاتا اس الزام کی سزا تو وہ بھگت ہی چکا تھا لیکن ناکردہ گناہ کی...... گناہ کر کے اگر یہ سزا بھگت لی جاتی تو کم از کم مستقبل کے کچھ راستے ضرور کھل جاتے...... اب ان لمحات کا حساب وہ اس طرح چکانے پر آمادہ ہو گیا تھا...... اس نے اوپر کی منزل کے کاریڈور کا رخ کیا اور اوپر سے نیچے کی طرف جھانکنے لگا...... وہی جھروکا ہر منزل پر موجود تھا جہاں سے دوسری طرف دیکھا جا سکتا تھا...... اس نے ناہید اور نوشاد کو نیلی مرسڈیز کے پاس دیکھا...... ناہید نے اسٹیرنگ سنبھالا اور نوشاد اس کے برابر بیٹھ گئی اور مرسڈیز اسٹارٹ ہو کر چل پڑی تھی...... اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ ان دونوں نے اسے تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی ہے...... اس حد تک گویا وہ اس سے مطمئن ہیں پھر یہی ہوا کہ ذیشان اسی فلیٹ میں دوبارہ داخل ہو رہا تھا...... چابی کا سلسلہ کچھ زیادہ ہی اچھا تھا...... نہ جانے چابی اس جگہ رکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی اور یہاں اس فلیٹ میں ناہید کے علاوہ اور کون آتا تھا...... کسے چابی کی ضرورت پیش آتی تھی، جبکہ اس فلیٹ کی ایک چابی ناہید کے پاس پہلے بھی موجود تھی...... یہ بات ذیشان کی سمجھ میں نہ آسکی...... فلیٹ میں داخل ہو کر اس نے دروازے اندر سے بند کر لیا اور صوفے کے پاس پہنچا، پھر ٹیپ ریکارڈر ریوائنڈ کر کے اس پر ہونے والی گفتگو سنی...... ٹیپ ریکارڈر میں ساری گفتگو ریکارڈ ہو چکی تھی، اس نے مطمئن انداز میں کیسٹ نکال کر اپنی جیب میں رکھا اور ٹیپ ریکارڈ بھی محفوظ کرنے کے بعد دروازے کی جانب چلا...... اچانک ہی اسے احساس ہوا کہ اس فلیٹ کی اس نے باریک بینی سے چھان بین نہیں کی ہے، کم از کم اس کے بارے میں تو مکمل تفصیلات معلوم ہونی چاہئے...... چابی کا وہ مسئلہ اب بھی اس کے ذہن میں اٹکا ہوا تھا۔

پھر وہ ایک ایک کمرے کی تلاشی لینے لگا...... ایک الماری سے اسے گولڈ لیف کا پیکٹ اور لائٹر بھی ملا اور ایک ایش ٹرے سے سگریٹ کے جلے ہوئے ٹکڑے بھی...... وہ حیران رہ گیا کیونکہ ناہید کو تو اس نے سگریٹ پیتے ہوئے نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ سگریٹ پیتی ہے...... جلے ہوئے ٹکڑے اور سگریٹ کا پیکٹ، اس نے جلے ہوئے ٹکڑے کو اٹھا کر بغور دیکھا اور اسے اندازہ ہو گیا کہ یہ ٹکڑے زیادہ پرانے نہیں ہیں...... تازہ جلے ہوئے سگریٹ کے ٹکڑے ہیں...... اس کا مطلب ہے کہ اس فلیٹ میں کوئی آتا ہے لیکن کون، کب

اور کیوں جیسا کہ ناہید نے بتایا تھا کہ یہ فلیٹ اس کی دوست کا ہے اور وہ باہر ہے...... یہ پراسرار احساس ذیشان کو خاصا پریشان کر رہا تھا...... وہ چونک پڑا کہ اگر اس فلیٹ میں اس کے علاوہ بھی کوئی آتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اسے اس فلیٹ کو اتنی آزادی سے استعمال نہیں کرنا چاہئے، چنانچہ وہ برق رفتاری سے باہر نکل آیا...... فلیٹ کو تالا لگایا اور چابی وہیں رکھی، پھر وہاں سے وہ چل پڑا...... نیچے اترنے کے بعد وہ دیر تک اِدھر اُدھر دیکھتا رہا کہ کوئی نگرانی تو نہیں کر رہا، پھر وہاں سے وہ آگے بڑھ گیا پھر وہ ایک چھوٹے سے ریسٹورنٹ میں بیٹھا ہوا تھا اور سوچ میں گم تھا...... ویٹر نے اس کی طلب کردہ چائے اس کے آگے رکھ دی اور ذیشان چھوٹے چھوٹے سپ لیتے ہوئے سوچنے لگا کہ اگر یہ ایسا ہی پراسرار معاملہ ہے تو پھنس جانے کے کیا کیا امکانات ہیں...... بہر حال گفتگو تو وہ ریکارڈ کر ہی چکا تھا اور یہ کیسٹ اس کے بڑے کام آسکتی تھی...... ایسے وسوسے اس کے دل میں تھے جو خطرناک ثابت ہو سکتے تھے...... اس نے اس سلسلے میں کوئی مناسب فیصلہ کرنے کے لئے تگ و دو شروع کر دی...... اس کا ذہن اب ایک مکمل مجرمانہ انداز میں سوچ رہا تھا...... وہ اپنے لئے تمام پہلو محفوظ کر لینا چاہتا تھا۔ ایک غلطی کا اسے شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ اس نے اپنی تمام تر رقم اپنی بیوی کو دے دی تھی۔ کم از کم آدھی رقم اس کے پاس ہونی چاہئے تھی تاکہ وہ ضروری امور طے کر سکتا...... یہ مناسب نہیں تھا کہ وہ ناہید سے مزید رقم مانگے...... اس سلسلے میں وہ مشکوک بھی ہو سکتی تھی...... ذیشان سوچتا رہا...... بہت سے ایسے اہم فیصلے کئے جو اس کے لئے از حد ضروری تھے، چنانچہ سب سے پہلے وہ گھر ہی کی طرف چل پڑا...... ذیشان کی بیوی ان دنوں خاصی مصروف اور مطمئن تھی...... ذیشان نے ہوٹل میں بیٹھ کے جو فیصلے کئے تھے ان کے تحت اس نے اپنی بیوی سے کہا۔

"بہت دن سے تم گھر سے باہر نہیں نکلی ہو...... خدا نے ہمارے حالات کسی حد تک بہتر کر دیئے ہیں، اگر تم چاہو تو تھوڑے دن کے لئے اپنی اس کزن کے پاس ہو آؤ جو تمہیں کئی بار بلا چکی ہے۔" صوفیہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے کہا۔

"کبھی کبھی تو تم میرے ذہن میں اس طرح داخل ہو جاتے ہو کہ مجھے حیرت ہوتی ہے۔ یقین کرو میرے دل میں خیال آرہا تھا اور میں یہ سوچ رہی تھی کہ تم سے اس سلسلے میں بات کروں گی۔"

"اصل میں صوفیہ تمہیں اس بات کا اندازہ ہے کہ میرے ذہن میں تمہارے لئے بہت سے خیالات آتے رہتے ہیں...... تقدیر نے مجھے اس طرح دھکا دیا تھا کہ میں کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔ بہر حال اگر تمہارا دل چاہتا ہے تو چلی جاؤ۔"

"کم از کم پندرہ دن کے لئے تو جانا ہی ہوگا۔"

"ہاں اس سے کم میں بھلا کیا مزہ آئے گا۔"

"تم کیا کرو گے؟"

"کیا مطلب؟"

"تمہیں میری غیر موجودگی میں تکلیف نہیں ہوگی؟"

ذیشان مسکرایا اور بولا۔

"تکلیف تو ہوگی۔"

"تو پھر؟"

"تکلیف برداشت کر لوں گا۔"

"کیسے برداشت کر لو گے؟"

"نہیں صوفیہ میں تمہاری کتنی حق تلفیاں کر سکتا ہوں...... فوراً روانہ ہو جاؤ بلکہ بہتر ہے تیاریاں کر لو۔"

"ذیشان خدا کی قسم کتنا دل چاہتا ہے سب سے ملنے ملانے کو مگر ہمیں ہمارے حالات اجازت نہیں دیتے تھے۔"

"نہیں تم اب تیاریاں کر لوں۔" ذیشان نے کہا۔

صوفیہ خوش ہو گئی...... ذیشان نے اسے اس کی تیاریوں میں مدد دی تھی، اس کا خیال تھا کہ صوفیہ کے کچھ عرصے کے لئے باہر چلے جانے سے سکون سے کام کرنے کا موقع ملے گا اور وہ زیادہ اطمینان کے ساتھ اپنے کام کو آگے بڑھا سکتا ہے۔ اس طرح اس نے صوفیہ سے اس رقم کا آدھا حصہ بھی حاصل کر لیا جو اس کے پاس محفوظ تھی...... ذیشان نے اس طرح سے یہ کام کیا کہ اس نے صوفیہ سے کہا۔

"میرا خیال ہے باقی رقم میرے پاس رکھ جاؤ اور اطمینان رکھو میں اس میں سے کوئی فضول خرچی نہیں کروں گا۔"

پھر صوفیہ کو تیار کروا کے ذیشان اسے ساتھ لے کر چل پڑا...... بس اڈے پر پہنچ کر اس نے ایک کوچ کے ذریعے قریبی شہر روانہ کر دیا جہاں اس کی کزن رہتی تھی...... ذیشان کو اپنے سر کا بوجھ بہت ہلکا محسوس ہو رہا تھا...... یہ اندازہ لگانے کے بعد کہ ناہید اس کے گھر کے بارے میں بھی جانتی ہے اسے شدید خدشہ ہوتا تھا کہ وہ اسے اس کی بیوی کے ذریعے ضرور کوئی نقصان پہنچا سکتی ہے، اگر کام میں کوئی دشواری پیش آئی تو لیکن اب اس پہلو سے نجات مل گئی تھی...... ناہید کو ذیشان نے پوری طرح اپنے جال میں جکڑ لیا تھا اور اب وہ ذیشان کے خلاف کوئی عمل نہیں کر سکتی تھی لیکن ذیشان کے دل میں یہ تھا کہ جب ایک کام کا بیڑا اٹھایا ہے تو پھر اس سلسلے میں اسے پورے خلوص سے یہ کام سرانجام دینا چاہئے...... اب دوسرے مسائل تھے چنانچہ وہ ہوٹل صحارا کی جانب نکل کھڑا ہوا...... اپنے منصوبے کے تحت اسے ہوٹل صحارا ہی میں اپنے لئے ایک کمرہ حاصل کرنا تھا تاکہ وہاں سے نوشاد کی مصروفیات پر نگاہ رکھ سکے اور یہ دیکھ سکے کہ ناہید نے جو کچھ کہا ہے اس میں کہاں تک سچائی ہے...... ہوٹل صحارا تلاش کرنے میں اسے خاصی دشواری پیش آئی۔ وہ چھوٹا سا ہوٹل تھا بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ وہ ہوٹل تھا ہی نہیں تو غلط نہ ہوگا...... اکادکا کمروں میں مہمان موجود تھے...... نہ جانے کیوں ناہید نے اس ہوٹل کا انتخاب کیا تھا لیکن بہرحال اس کو ایک کمرہ حاصل کرنے میں دقت پیش نہیں آئی...... وہ اس کمرے میں منتقل ہو گیا اور اس نے اپنا مختصر سا سامان وہاں محفوظ کر لیا جس میں وہ ٹیپ ریکارڈر وغیرہ بھی موجود تھا...... اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ناہید کو اس کمرے کی ہوا بھی نہیں لگنے دے گا...... اب یہ دیکھنا تھا کہ ناہید کون سا کمرہ منتخب کرتی ہے...... بہرحال دوسرے دن گیارہ بجے، اسی جگہ ناہید سے اس کی ملاقات ہوئی اور ناہید نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔

"میں زیادہ وقت نہیں دے سکوں گی تمہیں، کیونکہ آج ہی ہم وہ سارا ڈرامہ کرنے والے ہیں جس کا میں نے تم سے ذکر کیا ہے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔"

"اور تو کوئی خاص بات نہیں ہے؟"

"نہیں بالکل نہیں۔" ذیشان نے کہا۔

"بس چونکہ ملاقات طے تھی اس لئے میں آ گئی ورنہ شاید اس وقت میرا آنا ممکن

تھا۔ ویسے ہمیں کچھ اور بھی فیصلے کرنے پڑیں گے...... کل ہم نے یہاں نہیں ملنا بلکہ یوں کرتے ہیں کہ تم فلیٹ پر پہنچ جانا۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔"

"تو پھر کل دن بارہ بجے میں تمہیں ٹیلی فون کروں گی یا پھر اور کوئی ذریعہ نکالیں گے...... میں ہو سکتا ہے کہ فلیٹ ہی پہنچ جاؤں...... بارہ بجے کا وقت مناسب رہے گا...... ویسے میرا خیال ہے کہ یہ رات کسی خاص اہمیت کی حامل نہیں ہوگی...... اختیار احمد کو کل صبح ہی تشویش ہوگی بیٹی کے سلسلے میں پھر اس کے بعد جیسا بھی منصوبہ بنایا جائے اسی کے مطابق کام کیا جائے گا۔"

"مگر میں نے فلیٹ میں ٹیلی فون تو نہیں دیکھا۔"

"فون ہے...... ایک الماری میں بند کر دیا تھا میں نے...... تم نے شاید وائرنگ پر غور نہیں کیا۔"

"ہاں ایسا ہی ہے۔" ذیشان نے جواب دیا۔

"پھر میں چلتی ہوں۔" ناہید نے کہا۔

ذیشان نے گردن ہلا دی اور پھر وہ ناہید کی مرسڈیز کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا تھا...... وہ مضبوط اعصاب کی عورت ہے۔ اس نے سوچا۔ جرم کرنے میں ماہر، پتا نہیں اختیار احمد کے ساتھ اس نے کیا کیا، کیا ہے؟ ذیشان نے سوچا پھر وہ مستعد ہو گیا...... بے شک ناہید کی دی ہوئی رقم سے اچھے خاصے اخراجات ہو رہے تھے لیکن ذیشان سمجھتا تھا کہ یہ رقم اس کی تو اپنی ہے نہیں۔ ناہید کی دی ہوئی ہے اور اسی پر خرچ ہو رہی ہے...... یہ بیل منڈھے چڑھ جائے تو ایک بہتر صورت نکل سکتی ہے...... بہرحال اب اس سلسلے میں اس قدر آگے بڑھ گیا تھا کہ دل میں پیدا ہونے والے وسوسوں کو نظرانداز کر کے اسے کام کرنا ہی تھا۔ غرض یہ کہ وقت گزرتا رہا اور پھر ذیشان اس فلیٹ میں منتقل ہو گیا۔ ایک طرف اس کے پاس ہوٹل کا کمرہ موجود تھا تو اس کے لئے فلیٹ میں بھی ختیا تھی...... ان دونوں جگہوں کو اس نے محفوظ طریقے سے استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا...... گھر کا رخ کرنا تو بے کار ہی تھا کیونکہ اس نے گھر کو تالا لگا دیا تھا...... یوں خاصا وقت گزر گیا اور پھر دوسرے دن بارہ بجے اس کو فلیٹ میں ناہید کی ٹیلی فون کال موصول ہوئی۔

"ہیلو۔" ناہید نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں میں بول رہا ہوں۔"

"کام ہو گیا ہے۔"

"گڈ گویا وہ چلی گئی۔"

"ہاں، رات ہی کو پروگرام کے مطابق۔"

"ہوٹل کا کمرہ نمبر کیا ہے؟"

"ستائیس۔" ناہید نے جواب دیا پھر بولی۔ "لیکن تمہیں اس سے مطلب نہیں ہو[نا] چاہئے۔"

"تم بے فکر رہو...... صورت حال کیا ہے؟"

"صبح کو جیسے کہ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ جب وہ صبح ناشتے پر اختیار احمد کے ساتھ موجود نہیں تھی تو وہ بے چین ہو گیا اور اس نے اس کے بارے میں مجھ سے سوالات کئے...... رات کو اس کے جانے کا پتا اختیار احمد کو تھا لیکن چونکہ اس کی واپسی کا وقت اسے معلوم نہیں تھا اس لئے اختیار احمد اپنے معمولات کے مطابق خواب آور دوا لے کر گہری نیند سو گیا۔ صبح ہم سب اکٹھا ہی ناشتا کرتے ہیں اور صبح کو اس کا موجود نہ ہونا باعث تشویش تھا...... اس نے گھر کے ملازموں سے پوچھ گچھ شروع کی اور اسے علم ہوا کہ نوشاد رات کو واپس نہیں آئی ہے...... وہ گھبرایا اور مجھ سے پوچھ رہا ہے کہ میں کیا کروں...... ذیشان اب میرا فوری طور پر... تو مناسب نہیں ہوگا...... کیونکہ بات خاصی آگے بڑھ چکی ہے۔"

"کیا وہ پولیس کا نام لے رہا ہے؟"

"ہاں اس نے کہا کہ کیوں نا پولیس کو اس حادثے کی اطلاع دے دی جائے۔ میں نے... سے جیسا کہا کہ میں پولیس تک یہ بات نہ جانے دوں گی...... اس لئے میں نے کہا کہ جوا... لڑکی ہے کیوں اس کی بدنامی مول لے رہے ہو۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"وہ اسے اس کی دوستوں کے گھر تلاش کر رہا ہے اور اس وقت بھی وہ اسی مہم پر... ہوا ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ وہ واقعی پولیس اسٹیشن نہیں جائے گا؟"

"کسی قیمت پر نہیں جائے گا...... اس کا میں تمہیں اطمینان دلا رہی ہوں۔"

"تو پھر مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"دیکھو تم اسی فلیٹ پر رہو...... رات کو ٹھیک دس بجے میں تمہیں فون کروں گی اور بتاؤں گی کہ اب تک کی رپورٹ کیا رہی ہے۔"

"گویا آج اس سے تاوان کی رقم کا مطالبہ کرنا ضروری نہیں ہے۔"

"آج نہیں میرا خیال ہے اس وقت میں یہاں حالات سنبھالے ہوئے ہوں۔"

"کیا وہ نوشاد کی دوستوں کے گھر خود گیا ہے؟"

"ہاں، دو تین نام ایسے ہیں جنہیں وہ ٹرائی کریگا لیکن ظاہر ہے کہ وہاں سے ناکامی ہوگی۔"

"اوکے، پھر میں دس بجے رات تمہارے ٹیلی فون کا انتظار کروں گا۔" ذیشان نے کہا۔

"ویسے تم اس بات سے بالکل مطمئن رہو...... کم از کم ایک محاذ میں سنبھالے ہوئے ہوں...... ہم جلد بازی نہیں کریں گے، کیونکہ معاملہ معمولی رقم کا نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے میڈم...... میں آپ کی ہدایت کے مطابق ہی کام کر رہا ہوں۔"

"میں سمجھتی ہوں کہ کامیابی ہم سے دور نہیں ہے لیکن جلد بازی میں کیا ہر کام غلط ہو سکتا ہے۔"

"اوکے...... کیا میرا رات کو بھی فلیٹ پر رہنا ضروری ہے؟"

"نہیں میرا خیال ہے اب اس ملاقات کے بعد تم اگر چاہو تو یہاں سے جا سکتے ہو۔"

"ٹھیک ہے۔" ذیشان نے جواب دیا۔

"مگر رات کو دس بجے تمہیں یہاں موجود ہونا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے میں موجود رہوں گا۔" ذیشان نے جواب دیا۔

ناہید کا فون بند ہونے کے بعد ذیشان نے پہلے کی طرح فون کو الماری میں رکھ کے الماری بند کر دی...... اس کے بعد بھی اس نے فلیٹ کا جائزہ لیا تھا اور اسے احساس ہوا تھا کہ اس کے علاوہ بھی کوئی اسے استعمال کر رہا ہے مگر کون۔ اس بات کا اسے علم نہیں ہو سکا تھا۔ یہ بات اس کے لئے باعث تشویش بھی تھی کہ وہ کون سا پراسرار کردار ہے جو اس کی نگاہوں سے اوجھل ہے اور ناہید نے بھی اسے نہیں بتایا ہے لیکن یہ کردار ذیشان کے لئے اہمیت رکھتا تھا...... ایک عجیب سی خلش اس کے دل کو بے چین کئے رکھتی تھی۔ بہر حال اسے اپنے آپ

کو سنبھالنا تھا۔ یہاں سے نکلنے کے بعد وہ بہت دیر تک چلتا رہا پھر نہ جانے کس خیال کے تحت اس نے ہوٹل صحارا کا رُخ کیا۔ بہر حال نوشاد کا جائزہ لینا بھی ضروری تھا۔ ناہید نے حالانکہ اسے ہدایت کر دی تھی لیکن ناہید کے نقش قدم پر چلنا ضروری نہیں تھا۔ حالات سے محتاط رہنا بھی عقل کا تقاضا تھا اور ذیشان ایسی کوئی حماقت نہیں کرنا چاہتا تھا کہ اس کی گردن میں موت کا پھندا فٹ ہو جائے۔ وہ ہوٹل صحارا کی جانب چل پڑا۔

❀ ❀ ❀

شہاب ان دنوں فرصت میں تھا۔ بینا سے خوش گپیاں زندگی کا بہترین مشغلہ تھیں..... پتا نہیں دونوں کے ذہنوں میں ایک دوسرے کے لئے گداز ہونے کے باوجود وہ کیوں ابھی ایک دوسرے کو اپنی زندگی کا ساتھی بنانے پر آمادہ نہیں ہوئے تھے۔ اس تساہل کا تعلق بینا سے بھی تھا اور شہاب بھی ایسی ہی سوچوں میں مبتلا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ زندگی میں یہ بھی عجیب و غریب دور ہوتا ہے۔ محبوب سے پوشیدہ ملاقاتیں ایک الگ ہی دل کشی کا باعث ہوتی ہیں۔ بیوی بن جانے کے بعد شاید اس کیفیت میں کمی واقع ہو جاتی ہو، حتمی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے..... ویسے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ دنیا کی کوئی بھی شے جو انتہائی پسند ہو اگر دسترس میں آ جائے تو اس کی دلکشی کم ہو جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ شہاب اور بینا کے لاشعور میں ایسی ہی کوئی بات پوشیدہ ہو..... وہ مطمئن تھے کہ عدنان واسطی نہ تو ان کے راستوں کی رکاوٹ تھے اور نہ ہی شہاب کا خاندان..... یہ سب کچھ حاصل ہونا ہی ہے تو زندگی کا وہ لطف کیوں نہ حاصل کیا جائے جو ان ملاقاتوں میں ہے..... ایک کسک، ایک طلب اپنے اندر دلکشی رکھتی ہے اس کا رنگ ہی الگ ہوتا ہے اور غالباً وہ دونوں اسی رنگ سے لطف اندوز ہو رہے تھے..... بڑے بڑے خطرناک معاملات، ان کا حل اور پھر اس کے بعد ایسی کیفیت جس میں تھکن کا احساس ہو..... کفالت شاہ کے کیس سے نمٹنے کے بعد ایسا کوئی کیس ہاتھ نہیں آیا تھا جو ان کے لئے باعث دلچسپی ہوتا..... ایک طرح سے تھکن ہی اتاری جا رہی تھی۔ وہ تمام کردار جن کا کفالت شاہ کے کیس سے تعلق تھا اپنے طور پر زندگی کی سرمستیوں میں گم ہو گئے تھے۔ کچھ نئے دوستوں کا اضافہ ہوا تھا..... جیسے شامل بیگ، طارق شاہ یا ڈاکٹر کھوسہ ان کے لئے شاہ گڑھی ایک دلچسپ جگہ بن چکی تھی جہاں وہ تفریحاً کچھ وقت گزارنے

کے لئے دل چاہتا تو جاسکتے تھے...... یہ بھی ایک پر لطف بات تھی...... طارق شاہ، شملہ اور اس کے اہل خاندان کے ساتھ زندگی گزار رہا تھا اور جیسا شہاب اور بینا کے علم میں آیا تھا کہ وہ شاہ گڑھی کی شکل بدلنے میں کوشاں تھا۔ کفالت شاہ کا مقدمہ بھی تکمیل کے مراحل میں تھا اور اس کے تمام ہتھکنڈے ناکام ہو گئے تھے۔ ہر فرعون کے لئے موسیٰ ہوتا ہے۔ کفالت شاہ آخر کار اپنے جال میں پھنس چکا تھا۔

اس دن شہاب اس تھانے سے گزر رہا تھا جہاں وہ انچارج کی حیثیت سے اچھا خاصا وقت گزار چکا تھا۔ گل خان کو اب اس تھانے کا انچارج بنادیا گیا تھا اور گل خان یہ جانتا تھا کہ اس کا استاد شہاب ثاقب اب آفیسر ان سپیشل ڈیوٹی ہے۔ کئی بار شہاب اس تھانے کا معائنہ بھی کر چکا تھا اور گل خان کو اس نے مستعد پایا تھا۔ گل خان جس فطرت کا مالک تھا...... شہاب کو وہ بے پناہ پسند تھی چنانچہ یہ ممکن نہ ہو سکا کہ اس تھانے سے گزرتے ہوئے وہ گل خان سے ملاقات نہ کرے، چنانچہ اس نے اپنی کار تھانے کے احاطے میں کھڑی کر دی...... کار سے نیچے اترا تو پرانے عملے نے اسے پہچان کر انتہائی خوشی کا اظہار کیا۔ لاتعداد سلوٹ وصول کرتے ہوئے وہ انچارج کے کمرے کی جانب چل پڑا...... تھانے کے احاطے میں اس نے ایک قیمتی کار دیکھی تھی جس سے یہ اندازہ ہوا تھا کہ گل خان کے پاس اس وقت کوئی شخص موجود ہے جب وہ گل خان کے کمرے میں داخل ہوا تو اس نے وہاں ایک عمر رسیدہ شخص کو بیٹھے ہوئے دیکھا...... وہ گل خان سے گفتگو کر رہا تھا...... گل خان کی نگاہ اس پر پڑی تو وہ اپنی کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ اس نے شہاب کو سلوٹ کیا۔ شہاب اس وقت وردی میں نہیں تھا...... اس لئے گل خان کے پاس بیٹھے ہوئے معمر شخص نے اس نوجوان اور خوبصورت پولیس آفیسر کو دیکھا اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس سادہ لباس میں یہ شخص پولیس کا کوئی اعلیٰ آفیسر ہی ہو سکتا ہے۔ گل خان نے شہاب سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "کہئے شہاب صاحب کیسے مزاج ہیں آپ کے؟"

"تم سناؤ گل خان، میں تو ٹھیک ہوں جیسا تمہیں نظر آرہا ہوں۔"

"ہاں...... اس میں کوئی شک نہیں، آئیے تشریف رکھئے...... گل خان نے اپنی سیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

شہاب مسکرانے لگا پھر بولا۔

"معذرت خواہ ہوں...... آپ کے درمیان گفتگو میں مخل ہوا۔ گل خان ایسا کرو

ہیں کہ تم سے دوبارہ پھر کبھی ملاقات کروں گا۔"

"ہو ہی نہیں سکتا صاحب، آپ آگئے ہیں تو یہ بہت ہی اچھی بات ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کا آنا خوش قسمتی ہے میری۔"

"کیوں کیا بات ہے؟"

"آپ بیٹھئے تو سہی...... بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔" گل خان نے کہا۔

"اپنی سیٹ پر بیٹھو میں ان کے برابر بیٹھتا ہوں۔"

"ہو ہی نہیں سکتا۔"

"ہونا چاہئے گل خان ڈسپلن از ڈسپلن۔" شہاب نے کہا۔

"صاحب مجھے اچھا نہیں لگے گا۔"

"مگر مجھے اچھا لگے گا...... تمہیں اپنی سیٹ پر ہونا چاہئے۔"

گل خان ہنستا ہوا اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا اور شہاب اس شخص کے برابر بیٹھ گیا...... گل خان نے اس شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اختیار احمد صاحب...... یہ شہاب ثاقب ہیں آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی...... آپ یہ سمجھ لیجئے کہ یہ آپ کی خوش قسمتی ہے کہ اس وقت یہ یہاں آگئے...... آپ کا مسئلہ حل کرنے میں گو علاقے کے تھانے کا ہی ہاتھ ہو گا، اگر ہمیں شہاب ثاقب صاحب کی مدد مل جائے تو آپ سمجھ لیں کہ معاملہ چٹکیوں میں حل ہو سکتا ہے۔"

اختیار احمد نے گردن خم کر کے شہاب سے مصافحہ کیا اور بولا۔

"اختیار ہے میرا نام...... چھوٹا سا بزنس مین ہوں...... مشرق وسطیٰ میں سچے موتیوں کا کاروبار کرتا ہوں...... اللہ کے فضل سے اچھی خاصی آمدنی ہے۔ اتنا کچھ دے دیا ہے خدا نے کہ زندگی آرام سے بسر ہو رہی ہے...... میں ایک مشکل میں پھنس گیا ہوں...... کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؟"

"کیا مشکل ہے اختیار احمد صاحب؟ آپ نے یقیناً گل خان کو بتادیا ہو گا۔"

"ہاں...... بتادیا ہے مجھے لیکن میں چاہتا ہوں کہ ایک بار پھر اختیار احمد صاحب اپنے خدشات کی تفصیل آپ کے سامنے بتادیں...... گل خان نے کہا۔

ذیشان تمام مراحل سے گزر چکا تھا اس کے باوجود اس کے ذہن سے خوف اور وسوسے کم نہیں ہو رہے تھے...... نہ جانے کیوں اس کے دل کو ایک شدید احساس تھا کہ کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی مرحلے پر مصیبت اس کے قریب پہنچ جائے گی۔ وہ اس بری طرح پھنس جائے گا کہ اس کے لئے بچنے کا کوئی راستہ نہیں رہے گا۔ غالباً چھٹی حس اسے اس احساس کا شکار کر رہی تھی...... وہ ہر پہلو کو بار بار نگاہوں میں لا رہا تھا، حالانکہ اپنی حفاظت کے لئے جس قدر ممکن ہو سکا تھا انتظامات کر لئے تھے...... مثلاً وہ کیسٹ پر ناہید وغیرہ کی آواز ریکارڈ تھی، اس کے لئے اس نے بیوی بچوں کو بھی گھر سے بھیج دیا تھا، پھر ہر طرح کے انتظامات کر ڈالے تھے...... اس کے باوجود اس پروگرام میں برابر کا شریک تھا...... کسی سے کہے گا تو کوئی تسلیم نہیں کرے گا...... ایک ہی صورت تھی، جہاں تک پہنچ چکا ہے وہاں سے واپسی کے بارے میں نہ سوچے بلکہ اس مقصد کو کامیاب بنانے کے لئے جس طرح بھی ممکن ہو سکے عمل کرے، بہر حال ناہید وغیرہ بھی اس کی جانب سے تقریباً مطمئن ہی تھیں اور بظاہر صورت حال کنٹرول میں تھی، لیکن پھر بھی اس بار اس نے ہوٹل صحارا کا ہی رخ کیا تھا حالانکہ اطلاع مل چکی تھی کہ پروگرام کے مطابق نوشاد وہاں پہنچ چکی ہے اور آرام سے اس کمرے میں مقیم ہے لیکن پھر بھی ذیشان اپنے طور پر تصدیق کر لینا چاہتا تھا تاکہ جب بات آگے بڑھے تو وہ اپنا فرض بخوبی انجام دے سکے...... آہستہ قدموں سے ہوٹل کے کاریڈور میں سے گزرتے ہوئے وہ نوشاد کے کمرے کے سامنے سے گزرا...... اسے صرف اتفاق کہا جا سکتا تھا کیونکہ یہ کوئی جانا بوجھا عمل نہیں ہو سکتا تھا کہ نوشاد نے اسی وقت دروازہ کھول کر باہر جھانکا تھا، جب ذیشان عین اس کے کمرے کے سامنے تھا، اس نے ذیشان کو دیکھا اور اس کے حلق سے ایک آواز سی نکل گئی...... ذیشان خود بھی بوکھلا گیا تھا...... بجلی کی سی تیزی سے کئی خیال اس کے ذہن میں آئے...... نوشاد کہیں یہ نہ سوچے کہ ذیشان خفیہ طریقے سے اس کا جائزہ لے رہا۔ چنانچہ ذیشان نے ایک لمحے میں اپنے آپ کو سنبھال لیا اور ادھر ادھر دیکھ کر بولا۔

"آپ کس کام سے نکلی تھیں مس نوشاد؟"

"آیئے پلیز اندر آ جایئے...... یہ کیا ہوا، یہ کیسے ہوا؟ آپ اچانک اس طرح؟"

"میں بتا دوں گا...... پہلے یہ بتایئے کہ دروازہ کھول کر کیوں جھانک رہی تھیں؟"

"مجھے قدموں کی چاپ محسوس ہوئی تھی...... نہ جانے کیوں یوں لگا تھا کہ جیسے چلتے

ہوئے قدم میرے دروازے پر آ کر رُکے ہوں...... بس دیکھنے نکل آئی تھی۔ آپ میری طرف آ رہے تھے۔"

"جی ہاں۔"

"آنٹی سے ملاقات ہو گئی آپ کی؟"

"ہاں انہوں نے آپ کے بارے میں مجھے بتایا تھا۔"

ذیشان نے کہا۔

"آپ کھڑے کیوں ہیں...... پلیز بیٹھ جایئے...... میں خود بھی آپ سے ملنا چاہتی تھی۔ میں خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ میری یہ خواہش اس قدر جلد پوری ہو جائے گی۔ آپ یقین کیجئے میں بس سوچوں ہی میں ڈوبی ہوئی تھی کہ کاش کسی طرح آپ سے میری ملاقات ہو جائے۔"

ذیشان گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لینے لگا پھر بولا۔

"تو آپ میڈم سے کہہ دیتیں۔"

"اوہو میڈم سے کہنے والی بات نہیں تھی۔" ذیشان کے بیٹھنے پر نوشاد نے خود بھی صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

ذیشان تعجب بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا...... نوشاد نے کہا۔

"میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر ڈوبنا ہی ہے تو پھر بچنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ ڈوب ہی جانا بہتر ہو گا۔"

"کیا مطلب؟"

"اچھا آپ یہ بتایئے کہ آپ یہاں کیوں آئے تھے؟"

"ناہید صاحبہ سے مجھے معلوم ہوا کہ آپ یہاں پہنچ چکی ہیں...... منصوبے کے مطابق تو میں نے بس ایک نگاہ آپ کا جائزہ لے لینا مناسب سمجھا اور کوئی مقصد نہیں تھا۔"

"تب تو پھر میں یہی کہوں گی کہ میرے دل کی آواز آپ کے کانوں تک پہنچ گئی۔"

"کیا آپ کے دل سے کوئی ایسی آواز نکلی تھی؟"

ذیشان اب پوری طرح خود کو سنبھال چکا تھا چنانچہ اس نے کہا۔

"کیا آپ کے دل سے کوئی ایسی آواز نکلی تھی؟"

"جی ہاں بالکل، آپ یقین کیجئے...... میں بس ترکیبیں ہی سوچ رہی تھی کہ کس طرح آپ سے ملاقات کی جائے۔"

"مس نوشاد معاف کیجئے کیا آپ یہ ملاقات میڈم ناہید کے علم میں لائے بغیر کرنا چاہتی تھیں؟"

"ہاں سو فیصد۔"

"اور ڈوبنے والی بات آپ نے کیا کہی؟" ذیشان نے سوال کیا۔

تو نوشاد سر جھکا کر سوچ میں ڈوب گئی...... دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔

"چونکہ میڈم نے اپنے کام کے لئے آپ کو آمادہ کیا ہے...... تھوڑی بہت رقم بھی دے دی تھی اور سارا سب کچھ انہوں نے اسی انداز میں کیا ہے جیسا انہوں نے سوچا تھا۔ آپ پوری طرح ان کے ٹرانس میں ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ میڈم کے خلاف کوئی بات نہ سوچیں۔"

"غلط بات؟" ذیشان نے حیرانی سے کہا۔

"جی ہاں غلط بات۔"

"مثلاً؟"

"کوئی ایک مثال نہیں دی جا سکتی۔"

"تو پھر؟"

"میں آپ کو کچھ بتانا چاہتی ہوں۔"

"بتایئے؟"

"کیا میں آپ سے یہ وعدہ لے لوں کہ میں جو کچھ آپ کو بتاؤں گی وہ آپ میڈم کو نہیں بتائیں گے؟"

"آپ کس حوالے سے مجھ سے یہ وعدہ لینا چاہتی ہیں؟"

"کسی حوالے سے نہیں...... آپ بالکل یہ نہ سوچیں کہ میں ایک لڑکی ہوں اور میرے دل میں اور کوئی جذبہ پیدا ہو گیا ہے...... آپ یہ بھی نہ سوچیں کہ میں آپ کو بے وقوف بنا کر کوئی اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتی ہوں...... ایسی بات پلیز آپ نہ سوچیں۔"

"خیر چھوڑیئے ان باتوں کو اگر میں آپ سے یہ وعدہ کر لوں کہ اگر آپ نے مجھے کوئی ذاتی

بات بتائی تو میں میڈم ناہید کو نہیں بتاؤں گا...... تو کیا آپ میرے وعدے پر یقین کر لیں گی؟"

"اس کے سوا میرے پاس اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔"

"تو ٹھیک ہے میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں۔"

"بس اتنا کافی ہے۔" نوشاد بدستور ناقابل فہم لہجے میں بولی۔

ذیشان اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا پھر نوشاد نے کہا۔

"مسٹر ذیشان آپ ایک فرم میں اکاؤنٹنٹ کی حیثیت سے ملازمت کرتے تھے؟"

"جی ہاں۔"

"اور اس فرم سے آپ کو غبن کے الزام میں نکالا گیا تھا؟"

"جی۔"

"اور اس سلسلے میں آپ کو ایک لمبی سزا بھگتنی پڑی ہے۔"

"بالکل۔" ذیشان کو اب کسی قدر حیرت ہو رہی تھی۔

"کیا آپ اس کا یقین کر سکتے ہیں کہ ناہید آنٹی آپ کے بارے میں یہ تفصیلات بہت پہلے سے جانتی تھیں۔"

"بہت پہلے سے؟"

"جی...... ممکن ہے آپ نے انہیں خود اپنے بارے میں تفصیل بتائی ہو لیکن وہ اس سے پہلے تفصیل جانتی تھیں۔"

"ہاں مجھے یہ بات معلوم ہے۔"

"کیسے؟" نوشاد نے سوال کیا۔

"مجھ سے ملاقات کے بعد انہوں نے میرے بارے میں تفصیلات بتائی تھی۔"

"کیا آپ کی ان سے پہلی ملاقات اسی وقت ہوئی تھی؟"

"جی ہاں۔"

"اس سے پہلے آپ ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے؟"

"نہیں۔"

"گڈ...... گویا انہوں نے آپ سے یہ بات چھپائی نہیں۔"

"جی ہاں...... انہوں نے یہ بات نہیں چھپائی۔"

"آپ نے ان سے سوال نہیں کیا کہ وہ آپ کے بارے میں اتنا کچھ کیسے جانتی ہیں؟"

"کیا تھا۔"

"تو پھر؟"

"انہوں نے کہا کہ وہ اس کا جواب بعد میں دیں گی۔"

"آپ نے بھی اس کے بارے میں نہیں سوچا؟"

"سوچا تھا۔"

"کیا مطلب؟" نوشاد بولی۔

"مطلب یہ مس نوشاد کہ میں نے سب کچھ سوچا تھا اور یہ بھی سمجھا ہے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں وہ انتہائی مجرمانہ عمل ہے، اگر آپ کو بھی یہ تفصیلات معلوم ہیں تو شاید اس بات کا بھی آپ کو علم ہو یا نہ ہو کہ جس جرم کی پاداش میں مجھے سزا دی گئی تھی وہ جرم میں نے نہیں کیا تھا بلکہ وہ میرے خلاف کوئی سازش تھی جس کا میں آج تک سراغ نہیں لگا سکا۔"

"اس کے بعد؟"

"اس کے بعد فکر روزگار نے مجھے اس منزل پر پہنچا دیا کہ میں دنیا کا ہر کام کرنے پر مجبور ہو گیا اور اسی مجبوری کے عالم میں، میں نے میڈم ناہید کی پیشکش قبول کر لی کیونکہ میرے پاس کوئی متبادل راستہ نہیں تھا اور اب میں جرم کی دنیا میں داخل ہو چکا ہوں کیونکہ میں آپ دونوں کے پروگرام میں شامل ہوں۔"

"میں بس آپ کو اتنا ہی بتانا چاہتی تھی کہ سب کچھ کر رہے ہیں آپ لیکن میڈم سے ہوشیار رہئے۔"

"آپ اس دن تو میڈم کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں بولی تھیں۔"

"میں آج بھی نہیں بول سکتی اور شاید آئندہ بھی نہیں بول سکتی کیونکہ اس طرح میں خود ہی پھنس جاؤں گی...... آپ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے کہ آنٹی ناہید کس قدر چالاک اور ہوشیار ہیں اور خطرناک بھی۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ وہ۔"

"جی ہاں وہ سب کچھ ہی کر سکتی ہیں...... وہ سب کچھ جس کا آپ تصور بھی نہ کر سکیں۔"

"تو پھر آپ مس نوشاد بتائیں کہ آپ کیا کہتی ہیں؟"

"کچھ نہیں...... میں صرف آپ کو ہوشیار کرنا چاہتی ہوں...... تمام تر بھروسا ان پر نہ کیجئے گا جو کچھ ہو رہا ہے...... آپ یوں سمجھ لیں کہ میری مرضی کے مطابق نہیں ہو رہا بلکہ...... بلکہ میں...... میں خود اس کے لئے مجبور کر دی گئی ہوں۔"

"آپ مجبوری کی وجہ بتانا پسند کریں گی؟"

"نہیں کوئی اہم وجہ نہیں ہے...... آپ یقین کیجئے بس کچھ اس طرح انہوں نے مجھے پھانسا ہے کہ میں کچھ نہیں کر سکتی۔"

"لیکن پھر بھی اس طرح مجبور ہونے کی کوئی وجہ تو ہو گی؟"

"ہاں وجہ تو ہے لیکن پلیز آپ وہ وجہ نہ پوچھیں۔"

"اچھا...... اچھا...... چلئے، ٹھیک ہے...... اب آپ یہ بتایئے کہ آپ اس پروگرام پر دل سے آمادہ نہیں ہیں؟"

"دل سے نہیں ہوں لیکن اس کے بغیر رہ بھی نہیں سکتی۔"

"کیوں؟"

"کچھ ایسی بھی وجوہات ہیں۔"

"آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں؟" ذیشان نے پوچھا۔

"صرف اتنا کہ آپ خود بھی ہوشیار رہیں اور ممکن ہو تو میرا بھی تحفظ کریں۔"

"کوئی خطرہ ہے؟"

"کوئی خطرہ نہیں لیکن ظاہر ہے کہ میں...... میں...... میں ایسے معاملات سے بالکل واقفیت نہیں رکھتی...... کہیں ایسا نہ ہو کہ سب کے ساتھ میں بھی پھنس جاؤں، حالانکہ آنٹی کہتی ہیں کہ یہ راز اگر منظر عام پر آ گیا تو اسے ایک مذاق کا رنگ دے دیا جائے گا اور وہ خود اس مذاق کی ذمے داری قبول کریں گی...... نتیجہ کچھ بھی ہو زیادہ سے زیادہ ڈیڈی ان سے ناراض ہو جائیں گے...... ان کا کہنا ہے کہ وہ انہیں منا لیں گی اور کوئی ایسا عمل نہیں ہونے دیں گی جو ہم سب کے لئے باعث پریشانی ہو...... سمجھ رہے ہیں نا آپ...... اسے ایک دلچسپ ڈرامہ قرار دیا جائے گا، اگر بات آگے نکل گئی اور تو صورت حال کچھ کام کی بن گئی تو ظاہر ہے کہ آنٹی ناہید کو یہ رقم چاہئے۔"

"اور آپ کو؟"

"رقم تو مجھے بھی چاہئے لیکن نہ جانے کیوں۔" وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گئی۔

"آپ پلیز اپنا جملہ پورا کیجئے۔"

"بس ذیشان صاحب میں نے آپ کو جو کچھ بتایا ہے اس میں صرف نیک نیتی ہے..... آپ اس بات کو ذہن میں رکھئے گا کہ آنٹی ناہید نے آپ کا انتخاب پوری طرح جان بوجھ کر کیا ہے۔"

"جی اور کچھ؟"

"نہیں..... کیا آپ میرے یہ الفاظ آنٹی ناہید کو بتا دیں گے؟"

"نہیں مس نوشاد بالکل نہیں..... مکمل اطمینان رکھئے گا۔"

"میں آپ کی شکر گزار رہوں گی..... براہ کرم میرا تحفظ کیجئے گا..... ہو سکتا ہے کہ میرے لئے کوئی خطرہ پیدا ہو جائے..... میں آپ کو اس کا کوئی صلہ نہیں دے سکتی، بس درخواست ہی کر سکتی ہوں۔" اس کی آواز رندھ گئی۔

ذیشان یہ جاننے کی کوشش کر رہا تھا کہ نوشاد اس سے کیا کہنا چاہتی ہے لیکن بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی..... دیر تک خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"آپ اطمینان رکھئے مس نوشاد اگر آپ کو کوئی خطرہ درپیش ہوا تو میں آپ کا تحفظ کروں گا اور اس بات کا بھی آپ اطمینان رکھئے کہ میں ناہید صاحبہ سے اس ملاقات کا تذکرہ بالکل نہیں کروں گا..... آپ میرے وعدے پر اعتماد کریں..... میرا خیال ہے اب مجھے چلنا چاہئے..... کیا کہا جا سکتا ہے کہ کوئی مجھے یہاں دیکھ لے۔" ذیشان نے اب بھی نوشاد کو یہ نہیں بتایا تھا کہ اس نے خود بھی ہوٹل میں کوئی کمرہ حاصل کر رکھا ہے..... بہر حال نوشاد کی باتیں چونکہ سمجھ میں نہیں آئی تھیں اس لئے اس نے بھی اسے مکمل اعتماد میں نہیں لیا اور اتنا بتانے کے بعد اُٹھ کھڑا ہوا۔

"میں آپ کی پوری نگہداشت رکھوں گا..... آپ اس سلسلے میں مطمئن رہئے۔"

"بہت بہت شکریہ۔" نوشاد بولی۔

پھر ذیشان کمرے سے باہر نکل آیا اور اس کے بعد اس نے اپنے ہی کمرے کا رُخ کیا تھا..... دماغ کی چولیں ہل گئی تھیں، عجیب کہانی تھی جو مکمل طور سے سمجھ میں نہیں آ رہی تھی لیکن بہر حال اب تو وہ اس کہانی کا ایک کردار بن ہی چکا تھا..... نتیجہ جو کچھ بھی ہوگا اسے بھگ

ہی پڑے گا، پھر کمرے میں آ کر وہ بستر پر دراز ہو گیا..... پتا نہیں کیوں ذہن بری طرح تھکا ہوا محسوس ہو رہا تھا..... اگر اس تھکن میں کوئی خوشگوار کیفیت تھی تو صرف ایک احساس کی کہ صوفیہ اور بچے یہاں موجود نہیں ہیں..... کم از کم وہ لوگ تو محفوظ ہیں..... بے شک ناہید اس کے بارے میں جانتی ہے لیکن اب اتنا بھی نہیں جانتی ہوگی کہ اس کی بیوی کا میکہ کہاں ہے اور پھر شاید اس کی نوبت ہی نہ آئے..... ذیشان اپنے گرد ایک مضبوط خول رکھنا چاہتا تھا۔

شہاب گہری آنکھوں سے اختیار احمد صاحب کا جائزہ لے رہا تھا۔ جو اپنی کہانی کا آغاز کرنے کے لئے شاید مناسب الفاظ کی تلاش میں سرگرداں تھے..... خاصی دیر خاموش رہنے کے بعد انہوں نے کہا۔

"میں شہاب صاحب اس بات سے انکار نہیں کرتا کہ اگر کسی انسان کو مصیبت میں دیکھا جائے تو یہ یقین کر لیا جائے کہ اس مصیبت کو اپنے تک پہنچنے دینے کے لئے اس کا اپنا عمل زیادہ سے زیادہ کار فرما ہوتا ہے..... باہر سے مصیبت نہیں آتی۔ مصیبت اندر ہی سے اُبھرتی ہے اور میں اسی کیفیت کا شکار ہوں۔"

گل خان اور شہاب نے اس کے الفاظ پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا..... کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"میں جیسا کہ گل خان سے عرض کر چکا ہوں کہ تاجر ہوں..... سچے موتیوں کا کاروبار کرتا ہوں اور میرا کام زیادہ تر مشرق وسطیٰ میں پھیلا ہوا ہے..... خدا کا شکر ہے اچھی خاصی دولت جمع کر لی ہے میں نے..... بد قسمتی سے میری بیوی کافی عرصے پہلے مجھ سے جدا ہو گئی اور اس کے بعد میں اپنی بیٹی کے ساتھ رہنے لگا..... میرا زیادہ تر وقت باہر گزرتا تھا..... گھر میں میری بچی تنہا تھی..... میں یہ نہیں کہتا کہ میں نے صرف اس تنہائی کی وجہ سے دوسری شادی کے بارے میں سوچا بلکہ یوں سمجھ لیجئے کہ کچھ ایسے عوامل پیدا ہو گئے کہ میں اس پر مجبور ہو گیا۔ ناہید خود بخود مجھ سے ایک ہوائی سفر کے درمیان ٹکرائی تھی اور اس نے کچھ اس طرح مجھ سے لگاوٹ کا اظہار کیا کہ میں مرد کی فطرت کے مطابق اس لگاوٹ کا شکار ہو گیا۔ ایسی اپنائیت سے اس نے میرے ساتھ کچھ ایسا عمل کیا کہ میں اسے نہ بھول سکا..... ہوائی سفر کا اختتام میرے اپنے ہی وطن میں ہوا تھا اور ناہید مجھے عجیب سے انداز میں دوبارہ ملاقات کی

دعوت دے گئی۔ میں اپنا کردار بیان کرنے نہیں آیا لیکن چند الفاظ کہنا ضرور پسند کروں گا
یہ کہ مرد کبھی کبھی بری طرح عورت کے جال میں گرفتار ہو جاتا ہے اور اس کا تمام تجربہ
جہنم رسید ہو جاتا ہے۔ میرے ساتھ بھی یہی ہوا...... میں اچھی خاصی عمر کا تھا لیکن میں نے
وہ رات ناہید کے خواب دیکھنے میں گزاری اور وہ میرے ذہن میں بار بار آتی رہی...... بڑی
شگفتہ جملے بولتی ہے...... بہت اچھے انداز میں اپنے آپ کو رکھتی ہے۔ بس آپ یوں سمجھ لیں
کہ ایک مرد کے تصور میں حاوی ہونے کے لئے اس کے پاس تمام تر اسلحہ موجود تھا اور میں
اس اسلحے کا شکار ہو گیا، پھر اس سے میری کئی ملاقاتیں ہوئیں پھر ایک ملاقات میں اس پر میں
نے اپنے دل کا اظہار کر دیا اور اس نے بڑی محبت کے ساتھ مجھے قبول کیا...... اس نے اپنے
حالات بھی مجھے بتائے تھے اور کہا تھا کہ وہ تنہا ہے، بس ایک بہن گزر گیا تھا اس کا جو میرے
خیال میں قابل ذکر نہیں...... وہ ایسی زندگی گزار رہی تھی جس میں کوئی دلچسپی نہیں تھی
اس نے کہا کہ وہ ملازمت کرتی ہے اس لئے کہ زندہ رہنے کا سامان پیدا ہو سکے، جب تھوڑے
بہت پیسے جمع ہو جاتے ہیں تو کہیں نہ کہیں سیر و سیاحت کے لئے چلی جاتی ہے...... ایک ویران
دل ہے اس کا۔

میں نے اس کے ویران دل کو آباد کرنے کے لئے اپنا سہارا اسے پیش کیا جسے اس نے
قبول کر لیا، حالانکہ مجھ جیسا احمق انسان یہ بات نہیں سوچ سکا کہ میری اور اس کی عمر میں
زمین و آسمان کا فرق ہے اور میں قطعی اس قابل نہیں ہوں کہ کوئی خوبصورت لڑکی یا عورت
مجھے ایک مرد کی حیثیت سے قبول کر سکے۔ میں اس بات کا کھلے دل سے اعتراف کرتا
ہوں...... بہر حال میرا خیال ہے میں نے کام کی بات بتانے سے گریز کیا۔"

"نہیں اختیار احمد صاحب...... یہ باتیں ابھی کام کی ہیں...... اس سے کم از کم محترمہ
ناہید کے بارے میں پتا چلتا ہے۔"

"میں اس کی فطرت کے بارے میں آپ کو بتا دوں...... بعد میں مجھے احساس ہوا کہ
سو فیصد میری دولت پر ریجھ گئی تھی اور شاید پہلے سے میرے بارے میں معلومات رکھتی
تھی...... میں نہیں کہہ سکتا کہ اس نے یہ معلومات کیسے حاصل کیں یا یہ تمام سلسلہ کس طرح
سے شروع ہوا لیکن اس طرح کی چالاک عورتیں بڑی ذہانت سے اپنا عمل کرتی ہیں...... ظاہر
ہے ابتدا میں مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا، چنانچہ میں اس کے ساتھ مخلص

تھا لیکن بعد میں مجھے اس پر اس طرح کے شبہات ہو گئے کہ وہ مجھے ناپسند کرتی ہے اور صرف
میری دولت کو پسند کرتی ہے۔"

"شبہات کی وجہ بتائیں؟"

"نہیں...... صرف چند الفاظ یا چھوٹے موٹے جھگڑوں کی بات کر رہا ہوں میں۔"

"خیر اس دوران آپ کی بیٹی کا کیا رویہ رہا؟"

"وہ بہت خوش ہوئی تھی ناہید کے گھر آنے سے...... وہ تنہائی سے بہت بددل ہو چکی
تھی...... ناہید اسے اچھی دوست کی حیثیت سے ملی اور میرے یہ خدشات دور ہو گئے کہ
سوتیلی ماں میری بیٹی کے ساتھ برا سلوک کرے گی۔ سچی بات یہ ہے کہ ابتدا میں کچھ وقت
ناہید نے اس طرح ہمارے ساتھ گزارا کہ ہم ششدر رہ گئے کہ کوئی انسان اس قدر اچھا بھی
ہو سکتا ہے۔ وہ تو بہت عرصے کے بعد مجھ پر کھلی اور جب وہ کھلی تو پھر میں نے دوسرا رویہ
اختیار کیا۔"

"کیا؟"

"میں نے کنجوسی کا اظہار کیا اور ان لوگوں کے اخراجات انتہائی محدود کر دیئے، حالانکہ
اپنی بیٹی سے مجھے بے حد پیار ہے، لیکن میں نے اس سے بھی اجتناب کیا اور ایک معمولی سے
جیب خرچ کے علاوہ میں نے ان لوگوں کو کچھ اور دینا دلانا بند کر دیا جس کے نتیجے میں کئی بار
ناہید سے میری جھڑپ ہوئی اور میری بیٹی بھی مجھ سے گریزاں ہو گئی۔"

"جی پھر؟"

"ناہید نے نوشاد پر کچھ اس طرح اپنا رنگ جمایا کہ میں یہ دیکھنے لگا کہ نوشاد وہی کرتی ہے
جو ناہید کہتی ہے...... دونوں ساتھ ساتھ گھومتی پھرتی ہیں...... ناہید بہت آزاد فطرت ہے
اور نوشاد کو بھی اس نے اسی رنگ میں رنگ دیا ہے...... کبھی کبھی تو وہ مجھ سے پوچھے بغیر ہی
کہیں نہ کہیں چلی جاتی تھی...... بہر حال میری گفتگو کچھ طویل ہو رہی ہے...... میں آپ کو یہ
بتاؤں کہ کل سے نوشاد گھر سے غائب ہے۔"

"غائب ہے؟"

"ہاں۔"

"کہاں گئی ہے وہ؟"

"مجھے معلوم ہوتا تو یہاں نہ آتا۔"

"کیا مطلب؟"

"وہ معمول کے مطابق گھر سے نکلی لیکن زندگی میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ وہ رات کو واپس نہ آئی ہو اور یہاں تک کہ یہ وقت گزر گیا...... اس کے بارے میں کہیں سے بھی کوئی رپورٹ نہیں ہے۔"

"ناہید کیا کہتی ہے؟"

"کچھ نہیں...... میرے ساتھ وہ بھی تشویش کا شکار ہے اور اس نے کہا ہے کہ کوئی ایسی بات اس کے علم میں نہیں ہے جس سے یہ اندازہ ہو کہ نوشاد گھر سے نکل گئی ہے۔"

"تو پھر آپ کا کیا خیال ہے؟"

"میں نے اس کی تمام دوستوں کے ہاں تلاش کر لیا ہے، اول تو ایسی کوئی دوست تھیں ہی نہیں اس کی کہ جہاں وہ رات گزار سکتی اور پھر وہ یہ جرات بھی نہیں کر سکتی تھی اور اب یہ کہ وہ غائب ہے۔"

"ناہید صاحبہ! اس بارے میں اپنی کیا رائے دیتی ہیں؟"

"کچھ نہیں وہ کہتی ہے کہ انتظار کروں...... نوشاد واپس آ جائے گی...... کوئی بھی ایسی بات نہیں ہے...... بہر حال ہم نے ہسپتالوں کا بھی جائزہ لے لیا ہے...... ہر جگہ سے معلومات کی ہے...... ناہید کا کہنا تھا کہ اس بارے میں پولیس کو اطلاع نہ دوں...... خواہ مخواہ رسوائی ہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ نوشاد واپس آ جائے لیکن میرا دل نہیں مانتا۔"

"کیوں؟" شہاب نے سوال کیا۔

"بس نہ جانے کیوں...... میری چھٹی حس بتاتی ہے کہ نوشاد کی گمشدگی کے پیچھے کوئی بڑی بات ہے۔"

"اور پھر آپ ہم سے کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"صرف یہ کہ آپ نوشاد کی گمشدگی کی ایف آئی آر لکھئے۔"

"اس سے کیا فائدہ ہو گا؟"

"بس آپ یہ سمجھ لیجئے کہ میرے دل میں کوئی چور ہے۔"

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں اختیار احمد صاحب...... آپ اگر دل کا چور دل میں

چھپائے رکھیں گے تو ہم آپ کے کس طرح کام آ سکتے ہیں۔" شہاب نے کہا۔

اختیار احمد سوچ میں ڈوب گیا...... کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"بس تو پھر یوں سمجھئے کہ مجھے شبہ ہے کہ نوشاد کی گمشدگی میں ناہید کا ہاتھ ہے۔"

شہاب نے گل خان کی طرف دیکھا...... گل خان چند لمحے خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

"تو آپ ایف آئی آر لکھوانا چاہتے ہیں۔"

"ہاں۔"

"اور اس ایف آئی آر میں آپ ناہید صاحبہ کا نام لکھوانا چاہتے ہیں۔"

"جی؟ جی ہاں...... نن...... نہیں...... ایسا تو نہیں۔"

"تو پھر آپ گمشدگی کے بارے میں کیا کہیں گے؟"

"بس اتنا کہ میری بیٹی گم ہو گئی ہے...... پولیس اسے تلاش کرے۔"

"ظاہر ہے پولیس آپ کے گھر کا چکر لگائے گی اور آپ کے گھر کی تلاشی لے گی اور پھر ناہید صاحبہ سے سوالات کرے گی...... اس کے قرب وجوار کے لوگوں کو ٹٹولے گی جن پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ وہ نوشاد کے اغوا میں ملوث ہو سکتے ہیں۔"

"جناب کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ پولیس میرے راز کو راز رکھے اور خفیہ طور پر کام کرے جبکہ میری ایف آئی آر بھی درج ہو۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے اختیار احمد صاحب...... پولیس کو اطلاع دینے کا مطلب یہ ہے کہ پولیس مصروف عمل ہو جائے اور نوشاد کو تلاش کرے۔"

"آہ! دیکھئے بات اصل میں یہ ہے کہ جو میں کہنا چاہتا ہوں کہنے سے ڈر رہا ہوں اور پھر افسر اعلیٰ کے سامنے۔"

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں...... بے دھڑک کہئے۔" شہاب نے کہا۔

"جناب اصل میں، میں اس قدر کنجوس انسان نہیں ہوں...... بیٹی کا معاملہ ہے...... بیٹی سے محبت بھی کرتا ہوں لیکن بس یہ چاہتا تھا کہ نوشاد ناہید کے چکر میں نہ پڑے، اس لئے میں نے اس کے ساتھ بھی سختی برتی تھی، اگر اس سلسلے میں کچھ اخراجات ہو سکتے ہیں تو میں وہ اخراجات ادا کرنے کو تیار ہوں...... پولیس بس میری مدد کرے...... میرے ساتھ تعاون کرے لیکن ابھی ناہید کو یہ شبہ نہ ہونے پائے کہ میں نے نوشاد کی رپورٹ درج کروا دی ہے۔"

"ہوں اور آپ اس سلسلے میں اخراجات ادا کرنے کو تیار ہیں؟"

"جی اور ایک لاکھ روپے پیش کر سکتا ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"خیر ابھی آپ یہ سب کچھ نہ کیجئے گا۔"

"ٹھیک ہے...... گل خان کیا خیال ہے؟ میرا خیال ہے کہ تم ایک لاکھ روپے قبول کر لو...... تمہارے بہت کام آئیں گے۔"

"صاحب کیا بات کرتے ہو۔" گل خان نے کہا اور شہاب نے اسے غیر محسوس انداز میں اشارہ کر دیا...... گل خان گردن جھکا کر سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ شہاب نے کہا۔

"خیر یہ رشوت وغیرہ کے معاملے کو آپ پس پردہ رہنے دیجئے، آپ یہ چاہتے ہیں کہ پولیس آپ کے سلسلے میں کام بھی شروع کر دے اور کسی کو پتا بھی نہ چلے۔"

"ہاں...... میں یہی چاہتا ہوں۔" اختیار احمد صاحب نے کہا۔

"اچھا آپ یہ بتائیں کہ آپ کی بیٹی کے جذبات ناہید کے سلسلے میں کیسے ہیں؟"

"میں نے بتایا نا آپ کو کہ وہ ناہید کے ٹرانس میں ہے۔ اس کے اشاروں پر ناچتی ہے۔"

"ہوں...... ٹھیک...... کیوں گل خان کیا خیال ہے؟"

"سر آپ موجود ہیں...... میں آپ کے سامنے کیا بول سکتا ہوں۔" گل خان نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے...... میرا خیال ہے کہ اس سلسلے میں ایف آئی آر درج کرنے کی ضرورت نہیں ہے...... یوں سمجھئے اختیار احمد صاحب کہ ہم نے آپ کا کیس ہاتھ میں لے لیا ہے اور کام شروع کر رہے ہیں۔"

"آپ کا زندگی بھر احسان مانوں گا...... آپ مجھے جو بھی خدمت کہیں گے وہ سر انجام دوں گا۔"

"لیکن آپ کا کیا خیال ہے کہ ناہید صاحبہ یہ کوشش نہیں کریں گی کہ آپ پر نگاہ رکھیں...... میرا مطلب ہے اگر آپ نے پولیس سے رجوع کیا تو وہ آپ سے اختلاف بھی کر سکتی ہیں۔"

"جانتا ہوں...... اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"گھر سے آپ ٹیلی فون بھی نہیں کر سکتے۔"

"ہاں...... یہ کہا جا سکتا ہے۔"

"نہیں ایسی بات نہیں ہے...... پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، اگر گل خان صاحب اجازت دیں تو میں اپنے طور پر یہ کیس اپنے ہاتھ میں لے لوں۔"

"صاحب آپ میرے سامنے ایسی بات کر رہے ہیں...... میں تو آپ کا مرید ہوں۔" گل خان نے کہا۔

"گل خان ایک شریف شہری ہمیں مدد کیلئے پکار رہا ہے، ہمیں اس کی مدد کرنی چاہئے۔"

"آپ جیسا حکم دیں میں حاضر ہوں۔" گل خان نے کہا۔

"نہیں میرا خیال ہے کہ تمہاری ضرورت نہیں بلکہ یوں کرو ایک سمجھدار آدمی اختیار احمد صاحب کے ساتھ بھیج دو...... اختیار احمد صاحب اس سلسلے میں کوئی بھی قدم اٹھایا جائے آپ اسے کم از کم ایک پرچے پر لکھ کر کسی ایسی جگہ تو پھینک سکتے ہیں جہاں سے ہمارا آدمی آپ سے وہ اطلاع موصول کر لے...... اس طرح ہمیں انفارمیشن بھی ملتی رہے گی۔"

"با آسانی کر سکتا ہوں...... میرا کمرہ پہلی منزل پر ہے جہاں میں رہتا ہوں...... وہاں پیچھے ایک خالی جگہ ہے، جہاں کچھ بھی نہیں ہے سوائے ایک کباڑ خانے کے، گودام کے، گلی خالی رہتی ہے اور اس گلی میں میرے بیڈ روم کی کھڑکی کھلتی ہے...... میں اپنے بیڈ روم سے ایسا پرچا پھینک سکتا ہوں جس میں تمام تفصیلات موجود ہوں۔"

"بہت اچھی بات ہے گل خان تم ایسا کرو کہ اپنے چند آدمیوں کو وہاں ڈیوٹی پر لگا دو...... یقینی طور پر تمہارے پاس ایسے کام کے آدمی ہوں گے جیسے ہی کوئی پیغام اختیار احمد صاحب کی طرف سے ملے اور تم تک پہنچے تو مجھے ٹیلی فون پر اس کی اطلاع دو، سمجھ رہے ہو نا۔"

"جی سر بالکل۔" گل خان نے مستعد ہو کر کہا۔

"تو سمجھ لیجئے اختیار احمد صاحب کہ آپ کا کیس پولیس کے رجسٹر میں درج ہو چکا ہے اور ہم نے کام شروع کر دیا ہے۔"

"بہت بہت شکریہ...... آپ میرا پورا پتا نوٹ کر لیجئے...... گل خان صاحب اور اپنے آدمیوں کو وہاں بھیج دیجئے مجھے بھی ذرا اطمینان رہے گا۔"

"بہت بہتر۔"

پھر گل خان نے اپنے دو خاص آدمیوں کو بلایا جو سادہ لباس میں تھے...... انہیں تمام

تفصیلات بتائیں اور اس کے بعد انہیں ہدایت کر دی کہ وہ اختیار احمد صاحب کی کار کا تعاقب کریں اور ان کے مکان کی عقبی گلی میں پہنچ کر وہ کام کریں جو انہیں بتایا گیا ہے، پھر کچھ دیر کے بعد اختیار احمد ان کا شکریہ ادا کر کے اُٹھ گیا تھا۔

شہاب نے مسکرا کر گل خان کو دیکھا اور کہا۔

"یقیناً تمہیں میرے اس طرز عمل پر حیرت ہوئی ہو گی؟"

"نہیں شہاب صاحب...... آپ کیسی باتیں کرتے ہیں...... گل خان اگر آپ کو نہیں جانتا ہوتا تو ضرور حیرت ہوتی لیکن اب گل خان یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ آپ نے جو قدم اٹھایا ہے وہ یقینی طور پر کوئی ٹھوس قدم ہو گا۔"

"اصل میں کہانی بہت دلچسپ ہے اور میں چاہتا ہوں کہ پوری پوری دلچسپی لوں۔"

"یہ تو آپ کی مہربانی ہے...... کم از کم میری مشکل ہی حل ہو جائے گی۔"

"او کے گل خان اب تم ادھر سے ملنے والی اطلاعات مجھ تک پہنچانے کی ذمے داری قبول کرو اور میرا یہ ٹیلی فون نمبر رکھ لو، جس پر میں لازمی طور پر تمہیں مل جاؤں گا۔" شہاب نے اسے ایک ٹیلی فون نمبر نوٹ کروایا اور اس کے بعد اس سے ہاتھ ملا کر وہاں سے اُٹھ گیا۔

یہ معاملہ اسے اچھا خاصا دلچسپ لگا تھا چنانچہ وہ اس پر کام کرنے کا خواہش مند تھا۔

❋

ناہید نے ذیشان سے اسی فلیٹ میں ملاقات کی...... بہت مطمئن اور مسرور نظر آ رہی تھی...... ذیشان نے بھی اب اپنے آپ کو اچھی طرح سے سنبھال لیا تھا...... بہت سی باتوں کا انکشاف ہو چکا تھا اس پر اور آخر کار وہ یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ اب مرد بن کر ہی کام کرے...... ایک عورت اسے کتنا کمزور بنا سکتی ہے۔ ابتداء میں تو حالات کا شکار ہونے کی وجہ سے ناہید سے خوفزدہ ہو گیا تھا، لیکن اب سوچ رہا تھا کہ آخر کار اب اس شاطر عورت سے صحیح انداز میں نمٹنا چاہئے...... سب کچھ جہنم میں جائے...... اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک غیر قانونی عمل تھا لیکن انتہائی مناسب تھا کہ نہ تو کسی کو قتل کرنے کی ضرورت پیش آ رہی تھی اور نہ کوئی ایسا سنگین جرم کرنا پڑ رہا تھا کہ جس پر اپنا ضمیر ہی کچوکے دے، وہ شاطر عورت اپنے شوہر سے ایک بڑی رقم حاصل کرنا چاہتی تھی اور اس کا کہنا تھا کہ اس کا شوہر بے انتہا کنجوس ہے اور کسی اور صورت میں وہ یہ رقم ادا کرنے پر آمادہ نہیں ہو گا...... بہر حال ایک رسک تھا،

ایک جوا تھا جو ذیشان کھیل رہا تھا...... ناہید نے کہا۔

"کہو ذیشان اپنے آپ کو کس ذہنی کیفیت کا شکار پا رہے ہو؟"

"نہیں میڈم...... میں ٹھیک ہوں۔"

"میں محسوس کر رہی ہوں جو اُلجھن، جو تردد تمہارے چہرے پر پہلے نظر آتا تھا اب وہ نہیں ہے۔"

ذیشان مسکرا دیا پھر بولا۔

"میں نے اب ان معاملات میں خود کو پوری طرح ملوث سمجھ لیا ہے اس لئے۔"

"یہ ایک کھیل ہے ایک کنجوس آدمی کو سزا دینے کا...... جو شوہر ہونے کے باوجود ایک اعتماد کرنے والا شوہر نہیں ہے، جو باپ ہونے کے باوجود اپنی اکلوتی بیٹی کے ساتھ سختیاں کرنے کا عادی ہے۔"

"کیا مسٹر اختیار احمد صاحب کا رویہ اپنی بیٹی کے ساتھ بھی اچھا نہیں ہے۔"

"عجیب و غریب فطرت کا مالک ہے...... ایک طرف تو یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو بہت زیادہ چاہتا ہے...... مجھے بھی اس نے کبھی مایوسی کا شکار نہیں ہونے دیا...... پتا نہیں اس کی فطرت میں اس قدر کنجوسی کیوں شامل ہے...... وہ ہر چیز پر دولت کو ترجیح دیتا ہے۔"

"کیا یہ دولت اس نے خود اپنے ذرائع سے کمائی ہے یا خاندانی دولت مند ہیں؟"

"نہیں ایسی بات نہیں ہے...... بنا بنایا کاروبار اسے والدین کی طرف سے منتقل ہوا تھا اس نے پوری محنت کے ساتھ اسے سنبھالا اور اس میں درحقیقت اضافہ کیا لیکن تم مجھے بتاؤ، اتنی بڑی دولت جو ہم لوگوں کے پاس موجود ہے لیکن ہماری اپنی زندگی کیلئے محدود ہے۔"

"جی۔" ذیشان نے آہستہ سے کہا۔

"خیر چھوڑو ان باتوں کو...... بہر حال ہمارا کام آگے بڑھ گیا ہے۔ یہ بتاؤ کیا ایسی جگہ منتخب کی ہے تم نے جہاں سے تم ٹیلی فون پر اس سے رابطے کرو۔"

"کسی بھی علاقے کا ٹیلی فون بوتھ کام آ سکتا ہے۔"

"نہیں یہ انتخاب ضروری ہے...... جگہ سنسان ہونی چاہئے۔"

"جی۔"

"تو پھر کیا خیال ہے...... میں یہ سمجھتی ہوں کہ کام کا آغاز کر دو...... کیا میرا ساتھ ہونا

کوئی غلط قدم ہوگا؟"

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے میرے سامنے ہی فون کرو۔"

"ایک ٹیلی فون بوتھ سے؟"

"ہاں کیا حرج ہے۔"

"اگر آپ یہ سمجھتی ہیں کہ یہ نامناسب نہیں ہے تو ٹھیک ہے۔"

"ہاں نامناسب نہیں ہے، اگر تم کوئی جگہ منتخب نہیں کرسکے تو میں نے جگہ کا انتخاب کرلیا ہے۔"

"کہاں ہے وہ جگہ؟"

"ایئرپورٹ کا وہ عقبی حصہ جہاں کئی ٹیلی فون بوتھ لگے ہوئے ہیں لیکن ان کا استعمال نہ ہونے کے برابر ہے...... میں نے پوری طرح جائزہ لے لیا ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔"

"آؤ میرے ساتھ۔"

"چلیں۔" ناہید نے کہا اور اس کے بعد ناہید کے ساتھ ہی ذیشان باہر نکل آیا۔

ناہید کی مرسڈیز میں بیٹھتے ہوئے اس نے سوال کیا۔

"اور میں بھی آپ کو کچھ زیادہ ہی مطمئن پا رہا ہوں آپ نے اپنے آپ کو بہت زیادہ چھپانے کی کوشش نہیں کی ہے۔"

"بات اصل میں یہ ہے ذیشان کہ انسان جتنی احتیاط کرتا ہے اتنی ہی غلطیاں کرتا چلا جاتا ہے...... میں نے کسی شخص کا مقولہ پڑھا تھا اور اس پر غور بھی کیا تھا...... اختیار احمد محدود انسان ہے، اس کے وسائل بھی محدود ہیں، اس کی ذہنیتیں بھی محدود ہیں...... وہ بہت کم لوگوں سے ملتا جلتا ہے...... کون اسے بتائے گا کہ میں کہاں پھر رہی ہوں۔"

"اس وقت آپ کس طرح اپنے گھر سے نکلی ہیں؟"

"پہلی بات تو یہ ہے کہ شروع سے ہی میرے اوپر پابندی نہیں...... مرسڈیز میرے نام سے خریدی گئی تھی اور مجھے دے دی گئی ہے...... اختیار احمد صاحب کے پاس اس کی اپنی گاڑی ہے...... میں جہاں چاہوں گھومتی پھرتی ہوں۔"

"لیکن اس وقت ایسے حالات میں اختیار احمد صاحب کو بہر حال اس بات کا تو علم ہو چکا ہے کہ نوشاد غائب ہے۔"

"ہاں اور میں اسے تلاش کر رہی ہوں۔" ناہید نے کہا اور قہقہہ لگا کر ہنس پڑی......

ذیشان بھی مسکراتا رہا تھا اور ناہید کی کار فراٹے بھرتی رہی پھر ٹیلی فون بوتھ سے کچھ فاصلے پر اس نے کار پارک کردی جس کا اس نے تذکرہ کیا تھا...... درحقیقت دُور دُور تک کسی انسان کا وجود نہیں تھا...... دیکھنا یہ تھا کہ ٹیلی فون ورکنگ آرڈر پر ہے یا نہیں...... جب وہ لوگ ٹیلی فون بوتھ میں داخل ہوئے تو اندازہ ہوگیا کہ ٹیلی فون صحیح طور پر کام کر رہا ہے...... ناہید نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا اس سے عمدہ جگہ کوئی ہو سکتی ہے...... مجھے تو اس بات کی خوشی ہے کہ ہمارے کام کے لئے یہ ٹیلی فون بوتھ یہاں لگا لیا گیا ہے۔"

ذیشان پھر مسکرادیا...... بہر حال ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر اس نے کارڈ ڈالا...... ناہید سانس روکے کھڑی تھی...... تھوڑی دیر کے بعد دوسری طرف سے رابطہ ہوا تو ذیشان نے کہا۔

"میں مسٹر اختیار احمد صاحب سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"اختیار احمد ہی بول رہا ہوں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اوہو...... اختیار احمد صاحب آپ تو اس وقت بہت زیادہ پریشان ہوں گے۔" ذیشان نے پہلے سے تیار کیا ہوا اسکرپٹ پڑھتے ہوئے کہا۔

"کون ہو تم؟ کیا بات ہے؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"میں کون ہوں یہ جاننے کی آپ کو ضرورت نہیں ہے...... کیا بات ہے وہ میں آپ کو بتانے جا رہا ہوں...... آپ کی پریشانی کی وجہ آپ کی بیٹی نوشاد ہے نا؟"

"میں کہتا ہوں کون ہو تم اور کیا چاہتے ہو؟"

"کچھ نہیں اختیار احمد صاحب بس غریب سا آدمی ہوں...... زندگی سے اکتایا ہوا ہوں...... خودکشی کرنے جا رہا تھا...... سوچا کہ خودکشی کا انداز بدل لوں۔"

"کیا مطلب؟"

"خودکشی اس لئے کر رہا تھا کہ مالی پریشانیوں میں مبتلا ہوں اور انداز یہ بدل لیا کہ آپ کی بیٹی نوشاد کو اغوا کرلیا اور اب وہ میرے پاس موجود ہے۔"

"کک...... کیا مطلب؟"

"جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کا وہی مطلب ہے...... میں نے آپ کی بیٹی کو اغوا کر لیا ہے اور اب وہ میری قید میں ہے۔"

"تمہارا دماغ خراب ہے کیا؟"

"جی نہیں میں تو بہت ہوش مند انسان ہوں، اگر ہوش مند نہ ہوتا تو خودکشی کا یہ طریقہ کیوں بدلتا؟"

"خودکشی، خودکشی، کیا بکواس ہے؟ آخر کیا چاہتے ہو؟"

"صرف بیس لاکھ روپے اگر آپ اپنی بیٹی کی زندگی چاہتے ہیں تو صرف بیس لاکھ روپے عنایت فرما دیجئے گا...... نوشاد گھر پہنچ جائے گی...... دوسری صورت میں آپ کو اندازہ ہے کہ ہم جیسے لوگ کیا کیا کرتے ہیں...... نوشاد پھر بھی آپ کے گھر پہنچ جائے گی لیکن زندہ حالت میں نہیں۔"

دوسری طرف چند لمحات کے لئے سناٹا چھا گیا۔

"مم...... مم...... مگر...... تم...... تم آخر تم ہو کون؟"

"کمال ہے...... اتنی تفصیل بتانے کے بعد بھی آپ مجھ سے یہ سوال کر رہے ہیں...... میں ایک ضرورت مند ہوں جو آپ کی دولت سے ایک چھوٹا سا حصہ لینا چاہتا ہے۔"

"تمہارا دماغ خراب ہے...... تمہیں بیس لاکھ روپے اتنے آرام سے دے دوں۔"

"آپ کے خیال میں آپ کی بیٹی کی قیمت بیس لاکھ روپے نہیں ہے۔"

"تم...... تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے سمجھے...... تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

"میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ کے ان الفاظ پر قہقہے لگاؤں لیکن میں فلمی انداز کے قہقہے لگانا نہیں جانتا اس لئے براہ کرم جو میں آپ سے کہہ رہا ہوں آپ اس پر عمل کریں یا پھر مجھے کھل کر بتا دیں کہ میں وہ تحفہ آپ کی خدمت میں بھجوا دوں۔"

"دیکھو بکواس مت کرو...... میں...... میں تمہیں ایک پائی نہیں ادا کروں گا۔"

"تو میں کب کہہ رہا ہوں کہ آپ ادا کریں...... یہ آپ کی مجبوری نہیں ہے، البتہ آج رات کو دس، گیارہ بجے یا اس کے لگ بھگ جیسی بھی صورت حال میرے لئے بہتر ہوئی میں نوشاد کی لاش آپ تک بھجوا دوں گا۔"

"بکواس مت کر...... تم ایسا نہیں کر سکتے۔"

"آخری چند الفاظ کے بعد میں ٹیلی فون بند کر دوں گا...... میں ایسا کر سکتا ہوں اور میں ایسا کروں گا اور اگر آپ مجھے اس سے روکنا چاہتے ہیں تو صرف بیس لاکھ کا معاملہ ہے...... رقم بہت بڑی نہیں ہے۔"

"س...... سنو...... مم...... میں...... مجھے کچھ وقت نہیں دو گے سوچنے کے لئے۔"

"مثلاً کتنا وقت؟"

"تم کہہ رہے ہو نا آج رات گیارہ بارہ بجے تک تم کام کرو گے تو ایسا نہ کرو...... آج رات گیارہ، بارہ بجے میں تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کر دوں گا۔"

"اب میرے لئے سوچنے کا وقت ہے...... آپ ایک منٹ مجھے سوچنے کو دیں۔" ذیشان نے کہا۔

ناہید کے ہونٹوں کی مسکراہٹ بتاتی تھی کہ وہ جو لہجہ اور انداز اختیار کئے ہوئے ہے وہ ناہید کی مرضی کے مطابق ہے...... چنانچہ وہ مطمئن نظر آ رہی تھی...... ذیشان نے کچھ دیر کے بعد کہا۔

"ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے میں آپ کو ٹیلی فون کروں گا، اس وقت آپ مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کریں گے...... میں آپ کو اپنے فیصلے سے آگاہ کروں گا کہ آپ کو کہاں اور کب کیا کرنا ہے؟ ایسی صورت میں آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کیا طریقہ کار ہو گا۔"

"ہاں ٹھیک ہے ساڑھے گیارہ بجے...... مم...... ساڑھے گیارہ بجے مجھ سے بات کرنا لیکن سنو نوشاد کو کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہئے اگر ایسا ہوا تو۔"

"اگر ایسا ہوا تو آپ کچھ بھی نہیں کر سکیں گے...... بے کار، احمقانہ دھمکیاں دینے کی کوشش نہ کیجئے...... ویسے نوشاد میرے لئے ایک بلینک چیک ہے۔ ظاہر ہے میں اس چیک کو خراب کرنے کی کوشش نہیں کروں گا...... او کے۔" ذیشان نے فون بند کر دیا۔

ناہید مسکراتی ہوئی بولی۔

"تم تو تربیت یافتہ بلیک میلر معلوم ہو رہے ہو۔"

"سب کچھ آپ ہی کی محبت کا نتیجہ ہے میڈم۔" ذیشان نے جواب دیا اور دونوں ہنستے ہوئے باہر نکل آئے۔

"ویری گڈ...... میں تمہاری کارکردگی سے بہت خوش ہوں لیکن دیکھو میں زیادہ د
تمہیں اپنے پاس نہیں رکھ سکتی...... ایئرپورٹ پر چھوڑے دے رہی ہوں وہاں سے ٹیکسی لے کر فلیٹ پہنچ جاؤ سمجھے۔"

"فلیٹ پر اس وقت کوئی کام ہے؟"

"نہیں بالکل نہیں۔"

"تو پھر مجھے جانے کی آزادی کیوں نہیں۔"

"نہیں...... نہیں گھر چلے جاؤ میں تو ایسے ہی کہہ رہی تھی۔"

"آپ کا کیا پروگرام ہے۔"

"اب میں ذرا اس بوڑھے کھوسٹ کو اس بات پر آمادہ کروں گی کہ بیس لاکھ روپے ا
کردے...... کیوں اپنی بیٹی کی زندگی کے درپے ہے۔"

"ٹھیک ہے تم اپنا کام کرو۔"

"اوکے۔" ناہید نے کہا اور کار سٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی...... تھوڑی دیر کے بعد ایئرپورٹ ایریا میں پہنچ گئے جہاں ذیشان کار سے اتر گیا اور ناہید کی کار کو نظروں سے اوجھل ہوتے دیکھتا رہا...... پھر وہ ایک ٹیکسی کی تلاش میں نگاہیں دوڑانے لگا...... کیا خطرناک عورت ہے...... ایسی عورتیں بہت کم ہوتی ہیں جو کسی سازش کے باوجود اس قدر مطمئن نظر آئیں...... تھوڑی دیر کے بعد ایک ٹیکسی ذیشان کے سامنے آکر رُک گئی تھی۔

فون بند کرنے کے بعد اختیار احمد گہری گہری سانسیں لینے لگا...... اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا...... آخر کار وہی ہوا جس کا اسے خدشہ تھا لیکن تاوان طلب کرنے والے کی آواز، اس کا انداز اختیار احمد اس کے بارے میں اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگا...... نامانوس اور اجنبی آواز تھی لیکن بات بہر حال ہولناک تھی...... پتا نہیں نوشاد کس حال میں ہو ظاہر ہے کسی نے اس سے مذاق تو نہیں کیا تھا اور پھر نوشاد کی گمشدگی کو اتنا وقت گزر چکا تھا اختیار احمد کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ اپنی بیٹی کے لئے وہ کس قدر مضطرب ہے نوشاد اس کی پوری زندگی کا حاصل تھی...... حالات کچھ اس انداز کے ہو گئے تھے کہ اس تمام تر توجہ بیٹی کی جانب نہیں رہی تھی...... اس کی وجہ بھی ناہید تھی...... انسان بہر

انسان ہوتا ہے...... کبھی کبھی بعض رشتوں میں بھی رقابت کے جذبے پیدا ہو جاتے ہیں، نوشاد کا ناہید کے ساتھ اس طرح گھل مل جانا اختیار احمد کے لئے کچھ تکلیف کا باعث تھا...... بنیادی وجہ ناہید ہی تھی...... تھوڑے ہی عرصے کے بعد اسے احساس ہو گیا تھا کہ ناہید سے شادی کر کے اس نے زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی ہے...... فطری طور پر تاجر قسم کا آدمی تھا...... سازشوں وغیرہ سے دور...... زندگی کو زندگی کے انداز میں دیکھنے کا عادی...... کسی کو اس قسم کا نقصان پہنچانا اس کے بس کی بات نہیں تھی، جبکہ ناہید کے بارے میں اسے آہستہ آہستہ یہ اندازہ ہوتا جا رہا تھا کہ سخت خطرناک عورت ہے، پھر پچھلے کچھ دنوں سے اس کی بیماری نے بھی اسے نڈھال کر رکھا تھا اور بیماری کے دوران وہ یہ سوچتا تھا کہ نوشاد کے لئے کیا کرے...... ناہید جیسی شاطر عورت تو اس کی موت کے بعد نوشاد کو انگلیوں پر نچا کے رکھ دے گی...... سڑکوں پر لے آئے گی...... بھلا نوشاد کو کچھ کیوں دے گی...... نوشاد کو جس طرح اس نے اپنے جال میں پھانس رکھا ہے وہ بھی اس کی چالاکی ہی ہے...... نوشاد جیسی سیدھی سادی لڑکی بھلا اس کی ذہنی قوتوں کا مقابلہ کہاں کر سکتی ہے...... اختیار احمد نے یہاں اپنی ہوشیاری کا ثبوت دیا تھا...... بیٹی سے بے پروائی کا اظہار کر کے وہ ناہید کی دشمنی کو ختم کر رہا تھا، اگر وہ نوشاد سے بہت زیادہ محبت کا برتاؤ کرتا تو ناہید یقینی طور پر نوشاد کے خلاف ہو جاتی اور کچھ ایسے اقدامات کرتی کہ نوشاد کو نقصان پہنچ جائے۔ جب تمام احساسات ناہید کے بارے میں ہو گئے تو اختیار احمد نے اس انداز میں سوچنا شروع کر دیا تھا...... وہ نوشاد کے ساتھ سخت رویہ اختیار کئے ہوئے تھا...... اس پر زیادہ توجہ نہیں دیتا تھا لیکن ایسا بھی نہیں کہ نوشاد کے لئے اس کے دل میں محبت نہ ہو...... وہ صرف اپنی غلطی کی سزا بھگت رہا تھا اور آخر کار بات یہاں تک پہنچ گئی تھی...... ناہید کو نظر انداز کر کے اگر وہ نوشاد کو نوازتا تو ناہید تو نوشاد کی سخت دشمن بن جاتی، اس لئے سب سے پہلے اس نے نوشاد پر پابندیاں لگائیں اور اخراجات کے سلسلے میں اسے بالکل مفلوج کر دیا...... اس کے بعد ناہید پر اور اسے اپنی فطرت کا اظہار ثابت کیا...... بہر حال یہ سب کچھ چل رہا تھا اور اس پہلے فون نے اسے بری طرح لرزا دیا تھا...... ناہید یہ کہہ کر اس سے گئی تھی کہ وہ اپنی طرف سے نوشاد کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ بڑی جذباتی کیفیتوں کا اظہار کیا تھا اس نے اور اختیار احمد اس کے انداز میں تصنع اور بناوٹ تلاش کرتا رہا تھا...... اسے اس بناوٹ کا یقین بھی ہو گیا تھا...... بہر حال اس کا اظہار کرنا

بھی خطرناک ہو سکتا تھا، پھر وہ ایک دم چونک پڑا...... وہ نوجوان افسر اعلیٰ جس نے اسے تسلیاں دی تھیں اور ایک طریقہ کار متعین کیا تھا...... نہ جانے کیوں یہ خیال اس کے لئے باعث تقویت تھا...... اختیار احمد کو فوراً ہی خیال آگیا کہ اس نے اسے جو ہدایات دی ہیں اس پر عمل کرنا چاہئے، چنانچہ سب سے پہلے وہ اپنے بیڈروم کی عقبی کھڑکی کے پاس پہنچا...... احتیاط کے ساتھ اس نے باہر جھانکا...... پیچھے ایک بہت بڑا احاطہ تھا...... سرخ اینٹوں سے بنا ہوا جس کے دوسری جانب ناکارہ موٹروں کے پرزے، ٹوٹی ہوئی جیپوں کا سامان اور ایسی ہی دوسری اشیاء پڑی ہوئی تھیں۔

گلی میں دو افراد نظر آرہے تھے جو اس انداز میں گشت کر رہے تھے جیسے پولیس گشت کرتی ہے۔ وہ سادہ لباس میں تھے...... فوراً ہی واپس آکر اختیار احمد نے پرچے پر ایک تحریر گھسیٹی اور بلیک میلر یا تاوان طلب کرنے والے کے تمام الفاظ درج کر دیئے اور اس پرچے کی گولی سی بنا کر اس نے جیب سے ایک سکہ نکالا اور اس سکے میں لپیٹ کر اسے گلی میں اچھال دیا...... فوراً ہی اس نے اس پر ایک آدمی کو لپکتے ہوئے دیکھا تھا...... اس نے اِدھر اُدھر دیکھ کر اسے اُٹھالیا...... پرچا کھول کر پڑھا اور اس کے بعد برق رفتاری سے آگے بڑھ گیا...... اختیار احمد کو یہ تقویت ہوئی تھی کہ وہ لوگ اس کام میں مستعد ہیں...... اسے سکون سا محسوس ہوا تھا...... یوں لگا تھا جیسے کسی نے دل پر ہاتھ رکھ دیا ہو...... اس کے بعد وہ وہاں کمرے سے نکل کر ڈرائنگ روم میں بیٹھ گیا...... چہرے پر مغموم سی کیفیت طاری کر لی۔ مغموم تو وہ تھا...... بیٹی اسے بری طرح یاد آرہی تھی، اگر اس سلسلے میں ناہید نے کوئی ایسا قدم اٹھایا ہے جو درحقیقت خطرناک ہے...... پتا نہیں نوشاد کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہو...... ایک آدھ لمحے کے لئے اس نے یہ بھی سوچا تھا کہ ممکن ہے کہ ناہید کا اس سلسلے میں ہاتھ ہی نہ ہو اور یہ سب کچھ واقعی اس شخص کا کام ہو جو اغوا برائے تاوان کا ماہر ہو، ایک عجیب سی کیفیت اختیار احمد کے ذہن پر طاری تھی کہ اسے باہر گاڑی رکنے کی آواز سنائی دی...... اس آواز کو وہ اچھی طرح پہچانتا تھا...... ناہید واپس آگئی تھی...... اختیار احمد نے چہرے پر اور سوگواری طاری کر لی...... کچھ لمحوں کے بعد ناہید اندر داخل ہوئی تو اختیار احمد نے آنسو بھری نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا...... ناہید کا چہرہ بھی دھواں دھواں ہو رہا تھا...... اس پر شدید پریشانی کے آثار نظر آرہے تھے۔ بال منتشر تھے، آنکھوں میں ایک اضطراب کی کیفیت تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی

ہوئی اختیار احمد کے پاس آگئی اور اس کے سامنے سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اس کی نگاہیں اختیار احمد کا چہرہ ٹٹول رہی تھیں اور اختیار احمد چہرے پر افسردگی طاری کئے ہوئے درحقیقت اندر کی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا کہ ناہید کی یہ کیفیت حقیقی ہے یا اداکاری لیکن اس نے دل میں اعتراف کیا کہ وہ اصل بات نہیں پہچان سکا ہے۔

"کچھ پتا ہی نہیں چل رہا زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا...... نوشاد سے ایسی کوئی امید تو نہ تھی۔"

"کیسی امید؟" اختیار احمد نے پوچھا۔

"بس نجانے کیسے کیسے وسوسے دل میں آتے رہے ہیں۔"

"مطلب؟ مطلب کی بات کہو۔"

"کیا مطلب کی بات کہوں بس یہ سوچتی رہی ہوں کہ نوجوان ہے کہیں کسی نوجوان کے بہکاوے میں نہ آگئی ہو"۔

کہیں یہاں سے نکل نہ گئی ہو، حالانکہ وہ مجھ سے بے حد بے تکلف تھی...... دنیا کی ہر بات مجھے بتادیا کرتی تھی...... دل یہی سوچ کر اس کی نفی کرتا ہے کہ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو وہ مجھ سے اس کا تذکرہ ضرور کرتی۔"

"ایسی بات سے تمہارا کیا مطلب ہے؟"

"اب کتنی مرتبہ سمجھاؤں آپ کو...... آپ کی سمجھ میں یہ باتیں نہیں آئیں گی...... آپ عمر رسیدہ ہو چکے ہیں۔"

"دیکھو ناہید ہوش کے ناخن لو...... میں کتنا ہی عمر رسیدہ ہو چکا ہوں مگر تم یہ طعنہ بار بار دے کر کیا احساس دلانا چاہتی ہو؟"

"ارے آپ کہاں کی باتیں لے بیٹھے...... میں تو صرف ایک جذبے کا تذکرہ کر رہی تھی۔"

"نہیں ناہید میں محسوس کرتا ہوں کہ تم نے بارہا مجھے یہ احساس دلانے کی کوشش کی...... اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ تم نے مجھ سے شادی کر کے کوئی احسان کیا ہے تو۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو اختیار، میرا ایک غلط جملہ جو اس وقت میں ذہنی انتشار میں بول گئی ہوں وہ تمہیں غصہ دلانے کا باعث بنا ہے، حالانکہ میرا یہ مفہوم نہیں تھا۔"

"تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ نوشاد کسی نوجوان کے ساتھ چلی گئی ہے یا جا سکتی ہے۔"

"ہاں یہ خیال میرے دل میں آیا تھا۔"

"اور تم اس خیال کو نوشاد سے منسلک کرنا چاہتی ہو۔"

"یہ تمہارا کمپلیکس ہے...... میں کچھ بھی نہیں کہنا چاہتی۔"

"ناہید کیوں مجھے پریشان کر رہی ہو...... میں جتنا پریشان ہوں تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔"

"آپ خود اپنے الفاظ سے پریشانیاں کھڑی کر رہے ہیں۔ میں تو اس بچی کے لئے سڑکوں پر ماری ماری پھر رہی ہوں اور آپ مجھ سے اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں۔" ناہید کی آواز رندھ گئی۔

تب اختیار احمد نے اسے تعجب بھری نگاہوں سے دیکھا اور آہستہ سے بولا۔

"ناہید مجھے ایک ٹیلی فون موصول ہوا ہے۔"

ناہید کے جسم کو ایک جھٹکا سا لگا...... اس نے چونک کر اختیار احمد کو دیکھا اور بولی۔

"ٹیلی فون؟"

"ہاں۔"

"کیسا ٹیلی فون؟ کیوں تجسس پیدا کر رہے ہو؟"

"ناہید میں سخت پریشان ہوں۔"

"آخر مجھے کچھ بتاؤ تو سہی...... کیا نوشاد کا ٹیلی فون موصول ہوا ہے؟ کیا میرے خوف کی تصدیق ہو گئی ہے؟"

"نہیں...... ٹیلی فون ایک اجنبی شخص کا تھا جس نے مجھ سے بیس لاکھ روپے تاوان طلب کیا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ نوشاد اس کے قبضے میں ہے۔"

"ہیں۔" ناہید کا جیسے اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا...... اختیار احمد اسے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا...... یہ عورت کیا ہی شاندار اداکاری کر رہی ہے...... یہ اداکاری ہے بھی یا نہیں کہیں ساری کی ساری عمارت غلط فہمیوں کی بنیاد پر تو تعمیر نہیں ہو رہی...... ناہید دھواں دھواں چہرہ لئے اختیار احمد کو دیکھتی رہی پھر دفعتاً اس کی آنکھوں سے آنسو اُمڈ پڑے اور اس کی ہلکی ہلکی سسکیاں جاری ہو گئیں۔

"نوشاد، نوشاد، کیا واقعی وہ کسی ایسے شخص کے چکر میں پڑ گئی ہے...... اوہ میرے خدایا! مجھے بتاؤ تو سہی اختیار اور کیا کہا اس نے؟"

"بس یہی کہ اگر بیس لاکھ روپے رقم اسے ادا نہ کی گئی تو وہ نوشاد کو قتل کر دے گا۔"

ناہید کے حلق سے ایک دہشت ناک چیخ نکلی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھک لیا۔

"خدا کے لئے اختیار اسے بچالو، اسے بچالو...... خدا کے لئے...... جو کچھ ہو اسے بچالو...... اختیار، نوشاد...... نوشاد...... نوشاد۔" ناہید سسکتی رہی اور اختیار احمد اسے اُلجھی نگاہوں سے دیکھتا رہا...... یہ اداکاری ہے کیا؟ وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا...... ناہید کافی دیر تک روتی رہی پھر اس نے کہا۔

"اوہ میرے خدا! ہم اس عذاب میں بھی گرفتار ہونے والے تھے...... کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔"

"میں تمہاری واپسی کا انتظار کر رہا تھا ناہید...... میں یہ سوچ رہا ہوں کہ فوراً پولیس کو اس بارے میں اطلاع دی جائے۔"

"پولیس۔" ناہید نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا...... اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور چہرے پر غم کے سائے چھائے ہوئے تھے۔

"ہاں ظاہر ہے ہم اس کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں؟"

"کیا یہ مناسب رہے گا اختیار؟"

"کیا مطلب؟"

"مجھے بتاؤ کہ کیا یہ مناسب رہے گا؟"

"میں سمجھا نہیں...... تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"ایسے لاتعداد واقعات ہوتے رہتے ہیں...... اخبارات میں خبریں چھپتی رہتی ہیں...... نتائج ہماری نگاہوں کے سامنے آتے رہتے ہیں...... پولیس آج تک ایسے شخص کو برآمد نہیں کر سکی جسے تاوان کے لئے اغوا کیا گیا ہو...... سوائے اس کے کہ وہ آتی جاتی رہے...... ہمیں پریشان کرتی رہے...... تم ان اخباری خبروں پر غور کرو جن میں کسی ایسی کاوش کا نتیجہ غلط ہی نکلا ہے...... کہیں ایسا نہ ہو...... کہیں ایسا نہ ہو...... خدا نہ کرے...... خدا نہ کرے۔"

"تو پھر مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں؟"

"آہ! اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا جاسکتا کہ تم نوشاد کا صدقہ ادا کردو...... اختیار لاکھوں کمائے ہیں تم نے زندگی میں اور لاکھوں کما رہے ہو...... بیس لاکھ ہماری نوشاد کی قیمت نہیں ہے......اس کے پاؤں کے ناخن کی بھی قیمت نہیں ہے...... خدا کے لئے...... خدا کے لئے، میں نے تم سے کچھ نہیں مانگا اختیار، کبھی کچھ نہیں مانگا، تم اس بات کے گواہ ہو لیکن میری نوشاد مجھے واپس کردو، میں...... میں نوشاد کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی...... سوچو گے تو یہی کہ سوتیلی ماں ہوں میں...... یہ سب کچھ جو کہہ رہی ہوں اداکاری کر رہی ہوں تمہیں خوش کرنے کے لئے کہہ رہی ہوں لیکن...... لیکن میرے بارے میں تم جو کچھ بھی سوچ لو، میری نوشاد کو زندگی بخش دو...... بیس لاکھ تمہارے لئے کچھ بھی نہیں ہیں لیکن نوشاد میرے لئے جو کچھ ہے وہ میں تمہیں نہیں بتاسکتی۔"

اختیار احمد شدید اُلجھن کا شکار ہو گیا تھا...... ناہید کا چہرہ انگارے کی طرح سرخ ہو رہا تھا......اس کی آنکھیں رو رو کر سوجنے لگی تھیں...... وہ سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

"مگر بیس لاکھ!"

"اختیار پلیز تمہیں خدا کا واسطہ...... میرے پاس کچھ زیورات ہیں...... ایک ایک زیور لے لو مجھ سے...... میرے پاس جو کچھ ہے وہ تمہارا دیا ہوا ہے......وہ سب لے لو، مگر نوشاد کو بچالو، دیکھو اختیار ہم ختم ہو جائیں گے...... ہم اس کے بغیر کیا رہ جاتے ہیں...... تم خود سوچو اختیار میری زندگی میں اس کے سوا کیا ہے...... نجانے کیسے کیسے تصورات، کیسی کیسی آرزوئیں ہیں میرے دل میں اس کے لئے......اس کے ذریعے ہماری نسل آگے بڑھے گی ورنہ تم جانتے ہو کہ اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں ہے ہمارے پاس...... اختیار میری کسی بات کا برا مت ماننا...... میں حواس باختہ ہو رہی ہوں، یہ سن کر کہ میری نوشاد کسی چنگل میں پھنس گئی ہے...... تمہیں خدا کا واسطہ اختیار! جہنم میں ڈالو بیس لاکھ روپے...... خرچ کردو میری بچی پر...... آہ! میری دنیا میں اس کے علاوہ اور ہے کیا؟" ناہید اس طرح بلک رہی تھی کہ اختیار احمد کا دل ہی پھٹا جا رہا تھا...... اب وہ متضاد کیفیات کا شکار ہو گیا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ کیا اب تک اس نے ناہید کے بارے میں جو اندازے لگائے ہیں وہ غلط ہیں...... بہر حال اسے اطمینان تھا کہ یہ معاملہ اب پولیس کے ہاتھوں میں پہنچ چکا ہے، حالانکہ ناہید کے خدشات کا اسے بھی احساس ہو رہا تھا، لیکن وہ پولیس کا آفیسر اعلیٰ اس طرح کا معلوم نہیں ہوتا تھا جس

طرح روایتی پولیس نظر آتی ہے۔

الغرض یہ کہہ کر اختیار احمد بہت دیر تک خاموش رہا پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"آج رات گیارہ بجے کے بعد اس نے مجھے ٹیلی فون کرنا ہے...... مجھے بتاؤ ناہید کہ میں کیا کروں؟"

"صرف اور صرف یہ کرو کہ اس کا مطالبہ پورا کردو......اس کو وہ رقم ادا کردو جس کا وہ خواہش مند ہے اور اس کے بعد بھول جاؤ سب کچھ...... نوشاد تمہیں مل جائے گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا...... اختیار احمد پلیز وہی کرو جو تم سے کہہ رہی ہوں...... پولیس کو اطلاع دینے کی بالکل ضرورت نہیں ہے...... میں تمہیں پولیس کے پاس نہیں جانے دوں گی۔"

"ٹھیک ہے ناہید......اب میں تمہارے علاوہ اور کس سے مشورہ کر سکتا ہوں......اگر تم یہی مناسب سمجھتی ہو تو یہی سہی، ٹھیک ہے میں گیارہ بجے اس سے کہہ دوں گا کہ میں رقم کی ادائیگی کے لئے تیار ہوں۔"

"شکریہ اختیار احمد شکریہ...... میں زندگی بھر تم سے کچھ نہیں مانگوں گی بس میری نوشاد مجھے دے دو۔"

اختیار نے پرخیال انداز میں گردن جھکالی تھی۔

❁

گل خان نے اپنے ساتھی کا فراہم کیا ہوا پرچا پڑھا جس میں اختیار احمد نے بلیک میلر کی جانب سے تاوان کی طلبی کی تفصیل بتادی تھی...... گل خان نے فوراً ہی سامنے رکھا ہوا ٹیلی فون اٹھایا اور پھر ریسیور اٹھا کر شہاب کا بتایا ہوا نمبر ڈائل کرنے لگا......اس نمبر پر شہاب سے فوراً ہی ملاقات ہوگئی۔

"سر! گل خان بول رہا ہوں۔"

"ہیلو گل خان...... کہو...... کیسے مزاج ہیں؟"

"سر آپ کی دعا ہے......وہ اختیار احمد کی جانب سے ایک پرچا موصول ہوا ہے۔"

"اوہ! اچھا، خیریت، کیا ہے اس پرچے میں؟"

"سر لکھا ہوا ہے کہ بلیک میلر کی جانب سے رابطہ قائم کیا گیا ہے......اس نے بیس لاکھ روپے تاوان طلب کیا ہے اور اسے سوچنے کا موقع دینے کے لئے رات گیارہ بجے ٹیلی فون

کرنے کا کہا ہے۔"

"گڈ!" دوسری جانب سے شہاب کی آواز سنائی دی۔

"سر اب میرے لئے کیا حکم ہے؟"

"کوئی خاص بات نہیں بس اپنے آدمیوں سے کہو کہ وہاں ڈیوٹی پر رہیں۔"

"ٹھیک ہے سر۔"

"باقی صورت حال میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا...... جیسا بھی ہوا اس کے مطابق ہی عمل کریں گے...... گل خان ویسے ایک بات کہوں کہ یہ کیس تمہارا ہے۔ تمہیں ہی اس کی تکمیل کرنی ہے...... ایف آئی آر بے شک باقاعدہ درج نہیں کرائی گئی لیکن وہ کسی بھی وقت درج کرائی جاسکتی ہے۔"

"سر آپ ایسی بات کیوں کرتے ہیں...... کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ مجھے نام کا شوق ہے...... اگر آپ میرے لئے یہ کام کررہے ہیں تو اس سے زیادہ اور فخر کی بات کیا ہوسکتی ہے۔"

"اوکے! گل خان اوکے، ایسی جذباتی باتیں مت کرو...... سب ٹھیک ہے۔" شہاب نے کہا اور پھر سلسلہ منقطع ہوگیا۔

گل خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی...... بہرحال شہاب اس کا استاد تھا...... گل خان کو وہ لمحات کبھی نہیں بھول سکتے تھے جب شہاب نے اسے نیکیوں کے راستوں کی تلقین کی تھی اور گل خان کو پوری طرح اس بات پر آمادہ کرلیا تھا کہ وہ اس کی اطاعت کرے اور اس کے بعد سے گل خان نے شہاب کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا تھا۔

❁

گل خان کی جانب سے موصول ہونے والی اطلاع کے بعد شہاب کے لئے ضروری تھا کہ وہ فوری طور پر اس پر عمل کرے، کچھ لمحے یہ سوچنے کے بعد اس نے مخصوص ٹرانسمیٹر نکالا اور ڈبل او گینگ سے رابطہ کرنے لگا، چند لمحات کے بعد ٹرانسمیٹر پر توصیف کی آواز سنائی دی تھی۔

"سر، توصیف عرض کررہا ہے۔"

"شہنشاہ۔"

"میں جانتا ہوں سر۔" توصیف نے جواب دیا۔

"توصیف ایک پتا نوٹ کرو...... کاغذ قلم ہے تمہارے پاس۔"

"جی سر موجود ہے۔"

شہاب نے توصیف کو اختیار احمد کی کوٹھی کا پتا صحیح طرح سے نوٹ کرایا پھر بولا۔

"اپنے ساتھ سردار احمد کو لو...... دونوں الگ الگ رہو اور اس کوٹھی کی نگرانی کرو...... اس کوٹھی میں ایک نیلی مرسڈیز ہے جسے ایک عورت ڈرائیو کرتی ہے...... تمہیں خصوصاً اس عورت کی مصروفیات کا پتا چلانا ہے...... سائے کی طرح اس کے پیچھے لگے رہو جو کچھ وہ کرے اسے نوٹ کرو بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ اس کے لئے اپنے ساتھ دو چھوٹے کیمرے رکھ لو جو تصاویر لے سکتے ہیں اور اگر کوئی ایسی اہم بات جسے تم ذرا مشکوک محسوس کرو تو وہاں کی تصویریں بناؤ اور ہوشیار رہنا...... عورت کافی چالاک ہے۔"

"جی سر، آپ اطمینان رکھیں...... میں ایسا ہی کروں گا۔"

"فوراً ہی روانہ ہوجاؤ۔" شہاب نے ٹرانسمیٹر بند کردیا...... بینا اس کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی اور اس وقت وہ کریم سوسائٹی کی کوٹھی ہی میں تھے...... شہاب بینا کو تقریباً تفصیلات بتاچکا تھا اور اس سلسلے میں بینا سے خاصی گفتگو بھی ہوئی...... ٹرانسمیٹر بند کرنے کے بعد شہاب نے بینا کی طرف دیکھا اور پھر بینا کہنے لگی۔ "لیکن مسٹر شہاب اس کا آپ کو کیسے یقین ہے کہ ناہید ہی بلیک میلر کی ساتھی ہوسکتی ہے۔"

"کوئی یقین نہیں بینا بس یوں سمجھ لو کہ بعض چیزیں ذہن کو سٹرائیک کرجاتی ہیں...... اختیار احمد سے پوری کہانی سننے کے بعد نہ جانے میرے ذہن میں کیوں یہ خیال جم گیا کہ اس سلسلے میں باہر کا نہیں بلکہ اندر کا ہی کوئی شخص کام کررہا ہے اور اندر کا وہ شخص ناہید کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا۔"

"اصل میں برا نہ مانئے مسٹر شہاب کیا یہ نہیں کہ کبھی کبھی حد سے زیادہ خود اعتمادی بھی نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہے۔"

"کیا کہنا چاہتی ہو بینا؟"

"یہی کہ تم نے ناہید کے بارے میں یہ یقین کیوں کرلیا کہ اس سازش میں اسی کا ہاتھ ہے۔"

"وہ جو کہتے ہیں نا کہ کبھی کبھی دل کی بات بھی مان لینی چاہئے، اب آپ نہیں مانتیں تو یہ ایک الگ بات ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"کمال ہے کہ آپ دل کی آواز پر کان ہی نہیں دھرتیں۔"

"شروع ہو گئے۔" بینا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کمال ہے بھئی..... ایک پڑھا لکھا شخص ایک پڑھی لکھی لڑکی سے گفتگو کر رہا ہے..... میں یہ کہہ رہا ہوں کہ کبھی کبھی دل کی بات مان لینی چاہئے..... کیا آپ اس سے اختلاف کرتی ہیں۔"

"دل کی باتوں میں آنا کبھی کبھی نقصان دہ بھی ہوتا ہے۔"

"اب آپ مجھ پر طنز کریں گی۔"

"کیوں۔"

"یہی کہیں گی ناکہ میں نے اب تک اپنے دل کی بات نہیں مانی حالانکہ میرا دل چیخ چیخ کر کہتا ہے کہ بینا کے سوا اس دنیا میں کیا رکھا ہے لیکن میں دل کو سمجھاتا ہوں کہ یار تھوڑا سا صبر کر لے تھوڑے دن اور انتظار کر لے..... اس کے بعد جب ہم ایک نئی زندگی میں داخل ہوں گے تو اس کا لطف ہی کچھ اور ہوگا۔"

"خدا تمہیں سمجھے..... اچھی خاصی سنجیدہ بات کو اس طرف موڑ دیتے ہو کہ انسان یقین نہ کر پائے۔"

"یعنی وہ گفتگو جو زندگی کا حاصل ہے آپ اسے صرف مذاق کا نام دیتی ہیں۔"

"اچھا چھوڑیئے..... میں یہ کہہ رہی تھی کہ کیا واقعی ناہید تمہاری نگاہوں میں مشکوک ہے۔"

"اصل میں بینا اس وقت ہمارے پاس یہی ایک کردار موجود ہے..... اگر اس کی پوزیشن واضح ہو جاتی ہے تو پھر دیکھ لیں گے ویسے بینا قتل و غارت گری کا معاملہ نہیں ہے۔"

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب کرنا کیا ہے؟"

"میں بس منتظر ہوں..... رات گیارہ بجے سے پہلے..... ملاقات اختیار احمد سے کرنی ہے اور اسے ہدایت دینی ہے۔"

"ٹیلی فون۔"

"اس وقت تک مناسب نہیں ہے جب تک ناہید کوٹھی میں موجود ہے۔"

"تو کیا وہ کوٹھی میں موجود ہے؟"

"اس کا پتا تھوڑی دیر کے بعد چل جائے گا۔" شہاب نے کہا اور بینا پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگی۔

پھر یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا..... توصیف نے ٹرانسمیٹر پر رابطہ قائم کیا تھا..... شہاب نے فوراً ہی کال وصول کی اور شہنشاہ کی آواز میں بولا۔

"ہاں توصیف بولو..... کیا بات ہے؟"

"سر نیلی مرسڈیز ابھی ابھی کوٹھی سے باہر نکلی ہے اور اسے وہی عورت ڈرائیو کر رہی ہے جس کا حوالہ آپ نے دیا ہے۔"

"تنہا ہے۔"

"جی سر۔"

"ٹھیک ہے توصیف..... اس کے تعاقب میں رہو..... اگر وہ کوٹھی واپس آئے تو مجھے اس بارے میں اطلاع دینا..... ویسے باقی تمام ہدایات تمہارے پاس موجود ہیں۔"

"جی سر۔"

"اوکے اوور اینڈ آل۔"

ٹرانسمیٹر بند کرنے کے بعد شہاب چند لمحے سوچتا رہا پھر اس نے فوراً ہی ٹیلی فون اٹھایا اور وہ نمبر ڈائل کرنے لگا جو اختیار احمد کا تھا..... اختیار احمد نے یہ نمبر باقاعدہ اسے پولیس اسٹیشن میں دیا تھا..... کچھ لمحوں کے بعد فون موصول کر لیا گیا۔

"اختیار احمد صاحب سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں بول رہا ہوں..... کون صاحب ہیں؟"

"اختیار احمد صاحب میں وہ ہوں جس سے آپ کی ملاقات ہوئی تھی اور جس نے آپ کو چند ہدایات دی تھیں۔"

"اوہ..... آفیسر صاحب۔"

"شہاب ہے میرا نام۔"

"جی شہاب صاحب..... خدا کا شکر ہے کہ آپ نے خود ہی مجھ سے رابطہ قائم کر لیا ہے، میں ابھی ابھی یہ سوچ رہا تھا کہ تھانے ٹیلی فون کر کے آپ سے بات کروں۔"

❀❀❀

"چلیئے ٹھیک ہے...... تقریباً تمام تفصیلات میرے علم میں ہیں۔ آپ کا وہ پرچا بھی مجھ تک پہنچ گیا تھا اور اس کے بعد مجھے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ آپ کی مسز ابھی کوٹھی سے نکل کر گئی ہیں۔"

"ونڈر فل...... اس کا مطلب ہے کہ آپ لوگ مصروف ہو گئے ہیں۔"

"ذرا مجھے پوری تفصیل بتائیں۔"

"تفصیل وہی ہے جو میں نے پرچے میں لکھ دی تھی...... ویسے ٹیلی فون کلیئر ہے میں اس کا جائزہ لے چکا ہوں۔"

"اچھی بات ہے، آپ کو ویسے ہر لمحہ ہی محتاط رہنا چاہئے۔"

"میں محتاط ہوں آفیسر۔"

"تو گیارہ بجے کے بعد وہ آپ سے رابطہ کرے گا۔"

"جی آفیسر۔"

"آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے اس بارے میں؟"

"آفیسر میں پریشان ہوں اور فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔"

"تو پھر سنئے ہم جن لائنوں پر کام کر رہے ہیں ہمیں انہی لائنوں پر کام کرنا ہو گا۔ آپ کو اپنی مسز کے مشورے سے چلنا چاہئے...... اگر وہ اس بات کی خواہش مند ہیں کہ بلیک میلر کو تاوان ادا کر دیا جائے تو آپ ان سے مکمل تعاون کریں اور کل سب سے پہلے یہ کریں کہ بیس لاکھ بلیک میلر کی ہدایت کے مطابق بنک وغیرہ سے نکلوالیں...... یہ آپ کا کام ہو گا کہ کس طرح رقم ارینج کرتے ہیں...... کیا آپ کو اس میں دقت ہو گی؟"

"نہیں کوئی دقت نہیں ہو گی۔"

"تو پھر آپ یہ کر لیجئے سمجھ رہے ہیں نا آپ۔"

"جی۔"

"اور اس کے بعد بلیک میلر آپ سے جو کچھ بھی کہے اس کے لئے میں خفیہ انتظام قائم کئے دیتا ہوں۔"

"کیا؟" اختیار احمد نے پوچھا۔

"یہ بتایئے کہ آپ کی مسز کہاں گئی ہیں؟"

"وہ مجھے بتا کر نہیں جاتیں...... پریشانی کا اظہار کرتی رہی ہیں اور تھوڑی دیر کا کہہ کر باہر نکل گئی ہیں۔"

"کیا میں آپ کے پاس آ سکتا ہوں۔"

"کوٹھی میں؟"

"ہاں۔"

اختیار احمد چند لمحے سوچتا رہا پھر بولا۔

"ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم دونوں کوٹھی کے آس پاس ملاقات کر لیں ویسے تو مجھے کسی پر شبہ نہیں ہے لیکن ان حالات میں محتاط رہنا ضروری ہے۔"

"آپ مجھے ایسی جگہ بتا دیجئے۔"

"میری کوٹھی سے کچھ فاصلے پر ایک اور کوٹھی ہے جس کے عقب میں ایک چھوٹا سا پارک بنا ہوا ہے۔ میں کبھی کبھی وہاں ٹہلنے نکل جاتا ہوں...... آپ وہیں پہنچ جائیں۔"

"مجھے لوکیشن بتایئے...... شہاب نے کہا۔

اختیار احمد اسے لوکیشن بتانے لگا پھر بولا۔

"آپ کتنی دیر میں وہاں پہنچ رہے ہیں؟"

"میں جس جگہ موجود ہوں وہاں سے آپ کے گھر تک کا فاصلہ کم از کم دس منٹ کی ڈرائیو پر ہے...... پندرہ منٹ بھی لگ سکتے ہیں۔"

"بس آپ پہنچ جایئے...... میں ٹہلتا ہوا وہیں پہنچ رہا ہوں۔" اختیار احمد نے کہا۔

"ٹھیک ہے...... آپ ادھر آ جایئے۔" شہاب نے ٹیلی فون بند کیا۔

"بینا یہ تمام گفتگو سن چکی تھی کہنے لگی۔

"تو اب آپ وہاں جائیں گے جناب۔"

"چلو تم بھی چلو۔"

"میں؟"

"کیوں؟"

"نہیں میرا مطلب ہے کہ میری کہاں گنجائش ہے۔"

"ہے گنجائش۔" شہاب نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا اور بینا ہنس پڑی پھر بولی۔

"ٹھیک ہے چلئے پھر۔"

شہاب اور بینا باہر نکل آئے اور تھوڑی دیر کے بعد وہ اس پارک کے قریب پہنچ گئے...... بینا کو کار ہی میں چھوڑ کے شہاب پارک کی جانب چل پڑا جہاں اختیار احمد ٹہلتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ شہاب بھی ٹہلنے والے انداز میں اس کے پاس پہنچ گیا...... اختیار احمد نے اسے شکر گزاری کی نگاہوں سے دیکھا اور بولا۔

"آفیسر آپ جس طرح میرے معاملے میں دلچسپی لے رہے ہیں میرے پاس اس کا کوئی صلہ نہیں ہے۔"

"ہم اپنے فرائض پورے کر رہے ہیں اختیار احمد صاحب۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

"کوئی اہم کام نہیں ہے مجھے...... یہ چھوٹا سا ٹرانسمیٹر ہے...... اسے آپ اپنے پاس رکھئے...... پولیس کی خیر ہے...... احتیاط کرنا ہوگی آپ کو۔"

"اوہو ٹرانسمیٹر۔"

"جی ہاں...... آپ بجائے اس کے کہ دوسری طرح کا رسک لیں اس ٹرانسمیٹر کو استعمال کریں...... اسے ہینڈل کرنے کا طریقہ بہت آسان ہے...... یہ دو بٹن لگے ہوئے ہیں...... ایک سفید اور دوسرا سرخ...... سرخ بٹن دبائیں گے تو نیچے کا یہ گرین خانہ روشن ہو جائے گا، آپ کی آواز اس سے شروع ہو جائے گی اور آپ کو میری آواز اسی پر سنائی دے گی...... بند کرنے کے لئے یہ سفید بٹن موجود ہے۔"

"یہ تو بہت آسان ہے۔"

"بس اسے احتیاط سے اپنے پاس رکھیں۔"

"ٹھیک ہے۔"

"تو پھر آپ نے میری مرضی کے مطابق کام کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"میں آپ کے ایک ایک لفظ پر عمل کروں گا۔" اختیار احمد نے جواب دیا۔

"تو پھر میں چلتا ہوں...... اس کے احتیاط کی پھر ہدایت دیتا ہوں۔" شہاب نے ٹرانسمیٹر کی جانب اشارہ کیا۔

"آپ مطمئن رہئے آفیسر۔"

پھر شہاب بینا کی جانب چل پڑا...... تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں کار میں بیٹھ کر چلے گئے تھے۔

✵

تقریباً آٹھ بجے ناہید تھکی تھکی سی کوٹھی میں واپس پہنچی تھی، اختیار احمد در حقیقت بیٹی کے لئے پریشان تھا لیکن ناہید نے جو حلیہ بنا رکھا تھا وہ بھی قابل دید تھا...... وہ بری طرح نڈھال نظر آ رہی تھی...... بیڈ روم میں آ کر وہ کرسی پر نیم دراز ہو گئی اور اختیار احمد اسے ہمدردی کی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا، ناہید نے اسے دیکھا اور پھر ایک سسکی سی لے کر بولی۔

"تم سوچ بھی نہیں سکتے اختیار احمد صاحب کہ وہ مجھے کس قدر عزیز ہے...... سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے لئے کیا دعا کروں...... ہم اپنی زندگی کی قیمت پر اس کی زندگی بچائیں گے۔ وہ ہماری امیدوں کا مرکز ہے...... ہم دونوں مجھے معاف کرنا اب اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں ہیں لیکن وہ ہمارا مستقبل ہے، اسی سے ہماری نسل آگے بڑھے گی۔" اختیار احمد نے ایک ٹھنڈی سانس لی، ایک لمحے کے لئے وہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ کیا ناہید جو کچھ کہہ رہی ہے وہ دل سے کہہ رہی ہے، کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ناہید کے بارے میں وہ اب تک صرف وہم کا شکار ہو...... کیونکہ اس سے پہلے ناہید نے کسی سلسلے میں اتنی اچھی اداکاری نہیں کی تھی...... اگر ناہید پر شک بے بنیاد نکلا تو مزید پریشانی کا سامنا کرنا ہوگا۔ آفیسر کو یہی حوالہ دیا ہے اس نے کہ ناہید اس سلسلے میں ایک فریق ہو سکتی ہے، بہر حال وہ خاموشی سے ناہید کو دیکھتا رہا...... ناہید نے کہا۔

"اور تم نے اپنے فیصلے میں تو تبدیلی پیدا نہیں کر لی۔"

”کیسی تبدیلی؟“

”جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے...... تم اس پر تیار ہو۔“

”اب اس کے سوا اور چارہ کار ہی کیا ہے۔“

”ہاں...... ویسے تو مجھے اس بات کا اندازہ ہے کہ بیس لاکھ روپے تمہارے لئے کو اہمیت نہیں رکھتے، لیکن اگر اہمیت رکھتے بھی ہیں تو میں تم سے کہتی کہ جس طرح بھی بن پڑے یہ رقم مہیا کرو...... ہم ہر قیمت پر نوشاد کو حاصل کریں گے۔“

”ناہید مین نے یہ کھیل کبھی نہیں کھیلے، اگر کوئی مشکل در پیش ہوئی تو کیا ہوگا؟“

”مثلاً کیسی مشکل؟“

”رقم لینے کے باوجود اگر اس نے ہماری بیٹی کو رہا نہ کیا تو؟“

”کیسے نہیں کرے گا، ہم اس سلسلے میں صحیح انداز میں عمل کریں گے۔“

اختیار احمد خاموش ہو گیا، وہ جو کہا جاتا ہے نا کہ زیادہ بولنا کبھی کبھی نقصان کا باعث بن جاتا ہے...... اسی خیال کے تحت اس نے بہت زیادہ باتیں نہیں کی تھیں اور خاموش ہو گیا تھا۔

رات کو ٹھیک گیارہ بجے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور اختیار احمد نے لپک کر ریسیو اُٹھالیا...... وہی آواز اسے سنائی دی۔

”مسٹر اختیار احمد۔“

”ہاں میں بول رہا ہوں۔“

”کہئے...... آپ نے کیا فیصلہ کیا؟“

”میں فیصلہ کر بھی کیا سکتا ہوں۔“

”گویا آپ میرا مطلب پورا کرنے کو تیار ہیں۔“

”میں نے کہا نا اس کے علاوہ میں کچھ اور نہیں سوچ سکتا۔“

”ٹھیک...... میں سمجھتا ہوں کہ ایک مناسب فیصلہ ہے۔“

”لیکن میری بات سنو...... یہ رقم مجھے کہاں پہنچانا ہوگی اور اس بات کی کیا ضمانت کہ تم اس کے بعد میری بیٹی مجھے واپس کر دو گے۔“

”مسٹر اختیار احمد، نہ میں کچی گولیاں کھیلے ہوئے ہوں اور نہ آپ ہم ایک ٹھوس منصو کے تحت کام کریں گے...... سنئے جو میں آپ کو بتا رہا ہوں وہی آپ کو کرنا ہوگا۔“

”ہاں...... کہو؟“

”یہ بتائیے آپ نے اپنی بیٹی کی گمشدگی کی رپورٹ پولیس میں تو درج نہیں کروائی۔“

”بے کار تھا...... میں جانتا ہوں کہ اس طرح میں کچھ بھی نہ کر پاتا۔“

”یقیناً...... یہ بات بالکل درست ہے...... تو پھر کل صبح ٹھیک گیارہ بجے میں آپ کو دوبارہ ٹیلی فون کروں گا اور بتاؤں گا کہ آپ کو کیا کرنا ہے۔“

”تم مجھے بے چین کر رہے ہو...... کیوں میرا صبر آزما رہے ہو...... تم یہ کام جلد سے جلد کر سکتے ہو۔“

”کیا اس وقت؟“

”اس وقت تو نہیں، ظاہر ہے رقم مجھے بنک سے نکلوانا ہوگی۔“

”اسی لئے تو میں نے آپ کو گیارہ بجے کا وقت دیا ہے...... بیس لاکھ کی رقم نکلوانے کے لئے بنک کو بھی آپ کو پہلے سے آمادہ کرنا ہوگا۔“

”یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔“

”ہر مسئلہ میرا مسئلہ ہے اس وقت...... آپ مجھے بتائیے کہ آپ اس سلسلے میں کیا کریں گے۔“

”بینک آفیسر میرا بہترین دوست ہے میں اسے ٹیلی فون بھی کر سکتا ہوں۔“

”ٹھیک ہے آپ ایسا ضرور کیجئے گا لیکن خیال رکھئے کہ کوئی ہوشیاری کا نتیجہ آپ کی بیٹی کی موت ہو سکتا ہے۔“

”میں ایسا نہیں کروں گا لیکن تم مجھے اس بات کی ضمانت دو۔“

”آپ کو اس بات کی ضمانت دے دی جائے گی...... آپ اطمینان رکھیں...... رقم وصول کرنے کے بعد مجھے آپ کی بیٹی سے کوئی سروکار نہیں...... آپ کو مجھ پر اعتماد کرنا ہی ہوگا۔ ٹھیک ہے کل گیارہ بجے۔“ اور دوسری طرف سے فون بند ہو گیا اور اختیار احمد ہیلو ہیلو ہی کرتا رہا۔

ناہید بے چینی سے اختیار احمد کی صورت دیکھ رہی تھی...... اختیار احمد نے اسے بلیک میلر سے ہونے والی ساری گفتگو بتائی تو ناہید نے کہا۔

”نہیں اطمینان رکھو، کچھ گڑبڑ نہیں ہوگی...... ہم اسے مطلوبہ رقم ادا کر دیں گے۔“

"ٹھیک ہے۔" اختیار احمد نے کہا۔

توصیف نے شہنشاہ کو رپورٹ پیش کی۔

"جناب عالی منصوبے کے مطابق ہم نے نیلی مرسڈیز کا تعاقب کیا...... نیلی مرسڈیز ہوٹل جولیس کے سامنے جاکر رُکی اور عورت اتر کر اندر چلی گئی، ہم جولیس میں داخل ہوگئے تھے، بمشکل تمام سردار علی نے اس کا تعاقب کیا...... عورت ہوٹل جولیس کے کمرہ نمبر چھ سو گیارہ میں داخل ہوئی اور وہاں سے تھوڑی دیر کے بعد نکلی تو اس کے ساتھ ایک دراز قامت شخص باہر آیا جو سفید پتلون اور سفید بوشرٹ پہنے ہوئے تھا...... اس کی عمر چونتیس پینتیس سال کے لگ بھگ ہوگی۔ اچھی جسامت کا خوش پوش آدمی تھا...... باہر نکلنے کے بعد وہ کار میں بیٹھے اور پھر چل پڑے، ان لوگوں نے ساحل کی جانب رُخ کیا تھا...... ساحلی ہوٹل پر پہنچ کر وہ اوپن ایئر میں بیٹھ گئے اور تقریباً دو گھنٹے وہاں بیٹھ کر باتیں کرتے رہے...... ہمیں یہ اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ وہ کیا باتیں کررہے ہیں...... بس ہم دور سے ہی ان کی نگرانی کرتے رہے...... قرب وجوار کی میزیں بھری ہوئی تھیں، اس لئے ہم وہاں تک نہ پہنچ سکے، لیکن ہم نے ان کی بہت سی تصویریں بنالی ہیں، جو ہمارے پاس محفوظ ہیں۔"

"اس کے بعد؟"

"وہ وہاں سے اُٹھے...... عورت نے اسے ہوٹل جولیس چھوڑا اور اس کے بعد کار میں بیٹھ کر گھر واپس آگئی...... اب وہ اپنے گھر پر موجود ہے۔"

"تم دونوں وہیں ہو۔"

"نہیں سر...... سردار علی کو میں نے ہوٹل جولیس پر متعین کردیا ہے تاکہ وہ اس شخص کی نگرانی کرے۔"

شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی...... اسے اسی جواب کی توقع تھی۔

"اب تم یوں کرو توصیف کہ سردار علی کو ٹرانسمیٹر پر ہدایت دو کہ وہ وہاں موجود رہے اور اس شخص کے بارے میں مستعد رہے کہ وہ کہاں جاتا ہے اور کیا کرتا ہے، اس کے بارے میں مجھے مفصل رپورٹ چاہئے...... تمہیں اپنی ڈیوٹی ادھر ہی مستقل سرانجام دینی ہے۔"

"اوکے سر۔" توصیف نے جواب دیا۔

اور شہاب نے مطمئن ہوکر ٹرانسمیٹر بند کردیا۔

ذیشان کی دن رات کی سوچیں رنگ لارہی تھیں...... اب جب جرم کی زندگی میں قدم رکھ ہی دیا ہے تو پھر جرم سے اجتناب کیوں انداز فکر میں ایک خاص تبدیلی پیدا ہوئی تھی...... اس نے سوچا تھا کہ بیس لاکھ کی رقم کے حصول کے لئے ناہید نے اسے آلہ کار بنایا ہے اور ہر طرح کی ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں لیکن ان بیس لاکھ میں اسے کیا ملے گا...... صرف تین لاکھ روپے...... تین لاکھ کی بجائے اگر بیس لاکھ ہی اس کی ملکیت ہوں تو کیا یہ زیادہ بہتر نہیں رہے گا، جس چھوٹے سے مکان میں وہ رہتا تھا وہ ایک بالکل پسماندہ علاقے میں تھا اور اس کی مالیت زیادہ سے زیادہ تیس، چالیس ہزار ہوگی...... اس کے علاوہ اس گھر میں جو سامان موجود تھا اس کی قیمت بھی کچھ ہزار ہی ہوگی، گویا ان ہزاروں روپے کو چھوڑنا پڑے گا اور اس کے بدلے مزید سترہ لاکھ کا منافع...... بیوی کو تو میکے بھیج دیا تھا کسی کے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں ہوگی، کہاں رہتی ہے اور ذیشان وغیرہ کہاں ہوں گے رقم کے حصول کے بعد وہ سیدھا اس جگہ پہنچ جائے گا جہاں سے اسے آگے روانہ ہوجانا ہوگا، باآسانی یہ کیا جاسکتا ہے...... ناہید سے اس کا مسلسل رابطہ تھا...... ناہید نے چالاکی سے ایک زبردست منصوبہ ترتیب دیا تھا...... اس نے ذیشان کو ایک نقلی پستول بھی خرید کر دیا تھا اور کہا تھا کہ گیارہ بجے جب رقم کی وصول یابی کا مسئلہ ہوگا تو وہ اسے ایک خاص جگہ طلب کرے گا...... وہ اختیار کے ساتھ وہاں پہنچے گی اور وہ اختیار سے مل کر کہے گا کہ رقم کے ساتھ ساتھ وہ ناہید کو بھی لے جارہا ہے اور پورے اطمینان کے ساتھ ناہید کو اس کی بیٹی کے ہمراہ روانہ کردے گا...... پھر وہ دونوں وہاں سے ہوٹل صحارا پہنچیں گے، نوشاد کو ساتھ لے جائے گا اور اختیار احمد سے کہہ دیا جائے گا کہ اگر اس کا تعاقب کرنے کی کوشش کی گئی تو ناہید کو گولی ماردی جائے گی...... ہوٹل پہنچنے کے بعد رقم کا بٹوارہ ہوگا اور پھر ذیشان اپنی منزل کو چلا جائے گا اور ناہید نوشاد کو لے کر کوٹھی واپس پہنچ جائے گی...... یوں یہ معاملہ آسانی سے طے ہوجائے گا۔

لیکن اب ذیشان کی سوچوں میں تبدیلی رونما ہورہی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ اس پروگرام کو تھوڑا سا تبدیل کرنا ہوگا، مثلاً یہ کہ اختیار احمد کے سامنے وہ ناہید کو بے شک لے جائے گا اور کسی ایسی سنسان جگہ پہنچ کر ناہید کو سڑک پر اتار دے گا اور پھر وہاں سے اپنی

منزل کی جانب رخ کرے گا...... اگر ناہید کو تھوڑا بہت زخمی بھی کرنا پڑا تو اس میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے...... تین لاکھ اور بیس لاکھ میں فرق ہوتا ہے جرم تو جرم ہی ہوتا ہے...... یہ چھوٹا سا جرم بھی اگر منظر عام پر آجائے تو اس کیلئے بچنے کا کوئی راستہ نہیں رہے گا۔ بقول ناہید بھید کھل جانے پر وہ اسے مذاق کا رنگ دے دے گی مگر ذیشان اتنا بے وقوف نہیں تھا کہ اس سنگین جرم کو ایک مذاق کا رنگ دے کر اس سے گردن بچائی جاسکتی، چنانچہ اس نے فیصلہ کرلیا کہ اپنے اسی منصوبے پر عمل کرے گا...... بہر حال یہ ساری باتیں جڑ پکڑتی جارہی تھیں اور وہ اپنے آپ کو اس کے لئے مستعد کر رہا تھا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ناہید پر نگاہ رکھنا بھی ضروری تھا اور اس وقت وہ اتفاقیہ طور پر اس طرف جانکلا تھا...... ناہید کی مرسڈیز دیکھ کر اس نے ٹیکسی کا رُخ اسی کی طرف کروادیا...... ابھی اس کے پاس اچھی خاصی رقم تھی جو اس سلسلے میں خرچ کی جارہی تھی۔ ٹیکسی ڈرائیور کو اس نے دو سو روپے دے کر اس بات پر آمادہ کرلیا کہ ناہید کی کار کا تعاقب جاری رکھ سکے...... پھر ناہید کی کار کے تعاقب میں وہ ہوٹل جولیس کے سامنے پہنچ گیا...... ہوٹل جولیس کے سامنے ناہید نے کار روکی تھی اور اندر چلی گئی تھی۔ یہ ایک مشکل مرحلہ تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ہوٹل جولیس میں وہ ناہید کو کیسے تلاش کرے، چنانچہ اس نے وہیں رک جانے کا فیصلہ کیا اور ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

"دوست تمہیں جو سو روپے ادا کئے ہیں وہ تمہارے میٹر کے علاوہ تھے، اس کے علاوہ مزید تمہیں سو روپے دوں گا...... انتظار کرنا پڑے گا۔"

"صاحب یہ تو ہمارا ڈیوٹی ہے...... آپ بالکل بے فکر رہو...... جیسا آپ بولے گا ویسا ہی کروں گا۔" ڈرائیور نے جواب دیا۔

پھر ناہید وہاں سے برآمد ہوئی لیکن اس کے ساتھ ایک اور شخص باہر آیا جسے دیکھ کر ذیشان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں...... وہ اس شخص کو پہچانتا تھا...... اچھی طرح سے...... وہ جس فرم میں کام کرتا تھا اور اس کا نام اختر خان تھا...... بہترین شکل وصورت کا مالک، بہترین جسامت کا مالک لیکن ابتدا سے ہی اس کے اور ذیشان کے درمیان لگتی تھی...... کئی بار ان کی جھڑپیں ہوئی تھیں اور ایک بار اختر خان نے اسے دھمکی دیتے ہوئے کہا تھا کہ " ذیشان کو ایسا مزا چکھائے گا کہ وہ زندگی بھر یاد رکھے گا...... پھر غبن کا یہ کیس ہوا...... کیس کے دوران ذیشان کے دوستوں نے اسے بتایا کہ اختر خان ان دنوں بڑی پر عیش زندگی گزار رہا

ہے...... ویسے بھی وہ عیاش طبع انسان تھا اور اس کی بہت سی کہانیاں مشہور تھیں...... دفتر میں وہ دفتر کی کئی لڑکیوں کو پریشان کر چکا تھا اور اس کی رپورٹ اچھی نہیں تھی...... دوستوں کا خیال تھا کہ اختر خان نے ہی اسے اس جال میں پھنسایا ہے...... کیشیئر ہونے کی حیثیت سے اس نے چالاکی سے وہ رقم غائب کی ہے اور مکمل طور پر ذیشان کو تختہ مشق بنادیا ہے اور ذیشان کو سزا بھگتنی پڑی تھی...... اختر خان کو ناہید کے ساتھ دیکھ کر اس کی سمجھ میں بہت سے حقائق آنے لگے، نوشاد کے الفاظ بھی اس کے ذہن میں گردش کرنے لگے...... نوشاد نے کہا تھا کہ ناہید اسے اچھی طرح جانتی تھی...... اس کے بارے میں تمام تفصیلات اسے معلوم تھیں اور پوری سوجھ بوجھ کے بعد اس نے ذیشان کو تختہ مشق بنایا تھا...... بہر حال ذیشان اس وقت ایک ذہنی اضطراب کا شکار تھا۔

جب ناہید اور اختر ٹیلی کار میں بیٹھ کر چلے گئے تو ذیشان کی ٹیکسی بھی ان کے پیچھے پیچھے چل پڑی تھی...... ذیشان کے ذہن میں دھواں سا اُٹھ رہا تھا...... اچانک ہی اس کی فطرت میں تبدیلی رونما ہوگئی تھی...... فطرتاً وہ برا آدمی نہیں تھا، تقریباً تمام ہی زندگی اس نے سکون سے گزاری تھی...... فرم سے بہت اچھی تنخواہ ملتی تھی...... بیوی اور بچوں کے ساتھ وہ پرسکون زندگی گزار رہا تھا کہ اس کی زندگی میں یہ بدنما حادثہ رونما ہوا اور وہ مجرم بن گیا...... ایک بے گناہ مجرم...... جیل سے نکلنے کے بعد اس نے زندگی کے لئے جدوجہد کی تھی وہ بھی بہت زیادہ تھی اور پھر بحالت مجبوری وہ جرم کی جانب مائل ہوا تھا، بلکہ اسے مائل کیا گیا تھا...... کیا اس کے پس پردہ بھی کوئی سازش کام کر رہی ہے، کیا اب بھی اختر خان اس کے تعاقب میں لگا ہوا ہے۔ یہ ہوسکتا ہے...... یہ بالکل ہوسکتا ہے...... ذیشان کی تمام سوچیں ایک دم بدل گئیں...... بیس لاکھ روپے ایک جرم ایک بدترین جرم اور یہ بھی کیا کہا جاسکتا ہے کہ ان بیس لاکھ میں سے اسے تین لاکھ بھی مل سکیں گے...... اگر اختر خان ناہید کے پیچھے ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ذیشان کے گرد ایک اور جال بنا گیا ہے۔ آہ! واقعی اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوسکتا...... اختر خان اور ناہید کا کوئی گہرا گٹھ جوڑ معلوم ہوتا ہے۔ ناہید شکل وصورت سے ایک چالاک عورت نظر آتی تھی اور اختر خان کے بارے میں اسے پتا ہی تھا کہ وہ عورتوں کے لئے بہت پرکشش حیثیت رکھتا ہے اور اس کے لئے کسی عورت کو اپنی جانب متوجہ کرلینا مشکل نہیں ہوتا...... یقیناً ان دونوں نے کوئی چکر چلایا ہے اور میں ان کے جال میں پھنس رہا ہوں۔

ذیشان کے رونگٹے کھڑے ہوگئے...... بہر حال وہ ساحل تک ان کے تعاقب میں رہا اور اس کے بعد وہ وہیں بیٹھا دیر تک ان کا جائزہ لیتا رہا، ٹیکسی ڈرائیور بہت تعاون کرنے والا آدمی تھا، وہ اطمینان سے ذیشان کا انتظار کر رہا تھا اور ذیشان نے اسے پھر یہ ہدایت دی کہ واپس چلئے...... اب ذیشان کی فطرت میں ایک بہت بڑی تبدیلی رونما ہوگئی تھی...... اس کی سوچوں میں ایسی بہت سی سوچیں شامل ہوگئی تھیں جن کا اب سے کچھ وقت پہلے اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا...... اچانک ہی تقدیر نے اسے جرم کے راستے سے ہٹا کر ایک اچھائی کے راستے پر ڈال دیا تھا...... ہاں میں کوشش کروں گا کہ ایک باقاعدہ مجرم نہ بنوں بلکہ ہوسکتا ہے مجھ پر سے جرم کا یہ داغ دھل جائے، آہ کاش ایسا ہی ہو۔

ٹیکسی ڈرائیور سے شہر میں پہنچنے کے بعد اس نے کہا۔

"اس طرف؟ اس سیدھے راستے چل کر پولیس اسٹیشن کے سامنے رک جاؤ۔"

"جی صاحب۔"

"ہاں...... بس میں وہاں تمہیں چھوڑوں گا۔" ذیشان نے جواب دیا اور پھر ٹیکسی ڈرائیور نے اسے پولیس اسٹیشن کے سامنے اتار دیا تھا، وہ نیچے اتر کر پولیس اسٹیشن میں داخل ہوگیا، اس نے اپنے اطراف کا پوری طرح جائزہ لے لیا...... ناہید کو تو وہ چھوڑ ہی آیا تھا، لیکن پھر بھی اس نے محتاط انداز میں سوچا تھا کہ کہیں اس کا تعاقب نہ کیا جارہا ہو لیکن بظاہر اسے ایسا کوئی شخص نظر نہیں آرہا تھا جو اس کے تعاقب میں ہوتا اور پھر وہ پولیس اسٹیشن میں داخل ہوگیا۔

گل خان نے پیشہ وارانہ انداز میں آنے والے کا استقبال کیا...... ویسے بھی وہ اچھی فطرت کا مالک تھا...... وہ شہاب کی صحبت میں رہ چکا تھا اور شہاب نے اسے بہت سی باتیں بتائی تھیں، شخصیت کیسی بھی ہو کوئی ضرورت مند کسی کے پاس پہنچے تو اس کے ساتھ پہلا بہترین عمل خوش اخلاقی ہوتا ہے، چنانچہ گل خان نے اس سے کہا۔

"آیئے۔" "تشریف رکھئے۔"

"شکریہ انسپکٹر صاحب...... میں ایک معمولی حیثیت کا مالک ہوں، آپ نے جس طرح میری عزت افزائی کی ہے اور مجھے بیٹھنے کی پیش کش کی ہے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔"

"فرمایئے...... میرے لائق کیا خدمت ہے؟"

"انسپکٹر صاحب میں آپ کو ایک سازش کے بارے میں آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"سازش۔"

"جی انسپکٹر صاحب...... آپ سنیں گے تو حیران رہ جائیں گے۔"

"تو پھر آپ مجھے حیران کیجئے۔" گل خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرا نام ذیشان علی ہے۔" نووارد نے کہا۔

"آپ کا یہ نام کسی سازش کے تحت رکھا گیا ہے۔"

"نہیں انسپکٹر صاحب...... یہ تو میں اپنا تعارف کرا رہا ہوں۔" نووارد نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اچھا اچھا ٹھیک ہے تو آپ ذیشان علی ہیں۔"

"تین سال کی سزا کاٹ کر جیل سے باہر آیا ہوں۔"

"ماشاءاللہ...... ماشاءاللہ۔" گل خان نے کہا۔

"جبکہ میں بے گناہ تھا۔"

"سزا کاٹنے کے بعد بھی آپ یہ کہہ رہے ہیں۔"

"سزا کاٹنے کے بعد ہی کہہ رہا ہوں...... بہر حال وہ ایک الگ کہانی ہے، جو کچھ میں آپ کو سنا رہا ہوں وہ اس کے بعد کی کہانی ہے، جیل سے نکلنے کے بعد باہر کی دنیا میرے لئے تنگ ہوگئی تھی...... سڑکوں پر زندگی بسر ہورہی تھی کہ ایک دن۔"

پھر ذیشان نے ناہید کے ملنے کے بعد سے اب تک کی پوری کہانی گل خان کو سنادی اور گل خان سکتے میں رہ گیا، وہ بہت خوشگوار موڈ میں تھا لیکن یہ تفصّل سن کر دنگ رہ گیا تھا، ساری کہانی سننے کے بعد اس نے کہا۔

"آپ جلدی میں تو نہیں ہیں مسٹر ذیشان؟"

"اب کیا جلدی میں ہوں گا...... سب کچھ ہی ختم کردیا ہے میں نے۔"

"میں ایک صاحب کو بلانا چاہتا ہوں...... تمہاری ان سے ملاقات ضروری ہے۔" گل خان نے کہا...... پھر وہ شہاب کو فون پر تلاش کرنے لگا...... اطلاعات بے حد سنسنی خیز تھیں۔

شہاب نے گل خان کا فون ریسیو کیا اور اس کی آواز پہچان کر بولا۔ "ہاں گل خان میں بول رہا ہوں۔"

"سر آپ کی اشد ضرورت ہے...... میں گستاخی بے شک کر رہا ہوں لیکن آپ کا یہاں آنا ضروری ہے۔"

"آ جاتے ہیں سر۔" شہاب نے خوشگوار لہجے میں کہا اور فون بند کر دیا...... اس وقت وہ اپنے آفس میں تھا اور اس کے بدن پر وردی سجی ہوئی تھی...... فون پر اس نے موبائل طلب کی اور اس میں بیٹھ کر چل پڑا...... کچھ دیر کے بعد وہ گل خان کے تھانے پہنچ گیا۔

گل خان کے آفس میں ایک شخص بیٹھا ہوا تھا...... شہاب کو دیکھ کر گل خان سیٹ سے اٹھا اور اس نے سلیوٹ کیا...... وہ شخص بھی کھڑا ہو گیا۔

"براہ کرم آپ تشریف رکھیں۔" شہاب نے اپنے لئے کرسی کھینچ کر کہا۔

"سر آپ یہاں تشریف لے آئیں۔" گل خان نے اپنی کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"کیوں آفیسر۔" شہاب نے سوال کیا۔

"سر آپ کے سامنے میں اس کرسی پر نہیں بیٹھ سکتا...... یہ گستاخی ہو گی۔"

"بری بات گل خان...... محکمے نے وہ کرسی تمہارے لئے منتخب کی ہے...... بیٹھ جاؤ مجھے احترام دے کر محکمے کے قوانین کی توہین نہ کرو۔" شہاب نے کہا اور اس شخص کے قریب کرسی پر بیٹھ گیا...... اس کے بیٹھنے کے بعد گل خان بھی کرسی پر بیٹھ گیا، پھر اس نے اجنبی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"سر یہ ذیشان علی ہیں۔"

"ہیلو مسٹر ذیشان...... میرا نام شہاب ثاقب ہے۔" شہاب نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا اور ذیشان نے بڑے احترام سے اس سے مصافحہ کیا۔

"سر یہ اختیار احمد کیس کے سلسلے میں زبردست انکشافات کر رہے ہیں۔"

"گڈ۔" شہاب مسکرا کر بولا۔

"کہانی ہی بدل گئی ہے سر۔"

"جی مسٹر ذیشان...... بہتر ہو گا کہ آپ مجھے اس بارے میں بتائیں۔"

"جی سر۔" ذیشان نے کہا پھر اس نے اپنی فرم کی ملازمت، بے گناہ ہونے کے باوجود سزا کاٹنے، پھر ناہید سے ملاقات اور نوشاد کے بارے میں پوری تفصیل آخر تک سناتے ہوئے کہا۔ "سر میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں بیس لاکھ پر ہاتھ صاف کر دوں گا...... بیوی بچے میں

نے سسرال بھیج دیئے تھے...... میں کہیں بھی روپوش ہو جاتا لیکن سر، میں فطری طور پر مجرم نہیں ہوں...... اختر خان نے میری پیشانی پر مجرم کی مہر لگا دی ہے...... میں نے یہ بیس لاکھ قربان کر دیئے...... دنیا مجھے کچھ بھی کہے، میرا دل چاہتا ہے کہ کوئی ایک انسان ایسا ہو جو کہے کہ ذیشان بے گناہ تھا...... اس سے میرے دل کو سکون حاصل ہو گا وہ بے حد قیمتی ہو گا۔"

شہاب مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مسٹر ذیشان آپ بے گناہ ہیں۔"

ذیشان کچھ دیر تاثر میں ڈوبا رہا...... اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے، پھر وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "سر پھر مجھے قانون نے مجرم کیوں بنا دیا؟"

"اس لئے مسٹر ذیشان کہ قانون کے رکھوالے بھی انسان ہوتے ہیں...... دھوکا کھا سکتے ہیں، لیکن اگر آپ اپنی نیکیوں کے صلے میں قدرت کی بے نیازی کے بارے میں سوچتے ہیں تو وہ غلط ہے، کمزور اور باعقل انسان کی سوچ محدود ہوتی ہے...... قدرت کے حساب کتاب میں کہیں کوئی غلطی نہیں ہوتی، بات صرف آپ کے سوچنے کی ہے...... مسٹر ذیشان اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کو آپ کی نیکی کا صلہ ایڈوانس نہیں مل گیا تو یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔" شہاب نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک تصویر نکالی اور اس کو ذیشان کے سامنے رکھتا ہوا بولا۔

"کیا یہ اختر خان کی تصویر نہیں ہے؟" ذیشان بے اختیار تصویر پر جھک گیا تھا، پھر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور اس کے منہ سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

"میرے خدا میرے خدا یہ...... یہ اختر خان ہی ہے۔" شہاب نے وہ تصویر ذیشان کے سامنے سے اُٹھا کر گل خان کے سامنے رکھ دی...... گل خان بھی حیرت اور دلچسپی سے تصویر دیکھنے لگا تھا...... بات اس کی سمجھ میں بھی نہیں آئی تھی، شہاب نے کہا۔

"میں آپ کو یہ بتانا چاہتا تھا مسٹر ذیشان کہ واقعات کبھی کبھی اس طرح بھی پیش آ جاتے ہیں کہ قانون کے سامنے اس کی وضاحت نہیں ہو پاتی...... سزائیں بھی مل جاتی ہیں جیسے آپ کو سزا مل گئی...... بلاشبہ آپ بے گناہ تھے...... یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ سزا آپ کی تقدیر میں تھی لیکن اگر آپ سے یہ کہا جائے کہ آپ بہت بڑی سزا سے بچ گئے تو آپ شاید اس پر یقین نہ کرتے، لیکن صورت حال وہی ہے قدرت کی طرف سے آپ کے دل میں نیکی

پیدا ہوئی، اب چاہے اس کی وجوہات کچھ بھی ہوں...... آپ نے وہ نیکی کر ڈالی اور اس بار آپ قدرت کے انعام سے محروم نہ رہے...... آپ کو یہ جان کر یقینی طور پر حیرت ہو گی کہ اختیار احمد کیس میں پولیس بڑی جانفشانی سے کام کر رہی ہے اور آپ کے راستے پر لگ گئی ہے۔ اختیار احمد صاحب کو آپ نے جو وقت دیا ہے...... اس وقت وہ رقم لے کر اس جگہ جائیں گے جہاں آپ انہیں طلب کر رہے ہیں لیکن پولیس کا پورا گروہ آپ کے تعاقب میں ہو گا اور بر موقع پر آپ کو گرفتار کر لیا جائے گا...... اس وقت آپ لاکھ چیختے رہتے ذیشان صاحب کہ آپ بے گناہ ہیں لیکن جس انداز میں آپ کو گرفتار کیا جاتا، اس کے بعد آپ خود بتایئے کون آپ کی بے گناہی پر یقین کرتا...... آپ نے پولیس کے سامنے یہ انکشاف کر کے یہ سمجھ لیجئے کہ اپنی زندگی کی مزید پریشانیاں بچائی ہیں...... ورنہ آپ کے بچے آپ کا انتظار ہی کرتے رہتے اور آپ کو طویل سزا ہو جاتی...... آپ کو یقین دلانے کے لئے اختر خان کی یہ تصویر میں نے آپ کے سامنے پیش کی ہے...... آپ کو یہ بھی بتا دیا جائے...... خیر چھوڑیئے یہ خالص پولیس کے معاملات ہیں...... ذیشان صاحب قدرت کی طرف سے آپ کو انعام مل چکا ہے...... مزید انعام کی توقع رکھئے گا...... سمجھ رہے ہیں نا آپ ذیشان کے چہرے پر خوف کے آثار گہرے ہوئے تھے...... وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے شہاب اور گل خان کو دیکھ رہا تھا...... گل خان مسکرا رہا تھا...... شہاب نے کہا۔

"ایک ایک لمحے کی نگرانی کی جا رہی ہے...... آپ بے شک نگاہوں میں نہیں آسکے تھے لیکن آپ کو یہ بتایا جا سکتا ہے کہ ناہید کہاں ہے، اختر خان کہاں ہے اور اختیار احمد کیا کر رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔" ذیشان کافی دیر تک خاموش رہا پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"میرے خدا میں تیرے حضور شرمندہ ہوں مجھے معاف کر دینا میرے معبود۔" پھر اس نے شہاب کی طرف دیکھ کر کہا۔

"آفیسر صاحب آپ کی باتوں سے میں سو فیصد اتفاق کرتا ہوں...... بلاشبہ اس کے بعد میرے لئے بچنے کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔"

"بس تو اپنی محرومیوں کو دل سے نکال دیجئے اور یہ تصور بھی دل سے نکال دیجئے کہ بے گناہ ہونے کے باوجود آپ کو سزا ملی...... اب آپ کو اس کا صلہ بھی ملے گا۔"

"صلہ مجھے مل چکا ہے...... یہ کوئی کم بات ہے کہ میں دوبارہ جیل جانے سے بچ

گیا...... خدا کی قسم میں سوچتا ہوں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں...... میری تو دنیا ہی ختم ہو جاتی...... میرے بیوی بچے بھی شاید مجھے اپنا تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے...... میرے اوپر ایک عادی مجرم کی مہر لگ جاتی...... میں آپ کے قدم چھونا چاہتا ہوں۔ آفیسر صاحب۔"

"نہیں تعظیم جس کو واجب ہے بس اسی کے لئے ہونی چاہئے...... عقیدت اور محبت، دوستی کا روپ بھی دھار سکتی ہیں...... آپ براہ کرم پر سکون رہئے...... گل خان بھئی کیا بات ہے کیا سرکاری فنڈ ختم ہو گیا ہے...... نہ چائے، نہ مشروب میرے اور ذیشان صاحب کے لئے کوئی ٹھنڈا مشروب منگوایئے۔"

"آئی ایم سوری سر معافی چاہتا ہوں۔" گل خان نے گھنٹی بجانے کے بجائے خود ہی دروازے کی طرف دوڑ لگا دی تھی...... شہاب اب مسکراتی نگاہوں سے ذیشان کو دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

"مسٹر ذیشان ویسے تو بہت سی جذباتی باتیں کہی جاتی ہیں پر آپ یہ سمجھ لیجئے کہ محکمہ پولیس بھی انسانوں پر ہی مشتمل ہوتا ہے اور غلطی انسان کی سرشت ہے...... آپ اپنے خیالات کو ذہن سے نکال دیجئے...... اب ہمیں مل جل کر کام کرنا ہو گا...... جیسا کہ میں آپ سے عرض کر رہا ہوں...... آپ ویسا ہی کریں گے۔"

"سر میں دل و جان سے حاضر ہوں۔" ذیشان نے جواب دیا...... گل خان اسی وقت ایک سپاہی کے ساتھ اندر داخل ہوا، جس نے کولڈ ڈرنک کی ٹرے اٹھائی ہوئی تھی...... اس نے دونوں کو بوتلیں پیش کیں اور خود اپنی کرسی پر جا بیٹھا...... شہاب نے ذیشان کو اشارہ کیا...... مشروب کے چند گھونٹ لینے کے بعد ذیشان نے شہاب کی طرف دیکھا تو شہاب نے کہا۔ "اور اب بقیہ کام آپ کو پوری احتیاط کے ساتھ سر انجام دینا ہو گا۔"

"میں آپ کی ہدایت چاہتا ہوں۔"

"جی آپ کو احتیاط کے ساتھ جہاں آپ چاہیں گے وہاں چھوڑ دیا جائے گا، تاکہ کوئی آپ کو پولیس اسٹیشن سے نکلتے وقت نہ دیکھ سکے، اس کے بعد آپ مسلسل ناہید سے رابطہ قائم رکھیں گے اور وہی کریں گے جو آپ کی پلاننگ ہے...... اس کے خلاف نہیں کریں گے آپ...... بس آپ نے اس میں جو ترمیم کی تھی اسے تبدیل کر دیجئے۔"

"ذرا سی وضاحت چاہتا ہوں۔" ذیشان نے کہا۔

"ہاں منصوبے کے مطابق آپ اختیار احمد صاحب سے رقم وصول کریں گے او کے بعد ناہید کو لے کر وہاں سے روانہ ہو جائیں گے، پھر آپ ہوٹل صحارا پہنچیں گے نوشاد کے سامنے چلے جائیں گے...... احتیاط رکھئے گا...... آپ کے چہرے پر گھبراہ پریشانی نہیں ہونی چاہئے، پھر اسی منصوبے کے مطابق آپ رقم کی تقسیم کریں گے او وقت پولیس آپ کے پاس پہنچ جائے گی...... خیال رکھئے گا ذرا بھی خوفزدہ ہونے کی ضرو نہیں، کیونکہ پولیس آپ کو بھی گرفتار کرے گی...... اصل میں ناہید کو ڈاج دینے کے آپ کو گرفتار کیا جائے گا، کیونکہ بہر حال ہمیں ثبوت کی ضرورت بھی ہوتی ہے...... اس کی گرفتاری سے ناہید ہمیں ثبوت مہیا کرے گی جو عدالت میں استعمال کئے جائیں گے۔"

"میں ہر کام آپ کے زیر ہدایت کروں گا۔"

"لیکن ہوشیاری کے ساتھ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ناہید بھی کوئی گیم کھیلنے کی کو کرے...... اس شاطر عورت سے آپ کو ہوشیار رہنا ہوگا۔"

"جی آپ مطمئن رہیں۔" ذیشان نے جواب دیا پھر اس کے بعد بہت دیر تک ذیشان کو ہدایت دیتا رہا تھا پھر اس کے بعد چند لمحات کے لئے معذرت کر کے اُٹھ گیا...... خان ذیشان کے پاس ہی موجود تھا...... دوسرے کمرے میں جا کر شہاب نے اپنے ماتحتو ٹرانسمیٹر پر گفتگو کی اور رابطہ قائم ہو جانے پر کہا۔

"دس منٹ کے اندر بتائے ہوئے پتے پر پہنچ جائیں...... یہاں سے ایک شخص ٹیک نکلے گا...... اس کا تعاقب کر کے مسلسل اسے نگاہوں میں رکھنا ہے لیکن اتنی ہوشیاری ساتھ کہ کسی کو تعاقب کا پتا نہ چلے...... بات صرف اس شخص کی نہیں ہے بلکہ یہ بھی ہے کہ کچھ اور لوگ بھی اس کا تعاقب کر رہے ہوں...... ان کو خاص طور پر نظر میں رکھ اور خود ان کی نگاہوں سے بچنا ہوگا۔"

"آپ مطمئن رہیں سر۔" سالک نے جواب دیا اور اس کے بعد شہاب ٹرانسمیٹر آف کر کے واپس کمرے میں آ گیا...... ذیشان اور گل خان باتیں کر رہے تھے...... شہاب خان سے کہا۔

"اب یوں کرو گل خان، مسٹر ذیشان کے لئے ٹیکسی منگوا دو...... یہاں سے یہ ٹیکسی نکل جائیں گے اور مسٹر ذیشان آپ بے فکر رہیں...... آپ کے تحفظ کی ذمے داری

عائد ہوتی ہے...... ہم آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچنے دیں گے۔"

"یہاں سے جا کر میں سب سے پہلے اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا کہ اس نے واقعی مجھے ایک بہت بڑے عذاب میں گرفتار ہونے سے بچا لیا۔"

"یہ آپ کا سب سے بہتر عمل ہوگا۔" شہاب نے جواب دیا...... ایک سپاہی کو ٹیکسی لینے کے لئے بھیج دیا گیا اور پھر شہاب اور گل خان نے ذیشان کو رخصت کر دیا...... گل خان مسکرا کر بولا۔

"سر آپ نے تو کمال کر دیا...... یہ اختر خان کی تصویر آپ کے پاس کیسے آ گئی؟"

"بھئی گل خان آپ کی ہدایت کے مطابق کام تو شروع کر دیا تھا نا میں نے، ظاہر ہے کچھ نہ کچھ تو نگاہوں میں آنا ہی تھا لیکن اب صورت حال ذرا مختلف ہے...... میں سوچ رہا ہوں کہ تمہارے ساتھ پورا پورا ہی تعاون کروں۔"

"سر کیا عرض کر سکتا ہوں...... خواہش تو یہی ہے کہ میں بھی کبھی کوئی تیر ماروں، یہ الگ بات ہے کہ تیر مارنا نہیں آتا۔"

شہاب ہنس پڑا تھا، پھر اس نے کہا۔

"تو پھر کمان سنبھال لو۔"

"سر آپ جیسے استاد کی استادی میں، میں بھلا کیا کمان سنبھالوں گا۔"

"بہر حال اب سنو جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے غور سے سنو...... ہمارے پاس ابھی تھوڑا سا وقت ہے...... کام کر سکتے ہیں۔"

"جی سر حکم دیجئے۔"

"اختر خان کو گرفتار کر کے یہاں لانا ہے...... میں اس سلسلے کی تمام ذمہ داری قبول کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

"کوئی بات ہی نہیں ہے سر آپ نے حکم دے دیا کافی ہے۔"

"میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔"

"جی سر۔"

گل خان نے کہا اور پھر اس کے بعد شہاب اور گل زمان دیر تک منصوبہ بندی کرتے رہے تھے۔

اختر خان ایک سرکش آدمی تھا لیکن اسے گرفتار کرنے والا بھی گل خان تھا جسے مشکل سے شہاب نے انسان بنایا تھا...... ورنہ وہ کھال اتارنے کا ماہر تھا...... اختر خان راستے اسے دھمکیاں دیتا آیا تھا۔

"آفیسر اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں کوئی معمولی کلرک ہوں تو یہ خیال اپنے دل سے دینا تمہاری وردی نہ اتروادی تو میرا نام اختر خان نہیں ہے۔" گل خان نے خونی نگاہوں اسے دیکھا پھر دھیرے سے مسکرا دیا، اس نے کہا۔

"اختر خان مزے کی بات یہ ہے کہ تم بھی خان اور میں بھی خان ہوں جہاں تک کا معاملہ ہے تو بہرحال اس کا احترام میرے دل میں ہے اور اس کے بارے میں توہین آ الفاظ تم نے کہے ہیں، ان کا حساب کتاب تم سے اطمینان سے کیا جائے گا لیکن اتنی کوشش ضرور کرو کہ میرا تمہارا معاملہ ڈائرکٹ نہ ہو جائے۔

"کیا مطلب؟"

"یہ تو میں تمہیں تھانے چل کر بتاؤں گا۔"

تھانے لانے کے بعد گل خان نے اسے کمرا خاص میں پہنچادیا، اختر خان نے کہا۔

"میرا خاندانی بیک گراؤنڈ بہت مضبوط ہے...... اپنی حرکتوں کی وجہ سے میں کلرک ہوں...... تم دیکھو گے جب میرے بارے میں میرے خاندان والوں کو پتا چلے گا تو یہاں کون آتا ہے۔"

"اس کا تو ایک سیدھا راستہ ہے۔" گل خان نے مسکرا کر کہا۔

"کیسا راستہ۔"

"میں نے تمہیں اسی لئے تمہارے گھر کے اور تمہارے دفتر کے درمیان سے گرفتار کیا ہے کہ کوئی عینی گواہ نہ مل سکے...... میں اطمینان سے تمہاری گردن پر چھری پھیر دوں میرے چار پولیس والے تمہیں کفن دے کر خاموشی سے قبرستان میں دفن کر دیں گے، تمہارے خاندان والوں کو پتا ہی نہیں چلنے دوں گا۔" اختر خان کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے خوف کے آثار نمودار ہوئے، پھر اس نے کسی قدر نرم لہجے میں کہا۔

"لیکن میرے بھائی آخر تم کو مجھ سے کیا دشمنی ہو گئی؟"

"کیا میٹھا لہجہ ہے ایک بار پھر سے کہو۔" گل خان ہنس کر بولا۔

"کیوں میرا مذاق اڑا رہے ہو، اگر کسی بے گناہ کو بغیر وجہ کے گرفتار کر لیا جائے تو کیا اس کا دماغ خراب نہیں ہو جائے گا۔"

"بے گناہ کا دماغ تو بے شک خراب ہو جائے گا لیکن تم تو گنہگار ہو۔"

"کیا گناہ کیا ہے میں نے۔"

"ہاں یہ تمہارا حق ہے کہ اپنے گناہوں کی فہرست طلب کر لو؟"

"بتاؤ بتاؤ کیوں گرفتار کیا ہے تم نے مجھے؟"

"بتا دیتے ہیں یار اب ایسی جلدی بھی کیا ہے، ویسے راستے میں تم مجھے جو دھمکیاں دیتے آئے ہو پہلے اس کا حساب کتاب کر لیں۔"

"کیا مطلب؟"

"بتاتا ہوں۔"

گل خان نے کہا اور دیوار پر لٹکا ہوا چمڑے کا خوفناک ہنٹر اتار لیا...... اختر خان اپنے آپ میں سمٹنے لگا تھا...... اس نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"دیکھو مجھے میرا جرم بتائے بغیر زیادتی نہ کرو میرے ساتھ۔"

"جرم کے سلسلے میں تو زیادتی الگ سے ہو گی، یہ اس گفتگو کے سلسلے میں ہے جو راستے بھر تم نے کی ہے۔"

"اس کے لئے میں تم سے معافی مانگتا ہوں۔"

"ارے راستے میں تم یہ کہہ رہے تھے کہ میری وردی کے ساتھ ساتھ تم میری کھال بھی اتروادو گے...... اب اپنی کھال کی فکر میں پڑ گئے۔"

"معافی چاہتا ہوں معاف کر دو میں مار نہیں کھا سکتا۔"

"چلو ٹھیک ہے میں بھی کسی مرے ہوئے کو نہیں مارتا۔" لیکن اب تمہارے گناہوں کی فہرست تمہیں بتادی جاتی ہے ناہید کو جانتے ہو۔"

"کون ناہید؟"

"گڈ اس کا مقصد ہے کہ ہنٹر کا استعمال ضروری ہو گا۔"

"کس ناہید کی بات کر رہے ہو۔"

"تمہاری جاننے والیاں کتنی ناہیدیں ہیں۔"

"ناہید ناہید ناہید۔"

"جس کے ساتھ تمہارا اس وقت بہترین وقت گزر رہا ہے اور جس کے ساتھ تم نے شاندار منصوبہ بندی کی ہے۔"

"کیسی شاندار منصوبہ بندی؟"

"اختیار احمد سے بیس لاکھ وصول کر کے رنگ رلیاں منانے کی منصوبہ بندی۔" گل خان نے کہا اور اختر خان کا چہرہ سفید پڑ گیا، پھر گل خان بولا، چلو ٹھیک ہے ابھی تھوڑا سا انتظار کئے لیتے ہیں، بعد میں بات کریں گے تمہیں ذرا سوچنے کا موقع بھی مل جائے گا۔"

"سنو آفیسر میری بات تو سنو۔"

"سن لیں گے یار جلدی کیا ہے۔" گل خان نے کہا اور پھر اختر خان کو لاک اپ میں بند کر دیا گیا اور وہاں سپاہیوں کا پہرہ لگا دیا گیا...... شہاب کو اطلاع دینی تھی، گل خان نے خود اس سے سوالات کرنے مناسب نہیں سمجھے تھے اور پھر شہاب نے اس دوران جو معلومات حاصل کی تھیں ان کے مطابق اسے سوالات کرنا تھے...... گل خان اس سلسلے میں پہل نہیں کرنا چاہتا تھا، بہرحال اس نے اپنے دفتر میں آ کر شہاب کو اختر خان کی گرفتاری کی اطلاع دی اور شہاب نے اس کو کچھ دیر کے بعد پہنچنے کے لئے کہا۔ گل خان انتظار کرنے لگا، تھوڑی دیر کے بعد شہاب تھانے پہنچ گیا...... گل خان نے اس کا استقبال کیا تھا اور اس کے بعد وہ دونوں لاک اپ پہنچ گئے...... اختر زمین پر بیٹھا ہوا تھا، اب اس کے چہرے پر خوف کے آثار چھائے ہوئے تھے...... شہاب نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اختر خان صاحب کو کمرے میں لے آؤ۔" کچھ دیر کے بعد اختر خان اسی کمرے میں پہنچ گیا...... شہاب نے اسے بیٹھنے کے لئے کہا اور بولا۔

"تم بہت بدنصیب انسان ہو اختر خان!"

"لیکن آفیسر میں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔"

"ناہید نے تمہارے بارے میں جو کچھ بتایا ہے اگر اس کے بعد بھی تم جرم سے انکار کرتے ہو تو یہ میرے لئے بڑے تعجب کی بات ہے...... گل خان کیا مسٹر اختر خان کو ناہید کا بیان سنا دیا ہے۔"

"ابھی نہیں سر...... آپ کا انتظار کر رہا تھا۔"

"ناہید کا بیان؟" اختر خان تعجب بھرے لہجے میں بولا۔

"جی اختر خان صاحب ناہید کا پروگرام تبدیل ہو گیا ہے، اس نے اس منصوبے کی اطلاع پولیس کو دے دی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"آخری بار آپ ناہید سے جب ہوٹل میں ملے تھے اس وقت تک وہ اپنے منصوبے پر عمل درآمد کے لئے تیار تھی، حیرت کی بات یہ ہے کہ اس نے اچانک ہی اپنے خیالات میں تبدیلی کر لی...... بہرحال کسی کو نیکیوں کے راستے پر آتے ہوئے کوئی مشکل درپیش نہیں ہوتی۔"

"کیا بتایا ہے ناہید نے آپ کو؟" اختر خان بے اختیار بولا...... تمام کچا چٹھا بتا دیا ہے آپ کا ساری تفصیلات بتائی ہیں...... یہ بھی بتایا ہے کہ آپ نے اپنی فرم سے غبن کیا تھا اور بڑی خوبصورتی سے یہ الزام ذیشان نامی آدمی پر لگا دیا تھا جسے ناہید ان دنوں اپنے مقصد کے لئے استعمال کر رہی تھی، تم نے ہی ناہید کی نشاندہی ذیشان کی جانب کی تھی، لیکن ناہید کے دل میں اچانک تمہارے لئے نفرت پیدا ہو گئی۔"

"وہ وہ اُلو کی پٹھی۔" اختر خان غصے میں آ گیا اور شہاب نے مسکراتی نگاہوں سے گل خان کو دیکھا۔

"اگر تم اس کا بیان دیکھ لو گے تو تمہیں اس سے زیادہ غصہ آئے گا۔"

"مسٹر اختر خان ناہید نے تمام الزامات تم پر رکھ دیئے ہیں، اس نے بتایا ہے کہ تم بہت عرصے سے اس کے پیچھے لگے ہوئے ہو اور کبھی کبھی اسے دھمکیاں بھی دیتے رہے ہو کہ اس کا راز کھول دو گے، تمہارے ہاتھوں پر مجبور ہو کر وہ اپنے شوہر کے ساتھ جعل سازی کے لئے تیار ہوئی۔"

"تب اس سے زیادہ کمینی عورت روئے زمین پر دوسری نہیں ہو گی جناب...... آپ کو اس کے بارے میں معلومات حاصل نہیں ہیں ذرا اس کے ماضی میں تو جھانک کر دیکھئے۔"

"بات کسی کے ماضی کی نہیں ہوتی، ماضی میں اگر وہ جرم کرتی اختر خان صاحب تو ظاہر ہے اس وقت بھی پولیس کی گرفت میں آتی وہ کہتی ہے کہ وہ ایک معصوم صفت عورت تھی، اپنے شوہر سے مخلص اور ہر طرح سے اس کی وفادار لیکن آپ نے اسے بری راہوں پر لگایا

اور پھر وہ بھٹکتی چلی گئی...... یہاں تک کہ آپ نے اسے اپنے شکنجے میں جکڑ لیا اور وہ آپ کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور ہو گئی۔"

"جھوٹ بولتی ہے، بکواس کرتی ہے، وہ ایک بدفطرت عورت ہے، نجانے کتنے کھیل کھیل چکی ہے...... ایک جنرل سٹور میں سیلز گرل تھی...... جب میری اس سے ملاقات ہوئی معمولی حیثیت کی بے اوقات عورت اس نے مجھ سے راہ رسم بڑھائی اور پھر میرے گلے کا ہار بھی بن گئی، آپ یقین کیجئے شہاب صاحب اس سے زیادہ شاطر عورت میں نے روئے زمین پر نہیں دیکھی، غالباً اب اپنے شوہر سے اس کا کوئی معاملہ طے ہو گیا ہو گا یا پھر اوہ میرے خدا میں بھی کتنا بے وقوف ہوں بات سمجھ نہیں پایا تھا، اب میں سمجھ گیا اچھی طرح سمجھ گیا۔"

"ہمیں بھی تو سمجھائیے اختر صاحب؟"

"اس نے ضرور اب ذیشان کو منتخب کر لیا ہو گا، مجھ سے اس کا دل بھر گیا ہو گا، وہ شکاری عورت ہے نئے نئے شکار کرنا اس کا شوق ہے بات بالکل سمجھ میں آ گئی...... آپ جانتے ہیں وہ کس قدر ذلیل فطرت عورت ہے۔"

"بھلا ہم کیا جانیں۔" شہاب شانے ہلا کر بولا اور اس کے بعد اختر خان نے ناہید کے خلاف ایسی ایسی تفصیلات بتائیں جنہیں سن کر گل خان اور شہاب بھی حیران رہ گئے، لیکن بہر حال شہاب اس وقت مصلحت سے کام لے رہا تھا...... اختر خان نے ناہید کی تمام کارکردگی بتائی اور یہ بھی کہا کہ ناہید اختیار کو زہر دینے پر غور کر رہی ہے، وہ کہتی ہے کہ یہ بے پناہ جائیداد اور دولت مکمل طور سے اس کے قبضے میں آنی چاہئے۔"

"نوشاد کو اس نے کس طرح اپنے ٹرانس میں لیا ہوا ہے، مسٹر اختر؟" شہاب نے سوال کیا۔

"نوشاد ایک معصوم لڑکی ہے، اختیار احمد اندھا ہے اس نے اپنی بیٹی کو بھی مکمل طور پر ناہید کی تحویل میں دے دیا ہے...... وہ ناہید کے سامنے بے بس ہے، وہ نہیں جانتا کہ ناہید نوشاد کو بھی برباد کر کے رکھ دے گی، آفیسر یہ بہت بری بات ہے لیکن میں تمہیں بتائے بغیر نہیں رہ سکتا کہ نوشاد کے سلسلے میں اس کے منصوبے کتنے خوفناک ہیں...... وہ نوشاد کو بھی زندہ نہیں رہنے دے گی اور اختیار احمد کی موت کے بعد نوشاد ہی کی باری ہے لیکن چالاک عورت یہ بھی سوچتی ہے کہ اس پر شبہ نہ جائے...... نوشاد پوری طرح اس کے قبضے میں

اور نوشاد اس کی ہر بات مانتی ہے، بس شاید وہ خود بھی ناہید کے خلاف ایک لفظ منہ سے نہیں نکال سکے گی۔" اختر خان نے یہ جاننے کے بعد کہ ناہید ہی نے اس کے خلاف تمام تفصیلات مہیا کی ہیں...... ناہید کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا تھا اور جو کچھ اس نے بتایا تھا وہ شہاب کے لئے بہت کافی تھا...... منصوبہ بڑی خوبصورتی سے مکمل ہو گیا تھا اور اب شہاب فائنل راؤنڈ کا منتظر تھا۔

❁

ناہید کے فرشتوں کو بھی گمان نہیں تھا کہ اس کی سازش اس طرح ناکام ہو سکتی ہے، وہ بڑی مستعدی سے اپنا کام کر رہی تھی، موقع نکال کر وہ ایک بار پھر ذیشان سے ملی، ذیشان بھی چالاک آدمی تھا، اب بہت زیادہ مطمئن کیونکہ نئے منصوبے کے تحت اس کے دل سے تمام خوف دور ہو چکا تھا اور وہ اب پر اطمینان تھا، اس نے مسکراتے ہوئے ناہید کا استقبال کیا اور ناہید بھی مسکرا دی۔

"ہیلو ذیشان۔"

"ہیلو میڈم۔"

"کہو دل کی کیا کیفیت ہے۔"

"نہ پوچھیں تو بہتر ہے۔"

"کیوں؟" ناہید مسکرا کر بولی۔

"آپ کو علم ہے میڈم کہ میں ایک عادی مجرم نہیں ہوں۔"

"تم اسے جرم کیوں سمجھتے ہو۔"

"پھر اسے کیا سمجھوں۔"

"اس دنیا میں ذیشان لوگ دولت حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے کی گردن پر چھری پھیرنے میں دقت محسوس نہیں کرتے، کیا تم اخبارات نہیں پڑھتے...... دیکھ لو کس طرح انسان انسان کا دشمن بن گیا ہے اور جو اس عمل میں پیچھے رہ جاتا ہے، وہ بے کسی کی زندگی گزارتا ہے...... دو ہی طبقے ہیں اس دنیا میں اب ایک ظالم اور دوسرا مظلوم...... تم اگر ظالم نہیں بن سکتے تو مظلوم بن جاؤ گے...... یہ بات ذہن میں رکھنا۔"

"میں جانتا ہوں میڈم۔" ذیشان نے کہا۔

"اب تم خود دیکھو میں ایک دولت مند شوہر کی بیوی ہوں، لیکن کچھ بھی نہیں میرے پاس وہ مجھ پر اپنا اختیار جمائے بیٹھا ہے، اپنی بیٹی تک کے لئے اس کے دل دروازے نہیں کھلتے نوشاد اس حیثیت کی زندگی نہیں گزار رہی، جس حیثیت کے باپ بیٹی ہے...... وہ کنجوس شخص اتنی دولت جمع کر کے اس پر سانپ بنا بیٹھا ہے، تم یہ کیوں نہ سوچتے کہ ہم ایک سانپ کا سر کچل رہے ہیں۔" ذیشان ہنس پڑا تو ناہید نے اسے دیکھتے ہوئے کہا

"کیوں اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔"

"میڈم حقیقت کی نگاہ سے دیکھیں تو اس سانپ کا سر کچلنے سے آپ ہی کو فائدہ حاصل ہو گا، میری تقدیر میں تو یہ تین لاکھ روپے لکھے ہوئے ہیں بس۔"

"تم کیا سمجھتے ہو ذیشان یہ معمولی سی بات ہے...... کہیں ملازمت کرو گے اور تمہیں ہی ہے...... کیا تنخواہ ملے گی تمہیں بس اتنی ناں کہ اپنے گھر کے اخراجات اٹھا سکو ضرورتیں انسان کی کہاں پیچھا چھوڑتی ہیں، ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے تمہارے پاس وسائل ہیں؟ نہیں ہیں نا یہ تین لاکھ روپے، تمہیں یوں سمجھ لو زندگی کی بہت خوشیاں دیں گے اور تم ذیشان تم سوچنے سمجھنے کے قابل ہو جاؤ گے...... وسائل کا پورا نہ کبھی کبھی انسان سے اس کی صلاحیتیں چھین لیتا ہے اور وہ کچھ کرنے کے قابل نہیں رہ تمہیں ایک نارمل زندگی گزارنی ہو گی، میں تمہیں ہوشیار کر رہی ہوں کہ پیسے ہاتھ آنے بعد یوں نہ کرنا کہ ان کو خرچ کرنے میں حاتم بن جاؤ ایک ایک پیسہ سنبھال کر رکھنا اس طرح دوسروں کو شبہ بھی نہیں ہو سکے گا...... ورنہ تم یہ بات جانتے ہو کہ تم ایک سزا یافتہ شخص ہو لوگ یہی سمجھیں گے کہ جس غبن کا الزام تم پر لگایا گیا تھا وہ الزام بالکل درست تھا، تم نے رقم چھپا کر رکھی اور اب اسے استعمال کر رہے ہو، تم ایک مجرم کنفرم ہو جاؤ گے، یہ الگ بات ہے کہ دنیا تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے گی۔"

"میں ایک مجرم تو کنفرم ہو چکا ہوں میڈم۔"

"جذباتی انداز میں نہ سوچو، تم یہ سمجھ لو کہ تمہیں تمہاری اس سزا کا معاوضہ اب ملا ہے۔"

"ٹھیک ہے میڈم...... اپنے آپ کو سمجھانے اور بہلانے کے لئے سب کچھ ہی ہوتا ہے...... میں غیر مطمئن نہیں ہوں۔

"میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ جو کچھ کرو اس کے سلسلے میں مکمل طور سے احتیاط رکھو تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ میں خود کس قدر خوفزدہ ہوں، بس یہ چاہتی ہوں کہ جس کروٹ بھی اونٹ بیٹھ جائے اور تم اپنی کوششوں میں کامیاب ہو جاؤ۔"

"کامیابی تو اب ہم سے زیادہ دُور نہیں ہے میڈم!" ذیشان نے مسکراتے ہوئے کہا اور ناہید بھی مسکرا دی۔

"ہاں کامیابی ہمارے بہت قریب ہے۔"

"ویسے آپ مجھے اختیار احمد صاحب کے بارے میں بتایئے۔"

"سب کچھ نارمل ہے کنجوس شخص کو بیس لاکھ روپے کی چوٹ پڑ رہی ہے...... زخمی سانپ کی طرح لہریں لے رہا ہے لیکن میں نے اسے بالکل مفلوج کر کے رکھ دیا ہے، وہ اب کوئی فیصلہ کرنے کے قابل نہیں رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے میڈم...... پروگرام میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔"

"بالکل نہیں...... تم بے فکر رہو۔" ناہید کافی دیر تک ذیشان کو بریف کرتی رہی اور اس کے بعد وہاں سے چل پڑی، اسے کئی محاذ سنبھالنے پڑے تھے لیکن بہرحال اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے وہ سب کچھ کر رہی تھی...... اس میں کوئی شک نہیں کہ منصوبے میں اختر خان کا بہت بڑا ہاتھ تھا...... اختر خان بذات خود ایک بہت بڑا جعل ساز تھا، ماضی میں بھی اس نے بہت سی جعل سازیاں کی تھیں...... ناہید سے اس قدر مخلص ہو گیا تھا کہ اس نے ناہید کو اپنے بارے میں بہت سی باتیں بتا دی تھیں اور ذیشان کا تذکرہ بھی اس نے خود ہی کیا تھا اور بتایا تھا کہ کس طرح ذیشان ایک ناکردہ گناہ کی سزا بھگت رہا ہے اور اب یوں کیا جائے کہ اس بیچارے کو اس کی سزا کا معاوضہ مل جائے، اس طرح دونوں کام ہو جائیں گے، اس وقت وہ ان حالات میں ہے کہ جرم کرنے سے بھی نہیں چوکے گا اور پھر جیل سے نکلا ہے...... جیل میں اس کا سابقہ اس طرح بہت سے استادوں سے رہا ہو گا اور استاد یہی سکھاتے ہیں کہ بیٹا دولت کے حصول کے لئے سولی پر چڑھ جاؤ...... رام بھلی کرے گا تبھی ناہید نے ذیشان کا انتخاب کیا تھا...... نوشاد پوری طرح اس کے قبضے میں تھی اور دوسری جانب اختیار احمد کو بھی اس نے اپنے جال میں پھنسایا ہوا تھا...... اختیار احمد بہت سے معاملات میں اپنی من مانی کرتا تھا، لیکن بہرحال ناہید اس پر حاوی تھی، واپسی پر بھی اس نے فوراً ہی اختیار احمد سے رابطہ قائم کیا تھا...... اختیار احمد ایک صوفے پر نیم دراز تھا اور اس کے چہرے پر غم کی پرچھائیاں بکھری

ہوئی تھیں...... ناہید نے چہرے پر خود بھی غم کے تاثرات پیدا کئے اور اس کے پاس ہو
اور پھر دُکھ بھرے لہجے میں بولی۔

"اختیار کیوں اپنی زندگی کھو رہے ہو، ہم بہر حال اپنی نوشاد کو حاصل کریں گے
آنی جانی شے ہے اور کما لینا تمہارے لئے دولت کمانا مشکل نہیں ہوگا، لیکن نوشاد ہمیں
سے نہیں مل سکے گی، کسی بھی قیمت پر آہ کاش میں بذات خود کسی حیثیت کی مالک ہوتی
سے ایک پیسے کا مطالبہ نہ کرتی، اپنی نوشاد کو حاصل کرنے کے لئے...... دنیا یہی سوچے گی
ایک سوتیلی ماں کو بھلا سوتیلی بیٹی سے اتنی محبت کیسے ہو سکتی ہے، لیکن اختیار محبت کبھی
اختیار میں رہی ہے، کوئی بھی کسی کے لئے دل و جان دے سکتا ہے...... کاش میرے خلوص
یقین کر لیا جائے۔"

"اس وقت یہ کیا بیکار باتیں لے بیٹھیں...... تمہارے خلوص پر کس نے یقین نہیں کیا"

"نہیں اختیار میں بہت جذباتی ہو رہی ہوں...... پتا نہیں ان بدبختوں نے نوشاد کو
حال میں رکھا ہوگا، آہ کہیں میری بچی دُکھ میں مبتلا نہ ہو۔"

"کیا کہا جا سکتا ہے؟"

"تم کیسے باپ ہو۔"

"کیا مطلب؟" اختیار نے کسی قدر جھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"تمہارے انداز میں وہ جذباتیت نہیں ہے جو کسی باپ کے انداز میں ہونی چاہئے۔"

"تو کیا سر پھوڑوں دیواروں سے۔" اختیار احمد نے بدستور جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

"سمجھ رہی ہوں میں سمجھ رہی ہوں، یہ بیس لاکھ روپے تمہیں اپنی بیٹی کی زندگی
زیادہ قیمتی محسوس ہو رہے ہیں!"

"دیکھو ناہید مجھے پریشان مت کرو...... میں زندگی سے بیزار ہوں۔"

"ہوتے رہو زندگی سے بیزار...... میری بچی مجھے واپس لا کر دے دو...... بس مجھے
کچھ نہیں چاہئے۔" اختیار خاموش ہو گیا، اپنے جذبات کو وہ اپنے چہرے سے ظاہر نہیں
چاہتا تھا، لیکن یہ چالاک عورت خدا کی پناہ کس قدر شاطر ہے، یہ اس کی باتیں اچھے
انسانوں کو بھٹکنے پر مجبور کر سکتی ہیں، کس بے اختیاری کا مظاہرہ کر رہی ہے...... بہر
سارے معاملات طے ہو چکے تھے، آخری وقت میں بلیک میلر کا ٹیلی فون بھی موصول ہو

تھا اور اس نے طریقہ کار بھی منتخب کر دیا تھا، اختیار احمد کو بہر حال رقم کا بندوبست کرنا پڑا......
ہر چند کہ وہ اعلیٰ افسران اسے قابل اعتماد محسوس ہوتے تھے جنہوں نے یہ سارا کھیل سنبھال
لر رکھا تھا اور انتہائی احتیاط کے ساتھ اس سے رابطے قائم کئے ہوئے تھے، لیکن بہر حال اس
کے دل میں وسوسے تھے...... بیس لاکھ روپے کی بھاری رقم ساتھ لے کر باہر نکلنا پتا نہیں
حالات کیا رُخ اختیار کر جائیں لیکن یہ کڑوے گھونٹ پینا ہی تھے...... سو وہ اپنے آپ کو اس
کے لئے تیار کر رہا تھا، یہاں تک کہ مناسب وقت آ گیا، وہ وقت جس کا تعین کر دیا گیا تھا،
اختیار احمد کا پورا وجود پسینے میں شرابور تھا...... ناہید نے خود بھی ساتھ جانے کا فیصلہ کیا تھا اور
اختیار احمد نے انکار نہیں کیا تھا...... ویسے شاید عام حالات میں وہ ناہید کا سایہ بھی اپنے ساتھ
نہ رکھتا لیکن صورت حال ایسی تھی کہ اسے ناہید کو اپنے ساتھ لینا پڑا تھا...... ناہید کار خود
ڈرائیو کر رہی تھی اور اس نے چہرے پر خوف کے آثار پیدا کئے ہوئے تھے...... راستے میں اس
نے کہا۔

"اختیار کیا تمہیں خوف محسوس ہو رہا ہے۔"

"میں خاموش رہنا چاہتا ہوں۔" اختیار نے کہا تھوڑی دیر کے بعد وہ مطلوبہ جگہ پہنچ
گئے...... قرب و جوار سنسان پڑے ہوئے تھے...... دُور دُور تک کسی انسان کا وجود نہیں تھا......
ناہید اور اختیار انتظار کرتے رہے، ناہید کا دل خود بھی اس وقت دھک دھک کر رہا تھا......
اپنے پروگرام کی کامیابی پر اس کی زندگی کا دارومدار تھا، اب تک وہ اختیار احمد کو سنبھالے
ہوئے تھی لیکن دل میں بس تھوڑے سے خدشات تھے، کہیں ذیشان سے کوئی غلطی نہ
ہو جائے، لیکن مقررہ وقت پر اسے ایک ٹیکسی آتی ہوئی نظر آئی اور تھوڑی دیر کے بعد وہ
ٹیکسی کار کے قریب رُک گئی...... کھڑکی سے پستول کی نال جھانک رہی تھی، ذیشان نے
چہرے پر رومال لپیٹا ہوا تھا اور وہ خود ٹیکسی ڈرائیو کر رہا تھا، اس ٹیکسی کا بندوبست بھی شہاب
نے کیا تھا...... اختیار احمد اپنی کار سے ٹکا کھڑا تھا...... ذیشان نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"رقم لائے ہو؟"

"ہاں...... میری بیٹی کہاں ہے۔"

"رقم سامنے لاؤ...... بیٹی بھی مل جائے گی۔"

"نہیں پہلے تم نوشاد کو میرے سامنے لاؤ۔"

"اختیار احمد میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو، دوسری صورت حال تمہارے
خطرناک ہو سکتی ہے۔"

"مگر تم نے وعدہ کیا تھا کہ۔"

"مجھے تمہاری بیٹی کا اچار نہیں ڈالنا...... وہ تمہیں واپس مل جائے گی، پہلے مجھے دکھاؤ...... میڈم خبردار کوئی حرکت کرنے کی کوشش نہ کیجئے گا، رقم کا بیگ میرے پاس لایا جائے۔" ناہید نے خود وہ بیگ کار کی پچھلی سیٹ سے نکالا اور اسے کھول کر ذیشان کے سامنے کر دیا۔

"وری گڈ اب آپ اسے بند کر دیجئے۔" ذیشان نے کہا اور ناہید نے بیگ بند کر دیا

"دیکھئے مسٹر اختیار احمد میں صرف اس رقم کے حصول کے لئے اب تک کام کر رہا ہوں، اس کے علاوہ مجھے آپ سے اور کوئی دلچسپی نہیں ہے اور نہ ہی میں آپ سے کوئی بات کرنا چاہتا ہوں...... میڈم میرے ساتھ جا رہی ہیں، میں انہیں عزت واحترام کے ساتھ واپس کروں گا اور ان کے ساتھ آپ کی بیٹی نوشاد بھی ہو گی۔"

"کیا ثبوت ہے اس بات کا کہ تم اپنے وعدے کی پابندی کرو گے۔" اختیار احمد نے

"میں کوئی ثبوت نہیں دینا چاہتا...... اس پستول میں سات گولیاں ہیں، اگر دو آپ دونوں کو تقسیم کر دوں تو اس وقت آپ کی لاشیں اٹھانے والا بھی آس پاس کوئی نہیں ہو گا، چنانچہ جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں اس پر عمل کیجئے...... میڈم ایک منٹ ضائع کئے آپ ٹیکسی میں آ بیٹھئے اور مسٹر اختیار احمد خاموشی سے اپنے گھر واپس چلے جائیے۔ گھنٹے کے اندر اندر میڈم آپ کی بیٹی کے ساتھ آپ کی کوٹھی پر واپس پہنچ جائیں گی تم نے۔" ذیشان نے ناہید کو ڈانٹتے ہوئے کہا اور ناہید خوفزدہ انداز میں بریف کیس ہوئے ٹیکسی کا پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی اور ذیشان نے ٹیکسی آگے بڑھا دی احمد کا پورا وجود پسینے میں ڈوبا ہوا تھا، اس کی نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں...... کہیں پتا نہیں تھا، وہ بے بسی کے عالم میں چاروں طرف دیکھتا رہا اور پھر اس نے ایک سانس بھری، ابھی تک اسے اس بات پر یقین نہیں آیا تھا کہ پولیس کچھ کارروائی کرے چند کہ وہ افسر اعلیٰ قابل اعتماد معلوم ہوتا تھا لیکن پھر بھی کوئی چوک بھی ہو سکتی سوچنے سمجھنے کے لئے اب کچھ باقی نہیں رہ گیا تھا...... دنیا یہ سمجھتی تھی کہ باپ کو

محبت نہیں ہے، لیکن باپ کے دل میں جس قدر الجھنیں تھیں ان کا شناسا اور کوئی نہیں تھا...... غرض یہ کہ اختیار احمد بے چارہ وہیں کھڑا ہوا دور جاتی ٹیکسی کو دیکھ رہا تھا جس میں ایک الگ ہی ڈرامہ ہو رہا تھا...... ذیشان نے تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد چہرے سے رومال اتار دیا تھا اور ناہید پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی نوٹوں کا بریف کیس کھول کر نوٹ گن رہی تھی۔

"اب اس بریف کیس کو بند کر دیجئے میڈم کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی قریب سے گزرتے ہوئے انہیں دیکھ لے، ہماری خود شامت آ جائے گی۔" جواب میں ناہید نے قہقہہ لگایا تھا، پھر وہ کہنے لگی۔

"ذیشان تم نہیں جانتے میرا شوہر اس قدر سخت گیر ہے اور میں ذہنی طور پر کس قدر مضمحل رہتی ہوں، کم از کم اور کچھ نہیں تو مجھے میری پسند کی زندگی گزارنے کا موقع تو مل جائے اور پھر ذیشان اس کے بعد اس کے بہت کچھ ہے میرے ذہن میں، بہت کچھ ہے ذیشان...... اتنا کچھ کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"میڈم میرا بھلا اس سے کیا تعلق؟"

"تعلق ہو سکتا ہے ذیشان۔" ناہید نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"کس طرح؟"

"ابھی نہیں...... پہلے ہم اس خوفناک مرحلے سے نمٹ لیں، اس کے بعد ہی سب کچھ ہو سکتا ہے۔"

"مثلاً۔" ذیشان نے سوال کیا اور جواب میں ناہید نے اسے ایسی نگاہوں سے دیکھا کہ ذیشان بوکھلا کر رہ گیا وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ خوفناک ناگن اب ایک اور رُخ اختیار کر رہی ہے، بہر حال یہ سب کچھ بے مقصد و بے سود تھا...... ذیشان کو اپنا کام خوش اسلوبی سے سرانجام دینا تھا اور اب تو یہ نیا مرحلہ شروع ہوا تھا جس میں سب سے زیادہ تجسس تھا...... ذیشان سوچ رہا تھا کہ پتا نہیں شہاب ثاقب اس فرض کو اسی انداز سے سرانجام دے بھی سکتا ہے کہ نہیں...... لیکن اس کے باوجود وہ جانتا تھا کہ اس کی اپنی گردن آزاد ہو چکی ہے اور وہ ان شکنوں سے نکل چکا ہے۔

ٹیکسی کا سفر جاری رہا، کچھ دور چل کر ناہید نے ذیشان سے کہا۔ "ذیشان تعاقب کا بھی خیال رکھو، کوئی ہمارا پیچھا ہی نہ کر رہا ہو۔"

"کون کر سکتا ہے تم بتا چکی ہو کہ اختیار احمد نے اس سلسلے میں کسی سے کوئی رابطہ نہ کیا ہے، خاص طور سے پولیس سے کیا تمہیں اس بات کا شبہ ہے کہ اختیار احمد صاحب نے پولیس کا سہارا لیا ہوگا؟"

"تم سمجھتے کیوں نہیں ہو بے شک شبہ نہیں ہے لیکن عقلمند انسان وہی ہے جو حالات پوری طرح نگاہ رکھے۔"

"حالات پر میری پوری نگاہ ہے۔" ذیشان نے جواب دیا اور پھر اس نے ٹیکسی کو مخ راستوں پر گھمایا اور پھر اس کے بعد ہوٹل صحارا پر رُک گیا...... ہوٹل صحارا کے پارکنگ پر ٹیکسی پارک کر کے ذیشان نیچے اتر گیا...... ناہید بھی اس کے ساتھ ساتھ چل پڑی تھی بریف کیس انہوں نے سنبھال کر رکھا ہوا تھا اور اسے بڑی احتیاط سے لے کر اوپر چل پڑے تھے، لفٹ نے انہیں ان کی منزل پر چھوڑ دیا...... ناہید نے کمرے کے دروازے پر دستک تو نوشاد نے دروازہ کھول دیا اور ان دونوں کو دیکھ کر اس کے منہ سے ہلکی سی آواز نکل گئی قدم پیچھے ہٹی تو ناہید اور ذیشان اندر داخل ہو گئے، اس دوران ذیشان ایک سرسری سی سے پوری راہداری کا جائزہ لے چکا تھا...... پولیس وغیرہ کا کہیں پتا نہیں تھا اس کے ذہن میں ایک ہلکی سی اُلجھن پیدا ہو گئی، لیکن بہرحال اب اس کے ہاتھ صاف تھے چنانچہ اسے بہت زیادہ فکر نہیں تھی، ناہید نے نوشاد سے کہا۔

"نوشاد دروازہ بند کر دو۔" نوشاد نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا تھا...... ناہید اسے لئے ہوئے ایک صوفے کی جانب بڑھ گئی، صوفے پر بیٹھ کر اس نے گہری گہری سانسیں اور مسکراتی نگاہوں سے نوشاد کا جائزہ لینے لگی...... بریف کیس اس کے برابر رکھا ہوا تھا ذیشان بھی دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا...... ناہید کہنے لگی۔

"کیا بات ہے نوشاد...... تمہاری طبیعت کچھ خراب ہے۔"

"نہیں ممی...... ٹھیک ہوں میں۔"

"آنکھیں کچھ سوجی سوجی سی ہو رہی ہیں۔"

"کوئی خاص بات نہیں۔"

"جانتی ہو اس بریف کیس میں کیا ہے۔" ناہید نے مسکرا کر کہا۔

"بھلا کسی بریف کیس کے اندر کی چیز کے بارے میں میں کیا جان سکتی ہوں۔"

"تمہیں مبارک باد دینا چاہتی ہوں نوشاد۔"

"کس سلسلے میں ممی؟"

"جس کام کے لئے ہم نے زبردست منصوبہ بنایا تھا وہ آخر کار تکمیل پا گیا۔" نوشاد کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا تھا...... ناہید نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہیں خوشی نہیں ہوئی نوشاد۔" جواب میں نوشاد کی آنکھوں میں نمی آ گئی اور پھر اس کے رخساروں پر آنسو لڑھکنے لگے...... ناہید نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر اس کا چہرہ سخت ہو گیا۔

"کیوں خیریت...... یہ تمہاری آنکھوں سے گنگا جمنا کیسے بہہ نکلی۔"

"نہیں ممی کوئی بات نہیں۔"

"نہیں پھر بھی کوئی نہ کوئی بات تو ہے۔"

"ممی میں جانتی ہوں ڈیڈی کو اس کی بڑی تکلیف ہوئی ہوگی۔"

"ہوں دیکھا تم نے ذیشان اسے کہتے ہیں گھٹنے ہمیشہ پیٹ کی جانب مڑتے ہیں، میں نے جو کیا ہے اس کا کوئی صلہ نہیں مل رہا مجھے بلکہ محترمہ نوشاد اس بات پر رو رہی ہیں کہ ان کے ڈیڈی صاحب کو یہ رقم دیتے ہوئے تکلیف ہوئی ہوگی...... ارے میں کہتی ہوں ایک ایک پیسے کو نہیں ترستے تھے ہم...... کیا مل رہا تھا ہمیں...... وہ کنجوس انسان دیکھو کس طرح اس نے بیس لاکھ روپے ادا کر دیئے...... اگر یہ بیس لاکھ بیس سال تک اس سے مانگتے تو وہ ہمیں ایک ایک لاکھ کر کے بھی نہ دیتا اور تم آنسو بہا رہی ہو۔"

"ممی کم از کم اس سے یہ بات تو ظاہر ہوتی ہے کہ ڈیڈی مجھ سے محبت کرتے ہیں، اگر وہ اتنے ہی کنجوس ہوتے تو میرے تاوان پہ بیس لاکھ روپے کیسے ادا کرتے۔"

"گویا اب تمہارا سوچنے کا انداز بدل گیا ہے۔"

"نہیں ممی...... انداز بدلے یا نہ بدلے اس سے کیا فرق پڑتا ہے، لیکن بہرحال آپ میری اس کمزوری کو معاف کر دیجئے گا۔"

"کہیں تمہاری یہ کمزوری ہماری گردنوں پر پھانسی کا پھندا نہ بن جائے۔"

"تو پھر مجھے قتل کر دیجئے گا آپ۔" نوشاد نے کسی قدر جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ارے کمال ہے یہ لڑکی تو ہتھے سے اُکھڑ گئی میں کہتی ہوں تمہارے اندر یہ ذہنی تبدیلی

کیسے پیدا ہوئی...... کیا تمہیں اس بات کا احساس نہیں ہے کہ تم اس پورے منصوبے میں برابر کی شریک ہو؟"

"خدا سے ڈریں ممی میں برابر کی شریک ہوں؟" نوشاد نے کہا۔

"نوشاد نوشاد کیا ہو گیا ہے تجھے...... پاگل ہو گئی ہے کیا کوئی پہنچ گیا ہے تجھ تک کیا کسی نے بھڑکا دیا تجھے میرے خلاف؟"

"نہیں ممی...... کسی نے نہیں بھڑکایا مجھے آپ کے خلاف اور نہ ہی میں آپ کے خلاف بھڑکی ہوں، بلکہ میرا ضمیر خود مجھے ملامت کر رہا ہے...... ممی اور ضمیر بھی کوئی چیز ہوتی ہے...... ڈیڈی نے بہت عرصہ میری پرورش کی ہے اور اب بھی کر رہے ہیں، بس مجھے اس بات کا احساس ہے کہ یہ سب کچھ کرتے ہوئے انہیں کس قدر دُکھ ہوا ہو گا اور اس دُکھ کی وجہ میں ہوں۔"

"تو پھر خود ہی جا کر اپنے ڈیڈی سے کہہ دو کہ تمہاری سوتیلی ماں نے تمہارے ساتھ یہ سب کچھ کیا ہے اور تمہارے باپ کے ساتھ بھی۔"

"آپ جانتی ہیں ممی یہ بات میں کبھی نہیں کہہ سکوں گی۔"

"ذیشان دیکھ رہے ہو اس لڑکی نے تو مجھے اُلجھن میں ڈال دیا ہے۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں میڈم...... یہ آپ لوگوں کا ذاتی معاملہ ہے...... البتہ ایک بات میں ضرور کہنا چاہتا ہوں آپ سے۔"

"کیا؟"

"آپ لوگوں کے درمیان جو نیا کھیل شروع ہو گیا ہے اس میں کہیں کوئی ایسا وقت نہ آ جائے کہ آپ خود ہی ساری کہانی کا انکشاف کر دیں۔"

"اس کے لئے مجھے سوچنا پڑے گا...... بہت سوچنا پڑے گا...... ذیشان تمہاری بات بالکل ٹھیک ہے۔"

"جی تو پھر آپ میری رقم مجھے ادا کر دیجئے۔" ذیشان نے کہا اب وہ کسی قدر بے چین ہو گیا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ ابھی تک آخر پولیس کیوں نہیں پہنچی، لیکن پھر چند ہی لمحات کے بعد دروازے پر دستک ہوئی اور ناہید کا چہرہ فق ہو گیا۔

"یہ کون آ مرا اس وقت۔" اس نے کہا اور جلدی سے بریف کیس اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی...... پھر اس نے پھرتی سے بریف کیس بیڈ کے نیچے سرکا دیا اور دوسرے لمحے اس

کے حلق سے سسکی کی سی آواز نکل گئی، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سامنے دیکھتے ہوئے دو قدم پیچھے ہٹ گئی تھی اور ذیشان نے انسپکٹر گل خان کو شہاب ثاقب کے ساتھ اندر آتے ہوئے دیکھا...... ایک لمحے میں اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کے پیچھے پولیس کے اور بھی افراد موجود ہیں...... گل خان نے پستول تانا ہوا تھا اور اس کے بعد ہوٹل کا منیجر اور سٹاف کے دو اور آدمی اندر گھس آئے...... گل خان نے کڑک لہجے میں کہا۔

"تمہارا نام ناہید ہے۔"

"ہاں ناں......" ناہید بمشکل تمام حلق سے آواز نکالنے میں کامیاب ہو رہی تھی۔

"اختیار احمد کی بیوی ہو۔"

"ہاں۔"

"اور اس لڑکی کا نام نوشاد ہے۔"

"ہاں۔"

"اختیار احمد کی وہ بیٹی جسے تاوان کے لئے اغوا کر لیا گیا تھا۔"

"ہاں۔"

"اور یہ شخص کون ہے۔"

"یہ...... یہ ذیشان ہے۔"

"مسٹر ذیشان آپ بلیک میلر ہیں اور آپ نے اس لڑکی کے عوض اختیار احمد صاحب سے بیس لاکھ روپے کی رقم وصول کی ہے۔"

"مم...... میں...... میں۔" ذیشان کچھ لمحوں کے لئے تو بوکھلا ہی گیا تھا۔

"ہمارے پاس اس بات کے مکمل ثبوت ہیں اور رقم کا بریف کیس کہاں ہے؟" گل خان نے سوال کیا اور ذیشان نے جلدی سے مسہری کی طرف اشارہ کر دیا...... ایک سب انسپکٹر آگے بڑھا جو ابھی ابھی اندر داخل ہوا تھا اور پھر اس نے گل خان کے اشارے پر بریف کیس مسہری کے نیچے سے نکال لیا۔

"اسے کھولو۔" شہاب نے کہا اور گل خان نے آگے بڑھ کر بریف کیس کھول دیا...... نوٹوں سے بھرے بریف کیس کو دیکھ کر شہاب نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی، پھر آہستہ سے بولا۔

"ٹھیک ہے...... اسے بند کر دو گل خان...... جی میڈم کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ ایک اغوا شدہ لڑکی کے ساتھ حاصل شدہ رقم کے ساتھ آپ یہاں کیوں موجود ہیں۔"

"مم...... میں...... میں بس...... یہ بب...... بلیک میلر مجھے یہاں لایا تھا...... یہ کہہ کر نوشاد کو میرے حوالے کر دے گا اس نے...... اس نے اختیار احمد صاحب سے رقم وصول کی ہے اور مجھے پستول کے زور پر یہاں تک لایا ہے، اس کا کہنا تھا کہ نوشاد کو میرے حوالے کر دے گا اور اب اسی سلسلے میں گفتگو ہو رہی تھی۔"

"دروازہ بند کر کے۔"

"اسی نے دروازہ بند کیا تھا۔"

"گفتگو کیا ہو رہی تھی۔"

"جی...... وہ...... بس۔"

"نہیں میڈم ناہید اختیار احمد آپ کو اس سازش کے جرم میں گرفتار کیا جاتا ہے۔"

"مم...... مجھے...... سازش...... مم...... مگر...... مم میں نے تو کوئی سازش نہیں کی ہے ناہید۔" کے چہرے پر مردنی چھا گئی تھی۔

"مسز اختیار احمد آپ براہ کرم خود کو پولیس کی تحویل میں سمجھیں...... تشریف لائیے کھیل ختم ہو چکا ہے اور مسٹر ذیشان آپ اور نوشاد آپ بھی۔" نوشاد کا رنگ ہلدی کی طرح زرد ہو رہا تھا، اس نے گہری سانس لے کر ادھر اُدھر دیکھا تو شہاب نے کہا۔

"نہیں...... تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے...... تمہارے بارے میں تمام تفصیلات ہمارے پاس موجود ہیں...... اصل میں یہاں ایک ٹیپ ریکارڈر چھپا دیا گیا ہے...... شاید آپ لوگوں کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ پولیس بالکل آپ کے برابر والے کمرے میں موجود تھی...... ہم نے راہداری میں اسی لئے اپنے مورچے نہیں لگائے کہ آپ لوگ ہوشیار نہ ہو جائیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہاں کارروائی ہو چکی ہے اور سب ٹھیک ٹھاک ہے اب آپ کو صرف اس قدر زحمت کرنا ہے کہ ہمارے ساتھ شرافت سے چلئے...... ہوٹل کا منیجر اور سٹاف کے دوسرے دو افراد اس گرفتاری کے سلسلے میں گواہ کے طور پر موجود ہیں...... انسپکٹر ہتھکڑی لگا دو انہیں۔" شہاب کے حکم پر تینوں کے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگا دی گئی تھی، ذیشان آہستہ سے بولا۔

"میڈم ناہید میری طرف سے آپ کو دلی مبارک باد میرے تین لاکھ تو مجھے نہ مل سکے، البتہ بدنامی کا ایک اور داغ میری پیشانی پر لگ گیا۔" ناہید چکرائی ہوئی تھی، نوشاد کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا، لیکن بہر حال پولیس انہیں ان کے کمرے سے نکال لائی اور تھوڑی دیر کے بعد انہیں لے کر چل پڑی...... تینوں خاموش بیٹھے ہوئے تھے...... شہاب بھی ان کے ساتھ ہی تھا اور موبائل ہی میں سفر کر رہا تھا...... اس وقت بھی اس کے جسم پر وردی تھی اور وہ ایک افسر اعلیٰ کے روپ میں بہت خوبصورت نظر آ رہا تھا...... تینوں کو گل خان کے ہی تھانے میں لے جایا گیا...... شہاب اس کیس کو گل خان ہی سے حل کرانا چاہتا تھا اور اس کا سہرا اسی کے سر رکھنا چاہتا تھا، حالانکہ آفیسر آن سپیشل ڈیوٹی ہونے کی حیثیت سے وہ پورے شہر کے کسی بھی تھانے، کسی بھی سلسلے میں اپنی خدمات سر انجام دے سکتا تھا اور آفس کی تمام تر ذمہ داری اسی کے سر ہوتی تھی لیکن پھر بھی وہ اس وقت گل خان کو یہ مقام دینا چاہتا تھا اور گل خان بے پناہ خوش نظر آ رہا تھا، بہر حال یہ سارا سلسلہ جاری رہا اور کچھ دیر کے بعد وہ پولیس اسٹیشن پہنچ گئے، ان تینوں کو ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا...... کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا تھا، تینوں سخت پریشان نظر آ رہے تھے...... ناہید نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"خدا غارت کرے ان پولیس آفیسروں کو ان لوگوں کو ہمارے بارے میں کہاں سے معلومات حاصل ہو گئیں۔"

"خدا ان لوگوں کو تو غارت کرے گا لیکن ان سے پہلے ہم غارت ہو چکے ہیں۔"

"تم اپنی بکواس بند کرو ذیشان مجھے سوچنے کا موقع دو۔"

ناہید نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"آپ صرف یہ سوچئے کہ اب آپ کا کیا بنے گا میں اپنے بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

"تعجب ہے مجھے سخت تعجب ہے۔" ناہید نے آہستہ سے کہا اور اس کے بعد خاموش ہو گئی۔

اختیار احمد صاحب اپنا فرض سرانجام دینے کے بعد وہاں ہکا بکا کھڑے رہ گئے تھے...... ان کی نگاہیں دُور تک ٹیکسی کا تعاقب کرتی رہی تھیں، ان کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا، لیکن بعد میں انہوں نے یہی سوچا کہ پولیس آفیسران یا پولیس کے ارکان اگر اتنے ہی مستعد ہوتے تو جرائم کی تعداد اس قدر نہیں بڑھ سکتی تھی، پولیس آفیسر نے انہیں ہر طرح کا اطمینان دلایا تھا، لیکن وہ وقت پر کوئی مناسب کارروائی سرانجام نہیں دے سکا اور آخر کار وہ بیس لاکھ روپے سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے اور اب یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ نوشاد کی واپسی بھی ممکن ہو گی کہ نہیں، لاتعداد وسوسے لاتعداد خیالات ان کے دل میں آرہے تھے...... وہ یہ سوچ رہے تھے کہ کہیں یوں نہ ہو کہ ناہید یہ رقم لے کر نکل جائے...... نوشاد میری بچی ان کے دل میں نوشاد کے لئے بڑے دُکھ بھرے تاثرات پیدا ہو رہے تھے...... بہت سے خیالات دل میں آرہے تھے...... جیسا کہ اب تک ان کے علم میں آیا تھا اور خود انہوں نے بھی اس بارے میں سوچا تھا کہ اس سلسلے میں ناہید کا ہاتھ بھی ہو سکتا ہے، لیکن یہ صرف ایک تصوراتی بات تھی، حقیقتیں تو اس پر اسی وقت منکشف ہوتی ہیں جب ثبوت سامنے آجاتے، اس بات کے امکانات بھی تھے کہ ساری کی ساری بات غلط فہمی پر مبنی ہو، ناہید کا اس سلسلے میں کوئی ہاتھ ہی نہ ہو اور واقعی کوئی بلیک میلر ہی یہ سارے کام سرانجام دے رہا ہو...... بہر حال ابھی تک کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی...... وہ ناہید کی واپسی کا انتظار کرتے رہے اور خاصا وقت گزر گیا...... پھر ان کا یہ ذہنی ہیجان عروج پر پہنچ گیا، وہ اپنی جگہ سے اُٹھے اور پولیس اسٹیشن جانے کے لئے تیار ہو گئے...... اگر پولیس افسران نے اس سلسلے میں اس قدر نااہلی کا ثبوت دیا ہے تو واقعی یہ تو انتہا ہے، حالانکہ گھر سے جانے کو دل نہیں چاہتا تھا لیکن بہر حال مجبور

تھی، یہ احساس ان کے دل میں تھا کہ کہیں یوں نہ ہو کہ ناہید ان کے پیچھے پہنچ جائے...... پھر انہوں نے ایک ملازم کو طلب کیا اور بولے۔

"میں آدھے گھنٹے کے بعد تمہیں ٹیلی فون کروں گا، مجھے بتانا ناہید واپس آئی ہے کہ نہیں اور اگر میرے پیچھے ناہید آجائے تو اسے کہنا کہ میں ایک ضروری کام سے نکلا ہوا ہوں ایک گھنٹے کے اندر اندر واپس آجاؤں گا۔"

"جی صاحب۔" ملازم نے جواب دیا اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تھی اور اختیار احمد صاحب بے اختیار فون کی جانب دوڑے اور اسے اٹھا کر کان سے لگا لیا...... دوسری جانب سے آواز اُبھری۔

"اختیار احمد صاحب۔"

"ہاں میں بول رہا ہوں۔"

"میں تھانہ انچارج گل خان بول رہا ہوں۔"

"بولئے جناب آپ نے تو واقعی بڑی اعلیٰ کارکردگی کا ثبوت دیا۔" اختیار احمد صاحب کے لہجے میں طنز پیدا ہو گیا۔

"بہت بہت شکریہ اختیار احمد صاحب لیکن بہر حال یہ تو ہماری ڈیوٹی تھی، اب آپ یوں کیجئے کہ سیدھے تھانے آجائیے۔"

"میں آجاؤں؟"

"جی ہاں۔"

"کیوں خیریت؟"

"کمال کرتے ہیں آپ...... آپ کے مجرم یہاں موجود ہیں۔"

"مم...... مجرم؟"

"جی ہاں...... آپ کو حیرت کیوں ہو رہی ہے۔"

"نہیں میرا مطلب ہے کون۔"

"آپ کی مسز...... آپ کی بیٹی نوشاد اور ایک اور شخص جس سے آپ کا ذرا تفصیلی تعارف کروایا جائے گا۔"

"وہ وہاں ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"مگر آپ لوگ تو مجھے کہیں نظر نہیں آئے تھے، میرا مطلب ہے وہاں جہاں میں نے وہ رقم بلیک میلر کو پیش کی تھی۔"

"آپ کا خیال تھا کیا ہم بینڈ باجے کے ساتھ وہاں موجود ہوتے؟"

"نہیں...... آفیسر معافی چاہتا ہوں...... میرا مطلب ہے۔"

"اگر یہ مطلب یہیں آکر بیان کریں آپ تو کیا زیادہ اچھا نہیں ہوگا۔" گل خان کی آواز ناخوشگوار تھی۔

"میں پہنچ رہا ہوں بلکہ آپ یوں سمجھ لیجئے کہ میں وہیں آرہا تھا۔"

"مجھے سمجھانے کی بجائے آپ فوراً چل پڑیں تو بہتر ہے۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور فون بند کر دیا گیا...... اختیار احمد صاحب نے بھی جلدی سے ریسیور رکھا اور پھر تیزی سے باہر نکل آئے...... تھوڑی دیر کے بعد ان کی کار پولیس اسٹیشن کی جانب اُڑی چلی جارہی تھی...... انہوں نے ایکسیلیٹر پر سے پولیس اسٹیشن پہنچنے کے بعد ہی پاؤں ہٹایا تھا، کار کھڑی کر کے وہ برق رفتاری سے دوڑتے ہوئے انچارج کے آفس کی جانب چل پڑے...... انسپکٹر گل خان شہاب اور دو ایس آئی وہاں موجود تھے اور آپس میں کچھ گفتگو کر رہے تھے...... اختیار احمد صاحب کو دیکھ کر شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا تھا...... بیٹھنے کے بعد انہوں نے کہا۔

"آپ نے بتایا تھا کہ ناہید۔"

"جی ہاں...... ابھی انہیں لاک اپ نہیں کیا گیا ہے...... آپ سے ذرا ضروری گفتگو کرنی تھی۔"

"جی جی فرمایئے۔"

"اختیار احمد صاحب آپ کچھ تحریری بیانات دے دیجئے، اس سلسلے میں آپ کو ایس آئی نور خان گائیڈ کریں گے، انہیں تمام تفصیلات سمجھا دی گئی ہیں...... آپ کی ایف آئی آر ابھی تک ہمارے ہاں درج نہیں ہوئی تھی، اسے درج ہونا چاہئے۔"

"جیسا آپ کہیں لیکن۔"

"جی لیکن کیا۔"

"میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، ابھی تو ہمارا کھیل ابتدائی منزل میں ہے، کچھ ضروری کارروائیاں ہوں گی پھر اس کے بعد ہی آپ کو ان سے ملاقات کی اجازت دی جاسکتی ہے۔"

"نوشاد سے بھی۔"

"جی ہاں۔"

"نوشاد خیریت سے تو ہے۔"

"بالکل خیریت سے ہیں...... آپ کو آپ کی صاحبزادی خیریت کے ساتھ واپس کی جائے گی۔"

"ٹھیک ہے انسپکٹر...... میرا فرض ہے کہ میں آپ سے تعاون کروں۔"

"آپ کی رقم محفوظ ہے لیکن تھوڑے دن کے لئے اسے اگر آپ پولیس کی تحویل میں رہنے دیں تو کیا بہتر نہیں ہوگا۔" اختیار احمد صاحب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"تھوڑے دن کے بعد مجھے واپس مل جائے تو بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" انسپکٹر گل خان کا تو منہ بگڑ گیا لیکن شہاب کا قہقہہ بلند ہوا اس نے کہا۔

"آپ اطمینان رکھئے اختیار احمد صاحب آپ کو یہ رقم اسی طرح واپس مل جائے گی۔" اختیار احمد صاحب مسکرا کر خاموش ہو گئے تھے۔

پھر ان لوگوں کو اے ایس آئی کے حوالے کرنے کے بعد شہاب ثاقب اور انسپکٹر گل خان اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور اس کمرے میں داخل ہو گئے جہاں وہ تینوں خاموش بیٹھے ایک دوسرے کی صورت تک رہے تھے...... انہوں نے خوفزدہ نگاہوں سے شہاب اور گل خان کو دیکھا...... شہاب اور گل خان ان کے سامنے بیٹھ گئے تھے۔

"جی خواتین و حضرات آپ لوگوں کو یقینی طور پر اپنی گرفتاری پر حیرت ہی ہوئی ہوگی اور اپنے منصوبے کے سامنے آجانے پر تعجب بھی ہوا ہوگا...... آپ کا کیا خیال ہے آپ کی یہ سازش کس طرح پکڑی گئی؟" شہاب نے کہا۔

"آفیسر یہ کوئی سازش نہیں ہے...... آپ کو شاید اس بات کا علم ہے کہ میں مسز اختیار احمد ہوں اور یہ ہماری بیٹی نوشاد اور یہ بلیک میلر ہے اور اس کا نام ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ذیشان

ہے...... اس نے نوشاد کو اغوا کر کے دو دن "صحارا" میں رکھا۔"

"بس بس یہ ساری کہانی میرے علم میں ہے...... میڈم ناہید مگر اس کے ساتھ سا
ہی اصل کہانی بھی ہمارے علم میں ہے اور اس کے لئے ہم ایک ایسی شخصیت کے شکر
ہیں جس نے بلاشبہ پولیس کی مدد کر کے قانون کا احترام کیا ہے۔"

"شخصیت؟"

"جی ہاں...... ابھی تھوڑی دیر کے بعد اختیار صاحب بھی یہاں آ رہے ہیں، انہیں
جان کر بہت خوشی ہوگی کہ ان کی مسز بہترین منصوبہ ساز ہیں اور اپنے شوہر سے تاوان
رقم حاصل کرنے کے لئے انہوں نے خود سے ایک پلاننگ کی تھی۔"

"نجانے آپ کیا کہہ رہے ہیں آفیسر۔"

"یہ بات میں نہیں کہہ رہا تھوڑی دیر کے بعد آپ اس شخصیت سے بھی مل لیں
جس نے حقیقتاً قانون کی مدد کی ہے۔"

"کیا وہ اختیار احمد ہیں؟" ناہید نے سوال کیا۔

"ارے نہیں...... وہ بیچارے تو ویسے ہی آپ کا شکار ہیں پتا نہیں آپ نے ان کے بد
میں زہر کی کتنی مقدار پہنچادی ہے۔"

"زہر؟" ناہید سہمے ہوئے لہجے میں بولی۔

"جی زہر۔"

"آپ نجانے کیا کہہ رہے ہیں آپ کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔"

"اختر خان آنے والے ہیں ساری تفصیلات خود سمجھا دیں گے۔"

"اختر خان۔" ناہید کا چہرہ ایک بار پھر پھیکا پڑ گیا۔

"جی ہاں...... انہوں نے ہی میڈم ناہید وقت سے پہلے پولیس کی مدد کر کے پولیس
احسان کیا ہے، ہم لوگ رنگے ہاتھوں انہی کی وجہ سے آپ کو گرفتار کرنے میں کامیا
ہوئے ہیں۔"

"اختر خان؟" ناہید کے لہجے میں شدید حیرت تھی۔

"جی ہاں...... اختر خان صاحب کو اچانک ہی خدا یاد آ گیا اور وہ اپنے جرم سے تائ
ہو گئے، اصل میں انہیں مسٹر ذیشان پر رحم آ گیا تھا جنہیں وہ ایک بار خود اپنی سازش کا نش

بتا چکے ہیں۔"

"تو کیا اختر خان نے آپ سے کچھ کہا ہے۔"

"سب کچھ انہوں نے ہی کہا ہے میڈم...... اگر وہ ہماری مدد نہ کرتے تو ہمارے فرشتوں
کو بھی پتا نہ چلتا۔"

"کیا کہا ہے اس نے۔"

"ساری تفصیل پولیس اسٹیشن آکر بتائی تھی انہوں نے اور یہ بھی بتایا تھا کہ حقیقت
میں مسز اختیار احمد ایک معمولی درجے کی خاتون ہیں، پہلے وہ مختلف قسم کے کام کر چکی ہیں اس
سے بھی پہلے وہ ایک سٹور میں سیلز گرل تھیں اور بہت معمولی حیثیت رکھتی تھیں...... پھر
وہاں سے نوکری چھوڑنے کے بعد انہوں نے اپنی پرواز بلند کی اور مختلف معاملات میں ہاتھ
ڈالتی رہیں...... یہاں تک کہ انہوں نے بیچارے اختیار احمد کو پھانس لیا مگر اختیار احمد ان کی
توقع پر پورا نہ اترا اور ان کے خیال میں وہ ایک کنجوس آدمی نکلا، چنانچہ انہوں نے بہت عرصے
کے بعد اختیار احمد سے بیس لاکھ روپے حاصل کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس منصوبے میں اختر
خان کو بھی شامل کر لیا، حالانکہ وہ شریف آدمی اس کام میں شامل نہیں ہونا چاہتا تھا، لیکن مسز
ناہید آپ نے اسے اپنے حسن کے جال میں پھانسنے کی کوشش کی اور آخر کار وہ آپ کے جال
میں پھنس گیا، آپ مسز ناہید اس سے۔"

"خاموش رہو بس خاموش رہو...... یہ بیان اس کمینے نے دیا ہے۔" ناہید نے بپھری
ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ انہیں کچھ بھی کہیں بہر حال اختر خان نے پولیس کی بھرپور مدد کی ہے۔"

"شرم کرو آفیسر شرم کرو تم ایک ایسے آدمی کو شریف کہہ رہے ہو جو کہ انتہائی بدکار
اور عادی مجرم ہے۔"

"یہ آپ کی جوابی کارروائی ہے میڈم ورنہ۔"

"میں بتاتی ہوں تمہیں اس کے بارے میں...... میں بتاتی ہوں تمہیں...... ٹھہر جاؤ
ابھی بتاتی ہوں۔" ناہید نے کہا اور پھر وہ اُبل پڑی اور کہنے لگی۔

"کیا تم جانتے ہو کہ یہ مسٹر ذیشان بیٹھے ہوئے ہیں، یہ تین سال جیل کاٹ چکے ہیں۔"

"یہ بات بھی اختر خان نے ہی بتائی تھی۔"

"اور کیا یہ بھی بتایا تھا کہ جس غبن کا الزام اس بیچارے کے سر لگایا گیا تھا وہ غبن اس نے نہیں اختر خان نے کیا تھا۔"

"آپ جھوٹ بول رہی ہیں۔"

"میں اس کے پورے پورے ثبوت رکھتی ہوں اختر خان نے میرے سامنے اعتراف کیا تھا اس کے بہت سے کاغذ میرے ہی پاس محفوظ ہیں...... آپ مجھے تھوڑی دیر کے لئے اجازت دیجئے میں اس کا سارا کچا چٹھا آپ کے سامنے کھول دوں گی۔"

"وہ کس طرح؟"

"میری الماری میں اس کے بارے میں بہت سے ایسے ثبوت رکھے ہوئے ہیں میں آپ کو بتاؤں اسی نے اختیار احمد کو زہر دے کر ہلاک کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اور زہر بھی اس نے مجھے لا کر دیا تھا، وہ نہ جانے...... نہ جانے۔"

"آپ شاید رقابت کا شکار ہو رہی ہیں، کیا آپ کو اس بات کا علم ہے کہ آنے والے وقت میں اختر خان، اختیار احمد کی دامادی میں آنے والا ہے۔"

"کیا؟"

"جی ہاں شاید اختیار احمد مس نوشاد کی اس سے شادی کرنے پر راضی ہو گئے ہیں، اس نے اختیار احمد ہی کو اس کا ذریعہ بنایا تھا اور اختیار احمد کی بجائے اس نے خود پولیس اسٹیشن آکر یہ تفصیلات بتائی تھیں۔"

"خدا اسے غارت کرے...... اوہ اب میں سمجھی اس نے یہ راز خود ہی کیوں کھول دیا، اس نے سوچا کہ مجھے راستے سے ہٹا کر اختیار احمد کی قربت حاصل کرے، مجھے مجرم ثابت کرکے اختیار احمد کی ہمدردیاں حاصل کرے اور نوشاد پر قبضہ جمالے، وہ اس دولت میں پہلے مجھے شریک کرنا چاہتا تھا اس نے مجھے سبز باغ دکھائے تھے، اس نے مجھے کہا تھا کہ وہ مجھ سے بے پناہ محبت کرتا ہے اور مجھے اپنی زندگی کا ساتھی بنانا چاہتا ہے...... آپ کو نہیں معلوم آفیسر کہ اس نے نوشاد کے قتل کا بھی انتظام کر رکھا ہے، لیکن شاید اب اس نے پینترا بدل دیا ہے، آفیسر وہ ایک وحشی صفت انسان ہے، میں اس کے دوسرے جرائم کے بارے میں بھی بتاؤں گی آپ کو شاید، اس بات کا علم نہیں ہے کہ وہ ایک قتل بھی کر چکا ہے۔"

"آپ اس پر الزام لگائے جا رہی ہیں۔"

"میں ان الزامات کا ثبوت رکھتی ہوں آفیسر میں غلط نہیں کہہ رہی آپ مجھے میرے گھر لے چلئے میں تمام ثبوت آپ کو فراہم کر دوں گی۔"

"یہ تو عجیب بات ہے بہر حال ہمیں ایسا کرنا پڑے گا...... آیئے انسپکٹر صاحب مسز ناہید کی باتوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ان سے تعاون کرنا ہی ہوگا۔"

پھر تھوڑی دیر کے بعد انسپکٹر گل خان اور شہاب چند افراد کے ساتھ ناہید ذیشان اور نوشاد کو لے کر چل پڑے...... اختیار احمد صاحب کے بارے میں ہدایت دے دی گئی تھی کہ وہ اپنی گاڑی میں گھر پہنچ جائیں، بڑے دلچسپ معاملات چل رہے تھے، اختیار احمد صاحب ان لوگوں کے بعد وہاں پہنچے تھے...... ناہید بپھرے ہوئے انداز میں اختر خان کے بارے میں تفصیلات بتا رہی تھی چونکہ اختر خان اس سے گہرے مراسم کا اظہار کر چکا تھا، اس لئے ناہید کے پاس اس کے بہت سے ایسے ثبوت موجود تھے جو واقعی ناقابل تردید تھے...... ناہید نے الماری سے ایک ایک ثبوت نکال کر شہاب اور انسپکٹر گل خان کے سپرد کرنا شروع کئے اور شہاب اور گل خان اختر خان کے بدترین کارناموں کو سن کر ششدر رہ گئے...... اختر خان کے لئے پھانسی کا پھندا تیار ہو چکا تھا اور ناہید کو بھی عام سزا نہیں ملتی، کیونکہ وہ بھی ایک بدترین جرم ثابت ہوئی تھی، بہر حال اس طرح سے شہاب کی کوششوں سے ناہید اور اختر دونوں ہی نے ایک دوسرے کے خلاف زہر اگلا تھا اور دونوں کی گردنیں پھنس گئی تھیں...... نوشاد کو اختیار احمد کے حوالے کرتے ہوئے انسپکٹر شہاب نے کہا۔

"اختیار احمد صاحب میں نے جو وعدہ آپ سے کیا تھا وہ پورا کر دیا، لیکن اس سلسلے میں آپ سے اپنی کاوشوں کا معاوضہ بھی چاہتا ہوں۔"

"آفیسر بیس لاکھ تو میں گنوا ہی بیٹھا تھا یہ آپ کی مہربانی ہے کہ یہ مجھے واپس ملیں یا نہ ملیں، مگر بہر حال آپ۔"

"نہیں اختیار احمد مجھے ان بیس لاکھ کی ضرورت نہیں، ان کے سلسلے میں...... میں نے آپ سے وعدہ کیا ہے کہ ابتدائی قانونی کارروائی پوری ہونے کے بعد وہ آپ کے حوالے کر دیئے جائیں گے، اصل میں جو بات میں آپ سے کرنا چاہتا ہوں وہ الگ ہے۔"

"فرمائیے۔"

"مسٹر اختیار احمد اگر حقیقت میں آپ کو کسی کا شکریہ ادا کرنا ہے تو وہ مسٹر ذیشان

ہیں۔" اور پھر شہاب نے اختیار احمد کو ذیشان کے بارے میں پوری تفصیل بتائی اور تمام تفصیل بتانے کے بعد کہا کہ اب میں پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ذیشان ایک نیک اور شریف آدمی ہے، اس پر الزام لگا کر جھوٹی سازشوں میں پھنسایا گیا تھا...... تین سال کی بے گناہی کی سزا کاٹنے کے بعد دُنیا میں ہر دروازہ اس کے لئے بند ہو چکا ہے...... میں چاہتا ہوں کہ اختیار احمد صاحب آپ اس کے لئے اپنے دل کے تمام دروازے کھول دیں...... آپ کی بیٹی اور بیس لاکھ کی رقم اس نے محفوظ کی ہے نہ صرف یہ بلکہ اس وقت آپ کی زندگی کا چراغ بھی گل ہونے سے بچایا ہے۔"

"تو پھر مجھے بتاؤ میں کیا کروں ذیشان کے لئے۔"

"آپ کا کاروبار بہت بڑا ہے اور ذیشان ایک تجربے کار اکاؤنٹنٹ ہے، میں سمجھتا ہوں آپ اس کو دفتر میں ملازمت دے کر اس کی کاوشوں کا صلہ دے سکتے ہیں۔"

"میں اسے اپنے کاروبار کا جنرل منیجر بنانے کے لئے تیار ہوں...... اس کی تمام ضروریات میں پوری کروں گا۔" اختیار احمد نے کہا اور شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

اس نے ذیشان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مسٹر ذیشان کیا آپ ان تینوں سالوں کا شکوہ اب بھی کریں گے جو آپ سے چھین لئے گئے تھے...... ذیشان کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے تھے شہاب نے کہا۔

"اور اب آپ جائیں اور مسٹر ذیشان ہمارا کام ختم ہو گیا ہے۔" تھانے میں گل خان نے شہاب سے کہا۔

"شہاب صاحب آپ نے میری زندگی کو جو سنبھالا دیا ہے میں اس کا تو شکر گزار تھا لیکن اس وقت بھی آپ نے جو کچھ کیا ہے وہ میرے لئے ایک احسان ہے؟"

"بالکل نہیں گل خان تم جانتے ہو میں آفیسر آن سپیشل ڈیوٹی ہوں، کسی بھی جگہ کوئی بھی جرم ہو مداخلت کر سکتا ہوں۔"

"لیکن اس مداخلت کے بعد اس جرم کی تفتیش کا سہرا تو آپ کے ہی سر رہتا ہے نا۔"

"یار سہرے کی حسرت میں نہ جانے کب سے تڑپ رہا ہوں، اب تم ایسا کرو کہ کچھ عرصے بعد سچ مچ میرے سہرے کی تیاریاں شروع کر دو۔" شہاب نے کہا اور گل خان قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

"دل و جان سے صاحب آپ ہمیں اس کا موقع بھی تو دیں۔"

"دوں گا جلد دوں گا۔" شہاب نے کہا...... پھر اس شام اس نے کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں بینا سے ملاقات کر کے ساری تفصیلات بتائیں اور بینا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بڑے بڑے خطرناک مجرموں کو قانون کے کٹہرے میں پہنچانے والا بھلا اس چھوٹے سے کیس میں کیا دلچسپی لے سکتا تھا۔"

"نہیں بینا ایسی بات نہ کہو اصل میں جرم کہیں بھی ہو کیسا بھی ہو ہمارا فرض ہے کہ ہم جرم کی تفتیش کریں اور اصلی مجرم کو کیفر کردار تک پہنچائیں اور اس سلسلے میں گل خان ذرا پریشان ہو گیا ہے۔"

"کیوں؟"

"کہہ رہا تھا اس کامیابی کا سہرا میرے سر ہے۔"

"تو پھر۔"

"مگر میرا سر تو سہرے سے خالی ہے...... یار بینا اب تو سہرا بندھوا ہی دو۔"

بینا غصیلی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی اور شہاب جلدی سے بولا۔

"م...... م...... میرا مطلب ہے...... م...... م...... میں خود باندھ لوں گا۔" بینا ہنس پڑی تھی کچھ لمحے خاموش رہ کر اس نے کہا۔

"شہاب آج میں بڑی سنجیدگی سے تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

"اللہ اکبر یعنی مس بینا ایسی ویسی بات ہے کیا؟"

"ہاں یہی سمجھ لیں۔"

"دل تھام لوں۔"

"میں نے کہا ناں بات سنجیدگی کی ہو رہی ہے۔"

"یار ایسی کیا بات ہے کہ ہمیں سنجیدہ ہونا پڑے اور وہ بھی تمہارے سامنے۔"

"کتنی بار شہاب ایسا مرحلہ آیا ہے کہ تم نے مجھ سے اپنی مسرتوں کا اظہار کیا ہے، میں نے حالانکہ تمہیں سمجھایا بھی تھا لیکن غالباً تم نے توجہ نہیں دی۔"

"آج تو خاصی ڈانٹ ڈپٹ کے موڈ میں نظر آ رہی ہو۔"

"نہیں بھلا میری کیا مجال ہے کہ میں تمہیں ڈانٹوں لیکن آج ہم ایک فیصلہ ایک

سمجھوتہ کئے لیتے ہیں۔“

”بسم اللہ۔“

”دیکھو شہاب اصل میں تم سے اتنی بے تکلف ہوگئی ہوں میں کہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ تم نے مجھے اس قدر بے تکلف کر لیا ہے کہ اب کوئی بھی بات تم سے کہتے ہوئے اُلجھن محسوس نہیں ہوتی۔“

”تو اُلجھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔“ شہاب نے کہا۔

”میری اور تمہاری حیثیت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔“

”تم مجھے زمین کہہ رہی ہو۔“ شہاب نے کہا۔

”نہیں آسمان۔“ بینا بولی۔

”اب اتنا دور بھی نہیں ہوں تم سے کہو تو بالکل قریب آجاؤں۔“ شہاب نے ایک قدم آگے آتے ہوئے کہا۔

”میں ہنسوں گی تمہاری باتوں پر خوب ہنسوں گی لیکن کیا تھوڑی دیر کے لئے تم سنجیدہ نہیں ہو سکتے۔“

”بابا تو پھر کہو نا کیا کہنا چاہتی ہو؟“

”شہاب تم سے کھل کر اس بات کا اقرار کر چکی ہوں کہ زندگی میں اگر شادی کرنے کو دل چاہا تو تم سے کہوں گی کہ شہاب مجھ سے شادی کر لو۔“

”اور میں سیدھا قاضی صاحب کے پاس دوڑا جاؤں گا، اب ایک بار کہہ کر تو دیکھو۔“

”نہیں کہنا چاہتی یہی تو کہنا چاہتی ہوں۔“

”واہ شعر مکمل ہوگیا کہ نہیں کہنا چاہتی یہی تو کہنا چاہتی ہوں۔“

”غیر سنجیدہ رہو مجھ پر کوئی اثر نہیں پڑتا میں اپنے ذہن میں آنے والی بات کہے بغیر نہیں رہ سکوں گی۔“

”اچھا خیر کہو کیا مسئلہ ہے۔“

”شہاب اس وقت تک جب تک ہم زندگی کی لطافتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں تو کیا ضروری ہے کہ ذہنی تعلق کے ساتھ ساتھ جسمانی تعلق بھی قائم کر لیا جائے۔“

”توبہ توبہ کیسی بے شرمی کی باتیں کر رہی ہو مجھ سے۔“

”تم جو چاہو کہہ لو مجھ سے میں نے فیصلہ کیا تھا کہ تم سے اسی زبان اسی لہجے میں بات کروں گی۔“

”اچھا خیر چلو آگے چلو۔“

”شہاب میں جانتی ہوں کہ تم بھی مجھے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتے ہو لیکن ہم لوگ جو زندگی گزار رہے ہیں شاید اس کی دلکشی ختم ہو جائے گی، جو سلگتا سا احساس ہمارے ذہنوں میں موجود ہے شادی کے بعد وہ ختم ہو جائے گا، ہم ذہنی طور پر آسودہ ہو جائیں گے اور شہاب یہ آسودگی ہمارے راستے روک دے گی۔“

”بڑی عالمانہ گفتگو کر رہی ہو۔“

”جو بھی کہو جو دل میں آ رہا ہے وہ کہہ رہی ہوں۔“

”اچھا پھر بتاؤ ہمیں کرنا کیا چاہئے۔“

”اصل میں شہاب ڈیڈی مجھ سے تمہارے بارے میں پوچھ رہے تھے۔“

”ارے باپ رے...... کیا ایسا کوئی خوفناک مرحلہ آ گیا تھا؟“

”ہاں باپ کی حیثیت سے سوچ رہے تھے...... امی بھی ان سے اسی موضوع پر بات کر رہی تھیں...... ڈیڈی نے مجھے طلب کیا، پہلے ایک چھوٹی سی تقریر کی اور اس کے بعد مجھ سے پوچھنے لگے کہ شہاب کے بارے میں میری کیا رائے ہے۔“

”تو پھر۔“ شہاب خوفزدہ لہجے میں بولا۔

”بھئی صورتِ حال ایسی ہی تھی مجھے ان سے صاف لہجے میں بات کرنی پڑی، میں نے ان سے کہا شادی تو مجھے بے شک کرنی ہے، اس کے بارے میں شاید آپ بھی ایک بات جانتے ہیں کہ شہاب صاحب سے میری قربت ذہنی بھی اور دلی بھی جب دونوں معاملات یکجا ہوگئے ہیں تو میرے تصور میں تو شہاب ہی آ سکتے ہیں، لیکن ابھی نہ میں شادی کرنا چاہتی ہوں اور نہ شہاب۔“

”تو پھر۔“

”بس ڈیڈی تو مطمئن ہوگئے۔“

”اور امی۔“

”وہ بھی ڈیڈی نے بڑی خوش دلی سے یہ بات کہہ دی کہ اس سلسلے میں ہم دونوں قدم

آگے نہیں بڑھانا چاہتے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"واسطی صاحب زندہ باد۔" شہاب نے کہا۔

"اور اب میں تمہاری رائے پوچھنا چاہتی ہوں۔"

"اب تم نے سنجیدہ کر ہی دیا ہے بینا تو میں تمہارے ایک ایک لفظ سے اتفاق کرتا ہوں...... دل میں تڑپ پتا نہیں کیسے کیسے احساسات کو جنم دیتی ہے، ہم ایک دوسرے کے لئے تڑپتے رہتے ہیں بینا...... یہ تڑپ ختم ہو جائے گی شادی کرنے کے بعد، میں بھی یہی چاہتا ہوں بینا کہ جب تک ہم اس دُنیا سے جنگ کر رہے ہیں، ایک مشن پر کام کر رہے ہیں کرتے رہیں اور جب تھکن ہو تو یقین کرو میں ساری نوکری ووکری چھوڑ دوں گا...... ہم ایک پُرسکون گوشے میں پناہ لیں گے اور پھر...... میاں بیوی کی حیثیت سے زندگی گزاریں گے، اگر اجازت دو تو آگے بھی کچھ کہوں...... میرا مطلب ہے بچوں وغیرہ کے بارے میں دیکھو اولاد کے سلسلے میں تو سوچنا ہی پڑتا ہے؟"

"خدا کی قسم شہاب میں تم پر فخر کرتی ہوں...... میں سوچتی ہوں کہ تم مجھ سے یہ ساری باتیں کہتے ہوئے سنجیدہ تو نہیں ہوتے، شہاب اصل میں...... میں تمہاری ہر خواہش کی تکمیل کرنا چاہتی ہوں...... تمہاری ہر آرزو کی تکمیل میرا مسلک ہے، اگر تم کہو گے کہ بینا بس گوشہ نشین ہو جاؤ تو میں کبھی انکار نہیں کروں گی، لیکن اگر میری خواہش پوچھو تو میں یہ چاہتی ہوں شہاب سچے دل اور دماغ کی گہرائیوں کے ساتھ کہہ رہی ہوں کہ ہم ابھی اسی طرح وقت گزار دیں۔"

"تو پھر اصل مسئلہ کیا ہے؟"

"مسئلہ تم نے اس طرح گڑبڑ کیا ہے کہ میں کیا بتاؤں۔"

"یعنی اس میں بھی کوئی دم چھلہ ہے۔"

"جی ہاں ہے۔"

"فرمایئے نہیں میرا مطلب ہے کیا دم چھلہ ہے۔"

"ثریا بھابی سے اکثر ملاقات ہو جایا کرتی ہے۔"

"مجھے نہیں بتایا تم نے اس کے بارے میں۔"

"ملاقات کا کوئی ایسا مسئلہ بھی نہیں تھا ابھی دو دن پہلے ملی تھیں مجھے ایک ریستوران

میں لے گئیں، چائے پینے کے دوران باتیں کرتی رہیں، تم نے جو کچھ ان سے کہا تھا اس پر تمہیں ملامت کرتی رہیں اور کچھ ایسا انداز اختیار کیا انہوں نے کہ میں تو خوفزدہ ہو گئی۔"

"کیسا انداز؟" شہاب رو دینے والے لہجے میں بولا۔

"میں نہیں جانتی اگر چھٹی حس کی بات قبول کرتے ہو تم تو میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ جیسے بھابی مجھے خاص نگاہوں سے دیکھ رہی ہوں۔"

"ان کی یہ مجال تمہیں خاص نگاہوں سے میرے علاوہ کوئی نہیں دیکھ سکتا بینا۔" شہاب نے کہا۔

"اب سنبھالنا ذرا اس محاذ کو۔" بینا نے کہا۔

"سوچ لیں گے اس بارے میں بھی۔" شہاب بولا۔

بینا سے ہونے والی اس گفتگو نے شہاب کے ذہن پر بڑے خوشگوار اثرات چھوڑے تھے...... حقیقت بھی یہی تھی کہ ابھی زندگی کے اس دور میں سفر ہو رہا تھا جہاں کرنے کے لئے اور بھی بہت کچھ تھا...... شہاب اور بینا دونوں کا یہی خیال تھا کہ شادی کے بعد زندگی معطل ہو جاتی ہے اور ویسے بھی جب زندگی کا دوسرا رُخ اختیار کیا جائے تو کم از کم اس میں اتنی وسعت تو ہو کہ اس سے پوری پوری دلچسپیاں حاصل کی جائیں...... بہر حال باہر کے جو بھی معاملات تھے وہ اپنی جگہ تھے...... گھر ایک گھر ہوتا ہے اور اس گھر میں سب کچھ تھا...... بینا کا خدشہ بالکل درست نکلا نعیمہ بیگم نے محاذ جنگ کی کمان سنبھالی تھی اور اگر نعیمہ بیگم کسی محاذ کی کمان سنبھالیں تو مجال ہے کہ ڈسپلن کی کہیں بھی خلاف ورزی ہو جائے...... شہاب گھر میں داخل ہوا تو اس نے تمام تر نگاہوں کو اپنی جانب نگران پایا اور ان میں بڑی سختی تھی...... شہاب نے بچ کر نکلنے کی کوشش کی تو نعیمہ بیگم کی آواز سنائی دی۔ "آج ذرا سامنے آ ہی جا بہت بچ بچ کر نکلتا ہے مجھ سے میں نے اگر تجھ سے بچنا شروع کر دیا تو صورت کو ترس جائے گا میری۔"

"ارے ماں بی بھلا جہنم میں جانا کون پسند کرے گا...... آپ کے قدموں کے نیچے کی جنت بخدا مجھے ساری دُنیا سے زیادہ عزیز ہے۔"

"کسی تھیٹر میں اداکاری شروع کر دی ہے کیا؟ اس قدر چرب زبانی اچھی نہیں ہوتی۔"

"کمال کرتی ہیں اماں بی۔" شہاب نے کہا اور اماں بی کے قدموں میں بیٹھ گیا...... نعیمہ بیگم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"مسخرا ہے پورا نہ جانے کیسی کیسی دعائیں دی ہیں تجھے...... گھر کے سارے لوگ کانا سمجھتے تھے لیکن کبھی میری آنکھوں میں تم نے کوئی فرق دیکھا۔"

"نہیں اماں بی آپ کی تو دونوں آنکھیں برابر ہیں عموماً میں نے لوگوں کی آنکھیں چھوٹی بڑی دیکھی ہیں...... کچھ لوگ بیک وقت دونوں طرف بھی دیکھ لیا کرتے ہیں اور عرف عام میں انہیں کہیں پہ نگاہیں کہیں پہ نشان کہا جاتا ہے، معاف کیجئے گا اماں بی آپ سے کس نے کہہ دیا یہ۔"

"جوتی اتاروں گی اور گن کر سر پر دس ماروں گی لیکن شہاب سنجیدہ ہو جا۔"

"کمال ہے اماں بی میں غیر سنجیدہ نظر آتا ہوں کیوں فائق بھائی آپ بتائیے۔"

"میں کچھ نہیں بولوں گا...... اب سارے معاملات اماں بی نے سنبھال لئے ہیں۔"

"جناب واثق صاحب آپ ہی بتا دیجئے۔"

"سوری سر معاملہ ہم سب کے ہاتھوں سے نکل چکا ہے۔" واثق نے جواب دیا۔

"چلئے میں نے ہتھیار ڈال دیئے ویسے ثریا بھابی آپ سے بھی خدا سمجھے۔"

"ارے ارے واہ یہ مجھ پر کیوں نزلہ گر رہا ہے، ایک لفظ بھی نکلا ہے میری زبان سے۔" ثریا بھابی نے ناک چڑھا کر کہا۔

"معاملہ کیا ہے بھائیو تمہیں خدا کا واسطہ بتا دو۔"

"وہ لڑکی مظلوم تھی، بیوہ تھی، بچوں کی ماں تھی اور تو اس کی مدد کرتا تھا۔"

"کک، کون لڑکی۔" شہاب نے منہ پھاڑ کر کہا۔

"وہی جس کا نام بینا ہے۔"

"آپ سے کس نے کہا وہ تو سرکاری ملازم ہے، اماں بی جب سے مجھے سرکاری ملازمت ملی ہے وہ بھی سرکاری ملازمت میں ہے...... سپیشل ڈیپارٹمنٹ کی ایک اعلیٰ رکن۔"

"شہاب اب تو جو کچھ بھی کہہ میں اس سے تیری شادی کرنا چاہتی ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں اس سے تیری شادی کرنا چاہتی ہوں۔"

"مگر اماں بی۔"

"ہاں ہاں کہہ دے کہ وہ شادی شدہ ہے؟"

"وہ تو نہیں ہے مگر آپ نے اس سے پوچھ لیا۔"

"کیا مطلب۔"

"مطلب یہ کہ وہ میری آفیس فیلو ضرور ہے، لیکن یہ آپ نے کیسے سمجھ لیا کہ وہ مجھ سے شادی کرے گی۔" اماں بی کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آئے اور انہوں نے ثریا کی طرف دیکھا تو ثریا بھابی نے کہا۔

"حرفوں کے بنے ہوئے ہیں یہ سمجھ رہی ہیں نا اماں بی حرفوں کے بنے ہوئے اب مجھے کیا اندھا سمجھتی ہیں آپ۔"

"خدا نہ کرے ثریا بھابی اکثر آپ کی بینائی پر مجھے شک ہونے لگا ہے...... میرے خیال میں کسی اچھے ڈاکٹر سے رجوع کیا جائے۔"

"نہیں چلے گی جناب شہاب صاحب فیصلہ کیا جا چکا ہے کہ آپ کی شادی کر دی جائے۔"

"مگر بابا میری پسند کی لڑکی تو مل جانے دیں آپ۔"

"تمہاری پسند کی لڑکی بینا سے اچھی لڑکی کوئی نہیں ہو سکتی۔"

"اب میں اگر کچھ کہوں گا تو آپ لوگ اسے جھوٹ سمجھیں گے یا پھر۔"

"ہاں ہاں یا پھر کیا۔"

"اصل میں بینا میری بہت اچھی دوست ہے، آپ کو پتا نہیں ہے بچپن ہی میں اس کی منگنی ہو گئی تھی، لڑکا امریکہ میں ہے...... ڈاکٹر کی تعلیم حاصل کرنے امریکہ گیا ہے اور وہاں کسی خاص شعبے میں سپیشلائزیشن کر رہا ہے...... واپس آئے گا تو ان دونوں کی شادی ہو جائے گی۔"

"ہیں۔" ثریا بھابی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"کیا کہہ رہے ہو۔"

"اب آپ یوں کریں کہ خود بینا سے بات کر لیں بلاوجہ مجھے ذلیل کروانے سے کیا فائدہ۔"

"یعنی تمہارا مطلب ہے بینا اور تم۔"

"جی بینا اور میں آگے فرمائیے۔" شہاب نے کہا۔

"تم دونوں ایک دوسرے سے محبت نہیں کرتے۔"

"بینا سے مجھے بہت محبت ہے، اسے اگر کوئی تکلیف ہوتی ہے تو میں سینہ سپر ہو جاتا ہوں،

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم دونوں شادی کرنا چاہتے ہیں...... آپ لوگوں کی تنگ نظری انتہا کو پہنچ چکی ہے، کیا کوئی لڑکی کسی مرد کی بہت اچھی دوست نہیں ہو سکتی...... آپ یہ کیوں سمجھتے ہیں کہ وہ دونوں شادی کرنا چاہتے ہیں...... بھابی لڑکیوں سے دوستی بھی کی جاتی ہے۔"

"خدا کی پناہ تو کیا بینا سے پوچھ سکتی ہیں۔"

"نہیں اب جب تم بتا رہے ہو مگر میں تو یہی سمجھ رہی تھی، اس کا انداز بھی کچھ ایسا ہے تمہارا نام سن کر اس کے چہرے پر سرخی سی پھیل جاتی ہے۔"

"وہ سرخی میرا نام سن کر نہیں بلکہ ٹماٹروں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔"

"اچھا بس بکواس بند کرو، سارا موڈ چوپٹ کر دیا...... تعجب کی بات ہے، پر ایک بات یاد رکھنا بینا سے پوچھوں گی ضرور چاہے کچھ بھی ہو جائے۔"

"آپ میرا حوالہ دے سکتی ہیں اور میں ڈرتا ہوں کسی سے خود اس نے مجھے اپنے منگیتر کے بارے میں بتایا تھا؟"

"پہلے کہہ رہے تھے کہ وہ شادی شدہ ہے، بیوہ ہے، دو بچوں کی ماں ہے، اس وقت بھی تم جھوٹ بول رہے تھے۔"

"چلئے ٹھیک ہے...... یہ بھی جھوٹ ہے، پھر کر لیجئے آپ جو کچھ بھی آپ سے کیا جا سکتا ہے۔" سب کے چہروں پر اوس پڑ گئی تھی...... نعیمہ بیگم نے ثریا بھابی کو گھورتے ہوئے کہا۔

"ارے ثریا ذرا معلوم تو کر لیا کرو پہلے بلاوجہ ہم لوگوں کے ذہنوں کو خراب کر دیا تم نے مگر شہاب یہ تو سوچ لے اب میں تجھے کھونٹے سے باندھ کر رہوں گی۔"

"توبہ توبہ اماں بی بیوی اگر کھونٹا ہوتی ہے تو مجھے فائق بھائی پر افسوس ہے۔"

"اپنی اپنی بات کرو اپنی اپنی۔" فائق حسین نے منہ ٹیڑھا کر کے کہا۔

"تو اب مجھے اجازت۔" شہاب بولا اور وہاں سے اُٹھ کر چل پڑا، اس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی، ایک نئے کھیل کا آغاز ہو چکا تھا...... ویسے بینا سنے گی تو شہاب کی جان کو آ جائے گی...... شہاب نے بلاوجہ شاکر کا کھیل کھیل دیا تھا، بہر حال اس قسم کے معاملات تو چلتے ہی رہتے تھے اور اسے کبھی کبھی ان معاملات میں بہت دلچسپی محسوس ہوتی تھی۔

❁ ❁ ❁

ویسے گل خان کے اس کیس کو نمٹانے کے بعد کوئی اور کیس اس کے ہاتھ نہیں آیا تھا...... آئی جی نادر حیات صاحب سے بھی ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں اور وہ اس سے اس کی خیریت پوچھتے رہتے تھے...... انہوں نے ایک بار اسی کے انداز میں گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا۔

"اپنے لئے اپنے شایان شان واقعات ڈھونڈنے کی کوشش نہ کیا کرو...... شہاب جرم چاہے کتنا ہی معمولی ہو جرم ہوتا ہے اور جرم کو پکڑنا اور مجرم کو گرفتار کر کے کیفر کردار تک پہنچانا انتظامیہ کے ہر افسر کا فرض ہوتا ہے...... میں نے تمہیں پہلے بھی اجازت دی تھی کہ اپنے طور پر تمام تھانوں کا جائزہ لے کر جو کچھ بھی کر سکتے ہو کرتے رہو، ہم اپنا مشن ہر قیمت پر پورا کرنا چاہتے ہیں۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"جناب عالی تھانوں میں انسپکٹر ہوتے ہیں ان کی تحویل میں ان کے اپنے تھانے ہوتے ہیں، میں اگر کسی انسپکٹر کے ساتھ مل کر اس کے کام میں اس کی مدد کروں تو آپ کے خیال میں مجھے اس کی رپورٹ آپ کو پیش کرنی چاہئے۔"

"اگر تم مجھے قابل اعتماد سمجھتے ہو تو مجھے رپورٹ ضرور پیش کیا کرو، کیونکہ میں اسے تمہارے ریکارڈ میں شامل رکھنا چاہتا ہوں۔"

"میرے ریکارڈ میں۔" شہاب نے خوشگوار حیرت سے کہا۔

"شہاب شاید لوگوں کے خیال کے مطابق یہ درست ہی ہوتا ہو کہ جس کی تعریف کرنا ہو تو اس کے منہ پر نہ کی جائے، لیکن میں نہیں سمجھتا کہ یہ تصور کیوں قائم کر لیا گیا ہے کہ تمہاری پسند کا کوئی بھی شخص اگر تمہارے پسندیدہ عمل کرتا ہے تو تم پر لازم ہے کہ اس کی تعریف کرو میں لوگوں کے اس خیال سے اتفاق نہیں کرتا اور اس وقت اگر تمہاری تعریف

کرتے ہوئے اگر میں یہ کہنا چاہوں کہ جو کچھ تم کرتے ہو وہ مجھے اس قدر اپنا اپنا لگتا ہے سمجھتا ہوں کہ میری جوانی واپس لوٹ آئی ہے اور تمہاری شکل میں سرگرم عمل ہے، ایسی صورت میں اگر میری کسی خواہش کی تکمیل ہو جائے تو کوئی حرج ہے۔" شہاب نے ممنونیت سے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اتنا بڑا اعزاز دے رہے ہیں آپ مجھے کہ شاید میں اسے برداشت نہ کر سکوں۔"

"یہ اعزاز نہیں ہے میرے جذبات ہیں جن کا اظہار میں نے تمہارے سامنے کر دیا ہے۔"

"میں ان جذبات اور اس اظہار کی روشنی میں اپنے لئے راستے منتخب کروں گا، یقینی طور پر جو بہت فائدہ مند ہوں گے...... میرے لئے بہرحال آپ کے حکم کی تعمیل میں، میں ایک رپورٹ آپ کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔" پھر شہاب نے اس کیس کی رپورٹ نادر حیات صاحب کو پیش کر دی تھی اور وہ اسے پڑھ کر بہت خوش ہوئے تھے۔

"یعنی تم ایسے چھوٹے چھوٹے چٹکلے بھی کرتے رہتے ہو؟"

"سر بے حد ضروری ہے۔"

"یقیناً میں تم سے اتفاق کرتا ہوں۔" نادر حیات صاحب نے کہا بہرحال شہاب کو نادر حیات صاحب کے الفاظ پر خوشی ہوئی تھی، درحقیقت کسی کو کسی کی محنتوں کا ثمر اگر اس انداز میں ملتا ہے تو وہ اس کی کاوشوں کا انعام ہوتا ہے اور آئی جی نادر حیات صاحب شہاب کے سلسلے میں ہمیشہ فراخ دلی سے کام لیتے تھے، بہرحال شہاب خود بھی بے کار بیٹھنے کا عادی نہ تھا...... اکثر تھانوں کا گشت کرتا رہتا تھا...... اب اس کے لاتعداد شناسا پیدا ہو گئے تھے اور اس کی فطرت کے بارے میں معلومات حاصل ہو گئی تھیں کہ شہاب کس طبیعت کا انسان ہے وہ اس سے خوفزدہ بھی رہتے تھے، بہت سے تھانوں میں اس کی وجہ سے احساسات کا آغاز بھی ہو گیا تھا کیونکہ سپیشل ڈیوٹی آفیسر ہونے کی وجہ سے شہاب ہر تھانے کے معاملات میں مداخلت کر سکتا تھا، اس نے اپنے بہت سے شناساؤں میں اپنے خیالات کا اظہار کر دیا تھا اور کہا تھا۔

"دیکھو دوستو! فرض کسی بھی نوعیت کا ہو صرف فرض ہوتا ہے...... حکمرانی حکمرانوں کی ذمہ داری ہوتی ہے، تھانوں میں بیٹھ کر اپنے آپ کو ملک کا سربراہ سمجھ لینا یا عدالت عالیہ کا سربراہ سمجھ لینا میں سمجھتا ہوں حماقت کے سوا کچھ نہیں ہے اور اگر ایسا سمجھ کر جو اقدامات کئے جاتے ہیں میرے اپنے حساب سے وہ غلط ہیں، کیونکہ قانونی طور پر وہ اقدامات غلط ہیں اس

لئے میں اس کا مجاز ہوں کہ ایسے اقدامات پر سزا دوں چنانچہ آپ لوگ میری مدد کیجئے اور خیال رکھئے کہ اپنے طور پر ایسے فیصلے نہ کرنے پائیں جن سے ہماری خدمت کی مثال کو نقصان پہنچے۔" اس رات بھی مختلف معاملات سے گزرنے کے بعد شہاب خاصی دیر تک بینا کے ساتھ رہا تھا...... عدنان واسطی کا گھرانہ اس کے لئے اپنے گھر جیسا ہی تھا...... بینا جیسی صاف ستھری طبیعت کی لڑکی نے جیسے کھل کر جن الفاظ میں اپنی کیفیت کا اظہار کیا تھا وہ شہاب اس سے انتہائی مطمئن ہو گیا تھا، واقعی زندگی کا کھیل جب سکون کا رخ اختیار کر لیتا ہے تو اس میں وہ تپش وہ تندہی نہیں رہتی، جو انسان کو رواں دواں رکھتی ہے...... محبت کا بھی ایک انداز ہے، پالینے کے بعد جستجو ختم ہو جاتی ہے اور جو چیز ختم ہو جائے وہ بہرحال نقصان میں شمار کی جاسکتی ہے...... بینا کا معاملہ بھی بہت عمدگی سے چل رہا تھا، کچھ عرصے کے بعد جب ذہنی تپش شدید ہوگی تو بینا کا حصول کوئی مشکل امر نہیں ہوگا...... واسطی صاحب بھی اس بات سے اتفاق کرتے تھے ورنہ کبھی نہ کبھی اس کا اظہار شہاب کے سامنے ضرور ہوتا۔

❁

رات زیادہ گہری تو نہیں ہوئی تھی لیکن موسم اور ماحول کچھ ایسا تھا کہ سڑکیں سنسان ہوگئی تھیں اور اس وقت شہاب ایک سنسان سڑک سے گزر رہا تھا کہ عقب نما آئینے میں اس نے ایک کار کی تیز روشنیاں دیکھیں، ایک لمحے میں اس نے اندازہ لگا لیا کہ کار کی رفتار طوفانی ہے اور وہ انتہائی برق رفتاری سے اِدھر آ رہی تھی...... شہاب نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا تھا اور اس کے بعد اس نے اپنی کار ایک سائیڈ پر کر لی لیکن رفتار تیز رکھی تھی تاکہ اس کار کا تعاقب کیا جاسکے، پیچھے سے آنے والی کار کسی بے لگام گھوڑے کی مانند اس کے قریب سے زناٹے سے گزر گئی...... شہاب نے فوراً ہی اپنی کار کا ایکسیلیٹر پوری قوت سے دبا دیا تھا...... شہاب کی کار نے ایک جھٹکا لیا اور پھر اسی رفتار سے اس کے پیچھے دوڑنے لگی، شہاب نے ڈپر دے کر لائٹیں تیز کیں اور ایک لمحے میں اس کار کا نمبر اپنے ذہن میں نوٹ کر لیا، کیونکہ دوسرے لمحے اس کار کا شہاب کی کار سے فاصلہ زیادہ ہو گیا تھا...... نجانے کون جنونی تھا جس نے اپنی بھی زندگی خطرے میں ڈالی تھی اور آگے نجانے کس کی زندگی خطرے میں ڈالنے والا تھا...... بہرحال شہاب بھی انتہائی احتیاط کے ساتھ اپنی کار ڈرائیو کرنے لگا...... رابسن روڈ کے چوراہے پر تیز چرچراہٹ کے ساتھ کار مڑی...... ڈرائیور بہرحال خاصا ماہر معلوم ہوتا تھا کہ

لیکن رابسن روڈ کے کارنر پر شاید کوئی ٹریفک سارجنٹ ڈیوٹی پر موجود تھا...... دوسرے لمحے شہاب نے سائرن آن ہونے کی آواز سنی، پہلے فوراً ہی اس نے پولیس موٹر سائیکل کو اس کار کے پیچھے جاتے ہوئے دیکھا...... سارجنٹ کی موٹر بائیک خاصی اسپیڈ والی تھی، خصوصاً ایسی تیز رفتار گاڑیوں کا تعاقب کرنے کے لئے یہ گاڑیاں ٹریفک سارجنٹ کو دی گئی تھیں، چنانچہ اب شہاب اور اس کار کے درمیان ٹریفک سارجنٹ کی موٹر بائیک تھی...... شہاب نے اپنی کار کی رفتار کو کنٹرول کر لیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ٹریفک سارجنٹ اس کار کو کنٹرول کر لے گا لیکن اس تیز رفتاری سے کار دوڑانے والا کوئی خطرناک شخص بھی ہو سکتا تھا اور ٹریفک سارجنٹ کو اس سے خطرہ بھی پیش آسکتا تھا، مثلاً یہ بھی ممکن تھا کہ کار کوئی جرم کر کے فرار ہو رہی ہو اور ٹریفک سارجنٹ کا پیچھا کرنا ان لوگوں کے لئے ناخوشگوار ہو چنانچہ اس پر فائرنگ کر دی جائے...... ان تمام باتوں کو نگاہوں میں رکھتے ہوئے شہاب نے اپنی کار کی رفتار مناسب اور سڑک کے عین درمیان اسے ڈرائیو کرنے لگا، اس کی تیز نگاہیں دُور دُور تک دیکھ رہی تھیں لیکن بہر حال اپنی کار کی رفتار کنٹرول کرنے کے بعد اس کا ان دونوں گاڑیوں سے کافی فاصلہ ہو گیا، چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد وہ اس کی نگاہوں سے اُوجھل ہو گئیں، لیکن پھر بھی شہاب انہیں نظرانداز نہیں کرنا چاہتا تھا، پھر خاصی دُور اسے روشنی نظر آئی لیکن یہ روشنی! شہاب کا پاؤں ایک دم بریک پر جا پڑا، اسے یہ محسوس ہوا کہ جیسے کچھ ہو گیا ہے...... وہ تیزی سے گاڑی دوڑاتا ہوا آگے بڑھا اور اس کا اندازہ بالکل درست نکلا...... موٹر بائیک کی روشنی جتنی بلندی پر ہونی چاہئے تھی اتنی بلندی پر نہیں تھی، بلکہ وہ زمین سے لگی لگی محسوس ہو رہی تھی، اس کا مطلب ہے کہ ٹریفک سارجنٹ کو کوئی حادثہ پیش آچکا ہے...... شہاب نے اپنی کار وہاں لے جا کر روک دی، دوسرے لمحے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے...... کار نے یقینی طور پر ٹریفک سارجنٹ کو روند ڈالا تھا...... شہاب صورت حال کا اندازہ لگانے لگا...... ٹریفک سارجنٹ نے کار کو آگے سے جا کر روکنے کی کوشش کی ہوگی، پہلے اس نے ظاہر بات ہے کہ سائیڈ سے روکنا چاہا ہوگا لیکن کار نہیں رُکی ہوگی تو ٹریفک سارجنٹ نے اسپیڈ بڑھا کر اس کو آگے سے روکنا چاہا ہوگا لیکن تیز رفتار کار اسے روندتی ہوئی گزر گئی تھی...... پوری سڑک پر شیشے بکھرے ہوئے تھے، کئی رنگین شیشے ٹوٹے ہوئے تھے اور ٹریفک سارجنٹ موٹر بائیک سے کوئی پچاس گز آگے زمین پر پڑا ہوا تھا، اصل میں شہاب نے پہلی نگاہ میں اسے نہیں دیکھا

کیونکہ اسے خیال تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ تھوڑے بہت فاصلے پر پڑا ہوگا لیکن موٹر بائیک سے اس کا اتنا طویل فاصلہ دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ کار نے کتنی قوت سے اسے ٹکر ماری ہے، اب اس کار کا تعاقب تو بے کار ہی تھا...... ٹریفک سارجنٹ کی طرف توجہ دینی تھی، چنانچہ شہاب نے شیشوں کی پروا کئے بغیر سائیڈ سے کار نکالی اور سارجنٹ کے قریب پہنچ گیا جو زمین پر تڑپ رہا تھا...... یہ ایک تندرست و توانا آدمی تھا...... پولیس کی وردی میں تھا لیکن پوری وردی خون سے تربتر ہو رہی تھی...... شہاب نے جھک کر اسے دیکھا، اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے...... ٹریفک سارجنٹ کے دونوں بازو جھول گئے تھے، دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئی تھیں، چہرہ بھی بری طرح زخمی ہوا تھا...... ظاہر ہے دوسرے اعضاء کی کیفیت اس سے مختلف نہیں ہوگی...... شہاب کے جبڑے بھنچ گئے...... بہر حال اب دیر کرنا بے مقصد تھا، چنانچہ اس نے پھرتی سے اپنے لباس وغیرہ کی پروا کئے بغیر سارجنٹ کو بازوؤں میں اٹھایا اور بمشکل تمام کار کی پچھلی سیٹ پر لٹا دیا پھر اس کی کار کی رفتار بھی اس خطرناک رفتار والی کار سے کسی طرح کم نہیں تھی، لیکن وہ ایک مجرمانہ عمل تھا اور یہ ایک انسانی زندگی بچانے کی کوشش کیونکہ شہاب اس وقت سادہ لباس میں تھا اور سادہ لباس میں وہ جب بھی ہوتا تھا تو کھلنڈرا سا نوجوان آدمی لگتا تھا، لیکن بہر حال صورت حال اس وقت بالکل مختلف تھی، اس نے سول ہسپتال کا ہی رُخ کیا تھا...... رات کا وقت تھا...... ڈیوٹی ڈاکٹر بقول شخصے عیش کر رہے تھے...... شہاب سول ہسپتال کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوا اور اس نے فوراً ہی ایمرجنسی کے لئے رابطہ قائم کیا...... وارڈ بوائے اسے حاصل ہو گئے اور وہ اسٹریچر لے کر شہاب کی کار کے پاس آ گئے، ان کی مدد سے شہاب نے زخمی ٹریفک سارجنٹ کو اسٹریچر پر ڈالا اور وارڈ بوائے کو ایمرجنسی وارڈ میں لے جانے کے لئے کہا پھر وہ دوڑتا ہوا ڈیوٹی روم میں پہنچ گیا، جہاں سے کافی کی سوندھی سوندھی سی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ تین ڈاکٹر اور دو نرس ڈیوٹی پر تھے، ہنسی مذاق ہو رہے تھے...... ڈاکٹروں نے تشویش زدہ نگاہوں سے شہاب کے خون آلود لباس کو دیکھا اور بولے۔

”کیا ہو گیا بھائی جان؟ کیا کسی ٹرک کو ٹکر مار دی ہے؟“

”فوراً اٹھ جائیے ایک بہت ایمرجنسی کیس ہے۔“ شہاب نے سرد لہجے میں کہا۔

”گڈ ویری گڈ آپ کے حکم کی تعمیل کی جائے گی بیٹھئے آپ کو کافی پیش کی جائے۔“

”ڈاکٹر سن نہیں رہے جو کچھ میں کہہ رہا ہوں۔“

"ارے بھئی زخمی کون ہے تم ہو یا کوئی اور ہے؟"

"جو کوئی ہے آپ جلدی چل کر اسے دیکھئے۔"

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں اس حکم کی تعمیل کس حیثیت سے کرنا ہو گی۔"

ایک ڈاکٹر نے مسخرے پن سے کہا اور شہاب ایک قدم آگے بڑھا، اس نے ڈاکٹر کا گریبان پکڑ کر اس کو کھڑا کیا اور زور سے ڈیوٹی کیبن سے اسے دھکیلتا ہوا باہر لے چلا، دو ڈاکٹر اسے دیکھ کر پیچھے لپکے تھے، نرسیں بھی حیران رہ گئی تھیں، پیچھے آنے والے ڈاکٹر چیخ رہے تھے۔ "یہ کیا بدتمیزی ہے...... تم...... تم دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا غنڈہ گردی کرنے آئے ہو۔" وہ لوگ نجانے کیا کیا باتیں کرتے رہے، لیکن شہاب ڈاکٹر کو گریبان سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا ایمر جنسی وارڈ کی جانب لے چلا...... پیچھے آنے والے ڈاکٹروں نے شہاب پر حملہ کرنے کی کوشش بھی کی تھی اور اسے عقب سے پکڑنا چاہا تھا لیکن شہاب نہ رکا لباس تو خراب ہو ہی چکا تھا ان لوگوں نے اور لباس کو خراب کر دیا تھا...... ایمر جنسی وارڈ میں آنے کے بعد شہاب نے ڈاکٹر کو زخمی سارجنٹ کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

"اگر اسے کوئی نقصان پہنچا ڈاکٹر تو میں تم پر قتل کا جرم عائد کر دوں گا اور اس بات کا دعویٰ کرتا ہوں میں کہ تمہیں سزائے موت دیئے بغیر نہیں رہوں گا، میں سمجھ رہے ہو میری بات۔"

شہاب کے لہجے کی غراہٹ کچھ اس انداز کی تھی کہ دلوں پر اثر انداز ہوتی تھی، ڈاکٹر نے کہا۔

"ارے واہ مم مم کیا میں نے اسے مارا ہے...... ارے یہ تو پولیس کی وردی میں ہے تو کیا یہ کوئی یہ کوئی۔" اب ڈاکٹر کو سنبھلنا پڑا تھا...... عقب سے آنے والے دونوں ڈاکٹر اور نرسیں بھی سنبھل گئے تھے۔

"اس وقت میں کسی قسم کا تعارف نہیں کرانا چاہتا ڈاکٹر میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم اپنے فرائض کس طرح سرانجام دیتے ہو؟"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے وہ تو ہم دے ہی لیں گے لیکن تمہیں اپنی تمام حرکات کی جواب دہی کرنا ہو گی۔"

"جواب دہی کے لئے میں خود یہاں موجود ہوں۔"

"کیا تمہاری گاڑی سے ٹکر لگی ہے اسے؟"

"پھر فضول بکواس کی۔"

شہاب نے غرا کر کہا اور ڈاکٹر، نرسوں وارڈ بوائے کو ہدایات دینے لگا...... فوراً ہی ٹریفک سارجنٹ کو آپریشن تھیٹر میں لے جایا گیا...... شہاب نے خود ان کا تعاقب کیا، لیکن چونکہ ڈاکٹروں سے اس کی ذرا چل چکی تھی، چنانچہ اسے آپریشن تھیٹر میں داخل ہونے سے روکا گیا...... شہاب نے آہستہ سے کہا۔

"ڈاکٹر جس طرح آپ اپنے فرائض سرانجام دیتے ہیں، میری بھی ڈیوٹی ہے...... پلیز یہ دیکھ لیجئے اس کے بعد جو بدتمیزی کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔" شہاب نے اپنا کارڈ نکال کر ایک ڈاکٹر کے سامنے کر دیا...... ڈاکٹر نے غصیلی نگاہوں سے کارڈ کو دیکھا، پھر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں اور پھر اس کا چہرہ ست ہو گیا۔

"سر، سر، مم، معاف کر دیجئے گا سوری سر سوری۔"

"نہیں ڈاکٹر آپ اپنا فرض پورا کیجئے، پلیز اسے جس طرح بھی ممکن ہو سکے بچایا جائے اور اس کے بعد ڈاکٹروں کی مستعدی دیکھنے کے قابل تھی...... ایک ایک شخص دوڑ رہا تھا...... کام کر رہا تھا اور شہاب پتھرایا ہوا ایک گوشے میں کھڑا ہوا ٹریفک سارجنٹ کو دیکھ رہا تھا، جسے اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتے ہوئے بے دردی سے کچل کر ہلاک کر دیا گیا تھا...... پولیس پر سینکڑوں الزامات لگائے جاتے ہیں، کہیں ان پر تشدد کی باتیں ہوتی ہیں، کہیں ان پر رشوت خوری کے الزامات لگائے جاتے ہیں...... بے شک ایسا ہوتا ہے لیکن یہ تو ہر محکمے میں ہوتا ہے، جس کو جہاں موقع ملتا ہے کہ ہر انسان کسی نہ کسی شکل میں اس سے آشنا ہونے کی کوشش کرتا ہے، لیکن پولیس کے فرائض بھی تو دیکھے جائیں اب یہ ٹریفک سارجنٹ تیز رفتاری کی وجہ سے اس کار کے پیچھے لگا تھا اور اسے زندگی سے محروم کر دیا گیا، کس قدر دلدوز بات تھی، نجانے بیچارہ گھر سے کب نکلا ہو گا، ظاہر ہے نوکری پر آیا تھا...... بیوی اور بچے اس کے منتظر ہوں گے کہ وہ ڈیوٹی ختم کر کے وہ گھر پہنچے لیکن سنگ دلوں نے اسے زندگی سے محروم کر دیا تھا...... شہاب سنجیدگی سے ڈاکٹروں کی کارروائی دیکھتا رہا، ایک ڈاکٹر نے اسے کرسی لا کر دی تھی اور بیٹھنے کے لئے کہا تھا لیکن شہاب نے اس پر توجہ نہیں دی تھی...... ڈاکٹر اب پوری طرح مستعد ہو گئے تھے اور اس طرح بھاگ بھاگ کر کام کر رہے تھے کہ دیکھنے کے قابل تھا،

لیکن تھوڑی دیر بعد ایک ڈاکٹر نے شہاب کے قریب پہنچتے ہوئے افسوس بھرے لہجے میں کہا
"افسوس۔"
"انتقال ہو گیا۔" شہاب نے سوال کیا۔
"جی۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔
شہاب کے جبڑوں کے مسلز کچھ لمحے کے لئے اُبھرے اور اس کے بعد وہ پرسکون ہو گیا، پھر وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور اس نے ڈاکٹر سے کہا۔
"اس کی جیب سے جو کچھ برآمد ہوا ہے؟"
"جی یہ رکھا ہوا ہے۔" ڈاکٹر نے ایک طرف اشارہ کیا...... شہاب نے سارجنٹ کا سروس کارڈ دیکھا اور اس سے اسے اس کا نام معلوم ہوا...... سارجنٹ کا نام اشتیاق علی تھا، باقی دوسرے کاغذات بھی شہاب نے دیکھے اور پھر کہا۔
"آپ اپنے فرائض کے مطابق انہیں پیک کر لیجئے، اب یہ آپ کی ملکیت ہیں...... میرا کارڈ آپ نے دیکھ لیا ہے، اگر آپ چاہیں تو میرا نام پتا بھی درج کر سکتے ہیں...... آپ نے اپنی کوششیں کیں، اس کے لئے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔"
"آفیسر تھوڑا سا Miss Behave بھی ہوا ہے آپ کے ساتھ، اگر آپ مناسب سمجھیں تو اسے نظر انداز کر دیں، اصل میں ہم لوگ بھی۔"
"ٹھیک ہے ٹھیک ہے...... آپ براہ کرم لاش کو اپنے اصولوں کے مطابق محفوظ کیجئے گا...... میں ذرا علاقے کے پولیس اسٹیشن کو فون کرنا چاہتا ہوں۔"
"تشریف لائیے۔" ایک ڈاکٹر نے اس کی رہنمائی کی، شہاب نے علاقہ انچارج کو فون کیا جو تھانے میں دستیاب ہو گیا تھا۔
"کیا نام ہے تمہارا؟"
"کون بول رہا ہے۔" دوسری طرف سے ایک کڑک دار آواز سنائی دی۔
"شہاب ثاقب آفیسر آن سپیشل ڈیوٹی۔" شہاب نے نرم لہجے میں کہا اور یوں محسوس ہوا جیسے تھانہ انچارج فون پر ہی Attention ہو گیا ہے۔
"سر حکم...... سر حکم...... سر بندہ خادم ہے حکم سر۔"
"علاقہ نوٹ کرو تمہارا علاقہ ہے، وہاں ایک ٹریفک سارجنٹ کو ٹکر مار کر ہلاک کر دیا گیا

ہے...... میں اس وقت وہاں سے گزر رہا تھا کہ یہ حادثہ ہوا...... لاش کو میں سول ہسپتال لے آیا ہوں...... یہاں آکر اسے اپنی تحویل میں لے لو، باقی تمام معاملات تم اگر چاہو تو یہاں آکر مجھ سے طے کر سکتے ہو یا پھر موقع واردات پر۔"
"سر آپ نے بہت اچھا کیا مجھے اس بارے میں اطلاع دی، علاقے کی موبائل نمبر 70 اس طرف جا چکی ہے، کہیں سے تھانے کو اطلاع دی گئی تھی...... موٹر بائیک پڑی ہوئی ہے، میں بس وہیں جانے کی تیاریاں کر رہا تھا، سر آپ جیسا حکم دیں۔"
"تو پھر ایسا کرو یہاں کچھ ذمہ دار ایس آئی بھیج دو اور تم موقع واردات کی جانب چلو میں خود بھی وہیں آ رہا ہوں۔"
شہاب نے کہا۔
"یس سر، یس سر۔" دوسری طرف سے جواب ملا۔
شہاب نے ڈاکٹر کا شکریہ ادا کیا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ وہاں سے چل پڑا، لیکن افسوس بہت سے ایسے جذبات اس کے سینے میں موجزن تھے...... کار ڈرائیو کرتے ہوئے وہ ان ہی حادثات کے بارے میں سوچ رہا تھا...... حادثہ کرنے والی کار کا نمبر اس کے ذہن میں محفوظ تھا اور احتیاطاً اس نے اسے ایک کاغذ پر نوٹ بھی کر لیا تھا، تاکہ کہیں ذہن سے نکل نہ جائے...... کار کے بارے میں معلومات صبح کو بھی ہو سکتی تھی...... اس لئے اس نے کوئی جدوجہد نہیں کی اور کار کو ڈرائیو کرتا ہوا آخر کار اس جگہ پہنچ گیا جہاں واقعی دو موبائل اور دو ٹریفک سارجنٹ موجود تھے...... پولیس والوں نے سڑک کی ناکہ بندی کر رکھی تھی اور ٹریفک کو وہاں سے گزرنے سے روک دیا تھا...... ویسے بھی اس سنسان سڑک پر بالکل ٹریفک نہیں تھی...... اکا دکا گاڑی آ جاتی تھی تو پولیس والے اسے متبادل راستہ بتا دیتے تھے...... پوری سڑک کے گرد اینٹیں لگا دی گئی تھیں۔
شہاب وہاں پہنچا تو تھوڑی دیر بعد تھانے کا انچارج بھی اپنی جیپ میں وہاں پہنچ گیا...... روشنیاں کر دی گئیں، خاص طور سے اس کا انتظام کر کے چلا گیا تھا...... لائٹوں کو گاڑیوں کی بیٹری سے منسلک کر دیا گیا تھا اور وہ پورے علاقے کا احاطہ کر رہی تھیں...... شہاب انچارج کے ساتھ احتیاط سے سڑک کے ایک ایک حصے کا معائنہ کرنے لگا...... ٹوٹی ہوئی موٹر سائیکل کے علاوہ وہاں کار کی ہیڈ لائٹس اور پلاسٹک کے کچھ ٹکڑے بھی پڑے ہوئے تھے

جنہیں شہاب کے اشارے پر نشان زدہ کر دیا گیا اور یہ تمام کارروائی خاصی دیر تک جاری رہی تھی...... شہاب نے تھانہ انچارج کو بتایا کہ ٹریفک سارجنٹ کا نام اشتیاق علی ہے اور وہ اپنی ڈیوٹی پر تھا...... اس نے تیز رفتار کار کو روکنے کی کوشش کی تھی اور اس کا تعاقب کیا تھا...... پھر وہ کار کے آگے آیا تو کار ڈرائیور نے اسے ٹکر مار دی۔

"سر آپ؟"

"ہاں میں بہت پیچھے تھا، میں نے یہ حادثہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن حادثے کے فوراً بعد میں سب سے پہلا آدمی تھا جو سب سے پہلے جائے حادثہ پر پہنچا۔"

"تب پھر میرے لئے کیا حکم ہے؟"

"نہیں اب تمام چیزوں کا نقشہ وغیرہ ترتیب دے لو، ظاہر ہے یہ سب کچھ بے کار ہے...... کار کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے اپنی تحویل میں لے کر انہیں سیل کر لو تاکہ تحقیقات میں کام آئیں۔"

"سر میرا نام جواد بیگ ہے اور میں آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں...... سر آپ اس سلسلے میں میرے رہنما رہیں گے۔"

"ٹھیک ہے جواد بیگ بات صرف اپنے فرض کی نہیں ہے، ایک انسانی زندگی کی بھی ہے اور اس مجرم وجود کی بھی جس نے انسانی اقدار کو اس طرح پامال کیا ہے۔"

"سر کیا بتایا جائے انسان اس قدر جنون کا شکار ہو گیا ہے کہ زندگی کی کوئی قیمت اس کی نگاہوں میں نہیں رہی۔"

"بس انسپکٹر کیا کیا جا سکتا ہے، تو پھر مجھے اجازت میرا لباس بھی خون آلود ہو رہا ہے۔"

"سر آپ کو کہیں چوٹ تو نہیں آئی؟" انسپکٹر نے از راہ ہمدردی پوچھا۔

"نہیں چوٹوں کا کیا ہے دل پر تو ہزاروں چوٹیں لگتی ہیں، لیکن کیا کیا جائے ویسے تو میں زخمی نہیں ہوں، یہ خون تو اس جانباز کا ہے جس نے اپنا فرض سرانجام دیتے ہوئے اپنی زندگی قربان کر دی۔"

"سر ہم مجرم کو ایسی سزا دیں گے کہ وہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔" انسپکٹر نے نمبر بتاتے ہوئے کہا۔

"او کے انسپکٹر مجھے اجازت، ویسے میرا یہ کارڈ رکھ لو...... میری جہاں بھی ضرورت ہو،

پڑے میں تم سے رابطہ قائم رکھوں گا۔"

"جی سر آپ اطمینان رکھیں۔" اس کے بعد شہاب وہاں سے واپس چل پڑا تھا...... طبیعت پر بہت اضمحلال طاری ہو گیا تھا...... وہ جانتا تھا کہ جس کی زندگی کا چراغ گل ہوا ہے نہ جانے کتنے افراد اس سے منسلک ہوں گے...... بہت دلیر تھا...... بڑے بڑے خطرناک معاملات میں کودنا اس کا پسندیدہ شوق تھا، لیکن ایسے کسی المیئے کو برداشت کرنے کی ہمت اس میں نہیں تھی، دل تو یہ چاہتا تھا کہ ابھی اشتیاق علی کے گھر جا کر اس کے اہل خاندان کو خبر دے لیکن وہ اپنے چہرے کو اس انداز میں کالا نہیں کرنا چاہتا تھا...... ظاہر ہے ان بے چاروں کو خبر بھی ملے گی اور اس کے بعد وہ اپنے غم واندوہ کا اظہار بھی کریں گے، لیکن شہاب اپنے طور پر یہ سب کچھ نہیں کر سکتا تھا...... البتہ اس وقت اپنے گھر بھی جانا مناسب نہیں تھا جو کیفیت اس کی ہو رہی تھی اسے دیکھ کر گھر میں کہرام مچ جاتا، اس کی تو ڈیوٹی تھی ایسے معاملات میں لیکن گھر والے ظاہر ہے اس سے واقفیت نہیں رکھتے تھے، چنانچہ کریم سوسائٹی کی کوٹھی ہی میں اس وقت جانا مناسب تھا...... تھوڑی دیر کے بعد کار کریم سوسائٹی پہنچ گئی، جوہر خان نے حیرت سے شہاب کو دیکھا اور جب شہاب کار سے اترا تو جوہر خان چیخ پڑا۔

"آپ...... آپ...... آپ؟"

"نہیں جوہر خان میں زخمی نہیں ہوں بلکہ ایک زخمی کو ہسپتال لے جانے کی وجہ سے یہ خون میرے جسم پر لگا ہے۔"

"خدا کا شکر ہے صاحب۔" جوہر خان نے کہا...... شہاب اندر داخل ہو گیا تھا...... اس نے کہا۔

"جوہر خان میرے کپڑے تو یہاں موجود ہیں، کیا ایک لباس دے سکتے ہو مجھے؟"

"آپ غسل خانے جاؤ صاحب میں لباس لے کر آتا ہوں۔" جوہر خان نے کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد شہاب لباس تبدیل کر کے نکل آیا...... جوہر خان اس کا منتظر تھا...... شہاب نے کہا۔

"بس جوہر خان بس کبھی کبھی تمہیں اس انداز میں بھی تکلیف دے دی جاتی ہے، اس سلسلے میں تم سے بہت سی معذرت۔"

"صاحب آپ کیسی بات کرتے ہو...... جوہر خان تو آپ کا غلام ہے...... تنخواہ یا

آسائشوں کی وجہ سے غلام نہیں ہے صاحب...... یہ غلامی جوہر خان کے دل میں پل رہی ہے...... وہ آپ کی جس طرح قدر کرتا ہے صاحب آپ نہیں جانتے۔"

"میں جانتا ہوں جوہر خان اور اس کی وجہ شاید تم نہیں جانتے۔"

"جی صاحب۔"

"تمہارے اندر ایک اتنا اچھا انسان آباد ہے کہ اس کی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ بہت بڑی بات ہے جوہر خان کہ وقت کسی کو برائیوں کے راستے پر لے جائے اور وہ اس راستے سے اس طرح واپسی اختیار کر لے کہ لوگ حیران رہ جائیں۔"

"آپ کی محبت ہے صاحب اور اب تو میں وہ سب کچھ بھول گیا ہوں، اب تو یہ لگتا ہے جیسے میں اسی کوٹھی میں پیدا ہوا ہوں اور یہیں میں نے باقی زندگی گزاری ہے...... آپ جیسے محبت کرنے والے انسانوں کے درمیان۔"

"اچھا جوہر خان پھر مجھے اجازت۔"

"نہیں صاحب، اتنی رات کو آپ جس انداز میں یہاں آئے ہیں اس کے بعد میں جانتا ہوں کہ آپ تھکے ہوئے ہیں...... کافی بن رہی ہے صاحب، کافی لاؤں یا چائے۔"

"ارے کیا واقعی۔"

"ہاں صاحب پانی چڑھا ہوا ہے...... ابھی آپ کو میں کافی یا چائے پیش کر سکتا ہوں۔"

"زندہ باد جوہر خان، پھر کافی پلاؤ جب اتنی تکلیف کی ہے تو ذرا معاملہ کچھ مزیدار ہونا چاہئے۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا اور جوہر خان نے گردن ہلادی...... بہر حال یہ سارے واقعات بڑے سنسنی خیز تھے...... ایک طرف شہاب کے دل میں اداسی تھی اور دوسری جانب یہ تجسس بھی تھا کہ وہ کون دیوانہ تھا جس نے ایک انسانی زندگی کو اتنی آسانی سے ختم کر دیا۔

❁

پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا دیو قامت شخص بس ایک لمحے کے لئے سیدھا ہوا تھا لیکن اسٹیرنگ پر بیٹھی ہوئی خوب صورت لڑکی نے اس حادثے پر کوئی توجہ نہیں دی تھی...... اس نے کار کو تھوڑا سا ریورس کیا اور پھر شیشوں پر سے گزرتی ہوئی آگے بڑھ گئی...... کار کے ایک سائیڈ کی ہیڈ لائٹ ٹوٹ گئی تھی...... ڈیکوریشن کا شیشہ بھی ٹوٹ کر گر پڑا تھا لیکن الٹرا ماڈرن

لڑکی کو شاید یہ احساس بھی نہیں تھا کہ سارجنٹ کی موٹر بائیک کو ٹکر مارنے کی وجہ سے سارجنٹ جتنے فاصلے پر جا کر گرا ہے اسے جسمانی طور پر نقصان بھی پہنچ سکتا ہے...... لڑکی بے حد خوب صورت اور انتہائی متناسب جسم کی مالک تھی...... جدید ترین لباس پہنا ہوا تھا...... آنکھوں میں گہری سرخی چھائی ہوئی تھی اور بظاہر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اسے اس حادثے کی ذرا برابر پروانہ ہو...... غلطی ٹریفک سارجنٹ کی تھی، پہلے اس کے برابر چلتا رہا اور اسے چیلنج کرتا رہا کہ اسپیڈ میں وہ اس سے پیچھے نہیں ہے...... بھلا ہما یہ کیسے برداشت کر سکتی تھی کہ کوئی اسے روکنے کی کوشش کرے...... پھر ٹریفک سارجنٹ نے پوری قوت سے موٹر بائیک آگے نکالی اور پھر اسے سڑک کے درمیان ٹیڑھا کر کے کھڑا ہو گیا، لیکن اتنی دیر میں ہما کی کار اس کے سر پر پہنچ چکی تھی...... ہما نے اسی سپیڈ سے اسے ٹکر ماری اور خود اس کی گاڑی بھی لہرا کر رُک گئی...... سارجنٹ بہت دُور جا کر گرا تھا...... شیشے ٹوٹے تھے...... ایک طرف کی لائٹ بند ہو گئی تھی...... ہما نے اس بات کی پروا کئے بغیر کہ سارجنٹ کے ساتھ کیا ہوا ہے...... کار تھوڑی سی ریورس کی تھی اور اس کے بعد اسے سائیڈ سے نکال کر پھر اسی رفتار سے چل پڑی تھی...... پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے جب یہ دیکھا کہ قیمتی کار کے انجن کو کوئی نقصان نہیں پہنچا ہے تو وہ پھر پچھلی سیٹ کی پشت پر ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا...... ہما کو چھیڑنے کا نتیجہ جانتا تھا...... اس خونخوار لڑکی سے ایک لفظ بھی اس کی مرضی کے خلاف کہنا، زندگی کھو دینے کے مترادف تھا...... کار سڑکیں طے کرتی رہی اور پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا شخص صرف یہ دیکھ رہا تھا کہ عقب کی طرف سے کوئی اور تعاقب تو نہیں کیا جا رہا، پھر کار ایک انتہائی شاندار کوٹھی کے گیٹ کے پاس جا کر رُکی چوکیدار نے گیٹ کھولا اور اسی رفتار سے پیچھے ہٹ گیا...... جانتا تھا کہ ہما کس انداز میں گاڑی اندر لانے کی عادی ہے...... گاڑی پورچ میں عین اس جگہ جا کر رُکی تھی جہاں وہ ہمیشہ رکتی تھی...... قرب و جوار میں دوسری کئی قیمتی کاریں بھی کھڑی ہوئی تھیں...... ہما نے دروازہ کھولا اور اسے کھلا ہوا چھوڑ کر ہی اندر چل پڑی...... اس کے قدموں میں تیزی تھی...... ادھر پچھلی سیٹ سے وہ شخص بھی نیچے اترا...... انتہائی بے تکے قد و قامت کا آدمی تھا...... بدن زیادہ وزنی نہیں تھا لیکن کچھ اس طرح کا تھا کہ اونٹ کی وہی مثال سامنے آتی تھی کہ کون سی کل سیدھی، چہرہ ضرورت سے زیادہ بڑا، ناک پچکی ہوئی، آنکھوں میں ایک طرح کا جنون چھپا ہوا...... وہ خاموشی سے نیچے اترا...... چوکیدار گیٹ بند

کر کے اپنی ڈیوٹی پر مستعد ہو گیا تھا...... ویسے بھی اب رات کافی ہو گئی تھی اور چاروں طرف سناٹا اور خاموشی پھیلی ہوئی تھی...... وہ دیو قامت اپنی جگہ سے آگے بڑھا اور جھک کر کار دیکھنے لگا...... کار کی ٹوٹ پھوٹ کا اندازہ کرنے کے بعد اس نے گردن ہلائی اور پھر کچھ دیر وہیں کھڑا سوچتا رہا...... اس کے بعد آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا اندر داخل ہو گیا...... صدر دروازہ کھلا ہوا تھا...... صدر دروازے کی دوسری جانب ایک وسیع و عریض ہال تھا جس میں دنیا کا بیش قیمت فرنیچر موجود تھا...... قالین اتنا موٹا تھا کہ اس پر چلتے ہوئے پاؤں ٹخنوں تک دب جاتے تھے...... دونوں طرف گول دائرے کی شکل میں اوپر جانے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں...... دیو قامت نے ایک طرف کی سیڑھی کا جائزہ لیا...... وہ جانتا تھا کہ ہما اوپری منزل پر رہتی ہے اور یہ بھی جانتا تھا کہ ہما کے بارے میں کسی کو کچھ بتانے کا مقصد کیا ہے۔ بہر حال وہ ایک وفادار غلام تھا، چنانچہ اسے سارے کام ہی سوچ سمجھ کر سرانجام دینے تھے...... کچھ دیر وہ ہال میں کھڑا رہا، پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا سیڑھی کی جانب چل پڑا...... سیڑھیوں پر بھی اسی انداز کا قالین بچھا ہوا تھا اور اس پر قدموں کی چاپ بالکل نہیں سنائی دیتی تھی۔ وہ بے آواز چلتا ہوا اوپر پہنچا اور پھر سامنے والے کاریڈور میں جھانکنے لگا...... ہما کا کمرہ اسی کاریڈور کے آخری سرے پر تھا...... جہاں سے دوسری جانب کھلی جگہ کا منظر نظر آتا تھا۔ اس وقت باقی کمرے تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے...... بس آخری کمرے میں روشنی ہو رہی تھی، جس کی کچھ کرنیں دروازے سے باہر نکل رہی تھیں...... دیو قامت شخص سیدھا کھڑا کمرے کی جانب دیکھتا رہا اور کئی منٹ اسی انداز میں ساکت کھڑا رہا، پھر جب روشنی کی کرنیں سمٹ گئیں تو اس نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی۔ گویا ہما سونے کے لئے لیٹ گئی ہے...... وہ ہال سے واپس پلٹا سیڑھیاں اترنے کے بعد ہال میں آ گیا...... ہال کے آخری سرے پر دوسرا عریض دروازہ تھا، جو ایک کاریڈور میں کھلتا تھا...... عظیم الشان کوٹھی کے اس کاریڈور میں چلتے ہوئے آخر کار دیو قامت شخص ایک بڑے کمرے کے سامنے رُک گیا...... اس نے انگلی موڑ کر کمرے پر آہستہ آہستہ دستک دی اور بار بار دستک دیتا رہا، پھر تھوڑی دیر کے بعد کمرے میں روشنی ہو گئی تھی۔ دروازہ کھلا اور ایک جاندار چہرے والے شخص نے باہر دیکھا...... اس کے جسم پر سلیپنگ گاؤن تھا اور وہ خاصی پر رعب شخصیت کا مالک تھا...... سامنے کھڑے ہوئے شخص کو دیکھ کر اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا قیامت ٹوٹی ہے تجھ پر کیوں دروازہ ٹھوک رہا ہے؟"

"آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں مالک۔" طویل القامت شخص نے کہا۔

"کیا بات کرنے کے لئے دن کی روشنی مناسب نہیں ہوتی؟"

"مالک بات ابھی کرنی ہے۔ خاص ہی بات ہے۔"

"ہمیشہ بے تکی باتیں لے کر میرے پاس آ جاتا ہے...... میری نیند خراب کرتا ہے...... کیا ہوا ہے...... کچھ منہ سے تو پھوٹ۔"

"ایسے نہیں مالک...... باہر آؤ۔" طویل القامت شخص شاید اس شخص کا منہ چڑھا تھا...... جو اس کا مالک تھا۔

"لعنت ہے تجھ پر...... آتا ہوں۔" اس نے کہا اور واپسی کے لئے مڑ گیا پھر جب وہ واپس پلٹا تو اس نے پائپ سلگا لیا تھا...... پائپ اس کے دانتوں میں دبا ہوا تھا...... منہ سے پائپ نکال کر وہ طویل القامت شخص کے ساتھ کاریڈور میں خاصا آگے آ گیا۔

"اب کیا تجھے ڈرائنگ روم میں لے چلوں۔" اس نے کہا۔

"ہاں مالک۔"

"ابے تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے؟"

"مالک اگر کوئی ایسی بات ہوتی، جو فوراً آپ کو بتانا ضروری نہ ہوتا تو آپ کا کیا خیال ہے...... آپ کا غلام آپ کو اس وقت تکلیف دیتا۔"

"تو منہ سے تو کچھ پھوٹ...... کیا بات ہے...... کہاں لے جا رہا ہے؟"

"باہر آئیے مالک۔" دادل نے کہا۔

"چل بھائی چل۔" پر رعب شخص بولا اور دادل کے ساتھ باہر نکل آیا...... دادل اسے پورچ میں لے گیا اور اس نے کار دکھاتے ہوئے کہا۔

"مالک، بابا نے ایک بہت بڑا ایکسیڈنٹ کر دیا ہے۔"

"اوہ مائی گاڈ...... گاڑی تباہ ہو گئی؟"

"ہاں مالک...... کافی نقصان پہنچا ہے، گاڑی کو مالک...... بابا کلب سے اُٹھیں اور چل پڑیں...... شاید زیادہ نشے میں تھیں...... گاڑی کی رفتار بہت تیز تھی...... آپ جانتے ہیں مالک کہ اگر بابا سے کبھی ان کی مرضی کے خلاف کوئی بات کر دی جائے تو وہ کیا سلوک کرتی

ہیں...... بات کہنے والے کے ساتھ...... مالک، بابا بہت رف ڈرائیو کر رہی تھیں...... ایک ٹریفک سارجنٹ نے انہیں چیز کیا اور رکنے کا اشارہ کرتا ہوا ان کے ساتھ ساتھ چلتا رہا...... جب بابا نہ رکیں تو وہ ان کے سامنے آیا اور بابا نے اسے اُڑا دیا۔"

"ٹریفک سارجنٹ کو؟" اس شخص کے چہرے پر پریشانی کے آثار اُبھر آئے۔

"ہاں مالک اور فل پاور پر اُڑایا تھا...... ٹریفک سارجنٹ اپنی بائیک سے اُڑ کر بہت دُور جا گرا تھا...... میرا خیال ہے مالک وہ مر چکا ہوگا۔"

"بابا کہاں ہے؟"

"اپنے کمرے میں گئیں مالک...... بیڈ روم میں چلی گئیں اور شاید سونے کے لئے لیٹ گئی ہیں۔"

"یہ تو بری خبر سنائی دادل۔"

"ہاں مالک...... آپ کا غلام آپ سے یہ کہتا ہے کہ معاملہ کافی سنجیدہ ہو جائے گا...... مالک آپ کو کچھ کرنا ہوگا۔" وہ شخص تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

"خیر...... فاضل دارا کی بیٹی ہے وہ...... اس کی طرف کوئی ٹیڑھی آنکھ تو اُٹھ ہی نہیں سکتی لیکن ہمیں غور کرنا ہوگا...... کچھ نہ کچھ کرنا ہے اور راتوں رات کرنا ہے...... بے وقوفی کا کوئی عمل کر کے میں مصیبت مول نہیں لینا چاہتا...... اچھا چل ٹھیک ہے...... دادل ایسی ایک اور گاڑی ہمارے شوروم میں موجود ہے ناں؟"

"ایسی تین گاڑیاں ہیں مالک۔"

"ارے ہاں...... مجھے یاد نہیں رہا...... وہ دو اور بھی تو آ گئی تھیں۔"

"جی مالک۔"

"ٹھیک ہے...... دادل اب تجھے کام کرنا پڑے گا...... بس ایک منٹ سوچنے دے۔" فاضل دارا نے کہا اور کچھ دیر تک سوچ میں ڈوبا رہا پھر بولا۔

"ٹھیک ہے میں تجھے چابی دے دیتا ہوں شوروم کی...... یہاں سے سب سے پہلے تو اس گاڑی کو لے کر جا مگر سن پہلے گاڑی خالی کر لے...... کوئی بھی چیز، کاغذ وغیرہ اس میں ہو نکال کر میرے حوالے کر دے، پھر میں تجھے بتاتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے مالک۔" دادل نے کہا اور کار کی چھوٹی ڈکی میں موجود تمام اشیاء نکال کر

سامنے رکھ دیں...... سیٹوں وغیرہ کا بھی جائزہ لے لیا اور اس کے بعد بولا۔

"حکم مالک۔"

"اب تو یوں کر کہ گاڑی کو لے جا...... لے جا کر...... میرا خیال ہے کہ دریا میں ڈبو دے...... سمجھ رہا ہے ناں...... دریا یہاں سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے...... وہاں پہنچ کر تجھے تھوڑا سا پیدل واپس آنا پڑے گا...... کسی سے لفٹ وغیرہ لے لینا...... ویسے دریا کے راستے پر گاڑیاں چلتی ہیں...... کوئی نہ کوئی تجھے پہنچا ہی دے گا پھر وہاں سے واپس آنا اور شوروم سے دوسری گاڑی پر نمبر پلیٹیں فٹ کرنا اور اسے یہاں پورچ میں کھڑا کر دینا...... سمجھ رہا ہے ناں میری بات؟" دادل غور کرتا رہا پھر گردن ہلا کر بولا۔

"سمجھ گیا مالک۔"

"مگر دادل یہ تمام کام ہوشیاری سے کرنا ہے تجھے، خبردار کہیں چوک نہ ہونے پائے۔"

"آپ کا غلام کبھی چوک نہیں کرتا مالک۔" دادل نے کہا۔

"ٹھیک اب تو نے میری نیند بھی حرام کر دی ہے...... میں جاگتا ہی رہوں گا...... بات اصل میں یہ نہیں ہے کہ میں کسی سے ڈرتا ہوں، بلکہ معاملہ چونکہ براہ راست پولیس کا ہے، اس لئے تھوڑی سی لے دے ہو سکتی ہے...... اچھا ٹھہر جا...... ہونہہ کہاں پریشان ہوگا...... میں دوسری گاڑی لے کر تیرے ساتھ چلتا ہوں...... تو یہ کام سرانجام دے...... میں اپنی نگرانی میں ہی سب کچھ کرانا چاہتا ہوں، تاکہ کسی غلطی کا امکان نہ رہے۔"

"ویسے تو آپ کا یہ غلام سارا کام خوش اسلوبی سے سرانجام دے گا مالک لیکن آپ کے اطمینان کے لئے۔"

"تم یہاں رکو...... میں کپڑے بدل کر آتا ہوں...... ویسے گاڑی اسٹارٹ تو ہو رہی ہے؟"

"میں اور چیک کئے لیتا ہوں مالک...... ہو سکتا ہے نیچے سے آئل وغیرہ لیک کر رہا ہو۔"

"تم دیکھو...... بہر حال اسے یہاں سے لے جانا ہے۔" فاضل دارا نے کہا اور واپسی کے لئے مڑ گیا...... کوٹھی میں سناٹا پھیلا ہوا تھا...... دادل نامی شخص گاڑی کے نیچے لیٹ کر اس کے انجن وغیرہ کی چیکنگ کرنے لگا پھر اس نے اسے سٹارٹ کر کے دیکھا...... گاڑی سٹارٹ ہو رہی تھی...... سامنے والے حصے کو بس تھوڑا سا نقصان پہنچا تھا...... انجن وغیرہ پر ضرب نہیں آئی تھی...... اس نے انجن بند کیا اور اسٹیرنگ پر بیٹھ کر فاضل دارا کی واپسی کا انتظار

کرنے لگا...... فاضل دارا شہر کے انتہائی دولت مند لوگوں میں سے تھا...... ماضی کیا تھا، اس کی نہ کسی نے چھان بین کی تھی نہ ضرورت پیش آئی تھی...... کئی فرمیں تھیں، ایک دو مل تھے، چند فیکٹریاں تھیں۔ بس ان لوگوں میں سے تھا جن کے بارے میں یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ اتنی دولت کیوں کماتے ہیں...... کیا نظریہ ہوتا ہے ان کا...... ویسے بھی فاضل دارا کا خاندان بے حد مختصر تھا...... ایک بیٹی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا، ایک بیوی تھی...... ویسے دولت مند لوگوں کے رشتہ داروں کی کمی نہیں ہوتی...... کسی کو ذرا سا بھی موقع مل جاتا ہے...... اپنے آپ کو ایسے کسی شخص سے منسوب کرنے کا تو وہ چوکتا نہیں ہے۔ اس طرح کے لاتعداد رشتے بکھرے ہوئے تھے...... فاضل دارا جن کو نواز دیتا تھا وہ اس کے گیت گاتے تھے اور جو اس کی نوازشوں سے محروم ہوتے تھے وہ اسے گالیاں دیتے تھے...... ویسے فاضل دارا کا ذریعہ آمدنی خاصا مشکوک تھا...... ہو سکتا ہے اعلیٰ حکام اس ذریعہ آمدنی کے بارے میں جانتے ہوں لیکن بہت سے مواقع ایسے ہوتے ہیں جہاں زبانیں کھولنا مناسب نہیں ہوتا، پھر ایک ایسا شخص جس کی اعلیٰ حکام میں ایک پہنچ ہوتی ہے بہت سی مشکلات سے محفوظ رہتا ہے...... غرض یہ کہ فاضل دارا اپنی زندگی کے پر عیش دن گزار رہا تھا...... دولت کے انبار لگانے کا شوقین اس کا تعلق کچھ ایسے پراسرار لوگوں سے بھی تھا جن سے اس کی ملاقات کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی تھی لیکن صرف ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی تھی جو ایسے معاملات کی گہرائیوں کو نہیں سمجھتے جو سمجھنے والے ہوتے ہیں وہ سب کچھ سمجھ لیتے ہیں، اگر یہ معاملہ ایک ٹریفک سارجنٹ کا نہیں ہوتا تو شاید فاضل دارا اسے جوتے کی ٹھوکر پر بھی نہیں مارتا لیکن نہ جانے کیوں اسے یہ احساس ہوا تھا کہ بات کو بگڑنے سے پہلے سنبھال لینا زیادہ مناسب ہے...... ایک کار کو ضائع کر دینا اس کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا...... منصوبے فوری طور پر اس کے ذہن میں آتے تھے...... شہر سے کچھ فاصلے پر ایک ایسی ندی بہتی تھی جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اس کی بعض جگہ کی گہرائیاں ناقابل یقین ہیں اور فاضل دارا جانتا تھا کہ اس وقت وہی اس کے لئے کارآمد ہو سکتی ہے...... کام خوش اسلوبی سے سرانجام دینا تھا...... مصیبتوں میں پڑنے کی بجائے بہتر ہے کہ تھوڑا سا نقصان برداشت کر لیا جائے...... ہما تو ایسے واقعات کی عادی تھی...... فاضل دارا اسے بگڑی ہوئی لڑکی نہیں سمجھتا تھا، حالانکہ جانتا تھا کہ وہ کلبوں میں جاتی ہے، نشہ آور ادویات بھی استعمال کرتی ہے، شراب بھی پیتی ہے

لیکن مجموعی طور پر وہ ایسی لڑکی نہیں تھی...... جو کسی نوجوان سے متاثر ہو جائے...... فاضل دارا کو کم از کم یہ اطمینان تھا کہ کوئی بھی نوجوان اپنے حسن و جمال کی بنا پر ہما کو آلہ کار بنا کر اس کی دولت کا حصہ دار نہیں بن سکتا...... باقی سارے معاملات ہما کی مرضی پر تھے، اگر ہما کسی ایسے نوجوان کے لئے پسندیدگی کا اظہار کر دے جس سے وہ متاثر ہو گئی ہو تو پھر ظاہر ہے یہ سب کچھ ہما ہی کے لئے کیا جا رہا ہے...... بہر حال تھوڑی دیر کے بعد وہ تیار ہو کر پہنچ گیا...... اس کے پاس ایک اور کار کی چابی تھی...... اس نے اسٹیئرنگ پر بیٹھے ہوئے دادل کو دیکھ کر کہا۔

"ہاں...... گاڑی سٹارٹ ہو رہی ہے؟"

"جی مالک باقی سب ٹھیک ہے۔"

"چلو۔" تھوڑی دیر کے بعد دادل نے کار سٹارٹ کی اور چوکیدار نے دروازہ کھول دیا...... دونوں گاڑیاں آگے پیچھے نکل گئی تھیں...... فاضل دارا نے اپنی کار کا فاصلہ دادل کی کار سے کافی زیادہ رکھا تھا، تاکہ کوئی مشکل پیش نہ آئے...... غرض یہ کہ سنسان سڑکوں سے گزرتے ہوئے وہ شہر سے باہر جانے والے اس علاقے میں نکل آئے جہاں دریا بہہ رہا تھا...... یہاں پہنچنے کے بعد فاضل دارا نے اپنی کار روکی اور کسی ایسی لوکیشن کا جائزہ لینے لگا جہاں سے کار کو نیچے اتار کر دریا برد کیا جا سکے...... دادل نیچے اتر آیا تھا...... اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"حکم مالک۔"

"دادل...... تم احتیاط سے کام کر لو گے؟"

"مالک آپ فکر نہ کریں۔"

"تو پھر دیکھو...... اس طرف سے ذرا تھوڑا سا فاصلہ طے کر کے کار کو نیچے لاؤ اور اس کنارے پر پہنچ جاؤ، وہ نظر آ رہا ہے ناں تمہیں؟"

"جی مالک...... نظر آ رہا ہے۔"

"اس کے بعد تم کار کو گیئر میں ڈالو اور ایکسیلیٹر پر پتھر رکھ دو مگر یہ کام تمہیں احتیاط سے کرنا ہے۔"

"مالک دیکھتے رہیں...... ویسے اگر میں اس کام کو کرنے میں کام بھی آ جاؤں تو مالک کوئی

اتنی بڑی بات تو نہیں ہے۔"

"نہیں دادل...... تم میری ضرورت ہو میں یہیں کھڑا ہوا ہوں ...... بس اب جلدی کرو...... کسی بھی وقت پل پر سے کوئی کار یا گاڑی گزر سکتی ہے...... میں بونٹ کھولے لیتا ہوں۔" چنانچہ فاضل دارا نے اپنی کار کا بونٹ کھولا اور اس کے نزدیک کھڑا ہو گیا، تاکہ ادھر سے گزرنے والا کوئی بھی شخص اسے یہاں کھڑا دیکھ کر کسی شبہ کا شکار نہ ہو سکے۔ دوسری جانب دادل کار کو ایک لمبا فاصلہ طے کرنے کے بعد کچے راستے پر لے آیا تھا اور احتیاط کے ساتھ اسے آگے بڑھا رہا تھا...... تھوڑی دیر کے بعد وہ مطلوبہ جگہ پہنچ گیا۔ فاضل دارا بلندی سے اسے کام کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا...... کار اس جگہ جا کر رک گئی جہاں سے اسے دریا برد ہونا تھا...... دادل نے خوش اسلوبی سے اپنا کام سرانجام دیا اور فاضل دارا نے کار کو اچھل کر دریا کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا...... لاکھوں روپے مالیت کی کار پانی میں گری اور اس کی گہرائیوں میں ڈوبتی چلی گئی...... تھوڑی دیر کے بعد دریا کی سطح معمول کے مطابق تھی...... ایک کار کا اس میں سما جانا کوئی مشکل عمل نہ تھا۔ فاضل دارا نے اطمینان کی گہری سانس لی اور دادل کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد دادل فاضل دارا کے پاس پہنچ گیا۔

"آپ کا غلام واپس آگیا ہے مالک۔"

"بیٹھو۔" فاضل دارا نے کہا اور اس کے بعد کار سٹارٹ کر کے واپس موڑ دی...... اس کار کی ڈرائیونگ سیٹ اس نے دادل کے حوالے نہیں کی تھی...... وہ خود ہی ڈرائیو کر رہا تھا...... زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ وہ شہری آبادی میں داخل ہو گئے، پھر مختلف سڑکیں طے کرتے ہوئے ایک عظیم الشان شوروم کے پاس پہنچ گئے، جہاں فاضل دارا کا نام لکھا ہوا تھا۔ شوروم کا چوکیدار موجود تھا...... مالک کی گاڑی دیکھ کر اس نے فوراً ہی آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور فاضل دارا نے چابی اسے دیتے ہوئے کہا۔

"شٹر ہٹاؤ۔" چوکیدار جلدی سے شوروم کے دروازے کی طرف بڑھ گیا تھا...... عظیم الشان شوروم میں لاتعداد گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں...... فاضل دارا اندر داخل ہو گیا...... اس نے چوکیدار سے پوچھا۔

"ان گاڑیوں میں پٹرول ہے؟"

"جی صاحب۔" چوکیدار نے جواب دیا۔

"اس گاڑی کی چابی لاؤ۔" فاضل دارا نے کہا اور چوکیدار نے جلدی سے ایک میز کے دراز سے چابی نکال کر فاضل دارا کے حوالے کر دی۔

"دیکھو دادل۔" اور دادل بالکل اسی رنگ اور اسی ماڈل کی کار میں بیٹھ گیا...... جیسی کار سے ٹریفک سارجنٹ کا حادثہ ہوا تھا...... اس نے کار سٹارٹ کی...... فیول بتانے والی سوئی کو دیکھا اور بولا۔

"سب ٹھیک ہے صاحب۔"

"ٹھیک ہے چلو...... اسے نکال لو۔" فاضل دارا نے کہا اور دادل نے گاڑی شوروم سے باہر نکال لی...... وہ لوگ شوروم سے باہر آ کر کھڑے ہو گئے...... تب فاضل دارا کی ہدایت پر تباہ شدہ گاڑی کی نمبر پلیٹیں نکال کر اس کے دونوں سمت لگائی گئیں...... وہ لوگ اس کام میں تھوڑی دیر مصروف رہے اس کے بعد فاضل دارا نے اپنی کار کا سٹیرنگ سنبھالا اور دادل نے دوسری کار سٹارٹ کی...... دونوں گاڑیاں آگے پیچھے چل پڑی تھیں...... تھوڑی دیر کے بعد وہ کوٹھی میں داخل ہو گئیں...... فاضل دارا نے کوٹھی میں داخل ہونے کے بعد اپنی کار سے نیچے اترتے ہوئے کہا۔

"دادل ایک بات کا اور خیال کرنا ہے ہمیں۔"

"جی مالک حکم۔"

"تم یوں کرو...... کل جان محمد کو بلا لانا...... صبح کو یہ گاڑی نہیں نکلتی...... جان محمد سے کہنا کہ اس گاڑی کا میٹر آگے بڑھا دے اور اسے پانچ چھ ہزار میل کے نمبروں پر سیٹ کر دے۔"

"اوہو...... مالک آپ نے خوب سوچا...... واقعی نئی گاڑی تو زیرو میٹر پر ہے...... ہم یہ تو بھول ہی گئے تھے۔"

"تم بھولے تھے میں نہیں بھولا تھا۔" فاضل دارا نے کہا پھر بولا۔ "لیکن یہ کام صبح کو سب سے پہلے کرا دینا...... اس سے پہلے کہ پولیس یہاں تفتیش کے لئے آئے...... تمہیں یہ کام سرانجام دے دینا ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں مالک...... صبح کیا بلکہ میں ابھی تھوڑی دیر کے بعد جان محمد کے پاس

چلا جاتا ہوں اور اس سے یہ کام کرائے دیتا ہوں۔"

"جو کچھ بھی چاہو کرو لیکن بس احتیاط سے ہو۔"

"آپ فکر نہ کریں مالک...... آپ نے جو حکم دیا ہے...... میں اس کی تعمیل کروں گا۔" دادل نے کہا اور اس کے بعد فاضل دارا اندر چلا آیا...... بیڈ روم میں پہنچا...... بیگم صاحبہ خواب خرگوش کے مزے لے رہی تھیں...... اپنے بیڈ روم میں ہما بھی شاید مست نیند سو رہی ہو گی، ایک انسانی زندگی کو تباہ و برباد کرنا ایک پورے خاندان کو لاوارث کر دینا ان لوگوں کے لئے کسی اہمیت کا حامل نہیں تھا۔

❁❁❁

رات کے بقیہ حصے میں شہاب سو نہیں سکا تھا...... اس کا ذہن اس دلدوز واقعہ میں اُلجھا رہا تھا...... بہر حال صبح اسے بہت سے کام سرانجام دینے تھے، چنانچہ سب سے پہلے اس نے اپنے سٹاف سے رابطہ قائم کیا...... جواد بیگ سے ملاقات کرنے سے پہلے وہ دوسرے کام سرانجام دینا چاہتا تھا...... توصیف نے اس کی کال ریسیو کی تھی۔

"سی۔پی۔کالنگ...... سی۔پی۔کالنگ۔"

"ہاں توصیف فوری طور پر تمہیں ایک کام سرانجام دینا ہے...... اس کام کی تکمیل کے بعد مجھے رپورٹ دینا۔"

"یس سر۔" توصیف کی آواز اُبھری۔

"ایک نمبر نوٹ کر۔"

"جی سر۔" توصیف نے کہا اور شہاب اسے کار کا نمبر بتانے لگا...... وہ بولا۔ "رجسٹریشن آفس جا کر اس کار کے بارے میں تفصیلات معلوم کرو، مکمل تفصیل حاصل کرنے کے بعد اس جگہ جاؤ اور اس نمبر کی کار کو نگاہ میں رکھو جیسی بھی صورت حال ہو مجھے اس کے بارے میں رپورٹ پیش کرو، معلوم کرنا ہے کہ کار کس کی ہے اور رات کو اسے کون ڈرائیو کر رہا تھا...... تم ان تفصیلات کو حاصل کرنے میں جلد بازی کا مظاہرہ بالکل نہیں کرو گے...... احتیاط شرط ہے۔"

"بہت بہتر جناب۔" توصیف نے جواب دیا...... ٹرانسمیٹر بند کرنے کے بعد شہاب کچھ دیر سوچتا رہا پھر سادہ لباس میں اس نے باہر نکلنے کی تیاری شروع کر دی...... اہل خاندان کے ساتھ کھانے پینے کا موقع تو بہت کم ہی ملتا تھا...... ابھی ناشتا تک تیار نہیں ہوا تھا لیکن وہ

لوگ اس سے بہت زیادہ کہتے تھے کہ گھر میں انسانوں کی طرح رہا کرے اور تمام معاملات میں دلچسپی لیا کرے...... یہ الگ بات ہے کہ وہ شہاب کی ذمے داریوں کو مکمل طور سے نہیں سمجھتے تھے...... ٹیلی فون پر اس نے تھانے کے نمبر ڈائل کئے اور ریسیور کان سے لگالیا...... جواد بیگ اس وقت موجود نہیں تھا...... اے ایس آئی نے فون ریسیو کیا تھا۔

"مسٹر جواد بیگ ہیں؟"

"نہیں جی آپ کون بول رہے ہیں؟" اے ایس آئی کی آواز اُبھری۔

"آفیسر آن سپیشل ڈیوٹی۔"

"یس سر...... یس سر۔" ایس آئی مستعد ہو گیا۔

"آج کوئی ایکسیڈنٹ کیس جواد بیگ کے پاس آیا تھا؟"

"جی سر...... وہ اسی سلسلے میں کارروائی کر رہے ہیں۔"

"کیا پولیس سارجنٹ کے اہل خاندان کو اطلاع دے دی گئی؟"

"جی سر ڈیڈ باڈی ابھی ان کے حوالے نہیں کی گئی ہے...... وہ ہسپتال میں موجود ہے۔"

"کیوں؟" شہاب کی آواز میں غراہٹ تھی۔

"سر مجھے نہیں معلوم۔"

"چلو ٹھیک ہے اوکے...... میں خود ادیب سے بھی رابطہ قائم کروں گا۔"

"بہت بہتر سر۔" اے ایس آئی نے جواب دیا اور شہاب فون بند کرنے کے بعد کار میں بیٹھ کر نکل آیا...... ابھی کافی وقت تھا۔ برق رفتاری سے کار دوڑاتا ہوا وہ عدنان واسطی کے گھر پہنچ گیا...... بیل بجانے پر عدنان صاحب نے فوری دروازہ کھولا تھا...... شہاب کو دیکھ کر وہ ہمیشہ خوش ہو جایا کرتے تھے...... انہوں نے اسے راستہ دیتے ہوئے کہا۔ "سب سے پہلے یہ بتادو...... سب خیریت ہے نا؟"

"جی بالکل۔"

"اطمینان ہوا...... اتنی صبح شاید تم پہلی بار آئے ہو؟"

"جی ہاں...... جلدی اس لئے تھی کہ خوف تھا کہ شاید آپ لوگ ناشتا پہلے نہ کرلیں۔" شہاب نے ہنستے ہوئے کہا اور عدنان واسطی بھی ہنسنے لگے، پھر وہ اسے لے کر ڈرائنگ روم میں آگئے۔

"ناشتے کے بارے میں معلومات حاصل کرتا ہوں...... بعد میں بات کروں گا۔" وہ ڈرائنگ روم سے واپس نکل گئے اور شہاب ان کا انتظار کرنے لگا، پھر بھلا بینا کیوں پیچھے رہتی...... اتنی صبح شہاب کے آجانے پر اسے بھی حیرت ہوئی تھی...... اندر آتے ہوئے اس نے مسکراتی نظروں سے شہاب کی طرف دیکھا...... شہاب نے جلدی سے کہا۔

"کمال ہے...... سلام دعا بالکل بھول گئیں آپ۔"

"آپ نے سلام کرنے کا موقع تو دیا ہوتا۔"

"جی نہیں...... سب سے پہلے سلام اس کے بعد باقی سب کچھ۔"

"چلئے پھر السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام...... آئیے تشریف رکھئے مس بینا۔"

"سب خیریت تو ہے نا؟"

"یار کمال کرتی ہو تم شادی کے بعد کیا ہوگا...... ہوسکتا ہے میں گھر داماد بننے کا فیصلہ کرلوں۔"

"گڈ شاید رات بھر خواب میں بھی شرارتیں کرتے رہے ہیں۔" بینا نے کہا۔

"نہیں بھلا خواب میں شرارتیں کیسے کی جاسکتی ہیں۔"

"ویسے موڈ کیسے بن گیا۔" بینا نے پوچھا۔

"مس بینا ایک المیہ ہوا ہے رات کو لیکن ناشتے کے بعد بتاؤں گا چونکہ اگر وہ واقعات تمہارے سامنے بھی دہرا دیئے تو تم بھی مضمحل ہو جاؤ گی۔"

"گھر میں تو سب خیریت ہے ناں؟"

"یہی تو افسوس کی بات ہے...... بینا ہم صرف اپنے گھروں کے بارے میں سوچتے ہیں۔"

"میرا یہ مقصد نہیں تھا۔"

"ہاں گھر میں سب خیریت ہے...... عدنان صاحب کہاں گئے۔"

"ڈیڈی شاید کپڑے بدل رہے ہیں...... سونے کے لباس میں تھے۔"

"قیمتی لباس ہوتا ہے۔" شہاب نے جواب دیا اور بینا مسکرا دی پھر بولی۔ "میرا ذہن تمہارے الفاظ میں اُلجھا ہوا ہے۔"

"نہیں بینا بات تو خاص ہی ہے لیکن پھر وہی کہا جاسکتا ہے کہ تعلق براہ راست ہم

لوگوں سے نہیں ہے...... ایک حادثے کا واقعہ تھا۔'' اتنی دیر میں عدنان واسطی صاحب بھی لباس تبدیل کر کے آگئے تھے...... غالباً سب ہی متجسس تھے کہ شہاب اتنی صبح کیسے آیا ہے...... شہاب نے کہا۔

''بس واسطی صاحب اصل میں پچھلی رات بڑے سنگین حالات میں گزری ہے...... میں کسی کام سے نکلا ہوا تھا اور رات گئے ایک سڑک سے گزر رہا تھا کہ ایک تیز رفتار کار کو دیکھا۔'' شہاب نے آہستہ آہستہ تمام تفصیلات بینا اور عدنان واسطی کو بتادیں اور عدنان واسطی کے چہرے پر غم کے سائے پھیل گئے...... انہوں نے کہا۔

''کون ہو سکتا ہے تمہارے خیال میں؟''

''جو کوئی بھی ہے...... بہر حال اس نے بدترین جرم کیا ہے...... ہو سکتا ہے کہ کار میں کوئی خطرناک قسم کے لوگ کوئی واردات کر کے واپس لوٹ رہے ہوں اور نہ رکنا چاہتے ہوں لیکن اس کی سپیڈ واقعی اتنی تھی کہ میں بھی اس کے پیچھے لگ گیا تھا...... سارجنٹ نے صرف اپنی ڈیوٹی سرانجام دی تھی اور کسی کے خلاف کچھ نہیں کیا تھا...... بینا ناشتے کے بعد ہمیں چلنا ہے...... میں نے رات کوشش کی کہ اشتیاق علی سے لاتعلق رہوں...... کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہاں ہمیں المیہ مناظر کے سوا کچھ نہیں ملے گا، لیکن دل نہیں مان رہا دیکھنا تو چاہئے اس کے اہل خاندان کو۔''

''ہاں بیٹے کسی کا دکھ بانٹ لینا بھی ایک عبادت ہوتی ہے۔''

عدنان واسطی نے کہا پھر بولے۔

''ویسے کیا خیال ہے تمہارا یہ کوئی باقاعدہ سوچا سمجھا تو جرم نہیں ہو سکتا...... میرا مطلب ہے کہ چونکہ سارجنٹ نے ایک تیز رفتار کار کا تعاقب کیا تھا اور کار میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے اس لئے اسے ٹکر ماردی کہ وہ رکنا نہیں چاہتے تھا...... ہو سکتا ہے کار کو کچھ ایسا ہی معاملہ درپیش ہو؟''

''ہاں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اشتیاق علی کو باقاعدہ قتل کیا گیا ہے لیکن بہر حال جرم کی سنگین نوعیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔''

''بے شک...... بے شک۔''

''میں چلتی ہوں ڈیڈی ناشتا لے کر آتی ہوں۔'' پھر تھوڑی دیر کے بعد بینا ناشتے کے

ساتھ واپس پلٹی، چونکہ شہاب نے اسے ساتھ لے جانے کا اشارہ دیا تھا...... اس لئے وہ تیار ہو کر آئی تھی...... سفید لباس میں وہ بہت حسین لگ رہی تھی...... ناشتا ساتھ ہی کیا گیا اور پھر اس کے بعد عدنان واسطی کی اجازت سے شہاب بینا کے ساتھ باہر نکل آیا...... بینا خاموشی سے اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی اور شہاب کار ڈرائیو کر رہا تھا...... بیٹھے بیٹھے اسے شرارت سوجھی تو اس نے کہا۔

''بینا یقین کرو کہ بہت سے مراحل تو خود بخود طے ہو گئے ہیں۔''

''کیا مطلب؟'' بینا نے چونک کر اسے دیکھا۔

''عدنان واسطی صاحب میرے اور تمہارے سلسلے میں اس قدر عادی ہو گئے ہیں کہ اب میں اطمینان سے تمہیں لے کر چلا آتا ہوں...... تجربہ تو نہیں لیکن اندازہ ہے کہ اسی طرح شوہر، بیویوں کو میکے سے لے آتے ہوں گے۔''

''چلو شکر ہے خدا کا موڈ تو کچھ بہتر ہوا...... میں تو تمہارا موڈ دیکھ کر پریشان ہو رہی تھی...... بہت زیادہ اثر لیا ہے تم نے۔''

''خیر بینا اب تم نے یاد دلا دیا تو میں واقعی تم سے کہوں کہ بعض اوقات کچھ المیئے ایسے ہو جاتے ہیں کہ ذہن کسی بھی طرح قابو میں نہیں رہتا، بہت بھری پری شخصیت تھی اس کی میں نے لاش کو اٹھا کر کار میں ڈالا تھا...... ایک بھرپور بدن کا مالک تم خود دیکھو کس طرح زندگی سے محروم کر دیا گیا۔'' بینا خاموش ہو گئی تھی...... کچھ لمحے خاموشی رہی تو اس نے کہا۔

''شہاب بہت سی باتیں سامنے آتی ہیں...... بہت سی ایسی باتیں سامنے آتی ہیں جنہیں سوچ کر دکھ ہوتا ہے...... ہو سکتا ہے بس یونہی تفریحاً ایک زندگی ختم کر دی گئی ہو۔''

''پتا لگ جائے گا بینا اور میں تفریحاً ہی انہیں فنا کر دوں گا۔'' شہاب کے لہجے میں غراہٹ اُبھر آئی تھی...... سول ہسپتال پہنچا تو پولیس کے بہت سے افراد وہاں موجود تھے...... خصوصاً ٹریفک پولیس کے بہت سے ایسے لوگ جو بہر حال اپنے ایک ساتھی کی موت پر افسردہ تھے...... وہاں جمع تھے، شہاب اور بینا اتر کر اندر داخل ہو گئے، پھر وہ بھی عام ہی لوگوں کی مانند وہاں موجود رہے تھے...... شہاب نے ڈیوٹی ڈاکٹر سے ڈیڈ باڈی کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا۔

''جی ہاں ڈیڈ تیار ہے صرف ایمبولینس کا انتظار کیا جا رہا ہے...... بس ابھی روانہ کر دی

جائے گی۔" شہاب اور بینا نے دُور سے اشتیاق علی کے اہل خاندان کو دیکھا...... دو چھوٹے چھوٹے بچے، ایک لڑکا اور ایک لڑکی موجود تھے...... ایک جوان سی عورت تھی...... کچھ اور افراد...... شہاب نے دُور سے ہی ان لوگوں کو نگاہ میں رکھا تھا، پھر جب اشتیاق علی کی ڈیڈ باڈی ایمبولینس میں رکھوائی گئی تو عورت دونوں بچے اور دو مرد ساتھ بیٹھ گئے تھے...... شہاب نے اپنی کار بھی ان کے پیچھے لگادی...... اشتیاق علی کا مکان درمیانہ درجے کا تھا...... وہاں اس کے اہل خاندان موجود تھے...... ویسے ٹریفک پولیس کا ایک پورا گروہ ساتھ ساتھ ہی آیا تھا...... یہ لوگ اپنے ساتھی کو تنہا نہیں چھوڑ رہے تھے اور بہر حال یہ متاثر کن منظر تھا...... شہاب نے بینا سے کہا۔

"تم اندر چلی جاؤ ذرا صورت حال کا جائزہ لو...... بہت زیادہ وقت تو یہاں نہیں لگایا جاسکتا لیکن پھر بھی تھوڑا سا میں چاہتا تھا کہ ان لوگوں کے حالات معلوم ہوں تاکہ ہم اپنے فرائض تلاش کرلیں۔" بینا نے گردن ہلادی اور اندر چلی گئی...... شہاب وہاں کے دوسرے معاملات میں مصروف ہو گیا تھا...... یہاں تو ویسے ہی بہت سے افراد موجود تھے...... بہر حال یہ بھی قابل قدر بات تھی کہ انہوں نے اپنے ساتھی کو اس قدر اہمیت دی تھی...... کافی دیر تک بینا اندر ہی رہی، شہاب اس کا انتظار کرتا رہا...... باقی سارے معاملات معمول کے مطابق تھے اور ایسی کوئی خاص بات نہیں تھی جس پر خصوصی توجہ دی جاسکتی...... بینا نے کہا۔

"میرا خیال ہے یہاں رکنا بے مقصد ہے...... تدفین میں ابھی کافی وقت صرف کریں گے یہ لوگ، کچھ عزیزوں کو ٹیلی گرام وغیرہ دیئے گئے ہیں...... انہیں بھی آنا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" شہاب نے کہا اور بینا کے ساتھ چل پڑا...... یہاں سے وہ لوگ کریم سوسائٹی کی کوٹھی پہنچے تھے...... شہاب کچھ مغموم نظر آرہا تھا...... بینا نے کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ ایک دلدوز المیہ ہے، لیکن بہر حال ہمیں ایسے واقعات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔" شہاب مدہم سے انداز میں مسکرا کر بولا۔

"زندگیاں کس آسانی سے چھین لی جاتی ہیں بینا۔" تھوڑی دیر کے بعد ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا اور شہاب نے ٹرانسمیٹر آن کردیا...... بینا چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی...... دوسری طرف سے آواز آئی۔ "سی۔ پی۔ کالنگ۔"

"ہاں میں بول رہا ہوں۔" شہاب نے شہنشاہ کی آواز میں کہا۔

"معلومات حاصل ہو گئی ہیں سر۔"

"بتاؤ۔"

"سر! کار ایک بہت بڑے آدمی فاضل دارا کی ہے اور جناب فاضل دارا رئیسوں کے حلقوں میں مشہور شخصیت رکھتا ہے...... بہت سے بڑے بڑے کاروبار ہیں اس کے...... سرکاری حلقوں میں بھی اس کا ایک احترام ہے...... کار اسی کی ہے...... اس کی شاندار کوٹھی شہر کے ایک پوش علاقے میں ہے...... بس یہی معلومات حاصل ہو سکی ہیں...... یہ نہیں پتا چل سکا کہ رات کو کار کس کے استعمال میں تھی...... ویسے فاضل دارا کا خاندان بہت مختصر ہے...... ایک نوجوان بیٹی، بیوی اور وہ خود...... کوٹھی میں اور بھی بہت سے افراد رہتے ہیں، جو اس کے مفادات کی دیکھ بھال کرتے ہیں...... ان میں اس کے کچھ اہل خاندان بھی ہیں۔"

"ٹھیک ہے توصیف فی الحال صرف اتنا ہی کافی ہے۔"

شہاب نے کہا اور رسمی گفتگو کے بعد ٹرانسمیٹر بند کردیا۔

"تمہیں آفس میں کوئی کام ہے؟"

"ہاں کچھ کام تھے لیکن ظاہر ہے وہ اب ڈیڈی نے سنبھال لئے ہوں گے...... اس لئے کوئی خاص مسئلہ نہیں ہے۔"

"میں تمہیں آفس چھوڑ دیتا ہوں...... وہاں سے میں چلا جاؤں گا...... اس سلسلے میں کام کرنا ہے۔"

"او کے جیسا تم مناسب سمجھو۔" بینا نے جواب دیا...... تھوڑی دیر کے بعد وہ کریم سوسائٹی کی کوٹھی سے باہر آگئے...... شہاب نے بینا کو عدنان واسطی کے دفتر کے نیچے چھوڑا اور پھر وہاں سے جواد بیگ کی جانب چل پڑا...... جواد بیگ تھانے میں موجود تھا...... خاصا مصروف رہا تھا...... آنکھوں میں سرخی لہرا رہی تھی...... شہاب کو دیکھ کر اس نے گردن خم کی اور اسے ضروری احترام دے کر بیٹھنے کی پیشکش کی۔

"سر ڈیڈ باڈی چلی گئی ہے...... میں تمام تر ہدایت کر کے تھانے آیا تھا تاکہ یہاں کے معاملات بھی دیکھ لوں۔"

"ٹھیک ہے مسٹر جواد بیگ...... میں نے یہ معلومات حاصل کرلی ہیں کہ رات کو جس کار سے حادثہ ہوا تھا...... وہ یہاں کے ایک مقامی رئیس فاضل دارا کی ہے۔"

"فاضل دارا۔" جواد بیگ چونک گیا..... شہاب کی نگاہیں چونکہ اس کے چہرے پر تھیں..... اس نے جواد بیگ کے چونکنے کو محسوس کر لیا تھا، چنانچہ اس نے سوال کیا۔

"جانتے ہو اس شخص کو؟"

"جی سر اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"کوئی خاص بات جانتے ہو؟"

"سر یہ اتنے بڑے لوگ خاص ہی ہوتے ہیں اور ان کے نام کے ساتھ خاص ہی واقعات وابستہ ہوتے ہیں۔"

"افسانہ نگاری مت کرو۔" شہاب نے سرد لہجے میں کہا۔

"فاضل دارا کے سلسلے میں بہت سے ایسے شکوک و شبہات ہیں جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس قدر دولت مند ہونے کے باوجود وہ کچھ ناجائز کاموں میں بھی مصروف ہے..... مثلاً سمگلنگ وغیرہ لیکن کسی کی مجال نہیں ہے کہ اس کے خلاف کوئی قدم اُٹھا سکے۔"

"کہیں سے ثبوت ملے ہیں؟"

"نہیں سر چونکہ میرا کوئی ایسا تعلق نہیں رہا..... بس تھوڑی سی تفتیش کے دوران کچھ ایسے کردار ملے تھے جن سے یہ معلومات حاصل ہوئیں۔"

"مثلاً!"

"ایک شخص ہے سر جس کا نام غفار شاہ ہے..... غفار شاہ ایک بدنام آدمی ہے..... بندرگاہ کے علاقے میں اس نے اپنا ایک ہوٹل کھولا ہوا ہے..... ہوٹل کی آڑ میں بہت سے کام ہوتے ہیں..... غفار شاہ کو فاضل دارا کی سرپرستی حاصل ہے..... ایک دوبار گرفتار ہوا ہے..... ایک مرتبہ منشیات کے سلسلے میں خاصا ہنگامہ رہا تھا..... پولیس نے رنگے ہاتھوں پکڑا تھا اسے آٹھ کلو گرام ہیروئن تھی اس کے پاس لیکن چار دن بھی لاک اپ میں نہیں رہ سکا..... حیرانگی کی بات ہے معلومات حاصل کرنے پر پتا چلا ہے کہ فاضل دارا کے ایک ٹیلی فون نے تمام معاملات ختم کر دیئے تھے سر یہ ہوتا ہے۔"

"ہوں..... اب یہ کرنا ہے..... جواد بیگ اس کار کے بارے میں فوری معلومات ضروری ہیں۔"

"سر آپ جو حکم دیں؟" شہاب تھوڑی دیر تک سوچتا رہا، پھر بولا۔

"چلو ایسا کرتے ہیں تفتیش کے لئے نکلتے ہیں..... روزنامچے میں تم یہ درج کر لو، کچھ فرضی نام لے لو جنہوں نے یہ حادثہ ہوتے ہوئے دیکھا ہے..... کار کا نمبر میں تمہیں بتائے دیتا ہوں..... ان لوگوں نے اس کار کی نشاندہی کی ہے..... بس اس سلسلے میں تم تفتیش کرنے چل پڑے ہو۔"

"سر آپ جیسا بھی حکم دیں۔"

"روزنامچے کا رجسٹر لے آؤ۔" شہاب نے کہا اور جواد بیگ نے رجسٹر منگوالیا، پھر اس کے بعد مختصر کارروائیاں ہوتی رہیں..... شہاب نے اپنی کار وہیں چھوڑ دی تھی..... اس نے کہا۔

"تم مجھے سپیشل برانچ کا آدمی بتاؤ گے..... اہمیت نہ دینا..... میں تمہارے ساتھ رہوں گا..... سادہ لباس میں ہوں اس لئے کوئی دقت پیش نہیں آئے گی..... سمجھ رہے ہو نا میری بات۔"

"جیسا آپ کا حکم سر۔" تھوڑی دیر کے بعد تمام تیاریاں مکمل ہو گئی تھیں اور پھر سب چل پڑے..... جواد بیگ نے دو کانسٹیبلوں کو ساتھ لے لیا تھا..... ان میں سے ایک پولیس جیپ ڈرائیو کر رہا تھا..... دوسرا اس کے برابر بیٹھا ہوا تھا..... شہاب اور جواد بیگ جیپ کے پچھلے حصے میں بیٹھے ہوئے تھے..... شہاب نے وہ پتا بتا دیا تھا جہاں فاضل دارا کی کوٹھی تھی اور جیپ اسی جانب جا رہی تھی..... شہاب گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا..... اس کے ذہن میں بار بار یہ خیالات اُبھر رہے تھے کہ اس بار ایک اژدھے سے جنگ ہے اور یقینی طور پر یہ جنگ دلچسپ ہو گی، بشرطیکہ معاملہ واقعی درست ہوا۔

❀ ❀ ❀

فاضل دارا حقیقت میں اتنا ہی صاحب اثر شخصیت کا مالک تھا کہ اس کے لئے یہ چھوٹا سا واقعہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا، لیکن نہ جانے کیوں اس کے ذہن کو کرید لگی رہی تھی، رات کا بقیہ حصہ اس نے کسی قدر بے سکونی سے گزارا تھا...... اپنے اندر کے احساسات کو وہ نہیں پڑھ سکا تھا...... آخر یہ بے کلی کیوں ہے؟ اپنے آپ ہی کو لعنت ملامت کرتا رہا تھا کہ ایک چھوٹی سی بات سے ذہن اس قدر خراب ہو گیا ہے...... بہر حال صبح کو معمول سے کچھ جلدی جاگ گیا، غسل وغیرہ کیا، پھر باہر چہل قدمی کے لئے نکل آیا، سب سے پہلے دادل پر نظر پڑی تھی جو اپنے کوارٹر سے نکل رہا تھا...... فاضل دارا کو دیکھ کر اسی کی جانب دوڑ پڑا فاضل رُک گیا تھا۔

ہاں دادل کیا رہا؟"

"کام ہو گیا صاحب میٹر آگے بڑھا دیا گیا ہے...... تمام کاغذات اس میں رکھ دیئے گئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے...... ٹائروں پر بھی مٹی وغیرہ لگا دی ہے؟"

"سر وہ تو یہاں تک چل کر آئی تھی تو مٹی لگ گئی تھی۔"

"چلو ٹھیک ہے...... اتنی زیادہ گہرائیوں میں جانے کی ضرورت نہیں ہے...... بس جو ہو گیا وہ کافی ہے۔"

"جی صاحب۔" دادل نے کہا۔

"تم آرام کرو کسی اور کو تو اس واقعے کے بارے میں معلومات حاصل نہیں ہو سکیں؟"

"نہیں صاحب بھلا کیسے معلومات حاصل ہو سکتی تھیں۔"

"ٹھیک ہے۔" فاضل دارا نے کہا اور وہ دیر تک چہل قدمی کرتا رہا تھا، پھر اندر واپس آ گیا...... کافی دیر گزر گئی...... بیگم صاحبہ بھی جاگ گئی تھی...... بیڈ ٹی بھی لے لی گئی تھی...... بابا ابھی نہیں جاگی تھیں لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہ بھی جاگ گئیں...... سلیپنگ سوٹ میں ملبوس لڑکی در حقیقت بے حد دلکش تھی...... ماں باپ بیٹھے ہوئے تھے...... ان کے درمیان بیٹھ گئی...... فاضل دارا نے محبت بھرے انداز میں اسے دیکھا اور بولے۔

"گڈ مارننگ بیٹے۔"

"مارننگ ڈیڈی۔"

"کیا بات ہے؟ موڈ کچھ خراب لگ رہا ہے۔"

"ڈیڈی میں تھوڑے دن کے لئے آؤٹنگ پر جاؤں گی۔"

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے بیٹے؟ کب تک روانگی ہے؟"

"کچھ دوستوں کو بھی ساتھ لے جانا ہے...... ان کی مصروفیات ختم ہو جائیں تو آپ میرے لئے انتظام کر دیجئے گا۔"

"ہو جائے گا جان کہاں جاؤ گی؟"

"اس بار ہم روم جانے کا پروگرام رکھتے ہیں...... میں روم سے کہیں اور بھی نکل جاؤں گی...... تقریباً ایک مہینے کا پروگرام رہے گا ہمارا۔"

"ایک مہینہ۔" فاضل دارا نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

"کیوں، اس میں آنکھیں پھاڑنے کی کیا بات ہے؟"

"نہیں بیٹا آنکھیں نہیں ہمارا دل پھٹ رہا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"ایک مہینہ تم ہم سے دُور رہو گی۔"

"تو آپ بھی چلئے میرے ساتھ...... میں تنہا نہیں جانا چاہتی آپ چاہیں تو میرے ساتھ چل سکتے ہیں۔"

"نہیں بیٹے ابھی پچھلے ہی دنوں ہم اٹلی گئے تھے اور خاصا وقت وہاں صرف ہوا...... یہاں کے معاملات بھی ہیں، جنہیں بہر حال دیکھنا ہوتا ہے۔"

"اوہو...... آپ کو تقریریں کرنے کا بہت زیادہ شوق ہے ڈیڈی اس بات کو چند الفاظ

میں بھی کہا جاسکتا ہے لیکن خدا کی پناہ کتنی بڑی تقریر کر ڈالی آپ نے...... بہر حال ڈیڈی آپ انتظام کر دیجئے میرا۔"

"کتنی لڑکیاں جائیں گی تمہارے ساتھ؟"

"چار لڑکیاں ہوں گی میرے ساتھ۔"

"اور ظاہر ہے ہماری بیٹی ان کے اخراجات بھی برداشت کرے گی۔"

"اخراجات...... اخراجات...... اخراجات...... ڈیڈی آپ کے پاس اس کے علاوہ کوئی اور دلچسپ بات ہے۔" جواب میں فاضل دارا ہنسنے لگا، پھر بیوی کی طرف رُخ کر کے بولا۔

"دیکھا آپ نے آپ کی صاحب زادی سمجھتی ہیں کہ دولت کے درخت اُگتے ہیں اور ان میں دولت پتوں کی طرح لٹکتی ہے۔"

"بیٹی باپ کے راج میں عیش نہیں کرے گی تو اور کیا کرے گی۔"

"میری بیٹی ساری زندگی عیش کرنے کے لئے پیدا ہوئی ہے میرے راج میں بھی عیش کرے گی اور شوہر کے ساتھ بھی عیش کرے گی۔"

"وہ کون گدھا ہو گا ڈیڈی جو میرا شوہر بنے گا۔"

"ارے ارے ہم تمہیں گدھے نظر آتے ہیں...... یعنی تمہاری ممی کے شوہر۔"

"ڈیڈی مجھے اس نام سے ہی نفرت ہے...... آپ سمجھتے ہیں کہ میں کسی کی بھی محکومیت برداشت نہیں کر سکتی اور میں نے یہی دیکھا ہے کہ یہ جو شوہر نام کی چیز ہوتی ہے ناں ڈیڈی یہ بے وقوف خود کو زبردستی بیوی کا مالک سمجھ لیتا ہے...... ڈیڈی آپ تو بہت اچھے شوہر ہیں ممی کے سامنے کبھی گردن اٹھا کر بھی بات نہیں کرتے...... شوہروں کے بارے میں جو داستانیں میں نے سنی ہیں...... آپ کے خیال میں کیا وہ غلط ہوتی ہیں؟"

"اسے کہتے ہیں منہ کے منہ پر گالیاں دینا...... آپ کی صاحبزادی اس وقت ہمیں گالیاں سنا رہی ہیں۔"

"اوہ...... نو ڈیڈی میں نے آپ کو کوئی گالی نہیں دی لیکن میں آپ کو یہ بتا دوں...... میرے لئے کوئی گدھا کبھی نہ تلاش کریں...... میں ایک آزاد زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔"

"بیٹے...... جو گدھا ہم تمہارے لئے منتخب کریں گے نا...... اس کی ناک میں رسی ڈال کر رسی ہم تمہارے ہاتھ میں دیں گے، تاکہ وہ زندگی بھر اِدھر اُدھر گردن نہ ہلا سکے...... کیا

سمجھتی ہو تم اپنے باپ کو؟"

"ہونہہ...... شوہر نام کا گدھا بھی مجھ کو پسند نہیں ہے ڈیڈی...... ممی بھوک لگ رہی ہے...... ناشتے کا بندوبست کریں۔"

"اوکے بیٹا...... آپ کچھ جلدی نہیں جاگ گئیں۔"

"ہاں ممی بس میری مرضی...... جب تک دل چاہتا ہے سوتی ہوں...... جب بستر بدن میں چبھنے لگتا ہے تو جاگ جاتی ہوں۔" لڑکی نے جواب دیا۔

"ہمارے بیٹے...... رات کو آپ کلب سے کس وقت واپس لوٹی تھیں۔"

"میں وقت کبھی یاد نہیں رکھتی ڈیڈی...... کیا مجھے وقت یاد رکھنا چاہئے؟"

"نہیں میں یونہی پوچھ رہا تھا...... بیٹے...... آپ خود ڈرائیو کر رہی تھیں؟"

"تو پھر؟"

"آپ کا باڈی گارڈ آپ کے ساتھ تھا؟"

"جی دادل پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔"

"آپ کو یاد ہے...... راستے میں آپ نے کار کا ایکسیڈنٹ کر دیا تھا؟"

"ایکسیڈنٹ۔" ہما کسی سوچ میں ڈوب گئی...... کچھ لمحے غور کرتی رہی اور پھر بولی۔

"ہاں یاد آیا ڈیڈی...... وہ غالباً کوئی ٹریفک سارجنٹ تھا...... آپ کو پتا ہے کہ جب میں کار ڈرائیو کرتی ہوں تو پھر اپنے راستے میں کوئی رکاوٹ پسند نہیں کرتی...... غالباً اس وقت بھی میں تیز ڈرائیو کر رہی تھی...... سارجنٹ میرے پیچھے لگ گیا...... وہ مجھے روک رہا تھا...... میں نہیں رکی...... تب اس نے بہت زیادہ سمارٹ بننے کی کوشش کی...... اپنی موٹر بائیک کو میری کار سے آگے نکال لے گیا اور اسے راستے میں لانے کی کوشش کی...... اب آپ خود بتائیے ڈیڈی کیا مجھے کار روکنی چاہئے تھی؟" ہما نے سوال کیا اور فاضل دارا عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا پھر اس نے کہا۔

"ہما کیا تم نے بہت زور سے اس کو ٹکر ماری تھی؟"

"ڈیڈی میں نے غور ہی نہیں کیا تھا...... بس وہ سامنے آیا میں نے اسے اُڑا دیا۔"

"اور اگر وہ مر گیا ہو تو؟"

"یہ اس کی تقدیر ہے...... اس کی موت اسی طرح لکھی ہوئی تھی تو میں بھلا کیا

کر سکتی تھی۔"

"نہیں بیٹے پھر بھی تھوڑا سا خیال تو کرنا ہی پڑتا ہے۔"

"بور مت کیجئے ڈیڈی...... ممی ناشتے کا کیا ہو رہا ہے؟ ناشتا نہیں کرائیں گی مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

"ہاں ہاں...... بالکل بالکل۔" پھر تھوڑی دیر کے لئے خاموشی چھا گئی...... عین اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور فاضل دارا نے دروازے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کون ہے آؤ۔" اندر آنے والا ہاؤس کیپر تھا...... اس کا نام ظفر تھا...... اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیلے ہوئے تھے۔

"ہاں ظفر...... کیا بات ہے۔"

"سر وہ پولیس آئی ہے۔" ظفر نے جواب دیا اور فاضل دارا کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے کھنچاؤ پیدا ہو گیا، پھر اس نے کہا۔

"پولیس؟"

"جی ہاں۔"

"کیوں آئی ہے...... پوچھا نہیں تم نے؟"

"آپ سے ملنا چاہتے ہیں وہ لوگ۔"

"کون ہیں؟ کس رینک کے لوگ ہیں؟"

"ایک پولیس انسپکٹر ہے سر...... اس کے ساتھ سپیشل ڈیپارٹمنٹ کا ایک آدمی ہے اور باقی کانسٹیبل وغیرہ ہیں۔"

"کیسے آئے ہیں یہ لوگ...... کیا موبائل ہے؟"

"نہیں سر...... جیپ ہے۔"

"کیا تم نے جیپ کو کوٹھی کے اندر آنے کی اجازت دے دی؟"

"نہیں سر...... وہ گیٹ پر ہیں۔"

"کیا انہوں نے اندر آنا چاہا تھا؟"

"جی سر...... چوکیدار سے کہا تھا کہ گیٹ کھولیں...... چوکیدار نے انکار کر دیا...... میں بھی اتفاق سے قریب ہی موجود تھا...... میری بات ہوئی تو میں نے کہا کہ یہ فاضل دارا کی

کوٹھی ہے اور اس کوٹھی میں کوئی بھی گاڑی بغیر اجازت کے داخل نہیں ہو سکتی...... چاہے وہ کسی نوعیت کی ہو...... میں نے اسے یہ بھی کہا کہ جیپ کو گیٹ سے خاصا دور ہٹا کر کھڑا کیا جائے تاکہ وہ ہمارے گیٹ پر کھڑی معلوم نہ ہو۔"

"تو پھر؟"

"انہوں نے ایسا ہی کیا ہے۔"

"انسپکٹر باہر موجود ہے؟"

"نہیں سر...... انسپکٹر اور سپیشل ڈیپارٹمنٹ کا آدمی اندر آ گئے ہیں۔"

"کیا تم نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا ہے؟"

"نہیں سر...... بھلا اس کا کیا سوال ہے۔"

"کہاں ہیں وہ؟"

"لان پر کھڑے ہوئے ہیں۔"

"بیٹھنے کی پیشکش کی تم نے انہیں؟"

"نہیں سر۔"

"گڈ...... میں تمہیں اسی لئے پسند کرتا ہوں ظفر...... اب تم اطمینان سے اپنے کاموں میں مصروف ہو جاؤ، انہیں کھڑا رہنے دو...... پھر تھوڑی دیر کے بعد ٹہلتے ہوئے باہر جاؤ...... ان سے کہو انتظار کریں...... ہم ناشتا کر رہے ہیں...... جانا چاہیں چلے جائیں...... ورنہ پھر کھڑے ہو کر انتظار کریں...... بیٹھنے کی پیشکش مت کرنا انہیں۔"

"جی سر۔"

"جاؤ۔" فاضل دارا نے کہا اور ظفر گردن خم کرتے ہوئے باہر نکل آیا۔

فاضل دارا کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا...... بیگم صاحبہ نے کہا۔

"یہ پولیس کیوں آئی ہے ہماری کوٹھی پر؟"

"ہو گا کوئی کام...... کیا کہا جا سکتا ہے۔" فاضل دارا نے بے پروائی سے کہا...... ہما غور سے باپ کو دیکھ رہی تھی، پھر اس نے کہا۔

"کہیں یہ اسی ایکسیڈنٹ کے سلسلے میں تو نہیں آئے ڈیڈی؟"

"ہو سکتا ہے۔"

"تو پھر آپ ان سے نہ ملئے میں خود مل لوں گی۔"

"تمہارا دماغ خراب ہے۔"

"کیوں ڈیڈی؟"

"دیکھو...... اس ملک پر ہماری حکمرانی نہیں ہے اور حکمرانی ہوتی بھی تو کم از کم ہم قتل کا لائسنس نہیں رکھتے...... ہر ایسے جرم کا جواب دینا ہوتا ہے ہما تم بے وقوف ہو بالکل بے وقوف...... کبھی کبھی ایسی باتیں کرنے لگتی ہو کہ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا...... ساری باتیں اپنی جگہ لیکن اگر کوئی ٹریفک سارجنٹ تمہارے ہاتھوں قتل ہو جائے تو شاید میں بھی تم کو نہ بچا سکوں۔"

"ڈیڈی کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"جو کچھ کہہ رہا ہوں ٹھیک کہہ رہا ہوں...... سنو غور سے سنو...... تم کلب سے اُٹھی تھیں...... کار ڈرائیو کرتی ہوئی آئی تھیں...... گھر آکر تم نے کار کھڑی کی تھی...... تمہیں ٹریفک سارجنٹ کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا اور نہ ہی تمہاری کار سے اس کی ٹکر ہوئی ہے...... سمجھ رہی ہو ناں؟"

"کیا مجھے عدالت میں یہ بیان دینا پڑے گا؟"

"نہیں اگر بات تم تک پہنچے...... اول تو پہنچے گی نہیں لیکن اگر کوئی تم تک پہنچ ہی جائے تو پھر جو کچھ میں تم سے کہہ رہا ہوں تمہیں وہی کہنا ہے۔"

"یعنی میری کار سے کوئی ٹکر وغیرہ نہیں ہوئی۔"

"بالکل۔"

"اوکے ڈیڈی...... جیسا آپ کہیں لیکن آپ کو اپنے یہ الفاظ اور اپنا لہجہ یاد رکھنا ہوگا...... آپ نے میری توہین کی ہے ڈیڈی۔"

"بے بی...... دیکھو جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس کا خیال رکھو۔"

"پھر آپ نے مجھے بے بی کہا۔"

"بابا...... بابا...... بس بابا خدا کے واسطے اپنا بھی خیال رکھا کرو اور دوسروں کا بھی...... تم کچھ زیادہ آگے بڑھ رہی ہو۔"

"ممی...... دیکھئے ڈیڈی مجھے ڈانٹ رہے ہیں۔" ہما نے کہا اور بیگم صاحبہ تشویش زدہ

نگاہوں سے اسے دیکھنے لگیں پھر ملازمہ نے آکر ناشتا لگ جانے کی اطلاع دی تھی۔

ظفر معقول آدمی معلوم ہوتا تھا...... چوکیدار نے گیٹ کھولنے میں تعرض کیا تھا اور باہر نکل آیا تھا...... اس نے کہا۔

"سر...... میرے کو دروازہ کھولنے کی اجازت نہیں ہے...... آپ ادھر تھوڑا انتظار کرو...... میں خبر کرتا ہوں۔"

"ہم اندر تو نہیں جائیں گے چوکیدار...... تم دروازہ کھولو۔"

"صاب...... آپ لوگ گاڑی سے اتر کر اندر آجاؤ...... ابھی میں بس ایک منٹ آپ سے مانگتا ہے۔" بہر حال وہ ملازم تھا...... وہ لوگ اس سے کیا کہتے لیکن چند ہی لمحوں کے بعد ظفر باہر نکل آیا تھا...... اس نے آکر سلام بھی کیا تھا۔

"میرا نام ظفر ہے اور میں یہاں ہاؤس کیپر ہوں۔"

"مسٹر ظفر یہ ایک سویلینٹ آدمی کی کوٹھی ہے اور پولیس بلا مقصد کسی جگہ نہیں آتی جاتی...... کیا پولیس جیپ کو اندر آنے کی اجازت نہیں ہوگی؟"

ظفر نے گردن خم کر کے کہا۔

"سر...... آپ کی آمد سر آنکھوں پر لیکن اگر مناسب سمجھیں تو میری ایک درخواست سن لیں۔"

"جی فرمایئے۔"

"سر جیپ کو ذرا تھوڑا سا پیچھے لے آئیں...... پلیز۔" ظفر نے لجاجت سے کہا...... شہاب اور جواد بیگ نیچے اتر گئے تھے...... انہوں نے ڈرائیور کو جیپ پیچھے لے جانے کے لئے کہا...... ظفر قریب آگیا اور بولا۔

"سر...... میں ادھر نوکری کرتا ہوں...... بس اتنا ہی عرض کر سکتا ہوں آپ سے کہ بہت بڑے لوگ، بہت بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں...... آپ لوگوں نے انہیں اس کا موقع دیا ہے، اگر مناسب سمجھیں تو میری ملازمت کو برقرار رہنے دیں...... انتظار کیجئے...... اندر سے اجازت لے کر آتا ہوں، اگر اجازت مل گئی تو آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا...... اگر ذاتی طور پر اسے میرا جرم سمجھتے ہیں تو مجھے سزا دے دیجئے اور کیا عرض کر سکتا ہوں۔" شہاب نے گردن ہلا کر کہا۔

"ٹھیک ہے اجازت لے آیئے۔"

"نہیں آپ اندر تو تشریف لے آئیں...... میں آپ سے تمام تر معذرتوں کے ساتھ یہ الفاظ کہہ رہا ہوں۔"

"او کے مسٹر ظفر او کے۔" شہاب نے کہا اور پھر وہ دونوں ذیلی دروازے سے اندر داخل ہو گئے...... ظفر انہیں لان پر لے آیا تھا...... اس نے کہا۔

" کاش یہ میرا گھر ہوتا...... تو میں آپ کو عزت و احترام کے ساتھ سر آنکھوں پر بٹھاتا...... آپ براہ کرم یہاں انتظار کیجیے۔"

"آپ جایئے۔" شہاب نے کہا اور ظفر اندر چلا گیا...... شہاب کی نگاہیں چاروں طرف کا جائزہ لے رہی تھیں...... اس نے جواد بیگ سے کہا۔

"آؤ۔" جواد بیگ اس کے ساتھ چل پڑا تھا...... شہاب سرخ رنگ کی اس چمچماتی ہوئی کار کے قریب پہنچ گیا، جس کی نمبر پلیٹیں لگی ہوئی تھیں اور یہی وہ کار تھی، جس سے اشتیاق علی کو ٹکر مار کر ہلاک کیا گیا تھا...... شہاب برق رفتاری سے سامنے کی سمت پہنچ گیا تھا اور دوسرے لمحے اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں...... کار پر کوئی ہلکا سا نشان بھی نہیں لگا ہوا تھا...... وہ بالکل صحیح سالم حالت میں تھی اور دنیا کی کوئی بھی فیکٹری کسی تباہ شدہ کار کو ڈنٹ پینٹ کر کے اس طرح چمکا کر نہیں کھڑا کر سکتی تھی...... اتنے مختصر وقت میں، جبکہ یہ کار بالکل درست حالت میں نظر آ رہی تھی...... شہاب کی پیشانی شکن آلود ہو گئی...... جواد بیگ نے سرسراتی آواز میں پوچھا۔

"یہی کار ہے؟"

"ہاں۔"

"یہی نمبر ہے؟"

"ہاں۔"

"مطلب یہ کہ۔"

"ہاں...... اس کا مقصد ہے کہ کارروائی ہو چکی ہے۔"

"سر آپ؟"

"اگر تم یہ کہنا چاہتے ہو جواد بیگ کہ نمبر میں مجھے کوئی غلط فہمی ہوئی ہے تو اس خیال کو

اپنے دل سے نکال دو...... نمبر وہی ہے اس کار کا لیکن...... لیکن۔"

"لیکن سر...... اس پر تو کوئی نشان بھی نہیں ہے، جبکہ موٹر بائیک کی کیفیت دیکھ کر یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ٹکر بڑی زور سے ہوئی ہوگی اور کار کو بھی شدید نقصان پہنچا ہوگا اور پھر وہاں قرب و جوار پر ہمیں ہیڈ لائٹس کے ٹوٹے ہوئے شیشے بھی ملے ہیں...... آپ ہی دیکھ لیجیے...... یہ ویسے ہی شیشے ہیں بالکل اور رنگ بھی وہی ہے۔"

"اگر تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا ہوں تو جواد بیگ میں پورے وثوق سے یہ کہتا ہوں کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" جواد بیگ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا تو اس نے چند لمحات خاموش رہنے کے بعد کہا۔

"اس کا مطلب ہے لیکن سر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"ہو سکتا ہے...... ہو سکتا ہے۔" شہاب نے کہا اور اس کے بعد وہ کار کا چاروں طرف سے جائزہ لیتا رہا...... ایک ایک چیز کو غور سے دیکھا...... نیچے جھک کر دیکھا...... دروازے کے پاس آ کر جھانک کر دیکھا، پھر آخر میں وہ ٹائروں کے پاس آ بیٹھا...... دوسرے لمحے اس کی آنکھوں میں دلچسپی کی ایک چمک پیدا ہو گئی...... اس نے جواد بیگ کو قریب بلایا اور کہا۔

"جواد ان ٹائروں کو دیکھو۔"

"جی سر۔" جواد بیگ نے کہا اور ٹائروں کے پاس بیٹھ گیا۔

"کچھ محسوس کیا؟"

"سوری سر کوئی خاص بات نہیں۔"

"کیا تم یہ کہہ سکتے ہو کہ یہ ٹائر چند فرلانگ سے زیادہ چلے ہوئے ہیں؟" جواد بیگ نے ٹائروں کے گرپ دیکھے اور اس کے بعد گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ...... بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

"کیا نتیجہ اخذ کرتے ہو اس سے؟"

"کچھ سمجھ نہیں پایا سر...... بالکل نہیں سمجھ پایا۔"

"جواد بیگ حتمی طور پر تو میں کوئی بات نہیں کہہ سکتا لیکن کوئی بڑی کارروائی ہو گئی ہے...... یقیناً کوئی بڑی کارروائی ہو گئی ہے...... نمبر پلیٹ وہی ہے لیکن کار بالکل نئی ہے...... تم خود دیکھو...... کیا...... تمہیں یہ کار استعمال شدہ محسوس ہوتی ہے...... میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ

دس پندرہ کلومیٹر بھی چلی ہوئی نہیں ہے۔"

"وہ تو اس کے میٹر سے پتا چل سکتا ہے سر۔"

"جو کارروائی ہوئی ہے وہ مگر ٹھیک ہے...... چلو ہٹ جاؤ کار کے پاس سے ہٹ جاؤ...... لوگوں کو شبہہ کا موقع نہیں دینا چاہئے...... میں دیکھوں گا کہ یہ لوگ کتنے ذہین، کتنے چالاک اور کتنے سمجھدار ہیں۔" شہاب نے کہا اور جواد بیگ کو لے کر وہاں سے ہٹ گیا، پھر وہ درختوں کے پاس آ کھڑے ہوئے...... جواد بیگ غصے سے بل کھا رہا تھا...... اس نے کہا۔

"کیا ان لوگوں نے ہمیں یہاں کھڑا کر کے ہماری توہین نہیں کی ہے۔"

"دماغ کو ٹھنڈا رکھنا سیکھو...... جواد بیگ...... جواد بیگ، جس کلچر میں ہم رہ رہے ہیں اور اس معاشرے میں کچھ افراد نے جو گندگی پیدا کر رکھی ہے...... ہمیں اس کے خلاف تحمل سے کام لینا چاہئے...... اژدھے پھنکارتے ہیں، وہ سوچتے ہیں کہ پہاڑوں کی چٹانوں تک کو نگل لیں گے لیکن آخر کار انہیں چٹانوں سے سر ٹکرا کر مرنا پڑتا ہے، کیونکہ چٹانیں ان کے بس کی چیز نہیں ہوتیں لیکن وہ زہریلے بھی ہوتے ہیں...... خونخوار بھی ہوتے ہیں اور پھنکار بھی سکتے ہیں۔" جواد بیگ خاموش ہو گیا...... اس نے کافی دیر تک خاموشی اختیار کئے رکھی، پھر شہاب ہی نے کہا۔

"وہ جان بوجھ کر ہماری توہین کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور یہی اس کی موت کا سامان ہے...... تم سمجھ رہے ہو ناں...... ہو سکتا ہے ہمارے دل میں اس کے لئے کوئی نرم گوشہ پیدا ہو جاتا...... ہم دوسرے انداز میں سوچتے لیکن اب وہ ہمیں مجبور کر رہا ہے کہ ہم اس کے خلاف بھرپور طریقے سے کام کریں۔"

"سر بس کیا کہا جائے...... آپ خود سوچ لیجئے، حالانکہ پولیس کا محکمہ ایسا نہیں ہے کہ اس کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کی جائیں...... تفتیش بہرحال تفتیش ہوتی ہے...... وہ ہمیں جان بوجھ کر تفتیش سے روک رہا ہے۔"

"ابھی کچھ نہیں...... ابھی کچھ نہیں۔" پھر خاصی دیر تک وہ وہاں کھڑے رہے تھے اور اس دوران شہاب غور کرتا رہا تھا...... وہ اس کھیل کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا...... ایکسیڈنٹ یقینی طور پر اسی نمبر کی کار سے ہوا تھا لیکن نمبر پلیٹیں اس کی جگہ موجود کار بے داغ، بے نشان بلکہ اس طرح سے محسوس ہوتا تھا کہ جیسے شوروم سے نکالی گئی ہو...... شوروم، شوروم،

شوروم، اچانک ہی شہاب کے ذہن میں توصیف کی پیش کی ہوئی رپورٹ آئی...... اس رپورٹ میں کوئی کمی رہ گئی تھی یا پھر شہاب کو یاد نہیں رہا تھا...... ہو سکتا ہے یہ کار راتوں رات حاصل کر لی گئی ہو اور یہ اس طرح ممکن ہے کہ فاضل دارا کا اپنا کوئی شوروم ہو...... سب کچھ پتا چل جائے گا...... سب کچھ اچھی طرح پتا چل جائے گا...... شہاب نے سوچا اور اس کا ذہن بہت سے منصوبے بناتا رہا...... خاصا وقت گزر گیا پھر جواد بیگ بے چین ہونے لگا، اس نے کہا۔

"وہ بدبخت کہیں بھول تو نہیں گیا۔" شہاب کی نگاہیں چاروں طرف بھٹکنے لگیں پھر تھوڑی دیر کے بعد ظفر ہی آتا ہوا نظر آیا۔

"آیئے آپ لوگ۔" اس نے کہا اور شہاب، انسپکٹر جواد کے ساتھ آگے بڑھ گیا...... ظفر کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نظر آ رہے تھے...... اندر پہنچنے کے بعد اس نے ڈرائنگ روم کے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"براہ کرم تشریف لے آیئے۔" پھر وہ دونوں ڈرائنگ روم میں داخل ہو کر صوفوں پر بیٹھ گئے تھے...... ظفر باہر نکل گیا...... غالباً وہ ان سے گفتگو کرنے سے گریز کر رہا تھا...... جواد بیگ نے کہا۔

"اس شخص کو مکان کے مالک کی بدتمیزی کا پورا پورا احساس ہے۔" شہاب نے کوئی جواب نہیں دیا...... تھوڑی دیر کے بعد فاضل دارا اندر داخل ہوا اور ان دونوں کو گھورنے لگا۔

"پہلی غلطی تو تمہاری یہ تھی کہ تم نے مجھ سے کوئی اپائمنٹ نہیں لیا اور جانوروں کی طرح منہ اُٹھائے چلے آئے...... کم از کم پولیس کا ڈسپلن ہی تمہیں معلوم ہونا چاہئے تھا کہ کس پائے کے شخص سے کس انداز سے ملا جاتا ہے...... کیا تمہیں ٹریننگ کے دوران اس بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا۔"

"سوری سر لیکن بس چونکہ کوئی اہم مسئلہ نہیں تھا...... ایک چھوٹی سی تفتیش کر رہے تھے، چنانچہ اس طرح چلے آئے۔"

"خیر میں چاہوں تو تمہیں اس سلسلے میں معطل بھی کرا سکتا ہوں لیکن میں نرم مزاج آدمی ہوں...... جوان لڑکے ہو...... اس لئے میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا...... آئندہ ہر انسان سے ملنے سے پہلے اس کی حیثیت، اس کی شخصیت کا اندازہ لگا لینا۔ کہو کیا بات ہے؟" اس نے کھڑے کھڑے پوچھا۔

"سر ایک حادثہ ہوا ہے۔"

"کیسا حادثہ؟"

"سر ایک ٹریفک سارجنٹ کو ٹکر مار کر ہلاک کر دیا گیا ہے۔"

"اوہو...... یہ تو بری بات ہے...... کس نے ایسا کیا ہے؟"

"سر جس کار سے اس کا حادثہ ہوا ہے...... اس کا نمبر آپ کی کار کے نمبر سے ملتا ہے۔"

"ملتا ہے؟"

"مطلب یہ کہ اسی کار کا نمبر ہے۔"

"میرے پاس تو بہت سی کاریں ہیں...... کون سی کار کا نمبر ہے یہ؟"

"سر...... سرخ رنگ کی وہ کار جو باہر کھڑی ہوئی ہے۔"

"ٹریفک سارجنٹ ہلاک ہو گیا ہے؟"

"جی سر۔"

"حادثہ کس طرح ہوا؟"

"سر اس نے موٹر بائیک کو ٹکر ماری تھی...... رات کو یہ کار سفر کر رہی تھی...... رفتار بے حد تیز تھی اور ٹریفک سارجنٹ نے صرف سپیڈ کی بنیاد پر اسے روکنے کی کوشش کی لیکن کار نے ٹریفک سارجنٹ کو ٹکر ماری اور ٹریفک سارجنٹ ہلاک ہو گیا۔"

"یہ تم سے کس نے کہا کہ یہ ہماری کار تھی؟"

"سر وہاں اور بھی ٹریفک تھا...... کچھ گاڑیوں نے اس کار کو ٹکر مارتے ہوئے دیکھا اور کچھ سمجھدار لوگوں نے وہ نمبر نوٹ کر لیا۔"

"ہوں تو تم ان سمجھدار لوگوں کو میرے پاس لے آؤ...... میں ان کی بینائی درست کرنے کی کوشش کروں گا، جس کار کا تم حوالہ دے رہے ہو...... وہ کار باہر کھڑی ہوئی ہے اس کا جائزہ لے لو...... اس سے کوئی ایکسیڈنٹ نہیں ہوا ہے...... نمبر پلیٹ دیکھنے میں غلطی ہو گئی ہے اور تم منہ اُٹھا کر دوڑے چلے آئے۔"

"سر تفتیش کرنا تو پولیس کا کام ہے۔"

"پولیس کے تو بہت سے کام ہیں...... کم از کم یہ تو دیکھ لینا چاہئے کہ کس حیثیت کے مالک شخص کے پاس تم لوگ جا رہے ہو۔"

"سر...... میں نہیں سمجھتا کہ اگر کسی بھی حیثیت کا مالک کوئی شخص کوئی حادثہ کر دے تو ہم کو اس سلسلے میں خاموشی اختیار کر لینی چاہئے۔" جواد بیگ نے کہا۔

"بہت چرب زبان معلوم ہوتے ہو انسپکٹر...... کتنا عرصہ ہو گیا ہے نوکری کرتے ہوئے؟" جواد بیگ کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں، لیکن شہاب نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"سوری سر اگر ایسی کوئی بات ہے تو آپ بہر حال اسے کوئی غلط فہمی سمجھئے گا۔"

"اور اس غلط فہمی میں پڑ کر تم نے میرے چھ منٹ ضائع کر دیئے...... بس اور کچھ پوچھنا چاہتے ہو؟"

"جی پوچھنا تو چاہتے ہیں۔"

"اب بھی؟"

"جی ہاں۔"

"کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"سر رات یہ کار کس کے استعمال میں تھی؟"

"آفیسران تمام فضول باتوں کے جواب کے لئے میرے پاس وقت نہیں ہے...... میں چاہتا ہوں تم لوگ چلے جاؤ۔" فاضل دارانے کہا اور واپسی کے لئے مڑ گیا...... چند لمحات کے بعد وہ دروازے سے باہر نکل گیا تھا...... جواد بیگ شدید غصے میں معلوم ہوتا تھا...... اس نے شہاب کی طرف دیکھا اور کہا۔ "سر! کیا یہ سب ٹھیک ہے؟" شہاب مسکرانے لگا پھر بولا۔

"اس شخص کو اگر تمہارے ہاتھوں سے جوتے نہ لگوائے جواد بیگ تو میرا نام شہاب نہیں ہے...... کیا اس دعوے پر بھروسا کر سکتے ہو؟" جواد بیگ، شہاب کی صورت دیکھتا رہا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"سوری سر...... سوری ویری سوری۔"

"آؤ۔" شہاب نے کہا اور اس کے بعد وہ دونوں باہر نکل آئے، پھر وہ کوٹھی میں نہیں رکے تھے...... باہر نکل کر وہ جیپ میں بیٹھے اور شہاب نے کہا۔ "تھانے واپس چلو۔" ڈرائیور نے جیپ سٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی تھی۔

جواد بیگ شدید طیش میں تھا...... اس کے چہرے پر جو کیفیت نظر آ رہی تھی شہاب اس سے غافل نہیں تھا...... تھانے میں پہنچنے کے بعد شہاب نے کہا۔ "جواد بیگ...... وہاں ہماری کوئی خاطر مدارت ہوئی نہیں...... کیا تم مجھے کولڈ ڈرنک نہیں پلاؤ گے؟"

"سر...... ابھی منگواتا ہوں۔" جواد بیگ نے کہا اور ایک اردلی کو بلا کر کولڈ ڈرنک لانے کے لئے کہا...... شہاب کی آنکھوں میں مسکراہٹ تھی...... جواد بیگ کو دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔

"ایک پولیس آفیسر کو ایسے نہ جانے کتنے افراد سے واسطہ پڑتا ہے...... میں پھر تمہیں یہی تلقین کروں گا کہ ذہن کو پوری طرح معتدل رکھو...... ہمیں کم از کم یہ اندازہ ہو گیا کہ اس شخص کے خلاف ہمیں ذرا مختلف انداز میں کارروائی کرنا ہو گی...... دیکھو جواد بیگ کوئی بھی شخص قانون سے نہیں بچ سکتا...... چاہے وہ کسی حیثیت کا مالک ہو...... یہ تو انسان کی غلط فہمی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ایک حصار میں محفوظ سمجھتا ہے، جبکہ حقیقتاً وہ حصار، حصار نہیں ہوتا...... بہرحال جواد بیگ ہم نے اس سلسلے میں کام شروع کر دیا ہے...... تم بالکل اطمینان رکھو...... میں تمہیں تمام تر کوائف سے آگاہ کروں گا۔"

"سر...... کیا کہا جا سکتا ہے...... پولیس کے اختیارات اس قدر محدود ہیں کہ ہمارے ساتھ یہ سلوک بھی کیا جا سکتا ہے۔"

"کوئی فکر کی بات نہیں ہے جواد بیگ...... بہرحال تمہیں اندازہ ہے کہ جیت حق کی ہوتی ہے...... اشتیاق علی ہمارا ساتھی تھا اور نہ بھی ہوتا تو کوئی بھی انسان ہوتا...... ہم اس کی موت کو اس طرح نظرانداز تو نہیں کر سکتے...... تم بالکل مطمئن رہو، جہاں کہیں قانون کے قدم رکے ہونگے وہاں۔" شہاب نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا...... تھوڑی دیر تک وہ جواد بیگ کے پاس بیٹھا اسے سمجھاتا رہا...... جواد بیگ خود بھی ذہنی طور پر بہت پریشان نظر آ رہا تھا... اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ مخلص انسان ہے...... کام کرنا چاہتا ہے لیکن رکاوٹوں کو ہٹانے کی سکت نہیں رکھتا، لیکن شہاب کے لئے ناممکن نہیں تھا...... کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں بینا کے ساتھ میٹنگ کرتے ہوئے اس نے تمام تفصیلات بتائیں اور کہا۔

"میں اس سلسلے میں کام کرنے کے انداز کو تھوڑا تبدیل کرنا چاہتا ہوں...... اس کے میں بینا میں رسک لینے کے موڈ میں ہوں...... میں دیکھوں گا کہ آئی جی صاحب کے ہاتھ لمبے ہیں...... کتنے اختیارات حاصل ہیں انہیں اور اگر کہیں، کسی جگہ آئی جی صاحب کی...

...رک گئے تو پھر شہنشاہ منظر عام پر آئے گا۔" بینا مسکرانے لگی تھی، اس نے کہا۔

"اور شہنشاہ آخر کار شہنشاہ ہوتا ہے۔" شہاب سنجیدہ ہو گیا تھا...... پہلا فراڈ اس کی سمجھ میں آ گیا تھا...... یعنی اس کی جگہ دوسری کار کھڑی کر دی گئی تھی...... اس بات کا اسے یقین ...... چنانچہ اس نے سب سے پہلے ڈبل او گینگ سے کام لینے کا فیصلہ کیا اور اس کے بعد شہنشاہ کی حیثیت سے انہیں احکامات دینے لگا...... سب سے پہلے سردار علی اور انجم کو ڈیوٹی دی گئی کہ وہ بڑی احتیاط کے ساتھ فاضل دارا کی کوٹھی کی نگرانی کریں...... وہاں آنے جانے والوں کی فہرست تیار کریں...... وہاں کتنے افراد رہتے ہیں ان کا جائزہ لیں...... یہ تمام معلومات حاصل کی جائیں...... دوسرے دو افراد کو اس نے یہ ذمے داری سونپی کہ اپنی موٹر سائیکلوں پر وہ وہیں مستعد رہیں...... سرخ رنگ کی اس نمبر پلیٹ والی کار جہاں بھی جائے...... اس کا بڑی احتیاط کے ساتھ تعاقب کیا جائے...... یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے کہ عام طور پر اسے کون ڈرائیو کرتا ہے...... اس کے علاوہ بقیہ افراد کو اس نے فاضل دارا کے اطراف میں پھیلے ہوئے تمام افراد کی نگرانی کرنے کے لئے کہا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ لمحے لمحے کی رپورٹ پیش کی جائے...... مس بینا اس سلسلے میں تمام رپورٹیں موصول کریں گی...... بینا نے ان تمام احکامات کو سننے کے بعد مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس کا مقصد ہے کہ فاضل دارا کی واقعی شامت آ گئی؟"

"ہاں بینا...... بہت عرصے کے بعد پھر ہمیں ایک ایسا کردار ملا ہے جو ہماری پسند کے مطابق ہے...... اس شخص کے ساتھ کارروائی کرنے میں لطف آئے گا۔" بینا کے ساتھ بہت دیر تک گفتگو رہی اور اس کے بعد شہاب نے اپنے طور پر سوچنا شروع کر دیا...... یہ تمام معاملات تسلی بخش تھے جو کچھ اس نے کیا تھا...... اس کا نتیجہ یقینی طور پر بہت ہی جلد برآمد ہو گا ...کارکردگی کا انداز تھوڑا سا تبدیل کرنا تھا...... کار کے سلسلے میں کیا ہو سکتا تھا، پھر اس نے جواد بیگ کی ڈیوٹی لگائی کہ سرخ رنگ کی ایک ایسی کار پورے شہر میں تلاش کی جائے جو آگے سے زخمی ہو گئی ہو...... جواد بیگ اس کا مطلب سمجھ گیا تھا...... اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے سر...... میں خود بھی یہ ڈیوٹی سرانجام دوں گا۔"

"جواد بیگ اگر ایسی کوئی کار کہیں کسی جگہ کھڑی ہوئی نظر آ جائے تو اس کی پبلسٹی کرنے کی ضرورت نہیں ہے...... خاموشی سے اسے لے آؤ اور کسی ایسی جگہ کھڑا کر دو جہاں اسے نہ

دیکھا جاسکے۔"

"بہتر جناب۔"

شہاب خود بھی کارکردگی میں مصروف رہا تھا، پھر اسے رپورٹ ملی کہ ایک انتہائی خوبصورت اور سمارٹ لڑکی سرخ رنگ کی اس کار کو لے کر کوٹھی سے باہر نکلی...... اس وقت شام کے تقریباً سات بجے تھے...... شہاب نے کہا۔

"مجھے لوکیشن سے آگاہ کرتے رہو...... میں شہاب ثاقب کو بھیج رہا ہوں۔"

"بہتر جناب۔" دوسری طرف سے جواب ملا اور شہاب تیار ہو گیا...... اسے ٹرانسمیٹر پر کار کی لوکیشن کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی رہیں...... آخر میں پتا چلا کہ کار سن ڈاؤن کلب کے پارکنگ پر جاکر رکی ہے اور خوبصورت لڑکی اس سے اتر کر اندر چلی گئی ہے...... شہاب نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی اور اس کے بعد سن ڈاؤن کلب چل پڑا...... سن ڈاؤن شہر کے انتہائی شاندار کلبوں میں شمار ہوتا تھا...... وہاں آنے والے انتہائی اعلیٰ پائے کے لوگ ہوا کرتے تھے، بہرحال شہاب کو کبھی کلب میں باقاعدہ جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا لیکن اس نے اس کے بارے میں خاصی تفصیلات سن رکھی تھیں...... کلب میں ہر طرح کے مشغلے فراہم کئے گئے تھے اور وہاں آنے والے تمام افراد تفریحات سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے، لیکن شہاب کے ذہن میں جو کلبلاہٹیں تھیں وہ بالکل مختلف تھیں...... تھوڑی دیر کے بعد وہ کلب پہنچ گیا...... اس کی نگاہوں نے بہت جلد اس سرخ رنگ کی کار کو تلاش کر لیا خوش قسمتی سے کار کے پاس پارکنگ موجود تھی، چنانچہ شہاب نے اپنی کار وہاں لے جا کھڑی کر دی...... تھوڑی دیر تک وہ کار کا جائزہ لیتا رہا پھر اس نے فراز کو ٹرانسمیٹر پر کال کیا اس بار شہاب کی حیثیت سے اس سے گفتگو کی۔

"مسٹر فراز...... میں شہاب بول رہا ہوں۔"

"جی سر...... کہئے کیسے مزاج ہیں آپ کے؟"

"مزاج تو بالکل ٹھیک ہیں...... فراز کیا تم کاروں کو کھولنے کے لئے کوئی ماسٹر کی حاصل کر سکتے ہو۔"

"ماسٹر کی...... میرا خیال ہے ہمارے پاس موجود ہے۔"

"ویری گڈ...... اسے لے کر سن ڈاؤن پہنچ جاؤ...... سرخ رنگ کی ایک گاڑی وہاں

نمبر نوٹ کرو...... میں اس کے قریب ہی موجود ہوں۔"

"بہتر جناب۔" فراز نے جواب دیا...... قرب و جوار میں خاموشی چھائی ہوئی تھی...... گیٹ کیپر گیٹ پر موجود تھا اور اس کی توجہ پارکنگ کی جانب نہیں تھی...... اکا دکا کاریں آکر پارک ہو رہی تھیں اور لوگ اندر چلے جاتے تھے...... بہرحال شہاب کافی دیر تک وہاں بیٹھا رہا، پھر فراز اس کے پاس پہنچ گیا...... شہاب نے اس سے مسکراتے ہوئے ہاتھ ملایا تھا۔

"ماسٹر کی؟"

"جی سر...... یہ موجود ہے۔" فراز نے جواب دیا۔

"اس کار کو کھولنے کی کوشش کرو۔" شہاب بولا اور فراز نے اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد سرخ رنگ کی اس کار پر ماسٹر کی آزمائی اور کار کا دروازہ کھل گیا...... شہاب نے فراز ہی سے کہا۔

"فراز ذرا اس کا مائیلو میٹر دیکھو۔" فراز خاموشی سے کار میں رینگ گیا تھا...... شہاب خود بھی اپنی جگہ سے اتر آیا...... فراز نے مائیلو میٹر دیکھ کر کہا۔

"سر تقریباً ساڑھے پانچ ہزار کلو میٹر چلی ہوئی ہے۔"

"گڈ...... اس کا مقصد ہے یہاں بھی کام دکھا دیا گیا ہے۔"

"ویسے جناب...... کار کی حالت تو نہیں بتاتی کہ زیادہ استعمال کی گئی ہے یا پھر اسے انتہائی احتیاط سے رکھا گیا ہے...... کہیں کوئی ایک اسپاٹ بھی نہیں ہے۔"

"آجاؤ۔" شہاب نے کہا اور پھر بولا۔

"اب یوں کرو فراز تمہیں تکلیف تو ہو گی...... اس کا بونٹ اٹھاؤ۔"

"سر۔"

"میں ذمے دار ہوں۔" شہاب نے کہا اور فراز نے بونٹ اُٹھا دیا...... شہاب پیڈ کے بل لکھے ہوئے انجن نمبر کو دیکھنے لگا...... انجن نمبر اس نے نوٹ کر لیا...... اس کے بعد فراز سے کہا۔

"اب تم ذرا اس کے نیچے داخل ہو جاؤ...... ٹارچ میری گاڑی میں موجود ہے...... نیچے کی اس کا چیسز نمبر ہوتا ہے...... ذرا اسے چیک کر لو۔"

"جی سر۔" فراز نے کہا۔

"سوری فراز۔"

"نہیں سر...... یہ تو ڈیوٹی ہے۔" فراز بولا اور تھوڑی دیر کے بعد اس نے جو چیسز نمبر اسے فراہم کیا تھا وہ انجن کے نمبر ہی کا تھا...... پھر کار کے کاغذات دیکھے گئے اور شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی...... اس کے خدشے کی تصدیق ہو گئی تھی...... کار کی رجسٹریشن بک میں جو چیسز نمبر لکھا ہوا تھا وہ اس کار کا نہیں تھا...... شہاب مطمئن ہو گیا اور اس کے بعد اس نے فراز سے کہا۔ "تھینک یو فراز...... اب یہ سب کچھ اسی طرح بند کر دو۔" فراز نے کار بند کی...... ماسٹر کی شہاب کے حوالے کی اور بولا۔

"میرے لئے حکم سر؟"

"بہت بہت شکریہ...... بس اب تم جانا چاہو تو جا سکتے ہو۔"

"جانا ہی چاہوں گا سر۔" فراز مسکرا کر بولا اور اس کے بعد وہ چلا گیا...... شہاب نے اپنے لباس کا جائزہ لیا اور اس کے بعد وہ آہستہ سے چلتا ہوا کلب کے ریسپشن ہال کی جانب بڑھ گیا...... ریسپشن ہال میں داخل ہونے کے بعد اس نے اِدھر اُدھر دیکھا...... بہت ہی نفاست سی میزیں لگی ہوئی تھیں اور عملے کے افراد اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے...... ایک جگہ پہنچنے کے بعد اس نے کہا۔

"میں کلب کا اندر سے جائزہ لینا چاہتا ہوں...... کیا اس کلب میں داخلے کے لئے کچھ خصوصی مراحل طے کرنا ہوتے ہیں؟"

انکوائری آفیسر نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جناب اس کلب میں داخلہ عام حالات میں ممکن نہیں ہے...... ممبر شپ ہوتی ہے یہاں...... آپ شاید کہیں باہر سے آئے ہیں؟"

"ایسا ہی سمجھ لیجئے، اگر باہر سے نہیں آیا...... تب بھی اس کلب میں پہلی بار آیا ہوں۔"

"ممبران اپنے ساتھ اپنے دوستوں کو لا سکتے ہیں...... وہ ان کے ضامن ہوتے ہیں باقی عام افراد کو اس میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔"

"اور اگر بات عام افراد کی نہ ہو تو؟"

"میں سمجھا نہیں۔"

"فرض کیجئے کہ میں یہ کارڈ آپ کے سامنے رکھوں اور اس کے بعد آپ سے اجازت چاہوں۔" شہاب نے اپنا سروس کارڈ نکال کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا...... اس نے

سروس کارڈ دیکھا اور اس کے چہرے پر نرمی پھیل گئی، پھر وہ مسکرا کر بولا۔

"سر آپ ضرور تشریف لے جا سکتے ہیں...... ظاہر ہے انتظامیہ کے اتنے بڑے افسر اعلیٰ کو کون روک سکتا ہے، لیکن اگر میری ایک مشکل حل کر دیں تو میں ذاتی طور پر آپ کا شکر گزار ہوں گا۔"

"جی فرمائیے؟"

"میں ابھی جا کر منیجر کو بلا لاتا ہوں...... منیجر آپ کو اجازت دے دے تو میرے لئے مشکل نہیں ہو گی۔"

"آپ بلا کر نہ لائیے...... میں چلتا ہوں آپ کے ساتھ۔" شہاب نے کہا اور اس کے بعد وہ اس شخص کے ساتھ چل پڑا...... وہ شخص اسے منیجر کے آفس میں لے گیا...... منیجر بھاری بھر کم شخصیت کا مالک، ایک خوش مزاج آدمی تھا...... شہاب نے اس سے اپنا تعارف کروایا تو اس نے اٹھ کر شہاب سے مصافحہ کیا اور بولا۔

"ہم ہر خدمت کے لئے حاضر ہیں آفیسر۔"

"کوئی خدمت نہیں ہے جناب بس یونہی ذرا کلب کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔"

"اور یقیناً یہ سرکاری سلسلے میں ہو گا؟"

"بالکل۔"

"آپ پلیز تشریف لے جائیے...... میں ذاتی طور پر آپ کا ضامن ہوں...... آپ کو پتا ہے نک چڑھے لوگ یہاں آتے ہیں...... اعتراضات کر ڈالتے ہیں...... کیا اندر آپ کی شناسا کوئی شخصیت ہے؟"

"میرا خیال ہے نہیں۔"

"پلیز آپ تشریف لے جائیے، جاؤ انہیں گائیڈ کر دو۔" منیجر نے اسی ڈیوٹی آفیسر کو حکم دیا اور اس نے خوش مزاجی کے ساتھ شہاب کو خوش آمدید کہا اور اپنے ساتھ لے کر اندر داخل ہو گیا۔ "اگر آپ چاہیں تو میں کسی سے آپ کا تعارف کرا سکتا ہوں۔"

"تم جاؤ۔" شہاب نے کہا اور اس کے بعد وہ کلب میں داخل ہو گیا...... اندر سے بھی کلب دیکھنے کے قابل تھا...... یہاں واقعی ہر سہولت فراہم کی گئی تھی، گیمز لگے ہوئے تھے، ان کے علاوہ نشستوں کا مخصوص انتظام تھا، سوئمنگ پول تھے...... جو اپنی مثال آپ تھے،

ایک جگہ شوٹنگ گراؤنڈ تھا، نشانہ بازی ہو رہی تھی...... شہاب کی نگاہیں چاروں طرف بھٹکتی رہیں اور پھر اس نے اس لڑکی کو تلاش کر لیا...... اسنوکر ٹیبل پر تنہا اسنوکر کھیل رہی تھی...... آس پاس کوئی نہیں تھا...... غالباً یہ اسنوکر کی پریکٹس کی جا رہی تھی...... شہاب چند لمحے سوچتا رہا پھر اس نے وہاں سے واپسی کا فیصلہ کیا اور تھوڑی دیر کے بعد باہر نکل آیا اور کار میں بیٹھ کر چل پڑا...... ابھی فوری طور پر وہ چند کام کر لینا چاہتا تھا...... اس کے بعد دوسرے معاملات دیکھنے تھے...... بہر حال یہ سلسلہ جاری رہا...... اشتیاق علی تو بیچارہ زندگی ہار بیٹھا تھا...... اس کے بعد جو کچھ بھی ہو وہ ایک الگ حیثیت رکھتا ہے، لیکن شہاب اشتیاق علی کی جان لینے والے کو معاف نہیں کر سکتا تھا...... بہر حال وہ اپنے طور پر اپنی کارروائی میں مصروف رہا، پھر اسی رات تقریباً ساڑھے دس بجے وہ اپنی جگہ سے نکلا...... اس وقت اس نے خاص لباس پہنا ہوا تھا، جس میں ماسک بھی لگی ہوئی تھی موٹر سائیکل استعمال کی تھی...... جو کریم سوسائٹی کے کمپاؤنڈ میں موجود تھی۔ باقی کسی ...ں نے اپنے ساتھ نہیں لیا تھا...... موٹر سائیکل پر بیٹھ کر وہ اس طرف چل پڑا، جہاں فاضل دارا کا کاروں کا شوروم تھا...... بس ایک تصور تھا ذہن میں...... وہ اسی پر عمل کر رہا تھا...... تھوڑی دیر کے بعد وہ شوروم کے قریب پہنچ گیا...... ظاہر ہے اس وقت شوروم بند ہو چکا تھا، البتہ چوکیدار وہاں موجود تھا...... شہاب نے موٹر بائیک ایک تاریک سی جگہ پر جا کر کھڑی کر دی اور اس کے بعد ٹہلتا ہوا آگے بڑھ آیا...... چوکیدار نے اپنے بیٹھنے کے لئے چارپائی بچھا رکھی تھی اور مستعد بیٹھا ہوا تھا...... شہاب کو دیکھ کر وہ چونکا اور اسے گھورنے لگا...... شہاب نے اسے سلام کر ڈالا تھا......

چوکیدار نے سلام کا جواب دیا تو شہاب بولا۔

"یہ شوروم فاضل دارا کا ہے ناں؟"

"جی صاحب مگر آپ ادھر کیسے آیا؟"

"بس دیکھنا تھا...... ویسے یہاں کتنے افراد کام کرتے ہیں؟"

"ہمیں کچھ بتانے کی اجازت نہیں ہے۔" چوکیدار نے کہا۔

"یونہی سوال کر گیا تھا...... کوئی خاص بات نہیں تھی۔"

شہاب بولا۔

"ٹھیک ہے صاب...... اب آپ اِدھر سے جاؤ۔"

"شکریہ...... چوکیدار۔" شہاب اس طرح مڑا جیسے آگے بڑھ رہا ہو لیکن دوسرے لمحے ...کر اس نے نپا تلا کراٹے کا ہاتھ چوکیدار کی گردن پر مارا...... چوکیدار کے دونوں ہاتھ ...ہیں گئے...... وہ شہاب پر جھپٹنے کی کوشش کرنے لگا...... جاندار آدمی تھا...... ورنہ یہ ایک ...ہی کافی ہوتا شہاب کو پینترا بدل کر اس پر کئی وار کرنے پڑے تھے...... تب چوکیدار کے ...ش حواس معطل ہو سکے...... شہاب نے اسے اطمینان کے ساتھ چارپائی پر لٹا دیا اور اس کی ...بیں ٹٹولنے لگا، پھر شٹر میں لگے ہوئے تالے کی چابیاں اسے مل گئیں...... اس نے شٹر کھولا ...ر اس کے بعد اندر داخل ہو گیا...... بہت بڑا شوروم تھا...... اندر تاریکی پھیلی ہوئی تھی...... ...روں کے شوروم کے لئے جو انتظامات کئے جا سکتے تھے وہ کئے گئے تھے...... شہاب نے شٹر گرا ...رائے احتیاط سے بند کر دیا اور اس کے بعد اندر روشنی کر دی...... اس کی نگاہیں چاروں ...رف کا جائزہ لے رہی تھیں...... شوروم میں کاروں کے علاوہ کچھ الماریاں بھی نظر آ رہی ...تھیں...... ایک طرف شیشے کا ایک کیبن بنا ہوا تھا جس میں میز کرسی پڑی ہوئی تھی...... منیجر کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی...... وہ الماریاں اس کیبن سے ذرا ہٹ کر رکھی ہوئی تھیں...... ...شہاب تمام انتظامات کر کے آیا تھا...... غالباً یہاں اسے جو کچھ کرنا تھا...... وہ اس کے ذہن میں ...تھا چنانچہ اس نے اپنی جیب سے چابیوں کا ایک گچھا نکالا اور الماریوں میں سے ایک کے تالے ...میں مصروف ہو گیا...... چند ہی لمحوں کے بعد الماری کھل گئی تھی...... الماری میں فائلوں کے ...انبار لگے ہوئے تھے...... شہاب نے ان فائلوں کا جائزہ لینا شروع کر دیا...... بڑے صبر و سکون ...کا کام تھا...... جسے وہ انتہائی احتیاط کے ساتھ سر انجام دے رہا تھا...... چوکیدار کو جتنی دیر کے ...لئے بے ہوش کیا گیا تھا، اس کا بھی شہاب کو اندازہ تھا...... ویسے ہو سکتا ہے کہ شٹر کے آخری ...حصوں سے روشنی باہر چھن رہی ہو لیکن شوروم جس علاقے میں تھا، وہاں عام آبادی نہیں ...تھی...... کوئی خاص ہی آدمی ادھر پہنچتا تو یہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ اندر کوئی موجود ہے یا چوکیدار ...روشنی جلتی ہوئی چھوڑ کر بھول گیا ہے...... چوکیدار کو بھی شہاب نے جس انداز میں چارپائی پر ...لٹایا تھا، اس سے دیکھنے والے یہی سمجھ سکتے تھے کہ وہ گہری نیند سو رہا ہے...... الماری میں بہت ...سی فائلیں تلاش کرنے کے بعد شہاب نے دوسری الماری کھولی...... اس میں بھی فائل چنے ...ہوئے تھے اور ان میں گاڑیوں کا ریکارڈ تھا...... شہاب ایک ایک فائل کا برق رفتاری سے جائزہ ...لے رہا تھا...... یہ فائل تقریباً بے مقصد ہی تھے...... انہیں واپس الماری میں رکھنے کے بعد اس

نے الماریاں بند کر دیں پھر وہ آفس میں داخل ہو گیا...... آفس میں بھی ایک ریک رکھا ہوا تھا...... شہاب نے ریک کے تالے پر قوت صرف کی اور تھوڑی سی دیر کے بعد وہ تالا بھی کھل گیا...... اس میں کرنٹ فائلیں تھیں...... شہاب انہیں نکال کر دیکھنے لگا...... وہ اطمینان سے کرسی پر بیٹھ گیا تھا اور فائلیں میز پر رکھ کر دیکھ رہا تھا، پھر اس کی آنکھیں خوشی سے چمک اُٹھیں...... ان کاروں کی تفصیلات ان فائلوں میں موجود تھیں جو ایک خاص ماڈل اور ایک خاص میکر کی تھیں...... شہاب انہیں دیکھتا رہا...... اس وقت اس کے بعد کوئی ایسا ذریعہ نہیں تھا، جس سے وہ ان فائلوں میں لگے ہوئے کاغذات کی نقول حاصل کر سکتا لیکن بہر حال اسے اپنا کام تو سرانجام دینا ہی تھا، چنانچہ اس نے ان فائلوں کو باندھ لیا...... اچھا خاصا ریکارڈ تھا اور اس ریکارڈ میں ان کاروں کی تعداد کا اندازہ ہوتا تھا...... اس ریکارڈ میں کاروں کی سیلز ریکارڈ بھی تھی...... یہ کاریں جو یہاں موجود تھیں، زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا...... منگوائی گئی تھیں اور ابھی ان میں سے ایک کار بھی سیل نہیں ہوئی تھی۔ بہر حال شہاب نے اپنے ذریعے کے مطابق یہ کام کر لیا تھا، حالانکہ اس سلسلے میں دوسری جانب سے بھی کوشش کی جا سکتی تھی اور شہاب کی ان کاوشوں کو ختم کیا جا سکتا تھا لیکن شہاب ان لوگوں کو ذہنی طور پر بھی ہراساں کرنا چاہتا تھا، چنانچہ فائلوں کی خاصی موٹی گڈی بنا کر اس نے اپنا کام ختم کر لیا اور پھر انہیں اٹھا کر باہر نکل آیا...... اس نے پستول ہاتھ میں لے لیا تھا، تاکہ شٹر اٹھانے کے بعد اگر کسی مشکل کا سامنا کرنا پڑے تو وہ باآسانی اس سے نمٹ سکے، لیکن سب کچھ مناسب حالت میں تھا...... فائلوں کو لے کر وہ بائیک تک پہنچا...... بائیک کے کیریئر پر اس نے فائلوں کو مضبوطی سے باندھا اور پھر بائیک سٹارٹ کر کے چل پڑا...... رخ کریم سوسائٹی کی کوٹھی کی جانب تھا...... جوہر خان تو ہمیشہ مستعد ہی رہتا تھا، چنانچہ کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں داخل ہونے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی...... جوہر خان نے اسے کافی بنا کر دی اور شہاب بہت دیر تک ان فائلوں کا جائزہ لیتا رہا...... بہر حال وہ ان فائلوں کے حصول سے غیر مطمئن نہیں تھا...... اس سے اسے خاصی مدد حاصل ہو سکتی تھی۔

❋

نازوں کی پلی ہما فاضل سے تو فاضل دارا نے کچھ نہیں کہا تھا، لیکن وہ ان دنوں جس ایک خلش کا شکار تھا...... وہ خود اس کے لئے اجنبی تھی...... سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس کا

...یان کیوں ہے...... ایسے معاملات تو اکثر پیش آتے ہی رہتے ہیں، بلکہ یہ تو کچھ بھی نہیں...... فاضل دارا کی زندگی کے دو رُخ تھے...... ایک رُخ میں وہ ایک فیکٹری اونر ایک بہت بڑا بزنس مین، انتہائی سوشل کام کرنے والا اور بہت اچھے تعلقات کا مالک، ایک رئیس تھا لیکن دوسری جانب اس کا تاریک پہلو یہ تھا کہ بے شمار لوگ اس کے لئے اسمگلنگ کرتے تھے اور ملکی معیشت کو تباہ و برباد کرنے میں اس نے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے تھے...... ہو سکتا ہے بہت سے افراد کو اس کے بارے میں یہ معلومات حاصل ہوتی ہوں لیکن بڑے ...، بڑے لوگوں سے چشم پوشی کرتے ہیں اور فاضل دارا کے تعلقات اس قدر تھے کہ وہ ...نے جرائم کی باآسانی پردہ پوشی کر سکتا تھا...... بہر حال نہ جانے کیوں ان دنوں اس کے دل میں ایک خلش تھی اور اس خلش کو مسلسل ہوا مل رہی تھی، کیونکہ دوسرے ہی دن جب وہ اپنی فیکٹری کے ایک آفس میں تھا اسے شوروم کے منیجر کا ٹیلی فون موصول ہوا اور فاضل دارا نے سیکرٹری کی اطلاع پر ٹیلی فون ریسیو کیا۔

"ہاں کیا بات ہے؟"

"سر ایک عجیب و غریب واقعہ ہو گیا ہے۔"

"واقعہ بتانے کی بجائے تم اس کے عجیب و غریب ہونے کے تذکرے پر زیادہ توجہ نہیں دے رہے۔"

"سر...... شوروم میں چوری ہو گئی ہے۔"

"چوری؟"

"جی سر۔"

"کیا چوری ہو گیا؟"

"سر...... جاپان سے امپورٹ کی ہوئی کاروں کے فائل چوری ہو گئے ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے وہ کوئی عام چور نہ ہو...... شوروم میں اور بھی بہت سی قیمتی چیزیں موجود تھیں...... میری میز کی دوسری دراز میں پندرہ لاکھ روپے رکھے ہوئے تھے...... کسی اور چیز کو نہیں چھیڑا گیا، صرف ریک سے وہ فائل حاصل کئے گئے ہیں۔"

"کیا ان میں ان کاروں کے فائل بھی تھے؟" فاضل دارا نے پوچھا۔

"جی سر۔"

"اوہ...... مائی گاڈ...... چوکیدار کہاں مر گیا تھا؟"

"چوکیدار نے ایک عجیب ہی کہانی سنائی ہے۔"

"تم مجھے کہانیاں سنا رہے ہو؟"

"من...... نہیں سر...... چوکیدار نے جو بتایا ہے...... وہ آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

"تو کیا میں نے تمہیں منع کیا ہے؟"

"سر چوکیدار نے کہا کہ ایک شخص اس کے پاس آیا...... بہت سی باتیں کرتا رہا، اس نے اور اس کے بعد اس نے عجیب و غریب انداز میں چوکیدار کو بے ہوش کر دیا اور اس کے بعد چوکیدار کو کچھ پتا نہیں ہے...... بعد میں جب چوکیدار کو ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ شوروم کا شٹر بند ہے اور کوئی ایسی تبدیلی نہیں ہے، جس پر وہ توجہ دے سکتا۔"

"ہوں ٹھیک ہے اور کچھ؟" فاضل دارا نے سوال کیا۔

"نہیں سر لیکن سر اس ریکارڈ کا غائب ہو جانا ہمارے لئے بہت سی مشکلات کا باعث بن سکتا ہے...... انکم ٹیکس کے معاملات کھڑے ہو سکتے ہیں اور۔"

"شٹ اپ۔" فاضل دارا نے کہا اور فون بند کر دیا...... اس کے چہرے پر شدید پریشانی کے آثار نظر آ رہے تھے...... بہت دیر تک وہ خاموش بیٹھا سوچتا رہا اور پھر اس نے ٹیلی فون سامنے سرکا کر ایک نمبر ڈائل کیا...... دوسری طرف سے رابطہ قائم ہوا تو وہ کہنے لگا۔ "فرید کو لائن پر بلاؤ...... فاضل دارا بول رہا ہے...... ہاں فرید خان اونچا سنتے ہو کیا؟" پھر وہ انتظار کرتا رہا اور چند لمحات کے بعد اس نے کہا۔

"فرید خان...... بڑا مسئلہ بن گیا ہے...... کچھ ایسے معاملات ہوئے ہیں جن کی بنا پر میں پریشانیوں میں مبتلا ہو گیا ہوں...... تم ایسا کرنا کہ آج رات تم مجھ سے مل لینا...... تقریباً ساڑھے آٹھ بجے...... ہاں گھر پر ہی ملوں گا...... انتظار کروں گا میں تمہارا...... خدا حافظ۔"

فاضل دارا نے ٹیلی فون بند کر دیا...... بہت دیر تک وہ سوچتا رہا...... اس کے بعد ایک بار پھر اس نے ٹیلی فون پر نمبر ڈائل کئے اور رابطہ قائم ہو جانے کے بعد بولا۔

"دادل کہاں ہے؟"

"پتا نہیں گھر پر ہی موجود ہو گا۔"

"فاضل بول رہا ہوں۔"

"اوہ...... مالک معافی چاہتا ہوں آواز نہیں پہچان سکا۔"

"تھوڑے دنوں کے بعد میرا نام بھی بھول جاؤ گے...... دادل کو بلاؤ۔"

"ابھی بلاتا ہوں مالک۔" جواب ملا اور چند لمحوں کے بعد دادل کی آواز سنائی دی۔

"جی مالک...... دادل بول رہا ہوں۔"

"دادل...... گاڑی کھڑی ہوئی ہے؟"

"جی سر۔"

"ہما کہاں ہے؟"

"سر اندر ہی ہیں۔"

"چابی تمہارے پاس ہے؟"

"جی۔"

"گاڑی لے کر نکل جاؤ...... جان محمد جہاں بھی ملے اسے تلاش کرو...... اس سے کہو کہ گاڑی کے نمبر کسی بھی طرح گھس کر ختم کر دے...... دوسرے نمبر تو نہیں ڈالے جا سکتے لیکن گاڑی کے نمبروں کو گھسوا دو۔"

"ٹھیک ہے سر۔"

"بات سمجھ میں آ رہی ہے؟"

"جی اب آ گئی ہے۔"

"جاؤ...... دفع ہو جاؤ...... دیر مت کرنا۔"

"ٹھیک ہے مالک۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور فاضل دارا نے فون بند کر دیا، پھر وہ خود کلامی کے انداز میں بولا۔

"یقینی طور پر ان فائلوں کی چوری سے کچھ معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں...... لگتا ہے کوئی صحیح راستے پر لگ گیا ہے لیکن کیا وہ تھانہ انچارج...... دیکھنا پڑے گا اسے دیکھنا پڑے گا۔"

اس نے کرسی سے پشت لگائی اور کرسی کو پیچھے کر کے آنکھیں بند کر لیں...... کچھ دیر وہ پرخیال انداز میں کرسی کو جھلاتا رہا اور آنکھیں بند کئے سوچوں میں ڈوبا رہا، پھر اس نے دوبارہ ہاتھ بڑھا کر ٹیلی فون اٹھایا اور کسی کے نمبر ڈائل کر کے ریسیور کان سے لگا لیا...... دوسری طرف سے شاید آوازیں آ رہی تھیں...... جسے فون کیا گیا تھا وہ پوچھ رہا تھا کہ کون بول رہا ہے؟

لیکن فاضل دارا پھر سوچ میں ڈوب گیا تھا اور اس کے بعد اس نے ریسیور واپس رکھ دیا اور سامنے رکھے ہوئے کاغذات میں گم ہو گیا۔

ڈبل او گینگ کی پوری ٹیم ان کاموں میں مصروف تھی...... تمام کے تمام لوگ شہنشاہ کی ہدایت پر پوری سرگرمی سے اپنے اپنے کام سرانجام دے رہے تھے اور شہاب کو رپورٹیں موصول ہو رہی تھیں...... تازہ ترین رپورٹ یہ تھی کہ سرخ رنگ کی وہ کار ہمیشہ ہی ہما فاضل دارا کے استعمال میں رہتی ہے، جو تقریباً باقاعدگی سے کلب آتی ہے...... کلب کے ممبروں کو اس کی اچھی خاصی شناسائی ہے لیکن وہ بددماغ لڑکی مشہور ہے اور لوگ اس کی جانب رجوع نہیں ہوتے، وہ تنہا ہی کلب کی تفریحات میں حصہ لیتی ہے اور اس نے کسی کو بھی دوست بنانے کی کوشش نہیں کی، بلکہ وہاں وہ ایک بدتمیز لڑکی کی حیثیت سے مشہور ہے...... دوسری رپورٹ یہ تھی کہ اس رات جب یہ حادثہ ہوا...... ہما فاضل دارا کلب میں ہی موجود تھی اور اس وقت کلب سے باہر نکلی تھی، جس وقت وہ عموماً جایا کرتی ہے...... وقت کا جو تعین کیا گیا تھا...... یہ وہی وقت تھا...... جب اندازہ یہ لگایا جاسکتا تھا کہ ہما فاضل دارا ہی کے ذریعے وہ حادثہ ہوا ہو گا، کیونکہ کلب سے نکلنے کے بعد وہ اسی وقت اس جگہ سے گزر سکتی تھی...... بشرطیکہ رفتار طوفانی ہی ہو...... یہ بھی علم ہوا تھا...... شہاب کو کہ ہما بہت رف ڈرائیونگ کرتی ہے اور ہمیشہ ہی اس کی تیز رفتاری سے لوگ خوفزدہ رہتے ہیں...... تیسری اطلاع یہ تھی کہ ہما کے ساتھ اس کی گاڑی میں اس کا ایک باڈی گارڈ ہوتا ہے...... جو ایک بے ہنگم شخصیت کا مالک ہے، لیکن وہ کلب کے گراؤنڈ ہی میں ہوتا ہے اور عموماً وہیں پایا جاتا ہے یا پھر کبھی کبھی وہ وہاں سے چلا جاتا ہے اور گھوم پھر کر اس وقت واپس آجاتا ہے...... جب ہما کلب سے اُٹھتی ہے...... شہاب کو فوراً ہی احساس ہوا کہ اس وقت جب اس نے سرخ رنگ کی کار کی تلاشی لی تھی باڈی گارڈ یقیناً گھومنے پھرنے ہی گیا ہو گا...... ورنہ اسے دیکھ لیا جاتا...... بہرحال یہ ساری رپورٹیں یہ ظاہر کرتی تھیں کہ ایکسیڈنٹ ہما فاضل دارا سے ہوا ہے...... ہما فاضل دارا کو شہاب ایک نگاہ دیکھ بھی چکا تھا...... ضرورت سے زیادہ سمارٹ بننے کی کوشش کرتی تھی...... ایک رئیس باپ کی بگڑی ہوئی بیٹی تھی اور اس قسم کی لڑکیاں بہت سے کام کر ڈالا کرتی ہیں لیکن ظاہر ہے باپ کی محبت اپنی جگہ کم از کم انہیں انسانی زندگیوں سے کھیلنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی......

شہاب نے اپنے طور پر کچھ فیصلے کئے تھے اور پھر اس رات اس نے کلب میں ہما فاضل دارا کو داخل ہوتے ہوئے دیکھا...... وہ خود بھی ایک شاندار سوٹ میں ملبوس ہو کر وہاں پہنچا تھا...... کارڈ کے بل پر وہ کلب میں داخل ہو سکتا تھا لیکن ابھی تک ایسی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی کلب کے منتظمین کی جانب سے پہلی بار اس کے داخلے پر کوئی اعتراض کیا گیا ہو، البتہ جب اپنی کار سے نیچے اترا تو ناہید سلیمی نظر آیا...... یہ سیٹھ جبار کا داماد تھا...... ابتدا میں اس سے اچھی خاصی ملاقاتیں رہی تھیں، بلکہ شہاب کی زندگی کا ایک اہم واقعہ ناہید سلیمی کی ذات سے منسوب تھا...... بعد میں بھی کئی بار ملاقاتیں ہوئی تھیں اور یہ عجیب و غریب شخصیت شہاب کو پسند آئی تھی...... مردوں کی ایک عجیب قسم تھی...... جو عموماً نہیں پائی جاتی...... وہ ناہید سلیمی کے سامنے پہنچا تو ناہید سلیمی اسے دیکھ کر چونک پڑا۔

"شہاب صاحب آپ کیا؟ کیا آپ نے بھی اس کلب کی ممبر شپ لے لی ہے؟" ناہید سلیمی نے کہا۔

"کیا آپ یہاں کے مستقل ممبر ہیں؟" شہاب نے پوچھا۔

"جی ہاں لیکن ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔"

"وہ کیا؟" شہاب نے سوال کیا۔

"آپ اندر جا رہے ہیں؟"

"ارادہ تو تھا لیکن میرے پاس یہاں کی ممبر شپ نہیں ہے۔"

"میرے پاس ہے آپ براہ کرم تشریف لائیے کوئی اور مصروفیت تو نہیں ہے آپ کو؟"

"تو پھر آیئے۔" ناہید سلیمی کے ذریعے یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا تھا...... اس بات کا تو اسے علم تھا کہ ہما فاضل دارا اندر ہے...... بہرحال ناہید سلیمی کے ساتھ اندر پہنچ گیا اور پھر اس نے ہما کو ایک میز پر بیٹھے ہوئے دیکھا لیکن اس نے کسی بات کا اظہار نہیں کیا تھا...... ہما کی میز پر جو کچھ موجود تھا...... اسے دیکھ کر شہاب نے ایک ٹھنڈی سانس لی تھی...... بگڑے ہوئے باپ کی بگڑی ہوئی بیٹی۔

ناہید سلیمی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں آپ سے شہاب صاحب؟"

"جی...... جی...... فرمایئے؟"

"آپ کو مجھ سے کوئی شکایت تو نہیں ہے؟"

"کیسی باتیں کرتے ہیں آپ۔"

"تو پھر میں آپ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ کسی بھی طرح سیٹھ صاحب کو میرے یہاں آنے کے بارے میں علم نہ ہو۔"

"کیا مطلب؟"

"میں چھپ کر یہاں آیا کرتا ہوں۔"

"ارے...... چھپ کر کیوں؟"

"پابندیاں ہیں مجھ پر۔" ناہید سلیمی نے دردناک لہجے میں کہا۔

"سیٹھ صاحب کی طرف سے؟"

"نہیں میری بیوی کی طرف سے۔"

"یعنی آپ کی بیگم؟"

"جی ہاں...... کہہ لیجئے۔"

"کیا مطلب؟"

"کیا ہٹلر کسی کی بیگم تھا؟"

"جی!" شہاب حیرت سے بولا۔

"جی!" شہاب حیرت سے بولا۔

"ہٹلر کی درندگی کی داستانیں سنی ہوں گی آپ نے...... میری بیوی اس سے بڑا درندہ ہے۔" شہاب نے بمشکل قہقہہ روکا تھا...... ناہید سلیمی کے چہرے پر جو یتیمی برس رہی تھی وہ دیکھنے کے قابل تھی۔

"ہر طرح کی پابندیاں لگائی ہیں مجھ پر یہاں نہ جاؤ، وہاں نہ جاؤ۔ جہاں جاؤ انہیں ساتھ لے کر جاؤ...... اب آپ مجھے بتایئے کیا زندگی تباہ ہو کر نہیں رہ جاتی۔"

"آپ اطمینان رکھیں میں کسی سے نہیں کہوں گا...... ویسے کیا آپ روزانہ یہاں آتے ہیں؟"

"کون روزانہ یہاں آسکتا ہے...... اس درندے کی موجودگی میں کبھی کبھی موقع ملتا ہے تو چلا آتا ہوں...... یہاں کا مستقل ممبر ہوں۔"

"واقعی آپ کی داستان بہت دُکھ بھری ہے۔"

"اسے اور دُکھ بھری نہ بنا دیں آپ۔"

"میں؟"

"جی ہاں سیٹھ جبار سے تذکرہ کر کے۔"

"خیر تذکرہ تو میں کبھی نہیں کروں گا اور آپ نے منع کر دیا تو بہت اچھا کر دیا لیکن کیا سیٹھ جبار صاحب بھی؟"

"بس بیٹی باپ کے اشاروں پر پھدکتی ہے۔" ناہید سلیمی نے جلے ہوئے لہجے میں کہا۔

"آپ اطمینان رکھیں...... ویسے یہاں تو آپ کی شناسائی بہت زیادہ ہوگی؟"

"ہو سکتی تھی مگر میں کرتا نہیں ہوں۔"

"کیوں؟"

"آپ سمجھنے کی کوشش کیجئے...... یہاں کے شناسا اگر کبھی مجھے گھر پر فون کر دیں تو۔"

"اوہو...... ہاں واقعی...... گویا آپ اکیلے رہتے ہیں یہاں پر بھی؟"

"پتا نہیں میں اپنی والدہ کے گھر پیدا بھی ہوا تھا یا نہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"اتنا ہی تنہا ہوں میں کہ اپنی پیدائش پر بھی شبے کا شکار ہو گیا ہوں۔" شہاب ہنسنے لگا تو پھر اس نے کہا۔

"میں کوشش کروں گا ناہید سلیمی صاحب کہ آپ کو تھوڑی سی آزادی دلوا سکوں۔"

"ارے نہیں آپ کو خدا کا واسطہ ایسی ہر کوشش میرے لئے مصیبت بن جائے گی۔ یہ تو آپ اتفاق سے یہاں مل گئے ہیں تو میں نے یہ بات آپ سے کہہ بھی دی۔"

"خیر ٹھیک ہے۔"

"آپ بس یہاں میری موجودگی کو بھول جائیں۔"

"بھول گیا ویسے ناہید سلیمی صاحب میں یہاں ایک لڑکی کے لئے آیا ہوں۔"

"لڑکی۔" ناہید سلیمی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"جی ہاں کیا کروں...... انسان زندگی میں کسی نہ کسی سے تو متاثر ہوتا ہی ہے۔"

"تو آپ متاثر ہو گئے ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"اللہ آپ پر رحم کرے۔"

"کیوں؟"

"یہ تاثر کہیں آگے نہ بڑھ جائے۔"

"تو پھر کیا ہوگا؟"

"شادی۔"

"یہ تو اچھی بات ہے۔"

"مجھ سے سبق لیجئے۔"

"ہاں...... آپ کا کیس تو واقعی بہت خراب ہے مگر کیا آپ میری کچھ مدد کر سکتے ہیں؟"

"لڑکی کے سلسلے میں؟"

"جی ہاں۔"

"نہیں بھائی مجھے یہ فن نہیں آتا۔"

"کچھ معلومات تو فراہم کر سکتے ہیں؟"

"اگر میں اسے جانتا ہوا تو ضرور بتادوں گا...... کیا وہ اس وقت یہاں موجود ہے؟"

"جی ہاں۔"

"کہاں ہے؟" ناہید سلیمی نے سوال کیا اور شہاب نے ہما فاضل کی جانب اشارہ کر دیا...... ناہید سلیمی صاحب کے دونوں گال پھول گئے تھے...... عجیب مضحکہ خیز شکل ہو گئی تھی...... تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"ایک سوال کا جواب دیں گے آپ؟"

"جی...... ارشاد۔"

"ہٹلر زیادہ خوفناک تھا یا چنگیز خان؟"

"کیا مطلب؟" شہاب ہنس پڑا۔

"آپ یقین کر لیجئے...... شادی سے پہلے میری بیوی اس قدر درندہ صفت نہیں تھی...... وہ تو آہستہ آہستہ نہ جانے اسے کیا ہو گیا لیکن یہ خاتون میرا خیال ہے دس، بیس درندوں کا مجموعہ ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"یار عجیب بد دماغ اور مغرور لڑکی ہے...... ہے تو بے شک خوبصورت لیکن آپ یقین کریں کلب میں بھی بہت سے ہنگامے کر چکی ہے...... لوگ ایک دوسرے سے دوستی بڑھانے کی کوشش کرتے ہی ہیں لیکن اس کوشش کے نتیجے میں اپنے دانت نہیں تڑوا بیٹھتے...... یہ لڑکی میرا خیال ہے چھ سات افراد کو ان کے خوبصورت دانتوں سے محروم کر چکی ہے۔"

"کیا واقعی؟" شہاب نے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔

"جی ہاں...... ایک بہت بڑے آدمی کی بیٹی ہے...... فاضل دارا ہے اس شخص کا نام اور بس یہ خونخوار عورت یہاں آتی ہے اپنے طور پر وقت گزاری کرتی ہے اور واپس چلی جاتی ہے۔"

"ویری گڈ...... یہ تو آپ نے بہت اچھا کیا ناہید سلیمی صاحب۔"

"جی، جی اگر ہو سکتا ہے تو اس کی یاد کو نکال دیجئے ورنہ ساری عمر پیٹ کے درد میں مبتلا رہیں گے۔"

"آپ نے بہت اچھا کیا جو مجھے اس سے آگاہ کر دیا...... کوشش کروں گا کہ ایسا ہی ہو۔" شہاب نے کہا پھر کافی دیر تک اس نے ناہید سلیمی کے ساتھ وقت گزارا تھا اور ہما فاضل دارا کا جائزہ لیتا رہا تھا...... یہ جن جن مشغولیات میں مصروف رہی تھی شہاب نے ان کا بھی تجزیہ کیا تھا، پھر کافی وقت گزرنے کے بعد جب وہ وہاں سے واپس چلی تو شہاب اس کے تعاقب میں تھا...... اس نے ہما فاضل دارا کو پارکنگ لاٹ سے کار نکالتے ہوئے دیکھا اور چند لمحوں میں ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ اس وقت بھی کوئی کار کی پچھلی سیٹ پر موجود ہے لیکن ہما فاضل دارا کلب کے کمپاؤنڈ سے نکلنے کے بعد جس رفتار سے آگے بڑھی تھی اسے دیکھ کر شہاب کی آنکھیں معنی خیز انداز میں پھیل گئی تھیں اور اب اس بات پر شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اشتیاق علی اسی وحشی لڑکی کی وحشت کا شکار ہوا ہے...... شہاب کے ہونٹوں سے آہستہ سے آواز نکلی۔

"تجھے اس معصوم انسان کی موت کا حساب دینا ہوگا ہما فاضل دارا۔"

❁❁❁

جواد بیگ ایک شریف آدمی تھا...... اس میں کوئی شک نہیں کہ محکمہ پولیس میں ہونے کے باوجود اس کی فطرت میں وہ تمام خوبیاں نہیں تھیں جو پولیس افسران کی فطرت میں پیدا ہو جاتی ہیں...... وہ اب بھی ایک نیک نفس انسان تھا اور کوشش کرتا تھا کہ اس کے ہاتھوں سے کسی بے گناہ کو نقصان نہ پہنچے لیکن بہر حال ڈیوٹی، ڈیوٹی ہوتی ہے۔ ایس، آئی، حیات علی بھی اس کے مزاج کے مطابق تھا...... وہ لوگ کام کو کام کے انداز میں کرنا جانتے تھے...... اس دن فاضل دارا کی کوٹھی میں جو سلوک اس کے ساتھ ہوا تھا وہ اسے یاد تھا...... ویسے بھی فرض شناس آدمی تھا اور جانتا تھا کہ دولت انسان کو انسانوں سے بہت اونچا کر دیتی ہے، پھر وہ لوگ ایسے کام کر لیتے ہیں جو عام انسانوں کے بس کے نہیں ہوتے، غرض یہ کہ جواد بیگ اپنا کام چلا رہا تھا، اس صبح بھی وہ تمام تر تیاریوں کے بعد تھانے کے روزنامچے وغیرہ دیکھ رہا تھا کہ ایک قیمتی کار تھانے کے کمپاؤنڈ میں آ کر رکی۔ جواد بیگ کا کمرا ایسی جگہ تھا جہاں سے باہر کے مناظر نظر آتے تھے...... کار چونکہ بہت ہی اعلیٰ درجے کی تھی اس لئے جواد بیگ کھڑکی سے اسے دیکھتا رہا، پھر جو شخص نیچے اترا...... اسے دیکھ کر جواد بیگ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں...... یہ فرید خان تھا اور فرید خان کوئی معمولی شخصیت نہیں تھی۔ کچھ عرصے پہلے بندرگاہ کے علاقے میں اس کا سکہ چلتا تھا اور اس کے نام کے ساتھ ایسی بہت سی کہانیاں وابستہ تھیں جو بڑی خوفناک تھیں...... جواد بیگ کو زیادہ سوچنے کا موقع نہیں مل سکا۔ فرید خان اس کے کمرے میں داخل ہوا تھا...... جواد بیگ کی اس سے براہ راست شناسائی نہیں تھی، لیکن وہ فرید خان کو اچھی طرح جانتا تھا...... محکمہ پولیس میں فرید خان کا ریکارڈ بڑی تفصیل کے ساتھ موجود تھا۔ جواد بیگ نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا تو فرید خان نے آگے

ڑھتے ہوئے کہا۔

"بہت کم تھانوں کے انچارج ایسے ہیں جو ہمیں دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے لیکن بعض ڑگوں کو ہم نے اس لئے معاف کر دیا ہے کہ ہم کوئی آسمان سے اترے ہوئے نہیں ہیں۔ ہت سے لوگ ہمیں نہیں پہچانتے، بہر حال ہمارا نام فرید خان ہے اور بیٹھنے کے لئے ہم کسی ے اجازت نہیں طلب کرتے۔" فرید خان کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا...... جواد بیگ سرد نگاہوں ے اسے دیکھ رہا تھا...... اس نے کہا۔

"بہر حال تھانے میں آنے والے ہر شخص کی میں عزت کرتا ہوں...... ظاہر ہے کوئی ی کے پاس کسی کام سے ہی آتا ہے۔"

"تو تم نے فرید خان کا نام کبھی نہیں سنا؟"

"بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کا نام میں نے کبھی نہیں سنا۔" اتنی دیر میں ایک ایس۔ آئی اندر داخل ہوا...... یہ حیات علی ہی تھا...... اس نے جواد بیگ کو سلوٹ کیا اور پھر فرید خان کو بھی سلام کیا اور بولا۔

"ارے خان صاحب آپ؟"

"گڈ...... تم ہمیں جانتے ہو...... ایس۔ آئی اپنے انچارج کو تم نے ہمارے بارے میں نہیں بتایا؟"

"سر کوئی ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔"

"چلو خیر ہم تعارف کروا دیتے ہیں...... بھئی انچارج صاحب بندرگاہ کے علاقے میں فرید خان کا اڈا سب سے بڑا اڈہ تھا...... اور اس اڈے پر اور بھی بہت کچھ ہوتا تھا لیکن وہ جو کہتے ہیں ناں اللہ کسی کو نیک ہدایت دے دے تو پھر برائیوں کی طرف قدم بڑھانے کو دل نہیں چاہتا...... سب کچھ ختم کر دیا ہم نے اور اس کا بھی ایک بیک گراؤنڈ ہے۔ ایس، آئی تم جانتے ہو تو اپنے انچارج صاحب کو بتاؤ۔"

"سر...... فرید خان صاحب کا نام بہت بڑا تھا...... اب بھی بہت بڑا نام ہے...... اب تو یہ باقاعدہ ایک سوشل ورکر کی حیثیت سے مشہور نام ہیں لیکن جیسا کہ خان صاحب نے بتایا کچھ عرصے قبل بندرگاہ میں ان کے نام کا ڈنکا بجتا تھا پھر ایک کیس ان پر ہوا اور انہیں سزائے موت ہو گئی، لیکن ایسے بھی خوش نصیب کم ہوتے ہیں...... جواد بیگ صاحب کہ یہ عین اس

وقت پھانسی سے بچے جب جلاد تختہ کھینچنے ہی والا تھا...... اوپر سے حکم آ گیا کہ انہیں پھانسی نہ دی جائے اور یہ واقعی پہلے خوش نصیب ہیں جو چند سیکنڈ کے اندر اندر موت کے منہ سے نکل آئے۔" فرید خان ہنسنے لگا تھا، پھر اس نے کہا۔ "اور ہمیں پھانسی کے تختے سے اتارنے والی جو شخصیت تھی، بس یہ سمجھ لو کہ ہم اس کے بے دام غلام ہو گئے...... بہت بڑی بات ہوتی ہے، اتنا بڑا کام کر ڈالنا ورنہ ہم تو گئے ہی تھے مگر شاید تم یہ بات نہیں جانتے انسپکٹر کیا نام ہے تمہارا؟"

"سر! جواد بیگ۔" حیات علی نے ہی کہا...... جواد بیگ خاموش بیٹھا فرید خان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تو ہم تمہیں یہ بتا رہے تھے انسپکٹر کہ جس شخصیت نے عین وقت پر ہمیں پھانسی کے تختے سے اتروا دیا...... وہ ہمارے لئے بہت بڑی حیثیت رکھتی ہے...... نام بھی بتا دیں گے تمہیں اس کا اصل میں تم سے ایک کام ہے، ہمیں اور ہم اس کام کی وجہ سے آئے ہیں۔ ایس، آئی کسی اور کو اندر مت آنے دینا...... کسی جگہ اگر ہم موجود ہوتے ہیں تو پھر بات صرف ہماری ہی ہوتی ہے۔"

"سر اس وقت کوئی نہیں آئے گا۔"

"ہاں خیال رکھنا، بلکہ ایسا کر دروازے پر کھڑے ہو جاؤ، اگر تم جواد بیگ کے رازدار نہیں ہو تو۔"

"نہیں ٹھیک ہے...... فرید خان صاحب...... آپ کو جو کچھ کہنا ہے بے تکلفی سے کہیں۔" جواد بیگ نے کہا۔

"وہ...... سنا ہے آج کل تم ایک کیس پر تحقیقات کر رہے ہو اور بڑی سرگرمیاں دکھا رہے ہو؟"

کون سا کیس؟

"وہ ایک ٹریفک سارجنٹ بے چارہ کسی ایکسیڈنٹ میں ہلاک ہو گیا تھا۔ ہمیں خود بڑا افسوس ہے...... بہت بڑے بڑے لوگ ہیں جو دوسروں کی زندگی کی قدر نہیں کرتے لیکن جواد بیگ صاحب تحقیقات کرتے ہوئے کبھی صرف ایک نقطے پر اس قدر آگے نہیں بڑھ جانا چاہئے کہ شریف آدمیوں کی عزت اُچھالنے پر تل جاؤ۔"

"میں سمجھا نہیں؟"

"سنا ہے اس حادثے کے سلسلے میں تم فاضل دارا صاحب کے خلاف تحقیقات کر رہے ہو؟"

"آپ کو پتا ہے کہ اصل واقعہ کیا ہوا ہے؟"

"بتا دو بھائی...... اصل واقعہ معلوم کرنے کے لئے ہی تو یہاں آئے ہیں۔"

"جس کار کا نمبر حادثہ ہونے والے عینی گواہوں نے بتایا ہے وہ فاضل دارا صاحب ہی کی ہے۔"

"اور تم نے اندھیرے میں تیر مارنے شروع کر دیئے...... ارے بھائی غلط فہمی بھی تو ہو سکتی ہے...... ایسا کرو اس کار سے ملتے جلتے نمبروں کو بھی تلاش کرو...... ہو سکتا ہے اصل والے کا ذمے دار مل جائے...... ایک اتنے بڑے آدمی کے گھر دوڑے چلے جانا کہاں کی عقلمندی ہے۔"

"لیکن آپ کو پتا ہے فرید خان صاحب کہ لوگوں کے بیانات کی روشنی میں پولیس کو تحقیقات تو کرنی ہی ہوتی ہے۔"

"وہ...... مارا...... اس کا مطلب ہے کہ صرف شبہے میں تم کسی بڑے آدمی کے گھر جا گھسو وہ واقعی بڑے آدمی ہیں جو تمہیں اسی طرح واپس آنے دیا...... انسپکٹر صاحب ورنہ بڑے لوگ تو بڑے نک چڑھے ہوتے ہیں...... میری تو ان سے بڑی عقیدت ہے...... میں تمہیں بتا دوں یہی فاضل دارا صاحب تھے جنہوں نے مجھے پھانسی کے تختے سے اتروایا اور براہ راست صدر مملکت سے اس کے احکامات لئے...... یہ ثابت کر کے کہ میں بے گناہ ہوں...... بہرحال اپنے اپنے تعلقات کی بات ہے...... جانتے ہو اس کے بعد انہوں نے کیا کہا مجھ سے کہنے لگے۔ "فرید خان ساری برائیاں چھوڑ دو، اڈہ بند کر دو، یہ سب کچھ بہت برا ہے۔" اب تم خود سوچو انچارج صاحب ایک اتنا اچھا آدمی جس کا معاشرے میں بہت بڑا مقام ہے جس کے متعلقات کا تم تصرف بھی نہیں کر سکتے...... کیا یہ بات پسند کرے گا کہ پولیس ایک چھوٹے سے کیس کے سلسلے میں اس کے گھر آ کر تحقیقات کرے۔ ارے بابا اگر تمہیں کچھ چاہئے نا ہمیں بتاتے...... ضرورتیں کسے نہیں ہوتی ہیں، اگر ضرورتیں پوری کر دی جاتیں...... کہہ کر دیکھتے ایک بار ہمارے فاضل دارا صاحب سے بڑے نیک آدمی ہیں لیکن تم نے ایسا نہیں کیا۔ دیکھو انسپکٹر زندگی میں ترقی کرنے کے لئے سہارے درکار ہوتے ہیں...... کسی بلندی تک

پہنچنے کے لئے سیڑھیاں چڑھنی پڑتی ہیں...... اب سیڑھیاں اگر درمیان سے نکال دو تو تم بلندی تک کیسے پہنچو گے بولو بتاؤ؟"

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں فرید خان صاحب؟" جواد بیگ نے کہا۔

"بھئی فضول چکروں میں مت پڑو...... یہ سارا کھیل بے کار ہے...... تحقیقات ہی کرنی ہیں تو اس کار کے ملتے جلتے نمبروں کے بارے میں کرو...... کار کا معائنہ میں تمہیں کرا سکتا ہوں...... وہ بھی صرف اپنی کوششوں سے...... جب حادثے ہوتے ہیں تو کاروں کو نقصان بھی پہنچتا ہے...... تم اس کار کو دیکھ سکتے ہو جس پر تمہیں شبہ ہے...... کوئی ڈینٹ ونٹ نہیں ہے اس میں یہ میں ذاتی طور پر کر دوں گا تاکہ تمہیں اطمینان ہو جائے...... باقی رہی انعام کی بات تو اس کی تم فکر مت کرنا...... دے دیا جائے گا تمہیں...... بس اتنا ہی کہنا تھا ہمیں اور سنو ایک بات اور کہہ دیں ہم اچھے آدمی بن گئے ہیں...... ہمیں برائیوں کی طرف مت لانا۔"

"آپ بہت کچھ کہہ چکے ہیں فرید خان صاحب کیا آپ کو اس بات کا علم ہے کہ اس کیس کی تفتیش میں نہیں کر رہا۔"

"ایں۔" فرید خان چونکا۔

"ہاں بات میرے ہاتھ کی نہیں ہے، بلکہ چونکہ علاقہ میرا تھا...... اس لئے سپیشل برانچ کی طرف سے یہ کیس میرے ہاں رجسٹر کروایا گیا ہے...... باقی اس سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"سپیشل برانچ کی طرف سے؟"

"جی ہاں...... آفیسر آن سپیشل ڈیوٹی شہاب ثاقب صاحب اس کیس کی تفتیش کر رہے ہیں۔"

"یہ کون ہیں بھائی...... کوئی بگڑی ہوئی چیز ہے کیا؟"

"یہ تو آپ اپنے طور پر معلومات حاصل کر سکتے ہیں...... فرید خان صاحب آپ کے وسائل ہم سے کہیں زیادہ ہیں۔" جواد بیگ نے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے...... اس سپیشل آفیسر کو بھی دیکھ لیں گے، ہمارا تعلق تو سپیشل لوگوں سے ہی پڑتا ہے...... البتہ ہم اپنی محبت میں تمہیں یہ بات بتا دیں کہ برائیوں سے نیکیوں کی طرف جانا بہت مشکل ہوتا ہے لیکن نیکیوں سے برائیوں کی طرف آنا آسان ہوتا ہے۔"

چاہتے کہ ہم ایک بار پھر برائیوں پر آمادہ ہوں۔"

"میں نے آپ سے عرض کیا ناں آپ اپنے طور پر معلومات حاصل کر لیں۔ یہ شہاب صاحب ہی دیکھ رہے ہیں اور آپ یقین کریں کہ میں صرف ان کے احکامات بند ہوں۔"

"چلو ٹھیک ہے...... بات چونکہ تمہارے تھانے کے علاقے کی ہے اس لئے ہم ارے پاس آئے ہیں...... ویسے شہاب کا ذرا پتا بھی بتا دو ہمیں؟"

"ہیڈ آفس میں شہاب ثاقب کے بارے میں معلومات حاصل کر لیجئے۔"

"چلو ٹھیک ہے اور پھر ہمیں اجازت۔"

"جیسا آپ مناسب سمجھیں۔"

"تم اپنے طور پر خیال رکھنا بلکہ اگر کوئی ایسی ویسی بات نکلے تو ہمیں بتا دینا...... ویسے ہیں پتا ہے تمہارے اس شہاب ثاقب صاحب نے کیا کیا ہے؟"

"جی مجھے نہیں پتا؟"

"ڈاکہ زنی کی ہے انہوں نے۔"

"کیا مطلب؟"

"ایک شوروم ہے ہمارا...... فاضل دارا صاحب کا...... اس شوروم میں گھس کر انہوں نے بلکہ اس سے پہلے چوکیدار کو بے ہوش کیا پھر اس کی جیب سے چابیاں نکال کر اندر داخل ہوئے اور اس کے بعد وہاں سے گاڑیوں وغیرہ کے کاغذات نکال لائے ہیں، ساتھ ہی ایک کی رقم بھی جو لاکھوں پر مشتمل ہے۔ بہرحال فاضل دارا صاحب پر ایسی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا لیکن شہاب صاحب نے جو کیا ہے وہ بہت ہی افسوسناک بات ہے۔"

"آپ اگر کا لفظ استعمال کر رہے ہیں فرید خان صاحب۔"

"کیا مطلب؟" فرید خان نے جواد بیگ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یعنی اتنا بڑا الزام ڈاکہ زنی، کاغذات کی چوری، چوکیدار کو بے ہوش کرنا...... یہ تمام الزامات آپ پولیس کے افسر اعلیٰ پر لگا رہے ہیں۔"

"ہاں یہ معاملہ چونکہ خالص فاضل دارا صاحب کا ہے...... میں انہی کے کہے ہوئے الفاظ دہرا رہا ہوں...... پہلے ان کا خیال تھا کہ یہ کام آپ نے کرایا ہے لیکن اگر آپ یہ کہتے ہیں

کہ شہاب ثاقب صاحب اس سلسلے میں زیادہ سرگرمی دکھا رہے ہیں تو پھر ہو سکتا ہے یہ انہی کی کارروائی ہو۔"

"میں نے کہا میں نے یہ ذاتی طور پر آپ کو بتایا ہے...... کوئی رپورٹ وغیرہ نہیں درج کرانے آیا ہوں میں اور پھر یہ علاقہ بھی نہیں ہے، جہاں تک فاضل دارا صاحب کا معاملہ ہے اگر ان کا موڈ بن گیا تو آپ دیکھ لیجئے کہ اگر شہاب صاحب نے یہ سب کچھ کیا ہے تو وہ خود ہی فاضل دارا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ تمام اشیاء ان کو واپس کر دیں گے...... اچھا خیر مجھے کم از کم اس بات کا پتا تو چل گیا کہ جواد بیگ صاحب آپ اس سلسلے میں زیادہ سرگرمی کا مظاہرہ نہیں کر رہے، البتہ ایک بات میں آپ سے اور کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اگر اس سلسلے میں آپ چاہتے ہیں کہ فاضل دارا صاحب سے تعاون کیا جائے تو شہاب صاحب کی اب تک کی کارکردگی کی ایک تفصیل بنا کر مجھے ٹیلی فون کر دیں...... میں آپ کے لئے نمبر دیئے جا رہا ہوں...... میں کوشش کروں گا کہ فاضل دارا صاحب کا ذہن اور دل آپ کی طرف سے صاف ہو جائے...... ان کے دل میں اگر کسی کے لئے میل آجاتا ہے تو پھر وہ میلا ہو جاتا ہے۔ میرا خیال ہے میرے یہ الفاظ کافی ہیں...... اجازت۔" فرید خان اپنی جگہ سے اٹھا اور آہستہ قدموں سے چلتا ہوا باہر نکل گیا...... ایس۔ آئی حیات علی خاموشی سے کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا...... جواد بیگ کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے...... ایس۔ آئی حیات علی نے کہا۔

"سر...... آپ کے سامنے کچھ بولنے کی ہمت میں نہیں کر سکتا لیکن ایک بات ضرور کہہ سکتا ہوں وہ یہ کہ فاضل دارا اور فرید خان جیسے لوگ بہت صاحب اختیار ہوتے ہیں اور ہمیں نوکری کرنی ہے۔ بہتر تو یہ ہوگا کہ آپ اس سلسلے میں بالکل خاموشی اختیار کر جائیں...... ویسے شہاب ثاقب صاحب بھی بہت بڑی شخصیت ہیں...... ان کا ریکارڈ ان دنوں بہت اونچا جا رہا ہے۔ میرا خیال ہے سر یہ معاملہ کچھ زیادہ ہی آگے نکل جائے گا۔"

"ٹھیک کہتے ہو حیات علی واقعی ہمیں اس سلسلے میں خاموشی اختیار کر لینی چاہئے۔" جواد بیگ نے کہا۔

"صاحب مصلحت کا تقاضا یہی ہے...... اب آپ بتائیے ہم کمزور سے لوگ بھلا اتنے بڑے بڑے لوگوں سے کیسے ٹکر لے سکیں گے اور پھر یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ شہاب

صاحب نے کیس خود اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے۔"

"میں تمہاری بات سے اتفاق کرتا ہوں۔" جواد بیگ نے کہا پھر بولا۔

"چائے پلاؤ...... حیات علی بہت عمدہ سی، تم سامنے ہوٹل والے سے خود ہی چائے بنوا کر لاؤ...... میرا سر چکرا کر رہ گیا ہے۔"

"ابھی آجاتی ہے صاحب۔" حیات علی نے کہا اور باہر نکل گیا۔

جواد بیگ کھڑکی سے باہر جھانکنے لگا...... جب حیات علی تھانے کے گیٹ سے باہر نکل گیا تو اس نے جلدی سے ٹیلی فون اٹھا کر سامنے رکھا اور ریسیور اٹھا کر شہاب کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

❋

شہاب اور بینا اس وقت اپنے مخصوص ہوٹل میں بیٹھے ہوئے تھے...... یہ ہوٹل بھی تاریخی نوعیت کا تھا...... ان کی ابتدائی ملاقاتیں یہیں ہوتی رہی تھیں اور اب بھی یہی ہوٹل ان کی مخصوص جگہ ان کی پسندیدہ جگہ تھی...... ہوٹل کے ویٹر بھی دونوں کے بارے میں جانتے تھے اور کبھی کبھی ان کا انداز بینا کو جھینپنے پر مجبور کر دیتا تھا...... اس وقت بھی جس ویٹر نے ان کے سامنے کھانا لگایا...... اس نے بڑی اپنائیت سے دونوں کی خیریت پوچھی تھی اور اس کے جانے کے بعد شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"دیکھو شہاب میرا انداق نہ اڑاؤ۔" بینا نے کہا۔

"ارے خیریت...... میں تو بالکل خاموش بیٹھا ہوا ہوں۔"

"تمہاری ایک ایک حرکت سے اب واقف ہو گئی ہوں میں۔" بینا نے کہا۔

"خدا خیر کرے، میری کون سی حرکتیں آپ کے علم میں آئی ہیں۔ محترمہ؟"

"بس بور مت کرو۔"

"مگر بات تو کچھ پتا چلے؟"

"ویٹر نے جس طرح خیریت پوچھی تھی اس پر تم مسکرا پڑے تھے۔" شہاب ہنس پڑا اور بینا اسے گھورنے لگی۔ تب شہاب نے کہا۔

"بس یہ سوچ کر مسکرا دیا تھا میں کہ یہ لوگ ہمارے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے؟"

"سوچتے ہوں گے وہ پاگل ہیں جو بلاوجہ ایک دوسرے کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔"

"واہ بینا، میرا خیال ہے اس سے بہتر تشخیص نہیں کی جا سکتی تھی۔"

"موضوع بدل دو ورنہ میں کھانا نہیں کھاؤں گی۔"

"تو پھر کھانے کو ہی کیوں نہ موضوع بنالیا جائے۔" شہاب نے کہا اور کھانے پر جھک پڑا...... کھانا خاموشی سے کھایا گیا تھا اور پھر کھانے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد انہوں نے چائے طلب کرلی...... چائے کے سپ لیتے ہوئے شہاب نے کہا۔

"موضوع چونکہ بدل دیا گیا ہے اس لئے وہ دلچسپ موضوع سامنے لایا جارہا ہے، جس پر آج کا کام جاری ہے۔"

"اب تو یوں لگتا ہے جیسے تمہیں میری ضرورت نہیں رہی۔" بینا نے کہا۔

"تم بلاوجہ جھلا رہی ہو بینا...... جس وقت کہو، قاضی کو بلا کر نکاح پڑھوالوں اور تمہیں اپنے گھر لے جاؤں۔"

"فضول باتیں...... بالکل فضول باتیں...... میرا مقصد یہ نہیں ہے۔"

"اچھا...... اچھا تو پھر؟"

"میرا مطلب یہ ہے کہ تم مجھے کسی سلسلے میں استعمال نہیں کر رہے؟"

"اس کی وجہ بھی ہے بینا۔" شہاب نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا وجہ ہے؟"

"استعمال کرنے سے چیز خراب ہو جاتی ہے اور میں تمہاری مکمل حفاظت کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں بے تکلفی کی انتہا تک پہنچ جاؤں گی۔" بینا نے شدید غصے سے کہا۔

"کاش ایسا ہو، میری تو یہ دلی خواہش ہے...... بہرحال بینا سنجیدگی سے بتاؤ، مزا آ ہے تمہاری ابھی کہیں گنجائش نہیں نکلی، اگر نکلی تو ظاہر ہے تمہیں مصروف کر دیا جائے گا۔ بات یہاں تک پہنچی ہے اشتیاق علی کی موت کے ذمے دار فاضل دارا اور اس کی بیٹی ہما جہاں تک میری معلومات ہیں وہ یہی ہیں کہ ہما فاضل دارا کی بیٹی ایک انتہائی سرکش اور بگڑی ہوئی لڑکی ہے، نشہ وغیرہ بھی کرتی ہے اور نشے کے عالم میں انتہائی تیز ڈرائیونگ کی عادی ہے...... اشتیاق علی کو کسی منصوبے کے تحت نہیں مارا گیا بلکہ ہما فاضل دارا نے اسے اس کی کار سے ٹکر مار کر ہلاک کر دیا کہ اس نے تیز رفتاری پر اسے روکنے کی کوشش کی تھی۔ اس کا

گواہ تو میں بھی ہوں...... بات یہی ہوئی تھی لیکن اب ظاہر ہے فاضل دارا اپنی بیٹی کو بچانے کے لئے مختلف طریقے استعمال کر رہا ہے، اس میں سب سے بڑی چالاکی اس نے یہ کی ہے کہ جس کار سے اشتیاق علی کی موٹر بائیک کو ٹکر ماری گئی تھی وہ گم کر دی گئی ہے اور اس کی جگہ اسی ماڈل کی دوسری کار لاکر کھڑی کر دی گئی ہے...... چالاکی یہ فرمائی تھی فاضل دارا نے کہ اس کار کا میٹر آگے بڑھوا دیا تھا تاکہ وہ ایک استعمال شدہ کار محسوس ہو اور وہ یہ کہہ سکے کہ کار بالکل ٹھیک ٹھاک ہے اور اس پر کوئی ڈینٹ کا نشان نہیں ہے...... لیکن چیسز نمبر وغیرہ وہ نہیں بدلوا سکا تھا اور نہ ٹائروں پر ایسے نشان ڈال سکا، جس سے یہ پتا چلے کہ کار پانچ چھ ہزار میل چل سکی ہے...... اس طرح فاضل دارا کی مجرمانہ ذہنیت کا پتا چلتا ہے...... باقی ڈبل او گینگ کی جو رپورٹیں ہیں فاضل دارا کے بارے میں وہ یہ ہیں کہ وہ انتہائی بااثر انسان ہے اور اس حیثیت کا مالک ہے جس پر ہاتھ ڈالنا آسان نہیں ہوتا۔"

شہاب رُک کر بینا کو دیکھنے لگا پھر بولا۔ "اور بینا ایسے اژدہوں سے جنگ میری زندگی کا مشن ہے۔" بینا نے شہاب کا چہرہ دیکھا اور کانپ گئی...... یہ چہرہ آگ کی طرح دہک رہا تھا اور بینا اس آگ کا مفہوم جانتی تھی۔

❁ ❁ ❁

شہر کے ایک پوش علاقے میں بنی ہوئی خوبصورت عمارت کے کمپاؤنڈ میں کئی کاریں کھڑی ہوئی تھیں...... گیٹ پر مسلح چوکیدار نظر آ رہا تھا...... عمارت میں روشنی بہت کم تھی۔ بیرونی حصہ نیم تاریک نظر آ رہا تھا لیکن وہ ہال خوب روشن تھا جہاں بہترین فرنیچر پڑا ہوا تھا اور دو آدمی بیٹھے کسی کا انتظار کر رہے تھے...... دونوں بہترین لباس پہنے ہوئے تھے لیکن یہ لباس ان کی شخصیت سے ہم آہنگ نہیں تھے کیونکہ ان کے چہرے گناہوں کی طرح سیاہ تھے۔ سفید کھردرے اور شرافت سے عاری ان میں سے ایک کے کان میں کوکا پڑا ہوا تھا، ہاتھوں کی انگلیوں میں انگشتریاں جن کے قیمتی ہیرے چمک رہے تھے۔ دوسرا شاید پہلے آدمی سے کمتر درجے کا تھا...... لباس تو وہ بھی عمدہ پہنے ہوئے تھا، لیکن اس کی شخصیت پہلے شخص کے سامنے دبی دبی نظر آتی تھی...... انگشتریوں والے شخص نے کلائی پر بندھی ہوئی قیمتی گھڑی میں وقت دیکھا اور پھر دوسرے آدمی سے بولا۔ "وقت تو ہو گیا ہے ہمیں یہی وقت دیا گیا تھا نا؟"

"جی شاہ صاحب مالک ہے...... جب مرضی ہو گی آئے گا۔"

"ہاں ہے تو مالک ہی۔" پہلے آدمی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ویسے غفار شاہ صاحب سچی بات یہ ہے کہ جب سے ہم نے فاضل دارا صاحب کی غلامی قبول کی ہے۔ طبیعت بڑی ہلکی ہو گئی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اب شہر پر ہمارا راج ہے۔" جواب میں غفار شاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"دیکھ راحیل! انسان کو ہمیشہ وقت کا غلام ہونا چاہئے، ارے دارا کیا چیز ہے...... بڑے بڑے وقت کے آسمان پر بلندیوں تک پہنچے اور پھر پتنگ کی طرح کٹ گئے، ڈولتی پتنگ جہاں

بھی پہنچے میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا کبھی اُڑنے والوں میں شامل نہ ہونا، ہمیشہ تیرے ہاتھ اُڑانے والے ہاتھ ہونے چاہیں...... میری یہ بات مان لی بیٹے تو یوں سمجھو کہ سونے کا آدمی بن جائے گا۔" راحیل نے گردن خم کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ویسے ایک بات کہوں شاہ صاحب اسے خوشامد نہ سمجھئے آپ کہتے ہیں کہ آپ پڑھے لکھے نہیں ہیں مگر آپ کی باتیں ہیروں کی طرح چمکتی ہوئی ہوتی ہیں۔"

"تجربہ حاصل کیا ہے بیٹا دنیا کا میری زندگی کی کہانی سنے تو حیران رہ جائے۔"

"تو آج ہو ہی جائے غفار شاہ صاحب...... ویسے بھی وقت تو کاٹنا ہے۔" راحیل نے کہا۔

"بس سمجھ لے ایک جھونپڑی میں پیدا ہوا باپ سمندر سے مچھلیاں پکڑتا تھا...... ٹوٹی پھوٹی کشتی تھی اس کی بس یوں سمجھ اللہ کے بھروسے پر سمندر میں نکل جاتا تھا اور جو مال دوسروں سے بچ جاتا تھا وہ لے کر چلا آتا تھا...... ٹھیکیدار ہمیشہ آدھے پیسے کھا جاتا تھا اور آدھے پیسوں میں سیر بھر آٹا پاؤ بھر دال نمک مرچ بس زندگی اس سے آگے بڑھی ہی نہیں، البتہ قدرت نے ایک احسان کیا حسین شاہ پر کہ اسے زیادہ بچے نہیں دیئے...... ایک میں تھا، ماں تھی میری اور میرا باپ وہ ٹوٹی ہوئی کشتی جیسے سمندر سے واپس لے کر آ جانا ہی بڑا کام تھا...... میں تجھے بتاؤں...... لکڑی کے تختے چننے کے لئے میرا باپ میلوں دُور جاتا تھا اور پھر دن بھر بیٹھا کشتی کی مرمت کرتا رہتا تھا، جس دن کشتی میں کوئی سوراخ ہو جاتا تھا اس دن کیلیں وغیرہ لانے کے لئے پیسے نہیں ہوتے تھے...... روٹی روکھی کھانی پڑتی تھی اور دال کے پیسے بچا کر کیلیں خریدی جاتی تھیں...... باپ نے آدھی زندگی ایسے گزاری لیکن میں سب کچھ دیکھ رہا تھا...... ٹھیکیدار کے علاوہ سب کی یہی حالت تھی...... میں سمجھتا تھا کہ ٹھیکیدار آخر ہے تو ہماری ہی طرح انسان وہ کیوں اتنی عیش کی زندگی گزارتا ہے...... ہم کیوں اس طرح فقیروں کی طرح جیتے ہیں، ہم سے تو اچھے وہ فقیر تھے جو دن بھر سڑکوں پر بھیک مانگتے تھے اور شام کو مزے سے عیش کرتے تھے...... میں نے پہلی بار ایک فقیر کو ہی لوٹا تھا...... میں نے دیکھا کہ ایک دکاندار نے فقیر سے پانچ سو روپے کا کھلا مانگا اور فقیر نے اسے اپنے لباس سے نوٹوں کی گڈیاں نکال کر ایک منٹ میں دے دیں...... بس میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ پانچ سو کا وہ نوٹ میرا ہے مگر جب میں نے اس فقیر کی گردن دبوچ کر اس کی صدری سے پانچ سو کا وہ نوٹ تلاش کیا جانتا ہے اس کی صدری سے مجھے کیا ملا۔"

"کیا ملا شاہ صاحب؟"

"سولہ ہزار روپے پورے سولہ ہزار اور بس یوں سمجھ لے کہ یہ کھیل انہی سولہ ہزار کا ہے، لوٹا تو میں نے فقیر کو ہی تھا لیکن وہ شہنشاہ گر تھا اور اس کے بعد میں نے اپنی کشتی بنائی اور ابا سے کہہ دیا کہ بیٹھ جا ابا تو نے اپنا کام پورا کر لیا ہے، اب مجھے اپنا کام پورا کرنے دے...... بستی کے لوگوں کو حیرانی تھی لیکن بھلا کون کیا کہہ سکتا تھا، لیکن کسی کی کیا ہمت تھی کہ مجھے کچھ کہتا اور پھر جب ٹھیکیدار نے مجھ سے اپنی پہلی کھیپ کے آدھے پیسے مانگے تو میں نے مار مار کر اسے خون اُگلوا دیا، طاقت کی زبان ہر جگہ سمجھی جاتی ہے اور میں نے ٹھیکیدار کو طاقت کی زبان سمجھا دی تھی...... میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ دیکھ ٹھیکیدار معاملہ میرا تیرا ہے...... پولیس تک پہنچا تو سزائے موت تو نہ ہوگی مجھے لیکن تجھے میں سزائے موت ہی دوں گا اور بات ٹھیکیدار کی سمجھ میں آ گئی۔ سمجھدار بندہ تھا، بس یہاں سے آغاز کیا تھا میں نے، پھر میں نے سوچا کہ یہ مچھلی پکڑنے کا کام بے وقوفوں کا ہوتا ہے، تو میں نے دوسرے کام تلاش کئے، سمندر میں لنگر انداز جہازوں کو بندرگاہ سے کھلے سمندر تک مال لانے لے جانے کے لئے بندوں کی ضرورت ہوتی تھی، میں نے بھی اپنی انٹری کرا دی اور پوری محنت لگن سے مال روانہ ہونے والے جہازوں تک لے جانے لگا...... وارے نیارے ہو گئے، خوب کمائی کی، پھر ظاہر ہے...... مجرم اور پولیس کا تو چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے، پکڑا گیا اور سزا ہو گئی لیکن جیل صحیح تربیت گاہ ہوتی ہے...... سکول میں پڑھنے کا موقع تو نہیں مل سکا تھا، جیل میں جرم کی تعلیم حاصل کی اور بس اس کے بعد زندگی کے راستے بدل گئے...... خاندان ہی بدل لیا میں نے اپنا...... غفار شاہ بن گیا اور غفارے کے ابا حسین شاہ جی کو عیش کرا دی میں نے ان لوگوں کو بس یوں سمجھ زندگی کا آغاز ایسے کرنے کے بعد یہاں تک پہنچا ہوں...... ہم تو چڑھتے سورج کے پجاری ہیں...... کم از کم اتنا ضرور ہو گیا ہے فاضل دارا کی وجہ سے کہ پولیس سے جان چھوٹ گئی ہے...... کوئی فاضل دارا کے سامنے نہیں آتا لیکن یہ بات دماغ میں رکھ راحیل کہ فاضل دارا بھی آخری چیز نہیں ہے، آگے پیچھے بھی بہت کچھ ہے...... اگر آگے پیچھے کا خیال رکھ لیا تو سمجھ لے کہ بازی جیت لی...... آج فاضل دارا کل کوئی دوسرا ہوگا، جب تک اس کا سورج چڑھا ہوا ہے ٹھیک ہے، سورج ڈھل جائے گا...... ہم بھی آرام کرنے چلے جائیں گے۔" غفار شاہ ہنسنے لگا...... باہر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز آئی تھی، راحیل نے کہا۔

"میرا خیال ہے باس آ گیا؟"

"ہوں...... یہیں آئے گا۔" دونوں انتظار کرنے لگے، قدموں کی چاپ اُبھری اور پھر دروازے پر آہٹ سنائی دی، لیکن اندر داخل ہونے والا فاضل دارا نہیں بلکہ فرید خان تھا...... فرید خان بھی اپنے وقت کا بڑا غنڈہ تھا لیکن تعلیم یافتہ یہ الگ بات ہے کہ غفار شاہ سے ہمیشہ سے اس کی چلتی تھی، یہ تو فاضل دارا ہی تھا جس نے آگ اور پانی کو ایک جگہ جمع کر دیا تھا...... فرید خان اندر داخل ہوا...... غفار شاہ نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا فرید خان کے چہرے کی کیفیت بھی اس سے مختلف نہیں تھی۔

اِدھر اُدھر دیکھ کر بولا۔

"باس نہیں آیا ابھی تک۔"

"باس نہیں آیا تو کیا ہوا باس کا نائب تو آ گیا اور پھر تمہارا کیا خیال تھا فرید خان کیا تمہیں باس کے بعد آنا تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"اپنی اہمیت جتانے کی کوشش نہ کیا کرو...... میرا نام غفار شاہ ہے۔"

"ہاں...... جانتا ہوں تمہارا نام غفار شاہ ہے اور ہمیشہ نظرانداز کرتا ہوں تمہیں، صرف اس لئے کہ تم پڑھے لکھے آدمی ہو۔" جواب میں غفار نے قہقہہ لگایا اور بولا۔

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں، فرید خان تعلیم یافتہ آدمی ہے لیکن بڑے بڑے پڑھے لکھے لوگ غفار شاہ کے جوتے چاٹتے ہیں، کہاں تک تعلیم حاصل کی ہے تم نے فرید خان؟"

"اگر تمہارے پاس بکواس کرنے کے لئے زیادہ وقت ہے تو اس کے لئے تمہارے پاس یہ شخص کافی ہے...... میں باہر باس کا انتظار کروں گا۔"

"ارے نہیں نہیں بیٹھو فرید خان اب تو ہماری چھتری ایک ہی ہے اور جب بندہ ایک چھتری کے نیچے بیٹھتا ہے تو پھر آپس میں اختلافات نہیں رکھتا یا پھر ایسا ہی اختلاف ہے تو چھتری کے نیچے رُخ بدل کر بیٹھ جاؤ۔"

"بہت بولتے ہو تم غفار شاہ اور مجھے زیادہ بولنا ناپسند ہے۔"

"یقیناً...... یقیناً تمہارا یہی خیال ہوگا کہ زیادہ بولنے والے بے وقوف ہوتے ہیں۔"

"جانتے بھی ہو پھر بھی بولے جا رہے ہو۔" فرید خان مسکرا دیا۔

”تمہیں اندر سے کھولنا چاہتا ہوں...... فرید اور اس کے لئے پہلے سے بولنا ضروری ہے۔“

”تم مجھے اندر سے کیا کھولو گے غفار شاہ بس سمجھ لو باس کی شہنشاہی میں تم بھی عزت دار کہلانے لگے ہو...... ورنہ جو کچھ تم تھے تمہیں اندازہ ہو گا۔“

”میں سمجھتا ہوں آپ لوگوں میں جو باتیں ہو رہی ہیں ان کا نتیجہ اچھا نہیں نکلے گا...... باس آنے ہی والا ہو گا۔“

راحیل نے مداخلت کی۔

”تو اپنے ان شہنشاہ سے کہو کہ خاموش بیٹھنا زیادہ اچھا ہو گا۔“ غفار شاہ ہنسنے لگا تھا پھر زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دوبارہ دروازے پر آہٹ ہوئی اور اس بار اندر داخل ہونے والا فاضل دارا ہی تھا، دادل بھی اس کے پیچھے مسلح تھا اور کسی سنگی ستون کی مانند چلا آ رہا تھا، اندر موجود تینوں افراد کھڑے ہو گئے...... فاضل دارا نے سر سے ہیٹ اتار کر ایک اسٹینڈ پر لٹکایا اور پھر ایک صوفے کی جانب بڑھ گیا، دادل اس کے پیچھے سٹین گن سنبھال کر کھڑا ہو گیا تھا...... فاضل دارا نے ہاتھ کے اشارے سے ان تینوں کو بیٹھنے کے لئے کہا اور پھر ایک نگاہ انہیں دیکھ کر کہا۔

”تم لوگ ٹھیک تو ہو ناں؟“

”باس کی چھتری کے نیچے ٹھیک نہ ہوں گے تو کیا ہو گا۔“

”لیکن مجھے چھتری میں سوراخ ہوتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔“

”نہیں باس ہم ہیں اور ہماری موجودگی میں تمہاری چھتری میں سوراخ نہیں ہو سکتے۔“ غفار شاہ نے کہا۔

”مجھے بڑی بڑی باتیں کرنے والے ناپسند ہیں غفار شاہ صورت حال اس وقت ذرا کچھ سنگین سی نظر آ رہی ہے۔“

”باس غفار شاہ کو آزماؤ...... میں تو آج تک یہ محسوس کرتا ہوں کہ صرف ون وے ٹریفک چل رہا ہے۔“

”مطلب؟“ فاضل دارا نے سوال کیا۔

”مطلب یہ باس کہ میں صرف تمہاری مہربانیوں کے سائے میں جی رہا ہوں تم نے ابھی تک مجھ سے کوئی ایسا کام نہیں لیا جس سے مجھے یہ احساس ہو کہ میں بھی تمہارے کسی کام

کا ثابت ہوا۔“

”نہیں غفار شاہ فاضل دارا ہر شخص کا تجزیہ کر سکتا ہے وہ کس سے کیا کام لے سکتا ہے، وہ جانتا ہے اول تو تم میرے لئے کافی کام کر چکے ہو اور پھر میں سمجھ سکتا ہوں کہ تمہیں کہاں اور کس کام کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے...... یہ بات تو تم دونوں اچھی طرح جانتے ہو کہ میرے پاس آدمیوں کی کمی نہیں ہے، اگر کچھ کرنے پر آ جاؤں اور اپنے ان آدمیوں سے کام لینے کا فیصلہ کروں تو سمجھ لو کہ کوئی مشکل مشکل ہی نہ رہے لیکن میں کسی اور کو منظر عام پر نہیں لانا چاہتا، میں چاہتا ہوں کہ ہمارے دونوں ونگ الگ رہیں جو کام میں ان لوگوں سے لیتا ہوں وہ لوگ وہی کام کرتے رہیں، اگر میں نے انہیں اپنے ذاتی کام میں استعمال کر لیا تو کل پھر وہ میرے سر پر چڑھ کر بیٹھنے کی کوشش کریں گے، تم دونوں میرے ونگ کے دوسرے حصے ہو اور مقامی کام تمہیں ہی سرانجام دینا ہوں گے۔“

”باس انکار کس نے کیا ہے، تم صرف حکم کرو۔“ غفار شاہ بولا فرید خان خاموش بیٹھا ہوا غفار شاہ اور فاضل دارا کو دیکھ رہا تھا۔ فاضل دارا نے اسے مخاطب کر کے کہا۔

”جواد بیگ کی طرف سے اور کوئی خاص بات تو نہیں معلوم ہوئی فرید خان۔“

”نہیں باس ویسے بھی باس ہمارا اور پولیس کا معاملہ ذرا مختلف ہے...... اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تمہارے نام پر ایس ایچ او کا منہ بند ہو گیا تھا اور بظاہر وہ ڈھیلا نظر آنے لگا تھا، لیکن باس پولیس بھی بہر حال غیر ہی ہوتی ہے اور غیروں پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔“

”اس سلسلے میں جو نام سامنے آیا ہے وہ مجھے خاصا پریشان کر رہا ہے۔“

”شہاب ثاقب کی بات کر رہے ہو باس۔“ فرید خان نے کہا۔

”اتنے معمولی انداز میں اس کا نام مت لو...... میں بھی اس کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات کراتا رہا ہوں اور بہر حال میں بے وقوف نہیں ہوں جو کچھ اس کے بارے میں معلوم ہوا ہے وہ بہت خطرناک ہے...... بہر حال میں بڑے بڑے کام کر چکا ہوں، بڑی بڑی قوتوں سے ٹکرا چکا ہوں میں لیکن آستین کے اندر جو سانپ پلا ہوا ہوتا ہے ناں وہ زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔“

”تو بغل میں دبا کر مار دو باس اسے بغل سے باہر ہی نہ آنے دو۔“ غفار شاہ نے پھر درمیان میں مداخلت کی اور فاضل دارا اسے دیکھنے لگا، پھر غضیلے لہجے میں بولا۔

"سانپ اگر آستین میں چھپا ہوا ہو تو اسے بغل میں دبا کر مارنے کے نتائج جانتے ہو غفار شاہ۔" فرید خان ہنس پڑا تھا، اس نے کہا۔

"غفار شاہ آج کل ارسطو کو پڑھ رہا ہے باس اور مسلسل ارسطو کے اقوال دہرا رہا ہے۔"

غفار شاہ بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔ فاضل دارا نے کہا۔

"مجھے بتاؤ شہاب کو قابو میں کرنے کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہئے...... ایس ایچ او تو راہ راست پر ہے لیکن شہاب سنا ہے بہت بڑا فتنہ ہے اور معلومات کرانے سے پتا چلا ہے کہ بہت سے کارنامے اس کے نام سے وابستہ ہیں، میں اس کی زندگی میں کسی نئے کارنامے کا اضافہ نہیں چاہتا اور پھر تم دونوں جانتے ہو کہ جس طرح زمانہ قدیم میں جادوگروں کی جان طوطے میں ہوا کرتی تھی اسی طرح میری زندگی میری بیٹی ہما میں ہے...... ہما کے ناخن کو بھی تکلیف پہنچی تو میں اپنا ہاتھ کاٹ کر پھینک سکتا ہوں۔"

"اس کی نوبت نہیں آئے گی باس بس ایک بار تمہاری طرف سے کھلی اجازت چاہئے۔"

"مطلب۔" فاضل دارا نے سوال کیا۔

"باس شہاب اس دُنیا میں اکیلا تو نہیں ہوگا...... گھر والے ہوں گے اس کے ماں، باپ، بہن، بھائی، بیوی، بچے بالکل سیدھا سیدھا سا کام ہے باس، صرف یہ معلوم کرلیا جائے جس طرح تمہاری جان تمہاری بیٹی میں ہے...... شہاب کی جان کس میں ہے...... باس پکڑ لائیں گے اسے اور اس کے بعد سودا مضبوط رہے گا۔" فاضل دارا کے چہرے پر نفرت کے آثار پھیل گئے اس نے غفار شاہ کو گھورتے ہوئے کہا۔

"گدھے ہو تم بالکل آج کل یوں لگتا ہے جیسے تم انڈین فلموں سے تربیت حاصل کر رہے ہو...... انڈین فلموں میں تو یہ آسانی سے دکھایا جاسکتا ہے لیکن حقیقت میں اس کے نتائج بہت بھیانک ہو سکتے ہیں۔"

"سمجھا دو باس تمہارا غلام ہوں۔" غفار شاہ نے کہا فرید خان کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی، فاضل دارا نے کہا۔

"پہلی بات تو یہ کہ ہم انڈین فلموں کی طرح کسی بڑے سنڈیکیٹ کے آرگنائزر نہیں ہیں اور دُنیا بھر میں ہمارا سکہ نہیں چل رہا نہ ہی ہمارے پاس وہ عظیم الشان ہیڈ کوارٹر بنے ہوئے ہیں جن میں ہیلی کاپٹر، راکٹ لانچر، کلاشن کوفیں اور ٹینک موجود ہیں، بھئی میں تو ایک معمولی

سا آدمی ہوں وہ بڑے سنڈیکیٹ ہوتے ہیں...... سارے کے سارے فضول اور فراڈ لیکن ٹھیک ہے انڈین فلموں میں یہ سب کچھ چلتا ہے کیونکہ وہاں کے فلم بین بڑے فراخ دل ہیں۔"

"مگر باس ایک بات بتائیے...... اگر ہم شہاب کے اہل خاندان کو پکڑ لیتے ہیں تو کیا شہاب مجبور نہیں ہو جائے گا۔"

"دیکھو بے وقوف کسی بھی شخص کو جو خطرناک ہو جنونی نہ بناؤ...... شہاب ثاقب اگر کام کر رہا ہے تو قانون کے ایک کارکن کی حیثیت سے کام کر رہا ہے، اس کام کو اگر ہم نے ذاتی لڑائی میں تبدیل کر دیا تو وہ جنونی ہو جائے گا اور جنون کا نتیجہ اچھا نہیں نکلتا...... میرے خیال میں فرید خان اب یہ طریقہ کار استعمال کیا جائے کہ شہاب سے رابطہ قائم کرو، اسے راہ راست پر لانے کی کوشش کریں گے، بس طریقہ کار مناسب ہونا چاہئے...... مان گیا تو ٹھیک ہے اور اگر نہ مانا تو پھر دوسرے قدم کے بارے میں سوچیں گے۔"

"انتہائی مناسب بات ہے باس جب لڑائی ذاتی نوعیت اختیار کر جاتی ہے تو نتائج بہت سنگین ہوتے ہیں، وہ قانون کے لئے کام کر رہا ہے...... یہ بات میں معلوم کر چکا ہوں کہ مرنے والے سارجنٹ سے اس کا کوئی ذاتی رشتہ نہیں تھا، بس وہ بھی پولیس والا تھا، باس آپ جیسا مناسب سمجھیں ہدایت دیں...... باقی رہی غفار شاہ کی بات تو باس اور تو کچھ نہیں کہوں گا میں آپ سے نادان کی دوستی کو جی کا جنجال نہ بنائیں۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا باس کہ مجھ میں اور فرید خان میں کیا فرق ہے...... آپ نے اسے بولنے کی کچھ زیادہ ہی اجازت نہیں دے دی کیا۔"

"فرید خان اپنے آپ پر کنٹرول رکھو، کوئی بھی بہت زیادہ ذہین نہیں ہوتا...... تم اگر ایک شعبے میں کام کرتے ہو تو غفار شاہ دوسرے شعبے میں کام کرتا ہے...... میرے لئے تم دونوں ہی اہمیت کے حامل ہو تو پھر یوں کرو فرید خان تم کہ بڑی احتیاط کے ساتھ شہاب ثاقب سے دوستی بڑھاؤ، اپنے آپ کو اس سے چھپانے کی ضرورت نہیں ہے، اس کے قریب پہنچنے کی کوشش کرو اور دیکھو کہ وہ کون سی زبان بولتا ہے۔"

"ٹھیک ہے باس اس کی تو آپ فکر ہی نہ کریں، البتہ ایک سوال میرے ذہن میں بار بار کھٹک رہا ہے۔"

"بولو کیا؟"

"باس یہ بات تو میں بھی جانتا ہوں کہ آپ کی پہنچ کتنی ہے...... میں نے آپ کو اس سے پہلے کبھی اتنا پریشان نہیں دیکھا۔"

"شادی شدہ نہیں ہونا اس لئے کسی بچی کے باپ ہوتے اور تمہاری بیٹی کسی خطرناک بیماری میں مبتلا ہو جاتی تو مجھ سے یہ سوال نہ کرتے...... میں اپنی مال، دولت، عزت آبرو سبھی کا رسک لے لیتا ہوں لیکن ہما کی زندگی پر کوئی رسک لینا میرے لئے ناممکن ہے۔"

"ہما بی بی ہماری عزت ہیں، ہماری آنکھوں کی روشنی اور سر کا تاج ہیں...... کسی نے ان کی جانب نگاہ اُٹھا کر دیکھا تو پھر وہ دوبارہ اس دُنیا کو دیکھنے کے قابل نہیں رہے گا۔" غفار شاہ نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"غفار شاہ جو قدم بھی اُٹھانا ہے سوچ سمجھ کر اُٹھانا ہے۔"

"تو پھر آپ ہمیں حکم دو باس۔" غفار شاہ نے کہا۔

"میں نے تمہیں صرف اس لئے بلایا ہے کہ مستعد رہو، شہاب ثاقب زہریلے سانپ کی مانند چاروں طرف پھن مارتا پھر رہا ہے، ہو سکتا ہے معلومات حاصل کرتا ہوا تم تک بھی پہنچے، میں نے تمہیں جو محفوظ خول دیا ہے اس خول سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کرنا تم لوگوں کو خود بھی اپنا تحفظ کرنا ہے...... بات صرف اصل میں اس کیس کی نہیں رہی ہے بلکہ شہاب ثاقب کے بارے میں مجھے جو معلومات حاصل ہوئی ہیں وہ میرے لئے بے حد خطرناک ہیں، میں یہ سوچتا ہوں کہ کہیں اس رسی پر چڑھتا ہوا وہ ہمارے کاروبار کے دہانے تک نہ آ پہنچے، اس نے اب تک جو اقدامات کئے ہیں انہوں نے مجھے تشویش کا شکار کر دیا ہے اور فرید خان اس وقت میں نے تم لوگوں کو اسی لئے بلایا ہے کہ تمہیں اس کے لئے ہوشیار کروں...... خبردار جان بوجھ کر شہاب ثاقب کے قریب پہنچنے کی کوشش نہ کرنا میرا مطلب ہے اس طرح کہ وہ تمہیں اپنا مخالف محسوس کرلے...... باقی فرید خان تمہیں جو کام کرنا ہے وہ میں تمہیں بتا چکا ہوں۔"

"اور مجھے باس۔" غفار شاہ نے پوچھا۔

"تم میری طرف سے ملنے والے اشارے کے منتظر رہو، مناسب وقت پر میں تمہیں تمہارا کام دے دوں گا۔"

"ٹھیک ہے باس۔"

"لیکن خاص طور سے تمہیں ہدایت کرتا ہوں غفار شاہ کہ شہاب یا ہو سکتا ہے اس کے

کے دوسرے افراد تم تک پہنچنے کی کوشش کریں، تمہیں ان لوگوں کو سنبھالنا ہے اپنی طرف سے کوئی قدم مت اُٹھانا۔"

"ٹھیک ہے باس جیسا آپ بولو۔" غفار شاہ نے کہا۔

"بس اس وقت یہی گفتگو کرنا تھی مجھے تم سے۔"

اور اس کے بعد فاضل دارا اپنی جگہ سے اُٹھ گیا، دادل اس دوران بالکل خاموش کھڑا تھا...... وہ سب باہر نکلے تو فاضل دارا نے کہا۔

"میں جا رہا ہوں تم لوگ ایک ایک کر کے اطمینان کے ساتھ باہر نکلو، اس عمارت کو کسی بھی شکل میں مشکوک نہیں ہونا چاہئے۔" یہ ہدایت دینے کے بعد فاضل دارا اپنی کار میں جا بیٹھا...... ڈرائیونگ سیٹ اس نے خود سنبھال لی تھی اور دادل اپنی سیٹ پر کلاشن کوف سنبھالے بیٹھ گیا تھا...... اس نے دونوں طرف کے شیشے اتار لئے تھے، فاضل دارا نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی اور اس کے بعد یہ لوگ اس کی کار کی روشنی دیکھتے رہے، جب وہ نگاہوں سے اُوجھل ہو گئی تو فرید خان نے اپنی کار کی طرف رُخ کیا اور غفار شاہ سے بولا۔

"جیسا کہ باس نے کہا ہے کہ میرے جانے کے تقریباً پانچ منٹ کے بعد تمہیں اپنی جگہ چھوڑنی ہے۔"

"میرے سامنے ہدایت دینے والا لہجہ نہ اختیار کیا کرو...... میں نہیں چاہتا کہ تمہاری وجہ سے باس کو کوئی تکلیف پہنچے۔" فرید خان اسے گھورتے ہوئے کار میں جا بیٹھا تھا، پھر اس نے بھی کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی اور غفار شاہ اسے دیکھتا رہا پھر اس نے راحیل سے کہا۔

"جب تک ہم ایک ہی چھتری کے نیچے بیٹھے ہوئے ہیں فرید خان کی زندگی محفوظ ہے، لیکن یہ لکھ کر رکھ لو راحیل کہ جیسے ہی فاضل دارا کا کھیل ختم ہوا میرا سب سے پہلا کام اسی شخص کو ٹھیک کرنا ہوگا۔" اور راحیل گردن ہلانے لگا تھا۔

فاضل دارا کی کوٹھی سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی، رات کا تقریباً ایک بج رہا تھا، دروازے پر موجود زری خان اپنی ڈیوٹی پر مستعد تھا...... یہ شریف آدمی تھا اور اس کا ماضی بے داغ تھا...... کافی عرصے سے فاضل دارا کا نمک کھا رہا تھا، اس کا کام صرف اتنا ہی تھا کہ دیکھتا رہے، سنتا رہے نہ آنکھوں کا استعمال کرے اور نہ کانوں کا مالک کے معاملات میں کسی طرح دخل

اندازی نہ کی جائے، یہ بنیادی چیز اسے سمجھادی گئی تھی اور آج کئی سال ہوگئے تھے وہ اپنے فرائض سرانجام دے رہا تھا...... پھر ان دنوں اسے خاص طور سے مستعد کیا گیا تھا...... فاضل دارا نے ان چند سالوں میں ایک دو بار ہی اس سے بات کی تھی، بہت دن کے بعد اس نے اسے مخاطب کر کے کہا تھا۔

"زری خان گیٹ پر کبھی سونے کی کوشش مت کرنا خاص طور سے تھوڑے دن تک ہمیں کچھ لوگوں سے خطرہ ہے۔ خیال رکھنا۔"

"آپ فکر مت کرو صاب ہم ڈیوٹی پر سونا کفر سمجھتے ہیں۔" زری خان نے جواب دیا تھا اور وہ ایک سچا آدمی تھا، چنانچہ ساری رات پلک نہیں جھپکاتا تھا...... ڈیوٹی پر مستعد رہنا اس کا ایمان تھا اور اس وقت بھی وہ پوری طرح مستعد تھا...... گیٹ سے کچھ فاصلے پر ایک اسٹول پر بیٹھا سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا...... گھر چھوڑ کر آیا تھا...... سرحد کے علاقے میں اس کا مکان تھا...... بیوی تھی بچے تھے، گل خان اور لالہ جان اس کی بیٹی اور بیٹے تھے...... سال میں ایک بار دس دن کی چھٹی ملتی تھی اور ان دس دنوں میں وہ اپنی زندگی کو سیراب کر لیتا تھا...... بچوں کے ساتھ ایک ایک لمحہ گزارتا تھا جو کچھ بھی بن پڑتا تھا ان کے لئے لے جاتا تھا، حالانکہ ایک بار یہ بات بھی ہوئی تھی کہ زری خان اپنی بیوی اور بچوں کو یہاں لے آئے اسے رہنے کے لئے سرونٹ کوارٹر دیا جاسکتا ہے، لیکن اس نے نیاز مندی سے کہا تھا۔

"نہیں صاب میرے والدین زندہ ہیں، میرے باپ نے ہمیشہ میرے دادا کا حکم مانا اور کبھی اس کے آگے سر نہیں اُٹھایا...... میری ماں ہے صاب میرا بیوی میری ماں کا خدمت کرتا ہے اور میری ماں بولتا ہے کہ وہ جس زمین پر پیدا ہوا ہے اسی زمین میں دفن ہونا پسند کرے گا، ہم لوگ زمین کو نہیں چھوڑتا صاب اب کیا کریں مجبوری ہے...... اِدھر نوکری کرنی ہے...... میرے کو میرے باپ نے اجازت دیا تو میں اِدھر آیا، ویسے صاب میرا باپ اور میرا اماں اِدھر کبھی نہیں آئے گا...... اس کو اپنی زمین سے بہت پیار ہے...... بس میرے کو اجازت دیا میرے باپ نے اور میری بیوی کے واسطے اجازت نہیں ہے۔" بات ختم ہوگئی تھی، زری خان ذمہ داری سے اپنا فرض پورا کر رہا تھا...... مالک کون ہے کیا ہے کیا کرتا ہے کون آتا ہے، کون جاتا ہے اسے اس بات کی پروا نہیں تھی...... مالک کی طرف سے جو اجازت ملتی تھی بس اسی کے مطابق کام کرتا تھا، اس وقت بھی وہ اپنے بیوی بچوں کے تصور میں کھویا ہوا تھا، ان دنوں اس

کے علاقے میں برف باری ہو رہی ہوگی اور برف کے میدانوں میں روئی کے گالوں جیسی گل خان اور لالہ جان بھاگتے پھرتے ہوں گے اور اس کی بیوی انہیں آوازیں دیتی رہتی ہوگی...... دادا اور دادی بھی بچوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔

"بدمعاش کہیں کے۔" دادی جان نے محبت بھری آواز میں کہا لیکن اسی وقت اسے محسوس ہوا جیسے گیٹ کے پاس کوئی ہے، اس نے فوراً قریب رکھی ہوئی بندوق سنبھالی...... اسے چیک کیا اور برق رفتاری سے اپنی جگہ سے اُٹھ گیا...... دبے قدموں گیٹ تک آیا...... گیٹ سے کان لگا کر پہلے باہر کی آوازیں سنیں، اسے کراہنے کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دے رہی تھیں...... انسانی کراہوں کو سن کر اس کا دل ہمدردی سے سرشار ہوگیا...... نجانے کون ہے اور کیوں کراہ رہا ہے، اس نے دل میں سوچا اور اس کے فوراً بعد ذیلی دروازہ کھول کر باہر جھانکا، میلے کچیلے کپڑوں میں ملبوس کوئی بوڑھا سا آدمی گیٹ کے پاس دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا ہوا تھا...... زری خان باہر نکل آیا...... اس نے ٹارچ روشن کر کے نیچے بیٹھے ہوئے شخص کے چہرے پر ڈالی، بھری ہوئی داڑھی، اُلجھے ہوئے بال، چہرے پر مظلومیت، بدن پر ڈھیلا ڈھالا لباس جو جسم پر چیتھڑوں کی شکل میں لٹکا ہوا تھا...... زری خان جلدی سے اس کے پاس پہنچ گیا۔

"کیا بات ہے...... تم ٹھیک تو ہے...... کراہتا کیوں ہے۔"

"میرے سینے میں درد اُٹھتا ہے بھائی، میں فقیر ہوں، بھیک مانگتا ہوں، ہاتھ پیروں میں جان نہیں ہے...... اِدھر سے گزر رہا تھا، کسی ٹھکانے کی تلاش میں تھا کہ سینے میں درد اُٹھ آیا...... بس تھوڑی دیر مجھے یہاں بیٹھے رہنے دو ذرا سا یہ درد بند ہو جائے چلا جاؤں گا...... تمہاری مہربانی ہوگی۔" اس کا لہجہ انتہائی نڈھال تھا، زری خان نے رائفل ایک طرف رکھی اور اس کے قریب بیٹھ کر اسے ٹٹولنے لگا۔

"کدھر سینے میں درد ہوتا ہے۔"

"ابھی میرا مجبوری ہے صاب کا آرڈر نہیں ہے ورنہ میں تمہیں اُٹھا کر اندر لے جاتا، تمہارا خدمت کرتا، ابھی کیا میں تمہارے کو پانی پلاؤں۔"

"بہت بہت شکریہ بس مجھے سہارا دے کر اُٹھا دو...... میرے بدن میں جان نہیں ہے۔"

"آؤ اُٹھو کدھر جانا چاہتے ہو۔" زری خان جھکا اور اس شخص نے دونوں ہاتھ اوپر

اُٹھادیئے، لیکن زری خان کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ جس بدن کو وہ بے جان کہہ رہا تھا اس میں جان ہی جان ہوگی...... فقیر کے دونوں ہاتھ زری خان کی گردن پر آ جمے اور زری خان کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

"اوئے خانہ خراب ابھی تو تم مجھے بولتا تھا کہ میرے بدن میں جان نہیں ہے...... اوئے کیا کرتا اوئے۔" زری خان کی آواز آہستہ آہستہ بھنچ گئی، اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے اس کی گردن لوہے کے شکنجے میں جکڑ گئی ہو، اس کا چہرہ سرخ ہوگیا اور آنکھیں اُبلنے لگیں، خون کی روانی رکی تو دماغ بھی سونے لگا حالانکہ وہ بہت مضبوط آدمی تھا لیکن شاید مدمقابل فولاد کا بنا ہوا تھا، چند ہی لمحوں میں زری خان کے ہوش و حواس جواب دے گئے، اس نے ہاتھ پاؤں مارے منہ سے طرح طرح کی آوازیں نکالیں اور اس کے بعد فقیر کے ہاتھوں میں جھول گیا...... فقیر نے اسے اُٹھایا اور اس کی رائفل کو اس نے چھوا بھی نہیں تھا...... بے ہوش زری خان کو کندھے پر ڈال کر فقیر تیزی سے آگے بڑھ گیا...... سڑک عبور کر کے وہ سامنے والے بنگلوں کے قریب پہنچا اور ایک زیر تعمیر بنگلے کے بائیں حصے میں کھڑی ہوئی ایک قیمتی کار تک پہنچ گیا...... کار تک پہنچ کر اس نے پھرتی سے دروازہ کھولا اور بے ہوش زری خان کو اس کے دروازے میں ٹھونس کر دروازہ بند کر دیا، پھر وہ خود اسٹیئرنگ پر جا بیٹھا اور اس نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی...... کار کو برق رفتاری سے ڈرائیو کرتا ہوا وہ شہر کے مختلف حصوں سے گزرتا رہا اور پھر کریم سوسائٹی میں داخل ہوگیا...... کریم سوسائٹی کی ایک عمارت کے قریب پہنچ کر اس نے دوبار آہستہ اور ایک بار تیز ہارن دیا اور فوراً ہی دروازہ کھل گیا...... فقیر کار کو اندر لے کر چلا گیا تھا...... اِدھر دروازہ کھولنے والا چوکیدار دروازہ بند کرتا دوڑتا ہوا اس کے پاس آیا تھا۔

"کون ہے صاب باہر نکالوں اسے۔" اس نے فقیر سے سوال کیا۔

"ہاں جوہر خان نکالو اور اندر لے چلو۔" یہ آواز شہاب کے علاوہ اور کسی کی نہیں تھی۔

جوہر خان نے بے ہوش پڑے ہوئے زری خان کو اُٹھایا اور اس کے بعد اسے لئے ہوئے شہاب کی رہنمائی میں ایک اندرونی کمرے میں آگیا...... کریم سوسائٹی کی کوٹھی کا یہ کمرا بالکل خالی تھا اور یہاں زمین پر بچھے ہوئے قالین کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا...... اندر لانے کے بعد جوہر خان نے زری خان کو زمین پر لٹادیا شہاب نے کہا۔

"اب ایک رسی لے آؤ، اس کے ہاتھ اور پاؤں کسنے ہیں۔"

"ابھی لایا صاحب۔" جوہر خان نے کہا۔

شہاب جو کہ فقیر کے لباس میں تھا زری خان کو دیکھتا رہا اور اس کے بعد جوہر خان رسی لے کر اندر آگیا، پھر جوہر خان کی ہی مدد سے شہاب نے بے ہوش زری خان کے ہاتھ پاؤں باندھے تھے اور اس کے بعد مسکراتی نگاہوں سے جوہر خان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"جوہر خان ہم لوگوں کی ذمہ داری عام لوگوں کی ذمہ داری سے ذرا مختلف ہوتی ہے...... جب دنیا خواب خرگوش کے مزے لے رہی ہوتی ہے ہم اپنی ڈیوٹی پر مستعد رہتے ہیں...... جرم کا خاتمہ ہماری زندگی ہے اور اگر جرم زندہ رہے تو ہمیں موت سے ہمکنار ہونا ہوتا ہے اور اگر تم یہ سمجھتے ہو جوہر خان کہ تم ہم سے الگ ہو تو یہ تمہاری غلطی ہے، تم یہ سمجھو شہری انتظامات سنبھالنے کے سلسلے میں تمہارا اپنا بھی ایک کردار ہے۔"

"صاب یہ تو آپ کی مہربانی ہے۔"

"نہیں بھائی مہربانی نہیں یہ اتنی لمبی چوڑی جو تقریر کی گئی ہے وہ لالچ میں کی گئی ہے۔"

جوہر خان مسکرادیا پھر بولا۔ "سمجھ گیا ہوں صاحب؟"

"کیا سمجھے ہو مجھے بتاؤ۔" شہاب مسکرا کر بولا۔

"آپ کو کافی چاہیئے۔"

"جوہر خان تمہاری لمبی عمر کی دعائیں کرتے کرتے زبان بھی تھک جائے تو کم ہے۔"

"آپ کپڑے تبدیل کرلیں میں لے کر آتا ہوں۔"

جوہر خان مسکراتا ہوا باہر نکل گیا تھا، شہاب نے بے ہوش زری خان پر نظر ڈالی اور اس کے بعد لباس تبدیل کرنے کے لئے کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے کی جانب چل پڑا...... پھر لباس تبدیل کرنے کے بعد وہ باہر نکلا، زری خان ابھی تک بے ہوش تھا...... شہاب اسے دیکھتا رہا چہرے سے شریف آدمی معلوم ہوتا تھا لیکن بہرحال بے چارہ ملازم تھا...... ظاہر ہے مالک کی ہدایت پر ہی کام کرتا ہوگا...... شہاب کے پاس ابھی تک فاضل دارا کے خلاف کوئی ثبوت نہیں تھا...... حالانکہ اس نے کچھ کام کئے تھے، مثلاً شوروم سے ان کاغذات کا حصول جن کے تحت گاڑیاں منگوائی گئی تھیں اور ان میں سے ایک گاڑی گم تھی حالانکہ اچھا خاصا مواد تھا یہ لیکن شہاب جانتا تھا کہ فاضل دارا جیسے شخص کے لئے اس بات کو جھٹلا دینا آسان کام

تھا...... فاضل دارا نے کوشش تو سب کچھ ہی کر ڈالی تھی، گاڑی کا حلیہ بدلنے کی یہ الگ بات ہے حلیہ نہیں بدل سکا تھا، اس کے پاس جواز بھی تھا...... شہاب بہت کچھ سوچ رہا تھا، جب تک کوئی اہم اور ٹھوس ثبوت موجود نہ ہو فاضل دارا پر ہاتھ ڈالنا مشکل کام تھا...... پرانی گاڑی بھی شاید ہی کہیں سے دستیاب ہو بھلا فاضل دارا کے لئے یہ کام کیا مشکل ہے کہ گاڑی کا انجر پنجر الگ کر دیا جائے اور اسے اسکریپ کر کے اس طرح غائب کر دیا جائے کہ اس کا نام و نشان بھی نہ ملے...... بہر حال بیٹی کا معاملہ تھا اور معلومات کے مطابق ہما فاضل دارا تھی بھی اکلوتی بیٹی، فاضل دارا کی بے پناہ دولت کی واحد مالک بری طرح بگڑی ہوئی ناہید سلیمی نے ہما دارا کے بارے میں خاصی تفصیل سے بتایا تھا...... یہ بات شہاب کے اپنے ذہن میں بھی لاکھوں بار آئی تھی...... ہما فاضل سے اس کی کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی، لیکن وہ قاتل تھی اور اس نے نہایت بے دردی سے ایک گھر کا چراغ بجھا دیا تھا، لیکن آئندہ بھی وہ ایسے ہی اقدامات کر سکتی تھی اور پھر فاضل دارا نے جس طرح اسے محفوظ رکھنے کی کوشش کی تھی وہ بھی شدید ناخوشگوار عمل تھا...... یہ لوگ جرم کرتے ہیں اور پھر اسے چھپانے کے لئے اپنی تمام تر قوتیں صرف کر دیتے ہیں، ان کے اس احساس کو ہوا نہیں لگنی چاہئے ورنہ لاتعداد انسانوں کی زندگی خطرے میں پڑ جائے...... جوہر خان کافی بنا کر لے آیا اور شہاب کافی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگا...... اب اس نے اندھے اقدامات کرنے شروع کر دیئے تھے...... یہ بات تو اس کے علم میں آ ہی گئی تھی کہ فاضل دارا کو گاڑیوں کے کاغذات کی گمشدگی کی اطلاع مل چکی ہے۔ چوکیدار کا معاملہ بھی ذرا سوچ سمجھ کر کرنا تھا...... فاضل دارا کو وہ اس بات سے لاعلم نہیں رکھنا چاہتا تھا کہ اس کے خلاف بھرپور پیمانے پر کارروائی ہو رہی ہے۔ ہاں اگر خود فاضل دارا اس سلسلے میں آگے بڑھ کر اقدامات کرتا تو شہاب اس کے بارے میں سوچ بھی سکتا تھا اور کچھ ایسی شرائط پیش کر سکتا تھا جس کی بنیاد پر یہ معاملہ نمٹ سکے لیکن فاضل دارا نے ایسا کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا اور شہاب اس کی اسی انا کو توڑنا چاہتا تھا، کافی کا آخری گھونٹ ختم کیا تھا کہ چوکیدار کے بدن میں جنبش محسوس ہونے لگی...... شہاب نے جوہر خان کو اشارہ کیا اور جوہر خان کافی کے برتن لے کر باہر نکل گیا...... شہاب نے دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا، پھر چوکیدار ہوش میں آ گیا...... اس نے کروٹ بدلی اور پھر دیوانوں کی طرح اُٹھنے کی کوشش کرنے لگا، لیکن بندھے ہوئے ہاتھوں کی وجہ سے وہ سہارا لے کر نہیں اُٹھ سکتا تھا۔ شہاب اپنی

جگہ سے اُٹھا اور اس کے سامنے جا کھڑا ہوا...... چوکیدار نے اسے دیکھا پھر اپنے بندھے ہوئے ہاتھ پاؤں کی طرف دیکھا...... مضبوط بدن کا جاندار آدمی تھا...... آہستہ آہستہ ان کی آنکھوں میں خون کی سرخی لہرانے لگی، اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"خانہ خراب کے بچے تم ہمیں ادھر کیوں لایا ہے۔"

"آؤ میں تمہیں سہارا دیتا ہوں زری خان...... دیوار سے پشت لگا کر بیٹھ جاؤ۔"

"کتے کے پلے میں تیرے سے پوچھتا ہوں تم مجھ کو ادھر کیسے لایا، وہ کمینہ فقیر کدھر گیا جس پر ہم نے ترس کھایا تھا۔" شہاب اس کے قریب پہنچا اس کو سہارا دیا، اس کی پشت دیوار سے لگا دی پھر کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے پہنچ گیا۔

"تمہارا نام زری خان ہے۔"

"ہاں ہے بول تیرے کو کیا مانگتا ہے مجھ سے۔"

"زری خان تم سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"اب میرے کو تم یہ بتا کہ یہ کون سا جگہ ہے...... میں نے اپنی ڈیوٹی سے کبھی غفلت نہیں برتا، ابھی میرے کو تم نہ جانے کہاں لے آیا ہے...... ادھر گیٹ خالی پڑا ہوگا، میں تیرے کو بولتا ہے میری عزت کیوں خراب کرتا ہے۔"

"کیا تم ایک عزت دار آدمی ہو زری خان۔" شہاب نے سوال کیا۔

"غریب آدمی ہوں عزت دار کدھر سے ہو سکتا ہوں، عزت دار تو تو ہے کہ میرے سامنے اس کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔"

"ایک عزت دار آدمی زری خان کبھی کوئی ایسی ملازمت نہیں کرتا جس سے حرام کا پیسہ تنخواہ کی شکل میں اسے ملتا ہو۔"

"تو مولوی ہے مجھے واعظ کرنا چاہتا ہے۔"

"مولوی نہیں ہوں لیکن تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم واقعی ایک عزت دار اور شریف آدمی ہو، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم حلال کی روزی کھا رہے ہو؟"

"خدا کا شکر ہے...... میں اپنی ڈیوٹی بالکل ٹھیک کرتا میرا صاب میرے کو بولا زری خان گیٹ خالی نہیں رہنا چاہئے اور میں تیرے کو بولتا ہوں میں کبھی گیٹ خالی نہیں چھوڑتا...... بس میرا اتنا کام ہے۔"

"کیا تمہیں معلوم ہے زری خان کہ تمہارا صاب کیا کرتا ہے۔"

"او خانہ خراب مالکوں کا راز معلوم کرنا بھی نمک حرامی ہے۔"

"کس کی نمک حرامی ہے زری خان۔"

"ابھی تم میرے سے بکواس مت کرو تم میرے کو بولو تم کیا چاہتا ہے۔"

"کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں زری خان تم سے۔"

"کیسا معلومات؟"

"پوری طرح یاد کر کے بتاؤ پچھلی 26 تاریخ کو تم ڈیوٹی پر تھے۔"

"میں پورا مہینہ ڈیوٹی کرتا ہے۔"

"زری خان رات کو بھی تم ڈیوٹی پر ہوتے ہو۔"

"دن اور رات ہوتا ہوں۔"

"سوتے کب ہو۔"

"دن میں تھوڑا اٹائم اور صبح 6 بجے کے بعد نماز پڑھنے کے بعد صاب میرے کو بولتا ہے کہ تم سو سکتے ہو۔"

"اتنی بڑی کوٹھی میں تم اکیلے چوکیدار ہو۔"

"ہاں صاب تو میرے کو بولا کہ دوسرا چوکیدار بھی رکھ لیا جائے اور میں بولا صاب میں مضبوط آدمی ہے...... میرے کو ڈبل تنخواہ دو میرے بچے کے کام آئے گا...... صاب میرا شریف آدمی ہے...... وہ میرے کو ڈبل تنخواہ دیتا، میں ڈبل ڈیوٹی کرتا ہے۔"

"ٹھیک تو تمہارے بچے بھی ہیں۔"

"ہاں خدا کا فضل ہے۔"

"کہاں ہیں۔"

"میرا گاؤں میں ہے، تم ابھی میرے کو بولو ادھر کیوں لایا ہے مجھے۔"

"26 تاریخ کی رات کو زری خان تقریباً ساڑھے بارہ اور ایک بجے تمہارے مالک کی بیٹی کار میں بیٹھ کر واپس آئی تھی، کیا اس وقت تم جاگ رہے تھے۔"

"روزانہ آتا ہے۔ 26 تاریخ ہی کا کیا بات ہے اور میں تم کو بول دیا میرا ڈیوٹی ہوتا ہے میں سوتا نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے وہ ایک بجے واپس آ گئی تھی، پھر اس کے بعد کیا ہوا تھا۔"

"کیا ہوتا ہے میں چوکیدار ہے گیٹ پر رہتا ہے...... وہ واپس آیا تھا، پھر وہ سو گیا ہوگا اور کیا ہو سکتا ہے۔"

"ہوں چلو ٹھیک ہے...... پھر مالک نے کیا کیا تھا اس کے بعد۔"

"ابھی یار ادیکھو میرے ہاتھ کھولو میرا پیر بھی کھول دو، پہلے تم میرے کو یہ بتاؤ کہ تم کیا چاہتا ہے؟"

"زری خان تم سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ 26 تاریخ کو جب تمہارے مالک کی بیٹی گھر واپس آ گئی تھی اور سونے کے لئے چلی گئی تھی تو پھر وہ کون لوگ تھے جو اس کی گاڑی لے کر باہر نکلے تھے۔"

"پہلے تم میرے کو یہ بتاؤ تم مجھ سے یہ کیوں پوچھتا ہے۔"

"اگر میں تمہیں بتا دوں تو کیا تم مجھے جواب دے دو گے۔"

"میں نہیں جانتا...... میں سوچوں گا کہ جواب دے سکتا ہوں یا نہیں۔"

"تمہارے مالک کی بیٹی نے ایک زندہ انسان کو جان بوجھ کر اپنی گاڑی کے نیچے دبا کر مار ڈالا تھا اور اس کے بعد گھر چلی گئی تھی، میں اس کے سلسلے میں تحقیقات کر رہا ہوں۔"

"تم پولیس کا آدمی ہے؟"

"ہاں۔"

"دیکھو میں تم کو کچھ نہیں بتاؤں گا، جب تک میرا مالک مجھے اجازت نہیں دے گا۔"

"اگر تم نہیں بتاؤ گے زری خان تو میں تمہارے بدن کی پوری کھال اتار دوں گا، تم نے دیکھ لیا ہے کہ تمہیں کس طرح یہاں لایا گیا ہے...... تمہارے مالک کو اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہو سکا ہے، میں یہاں تمہیں قتل کر دوں گا اور تمہاری لاش کسی گندے گٹر میں پھنکوا دوں گا ورنہ جو کچھ میں پوچھ رہا ہوں اس کا مجھے جواب دو۔"

زری خان ہنسنے لگا پھر بولا۔

"ٹھیک ہے صاب تم میرے کو موقع دیا کہ میں اپنا زبان بند رکھوں اور اگر تم میرا کھال اتار سکتا ہے تو میرا ہاتھ پاؤں کھولو، ہم سرحد کا رہنے والا ہے...... ہمارا زبان ایک ہوتا ہے...... اگر تم ہمارا کھال اتارنے میں کامیاب ہو گیا تو ہو سکتا ہے ہم زبان کھول دے......

دوسرااور کوئی طریقہ نہیں ہے...... ہم عزت دار آدمی ہے...... مالک کا نمک کھاتا ہے تو نمک حلالی ہی کرے گا کیا سمجھا۔"

"اگر میں تمہارے ہاتھ کھول دوں تو تم کیا کرو گے۔"

"تمہارے سے جنگ کرے گا اور تم کو بتائے گا کہ کسی کا کھال نکال دینا اتنا آسان کام نہیں ہوتا جتنا تم سمجھتا۔"

"اور اگر میں تمہاری کھال اتارنے میں کامیاب ہو گیا تو؟"

"تو خدا کی قسم ہم تم کو مرد کا بچہ کہے گا۔"

"بس۔"

"تو اور کیا چاہتا ہے تم۔"

"چلو ٹھیک ہے زری خان میں تمہارے ہاتھ کھولے دیتا ہوں اور اس کے بعد میں تم سے کچھ بات کروں گا۔"

"کیا بات کرے گا صاب؟"

زری خان نے بدستور ہنستے ہوئے کہا اور شہاب اسے گھورنے لگا، اسے ایک اور تجربہ یاد آ گیا تھا، اس کا ماتحت گل خان بھی سرحد کا رہنے والا تھا اور اس کے ساتھ بھی کچھ ایسے واقعات پیش آئے تھے...... بہرحال شہاب کا دل تو نہیں چاہتا تھا کہ اس چوکیدار کو مارے لیکن مجبوری بھی تھی...... بہرحال اس نے پہلے چوکیدار کے پاؤں کھولے، پھر اس کے دونوں ہاتھ زری خان کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی تھی...... اس نے اپنی کلائیں ملتے ہوئے کہا۔

"میرا باپ میرے کو بولا صاب کہ دیکھو زری خان نمک کا بڑا اہمیت ہوتا ہے، مالک کا نمک اگر خون میں شامل ہو جائے تو پھر وہ خون تمہارا اپنا نہیں رہتا...... مالک کا ہوتا ہے، آپ پولیس کا آدمی ہے صاب میں جانتا ہے آپ میرے کو پھانسی پر بھی چڑھا سکتا ہے اور اپنے باپ کا بات میں نہیں بھولے گا۔"

"ٹھیک ہے زری خان ذرا مجھے ایک بات تو بتاؤ، ایک شخص جو اپنی ڈیوٹی انجام دے رہا ہو جو اپنا فرض پورا کر رہا ہو اور اپنا فرض پورا کرنے کے سلسلے میں ہی اس نے تمہارے مالک کی بیٹی کو روکنے کی کوشش کی تھی، وہ ٹریفک سارجنٹ تھا اور تمہارے مالک کی بیٹی ہما کار اس رفتار

سے چلا رہی تھی جس سے اسے خود خطرہ ہو سکتا تھا، اس نے اپنی ڈیوٹی سرانجام دینے کے لئے تمہارے مالک کی بیٹی کو رکنے کا اشارہ کیا اور اس کے بعد جب وہ نہیں رکی تو اس کا تعاقب کیا، تمہارے مالک کی بیٹی نے شراب کے نشے میں اسے ٹکر ماری اور ہلاک کر دیا، وہ بے قصور تھا زری خان وہ اپنا فرض پورا کر رہا تھا...... اپنی ڈیوٹی دے رہا تھا، اسی طرح جیسے تم اپنی ڈیوٹی انجام دیتے ہو جاگ کر...... زری خان اس کی ماں ہے، بیوی ہے، دو بچے ہیں، اب وہ سب بے سہارا ہو گئے...... ایک بوڑھی عورت کی کوکھ اُجڑ گئی، ایک عورت کا سہاگ لٹ گیا...... دو بچے یتیم ہو گئے اور ان کا قاتل آزاد ہے، تمہارا مالک اس لڑکی کو بچانے کے لئے نجانے کیا کیا کچھ کر رہا ہے...... نمک کھایا ہے تم نے اپنے مالک کا، تمہارے باپ نے تم سے کہا تھا کہ نمک حلال رہو...... زری خان کسی اور نے اور بھی کچھ کہا ہے...... اللہ نے کہا ہے کہ زمین پر سچ کے درخت اگاؤ، یہ بھی کہا ہے کہ کسی ظالم کی مدد نہ کرو اور پھر کیا نمک انسان کی ایجاد ہے۔ تا حد نظر بکھرے ہوئے سمندر میں گھلا ہوا نمک کیا کسی انسان کی ملکیت ہے...... زندگی کے جتنے وسائل عیش و آرام تمہیں خدا نے دیئے ہیں، تم اس کے حکم کی تعمیل تو نہ کرو اور ایک شخص جو دو روٹی دے کر تمہارا پیٹ بھر دیتا ہے...... وہ بھی تمہاری محنت کے بدلے میں تم اس کے وفادار ہو جاؤ۔ زری خان زندگی دینے والا اللہ ہے اور زندگی لینے والا بھی وہی ہے، تمہیں اس نے اپنی نعمتوں سے نوازا ہے...... تم مالک کے لئے تو نمک حلال ہو گئے ہو اور اس کے لئے کیا اس کا دیا ہوا نمک تمہارے وجود میں نہیں ہے۔

"بولو زری خان نمک اللہ کا ہے...... تم اللہ کے نمک حلال ہو یا اس شیطان کے جس کی بیٹی شراب پیتی ہے...... کیا وہی نمک حلالی تمہارے لئے ٹھیک ہے...... اگر ایسا ہے تو آؤ سرحد کے جیالے ہو، مجھ سے جنگ کرو اور یقین کرو میں تمہیں آسانی سے شکست دے دوں گا، لیکن اس کے بعد میں تم سے کچھ نہیں پوچھوں گا...... جانے دوں گا تمہیں آجاؤ زری خان پہلے اپنی قوت آزماؤ اس کے بعد یہ دیکھو کہ تمہارے میں کتنی غیرت ہے جس مالک نے تمہیں نمک ہی نہیں سانس دیئے ہیں، بدن دیا ہے، آنکھوں میں روشنی دی ہے، بازوؤں میں قوت دی ہے، دیکھنا ہے تم اس کے نمک حلال ہو یا صرف اس شخص کے جو تمہیں تمہاری محنت کی تنخواہ دے دیتا ہے۔ آجاؤ۔"

شہاب آستین چڑھا کر کھڑا ہو گیا لیکن اب زری خان کے چہرے پر ایک عجیب سی

کیفیت طاری ہوگئی تھی، وہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا، غور کرتا رہا اور اس کے بعد دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھ گیا...... شہاب اسے بغور دیکھ رہا تھا، چند لمحوں بعد اس نے کہا۔

"نہیں صاب آپ ٹھیک بولتا ہے...... نمک تو اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے، پھر انسان انسان کا نمک حلال کیوں ہوتا ہے صاب۔"

"کسی کے ساتھ محنت اور دیانتداری سے کام کر کے اس کا معاوضہ وصول کرنا اچھی بات ہے لیکن اس کے گناہوں میں شریک ہونا اس کا فیصلہ خود اپنے دل میں کرو۔" شہاب نے جواب دیا۔

"فیصلہ کر لیا ہے صاب خدا کا قسم میرے کو نہیں معلوم تھا کہ ہما بی بی شراب پیتا ہے...... خدا کا قسم صاب میری آنکھیں کھل گئی ہیں...... نہیں صاب ہم ادھر نوکری نہیں کرے گا...... ہم اس کو بول دے گا کہ ہم تمہارا نمک خواری نہیں کر سکتا، رازق تو اللہ ہی ہے کون جانے وہ کس وقت ہم کو نکال دے گا، نہیں صاب ہم ایسا نہیں کرے گا...... ابھی ہم آپ کو غور کر کے بتاتا ہے صاب وہ گاڑی لے کر اندر آیا...... دادل بھی اس کے ساتھ تھا۔"

"دادل کون ہے۔"

"وہ ہما بی بی کا باڈی گارڈ ہے...... ہما بی بی کے ساتھ جاتا ہے انہی کے ساتھ آتا ہے اور فاضل دارا کا خاص آدمی ہے صاب۔"

"گاڑی جب اندر داخل ہوئی تھی تو کیا کچھ ٹوٹی پھوٹی تھی۔"

"ہم غور نہیں کیا صاب رات کا وقت تھا اور سب کچھ معمول کے مافق تھا...... ہم غور نہیں کیا۔"

"خیر اس کے بعد کیا ہوا؟"

"صاب اس کے بعد دادل اس گاڑی کو لے کر پھر باہر نکلا، اس کے پیچھے پیچھے ہما صاب بھی تھا، دونوں گیٹ سے باہر نکل گیا اور پھر بہت دیر کے بعد واپس آیا۔"

"دونوں گاڑیاں تھیں اس وقت۔"

"جی صاب۔"

"یعنی ہما کی گاڑی بھی تھی۔"

"جی صاب۔"

"اور اسے دادل چلا رہا تھا۔"

"جی صاب۔"

"اور دوسری گاڑی میں خود فاضل دارا تھا۔"

"جی صاب۔"

"یہ لوگ کتنی دیر کے بعد واپس آئے تھے۔"

"بہت دیر کے بعد صاب مگر ہمیں کوئی دقت نہیں ہوا، ہم تو رات جاگ کر ڈیوٹی دیتا ہے۔"

"ٹھیک یہی میں تم سے معلوم کرنا چاہتا تھا۔"

"صاب میرے کو معافی دو میرے سے غلطی ہو رہا تھا مگر ایک بار پھر میں آپ کو بولتا، یہ بات میں نے آپ کے خوف سے آپ کو نہیں بتایا بلکہ خدا کے خوف سے بتایا۔"

"زری خان میں تم سے ایک بات کہوں خدا مجھے اس وقت کے لئے زندہ نہ رکھے جب میں کسی انسان کو اپنا خوف دلاؤں، تم نے خدا کا خوف کیا مجھے عزت دی ہے تم نے۔"

"میرے کو کچھ سمجھ میں نہیں آتا صاب اور آپ ایسا کرو میرے کو ادھر چھوڑ دو میں صاب کو بولے گا کہ اب میں ادھر نوکری نہیں کر سکتا...... میں اس کو بتا دے گا کہ وہ غلط آدمی ہے۔" شہاب کسی سوچ میں ڈوب گیا...... دیر تک سوچتا رہا پھر اس کے ہونٹوں پر ایک مدہم سی مسکراہٹ آ گئی، صورت حال اب یہ تھی کہ فاضل دارا اپنے آپ کو برتر و اعلیٰ سمجھ رہا تھا اور اس بات سے بہت زیادہ مطمئن تھا کہ اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا، اس میں کوئی شک نہیں کہ شہاب اس کے خلاف ٹھوس ثبوت حاصل نہیں کر سکتا تھا، لیکن اسے ذہنی طور پر منتشر کرنا ہو سکتا ہے اس کی کسی لغزش کا باعث بن جائے اور بس ایک لغزش ہی راستے آسان کر دیتی ہے، چنانچہ یہ کوشش کر کے دیکھا جا سکتا ہے ہو سکتا ہے کوئی کام کی بات ہی نکل آئے۔ اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے زری خان آؤ میں تمہیں تمہاری کوٹھی پر چھوڑ دوں۔"

زری خان نے گردن ہلا دی تھی اور اس کے بعد دو دیوانے چل پڑے...... زری خان اپنی دھن میں مست تھا اور شہاب تو تھا ہی مستانہ چنانچہ وہ چل پڑا اور زری خان گردن جھکائے سوچ میں ڈوبا نظر آیا...... شہاب جانتا تھا کہ وہ کیا سوچ رہا ہے۔

زری خان نے پہلی بار یہ جرات کی تھی کہ اس وقت فاضل دارا اپنے پائیں باغ میں پھولوں کی ان کیاریوں میں کھلے ہوئے پھولوں کو دیکھ رہا تھا جو اس کی پسندیدہ کیاریاں تھیں...... یہ پھول اس نے سوئٹزر لینڈ سے منگوائے تھے اور شاید پورے شہر میں اتنے خوبصورت پھول کہیں موجود نہیں تھے...... فاضل دارا کو پھولوں سے عشق تھا اور وہ نئے نئے پودے لگواتا رہتا تھا، زری خان اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں صاب!"

اس نے کہا اور فاضل دارا حیرت سے اسے دیکھنے لگا، اس کا رعب اس قدر تھا کہ اس کے ملازمین اس سے بات نہیں کر سکتے تھے، زری خان بھی ایک وفادار انسان تھا اور فاضل دارا نے اپنے طریقے کی بنیاد پر اسے اپنے ساتھ رکھا تھا۔

"کیا بات ہے!"

"صاب آج سے ہم آپ کا نوکری چھوڑ رہا ہے، یہ آپ کا بندوق آپ کے قدموں میں رکھتا ہے۔"

"نوکری چھوڑ رہے ہو!"

"جی صاب۔"

"کیوں کیا بات ہو گئی اپنے گاؤں واپس جانا چاہتے ہو؟"

"نہیں صاب...... کدھر اور نوکری کرے گا۔"

"دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"نہیں صاب دماغ ٹھیک ہو گیا ہے۔"

"تم جانتے ہو میرے سامنے کیا بکواس کر رہے ہو۔"

"جانتا ہوں صاب۔"

"مگر تمہیں ہو کیا گیا!"

"ابھی کیا بولے صاب آپ سے کچھ پوچھے گا تو آپ میرے کو ناراض ہو گا۔"

"نوکری کیوں چھوڑ رہے ہو اور دوسری جگہ نوکری کیوں کرنا چاہتے ہو۔"

"صاب میرے کو آپ ایک بات بولو کیا چھوٹا بی بی صاب شراب پیتا ہے۔" زری خان

ے الفاظ پر فاضل دارا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"اسی بندوق کو اٹھا کر تمہیں گولیوں سے چھلنی کر دوں گا زری خان...... بی بی صاب راب پیتا ہے یا نہیں پیتا تم یہ بتاؤ تم نے کون سا نشہ کیا ہے۔"

"صاب ہم کو ایمان کا نشہ ہو گیا...... ابھی آپ میرے کو جواب دو اور اگر آپ واب نہیں دیتا صاب تو آپ کا مرضی ہے میں تو تھوڑا سا بات آپ کو بولا...... میں نوکری چھوڑتا ہے۔"

"میرے ساتھ آؤ۔" فاضل دارا نے کہا اور واپس کوٹھی کی جانب چل پڑا...... نجانے یوں اس کے ذہن میں بے چینی کا ایک احساس جاگا تھا...... زری خان نے بندوق اٹھائی اور اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

"ہاں اب بکواس کرو کیا بکواس کر رہے تھے۔"

"صاب ہم آپ کا نمک کھاتا ہے مگر نمک آپ کا نہیں ہے نمک تو اللہ نے بنایا ہے...... وہ میرے کو بالکل ٹھیک بولتا تھا۔"

"کون؟"

"میں اس کا نام نہیں جانتا صاب...... پولیس کا آدمی تھا، رات کو فقیر بن کر آیا تھا...... ٹ پر اس کا آہٹ سنائی دیا، میں باہر جھانکا تو اس نے مجھ سے بات کیا، پھر میرے کو بے ہوش کر کے اٹھا کر لے گیا...... صاب میرے کو ایک بہت بڑے کمرے میں ہوش آیا تھا...... وہ طاقتور جوان فقیر نہیں تھا اس نے فقیر کا بھیس بدلا ہوا تھا...... اس نے میرے سے پوچھا کہ 26 تاریخ کا رات کو میں کدھر تھا، میں اس کو بولا میں ڈیوٹی پر رہتا ہے...... رات کو کبھی نہیں وتا...... تب اس نے بی بی صاب کے بارے میں پوچھا اور گاڑی کے بارے میں سوال کیا...... اس نے مجھ کو پوچھا کہ جب بی بی صاب واپس آ گیا تھا تو اس کے بعد کیا ہوا تھا، اس نے میرے بتایا کہ بی بی صاب نے ایک بال بچوں والا پولیس والے کو مار دیا، اب صاب میں اس کو بول دیا دادل اور صاب دو گاڑیوں میں بیٹھ کر گیا تھا اور کچھ گھنٹے کے بعد واپس آیا تھا...... وہ میرے سے اتنا ہی معلوم کرنا چاہتا تھا صاب مگر صاب میرا دل نہیں مانتا، اب میں آپ کا بات ادھر پر مجبوری تھا وہ میرے کو بولا کہ میں اپنے صاب کا وفادار تو ہے اللہ کا وفادار نہیں ہے...... صاب میں اس کو بول دیا کہ میں اللہ کا وفادار ہے...... اگر بی بی صاب شراب پیتا ہے اور اس نے

ایک انسان کو ہلاک کر دیا ہے تو میں اس کا بات ضرور بتائے گا۔"

فاضل دارا کی آنکھوں میں جنون نظر آنے لگا، اس نے زری خان کو گھور کر دیکھا، کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا۔" جاؤ ابھی تم ڈیوٹی پر جاؤ میں فیصلہ بعد میں کروں گا۔"

"صاب۔"

"بکواس مت کرو جاؤ ڈیوٹی پر جاؤ اور سنو جب تک میں تم سے بات نہ کرلوں اگر تم نے کہیں جانے کی کوشش کی تو پھر زندہ نہیں بچ سکو گے۔"

زری خان مسکرایا اور بولا۔" صاب زندگی موت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔"

"اور کچھ پوچھا اس نے تم سے۔"

"نہیں صاب بس اتنا پوچھا وہ بھی مرد کا بچہ تھا۔"

"جاؤ ڈیوٹی پر جاؤ چھوٹی بی بی شراب نہیں پیتا، اس پر جھوٹ الزام لگایا جا رہا ہے...... وہ سب جھوٹ تھا...... حادثہ کسی اور سے ہوا ہے، لیکن تم نے اسے یہ بتا کر اچھا نہیں کیا زری خان تمہیں تو میرا رازدار ہونا چاہئے...... چلو ٹھیک ہے، ابھی تم جاؤ میں تم سے بعد میں بات کروں گا...... اٹھاؤ یہ بندوق جاؤ ڈیوٹی پر جاؤ میں تم سے کچھ نہیں کہہ رہا۔"

زری خان کچھ دیر اسے دیکھتا رہا اس نے بندوق اٹھائی اور آہستہ قدموں سے واپس چل پڑا لیکن فاضل دارا کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نظر آ رہے تھے، کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ باہر نکلا اور ایک ملازم سے کہا کہ دادل کو اس کے پاس بھیج دو...... تھوڑی دیر کے بعد دادل اس کے پاس پہنچ گیا۔

"یہ پولیس آفیسر حد سے کچھ آگے بڑھ رہا ہے دادل وہ مجھے ذہنی طور پر مفلوج کرنا چاہتا ہے...... یہ بات تو مجھے معلوم ہو چکی ہے کہ وہ ایک خطرناک آدمی ہے لیکن اسے یہ بات شاید ابھی کسی نے نہیں بتائی کہ میں کیا ہوں۔"

جواب میں فاضل دارا نے دادل کو تمام تفصیل بتا دی اور دادل حیرانی سے فاضل دارا کی شکل دیکھنے لگا پھر بولا۔" جب مکھی زیادہ بھن بھنانے لگے تو کیا اس کو ختم کر دینا ٹھیک نہیں ہے۔"

"یہ کچی بات ہے دادل، یہ کام کیا جائے گا لیکن ایسے نہیں تم کیا سمجھتے ہو اسے میں اس کے بارے میں اسی کی سطح پر سوچ رہا ہوں...... وہ ہمارے خلاف ثبوت حاصل کرنے میں

ہام ہے، اپنے طور پر کوشش کر رہا ہے...... میرے ذہن میں اُلجھن بے شک ہے لیکن دادل براواسطہ تو بڑے بڑے لوگوں سے پڑتا رہتا ہے، جو کچھ ہم کر رہے ہیں اس میں ہمارا مقابلہ معمولی قسم کے پولیس آفیسروں سے نہیں ہے بلکہ دُنیا کے بڑے بڑے ایسے خطرناک ردہوں کے سربراہوں سے ہے جو واقعی قوت رکھتے ہیں...... میں نے تو بس ہما کی وجہ سے اس بات پر اتنی توجہ دی تھی، ورنہ کس کی مجال ہے کہ جو فاضل دارا کی طرف ٹیڑھی آنکھ سے بھی دیکھ جائے۔

اگر وہ میری ذہنی قوتوں کو چیلنج کر رہا ہے تو ٹھیک ہے، ہم اس سے ذہنی مقابلہ بھی رتے ہیں...... یہ تو میرا دلچسپ مشغلہ ہے، ٹھیک ہے دادل جو کچھ وہ کر رہا ہے اسے کرنے دو ہم بھی کچھ کرتے ہیں۔

"جیسا آپ کا حکم صاحب ویسے مجھے اس پر غصہ آ رہا ہے...... میرا دل چاہتا ہے کہ اسے ٹھکانے لگا دوں۔" دادل نے مٹھی بھینچتے ہوئے کہا۔

"نہیں دادل ابھی نہیں ہم اپنے مورچے مضبوط کر لیتے ہیں، اس کے بعد اسے دیکھیں گے چوہے بلی کا کھیل مجھے بہت پسند ہے اور اگر تم فاضل دارا کو جانتے ہو تو سمجھ لو کہ وہ ہمارے سامنے چوہا ہے، چلو ٹھیک ہے میں نے اس کا چیلنج قبول کر لیا ہے...... بلاوجہ اپنے آپ کو اس سلسلے میں اتنا اُلجھایا۔"

"تو پھر آپ کا کیا حکم ہے صاحب۔"

"نہیں کچھ نہیں یہ زری خان بے وقوف نوکری چھوڑ کر جا رہا ہے...... میرا خیال ہے اسے چلا جانے دو لیکن شہاب نے اسے اتنی آسانی سے چھوڑ دیا...... وہ اسے ہمارے خلاف گواہ کے طور پر استعمال کر سکتا تھا، مگر میں تمہیں ایک دلچسپ بات بتاؤں میں بھی اسے نوکری سے نہیں نکالوں گا، اسے یہ یقین دلا دو کہ جو الزام ہما پر لگایا جا رہا ہے وہ غلط ہے...... آفیسر جھوٹ بول رہا ہے وہ زری خان کو بے وقوف بنا کر ہمارے خلاف معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے، ایسا ہی کرو زری خان کو یہاں رہنے دو تاکہ وہ یہ سمجھ لے کہ ہم اس سے خوفزدہ نہیں تھا...... جاؤ تم زری خان کو سمجھا دو...... میں ایک اور بات بھی سوچ رہا ہوں وہ میں کروں گا۔"

"ٹھیک ہے صاحب۔"

"جاؤ۔"

دادل اس کے پاس سے باہر آگیا، زری خان اس وقت بھی گیٹ پر موجود تھا...... دادل ٹہلتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا، اس نے زری خان کو دیکھا اور مسکرا کر بولا۔

"زری خان کیا تم نوکری چھوڑ کر جا رہے ہو۔"

"جی دادل صاحب دیکھو ہم پٹھان ہے، ہم کسی ایسی جگہ نوکری نہیں کر سکتا جدھر کا عورت لوگ شراب پی کر انسانوں کو گاڑی سے کچل کر مار دے۔"

"زری خان تم سیدھے اور معصوم آدمی ہو، ابھی صاحب نے مجھے بتایا تھا کہہ رہے تھے کہ زری خان جیسا وفادار اور صحیح طرح سے ڈیوٹی کرنے والا دوسرا آدمی ملنا مشکل ہے، تم یہ بھی جانتے ہو زری خان کہ مالک اگر چاہے تو بیس چوکیدار گیٹ پر رکھ سکتا ہے لیکن مالک کی بھی ایک شان ہے، تمہاری باتیں سن کر وہ خوب ہنس رہا تھا، اس نے کہا کہ دادل زری خان پولیس کے بہکاوے میں آگیا ہے...... دیکھو زری خان یہ سب پولیس کے ہتھکنڈے ہوتے ہیں اور پھر مجھے ایک بات بتاؤ تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ پولیس والا تھا، کیا وہ پولیس کی وردی میں تھا۔"

"نہیں دادل صاب۔"

"کون سی جگہ تھی وہ۔"

"میں نہیں جانتا۔"

"مطلب یہ کہ وہ پولیس تھانہ نہیں تھا۔"

"وہ تو بالکل نہیں تھا۔"

"کوئی پرائیویٹ رہائش گاہ تھی۔"

"جی وہ مجھے بے ہوش کر کے ادھر لے گیا تھا، میرے کو راستہ نہیں معلوم۔"

"واپسی میں کیا ہوا تھا۔"

"واپسی میں مجھے ادھر ہی چھوڑ گیا تھا۔"

"واپس آتے ہوئے تو تم ہوش میں تھے؟"

"جی۔"

"تو تم نے یہ غور نہیں کیا کہ وہ تمہیں کہاں سے لے کر آیا تھا۔"

"نہیں دادل صاب یہ میرے سے غلطی ہوا، میں اس وقت سوچ میں ڈوبا ہوا تھا اور غور

کر رہا تھا کہ کیا مالک ایسا آدمی ہے۔"

"تمہاری بندوق کہاں تھی اس وقت؟"

"بندوق میرے کو ادھر ہی ملا، یہ ادھر ہی پڑا ہوا تھا۔"

"تو پھر اب میں تمہیں تمام تفصیل بتاتا ہوں، چھوٹی بی بی بے شک کلب جاتی ہے، لیکن نہ تو وہ کوئی نشہ کرتی ہیں اور نہ انہوں نے کسی کو مارا تھا، اصل میں تم سمجھتے ہو کہ دولت مند آدمیوں کے لاتعداد دشمن ہوتے ہیں...... وہ دشمن ان کی دولت میں اپنا حصہ چاہتے ہیں، پچھلے کچھ دنوں سے کچھ لوگ ہمارے مالک کو بھی پریشان کر رہے ہیں، وہ ان سے بھاری رقمیں مانگ رہے ہیں اور ٹیلی فون پر انہیں دھمکیاں دیتے ہیں کہ اگر تم نے رقم ادا نہ کی تو وہ تمہیں کسی جال میں پھنسا دیں گے اور اب انہوں نے مالک کے خلاف ایک جال بچھایا ہے، وہ مالک کو خوفزدہ کر کے جھوٹی خبریں پھیلا کر ان سے یہ دولت حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اسی لئے انہوں نے تمہیں بھی اس طرح استعمال کیا ہے، اس رات کو جب بی بی صاب واپس آئی تھیں تو وہ اپنا کچھ ضروری سامان جو بہت قیمتی تھا بھول آئی تھیں، یہاں آکر انہیں یاد آیا تو فاضل دارا صاحب نے کہا کہ چلو کلب سے جا کر سامان لے آتے ہیں...... رات زیادہ ہو گئی تھی اس لئے ہم اکیلے نہیں گئے بلکہ الگ الگ گئے اور آخر کار ہمیں سامان مل گیا، اس ذرا سی بات کو ان لوگوں نے افسانہ بنا دیا ہے...... زری خان مالک نے مجھ سے کہا ہے کہ وہ زری خان کی بہت عزت کرتے ہیں، میں جا کر اسے سمجھاؤں اور اس کے باوجود اگر نہ رکنا چاہے تو اسے اتنے پیسے دے دوں کہ وہ دوسری نوکری کی تلاش میں پریشان نہ ہو، اب اگر تم مالک کو ایسے وقت میں دھوکا دینا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے جاؤ نوکری چھوڑ دو، مالک کو اعتراض نہیں ہے۔"

زری خان پھٹی پھٹی آنکھوں سے دادل کو دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"اوئے خدا خوار خدا کا لعنت کیسا کیسا لوگ ہوتا ہے، خدا کا نام لے کر کسی کو مجبور کرتا ہے اور اپنا مطلب نکالتا ہے...... آپ ٹھیک بولتا ہے دادل صاحب اگر وہ پولیس والا تھا تو اس کو مجھے پولیس اسٹیشن لے جانا چاہئے تھا، بہت شریف آدمی بنتا تھا...... دادل صاب آپ مالک کو بول دو کہ زری خان سے غلطی ہوا وہ معافی چاہتا ہے۔"

"ٹھیک ہے میں سمجھا دوں گا مالک کو۔" دادل نے کہا اور وہاں سے واپس پلٹ پڑا...... اس کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی، پھر اس نے زری خان کے بارے میں

فاضل دارا کو بتایا اور فاضل دارا بھی مسکرانے لگا، کچھ لمحے سوچنے کے بعد اس نے کہا۔

"دادل ایک کام اور کرنا ہے تمہیں۔"

"کیا مالک؟" دادل نے سوال کیا۔

"اب جبکہ یہ کھیل شروع ہو ہی گیا ہے تو تھوڑی سی تفریح بھی ضروری ہے، میرا خیال ہے وہ ٹریفک سارجنٹ جو حادثے میں ہلاک ہوا ہے ہم اس کی بیوہ کو کچھ رقم دے دیں۔"

"جی مالک میں سمجھا نہیں۔"

"تم دیکھو نا ہم تو فیاض آدمی ہیں، میں اپنی ہما کا صدقہ بھی اتارنا چاہتا ہوں...... غریب لوگ ہوں گے کیا ہوگا اس کے گھر میں ایک ٹریفک سارجنٹ بیچارے کو ملتا ہی کیا ہے، تھوڑی سی رقم دے دیں گے۔"

"صاب جی آپ دیکھ لیجئے۔"

"نہیں اس کے پس پردہ بھی میرا ایک تصور ہے، تمہارا جانا ضروری نہیں ہے۔"

"آپ جیسا پسند کرو صاب جی اگر آپ سمجھتے ہو کہ یہ ٹھیک ہے تو جو حکم مالک میں حاضر ہوں۔" دادل نے کہا اور فاضل دارا مسکرانے لگا۔

بینا کا شہاب سے مکمل طور سے رابطہ تھا...... بہر حال شہاب اس معاملے میں سرگرم عمل تھا۔ عدنان واسطی سے بینا کی گفتگو ہوئی تھی تو عدنان واسطی نے کہا۔

"وہ بالکل مختلف آدمی ہے اور اس کی فطرت میں ایک جنون چھپا ہوا ہے، اگر وہ کسی چکر میں پڑ جائے اور چکر بھی ایسا ہو تو میرا خیال ہے اسے کوئی باز رکھنے والا نہیں ہے۔"

"جی ڈیڈی آپ خود دیکھئے نا کس قدر زیادتی ہے انسان کی انسان پر، اب تک جو معلومات حاصل ہوئی ہیں ان کے تحت فاضل دارا کی بیٹی ہما ایک بگڑی ہوئی لڑکی ہے، میں اسے گندے کردار کا مالک ہی سمجھتی ہوں...... ایک لڑکی ہو کر وہ کلبوں میں جاتی ہے...... نشہ کرتی ہے اور اس کے بعد ڈرائیونگ بھی کرتی ہے...... ڈیڈی آپ خود سوچئے کیا صرف دولت انسان کو اتنے حقوق دے دیتی ہے کہ دوسرے انسانوں کو وہ حقیر چیونٹیاں سمجھے...... شہاب اگر اس سلسلے میں ضد پر آگئے ہیں تو کون سی غلط بات ہے۔"

"ہاں معاملہ اگر کسی غریب لڑکی ڈرائیور کا ہوتا تو شاید شہاب حقیقتوں سے واقف ہونے کے بعد اس پر رحم بھی کھا لیتا لیکن وہ ایک دولت مند باپ کی بیٹی ہے، جس نے صرف اس لئے ٹریفک سارجنٹ کو ٹکر ماری کہ وہ اسے تیز رفتاری پر روکنا چاہتا تھا۔"

"معاشرے میں ایسے کردار جگہ جگہ بکھرے ہوئے ہیں ڈیڈی۔"

"ہم سارا معاشرہ تو درست نہیں کر سکتے بینا لیکن جو لوگ ہمارے سامنے آجائیں بہر حال ان کے لئے ہمیں ضرور کوشش کرنی چاہئے اور پھر شہاب کا تو معاملہ ہی مختلف ہے، وہ بھلا کسی ایسے شخص کو کیسے معاف کر سکتا ہے جو اپنی برائیوں پر مغرور بھی ہو۔"

"جی ڈیڈی۔"

”اشتیاق علی کے اہل خاندان بھی ہوں گے بیچارے کس کیفیت کا شکار ہوں گے، حالانکہ واقعات بھی ہوتے ہیں، حادثات بھی ہوتے ہیں لیکن بہر حال ہم تو اسی کے بارے میں بات کر سکتے ہیں جو ہمارے سامنے آجائے ویسے تم کبھی اشتیاق علی کے ہاں گئی ہو۔“

”جی ڈیڈی گئے تھے ہم لوگ۔“

”کتنے افراد ہیں وہاں؟“

”اس کی بیوی ہے دو بچے ہیں، بزرگ والدہ ہیں یہ ہے وہ گھرانا۔“

”ایک آدھ بار اور چلی جاؤ۔“

”اتفاق سے میں یہی سوچ رہی تھی۔“

”شہاب نے کہا تھا کیا؟“

”نہیں لیکن بہر حال شہاب ان لوگوں کے لئے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتے ہیں۔“

”تم ضرور چلی جاؤ ویسے شہاب نے اس سلسلے میں تمہیں کچھ بتایا ہے کہ وہ اس سلسلے میں کوئی کارروائی کر سکا ہے۔“

”جی ڈیڈی میرے اور اس کے درمیان گفتگو ہوتی رہتی ہے...... درحقیقت وہ شخص جس کا نام فاضل دارا ہے، بہت آگے کی چیز ہے لیکن اس وقت شہاب اس کے بیک گراؤنڈ میں نہیں جا رہے وہ صرف اس مسئلے کو ڈیل کرنا چاہتے ہیں، پتا یہ چلا ہے کہ فاضل دارا ہر ثبوت مٹاتا جا رہا ہے، اب تک جو صورت حال پیش آئی ہے وہ یہ ہے کہ نشے میں چور لڑکی اپنے باڈی گارڈ کے ساتھ آرہی تھی کہ اشتیاق علی نے اس کا راستہ روکا وہ بے پناہ تیز ڈرائیو کر رہی تھی اور اشتیاق علی ڈیوٹی پر تھا، اپنی ڈیوٹی انجام دیتے ہوئے اس نے ہما کو رکنے کا اشارہ کیا لیکن وہ نہ رکی، کیونکہ ایک ٹریفک سارجنٹ کو وہ اہمیت نہیں دیتی تھی...... پھر اشتیاق علی نے آگے سے اسے روکا تو ہما نے اسے پوری قوت سے ٹکر مار دی، اس کے بعد اپنی تباہ شدہ گاڑی بھی اپنے گھر لے جا کر کھڑی کر دی، ظاہر ہے باپ کو بیٹی کے اس عمل کے بارے میں پتا چل گیا ہو گا چنانچہ راتوں رات فاضل دارا نے وہ تباہ شدہ گاڑی ضائع کر دی اور اس کی جگہ اپنے شوروم سے نئی گاڑی لا کر کھڑی کر دی جو اسی میک اور اسی ماڈل کی تھی، اس کی نمبر پلیٹ بھی بدلوا دی گئی، پھر بعد میں شاید اس کے چیسز نمبر بھی گھسا دیئے گئے، حالانکہ ایک ثبوت ہے مگر فاضل دارا جیسی شخصیت کے سامنے نہیں ..... شہاب نے بعد میں بھی اس کار کا جائزہ

ہے۔ پہلے اس کے نمبر کچھ اور تھے لیکن اب وہ نمبر گھس دیئے گئے ہیں اور شہاب کا خیال تھا اگر فاضل دارا کو اس کی نشاندہی بھی کر دی جائے تو زیادہ سے زیادہ اس کمپنی سے معلومات حاصل کرے گا کہ ایسا کیوں کیا گیا ہے، یہ ایک چیسز بطور ثبوت اس کے خلاف پیش نہیں کی جاسکتی یا پھر اس کے شوروم سے شہاب نے اس کا ریکارڈ حاصل کیا ہے جن میں اس میکر کی گاڑیاں جاپان سے منگوائی گئی تھیں اور ایک گاڑی کا حساب اس میں موجود نہیں ہے وہ گاڑی جو ہما کے استعمال میں رہتی تھی، کہیں گم کر دی گئی ہے، یہ ساری چیزیں ہیں کسی عام آدمی کے خلاف تو یہ ثبوت بہت موثر ہو سکتے تھے لیکن شہاب کا کہنا ہے کہ فاضل دارا کے خلاف یہ ثبوت ناکافی ہیں اور اگر انہیں فاضل دارا یا اس کی بیٹی کی گرفتاری کا جواز بنایا جائے تو یہ ایک خطرناک قدم ہو گا۔“ عدنان واسطی کے چہرے پر غور و فکر کے اثرات پھیل گئے پھر انہوں نے کہا۔

”بینا شہاب کو سمجھانا کبھی کبھی وہ جذباتی ہو جاتا ہے اس سے کہنا کہ جذبات میں آکر کوئی کچا قدم نہ اٹھائے ورنہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔“

”جی ڈیڈی ویسے شہاب خود بھی ہر طرف سے محتاط رہتے ہیں۔“

پھر بینا اشتیاق علی کے گھر کی جانب چل پڑی...... شہاب سے فی الحال رابطہ نہیں ہوا تھا...... بینا وہاں پہنچی اور اس کے بعد اشتیاق علی کے گھر میں داخل ہو گئی...... یہاں شروع میں تو اشتیاق علی کے کچھ رشتے دار وغیرہ نظر آئے تھے لیکن اس وقت جو شخص اسے نظر آیا یہ ایک دراز قد و قامت اور کسی قدر بگڑے ہوئے چہرے کا آدمی تھا، اس نے بینا کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”جی فرمایئے، کون ہیں آپ؟“

”دوست ہوں اس کی۔“

”مجھے دشمن لگتی ہیں۔“

”جی۔“

بینا حیرت سے بولی۔

”غم و اندوہ میں ڈوبے ہوئے لوگوں کو بے سکون کر دیا ہے، آپ لوگوں نے میں کہتا ہوں انہیں سکون لینے دیں آپ۔“

"آپ کون ہیں؟"

"زمان ہے میرا نام اور میں صوفیہ کا بھائی ہوں۔"

"آپ پہلے تو مجھے یہاں نظر نہیں آئے۔"

"آپ میرے بارے میں تحقیق کرنا چاہتی ہیں۔"

"جی نہیں لیکن اپنے آپ کو روکے جانے کا مقصد جاننا چاہتی ہوں۔"

"نہیں آپ جائیے بلکہ آئیے۔" زمان نے کہا بینا کو یہ شخص بہت عجیب سا لگا تھا اشتیاق علی کی بیوی نے مغموم سی مسکراہٹ سے اس کا استقبال کیا، اس کے دونوں چھوٹے چھوٹے بچے بھی اس وقت اس کے پاس موجود تھے۔

"آپ سے پہلے بھی ملاقات ہوئی ہے ناں۔"

"ہاں صوفیہ میں آئی تھی ناں آپ کے پاس۔"

"بس بہت سی باتیں ذہن سے اتر جاتی ہیں آئیے بیٹھئے۔"

"مگر یہ تو کہہ رہی تھیں کہ آپ کی دوست ہیں۔" زمان نے کہا۔

"ہاں یہ میری دوست ہیں زمان بھائی آپ براہ کرم باہر جائیے۔"

"ٹھیک ہے مگر زیادہ دوست مجھے پسند نہیں ہیں، تم ہمیشہ سے یہ بات جانتی ہو۔" زمان نے کہا اور باہر نکل گیا۔

"یہ کون صاحب ہیں۔"

"میرے بھائی ہیں۔"

"سگے بھائی ہیں۔"

"نہیں خالہ کے بیٹے۔"

"کہاں رہتے ہیں؟"

"پتا نہیں کہاں رہتے ہیں لیکن بس میں کیا کروں۔"

"صوفیہ اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے ان صاحب کے بارے میں بتائیں۔"

"کیا کریں گی آپ جان کر۔"

"مجھے یوں لگتا ہے انہیں لوگوں سے آپ کا ملنا جلنا پسند نہیں ہے۔"
بینا نے کہا اور صوفیہ کے چہرے پر غم کے آثار پھیل گئے، پھر اس نے کہا۔

"اصل میں جب انسان بے سہارا ہو جاتا ہے یا پھر یوں سمجھو جب کسی کی قوت مدافعت کسی وجہ سے کم پڑ جاتی ہے تو لاتعداد بیماریاں آ کر اسے گھیر لیتی ہیں۔"

"میں جانتی ہوں صوفیہ آپ کو ان دو تین ملاقاتوں میں مجھ پر کوئی اعتبار یا اعتماد نہیں ہوگا، لیکن اس کا ذریعہ ہو بھی کیا سکتا ہے۔ اس کے باوجود میں آپ سے درخواست کروں گی اگر آپ مجھے زمان کے بارے میں بتا دیں تو میں آپ کی شکر گزار ہوں گی۔"

"بس اُلجھنوں کا آغاز ہو گیا ہے، اشتیاق علی کی اور میری زندگی کا ایک اہم واقعہ ہے یہ شخص۔"

"کیا مطلب؟"

"میرا خالہ زاد بھائی ہے اور مجھ سے محبت کا دعویٰ رکھتا ہے...... اوباش طبع شخص ہے پہلے کسی فرم میں ملازمت کرتا تھا...... وہاں سے کچھ غبن کیا فرم سے نکال بھی دیا گیا اور چھ ماہ کی سزا بھی ہوئی، غبن کا روپیہ برآمد نہیں ہو سکا تھا...... چھ ماہ کے بعد یہ آزاد ہوا اور پھر پراسرار طور پر ملک سے باہر چلا گیا، کوئی تین سال باہر رہا اس دوران اشتیاق علی سے میری شادی ہو گئی تھی۔ یہ بہت چراغ پا ہوا میری والدہ کو دھمکیاں دیں اور اشتیاق علی سے بھی فضول باتیں کیں لیکن اشتیاق علی سخت گیر انسان تھے، میں نے انہیں ساری حقیقت بتائی تو انہوں نے زمان کو وارننگ دی کہ اپنی حرکتوں سے باز آ جائے اور کبھی ادھر کا رخ نہ کرے ورنہ پھر وہ اپنا اثر و رسوخ استعمال کریں گے۔ یہ ڈر گیا اور اس کے بعد غائب ہو گیا لیکن اب کسی بہانے سے پھر آ گیا ہے اور مجھ سے الٹی سیدھی باتیں کرتا ہے۔"

"آپ نے اچھا کیا مجھے بتا دیا صوفیہ۔"

"مگر بینا بہن کیا میں تنہا مقابلہ کر سکوں گی ان حالات کا گھر میں صرف اشتیاق کی والدہ ہیں، میں ہوں اور بچے ہیں...... جیسا کہ آپ کو علم ہے میرے والدین کا انتقال ہو چکا ہے...... ہمارا اور بھی کوئی قریبی عزیز نہیں ہے جو ہمیں تحفظ دے...... اشتیاق علی نے خدا کے فضل و کرم سے تھوڑی سی رقم چھوڑی ہے...... میں گریجویٹ ہوں، بی ایڈ بھی کیا ہے...... میں ملازمت کر کے اپنے بچوں کا پیٹ پال لوں گی، لیکن اس قسم کے حادثے سے نمٹنا میرے لئے مشکل ہو جائے گا۔"

"زمان کیا کہتا ہے؟"

"مجھ سے کہنے لگا کہ وہ اشتیاق علی کی موت پر سخت افسردہ ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسے ہمیشہ اپنے سینے سے دل نکل جانے کا احساس تھا اور وہ یہ سمجھتا رہا ہے کہ اشتیاق علی نے اس کی محبت اس سے چھین لی ہے۔ اس نے کہا کہ میں کوئی فکر نہ کروں وہ موجود ہے اور زندگی کے آخری سانس تک مجھے اور میرے بچوں کو سہارا دینے کے لئے حاضر ہے، اس کے ان الفاظ سے حقیقتوں کا ادراک ہوتا ہے، لیکن میں خودکشی بھی نہیں کرنا چاہتی، ورنہ اس جیسے شخص کے خیال سے میں موت کو بہتر سمجھتی ہوں، میری زندگی عجیب حادثے سے دوچار ہوئی ہے بینا۔" صوفیہ بینا سے لپٹ کر رونے لگی، بینا کو بھی دُکھ ہوا تھا، اس نے صوفیہ کے شانوں کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"خدا کا شکر ہے صوفیہ کہ میں اس طرح یہاں آگئی، بس یونہی آپ لوگوں کی خبر لینے آئی تھی میں...... میرے والد نے مجھ سے کہا تھا لیکن یہ بات میرے علم میں آگئی اور اس کے نتیجے میں صرف ایک ہی بات کہہ سکتی ہوں، اس تصور کو ذہن سے نکال دو کہ زمان تمہارا کچھ بگاڑ سکے گا، میں اس کو اس طرح سیٹ کروں گی کہ وہ بھی کیا یاد کرے گا۔"

"مجھے کسی مخلص کی مدد درکار ہے بینا۔"

"نہ صرف میں بلکہ شہاب بھی آپ کے ساتھ ہیں صوفیہ، ہر فکر کو ذہن سے نکال دیں آپ، کہیں تو اس شخص کو میں منٹوں میں سنبھال دوں۔"

دفعتاً زمان کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا۔

"صوفیہ کوئی فاضل دارا صاحب تم سے ملنا چاہتے ہیں...... میں نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا ہے، بہت شاندار گاڑی میں آئے ہیں جس کی قیمت ہی پچیس تیس لاکھ روپے ہوگی، ایک مسلح باڈی گارڈ ساتھ ہے۔" صوفیہ لرز کر رہ گئی۔ "تم تیار ہو کر آجاؤ اس وقت زیادہ انتظار نہیں کیا جاسکتا، کوئی بہت بڑی شخصیت ہے۔" وہ باہر نکل گیا تو صوفیہ نے کہا۔

"اب کیا کروں یہ فاضل دارا وہی آدمی ہے جس کے بارے میں کہا جارہا ہے کہ اس کی بیٹی نے اشتیاق علی کی موٹر سائیکل کو ٹکر ماری تھی۔"

"اس سے ملاقات کرو دیکھو کیا کہنا چاہتا ہے۔"

"تم بھی میرے ساتھ چلنا پسند کرو گی بینا۔"

"تم مجھے اپنا دوست ظاہر کرو گی۔"

"ٹھیک ہے۔" اور اس کے بعد صوفیہ اپنا چہرہ سنوارنے لگی، بینا کو بڑی خوشی ہوئی تھی، ں وقت لیکن وہ شدید حیران بھی تھی...... فاضل دارا اور اشتیاق علی کے یہاں آئے لیکن یہ بھی بات تھی کہ وہ یہاں موجود ہے...... فاضل دارا اسے کسی بھی طرح نہیں پہچانتا تھا پھر ہا، صوفیہ دونوں بچوں کے ساتھ ڈرائنگ روم میں پہنچیں تو فاضل دارا ایک قیمتی سوٹ میں بوس ہاتھ میں چھڑی لئے ایک صوفے پر بیٹھا ہوا تھا، اس کا باڈی گارڈ جو ایک سنگی ستون علوم ہوتا تھا اس کے عقب میں کھڑا ہوا تھا...... صوفیہ نے سلام کیا تو فاضل دارا نے ڑے ہو کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا پھر دونوں بچوں کا سر سہلایا اور بولا۔

"بیٹھو بیٹے تمہارا ہی نام صوفیہ ہے۔"

"جی انکل۔"

"بیٹھو، بیٹھو۔"

بینا بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی تو فاضل دارا نے پوچھا۔

"یہ بچی کون ہے؟"

"میری دوست ہے انکل۔"

"ہوں بیٹے تم مجھے نہیں پہچانتی ہوگی اور میں سوچتا ہوں کہ میں اپنا تعارف کراؤں بھی کیسے کبھی کبھی کسی کے چہرے پر سیاہی کا ایسا دھبہ پڑ جاتا ہے جو اسے داغدار کر دیتا ہے، حالانکہ وہ خود برا نہیں ہوتا سیاہی کا یہ دھبہ کہیں اور سے اُچھل کر آتا ہے اور اس کے ماتھے پر چپک جاتا ہے، میں تم سے اپنا تعارف کرواتے ہوئے بالکل شرمندہ نہیں ہوں کیونکہ تحقیقات کر چکا ہوں۔"

"میں سمجھی نہیں انکل۔"

"اتنا تو تمہیں علم ہوگیا ہوگا بیٹے کہ میری بیٹی ہما پر تمہارے شوہر کو ٹکر مارنے کا الزام لگایا گیا ہے...... میں ہما کا والد فاضل دارا ہوں۔"

صوفیہ نے ایک نگاہ اسے دیکھا اور گردن جھکالی۔

"ہما قسم کھاتی ہے کہ ایسا کوئی واقعہ اور حادثہ اس کے ہاتھوں نہیں ہوا، اصل میں بیٹے بہت لوگ ایسے مواقعوں سے فائدہ اٹھانے سے نہیں چوکتے...... میں ایک کاروباری آدمی ہوں اور میرے بہت سے دشمن چاروں طرف بکھرے ہوئے ہیں، وہ ہمیشہ اس تاک میں

رہتے ہیں کہ میرے خلاف کوئی کام کر سکیں...... یہ واقعہ ہوا تھا جب تو ہما بھی اتفاق سے کلب سے واپس آ رہی تھی، لیکن اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں کہ ایسا کوئی واقعہ ہو گیا ہے...... بس اس کے نام سے کچھ کہانیاں منسوب کر دی گئیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے...... بیٹے کہانیاں گھڑنے والے تو کہانیاں گھڑتے ہی رہتے ہیں، لیکن میں اس بات سے بالکل متاثر نہیں ہوتا میں ایک نرم دل انسان ہوں، ایک بیٹی کا باپ بھی ہوں، تمہیں اندازہ ہے کہ بیٹیوں والے بیٹیوں کے خیال سے کتنے افسردہ رہتے ہیں...... میری کیفیت بھی یہی ہے اور میں صرف اس خیال سے افسردہ ہوں کہ ایک بچی کا مستقبل تباہ ہو گیا، وہ بے سہارا رہ گئی، اس احساس نے مجھے غمزدہ کیا ہے، ورنہ جہاں تک ہما پر لگائے جانے والے الزام کا تعلق ہے...... پولیس تحقیق بھی کر چکی ہے اور کوئی ثبوت نہیں تلاش کر سکی اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ میری بیٹی مجھ سے جھوٹ نہیں بول رہی، وہ کہتی ہے ڈیڈی ایسی کوئی بات نہیں ہے...... یہ صرف ایک افسانہ ہے جو بد بخت لوگوں نے گھڑ لیا ہے، میں بالکل ہوش و حواس میں تھی اور میری گاڑی سے کوئی حادثہ نہیں ہوا...... پولیس تحقیقات بھی کر چکی ہے۔ خیر میں تم سے اس لئے یہ ساری باتیں کر رہا ہوں بیٹے کہ ایک بے گناہ کو اپنا دشمن نہ سمجھو میں ایک ہمدرد انسان ہوں، بہت سے سوشل ورک بھی کر چکا ہوں، بھلا میں کیسے یہ گوارا کروں گا کہ ایک بچی بے سہارا رہ جائے، بیٹے میں جانتا ہوں کہ میرا تمہارا کوئی رشتہ نہیں ہے لیکن کیا محبت کا رشتہ کافی نہیں ہوتا، کیا انسانیت کا رشتہ بہت بڑا نہیں ہوتا، میں اسی رشتے سے تمہاری کچھ مدد کرنا چاہتا ہوں...... یہ ایک تھوڑی سی رقم ہے، فی الحال اسے رکھ لو اور جب بھی کبھی تمہیں روپے پیسے کی پریشانی ہو مجھے نہ بھولنا اپنا بزرگ سمجھ کر میرے پاس آ جانا میں جس قابل بھی ہوں تمہاری مدد کروں گا۔"

فاضل دارا نے جیب سے ہزار ہزار روپے کے نوٹوں کی دو گڈیاں نکالیں اور اپنی جگہ سے اُٹھ کر اسے صوفیہ کے پاس رکھ دیا...... صوفیہ نے عجیب سی نگاہوں سے نوٹوں کی ان گڈیوں کو دیکھا، تھوڑے فاصلے پر کھڑے ہوئے زمان کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک لہرا گئی، اسی وقت اشتیاق علی کی والدہ بھی اندر داخل ہو گئیں...... بزرگ عورت نے صوفے پر بیٹھی ہوئی صوفیہ کو دیکھا، پھر نوٹوں کی گڈیوں کی طرف اس کے بعد کمرے میں موجود بقیہ افراد کو فاضل دارا نے کھڑے ہو کر کہا۔ "آپ غالباً اشتیاق علی کی والدہ ہیں۔"

"ہاں۔" بزرگ عورت نے جواب دیا۔

"ایک بیٹے کی موت پر ماں کی جو کیفیت ہو سکتی ہے اس کا مجھے پورا پورا احساس ہے لیکن ہم قدرت کے کاموں میں دخل انداز نہیں ہو سکتے...... ہمیں ایسے غیر متوقع غم جھیلنے ہوتے ہیں...... میں آپ کے دُکھ میں برابر کا شریک ہوں...... آپ مجھے اجازت دیجئے یہاں یہ میرا کارڈ بھی رکھ لیجئے، جب بھی ضرورت پیش آئے۔" فاضل دارا نے اپنا کارڈ ان کے سامنے کرتے ہوئے کہا اور پھر اُٹھ کھڑا ہوا۔

"ایک منٹ۔" بزرگ عورت نے ہاتھ اُٹھا کر کہا اور فاضل دارا رُک گیا...... بزرگ عورت نے صوفیہ کی طرف دیکھا اور کہا۔

"صوفیہ تم نے ان نوٹوں کے بارے میں کچھ کہا نہیں۔" صوفیہ کے ہونٹ کپکپائے اور اس کے بعد خاموش ہو گئی، لیکن زمان نے فوراً آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"خالہ جان کیا کہنا کیا سننا فاضل دارا صاحب جیسے لوگ کہاں ہوتے ہیں اس دُنیا میں صرف ایک چھوٹے سے تصور کے ساتھ وہ یہاں چلے آئے کہ اشتیاق علی بھائی کی موت کی ذمہ داری ان کی بیٹی پر ڈالی گئی ہے، لیکن آپ یہ دیکھئے کہ ان کے دل میں کس قدر ہمدردی ہے۔"

"زمان تم مہمان ہو اس گھر میں، کیا تمہیں میزبانوں سے پہلے بولنے کا اختیار ہے۔" بزرگ عورت نے زمان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں میرا مطلب ہے خالہ جان کہ...... کہ ظاہر ہے میری بہن کا گھر ہے...... میری بہن بیوہ ہو گئی ہے، دو ننھے بچوں کی ماں ہے...... آپ کا کیا خیال ہے کہ کیا میں پُرسکون ہوں۔"

"صوفیہ تم نے جواب نہیں دیا۔"

"م...... میں...... میں بہت بہت شکریہ فاضل دارا صاحب آپ یہ نوٹ واپس رکھ لیجئے۔"

"کیا بکواس کر رہی ہو صوفیہ تمہیں اندازہ ہے کہ تمہارا مستقبل کیا ہو گیا ہے۔" زمان نے کہا۔

"زمان بہتر تو یہ ہے کہ ہمارے گھر کے معاملات میں مداخلت نہ کرو اور یہاں سے باہر نکل جاؤ۔"

اشتیاق علی کی والدہ نے کہا زمان پہلو بدل کر رہ گیا تھا، تب اشتیاق علی کی والدہ نے آگے بڑھ کر نوٹوں کی گڈیاں اٹھائیں اور انہیں لے کر فاضل دارا کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

"یہ رقم آپ رکھ لیجئے فاضل دارا صاحب آپ کا بے حد شکریہ، ہم واقعی بہت غریب لوگ ہیں لیکن بیٹے کی قیمت نہیں وصول کرتے، اس کے لئے تو ہمیں زندگی بھر رونا ہے...... زندگی بھر تڑپنا ہے یہ نوٹوں کی گڈیاں آنسو خشک کرنے کے کام نہیں آسکتیں۔"

"محترمہ بات یہیں تک محدود نہیں رہے گی، میں آپ کی خبر گیری کرتا رہوں گا۔"

"ہمارا خبر گیر اللہ ہے...... بھلا اللہ کے بندے ہماری کیا خبر گیری کر سکتے ہیں اور پھر ابھی بات زیر تحقیق ہے...... یہ ثابت ہو جائے کہ آپ کی بیٹی ہمارے بیٹے کی قاتل نہیں ہے تو ہم آپ کا دلی شکریہ ادا کریں گے کہ آپ نے ہم پر محبت کی یہ نگاہ ڈالی، لیکن بس آپ کی یہ نگاہ ہی کافی ہوگی، کبھی کوئی مشکل پیش آئی تو آپ کا حوالہ دے دیں گے کہ آپ ہمارے کرم فرماؤں میں سے ہیں، لیکن ابھی نہیں فیصلہ ہو جانے دیجئے...... اگر آپ کی بیٹی میرے بیٹے کی قاتل نکلی تو کیا یہ دولاکھ روپے میں اپنے بیٹے کی زندگی کی قیمت سمجھوں آپ خود مجھے بتائیے۔"

"دیکھئے یہ دور بڑا عجیب ہے میرے پاس کروڑوں روپے کی دولت ہے اور میں جانتا ہوں کہ اپنے آپ کو دولت مند بنانے کے لئے کیا طریقے کار اختیار کرنا چاہئیں...... معاف کیجئے گا اس دور میں جو بھی آگے بڑھ کر جام اُٹھالے سمجھ لیں جام اسی کا ہے اور جو ریت رواجوں کے چکروں میں پڑ کر روایتی گفتگو کرنے لگتا ہے آخر کار سڑکوں پر آجاتا ہے...... لاکھوں مثالیں سامنے موجود ہیں، میری بیٹی قاتل نہیں ہے...... وہ منع کرتی ہے کہ اس سے ایسا حادثہ نہیں ہوا، لیکن اگر ہو بھی گیا اور جو ہو گیا ہے اسے واپس نہیں ٹالا جاسکتا...... کروڑوں روپے میں سے اگر ایک فی صد بھی میں اس پر خرچ کر دوں تو محترمہ آپ کیا شہر بھر مل کر میری بیٹی کا بال بیکا نہیں کر سکتا...... یہ آپ جانتی ہیں کہ دُنیا دولت کی ہے اور دولت سے سب کچھ کیا جاسکتا ہے، میں تو تحقیق مکمل ہوئے بغیر ہی صرف انسانی ہمدردی کی بنیاد پر آپ کی مدد کرنا چاہتا تھا لیکن آپ لوگ شاید غلط فہمی کا شکار ہو گئے...... شاید اس غلط فہمی کا کہ شاید آپ میری بیٹی کے خلاف کوئی قدم اُٹھا سکتے ہیں...... میں پھر یہ بات کہتا ہوں کہ مجھے اشتیاق علی کی موت کا بے حد افسوس ہے، لیکن اسے زندہ نہیں کیا جاسکتا۔"

"ٹھیک کہتے ہیں آپ لیکن اس کی موت کو فروخت بھی نہیں کیا جاسکتا۔"

"بے کار گھٹیا گفتگو فضول ڈائیلاگ، آپ بالکل معاف کیجئے گا ٹھیک ہے لائیے میں یہ نوٹ واپس رکھے لیتا ہوں لیکن اس سے پہلے آخری بار، آپ کو پیشکش کر رہا ہوں۔"

"آپ یہ نوٹ واپس رکھ لیں اور اس کے بعد دوسری بات کریں۔" بزرگ خاتون نے کہا اور نوٹ فاضل دارا کے ہاتھ میں رکھ دیئے...... فاضل دارا نے شانے اُچکائے اور بولا۔

"ٹھیک ہے کہیں کہیں کسی گھر میں بزرگ ایک مصیبت ہوتے ہیں...... سوری صوفیہ لیکن اس کے باوجود میرا کارڈ تمہارے پاس ہے...... دل چاہے تو رجوع کر سکتے ہو آؤ دارا۔"

فاضل دارا نے کہا اور آخری بار ان لوگوں پر ایک نگاہ ڈالی اور کمرے سے باہر نکل گیا، کمرے کے ماحول پر سکوت طاری تھا...... فاضل دارا کا کارڈ سامنے پڑا ہوا تھا، جب فاضل دارا وہاں سے چلا گیا تو زمان اپنی جگہ سے اُٹھا اور اس نے کارڈ اُٹھاتے ہوئے کہا۔

"پانی اب سر سے اُونچا ہو گیا ہے صوفیہ میں تمہارے گھر کے معاملات میں بولنے پر مجبور ہوں، ان بڑی بی کا تو دماغ خراب ہو گیا ہے...... بیٹے کی موت کے سوگ میں زندگی گزار دیں گی اور پھر زندگی کیا گزار دیں گی یہ تو ویسے ہی قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھی ہوئی ہیں...... چار دن کے بعد قبر میں جاکر سو جائیں گی، تم نے اپنے بارے میں کچھ سوچا بیوہ ہو گئی ہو دو بچوں کا بوجھ سر پر ہے، کیا چھوڑ گئے ہیں...... اشتیاق علی صاحب تمہارے لئے بتاؤ کیسے زندگی گزارو گی۔ دولاکھ روپے ٹھکرا دیئے ان خاتون نے اور پھر ہمیں اس کا مستقل سہارا حاصل ہو رہا تھا، میں تین سال سے بے روزگار پھر رہا ہوں، اگر اس جیسے بڑے آدمی کا تعاون مجھے حاصل ہو جاتا تو میں نوکری کی بات کر سکتا تھا، ان سے مگر ان بڑی بی نے سارا کھیل چوپٹ کر دیا۔"

"زمان تو بدتمیزی کر رہا ہے، تو نے کیا سمجھا ہے مجھے میرے بیٹے کے بارے میں گفتگو کرنے والا تو کون ہے...... شرم نہیں آتی بھیک مانگ سڑکوں پر جاکر دولاکھ روپے کی بھیک جمع ہو جائے تو اپنی زندگی کی خواہشیں پوری کر جاکر بیٹا میرا ہے میں اشتیاق علی کی موت کا سودا نہیں کر سکتی اور صوفیہ میں نے زندگی بھر تجھے جب سے تو یہاں آئی ہے ایک ماں کی نگاہ سے دیکھا ہے تو اپنے اس شوہر کی موت کی قیمت لینے پر تیار ہو گئی تھی جس نے تجھے زندگی سے زیادہ چاہا...... ان بچوں کو بھیک کھلانے پر آمادہ ہو گئی تو میں اٹھاؤں گی ان بچوں کا خرچ جب تک میں زندہ ہوں اور اس کے بعد بھی تجھے بھوکا نہیں مرنا پڑے گا صوفیہ اس لڑکے

سے کہہ یہاں سے نکل جائے...... یہ ہمارے اس غم خانے میں آگ نہ لگائے۔"

"بڑی بی پاگلوں کے سینگ نہیں ہوتے اس لئے تمہارے بھی نہیں ہیں، تم تو چار دن کی مہمان ہو اس دنیا میں میری جوان بہن بیوہ ہو گئی ہے...... تمہارا کیا خیال ہے کہ اب یہ تمہارے ہی گھر میں پڑی سڑتی رہے گی، اب کیا تعلق رہ گیا ہے اس کا اس گھر سے عدت پوری ہو جائے میں لے جاؤں گا اسے یہاں سے تمہارے گھر کیا جھک مارے گی، یہ مجھے دیکھنا ہے اپنی بہن کو۔"

"زمان کیسی باتیں کر رہا ہے تو۔" صوفیہ پہلی بار غصیلے لہجے میں بولی۔

"ٹھیک کہہ رہا ہوں تم لوگ ہوش کے ناخن لو زیادہ بے ہوشی اچھی نہیں ہوتی۔"

"میں نے تجھ سے مشورہ نہیں مانگا...... اماں ٹھیک کہتی ہیں اور پھر تو مجھے کیا اپنے گھر لے جائے گا تو خود بے روزگار پھر رہا ہے...... کیا ہے تیرے گھر میں میرے لئے بلاوجہ بدتمیزی کر رہا ہے...... پھر دو لاکھ روپیہ اگر میں لے بھی لیتی تو تیرا اس سے کیا واسطہ...... خبردار میرے گھر میں آگ لگانے کی کوشش کی۔"

صوفیہ ایک دم سنبھل گئی تھی۔

"خوب ویری گڈ ٹھیک ہے بھائی بہت بڑے لوگ ہیں آپ عظمت کے مینار، عظمت کا آسمان لیکن ایک بات ذہن میں رکھنا صوفیہ اس کے بعد یہ مت سوچنا کہ زمان تمہیں کوئی سہارا دے گا، اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کر رہی ہو بھاڑ میں جاؤ مجھے کیا واہ بھئی واہ یعنی ہم تو یہ سوچ کر اس گھر میں وقت گزار رہے تھے کہ بہن اکیلی رہ گئی ہے...... چھوٹے چھوٹے بھانجی، بھانجے ہیں ان کو سہارا دو، انہیں سنبھالو اور یہاں معاملہ ہی دوسرا ہے...... ٹھیک ہے دیکھیں گے تم لوگ کب تک ان اقدار کا دامن پکڑے رہتے ہو۔" زمان نے کہا اور غصیلے انداز میں باہر نکل گیا...... صوفیہ نے ڈبڈبائی نظروں سے ساس کو دیکھا اور آہستہ سے بولی۔

"وہ بے شک میرا بھائی ہے لیکن اماں آپ یقین کریں میں وہ نوٹ لے نہیں رہی تھی نہ ہی میرے دل میں ان کی کوئی خواہش تھی وہ تو بس اس نے ڈال دیئے تھے اور میں سوچ رہی تھی کہ کس طرح اس کو جواب دوں۔"

"نہیں صوفیہ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے لیکن میں یہ تمہیں بتائے دیتی ہوں کہ زمان جیسے بھائیوں کے رحم و کرم پر کبھی نہ رہنا، قدرت نے ہم پر برا وقت ڈال دیا ہے......"

قدرت ہی اس برے وقت کو ٹالے گی۔ اشتیاق واپس نہیں آسکتا لیکن صوفیہ!"

اس سے آگے بزرگ خاتون کچھ نہ کہہ سکیں ان کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی تھی۔

فاضل دارا بستر پر کروٹیں بدل رہا تھا، اس کی بیوی اس کے کروٹیں بدلنے سے ہی جاگ گئی تھی، پچھلے کافی دنوں سے وہ فاضل دارا کو بے خوابی کے عالم میں پا رہی تھی، کئی بار پوچھ چکی تھی لیکن فاضل دارا دل کی بات اسے نہیں بتاتا تھا...... اس وقت بھی جب اس نے تیسری بار کروٹ بدلی تو وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی...... فاضل دارا چونک کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

"کیا بات ہے نیند نہیں آرہی تمہیں۔" اس نے بیوی سے سوال کیا۔

"ہاں نیند نہیں آرہی۔"

"کیوں کیا بات ہے؟"

"بدقسمتی سے ہمیشہ سے تمہاری وفادار رہی ہوں، تمہارے سونے سے پہلے کبھی نہیں سوئی...... تمہارے کھانے سے پہلے کبھی نہیں کھایا، مگر نجانے کیوں اب تم یہ سوال مجھ سے کر رہے ہو کہ نیند کیوں نہیں آرہی۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا۔"

"تم جو نہیں سوئے۔"

بیوی نے جواب دیا اور فاضل دارا ہنسنے لگا تھا پھر بولا۔

"بہت اچھے دن تھے وہ جب ہم سکون سے اُٹھتے تھے، سکون سے سوتے تھے، چھوٹا موٹا سا کام تھا ہمارا اور بس اب یہ ہے کہ جتنا بڑا کاروبار اتنے ہی بڑے مسائل کاروبار کے بارے میں سوچتا ہوں تو نیند نہیں آتی۔"

"ہوں اور اس سے پہلے تم مجھ سے کبھی جھوٹ نہیں بولتے تھے۔" بیوی نے کہا۔

"کیا مطلب۔"

"فاضل تمہاری میری شادی اس وقت نہیں ہوئی تھی، جب تم فاضل دارا تھے بلکہ اس وقت ہوئی تھی جب تم فضلو دھوبی تھے، سمجھ رہے ہو میں فاضل دارا کی بیوی نہیں فضلو دھوبی کی بیوی ہوں، جس کے باپ کا نام دینو تھا اور دینو دھوبی صبح کو کپڑوں کے گٹھڑ گدھا گاڑی پر لاد کر اپنے بیٹے فضلو کے ساتھ گھاٹ پر جایا کرتا تھا، میں نے وہ تمام دور دیکھا ہے جب فضلو

دھوبی، دینو دھوبی کے انتقال کے بعد فاضل دارا بننے نکلا اور فاضل دارا بن گیا، اتنا طویل ساتھ ہے ہمارا فاضل اور اس طویل ساتھ میں تم نے کبھی مجھے اپنے آپ سے دُور نہیں پایا ہو گا تو کیا میں یہ نہیں سمجھ سکتی کہ تم کب مجھ سے جھوٹ بول رہے ہو اور کب سچ۔"

"کیوں سینے پر تیر مارتی ہے...... بے وقوف مت یاد دلایا کر ماضی تجھے معلوم ہے کہ فضلو کو فاضل دارا بننے تک کتنا طویل فاصلہ طے کرنا پڑا ہے، کتنی مشقت اٹھانی پڑی ہے کہ کیا کیا کچھ نہیں کرنا پڑا ہے...... کیسے کیسے نہیں چھوڑنا پڑا ہے، وہ شہر اپنے رشتے دار اپنا ماضی سب کچھ چھوڑ دیا میں نے فضلو سے فاضل بننے کے لئے اور وقت ایسے ہی کسی کا ساتھ نہیں دیتا، انسان کو اتنا کچھ کرنا پڑتا ہے کہ وہ ہانپ جاتا ہے اور تو مجھے میرا ماضی یاد دلا کر میرے سینے پر تیر مار رہی ہے۔"

"غلط سوچ رہے ہو فاضل غلط سوچ رہے ہو، میں تیر نہیں مار رہی بلکہ خود زخم کھا رہی ہوں، میں کہتی ہوں وہ کون سی ایسی بات ہے جس نے تمہیں اتنے دنوں سے پریشان کر رکھا ہے۔"

"کوئی بات نہیں ہے بے وقوف اصل میں بس ہما کے بارے میں سوچتا ہوں تم جانتی ہو ہما ساڑھے تین مہینے کی تھی جب ہم اسے پرانے شہر سے لے کر یہاں آئے تھے اور اس کے بعد فضلو دھوبی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا تھا...... ہما نے جو زندگی گزاری وہ ایک رئیس اعظم کی بیٹی کی زندگی تھی اور چار ملازموں نے اسے پروان چڑھایا تھا...... ہما ہماری زندگی کا اول اور آخر ہے، میں دنیا کے ہر شخص سے نمٹ سکتا ہوں مگر میری بیٹی کی طرف کسی نے نگاہ اُٹھا کر دیکھا تو پا تو اس کی آنکھیں نہ ہوں گی یا میری زندگی۔"

"فاضل میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

"میں جانتا ہوں کہ کیا کہو گی۔"

"جانتے ہو اور اس کے بعد مجھے نظر انداز کرتے ہو، آج تمہاری نیندیں حرام ہو گئی ہیں لیکن ماضی میں میں نے یہی تو سب کچھ کہا ہے تم سے۔"

"افوہ کیوں مجھے پریشان کر رہی ہو، میں واقعی پریشان ہوں۔"

"میں چاہتی ہوں فاضل جتنے پریشان ہو بات یہیں پر ختم ہو جائے...... آج راتوں کو جاگ رہے ہو کل کہیں ایسا نہ ہو کہ نیند ہی آنکھوں سے کم ہو جائے۔"

"مطلب کیا ہے تمہارا؟"

"دیکھو کیا تم اس بات کو نہیں جانتے کہ ہما نشہ آور چیزیں پیتی ہے...... شراب بھی اس کے نام سے منسوب ہے۔"

"بے وقوف عورت جس سوسائٹی میں وہ سانس لے رہی ہے اس میں یہ سب کچھ برا نہیں سمجھا جاتا، کل کو وہ جس گھر میں بھی جائے گی وہ اس کے معیار کا گھر ہو گا اور اگر وہاں وہ سوسائٹی کی ایک پسماندہ لڑکی ثابت ہوئی تو کوئی اسے قبول نہیں کر سکے گا...... یہ سب سوسائٹی کا کھیل ہے۔"

"فاضل مجھے صرف ایک بات بتا دو دینو چاچا کیا کہا کرتے تھے۔"

"پھر وہیں پہنچ گئی۔"

"نہیں دیکھو میں نے تمہارے کہنے سے اپنے آپ کو لیڈی فاضل دارا بنا دیا ہے، وہ سارے فیشن اپنا لئے ہیں جنہیں دیکھ کر اگر میرا باپ زندہ ہوتا تو خود کشی ہی کر لیتا لیکن بہر حال شوہر کا گھر اپنا ہی گھر ہوتا ہے اور شوہر کی مرضی پر چلنا میں سمجھتی ہوں بیوی کا ایمان ہوتا ہے، میں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی، لیکن فاضل یہ سب کچھ ٹھیک تو نہیں ہے؟"

"دیکھو ہم سب جس مقام پر آ گئے ہیں، اس مقام سے اِدھر اُدھر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ میں دُنیا پر یہ ظاہر کر دوں کہ میں فاضل دارا نہیں بلکہ فضلو دھوبی ہوں، میں نے کیا کیا جتن نہیں کئے، میرا سگا چچا کا بیٹا ایک بار مجھ تک پہنچ گیا تھا، مجھے دیکھ کر وہ خوشی سے دیوانہ ہو گیا، لیکن میں نے اپنے آدمیوں سے کہہ کر اسے دھکے دے کر باہر نکلوا دیا، یہ کہہ کر کہ اسے غلط فہمی ہو رہی ہے۔ ہو سکتا ہے میں اس کے کزن کا ہم شکل ہوں مگر میرا نام فاضل دارا ہے، فضلو دھوبی نہیں بہت کچھ چھوڑ دیا میں نے اپنے آپ کو اس بلندی تک لانے کے لئے اور تم بار بار مجھے وہی سب کچھ یاد دلاتی ہو تمہارا کہنا یہ ہے کہ میں بیٹی کو سرزنش کروں، ٹھیک ہے اگر وہ کوئی ایسا کام کرے گی جو نا قابل برداشت ہو تو میں اسے سنبھال لوں گا لیکن میں اسے جدید سوسائٹی کے قابل بنانا چاہتا ہوں اور وہ بن چکی ہے، اس نے اسی ماحول میں آنکھ کھولی ہے اور پرانا ماحول کو وہ اپنے ذہن میں رکھے ہوئے ہے، کیا ہم اسے اپنے ماضی کی طرف لے آئیں۔"

"کیا تم یہ بات درست سمجھتے ہو کہ وہ کسی انسان کو صرف اس لئے ٹکر مار کر ہلاک کر دے کہ اس نے اپنا فرض پورا کرتے ہوئے اس کا راستہ روکنے کی کوشش کی۔"

فاضل دارا ایک دم اُٹھ کر بیٹھ گیا، اس نے خونخوار نگاہوں سے بیوی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہر گفتگو کی ایک حد ہوتی ہے، ہر انسان کی ایک حد ہوتی ہے، وہ الفاظ کہے ہیں تو نے کہ میرا غصہ آسمان کی بلندی تک پہنچ گیا ہے، صرف ایک بار صرف اس لئے معاف کرتا ہوں تجھے کہ تو میری بیوی اور برے وقت کی ساتھی ہے...... یہ جملہ کبھی زبان سے باہر نہ نکالنا کیا تو چاہتی ہے ہماری بیٹی کو سزائے موت ہو جائے۔"

"اللہ نہ کرے...... اللہ نہ کرے کیسی باتیں کر رہے ہو۔"

"وہ باتیں میں نہیں...... تو کر رہی ہے، خبردار میں نے تجھ سے کہہ دیا ہے کہ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے، اپنی حد کو اس کے بعد عبور نہ کرنا کہیں ایسا نہ ہو کہ شوہر کھو بیٹھے۔"

فاضل دارا کی بیوی کانپ کر رہ گئی تھی، اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"تو پھر کچھ کر لو ناں یہ کیا بات ہوئی کہ راتوں کو جاگتے ہو، میں بے سکون ہو جاتی ہوں جب تم بے سکون ہوتے ہو۔"

"اس کے بعد منہ سے یہ جملہ کبھی نہ نکلے۔"

"نہیں نکلے گا مگر۔ مگر۔"

"بس میری قوت برداشت جواب دے گئی ہے تیرے ان الفاظ پر خاموشی سے کروٹ بدل کر سو جاؤ ورنہ دوسرے کمرے میں چلی جاؤ، اس وقت میں مزید کچھ نہیں سننا چاہتا۔"

"دیکھو فاضل میری بات تو سنو تم اس سے پہلے اتنے پریشان کبھی نظر نہیں آئے، تم تو بڑے بڑے معاملات کو ہموار کر لیتے ہو...... کیا مشکل پیش آ رہی ہے۔"

"کوئی مشکل نہیں ہے بس ضمیر کی ایک چبھن ہے حالانکہ بہت سے برے لوگوں کے اقوال سن چکا ہوں جو ضمیر کا قیدی بنا وہ ترقی نہیں کر سکتا...... جس نے ضمیر کی طرف سے کان بند نہ کئے وہ سونے کے انبار پر نہیں چڑھ سکتا...... ضمیر راستے روکنے والوں میں سے ہے، میں انہی اقوال پر عمل کرتا ہوں لیکن بس اس بار مار کھا گیا ہوں، شاید اس لئے بھی کہ معاملہ میرا ذاتی نہیں میرا ذاتی معاملہ ہوتا تو میں اچھے اچھوں سے نمٹ سکتا لیکن ہما۔"

"تھوڑی سی پابندی لگا دو اس پر بہت تھوڑی سی سمجھ رہے ہو ناں بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں چاہتی۔"

"ٹھیک ہے اب یا تو تم سو جاؤ یا پھر میں اُٹھ کر یہاں سے چلا جاتا ہوں۔"

"نہیں ایسی کوئی ضرورت نہیں ہے، میں اب تمہیں پریشان نہیں کروں گی، جاگتے رہو میں بھی جاگتی رہوں گی لیکن تم سے یہ نہیں کہوں گی کہ میں جاگ رہی ہوں۔"

بیوی نے کہا اور بستر پر لیٹ گئی۔ فاضل دارا اسے دیکھتا رہا، خاصی دیر وہ بیوی پر نگاہیں جمائے سوچوں میں ڈوبا رہا اور پھر اچانک ہی اس کے بدن نے ایک جھٹکا لیا اور پھر وہ بولا۔

"سو گئیں۔"

بیوی نے کوئی جواب نہیں دیا تھا...... فاضل دارا نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اس کا رخ اپنی جانب موڑتے ہوئے کہا۔

"آرام سے سو جاؤ میں بھی سو رہا ہوں...... اصل میں وہ ایک پھانس جو دل میں چبھ رہی تھی تکلیف دے رہی تھی اور اسی کی وجہ سے کئی دن کی نیندیں حرام ہو گئیں، لیکن اب میں نے وہ پھانس دل سے نکال پھینکی ہے...... میں بہت صاحب اثر ہوں کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا میرا، اصل میں اب تک میں نے ہی چاہا تھا کہ جیسے بھی بن پڑے خاموشی سے کام نکال لوں لیکن اب یہ لوگ فاضل دارا کو آواز دے رہے ہیں تو ان کی مرضی کل سب ٹھیک ہو جائے گا...... اطمینان رکھو کل سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

فاضل دارا نے روشنی بجھا دی اور اس کے بعد کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔

❀

ہیڈ کوارٹر میں شہاب کا باقاعدہ آفس تھا...... چھوٹا سا سٹاف بھی ملا ہوا تھا اسے لیکن ایسا بہت کم ہوتا تھا جب وہ آفس میں زیادہ وقت بیٹھتا زیادہ تر آؤٹ ڈور ہی رہتا تھا اور اس کے ماتحت عیش کرتے تھے، ویسے بھی وہ ذرا مختلف مزاج کا انسان تھا، اس وقت بھی آفس ہی میں موجود تھا کہ نادر حیات صاحب کا فون موصول ہوا۔

"کیا کر رہے ہو۔"

"کچھ نہیں سر۔"

"آ جاؤ۔"

نادر حیات صاحب نے کہا۔

"حاضر ہوتا ہوں صاحب۔" شہاب نے کہا اور اپنی وردی پر ایک نگاہ ڈالتا ہوا نادر

حیات صاحب کے آفس کی جانب بڑھ گیا جو دوسری منزل پر تھا، لفٹ نے اسے دوسری منزل کے کوریڈور پر اتار دیا اور وہ نادر حیات صاحب کے آخری سرے پر بنے ہوئے آفس کی جانب چل پڑا جہاں دو اردلی موجود تھے...... اردلی نے دروازہ کھولا شہاب نے اندر داخل ہو کر سلیوٹ کیا، لیکن نادر حیات صاحب کی سامنے والی سیٹ پر بیٹھے ہوئے فاضل دارا کو وہ دیکھ کر چونکا تھا، البتہ اس نے چہرے کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہ کی...... نادر حیات صاحب نے اسے آگے آنے کے لئے کہا اور پھر کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولے۔

"بیٹھو۔"

"شکریہ جناب۔"

شہاب نے کہا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"یہ شہر کے بہت بڑے بزنس مین فاضل دارا صاحب ہیں۔"

"سر میں جانتا ہوں بہت بڑے لوگوں کو جاننا تو ہماری ڈیوٹی ہے۔"

"ہاں اور ان کے مفادات کی نگرانی کرنا بھی ہماری ڈیوٹی ہی ہے۔"

نادر حیات صاحب نے کہا فاضل دارا کے انداز میں کوئی جنبش نہ ہوئی، اس نے شہاب سے ہاتھ ملانے کی کوشش بھی نہیں کی تھی اور شہاب نے بھی ایسا ہی کیا تھا، ویسے شہاب ذرا مختلف قسم کا انسان تھا...... ایک لمحے کے لئے اس نے سوچا تھا کہ اگر فاضل دارا نے اس کی جانب مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا تو وہ کیا کرے گا...... ایک منافقانہ مصافحہ کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی لیکن شکر تھا کہ فاضل دارا نے خود ہی ایسا نہیں کیا تھا، نادر حیات صاحب نے کہا۔

"ان دنوں تم ایک کیس پر کام کر رہے ہو۔"

"جی۔"

"اور اس کا تعلق فاضل دارا صاحب سے ہی ہے۔"

"تعلق ہے، نہیں بنایا گیا ہے اور معاف کیجئے گا کسی خاص مقصد کے تحت بنایا گیا ہے۔"

شہاب کے بولنے سے پہلے فاضل دارا بول پڑا۔

"نہیں فاضل صاحب ایسی بات نہیں ہے پولیس یا انتظامیہ کسی سے ذاتی دشمنی نہیں رکھتی، بس کچھ شواہد سامنے آتے ہیں تو پولیس اس کے لئے سرگرم عمل ہو جاتی ہے......

آپ ہی لوگوں نے یہ ذمہ داریاں ہمیں سونپی ہیں، آپ ہی اگر ان پر اعتراض کریں تو میرے خیال میں یہ مناسب نہیں ہے۔"

"آپ اعتراض کرنے کی بات کرتے ہیں صاحب اور ذاتی دشمنی کی بات کرتے ہیں، دشمنی کچھ نہیں ہوتی، اصل میں ایک عجیب طریقہ کار چل گیا ہے...... پولیس کے بارے میں لاتعداد خبریں اخبار میں چھپتی رہتی ہیں، شاید آپ لوگ اخبار نہیں پڑھتے اور میرا خیال ہے واقعی نہیں پڑھتے ہوں گے کیونکہ اخبارات کی تمام سرخیاں آپ ہی کے کارناموں سے بھری ہوتی ہیں۔"

"یہ تو محبت ہے آپ کی ظاہر ہے ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں آپ ہی کے ایما پر کرتے ہیں۔"

نادر حیات صاحب خوبصورتی سے یہ تلخ گھونٹ پی گئے تھے، فاضل دارا نے کہا۔

"ٹھیک، ٹھیک آپ لوگوں کا یہی انداز قاتل ہوتا ہے۔"

"آپ شاعری فرما رہے ہیں میرا خیال ہے شاعری سے ہٹ کر کچھ بات ہو جائے۔"

فاضل دارا صاحب نے کہا۔

"ذاتی دشمنی کی بات ہو رہی تھی آپ لوگ ہر اس شخص سے ذاتی دشمنی پیدا کر لیتے ہیں جس سے آپ کو کچھ حاصل ہونے کی توقع ہو۔"

"فاضل دارا صاحب میرے شانوں پر جو یہ کراؤن سجائے گئے ہیں یہ بڑی محنت کے بعد مجھے ملے ہیں، ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم جرائم پیشہ افراد سے شریف شہریوں کی حفاظت کریں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی ہمارے فرائض میں یہ بھی شامل ہے کہ اگر ہم پر بے جا کیچڑ اُچھالی جائے تو ہم ان اختیارات کو استعمال کریں...... آپ کے حق میں یہ بہتر ہو گا کہ گفتگو میں احتیاط رکھیں، باقی آپ کی مرضی ہے...... اگر آپ اس گفتگو میں احتیاط نہ رکھ سکے تو شاید ہمارے دل میں آپ کے لئے ہمدردی کا کوئی رویہ پیدا نہ ہو۔"

"میں پوچھتا ہوں اس شخص کے پاس کیا ثبوت ہے کہ میری بیٹی نے ٹریفک سارجنٹ کو ہلاک کیا ہے، یہ شخص مستقل طور پر اسی لائن پر تحقیق کر رہا ہے اور میں اس کی وجہ سمجھتا ہوں۔"

"کیا وجہ ہو سکتی ہے۔"

"اپنی مالی حیثیت بہتر بنانا بلیک میل کرنا۔"

"تو پھر آپ یوں کیجئے کہ اس سلسلے میں فوری طور پر کام شروع کر دیجئے اعلیٰ تعلقات ہیں آپ کے...... آپ کر سکتے ہیں مسٹر شہاب ثاقب کو آپ بلیک میلنگ یا رشوت کی طلبی کے سلسلے میں گرفتار کرا دیجئے آپ چاہیں تو مجھے یہ رپورٹ لکھ کر دے سکتے ہیں۔"

"کیا بات کچھ غلط انداز نہیں اختیار کر گئی، حالانکہ میں آپ کے پاس بہت بڑے وسیلے سے حاضر ہوا ہوں لیکن آپ کا انداز بتاتا ہے کہ آپ مجھ سے تعاون نہیں کرنا چاہتے۔"

"اگر آپ میرا یہ انداز محسوس کرتے ہیں تو جایئے اس وسیلے سے جا کر شکایت کیجئے یا پھر یہ محسوس کیجئے کہ آپ اپنی زبان پر قابو نہیں پا رہے اور وہ کچھ کہہ رہے ہیں میرے آفس میں بیٹھ کر جس کے نتیجے میں اسی جگہ آپ کے خلاف کارروائی کر سکتا ہوں، آپ کا وہ وسیلہ تو بعد میں متحرک ہوگا۔"

نادر حیات صاحب کے الفاظ پر فاضل دارا ایک دم سنبھل گیا، کچھ لمحے گردن جھکا کر سوچتا رہا پھر بولا۔

"اصل میں معافی چاہتا ہوں جناب معاملہ میری اکلوتی بیٹی کا ہے جس کے لئے میں بے حد جذباتی ہوں، اگر کوئی اور بات ہوتی تو شاید میں اسے اہمیت نہیں دیتا۔"

"آپ کیا چاہتے ہیں آخر؟ نادر حیات صاحب نے پوچھا۔

"غلط فہمی کو دُور کرنا چاہتا ہوں اور اس بات کا خواہش مند ہوں کہ آپ لوگ مجھ سے تعاون کریں۔"

"ٹھیک ہے لیکن اس کے لئے اپنے آپ کو حواس میں رکھنا ضروری ہے۔"

نادر حیات صاحب نے کہا اور فاضل دارا تلملا کر رہ گیا...... تلخی کے جواب میں اسے جو تلخی ملی تھی اس نے اسے ایک دم درست کر دیا، وہ پھر بولا۔

"ان صاحب کا نام شہاب ثاقب ہے بہت سرگرم انسان ہیں یہ۔"

"جی اور اپنے منصب سے وفادار بھی ہیں۔"

"لیکن جناب یہ کہاں کا انصاف ہے کہ صرف ایک مفروضے کی بنیاد پر یہ صاحب باقاعدہ ہمارے پیچھے لگ گئے ہیں۔"

نادر حیات صاحب نے شہاب کو دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر ایک آسودہ مسکراہٹ پھیلی دیکھ کر خود بھی کسی حد تک مطمئن ہو گئے کہ شہاب اس گفتگو سے بے چین نہیں ہے اور

بہر حال یہ شہاب کا تعاون تھا، ورنہ اب نادر حیات صاحب شہاب کی شخصیت کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے، چنانچہ انہوں نے گفتگو کا رخ تبدیل کیا اور بولے۔

"شہاب کیا یہ حقیقت ہے کہ آپ سارجنٹ اشتیاق علی کی موت کے سلسلے میں خصوصی طور پر فاضل دارا صاحب کی صاحب زادی ہما فاضل دارا پر شک کر رہے ہیں۔"

"اصل میں جناب صورت حال یہ ہے کہ اس رات میں بھی اپنی کار میں سفر کر رہا تھا اور میں نے ایک کار کو اپنی کار سے اوورٹیک کرتے ہوئے دیکھا اور رفتار اس قدر خوفناک تھی کہ میں خود بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کار سوار یا تو کسی شدید مشکل میں گرفتار ہے یا پھر نشے میں ہے، میں نے اس کا تعاقب شروع کیا ہی تھا کہ تھوڑے فاصلے پر پہنچنے کے بعد اشتیاق علی کو میں نے موٹر بائیک پر اس کے تعاقب میں دیکھا اور یہ سوچ کر مطمئن ہو گیا کہ ٹریفک سارجنٹ اپنا فرض پورا کرے گا، چونکہ میرا راستہ بھی وہی تھا اور میں اسی سمت جا رہا تھا اس لئے میں نے اس رفتار کو خود نہیں پکڑا بلکہ ٹریفک سارجنٹ کی طرف سے مطمئن ہو کر میں اس طرف چلتا رہا اور پھر میں نے وہ حادثہ دیکھا، حادثہ کرنے کے بعد کار برق رفتاری سے آگے بڑھ گئی تھی اور اس وقت میرے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ میں اس کا تعاقب کرتا چونکہ تنہا سڑک پر زخمی ٹریفک سارجنٹ کو دیکھنا میرے لئے اس کار کا تعاقب کرنے سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا، لیکن کار کا نمبر میں نے دیکھ لیا تھا اور اسے اپنے ذہن میں رکھا تھا...... ٹریفک سارجنٹ کو ہسپتال پہنچایا گیا اور آخر کار وہ بے چارہ موت کی آغوش میں چلا گیا...... سر انسانی نقطہ نگاہ سے بھی یہ میرا فرض تھا کہ میں اس کیس کی تفتیش کروں اور ویسے بھی میرا تعلق انتظامیہ سے ہے...... کار کا جو نمبر میں نے دیکھا وہ فاضل دارا صاحب ہی کی صاحبزادی کی کار کا نمبر ہے۔"

"ڈی آئی جی صاحب سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ جس رفتار کا شہاب صاحب تذکرہ کر رہے ہیں اس رفتار سے دوڑتی ہوئی کار کا نمبر کیا آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے۔"

"جی اس کا جواب میرے پاس موجود ہے...... وہ یہ فاضل دارا صاحب کہ جب تک ٹریفک سارجنٹ نے اس کے تعاقب کا آغاز نہیں کیا تھا...... میں اس کے پیچھے لگ گیا تھا اور میری کار کی ہیڈ لائٹس اس نمبر کا احاطہ کئے ہوئے تھیں۔" "پھر بھی یہ اتنا آسان نہیں ہے میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہو سکتا ہے کہ آپ کو کار کا نمبر تلاش کرنے میں میرا مطلب

ہے دیکھنے میں غلطی ہو گئی ہو...... ایک چھوٹی سی غلطی کو آپ نے اس بلندی تک پہنچا دیا، آپ خود سوچئے میں یہ کیسے برداشت کر سکتا ہوں...... میں تو ویسے بھی ایک رحم دل انسان ہوں...... ٹریفک سارجنٹ کی موت کی خبر نے مجھے اس طرف متوجہ کیا...... لاتعداد سوشل کام کرتا رہتا ہوں اور اپنے فرائض پورے کرتا رہتا ہوں...... میں آپ کو یہ بتانا ضرور چاہوں گا کہ میں پچھلے دن اشتیاق علی کے گھر گیا تھا، اس کی بیوی کو دو لاکھ روپے کی پیشکش کی تھی میں نے، وہ بے چاری تو چھوٹے چھوٹے بچوں کے لئے یہ رقم لینے کو تیار تھی، لیکن ایک جذباتی ماں نے میری پیشکش کو ٹھکرا دیا اور رقم واپس کر دی، میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں بھی اس حادثے سے اتنا ہی متاثر ہوں جتنا آپ لوگ ہوں گے، صرف انسانیت کے نام پر اور آپ خود ہی مجھے مجرم گردان رہے ہیں...... میرے ساتھ یہ ناانصافی ہے۔"

"شہاب کوئی ایسا ٹھوس ثبوت ہے تمہارے پاس، کیا تم نے موقع پر اس گاڑی کو چیک کیا، میرا مطلب ہے کسی بھی طرح؟"

"فاضل دارا صاحب اس میں کوئی شک نہیں ہے جناب کہ معمولی حیثیت کے مالک نہیں ہیں، ان کا اپنا کاروں کا شوروم ہے اور میری معلومات صرف یہاں تک ہیں کہ اس شوروم میں پانچ ایسی کاریں منگوائی گئی تھیں، جن میں سے ایک کار کی موجودگی کا پتا نہیں چلتا۔"

"مطلب؟"

نادر حیات صاحب حیرت سے بولے۔

"مطلب یہ کہ وہ گاڑی جس سے حادثہ ہوا تھا یا کیا گیا تھا فوراً چھپا دی اور اس کی جگہ نئی گاڑی لا کر کھڑی کر دی گئی، تاکہ شبہ نہ ہو سکے...... وہ نمبر پلیٹ بھی اس گاڑی پر لگا دی گئی، جو اس گاڑی پر لگی ہوئی تھی۔"

"تو کیا آپ نے وہ پرانی گاڑی تلاش کر لی؟"

"نہیں وہ نہیں مل سکی۔"

"تو پھر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ گاڑی تبدیل کر دی گئی؟"

"میں نے عرض کیا ناں کہ پانچ گاڑیاں منگوائی گئی تھیں باہر سے اور ان کی encices میرے پاس موجود ہیں، لیکن ان میں سے ایک گاڑی کا بالکل پتا نہیں چلتا۔"

"آپ کو یہ سن کر خوشی ہو گی آفیسر کہ خدا کے فضل سے میرے شوروم سے گاڑیاں

سیل ہوتی رہتی ہیں اور جب کوئی خریدار میرے پاس آتا ہے تو میں اس سے یہ نہیں پوچھتا کہ وہ اپنے نام سے گاڑی خرید رہا ہے یا کسی جعلی نام سے یا خرید کر کہاں لے جا رہا ہے...... رقم کی ادائیگی کے بعد ہم کاغذات کی رسمی کارروائیاں پوری کرتے ہیں...... میں نے اس گاڑی کا ریکارڈ بھی منگوالیا ہے...... چونکہ معاف کیجئے گا آفیسر آپ نے میرے شوروم سے میری گاڑیوں کی سیل کے کاغذات چوری کر لئے تھے۔"

"جی ہاں میں وہ کاغذات دیکھنا چاہتا تھا۔"

"چوری کر لئے تھے۔" آئی جی نادر حیات صاحب نے کہا۔

"فاضل دارا صاحب بہت بڑے آدمی ہیں جو الزام بھی لگا دیں۔" شہاب نے فوراً ہی پینترا بدل لیا۔

"یعنی، یعنی ابھی تم کہہ رہے ہو مجھ سے کہ وہ کاغذات تم نے چوری کر لئے ہیں اور اب کیا یہ کہنا چاہتے ہو کہ ایسا ہوا ہی نہیں۔" فاضل دارا نے چونک کر کہا۔

"آپ جو بھی الزام لگانا چاہیں لگا سکتے ہیں...... ظاہر ہے میں بہت بڑی شخصیت کے سامنے ہوں۔"

"تم نے میرے چوکیدار کو اغوا کیا اور اس کے بعد اس کو مجبور کیا کہ وہ میرے خلاف بیان دے۔"

"جی اور اس نے یہ بیان بھی دیا کہ جب آپ کی صاحبزادی واپس وہاں پہنچی اور آپ نے صورت حال سے آگاہی حاصل کی تو آپ اور آپ کا ملازم رات کو ایک بجے دو گاڑیاں لیکر باہر نکلے، ایک وہ جس سے حادثہ ہوا تھا، دوسری آپ کی اپنی گاڑی تھی...... یقینی طور پر اس گاڑی کو کسی ایسی جگہ محفوظ کر کے جہاں سے وہ کسی کو حاصل نہ ہو سکے آپ نے شوروم سے دوسری گاڑی حاصل کی اور اس کے بعد اسے وہاں لا کھڑا کر دیا۔"

"خوب اس کے علاوہ آفیسر؟" فاضل دارا نے شہاب کو دیکھ کر تیکھے انداز میں کہا۔

"نہیں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں آپ الزامات لگاتے رہیئے اور میں آپ کو جوابات دیتا رہوں گا۔"

"چوکیدار کو وہاں سے اغوا کرنا کیا ایک قانونی عمل تھا...... آپ کو یہ کرنے کا حق حاصل تھا؟"

"میں نے عرض کیا نہ آپ جس قدر چاہیں الزامات لگاتے رہیں میرے لئے تردید تو مشکل ہی ہو گی ناں۔"

"کیا میں پھر الزام لگا رہا ہوں؟" فاضل دارا نے کہا۔

"سو فیصد جناب میں نے آپ کے کسی چوکیدار کو اغواء نہیں کیا۔"

"کیا باتیں کر رہے ہیں آپ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔"

"میں نے آپ کے کسی چوکیدار کو اغوا نہیں کیا...... آپ کے ذہن میں یہ تصور کیوں آتا ہے کہ میں نے ایسا کیا ہے۔"

"ابھی تم خود کہہ رہے ہو۔"

"وہ میں صرف آپ کے الزامات کے جواب دے رہا ہوں۔"

"یعنی تمہارا خیال ہے کہ، کہ یعنی میرا مطلب ہے کہ چوکیدار نے؟"

"سر! اگر ایسی کوئی بات ہے تو چوکیدار کی بجائے آپ ہی ہمیں بتا دیجئے۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ شخص شاید مجھے پاگل قرار دینا چاہتا ہے...... بہر حال یہ آسان نہیں ہے...... آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں ڈی آئی جی صاحب؟"

"مسٹر شہاب بہر حال فاضل دارا صاحب ایک معزز انسان ہیں اور ہم کسی بھی معزز انسان کیلئے کوئی ایسا لفظ نہیں کہہ سکتے جس کیلئے ہمارے پاس کوئی ٹھوس ثبوت موجود نہ ہو۔"

"میں کب اس سے انکار کرتا ہوں جناب...... فاضل دارا صاحب شاید بلاوجہ ہی میری شکایت کرنے آگئے...... حالانکہ میں نے کوئی ایسی بات ان سے نہیں کہی جو ان کی شان کے خلاف ہو۔" شہاب عجیب کھیل کھیل رہا تھا...... کچھ لمحے تو خود ڈی آئی جی صاحب چکرا کر رہ گئے لیکن بعد میں انہیں شہاب کی شرارت کا احساس ہو گیا اور انہوں نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا، پھر وہ آہستہ سے بولے۔ "بہر حال دیکھو جو کچھ ہوا ہے وہ اپنی جگہ ہے لیکن میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ جب تک فاضل دارا صاحب کے خلاف کوئی اتنا ہی ناقابل تردید ثبوت حاصل نہ ہوا...... اب تم انہیں بالکل پریشان نہیں کرو گے۔"

"سر میں تو پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ فاضل دارا صاحب کو میں نے بالکل پریشان نہیں کیا اور نہ ہی میں یہ جرات کر سکتا ہوں...... میں کیا اور میری اوقات کیا...... اس کے

باوجود اگر ایسی کوئی بات ہوئی ہے تو میں فاضل دارا صاحب سے دست بدست معافی مانگنے کے لئے تیار ہوں۔"

"کیوں فاضل دارا آپ کیا کہتے ہیں اس سلسلے میں؟"

"میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آرہا...... میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" فاضل دارا، شہاب کی گفتگو سے بری طرح چکرا گیا تھا۔

"تو پھر ٹھیک ہے میرا خیال ہے آپ لوگوں کے درمیان بات ختم ہو گئی۔"

"آپ مجھے صرف یہ یقین دلائیے کہ اس کے بعد ایسا کوئی عمل نہیں کیا جائے گا۔"

"میں نے معافی مانگ لی ہے، جناب اول تو میں نے ایسا کوئی عمل کیا نہیں ہے اور اگر آپ ایسی کوئی بات محسوس کرتے ہیں تو بہر حال میں آپ سے معافی مانگ چکا ہوں۔"

"اور آپ کو اطمینان ہونا چاہئے۔"

"او کے، او کے خیال رکھا جائے۔"

"بالکل خیال رکھا جائے گا آپ مطمئن رہیں۔"

شہاب نے کہا اور فاضل دارا اسے گھورتا ہوا اپنی جگہ سے اُٹھ گیا، غالباً وہ سوچ رہا تھا کہ مدمقابل بھی کچھ ضرورت سے آگے ہی کی چیز ہے، پھر اس نے اجازت طلب کر لی اور ڈی آئی جی نادر حیات صاحب نے اس سے مصافحہ کرنے کے بعد اسے رخصت کیا...... شہاب وہیں موجود تھا، جب فاضل دارا کی کار کے چلے جانے کی اطلاع مل گئی تو نادر حیات صاحب نے ایک قہقہہ لگایا اور کہنے لگے۔

"کبھی کبھی تمہاری شرارتیں ضرورت سے کچھ زیادہ ہی دلچسپ ہو جاتی ہیں۔"

"سر بھلا آپ کے سامنے شرارتیں کرنے کی جرات کر سکتا ہوں۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم جو قلابازیاں کھا رہے تھے ان پر تو میں بھی چکرا کر رہ گیا تھا اور سچی بات ہے کہ تھوڑی دیر تک تمہاری باتیں میری سمجھ میں بھی نہیں آسکیں، یعنی اس نے کاغذات چرانے کا معاملہ سامنے پیش کیا تو تم نے اعتراف کر لیا اور اس وقت چوکیدار کے اغوا کی بات بھی تم نے مان لی پھر دونوں باتوں سے منحرف ہو گئے۔"

"سر مجھے پورا پورا یقین ہے کہ حادثہ اسی لڑکی نے کیا ہے، میں اسے قتل عمد نہیں کہتا

بلکہ صرف ایک سرکش لڑکی کی سرکشی کہہ سکتا ہوں، لیکن یہ سرکشی تو قتل عمد سے بھی زیادہ خطرناک ہے...... اس لڑکی کو اگر اس جنون سے نہ روکا گیا تو آپ خود غور فرمایئے وہ کیا نہ کر بیٹھے گی وہ ایک نشے کی عادی لڑکی ہے اور اس نے عالم جنون میں میرا مطلب ہے نشے کے عالم میں یہ حادثہ کیا ہے اور اب یہ شخص اس لڑکی کو بچانے کی فکر میں سرگرداں ہے۔"

"ویسے فطری عمل ہے یہ۔"

"یعنی اپنے راستے میں آنے والے ہر شخص کو فنا کر دینا؟"

شہاب نے سوال کیا۔

"میری بات کو غلط مت سمجھو میں یہ کہہ رہا تھا کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے اپنی بیٹی کے Defence کے لئے کر رہا ہے۔"

"لیکن سر اس کا ذریعہ دوسرا ہونا چاہئے، وہ اعتراف کرے اپنی بیٹی سے اعتراف کرائے اور اس کے بعد اسے سزا ہونے دے تاکہ وہ لڑکی آئندہ کے لئے پوری طرح محتاط ہو جائے...... ظاہر ہے اسے سزائے موت نہیں ہوگی، یہ آپ بھی جانتے ہیں۔"

"ہاں لیکن۔"

"بات وہی Status کی آجاتی ہے...... وہ یہ سوچتا ہے کہ اپنے تعلقات سے کام لے کر اپنی بیٹی کو بے گناہ قرار دے، یہی بات ہے ناں؟"

"میں اعتراف کروں تو؟"

"یہی غلط ہے اسے اسی بات کی سزا ملنی چاہئے۔"

"مگر میں تمہیں بتاؤں...... وہ ایک بہت بڑے حوالے سے میرے پاس آیا ہے...... اتنے بڑے حوالے سے کہ میں اس کا نام بھی تمہارے سامنے نہیں لے سکتا...... یہ میری مجبوری ہے۔" نادر حیات نے کہا۔

"یعنی، یعنی، یعنی۔" شہاب متحیرانہ انداز میں بولا۔

"کیا یعنی، کیا کہنا چاہتے ہو کیا، پوچھنا چاہتے ہو؟"

"یعنی مطلب یہ کہ آپ مجبور ہو گئے؟" شہاب نے تلخ لہجے میں کہا۔

"نہیں میں مجبور نہیں ہوا، لیکن جو ثبوت تم نے اس کے خلاف حاصل کئے ہیں اگر تم انہیں عدالت میں بھی پیش کرو گے تو وکیل صفائی آسانی سے انہیں رد کر دے گا...... کیا تم

بات کو نہیں سمجھتے شہاب، اگر اتنے ہی ٹھوس ثبوت لا سکتے ہو اس کے خلاف جو ناقابل تردید ہوں تو میں ہمیشہ کی طرح اپنی ملازمت بھی داؤ پر لگا دوں گا۔" شہاب پر تفکر انداز میں گردن ہلانے لگا، دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔

"ٹھیک ہے جناب آپ کی اس بات کو میں تسلیم کرتا ہوں۔"

"سنو شہاب اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تم اسے لفظوں میں کھلاتے رہے ہو لیکن یہ سمجھنا کہ یہ لفظوں کے کھیل سے سنبھل جانے والوں میں سے ہے جس رابطے کو لے کر وہ میرے پاس آیا ہے میں اسے رد نہیں کر سکتا، لیکن میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر تم ٹھوس ثبوت حاصل کر لو تو میں یہ بات آگے بڑھا کر قانونی طور پر اس رابطے سے مشورہ لوں کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے، اگر یہ کہا جائے کہ ان تمام ثبوتوں کے باوجود اس کیس کو نظر انداز کر دیا جائے تو تم یقین کرو کہ میں شاید تیار نہ ہو سکوں اور پھر تمہارے انہی اخبارات سے مدد لوں جن کی مدد سے تم اچھے اچھوں کا منہ کالا کرتے رہے ہو۔"

"میں جانتا ہوں جناب۔" شہاب نے کہا۔

"اس کے باوجود مجھ پر طنز کر رہے ہو۔"

"سوری سر اگر آپ نے میری اس حیرت کو طنز سمجھا ہے تو سب سے پہلے میں اس کیلئے آپ سے معذرت چاہتا ہوں۔" شہاب نے کہا اور نادر حیات صاحب مسکرانے لگے پھر بولے۔

"میں تسلیم کرتا ہوں شہاب کہ بہت برا حادثہ ہوا ہے اور اس حادثے کو چھپانے کے لئے جو کوششیں کی جا رہی ہیں وہ مزید بری ہیں، لیکن بعض اوقات بہت سی باتوں کو ذرا دوسرے انداز میں بھی سوچنا پڑتا ہے...... ویسے یہ شخص اشتیاق علی کے گھر پہنچ گیا تھا۔"

"آپ سے عرض کرنے والا تھا سر کہ اشتیاق علی کے گھر پہنچنے کا کیا جواز تھا۔"

"جواز وہ پیش کر چکا ہے۔"

"آپ نے تسلیم کر لیا۔" شہاب نے سوال کیا اور نادر حیات صاحب سوچ میں ڈوب گئے، پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولے۔

"کیا کہوں اور کیا نہ کہوں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

"نہیں سر، سوری سر میرا بالکل یہ مقصد نہیں ہے کہ آپ مجھے اس بات کا کوئی جواب دیں، میں آپ سے صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس شخص نے قانون کو کھلونا بنانے کی کوشش کی

ہے، اس کا سب سے بڑا جرم یہی ہے جہاں تک میرے موقف کا سوال ہے تو میں پھر اپنے اسی موقف کو دہراتا ہوں کہ اسے پوری سنجیدگی کے ساتھ اپنی بیٹی کے اس جرم کو تسلیم کر لینا چاہئے اور اس کا ساتھ نہیں دینا چاہئے بلکہ قانونی طور پر وہ اپنے اختیارات سے کام لے کر یہ کر سکتا ہے کہ اپنی بیٹی کی سزا کم کرالے یا کوئی اور طریقہ کار اختیار کرے، لیکن اپنے جرم کو اسے تسلیم کرنا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے شہاب یہی کہہ سکتا ہوں کہ خدا کے لئے تم احتیاط رکھنا تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔"

شہاب مسکرانے لگا پھر اس نے کہا۔

"سر آپ کو علم ہے اس بات کا کہ میرے والد اپنے سچ پر شہید ہو گئے، میں اسی باپ کا بیٹا ہوں جہاں تک میرے لئے ممکن ہوتا رہے گا میں اپنے باپ کے مشن کو پورا کرتا رہوں گا، کہیں بالکل ہی ناکام ہو گیا تو پھر کچھ اور سوچوں گا جہاں تک زندگی اور موت کا تعلق ہے تو سر اس کے بارے میں تو ہم سب کا ایک ہی ایمان ہے کہ آنا ہوتی ہے تو بھلا اسے کون روک سکتا ہے۔ نادر حیات صاحب ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئے تھے۔

کار کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی، شہاب سست روی سے کار ڈرائیو کر رہا تھا...... موسم بھی کچھ عجیب سا تھا، حالانکہ ابھی رات کے بارہ نہیں بجے تھے، لیکن شہر کچھ ضرورت سے زیادہ ہی سنسان محسوس ہو رہا تھا، ہوا بند ہونے کی وجہ سے کافی گھٹن ہو گئی تھی...... شہاب کا ذہن خیالات میں ڈوبا ہوا تھا، اس وقت وہ جس راستے سے گزر رہا تھا وہاں سڑک بن رہی تھی، ڈبل روڈ تھی...... ایک سائیڈ کی سڑک بند کر دی گئی تھی اور دوسرے سائیڈ سے ٹریفک گزر رہا تھا، اس لئے سڑک تنگ بھی ہو گئی تھی لیکن بہر حال اس پر سے گزرا جا سکتا تھا، خرابیاں تو خیر پورے شہر میں بکھری ہوئی تھیں لیکن بعض جگہ بڑی خراب بے پروائی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، اب یہ سڑک ون سائیڈ ہو گئی تھی اور اس پر سے ڈبل ٹریفک گزر رہا تھا، لیکن یہاں روشنی کا نام و نشان نہیں تھا...... دوسری سائیڈ کی کھدائی ہونے کی وجہ سے ریت کے بلند و بالا ٹیلے بکھرے ہوئے تھے اور بعض جگہ بہت ہی تنگ ہو گئی تھی، اس لئے گاڑی سست رفتاری سے چلانی پڑ رہی تھی، لیکن کافی آگے جانے کے بعد شہاب کو احساس ہوا کہ سڑک آگے کھدی ہوئی ہے اور اس راستے پر آگے جانا ممکن نہیں ہے، اس نے کار روک دی

فیصلے انداز میں سوچنے لگا کہ کم از کم ابتدائی جگہ بورڈ لگا دینا چاہئے تھا کہ آگے جا کر سڑک ہے لیکن محکموں کی بے پروائیاں انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، انسانی ضروریات کا خیال نہیں رکھا جاتا تھا اور بس کوئی حادثہ ہو جائے تو معذرت کے سوا ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا...... شہاب کار روک کر سوچتا رہا...... کار ریورس کر کے پیچھے لے جانا بھی ایک مشکل کام تھا، کیونکہ جگہ بہت چھوٹی تھی، پھر اس نے یہی فیصلہ کیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے کار کو ریورس کیا جائے، وہ ابھی اس کی ابتدا ہی کرنے والا تھا کہ دفعتاً پیچھے سے ایک کار کی روشنیاں نظر آئیں، یہ بھی کوئی بھولا بھٹکا انسان ہی ہو سکتا ہے جو بورڈ نہ لگے ہونے کی وجہ سے اسی طرح یہاں آ گیا ہے جیسے شہاب آیا تھا، لیکن عقبی کار نے رُک کر اس کا راستہ روک لیا، اسی وقت شہاب کی چھٹی حس نے اعلان کیا کوئی خطرہ ہے...... مدھم چاندنی میں اس نے ایک شخص کو گاڑی سے نکل کر جھاڑیوں میں چھپتے ہوئے دیکھا...... ہیڈ لائٹس شہاب پہلے ہی بند کر چکا تھا، چنانچہ وہ آہستہ سے دروازہ کھول کر گاڑی سے نیچے اتر آیا اور ٹٹول کر چلتا ہوا پھرتی سے سڑک کے کنارے دوسری طرف ایک عمارت کی دیوار تک پہنچ گیا، اس کی نگاہیں بدستور جھاڑیوں کی طرف جمی ہوئی تھیں، لیکن ادھر سکوت تھا جس گاڑی نے راستہ روکا تھا وہ اجنبی ہی تھی...... شہاب کو ایک دم احساس ہوا کہ وہ گاڑی سے نکلتے وقت اپنا ریوالور نکالنا بھول گیا ہے، اب گاڑی کی طرف دوبارہ جانا خطرناک ہو سکتا ہے لیکن بہر حال ایک اطمینان یہ تھا کہ دشمن اور اس کے درمیان اب فاصلہ خاصا بڑھ گیا ہے...... بہر حال چند لمحات سوچتے رہنے کے بعد اس نے ایک پوزیشن منتخب کی اور جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا اسی طرف چل پڑا جہاں اس شخص کو چھپتے ہوئے دیکھا، لیکن ظاہر ہے دوسرا آدمی بھی بلاوجہ وہاں نہیں چھپا ہوگا، ابھی شہاب نے تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ ہولناک دھماکے سے رات کا سکوت درہم برہم ہو گیا، اگر شہاب ایک دم زمین سے نہ چپک جاتا تو ریت کے اس ٹیلے پر اس کی لاش پڑی ہوتی، گولی اس کے سر سے صرف چند انچ کے فاصلے سے زن سے گزر گئی تھی...... شہاب نے ایک دم سے اپنی ڈائریکشن تبدیل کی اور ریت پر لیٹ کر آگے بڑھنے لگا، دوسرا فائر ہوا اور بہت سی ریت شہاب کے چہرے پر آ پڑی وہ رینگ کر تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا، پھر ایک اور دھماکہ ہوا، ابھی کافی فاصلہ طے کرنا تھا، جھاڑیاں قدم قدم پر حائل ہو رہی تھیں، پھر بھی یہ خدشہ تھا کہ دشمن یہ سمجھ لینے کے بعد کہ وہ غیر مسلح ہے کسی وقت بھی اپنی جگہ سے نکل کر

حملہ کر سکتا ہے، چنانچہ وہ دشمن تک پہنچ جانا چاہتا تھا اور برق رفتاری سے اس کی طرف بڑھ رہا تھا...... اس خیال کے تحت کے اندھیرے میں اچانک جھپٹ کر اس پر قابو پا سکے، اس طرح آگے بڑھنے سے اس کی حالت کافی خراب ہو گئی تھی، چونکہ جگہ بھی انجانی تھی اور اسے خاصا فاصلہ طے کرنا تھا...... تقریباً پچاس فٹ کا فاصلہ ہاتھوں اور پیروں کے بل رینگ کر طے کرنے کے بعد وہ ایک جگہ رکا ہی تھا کہ اسی وقت گھاس میں سرسراہٹ پیدا ہوئی، ساتھ ہی ایسی آواز ہوئی جیسے سوکھی لکڑی ٹوٹی ہو...... شہاب اپنی جگہ ساکت ہو گیا، گھاس کی سرسراہٹ قریب ہوتی جا رہی تھی اور پھر اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے کوئی دبے پاؤں ریت پر چل رہا ہو، چند ہی لمحے گزرے تھے کہ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک جھاڑی ہلی اور پھر چند سیکنڈ کے بعد چلنے والا اس کے سر پر پہنچ گیا، یہاں تک کہ شہاب کو اس کی سانسوں کی آواز سنائی دینے لگی...... شہاب نے دم سادھ لیا تھا، اگر حملہ آور کو یہ احساس ہو گیا کہ وہ قریب ہی کی جھاڑیوں میں پڑا ہے تو وہ اندھادھند فائرنگ شروع کر دے گا...... شہاب کو انتہائی افسوس تھا کہ اس وقت ایک بڑی غلطی ہوئی ہے، اگر اس کے پاس ریوالور ہوتا تو یقینی طور پر مدمقابل کو اس پر یہ فوقیت حاصل نہ ہوتی لیکن اب جس طرح بھی بن پڑے ہوشیاری کے ساتھ کام کرنا ہے...... شہاب نے اپنا سانس روک لیا تھا، بدن کی ہر جنبش کو ختم کر دیا...... پھر چار منٹ اسی طرح گزر گئے، وہ ذرا سا اور آگے آیا اور شہاب بری طرح چونک پڑا...... مدہم چاندنی میں اس نے اسے صاف پہچان لیا تھا...... یہ غفار شاہ تھا، بندرگاہ کا وہی غنڈہ جس کے بارے میں شہاب کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ آج کل وہ فاضل دارا کی ناک کا بال بنا ہوا ہے، اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور وہ شہاب سے چند گز کے فاصلے پر دائیں طرف دُھندلی چاندنی میں کھڑا صاف نظر آ رہا تھا، وہ یہ دیکھ رہا تھا کہ شہاب کس طرف ہے...... غالباً اسے شہاب کے اس طرف آنے کا احساس ہو گیا تھا پھر وہ کچھ اور قریب آیا اور وہ شہاب سے صرف تین فٹ کے فاصلے پر موجود تھا اور یہ موقع تھا کہ شہاب اپنی تمام تر قوتوں کو آزمائے، پھر دوسرے لمحے اس نے غفار شاہ پر چھلانگ لگا دی، اس کی تمام تر توجہ غفار شاہ کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کی طرف تھی، چھلانگ لگاتے ہی اس نے اس کی داہنی کلائی قابو میں کر لی اور شانے کے زوردار دھکے سے اسے نیچے گرا دیا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ شہاب کو بھی نیچے گرنا پڑا...... غفار شاہ کے لئے یہ حملہ شاید کافی حیران کن تھا، چند سیکنڈ تو وہ کوئی مزاحمت نہیں کر سکا

کیونکہ اچانک اور غیر متوقع حملے نے اسے بوکھلا دیا تھا، اسی مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شہاب نے پستول کے دستے کے ساتھ اس کی انگلیاں دبا دیں، اس نے شدید تکلیف سے تڑپ کر پستول چھوڑ دیا لیکن دوسرے لمحے اس کا زوردار گھونسا شہاب کی گردن پر پڑا...... غفار شاہ ویسے بھی مضبوط تن و توش کا آدمی تھا اور شہاب کو اس کی جسمانی قوت کا اندازہ تھا، اس گھونسے نے ایک لمحے کے لئے شہاب کے حواس معطل کئے...... وہ لڑکھڑاتا ہوا جھاڑیوں پر جا پڑا، لیکن اب پستول اس کے ہاتھ میں تھا، البتہ شہاب نے ابھی پستول سیدھا بھی نہیں کیا تھا کہ غفار شاہ کے بوٹ کی ٹھوکر ہتھوڑے کی طرح شہاب کی کلائی پر پڑی، پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر جھاڑیوں میں جا پڑا لیکن شہاب کو اب اطمینان ہو گیا تھا کہ غفار شاہ غیر مسلح ہو چکا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ شہاب کو غفار شاہ کے بارے میں معلومات حاصل نہیں تھیں، سوا اس کے کہ وہ ایک خطرناک غنڈہ رہ چکا ہے اور ان دنوں شریف زادہ تصور کیا جانے لگا ہے اور اس وقت صورت حال بھی کچھ ایسی تھی، ناہموار زمین اور پھر غیر متوقع حملہ جس کی شہاب کو اس وقت بالکل توقع نہیں تھی، وہ بہت ہی اچھے موڈ میں یہ سفر کر رہا تھا...... بند راستے نے تھوڑی دیر کے لئے اس کا موڈ خراب کر دیا تھا، لیکن بہر حال وہ ابھی تک اس موڈ میں نہیں آیا جس میں وہ ایسے موقعوں پر ہو جاتا تھا، غالباً یہی وجہ تھی کہ غفار شاہ ابھی تک اپنی کوششوں میں کامیاب رہا تھا...... شہاب نے اسے تیزی سے اپنی طرف جھپٹتے ہوئے دیکھا وہ غالباً شہاب کو اُٹھنے سے روکنا چاہتا تھا، لیکن دوسرے لمحے اس کا پاؤں کسی جھاڑی میں اُلجھ کر رہ گیا تھا اور منہ کے بل ریت پر آ رہا...... شہاب کو اس دوران اٹھنے کا موقع مل گیا تھا لیکن غفار شاہ کے دو چار حملوں سے وہ اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ انتہائی طاقتور آدمی ہے اور غالباً مارشل آرٹ کا ماہر بھی کیونکہ اِس وقت جو گھونسا شہاب کی گردن پر پڑا تھا وہ شہاب کے اندازے کے مطابق کسی وزنی ہتھوڑے کی مانند ہی تھا، دوسرے قدم قدم پر اُگی ہوئی جھاڑیوں کی وجہ سے وہ جگہ لڑنے کے قابل بھی نہیں تھی...... بہر حال شہاب کو لڑائی کے ساتھ ساتھ اِدھر اُدھر ہو کر بچاؤ کے لئے صاف جگہ کی ضرورت تھی، غفار شاہ فوراً ہی اُٹھ گیا اور پھرتی سے شہاب کی جانب بڑھا اور اس نے شہاب پر گھونسا چلایا ہی تھا کہ شہاب نے اس کا ہاتھ روک کر فوراً ہی اس کے دائیں جبڑے پر پنچ مارا لیکن حیرت ہوئی تھی شہاب کو وہ پنچ جو اچھے اچھوں کی حالت خراب کر دیتا تھا غفار شاہ پر بے اثر ہی رہا تھا لیکن غفار شاہ نے

جوابی حملہ کر کے شہاب کے داہنے شانے پر گھونسا مارا اور شہاب کو شدید تکلیف کا احساس ہوا، اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ غفار شاہ انتہائی طاقتور انسان ہے اور اب یہ کھیل زندگی اور موت کا کھیل بن چکا ہے، چنانچہ اب اس کی اندر کی قوتیں جاگ گئیں...... اس نے ایک زوردار گھونسا غفار شاہ کی کنپٹی پر مارا اور غفار شاہ اس گھونسے کو بھی برداشت کر گیا...... لیکن اب وہ سنبھل کر پینترا بازی کرنے لگا تھا...... شہاب نے مہلت دیئے بغیر کئی گھونسے اس کی پسلیوں اور پیٹ پر مارے، لیکن اچانک ہی اس نے شہاب کا گریبان پکڑ لیا اور اسے اپنی جانب گھسیٹا...... شہاب نے ایک زوردار ٹکر اس کے چہرے پر ماری اور یہ ٹکر اس کی ناک پر لگی تھی، لیکن کمال کی شخصیت تھی اس کی اس نے شہاب کی گردن کی ہڈی میں انگلیاں پھنسا لیں اور اس پر مسلسل گھونسے برسا رہا تھا، پنڈلیوں کی ہڈیوں پر ٹھوکریں بھی ماری تھیں مگر اس کی انگلیوں کا دباؤ شہاب کی گردن پر بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا اور اب شہاب کو یہ احساس ہو رہا تھا کہ اگر اس نے آخری حد تک کارروائی نہ کی تو غفار شاہ اس پر حاوی ہو جائے گا، چنانچہ ایک اور گھونسا اس نے اس کی داہنی آنکھ پر مارا اور یہ طریقہ کار سب سے زیادہ مناسب ثابت ہوا اس کی آنکھ تکلیف کا شکار ہو گئی تھی اور اس کے حلق سے ایک تیز چیخ نکلی تھی۔ شہاب نے اس کے ہاتھوں کو اپنی گردن سے ہٹایا اور اس کے بعد پے در پے گھونسے اس کے جسم کے مختلف حصوں پر مارے وہ نہیں چاہتا تھا کہ غفار شاہ کو ہلاک کرے لیکن صورت حال ایسی ہو گئی تھی کہ اب غفار شاہ کی مرمت ضروری ہو گئی تھی اور پھر غفار شاہ زمین پر گر پڑا اس کی حالت اب کافی خراب ہو گئی تھی، شہاب سیدھا کھڑا ہو کر گہری گہری سانسیں لینے لگا، چند لمحات کے بعد وہ اپنے حواس بحال کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا، جبکہ غفار شاہ زمین پر بے سدھ پڑا ہوا تھا...... شہاب نے چند لمحے انتظار کرنے کے بعد گھٹنوں کے بل بیٹھ کر غفار شاہ کو ٹٹولا، پھر اس کی کمر سے بندھی ہوئی بیلٹ کھینچی اور دونوں ہاتھ پیچھے کی طرف کر کے کس دیئے، اتنا ہی کافی تھا، اس کے بعد اسے واپس کار کی طرف لے جانا تھا یہ تو بعد میں ہی پتا چل سکتا تھا کہ غفار شاہ صاحب نے یہ شاندار کارروائی کس سلسلے میں کی ہے اور اس کے پس منظر میں کیا ہے، اگر شہاب کا اندازہ غلط نہیں تھا تو یہ ایک یقینی امر تھا کہ غفار شاہ فاضل دارا ہی کی طرف سے آیا ہے...... بہرحال شہاب نے جھک کر اسے اٹھانے کی کوشش کی لیکن کم بخت کا وزن بھی بے پناہ تھا...... نیم بے ہوشی کی کیفیت میں تھا، خود نہیں چل سکتا تھا...... شہاب نے سوچا کہ چند لمحے انتظار کر لیا

جائے...... غفار شاہ کے ہاتھ تو پشت پر بندھے ہوئے تھے اور وہ بار بار آنکھیں بھینچ کر گردن جھٹک رہا تھا، اب اسکے اندر کسی طرح کا مقابلہ کرنے کی کوئی سکت نہیں تھی...... شہاب اس کا پستول تلاش کرنے کی کوشش بھی کرتا تو ان جھاڑیوں میں اس کا ملنا ممکن نہیں تھا لیکن بہرحال اس کے علاوہ چارہ کار نہیں تھا کہ وہ غفار شاہ کو چلاتا ہوا گاڑی تک لے جائے، اس نے غفار شاہ کا گریبان عقب سے پکڑا اور اسے پوری قوت سے کھڑا کرنے کی کوشش کی، غفار شاہ نے خود بھی کھڑے ہونے کی کوشش کی تھی چنانچہ وہ کھڑا ہو گیا۔

"اب خاموشی سے آگے بڑھو اگر تم نے یہ نہیں کیا تو اس ویران علاقے میں تمہارے سر پر کوئی وزنی پتھر مار کر ہلاک کر دوں گا اور خاموشی سے یہاں سے چلا جاؤں گا، تم جانتے ہو کہ مجھ پر کوئی جرم عائد نہیں ہو گا کیونکہ کوئی عینی گواہ موجود ہیں ہے۔"

غفار شاہ کی کیا کیفیت تھی یہ تو شہاب کو نہ معلوم ہو سکا، لیکن بہرحال وہ لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھنے لگا، اس کے قدموں میں شدید لڑکھڑاہٹ تھی اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اپنا بوجھ سنبھالنے کی شدید کوشش کر رہا ہے، پھر اس ٹیلے سے اتر کر نیچے پہنچے ہی تھے کہ اچانک ہی ایک خوفناک دھماکہ ہوا اور اس کے ساتھ ہی غفار شاہ کی کربناک چیخ سنائی دی...... شہاب بری طرح اُچھل پڑا تھا، اس نے غفار شاہ کو چھوڑ دیا اور فوراً ہی اپنی جگہ سے چھلانگ لگا کر پینترا بدلا لیکن کرنے والا کام دکھا گیا تھا...... اچانک ہی وہ گاڑی جس نے شہاب کی گاڑی کا راستہ روکا تھا خاصی دُور تک ریورس ہوتی چلی گئی اور اس کے بعد ایک چوڑی جگہ پہنچ کر برق رفتاری سے گھوم گئی، گرد کا بادل فضا میں بلند ہوا تھا اور گاڑی نگاہ سے اوجھل ہو گئی تھی...... شہاب کو شدید افسوس ہو رہا تھا، ایک معمولی سی غلطی نے اسے ناکامی سے دوچار کر دیا...... کار سے اترتے وقت اگر ریوالور بھی اٹھا لیتا تو یقینی طور پر اس صورت حال کا سامنا نہ کرنا پڑتا، وہ گاڑی تھوڑی دیر کے بعد نگاہوں سے اُوجھل ہو گئی تھی ڈر تھا کہ کوئی اور بھی وہاں موجود تھا ہو سکتا ہے کہ وہ گاڑی کے اندر ہی ہو...... شہاب کف افسوس ملنے کے سوا اور کیا کر سکتا تھا، پھر دوسرے لمحے وہ غفار شاہ کی جانب متوجہ ہوا دم توڑتا ہوا شخص ہو سکتا ہے یہ بتانے میں کامیاب ہو جائے کہ اسے شہاب کے پیچھے کس نے لگایا تھا، لیکن جس شخص نے بھی غفار شاہ پر نشانہ لگایا تھا وہ کمال کا نشانہ باز تھا کیونکہ غفار شاہ کے دل کے مقام پر گولی لگی تھی اور اس نے ایک لمحے میں دم توڑ دیا تھا، شہاب نفرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا،

دوسروں سے زیادہ اسے اپنے آپ پر غصہ تھا...... یہ کار بھی اس طرح سے نہیں نکل سکتی تھی کم از کم کچھ نہ کچھ کارروائی تو کی جاسکتی تھی، اب ناکامی کے سوا اور کوئی کام نہیں تھا، تب اس نے غصیلے انداز میں یہ سوچا کہ اسے غفار شاہ کے سلسلے میں بھی بڑھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے، اس کی لاش یہاں پڑی سڑتی ہے سڑتی رہے، سڑک تعمیر کرنے والے اسے دیکھیں گے اور دیکھ کر یہ اندازہ لگالیں گے کہ کیا ہوا ہے، چنانچہ وہ اپنی کار تک پہنچا اور پھر کار کو اسی کار کے انداز میں ریورس کر کے دُور تک لیتا چلا گیا، لیکن اب وہ غیر محتاط نہیں تھا، بقیہ فاصلہ اس نے نہایت احتیاط کے ساتھ طے کیا تھا...... قرب وجوار پر نظر رکھی تھی لیکن کام دکھانے والا کام دکھا گیا تھا، بہر حال اسے کیا غرض پڑی تھی کہ اپنے آپ کو خطرے میں ڈالے چنانچہ دُور دُور تک میدان صاف تھا، تھوڑی دیر کے بعد شہاب اپنے گھر پہنچ گیا...... گھر پہنچ کر اس نے کار کھڑی کی اور پھر گھر میں داخل ہو گیا، لباس وغیرہ تبدیل کر کے بستر پر لیٹ گیا تھا، لیکن کافی دیر تک اسے نیند نہیں آسکی، وہ کافی دیر تک یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد غالباً فاضل دارا بالکل غیر مطمئن ہو گیا اور اب اس نے یہ فیصلہ ہی کیا ہوگا کہ شہاب کو ہی راستے سے ہٹادیا جائے...... بہر حال اس سلسلے میں شہاب فاضل دارا پر کوئی الزام نہیں لگا سکتا تھا...... یہ بات ثابت کرنا مشکل تھا کہ غفار شاہ نے فاضل دارا کے ایما پر یہ حملہ کیا تھا، ممکن ہے فاضل دارا ہی کے کسی آدمی نے غفار شاہ کو ناکام دیکھ کر اسے نشانہ بناڈالا ہو ایسا عموماً ہوا تھا لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد شہاب کے بدن میں گرمی کی لہر دوڑ گئی...... فاضل دارا اسے ہر مرحلے پر ناکام کرتا جارہا ہے اور جب قانونی طور پر شہاب کسی پر گرفت قائم کرنے میں ناکام رہتا تھا تو پھر اس کے اندر شہنشاہ جاگ اُٹھتا تھا اور شہنشاہ بہر حال بہت سی قیود سے آزاد تھا، چنانچہ اب شاید فاضل دارا کا برا وقت آہی گیا تھا...... نجانے کب تک شہاب جاگتا رہا، ایک طرف تو وہ قانون کے دائرے کے اندر شہاب ثاقب کی حیثیت سے عمل کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا اور یہ اندازے لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ فاضل دارا کی گردن کو شکنجے میں لانے کے لئے کیا کیا جاسکتا ہے، لیکن ذہن بار بار بھٹک کر شہنشاہ کو جگا رہا تھا اور اسے اب دونوں رخ پر سوچنا پڑ رہا تھا۔

❁

حالانکہ رات کافی گزر چکی تھی لیکن دادل سیدھا فاضل دارا کی خوابگاہ پر پہنچ گیا تھا، اس نے دروازہ بجایا اور کئی بار دروازہ بجانے کے بعد فاضل دارا آنکھیں ملتا ہوا دروازے تک پہنچ گیا، اس کے چہرے پر شدید غصے کے آثار نظر آرہے تھے، لیکن دادل کو دیکھ کر وہ سنبھل گیا۔

"کیا بات ہے دادل۔"

"سر آپ کا آنا بڑا ضروری ہے باہر نکل آیئے۔" دادل نے کہا اور فاضل دارا نے ایک نگاہ بیوی پر ڈالی وہ سوچکی تھی...... فاضل دارا خاموشی سے باہر نکل آیا، دادل اسے لئے ہوئے کوریڈور کے آخری سرے تک پہنچا اور بولا۔

"کیا مطلب۔"

"غفار شاہ مارا گیا۔"

"کیا۔" فاضل دارا اُچھل پڑا۔

"ہاں مالک وہ مارا گیا۔"

"مگر کیسے؟"

"وہ اپنا کام پورا نہ کرسکا تھا میں اور وہ کار میں اس آفیسر کا پیچھا کر رہے تھے، ہمیں ایک بہت اچھا موقع مل گیا، وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گیا تھا جو سنسان تھی اور وہاں سڑک ٹوٹی ہوئی تھی...... غفار شاہ اپنے زعم میں کار سے اتر کر اس کی طرف بڑھا اور پوزیشن لے کر اسے مارنے کی کوشش کرنے لگا، لیکن وہ بہت چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے، اس نے موقع پا کر غفار شاہ کو بے بس کر دیا۔"

"غفار شاہ کو بے بس کر دیا۔" فاضل دارا تعجب سے بولا۔

"ہاں مالک وہ ہماری توقع سے کہیں زیادہ چالاک، طاقتور اور پھرتیلا ہے حالانکہ آپ کہتے تھے کہ داول کبھی غفار شاہ سے مت ٹکرانا وہ جسمانی طور پر بھی دیو ہے لیکن مالک میں نے دیکھا کہ آفیسر نے دیو کو آسانی سے پچھاڑ لیا۔"

"پھر کیا ہوا۔"

"مالک غفار شاہ اس کے قبضے میں آ گیا، اس نے غفار شاہ کے دونوں ہاتھ باندھے اور اس کے بعد اسے لے کر اپنی گاڑی کی طرف چل پڑا، میرے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ میں غفار شاہ کو ہلاک کر کے کار لے بھاگوں۔"

"اوہ میرے خدا تو پھر تم نے۔"

"ہاں مالک میں نے اس کے سینے میں گولی اتار دی ورنہ آپ جانتے ہیں کہ غفار شاہ سے کسی نہ کسی طرح وہ ساری حقیقت اگلوا لیتا۔"

فاضل دارا کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا، وہ پریشانی کے عالم میں داول کو دیکھتا رہا پھر بولا۔

"تمہیں یقین ہے کہ غفار شاہ مر گیا۔"

"جی مالک آپ ہی میری تعریفیں کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ داول کا نشانہ کبھی خالی نہیں جاتا، اس بار بھی ایسا ہی ہوا ہے مالک۔"

"میں یہ سب کچھ نہیں چاہتا تھا داول میں یہ سب کچھ نہیں چاہتا تھا جو حادثہ اور واقعہ ہو چکا تھا وہ اپنی جگہ لیکن اس کے بعد میں کوئی اور خون نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

"مالک مجھے غفار شاہ کی موت کا افسوس ہے کیا میں نے غلط کیا۔"

فاضل دارا سوچ میں ڈوبا رہا پھر اس نے کہا۔

"نہیں تم نے غلط تو نہیں کیا لیکن ہوا بہت برا ہے اب یہ بتاؤ کیا ہوگا...... ارے ہاں کیا غفار شاہ اپنی کار میں گیا تھا؟"

"جی مالک۔"

"اور تم وہی کار لے بھاگے تھے؟"

"جی۔"

"اور وہ کار لے کر تم کہاں گئے؟"

"مالک اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ میں کار کو غفار شاہ کی رہائش گاہ پر چھوڑ دیتا، میں نے خاموشی سے ایسا ہی کیا۔"

"گڈ ویری گڈ تم نے یہ عقل مندی کا کام کیا داول۔"

"مالک میں نے کار پر سے اپنے ہاتھوں کے نشانات بھی مٹا دیئے کیا کرتا مجبوری تھی۔"

"ہوں غفار شاہ ہم سے بچھڑ گیا۔"

"جی مالک مجبوری تھی بالکل مجبوری تھی، ورنہ اس بات کا خطرہ پیدا ہو جاتا کہ آپ نے ہم دونوں کو اس آفیسر کے قتل کے لئے بھیجا تھا ہو سکتا تھا کہ وہ آفیسر اپنی چالاکی سے غفار شاہ کی زبان کھلوا لیتا۔"

"ہاں اس کا خطرہ تو تھا تو پھر تم نے کیا کیا؟"

"پھر مالک وہاں سے کافی فاصلہ پیدل طے کیا اور بہت دُور آنے کے بعد ٹیکسی لے کر ادھر آیا، میں نے سوچا فوراً آپ کو اطلاع دے دی جائے۔"

"ٹھیک ہے داول تم ایسا کرو کہ اب کچھ دن کے لئے بالکل آرام کرو باہر نکلنے کی ضرورت نہیں ہے، میں جانتا ہوں کہ وہ شخص بہت خطرناک ہے جو آدمی مجھ جیسے شخص کو باتوں میں اُڑانے کی کوشش کرے، میں اس کی ذہنیت کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا، اس وقت جب وہ انسپکٹر جنرل کے سامنے بیٹھا مجھ سے بات کر رہا تھا اس نے دو باتیں کہیں دونوں سے مکر گیا، اس طرح مجھے اس شخص کی چالاکی کا اندازہ ہوا۔"

"مالک میں نے تو آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ اگر اجازت ہو۔"

"بے کار باتیں مت کرو اپنے ذہن سے صرف اتنا سوچو جتنا ضروری ہو باقی مجھے اپنے طور پر سوچنے دو۔"

"معافی چاہتا ہوں مالک۔"

فاضل دارا نے کہا اور داول کو چھوڑ کر واپس اپنی خوابگاہ کی جانب چل پڑا، لیکن خوابگاہ کے دروازے پر اپنی بیوی کو کھڑا دیکھ کر چونک پڑا، وہ تو یہی سمجھ کر باہر نکلا تھا کہ بیوی سو رہی ہے، لیکن وہ خاموشی سے کھڑی فاضل دارا کا چہرہ دیکھ رہی تھی...... فاضل دارا ایک لمحے کے لئے ذرا اُلجھا اُلجھا سا رہا پھر اس نے کہا۔

"تم کیوں جاگ گئیں؟"

"پھر وہی کہوں گی فاضل کبھی تمہاری مشکلات میں تمہارا ساتھ چھوڑا ہے۔"

"میرا مطلب یہ نہیں ہے کیا کروں کیا نہ کروں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

"جو کچھ گفتگو تم لوگوں نے کی وہ میں نے سن لی ہے...... غفار شاہ مارا گیا تم نے اس آفیسر کو قتل کرانے کی کوشش کی تھی۔"

"وہ کمبخت شیطان کی طرح چالاک ہے اور مجھے خوف ہے کہ کہیں وہ ہمارے لئے کوئی مشکل نہ بن جائے۔"

"تو پھر اس سلسلے میں ایک ہی مشورہ دے سکتی ہوں میں۔"

"کیا۔"

"ہما باہر جانے کا ارادہ رکھتی ہے، پچھلے دنوں شاید کہہ بھی رہی تھی کہ وہ اٹلی جانا چاہتی ہے۔"

"ہاں اسے روم دیکھنے کا بہت شوق ہے۔"

"تو جس طرح بھی بن سکے اسے جلد از جلد روم روانہ کر دو۔"

"بات تمہاری بالکل درست ہے ہم اسے باہر بھیج دیتے ہیں اور یہ ہدایت دیتے ہیں کہ جب تک ہم اسے اجازت نہ دیں وہ ملک واپس نہ آئے۔"

"اس سے آسان ترکیب اور کوئی نہیں ہو سکتی، بعد میں یہاں کے معاملات دیکھ لئے جائیں گے، ابھی تک ہما پر وہ کوئی چارج نہیں لگا سکے۔"

"لگا بھی نہیں سکیں گے لیکن یہ معاملہ اس قدر ذاتی ہو چکا ہے کہ میں ذرا سا اُلجھا ہوا ہوں، میں نے بات تو کر لی ہے خود آئی جی صاحب نے اس آفیسر کو میرے سامنے ڈانٹ پلائی تھی اور کہا تھا کہ اس مسئلے کو اپنے ذہن سے ختم کر دے اور بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے ہما کے سلسلے میں کوئی اقدام نہ کرے۔"

"پھر بھی احتیاط کے طور پر ہما کو باہر بھیج دیا جائے تو ٹھیک ہو گا۔" بیوی نے کہا۔

"میں تمہارے مشورے پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا۔"

پھر اس کے بعد غالباً دونوں میاں بیوی ہی رات بھر جاگتے رہے تھے۔

❁

دوسرے دن معمولات سے فراغت حاصل کرنے کے بعد فاضل دارا اپنے مخصوص کمرے میں بیٹھا ہی تھا کہ ملازم نے آکر اطلاع دی کہ "ایک صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"مجھ سے۔"

"ہاں۔"

"کیا میرا ان سے اپائنمنٹ تھا۔" فاضل دارا نے کہا۔

"نہیں صاحب وہ کہتے ہیں کہ فاضل صاحب کو بتا دیا جائے کہ زمان آیا ہے، وہ فوراً اسے بلالیں گے۔"

"زمان؟"

"جی صاحب۔"

"مگر میں زمان نامی کسی آدمی کو نہیں جانتا؟"

"صاحب آپ جیسا حکم ہو۔"

"اس سے پوچھو کہ وہ کیوں مجھ سے ملنا چاہتا ہے؟"

"جی صاحب۔"

ملازم واپس مڑا ہی تھا کہ فاضل دارا نے کہا بھیج دو اسے میرے پاس بھیج دو، زمان نامی کوئی شخص فاضل دارا کو یاد نہیں آسکا تھا، لیکن جب وہ سامنے آیا تو فاضل دارا نے اسے پہچان لیا...... یہ سارجنٹ اشتیاق علی کا سالا تھا اور اشتیاق علی کے گھر اس سے ملاقات ہو چکی تھی...... فاضل دارا نے عجیب سے انداز میں اسے دیکھا زمان نے سلام کیا اور بولا۔

"سر آپ نے مجھے پہچان لیا ہوگا، میں زمان ہوں۔"

"ہاں شاید میں نے تمہیں دیکھا تھا۔"

"جی سر۔"

"یہاں کیوں آئے ہو؟"

"سر آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"تم جانتے ہو میں کسی سے بغیر اپائمنٹ کے نہیں ملتا۔"

"سر ہمت کر کے آ گیا ہوں، آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"کیا؟" فاضل دارا نے سوال کیا۔

"سر اس وقت جو کچھ وہاں ہوا وہ ایک جذباتی ماں کی حماقت کا نتیجہ تھا، میں جانتا ہوں کہ میری بہن بیوہ ہو چکی ہے، اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، ظاہر ہے اس کے سامنے پوری زندگی پڑی ہے جبکہ وہ بڑی بی تو زندگی کے آخری دن گن رہی ہیں، انہیں بھلا رقم وغیرہ کی کیا ضرورت...... انہوں نے اس وقت جو حماقت کی اور جو آپ کی توہین کی سر اسے نہ میں نے پسند کیا نہ میری بہن نے۔"

"تو پھر؟"

"سر میں آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں، آپ ہمارے مستقبل کو سنوارنے کا وعدہ کر رہے تھے، سر میں اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں...... سر میرے سامنے میری بہن ہے، اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، میرے علاوہ ان کا اور کوئی نہیں ہے، ظاہر ہے میں ہی اس کی پرورش کروں گا جس انداز میں سر میں سوچ سکتا ہوں دوسرے لوگ نہیں سوچ سکتے، میری بہن کا اب اس گھر سے کوئی تعلق نہیں رہ گیا...... آپ کو اندازہ ہے اشتیاق علی کی موت کے سلسلے میں اگر مدعی بنایا گیا تو ہمیں ہی بنایا جائے گا، لیکن سر ہم ایسی کوئی حرکت نہیں کرنا چاہتے بلکہ میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ اپنی بہن کو لے کر شہر سے باہر ہی چلا جاؤں، چنانچہ سر اس کے لئے مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔"

فاضل دارا غصیلی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"کیا مدد چاہتے ہو؟"

"سر جو عطیہ آپ دے رہے تھے وہ مجھے دے دیجئے میں کوشش کروں گا کہ اپنی بہن کا

مستقبل سنوار سکوں، چھوٹا موٹا کاروبار کر لوں گا ویسے بھی بے روزگار ہوں۔"

"اور کچھ۔" فاضل دارا نے سوال کیا۔

"نہیں سر بس اسی لئے حاضر ہوا تھا۔"

"ہوں۔" فاضل دارا نے کہا اور ملازم کو بلانے کے لئے گھنٹی بجادی، ملازم اندر آ گیا تو اس نے کہا۔

"ذرا دادل کو بھیج دو۔" ملازم باہر نکل گیا تھا، زمان خاموشی سے فاضل دارا کی صورت دیکھتا رہا، اس کے چہرے پر انکساری کے آثار تھے، اس نے چند لمحے سوچنے کے بعد کہا۔

"اور سر آپ نے ہمیں دو لاکھ روپے عنایت فرمائے تھے جو اس بے وقوف خاتون نے واپس کر دیئے، سر آپ کو ماحول کا خود اندازہ ہے بچوں کا پورا مستقبل سامنے ہے...... دو لاکھ روپے اس کے لئے بہت کم ہوں گے، ہم ہمیشہ کے لئے یہاں سے چلے جانا چاہتے ہیں اور رہا معاملہ بڑی بی کا تو وہ پڑی سڑتی رہیں ہمیں ان سے کوئی غرض نہیں۔"

"کیا مطلب۔"

"سر اگر اس میں تھوڑا اضافہ ہو جائے تو۔"

"ہو جائے گا...... ہو جائے گا۔"

فاضل دارا نے کہا...... اسی وقت دادل اندر آ گیا۔

"اسے اٹھا کر گیٹ سے باہر پھینک دو...... اتنی دُور پھینکنا کہ پھر اسے اندر داخل ہونے کی جرات نہ ہو سکے۔"

فاضل دارا نے کہا اور دادل، زمان کی طرف دیکھنے لگا۔

زمان جو کہ اطمینان سے صوفے پر بیٹھ گیا تھا ایک دم سے کھڑا ہو گیا۔

"سر...... سر...... میں...... میں۔"

لیکن دادل نے اسے کمر میں ہاتھ ڈال کر لٹکا لیا تھا اور اس کے بعد زمان کو اسی حالت میں لٹکائے ہوئے باہر لے گیا اور گیٹ سے باہر پھینک دیا...... زمان کے خاصی چوٹ لگی تھی لیکن بہر حال وہ اُٹھ کر ایک طرف بڑھ گیا تھا...... دوسری طرف فاضل دارا نفرت بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"یہ لوگ اب مجھے اتنا احمق سمجھتے ہیں، یہ ذلیل لڑکا خود اپنی بہن کے نام پر مجھ سے

فائدہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔" بیوی اندر داخل ہوئی تو فاضل دارا اسے زمان کی آمد اور گفتگو کے بارے میں تفصیلات بتانے لگا تھا۔

"وہ جاگ گئی ہے آ رہی ہے میں اسے کہہ کر آئی ہوں میرا خیال ہے تم فوری طور پر اسے روم بھیج دو۔"

چند لمحات کے بعد ہما کمرے میں داخل ہوئی تھی، باپ کی آنکھوں میں محبت اُمڈ آئی۔ ہما آہستہ آہستہ چلتی ہوئی صوفے پر بیٹھ گئی...... فاضل دارا نے محبت بھرے انداز میں کہا۔

"یوں لگتا ہے جیسے ہماری بیٹی پر آج کل بیزاری سوار ہے۔"

"بور شہر ہے ڈیڈی، کچھ بھی نہیں رکھا اب اس شہر میں، چلئے یہاں سے کہیں اور منتقل ہو جائیں...... یورپ کے کسی شہر میں زندگی گزاریں گے، سیر و تفریح کریں گے، سیاحت کریں گے، یہاں کیوں وقت ضائع کر رہے ہو۔"

فاضل دارا مسکرانے لگا پھر بولا۔

"بیٹے...... یہاں ہمارا کاروبار ہے، سب کچھ ہمارا یہیں ہے۔"

"تو بیچ دیجئے اس کاروبار کو ختم کر دیجئے یورپ میں بھی آخر لوگ رہتے ہیں...... زندگی گزارتے ہیں، کاروبار وہاں پر بھی ہو سکتا ہے اور پھر ہمارے پاس دولت کی کیا کمی ہے...... ڈیڈی کتنا خرچ کر لیں گے ہم اس دولت میں سے خواہ مخواہ آپ نے بھی اپنے آپ کو اس قدر مصروف کر رکھا ہے۔"

"ہاں یہ بات تو ہے لیکن ظاہر ہے ہر کام میں دیر تو لگتی ہے، ویسے میں اور تمہاری ممی اس بارے میں باتیں کر رہے تھے۔"

"کیا؟"

"تم روم جانا چاہتی تھی ناں؟"

"ہاں ڈیڈی مجھے روم جانا ہے اور ضرور جاؤں گی، بس میرے ذہن میں یہ خبط سا گیا ہے۔"

"تو منع کون کرتا ہے بیٹے آج ہی شام روانہ ہو جاؤ، میں سارا بندوبست کر دوں گا۔"

"آج شام؟"

"ہاں۔"

"کمال کرتے ہیں آپ ڈیڈی میں نے آپ کو بتایا تھا کہ میری کچھ دوست بھی میرے

ساتھ جائیں گی، ہمیں سبھی کے لئے انتظام کرنا ہو گا۔"

"تو کر دیتے ہیں اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟" فاضل دارا نے کہا۔

"لیکن وہ ابھی نہیں جا سکتیں۔"

"مطلب؟"

"ابھی ان کی کچھ مصروفیات ہیں ڈیڈی وہ فارغ ہو جائیں تو میں خود آپ کو بتا دوں گی۔"

"تو پھر ایسا کرو ہما کہ تم چلی جاؤ...... ان لوگوں کی ذمے داری مجھ پر چھوڑ دو میں انہیں بھیج دوں گا۔"

"مطلب کیا ہے آپ کا ڈیڈی؟"

"میں یہ کہہ رہا ہوں ہما کہ تم روم روانہ ہو جاؤ بلکہ آج ہی چلی جاؤ انتظام میں کوئی مشکل نہیں ہو گی، اپنی دوستوں سے مل لو اور ان سے کہہ دو کہ وہ جب بھی آنا چاہیں آ جائیں گی، مجھ سے رابطہ کر لیں میں سب کے لئے انتظامات کر دوں گا۔"

آپ کی باتیں کبھی کبھی ڈیڈی میری سمجھ میں نہیں آتیں...... بھلا میں ان کے بغیر کیسے جا سکتی ہوں...... میں نے ان سے وعدہ کر لیا ہے...... انہیں فرصت مل جائے اس کے بعد آپ سے اس موضوع پر بات کروں گی۔"

"لیکن میں چاہتا ہوں ہما تم آج روانہ ہو جاؤ یہاں سے۔"

"آپ کے چاہنے نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے ڈیڈی، کبھی کبھی آپ عجیب باتیں کرنے لگتے ہیں ویسے تو آپ ایک لمحہ مجھے آنکھوں سے اُوجھل نہیں کرنا چاہتے لیکن آپ کی جب یہ باتیں سنتی ہوں تو مجھے بڑا عجیب لگتا ہے۔"

"بے وقوف تم یہ سمجھتی ہو کہ میں تمہیں اپنے آپ سے دُور کرنا چاہتا ہوں، بعض اوقات جو کچھ کہا جاتا ہے اس میں کوئی مصلحت چھپی ہوتی ہے۔"

"نہ میں خود مصلحت سے کام لیتی ہوں نہ مصلحتوں کو پسند کرتی ہوں۔"

"لیکن اگر میں تم سے کہوں تو۔" فاضل دارا نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔

"آپ چھتیس بار کہئے مجھ پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔"

"گویا تم میری بات کو جوتے کی نوک پر مارتی ہو۔"

"ڈیڈی دیکھئے مجھے بحث سے سخت نفرت ہے، آپ اگر چاہتے ہیں کہ میں روم جاؤں

تومیں جاؤں گی، میں نے تو خود آپ سے اس کی درخواست کی تھی لیکن اس وقت جاؤں گی جب میں ضروری سمجھوں گی۔"

"لیکن میں اس وقت ضروری سمجھتا ہوں۔"

"آپ سمجھتے ہیں میں نہیں۔" ہمانے کہا اور اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔

"سنو کہاں جا رہی ہو؟"

"سارا موڈ خراب کر دیا آپ نے بس میں نے آپ سے کہہ دیا کہ جب میرا دل چاہے گا میں جاؤں گی۔" ہمانے کہا اور دروازے سے باہر نکل گئی، بیوی خاموشی سے فاضل دارا کی صورت دیکھ رہی تھی...... فاضل دارا نے کہا۔

"عجیب لڑکی ہے۔"

"فاضل پھر کہوں گی اپنے آپ کو بھولنے کی کوشش میں اتنے آگے نکل گئے ہو تم کہ کہتے ہوئے میری زبان نہیں کھلتی۔"

"مگر اس کو چلے جانا چاہئے۔"

"شاید تم اسے نہ بھیج سکو۔"

"لیکن تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں۔"

"میں تو سب کچھ سمجھ چکی ہوں فاضل لیکن تم خود دیکھ لو اس نے آسانی سے تمہاری بات کو نظر انداز کر دیا۔"

"وہ بے وقوف ہے۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کیا کہوں خیر دیکھتا ہوں اسے بھیجنا تو اب واقعی ممکن نہیں ہے اور کہتی بھی ایک طرح سے ٹھیک ہے...... اصل میں بے وقوف لڑکی نہیں سمجھتی کہ اس کے ارد گرد کیسا جال بنا جا رہا ہے۔"

"کیا تم سمجھتے ہو کہ اس کے گرد جال بنا جا رہا ہے؟"

"ہاں مجھے کچھ ایسا ہی لگتا ہے...... خاص طور سے وہ کمبخت شہاب ثاقب کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کہوں اور کیا نہ کہوں، میرا خیال ہے کہ میں اس سے براہ راست بات کر لوں تو زیادہ اچھا ہوگا۔"

"اگر تم کہتے ہو کہ تم نے اعلیٰ حکام سے اس بارے میں بات کر لی ہے تو پھر تمہیں

تشویش کیوں ہے؟"

"نہ جانے کیوں میرا دل ان دنوں عجیب و غریب احساسات کا شکار ہو گیا ہے، میں خود بھی ان احساسات کو نہیں سمجھ پا رہا لیکن، لیکن اندر سے کوئی ایسی کیفیت اُبھر رہی ہے جسے میں الفاظ میں بیان بھی نہیں کر سکتا۔"

"اتنا نہ اُلجھو فاضل تم حالات کو سنبھالنا جانتے ہو۔"

"میں جانتا ہوں حالات کو سنبھالنا مگر وہ کمبخت میرے ذہن میں بار بار کھلتا ہے، میں نے تو ہر ممکن کوشش کر لی اچھا ٹھیک ہے...... ایک اور کوشش کرتا ہوں۔"

فاضل دارا نے کہا اور اس کمرے سے اُٹھ کر دوسرے کمرے میں آ گیا...... ٹیلی فون پر اس نے فرید خان کے نمبر ڈائل کئے تھے...... فرید خان اسے مل گیا تو اس نے کہا۔ "فرید خان مجھے تمہاری ضرورت ہے۔"

"سر! جو حکم میں حاضر ہو جاتا ہوں۔"

"ہاں آ جاؤ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں...... اس کے بعد فاضل دارا فرید خان کا انتظار کر رہا تھا، اچانک ہی اسے کچھ خیال آیا تو اس نے دادل کو طلب کر لیا اور دادل ایک لمحے میں حاضر ہو گیا تھا۔

"دادل سنو فرید خان آ رہا ہے، میں نے اسے بلایا ہے۔"

"جی سر۔"

"تم رات کے واقعے کو بالکل بھول جاؤ، فرید خان سے قطعی اس بات کا تذکرہ نہ کرنا کہ غفار شاہ کسی ایسے حادثے کا شکار ہو گیا ہے۔"

"جی مالک جو حکم۔" دادل نے کہا۔

"بس میں نہیں چاہتا کہ فرید خان کو یہ بات معلوم ہو کہ غفار شاہ ہمارے سلسلے میں کام آ گیا ہے...... اس کی بنیادی وجہ یہ ہے دادل کہ میں اس کے خون کو اپنے آپ سے منسوب نہیں کرنا چاہتا، بات جتنی مختصر رہے زیادہ اچھا ہے۔"

"سمجھ رہا ہوں مالک۔"

"جاؤ۔" پھر تھوڑی دیر بعد فاضل دارا نے فرید خان کا استقبال کیا...... فرید خان سلام کرنے کے بعد فاضل دارا کے اشارے پر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"سناؤ فرید خان کیسے چل رہے ہیں تمام معاملات؟"

"سر! بالکل ٹھیک ہیں کوئی مشکل نہیں ہے وہ ڈنمارک سے جو مال آرہا تھا وہ کچھ لیٹ ہو جائے گا چونکہ جہاز راستے میں کہیں رُک گیا ہے۔"

"ہمارا آدمی تو اطمینان سے ہے ناں؟"

"سر آپ بالکل اطمینان سے رہیں کام بالکل مکمل ہے...... غالباً اس میں کوئی خرابی ہو گئی تھی...... ہمیں اطلاع مل گئی ہے باقی کوئی مسئلہ نہیں ہے...... سب کچھ ٹھیک ہے، آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے آدمی ہر کام مکمل کرتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے ویسے حیرت کی بات ہے فرید خان ہم لوگ بڑے بڑے معاملات نمٹا لیا کرتے ہیں لیکن ذرا سا معاملہ ہمارے لئے مشکل بن گیا ہے۔"

"کیا چھوٹا سا معاملہ سر؟"

"وہ کمبخت شہاب ثاقب۔"

"وہ پولیس آفیسر؟"

"ہاں۔"

"وہ کیا مصیبت بن گیا ہے سر؟"

"میرا خیال ہے وہ اشتیاق علی کے معاملے میں کچھ زیادہ ہی بھاگ دوڑ کر رہا ہے حالانکہ میں نے محکمہ پولیس کے افسر اعلیٰ کے ذریعے اس کے ہاتھ پاؤں بندھوا دیئے ہیں لیکن نہ جانے کیوں مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ ضرورت سے زیادہ چالاک ہے اور اشتیاق علی کے سلسلے میں وہ خاص طور سے کوششیں کر رہا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کی ان کوششوں کو روک دیا جائے۔"

"سر اسے راستے سے ہٹانا ہے۔"

"یہی ایک حل نہیں ہوتا فرید خان پہلے اسے سمجھالو ایک آدھ دفعہ اسے سمجھالو اس کے بعد اگر بہت ہی ضروری ہوا پھر سوچیں گے اس بارے میں۔"

"سر سمجھانے کے لئے آپ کو اندازہ ہے کیا کرنا پڑتا ہے۔"

"ہاں میں جانتا ہوں۔"

"پھر بھی میں کوشش کرتا ہوں۔" فرید خان نے کہا اور فاضل دارا اسے کافی دیر تک

شہاب کے بارے میں بتاتا رہا تھا...... ڈی آئی جی نادر حیات کے سامنے شہاب سے جو گفتگو ہوئی تھی اس کی تفصیل بھی فاضل دارا نے فرید خان کو بتا دی تھی۔

"سر آپ اطمینان رکھیں میں انتہائی کوشش کروں گا...... فرید خان نے کہا اور فاضل دارا نے گردن ہلا دی۔

❀

شہاب چونکہ ان دنوں فاضل دارا کے سلسلے میں باقاعدہ طور پر مصروف تھا اس نے فاضل دارا کے اردگرد پھیلے ہوئے افراد کا بھی جائزہ لے لیا تھا اور وہ جانتا تھا کہ فرید خان فاضل دارا کا خاص آدمی ہے...... اس کے علاوہ شہاب نے اور بھی ایسی باتیں معلوم کر لی تھیں جنہیں ضرورت پڑنے پر فاضل دارا کے خلاف استعمال کیا جا سکتا تھا لیکن فی الحال صرف اشتیاق علی کا معاملہ تھا، وہ شہاب کی نگاہوں میں تھا...... فاضل دارا کی شخصیت کے دوسرے پہلو کو کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھنا چاہتا تھا اور اس سلسلے میں اس کی اپنی سوچ خاصی خطرناک ہو چکی تھی اور اس نے بینا تک کو اس بارے میں نہیں بتایا تھا...... ہو سکتا ہے بینا اس کی مخالفت کر جائے لیکن فاضل دارا نے شہاب کو اس طرح ذہنی طور پر مشتعل کر دیا تھا کہ شہاب منفی انداز میں سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا...... فرید خان نے شہاب سے پولیس ہیڈ کوارٹر ہی میں ملاقات کی تھی اور مسکراتے ہوئے شہاب سے اپنا تعارف کروایا تھا۔

"جی فرید خان صاحب فرمائیے میرے لائق کیا خدمت ہے؟"

"شہاب صاحب ماشاء اللہ بہت کم عمری میں آپ نے اس حد تک ترقی کر لی ہے، ظاہر ہے میرے ہم وطن ہیں...... آپ ایک نوجوان آدمی ہیں...... انسان کا تعلق کبھی کسی سے بے شک نہیں ہوتا لیکن پھر بھی دل میں یہ خواہش اُبھرتی ہے کہ ایسا شخص جو اپنی ذہانت سے اس ترقی کی منزل پر پہنچ چکا ہے آگے بھی ترقی کرے۔"

"شکریہ فرید خان صاحب آپ کی دعائیں اگر شامل حال رہیں تو بات آگے بڑھے گی، میرا آپ سے مکمل تعارف فاضل دارا صاحب نے کروایا تھا۔"

"اچھا...... اچھا...... ہاں فاضل دارا بہت بڑی شخصیت ہیں، لیکن بعض لوگ اپنی طبیعت میں خاصے نرم ہوتے ہیں، مجھے تعجب ہے کہ ان جیسے بڑے آدمی نے میرے لئے اپنے دل میں کوئی مقام پیدا کیا۔"

"مقام خود بخود نہیں پیدا ہو جاتا پیدا کیا جاتا ہے۔"

"لیکن میں نے تو ایسی کوئی کوشش نہیں کی۔"

"آپ ایسا کریں آپ آج شام کو سات بجے کیا کر رہے ہیں؟"

"کچھ نہیں کوئی خاص کام نہیں۔"

"فاضل دارا صاحب آپ سے ذاتی طور سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"اگر یہ ان کا پیغام ہے تو میں ضرور حاضری دوں گا...... کیا کوئی خاص خدمت ہے میرے لئے؟"

"یہ تو شاید فاضل دارا صاحب ہی بتا سکیں، البتہ آپ مجھے ان کا پیغام رساں سمجھ لیں۔"

"ٹھیک ہے فرید خان صاحب میں سات بجے فاضل دارا صاحب کی خدمت میں پہنچ جاؤں گا۔"

"بے حد شکریہ آفیسر آپ جیسے لوگوں سے مل کر واقعی بہت خوشی ہوتی ہے...... اب مجھے اجازت دیجئے" فرید خان...... باہر چلا گیا...... شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی...... فرید خان کے جانے کے بعد بہت دیر تک سوچتا رہا اور اس کے بعد اس نے اپنے کمرے کا دروازہ بند کر دیا اور باہر کھڑے اردلی کو ہدایت کر دی کہ جب تک وہ خود نہ کہے کسی کو آنے نہ دیا جائے، اس کے بعد اس نے ٹرانسمیٹر پر ڈبل او گینگ کے ممبروں کو کال کیا...... دوسری طرف سے سردار علی کی آواز سنائی دی تھی...... سردار علی نے کہا۔

"سی، پی، کالنگ...... سی، پی کالنگ۔"

"شہنشاہ بول رہا ہوں۔"

"یس سر۔"

"تم لوگوں میں سے کس کی آواز میری آواز سے ملتی جلتی ہے۔"

"سر آپ کے خیال کے مطابق توصیف۔" سردار علی نے جواب دیا۔

"ہاں میرا بھی یہی خیال ہے توصیف موجود ہے۔"

"جی سر موجود ہے۔"

"اسے بلاؤ۔" چند لمحوں کے بعد توصیف کی آواز سنائی دی۔

"توصیف حاضر ہے سر۔"

"توصیف شام کو ٹھیک سات بجے میں فاضل دارا کی کوٹھی پر پہنچ رہا ہوں...... سات بج کر دس منٹ پر تمہیں ایک کام کرنا ہے۔"

"جی سر فرمائیے۔" اور پھر شہاب، توصیف کو اس کے کام کی تفصیل بتانے لگا اور توصیف انہیں غور سے سنتا رہا، پھر اس نے کہا۔

"سر آپ بالکل اطمینان رکھئے۔"

"میں تم پر یقین رکھتا ہوں توصیف کہ تم ذہانت کے ساتھ اس کے تمام سوالات کے جوابات دو گے اور میری انہی ہدایات کی روشنی میں۔"

"میں پوری کوشش کروں گا سردار مجھے یقین ہے کہ آپ کے معیار پر پورا اتروں گا۔"

"او کے توصیف بس یہی ہدایت دینی تھی تمہیں۔"

"بہتر جناب۔" اس کے بعد شہاب نے ٹرانسمیٹر پر گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا اور کسی سوچ میں ڈوب گیا، چند لمحوں کے بعد اس نے بیل بجائی اور اُٹھ کر دروازہ کھول دیا...... اردلی سے اس نے چائے لانے کے لئے کہا تھا اور اس کے بعد وہ اپنی سیٹ پر آ بیٹھا اور گہری سوچ میں ڈوب گیا...... اس کے ہونٹوں پر مدہم مدہم مسکراہٹ اُبھر رہی تھی، پھر اس نے کہا۔

"کاش تم اپنی فرعونیت ترک کر دیتے فاضل دارا میں تمہارے دوسرے مسئلوں کو نہیں چھیڑ رہا تھا، جبکہ تم اس معاشرے کے بدترین مجرم ہو لیکن میں صرف یہ چاہتا تھا کہ جرم کو تسلیم کیا جائے اور جس طرح بھی ہو سکے انصاف کا بول بالا ہو، لیکن تم نے اپنی بیٹی کی زندگی داؤ پر لگا دی تھی...... فاضل دارا وہ مجرم ہے اور مجرم کو سزا ملنی ہی چاہئے...... میں نے لاکھ کوشش کی کہ تم اپنی بیٹی کا جرم تسلیم کر لو اور اس کے بعد اسے سزا بھگتنے کے لئے قانون کے حوالے کر دو، قانون اس قدر بے بس نہیں ہے جتنا تم لوگوں نے سمجھ رکھا ہے...... فاضل دارا میں یہی چاہتا ہوں کہ قانون کا بول بالا ہو اور کوئی بھی شخص قانون سے الگ نہ ہو، تم نے اپنی بیٹی کو اس قدر سرکش بنا دیا ہے...... تم کہتے ہو تمہاری جان اپنی بیٹی میں ہے، لیکن تم نے خود ہی اپنی جان خطرے میں ڈال دی ہے...... آج نہیں تو کل اگر تمہاری بیٹی کوئی ایسا عمل کرتی ہے تو اس کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے...... فاضل دارا میں ہی کیا ہر وہ شخص جس کو اس کے ہاتھوں سے نقصان پہنچے گا تم سے انتقام لینے پر تل جائے گا...... یہ صرف تمہاری غلطی ہے، صرف تمہاری۔" تھوڑی دیر کے بعد اردلی نے چائے لا کر رکھ دی اور شہاب

چائے پینے میں مصروف ہو گیا...... وہ اندرونی طور پر کسی کشمکش کا شکار تھا جو فیصلہ اس نے کیا تھا اس کے لئے آج آخری لمحات تھے، اس نے فیصلہ کیا تھا کہ فاضل دارا کو ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کرے گا، لیکن اسے اُمید تھی کہ فاضل دارا جیسے لوگ اپنے آپ کو قانون کی گرفت میں نہیں دیتے...... بینا سے اس سلسلے میں کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی، اگر شہاب، بینا کو اپنا موقف، اپنا مقصد بتاتا تو اس بات کے امکانات تھے کہ شاید بینا بھی کسی قدر نرم ہو جاتی لیکن اشتیاق علی کا گھرانہ شہاب کی نگاہوں میں تھا...... آخر اشتیاق علی کو جس جرم کی سزا دی گئی تھی...... صرف یہی ناں کہ وہ اپنا فرض پورا کر رہا تھا اور قانونی تقاضے پورے کرنے کے لئے اس نے ہما کا تعاقب کیا تھا۔

شام سات بجے وہ سادہ لباس میں کریم سوسائٹی کی کوٹھی سے نکلا تھا اور پھر فاضل دارا کے پاس پہنچ گیا تھا...... گیٹ پر شاید ہدایات دے دی گئی تھیں، چنانچہ اسے فوراً ہی اندر پہنچا دیا گیا اور کچھ دیر کے بعد وہ فاضل دارا کے ڈرائنگ روم میں فاضل دارا کے سامنے تھا...... فاضل دارا نے ذرا مختلف انداز میں اس کا استقبال کیا تھا اور بڑی خوش دلی کے ساتھ اس سے ہاتھ ملایا تھا۔

"دیکھنے میں لگتا ہی نہیں ہے نوجوان آفیسر کہ تم اتنی بڑی ذمے داری سنبھالے ہوئے ہو۔" شہاب نیاز مندی سے مسکرا دیا تھا، پھر اس نے کہا۔

"جناب عالی یہی عمر تو ہے کہ میں اپنا کیریئر بنالوں، محنت کر رہا ہوں آپ جیسے کرم فرماؤں کی محبت درکار ہے۔"

"سوچ تو آفیسر جو کچھ کہہ رہے ہو اس کا مطلب ذرا مختلف نکلتا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں سر۔"

"سمجھانا چاہتا ہوں تمہیں اس دن انسپکٹر جنرل کے سامنے جو گفتگو کی تھی تم نے مجھ سے وہ پسند نہیں آئی تھی، بہت سوچتا رہا تھا میں اس گفتگو کے بارے میں لیکن بعد میں، میں نے اپنی عمر کے تجربے سے کام لیا...... میں نے سوچا کہ جوانی کی عمر ہے اور جوانی سرکش ہوتی ہے اور یہ سرکشی تمہاری فطرت میں ہے۔"

"نہیں سر میں آپ کا بے حد احترام کرتا ہوں۔"

"بالکل نہیں وہ الفاظ نہ کہو جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ ہو۔"

"سر آپ کو میری کون سی بات پر شبہ ہوا ہے۔"

"دیکھو پہلی بات میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میرے سامنے چرب زبانی سے کام نہ میں اب بھی تمہارا ہمدرد ہوں۔"

"سر تو آپ ہی بتائیے میں کس قسم کی گفتگو کروں، دل کی بات آپ سے کر رہا ہوں تو آپ اس کو چرب زبانی کا نام دے رہے ہیں۔"

"سنو آفیسر شادی شدہ ہو؟"

"نہیں سر۔" شہاب کے چہرے پر شرم کے آثار نظر آنے لگے۔

"شادی کیوں نہیں کی ابھی تک۔"

"بس سر...... وہ...... وہ ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا۔"

"تمہیں شادی کر لینی چاہئے۔"

"کیوں سر؟"

"اس لئے کہ اس کے بعد انسان بہت سے تجربات سے آشنا ہو جاتا ہے۔"

"سر شادی بھی ایک تجربہ ہے؟"

"شادی سے بڑھ کر کوئی تجربہ ساری زندگی میں نہیں ہے۔"

"میں نے کبھی اس بارے میں نہیں سوچا سر۔"

"سوچو، غور کرو شادی ہوتی ہے، بیوی گھر میں آتی ہے، تو انسان کے دل میں گداز پیدا ہوتا ہے...... ظاہر ہے ایک شخصیت سے محبت کرنی پڑتی ہے...... اس ماحول کے بعد جس ماحول میں تم نے آنکھ کھولی ہوتی ہے...... وہ ایک اجنبی شخصیت ہوتی ہے اور شاید اجنبیوں میں اس شخصیت سے زیادہ محبت کسی سے نہیں کی جاتی۔"

"جی سر۔" شہاب نے سکول کے لڑکے کی مانند کہا۔

"اور اس کے بعد دوسرا دور آتا ہے یعنی بچے زندگی میں شامل ہوتے ہیں تو محبت کے ایک نئے دور کا آغاز ہو جاتا ہے اور اس کے بعد انسان صاحب اولاد ہو کر بالکل نرم ہو جاتا ہے، وہ اپنے بارے میں بھی سوچتا ہے اور اپنے بچوں کے بارے میں بھی اور اسی طرح دوسروں کے بارے میں...... میں بھی صاحب اولاد ہوں شہاب، ہما میری اکلوتی بیٹی ہے تم لوگوں نے اسے بلاوجہ ٹارگٹ بنا رکھا ہے...... میں اب مطلب کی بات پر آ رہا ہوں، میں چاہتا

ہوں کہ تم ہما کو شبہ سے بری کرانے کے لئے اپنا کردار ادا کرو۔"

"سر آپ مجھے حکم دیجئے یہ ایسی کوئی مشکل بات نہیں ہے...... میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کرنے کے لئے حاضر ہوں۔"

"سر پھر مجھے کیا کرنا چاہئے اس سلسلے میں۔"

"جو گفتگو کرو سچائی سے کرو۔"

"دیکھئے سر اب اگر میں اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کی کوشش کروں گا تو آپ اس کو تسلیم نہیں کریں گے...... وہ طریقہ آپ ہی مجھے بتا دیجئے جس سے آپ کو میرا یقین آجائے۔"

"مسٹر شہاب ثاقب تمہارے بارے میں رپورٹ ہے کہ تم بہت ہی سخت مزاج اور سخت گیر آفیسر ہو، اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتے جب تک اپنا مقصد پورا نہ کرلو۔"

"سر دشمنوں نے اُڑائی ہے۔"

"نہیں مجموعی طور پر میں اس بات کو برا نہیں سمجھتا...... انسان جو کام بھی کرے اس میں اسے مخلص ہونا چاہئے، لیکن کہیں کہیں اپنے اندر لچک بھی پیدا کرنی پڑتی ہے...... ہما کو اس الزام سے بری الذمہ قرار دینے کے لئے میں نے تمہارا انتخاب کیا ہے، غالباً یہ کیس بھی تم ہی ڈیل کررہے ہو۔"

"نہیں سر کیس تو متعلقہ تھانے کا ہے اور میری ذمے داری یہ ہے کہ کہیں کسی بھی جگہ کوئی مسئلہ درپیش ہو اس پر میں کام کروں سر یہی میری اپنی ذمے داری ہوتی ہے۔"

"ہوں...... چلو ٹھیک ہے متعلقہ تھانے کا آفیسر تمہارے ساتھ مکمل تعاون کرے گا...... اس کی ذمے داری میں لئے لیتا ہوں...... ڈی آئی جی نادر حیات کو اس بارے میں بتانے کی بالکل ضرورت نہیں ہے...... تم اپنے طور پر اس کیس سے دستبردار ہو جاؤ۔"

"سر میں تو اس سلسلے میں کوئی خاص کارروائی کر ہی نہیں رہا۔"

"چوکیدار کا اغوا اس سے پہلے میرے شوروم سے کاغذات غائب کرنا یہ تمہارا نہیں تو اور کس کا کام ہے۔"

"سر ڈیوٹی تو ڈیوٹی ہوتی ہے۔"

"مجھے بتاؤ اس سلسلے میں تم میرے ساتھ کیا تعاون کرسکتے ہو؟"

"بہترین تعاون سر بہت اچھا تعاون کرسکتا ہوں...... میں آپ سے۔" شہاب نے

فاضل دارا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا...... فاضل دارا گہری نگاہوں سے شہاب کا جائزہ لے رہا تھا، پھر وہ بولا۔

"بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"سر پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ نے ڈی آئی جی صاحب سے ملاقات کی تھی اور انہوں نے آپ کے سامنے مجھے ہدایت کردی تھی کہ میں ہما صاحبہ کے خلاف کوئی تحقیقات نہ کروں...... بھلا صاحب کا حکم ہو اور میں انکار کردوں لیکن بہرحال اگر آپ مجھ سے مشورہ مانگتے ہیں تو میں آپ کو ایک ہی مشورہ دے سکتا ہوں۔"

"ہاں بولو کیا؟"

"سر! ہما صاحبہ کو اپنے جرم کا اعتراف کرلینا چاہئے...... یہ جانا بوجھا قتل نہیں ہے، لیکن بہرحال اسے قتل قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ مرحوم اشتیاق علی نے ان کی تیز رفتاری پر انہیں روکنے کی کوشش کی تھی اور انہوں نے صرف اس بات پر جھلا کر اشتیاق علی کو ٹکر ماردی تھی کہ ان کا راستہ کیوں روکا گیا اور اس ٹکر مارنے سے ہی اشتیاق علی کی موت واقع ہوئی...... وکیل استغاثہ جب عدالت میں گفتگو کرے گا تو اسے قتل ہی قرار دیا جائے گا لیکن اگر ہما صاحبہ یہ اعتراف کرلیں کہ اس وقت وہ نشے کے عالم میں تھیں اور انہیں صحیح طور پر اندازہ نہیں ہوسکا تھا تو انہیں معمولی سی سزا ہو جائے گی اور یہ بات آسانی سے ختم ہو جائے گی، اس کے بعد سر میں آپ سے یہ درخواست کروں گا کہ ہما صاحبہ کی اصلاح کرنے کی کوشش کی جائے، ان کے مزاج کو ٹھنڈا کیا جائے۔"

"تم وہی بکواس کررہے ہو آفیسر جس سے میں نے تمہیں اس وقت بھی منع کیا تھا...... ہما اگر اعتراف کرے گی تو اسے سزا ہو جائے گی، تم جانتے ہو، اگر پولیس اس کے نزدیک بھی آکر کھڑی ہوئی تو وہ یا تو دو چار پولیس والوں کو قتل کردے گی یا پھر خودکشی کرلے گی، سمجھ رہے ہو میری بات۔"

"جی سر، جی سر۔" شہاب نے سہمی ہوئی اداکاری کرنے کی کوشش کی۔

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس بات کا ثبوت ہی کیا ہے کہ حادثہ ہما کی کار سے ہوا؟"

"ثبوت کوئی خاص نہیں ہے۔"

"تو پھر اس بکواس کی کیا ضرورت ہے۔"

"سر کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"سنو آفیسر ایک منٹ رکو ہما نے یہ حادثہ نہیں کیا...... وہ کار وہی ہے جس میں ہما کلب سے واپس آئی تھی، تم نے چوکیدار کو اغوا کر کے اس سے بھی کچھ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی، نہ ہی تم نے میرے شوروم سے کاغذات غائب کئے، تم نے کچھ بھی نہیں کیا آفیسر سمجھ رہے ہو ناں؟"

فاضل دارا نے ایک چھوٹا سا بیگ نکالا اور اس کی زپ کھول کر اسے شہاب کے سامنے اُلٹ دیا...... ہزار ہزار کے نوٹوں کی پانچ گڈیاں باہر نکل پڑی تھیں...... شہاب کا چہرہ سرخ ہو گیا...... یوں محسوس ہونے لگا جیسے اس کا دم نکل گیا ہو، فاضل دارا نے ایک ایک گڈی اٹھا کر دوبارہ بیگ میں رکھی، اس کی زپ بند کی اور پھر مسکراتی نگاہوں سے شہاب کو دیکھ کر بیگ اس کی جانب بڑھا دیا۔

"ہما تو وہ ہو ہی نہیں سکتی تم اپنے طور پر تھانہ انچارج کو ہدایت دے سکتے ہو کہ اصل مجرم کو تلاش کیا جائے۔"

"سر آپ بالکل فکر ہی نہ کریں بھلا کس کی مجال ہے کہ وہ ایسی کوئی کوشش کرے۔"

"یہی میں کہہ رہا تھا آفیسر بے ہودہ قسم کے جذباتی لوگ زندگی میں صرف نقصانات ہی اُٹھاتے ہیں انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور ابھی تو تمہیں ترقی کی بہت سی منازل طے کرنی ہیں، خود اپنے ہی راستوں میں پتھر اُٹھا اُٹھا کر ڈالو گے تو کیا ملے گا تمہیں۔"

"سر مجھے آپ جیسے لوگوں کی رہنمائی درکار ہے۔"

"میں تمہاری رہنمائی کرتا رہوں گا...... کیا اب میں مطمئن ہو جاؤں کہ ابھی فاضل دارا۔" منہ سے اتنے ہی الفاظ نکلے تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اُٹھی اور فاضل دارا نے شہاب کو انگلی اُٹھا کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا، پھر اس نے ریسیور اٹھا لیا۔

"کون ہے؟"

"فاضل دارا صاحب سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں میں بول رہا ہوں۔"

"شہنشاہ آپ سے مخاطب ہے۔"

"کیا بکواس ہے کہاں کے شہنشاہ ہو تم؟"

"اپنی مملکت کا، اپنی بے تاج مملکت کا شہنشاہ ہوں میں۔"

"سڑک چھاپ مسخرے معلوم ہوتے ہو کیا بکواس کرنا چاہتے ہو مجھ سے؟"

"اس حادثے کے بارے میں گفتگو کرنے کا خواہش مند ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"میں نے عرض کیا ناں کہ اس حادثے کے بارے میں گفتگو کرنے کا خواہش مند ہوں۔"

"تم مجھے پاگل معلوم ہوتے ہو آخر ہو کون؟"

"سوچ لیجئے فاضل دارا صاحب اس پاگل کی دیوانگی آپ کو بہت مہنگی پڑ سکتی ہے...... میں قانونی آدمی نہیں ہوں بلکہ قطعی طور پر غیر قانونی ہوں اور ایک غیر قانونی شخص کے علم میں یہ بات آئی ہے کہ آپ کی بیٹی نے ایک پولیس سارجنٹ کو ہلاک کر دیا ہے اور قتل کی مجرم ہے...... آپ کو پتا ہے کہ خون کا بدلہ خون ہوتا ہے...... آپ سوچ لیجئے یا تو آپ فوری طور پر پچاس لاکھ روپیہ ادا کر دیجئے، یہ رقم شہنشاہ آپ سے وصول کرے گا، اس پچاس لاکھ میں اس نے کئی حصے رکھے ہیں، جن میں سے دس لاکھ کی رقم اس بیوہ کو بھی ملے گی جس کے سامنے اب دو بچوں کے مستقبل کا سوال ہے؟ اس کے علاوہ شہنشاہ آپ جیسے مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچاتا ہے اسے اپنی یہ آرگنائزیشن چلانے کے لئے بھی رقم درکار ہوتی ہے...... پچاس لاکھ روپے اور فوری فیصلہ ورنہ۔"

اس کے بعد جواب میں فاضل دارا نے اپنی شخصیت کو نظر انداز کر کے موٹی موٹی اور گندی گالیاں بکنا شروع کر دی تھیں اور دوسری طرف خاموشی تھی، پھر شہنشاہ کی آواز اُبھری۔

"ٹھیک ہے اب اس رقم میں دس لاکھ روپے کا اضافہ کیا جاتا ہے، یعنی 60 لاکھ اور اس کے بعد اگر آپ نے مزید بکواس کی تو اسی حساب سے اس میں اضافہ ہوتا رہے گا۔"

"میں سمجھ رہا ہوں گندے کتے تو کون ہے، اچھی طرح سمجھ رہا ہوں تو اشتیاق علی کا سالا ہے...... یعنی وہی زمان اب تو شہنشاہ کی آواز میں مجھے فون کر رہا ہے، لیکن مجھے جانتا نہیں ہے کہ میں کون ہوں...... تم جیسے گدھوں کو میں چٹکی بجا کر مسل دیا کرتا ہوں۔"

"اگر تم نواز کو کسی مشکل میں پھنسانا چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن اس کے بعد میں تمہیں کل اسی وقت فون کروں گا...... ساٹھ لاکھ روپے کی رقم کا انتظام کر لینا ورنہ اس کے بعد جو کچھ ہو گا اس کے ذمے دار تم خود ہو گے۔"

ایک بار پھر فاضل دارا نے گالیاں بکیں اور پھر فون بند کر دیا...... شہاب سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کون تھا سر؟" شہاب نے سوال کیا اور فاضل دارا اسے گھورنے لگا، پھر غصیلے انداز میں بولا۔

"ہوتا ہے کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے...... سڑک پر بھونکنے والے کتے بھی کاٹنے کے لئے دوڑنے لگتے ہیں، لیکن کتوں کو با آسانی گولی ماری جاسکتی ہے...... اصل میں تمہیں علم نہیں ہے اشتیاق علی کے مسئلے میں نہ جانے کیوں لوگوں نے مجھے کھلونا بنا رکھا ہے...... اشتیاق علی کا ایک سالا ہے زمان نام ہے اس کا بے غیرت اور ذلیل قسم کا انسان ہے...... میں وہاں از راہ، خدا ترسی گیا تھا اور میں نے اس کی بیوہ کو دو لاکھ روپے دینے کی کوشش کی تھی...... جوان عورت تو اپنا مستقبل جانتی ہے...... یہ دو لاکھ روپے اسے کافی سہارا دے سکتے تھے، لیکن اشتیاق علی کی ماں جذباتی ہو گئی، اس نے مجھے ٹھکرا دیا بعد میں پھر اس عورت کا بھائی میرے پاس آیا اور اس نے وہ دو لاکھ روپے مجھ سے وصول کرنے کی کوشش کی، میں نے اسے دھکے دے کر نکلوا دیا...... یہ ہے صورت حال۔"

سر آپ فوراً اس کے بارے میں رپورٹ کیجئے، اس وقت بھی کیا وہی رقم مانگ رہا تھا؟"

"ہاں لیکن فکر کی بات نہیں ہے اس جیسے چوہے میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، میں خود دیکھ لوں گا اسے۔"

"تو سر مجھے اجازت؟" شہاب کی جیسے سانس پھولی ہوئی تھی۔

"سنو یہ پانچ لاکھ روپے ہیں اور آفیسر تم پانچ لاکھ روپے کی قیمت ضرور جانتے ہوگے تمہارا کام یہ ہے کہ صورت حال کو مکمل طور پر اپنے کنٹرول میں کرو اور ان سارے معاملات کو اپنے طور پر سنبھال لو۔"

"سر آپ کو بالکل بے فکر رہنا چاہئے...... اب یہ میری ذمے داری ہے۔" شہاب نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"تو اس کے لئے کیا حکم ہے سر؟ کیا میں اسے گرفتار کر لوں؟"

"نہیں اسے میں خود دیکھ لوں گا۔"

"سر ٹھیک ہے لیکن کوئی غیر قانونی کام نہ کیجئے گا۔"

"تم فکر مت کرو...... میں سب کچھ سمجھتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔"

"تو پھر مجھے اجازت؟"

"ہاں تم جاؤ...... اب میں نے اپنے مفادات کی نگرانی تمہارے سپرد کر دی ہے...... ہم پر کوئی آنچ نہیں آنی چاہئے...... ویسے میں کوشش کر رہا ہوں کہ اسے ملک سے باہر بھیج دوں...... بہت دن سے مجھ سے تقاضا کر رہی ہے کہ روم جانا چاہتی ہے...... میرا خیال ہے میں اسے کچھ دنوں کے لئے روم روانہ کر دیتا ہوں...... سیر و سیاحت بھی کر لے گی اور اس دوران یہ تمام معاملات بھی نمٹ جائیں گے۔"

"جی سر۔" شہاب نے کہا اور اس کے بعد وہ فاضل دارا سے رخصت ہو کر باہر نکل آیا۔

❁

زمان ایک بدکردار اور اوباش نوجوان تھا...... اشتیاق علی کی بیوہ صوفیہ اس پر ذرا بھی اعتبار نہیں کرتی تھی...... زندگی میں کبھی زمان کام نہیں آیا تھا...... بس واجبی سی ملاقاتیں تھیں اس سے لیکن اس وقت نہ جانے کس منصوبے کے تحت یہاں آ گیا تھا...... ابتدائی چند روز تو اس نے خاموشی سے گزارے...... بڑی سرگرمی سے سارے معاملات میں حصہ لیتا رہا، لیکن اس دن سے اس کا موڈ بہت زیادہ بگڑ گیا تھا...... جب قیصر جہاں یعنی اشتیاق علی کی والدہ نے وہ دو لاکھ روپے ٹھکرا دیئے تھے...... زمان نے ان لوگوں کو یہ تو نہیں بتایا تھا کہ وہ خود وہاں پہنچا تھا اور بے عزت کر کے نکالا گیا تھا، لیکن واپس آنے کے بعد اس کا موڈ بہت زیادہ خراب تھا، پھر اس نے پر پرزے نکالنا شروع کر دیئے...... ایک دو دن خاموشی سے گزارے اور پھر ایک دن اس نے صوفیہ سے کہا۔

"صوفیہ کچھ اپنے مستقبل کے بارے میں سوچا ہے تم نے...... کیا خیال ہے کیا یہیں وقت گزارو گی یا پھر میرے ساتھ چلنا ہے تمہیں؟"

"تمہارے ساتھ کہاں چلوں گی میں؟" صوفیہ نے کہا۔

"تو یہاں کیا جھک مارو گی...... اب اس گھر سے تمہارا کیا واسطہ...... میں تمہیں یہاں نہیں چھوڑ سکتا۔"

"دیکھو...... زمان...... ساری باتیں اپنی جگہ، یہ خاتون جو میری ساس ہیں...... میری ماں کی جگہ ہیں...... اشتیاق علی ان کی بہت عزت کرتے تھے...... میں انہیں کبھی تنہا نہیں

چھوڑ سکتی۔"

"تمہارا دماغ خراب ہے...... تمہارے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق مجھے حاصل ہے...... تم بھلا اپنے بارے میں کیا فیصلہ کر سکتی ہو۔"

"کمال کرتے ہو...... جب میں نہیں چاہتی تمہارے ساتھ جانا تو کیا تم مجھے زبردستی لے چلو گے؟"

"میں تمہاری آنکھیں کھولنا چاہتا ہوں صوفیہ۔"

"کیا مطلب؟"

"اس بڑی بی نے ناگن کی طرح ہر چیز پر قبضہ جما رکھا ہے...... کیا تم مجھے بتانا پسند کرو گی کہ اشتیاق علی کا بنک بیلنس کیا ہے؟ اس کی کتنی جائیداد ہے؟ کیا کیا کچھ بنا رکھا ہے اس نے؟"

"تمہیں یہ بتانا کیا ضروری ہے؟"

"ہاں اس لئے کہ میں نہیں چاہتا کہ تمہارا مستقبل تباہ ہو جائے...... یہ بڑی بی جس قدر چالاک نظر آتی ہیں مجھے تم یقین کرو صوفیہ تمہیں در در کی بھیک منگوا دیں گی یہ۔"

"فکر مت کرو زمان...... تم سے اس وقت بھی کچھ نہیں مانگوں گی میں۔"

"پتا نہیں تمہارے دل میں میرے لئے کیا ہے...... مجھ سے بڑا ہمدرد تمہارا اور کون ہو سکتا ہے، اس دُنیا میں...... تم نے دیکھا نہیں...... بڑی بی نے دو لاکھ روپے کس طرح ٹھکرا دیئے...... اس کا ایک ہی مطلب ہو سکتا ہے۔"

"کیا؟" صوفیہ نے پوچھا۔

"اشتیاق علی کا بنایا بہت کچھ ہو گا جو ان کے پاس محفوظ ہے...... یہ اپنا مستقبل محفوظ سمجھتی ہیں۔"

"دیکھو زمان ہمارے گھر کے معاملات ہم تک ہی رہنے دو...... میں نہیں چاہتی کہ تم اس مسئلے میں کچھ بھی کرو۔"

"اگر تم نہ بھی چاہو تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے...... میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں تمہارے مفادات کا نگراں ہوں۔" اتنی دیر میں قیصر جہاں کمرے میں آ گئیں...... انہوں نے کہا۔

"زمان...... ٹھیک ہے...... میں مانتی ہوں کہ صوفیہ تمہاری بہن ہے لیکن بیٹے ہم اس

بات کے متحمل نہیں ہو سکتے کہ اب تمہیں اپنے گھر میں رکھیں...... جاؤ اپنا راستہ ناپو، بچیوں کی نگرانی اللہ کے سپرد ہے...... ہم دونوں ان کی خدمت کریں گے۔"

"دیکھو...... محترم خاتون...... بزرگی میں انسان کو اپنی بزرگی کا خود احترام کرنا پڑتا ہے، اگر کوئی شخص اپنی عزت کرانا نہ جانے تو پھر اسے بہت برے حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔"

"کر رہے ہیں بیٹے برے حالات کا سامنا...... آج اگر ہمارے رکھوالے ہوتے تو تم اس طرح مجھ سے بات نہ کرتے۔"

"میں نے تو نہیں چھین لئے آپ کے رکھوالے...... ہر انسان کو موت آتی ہے مر جاتا ہے...... اشتیاق علی کی زندگی اتنی ہی تھی...... اب حادثہ یا واقعہ جو کچھ بھی ہوا اس کا ذمے دار کم از کم میں تو نہیں ہوں، دیکھئے محترمہ، مجھے شرافت سے بتا دیجئے کہ اشتیاق علی نے کیا کچھ چھوڑا ہے...... جو آپ نے دبا رکھا ہے؟"

"اگر ایسی کوئی بات ہے تو بہر حال وہ میرا بیٹا تھا...... کیوں دل دکھا رہے ہو زمان...... اللہ کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے...... ایسی باتیں مت کرو...... بس اب میں نہیں چاہتی کہ تم ایک منٹ بھی یہاں رہو۔"

"کون نکالے گا مجھے یہاں سے...... اشتیاق علی پولیس میں تھا...... خاصی طویل سروس ہے اس کی، اس کے واجبات اسے ملیں گے اس کے علاوہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ایک پولیس سارجنٹ صرف تنخواہ پر گزارا کرتا ہو...... میں یہ تمام حقائق معلوم کئے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گا اور تم کیا سمجھتی ہو بڑی بی...... کیا میں صوفیہ کو اب تمہارے پاس چھوڑ دوں گا...... میں ان دونوں بچیوں کو بھی لے جاؤں گا اور صوفیہ کو بھی لے جاؤں گا...... اشتیاق علی کے واجبات صوفیہ کو ملیں گے...... تم اسی چکر میں ہو گی کہ اس کی سروس کی جو رقم ملے اسے بھی ہڑپ کر لو۔"

"لعنت ہو تم پر...... ظاہر ہے تم ان تمام باتوں کو کیا جانو...... ماں سے یہ بات کر رہے ہو کہ وہ بیٹے کے واجبات کے چکر میں ہو گی اور اگر ایسا ہے بھی تو تم بے فکر رہو...... ان میں سے کوئی چیز تمہارے ہاتھ نہیں لگنے دوں گی میں۔"

"پھر دیکھتا ہوں...... کون مجھے یہاں سے نکالتا ہے۔"

"سوچ لو زمان...... یہ مت کہنا کہ تمہارے ساتھ برا سلوک کیا گیا۔"

"سوچ لیا ہے میں نے۔"

"تو ٹھیک ہے...... میں ابھی آتی ہوں۔" قیصر جہاں نے کہا اور اس کے بعد وہ کمرے سے باہر نکل گئیں...... زمان، صوفیہ کو گھورنے لگا تھا۔

"تمہارا خون اتنا سفید ہو جائے گا...... مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا۔"

"تم بہت برا کر رہے ہو زمان...... میں سمجھتی ہوں کہ تم یہ سب کچھ کیوں کر رہے ہو۔"

"کیا سمجھتی ہو تم؟"

"بس زمان...... میری زبان نہ کھلواؤ...... سب کو جانتی ہوں اور اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"صوفیہ یہ عورت تمہارا مستقبل تباہ کر دے گی۔"

"میری تقدیر میں جو کچھ بھی لکھا ہے وہ ہو کر رہے گا...... نہ اسے تم بدل سکتے ہو اور نہ کوئی اور۔"

"یہ گئی کہاں ہے؟" زمان نے کہا اور باہر نکل آیا لیکن قیصر جہاں نے کام دکھا دیا تھا...... محلے کے ایک بزرگ اپنے دو بیٹوں کے ساتھ آ گئے تھے...... دونوں بیٹے ہٹے کٹے اور طاقتور نظر آ رہے تھے...... زمان نے انہیں دیکھا اور ایک لمحے کے لئے بوکھلا کر رہ گیا...... ستارے گردش میں تھے اور اسے نہ جانے کیوں یہ احساس ہو رہا تھا کہ وقت سازگار نہیں ہے...... اس نے پھر بھی ہمت سے کام لیا اور بولا۔

"جی فرمایئے...... کیسے تشریف لانا ہوا؟"

"بیٹے...... یہ قیصر جہاں ہماری بہت ہی محترم بہن ہیں اور اس وقت ہم لوگ اپنا فرض جانتے ہیں...... ان کا کہنا ہے کہ تم انہیں پریشان کر رہے ہو اور صوفیہ بیٹی کو بھی۔"

"آپ کو علم ہے کہ میں صوفیہ کا بھائی ہوں؟"

"ہاں...... ہمیں علم ہے۔"

"تو پھر اس کے بعد اس بات کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے کہ آپ اس طرح گھر میں منہ اٹھائے چلے آئیں...... آپ کو علم ہے کہ صوفیہ عدت میں ہے اور عدت کے دوران کسی غیر مرد کی صورت نہیں دیکھی جاتی۔"

"یہ سارے فیصلے ہم خود کر لیں گے بیٹے...... پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم یہاں سے کتنی دیر میں جا رہے ہو؟" بزرگ نے کہا۔

"یہ گھر میری بہن کا ہے...... مجھے کون یہاں سے نکال سکتا ہے۔" صوفیہ بھی باہر آ گئی تھی...... زمان نے اسے ڈانٹ کر کہا۔

"صوفیہ کیا مذہب کو بھی بھول گئیں...... تمہیں غیروں کے سامنے اس طرح آنا چاہئے۔"

"دور جو کھڑے ہیں ناں زمان...... یہ مجھے بہن کہتے ہیں اور میں انہیں خلوص دل سے بھائی سمجھتی ہوں۔"

"تم کیا سمجھتی ہو اور کیا نہیں سمجھتی...... میں یہ سب کچھ نہیں جانتا...... چلو اندر جاؤ۔"

"نہیں صوفیہ بیٹی...... ذرا ایک مشکل ہے وہ حل کرتی جاؤ۔" بزرگ نے کہا۔

"جی چچا جان۔"

"زمان میاں جو کچھ کہہ رہے ہیں یا کر رہے ہیں...... کیا تم اس سے اتفاق کرتی ہو؟"

"چچا جان...... ہم اپنے معاملات خود دیکھنا چاہتے ہیں...... ہمیں زمان کی ضرورت نہیں ہے...... یہ زبردستی یہاں ہیں اور زبردستی یہیں رہنا چاہتے ہیں۔"

"زبردستی۔" بزرگ نے کہا۔

"جی...... شاید یہ ہماری اس وقت کی تنہائی سے فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں۔"

"مگر بیٹے تم تنہا کہاں ہو...... ہم جو ہیں تمہارے ساتھ...... چلو زمان میاں...... فوراً اپنا ساز و سامان اُٹھا لو اور یہاں سے نکل جاؤ۔" بزرگ نے کہا۔

"اور اگر ایسا نہ کروں تو؟"

"تو پھر یہ فرائض ہم سر انجام دیں گے۔" دونوں نوجوان آگے بڑھے اور زمان ڈر گیا۔

"ٹھیک ہے...... بہن کے گھر میں یہ غنڈہ گردی ہو رہی ہے...... دیکھ لوں گا ایک ایک کو...... زمان ہے میرا نام۔"

"کچھ ہے بیٹا ساز و سامان یا خالی ہاتھ ہی بہن کے گھر آ گھسے ہو جو ہے وہ اُٹھا لو۔"

"میں آپ لوگوں کو...... آپ لوگوں کو اچھی طرح دیکھ لوں گا۔" زمان نے کہا اور اپنا چھوٹا سا اٹیچی کیس اٹھا کر باہر نکل آیا...... غصے سے اس کا خون کھول رہا تھا...... بہت بڑا جرم تو اس نے اب تک نہیں کیا تھا، لیکن طبیعت جرائم پیشہ ضرور تھی...... گھر سے باہر نکلا تو یہ سوچ کر نکلا تھا کہ ان لوگوں کو اچھی طرح دیکھ لے گا...... قیصر جہاں ذرا سکون سے رہ کر تو دکھا دیں اس گھر میں...... گلی عبور کر کے وہ مین روڈ میں نکل آیا...... مین روڈ پر ایک پیلی ٹیکسی کھڑی

ہوئی تھی، جو سٹارٹ ہو کر آگے بڑھی اور زمان کے قریب پہنچ گئی...... ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے بھیانک سی صورت کے آدمی نے کہا۔

"ٹیکسی چاہئے صاحب؟" زمان نے چونک کر اسے دیکھا...... پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا شخص دروازہ کھول کر باہر نکل آیا تھا...... زمان نے دو قدم آگے بڑھا کر کہا۔

"نہیں مجھے ٹیکسی نہیں چاہئے۔"

"لیکن یہ اٹیچی کیس تو ہمارے حوالے کر دو۔" پیچھے سے اترنے والے شخص نے کہا اور زمان کو اس کے ہاتھ میں پستول نظر آ گیا...... زمان کانپ کر رہ گیا تھا۔

"اس میں صرف چند جوڑے کپڑے ہیں اور کچھ نہیں۔"

"مگر اٹیچی کیس کے ساتھ تم تو ہو۔"

"کک...... کیا؟"

"سڑک چل رہی ہے...... زیادہ گڑبڑ مت کرو...... ورنہ سینے میں سوراخ کر دوں گا۔" پستول والے شخص نے کہا۔

"مم...... مگر مجھے کرنا کیا ہے بھائی...... لے لو اگر یہ اٹیچی کیس لینا چاہتے ہو تو۔"

"میں نے کہا ناں اٹیچی کیس کے ساتھ تمہیں بھی چلنا ہے۔" اس نے آگے بڑھ کر زمان کا کالر پکڑا اور اسے پیچھے دھکیل کر ٹیکسی میں داخل کر دیا...... زمان ارے ارے ہی کرتا رہ گیا تھا لیکن اس شخص نے پستول کی نال، زمان کی کمر سے لگا کر خود بھی بیٹھ کر دروازہ بند کر لیا اور اس کے بعد ٹیکسی برق رفتاری سے آگے بڑھ گئی...... زمان کے ہوش و حواس گم ہو رہے تھے...... یہ کیا ہو رہا ہے...... وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا، پھر وہ خاموش ہی بیٹھا رہا تھا...... خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر وہ سوچ رہا تھا کہ کیا یہ کام بھی قیصر جہاں نے کیا ہے...... بڑی بی اس قدر تیز ہیں...... اسے اندازہ نہیں تھا...... بہر حال وہ ٹیکسی میں خاموشی سے بیٹھا رہا پھر جب ٹیکسی فاضل دارا کی کوٹھی میں داخل ہوئی تو زمان ایک بار پھر چونک پڑا...... ٹیکسی اندر جا کر رک گئی اور اس کے بعد پستول والے شخص نے اسے اترنے کے لئے کہا۔

"مم...... مگر بات تو بتا دے پیارے بھائی...... یہ تو فاضل دارا صاحب کی کوٹھی ہے۔"

جواب میں اس شخص کے الٹے ہاتھ کا تھپڑ زمان کے منہ پر پڑا تھا اور اس کے بعد زمان کو گھسیٹتے ہوئے اندر لے جایا گیا اور اس بڑے کمرے میں پہنچا دیا گیا، جہاں فاضل دارا ایک صوفے پر

بیٹھا پائپ کے گہرے گہرے کش لے رہا تھا...... زمان کو یہ اندازہ تو ہو ہی چکا تھا کہ اسے جس انداز میں لایا گیا ہے...... وہ مجرمانہ ہے اور اس طرح کسی کو اغوا کر کے لانے والے اسے کسی نیک مقصد کے تحت تو نہیں لائے ہوں گے...... اس کے اوسان خطا ہو رہے تھے، اس نے گڑگڑاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہ سب کیا ہے؟ فاضل دارا صاحب مجھے اس طرح یہاں کیوں لیا گیا ہے؟" فاضل دارا نے منہ سے دھواں چھوڑا پھر مسکراتا ہوا بولا۔

"تم دو لاکھ وصول کرنے کے لئے میرے پاس آئے تھے...... مسٹر زمان اور میں نے تمہیں دھکے دے کر باہر نکال دیا تھا، لیکن میں نے سوچا کہ جو شخص اپنی مارکیٹ اس طرح بڑھا سکتا ہے...... وہ کام کا آدمی ہو سکتا ہے...... تم نے پچاس لاکھ کے ساٹھ لاکھ کر دیئے ناں...... مائی ڈیئر مسٹر شہنشاہ۔"

"جی۔" زمان حیران لہجے میں بولا۔

"لیکن بے وقوف کے بچے ہو تم...... مجھ سے اس قسم کی حرکت کرنے سے پہلے تمہیں فاضل دارا کے متعلق معلومات حاصل کر لینی چاہئے تھیں۔"

"کس قسم کی حرکت...... فاضل دارا صاحب...... میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔" زمان فریادی لہجے میں بولا۔

"شہنشاہ کی حیثیت سے مجھے فون کر کے پچاس لاکھ تم نے نہیں طلب کئے تھے؟"

"جی؟"

"اداکاری مت کرو...... میری آنکھیں بہت گہرائیوں میں دیکھتی ہیں۔"

"لل...... لیکن فاضل دارا صاحب۔"

"پورے پچاس لاکھ دوں گا تمہیں میری جان...... فکر کیوں کرتے ہو...... کیوں پچاس لاکھ لو گے ناں؟"

"آپ یقین کریں...... آپ کو نہ جانے کیا غلط فہمی ہو رہی ہے۔"

"خیر تم جو کچھ بھی کہہ لو...... دادل بند کر دو اسے...... ہاتھ پاؤں باندھ کر، نیچے تہہ خانے میں ڈال دو...... میں اسے پچاس لاکھ دے کر ہی رخصت کروں گا۔"

"دیکھئے...... فاضل دارا صاحب...... مم...... میں...... میں تو ویسے ہی......

ان لوگوں نے بھی مجھے گھر سے نکال دیا ہے۔" جواب میں فاضل دارا نے قہقہہ لگایا تھا پھر اس نے کہا۔

"تم لوگ سوچتے ہو کہ یہ دولت جو ہم لوگوں نے کمائی ہے...... بس یوں ہی ہماری جیب تک پہنچ گئی ہے...... اس کے لئے ہمیں کیا کچھ کرنا پڑتا ہے...... تم جیسے نکمے اور ناکارہ لوگ نہیں سوچ سکتے...... تم چھوٹے چھوٹے ذہنوں کے مالک، یہ سمجھتے ہو کہ آسانی سے تم یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہو...... دادل منہ کیا دیکھ رہا ہے لے جا اسے...... بند کر دے اور جو کچھ میں نے کہا ہے وہی کرنا۔" پھر زمان دہائیاں دیتا رہا...... گڑگڑاتا رہا تھا، ہاتھ جوڑ جوڑ کر معافی مانگتا رہا تھا لیکن دادل اور فرید خان نے اسے پکڑا اور اسے ساتھ لے کر چل پڑے...... تھوڑی دیر کے بعد اسے ایک تہہ خانے میں اتار دیا گیا...... یہاں پہنچنے کے بعد اس کے دونوں ہاتھ اور پاؤں ریشمی رسی سے جکڑ دیئے گئے اور جب زمان نے چیخنے اور شور مچانے کی کوشش کی تو اس کے منہ پر ٹیپ بھی لگا دیا گیا تھا۔"

"تو عظیم شہنشاہ اب تم یہاں آرام کرو۔" دادل نے کہا پھر وہ اور فرید خان اسے چھوڑ کر باہر نکل آئے...... فاضل دارا اپنے کمرے میں موجود تھا...... اس نے ان دونوں کو دیکھا...... اس کے چہرے پر اب بھی خاصی اُلجھن کے آثار نظر آرہے تھے، فرید خان نے کہا۔

"سر...... آپ کا خیال ہے کہ اسی نے شہنشاہ کی حیثیت سے آپ کو فون کیا تھا؟"

فاضل دارا نے کوئی جواب نہیں دیا تھا...... دیر تک وہ سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

"اس کا فیصلہ تو اسی وقت ہوگا جب دوبارہ شہنشاہ کا فون نہ آئے۔"

"جی سر لیکن؟"

"فضول باتوں سے گریز کرو...... میں لیکن...... ویکن کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"جی سر۔"

پھر رات ہوگئی...... فاضل دارا اپنی آرام گاہ میں کسی زخمی چیتے کی مانند ٹہل رہا تھا...... فرید خان اس کے پاس موجود تھا اور خاموشی سے فاضل دارا کی بے چینی کو دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"سر...... میرا خیال ہے...... آپ نے صحیح جگہ ہاتھ رکھ دیا ہے...... اب کسی شہنشاہ کا فون نہیں آئے گا۔" فاضل دارا کے ہونٹوں پر مدہم مدہم سی مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے کہا۔

"میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا...... فرید خان کہ میں نے یہاں تک کا سفر کسی گھوڑے پر بیٹھ کر نہیں کیا ہے...... مشقت کی ہے میں نے...... ان جیسے چوہے اگر مجھے نقصان پہنچا دیں تو پھر مجھے خودکشی کر لینی چاہئے...... معاملہ اگر بابا کا نہ ہوتا تو میں کسی قیمت پر ان لوگوں کو اتنا موقعہ نہ دیتا لیکن میں نہیں چاہتا کہ بابا کی طرف شک کی ایک بھی نگاہ پڑے۔"

"جی سر...... بالکل ٹھیک فرمایا آپ نے...... میرا خیال ہے اب کسی شہنشاہ کا فون نہیں آئے گا۔" فاضل دارا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی لیکن اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تھی اور فاضل دارا کی مسکراہٹ فوراً ہی سکڑ گئی تھی۔ ایک لمحے تک وہ خوفزدہ نگاہوں سے فون کو دیکھتا رہا اور اس کے بعد آگے بڑھ کر اس نے ریسیور اُٹھا لیا۔

"ہیلو۔"

"فاضل دارا۔" دوسری جانب سے وہی جانی پہچانی آواز سنائی دی اور فاضل دارا سکتے میں رہ گیا۔

"بولتے کیوں نہیں فاضل دارا؟"

"کون ہو؟"

"شہنشاہ۔"

"اوہ تم؟"

"ہاں...... کیا فیصلہ کیا ہے تم نے؟"

"تمہارا دماغ خراب ہے...... تم کیا سمجھتے ہو، کیا میں تمہیں ساٹھ لاکھ روپے دے دوں گا؟"

"نہیں...... فاضل دارا...... اتنا تو میں جانتا ہوں کہ تم اتنے شریف آدمی نہیں ہو لیکن شاید تم نے اس معاملے کو بہت آسان لیا ہے۔"

"دیکھو...... مجھ سے آ کر ملاقات کرو...... مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟"

جواب میں فاضل دارا کو قہقہہ سنائی دیا تھا، پھر دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اور اس کے باوجود تم یہ کہتے ہو کہ تم ایک ذہین آدمی ہو۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"میں تم سے ملنے آؤں گا۔"

"میں دوسری قسم کا آدمی ہوں، اگر تم واقعی مجھ سے تعاون کرنا چاہتے ہو تو مجھ سے ملاقات کرو۔"

"ٹھیک ہے...... کل...... کس وقت ملاقات کرو گے مجھ سے؟"

"جب چاہو۔" فاضل دارا نے جواب دیا۔

"کہاں پہنچنا ہوگا؟"

"یہاں میری کوٹھی میں آ جاؤ۔"

"کیا تم پاگل ہوگئے ہو فاضل دارا؟" دوسری طرف سے آواز آئی اور فاضل دارا ریسیور کو گھورنے لگا، پھر اس نے کہا۔

"پھر تم کہاں چاہتے ہو؟"

"یہ بھی کل گیارہ بجے تمہیں فون پر بتاؤں گا لیکن ایک بات کا جواب دو...... کیا تم مجھے ساٹھ لاکھ روپے ادا کرنے کو تیار ہو؟"

"یہ فیصلہ تو تم سے ملاقات کے بعد ہوگا۔"

"ٹھیک ہے فاضل دارا...... کل گیارہ بجے میں تمہیں پھر فون کروں گا...... کل ٹھیک دن کو گیارہ بجے۔" دوسری طرف سے آواز بند ہوگئی...... فاضل دارا چند لمحات ریسیور ہاتھ میں لئے کھڑا رہا، پھر اس نے مایوس نگاہوں سے فرید خان کو دیکھا اور بولا۔

"یہ کیا ہوا؟"

"سر! کیا کہہ رہا تھا؟" فاضل دارا نے فرید خان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ زمان نے وہ فون نہیں کیا تھا۔ زمان کی آواز اس سے بالکل مختلف ہے...... میں نے خاص طور سے اس بات پر غور کیا تھا۔"

"سر! زمان جس جگہ کا آدمی ہے، وہ اس انداز میں بات کر نہیں سکتا۔"

"ہونہہ پھر کون ہو سکتا ہے؟"

"ایک اور شخص میرے ذہن میں آتا ہے۔" فرید خان نے کہا۔

"کون؟"

"وہی پولیس آفیسر! شہاب ثاقب۔"

"اوہ...... ڈفر ہو تم...... بالکل بے وقوف...... وہ اب ہمارا آدمی ہے...... یوں سمجھ لو کہ اب وہ ہمارے لئے کام کر رہا ہے۔"

"سر...... آپ کو اس کا ماضی یاد ہے...... آپ کو اس کے بارے میں تمام تفصیل فراہم کی تھی میں نے؟"

"سب کچھ پتا ہے مجھے...... بہرحال وہ میرے خلاف نہیں جا سکتا۔" اس بات کا مجھے یقین ہے لیکن یہ شہنشاہ اس نے مجھے ذہنی طور پر پریشان کر دیا ہے...... یہ کون سی بلا گلے پڑ گئی...... باقی لوگ تو نگاہوں کے سامنے ہیں، لیکن یہ بلیک میلر۔" فاضل دارا گہری گہری سانسیں لینے لگا...... کافی دیر اس طرح گزر گئی پھر اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے تم آرام کرو۔" فرید خان چلا گیا...... فاضل دارا تھوڑی دیر تک سوچتا رہا اور اس کے بعد کسی خیال کے تحت اس نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر ایک نمبر ڈائل کیا...... تھوڑی دیر کے بعد دوسری طرف سے آواز آئی۔

"سن ڈاؤن کلب۔"

"ہما فاضل دارا یہاں موجود ہے؟"

"کون صاحب بول رہے ہیں؟"

"فاضل دارا۔"

"جی سر! ہما بی بی موجود ہیں۔"

"اور اس کا باڈی گارڈ؟"

"وہ بھی اپنی جگہ مستعد ہے...... کیا میں انہیں بلاؤں؟"

"نہیں...... شکریہ۔" فاضل دارا نے فون بند کر دیا، پھر ایک کرسی پر بیٹھ کر گہری گہری سانسیں لینے لگا۔

❀

سن ڈاؤن کلب، شہر کے معزز لوگوں کا کلب تھا۔ اب یہ الگ بات ہے کہ لفظ معزز کا مفہوم بدل چکا ہے...... جو دولت مند ہو وہی معزز اور مہذب ہوتا ہے، چنانچہ تمام تہذیب یافتہ لوگ سن ڈاؤن کلب کے ممبر تھے...... ویسے بھی سن ڈاؤن میں تھوڑا سا اقدار کا خیال رکھا جاتا تھا...... اس وقت بھی اس کی رونق شباب پر تھی...... مستقل ممبر اور ان کے مہمان اپنے

اپنے طور پر تفریحات میں مشغول تھے...... ہما فاضل دارا کے لئے جو چیز مخصوص تھی، اس کے بارے میں تقریباً سبھی لوگ جانتے تھے کہ اس میز پر کسی اور کی گنجائش نہیں ہے۔ وہ تنہا ہی اپنی میز پر بیٹھا کرتی تھی...... دادل جو اس کا باڈی گارڈ تھا اس کے لئے الگ میز مخصوص تھی اور وہ بھی اپنی میز پر تنہا ہی ہوتا تھا...... اس کا کام صرف یہ ہوتا تھا کہ اطراف پر نظر رکھے اور ہما فاضل دارا کی نگرانی کرے...... اس وقت بھی وہ اپنی ڈیوٹی پر مستعد تھا...... ہما اپنی میز پر بیٹھی پی رہی تھی لیکن وہ کھلنڈرا سا نوجوان جس نے ایک انتہائی خوبصورت لباس پہنا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے چہرے کے نقوش بھی دلکش اور جاذب نگاہ تھے...... کلب میں پہلی بار ہی نظر آیا تھا...... انوکھی بات نہیں تھی، کیونکہ بے شمار ارکان کے مہمان ان کے ساتھ آجایا کرتے تھے...... کوئی خاص فرق نہیں تھا...... حالات میں لیکن اس وقت ذرا سی تبدیلی رونما ہوئی جب یہ شوخ، کھلنڈرا سا نوجوان ہما کی میز پر پہنچا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھتا ہوا بولا۔

"لوگوں کا خیال ہے کہ میں جس کی جانب متوجہ ہو جاؤں وہ مجھے کبھی نظر انداز نہیں کرتا اور میڈم یہاں پورے کلب میں مجھے آپ جیسی کوئی پروقار اور حسین شخصیت نظر نہیں آئی، جس کے ساتھ میں بیٹھ کر تھوڑا سا وقت گزار لوں۔" ہما فاضل دارا نے گھور کر اسے دیکھا...... یہ اندازہ تو اسے ایک لمحے میں ہو گیا تھا کہ یہ شکل اجنبی ہے اور کوئی اجنبی ہی یہ حرکت کر سکتا تھا، لیکن نوجوان کے الفاظ نے اس کے ذہن کو زیادہ خراب نہ ہونے دیا...... یہ الفاظ اسے ایک چیلنج محسوس ہوئے تھے اور اس وقت موڈ شاید کچھ خوشگوار تھا کہ وہ اسے خاموشی سے دیکھتی رہی پھر بولی۔

"عجیب دعویٰ ہے آپ کا؟"

"لیکن حقیقت سے دور نہیں؟"

"انسان اگر اپنے بارے میں خود فیصلے نہ کر سکے تو سمجھ لیجئے کہ اسے دنیا میں رہنے کا کوئی حق نہیں۔"

"ویری گڈ...... گویا لوگوں نے آپ کو دل بھر کر بے وقوف بنایا ہے۔" ہما بولی۔

"بے وقوف؟"

"جی ہاں...... ورنہ آپ کو اپنے بارے میں اس قدر خوش فہمی نہ ہوتی۔"

"محترمہ! میں آپ کی آنکھوں میں بھی اپنے لئے پسندیدگی کے جذبات دیکھ رہا ہوں۔"

"ہاں...... جنگل میں بہت سے جانور خاصے خوبصورت ہوتے ہیں...... انسان انہیں دیکھ کر خوش ہوتا ہی ہے۔"

"گویا آپ مجھے جنگل کا جانور کہنا چاہتی ہیں۔"

"ارے نہیں نہیں...... آپ کی بات سے اتفاق کر رہی ہوں میں۔" ہما کے ذہن میں اچانک ہی شرارت آ گئی۔

"شکریہ...... آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ میں کیا پیوں گا؟"

"وہ ایک عام سی بات ہو جائے گی...... کیوں نہ ہم باہر کھلی ہوا میں چلیں۔ اب آپ جیسی شخصیت اگر اس انداز میں سامنے آ جائے تو دل میں بہت سی خواہشیں بھی بیدار ہو جاتی ہیں۔"

"اس پذیرائی کے لئے شکر گزار ہوں۔"

"آیئے باہر ذرا...... تھوڑی دیر تک گھومتے ہیں...... ویسے آپ اس کلب میں مجھے اجنبی معلوم ہوتے ہیں؟"

"جی ہاں...... یہ بات تو بالکل درست ہے...... بس ایسے ہی ایک کرم فرما کے ساتھ آ گیا تھا۔"

"وہ کرم فرما کہاں ہیں؟"

"اپنی تفریحات میں مشغول ہیں...... میں کبھی کسی کو اپنے سر پر مسلط کرنا پسند نہیں کرتا۔"

"آیئے چلتے ہیں۔" ہما نے کہا اور نوجوان کے ساتھ اُٹھ گئی...... کلب کے دونوں سمت خوبصورت لان بنا ہوا تھا...... سوئمنگ پول بھی تھا، لیکن رات کے وقت یہ حصہ عموماً ویران رہتا تھا...... باہر کی ہوا کافی خوشگوار تھی...... ہما نے باہر نکلتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے دادل کو بھی اُٹھنے کے لئے کہہ دیا تھا اور اس کے بعد وہ کلب کے عقبی حصے کی جانب چل پڑی...... اس نوجوان کو تھوڑا سا سبق دینا بہت ضروری تھا...... بس ترنگ ہی تھی جو ہما نے یہ فیصلہ کر لیا تھا...... بہر حال وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آگے بڑھتی رہی پھر اس نے کہا۔

"نام کیا ہے آپ کا؟"

"ہنی۔" نوجوان نے جواب دیا۔

"گڈ...... نام بھی بہت میٹھا ہے۔"

"شکریہ۔"

"آپ نے میرا نام نہیں پوچھا؟"

"ایک اور صاحب سے پوچھا تھا...... اس وقت جب آپ مجھے اچھی لگی تھیں؟"

"گویا آپ میرا نام جانتے ہیں؟"

"جی۔"

"جس سے آپ نے میرا نام پوچھا تھا...... ذرا مجھے اس کا نام بھی بتا دیجئے۔"

"کیوں؟"

"اس کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے آپ کے بعد۔"

"اوہو...... نہیں نہیں...... اب تو ہماری، آپ کی ملاقاتیں ہوتی ہی رہیں گی۔"

"ہاں...... ہاں...... کیوں نہیں...... کیوں نہیں۔" آہستہ سے چلتی ہوئی وہ لان کے عقبی حصے میں پہنچ گئی، اس جگہ روشنی بے شک تھی لیکن ان دونوں کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا، البتہ دادل تیز قدموں سے اس طرف چلا آرہا تھا...... نوجوان نے چونک کر کہا۔

"یہ کون بے وقوف ہے، کیا آپ کا کوئی شناسا؟"

"میری دُور کی نظر کمزور ہے...... قریب آجائے تو پہچانوں...... ہوسکتا ہے میرا کوئی شناسا ہی ہو۔" ہما نے کہا...... وہ ایک درخت کے قریب پہنچ کر رُک گئے...... موسم واقعی بے حد حسین تھا...... ہما کہنے لگی۔

"تو میں آپ کو پسند آگئی ہوں...... اب یہ بتائیے مجھے آپ کی کیا خدمت کرنی چاہیے؟"

"معیار سے گری ہوئی گفتگو نہ کریں...... میں ایک پاکباز طبیعت کا مالک نوجوان ہوں پسند اپنی جگہ لیکن اس کے بعد کی تمام حرکتیں گھناؤنی سمجھتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" ہما سچ مچ سنک گئی۔

"مطلب یہ کہ ماحول کتنا خوشگوار ہے...... آپ ایک دلکش خاتون ہیں اور میری خوش قسمتی ہے کہ آپ بھی مجھے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتی ہیں...... کیا اتنا کافی نہیں ہے...... اس کے بعد آپ مجھ سے پوچھ رہی ہیں کہ آپ میری کیا خدمت کرسکتی ہیں، اگر آپ کے ذہن میں یہ تصور ہے کہ میں عام رومانی نوجوان کی طرح آپ کے دلکش وجود سے کوئی لطف

حاصل کرنے کی کوشش کروں گا تو معاف کیجئے گا...... یہ ایک غیر معیاری بات ہے۔"

"تم اُلو کے پٹھے ہو۔" ہما اپنے آپ کو نہ روک سکی۔

"جی۔" نوجوان حیرت سے بولا۔ اتنی دیر میں دادل قریب پہنچ گیا تھا۔ ہما نے کہا۔

"دادل اسے مارو...... اتنا مارو کہ اس کی زبان دوبارہ کبھی کسی لڑکی کے سامنے اس انداز میں نہ کھل سکے۔"

"ارے...... ارے...... ارے...... کیا بدتمیزی ہے یہ۔" نوجوان بوکھلا کر بولا لیکن دادل کے لئے ہما کا حکم زندگی اور موت کا درجہ رکھتا تھا...... اس نے دونوں ہاتھ پھیلا لئے اور خونخوار نگاہوں سے نوجوان کو دیکھنے لگا...... ہما پھر بولی۔

"کتے کے بچے...... آج تک کسی کو میری اس طرح توہین کرنے کی جرات نہیں ہوئی...... تو نے میری توہین کی ہے...... وہ صلہ ملے گا تجھے کہ پھر کبھی کسی لڑکی کے سامنے اپنے آپ کو گلفام بنا کر پیش کرنے کی جرات نہیں کرسکے گا...... دادل کیا دیکھ رہا ہے، مار اسے۔" ہما نے کہا اور دفعتاً دادل نے پنجے جوڑ کر نوجوان پر چھلانگ لگادی۔

نوجوان تو اس کی زد میں نہیں آسکا تھا لیکن وہ خود سامنے والے درخت سے جا ٹکرایا تھا...... بڑی مشکل سے اس نے خود کو زخمی ہونے سے بچایا تھا۔

"یہ بن مانس تم نے کہاں سے خریدا۔" نوجوان نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دادل کو دیکھتے ہوئے کہا، پھر بولا۔

"لیکن شاید تمہیں یہ معلوم نہیں ہے مس ہما فاضل دارا کہ بن مانس ہیوی ویٹ ہوتے ہیں اور زیادہ پھرتی سے حرکت نہیں کرسکتے...... اس کی بجائے اگر تم بندر پال لیتی تو میرے خیال میں زیادہ بہتر ہوتا۔"

دادل نے جھلا کر دوبارہ نوجوان کی جانب دوڑ لگائی...... نوجوان اگر چاہتا تو وہاں سے بھاگ کر جان بچا سکتا تھا، لیکن وہ بھی دیوانہ ہی معلوم ہوتا تھا...... بالکل اس طرح جیسے بچے، پکڑنا پکڑنا کھیلتے ہیں...... وہ ایک دائرے میں چکراتا رہا اور دادل اسے پکڑ نہ سکا۔ ہما کا چہرہ آگ کی طرح سرخ ہو رہا تھا...... اس نے غصیلی آواز میں کہا۔

"دادل...... تو اس کتے کو پکڑ نہیں سکتا۔" دادل نے ایک بار پھر نوجوان کو دبوچنے کی کوشش کی تھی لیکن نوجوان زمین پر بیٹھ گیا اور اس کے ساتھ ہی اس نے دادل کی دونوں

ٹانگیں پکڑ کر انہیں کھینچ لیا...... دادل واقعی ہیوی ویٹ تھا...... طاقتور تو وہ اتنا تھا کہ اگر نوجوان اس کی گرفت میں آجاتا تو شاید دادل اس کی ہڈیاں ہی پیس کر رکھ دیتا، لیکن پھرتی میں وہ نوجوان کا مقابلہ نہیں کر پارہا تھا، نوجوان کی اس اچانک حرکت سے وہ ایک دھماکے کے ساتھ ہما کے پیروں کے پاس ہی گرا تھا...... ہما نے جھلاہٹ میں کئی ٹھوکریں اسے رسید کر دیں اور پھر خود بھی نوجوان کی جانب دوڑ پڑی۔

"تمہارے سامنے سے ہٹنا نعمتوں سے انکار کرنا ہے، کون نہ چاہے گا کہ تم جیسی حسین اور گداز لڑکی کسی کے قریب آنے کی کوشش کرے اور وہ اسے ٹھکرا دے...... ہما نے اپنے ناخنوں سے نوجوان کی آنکھیں نوچنے کی کوشش کی تھی، لیکن نوجوان نے دونوں کلائیں سیدھی کر کے کچھ اس طرح کا تحفظ کیا کہ ہما کے ہاتھ تو اس کی کلائیوں میں رہ گئے، اس کا بدن اور چہرہ نوجوان کے قریب آگیا۔

"یہ آرزو تو صدیوں میں جا کر پوری ہوتی ہے اور اس آرزو کی تکمیل کے لئے میں اب شکریہ ادا کرتا ہوں...... مس ہما فاضل دار انجانے کتنے دلوں میں یہ آرزو ہو گی، لیکن اپنی اپنی تقدیر کی بات ہے، وہ جو کہتے ہیں ناں کہ بن مانگے موتی ملیں...... مانگے ملے نہ بھیک۔" ہما نے اپنا سر اس کی ناک پر مارنے کی کوشش کی تو نوجوان نے پیچھے ہٹ کر کہا۔

"نہیں...... مس ہما...... ان نازک ضربوں سے میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔" اتنے میں دادل اپنی جگہ سے اُٹھ گیا تھا اور اس طرح اسے تاک رہا تھا جیسے اس بار وہ اس کو بالکل نہیں چھوڑے گا...... ہما نے اسے اپنی جانب متوجہ کر رکھا تھا اور دادل عقب سے آرہا تھا، لیکن جیسے ہی دادل نے اپنے درختوں کی شاخوں جیسے لمبے ہاتھ آگے بڑھائے اور نوجوان کو کمر سے دبوچنے کی کوشش کی نوجوان نیچے بیٹھ کر ایک طرف نکل گیا اور ہما دادل کی گرفت میں آگئی...... دادل نے گھبرا کر اسے چھوڑ دیا تھا۔ اب ہما دادل کو گھور رہی تھی۔

"کتے کے بچے...... آج تک تجھے جو کچھ کھلایا پلایا اس وقت بالکل بیکار ہو رہا ہے، تو اس معمولی سے لڑکے کو نہیں پکڑ سکتا۔"

"مجھے معمولی کہنے پر اعتراض ہے۔" دادل کی بجائے نوجوان نے کہا۔

"میں تجھے زندہ در گور کر دوں گی۔"

"بڑا رومانٹک جملہ ہے...... اگر اس کی گہرائیوں میں جایا جائے...... اصل میں ہمارے

ہاں عشق و محبت کے معاملات کچھ عجیب و غریب ہیں...... یعنی اگر واقعی کسی کو کسی سے عشق ہو جاتا ہے تو پھر وہ یہ خواہش کرتا ہے کہ محبوبہ سے شادی کرے اور محبوبہ جب بیوی بن جاتی ہے تو شوہر کے لئے اتنی ہی بری بیوی ثابت ہوتی ہے کہ بس اسے زندہ در گور ہونا پڑتا ہے...... اگر تم اپنے آپ کو میری بیوی کی حیثیت سے پیش کرنا چاہتی ہو تو قسم کھاتا ہوں تمہیں قبول نہیں کروں گا۔"

جواب میں ہما نے ایک ایسی گندی بات کہی کہ نوجوان کا پارا چڑھ گیا، اس نے کہا۔

"بہت بڑے آدمی کی بیٹی ہو بہت بڑے آدمی کی بیٹی، بہت غلیظ ہوتی ہے...... بات میری اور تمہاری اپنی ذات تک ہے نہ میں نے تمہارے ماں باپ کو کچھ کہا اور نہ تمہیں ایسی کوئی بات کہنی چاہئے تھی۔"

"تو میرے قریب آجا پھر میں تجھے بتاتی ہوں۔"

"اصل مسئلہ تو وہی ہے کہ میں تمہارے قریب آنا چاہتا ہوں لیکن اتنا نہیں کہ بعد میں تم مجھ سے نکاح کا مطالبہ کرو...... میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ بڑے پاکیزہ جذبات کے ساتھ میں اس گوشے میں آیا ہوں لیکن شاید تم زمانہ قدیم کی قلو پطرہ کا کردار ادا کرنا چاہتی ہو، یعنی اپنے غلام سے مجھ پر قابو پانے کے بعد...... توبہ توبہ۔" نوجوان دونوں گالوں پر تھپڑ لگانے لگا...... اس نے ہما کو اس قدر آتش زدہ کر دیا تھا کہ اب وہ صرف یہ چاہتی تھی کہ یا تو یہ نوجوان اس دنیا میں رہے یا وہ خود...... دونوں ناکام تھے۔ دادل تو اس کے مقابلے میں بالکل ہی بیکار ثابت ہوا تھا...... ایک بار بھی اس کے بدن کو چھو نہیں سکا تھا اور نوجوان بس اسے جھکائیاں دے رہا تھا، پھر اس نے کہا۔

"مس ہما، ایسا کرتے ہیں کہ کل کسی ڈھنگ کے آدمی کو لے کر آئیے...... اگر وہ مجھے چھو جائے گا تو میں آپ سے شادی کر لوں گا۔" ہما نے پھر ایک ایسی بات کہی کہ نوجوان کو شدید غصہ آگیا...... وہ آگے بڑھا اور اس نے کہا۔

"دیکھو کسی کی پسند ناپسند اپنی جگہ ہے لیکن کم از کم زبان اتنی غلیظ نہیں ہونی چاہئے۔"

"تو خود کو سمجھتا کیا ہے...... کتے کے پلے۔" لیکن جواب میں نوجوان کا زوردار تھپڑ ہما کے رخسار پر پڑا...... پٹاخہ پھوٹنے جیسی آواز ہوئی اور ایک لمحے کے لئے ہما کا سر چکرا کر رہ گیا...... نوجوان نے دو قدم پیچھے ہٹ کر کہا۔

"اس کے بعد کسی کو اس طرح گالی مت دینا سمجھیں اور کل سے اگر تم گھر سے باہر نکلیں تو ایک بات تمہیں بتائے دیتا ہوں، اس وقت تو میں نے تمہارے رخسار پر صرف تھپڑ مارا ہے، کل سے کسی پبلک مقام پر پانچ جوتے تمہارے سر پر پڑا کریں گے۔ یہ تمہارا کوٹا ہوگا، چنانچہ کل سے گھر پر بیٹھنا...... نکل آتی ہیں کلبوں میں...... ہیں بالکل جاہل ہے جاہل۔"

نوجوان واپسی کے لئے پلٹ گیا...... دادل اب بری طرح ہانپ رہا تھا...... اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس چھلاوے کو قابو میں کرنا ناممکن ہے...... بلاوجہ اپنی قوت ضائع کر رہا ہے...... وہ بہت پھرتیلا تھا۔ ہما بھی خاموش ہی کھڑی رہ گئی تھی، اس کے پورے وجود میں شعلے رقصاں تھے...... پھر اس نے دادل کو دیکھا...... ہاتھ سے سینڈل اتارا اور اس کے بعد دادل پر پل پڑی...... دادل خاموشی سے پٹتا رہا تھا۔

"تو نے آج جتنا ذلیل کرایا ہے دادل اتنی ذلیل میں کبھی نہیں ہوئی۔"

"بابا...... میں تو ایک بات کہتا ہوں...... وہ آدمی کا بچہ تھا ہی نہیں۔"

"اچھا...... پھر کیا تیری نسل سے تھا؟"

"میری نسل سے ہوتا تو میں اپنی نسل ہی ختم کر دیتا بابا۔"

"لیکن وہ۔"

"کیا کہنا چاہتا ہے تو؟"

"انسان نہیں تھا وہ...... کوئی رُوح تھی رُوح۔" دادل نے کہا۔

"روح کے بچے اسے تلاش کر...... تو اسے گولی نہیں مار سکتا تھا۔"

"بابا کیسی باتیں کرتے ہیں آپ کیا کلب کے اس حصے میں کسی کو گولی ماری جا سکتی ہے...... اگر ہم کسی کو گولی مار کر قتل کر دیتے تو کیا ہم خود بچ جاتے۔"

"ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے...... بات کروں گی میں ڈیڈی سے۔ بات کروں گی کہ تم نے یہ پورس کے ہاتھی پال رکھے ہیں...... ان کا کوئی مقصد نہیں ہے۔"

"بابا...... دیکھو ہمارا قصور نہیں ہے...... آپ نے ساری باتیں خود دیکھی ہیں۔"

"اسے تلاش کر میں کہتی ہوں اسے تلاش کر۔" دادل ایک طرف دوڑا چلا گیا تھا...... اس وقت ہما کے غصے سے بچنے کا ایک یہی طریقہ تھا کہ اس کی نگاہوں کے سامنے سے دور ہو جایا جائے، لیکن ظاہر ہے نوجوان اب آسانی سے نہیں مل سکتا تھا...... تھوڑی دیر کے بعد

ہما نے اپنا حلیہ درست کیا...... جو کچھ ہو چکا تھا وہ واقعی ہی ایسا تھا کہ وہ خودکشی کر لیتی، لیکن اب اتنی آسانی سے بھی خودکشی نہیں کی جا سکتی...... نوجوان کو مارنا اب اس کی زندگی کا پہلا فرض ہو گیا تھا۔ اگر اسی شہر میں رہتا ہے تو جائے گا کہاں...... پھر اس نے دماغ ٹھنڈا کر لیا...... دادل ہر طرح اس کے قریب ہی رہنا چاہتا تھا۔ اسے نگاہوں سے اُوجھل کرنے کا مطلب یہ تھا کہ اسے کوئی نقصان بھی پہنچ جائے تو اس نقصان کے نتیجے میں دادل کو اپنی زندگی کا نقصان برداشت کرنا پڑتا، کیونکہ فاضل دارا نے اس کی یہی ڈیوٹی لگائی تھی کہ صورت حال کچھ بھی ہو۔ ہما سے فاصلہ نہیں اختیار کرنا ہے...... پھر ہما ہی نے اپنا دماغ ٹھنڈا کیا اور دادل کے قریب پہنچ گئی۔

"دادل میں جانتی ہوں کہ تو بے وقوف نہیں ہے...... میں یہ بھی جانتی ہوں کہ میرے باپ کا وفادار غلام ہے۔"

"بابا میں اس بارے میں کچھ نہیں کہوں گا۔"

"ٹھیک ہے دادل...... وہ نہیں ملا ناں۔"

"وہ یہاں ہے ہی نہیں...... میرا خیال ہے بھاگ گیا۔"

"دادل ہمیں سمجھ داری سے کام کرنا ہوگا۔"

"حکم دو بابا۔"

"دیکھ ابھی اس بات کا کسی کو پتا نہیں چلنا چاہئے، ورنہ لوگ پوچھیں گے اور انہیں بتانا پڑے گا کہ ایک کتے کا پلا ہما فاضل دارا کو ذلیل کر کے خاموشی سے نکل گیا ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں بابا۔"

"لیکن بہت ہوشیاری کے ساتھ بڑی ذمہ داری کے ساتھ یہ پتہ چلانا ہے کہ وہ کس کے ساتھ یہاں آیا تھا، کم از کم کسی نہ کسی کا مہمان تو ہوگا وہ۔"

"ٹھیک ہے۔"

"تو پھر تو نکل یہاں سے...... میں اندر ہال میں بیٹھتی ہوں، تو یہ معلومات حاصل کر کے مجھے اس کے بارے میں اطلاع دے...... ہم اس کی نسلیں تباہ کر دیں گے...... ان لوگوں کی بھی جو اسے یہاں لے کر آئے ہیں...... چاہے ان کا اس سے کوئی بھی رشتہ ہو۔"

"میں کوشش کرتا ہوں بابا۔" دادل نے کہا۔ ہما فاضل دارا نے اپنے آپ کو درست

کیااور پھر آہستہ سے چلتی ہوئی ہال میں داخل ہو گئی...... اس کی نگاہوں نے پورے ہال کا جائزہ لیا تھا۔ لوگ اپنی اپنی تفریحات میں مشغول تھے، چونکہ ہما نے آج تک کسی کو اپنا دوست نہیں بنایا تھا، وہ اپنی میز پر جا بیٹھی، لیکن وہ بری طرح نڈھال ہو گئی تھی...... اس کے گال پر نوجوان کے ہاتھوں کا لمس اس وقت بھی چمک رہا تھا...... دیکھنے والے اگر غور سے اس کا رخسار دیکھتے تو انہیں انگلیوں کے نشانات صاف نظر آسکتے تھے...... وہ خاموش بیٹھی رہی۔ اندر کی کیفیت جو کچھ بھی تھی، اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا، لیکن بظاہر چہرہ پر سکون بنائے بیٹھی ہوئی تھی، جس طرح یہاں وقت گزارا کرتی تھی، اس کے علاوہ کوئی چارہ کار بھی تو نہیں تھا......

دادل نجانے کتنی دیر تک مارا مارا پھرتا رہا اور اس کے بعد وہ مایوسی سے منہ لٹکائے اس کے قریب پہنچ گیا...... ہما نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور بولی۔

"تیرے چہرے پر ناکامی نظر آتی ہے دادل۔"

"بابا صاحب کہیں سے پتا ہی نہیں چلتا۔"

"آج تو جس قدر ناکارہ ثابت ہوا ہے دادل۔ میں خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی، ڈیڈی نے تجھے میرا باڈی گارڈ بنایا ہے، لیکن میں تو یہ محسوس کرتی ہوں کہ اب تیری حفاظت کے لئے کچھ عورتوں کو متعین کر دیا جائے۔" دادل کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے بھیانک تاثرات نظر آئے اور اس کے بعد وہ خاموش ہو گیا۔

"کیا اب بھی ہمیں یہاں بیٹھنا چاہئے؟"

"واپسی زیادہ مناسب ہو گی بابا صاحب۔" دادل نے آہستہ سے کہا۔

"چل...... چلتے ہیں۔" ہما اپنی جگہ سے اُٹھ گئی...... اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے...... غصے کی شدت نے اسے دیوانہ کر دیا تھا...... اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے، بہر حال باہر نکلی...... پارکنگ لاٹ پر پہنچی۔ دادل نے جلدی سے کار کی چابی نکال کر ڈرائیونگ سیٹ کی سائیڈ کا دروازہ کھولا اور وہ اندر بیٹھ گئی۔ پارکنگ لاٹ کے برابر ہی ایک اور خوبصورت کار کھڑی ہوئی تھی جو بظاہر اس وقت سنسان نظر آتی تھی...... ہما نے اس پر توجہ بھی نہیں دی تھی...... دادل گھوم کر دوسری طرف آیا اور پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا...... تبھی برابر والی کار کا شیشہ کھلا...... لیفٹ ہینڈ ڈرائیو تھی اور رُخ ہما ہی کی طرف تھا...... کھلے شیشے کی سرسراہٹ سن کر ہما نے اس طرف دیکھا اور ایک بار پھر اس کی طرف دیکھا اور اس کی

آنکھوں میں جنون اُبھر آیا...... یہاں اچھی خاصی روشنی تھی اور اس روشنی میں برابر والی کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر نوجوان کا چہرہ نظر آرہا تھا۔

"ہیلو بے بی...... بڑی جلدی واپس چل دیں یہاں سے۔" دادل نے بھی یہ آواز سنی...... ہما نے اس چہرے کو دیکھا اور اس کے ہونٹ بھنچ گئے۔ ایک بار پھر اس پر جنون طاری ہو گیا تھا...... نوجوان بولا۔

"تم نے واقعی یہ گدھا پال رکھا ہے...... آخر اس گدھے کو ساتھ رکھنے سے کیا فائدہ۔ کیا یہ گاڑی بھی نہیں چلا سکتا۔" ہما کچھ نہ بولی...... صورت حال ایسی تھی کہ اس وقت وہ کچھ کر بھی نہیں سکتی تھی...... دروازہ دوسری کار کی رینج سے دُور تھا...... یعنی اگر وہ دروازہ پوری قوت سے کھول کر اس کار پر مارنا چاہتی تو وہ وہاں تک نہیں پہنچتا...... اپنی گاڑی سے اگر کود کر اس گاڑی پر جھپٹنے کی کوشش کرتی تو یہ بھی ایک بیکار کوشش ہوتی...... کار کا انجن چونکہ سٹارٹ نہیں ہوا تھا اس لئے وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ خاموشی سے بیٹھی ہوئی بے بسی سے اسے دیکھتی رہی...... نوجوان نے پھر کہا۔

"ویسے تم گاڑی چلاتے ہوئے بڑی عجیب لگتی ہو گی...... اصل میں میرا نظریہ اس سلسلے میں کچھ اور ہے...... ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی ہوئی عورت مجھے نجانے کیوں ایسی لگتی ہے جیسے کوئی بکری قوالی گا رہی ہو...... ویسے بے بی تمہیں ڈرائیونگ آتی ہے۔" ہما نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا...... دادل آہستہ آہستہ ہینڈل کھول رہا تھا...... لیکن وہ خود بھی نوجوان کے بارے میں اچھی طرح سمجھ چکا تھا...... وہ قابو میں آنے والوں میں سے نہیں ہے...... اب اگر وہ یہاں ملا ہے تو یقینی طور پر اس نے اپنے تحفظ کا بندوبست بھی کر لیا ہو گا...... پھر نوجوان نے گاڑی سٹارٹ کی اور بولا۔

"اگر ڈرائیونگ آتی ہے تمہیں تو آؤ ذرا تھوڑی سی چہل قدمی کر لیں۔" اس کے ساتھ ہی اس نے انجن سٹارٹ کر کے گاڑی آگے بڑھا دی اور اب صورت حال ہما کے ہاتھ میں آچکی تھی...... اس کے ہونٹوں پر ایک بھیانک مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے کہا۔

"دادل...... ہر چالاک انسان آخر کار کوئی نہ کوئی ایسی غلطی کر بیٹھتا ہے جو اس کی موت بن جاتی ہے...... اس شخص نے مجھے خود ہی اپنی موت کو دعوت دینے کا راستہ دکھایا ہے۔" اور اس کے بعد ہما نے کار آگے بڑھا دی...... کلب کے بڑے کمپاؤنڈ سے نکلنے کے بعد ایک چوڑی

سڑک سامنے نظر آتی تھی...... ہما نے ایک لمحے کے لئے کار کے بریکوں پر دباؤ ڈالا، بس وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ نوجوان سڑک کی داہنی سمت جاتا ہے یا بائیں سمت...... نوجوان بائیں سمت مڑ گیا تھا اور اس کے بعد ہما نے جس طوفانی رفتار سے کار کو ٹرن دیا وہ ناقابل یقین تھی...... ایک طرف کے دونوں ٹائر اوپر اٹھ گئے تھے، لیکن ہما جانتی تھی کہ کار کس طرح ڈرائیو کی جاتی ہے اور اس کے بعد چوڑی سڑک پر ڈرائیونگ شروع ہو گئی، لیکن اسے ڈرائیونگ نہیں کہا جا سکتا تھا...... یوں محسوس ہوتا تھا جیسے دو ہوائی جہاز زمین پر دوڑ رہے ہوں...... اپنی اسی رفتار کے ساتھ، جو وہ فضا میں قائم کرتے ہیں...... دیکھنے والوں کی نگاہیں اس وقت کار پر نہیں ٹک سکتی تھیں...... دونوں ہی دیوانے معلوم ہوتے تھے...... ہما تو خیر اس سلسلے میں مشہور تھی، لیکن نوجوان بھی کمال کی شخصیت تھی...... وہ اس طرح کار دوڑا رہا تھا کہ ہما اسے پکڑ نہیں پا رہی تھی...... اس کا پاؤں ایکسیلیٹر پر آخری حد تک دب چکا تھا اور کار ہوا سے باتیں کر رہی تھی، لیکن نوجوان کی کار کا فاصلہ اس کی کار سے کم نہیں ہو پا رہا تھا، کئی جگہ موڑ آئے اور ان موڑوں پر مڑتے ہوئے دادل جیسے بے جگر آدمی کو آنکھیں بند کر لینا پڑیں، لیکن ہما فاضل دارا کے چہرے پر خون نظر آ رہا تھا...... وہ آگ بنی ہوئی تھی...... اس وقت بھی اسے نوجوان کے مقابلے میں اپنی شکست کا احساس ہو رہا تھا...... کار کی رفتار بتانے والی سوئی آخری ہندسوں تک آ رہی تھی، لیکن اسے کنٹرول کرنا ایک ناقابل یقین عمل تھا...... پھر ایک ایسا موڑ آیا جسے کاٹنا تقریباً ناممکن ہی تھا...... ہما نے کار کی رفتار سست کی اور اس موڑ سے گزر گئی، لیکن آگے اسے دوسری کار کی روشنیاں نظر نہیں آئی تھیں...... وہ یا تو فضا میں پرواز کر گئی تھی یا پھر نجانے کیا ہوا تھا...... سڑک کے دوسرے کنارے پر بھی کوئی گاڑی نظر نہیں آ رہی تھی جس سے یہ اندازہ ہو کہ دوسری کار موڑ کنٹرول نہیں کر سکی اور کہیں جا ٹکرائی...... دونوں طرف عمارتیں بنی ہوئی تھیں...... ہما فاضل دارا نے کار کی رفتار سست کی اور پھر یہ دیکھنے لگی کہ نوجوان کی کار کدھر گئی...... دادل نے اس موقعے کو غنیمت جان کر کہا۔

"بابا صاحب تھوڑی سی غلطی آپ نے کی ہے...... آپ اسے بھلا کر یہاں سے نکل جاتیں...... یہ سڑک اتنی سنسان ہے کہ میں آسانی سے اسے گولیوں کا نشانہ بنا سکتا تھا۔"

"تو بکواس مت کر...... کتے کے بچے میں گھر چل کر تجھے بتاؤں گی...... گولیوں کا نشانہ بنا سکتا...... خبردار۔ اب اگر وہ نظر آئے تو اس پر گولی مت چلانا...... اس نے مجھے مقابلے کی

دعوت دی ہے۔"

"مگر بابا صاحب...... وہ تو نکل گیا۔" دادل کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا...... اچانک ہی نوجوان کی کار روشنیاں بند کئے ان کے قریب پہنچی اور اس نے ایک قہقہہ لگا کر کہا۔

"ہما فاضل دارا...... آخر لڑکی ہو...... یہ سب کچھ تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔ بھلا مجھ سے مقابلہ کرو گی...... آؤ...... ابھی تو سڑکیں بہت طویل ہیں۔"

ہما کی کار گیئر میں تھی...... اس نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور نوجوان کی کار کے پیچھے چل پڑی...... نوجوان نے ایک بار پھر روشنیاں جلالی تھیں...... غالباً موڑ کاٹنے کے بعد وہ سڑک کی سائیڈ میں روشنیاں بجھا کر رُک گیا تھا...... ہما کی کار کی رفتار اتنی تیز تھی کہ موڑ پر اسے کنٹرول کرتے ہوئے وہ ادھر اُدھر کہیں نہیں دیکھ سکتی تھی...... نوجوان نے اس سے فائدہ اٹھایا تھا...... اب سڑک اس قدر چوڑی نہیں رہی تھی، بلکہ آگے چل کر تھوڑی سی خراب ہو گئی تھی...... کنارے پر بڑے بڑے درخت اُگے ہوئے تھے، نوجوان کی کار کا فاصلہ اب ہما کی کار سے کم ہوتا جا رہا تھا...... غالباً خراب سڑک کی وجہ سے اسے بھی رفتار سست کرنی پڑی تھی، لیکن یہ ہوش مندی کا کام تھا، جبکہ ہما میں ہوش مندی کا ہی فقدان تھا، چنانچہ اب وہ کار کے قریب پہنچ گئی اور ایک بار اس نے پوری قوت سے نوجوان کی کار کو سائیڈ مارنے کی کوشش کی...... نوجوان نے ایک دم رفتار سست کر دی اور بریک لگا دیا...... ہما کی کار کی رفتار چونکہ تیز تھی اس لئے وہ آگے نکل گئی اور سائیڈ نہ مار سکی...... نوجوان رانگ سائیڈ سے پھر آگے بڑھ گیا تھا...... ہما نے بھی رانگ سائیڈ ہی سے کار آگے بڑھائی اور اس بار پھر اس نے پوری قوت سے کار کا اسٹیئرنگ نوجوان کی کار کے قریب لا کر گھما دیا...... یہ بہت خطرناک کوشش تھی...... نوجوان نے اس بار پیچھے رکنے کی کوشش نہیں کی تھی، بلکہ ایک دم سے ایکسیلیٹر دبا دیا تھا اور ایکسیلیٹر دباتے ہی اس کی کار تو ہوا ہو گئی، لیکن ہما اپنی کار کو کنٹرول نہ کر سکی...... اس کی کار بالکل سامنے کی سمت سے اس چوڑے درخت کے تنے سے جا ٹکرائی جو سڑک کے کنارے پر موجود تھا...... ایک ہولناک دھماکہ ہوا، سب سے پہلے ونڈ سکرین ٹوٹا اور اس کا بڑا شیشہ ہما کی گردن سے پار ہو گیا...... ہما کی گردن شانوں سے دور پیچھے بیٹھے ہوئے دادل کی گود میں آ گری...... خون کے چھینٹوں نے ایک لمحے کے لئے دادل کی آنکھوں کو بھگویا، لیکن دوسرے لمحے وہ بھی کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہ رہا...... سامنے کی پوری باڈی

اس کے سر سے ٹکرائی اور اس کا بھیجا باہر نکل آیا...... کار میں خون ہی خون بکھر گیا...... نوجوان کی کار تھوڑے فاصلے پر جا کر رُکی...... ایک خوفناک دھماکہ ہوا تھا اور اس کے بعد ہما کی کار میں آگ لگ گئی تھی...... نوجوان نے تھوڑے فاصلے پر لے جا کر کار روکی اور اس کے بعد اسے ریورس کرنے لگا...... پھر دوسرا دھماکہ ہوا اور جب دوسرے دھماکے کے بعد شعلے چاروں طرف بکھر گئے تو نوجوان نے کار میں جھانکا اور اس کے بعد ایک گہری سانس لے کر اپنی کار آگے بڑھا دی...... تھوڑی دیر کے بعد وہ جلتی ہوئی کار سے بہت دُور نکل چکا تھا۔

عموماً ایسا ہوتا تھا کہ فاضل دارا ہما کی واپسی کا انتظار کرتے کرتے تھک جاتا تھا...... ہما اپنی مرضی کی مالک تھی...... کبھی جلدی کلب سے اُٹھ جاتی تھی اور کبھی بہت دیر لگا دیا کرتی تھی...... کلب کی تفریحات ڈھائی تین بجے تک چلتی رہتی تھیں...... اس کے بعد کلب بند ہوتا تھا اور ہما خاموشی سے آ کر اپنے کمرے میں چلی جاتی، لیکن فاضل دارا رات کے کسی نہ کسی وقت آنکھ کھلتی تو ہما کے بیڈ روم کا جائزہ ضرور لے لیا کرتا تھا...... آج رات بھی ایسا ہی ہوا تھا...... وہ اپنی بیوی سے تقریباً پونے ایک بجے تک باتیں کرتا رہا تھا...... ہما واپس نہیں آئی تھی...... جب اس نے بیوی کی آنکھوں میں گہری نیند کے آثار دیکھے تو بولا۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں سو جانا چاہئے...... میں تمہاری کیفیت خراب دیکھ رہا ہوں۔"

"ہاں سخت نیند آ رہی ہے۔"

"کوئی ذریعہ نہیں ہے اس لڑکی کو سنبھالنے کا...... کوئی ایسی کوشش ہو جس سے یہ کم از کم اتنی رات گئے واپس آنا چھوڑ دے۔"

"آپ خود سوچیں۔"

"تمہارے انداز میں ہمیشہ طنز پایا جاتا ہے۔" نجانے کیوں فاضل دارا کی آواز میں جھلاہٹ پیدا ہو گئی۔

"دیکھئے بات اصل میں یہ ہے کہ آپ کے سوچنے کا انداز غلط ہے...... آپ کو بالآخر ایک دن یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ ہما پر سخت پابندیاں لگائی جائیں"۔

"تو بابا کون نہیں چاہتا لیکن وہ جس قدر جنونی ہے تمہیں خود بھی اس کا اندازہ ہے۔"

"اس کا یہ جنون آپ کو ہی ختم کرنا ہوگا...... میں تو عورت ہوں...... برا نہ مانئے گا...... آپ نے مجھ سے ہمیشہ ایک ماں کا حق چھینا ہے...... کبھی کسی معاملے میں بولی تو آپ نے فوراً

ٹانگ اڑا دی...... کون باپ اپنی بیٹی سے محبت نہیں کرتا لیکن اس طرح اسے بے لگام کر دینا آپ ہی کا کام ہے۔ بیٹا ہوتا تو ہم یہ کہہ سکتے تھے کہ سرکش ہے...... بدتمیز ہے...... بیٹی اگر کتنی ہی سرکش کتنی ہی بدتمیز ہو لیکن اسے لگام ڈالنی ہی پڑتی ہے۔"

"اب تم مجھے گالیاں دینے بیٹھ گئیں۔"

"میری یہ جرات نہیں کہ میں آپ کے سامنے اونچے لہجے میں بھی بات کر سکوں...... آپ کی پریشانی دیکھتی ہوں تو دُکھ ہوتا ہے۔"

"کیا کیا جائے آخر؟"

"دیکھئے سختی اور صرف سختی۔"

"تم جانتی ہو میں ایسا نہیں کر سکتا وہ میرے دل کا کنول ہے، اس کی پیشانی کی ایک شکن میرے پورے وجود کو شکن آلود کر دیتی ہے۔"

"مانتی ہوں...... ہر بات مانتی ہوں میری بھی اولاد ہے، وہ آپ کا کیا خیال ہے کیا میں یہ نہیں چاہتی کہ اس سے محبت کی جائے۔ کیا میں یہ نہیں چاہتی کہ وہ ایک بہت اچھی بچی بن جائے...... لیکن آپ خود سوچئے آخر لڑکی ہے۔ کوئی واقعہ کوئی حادثہ پیش آ سکتا ہے۔"

"بس اب تم مجھے خوفزدہ نہ کرو...... چلو تم مجھ سے زیادہ تھکی ہوئی محسوس ہوتی ہو۔ سو جائیں" فاضل دارا اپنی جگہ سے اُٹھا تو اس کی بیوی بھی اُٹھ گئی اور تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے بیڈ روم میں بستر پر جا لیٹے...... بیوی تو کروٹ بدل کر سو گئی، لیکن فاضل دارا کے ذہن میں بہت سے خیالات گردش کرتے رہے۔ بیوی کی بات سے سو فیصدی اتفاق کرتا تھا...... ہما فاضل دارا کو اب تھوڑا سا کنٹرول کرنے کی ضرورت تھی، لیکن اس کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ بیٹی کے سامنے اس قدر بے بس ہو چکا تھا کہ بات ہی سمجھ میں نہیں آتی تھی...... بہر حال بہت دیر تک غور و فکر میں ڈوبا رہا اور پھر آنکھوں میں نیند آ بسی۔ نجانے کتنی دیر سویا تھا...... بیٹی کا تصور ذہن میں تھا...... اچانک ہی آنکھ کھل گئی...... نگاہ اٹھا کر سامنے لگی گھڑی کو دیکھا جس میں مدہم سی روشنی جل رہی تھی اور ڈائل صاف نظر آ رہا تھا...... ڈھائی بجے تھے...... بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھا اور بیڈ روم سے باہر آنے کے بعد ہما کے کمرے کی جانب چل پڑا...... تیسرا کمرہ تھا۔ اندر تاریکی پھیلی ہوئی تھی...... تاریکی دیکھ کر اس کا دل اُچھل کر رہ گیا...... ہما ہمیشہ نائٹ بلب جلا کر سوتی تھی۔ تاریکی کا مطلب یہ تھا کہ وہ واپس نہیں آئی......

اتنی رات گئے اس نے بے اختیار دروازہ کھولا...... اندر جاکر لائٹ جلائی...... ہما کا بستر بے شکن تھا، جس سے صاف اندازہ ہوگیا کہ وہ واپس نہیں آئی ہے...... اتنی رات گئے وہ دوڑتا ہوا باہر نکل آیا...... بیڈ روم میں پہنچنے کے بعد اس نے ٹیلی فون اپنے سامنے رکھا اور ریسیور اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھا ہی رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اُٹھی...... نجانے کیوں اس گھنٹی نے فاضل دارا کا دل اپنی گرفت میں لے لیا...... اسے محسوس ہوا جیسے یہ گھنٹی یقینی طور پر کسی خطرے کی گھنٹی ہے...... رات کے ڈھائی بجے اس کی ڈائریکٹ لائن پر اسے فون کرنے والا کون ہوسکتا ہے...... کانپتے ہاتھوں سے اس نے ریسیور اٹھایا اور کان سے لگالیا...... دوسری جانب سے ایک اجنبی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"ہیلو...... ہیلو۔" فاضل دارا کے منہ سے بمشکل تمام آواز نکلی۔

"کون ہے؟"

"فاضل دارا صاحب سے بات کرنا چاہتا ہوں میں۔"

"میں بول رہا ہوں۔"

"سر میں پولیس انسپکٹر ہوں...... کراس روڈ پر ایک کار کا حادثہ ہوگیا ہے۔ براہ کرم آپ فوراً ہی نیشنل ہسپتال میں تشریف لے آیئے۔" فاضل دارا کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

"کیوں۔" اس نے غرائی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"سر آپ کا تشریف لانا بے حد ضروری ہے...... کیا اس کار کو آپ کی صاحبزادی چلا رہی تھیں۔"

"کیا ہوا انسپکٹر کیا ہوا۔"

"سر میرا نام ابراہیم شاہ ہے...... میں نیشنل ہسپتال ہی سے بول رہا ہوں...... آپ براہ کرم۔"

"انسپکٹر...... میرا نام جانتے ہو۔"

"جی سر۔"

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں واقعہ کیا ہوا ہے؟"

"سر میں آپ سے عرض کرچکا ہوں کہ ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔"

"کیا ہما اس میں موجود تھی کار میں...... میرا مطلب ہے ہما کی کار کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔"

"جی سر۔"

"کیا وہ زخمی ہوگئی ہے؟" فاضل دارا نے سوال کیا۔

"سر آپ تشریف لے آئیں تو زیادہ بہتر ہوگا...... میں اس سے زیادہ آپ کو اور کچھ نہیں بتا سکتا۔" انسپکٹر نے فون بند کردیا...... فاضل دارا ریسیور ہاتھ میں لئے رہ گیا...... ایک لمحے کے لئے اس کے بدن میں جیسے جان ہی نہ رہی ہو...... انسپکٹر کا لہجہ بہت عجیب سا تھا اور نجانے یہ لہجہ فاضل دارا سے کیا کہہ رہا تھا...... بہر طور پھر اس نے خود کو سنبھالا، جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور بیوی کو جھنجھوڑ ڈالا...... بیوی ہڑ بڑا کر اُٹھ گئی تھی۔

کیا ہوا...... کیا بات ہے؟

کپڑے دو میرے جلدی سے کپڑے دو۔

"الٰہی خیر...... کیا ہوا؟"

"کپڑے دو۔" فاضل دارا غرایا اور بیوی نے جلدی سے بستر سے چھلانگ لگادی...... پھر اس نے فاضل دارا کا لباس اسے دیا تھا...... فاضل دارا نے بمشکل تمام اُلٹا سیدھا لباس پہنا...... وہ ذہنی طور پر سخت معطل ہو رہا تھا، بیوی پوچھتی ہی رہ گئی...... وہ دوڑتا ہوا باہر نکلا...... اس وقت کسی تکلف کی گنجائش نہیں تھی، اس نے خود ہی اپنی پجارو نکالی اور اسے سٹارٹ کر کے طوفانی انداز میں گیٹ کی جانب بڑھا، چوکیدار خوش قسمت تھا کہ اس نے یہ بھاگ دوڑ دیکھ لی تھی اور گیٹ پر تیار تھا، جیسے ہی فاضل دارا کی کار گیٹ کی جانب لپکی اس نے گیٹ کھول دیا...... اس کے دل میں پنکھے لگے ہوئے تھے...... انسپکٹر کے الفاظ اسے اپنے ذہن میں دھمکتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے...... یہ نہ بتانا کہ ہما زخمی ہوگئی ہے یا نہیں...... فاضل دارا کے دل میں برچھیاں لگا رہا تھا۔

بینا کو چائے کا پھندا لگ گیا...... صبح کو سب سے پہلا کام وہ یہی کرتی تھی...... بیڈ ٹی سے تو اسے نفرت تھی، لیکن بیڈ سے اترنے کے بعد وہ منہ ہاتھ دھو کر چائے ہی پیتی تھی...... چائے کے ساتھ ساتھ اخبار بھی ضروری ہوتا تھا...... نجانے کب سے یہ عادت بنی ہوئی تھی، لیکن اخبار کی لیڈ دیکھ کر اسے چائے کا پھندا لگ گیا...... سیاہ حاشیئے میں خبر چھپی ہوئی تھی...... ملک کی ایک بہت بڑی شخصیت فاضل دارا کی بیٹی ہما فاضل دارا کار کے ایک خوفناک حادثے میں ہلاک۔ الفاظ بینا کی آنکھوں کے سامنے ناچنے لگے...... ہما فاضل دارا کار کے حادثے میں ہلاک...... شہاب کے الفاظ کہ بینا مجرم کیفر کردار تک پہنچنا ہی چاہئے اور مجرم کیفر کردار کو پہنچ گیا تھا، لیکن کیا شہاب...... شہاب...... شہاب...... پوری خبر بینا بامشکل تمام پڑھ پائی تھی، لیکن جو خبر تھی اور اس کے ساتھ تباہ شدہ کار کی جو تصویریں چھاپی گئی تھیں انہوں نے بینا کو بری طرح نروس کر دیا...... بہت دیر تک وہ سر پکڑے بیٹھی رہی...... چائے بھی ٹھنڈی ہو گئی تھی...... عدنان واسطی اس کے کمرے میں پہنچے تو بینا چونک پڑی۔

"کیوں کیا بات ہے خیریت...... تمہارا چہرہ کچھ عجیب سا ہو رہا ہے۔" بینا کے منہ سے الفاظ نہیں نکل سکے...... اس نے اخبار عدنان واسطی کی جانب بڑھا دیا۔

"ارے خیریت ہے...... کیا بات ہے۔" عدنان واسطی نے اخبار اس کے ہاتھ سے لے کر سب سے پہلے اس کی لیڈ ہی دیکھی تھی...... پھر وہ بھی ایک دم سنجیدہ ہو گئے۔

"ہما فاضل دارا۔" انہوں نے پوری خبر پڑھی اور صوفے پر بیٹھ گئے۔

"مگر تمہاری یہ کیفیت کیوں ہو رہی ہے بینا...... سنا ہے وہ لڑکی ویسے بھی تیز رفتاری کی عادی تھی۔" پھر عدنان واسطی خود ہی چونک کر بولے۔

"تو کیا تمہارا مطلب ہے۔"

"نہیں ڈیڈی...... بس ایسے ہی میں سوچ رہی تھی کہ...... کہ......" بینا جملہ پورا نہیں کر سکی...... عدنان واسطی پر خیال نگاہوں سے بینا کو دیکھتے رہے، پھر انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"وہ اس قدر جنونی ہو سکتا ہے۔"

"وہ اس سے زیادہ جنونی ہے ڈیڈی۔" عدنان واسطی نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہا۔

"بہر حال...... بات کیا کہی جائے یہ سمجھنا بہت مشکل ہے...... اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قانون میں بڑی لچک ہے اور صاحب اقتدار لوگوں نے عام لوگوں کی زندگی کو کھیل سمجھ لیا ہے، لیکن بیٹے ہم ذاتی دشمنیاں نہیں اختیار کرتے...... قانون کو اس انداز میں استعمال نہیں کیا جا سکتا کہ ہم خود انہیں سزا دینے پر آ جائیں۔"

"ڈیڈی میں شہاب کی وکالت نہیں کروں گی، لیکن آپ دیکھئے کہ بعض صاحب حیثیت لوگ قانون ہی کو فٹ بال بنا لیتے ہیں...... ہما فاضل دارا نے سارجنٹ اشتیاق علی کو جان بوجھ کر ٹکر ماری تھی...... صرف اس لئے کہ اس نے اسے روکنے کی کوشش کی تھی...... یہ ایک ایسا جرم ہے ڈیڈی جس کی جس قدر مذمت کی جائے کم ہے...... صرف اس لئے کہ وہ ایک بڑے آدمی کی بیٹی تھی...... نہ وہ جنونی تھی نہ وہ پاگل...... بلکہ بس ایک غرور میں ڈوبی ہوئی لڑکی تھی...... اصولی طور پر فاضل دارا کو اسے سنبھالنا چاہئے تھا...... آپ کو شاید اس بات کا علم نہیں کہ شہاب نے فاضل دارا کو پیشکش کی تھی کہ اپنی بیٹی کو قانون کے حوالے کر دے اسے اس جرم کی سزا دلائے...... ڈیڈی اس کے دو پہلو تھے۔ ایک لڑکی کا غرور ٹوٹتا...... وہ آئندہ یہ سوچنا چھوڑ دیتی کہ انسانی زندگی اس قدر بے حقیقت ہوتی ہے...... وہ خود بھی تو انسان تھی ڈیڈی۔"

"یہ تمام باتیں میں تسلیم کرتا ہوں۔"

"نہیں ڈیڈی، حالانکہ میں اس عمل سے متفق نہیں ہوں...... اگر اس حادثے میں شہاب کا کوئی ہاتھ ہے تو اس نے بھی انتہا پسندی کی ہے، لیکن ڈیڈی ان لوگوں کو بھی سوچنا چاہئے...... سیر کو سوا سیر ضرور ملتا ہے۔ سارجنٹ اشتیاق علی تو پھر بھی صاحب حیثیت تھا اور اس کی بیوی اور بچے گزارا کر لیں گے، لیکن ایسے بے شمار لوگ ہوں گے جن کی داد و فریاد بھی ایسے لوگوں کے مقابلے میں نہیں سنی جا سکتی، ان کی آوازیں ان کے حلق میں گھونٹ دی جاتی

ہیں...... ڈیڈی انسان تو وہ بھی ہیں...... اللہ کی مخلوق...... ایک جیسے ہیں سب کچھ...... سوچنا چاہئے ان لوگوں کو سوچنا چاہئے۔"

"تمہاری چائے ٹھنڈی ہو گئی ہے۔"

"میری طبیعت کچھ عجیب سی ہو رہی ہے ڈیڈی۔ بہر حال یہ ایک حادثہ ہے یا۔یا۔"

"شہاب سے بات کرو۔" عدنان واسطی نے کہا۔

"اس وقت گھر میں ہی ہوں گے۔"

"دیکھ لو۔" عدنان واسطی بولے اور بینا نے لرزتے ہاتھوں سے شہاب کے گھر کا نمبر ڈائل کیا...... فون شاید ثریا بھابھی نے اٹھایا تھا۔

"کون بول رہا ہے۔"

"ثریا بھابھی میں بینا ہوں۔"

"ارے بینا...... خیریت۔"

"شہاب ہیں گھر پر۔"

"ہاں میرا خیال ہے تیاریاں کر رہے ہیں نکلنے کی۔"

"بات کرا دیجئے۔" بینا نے کہا اور چند لمحوں کے بعد شہاب کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو مس بینا...... آپ خیریت سے تو ہیں۔"

"شہاب میں آپ سے۔"

"تو پھر یوں کیجئے کریم سوسائٹی کی کوٹھی پہنچ جائیے...... گفتگو وہیں ہو گی۔"

"آپ آ رہی ہیں۔"

"ہاں...... میرا خیال ہے...... جوہر خان کو ٹیلی فون کر کے ہم ناشتے کی تیاری کے لئے کہہ دیتے ہیں...... آپ نے بھی ناشتہ نہیں کیا ہو گا۔"

"آپ اتنی صبح تیاریاں کر رہے تھے۔"

"ہاں...... بعد میں آپ کو ٹیلی فون کرتا۔"

"او کے...... میں پہنچ رہی ہوں۔" بینا نے فون بند کر دیا...... عدنان واسطی کو بتایا...... عدنان واسطی نے کہا۔

"خیر ٹیلی فون پر ایسی گفتگو ہمیں ویسے بھی نہیں کرنی چاہئے، لیکن دوپہر کو میں کورٹ

سے واپس آؤں گا تو تم آفس آ جانا...... ذرا سی معلومات مجھے بھی درکار ہیں...... شہاب اس کے بعد کیا ارادہ رکھتا ہے، بتانا مجھے۔"

"جی ڈیڈی۔" اور اس کے بعد بینا کریم سوسائٹی کی کوٹھی چل پڑی تھی...... شہاب کی کار اسے وہیں نظر آئی...... اس کا مقصد ہے کہ شہاب تیار ہو چکا تھا اور اسے باہر نکلنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی...... اس نے ایک دلکش مسکراہٹ کے ساتھ بینا کا استقبال کیا...... وردی میں تھا اور بہت خوبصورت نظر آ رہا تھا...... بینا کے چہرے پر عجیب سی کیفیت طاری تھی...... اسے دیکھ کر شہاب مسکرایا اور بولا۔

"میرا خیال ہے اس وقت ناشتہ تمہارے لئے بہت ضروری ہے۔"

"میں ناشتہ نہیں کر سکوں گی شہاب۔"

"اخبار پڑھ لیا کیا؟" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔"

"تب پھر ہماری گفتگو صرف اور صرف ناشتے کے بعد ہو گی۔"

شہاب کے لہجے میں ایک پتھریلا پن تھا...... بینا نے چونک کر اسے دیکھا اور بولی۔

"میں سمجھی نہیں شہاب۔"

"تمہیں ناشتہ کرنا چاہئے...... روزمرہ کی طرح، معمول کے مطابق۔ کسی واقعے اور کسی حادثے سے اس قدر متاثر ہونا ہمارے مسلک میں نہیں ہے بینا۔"

"شہاب۔"

"نہیں بینا...... سوری...... میرا بھی ایک نظریہ ہے...... اس نظریئے کو مجروح نہ کرو۔" بینا پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ خاموش ہو گئی۔ پھر اس وقت تک خاموشی طاری رہی جب تک جوہر خان نے ریڈی میڈ ناشتہ نہ لگا دیا...... شہاب نے بینا کو اشارہ کیا اور بینا سلائس پر مکھن لگانے لگی...... پھر وہ لوگ خاموشی سے ناشتہ کرتے رہے...... شہاب بینا کو چیک کر رہا تھا اور بینا اس وقت مکمل طور سے یہ محسوس کر رہی تھی کہ شہاب بھی اندر سے جذباتی ہے۔ اس کی یہ شکل اسی بات کا اشارہ کرتی تھی...... ناشتہ خاموشی سے کیا گیا...... بینا نے اس سلسلے میں دل نہ چاہنے کے باوجود کسی کمزوری کا مظاہرہ نہیں کیا تھا...... شہاب نے زندگی میں اسے بہت کم ہی احکامات دیئے تھے، لیکن اس وقت وہ جس انداز میں بینا سے بولا

تھا، اس سے بینا کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ہما کے بارے میں ہمدردی کا ایک بھی لفظ سننے کے لئے تیار نہیں ہے اور خود بھی اتنا ہی جذباتی ہے...... بہر حال کبھی کبھی تو شہاب کی اندرونی کیفیات سے بینا خود بھی خوفزدہ ہو جاتی تھی اور یہ نہ سمجھ پاتی تھی کہ وہ کب اور کس وقت کس موڈ کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔ ناشتے کے بعد شہاب کچھ نارمل ہوا اور اس نے بینا کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"چھوڑو بینا...... کس چکر میں پڑ گئیں تم...... زندگی اسی کا نام ہے...... ہمیں زندگی کے شب و روز میں ایسے لاتعداد واقعات کا سامنا کرنا پڑتا ہے...... کہیں کہیں ایسا بھی ہوتا ہے بینا کہ ہم کسی مجرم کو کیفر کردار پہنچانے کے بعد خود اس کے لئے افسردہ ہو جاتے ہیں، لیکن بینا دُنیا بڑی عجیب جگہ ہے...... اگر تم ظالم نہیں ہو تو تمہیں مظلوم بننا پڑتا ہے...... ظالم اور مظلوم سیاہی اور سفیدی ہیں، لیکن اگر تمہاری ذمہ داری مظلوم کو ظلم سے نجات دلانا ہے تو پھر تمہیں بھی ظالمانہ اقدامات کرنا پڑیں گے، ورنہ کسی ظالم سے نمٹنا آسان کام نہیں ہوتا۔"

"خیر یہ بات میں جانتی ہوں۔"

"تم مجھے افسردہ نظر آ رہی ہو۔"

"اصل میں تم نے میرے پوائنٹ آف ویو پر غور ہی نہیں کیا۔"

"اچھا...... ایسی بات ہے۔" شہاب آہستہ آہستہ اپنے مخصوص موڈ میں آتا جا رہا تھا۔

"ہاں بات تو یہ ہے۔" شہاب آہستہ آہستہ اپنے مخصوص موڈ میں آتا جا رہا تھا۔

"ہاں بات تو ہے...... اس سے انکار نہیں کروں گی۔"

"تو حضور مجھے اپنے پوائنٹ آف ویو سے روشناس کرائیں۔"

"نہیں میں اس وقت صرف ایک انسان بن کر سوچ رہی ہوں...... اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ لڑکی ایک قاتلہ تھی...... بغیر کسی وجہ کے اس نے ایک زندگی کا چراغ گل کر دیا۔"

"ایک ایسی زندگی کا چراغ گل کر دیا، جو خود اپنی نہیں تھی...... تم خود بھی اشتیاق کے گھر جا کر اس کے اہل خاندان کو دیکھ چکی ہو...... معصوم بچے باپ کے بغیر پرورش پائیں گے...... بینا زندگی اور موت تو اللہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے...... کوئی بھی کسی وقت جا سکتا ہے لیکن ہمیں تو یہ حق نہیں دیا گیا کہ ہم اللہ کے کام میں مداخلت کریں...... کتنی درندگی کی بات تھی...... اس نے تو صرف اپنا فرض پورا کرتے ہوئے اس کا راستہ روکا تھا...... وہ اس قدر

نادان نہیں تھی کہ یہ نہ جانتی ہو کہ اگر ایک موٹر بائیک کو وہ اتنی قوت سے ٹکر مارے گی تو موٹر بائیک پر موجود شخص کا کیا حال ہو گا...... جس لڑکی کے ذہن میں انسانی ہمدردی نہ ہو کیا وہ قابل معافی تھی اور پھر اس کا باپ اس کے جرم میں برابر اس کی معاونت کر رہا تھا...... لاکھوں روپے کی گاڑی اس نے تباہ و برباد کر دی اور اس کی جگہ نئی گاڑی لا کر کھڑی کر دی...... وہ مسلسل ایسی مجرمانہ حرکتیں کر رہا تھا جس کی اسے سزا ملنی ضروری تھی...... میں اگر چاہتا تو اس کے خلاف اور بھی بہت سے چارج لگا سکتا تھا...... اس کے بارے میں اس تفتیش کے دوران مجھے اور بھی بہت سی باتیں معلوم ہو چکی ہیں...... یہ جو ایسی اولادیں ہوا کرتی ہیں ناں بینا...... یہ ایسے لوگوں کی اولادیں ہوتی ہیں جو ان کے خون میں صرف اور صرف حرام شامل کر دیتے ہیں، اس حرام کی کمائی پر پلنے والی اولادیں ایسا انداز اختیار کرتی ہیں...... بینا میں اسے سزا دے سکتا تھا، لیکن میں نے اصل مجرم کو سزا دی اور ایماندارانہ طور پر جو کام کر رہا تھا، وہی کیا...... بعض اوقات میں نے یہ سوچا کہ شاید میں اپنے فرض سے غداری کر رہا ہوں...... فاضل دارا ایک سمگلر ہے...... مجھے اس کے وہ پہلو بھی تلاش کرنا چاہئے تھے لیکن ابھی میں نے ایسا نہیں کیا...... یہ دوسرے مرحلے کی بات ہے...... اگر وہ اس واقعے کے بعد کسی طرح میرے سامنے آنے کی کوشش کرے گا بینا تو پھر میں اس کا یہ دوسرا پہلو تلاش کر کے اسے سزا دلواؤں گا" بینا نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور پھر مسکرانے لگی، پھر بولی۔

"شہاب...... ایک بات تو بتا دو گے مجھے؟"

"پوچھو۔"

"وہ کیسے ہلاک ہوئی؟" بینا نے سوال کیا اور شہاب سوچ میں ڈوب گیا...... چند لمحے غور کرتا رہا...... پھر بولا۔

"میں نے اس کی نفسیات کا اندازہ لگا لیا تھا...... اس کی طبیعت میں درندگی ہے...... اس کے ساتھ جو شخص اس کے باڈی گارڈ کی حیثیت سے رہتا تھا یہ وہی شخص تھا جس نے مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی اور مجھے قتل کر دینا چاہا تھا۔"

"اوہ میرے خدا...... تم نے مجھے یہ واقعہ تفصیل سے نہیں بتایا۔"

"بہت سے واقعات چھپانے پڑ جاتے ہیں بینا۔" شہاب نے جواب دیا۔

"مجھ سے بھی۔" بینا نے شہاب کو دیکھتے ہوئے کہا شہاب مسکرا دیا پھر بولا۔

"خصوصاً تم سے۔"

"کیوں۔" بینا منہ بنا کر بولی۔

"اس لئے کہ اب تم ان لوگوں میں شامل ہو جو میرے لئے زندگی اور سلامتی کی دعائیں کرتے ہیں اور جو میرے لئے چھوٹی سی بات پر پریشان ہو سکتے ہیں...... اب تم دیکھو نہ بینا۔"

"بس...... بس...... بس میں سمجھ گئی آ گئے شرارت کے موڈ میں۔" بینا نے کہا پھر جلدی سے بولی۔

"لیکن میں سمجھ رہی ہوں کہ تم بات ٹالنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"کون سی بات۔"

"یہی جو میں نے تم سے پوچھی تھی۔"

"تم نے مجھ سے کچھ پوچھا تھا۔"

"کیا۔"

"وہ کیسے ہلاک ہوئی۔" شہاب پھر غور کرنے لگا، پھر آہستہ سے بولا۔

"میں نے کہا نا بینا اگر اس کی فطرت میں کوئی تبدیلی رونما ہو جاتی، اگر وہ اپنے کئے پر شرمندہ ہوتی، اگر فاضل دارا اپنی بیٹی کے جرم کو محسوس کر کے معذرت کرنے کی کوشش کرتا یا ایسا انداز اختیار کرتا جس سے یہ احساس ہو کہ اسے اپنی بیٹی کے جرم کا افسوس ہے تو شاید میرا انداز نرم ہو جاتا، میں اسے قانون کے حوالے کر دیتا، کسی نہ کسی شکل میں ایسا کر سکتا تھا، مجھے یہ احساس ہو گیا تھا بینا کہ وہ ہر حالت میں اپنی بیٹی کے جرم کو تسلیم نہ کر کے پاک صاف ظاہر کرنا چاہتا تھا اور اپنی بیٹی پر اسے کوئی کنٹرول بھی نہیں تھا...... وہ اس کی شخصیت کو نہیں بدل سکتا تھا...... بینا اور یہ لڑکی نجانے ایسے کتنے حادثات کرتی...... میں یہ سمجھتا ہوں کہ میرا ضمیر مجرم نہیں ہے۔"

"چلو چھوڑو ان باتوں کو شہاب اعصاب بہت زیادہ مضمحل ہو گئے ہیں۔"

"ہاں یار چلو کچھ اپنی باتیں کریں اچھا لگتا ہے۔" شہاب نے کہا اور بینا مسکرانے لگی۔

❀❀❀

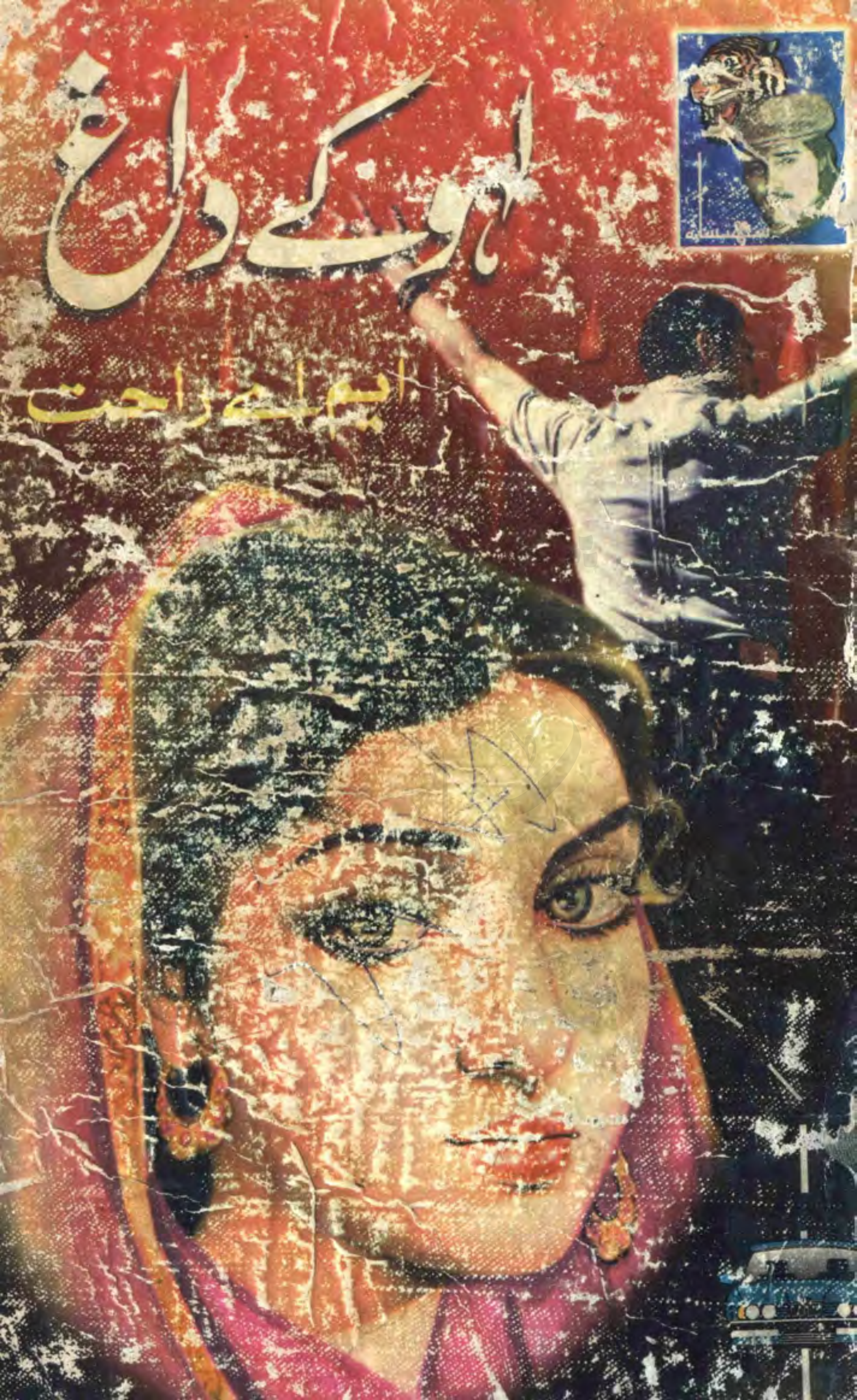
لہو کے داغ
ایم اے راحت

عدنان واسطی بار رُوم سے اُٹھ کر باہر آئے کوئی خاص کام نہیں تھا...... آج کورٹ میں اپنے ایک وکیل دوست سے باتیں کرتے ہوئے وہ سیڑھیاں عبور کر کے نیچے آئے...... وکیل دوست سلام کر کے وہاں سے چلا گیا تھا...... عدنان واسطی آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے تب انہوں نے اس شخص کو دیکھا جوان آدمی تھا، خاصی اچھی شکل وصورت کا مالک سادہ سے لباس میں ملبوس، شیو بڑھا ہوا عجیب مسرت بھری نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا...... ایک لمحے میں عدنان واسطی کو احساس ہو گیا کہ ضرور کوئی خاص بات ہے اس شخص کے چہرے پر پھیلی ہوئی مسرت اس بات کا اظہار کرتی تھی کہ اس کے ذہن میں کوئی خاص خیال ہے...... عدنان واسطی نرم دل انسان تھے...... نجانے کیوں انہیں یہ احساس ہوا کہ وہ شخص ان سے کچھ کہنا چاہتا ہے...... فطرت میں بہت سادگی تھی، آگے بڑھے اور اس کے قریب پہنچ گئے اور پھر انہوں نے اسے سلام کیا، وہ شخص کسی قدر بھونچکے انداز میں انہیں دیکھنے لگا۔

"کیا نام ہے تمہارا۔"

"جی۔" وہ حیرت سے بولا۔

"کیا نام ہے تمہارا۔"

"جی محمد خان، اس نے جواب دیا۔"

"محمد خان تمہاری شکل مجھے جانی پہچانی لگ رہی ہے...... اگر تمہیں جلدی نہ ہو تو آؤ کینٹین میں بیٹھ کر ایک کپ چائے پیو میرے ساتھ۔"

"صاحب آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے۔" محمد خان نے کہا۔

ہو سکتا ہے غلط فہمی ہی ہو لیکن تمہارا نام محمد خان ہے اور میرا نام عدنان واسطی دونوں

مسلمان ہیں اور دونوں کو ایک جگہ بیٹھ کر چائے پینے میں کوئی اعتراض تو نہیں ہونا چاہئے۔"

"نہیں صاحب یہ تو آپ کی محبت ہے، آپ تو بہت بڑے آدمی ہو صاحب، بھلا ہم آپ کے ساتھ بیٹھ کر چائے پینے کی ہمت کیسے کر سکتے ہیں۔"

"تو آؤ میں تمہارا ہاتھ پکڑے لیتا ہوں، اس طرح تمہاری ہمت بڑھ جائے گی۔"

عدنان واسطی نے مسکراتے ہوئے کہا اور محمد خان نے شرمائے ہوئے انداز میں گردن ہلادی...... عدنان واسطی کینٹین کی جانب بڑھ گئے تھے...... کینٹین کے ایک گوشے میں بیٹھ کر انہوں نے پہلے تو ویٹر کو چائے کے لئے کہا اور اس کے بعد محمد خان سے بولے۔

"تم مجھے یہ بتاؤ محمد خان مجھے تمہاری شکل جانی پہچانی کیوں لگ رہی ہے۔"

"بس صاحب ہو سکتا ہے کہیں آپ نے دیکھا ہو ہمیں اس کورٹ میں ہی دیکھا ہو گا صاحب۔"

"ویسے ہو سکتا ہے لیکن کبھی نہ کبھی دیکھا ضرور ہے۔" عدنان واسطی بات کو آگے بڑھانے کے لئے بولے۔

"جی صاحب۔"

"ویسے میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ تم بھی مجھے غور سے دیکھ رہے تھے...... اسی سے مجھے اندازہ ہوا کہ یہ شکل جانی پہچانی ہے۔"

"نہیں صاحب ہم آپ کو اس لئے نہیں غور سے دیکھ رہے تھے۔"

"تو پھر۔"

"ہم تو آپ کے اس کالے کوٹ کو دیکھ رہے تھے۔"

"کالا کوٹ"

"جی صاحب۔"

"بھلا وہ کیوں کالے کوٹ میں تمہیں کیا دلچسپی محسوس ہو رہی ہے۔"

"کالا کوٹ پہنے کسی کو دیکھتے ہوئے یہ احساس ہوتا ہے کہ اس کوٹ کی جیبوں میں انسانیت چھپی ہوئی ہے...... اس کوٹ کی جیبوں میں انصاف چھپا ہوتا ہے...... اگر کسی کو انصاف نہیں ملتا تو یہ کالا کوٹ اسے انصاف دلاتا ہے...... صاحب کیا ایسی بات ہے، بڑا عجیب سوال تھا، بڑا فلسفہ تھا اس سوال میں...... عدنان واسطی تو کچھ لمحوں کے لئے چکرا کر رہ گئے۔

کالے کوٹ کی حمایت میں اگر کچھ کہتے تو خود ہی دل کو شرمندگی کا احساس ہوتا کیونکہ بات صرف کوٹ کی نہیں ہوتی کوٹ کے اندر جو بدن ہوتا ہے اور بدن کے اندر جو دل ہوتا ہے اصل چیز اس میں ہوتی ہے، ورنہ صرف کالا کوٹ کسی انسان کو ان باتوں پر مجبور نہیں کر سکتا جس کا تعلق اس کالے کوٹ سے ہے...... محمد خان سوالیہ نگاہوں سے عدنان واسطی کو دیکھ رہا تھا...... عدنان واسطی تو چند لمحے اس کے سوال کا جواب بھی نہیں دے سکا، لیکن پھر انہوں نے خود کو سنبھال لیا، نوجوان کی سوالیہ نگاہیں ان کا جائزہ لے رہی تھیں، عدنان واسطی نے مسکرا کر کہا۔

"محمد خان عجیب سوال کر دیا ہے تم نے؟"

"نہیں صاحب ہم جاہل آدمی ہیں، بغیر پڑھے لکھے تعلیم سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہے، مگر جہاں تک ہماری معلومات ہے وہ یہ ہے کہ کالے کوٹ میں انصاف چھپا ہوتا ہے۔"

"نہیں محمد خان یہ بات غلط سوچ رہے ہو تم۔"

"تو پھر صاحب یہ کالا کوٹ کیا ہوتا ہے۔"

"کالا کوٹ پہننے کے بعد انسان پر ایک ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے...... محمد خان اور یہ بات تو تم جانتے ہو کہ انسان پر ذمہ داری تو اس وقت ہی عائد ہو جاتی ہے جب وہ اپنے مذہب اپنی نمود، اپنی حیثیت، اپنے منصب کا تعین کرتا ہے...... حلف اٹھاتا ہے اس کے لئے لیکن بدلا ہوا زمانہ ہے محمد خان، لوگ سوچتے ہیں کہ حلف برداری بھی ایک تقریب ہوتی ہے...... اس تقریب میں وہ ساری باتیں اوپری دل سے کہتے ہیں جو ان سے کہلوائی جاتی ہیں اور اس کے بعد تقریب کا خاتمہ ہو جاتا ہے تو وہ سب کچھ بھول جاتے ہیں...... وکیل کا لفظ جتنا مقدس ہے اس کا احساس کاش کسی دل کو ہو جائے...... وکیل پر تو بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے...... جب کوئی اسے اپنی مشکل میں شریک کرتا ہے تو وکیل یہ سوچ کر اس کا کیس اپنے ہاتھ میں لیتا ہے کہ اس کی صحیح وکالت کرے گا، لیکن محمد خان عجیب پیشہ ہے یہ بھی ہم ناواقفیت کی بنا پر کسی مجرم کی وکالت بھی کر ڈالتے ہیں اور کبھی جان بوجھ کر بھی ایسا کر ڈالتے ہیں، کیونکہ ہمیں ان کا معاوضہ ملتا ہے۔"

"بندے بندے کی بات ہوتی ہے صاحب لیکن اس کالے کوٹ سے بہت سوں کی امیدیں وابستہ ہو جاتی ہیں۔ دفعتاً عدنان واسطی کو کچھ خیال آیا اور وہ چونک کر محمد خان کو دیکھنے

لگے، ویٹر نے اسی وقت چائے کی پیالیاں سامنے رکھ دی تھیں، انہوں نے کہا۔"

"تم کسی کیس میں پھنسے ہوئے ہو۔" محمد خان نے ایک نگاہ عدنان واسطی پر ڈالی، انہیں دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

"نہیں صاحب ہم کسی کیس میں پھنسے ہوئے نہیں ہیں بلکہ پانچ سال کی سزا کاٹ کر باہر نکلے ہیں۔"

"اوہ خیریت کیوں۔"

"ہم نے صاحب پانچ سال کی جو سزا کاٹی ہے وہ ایک ایسے جرم کی پاداش میں کاٹی ہے جو میں نے نہیں کیا، لیکن حالات بتا رہے ہیں کہ ہم پھر ایک جرم کی طرف جا رہے ہیں۔ ایک ایسا جرم کرنا پڑے گا ہمیں صاحب جو ہم نہیں کرنا چاہتے...... ہم نے پہلے بھی کوئی جرم نہیں کیا تھا اور اس کی سزا پائی تھی اور اب، اب صاحب اب ہمارا دل کچھ اور کہہ رہا ہے، اب ہمارا دل کہہ رہا ہے کہ جو جرم ہم نے نہیں کیا اس کی سزا تو کاٹ لی لیکن اب کوئی جرم کر کے سزا کاٹیں تو اچھا ہے۔"

عدنان واسطی نے جلدی جلدی چائے کے کچھ گھونٹ پیئے اور بولے۔

"یعنی اب تم کوئی جرم کرنا چاہتے ہو۔"

"صاحب جب جرم نہیں کیا تھا تب تو سزا پالی ہمارا خیال ہے کہ ہم جرم کرنے کے بعد سزا نہیں پائیں گے، لیکن دل نہیں چاہتا کوئی جرم کرنے کے لئے اس سے پہلے یہ سوچ رہے ہیں کہ کوئی ایسی صورت نکل آئے کہ ہمیں جرم نہ کرنا پڑے۔"

"چائے پیئو...... چائے پیئو ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" عدنان واسطی نے کہا اور خود بھی آنکھیں بند کر کے چائے کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگے، وہ اس شخص کی باتوں پر غور کرنا چاہتے تھے، یہ سوچنا چاہتے تھے کہ کس ذہنی سطح کا مالک ہے اور حلیے سے جو کچھ نظر آ رہا ہے کیا درحقیقت ایسا ہی ہے، اس کی باتیں بڑی سلجھی ہوئی اور بڑی عجیب وغریب تھیں...... عدنان واسطی کو تھوڑی ہی دیر میں احساس ہو گیا کہ ان کے سامنے جو شخص بیٹھا ہوا ہے وہ چہرے سے بے شک معصوم نظر آتا ہے لیکن اندر سے وہ بہت گہرا ہے یا پھر ہو سکتا ہے کہ حالات نے اس کو اس طرح کر دیا ہو کہ وہ ایسی باتیں کرنے پر مجبور ہو، بعض اوقات ٹوٹے ہوئے لوگ بھی فلاسفر بن جاتے ہیں...... کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد عدنان واسطی نے کہا۔

"ہاں تو محمد خان تمہارے ساتھ یقیناً کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہے جس نے تمہیں اس حد تک سوچنے کے لئے مجبور کر دیا ہے، میں تمہاری کہانی سننا چاہتا ہوں، جواب میں محمد خان مضمحل سی ہنسی ہنسا پھر آہستہ سے بولا۔"

"صاحب کہانیاں سننے کا شوق بچپن سے لے کر بڑھاپے تک ہوتا ہے، انسان کو یہ کہانیاں کیسی مزے دار ہوتی ہیں، صاحب کہ انسان کا آخری عمر تک پیچھا نہیں چھوڑتیں۔"

"محمد خان فلسفہ بگھارنے کی کوشش مت کرو، کسی مشکل کا شکار ہو اور اس سلسلے میں میری کچھ مدد چاہتے ہو تو مجھے بتاؤ۔"

"دیکھیں صاحب غریب آدمی ہوں مشکل کا مارا ہوا یہ آپ کو بتا چکا ہوں کہ پانچ سال کی قید کاٹنے کے بعد باہر نکلا ہوں اور ان پانچ سالوں میں زندگی نے بہت سے تجربات سکھائے ہیں۔ صاحب فلسفہ نہیں بگھار رہا بلکہ جلا ہوا دل اندر سے بول رہا ہے اور جلی ہوئی زبان سے جلی کٹی باتیں ہی نکل سکتی ہیں، مانتا ہوں کہ آپ کی وجہ سے کسی مشکل کا شکار نہیں ہوا لیکن بس انسان ہوں انسانوں کا مارا ہوا۔"

"تو بابا کچھ بتاؤ تو سہی اپنے بارے میں ہوا کیا ہے تمہیں بلکہ ایسا کرو اچھا یہ بتاؤ میرے دفتر آ سکتے ہو، بشرطیکہ تمہیں مجھ سے کوئی کام ہو۔"

"پہلے آپ مجھے ایک بات بتاؤ صاحب۔" محمد خان نے کہا اور عدنان واسطی مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے، حجتی آدمی معلوم ہوتا ہے انہوں نے کہا۔

"اچھا چلو پوچھو۔"

"صاحب کیا کسی ایسے انسان کی مدد کی جا سکتی ہے جس سے انسان کی کوئی غرض نہ ہو۔" عدنان واسطی صاحب مسکرائے اور بولے۔

"ہاں کی جا سکتی ہے۔"

"تب پھر آپ عام آدمیوں سے مختلف آدمی ہیں صاحب، ہماری کوئی بات بری لگ جائے تو برا نہ مانیں ہم تو پاگل ہو چکے ہیں۔"

"اپنے آپ کو قابو میں رکھو محمد خان پاگل ہو جانا بہت آسان ہے، پاگل نہ ہونا مشکل ہوتا ہے، تم ایسا کرو یہ کارڈ رکھ لو میرا...... شام کو چار بجے کے قریب میرے پاس میرے دفتر پہنچ جاؤ آ سکتے ہو اس پتے پر۔"

"صاحب ہم آپ سے کہہ چکے ہیں کہ بغیر پڑھے لکھے آدمی ہیں۔"

"اچھا...... اچھا چلو خیر ٹھیک ہے تم میرے ساتھ ہی اُٹھو تھوڑی دیر کے لئے میں تمہیں اپنے گھر لے جاؤں گا، وہاں تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا تمہیں بلکہ اچھا ہے چلو کھانا وغیرہ میرے ساتھ ہی کھالینا۔"

"ٹھیک ہے صاحب۔" محمد خان ہنسنے لگا۔

"کیوں ہنس کیوں رہے ہو۔"

"صاحب بڑی عجیب بات ہے ایک انسان، انسان ہی کے پیچھے پڑتا ہے اور کبھی کبھی دوسرے انسان کو اپنی ہمدردی میں نقصان اٹھانا پڑجاتا ہے، اب پتہ نہیں کیوں صاحب آپ نے مجھے چائے کی پیشکش کی اور اب مجھے کھانے کی پیش کش کر رہے ہیں، اس کے بعد ہو سکتا ہے کہ آپ کو میرے معاملے میں آگے بھی بڑھنا پڑے، لیکن یہ دو کام تو اپنی جگہ ٹھیک ہیں یعنی آپ نے مجھے چائے پلائی اور چلئے کھانا بھی کھاؤں گا۔ آپ کے ساتھ لیکن باقی معاملہ جو ہے بہت بڑا ہوگا میں آپ سے بالکل نہیں کہتا کہ آپ صاحب میرے معاملے میں ٹانگ اڑائیں لیکن کم از کم میری دُکھ بھری داستان سن تو لیں۔"

"ہاں، ہاں ٹھیک ہے میں خود تمہیں پیش کش کر رہا ہوں، کوئی ایسی بات نہیں ہے محمد خان۔"

"بہت بہت شکریہ صاحب...... عدنان واسطی نے چائے ختم کی بل وغیرہ ادا کیا، کورٹ سے فراغت ہوگئی تھی، عموماً طریقہ کار یہی ہوتا تھا کہ کورٹ سے فارغ ہونے کے بعد اگر کوئی بہت ہی ضروری کام نہیں ہوا تو دفتر کے بجائے تھوڑی دیر کے لئے گھر جاتے تھے، اس کے بعد ایک ڈیڑھ گھنٹہ آرام کر کے آفس پہنچ جاتے تھے اور پھر ضروری معاملات دیکھا کرتے تھے...... محمد خان کو لے کر وہ گھر چل پڑے، اب گھر ذرا مختلف کیفیت میں تھا، خاصا کام ہو چکا تھا اس میں کسی ایک مہمان کو ٹھہرانے کے لئے جگہ کا بھی معقول بندوبست کر لیا گیا تھا، ان کو چند واقعات اس دوران اس طرح کے پیش آئے تھے جن میں انہیں کسی کو اپنے گھر میں بھی رکھنا پڑا تھا...... اس سے پہلے جو وکالت چلتی تھی اس کا طریقہ کار ذرا مختلف تھا...... اول تو وہ ایک درمیانہ درجے کے وکیل تھے اور بے شمار کیس ان کے پاس نہیں آتے تھے، شریف طبع تھے اس لئے کیس کی چھان بین کر لیا کرتے تھے اور نتیجہ بس دال، روٹی کی

میں ظاہر ہوتا تھا...... فطرت تو اب بھی ان کی وہی تھی اور اس میں اب بھی کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی، لیکن جب سے شہاب ثاقب کا ساتھ ہوا تھا...... شہاب نے کچھ ایسے کیس ان کے سپرد کئے تھے کہ جن سے ان کی انتہائی معقول آمدنی ہوتی تھی اور پھر سچی بات تو یہ ہے کہ بینا نے جب سے شہاب کو اسسٹ کرنا شروع کیا تھا صورت حال بالکل تبدیل ہو گئی تھی، شہاب مختلف قسم کا انسان تھا، بینا نے بے شمار باتیں اپنے باپ سے چھپائی تھیں جن کا تعلق شہاب سے تھا، لیکن وہ باتیں جن کی اجازت خود شہاب نے اسے دے دی تھی، اس نے واسطی صاحب سے کبھی نہیں چھپائی تھیں، مثلاً اس نے یہ بھی بتادیا تھا شہاب جب کہیں سے کوئی بڑی رقم وصول کرتا ہے تو اس کے حصے کر لیا کرتا ہے اور ایک حصہ اس میں بینا کا بھی ہوتا ہے، عدنان واسطی نے ایک بار شہاب سے اس بارے میں گفتگو کی تو شہاب نے انتہائی جذباتی انداز میں اپنے باپ کے بارے میں بتایا اس نے کہا۔

"ایک سچا صحافی اپنے بچوں کو وہ زندگی نہیں دے سکا جو دینا چاہتا تھا، لیکن چونکہ سچ بولتا تھا...... اس لئے سچے کے پاس دولت مشکل ہی سے آتی ہے، غالباً سچائی کی قدر کی جاتی ہے اور دولت اتنی غلیظ شے ہے لیکن میں نے طریقہ کار تبدیل کر لیا ہے...... عدنان واسطی صاحب کسی ایسے شخص سے کوئی پیسہ کبھی نہیں لوں گا جو پیسہ دینے کی حیثیت نہیں رکھتا ہو، لیکن جن کے پاس دولت کے انبار لگے پڑے ہیں اور وہ ان پر ناگ بنے بیٹھے ہیں ان کالے ناگوں کے نیچے سے تھوڑی بہت دولت نکال کر اپنے آپ پر صرف کر لینا گناہ نہیں ہے، بہر حال عدنان واسطی صاحب کو قائل کر لیا تھا...... انہوں نے چنانچہ اب صورت حال کافی مختلف ہوگئی تھی...... بینا اس وقت بھی گئی ہوئی تھی، غالباً یا تو شہاب ثاقب کے ساتھ ہوگی یا پھر آفس میں ہوگی۔ محمد خان کو لے کر وہ اپنے گھر پہنچ گئے اور انہوں نے اسے اپنے مہمان خانے میں ٹھہرادیا، پھر اس کے کھانے پینے کا بندوبست کرنے لگے...... محمد خان کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا تھا...... انہوں نے اسے وہیں چھوڑ دیا تھا، حالانکہ بعض اوقات لوگوں نے انہیں سمجھایا تھا کہ اس قسم کے اقدامات نہ کیا کریں، کبھی کوئی غلط انسان بھی ان کے ہاتھ لگ سکتا ہے، انہیں نقصان پہنچ سکتا ہے لیکن عدنان واسطی نے اس کے جواب میں کہا۔

"تقدیر کا لکھا ہوا تو ہو کر رہتا ہے، اس سلسلے میں اگر ہر وقت محتاط رہا جائے تو ضرورت مندوں کی مدد بھی نہیں ہو سکے گی...... کون جانے ضرورت مند کون ہو سکتا ہے، یہ پرکھ تو

بڑی مشکل ہے، چنانچہ اللہ کے بھروسے پر ہر کام کر ڈالنا چاہئے، باقی تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے وہ ہوتا ہے...... ایک آدھ گھنٹے آرام کرنے کے بعد انہوں نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر ٹیلی فون پر شہاب کو تلاش کرنا شروع کیا، انہوں نے سب سے پہلے شہاب کے آفس ہی فون کیا تھا...... شہاب اتفاق سے آفس ہی میں مل گیا۔

"ہیلو شہاب میں عدنان واسطی بول رہا ہوں۔"

"جی سر اسلام علیکم۔"

"وعلیکم اسلام بینا ہے۔"

"نہیں سر وہ تو نہیں آئیں۔"

"آفس میں ہو گی میں نے ایسے ہی پوچھ لیا تھا کہ کہیں تمہارے ساتھ تو نہیں ہے۔"

"جی نہیں آج پورا دن ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

"اچھا مصروفیت کیا چل رہی ہے۔"

"کوئی خاص نہیں سر۔" شہاب نے جواب دیا۔

"بینا کو آفس میں ٹریس کرو اور اگر ممکن ہو سکے تو چار بجے میرے آفس پہنچ جاؤ۔"

"کوئی خاص بات ہے۔"

"نہیں تمہارے معیار کی بات تو نہیں ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہم سب کا معیار مشترک ہے۔"

"یہ کہنے کی بات نہیں ہے۔"

"سٹی کورٹ میں مجھے ایک شخص ملا تھا۔"

"جی۔"

"محمد خان نام ہے اس کا کچھ ایسی باتیں کر رہا تھا کہ میں متاثر ہو گیا، اسے اپنے ساتھ اپنے گھر لے آیا ہوں، غالباً مشکل کا مارا ہوا کوئی شخص ہے میں نے سوچا کہ تمہارے سامنے اس سے گفتگو کی جائے۔"

"اس کی مشکل کیا ہے۔"

"ابھی تک کچھ نہیں پتہ چل سکا، کہہ رہا ہے کہ پانچ سال کی سزا کاٹ کر واپس نکلا ہے، ایک ایسے جرم میں جو اس نے نہیں کیا تھا لیکن اب حالات اسے مجبور کر رہے ہیں کہ وہ ایک

جرم کر ڈالے۔"

"کافی ہے میں آفس پہنچ جاؤں گا۔"

"سنو میں اسے یہ نہیں بتاؤں گا کہ تمہارا تعلق انتظامیہ سے ہے۔"

"بالکل نہ بتائیں ضرورت نہیں ہے۔"

"تم بس وہاں میرے اسسٹنٹ کی حیثیت سے بیٹھنا اور اسی انداز میں اس کی بات سننا جیسے صرف مجھے اسسٹ کر رہے ہو۔"

"بہت مناسب بات ہے۔" بس تھوڑی دیر میں پہنچ جاؤں گا ویسے بھی زیادہ وقت باقی نہیں رہ گیا۔"

"او کے بینا کو بھی تم ہی سمجھا دینا۔"

"ٹھیک ہے...... شہاب نے کہا اور عدنان واسطی نے ٹیلی فون بند کر دیا تھا، اب وہ مطمئن ہو گئے تھے۔"

بینا آفس ہی میں بیٹھی ہوئی کام کر رہی تھی۔ دروازہ کھلا اور شہاب اندر داخل ہو گیا...... سادہ لباس میں ملبوس تھا...... بینا نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا...... شہاب کی اس وقت آمد ایک خوشگوار حیرت تھی، اس کے ہونٹوں پر ایک استقبالیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ شہاب آگے بڑھ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"وکیل صاحبہ آپ سے ایک اہم موضوع پر بات کرنی ہے۔"

"جناب عالی اس وقت اچانک آمد بغیر کسی اطلاع کے آپ کو اس بات کا علم کیسے ہوا کہ میں اس وقت آفس میں موجود ہوں۔"

"وکیل صاحبہ یہ سوال کر کے آپ نے صدیوں سے چلی آنے والی روایت کا مذاق اُڑایا ہے۔"

"روایت۔" بینا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"بھلا وہ روایت کیا ہے۔"

"کیا آپ اس بات سے انکار کرتی ہیں وکیل صاحبہ کہ دل کے تار ایک دوسرے سے

بندھے ہوئے ہوتے ہیں۔"

"اوہ تو آپ تاروں سے لٹکتے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔"

"جی ہاں...... جی ہاں بالکل مجھے علم تھا کہ آپ اس وقت آفس میں موجود ہیں...... فضاؤں میں تیرنے والی خوشبوؤں سے پوچھا کہ مس بینا کہاں ہیں...... تو انہوں نے اشارہ کر دیا کہ دفتر میں بس خوشبوؤں پر تو اعتبار کیا جا سکتا ہے ناں۔" بینا کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

"اس میں کوئی شک نہیں ہے شہاب کہ گفتگو میں آپ سے کوئی نہیں جیت سکتا۔"

"وہ چیز بتا دیجئے جس میں آپ مجھ سے جیت سکتی ہیں۔"

"ہے ایک چیز۔"

"بینا نے محبت بھرے انداز میں کہا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"میں چیلنج کرتی ہوں۔"

"چلئے بتایئے وہ کیا ہے چیز۔"

"محبت۔" بینا نے جواب دیا اور شہاب حیرت سے دیکھنے لگا۔

"کیا مطلب۔"

"محبت میں آپ سے جیت سکتی ہوں میں۔" "بلکہ اس میں مجھے آپ پر برتری حاصل ہے۔"

"سبحان اللہ بڑے دعوے ہو رہے ہیں۔"

"بالکل صحیح دعوے ہیں۔"

"ذرا ارشاد ہو جائے کہ مقصد کیا ہے ان باتوں کا۔"

"میں آپ سے زیادہ محبت کرتی ہوں...... بینا نے کہا بہرحال شہاب انسان تھا...... بینا کے لئے اس کے دل میں بہت زیادہ پیار تھا...... بینا کے ان الفاظ نے اس کو کچھ لمحوں کے لئے بے خود کر دیا، فطرتاً ذرا مختلف انسان تھا، چنانچہ خاموشی سے ان الفاظ کی چاشنی کو محسوس کرنے لگا بینا بولی۔"

"توبہ ہے آپ نے مجھے بے شرم کر دیا ہے۔"

"مجھے بھی گویا میں نے اپنی بے شرمی کا کچھ حصہ آپ کو دے دیا ہے۔"

"بھئی لڑائی کی باتیں مت کرو یہ بتاؤ کہ اچانک اس وقت کیسے آنا ہوا۔"

"بینا اس موضوع کو ہم ذرا کچھ وقت کے لئے ملتوی کئے دیتے ہیں، عدنان واسطی صاحب آتے ہوں گے، اصل میں میری ٹیلی فون پر ان سے گفتگو ہوئی تھی، کوئی کلائنٹ ملا ہے انہیں لے کر یہاں آ رہے ہیں، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایک اسسٹنٹ کی طرح انہیں اسسٹ کروں، شاید وہ مجھے اس شخص کی کہانی سنوانا چاہتے ہیں...... آپ بھی خیال رکھیئے گا۔"

"تو آپ اسسٹنٹ کی میز پر آ جایئے۔" بینا نے ہنس کر کہا۔

"ہاں، ہاں لاؤ کچھ فائل میرے سامنے ڈال دو...... شہاب نے کہا۔"

"فائل تو رکھے ہوئے ہیں اس میز پر بس اٹھا کر پڑھنا شروع کر دیں۔" بینا ہنستی ہوئی بولی۔

"چائے تو پئیں گے نا آپ۔"

"باس آنے والے ہیں اگر خود ہی آفر کریں تو ٹھیک ہے، لیکن اگر اس طرح آ گئے تو ہمیں دیکھ کر یہی سمجھیں گے کہ ماتحت حرام خوری کر رہے ہیں...... چائے کا دور چل رہا ہے اور آفس اسسٹنٹ، اسسٹنٹ لڑکی سے عشق لڑا رہا ہے۔"

"خدا سمجھے آپ سے۔" بینا ہنس کر بولی اس وقت باہر سے کچھ آہٹیں سنائی دیں...... وقت ہو گیا تھا...... عدنان واسطی جس شخص کے ساتھ آئے تھے وہ اچھی جسامت کا لمبا چوڑا آدمی تھا...... خوش شکل تھا، لیکن چہرے پر جہالت سی برستی تھی اور پھر اس نے حلیہ بھی بڑا خراب کر رکھا تھا...... بال بھی منتشر تھے...... آنکھوں میں ایک عجیب ویرانی رچی ہوئی تھی، بہرحال عدنان واسطی اندر آئے تو بینا اور شہاب کھڑے ہو گئے...... عدنان واسطی اپنی کرسی پر بیٹھ گئے تھے، سامنے کی کرسی پر انہوں نے محمد خان کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور وہ بیٹھ گیا...... عدنان واسطی پوری طرح مستعد تھے...... چند لمحات کے بعد انہوں نے محمد خان ہی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔"

"ہاں بھئی محمد خان اب یہ میرا دفتر ہے، کالے کوٹ کا جو حوالہ تم نے مجھے دیا ہے سمجھ لو کالا کوٹ اسی جگہ میز پر آنے کے بعد کالا ہوتا ہے، اب تم مجھے اپنی پوری روداد سنا جاؤ۔"

"صاحب آپ نے ہماری بات کا برا منا لیا ہے...... ہم نے کالے کوٹ کا حوالہ کسی برے حوالے سے نہیں دیا تھا...... ہم تو بس یہی بتانا چاہتے تھے کہ کالے کوٹ کو دیکھ کر انسان

کے دل میں یہ ہوک اُٹھتی ہے کہ شاید اس کے پیچھے اس کے لئے انصاف چھپا ہوا ہے، بس صاحب ہم نے اسی حوالے سے آپ کو مخاطب کر لیا تھا...... صاحب ہمیں مشورہ بھی چاہئے مدد بھی چاہئے اور ان دونوں چیزوں کا ہمارے پاس کوئی معاوضہ نہیں ہے۔"

"یہ باتیں تم پہلے کر چکے ہو اور یہ باتیں کرنے کے بعد ہی میں تمہیں یہاں تک لایا ہوں، سنو مجھے کوئی معاوضہ نہیں چاہئے، تمہاری مشکل واقعی کوئی ایسی ہے جسے سن کر دل میں ہمدردی ہو جائے اور تم سچ کہہ رہے ہو تو پھر یہ سمجھ لو کہ بغیر کسی معاوضے بغیر کسی لالچ کے تمہاری مدد کی جائے گی، یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔"

"بڑی بات ہے صاحب مگر کہا جاتا ہے کہ قسمت جب مہربان ہوتی ہے تو انسان کے ہمدرد پیدا کر دیتی ہے۔" واسطی اس شخص کی شخصیت سے تھوڑے سے حیران تھے۔ بظاہر یہ صورت سے جو کچھ نظر آ رہا تھا وہ ایک الگ چیز تھی جو وہ دوران گفتگو بول جاتا تھا، وہ الگ حیثیت کے حامل تھے، لیکن بہر حال یہ کوئی کسوٹی نہیں تھی...... اچھے الفاظ کسی بھی شخص کی زبان سے ادا ہو سکتے ہیں اور پھر کوئی ایسا جو حالات کی بھٹی میں تیار ہو اور اس کا وجود کوئلہ ہو گیا ہو، بہر حال محمد خان کی ظاہری شخصیت سے ایسا ہی لگتا تھا...... عدنان واسطی نے شہاب کو مخاطب کر کے کہا۔

"مسٹر شہاب پیڈ اور بال پوائنٹ اٹھا لیجئے محمد خان صاحب کے بارے میں آپ کو کچھ تفصیل بتاتا ہوں، ان کے حالات نوٹ کر لیجئے گا۔"

"یس سر...... شہاب نے مستعدی اور ادب سے کہا اور بال پوائنٹ اور پیڈ تلاش کرنے لگا، پیڈ تو اسے وہیں مل گیا تھا...... بینا نے جلدی سے بال پوائنٹ اس کے حوالے کر دیا تھا...... عدنان واسطی نے محمد خان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"محمد خان صاحب آپ کا تعلق کہاں سے ہے۔"

"نظام پور، یہاں سے کوئی پینتیس میل کے فاصلے پر ہے...... آپ نے یقیناً اس کے بارے میں سنا ہو گا یا ممکن ہے اسے دیکھا بھی ہو۔" بینا نے چونک کر عدنان واسطی کو دیکھا تھا اور عدنان واسطی نے اسے اور پھر دونوں معنی خیز انداز میں خاموش ہو گئے تھے۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد عدنان واسطی نے کہا۔

"اور آپ کا کہنا ہے کہ آپ نے پانچ سال کی سزا کاٹی ہے۔"

"جی۔"

"تو آپ کتنا عرصہ پہلے رہا ہوئے۔"

"چالیس دن پورے ہو چکے ہیں۔" محمد خان نے جواب دیا۔

"سزا کس جرم میں کاٹی تھی۔"

"کریم خان نامی ایک شخص کو لاٹھی مار کر زخمی کرنے کے جرم میں اس کے سر میں چوٹ آئی تھی، کیفیت تو ایسی تھی کہ وہ بچ نہ سکے لیکن سخت جان تھا۔ بچ گیا اور اس کی وجہ سے مجھے صرف پانچ سال کی سزا ہوئی کیونکہ کافی عرصے تک اس کی یادداشت گم رہی تھی۔"

"ہوں کیا آپ نے کریم خان کو زخمی کیا تھا...... اس کا پس منظر کیا تھا۔"

"میں نے کریم خان کو زخمی نہیں کیا تھا، البتہ اس کا ایک پس منظر تھا۔"

"کیا۔"

"اس کے لئے ایک لمبی کہانی آپ کو سنانا ہو گی۔"

"کیا وہ کہانی آپ مجھے سنانا پسند کریں گے؟"

"ضرور پسند کروں گا صاحب آپ سے پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ ناکردہ گناہ پانچ سال کی سزا کاٹی ہے اور حالات اس طرف لے جا رہے ہیں کہ اب وہ گناہ کر لیا جائے لیکن گناہ نہیں کرنا چاہتا قانون کا سہارا لے کر گناہ سے بچنا چاہتا ہوں۔"

"بڑی اچھی بات ہے یہ میں آپ کے اس نیک جذبے کی قدر کرتا ہوں۔"

"محمد خان ہے میرا نام میرا ایک جڑواں بھائی بھی ہے جس کا نام احمد خان ہے لیکن اس کا نام احمد خان کیوں ہے، یہ میں نہیں جانتا اصولی طور پر ہم دونوں کو محمد خان ایک اور محمد خان دو کہنا چاہئے، ہمارا قد و قامت، ہماری صورت، ہماری آواز ہر چیز ایسی ہے کہ ہماری شناخت مشکل ہو جاتی ہے، اگر ہم الگ الگ کپڑے نہ پہنے ہوں اور لوگوں کو یہ نہ بتائیں کہ ہم میں محمد خان کون ہے اور احمد خان کون ہے تو لوگوں کو شناخت کرنا مشکل ہو جائے، لیکن جناب احمد خان مجھ سے چودہ منٹ چھوٹا ہے اور میں اس کا بڑا بھائی ہوں۔" شہاب، بینا اور خود عدنان واسطی دلچسپی سے محمد خان کو دیکھ رہے تھے...... محمد خان کے چہرے پر غم کی پرچھائیاں رقص ہو گئی تھیں...... اس نے کہا۔

"شکم مادر میں ہم دونوں ساتھ رہے، ہماری محبت تو مثالی حیثیت رکھتی ہے، لیکن

وقت کی گرد اتنی شدید ہوتی ہے جناب کہ سارے رشتے دھول میں اٹ جاتے ہیں...... دھندلا جاتے ہیں، ہوس کی آگ انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتی اور کبھی کبھی ایسے المیئے جنم لیتے ہیں جو نہیں ہونے چاہئیں۔"

"ہاں محمد خان ایسا ہوتا ہے۔" عدنان واسطی نے کہا۔

"باپ تو بچپن ہی میں مر گیا تھا، ماں نے پرورش کی باپ کا کاروبار اچھا خاصا تھا، چلتا رہا تھوڑے بہت پیسے جمع کر لئے تھے ماں نے...... پھر ماں بھی بیمار ہو گئی، میں چونکہ احمد خان سے چودہ منٹ بڑا تھا، ماں ہمیشہ مجھے بڑا بھائی کہتی تھی، پھر وہ سخت بیمار ہو گئی اور مرنے سے پہلے اس نے احمد خان کے سر پر میرا ہاتھ اپنے ہاتھ سے پکڑ کر رکھتے ہوئے کہا کہ محمد خان تیرا چھوٹا بھائی ہے، اب تو اس کا باپ بھی ہے اور ماں بھی خیال رکھنا اس کا بیٹا میں اسے تیرے سپرد کر کے جا رہی ہوں...... صاحب انسان بڑا عجیب ہوتا ہے، اگر رشتوں میں جذباتی ہو جائے تو سارے غم اٹھا لیتا ہے...... ماں مر گئی اور میں نے احمد کو سینے سے لگا لیا، بس اس کے بعد اپنی بساط بھر جو اس کے بارے میں سوچتا رہا وہ فرض سمجھا تھا میں نے اپنا، میں محنت کرنا چاہتا تھا اور اسے بڑا آدمی بنانا چاہتا تھا، ایک باپ ہی کی طرح میں نے اس کے لئے سوچا تھا، صاحب اتنا بڑا ہوا کہ اسے تعلیم دلائی جا سکے تو میں نے اس کی تعلیم کا آغاز کر دیا...... نظام پور کے سکول سے اسے میٹرک کرایا، اس کے بعد اسے شہر بھیج دیا، ہاسٹل میں رہتا تھا صاحب میں اس کا پورا خرچہ اٹھاتا تھا اور محنت کیا کرتا تھا...... اسے تعلیم دلا کر میں اپنا فرض پورا کر رہا تھا زندگی کی کہانی کچھ آگے بڑھی صاحب انسان کے اندر خواہشیں تو چھپی ہوتی ہیں...... سکینہ سے میرا بچپن کا ساتھ تھا...... ہمیشہ ہی ساتھ رہے ہم دونوں، سکینہ مجھ سے محبت کرنے لگی اور ہم ساتھ ساتھ ہی جوان ہوئے ہم، چودھری بابر خان بھی میرے بارے میں برے خیالات نہیں رکھتا تھا، لیکن پھر ایک طویل عرصے کے بعد جب ایک بار احمد خان شہر سے نظام پور واپس پہنچا تو اس نے سکینہ کو دیکھا، دیکھ کر حیران رہ گیا...... سکینہ بس اسے میرے بھائی کی حیثیت ہی سے توجہ دیتی تھی، لیکن اس نے سکینہ کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کی اور ایک بار مجھ سے بات کی، کہنے لگا۔"

"بھیا جی یہ چودھری بابر کی بیٹی سکینہ تو بہت خوب صورت ہو گئی ہے، بھیا جی یہ مجھے پسند ہے...... میری اس سے بات کراؤ، میرا مطلب ہے چودھری بابر خان سے میرے بارے

میں بات کرو، میں حیران رہ گیا تھا، سب کچھ دے دیا تھا میں نے اسے خود جاہل رہ گیا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ سکینہ کا میرا بچپن سے ہی لگاؤ ہے...... مجھے پہلی بار اس کی خود غرضی پر دُکھ ہوا، زبان سے تو میں کچھ نہیں کہہ سکا لیکن میں نے اِدھر اُدھر کے لوگوں کے ذریعے اس پر یہ ظاہر کر دیا کہ سکینہ کو میں دل سے چاہتا ہوں، صاحب جی یہ زر، زن اور زمین پتہ نہیں انسان کو کب تک ایک دوسرے سے جدا کرتی رہیں گی...... آہستہ آہستہ احمد خان کو معلوم ہو گیا کہ سکینہ کے سلسلے میں میں اس کی مدد نہیں کر سکتا صاحب جی بس اس کے دل میں برائی پیدا ہو گئی...... باپ کے چھوڑے ہوئے سرمائے سے میں نے نظام پور میں چھوٹا سا ہوٹل کھول لیا تھا...... اللہ کا شکر ہے اب بھی وہ چل رہا ہے، ٹھیک ٹھاک خاصی آمدنی ہو جاتی ہے ہماری، غریبوں کا ہوٹل ہے صاحب بنچ اور کرسیاں پڑی ہوئی ہیں، لیکن پھر بھی نظام پور جیسی جگہ میں ہم عزت سے زندگی گزار رہے تھے کہ وہ حادثہ پیش آ گیا...... احمد خان تعلیم ختم کر کے واپس آ چکا تھا اور میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ مسلسل سکینہ کے پیچھے لگا رہتا ہے...... سکینہ نے ایک دو بار مجھ سے اس کی شکایت بھی کی تھی۔"

"ایک منٹ" عدنان واسطی نے اسے درمیان میں روکا اور محمد خان چونک کر عدنان واسطی کو دیکھنے لگا۔

"تم نے کہا ہے کہ تم دونوں میں اتنی مماثلت ہے کہ شناخت کرنا مشکل ہو جائے۔"

"جی صاحب۔"

"تو کیا سکینہ تمہارے درمیان میرا مطلب ہے تم دونوں سے دھوکا نہیں کھاتی تھی۔"

"کھاتی تھی صاحب جی اس نے دھوکا کھایا اور اس دھوکے ہی سے احمد خان نے فائدہ اٹھایا اور سکینہ کے دل کی تمام باتیں معلوم کر لیں اور پھر ایک دن کریم خان سے اس کا جھگڑا ہو گیا...... وہ جھگڑا کسی اور سلسلے میں ہوا تھا...... اس نے کریم خان کو لاٹھی مار دی اور کریم خان کا سر پھٹ گیا...... وہ خون میں نہا کر وہیں گر پڑا اور پھر احمد خان کو احساس ہوا کہ اس نے یہ کیا کر دیا ہے۔ دوڑا ہوا میرے پاس آیا اور مجھے صورت حال بتا دی...... صاحب جی میں خود غرض نہیں تھا...... میں زن کے لئے اس کا دشمن نہیں بنا، حالانکہ سکینہ کے بغیر میں زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا، اب میں یہ سوچ رہا تھا کہ میں کیا کروں...... کریم خان بھی معمولی حیثیت کا آدمی نہیں تھا بلکہ چودھری بابر خان کا رشتہ دار تھا وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔

بالآخر پولیس ہوٹل پہنچ گئی، ہم ہوٹل کے اوپری حصہ میں ہی رہتے ہیں صاحب جی پولیس نے ہم دونوں کو دیکھا اور یہ پوچھا کہ کریم خان کو ہم میں سے کس نے زخمی کیا ہے، تو میں آگے بڑھ آیا اور میں نے اپنے چھوٹے بھائی کا جرم اپنے سر لے لیا...... فیصلہ کن بات کرنے والا تو کوئی نہیں تھا...... اس لئے میں نے اس کا جرم اپنے سر لے لیا...... میں نے کریم خان سے جھگڑے کی ساری کہانی دہرا دی اور اس کے بعد مجھے گرفتار کر لیا گیا...... کریم خان زندگی و موت کی کشمکش میں گرفتار تھا...... بہر حال وہ بچ گیا اور اس کی وجہ سے میں بھی بچ گیا، ورنہ یا تو مجھے سزائے موت ہوتی یا عمر قید لیکن اس کے بچ جانے سے میری زندگی بھی بچ گئی اور سر جی میں نے پانچ سال کی جیل کاٹی میرا گناہ صرف محبت تھی اپنے بھائی سے محبت ظاہر ہے اس کے بعد احمد خان نے نظام پور میں ہوٹل وغیرہ کا سارا نظام سنبھال لیا...... صاحب جی میں خوش تھا کہ کم از کم اپنی ماں کو دیئے ہوئے قول کی پابندی تو کر رہا ہوں دل میں بس ایک کسک تھی اور وہ سکینہ تھی...... ساری باتیں اپنی جگہ لیکن میں اپنی محبت کو کسی کے حوالے نہیں کر سکتا تھا...... صاحب جی چالیس، بیالیس دن پہلے کی بات ہے جیل سے آزادی مل گئی، پانچ سال نظام پور سے باہر گزارے تھے میں نے جیل سے چھوٹا تو دل میں یہی خیال تھا کہ احمد خان اور ہو سکتا ہے کہ نظام پور کے دوسرے لوگ میرے لئے وہاں موجود ہوں اور کوئی ہو نہ ہو احمد خان تو ضرور ہوگا، اس کے لئے میں نے زندگی کے پانچ سال کھو دیئے تھے...... صاحب جی میں مایوس ہوا تھا، لیکن بہر حال میں نے سوچا کہ پتہ نہیں بیچارے احمد خان کو میرے چھوٹنے کی تاریخ یاد رہی ہو کہ نہ رہی ہو۔"

"ایک منٹ محمد خان جب تم جیل میں تھے تو کیا احمد خان تم سے ملنے نہیں آتا تھا۔"

"پانچ سال میں تین بار آیا ہے صاحب صرف تین بار بتاتا تھا کہ مجھے اُلجھنیں درپیش ہیں اور ہوٹل کے کاموں میں پھنسا رہتا ہے، میں نے بھی سوچا کہ پڑھا لکھا بچہ ہے ظاہر ہے اسے ہوٹل چلانا نہیں آتا...... مشکل تو پیش آ ہی رہی ہوگی اس لئے میں نے بھی خاموشی اختیار کر لی تھی...... صاحب جی ہوتا ہے ایسا بھی چلتا ہے بس صاحب جی میں نظام پور پہنچ گیا، ہوٹل گیا تو احمد خان مجھے دیکھ کر چونک پڑا...... دوسرے شناسا بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے، سب نے عجیب سی کیفیت کا اظہار کیا جیسے میرے لئے نظام پور میں ناپسندیدگی کی فضا پیدا ہو گئی ہو...... خیر جو بات تھی وہ سمجھتا تھا...... احمد خان مجھے اوپر لے گیا اور معذرتیں

کرنے لگا کہ ذمہ داریوں میں پھنس کر یہ بات یاد نہ رہی اسے کہ میں آزاد ہونے والا ہوں، صاحب جی میں نے بھی برا نہیں مانا تھا...... آخر تھا تو بچہ لیکن صاحب جی بعد میں جو کچھ ہوا وہ مناسب نہ رہا میرے لئے اور کچھ تھا یا نہیں تھا سکینہ سے میں نے ملاقات کی تو سکینہ نے روتے ہوئے مجھے بتایا کہ چودھری بابر خان کے خیالات بدل چکے ہیں...... کریم خان سے جھگڑے کے بعد انہوں نے مختلف انداز میں سوچنا شروع کر دیا ہے، حالانکہ صاحب جی یہ بات سکینہ کو معلوم تھی، صرف سکینہ کو کہ کریم خان کو میں نے نہیں احمد خان نے زخمی کیا ہے، لیکن میں نے اس سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ کسی کو اس بارے میں نہ بتائے، اس نے کہا کہ باقی ساری باتیں اپنی جگہ لیکن احمد خان مسلسل اس کے پیچھے پڑا ہوا ہے، جب کہ چودھری بابر خان کا کہنا ہے کہ ایک مجرم گھرانے میں وہ اپنی بیٹی کی شادی نہیں کر سکتے...... سکینہ نے مجھے بتایا صاحب جی کہ وہ اپنی ماں کے ذریعے چودھری بابر خان کو یہ بتا چکی ہے کہ وہ بھی مجھے چاہتی ہے...... بابر خان اُلجھن میں ہے، صاحب جی یہ ساری صورت حال چلتی گئی، میں نے محسوس کر لیا تھا کہ احمد خان میری آمد سے خوش نہیں ہے...... اس نے وہاں اپنے ہم خیالوں کا ایک ٹولہ بھی بنا لیا تھا، صاحب جی اور پھر اس نے ایک اور قدم اُٹھایا صاحب جی ہمارا ہم شکل ہونا ہمارے لئے عذاب بن گیا...... صاحب جی اب میں آپ کو وہ بات بتانے جا رہا ہوں ہو سکتا ہے جس کے بعد آپ بھی قانون کی پاسداری کرنے لگیں اور قانون کے محافظ کی حیثیت سے اپنا فرض پورا کریں...... صاحب جی بس ایک درخواست کرتا ہوں کوئی ایک ذریعہ ایسا نکال لیں جس سے یہ اندازہ ہو جائے کہ میں نے جو جرم کیا ہے وہ میں نے نہیں کیا...... میں نے کوئی جرم نہیں کیا...... نہ پہلے نہ اب لیکن قانون میرے پیچھے لگ گیا ہے اور وقت مجھے مجبور کر رہا ہے کہ میں جرم کروں، ایک ایسا جرم جس کا کبھی میں نے تصور بھی نہیں کیا صاحب جی، جب دل میں آگ لگتی ہے تو انسان دنیا تباہ کرنے پر تل جاتا ہے، ماں نے جو ذمہ داری میرے سپرد کی تھی میں نے اسے مان لیا ہے، لیکن صاحب جی اب سلسلہ ذرا مختلف ہو گیا ہے، جب میرا خون ہی میرا دشمن ہے تو نو مہینے ماں کے پیٹ میں ایک دوسرے سے لپٹنے کے باوجود آج اس نے دنیاداری شروع کر دی ہے تو صاحب جی دنیا تو میری بھی ہے، کتنا لٹاؤں گا اس پر کیا کیا خرچ کر دوں...... اپنی زندگی قربان کر دی ہے میں نے اسے تعلیم یافتہ بنا دیا ہے، خود جاہل رہ گیا ہوں...... ساری زندگی ہوٹل چلایا ہے میں نے ایک سکینہ ہی تو تھی

جسے میں نے چاہا تھا...... صاحب جی ایک چیز ہی تو میری اپنی تھی، اس نے اسے بھی مجھ سے چھیننے کے لئے مجھ پر آخری وار کر دیا ہے صاحب جی بالکل آخری وار۔"

"وہ کیا...... عدنان واسطی نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا بینا اور شہاب بھی اسے گہری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے، اس کے چہرے پر غم کے گہرے سائے پھیلے ہوئے تھے، اس نے آہستہ سے کہا۔ "صاحب جی اس نے چودھری بابر خان کو جان سے مار دیا اور صاحب جی الزام میرے اُوپر آ گیا...... عدنان واسطی، شہاب اور بینا چونک پڑے تھے۔"

"تمہارے اوپر کیسے الزام آ گیا۔"

"بس صاحب جی وہ...... وہ صاحب جی اس نے چودھری بابر خان سے اپنی شادی کے بارے میں بات کی تو چودھری بابر خان نے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ اس خاندان کو ایک مجرم خاندان سمجھتے ہیں جو صرف دو افراد پر مشتمل ہے...... نہ وہ سکینہ کی شادی میرے ساتھ کریں گے اور نہ ہی اس کے ساتھ...... وہ اس کی شادی کی بات کہیں اور کرنے والے ہیں...... صاحب جی اسے غصہ آ گیا...... اس نے انہیں گردن دبا کر مار دیا، قتل کر دیا صاحب جی اور اس کے بعد وہاں سے واپس آ گیا اور اس نے کچھ ایسے انتظامات کر لئے کہ اس کی مصروفیت کہیں اور ظاہر ہو تو اس کے بعد صاحب جی چودھری بابر کے قتل کے سلسلے میں ہنگامہ آرائی ہوئی اور میری نشاندہی کر دی گئی۔ پولیس ہمارے ہوٹل پہنچ گئی اس نے بڑی معصومیت سے کہہ دیا صاحب جی کہ وہ ایسا گھناؤنا عمل نہیں کر سکتا، یہ بات بہت سے لوگوں کو معلوم تھی کہ میں سکینہ سے محبت کرتا ہوں اور چودھری بابر خان اپنی بیٹی کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دینے کے لئے تیار نہیں ہے...... صاحب جی اس کے علاوہ کریم خان کو زخمی کرنے کا الزام بھی مجھ پر لگ چکا تھا، میں نے اپنے بھائی کی صورت دیکھی تو اس نے سرد لہجے میں مجھ سے کہا کہ مجھے یہ سب کچھ نہیں کرنا چاہئے تھا میں تو حیران رہ گیا...... صاحب جی میں نے اس سے کہا کہ میں نے ایسا نہیں کیا ہے، یہ کام اس نے خود کیا ہے تو صاحب جی اس نے آنکھیں بدل لیں کہنے لگا کہ وہ زندگی کھونے کے لئے تیار نہیں ہے...... تم نے جو کچھ کیا ہے اس کی سزا بھگتو اس کے بعد صاحب جی مجھے وہاں سے فرار ہونا پڑا اور اب میں یہاں انصاف کے لئے ایک ایک شکل دیکھتا پھر رہا ہوں...... صاحب جی محبت اور بے وقوفی میں بہت فرق ہوتا ہے، میں نے ساری زندگی اس کے لئے غم اٹھائے ہیں ...... لیکن اب میں اپنے لئے بھی کچھ کرنا چاہتا ہوں، بہت

ہو گیا صاحب جی بہت ہو گیا...... زندگی تو اللہ کی دی ہوئی چیز ہوتی ہے صاحب جی اسے کسی کے لئے کھویا تو نہیں جا سکتا اور پھر اس کے لئے جس نے زندگی بھر میرا سب کچھ چھینا ہے۔ صاحب جی اور کچھ نہیں ہے میرے پاس کہنے کے لئے۔" عدنان واسطی، بینا اور شہاب ساکت بیٹھے ہوئے محمد خان کی صورت دیکھ رہے تھے اس کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں اور چہرے پر غم کے آثار تھے...... تب عدنان واسطی نے کہا۔

"تم ایک مفرور ہو۔"

"صاحب جی جیسا مفرور ہوں آپ کے علم میں لے آیا ہوں...... یہ ہاتھ حاضر ہیں ہتھکڑیاں لگوا دیجئے یا پھر انصاف کا کوئی راستہ نکالئے صاحب جی، کیا دے سکتا ہوں میں آپ کو دینے کو تو بے شمار ہوں گے کبھی کبھی ایسا گھاٹے کا سودا بھی ہو جاتا ہے۔"

"خیر محمد خان لینے دینے کی بات نہیں ہے، یہ مشکل آ پڑی ہے بہر حال تم ایک ملزم ہو بے گناہ ہی کیوں نہ ہو ایک ملزم کی مدد کرنا اور وہ بھی قتل کے ملزم کی بذات خود ایک جرم ہے، اس کے علاوہ تو اصولی طور پر ہمیں تمہیں قانون کے حوالے کر دینا چاہئے تھا، میں تمہارا کیس بھی لڑتا لیکن ایسی صورت میں مجھے تھوڑا سا سوچنے کا موقع چاہئے، تم یہ بتاؤ اب تم کیا چاہتے ہو۔" عدنان واسطی نے ایک نگاہ شہاب پر ڈالی اور اس کے چہرے پر اطمینان کے آثار پا کر چپ ہو گئے، جو کچھ گفتگو وہ اس شخص سے کر رہے ہیں وہ غیر اطمینان بخش نہیں ہے...... محمد خان سر جھکائے بیٹھا رہا پھر بولا۔"

"صاحب جی اگر بے گناہ کو اسی طرح سزائے موت ملنی چاہئے تو آپ مجھے فیصلہ سنا دیجئے۔"

"ورنہ دوسری صورت میں۔"

"میری مدد کیجئے بے غرض بے لوث صرف ایک انسان کی حیثیت سے۔"

"ہوں مجھے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنا پڑے گا، تم ایسا کرو اچھا یہ بتاؤ یہاں تمہارے پاس کوئی ایسی جگہ ہے جہاں تم رُک سکو۔"

"سڑکوں فٹ پاتھ یا پھر کوئی پبلک پارک میرے پاس تو پیسے بھی نہیں ہیں صاحب جی۔"

"ہوں خیر تم ایسا کرو تھوڑی دیر باہر جا کر بیٹھو میں ذرا اپنے دوستوں سے مشورہ

کرلوں۔"

"میرے پاس ایک ایسی جگہ ہے وکیل صاحب جہاں اس شخص کو رکھا جاسکتا ہے...... اگر آپ کا حکم ہو جناب تو ہم اسے اس جگہ پناہ دے سکتے ہیں...... ویسے آپ انہیں کچھ دیر کے لئے باہر بھیج دیجئے...... ہم آپس میں مشورہ کئے لیتے ہیں۔"

"میں چلا جاتا ہوں۔" محمد خان نے کہا اور پھر کرسی سے اُٹھ کر باہر نکل گیا...... بینا جلدی سے اپنی جگہ سے اُٹھی اور اس نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا تھا...... اس کے واپس آنے کے بعد شہاب نے مدہم لہجے میں کہا۔

"اصل میں جگہ کی پیش کش گفتگو کئے بغیر میں نے اس لئے کر دی تھی کہ کہیں یہ اُلجھا ہوا آدمی یہاں سے فرار نہ ہو جائے...... یہ سوچ کر کہ ہم اس سے گریز کر رہے ہیں...... ایسے حالات میں انسان کی سوچ ذرا ایسی ہوتی ہے۔"

"نہیں...... نہیں ٹھیک ہے...... کم از کم اس سے مجھے یہ اندازہ ہوا کہ تم اسے پناہ دینا چاہتے ہو شہاب۔ کیا خیال ہے اس پوری کہانی کے بارے میں؟"

"انتہائی دلچسپ، انتہائی عجیب۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا اور عدنان واسطی پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگے...... چند لمحات کے لئے مکمل خاموشی طاری ہوگئی تھی...... واقعات ہی کچھ ایسے تھے کہ وہ لوگ ان کی دلچسپیوں میں گم ہوگئے تھے...... کچھ دیر کے بعد عدنان واسطی نے کہا۔

"خوش قسمتی یہ ہے کہ شہاب تم یہاں موجود ہو...... میں نے تمہاری موجودگی اسی لئے ضروری سمجھی کہ جو بھی گفتگو ہو تمہارے سامنے ہو...... اصل میں تمہاری لائن کی چیز تھی اور مجھے یقین تھا کہ تم اس میں پوری پوری دلچسپی لوگے۔"

"جی واسطی صاحب۔"

"مگر ایک بات اپنے طور پر کہنا چاہتا ہوں میں۔"

"جی فرمائیے۔"

"وہ قتل کا ایک ملزم ہے...... مفرور ہے...... یقینی طور پر نظام پور پولیس اسے تلاش کر رہی ہوگی...... بے شک وہ بھاگ کر یہاں آگیا ہے، لیکن ایک پولیس آفیسر کی حیثیت سے مجھے بتاؤ کہ اگر ایک شخص جس پر قتل کا الزام ہو کسی طرح ایک وکیل یا پولیس آفیسر کے ہاتھ

لگ جائے تو اس کا فرض کیا ہوگا۔"

شہاب ایک لمحے سوچتا رہا پھر مسکرا اُٹھا...... اس کے بعد بولا۔

"لیکن ہماری کوششیں اسے ہمارے پاس نہیں لائی ہیں...... اس بے چارے کے علم میں یہ بات بالکل نہیں ہے کہ وہ ایک وکیل کے ساتھ ساتھ ایک پولیس آفیسر کے سامنے بھی آگیا ہے، یقینی طور پر اس کے تصور میں بھی یہ بات نہیں ہوگی، ایسی صورت میں پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کی گرفتاری ہمارے لئے کوئی کارنامہ نہیں ہوگی...... دوسری بات یہ ہے کہ ہم اگر اسے گرفتار کر لیں تو۔"

"مگر قانون کیا کہتا ہے۔" واسطی نے کہا۔

"قانون مجھ سے زیادہ آپ جانتے ہیں واسطی صاحب...... قانون تو یہی کہتا ہے کہ اگر ایک شخص خواہ وہ ملزم ہی سہی آپ کے سامنے آجائے اور آپ کو اس کا پتا چل جائے کہ وہ پولیس کو مطلوب ہے تو اصولی طور پر اس کی گرفتاری ضروری ہو جاتی ہے۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ کیا کرنا چاہئے۔"

"لیکن بات اصول کی نہیں ہے...... یہاں پر ایک ایسا مسئلہ سامنے آیا ہے جو متنازعہ ہے...... ہم اگر اسے گرفتار کر کے لاک اپ میں ڈال دیتے ہیں تو بات خاصی پیچھے چلی جائے گی۔ یہ تو بعد کی بات ہے کہ اسے کیسے گرفتار کیا جائے یا اگر بات ہمارے کانوں تک پہنچے تو اس وقت ہمارا ردعمل کیا ہوگا۔"

"کیوں ناں شہاب ایسا کریں کہ اسے گرفتار کرلو...... لاک اپ میں ڈال دو اس کے لئے کچھ خصوصی اقدامات کر دو اور اس کے بعد اس کیس کی تفتیش کرو...... اس کی حیثیت قانونی ہو جائے گی۔"

"آپ کا خیال ہے...... کیا وہ اپنے آپ کو خوشی سے گرفتاری کے لئے پیش کر دے گا...... واسطی صاحب قانون سب سے زیادہ محترم چیز ہے، لیکن یہ بات آپ بھی جانتے ہیں کم از کم میرے سلسلے میں کہ بعض جگہ مجھے قانون کے سامنے نظریں جھکانا پڑتی ہیں اور وہ اقدامات کرنا پڑتے ہیں جو انسانی اور اصولی طور پر تو درست ہوتے ہیں لیکن۔"

"میں سمجھ رہا ہوں سمجھ رہا ہوں...... تم اسے گرفتار نہیں کرنا چاہتے ہم اس پر محنت بے شک کرلیں گے، بینا جانتی ہے کہ یہ محنت کیسی ہوگی، لیکن بات بس یہی ہے کہ کچھ معاملات

اُلجھ جائیں گے۔"

"مجھے اعتراض تو نہیں ہے یہ تو بس مشورے کے طور پر پوچھ رہا تھا میں...... ویسے تمہارا پروگرام کیا ہے۔"

"فی الحال اسے ہم کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں پہنچادیتے ہیں...... بینا" شہاب نے کہا اور بینا چونک کر واسطی کو دیکھنے لگی...... واسطی صاحب کو اس بات کا علم تو تھا کہ ان لوگوں کے پاس خاصے انتظامات ہیں لیکن تفصیل بینا نے کبھی نہیں بتائی تھی، جہاں وہ باپ سے مخلص تھی وہاں الگ بات تھی، لیکن جو راز شہاب نے اسے دیئے تھے ان کا بھی مکمل طور سے احترام کرتی تھی اور اس نے ان میں اپنے باپ کو بھی شریک نہیں کیا تھا...... واسطی نے اس پر توجہ نہیں دی اور کہنے لگے۔

"ویسے اگر تم اس شخص سے مطمئن ہو تو میں اسے اپنے گھر رکھنے کے لئے بھی تیار ہوں۔"

"نہیں اب اتنا مطمئن بھی نہیں ہوں۔" شہاب نے ہنس کر کہا۔

"تو اس کی ذمہ داری تم قبول کرو گے۔"

"جی...... یقیناً...... ویسے اس سے بات بھی کئے لیتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے تو یہ بات طے ہوگئی کہ ہم اس کی دادرسی کریں گے۔"

"یہ ہمارا فرض ہے۔"

"ٹھیک ہے بینا...... دیکھو...... بلاؤ اسے...... کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ فرار ہی ہوگیا ہو...... یہ رسک تو لیا ہے ہم نے۔" بینا اپنی جگہ سے اٹھی اور باہر نکل گئی۔ باہر محمد خان موجود تھا...... اس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے بینا کو دیکھا تو بینا نے کہا۔

"آؤ محمد خان اندر آجاؤ۔" محمد خان اندر داخل ہوگیا...... عدنان واسطی نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا...... چند لمحے اسے دیکھتے رہے پھر انہوں نے کہا۔

"محمد خان...... ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں تمہیں۔"

"جی...... جناب عالی۔"

"دیکھو...... اچھا چلو پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ چودھری کے قتل کے بعد تم نے کیا کیا؟"

"جیسا کہ میرے علم میں تھا یا آیا کہ چودھری کے قتل کا شبہ مجھ پر کیا جارہا ہے اور میرے سر پر الزام میرے بھائی نے لگایا ہے، اس نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ چودھری بابر

خان کے قتل سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اور پھر صورت حال بھی کچھ ایسی تھی جو میں آپ کو تفصیل سے بتا چکا ہوں...... ایسی صورت میں میرا فرار ہوجانا ضروری تھا۔"

"پولیس اس سلسلے میں کس حد تک ملوث ہو چکی ہے۔"

"لازمی بات ہے جناب...... چودھری بابر خان کا قتل تھا...... کسی معمولی آدمی کا قتل نہیں اور پھر نظام پور میں چودھری بابر خان کی بڑی حیثیت تھی...... میں تفصیلی علم تو نہیں رکھتا لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ پولیس میری تلاش میں ماری ماری پھر رہی ہوگی۔"

"ایسی صورت میں محمد خان اگر ہم تمہیں پولیس کے حوالے کردیں تو؟"

"جی۔" محمد خان کی آنکھوں میں خوف کے آثار نظر آنے لگے۔

"صرف اس لئے کہ کہیں کوئی ذمہ داری ہم پر عائد نہ ہوجائے...... فرض کرو ہم تمہارے کیس کے سلسلے میں تھوڑی سی تفتیش کرتے ہیں، پہلے اپنے طور پر معلومات حاصل کرتے ہیں...... تمہاری بستی نظام پور جاتے ہیں اور بعد میں پولیس کو یہ پتا چلتا ہے کہ تم نے ہم سے تعلق قائم کرلیا تھا تو ہم پر بھی جرم عائد ہوسکتا ہے۔"

"آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میں دوبارہ اپنے آپ کو پولیس کی تحویل میں دے دوں؟"

"ہاں۔"

"دیکھئے...... وکیل صاحب بات اصل میں یہ ہے کہ اب مجھے اپنے آپ سے ہمدردی پیدا ہوگئی ہے...... مجھے احساس ہو رہا ہے کہ ماں نے جو ذمہ داری میرے شانوں پر ڈالی تھی...... اب وہ میرے گلے میں پھانسی کا پھندا بن چکی ہے۔" "آپ خود سوچئے میں نے اپنے سارے فرائض پورے کئے ہیں...... بھائی کو پتا نہیں کیا سے کیا بنادیا، لیکن وہ۔"

"میں مانتا ہوں تمام باتیں۔"

"نہیں...... جناب پانچ سال کھو چکا ہوں اپنی زندگی کے پانچ سال اور اس کے بعد میرا مستقبل تاریک ہوگیا ہے...... اگر اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کرنا ہوتا تو آپ کے سامنے اس طرح جھولی نہ پھیلاتا...... خدا کے لئے میری مدد کیجئے...... یہ نہ کیجئے میرے ساتھ جو دُنیا کرتی رہی ہے...... اگر، اگر پولیس نے مجھے اس بار بھی پکڑ لیا تو میں جانتا ہوں کہ کوئی میرے لئے کچھ نہیں کرسکے گا...... پھانسی کے پھندے سے نہیں ڈرتا جناب لیکن بے گناہ ہوں آپ خود سوچئے جو شخص خودکشی کرنا چاہتا ہو وہی اپنے اوپر قتل کا الزام لے کر اپنے آپ کو موت

کی آغوش میں دے سکتا ہے...... کیا ایسا ہونا چاہئے...... ساری زندگی مشکلات کا یہی صلہ ملنا ہے مجھے...... اگر آپ یہ سمجھتے ہیں تو پھر جو آپ کا دل چاہے کریں...... ویسے میں آپ کو یہ بتادوں کہ اگر پولیس نے مجھ پر قابو پالیا تو میں خودکشی کرلوں گا...... میں سزائے موت نہیں حاصل کروں گا جناب...... یہ میرا آخری فیصلہ ہے؟ محمد خان کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے اور اس کے بعد اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپالیا۔

❁

وہ سسکیاں لے رہا تھا...... سب ہی کے چہروں پر ہمدردی اُبھر آئی...... واقعی انسانی نکتہ نگاہ سے سوچا جاتا تو ایک ایسے شخص کی ذہنی کیفیت یہی ہونی چاہئے تھی...... شہاب نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ”نہیں...... محمد خان...... تم فکر نہ کرو...... تمہارے لئے جو کچھ بھی ہوگا...... بہتر انداز میں کیا جائے گا۔“

”میں پولیس کی تحویل میں نہیں جاؤں گا جناب...... خدا کے لئے میرے ساتھ یہ سلوک نہ کیجئے...... خدا کے لئے انسانیت سے میرا اتنا فاصلہ نہ پیدا کردیجئے کہ میں یہ سوچنے لگوں کہ اس دُنیا میں اب انسان رہتے ہی نہیں۔“ شہاب نے اس کے شانے تھپتھپائے اور بولا۔

”تم بالکل بے فکر رہو...... میں تمہیں پولیس کی تحویل میں نہیں جانے دوں گا...... سر آپ سے بھی میری یہ درخواست ہے۔“ شہاب نے عدنان واسطی سے کہا۔

”نہیں بھئی...... ویسے بھی میں کوئی پولیس والا تو ہوں نہیں...... لیکن بس ایک بات کہہ رہا تھا...... اصل میں محمد خان کے سلسلے میں خاصی تفصیل سے تفتیش کرنا پڑے گی، بلکہ میں یہ کہتا ہوں مسٹر شہاب کہ تم اور بینا دونوں نظام پور جاکر اس کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرو۔“

”جی سر...... فی الحال محمد خان میرے ساتھ جارہے ہیں اور اس کے بعد ہم یہ فیصلہ کرلیں گے کہ ہمیں کیا کرنا ہوگا۔“ محمد خان نے شہاب کو دیکھا اور بولا۔

”لیکن جناب دھوکہ نہ کیجئے میرے ساتھ۔“

”نہیں محمد خان...... ہم دھوکہ نہیں کرتے کسی کے ساتھ۔“

پھر اس کے بعد شہاب نے اجازت طلب کرلی...... بینا سے البتہ اس نے کہا۔

"بینا آپ اگر میرے ساتھ آ جائیں تو زیادہ بہتر ہو گا۔"

"چلی جاؤں ڈیڈی؟"

"ہاں ہاں بھئی...... مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے...... نیچے گاڑی کھڑی ہے...... تم وہ گاڑی لے جاؤ۔" عدنان واسطی صاحب وہ پورا ماحول پیدا کر رہے تھے کہ کسی بھی طرح سے محمد خان کو شبہ نہ ہو سکے...... اس کے بعد محمد خان، بینا اور شہاب کے ساتھ اُٹھ گیا...... دونوں اسے نیچے لے کر آئے اور پھر کار کی پچھلی سیٹ پر بٹھا کر چل پڑے...... کار کا رخ کریم سوسائٹی کی ہی جانب تھا۔ راستے میں محمد خان نے کہا۔

"ایک بات پوچھوں صاحب؟"

"ہاں محمد خان پوچھو۔"

"یہ وکیل صاحب انسان ہیں یا فرشتے۔"

"ہمارے خیال میں تو انسان ہی ہیں...... شہاب نے جواب دیا۔

"انہوں نے مجھ سے نہ کوئی فیس مانگی اور نہ ہی اس بات کا کوئی اظہار کیا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اس طرح میری مدد کرنے پر آمادہ ہو گئے۔"

"محمد خان...... تم نے انسانیت کے نام پر ان سے مدد مانگی تھی ناں...... بہرحال انسان انسان کے اتنے کام آتا ہی ہے۔"

"پتا نہیں کیوں صاحب...... دُنیا پر سے اعتبار اُٹھ گیا ہے...... صاحب آپ یقین نہیں کرو گے، اتنا چاہتا تھا میں اسے...... اتنا کچھ کیا ہے میں نے اس کے ساتھ کہ کبھی کبھی مجھے اپنے آپ پر رحم آنے لگتا تھا...... صاحب آپ مجھ سے کہیں بڑے ہو...... کہیں زیادہ تعلیم حاصل کی ہے آپ نے...... آپ یہ تو سوچ سکتے ہیں صاحب کہ ایک انسان کے اندر کسی کے ساتھ ایثار کرنے کا کتنا جذبہ ہو سکتا ہے...... صاحب میں تاریخ سے انکار نہیں کروں گا...... یہ نہیں کہوں گا کہ انسانوں نے انسانوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا اور پھر رشتے تو بڑے قابل احترام ہوتے ہیں صاحب...... ماں نے کہا تھا میں نے ماں کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دی...... آپ مجھے بتاؤ صاحب کیا میری ماں قبر سے اُٹھ کر میری فریاد سننے کے لئے آئے گی...... کیا صاحب ساری زندگی اپنے آپ کو قربان کرنے کے بعد مجھے اتنا حق بھی حاصل نہیں تھا کہ میں اپنی محبت کو اپنی زندگی بنا لیتا...... صاحب یہ تو انسان کا انسان پر بہت بڑا ظلم

ہے...... صاحب دل ٹوٹتا ہے، تو نجانے کیا کیا ٹوٹ جاتا ہے...... ایک بار بھرم، احساس، دُنیا کی ہر چیز ٹوٹ جاتی ہے صاحب۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو محمد خان...... تمہاری دلی کیفیت کو میں اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔" شہاب نے معنی خیز انداز میں آنکھیں نچاتے ہوئے کہا...... کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں جو ہر خان معمول کے مطابق اپنی ڈیوٹی پر مستعد تھا...... اس نے گیٹ کھولا اور گاڑی اندر داخل ہو گئی...... گیٹ بند کرنے کے بعد وہ واپس آ گیا تھا...... تمام لوگ اندر چلے گئے...... ایک کمرے میں پہنچنے کے بعد شہاب نے محمد خان سے بیٹھنے کے لئے کہا اور خود بھی بیٹھ گیا۔"

"ہاں محمد خان...... یہ وکیل صاحب کی پرائیویٹ کوٹھی ہے...... یہاں ایک ملازم رہتا ہے اور یہ تمہاری اچھی طرح دیکھ بھال کرے گا...... دیکھو محمد خان...... بات اصل میں یہ ہے کہ تم نے وکیل صاحب کو اپنی مدد کے لئے آمادہ کر لیا ہے...... وکیل صاحب جس قسم کے آدمی ہیں...... میں تمہیں ان کے بارے میں بتا دوں گا...... اصولی طور پر وکیل صاحب کا ایک قانونی انسان ہونے کی حیثیت سے فرض بنتا ہے کہ وہ تمہیں پولیس کے حوالے کر دیں...... اس کے بعد وہ تمہارا مقدمہ لڑیں کیونکہ اگر کسی طرح پولیس کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ وکیل صاحب نے ایک ایسے شخص کو پناہ دی ہے، جو پولیس کو مطلوب ہے تو وکیل صاحب خود مصیبت میں پھنس جائیں گے۔"

"میں سمجھتا ہوں صاحب، لیکن آپ یہ دیکھئے کہ میں نے آپ کو اپنے بارے میں ساری باتیں سچ سچ بتا دی ہیں...... صاحب پولیس کی تحویل میں آپ نے دے دیا مجھے تو میں مر جاؤں گا...... آپ یقین کریں دنیا سے اتنی ہی بددلی ہو گئی ہے مجھے۔"

"میں جانتا ہوں اسی لئے ہم نے تمہیں وہاں نہیں دیا لیکن محمد خان ابھی بھی سوچ لو اگر تم ہمیں اس مسئلے میں پھنسا رہے ہو تو پھر تمہیں ہمارا پورا پورا ساتھ دینا پڑے گا۔"

"ساتھ تو آپ میرا دے رہے ہو صاحب...... میں بھلا آپ کا کیا ساتھ دوں گا۔"

"مطلب یہ ہے کہ نہ تو یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کرنا اور نہ ہی کوئی ایسا عمل جس سے وکیل صاحب کو اس بات کا دُکھ ہو کہ انہوں نے انسانیت کا ثبوت دے کر غلطی کی ہے۔" محمد خان پھیکے سے انداز میں ہنسنے لگا پھر بولا۔

"صاحب...... اب کیا بتائیں آپ کو...... ہمارا خون خراب نہیں ہے...... اتنے برے

لوگ نہیں ہیں ہم، لیکن حالات انسان کو بنا دیتے ہیں برا...... بس وکیل صاحب اور کچھ نہیں کہیں گے ہم۔"

"فرض کرو محمد خان ہم لوگ وہاں تفتیش کرنے جاتے ہیں...... تم ہمارے ساتھ نظام پور جانا پسند کرو گے۔"

"آپ کی پناہ میں ہوا تو ضرور چلوں گا۔"

"لیکن تمہارے لئے وہاں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں تم اپنے آپ کو دوسروں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھ سکو۔" محمد خان کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔

"مشکل نہیں ہوگی صاحب...... نظام پور ہی میں پیدا ہوئے بچپن سے لے کر اس عمر تک نظام پور میں گزاری ہے...... ہر جگہ کے بارے میں معلوم ہے...... نظام پور کے مشرقی حصے میں ایک جگہ تالاب بنگلہ کے نام سے مشہور...... تالاب بنگلہ اصل میں انگریزوں کے زمانے کا ڈاک بنگلہ تھا...... اس کے بائیں طرف ایک بڑا سا تالاب تھا جو اب سوکھ چکا ہے، لیکن اب تو ایسے بنگلوں کا دور ہی ختم ہو گیا...... ٹوٹی پھوٹی عمارت ہے، لیکن اس قابل ضرور ہے کہ وہاں کوئی چھپ سکے۔"

"کیا لوگ وہاں نہیں آتے جاتے۔"

"نہیں صاحب بالکل نہیں، بلکہ ایک طرح سے تو وہ بھوت بنگلہ مشہور ہے۔"

"تم وہاں کچھ وقت گزار سکو گے۔"

"صاحب...... ہمیں تو آپ اگر کسی گندی نالی میں بھی چھپنے کے لئے کہیں گے تو وہاں چھپ جائیں گے...... زندگی داؤ پر لگ گئی ہے...... دکھ تو ہوتا ہے صاحب...... انسان کسی کے لئے اتنا ایثار کرے اور اس مصیبت میں پھنس جائے...... صاحب رشتے کہاں چلے گئے؟"

"سب کچھ ہو جاتا ہے...... محمد خان، سب کچھ ہو جاتا ہے...... وقت کی سوچ بدل گئی ہے...... اچھا تم یوں کرو کہ یہاں رہو...... جو ہر خان یہاں ہوتا ہے...... تمہاری ہر ضرورت کا خیال رکھے گا اور سنو محمد خان یہاں آنے کے بعد یوں سمجھ لو کہ تم نے اپنی ساری ذمہ داریاں ہمیں سونپ دی ہیں...... اگر تم ایک منٹ کے لئے یہاں سے باہر نکلے یا کہیں گئے تو اس کے بعد دوبارہ ہمارے پاس واپس مت آنا...... پولیس جانے اور تم جانو۔"

"صاحب...... آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں...... پتا نہیں ستارے کیسا سفر کر رہے تھے

کہ میری نگاہ ان وکیل صاحب پر پڑ گئی...... صاحب میں جو کچھ بھی ہوں اب آپ کے سامنے ہے...... بے کسی اور بے بسی کی زندگی گزار رہا تھا...... دل میں یہ خیال اُبھر رہا تھا کہ کاش کوئی مجھے بے گناہ ثابت کر دے...... جب کہ میں گناہ گار نہیں ہوں...... صاحب ایسی ہی آس بھری نگاہوں سے میں نے پہلے بھی دُنیا والوں کو دیکھا تھا لیکن اس وقت میرے دل میں ایثار تھا...... یہ احساس تھا کہ چھوٹے بھائی کے لئے قربانی دے رہا ہوں، لیکن صاحب قربانی کا یہ صلہ ملتا ہے آپ خود سوچئے...... انسان کے اندر کتنی وسعت ہو سکتی ہے؟"

"ہاں محمد خان۔"

"تو صاحب وہ وکیل صاحب فرشتہ ثابت ہوئے، چہرے دیکھ کر کوئی شخص کسی کے لئے کتنا کچھ کر سکتا ہے...... ہر انسان کی ایک پہنچ ہوتی ہے صاحب...... یہ کام آپ لوگوں کا نہیں ہے جو آپ کر رہے ہیں...... آپ کے پاس بہت بڑی شخصیت کے مالک ہیں...... کسی کے دل میں اگر کسی کے لئے بے لوث رحم کا جذبہ جاگ اُٹھے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بہت عظیم الشان ہے...... صاحب دعائیں ہی دے سکتا ہوں انہیں اور کیا کر سکتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے محمد خان...... تم ہمارے تعاون سے ہی تمہاری حقیقت کو سامنے لا سکیں گے...... اصل میں وکیل صاحب نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم تمہارے بارے میں مکمل تفتیش کریں اور اصلیت کو پکڑیں۔"

"جی صاحب۔"

"حالانکہ تم جانتے ہو یہ ہمارا کام نہیں ہے...... ہم تو صرف عدالت میں ثبوتوں کی بنیاد پر مقدمہ لڑتے ہیں اور ثبوت ہمیں یا تو پولیس فراہم کرتی ہے یا ہمارا وہ موکل جس کے لئے ہم وکیل صفائی ہوتے ہیں...... خیر چلو ٹھیک ہے، تو اب تم یہاں آرام کرو اور خیال رکھنا...... تم چلے جاؤ گے تو ہمارا کوئی نقصان نہیں ہوگا، محمد خان لیکن تمہارا نقصان ہو جائے گا۔"

"مجھ سے بار بار یہ بات نہ کہیں...... میں آپ کا غلام ہوں۔"

پھر شہاب نے بینا کو اشارہ کیا اور دونوں وہاں سے اُٹھ گئے...... بینا خاموشی سے شہاب کے ساتھ کار میں آ بیٹھی...... اس نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ اب شہاب کہاں جا رہا ہے، لیکن تھوڑی دیر کے بعد شہاب نے اپنے اسی مخصوص ریستوران کے سامنے کار روک دی، جس میں ان کی زندگی کے بہت سے باب لکھے ہوئے تھے...... یہ وہی ریستوران تھا جہاں کے ویٹر

بینا اور شہاب کو اچھی طرح پہچانتے تھے...... اس وقت جب کریم سوسائٹی کی کوٹھی موجود نہیں تھی...... ن کی تمام میٹنگیں یہیں ہوا کرتی تھیں...... ویٹر نے ان دونوں کو سلام کیا اور وہ اپنے مخصوص کیبن میں جا بیٹھے...... بینا مسکرا رہی تھی۔

"میں جانتا ہوں تمہارے دل میں کیا خیالات پیدا ہو رہے ہیں۔"

"کوئی خیال نہیں پیدا ہو رہا...... کچھ منگواؤ۔" بینا نے کہا۔

"تم آرڈر دو۔" ویٹر کے آنے پر بینا نے اپنی پسند کی اشیاء منگوا لیں...... شہاب کے لئے بھی اس نے وہی سب کچھ طلب کر لیا تھا، جس پر شہاب نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا...... وہ خاموشی سے کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا...... بینا نے بھی اسے سوچنے کا موقعہ دیا...... ویٹر نے ان کی مطلوبہ اشیاء ان کے سامنے لگا دیں اور بینا کافی بنانے لگی...... شہاب نے کافی کا گھونٹ لے کر کہا۔

"کیا بات ہے بینا بہت زیادہ خاموش ہو؟"

"بس اچھے اسسٹنٹ کی طرح۔"

"واہ گویا تم مجھے سوچنے کا موقعہ دے رہی تھیں۔"

"ہاں لیکن وقت ختم ہو گیا جناب۔"

"کیا مطلب؟"

"یعنی ٹائم ختم ہو گیا ہے۔"

"مطلب؟"

"اب آپ شرافت سے بتائیے کہ آپ کیا سوچ رہے ہیں۔" بینا نے کہا اور شہاب مسکرانے کے بجائے سنجیدہ ہو گیا۔

"بینا ہم نظام پور جائیں گے...... ظاہر ہے ہمیں تحقیقات تو کرنا ہوں گی۔"

"ویسے عجیب کہانی نہیں ہے شہاب؟"

"ایسی عجیب کہانیاں تو بینا قدم قدم پر مل جاتی ہیں...... اس میں کوئی خاص بات تو نہیں ہے۔"

"ہاں بات واقعی نہیں ہے...... ویسے بھی تم ایک بات بتاؤ بعد میں بھول جاؤں گا۔"

"کیا؟" بینا نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"جب محمد خان ہمیں اپنی کہانی سنا رہا تھا اور اس نے نظام پور کا نام لیا تھا تو تم دونوں باپ بیٹی نے ایک دوسرے کو چونک کر دیکھا تھا...... کوئی خاص بات تھی اس کی؟" بینا نے حیران نگاہوں سے شہاب کو دیکھا اور بولی۔

"شہاب...... اتنی گہری نگاہ رکھتے ہو تم؟"

"ہوا تھا نا ایسا؟"

"ہاں بالکل۔"

"وجہ بتانا چاہو گی؟"

"ارے ہاں کوئی ایسی بات نہیں ہے، اصل میں نظام پور میں ہمارے کچھ عزیز رہتے ہیں...... میری ایک خالہ، سگی خالہ تو نہیں ہیں...... رشتے کی خالہ ہیں...... ریاست حسین ان کے شوہر کا نام ہے...... وہ لوگ نظام پور ہی میں رہتے ہیں...... نظام پور کے نام پر ہم چونکے تھے کیونکہ وہ دونوں وہاں موجود ہیں۔"

"ارے واہ...... کیا واقعی؟"

"ہاں...... کیوں؟"

"نہیں بینا...... بہر حال ہمیں نظام پور تو جانا ہی ہو گا کیا وہاں قیام کیا جا سکتا ہے؟"

"دل و جان سے...... وہ لوگ تو سینکڑوں بار کہہ چکے ہیں...... میری خالہ بے شک سگی خالہ نہیں ہیں لیکن پھر بھی مجھے بہت چاہتی ہیں...... بارہا انہوں نے کہا کہ لڑکی تم تو لڑکا بنتی جا رہی ہو، جس طرح لڑکے مصروف رہتے ہیں اس طرح تم بھی مصروف رہتی ہو، کبھی آؤ ہمارے ہاں۔"

"مگر بینا ایک مسئلہ ہے۔"

"کیا؟"

"میں کس حیثیت سے تمہارے ساتھ جاؤں گا؟"

"جناب عالی، وہ لوگ آپ کو جانتے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ آپ کو جانتے ہیں وہ۔"

"مگر کیسے بھائی۔" شہاب نے حیرانی سے سوال کیا۔

"بس میرا خیال ہے امی نے تذکرہ کیا تھا۔" بینا کے چہرے پر ایک سرخی سی دوڑ گئی اور شہاب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

"کک...... کیا یار، بتادو۔" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا اور بینا ہنس پڑی۔

"بس کیا تھا...... ساری باتیں بتانے کے لئے نہیں ہوتیں۔"

"ارے واہ...... واقعی کیا پر لطف بات ہے...... بینا یقینی طور پر تمہاری امی نے میرا تذکرہ تمہارے مستقبل کے حوالے سے کیا ہوگا۔"

"اب یہ باتیں کرنا ضروری ہیں کیا۔"

"یار بہت ضروری ہیں...... تم سمجھتی نہیں ہو بات کو یقین کرو انسان کو کتنا اچھا لگتا ہے، کسی سے منسوب ہو کر۔"

"کیا مطلب؟"

"ایک لطیفہ سن لو۔" شہاب نے کہا اور بینا شرارت آمیز نگاہوں سے دیکھنے لگی، پھر بولی۔

"سوجھ گئی ناں کوئی شرارت۔"

"شرارت نہیں اسے لطیفہ کہتے ہیں۔"

"کیا؟"

"ایک عمر رسیدہ بزرگ تھے...... کبھی کسی زمانے میں شادی ہوئی ہوگی...... بیگم صاحبہ اللہ کو پیاری ہو گئیں...... بعد میں دوسری شادی نہیں ہوئی، لیکن تمام عمر اسی حسرت میں گزار دی کہ میری شادی کی جائے، مگر کچھ عجیب وغریب فطرت تھی حضرت کی...... جب کہیں سے کوئی رشتے کا مسئلہ ہوتا وہ بڑی خوشی سے وہاں سے رجوع کرتے اور اگر لڑکی کے خاندان والے لڑکے کو بر دکھاوے کے لئے طلب کرتے تو بڑے اہتمام سے عمدہ قسم کا لباس پہن کر شان و شوکت کے ساتھ لڑکی کی طرف جاتے، مگر شادی نہیں کرتے تھے کسی سے۔"

"کیا مطلب۔"

"بس شادی نہیں کرتے تھے۔"

"تو پھر۔"

"بس بر دکھاوے کے لئے جاتے تھے...... ایک بار ان سے پوچھا گیا کہ حضرت جب شادی نہیں کرنی آپ کو تو بر دکھاوے کے لئے آپ کیوں جاتے ہیں...... کہنے لگے میاں، تم

سمجھتے نہیں ہو اصل بات، جب میں وہاں جاتا ہوں تو خواتین پردے کے پیچھے چھپ چھپ کر مجھے دیکھتی ہیں...... مسکراتی ہیں...... ایک دوسرے سے کہتی ہیں کہ لڑکا آیا ہے...... بس جب وہ مجھے لڑکا کہتی ہیں تو مجھے بڑا اچھا لگتا ہے۔" بینا قہقہہ مار کر ہنس پڑی، پھر اس نے کہا۔

"مگر تم تو واقعی لڑکے ہی ہو۔"

"اب یار سنجیدگی اختیار کرو یہ بتاؤ اگر ہم...... کیا نام بتایا تھا تم نے ان خالو صاحب کا۔"

"ریاست حسین۔"

"اگر ہم وہاں جاکر کچھ عرصہ قیام کریں۔"

"دل و جان سے شہاب...... کوئی وقت نہیں ہوگی...... میں ڈیڈی سے فون کرادوں گی انہیں۔"

"یہ تو بہت اچھا ہوگا۔"

"تو پھر پروگرام کیا ہے؟"

"پروگرام یہ ہے بینا کہ ہم لوگ جائیں گے اور اس سلسلے میں مکمل تحقیقات کریں گے۔"

"روانگی کب تک ہے۔"

"بس ذرا تھوڑا سا پروگرام بنالوں میں اور تم یوں کرو کہ ڈیڈی سے وہاں فون کرادو۔"

"تو پھر اب اُٹھیں یہاں سے۔"

"ہاں میرا خیال ہے اُٹھنا چاہئے۔" بینا نے کہا...... شہاب نے ویٹر کو بلا کر بل ادا کیا اور اس کے بعد دونوں ہوٹل سے باہر نکل آئے۔

❁

عدنان واسطی صاحب کو بھی اس کیس سے براہ راست دلچسپی تھی اور وہ بینا کی واپسی کے منتظر تھے، لیکن بینا سے رات کو ہی ملاقات ہو سکی...... وہ خود بھی ایک کام میں مصروف ہو گئے تھے...... ڈنر پر فراغت حاصل کرنے کے بعد واسطی صاحب نے کہا۔

"بیٹا، کوئی مصروفیت تو نہیں ہے۔"

"نہیں ڈیڈی بس آپ سے باتیں کرنے والی تھی...... کہاں مصروف رہے آپ...... میں نے آپ کو آفس میں بھی دیکھا تھا۔"

"بہت دیر تک تمہارا انتظار کرتا رہا پھر اپنے ایک کلائنٹ سے ملاقات کرنے چلا

گیا...... وہ روشن علی صاحب کے بارے میں تو تم جانتی ہی ہو گی۔"

"جی ڈیڈی...... ان کا کیا معاملہ چل رہا ہے۔"

"بس ہے ایک چھوٹا موٹا سا معاملہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا...... تم سناؤ کیا ہوا اس کا۔"

"ڈیڈی اسے شہاب صاحب نے اپنے پاس محفوظ کر لیا ہے اور اب وہ ان کی تحویل میں ہے۔"

"شہاب سے مزید باتیں ہوئی ہوں گی۔"

"جی ڈیڈی۔"

"تو شہاب نے کوئی نتیجہ اخذ کیا۔"

"ڈیڈی آپ نے ان کی ذمہ داری لگادی تھی...... ظاہر ہے اب اس کیس سے انحراف تو نہیں کر سکتے۔"

"ارے نہیں بیٹا...... ذمہ داری کیا لگادی...... وہ بس اس ٹائپ کا انسان ہے اور یہ ضروری نہیں سمجھتا کہ کسی مسئلے کی اہمیت وہی ہو، یعنی بلا تکلف اب کہنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا...... ایک تو اس کے فرائض، لیکن بیٹا فرائض تو بے شمار افراد کے ہوتے ہیں، جو اپنے فرض کو پہچانے اور اسے پورا کرنے کی کوشش کرے...... وہ ٹھیک ہے، لیکن ایک اور فرض بھی ہوتا ہے اور بہر حال شہاب میں یہی ایک خوبی ہے کہ اس نے اپنے آپ کو کسی بھی جگہ دُنیاوی معاملات سے الگ ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کی ہے...... خیر خوبیاں اس کے اندر بے پناہ ہیں، مگر فیصلہ کیا کیا اس نے؟"

"ساری تفصیلات معلوم کی تھیں محمد خان سے اور اس کے بعد یہ فیصلہ کیا شہاب صاحب نے کہ نظام پور کا ایک چکر لگایا جائے۔"

"اس کے بغیر چارہ کار بھی نہیں ہے...... ظاہر ہے ویسے تو بات جو کچھ بھی ہے، ہمارے علم میں ہے اور سمجھ میں بھی آ رہی ہے، لیکن پھر بھی جو تفصیلات وہاں جا کر معلوم ہو سکتی ہیں وہ اپنی نوعیت کی الگ ہی ہوں گی۔"

"جی ڈیڈی...... یہی شہاب صاحب کا خیال ہے۔"

"تو جا رہا ہے وہ۔"

"کہتے ہیں مجھے بھی اپنے ساتھ لے جائیں گے۔"

"تفتیش کے سلسلے میں، ظاہر ہے...... جو کچھ وہ کر رہا ہے وہ اہمیت کا حامل ہو گا۔"

"ڈیڈی...... ایک اور بات بھی ہوئی تھی ان سے۔"

"ہاں۔"

"وہاں ریاست خالو ہیں ناں۔"

"میرے ذہن میں بھی یہ خیال آیا تھا بلکہ شاید تم وہ نہ کہنا چاہتی ہو جو میں کہہ رہا ہوں...... اگر وہاں جا رہی ہو، ریاست خالو کے گھر بھی چلی جانا...... ویسے وہ تفصیلات سے واقف ہیں...... مطلب یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ تم لوگ مل کر کام کرتے ہو...... پریشانی کی تو کوئی بات ہے نہیں...... ویسے بھی تمہاری خالہ کا گھر ہے...... شکایت بھی دُور ہو جائے گی ان کی کہ ہم لوگ آتے نہیں ہیں، تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر تم وہاں جا رہی ہو تو وہیں قیام کرنا۔"

"یہی مقصد تھا میرا ڈیڈی...... کوئی حرج تو نہیں ہے۔"

"بالکل حرج نہیں ہے۔"

"تو بہتر یہ نہیں ہو گا ڈیڈی کہ آپ انہیں فون کر دیں۔"

"میں ابھی کئے دیتا ہوں لیکن کیا کہوں؟"

"بس یہی کہیں کہ ایک سرکاری کام سے ہم لوگ وہاں آ رہے ہیں، یہ تو انہیں پتا ہے کہ میرا تقرر ہو چکا ہے۔"

"ہاں...... بھئی انہیں سب کچھ پتا ہے...... اتنے اپنے ہیں وہ لوگ کہ ان سے پتہ چھپانا مناسب نہیں لگتا۔"

"جی ڈیڈی...... تو پھر آپ انہیں فون کر دیں۔"

"میں کئے دیتا ہوں...... پروگرام کیا ہے گا تمہارا۔"

"بس ڈیڈی...... ہم اسے بھی اپنے ساتھ لے جائیں گے۔"

"محمد خان کو؟"

"جی۔" بینا نے جواب دیا اور واسطی صاحب سوچ میں ڈوب گئے، پھر آہستہ سے بولے۔

"محمد خان کو وہاں رکھنا مناسب ہو گا...... دیکھو بات اصل میں یہ ہے کہ اگر یہاں شہاب، میرا مطلب ہے کہ اگر اس جگہ محمد خان کو رکھ لیتا تو کوئی حرج نہیں تھا...... یہ ہمارا گھر

ہے...... ہم ہر قسم کے حالات سے نمٹ سکتے ہیں، لیکن اگر ریاست حسین صاحب کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ وہ ایک قاتل ہے اور یہ بات شاید انہیں معلوم ہو چکی ہو گی...... کم از کم اتنا تو پتا ہوتا ہے...... ان چھوٹی چھوٹی جگہوں پر ایک دوسرے کو کہ کیا واردات ہوئی ہے اور کون مجرم ہے...... اگر انہیں یہ پتا چل گیا تو کہیں برا نہ مانیں کہ ایک قاتل کو ان کے گھر میں رکھا گیا۔"

"نہیں ڈیڈی...... محمد خان کو ہم وہاں نہیں رکھیں گے۔"

"نہیں رکھو گے؟"

"جی۔"

"تو پھر؟"

"اس کے لئے کوئی اور جگہ محفوظ ہے۔" بینا نے تمام تفصیل باپ کو بتانا مناسب نہیں سمجھی تھی۔

"تب میرے خیال میں کوئی حرج نہیں ہے...... ویسے بینا تمہیں اندازہ ہے کہ ایک شخص کے بارے میں یہ معلوم ہونے کے بعد، بلکہ ایک ایسا شخص جو ایک طرح سے اس سلسلے میں ملوث کر دیا گیا ہو کہ وہ قاتل ہے، اسے پناہ دینا یا سرکاری تحویل کی بجائے اپنی تحویل میں رکھنا بڑی خطرناک بات ہے...... اس کا تمہیں اندازہ ہے...... چاہے کوئی بڑا پولیس آفیسر ہی کیوں نہ ہو، اسے کم از کم اس کا روزنامچہ بنوانا پڑتا ہے، کسی بھی جگہ اگر جنرل کیس ہے تو پولیس ہیڈ کوارٹر میں۔"

"جی ڈیڈی۔"

"مگر نہیں...... اصل میں شہاب کی ذمہ داریاں جو کچھ بھی ہیں اس میں اسے بڑے اختیارات ہیں...... صرف وہی اس قسم کا رسک لے سکتا ہے۔"

"جی۔"

"اچھا میں فون کرتا ہوں ریاست حسین کو۔" پھر تھوڑی دیر کے بعد ریاست حسین سے رابطہ قائم ہو گیا...... بینا بھی موجود تھی...... واسطی صاحب نے کہا۔

"ہاں ریاست حسین میں عدنان واسطی بول رہا ہوں۔"

"جی بھائی صاحب خیریت...... بالکل اچانک فون کیا ہے آپ نے۔"

"کوئی خاص بات بالکل نہیں ہے...... بس شہاب اور بینا نظام پور آ رہے ہیں...... تمہارے ہاں قیام کریں گے...... ویسے شہاب کو تو جانتے ہو ناں۔"

"جی...... جی بھائی صاحب وہی ناں؟"

"ہاں۔" واسطی صاحب نے کہا۔

"تو ٹھیک ہے آپ انہیں بھیج دیں کہنے کی کیا ضرورت تھی...... بغیر ٹیلی فون کے اگر وہ آجاتے تو کیا۔"

"نہیں...... ایسا کرو دو کمرے ذرا مخصوص کروا دو...... ویسے تو وہ لوگ سرکاری کام ہی سے آرہے ہیں، لیکن بس ذرا کچھ خفیہ معاملات ہوں گے، اس لئے۔"

"ٹھیک ہے...... آپ اطمینان رکھیں...... انہیں ان کے پسند کے کمرے دیئے جائیں گے۔" پھر تھوڑی سی رسمی باتوں کے بعد واسطی صاحب نے فون بند کر کے بینا کی طرف دیکھا اور بولے۔

"چلو یہ کام تو ہو گیا...... اب آگے کہو؟"

"میرا خیال ہے اور کوئی خاص بات نہیں ہے ڈیڈی۔"

"او کے...... پھر کب جا رہی ہو؟"

"یہ شہاب صاحب فیصلہ کریں گے لیکن میرا خیال ہے ایک آدھ دن میں۔" بینا نے کہا اور واسطی صاحب گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

❋

"شہاب نے جوہر خان کو سمجھا ہی دیا تھا اور جوہر خان اب تمام صورت حال سے واقف ہو چکا تھا...... وہ سمجھ گیا تھا کہ شہاب کا طریقہ کار کیا ہے اور وہ کیا چاہتا ہے...... اب وہ شہاب کے ایک ایک اشارے کو سمجھتا تھا لیکن اس کے باوجود بینا کو رخصت کرنے کے بعد شہاب نے سب سے پہلے ڈبل او گینگ کے افراد سے رابطہ قائم کیا...... ٹرانسمیٹر پر ڈبل او گینگ کے کسی فرد کی آواز اُبھری۔

"سی پی، کالنگ...... سی پی، کالنگ۔"

"شہنشاہ۔"

"سر۔"

"کون بول رہا ہے؟"

"انجم شیخ۔"

"ہاں انجم شیخ..... کیا ہو رہا ہے آج کل؟"

"سر عیش ہو رہے ہیں۔"

"کوئی مشکل؟"

"بھلا کیا ہو سکتی ہے؟"

"ہو سکتی ہے۔"

"کیا؟"

"تم یوں کرو..... ساتھ کون ہے اس وقت؟"

"سردار۔"

"ٹھیک ہے اور کوئی؟"

"نہیں سردار ہی ہے۔"

"تو پھر تم اور سردار کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں پہنچ جاؤ اور اس کے ارد گرد پہرہ دو..... ویسے کوئی عقبی راستہ تو ہے نہیں..... مین گیٹ ہی ہے باہر نکلنے کے لئے، چنانچہ اسی طرف مناسب رہے گا..... تم ایسا کرو..... ایک کار لے لو ایک موٹر بائیک..... سامنے والے ریستوران کے سامنے، میرا مقصد ہے وہ جھونپڑا ہوٹل جو ہے جو ایک خالی پلاٹ پر بنا لیا گیا ہے..... کار کھڑی کر دو..... کھانے پینے کا معقول بندوبست ہو گیا ہے تمہارے لئے وہاں پر..... یعنی اگر کبھی اس قسم کی کوئی ڈیوٹی لگے تو تمہیں چائے یا کھانے کی تکلیف نہ ہو۔"

"دونوں چاہو تو کار میں ہی بیٹھے رہو، یا ایک ایک کر کے چائے وغیرہ پی لیا کرو..... ڈیوٹی شاید لمبی ہو جائے، مگر لمبی سے مراد یہ ہے کہ ایک آدھ دن۔"

"جی سر۔"

"ایک شخص وہاں موجود ہے اسے نگرانی میں رکھنا ہے..... اول تو وہ کوٹھی سے نکلنے کی کوشش نہیں کرے گا، لیکن اگر ایسا کرتا ہے تو اس کا تعاقب کرو اور تمام صورت حال معلوم کرو..... کسی بھی وقت تم اپنے دوسرے ساتھیوں سے رابطہ کر کے ڈیوٹیاں بدل سکتے ہو..... مجھے جب ضرورت ہوگی، میں تم سے معلومات حاصل کر لوں گا..... ہاں، اگر کوئی ایمرجنسی

ہو جائے تو معمول کے مطابق ٹرانسمیٹر پر مجھ سے رابطہ قائم کر لینا۔"

"بہت بہتر جناب۔" انجم کی آواز سنائی دی اور اس کے بعد سلسلہ منقطع ہو گیا.....

شہاب مطمئن ہو گیا تھا، اپنے طور پر اس کے ذہن میں کچھ عجیب سا احساس تھا..... بہر حال واقعات ایسے تھے کہ اسے سوچنا پڑ رہا تھا اور ویسے بھی کبھی کسی جذباتی گفتگو سے یا جذباتی معاملے سے شدت کے ساتھ متاثر ہو کر آنکھیں بند کر کے عمل کر ڈالنا اس کی فطرت کے خلاف بات تھی اور وہ اس طرح نہیں کرتا تھا..... اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد خان کے ساتھ اس کے چھوٹے بھائی نے جو سلوک کیا تھا وہ انتہائی گھناؤنا تھا..... بڑے بھائی نے ایثار کی انتہا کر دی تھی، لیکن چھوٹا بھائی شیطان صفت تھا..... وہ بڑے بھائی کی معصومیت سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہا تھا..... اس نے پانچ سال کی زندگی چھین لی تھی اس سے اور اب اسے بالکل ہی مفلوج کر دیا تھا..... یہ تو بڑی غیر مناسب بات تھی..... انتہائی شرمناک..... بہر حال اس کے باوجود شہاب پوری تسلی کر لینا چاہتا تھا..... جیسا کہ بتایا گیا تھا کہ چودھری بابر قتل ہو گیا ہے..... اس لئے اب تو قتل کیس ہی بنے گا..... پہلے کیس میں بچنے کے بعد محمد خان کو واقعی دوسرے کیس میں سزائے موت سے بچانا بہت مشکل ہو جائے گا، چونکہ اس کے بعد وہ ایک خطرناک مجرم قرار دے دیا جائے گا..... لیکن اگر محمد خان سچ کہتا ہے تو پھر اس کی دادرسی تو ضروری ہے۔ بہر حال شہاب اپنے طور پر یہ تمام کارروائی کرنا چاہتا تھا..... سارے معاملات سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وہ ہیڈ کوارٹر چل پڑا..... وہیں پر اس کا اپنا آفس بھی تھا اور بہر حال اس کی شخصیت زبردست اہمیت کی حامل تھی..... آفس میں پہنچنے کے بعد اس نے چپڑاسی سے کہا۔

"شاہد صاحب کو میرے پاس بھیج دو۔" شاہد اس کا پرسنل اسسٹنٹ تھا، لیکن صرف دفتری معاملات تک ذہنی طور پر خالص پولیس والا تھا..... کہیں اور سے ٹرانسفر ہو کر شہاب کی تحویل میں دیا گیا تھا..... شہاب اس پر بھروسا نہیں کرتا تھا..... بس دفتری امور میں وہ شاہد کو قبول کر لیا کرتا تھا..... کچھ دیر کے بعد شاہد اس کے کمرے میں پہنچا..... سلیوٹ کیا اور شہاب کے اشارے پر سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"آپ کو معلوم ہے مسٹر شاہد کہ دارالحکومت کے قرب و جوار میں جتنے چھوٹے چھوٹے شہر موجود ہیں ان کا پولیس ڈیپارٹمنٹ میں ایک الگ سیل ہے۔ وہاں اگر کوئی

واردات ہوتی ہے تو وہاں سے روزنامچے کی ایک نقل ہمارے سیل میں آکر جمع ہو جاتی ہے۔"

"جی سر...... مجھے معلوم ہے۔"

"آپ کو نظام پور میں ہونے والی ایک واردات میں تھوڑی سی تفصیلات وہاں سے حاصل کرنی ہیں...... یقینی طور پر روزنامچے کا فائل وہاں کے ایس ایچ او کی رپورٹ کے ساتھ ڈیپارٹمنٹ میں ہوگا۔ آپ تفصیل نوٹ کر لیجئے اور اس کے بعد وہ فائل تلاش کر کے میرے پاس لے آیئے۔"

"سر تفصیل نوٹ کرا دیجئے گا۔" شاہد نے کہا۔

"ایک قتل ہوا ہے وہاں...... تقریباً ڈیڑھ ماہ قبل...... مقتول کا نام چودھری بابر خان ہے اور جس شخص کو قاتل نامزد کیا گیا ہے اس کا نام غالباً محمد خان ہے...... تاریخ کا میں صحیح تعین نہیں کر سکتا، وہ آپ کو تلاش کرنا پڑے گی۔"

"سر میں تلاش کئے دیتا ہوں۔"

"میں نے اسی لئے آپ کو زحمت دی ہے۔"

"بہتر سر۔" شاہد نے کہا اور اپنی جگہ سے اُٹھ گیا...... سلیوٹ کیا...... واپسی کے لئے مڑا تو شہاب نے کہا۔

"لیکن مسٹر شاہد، یہ صرف دفتری کارروائی نہیں ہے...... براہ کرم یہ کام فوراً کر ڈالئے۔"

"بہت بہتر سر۔" تقریباً دو گھنٹے کے بعد شاہد نے وہ فائل اس کے سامنے رکھ دیا تھا...... چودھری بابر خان کیس کے کاغذات کی نقول تھیں...... شہاب نے شاہد کا شکریہ ادا کیا اور اس کے بعد اسے واپسی کی اجازت دے دی...... پھر وہ فائل کھول کر بیٹھ گیا...... یہ دیکھ کر اسے خوشی ہوئی تھی کہ نظام پور میں جس ایس ایچ او نے وہاں کے واحد تھانے کا نظام سنبھال رکھا تھا وہ ایک باقاعدہ آدمی تھا اور رپورٹ میں بڑی باقاعدگی تھی...... شہاب نے رپورٹ پڑھنا شروع کر دی...... تاریخ لکھی ہوئی تھی اور اس کے بعد چودھری بابر خان کے قتل کی تفصیلات موجود تھیں...... شہاب فائل میں کھو گیا...... چودھری بابر خان کا تھوڑا سا پس منظر لکھا گیا تھا...... یہ ایس ایچ او کی اپنی کارروائی تھی...... اس پس منظر میں چودھری بابر خان کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ وہ کس طرح کی شخصیت تھی...... اس کے اہل خاندان کی تفصیل دی گئی تھی...... پھر اس کے قتل کا واقعہ درج کیا گیا تھا اور ایس ایچ او نے اپنے تاثرات لکھے

ہوئے کہا تھا۔

"قاتل یا ملزم محمد خان نظام پور کا ایک اچھا آدمی تصور کیا جاتا ہے۔ دو بھائی ہیں جن میں سے ایک کا نام محمد خان، دوسرے کا احمد خان ہے...... محمد خان ذرا تیز مزاج انسان ہے...... خاصے عرصے قبل اس نے کریم خان نامی ایک شخص کو شدید زخمی کر دیا تھا، جس کے نتیجے میں گرفتار ہوا اور اسے پانچ سال کی سزا ہو گئی...... محمد خان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ چودھری بابر خان کی بیٹی سکینہ سے بچپن سے عشق کرتا ہے، لیکن سکینہ اسے ناپسند کرتی ہے اور چودھری بابر خان بھی اسے پسند نہیں کرتا تھا اور خاص طور سے اس واردات کے بعد چودھری بابر خان کے دل میں اس کے لئے مزید نفرت پیدا ہو گئی تھی...... پانچ سال کے بعد جب محمد خان جیل سے رہا ہو کر واپس آیا تو اس نے سکینہ سے ملاقات کی اور چودھری بابر خان سے مطالبہ کیا کہ اب وہ سکینہ کی شادی اس سے کر دے...... نتیجے میں بابر خان نے اسے دھتکار دیا اور اسے دھتکارنے کا نتیجہ بابر خان کی ہلاکت کی شکل میں نکلا...... محمد خان بابر خان کو ہلاک کر کے فرار ہو گیا ہے اور اب وہ مفرور ہے...... پھر بابر خان کے قتل کی تفصیلات میں بابر خان کی گردن پر موجود نشانات کی تفصیل تھی...... ان نشانات کے فنگر پرنٹس لئے گئے تھے اور یہ پرنٹس دوسری جگہوں سے بھی حاصل کئے گئے تھے اور ایسی چند باتیں جن سے یہ ثابت ہو جائے کہ محمد خان نے بابر خان کو قتل کیا تھا...... یہ تمام تفصیلات شہاب کے لئے خاصی اطمینان بخش تھیں...... اس نے وہ فائل محفوظ کر لیا...... سرکاری طور پر اسے ریکارڈ روم سے طلب کیا گیا تھا...... اس لئے اس کی رسید بھی دینا پڑی...... ان تمام کارروائیوں سے مطمئن ہونے کے بعد شہاب نے فائل اپنے ساتھ لیا اور پھر اپنے آفس سے باہر نکل آیا...... کام مختلف لوگوں سے لئے جا سکتے ہیں...... ساری ذمہ داریاں افسر اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے اپنے ماتحتوں میں تقسیم کی جا سکتی ہیں...... شہاب کے پاس اس کے بہترین وسائل موجود تھے، لیکن اس کی فطرت میں جو کچھ تھا اور اس کا کوئی بدل نہیں تھا...... جب تک کام اپنی مرضی کے مطابق اپنے طور پر نہ کر لے بے سکون رہتا تھا، چنانچہ پولیس ہیڈ کوارٹر سے نکل کر وہ جیل کی جانب روانہ ہو گیا...... اس کے ذہن میں بے شمار خیالات تھے، کام کا آغاز کرنے سے قبل اپنے تمام شکوک و شبہات کی تصدیق کر لینا چاہتا تھا...... تھوڑی دیر کے بعد وہ جیل پہنچ گیا، وردی میں تھا اس لئے اس کی پذیرائی کی گئی...... جیلر ایک شریف آدمی تھا، حالانکہ شہاب کے

اس کے ساتھ تعلقات نہیں تھے، غالبًا اسے یہاں آئے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا لیکن پھر بھی اس نے شہاب کا بہترین استقبال کیا...... شہاب نے اسے مطمئن کرنے کے لئے اپنا کارڈ پیش کر دیا تھا...... جیلر جمیل احمد نے کہا۔

”آپ تشریف رکھئے شہاب صاحب، فرمائیے میرے لائق کیا خدمت ہے؟“

”ایک کیس کی تفتیش کر رہا ہوں جیلر صاحب آپ کا تعاون درکار ہے۔“

”سر میں حاضر ہوں...... ویسے بھی آپ کا نام میرے لئے اجنبی نہیں ہے...... بے شک ملاقات پہلی بار ہوئی ہے لیکن ظاہر ہے ہمارا آپ کا شعبہ الگ الگ تو نہیں ہے۔“

”شکریہ جمیل احمد صاحب، اصل میں ایک تھوڑا سا ریکارڈ درکار تھا...... یقینی طور پر آپ اپنا ریکارڈ بالکل درست رکھتے ہوں گے۔“

”سر آپ کو، حقوق حاصل ہیں جب چاہیں چیک کر لیں۔“

”ارے نہیں! آپ کی شخصیت بتاتی ہے کہ آپ ایک فرض شناس آفیسر ہیں...... جیلر صاحب مجھے کچھ عرصے قبل رہا ہونے والے ایک مجرم کے بارے میں رپورٹ درکار ہے۔“

”اگر تفصیل پتا چل جائے تو۔“

”محمد خان نام ہے، پانچ سال کی سزا کاٹ کر نکلا ہے، کچھ ڈیڑھ یا دو مہینے قبل آزاد ہوا ہے۔“

”کوئی مسئلہ نہیں ہے، میں رجسٹر منگواتا ہوں۔“ جیلر نے فون پر اپنے ماتحت کو ہدایت کی اور دو مہینے کے اندر اندر رہا ہونے والے تمام افراد کا رجسٹر طلب کر لیا...... رجسٹر میں محمد خان کی تاریخ کا پتا چل گیا...... اس کا کیس فائل بھی اس رجسٹر میں سیریل نمبروں کے ساتھ درج تھا، چنانچہ جیلر نے تھوڑی دیر کے اندر اندر وہ فائل طلب کر لیا...... شہاب نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

”اگر باقاعدگی سے ریکارڈ مکمل کر لیا جائے تو کتنی آسانیاں ہو جاتی ہیں جیلر صاحب۔“

جیلر مدہم سی ہنسی کے ساتھ بولا۔

”سر ہونا تو چاہئے جو لوگ نہیں کرتے برا کرتے ہیں، آپ کی دعا سے میں نے چارج لینے کے بعد سارے کام اپنے طور پر چیک کئے ہیں...... آپ اگر چاہیں تو اس جیل کے متعلق ہر چیز کا ریکارڈ مجھ سے چیک کر سکتے ہیں...... قیدیوں کا کھانا پینا، ان کے لئے آسائشیں، ان کے ساتھ سلوک، ہم ان تمام چیزوں کو تفصیل سے کاغذ کی شکل دیتے ہیں اور اس میں تحریر

کرتے ہیں، یہ ریکارڈ موجود ہے۔“

فائل میں جو چیز شہاب کو درکار تھی وہ مل گئی...... محمد خان کے فنگر پرنٹس تھے، جو جیل کے قوانین کے مطابق جیل میں رکھے جاتے ہیں، اس کام کی تکمیل کے بعد شہاب وہاں سے آفس چل پڑا...... ہیڈ کوارٹر آ کر وہ کافی دیر تک اپنی رپورٹیں تیار کرتا رہا۔

اس کام سے فارغ ہوا تھا کہ ایس پی سردار شیخ اس کے پاس پہنچ گیا...... شہاب سے اچھی سلام دعا تھی لیکن انہی لوگوں میں تھا جو دوسروں کی کامیابیوں سے جلتے ہیں اور دوسروں پر یعنی ان لوگوں پر جن کی کارکردگی شاندار ہوتی ہے، خصوصی نگاہ رکھتے ہیں...... بہر حال شہاب کو ایسے لوگوں سے بھی سلام دعا رکھنا ہی پڑتی تھی، اس نے پرتپاک لہجے میں کہا۔

”آیئے شیخ صاحب بڑی عنایت کہ آپ نے ہمیں بھی قابل اعتناء سمجھا...... سردار شیخ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی کہنے لگا۔

”بڑی بات ہے جناب اور واقعی بڑے لوگوں کا انداز بھی کچھ ایسا ہی ہوتا ہے کہ مشکل ہی سے سمجھ میں آئے۔“

”کیا آج کل آپ کا اُٹھنا بیٹھنا کچھ زیادہ بڑے لوگوں میں ہو رہا ہے ایس پی صاحب؟“ شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کوشش کرتے ہیں کہ بڑے لوگوں کے دفتروں میں گھس جائیں اور ان سے بڑائی کے آداب سیکھیں۔“

”گڈ...... تو اس وقت آپ کس کے دفتر سے آ رہے ہیں۔“

”اس وقت تو اپنے ہی دفتر سے آ رہے ہیں...... ایک بڑے اور اعلیٰ افسر کے دفتر میں دونوں کے درمیان دلچسپ گفتگو ہوتی رہی پھر شہاب نے کہا۔

”افسوس دفتر میں چائے وغیرہ پلانے کا رواج میں نے ہی ناپسند کیا تھا اور اس بات پر اعتراض کیا تھا کہ دفاتر میں خاطر مدارت کا سلسلہ نہیں ہونا چاہئے، کام کی جگہ صرف کام۔“

”تو بھائی ہم چائے کب مانگ رہے ہیں۔“ سردار شیخ نے ہنستے ہوئے کہا۔

”اچھے دوستوں کی یہی پہچان ہوتی ہے کہ کسی مشکل میں گرفتار نہ کریں۔“

”سنایئے آج کل آپ کا سیارہ کہاں پرواز کر رہا ہے؟“

”ویری گڈ گویا آپ آج کل الفاظ کی تراش خراش کر رہے ہیں۔“ یہ بھی تو نہیں کر سکتے یار

محکمہ پولیس اتنا ہی خشک ہوتا ہے کہ انسان شعر و شاعری کی صف سے بھی دُور ہٹ جاتا ہے۔"

"یہ تو آپ کا اپنا خیال ہے کام کے وقت کام اور اس کے بعد زندگی اپنی ہوتی ہے۔"

"ہمارے پاس الہ دین کا چراغ نہیں ہے کہ جن سے کہیں کہ جا بیٹھا ذرا مجرم [illegible] اناہم فکر سخن میں مصروف ہیں، یہ فوقیت بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کو بخشی ہے۔"

"اگر آپ کا یہ خیال ہے تو ظاہر ہے آپ ہی جیسے محبت کرنے والوں کی دعاؤں سے مجھے الہ دین کا یہ چراغ حاصل ہوا ہے۔"

"ہاں اصل میں پچھلے دنوں کچھ عجیب سی افواہیں اُڑی ہوئی ہیں آپ کے بارے میں۔"

"یہ بھی افواہ اُڑانے والوں کی محبت ہے کہ انہوں نے مجھے افواہوں کے قابل سمجھا۔"

"لیکن دوستوں سے حقیقتوں کا گریز میرے خیال میں ایک مخلصانہ عمل نہیں ہے۔"

"ہاں...... ہاں بے شک بشرطیکہ دوستوں کا تعین ہو جائے۔"

"لفظوں میں شاید آپ سے کوئی نہ جیت سکے مسٹر شہاب کیونکہ بہرحال ایک صحافی کے بیٹے ہیں۔"

"جی شاید لیکن یہ اشارتی گفتگو کس سلسلے میں رہی ہے۔"

"اشارتی نہیں بلکہ ہم تو آپ کے کارناموں پر فخر کرتے ہیں شہاب صاحب کیونکہ بہرحال ہمارے محکمے کے آدمی ہیں، کچھ بھی ہے نام تو پورے محکمے کا لیا جاتا ہے...... اگر آپ کوئی کارنامہ سرانجام دیتے ہیں تو۔"

" کارنامہ میرا تنہا بھی نہیں ہوتا، پوری ٹیم شریک ہوتی ہے۔"

"آپ کی یہی تو خوبی ہے...... ٹیم تو آپ نے بنا رکھی ہے شہاب صاحب لیکن ٹیم، ٹیم ہی کرتی رہ جاتی ہے اور آپ تنہا اپنا کام دکھا جاتے ہیں۔"

"کوئی شکایت ہو گئی ہے آپ کو مجھ سے؟"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا آپ سے بھلا کوئی شکایت کریں گے شامت آئی ہے ہماری۔"

"ویری گڈ بڑی اچھی باتیں کر رہے ہیں آپ مجھے پسند آرہی ہیں۔"

"اصل میں جو افواہیں آج کل اُڑ رہی ہیں آپ نے ان کے بارے میں نہیں پوچھا؟"

"کیڑے مکوڑے اُڑتے ہی رہتے ہیں اب ان کی چھان بین کون کرے۔"

"کیا یہ حقیقت ہے شہاب صاحب کہ ہما فاضل دارا کی موت اتفاقی حادثہ نہیں ہے؟"

ایس پی نے پوچھا اور شہاب نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا پھر بولا۔

"اگر آپ کے سپرد اس سلسلے میں کوئی تفتیش کی گئی ہے تو آپ اپنے طور پر معلومات حاصل کرنے کی کوشش کریں۔"

"نہیں پلیز اصل میں کچھ واقعات میرے علم میں ہیں، مثلاً یہ کہ آپ کا خیال تھا کہ ٹریفک سارجنٹ اشتیاق علی کو ہما فاضل دارا نے اپنی کار سے ٹکر مار کر ہلاک کیا تھا اور یہ ٹکر جان بوجھ کر ماری گئی تھی، اس سلسلے میں آپ نے خاصی بھاگ دوڑ بھی کی اور ہما فاضل دارا کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت حاصل نہ کر سکے۔"

"جی یہ سچ ہے۔" شہاب نے جواب دیا۔

"اور جیسا کہ شہاب صاحب آپ کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ جب آپ کسی کو مجرم گردان لیتے ہیں تو ہر قیمت پر اسے سزا دلوانے یا دینے پر تل جاتے ہیں؟"

"جی ہاں بالکل سچ ہے۔"

"بس اسی حوالے سے میں آپ سے پوچھ رہا تھا کہ کیا ہما فاضل دارا کی موت قدرتی ہے؟"

"جی نہیں۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا اور ایس پی چونک پڑا۔

"مطلب؟"

"اس کی موت قدرتی نہیں ہے۔"

"ت۔ت۔ تو پھر۔" ایس پی ہکلا گیا تھا۔

"اسے سزا دی گئی آپ کو علم ہے کہ خون کا بدلہ خون ہوتا ہے۔"

"لیکن آپ نے یہ بدلہ اس سے کیوں لیا؟" ایس پی نے سوال کیا۔

"یہ بالکل ذاتی معاملہ ہے۔" شہاب بدستور مسکراتے ہوئے بولا۔

"یعنی اب اس بات کا اعتراف کر رہے ہیں کہ آپ نے کوئی ایسی کوشش کی ہے کہ اس کا حادثہ ہوا ہے۔"

"ٹیپ ریکارڈر ہے آپ کے لباس میں؟" شہاب نے سوال کیا۔

"جی!" ایس پی بولا۔

"آپ کو میرا یہ اعتراف خفیہ طور پر ریکارڈ کر لینا چاہئے۔"

"ارے نہیں م...... میں تو بس یونہی اصل میں میں نے آپ سے کہاں ناں کہ افواہ اُڑ

رہی ہے اور وہ افواہ یہی ہے کہ ایسا ہوا ہے۔"

"افسوس دفتر میں چائے پلانے کی رسم میں نے خود ہی ختم کی ہے ورنہ میں آپ کو چائے کے لئے ضرور پوچھتا میرے لائق اور کوئی خدمت؟"

"ہو گئے ناراض۔"

"ارے نہیں ایس پی صاحب آپ سے بھلا کیا ناراضگی ظاہر ہے آپ یہی گفتگو کر سکتے ہیں۔"

"ابھی مجھے ریکارڈ روم سے پتا چلا کہ آپ نے نظام پور سے ہونے والی واردات کے سلسلے میں فائل نکلوایا ہے۔" شہاب کے جبڑے بھنچ گئے یہ بات شاہد کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا تھا اور ظاہر ہے شاہد ہی سے یہ بات ایس پی کو معلوم ہوئی ہو گی۔

اس نے کہا۔

"جی ہاں۔"

"مگر اس کیس کی تفتیش تو نظام پور کا ایس ایچ او ہی کر رہا ہے اس کا تعلق مجھ سے ہے۔"

"او ہو......اچھا......اچھا تو یہ بات ہے۔"

"جی ہاں میں یہ کہنا چاہتا تھا شہاب صاحب کہ کچھ اور لوگ بھی ہیں اس دنیا میں دوسروں کے لئے بھی تو کچھ چھوڑ دیا کریں، اب یہ کام ہم کر رہے ہیں ہمیں کرنے دیجئے سارے معاملات آپ اپنے ہاتھوں میں ہی لے لیتے ہیں اب آپ بتائیے کہ آپ کا اس معاملے سے کیا تعلق ہے۔"

"کوئی خاص بات ہے ایس پی صاحب۔" شہاب نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

"کیا مطلب؟" ایس پی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"خیر مطلب تو آپ سمجھ چکے ہیں جو میں کہنا چاہتا ہوں، بتا دیجئے اگر آپ کا کوئی ذاتی مفاد ہے تو ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"آپ کی باتیں بہت تلخ ہوتی ہیں شہاب صاحب، ویسے میرا خیال ہے دوستوں میں یہ تلخیاں نہیں ہونی چاہئیں، خیر ویسے ہی حاضری دی تھی آپ کے پاس سوچا آپ سے کچھ گپیں لڑائیں گے، کچھ سیکھیں گے، ہمیں بھی کچھ ترقی مل جائے، اگر کوئی کارنامہ سرانجام دے لیں تو آپ راستہ ہی نہیں چھوڑتے اور ایسا سلوک کرتے ہیں کہ پھر انسان کی ہمت بھی

نہ پڑ سکے کہ آپ سے اپنے کسی معاملے میں مدد لے سکے، آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں یہاں سے اٹھ جاؤں، ٹھیک ہے جناب میں تو یونہی دوستانہ طور پر آگیا تھا، آپ نہیں پسند کرتے تو نہ سہی۔" ایس پی اپنی جگہ سے اُٹھا اور شہاب نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی وہ باہر نکلا تو شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ بہر حال ایسی کوئی بات نہیں تھی......ایس پی کے دل میں کوئی برائی نہیں ہو سکتی، بس انسان اپنے طور پر کچھ نہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ وہ بھی کہہ گیا ہے اور اگر برائی ہوئی تو خیر ہے شہاب ایسے چیلنج آسانی سے قبول کر لیا کرتا تھا۔

❁❁❁

بینا تیار ہو کر کریم سوسائٹی کی کوٹھی پہنچ گئی، شہاب ابھی نہیں آیا تھا...... محمد خان وہیں موجود تھا...... بینا نے محمد خان سے ملاقات کر کے اسے بتایا کہ ہم لوگ روانگی کے لئے تیار ہیں، اس دوران محمد خان نے نہایت خاموشی اور سکون کے ساتھ یہاں وقت گزارا تھا...... جوہر خان سے ملنے والی رپورٹ یہی تھی کہ وہ ایک اچھا انسان ہے، معصوم اور سیدھا سادہ زیادہ چھل فریب نہیں آتے اسے سادہ سادہ گفتگو کرتا ہے اور اس دوران اس نے یہ وقت نہایت سکون کے ساتھ گزارا ہے...... پھر بینا نے یہاں سے شہاب کو ٹرائی کیا...... ٹرانسمیٹر استعمال کیا تھا چند ہی لمحوں کے بعد شہاب کی آواز سنائی دی۔

"شہنشاہ۔"

"شہنشاہ معظم کنیز بول رہی ہے۔"

"ویری گڈ مس کنیز یہ نئی بات کیسے؟"

"میں نے سوچا شہنشاہ معظم نجانے اس وقت کہاں ہوں، ٹیلی فون پر رابطہ ہو سکے یا نہ ہو سکے سو یہ عرض کرنی تھی کہ کنیز محل سرا پہنچ گئی ہے۔"

"انتظار کرو کنیز ہم محل سرا سے بالکل قریب ہیں، کار کے انجن کی آواز ٹرانسمیٹر پر سن رہی ہو گی۔" شہاب نے کہا اور بینا ہنس پڑی پھر بولی۔

"تو پھر تشریف لے آیئے میں خدام کو منادی کا اعلان کرنے کی ہدایت کئے دیتی ہوں۔"

"او کے ہم آ رہے ہیں کنیز بلکہ دل آرام...... شہاب نے جواب دیا اور بینا نے ٹرانسمیٹر وہیں بند کر دیا...... چند ہی لمحوں کے بعد شہاب کی کار کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں داخل ہو گئی تھی، بینا نے برآمدے میں اس کا استقبال کیا۔

"ہائیں منادی کرنے والے کہاں گئے؟"

"منادی کرنے گئے ہیں کہ اس وقت کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں کوئی داخل نہ ہو۔"

"ویسے بینا کیا خیال ہے آپ کا کچھ الفاظ اپنے دہرے معنوں کے ساتھ مضحکہ خیز نہیں ہو جاتے، منادی کتنے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔" بینا ہنس پڑی پھر بولی۔

"غلطی تسلیم کرتی ہے کنیز ویسے اچھے لگ رہے ہیں آپ۔"

بینا نے شہاب کو دیکھتے ہوئے کہا سفید پتلون انگوری رنگ کی ہلکی بشرٹ جس کی کھلی ہوئی آستینوں سے شہاب کے فولادی بازو جھانک رہے تھے، لوگوں کا یہی خیال تھا اس کے بارے میں کہ اگر وہ وردی میں نہ ہو تو کوئی سٹوڈنٹ لگتا ہے...... بینا اور شہاب اندر داخل ہو گئے، شہاب نے کہا۔

"محمد خان سے ملیں!"

"ہاں۔"

"ٹھیک ہے۔"

"تم نے اسے بتا دیا کہ ہم لوگ روانہ ہو رہے ہیں۔"

"ہاں۔"

"کیا تاثر ہیں اس کے چہرے پر۔"

"متجسس ہو گیا ہے۔"

"اور کچھ کہا ہے۔"

"نہیں ظاہر ہے وہ جس کیفیت کا شکار ہے اسی کا اظہار اس کے چہرے سے ہو رہا ہے۔"

"ہوں...... اچھی تو خیر تم بھی لگ رہی ہو۔"

"ارے...... ارے ایک کنیز پر اس قدر توجہ۔"

"مس کنیز ذرا یہ تو فرمایئے کہ سسرال میں ہمیں کیا طریقہ کار استعمال کرنا ہو گا، آپ کو پتا ہے کہ ابھی تک سسرال کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔"

"کوئی طریقہ کار استعمال کرنا نہیں ہو گا شرافت سے چلیں گے اور یہ سسرال وسسرال نہیں چلے گا۔"

"کیا مطلب؟" شہاب نے حیرت زدہ ہونے کی اداکاری کی۔

"مطلب یہ ہے کہ وہاں آپ سیدھے سادے رہیں گے، کوئی شرارت نہیں ہوگی۔"

"کمال ہے یہ تو وہی بات ہے کہ تم ہمیں چھیڑو گے۔"

"جی ہاں یہی بات ہے مجھے یقین ہے کہ آپ وہاں چل کر مجھے چھیڑیں گے۔"

"ارے واہ کیا سمجھ رکھا ہے آپ نے ہمیں؟"

"جتنا ہم نے آپ کو سمجھا ہے کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔"

"اتنا بڑا دعویٰ۔"

"جی ہاں ہے۔"

"ریاست حسین صاحب کو اطلاع تو دے دی گئی ہوگی۔"

"پہلے ہی بتا دیا تھا آپ کو۔"

"کہا کیا ہے؟"

"وہ ڈیڈی نے کہہ دیا ہے کہ بس خالو جان کو پتا ہے کہ میں کیا کر رہی ہوں، آج کل بلکہ شہاب وہ ہماری مدد بھی کریں گے، تھوڑی بہت ان لوگوں کے بارے میں تفصیلات فراہم کرنے میں۔"

"یہ اچھی بات ہے۔" شہاب بھی سنجیدہ ہو گیا۔

"گاڑی سے ہی چلیں گے ناں۔"

"ظاہر ہے۔"

"میں سمجھ گئی تھی آپ لینڈ روور اسی لئے لے کر آئے ہیں۔"

"ہاں ذرا شان سے چلیں گے تاکہ خالو صاحب بھی دیکھیں کہ داماد کوئی معمولی شخصیت نہیں ہے۔"

"مسٹر داماد...... اب یہ بتایئے کتنی دیر میں چلیں گے اور کچھ ضروری باتیں بھی ہو جائیں۔"

"جی مسز کنیز ارشاد۔"

"یہ شخص محمد خان جیسا کہ اس نے بتایا کہ تالاب بنگلہ میں رہے گا۔"

"ہاں۔"

"اور ایک طرح سے وہاں محدود رہے گا۔"

"بالکل۔"

"کھانے پینے کا کیا کرے گا۔"

"اچھا سوال ہے آپ کا کیا مشورہ ہے اس بارے میں۔"

"اس کے لئے کھانے پینے کی کچھ ایسی ریڈی میڈ چیزیں ہونی چاہئیں جیسے بسکٹ وغیرہ مکھن، پانی کا بھی بندوبست ہونا چاہئے۔"

"پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم اس سے مسلسل رابطہ رکھیں گے، ذرا وہاں کی سچویشن دیکھنی ہے کہ کیا ہے لیکن عارضی طور پر میں نے بندوبست کر لیا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"کافی کا تھرماس خاصا بڑا ہے، بسکٹوں کے ڈبے اور بقول آپ کے مکھن وغیرہ یہ ایسی چیزیں جو عارضی خوراک میں استعمال کی جا سکتی ہیں۔ میں نے ان کا ایک پیکٹ بنوا لیا ہے۔"

"بھول گئی تھی کہ بات مسٹر شہاب کی ہے۔"

"تم نے کچھ کپڑے وغیرہ رکھ لئے ہیں۔"

"جی۔"

"ویسے کتنے افراد ہیں وہاں۔"

"نظام پور میں۔"

"جی۔"

"میرا مطلب ہے خالہ کے ہاں۔"

"جی ہاں۔"

"دو خالہ زاد بہنیں ایک بھائی، خالہ جان اور خالو جان۔"

"واہ گویا سالیاں اور سالے بھی وہاں ہیں، ویسے یہ اچھی بات ہے زندگی میں پہلی بار سالیوں اور سالوں سے ملاقات ہوگی، جبکہ واسطی صاحب نے اس پہلو کو کمزور چھوڑ دیا تھا۔"

بینا ہنسنے لگی، پھر وہ اسی قسم کی ہلکی پھلکی باتیں کرتے رہے...... پھر شہاب بینا کے ساتھ محمد خان کے پاس پہنچ گیا...... محمد خان سر جھکائے ایک کرسی پر بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ ان دونوں کو دیکھ کر اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پیدا ہوئے، اس کی آنکھوں میں غم کے سائے اُبھر آئے تھے، شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں بھئی محمد خان اندر کی کیا کیفیت ہے؟"

"چھوڑیں صاحب کیا ہے، یہ دنیا کیا کیا کرتی ہے اور کس طرح انسان کے جذبات سے کھیلتی ہے۔"

"تم افسردہ ہو رہے ہو۔" شہاب نے کہا اور محمد خان کے چہرے پر ایک افسردہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"صاحب جس درخت کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا سایہ سمجھا تھا جسے اپنے خون سے سینچا تھا اسے اپنے ہاتھوں سے کاٹنے میں کتنا دُکھ ہوتا ہے، کوئی اس مالی کے دل سے پوچھے جس نے یہ درخت لگایا ہو۔"

"ہاں لیکن اس درخت کی شاخوں سے سایہ پھوٹنے کی بجائے اگر نوکدار کانٹے اُگنے لگیں تو ظاہر ہے پھر اس درخت کا کاٹ دینا ہی بہتر ہے۔"

"ہم نے تو اپنی زندگی دینا چاہی تھی اسے لیکن کیا کریں اس نے قبول ہی نہیں کی، بہر حال دُکھ تو ہے صاحب اس دوران ہم جو کچھ سوچتے رہے ہیں آپ نہیں سوچ سکتے...... صاحب بارہا دل چاہا کہ سب کو چھوڑ کر بھاگ جائیں، وہ اپنی زندگی گزارے ہم پر اگر قتل کا الزام ہے تو قبول کر لیں اور اس الزام کو...... اس کی زندگی تو بچ جائے گی، لیکن بس ایک خیال دل کو کچوکے دیتا ہے۔"

"وہ کیا؟" شہاب نے پوچھا۔

"صاحب شاید آپ یقین نہ کریں دل والے ہیں تو دلوں کا حال جانتے ہوں گے، انسان ایثار کرتا ہے لیکن اپنی ذات کے لئے خود وہ چکی میں پس جائے تو کوئی بات نہیں ہے، لیکن اگر اس سے منسلک کوئی ایک ہستی جس کی اپنی زندگی ہو اپنے سانس ہوں، اس کے خوابوں کا شکار ہو جائے تو صاحب یہ تو اچھی بات نہیں ہے۔" شہاب نے پر خیال انداز میں گردن ہلائی تھی، پھر اس نے کہا۔

"محمد خان ہم چلنے کے لئے تیار ہیں۔"

"ٹھیک ہے صاحب جتنا سوچوں گا اتنا ہی ڈوبتا چلا جاؤں گا، خدا کے لئے جلدی کریں میں اس کام کی تکمیل کے بعد غور کروں گا کہ میں نے جو قدم اُٹھایا ہے وہ غلط ہے یا ٹھیک۔"

"آ جاؤ تیار ہو جاؤ اور یہ دو جوڑے کپڑے بھی لایا ہوں تمہارے لئے بدل لو۔" شہاب

نے کہا اور بینا کو اشارہ کیا...... بینا باہر نکل گئی تھی، لینڈ روور میں اس نے وہ تمام چیزیں دیکھ لی تھیں جن کا تذکرہ شہاب نے کیا تھا...... واقعی شہاب بے مثال ذہانت کا مالک تھا، ان چیزوں پر نگاہ رکھتا تھا...... جو بنیادی حیثیت رکھتی تھیں، محمد خان کے لئے شلوار، قمیض سوٹ ریڈی میڈ خریدے گئے تھے۔ بینا انہیں لے کر اندر داخل ہو گئی اور پھر اس نے وہ سوٹ شہاب کے حوالے کر دیئے اور شہاب نے وہ محمد خان کو دیتے ہوئے کہا۔

"تمہیں تالاب بنگلہ میں شاید کئی دن گزارنے پڑ جائیں، یہ ایک دو لباس اپنے پاس رکھو۔" محمد خان نے ٹھنڈی سانس لے کر لباس اس سے لے لئے تھے، شہاب بینا کو اشارہ کر کے باہر نکل گیا پھر تھوڑی دیر کے بعد محمد خان بھی آ گیا اور اب اور کوئی پیچ باقی نہیں رہی تھی، چنانچہ شہاب نے لینڈ روور کا اسٹیرنگ سنبھال لیا۔ محمد خان پیچھے بیٹھا بینا شہاب کے برابر بیٹھ گئی اور شہاب نے لینڈ روور سٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی...... بینا کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی اور اس کی سوچوں کے دائرے پھیل اور سکڑ رہے تھے...... شہاب کے ساتھ کتنی ہی بار مختلف مہمات پر گئی تھی، بہت سے کارنامے سر انجام دیئے تھے...... ہر بار اسے عجیب و غریب کیفیات کا احساس ہوتا تھا، ایک عجیب سی ٹھنڈک اس کے رگ وپے میں سرائیت کر جاتی تھی، وہ سوچتی تھی کہ شہاب سے اس کا کیا رشتہ ہے، لیکن خود عدنان واسطی صاحب شہاب پر بے پناہ بھروسا کرتے تھے، عام حالات میں وہ کسی بھی طرح ایک برے باپ ثابت نہیں ہوئے لیکن شہاب کے معاملے مین انہوں نے بینا کو مکمل آزادی دے رکھی تھی، غالباً یہ ان کا اپنا تجربہ بھی تھا، بلکہ ایک بار انہوں نے اس سلسلے میں اپنے خیالات کا اظہار بھی کیا تھا...... اس کے علاوہ خالہ جان سے تذکرہ بھی ہو چکا تھا...... شہاب کی یہ بات واسطی صاحب کے ذہن میں بھی جڑ پکڑ گئی تھی کہ بینا اور شہاب اب ہمیشہ ہمیشہ کے ساتھی ہیں، جس وقت بھی اس مقصد کی تکمیل ہو جائے جلدی نہ انہیں تھی نہ بینا یا شہاب کو کافی دیر خاموشی سے گزر گئی...... لینڈ روور اب شہر کی آبادی سے باہر نکل آئی تھی اور نظام پور کی جانب دوڑ رہی تھی...... نظام پور کا فاصلہ بہت زیادہ نہیں تھا...... جب کافی دیر گزر گئی تو شہاب نے کہا۔

"میرے لئے کوئی ہدایت۔" بینا چونک کر شہاب کو دیکھنے لگی پھر بولی۔

"میں سمجھی نہیں؟"

"مثلاً یہ کہ سسرال میں کس طرح رہنا ہے، کیسے اُٹھنا بیٹھنا ہے، کس کس کے ساتھ

کس طرح پیش آنا ہے، جبکہ بنیادی غلطی ہم دونوں سے ہو چکی ہے۔"

"کیا؟" بینا نے چونک کر پوچھا۔

"بھئی چونکہ گھر والوں کو تو اس سلسلے میں کچھ معلوم نہیں تھا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں، اگر ان سے تذکرہ کرتا تو امی یقینی طور پر مجھ سے کہتیں کہ میں دو چار من مٹھائی ساتھ لے لوں، تم نے بھی یاد نہیں کرایا۔" بینا ہنس پڑی پھر بولی۔

"گھریلو باتوں کے بارے میں بھی تم اچھی طرح جانتے ہو۔"

"کیوں گھر والا نہیں ہوں کیا۔" شہاب نے معنی خیز لہجے میں کہا اور بینا پھر ہنس پڑی پھر بولی۔

"جی نہیں ہم لوگ کاروباری طور پر وہاں جا رہے ہیں، کوئی احمقانہ عمل نہیں کرنا ہے...... آپ کو ویسے میری دونوں خالہ زاد بہنیں بہت شریر ہیں، خدا کے لئے اپنے کام سے کام رکھنا کہیں یہ نہ ہو کہ وہاں میرا مذاق اُڑنا شروع ہو جائے۔"

"دل میں لڈو پھوٹ رہے ہوں گے، سوچ رہی ہو گی کہ اپنا مستقبل بہنوں کو دکھانے جا رہی ہوں۔"

"تو پھر آپ کو کیا اعتراض ہے؟" بینا نے ناز بھرے انداز میں کہا، اسی طرح کی باتیں کرتے رہے اور وقت گزرتا گیا، پھر محمد خان نے اچانک ہی کہا۔

"صاحب یہ سڑک سیدھی تو نظام پور کو جاتی ہے، آپ دُور سے نظام پور کی آبادی کو دیکھ سکتے ہیں، لیکن آگے جو وہ آپ کو درخت نظر آ رہا ہے وہاں سے ایک کچی پگڈنڈی ذرا نیچے کو اترتی ہے...... وہ جو دُور ایک عمارت نظر آ رہی ہے، ٹوٹی پھوٹی وہی تالاب بنگلہ ہے۔"

"ہمیں اس عمارت کی طرف جانا ہے ناں۔"

"جی صاحب۔"

"ٹھیک ہے۔" شہاب نے جواب دیا اور خاموشی سے سامنے نگاہیں جمادیں، بستی نظام پور کے مکانات یہاں سے نظر آ رہے تھے...... تالاب بنگلہ کا فاصلہ اچھا خاصا تھا، لیکن بہر حال جگہ ایسی تھی کہ اگر کوئی وہاں محفوظ رہنا چاہے تو رہ سکتا ہے۔ درخت کے قریب پگڈنڈی اترتی ہوئی نظر آتی تھی، لیکن اس پر کسی بھی طرح کے نشانات نہیں تھے، جس سے یہ اظہار ہوتا تھا کہ وہاں اب کسی بھی قسم کی آمد و رفت نہیں ہے...... شہاب نے شاندار لینڈ روور کچے

راستے پر اتار دی اور آگے بڑھنے لگا...... لینڈ روور دُھول اُڑاتی ہوئی تالاب بنگلے کی جانب چلتی رہی اور کچھ دیر کے بعد وہ تالاب بنگلے کے سامنے پہنچ گئی۔ شہاب نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر لینڈ روور کو گھما کر بنگلے کی عقبی دیوار کے پاس لے گیا۔ محمد خان نے کہا۔

"دروازہ سامنے کی طرف ہی ہے صاحب۔"

"ہاں محمد خان لیکن ہمیں گاڑی یہیں کھڑی کرنی ہو گی، کیونکہ سڑک پر سے گزرنے والا کوئی بھی شخص اگر نگاہ دوڑائے گا تو گاڑی سامنے سے نظر آ سکتی ہے۔"

"جی صاحب یہ تو ٹھیک ہے۔"

"ویسے محمد خان یہ عمارت تو ٹھیک ٹھاک ہی ہے، میرا خیال ہے یہاں تمہیں زیادہ دقت نہیں ہو گی۔" محمد خان افسردگی سے مسکرایا۔

"صاحب کیا دقت اور کیا آسانی۔"

"تم سامان اتار لو یہ سامان یہاں تمہارے لئے محفوظ رہے گا۔"

"جی صاحب۔" محمد خان نے کہا اور شہاب کی ہدایت پر وہ تمام سامان سمیٹ کر بنگلے کے سامنے والے راستے کی جانب چل پڑا۔

"یہاں کوئی چوکیدار وغیرہ نہیں ہوتا۔"

"نہیں صاحب...... یہاں کوئی آتا ہی نہیں ہے جو چوکیدار کی ضرورت پیش آئے بلکہ لوگ تو اس سے خوف بھی کھاتے ہیں، حالانکہ کوئی روایت یہاں سے منسوب نہیں ہے۔"

"ہوں ٹھیک ہے آجاؤ۔" پھر وہ بنگلے کے دروازے پر پہنچ گئے، دروازے کو دھکیلا تو وہ کھل گیا اور وہ اندر داخل ہو گئے...... اندر جھاڑ جھنکار اُگے ہوئے تھے، ایک عجیب سی بد رونقی چھائی ہوئی تھی اور خاصا ہیبت ناک ماحول لگ رہا تھا...... بینا متاثر نگاہوں سے اس ماحول کو دیکھ رہی تھی اور بنگلے کے صدر دروازے پر پہنچ گئی، یہاں کمروں میں دروازے نہیں تھے، کبھی ہوں گے لیکن یا تو لوگ یہاں سے لکڑی کے دروازے اپنے استعمال کے لئے لے گئے تھے یا پھر وہ اس قدر بوسیدہ ہو گئے ہوں گے کہ ان کا ملبہ تک یہاں سے ہٹا دیا گیا تھا...... اندر بھی ایک عجیب سی ٹھنڈک، ٹھنڈک سی تھی جس سے ماحول کی ہیبت میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا، لیکن بہر حال محمد خان مضبوط دل کا آدمی تھا...... اس نے بذات خود یہاں کی خوفناک کیفیت کے بارے میں کچھ نہیں کہا تھا، تو شہاب نے بھی اس موضوع پر بات کرنا مناسب نہیں

سمجھا...... بڑے اور وسیع ہال نما کمرے کے بغلی حصوں میں بھی کمرے بنے ہوئے تھے۔ جو دروازوں سے محروم تھے اسی ایک بغلی کمرے میں محمد خان نے اپنا سامان رکھ دیا اور بولا۔

"میں اس کی صفائی کرلوں گا صاحب۔"

"یہاں اطمینان سے وقت گزار سکو گے۔"

"جی صاحب گزار لوں گا۔"

"ڈر تو نہیں لگے گا۔" شہاب نے سوال کیا اور محمد خان ہنسنے لگا پھر بولا۔

"ہر خوف کی انتہا موت کا تصور ہوتی ہے ناں صاحب موت تو یہاں سے زیادہ میرے لئے بکھری ہوئی ہے...... یہ جگہ تو پھر بھی محفوظ ہے۔"

"تو پھر ہم چلیں۔"

"جی صاحب۔"

"جب تک میں تم سے دوبارہ رابطہ قائم نہ کروں محمد خان احتیاط رکھنا۔"

"جی صاحب ہم خود اپنی زندگی بچانے کی فکر میں سرگرداں رہیں گے۔" پھر شہاب بینا کو اشارہ کرکے باہر چل پڑا، محمد خان ان کے ساتھ ساتھ صدر گیٹ تک آیا تھا اور پھر اس نے بیرونی دروازہ بند کردیا...... شہاب اور بینا پیدل چل کر عقبی حصے میں پہنچے...... یہاں سے شہاب نے لینڈ روور سٹارٹ کی اور اس کے بعد اسے واپس اسی پگڈنڈی پر لے کر چل پڑا، بینا نے کہا۔

"خدا کی پناہ کیا ہی بھیانک جگہ ہے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے۔"

"شہاب کیا بھوت ہوتے ہیں؟" بینا نے غیر متوقع سوال کیا اور شہاب ہنسنے لگا پھر بولا۔

"ہاں ہوتے ہیں کیا تمہیں اس کا تجربہ نہیں ہے۔"

"نہیں پھر تم نے غور نہیں کیا ہوگا...... بھوت جب چمٹتے ہیں انسان سے تو اسی طرح چمٹ جاتے ہیں۔"

"کیا مطلب۔" جواب میں شہاب نے اپنا بدن تھوڑا سا سرکایا، بینا کے بدن سے جڑ کر بیٹھ گیا...... بینا ایک لمحے کے لئے کچھ نہ سمجھی تھی، پھر جب سمجھی تو ہنس پڑی۔

"شرارت کا کوئی پہلو کبھی چھوڑتے نہیں ہو۔" شہاب بھی مسکرانے لگا...... جیپ سڑک پر پہنچ کر نظام پور بستی کی جانب بڑھنے لگی، شہاب نے کہا۔

"اب مجھے اپنا رویہ بدلنا پڑے گا۔"

"کیا مطلب؟"

"بھئی ظاہر کیا جائے گا اسے یعنی سسرال میں خالہ کا گھر اور وہاں رشتے دار۔"

"منہ دھو کر رکھئے جناب ابھی کوئی خالہ کا گھر نہیں ہے ہم لوگ جس کام کے لئے جارہے ہیں ہمیں اسی سے متعلق رہنا پڑے گا۔" شہاب معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا تھا۔

بینا کو راستے معلوم تھا...... نظام پور میں داخل ہونے کے بعد وہ تنگ گلیوں سے گزرتے ہوئے آخر کار ایک مکان کے سامنے پہنچ گئے جس کا طرز تعمیر ذرا جدید قسم کا تھا...... مکان کے سامنے لینڈ روور کھڑی کی تو اندر سے ایک نوجوان لڑکا نکل آیا اور بینا نے اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہیلو شاکر ہیلو۔"

"آگئیں آپ بینا باجی آیئے، آیئے ہم سب آپ کا انتظار کررہے تھے۔" لڑکے نے کہا لینڈ روور کو وہیں چھوڑ دیا گیا...... شہاب اور بینا اتر کر لڑکے کے ساتھ اندر چل پڑے پھر واقعی ایک گھریلو ماحول کا آغاز ہوگیا تھا۔

"شہاب کی پذیرائی اسی طرح کی گئی جیسے کسی دلہا کا استقبال کیا جارہا ہو...... ایک معمر خاتون جو قدیم لباس پہنے ہوئے تھیں، یعنی غرارہ، قمیض بینا کی نانی تھیں...... انہوں نے آگے بڑھ کر عجیب سے انداز میں شہاب کے سر پر ہاتھ پھیرا، پھر بینا کو بھی اپنے سینے سے لگا کر بولیں۔

"خوش رہو بیٹی سدا آباد رہو۔"

"شہاب کے منہ سے قہقہہ نکلتے نکلتے رہا تھا، لیکن بہر حال یہاں زبان قابو میں رکھنا ضروری تھا...... شہاب نے ان دونوں لڑکیوں کو بھی دیکھا جن کا تذکرہ بینا نے کیا تھا...... ایک کا نام عینی اور دوسری کا ماریہ تھا، ریاست حسین صاحب بھی ملے، اچھی پر وقار شخصیت کے مالک تھے اور بینا کی خالہ جان جو بینا کی ماں کے نقوش سے مماثلت رکھتی تھیں، شہاب کے لئے ایک کمرے کا بندوبست کردیا گیا تھا اور اس کے بعد شہاب کو وہاں پہنچا دیا گیا، جبکہ وہ لوگ بینا کو لے کر اندر چلے گئے تھے...... شہاب مسکرانے لگا...... بہر حال گھریلو ماحول تو اسے بھی نصیب تھا...... بھائی! بھابیاں اور ماں بھی تھیں جو ڈانٹ ڈپٹ کرتی رہتی تھیں...... اس ماحول

سے اسے ذرا بھی اجنبیت نہیں محسوس ہوئی تھی، لیکن اب کچھ دیر کے لئے انہوں نے سنجیدگی اختیار کرلی تھی...... اپنے طور پر اس نے جو انتظامات کئے تھے وہ ان پر غور کر رہا تھا اور اپنا آئندہ کا لائحہ عمل مقرر کر رہا تھا...... اب اسے کس انداز میں یہاں اپنے کام کا آغاز کرنا چاہئے کام کی نوعیت کیا ہے، یہ تو ابتداء ہی میں سوچا جاتا تھا...... بعد میں تو صرف یہ سوچا جاتا تھا کہ کام کا طریقہ کار کیا ہو...... شہاب طریقہ کار پر بھی غور کر رہا تھا...... ریاست حسین صاحب شاید کسی انتظامی مسئلے میں اندر چلے گئے تھے، لیکن تھوڑی ہی دیر بعد وہ شہاب کے کمرے میں داخل ہوگئے۔ شہاب نے عزت واحترام کے ساتھ ان کی پذیرائی کی، ریاست حسین صاحب مسکراتے ہوئے اس کے سامنے بیٹھ گئے پھر بولے۔

"شہاب صاحب ہر جگہ کا ماحول تقریباً یکساں ہی ہوتا ہے، واسطی صاحب نے ہمیں تمام تفصیلات بتادی ہیں...... سمجھ لیجئے کہ میں اب آپ سے اجنبی نہیں ہوں۔"

"جی ریاست حسین صاحب...... واسطی صاحب نے مجھے بھی آپ سے اپنے تعلقات اور آپ کی فطرت کے بارے میں تفصیل سے بتادیا ہے۔"

"ہاں یقیناً انہوں نے بتایا ہے کہ آپ یہاں کسی کیس کے سلسلے میں آئے ہیں...... ویسے یہ بڑی دلچسپ بات ہے اصل میں میں نے تو بچپن ہی میں بینا کے مستقبل کے بارے میں پیشن گوئی کردی تھی، یہ لڑکی کچھ خصوصی ذہانتوں کی حامل ہے...... میں نے یہی کہا تھا کہ نہیں معلوم کہ یہ کون سا شعبہ اختیار کرے گی، لیکن جو شعبہ بھی اختیار کرے گی اپنے لئے ایک مقام ضرورت بنالے گی۔"

"جی...... جی ہاں...... ریاست حسین صاحب...... بینا ایک ذہین خاتون ہیں۔" شہاب نے پراحترام لہجے میں کہا۔

"خیر واسطی صاحب نے مجھ سے یہ کہا تھا کہ یہ بچے یہاں پہنچ رہے ہیں، کچھ دن تمہارے ساتھ رہیں گے، کسی کیس کے سلسلے میں خفیہ طریقے سے تحقیقات کرنی ہیں...... ظاہر یہی کرنا ہے تمہیں کہ تمہارے مہمان آئے ہوئے ہیں، لیکن اس کے باوجود اگر مجھ سے اس سلسلے میں مزید کچھ معلومات حاصل کرنا چاہو تو میں حاضر ہوں مسٹر شہاب۔"

"جی کوئی خاص معلومات نہیں ویسے نظام پور کی آبادی زیادہ وسیع نہیں ہے...... یہاں لوگ زیادہ تر ایک دوسرے کو جانتے ہوں گے۔"

"ہاں تقریباً سبھی تھوڑے بہت ایک دوسرے سے واقف ہیں۔"

"تو پھر آپ دو بھائیوں کے بارے میں ضرور جانتے ہوں گے جن میں سے ایک کا نام محمد خان اور دوسرے کا احمد خان ہے۔"

"یہ...... یہ دو بھائی کہیں ہوٹل والے تو نہیں ہیں۔"

"یہاں ایک ہوٹل ہے جو بھائیوں کا ہوٹل کہلاتا ہے۔"

میرا خیال ہے وہی دونوں...... میرا خیال ہے میں سمجھ گیا کہیں چودھری بابر خان کے قتل کی تحقیق تو نہیں ہے۔"

"جی وہی ہے۔"

"ہاں کچھ عجیب سے واقعات ہیں شہاب میاں میں زیادہ تو نہیں جانتا ان کے بارے میں لیکن جو تھوڑی بہت تفصیلات مختلف زبانوں سے ہوتی ہوئی مجھ تک پہنچی ہیں، اگر تم چاہو تو میں تمہیں بتا سکتا ہوں۔"

"آپ کی عنایت ہوگی۔" شہاب نے جواب دیا ریاست حسین سوچ میں ڈوب گئے، پھر تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد انہوں نے کہا۔

"محمد خان اور احمد خان ہمیشہ سے یہیں کے رہنے والے ہیں، خاندان کے بارے میں تو میں نہیں کہہ سکتا کہ پس منظر کیا ہے، لیکن دونوں بچوں نے بڑی محنت کر کے اپنے باپ کے چھوڑے ہوئے ترکے کو سنبھالے رکھا...... ہوٹل نچلے درجے کا ہے، لیکن بہر حال اندازہ ہے کہ اس کی آمدنی ٹھیک ٹھاک ہی ہوگی، ویسے یہ ہوٹل اصولی طور پر محمد خان نے بنایا تھا...... جڑواں بھائی ہیں، محمد خان اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے سنا ہے ماں مرتے ہوئے احمد خان کا ہاتھ محمد خان کے ہاتھ میں دے گئی تھی اور کہا تھا کہ اس کا خیال رکھے، بس اس لڑکے نے اپنے بھائی کو کچھ سے کچھ بنادیا...... شہر بھیج کر اسے تعلیم دلوائی، خود ہوٹل سنبھالے رکھا اور بڑی خوش اسلوبی سے سنبھالے رکھا، ایک بھائی اچھا خاصا تعلیم یافتہ تھا اور دوسرا بے چارہ بالکل جاہل اس نے اپنے آپ کو مخصوص کردیا اپنے چھوٹے بھائی کے لئے...... چودھری بابر خان سے اس کا تعلق یہ تھا کہ بچپن ہی سے چودھری بابر خان کے اور محمد خان وغیرہ کے باپ کے بہت گہرے تعلقات تھے...... جگری دوست تھے دونوں حالانکہ چودھری بابر خان اچھی حیثیت کا حامل تھا، لیکن ان بچوں کو کبھی اس نے نظرانداز نہیں کیا اور ہر طرح سے ان کی

پذیرائی کرتا رہا..... سنا گیا ہے اللہ بہتر سمجھتا ہے کہ محمد خان چودھری بابر کی بیٹی سکینہ کو بہت پیار کرتا تھا..... بابر خان کو بھی شاید اپنی بیٹی کا ہاتھ محمد خان کے ہاتھ میں دینے سے کوئی اعتراض نہ تھا لیکن پھر کچھ عجیب سے واقعات ہو گئے کہ کریم خان نامی شخص سے محمد خان کا جھگڑا ہو گیا اور محمد خان نے اس کے سر پر لاٹھی مار کر اسے زخمی کر دیا۔ اندازہ یہ تھا کہ کریم خان مر جائے گا، محمد خان گرفتار ہو گیا اور چونکہ کریم خان کی زندگی بچ گئی تھی اس لئے اسے سزائے موت تو نہیں ہوئی لیکن ایک لمبی سزا ہو گئی..... غالباً پانچ، چھ سال یہ سزا کاٹنے کے بعد محمد خان واپس آیا تو محمد خان اور بابر خان کے درمیان سکینہ کے سلسلے میں بات ہوئی اور بابر خان نے صاف کہہ دیا کہ وہ ایک سزا یافتہ شخص کے ہاتھ میں اپنی بیٹی کا ہاتھ نہیں دے سکتا..... محمد خان مشتعل ہو گیا اور اس نے بابر خان کو ہلاک کر دیا اور اس کے بعد فرار ہو گیا..... بس یہ اتنی تفصیل مجھے معلوم ہے، بابر خان کے سلسلے میں پولیس نے تفتیش کی اور محمد خان کی تلاش شروع ہو گئی، احمد خان چونکہ یہاں اچھی خاصی نیک نام حیثیت رکھتا ہے پولیس نے اس سے جو کچھ پوچھ گچھ تو کی لیکن ظاہر ہے کہ یہ بات طے تھی کہ قاتل بڑا بھائی ہے اس نے اپنے ذاتی معاملے میں یہ قتل کیا، لہٰذا پولیس نے احمد خان کو پریشان نہیں کیا، احمد خان خود بھی اپنے بھائی کے اقدام سے سخت افسردہ تھا..... یہ تفصیل ہے اس سے زیادہ مجھے کچھ علم نہیں۔"

"جی یہ ہوٹل ہے کس طرف۔"

"ہاں میں اس کی لوکیشن بتا دیتا ہوں۔"

ریاست حسین نے ہوٹل کے بارے میں تفصیل بتائی اور شہاب گردن ہلانے لگا۔ ریاست حسین نے کہا۔

"بہر حال بیٹے مزید کوئی ضرورت اگر میری پیش آئے تو کوئی تکلف نہ کرنا۔"

"آپ کے گھر میں ہوں جناب تکلف کا بھلا کیا جواز پیدا ہوتا ہے۔" پھر ابتدائی لمحات شہاب کو گھریلو بن کر ہی گزارنے پڑے..... بے شک نظام پور چھوٹی سی جگہ تھی لیکن عینی اور ماریہ بہت تیز طرار لڑکیاں تھیں..... عمر کی شوخی ان کی فطرت میں تھی، سو طرح طرح سے شہاب کو چھیڑا جاتا رہا اور شہاب نے بینا سے کہا۔

"بھئی بینا ایسی سالیاں اللہ سب کو دے۔"

"دیکھو یہاں فضول باتیں مت کرنا، ایک جملہ غلط ہو گیا تو یہ لڑکیاں ناک میں دم کر دیں گی۔"

"یار تم سمجھی نہیں ہو، میں نے راستے میں تمہیں ایک لطیفہ سنایا تھا..... آخر یہاں آنا کیا معنی رکھتا ہے، کسی بھی جگہ ٹھہر سکتے تھے..... یہ ناک میں دم کرانے کے لئے ہی تو میں نے یہاں آنا قبول کیا ہے۔"

"آپ کی نہیں جناب میری شامت آ جائے گی اور ویسے ہی آئی ہوئی ہے۔"

"ذرا بتاؤ تو سہی کیا کیا کہہ رہی ہیں یہ لوگ۔" شہاب نے شرارت آمیز لہجے میں کہا۔

"وہ ہم آپ کے سامنے کہے دیتے ہیں۔" دروازے سے عینی کی آواز سنائی دی اور بینا کا چہرہ فق ہو گیا..... دونوں لڑکیاں ہنستی ہوئی اندر آ گئی تھیں۔

"اصل میں ویسے تو بہت سی باتیں کہنے کے لئے ہیں جناب شہاب صاحب افسوس دادی اماں نے پابندی لگا دی ہے ورنہ ہم تو آپ کو دولہا بھائی ہی کہتے۔"

"د...... دولہا بھائی۔" شہاب گھٹی گھٹی آواز میں بولا اور بینا ہنس پڑی۔

"اب سنبھالئے ان دونوں کو۔"

"کیوں شہاب بھائی کیا آپ کو دولہا بھائی کہلوانا پسند نہیں ہے۔"

"ن..... نہیں عجیب سا محسوس ہوتا ہے، اگر میرے ڈیپارٹمنٹ میں معلوم ہو گیا تو شاید مجھے سسپنڈ کر دیا جائے۔"

شہاب نے کہا۔

"دولہا بھائی کہنے پر۔" عینی ہنس کر بولی۔ "کیونکہ اس لفظ کے ساتھ انسان ایک ناکارہ شکل کا مالک محسوس ہوتا ہے۔" بینا نے گھور کر شہاب کو دیکھا تھا، لیکن شہاب نے اس کے گھورنے کو نظر انداز کر دیا تھا..... عینی اور ماریہ شہاب سے ہنسی مذاق کرتی رہیں اور شہاب کو جب کوئی ایسا ماحول مل جائے اس کے بعد بھلا اس کی زبان کہاں رک سکتی ہے..... خاصا دلچسپ ماحول پیدا ہو گیا تھا اور وہ لوگ کافی دیر تک ہنسی مذاق کرتے رہے تھے..... بہر حال یہ وقت شہاب نے بالکل گھریلو حیثیت سے گزارا اور پھر دوسرے دن وہ اپنے کام کے آغاز کے لئے تیار ہو گیا..... بینا خود بھی جانتی تھی کہ ہر معاملے میں اس کا شہاب کے ساتھ ہونا ممکن نہیں ہے، یہ چھوٹا سا علاقہ تھا اور بظاہر وہ یہاں مہمان کی حیثیت سے آئی تھی، چنانچہ زیادہ

سرگرمیاں ممکن نہیں تھیں...... شہاب نے جب اس سے کہا کہ وہ جا رہا ہے وہ محسوس تو نہ کرے گی تو بینا ہنس پڑی پھر بولی۔

"ابھی نہیں محسوس کروں گی۔"

"ابھی سے کیا مراد ہے۔"

"کچھ نہیں۔" بینا ہنس پڑی اور شہاب اس کی شرارت سمجھ کر خود بھی مسکرانے لگا۔

بہر حال اس کے بعد وہ وہاں سے باہر نکل آیا تھا...... نظام پور کے بارے میں تھوڑی بہت تفصیلات اسے معلوم ہو چکی تھیں اور ویسے بھی ریاست حسین صاحب نے اسے ساری تفصیلات سے آگاہ کر دیا تھا، چنانچہ راستوں کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ شہاب نے باہر نکلنے کے بعد کچھ سوچا اور تھوڑی دیر کے بعد اس کی قیمتی کار تالاب بنگلے کی جانب دوڑ رہی تھی، یہاں آبادی بہت زیادہ نہیں تھی جبکہ نظام پور کا رقبہ کافی تھا، چنانچہ بہت کم لوگ چلتے پھرتے نظر آ رہے تھے...... پھر تالاب بنگلے کی طرف تو غالباً کوئی خاص طور سے رخ بھی نہیں کرتا تھا...... شہاب تھوڑی دیر کے بعد تالاب بنگلہ پہنچ گیا...... لینڈ روور آج بھی اس نے عقب ...ے میں ہی کھڑی کی تھی، کیونکہ کسی کو تالاب بنگلے کی جانب متوجہ نہیں کرنا چاہتا تھا...... لینڈ روور کھڑی کرنے کے بعد اس بھوت بنگلے کے بڑے گیٹ سے اندر داخل ہو گیا اور فاصلہ طے کرتا ہوا آخر کار اس کمرے پر پہنچ گیا، لیکن یہاں پہنچ کر اس نے وہ کمرہ خالی دیکھا تھا...... البتہ ایک گوشے میں سامان وغیرہ رکھا ہوا تھا...... شہاب نے زور سے محمد خان کو آواز دی اور اس کی آواز کھنڈرات میں گونج کر رہ گئی...... دوسری تیسری اور چوتھی آواز بھی دے کر کمرے سے باہر نکل آیا، اس نے سوچا تھا کہ ممکن ہے محمد خان کسی ضرورت کے لئے آس پاس کہیں باہر نکلا ہو، بہت سے معمولات ہوتے ہیں...... لیکن پورے بنگلے کی تلاشی لینے کے باوجود محمد خان یہاں نہیں ملا تھا...... باہر نکل کر شہاب نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں کہاں گیا یہ کمبخت پھر ایک بلند جگہ کھڑے ہو کر اس نے دُور دُور تک دیکھا کوئی انسانی وجود نہیں ملتا تھا...... کوئی آدھے گھنٹے تک وہ وہاں رکا لیکن محمد خان نہ تو واپس آیا تھا نہ ہی آس پاس اس کا کوئی پتا چل رہا تھا...... ایک لمحے کے لئے شہاب کی پیشانی شکن آلود ہو گئی، یہ تو نہ ہوا...... کہیں ایسا نہ ہو کہ محمد خان یہاں سے بھاگ نکلا ہو...... ایک قتل کا ملزم تھا اور اصولی طور پر شہاب کو اسے حراست میں لے لینا چاہئے تھا، لیکن شہاب نے ایسا نہیں کیا تھا۔

حقیقتوں کی کھوج میں سرگرداں ہو گیا تھا...... کچھ دیر وہ وہیں رُک کر سوچ میں ڈوبا رہا جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی چکا ہے...... محمد خان کا کردار اس کے لئے بڑی عجیب حیثیت کا حامل تھا، لیکن عقل کہتی تھی کہ محمد خان روپوش نہیں ہوا ہو گا...... وہ یقینی طور پر آس پاس کہیں گم ہو گیا ہے...... ہو سکتا ہے اس کی کوئی خاص وجہ ہو، پھر واپسی کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا......

ایک بار پھر لینڈ روور کچی پگڈنڈی کو عبور کرتی ہوئی سڑک پر آ گئی اور وہ نظام پور کی کچی آبادی کی جانب چل پڑا، اندر داخل ہو کر اس نے سوچا اور پھر اس کا رخ بھائیوں کے ہوٹل کی جانب ہو گیا۔ ریاست حسین نے جو پتا بتایا تھا...... اس کے تحت بھائیوں کا ہوٹل تلاش کرنے میں اسے کوئی مشکل پیش نہیں آئی، لیکن اپنی لینڈ روور اس نے ہوٹل سے کافی دُور ایسی جگہ روکی جہاں لوگ شاید کوڑا وغیرہ پھینکتے تھے، کوڑے کے انبار جگہ جگہ لگے ہوئے تھے اور خاصا گندا ماحول تھا، لیکن بہر حال یہی جگہ مناسب تھی، پھر وہ ٹہلتا ہوا ہوٹل سے کافی دُور نکل گیا اور یہ جائزہ لینے کے بعد کے قرب وجوار میں کوئی اس کی جانب متوجہ نہیں ہے وہ واپس ہوٹل کی جانب چل پڑا، تھوڑی دیر کے بعد وہ اس جھونپڑا ہوٹل کے جانب بڑھ گیا۔

ایک طرف بڑا سا تندور لگا ہوا تھا، جس پر روٹیاں پک رہی تھیں برابر ہی میں ایک مٹی کا کاؤنٹر بنایا گیا تھا جس میں نیچے چولھے لگے ہوئے تھے اور اس کاؤنٹر پر برتن رکھے ہوئے تھے جن میں شاید سالن تھا...... ان کے پیچھے ایک چوڑا چکلا آدمی بیٹھا ہوا تھا، یہ یقیناً ہوٹل کا کوئی ملازم ہو گا...... البتہ ہوٹل کے کاؤنٹر پر جو ایک چھوٹی سی گندی سی میز کے پیچھے بنا ہوا تھا...... محمد خان کا ہمشکل بیٹھا ہوا تھا...... بالوں کا سٹائل معمولی سا بدلا ہوا تھا، ورنہ سارے کا سارا محمد خان ہی تھا...... وہی بدن، وہی چہرہ، وہی آنکھیں، وہی انداز، ذرا برابر تبدیلی نظر نہیں آتی تھی، ان دونوں میں چہرے پر سادگی ہی تھی...... شہاب ایک میز پر جا بیٹھا اور بھی بنچوں اور میزوں پر لوگ بیٹھے ہوئے تھے، لیکن شہاب ان میں نمایاں حیثیت کا حامل تھا...... وہاں بیٹھ کر اس نے چائے طلب کی اور گندی سی پیالی میں چائے آ گئی، چائے کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتے ہوئے شہاب احمد خان کی حرکات کا جائزہ لیتا رہا...... سادہ لوح انسان تھا اور کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی کہ جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ شخص اتنا شاطر ہو گا...... بہر حال شہاب یہ سوچتا رہا کہ اب اس سے کیسے رابطہ قائم کیا جائے، کافی وقت وہاں صرف کیا تھا...... دوپہر کے تقریباً ایک بجے جب ہوٹل میں کھانے والے آ گئے اور خاصا رش ہو گیا تو شہاب نے اپنی جگہ

چھوڑ دی اور جائزہ لینے لگا کہ احمد خان کس جگہ رہتا ہے...... محمد خان نے اسے بتادیا تھا کہ دونوں بھائی ہوٹل کے اوپر بنی ہوئی عمارت میں ہی رہتے ہیں...... اس عمارت کا زینہ پیچھے سے جاتا تھا...... شہاب وہاں پہنچا تو اس نے دروازہ بند دیکھا، لیکن یہ دروازہ کھولنے میں شہاب کو کوئی دقت پیش نہیں آئی تھی...... شہاب اندر داخل ہو گیا اور پھر پتلا سا زینہ طے کرکے اوپر پہنچ گیا...... چار پانچ کمرے بنے ہوئے تھے...... ایک اچھی خاصی رہائش گاہ تھی اور مقامی ماحول کے مطابق اس میں ضروریات کی چیزیں فراہم کرنے کی کوشش بھی کی گئی تھی...... ڈرائنگ روم بھی بنا ہوا تھا اور بیڈ روم وغیرہ بھی تھے...... شہاب پورے گھر کا جائزہ لیتا رہا...... وہ کافی محتاط تھا...... کافی وقت گزر گیا، پھر غالباً ہوٹل میں کھانے والوں کا رش کم ہو گیا...... احمد خان اس رش سے فارغ ہو کر آرام کرنے کے لئے چل پڑا...... شہاب نے زینے پر آہٹیں محسوس کی تھیں...... وہ جلدی سے ایک الماری کے عقب میں ہو گیا...... اس کا اندازہ تھا کہ یہی احمد خان کا بیڈ روم ہے...... یہاں کچھ ایسے ہی آثار دیکھے تھے اس نے جب کہ دوسرے دو بیڈ روم اس طرح خالی پڑے ہوئے تھے جیسے وہاں کوئی آرام وغیرہ بھی نہ کرتا ہو...... اندازہ بالکل درست تھا...... احمد خان اسی کمرے میں آ گیا تھا، پھر وہ ایک کرسی پر بیٹھ کر ایک رجسٹر سامنے رکھ کر حساب کتاب کرنے لگا...... شہاب الماری کے عقب سے اس کا جائزہ لے رہا تھا...... احمد خان اپنے کام میں مصروف تھا...... غالباً اس نے کھانا وغیرہ بھی کھا لیا تھا...... دیر تک وہ حساب کتاب میں مصروف رہا اور شہاب اس پر غور کرتا رہا، احمد خان نے رجسٹر بند کر کے ایک طرف رکھا اور بیڈ کی جانب بڑھ گیا تو شہاب اپنی جگہ سے نکل آیا...... احمد خان بستر پر بیٹھا ہی تھا کہ اسے کمرے میں کسی اجنبی کی موجودگی کا احساس ہو گیا اور دوسرے لمحے اسکی نگاہیں شہاب پر پڑیں...... وہ اُچھل کر کھڑا ہو گیا، لیکن شہاب نے پستول کا رخ اس کی جانب کرتے ہوئے کہا۔ "بیٹھ جاؤ احمد خان...... منہ سے آواز نکالنے کی کوشش مت کرنا۔" احمد خان کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں...... وہ بستر پر بیٹھے کا بیٹھا رہ گیا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے شہاب کو دیکھنے لگا۔

"اگر تم مجھے ڈاکو سمجھ رہے ہو تو یہ خیال اپنے دل سے نکال دو...... پستول میں نے اس لئے نکال لیا ہے کہ کہیں تم فوراً ہی شور مچانے کی کوشش نہ کرو اور کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جاؤ...... میں ڈاکو وغیرہ نہیں ہوں بلکہ میرا تعلق پولیس سے ہے اور میں تم سے کچھ

معلومات حاصل کرنے آیا ہوں۔"

"پپ...... پولیس؟"

"ہاں۔" شہاب نے جواب دیا۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"فضول بکواس کی کوئی کوشش مت کرو احمد خان...... اگر میں جھوٹ بھی بول رہا ہوں تو کم از کم تمہیں ایک لمحے میں زندگی سے محروم کر سکتا ہوں، اس لئے کوئی فضول بات مت کرو...... خاموشی سے بیٹھ کر جو کچھ میں پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔"

"مگر جناب...... میں نے آخر جرم کیا کیا ہے...... دوسری بات یہ ہے کہ کیا پولیس اس طرح چوری چھپے لوگوں کے گھروں میں گھس کر تحقیقات کرتی ہے۔"

"میں نے کہا ناں زیادہ چالاک بننے کی کوشش مت کرو اور مجھ سے سوالات بھی نہ کرو...... میں دوسری قسم کا آدمی ہوں...... جو کچھ تم سے پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔"

"آخر کس سلسلے میں تم مجھ سے پوچھ گچھ کرنا چاہتے ہو۔" احمد خان نڈر لہجے میں بولا...... ابتداء میں اسے جو حیرت ہوئی تھی اب اس نے اس حیرت پر قابو پالیا تھا۔

"ہاں...... اب تم نے قاعدے کا سوال کیا۔" شہاب نے وہی کرسی گھسیٹی جس پر تھوڑی دیر پہلے احمد خان بیٹھا ہوا تھا اور اس پر بیٹھ کر احمد خان کے چہرے کو بغور دیکھنے لگا...... ایسی مماثلت بہت کم دیکھنے میں آتی ہے...... احمد خان خوفزدہ نگاہوں سے شہاب کو دیکھ رہا تھا...... شہاب نے کہا۔

"تمہارا نام احمد خان ہے؟"

"ہاں۔"

"احمد خان میں تم سے تمہارے بھائی محمد خان کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنے آیا ہوں۔"

"میری زندگی عذاب کر دی ہے آپ لوگوں نے اور کیا تفصیلات معلوم کریں گے آپ مجھ سے، سب کچھ تو بتا چکا ہوں پولیس کو...... پولیس نے اپنا کھیل بنا لیا ہے، یہ جب دل چاہتا ہے میری گردن پکڑ کر بیٹھ جاتی ہے...... میں پوچھتا ہوں آخر میں نے کیا کیا ہے، جس کا قصور ہے اس سے پوچھو...... میں نے تو کچھ نہیں کیا...... میں تو شروع سے ظلم کی چکی میں پستا

رہا ہوں...... میرے ساتھ تو ہمیشہ ناانصافی ہی ہوئی ہے۔"

"ناانصافی۔" شہاب نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

تو اور کیا کہہ سکتا ہوں...... بھائی نے مجھ پر ہمیشہ احسانات کئے اور مجھے احسانات کے بوجھ تلے دبائے رکھا، مجھے خود بتاؤ برابر کے ہیں ہم دونوں...... ہوٹل کا سارا انتظام انہوں نے سنبھالا ہوا تھا...... سیاہ و سفید کے مالک تھے وہ، مجھے شہر بھیج دیا...... تعلیم کے نام پر اور یہاں من مانی کرتے رہے...... میں یہ نہیں کہتا کہ انہوں نے میرے ساتھ کوئی برا سلوک کیا، لیکن مجھے بتاؤ اگر وہ یہ سب کچھ نہ کرتے مجھے بھی یہیں رہنے دیتے تو کیا میں ان کے ساتھ شریک نہ ہوتا...... کیا میں بھی وہی سب کچھ نہ کرتا جو وہ کرتے رہے ہیں...... آپ نہیں جانتے جناب...... بہت محبت کرتا ہوں میں اپنے بھائی سے، بہت عزت واحترام کیا ہے میں نے، حالانکہ ہمارے درمیان گھٹنوں کا فرق بھی نہیں...... چند منٹ بڑے ہیں وہ مجھ سے صرف...... میں بڑے اور چھوٹے کی بات نہیں کرتا...... بھائی کے دل میں تو بھائی کا پیار ہوتا ہے، میں جانتا ہوں کہ انہوں نے مجھ سے پیار بھی کیا لیکن آپ بتایئے کہ وہ زندگی کے کس عذاب میں داخل کر گئے مجھے...... بہت اکتا گیا ہوں میں، اب اس تفتیش سے...... اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میرے دل میں اپنے بھائی کا پیار نہیں ہے تو خدا کے لئے سینے پر ہاتھ رکھ کر سوچئے میرا تو کوئی بھی نہیں تھا اس دنیا میں ان کے سوا، مگر مجھے صرف یہ بتایئے میں کروں کیا...... میں نے تو کوئی جرم نہیں کیا...... وہ اس قدر آتش مزاج تھے کہ پہلے انہوں نے بیچارے کریم بخش کو قوت گویائی سے اور یادداشت سے محروم کر دیا...... پانچ سال تک جیل میں زندگی کاٹی انہوں نے...... آپ کو کیا معلوم جناب کہ مجھ پر کیا بیتی ہے، لیکن کیا کر سکتا تھا مجھ سے کہتے ہیں ان کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے کو تیار تھا...... میں چودھری کو مجبور تو نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دے...... یہ تو مرضی کے سودے ہوا کرتے ہیں...... نہیں جناب سراسر ناانصافی کی انہوں نے میرے ساتھ...... چودھری بیچارے کو جان سے مار دیا...... سوچنا تو چاہئے انسان کو...... زندگی لینا اتنی آسان بات تو نہیں ہوتی صاحب...... اب میں کہاں تک ان کے لئے سرگرداں رہوں نہیں صاحب یہ انسانی قوت برداشت سے باہر کی بات ہے...... آخر کار سینے پر پتھر رکھنے پڑتے ہیں...... محبت کے ہاتھوں انسان کہاں تک جا سکتا ہے...... اگر آپ مجھ سے کہیں کہ خودکشی کر لو تمہارا بھائی بچ

جائے گا...... اگر آپ مجھ سے کہیں کہ اس کا الزام اپنے سر لے لو تو میں تیار ہوں...... میری ہی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا ناں، لیکن کیا یہ انسانی اصولوں کے مطابق ہے...... میں بھی تو آخر انسان ہوں...... میں بھی تو جینا چاہتا ہوں۔" شہاب خاموشی سے اس کی باتیں سنتا رہا...... پھر اس نے کہا۔

"احمد خان تم ٹھیک کہتے ہو...... بالکل ٹھیک کہتے ہو تم...... میں تم سے صرف چند سوالات کا جواب چاہتا ہوں۔"

"پوچھئے جناب پوچھئے میں تو یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ آپ کا تعلق پولیس سے ہے بھی یا نہیں...... نہ تو آپ وردی میں ہیں اور نہ آپ نے مجھے اپنا کوئی شناختی کارڈ وغیرہ دکھایا ہے۔"

"یہ میرا شناختی کارڈ ہے۔" شہاب نے اپنی جیب سے اپنا کارڈ نکال کر احمد خان کے حوالے کیا...... اس نے کارڈ اپنے ہاتھ میں نہیں لیا تھا وہ تھکے تھکے لہجے میں بولا۔

"ٹھیک ہے صاحب...... میں بھلا کسی سے لڑنے کی کیا سکت رکھتا ہوں...... آپ سوال کیجئے مجھ سے...... میں جواب دوں گا صاحب، لیکن خدا کے لئے میرے ساتھ انصاف کیجئے...... میں زندگی سے تھکا ہوا انسان ہوں۔"

"پہلا سوال یہ ہے احمد خان کہ کیا تمہارے خیال میں واقعی محمد خان نے کریم خان کو زخمی کیا تھا۔"

"میرا خیال...... صاحب یہ تو دُنیا نے دیکھا تھا...... سزا بھی بھگت چکے ہیں وہ اس کی۔"

"اور چودھری بابر خان؟"

"اس بیچارے کو تو واقعی، غلط مارا ہے...... بھائی صاحب نے، بہت غلط مارا تھا...... آپ خود سوچئے صاحب پانچ سال تک جیل کی سزا کاٹی، کسی شخص نے، مجرم بن کر باہر آیا...... پھر کوئی شریف آدمی اپنی بیٹی کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں کیسے دے سکتا ہے...... آخر دُنیاداری بھی تو کوئی چیز ہے...... چودھری کو بھی تو دُنیا کو منہ دکھانا تھا، مگر محمد خان اس بات پر اتنا بگڑ گیا کہ بیچارے چودھری کی زندگی کا چراغ ہی گل کر دیا...... کیا ملا، اتنا خونی بھی نہیں ہونا چاہئے انسان کو، مگر جیل کی تربیت پا کر نکلے تھے...... زندگی کھو دی بیچارے نے...... میں تو کچھ بھی نہیں کر سکتا...... اب وہ پولیس سے بھاگے ہوئے ہیں بھاگتے رہیں گے زندگی بھر...... کیا ملا کسی انسان کی زندگی لینے سے انہیں اور اب پولیس مجھے پریشان کر رہی ہے...... انچارج

صاحب آجاتے ہیں...... یہ کرو وہ کرو...... ایسا کرو ایسا کرو...... اب کیا بتاؤں صاحب آپ کو شکایت کروں گا تو بھی میری ہی گردن پھنسے گی۔"

"ایک سوال اور احمد خان۔"

"جی حکم۔"

"کیا تم بابر خان کی بیٹی سے خود بھی محبت کرتے ہو۔" احمد خان سوچ میں ڈوب گیا...... چند لمحے گردن جھکائے بیٹھا رہا...... پھر گردن اُٹھا کر بولا۔

"بدقسمتی سے صاحب...... میرا تجربہ کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا...... تعلیم انسان کو جہاں بہت کچھ دیتی ہے وہاں بہت کچھ چھین بھی لیتی ہے...... مثلاً سکون، خوشیاں، صاحب شاید آپ اس بات پر یقین کریں یا نہ کریں آپ کو کوئی تجربہ ہو یا نہ ہو لیکن یہ روایت ہے کہ جڑواں بدن ایک جیسی خواہشات رکھتے ہیں...... ان کی سوچ ایک جیسی ہوتی ہے، ان کی طلب ایک جیسی ہوتی ہے...... میں آپ سے قسم کھا کر کہتا ہوں صاحب کہ شاید سکینہ کو میں نہ چاہتا مگر کیا کروں جڑواں بھائی ہوں...... ہم دونوں کی طلب ایک ہی ہے...... وہ بھی سکینہ کو چاہتے تھے اور میں بھی...... غیر فطری طور پر اسے چاہنے لگا، لیکن اس کے باوجود آپ یقین کیجئے میرے دل میں کبھی رقابت نہیں پیدا ہوئی...... اگر بھائی میرے حق میں دستبردار ہو جاتا تب بھی شاید میں سکینہ کے بارے میں اس انداز میں نہ سوچتا، لیکن آپ دیکھ لیجئے...... یہاں بھی میرا قصور قائم کر دیا گیا...... یہ بات بھی منظر عام پر لے آئی گئی...... تاہم میں نے کبھی ایسا کوئی قدم نہیں اٹھایا جو چودھری کو ناگوار گزرتا، وہ بیچاری لڑکی اکیلی رہ گئی۔ باپ چھن گیا اس سے اور آپ مجھے بتایئے کیا وہ ہمارے بارے میں اچھے جذبات رکھے گی۔" شہاب اس کی باتوں پر غور کر رہا تھا...... کافی دیر تک خاموشی رہی اور اس کے بعد شہاب نے کہا۔

"سوری احمد خان...... لیکن تم دیکھو...... تھوڑی بہت معلومات تو حاصل کرنا ضروری تھا تم سے۔"

"صاحب اگر ہو سکے تو ہماری ایک مدد کر دیجئے گا۔"

"ہاں کہو۔"

"خدا کے لئے ہماری گردن پھنسنے سے بچا لیجئے گا...... ہم بہت عاجز آ چکے ہیں...... اگر کوئی بڑے افسر ہیں تو ہم آپ سے ہاتھ جوڑ کر مدد مانگتے ہیں...... اب ہم پولیس کی تفتیش کے

جال سے نکلنا چاہتے ہیں...... صاحب آپ تو خود غور کریں کہ کیا ہم خوش ہیں، اپنے بھائی کی اس پریشانی سے...... پولیس نے الگ ہماری زندگی عذاب کر رکھی ہے۔"

"خیر باقی کی تو میں کچھ نہیں کہتا لیکن میرا خیال ہے میں تمہیں اب اس کے بعد پریشان نہ کروں۔"

"آپ کا بہت بہت شکریہ صاحب...... ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو بتایئے۔"

"نہیں احمد خان...... بہت بہت شکریہ تمہارا...... اس طرح آنے کی معافی چاہتا ہوں لیکن میں تنہائی میں تم سے بات کرنا چاہتا تھا...... دیکھ لو میں تمہاری کوئی چیز یہاں سے لئے نہیں جا رہا۔"

"ارے صاحب...... رکھا ہی کیا ہے ہمارے پاس...... بس زندگی گزار رہے ہیں، مگر بڑی بے زار زندگی ہے یہ۔"

"او کے...... احمد خان چلتا ہوں۔" شہاب نے کہا اور اس کے بعد کرسی سے کھڑا ہو گیا...... احمد خان خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تھا...... پھر شہاب نیچے جانے والی سیڑھیاں طے کرنے لگا۔

❁

ماحول میں تبدیلی بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے...... بینا عدنان واسطی صاحب کے ساتھ زندگی کے مسائل میں اس طرح اُلجھی تھی کہ اس کی اپنی شخصیت ہی کچھ نہ رہی تھی...... عدنان واسطی صاحب درحقیقت سچے وکیل تھے...... زندگی میں کبھی ضمیر پر داغ نہیں آنے دیا اور جن کے ضمیر صحت مند ہوتے ہیں وہ بس زندگی سے سمجھوتا ہی کر لیتے ہیں...... ان کی زندگی میں آسائشوں کا دخل نہیں ہوتا...... عدنان واسطی صاحب کی زندگی میں بھی آسائشیں نہیں تھیں اور بہر حال بینا بھی انہی کی تربیت میں جوان ہوئی تھی۔ ماں کا کردار ثانوی سا تھا...... ایک خالص گھریلو قسم کی خاتون تھیں، لیکن بینا نے باپ سے تعاون کیا...... تعلیم کے حصول کے بعد اس نے باپ کے ساتھ ہی کام شروع کر دیا...... اسے احساس تھا کہ دونوں ماں باپ کی زندگی کا سہارا وہی ہے کوئی بیٹا تو تھا نہیں عدنان واسطی صاحب کے ہاں اور بیٹی بھی لے دے کر ایک، چنانچہ شعور کی منزل میں داخل ہونے کے بعد بینا کا انداز فکر ہی مختلف ہو گیا، پھر زندگی میں ایک نیا موڑ آیا یعنی شہاب اور آخر کار ان کی زندگی میں بھی

نمایاں تبدیلیاں رونما ہوئیں، شہاب کے ساتھ رہ کر بھی بینا یوں تو زندگی کے لاتعداد مسائل سے آگاہ ہوئی، تجربات حاصل ہوئے یہاں تک کہ محکمہ پولیس میں اسے ایک انتہائی اعلیٰ عہدہ مل گیا، جس کے بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا...... ایک حیثیت ایک مقام بن گیا تھا اس کا، لیکن زندگی میں یہ تھوڑی سی تبدیلی اس کے لئے بڑی پرکشش تھی، خالہ کا گھر، خالہ زاد بہنیں، محبت کا ایک نیا ہی ماحول ملا تھا اور پھر محبت کی مدہم مدہم آنچ، عینی اور ماریہ اسے چھیڑ رہی تھیں اور اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے شہاب کا ایک انتہائی اعلیٰ مقام ہو، جس کے نام پر اسے چھیڑا جا سکے...... حالانکہ یہاں ایک اہم مسئلے میں آئی تھی، لیکن بہر حال ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکی تھی...... شہاب اپنی ذمہ داریوں میں مصروف ہو گیا تھا...... ماریہ اور عینی نے اپنی مقامی دوستوں سے رجوع کیا اور پھر کئی لڑکیاں بینا سے ملاقات کے لئے پہنچ گئیں...... اچھے گھرانوں کی لڑکیاں تھیں...... لیکن بینا کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ ایک ایسی لڑکی سے اس کی ملاقات ہو جائے گی جو اس کیس میں ایک اہم حیثیت رکھتی ہے، یعنی سکینہ...... چودھری بابر خان کی بیٹی...... دو لڑکیوں کے ساتھ عینی اور ماریہ کے گھر آئی تھی...... عینی اور ماریہ کی دوستی براہ راست سکینہ سے نہیں تھی، لیکن آنے والی لڑکیوں میں سے ایک لڑکی نے سکینہ کا تعارف کرایا۔ تو بینا چونک پڑی اور پھر اگر بینا کے اندر اس قدر صلاحیتیں بھی نہ ہوتیں کہ وہ کسی معصوم سی لڑکی سے اس قدر دوستی گانٹھ لے تو شہاب شاید اسے اس قدر اہمیت نہ دیتا...... نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی گھنٹوں کی ملاقات میں سکینہ بینا کی گہری دوست بن گئی...... یہ بینا کی اپنی صلاحیت تھی کہ شام کو تقریباً ساڑھے چار بجے جب سکینہ واپس گئی تو بینا سے یہ وعدہ لے کر کہ دوسرے دن دوپہر کو وہ اس کے ساتھ لنچ کرے گی۔ بینا نے شہاب سے پوچھے بغیر حامی بھر لی تھی...... جانتی تھی کہ یہ عمل شہاب کے لئے پسندیدہ ہو گا اور یہی ہوا...... شہاب جب واپس پہنچا تو بینا اس کی منتظر تھی...... ریاست حسین اور دوسرے لوگ چونکہ صورت حال سے واقف تھے اس لئے انہوں نے شہاب سے کچھ خاص سوال نہیں کیا، البتہ اس کی خاطر مدارات میں کوئی کمی نہیں چھوڑی گئی...... عدنان واسطی۔ بینا کو شہاب کے سلسلے میں ہر طرح کی آزادی دی تھی اور یہ لفظ ہی کچھ عجیب تھا...... عدنان واسطی جانتے تھے کہ بینا اور شہاب زندگی کے جن مراحل سے گزرتے ہیں وہ بہت آگے کی چیز ہیں...... بھلا ان لوگوں کے سلسلے میں کسی قسم کی اخلاقیات کا تعین کیسے کیا جا سکتا ہے، لیکن

یہ اجنبی جگہ تھی اور خاندانی معاملات بڑی اہمیت رکھتے ہیں...... چنانچہ یہاں بینا اور شہاب خود بھی محتاط تھے...... تاہم شہاب نے معمولات سے فراغت کے بعد بینا سے تنہائی میں ملاقات کی اور یہ ملاقات اس طرح کاروباری انداز کی تھی کہ کسی کو کوئی احساس نہ ہو سکا...... شہاب نے بینا سے کہا۔

"مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے آپ نے یہ جگہ میرے لئے سسرال بنا دی ہے...... یعنی واسطی صاحب کے گھر میں تو آزادی سے آپ سے مل سکتا ہوں، لیکن یہاں میرے خیال میں تو ہمارے لئے ایک ہی کمرا ہونا چاہئے تھا۔"

"دماغ خراب ہوا ہے کیا...... جانتے ہیں لوگ کیا کہیں گے۔"

"جی ہاں...... لوگ کیا کہیں گے...... لوگوں کی فکر ہے ہماری نہیں۔"

"اس میں میرا کیا قصور ہے۔" بینا نے کہا۔

"یار دیکھو...... جب تم یہ بات کرتی ہو تو میری کھوپڑی گھوم جاتی ہے...... پھر تم اسے میرا قصور قرار دے رہی ہو۔"

"چڑچڑے کیوں ہو رہے ہو خیریت تو ہے۔"

"نہیں بالکل چڑچڑا نہیں ہو رہا۔"

"خیر یہ سناؤ، کیا صورت حال رہی۔"

"دلچسپ...... بہت ہی دلچسپ۔"

"ایک دلچسپ صورت حال میرے ساتھ بھی پیش آئی ہے۔" بینا نے کہا اور شہاب چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"کیا؟"

"میری ملاقات سکینہ سے ہو گئی ہے...... چودھری بابر خان کی بیٹی اور کل دوپہر کو مجھے لنچ کی دعوت دے کر گئی ہے۔"

"ویری گڈ...... مگر کیسے؟" جواب میں بینا نے مختصر سی تفصیل شہاب کو سنا دی...... شہاب پر خیال لہجے میں بولا۔

"بہر حال یہ ایک اچھا عمل ہے...... کل کون کون جائے گا؟"

ظاہر ہے عینی اور ماریہ تو جائیں گی ہی میرے ساتھ۔"

"بیناتم سمجھتی ہو کہ تمہیں کیا کرنا ہے، کیا عینی اور ماریہ رکاوٹ تو نہیں بنیں گی۔"

"بالکل نہیں...... بہت سلیقے کی لڑکیاں ہیں اور پھر چونکہ تھوڑی بہت تفصیل انہیں بھی معلوم ہے۔"

"خیر یہ کوئی اتنا اہم مسئلہ نہیں ہے...... میرے خیال میں تم سکینہ سے بھی تھوڑی بہت معلومات حاصل کرو۔"

"مجھے اس سلسلے میں بریف کردو...... کیا معلومات حاصل کرنی ہیں مجھے۔" شہاب بینا کو کافی دیر تک اس بارے میں سمجھاتا رہا تھا اور بینا اس کی بتائی ہوئی باتوں کو نوٹ کرتی رہی تھی، پھر اس نے کہا۔

"میرے خیال میں یہ اس قدر عام باتیں ہیں کہ میں عینی اور ماریہ کے سامنے بھی یہ سب کچھ پوچھ سکتی ہوں۔"

"ہاں ٹھیک ہے، مگر انہیں یہ ہدایت کر دینا کہ چونکہ ہم چودھری بابر کے قتل کے کیس کے سلسلے میں تفتیش کر رہے ہیں اس لئے ہر طرح کی گفتگو صیغہ راز میں رہنی چاہئے۔"

"میں کردوں گی...... اس کی طرف سے بالکل اطمینان رکھو۔" بینا نے جواب دیا۔

"گڈ...... بہر حال یہ ایک اچھا قدم ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے لئے خاصا فائدہ مند بھی۔"

"ہم تو آپ کے لئے ہیں ہی فائدہ مند جناب، اب یہ الگ بات ہے کہ آپ اسے محسوس نہ کریں...... ویسے آپ بتائیے آپ کی آج کی کاوشوں کا کیا نتیجہ نکلا۔"

"ابھی ہم کسی نتیجے کی بات تو نہیں کر سکتے، بینا میں احمد خان سے ملا ہوں، کہانی وہی ہے، جو محمد خان نے سنائی تھی، احمد خان بھی اپنے بھائی کو چاہتا ہے، لیکن بھائی نے جو کچھ کیا ہے...... اس سلسلے میں احمد خان اپنے آپ کو بے بس پاتا ہے...... ویسے سکینہ کے معاملے میں اس نے جو توجیہہ پیش کی ہے وہ واقعی ایک دلچسپ اور قابل غور بات ہے۔"

"کیا؟" بینا نے سوال کیا۔

"وہ کہتا ہے کہ چونکہ وہ دونوں جڑواں بھائی ہیں دونوں کی فطرت ایک ہے۔ دونوں کا انداز فکر ایک ہے...... اس طرح یہ چاہت بھی مشترک ہو گئی۔ یعنی وہ فطری طور پر سکینہ کو چاہنے لگا ہے۔" بینا حیرت سے شہاب کو دیکھنے لگی پھر بولی۔

"کیا یہ ممکن ہے شہاب؟"

"میرا کوئی تجربہ نہیں ہے بینا اس سلسلے میں...... آخری طور پر کوئی بات نہیں کہہ سکتا، لیکن ایک صورت حال اور گڑبڑ ہو گئی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"محمد خان اپنی جگہ موجود نہیں ہے۔"

"کیا؟"

"ہاں! وہ تالاب بنگلے سے غائب ہو چکا ہے۔"

"کیا واقعی؟"

"ہاں...... ہو سکتا ہے کسی کام سے نکلا ہو، لیکن بہر حال وہاں موجود نہیں تھا۔"

"شہاب اگر وہ غائب ہو گیا تو ہم کیا کرلیں گے؟"

"عقل تسلیم نہیں کرتی بینا...... اسے غائب نہیں ہونا چاہئے...... اگر وہ بے گناہ ہے جیسا کہ وہ کہہ رہا ہے تو اس وقت اس کے لئے ہمارا سہارا بے حد قیمتی ہے...... اس کا غائب ہو جانا معنی خیز ہے۔"

"شہاب...... احمد خان کے رویئے سے تم نے کیا اندازہ لگایا؟"

"سچی بات یہ ہے کہ میں اُلجھ کر رہ گیا ہوں اور یہ فیصلہ نہیں کر پا رہا ہوں کہ ان میں سے کون صحیح ہے اور کون غلط۔"

"یعنی احمد خان وہ نظر نہیں آتا جس کی نشاندہی محمد خان نے کی ہے۔"

"ہاں...... وہ پڑھا لکھا بے شک ہے، لیکن اس کے انداز میں بھی مظلومیت ہی پائی جاتی ہے اور یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ خود بھی اپنے بھائی کو چاہتا ہے لیکن بھائی کے عمل سے مجبور ہو گیا ہے۔"

"کیا ہی عجیب بات ہے۔"

"ہاں...... ہے تو۔" شہاب نے جواب دیا اور بینا گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر بولی۔

"بہر حال اچھی خاصی ذہنی ورزش ہے۔"

"میں سوچ رہا تھا کہ اب سورج چھپنے کے بعد تالاب بنگلہ کا ایک اور چکر لگا لوں...... ہو سکتا ہے محمد خان واپس آ گیا ہو، اسے چیک کرتے رہنا ضروری ہے...... ویسے تو احمد خان

ہمارے سامنے ہے اور اگر محمد خان غائب ہو جاتا ہے تو ہم احمد خان کو اس کے سلسلے میں استعمال کر سکتے ہیں، لیکن پھر بھی اصل بات کا فیصلہ ہونا تو ضروری ہے ناں۔" بینا پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگی، شہاب نے کچھ توقف کے بعد کہا۔

"بہر حال کل تم دوپہر کو ذرا سکینہ کے تاثرات بھی معلوم کرلو...... ہمیں فیصلہ کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔" بینا نے پر خیال انداز میں گردن ہلادی تھی...... رات کو ریاست حسین صاحب نے بہترین ڈنر کا بندوبست کیا تھا...... شہاب نے اس سلسلے میں ان سے کہا بھی کہ وہ اس قدر اہتمام نہ کیا کریں...... ریاست حسین نے کہا۔ "میاں...... تمہارے شایان شان یہ سب کچھ کہاں ہیں...... مجھے تمہاری شخصیت کے بارے میں خاصی تفصیلات کا علم ہے...... بہر حال جو کچھ بھی ہے اسے قبول کرلینا مجھے خوشی ہوگی، مصروفیات کیسی چل رہی ہیں۔"

"آپ کی دعاؤں سے بہت بہتر۔"

"میری خدمت کی جہاں بھی ضرورت ہو، اعتراض نہ کرنا، حالانکہ میں جانتا ہوں کہ میں بھلا ان معاملات میں کس قابل ثابت ہو سکتا ہوں۔" شہاب نے ان کا شکریہ ادا کیا تھا...... پھر رات کو تقریباً ساڑھے دس بجے وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے چل پڑا...... رُخ تالاب بنگلے کی جانب ہی تھا...... نظام پور کی آبادی اس وقت تک گہری نیند سوگئی تھی...... بستی کے مکانات میں روشنیاں بے شک نظر آرہی تھیں، لیکن بہت کم تعداد میں اس وقت تالاب بنگلہ واقعی، بھوت بنگلہ بنا ہوا تھا...... راستے بہت عجیب سے لگ رہے تھے...... درخت کے پاس سے کچی پگڈنڈی پر لینڈ روور اتار کر شہاب اسے آہستہ آہستہ تالاب بنگلے کی جانب لے چلا...... روشنیاں بجھا رکھی تھیں اس نے کیونکہ رات کی تاریکی میں بہت دُور سے بھی انہیں دیکھا جا سکتا تھا، لیکن چونکہ اب اس جگہ کے بارے میں صحیح اندازہ ہو گیا تھا اسے اس لئے کوئی دقت نہیں پیش آئی اور کچھ دقت کے بعد وہ تالاب بنگلے کے پاس پہنچ گیا...... لینڈ روور اس نے سائیڈ میں کھڑی کی...... بھرا ہوا پستول نکال کر ہاتھ میں لیا...... لینڈ روور میں ضروریات کا دوسرا سامان بھی موجود تھا، چنانچہ ایک ٹارچ لے کر وہ فاصلہ طے کرنے لگا...... اندر داخل ہوا...... خاموشی چھائی ہوئی تھی، لیکن جونہی اس نے اندر قدم رکھا اس کی چھٹی حس نے محسوس کرلیا کہ وہاں کوئی موجود ہے...... ٹارچ بجھالی تھی...... اس کے بعد

اس نے آواز دی۔

"محمد خان۔" جواب میں محمد خان کی آواز سنائی دی۔

"سر میں یہاں موجود ہوں۔" اور اس کے ساتھ ہی ماچس جلنے کی آواز سنائی دی اور ایک مدہم سی روشنی ٹمٹمانے لگی...... شہاب نے ایک معنی خیز سانس لی تھی...... وہ کمرے میں داخل ہو گیا، موم بتی کی روشنی میں محمد خان نظر آیا تھا۔

"ہاں محمد خان...... کیا صورت حال ہے بھئی۔"

"ٹھیک ہے صاحب...... کوئی خاص بات نہیں ہے...... بس زندگی کے عذاب سے گزر رہا ہوں، دیکھیں اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔"

"یہاں کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی...... وقت گزارنے میں کوئی دقت تو نہیں پیش آئی؟"

"نہیں صاحب...... کوئی دقت نہیں پیش آئی...... بس ذرا تھوڑی دیر کے لئے نکل گیا تھا یہاں سے۔"

"نکل گئے تھے؟"

"جی۔"

"کب؟"

"دن میں ہی نکل گیا تھا صاحب...... پچھلی رات بڑی پریشانی ہوئی...... پہلی بات تو یہ کہ یہاں مچھر بہت زیادہ ہیں...... کمبختوں نے کاٹ کاٹ کر برا حال کر دیا...... دوسری بات یہ کہ کچھ اور بھی دل چاہا تھا...... کبھی کبھی صاحب انسان دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر نجانے کیا کیا کچھ کر بیٹھتا ہے۔"

"دن کی روشنی میں تم یہاں سے نکلے تھے؟"

"جی صاحب...... مگر خدا کا شکر ہے کہ کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی...... بڑی احتیاط رکھی تھی میں نے۔"

"گئے کہاں تھے؟"

"آبادی میں...... یہ موم بتیاں خریدیں...... مچھروں کو بھگانے والا کوائل خریدا اور اس کے علاوہ ایک نگاہ ہوٹل پر ڈالی...... صاحب آپ یقین کریں اس ہوٹل کو بنانے میں میں نے جس طرح اپنا خون شامل کیا ہے میرا دل ہی جانتا ہے اور اس کے علاوہ صاحب، اس

کے علاوہ۔"

"ہاں اس کے علاوہ۔"

"ایک نگاہ سکینہ کو بھی دیکھنا چاہتا تھا۔"

"اوہ...... ہاں...... ملاقات ہوئی اس سے؟"

"ملاقات کرنا تو مناسب نہیں تھا صاحب، بھلا اس کی گنجائش کہاں تھی...... پتا نہیں اس کے اپنے تاثرات کیا ہوں، بس دل کی بے قراری مٹانے چلا گیا تھا۔"

"تمہیں احتیاط کرنی چاہئے محمد خان۔"

"صاحب زندگی سے اکتا گیا ہوں...... قسم لے لیجئے، سمجھ میں نہیں آتا کب تک احتیاط کرنا ہوگی؟"

"اب تم مجھے یہاں تک لے کر آئے ہو محمد خان تو کم از کم میری بات کی پاسداری تو کرو؟"

"شرمندہ ہوں صاحب...... لیکن آپ کو اللہ کا واسطہ اپنے فرائض تو آپ پورے کرتے ہی ہیں اور نجانے کیا کیا ہوگا آپ نے، لیکن میری آپ سے عرض ہے کہ خاص طور سے توجہ دے کر میری زندگی کی یہ مشکل حل کر دیں...... بھلا میں آپ کے اس احسان کا صلہ کیا دوں گا...... زندگی ایک سمت تو ہو جائے...... اگر سزائے موت ہی میرا مقدر ہے تو کم از کم وہی مجھے جلدی سے دلوا دیں...... بے زار ہو گیا ہوں زندگی سے اپنوں سے دُور رہنا کیسا لگتا ہے...... یہ بات میرا دل ہی جانتا ہے۔"

"حوصلہ کرو محمد خان حوصلہ کرو...... حوصلے کے بغیر دُنیا کا کوئی کام نہیں ہوتا۔"

"لاکھ حوصلہ کرتا ہوں، صاحب بس کیا بتاؤں آپ کو دل کم بخت نجانے کیا کیا کہتا ہے۔"

"پھر بھی محمد خان، حوصلے کے بغیر تو کچھ بھی نہیں ہو سکے گا۔"

"جو ہو چکا ہے اس کے لئے معافی چاہتا ہوں...... خیال رکھوں گا آئندہ باہر نہیں نکلوں گا۔"

"کوئی ایسا واقعہ تو نہیں پیش آیا جس سے یہ محسوس ہو کہ کسی نے تمہیں دیکھ لیا ہے۔"

"نہیں صاحب...... اب اتنا بھی بے وقوف نہیں ہوں...... ہر طرح کا خیال رکھا ہے میں نے۔"

"بس میں تمہاری خیریت معلوم کرنے آ گیا تھا...... چلتا ہوں رات بھی خاصی ہو گئی ہے...... احتیاط رکھو۔"

"جی صاحب۔" پھر محمد خان دُور تک اسے چھوڑنے آیا تھا...... شہاب لینڈ روور میں بیٹھ کر واپس چل پڑا لیکن اس کے چہرے پر بڑی معنی خیز کیفیت تھی۔

❁

بینا کی صلاحیتوں کا خود شہاب کو بھی اعتراف تھا...... بارہا بیشتر معاملات میں شہاب نے بینا پر بھروسا کیا تھا اور بینا نے کبھی اس کے بھروسے کو شکست نہیں دی تھی...... سکینہ نے عینی اور ماریہ کے ساتھ بینا کو بڑی خوشی کے ساتھ خوش آمدید کہا تھا اور بینا نے اس کی شاندار رہائش گاہ کو دیکھ کر اس کی بہت تعریفیں کی تھیں...... سکینہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے...... بس یہیں سے بینا کو موقعہ مل گیا، اس نے سکینہ کی دُکھتی رگ چھیڑ دی اور بڑی ذہانت کے ساتھ سکینہ کی زبان کھلوالی۔

"میرے ابو بہت اچھے انسان تھے...... بہت ہی اچھے انساں، انہوں نے میرے لئے اتنا کچھ کر دیا ہے کہ زندگی بھر مجھے کوئی تکلیف نہ ہو، لیکن انسان کی سب سے بڑی تکلیف یہ ہے کہ اس کے سر پر باپ کا سایہ نہ رہے...... میں" "آپ یقین کریں بینا، ابو کی موت کے بعد مجھے ساری دُنیا ایک خلاء محسوس ہوتی ہے اور میں سوچتی ہوں کہ بے شک ابو نے میرے لئے ایسے انتظامات کر دیئے ہیں کہ نہ تو مجھے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش میں کامیاب ہو سکتا ہے، نہ کہیں سے میری حق تلفی کی جا سکتی ہے، لیکن ابو ابو۔"

"مگر سکینہ، میں نے سنا ہے کہ تمہارے ابو کو قتل کر دیا گیا تھا۔"

"ہاں۔" سکینہ نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"اور بھی بہت سی باتیں سنی ہیں اس سلسلے میں سکینہ معاف کرنا میں تمہارے ذاتی معاملات کو کریدنا نہیں چاہتی، لیکن تمہاری دوست ہوں...... کہا جاتا ہے کہ انسان کا دل اپنے دُکھ کی داستان کہہ دینے سے ہلکا ہو جاتا ہے اور پھر اس کے باوجود سکینہ اگر تم مجھے اس قابل نہ سمجھو تو بخدا میں تمہیں مجبور نہیں کرنا چاہتی۔"

"نہیں...... بینا جی...... ایسی کوئی بات نہیں ہے...... آپ ایک نگاہ میں مجھے اتنی اچھی لگی ہیں کہ محسوس ہوتا ہے کہ ہماری صدیوں پرانی جان پہچان ہے...... بہت اچھی لگی ہیں

آپ مجھے...... آپ یقین کریں بالکل اپنائیت محسوس ہوتی ہے۔"

"سکینہ ویسے تمہارا کیا خیال ہے...... تمہارے ابو کا قاتل کون ہو سکتا ہے۔" سکینہ نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر عینی اور ماریہ کو دیکھا پھر بولی۔

"بس...... کبھی کبھی انسان کو زبان بند رکھنی پڑتی ہے...... عورت کی عزت تو بہت نازک ہوتی ہے، میں نے اگر زبان کھول دی تو کہیں مجھے کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔"

"تو پھر معاف کرنا...... ہم تم سے معذرت کرتے ہیں...... ہم میں سے بھلا کون چاہے گا کہ تم زبان کھولو اور تمہیں کوئی نقصان پہنچ جائے اور ٹھیک ہی کہتی ہو سکینہ انسان آسانی سے کسی پر بھروسا نہیں کر لیتا، حالانکہ ہم صرف اور صرف تمہاری دوست ہیں۔"

"نہیں...... بیناجی...... آپ برا نہ مانیں اس بات کا اصل میں عینی اور ماریہ کو تو خیر ان کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہیں، لیکن بس میری قریبی دوست جانتی ہیں کہ...... کہ۔

سکینہ کچھ جھجک کر خاموش ہو گئی...... بینا نے کچھ کہا نہیں تھا...... سکینہ انتظار کرتی رہی کہ کوئی کچھ کہے، ماریہ ذرا بچگانہ ذہنیت کی مالک تھی جلدی سے بول پڑی۔

"تم خاموش کیوں ہو گئی سکینہ۔"

"بس یونہی۔"

"کوئی خاص بات ضرور ہے اس کے پس پردہ۔"

"ہاں...... ہے...... لیکن۔"

"پھر وہی...... یعنی تمہاری ہمت نہیں پڑ رہی کہ تم ہم پر بھروسا کر لو۔" ماریہ نے کہا۔

"ایسی بات نہیں ہے ماریہ...... بس یونہی میں سوچ رہی تھی کہ کہیں میری زبان سے نکلا ہوا کوئی لفظ میرے لئے مشکل نہ بن جائے۔"

"میں تم سے پہلے ہی کہہ چکی ہوں سکینہ اگر یہ محسوس کرتی ہو تو ہمیں کچھ مت بتاؤ ہم تو صرف دوستی کے طور پر پوچھ رہے تھے، لیکن ہم بالکل نہیں چاہتے کہ تم اپنی مرضی کے خلاف کوئی قدم اٹھاؤ۔"

"مگر بینا باجی آپ یہی تو کہہ رہی تھیں کہ کہہ دینے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے؟" عینی نے کہا۔

"بھئی عینی دیکھو...... ابھی ہماری یہ پہلی ہی ملاقات ہے...... صحیح معنوں میں تو کہ

ہی ملاقات ہے...... ظاہر ہے ہم سکینہ کو اس قدر متاثر نہیں کر سکے ہوں گے وہ ہمیں اپنا راز دار بنائیں۔"

"آپ ایسی باتیں نہ کریں...... بینا باجی۔" سکینہ نے کہا۔

"تو پھر بتاؤ ناں آخر کیا بات ہے؟"

"بات کچھ بہت لمبی چوڑی نہیں ہے...... بس یوں سمجھ لو...... بچپن میں میں محمد خان سے متاثر ہو گئی تھی...... ہم لوگ بچپن میں بہت ساتھ رہے ہیں...... ان کے والدین اور میرے ابو کی بہت دوستی تھی اور بچپن ہی سے محمد خان کے ساتھ میرا زیادہ میل ملاپ تھا، پھر ہم لوگ بڑے ہوتے چلے گئے...... ان دونوں کے والدین کا انتقال ہو گیا...... ابو محمد خان کو بہت اچھی نگاہ سے دیکھتے تھے...... محمد خان نے اپنے چھوٹے بھائی احمد خان کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی...... میں کہتی ہوں آپ شاید یقین نہ کریں...... ایک عمر کے دو بھائیوں میں سے ایک نے اپنے بھائی کے لئے جو ایثار کیا شاید دنیا میں اس کی مثال بہت کم مل سکے...... محمد خان، احمد خان کو اپنی زندگی سے زیادہ چاہتا تھا، لیکن احمد خان اس مزاج کا انسان نہیں تھا...... بس اس سے آگے مجھ سے کچھ نہ کہلواؤ تو بہتر ہے۔"

"کیوں۔" بینا نے فوراً ہی سوال کیا...... سکینہ کی نگاہیں سوچ میں ڈوب گئی تھیں...... کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔

"کریم خان نامی ایک شخص کو زخمی کیا گیا اور زخمی کرنے کے بعد محمد خان گرفتار ہو گیا، اسے پانچ سال کی سزا ہو گئی...... دنیا کچھ بھی کہے بات کیسی بھی ہو، لیکن میں بتاؤں تم لوگوں کو، یقین کر لو جتنا میں محمد خان کو جانتی ہوں شاید اس کے والدین بھی اس کو نہ جانتے ہوں گے...... وہ بالکل ہی مختلف طبیعت کا انسان تھا...... جب کہ احمد خان خاصا تیز، چالاک اور شاطر قسم کا آدمی تھا...... میں نہیں کہتی کہ کیا ہوا، کیسے ہوا محمد خان کی سزا ختم ہو گئی...... وہ واپس آیا، اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ابو الجھ گئے تھے...... جب کہ پہلے تمام باتوں کے باوجود انہوں نے ہمیشہ یہ سوچا تھا کہ بچپن میں جو بات محمد خان کے لئے کر لی گئی ہے وہ اس کی تکمیل کریں گے...... میں آپ کو سچ بتا رہی ہوں بیناجی...... کہ، میرے ابو بڑی کشمکش کا شکار تھے...... اس کشمکش میں ہونے کے بعد اچانک ہی محمد خان سے کوئی ایسی بات کہہ دی جس پر وہ مشتعل ہو کر ابو کو ہلاک کر دیتا میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"تو کیا اس بات میں کوئی شبہ ہے سکینہ کہ محمد خان نے ایسا نہیں کیا۔"

"میں نہیں جانتی...... خدا کی قسم میں کچھ نہیں جانتی، مگر وہ ایسا تھا نہیں...... ابو کی بہ عزت کرتا تھا وہ۔"

"اب اس سوال کا جواب دو سکینہ؟"

"ہاں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے کہ احمد خان بھی تمہیں۔" سکینہ اس سوال پر کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گئی، پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ "ہاں...... محمد خان کو پانچ سال کی سزا ہو گئی اور اس دوران احمد خان نے مجھ سے راہ ورسم بڑھانے کی کوشش کی...... ابو کے وہ قدموں میں لپٹنے لگا...... آگے پیچھے چلنے لگا...... بظاہر اس نے کہا تو کچھ نہیں تھا لیکن، لیکن بینا، عینی، ماریہ، تم لوگوں کی عمریں بھی کم ہیں...... دُنیا سے اتنی واقف نہیں ہو تم...... لیکن میں سمجھتی ہوں کہ مرد کی نگاہ تم بھی پہچان سکتی ہو...... شاید ہمیں قدرتی طور پر حس بخشی گئی ہے...... احمد خان نے تو خیر نگاہوں ہی نگاہوں سے کام نہیں چلایا تھا بلکہ کئی بار اس نے واضح الفاظ میں مجھے یہ بتانے کی کوشش کی تھی کہ وہ بھی مجھے چاہتا ہے...... لیکن میرے دل میں، بینا جی میرے دل میں کبھی اس کے لئے یہ تصور نہیں جاگا۔"

"بڑی عجیب بات ہے...... کہا یہ جاتا ہے کہ دونوں بالکل ہم شکل ہیں...... ہم جسامت ہیں، میں شناخت ناممکن ہے...... لیکن سکینہ، کیا ایسا ہوتا رہا ہے کہ تم نے کبھی احمد خان کو محمد خان سمجھ لیا ہو۔" سکینہ نے مغموم انداز میں نفی میں گردن ہلائی۔ "نہیں...... میں محمد خان کو پہچانتی ہوں اور احمد خان کو بھی، دونوں کو ایک لباس، ایک انداز میں لا کر میرے سامنے کھڑا کر دو میں یہ بتا سکتی ہوں کہ ان میں محمد خان کون ہے اور احمد خان کون ہے۔" بینا جب وہاں سے اُٹھی تو اس کے ذہن میں بے شمار خیالات کروٹیں بدل رہے تھے اور وہ خاصی متجسس تھی...... سکینہ سے اور بھی بہت سی باتیں ہوئی تھیں اور یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ سکینہ محمد خان کو مجرم نہیں سمجھتی...... وہ اسے اپنے باپ کا قاتل بھی نہیں سمجھتی، لیکن وہ کھل کر یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ محمد خان کی بجائے احمد خان اس کے باپ کا قاتل ہے...... بہر حال یہ ایک دلچسپ اور نئی صورت حال پیش آئی تھی اور بینا سوچ رہی تھی کہ شہاب کے سامنے وہ ایک عظیم انکشاف کرے گی...... ایک ایسا انکشاف جو شہاب کو حیران کر دے گا...... بینا دل ہی

دل میں مسکرا رہی تھی...... عینی اور ماریہ گھر واپس آنے کے بعد بھی اس موضوع پر باتیں کرتی رہیں...... عینی نے بینا سے کہا۔

"جی...... بینا صاحبہ آپ تو اب باقاعدہ محکمہ پولیس میں ہیں...... آپ کیا کہتی ہیں اس سلسلے میں؟"

"نہیں...... کوئی خاص بات نہیں۔"

"کیوں...... صورت حال عجیب نہیں ہے؟"

"مثلاً؟" بینا نے سوال کیا۔

"بھئی دیکھئے ناں وہ دعویٰ کرتی ہے کہ دونوں بھائیوں کو ایک ساتھ کھڑا کر دیجئے وہ محمد خان کو شناخت کر لے گی۔"

"تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے، تمہارا کیا خیال ہے عینی ایک ماں کے دو بیٹے ہوتے ہیں...... جڑواں ہوتے ہیں کیا ماں بھی دھوکہ کھا سکتی ہے۔" بینا نے کہا اور دونوں لڑکیاں ہنس پڑیں۔

"بھئی...... ماں ذرا مختلف چیز ہوتی ہیں اور محبوبہ مختلف بینا ایک لمحے کے لئے خاموش ہوئی...... پھر آہستہ سے بولی۔

"بہر حال گہری نگاہ سے دیکھنے سے پتا چل جاتا ہے۔"

"اب بینا صاحبہ چالاکی سے کام لے رہی ہیں۔" ماریہ مسکرا کر بولی۔

"لو بھلا اس میں چالاکی کی کیا بات ہے؟"

"فرض کیجئے شہاب صاحب کے ساتھ ایک اور صاحب بھی ہوتے یعنی وہ دونوں بھی جڑواں ہوتے تو کیا آپ شہاب صاحب کو با آسانی پہچان لیتیں۔"

"مطلب کچھ سمجھ میں نہیں آیا تمہارا؟"

"حالانکہ چہرے پر سرخی بتا رہی ہے کہ سب کچھ سمجھ میں آ گیا ہے...... اب یہ الگ بات ہے کہ ہم سے اجتناب کیا جا رہا ہے...... ویسے واقعی، بینا جی...... شہاب بہت خوبصورت ہے، بہت عمدہ شخصیت کے مالک ہیں...... میں آپ کو دل سے مبارک باد دیتی ہوں۔"

"ارے ارے...... یہ تم لوگ راستہ بدل کر کون سے غلط راستے پر آ گئیں۔"

"ہونہہ...... آنے دیجئے شہاب بھائی کو ہم انہیں بتا دیں گے کہ ان کے بارے میں

جب تذکرہ ہوتا ہے تو بینا صاحبہ اسے غلط راستہ کہتی ہیں۔“

”خیر...... اچھا لگ رہا ہے تمہارا یہ چھیڑنا مجھے، حالانکہ سچی بات یہ ہے کہ ہم اس منزل میں نہیں ہیں۔“

”ہم...... سن رہی ہو ماریہ ہم۔“ ماریہ بھی ہنسنے لگی...... بینا جانتی تھی کہ یہ نوجوان شوخ و شنگ لڑکیاں اسے اُڑانے کی کوشش کر رہی ہیں...... بہر حال نجانے کیوں واقعی یہ گفتگو خاصی دلچسپ محسوس ہو رہی تھی اسے، لیکن بہر حال وہ تجسس اس تمام کیفیت پر حاوی آرہا تھا...... اس کا دل چاہ رہا تھا کہ شہاب جلدی سے واپس آجائے تو وہ اسے اپنی رپورٹ سے آگاہ کرے...... معاملہ واقعی بڑا دلچسپ تھا اور شہاب جب یہ تفصیل سنے گا تو حیران رہ جائے گا، لیکن...... لیکن یہ چکر کیا ہے...... آخر یہ چکر کیا ہے۔

❋

ڈنر پر کافی رات گئے تک خوش گپیاں ہوتی رہی تھیں...... اس گھر کا ماحول گو زیادہ جدید نہیں تھا، لیکن پھر بھی یہ لوگ بہت محبت کرنے والے اور بے حد خوش اخلاق تھے...... ایک لمحے بھی کسی کوفت کا احساس نہیں ہو سکا تھا...... اس وقت بھی عینی، ماریہ اور دوسرے لوگ دلچسپی سے باتیں کرتے رہے تھے...... ریاست حسین نے کہا۔

”شہاب میاں ہمارا تعلق تو ذرا دوسرے شعبوں سے رہا اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ کبھی کسی ایسی مشکل میں گرفتار نہیں ہوئے جس کی وجہ سے محکمہ پولیس کے اعلیٰ افسران سے یا پولیس ڈیپارٹمنٹ سے کوئی واسطہ پڑا ہو، لیکن بہر حال یہ بھی ایک شعبہ ہے...... اخبارات کے ذریعے بہت سی باتیں علم میں آتی رہتی ہیں لیکن ایک انوکھے پولیس آفیسر کو پہلی بار اپنے قریب دیکھ کر کچھ عجیب سا احساس ہو رہا ہے۔“

”کیا احساس۔“ شہاب نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

”یہی کہ اتنے خطرناک لوگوں کے چہرے بھی اس قدر معصوم ہوتے ہیں اور عام زندگی میں وہ عام ہی لوگ ہوتے ہیں۔“

”اصل میں یہ صرف نظریات کا معاملہ ہے زندگی کے مختلف شعبے ہوتے ہیں اور ہر شخص اپنے اپنے طور پر کوئی نہ کوئی کارنامہ سرانجام دیتا ہے، میں اس شعبے سے منسلک ہوں اور بہر حال اس میں جو بھی اچھائیاں برائیاں ہیں وہ میری بھی ذات سے منسوب ہوں گی لیکن میں سمجھتا ہوں جناب ہر کام کا اپنا ایک مزاج ہوتا ہے اور ہر شخص اپنے طور پر اپنے پیشے سے کسی نہ کسی حد تک مخلص ہوتا ہے۔“

”بینا نے آپ کے مزاج اور آپ کے کام کرنے کے انداز کے بارے میں تفصیلات

بتائی ہیں...... ایسے ایسے دل ہلا دینے والے واقعات سنائے ہیں اس لڑکی نے کہ واقعی حیرت ہوتی ہے اور فخر بھی شہاب میاں کہ ہمیں ایک ایسے فرض شناس پولیس آفیسر کی میزبانی شرف حاصل ہے جو اپنی ذات میں منفرد ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ کام تو سبھی لوگ کرتے ہیں کسی نہ کسی شکل میں لیکن جو انداز آپ کا ہے وہ واقعی مختلف ہے۔"

"میں فیصلہ نہیں کر پا رہا کہ آپ کا شکریہ ادا کروں یا شرمندہ ہو جاؤں۔" شہاب مسکراتے ہوئے بولا۔

"کیوں شرمندگی کی اس میں کیا بات ہے۔"

"پتا نہیں مس بینا نے میرے بارے میں کیسے خیالات کا اظہار کیا ہے۔"

"نہیں بیٹے یقین کریں کہ میں آپ کی شخصیت سے بہت متاثر ہوا ہوں واقعی پیشے میں اگر اس قدر دیانت اور خلوص شامل ہو تو اللہ تعالیٰ کامیابی عطاء کرتا ہے۔" پھر شہاب تھوڑی دیر کے بعد اپنے کمرے میں واپس آ گیا اور زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ بینا بھی اس کے پاس پہنچ گئی۔

"ارے...... ارے انسان کو اب اس قدر جذباتی بھی نہیں ہونا چاہئے۔ مس بینا بہر حال ان لوگوں کو اس بات کا علم ہے کہ آپ ہماری زوجیت میں نہیں آئیں۔"

"پہلے وہ ساری باتیں کہہ لیجئے جو کہنا چاہتے ہیں شہاب صاحب! اس کے بعد میں اپنی بات کا آغاز کروں گی۔"

"خیر باتیں تو ہم کرتے ہی رہتے ہیں سنائیے کیسا دن گزرا۔"

"شکر ہے آپ اعتدال پر آ گئے بڑا کامیاب دن گزرا ہے۔"

"ہمارا نہیں۔" شہاب نے جواب دیا۔

"خیریت۔" بینا چونک کر بولی۔

"یار بس یہ احساس ہو رہا ہے کہ تھوڑی سی غلطی ہو گئی۔"

"کیوں مجھے بتائیے پلیز۔"

"بھئی کم از کم ایک ایسی جگہ آزادی حاصل ہو تو لطف دوبالا ہو جاتا ہے یہاں تو کم طور پر سسرالیت کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔"

"سسرالیت۔" بینا ہنس پڑی...... "اچھا جملہ ہے۔"

"اب دیکھو ناں دل چاہ رہا تھا کہ آپ اس وقت یہاں آئیں، مس بینا لیکن دل کو مسوس کر رہ جانا پڑا ویسے دل کیسے مسوس جاتا ہے جملے کا علم تو ہے پریکٹیکل نہیں کر سکتا۔"

"میں سکینہ کے پاس گئی تھی۔"

"ہاں ویری گڈ چلو سنجیدگی کیا رپورٹ ہے۔"

"عجیب و غریب۔" بینا نے جواب دیا۔

"مثلاً۔"

"سکینہ کا خیال ہے کہ بابر خان کو محمد خان نے قتل نہیں کیا۔"

"میں نے بھی سنا ہے کہ وہ محمد خان سے محبت کرتی ہے۔"

"بچپن سے۔"

"اور ظاہر ہے محبوب تو سبھی کو پیارا ہوتا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ سکینہ اپنے محبوب کو اپنے باپ کا قاتل نہیں سمجھتی۔"

"نہیں شہاب اس کے دلائل بڑے پرزور ہیں، وہ کہتی ہے کہ محمد خان کو وہ اتنا جانتی ہے جتنا خود محمد خان اپنے آپ کو اور محمد خان ایسا شخص نہیں ہے جو کسی کو قتل کر دے۔"

"ہوں گویا وہ یہ کہنا چاہتی ہے کہ بابر خان کو محمد خان نے قتل نہیں کیا۔"

"ظاہر ہے باپ کے علاوہ اس کا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے اور اپنے باپ کی موت کو وہ کسی بھی طرح دل سے نہیں بھلا سکتی...... اس سلسلے میں ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ وہ جذباتی ہو کر اپنے باپ کے قاتل کو بھی نظر انداز کرنا چاہتی ہے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ اس بات سے بالکل منحرف ہے۔"

"مگر اس کا انحراف ثبوت نہیں بنتا بینا۔" شہاب نے کہا۔

"میں جانتی ہوں مگر بہر حال تذکرے کے طور پر یہ بات بتا رہی ہوں اس کا کہنا ہے کہ دنیا کا کوئی فرد اگر محمد خان کو نہ پہچانے لیکن وہ محمد خان اور احمد خان میں فرق کر سکتی ہے۔"

"ہوں بولتی رہو کیا کیا بات چیت ہوئی۔" شہاب نے کہا اور بینا سکینہ سے ہونے والی تمام گفتگو اسے سنانے لگی...... شہاب آنکھیں بند کر کے خاموشی سے سن رہا تھا، پھر اس نے کہا۔

"ہوں بہر حال دیکھیں گے اس سلسلے کو بھی۔"

"ویسے شہاب کیا معاملات مشکل نظر آ رہے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" شہاب نے آنکھیں کھول کر کہا۔

"آپ اپنی کارروائی سے مطمئن ہیں یعنی ہم یہاں جو کچھ کر رہے ہیں۔"

"ارے چھوڑو بینا ہم کر ہی کیا رہے ہیں، تم شریف زادیوں کی طرح اپنے خالو جان کے گھر میں تفریحات کر رہی ہو اور ہم نظام پور کی سڑکوں پر آوارہ گردی۔"

"میں کیا تفریحات کر رہی ہوں آپ مجھے کوئی کام دیں۔"

" کام ہو تو دیں ناں چلو خیر ٹھیک ہے...... کم از کم دارالحکومت کے ماحول سے تھوڑی سی تبدیلی ہوئی آپ خاصی خوش نظر آ رہی ہیں، رخساروں کی سرخی بڑھ گئی ہے۔"

"آپ بتایئے آپ کیا کر رہے ہیں اس کیس کے سلسلے میں۔"

"کون سا کیس؟" شہاب نے سوال کیا۔

"شہاب پلیز بتایئے نا۔" بینا نے کہا۔

"کیس بہت معمولی کیس ہے بینا ایک بے وقوف آدمی جرم کر کے بہت غلط جگہ پھنس گیا ہے، اصل معاملہ تو کبھی کا ختم ہو چکا ہے، میں نے سوچا ذرا سی آؤٹنگ ہے آؤٹنگ رہے گی واپسی پر مجرم کو پکڑتے ہوئے لے جاؤں گا۔" بینا دلچسپ نگاہوں سے شہاب کو دیکھنے لگی پھر بولی۔

"گویا آپ نے صحیح مجرم کا تعین کر لیا ہے۔"

"کیوں نہیں۔"

"اور اس کے خلاف ثبوت۔"

"ثبوت لاکھوں ہوتے ہیں اور ثبوت نہ بھی ہوں اصل مجرم سامنے آجائے تو پھر اس کے ساتھ رعایت کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔"

"پتا نہیں کیوں مجھے یوں لگ رہا ہے کہ آپ مجھے ٹرخا رہے ہیں۔"

"کس سلسلے میں؟" شہاب نے چونک کر پوچھا لیکن اس انداز میں بھی شرارت تھی۔

"او کے میں چلتی ہوں ایک ضروری کام کے لئے کہہ کر آگئی تھی۔"

"نہیں بینا دارالحکومت سے دور تمہارے ساتھ وقت گزار کر کچھ لطف آتا ہے، جب یہاں سے بور ہو جاؤ تو بتا دینا واپس چلیں گے اور مجرم کو جیپ میں ڈالتے لے چلیں گے۔"

"خیر اس بات پر تو یقین رکھتی ہوں۔" بینا نے کہا پھر بولی۔

"تفصیلات کا علم ہو گیا۔"

"میں نے کہا ناں معمولی سے لوگ ہیں بیچارے جرم کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی بہت بڑا کارنامہ سرانجام دے دیا، ختم کرو بھئی باقی ساری باتیں ٹھیک ہیں...... میں کہہ چکا ہوں کہ اب یہاں کوئی اہم کام نہیں ہے۔"

"تو ٹھیک ہے ناں واپس چلنے میں کب انکار کر رہی ہوں۔"

"تم تو اس طرح کہہ رہی ہو، جیسے شوہر بیوی کو لینے کے لئے میکے آتا ہے اور محبت کرنے والی بیوی کہتی ہے کہ وہ تو پیا کے گھر جانے کے لئے تیار ہے۔"

"چلئے آپ خوش ہیں اس بات پر تو یونہی سمجھ لیجئے۔"

"تو پھر چلیں۔"

"ہاں ہاں واقعی ہم لوگ باعمل لوگ ہیں ایسی تفریحات ہم جب دل چاہے کر سکتے ہیں...... کم از کم ہمیں اپنے آپ پر یہ اعتماد ہے۔"

"او کے...... بینا او کے ٹھیک ہے۔"

"تو پھر خدا حافظ۔" بینا نے کہا اور شہاب تیکھی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا پھر ٹھنڈی سانس لے کر اس نے آنکھیں بند کر لیں...... بینا ہنستی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔

دارالحکومت سے آنے والوں میں انجم شیخ، سردار علی، توصیف اور سالک تھے...... شہنشاہ سے انہیں ہدایت ملی تھی کہ وہ نظام پور پہنچ جائیں اور بتائے ہوئے پتے پر قیام کریں، جس جگہ وہ لوگ پہنچے تھے وہ ایک چھوٹا سا مکان تھا...... ایک عمر رسیدہ شخص وہاں رہتا تھا اور شہاب نے اس سے عارضی طور پر کچھ لوگوں کے قیام کی بات کر لی تھی، ان لوگوں کو بتا دیا گیا تھا کہ شہاب ثاقب اور بینا واسطی وہاں موجود ہیں اور وہی ان سے رابطہ رکھیں گے تو شہاب نے ٹرانسمیٹر پر ان سے رابطہ قائم کرتے ہوئے کہا تھا۔

"توصیف یوں کرو کہ تم اور سالک میرے بتائے ہوئے پتے پر پہنچ جاؤ، یہ جگہ بھائیوں کے ہوٹل کے نام سے مشہور ہے...... تمہیں بھائیوں کے ہوٹل کے مالک احمد خان کی نگرانی کرنی ہے...... یہ شخص عموماً کاؤنٹر پر ہوتا ہے...... چھوٹا سا دیسی انداز کا ہوٹل ہے، بس اس

شخص پر پوری پوری نظر رکھنا اور جب میں اس کے بارے میں کوئی دوسری ہدایت دوں تو اس پر عمل کر لینا۔"

"بہتر۔"

"اس کے بعد رہ جاتے ہیں انجم اور سردار علی تو ان دونوں کو ذرا زیادہ محنت کرنی ہے چاہو تو تمہی انہیں ہدایت دے دو...... تالاب بنگلہ نامی ایک جگہ ہے...... لوکیشن کے بارے میں تفصیل لکھ لو۔"

"جی سر۔" توصیف نے مستعدی سے کہا اور چند لمحات کے بعد بولا۔

"جی بتائیے۔" تب ٹرانسمیٹر پر شہاب نے تالاب بنگلہ کی پوری تفصیل انہیں بتاتے ہوئے کہا۔

"یہاں بھی محمد خان کا ایک ہمشکل ہوگا وہ اس بنگلے میں چھپا ہوا ہے، میرے خیال میں انجم اور سردار علی کو مقامی لوگوں کے لباس پہن کر اپنے آپ کو کسان وغیرہ کی حیثیت سے وہاں رہنا ہے...... بس اس شخص کی نقل و حرکت پر نظر رکھنا ہوگی کہ وہ کیا کیا کر رہا ہے اور کسی بھی اہم بات کی اطلاع ٹرانسمیٹر پر مجھے دے دینا ہوگی۔"

"بہت بہتر جناب۔" توصیف نے کہا۔

"اس بارے میں اور کوئی خاص بات۔"

"بات خاص ہے ہی نہیں جناب جو میں آپ سے کوئی خاص سوال کروں۔"

"او کے۔" دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا اور توصیف اپنے ساتھیوں کو ذمہ داریاں بتانے لگا...... انجم اور سردار علی پوری تفصیل سن کر گردن ہلانے لگے...... پھر انجم نے کہا۔

"پچھلے کچھ دنوں سے ایک خاص بات محسوس کر رہے ہو۔"

"کیا؟"

"شہاب ثاقب!" انجم معنی خیز میں بولا۔

"مطلب؟" توصیف نے پوچھا...... انجم گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے کچھ سوچتا رہا تھا...... پھر اس نے کہا۔ "ہماری تربیت شہنشاہ نے کی ہے اور جس انداز میں کی ہے تمہیں معلوم ہے، وہ ہم پر اعتماد بھی کرتا ہے اور ہم بھی خلوص دل سے اس کے احکامات کی تکمیل کرتے

ہیں...... اب شہاب صاحب سامنے آئے ہیں اور ایک طرح سے یہ شہنشاہ پارٹ ٹو ہیں۔"

"کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"صرف اور صرف یہ کہ شہاب، شہنشاہ کا دوسرا روپ ہے۔"

"ممکن ہو ایسا ہو...... کیونکہ شہاب کی کارکردگی ناقابل شکست ہوتی ہے...... شہنشاہ کے ماضی کی طرح...... لیکن ہمارے لئے اس میں تردد کی کیا بات ہے۔" سالک نے کہا۔

"مجھے اگر اجازت دی جائے تو میں شہنشاہ کو آسانی سے بے نقاب کر سکتا ہوں۔"

"تمہیں ایسا ضرور کرنا چاہئے کیونکہ تم ہم سب سے زیادہ ذہین اور بے مثالی شخصیت کے مالک ہو...... اس کے بعد تم ایک قومی ہیرو بن جاؤ گے۔" سردار علی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا اور انجم جھینپ گیا۔

"میں صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں...... وہ یہ کہ شہنشاہ کے ذریعہ ہمیں جو کچھ حاصل ہوا ہے وہ ہماری اپنی کاوشوں سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا...... وہ اژدہوں کا شکاری ہے اور اس نے ہماری ناکام خواہشوں کی تکمیل کی ہے جس میں ہمارا ہاتھ بھی ہوتا ہے...... پھر اگر وہ کسی بھی شکل میں خود کو پوشیدہ رکھتا ہے تو کیا ہم اسے ناکام بنانے کے لئے سرگرم ہو جائیں۔"

"سوری...... واقعی میرے الفاظ غلط تھے۔" انجم نے کہا۔

"اب اُٹھ جائیے حضرات کام شروع کیا جائے۔" سالک بولا اور سب اُٹھ کھڑے ہوئے۔

❁

شہاب بھائیوں کے ہوٹل میں داخل ہو گیا...... معمولی سا ہوٹل تھا...... لیکن اچھے خاصے لوگ میزوں پر نظر آتے تھے...... جس وقت وہ اندر داخل ہوا احمد خان کاؤنٹر پر موجود تھا اور معمول کے مطابق کام کر رہا تھا...... وہ گاہکوں پر نظریں بھی ڈالتا جاتا تھا...... شہاب پر بھی اس کی نظر پڑی ہوگی، لیکن بہر حال اس نے شہاب کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ شہاب سادہ سے لباس میں ملبوس تھا...... شخصیت کی بات الگ ہوتی ہے اور بلاشبہ یہاں جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے شہاب ان سے بہت منفرد نظر آرہا تھا، لیکن ویسے خصوصی طور پر کسی نے اس پر توجہ نہیں دی تھی...... شہاب نے ویٹر سے اپنے لئے کھانا منگوالیا۔ پروگرام بھی اس نے ایسا ہی رکھا تھا، جس میں کھانے کا وقت بھی شامل ہو...... کھانا اس کی میز پر لگ گیا، کھانے کے دوران بھی شہاب بار بار کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے احمد خان کی صورت دیکھتا رہا، لیکن احمد خان

نے ایک بار بھی اس پر نگاہیں نہیں جمائی تھیں...... وہ اپنے کاموں میں مصروف رہا تھا۔ بہت دیر تک شہاب یہاں کے ماحول کا جائزہ لیتا رہا اور اس کے بعد وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کاؤنٹر پر پہنچ گیا...... عموماً لوگ اپنا بل کاؤنٹر پر ہی ادا کرتے تھے...... کسی نے بہت زیادہ چ بننے کی کوشش کی تو ویٹر سے پیسے پوچھ کر اسے ادا کر دیئے...... ورنہ عموماً ویٹر بھی یہی ک تھے کہ صاحب بل کاؤنٹر پر دیجئے...... شہاب نے احمد خان کو ایک بڑا نوٹ دیتے ہوئے کہا۔

"معافی چاہتا ہوں یہاں بیٹھتے وقت میں نے یہ نہیں دیکھا تھا کہ میری جیب م چھوٹے نوٹ ہیں کہ نہیں...... اگر آپ کو دقت ہو تو میں خود نوٹ باہر جا کر بھنا لاؤں۔" ا خان نے سپاٹ نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔

"نہیں صاحب ایسی کوئی بات نہیں ہے، میرے پاس اس نوٹ کے پیسے مو ہیں...... آپ کو دیتا ہوں۔" اور پھر وہ کاؤنٹر کے نیچے کے دراز سے نوٹ نکال کر گننے لگا۔ شہاب نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ماشاءاللہ آپ کا ہوٹل تو خوب چلتا ہے۔"

"اللہ کا کرم ہے صاحب۔" احمد خان نے جواب دیا۔

"ویسے نجانے کیوں مجھے آپ کی شکل جانی پہچانی معلوم ہوتی ہے۔" احمد خان نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور بولا۔

"ہو سکتا ہے آپ نے ہمیں کہیں دیکھا ہو۔"

"آپ کا ہم شکل کوئی اور بھی ہے۔"

"وہ ہمارا بڑا بھائی ہے۔" احمد خان نے کہا پھر چونک کر شہاب کو دیکھنے لگا پھر بولا۔

"مگر آپ نے اسے کہاں دیکھا ہے؟"

"بس یونہی میرا خیال ہے کہیں چلتے پھرتے ہی دیکھا ہے...... وہ جو کہتے ہیں ناں کہ کبھی کبھی انسان کو کوئی شکل جانی پہچانی محسوس ہوتی ہے۔ مجھے ایسا ہی لگا تھا۔"

"آپ کہیں باہر سے آئے ہو صاحب۔ ہم نے پہلی بار آپ کو اپنے ہوٹل میں دیکھا تھا۔"

"ہاں میں دارالحکومت میں ہوتا ہوں...... یہاں کچھ رشتہ داروں سے ملنے آیا تھا۔"

"اچھا صاحب۔" احمد خان نے کہا اور پھر سادگی سے نوٹ نکال کر شہاب کی جانب بڑھا دیئے...... شہاب نے نوٹ سنبھالے اور مسکراتا ہوا ہوٹل سے باہر نکل آیا...... بس ات

ہی جاننا چاہتا تھا وہ اسے صاف احساس ہو گیا تھا کہ احمد خان نے اسے بالکل نہیں پہچانا ہے، حالانکہ وہ احمد خان سے اس کے کمرے میں ملاقات کر چکا تھا...... بہت سی باتیں بھی کی تھیں اس نے لیکن اس وقت جو تجربہ وہ کرنا چاہتا تھا وہ بالکل کامیاب رہا تھا اور شہاب مطمئن انداز میں سیٹی بجاتا ہوا وہاں سے آگے بڑھ گیا تھا...... بینا سے جو کچھ اس نے کہا تھا وہ واقعی غلط نہیں تھا...... اب یہ سارا معاملہ اس کی چٹکیوں میں تھا، جب چاہتا اس مسئلے کو ختم کر دیتا...... پھر اس نے ٹرانسمیٹر پر توصیف سے رابطہ قائم کیا اور دوسری طرف سے توصیف کی آواز سنائی دی۔

"سی۔ پی کالنگ۔"

"ہیلو...... کیا ہو رہا ہے توصیف۔"

"سر...... آپ کو ہوٹل میں داخل ہوتے دیکھ رہے ہیں۔" توصیف نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اور ہوٹل سے باہر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا؟"

"کیوں نہیں۔"

"اور وہ لوگ؟"

"دونوں ڈیوٹی پر مستعد ہیں۔"

"گڈ......" شہاب نے ٹرانسمیٹر کا سلسلہ منقطع کر کے اس بار انجم شیخ سے گفتگو کی تھی۔

"ہاں بھئی...... آپ لوگ سنائیے۔"

"اگر سنانے کی کوئی بات ہو تو ضرور سنائی جا سکتی ہے۔"

"مطلب یہ کہ تم لوگ تالاب بنگلے کے قریب ہو؟"

"اور کہاں ہو سکتے ہیں...... ویسے سر آپ نے ایک بات پر غور نہیں کیا۔" انجم نے کہا۔

"کیا؟"

"یہاں...... شکار بہت موجود ہے...... قرب و جوار میں تیتر دوڑتے پھر رہے ہیں اور ہمارا انداق اُڑا رہے ہیں۔"

"کیوں؟"

"کہہ رہے ہیں ارے بے وقوفو! ہمیں شکار کرو۔"

"فضول باتوں کی ضرورت نہیں ہے...... ظاہر ہے ہم لوگ جس طرح کا شکار کھیلتے ہیں

وہی تمہارے لئے مناسب ہو گا۔"

"جی سر...... ہمارے شکار ذرا مختلف ہوتے ہیں۔"

"تو کیا اس وقت تمہارا شکار بنگلے میں موجود ہے؟"

"جی موجود ہے۔"

"دیکھا ہے تم نے اسے؟"

"نہیں سر محسوس کیا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"اس وقت ہم دو دیہاتوں کی شکل میں موجود ہیں اور بیٹھے ہوئے زمین کھود رہے ہیں۔

"خیر زمین کھودنا تو اچھا مشغلہ ہے۔"

"کیوں سر۔"

"اس کھدی ہوئی زمین ہی سے ہمیں رزق حاصل ہوتا ہے۔"

"سر اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ انسان کی زندگی میں تبدیلی بڑی اہمیت کی حا ہوتی ہے اور واقعی کبھی کبھی ہم سوچتے ہیں کہ شہری زندگی گزارنے میں ہمیں کیا حاصل ہو ہے اور پھر ہم جیسے لوگ جن کا ماحول بالکل محدود ہے ہمیں یہ دیہی طرز کی زندگی گزار سے بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"ہاں یہ تو ہے اور بہر حال اس زندگی کا اپنا حسن ہی کچھ اور ہے۔" شہاب نے کہا۔

"خیر...... آپ ہمیں کوئی خاص حکم دینا چاہتے ہیں؟"

"نہیں بھئی ایسی کوئی بات نہیں ہے بس میں تو تمہارے شکار کے بارے میں پوچھ تھا اور ہاں ایک بات کا خاص طور سے خیال رکھنا...... اگر یہ شخص کہیں نکل کر جائے تو تم اُ بہت مناسب طریقے سے تعاقب کرو گے اور اگر کوئی ایسی ویسی بات یعنی کوئی واردات کر کی کوشش کرے تو تم بغیر کسی تکلف کے اس پر ہاتھ ڈال سکتے ہو...... زخمی بھی کر سکتے ہو۔

"بہت بہتر۔"

"ویسے محسوس کرنے والی بات کیا تھی؟"

"نہیں سر...... وہ تالاب بنگلے میں موجود ہے اور اسے اس بات کا احساس نہیں ہو سکا اس کے آس پاس کوئی ہے، لیکن ہم نے اسے اندر دیکھا ہے...... وہ چل پھر رہا تھا...... غا

اپنے معمولات میں بھی مصروف ہو گا۔"

"بس اتنا کافی ہے۔" شہاب نے کہا اور اس کے بعد ٹرانسمیٹر بند کر دیا۔

ادھر ریاست حسین کی رہائش گاہ پر بینا واقعی ایک مختلف ماحول میں وقت گزار رہی تھی...... عینی اور ماریہ دونوں ہی بے حد خوش مزاج تھیں...... ویسے عدنان واسطی کے اور بھی بہت عزیز تھے، لیکن شروع سے جن حالات کا شکار رہے تھے ان میں عزیزوں سے دوری ہی رہی تھی...... اصل میں دور کی بات ہوتی ہے، اس دور میں صاحب حیثیت رشتہ دار سب کے لئے باعث عزت ہوتے ہیں...... چاہے وہ کسی کے ساتھ ایک پیسے کا سلوک بھی نہ کریں، لیکن اگر ان کی اپنی جیبیں بھری ہوتی ہیں تو رشتہ داروں کی نگاہوں میں ان کی بڑی عزت ہوتی ہے اور وہ ان کے ارد گرد مکھیوں کی طرح بھن بھناتے رہتے ہیں، لیکن اگر رشتہ دار غریب ہو تو نجانے کیوں لوگ اس سے کنارا کشی اختیار کر لیتے ہیں، حالانکہ نہ وہ اپنی دولت کسی کو دے دیتا ہے اور نہ اپنی غربت میں کسی سے کچھ مانگتا ہے اور ویسے بھی کون کسی کا کس حد تک ساتھ دے سکتا ہے...... عدنان واسطی نے اپنا جو طریقہ زندگی اختیار کیا تھا...... اس میں انہیں کوئی مشکل تو پیش نہیں آئی تھی، اپنی زندگی مناسب انداز میں گزار رہے تھے...... بس شان و شوکت نہیں تھی...... چھوٹا سا مکان ایک بیٹی اور بیوی، مختصر سا خاندان، مختصر سی ضروریات بیٹی کے لئے البتہ انہوں نے جو ایک شریف آدمی اپنے گھر میں کر سکتا ہے انتظامات کر لئے تھے اور پھر سب سے بڑی چیز یہ تھی کہ انہوں نے بینا کو قانون کی تعلیم دلائی تھی اور بینا ایک بہترین وکیل کی حیثیت اختیار کر گئی تھی...... اب اس کا مستقبل عام سا مستقبل ہی ہوتا اگر شہاب جیسی شخصیت اس کے مستقبل میں شامل نہ ہوتی تو بہر حال جب بھی کبھی عدنان واسطی بینا کو کسی کی ذات سے منسلک کرنے کے بارے میں سوچتے تو انہیں دقت پیش نہیں آتی، لیکن اب شہاب اس طرح اس خاندان میں شامل ہوا تھا کہ صورت حال ہی بدل گئی تھی...... عدنان واسطی کے پاس بھی اچھا خاصا بینک بیلنس ہو گیا تھا، لیکن ان کے نظریات معمول کے مطابق تھے اور احمق تو وہ بھی نہیں تھے...... انہیں یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ شہاب ثاقب کس شخصیت کا مالک ہے اور کسی بھی طرح اس پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا...... باقی رہی بات دنیا کی تو کوئی کتنا ہی انگلیاں اٹھائے انہیں اس بات کی پروا نہیں تھی...... اپنی بیٹی

پر بھی اعتماد تھا اور اس شخص پر بھی جس کے بارے میں اب وہ محسوس کر چکے تھے کہ وہی
مستقبل ہے اور بینا بھی بہت مطمئن تھی...... دونوں کے ذہن کشادہ تھے اور وہ اپنے طور
صرف یہ ضروری نہیں سمجھتے تھے کہ ایک عورت ایک مرد کی ذات میں عورت کی حیثیت
سے شامل ہو جائے...... یہ لطیف لطیف سے معاملات تو اور زیادہ دلکشی کے حامل تھے
انہیں احساس ہو رہا تھا کہ جو وقت یہ گزار رہے ہیں وہ زیادہ دلکش ہیں، لیکن کبھی کبھی تھوڑ
سی تبدیلی ایک چاشنی کی طرح زندگی میں شامل ہو جاتی ہے اور اسی طرح بینا اس وقت عینی
ماریہ کے ساتھ لطف اٹھا رہی تھی...... دلچسپ بات یہ تھی کہ سکینہ بھی زندگی کی
تفریحات میں شامل ہو جاتی تھی...... اسے بھی بینا سے کافی انسیت ہو گئی تھی اور وہ اب زیا
تر اپنی جگہ سے اُٹھ کر یہاں چلی آتی تھی...... اب اس وقت ایسا ہی دلچسپ ماحول موج
تھا...... چاروں لڑکیاں چٹکلے بازیاں کر رہی تھیں...... بینا بھی ایک عام سی لڑکی کی حیثیت سے
ان لوگوں کے درمیان شامل تھی۔ پھر ریاست حسین اور ان کی اہلیہ بھی وہاں پہنچ گئے اور
گفتگو میں لطف لینے لگے...... بات چونکہ ذرا مختلف انداز کی ہو رہی تھی اور پھر لڑکیاں بو
تھیں اس لئے ماں باپ کے سامنے بھی وہ اپنی گفتگو میں بے جھجک رہیں...... پھر اچانک
شہاب وہاں پہنچ گیا اور شہاب کی آمد کو بڑی دلچسپ نگاہوں سے دیکھا گیا...... ریاست حسی
کہنے لگے۔

"بھئی شہاب میاں...... اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ کی شخصیت ذرا با
مختلف ہے، لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مختلف شخصیت ہوتی کیا ہے انسان اپنی جگہ ا
انسان ہی ہوتا ہے۔"

"یہ تو آپ کا فیصلہ ہے کہ میری شخصیت کچھ مختلف ہے، حالانکہ میں یہاں کسی مختل
شخصیت سے نہیں آیا۔" شہاب نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں بالکل...... بات اس وقت اتفاق سے آپ ہی کے موضوع پر ہو رہی تھی
ایک شخص جس کے نام کے ساتھ بڑی بڑی خوفناک کہانیاں وابستہ ہوتی ہیں...... جب ا
عام آدمی کی صورت میں نظر آئے تو حیرت تو ہوتی ہے ناں۔"

"کس کی ذات سے خوفناک کہانیاں منسوب ہیں؟"

"شہاب نے پوچھا۔

"آپ کی۔"

"ویری گڈ...... یہ خوفناک کہانیاں تو جناب میری ذات سے منسوب کی گئی ہیں، ورنہ
آپ خود سوچئے میں کوئی خوفناک آدمی نظر آتا ہوں۔"

"یہی تو سب سے حیرت کی بات ہے کہ آپ خوفناک آدمی نظر نہیں آتے۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ اندر سے خوفناک ہوں۔"

"نہیں...... اندر کی تصویر باہر ضرور ہوتی ہے۔ چہرہ انسان کا عکس ہوتا ہے اور اس عکس
میں تو ایسی کوئی گڑبڑ نظر نہیں آتی۔" ریاست حسین صاحب نے کہا۔

"تو پھر سمجھ لیجئے کہ گہرائیوں میں کچھ بھی نہیں ہے۔" شہاب نے کہا۔

"بھئی بغیر چائے پیئے پر محفل بڑی سونی سونی لگ رہی ہے۔ اب وہ مرد میدان ہاتھ
اٹھائے جو چائے کا بندوبست کرے گا۔" عینی اپنی جگہ سے اُٹھ کر باہر نکل گئی تھی، لیکن
دروازے پر رُک کر اس نے کہا تھا۔

"اس وقت تک کوئی گفتگو نہیں ہو گی جب تک میں چائے لے کر واپس نہ آ جاؤں۔"
اور اس وعدے کی پاسداری کی گئی۔ عینی واپس آئی تو چائے اس کے ساتھ تھی...... چائے کے
دوران ایک بار پھر گفتگو کا آغاز ہو گیا۔

"ہاں بھئی تو ہمارا موضوع کیا تھا؟"

"موضوع مسٹر شہاب ہی تھے۔" ریاست حسین نے کہا۔

"میں اس سلسلے میں آپ سے شہاب صاحب سے گفتگو کرنے کی پیش کش کرتی
ہوں...... ابو۔" ماریہ نے کہا۔

"مثلاً۔"

"مثلاً یہ کہ آپ شہاب صاحب کے بارے میں کیا جاننا چاہتے ہیں۔"

"تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے شہاب سے بہت عرصے سے تمہاری واقفیت ہو اور تم
شہاب کے تمام معاملات میں مداخلت رکھتی ہو۔"

"اصل میں بینا نے مجھے سب کچھ بتایا ہے شہاب صاحب کے بارے میں کہ وہ کس
طرح اپنا کام کرتے ہیں اور...... اور...... اور۔" ماریہ نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا...... بینا نے
پریشان نگاہوں سے ماریہ کو دیکھا پتا نہیں یہ شریر لڑکی کون سی فضول بات کہہ دے......

بہر طور محفل میں بیٹھ کر وہ اس طرح کی کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھی، لیکن ماریہ
چالاک تھی اس نے کہا۔

"بیٹا اپنے باس کی اتنی تعریفیں کرتی ہیں ابو کہ مجھے واقعی حیرت ہوتی ہے اور میں
کی اس بات سے پورا پورا اتفاق رکھتی ہوں۔"

"بھئی کیوں نہ ہم یہ کریں کہ خود شہاب ہمیں اپنے بارے میں بتائیں۔"

"میں۔" شہاب مسکرا کر بولا۔

"ہاں اگر کوئی حرج نہ ہو تو ہم آپ کے بارے میں تمام تفصیل جاننا چاہتے ہیں
شہاب خود ایک شریر نوجوان تھا...... اس نے مسکراتی نگاہوں سے بینا کو دیکھا پھر بولا۔

"لیکن اس سے پہلے آپ مجھ سے حلف لیں گے کہ جو کچھ کہوں گا سچ کہوں گا سچ کے
کچھ نہیں کہوں گا۔"

"نہیں بھئی یہ غلط ہے۔"

"اصل میں آپ مجھ سے حلف ضرور لیجئے گا کیونکہ پھر میرے سچ پر کسی کو کوئی اعتر
نہیں ہوگا۔" شہاب نے کہا اور بینا ایک بار پھر خوفزدہ سی ہو گئی...... شہاب کی شرارتوں س
اچھی طرح واقف تھی اور اسے احساس تھا کہ شہاب جملوں کا کھلاڑی ہے...... وہ اپنے ا
کے بارے میں بھی ضرور بتائے گا...... سب منتظر تھے شہاب نے کہا۔

"بات اصل میں یہ ہے کہ اس لائن میں آنا میرا ایک مشن تھا اور اس مشن کا ایک
ہے، ایک پس منظر ہے...... میرے والد ثاقب علی صاحب، صحافی تھے اور شعبہ صحافت
انہوں نے اپنے لئے ایک الگ راہ منتخب کی تھی۔ وہ راہ بھی دوسروں سے مختلف تھی......
راہ میں صرف سچ کی پرستاری تھی لیکن یہ سچ انہیں راس نہ آسکا اور اخبارات میں سچ لکھنے
انہیں سزائے موت دے دی گئی۔"

"سزائے موت۔"

"ہاں...... کچھ ایسے لوگوں کی جانب سے جو صاحب اقتدار تھے اور اپنے بارے م
کو زبان کھولنے کی اجازت دینا پسند نہیں کرتے تھے۔"

"اوہ، گویا انہیں کسی حادثاتی موت مار دیا گیا؟"

"جی...... میرے دو بھائی اور ہیں...... میری والدہ ہیں...... انہوں نے وقت

سمجھوتے کا فیصلہ کیا اور اپنے طور پر زندگی گزارنے لگے، لیکن میرے دل میں اپنے والد کے
لئے احترام تھا اور میں سمجھتا تھا کہ سچ کی مخالفت کرنے والوں کو جو اختیارات حاصل ہیں وہ غلط
ہیں...... میں اس سلسلے میں اپنے طور پر کوشش کرتا رہا...... ایک بے وسیلہ شخص کو محکمہ
پولیس میں ملازمت مل جانا ذرا مشکل کام تھا، لیکن بہرحال کوششیں کر کے میں نے یہ
ملازمت حاصل کی اور پھر اپنے مقاصد کی تکمیل کرنا شروع کر دی...... ریاست حسین
صاحب، بات یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں برائیاں موجود ہیں، ہم ان برائیوں کو برائی
سمجھتے ہیں، ان کے خلاف بات کرتے ہیں اور کبھی کبھی ہم سچ بولتے ہیں، یعنی واقعی ہم ان
برائیوں کے مخالف ہوتے ہیں...... لیکن ان برائیوں کو ختم کرنے کی ہمت نہیں ہوتی ہمارے
اندر...... سب سے پہلے ہم اپنے گھر کے ماحول میں گھرے ہوئے ہوتے ہیں...... وہیں سے
ہمارے سچ کی مخالفت شروع ہو جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ بیٹا زندگی میں اُلجھنیں کیوں مول
لے رہے ہو...... میں ان لوگوں سے بھی منحرف نہیں جو یہ بات کرتے ہیں، کیونکہ میں یہ
جانتا ہوں کہ جھوٹ کے پرستار شیطانی قوت رکھتے ہیں اور انہیں یہ اختیارات حاصل ہوتے
ہیں کہ سچ ہی کے ہاتھ زیادہ طاقتور ہوتے ہیں...... میں تفصیل میں نہیں جاؤں گا...... کم از کم
اس سلسلے میں، میں نے اپنا ایک انداز فکر بنایا اور اس کے بعد کام شروع کر دیا اور خدا کا شکر ہے کہ
انسان اپنی ذات کی تسکین کے لئے ہی کچھ کرنا چاہتا ہے اور میں نے وہ تسکین حاصل کر لی ہے،
اب ان باتوں کو چاہے خوفناک کہہ لیا جائے چاہے میرا طرز عمل، میرا مشن یا میرا نظریہ۔"

"بات واقعی بڑی فکر انگیز ہے۔" ریاست حسین صاحب نے کہا...... پھر بولے۔

"لیکن ہم ان صلاحیتوں کے بارے میں سوچتے ہیں...... یہ صلاحیتیں تو خداداد ہوتی ہیں۔"

"انسان ہی خداداد ہوتا ہے...... کون سی شے خدا کے حکم کے بغیر انسان کو ملتی ہے۔"

"بے شک اس میں کوئی شک تو نہیں ہے۔" ریاست حسین صاحب متاثر لہجے میں بولے۔

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے ابو کہ کسی ایک شعبے میں انسان پوری زندگی کامیاب نہیں
ہوتا اور دوسرا کوئی شخص بے پناہ کامیاب ہوتا ہے، اس کی کیا وجہ ہے آپ وضاحت کریں
گے شہاب صاحب۔" ماریہ نے کہا۔

"مس ماریہ سب سے پہلی چیز انسان کو اپنے پیشے سے دیانت ہونی چاہئے جو کام بھی کیا
جائے بشرطیکہ وہ نیک کام ہو اور اگر آپ یہ کہنا چاہیں کہ ایک چور چوری کے پیشے میں دیانت دار

ہو تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ دیانت کا مذاق اڑانے والی بات ہے، کچھ لوگ انتہا پسندی میں اس قسم کی سوچیں بھی اختیار کر لیتے ہیں...... بہر حال انسان کو یہ دانش دی گئی ہے کہ وہ اچھے برے کاموں کا اپنے طور پر فیصلہ کرے۔"

"ہاں یہ بات تو بالکل ٹھیک ہے۔" ماریہ نے اعتراف کیا پھر بولی۔ "لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے شہاب صاحب کہ آپ کسی مجرم کی شناخت کس طرح کر لیتے ہیں، آپ کو اتنی آسانیاں آخر کیسے حاصل ہو جاتی ہیں۔"

"محنت اور کاوش کرنی پڑتی ہے ان کے لئے عقل کا استعمال بھی کرنا ہوتا ہے، اصل میں بہت سے پیشوں میں انسان صرف عارضی طور پر اپنے آپ کو مصروف کرتا ہے اور سوچتا ہے کہ جتنی اس کی ذمہ داری ہے بس اسے اتنی ہی اپنی ذمہ داریاں پوری کرنی چاہئیں لیکن میں ذرا مختلف سوچتا ہوں، اب زندگی کے یہ دو تین شعبے ہی لے لیجئے...... جیسے وکالت عدنان واسطی صاحب کو آپ لوگ مجھ سے زیادہ جانتے ہوں گے، یہ بات میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اپنی وکالت کے پیشے میں اگر وہ چاہتے تو مقدمے کو صرف مقدمہ سمجھ کر لے سکتے تھے...... یعنی جو بھی ان کا موکل بنتا اس کے موقف کے لئے وکیل صاحب اپنی ذہانت اور فراست سے لاتعداد دلائل تیار کر لیتے، ایک قاتل سے وعدہ کرتے کہ وہ اسے تختہ دار سے بچا سکتے ہیں، انہیں اس کا انتہائی معقول معاوضہ مل جاتا چونکہ زندگی کی قیمت جس قدر ادا کی جا سکتی ہے اس کا آپ کو خود بھی اندازہ ہوگا...... انہوں نے یہ نہیں کیا یہ اپنے پیشے سے دیانت ہے اور جب انسان اپنے پیشے سے مخلص ہوتا ہے تو پھر وہ اس کی باریکیوں کو صحیح مقاصد کے لئے استعمال کرتا ہے...... ایک وکیل کسی قاتل کو کبھی قتل کے جرم سے بچانے کی کوشش نہیں کر سکتا کیونکہ اس کا کام حقیقتوں کو سامنے لانا ہے، اب یہ الگ بات ہے کہ وہ اس کا مخالف فیصلہ کر لے اور اپنی آمدنی میں اضافہ کر لے، ایک ڈاکٹر ہے اسے اپنے پیشے سے اتنا ہی مخلص ہونا چاہئے جتنا ایک پولیس آفیسر کو مریض کو صحیح تشخیص کر کے صحیح دوا دینا ہی اس کا فرض منصبی بھی ہوتا ہے اور فرض معاشی بھی میرا بھی یہی کام ہے...... جب کوئی کیس میرے ہاتھ میں آتا ہے تو بساط بھر کوشش کرتا ہوں کہ اس کی صحیح صورت حال کا پتا لگالوں اور کہیں بھی کسی ایسے تصور سے کام نہ لوں اب ان دنوں جو کیس میرے پاس ہے اور جس کے سلسلے میں میرا اور مس بینا کا یہاں آنا ہوا ہے...... وہ بھی اپنی نوعیت کا ذرا مختلف کیس ہے، بینا آپ کے

ان لوگوں کو بتایا ہے تھوڑا بہت۔"

"ہاں لیکن بس معمولی حد تک۔"

"کیا قصہ ہے وہ ہمیں بتانا پسند کریں گے مسٹر شہاب اب آپ ہمارے ہاتھ لگ گئے ہیں تو ذرا اس شوق کی تکمیل بھی کر لیں۔" ریاست حسین نے کہا۔

"جی، ریاست حسین صاحب کیوں نہیں...... دو بھائی ہیں یہاں، محمد خان اور احمد خان، ان کی مختصر تفصیل بھی آپ کو معلوم ہی ہے، اتفاق کی بات یہ ہے کہ مس سکینہ بھی اس سلسلے میں تھوڑی سی ملوث ہیں اور ایک جذباتی کیفیت بھی رکھتی ہیں...... مثلاً یہ کہ بابر خان صاحب کا قتل بھی انہی میں سے ایک بھائی کے ہاتھوں ہوا ہے تو یہ دونوں بھائی ہمشکل ہیں، جڑواں ہیں، ایک تعلیم یافتہ ہے اور دوسرا غیر تعلیم یافتہ، میں یہ بات اچھی طرح مانتا ہوں کہ تعلیم یافتہ شخص کی سوجھ بوجھ زیادہ ہوتی ہے اور ایک غیر تعلیم یافتہ شخص بغیر سوچے سمجھے کوئی بھی عمل کر ڈالتا ہے جو معاشرے کا جرم بھی ہوتا ہے، لیکن بعض اوقات سوجھ بوجھ کا غلط استعمال کبھی کبھی معاشرے کے لئے اور زیادہ تر اپنے لئے نقصان دہ ہوتا ہے، کیونکہ انسان اس سوجھ بوجھ سے مخلص نہیں ہوتا۔"

"تمہاری ایک ایک بات بالکل درست ہے ویسے سارا معاملہ محمد خان ہی کے سر جاتا ہے...... کیا تم اس میں کوئی نکتہ نکال سکتے ہو۔" ریاست حسین صاحب نے پوچھا اور شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، پھر اس نے کہا۔

"میں نکتہ نہیں نکال سکتا، البتہ اگر آپ لوگ واقعی اتنی دلچسپی سے کام لے رہے ہیں تو پھر میں اس مسئلے کا حل آپ کے سامنے ہی نکال دوں گا، آپ کو یہ اندازہ بھی ہو جائے گا کہ میرا طریقہ کار کیا ہے۔"

"یہ تو بڑی سنسنی خیز بات ہے بھئی کیا واقعی ایسا ممکن ہے۔"

"جی ممکن ہے آپ کو تھوڑی سی کارروائی کرنا ہوگی میرے ساتھ۔"

"خدا کی قسم دل سے تیار ہوں میں خود بھی ان معاملات میں خاصی دلچسپی رکھتا ہوں، لیکن بس دلچسپی کی حد تک ظاہر ہے، میرا کام تو بالکل ہی مختلف ہے۔"

"بات دلچسپی کی اگر آجائے تو اپنے مزاج کے خلاف بھی تھوڑا بہت کچھ کرنا ہوتا ہے۔"

"مثلاً۔"

"مثلاً یہ کہ اگر میں اس جرم کے دونوں شریک کاروں کو آپ کے سامنے آپ کے گھ پر لے آؤں تو آپ خوف تو نہیں محسوس کریں گے۔"

"خوف کی کوئی وجہ ہوگی۔" ریاست حسین صاحب نے پوچھا۔

"نہیں اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کہ کہیں کوئی مشکل نہ پیش آجائے۔"

"نہیں بھئی ایسی کوئی بات نہیں ہے بلکہ مقصد کیا ہے اس بات کا۔"

"ایک کمرہ درکار ہوگا یہ کھیل دکھانے کے لئے اور آپ یہ نہیں سوچیں گے کہ اس کمرے میں کس کو لایا گیا ہے اور کہیں اسے لانے میں آپ کسی مشکل کا شکار نہ ہو جائیں۔"

"بھئی جب ایک ذمہ دار پولیس آفیسر ایسی بات کہہ رہا ہے تو بھلا مجھے کیا مشکل پیش آسکتی ہے۔"

"تو ٹھیک ہے ایسا کرتے ہیں کہ کل شام پانچ بجے یہ کھیل آپ کے کمرے میں کھیلا جائے گا مس سکینہ...... آپ بھی تشریف لے آئیے چونکہ اس کھیل کا ایک کردار آپ بھ ہیں۔" سکینہ کے چہرے پر خوف کے آثار پھیل گئے، اس نے کہا۔

"لیکن کیا میرا یہاں ہونا مناسب رہے گا۔"

"ہمت کی بات ہے آپ کیا یہ پسند نہیں کریں گی کہ آپ کے والد صاحب کا قا آپ کے سامنے آجائے۔"

"کیوں نہیں۔" سکینہ نے کسی قدر جذباتی لہجے میں کہا۔

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے شہاب صاحب کہ محمد خان تو مفرور ہے۔" ریاست حسی صاحب بولے۔

"جی ہاں بس اسے ہی تو گرفتار کر کے یہاں لانا ہے۔"

"ٹھیک ہے واقعی میں اس میں پوری دلچسپی لے رہا ہوں۔"

"تو پھر یہ بازی گری اور شعبدہ بازی آپ کے سامنے ہی ہو جائے تو کیا حرج ہے۔"

"بالکل ہو جائے میں تیار ہوں۔" ریاست حسین صاحب نے کہا بعد میں بینا نے شہ سے پوچھا۔

"کیا چکر ہے شہاب صاحب کیا کر رہے ہیں۔"

"شعبدہ بازی کر رہا ہوں تم نے تعریفیں ہی اتنی کر دی ہیں میری کہ ان لوگوں کو

نہ کوئی کھیل دکھانا ضروری ہے۔"

"تو کیا اس کھیل کا وائنڈ اپ کر رہے ہو۔"

"ہاں لیکن اگر تم چاہو تو ابھی رہنے دیتے ہیں، تھوڑے دن اور عیش کر لیں گے یہاں۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

"تو پھر۔"

"نہیں بھئی تاش کے پتوں کے بارے میں اگر پہلے سے بتا دیا جائے تو کھیل خراب ہو جاتا ہے۔"

"اچھا جناب گویا ہم سے بھی چوری۔" بینا نے ہنس کر کہا اور شہاب نے بات ہنسی کی ہنسی میں اُڑا دی...... اب اس مسئلے میں وہ خود بھی بہت زیادہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا، چنانچہ دوسرے دن اس نے ٹرانسمیٹر پر محمد خان کی نگرانی کرنے والوں کو ہدایات دیں اور اس کے بعد مطمئن ہو گیا...... شام کو ٹھیک ساڑھے چار بجے انجم اور سردار علی، محمد خان کو لے کر وہاں پہنچ گئے اور اسے اس کمرے میں بند کر دیا گیا...... سب لوگ وہاں جمع ہو گئے تھے، یہاں تک کہ سکینہ بھی...... دور سے لڑکیوں نے محمد خان کو آتے ہوئے دیکھا تھا اور اس کے بعد سنسنی کا شکار ہو گئی تھیں...... پانچ بجنے میں صرف دس منٹ باقی تھے کہ احمد خان کو بھی یہاں لے آیا گیا...... سب کے سب چونک پڑے، اس وقت ریاست حسین صاحب اور ان کے اہل خاندان واقعی ایک مداری کا کرتب دیکھنے میں مصروف تھے...... ریاست حسین صاحب نے انتہائی حیران لہجے میں کہا۔

"م...... مگر یہ محمد خان کو کیسے گرفتار کر لیا گیا، میں تو ابھی تک اسی سوچ میں تھا کہ ہو سکتا ہے احمد خان کو ہوٹل سے لے آیا گیا ہو لیکن دوسرا تو مفرور تھا اور اب یہ دونوں کے دونوں یہاں آگئے...... پھر کچھ دیر بعد شہاب ان دونوں کو لے کر اس بڑے کمرے میں پہنچ گیا جہاں باقی تمام افراد موجود تھے...... سکینہ بھی موجود تھی اور سکینہ کی کیفیت اس وقت ذرا مختلف نظر آرہی تھی...... وہ محمد خان کو دیکھ رہی تھی جو حیرانی سے سر جھکائے ہوئے بیٹھا تھا...... شہاب نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا، دونوں بھائیوں کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے گئے تھے اور دونوں ہی شدید حیران نظر آرہے تھے...... محمد خان نے سکینہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"سکینہ تم یہاں کیا کر رہی ہو۔" سکینہ نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن شہاب مسکرا پڑا، اس نے احمد خان کی طرف دیکھا اور بولا۔

"دیکھو احمد خان تمہارا یہ بھائی تمہاری محبوبہ کو ڈانٹ رہا ہے۔" احمد خان نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ خود بھی بہت زیادہ وحشت زدہ نظر آرہا تھا۔

"تو ریاست حسین صاحب ان میں ایک احمد خان ہے اور دوسرا محمد خان، ہاں بھئی میرے پاس تم دونوں کی کوئی شناخت نہیں ہے اور قدرت کی اس کاری گری پر جس کی بہت سی مثالیں بار ہا سامنے آچکی ہیں...... میں خود بھی حیران ہوں تم دونوں کی صورتیں ایک جیسی ہیں، انداز اور آواز بھی ایک جیسے ہیں...... آنکھوں کے رنگ بھی تم لوگوں کے یکساں ہیں...... آپ لوگوں میں سے کوئی بتا سکتا ہے کہ محمد خان کون سا ہے اور احمد خان کون سا۔" ریاست حسین بولے۔

"یہ مسئلہ تو یہاں بڑا دلچسپ رہا ہے، نظام پور میں لوگ لاتعداد بار ان دونوں کی شکلوں سے دھوکا کھاتے رہے ہیں۔"

"گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ ان دونوں میں سے محمد خان اور احمد خان کو نہیں پہچان سکتے۔"

"میں تو بالکل ہی نہیں کر سکتا تم لوگوں میں سے کوئی اس کا دعویٰ رکھتا ہے۔"

"مس سکینہ کہتی ہیں کہ وہ ان دونوں میں سے احمد خان اور محمد خان کو شناخت کر سکتی ہیں؟" کیونکہ مس سکینہ لیکن سکینہ نے کوئی جواب نہیں دیا، ظاہر ہے اسے یہ احساس تھا کہ محمد خان یا احمد خان اس کے باپ کا قاتل ہے، وہ اس وقت کچھ غمزدہ بھی نظر آرہی تھی...... شہاب نے خود ہی کہا۔

"میری رائے میں مس سکینہ کو اس سلسلے میں کوئی تکلیف نہ دی جائے...... آپ کو میں ایک دلچسپ کھیل دکھا رہا ہوں، جناب عالی وہ ان دونوں کی جانب متوجہ ہوا...... آپ لوگوں میں سے کوئی بتانا پسند کرے گا کہ آپ میں سے محمد خان کون ہے اور احمد خان کون؟"

"میرا نام احمد خان ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"اور میرا محمد خان ہے۔" دوسرا بولا۔

"دونوں نے سچ کہا ہے ریاست حسین صاحب ان دونوں نے بالکل سچ کہا ہے اور اس

وقت ان کے لباس ان کی شناخت ہیں، یعنی یہ صاحب محمد خان ہیں اور یہ احمد خان قدرت نے ایک دلچسپ کھیل کھیلا تھا ان کے ساتھ اور اس کھیل سے یہ دونوں خود بھی لطف اندوز ہوتے رہے ہیں، لیکن بہت ہی غم اور افسوس کی بات ہے کہ ان میں سے ایک کے دل میں دوسرے کے خلاف برائی آگئی، اب میں یہ نہیں بتاؤں گا کہ وہ برائی ان میں سے کس کی کس کے دل میں آئی تھی۔"

"لیکن اگر وہ برائی ہے تو یہ فوراً ہی پتا چل جائے گا۔"

"میں سمجھتا ہوں۔" شہاب نے ریاست حسین کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "اور میں یہی چاہتا ہوں کہ برائی خود اپنی زبان سے بولے کہ میں برائی ہوں تو میں ذرا مختلف انداز میں بات کر رہا ہوں...... محمد خان اور احمد خان آپ لوگ بھی یہ نہیں بتا سکتے کہ ان میں سے کون محمد خان ہے اور کون احمد خان ہے...... انہوں نے اپنے بارے میں جو کچھ بتایا ہے اس وقت ہمیں اسی پر انحصار کرنا ہے تو ہوا یوں جناب کہ یہ دونوں بھائی بیچارے نظام پور میں رہتے تھے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ محمد خان کے دل میں اپنے چھوٹے بھائی احمد خان کے لئے محبت کے جذبات تھے اور چونکہ احمد خان اس سے کچھ منٹ چھوٹا تھا...... اس لئے محمد خان نے اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر احمد خان کو ماں، باپ کی وصیت کے مطابق اچھے انداز میں پروان چڑھانے کے لئے جدوجہد کی اس نے خود یہاں ہوٹل کھول لیا اور احمد خان کو شہر تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیج دیا، برائی کس وقت اور کس لمحے انسان کے دل میں پیدا ہو سکتی ہے...... یہ کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا، ہو سکتا ہے کسی دور میں احمد خان اپنے بڑے بھائی سے مخلص ہو لیکن بہرحال وہ تعلیم حاصل کر کے واپس آیا اور ان دونوں کے دلوں میں ایک تنازع پیدا ہو گیا...... وہ تھی سکینہ ایک فطری امر ہے کہ انسان کسی کو اپنا سب کچھ سونپنے کے باوجود اگر اپنی پسند کی کوئی چیز اپنے ساتھ رکھنے کا خواہشمند ہو اور دوسرا اسے چھیننے کی کوشش کرے تو برائی کا دل میں پیدا ہو جانا یقینی امر ہوتا ہے۔"

"ہاں بے شک کیوں نہیں۔" ریاست حسین صاحب بولے سب دلچسپی سے مداری کا یہ تماشا دیکھ رہے تھے اور شہاب خود بھی اس میں لطف محسوس کر رہا تھا...... بینا کی آنکھوں میں محبت کے آثار تھے...... اس وقت شہاب کے بولنے کے انداز کو وہ بے حد پسند کر رہی تھی، بھی شہاب سے متاثر نظر آرہے تھے شہاب نے کہا۔

"چونکہ احمد خان صاحب تعلیم حاصل کر کے یہاں پہنچے تھے اور اپنے بھائی سے کہیں زیادہ چالاک تھے، سکینہ کو دیکھ کر معاف کیجئے گا مس سکینہ آپ اس وقت اپنے آپ کو ذرا بھی الگ نہ محسوس کریں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ احمد خان نے سکینہ کو دیکھ کر اپنے دل میں برا محسوس کیا...... بڑے بھائی نے سب کچھ کر لیا تھا جبکہ احمد خان بذات خود ایک نکما اور ناکارہ انسان رہا ہے، سمجھ رہے ہیں نا آپ لوگ اور تم دونوں اپنی زبان بند رکھو، میں تم سے کسی بات کی تائید یا تردید نہیں چاہتا...... یہ سب کچھ تو بعد میں ہو گا...... تو ریاست حسین صاحب چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی کے خلاف ایک چال چلی، بڑا بھائی سیدھا سادا اور معصوم انسان تھا اور احمد خان اس کی شکل وصورت سے خاطر خواہ فائدہ حاصل کرنا چاہتا تھا، چنانچہ احمد خان نے اپنی چالیں چلنا شروع کر دیں...... پہلے وہ کریم خان کو زخمی کر کے اور شدید زخمی کر کے محمد خان کو اس چکر میں پھنسا دینا چاہتا تھا تاکہ ہوٹل پر اسے مکمل تصرف اور اختیارات حاصل ہو جائیں...... آپ کو معلوم ہے اس نے کیا کیا اس نے کریم خان کو شدید زخمی کر دیا اور اس کے بعد برے حال اور بدحواس ہو کر محمد خان کے پاس آیا اور اس کے سامنے گڑگڑانے لگا...... اس نے محمد خان سے کہا کہ اس سے یہ جرم سرزد ہو گیا ہے، وہ بہت خوفزدہ ہے اور محمد خان اسے بچا لے بڑے بھائی نے ہمیشہ چھوٹے بھائی کے لئے قربانیاں دی تھیں اور اس کے تمام مسائل اپنے سر لیتا رہا تھا، اس موقع پر نیک دل بھائی نے یہ گوارا نہ کیا کہ چھوٹا بھائی جسے اس نے اپنی اولاد کی طرح پرورش کیا ہے کسی مشکل میں پھنس جائے اور اس نے وہ جرم اپنے سر لے لیا...... جس کے نتیجے میں اسے پانچ سال کی سزا ہو گئی...... مظلوم محمد خان ایثار کے ہاتھوں قربان ہو گیا اور اس نے پانچ سال کی سزا کاٹی زندگی کے پانچ قیمتی سال گنوانے کے بعد وہ جیل سے رہا ہوا تو سیدھے اپنے بھائی کے پاس آیا اس کے دل میں بھائی کا بے پناہ پیار تھا لیکن احمد خان جو اس دوران اسے بھول ہی گیا تھا، اسے دیکھ کر ایک بار پھر پریشان ہو گیا...... دو وجوہات تھیں پہلی بات تو یہ کہ وہ سکینہ پر قبضہ جمانا چاہتا تھا اور دوسری اس تمام دولت پر جو اصل میں محمد خان کی تھی اور وہ جانتا تھا کہ اگر محمد خان زندہ سلامت رہ گیا تو سکینہ ان دونوں کے درمیان تنازع بنے گی اور ہو سکتا ہے محمد خان یہ ایثار نہ کر سکے، ایسی صورت میں اسے اس ہوٹل اور محمد خان کے تمام اثاثوں سے ہاتھ دھونے پڑیں گے، چنانچہ وہ کسی گہری سوچ میں مصروف ہو گیا اور اس نے ایک دہری چال سوچی بابر خان کا قتل ایک طے شدہ منصوبے کے

مطابق تھا...... اس منصوبے پر احمد خان نے خوب غور کیا تھا۔"

"یہ غلط ہے جھوٹ ہے۔"

"میں تم دونوں کے ہونٹوں پر ٹیپ چپکا دوں گا...... جب تک میں بات کر رہا ہوں اس وقت تک تم اس میں کوئی دخل نہیں دو گے۔"

"تم بکواس کر رہے ہو، یہ سب جھوٹ ہے فضول باتیں ہیں۔" احمد خان غرائی ہوئی آواز میں بولا اور شہاب اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔

"میں نے تم سے کہا ہے ناں کہ درمیان میں کوئی مداخلت نہیں کرو گے۔"

"تم اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہو، آخر کون ہو تم اور کیا چاہتے ہو مجھ سے۔" جواب میں شہاب کا ایک زوردار تھپڑ احمد خان کے منہ پر پڑا تھا کہ اس کی گردن گھوم گئی اور وہ اپنے مڑے ہوئے جبڑے کو سیدھا کرنے کی کوشش کرنے لگا، اس کے داہنے ہونٹ سے خون بہنے لگا تھا اور کمرے میں تمام لوگ سہم گئے تھے، شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو احمد خان صاحب نے اپنے منصوبے کے تحت بابر خان کو قتل کر دیا تھا اور ایسا ماحول اور ایسے حالات پیدا کئے کہ جرم کا شبہ محمد خان پر ہی جائے اور یہی ہوا...... احمد خان بے گناہ قرار پایا اور محمد خان کے بارے میں لوگوں نے یہی فیصلہ کیا کہ محمد خان ہی قاتل ہے، چنانچہ اس کے بعد احمد خان اپنے بھائی کے پاس آیا، اس قتل کا اس نے کوئی اعتراف نہیں کیا بلکہ جب یہ بات سامنے آئی اور قتل کے لئے محمد خان کا نام لیا جانے لگا تو احمد خان سیدھا اپنے بھائی کے پاس پہنچا اور اس نے اسے بتایا کہ اس طرح بابر خان قتل ہو گیا ہے اور لوگ محمد خان پر شبہ کر رہے ہیں، اس نے محمد خان سے کہا کہ بھائی ایک بار تم میرے لئے پانچ سال کی سزا بھگت کر آئے ہو، میں اب تمہیں کھونا نہیں چاہتا...... تم ایسا کرو کہ احمد خان بن کر یہ ہوٹل سنبھال لو اور میں یہاں سے چلا جاتا ہوں اور میں جا کر یہ کوشش کرتا ہوں کہ جس طرح بھی بن پڑے بابر خان کے اصل قاتل سامنے آئیں اور تمہاری جان بچ جائے...... محمد خان نے اس بات پر شدید احتجاج کیا اور کہا کہ وہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہے لیکن احمد خان نے اسے کسی نہ کسی طرح راضی کر لیا کہ وہ احمد خان بن کر ہوٹل سنبھالے اور اس طرح مجبور کیا اپنے بھائی کو کہ وہ مان گیا...... احمد خان کی یہی چال تھی، یہاں سے محمد خان کی حیثیت سے فرار ہو کر وہ دارالحکومت پہنچ گیا اور پھر اس نے ایک وکیل صاحب سے ملاقات کی۔ یہ وکیل

صاحب بہت نیک دل اور شریف آدمی تھے، اس نے محمد خان بن کر اپنی کہانی انہیں سناتے ہوئے کہا تھا کہ وکیل صاحب پانچ سال کی سزا کاٹ کر آیا ہوں اور اس سزا کی وجہ مجھے معلوم ہو چکی ہے، اس کی وجہ میرا بھائی احمد خان ہے جو میری جگہ وارث بنا ہوا بیٹھا ہے...... ہم سب لوگوں کو دھوکا دے کر وہ ایک بہت عمدہ قسم کا کھیل کھیلنا چاہتا تھا، چنانچہ یوں ہوا کہ وکیل صاحب میرے مربی تھے اور میرا ان سے گہرا تعلق تھا...... وکیل صاحب نے معاملات میرے سپرد کئے اور میں نے جب تفتیش کی تو مجھے پتا چل گیا کہ اس وقت جو شخص محمد خان بن کر آیا ہے وہ اصل میں احمد خان ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ احمد خان نے بڑی زبردست کوشش کی تھی، لیکن قدرت بھی تو کوئی چیز ہے...... مظلوم محمد خان کو مسلسل تختہ مشق بنایا جا رہا تھا...... سو میں نے اپنے طور پر معلومات حاصل کیں اور صحیح نتیجہ اخذ کر لیا...... پھر اس کے بعد احمد خان کے ساتھ جو محمد خان بنا ہوا تھا...... نظام پور آیا اور احمد خان سے میں نے کہا کہ وہ تالاب بنگلے میں قیام کرے، میں ان معاملات کی تفتیش کر رہا ہوں...... احمد خان کو وہاں چھوڑ کر میں یہاں آ گیا...... یہاں آپ لوگوں سے رابطے ہوئے اور اس کے بعد میں نے بھائیوں کے ہوٹل کا رخ کیا...... احمد خان یہ جانتا تھا کہ میں اس سلسلے میں جو کارروائی کروں گا اس میں بات کی تہہ تک پہنچ سکتا ہوں تو وہ تالاب بنگلے سے نکلا...... بھائی کے پاس پہنچا اور اسے پھر پٹی پڑھائی اور کہا کہ پولیس تفتیش کر رہی ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ یہاں بھی تفتیش کرنے کے لئے آئے اور ہو سکتا ہے محمد خان انہیں صحیح جوابات نہ دے سکے، اس لئے محمد خان روپوش ہو جائے اور تالاب بنگلے میں چلا جائے تا کہ پولیس جب یہاں آئے تو وہ صحیح جواب دے سکے اور یہی ہوا، میں نے جب اس سے احمد خان کی حیثیت سے ملاقات کی تو اس نے مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کی۔" تب شہاب نے آگے بڑھ کر ہتھکڑیاں احمد خان کی کلائیوں میں ڈال دیں اور محمد خان بلک بلک کر رو پڑا۔

"نہ کرو، خدا کے لئے ایسا نہ کرو...... اگر سزائے موت ہی اس مسئلے کا حل ہے تو سزائے موت مجھے دے دو...... آہ مجھے نہیں معلوم تھا، میں نہیں جانتا تھا، میں نے تو ا... میں نے تو اسے اپنی اولاد کی طرح پروان چڑھایا ہے...... میں شادی شدہ نہیں ہوں، اولاد کا... نہیں جانتا لیکن میرے سینے میں اس کے لئے جو مقام ہے وہ اولاد ہی کا مقام ہے...... آہ خدا کا واسطہ، معاف کر دیا میں نے اسے اس نے جو کچھ کیا میں نے اسے معاف کر دیا......

خدا کے لئے اسے چھوڑ دو...... میں اپنے آپ کو اس جرم کے لئے پیش کرنے کے لئے تیار ہوں...... احمد خان یہ تو نے کیا کیا...... ارے پاگل مجھ سے کہتا کہ کیا چاہتا ہے تو مجھ سے کہتا دیوانے، سب کچھ تو دیتا رہا ہوں تجھے، جو میرے بس میں رہا ہے، اپنی محبت سے بھی میں دستبردار ہو جاتا تمہارے لئے...... او بے وقوف یہ کیا مصیبت مول لے لی تو نے...... افسر صاحب، خدا کا واسطہ، جی آپ کو خدا کا واسطہ۔"

"مت زیادہ فرشتہ بننے کی کوشش کرو محمد خان...... انسان ہو انسان ہی رہو اور پھر تمہارے معاف کر دینے سے کیا ہوتا ہے...... تمہیں اندازہ ہے ایک لڑکی تمہارے لئے اپنا باپ کھو بیٹھی ہے...... بابر خان کی زندگی لے لی ہے اس نے قانون کو دھوکہ دیا گیا ہے...... تمہارا کیا خیال ہے قانون تمہارے یا میرے گھر کی جاگیر ہے کہ جس طرح چاہے اسے استعمال کر لیا جائے...... اور پھر یہ تو خود قانون کے پاس جا پہنچا تھا...... اس کے لئے بھلا معافی کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔" احمد خان بلک بلک کر روتا رہا تھا اور فضا بے حد سوگوار ہو گئی تھی اور پھر اس کے بعد کوئی مسئلہ ہی نہ رہا...... ریاست حسین نے البتہ شہاب سے پوچھا تھا۔

"شہاب صاحب کیا آپ مقامی پولیس سے رابطہ قائم کئے بغیر اسے اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں؟"

"آپ کی محبت آپ کی دعائیں ہیں ریاست حسین صاحب، خدا کے فضل سے مجھے اتنے اختیارات حاصل ہیں۔" ریاست حسین صاحب سر جھکا کر خاموش ہو گئے تھے اور اس کے بعد بھلا واپسی کے علاوہ اور کیا کام رہ جاتا تھا، لیکن قانونی ضروریات پوری کرنے کے لئے احمد خان کے ساتھ محمد خان کو بھی دارالحکومت لے جانا پڑا تھا۔

سپاہی دل محمد دریا بند پر اپنی ڈیوٹی سر انجام دے رہا تھا...... یہ ڈیوٹی بڑی سخت ہوتی تھی...... تاحد نظر سنسان سڑک، سڑک کے دوسری جانب بہتا ہوا دریا اور ایک چھوٹا سا پل جس پر دل محمد کو گشت کرنا ہوتا تھا...... وہ واحد آدمی تھا جو یہاں خوشی سے اپنی ڈیوٹی سر انجام دیتا تھا ورنہ علاقے کے تھانہ انچارج نے جب بھی کسی کی وہاں ڈیوٹی لگائی اسے اس ڈیوٹی سے گریزاں ہی پایا...... کوئی بھی خوشی سے یہاں ڈیوٹی دینے کو تیار نہ ہوتا تھا، لیکن دل محمد ایک فرض شناس سپاہی تھا اور اس کا اصول تھا کہ نوکری ہوتی ہے اور نوکری میں ہر طرح کے حالات قبول کرنا ہی فرض کی ادائیگی ہوتی ہے اور اب تو اس کی ڈیوٹی بہت پرانی ہو چکی تھی...... بہرحال اس وقت بھی وہ اپنا کام سر انجام دے رہا تھا...... سڑک سے کبھی اکا دکا کاریں گزر جاتیں تو یہ اندازہ ہوتا تھا کہ یہاں بھی زندگی رواں دواں ہے اور اس جگہ سے بھی کوئی گزرتا ہے...... ورنہ باقی یہاں کچھ بھی نہیں تھا...... وہ پل کی ایک ریلنگ سے ٹکا جیب میں بیڑی تلاش کرنے لگا...... سامنے سے ایک کار کی روشنیاں نظر آ رہی تھیں لیکن کاریں تو گزرتی رہتی تھیں...... ان پر کوئی حیرت نہیں کی جا سکتی تھی...... البتہ کوئی دس سیکنڈ کے بعد ہی اسے ایک چیخ سنائی دی...... کسی عورت کی چیخ تھی اور کار میں سے ہی آئی تھی...... دوسری اور تیسری چیخ بھی سنائی دی اور دل محمد نے جلدی سے جیب سے ہاتھ نکال لیا...... اس نے بندوق سیدھی کی اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کار کو دیکھنے لگا...... کار ٹیڑھی میڑھی چل رہی تھی...... یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس میں کوئی جدوجہد ہو رہی ہو...... پھر اچانک ہی دل محمد کے عین سامنے کار کا دروازہ کھلا اور کسی نے چلتی ہوئی کار سے نیچے چھلانگ لگا دی...... دل محمد

بری طرح اُچھل پڑا تھا...... چھلانگ لگنے والا دور تک لڑھکتا چلا گیا اور کار آگے بڑھ گئی، لیکن تھوڑا ہی فاصلہ طے کرنے کے بعد اس کے بریک چرچرائے...... اور کار ریورس ہونے لگی، دل محمد اپنا فرض سر انجام دینے کے لئے تیار ہو گیا تھا...... اسے اندازہ تھا کہ کوئی واردات ہوئی ہے...... پھر اس نے کار سے چار افراد کو نیچے اترتے ہوئے دیکھا...... یہاں جس جگہ دل محمد کھڑا تھا اس سے چند گز کے فاصلے پر الیکٹرک پول تھا، جس پر مرکری لائٹ روشن تھی اور ماحول اچھا خاصا صاف ستھرا لیکن دل محمد کو اس وقت اس ماحول سے کوئی دلچسپی نہیں تھی...... اسے ایک لمحے میں احساس ہو گیا کہ اب کوئی اور خطرناک واقعہ پیش آنے والا ہے...... چاروں افراد کار سے اتر کر اس جگہ پہنچ گئے جہاں کار سے کودنے والا جسم آ کر گرا تھا...... پھر ان میں سے دو نے جھک کر اس بدن کو اُٹھایا...... تبھی دل محمد کے کانوں میں دلخراش چیخیں اُبھریں۔

”چھوڑ دو...... خدا کے لئے مجھے چھوڑ دو...... چھوڑ دو تمہیں خدا کا واسطہ۔“ اور اب دل محمد کے لئے برداشت کرنا مشکل تھا...... چنانچہ وہ اپنی جگہ سے آگے بڑھتا ہوا دھاڑا۔

”اوئے چھوڑ دو اوئے خبردار پیچھے ہٹ جاؤ...... ورنہ ایک ایک کو بھون کر رکھ دوں گا۔“ وہ چاروں چونک پڑے، انہوں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دل محمد کو دیکھا...... ان کے چہرے بے حد خوفناک تھے ان میں سے خاص طور سے ایک دراز قامت شخص جس نے سمور کی ٹوپی پہنی ہوئی تھی...... ان میں نمایاں نظر آ رہا تھا...... دل محمد کے ہاتھوں میں دبی ہوئی رائفل دیکھ کر وہ سنبھلے اور پھر سمور کی ٹوپی والے نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”حوالدار صاحب...... ہماری بات سن لو...... ہماری بات سن لو...... حوالدار جی...... قریب آؤ ذرا دیکھو اصل معاملہ کیا ہے۔“

”اوئے تم لڑکی کو چھوڑ کر پیچھے ہٹ جاؤ...... اصل معاملہ میں بعد میں دیکھوں گا۔“ دل محمد نے کہا۔

”لیجئے ہم نے چھوڑ دیا اسے۔“ ان دونوں نے لڑکی کو چھوڑ دیا، وہ زمین پر گر گئی...... دل محمد آہستہ آہستہ ان کے قریب پہنچ گیا، اس نے لڑکی کو دیکھا، جس کے چہرے پر اب خون نظر آ رہا تھا...... ہاتھ پاؤں میں بھی شدید چوٹ لگی ہوئی تھی...... ان دونوں نے اسے چھوڑا تو وہ پھر زمین پر گر پڑی اور بری طرح کراہنے لگی۔

"اوئے کیا معاملہ ہے اوئے۔" دل محمد بولا۔

"حوالدار جی یہ ایک خطرناک لڑکی ہے اور دو افراد کو قتل کر کے بھاگی ہے..... ہم اسے علاقے کے تھانے لے کر جا رہے تھے کہ اس نے کار سے چھلانگ لگادی۔" دل محمد نے ایک لمحے کے لئے سوچا پھر بولا۔

"یہ قاتل ہے؟"

"ہاں حوالدار جی..... آپ بھی ہماری مدد کریں..... ایک قاتلہ کو تھانے تک پہنچانا شہریوں کی ذمہ داری بھی ہے اور پولیس تو بہر حال ہوتی ہی ذمے دار ہے۔"

"ٹھیک ہے..... پہلے اسے پولیس ہسپتال لے چلو۔" دل محمد نے رائفل نیچے کرلی، لیکن بس یہی غضب ہو گیا..... اچانک سمور کی ٹوپی والے نے ایک زوردار لات دل محمد کے ہاتھ پر رسید کی اور رائفل دل محمد کے ہاتھ سے نکل کر دُور جا گری..... اس کے بعد اس شخص نے اپنے لمبے پاؤں سے ایک زوردار لات دل محمد کے پیٹ میں ماری اور دل محمد الٹ کر نیچے گرا..... سمور کی ٹوپی والے نے کہا۔

"دیکھو اسے ..... جان سے مار دو۔" اور تین آدمی دل محمد کی جانب دوڑے، لیکن اس وقت دل محمد کو اپنی زندگی بچانا بھی ضروری محسوس ہوا..... پیٹ کی تکلیف کو نظر انداز کر کے وہ جلدی سے اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور اس سے پہلے کہ وہ تینوں اس کے قریب پہنچتے دل محمد نے پل پر سے نیچے چھلانگ لگادی تھی..... وہ دریا میں جا گرا..... اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار بھی نہیں تھا..... وہ تینوں افراد ریلنگ سے جھانکنے لگے تو سمور کی ٹوپی والے نے کہا۔

"بس ٹھیک ہے۔" دل محمد کو اب یہ نہیں معلوم تھا کہ اوپر کیا ہو رہا ہے..... رائفل اس کے ہاتھ سے نکل چکی تھی اور وہ بہر حال دریا میں تھا..... بہترین تیراک تھا حالانکہ اس وقت پولیس کی وردی میں تھا، لیکن بہر حال تیرنا اس کے لئے مشکل ثابت نہیں ہوا..... اس کے ذہن میں کوئی بات نہیں آرہی تھی..... وہ تیز رفتاری سے تیرتا ہوا کنارے کی طرف بڑھا..... زندگی بے شک بچالی تھی اس نے لیکن اب اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے اپنی ڈیوٹی سے غفلت برتی ہے..... اسے تو جان دے دینی چاہئے تھی، اسی جگہ جان بچانا اس کی ڈیوٹی نہیں تھی..... بہر حال کنارے سے ہوتا ہوا کافی دُور تک چلتا رہا اور ایک ڈھلان عبور

کرنے کے بعد آخر کار سڑک پر پہنچ گیا..... لیکن اب سڑک سنسان تھی اور دُور دُور تک کچھ نظر نہیں آرہا تھا..... دل محمد بدحواسی کے عالم میں دوڑتا ہوا اس جگہ تک پہنچا جہاں لڑکی گری تھی، لیکن اب وہاں کچھ بھی نہیں تھا، البتہ خون کے دھبے نظر آرہے تھے..... بس اس کے سوا اور کچھ نہیں..... دل محمد ایک لمحے تک سوچتا رہا اور اس کے بعد دوڑتا ہوا تھانے کی طرف چل پڑا..... رائفل البتہ اسے اپنی جگہ مل گئی تھی جسے اس نے اٹھا لیا تھا..... اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ تھانے جا کر اس تفصیل کی خبر دے۔

احمد خان کا معاملہ ختم ہو چکا تھا...... یہ شہاب کی فطرت تھی کہ جب کسی مجرم کو کیفر کردار تک پہنچا دیتا تھا تو پھر اس سے لاتعلق ہو جاتا تھا...... اپنا فرض سرانجام دینا ضروری ہوتا ہے...... اس کے بعد قانون جانے اور قانون کا کام...... تقدیر کے معاملات میں دخل اندازی اسے بالکل پسند نہیں تھی...... اگر کوئی ایسا نکتہ سامنے آ جائے کہ مجرم کو بچ نکلنے کی سہولت حاصل ہو تو یہ اس کی تقدیر کا معاملہ ہے...... اپنا کام چاروں طرف سے مکمل کر دینا شہاب اپنی ذمہ داری محسوس کرتا تھا، چنانچہ اس کے بارے میں تمام تفصیلات فراہم کرنے کے بعد وہ اس سارے مسئلے کو بھول گیا تھا اور اب زندگی کی وہی ساکن سطح تھی، جس میں دلچسپیاں تلاش کرنی پڑتی تھیں...... عدنان واسطی بھی ان دونوں کے ساتھ تھے اور مطمئن تھے...... شہاب کی جانب سے انہیں مکمل اطمینان تھا اور پھر بینا کو چونکہ اب سرکاری حیثیت حاصل تھی، چنانچہ وہ بھی فرائض سرانجام دیتی تھی...... اکثر باپ بیٹی کے درمیان اس موضوع پر گفتگو بھی ہو جاتی تھی...... عدنان واسطی نے ایک بار پوچھا تھا۔

"بینا...... فرض کرو شہاب کا کہیں ٹرانسفر ہو جاتا ہے یا اس کی ذمہ داریاں تبدیل ہو جاتی ہیں تو تمہاری کیا حیثیت ہو گی۔"

"ڈیڈی میں نے تو کبھی اس پر غور ہی نہیں کیا۔"

"ہر بات ذہن میں رکھنی چاہئے بینا۔"

"ہاں لیکن یہ ایسی کوئی اُلجھن کی بات نہیں ہے، آپ جانتے ہیں کہ شہاب ہر طرح سے اپنے تمام ساتھیوں کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں اور ان کے لئے اپنے طور پر ہر طرح مستعد رہتے ہیں۔"

"ہاں یہ بات میرے علم میں ہے۔" بہرحال شہاب اور بینا کی نشستیں ہوا کرتی تھیں...... پھر بینا ہی نے شہاب کو اس جانب متوجہ کیا تھا، وہ کہنے لگی۔

"شہاب آپ ان دنوں بالکل معطل بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"نہیں اپنی ڈیوٹی پر بحال ہوں۔"

"اوہو...... آپ تو بات پکڑتے ہیں میرا مطلب ہے کہ کچھ عجیب سا نہیں لگتا جب ہمارے پاس کوئی کیس نہیں ہوتا۔"

"بعض اوقات کیس تلاش کرنے پڑتے ہیں بینا...... بڑے بڑے معاملات تو خیر سرکاری طور پر ہم تک پہنچ جاتے ہیں لیکن بے شمار ایسے چھوٹے چھوٹے معاملات ہوتے ہیں...... اب دیکھو جیسے پچھلے دنوں عجیب اتفاق تھا...... عدنان واسطی صاحب کو احمد خان ملا اور اس نے اپنے جال میں سب کو جکڑنے کی کوشش کی، لیکن بہرحال فیصلہ تقدیر کے ہاتھوں ہوا اور وہ اپنے منطقی انجام کو پہنچ گیا۔"

"میں آپ کی توجہ ایک خاص بات کی طرف مبذول کرانا چاہتی ہوں۔"

"ہاں ہاں بتاؤ۔"

"بات چھوٹے اور بڑے کیسز کی ہو رہی تھی تو ہو سکتا ہے آپ کی نظر کل کے اخبار پر بھی پڑی ہو...... آج کا اخبار خصوصی طور پر میں آپ کے سامنے لائی ہوں۔"

"ہاں بتاؤ کیا ہے؟"

"یہ دیکھئے ایک واردات۔" بینا نے کہا اور اخبار شہاب کی جانب بڑھا دیا...... ایک لاش کی تصویر چھپی ہوئی تھی، جس کا چہرہ خصوصی طور پر نمایاں کیا گیا تھا...... شہاب خبر پڑھنے لگا، اس خبر میں دریا بند کے علاقے میں ایک لاش کی تفصیلات بتائی گئی تھیں اور یہ درخواست کی گئی تھی کہ اگر یہ چہرہ کسی کا شناسا ہو تو پولیس کو اطلاع دی جائے۔

"یہ کل کا اخبار ہے۔" بینا نے دوسرا اخبار نکال کر شہاب کے سامنے رکھتے ہوئے کہا...... اس اخبار میں بھی اسی چہرے کی تصویر چھپی ہوئی تھی جو خون میں ڈوبا ہوا اور بے نور نظر آ رہا تھا، لیکن خدوخال دلکش تھے...... لڑکی کی تصویر کے نیچے تفصیلات لکھی ہوئی تھیں...... دریا بند پر ایک سپاہی دل محمد اپنی ڈیوٹی سرانجام دے رہا تھا کہ اسے کچھ انوکھے واقعات پیش آئے اور جب وہ دریا سے نکل کر واپس اپنی جگہ آیا تو خون کے دھبوں کے سوا

اسے اور کچھ نظر نہیں آیا...... اس کے بعد وہ تھانے پہنچا اور اس نے یہ رپورٹ دی...... تھانہ
انچارج جب موبائل پر وہاں پہنچا تو اس نے صورت حال کا جائزہ لیا اور تیز روشنیوں میں
نشانات تلاش کئے اور اسے احساس ہوا کہ جو بھی زخمی ہوا ہے اسے گھسیٹ کر کچھ فاصلے پر لے
جایا گیا ہے اور پھر غالباً اسے دریا میں پھینک دیا گیا ہے۔ دریا میں چونکہ بہت زیادہ پانی نہیں تھا
اور اس کی روانی بھی سست تھی اس لئے پولیس کے غوطہ خوروں نے کوشش کر کے لڑکی کی
لاش دریا سے نکال لی ہے اور اس کے بعد اسے پولیس ہسپتال لے جایا گیا ہے...... ضروری
کارروائیوں کے بعد وہ تصویر شائع کی گئی تھی، لیکن آج دوسرا دن تھا اور پولیس کو لڑکی کے
ورثاء کا پتا نہیں چل سکا تھا...... شہاب نے ایک گہری سانس لی اور آہستہ سے بولا۔

”اتفاق ہے کہ میری نگاہ اس خبر پر نہیں پڑی۔“

”ہاں لیکن کیا یہ قابل توجہ نہیں ہے؟“

”ایک انسان کی موت بھلا قابل توجہ کیوں نہیں ہوگی۔“

شہاب نے کہا۔

”پتا نہیں کون لڑکی ہے بیچاری اور وہ کون لوگ تھے۔“

”میں بھی یہی کہہ رہی تھی۔“

”ٹھیک ہے بہر حال ذمہ داری تو ہر شخص کی ہے...... ہو سکتا ہے تھانہ انچارج نے اس
سلسلے میں کچھ اور اہم معلومات حاصل کر لی ہوں۔“

”تو پھر کیا خیال ہے؟“

”تھانہ انچارج سے ملنا پڑے گا۔“ شہاب نے کہا اور بینا پر خیال انداز میں گردن ہلانے
لگی...... دریا بند کے علاقے کے تھانہ انچارج فیروز خان نے شہاب کا پرتپاک خیر مقدم کیا
تھا...... اب شہاب اپنے حلقوں میں ناشناسا نہیں رہا تھا...... تھانہ انچارج نے اسے احترام کے
ساتھ اپنی کرسی پر بٹھایا اور کہنے لگا۔

”میرے لئے کوئی حکم ہے جناب۔“

”ہاں فیروز صاحب...... اصل میں اخبار کی ایک خبر نے مجھے متوجہ کیا ہے۔“

”لڑکی کی لاش کا معاملہ ہے؟“

”ہاں۔“

”میں آپ کو تمام فائل پیش کرتا ہوں۔“ فیروز خان نے کہا اور پھر ساری تفصیل
شہاب کے سامنے لا کر رکھ دی...... کانسٹیبل دل محمد کا بیان درج تھا، جسے شہاب نے غور سے
پڑھا...... دل محمد کے بیان میں وہ کار اور اس سے اترنے والوں کی تفصیل درج تھی......
بہر حال کانسٹیبل نے جو کچھ کیا وہ بیچارہ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتا تھا...... شہاب نے
فیروز خان سے کہا۔

”ابھی تک اس سلسلے میں کسی نے کوئی رابطہ نہیں قائم کیا ہے۔“

”نہیں جناب کسی نے بھی نہیں۔“ فیروز خان نے جواب دیا۔

”ہونہہ...... لڑکی کے ورثاء کا کچھ پتا چل جائے تو شاید بات بنے، ویسے تمہارا اپنا کیا
خیال ہے فیروز خان اس بارے میں۔“

”سر اصل میں دل محمد بیچارہ بہت عمر رسیدہ سپاہی ہے، بس یوں سمجھ لیجئے کہ ریٹائر ہونے
کے قریب ہے...... سب سے بڑی غلطی اس سے یہ ہوئی کہ وہ کار کا نمبر نہیں دیکھ سکا۔“

”میکر اور ماڈل؟“

”نہیں جناب...... وہ بہت ہی سیدھا سادا آدمی ہے۔“

”ہونہہ...... شہاب نے گہری سانس لی...... پھر وہ اپنی جگہ سے اُٹھنے ہی والا تھا کہ دفعتاً
ہی ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور فیروز خان نے ایک لمحے کے لئے معذرت کر کے ٹیلی فون کا
ریسیور اُٹھا لیا اور بولا۔

”ہیلو۔“

”کون صاحب بول رہے ہیں؟“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”تم کس سے بات کرنا چاہتے ہو؟“

”کیا یہ دریا بند تھانہ ہے؟“

”ہاں۔“

”میں انچارج صاحب سے بات کرنا چاہتا ہوں۔“

”میں انچارج بول رہا ہوں۔“

”صاحب ایک اطلاع دینا چاہتے ہیں ہم آپ کو۔“

”ہاں کہو۔“

"اخبار میں جو دو دن سے تصویر چھپ رہی ہے اس کے بارے میں۔"

"اچھا کیا اطلاع ہے اخبار میں چھپنے والی تصویر کے بارے میں؟" فیروز خان نے پوچھا شہاب بھی اُٹھتے اُٹھتے اپنی جگہ بیٹھ گیا، دوسری طرف سے آواز آئی۔

"صاحب ہم اس لڑکی کو جانتے ہیں۔"

"گڈ...... کیا نام ہے تمہارا۔"

"چھوڑو صاحب ہمارا نام چھوڑ دو...... اپنے مطلب کی بات کرو۔"

"خیر خیر...... کیا نام ہے اس لڑکی کا؟"

"ثریا نام ہے صاحب۔"

"اور کیا جانتے ہو اس کے بارے میں؟"

"اس کے گھر کا پتا بتا سکتے ہو۔"

"بتاؤ۔" فیروز خان نے جلدی سے پیڈ اور قلم نکال کر اپنے سامنے رکھ لیا...... دوسری طرف سے پتا بتایا گیا تھا...... پھر فیروز خان نے کہا۔

"دیکھو...... تم نے ایک نیک کام کیا ہے...... پولیس کی مدد کرنا تو ہر شہری کا فرض ہے اور تم نے اپنا فرض ادا کیا ہے...... ہم فرض ادا کرنے والوں کو نقصان نہیں پہنچاتے۔"

"رہنے دیں صاحب...... یہ بات نہ کریں آپ تو اچھا ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"کیوں؟"

"صاحب پولیس کی کارکردگی کو ہم اچھی طرح جانتے ہیں...... اسے ایک گردن چاہیے ہوتی ہے پھندا ڈالنے کے لئے...... وہ گردن کس کی ہے اس سے اس کو کوئی غرض نہیں ہوتی۔"

"بہت زیادہ چالاک بننے کی کوشش کر رہے ہو تم...... اچھا صرف یہ بتا دو کہ لڑکی کے ماں باپ وغیرہ زندہ ہیں۔"

"سب زندہ ہیں صاحب...... اپنے کئے کا پھل ہر شخص پاتا ہے...... اچھا خدا حافظ۔" دوسری طرف سے فون بند ہو گیا اور فیروز خان ہیلو ہیلو ہی کرتا رہ گیا...... پھر اس نے شہاب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ کے قدموں کی برکت ہے صاحب کہ جس سلسلے میں آپ معلومات حاصل

کرنے کے لئے تشریف لائے، اس سلسلے کے بقیہ معاملات سامنے آنے لگے۔"

"ہاں...... میں کچھ محسوس تو کر رہا تھا کہ بات اسی سلسلے میں ہے لیکن کیا بات ہوئی مجھے بتاؤ۔" اور جواب میں فیروز خان نے ساری تفصیل شہاب کو بتا دی۔

"خیر چلو کچھ بات آگے تو بڑھی...... اب میرا خیال ہے ہمیں اس سلسلے میں معلومات حاصل کر لینی چاہئیں۔"

"جی صاحب۔"

"تو پھر چلو۔"

"میں تیار ہوا جاتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" شہاب بولا اور اس کے بعد فیروز خان تیار ہو گیا، اس نے دو کانسٹیبل اپنے ساتھ لئے اور شہاب اپنی کار میں چل پڑا...... پولیس جیپ اور شہاب کی کار مختلف راستے طے کرتی رہی پھر وہ ایک پس ماندہ سی بستی میں داخل ہوئی اور تھوڑی دیر کے بعد ایک مکان کے سامنے جا رکی...... مکان بظاہر اچھی حیثیت کا حامل نہیں تھا اور پس ماندہ علاقے کے لوگ پولیس کی جیپ اور کار دیکھ کر عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گئے تھے...... قرب وجوار میں کوئی نہیں پھٹکا تھا اور سب فاصلے اختیار کر گئے تھے...... بہر حال فیروز خان اور شہاب گھر کے دروازے پر پہنچے...... دستک دی تو ایک اٹھارہ انیس سال کے لڑکے نے دروازہ کھولا...... اچھی شکل وصورت کا مالک تھا...... اچھا لباس پہنے ہوئے تھا...... پولیس آفیسر کی وردی دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لئے چونک سا گیا اور پھر پریشان لہجے میں بولا۔

"جی صاحب۔"

"اعجاز علی صاحب یہیں رہتے ہیں؟"

"جی یہ انہی کا گھر ہے۔"

"میرا نام نیاز علی ہے اور اعجاز علی کا بیٹا ہوں میں۔"

"ہونہہ...... اعجاز علی سے ملنا ہے مجھے۔"

"جی صاحب میں خبر کئے دیتا ہوں۔" لڑکا اندر کی طرف دوڑا اور پھر ایک عمر رسیدہ شخص اور ایک اور نوجوان باہر نکل آیا جس کی عمر چوبیس پچیس سال کے قریب ہو گی...... وہ پریشان نظر آ رہے تھے...... خاص طور سے بوڑھے شخص کا چہرہ تو بالکل ہی ہونق بنا ہوا تھا۔

"کک...... کیا ہوا...... کیا بات ہے صاحب؟"

"تمہارا نام اعجاز علی ہے؟"

"جی صاحب۔"

"اندر چلو تم سے کوئی بات کرنی ہے۔" فیروز خان نے آفیسرانہ شان سے کہا اور
اندر داخل ہو گیا۔ باہر لوگ اب بھی متجسس انداز میں اس گھر کی جانب دیکھ رہے تھے۔
فیروز خان اور شہاب اندر داخل ہوئے۔ گھر کی حالت باہر سے خاصی بوسیدہ نظر آ رہی تھ
لیکن اندر سے صورت حال خاصی بہتر لگتی تھی...... گھر بے شک چھوٹا سا تھا لیکن ہر طر
چیزوں سے آراستہ...... صاف محسوس ہوتا تھا کہ اس گھر کی آراستگی فوری طور پر ہوئی
ڈیپ فریزر، ٹیلی ویژن، چھت پر لگی ہوئی ڈش اور تمام چیزیں اس بات کی نشاندہی کر
تھیں کہ گھر والے باہر سے بوسیدہ، اندر سے مضبوط ہیں، لیکن یا تو ان کے اندر سلیقہ
ہے یا پھر یہ دولت کہیں سے نئی نئی ان کے پاس آئی ہے۔ بہر حال وہ سب بری طرح پر
تھے...... شہاب نے پورے گھر کے ماحول کا جائزہ لیا، اسی وقت فیروز خان نے کہا۔

"سر، باقی سوالات آپ کریں۔"

"ہاں...... ٹھیک ہے۔"

"اعجاز علی صاحب یہ دونوں بچے آپ کے ہیں؟"

"ہاں...... یہ نیاز علی ہے اور یہ فراست علی۔"

"ٹھیک...... کتنے بچے ہیں آپ کے؟" شہاب نے سوال کیا، اعجاز علی کی آنکھو
نمی آ گئی۔

"دو...... دو...... دو بس دو؟"

"صرف دو۔"

"وہ...... جی وہ۔" اعجاز علی خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"اعجاز علی صاحب آپ جانتے ہیں کہ پولیس سے جھوٹ بولنے کا نتیجہ کیا ہو سکتا

"نن...... نہیں...... سچ...... جھوٹ نہیں بول رہا میں...... میرے میرے تی
ہیں۔"

"دو یہ...... اور ایک؟"

"ایک لڑکی ہے۔"

"کہاں ہے وہ؟" شہاب نے سوال کیا اور اعجاز علی نے گردن جھکا لی۔

"اعجاز صاحب...... جواب نہیں دیں گے آپ۔" لیکن جواب دینے کی بجائے اعجاز علی
ٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا، اندر سے کسی عورت کے رونے کی آواز اُبھری اور شہاب نے
ردگی سے گردن ہلائی۔

"اعجاز علی صاحب...... حقیقتیں کبھی چھپائی نہیں جا سکتیں، یہ بات آپ بھی اچھی طرح
انتے ہیں۔"

"خدا مجھے غارت کر دے...... خدا مجھے فنا کر دے...... بہت موت مانگی ہے اپنے لئے، لیکن
ں میں تو موت کے قابل بھی نہیں ہوں...... مجھے تو میرے مانگنے پر موت بھی نہیں ملتی۔"
اعجاز علی نے روتے ہوئے کہا۔

"اپنے آپ کو سنبھالئے اور مجھے حقیقت بتائیے...... سب سے پہلی بات یہ ہے کہ کیا یہ
ت آپ کے علم میں آ چکی ہے...... تم، لڑکے تم جواب دو۔" شہاب نے فراست علی کی
رف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی سر...... ہمارے علم میں آ چکی ہے۔"

"کیا بات ہے؟"

"یہی کہ ثریا...... ثریا...... ثریا۔" لڑکے کی آواز بھی رندھ گئی۔

"اور اخبار میں تم نے اس کی تصویر دیکھی؟"

"جی صاحب۔"

"خبر بھی دیکھی؟"

"جی۔"

"اس کے باوجود تم نے پولیس کو اطلاع نہیں دی۔"

لڑکے نے خاموش ہو کر نظریں جھکا لیں۔

"نظریں جھکانے سے کام نہیں چلے گا مسٹر...... تم لوگ کیا یہ سب کچھ مذاق سمجھ رہے
...... میں ابھی تم تینوں کو تھانے لے جاؤں گا...... الٹا لٹکا کے ماروں گا اور اس کے بعد تم
اری حقیقتیں اُگل دو گے...... سمجھ رہے ہو تم؟" شہاب کا لہجہ انتہائی سخت ہو گیا۔ اسے غصہ

آ گیا تھا...... وہ تینوں سہم گئے...... اعجاز علی نے نگاہیں اٹھا کر کہا۔

"صاحب...... میں آپ کو سب کچھ بتاتا ہوں...... آپ سن لیجئے مجھ سے اور پھر آپ جو جی چاہے کریں ہمارے ساتھ ہم تو ویسے ہی زندہ درگور ہیں۔"

"ہاں بالکل تفصیل سے بتایئے آپ۔"

"وہ میری بیٹی تھی۔"

"جی آگے۔"

"بس یوں سمجھ لیجئے کہ ہمارے معاشرے میں جو برائیاں پھیلی ہوئی ہیں میرا گھر بھی انہیں برائیوں کا شکار ہو گیا، میں ایک دفتر میں ملازمت کرتا تھا، معمولی سی زندگی گزار رہا تھا میں اس زندگی میں گھر کا کھانا پینا تن ڈھکنے کے کپڑے اور زیادہ سے زیادہ جو تیر میں مار سکتا تھا یہ تھا کہ ان بچوں کو تھوڑی تھوڑی سی تعلیم دلوادی...... ثریا نے بھی انٹر کر لیا تھا، لیکن اس کے بعد میرے پاس لڑکی کو پڑھانے کے لئے کوئی ذریعہ نہیں تھا...... یہی کیفیت ان لڑکوں کی بھی ہے بڑا بیٹا بی۔اے کر چکا ہے اور چھوٹا ابھی سیکنڈ ایئر میں ہے ثریا چھوٹے سے بڑی بڑے سے چھوٹی تھی۔"

"جی۔"

"صاحب اس کے بعد میرا مسئلہ میرا مطلب ہے میری نوکری ختم ہو گئی اور ہمارے گھر میں پریشانیوں کا دور دورہ شروع ہو گیا...... صاحب میرے دونوں بچے نکمے نہیں ہیں بالکل نکمے نہیں ہیں، یہ میں جانتا ہوں یہ بیچارے نوکری کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں...... کئی سال گزر گئے ہیں صاحب گھر کی جو حالت تھی میں آپ کو بتا نہیں سکتا...... بری حالت ہو گئی تھی ہمارے گھر کی، یوں سمجھ لیجئے کہ فاقوں تک نوبت پہنچ گئی تھی لڑکے صبح سے نکل کر شام کو واپس آتے، ان کے چہروں پر مایوسی کے سوا کچھ نہیں ہوتا ثریا اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی اور اس نے کہا کہ اب میں اس گھر کو سنبھالوں گی، یہ نکموں ہے اور کوئی یہاں کچھ نہیں کر سکتا...... صاحب بات اصل میں یہ ہے کہ ماں باپ بھی اولاد پر اس وقت تک حق رکھ سکتے ہیں جب تک وہ اولاد کی ضروریات پوری کر سکیں، جب وہ ان ضروریات پوری کرنے میں ناکام ہو جاتے ہیں اور اولاد جوان ہو کر یہ سوال کرتی ہے کہ ہم کیا کریں تو ماں باپ کی یہ ہمت نہیں ہوتی کہ اولاد کو اس کے کسی قدم سے روکے

کیفیت میری تھی، گھر کی جو حالت تھی وہ واقعی اتنی خراب تھی کہ اس کے بعد کہنے کے لئے میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا، چنانچہ ثریا گھر سے باہر نکلی اور نوکری تلاش کرنے لگی، تقریباً پندرہ یا بیس دن تک وہ بھٹکتی رہی، وہ ایک جنونی لڑکی تھی اور جب کچھ کرنے کا فیصلہ کر لیتی تھی تو اندھی ہو جاتی تھی...... یہ بچپن ہی سے اس کی عادت تھی...... میں آپ کو بچپن کے واقعات سناؤں تو آپ حیران رہ جائیں۔"

"آپ بچپن کے واقعات بالکل نہ سنائیں اور صرف وہ واقعات سنائیں جن کا تعلق ثریا کی موت سے ہے۔" شہاب نے اب کسی قدر نرم لہجے میں کہا...... اعجاز علی کا لہجہ انتہائی دلگداز تھا، شہاب اس سے بہت متاثر تھا، لیکن بہرحال ایک گھرانہ اس کے سامنے تھا جو کچھ اعجاز علی کہہ رہا تھا وہ ایسی حقیقتیں تھیں جن کی تردید نہیں کی جا سکتی تھی...... اعجاز علی نے کہا۔

"بس تھوڑے دن تک وہ ماری ماری پھرتی رہی، کیونکہ گھر والوں کو اس کا یہ عمل پسند نہیں تھا، چنانچہ وہ سبھی اس سے ناراض تھے...... میں بھی ان میں شامل تھا...... ہم لوگ اس کی اس بھاگ دوڑ کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھ رہے تھے...... ایک دن اس نے اپنی ماں کو مسرت بھرے لہجے میں بتایا کہ اسے نوکری مل گئی ہے...... ماں نے اس سے کوئی خاص سوال نہیں کیا تھا، وہ اپنے کام پر جانے لگی، صبح سے رات تک مصروف رہتی اور اس کے بعد تھکی ماندی واپس آجاتی کوئی پندرہ دن کے بعد وہ ایک بڑی رقم لے کر آئی اور ہم لوگ اسے دیکھ کر ششدر رہ گئے...... ماں نے اس سے سوال کیا کہ اتنی بڑی رقم کہاں سے آئی تو اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں، اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا کہ اس سے یہ سوال کرنے کا حق کسی کو نہیں ہے...... اگر کسی نے زیادہ گڑبڑ کی تو وہ یہ گھر چھوڑ دے گی...... بس جناب عالی ہم نے خاموشی اختیار کر لی، آپ کچھ بھی کہہ لیں پتا نہیں انسان کب بے غیرت ہو جاتا ہے اور وہ کون سے حالات ہوتے ہیں جو اسے بے غیرت بنا دیتے ہیں، پھر اس کے بعد اس نے گھر کا حلیہ بدل دیا...... آپ جو کچھ یہ دیکھ رہے ہیں اس گھر میں سب اسی کا لایا ہوا ہے، بھائی الگ اس سے گریزاں تھے میں اور اس کی ماں بھی اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، وہ کسی کی پرواکئے بغیر اپنے کاموں میں مصروف رہتی...... معافی چاہتا ہوں صاحب ہم نے اسے بہت برا سمجھ لیا تھا اور بارہا ایسے موقعے آئے جب ہم نے اسے وہ کچھ کہا جو ماں باپ، بھائیوں کو نہیں کہنا چاہئے تھا، ایسے موقع پر اس پر جنون سوار ہو جاتا تھا اور وہ یہی کہتی تھی کہ دو دو نکمے بھائی جب

ناکارہ بیٹھے رہتے ہیں تو پھر بہنوں ہی کو باہر نکلنا پڑتا ہے...... صاحب جو سوال وہ کرتی تھی اس کا ہمارے پاس کوئی جواب موجود نہیں تھا...... آہستہ آہستہ ہم اس کی کوششوں کے عادی ہوتے چلے گئے۔ گھر کے حالات بے حد بہتر ہوتے چلے گئے تھے اور آپ جانتے ہیں کہ جب ایسا ہوتا ہے تو سب سے پہلے اپنے ہی برائیاں نکالنا شروع کر دیتے ہیں...... میری بیٹی کو فاحشہ کہا گیا۔ محلے والوں نے اعتراضات کیے، نجانے کس کس نے کیا کیا کہا۔ سب سے زیادہ میرے اہل خاندان کو ہمارے بہتر حالات پر نکتہ چینی کرنے کا حق مل گیا تھا...... سب نے ہم سے کنارہ کشی اختیار کر لی، اس گھر کو ایک برا گھر قرار دے دیا گیا...... ثریا کے علم میں بھی تمام باتیں آچکی تھیں، وہ اس وقت تلخی سے مسکرا کر کہتی کہ ہاں ٹھیک ہے تسلیم کریں آپ لوگ اس بات کو مان لیں، اسے کہ آپ کی بیٹی برے راستوں پر نکل گئی ہے، نہ نکلتی تو کیا کرتی، تحفظ دیجئے مجھے وعدہ کیجئے کہ ایک لڑکی کی طرح مجھے اپنے گھر میں رکھ سکیں گے، ایسا وعدہ کیسے کیا جا سکتا تھا...... ہم لوگوں نے خودکشی کی دھمکیاں دیں تو اس نے کہا کہ شوق سے مر جائیے آپ لوگوں کو مر ہی جانا چاہئے، یہ حالات چل رہے تھے...... صاحب اور ہم سب برداشت کر رہے تھے، لیکن ہمارے گھر میں بہت کچھ آ گیا تھا...... بس صاحب یہ ہے ہماری کہانی اور اس کے بعد ہماری بیٹی ہم سے رخصت ہو گئی...... وہ اتنا کچھ چھوڑ گئی ہے ہمارے لئے کہ خاصے عرصے ہم مشکلات سے دُور رہ سکتے ہیں...... زندگی کی قیمت چکا دی اس نے پھر اخبار میں اس کی موت کی خبر پڑھی اور ہم یہ فیصلہ نہیں کر سکے کہ ہمیں زندہ رہنا چاہئے یا ہم بھی اجتماعی خودکشی کر لیں، صاحب خاموشی سے گردن جھکائے بیٹھے ہیں اس کا انتظار کر رہے ہیں...... یقین نہیں آتا کہ وہ مر گئی، کیوں مر گئی، کس نے مار دیا اسے کچھ نہیں معلوم صاحب ہم بے بس اور لاچار لوگ ہیں...... آپ بڑی خوشی سے ہمیں گرفتار کر کے لے جائیں، اس کے قتل کے الزام میں پھانسی پر چڑھا دیں...... قاتل تو ہم ہیں صاحب سچی بات یہ ہے کہ قاتل ہم ہیں، میں اپنے بیٹے کو بھی اس کا ذمہ دار قرار نہیں دیتا، میں ہوں اس کا قاتل شاید وقت بھی اس کا قاتل ہے، حالات بھی اس کے قاتل ہیں صاحب میں ڈراما نہیں بول رہا ان حالات میں آپ خود مجھے بتا دیجئے کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔" شہاب کے جبڑے بھنچ گئے تھے، وہ خاموش نگاہوں سے اعجاز علی کو دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"کیا راتوں کو بھی وہ گھر سے غائب رہتی تھی۔"

"زیادہ تر۔"

"سادہ سا لباس ہوتا تھا لیکن میرے بڑے بیٹے نے اسے پتلون اور جیکٹ میں بھی دیکھا تھا۔"

"کب، کہاں۔" شہاب نے بڑے بیٹے سے سوال کیا۔

"ایک بار میں بازار سے گزر رہا تھا، وہ ایک کار ڈرائیو کر رہی تھی۔"

"کیا اسے ڈرائیونگ آتی تھی۔"

"بالکل نہیں لیکن وہ ایک کار ڈرائیو کر رہی تھی، میں نے گھر آ کر سب کو بتایا تھا۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے...... ہو سکتا ہے تمہیں غلط فہمی ہوئی ہو۔"

"نہیں صاحب ایسی کوئی بات نہیں ہے...... میں نے اسے بہت قریب سے دیکھا تھا۔"

"کیا اس نے بھی تمہیں دیکھا تھا۔"

"نہیں اس نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔"

"خیر تو راتوں کو وہ اکثر غائب رہا کرتی تھی۔"

"ہاں صاحب اکثر۔"

"آپ نے یہ نہیں پوچھا تھا اس سے کہ وہ کیا کر رہی ہے۔"

"نہیں صاحب ہم سب نے بس اس پر لعنت بھیج دی تھی۔"

"اور اس کی کمائی کھا رہے تھے آپ۔"

"ہاں ہم بے غیرت اس کی کمائی کھا رہے تھے...... اسے برا کہتے تھے اور اس کی کمائی کھاتے تھے۔" اعجاز علی نے روتے ہوئے جواب دیا، شہاب کافی دیر تک سوچ میں ڈوبا رہا کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"اس کے سامان وغیرہ کی تلاشی لی آپ نے۔"

"نہیں ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔"

"میں اس کے سامان کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔"

"آپ حق رکھتے ہیں اس کا۔" اعجاز علی نے کہا اور پھر ثریا کی الماری کی تلاشی لی گئی...... کپڑے، کاغذات، میک اپ کا سامان اور ایسی ہی دوسری چیزیں وہاں دستیاب ہوئیں کاغذات ان لوگوں کے لئے باعث دلچسپی تھے، اس میں ثریا کی تعلیمی رپورٹ بھی تھی اور ایک

براؤن لفافہ بھی تھا...... شہاب نے براؤن لفافہ نکال کر اسے کھولا تو اس میں سے کچھ پراسرار کاغذات نکلے......ان کاغذات پر بال پوائنٹ سے نقشے بنائے گئے تھے، جگہوں کے نام لکھے گئے تھے...... کوئی تحریر کسی کاغذ میں نہیں تھی، بس عام طور سے اسی طرح کی اوٹ پٹانگ باتیں تھیں، لیکن ایک گروپ فوٹو بھی تھا جسے دیکھ کر شہاب چونک پڑا...... اس گروپ فوٹو میں کچھ ایسے افراد نظر آرہے تھے جو شکل و صورت سے اچھے آدمی نہیں معلوم ہوتے تھے...... لڑکی بھی انہی کے ساتھ تھی اور وہ پتلون اور جیکٹ میں ملبوس تھی۔

"یہی ہے ناں آپ کی بیٹی۔" شہاب نے تصویر اعجاز کے سامنے کرتے ہوئے کہا اور اعجاز اسے دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔

"ہاں یہی ہے۔"

"اور یہ لوگ کون ہیں براہ کرم غور سے دیکھ کر بتائیے۔" اعجاز نے اور اس کے دونوں بیٹوں نے اس تصویر کو غور سے دیکھا پھر اعجاز علی نے کہا۔

"کسی ایک کو بھی نہیں جانتا میں، ہمارا زندگی میں کبھی ان سے کوئی تعلق نہیں رہا۔"

"ہوں یہ تصویر اور کاغذات میں اپنے پاس رکھ رہا ہوں۔"

"جو آپ کا دل چاہے کیجئے صاحب۔"

"اب آپ ایسا کریں اس کی لاش پولیس ہسپتال سے حاصل کر کے اس کی تدفین کر دیں۔"

"آپ کو خدا کا واسطہ صاحب اس کی آخری بے حرمتی نہ کرائیے، جب اس کی لاش یہاں اس محلے میں آئے گی تو لوگ ایک لاش پر طرح طرح کے جملے کہیں گے صاحب آپ کو خدا کا واسطہ۔"

"ٹھیک ہے آپ اجازت دیجئے کہ اسے سرکاری طور پر دفن کر دیا جائے۔"

"چلو فیروز خان ٹھیک ہے آپ آرام کیجئے۔" شہاب نے کہا اور کسی قدر افسردہ انداز سے نکل آیا...... فیروز خان نے کہا۔

"کوئی اندازہ ہوا سر۔"

"ابھی کوئی خاص نہیں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ تمہارے پاس آچکی ہے۔"

"ابھی نہیں سر۔"

"کیوں۔"

"وہ بس جناب ہم تو وارث ہی کی تلاش میں سرگرداں تھے۔"

"چلو پوسٹ مارٹم رپورٹ حاصل کرو۔" پوسٹ مارٹم رپورٹ سے پتا چلا کہ لڑکی کو قتل تو کیا گیا ہے اور شدید اذیت کے عالم میں قتل کیا گیا ہے، کار سے گر کر اس کے دونوں گھٹنوں کی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں...... ایک کہنی میں بھی فریکچر تھا، لیکن مزید رپورٹ سے یہ معلوم ہوا کہ لڑکی بے آبرو نہیں ہوئی تھی، اس کی عزت آبرو سلامت تھی...... شہاب کو ایک بار پھر ایک عجیب سے غم کا احساس ہوا تھا، اس کا مطلب ہے کہ اس بیچاری پر فاحشہ ہونے کا الزام غلط تھا، اب یہ اندازہ لگانے میں بھی شہاب کو کوئی دقت نہیں ہوئی تھی کہ وہ ٹیلی فون کس کا تھا...... فیروز خان نے اچانک ہی اس سلسلے میں سوال کر دیا۔

"لیکن وہ نشاندہی کس نے کی تھی۔"

"عام سی بات ہے کسی رشتے دار نے یا پڑوسی نے تصویر دیکھی ہوگی اور کم از کم اس گھر کو بدنام کرنے کے لئے پولیس کو ٹیلی فون کر دیا ہوگا۔"

فیروز خان نے اس بات سے اتفاق کر لیا تھا، بہرحال یہ تمام معلومات حاصل کرنے کے بعد شہاب، فیروز خان سے رخصت ہو گیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ اس سلسلے میں اگر کوئی اہم معلومات حاصل ہوئی تو وہ فیروز خان کو اس کے بارے میں معلومات دے گا...... فیروز خان نے مغموم انداز میں گردن ہلا دی تھی...... بہرحال پولیس والے بھی انسان ہی ہوتے ہیں، کبھی کبھی ایسے غم آلود واقعات پیش آجاتے ہیں کہ خود ان کے دلوں پر بھی اثر ہوتا ہے۔

شہاب خاصے وقت سر کھپاتا رہا تھا اور کافی محنت کے ساتھ کام کرتا رہا تھا اور کام کچھ ایسا تھا کہ اس میں بینا کو شریک نہیں کیا جا سکتا تھا...... بینا سے ملاقاتیں بے شک ہوتی تھیں، شہاب نے اسے ابتدائی تفصیل بتا دی تھی اور بینا کے اس سوال پر کہ اب اس سلسلے میں وہ کیا کرے گا تو شہاب نے کہا تھا۔

"نہیں بینا حتمی طور پر تو بھلا کیسے کچھ کہا جا سکتا ہے، تم خود سمجھدار ہو ایسی باتیں آسانی سے تو نہیں کہی جا سکتیں، وقت اور حالات کا جائزہ لینا ہوتا ہے...... دیکھنا پڑے گا کہ کیا صورت حال ہے، لیکن اس تصویر سے مجھے خاصی مدد ملے گی اور اس کے بعد شہاب ان

کاغذوں پر بنے ہوئے نقشوں میں کھو گیا تھا، بہت ساری اہم باتیں معلوم کی تھیں اس نے اپنے اندازے کے مطابق اس نے ایک جگہ کا انتخاب کیا...... یہ ایک ہوٹل تھا اور بندرگاہ کے علاقے میں تھا...... بندرگاہ کے اس علاقے کے ہوٹل کے بارے میں پہلے بھی کئی بار شہاب کے علم میں کچھ باتیں آچکی تھیں اور وہ باتیں یہ تھیں کہ وہ منشیات کا اڈہ ہے اور وہاں منشیات کے خواہشمندوں کو خاص طریقے سے منشیات حاصل ہو جاتی ہیں...... ہوٹل کا کوئی نام نہیں تھا، بس اس کے بورڈ پر ہوٹل ہی لکھا ہوا تھا...... شہاب نے اسی جگہ کی طرف رُخ کیا اور وہ وہاں پہنچ گیا، اس ماحول میں کچھ عجیب سی کیفیت طاری تھی، بہت کم لوگ وہاں موجود تھے، کاؤنٹر پر ایک خوفناک سی شکل کا آدمی بیٹھا ہوا تھا، جس کی آنکھیں الوؤں کی طرح گول گول اور شکل کچھ عجیب سی تھی...... شہاب کو یہاں کا ماحول خاصا پراسرار لگا تھا اور اس پراسرار ماحول میں وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ زیادہ تر یہاں کا رخ کرنے والے شناسا لوگ ہی ہوتے ہیں ہوٹل کا فرنیچر اچھا خاصا تھا، ویسے بھی بڑی قیمتی جگہ پر بنا ہوا تھا وہ لیکن جتنی دیر شہاب وہاں بیٹھا اس نے دیکھا کہ ہوٹل میں معمولی طریقے سے چائے وغیرہ ہی فروخت ہوتی ہے اور ا فروخت سے ہوٹل کی کوئی خاص آمدنی نہیں ہے...... شہاب کو یہ سب کچھ عجیب سا معلوم ہوا اور اس وقت اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں جب ایک شخص اس کے پاس پہنچ گیا۔

"صاحب آپ بہت دیر سے یہاں بیٹھے ہوئے ہو زیادہ دیر ہوٹل میں بیٹھنا منع ہے

"کیوں۔" شہاب نے سوال کیا۔

"صاحب ہمارے اور بھی گاہک آتے ہیں۔"

"تو میں بھی تمہارا گاہک ہی ہوں۔"

"آپ مالک کو جواب دے دو صاحب مالک آپ کو ملنا چاہتا ہے۔"

"کون ہے تمہارے ہوٹل کا مالک اور کیوں مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔" شہاب نے سوال

"میں تو ملازم ہوں صاحب آپ معلوم کر لو۔"

"چلو۔" شہاب نے غصیلے لہجے میں کہا اور پھر ہوٹل کے اندرونی حصے میں ایک قامت شخص نے اس سے ملاقات کی وہ عجیب سی شکل کا مالک تھا اس نے کہا۔

"کہو بادشاہ کیسے آنا ہوا...... آؤ بیٹھو آ ہی گئے ہو تو ہمارے ساتھ ایک پیالی پیو...... بیٹھو بیٹھو بادشاہ ہم بڑے خدمت گزار ہیں تمہارے بیٹھ جاؤ۔" شہاب نے ایک

ے لئے سوچا اور اس کے بعد کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ہاں بادشاہ حکم کرو دلاور تو آپ لوگوں کا غلام ہے۔"

شہاب کچھ عجیب سے انداز میں اسے دیکھنے لگا، پھر اس نے کہا۔

"دلاور ہے تمہارا نام۔"

"ہاں بادشاہ خادم...... خادم پکا خادم...... وہ بولا۔"

"مجھے جانتے ہو۔" شہاب نے سوال کیا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، پھر وہ بولا۔

"دیکھو بادشاہ اصل میں بات یہ ہے کہ ہم جب بھی کوئی کام کرتے ہیں سب سے پہلے اس کی گہرائیوں میں اتر جاتے ہیں، پھر آہستہ آہستہ سطح تک آتے ہیں اور یہی طریقہ سب سے مناسب ہوتا ہے۔"

"مطلب۔"

"مطلب جاننا چاہتے ہو۔" اس نے کہا۔

"بتا دو تو اچھا ہو گا۔"

"تو ٹھیک ہے بتا دیتے ہیں...... نام شہاب ثاقب، آدمی خطرناک اور اصول پرست، بڑے کام کرتا ہے...... فوٹو بھی دکھائیں تمہاری؟" اس نے کہا اور ایک طرف رکھی ہوئی میز کی جانب بڑھ گیا...... میز پر ایک فائل آدھا کھلا ہوا رکھا تھا...... فائل لے کر وہ شہاب کے سامنے آگیا...... پھر اس نے فائل کا ایک صفحہ شہاب کے سامنے کر دیا تھا...... باقاعدہ فارم بنا ہوا تھا، کونے پر شہاب کی پاسپورٹ سائز تصویر لگی ہوئی تھی اور اس کے بعد شہاب کے بارے میں تفصیلات لکھی ہوئی تھیں...... شہاب کے چہرے پر حیرت کے آثار پھیل گئے، اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"زبردست تمہاری اس کارروائی نے مجھے متاثر کیا ہے۔"

"بات یہ ہے بادشاہ کہ ہم کام کرتے ہیں صاف ستھرا بالکل کھرا، دولت کمانے کے لئے زندگی گنوانا ضروری نہیں ہے...... ہم کھانے اور کھلانے والوں میں سے ہیں، اکیلے کھانے والے ہمیشہ نقصان اٹھاتے ہیں...... ارے بادشاہ اگر روپیہ کماؤ تو بڑے خوشی سے اس میں سے ساٹھ پیسے پبلک کے لئے نکالے جاسکتے ہیں...... ہم پورا پورا ٹیکس ادا کرتے ہیں......

ادھر کوئی کالا دھندا نہیں ہوتا، مطلب سمجھ رہے ہوناں اگر دھندے کو کالا کہا جائے تو
میں دودھ ملادیا جاتا ہے...... دودھ سفید ہوتا ہے اور پھر ہمارا دھندہ سفید ہو جاتا ہے تو
ہم تو ساٹھ فیصد دودھ دے دیتے ہیں، آپ کا ادھر آنا ذرا تعجب خیز تھا کیونکہ یہ بات
ہوگئی تھی کہ کوئی سرکاری افسر یہاں نہیں آئے گا...... اب تم آئے ہمیں تمہارا ریکارڈ
پڑا...... پھر ہم نے سوچا کہ تم سے بات کرلی جائے بلاوجہ ناک کو ہاتھ گھما کر پکڑنے سے کیا
فائدہ نہیں ہوتا۔"

"ٹیکس سے تمہاری کیا مراد ہے۔"

"اوہو بادشاہ اس کا مطلب ہے کہ تمہارے ریکارڈ میں ہمارا ہوٹل نہیں ہے۔"

"ہاں ایسا ہی ہے۔"

"سوری بادشاہ سوری قصور ہمارا نہیں ہے ہم تو پورا پورا کمیشن دے دیتے ہیں۔"

"ہوں ٹھیک اچھا اب تم یہ بتاؤ کہ یہاں جو کچھ کرتے ہو اس کی سربراہی کون کرتا ہے۔"

"تبھی لوگ بادشاہ ہو ہم نے تو پہلے ہی تمہیں بادشاہ کہہ کر پکارا ہے۔"

"آدمی دلچسپ معلوم ہوتے ہو۔"

"اگر تمہارا کمیشن تم تک نہیں پہنچا یا بادشاہ تو ہمارا قصور نہیں ہے، خیر کوئی بات نہ
ہم سے کہو۔"

"کیا مطلب۔"

"ہم خود بتائے دیتے ہیں۔" اس نے کہا اور اس بار وہ ایک الماری کی طرف مڑ
تھا...... شہاب کے دل میں ایک عجیب سی شرمندگی گھر کر رہی تھی، یہ شخص جو کچھ کہہ رہا
اور اس کے پاس جو تفصیلات موجود ہیں وہ واقعی حیرت ناک ہیں، ایسا بھی ہوتا ہے لیکن
وقت معاملہ ان باتوں کو سوچنے کا نہیں تھا...... اصل کام کچھ اور تھا اور شہاب کو اس اصل
سے دلچسپی تھی، وہ کسی اور اُلجھن میں نہیں پڑنا چاہتا تھا اور اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اس
سے اس تصویر کے بارے میں معلومات کیسے حاصل کی جائیں، آدمی ٹیڑھا معلوم ہوتا تھا
شہاب نے ایک لمحے میں کچھ فیصلے کئے اور انتظار کرنے لگا، وہ شخص واپس پلٹا تو اس کے قر
پہنچ کر بولا۔

"بیس ہزار ہیں اس وقت بیس ہزار ہیں، ہم اوپر بات کرلیں گے...... یہ ایک طرح

ذاتی نذرانہ سمجھو، کوئی اور مشکل ہو تو بتاؤ۔"

"ایک چھوٹا سا کام تھا تم سے دلاور ویسے اگر تم کمیشن دیتے ہو تو اصولی طور پر مجھے تم
یہ رقم نہیں لینی چاہئے۔"

"یاری دوستی کی بات ہے، رکھ لو بادشاہ سامنے نظر آجانے والی دولت کو ٹھکرانا پسند
ہے مجھے اور نہ ہی تمہیں پسند ہونا چاہئے...... ارے اسی کے لئے تو سارے دھندے
تے ہیں۔" شہاب ہنسنے لگا پھر اس نے کہا۔

"تمہارا شکریہ دلاور حالانکہ سچی بات یہ ہے کہ تم سے یہ رقم لیتے ہوئے مجھے افسوس
رہا ہے۔"

جواب میں دلاور نے قہقہہ لگایا اور بولا۔

"جو کام کے لوگ ہوتے ہیں ناں بادشاہ وہ دلاور کے یار ہوتے ہیں اور یاری بڑی چیز
وتی ہے۔"

"دلاور ایک تھوڑی سی معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں میں تم سے۔"

"ہاں ہاں بولو...... اگر دلاور کے بس کی بات ہوئی تو تمہیں ضرور معلومات فراہم
رے گا۔" شہاب نے جیب سے تصویر نکالی اور دلاور کے سامنے کرتا ہوا بولا۔

"ان لوگوں کے نام اور موجودہ جگہ درکار ہے مجھے۔"

دلاور نے تصویر دیکھی اور اس کے بعد اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"کیوں معلوم کرنا چاہتے ہو بادشاہ؟"

"نہیں دلاور یہ ذرا الگ قسم کی بات ہے۔"

"دیکھو بادشاہ بات اصل میں یہ ہے کہ تم ہو پولیس والے اور بہر حال بہت بڑے لوگ
ہیں جن کے بارے میں تم معلومات حاصل کر رہے ہو۔"

"وہ تو سب ٹھیک ہے مگر جب میری اور تمہاری دوستی ہوگئی ہے تو پھر یہ سمجھ لو کہ
تمہیں میرے ہاتھوں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"وہ تو ہم جانتے ہیں زبان کا کھرا چہرے سے ہی نظر آجاتا ہے، اصل میں یہ سالار ہے
سالار سمجھ رہے ہوناں یعنی گروپ انچارج۔" دلاور نے سمور کی ٹوپی والے کی طرف اشارہ
کرتے ہوئے کہا۔

"کیانام ہے اس کا؟"

"دانی شاہ اگر تم اس لڑکی ثریا کے قتل کی تفتیش کر رہے ہو تو مت کرو بے کار ہو تمہارے لئے یہ گروپ کے ذاتی معاملات ہوتے ہیں اور ذاتی معاملات میں پولیس کی مداخلت بالکل نہیں برداشت کی جاتی...... لڑکی آؤٹ ہو رہی تھی، دانی شاہ نے اسے قتل کر دیا۔"

"دانی شاہ کون ہے۔"

"سالار کا نام دانی شاہ ہی ہے۔"

"اچھا...... اچھا اور یہ باقی۔"

"گروپ کے لوگ ہیں سالار تو دانی شاہ ہی ہے اصل میں ہم لوگوں کو سپلائی اسی سے ملتی ہے۔"

"لڑکی کو کیوں قتل کر دیا گیا۔"

"اس قتل کی تفتیش کر رہے ہو ناں۔"

"یار سمجھتے ہو دلاور ساری باتیں سمجھتے ہو، مسئلہ اور کچھ نہیں ہے بس صرف اتنا سا ہے کہ پولیس کو فائل بنانا پڑتا ہے، خانہ پری کرنا پڑتی ہے۔"

"وہ سالی شرافت کی طرف جا رہی تھی، حالانکہ اچھا خاصا مال مل گیا تھا اسے لیکن دل میں شرافت جاگ اُٹھی، بھٹک رہی تھی کہہ رہی تھی کہ پولیس کو ساری اطلاع دے دے گی سالار کو غصہ آ گیا، سمجھایا بجھایا مگر نہیں مانی معمولی سے گھر کی لڑکی ہے۔"

"کیا سالار سے اس بارے میں گفتگو ہو سکتی ہے۔"

"نکل چکا ہے وہ تو یہاں سے نکل چکا ہے۔"

"کہاں؟"

"علاقے کی طرف سالار یہاں زیادہ عرصے نہیں رہتا مگر بادشاہ دیکھو یہ ساری معلومات بے کار ہیں، تمہارے لئے سالار آتا جاتا رہتا ہے، گروپ کام کرتے ہیں اور سچی بات یہ ہے کہ تم لوگ تو ہمارے دست و بازو ہو تم لوگوں کے بغیر بھلا کوئی کام چل سکتا ہے۔"

"کہا نا دلاور خانہ پری کی بات ہے...... خانہ پری ہو جائے چھٹی کون کسی ایسے دھندے میں پڑتا ہے، جس میں نقصان ہی نقصان ہو۔"

"تو بس ٹھیک ہے فائل بنالو داخل دفتر کر دو اور چھٹی کرو اور ہاں بادشاہ اگر تمہارا کہیں

نہیں نہ ملے تو ہمیں بتانا ہم کہیں گے کہ ایک شریف آدمی کو اس کا حصہ ضرور ملنا چاہئے۔"

"بہت بہت شکریہ دلاور ویسے دانی شاہ کے بارے میں کچھ اور نہیں بتاؤ گے۔"

"کچھ نہیں ہم جانتے ہوتے تو تمہیں بتاتے بس سالار ہے اپنا بڑا سپلائر ہے، اس وقت یہاں نہیں ملے گا تمہیں نکل چکا ہے...... کام پورے کرنے کے بعد لڑکی تو بلاوجہ ہی راستے میں آ گئی تھی تو ختم کر دی گئی اور ایسا ضروری ہو جاتا ہے بادشاہ ورنہ سارے کا سارا کھیل خراب ہو جائے۔"

"چلو ٹھیک ہے ویسے ضرورت ہوئی تو تم سے دوبارہ ملاقات کروں گا۔"

"جب بھی ضرورت ہو ہمارے پاس آ جانا ہم نے تم سے کہہ دیا کہ ہم بھی دوست بنانا پسند کرتے ہیں۔"

اس نے اپنا ہاتھ مصافحے کے لئے آگے بڑھایا تو شہاب نے بھی اس کا ہاتھ گرم جوشی سے اپنے ہاتھ میں لے لیا، کام کا آدمی تھا اور بہر حال تھوڑی بہت مدد ملی تھی اس سے اور ہو سکتا ہے کہ آگے چل کر وہ اور بھی کام آئے، ویسے شہاب نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ کسی مناسب وقت پر ان اڈوں اور گروپوں پر بھی کام شروع کرے گا جو وطن پاک میں اس قسم کی غلاظتیں پھیلا رہے تھے اور اس کے ساتھ وہ لوگ جو ان برائیوں کے سرپرست تھے اور کمیشن کھا رہے تھے...... شہاب کے لئے قابل نفرت تھے...... ان لوگوں کے خلاف بھی محاذ بنانا ضروری تھا۔

شہاب یہی تمام باتیں سوچتا ہوا وہاں سے باہر نکل آیا اور اس کے بعد وہ اس ہوٹل میں نہیں رکا تھا...... البتہ اپنی کار میں بیٹھ کر جب وہ آگے بڑھا تو اس نے اس بات کا پورا پورا خیال رکھا کہ ممکن ہے اس کا تعاقب کیا جائے، چنانچہ وہ سڑکوں پر کار گھمانے لگا...... دلاور کی طرف سے وہ پوری طرح مطمئن نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے دلاور اسے کہیں مناسب جگہ قتل کرنے کی کوشش کرے۔

"تقریباً پندرہ منٹ تک وہ سڑکوں پر گھومتا رہا پھر کسی خیال کے تحت اس نے کار ایک ریستوران کے سامنے روک دی، اس وقت چائے کی ضرورت محسوس کر رہا تھا...... اب اسے آگے کے پروگرام بنانے تھے۔"

"کار کا دروازہ کھول کر نیچے اترا ہی تھا کہ کار کی عقبی سمت سے اسے ایک آواز سنائی دی۔"

"اجازت ہو تو میں بھی اتر آؤں۔"

شہاب اُچھل پڑا...... اس نے کار کی عقبی سیٹ پر نگاہ ڈالی تو اسے سیٹ کے درمیان سے ایک شخص اوپر اُبھرتا ہوا نظر آیا، جو چند لمحوں میں سیدھا ہو گیا تھا...... شہاب کو اعتراف تھا اس نے دوران سفر کسی کی موجودگی کو محسوس نہیں کیا تھا...... اس شخص نے بڑی کامیابی سے خود کو کار میں پوشیدہ رکھا تھا، وہ اس کی صورت دیکھتا رہا...... جلی جلی سی شکل کا ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا...... اس سے زیادہ شہاب اس کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکا...... وہ شخص دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا...... درمیانے قد اور گٹھے ہوئے بدن کا مالک تھا۔

شہاب کینہ توز نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا...... تب اس شخص نے کہا۔ "یقیناً تمہیں میرے بارے میں حیرت ہو رہی ہو گی...... میرے پاس اور کوئی چارہ کار نہیں تھا...... اپنے بارے میں سب سے پہلے الفاظ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔"

"کار میں کیسے داخل ہوئے۔" شہاب نے پوچھا۔

"تجوری توڑنے کا ماہر ہوں...... ہر طرح کے تالے آسانی سے کھول لیتا ہوں۔"

"کار کا لاک تو خراب نہیں ہوا۔"

"میری ناک کاٹ کر ہاتھ پر رکھ دینا۔"

"کیا چاہتے ہو؟"

"تم سے کچھ باتیں کرنے کا خواہش مند ہوں۔"

"کیوں؟"

"ضروری ہے۔"

"آؤ۔" شہاب نے کہا اور بے پروائی سے چلتا ہوا ریستوران میں داخل ہو گیا...... لیکن وہ سخت محتاط تھا...... اس شخص نے بہر حال ایک کمال دکھایا تھا جس کا شہاب نے دل ہی دل میں اعتراف کیا تھا۔

ریستوران میں بہت کم لوگ تھے، شہاب ایک میز کی طرف بڑھ گیا...... پھر ایک کرسی گھسیٹ کر اس نے چاروں طرف کا جائزہ لیا اور بیٹھ گیا...... وہ شخص کھڑا ہوا تھا۔

"بیٹھو۔" وہ بولا۔

"شکریہ...... وہ شخص کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ "میرا نام رجب خان ہے۔"

"ہوں...... کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟"

"کچھ نہیں چاہتا ہوں۔" رجب خان نے کہا اور شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی...... انہوں نے دُور سے گزرتے ہوئے ویٹر کو اشارہ کیا تھا...... ویٹر قریب پہنچا تو اس نے رجب خان کی طرف دیکھا اور بولا۔

"کیا منگواؤں؟"

"صرف چائے...... ویسے تمہارا جو دل چاہے تم طلب کر لو۔"

رجب خان اپنے مخصوص انداز میں بولا اور شہاب نے ویٹر سے چائے لانے کے لئے کہہ دیا...... رجب خان نے آنکھیں بند کر کے دو تین بار پیشانی مسلی اور پھر شہاب کی طرف دیکھنے لگا اور بولا۔

"تمہاری کار میں داخل ہونا میرے لئے کوئی مشکل نہیں ہے، ایک ماہر نقب زن اور تجوری توڑنے والا ہوں...... ہر طرح کے تالے میرے لئے بے مقصد و بے نام ہیں...... ساری زندگی یہی جھک مارتا رہا ہوں، لیکن یہ اندازہ لگایا کہ انسان اپنے آپ کو جتنا چاہے بہکا لے ملتا کچھ نہیں ہے سسرے کو...... دو روٹی اور بدن ڈھکنے کا کپڑا چاہے وہ لاکھ روپے کا ہو، چاہے دو روپے کا، ضرورت کم بخت کی بس اتنی سی ہوتی ہے۔"

"درویشوں والی گفتگو مت کرو رجب خان...... پہلے یہ بتاؤ میری کار میں کیوں داخل ہوئے تھے؟"

"بتا دیتا ہوں...... بتا دیتا ہوں...... پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے...... وہ کتے کا پلا سالار جو ہے ناں اپنے آپ کو بہت چالاک سمجھتا ہے...... اس کا اصول ہے کہ پہلے دوستی کرو اور دوستی نہ ہو سکے تو دشمنی کرو...... دوستی زیادہ آسان ہوتی ہے اور اس میں کوئی دقت نہیں ہوتی...... جب کہ دشمنی میں محنت زیادہ کرنی پڑتی ہے، تو وہ اپنے اسی قول پر عمل کرتا ہے...... ورنہ سانپ کی طرح چالاک ہے اور زہریلا ہے...... میں عموماً اس کے پیچھے لگا رہتا ہوں اور اس کی کارکردگی پر نظر رکھتا ہوں...... ویسے ان لوگوں سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے...... میرا مشن کچھ اور ہے جس کے بارے میں تمہیں بتانا پسند نہیں کروں گا...... کسی بھی قیمت پر...... البتہ یہ سمجھ لو کہ سالار سے میری بھی دشمنی ہے۔"

"سالار کو جانتے ہو؟"

"سارے گروپ کو جانتا ہوں...... سالار کا نام دانی شاہ ہے۔"

"کون ہے یہ؟"

"سپلائر بہت بڑا سپلائر، لیکن سربراہ نہیں ہے...... ایسے لوگوں کی جڑیں بڑی گہرائیوں میں ہوتی ہیں اور نجانے کیا کیا چکر چلائے جاتے ہیں...... میرا ان سے بس معمولی سا چکر چل گیا ہے، لیکن بہرحال میں نے اپنی زندگی کا ایک مقصد بنایا ہے...... ان سسروں کو جہنم میں پہنچانا...... چھ آدمی جہنم رسید کر چکا ہوں ان کے لیکن بھلا چھ سے کیا ہوگا...... چھ ہزار تو ہوں...... اپنے آپ کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیا ہے اور دیکھ رہا ہوں کہ کتنا نیچے جاتا ہوں...... خیال یہ ہے کہ ترازو کا دوسرا پلڑا بالکل اوپر تک پہنچ جائے، لیکن پھر بھی جتنا منافع حاصل ہو جائے اس پر ہی بس کروں گا...... زندگی تو ختم ہو جانے والی چیز ہے...... کل نہیں آج...... آج نہیں کل، ہوتا ہے، ہوتا ہے...... لو دیکھو چائے آ گئی۔" شہاب اس شخص کی شخصیت کے بارے میں اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا...... وہ اطمینان سے چائے پیتا رہا پھر بولا۔

"تم کس چکر میں ہو یار، مجھے بتاؤ، مجھے بتاؤ، میں نے تم دونوں کی گفتگو چھپ کر سنی ہے۔"

"کہاں؟"

"اس کمرے میں جس میں تم دونوں ایک دوسرے سے ملے تھے، تمہاری جیب میں اس وقت بیس ہزار روپے کے نوٹ بھی ہیں جو رشوت کے طور پر تمہیں پیش کئے گئے ہیں۔"

"ویری گڈ...... واقعی کام کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔"

شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں...... اگر میرے مقصد کے آدمی ہو تو شاید تمہارے لئے کام کا آدمی ہی ثابت ہوں...... بہت طاقتور ہوں...... جنگلی بھینسے سے لڑ سکتا ہوں...... عقلمند زیادہ نہیں ہوں لیکن تقدیر میری مدد کرتی ہے...... چھ بندے اُڑا چکا ہوں میں ان کے، مگر آرزو ہے کہ چھ ہزار تک پہنچ جاؤں، حالانکہ جانتا ہوں ایسا ممکن نہیں ہوگا۔"

"رجب خان یہ دانی شاہ نے ابھی ایک لڑکی کو قتل کیا ہے۔"

"ثریا کی بات کر رہے ہو ناں۔" رجب خان مغموم لہجے میں بولا اور شہاب نے آنکھیں بند کرلیں...... یہ شخص تو واقعی بڑے کام کی چیز ثابت ہو سکتا ہے۔ شہاب نے کہا۔

"ہاں...... ثریا کی بات کر رہا ہوں۔"

"لڑکی تھی...... بھولی بھالی تھی، پھانسی گئی تھی...... اپنے حالات کا شکار تھی...... پھنس گئی۔" محبت کی عادی تھی، محبوب مار دیا گیا...... مخالف ہو گئی، جان دے بیٹھی، کہو کہانی مکمل ہوگئی ناں۔" شہاب ایک ٹھنڈی سانس لے کر چائے کے گھونٹ لینے لگا تھا...... ساری بات سمجھ میں آ رہی تھی اس نے کہا۔

"یہ دانی شاہ کہاں مل سکتا ہے؟"

"ہیر پور۔" رجب خان نے فوراً جواب دیا اور شہاب کے ذہن کی چرخی گھوم گئی...... ہیر پور ایک پہاڑی علاقہ تھا اور اس کے بارے میں بھی خاصی داستانیں مشہور تھیں...... یہ کہا جاتا تھا کہ منشیات کا بہت بڑا گڑھ ہے اور دُنیا کے بے شمار ملکوں میں وہاں سے منشیات سپلائی ہوتی ہے۔ دُور دراز کا علاقہ تھا اور اچھی خاصی شہرت کا حامل، شہاب ایک لمحے تک سوچ میں ڈوبا رہا...... پھر اس نے کہا۔

"رجب خان مجھے اپنے بارے میں اور کچھ نہیں بتاؤ گے؟"

"تمام معذرتوں کے ساتھ کہہ چکا ہوں کہ میرا ایک مشن ہے...... چھ ہزار افراد کا قتل جو کبھی پورا نہیں ہو سکتا، لیکن انسان جب بزنس کرتا ہے تو اپنا ایک ٹارگٹ بناتا ہے...... اب یہ الگ بات ہے کہ اس میں سے اسے سو فیصد کامیابی نہیں حاصل ہوتی، لیکن جتنی بھی ہو جائے۔"

"مشن کی وجہ نہیں بتاؤ گے؟"

"نہیں۔" اس نے حتمی لہجے میں کہا۔

"چلو ٹھیک ہے تو ہیر پور میں دانی شاہ کے کچھ ٹھکانے معلوم ہیں تمہیں۔" اس نے ایک لمحے کے لئے ہونٹ کھولے پھر چائے کی پیالی اُٹھا کر آخری وقت تک اس کے گھونٹ لیتا رہا، جب تک کہ پیالی میں چائے ختم نہ ہو گئی۔ پھر بولا۔

"اس لڑکی کے قتل کے سلسلے میں کام کر رہے ہو؟"

"ہاں۔"

"میں تمہارا ساتھ دے سکتا ہوں۔"

"کوئی فریب؟"

"نہیں......" وہ ٹھوس لہجے میں بولا۔

"تو پھر میں تمہارے ساتھ ہیر پور چلوں گا۔"

"میں تیار ہوں۔"

"میں کب تمہارے پاس پہنچوں اور کہاں پہنچوں۔"

"یہ ہوٹل، بری جگہ نہیں ہے...... کب پہنچو گے یہ فیصلہ تم کرو۔"

"کل دن میں دس بجے۔"

"میں انتظار کروں گا۔" اس نے جواب دیا۔

"تیاریاں کر کے آؤں؟"

"نہیں ایک ڈھول لے کر آجانا۔" وہ بولا اور ہنس پڑا...... شہاب اس کی صورت دیکھتا رہا...... پھر خاصی دیر تک وہ اس کے ساتھ بیٹھا اور اس کے بعد بولا۔

"چلیں۔"

"نہیں تم جاؤ...... میں ذرا دیر کے بعد یہاں سے اُٹھوں گا۔" شہاب ایک ٹھنڈی سانس لے کر وہاں سے واپس چل پڑا تھا...... جو کچھ ہوا تھا اس سلسلے میں اسے مکمل طور پر کامیابی تو نہیں کہا جاسکتا تھا لیکن بہر حال یہ سارے مسئلے اس کے لئے باعث دلچسپی تھے اور دل چاہ رہا تھا کہ اس سلسلے میں ذرا سا آگے بڑھ کر کام کیا جائے...... پھر سب سے پہلے اس نے نادر حیات صاحب سے ملاقات کی...... نادر حیات صاحب نے اسے معمول کے مطابق خوش اخلاقی سے خوش آمدید کہا تھا...... شہاب نے ساری تفصیلات نادر حیات صاحب کے سامنے پیش کیں اور وہ پر خیال انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولے۔

"مجھے یہ بتاؤ کہ تم منشیات فروشوں کے خلاف کام کرنا چاہتے ہو یا صرف اس لڑکی کے قتل کے سلسلے میں؟"

"منشیات کا جال بڑا وسیع ہے جناب اور میں سمجھتا ہوں کہ جب بھی آپ مجھے احکامات دیں گے، کم از کم وطن عزیز میں اس کے خلاف سرگرم عمل ہو جاؤں گا، لیکن فی الحال اس لڑکی ثریا کے قتل کا معاملہ ہے۔"

"اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اس قتل کو بے وقعت قرار دوں گا اور یہ کہوں گا کہ وہ ایک معمولی سی بات ہے تو کم از کم اپنی زبان سے یہ الفاظ ادا کر کے میں اپنی عاقبت خراب نہیں

کر سکتا...... انسان کوئی بھی ہو، یکساں حیثیت کا حامل ہوتا ہے...... میرا مطلب سمجھ رہے ہو گے، اس قتل کی تفتیش اور اس کے مجرموں کو سزا دینا، میں سمجھتا ہوں انتہائی ضروری ہے، لیکن منشیات فروشوں کے خلاف کسی کام کا آغاز، جس پیمانے پر ہونا چاہئے ہم اس کا شاید ابھی تک تعین بھی نہیں کر سکے...... یہ تو بین الاقوامی معاملہ ہے اور اس سلسلے میں جس قدر لے دے ہو رہی ہے اس کا علم تمہیں بھی ہے اور مجھے بھی...... بڑے بڑے الزامات لگائے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ ترقی پذیر ممالک کو مفلوج کرنے کی ایک گھناؤنی سازش ہے...... اس الزام کے معقول جواز بھی پیش کئے جاتے ہیں...... کہا جاتا ہے کہ ایشیا کے ممالک میں منشیات کی وبا اتنی تیزی سے کبھی نہیں پھیلی تھی...... لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس سازش کی ڈور کس کے ہاتھ میں ہے...... یہ حقیقت ابھی تک سامنے نہیں آسکی...... جب تک کہ ہم پر ان حقیقتوں کا ادراک نہ ہو جائے ہم اس سلسلے میں اعلیٰ پیمانے پر کوئی کارروائی نہیں کر سکتے۔"

"میں جانتا ہوں جناب۔"

"مطلب صرف اتنا سا ہے کہ ذرا سوچ سمجھ کر کام شروع کرنا کیونکہ یہ معاملہ ہماری پہنچ سے کافی آگے کا ہے۔"

"میں کچھ ایسے اختیارات چاہتا ہوں جو ملک بھر کے کسی بھی شہر میں میرے کام آسکیں اور وہاں کی پولیس میری مدد کر سکے۔"

"یہ بالکل آسان کام ہے...... تمہیں گرین کارڈ کے بارے میں علم ہو گا...... ویسے تو گرین کارڈ کی کہانی طویل ہے، لیکن محکمہ پولیس میں گرین کارڈ ایک مخصوص کارڈ ہوتا ہے جو وزارت داخلہ کی طرف سے پورے ملک کے لئے جاری کیا جاتا ہے اور اس کا تعلق ایجنسیوں سے ہی ہوتا ہے...... بعض ایجنسیوں کو یہ گرین کارڈ جاری کر دیا جاتا ہے اور اس کے تحت وہ ملک کے کسی بھی گوشے میں اختیارات سے کام لے سکتے ہیں...... میں یہ گرین کارڈ تمہیں مہیا کر سکتا ہوں۔"

"جلد۔" شہاب نے کہا اور نادر حیات صاحب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی...... پھر انہوں نے کہا۔

"ٹھیک ہے...... میں اپنا گرین کارڈ تمہیں دے دیتا ہوں...... خصوصی اختیارات کے

ساتھ۔" اس کارروائی میں تھوڑا سا وقت صرف ہوا اور اس کے بعد شہاب کو تمام تر ضروری امور کے ساتھ روانہ ہونے کے لئے تیاریاں کرنی تھیں...... اس سلسلے کا آخری کام بینا سے ملاقات تھی...... بینا سے اس نے عدنان واسطی صاحب کے گھر پر ہی ملاقات کی۔

"بینا تمہیں جدائی اور فراق کے کون کون سے گانے آتے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے کہ اس سلسلے میں مناسب گانے منتخب کرلو کیونکہ کچھ عرصے کے لئے میں تم سے جدا ہو رہا ہوں۔"

"پتا نہیں مذاق کر رہے ہو یا سنجیدہ ہو؟" بینا نے کہا۔

"نہیں اس وقت سنجیدہ ہوں۔"

"کہاں جا رہے ہو؟"

"ثریا ہی کے قتل کی تفتیش کے سلسلے میں ہیرپور۔"

"ہیرپور؟"

"ہاں۔"

"نام تو سنا ہے اس جگہ کا۔" بینا بولی اور شہاب اسے ہیرپور کا جغرافیہ سمجھانے لگا...... بینا نے کہا۔

"میں ساتھ نہیں چل سکتی؟"

"اس وقت نہیں؟"

"یقیناً تم اسے ہی مناسب سمجھتے ہو گے...... واپسی کب تک ہو جائے گی۔"

"بس دعائیں کرنا۔"

"تشویش میں مبتلا کر دیا ہے تم نے مجھے۔"

"نہیں...... اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

"کیوں اتنے اعتماد سے کیوں کہہ رہے ہو"

"تمہاری دعاؤں کا سہارا جو حاصل ہے۔"

"روانگی کب ہے؟"

"بس سمجھ لو اب سے تھوڑی دیر کے بعد۔"

"کیا واقعی؟"

"ہاں۔"

"گروپ کے ممبر ساتھ جا رہے ہیں؟"

"ابھی نہیں۔"

"رابطے کا کیا ذریعہ ہوگا؟"

"فی الحال کچھ نہیں لیکن مناسب وقت ملنے پر ٹرنک کال کرتا رہوں گا جہاں تم کہو۔"

"دفتر میں میرا مطلب ہے دن میں دفتر میں اور رات کو گھر پر۔"

"ٹھیک ہے ویسے بھی میں اگر ممکن ہو سکا تو سبھی سے رابطے رکھوں گا...... ہو سکتا ہے کسی وقت تم لوگوں کی ضرورت بھی پیش آ جائے۔"

"ٹھیک ہے۔" بینا نے جواب دیا...... تیاریاں مکمل ہونے کے بعد مقررہ وقت پر شہاب اس ہوٹل میں پہنچا...... خیال تھا کہ کہیں رجب خان دھوکہ نہ دے جائے، لیکن ایسا نہیں ہوا...... وہ ہاتھ میں ایک بیگ لئے وہیں موجود تھا اور منتظر نگاہوں سے دروازے کی جانب دیکھ رہا تھا...... شہاب ہوٹل کے دروازے سے اندر داخل ہوا تو وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور شہاب کے قریب پہنچا۔

"میرا خیال ہے یہاں رُکنے کی بجائے ہمیں باہر نکلنا چاہئے...... کسی بھی جگہ زیادہ وقت گزارنے کا مطلب ہے کہ دشمنوں کو اپنی جانب متوجہ کیا جائے۔" شہاب نے اس سے اتفاق کیا تھا...... یہ سفر بہت دلچسپ ثابت ہوا تھا اور ہیرپور تک کے راستے خاصے طویل تھے، لیکن رجب خان عام معمولات میں ایک دلچسپ انسان تھا...... کسی قدر کھسکے ہوئے ذہن کا مالک...... شہاب درحقیقت ابھی تک اس کی اصل شخصیت کے بارے میں کچھ نہیں معلوم کر سکا تھا، حالانکہ راستے میں اس نے بہت سے سوالات کئے تھے اس سے اس نے پوچھا تھا۔

"رجب خان...... تمہاری شخصیت واقعی بہت دلچسپ ہے، اگر تم یہ کہتے ہو کہ تمہارا مشن صرف اتنا ہے کہ تم اس گروہ کے افراد کو ختم کرو تو اس سلسلے میں تم نے دلاور کو کیوں چھوڑا ہوا ہے؟" رجب خان مسکرایا پھر بولا۔

"اصل میں ایک تالا ہوتا ہے، ایک اس کی چابی ہوتی ہے...... چابی کو تو سنبھال کر رکھنا

پڑتا ہے، کیونکہ اسی سے تالا کھلتا ہے...... وہ میری چابی ہے...... بہت سی معلومات مجھے ان کے پاس سے حاصل ہوتی ہیں، میں چاہتا ہوں کہ وہ میرا ذریعہ معلومات رہے۔"

"ہونہہ...... تو تمہارا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اس گروہ کے افراد کو چن چن کر قتل کرو۔"

"تم نے یہ نہیں پوچھا مجھ سے کہ میں نے تمہارا ساتھ کیوں حاصل کیا ہے؟"

"چلو پوچھے لیتا ہوں۔"

"یہ مت سمجھنا کہ تمہارے بارے میں مجھے صرف اسی گفتگو ہی سے معلوم ہوا ہے جو تمہارے اور دلاور کے درمیان ہو رہی تھی...... ارے تم پولیس والے یہ سمجھتے ہو کہ صرف تمہارا ہی محکمہ استاد رہتا ہے اور تمہارے پاس مجرموں کا ریکارڈ ہوتا ہے...... ایسی بات نہیں ہے...... وہ جو بڑے پیمانے پر کام کرتے ہیں...... سب سے پہلے یہ تلاش کرتے ہیں کہ ان کے راستے کی رکاوٹ کون کون بن سکتا ہے اور ان رکاوٹوں کو وہ اپنے ریکارڈ میں رکھتے ہیں۔ تمہارا ریکارڈ بھی دلاور خان کے پاس ہی نہیں بلکہ اور بھی بہت سوں کے پاس موجود ہے۔" شہاب کو واقعی یہ بات بہت دلچسپ محسوس ہوئی تھی، اس نے کہا۔

"گویا پہلے سے تمہیں میرے بارے میں معلومات حاصل تھیں۔"

"زیادہ نہیں اور نہ ہی اس وقت ذہن میں تھیں جب میں نے تمہیں دیکھا...... لیکن جب دلاور سے تمہاری گفتگو ہو رہی تھی تو تم بھی مجھے یاد آ گئے...... جب میں کبھی جرائم کرتا تھا تو تمہارا ریکارڈ میرے پاس موجود تھا...... بات زیادہ پرانی نہیں ہے، اس لئے نہ سوچنا کہ میں کسی طویل ماضی کی بات کر رہا ہوں۔"

"تم جرائم کرتے تھے؟" شہاب نے سوال کیا۔

"چالاک بننے کی کوشش مت کرو...... اپنے بارے میں ایک لفظ بھی تمہیں نہیں بتاؤں گا...... مر بھی جاؤں گا تو تمہارے ذہن میں ایک خلش ہی رہے گی کہ آخر میں کون تھا۔"

"میں تمہارے بارے میں واقعی جاننا چاہتا ہوں، لیکن صرف دوستوں کی مانند۔"

"تو پھر یہ سمجھو کہ دوست، دوست سے کبھی ضد نہیں کرتے، ساری باتیں پوچھو مجھ سے...... بس اس بات کو نظرانداز کر جانا...... کیونکہ تمہیں اس کے بارے میں شاید تفتیش ہی سے معلوم ہو، یا پھر ہو سکتا ہے کہ میری موت کے بعد اگر تم میرے سلسلے میں

تمہیں اس کا علم ہو جائے۔"

"واقعی تم بے حد عجیب انسان ہو...... اچھا یہ بتاؤ کہ ہیرپور پہنچ کر ہم لوگ کیا کریں گے؟"

"ہاں...... یہ بتانے میں کوئی حرج نہیں ہے...... اصل میں ہیرپور کا نام میں نے بے مقصد ہی نہیں لے لیا...... دانی شاہ سو فیصد ہیرپور پہنچا ہوگا...... وہ اس سے آگے کا سفر بھی کرے گا اور میں تمہیں بتاؤں گا کہ وہ کس سمت سفر کرے گا...... ہیرپور میں بھی مجھے ایسے بہت سے پوائنٹس معلوم ہیں جہاں اس کے آدمی مل سکتے ہیں...... سمجھ رہے ہو نا تم۔"

"بہت کام کے آدمی ہو۔"

"مجھے میرا کام کرنے دینا بس...... اس سلسلے میں اگر تم نے رکاوٹ ڈالی تو سمجھ لو کہ میرے اور تمہارے درمیان سارے رابطے ٹوٹ جائیں گے۔"

"یعنی؟"

"مطلب یہ کہ جسے میں مناسب سمجھوں گا اسے ہلاک کر دوں گا، تم راستے کی رکاوٹ نہیں بنو گے۔" شہاب خاموش ہو گیا...... کام بے حد مشکل تھا...... ہو سکتا ہے کچھ ایسے لوگ جنہیں وہ زندہ گرفتار کرنا چاہتا ہو اس شخص کے ٹارگٹ ہوں...... ایسی شکل میں کیا شہاب ایک ذمہ دار پولیس آفیسر کی حیثیت سے اسے قتل و غارت گری کی اجازت دے سکتا تھا...... بہرحال شہاب ان لوگوں میں سے تھا جو یہ دیکھتے تھے کہ قانون کی حفاظت کے لئے اگر کوئی چھوٹا موٹا نقصان بھی اُٹھانا پڑے تو اُٹھا لینا چاہئے...... پھر وہ ہیرپور پہنچ گئے...... صحیح بات یہ تھی کہ اس وقت رجب خان شہاب کا گائیڈ ثابت ہو رہا تھا...... اس نے خود ہی ایک ہوٹل کا انتخاب کیا۔ ویسے ہیرپور بہت بارونق جگہ تھی اور یہاں خاصی رونق تھی...... خوبصورت عمارتیں بنی ہوئی تھیں...... پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے یہ عمارتیں بہت زیادہ بلند و بالا نہیں تھیں، لیکن پھر بھی انہیں خصوصی طور پر زلزلہ پروف بنایا گیا تھا اور ان کی تعمیر ایک خاص انداز کی تھی...... موسم بھی بڑا مختلف تھا...... شہاب زندگی میں پہلی بار ہی ادھر آیا تھا...... کبھی کوئی ایسی ضرورت نہیں پیش آئی تھی کہ اِدھر کا رُخ کیا جا سکے، لیکن اس کے باوجود ہوٹل بہت عمدہ تھا...... کارکردگی بے حد شاندار، دونوں نے ایک ہی کمرہ حاصل کیا تھا...... ویسے بھی شہاب کو اندازہ ہو گیا تھا کہ رجب خان کے ساتھ وقت گزارا جا سکتا

ہے...... یہاں قیام کے بعد رجب خان نے کہا۔

"اور اب ہم یہاں سے ایک ایسی جگہ چلیں گے جہاں سے ہمیں سالار کے بارے میں تفصیلات معلوم ہو سکتی ہیں۔"

"دانی شاہ کو سالار کیوں کہا جاتا ہے؟"

"میں نے تمہیں بتایا تھا ناں کہ وہ ایک پورے گروہ کی رہنمائی کرتا ہے اور گروپ اس کے زیر عمل کام کرتا ہے...... حیرت کی بات یہ ہے کہ کم از کم ابھی تک مجھے تو گروپ کے دوسرے سربراہوں کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہو سکا، حالانکہ میں ان کی تلاش میں ہوں۔"

"ہم جائیں گے کہاں؟"

"شاید ایک ایسی جگہ جہاں سے ہمیں یہ پتا چل سکے کہ دانی شاہ کس طرف گیا ہے۔"

"ہونہہ چلو ٹھیک ہے۔" شہاب نے جواب دیا...... تھوڑی سی تیاریاں کرنے کے بعد شہاب، رجب خان کے ساتھ باہر نکل آیا اور تھوڑی دیر کے بعد رجب خان اسے ایک ٹیکسی میں لے کر ایک دور دراز علاقے کی جانب چل پڑا...... شہر بڑی وسعتوں میں پھیلا ہوا تھا...... تقریباً بیس منٹ تک یہ سفر جاری رہا اور پھر ایک ایسے علاقے میں ختم ہوا جو اچھا خاصا پررونق علاقہ تھا...... یہاں رہائشی مکانات بھی بنے ہوئے تھے...... ایک بڑے سے بازار سے گزرنے کے بعد بازار کے اختتامی سرے پر ٹیکسی رکوالی گئی...... زیادہ تر یہاں قالینوں کی دکانیں تھیں...... اس کے علاوہ اور بھی کچھ دکانیں تھیں، لیکن ماحول میں ایک عجیب سی کیفیت تھی، سب کچھ اجنبی اجنبی سا لگ رہا تھا...... ٹیکسی سے اترنے کے بعد وہ چل پڑا اور پھر راستے میں شہاب سے بولا۔

"شہاب ہے ناں تمہارا نام؟"

"ہاں...... شہاب نے جواب دیا...... یہ سوال وہ اس سے ہر دو تین گھنٹے کے بعد کیا کرتا تھا۔"

"دیکھو دوست تمہارا اپنا کام، تمہاری اپنی جگہ...... لیکن میں جو کچھ کروں گا اس میں تمہیں آزادی دینا ہو گی۔" شہاب نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی تھی...... پھر آگے بڑھ کر وہ کچھ گلیوں سے اندر داخل ہوئے اور آخر کار ایک مکان کے دروازے کے آگے رک

رجب خان نے دروازے کی بیل بجائی اور انتظار کرنے لگا...... چند لمحوں کے بعد دروازہ کھلا تھا...... دروازہ کھولنے والی بتیس، تینتیس سال کی عورت تھی...... کسی قدر بھاری بدن کی مالک، نقوش بہت خوبصورت تھے...... سر کے بال اخروٹی رنگت کے اور آنکھیں بھوری اس نے منہ اُٹھا کر رجب خان کو دیکھا، لیکن رجب خان نے جو کچھ کیا وہ شہاب کے لئے غیر متوقع تھا...... رجب خان کا زوردار تھپڑ عورت کے منہ پر پڑا تھا اور وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی تھی...... رجب خان فوراً ہی اندر داخل ہو گیا اور اس نے ایک ہاتھ سے عورت کے بال پکڑے، دوسرے ہاتھ سے اس کا منہ بھینچ لیا...... شہاب بھی حیران حیران سا اندر داخل ہو گیا تھا...... رجب خان نے کہا۔

"تم دروازہ بند کر دو...... میں جانتا ہوں یہاں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو گا۔"

شہاب نے فوراً ہی دروازہ بند کر دیا تھا...... رجب خان کا یہ عمل اس کے لئے بڑا حیران کن تھا...... وہ عورت ہاتھ پاؤں مار رہی تھی...... چیخ رہی تھی، لیکن رجب خان اسے گھسیٹتا ہوا اندرونی حصے کی جانب جا رہا تھا...... شہاب بڑی گھٹن سی محسوس کر رہا تھا...... بہت کم ایسے مواقع آئے تھے جب اس نے کسی دوسرے پر انحصار کیا ہو، لیکن بہرحال انحصار یہ بھی نہیں تھا...... اگر کوئی ایسی ہی صورت حال پیش آئی جو اس کے لئے بالکل ناقابل برداشت ہو تو پھر رجب خان کو بھی دیکھ لیا جائے گا، لیکن یہ شخص بڑے کام کا ثابت ہو رہا تھا...... ہو سکتا ہے اس کے ذریعے کوئی بہتر ہی کام ہو سکے، چنانچہ شہاب نے رجب خان کے اس معاملے میں بھی مداخلت نہیں کی اور اس کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ گیا...... یہ حیران کن بات تھی کہ رجب خان کو اس عورت کے بارے میں اس قدر معلومات حاصل تھیں، پھر ایک بڑے سے کمرے میں پہنچ کر رجب خان نے اسے چھوڑا تو عورت نے بے تحاشا اس پر حملہ کر دیا...... وہ بار بار رجب خان کو نوچنے اور ٹھوکریں مارنے کی کوشش کر رہی تھی اور اس کی زبان بڑی تیزی سے چل رہی تھی، لیکن شاید یہ کوئی علاقائی زبان تھی جو شہاب کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

"رجب خان پیچھے ہٹ جاؤ۔" شہاب نے کہا۔

"یہ بلی پنجے مار مار کر میری شکل خراب کر دے گی۔"

رجب خان مسخرے پن سے بولا۔

”لڑکی...... ہوش میں آؤ...... کیوں زندگی ختم کرنا چاہتی ہو۔“

شہاب نے غرائی ہوئی آواز میں کہا اور نجانے اس کے اس لہجے کا کیا ردعمل ہوا، لڑکی یا عورت پیچھے ہٹ گئی۔ اب وہ ان دونوں کو خوفزدہ نگاہوں سے گھور رہی تھی...... شہاب نے کہا۔

”ڈرنے کی ضرورت نہیں...... تم سے کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں اس کے بعد تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔“

”کون ہو تم اور یہ...... یہ کمینہ مجھ سے کیا چاہتا ہے؟“

عورت نے کہا۔

”یہ کمینہ تم سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہے۔“ رجب خان بولا۔

”کیسے سوالات؟“

”ایک بات کا خاص خیال رکھنا کہ اگر سوال کا صحیح جواب نہ ملا تو نتیجہ بھی بہت ہی برا نکلے گا۔“

”تم ڈاکو ہو...... مجھے لوٹنا چاہتے ہو؟“

”نہیں...... تیرے پاس لٹنے کی کوئی چیز ہے ہی نہیں...... لٹی لٹائی عورت۔“ رجب خان بولا۔

”کیا چاہتے ہو تم؟“ اس نے دہشت زدہ لہجے میں پوچھا۔

”دانی شاہ کہاں ہے؟“ رجب خان نے سوال کیا۔

”دد...... دد...... دانی، دانی۔“

”سالار کی بات کر رہا ہوں۔“

”کون سالار؟“

”ہونہہ۔“ رجب خان بولا اور پھر اچانک اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک لمبا چاقو نکال لیا اور پھر اسے تڑتڑاہٹ کے ساتھ کھولا...... عورت دہشت زدہ انداز میں پیچھے ہٹ گئی تھی۔

”سنو...... میری بات سنو۔“ اس نے خوفزدہ لہجے میں کہا...... شہاب کو یہ نہیں معلوم تھا کہ رجب خان کے پاس کیا کیا ہتھیار موجود ہیں...... بہرحال ابھی تک اس نے رجب خان

کے کسی ذاتی معاملے میں مداخلت نہیں کی تھی، البتہ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ یہ سرپھرا آدمی کہیں اس عورت کو قتل ہی نہ کر دے...... یہ بہرحال ایک برا عمل ہوگا، لیکن عورت خوفزدہ ہو گئی تھی، اس نے کہا۔

”تم یقین کرو مجھے نہیں معلوم۔“

”ہونہہ...... میں یقین کر لوں گا...... مائی ڈیئر، تم اس برابر والے کمرے میں چلے جاؤ یا ٹھہرو، میں ہی چلا جاتا ہوں۔“ اس نے کہا اور ایک بار پھر آگے بڑھ کر عورت کے بال پکڑ لئے...... بڑا سفاک انداز ہوتا تھا اس کا عورت چیخی تو رجب خان نے اس کے حلق پر چاقو رکھ دیا اور بولا۔

”اگر یہ ہلکا سا بھی دب گیا تو نقصان تمہارا بھی ہوگا اور میرا بھی۔“

”سنو...... میری بات سنو...... اگر میں نے کچھ بتایا تو وہ مجھے ہلاک کر دیں گے۔“

”وہ تو ایسا نہیں کر سکیں گے، لیکن میں بے شک کر ڈالوں گا۔“ رجب خان بولا

”مم...... میری بات تو سن لو۔“

”سن تو رہا ہوں۔“

”یہ چاقو ہٹالو میری گردن سے۔“

”بات کا جواب دو گی؟“

”ہاں۔“

”ٹھیک ہے۔“ رجب خان نے چاقو ہٹا لیا اور اس کے بال بھی چھوڑ دیئے...... عورت چکرا رہی تھی۔

”بے ہوش عورت کو قتل کرنا مجھے زیادہ اچھا نہیں لگتا، لیکن بہرحال ایسا کرنے پر مجبور ہو سکتا ہوں۔“ رجب خان کے الفاظ پر وہ پھر چونکی اور سنبھل گئی۔

”وہ، وہ باڑی گئے ہیں...... یقین کرو...... اس سے زیادہ میں کچھ اور نہیں جانتی۔“

”کس طرح گئے ہیں وہ باڑی؟“

”مطلب؟“

”مطلب یہ کہ وہ باڑی کا سفر کیسے کر رہے ہیں؟“

”کار میں گئے ہیں۔“ عورت نے جواب دیا۔

"کب روانہ ہوئے؟"

"کل رات کو۔"

"کار کا نمبر کیا ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم...... میں قسم کھاتی ہوں...... مجھے بالکل پتا نہیں۔"

"کار میں کون کون ہے...... اس کے ساتھ؟" رجب خان نے سوال کیا۔ لیکن وہ خاموش رہی...... رجب خان پھر آگے بڑھا تو وہ جلدی سے بولی۔

"وہی تینوں ہیں، جو اس کے ساتھ ہوا کرتے ہیں؟"

"اور دانی؟"

"اس نے، اس نے کہا تھا کہ...... کہ وہ ایک ہفتے کے بعد واپس آ جائے گا۔"

"وہ بھی اس کار میں موجود ہے؟"

"ہاں۔"

"اور اس کے علاوہ اور کون؟"

"اور کوئی بھی نہیں۔"

"سوچ لو۔"

"یقین کرو...... میں نے سوچ لیا سچ بول رہی ہوں۔"

"تمہیں معلوم ہے انہوں نے ثریا کو قتل کر دیا؟"

"ہاں...... ہاں۔" عورت بولی اور پھر بے اختیار اس نے زبان بند کر لی۔

"نہیں...... اپنی اس معصوم زبان کو قید کرنے کی کوشش مت کرو...... کیا فائدہ میں اس ننھی منی سی شے کو اس چاقو سے کاٹ کر باہر پھینک دوں۔"

"سنو...... سنو...... میرے ساتھ کوئی سختی نہ کرو۔"

"اور تم نے جو دُنیا کے ساتھ سختی کی ہے تو۔"

"مم...... میں نے کچھ بھی نہیں کیا...... وہ، وہ مجھے جان سے مار دے گا۔"

"اور کون ہے اس کے ساتھ؟" رجب خان گرج کر بولا۔

"وہ...... بس اور کوئی بھی نہیں ہے...... وہی چاروں ہیں۔"

"ثریا کو کیوں مارا گیا؟" اس نے سوال کیا۔

"تمہیں معلوم ہے...... وہ راستے سے بھٹک گئی تھی۔"

"چلو ٹھیک ہے...... اب یہ بتاؤ...... باڑی میں وہ کہاں جائیں گے۔"

"مجھے نہیں معلوم، یقین کرو، میں نہیں جانتی سوائے اس کے۔"

"سوائے کس کے؟"

"وہاں باڑی میں ایک ٹوٹا ہوا چرچ ہے...... پہاڑی غاروں کے پاس...... ان کا ٹھکانہ اسی چرچ میں ہوتا ہے۔"

"ہونہہ ٹھیک ہے...... اس کے علاوہ اور کوئی معلومات۔"

"یقین کرو اور کوئی معلومات نہیں ہے۔" تب وہ شہاب کی جانب مڑا اور بولا۔

"مائی ڈیئر...... اب ذرا میرے کچھ ذاتی معاملات ہیں...... کیا تم اس سلسلے میں میری کچھ مدد کر سکتے ہو؟"

"کیسے ذاتی معاملات؟" شہاب نے سوال کیا اور رجب خان اوباش انداز میں آنکھ مار کر مسکرانے لگا پھر بولا۔

"صرف تھوڑا سا وقت...... اب دیکھو ناں، سمجھنے کی کوشش کرو...... کیا تمہیں اس کی شکل بری نظر آتی ہے...... میں بہت عرصے سے اس سے محبت کرتا ہوں...... اب اس وقت جب یہاں تک آیا ہوں اور صورت حال اس حد تک پہنچ گئی ہے تو مائی ڈیئر، مائی ڈیئر۔" وہ شرمائے ہوئے لہجے میں بولا اور شہاب کے جبڑے بھنچ گئے...... یہ سب کچھ اس کی مرضی اور فطرت کے خلاف تھا، لیکن مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ رجب خان کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے...... رجب خان بولا۔

"تم باہر رکو میرا انتظار کرو، بلکہ اگر چاہو تو اس گلی کے آخری سرے تک چلے جاؤ...... میں تھوڑی دیر میں پہنچتا ہوں تمہارے پاس۔" شہاب کمرے سے باہر نکل آیا اور پھر دروازے سے گزر کر گلی کے سامنے سیدھا سیدھا چلنے لگا...... ذہن عجیب سی کیفیت سے دوچار ہو گیا تھا...... وہ سوچ رہا تھا کہ رجب خان کی شخصیت کا یہ پہلو اس کے لئے ناقابل برداشت ہے اور ایک طرح سے رجب خان کی قربت قبول کر کے اس نے اپنے مزاج کے خلاف کام کیا ہے...... رجب خان ویسے تو ہر طرح سے قابل قبول تھا، لیکن اس کی یہ شخصیت جو سامنے آئی تھی وہ شہاب کے لئے پریشان کن تھی، حالانکہ بات ایک عجیب و غریب شکل

اختیار کر گئی تھی...... کم از کم یہ اندازہ تو ہو گیا تھا اسے کہ وہ قاتلوں کے راستے پر چل پڑا ہے اور بہر حال کسی نہ کسی جگہ انہیں چھاپ لے گا، لیکن اس کی ذہنی کیفیت کچھ عجیب سی ہو گئی تھی۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ بات صرف قاتلوں کو گرفتار کرنے پر ہی ختم نہیں ہونی چاہئے۔ یہ عجیب و غریب سلسلہ جو منشیات کے سمگلروں نے چاروں سمت پھیلا رکھا تھا...... ختم ہونا چاہئے...... ملک کی بدنامی بھی ہے اور وطن کے محافظوں کے لئے ایک چیلنج بھی...... اس سلسلے میں بڑی بڑی اخباری خبریں تو آتی ہیں، لیکن موثر پیمانے پر کام نہیں ہو سکا ہے...... اگر کوئی جرم ہو رہا ہے تو اس جرم کے خلاف ایک مشن بنا کر کام شروع کرنا چاہئے اور آخر کار اس جرم کا خاتمہ ہونا چاہئے، ورنہ ایک طرح سے انتظامیہ کی ناکامی ہی ظاہر ہو جاتی ہے...... اس ناکامی کے کیا اسباب ہیں...... اس کے بارے میں کبھی کوئی ایسا تصور سامنے نہیں آیا تھا جسے موثر کہا جا سکے...... شہاب کے اندر ایک خواہش جنم لے رہی تھی...... بات صرف دانی شاہ گروہ کی گرفتاری اور ثریا کے قاتلوں پر ختم نہیں ہو جانی چاہئے، بلکہ ان گروہوں کا سراغ لگا کر ان کا مکمل خاتمہ کرنا چاہئے...... یہ فیصلہ کرنا ضروری تھا...... اگر کسی جانب سے راہ میں رکاوٹ بھی آتی ہے تو شہاب کو کم از کم اتنا اطمینان ضرور تھا کہ نادر حیات صاحب اس رکاوٹ کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کریں گے اور پھر اگر ایسا نہ بھی ہو سکے تو آخر کار شہنشاہ گروپ اپنا فرض سر انجام دے گا، کیونکہ وہ عمل جرم کے خلاف ہو گا...... اس لئے اس نے اپنی کارکردگی کا دائرہ وسیع کر لیا تھا...... ویسے زندگی میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ وہ اپنے گروہ سے بچھڑ کر تنہا کام کر رہا تھا، لیکن یہ تجربہ بھی دلچسپ تھا...... اب اس صورت حال کے علم میں آ جانے کے بعد رجب خان سے بددل ہو گیا تھا، ورنہ یہ شخص خاصا بہتر ثابت ہوا تھا...... گلی کے آخری سرے پر پہنچ کر وہ ناگواری کے انداز میں رجب خان کا انتظار کرنے لگا اور یہ سب دیکھ کر حیران رہ گیا کہ دو ہی منٹ کے بعد رجب خان اس کے پاس پہنچ گیا تھا...... اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی...... شہاب نے ناگواری کی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔

"کیوں...... کیا اس سے تمہارا کوئی سمجھوتہ ہو گیا یا تم نے اپنی شیطنت کا ارادہ ملتوی کر دیا؟"

"ارادہ اگر ٹھوس نہ ہو تو شیطنت ہی کیا اور میں سمجھتا ہوں جب ارادہ کر لیا جائے تو اسے ملتوی کرنے کی بجائے اپنی گردن کاٹ لینی چاہئے۔" شہاب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ رجب خان ہنستا ہوا بولا۔

"تمہاری پیشانی کی شکنیں بتاتی ہیں کہ تمہیں میرا عمل پسند نہیں آیا۔"

"ہاں یہ حقیقت ہے۔"

"تمہاری مرضی ہے دوست، جبکہ میری زندگی کا تو مقصد ہی یہ ہے۔"

"تمہاری زندگی کے کتنے مقصد ہیں مجھے نہیں معلوم۔"

شہاب نے کہا اور آگے بڑھ گیا...... رجب خان مسکراتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا اور اس نے کہا۔

"اچھے دوستوں کو غلط فہمیوں کا شکار نہیں ہونا چاہئے...... یہ دیکھو یہ ایک تحفہ ہے۔" رجب خان نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک کاغذ نکالا...... پڑیا کی شکل بنی ہوئی تھی...... اس نے پڑیا شہاب کے سامنے کھولی تو شہاب نے کاغذ کو خون سے رنگین دیکھا، لیکن اس میں جو چیز لپٹی ہوئی تھی وہ دیکھ کر شہاب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں...... یہ دو انسانی کان تھے...... شہاب چونک کر رجب خان کو دیکھنے لگا تو رجب خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور اب دُنیا سے کنارہ کش ہونے کے بعد اس سے زیادہ دلکش چیز اور کوئی نہیں رہ گئی ہے میرے لئے...... یعنی سرخ سرخ خون۔"

"کیا مطلب؟" شہاب حیرت سے بولا۔

"تمہیں بتا چکا ہوں...... مجھے ان لوگوں سے بہت محبت ہے...... اور میں اپنی محبت کا پورا پورا ثبوت دیتا ہوں...... میں نے اسے نرخرے سے لے کر پیٹ تک چیر دیا ہے...... بس اسی مقصد کے تحت وہاں رکا تھا۔" شہاب کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"گویا...... گویا...... تم۔"

"ہاں میرے دوست...... بہت برا آدمی ہوں میں، لیکن تھوڑا سا کردار بھی ہے میرا...... مجھے ان لوگوں کے وجود سے نفرت ہے...... میں صرف ان کی موت چاہتا ہوں...... اگر تم سمجھے تھے کہ میں اس کے بدن کا خواہاں تھا تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔" ایک لمحے کے لئے شہاب کے ذہن سے پردہ سا سرک گیا...... پھر وہ مسکرانے لگا اور بولا۔

"رجب خان...... میں تمہیں چھوڑ دینا چاہتا تھا، لیکن ایک بار پھر تم نے اپنی ساکھ بحال کر لی۔" رجب خان نے گردن ہلائی تھی اور اس کے بعد وہ لوگ پھر اپنے عمل میں مصروف

ہو گئے تھے...... باڑی کے بارے میں شہاب کو تو زیادہ تفصیلات معلوم نہیں تھیں، لیکن رجب خان ان علاقوں کا انسائیکلو پیڈیا تھا......اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اور مجھے چھوڑنے کا تصور دوبارہ نہیں کرنا...... میں یہ نہیں کہتا مائی ڈیئر کہ تم اپنے طور پر کوئی کام نہیں کر سکتے...... ظاہر ہے تم جس پائے کے انسان ہو میں یہ اچھی طرح سے جانتا ہوں اور پھر تمہیں سرکاری ذرائع بھی حاصل ہیں، لیکن اگر تم سرکاری ذرائع حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہو تو سمجھ لو کہ پورا گروہ تمہارے پیچھے لگ جائے گا اور تم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ کون کون سے سرکاری ذرائع ان کے اپنے ہاتھ میں ہیں...... تم خود بھی اچھی طرح سے جانتے ہو یہ بات کہ جرم کی سرپرستی کہاں سے ہوتی ہے، چنانچہ رجب خان تمہارا بہترین ساتھی ہو گا...... باڑی کا نقشہ میں تمہیں مکمل طور پر بتا دوں گا...... اگر یہاں قیام کر کے آگے جانا چاہو تو اس میں بھی حرج نہیں ہے اور اگر مسلسل چلنے کی کوشش کرو تب بھی مجھے اعتراض نہیں ہو گا۔"

"کیا یہ فاصلہ طویل ہے؟"

"کافی طویل اور راستہ انتہائی دشوار گزار، تمہیں بہت سے مرحلوں سے گزرنا ہو گا...... یہاں سے آگے پہاڑی جنگل شروع ہو جاتے ہیں...... ان پہاڑی جنگلوں میں درندے بھی بکثرت ہوتے ہیں۔"

"کیا ان اطراف میں آبادیاں نہیں ہیں؟"

"بہت سی آبادیاں ہیں لیکن آبادیوں کے رہنے والے ان آبادیوں میں رہنا جانتے ہیں اور اپنے لئے تمام بندوبست رکھتے ہیں۔"

"ہونہہ...... بہرحال اب جبکہ تم یہ بات کہہ رہے ہو تو پھر اپنے طور پر تیاریاں کر لو...... ویسے کیا تمہیں یقین ہے کہ ہمیں صحیح راستہ ملا ہے، میرا مطلب ہے کہ اس عورت نے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے؟"

"اس کے پاس جھوٹ کی گنجائش نہیں تھی...... میں اندازہ لگا چکا ہوں۔"

"او کے۔" اور اس میں کوئی شک نہیں کہ رجب خان نے جو تیاریاں کیں وہ شہاب کے لئے بڑی اطمینان بخش تھیں...... شہاب اور رجب خان عمدہ گاڑی میں پینسٹھ میل فی گھنٹے کی رفتار سے سفر شروع کر چکے تھے...... رجب خان نے باڑی تک جانے کا ایک باقاعدہ

ترتیب دیا تھا اور شہاب کو اندازہ ہو گیا تھا کہ ہیر پور سے باڑی جانے کے لئے پچاس میل تک ایک ہی سڑک پر سفر کرنا ہوتا ہے...... سڑک بہت پرانی ہے اور اس کی تعمیر قدیم کے بعد میں اس کی مرمت پر بھی غور نہیں کیا گیا...... یہ سڑک ایک دریا کے ساتھ ساتھ سیدھی چلی گئی ہے اور اس کے دونوں جانب قدیم درختوں کی لکیریں ہیں جنہوں نے سڑک پر سایہ کیا ہوا ہے، لیکن آگے جا کر منظر بدل جاتا ہے اور قرب و جوار کی بستیوں کے رہنے والوں نے ان علاقوں میں زبردست کاشت کی ہوئی ہے...... پھر میدانی علاقہ ہے جہاں کا موسم پہاڑی علاقہ ہونے کے باوجود بہت سخت ہے...... باڑی کا فاصلہ یہاں سے کافی طویل ہے...... شہاب کار میں سفر کرتے ہوئے رجب خان کی معلومات کا تجزیہ کرتا رہا تھا اور اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ شخص واقعی بے حد پراسرار ہے اور اسے ان علاقوں کے بارے میں خاصی معلومات حاصل ہیں...... تقریباً دس گھنٹے کے مسلسل سفر کے بعد ایک قصبے میں گاڑی روکی گئی...... شاید یہ سفر آگے بھی جاری رہتا، لیکن آسمان پر بادل چھائے تھے اور اس کے بعد خاصی تیز بارش شروع ہو گئی تھی...... کار ایک جھونپڑے میں بنے ہوئے چائے خانے کے سامنے روکی گئی اور دونوں اتر کر چائے خانے میں داخل ہو گئے...... گرم گرم چائے سے اُٹھتی ہوئی بھاپ اور کھانے کی الٹی سیدھی چیزیں، اس وقت دُنیا کی سب سے لذیذ چیزیں لگ رہی تھیں اور باہر کے منظر کو دیکھ کر شہاب کے دل میں ایک ہوک سی اُٹھ رہی تھی...... اسے احساس ہو رہا تھا کہ ایسے ماحول میں بینا کی غیر موجودگی ماحول کو بے مزہ کر رہی ہے اور اس کے بغیر بالکل لطف نہیں آ رہا...... نجانے کیسی کیسی سوچیں دامن گیر تھیں...... رجب خان تھوڑی دیر کے بعد اس کے پاس سے اُٹھ گیا اور وہ یہاں موجود دوسرے لوگوں سے نجانے کیا کیا باتیں کرتا رہا، تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا تو مسکراتے ہوئے بولا۔

"تصدیق ہو رہی ہے مائی ڈیئر...... وہ لوگ یہاں سے گزرے ہیں اور انہوں نے بھی یہاں پر چائے پی ہے...... سمور کی ٹوپی والا دانی شاہ کے سوا اور کوئی نہیں اور اس کے ساتھ دو کے تین ساتھی ہیں۔"

"وہ لوگ باڑی کی سمت ہی گئے ہیں؟"

"یہ سیدھا راستہ صرف باڑی جاتا ہے۔"

"باڑی کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات حاصل ہیں تمہیں۔" شہاب نے سوال کیا۔

"کہاناں...... یہ علاقے جنت ہیں جنت...... تم لوگ شہروں کے باسی ہو...... شہروں میں تمہیں زندگی کی تمام آسائشیں حاصل ہیں، لیکن تمہیں یہ دیکھ کر انتہائی حیرت ہوگی کہ ناقابل یقین اور دشوار گزار راستوں سے گزر کر جب تم ان پہاڑی غاروں کے پاس پہنچو گے جو باڑی کے گردونواح میں پھیلے ہوئے ہیں اور اگر کسی غار میں داخل ہو جاؤ گے تو تمہیں ایک الف لیلوی دُنیا نظر آئے گی...... غاروں میں بچھے ہوئے موٹے موٹے قالین، چھتوں سے لٹکے ہوئے فانوس جن میں شمعیں روشن ہوتی ہیں...... مٹی کے تیل سے چلنے والے فرج ڈیپ فریزر، ایئر کنڈیشنر دُنیا کا اعلیٰ درجے کا زمینی فرنیچر...... تم یقین نہیں کر پاؤ گے کہ کیا غیر مہذب دُنیا یا پہاڑیوں کی بستی میں ہو...... ویسے آگے چل کر ہمیں ایک پٹرول پمپ ملے گا...... وہاں سے پٹرول کے ٹن ضرور لے لینا۔"

"سفر کب شروع کرو گے؟"

"صبح...... بالکل صبح کیونکہ جن راستوں سے اب ہمیں گزرنا ہے ان پر ہمارا پرتپاک استقبال نہیں ہوگا بلکہ ہمیں خوفناک سفر کرنا ہوگا۔" شہاب اس سفر سے خوفزدہ نہیں تھا چنانچہ دوسری صبح سفر کا آغاز کر دیا گیا، حالانکہ پٹرول کی کافی مقدار موجود تھی اور فاضل ڈبے بھی رکھ لئے گئے تھے، لیکن پھر بھی یہ طے کیا گیا تھا کہ کم از کم گاڑی کے ٹینک فل کرا لئے جائیں...... سڑک بہت خراب تھی، اس لئے رفتار کم ہی رکھی جا رہی تھی...... رجب خان اس وقت خود ہی ڈرائیو کر رہا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ ایک اچھا ڈرائیور تھا...... پٹرول پمپ کا بورڈ سڑک سے کوئی ایک فرلانگ ہٹ کر تھا اور وہاں تک جانے کے لئے کچا راستہ تھا...... کچھ عجیب سی بات تھی ورنہ یہ پٹرول پمپ سڑک کے کنارے پر ہونا چاہئے تھا، لیکن نجانے ایسی کیا افتاد پڑی تھی کہ اسے سڑک سے دُور رکھا گیا تھا...... بہرحال تقریباً دو گھنٹے کے سفر کے بعد یہ پٹرول پمپ نظر آیا تھا اور پٹرول پمپ پر پہنچ کر یہ معلوم ہوا کہ آگے جانے والی گاڑی جس میں چار افراد سوار تھے صرف دو گھنٹے پہلے یہاں سے آگے گئے ہیں...... رجب خان نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی اور بولا۔

"گیلی زمین ہے...... اس لئے ہم دُور سے اس گاڑی کو نہیں دیکھ سکتے...... میرا خیال ہے ہمیں فاصلہ رکھنا چاہئے...... کہیں ایسا نہ ہو کہ تیز رفتاری سے سفر کرتے ہوئے ہم ان

بالکل قریب پہنچ جائیں...... اصل میں اس سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے...... زیادہ تر سمگلر ہی اس سڑک پر سفر کرتے ہیں۔" شہاب نے رجب خان کی بات پر غور کیا تھا اور اسے احساس ہوا تھا کہ رجب خان عقل سے پیدل نہیں ہے...... وہ صورت حال کو سمجھ بھی رہا ہے اور اس کے بارے میں سوچ بھی رہا ہے...... پٹرول پمپ سے آگے بڑھ کر شہاب نے اس سے کہا۔

"اگر اتفاق سے کوئی ایسا موقعہ آ بھی جائے رجب خان تو ہم اجنبیوں کی طرح ان سے آگے نکل جائیں گے۔"

"مجھے ایک بات بتاؤ بگ لارڈ...... آخر تم چاہتے کیا ہو؟"

"رجب خان...... اب تک تم مجھ سے سچ بولتے رہے ہو اور اگر کسی جذبے کی بنا پر ان لوگوں کو قتل کرنا چاہتے ہو...... میری خواہش یہ ہے کہ ان قاتلوں کو گرفتار کرنے سے پہلے میں ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کروں تاکہ مستقبل میں جب میں ان کے خلاف آپریشن شروع کروں تو میرے پاس ان کے لئے کافی مواد موجود ہو۔"

"تو پھر ٹھیک ہے میں تمہاری بات سے اتفاق کرتا ہوں، لیکن ایک معاہدہ تو تمہارے اور میرے درمیان ہو چکا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"تم مجھے میرے کام سے نہیں روکو گے اور میں تمہیں تمہارے کام سے نہیں روکوں گا۔" شہاب نے گہری سانس لے کر گردن ہلا دی تھی...... سفر جاری رہا...... اس طویل سفر میں کہیں بھی کسی جگہ کوئی حادثہ یا واقعہ پیش آ سکتا تھا...... قرب وجوار کے ماحول کو دیکھ کر یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ علاقہ واقعی بے حد خطرناک ہے...... چھوٹی چھوٹی بستیاں بھی آباد نظر آ رہی تھیں اور ان کے اطراف میں گھنے جنگل پھیلے ہوئے تھے...... انسان کس طرح زندگی گزار لیتا ہے...... وحشی درندوں اور خوفناک ماحول میں بھی وہ اپنے لئے زندگی کا سامان تلاش کر لیتا ہے...... چھوٹے چھوٹے کھیتوں کے قطعے نظر آ رہے تھے اور ان کے درمیان کام بھی ہو رہا تھا...... کٹی پھٹی سڑک درختوں کے بیچ میں سے جگہ جگہ سے مڑ جاتی تھی اور اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ بعض جگہوں سے وہ خاصی تکلیف دہ ہوتی تھی اور ایسی ہی ایک سڑک پر اچانک ہی شہاب کو بریکوں پر دباؤ ڈالنا پڑا...... سڑک کے بیچوں

نیچ وہ شاندار گاڑی کھڑی ہوئی تھی، جو پہلی بار شہاب کو نظر آئی تھی اور یہ اندازہ ہو
ہو گیا تھا کہ یہ انہی لوگوں کی گاڑی ہے...... ایک لمحے کے لئے شہاب کے جسم میں
لہریں دوڑ گئیں...... گویا مقابلے کا وقت آ گیا ہے...... رجب خان نے بھی گاڑی دیکھ لی تھی
وہ بھاری لہجے میں بولا۔

"انہی کی گاڑی ہے، لیکن بونٹ اٹھا ہوا ہے...... یا تو ان کے ریڈی ایٹر میں پانی
ہو گیا ہے یا پھر ہو سکتا ہے گاڑی میں کوئی اور خرابی ہو گئی ہو...... میری رائے تو یہ ہے
ڈیئر کہ تھوڑی سی رفتار سست کرو...... گاڑی کو کچی جگہ اتار دو...... وہاں گنجائش ہے
سیدھے نکل جاؤ۔"

"رجب خان وہ تمہیں پہچان تو نہیں لیں گے؟"

"فکر نہ کر بگ لارڈ...... رجب خان بے وقوف نہیں ہے...... میرا حلیہ اس وقت سے
بہت مختلف ہے جب وہ میرے شناسا تھے...... لیکن احتیاطاً میں تیار ہوں، تم آرام سے ڈرا
کرتے رہو۔" شہاب نے رجب خان کے پاس ایک شاندار آٹو میٹک پستول دیکھا جو اس سے
پہلے اسے نظر نہیں آیا تھا...... سامنے والی گاڑی آہستہ آہستہ قریب آتی جا رہی تھی...
شہاب نے خود بھی دیکھ لیا کہ وہ لوگ ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر اسے روکنے کا اشارہ کر رہے ہیں...
شہاب نے اسی طرح کار کی رفتار سست کی جیسے ان کے پیچھے رُکنا چاہتا ہو، لیکن جیسے ہی
قریب پہنچا اس نے کار کچے پر موڑ کر تیزی سے آگے نکال لی...... اُڑنے والی دھول کی
سے وہ ان دونوں کو دیکھ بھی نہیں سکے...... البتہ عقب نما آئینے میں شہاب نے انہ
دیکھا...... وہ غصیلے انداز میں مکے ہلا رہے تھے، رجب خان نے قہقہہ لگایا اور بولا۔

"کیا دلچسپ منظر ہے...... یعنی ہم انہی سردار جی کی طرح انہیں پیچھے چھوڑ آئے
جن کے گھر میں ایک بار چور گھس آیا تھا۔" شہاب نے رجب خان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"سردار جی بیگم صاحبہ کے ساتھ اپنے گھر کے کمرے میں سو رہے تھے اور اتفاق
اولمپک چیمپئن تھے...... یعنی ریس میں تمغے حاصل کر چکے تھے...... بیگم صاحبہ نے جگایا
سردار جی کو بتایا کہ چور گھس آئے ہیں اور سامان باندھ رہے ہیں...... سردار جی نے کہا فکر
نہ کرو، مجھ سے بچ کر کہاں جائیں گے...... مجھ سے تیز تو نہیں دوڑ سکتے...... میں جب چاہ

پڑ لوں گا تو بگ لارڈ چور سامان باندھتے رہے...... سردارنی، سردار جی کو جگاتی رہی......
چور سامان باندھ کر گھر سے باہر نکل گئے تو سردار جی نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"لاؤ میرے کپڑے تیار کرو...... میں ابھی چوروں کو جا کر پکڑتا ہوں...... سردارنی
بل کھا رہی تھی...... سردار جی نے لباس وغیرہ تبدیل کیا...... داڑھی میں کنگا
تیار ہوئے اور اس کے بعد چوروں کے پیچھے دوڑ لگا دی...... وہ دوڑتے چلے جا رہے
کہ آگے چل کر پولیس والوں نے انہیں روک لیا اور صورت حال پوچھی تو سردار جی
س کر بولے۔

"سردارنی کہہ رہی تھی کہ چور بھاگ جائیں گے...... سسروں کو دو میل پیچھے چھوڑ آیا
...... مجھ سے دوڑ لگا رہے تھے...... تو بگ لارڈ ہم بھی ان قاتلوں کو پیچھے چھوڑ آئے ہیں،
ن کے تعاقب میں یہاں تک پہنچے تھے۔"

"لیکن اب ہمیں انتظار کرنا چاہئے...... او ہو، وہ دیکھو وہ کچی پگڈنڈی اس ٹیلے کے
قب تک جاتی ہے...... میرے خیال میں ہمارے لئے چھپنے کے لئے بہترین جگہ ہوگی
ہاں رک کر ان کا انتظار کرتے ہیں۔" رجب خان نے اس بات سے اتفاق کیا تھا......
ہاب نے کار کچی پگڈنڈی پر اتار دی...... راستہ سڑک کے بائیں جانب سے ہو کر
رختوں کے ایک جھنڈ میں غائب ہو جاتا تھا اور یہ جھنڈ ایک ٹیلے کے آڑ میں واقع تھے......
ہاب کار کو وہاں روک کر نیچے اتر گیا اور پھر وہ جلدی جلدی ٹائروں کے نشانات صاف
رنے لگے...... سورج سر پر پہنچ کر مغربی سمت کی پہاڑیوں میں جھکنے لگا تھا...... یہاں
ڑے کھڑے کافی دیر ہو گئی تھی...... دونوں کی نگاہیں مین سڑک پر لگی ہوئی تھیں، یہ کیا
...... وہ لوگ ابھی تک یہاں سے نہیں گزرے تھے یا تو گاڑی درست نہیں ہو سکی اور
درست ہو گئی ہے تو پھر انہیں یہاں سے گزر جانا چاہئے تھا...... دونوں تشویش کا شکار
گئے...... رجب خان نے کہا۔

"اگر تم اجازت دو بگ لارڈ...... تو کیا خیال ہے واپس چلیں؟"

"مناسب نہیں رہے گا...... رجب خان، ہو سکتا ہے وہ لوگ دوبارہ ہمیں دیکھ کر شبہ کا
ہو جائیں...... میرا خیال ہے پیدل جا کر دیکھنا زیادہ مناسب ہوگا۔"

"ہونہہ...... میرا خیال ہے کہ میں چلا جاتا ہوں۔"

"سوچ لو...... فاصلہ اتنا کم بھی نہیں ہے۔"

"میں کوئی سڑک کے راستے تو نہیں جاؤں گا...... جنگل کا راستہ کاٹ کر جاؤں گا، اس طرح وہ لوگ مجھے دیکھ بھی نہیں سکیں گے۔" شہاب نے چند لمحے سوچا پھر بولا۔

ٹھیک ہے اگر تم جانا چاہتے ہو تو چلے جاؤ...... ورنہ میں چلا جاتا ہوں۔"

"میں ابھی دیکھ کر آتا ہوں مائی ڈیئر...... یہ اتنا مشکل کام بھی نہیں ہے۔" رجب خان نے کہا اور پھر شہاب سے اجازت لے کر وہاں سے چل پڑا...... شہاب خاموشی سے کار میں آبیٹھا تھا اور ایک بار پھر خیالات کا شکار ہو گیا تھا۔

❁❁❁

نجانے کتنا وقت گزر گیا اور شہاب اب اُلجھن کا شکار ہو گیا تھا، یہ تو کوئی بہتر بات نہیں ہوئی نہ ہی اس دوران دانی شاہ کی کار اِدھر سے گزری تھی نہ ہی وہ واپس آیا تھا، اب شہاب نے اپنے طور پر فیصلہ کیا اور کار کو ریورس کر کے سڑک پر لے جانے کی بجائے درختوں کے درمیان سے ہی گزارنے لگا، کوئی ایک میل کا فاصلہ طے کیا ہوگا اس نے دُور سے اسے کوئی شے متحرک نظر آئی اور ایک لمحے کے بعد اس نے پہچان لیا رجب خان ہی تھا گرتا پڑتا چلا آرہا تھا، لیکن شہاب کو ایک لمحے میں اندازہ ہو گیا کہ وہ زخمی ہے...... شہاب نے تیز رفتاری سے کار آگے بڑھائی اور اس کے قریب پہنچ گیا...... رجب خان خون میں لت پت تھا، اس کی پنڈلی سے لے کر شانے تک شرح خون نظر آرہا تھا...... شہاب نے پھرتی سے کار روکی اور اسے دیکھنے لگا، عجیب سے زخم تھے اور خون مسلسل بہہ رہا تھا وہ ہنس کر بولا۔

"تم مجھے شیر کہہ سکتے ہو بگ لارڈ آج میں شیر ہی کی طرح شکاری کا شکار ہو گیا...... کار میں احتیاطاً فرسٹ ایڈ بکس رکھا ہوا تھا، وہ لوگ مکمل تیاریاں کر کے اس سفر پر روانہ ہوئے تھے...... شہاب سب کچھ بھول کر اس کی مرہم پٹی کرنے لگا، اس کے شانے پر گہرا زخم تھا...... پنڈلی کا گوشت بری طرح کٹ گیا تھا کمر پر بھی کچھ زخم نظر آئے تھے، لیکن تھا جاندار آدمی اتنا خون بہنے کے باوجود اس کے انداز میں کمزوری نظر نہیں آرہی تھی، اس نے کہا۔

"دیر ضرور لگ جاتی بگ لارڈ مگر میں تمہارے پاس پہنچ جاتا۔"

"کیا ہوا تھا۔" شہاب نے اُلجھی اُلجھی سانسیں لیتے ہوئے کہا۔

"میں ان تک پہنچ گیا تھا مائی ڈیئر راستے میں جہاں ان کی کار کھڑی نظر آئی تھی وہاں اب کچھ بھی نہیں تھا...... میں نے دیکھا کہ کار نہیں ہے تو میں سمجھ گیا کہ وہ وہاں سے چلے گئے،

واپسی کے لئے پلٹ رہا تھا کہ اس حادثے کا شکار ہو گیا تھا۔

"گویا...... ان سے کوئی مڈ بھیڑ نہیں ہوئی تھی تمہاری؟"

"یس لارڈ کہا نا آج میں شیر کی طرح شکار ہوا ہوں، اصل میں قرب وجوار کی بستیوں کے لوگ پانی کے قریب بڑے بڑے گڑھے کھود کر شیر کو ادھر بلانے کے لئے چارے کی بکری باندھ دیتے ہیں اور دس بارہ فٹ گہرے گڑھے میں وہ برچھے کی طرح تیز اور نوکیلی سلاخیں گاڑ دیتے ہیں تاکہ شیر اندر گر کر ہلاک ہو جائے...... اس گڑھے کو وہ گھاس اور پتوں سے اس طرح ڈھانپ دیتے ہیں کہ بالکل اندازہ نہیں ہوتا، میں خوش قسمت تھا کہ بچ گیا، سڑک کی بجائے جنگل سے ہو کر واپس جانے کے لئے ادھر مڑا تھا کہ اندر جا گرا، بہر حال اب باہر نکلنے کی جدوجہد کے بارے میں کیا بتاؤں...... کہانی طویل ہو جائے گی، لیکن بگ لارڈ اگر تم میرے ان زخموں سے پریشان ہو تو میری مرہم پٹی کرتے ہوئے شاید خود تم نے میرے بدن کو دیکھا ہو گا، میرے تو پورے جسم میں ایسے ایسے درجنوں زخم ہیں اور ایک بات بتاؤں مائی ڈیئر کہ میرے جسم میں خون بنانے کی مشین لگی ہوئی ہے، اس کے علاوہ کچھ ایسی جسمانی قوتیں ہیں میرے اندر جو میرے زخموں کو بہت آسانی سے بھر دیتی ہیں، اب ایسا کرو کہ تم یہاں سے آگے بڑھ جاؤ، تھوڑے فاصلے پر ایک اور قصبہ موجود ہے...... نقشے کے مطابق یہی اندازہ ہوتا ہے ہمیں غالباً بیس یا پچیس میل کا سفر طے کرنا ہو گا، لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ لوگ سڑک پر آگے کیوں نہیں گئے، ہمیں نظر کیوں نہیں آئے، کیا یہ بھی ہو سکتا ہے بگ لارڈ کہ ہم انہیں دیکھ نہ پائے ہوں۔"

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" شہاب نے کہا اور اس کے بعد وہ کار کو کچے راستے سے سڑک پر لے آیا، بڑا مشکل کام تھا لیکن ڈرائیونگ شہاب کے لئے معمولی بات تھی، چنانچہ اس میں اسے کوئی دقت نہیں ہوئی، لیکن جب وہ قصبے میں داخل ہوئے تو انہوں نے اپنی جانی پہچانی کار کو ایک چائے خانے کے سامنے رکے ہوئے دیکھا...... شہاب نے اس وقت کار پر توجہ دینے کی بجائے اس قصبے نما بستی میں کسی ڈاکٹر کو تلاش کرنے کے بارے میں سوچا، ڈاکٹر تو نہیں مل سکا لیکن یہاں سرکاری ڈسپنسری موجود تھی جہاں شہاب نے رجب خان کے زخموں پر صحیح بینڈج کرائی اور اسے انجکشن وغیرہ لگوا دیئے، لیکن ڈسپنسری میں اسے کچھ کام کی بات معلوم ہوئی، وہ یہ کہ کچھ اور لوگ بھی یہاں آئے تھے، ان میں سے ایک شخص زخمی ہو گیا ہے اور ان

لوگوں کا جو حلیہ اس نے بتایا وہ انہی چاروں میں سے ایک کا تھا۔

"وہ کیسے زخمی ہو گیا بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی بگ لارڈ۔"

"کیا کہا جا سکتا ہے۔" شہاب نے پرخیال لہجے میں کہا۔

"مگر ان کی گاڑی تو وہاں کھڑی ہوئی ہے، اس کا مطلب ہے کہ وہ لوگ وہاں موجود ہوں گے۔"

"ہاں اس بات کے امکانات ہیں۔"

"معافی چاہتا ہوں مائی ڈیئر اب تمہیں ہی اس بارے میں معلومات حاصل کرنا ہوں گی، ویسے میرا خیال ہے وہ لوگ تمہیں پہچانتے تو نہیں ہوں گے۔"

شہاب نے کوئی جواب نہیں دیا...... رجب خان کو اس نے ڈسپنسری سے لا کر کار میں لٹا دیا، بہت سی باتیں الجھن کی تھیں، مثلاً یہ کہ وہاں سے واپسی کے لئے انہوں نے کون سا راستہ استعمال کیا، اس سلسلے میں شہاب یہی سوچ سکتا تھا کہ وہ لوگ سڑک چھوڑ کر جنگل کے راستے اس قصبے تک آئے ہوں گے، کسی کے بارے میں صرف قیاس آرائی ہی کی جا سکتی ہے...... حقیقتیں تو بعد ہی میں پتا چل سکتی ہیں، بہر حال کار کو ڈسپنسری کے ایک سائیڈ پر چھوڑ کر رجب خان کو محتاط رہنے کے لئے کہہ کر شہاب اس چائے خانے کی جانب چل پڑا جہاں اس نے ان لوگوں کی کار کھڑی ہوئی دیکھی تھی، وہ بڑی احتیاط کے ساتھ چائے خانے میں داخل ہوا تھا...... مقامی لوگ کافی تعداد میں نظر آ رہے تھے، لیکن یہ پتا نہیں چل سکا تھا کہ وہ لوگ کہاں گم ہو گئے، ویسے چائے خانے میں رہائشی جگہ بھی نظر نہیں آتی تھی...... شہاب بہت دیر تک چائے خانے میں رہا اور اس کے بعد وہاں سے باہر نکل آیا، اب اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ کار کے پاس جا کر معلومات حاصل کرے، چائے خانے سے باہر نکلا تو کار کے اندر اس نے ایک آدمی کو بیٹھے ہوئے دیکھا اور وہ ایک دم محتاط ہو گیا، لیکن یہ ان لوگوں میں سے کوئی نہیں تھا بلکہ ایک مقامی ہی آدمی تھا...... اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد شہاب اس کے پاس پہنچ گیا، وہ شخص کار کے نچلے حصے میں جھکا کچھ کر رہا تھا، شہاب نے اسے مخاطب کیا تو وہ اس کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"معاف کرنا بھائی میں دانی شاہ کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں وہ کہاں گئے۔"

"کون دانی شاہ۔" اس نے سوال کیا۔

"اس کار کا مالک۔"

"وہ جو لمبے قد کا تھا، بڑے بالوں والی ٹوپی پہنے ہوئے تھا۔"

"ہاں انہی کی بات کر رہا ہوں۔"

"وہ تو کب کے یہاں سے چلے گئے۔"

"کہاں۔" شہاب بری طرح چونک پڑا۔

" کار خراب ہو گئی تھی صاحب اس میں الیکٹریکل فالٹ ہو گیا ہے اور ساری وائرنگ جل گئی ہے، اب اس کی نئی وائرنگ کرنی پڑے گی...... میرا ایک گیراج ہے جو دُور آپ دیکھ رہے ہو، میرے گیراج سے انہوں نے ایک کار لی ہے اور مجھے واپس کرنے کا وعدہ کر کے یہاں سے چلے گئے ہیں، اصل میں انہیں جلدی پہنچنا تھا۔"

"کیا تم اس طرح بھی کاریں دے دیتے ہو؟"

" کار کی قیمت جمع کرا دی ہے صاحب انہوں نے اور جب وہ مجھے واپس کریں گے تو پورے دس ہزار روپے ادا کریں گے...... میں نے اسی شرط پر انہیں کار دے دی ہے، اپنی کار وہ یہاں چھوڑ گئے ہیں اور کہا کہ واپسی میں لے لیں گے، اگر وہ غائب بھی ہو جاتے ہیں تو مجھ پر کیا اثر پڑتا ہے۔" شہاب کے اندر ایک عجیب سا اضطراب بیدار ہو گیا تھا، بہت بڑی غلطی ہو گئی اس کا مطلب ہے کہ وہ نکل گئے، لیکن اسے غلطی بھی نہیں کہا جا سکتا اب بھلا اس کو کیا معلوم تھا کہ اس طرح اچانک یہ واقعات تبدیل ہو جائیں گے لیکن اب اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ گڑبڑ زیادہ ہو گئی ہے...... وہ کامیابی سے ان کا تعاقب جاری نہیں رکھ سکتا، اب اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ وہاں سے واپس پلٹ پڑے، اچانک ہی اس نے پوچھا۔

"یہ راستہ سیدھا باڑی کی طرف جاتا ہے۔"

"جاتا تو ہے صاحب لیکن وہ لوگ اس راستے سے نہیں گئے، اصل میں کوئی بیس کلومیٹر پہنچنے کے بعد سڑک بری طرح ٹوٹ گئی ہے اور سنا ہے کہ اس میں ایک گہرا گڑھا پڑ گیا ہے...... یہ بات انہیں قصبے سے ہی معلوم ہو گئی تھی۔"

"تو پھر؟"

"وہ لوگ ایک دوسرے راستے سے گئے ہیں جو ہے تو خطرناک لیکن ٹوٹی ہوئی سڑک کا حصہ بچ جاتا ہے...... تقریباً پانچ کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے آپ اس سڑک پر پہنچ سکتے ہیں

ہے آپ بھی ہمارے قصبے میں اجنبی لگتے ہو صاحب۔"

"ہاں ہم مسافر ہیں۔"

"سڑک کے راستے اگر آپ باڑی جانا چاہتے ہو تو نہ جاؤ، یہ اطلاع قصبے میں پہنچ گئی ہے...... ان لوگوں کو بھی ہوٹل ہی سے معلومات حاصل ہوئی تھیں...... ہمارے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔"

"کیا تم مجھے یہ دوسرا راستہ بتاؤ گے۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں مشرق کی طرف پانچ کلومیٹر چلے جاؤ تو سڑک کے دائیں جانب ایک کچا راستہ ملے گا جس پر کاریں ذرا مشکل سے چل سکتی ہیں...... گھوڑے وغیرہ گزر جاتے ہیں مگر تھوڑا سا آگے جا کر یہ کافی چوڑا ہو جاتا ہے، ویسے راستہ بڑا خطرناک ہے...... صاحب ان لوگوں کو بھی بتا دیا گیا تھا۔" شہاب ٹھنڈی سانس لے کر وہاں سے واپس پلٹ پڑا، لیکن اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ کام خاصا مشکل ہے، پھر اچانک ہی اس کے اندر ایک نیا جذبہ بیدار ہو گیا، ایسے مشکل کام ہی تو کامیابی تک پہنچاتے ہیں...... آہ کاش اور کوئی ہوتا نہ ہوتا بینا ساتھ ہوتی مشکل تو پیش آ ہی گئی تھی لیکن اس مشکل میں بینا کا ساتھ دلچسپیوں کا باعث بن جاتا، البتہ اس نے خود ہی اپنے اس خیال کی نفی کی بینا کی طرف متوجہ ہو کر بہت سے معاملات میں پیچھے رہ سکتا تھا...... گاڑی کے پاس پہنچا تو رجب خان گاڑی کے باہر ہی بونٹ پر بیٹھا ہوا تھا، گردن ہلا کر سر جھٹکتے ہوئے بولا۔

"اندازہ ہو رہا ہے پولیس آفیسر کہ تم شدید مشکلوں میں گرفتار ہو گئے ہو، لیکن مجھے تو تم خود بھی کچھ کھسکے ہوئے معلوم ہوتے ہو...... عموماً پولیس والے اتنی محنت کب کرتے ہیں، کیا صرف ایک لڑکی کے قتل کے کیس کے سلسلے میں تم نے اپنی زندگی کو دربدر کر لیا ہے۔"

" گاڑی میں بیٹھو۔" شہاب نے کہا اور رجب خان نے شانے ہلا دیئے، کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے شہاب نے کہا۔

"کسی بھی لمحے اگر تم یہ محسوس کرو کہ میرا ساتھ اب تمہارے لئے نقصان دہ ہو رہا ہے تو جب اور جس وقت چاہو مجھ سے علیحدگی اختیار کر لینا تمہارا خیال بالکل درست ہے، میں دماغی مریض ہوں اور نہیں کہہ سکتا کہ اپنے اس مرض میں کیسی کیسی مشکلات سے گزروں۔"

"تو تم کیا سمجھتے ہو میں تمہیں شکل سے گدھا نظر آتا ہوں یا بزدل مگر اس طرف کہاں

جا رہے ہو؟"

"بہت بڑا دھوکا ہو چکا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"وہ لوگ نکل گئے۔"

"کب کیا اب ان کی کار وہاں نہیں ہے۔"

"ہے۔"

"مطلب تو بتاؤ مائی ڈیئر کیوں مجھے اُلجھنوں میں مبتلا کر رہے ہو۔" شہاب نے اسے ساری تفصیل بتادی اور رجب خان گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر اس نے کہا۔

"کیا وہ لوگ پاگل ہیں۔"

"کیوں۔"

"ارے تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ جو راستہ تمہیں موٹر مکینک نے بتایا ہے وہ ہے تو ہی میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں لیکن اس راستے سے گزر کر پانچ چھ کلو میٹر تک سڑک پر پہنچنا جتنا مشکل کام ہے تمہیں اس کا اندازہ نہیں ہے..... میرا خیال ہے وہ لوگ مصیبت میں پھنس جائیں گے۔"

"مگر ہمیں ان کا تعاقب کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے میں اس سے نہیں منع کرتا، ہمیں ان لوگوں کو نگاہوں میں لے آنا چاہئے ورنہ بارڈی میں پہنچنے کے بعد وہ اس طرح روپوش ہو جائیں گے کہ ہم انہیں تلاش نہ کر سکیں۔"

شہاب نے گردن ہلائی اور رجب خان بہر حال اسے چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھا..... ویسے بھی شہاب کو اندازہ ہو گیا تھا کہ خاصا ضدی اور دیوانہ قسم کا آدمی تھا، تمام وقت اسی طرح گزر گیا تھا اور اب تاریکی چھانے لگی تھی..... تاریکی میں اس کچی سڑک پر سفر کرنا آسان نہیں تھا، لیکن بہر حال شہاب بھی ہر قیمت پر انہیں اپنی نگاہوں میں رکھنا چاہتا تھا۔ کار اونچے نیچے ناہموار راستوں پر اُچھل رہی تھی، گرد کی وجہ سے شیشے چڑھا لئے گئے تھے۔ موسم کسی قدر گرم ہو گیا تھا، حبس کی سی کیفیت تھی اور اس حبس کا نتیجہ بارش کی شکل میں ظاہر ہو گیا..... بارش ایک بار پھر اچانک شروع ہو گئی تھی اور اس طرح اس کچی سڑک پر کار چلانا انتہائی مشکل ہو گیا تھا، اس وقت وہ ایک چڑھائی پر تھے، اگر کسی وادی یا نشیبی علاقے

میں ہوتے تو بڑی مشکل پیش آ جاتی..... بارش کی دُھند پھیلی ہوئی تھی، زمین پر گڑھے تھے جگہ جگہ پانی اُچھل رہا تھا..... شیشے پر آ پڑتا تھا، وائپر اپنا کام بے شک کر رہے تھے، لیکن پھر بھی یہ ایک انتہائی مشکل ڈرائیونگ تھی، رجب خان کافی دیر تک خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

"اگر وہ مسلسل اس بارش میں سفر کر رہے ہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ بڑے ہمت والے ہیں، پھر بارش نے اس طرح راستہ روکا کہ شہاب گاڑی بند کرنے پر مجبور ہو گیا..... بھیانک جنگل تھا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کس جگہ کیا حادثہ پیش آ جائے، لیکن پھر بھی ایک درخت کے نیچے کار روک کر وہ بارش کے کم ہونے کا انتظار کرتا رہا..... بارش آہستہ آہستہ کم ہوتی رہی، راستے پانی میں ڈوب گئے تھے، آگے جا کر نجانے کون سی جگہ دلدل بن جائے..... اگر ذرا سی بد احتیاطی ہو جائے تو خطرناک حادثہ ہو سکتا ہے، لیکن اب اس تاریکی میں آگے بڑھنا زندگی کھونے کے مترادف تھا..... سارا جنون اپنی جگہ لیکن زندگی بچانے کا جنون بھی انسان کی فطرت کا ایک حصہ ہوتا ہے، اب شہاب نے دیوانگی سے کام نہ لیا بلکہ صبح ہونے کا انتظار کرنے کا فیصلہ کر لیا..... قصبے کے ہوٹل سے بھی کچھ سامان منگوا لیا گیا تھا، کھانے پینے کا کوئی مسئلہ نہیں تھا..... رجب خان نے کہا۔

"کیا یہ بہتر نہیں ہوگا لارڈ کہ رات کو ہم پہرہ دیں۔"

"ضرورت نہیں ہے، شیشے چڑھائے ہوئے ہیں، اگر کوئی حادثہ پیش آنا ہی ہے تو پیش آ جائے گا۔"

"مطلب یہ کہ ہم سو سکتے ہیں۔"

"سو جاؤ۔" رجب خان چونکہ زخمی تھا شہاب نے اسے عقبی سیٹ پر بھیج دیا اور خود فولڈنگ سیٹ کھول کر اس پر دراز ہو گیا اور آنکھیں بند کر لیں، وہ دل ہی دل میں نجانے کیسے کیسے خیالات کا شکار تھا..... رہ رہ کر تصور بینا کی جانب ہی جاتا تھا، عجیب سا محسوس کر رہا تھا وہ ایک طویل عرصہ گیا تھا کہ دونوں کے درمیان جدائی نہیں ہوئی تھی، مشکل سے مشکل مرحلے میں شہاب نے اسے ساتھ رکھا تھا لیکن اس وقت صورت حال ہی ایسی پیش آ گئی تھی..... مظلوم ثریا کی لاش اس کی آنکھوں میں گھوم گئی تھی، وہ چھوٹا سا لاوارث خاندان جس کے بے روزگار نوجوان زندگی کی جدوجہد میں مصروف تھے اور وہ باپ جس نے بیٹی کے برا ہونے کے باوجود اسے ایک فاحشہ کے طور پر تسلیم کر لیا تھا..... یہ ساری چیزیں ایسی تھیں

کہ شہاب کو یہ مشقت بری محسوس نہیں ہو رہی تھی، اس کے دل میں انتقام کی آگ تھی۔ ایسے بے کس اور بے سہارا لوگوں کے لئے تو کوئی گہرے انداز میں سوچتا بھی نہیں ہے۔ ان کے ساتھ حادثے ہوتے ہیں اور لوگ لمحوں میں انہیں بھلا دیتے ہیں، لیکن یہ ہونا نہیں چاہئے اور شہاب انہی جذبوں کے تحت کام کر رہا تھا...... نجانے کب نیند آ گئی اور نجانے کب صبح ہو گئی، جب وہ جاگا تو اس نے سامنے والی پہاڑی کی چڑھائی پر آگے جانے کا راستہ دیکھا اور اس کے بعد رجب خان کو بھی جگا دیا...... رجب خان جاگا اور ہنستا ہوا بولا۔

"واہ مائی ڈیئر لارڈ نیند بھی کیا چیز ہوتی ہے، شاید تمہیں اندازہ نہ ہو کہ رات کو خواب میں میں نے اپنے مقتولوں کی تعداد بیس کر دی تھی اور میرے خواب عموماً سچے ہوتے ہیں۔"

"تم فکر مت کرو ڈرائیونگ تم ہی کرو گے، ویسے میں بھی اتنی ہمت رکھتا ہوں، اگر تھک جاؤ تو مجھے بتا دینا میرا خیال ہے میرے بدن میں بہہ جانے والے خون کا بدل پیش کر رہا ہے، اب میں خاصا توانا محسوس کر رہا ہوں اپنے آپ کو۔"

"پھر بھی آرام کرو، چائے مجھے بھی دینا...... چائے بالکل گرم تھی، خالی چائے پینے کے بعد شہاب نے ڈرائیونگ کا آغاز کر دیا...... پہاڑی پر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ نشیب میں وادی کے اندر ایک پتلی سی ندی تھی، جس کے بعد سڑک ایک اور پہاڑی پر چڑھتی تھی...... ندی کا پانی تو بہہ چکا تھا، لیکن دلدلی راستے میں ایک کار پھنسی ہوئی تھی...... شہاب نے جلدی سے اپنی کار روک لی اور اسے تھوڑا سا ریورس کیا اور راستے کے کنارے پر روک لیا۔

رجب خان نے اس سے پوچھا تو وہ بولا۔

"میرا خیال ہے وہ لوگ آگے موجود ہیں اور کسی مشکل کا شکار ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"میں دیکھتا ہوں۔"

"میں بھی دیکھتا ہوں۔" رجب خان بھی باہر نکل آیا...... پہاڑی کے اوپر پہنچ کر انہوں نے ایک اُبھرے ہوئے پہاڑی پتھر کی آڑ میں پناہ لی اور نیچے کا منظر دیکھنے لگے، وہ نظر آ رہے تھے اور ایک نگاہ میں ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہی چاروں ہیں شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، بات واقعی بڑی عجیب سی تھی...... شہاب تو خیر ان راستوں کا اجنبی تھا لیکن وہ لوگ کیوں یہ مصیبت مول لے رہے تھے، کیا ان کے لئے باڑی تک پہنچنا اتنا ہی ضروری تھا یا

ان بات کا احساس ہو گیا تھا کہ ان کا تعاقب کیا جا رہا ہے اور جلد از جلد اس تعاقب سے آزاد ہو جانا چاہتے تھے، نجانے کیا مسئلہ تھا لیکن بہرحال شہاب نے یہاں اس شخص کو بھی دیکھا جس کے بارے میں دانی شاہ کا تصور کیا جا سکتا تھا اور رجب خان نے لمحوں میں اس کی تصدیق کر دی۔

وہ جو لمبا کوٹ اور بڑے بالوں والی ٹوپی پہنے ہوئے ہے وہ دانی شاہ ہی ہے باقی اور اس کے ساتھی ہیں، آہا شاید وہ کسی بڑی مصیبت کا شکار ہو گئے ہیں۔" شہاب اِدھر دیکھ رہا تھا، وہ لوگ جھاڑیاں گھاس اور شاخیں گاڑی کے پچھلے پہیوں کے نیچے رکھ رہے تھے۔

"یہ کیا کر رہے ہیں۔"

"غالباً ان کے ٹائر کیچڑ میں پھنس گئے ہیں۔"

"مگر اس سے کیا ہو گا۔"

"بے وقوفی ہے ان کی جب پہیئے گھومیں گے یہ گھاس پھونس کیچڑ میں دھنس جائے گا، اچھا ہے ان کتوں کو اسی طرح سزا ملنی چاہئے، بلاشبہ وہ غلطی ہی کر رہے تھے، کچھ انتظار کرتے تو کیچڑ دھوپ سے خشک ہو جاتا اور وہ کسی دشواری کے بغیر گزر جاتے، لیکن وہ جلدی میں نظر آتے تھے...... کار چڑھائی پر تھی، پھر ان میں سے ایک شخص نے اسٹیرنگ پر بیٹھ کر کار سٹارٹ کی، ایک آدمی پچھلے پہیوں کو اٹھا کر کیچڑ سے نکالنے کی کوشش کر رہا تھا، کار سٹارٹ ہوئی، پہیے بڑی تیزی سے گردش کر کے اچانک بڑی تیزی سے آگے بڑھے اور پھر تیزی سے کار پیچھے آئی جو شخص پیچھے موجود تھا اور کار کو دھکا لگا رہا تھا اس نے کار کی زد سے بچنے کے لئے پیچھے ہٹنے کی کوشش کی لیکن اس کا ایک پاؤں گڑھے میں چلا گیا اور وہ چت گر پڑا، کار کے پہیے اس کو کچلتے ہوئے اس کے سینے سے گزر گئے، اس کی دلخراش چیخ یہاں تک سنائی دی تھی اور رجب خان کا قہقہہ شہاب کے کانوں کو چیرتا ہوا گزر گیا تھا۔

"ایک اور گیا۔" رجب خان نے آواز لگائی، شہاب کے جبڑے بھنچ گئے...... انسانی زندگی کو اتنی بے قدری سے ختم ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا...... شہاب کوئی فیصلہ نہیں کر سکا کہ کیا کرنا چاہئے، وہ لوگ نیچے اتر آئے تھے اور اپنے تڑپتے ہوئے ساتھی کو دیکھ رہے تھے، پھر وہ اس کے پاس سے کچھ دُور ہٹ گئے اور اس کے بعد ان میں سے ایک واپس پلٹا زخمی نے ہاتھ اٹھا اٹھا کر ان سے کچھ کہہ رہا تھا...... وہ شخص جو واپس پلٹا تھا اس کے قریب پہنچا

اور اس کے بعد اس نے اپنے لباس سے پستول نکالا اور اپنے ساتھی کے سر میں گولی ماردی
شہاب کی آنکھوں میں خون اُبلنے لگا تھا، رجب خان دلچسپی سے اس منظر کو دیکھ رہا تھا......
وحشیانہ حرکت کے بعد وہ شخص جھکا اور مرنے والے کے لباس کو ٹٹولنے لگا...... غالباً اس
اس کے لباس سے کچھ چیزیں نکالی تھیں اور اس کے بعد جھک کر مرنے والے کی ٹانگیں پکڑ
تھیں، پھر وہ اس کی لاش کو گھسیٹتا ہوا جھاڑیوں کی طرف بڑھا اور زوردار جھٹکے سے اس
لاش جھاڑیوں کے پیچھے پھینک دی، بالکل اسی طرح جیسے سڑک پر مرجانے والے کسی کتے
پھینک دیا جاتا ہے...... شہاب اس سے اندازہ لگا رہا تھا کہ وہ لوگ کس قدر درندہ صفت
تھے...... رجب خان مسلسل چہک رہا تھا، جب ان لوگوں میں سے کوئی مرتا ہے نا مائی ڈیئر
یقین کرو میرے دل میں ٹھنڈک پڑ جاتی ہے...... اگر تم اس شخص کے لئے افسردہ ہو جو
کے نیچے کچل کر مرگیا تو میں تو یہی مشورہ دوں گا کہ اپنے دل سے یہ خیال نکال دو مرنے
والے نے نجانے کتنے لوگوں کو ماردیا ہوگا اور پھر یہ لوگ بگ لارڈ تم غور کرو یہ لوگ زہر
تقسیم کرتے ہیں، کیا یہ سب نہیں جانتے کہ ان کا دیا ہوا زہر کس طرح انسانوں کا سکون چھین
رہا ہے، کسی گھر کا ایک انسان اگر اس زہر کا شکار ہوتا ہے تو ایک خاندان اس کا شکار ہو جاتا ہے۔"

"مجرموں کو پھانسی کے پھندے پر لٹکا ہوا دیکھ کر زیادہ سکون ہوتا ہے...... رجب خان
انسان کمبخت کتنا ہی برا ہو جائے...... یہ احساس ضرور رہتا ہے کہ وہ انسان ہے۔" شہاب نے
افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

"تمہارا خیال ہے بگ لارڈ اور پھر میں اس سے اتفاق نہیں کرتا۔"

"کیوں؟"

"مجھے سوری کرنا بگ لارڈ...... ابھی میں تم پر حملہ کروں تو تم ساری اخلاقیات بھول
جاؤ گے، چاہے تم اسے اپنا دفاع ہی کہو، لیکن تم بھرپور انداز میں مجھ پر جوابی حملہ کرو گے اور
میرے حملے کی جتنی بھی شدت ہوگی تم اسی شدت سے میرے ساتھ پیش آؤ گے...... جس
میں میری موت بھی واقع ہو سکتی ہے، معاف کرنا بگ لارڈ انسانی فطرت میں رحم بے شک
ہوتا ہے لیکن اسی وقت تک جب تک خود اس کی ذات خطرے میں نہیں پڑ جاتی۔" شہاب
رجب خان کے الفاظ پر غور کرنے لگا، ایک طرح سے ٹھیک ہی کہہ رہا تھا...... فطرت انسانی
بڑی اُلجھی ہوئی ہے اور شاید کسی دانشور کا یہ مقولہ درست ہی ہے کہ اگر کوئی انسان اپنی ذات

کو سمجھ لے تو کائنات اس کی سمجھ میں آجائے، لیکن بڑا مشکل کام ہے بلکہ ایک طرح سے
ناممکن آگے جانے والی گاڑی آگے بڑھی تو ان لوگوں نے بھی اپنی کار آگے بڑھادی...... اب
یہ آگے میدانی علاقہ تھا اور اس میدانی علاقے میں وہ انہیں باآسانی دیکھ سکتے تھے......
اس لئے شہاب نے کار کی رفتار سست ہی رکھی اور خاصا فاصلہ رکھ کر سفر کرتا رہا، دو چار بار اس
کے ذہن میں اُلجھن سی پیدا ہوئی تھی کوئی بھی پولیس آفیسر ہوتا تو اتنے غیر محتاط انداز میں
نہیں کرتا...... یہ تینوں افراد اس کے سامنے تھے اور وہ جانتا تھا کہ یہی ثریا کے قاتل ہیں، وہ
چاہتا تو انہیں یہیں چھاپ لیتا اور گرفتار کرکے واپس دارالحکومت لے جاتا لیکن اس کی
فطرت میں بھی جنون ہی تھا، اب جبکہ یہ بات دماغ میں بیٹھ گئی تھی کہ ان لوگوں کے بارے
میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرلے اور مستقبل میں ان کے خلاف اعلیٰ پیمانے پر
کارروائی کرے تو اس کا نظریہ ہی بدل گیا تھا، حالانکہ اس علاقے کے بارے میں اسے بالکل
معلومات حاصل نہیں تھیں، وہ اس طرف کبھی نہیں آیا تھا...... باڑی میں اگر پولیس چوکی
کوئی بھی تو ظاہر ہے وہاں کے افسران مقامی لوگ ہوں گے اور ایسے علاقے کے بارے میں
...شہاب کو اتنا اندازہ ضرور تھا کہ وہ لوگ جو غلط کام کرتے ہیں سب سے پہلے قانون ہی کو
اپنے چکر میں پھانسنے کی کوشش کرتے ہیں، ممکن ہے یہاں کسی سے رابطہ شہاب کے لئے
مشکل ہی بن جائے، چنانچہ ایسا کوئی کام کرنے کا ارادہ تو اس نے ترک ہی کردیا تھا، حالانکہ نادر
...صاحب نے اسے یہ سہولت فراہم کی تھی کہ اگر وہ ضروری سمجھے تو پورے ملک کے
کسی بھی علاقے میں اپنے لئے پولیس کی مدد حاصل کرلے لیکن بس اس کا جنون اسے اس بار
...سے مختلف راستہ اختیار کرنے پر مجبور کررہا تھا، خاصا فاصلہ طے ہوا اور اس کے بعد ایک
...دیوار شروع ہوگئی جس کے اوپر فصیلیں بنی ہوئی تھیں...... شہاب نے رجب خان سے
اس کے بارے میں پوچھا تو وہ بولا۔

"یہ فصیل جس طرف گھومے گی بس اس سے گھومتے ہی باڑی کی آبادی شروع
ہو جائے گی۔"

"یہ کیا ہے؟"

"قلعہ باڑی ہے۔"

"اس کی بھی کوئی تاریخ ہوگی؟" شہاب نے سوال کیا اور رجب خان ہنسنے لگا پھر بولا۔

"اس زمین کی بھی ایک تاریخ ہے بگ لارڈ کون کون سی تاریخوں کے چکر میں پڑو گے۔" شہاب ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا، وہ لوگ سفر کرتے رہے...... اس کے بعد جب وہ موڑ سے گھومے تو انہیں وہ کار نظر آ گئی...... سامنے ہی آبادی پھیلی ہوئی تھی، شہاب کو اندازہ نہیں تھا کہ چھوٹے سے نام کا یہ شہر اس قدر بڑا ہو گا...... تاحد نظر پہاڑوں کے دامن میں ایک غیر ترتیب شہر بھرا ہوا تھا، سڑکیں تنگ تھیں لیکن آبادی بے پناہ تھی، خاصا فاصلہ طے کیا گیا...... شہاب یہاں کے ماحول میں ایک وحشت خیزی دیکھ رہا تھا لیکن بہرحال سست رفتاری سے آگے بڑھتے رہے...... پھر شہاب نے رجب خان سے پوچھا۔

"باڑی میں آنے کے بعد میں جانتا ہوں کہ ان لوگوں کی تلاش مشکل کام ہو گی۔"

"یہ تم نے کیسے سمجھ لیا مائی ڈیئر؟"

"کیوں؟"

"مجھے وہ تمام ٹھکانے معلوم ہیں جہاں ہم انہیں کھونے کے بعد تلاش کر سکتے ہیں" شہاب نے آنکھیں بند کر کے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو تم کوئی پراسرار جن معلوم ہوتے ہو، تمہیں سب کچھ معلوم ہے اس باوجود تم میرے ساتھ لگے ہوئے ہو۔"

جواب میں رجب خان ہنسا پھر بولا۔

"تمہارا ساتھ مجھے اچھا لگ رہا ہے...... بگ لارڈ اور یہ بھی سن لو کہ زندگی میں میں نے کبھی کسی کی خوشامد نہیں کی ہے...... تم بڑے معتدل آدمی ہو، لگتا ہے ضرورت کے وقت خوفناک درندے سے زیادہ خونخوار ہوتے ہو گے اور عام حالات میں بالکل نارمل...... جہاں تک میری بات ہے تو میں بھی سپر مین نہیں ہوں، ڈرتا ہوں حالات سے اور پھر یہ زخم جو آ گئے ہیں انہوں نے تو مجھے معطل ہی کر دیا ہے بگ لارڈ...... یقین کرو کئی بار سوچ چکا ہوں کہ اپنا ارادہ ترک کر دوں۔"

"بے وقوف وہ تمہیں پہچانتے بھی ہوں گے۔"

"کتنی بار یہ سوال کر چکے ہو بگ لارڈ وہاں وہ مجھے پہچانتے ہیں ان میں سے ایک مجھے جانتا ہے لیکن۔"

"لیکن کیا؟"

"لیکن وہ مجھے پہچان نہیں سکیں گے۔"

"کیا تم نے اپنے چہرے میں کوئی نمایاں تبدیلی پیدا کر لی ہے۔"

"ایسا ہی سمجھو۔"

رجب خان نے کہا اور شہاب خاموش ہو گیا، کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"ان کی کار بھیڑ میں گم ہو چکی ہے۔"

"فکر مت کرو جب بھی کہو گے انہیں تلاش کر کے تمہارے سامنے کر دوں گا۔"

"کہیں قیام کے لئے کوئی جگہ ہے؟"

"ہاں ہے۔"

"کون سی۔"

"زارک کی سرائے...... زارک بہت شریف آدمی ہے...... میں تمہیں راستہ بتائے دیتا ہوں، ادھر چلو۔" چنانچہ شہاب اس طرف چل پڑا، ایک اونچے سے پہاڑی ٹیلے پر کچی مٹی سے بنی ہوئی عمارت نظر آ رہی تھی، لیکن کافی وسعت میں تھی، کار کا اوپر جانے کا راستہ بڑا صاف ستھرا تھا...... حیرت ناک بات یہ تھی کہ اس بے ترتیب شہر میں اس عمارت کی ترتیب بہت شاندار تھی...... کار کو اوپر لے جانے کے بعد ایک پارکنگ میں کھڑا کر دیا گیا اور اس کے بعد اس عجیب و غریب سرائے میں رہنے کے لئے جگہ حاصل کر لی گئی۔ بڑا سا وسیع کمرا تھا، اچھے بستر لگے ہوئے تھے اور روشن اور ہوادار بھی اور رجب خان نے کہا۔

"بگ لارڈ اگر تم اجازت دو تو تھوڑا وقت میں آرام کر لوں یہ میرا علاج ہو گا۔"

"میں یہاں تمہارے لئے کوئی اچھا ڈاکٹر تلاش کرتا ہوں۔"

"یقین کرو بگ لارڈ مجھے اس کی ضرورت نہیں پیش آئے گی...... ہاں کچھ ایسی دوائیں جو زخموں کو خشک کرنے میں مددگار ثابت ہوں اگر خرید کر لا دو تو تمہاری مہربانی ہو گی۔"

"ٹھیک ہے...... میں ایسا کر لوں گا۔"

"حالانکہ میں جانتا ہوں اس سے پہلے بھی زخمی ہوا ہوں، تمہیں بتا چکا ہوں میرے زخم خود بخود ٹھیک ہو جاتے ہیں، لیکن پھر بھی احتیاطاً زیادہ تیز رفتاری سے کام کرنے کے لئے اگر کچھ دواؤں کا استعمال ہو جائے تو بہتر رہے گا۔" شہاب نے گردن ہلا دی، اس کے بعد اس نے اپنا چہرہ وغیرہ دھویا اور سرائے سے باہر نکل آیا، خوش قسمتی سے ایک میڈیکل سٹور

تھوڑے ہی فاصلے پر مل گیا تھا...... کیمسٹ سے مشورہ کر کے شہاب نے زخم خشک کرنے والی دوائیں اور کچھ طاقت کی دوائیں خریدیں اور واپس زارک کی سرائے پہنچ گیا...... ان تمام چیزوں کا استعمال بتانے کے بعد وہ بیٹھ گیا اور اس نے کہا۔

"مجھے یہ بتاؤ باڑی کے مختلف راستوں کے بارے میں کس سے معلومات حاصل کی جائیں۔"

"اگر تم سوچ رہے ہو بگ لارڈ کہ تمہیں باڑی کا کوئی نقشہ دستیاب ہو جائے گا تو اس سے زیادہ مضحکہ خیز بات اور کوئی نہیں ہو گی، یہ جگہ بالکل بے ترتیب ہے اور ایسی بے ترتیب جگہوں کے نقشے بنانا مشکل کام ہے اور پھر یہاں اس کی ضرورت ہی کون محسوس کرتا ہے، میں اب بھی یہی رائے دوں گا کہ تم بھی کچھ وقت آرام کر لو۔"

"مجھے آرام کی ضرورت نہیں ہے۔" شہاب نے کہا اور پھر اُٹھتا ہوا بولا۔

"میں چل رہا ہوں، یہ جگہ زارک کی سرائے کہلاتی ہے ناں، اگر راستے بھول گیا تو یہاں کے بارے میں معلومات حاصل کر سکتا ہوں۔"

"میرا تو خیال ہے کہ تم راستے بھولو گے ہی نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" اور اس کے بعد شہاب باہر نکل آیا، اسے اس بات کا تو اندازہ تھا کہ دانی شاہ یا اس کے آدمی ابھی تک اسے پہچان نہیں سکے ہوں گے...... شناسائی ہی نہیں ہوئی تھی، لیکن پھر بھی ذرا حلیے وغیرہ میں تبدیلی کر لینا ضروری تھا، ہو سکتا ہے بازاروں میں مقامی لباس مل جائیں اور اس کے بعد کوئی مشکل نہیں رہے گی...... تھوڑا سا وقت گزرا تھا لیکن شہاب نے یہاں کے لوگوں کے رہن سہن کو جان لیا تھا، پھر وہ باہر نکل آیا، تنگ بازار ان میں پھنسی پھنسی دکانیں اور ان دکانوں میں بے پناہ ساز و سامان ایک عجیب سی کیفیت کا حامل تھا...... شہاب راستے دیکھتا ہوا آگے بڑھتا رہا پھر اسے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اچانک ہی اس نے دانی شاہ کے ایک آدمی دیکھا، وہ بھی بازار میں کچھ خریداری کر رہا تھا، اس کے ہاتھ میں پلاسٹک کا ایک تھیلا لٹکا ہوا تھا جس میں خاصا کچھ نظر آ رہا تھا...... شہاب محتاط ہو گیا اور اس نے احتیاط کے زیر نگاہ اپنے آپ کو ذرا پوشیدہ ہی رکھا، اس وقت وہ جس جگہ موجود تھا یہ کسی قدر تاریک تھی، وہ ایک گوشے میں جا کر کھڑا ہو گیا اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ کم از کم رجب خان پر اس قدر بھی بھروسہ نہ کیا جائے کہ اس پر پورا ہی انحصار کر لیا جائے، اس شخص کے تعاقب

کے نتیجے میں کوئی پوائنٹ معلوم ہو سکتا ہے، چنانچہ جب وہ آگے بڑھا تو شہاب اس کے پیچھے چل پڑا، اس کا رُخ اسی جانب تھا جدھر سے شہاب آیا تھا۔ شہاب خاصا فاصلہ دے کر تعاقب کرتا رہا، اسے نجانے کیوں ایک دم یہ احساس ہوا تھا کہ کہیں دانی شاہ بھی اسی سرائے ہی میں نہ ٹھہرا ہو جہاں ان لوگوں کا قیام تھا، لیکن وہ سرائے کے سامنے سے ہوتا ہوا دائیں جانب کے ایک اور بازار کی سمت مڑ گیا...... بازار کو عبور کرنے کے بعد ایک رہائشی علاقہ آ جاتا تھا جس میں اچھے خاصے بڑے بڑے پکے مکانات بنے ہوئے تھے...... یہاں ہر سمت تاریکی اور سناٹا تھا...... شہاب محتاط ہو کر چلتا رہا...... یہاں تک کہ آگے جانے والا آدمی ایک بلند چار دیواری میں بنے گیٹ کے اندر داخل ہو گیا...... شہاب رُک گیا تھا...... تاریکی کی وجہ سے یہ اندازہ کرنا دشوار تھا کہ وہ دروازے کے اندر چلا گیا ہے یا خود بھی چھپ کر کھڑا ہو گیا ہے، لیکن جب ایسی کسی تحریک کا اظہار نہ ہوا تو شہاب بھی دبے پاؤں آگے بڑھا...... وہ شخص وہاں موجود نہیں تھا، اس کا مطلب تھا کہ وہ اندر جا چکا ہے...... شہاب چار دیواری کے ساتھ چلتا رہا، چوکور احاطے کے گرد بنی ہوئی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا وہ پھر واپس بڑے گیٹ پر آ گیا...... یہاں سے اس نے جھانک کر اندر دیکھا اندر تاریکی پھیلی ہوئی تھی...... شہاب کے اندر ایک ہیجان سا برپا ہو گیا تھا...... حیران کن طریقے سے وہ ان کے ٹھکانے سے واپس ہو گیا تھا اور ٹھکانہ بھی سرائے سے اتنے فاصلے پر نہیں تھا کہ شہاب کو وہاں تک دوبارہ پہنچنے میں کوئی دقت ہوتی، ایک بار پھر اس نے چار دیواری کے گرد چکر لگایا اور اسے ایک ایسی جگہ نظر آ گئی جہاں دیوار سے چند اینٹیں نکلی ہوئی تھیں...... شہاب اس کے ذریعے با آسانی اوپر چڑھ سکتا تھا، دیوار چونکہ تقریباً پندرہ فٹ کے قریب بلند تھی اس لئے احتیاط سے وہ اوپر پہنچا...... یہاں پہنچ کر اس نے اندر جھانکا اور احاطے میں مدھم سی روشنی پھیلی ہوئی تھی، دیوار کے ساتھ بنے ہوئے شیڈ کی چھت خاصی مضبوط نظر آ رہی تھی اور وہ اس دیوار کے ساتھ ہی تھی...... چنانچہ شہاب اس پر اتر گیا اور پھر وہاں سے اسے نیچے پہنچنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی تھی، اندر بے ترتیب درخت پھیلے ہوئے تھے...... لمبی لمبی گھاس چاروں طرف بکھری ہوئی تھی، سامنے کشادہ سا صحن تھا جس کے بعد چھوٹے چھوٹے کمرے سے بنے ہوئے تھے، بہت ہی وسیع جگہ تھی یہاں سے گزرنے کے بعد سامنے والی عمارت میں داخل ہوا جا سکتا تھا...... شہاب نے اس عمارت کے درمیان جگہ جگہ چنی ہوئی اینٹیں دیکھیں، کچی اینٹیں تھیں،

جنہیں غالباً بھٹی میں پکایا بھی نہیں گیا تھا...... طرز تعمیر کچھ ایسی ہی تھی یہاں کی بہر حال وہ دیوار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا رہا...... کچھ کھڑکیوں سے روشنی جھلک رہی تھی شہاب نے ایک جگہ پھر اپنے آپ کو پوشیدہ کیا اور راستے کا اندازہ کرتا رہا جس جگہ سے روشنی جھلک رہی تھی، وہاں یقیناً لوگ موجود ہوں گے...... وہ ان تک پہنچنے کی کوشش کرنے لگا اور اس کے لئے اسے خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا...... عمارت پرانی تھی اور ڈر لگتا تھا کہ کہیں کوئی آہٹ نہ ہو جائے...... شہاب آہستہ سے چلتا ہوا ایک راہداری میں آیا اور اس کے بعد اس نے ہمت کر کے ایک کمرے کی کھڑکی سے اندر جھانکا، بڑا سا کمرا تھا جس کے فرش پر پرانی دری بچھی ہوئی تھی...... کونے میں ایک بڑا سا بکس رکھا ہوا تھا، لیمپ جل رہا تھا...... اس کمرے میں ایک اور کمرے کا دروازہ کھلا ہوا نظر آرہا تھا جہاں سے کچھ آوازیں شہاب کے کانوں میں پڑ رہی تھیں...... چند لمحے تک وہ اسی کھڑکی سے اندر جھانکتا رہا اور پھر وہاں سے آگے بڑھا، اندازہ یہ تھا کہ کمرے کے اندر جو کمرا موجود ہے اس کے عقب میں کہیں نہ کہیں کھڑکی ضرور ہو گی، چنانچہ وہ اس کھڑکی کی تلاش میں مزید تھوڑا سا چکر کاٹ کر آخر کار اس کمرے کی پشت پر پہنچ گیا، جب اس نے کھڑکی سے جھانک کر اندر دیکھا تو اسے دس بارہ افراد نظر آئے...... وہ شخص جس کا تعاقب کرتا ہوا وہ یہاں تک پہنچا تھا ان میں موجود تھا...... یہ سارے کے سارے دائرے کی شکل میں بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے اور ان کے سامنے سالم بکرے رکھے ہوئے تھے جن میں چاول بھرے ہوئے تھے...... گوشت اور چاولوں کی اشتہا انگیز خوشبو چکرا رہی تھی اور شہاب سوچ رہا تھا کہ کیا ہی عمدہ غذا ہو گی...... بہر حال اس کے بعد وہ اپنی جگہ رکا رہا، کھانے سے فراغت حاصل ہو گئی...... خوان اٹھا لئے گئے، شہاب کو یہ جگہ کافی محفوظ معلوم ہوئی تھی، جہاں سے وہ ان کا جائزہ لے رہا تھا...... یہاں کسی کے آجانے کا کوئی خطرہ نہیں تھا...... دانی شاہ بھی نظر آیا جو اب ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا، اس کے سامنے حقہ لا کر رکھ دیا گیا اور دانی شاہ اس کے گہرے گہرے کش لینے لگا، پھر اس نے کہا۔

"سب سے پہلے میں یہ تین نام اس میں سے کاٹ رہا ہوں...... ہمارا ایک آدمی تو وہیں دارالحکومت میں مارا گیا، دوسری وہ لڑکی تھی جسے راستے سے ہٹانا پڑا۔"

"سالار اس لڑکی کا قصہ سمجھ میں نہیں آیا۔" ایک اور شخص نے کہا وہ ان تینوں میں سے تھا جو دانی شاہ کے ساتھ آئے تھے۔

"وہ غلط چکروں میں پڑ گئی تھی...... پیٹ بھرا تو عشق کی سوجھی اور گڑبڑ کرنے لگی...... خطرہ پیدا ہو گیا تھا اس لئے اسے راستے سے ہٹا دینا مناسب سمجھا...... تیسرا آدمی ایک حادثے کا شکار ہو گیا...... ابھی آتے ہوئے میں تمہیں بتا چکا ہوں۔"

"ہاں سالار ہم اس کی موت پر افسردہ ہیں۔"

"مال کے سارے اندراجات مکمل کر لئے گئے؟"

"ہاں سالار بالکل۔"

"کوئی گڑبڑ تو نہیں ہے حساب کتاب میں؟"

"بالکل نہیں سالار...... رقم جمع کر کے اندراج کر لی گئی ہے اور اُسے مرکز پر پہنچا دیا گیا ہے۔"

"رسیدیں کہاں ہیں؟"

"رجسٹر پر چپکا دی گئی ہیں سالار...... اگلے صفحے پر دیکھئے گا۔" دانی شاہ نے صفحہ الٹا اور شاید ان رسیدوں کو چیک کرنے لگا پھر اس نے کہا۔

"دارالحکومت میں گڑبڑ ہے میرا خیال ہے عارضی طور پر ہمیں یہ اڈے بند کر دینے چاہئیں اور Export پر توجہ دینی چاہئے۔"

"سالار آج کل Export میں بھی بڑی گڑبڑ ہو رہی ہے...... وہ لوگ تعاون نہیں کر رہے جو ہمیشہ ہمارے ساتھ تعاون کرتے رہے ہیں۔"

"دس بیس کو اُڑا دو باقی ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"سالار پہلے بھی یہ کوشش کی گئی ہے نتیجے میں راستے ہی بند ہو گئے۔"

"مرکز سے بات کی جائے گی، اس کے بعد دیکھیں گے۔"

"اور باقی سب ٹھیک ٹھاک ہے سالار۔"

"ہونہہ۔" سالار رجسٹر چیک کرتا رہا اس کے بعد اس نے وہ رجسٹر ایک طرف سرکا دیا اور حقہ دوبارہ طلب کر لیا...... شہاب کی نگاہیں اس رجسٹر پر جمی ہوئی تھیں، پھر جب سالار نے رجسٹر لانے والے شخص سے کہا کہ رجسٹر واپس رکھ دیا جائے تو شہاب نے اپنی جگہ چھوڑ دی بڑی احتیاط کے ساتھ وہ آہستہ سے چلتا ہوا ایک دوسری کھڑکی تک پہنچا...... ایک شخص

رجسٹر سنبھالے ہوئے باہر نکل رہا تھا اور باہر نکل آیا تھا...... اب شہاب بلی کی طرح دبے قدموں چلتا ہوا اس کا تعاقب کر رہا تھا...... وہ جگہ دیکھنے کا خواہشمند تھا جہاں یہ رجسٹر رکھا جاتا ہے اور عمارت کے ایک بڑے سے کمرے میں داخل ہونے کے بعد اس شخص نے ایک الماری کا دروازہ کھولا شہاب دروازے کی چابی کے سوراخ سے اندر جھانک رہا تھا اندر چونکہ روشنی تھی اس لئے وہ اس شخص کو الماری میں رجسٹر رکھتے ہوئے دیکھ رہا تھا لیکن بس یہیں چوک ہو گئی، اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس کے عقب میں بھی کوئی آ گیا ہے اور اچانک ہی آیا ہے...... شہاب کو کی ہول سے اندر جھانکتے دیکھ کر وہ شخص چونک پڑا تھا اور دوسرے لمحے اس کی غراتی ہوئی آواز اُبھری۔

"کون ہے بھئی تو...... کھڑا ہو جا۔" شہاب ایک لمحے کے لئے ساکت رہ گیا اور اس کے بعد اس نے اس آواز ہی سے محسوس کیا کہ جو شخص بھی اس کے عقب میں ہے وہ کتنے فاصلے پر ہو سکتا ہے...... پھر ایک اندھی چال تھی اس کی اس نے منہ دروازے کی طرف کئے کئے ہی داہنی ٹانگ اندازے سے اوپر اٹھائی اور اس قوت سے اٹھائی کہ ٹانگ اس شخص کے دونوں پیروں کے درمیان پوری قوت سے لگی اور اس کے حلق سے ایک دلدوز کراہ نکل گئی...... شہاب نے فوراً ہی پلٹ کر اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور اپنے انداز پر خود ہی خوشی سے پھولا نہ سمایا...... ایک دھماکے سے پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر دوسری طرف جا گرا تھا، اندر موجود شخص باہر کی اس گڑبڑ کو سن کر برق رفتاری سے باہر نکلا تھا اور شہاب اس کے لئے پوری طرح تیار تھا...... چنانچہ اس نے اس کے باہر نکلتے ہی اس کی گردن دبوچ لی اور اس طرح دیوار سے دے مارا اسے کہ وہ کچھ سمجھ بھی نہیں سکا...... شہاب جانتا تھا کہ یہ آوازیں رات کے اس سناٹے میں دوسروں کے کانوں سے بچی نہ رہی ہوں گی، اب ایک ہی مسئلہ تھا ان دونوں کو اس نے زخمی کر دیا تھا اور دونوں ہی بری کیفیت کا شکار تھے...... یا تو یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کی جائے یا پھر اس رجسٹر پر ہاتھ کی صفائی دکھائی جائے...... اتنا کام کرنے کے بعد اس کا دل نہ چاہا کہ رجسٹر یہاں چھوڑ دے چنانچہ وہ برق رفتاری سے کمرے میں داخل ہوا...... رجسٹر لوہے کی الماری میں رکھا ہوا تھا اور چونکہ وہ شخص جو رجسٹر لے کر یہاں تک آیا تھا...... الماری لاک نہیں کر سکا تھا، اس لئے رجسٹر سامنے ہی نظر آ رہا تھا...... شہاب نے چیل کی طرح اس پر جھپٹا مارا اور پھر اسے لے کر دروازے کی جانب لپکا بس ایک چانس ہی تھا

شہاب ...یا تو مزے اور اگر ناکام رہا تو یقینی طور پر گڑبڑ ہو جائے گی، باہر دونوں اب بھی بیہوش تھے اور اندر سے آوازیں سنائی دے رہی تھیں، چنانچہ شہاب نے باہر کی سمت چھلانگ لگا دی، پھر عقب سے ایک آواز سنائی دی۔

"اے کون ہو ٹھہرو۔" شہاب نے انتظار نہیں کیا اور ایک اور چھلانگ لگائی، وہ لوگ اب پوری طرح ادھر متوجہ ہو گئے تھے...... شہاب جس قدر تیزی سے دوڑ سکتا تھا دوڑتا ہوا بیرونی احاطے میں پہنچا اور پھر بھاگتا ہوا چاردیواری کے پاس پہنچ گیا، اسے معلوم تھا کہ وہ گیٹ کی سمت جائیں گے اس لئے وہ اس شیڈ کی سمت بھاگا جس کی چھت سے اتر کر وہ اندر آیا تھا...... اس دوران چیخ و پکار ہو چکی تھی...... سب خبردار ہو چکے تھے، لیکن خوش قسمتی سے وہ احتیاط سے کام لے رہے تھے اور شہاب کی صحیح سمت کا اندازہ نہیں لگا پائے تھے، ان کی اسی تاخیر نے شہاب کو شیڈ کی چھت پر چڑھنے کا موقع فراہم کر دیا...... رجسٹر بھی کافی وزنی تھا، دوڑنے کے ساتھ ساتھ اسے بھی سنبھالنا پڑ رہا تھا، اسی رجسٹر کی وجہ سے اتنی گڑبڑ ہوئی تھی، ورنہ شہاب اب کچھ اور دیر رک کر ان کے معاملات جاننے کی کوشش کرتا، بہرحال اس نے چاردیواری سے نیچے چھلانگ لگا دی اور بری طرح نیچے گرا، یہی شکر تھا کہ نیچے کی زمین نرم تھی اس لئے چوٹ نہیں آئی تھی، وہ اٹھ کر سرپٹ دوڑ پڑا، اس سے پہلے کہ وہ گیٹ سے باہر آتے شہاب اس عمارت سے کافی دُور نکل گیا تھا، لیکن شاید انہوں نے بھی اسے دیکھ ہی لیا تھا کیونکہ شہاب اپنے پیچھے قدموں کی آوازیں سن رہا تھا...... نجانے کیوں وہ گولی نہیں چلا رہے تھے، بس اسے تقدیر کی یاوری ہی کہا جا سکتا تھا ورنہ جگہ ایسی تھی کہ وہ اسے آسانی سے گولیوں کا شکار بنا سکتے ہیں یا پھر غالباً یہ ان کے سالار کی ہدایت تھی کہ اسے زندہ ہی پکڑا جائے۔

بہرحال یہ ہدایت اس وقت شہاب کے لئے بڑی کارآمد ثابت ہو رہی تھی، وہ اس چکر میں تھا کہ دوڑ کر بھری پری جگہ پہنچ جائے جہاں وہ لوگ اسے پکڑ نہ پائیں...... کافی فاصلے پر ایک ویسا ہی تنگ بازار تھا جس میں اس وقت بھی خاصی رونق ہو رہی تھی، بازار تک پہنچ جانا ہی شرط تھی اس کے بعد شہاب آسانی سے انہیں جل دے سکتا تھا اور وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو گیا...... تعاقب کرنے والوں کو اس نے بخوبی دیکھ لیا تھا لیکن لوگوں کی بھیڑ میں وہ اس تک نہیں پہنچ سکتے تھے اور شہاب نہایت ذہانت سے اپنا کام سرانجام دے رہا تھا...... یہاں تک کہ وہ اپنی رہائش گاہ تک پہنچ گیا، البتہ سرائے میں داخل ہونے کے لئے اس نے سرائے کی عقبی

دیوار کو استعمال کیا تھا کیونکہ یہ بہر حال ان کا اپنا علاقہ تھا اور ان کے پاس بہترین وسائل موجود تھے...... بہر حال شہاب اپنے کمرے میں پہنچ گیا...... رجب خان جاگ رہا تھا اور شاید شہاب کا انتظار بھی کر رہا تھا...... شہاب کو دیکھتے ہی وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا...... شہاب نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا تھا اور پھر وہ بیٹھ کر گہرے گہرے سانس لینے لگا، رجب خان خاموش نگاہوں سے دیکھ رہا تھا، چند لمحے کی خاموشی کے بعد اس نے کہا۔

"اور یہ بہر طور بہتر نہیں ہے۔" شہاب نے چونک کر اسے دیکھا اور بولا۔

"کیا مطلب؟"

"تمہاری تنہا سرگرمیاں تمہیں نقصان بھی پہنچا سکتی ہیں، ذرا سا مجھے بہتر ہو جانے دو تھوڑا سا وقت انتظار کر لینا مناسب ہو گا جو کچھ بھی کریں گے دونوں مل کر ہی کریں گے، ویسے میرا خیال ہے میں اب ٹھیک ہوں تم کیا کر کے آئے ہو کیا مجھے بتانا پسند کرو گے بگ لارڈ۔"

"صرف اتنا پوچھو رجب خان جتنا میں تمہیں بتا سکوں۔"

"ہمیشہ یہی کوشش کرتا ہوں کیونکہ بہر حال میرا اور تمہارا منصب الگ الگ ہے، ساری باتیں تم سے کر چکا ہوں، اگر اجازت دو تو ایک آخری بات اور کہوں۔" شہاب سوالیہ نگاہوں سے رجب خان کو دیکھنے لگا تو وہ بولا۔

"تم یہ سمجھ لو وہ لوگ یہاں کے بادشاہ ہیں، حالانکہ یہ شہر اتنا چھوٹا نہیں ہے لیکن پھر بھی وہ جہاں چاہیں اور جو چاہیں کر سکتے ہیں، ان کا راستہ روکنے کے لئے یہاں کوئی موجود نہیں ہے...... ایک طلسمی جال پھیلایا ہوا ہے ان لوگوں نے یہاں کے قرب و جوار ان کی ملکیت ہیں اور ان علاقوں میں وہ کسی سے نہیں ڈرتے، چاہے وہ باڑی کا علاقہ ہو یا کچھ اور پھر باڑی تو ان کی سلطنت ہے۔" شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

"ان کی سلطنت میں ہی اگر انہیں سزا نہ دی جائے تو پھر بات ہی کیا بنتی ہے۔"

"کوئی خطرہ تو مول نہیں لیا تم نے، یہ کیا اٹھائے ہوئے ہو مائی ڈیئر۔"

"اور کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ تم سو جاؤ اور مجھے میرا کام کرنے دو۔" شہاب نے کسی قدر خشک لہجے میں کہا، رجب خان گہری نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا اور پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر اپنے بستر پر دراز ہو گیا...... شہاب مدہم روشنی میں اس رجسٹر کا جائزہ لیتا رہا تھا اور اسے عجیب و غریب انکشافات ہوتے رہے تھے، بہت سی باتیں اس رجسٹر سے اسے معلوم ہوئیں

نہیں، حالانکہ یہ ذاتی حساب کتاب کا رجسٹر تھا لیکن کچھ ایسے نام شہاب کے علم میں آئے تھے جن سے وہ دارالحکومت میں بھی بہت کام لے سکتا تھا...... یہ رجسٹر ثبوت کے طور پر استعمال کیا جا سکتا تھا اور اس وقت شہاب کے پاس یہ قیمتی شے کی حیثیت رکھتا تھا، پھر بہت دیر تک شہاب اس رجسٹر میں کھویا رہا اور اس کے بعد اس نے رجسٹر کو احتیاط سے اپنے بدن کے نیچے رکھا اور سونے کی کوشش کرنے لگا...... نیند آگئی تھی، لیکن نجانے یہ نیند کتنی طویل ہوئی تھی پھر یہ بھی ممکن ہے کہ رات کو دیر سے سونے کی وجہ سے یہ احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ وہ تھوڑی بہت دیر سویا بھی ہے، اچانک ہی رجب خان نے اسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اُٹھا دیا تھا...... روشنی پھیل چکی تھی اور جاگنے کے بعد شہاب کو اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھنے پڑے تھے۔

"جلدی کرو بگ لارڈ ورنہ پھر شاید کرنے کے لئے کچھ بھی باقی نہ رہ جائے۔" رجب خان کی آواز نے اسے چونکا دیا اور اس کے تمام تر حواس بحال ہو گئے۔

"کیا بات ہے؟"

"وہ لوگ پہنچ گئے ہیں...... تقریباً پندرہ افراد نے ہماری کار کو گھیرا ہوا ہے اور دانی شاہ سرائے کے مالک سے پوچھ رہا ہے کہ اس کے سرائے میں کون کون ٹھہرا ہوا ہے، کون کب کہاں سے آیا ہے اور یہ کار کس کی ہے۔"

"تم نے دانی شاہ کو دیکھ لیا ہے۔"

"میں باہر نکل رہا ہوں بگ لارڈ موت کی تو خیر مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے لیکن ایسے نہیں مرنا چاہتا مناسب سمجھو تو تم بھی باہر نکل آؤ۔" رجب خان نے کہا اور پھرتی سے باہر نکل گیا...... شہاب اسے آواز ہی دیتا رہ گیا تھا، لیکن رجب خان نہیں رُکا اچانک ہی شہاب کو صورت حال کا احساس ہوا، سرائے کے مالک کو بھلا کیا پڑی ہے کہ وہ اس سلسلے میں کسی احتیاط سے کام لے گا، وہ ضرور دانی شاہ کو ان لوگوں کے کمرے کے بارے میں بتا دے گا اور اس کے بعد شہاب نے جو کچھ کیا وہ اس کی اپنی ذہانت تھی، کیا کہا جا سکتا تھا وہ لوگ کمرے کے دروازے کے باہر پہنچ گئے ہوں گے، چنانچہ اس نے پھرتی سے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کیا اور اس عقبی کھڑکی کی جانب بھاگا جس میں سلاخیں نہیں تھیں...... بھاگتے ہوئے صرف اس نے رجسٹر اپنے ساتھ لے لیا تھا اور وہ جیکٹ بغل میں دبا لی تھی جو سرہانے ہی لٹکی ہوئی تھی...... چمڑے کی جیکٹ اور رجسٹر سنبھالے ہوئے وہ کھڑکی سے دوسری جانب کود اور

احاطے کی دیوار کی جانب بھاگنے لگا، ابھی اس طرف کوئی بھی نہیں آیا تھا، احاطے کی دیوار سے پہلے بھی کود کر اندر آیا تھا، اس بار اسے دیوار کود کر باہر جانے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوئی تھی اور پھر ایک لمبا چکر کاٹ کر اس نے بہت فاصلے سے سرائے سے باہر کا منظر دیکھا، لوگ واقعی اس کی کار کے قریب کھڑے ہوئے تھے اور لازمی امر تھا کہ دانی شاہ اب اندر موجود ہوگا لیکن سب سے بڑی بات یہ تھی کہ رجب خان نظر نہیں آرہا تھا، وہ اپنے طور پر فرار ہوگیا تھا...... رجب خان ایک طرح سے ان علاقوں میں اس کا گائیڈ تھا لیکن اب جو کچھ کرنا تھا وہ خود اپنے ہاتھوں سے ہی کرنا تھا، چنانچہ سب سے پہلے شہاب نے یہ مناسب سمجھا کہ اس جگہ سے ذرا وہ نکل جائے کم از کم اتنی دور کہ وہ لوگ اسے تلاش نہ کرسکیں اور وہ رکے بغیر دوڑتا رہا...... کافی فاصلے پر نکلنے کے بعد اس نے جیکٹ بدن پر پہنی رجسٹر کو جیکٹ کے اندر رکھا اور زپ لگالی، اس طرح سے رجسٹر عارضی طور پر محفوظ ہوگیا تھا، پھر اس کے بعد وہ وہاں سے بھی آگے بڑھ گیا...... بازی کی آبادی وسیع ترین تھی، صنعتوں وغیرہ کا یہاں نام و نشان نہیں تھا، لیکن بڑے بڑے شیڈ جگہ جگہ بنے نظر آرہے تھے، ان میں سے بعض بہت بلند تھے، شیڈ کے عقب میں ایک ٹوٹی پھوٹی سڑک نظر آتی تھی...... شہاب نے یہاں رک کر چند لمحات حالات کے بارے میں سوچا، ان کی ایک قیمتی شے ان کے ہاتھوں سے نکل گئی تھی اور رجب خان کا کہنا تھا کہ وہ انتہائی صاحب اقتدار ہیں اور ان علاقوں میں کسی بھی اجنبی کی آمد کا پتا چلاسکتے ہیں، حالانکہ یہ بڑا کام تھا لیکن پھر بھی وہ اسے کرلیا کرتے تھے، چنانچہ اس وقت کسی ایسی جگہ پوشیدہ ہونا ضروری تھا جہاں وہ لوگ تمام تر کوششوں کے باوجود اسے تلاش نہ کرسکیں...... شہاب یہاں سے بھی آگے بڑھ گیا، کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد اسے اس قلعے کی دیواریں نظر آنے لگیں جسے اس نے راستے میں دیکھا تھا اور اس وقت وہ اسی کے قریب سے گزر رہا تھا...... قلعے کی اس دیوار کے نیچے ستون نظر آرہے تھے، تھوڑے فاصلے پر ایک چھوٹا سا تالاب تھا، تالاب کے بائیں طرف ایک سیدھا راستہ چلا جاتا تھا...... شہاب اسی راستے پر آگے بڑھتا چلا گیا...... داہنی سمت قلعے کا بیرونی پھاٹک تھا اور اس کے دوسری طرف نجانے کیا کیا موجود تھا...... قلعے کے بارے میں شہاب کو کوئی تفصیل نہ معلوم تھی، لیکن یہاں کی خاموشی اور سناٹا بہت اہمیت کا حامل تھا...... شہاب کو اس وقت پوشیدہ ہونے کے لئے کوئی جگہ درکار تھی، چنانچہ وہ اس راستے پر آگے بڑھتا چلا گیا، کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد

سے اوپر جانے کے لئے سیڑھیاں نظر آئیں اور وہ کچھ سوچے سمجھے بغیر ان سیڑھیوں پر چڑھتا چلا گیا تھا ہوا کے جھونکے قلعے کے اندر موجود درختوں سے ٹوٹے ہوئے خشک پتوں کو اڑاتے پھر رہے تھے اور ان کی کھڑکھڑاہٹیں کبھی کبھی انسانی قدموں کی چاپ کی مانند سنائی دیتی تھیں...... سیڑھیاں بہت زیادہ تھیں اور کافی بلندی پر پہنچنے کے بعد شہاب ان فصیلوں پر آگیا جنہیں اس نے کار سے گزرتے ہوئے دیکھا تھا، جگہ جگہ محرابیں بنی ہوئی تھیں...... بڑا ہیبت ناک ماحول تھا یہاں کا نجانے اس قلعے کی تاریخ کیا تھی، لیکن اس وقت اس کی سنسان اور خاموش زندگی ایک عجیب سی کیفیت کا اظہار کرتی تھی...... شہاب نے چند لمحے کے لئے کچھ سوچا پھر وہ ان محرابوں کا جائزہ لینے لگا اور اس کے بعد آگے بڑھ کر ایک محراب سے اندر داخل ہوگیا، عجیب سی خاموشی اور ٹھنڈک تھی...... یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اطراف میں پراسرار روحیں اس پر نگاہیں جمائے بیٹھی ہوں اور اس کی کارکردگی کا جائزہ لے رہی ہوں اور اندرونی حصے میں کافی ٹوٹ پھوٹ بھی ہوچکی تھی اور دیواروں میں جگہ جگہ کافی سوراخ نظر آرہے تھے، حالانکہ یہ ایک خطرناک عمل تھا لیکن شہاب اب بھی ہر طرح کا خطرہ مول لینے کے لئے تیار تھا اس نے ہاتھ اونچا کر کے ان سوراخوں میں سے ایک سوراخ کو ٹٹولا سوراخوں میں سانپ بھی ہوسکتے تھے لیکن ہر طرح کا خطرہ مول لینا ضروری ہوگیا تھا، شہاب کو سوراخ کے اندر کوئی سانپ محسوس نہ ہوا، وہ صاف ستھری جگہ تھی، غالباً ہواؤں کی کاٹ نے یہ سوراخ دیئے تھے...... شہاب نے بسم اللہ کہہ کر جیکٹ کی زپ کھولی اور وہ رجسٹر نکال کر اس سوراخ میں رکھ دیا، پھر اس نے سوراخ اور اس کے آس پاس کا اچھی طرح جائزہ لیا تاکہ اس جگہ کو بھول نہ جائے، چونکہ وہاں بے شمار محرابیں بنی ہوئی تھیں اس لئے اس محراب کو یاد رکھنا بھی ضروری تھا...... تاہم پھر بھی شہاب نے یوں کیا تھا کہ تلاش کر کے ایک مٹی کا ٹکڑا اٹھایا اور محراب کے سامنے والے سرے پر خاص قسم کے تین نشان ڈال دیئے...... خاصے گہرے نشان تھے، یہ ویسے بھی شہاب کو یقین تھا کہ اس کی یادداشت اب ایسی بھی نہیں ہے کہ کسی مرحلے پر اسے مایوس کرے، اس محراب کو پھر ضرورت کے وقت تلاش کیا جاسکتا ہے......

رجسٹر کو اس جگہ محفوظ کرنے کے بعد وہ خاصی حد تک مطمئن ہوگیا، ایک قیمتی چیز اس نے محفوظ کردی تھی، اب اس کے پاس صرف اپنی جان کی حفاظت کا مسئلہ تھا تو اس سلسلے میں اس نے اللہ پر بھروسا کیا تھا، پھر وہ وہاں سے واپس پلٹا اور بلندی سے نیچے دیکھنے لگا، اسے اندازہ

نہیں تاکہ فصیلیں اتنی بلند ہوں گی ویسے یہ کچا قلعہ یقینی طور پر کوئی اہم تاریخی حیثیت رکھتا ہوگا اور نجانے یہاں سے کیا کیا کہانیاں وابستہ ہوں گی...... شہاب تھوڑی دیر تک فصیل سے جھانکتا رہا اور پھر وہیں ایک جگہ بیٹھ گیا...... اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ قلعے میں لگ آتے جاتے ہیں یا نہیں، ابھی تک تو اسے کوئی نظر نہیں آیا تھا، نہ ہی قلعے کی حفاظت کے لئے کوئی خا... بندوبست کیا گیا تھا لیکن پھر بھی یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس قلعے کی باقاعدہ صفائی کی جا... ہو، بھوک لگ رہی تھی اس صبح کا آغاز بھی عجیب سے انداز میں ہوا تھا...... پھر اس کا ذہن رجب خان کے بارے میں سوچنے لگا، رجب خان نکل گیا تھا...... آدمی ایسا نہیں تھا جو نا قابل اعتبار ہو لیکن اس وقت صورت حال واقعی ایسی ہی پریشان کن تھی کہ اس نے نکل جانا مناسب سمجھا تھا...... شہاب سوچنے لگا کہ باڑی میں اسے تلاش کرنا ایک مشکل کام ہوگا۔

لیکن ہر جگہ سارے ہی تو کام مشکل نہیں رہتے، غرضیکہ وقت گزرتا رہا اور شہاب ا... بارے میں سوچتا رہا پھر جب خوب سورج چڑھ گیا تو اس نے وہاں سے واپسی کا فیصلہ کیا، ... جگہ کھانا پینا بھی ضروری تھا...... سرائے میں واپسی تو اب خطرناک ہوگی، ہر چند کہ وہ لوگ انہیں نہ پاکر واپس چلے گئے ہوں گے، لیکن شاید شہاب بھی خود اندازہ لگا چکا تھا کہ ان لوگوں کے وسائل بہت زیادہ ہیں، ہو سکتا ہے وہاں کسی کو پہرے پر چھوڑ دیا گیا ہو اور سرائے کے مالک کو ہدایت کی گئی ہو کہ جیسے ہی وہ پراسرار لوگ واپس آئیں انہیں اطلاع دی جائے یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رجب خان ان کے ہتھے چڑھ گیا ہو، اب جو کچھ بھی ہوا ہے بھاڑ میں جا... مجھے اپنے طور پر فیصلے کرنے ہیں...... شہاب نے دل میں سوچا اور ایک بار پھر وہ نیچے اتر آیا، فصیل کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا آگے بڑھنے لگا، پھر کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے آبادی میں داخل ہوکر ایک چھوٹے سے جھونپڑے میں بنے ہوئے چائے خانے کا رخ کیا یہاں سے چائے اور ڈبل روٹی حاصل ہوگئی جسے اس نے بیٹھ کر بڑی رغبت سے کھایا۔

شکم سیر ہونے کے لئے کوئی بھی شے حاصل ہو جائے اس کی کوئی پروا نہیں ہوتی لیکن اب صورت حال بالکل مختلف تھی، اسے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ اس کا آخری قدم کیا ہونا چاہئے، یہاں سے شہاب کی فطرت اُبھر رہی تھی، وہ ان لوگوں کا تعاقب اس لئے کر رہا تھا کہ انہوں نے ایک مظلوم لڑکی کو قتل کر دیا تھا اور چار افراد ثریا کے قاتل تھے، انہیں قانون کے شکنجے میں جکڑنا تھا لیکن ہیر پور اور اس کے بعد باڑی آکر اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ

طویل سلسلہ ہے اور اگر وہ اس بے سروسامانی کے عالم میں اس چکر میں پڑا رہا کہ اس سارے گروہ کا سراغ لگا کر اسے کیفر کردار تک پہنچائے تو یہ ایک طرح سے ناممکن ہی محسوس ہوتا تھا، لیکن ثریا کے قاتلوں کو سزا دینا اس کے لئے ضروری تھا، بات کچھ اس انداز میں اُلجھ گئی تھی کہ وہ ان کے پیچھے یہاں تک دوڑا چلا آیا تھا، اب اگر دوسرا کام نہ ہو سکے تو پہلے کام کی تکمیل تو ہونی ہی چاہئے اور شہاب جانتا تھا کہ یہ تکمیل کس طرح کی جا سکتی ہے، ہو سکتا ہے کہ ایک بار اس کی وہاں موجودگی سے بددل ہوکر وہ اپنے اس ٹھکانے کو چھوڑ دیں جو شہاب کے علم میں آ چکا ہے، لیکن کوشش کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اب اس کے بعد شہاب نے اپنا انداز فکر بدل دیا اور پھر بقیہ وقت اس نے نہایت احتیاط کے ساتھ گزارا، جب شام کے جھٹپٹے فضاؤں میں پھیل گئے اور باڑی کے ماحول میں تھوڑی سی بے رونقی پیدا ہوئی تو وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اس سمت چل پڑا جہاں اس نے پچھلی رات ایک کارنامہ سرانجام دیا تھا، اب جو کچھ بھی ہوگا وہ بعد میں دیکھا جائے گا...... بے سروسامانی کے عالم میں کبھی کبھی کسی فرض کی انجام دہی دل میں بڑی امنگیں پیدا کر دیتی ہے، طویل فاصلے طے کرتا ہوا آخر کار وہ اسی عمارت کے پاس پہنچ گیا جہاں اس نے پچھلی رات گزاری تھی اور یہاں سے رجسٹر لے بھاگا تھا، پھر اسے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ عمارت کے وسیع و عریض احاطے میں وہ کار کھڑی ہوئی ہے جسے وہ لوگ استعمال کرتے رہے ہیں...... کار کا یہاں موجود ہونا اس بات کا ثبوت دیتا تھا کہ وہ دلیر لوگ یہیں موجود ہیں اور بہر حال انسان کو اگر اپنی ذات پر بہت زیادہ بھروسا ہوتا ہے تو وہ اسی طرح نقصان اٹھاتا ہے...... شہاب یہاں داخل ہونا چاہتا تھا اور اب یہ جگہ اس کے لئے اجنبی نہیں رہی تھی، یہ الگ بات ہے کہ یہاں کچھ اور انتظامات کئے گئے ہوں لیکن اب شہاب کو کسی بات کی پروا نہیں تھی، وہ احتیاط کے ساتھ آگے بڑھتا ہوا آخر کار اپنے اسی مخصوص راستے سے عمارت میں داخل ہو گیا اور اسے ہنسی آنے لگی، وہ لوگ اسی بڑے کمرے میں جمع تھے اور انہوں نے یہاں سے کہیں جانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی، لیکن جب شہاب نے اندر جھانکا تو ایک اور منظر دیکھ کر وہ بری طرح چونک پڑا، اس وسیع و عریض کمرے کی چھت میں جگہ جگہ لوہے کے کنڈے لگے ہوئے تھے اور ان کنڈوں میں سے ایک کنڈے میں ایک انسانی بدن لٹک رہا تھا جس کے پاؤں رسے سے بندھے ہوئے تھے اور سر نیچے تھا لیکن جو کوئی بھی تھا اسے دیکھ کر شہاب کا دل خون ہو گیا...... رجب خان کا چہرہ اس کے سامنے ہی تھا، لیکن

اس چہرے کو دیکھ کر ایک لمحے میں اندازہ ہو جاتا تھا کہ اب وہ زندگی سے بھرپور نہیں
کی بے نور آنکھیں بتاتی تھیں کہ وہ اس دنیا کو چھوڑ چکا ہے، شہاب نے ایک لمحے
آنکھیں بند کر لیں...... رجب خان کی کہانی ختم ہو گئی تھی، ایک ایسی کہانی جو آج تک
نہیں معلوم ہو سکی تھی...... یہاں تک کہ شہاب کو بھی نہیں، رجب خان ان کے چنگل میں
پھنس گیا تھا اور شہاب کو بار بار بچنے کا مشورہ دینے کے باوجود وہ زندگی نہیں پا سکا تھا،
کمرے میں دانی شاہ کے علاوہ وہی دونوں افراد موجود تھے جنہیں شہاب نے دانی شاہ
ساتھیوں میں دیکھا تھا اور ان میں سے ایک راستے ہی میں ہلاک ہو گیا تھا...... عمارت میں
تک بیرونی طور پر کسی اور کی موجودگی کے نشانات نہیں ملے تھے، شہاب کے جبڑے
گئے...... رجب خان کو انہوں نے کس طرح قتل کیا ہوگا، اس بات کا تصور با آسانی کیا جا
تھا...... یقینی طور پر وہ رجب خان سے شہاب کے بارے میں بھی پوچھ رہے ہوں گے اور
رجسٹر کے بارے میں بھی رجب خان نے انہیں کیا بتایا اور کیا نہیں بتایا...... یہ ایک الگ بات
تھی، لیکن بہرحال وہ بیچارہ زندگی کھو بیٹھا تھا، چند لمحے تک تو شہاب پر ایک جنون کی
کیفیت طاری رہی، لیکن پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا دے دیا، یہ ضروری تھا کہ وہ اس
وقت اپنی ذہنی قوتیں مجتمع کر کے ان لوگوں کے خلاف قدم اٹھائے ورنہ خود بھی شدید
نقصان سے دوچار ہو سکتا تھا، ابھی وہ یہی سوچ رہا تھا کہ عقب سے ایک فائر ہوا اور گولی شہاب
کے پاس دیوار میں پیوست ہو گئی، بس ایک لمحہ اور گزر جاتا تو شاید سارے جھگڑے
ہو جاتے کیونکہ اس کے بعد پے در پے کئی فائر ہوئے تھے...... شہاب نے ایک لمبی چھلانگ
لگائی اور فائرنگ کی زد سے نکل گیا لیکن اس کے بعد یوں محسوس ہوا جیسے وہ لوگ اس کی
موجودگی سے اچھی طرح واقف ہو گئے ہوں، وہ اسے چاروں طرف سے گھیر رہے تھے
ان کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں...... شہاب کو پہلے اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ یہاں اتنے
ہوں گے ویسے بھی یہ عمارت کافی وسیع تھی اور شہاب نے اس کے بہت مختصر حصے دیکھے
اس وقت وہ بری طرح گھر گیا تھا، وہ جدھر بھی جاتا اسی طرف سے لوگ نظر آتے
انہوں نے ٹارچوں کا استعمال بھی شروع کر دیا اور روشنی کی سفید زبانیں لہرانے لگیں
چوئیشن ایسی تھی کہ شہاب کو اپنی جانی پہچانی سمت نکلنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔
اچانک وہ راہداری ختم ہو گئی جس کی چھت کے نیچے وہ بھاگ رہا تھا، کھلا آسمان

...ہی شہاب نے ایک اور لمبی چھلانگ لگائی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ لوگ اسے چاروں
...سے گھیرنے کی کوشش کر رہے ہیں...... عمارت کے اندر پوری عمارت سے ناواقف
...نے کی بنا پر وہ نقصان اٹھا سکتا تھا، لیکن کھلے آسمان کے نیچے آکر صورت حال مختلف ہو گئی۔
...ازہ تو اب بھی نہیں تھا کہ وہ کس طرف جا رہا ہے، لیکن عمارت کی وسعتوں سے اس نے
...ڑا بہت اندازہ ضرور قائم کر لیا تھا...... بائیں سمت وہ تیزی سے دوڑتا چلا گیا...... نیم تاریک
...ول میں اسے کچھ گاڑیاں نظر آئیں اور شہاب کی آنکھوں میں عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی۔
...ان میں سے کسی گاڑی کو وہ حاصل کر سکے لیکن لفظ کاش کہہ دینا ہی سب کچھ نہیں ہو جاتا
...تیزی سے دوڑتا ہوا ان گاڑیوں کے قریب پہنچا...... دروازے ہی لاک تھے...... چابی کا کیا
...ال پیدا ہوتا تھا لیکن بہرحال جو کام نہیں ہو سکتا اس کے لئے سوچنا بے کار تھا، چنانچہ وہ
...ں سے واپس پلٹا، لیکن تقدیر کے کھیل ایسے ہی ہوتے ہیں اور اتفاقات کو ناممکن نہیں کہا
...سکتا اچانک ہی بڑا گیٹ کھلنے لگا تھا...... شہاب ایک دم ساکت ہو گیا وہ ایک دیوار سے چپک
...تھا...... یہ گاڑیاں جو یہاں کھڑی تھیں، غالباً انہی لوگوں کی تھیں اور مزید کچھ گاڑیوں کی
...ئش بھی یہاں تھی آنے والوں نے گولیوں کا شور تو سنا تھا وہ تیزی سے گیراج کی جانب
...ے، یہ جیپ تھی جس سے دو آدمی نیچے اترے تھے اور اس جگہ اترے تھے جہاں سے شہاب
...دہ فاصلے پر نہیں تھا، شہاب سانس روکے کھڑا رہا ان میں سے ایک نے کہا۔

”یہ کیا ہو رہا ہے اندر۔“

”پتا نہیں۔“

”میرے خیال میں اس طرح تو اندر جانا مناسب ہی نہیں ہے۔“

”مگر ہو کیا سکتا ہے۔“

”گولیاں چل رہی ہیں غالباً غالباً۔“ وہ خاموش ہو گیا پھر دوسرے آدمی نے کہا۔

”دیکھنا تو چاہئے میں اندر جا رہا ہوں تم رکو۔“ شہاب کے دل میں ایک لمحے کے لئے
...اب سا پیدا ہوا، یہ گاڑی اسے حاصل ہو سکتی ہے، اگر اس کی چابی ہاتھ لگ جائے لیکن
...ان دونوں میں سے کون ہے جس کے پاس چابی موجود ہے...... چنانچہ اس شخص کو
...جانا نہیں چاہئے...... شہاب نے ایک لمحے کے اندر فیصلہ کیا اور اپنی جگہ چھوڑ دی، اس
...اچانک ہی منہ سے آواز نکالی اور وہ دونوں چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے، انہیں اندازہ

بھی نہیں ہو سکا تھا کہ یہ سب کیا ہے لیکن شہاب نے ایک لمبی چھلانگ لگائی تھی اور ان دونوں
کو رگید تا ہوا زمین پر لے آیا تھا، خود اس کے گھٹنوں میں بھی چوٹ لگی تھی لیکن اس نے باقی
کام مہارت سے کیا تھا...... یعنی ان کے سر براہ راست زمین سے ٹکرائے تھے، ان کے حلق
سے آوازیں نکل گئیں...... شہاب فوراً ہی اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور اس نے کراٹے کے دو
ہاتھ ان میں سے ایک کی گردن پر رسید کیے، اس کے حلق سے کریہہ آوازیں نکلیں......
ہاتھ اس انداز کے تھے کہ اگر صحیح پڑ جاتیں تو یقینی طور سے مدمقابل کچھ لمحوں کے لئے
حالات سے بے خبر ہو جاتا ہے اور شاید ایسا ہی ہوا تھا لیکن دوسرے آدمی نے پھرتی سے اُٹھ
کر پستول نکالنے کی کوشش کی تھی۔ شہاب کو اس کا اندازہ تھا کہ اس کے بعد یہی ہو گا اس کی
بھرپور لات اس شخص کے پیٹ پر پڑی اور دوسری لات اس کی بغل میں، وہ الٹ گیا تھا......
شہاب نے اس کے سینے پہ گھٹنا رکھ کے دو تین گھونسے اس کے چہرے پر جما دیئے اور پھر اس
کی گردن دبانے لگا...... پستول والے ہاتھ کو اس نے دوسرے ہاتھ سے دبا رکھا تھا...... چند ہی
لمحوں میں وہ شخص بھی نڈھال ہو گیا اور پھر آخری ہاتھ نے اسے بھی حالات سے بے خبر
کر دیا...... چنانچہ شہاب نے اس کام سے فارغ ہوتے ہی ان کی تلاشی لی، چابی پہلے والے شخص
کی جیب سے برآمد ہو گئی تھی، بہرحال بے مقصد زندگیاں لینا بھی شہاب کے اصول کے
خلاف تھا، چنانچہ اس نے ان دونوں کو گھسیٹ کر ایک سمت کیا اور اس کے بعد جیپ پر چھلانگ
لگا دی، وہ بجلی کی طرح کوند رہا تھا اور اپنا ہر کام پھرتی سے کر لینا چاہتا تھا...... اس نے جیپ
سٹارٹ کی اسی وقت پیچھے سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور ٹارچوں کی
روشنیاں شہاب کے گرد احاطہ کرنے لگیں...... شہاب جیپ کو ریورس میں ہی دور تک لیتا چلا
گیا اور اس کے بعد اس نے اس کا رخ گیٹ کی جانب کر دیا...... چوکیدار اس دوران گیٹ بند
کر چکا تھا لیکن اب کوئی خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا تھا، چنانچہ جیپ تیر کی طرح گیٹ کی طرف
آئی پھر چوکیدار کو گیٹ سے ہٹنا ہی پڑا، جیپ کی ٹکر نے گیٹ کو پوری قوت کے ساتھ کھول دیا
تھا، اس کے بعد وہ سیدھی نکلی چلی گئی تھی لیکن آگے جا کر راستہ بند تھا...... شہاب کو جیپ
کنٹرول کر کے پھر اسے ریورس کرنا پڑا اس ٹکر سے غالباً جیپ کی ہیڈ لائٹس ٹوٹ گئی تھیں
لیکن ہیڈ لائٹس کا مسئلہ نہیں تھا...... شہاب اندازے کی بنا پر بھی جیپ ڈرائیو کر سکتا تھا
البتہ اس وقت اسے خود بھی حیرت ہوئی جب اس نے پیچھے کچھ اور گاڑیوں کے سٹارٹ ہونے

آوازیں سنیں...... وہ لوگ چیخ رہے تھے اور اس کی نشاندہی کر رہے تھے...... شہاب نے
آگے بڑھائی لیکن قرب و جوار کے راستوں سے وہ بالکل ناواقف تھا اور چونکہ عمارت
ایسی جگہ تھی جہاں دوسری عمارتیں موجود نہیں تھیں اس لئے بھی اسے صحیح اندازے
نہیں ہو پا رہے تھے، البتہ اس نے عقب سے کچھ گاڑیوں کی روشنیاں دیکھی تھیں جو مسلسل
اس کی گاڑی کو احاطے میں لئے ہوئے اس کا تعاقب کر رہی تھیں، آگے جا کر ایک گہرا موڑ
نظر آیا...... شہاب نے جیپ کے بریک پر پاؤں رکھے اور اس موڑ کو بمشکل کاٹا، کیونکہ قرب و
جوار میں گہرائیاں نظر آ رہی تھیں...... صورت حال انتہائی خوفناک تھی اور اس وقت ایک
ایک لمحہ مہارت سے صرف کرنا پڑ رہا تھا...... اصل چیز راستوں کے بارے میں معلومات کا نہ
ہونا تھا...... موڑ کاٹنے کے بعد اسے ایک دوشاخہ نظر آیا، ایک سڑک دائیں سمت جاتی تھی
اور ایک دوسری سمت لیکن بس جیپ کا اسٹیرنگ ہی کٹ گیا تھا اور وہ بائیں والی سڑک پر ہی
چل پڑا تھا، تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا اور اسے پھر وہ عمارت نظر آنے لگی اور شہاب کو اپنی غلطی
کا احساس ہوا، یہ غلط ہو گیا اصولی طور پر اسے دائیں والی سڑک پر جانا چاہئے تھا...... وہ یقینی طور
پر کہیں اور چلی جاتی ہو گی، لیکن یہ سڑک گھوم کر واپس اسی عمارت کے اس حصے کی طرف
جاتی تھی جہاں سے شہاب نے فرار ہونے کی کوشش کی تھی، لیکن جو غلطی ہو جاتی ہے اس
کا سدباب مشکل ہی ہوتا ہے چنانچہ اب وہ بحالت مجبوری اسی سڑک پر گاڑی دوڑانے لگا لیکن
پچھلی گاڑیاں بہت قریب آ گئی تھیں اور ان سے گولیاں برسائی جا رہی تھیں...... پھر اچانک ہی
شہاب کو جیپ اُچھلتی ہوئی محسوس ہوئی، غالباً پچھلا ٹائر نشانہ بنا لیا گیا تھا، بائیں سمت گہری
کھائی تھی اور داہنی سمت ایک پہاڑی دیوار...... اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ جیپ
روک سو شہاب نے ایسا ہی کیا، لیکن جیپ اس طرح بھی نہیں رک سکتی تھی، چونکہ سڑک
بہت زیادہ چوڑی نہیں تھی...... شہاب نے آنکھیں بند کر کے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور جیپ
چھوڑ دیا اور یہ چھلانگ اس کی زندگی کا باعث ہی بن گئی، کیونکہ جیپ کا رخ فوراً ہی کٹا اور
دوسرے لمحے وہ گہری کھائی میں لڑھکنے لگی، ایک دھماکہ ہوا روشنی کا ایک شعلہ کوندا اور اسی
وقت باقی گاڑیاں بھی قریب آ کر رک گئیں...... غالباً ان لوگوں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ جو
کوئی بھی ہے جیپ کے ساتھ گہرائیوں کی جانب چل پڑا ہے، چنانچہ وہ پھرتی کے ساتھ نیچے
اترنے لگے...... شہاب کو حیرت ہوئی خاصے لوگ تھے...... حالانکہ تاریک ماحول تھا لیکن پھر

بھی شہاب کی آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہوگئی تھیں، اس نے سمور کی ٹوپی والے
دانی شاہ کو بھی دیکھا جو نیچے اتر آیا تھا اور اب چیخ چیخ کر اپنے ساتھیوں کو ہدایت دے رہا تھا۔
"تلاش کرو...... اسے تلاش کرو...... اس کی لاش چاہئے مجھے...... پتا چلنا چاہئے کہ وہ
کون ہے۔" پھر شہاب نے ان لوگوں کو نیچے اترتے ہوئے دیکھا...... ایک لمحے کے اندر اسے
اپنے آگے والے قدم کا فیصلہ کرنا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے...... دوسرے لمحے وہ وہاں
سے واپس پلٹ پڑا...... یہ شکر تھا کہ وہ عمارت جس سے وہ فرار ہو کر یہاں تک آیا تھا زیادہ
فاصلے پر نہیں تھی...... بس تھوڑے سے فاصلے کو عبور کرنا تھا اور اس کے بعد وہ واپس اس
عمارت میں پہنچ سکتا تھا...... یہ بھی ایک انوکھا ہی فیصلہ تھا لیکن بہر حال اس کے ذہن میں کوئی
نہ کوئی مقصد ضرور تھا اس قدم کا چنانچہ وہ برق رفتاری سے دوڑنے لگا اور پھر دوبارہ اس
عمارت تک پہنچ گیا...... ہو سکتا ہے اگر کسی کے علم میں اس کا یہ عمل آتا تو وہ اسے پاگل ہی
قرار دیتا، جس عمارت سے نکلنے کے لئے اس نے اس قدر محنت کی تھی اس میں دوبارہ واپس
آجانا عقل کی نشانی تو نہیں تھی، لیکن شہاب کے ذہن میں رجب خان تھا...... رجب خان کی
لاش کو وہ اس طرح نہیں چھوڑ سکتا تھا، بس ایک عجیب سا احساس، عجیب سا خیال اس کے دل
میں رجب خان کے لئے تھا...... عمارت میں داخل ہو کر اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ سب دیوانگی
کے عالم میں اس کے پیچھے دوڑ پڑے ہیں اور اس وقت شاید اس عمارت میں کوئی بھی موجود
نہیں ہے، لیکن اس راہداری میں داخل ہو کر جس میں سے گزر کر وہ فرار ہوا تھا اس کمرے
کے قریب پہنچ کر جس میں رجب خان کی لاش الٹی لٹکائی گئی تھی اسے اپنے خیال کی خود
تردید کرنا پڑی، کمرے میں کوئی موجود تھا، اس کی آہٹیں سنائی دے رہی تھیں...... شہاب ایک
لمحے کے لئے ساکت کھڑا رہا لیکن وہ بھی غیر متوقع طور پر ہی نکلا تھا، اچانک ہی کمرے کا
دروازہ کھلا اور اندر کی روشنی باہر پھیل گئی، اس کے ساتھ کوئی کمرے سے باہر نکلا تھا لیکن
ساکت کھڑے رہنے کا مطلب یہ تھا کہ اسے شہاب کی موجودگی کا علم ہو جائے اور شہاب
جانتا تھا کہ وہ غیر مسلح نہیں ہوگا، چنانچہ ایک جچا تلا بھرپور گھونسا اس شخص کے سینے پر پڑا
اس کے حلق سے ایک تیز آواز نکل گئیں، وہ واپس دروازے سے اندر جا پڑا تھا اور پھر
توازن قائم نہ رکھنے کی بنا پر وہ گر ہی پڑا تھا...... دوسرے لمحے شہاب آندھی طوفان کی طرح
اندر داخل ہوا، گرنے والے شخص نے اپنے سینے پہ ہاتھ رکھا ہوا تھا اور اس کے چہرے

پر تکلیف کے آثار تھے، لیکن شہاب کو دیکھ کر اس نے پلٹ کر اٹھنے کی کوشش کی، شہاب
کی بھرپور لات اس کی پنڈلی پر پڑی اور اس کے حلق سے ایک تیز چیخ نکل گئی، دوسری بار اس
نے پستول نکالنے کی کوشش کی لیکن شہاب اس کے لئے بھی مستعد تھا، جیسے ہی اس کا پستول
لباس سے باہر آیا شہاب کی ایک بھرپور لات اس کے ہاتھ پر پڑی اور پستول نکل کر دیوار
سے جا ٹکرایا...... شہاب اسے خونی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا، وہ شخص اُٹھ کھڑا ہوا اور اس نے
دروازے کی طرف خوفزدہ نگاہوں سے دیکھا...... پھر دوسرے لمحے اس نے اپنے ہاتھ میں
ایک خنجر سنبھال لیا...... یہ خنجر شاید اس کی آستین میں چھپا ہوا تھا اور کسی مخصوص طریقے
سے باہر آگیا تھا...... شہاب کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ اس سے جنگ
کرے، خنجر بردار شخص نے دانت بھینچ کر شہاب پر حملہ کر دیا لیکن شہاب نے باقاعدہ اس کا
وار اپنی کلائی پر روکا اور ایک زور دار گھونسا اس کے پیٹ پہ رسید کیا، اس کے بعد اس نے اس کا
ہاتھ موڑ کر اس کی پشت پر کیا لیکن وہ شخص بھی غالباً لڑائی بھڑائی کا ماہر معلوم ہوتا تھا...... اس
نے ایک مخصوص طریقہ کار آزما کر اپنی کلائی شہاب کی گرفت سے نکال لی اور شہاب کی کلائی
موڑ کر اس کی پشت پر کر دی، لیکن یہ صورت حال خوفناک تھی اور شہاب کو اس خوفناک
صورت حال سے نمٹنے کے لئے فوراً ہی کوئی موثر قدم اٹھانا تھا، چنانچہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر
اس نے ایک زور دار گھٹنا اس شخص کے پیٹ میں مارا اور اس کے وار سے بچنے کے لئے مزید
ایک ہاتھ اس کی گردن پر رسید کیا لیکن یہ ہاتھ کچھ غلط ہو گیا، یہ اسکے کان کے نیچے اس کی شہ
رگ پر پڑا اور ایک عجیب سی آواز سنائی دی تھی، اس کی گردن بائیں طرف مڑ گئی اور دوسرے
لمحے اس کے دونوں ہاتھ پھیل گئے، وہ اس طرح قدم آگے بڑھانے لگا جیسے اندھا ہو گیا
ہو...... دوسرے لمحے وہ اوندھے منہ زمین پر گر پڑا پھر اس نے زمین پر دو تین لہریں لیں اور
اس کے بعد اس کا بدن پھڑ پھڑانے لگا...... شہاب کو فوراً ہی احساس ہو گیا تھا کہ یہ ہاتھ بڑا غلط
پڑا ہے اور غالباً کسی ایسی کیفیت کا حامل ہے جس نے اس شخص کو زندگی سے محروم کر دیا
ہے...... شہاب جھک کر اسے دیکھنے لگا اور چند ہی لمحوں کے بعد وہ شخص ساکت ہو گیا......
شہاب کو تھوڑا سا افسوس ہوا تھا زیادہ سے زیادہ اس شخص کو بے ہوش کر دینا کافی تھا لیکن شاید
اس کی موت ہی آگئی تھی کیونکہ اس نے بھی شہاب پر جان لیوا حملے ہی کئے تھے...... پھر
شہاب کو ایک اور نئی سوجھ گئی...... دوسرے لمحے اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور ایک طرف

رکھی ہوئی کرسی کی جانب بڑھ گیا...... کرسی اٹھا کر اس نے برق رفتاری سے اس جگہ رکھی جہاں رجب خان کی لاش چھت کے کڑے سے بندھی ہوئی تھی، پھر کرسی پہ کھڑا ہو کر وہ رجب خان کے پیروں کی رسی کھولنے لگا، یہ رسی کھولنے میں اسے کوئی خاص دقت نہیں ہوئی، رجب خان کی لاش کو اس نے احتیاط سے نیچے لٹایا اور اس کے بعد اس شخص کو دیکھنے لگا جو زمین پر پڑا ہوا تھا...... پھر اس نے اس کی لاش کو ٹانگوں سے باندھ کر اس طرح لٹکا دیا جیسے رجب خان کی لاش لٹکی ہوئی تھی، پھر آگے بڑھ کر وہ خنجر اٹھا کر اپنے قبضے میں کیا اور پستول بھی سنبھال لیا اس کے بعد وہ رجب خان کی لاش کو کندھے پر ڈال کر برق رفتاری سے وہاں سے باہر نکل آیا، ان لوگوں کی واپسی ابھی تک نہیں ہوئی تھی، وہ گہرائیوں میں تباہ شدہ جیپ کے پاس یقینی طور پر اس کی لاش تلاش کر رہے ہوں گے، پتا نہیں کیا صورت حال پیش آئے...... بہر طور وہ رجب خان کی لاش کو لئے ہوئے باہر نکل آیا، گیٹ پر چوکیدار موجود تھا اور مستعدی سے اپنی ڈیوٹی سرانجام دے رہا تھا...... غالباً وہ بھی نکل جانے والوں کی تلاش میں تھا کہ وہ واپس آجائیں تو وہ گیٹ وغیرہ بند کر کے بیٹھے...... شہاب نے رجب خان کی لاش دیوار کے ساتھ ایک جگہ پر رکھ دی جہاں سے وہ اسے باہر نکال لے جانے میں کامیاب ہو جائے...... برق رفتاری سے کام کرتا ہوا ذہن اس وقت عجیب وغریب کیفیات کا حامل تھا وہ رجب خان کی لاش کو یہاں سے نکال لے جانا چاہتا تھا لیکن اس کے لئے بھی اسے کوئی ذریعہ ہی درکار تھا اور ذریعہ یہی ہو سکتا تھا کہ وہ لوگ واپس آئیں اور ان میں سے کسی ایک کی گاڑی اس کے ہاتھ آجائے، بڑی عجیب سی صورت حال تھی سارے حالات غیر متوقع تھے لیکن بہرحال اب شہاب بالکل پرسکون تھا اس کے اندر وہی کیفیت نظر آرہی تھی جو کبھی کبھی جاگتی ہے اور جب یہ کیفیت جاگتی تھی تو بڑے عجیب وغریب کارنامے سرانجام دئے جاتے تھے...... وہ انتظار کرتا رہا پھر کوئی بیس منٹ کے بعد اس نے باہر گاڑیوں کی آواز سنی تھی، مستعد ہو گیا تھا...... بقیہ کام بھی برق رفتاری سے سرانجام دینا تھا، گاڑیاں اندر آگئیں...... اس نے دانی شاہ کو اپنے آدمیوں کے ساتھ نیچے اترتے دیکھا تھا...... دانی شاہ کے منہ سے عجیب وغریب آوازیں نکل رہی تھیں جن کا مفہوم سمجھ میں نہیں آرہا تھا، پھر تقریباً تمام ہی افراد عمارت کی جانب بڑھ گئے، کسی نے ایک شخص سے کہا۔

"گاڑیاں گیراج میں کھڑی کراؤ، یہاں کھڑے رہنا اب بالکل بیکار ہے...... ان

ایک شخص رک گیا اور شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، یہی شخص تو اس کے لئے سب سے زیادہ کارآمد تھا...... وہ اس شخص پہ نگاہیں جمائے دیکھتا رہا...... چوکیدار نے گیٹ بند کر دیا تھا...... بس یہ گیٹ شاید کچھ خراب بھی ہو گیا تھا، کیونکہ کھولتے اور بند کرتے وقت اس میں سے بڑی عجیب وغریب آوازیں نکلی تھیں...... شہاب کو اندازہ تھا کہ جیپ کی ٹکر سے یہ خراب ہو گیا ہو گا، بہرحال وہ اس شخص کو گاڑیاں اندر لے کر جاتے ہوئے دیکھتا رہا، ایک گاڑی اندر کھڑی کرنے کے بعد وہ واپس آیا تو دوسری گاڑی اسٹارٹ کر کے اندر لے گیا...... اب صرف ایک کار کھڑی ہوئی تھی...... جو شہاب کے لئے ضروری تھی، چنانچہ اس نے جب وہ گیراج میں گاڑی کھڑی کر کے پلٹا تو شہاب اپنی جگہ مستعدی سے اس کا انتظار کر رہا تھا، لیکن اس بار وہ اپنی درندگی کا کوئی عمل نہیں کرنا چاہتا تھا...... بے مقصد انسانی زندگیوں کا خاتمہ اس کا مسلک نہیں تھا، چنانچہ انتہائی مہارت کے ساتھ جیسے ہی وہ شخص اس کی رینج پر آیا شہاب نے اس پر چھلانگ لگا دی اور پھر اس کی کارکردگی قابل دید تھی، وہ شخص ہل بھی نہیں سکا...... شہاب نے اسے کسی مکڑی کی طرح جکڑ لیا تھا اور ایک ہاتھ سے اس کا منہ بند کیا اور دوسرے ہاتھ سے وہ اس کی گردن کی ایک مخصوص رگ دبا رہا تھا، اس رگ کو دبانے کا ردعمل لمحوں میں ظاہر ہوتا تھا، اس شخص نے صرف ایک لمحے جدوجہد کی اور اس کے بعد اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے...... شہاب نے پھرتی سے اسے دیوار کے قریب گھسیٹا...... چابی اس کے پاس موجود تھی، چنانچہ چابی نکال کر وہ پھرتی سے اس طرف بڑھ گیا جہاں اس نے رجب خان کی لاش دیوار کے سہارے ڈالی تھی لیکن دوسرے لمحے اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں...... رجب خان کی لاش وہاں موجود نہیں تھی...... شہاب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا کہ ہو سکتا ہے اس کے اندازے کی غلطی ہو گئی ہو اور جگہ کے معاملے میں وہ دھوکا کھا گیا ہو، دیوار کے ساتھ ساتھ وہ کافی دور تک چلا گیا لیکن رجب خان کی لاش وہاں موجود نہیں تھی...... شہاب کے دماغ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ آخر لاش یہاں سے کہاں غائب ہو گئی، کوئی اور ابھی تک نہیں آیا تھا، بھلا وہ تھا ہی کتنے فاصلے پر، لیکن رجب خان کی لاش...... رجب خان کی لاش...... چند لمحات شہاب کے ذہن میں دھماکے سے ہوتے رہے، یہ انوکھی صورت حال اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی...... اس نے بے ہوش شخص کے بدن کو بھی دیکھا وہ دیوار کے سہارے اسی طرح کھڑا ہوا تھا، پھر رجب خان کی لاش

کہاں گئی، نا قابل یقین بات تھی...... بالکل سمجھ میں نہ آنے والی اور اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ خود یہاں سے نکل جائے، چنانچہ کار میں بیٹھنے کے بعد اس نے کار سٹارٹ کی اور اسے اسی رفتار سے گیٹ کی جانب لے چلا چوکیدار نے حیرت سے اس کار کو دیکھا تھا۔ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی، لیکن پھر بھی وہ دروازے کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ممکن ہے انہی لوگوں میں سے کوئی باہر جانے والا ہو، اس کا گیٹ آدھا کھلا بھی نہیں تھا کہ اسے اُچھل کر پیچھے ہٹنا پڑا...... شہاب نے ایک بار پھر اپنی کار سے گیٹ کے ایک پٹ پر ٹکر ماری تھی...... خیال تو اس کا یہ تھا کہ شاید گیٹ کھلوانے میں دقت ہو اس لئے پہلے ہی کیا کام چلانا پڑے گا، لیکن گیٹ چونکہ آدھا کھل چکا تھا اس لئے زوردار آواز تو ہوئی البتہ کار وغیرہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا...... شہاب زن سے اپنی کار کو آگے لیتا چلا گیا۔

❁ ❁ ❁

دانی شاہ کی نگاہیں قرب وجوار کا بغور جائزہ لے رہی تھیں...... کافی دیر ہو گئی تھی اس کے آدمیوں کو گہرائیوں میں بھٹکتے ہوئے پھر دانی کی خوفناک غراہٹ سنائی دی۔

"خنزیر کے بچو اوپر آجاؤ...... کیوں جھک مار رہے ہو۔" اور خنزیر کے بچے آہستہ آہستہ اوپر آگئے، ان میں سے ایک نے کہا۔

"سالار ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ وہ کسی نہ کسی طرح جیپ سے باہر نکل گیا ہے...... ہم نے ایک ایک چٹان کے پیچھے دیکھ لیا ہے اور پھر گرتی ہوئی جیپ سے اس طرح کوئی بچ کر نکل بھی نہیں سکتا، اس نے ضرور کوئی چالاکی کی ہے۔"

"وہ چالاک ہے اور تم گدھے...... کیوں؟" دانی شاہ غرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"مگر سالار آپ خود دیکھ لیجئے ہم تو مسلسل محنت کر رہے ہیں۔"

"لعنت ہے تمہاری محنت پر...... کتنا شاندار آدمی ہے وہ جو کوئی بھی ہے...... اس نے ہم سب کو گدھا بنا کر رکھ دیا ہے...... تم بڑے اطمینان سے کہہ رہے ہو کہ وہ نکل گیا سالار...... ارے میں کہتا ہوں کہ اگر وہ نکل گیا تو نکل کر کہاں گیا؟"

"سالار یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جیپ کے نیچے گرنے سے پہلے وہ جیپ سے کود گیا ہو۔"

"اور کود کر تمہارے گھر چلا گیا ہو گا۔" سالار بدستور غرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"سالار اسے یہاں بھی تلاش کریں۔"

"ہاں ٹھیک کہتے ہو وہ انتظار کر رہا ہو گا کہ جب تم نیچے سے واپس آؤ تو وہ ہنستا ہوا تمہارے سامنے آجائے۔"

"کچھ بتاؤ سالار ہم کیا کریں؟"

"چوڑیاں پہن لو اور زنانہ کپڑے پہن کر ڈانس کرو، تمہارا اب یہی کام رہ گیا ہے۔" سالار نے کہا وہ سب نظریں جھکا کر کھڑے ہو گئے، جتنے لوگوں نے یہ تعاقب کیا تھا وہ سب ہی ایک جگہ جمع ہو گئے تھے...... سالار چند لمحے وہیں کھڑا سوچتا رہا اور اس کے بعد اپنی گاڑی میں آ بیٹھا۔

"سب لوگ واپس چلو۔" اور اس کے بعد جیپیں وہاں سے واپس چل پڑیں، جو جیپ گہرے کھڈ میں گری تھی اب صرف اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے سلگ رہے تھے، وہ لوگ ہر طرف تلاشی لے چکے تھے، ایک اندازے کے مطابق جتنے ایریا میں کسی لاش کے مل جانے کے امکانات تھے وہ پورا ایریا تلاش کر چکے تھے...... اب یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ کوئی شخص ہوا میں اڑ کر اپنے آپ کو بچا لے...... پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے مکان میں داخل ہو گئے...... دانی شاہ کا چہرہ غصے سے سرخ تھا، وہ جیپ سے اترا اور بھاری قدموں سے چلتا ہوا اندرونی عمارت میں داخل ہو گیا...... پھر وہ اس کمرے میں آ گیا جہاں رجب خان کی لاش لٹکی ہوئی چھوڑ گیا تھا...... وسیع و عریض کمرے کے ایک مخصوص حصے میں وہ قالین پہ بیٹھ گیا، وہ سب اس کے گرد جمع تھے۔

"خنزیر زادو اب میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو، جاؤ اپنے اپنے کمروں میں جا کر آرام کرو...... تم لوگوں کے بارے میں مجھے سوچنا پڑے گا اور تم دونوں اِدھر رُک جاؤ اس نے دو آدمیوں کو اشارہ کیا، باقی لوگ گردنیں جھکائے وہاں سے واپس نکل گئے...... دانی شاہ غم و غصے کے عالم میں گردن جھکائے بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا اور وہ دونوں آدمی اس کے سامنے دو زانو بیٹھے ہوئے تھے، ان کا رُخ دانی شاہ کی طرف ہی تھا...... دانی شاہ کافی دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

"غور کرنے کا مقام ہے...... غور کرنے کا مقام ہے، ہم لوگ پچھلے کچھ وقت سے خاصی مشکلات کا شکار ہیں۔" دانی شاہ نے ان دونوں آدمیوں سے کہا جو اس کے خاص آدمی معلوم ہوتے تھے اور ان میں سے ایک خود ان کے ہاتھوں شکار ہو چکا تھا، وہ لوگ گردن جھکائے بیٹھے رہے...... دانی شاہ نے کہا۔

"کیا یہ نہیں لگتا کہ ہمارا مستقل پیچھا کیا جا رہا ہے اور پیچھا کرنے والا جو کوئی بھی ہے بڑی کامیابی سے ہمارے دلوں پہ چرکے لگا رہا ہے، وہ بہت تیزی سے ہماری جانب بڑھ رہا ہے ہر چند کہ باڑی ہمارا اپنا علاقہ ہے لیکن کون جانے ہمارا دشمن کون ہے، تم لوگ اس سلسلے میں کوئی رائے دے سکتے ہو۔"

"سالار، آخری طور پر تو کوئی بات نہیں کہی جا سکتی لیکن اگر تم محسوس کرو تو یہ سلسلہ اس وقت سے شروع ہوا ہے جب سے ہم نے ثریا کو قتل کیا ہے۔"

"تو تمہارا کیا خیال ہے کیا ثریا کی روح ہمارا تعاقب کر رہی ہے۔"

"نہیں سالار بلکہ کوئی ایسی شخصیت جسے اس بات کا علم ہو چکا ہے کہ ہم نے ثریا کو قتل کر دیا ہے۔"

"اوہ...... تم ایک معمولی لڑکی کے قتل کو اس قدر اہمیت دے رہے ہو کتنے افراد ہمارے ہاتھوں مارے گئے ہیں، اگر ان سب کی روحیں ہمارا تعاقب شروع کر دیں تو کیا ہمیں اس روئے زمین پر کہیں پناہ ملے گی؟"

"نہیں سالار میں روحوں کی بات نہیں کر رہا۔"

"تو پھر کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"ہو سکتا ہے کوئی خطرناک آدمی۔"

"مگر کون؟"

"یہی تو سوچنے کی بات ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے کیا انتظامیہ کا کوئی آدمی ہو سکتا ہے۔" سالار نے سوال کیا لیکن وہ دونوں کوئی جواب نہیں دے سکے۔

"میں نے تم سے کچھ پوچھا تھا؟" سالار غصیلے لہجے میں بولا۔

"ہاں سالار ہم غور کر رہے ہیں۔"

"کتنی دیر میں غور کر لیتے ہو تم۔" سالار نے سوال کیا۔

"نہیں سالار حتمی طور پر تو کوئی جواب دینا تو مناسب نہیں ہوتا ناں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے کیا وہ انتظامیہ کا کوئی آدمی ہو سکتا ہے؟"

"ہو بھی سکتا ہے۔"

"ایک آدمی ہے۔"

"یہ بات تو ہم نہیں کہہ سکتے سالار۔"

"اور یہ رجب خان یہ کتے کا پلا...... اس نے کتنا نقصان پہنچایا ہے ہمیں، بہت عرصے سے ہم اس کی تلاش میں تھے، تم دیکھو اس نے کس طرح ہمارا تعاقب کیا، یہ ہمارے پیچھے

"ہمارے پیچھے، ہمارے پیچھے۔" اچانک ہی سالار اپنا جملہ بار بار دہرانے لگا، اس کی آنکھیں رجب خان پر لگی ہوئی تھیں..... وہ ایک دم اُچھل کر کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا۔

"سنو۔"

"جی سالار کہئے کیا بات ہے؟"

"اوہو..... اس لاش کو دیکھ۔" دانی شاہ نے لاش کی طرف اشارہ کیا اور پھر دوڑتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا، پھر اس کے منہ سے آواز نکلی۔

"اوہ خدایا..... اوہ خدایا۔" وہ دونوں بھی لاش کے قریب پہنچ گئے تھے، ان میں سے ایک نے کہا۔

"ارے یہ تو فیصل خان ہے۔"

"کتے کے بچو..... کتے کے بچو..... خدا تم کو غارت کرے یہ..... یہ..... یہ لاش کیسے بدل گیا اوہ میرے خدا..... ہم اسے ادھر چھوڑ گئے تھے اتارو اسے اتارو۔" ان لوگوں نے لاش نیچے اتار لی دانی شاہ کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں، اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"تلاش کرو اسے تلاش کرو میں سمجھ گیا اس نے ادھر ہم لوگوں کو بے وقوف بنایا اور خود ادھر واپس آ گیا۔"

"اوہ خدایا اس نے ہم سب کو کتے کا پلا بنا کر رکھ دیا، ادھر فیصل خان کو قتل کر کے اس کا لاش ایسے لٹکایا اور رجب خان کا لاش لے گیا..... میرے خدا میرے خدا، ادھر تو میرے کو کتا بنا کر رکھ دیا گیا ہے اور تم سب لوگ تم تم اوہ خدایا۔" دانی شاہ پھر فیصل خان کی لاش پر جھک گیا وہ اس کا بغور مطالعہ کر رہا تھا، پھر اچانک ہی وہ چونک کر بولا۔

"دیکھو دیکھو ہو سکتا ہے وہ ادھر اُدھر ہو گیا، یہ ایسا کیسے ہو گیا، کون ہے وہ کون ہے۔" اور اس کے بعد اس کے دونوں آدمی باہر نکلے لیکن اسی وقت انہیں گیٹ پر ایک دھماکہ سنائی دیا اور گاڑی کے سٹارٹ ہونے کی آواز بھی، وہ باہر دوڑتے چلے گئے تھے اور انہوں نے تعاقب شروع کر دیا تھا۔

"دوڑو..... پکڑو دیکھو لیکن دوڑنے پکڑنے اور دیکھنے والے اپنے اپنے کمروں میں آرام کرنے لیٹ گئے تھے، بمشکل تمام وہ خاصی دیر کے بعد باہر نکلے..... ادھر چوکیدار ان دونوں آدمیوں کو بتا رہا تھا کہ کس طرح گاڑی سٹارٹ ہوئی اور اس کے بعد گیٹ سے باہر نکل گئی۔"

دونوں تحقیقات کرنے لگے..... دانی شاہ بھی ان کے قریب پہنچ گیا تھا اور انہیں ایک بار پھر اپنے آدمی کی لاش کا استقبال کرنا پڑا..... دانی شاہ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا، صورت حال اس کی سمجھ میں آ رہی تھی، کافی دیر تک وہ خاموشی سے کھڑا اس لاش کو دیکھتا رہا، دو افراد اور کم ہو گئے تھے ان کے اور ان لوگوں کو کم کرنے والا انجانے کون تھا، پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"اب اس کی تلاش بے کار ہے، ایک بار پھر تم لوگ اس کا پیچھا کرو گے، کدھر تلاش کرو گے انہیں..... ہے کوئی تمہارے پاس پروگرام۔" کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"چلو واپس آ جاؤ واپس آ جاؤ ہم بالکل ہی دو کوڑی کے ہو کر رہ گئے ہیں کہ اس نے ہمیں بالکل کتا بنا کر رکھ دیا ہے مگر..... مگر میں یہ سب نہیں مانتا آؤ ادھر غور کرو بیٹھو میرے ساتھ ایسا لگتا ہے ہم لوگوں کو محاذ بنانا پڑے گا۔" دانی شاہ آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہو گیا..... غالباً اس کی یہ کوئی خاص فطرت تھی، بے انتہا غصے میں ہونے کے بعد وہ نرم ہو جاتا تھا، کیونکہ جانتا تھا کہ جوش میں دہکتا ہوا دماغ مناسب فیصلہ نہیں کر سکتا، اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ جو کوئی بھی ہے بہت ذہین اور چالاک ہے، اپنا کام کر کے نکل چکا ہے اور اب اس پر ہاتھ ڈالنا اتنا آسان نہیں ہوگا، چنانچہ سب سے پہلے ان آدمیوں کو حکم دیا کہ ان دونوں لاشوں کو ٹھکانے لگانے کا بندوبست کیا جائے اور اس کے بعد اپنے انہی دونوں مخصوص آدمیوں کے ساتھ ایک گوشے میں آ بیٹھا، کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"اور تم جانتے ہو کہ اس وقت ہم کتنی مشکل صورت حال کا شکار ہو چکے ہیں..... ہمارا مقابل ہمیں احساس دلا رہا ہے کہ وہ کوئی بہت زیادہ خطرناک آدمی ہے اور اس کا واسطہ براہ راست ہم سے ہے، تم جانتے ہو کہ اگر ہائی کمان کو ہمارے ان معلومات حاصل ہو جائیں تو ہمارا کیا حشر ہوگا۔"

"سالار ہم اسی بارے میں سوچ رہے ہیں۔"

"سوچنے سے کبھی کچھ حاصل نہیں ہوتا، سوچنے کے لئے صرف چند لمحے درکار ہوتے ہیں اور اس کے بعد عمل کرنا ہوتا ہے، اندازہ یہ ہو رہا ہے کہ کوئی بہت ہی خطرناک دشمن ہمارے مقابلے پر آ چکا ہے..... میرا طریقہ کار ہمیشہ یہ رہا ہے کہ پہلے ماحول کو مشکوک لوگوں سے پاک کرو اور اس کے بعد اپنا کام جاری رکھو..... اگر ہمیں کوئی خطرہ ہوتا تھا تو ان شہروں کو جہاں ہماری پشت مضبوط نہیں ہے، لیکن ہمارے گھر میں داخل ہو کر کوئی مسلسل ہم پر

جوتے برساتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ کیا چیز ہے؟"

"ایسا سوال مت کرو مجھ سے جس پر میرا دماغ گھوم جائے، اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کون ہے تو تمہارا کیا خیال ہے کہ میں اتنا چوہا ہوں کہ کسی جانے پہچانے شخص کو چھوڑ دوں۔"

"نہیں سالار ہمارا یہ مطلب نہیں ہے۔"

"پھر کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"سالار وہی والی بات پھر درمیان میں آجاتی ہے کہ اگر وہ انتظامیہ کا کوئی آدمی ہے تو کون ہو سکتا ہے، ہمیں ہمارے ایجنٹوں سے ضرور اس بارے میں اطلاع مل جاتی کہ کوئی ایجنٹ ہمارے پیچھے لگا ہوا ہے، اگر ہمیں اطلاع نہیں ملی سالار تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کوئی ایجنٹ نہیں ہے۔"

"پھر کون ہو سکتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے سالار کوئی ایسا چالاک آدمی ہو جو ہم سے اپنا حصہ مانگنا چاہتا ہو۔"

"دیکھو اگر ایسا کوئی آدمی ہے تو جس طرح بھی بن پڑے اس سے ہمیں رابطہ قائم کرنا ہوگا، ایسا ذہین آدمی تو ہر وقت ہماری ضرورت رہتا ہے، ہم اسے خوشی سے اس کا حصہ دینے کو تیار ہو جائیں گے...... تم سب سے پہلی بات یہ سوچو کہ ہمارا وہ رجسٹر غائب ہو گیا ہے جو ہمارے لئے ایٹم سے کم نہیں ہے...... ہمارے ہاتھ میں ہے یہ ایٹم بم اور دوسروں کے لئے نقصان دہ ہو سکتا ہے اور کسی اور کے ہاتھ میں یہ ایٹم بم چلا جائے تو سمجھ رہے ہو بات یہ نہیں ہے کہ اس رجسٹر کے ذریعے بہت سے انکشافات ہو جاتے ہیں بلکہ بات یہ ہے کہ اگر ہائی کمان ہم سے اس رجسٹر کو کبھی طلب کرلے تو کیا ہوگا۔"

"میں سمجھتا ہوں سالار اس کے نتیجے میں ہم لوگوں کو موت کی سزا ہی دی جائے گی۔"

"موت موت تو بہت آسان چیز ہے ہائی کمان ہمارا جو حشر کرے گا تم لوگ سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"ہم لوگ جانتے ہیں سالار۔"

"چنانچہ سب سے پہلی بات میں تم دونوں سے یہ کہہ رہا ہوں کہ رجسٹر کی بات بالکل ذہن سے نکال دو، ایک ایسا رجسٹر تیار کرنا پڑے گا جس میں یادداشت کے مطابق اندراجات کئے جائیں گے اور کوئی ایسی ترکیب سوچی جائے گی کہ اگر کہیں سے یہ رجسٹر طلب کر لیا جائے

تو ہم یا تو اسے اس حیثیت سے پیش کریں یا پھر کسی کے ہاتھوں میں پہنچانے کے بعد اسے ضائع کر دیں، اس کے لئے ہمیں الگ منصوبہ بنانا پڑے گا۔"

"ہم سمجھے نہیں سالار۔"

"سمجھو...... سمجھو...... سمجھو۔" سالار کا لہجہ پھر نرم ہو گیا، یہ شدید غصے کی علامت تھی اور یہ بات وہ دونوں بھی جانتے تھے ان کے چہرے زرد پڑ رہے تھے۔

"سمجھو ایک ایسا رجسٹر ہمارے پاس ہونا چاہئے جو بظاہر بالکل وہی رجسٹر دکھائی دے جو ہمارے پاس رہتا ہے اور اگر ہائی کمان کی جانب سے یہ رجسٹر کبھی طلب کر لیا جائے تو اسے باقاعدہ ہائی کمان کو بھیجا جائے لیکن ذمہ دار لوگوں کے سپرد کرنے کے بعد ہم ان سے یہ رجسٹر حاصل کریں اور اس کو ضائع کر دیں، اس طرح یہ ہوگا کہ ذمہ داری ہمارے اوپر نہیں رہے گی بلکہ دوسرے لوگوں پر رہے گی۔"

دونوں آدمی حیران نگاہوں سے سالار کو دیکھنے لگے، پھر ان میں سے ایک نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"اس سے اچھا منصوبہ ہو ہی نہیں سکتا سالار۔"

"ہم ہائی کمان کو کبھی دھوکا نہیں دیتے، لیکن اپنی زندگی بچانے کے لئے یہ ضروری ہے سمجھ گئے ناں تم لوگ اگر رجسٹر کبھی ہائی کمان سے طلب کر لیا گیا تو اسے باقاعدہ ہائی کمان کے نمائندوں کے حوالے کیا جائے گا تو پھر اگر وہ نمائندے ہمیں قتل بھی کرنے پڑیں تو ہم انہیں قتل کر دیں گے، نمائندوں سے رجسٹر کی رسید وصول کرنے کے بعد ہماری ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔"

"یہ ایک بہترین منصوبہ ہے سالار۔"

"لیکن اس بات کو ذہن میں رکھنا کہ یہ منصوبہ تم دونوں کے ذہنوں سے باہر نہ نکلنے پائے۔"

"ایسا اس سے پہلے کبھی ہوا ہے سالار جواب ہوگا۔"

"ویری گڈ...... میں بھی یہی چاہتا ہوں اب رجسٹر کا مسئلہ تو ہم اس طرح حل کر لیں گے لیکن ہمارے سامنے اور بھی بہت سی پریشانیاں ہیں مثلاً یہ کہ کیا اس رجسٹر کے ذریعے وہ ہمیں بلیک میل کر سکے گا۔"

"اگر وہ چالاک ہے سالار تو ایسا کرے گا۔"

"اور اگر اس رجسٹر کے ذریعے ہمیں بلیک میل کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی یا اس کی طرف سے ہمیں کوئی مطالبہ موصول نہیں ہوتا تو پھر سمجھ لو کہ وہ انتظامیہ کا آدمی ہے اور یہ بات ہمارے لئے جتنی خطرناک ہے تم سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں سالار۔"

"خاک سمجھ رہے ہو تم لوگوں نے مجھے مصیبت میں گرفتار کر دیا ہے...... دیکھو میں تم لوگوں پر الزام نہیں لگا رہا لیکن بہر حال میں تنہا کچھ بھی نہیں کر سکتا، میں تو صرف تمہارا کمانڈر ہوں ذمہ داریاں تو تم لوگوں ہی کو اٹھانی پڑتی ہیں۔"

"سالار ہماری زندگی میں پہلی بار ایسا موقع آیا ہے۔"

"ہوں وہ ناک کاٹ کر لے گیا، ہماری ناک کاٹ دی اس نے ساری عزت خاک میں ملا دی کیا بنا دیا اس نے ہمیں، خیر اب اس سلسلے میں مت سوچو میں تم کو ایک بات بتاؤں وہ باڑی سے نکلا نہیں ہوگا، تم لوگ فوری طور پر مصروف ہو جاؤ، باڑی سیل کر دو ایک ایک علاقہ سیل کر دو، اس وقت اور کوئی کام نہیں کرنا ہے...... جتنے افراد ہمارے پاس موجود ہیں ان میں سے ایک ایک کو اس بات پر مصرف کر دو کہ باڑی میں وہ نئے اور کسی مشکوک آدمی کو تلاش کریں۔"

"ہم لوگ ابھی نکل جاتے ہیں سالار۔"

"جاؤ میری شکل نہ دیکھو۔" سالار نے کہا اور وہ دونوں اپنی جگہ سے اُٹھ گئے۔

❁

شہاب شہری آبادی میں داخل ہو گیا، اس کے بعد سب سے پہلا عمل اسے یہ کرنا تھا کہ کار کو چھوڑ دے، آبادی میں سناٹا پھیلا ہوا تھا، بس چند ہی ایسی جگہیں نظر آ رہی تھیں جہاں لوگ چلتے پھرتے نظر آ رہے تھے، رات خاصی ہو گئی تھی اور ساری آبادی خواب خرگوش کے مزے لے رہی تھی، موسم بھی کچھ سرد تھا اور شہاب کے پاس کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جسے وہ ٹھکانے کے طور پر استعمال کر سکے، ویسے باڑی میں اسے سبھی کے گھر نظر آئے تھے، کوئی بھی بے گھر نظر نہیں آتا تھا، ایسا کوئی شخص جو مشکوک کیفیت میں ہو دوسروں کی نگاہوں میں آ سکتا اور پھر شہاب نے یہاں کے ماحول کا پوری طرح اندازہ لگا لیا تھا...... لوگ ایک دوسرے کے شناسا ہی تھے، حالانکہ چھوٹی جگہ نہیں تھی پھر بھی یہاں کے ماحول میں ایک خاص کیفیت پائی جاتی تھی...... شہاب اپنے اس ٹھکانے کا رخ بھی کر سکتا تھا

نی وہ کچا قلعہ جہاں دوسروں کی نگاہوں سے محفوظ رہا جا سکتا تھا لیکن وہ اس علاقے کو مشکوک نہیں بنانا چاہتا تھا، اس کی سب سے قیمتی شے جو اس نے یہاں آ کر حاصل کی تھی وہ رجسٹر تھا جسے اس نے اپنے اندازے کی بنا پر محفوظ کر دیا تھا، اس طرف کسی کی توجہ جانا ممکن نہیں تھا لیکن اگر تقدیر میں ہی کوئی کھوٹ ہے تو پھر دوسری بات ہے، چنانچہ اب بقیہ وقت گزارنے کے لئے اس کو وقت درکار تھا اور یہ ٹھکانہ اس نے ایک ایسی دکان کے تخت کے نیچے حاصل کیا جو بازار میں تھی اور اس وقت بند تھی، یہ جگہ کسی قدر محفوظ بھی تھی، کیونکہ تخت کے نیچے خاصی صاف ستھری زمین تھی، کبھی کبھی اس طرح بھی وقت گزارنا پڑ جاتا ہے...... تخت کے نیچے گھٹنوں کو سینے میں چھپا کر شہاب لیٹ گیا، اس کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی، زندگی کے نشیب و فراز کا تجزیہ کر رہا تھا...... انسان کی ضرورتوں نے اسے سہل پسند بنا دیا ہے، لیکن کبھی کبھی حالات ایسا رخ اختیار کر لیتے ہیں کہ اسے اپنی اصلیت کی جانب لوٹنا پڑتا ہے...... شہری آبادیوں میں تو ایسے ہزاروں لوگ ہوتے ہیں جن کے پاس کوئی گھر نہیں ہوتا اور ایسی ہی جگہیں ان کا ٹھکانہ بنتی ہیں، چنانچہ یہ کوئی ایسی اہم بات نہیں تھی، بینا اپنے بیڈروم میں آرام سے سو رہی ہوگی...... اگر اس کے فرشتوں کو بھی یہ اندازہ ہو جائے کہ شہاب اس وقت ایسی حالت میں ہے تو شاید وہ سکون کی نیند نہ سو سکے، لیکن بہر حال یہ سب وہ دلکش سوچیں تھیں جو انسان کو بہت سے رموز سے آشنا کرتی ہیں، اس نے اپنا ذہن اس طرف سے ہٹا لیا، دانی شاہ اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں سوچنے لگا...... وہ لوگ بار ہا اس کی رینج پر آئے تھے اور شہاب اگر چاہتا تو ثریا کی موت کے انتقام کے طور پر اپنی فطرت کے مطابق انہیں موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا، لیکن یہ کوئی بات نہیں ہوتی اس کے ذہن میں جو نئے تصورات جاگزیں ہوئے تھے وہ ان کے تحت عمل کرنا چاہتا تھا، ان لوگوں کا مکمل سراغ لگانا ضروری ہے...... رجسٹر میں اسے دارالحکومت میں موجود ایسے بڑے بڑے نام حاصل ہوئے تھے جن کے خلاف کام شروع کیا جا سکتا تھا...... نادر حیات صاحب خود زبردست آدمی تھے اور ان حقیقتوں کا اظہار ان کی شخصیت سے ہوتا تھا جن میں یہ کہا جاتا ہے کہ دُنیا میں سبھی برے ہو جائیں تو پھر دُنیا کا کاروبار ہی بند ہو جائے، نادر حیات صاحب اسے اس سلسلے میں کام کرنے کی اجازت ضرور دے دیں گے، اس سے پہلے بھی کئی بار ان علاقوں میں منشیات کی تجارت کا انکشاف ہوا تھا، لیکن اب وہ اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ رہا تھا، پھر اس کی ذہنی رو

رجب خان کی طرف مڑ گئی، یہ اس رات کا سب سے حیرت انگیز واقعہ تھا، ویسے تو وہ دانی شاہ کے منہ پر کالک مل آیا تھا، ایسے لوگ جو اپنے آپ کو بہت بااثر اور صاحب قدرت سمجھتے ہیں بھلا اس طرح کی باتیں کہاں برداشت کر سکتے ہیں...... دانی شاہ کو بے حد ذہنی صدمہ پہنچا ہوگا، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رجب خان کی لاش کہاں گئی، شہاب کو اندازہ تھا کہ رجب خان نجانے کب سے الٹا لٹکا ہوا تھا اور پھر رجب خان کو رسی سے اتارتے ہوئے بھی اس نے اس کے بدن میں سردی محسوس کی تھی، جیسی ایک لاش میں ہوتی ہے...... پھر وہ لاش اس دیوار کے پاس سے کہاں غائب ہو گئی، کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی، البتہ ایک اور خیال اس کے ذہن میں اُبھرا اتنی دیر سے رسی میں الٹا لٹکا ہوا شخص جو مکمل سرد ہو گیا ہو اس کی لاش اکڑ بھی جانی چاہئے تھی...... رجب خان کے بدن میں کوئی اکڑن نہیں تھی، بلکہ جب شہاب اسے شانے پر ڈال کر احاطے کی دیوار تک لایا تھا تو اس کا جسم لچکدار تھا اور جھول رہا تھا تو کیا رجب خان زندہ تھا مگر کیسے؟ اس میں زندگی کے آثار تو نظر نہیں آتے تھے، بہر حال اس سوال کا کوئی جواب کہیں سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا اور اس وقت اس جواب کا حاصل کرنا بھی ضروری نہیں تھا...... شہاب کو اندازہ تھا کہ دانی شاہ کی یہاں خاصی اہم حیثیت ہے اور رات کے واقعات سے آشنا ہونے کے بعد وہ اپنی تمام تر قوتیں اس بات پر صرف کر دے گا کہ اس شخص کا پتا لگائے جس نے اس کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے اور بار بار اس کی کمیں گاہ میں گھس کر اس کے منہ پر کالک لگائی ہے، چنانچہ اب وہ بہت خطرناک ہو جائے گا...... شہاب بہت دیر تک سوچتا رہا اور آخر کار اس نے اپنے ذہن میں ایک منصوبہ ترتیب دے لیا، بہتر طریقہ یہ ہے کہ اپنے تحفظ کا بندوبست کرنے کے لئے کچھ دن اسے کسی ایسی جگہ منتقل ہو جانا چاہئے جہاں اسے کوئی دیکھ نہ سکے اور پھر وہ اس منصوبہ پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گیا، پھر بقیہ رات اس نے سوتے جاگتے گزار دی تھی، صبح کی روشنی نمودار ہوئی، وہ تخت کے نیچے سے نکل آیا اور اپنے طور پر کچھ سوچنے لگا، زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ وہ دکاندار آ گیا جس کی یہ دکان تھی...... شہاب چند لمحات سوچ میں ڈوبا رہا وہ اپنے منصوبے پر بڑی ہوشیاری سے عمل کرنا چاہتا تھا، چنانچہ کچھ وقت وہ انتظار کرتا رہا، دکاندار دکان کھولنے میں مصروف ہو گیا تھا...... قرب و جوار کے کچھ اور دکاندار بھی آ گئے تھے اور اپنے کاروبار کا آغاز کر رہے تھے...... جب شہاب نے دیکھا کہ کئی افراد وہاں پہنچ گئے ہیں تو وہ دکاندار کی طرف مڑا اور اس کے

قریب پہنچ گیا، اس نے آگے بڑھ کر وہ چاقو نکالا جو اس نے دانی شاہ کے ہاں سے حاصل کیا تھا اسے کھول کر دکاندار کے سینے پر رکھ دیا۔

"تمہارے پاس جتنے پیسے ہیں نکال کر میرے سامنے رکھ دو۔" شہاب غرائی ہوئی آواز میں بولا اور دکاندار چونک کر اسے دیکھنے لگا، پھر اس نے اپنے سینے پر رکھے ہوئے چاقو کو دیکھا لیکن اس کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار نہیں ہوئے تھے، کوئی دلیر آدمی تھا وہ شہاب کی آنکھوں میں دیکھتا رہا، پھر اس نے کہا۔

"دن میں چوری کرتے ہو۔"

"فضول باتیں مت کرو ورنہ یہ چاقو تمہارے سینے کے پار کر دوں گا۔"

"اور اس کے بعد تم مجھ سے ساری رقم حاصل کر لو گے۔" دکاندار مسکرا کر بولا۔

"جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ کر دو۔"

"چاقو ہٹاؤ تو کروں ناں ایسے بھلا کیا کر سکتا ہوں، میرے ساتھ آؤ وہ میرا گلہ ہے اور جو رقم اس میں ہے وہ زیادہ نہیں ہو گی، لیکن تمہاری چوری کا شوق پورا ہو جائے گا۔" دکاندار نے کہا، شہاب نے چاقو اس کے سینے سے ہٹا لیا، وہ گہری نگاہوں سے دکاندار کا رد عمل دیکھ رہا تھا...... صحیح انسان کا انتخاب کیا تھا اس نے دکاندار اس گلے پر رکا جو ایک طرف رکھا ہوا تھا...... اسے کھولا جب اس کا ہاتھ گلے سے واپس آ گیا تو اس میں پستول دبا ہوا تھا، اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"سب سے پہلے تو چاقو پھینکو اور اس کے بعد اپنے ہاتھ اٹھا لو۔"

"میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔" شہاب غرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"مجھے جان سے مارنے سے پہلے تم اپنے بدن کے سوراخوں کو گننا سمجھ رہے ہو چاقو پھینکو۔" دکاندار غرائی ہوئی آواز میں بولا اور شہاب نے چاقو پھینک دیا، دکاندار اسے پستول سے کور کئے ہوئے تھا اور شہاب دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا، ایک مناسب آدمی سے واسطہ پڑا ہے پھر دکاندار نے باقی لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کیا اور بہت سے لوگ آ گئے تو دکاندار نے انہیں صورت حال سے آگاہ کیا...... پھر شہاب کو تھوڑی سی مار پیٹ برداشت کرنا پڑی...... ٹھڈے، گھونسے اس کی اچھی خاصی مرمت کر ڈالی اور اس کے بعد اس کو باندھ کر ڈال دیا...... پھر دکاندار نے کسی سے کہا کہ فوری طور پر پولیس سے رابطہ قائم کرے، غالباً پولیس مستعد

تھی، چنانچہ فوراً ہی ایک سب انسپکٹر تین چار کانسٹیبلوں کے ساتھ یہاں پہنچ گیا...... دکاندار نے چاقو اس کے حوالے کیا اور اس کے بعد ٹوٹے پھوٹے شہاب کو پولیس کے سپرد کر دیا گیا...... سب انسپکٹر شہاب کو دھکے دیتا ہوا آگے لے چلا اور تھوڑی دیر کے بعد اسے پولیس اسٹیشن کی عمارت میں لے جایا گیا جہاں ایک کمرے میں اسے بند کر دیا گیا، سب انسپکٹر نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"خبردار اگر تم نے کوئی حرکت کی تو اسی چاقو سے تمہاری گردن کاٹ دی جائے گی، جسے لے کر تم ڈاکا ڈال رہے تھے...... بے وقوف گدھے ایسے چاقوؤں سے ڈاکا ڈالا جاتا ہے۔"

"دیکھو صاحب ہم چور نہیں ہیں، ڈاکو نہیں ہیں، تین دن سے بھوکے ہیں...... ہم تو بس ناشتے کے لئے اس سے پیسے مانگے تھے۔"

"میں تمہیں اچھی طرح ناشتا کراؤں گا بلکہ ہمارے انچارج صاحب تمہیں ناشتا کرائیں گے، اے تم اس کی دیکھ بھال کرو۔" انچارج صاحب کے آنے تک اسے نگاہ میں رکھنا، میں اسے ابھی لاک اپ میں نہیں ڈالنا چاہتا۔" سب انسپکٹر باہر نکل گیا، شہاب کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے، ویسے جو مار اس کو پڑی تھی اس نے کم از کم اس کا حلیہ نہیں بگاڑا تھا لیکن بدن کے کچھ حصوں میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں...... بہرحال یہ سب کچھ ضروری تھا اور شہاب کے منصوبے کے مطابق تھا، وہ کانسٹیبل شہاب کی نگرانی کر رہا تھا...... بہت دیر تک اس پر نظریں جمائے بیٹھا رہا، اس کے بعد اٹھ کر دروازے سے باہر نکل گیا...... وہ جانتا تھا کہ جس شخص کی نگرانی کی ذمہ داری اسے سونپی گئی ہے، وہ اس قابل نہیں ہے کہ اٹھ کر بھاگ سکے یا کوئی اور عمل کر سکے، پھر چند ہی منٹ کے بعد وہ واپس آ گیا تھا، شہاب نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا نام ہے تمہارا بھائی۔"

"کیوں رشتے داری کرنی ہے۔" کانسٹیبل بگڑے ہوئے لہجے میں بولا۔

"رشتے دار تو تم ہو میرے۔"

"چپ کر کے بیٹھ میں ذرا ٹیڑھا آدمی ہوں۔"

"نہیں اب ایسے ٹیڑھے بھی نہیں اچھے خاصے شریف آدمی لگتے ہو شکل سے۔"

کانسٹیبل اسے گھورنے لگا پھر بولا۔

بیٹا اب جب انچارج صاحب الٹا لٹکا کر ماریں گے تجھے تو پتا چلے گا۔

"انچارج صاحب کس وقت آتے ہیں۔"

"موت کا وقت پتا ہے تجھے۔" کانسٹیبل نے پوچھا۔

"بالکل نہیں۔"

"تو انچارج صاحب کے بھی وقت کا کوئی پتا نہیں ہے، موت کی طرح جب دل چاہے ا ہو جاتے ہیں۔" کانسٹیبل کا لہجہ کچھ ایسا تھا کہ شہاب سوچنے لگا پھر اس نے کہا۔

"تو تم کسی دوسرے تھانے میں تبادلہ کیوں نہیں کرا لیتے۔"

"کون سا دوسرا تھانہ۔" کانسٹیبل نے سوال کیا۔

"کیا مطلب باڑی میں صرف ایک ہی تھانہ ہے کیا؟"

"تو کہیں باہر کا ہے او ہو باہر ہی کا ہو سکتا ہے ورنہ باڑی میں اور بھلا کوئی چوری کرنے الے...... ارے یہ تو دولت کا خزانہ ہے...... یہاں کسی کو چوری کی کیا پڑی ہے۔ تھوڑے سے ہاتھ پاؤں ہلانے سے کسی بھی شخص کو پیسہ مل جاتا ہے، کدھر سے آیا ہے تو۔"

"بس کیا بتاؤں یار تقدیر ادھر گھسیٹ لے آئی۔"

"ہر بات تقدیر پر چھوڑ دیتے ہو تم لوگ ارے تقدیر نے تم سے کہا تھا کہ اسے پیٹ کر اسے پیسے چھیننے کی کوشش کرو۔" شہاب ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا، چند لمحے خاموشی کے بعد اس نے پھر کہا۔

"مگر کیا یہ سب سے بڑا تھانہ ہے۔"

"تھانہ ہی ایک ہے اور کوئی تھانہ نہیں ہے، یہاں پولیس کے چھوٹے چھوٹے کیبن ئے گئے ہیں، وہاں وہ ضروری باتوں کی نگرانی کرتے ہیں مگر تو بالکل پاگل ہے، کیا باہر سے آ کر چوری کرنے لگا۔"

"جب جیب خالی ہو ناں بھائی اور بھوک لگ رہی ہو تو اور کوئی صورت نظر نہیں آتی۔"

"بلاوجہ مار کھائی کسی سے بھی کہتا روٹی کھانی ہے تو وہ منع نہ کرتا۔"

"کہا نا باڑی میں اجنبی ہوں۔"

"تو پھر ادھر آ کیوں مرا۔"

"پھر وہی کہو گے کہ تقدیر کو تم نہیں مانتے ویسے انچارج صاحب کا نام کیا ہے۔"

"سحر شاہ۔" اس نے جواب دیا...... شہاب نے آنکھیں بند کر لیں، اب اسے باقی

صورت حال کا جائزہ لینا تھا...... سوچا یہی تھا اس نے کہ دانی کی کارروائی سے بچنے کے لئے کچھ وقت پولیس کی تحویل میں گزار دے اور اس کے بعد جب صورت حال کسی حد تک نارمل ہو جائے گی تو کام شروع کرے گا، یہ بھی پتا چل گیا تھا اسے کہ باڑی میں ایک ہی تھانہ ہے ویسے تھانے کی عمارت کی وسعت دیکھ کر اسے خود بھی یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ تھانہ بہت بڑا ہے، لیکن بہر حال کچھ وقت یہاں آسانی سے گزارا جا سکتا ہے...... ایک نرم انسان بن کر اپنے بارے میں اس نے کہانیاں بھی سوچ لی تھیں...... انچارج اس سے سوال کرے گا تو وہ انچارج کو بہر حال مطمئن کر دے گا، اس کے پاس نادر حیات صاحب کا دیا ہوا گرین کارڈ موجود تھا لیکن ابھی اس کارڈ کو استعمال کرنے کی ضرورت نہیں پیش آئی تھی، چنانچہ وہ اطمینان سے اپنی جگہ بیٹھا رہا...... غالباً یہ لوگ اتنے برے نہیں تھے، وہ سب انسپکٹر بھی جو اسے پکڑ کر یہاں تک لایا تھا، دل میں کچھ آئی ہو گی کیونکہ تھوڑی سی دیر کے بعد ایک کانسٹیبل چائے کا گلاس اور ڈبل روٹی لے کر آیا تھا، دونوں چیزیں اس نے شہاب کے سامنے رکھ کر پہرہ دینے والے کانسٹیبل سے کہا۔

"اس کے ہاتھ کھول دے یار ناشتا کر لے گا۔" کانسٹیبل نے فوراً ہی شہاب کے ہاتھ کھول دیئے تھے، پھر اس نے کہا۔

"شریف آدمی کبھی چوری نہیں کرتا تو یقیناً شریف آدمی نہیں ہے لیکن شریف آدمی نہ ہو کر بھی تجھے یہ کوشش کرنی چاہئے کہ مزید پٹنے سے باز رہے، کوئی حرکت کئے بغیر خاموشی سے ناشتا کر لے پیٹ بھر جائے گا۔"

شہاب نے ان کا شکریہ ادا کر کے ڈبل روٹی کو چائے میں ڈبو ڈبو کر کھانا شروع کر دیا دل ہی دل میں وہ خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ کم از کم اسے صبح کا ناشتا تو مل گیا، بڑی بات تھی زندگی کی تمام تر آسائشیں حاصل ہونے کے باوجود کبھی نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کون سا لمحہ انسان کو کس طرح کی زندگی گزارنے پر مجبور کر سکتا ہے، یہ سب کچھ بہت اچھا لگ رہا تھا اسے سوائے اس پٹائی کے جو ضرورت سے کچھ زیادہ ہی ہو گئی تھی، خاموشی سے اس نے ناشتا کیا اور اس کے بعد اپنے دونوں ہاتھ سامنے کر کے بولا۔

"باندھ دے بھائی باندھ دے۔" کانسٹیبل ہنس پڑا تھا اس نے کہا۔

"کیوں ہاتھ بندھوانے کا بہت شوق ہے کیا۔"

"نہیں تم نے شرافت کا سلوک کیا ہے میرے ساتھ تو مجھ پر بھی فرض ہوتا ہے کہ تمہیں اپنے بارے میں کسی قسم کی پریشانی کا شکار نہ کروں۔"

"چھوڑ یار بس خاموش بیٹھا رہ کوئی حرکت نہ کرنا ہماری بھی نوکری ہوتی ہے، سمجھ رہا ہے ناں۔"

"تمہارا شکریہ۔" وہ کانسٹیبل برتن لے کر چلا گیا، گلاس کے سوا اور تھا بھی کیا، دوسرا کانسٹیبل البتہ یہیں موجود رہا تھا، شہاب نے اس سے پوچھا۔

"انچارج صاحب کس قسم کے آدمی ہیں۔"

"یار زندگی عذاب کر دی ہے انہوں نے، معلوم ہوتا ہے تھانہ انچارج نہیں بلکہ سکول ماسٹر ہیں، سب کو شرافت کا سبق پڑھاتے رہتے ہیں...... ارے بھائی شریف کون نہیں ہوتا، وقت اسے برا بنا دیتا ہے، اب دیکھو نا ہمارے بھی بچے ہیں، پالنا ہے انہیں تھوڑا بہت اوپر سے آنا چاہئے مگر انچارج صاحب جوان آدمی ہیں ناں گھر سے یہ کہہ کر نکلے ہوں گے کہ دُنیا فتح کر کے واپس آئیں گے، اب دُنیا فتح کریں گے تو پتا چلے گا کہ ان کو دشمنیاں بڑھاتے جا رہے ہیں...... گردن کٹ جائے گی ایک دن۔"

"کیا مطلب۔" شہاب نے سوال کیا اور کانسٹیبل چونک پڑا۔

"ارے بھائی دیکھ خاموشی سے بیٹھ میری کھوپڑی نہ گھما، ورنہ ایک ٹھوکر دوں گا کمر پر پسلیاں ٹوٹ جائیں گی، بلاوجہ فضول باتیں کئے جا رہا ہے۔" کانسٹیبل کو شاید احساس ہو گیا تھا کہ وہ اپنے منہ سے غلط باتیں نکال رہا ہے، چنانچہ اس نے جھلا کر اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا، شہاب پھر خاموش ہو گیا...... اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ کانسٹیبل اس کے علاوہ اور کچھ نہیں بتائے گا...... بہر حال وہ اپنے منصوبے کے تحت یہاں آیا تھا اور اس میں کامیاب ہو گیا تھا...... اس سے بہترین تحفظ اسے کہیں نہیں مل سکتا تھا، پھر دوپہر ہو گئی، اسے معمولی قسم کا کھانا دیا گیا...... دال اور تندور کی لگی ہوئی روٹی لیکن جو لطف آ رہا تھا اس میں اس کا کوئی جواب ہی نہیں تھا...... انتظار تو بہر حال کرنا ہی تھا، ذہن میں اور بھی بہت سے خیالات تھے اور ایک ایک قدم پھونک پھونک کر اٹھانا تھا...... پھر تقریباً ڈھائی بجے اسے محرر کے آفس میں طلب کیا گیا...... یہاں وہ شخص بیٹھا ہوا تھا جس سے شہاب کا جھگڑا ہوا تھا، یعنی وہ جس کی دکان میں شہاب نے چوری کی تھی، اس نے غالباً یہاں رپورٹ لکھائی تھی...... محرر نے رپورٹ لکھنے کے بعد کہا۔

”اس کی ایف آئی آر ہو گئی ہے، چنانچہ اسے لاک اپ میں بند کر دو۔“

”جی سر۔“ سپاہیوں نے کہا۔

”مگر محرر صاحب میری بھی تو سن لیں۔“ شہاب نے کہا۔

”کہو تم کیا سناؤ گے۔“

”وہ میں نے چوری نہیں کی تھی۔“

”اچھا پھر عید ملنے پہنچے تھے اس کے پاس۔“

”نہیں...... وہ تو اصل میں، میں اس سے ناشتے کے پیسے مانگ رہا تھا۔“

”کیوں...... تمہارا رشتہ دار لگتا ہے۔“

”نہیں صاحب...... کیا باڑی میں بھکاری نہیں ہیں۔“

”کیا مطلب؟“

”میں تو اس سے صرف ناشتے کے پیسے مانگ رہا تھا اس نے فوراً ہی مجھے چور سمجھ لیا۔“

”جھوٹ بولتا ہے یہ...... ناشتے کے پیسے یہ چاقو نکال کر مانگ رہا تھا مجھ سے۔“

”ارے توبہ توبہ کیسا چاقو بھائی۔“ شہاب نے کہا۔

”اب چاقو کے بارے میں بھی جھوٹ بولے گا...... چھے چھے گواہ ہیں میرے پاس۔“

”یعنی میں نے جب تم پر چاقو نکالا تو چھ گواہ تمہارے پاس تھے۔“ شہاب نے سوال کیا۔

”نہیں چھ گواہوں کی موجودگی میں چاقو پولیس کے حوالے کیا گیا ہے۔“

”یعنی اس وقت جب میں نے تجھ پر حملہ کیا تھا چاقو سے بھائی تو یہ چھ گواہ موجود تھے۔“

”وہ تو میری چیخ و پکار سن کر آ گئے تھے۔“

”سنا آپ نے افسر صاحب ارے میرے پیارے بھائی کیوں مجھ غریب کو پھنسا رہا ہے...... پولیس نے میری تلاشی لے لی ہے، ایک پیسہ نہیں تھا میرے پاس...... ایک غریب آدمی کے ساتھ یہ ظلم تو اچھا نہیں ہے۔“

”آؤ غریب آدمی یہ فیصلہ تو بعد میں ہوگا...... انچارج صاحب کریں گے بس اب بکواس بند کر۔“ محرر نے شہاب کو ڈانٹتے ہوئے کہا...... دکاندار نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”سراسر جھوٹ بول رہا ہے صاحب...... ڈاکا ڈالنے آیا تھا میری دکان میں بال بال بچ گیا وہ تو خدا کا شکر ہے کہ لوگ آ گئے تھے، ورنہ یہ تو مجھے قتل ہی کر ڈالتا۔“

”ٹھیک ہے ٹھیک ہے اقدام قتل میں مقدمہ چلے گا، اس پر چلو لے جاؤ اس کو اور لاک اپ میں بند کر دو۔“ محرر نے کہا اور بہر حال سپاہی شہاب کو لے کر چل پڑے، راستے میں بھی شہاب نے سپاہیوں سے خوب باتیں کی تھیں۔

”یہ تو اندھیر ہے بھائی بھیک مانگنے پر سزا دی جا رہی ہے۔“

”بھیک مانگنے پر تو تجھے اور بھی سزا ملنی چاہئے، اپنے آپ کو دیکھ کہیں سے بھکاری لگتا ہے تو؟“

”اب پتا نہیں تجربہ کار بھکاری نہیں ہوں اور پھر ویسے بھی کوئی مستقل تھوڑی بھیک مانگ رہا تھا، وہ تو بس ناشتے کے لئے۔“

”چل ٹھیک ہے لاک اپ میں چل تجھے وہاں ناشتا بھی ملے گا اور دونوں وقت کا کھانا بھی۔“ سپاہیوں نے شہاب کو لاک اپ کا دروازہ کھول کر اسے سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا اور تالا لگا دیا، بہر حال شہاب کا یہی منصوبہ تھا اور وہ اپنی کامیابی پر دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا، لیکن یہ خدشہ بھی موجود تھا کہ ہو سکتا ہے دانی شاہ کی پہنچ پولیس تک بھی ہو...... بہر حال اگر ایسا ہوا تو اس کے بعد ذرا مختلف صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا...... پھر شام کو پانچ بجے ایک بار اسے دوبارہ لاک اپ سے نکالا گیا اور وہاں سے نکال کر تھانہ انچارج کے کمرے میں پہنچایا گیا، اس وقت تھانہ انچارج سحر شاہ اپنی کرسی پر موجود تھا اور کچھ کاغذات دیکھنے میں مصروف تھا...... یہ ایک جوان اور خوش شخص آدمی تھا...... گٹھے ہوئے بدن کا مالک پیشانی سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ مستقل مزاج ہے، ویسے بھی بہترین ورزشی جسم کا مالک محسوس ہوتا تھا، اس کی آنکھیں روشن تھیں، بہر حال شہاب نے ایک لمحے میں یہ سارے اندازے لگا لئے تھے کچھ لمحے کے بعد انچارج نے فائل رکھنے کے بعد اس کی طرف دیکھا۔

”کون ہے یہ؟“

”صاحب جی...... چور ہے...... ایک دکان میں چاقو سے حملہ کر کے دکاندار کو زخمی کرنے کی کوشش کی تھی...... مال اُڑانے کے لئے۔“ تھانہ انچارج نے شہاب کو دیکھا اور پھر اس کے چہرے پر کسی قدر تعجب نظر آنے لگا پھر وہ بولا۔

”کیا قصہ ہے بھائی سچ کہہ رہے ہیں یہ لوگ؟“

”انچارج صاحب کیا سچ کہہ رہے ہیں. جی دکاندار سے پیسے ہم نے ضرور مانگے تھے لیکن

صرف ناشتے کے لئے۔"

"ناشتے کے لئے؟"

"ہاں جی صبح کا وقت تھا، بس یوں سمجھ لیجئے کسی نہ کسی طرح باڑی پہنچے تھے...... پیسے جیب میں نہیں تھے...... بہت غریب آدمی ہوں جی یہاں محنت مزدوری کی تلاش میں آئے تھے...... صبح کو سخت بھوک لگ رہی تھی، ہم نے سوچا کہ کسی کو اپنا حال سنائیں، پہلے ہی آدمی کو حال سنایا تھا تو اس نے یہ حال کر دیا۔

"ہونہہ کہاں سے آئے ہو۔"

"وہ بس بادشاہ صاحب ایسے ہی گھومتے گھامتے چلے آئے۔"

"گھومتے گھامتے۔"

"ہاں جی۔"

"کہاں سے گھومتے گھامتے۔"

"بس جی شہروں کا نام کہاں یاد رکھتے ہیں ہم۔"

"ویری گڈ تمہیں اپنا نام یاد ہے۔" انسپکٹر نے زیر لب مسکرا کر کہا۔

"ہاں جی۔"

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"جمعہ خان۔"

"ٹھیک ہے جمعہ خان...... بہت عمدہ قسم کے چور لگتے ہو۔"

"صاحب جی بس آپ کی مہربانی ہے، مم میرا مطلب ہے کہ صاحب جی چور ہیں ہی کہاں۔"

"ایف آئی آر درج کی گئی ہے اس کی؟" تھانہ انچارج نے کانسٹیبل سے پوچھا۔

"ہاں صاحب جی...... درج کرلی ہے۔"

"کیا کہتے ہو تم اپنے بارے میں...... مقدمہ تو قائم ہو جائے گا تمہارے اوپر۔"

"صاحب جی بس کیا بتائیں آپ کو جو آپ کا دل چاہے کریں...... مالک ہیں جی آپ...... لیکن بس ذرا تھوڑا سا خیال کرلیں۔"

"کیا مطلب۔ کیسا خیال؟"

"صاحب جی...... اکیلے میں بات کرنا چاہتے ہیں جی آپ سے۔"

"نہیں کوئی بات اکیلے میں نہیں ہوگی جو کہنا ہے اسی جگہ کہو کیا بات ہے۔"

"صاحب جی کسی نے بلایا تھا ہمیں یہاں کسی کے بلانے پر آئے ہیں۔"

"کیا مطلب...... کس کے بلائے ہوئے آئے ہو؟"

"سوچ لیں صاحب جی بہت بڑا نام لینے والے ہیں ہم آپ کے سامنے۔"

"اچھا...... میرا خیال ہے تمہاری شامت ہی آرہی ہے...... ضرورت سے زیادہ باتیں ہی کر رہے ہو تم؟"

"صاحب جی آپ دیکھ لیجئے۔" شہاب نے کہا۔

"کس کا نام لینے والے ہو تم...... کس نے بلایا ہے تمہیں یہاں؟"

"سالار نے۔" شہاب نے جواب دیا اور اس نے تھانہ انچارج کو چونکتے ہوئے دیکھا...... باقی بھی چونک پڑے تھے، تھانہ انچارج نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کون سے سالار نے؟"

"دانی شاہ نام ہے...... صاحب جی ان کا۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو۔"

"بس دیکھ لیں جی ایک بہت بڑے آدمی کا نام لے لیا ہے، ہم نے آپ کے سامنے...... اب یہ آپ کی مرضی ہے کہ ہمیں لاک اپ میں بند کریں یا کہیں بھی چھوڑ دیں۔"

"تم دانی شاہ کے آدمی ہو؟"

"جی صاحب جی۔"

"اور اگر یہ بات جھوٹ نکلی۔"

"تو ہمیں اپنے کمرے میں پھانسی دے دیں۔" شہاب نے کہا۔

تھانہ انچارج کے چہرے پر گہری سوچ کے آثار نظر آئے تھے، اس نے تھوڑی دیر کے بعد کہا۔

"پھر بھی شاہ صاحب سے تصدیق کئے بغیر تمہارے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتی جا سکتی۔"

"جیسے دل چاہے تصدیق کرلو جی۔"

"بہت بڑے آدمی کا نام لیا ہے تم نے سوچنا پڑے گا اے لوگ کیوں ٹھہرے ہوئے ہو جاؤ دفع ہو جاؤ اور سنو محرر سے کہو کہ ایف آئی آر کا رجسٹر میرے پاس بھجوا دے۔"

"جی صاحب جی۔" کانسٹیبلوں نے کہا ایک اردلی وہیں رہ گیا تھا، باقی لوگ واپس نکل گئے...... تھانہ انچارج نے کہا۔

"بیٹھ جمعہ خان بیٹھ جاؤ۔" اور شہاب ایک کرسی پر بیٹھ گیا، تھانہ انچارج کسی سوچ میں ڈوب گیا، پھر اس نے کہا۔

"مگر پوری بات تو بتائی نہیں تم نے...... شاہ صاحب نے تمہیں کس لئے بلایا تھا؟"

"صاحب جی...... ابھی تھوڑے دن پہلے ایک بستی میں ہماری ان سے ملاقات ہوئی تھی...... میری مراد ہیر پور سے ہے۔"

"ہاں پھر۔"

"بس ہم نے تھوڑی سی خدمت کی تھی سالار کی...... انہوں نے کہا کہ کسی وقت بازی آ جانا...... تمہارے لئے کوئی بندوبست کر دیا جائے گا۔"

"ہونہہ...... بس اتنا ہی جانتے ہو سالار کو یا اس سے بھی زیادہ۔"

"نہیں صاحب جی، جانتے تو بہت زیادہ ہیں...... کئی بار ہمارا اور ان کا ساتھ رہ چکا ہے۔"

"مگر تم تو کہہ رہے تھے کہ ہیر پور میں تمہاری ملاقات ہوئی تھی۔"

"ہیر پور میں تو آخری بار ہوئی تھی صاحب اس سے پہلے اور بھی کئی بار ہو چکی ہے۔"

"ٹھیک ہے اگر تم دانی شاہ کے آدمی ہو تو تم سے رعایت برتی جائے گی۔" اتنی دیر میں محرر ایف آئی آر کا رجسٹر لئے ہوئے آ گیا تھا۔

"مجھ سے پوچھے بغیر ہی ایف آئی آر درج کر لی تم نے۔"

"وہ سر...... بہت ٹائم ہو گیا تھا۔"

"رجسٹر کون سا ہے۔"

"سر یہ ہے...... کچی ایف آئی آر درج کی ہے۔"

"صفحہ نکال دو درمیان سے۔" سحر شاہ نے حکم دیا اور محرر جھک کر ایف آئی آر رجسٹر سے صفحہ نکالنے لگا، جب اس نے صفحہ نکال لیا تو سحر شاہ نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"لاؤ مجھے دو۔" اور پھر اس نے پورا صفحہ شہاب کے سامنے پرزے پرزے کر دیا اور مح

واپس جانے کی ہدایت کر دی...... محرر چلا گیا تو سحر شاہ نے شہاب کی طرف رُخ کر کے کہا۔

"ہاں...... بتاؤ...... اب کیا کیا جائے تمہارے لئے؟"

"بس صاحب جی...... آپ کی بڑی مہربانی آپ نے ہماری جان بچا لی۔"

"تو اب تم یہاں سے دانی شاہ کے پاس ہی جاؤ گے؟"

"کیا بتائیں صاحب جی...... بس بڑی مشکل میں پڑے ہیں۔"

"نہیں کوئی ایسی بات نہیں ہے، اگر تم دانی شاہ کے آدمی ہو تو آؤ میرے ساتھ میں تمہیں دانی شاہ کے پاس پہنچا دوں۔"

"نہیں صاحب جی...... ہم خود چلے جائیں گے، وہ آپ کے ساتھ ہمیں دیکھیں گے تو۔"

"اچھا چلو ٹھیک ہے کوئی ایسی بات نہیں ہے، پھر بھی تم مجھے تھوڑا سا وقت دو تو تم سے کچھ خاص بات کرنی ہے مجھے...... شاہ صاحب سے ملو تو میرا پیغام انہیں دے دینا۔"

"وہ ٹھیک ہے صاحب جی...... جیسا آپ کہو۔"

"آؤ ذرا چلتے ہیں۔" سحر شاہ نے دوستانہ انداز میں کہا اور شہاب نے گردن ہلا دی، ویسے اسے یہ خطرہ ہوا تھا کہ کہیں انسپکٹر واقعی اسے دانی شاہ کے سامنے ہی نہ لے جائے لیکن بہر حال اس کا بھی کوئی نہ کوئی بندوبست کر لیا جائے گا، چنانچہ وہ انسپکٹر کے ساتھ باہر نکل آیا...... دیکھنا تو چاہئے کہ انسپکٹر نے اسے اس قدر جو اہمیت دی ہے اس کی وجہ کیا ہے، بہر حال باہر نکل کر انسپکٹر نے اسے اپنی جیپ میں بٹھایا اور جیپ سٹارٹ کر کے چل پڑا...... تھانے کی عمارت سے باہر نکل آیا اور اس کے بعد جیپ تیزی سے دوڑتی رہی شہاب نے کہا۔

"سر آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں؟"

"آرام سے بیٹھو تم اتنے بڑے آدمی کے ساتھی ہو کہ تمہاری عزت کرنا مجبوری ہے۔"

"کک کیا آپ مجھے دانی شاہ صاحب کے پاس لے کر جا رہے ہیں؟" شہاب نے سوال کیا۔

"نہیں...... دانی شاہ صاحب کے پاس نہیں تمہارے لئے کوئی معقول بندوبست کرنا ضروری ہے...... بھئی اصل میں دانی شاہ صاحب اتنے بڑے آدمی ہیں کہ ان کے کسی آدمی کی عزت کرنا بھی ہمارا فرض ہے ناں۔"

"صاحب جی...... میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں خود تم سے بات کرنا چاہتا ہوں سفارش کرانی ہے تم سے اپنے لئے..... کیا سمجھے۔" شہاب نے کوئی جواب نہیں دیا، اس کے بعد وہ بھی مصلحتاً خاموش ہی ہو گیا تھا، پھر تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد جیپ ایک عمارت کے سامنے رُک گئی..... انسپکٹر نے دوستانہ انداز میں اس سے کہا۔

"آؤ..... اندر چلتے ہیں۔"

"یہ..... یہ کون سی جگہ ہے صاحب جی۔"

"ارے کیوں مرے جارہے ہو دانی شاہ صاحب نے ایسے آدمی کو بھی اپنے ساتھ لگا رکھا ہے آؤ میرے ساتھ۔" اس نے کہا اور شہاب اس کے ساتھ اندر داخل ہو گیا..... بظاہر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس عمارت میں کوئی بھی نہیں ہے، لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک آدمی اس کو نظر آ گیا..... انسپکٹر اسے نظر انداز کر کے اندر چل پڑا..... پھر وہ ایک راہداری سے گزرنے کے بعد راہداری کے آخری سرے پر بنے ہوئے کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا..... اس نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا، بڑا وسیع و عریض کمرا تھا، اس میں ہلکا پھلکا سا فرنیچر پڑا ہوا تھا..... ایک عجیب سی وحشت اس سے ٹپکتی تھی..... انسپکٹر نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کیا اور اسے لاک کر دیا..... شہاب معنی خیز انداز میں گردن ہلا رہا تھا، پھر انسپکٹر نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"بیٹھو جمعہ خان..... جمعہ خان ہے ناں تمہارا نام۔"

"جمعہ خان..... میرا نام سحر شاہ ہے۔"

"جی سر..... وہ تو مجھے معلوم ہو گیا تھا۔" شہاب نے جواب دیا۔

"اب ذرا تفصیل سے بتا دو..... دانی شاہ سے تمہاری کہاں کہاں ملاقات ہوئی تھی کیا کیا کہا تھا اس نے تم سے..... یہاں تمہیں کس کام سے بلایا تھا اور یہاں تمہاری ملاقات اس سے کس جگہ ہوئی تھی، دیکھو انسان کے دل میں خیالات تو ہوتے ہی ہیں۔"

"مگر صاحب آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"جمعہ خان..... دانی شاہ سے مجھے بھی بڑی محبت ہے، میں بھی ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں، ایک دلچسپ ملاقات۔"

"تو صاحب جی آپ تو یہاں کے رہنے والے ہو..... آپ جب چاہو ان سے مل

ہو۔"

"نہیں ملتا..... نہیں ملتا مجھے وہ..... ایک بار اس سے کھلی ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہم سمجھے نہیں۔"

"اب میں تمہیں اچھی طرح سمجھاتا ہوں۔" انسپکٹر نے کہا اور اپنا کوٹ اتار کر ایک ں لٹکا دیا، پھر آستینیں چڑھائیں، اس کے بازوؤں کی مچھلیاں تڑپ رہی تھیں..... ویسے شہاب کو اندازہ تھا کہ وہ ایک ورزشی جسم کا آدمی ہے، لیکن اس کے اس بدلے ہوئے ز کو شہاب نے کسی قدر حیرت اور دلچسپی سے دیکھا تھا..... وہ ڈرے ڈرے انداز میں کرسی اٹھا اور دیوار سے جا لگا، انسپکٹر نے اسے خونی نگاہوں سے دیکھا اور بولا۔

"ہاں جمعہ خان خیر تمہاری زندگی تو میں نہیں لوں گا، لیکن تمہیں اتنا ناکارہ کر دوں گا کہ پنے پیروں پہ کھڑے ہونے کے قابل نہیں رہو گے۔"

"مم..... مگر صاحب ہم نے کیا کیا ہے۔"

دانی شاہ کے بارے میں مجھے تفصیل بتا کمینے ورنہ تیری ہڈیاں توڑ کر رکھ دوں گا۔"

"ارے صاحب جی وہاں تو آپ کچھ اور ہی کہہ رہے تھے۔"

یہاں تو ہے اور میں ہوں بتا دانی شاہ تجھے کہاں کہاں ملا تھا۔"

"صاحب جی..... دارالحکومت میں ملے تھے ان کے ساتھ چار آدمی اور تھے۔"

"ہونہہ تو پھر؟"

"وہاں صاحب جی انہوں نے ثریا نامی ایک لڑکی کو قتل کیا اور اس کی لاش دریا میں ک دی۔"

"ثریا..... ٹھیک ہے..... یہ لڑکی بھی دانی شاہ کے گروہ میں کام کرتی تھی، آگے بول۔"

"بس صاحب جی..... ہم نے انہیں قتل کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا..... انہوں نے پہلے تو ے ساتھ سختی کی مگر جب دیکھا کہ ہم کام کے آدمی ہیں تو انہوں نے ہم سے کہا باڑی ئیں، وہ ہمارے لئے کوئی نہ کوئی کام تلاش کر لیں گے۔"

"ٹھیک ہے اس کے بعد کیا ہوا؟"

"ہم باڑی کے لئے چل پڑے جی..... ہیر پور میں ہماری ملاقات ہوئی۔"

"اس کے بعد ہم یہاں آ گئے۔"

"یہاں کہاں؟"

"صاحب جی ہم وہ جگہ آپ کو بتا سکتے ہیں جہاں ہمیں پہنچنا تھا۔"

"یہیں سے بتاؤ یا ساتھ لے جا کر بتاؤ گے۔"

"نہیں صاحب جی...... یہیں بتائے دیتے ہیں۔" شہاب نے کہا اور پھر اپنے انداز کے مطابق اس جگہ کے بارے میں بتانے لگا جہاں دانی شاہ سے اس کی دلچسپ ملاقاتیں ہوئی تھیں...... انسپکٹر نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔

"ٹھیک ہے اس کے بعد کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں صاحب جی بس اس کے بعد یہ سب کچھ ہو گیا۔"

"پہلے تو تو نے کہا تھا کہ تو یہاں پہنچا تھا بھوکا تھا اور دکاندار سے پیسے مانگنے کی کوشش کی تھی۔"

"جی صاحب جی...... آپ ہماری ایک بات کا جواب دے دو تو پھر ہم آپ کو ساری باتوں کا جواب دے دیں گے۔"

"ہاں پوچھو کون سی بات کا جواب دوں۔" سحر خان نے شہاب کو گھورتے ہوئے کہا۔

"یہ بتاؤ جی آپ کا رویہ کیوں بدل گیا، وہاں تو آپ نے دانی شاہ کے نام پر ہمارے ساتھ اتنی ہمدردی کا سلوک کیا تھا کہ ہماری ایف آئی آر تک پھاڑ دی اور اب یہاں لا کر آپ ہمارے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہو۔"

"اس کی وجہ ہے۔"

"وہی وجہ تو ہم جاننا چاہتے ہیں جی۔"

تو جاننے والا کون ہوتا ہے۔

"صاحب جی بتا دو کبھی کبھی انسان ایک دوسرے کے کام آجاتا ہے۔"

"تو سن میری جان...... میرا یہاں ٹرانسفر کیا گیا ہے اور بڑی امیدوں اور آرزوؤں کے ساتھ کیا گیا ہے۔"

"صاحب جی آپ کو کتنا عرصہ ہو گیا یہاں آئے ہوئے؟"

"صرف ڈھائی ماہ۔"

"آپ یہاں دانی شاہ کے لئے کام نہیں کرتے؟"

"میں اس کے لئے کام کرنا چاہتا ہوں۔"

"اوہو ہم سمجھ گئے دانی شاہ سے ابھی تک آپ کا کوئی معاملہ پٹا نہیں ہے۔"

"ہاں ایسی ہی بات ہے، ایک بار صرف ایک بار وہ میری گرفت میں آجائے، اس کے بعد مجھے اس سے بہت سے معاملے پٹانے ہیں۔"

"صاحب جی یوں لگ رہا ہے جیسے آپ کی اور دانی شاہ کی دشمنی ہو۔"

"اس کائنات میں دانی شاہ کا بہت بڑا دشمن ہوں میں بلکہ باڑی میں کام کرنے والے ان تمام لوگوں کا دشمن ہوں جو منشیات کے لئے کام کرتے ہیں...... انسانوں کی زندگی کو زخم دینے والے کاش میں ان سب کو کسی ایک میدان میں جمع کر کے ان کے جسموں کو آگ لگا سکوں...... ان کے گرد لکڑیوں کا الاؤ چنوں اور ان کے باہر نکلنے کے لئے کوئی راستہ نہ چھوڑوں...... میں ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دینا چاہتا ہوں۔"

"ارے صاحب جی کیسی باتیں کرتے ہیں آپ...... جوان آدمی ہیں یہ عمر تو کمائی کی عمر ہے...... دانی شاہ سے اگر دوستی کر لیں گے تو لاکھوں روپے کما لیں گے، نوکری میں کیا ملے گا آپ کو۔"

"دیکھو جمعہ خان...... زندگی چاہتے ہو تو صرف اتنا بولو جتنا تم سے کہا جا رہا ہے، تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ میں جس خاندان کا فرد ہوں دولت اس کے جوتوں کی خاک ہے مجھے...... مجھے صرف ان زہر فروشوں کے خلاف کام کرنے کا شوق ہے اور میں اس کے لئے اپنی زندگی وقف کر چکا ہوں۔"

"صاحب جی...... عجیب باتیں کر رہے ہو آپ...... آپ نے وہاں جو رویہ اختیار کیا وہ کس لئے۔"

"اس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ دانی شاہ جیسے لوگوں کے پالتو ایسی جگہوں پہ بھرے ہوئے ہیں...... مجھے تو چاروں طرف سے ہی مشکلات کا سامنا ہے، مگر اب تیری بکواس ختم ہو گئی یا کچھ اور بھی بکنا ہے تجھے۔"

"نہیں...... مسٹر سحر شاہ...... مجھے اور کچھ نہیں کہنا۔" شہاب نے بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تو اب یہ بتا کہ دانی شاہ سے تیرا آئندہ پروگرام کب ہے؟"

”محترم جناب سحر شاہ صاحب دانی شاہ سے میرا آئندہ پروگرام آپ ہی کی شرکت کے ساتھ بنے گا۔“ شہاب نے انگریزی میں کہا اور سحر شاہ چونک کر اسے دیکھنے لگا...... نجانے کیوں سحر شاہ کے چہرے پر ایک عجیب سا تاثر پھیل گیا تھا...... شہاب نے اپنے اندرونی لباس میں ہاتھ ڈالا اور اپنا گرین کارڈ نکال کر اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

”مائی ڈیئر سحر شاہ...... ذرا اس کاغذ کے ٹکڑے کو دیکھ لیجئے، میرا خیال ہے اسے دیکھ کر آپ کو بہت خوشی ہوگی۔“

”کیا ہے یہ؟“ سحر شاہ آہستہ سے بولا اور آگے بڑھ کر شہاب کے ہاتھ سے وہ گرین کارڈ لے لیا، اس نے اسے پڑھا اور اس کے بعد اس کے چہرے پر شدید حیرت کے آثار پھیل گئے۔

”کک...... کیا مطلب ہے...... کیا مطلب ہے اس کا؟“

”میرا نام شہاب ثاقب ہے۔“ شہاب نے کہا اور اپنا داہنا ہاتھ مصافحے کے لئے بڑھا دیا۔

”س...... سر...... کیا کیا واقعی...... واقعی؟“

”ہاں مسٹر سحر شاہ۔“ شہاب نے کہا اور سحر شاہ نے آگے بڑھ کر شہاب کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔

”سر...... خدا کی قسم میرا دماغ پھٹ جائے گا سر کیا واقعی سر...... یہ...... یہ۔“ وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں کہہ رہا تھا...... شہاب نے اس کے شانے پہ تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

”مجھے خوشی ہے سحر شاہ مجھے خوشی ہے کہ میری تم سے ملاقات ہوئی ورنہ مجھے تو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے معاف کرنا یہ پوری آبادی ہی۔“

”جی سر...... جی سر پلیز آپ...... آپ میرے ساتھ آئیے...... پلیز سر...... سر میں آپ سے معافی چاہتا ہوں، سر مجھ سے بڑی گستاخیاں ہوئی ہیں آپ کے ساتھ۔“

”سحر شاہ میرا خیال ہے تم اپنے آپ کو سنبھالو۔“ شہاب نے کہا اور سحر شاہ کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آیا، اس بار سحر شاہ اسے لے کر دوسرے کمرے میں پہنچا تھا...... وہ بری طرح بوکھلایا ہوا تھا اور کافی نروس نظر آ رہا تھا، اس کمرے میں اعلیٰ درجے کا فرنیچر سجا ہوا تھا، سحر شاہ نے اسے بیٹھنے کی پیشکش کرتے ہوئے کہا۔

”سر تشریف رکھئے میں...... میں آپ کو کیا بتاؤں میری ذہنی کیفیت کیا ہے، میں تو خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا سر...... سر مجھ سے بہت گستاخی ہوئی ہے، میں معافی

چاہتا ہوں۔“

”اور اب تم یہ رویہ بالکل ترک کر دو اور دوستوں کی طرح میرے سامنے بیٹھو سحر شاہ۔“ شہاب نے کہا۔

”تھینک یو سر...... تھینک یو ویری مچ۔“ وہ شہاب کے سامنے بیٹھ گیا...... شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

سب سے زیادہ خوشی کی بات تو یہ ہے کہ سحر شاہ کہ تم بکے ہوئے آدمی نہیں ہو۔“

”سر میں آپ سے اپنے دل کی تمام باتیں کر لینا چاہتا ہوں...... سر اس وقت جو کچھ مجھ پر بیت رہی ہے آپ شاید سوچ بھی نہ سکیں۔“

”سب سے پہلے تو تم اپنے دل سے یہ بات نکال دو کہ تمہارا رویہ میرے ساتھ کیا رہا ہے بلکہ میں تمہیں اپنے بارے میں تفصیل سے بتائے دیتا ہوں، اصل میں تمہیں ہی نہیں مجھے بھی خوشی ہے کہ مجھے ایک کام کا آدمی مل گیا ورنہ سچی بات ہے میں نے یہی سوچا تھا کہ تم درحقیقت دانی شاہ کے آدمی ہو گے۔“

”سر آپ یقین کیجئے میرا خاندانی بیک گراؤنڈ بہت اچھا ہے، میں دولت کمانے کے لئے اس محکمے میں نہیں آیا ہوں بلکہ ماضی میں کچھ ایسے واقعات ہو چکے ہیں جن کی بنا پر میں نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ میری مدت ملازمت کتنی بھی ہو کسی بھی وقت میں نکال دیا جاؤں لیکن جو میرے دل میں ہے وہ کر جاؤں گا...... سر میں اپنے وطن پاک سے ہر برے آدمی کو تو صاف نہیں کر سکتا لیکن جتنا بھی کچھ کر سکا میرے لئے تمغے ہوں گے، چاہے اس کوشش میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے، سو ماضی میں کچھ ایسے واقعات ہوئے ہیں جن کی بنا پر میرے ذہن میں یہ تاثر پیدا ہوا۔

”یقیناً کوئی جذباتی کیفیت ہی انسان کو ایسے اقدامات کی طرف مائل کرتی ہے...... میں دارالحکومت میں اپنے فرائض سرانجام دے رہا تھا کہ ایک بار مجھے ایک لڑکی کے قتل کی اطلاع ملی...... ثریا نام تھا اس کا ایک پسماندہ سے گھرانے کی لڑکی تھی اور اس گروہ میں آ پھنسی تھی...... شاید وہ بحالت مجبوری ان کے لئے کام کر رہی تھی، اس نے ان سے انحراف کرنا چاہا تو دانی شاہ نے اسے بے دردی سے قتل کر دیا...... کیس میرے پاس پہنچا...... میں نے تحقیقات کیں تو دانی شاہ کا نام سامنے آیا، پھر میں نے اس کا تعاقب شروع کر دیا اور اس وقت سے

مسلسل اس کے پیچھے ہوں، پہلے ہیر پور میں اور اس کے بعد یہاں، میں نے دانی کو کچھ نقصانات پہنچائے ہیں اور اب مجھے یقین ہے کہ دانی شاہ اور اس کے آدمی قدم قدم پر میری بو سونگھتے پھر رہے ہوں گے، میں اس سے پہلے بارڈی کبھی نہیں آیا تھا...... یہاں کے ماحول سے مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ میرے لئے فی الحال شدید خطرے ہیں کیونکہ یہاں کوئی باقاعدہ قیام گاہ تو ہے نہیں، میں نے سوچا کہ کچھ وقت پولیس کی تحویل میں آکر لاک اپ میں گزار دوں دانی شاہ میری صورت سے واقف نہیں ہے، لیکن بہر حال وہ کسی اجنبی کو ضرور یہاں تلاش کر لیتا...... البتہ وہ یہ نہیں سوچ سکے گا کہ اسے نقصان پہنچانے والا کسی طرح پولیس کی تحویل میں ہے...... میں نے جان بوجھ کر دکاندار سے جھگڑا کیا اور اس کے نتیجے میں یہاں پہنچ گیا، لیکن بعض اوقات قدرت صحیح رہنمائی کرتی ہے...... میں نے تھانے میں تم سے اس لئے اپنے آپ کو دانی شاہ کا آدمی کہا تھا کہ تمہارے بارے میں معلومات حاصل کروں۔

"مجھ سے پہلے جو شخص یہاں موجود تھا وہ دانی شاہ کا بے دام غلام تھا...... شاید یہاں سے اس کا تبادلہ کبھی نہ ہوتا لیکن وہ خود ہی بیمار ہو کر طویل چھٹی پر چلا گیا اور میں نے اپنی کوششوں سے یہاں جگہ حاصل کر لی، لیکن سر آپ یقین نہیں کریں گے اس بات پر کہ یہاں آنے کے بعد مجھے بڑی مایوسی کا سامنا کرنا پڑا ہے...... ڈھائی مہینے میں، میں نے جو اندازہ لگایا ہے وہ یہی ہے کہ تھانے کا ہر سپاہی دانی شاہ کا عقیدت مند ہے اور دانی شاہ ہی کیا یہاں سمگلروں کے کئی گروہ کام کرتے ہیں اور پولیس تو ایک طرح سے صرف خانہ پری کے لئے ہے...... وہ اپنی من مانی کرتے ہیں اور پولیس کو اس سے اچھی خاصی رقم مل جاتی ہے، بس یہ صورت حال چل رہی ہے...... میں بڑے دکھ کا شکار تھا صاحب...... آپ یقین کیجئے میں یہ سوچ رہا تھا کہ میں اس طرح کیسے کام کر سکوں گا، سوائے اس کے کہ اندھے اقدامات کروں اور بہت جلد کیفر کردار کو پہنچ جاؤں۔"

"نہیں سحر شاہ ایسا نہیں ہو گا، میں سمجھ رہا ہوں تمہاری ذہنی کیفیت لیکن بہر حال دیکھنے ہیں کیا صورت حال رہتی ہے...... اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ یہاں کیسے کیسے کھیل چل رہے ہیں۔"

"سر میں آپ کو تمام تر رپورٹ دوں گا، یہ مکان میں نے اپنے لئے مخصوص کر لیا ہے؟ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ میں یہاں رہتا ہوں...... آپ یہاں بڑے اطمینان سے رہ سکتے ہیں اور آپ بے فکر رہیں یہاں صرف ایک ملازم ہے جو میرا اپنا آدمی ہے...... میرے ساتھ

یہاں آیا ہے، یعنی میرا بالکل ذاتی ملازم اور سر بڑے کام کا آدمی ہے...... ریٹائرڈ فوجی ہے، ہر طرح کے ہتھیار استعمال کر لیتا ہے...... ذہین بھی ہے، میرا مطلب ہے کہ یہ آپ کا بہترین خدمت گار بھی ہو گا اور جو وقت آپ یہاں پر گزارنا چاہتے ہیں اس میں آپ اس سے اپنی مرضی کے سارے کام لے سکتے ہیں۔"

"فکر مت کرو سحر شاہ اب صورت حال مختلف ہو جائے گی، مجھے بھی کم از کم ایک ٹھکانہ چاہئے جہاں میں برے لوگوں سے الگ رہ کر کام کر سکوں، ویسے میں نے یہاں خاصا کام کر لیا ہے، اس کی تفصیل میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا، باقی ساری باتیں کئے لیتے ہیں۔"

"سر ایک منٹ آپ یہ بتائیے میں آپ کے لئے کیا تیار کراؤں۔"

"ذرا ڈھنگ کا کھانا تیار کرا لو ممکن ہے ناں۔"

"سر کیوں نہیں میں یہیں رہتا ہوں یا پھر تھانے اور وہاں سے ملے ہوئے کوارٹر میں لیکن میری خفیہ پناہ گاہ یہی ہے...... رات کو یہیں آرام کرتا ہوں...... تمام انتظامات کر لئے ہیں میں نے، میں رحیم خان کو بلاتا ہوں۔" رحیم خان کو بلا کر اس نے اسے احکامات دیئے اور رحیم خان گردن جھکا کر چلا گیا...... شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی، سحر شاہ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"سر میرا خیال ہے آپ غسل وغیرہ کر لیجئے، میں آپ کے لئے لباس وغیرہ کا بندوبست کرتا ہوں۔"

"بہت شکریہ۔"

"اب تو شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں رہی ہے سر ایک طرح سے یہ میری سرکاری ڈیوٹی بھی ہے، آپ کے پاس گرین کارڈ ہے اور گرین کارڈ کے بارے میں میں یہ جانتا ہوں کہ نہایت اہم لوگوں کو ملتا ہے اور اس کے تحت ملک بھر میں کسی بھی افسر اعلیٰ تک کو یہ حکم ہوتا ہے کہ جس کے پاس گرین کارڈ ہو اس کی سرکاری طور پر ہر طرح کی معاونت کی جائے لیکن سر آپ یقین کر لیجئے یہ سرکاری معاونت نہیں ہے...... یہ میری ذاتی عقیدت ہے۔"

"ٹھیک ہے یار سب چلتا ہے۔" شہاب نے کہا پھر سحر شاہ اس سے کچھ دیر کے لئے اجازت لے کر باہر نکل گیا تھا اور شہاب آرام سے کرسی پر پاؤں پھیلا کر سکون کی انگڑائی لینے لگا تھا...... یہاں آنے کے بعد پہلی بار کچھ کام ہوا تھا، چند لمحات وہ اسی طرح بیٹھا رہا...... پھر

سحر شاہ واپس آ گیا، اس نے چند لباس شہاب کے سامنے رکھ دیئے اور مسکراتا ہوا بولا۔

”فی الحال انہی سے کام چلانا پڑے گا جناب۔“

”ٹھیک ہے سحر شاہ تمہارا بے حد شکریہ۔“

”تو سر کچھ وقت کی اجازت مل جائے گی۔“

”ہاں ہاں کیوں نہیں۔“

”ذرا اپنی کارروائیاں مکمل کر لوں، رات کی ملاقات تو طے ہے۔“

”ٹھیک ہے بے حد شکریہ۔“ سحر شاہ چلا گیا تو شہاب نے ایک لباس نکالا اس کا جائزہ لیا اور اس کے بعد غسل خانے کی طرف بڑھ گیا، لباس اس کے بدن پر تقریباً ٹھیک تھا چنانچہ اس نے غسل کے بعد وہ لباس تبدیل کر لیا اور پھر اپنی جگہ آ بیٹھا...... اس دوران جن مشکل حالات کا شکار رہا تھا۔ ان پر غور کرنے لگا۔

✿

جن حالات سے وہ اب تک دوچار رہا تھا، اس سے تھکن ہو گئی تھی، لیکن تھکن کا احساس تبھی اسی وقت ہوتا ہے جب آرام کا موقع مل جائے ورنہ تھکن کو اپنے اوپر طاری کر لینے کا مطلب ہے کہ انسان اپنی کارکردگی کھو بیٹھے اور شہاب کی یہ خوبی تھی کہ کام کو کام ہی سمجھ کر کرتا تھا اور آرام کو آرام اس دوران اس کے ذہن میں سوچیں گردش کرتی رہی تھیں، بظاہر سحر شاہ ایک صحیح آدمی معلوم ہوتا تھا اور شہاب کا اپنا تجربہ تھا کہ ایسے لوگ بڑی اعلیٰ کارکردگی کے مالک ہوتے ہیں، لیکن جوش جذبات میں اگر وہ حد سے آگے بڑھ جائیں تو پھر ان کی زندگی کے لئے خطرات لاحق ہو سکتے ہیں...... بہر حال سحر شاہ پر اعتبار کرنا ہی پڑے گا، ابھی تک تو کوئی ایسا شبہہ شہاب کو نہیں ہو سکا تھا کہ سحر شاہ سے کسی قسم کا خطرہ محسوس کیا جائے...... رحیم خان نے سحر شاہ کی ہدایت کے مطابق ہر طرح شہاب کا خیال رکھا تھا......

رات کو سحر شاہ واپس آ گیا، اس وقت سادہ لباس میں بہت خوبصورت لگ رہا تھا...... جوان آدمی تھا اور بہترین شخصیت کا مالک، بڑی محبت سے شہاب سے ملا اور اس کے بعد دونوں نے مل کر رات کا کھانا کھایا...... پھر سحر شاہ نے کافی تیار کرائی اور وہ کافی کے کپ لے کر بیٹھ گئے۔

”ہاں سحر شاہ اب تم مجھے باڑی کے بارے میں تفصیلات بتاؤ۔“

”سر اصل میں مسئلہ وہی ہے یہاں آپ کو تھوڑا بہت اندازہ ضرور ہے کہ لوگوں کو آزادی حاصل ہے...... بے شک یہاں سرکاری احکامات بھی چلتے ہیں، لیکن صرف ایسے لوگوں پر جو چھوٹی موٹی برائیاں کر لیتے ہیں یا پھر اور دوسرے انتظامی امور سنبھالنے ہوتے ہیں...... چھوٹی چھوٹی چھ چوکیاں بنی ہوئی ہیں، لیکن میں تمام تر جائزہ لے چکا ہوں ان چوکیوں پر جو سپاہی تعینات ہوتے ہیں وہ بھی عیش کرتے ہیں اور اپنے فرائض پورے نہیں کر پاتے،

لیکن ان کا قصور نہیں ہے، یہ بات تقریباً سبھی کو معلوم ہے کہ یہاں کنٹرول قائم رکھنا بہت مشکل ہے...... سر مجھے بھی اس سلسلے میں وارننگ دے دی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ زندگی بہت قیمتی چیز ہوتی ہے اور مستقبل بنانا بہت مشکل، چنانچہ مجھے کچھ رقومات بھی مل جاتی ہیں، آنکھیں بند رکھنے کے لئے...... سر میں نے آنکھیں بے شک بند کر رکھی ہیں لیکن ذہن کے خانے بند نہیں کئے...... یہاں کے تمام حالات کی رپورٹ تیار کر رہا ہوں، دل میں یہی جذبہ ہے کہ یہ رپورٹ تیار کر کے اعلیٰ حکام کو دوں اور ان سے سوال کروں کہ میری ڈیوٹی کیا ہوگی...... ویسے سر کیونکہ یہ سارا معاملہ انسانیت کے خلاف ہے اس لئے میں اس سے انحراف کرتا ہوں، یہ کوئی طریقہ کار نہیں ہے...... لاکھوں انسان ان منشیات کا شکار ہو کر زندگی سے محروم ہو جاتے ہیں...... سر ہمارا فرض تو یہی ہے ناں کہ ہم انسانیت کے تحفظ کے لئے اپنی زندگیاں قربان کر دیں۔"

"بے شک سحر شاہ اب مجھے یہ بتاؤ کہ جن لوگوں کی جانب سے تمہیں ہوشیار رہنے کی ہدایت کی گئی ہے اور اپنا کام اپنے طور پر کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیا ان کی فہرست تمہارے پاس ہے۔"

"مکمل جناب۔"

"یہاں طریقہ کار کیا ہے۔"

"ملکی پیمانے پر بھی کام ہوتا ہے اور منشیات غیر ممالک کو بھی بھیجی جاتی ہیں اس کے لئے انہوں نے اپنے طریقہ کار بنا رکھے ہیں۔"

"ہوں۔" شہاب نے کہا اور اس کے بعد وہ دیر تک اس موضوع پر بات کرتے رہے سحر شاہ نے کہا۔

"ویسے سر مجھے بڑی رکاوٹیں ہوتی ہیں یہاں کام کرنے میں کیونکہ مجھے اپنے سپاہیوں سے بھی چھپنا پڑتا ہے۔"

"میں جانتا ہوں سمجھتا ہوں۔"

"اگر مجھے ایک چھوٹا سا عملہ اس طرح کا مل جائے جو ان لوگوں کے زیر اثر نہ ہو تو میں زیادہ کام کر سکتا ہوں۔"

"زیادہ کام سے تمہاری کیا مراد ہے سحر شاہ؟"

"سر میں جانتا ہوں کہ نہ تو میں ان لوگوں کو ختم کر سکتا ہوں نہ اس کام کو رکوا سکتا ہوں، بلکہ بس ایک تفصیلی رپورٹ ایک ایسی رپورٹ جو ان لوگوں کو مکمل روشنی میں لے آئے...... سر زیادہ سے زیادہ میں یہی کر سکتا ہوں اس کے بعد مجھ سے بڑے بڑے موجود ہیں اور وہی صحیح فیصلہ کر سکتے ہیں کہ منشیات کے ان سمگلروں کے خلاف کس طرح کارروائی کی جا سکتی ہے، ویسے سر ایک اور انکشاف کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا؟"

"سر ایک شخصیت یہاں ایسی بھی ہے جو میری معاون ہے اور جو میرے خیالات سے اتفاق رکھتی ہے۔"

"کون ہے وہ۔" شہاب نے سوال کیا اور سحر شاہ مسکرانے لگا۔

"سر آپ اس سے ملاقات کرنا پسند کریں گے۔"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اس سے ملاقات کرنا مناسب ہوگا۔"

"میں پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں وہ ایک بہت ہی نیک فطرت اور نرم مزاج شخصیت ہے آپ کو اس سے مل کر خوشی ہوگی۔"

"معاونت سے تمہاری کیا مراد ہے۔"

"سر جو میں چاہتا ہوں وہ شخصیت چاہتی ہے۔"

"کون ہے بتاؤ گے نہیں۔"

"اگر آپ اس سے نہ ملنا چاہیں گے تو ضرور بتا دوں گا، لیکن اگر آپ اس سے ملنا پسند کریں تو میں یہ درخواست کروں گا کہ پہلے سے اس کے بارے میں نہ پوچھیں۔"

"عجیب بات نہیں ہے سحر شاہ۔"

"نہیں سر عجیب بات نہیں ہے، بس ایک کھیل ہے میرا۔"

"مگر یہ کھیل کس قسم کا ہے۔"

"سر کوئی ایسی اہم بات نہیں ہے...... میں نے آپ سے عرض کیا ناں بس میری خواہش تھی کہ آپ اس سے ملاقات کریں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے اگر تم سمجھتے ہو کہ اس سے ملاقات کرنا بہتر رہے گا تو میں تیار ہوں۔"

"سر آپ کو اس سے مل کر واقعی خوشی ہوگی۔"

"بہر حال اگر تم سمجھتے ہو تو ٹھیک ہے۔"

"تو پھر کل رات کا پروگرام رکھ لیتے ہیں سر۔"

"جیسا تم مناسب سمجھو۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔"

"ویسے سحر شاہ تمہیں یہاں کچھ ایسے افراد کی ضرورت درپیش ہے جو ہمارے لئے کام کر سکیں۔"

"سر لطف آجائے گا...... آپ یقین کریں میرے اپنے ذہن میں بھی کئی منصوبے ہیں لیکن تنہا ان منصوبوں کی تکمیل نہیں کر سکتا...... نجانے کیوں آپ کے آجانے سے دل میں ایک عجیب سی خوشی ہوئی ہے۔"

"تو ٹھیک ہے سحر شاہ کچھ افراد یہاں آسکتے ہیں۔"

"یقیناً...... سر وہ آپ کے اعتماد کے لوگ ہوں گے۔"

"یوں سمجھ لو کہ میرے پینل کے لوگ ہیں۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے ویسے میرے دل میں کئی بار یہ خواہش بیدار ہوئی کہ دارالحکومت سے اس طرح کی درخواست کروں۔"

"میرا خیال ہے تمہیں یہ کام کر لینا چاہئے تھا۔"

"سر آپ یقیناً سمجھتے ہوں گے میں آپ سے کیا عرض کروں۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ یہ سمجھتے ہوں گے سر کہ انسان کی پہنچ کتنی ہوتی ہے۔"

"اب بھی نہیں سمجھا سحر شاہ۔"

"جو بات میں اپنی زبان سے ادا کرنے کی خواہش رکھتا ہوں اگر اسے ادا کر دوں گا تو مجھے خود خوف محسوس ہوگا۔"

"میرے سامنے خوفزدہ نہ ہو۔"

"سر بالکل نہیں کہا جا سکتا اصل میں دولت کا کھیل ہی ایسا ہے، کون دولت کے اس کھیل میں ملوث ہے...... کسے معلوم میں اگر زیادہ جدوجہد کروں اور بات کسی ایسی جگہ جائے جو خود یہاں کے بارے میں اپنے دل میں ہمدردی رکھتی ہو تو میرا کیا ہوگا۔" شہاب

سوچنے لگا پھر اس نے کہا۔

"یعنی تم یہ سوچ رہے ہو کہ جس شخصیت تک تم اپنی بات پہنچاؤ کہیں وہ بھی یہاں کے معاملات میں ملوث نہ ہو۔"

"سر معافی چاہتا ہوں اپنی اس سوچ کی۔"

"نہیں خیر میں تم سے اتفاق کرتا ہوں، چھوڑو ان باتوں کو اب مسئلہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو بلانا ہے مجھے، یہاں تم ان کے قیام کا بندوبست کر سکتے ہو۔"

"یہ ذمہ داری آپ میرے اوپر چھوڑ دیجئے، کم از کم اور کچھ نہیں کیا ہے میں نے تو اتنا ضرور کر لیا ہے۔"

"ہوں سحر شاہ اصل میں میرا مسئلہ ذرا سا مختلف ہے...... میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ دانی شاہ نے میرے شہر میں ثریا نامی ایک مظلوم لڑکی کو قتل کیا ہے...... ثریا کے بارے میں تمہیں تفصیلات بتاؤں کہ وہ ایک غریب والدین کی بیٹی تھی، ملازمت کی تلاش میں نکلی تھی، نجانے کس طرح ان لوگوں نے اسے اپنے چنگل میں پھانس لیا اور وہ ان لوگوں کے لئے کام کرنے لگی، لیکن بہر حال اس کے بدن میں ایک شریف خاندان کا خون تھا...... وہ اس سے بچنے کی کوشش کرتی رہی اور شاید کوئی ایسا موقع آگیا جب اس نے ان لوگوں سے انحراف کیا اور انہوں نے اسے قتل کر دیا...... اس قتل کا عینی گواہ ایک سپاہی دل محمد ہے، دل محمد نے ہی دانی شاہ کو پہچانا تھا اور اس وقت سے میں دانی شاہ کے تعاقب میں ہوں...... میرا اصل کام دانی شاہ کو گرفتار کروا کر لے جانا ہے...... باقی یہاں کے بارے میں جس قدر معلومات مجھے حاصل ہو چکی ہیں، جیسا کہ میں نے تم سے کہا کہ میں نے بھی کافی کام کیا ہے تو یوں سمجھ لو کہ وہ ایک الگ رپورٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔"

"جی سر اور دانی شاہ کی گرفتاری کے سلسلے میں میرے لائق جو خدمت ہو سکتی ہے...... آپ پورے اعتماد کے ساتھ مجھے احکامات دے سکتے ہیں...... آپ کے ماتحت کام کر کے مجھے دلی مسرت ہوگی۔"

"شکریہ سحر شاہ اب مجھے یہ بتاؤ میں دارالحکومت فون کرنا چاہتا ہوں۔"

"تو کر لیجئے سر یہ کون سا مشکل کام ہے۔"

"بس پھر ٹھیک ہے۔" شہاب نے کہا اور سحر شاہ نے ٹیلی فون اُٹھا کر شہاب کے سامنے

رکھ دیا، پھر اُٹھتا ہوا بولا۔

"آپ گفتگو کر لیجئے سر میں دوسرے کمرے میں ہوں۔"

"شکریہ۔" شہاب نے بینا سے بات کرنی تھی، ظاہر ہے اس کے لئے تنہائی ہی درکار تھی، چنانچہ شہاب نے ریسیور اُٹھا کر پہلے کوڈ نمبر ڈائل کیا اور اس کے بعد عدنان واسطی صاحب کے گھر کا ٹیلی فون نمبر، فون بینا نے ہی اُٹھایا تھا...... شہاب نے ایک لمحے میں ہی اس کی آواز پہچان لی۔

"ہیلو۔" بینا کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو کون بول رہا ہے۔" شہاب نے آواز بدل کر کہا۔

"آپ کو کس سے بات کرنی ہے۔"

"دیکھئے یہاں مس بینا رہتی ہیں۔"

"جی۔"

"میں مس بینا سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں بینا ہی بول رہی ہوں۔"

"مس بینا شاید آپ کے ذہن سے اتر چکا ہو لیکن ایک شخص ایسا ہے جو آپ سے محبت کرتا ہے...... مس بینا نجانے کتنا عرصہ گزر گیا میں نے آپ کی تصویر اپنے دل کے آئینے میں سجا رکھی ہے اور کبھی کبھی دل میں یہ خیال گزرتا ہے کہ اس تصویر کی جگہ کیوں نہ آپ ہی کو اپنے دل کے اس ویران گوشے میں سجا لوں۔"

"اتنے عرصے کے بعد فون کیا ہے کیوں۔" بینا نے کہا۔

"آہ دل تو بہت چاہتا تھا لیکن ہمت نہیں پڑتی تھی۔"

"اب آواز بدلنا بند کر دیجئے آپ اپنے آپ کو چھپا نہیں سکے۔" بینا نے کہا۔

"کیا مطلب۔"

"شہاب میں فون بند کر دوں گی۔"

"ارے...... ارے...... ارے...... یعنی کمال ہے بھئی۔"

"کیا کمال ہے۔"

"میں نے تو انتہائی کوشش کی تھی کہ تم میری آواز نہ پہچان سکو۔"

"یہ کوشش آپ نے کی تھی ناں۔"

"ہاں تو پھر۔"

"اور میں آپ کی آواز نہیں پہچان سکتی تھی۔"

"بینا کیا واقعی اس معاملے میں اس قدر کچا ہوں۔"

"پتہ نہیں لیکن اتنے عرصے کے بعد فون کیوں کیا؟" بینا کی آواز میں ناراضگی تھی۔

"بھئی جن حالات سے گزر رہا ہوں اس میں فون کرنے کی سہولت تو ہونی چاہئے تھی۔"

"میں آپ سے سخت ناراض ہوں۔"

"تو پھر کیا خیال ہے واپسی کا ارادہ ترک کر دوں۔"

شہاب نے کہا۔

"فضول باتیں نہ کریں۔"

"واقعی ناراض معلوم ہوتی ہو۔"

"ہاں ہوں۔"

"مگر بینا مجبوریوں کو کیا کہو گی۔"

"کچھ نہیں کہوں گی۔"

"اچھا بابا اب یہ ذرا بتاؤ کہ میں اس ناراضگی کو دُور کرنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کروں، پہلی بات تو یہ ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان اتنا فاصلہ ہے ورنہ کوئی عمدہ قسم کا فلمی گانا گاتا تم رُوٹھتیں میں تمہارے پیچھے قلابازیاں کھاتا ہوا جاتا اور اس کے بعد تم مسکرا دیتیں، مگر وہ بھی گانے کے آخری بول پر کیوں کہ درمیان میں مسکرا دیتیں تو معاملہ گڑبڑ ہو جاتا۔"

"بس میں ان باتوں سے بہلنے والی نہیں ہوں۔"

"خیر یہ تو مجھے معلوم ہے کہ تمہارا کھلونا صرف میں ہوں۔"

"کھلونا کہو گے اپنے آپ کو۔"

"نہیں میرا مطلب ہے کہ دل بہلانے والی بات۔"

"اچھا فضول باتیں مت کرو کہاں سے بول رہے ہو۔"

"اس علاقے کا نام باڑی ہے۔"

"باڑی میں نے تو اس علاقے کا نام پہلے کبھی نہیں سنا۔"

"ہیر پور سے کافی فاصلے پر ہے، ایک پراسرار قسم کا پہاڑی علاقہ ہے، قرب وجوار میں پہاڑوں کی دیواریں کھڑی ہوئی ہیں...... وسیع و عریض میدانوں میں مکانات بکھرے پڑے ہیں...... زندگی بے حد پراسرار ہے یہاں۔"

"فون کہاں سے کر رہے ہو۔"

"ایک بہت اچھے دوست کے گھر سے۔"

"دوستی ہوگئی۔"

"ہاں۔"

"خیریت سے گزر رہی ہے۔"

"ہاں خیریت سے ہے۔"

"کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی۔"

"نہیں۔"

"مجھے ساتھ لے جاتے تو کیا حرج تھا۔"

"بہت بڑا حرج تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"یہ جس طرح کا علاقہ ہے وہاں عورتیں صرف گھروں کی چار دیواری میں رہتی ہیں تمہارے لئے باہر نکلنا مشکل ہو جاتا۔"

"بہانہ ہے۔"

"نہیں بینا سچ کہہ رہا ہوں۔"

"میں نہیں مانتی۔"

"کمال ہے بھئی یعنی اتنا عرصہ تو ہوا نہیں اور تم نے میری باتیں ماننا چھوڑ دیں۔"

"واپسی کب تک ہوگی۔"

"ابھی وقت لگے گا۔"

"جس کام کے لئے گئے تھے وہ ہو رہا ہے۔"

"ہاں خدا کا شکر ہے مگر رفتار سست ہے۔"

"کوئی خطرہ تو نہیں۔"

"نہیں خطرہ کوئی نہیں ہے لیکن بہر حال واسطہ خطرناک لوگوں سے ہی ہے۔"

"اپنا خیال رکھو گے۔"

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے کہ اپنا خیال رکھنا۔"

"بہتر ہے آپ نے کہہ دیا ہے تو سر تسلیم خم۔"

"جلدی واپس آنے کی کوشش کریں۔" بینا بولی۔

"بہت بہتر۔"

"اب سنجیدگی سے بتایئے کہ کیا ہو رہا ہے۔"

"بینا کام ہو رہا ہے لیکن صورت حال کسی حد تک مشکل ہی ہے ظاہر ہے سب کچھ آسانی سے نہیں ہو جاتا لیکن راستے بہر طور مل گئے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ بہت جلدی کام کر کے واپسی ہو جائے، اچھا اب تم ایک کام کی بات سنو۔"

"یعنی اب تک جو باتیں ہو رہی تھیں وہ بے مقصد تھیں۔"

"یعنی کام سے مراد یہ ہے کہ سرکاری کام کی بات۔"

شہاب نے جلدی سے کہا۔

"بتایئے۔"

"پوری ٹیم کو باڑی روانہ کر دو۔"

"اوہ میں نہیں آؤں گی۔"

"نہیں بینا پلیز، اب میں سنجیدہ ہوں...... تمہاری گنجائش نہیں ہے...... یہاں ماحول ذرا مختلف قسم کا ہے...... تم سمجھتی ہو پہاڑی علاقوں کا ماحول کس طرح کا ہوتا ہے...... ذہن اُلجھ جائے گا۔"

"خیر ٹھیک ہے میں ضد نہیں کرتی تو کیا کہوں ان لوگوں سے۔"

"انہیں باڑی پہنچنا ہے...... باڑی پہنچنے کے بعد انہیں اپنے طور پر ایک ٹیلی فون نمبر پر رابطہ کرنا ہے...... یہاں سے میں انہیں تمام صورت حال بتا دوں گا۔"

"باڑی کے بارے میں کوئی اور خاص بات۔"

"ہاں ذریعہ سفر کے بارے میں تفصیل بتائے دیتا ہوں۔"

شہاب نے کہا اور بینا کو تفصیل بتانے لگا۔

"ٹھیک ہے میں نے نوٹ کر لی۔"

"ان لوگوں سے کہو مکمل احتیاط کے ساتھ یہاں پہنچیں...... یہاں نئے لوگوں کو بہت جلد نگاہوں میں رکھ لیا جاتا ہے، کوئی ایسا طریقہ کار اختیار کریں جس سے یہاں آنے میں آسانی ہو...... ماحول میں بتا ہی چکا ہوں...... ویسے سردار علی وغیرہ سے کہہ دینا کہ باڑی کے بارے میں اور تفصیلات معلوم کر لینا۔"

"پہنچنا کب تک ہے۔"

"بس جلد ہی پہنچ جائیں تم انہیں کل ہدایت دے دو...... اگر چاہو تو ابھی کہہ دینا اتنی زیادہ رات نہیں ہوئی ہے اس کے بعد وہ جس قدر جلد آسکیں آجائیں۔"

"ٹیلی فون نمبر بتاؤ۔" بینا نے کہا اور شہاب نے وہی ٹیلی فون بتا دیا۔

"ٹھیک ہے تو پھر واپسی کب تک ہو رہی ہے۔"

"بس بینا بہت جلدی ویسے واسطی صاحب ٹھیک ہیں۔"

"سب لوگ ٹھیک ہیں۔"

"اور ایسی کوئی خاص بات۔"

"نہیں بالکل نہیں۔"

"تو پھر تم مجھے خدا حافظ کہو۔"

"میں نہیں کہتی۔" بینا نے کہا۔

"تو چلو پھر میں ہی خدا حافظ کہے دیتا ہوں۔"

"خدا حافظ۔" بینا نے جواب دیا اور شہاب نے ٹیلی فون بند کر دیا، اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی...... وہ محسوس کر رہا تھا کہ بینا سے گفتگو کرنے کے بعد کم از کم ذہنی تھکن دُور ہو گئی ہے، بہت دیر تک وہ بینا کے بارے میں نجانے کیا کیا سوچتا رہا...... پھر سحر شاہ آ گیا تو شہاب نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

"بات ہو گئی جناب۔"

"ہاں سحر شاہ بہت شکریہ۔"

"کیا آپ نے کچھ لوگوں کو یہاں طلب کر لیا ہے۔"

"ہاں بہت کام کے لوگ ہیں...... میرے محکمے سے ہی تعلق رکھتے ہیں، اطمینان رکھو بہتر انداز میں ہی یہاں پہنچیں گے۔"

"ہاں جناب اس میں ایسی کوئی بات نہیں ہے لیکن زیادہ تر لوگوں پر نگاہ رکھی جاتی ہے نگاہ رکھنے والے یہی مختلف قسم کے لوگ ہوتے ہیں جو یہاں کاروبار کرتے ہیں۔"

"میں نے انہیں یہی ٹیلی فون نمبر دے دیا ہے، وہ ہمیں یہاں آنے کی اطلاع دیں گے ہم ان کے لئے یہیں ٹھکانہ بنا دیں گے۔"

"آپ بالکل مطمئن رہیں یہاں وہ محفوظ رہیں گے...... ویسے یہ بہت بڑا مسئلہ حل ہوا میرا آپ سے اس بارے میں اور بھی بہت سی باتیں کروں گا لیکن بہتر ہے کہ پہلے ہم کل ت کا پروگرام کر لیں...... آپ کو یقینی طور پر اس سے کئی فائدے حاصل ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے...... جب تم نے کسی بات کو صیغہ راز میں رکھا ہے تو میں تمہیں ر نہیں کروں گا۔"

"معذرت خواہ ہوں سر آپ نجانے کیا سوچتے ہوں گے اس بارے میں لیکن میری ش ہے کہ آپ پہلے سے مجھ سے اس بارے میں نہ پوچھیں۔"

"میں نے دوبارہ تو نہیں کہا تم سے۔" پھر سحر شاہ بھی سونے کے لئے چلا گیا تھا...... کی رات کافی پر سکون تھی، خاص طور سے بینا سے گفتگو کرنے کے بعد شہاب ذہنی طور پر پ آپ کو کافی مطمئن محسوس کر رہا تھا، بہت دیر تک وہ ان حالات کے بارے میں سوچتا رہا پھر گہری نیند سو گیا...... دوسری صبح معمول کے مطابق تھی، سحر شاہ نے اس کے ساتھ تا کیا...... پھر اجازت لے کر چلا گیا...... شہاب نے بھی کسی خاص پروگرام کا منصوبہ نہیں تھا، اسے اندازہ تھا کہ دانی شاہ اسے چپے چپے پر تلاش کر رہا ہوگا، بہتر ہے کچھ وقت اسی ح نکل جائے تاکہ دانی شاہ اپنے طور پر خاموش ہو کر بیٹھ جائے، دوسری صورت میں ات بھی ہو سکتے ہیں...... پھر شام کو سحر شاہ واپس آ گیا، تمام معمولات سے فارغ ہو کر آیا...... اس نے شہاب کے سامنے ایک پیکٹ رکھ کر کہا۔

"ویسے تو ہمارے پاس اس قسم کے انتظامات نہیں ہیں، لیکن یہ تھوڑا سا میک اپ کا نا ہے...... مصنوعی بال، لوشن وغیرہ چہرے میں ذرا سی تبدیلی پیدا کر لیں تو کوئی حرج تو نہ ہے۔" شہاب نے یہ سامان دیکھا اور مسکرا کر بولا۔

"ٹھیک ہے بلکہ مناسب ہے۔"

"یہ نئے لباس بھی لے آیا ہوں آپ کے لئے آپ کے بدن کے مطابق ہوں گے۔"

"حالانکہ ان کی ضرورت نہیں تھی تمہارے لباس ہی کافی تھے۔"

"پھر بھی جناب میں نے سوچا کہ آپ کے لئے کچھ نہ کچھ تو خریدا ہی جائے، یہ مقامی لباس ہیں، کسی قسم کا کوئی شبہ بھی نہیں ہوگا۔" کھدر کے شلوار کرتے تھے اور سحر شاہ نے شہاب کی جسامت کا بالکل صحیح اندازہ لگایا تھا، سحر شاہ کہنے لگا۔

"میں تو صرف نقلی مونچھوں سے کام چلا سکتا ہوں، آپ بھی ذرا چہرے میں تبدیلی پیدا کر لیجئے۔"

"وہ میں کرلوں گا کس وقت چلنا ہے۔"

"آٹھ بجے۔"

"اس شخصیت کو تم نے اطلاع دے دی۔"

"ہمارا انتظار کیا جائے گا۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔" شہاب نے جواب دیا۔

پھر مقررہ وقت پر شہاب نے ہلکی پھلکی ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد اپنے چہرے پر میک اپ کیا، لباس تبدیل کر لیا اور جب سحر شاہ اس کے پاس پہنچا تو جھجک کر رُک گیا، ایک لمحے کے لئے اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر شہاب کی طرف دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"سر اتنے معمولی سے میک اپ کے سامان سے آپ نے میک اپ کیا ہے۔"

"کیسا ہے۔"

"سر کچھ کہوں گا نہیں اس بارے میں بخدا آپ کو دیکھ کر کبھی نہیں پہچان سکتا تھا میں۔"

"اطمینان ہے تمہیں۔"

"بہت زیادہ اطمینان سر آپ یقین کیجئے آپ بالکل مقامی آدمی معلوم ہو رہے ہیں۔"

"تو پھر اب کیا پروگرام ہے۔"

"سر ہم لوگ تیار ہیں۔" سحر شاہ نے کہا اور پستول شہاب کو دیتے ہوئے کہا۔

"اسے اپنے لباس میں پوشیدہ رکھ لیجئے، ہو سکتا ہے کوئی ضرورت پیش آجائے۔"

نے شکریہ کے ساتھ اس کا دیا ہوا پستول قبول کر لیا تھا، پھر رات کی تاریکیوں میں وہ نکل آئے...... سحر شاہ نے کہا۔

"پیدل چلنا پڑے گا سر۔"

"کوئی بات نہیں ہے اچھا ہے ویسے بھی دو دن سے گھر میں قیدی بنا ہوا ہوں۔" سحر شاہ ہاب سفر کرتے رہے...... ٹیڑھے میڑھے ناہموار راستوں کو عبور کرنے کے بعد اس سفر نام سرخ پتھروں سے بنی ہوئی حویلی نما عمارت کے سامنے ہوا تھا...... عمارت کے ازے پر مسلح چوکیدار موجود تھے، جو مقامی ہی لوگ تھے...... شہاب کے دل میں تجسس حر شاہ نے چوکیدار سے کہا۔

"خانم کے مہمان ہیں تمہیں اطلاع دے دی گئی ہوگی۔"

"آؤ صاحب آؤ۔" چوکیدار نے کہا اور پھر وہ دوسرے چوکیدار کو وہاں محتاط رہنے کی ت کر کے آگے بڑھ گیا...... شہاب نے پہلی بار سحر شاہ کے منہ سے کسی خانم کا نام سنا ... بہرحال اس نے سحر شاہ سے کوئی سوال نہیں کیا، چوکیدار نے انہیں حویلی کے ایک گوشے میں پہنچایا اور یہاں سے ایک راہداری عبور کر کے ایک بڑے سے کمرے کے ازے کے سامنے رُک گئے...... دروازہ سحر شاہ نے ہی کھولا تھا اور شہاب اس کے پیچھے اندر داخل ہو گیا تھا، بہت بڑا ہال نما کمرہ تھا جو بہترین فرنیچر سے آراستہ تھا...... فرش پر قالین بچھا ہوا تھا، دیواروں پر بے حد خوبصورت پردے پڑے ہوئے تھے...... صوفوں کا یٹ نیم دائرے کی شکل میں لگا ہوا تھا اور انہی صوفوں میں سے ایک صوفے پر ایک دراز ت عورت ڈھیلے ڈھالے سفید لباس میں ملبوس بیٹھی ہوئی تھی...... عمر چالیس سے بیالیس کے قریب ہوگی، چہرہ دودھ کی طرح سفید لیکن خدوخال انتہائی کرخت ایک عجیب سی ت تھی اس کے اندر، شہاب نے اسے بغور دیکھا...... سحر شاہ آگے بڑھ گیا...... عورت قار انداز میں بیٹھی رہی تھی، سحر شاہ نے کہا۔

"خانم شرجیلہ خادم سحر شاہ۔"

"تمہارا کیا خیال ہے سحر شاہ کیا ان معمولی سی مونچھوں کی تبدیلی سے میں تمہیں پہچان سکتی، آؤ بیٹھو ان سے میرا تعارف کراؤ کون ہیں یہ۔"

"اپنا تعارف یہ خود کرائیں گے خانم۔" سحر شاہ نے کہا شہاب آگے بڑھ کر بولا۔

"حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ مجھے آپ کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا گیا خانم ابھی سحر شاہ نے آپ کا نام خانم شرجیلہ نے کر پکارا ہے تو مجھے علم ہوا ہے کہ آپ خانم شرجیلہ ہیں، ورنہ میں تو کچھ بھی نہیں جانتا تھا...... میرا نام شہاب ثاقب ہے، دارالحکومت سے آیا ہوں، وہاں کے محکمہ خفیہ کا ایک نمائندہ ہوں۔"

"اوہ آؤ بیٹھو تم سے مل کر خوشی ہوئی لڑکے۔" خانم شرجیلہ نے کاٹ دار آواز میں کہا، نسوانیت سے بھرپور لیکن خوبصورت آواز تھی...... شہاب نے ایک نگاہ اس عورت کا جائزہ لیا تھا...... درحقیقت پہلی ہی نگاہ میں اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ بہت ہی زیرک اور بردبار اور پروقار شخصیت کی مالک ہے، اس کی ہدایت پر سحر شاہ اور شہاب اس کے سامنے کے صوفوں پر بیٹھ گئے...... خانم شرجیلہ گہری نگاہوں سے شہاب کو دیکھ رہی تھی، پھر اس نے کہا۔

"مختصر تعارف تو تم سے حاصل ہوگیا اور خاص طور سے تم جس شخص کے ساتھ آئے ہو اس کی شخصیت سے میں بے حد متاثر ہوں وہ اس ملک کا ایسا سرمایہ ہے جس پر جتنا بھی ناز کیا جائے کم ہے...... اصل میں ہم لوگ یہ توقع کر لیتے ہیں کہ ہر شخص حرف آخر ہو سکتا ہے اور دُنیا کا ہر کام کر سکتا ہے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ برائی بظاہر کمزور نہیں ہوتی، وہ دیکھنے میں سچائیوں سے بہت زیادہ طاقتور ہوتی ہے اور اس طاقتور جن کو ختم کرنا ہی بہت بڑا کام ہوتا ہے...... سحر شاہ بیچارہ کچھ کر سکے یا نہ کر سکے لیکن اس کے سینے میں کچھ جذبے پروان چڑھ رہے ہیں، ان کی قیمت ایک صاحب دل ہی جانتا ہے۔"

"آپ کے خیالات بہت پاکیزہ ہیں خانم۔"

"نہیں یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس پر تم میری تعریف کرو اور میں اس تعریف سے خوش ہو جاؤں۔"

"سحر شاہ تمہاری یہاں آمد بے مقصد نہیں ہوگی، کیا تم بولنے کے لئے مجھ پر پابندی لگاؤ گے، میرا مطلب تم سمجھ رہے ہو۔"

"نہیں خانم ظاہر ہے شہاب صاحب کو آپ کے پاس بہت اعتماد کے ساتھ لے کر آیا ہوں۔"

"مسٹر شہاب کیا باڑی آنے کا آپ کا کوئی خاص مقصد ہے۔"

"ہاں خانم اب میں آپ سے ہر وہ بات کہہ سکتا ہوں جو میرے سینے میں پوشیدہ ہے

کیونکہ مجھے سحر شاہ پر اعتماد ہے اور سحر شاہ کو آپ پر...... معاف کیجئے گا، میں کوئی بھی غلط بات کر کے آپ کو خوش کر سکتا تھا، یعنی میں یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ خانم آپ کی پروقار شخصیت کو دیکھ کر مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں بہت ہی سچی خاتون کے سامنے ہوں لیکن میری آپ سے پہلی ملاقات ہے اور سحر شاہ نے جن الفاظ میں آپ کا تذکرہ کیا ہے اس سے مجھے یہ اعتماد ہے اس کا اندازہ غلط نہیں ہوگا۔"

"شکریہ۔"

"اچھا مجھے بتاؤ کہ باڑی آنے کا مقصد کیا ہے؟"

"خانم ایک شخص ہے دانی شاہ اس نے دارالحکومت میں ایک معصوم لڑکی کو ختم کر دیا ہے میں اس قتل کی تفتیش کے سلسلے میں اس کا تعاقب کرتا ہوا یہاں پہنچا ہوں۔"

"کچھ کارآمد باتیں معلوم ہوئیں دانی شاہ کے بارے میں۔"

"ہاں خانم صرف اتنا کہ وہ منشیات کا سمگلر ہے۔"

"وہ منشیات کا سمگلر ہے...... بے شک ہے لیکن اس سلسلے میں آخری شخصیت نہیں ہے...... ایک پورا گروپ ہے جس کا ایک فرد دانی شاہ ہے اور اس گروپ کے بارے میں شاید تم زندگی کے دس سال تک یہ پتہ نہ لگا سکو کہ اس کے سربراہان کون ہیں...... میں اگر تم سے اپنی معلومات کی بنا پر یہ کہوں کہ ان سربراہان کا تعلق باڑی سے نہیں ہے تو یہ غلط نہیں ہوگا، لیکن میں نہیں جانتی کہ وہ کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں۔"

"خانم اس میں کوئی شک نہیں ہے منشیات کی لعنت اس طرح سے اس کائنات پر پھیلتی جارہی ہے کہ انسانیت کو شدید خطرات لاحق ہوگئے ہیں، وہ نوجوان جو ملکوں کی تعمیر کرتے ہیں منشیات کی لعنت کا شکار ہو کر گندی نالیوں میں دم توڑنے لگے ہیں...... ہمیں اس لعنت سے نفرت ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ہر شخص کا یہ فرض ہے کہ اپنے وطن کو اس لعنت سے پاک کرے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے، میں اصل میں تمہاری عمر کا تذکرہ کر رہی تھی...... ڈیئر شہاب تم ابھی نوخیزیت کی عمر میں ہو میں بھی زندگی کا ایک طویل سفر طے کر چکی ہوں، لیکن نہیں کہ میں اپنے اس سفر کو اختتام کے قریب سمجھوں، ویسے زندگی اور موت کا کوئی بھی انسان کے بس کی بات نہیں، لیکن میرا دل چاہتا ہے مسٹر شہاب کہ اپنا فرض پورا

کر کے اس دُنیا سے جاؤں۔“

”خانم بہت بڑی بات ہے یہ۔“

”خیر چھوڑو یہ تو ہم ایک دوسرے کی تعریف میں مصروف ہو گئے...... دانی شاہ کی گرفتاری کا جہاں تک معاملہ ہے میرا خیال ہے باڑی سے اسے تم کبھی نہیں گرفتار کر سکتے، اس کے ہاتھ بہت مضبوط ہیں...... وہ ایک مضبوط گروپ سے تعلق رکھتا ہے تم اس پر ہاتھ ڈالو گے تو یہ تمہارے لئے مشکل ہو جائے گا۔“

”جی خانم مجھے اس کا اندازہ ہے۔“ سحر شاہ نے آپ کے بارے میں جو تذکرہ کیا وہ کچھ ایسا تھا کہ میرے دل میں بھی آپ سے ملنے کی خواہش بیدار ہو گئی، حالانکہ اس وقت سحر شاہ نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ آپ کون ہیں یا یہ کہ آپ کوئی خاتون ہیں۔“

”سحر شاہ خود اتنا نفیس انسان ہے کہ خود متاثر ہو جاتا ہے...... اتفاق سے یہ شخص اپنے دل میں وطن سے پیار کے جذبے لے کر دُنیا میں آیا ہے...... میری تو صرف دعائیں ہی ہیں، اس کے ساتھ کہ جس حد تک بھی ممکن ہو سکے اسے کامیابی نصیب ہو، مجھ سے اس کا رابطہ ہوا اور میں نے اسے پیشکش کی کہ میں جس قابل بھی ہوں اس کے مقصد کے لئے حاضر ہوں، حالانکہ میں جانتی ہوں کہ یہ بیچارہ یہاں کچھ بھی نہیں کر پائے گا۔“

”خانم انسان کو اپنا فرض پورا کرنا چاہئے، یہ بھول کر کہ وہ کتنا آگے کام کر جاتا ہے...... دانی شاہ کے مسئلے کو الگ رکھ کر اگر سحر شاہ کی کاوشوں ہی سے میں اپنے آپ کو بھی متعلق کر لوں تو میں بھی یہ چاہوں گا کہ جس طرح بھی بن پڑے یہاں ان گروپوں کو ختم کیا جائے۔“

”نہیں کر سکتے تم نہیں کر سکتے، یہ میں تمہیں بتائے دیتی ہوں۔“

”کیوں خانم۔“

”اس لئے کہ وہ یہاں بہت مضبوط ہیں، میں نہیں کہتی بات بہت بڑی ہے لیکن میں یہ سمجھتی ہوں کہ ایسی کوئی کوشش سرکاری پیمانے پر بھی کی جائے تو بڑا خون خرابہ کرنا پڑے گا اور اس کے نتائج کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے۔“

”اب آپ سے ملاقات ہو گئی ہے خانم تو کیا میں آپ سے یہ سوال کر سکتا ہوں، کوئی ایسی ترکیب ہے جس سے ان لوگوں کو ختم کیا جا سکے۔“

”شاید کوئی ترکیب نہیں ہے۔“ خانم نے مایوسی سے ہونٹ سکوڑتے ہوئے کہا پھر بولی۔

”ہاں اگر تم صرف اپنا فرض پورا کرنا چاہتے ہو تو میں تمہیں اس کا ذریعہ بتا سکتی ہوں۔“

”بتائیے خانم پلیز۔“ شہاب نے متاثر لہجے میں کہا۔

”میں تمہیں ان لوگوں کے ٹھکانے بتا سکتی ہوں، ایسے ٹھکانے جہاں وہ منشیات کا ذخیرہ رکھتے ہیں، یہ ذخیرہ اربوں ڈالر کی مالیت کا ہے اور بہر حال اس پر انہوں نے کروڑوں ڈالر خرچ کئے ہیں...... اگر ہم مالی طور پر انہیں ختم کر دیتے ہیں تو زیادہ تو میں کچھ نہیں کہتی لیکن یہ ہے کہ ان کی کارروائیاں رُک جائیں گی، جب وہ مالی طور پر تباہ و برباد ہو جائیں گے تو ممکن ہے کہ کچھ اور کرنے کے بارے میں سوچیں۔“ شہاب نے گردن جھکالی اور سوچ میں ڈوب گیا...... سحر شاہ نے کہا۔

”خانم اگر ایسا ہی ہو جائے تو کم از کم آپ کے کہنے کے مطابق ہم لوگ اپنا تھوڑا سا فرض تو پورا کر ہی لیں گے۔“

”ہاں سحر شاہ میں نے تم سے پہلے بھی ایک بار اس بات کا تذکرہ کیا تھا لیکن تم نے اپنی مجبوری بھی مجھے بتائی تھی۔“

”جی خانم یعنی یہ کہ ہمارے پاس ایسے لوگ موجود نہیں ہیں جو اس سلسلے میں کارروائی کر سکیں۔“

”یہی میں کہنا چاہتی تھی۔“

”خانم شہاب صاحب کے آنے سے مجھے کم از کم ایک فائدہ تو حاصل ہو گیا ہے، وہ یہ کہ مجھے ایسے قابل اعتماد افراد مل رہے ہیں جو اس کام میں میری مدد کر سکتے ہیں۔“

”اگر ایسی بات ہے تو پھر میرا خیال ہے تمہیں بسم اللہ کر دینی چاہئے۔“ خانم شرجیلہ نے کہا شہاب غور سے خانم کو دیکھ رہا تھا...... خانم گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی پھر اس نے کہا۔

”میں یکے بعد دیگرے تمہیں وہ جگہیں بتا سکتی ہوں جہاں ان لوگوں نے اپنے ذخائر چھپا رکھے ہیں، کیا تمہارے پاس ایسے ذرائع ہیں کہ تم ان ذخائر کو تباہ کر سکو۔“

”خانم ہم پوری پوری کوشش کریں گے۔“

”دیکھو اگر تم ان کی تباہی کے لئے سرکاری طور پر امداد حاصل کرو گے میرا مطلب ہے ایسی چیزیں جن سے انہیں تباہ کیا جا سکے شاید تمہیں دستیاب نہ ہوں۔“

”کیوں خانم اس کے لئے تو ہمیں ہر طرح کی امداد فراہم کی جائے گی۔“ شہاب نے کہا

اور خانم کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی، پھر اس نے کہا۔

"جب تم یہ امداد طلب کرو گے تو تمہاری شامت آجائے گی...... سحر شاہ یا تو تمہیں یہاں سے ٹرانسفر کر دیا جائے گا یا پھر یا پھر میرے منہ میں خاک تم زندہ ہی نہ رہ پاؤ گے۔"

بات بہت دُور تک جاتی تھی...... سحر شاہ شاید اپنی نوجوانی کی عمر میں تجربات نہ کر چکا ہو، لیکن شہاب کو اس قسم کے تجربات بے پناہ تھے...... وہ خانم کی بات سے پوری طرح اتفاق کرتا تھا، اس نے کہا۔

"آپ ٹھیک کہتی ہیں خانم لیکن اس کے لئے کوئی اور ذریعہ ہو سکتا ہے؟"

"ہاں......" خانم نے کہا۔

"کیا۔" شہاب نے سوال کیا۔

"میں۔"

"جی۔"

"ہاں میں۔"

"میں سمجھا نہیں خانم۔"

"میں تمہیں وہ سب کچھ مہیا کر سکتی ہوں جو تمہاری ضرورت ہو، میرے پاس تمام انتظامات موجود ہیں۔"

شہاب خاموشی سے خانم شرجیلہ کو دیکھنے لگا، پھر اس نے کہا۔

"یہ تو ہمارے لئے اور آسانی ہو جائے گی خانم۔"

"دیکھو آفیسر جو کچھ میں تم سے کہہ رہی ہوں اس کا برا نہ ماننا تم لوگ بڑے حیثیت کے مالک ہوتے ہو، بڑے بڑے کام کرتے ہو تم، لیکن یہ سب جو ہو رہا ہے وطن کی پیشانی پر بدنما داغ ہے، میں یہ نہیں چاہتی کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچے، لیکن اتنا ضرور کہوں گی کہ اگر عہدہ بڑھانا چاہتے ہو تو وہ لوگ تمہارے معاون ہوں گے اور اگر اپنا فرض ادا کرنے کے خواہشمند ہو تو میں تمہیں سب کچھ پیش کر سکتی ہوں...... میں عورت ہوں ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، لیکن عورت کے ساتھ ساتھ میں ماں، بہن اور بیٹی بھی ہوں اور وطن پرست بھی...... تمہیں محنت کرنا ہوگی، آفیسر مشکل حالات کا سامنا کرنا ہوگا...... پہلے ان لوگوں کو مالی طور پر مفلوج کر دو، ان کے وہ اثاثے تباہ کر دو جو انہیں زمین چاٹنے پر مجبور کر دیں گے...... اگر تم یہ

ہو تو بسم اللہ کر کے یہ کام شروع کرو میں تمہیں ان کے سارے ٹھکانے بتا دوں گی انسانیت کے نام پر انہیں برباد کر دو، قلاش کر دو انہیں وہ اس کے بعد شاید سالہا سال اپنے آپ کو نہ سنبھال سکیں...... سمجھ رہے ہو ناں تم؟"

"سمجھ رہا ہوں خانم۔"

"تو بس فیصلہ کر لو پروگرام بنا لو میں تمہاری ہر طرح کی مدد کے لئے حاضر ہوں۔"

"ٹھیک ہے خانم میں تیار ہوں اور بہت جلد میں آپ سے دوبارہ رابطہ قائم کروں گا۔"

"میرے گھر کے دروازے تمہارے لئے ہر وقت کھلے ہوئے ہیں، کوشش کرنا کہ کسی کو یہ نہ معلوم ہونے پائے کہ میں تمہارے ساتھ کیا تعاون کر رہی ہوں۔"

"آپ مطمئن رہیں بلکہ اگر کوئی ضرورت ہو تو مجھے بتائیے۔" خانم مسکرا کر خاموش ہوگئی، پھر اس کے بعد اس نے ضد کر کے ان دونوں کی خاطر مدارات کی، اس کے بعد شہاب اور سحر شاہ وہاں سے رخصت ہوگئے۔

تاریکیوں کا یہ سفر خاموشی سے طے کیا گیا تھا اور اس کے بعد سحر شاہ، شہاب کے ساتھ اپنے گھر واپس آگیا تھا۔

شہاب نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"خانم بے مثال عورت ہے۔"

"اور شاید اس علاقے میں پہلی عورت جس کے دل میں، میں نے انسانیت اور وطن کا درد پایا ہے لیکن سر اب آپ مجھے بتائیے میری کیا خدمات ہیں۔"

"مجھے اپنے آدمیوں کی آمد کا انتظار کرنا پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے سر میں ہر طرح سے حاضر ہوں۔"

"تم اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتے رہو اور کسی کو کوئی شک نہ ہونے دو۔"

"آپ مطمئن رہیں۔" سحر شاہ نے جواب دیا۔

❀❀❀

سردار علی اور ٹیم کے باقی افراد باڑی پہنچ گئے...... بڑا مشکل راستہ تھا اور بڑا مشکل سفر تھا، بس کے ذریعے یہاں آئے تھے...... بس بھی کافی فاصلے پر اتارتی تھی، معلومات بالکل نہیں تھیں، بس مسافروں سے باڑی کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں تو بتا دیا گیا تھا کہ انہیں پیدل سفر طے کر کے باڑی پہنچنا ہوگا لیکن بہر حال وہ لوگ احمق نہیں تھے...... توصیف نے عقل سے کام لیتے ہوئے ٹرانسمیٹر پر شہاب کو مخاطب کیا اور چند ہی لمحوں کے بعد رابطہ قائم ہو گیا۔

"شہاب صاحب میں توصیف بول رہا ہوں، یقیناً اس سے زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہو گی۔"

"ہاں توصیف پہنچ گئے تم لوگ۔"

"جی شہاب صاحب لیکن ہم بڑے عذاب میں گرفتار ہیں، بس سے اترنے کے بعد کافی فاصلہ پیدل طے کرنا پڑا ہے۔"

"کس جگہ ہو اس وقت۔"

"بس یوں سمجھ لیجئے آبادی زیادہ فاصلے پر نہیں ہے...... ہم ایک پگڈنڈی پر ہیں اور لڑھکتے ہوئے چلے آرہے ہیں۔"

"تم انتظار کرو میں پہنچ رہا ہوں...... سڑک سے ہٹ جاؤ اور بہتر ہو گا کہ پوشیدہ رہنے کی کوشش کرو، میں دوبارہ تم سے ٹرانسمیٹر پر رابطہ قائم کرتا ہوں۔"

"آپ کا بہت بہت شکریہ یہ واقعی سفر نے جان نکال لی ہے...... اگر اس وقت آپ پہنچ جائیں تو بہت عنایت ہو گی ہم پر۔"

"آرہا ہوں میں۔" شہاب نے کہا اس کے فوراً بعد اس نے ٹرانسمیٹر پر سلسلہ منقطع کر کے تھانے سے نمبر لے کر سحر شاہ کو ٹیلی فون کیا جو سحر شاہ نے ریسیو کیا۔

"سحر شاہ وہ لوگ آگئے ہیں۔"

"مجھے بتائیے سر مجھے کیا کرنا ہے۔"

"جس قدر جلد ہو سکے کوئی بڑی گاڑی لے کر پہلے گھر پہنچو یہاں سے ہم لوگ ساتھ چلیں گے۔"

"آپ ٹیلی فون بند کیجئے میں آرہا ہوں۔" پھر سحر شاہ نے پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی، وہ پولیس ہی کی ویگن لایا تھا اور شہاب اس کے ساتھ چل پڑا تھا...... سحر شاہ کے چہرے پر سنسنی کے تاثرات تھے، ویسے بھی پرجوش انسان تھا...... آخر کار شہری آبادی سے نکلنے کے بعد شہاب نے ٹرانسمیٹر پر رابطہ قائم کیا۔

"ہاں تم لوگ کہاں ہو۔"

"سڑک کے نیچے ایک درخت کے پیچھے۔"

"شاعری کر رہے ہو۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں مچھر بہت کاٹ رہے ہیں۔" توصیف نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا اور شہاب بھی ہنس پڑا۔

"اگر کسی جیپ کی لائٹیں دیکھ رہے ہو تو باہر نکل آؤ...... شہاب نے کہا سحر شاہ نے جیپ کی رفتار بالکل سست کر دی تھی، پھر کچھ ہی لمحوں کے بعد وہ چھ افراد سڑک پر آگئے اور سحر شاہ نے جیپ روک دی، وہ سب ویگن میں سوار ہو گئے...... سحر شاہ نے وہیں سے جیپ واپس کی اور کچھ دیر کے بعد وہ مکان پر آگئے...... ان کے حلیئے بہت خراب ہو گئے تھے، لیکن حلیوں کی یہ خرابی ان کے لئے بڑی کارآمد تھی، شہاب نے ان سب کا تعارف ان کے ناموں سے ہی کرایا لیکن ان کے شعبے وغیرہ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا، سحر شاہ بہت خوش نظر آرہا تھا اس نے کہا۔

"سر آپ یقین کریں نجانے کیوں مجھے یہ احساس ہو رہا ہے کہ ہم لوگ بڑی خوش اسلوبی سے اپنا کام کر لیں گے۔"

"میرا خیال ہے خانم سے رابطہ قائم کر لیا جائے۔"

"میں کرلوں گا آپ اطمینان رکھیں یہ رات اور دوسرا دن ان لوگوں نے بڑی خوشی سے گزارا تھا...... شہاب سے وہ ملاقات کرتے رہے تھے اور شہاب انہیں بریف کرتا رہا تھا، بہت وقت اسی طرح گزارا اور پھر سحر شاہ نے شہاب کو بتایا۔"

"خانم ایک بار پھر آپ سے ملنا چاہتی ہے شہاب صاحب لیکن تنہا۔"

"تنہا سے تمہاری کیا مراد ہے۔"

"اس نے کہا تھا کہ شہاب کو میرے پاس بھیج دو میں اس سے بات کروں گی۔"

"کیا خیال ہے کوئی گڑبڑ ہو سکتی ہے۔"

"نہیں خانم بہت ڈیسنٹ بہت نفیس عورت ہے، میں اس سے بالکل مطمئن ہوں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے میں مل لوں گا۔" خانم سے ملاقات کرنے میں شہاب کو کوئی دقت پیش نہیں آئی تھی، جیسے ہی وہ کوٹھی پہنچا اسے اندر بلالیا گیا...... خانم اپنے مخصوص کمرے میں اس کا انتظار کر رہی تھی...... اس نے تعریفی نگاہوں سے شہاب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"محکمہ خفیہ میں تمہارا کیا عہدہ ہے۔"

"بس ایک معمولی آفیسر ہوں خانم۔"

"اپنے بارے میں کچھ اور تفصیلات بتاؤ گے۔"

"کوئی خاص تفصیل نہیں ہے بس یوں سمجھ لیجئے نیک نیتی سے اپنا کام کرنے کا شوقین ہوں۔"

"ویسے تمہاری عمر ایسی نہیں ہے آفیسر کہ یہ دور تم نیک نیتی سے گزار دو۔"

"میں سمجھا نہیں خانم۔"

"کیا کہا جائے زمانہ جس بری روش پر چل پڑا ہے اسے دیکھتے ہوئے اگر کوئی ایسا شخص نگاہوں میں آجاتا ہے جو وقت کی لکیر کو پیٹ رہا ہے تو حیرت ہوتی ہے اس پر۔"

"میں اس بارے میں کچھ عرض نہیں کر سکتا، بس یہ سمجھ لیجئے دل چاہتا ہے کہ وطن کے لئے کام کروں۔"

"یہ ایک نیک جذبہ ہے لیکن مسٹر شہاب پولیس کی ملازمت میں ایسے مواقع تو بہت سے آئے ہوں گے جب تمہیں کوئی عمدہ پیشکش کی گئی ہو۔"

"جی خانم کیوں نہیں۔"

"کیا تم نے اس پیشکش کو قبول کر لیا۔"

"یہ بالکل ذاتی سوال ہے خانم۔"

"بے شک مجھے اس کا احساس ہے خیر جواب کے لئے میں تمہیں مجبور نہیں کروں گی، ل میں تمہیں تول رہی تھی کہ کام کرو گے اور اگر منظر عام پر آگئے تو نجانے کیسی کیسی بش ہوں گی تمہیں۔"

"نہیں خانم شاید میں کسی پیشکش کو قبول نہ کروں۔"

"ویری گڈ تو آؤ بیٹھتے ہیں میں تمہیں ساری صورت حال سے آگاہ کروں۔" اس کے بعد م نے اسے وہاں سے لے کر ایک دوسرے کمرے میں آگئی اور اس کے بعد اس نے کہا۔

"یہ جگہ کالی گھاٹی ہے...... کالی گھاٹی میں جو پہاڑی سلسلہ ہے، یوں سمجھ لو کہ یہ ایک ت بڑی ذخیرہ گاہ ہے...... یہ جو سامنے تم ایک چٹان دیکھ رہے ہو، اس چٹان کے عین سامنے غار کا دہانہ ہے...... یہاں تقریباً چار یا پانچ افراد پہرے پر رہتے ہیں اور غار کے دہانے کے رے طرف حشیش کے زبردست انبار ہیں اور یہ سب سے بڑا ذخیرہ تمہارے دانی شاہ کا ہے سمجھ رہے ہو ناں۔"

"جی خانم۔"

"ابتدا اگر چاہو تو یہیں سے کرلو، لیکن میں تمہیں اور بھی جگہیں بتا دیتی ہوں، ایسی پانچ ہ گاہیں ہیں اور ان لوگوں نے بڑے اعلیٰ طریقے سے ان کا بندوبست کیا ہے، حالانکہ وہ حب اقتدار ہیں اور یہاں بڑی آواز رکھتے ہیں، لیکن پھر بھی ایک دوسرے سے احتیاط رکھی تی ہے...... یہ پانچ ذخیرہ گاہیں اگر تم تباہ کر دو تو یوں سمجھ لو کہ منشیات کے سمگلروں کی کمر ٹ جائے گی، باقی کام تمہیں کیسے کرنا ہے یہ تم اچھی طرح جانتے ہو...... میں تمام راستوں ے تمہیں اچھی طرح آگاہ کر دیتی ہوں۔"

"خانم ایک بات بتایئے۔"

"ہاں پوچھو۔"

"آپ نے آج سحر شاہ کو کیوں آنے سے منع کر دیا...... ایک بار پھر خانم کے ہونٹوں فیف سی مسکراہٹ نظر آئی پھر اس نے کہا۔"

"یہ سوال مجھ سے نہ پوچھو تو بہتر ہے بلکہ یہ سمجھ لو کہ یہ میرا ایک خفیہ راز ہے۔"

"بہتر ایک سوال اور کرلوں آپ سے۔"

"ہاں ضرور۔"

"اگر آپ نے سحر شاہ کو اس میٹنگ میں شریک نہیں کیا، ان نقشوں کے بارے میں اور جو تفصیلات آپ نے بتائی ہیں ان کے بارے میں کیا میں سحر شاہ سے رجوع نہ کروں۔"

"نہیں بالکل نہیں ایسی بات نہیں ہے...... سحر شاہ کی مدد سے تم ان راستوں پر آسانی سے چل سکتے ہو اور مناسب منصوبہ بندی کر سکتے ہو۔"

"یعنی میں انہیں بتا سکتا ہوں۔"

"ہاں۔"

"ٹھیک ہے بے حد شکریہ اب مجھے واپسی کی اجازت دیجئے۔"

"ہوں یہ نہ سمجھنا کہ تم یہاں سے خالی ہاتھ چلے جاؤ گے، تمہیں اس نیک کام کے عوض میں بھی بہت کچھ دوں گی مسٹر شہاب۔" شہاب مسکرا کر خاموش ہو گیا تھا، پھر وہ وہاں سے واپس پلٹ پڑا جو نقشے خانم نے انہیں بنا کر دیئے تھے وہ اس نے حفاظت سے اپنے پاس رکھ لئے تھے، ابھی تک بڑی خوش اسلوبی سے کام ہو رہا تھا، دانی شاہ وغیرہ اس کے راستے پر نہیں آنے پائے تھے، شہاب نے راستہ ہی ایسا اختیار کیا تھا کہ دانی شاہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا لیکن اب اس کے بعد جہاں تک معاملہ منشیات کے ان سوداگروں کو نقصان پہنچانے کا تھا تو وہ اپنی جگہ تھا، شہاب کا اپنا کام بھی ایک بنیادی حیثیت رکھتا تھا، کیونکہ بہر حال وہ بھی کسی کو جوابدہ تھا چنانچہ جو کچھ کرنا تھا اس پر غور بھی کر لینا تھا اور اس کے لئے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ سحر شاہ سے الگ کم از کم شہنشاہ گروہ کے لوگوں سے بھی مشورہ کر لیا جائے، وہ کچھ دیر کے بعد سحر شاہ کی اس رہائش گاہ پر پہنچ گیا، بہر حال یہ بڑی بات تھی کہ اسے ایک ایسا مناسب ٹھکانہ مل گیا تھا جہاں سے اسے کم از کم اپنی کارروائیاں کرنے کا بھرپور موقع مل سکتا تھا، لیکن پھر بھی احتیاط بہت ضروری تھی اور ہر قدم سنبھل کر اٹھانا تھا۔

سحر شاہ اس وقت اپنی رہائش گاہ میں موجود نہیں تھا...... باقی ڈبل او گینگ کے دوسرے افراد موجود تھے...... سحر شاہ کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ ابھی کچھ دیر قبل یہاں سے کہیں گیا ہے۔

"آپ لوگ مطمئن ہیں۔" شہاب نے پوچھا۔

"لطف آ رہا ہے شہاب صاحب، مطمئن نہ ہونے کا کیا سوال ہے۔" سردار علی نے راتے ہوئے کہا۔

"مزید لطف آئے گا...... یہاں ہمیں خاصی بھاگ دوڑ کرنی ہے۔"

"ہمیں اندازہ ہے اس کا...... ویسے واقعی بڑی عجیب و غریب جگہ ہے پہلے کبھی اس جگہ بارے میں ہم نے تفصیل سے سنا بھی نہیں...... کیا آپ نے اس سے پہلے یہ علاقہ دیکھا ہاب صاحب؟"

"اتفاق سے بالکل نہیں...... اپنے وطن کے بیشتر علاقے ایسے ہیں جو ابھی تک ہماری وں سے دُور ہیں۔"

"خیر...... جگہ عمدہ ہے...... بس یہ پتا چل جائے کہ کرنا کیا ہے۔"

"چل جائے گا پتا، بلکہ ابھی چل جائے گا...... ہمیں فوراً ہی باعمل ہونا ہے...... اصل میں دازہ تو آپ لوگوں کو ہو ہی گیا ہوگا کہ یہ علاقہ سمگلروں کی جنت ہے اور یہاں سے منشیات بھاری ذخائر نا صرف اپنے ملک میں بلکہ دُنیا کے مختلف ممالک میں منتقل ہوتے ہیں۔ یہ گھناؤنا کاروبار ہے، جس کے لئے ہمیں خاصی جدوجہد کرنی ہے...... فی الحال ان لوگوں کو ایک نمونہ دکھانا ہے اور وہ نمونہ یہ ہے کہ میرے پاس ایسے ذخیروں کے نقشے آچکے جہاں منشیات کے بڑے بڑے سٹور ہیں...... فی الحال ہمارا یہ کام ہے کہ ان کو تباہ کریں۔"

"ویری گڈ...... کیا ان پر ہاتھ ڈال کر یہ ذخائر حاصل نہیں کئے جائیں گے۔" انجم شیخ پوچھا۔

"نہیں...... پہلی بات تو یہ کہ ان پر ہاتھ ڈالنا ہی ایک مشکل کام ہے اور ان کے مالکان ہمیں انہیں حاصل کرنے کی اجازت دے سکیں گے۔ جان کی بازی لگادیں گے وہ لوگ چونکہ اربوں ڈالر کی مالیت کے ذخائر یہاں موجود ہیں...... وہ بھی اپنے طور پر آخری حد کوشش کر ڈالیں گے کہ ایسا نہ ہونے پائے۔ بہر حال فرض کرو اگر ہم ایسا کر بھی لیتے ہیں یہ ذخائر خود ہمارے لئے وبال جان نہ بن جائیں گے...... سچی بات تو یہ ہے کہ اگر غور کرو تو رے کا بیشتر حصہ ایسے حالات کا شکار نظر آتا ہے جن کے بارے میں تذکرہ کرتے ہوئے شرم آتی ہے...... اس عظیم الشان دولت کو جسے اس وقت دنیا میں دولت ہی کی حیثیت ل ہے، اپنی تحویل میں رکھنے کے لئے کون کوشش نہیں کرے گا، چنانچہ غلاظت کا برباد

ہو جانا ہی زیادہ بہتر ہوتا ہے...... میرا خیال ہے آپ لوگ میرا مقصد سمجھ رہے ہوں گے۔

"اچھی طرح شہاب صاحب...... تو ہمیں یہ ذخائر تباہ کرنے ہیں۔"

"ہاں اور اس کے لئے میں سمجھتا ہوں ایک منصوبہ بنانا ضروری ہے۔"

"آپ موجود ہیں...... ہمارے لئے جو بھی احکامات ہوں۔"

"آپ لوگ جس طرح مجھ سے تعاون کرتے ہیں مجھے اس پر بڑی خوشی ہوتی ہے...... بہر حال شہنشاہ عظیم شخصیت ہے اور آپ لوگ یقین کریں کہ میں ہمیشہ اس کے بارے میں یہی سوچتا رہتا ہوں کہ کیا کبھی وہ ہمارے سامنے آکر بھی کبھی ہم سے کوئی کام لے گا۔"

"مشکل ہے شہاب صاحب اور اگر غور کیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس کا پوشیدہ رہنا ہی بہتر ہے...... آپ خود دیکھ لیجئے ماحول کس قدر عجیب و غریب ہے...... اپنے طور پر ہر شخص یہی کوشش کرتا ہے کہ اپنے آپ کو محفوظ کرے۔ اگر شہنشاہ منظر عام پر آجائے تو اسے بھی انہی لوگوں کے درمیان گھرنا پڑے گا جو اپنے مفاد کے حصول کے لئے ہر کام بخوشی اور با آسانی کر لیا کرتے ہیں...... پھر وہ مروتوں کا شکار ہو جائے گا اور اگر مروتیں نہ بھی کرے تو اس کے لئے لاتعداد خطرات پیدا ہو جائیں گے۔ اس طرح اس کا روپوش رہنا ہی بہتر ہے۔" شہاب نے گردن ہلائی اور بولا۔

"ہاں...... ان تمام چیزوں کا مجھے اندازہ ہے۔ بہر حال ہم پہلے ذخیرے کی تباہی کے لئے ایک جگہ منتخب کر لیتے ہیں...... آپ لوگوں کا مشورہ شامل ہو جائے گا تو بہت بہتر رہے گا۔"

اور اس کے بعد وہ سر جوڑ کر بیٹھ گئے...... خانم نے جس پہلے ذخیرے کی نشاندہی کی تھی، اسی کو ٹارگٹ بنانے کا فیصلہ کیا گیا اور شہاب نے اپنا منصوبہ پیش کرتے ہوئے کہا۔

"سب سے پہلے ہم لوگ اس جگہ کا جائزہ لئے لیتے ہیں...... اس کے لئے ایک چھوٹا سا سروے مناسب ہوگا اور میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں میں سے کوئی یہ ذمہ داری قبول کر لے۔"

"ہم میں سے ہر شخص یہ ذمہ داری قبول کرنے کے لئے تیار ہے۔"

"خیر یہ فیصلہ آپ لوگ خود ہی کر لیں گے...... ظاہر ہے میں آپ کو احکامات تو نہیں دے سکتا۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں، شہاب صاحب...... آپ ہمیں احکامات دے سکتے ہیں۔ آپ کو اس کے مکمل اختیارات ہیں۔"

"مگر کوئی ایسی بات ہو جس میں فیصلہ مجھے کرنا ہو تب تو ٹھیک ہے...... آپ لوگ خود رح سے سمجھدار ہیں...... یہ کوئی ایسا اہم مسئلہ نہیں تھا کہ اس پر بحث ہوتی...... بعد کے ے معاملات کو زیر غور لایا گیا...... خاص طور سے اسلحے وغیرہ کی ضرورت کے بارے میں بات حاصل کی گئی تو شہاب نے کہا۔

"اس کا میرے خیال میں معقول بندوبست ہو چکا ہے۔ پہلے آپ لوگوں میں سے کوئی م کر لے...... مجھے مفصل رپورٹ دے دی جائے...... سحر شاہ سے بھی مشورہ ضروری

"بہر حال وہ لوگ شہنشاہ کی ہدایت کے مطابق یہاں پہنچے تھے، جو انہیں بینا سے موصول تھی اور انہیں اس ہدایت کے مطابق پہلے کی مانند شہاب کے زیر اثر کام کرنا تھا...... سحر را دیر سے ہی واپس آیا تھا، معذرت کرتے ہوئے بولا۔

"بس کچھ نہ کچھ کام نکل ہی آتا ہے...... مجھے افسوس ہے کہ دیر ہو گئی...... کہئے شہاب ب کیسی میٹنگ رہی۔"

"تسلی بخش...... ویسے سحر شاہ، خانم شرجیلہ پر ہمیں بہت زیادہ اعتماد کرنا پڑ رہا ہے۔" ہاب نے خانم شرجیلہ سے ہونے والی تمام گفتگو سحر شاہ کو بتائی اور وہ سوچ میں ڈوب گیا، نے کہا۔

"آج بھی میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ خانم شرجیلہ ایک محبّ وطن عورت ہے اور نیک ے اپنے آپ کو ان کاموں کے لئے وقف کر رہی ہے...... ویسے جو منصوبہ زیر عمل ہے یال ہے ہم سرکاری طور پر اس کی صحیح انداز میں تعمیل نہ کر سکتے تھے...... اگر ہم اپنے طور وشش کرتے تو آپ یہ سمجھ لیجئے کہ اسے ایک مجرمانہ کوشش قرار دیا جاتا، لیکن شہاب یہ حقیقت ہے کہ اس انداز میں بھی ہم کم از کم ان لوگوں کی کمر تو توڑ سکتے ہیں۔"

شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

"گویا تم اس بات سے متفق ہو؟"

"اگر آپ ہیں تو یقیناً میں بھی ہوں۔" شہاب نے کوئی جواب نہیں دیا...... اصل میں کا بھی طریقہ کار یہی رہا تھا کہ جہاں قانون کی راہ میں رکاوٹیں ہوں وہاں وہ اپنے طور پر رلے اور بچ بچا کر کام کرے، چنانچہ سحر شاہ نے بھی اس کی تصدیق کر دی...... پھر مصروف ہو گیا، وہاں تک جانے کے لئے سردار علی نے اپنے آپ کو پیش کیا تھا اور پھر

دوسرے دن اس نے تمام رپورٹ پیش کر دی۔

"ویران پہاڑی علاقہ ہے، لیکن اس قسم کے نشانات ملتے ہیں جس سے یہ احساس ہو کہ ان غاروں تک آمدورفت جاری رہتی ہے اور ظاہر ہے وہاں تک آنے جانے والے کون لوگ ہوں گے۔ اس کے بارے میں ہمیں سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"تم نے ان راستوں کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا ہے۔"

"جی شہاب صاحب...... آپ بالکل مطمئن رہیں، اگر آپ مجھے اس آپریشن کی کمانڈ دے دیتے ہیں تو میں انشاءاللہ تعالیٰ اسے بخوبی سرانجام دوں گا۔"

"ٹھیک ہے مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔" پھر پروگرام کے مطابق خانم سے رابطہ قائم کیا گیا اور خانم نے نہایت اعتماد کے ساتھ ان سے کہا۔

"شہاب صاحب یہ ضروری اشیاء آپ کو ایک مقررہ مقام پر مل جائیں گی...... براہ کرم اس کے لئے کوئی بندوبست کر لیجئے۔"

"ٹھیک ہے میں آپ کے مقرر کردہ مقام سے وہ اشیاء آپ سے حاصل کر لوں گا۔"

"میں مکمل طور پر آپ کو اپنے تعاون کا یقین دلاتی ہوں۔" سحر شاہ نے شہاب سے کہا۔

"یہ تو لازمی امر ہے شہاب صاحب کہ میں بھی آپ کے ساتھ رہوں گا...... اب ج انداز میں بھی آپ کہیں۔"

"نہیں سحر شاہ یہاں مجھے تم سے اختلاف ہے۔"

"جی سر۔"

"تم یہاں باڑی میں ایک ذمہ دار پولیس آفیسر ہو...... ہم نہیں کہہ سکتے کہ صور حال کیا رہے...... تم اگر کسی ایسی کوشش میں ملوث پائے گئے تو تمہارے لئے بڑے مشکل حالات پیدا ہو جائیں گے، جبکہ تمہیں اپنے طور پر اپنے علاقے کے تھانے میں مستعد چاہئے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ رپورٹ تم تک پہنچے...... تم اپنے طور پر تفتیش کے لئے آپ کو وقف کر دو گے...... میرا مطلب سمجھ رہے ہو ناں۔" سحر شاہ نے دلچسپ نگاہوں شہاب کو دیکھا اور بولا۔

"آپ یقین کیجئے میں نے اس نقطے پر غور نہیں کیا تھا۔"

وہ مقام جس کے بارے میں بعد میں خانم شرجیلہ نے شہاب کو اطلاع دی تھی، ایک پہاڑی علاقے ہی میں تھا اور جس شخصیت نے دستی بموں، بہترین قسم کی رائفلوں اور بارود کے بڑے بڑے بموں کا ذخیرہ شہاب کے حوالے کیا تھا وہ خانم شرجیلہ خود تھی...... شہاب نے حیرت سے کہا۔

"آپ کے ساتھ کوئی اور موجود نہیں ہے، خانم؟"

"بات اصل میں یہ ہے ڈیئر شہاب کے جو انسان خود پر بھروسہ نہ کر سکے وہ کبھی کامیابی نہیں حاصل کر سکتا، چونکہ یہ ابتدا ہے اور اس ابتدا کے بعد اور بھی بہت کچھ ہوگا...... اس لئے میں نے اس میں کسی کو اپنا رازدار نہیں بنایا۔"

"لیکن خانم...... یہ تمام چیزیں یہاں تک آپ لے کر آئی ہیں۔"

"میں بہت مضبوط عورت ہوں...... اس لئے تم اس کی فکر مت کرو...... میں اپنے آپ کو اس مشن میں تمہارا شریک سمجھ رہی ہوں...... یہ الگ بات ہے کہ میں نے اپنا عمل محدود رکھا ہے۔"

"بے حد شکریہ خانم۔" پھر شہاب اپنے مشن پر چل پڑا تھا...... انہیں پیدل ہی یہ سفر اختیار کرنا تھا...... کسی ذریعے کو استعمال کرنا خطرناک ہو سکتا تھا، چنانچہ شہاب کی کمانڈ میں وہ لوگ دُور دُور تک بکھر گئے اور مقررہ علاقے میں پہنچ کر ان چٹانوں اور ٹیلوں کی آڑ میں پھیل گئے جو انہیں پناہ دے سکتے تھے...... تاحد نظر ویرانی اور سناٹے کا راج تھا...... وہ لوگ پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے تھے...... جنگل اور پہاڑ خاموش کھڑے ہوئے تھے اور ان کا رخ انہی غاروں کی جانب تھا...... یہ بات تو ناممکن تھی کہ وہاں کچھ لوگ پہرے پر موجود نہ ہوں اور

ان کا اندازہ درست ہی نکلا...... غالباً احتیاط کے پیش نظر وہاں پہرہ بے شک رکھا جاتا تھا، لیکن افراد زیادہ نہیں ہوتے تھے، چنانچہ وہ لوگ آہستہ آہستہ ان کے قریب پہنچتے چلے گئے... وہ دو افراد جو ہاتھوں میں رائفلیں لئے گشت پر تھے، کسی ایسے خطرناک حادثے سے بے خبر اپنے کام میں مصروف تھے...... سب سے پہلا وار شوکت نے کیا اور دوسرا فراز نے اور ان دونوں نے انہیں قبضے میں کرلیا...... شہاب کی ہدایت تھی کہ بے مقصد کوئی قتل نہ کیا جائے، بلکہ کوشش کی جائے کہ اپنا کام کر کے خاموشی سے وہاں سے واپسی ممکن ہو سکے، چنانچہ ان دونوں افراد کو بے ہوش کر کے ان پہاڑی غاروں سے دُور لے جایا گیا، جن میں منشیات کے ذخائر موجود تھے...... پھر انہیں چٹانوں کی آڑ میں ڈال دیا گیا، تاکہ وہ زخمی نہ ہو سکیں...... تمام انتظامات مکمل تھے...... پھر غار کے اس دہانے سے اندر داخل ہونے کے لئے خاص جدوجہد کرنا پڑی...... ان لوگوں نے بھی کام اتنا آسان نہیں رکھا تھا بلکہ باقاعدہ وہاں تیاریاں کر کے بندوبست کیا گیا تھا، چنانچہ وہ ذخیرہ گاہ میں داخل ہو گئے...... یہاں دیواروں پر مشعلیں لگی ہوئی تھیں...... ایک مشعل روشن تھی جو اس وسیع غار کو مدہم مدہم روشنی بخش رہی تھی، لیکن دوسری مشعلوں کا بھی اندازہ ہو رہا تھا...... شہاب نے وہاں موجود بڑے بڑے کارٹن اور لکڑی کی پیٹیاں دیکھیں اور اس کے بعد وہ لوگ ان پیٹیوں میں موجود چیزوں کا جائزہ لینے لگے...... شہاب نے ایک ٹھنڈی سانس لی تھی...... حشیش اور اس سے بنائی ہوئی دوسری اشیاء وہاں کثیر تعداد میں موجود تھیں اور یہ وہ زہر تھا جو انسانوں کے جسموں میں منتقل ہونے والا تھا...... انہیں زندگی سے محروم کرنے کے لئے، شہاب نے وقت ضائع نہیں کیا...... بارود کے ڈھیر جگہ جگہ لگائے گئے اور اس کے بعد وہ سب اپنے کام سے فارغ ہو کر باہر نکل آئے...... پھر چند دستی بم اندر پھینکے گئے اور پہاڑ خوفناک آوازوں سے گونج اُٹھے...... پھر آگ کے شعلے باہر کی جانب لپکے اور خوفناک دھماکے ہونے لگے...... شہاب کو اندازہ ہو گیا کہ کام مکمل ہو چکا ہے، چنانچہ ٹرانسمیٹر پر اس نے سب کو یکجا ہو جانے کے لئے کہا اور ڈبل او گینگ کے تمام افراد ان غاروں سے کافی فاصلے پر آ کر غاروں کی تباہی کا منظر دیکھنے لگے...... زمین لرزنے لگی تھی...... ضرورت سے زیادہ ہی بارود وہاں ذخیرہ کر دیا گیا تھا، لیکن یہ بہتر ہی بات تھی، کیونکہ اس کے بعد اس ذخیرہ گاہ میں کچھ موجود رہنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا...... غار کے دہانے سے آگ کے شعلے باہر کی جانب لپک رہے تھے اور شہاب کو اندازہ

ہو گیا تھا کہ اس کا کام مکمل ہو چکا ہے، چنانچہ اس اندازے کے بعد انہوں نے وہاں سے واپسی کے لئے قدم بڑھا دیئے...... پھر تقریباً دو کلومیٹر کا فاصلہ ابھی انہوں نے طے نہیں کیا تھا کہ اچانک ہی ایک غار کے آس پاس خوفناک فائرنگ کی آواز سنائی دی...... غالباً سب مشین گن سے گولیاں برسائی جا رہی تھیں...... وہ لوگ ٹھٹک کر رہ گئے...... شہاب اور اس کے ساتھی گولیوں کی آوازیں سن رہے تھے...... شہاب نے حیران لہجے میں کہا۔

"یہ کون لوگ آ گئے؟"

"غالباً وہ کسی غلط فہمی کا شکار ہیں۔"

"مگر وہاں تو ہمیں صرف دو افراد نظر آئے تھے۔"

"ہاں تھے تو دو ہی۔"

"پھر یہ گولیاں؟"

"باقاعدہ مقابلہ ہو رہا ہے۔"

"غالباً وہ کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں۔"

"خیر ہم کیا کہہ سکتے ہیں لیکن تمہارا کیا خیال ہے جائزہ نہ لیا جائے۔"

"دیکھ لیجئے آپ سوچ لیجئے۔" توصیف نے جواب دیا...... وہ لوگ اپنی جگہ ساکت ہو گئے تھے اور تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دُور دُور تک دیکھ رہے تھے...... گولیوں کی آوازیں اب بھی سنائی دے رہی تھیں اور کھلے میدان میں پہاڑوں کے قریب انہیں چنگاریاں لپکتی ہوئی نظر آ رہی تھیں...... غالباً دو طرفہ فائرنگ ہو رہی تھی اور یہ اندازہ ایک لمحے میں ہو گیا تھا کہ فائرنگ کرنے والے وہ صرف دو افراد نہیں تھے...... ہو سکتا ہے ان کا کوئی گروپ آس پاس ہی موجود ہو اور ادھر چڑھ دوڑا ہو، لیکن مقابلہ کرنے والے کون تھے...... یہ بات سمجھ میں نہیں آئی تھی...... شہاب نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔

"اب ایسا کرو تم لوگ سحر شاہ کی رہائش گاہ پر واپس چلے جاؤ۔"

"صرف ہم۔" فراز حیرت سے بولا۔

"ہاں فراز...... پلیز جاؤ اور پھرتی سے جاؤ اور بچتے ہوئے جاؤ، خبردار احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔"

"لیکن سر آپ۔"

”بس تھوڑی دیر تک میں پہنچتا ہوں...... یہ جائزہ لے کر کہ وہاں کیا صورت حال پیش آئی ہے...... ہم سب اگر اس طرف بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمارے لئے مشکلات پیدا ہو جائیں گی...... میں تنہا اس سلسلے میں زیادہ مناسب طریقے سے کام کر سکتا ہوں۔“

”سر آپ اپنا خیال رکھئے گا۔“

”فکر مت کرو۔“ شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا...... وہ لوگ وہاں سے واپس چل پڑے...... شہاب کچھ لمحے سوچتا رہا، اندھیرے میں اس نے دُور دُور تک کا جائزہ لیا اور ایسے پہاڑی ٹیلے منتخب کر لئے جنہیں ایک کے بعد دو اور دو کے بعد تین کے طور پر استعمال کر کے وہ وہاں تک پہنچ سکتا تھا اور اس نے اسی پر عمل شروع کر دیا...... وہ دوڑ کر ایک ٹیلے کی جانب چھلانگ لگاتا اور اس کے بعد اس کی آڑ میں چھپ کر یہ دیکھتا کہ قرب و جوار میں کوئی اس کی جانب متوجہ تو نہیں ہے...... اس طرح اس نے دو فرلانگ کا فاصلہ واپس طے کر لیا، لیکن تھوڑی ہی دُور جا کر اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اب گولیوں کی آوازیں بند ہو گئی ہیں...... غالباً جو ہونا تھا وہاں وہ ہو چکا ہے...... پھر شہ ے دا بس اس جگہ پہنچ گیا اس نے سامنے آنا تو مناسب نہیں سمجھا تھا لیکن بڑی دیر تک احتیاط سے صورت حال کا جائزہ لے کر وہ وہاں سے آگے بڑھا اور یہاں بھی پوزیشن لیتے ہوئے ہی اس جگہ پہنچ گیا جہاں سے وہ چنگاریاں اُڑتی ہوئی نظر آ رہی تھیں اور پھر اس نے جو کچھ دیکھا وہ اس کے لئے ناقابل یقین تھا...... تقریباً چودہ افراد تھے جو خاک و خون میں لوٹ کر ختم ہو چکے تھے...... ان کے جسموں میں گولیوں کے لاتعداد سوراخ تھے...... وہ سب آس پاس ہی پڑے ہوئے تھے، لیکن ان کا مدمقابل کوئی نظر نہیں آیا، یعنی دوسری جانب کوئی ایسی شخصیت نہیں تھی جس کے بارے میں یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ اس نے یا کسی گروہ نے ان لوگوں سے مقابلہ کیا ہے...... وہ لوگ جس پوزیشن میں پڑے ہوئے تھے اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ایک طرف سے مقابلہ کر رہے تھے اور مدمقابل کوئی اور ہی تھا...... بہت دیر تک شہاب صورت حال کا جائزہ لیتا رہا...... ذخیرہ گاہ سے اب بھی شعلے بلند ہو رہے تھے اور ہر چیز جل کر خاکستر ہوتی جا رہی تھی...... شہاب نے ایک ٹھنڈی سانس لی...... یہ مسئلہ وہ حل نہیں کر سکا تھا اور اس کے بعد اس نے واپسی ہی کا فیصلہ کیا اور کچھ دیر کے بعد وہ اپنی رہائش گاہ میں داخل ہو رہا تھا۔

❁ ❁ ❁

تمام لوگ پہنچ چکے تھے اور بے چینی سے شہاب کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے، سب
س کا شکار تھے...... شہاب کے پہنچنے پر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور اس سے صورت
ل معلوم کرنے لگے، تب شہاب نے انہیں بتایا کہ وہاں بے شمار لوگ موت کے گھاٹ
چکے ہیں، وہ کون تھے؟ کہیں اور سے وہاں پہنچے تھے...... یا وہیں کہیں آس پاس ان کا ٹھکانہ
...... یہ بات نہیں معلوم ہو سکی تھی، لیکن بہر حال شہاب نے انہیں بتایا کہ اس نے وہاں
ردہ لاشیں گنی تھیں۔“ وہ سب ششدر رہ گئے۔

”سر اگر دو پارٹیوں میں مقابلہ ہوا تو دوسری پارٹی کا ایک بھی فرد کام نہیں آ سکا۔“

”بات ذرا تعجب خیز ہے لیکن اب غور کرتا ہوں تو ایک اور بات محسوس ہوتی ہے۔“

”کیا بات؟“

”غالباً مشین گن استعمال کی گئی تھی لیکن صرف ایک مشین گن کے چلنے کی آواز سنائی
ی تھی...... باقی شاید پستول وغیرہ استعمال کئے جا رہے تھے...... بہر حال صحیح فیصلہ نہیں
ہو سکا، کافی دیر تک اس موضوع پر گفتگو ہوتی رہی اور اس کے بعد شہاب نے انہیں آرام
رنے کا مشورہ دیا اور خود بھی اپنی آرام گاہ میں پہنچ کر لیٹ گیا نہ جانے کتنی دیر تک وہ سوچوں
یں گم رہا تھا، دوسری صبح اس وقت جاگا تھا...... جب رحیم خان نے اسے جگا کر ناشتے کے لئے
ہا تھا، ناشتے پر سحر شاہ موجود نہیں تھا...... رحیم خان سے معلومات حاصل کرنے پر پتہ چلا کہ
حر شاہ رات کو واپس نہیں آیا اور اس وقت بھی وہ تھانے کی عمارت میں ہی ہے، پھر اس کے
بعد انتظار کرنے کے سوا چارہ کار نہیں تھا، البتہ دوپہر کو ڈھائی بجے کے قریب شہاب کو ٹیلی
فون موصول ہوا، ریسیور رحیم خان نے اُٹھایا تھا اور پھر شہاب کا نام سن کر اسے دے دیا تھا۔“

”کون ہے کیا سحر شاہ۔“ شہاب نے پوچھا۔

”نہیں صاحب کوئی اور ہے۔“ رحیم خان نے جواب دیا، دوسری طرف سے آواز خانم شرجیلہ کی تھی۔

”مسٹر شہاب۔“

”اوہو۔“ شہاب نے کہنا چاہا لیکن فوراً ہی دوسری جانب سے آواز آئی۔

”نہیں تم مجھے میرا نام لے کر نہیں پکارو گے۔“

”جی۔“

”مبارک باد پیش کرتی ہوں۔“

”شکریہ۔“

”معمول کے مطابق اسی جگہ۔“

”جی۔“

”خدا حافظ...... دوسری طرف سے فون بند ہو گیا...... شہاب نے ایک گہری سانس لی تھی...... پھر تقریباً ساڑھے تین بجے سحر شاہ واپس آ گیا...... بری طرح تھکا ہوا لگ رہا تھا...... شہاب کو دیکھ کر آنکھیں بند کر کے ہنستا ہوا بولا“۔

”آپ کی وجہ سے میں بھی شدید مصروف ہو گیا، سولہ لاشیں اُٹھائی ہیں میں نے وہاں سے اور بڑی مشکل صورت حال پیش آ گئی ہے...... لا تعداد لوگ تھانے میں آ کر مجھ سے معلومات حاصل کر چکے ہیں اور میں نے انہیں بڑی تسلی دیتے ہوئے کہا ہے کہ جو کچھ ہوا ہے اس کی پوری تفتیش کی جائے گی...... بہر حال سرکاری فرائض بھی تو پورے کرنے ہوتے ہیں، لیکن خیر کیا بہت زبردست مقابلہ ہوا۔“

”نہیں سحر شاہ بلکہ اس کے برعکس ایک عجیب و غریب بات ہوئی ہے...... اس وقت جب ہم نے اس ٹھکانے پر ریڈ کیا تو وہاں صرف دو آدمی موجود تھے اور کوئی بھی نہیں تھا...... ہم نے انہیں بھی قتل نہیں کیا بلکہ صرف بے ہوش کر دیا تھا...... پھر ہم وہاں سے واپس پلٹ پڑے تھے، تو ہم نے گولیاں چلنے کی آوازیں سنیں...... بعد میں میں نے واپس جا کر دیکھا تو وہاں بہت سی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔“

”یعنی آپ کا مطلب ہے کہ آپ...... یعنی آپ نے یہ سب کچھ نہیں کیا۔“

”نہیں سحر شاہ۔“

”...میرے خدا اس کا مطلب ہے کہ...... کہ...... مگر پھر کیا ہوا۔“

”تم نے وہاں جا کر تفتیش کی۔“

”ہاں مجھے رات ہی کو اطلاع مل گئی تھی۔“

”گڈ کیا اطلاع ملی تھی؟“

”یہی کہ اس علاقے میں زبردست فائرنگ ہو رہی ہے، میں وقفہ دے کر پولیس کو لے کر وہاں پہنچا تو وہاں سے مجھے سولہ لاشیں دستیاب ہوئیں، وقفہ میں نے اس لئے دیا تھا کہ مجھے معلوم تھا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے، لیکن بہر حال میں آپ لوگوں کے لئے فکر مند تھا...... وہ تو میں نے رحیم خان سے معلومات حاصل کی تھیں کہ آپ سب زندہ سلامت واپس آ گئے ہیں...... کیا کوئی ایسی ناگزیر صورت حال ہو گئی تھی کہ ان لوگوں کو ہلاک کرنا پڑا۔“

”میں نے کہا نا ہم نے انہیں ہلاک نہیں کیا، سحر شاہ ویسے یہ تو پتہ چل گیا ہو گا کہ وہ کون لوگ تھے۔“

”مقامی ہی آدمی تھے، ایک سب سے بڑی مشکل یہاں یہ ہے کہ یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ کون کس کے لئے کام کر رہا ہے، بظاہر وہ عام ہی لوگ تھے، یعنی باڑی کے رہنے والے۔“

سحر شاہ نے حیران لہجے میں کہا...... شہاب سوچ میں ڈوب گیا تھا، سحر شاہ خود بھی چکرایا ہوا تھا، بہر حال یہ فیصلہ تو شہاب نے پہلے کر ہی لیا تھا کہ خانم شرجیلہ کے تعاون سے وہ کم از کم ان لوگوں کے ٹھکانے تباہ کر دے گا...... باقی یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی، پھر اس نے سب کچھ ذہن سے نکال دیا اور اس رات بھی اس نے پچھلی رات کے مطابق کام کیا اور خانم شرجیلہ سے وہ تمام چیزیں وصول کرنے کے بعد نقشے کے مطابق اس نئے ٹھکانے کی طرف چل پڑا، پورا گروپ ساتھ تھا، یہ ایک ایسا گودام تھا جو شہر کے درمیان تھا اور یہاں شہاب کو زیادہ مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا، کیونکہ اس گودام کے آس پاس خاصے لوگ نظر آ رہے تھے، لیکن بہر حال شہاب نے اپنا کام سر انجام دیا اور گودام سے آگ اور دھوئیں کے بادل نکلنے لگے...... دھماکے سن کر لوگ وہاں سے دوڑ پڑے تھے اور اس کے بعد شہاب وہاں نہیں رکا تھا اور وہ کامیابی سے اپنا عمل کر کے اپنے ٹھکانے پر واپس آ گئے تھے، لیکن سحر شاہ کا دوسرا دن کا انکشاف بھی بڑا سنسنی خیز تھا...... وہاں تقریباً اٹھارہ افراد کی لاشیں ملی تھیں، جنہیں گولیوں

سے بھون دیا گیا تھا اور وہاں بھی اسی طرح فائرنگ ہوئی تھی...... یہ دوسرا دن شہاب کے لئے بڑا سنسنی خیز تھا، اس دن خانم شرجیلہ نے کہا۔

"بہت بے درد آدمی معلوم ہوتے ہو انسان کو قتل کرتے ہوئے ذرا سی احتیاط کر لیا کرو۔" شہاب نے خانم شرجیلہ کو کوئی جواب نہیں دیا تو خانم شرجیلہ نے کہا۔

"لیکن بہر حال تمہیں اپنا کام مکمل کرنا ہے جو لوگ مر رہے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو نوجوان نسل کے قاتل ہیں اور موت فروخت کرتے ہیں۔" لیکن شہاب کے لئے صورت حال خاصی سنسنی خیز تھی، اس طرح انسانی زندگیوں کا خاتمہ وہ خود بھی نہیں چاہتا تھا، خفیہ طور پر اپنے ساتھیوں سے گفتگو کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"بہر حال یہ صورت حال سنسنی خیز ہے اور میں یہ نہیں سمجھتا کہ یہ کیا معمہ ہے، ہماری ان کوششوں کی آڑ میں کون اپنا کام کر رہا ہے۔"

پھر اچانک ہی شہاب کے ذہن میں ایک احساس اُبھرا اور اس نے پر خیال انداز میں کہا۔

"آج تم لوگوں کو ذرا مختلف کام کرنا ہے، رات کا آپریشن تو میں کروں گا ہی، لیکن تم میں سے کسی ایک کو سحر شاہ کے تعاقب میں رہنا ہے...... وہ سب چونک پڑے تھے...... شوکت نے کہا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا۔" "یعنی کیا اس کام کے پیچھے سحر شاہ بھی ہو سکتا ہے۔"

"دیکھو...... دنیا کے اتنے رُوپ نظر آتے ہیں کہ انسان کچھ سمجھ نہیں پاتا، لیکن سحر شاہ کے بارے میں کم از کم ایک بات میرے ذہن میں ہے کہ وہ علاقے کو صاف کرنے کا بیڑا اُٹھا کر یہاں تعینات ہوا ہے، اسے مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ میں ایک بڑا پولیس افسر ہوں اور اس کی مدد اس شکل میں کر سکتا ہوں، اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر جہاں ایک طرف ہم منشیات کے ان اڈوں کو ختم کرتے ہیں تو سحر شاہ دوسرا کام کر ڈالتا ہے، اس بات کے سو فیصد ہی امکانات موجود ہیں اور جیسا کہ میں نے تم سے کہا کہ پچھلی رات فائرنگ کا جو انداز تھا وہ یوں محسوس ہوتا کہ جیسے کسی ایک فرد نے ایک پورے گروہ کو نشانہ بنا لیا ہو۔"

"اوہ میرے خدا، تو پھر آج کا کیا پروگرام ہے۔"

"پروگرام معمول کے مطابق ہے، ہمیں تیسرا اسٹیشن تباہ کرنا ہے لیکن آج سحر شاہ پر نظر

رکھو گے کہ وہ کیا کرتا ہے...... کہاں رہتا ہے...... تیسرے اسٹیشن کی تباہی بھی اسی قدر ہولناک تھی اور آج کی رات دوسری تمام راتوں سے زیادہ خوفناک تھی، کیونکہ تیسرے اسٹیشن پر صرف تین افراد کی لاشیں ملی تھیں، لیکن تقریباً گیارہ افراد کے گروہ کو ایک مکان میں قتل کر دیا گیا تھا اور یہ مکان اس تیسرے اسٹیشن سے قریب ہی موجود تھا...... شہاب کو راتوں پسینے آ رہے تھے...... یہ خوفناک قتل عام تو بڑا سنسنی خیز تھا اور باڑی کی آبادیوں میں ایک عجیب سی دہشت پھیل گئی تھی جس کا اظہار صاف ہوتا تھا، لیکن شوکت نے سحر شاہ کے بارے میں جو اطلاع دی اس نے شہاب کو ذہنی طور پر خاصا مضطرب کر دیا تھا، شوکت نے بتایا کہ سحر شاہ ساڑھے بارہ بجے اپنے کوارٹر سے نکلا جو اسے تھانے کی عمارت میں دیا گیا تھا اور تھانے کی دیوار کود کر رات کی تاریکی میں غائب ہو گیا تھا...... پھر اس کا کہیں پتہ نہیں چلا تھا...... شہاب کو چکر آنے لگے، اس میں کوئی شک نہیں کہ ان لوگوں کے بارے میں جو رپورٹیں مل رہی تھیں وہ یہی تھیں کہ قتل ہونے والے جرائم پیشہ لوگ تھے اور باڑی میں بڑے بڑے سمگلروں کے گروہوں کے نمائندے تسلیم کئے جاتے تھے، وہ ظالم لوگ تھے اور انہوں نے باڑی کی آبادی کو اپنی خوفناک کارروائیوں کا نشانہ بنا رکھا تھا لیکن ان کے خلاف کوئی کچھ بول نہیں سکتا تھا اور شہاب کو یہ یقین ہو گیا کہ سحر شاہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ان لوگوں کی صفائی کر رہا ہے جو بعد میں اس کے راستے میں آ سکتے ہیں، لیکن پھر بھی یہ ایک خطرناک جرم تھا چاہے کوئی پولیس افسر ہی کیوں نہ کر رہا ہو، البتہ سحر شاہ سے اسے جس طرح تعاون ملا تھا اس کے تحت وہ براہ راست سحر شاہ پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا، بلکہ اسے اس سلسلے میں خود بھی کارروائی کرنی تھی، چنانچہ اس نے اپنے طور پر منصوبہ بندیاں شروع کر دیں اور چوتھی رات کا آپریشن ذرا بالکل مختلف قسم کا تھا، اس میں شہاب نے براہ راست حصہ نہیں لیا تھا بلکہ وہ سحر شاہ کا تعاقب کرتا رہا تھا اور پھر اس رات اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ سحر شاہ آرام سے جا کر اپنے کوارٹر میں سو گیا تھا اور باہر نہیں نکلا تھا...... شہاب نے کئی مرتبہ سخت جدوجہد کر کے اس کا جائزہ لیا تھا لیکن دوسرے دن بھی جب اسے اسی قتل عام کی اطلاع ملی اور پتہ یہ چلا کہ بہت سے افراد پھر شکار ہو گئے ہیں تو وہ شدید ہیجان کا شکار ہو گیا...... اگر سحر شاہ اس قتل عام میں ملوث ہے تو رات کو وہ اسے جل دے کر کیسے نکل گیا...... ہو سکتا ہے کوئی چالاکی کی گئی ہو اور سحر شاہ اسے دھوکہ دے کر نکل گیا ہو، لیکن اب اس سلسلے میں سحر شاہ کی

گرفت ضروری تھی، آج پانچواں اور آخری آپریشن تھا جو اسے کرنا تھا، لیکن شہاب ذہنی طور پر اُلجھا ہوا تھا، ان لوگوں کا قتل عام بہر حال اس کے مزاج کے خلاف تھا...... وہ یقینی طور پر اس سلسلے میں بے گناہ تھے اور کسی بھی طور شہاب اس بات کو پسند نہیں کر سکتا تھا...... سحر شاہ اگر یہ کر رہا ہے تو وہ قانون کا مجرم بن چکا ہے...... کسی کو اس طرح سے انسانوں کی زندگی سے کھیلنے کا حق نہیں ہے...... بے شک یہ لوگ مجرم تھے لیکن فیصلے عدالتوں میں ہوا کرتے ہیں...... اپنے ہاتھوں سے یہ فیصلے کرنا ایک مجرمانہ عمل ہی تھا...... سحر شاہ پہلے اس سلسلے میں ذاتی طور پر کوئی قدم نہیں اُٹھا سکتا تھا، لیکن اب جب اسے شہاب کی مدد حاصل ہوئی تو اس نے اس کی آڑ میں یہ خوفناک کھیل کھیل ڈالا...... بے شک میں اسے بدنیت نہیں کہہ سکتا تھا، کیونکہ وہ خود بھی قانون کی برتری چاہتا تھا لیکن کچھ بھی ہو جائے ہر شخص کا اپنا ایک مقام ہوتا ہے اور یہ عمل بالکل غلط ہے لیکن دو رپورٹیں ایسی تھیں جو سحر شاہ کو اس عمل کا ذمہ دار قرار نہیں دیتی تھیں...... شہاب بہت دیر تک اُلجھن میں ڈوبا رہا...... پھر اچانک ہی اس کے ذہن میں ایک اور خیال آیا...... ممکن ہے سحر شاہ اس سلسلے میں ملوث نہ ہو، بلکہ حالات کی بنا پر اس کو اس عمل کا مرتکب سمجھ لیا گیا ہو...... کیا کوئی دوسری شخصیت بھی ایسی ہو سکتی ہے...... پھر ایک بہت ہی غیر حقیقی سوچ شہاب کے ذہن میں اُبھری...... دوسری شخصیت اگر اس سلسلے میں کوئی شک کا شکار ہو سکتی ہے تو وہ خانم شرجیلہ ہے کیونکہ خانم شرجیلہ نے بھی اس سلسلے میں بڑی اہمیت کا ثبوت دیا تھا اور جو کچھ وہ کر رہی تھی...... وہ قابل قدر تھا، کیا خانم شرجیلہ بھی اس سلسلے میں مشکوک ہو سکتی ہے...... کسی بھی کام کو ذہن میں رکھ کر سوچنا ضروری ہوتا ہے...... سحر شاہ کا تعاقب تو کر چکا تھا اور ابھی تک اس کے بارے میں ٹھوس ثبوت حاصل نہیں ہو سکے تھے، لیکن آج پانچواں اور آخری آپریشن تھا اس کے بعد نئی منصوبہ بندیاں کرنی تھیں...... کیوں نہ خانم کو بھی ایک نگاہ دیکھ لیا جائے تاکہ شک کا کوئی خانہ خالی نہ رہے اور شہاب نے اس سلسلے میں فوری طور پر نئی منصوبہ بندیاں شروع کر دیں...... اس کے لئے سب سے پہلے ڈبل او گینگ کے سب افراد کو مستعد کرنا تھا، کیونکہ اب بازی کے چپے چپے پر مسلح افراد کو دیکھا جا رہا تھا، جو اس صورت حال کی نگرانی کر رہے تھے اور کوئی بھی لمحہ ایسا آ سکتا تھا جب ڈبل او گینگ کے افراد کو نقصان پہنچ سکے، چنانچہ شہاب نے ڈبل او گینگ کے افراد سے رابطہ قائم کر کے کہا۔

"آپریشن کی تیاریاں مکمل ہیں؟"

"جی مسٹر شہاب۔"

"سنو...... آج تم معمول کے مطابق آپریشن کے لئے نکلو گے، میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں گا، لیکن تھوڑی دیر اِدھر اُدھر گھومنے کے بعد تم واپس آ جاؤ گے۔"

"کیا مطلب سر...... آپریشن نہیں ہو گا؟"

"آج نہیں...... اس کے بارے میں نئی ہدایات کا انتظار کرنا ہو گا تمہیں، لیکن طریقہ کار میں ذرا بھی تبدیلی نہ ہو...... کسی کو بھی اس بات کا احساس نہ ہو کہ آج تم آپریشن نہیں کر رہے۔"

"جیسا آپ کا حکم شہاب صاحب۔" فراست نے کہا۔

"سب لوگوں کو میرا پیغام دے دو، لیکن باقی کاموں میں کوئی تبدیلی نہیں ہو گی۔"

شہاب بس یہ آخری قدم اٹھا رہا تھا...... اس کے بعد اسے مزید فیصلے کرنے تھے، چنانچہ وقت کا انتظار کیا جاتا رہا اور پھر مقررہ وقت پر وہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں خانم شرجیلہ نے اس سے ملاقات کا وعدہ کیا تھا...... وہ چند افراد اس کے ساتھ تھے جن کا تعلق ڈبل او گینگ سے تھا...... انہیں باقی سارے کام معمول کے مطابق ہی کرنے تھے...... خانم شرجیلہ نے مسکراتی نگاہوں سے شہاب کو دیکھا اور کہا۔

"تم اس قدر حیرت انگیز انسان نکلو گے، میں نے خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا تھا...... تم یقین کرو جب بھی تمہارے بارے میں سوچتی ہوں ذہن عجیب سی کیفیت کا شکار ہو جاتا ہے...... اصل میں ڈیئر شہاب جیسا کہ تمہارے علم میں ہے کہ میں خود بھی ایک تنہا عورت ہوں...... میرے دل میں جو جذبے پوشیدہ ہیں اس کے بارے میں تمہیں بتا بھی نہیں سکتی، البتہ ایک پیش کش کرنا چاہتی ہوں۔"

"کیسی پیش کش خانم۔"

"ہنسو گے تو نہیں میری بات پر۔"

"نہیں میں آپ کا بے حد احترام کرتا ہوں۔"

"شہاب محکمہ پولیس میں یا تمہارا تعلق جس ایجنسی سے بھی ہے یقینی طور پر تمہیں بہت بڑی حیثیت حاصل ہو گی اور تم جیسی اعلیٰ کارکردگی کے مالک شخص کو سر آنکھوں پر بٹھایا جاتا

ہو گا...... پھر اس میں تمہارا ایک مستقبل بھی ہے...... لازمی بات ہے کہ مستقبل تمہیں عزیز بھی ہو گا...... محبِ وطن بھی ہو اور وطن کے لئے محنت کرتے ہو...... مجھے ایک سوال کا جواب دینا پسند کرو گے۔"

"جی خانم۔" شہاب نے کہا۔

"کیا اس ملازمت کے سلسلے میں تمہارے ذہن میں اس آمدنی کا تصور بھی ہے جو تمہیں اس ملازمت سے حاصل ہوتی ہے۔"

"کیوں نہیں خانم۔" شہاب نے جواب دیا۔

"مائی ڈیئر شہاب تمہیں تمام آسانیوں کے حصول کے ساتھ ساتھ ماہانہ آمدنی کم از کم کتنی ہو جاتی ہے۔"

"مردوں سے ان کی آمدنی نہیں پوچھی جاتی خانم۔"

شہاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا، خانم ہنسنے لگی اور پھر بولی۔

"لیکن جو آمدنی تمہیں ہوتی ہے اسے اگر دس سے ضرب دے دیا جائے اور تمہیں پیش کش کی جائے کہ مسٹر شہاب اپنی وہ ملازمت چھوڑ کر ایک اور اعلیٰ حیثیت اختیار کر لیں تو کیا تم اس پر سوچ سکتے ہو۔"

"بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی خانم۔"

"فرض کرو میں تمہیں یہ پیش کش کرتی ہوں...... تم سے دس سال کا معاہدہ کرتی ہوں اور کہتی ہوں تم میرے ساتھ کام کرو...... معمولی سے معمولی پیمانے پر تمہاری موجودہ آمدنی سے دس گنا آمدنی تو میں تمہیں اپنے طور پر پیش کیا کروں گی...... اس کے علاوہ اس بات کے امکانات ہیں کہ ہم اور تم مل کر کوئی ایسا کام تلاش کریں جس میں ہمارا مشترکہ مفاد ہو...... لاکھوں روپے ماہانہ کما سکتے ہو تم شہاب...... اس پیش کش کو ذہن میں رکھنا بظاہر مجھے خود بھی اس پر ہنسی آتی ہے...... لیکن پھر بھی۔"

"سوچنے کی بات ہے خانم سوچا جا سکتا ہے اس موضوع پر۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بہتر ہے کہ یہاں سے واپسی سے پہلے تم اس بارے میں سوچ لو اور میرے اور تمہارے درمیان کوئی عمدہ سا معاہدہ ہو جائے۔"

"نہیں واقعی ہم اس پر غور کر سکتے ہیں۔" شہاب نے کہا۔ "گڈ ویری گڈ...... اچھا دیکھو یہ مطلوبہ چیزیں موجود ہیں...... انہیں اپنی تحویل میں لے لو...... وقت ہو رہا ہے۔" خانم ہر آپریشن سے پہلے ضرورت کی تمام چیزیں اس کے حوالے کرتی تھی...... معمول کے مطابق شہاب کے ساتھیوں نے وہ اشیاء سمیٹیں اور خفیہ طور پر وہاں سے چل پڑے۔ شہاب بھی ان کے ساتھ ہی پلٹا تھا...... ضروریات کی تمام چیزیں موجود تھیں، چنانچہ شہاب نے خانم کو خدا حافظ کہا اور خانم وہاں سے چل پڑی، لیکن آج کی کیفیت مختلف تھی...... شہاب جیسی شاندار شخصیت اس سلسلے میں اگر اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ نہ کرتی تو پھر اور کون ہو سکتا تھا...... خانم کے پاس ایک شاندار لینڈ روور تھی، جسے وہ خود ہی ڈرائیو کرتی ہوئی آئی تھی...... شہاب سے رخصت ہونے کے بعد وہ لینڈ روور کی جانب بڑھی تو شہاب نے برق رفتاری سے لینڈ روور کی جانب دوڑ لگا دی...... خانم کو احساس بھی نہیں ہو سکا کہ لینڈ روور کی چھت پر کوئی چڑھ گیا ہے...... شہاب کسی چھپکلی کی طرح لینڈ روور کی چھت سے چپکا ہوا تھا...... رات کا وقت تھا اور فضا میں تاریکیاں اتری ہوئی تھیں...... بس اتنی ہی کارکردگی کافی تھی کہ شہاب لینڈ روور تک پہنچ جائے اور خانم کو احساس نہ ہو...... وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو گیا تھا...... لینڈ روور اچھلتی کودتی سفر کرتی رہی اور شہاب اپنی تمام تر مہارت کے ساتھ اس کی چھت سے چپکا رہا...... باقی افراد واپس جا چکے تھے...... کچھ دیر کے بعد لینڈ روور خانم کی رہائش گاہ میں داخل ہو گئی...... گیٹ کے چوکیداروں نے گیٹ کھولا تھا، لیکن لینڈ روور کی چھت اتنی بلند تھی کہ نیچے کھڑے ہوئے چوکیدار اس کی چھت پر کسی کو دیکھ نہ پائے...... ہاں اگر کسی بلند جگہ سے کوئی لینڈ روور کی چھت پر نگاہ ڈال لیتا تو شہاب کا راز کھل سکتا تھا...... بہر حال خطرات مول لئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں تھا...... لینڈ روور پورچ میں جا رکی اور خانم اتر کر اندر داخل ہو گئی...... شہاب برق رفتاری سے پھسلتا ہوا نیچے آیا اور اس کے بعد ایسی آڑ تلاش کرنے لگا جہاں وہ کسی کی نگاہوں میں نہ آ سکے...... بہت بڑی عمارت تھی، شہاب کو اس میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی...... کچھ لمحے چھپے رہنے کے بعد جب اس نے ماحول میں خاموشی اور سناٹا محسوس کیا تو عمارت کے اندرونی حصے میں داخل ہو گیا...... پھر مختلف راہداریوں کی تلاشی لینے کے بعد اسے وہ کمرہ نظر آ گیا جو خانم کی آرام گاہ تھی...... ایک انتہائی خوبصورت بیڈ روم جس میں فرنیچر کا تذکرہ بیکار ہے، چونکہ خانم جیسی دولت مند عورت کے بیڈ روم کا فرنیچر

جس انداز کا ہو سکتا تھا یہ بالکل ویسا ہی تھا...... شہاب کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جہاں سے وہ اندر کے ماحول کا جائزہ لے سکے...... پھر اسے وہ روشن دان نظر آگیا جو دوہری چھت کے درمیان بنا ہوا تھا، یعنی ایک چوڑا بارڈر اس کے اوپر چھت، درمیان میں خالی حصہ اور اس خالی حصہ میں ایک بڑا سا روشن دان شہاب دل ہی دل میں ہنس پڑا...... اس نے سوچا کہ اگر ایسے روشن دان نہ ہوں تو زندگی کتنی مشکل ہو جائے...... ایسے روشن دان ہی تو کارآمد ہوا کرتے ہیں...... روشندان میں شیشے وغیرہ لگے ہوئے تھے، لیکن اس انداز کے کہ انہیں آسانی سے ہٹایا جا سکے اور اندر داخل ہونے میں کسی کو کوئی دقت نہ ہو...... شہاب نے بے آواز شیشہ ہٹا کر اوپر کر دیا اور پھر اس ڈبل چھتی پر لمبا لمبا لیٹ گیا...... اس کا چہرہ روشن دان میں تھا...... خانم ایک آرام کرسی پر نیم دراز تھی...... اس کی آنکھیں بند تھیں اور کرسی آہستہ سے جھول رہی تھی...... شہاب یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ خانم اب یہاں سے کہاں جاتی ہے...... ظاہر بات ہے اسے اس بات کا علم تھا کہ آج پانچواں آپریشن ہو رہا ہے...... اگر قتل عام میں اس کا کوئی ہاتھ ہے تو یقینی طور پر وہ یا تو خود یہاں سے باہر نکلے گی یا کسی سے کوئی رابطہ قائم کرے گی...... بس ایک شبہ جسے شہاب دُور کر لینا چاہتا تھا، کیونکہ یہاں صرف ان دو کرداروں کے علاوہ ان منشیات فروشوں کا کوئی دشمن نہیں تھا، لیکن اگر خانم بھی اس سلسلے میں ملوث نہ ہوئی تو پھر کیا کرنا پڑے گا...... اس نے ہمت نہیں ہاری...... خانم بھی اس انداز میں بیٹھی ہوئی تھی جیسے اپنا کام ختم کرنے کے بعد آرام نہ کرنا چاہتی ہو...... یہ چیز شہاب کو تھوڑی سی تقویت دے رہی تھی...... کافی دیر اسی انداز میں گزر گیا...... خانم نے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا اور اس کے بعد اچانک اپنی جگہ سے اُٹھ گئی...... شہاب چونک کر سنبھل گیا تھا۔

خاصی بلند جگہ یہ عمارت بنی ہوئی تھی اور اس تک پہنچنے کے لئے صرف ایک ہی راستہ تھا...... ایک پتلی سڑک جو اُوپر کی سمت آتی تھی...... باقی عمارت کے چاروں طرف وسیع و عریض دیوار قائم کی گئی تھی...... ایک مخصوص طرز تعمیر تھا، جو عام حالات میں دیکھنے میں نہیں آتا...... سڑک کے دونوں سمت بھی کوئی آٹھ آٹھ فٹ اونچی پتھروں کی دیوار بنی ہوئی تھی...... نیچے ایک چیک پوسٹ جیسی جگہ تھی، جس کے دونوں طرف کیبن بنے ہوئے تھے...... ان کیبنوں میں مسلح افراد موجود ہوا کرتے تھے، لیکن اس وقت یہ لوگ کیبنوں سے

ر تھے اور آنے والی ہر گاڑی کو اچھی طرح چیک کر کے اندر داخل ہونے دے رہے ...... کئی گاڑیاں اس سڑک سے گزر کر عمارت کے احاطے میں جا چکی تھیں...... گیٹ کے کیداروں کا اندر سے رابطہ تھا...... وہ ہر آنے والے کے بارے میں بتاتے تھے...... اس کار بھی ایک شخص سوار تھا اور لمبے چوڑے قد و قامت کے مالک اس شخص کے سر پر سمور کی پی تھی...... چوکیدار نے موبائل پر اندر سے رابطہ قائم کیا۔

"دانی شاہ۔"

"کتنے افراد ہیں۔"

"تنہا۔" اس شخص نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے...... دوسری طرف سے آواز آئی اور چوکیدار نے موبائل بند کر دیا...... ڑک کی رکاوٹ ہٹا دی گئی اور کار فرسٹ گیئر میں اوپر چڑھنے لگی...... کچھ دیر کے بعد وہ نگ میں دوسری کاروں کے درمیان جا کھڑی ہوئی...... کار سے اترنے والا دانی شاہ ہی ...... بالکل تنہا اپنے انداز سے عجیب و غریب کیفیت کا شکار...... بہر حال کار سے اترنے کے وہ آہستہ قدموں سے چلتا ہوا عمارت کی جانب بڑھ گیا...... صدر گیٹ پر بھی دو مسلح افراد جود تھے جنہوں نے جلدی سے دروازہ کھولا...... دانی شاہ دروازے سے اندر داخل ہو کر ی راہداری سے گزر کر اس بڑے دروازے پر پہنچ گیا جو کھلا ہوا تھا اور یہاں بھی دو کیدار موجود تھے...... انتہائی سخت حفاظتی انتظامات کئے گئے تھے...... دروازے کے دوسری ب ایک بڑا سا ہال تھا، جس میں تیز روشنیاں جگمگا رہی تھیں...... ہال کے درمیان ایک میز ی ہوئی تھی اور اس میز کے گرد تقریباً چودہ افراد بیٹھے ہوئے تھے...... شاید یہ آخری ہی ٹ خالی تھی، جو دانی شاہ کے لئے تھی...... دانی شاہ اندر داخل ہوا...... کسی نے کوئی جملہ نہ ...... دانی شاہ خالی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا...... سب خاموش تھے اور سب کے چہرے ایک ب سی کیفیت کا شکار نظر آرہے تھے...... کچھ دیر یہ خاموشی رہی پھر ان میں سے ایک شخص بھاری آواز میں کہا۔

"گیٹ بند کر دو...... ہمارے معزز مہمان پورے ہو چکے ہیں اور ہال کا گیٹ بند کر دیا ...... ان سب کے چہرے لٹکے ہوئے تھے اور ان پر تشویش کے آثار نظر آرہے تھے...... شاہ بھی خاموش تھا، جس شخص نے گیٹ بند کرنے کے لئے کہا تھا اس نے گھڑی میں

وقت دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہمارے پاس صرف بارہ منٹ باقی ہیں...... ٹھیک بارہ منٹ کے بعد۔"

"میں بھی یہی کہنے والا تھا...... غور شاہ کارروائی شروع کر دی جائے۔" جس شخص کو غور شاہ کے نام سے پکارا گیا تھا وہ عمر رسیدہ آدمی تھا...... کلین شیو تھا اور چہرے پر جھریاں لگی ہوئی تھیں، لیکن آنکھوں سے بڑی مکاری ٹپک رہی تھی...... سادہ سے لباس میں ملبوس تھا لیکن کافی تن و مند نظر آتا تھا......اس نے کہا۔

"ہم یہاں کوئی باقاعدہ اجلاس میں شریک نہیں ہوئے ہیں......ایک مشکل کا شکار ہیں اور فوراً ہی اس مشکل پر گفتگو کر دینا چاہتے ہیں...... سب سے پہلے تو میں اس بات پر خوشی کا اظہار کرتا ہوں کہ آج وہ لوگ ایک میز پر بیٹھے ہوئے ہیں جن کی دشمنیوں کی مثالیں نجانے کب سے چلی آرہی ہیں...... میں پہلے بھی یہی چاہتا تھا اور اب بھی یہی کہوں گا کہ ٹھیک ہے کاروبار سب لوگ کرتے ہیں...... ایک بازار میں ایک ہی چیز کی درجنوں دکانیں ہوتی ہیں...... سارے دکاندار اپنی اپنی تقدیر کا انتظار کرتے ہیں، جس کے پاس گاہک کی پسند ہوتی ہے وہیں سے وہ خریدتا ہے اور دوسرے دکانداروں کو اعتراض نہیں ہوتا...... وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نہیں ہو جاتے، بلکہ خاموشی سے اپنی تقدیر کا انتظار کرتے ہیں...... باڑی میں سونا برستا ہے...... سارا سونا ایک شخص تو کبھی جمع نہیں کر سکتا، جس کے حصے میں جتنا آئے اتنا ہی کافی ہوتا ہے۔"

"غور شاہ ہم میں سے ہر شخص تقریر کرنا جانتا ہے...... تقریر کرنے کی بجائے کام کی بات کرو۔" غور شاہ نے اس کی طرف دیکھا اور بولا۔

"ٹھیک ہے آج میں کوئی تلخ جملہ بھی نہیں کہوں گا، کیونکہ ہم سب جس مصیبت میں گرفتار ہیں، اس میں تلخیوں کی نہیں مٹھاس کی ضرورت ہے......اگر آپ لوگ یہ سمجھتے ہو کہ میں تقریر کرنے کا شوق پورا کر رہا ہوں تو میں خاموش ہو جاتا ہوں، آپ میں سے کوئی بھی اپنی تقریر شروع کر دے۔"

"ہمیں اس وقت کا انتظار کرنا ہے جب وہ خنزیر ہم سے مخاطب ہو۔"

"اور اس وقت تک بالکل خاموشی اختیار کر لی جائے۔" غور شاہ نے سوال کیا۔

"نہیں آج جب ہم سب جمع ہو گئے ہیں تو ہمیں غور کرنا چاہئے...... ذرا اندازہ تو لگاؤ ہم

ے مختلف گروہوں کے کتنے افراد ہلاک ہو چکے ہیں۔"

"آہ......وہ خنزیر کسی طرح روشنی میں آجائے...... پھر ہم اسے بتائیں کہ ہلاکت کیا چیز تی ہے۔" ایک اور شخص نے کہا۔

"اور اگر وہ خنزیر روشنی میں نہیں آتا تو ہم اسی طرح اپنے آدمیوں کو قتل کراتے رہیں؟"

"تو پھر کیا ہونا چاہئے؟"

"میں نے اسی پر تو بولنے کی کوشش کی تھی، جس کے لئے مجھے منع کر دیا گیا۔" غور شاہ ے کہا۔

"نہیں غور شاہ گفتگو تو کرنا ہوگی...... ہم پچھلے کافی دنوں سے اس مصیبت کا شکار ...... کیا وہ جو کچھ کہہ رہا ہے ہم اسے تسلیم کر لیں۔"

"اب ان حالات میں یہی تو فیصلہ کرنا ہے ہمیں۔"

"نہیں ایسا نہیں...... کاروبار بند کر دینا زیادہ اچھا...... کسی کا غلام بن کر رہنا ٹھیک نہیں۔"

"ہم میں سے کوئی بھی نہیں چاہتا، لیکن ایک بات تم لوگ ذرا غور سے سن لو...... جس ح ہمارے آدمیوں کا قتل ہو رہا ہے اور جس طرح ہمیں نقصان پہنچایا جا رہا ہے......اگر کچھ اقعات ایسے ہو گئے تو اس کے بعد کیا ہوگا۔ کیا ہم میں سے کوئی اس قابل رہے گا کہ اپنے پ کو اس کاروبار میں جاری رکھ سکے۔"

"بالکل نہیں۔"

"تو پھر......اس سلسلے میں کوئی اچھی تجویز تو سامنے لائی جائے۔"

"غور شاہ...... تمہارے خیال میں کیا تجویز ہو سکتی ہے۔"

"پہلی بات تو یہ کہ ہم آپس میں اتفاق کر لیں...... کتنا نقصان ہوا ہے ہمارا، اربوں کا...... اربوں ڈالر کا...... ہم میں سے کچھ تو بالکل بیٹھ گئے ہیں اور اب شاید وہ کبھی ے نہ ہو سکیں۔"

"یہ اپنا خیال ہے...... بند کر دو اسے ہمارے سامنے نہ پیش کرو۔" ایک آدمی نے ترش یں کہا۔

"میں کسی کی دل آزاری نہیں کر رہا، بلکہ میں خود ان لوگوں کے لئے افسردہ ہوں جن لو تباہ کر دیئے گئے ہیں اور جن کے افراد کو قتل کر دیا گیا ہے۔"

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب جو ہم نے یہ میٹنگ بلائی ہے اس میں ہمیں کیا فیصلہ کرنا ہے...... وقت بہت کم رہ گیا ہے...... وہ ہم سے رابطہ قائم کرنے والا ہے...... اسے کوئی نہ کوئی جواب دینا ہوگا۔"

"میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔" غور شاہ نے کہا۔

"تو جلدی بولو یار۔" دوسرے آدمی نے کہا۔

"دیکھو اس وقت وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ بہت خطرناک ہے...... سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ اندھیرے کا تیر ہے...... کس طرف سے آتا ہے...... کس کو ہلاک کرتا ہے کدھر نکل جاتا ہے، یہ ہم میں سے کسی کو ابھی تک نہیں معلوم ہو سکا...... لیکن کیا خیال ہے کیا ہم اسی طرح اپنے آدمیوں کو مرواتے رہیں...... اس طرح تو ہم بالکل تباہ ہو جائیں گے...... کتنے لوگوں کو نقصان پہنچ چکا ہے اور وہ کھڑے ہونے کے قابل نہیں رہے ہیں۔"

"بات پھر وہیں آ گئی غور شاہ میں کہتا ہوں ٹو دی پوائنٹ بات کرو۔"

"ٹو دی پوائنٹ بات یہ ہے کہ اس وقت اگر وہ ہم سے رابطہ قائم کرے اور کوئی تجویز پیش کرے تو ہم اس طرح اس کی تجویز کو منظور کر لیں جیسے ہم اس سے شکست کھا چکے ہیں...... ہم اس سے ہار مان چکے ہیں...... ہم اس کی تجویز قبول کرنے کے بعد اس کی اطاعت کریں لیکن ہم میں سے ہر شخص کے دل میں جہنم کی آگ روشن رہنی چاہئے...... ہم میں سے ہر شخص اس کے قریب آ کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ آخر وہ ہے کون...... اگر وہ باڑی ہی میں ہے تو آخر کار روشنی میں آ جائے گا...... روشنی میں آنے کے بعد ہم ظاہر ہے اسے نہیں چھوڑیں گے کیونکہ وہ ہمارا وقت ہوگا۔"

"اس سلسلے میں آخری طور پر فیصلہ کر لو دوستو میرے خیال میں تو غور شاہ کی بات بالکل درست ہے۔"

"ہاں...... بات تو واقعی درست ہے...... ہم عارضی طور پر وقت سے سمجھوتا کر کے بعد میں اس کو تلاش کر لیں گے۔ وہ خنزیر ہم سے بچ کر کہاں جائے گا۔"

"تو پھر متفقہ فیصلہ ہے...... اب ایسا ہے کہ ایک شخص اس سلسلے میں بات کرنے کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔"

"کیونکہ یہ تجویز تمہارے ذہن میں آئی ہے غور شاہ اس لئے تم ہی اس موضوع پر اس

سے بات کرو۔"

"آپ لوگوں کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے، جس کو بھی اعتراض ہو وہ ہاتھ اٹھا دے۔"

لیکن اس کے جواب میں ایک بھی ہاتھ نہیں اُٹھا تھا...... غور شاہ نے کہا۔

"میرے بھائیو...... میرے دوستو! ان برے حالات میں اس وقت یہی مناسب ہے...... دشمن کو دشمن کی چال سے مارو اور وقت کا انتظار کر لو۔"

"ٹھیک ہے غور شاہ...... اب جب وہ رابطہ قائم کرے تو تم اس سے بات کرو۔" پھر خاموشی چھا گئی...... اب ایک ایک لمحہ دھڑکن بن کر گزر رہا تھا...... پھر کچھ دیر کے بعد ان کے سامنے رکھے ہوئے چوکور اور بڑے ٹرانسمیٹر سے ہلکی ہلکی آوازیں اُبھرنے لگیں اور ایک سرخ بلب کی روشنی جلنے بجھنے لگی...... تبھی غور شاہ نے ہاتھ بڑھا کر ایک سوئچ آن کر دیا...... ہر چند لمحوں کے بعد دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ہاں...... تم لوگ یہاں پہنچ چکے ہو۔"

"ہاں۔"

"ڈائمنڈ زیرو تم سے مخاطب ہے۔"

"ہاں کہو...... کیا کہنا چاہتے ہو تم۔" غور شاہ نے کہا۔

"تمہارا نام۔"

"میرا نام غور شاہ ہے"۔

"ٹھیک ہے غور شاہ"۔ بھاری سپاٹ گڑگڑاتی ہوئی مردانہ آواز نے کہا...... کیا تم تنہا ہو اس وقت؟"

"نہیں"۔

"تب مجھے ایک ایک شخص کی آواز سنواؤ...... یہاں کتنے افراد موجود ہیں...... ایسا کرو ان سے کہو کہ سب اپنی اپنی آواز میں مجھے اپنی یہاں موجودگی کا احساس دلائیں۔

"ٹھیک ہے"۔ غور شاہ نے کہا اور اپنے برابر بیٹھے ہوئے شخص کو دیکھ کر کہا۔

"اگر تم ڈائمنڈ زیرو سے مخاطب ہونا پسند کرو تو اپنی یہاں موجودگی کے بارے میں اسے بتاؤ۔"

"میں دلاور خان۔" اور اس کے بعد لائن سے ایک ایک شخص نے اپنی یہاں موجودگی

کے بارے میں ڈائمنڈ زیرو کو بتایا...... اس کے بعد ڈائمنڈ زیرو کی آواز اُبھری۔

"تم سب یہاں موجود ہو...... کہو میں نے جو کچھ کہا تھا، کر کے دکھا دیا یا نہیں...... میں نے تم سے کہا تھا کہ اب باڑی پر میری حکمرانی ہے...... تم لوگ یہ بات تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھے...... میں نہیں چاہتا تھا کہ یہاں اتنے لوگوں کو زندگی سے محروم کروں...... تم لوگوں کو مالی طور پر قلاش کر دوں...... اربوں ڈالر کا نقصان کیا ہے تم نے، اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اور اربوں ڈالر کا نقصان کرنے والے ہو اور بے پناہ قیمتی زندگیاں تم نے میرے ہاتھوں ختم کرائیں...... مجھے خود بھی ان کا افسوس ہے لیکن ڈائمنڈ زیرو جہاں ہوتا ہے وہاں ماحول پر اس کی حکمرانی ہوتی ہے...... وہ سب کا چیف بنکر رہنا چاہتا ہے...... تم لوگوں نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا...... حالانکہ میں جانتا ہوں کہ تم لوگوں نے بھی اپنے بڑے بڑے گروہ بنا رکھے ہیں، جو لوگ یہاں باڑی میں موجود ہیں ان کی بات میں نہیں کرتا، لیکن جو لوگ باڑی سے باہر رہ کر تم پر حکمرانی کر رہے ہیں ان کی حکمرانی کو قبول مت کرو...... محنت تم لوگ کرتے ہو...... تھوڑا سا کام وہ کرتے ہیں، کیا دیتے ہیں وہ تمہیں پانچ فیصد بھی نہیں ملتا تمہیں...... جب کہ سارا خطرہ ساری محنت تمہاری ہوتی ہے...... بولو میں غلط کہتا ہوں...... تم لوگ ہر طرح کے خطرات مول لیتے ہو...... باڑی کو تم لوگوں نے اپنی محنت سے محفوظ کیا ہے، کیا تمہیں اس سے انکار ہے؟"

"نہیں۔" کچھ لوگ بے اختیار بولے۔

"یہاں ہر طرح کے خطرات کسے مول لینا پڑتے ہیں۔" ڈائمنڈ زیرو نے سوال کیا۔

"ہمیں۔"

"اور اس کا بڑا فائدہ کسے حاصل ہوتا ہے؟"

"دوسروں کو۔"

"اس میں تمہیں کیا ملتا ہے صرف پندرہ فیصد تم میں سے کچھ لوگ بے شک اپنے طور پر کام کر رہے ہیں...... تمہاری کمائی بہت اچھی ہے، لیکن جب کوئی کام ہوتا ہے تو جب تک بھرپور طریقے سے اس پر کنٹرول نہیں ہوتا کام خراب ہو جاتا ہے، میں جانتا ہوں کہ تم میں سے کچھ کو میری اس پیشکش پر بہت اعتراض ہوگا لیکن اعتراض کرنے والے کو جو نقصانات اٹھانے پڑیں گے، اگر وہ اس کے لئے تیار ہے تو ٹھیک ہے، یہ اندازہ بھی تم نے لگا لیا ہوگا کہ

میں نے چار اسٹیشن ابھی تک تباہ کرائے ہیں اور پانچواں تباہی کے لئے جا رہا ہے، یہ انہی لوگوں کے ہیں جو اپنے طور پر کام کرتے ہیں، باقی جتنے لوگ بھی اپنے طور پر کام کرتے ہیں پہلے انہی کا نقصان ہوگا جن لوگوں کا رابطہ باڑی کے باہر سے ہے یا پھر کسی غیر ملک سے، میں نے انہیں ابھی محفوظ رکھا ہے، کیونکہ ان کے پاس جو کچھ ہے وہ میرے لئے بہت کار آمد ہے، ہم اسے روک لیں گے، باہر کی دُنیا سے رابطہ کٹ جائے گا اور اس کے بعد ہم اپنے طور پر کام کریں گے، میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ اس ساری کارروائی میں تمہیں پچاس فیصد کی پیشکش کرتا ہوں جو باہر کی آمدنی ہوگی اس میں سے آدھا تمہارا آدھا میرا ہوگا اور اس کے نتیجے میں تم یہ سمجھ لو کہ باڑی کا مکمل تحفظ ہوگا تمہارے کاروبار کا مکمل تحفظ ہوگا، تم جو کچھ باہر ایکسپورٹ کرتے ہو اس کا بندوبست میں کروں گا، تم لوگ سارا مال میرے حوالے کر کے اس کی قیمت کا تعین کر کے پچاس فیصد مجھ سے نقد وصول کر لو گے...... تمہارا اپنا کام ختم ہو جائے گا اس سے زیادہ آسان اگر کوئی اور بات ہو تو مجھے بتاؤ۔"

"لیکن ڈائمنڈ زیرو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہی سچ ہوگا۔"

"زندگی میں انسان کو ہمیشہ خطرات مول لینا پڑتے ہیں...... یہ خطرہ تمہیں مول لینا پڑے گا...... پہلا تجربہ کر کے دیکھو ویسے بھی سب کچھ کھوتے جا رہے ہو، ایک بار اپنے مال کو داؤ پر لگا کر دیکھو اس کے بعد شاید تمہیں ڈائمنڈ زیرو سے کوئی شکایت نہ رہے۔"

"اس سلسلے میں ہم لوگوں کو مشورے کا موقع دو۔"

"مشورہ تو تم پہلے بھی کر چکے ہو اس کے نتیجے میں تمہیں کچھ نہیں ملا، فیصلہ وقت پر ہونا چاہئے۔"

"مگر کیسے ڈائمنڈ زیرو؟"

"تم لوگ آپس میں مشورہ کر کے پندرہ منٹ کے بعد مجھے جواب دے دو، میں پندرہ منٹ کے بعد تمہیں دوبارہ پکارتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے ہم پندرہ منٹ کے بعد تمہاری کال کا انتظار کریں گے۔"

"او کے۔" ٹرانسمیٹر سے آواز آنا بند ہو گئی اور غور شاہ نے ٹرانسمیٹر بند کر دیا تھا، وہ سنسنی خیز نگاہوں سے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ رہا تھا...... ان میں سے ایک نے کہا۔

"اگر وہ خانہ خراب یہ بات سچ کہتا ہے تو بات تو ٹھیک ہے، پچاس فیصد اس کے حوالے

کر کے باقی پچاس فیصد نقد ہمیں ملے گا، جب کہ اگر ہم اس سلسلے میں اخراجات اور خطرات کا اندازہ لگائیں تو ہمیں اخراجات ویسے بھی بہت زیادہ پڑ جاتے ہیں...... مال پکڑا جاتا ہے، انسان پکڑے جاتے ہیں...... نقصان ہوتے ہیں، تھوڑا بہت ہی فرق پڑتا ہوگا...... پچاس فیصد نقد وصول کر کے ہماری جان چھوٹ جاتی ہے تو اس سے اچھی تو کوئی بات نہیں ہے۔"

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ڈائمنڈ زیرو اپنی بات کا پابند نہ رہے تو۔"

"اور دوسری بات یہ کہ کیا ہم اپنے ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیں۔"

"یہ فیصلہ کرنا تم لوگوں کا کام ہے جتنے لوگ اس سلسلے میں اختلافات کرتے ہیں وہ اپنے ہاتھ اٹھا دیں، پندرہ منٹ کے بعد جب ڈائمنڈ زیرو ہم سے رابطہ قائم کرے گا تو ہم اسے بتا دیں گے کہ ہم میں سے کون کون تیار ہے اور کون کون تیار نہیں ہے۔" پھر خاصی دیر تک وہ آپس میں مشورہ کرتے رہے تھے اور پھر اس کے بعد سبھی نے اس بات سے اتفاق کر ڈالا...... پندرہ منٹ کے بعد دوبارہ ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا تو غور شاہ نے کہا۔

"ڈائمنڈ زیرو ہم نے فیصلہ کر لیا ہے۔"

"مجھے بتاؤ۔"

"فیصلہ یہ ہے کہ ہم تمہاری بات پر عمل کرنے کے لئے تیار ہیں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے میں نے ایک مسودہ تیار کر لیا ہے، کاغذ تمہارے پاس پہنچا دیا جائے گا، تم اسے پڑھو اور اس پر اپنے اپنے دستخط کر دو، میری طرف سے تمام معاملہ طے ہے، فیصلہ کرنا تم لوگوں کا کام ہے۔"

"کاغذ ہمیں بھیج دو ہم خلوص دل کے ساتھ تمہارے ساتھ تعاون پر تیار ہیں۔"

"کسی ایک آدمی کو ہمارے پاس بھیج دو، ایسا کرو دانی شاہ تم اس علاقے میں آ جاؤ جدھر [illegible] ہے...... کالی گھاٹی کے آخری سرے پر جو پرانی بوسیدہ عمارت ہے تم کل شام کو ساڑھے سات بجے ادھر پہنچ جاؤ، میں مسودہ تمہارے حوالے کر دوں گا۔"

"ٹھیک ہے میں پہنچ جاؤں گا۔" دانی شاہ نے زور سے کہا تاکہ ٹرانسمیٹر پر اس کی آواز سن لی جائے۔

"بس میں سلسلہ منقطع کرتا ہوں اور آخری بات تمہیں یہ بتا رہا ہوں کہ تھوڑا وقت میرے ساتھ کام کر کے دیکھو اس کے بعد تم لوگوں کو احساس ہوگا کہ اب تک تم نے جو کچھ

کھویا ہے وہ تمہاری سب سے بڑی حماقت تھی اور کوئی خاص بات۔"

"نہیں۔" غور شاہ نے جواب دیا اور ایک بار پھر ٹرانسمیٹر بند ہو گیا...... وہ سب ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے تھے۔

خانم شرجیلہ ایک الماری کے پاس پہنچی تھی، الماری کا دروازہ کھول کر اس نے ایک چوکور سا بکس نکالا اور اسے ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے صوفے کے قریب آ گئی، بکس کو سینٹر ٹیبل پر رکھ کر اس نے اس میں سے ایک لمبا ایریل کھینچا اور شہاب نے ایک لمحے میں اندازہ لگا لیا کہ وہ کوئی طاقتور ٹرانسمیٹر ہے...... شہاب کی آنکھوں میں دلچسپی کی چمک پیدا ہو گئی تھی، اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے اس کی یہ کاوش رنگ لا رہی ہے...... خانم کا انداز بڑا مشکوک سا تھا...... بہر حال اس نے ایریل کھینچنے کے بعد ٹرانسمیٹر کے ایک دو بٹن دبائے اور اس کے بعد کلائی پر بندھی گھڑی میں پھر وقت دیکھنے لگی...... کسی خاص لمحے کا انتظار تھا، وہ خاموشی سے کلائی سامنے کئے ہوئے اس کی سوئیوں کو چلتا دیکھتی رہی اور پھر اچانک ہی اس نے ایک بٹن دبا دیا اور اس کے بعد شہاب کے کانوں نے جو آواز سنی اس پر اس نے چونک کر چاروں طرف دیکھا تھا...... کمرے میں شاید خانم کے علاوہ اور بھی کوئی تھا کیونکہ ایک بھاری سپاٹ اور دو چٹانوں کے آپس میں ٹکرانے والی مردانہ آواز سنائی دی تھی۔

"ڈائمنڈ زیرو۔" شہاب کی نگاہوں نے پورے کمرے کا جائزہ لیا تھا لیکن دوسری کوئی شخصیت وہاں موجود نہیں تھی، تب اس کی حیران آنکھیں خانم پر جم گئیں اور اس کے بعد اس پر دنیا کا انوکھا ترین انکشاف ہونے لگا...... خانم شرجیلہ کے حلق سے مردانہ آواز نکل رہی تھی اور وہ غالباً کچھ لوگوں سے گفتگو کر رہی تھی...... شہاب کے حساس کان اس گفتگو کا ایک ایک لفظ سن رہے تھے، اس پر شدید حیرتوں کے دورے پڑ رہے تھے...... حالات کا انکشاف ہو تا رہا تھا اور اس کے ذہن کی چرخیاں سخت گردش میں تھیں، وہ سن رہا تھا، سوچ رہا تھا، سمجھ رہا تھا، خانم جن لوگوں سے محو گفتگو تھی ان کے بارے میں اس نے اندازہ لگا لیا کہ یہ باڑی میں کام کرنے والے سمگلر ہیں اور غالباً یہ کوئی خفیہ میٹنگ جس پر خانم ٹرانسمیٹر پر ان سے رابطہ قائم کئے ہوئے ہے، لیکن خانم کے الفاظ اس کے انکشافات شہاب کے لئے درحقیقت بے حد سنسنی خیز تھے...... ایک ایک صورت حال واضح ہوتی جا رہی تھی...... خانم شرجیلہ اس علاقے

کی سب سے بڑی سمگلر تھی، بلکہ وہ سمگلر تھی بھی نہیں بلکہ سمگلروں کی کنٹرولر تھی اور انہیں اپنے قبضے میں کیئے ہوئے تھی...... شہاب خانم شرجیلہ کی شیطانی فطرت پر غور کرنے لگا، کس معصومیت کے ساتھ اس نے اپنے آپ کو محبِّ وطن قرار دے کر اس دُکھ کا اظہار کیا تھا کہ قوم کے نوجوان منشیات کے زہر کا شکار ہو کر اپنی صلاحیتیں کھو رہے ہیں اور وہ منشیات کے سمگلروں کو ختم کرنے کے درپے ہے...... شہاب کو ایک لمحے کے لئے افسوس سا ہوا، ویسے تو کام وہی تھا جو اسے کرنا تھا لیکن افسوس اس بات کا تھا کہ وہ اس مکار عورت کے ہاتھوں کھلونا بن گیا...... سحر شاہ بیچارہ تو خیر اس سلسلے میں ایک سادہ سا آدمی تھا، ابھی تو زندگی کے تجربات اسے یہ سکھائیں گے کہ مجرموں کو اندر سے شناخت کرنا کتنا مشکل کام ہے، لیکن شہاب خود بھی تو دھوکا کھا گیا تھا...... خانم نے اسے ان سمگلروں کو نقصان پہنچانے کا ایک ذریعہ بنایا تھا...... اس نے ان کے چار سٹیشن تباہ کر کے انہیں یہ بتانا چاہا تھا کہ وہ ان سب کو تباہ و برباد کر سکتی ہے، ورنہ وہ اس کی پناہ میں آجائیں اور اپنی آمدنی کا پچاس فیصد حصہ اس کے حوالے کریں، لیکن استعمال اس کے لئے اس نے "ڈبل او گینگ" کو کیا تھا...... شہاب نے اپنے گالوں پر تھپڑ لگائے اور دل ہی دل میں کہا کہ بیٹے کبھی کبھی اونٹ پہاڑ کے نیچے بھی آجاتا ہے، لیکن بہر حال اس پہاڑ کو بھی چھوڑا نہیں جا سکتا...... خانم کے سلسلے میں یہ تمام انکشافات ہونے کے بعد اس کے ذہن میں ایک اور تصور اُبھرا یہ آواز خانم کی نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ خانم کے رُوپ میں کوئی اور شخصیت ہے، اس بات کے امکانات ہیں کہ کسی نے خانم کے وجود پر قبضہ جما لیا ہو، کوئی ایسا شاطر جو زنانہ میک اپ کر کے خانم کی شکل اختیار کر گیا ہو...... بہر حال اب یہ تو بعد میں ہی اندازہ ہو سکتا ہے...... شہاب منصوبے بنانے لگا...... اس سلسلے میں کیا کرنا چاہئے...... شہاب سوچ بھی رہا تھا اور خانم کی باتیں بھی سن رہا تھا...... وہ خاموشی کے ساتھ تمام کارروائی دیکھتا رہا، بڑی حیرت ہو رہی تھی اسے پندرہ منٹ کے بعد خانم نے دوبارہ ان سے رابطہ قائم کیا تھا اور شہاب نے بڑی محنت کے ساتھ اس کی گفتگو سنی تھی...... دانی شاہ کا نام بھی سامنے آیا تھا اور شہاب تمام حقیقتوں سے واقف ہوتا جا رہا تھا، وہ درحقیقت اس وقت بڑی عجیب سی کیفیت محسوس کر رہا تھا، خانم یا اس کے روپ میں جو کوئی بھی ہے اتنی چالاکی سے اسے دھوکا دے گا، اس کا اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا، کوئی شک و شبہ نہیں رہا تھا اب اس بات میں کہ خانم نے اسے آلہ کار بنا کر اپنا اُلو سیدھا کیا تھا، لیکن شہاب نے ایک فیصلہ

رلیا تھا کہ اتنی آسانی سے یہ سب کچھ نہیں ہونے دے گا خانم کو کافی لا کر دے دی گئی تھی اور انی سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اُٹھی ہی تھی کہ دروازے پر پھر ہلکی سی ستک سنائی دی۔

"ہاں آجاؤ کافی پی چکی ہوں میں۔" خانم نے بے پروائی سے کہا وہ یہی سمجھی تھی کہ وہ ازمہ جو کافی لے کر آئی تھی برتن لینے کے لئے واپس آئی تھی...... شہاب بھی یہی سمجھا تھا یکن چونکہ اس کی نگاہیں دروازے کی جانب ہی تھیں اس لئے اچانک ہی وہ اُچھل پڑا، کیونکہ درداخل ہونے والی وہ خادمہ نہیں تھی بلکہ بدن پر چست لباس پہنے ہوئے ایک نقاب پوش ا جو اندر داخل ہو گیا تھا...... خانم نے رُخ بدل لیا تھا، اس لئے نقاب پوش کو نہیں دیکھ سکی ی، لیکن نقاب پوش نے پلٹ کر دروازہ اندر سے بند کر لیا، ایک اور سنسنی خیز لمحہ شہاب کو سوس ہوا تھا، وہ شخص آہستہ آہستہ آگے بڑھا...... شہاب اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ وہ کون وسکتا ہے، خانم اچانک ہی پلٹی تھی اور پھر اس کے بدن کو شدید جھٹکا لگا تھا۔

"تم۔" خانم نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"تمہارا خادم۔" ایک منمناتی ہوئی سی آواز سنائی دی۔

"کون ہو تم۔" خانم نے دروازے کی جانب دیکھا اور اسے ایک لمحے میں احساس ہو گیا ہ دروازہ اندر سے بند ہے۔

"میں خانم شرجیلہ تمہارا ایک قدیم دوست ہوں، پہچانو گی تو نہیں اور پہچاننے کی رورت بھی نہیں ہے تمہیں کیونکہ تم سے میرے ذرا الگ ہی رابطے رہے ہیں۔"

"کیوں آئے ہو؟"

"خانم ایک حساب ہے تم پر وہ حساب پورا کرنا ہے۔"

"دماغ خراب ہو گیا ہے کیا میں کہتی ہوں تم اس طرح داخل کیسے ہوئے۔"

"ہلومت ہلومت میں جانتا ہوں یہاں تم نے کیا کیا بندوبست کر رکھے ہیں، لیکن زندگی ہتی ہو تو ہلومت، بیٹھ جاؤ اپنی جگہ۔"

"میں کہتی ہوں تم چاہتے کیا ہو؟"

"بس یوں سمجھ لو تمہارا پرانا عاشق ہوں، ایک بار تمہیں سینے سے لگا کر اپنے دل کی ُراس پوری کرنا چاہتا ہوں۔"

"کتے...... کتے کی موت مرنا چاہتا ہے کیا تو؟"

"ہاں دل میں بڑی آرزو ہے کہ کبھی کتے کی موت مر کر بھی دیکھا جائے...... آج یہی چاہتا ہوں میں، دو ہی باتیں ہیں یا تو ایک بار اپنی قربت کا موقع دے دو یا پھر مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

"مجھے تو کوئی پاگل معلوم ہوتا ہے، چہرے سے نقاب ہٹا تاکہ میں تیری صورت تو دیکھ لوں۔"

"ارے صورت دیکھ لی تو پھر رہ ہی کیا جائے گا خانم صورت نہ دیکھو تو اچھا ہے اور یہ تو کوئی بات نہ ہوئی پسند آگئے تو تمہارے اور نہ پسند آئے تو تو۔"

"دیکھ میں اب بھی تجھے رعایت دے رہی ہوں...... یہاں سے نکل کر بخیر تو تو ویسے بھی نہیں جا سکتا لیکن کم از کم اتنا بتا دے تو کون ہے اور اس طرح آمد کا کیا مطلب ہے۔"

"خانم بڑے عرصے سے حکمرانی کرتی رہی ہے اپنی چالاکیوں کے ساتھ، ارے فیصلہ تو یہی کرنا ہے کہ تو زیادہ چالاک ہے یا تیرا ایک عاشق۔"

"پاگل ہے بالکل دیوانہ قریب آ میرے قریب آ کم از کم صورت تو دیکھوں تیری۔"

"اگر اتنا ہی شوق ہے میری صورت دیکھنے کا تو اپنے ہاتھوں سے میرے چہرے سے نقاب ہٹا دے خانم پتہ نہیں کب سے یہ آرزو میرے دل میں تڑپ رہی ہے۔"

"میرے قریب آ پاگل دیوانے میرے قریب آ۔"

خانم کے ہونٹوں پر مدہم سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی، اس مسکراہٹ میں محبوبیت کا انداز تھا جیسے وہ اسے اپنے قریب آنے کی دعوت دے رہی ہو، سیاہ پوش آہستہ سے چلتا ہوا خانم کے قریب پہنچ گیا۔

"اب مجھے اپنا چہرہ دکھا۔"

"نہیں خانم چہرہ دیکھنے سے پہلے ایک بار میرے اس جھلستے ہوئے وجود کو تسکین بخش دے۔"

"پتہ نہیں کون پاگل ہے یہی کہوں گی کہ خدا تجھے غارت کرے۔"

"ایک بار تو میرے سینے سے لگ جا خانم اس کے بعد خدا مجھے سو بار غارت کر دے، مجھے اس کی پرواہ نہیں ہو گی۔"

سیاہ پوش نے کہا شہاب اس دلچسپ منظر پر اپنی کھوپڑی کھجا رہا تھا...... کیا ہی عجیب قسم کا ...ق ہے لیکن خانم جیسی چالاک عورت کے بارے میں شہاب اچھی طرح جانتا تھا کہ اسے ...یب لانے اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کرنے کے پس پردہ کوئی نہ کوئی چکر ضرور ہے اور ...ب کا اندازہ درست نکلا، وہ سیاہ پوش خانم کے قریب آیا اور اس نے دونوں ہاتھ پھیلائے، ...م کی جھکی ہوئی گردن بتاتی تھی کہ وہ اپنے آپ کو اس کے سپرد کرنے پر تیار ہے، لیکن ...عاملہ کچھ اور ہی تھا...... سیاہ پوش نے آگے بڑھ کر اس کے دونوں ہاتھ اس کے شانے پر ...کھے اور اسے اپنے سینے سے بھینچا تھا، لیکن دوسرے لمحے اس نے اپنے سر کی زوردار ٹکر خانم ...ے چہرے پر ماری اور خانم کے حلق سے ایک چیخ نکل گئی، اس نے اپنے آپ کو گرنے سے ...بانے کے لئے کوئی غیر مرئی سہارا تلاش کیا تھا، لیکن نیچے گرتی چلی گئی تھی...... سیاہ پوش ...تی سے آگے بڑھا اور خانم کے سینے پر سوار ہو گیا، اس نے اس کی گردن دبوچ لی تھی، پھر ...س کے منہ سے قہقہہ نکلا اور وہ بولا۔

"پرانی آرزو تھی پرانی آرزو تھی کہ اپنی محبوب کو اپنے ہاتھوں سے قتل کروں، یہ بھی ...شق کی ایک منزل ہوتی ہے خانم کہ محبوب سے کچھ فائدہ حاصل کرنے کی بجائے صرف ...س کی زندگی لینے کو دل چاہے...... خانم کی گردن غالباً بری طرح اس کی گرفت میں تھی لیکن ...چانک ہی خانم نے پوری قوت سے دونوں پاؤں اوپر اٹھائے اور سیاہ پوش کی گردن میں پھنسا کر ...سے الٹ دیا، اس کا اندازہ تو شہاب کو پہلے ہی ہو گیا تھا کہ خانم کے روپ میں کوئی مرد ہے ...یونکہ خانم مردانہ آواز میں بول رہی تھی اور یہ مرد آسانی سے سیاہ پوش کے قبضے میں آنے ...والا نہیں تھا، چنانچہ یہی ہوا خانم نے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا...... ادھر سیاہ پوش زمین پر ...لٹنے کے بعد الٹی قلابازی کھا کر سیدھا ہوا ہی تھا کہ اچانک ہی خانم نے اپنے بھاری بھرکم وجود ...کے ساتھ اُچھل کر اس کے سینے پر فلائنگ کک ماری، سیاہ پوش بری طرح سامنے والی دیوار ...سے جا ٹکرایا تھا اور خانم نے اس کی جانب دوڑ لگا دی تھی، لیکن جیسے ہی وہ سیاہ پوش کے قریب ...پہنچا سیاہ پوش اپنی جگہ سے ہٹ گیا، اب خانم دیوار سے ٹکرائی تھی اور پوری قوت سے ٹکرائی ...تھی، اس کی پیشانی کی کھال پھٹ گئی، لیکن سیاہ پوش نے فوراً ہی آگے بڑھ کر اس کے بال اپنی ...مٹھی میں دبوچے اور اسے کئی قدم تک گھسیٹتا لے گیا اور اس کے بعد اس نے اسے بالوں ہی ...سے پکڑ کر زمین پر دے مارا، خانم چیخ رہی تھی بلکہ زمین پر گرنے کے بعد اس نے فوراً ہی اپنی

جگہ سے لڑھک کر اپنی جگہ خالی کر دی تھی اور سیاہ پوش جو ایک لمبی چھلانگ لگا کر اس پر آیا تھا اس جگہ گرا تھا جہاں خانم ایک لمحے پہلے موجود تھی، خانم نے فوراً ہی پلٹ کر سیاہ پوش کو دبوچ لیا اور اب کیفیت الٹی ہو گئی تھی، یعنی اب خانم اس کے سینے پر سوار ہو کر اس کی گردن دبا رہی تھی...... شہاب دلچسپی سے اس خطرناک جدوجہد کو دیکھ رہا تھا، دونوں کے درمیان خونریز لڑائی ہو رہی تھی...... سیاہ پوش کا انداز بھی یہی بتاتا تھا کہ جیسے خانم کو ہر قیمت پر قتل کر دینا چاہتا ہو اور ظاہر ہے خانم اسے زندہ نہیں چھوڑنا چاہتی تھی، یہ الگ بات ہے کہ خانم نے خود بھی ابھی تک اپنے کسی مددگار کو طلب نہیں کیا تھا...... غالباً اس لئے کہ اس وقت اس کا پول کھل جانے کا خطرہ تھا، وہ اس جنگ کی کیفیت میں بے نقاب بھی ہو سکتی تھی، دونوں کے درمیان خونریز جنگ جاری رہی...... دونوں ہی داؤ پیچ بدلتے رہے، لیکن اچانک ہی سیاہ پوش کو موقع مل گیا، اس نے اپنا گھٹنا خانم کی پشت پر رکھا اور اس کی گردن دونوں ہاتھوں میں دبوچ لی، خانم شدید جدوجہد کر رہی تھی، وہ بھی ایک طاقتور عورت تھی لیکن سیاہ پوش کا اس کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا، اچانک ہی خانم نے ایک بار پھر پرزور طاقت کے ساتھ سیاہ پوش کو الٹ دیا اور پھر کھڑے ہو کر کہنی سیدھی کی اور سیاہ پوش کی گردن پر گری، سیاہ پوش کے حلق سے ایک چیخ نکلی تھی، لیکن ساتھ ہی اس نے خود بھی ایک داؤ استعمال کیا تھا اور یہ داؤ بے حد خطرناک تھا اور یقینی طور پر مہارت کا حامل کیونکہ خانم کی گردن کی ہڈی ٹوٹنے کی آواز شہاب کو بھی سنائی دی تھی...... شہاب بری طرح سنسنی کا شکار ہو گیا، اسے خدشہ ہوا کہ سیاہ پوش اب اپنا کام سرانجام دے کر یہاں سے نکل جائے گا حالانکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بھی سخت زخمی ہو گیا تھا اور اس کا اندازہ اس کی کیفیت سے ہو رہا تھا، لیکن شہاب اسے ہاتھوں سے نکلنے نہیں دینا چاہتا تھا، اب اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ خود بھی اس جھگڑے میں کود پڑے، چنانچہ برق کی سی تیزی سے اس نے آگے بڑھ کر اپنے بدن کو سکوڑا اور روشن دان سے اندر داخل ہو گیا، پھر اس نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور سیدھا سیاہ پوش پر جا رہا جو دونوں ہاتھ زمین پر ٹکائے اپنے سر کو جھٹک رہا تھا...... شہاب کافی بلندی سے اس پر کودا تھا اور سیدھا اس کے جسم پر گیا تھا، اس لئے سیاہ پوش پوری قوت سے فرش پر ٹکرایا اور غالباً یہ اس کے لئے آخری حربہ ثابت ہوا، اپنے تھکے ہوئے وجود کو سنبھالنے میں وہ پہلے ہی ناکام رہا تھا، لیکن اس وزنی بدن کے ساتھ زمین سے ٹکراتے ہوئے اس کے ہوش و حواس جواب دے گئے......

ب ایک لمحے میں لڑھکے کر اس پر سے الگ ہو گیا تھا اور سیاہ پوش کی جانب سے ہر ممکن روائی کے لئے تیار تھا لیکن سیاہ پوش نے آہستہ آہستہ گردن فرش پر ڈال دی اور اس کے وہ شاید بے خبر ہو گیا تھا...... شہاب نے پھرتی سے جھک کر اس کا جائزہ لیا اور اس کے سینے ان لگا کر سانسوں کی آمد و رفت کا اندازہ لگانے لگا تھا...... سیاہ پوش صرف بے ہوش ہوا ...... ویسے خانم شرجیلہ نے اسے جتنا مارا تھا اس کے بعد اس میں ویسے بھی نیم بے ہوشی کی کیفیت سمائی ہوئی تھی، لیکن اب وہ بالکل بے ہوش ہو گیا تھا...... تاہم شہاب نے سب ، پہلے اس کے ہاتھ پشت پر کسے اور پھر اِدھر اُدھر کوئی چیز تلاش کرنے لگا، لیکن اسے ھنے کے لئے کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی، سوائے بستر کی اس چادر کے اور اب اس کے اکوئی چارہ کار نہیں تھا کہ خوبصورت قیمتی چادر تباہ کر دی جائے، تھوڑی دیر بعد شہاب نے ب پوش کے ہاتھ اور پاؤں کس دیئے، اسے اب بھی یہ خطرہ تھا کہ کہیں ملازمہ برتن لینے ، لئے واپس نہ آئے...... اگر آ بھی گئی تو پھر اس بے چاری کو بھی بے ہوش کرنا پڑے گا اور اب کا یہ اندازہ بھی درست نکلا کیونکہ ایک بار پھر ہلکی سی آہٹ دروازے پر سنائی دی تھی رشہاب خاموشی سے ایک سمت کھڑا ہو گیا تھا، لیکن دوسرے لمحے اسے اندازہ ہوا کہ دروازہ ہ پوش نے اندر سے بند کر دیا تھا، اسے کھولنا ضروری ہے چنانچہ وہ دبے قدموں آگے بڑھا راس نے دروازہ کھول دیا، اندر داخل ہونے والی وہی ملازمہ تھی لیکن شہاب پہلے سے اس ے لئے تیار تھا، اس کا کھڑا ہاتھ ملازمہ کی گردن پر پڑا اور ملازمہ کے حلق سے آواز نکل گئی، وہ ند قدم دوڑی اور اس کے بعد اوندھے منہ زمین پر گر پڑی، شہاب نے پھر دروازہ اندر سے د کر لیا تھا...... ایک عجیب سی فضاء کمرے کے ماحول پر طاری تھی جو ہولناک اور سنسنی خیز رامہ یہاں ہو رہا تھا باہر اگر اس کا علم ہو جاتا تو غالباً خانم شرجیلہ کی ساری فوج ہی ادھر دوڑ ڑتی اور شہاب کو اس کا بخوبی اندازہ تھا...... ایک انتہائی خوفناک سنسنی خیز صورت حال تھی اس وقت درپیش ہو گئی تھی...... شہاب اس روشن دان تک نہیں پہنچ سکتا تھا جس سے ہاں آ کودا تھا لیکن بہر حال اپنے تجسس کو اس طرح چھوڑ کر وہ صرف اپنی جان بچانے کے لئے تو فرار ہونے کی کوشش نہیں کر سکتا تھا، چنانچہ اب وہ واپس پلٹا اور سب سے پہلے اس نے خانم کا جائزہ لیا، خانم کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، اس کی گردن بالکل ہی مخالف سمت گھوم ئی تھی، اس کا مطلب ہے کہ اس کا کام تمام ہو گیا ہے...... شہاب نے ایک گہری سانس لی......

ذہن میں تو نجانے کیا کیا تصورات تھے لیکن موجودہ صورت حال میں بہت سی ایسی باتیں تھیں جو اسے تجسس کا شکار کر رہی تھیں...... اس سے پہلے کہ کوئی گڑبڑ ہو جائے صحیح اندازے تو ہو جانے چاہئیں، چنانچہ اس نے سب سے پہلے خانم کے چہرے پر میک اپ تلاش کیا، تھوڑی سی کوشش سے اسے یہ اندازہ ہو گیا کہ خانم کے چہرے پر کوئی میک اپ نہیں ہے...... بے حد تعجب کی بات تھی، گویا خانم اپنی اصل حیثیت میں اپنے حلق سے مردانہ آواز نکال سکتی تھی...... کمال کی شخصیت تھی اس کے بعد شہاب اس سیاہ پوش کے پاس پہنچ گیا، اس نے اس کے چہرے پر چڑھا ہوا نقاب ٹٹولا اور اسے اس کے چہرے سے اتار دیا اور پھر اسے یوں محسوس ہوا جیسے سر میں ایک زوردار دھماکہ ہوا ہو...... تیز روشنی کی چادر فضا میں بلند ہو گئی اور شہاب کو ہر چیز چمکتی نظر آنے لگی، وہ چہرہ جو نقاب کے نیچے سے نمودار ہوا تھا ناقابل یقین تھا...... اس پر یقین نہیں کیا جا سکتا تھا، لیکن آنکھوں کے کیمرے جس تصویر کو منتقل کر رہے تھے وہ رجب خان ہی کی تھی...... ہاں سیاہ پوش رجب خان ہی تھا، وہ رجب خان جس کی لاش اسے دانی شاہ کے کمرے میں الٹی لٹکی ہوئی ملی تھی اور جسے وہ وہاں سے اتار کر بمشکل تمام باہر لایا تھا اور اسے ایک دیوار کے سہارے لٹا دیا تھا، پھر اس کے بعد وہ لاش اسے اپنی جگہ موجود نہیں ملی تھی، رجب خان در حقیقت ایک بہت ہی پراسرار اور خوفناک کردار تھا۔" شہاب کا سر گھومتا رہا اسے اپنی آنکھوں پر کسی طرح یقین نہیں آ رہا تھا لیکن گزرے ہوئے واقعات آہستہ آہستہ اسے سمجھا رہے تھے کہ رجب خان اس وقت مرا نہیں تھا، جب اس نے اسے لاش سمجھ کر اتارا تھا، رجب خان کی شخصیت اس پورے معاملے ہی میں بڑی سنسنی خیز رہی تھی اور شہاب کو ابتدا سے اس کے بارے میں ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ جو کچھ بھی ہے آدمی بہت خطرناک ہے اور پھر لاش جس طرح غائب ہو گئی تھی، اس کا جواز ابھی تک شہاب کی سمجھ میں نہیں آیا تھا، البتہ اب یہ سوچا جا سکتا تھا کہ رجب خان وہاں سے نکل گیا تھا اور پھر نہ جانے کس کس چکر میں لگا ہوا تھا، بڑے ذہنی جھٹکے لگ رہے تھے شہاب کو، لیکن بہر حال جو کچھ بھی تھا...... صورت حال کی دلچسپی سے وہ انکار نہیں کر سکتا تھا، ایک بار پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا، اس وقت وہ جس خوفناک صورتحال سے دوچار تھا اس کی کوئی مثال نہیں ملتی تھی، ایک لمحے میں کھیل بگڑ سکتا تھا، اس وقت کوئی اور آ جائے تو بہر حال یہ ایک اجنبی جگہ تھی، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب کیا کرے، روشندان تک پہنچ مشکل تھی اور اس کے بعد بھی کیا کہا جا سکتا تھا کہ باہر

یں کامیابی کس حد تک ہو سکتی ہے، یہاں جو انتظامات تھے وہ معمولی نوعیت کے نہیں ،خانم کی موت کا اگر کسی کو علم ہو جائے تو پھر شہاب کے پاس کچھ کہنے کا کیا جواز رہ جاتا ،باقی ساری باتیں تو بعد کی ہی ہیں، کوئی موثر عمل ہو تو اسے کیا جائے اور آخر کار اب ف ایک ہی خطرہ مول لیا جا سکتا ہے اور شہاب اس کے لئے تیار ہو گیا، اب اس کے نتیجے کچھ بھی کرنا پڑے وہ کیا جائے گا مجبوری ہے، ڈبل او گینگ کے افراد کو بھی اس وقت یہاں ب رنا ان کی زندگی کو خطرے میں ڈالنا تھا، یہاں تک کہ سحر شاہ کو بھی اگر وہ پولیس آفیسر حیثیت سے بلائے تو سارے کے سارے مصیبت کا شکار ہو سکتے تھے...... باڑی میں اس ت جس طرح خوفناک صورت حال تھی اور جس طرح لوگ ان قاتلوں کو تلاش کرتے رہے تھے اس سے کسی بھی لمحے ان لوگوں کو فنا کے گھاٹ اتارا جا سکتا تھا...... بہر حال ہاب اپنے فیصلے سے ... دروازہ کھول کر باہر نکل آیا، دروازہ باہر سے بند کر کے اس نے ہداری میں دُور تک دیکھا اور پھر برق رفتاری سے آگے بڑھنے لگا، احتیاطاً وہ ستونوں کی آڑ لے رہا تھا تاکہ چلتا پھرتا کوئی شخص براہ راست اسے نہ دیکھ سکے، خاموشی اور سناٹا ہر طرف پھیلا ہوا تھا...... راہداری سے باہر نکلا اور صدر دروازے سے بھی باہر نکل آیا تو اسے وہ لینڈ روور نظر آ گئی جسے خانم ڈرائیو کرتی ہوئی یہاں تک لائی تھی، شہاب نے دُور دُور تک دیکھا، رف گیٹ پر چوکیدار مستعد نظر آ رہے تھے...... باقی سب خیریت تھی، دوسرے چوکیدار یہاں ڈیوٹی پر ہوتے تھے وہ شاید اس وقت چھٹی کر لیا کرتے تھے...... پھر شہاب کے اندر یک عجیب قوت اُبھر آئی...... بہر حال کام اسی طرح سے ہوتے ہیں اور اگر کوئی خوفناک صورت حال اس کا انتظار ہی کر رہی ہے تو اس سے گریز کس طرح ممکن ہے، اس نے لینڈ روور کی جانب دوڑ لگائی اور اس کے دروازے کو آزما کر دیکھا، دروازہ کھلا ہوا تھا، لیکن اگنیشن میں چابی نہیں لگی ہوئی تھی، شہاب لینڈ روور سے صدر دروازے تک کا جائزہ لیتا رہا، بائیں جانب ایک چوڑی کراٹا کی باڑھ تھی جو لینڈ روور سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھی، شہاب یہ جائزہ لینے کے بعد کراٹا کی باڑھ کے ساتھ ساتھ آگے بڑھا اور ایک بار پھر صدر دروازے سے اندر داخل ہو گیا، پھر وہ کمرے میں پہنچا اور سب سے پہلے چاروں طرف کا جائزہ لے کر اس نے ایک کارنس سے لینڈ روور کی چابی اٹھائی، ظاہر ہے چابی خانم کے پاس ہی تھی، اس کے بعد اس نے فیصلہ کر کے سب سے پہلے خانم کو اس کی جگہ سے اٹھایا اور اس کی لاش کو کندھے پر

ڈال کر راہداری میں آگے بڑھ گیا، ایک ایک لمحہ ذہن میں دھمک بن کر گزر رہا تھا، کسی ایک کی نظر اس پر پڑ جائے بس اس کے بعد صورت حال کو سنبھالنا شہاب کے بس کی بات نہیں ہو گی اور پھر اسے جن خطرناک حالات کا سامنا کرنا پڑے گا ان کا تصور بھی ہولناک تھا، خانم کی لاش کو آخر کار وہ لینڈ روور تک لے ہی آیا اور پھر اس نے لاش لینڈ روور میں ڈرائیونگ سیٹ کے برابر والی سیٹ پر بٹھا دی اور اس کا چہرہ سیٹ سے اس طرح ٹکا دیا کہ خانم بیٹھی ہوئی محسوس ہو، ایک بار پھر وہ واپس پلٹا اس کے رونگٹے خود کھڑے ہو رہے تھے اور وہ اپنی کارکردگی کی کامیابی کے لئے دل میں دعائیں بھی مانگ رہا تھا...... اندر داخل ہونے کے بعد اس نے اس پھٹی ہوئی چادر کے دو اور بڑے ٹکڑے لئے اور اس کے بعد رجب خان کے بے ہوش جسم کو کندھے پر ڈال کر کمرے سے باہر نکل آیا، باہر نکلتے ہوئے اس نے ایک گہری نگاہ کمرے پر ڈالی اور پھر تیز رفتاری سے راہ داری میں چلنے لگا، اس کی پھرتی قابل داد تھی، اپنے طور پر انتہائی کوشش کر کے آخر کار وہ ایک بار پھر لینڈ روور تک پہنچ گیا، اس کے دل میں خوشی کی کپکپاہٹ تھی، کیونکہ یہ بھی کافی بڑا کام تھا، دیکھ لئے جانے کا خطرہ ہر لمحے لگا ہوا تھا اور پھر جگہ کچھ ناواقفیت کی تھی، بہر حال اس نے لینڈ روور کی پچھلی سیٹ پر رجب علی کو لٹایا اور اس کے بعد جلدی سے ڈرائیونگ سائیڈ کا دروازہ کھول کر اندر پہنچ گیا...... خانم کی گردن سینے پر جھکی ہوئی تھی...... شہاب نے چادر کے پھٹے ہوئے ٹکڑے کو خانم کی گردن سے باندھا اور اس کے بعد اسے سیٹ سے باندھ دیا، دوسرا ٹکڑا اس نے خانم کی کمر سے باندھا تھا اور پھر اسے سیٹ سے کس دیا تھا، اس طرح خانم اب سیٹ پر بیٹھی ہوئی محسوس ہو رہی تھی، چنانچہ شہاب نے اس کام سے فارغ ہونے کے بعد چابی اگنیشن میں لگائی اور اللہ کا نام لے کر لینڈ روور سٹارٹ کر دی، گیٹ پر کھڑے ہوئے چوکیداروں نے چونک کر ادھر دیکھا تھا، شہاب نے لینڈ روور کی لائٹ جلائیں اور پھر اسے آگے بڑھانے لگا، دونوں چوکیداروں نے ٹارچیں نکال لیں اور گیٹ نہیں کھولا تھا...... انہوں نے اپنی رائفلیں بھی سیدھی کر لی تھیں...... شہاب لینڈ روور کو آہستہ آہستہ گیٹ تک لے گیا، دونوں طرف سے اس پر ٹارچوں کی روشنیاں پڑیں اور پھر جیسے ہی چوکیداروں کی نگاہ بیٹھی ہوئی خانم پر پڑی انہوں نے جلدی سے آگے بڑھ کر گیٹ کھول دیا...... شہاب خاموشی سے لینڈ روور کو آہستہ آہستہ آگے نکال لے گیا تھا...... عقب نما آئینے میں اس نے چوکیداروں کو مطمئن ہی دیکھا تھا، وہ گیٹ بند کر رہے

لیکن انہوں نے غالباً یہ غور نہیں کیا تھا کہ اس وقت لینڈ روور ڈرائیو کون کر رہا ہے، بس یہ دیکھ کر مطمئن ہو گئے تھے کہ برابر کی سیٹ پر خانم بیٹھی ہوئی ہے چنانچہ انہوں نے گیٹ بند کر لیا تھا...... شہاب نے تھوڑی دُور تک تو لینڈ روور سست رفتاری سے آگے بڑھائی اور اس کے بعد اس نے اسے طوفانی رفتار میں دوڑانا شروع کر دیا...... راستے بھی مخدوش تھے کیونکہ باڑی میں اب سمگلروں کے گروہ پہرہ دے رہے تھے اور جگہ جگہ مسلح افراد کی ٹولیاں گردش کرتی ہوئی نظر آ رہی تھیں...... شہاب لینڈ روور ڈرائیو کرتا رہا اور تھوڑی دیر کے بعد ایک لمبا چکر لگا کر آخر کار سحر شاہ کے گھر پہنچ گیا، راستے میں اس نے تعاقب کا پورا پورا خیال رکھا تھا لیکن شکر تھا کہ ایسی کوئی بات دیکھنے میں نہیں آئی تھی...... یہاں پہنچ کر وہ برق رفتاری سے نیچے اترا اور پھر دوڑتا ہوا اندر داخل ہو گیا...... سردار علی، توصیف اور انجم وغیرہ جاگ رہے تھے، اسے دیکھ کر سب چونک پڑے اور پھر انجم نے کہا۔

"شہاب صاحب۔"

"انجم پلیز...... فوراً باہر جاؤ ایک لینڈ روور کھڑی ہوئی ہے، اس میں ایک بے ہوش آدمی موجود ہے اور دوسری لاش جو لینڈ روور کی سیٹ سے بندھی ہوئی ہے دونوں کو اندر لے آؤ، ویسے سحر شاہ کہاں ہے؟"

"شاہ صاحب آئے تھے آپ کے بارے میں پوچھ رہے تھے پھر چلے گئے۔"

"ہوں...... پھرتی سے یہ کام کر ڈالو۔" وہ سب باہر دوڑ گئے تھے، پھر وہ خانم شرجیلہ کی لاش اور بے ہوش رجب خان کو اندر لے آئے لیکن ان کی مسرتوں کی انتہا ہی نہیں تھی...... پھر اس نے کہا۔

"تم میں سے کوئی احتیاط کے ساتھ لینڈ روور لے کر یہاں سے نکل جاؤ اور اسے اتنے فاصلے پر چھوڑ آؤ جہاں سے تم پیدل کا سفر آسانی سے کر سکو، لیکن براہ کرم ہوشیاری سے سٹیرنگ اور دروازے کے ہینڈل سے ہاتھوں کے نشانات وغیرہ مٹا دینا۔"

"میں جاتا ہوں۔" سالک نے کہا اور مستعدی سے باہر نکل گیا...... لینڈ روور کی چابی اگنیشن میں ہی تھی...... اندر وہ سب حیران نگاہوں سے خانم شرجیلہ اور رجب خان کو دیکھ رہے تھے...... کسی نے کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں کی تھی، شہاب نے خود ہی پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"یار و بات ناجائز بے شک ہے لیکن اس وقت میں جسم سے زیادہ اعصابی طور پر تھکا ہوا ہوں...... اگر کافی مل جائے تو آپ لوگوں کا دلی شکر گزار ہوں گا۔"

"کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے جناب...... یہ گھر تو اپنی جاگیر ہے۔" شوکت نے ہنستے ہوئے کہا اور باہر نکل گیا...... بہر حال یہ لوگ بہترین تعاون کرنے والے تھے، شہاب سے زیادہ انہیں بہر حال کون جان سکتا تھا...... شہنشاہ کے حوالے سے شہاب سے رابطہ ہوا تھا لیکن شہاب کو بھی وہ بڑی عزت دیا کرتے تھے، فراست نے پوچھا۔

"شہاب صاحب یہ عورت مر چکی ہے نا۔"

"پہچانتے ہو نا اسے۔"

"ہاں۔"

"لل...... لیکن او ہو...... دیکھئے یہ ہوش میں آ رہا ہے۔"

فراز نے رجب خان کی طرف اشارہ کر کے کہا اور شہاب رجب خان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

❁ ❁ ❁

بینا کسی فائل پر جھکی ہوئی تھی...... ایڑیاں بجنے کی آواز پر چونکی اور گردن اُٹھا کر دیکھا، ب اٹینشن کھڑا تھا...... بینا بے اختیار مسکرا اُٹھی اور اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی...... شہاب دو م آگے بڑھا اور پھر بولا۔

"تو اس میں جھجکنے کی کیا بات ہے باس، جو دل میں آ رہا ہے کر لیجئے۔" بینا جھینپ کر رہ ،پھر آہستہ سے بولی۔

"کیا مطلب؟"

"اس وقت آپ کا دل چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ آپ آگے بڑھ کر مجھ سے لپٹ جانا ہتی ہیں...... اگر غلط کہہ رہا ہوں تو گولی مار دیجئے گا۔"

"شکایت ہے آپ سے۔"

"نہیں چیف شکایت بالکل نہیں ہو گی، میں آپ کو اپنے موقف کا قائل کرنے کی شش کروں گا، ویسے آپ یقین کیجئے آپ کو ہیڈ کوارٹر میں اپنے آفس میں بیٹھے دیکھ کر مجھے ں قدر خوشی ہوئی ہے میں بیان نہیں کر سکتا۔"

"آپ تشریف تو رکھئے جناب۔ آپ کی ساری چالاکیاں سمجھتی ہوں آتے ہی آپ نے نفسیاتی گر استعمال کرنا شروع کر دیئے...... یعنی پہلے مجھے سیلوٹ کیا تاکہ میرا موڈ بدل جائے اور اس کے بعد اپنی کہانیاں شروع کر دیں، یہ میری زبان بند رکھنے کی کوشش ہے۔"

"تو پریکٹس تو ابھی سے ہونی چاہئے ناں اس کی ورنہ طریقہ کار اپنی مٹھی میں رکھنے پا نہیں کہ بیگم صاحبہ حد سے آگے نہ بڑھ سکیں۔"

"بیٹھئے...... بیٹھئے بس آپ کے سامنے خاموش ہو جاتی ہوں، ورنہ اتنی بے وقوف بھی

نہیں ہوں۔"

"شکریہ۔" شہاب نے کہا اور بینا کے سامنے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا...... بینا ہنستی ہوئی اپنی کرسی پر جا بیٹھی تھی۔

"معاف کیجئے گا یہ ڈسپلن ہے ورنہ آپ کے سامنے اس طرح بیٹھنا میرے لئے مشکل تھا۔"

"باقاعدگی سے آفس میں بیٹھنا شروع کر دیا ہے۔"

"ہاں نادر حیات صاحب کا حکم تھا بلکہ وہ تو اب کہہ رہے ہیں کہ بقیہ سٹاف کو بھی یہیں بیٹھنا چاہئے۔" بینا نے کہا اور شہاب سوچ میں ڈوب گیا پھر گردن ہلا کر بولا۔

"نہیں بینا یہ تو مناسب نہیں ہوگا۔" بینا نے سوالیہ نگاہوں سے شہاب کو دیکھا تو شہاب نے کہا۔

"ان لوگوں کو کسی بھی شکل میں منظر عام پر نہیں رہنا چاہئے، تمہاری بات اور ہے میں تمہیں ویسے بھی پیش نظر میں رکھنا چاہتا ہوں...... نادر حیات صاحب سے اس موضوع پر بات کرلوں گا کوئی زیادہ شدت تو نہیں اختیار کی ان کے اس مطالبے نے۔"

"نہیں بس تذکرہ کر رہے تھے مجھ سے...... ویسے میرے یہاں بیٹھنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے۔"

"واسطی صاحب کا کیا کہنا ہے؟"

"نہیں ظاہر ہے وہ کیا کہیں گے...... انہوں نے مجھے اس کی اجازت دی ہے۔"

"اور تم آفس میں جوان کی معاونت کرتی ہو۔"

"اس کے لئے انہوں نے زبیر صاحب کو اپنے ساتھ شامل کرلیا ہے آپ کے علم میں ہے۔"

"زبیر کیسا جا رہا ہے۔"

"جن معاملات کے لئے اسے رکھا گیا ہے اس میں مناسب ہے یعنی وہ واسطی صاحب کو اسسٹ کرتا ہے۔"

"چلئے ٹھیک ہے...... ویسے واقعی آپ کو اس کرسی پر دیکھ کر خوشی ہو رہی ہے۔"

"شکریہ۔"

"اور اس کے بعد اصل کام یعنی وہ دلی مبارکباد جو میں آپ کو دینا چاہتا ہوں۔"

"کس سلسلے میں۔"

"میری غیر موجودگی میں جو آپ نے تن تنہا ایک عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے۔"

"آپ کو پتا چل گیا۔"

"نادر حیات صاحب نے جس خوشی سے مجھے یہ خبر سنائی ہے بینا اس سے ان کی دلی کیفیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے، کبھی کبھی بعض لوگ اس طرح بڑائی اختیار کر جاتے ہیں کہ انسان کو پتا بھی نہیں چلتا، وہ ایک فرض شناس آفیسر ہیں اور فرض شناسوں کو پسند بھی کرتے ہیں، لیکن تم یقین کرو ہمارے لئے ان کا انداز ایک مشفق بزرگ کا سا ہی ہے اور ان کے جذبات کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے جیسے کوئی اپنا کسی اپنے کے کسی کارنامے سے خوش ہوتا ہے، تمہارا یہ کارنامہ انہوں نے مجھے لفظ بہ لفظ سنایا ہے۔" بینا مسکرانے لگی تو شہاب نے کہا۔

"ویسے ایک بات بتاؤ کیا واقعی تم اتنی ذہین ہو۔"

"جی نہیں...... سب استاد کی دین ہے۔"

"استاد۔"

"جی ہاں آپ کی غیر موجودگی میں شہاب صاحب جو کام بھی کرتی تھی آپ کو تصور میں رکھ کر کرتی تھی۔"

"یعنی ہمارا تصور صرف کام کے وقت ہی۔"

"جی...... جی نہیں...... جی ہاں میرا مطلب ہے جی ہاں۔"

شہاب کے حلق سے ایک قہقہہ آزاد ہو گیا تھا...... بینا کی بوکھلاہٹ سے وہ لطف اندوز ہو رہا تھا...... پھر اس نے سنجیدہ ہو کر کہا۔

"ویسے واقعی بینا تم نے میری اب تک کی محنت کی لاج رکھی ہے، واسطی صاحب تو بہت خوش ہوں گے۔"

"ہاں...... کیوں نہیں۔"

"کوئی مشکل تو پیش نہیں آئی، یہ سارے کام کرتے ہوئے۔"

"بس یوں سمجھ لیجئے کچھ تکے بھی لگے ہیں۔"

"نہیں بینا انہیں تکا نہ کہو بہت سارے لوگوں کے سامنے تکے کیا نجانے کیا سے کیا

آجاتا ہے اور وہ حقیقتوں کو سمجھ ہی نہیں پاتے۔"

"میں آپ کو اس سلسلے میں پوری رپورٹ دوں گی۔"

"ہاں ضرور لیکن فرصت کے وقت۔"

"کیا مصروفیت ہے اس وقت آپ کی۔"

"طویل عرصے کے بعد محبوبہ کو نگاہوں کے سامنے دیکھ رہا ہوں...... اس سے بڑے مصروفیت اور کیا ہو سکتی ہے۔"

"کیسا رہا وہاں کا سارا سلسلہ۔"

"اس سلسلے میں بھی حضور کو رپورٹ پیش کرنی ہے۔"

"آکر تو مجھ سے فوراً نہیں ملے۔"

"ایک فرض شناس افسر خاتون یہ بات نہیں کہہ سکتیں، فرض کی ادائیگی ضروری تھی...... نادر حیات صاحب کو رپورٹ پیش کرنا پہلا کام تھا۔"

"میں تم سے اتفاق کرتی ہوں شہاب۔" بینا سنجیدہ ہو کر بولی پھر کہنے لگی۔

"مگر اب یہ تو بتاؤ کیا رہا۔"

"ثریا کے قاتلوں کو گردن سے پکڑ کر لے آیا ہوں۔"

"ویری گڈ...... لیکن تفصیلات۔" بینا نے کہا۔

"یس باس۔" شہاب بولا اور پھر اس نے مختصراً تمام تفصیل بتا دی...... بینا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں، پھر اس نے کہا۔

"میرے خدا گویا اس کا مطلب ہے کہ اس معاملے میں۔"

"بے شمار افراد قتل ہوئے بینا...... انسانی خون بہانا ظاہر ہے بدترین فعل ہے لیکن اس کے بغیر چارہ کار نہیں تھا اور پھر وہ لوگ جو اپنے وطن میں اتنی گھناؤنی سازش کر رہے ہیں، میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ نوجوانوں کو منشیات کا عادی بنا کر ان کی زندگی سے کھیلنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے گھر کی دیواروں میں دیمک کو پالنا...... یہ دیمک ہمارے وطن عزیز کی جڑیں کھوکھلی کر دے گی، مجھے ان لوگوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہے اور بینا ایسے بے شمار نام لے کر آیا ہوں جو اس سلسلے میں ملوث ہیں اور بہت بڑی حیثیت کے مالک ہیں...... نادر حیات صاحب کا کہنا ہے کہ یہ اتنے بڑے لوگ ہیں کہ ان پر ہاتھ ڈالنا کسی طور مناسب نہیں ہوگا، اس سے بڑی

خوفناک حالات پیدا ہو سکتے ہیں، حالانکہ وہ بذات خود اس قدر ذمہ دار انسان ہیں لیکن میں ان کی بات پر بھی یقین رکھتا ہوں جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں، لیکن جہاں تک میری بات ہے میری لغت میں ایسا کوئی تصور نہیں ہے، ہاں یہ الگ بات ہے کہ طریقہ کار بدلنا پڑے گا...... ان لوگوں کو معاف کر کے میں خود بھی ذہنی طور پر مطمئن نہیں ہو سکتا بینا۔"

"میں جانتی ہوں شہاب۔"

"خیر چھوڑو یہ تو ہوئیں وہ باتیں جن کا ہماری زندگی سے تعلق نہیں ہے، میرا مطلب ہے ہماری ذاتی زندگی سے۔"

"اور ذاتی زندگی کے لئے یہ آفس مناسب نہیں ہے۔"

"تو پھر اُٹھو۔"

"اُٹھ جا یار...... میری ماتحت ہے تو...... اُٹھ جا۔" شہاب بے تکلفی سے بولا اور بینا ہنس پڑی...... پھر بولی۔

"یس باس۔" اس کے بعد وہ دونوں اپنی جگہ سے اُٹھے اور وہاں سے چل پڑے...... بینا نے ہنس کر کہا۔

"کہاں چل رہے ہو۔"

"بس...... اتنی دُور جہاں یہ سماج ہمارا پیچھا نہ کرے۔"

"تو میں وہ جگہ تمہیں بتاتی ہوں۔"

"ہاں ہاں بتاؤ۔"

"وہ ہوٹل جہاں ہم ملاقاتیں کرتے رہے ہیں۔"

"ارے واہ...... زبردست بالکل ٹھیک ہے...... وہاں سماج سے ہمارا پیچھا چھوٹ جاتا ہے۔"

"اور ایک اور دلچسپ بات ہے۔" بینا نے کہا اور شہاب نے کار کا رُخ اس ہوٹل کی جانب موڑ دیا تھا۔

"ہاں...... ہاں وہ دلچسپ بات بھی بتاؤ۔"

"اس ہوٹل میں ایک بار میں گئی تھی۔"

"تنہا۔"

"ہاں۔"

"ٹھیک ہے پھر۔"

"وہ ویٹر جو ہمارے کیبن کو سرو کرتا ہے بڑا افسردہ نظر آیا اور اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میرا تم سے جھگڑا ہو گیا ہے۔"

"ونڈر فل۔" شہاب ہنس کر بولا۔

"بہت افسردہ نظر آرہا تھا وہ...... ڈرتے ڈرتے مجھ سے پوچھا تو میں نے اسے اطمینان دلایا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے...... بے چارہ کہنے لگا کہ مجھے تنہا دیکھ کر اسے بہت دُکھ ہوا تھا۔"

"ہوتا ہے بینا ہوتا ہے...... کبھی کبھی کچھ ایسے معاملات میں انسان کو انسان سے لگاؤ ہو جاتا ہے جس کا دوسرا تصور بھی نہیں کر سکتا۔" دونوں یہ ہی باتیں کرتے ہوئے ہوٹل میں جا بیٹھے تھے اور وہی ہوا اس ویٹر نے انہیں دُور ہی سے دیکھ لیا تھا...... جلدی سے کیبن کی جانب لپکا، اس کا پردہ سرکایا اندر گھس کر میزیں صاف کیں اور اس کے بعد کیبن کے دروازے سے باہر نکل کر ان کا منتظر کھڑا ہو گیا۔

"کہئے کیا حال ہیں آپ کے بابا جی۔"

"صاحب اللہ کا شکر ہے بڑی مہربانی صاحب جی آپ کہیں چلے گئے تھے؟"

"ہاں بابا جی۔"

"بیگم صاحبہ اکیلی آئی تھیں...... معاف کیجئے گا جی کسی کے ذاتی معاملے میں ہمیں دخل نہیں دینا چاہئے، مگر اللہ آپ لوگوں کو خوش رکھے۔" ویٹر خاموش ہو گیا۔

"شکریہ بابا چلئے اب اپنی مرضی سے بتایئے کیا پلائیں گے۔"

"کچھ کھائیں گے صاحب یا۔"

"نہیں بس اس وقت پئیں گے۔"

"میں کافی لے کر آتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" ویٹر چلا گیا...... بینا اور شہاب اس کے اس خلوص پر متاثر ہوئے تھے، پھر وہ مہم کے بارے میں تفصیلی گفتگو کرنے لگے، دونوں ہی خوش تھے اور بہت عرصے کی یہ ملاقات بڑی عجیب و غریب جذباتی کیفیتوں کی حامل تھی۔

❀ ❀ ❀

مرزا اعظم بیگ کو بڑے احترام اور اہتمام کے ساتھ سٹیج پر بلایا گیا اور مہمان خصوصی کی حیثیت سے انہیں نمایاں مقام پر بٹھایا گیا...... ملک کے اور بھی بہت سے سربرآوردہ لوگ وہاں موجود تھے، سب نے تالیوں کی گونج میں مرزا اعظم بیگ کا استقبال کیا تھا...... سول سرجن نے اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر ڈائس پر لگے ہوئے مائیک میں مرزا اعظم بیگ کے بارے میں کہا۔

"اصولی طور پر کچھ ذمہ داریاں کچھ لوگوں کے کاندھے پر ہوتی ہیں وہ جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نوازتا ہے اور انہیں عام لوگوں کے درمیان ایک نمایاں مقام دیتا ہے...... درحقیقت اپنے وطن اور وطن والوں کے لئے اگر دل میں احساس ہمدردی رکھیں تو رفتہ رفتہ ان مشکلات پر قابو پایا جا سکتا ہے جو وسائل نہ ہونے کی بنا پر پیدا ہو جاتی ہیں...... سرکاری طور پر ہمارے ہسپتال میں تقریباً سبھی کچھ ہوتا ہے اور حکومت فنڈز جاری کرتی ہے، اس کے باوجود اگر صاحب ثروت اپنا فرض پہچانتے ہوئے اس شعبے کی طرف بھی توجہ دیں تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ بے شمار نیک کاموں میں یہ بھی ایک بہت بڑا اور نیک کام ہے، بیماریوں کی مختلف اقسام ہوتی ہیں، کچھ قدرتی آفات کچھ ماحول کی آلودگی کی بنا پر پیدا ہوتی ہیں اور کچھ ایسی ہوتی ہیں جنہیں اہل وطن یا باہر کے لوگ ہمارے نوجوانوں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے خود بھیجتے ہیں...... نشے کی لعنت بھی ایک ایسی ہی بیماری ہے اگر ہم اس کے پس منظر میں جائیں اور گہرائیوں پر نگاہ ڈالیں تو درحقیقت یہ ایک بہت خوفناک سازش ہے...... وطن کے رکھوالے یہ ہی نوجوان تو ہوتے ہیں معصوم بچے اور بوڑھے سبھی اپنا اپنا کچھ نہ کچھ فرض ادا کرتے ہیں...... آج اگر آپ لاتعداد گھروں میں جھانکیں تو آپ کو بے شمار دردناک واقعات

کا سامنا کرنا ہوگا..... وہ عورتیں جو گھروں میں کام کاج کرتی ہیں ان کی صورتوں پر بے کسی اور بے بسی چھپی ہوئی ہوتی ہے، پتا یہ چلتا ہے کہ بیٹا جوان ہے مگر نشے کی لعنت کا شکار..... شوہر کسی زمانے میں بہت اچھا تھا لیکن اب نشہ کرتا ہے، گھر میں بیوی اور بال بچوں کو مارتا پیٹتا ہے اور وہ در در کی خاک چھاننے پر مجبور ہیں، بات صرف نچلے طبقے ہی کی نہیں ہے اس وقت نشے کی لعنت بری طرح پھیلتی جارہی ہے، حکومت اس کے خلاف ہر ممکن عمل کر رہی ہے لیکن بہر حال بات صرف ایک فرد کی نہیں ہوتی۔ ہر شخص اپنے اپنے طور پر اس لعنت کے خلاف اگر مصروف عمل ہو جائے تو اس سے اچھی اور کوئی بات نہیں ہے..... مرزا اعظم بیگ نے سول ہسپتال میں پینتالیس لاکھ روپے کی لاگت سے ایک شعبہ تعمیر کرایا ہے اور یہ شعبہ صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو نشے کی لعنت کا شکار ہیں..... اس شعبے میں ابھی دو سو بستر فراہم کئے گئے ہیں اور تمام ضروری سامان بھی مہیا کیا گیا ہے جو نشے کے عادی افراد کے لئے ہے اور ہم خوشی سے یہ اعلان کرتے ہیں کہ آج ہمارے اس شعبے کا افتتاح ہو گیا ہے اور مرزا اعظم بیگ اس کے روح رواں ہیں..... ہم حکومت کی طرف سے اور ہسپتال کی انتظامیہ کی طرف سے مرزا صاحب کے دلی شکر گزار ہیں، میں اعظم بیگ صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ تشریف لا کر اپنے ان جذبات کا اظہار کریں جو اس شعبے کی تکمیل میں ہمارے لئے اہمیت کے حامل ہیں۔" مرزا اعظم بیگ ایک تندرست و توانا لیکن سادہ لوح قسم کے آدمی نظر آتے تھے، مسکراتے ہوئے ڈائس پر آئے اور کہا۔

"یہ ایک رسم ہے ایک رواج ہے..... لوگوں کی محبت ہے، ان کی خوش اخلاقی ہے کوئی چھوٹا سا کام کر دینا اتنی اہمیت کا حامل نہیں ہوتا لیکن محبت کرنے والے چھوٹے چھوٹے کاموں کو بھی سراہتے ہیں..... تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے میری اس چھوٹی سی کاوش کو سراہا اور مجھے عزت بخشی، جو کچھ میرے دل میں تھا ڈاکٹر صاحب نے اس کی تشریح کر دی ہے، اس لئے میرے پاس اب کہنے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے، سوائے ایک چھوٹے سے اعلان کے میں جانتا ہوں کہ یہ شعبہ تعمیر ہو گیا لیکن اس کے دیگر اخراجات بھی ہوں گے، میں اس کے لئے ایک حقیر سی رقم ہر سال ادا کرنے کی پیش کش کر رہا ہوں، میں اس شعبے میں ادویات وغیرہ کے لئے پچیس لاکھ روپے سالانہ پیش کیا کروں گا اور اگر اللہ نے مجھے اس سے زیادہ توفیق دی تو اپنی طرف سے بھی اور اپنے بزنس مین بھائیوں کی طرف سے

بھی میں اس شعبے کی امداد کروں گا اور کوشش کروں گا کہ ایسے شعبے اور بھی قائم ہوں اور ایسی جگہ قائم ہوں جہاں آسانی سے ضرورت مندوں کو امداد مل سکے شکریہ۔" تالیوں کی گونج میں مرزا اعظم بیگ واپس اپنی جگہ چلے گئے..... پھر مختلف لوگوں نے ان کی اس محبت اور وطن دوستی کو سراہا اور اس کے بعد اس تقریب کا اختتام ہو گیا، گھر والے تقریب میں شریک تھے..... مرزا ناظم بیگ، اطہر بیگ، طاہر بیگ اور اعظم بیگ کی بیٹی صدف اس کے علاوہ ان کی اہلیہ..... یہ تمام لوگ تقریب میں شریک تھے، واپسی میں باپ کے ساتھ ایک شاندار پجارو میں بیٹھے وہ بڑی خوشی کے عالم میں باپ کی اس پذیرائی پر گفتگو کرتے رہے تھے۔

"ارے بچو! بس اللہ نے جو عطا کیا ہے میں تو اس میں سے اس کا حصہ ادا کر دیتا ہوں اور اس کے حصے کی ادائیگی بھی کیا..... بس اپنی طرف سے معمولی سی کوشش مجھے خوشی ہے کہ تم سب نے اپنے اپنے طور پر بھی اپنے معاملات سنبھال رکھے ہیں، اپنے کاروبار پر قابو پانے کے بعد اس قسم کے نیک کام کرتے رہا کرو۔" مرزا اعظم بیگ کا ماضی کیا تھا، یہ تو شاید ان کے علاوہ اب کسی کو نا معلوم ہو..... زیادہ سے زیادہ بیگم صاحبہ ان کی رازدار تھیں، لیکن ماضی کی طرف سے بالکل خاموش اور ماضی ان دنوں حیثیت بھی نہیں رکھتا، ہر صاحب حیثیت جو دولت مند اور اچھی شخصیت کا مالک ہو خاندانی ہو جاتا ہے اور اگر لوگوں کو اس کے خاندان کے بارے میں ساری تفصیلات بھی معلوم نہیں ہوتیں، تب بھی وہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ بڑے گھر کے بڑے لوگ اور بڑے لوگوں کا بڑا انداز بھلا ماضی تلاش کرنے کی زحمت کون کرے اور اسی طرح مرزا اعظم بیگ کا ماضی تلاش کرنے کی بھی زحمت کسی نے نہیں کی تھی، بس اتنا کافی تھا کہ وہ ایک شاندار کاروباری آدمی تھے..... شپ بریکنگ میں ان کا ایک نمایاں مقام تھا، سکریپ کا کام کیا کرتے تھے..... بڑے بڑے سمندری جہاز خرید لیتے تھے اور پرائیویٹ طریقے سے انہیں سکریپ کرتے تھے..... اللہ تعالیٰ نے خوب دولت دی تھی اور انہوں نے اپنے تمام بچوں کو باعمل کر دیا تھا، چنانچہ مرزا ناظم بیگ ایک فیکٹری کا مالک تھا اور اپنے طور پر وہ فیکٹری کو سنبھالتا تھا..... مرزا اطہر بیگ اور مرزا طاہر بیگ یہ سب اپنے اپنے الگ کاروبار کرتے تھے..... باپ کی طرف سے مکمل سپورٹ تھی، پھر بھلا کاروبار کیوں نہ چمکتے جس سے جو کہہ دیا اس نے وہ کر دکھایا، کون انکار کر سکتا ہے، چنانچہ سب کے سب شاندار زندگی گزار رہے تھے، ایک بیٹی تھی جس کے مستقبل کا کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا، ایک ہلکا

سا اشارہ بڑے بڑوں کو اس کے قدموں میں لا کر ڈال سکتا تھا، بعض گھرانے اس طرح بھی خوشحال ہوتے ہیں اور خوشیاں ان کے گھر کی غلام اور پھر مرزا اعظم بیگ تو ویسے بھی نیک نام آدمی تھے...... رفاہی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے...... سرکاری حلقوں میں بھی خوب بات بنی ہوئی تھی اس کی...... یوں ایک کامیاب اور کامران زندگی کے مالک اپنے مسائل عیش و آرام سے حل کر رہے تھے، لیکن بہت ہی نیک فطرت انسان تھے اور ان کے بچے جانتے تھے کہ وہ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر عبادت کرتے ہیں، ایک الگ تھلگ جگہ انہوں نے اپنی عبادت گزاری کے لئے بنا رکھی تھی...... راتوں کو جاگتے تھے اور بچوں کے سوال پر انہوں نے ایک بار کہا تھا۔

"بیٹے سکون عیش و آرام ایک الگ حیثیت ہے۔ تنہائیوں میں راتوں کو جاگنے سے قلب روشن ہوتا ہے۔" اپنی اس رہائش گاہ میں انہوں نے ننھے ننھے خوبصورت پرندے پال رکھے تھے، ایک بہت ہی نفیس قسم کا پنجرہ بنا ہوا تھا جس میں رنگ برنگی چڑیاں پھدکتی رہتی تھیں...... ویسے بھی یہاں کے ماحول کو انہوں نے دیہاتی ماحول میں تبدیل کیا تھا، یہ غالباً ماضی کا کچھ عکس تھا، لیکن اس کی تشریح کبھی اس نے اپنے بیٹوں اور بیٹی کے سامنے بھی نہیں کی تھی...... بس اتنا ہی کہا تھا کہ شوق ہے میاں اور پھر یہ پرندے یہ تو بہت کچھ سکھاتے ہیں...... انسان کو ان سے بہت کچھ حاصل ہو سکتا ہے، اگر گہری نگاہوں سے ان کا تجزیہ کیا جائے اور بس میں یہ ہی کرتا ہوں اور اس سے میرا قلب روشن ہوتا ہے، چنانچہ تقریب سے فراغت کے بعد کافی دیر تک ان معاملات پر گفتگو ہوتی رہی اور اس کے بعد مرزا صاحب نے اپنے بچوں سے اجازت طلب کر لی...... اہلیہ بہت عرصے سے تنہا سونے کی عادی ہو گئی تھی، مرزا صاحب کی عبادت گزاری ان کی نیند میں خلل انداز ہوتی تھی، چنانچہ بڑے خلوص سے انہوں نے مرزا صاحب کو اپنے حجرے یا ان کی رہائش گاہ میں آرام کرنے کی اجازت دے دی تھی، پھر تمام معمولات سے فراغت کے بعد مرزا اعظم بیگ اپنی رہائش گاہ کی جانب چل پڑے...... تالا اپنے ہاتھ سے کھولتے تھے وہ اپنی جگہ کے معمولات اپنے ہی ہاتھ میں رکھنے کے عادی تھے...... تالا کھول کر اندر داخل ہو گئے، ایک سادہ سا بستر لگا ہوا تھا...... فرش پر قالین بے شک بچھا ہوا تھا لیکن فرنیچر بہت اعلیٰ درجے کا نہیں تھا...... سادگی کی زندگی انہیں ہمیشہ ہی سے پسند تھی، اپنی قیام گاہ میں آنے کے بعد دروازہ اندر سے بند کیا...... پھر الماری

سے شب خوابی کا لباس نکالا اور اسے پہننے کے بعد بستر پر آ کر بیٹھ گئے، بستر کے ساتھ لگی سائیڈ ٹیبل پر ایک آدھی کھلی ہوئی کتاب رکھی ہوئی تھی...... سائیڈ لیمپ جلایا اور چشمہ لگا کر کتاب کی ورق گردانی کرنے لگے، لیکن پھر زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ اچانک ہی پرندوں کے پنجرے میں ایک چڑیا کے چیخنے کی آواز سنائی دی اور انہوں نے چونک کر کتاب رکھ دی...... چڑیا دوبارہ اسی مخصوص انداز میں چیخی اور وہ پھرتی سے اپنی جگہ سے اُٹھ گئے...... الماری کے قریب پہنچے اسے کھولا اور اس میں سے ایک سگار بکس نکال کر لے آئے...... چڑیا تیسری بار چیخی تھی اور اس کے بعد خاموش ہو گئی تھی...... انہوں نے سگار بکس کھولا اور اس کے اندر ایک عجیب سی مشینری کے کچھ بٹن دبانے لگے، چند لمحوں کے بعد اس سے ایک آواز اُبھری تھی۔

"ڈی۔ ایم۔ ڈی ایم۔ ڈی ایم۔" مرزا صاحب نے ایک بٹن دبایا اور بولے۔

"ڈی۔ ایم کالنگ۔"

"سیریس رپورٹ ہے۔"

"خیریت کیا بات ہے؟"

"دانی شاہ کی گرفتاری کی اطلاع ملی ہے۔"

"کیا۔"

"ہاں...... دانی شاہ گرفتار ہو گیا ہے۔"

"کب اور کہاں؟" مرزا صاحب کے لہجے میں شدید تشویش پائی جاتی تھی۔

"اسے باڑی سے گرفتار کر کے لایا گیا ہے۔"

"کیا مطلب...... وہ تو باڑی جا چکا تھا۔"

"ہاں...... مکمل رپورٹ کے بارے میں ابھی تفتیش ہو رہی ہے لیکن باڑی کی طرف سے بھی بڑی خوفناک رپورٹ ملی ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟"

"بالکل صحیح...... ظاہر ہے، کوئی غلط رپورٹ نہیں دی جا سکتی۔"

"باڑی کی رپورٹ کیا ہے۔"

"بس آپس میں ٹکرا گئے ہیں...... زبردست خونریزی ہوئی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہاں تمام ذخائر کے سٹور تباہ ہو چکے ہیں۔"

"اوہ مائی گاڈ کہیں کسی نے نشے کے عالم میں تو یہ رپورٹ نہیں دی۔"

"نہیں غلطی ہماری ہے کہ ہم نے اِدھر بھرپور نظر نہیں رکھی۔"

"مگر رپورٹ۔"

"رپورٹ یہ ہی ہے مزید تفصیلی رپورٹ کل شام کو سات بجے تک پہنچ جائے گی۔"

"بڑی خوفناک بات ہے...... دانی شاہ کی بات تو بڑی ہی عجیب ہے...... بھلا دانی شاہ جیسے شخص کو کوئی گرفتار کر سکتا ہے۔"

"مجھے خود حیرت ہے۔"

"میں نہیں مان سکتا۔"

"بلی کو دیکھ کر آنکھیں نہیں بند کی جا سکتیں مسٹر...... جو کچھ ہو چکا ہے اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔"

"آہ...... اس کا نتیجہ کیا ہو گا۔"

"ہمیں ابھی نتیجے پر غور نہیں کرنا پہلے یہ سوچنا ہے کہ اب کریں کیا۔"

"میں جانتا ہوں۔" مرزا اعظم بیگ نے پرخیال انداز میں کہا...... پھر بولا۔ "ویسے ہمیں فوری رپورٹ حاصل کرنی ہو گی یہ ضروری ہے۔"

"باڑی کے بارے میں تو ابھی تفصیلی رپورٹ مہیا کی جا رہی ہے، لیکن دانی شاہ کا معاملہ کسی شک و شبہہ کا شکار نہیں ہے، وہ اس وقت مقامی پولیس کی تحویل میں ہے اور ہیڈ کوارٹر میں اس کے لئے خاصا زبردست بندوبست کیا گیا ہے۔"

"لیکن آخر یہ سب کیسے ہوا۔"

"مسٹر ڈی...... ایم کیا یہ ساری باتیں ان چند لمحات میں کی جا سکتی ہیں۔"

"تو پھر کیا پروگرام ہے۔"

"کل پانچوں کی میٹنگ ضروری ہو گئی ہے۔"

"ٹھیک ہے ٹائم۔"

"سات بجے کے بعد رپورٹ ملے گی اور یہ رپورٹ ہمارے پاس پوائنٹ پر پہنچ جائے گی۔"

"میٹنگ کلینک میں ہی ہو گی۔"

"اس سے بہتر جگہ اور کون سی ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ٹھیک ہے پھر میں کلینک پہنچوں گا۔"

"ہوشیاری سے۔"

"اور کوئی خاص بات ایسی جو مجھے اس دوران معلوم ہونا ضروری ہو۔"

"نہیں اس کی ہدایت نہیں ہے۔"

"ایک سوال اور مسٹر آر کے۔"

"ہاں بولو۔"

"کیا یہ اطلاع ہمیں ہائی کمان سے موصول ہوئی ہے۔"

"ہاں ہم شرمندہ ہیں کہ ایک ایسے معاملے میں ہمیں ہائی کمان کی طرف سے اطلاع دی ہے جو ہمارے اپنے گھر کا ہے، کسی اور ملک کی بات ہوتی تو چلو یہ ٹھیک بھی تھا، لیکن یہ چیز ے لئے کس قدر خوفناک ثابت ہو گی، آگے چل کر اس کا تجزیہ آپ خود بھی کر سکتے ہیں ر ڈی ایم او کے اوور اینڈ آل۔" دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا اور سگار بکس سے تک سنسناہٹ کی آوازیں اُبھرتی رہیں، پھر مرزا اعظم بیگ چونکا اس نے ایک گہری سانس رانسمیٹر کے تمام بٹن آف کئے اور اس کے بعد سگار بکس لاک کر دیا...... لاک سسٹم ایسا ہ کوئی دوسرا اسے کھول نہیں سکتا تھا، پھر مرزا اعظم نے اپنی دونوں آنکھیں بھینچ لیں اور وں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا بہت دیر تک وہ اسی کیفیت کا شکار رہا، اس کے بعد اس نے بکس واپس اس جگہ پر لا کر رکھا، پھر دیر تک الماری کی نچلی سطح سے کچھ کاغذات نکالتا رہا ان میں سے بیشتر کاغذات اس نے اکٹھے کئے، واش روم میں پہنچا، کاغذات کو جلا جلا کر بیسن ڈالا اور جب وہ جل کر راکھ ہو گئے تو واش بیسن کا نل کھول دیا اور پھر اسے اچھی طرح ف کرنے کے بعد واپس آ گیا، لیکن اس کے انداز میں شدید بے چینی پائی جاتی تھی، وہ کافی ک کمرے میں ٹہلتا رہا پھر بستر پر آ گیا لیکن لیٹنے کے بعد بھی وہ کروٹیں ہی بدلتا رہا تھا اور یں بدلتے بدلتے صبح ہو گئی تھی، صبح کو ملازم اس کے لئے چائے لے کر آیا تو اعظم بیگ کہا۔

"نہیں میری طبیعت خراب ہے چائے نہیں پیوں گا، تم ایسا کرو ذرا ناظم بیگ کو بھیج دو ے پاس۔" ملازم چائے لے کر واپس چلا گیا تھا، تھوڑی دیر کے بعد نہ صرف ناظم بیگ ر کے تمام افراد کمرے میں داخل ہو گئے...... اعظم بیگ کی کیفیت رات بھر کے جاگنے

کی وجہ سے کافی خراب ہوگئی تھی، وہ بستر پر لیٹ کر سینے پر ہاتھ رکھے ہولے ہولے کراہ رہا تھا، ناظم بیگ نے کہا۔

"خیریت ڈیڈی خیریت کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں بس ذرا گرانی محسوس کر رہا ہوں سینے میں درد بھی ہے۔"

"او ہو نہیں میں ڈاکٹر حیات کو بلائے لیتا ہوں۔"

"نہیں میرا خیال ہے مجھے کلینک ہی پہنچادو۔"

"ڈاکٹر حیات سے مشورہ کرلوں ڈیڈی، اگر آپ چاہیں تو۔" ناظم بیگ نے کہا۔

"نہیں بیٹے اپنی کیفیت میں خود جانتا ہوں بجائے اس لئے کہ ڈاکٹر کو پریشان کرو میرا چلے جانا ضروری ہے۔"

"ٹھیک ہے میں گاڑی نکلواتا ہوں تمام بچے مستعد ہوگئے، پھر سارے کے سارے بھر کر حیات کلینک پہنچے تھے...... ڈاکٹر حیات ان کا فیملی ڈاکٹر تھا، اس نے اپنا پرائیویٹ کلینک کھولا ہوا تھا جو بہت اچھی حیثیت رکھتا تھا...... پرائیویٹ کلینک پہنچنے کے بعد دوسرے ڈاکٹرز ان کے گرد جمع ہوگئے، ناظم بیگ نے کہا۔

"ڈاکٹر حیات۔"

"سر آنے ہی والے ہوں گے۔" پھر وہ مرزا اعظم بیگ سے معلومات حاصل کرنے لگے اور مرزا اعظم بیگ نے انہیں بتایا کہ سینے میں پھر درد ہو رہا ہے، دوسرے ڈاکٹر ای سی جی کی تیاریوں میں مصروف ہوگئے، اتنی دیر میں ڈاکٹر حیات بھی آگیا تھا، اس نے باقی ڈاکٹروں کو الگ کر دیا اور کہا کہ وہ خود جائزہ لے گا...... ڈاکٹر حیات نے ای سی جی کیا اور اس کے بعد گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

"نہیں کوئی اہم بات نہیں ہے، لیکن میں رکھنا چاہتا ہوں ایک آدھ دن اس کے بغیر واپس نہیں جانے دوں گا۔"

"آپ دیکھ لیجئے ڈاکٹر صاحب۔"

"تم لوگ مطمئن رہو۔" ڈاکٹر حیات نے اطہر بیگ کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" پھر ڈاکٹر حیات اپنے طور پر مرزا اعظم بیگ کو ٹریٹ منٹ دیتا رہا، اس نے ایک مخصوص کمرہ خالی کرالیا تھا اور اس میں مرزا اعظم بیگ کو منتقل کر دیا گیا، بچے تشویش

زدہ تھے اطہر نے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب یہ تیسری بار ہوا ہے۔"

"آپ لوگ فکر نہ کریں ضرورت سے زیادہ کام بھی تو کرنے لگے ہیں، مرزا صاحب حالانکہ میں نے کتنی ہی بار کہا ہے کہ اپنا زیادہ تر وقت آرام کرتے ہوئے گزارا کریں۔"

"کیا کیا جائے ڈیڈی مانتے ہی نہیں۔"

"بہر حال کوئی تشویش کی بات نہیں ہے، آپ لوگ جائیں آرام کریں میں ہوں اور مجھے یقین ہے آپ لوگ مجھ پر بھروسا کرتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے لیکن پھر بھی۔"

"نہیں آپ جائیں چاہیں تو فون پر مجھ سے خیریت معلوم کرتے رہیں۔" صدف بھی بے چین تھی اس نے کہا۔

"نہیں ڈاکٹر انکل میں تو ڈیڈی کے پاس رہوں گی۔"

"بیٹے ہمارے اصول توڑنے کی کوشش مت کرو ہم مریض کے پاس کسی کو رکھتے نہیں ہیں، تم خود چاہو تو سارے کمروں کا جائزہ لے لو دوسرے لڑکوں نے بھی صدف کو سمجھایا اور ڈاکٹر حیات نے ایک نرس کو مرزا اعظم بیگ کے کمرے میں ڈیوٹی دینے کے لئے کہا، پھر بھی مرزا صاحب کے بچے کئی گھنٹے کلینک پر رہے تھے اور جب انہوں نے مرزا صاحب کی حالت بالکل بہتر دیکھی اور مرزا صاحب نے خود ان سے کہا کہ اب انہیں ہسپتال میں رہنے کی ضرورت بھی نہیں ہے لیکن ڈاکٹر حیات کہہ رہے ہیں تو تھوڑا وقت گزار لیا جائے، کوئی حرج نہیں ہے، وہ لوگ جائیں تب بچے گھر واپس پہنچے تھے ڈاکٹر حیات ان کے نزدیک پہنچا اور کہا۔

"ویسے تھوڑی سی پریشانی ہے آپ کو، میرا خیال ہے ایک سکون آور گولی لے لیجئے اور تھوڑا وقت آرام کر لیجئے۔"

"نہیں ضرورت نہیں ہے میں ٹھیک ہوں۔" مرزا اعظم بیگ نے کہا اور ڈاکٹر حیات معنی خیز نگاہوں سے انہیں دیکھتا ہوا باہر نکل گیا، پونے سات بجے ڈاکٹر حیات مرزا اعظم بیگ کے پاس پہنچا تھا، مرزا اعظم بیگ اس وقت کچھ پھل کھا رہے تھے ڈاکٹر حیات نے کہا۔

"باڑی سے رپورٹ آگئی ہے، اگر آپ کا دل چاہے تو مجھ سے کچھ وقت تبادلہ خیال کر سکتے ہیں مسٹر ڈی ایم۔"

"جگہ مناسب ہے۔"

"ظاہر ہے میرا کلینک ہے نامناسب ہونے کا کیا خیال ہے۔"

"یہ ہوا کیا ڈاکٹر حیات؟"

"نہیں ڈاکٹر حیات نہیں،اس وقت آپ مجھے اوالیس کہیں۔"

"سوری۔" مرزا اعظم بیگ نے کہا پھر بولا۔

"کیا رپورٹ ہے؟"

"باڑی میں ایک خوفناک زلزلہ آیا ہے، ایسے ایسے لوگ ہلاک ہوگئے جن کے بارے میں سوچو تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں...... بڑی طاقتور قوتیں سرنگوں ہو گئی ہیں، یقین کرو ڈیئر ڈی ایم کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی میں تمہیں کون کون سے نام بتاؤں، ایسے نام جو بہت بڑی حیثیت کے حامل تھے، سنو گے تو ششدر رہ جاؤ گے۔"

"مثلاً؟"

"خانم شرجیلہ اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے اس کے علاوہ تقریباً وہاں کی ساری ٹیم ختم ہو گئی ہے اور ایک طرح سے یوں سمجھ لو باڑی تاریک ہو چکا ہے، کیونکہ سب سے بڑی وجہ وہاں کے سٹورز کی تباہی ہے، سب کچھ فنا کر دیا گیا ہے۔"

"میرے خدا کیا کوئی سرکاری قدم ہے۔"

"نہیں اس کے نشانات بظاہر نہیں ملتے کیونکہ بہر حال وہاں کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات ہمیں بھی حاصل ہوتی رہتی ہیں، باقاعدہ وہاں کوئی سرکاری ریڈ نہیں ہوا ہے بلکہ وہ لوگ آپس ہی میں لڑ پڑے ہیں اور یہ ساری تباہی آپس ہی کی جنگ کا نتیجہ ہے، ورنہ خانم شرجیلہ جیسی خوفناک عورت کو ہلاک کرنا معمولی بات نہیں تھی، لیکن وہ بھی ختم ہو چکی ہے۔"

"خدا کی پناہ واقعی میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اس سال کی سب سے خوفناک رپورٹ ہے یہ۔"

"اس سال کی کہہ رہے ہو تم میں کہتا ہوں کہ اس کی وجہ اگر نا معلوم ہوئی تو ہم لوگوں کو سارا کاروبار بند کرنا پڑ جائے گا اور پھر سالار کی گرفتاری، سالار ہماری ناک کا بال تھا حقیقت یہ ہے کہ اسے اس قدر تحفظ نہیں دیا گیا جتنے تحفظ کا وہ حقدار تھا۔"

"وہ لڑکی جو راستہ بھٹک رہی تھی اور جس کے لئے سالار کو ہدایت کر دی گئی تھی۔"

"وہ تو مر چکی ہے اس کا کوئی مسئلہ نہیں ہے سالار اسے ختم کرنے کے بعد ہی باڑی گیا تھا۔"

"کوئی ایک بات جو سمجھ میں آ رہی ہو باقی لوگوں کی کیا پوزیشن ہے۔" مرزا اعظم بیگ نے پوچھا۔

"سب پہنچ چکے ہیں اور مختلف کمروں میں مقیم ہیں۔"

"میٹنگ کا وقت کیا رکھا گیا ہے۔"

"نو بجے۔"

"مجھے بہت تشویش ہے۔"

"تم ایسا کرو آرام کر لو تھوڑی بہت دیر۔"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے ڈاکٹر۔" پھر ٹھیک آٹھ بجے دو وارڈ بوائے ایک سٹریچر لے کر آئے اس پر مرزا اعظم بیگ کو منتقل کر دیا گیا اور ڈاکٹر حیات کے خصوصی کمرے میں پہنچا دیا گیا جو نچلی منزل یعنی تہہ خانے میں تھا...... یہاں تین مریض اور موجود تھے جو آرام سے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے چہروں پر تشویش کے آثار تھے...... ڈاکٹر حیات نے تہہ خانے میں موجود دروازے کو ساؤنڈ پروف کیا اور اس کے بعد خود بھی ان کے درمیان آ بیٹھا، اس طرح پانچ افراد کا کورم پورا ہو گیا تھا۔

"باڑی میں جو کچھ ہوا اس کے بارے میں آخر کار بہت جلد ہم سے رپورٹ لی جائے گی۔"

"اور ظاہر ہے ہم کیا رپورٹ دے سکتے ہیں۔"

"ہمارے آدمی نے بھی ہمیں کوئی اطلاع نہیں دی۔"

"اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔" ڈاکٹر حیات بولا۔

"کچھ سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے ظاہر ہے وہ لوگ بھی انہی کے درمیان وقت گزار رہے تھے اور انہی میں گھلے ملے ہوئے تھے۔"

"تمہارا مطلب ہے مسٹر اوالیس کہ وہ لوگ بھی اس جنگ میں کام آ گئے۔"

"اندازہ میرا یہی ہے لیکن ہم فوری طور پر وہاں کوئی تحقیقاتی مشن بھی نہیں بھیج سکتے، جب تک کہ مکمل طور سے یہ علم نہ ہو جائے کہ وہاں ہوا کیا ہے۔"

"اوہ اس سلسلے میں سب سے اہم مہرہ سالار ہی تھا اور اگر واقعی سالار ان لوگوں کی قید

میں آگیا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ پھانسی کا پھندا ہماری گردن سے زیادہ دُور نہیں ہے۔"

"خوفناک باتیں کرنے کی بجائے اس مشکل کا حل سوچا جائے۔" مرزا اعظم بیگ نے سرد لہجے میں کہا۔

"اس کے علاوہ واقعے کا تصور ذہن سے نکال دیا جائے۔"

"کیا مطلب؟"

"کہا گیا ہے ناں کہ اگر سالار واقعی پولیس کے قبضے میں آگیا ہے، اس اگر اور واقعی کی کیا گنجائش ہے، کیا سالار جیسی شخصیت کے بارے میں صرف وہم سے کام چل جائے گا۔"

"نہیں مسٹر آئی اے ایف ایسی کوئی بات نہیں ہے سالار کے بارے میں یقینی رپورٹ ہے۔"

"ہوں تو اب ہمارے لئے سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ ایک لائحہ عمل بنایا جائے اور اس پر بحث کرلی جائے۔"

"جہاں تک میری رائے ہے ابھی باڑی میں اگر ہم اپنے کچھ افراد تحقیقات کے لئے بھیجتے ہیں تو اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ جن لوگوں نے وہاں یہ کام کرایا ہے وہ اس کے منتظر ہوں گے کہ کون کون باڑی کے سلسلے میں ہونے والی کارروائیوں کی تحقیقات کرتا ہے۔"

"لیکن اس کی گنجائش بھی تو ہے کہ وہ لوگ خود ہی جنون کا شکار ہوگئے ہوں اور اس سلسلے میں کوئی بیرونی ہاتھ نہ ہو۔" تیسرے آدمی نے اعتراض کیا۔

"میں نے اس امکان کو ذہن سے نہیں نکالا ہے لیکن ہم صرف امکانات پر تو بھروسا نہیں کرسکتے۔"

"بے شک یہ بات درست ہے اور اسے تسلیم کیا جانا چاہئے، باڑی میں بالکل خاموشی رہنے دی جائے اور صرف ان رپورٹوں پر انحصار کیا جائے جو ہمیں دوسرے ذرائع سے حاصل ہوسکتی ہیں۔"

"اور سالار۔"

"آہ دانی شاہ کے معاملے میں سوچ کر ہی دُکھ ہوتا ہے، ہمارا سب سے اہم آدمی جسے ہم کسی بھی طور نظر انداز نہیں کرسکتے وہ جس قدر شاندار صلاحیتوں اور کارکردگی کا مالک ہے

کسی طور نہیں بھلایا جاسکتا۔"

"لیکن اس وقت وہی ہماری گردن میں پھانسی کا پھندا باندھ رہا ہے۔"

"ہاں اس بات کا پورا پورا احساس ہے تو پھر۔"

"صرف ایک عمل کیا جاسکتا ہے۔"

"کیا۔"

"دانی شاہ اور اگر اس کے ساتھ کوئی اور بھی گرفتار ہوا ہے تو اسے راستے سے ہٹادیا جائے۔"

"یعنی قتل۔"

"بالکل!"

"فائدہ؟"

"فائدہ یہ ہے کہ ہمارے خلاف ایک اہم ثبوت ختم ہوجائے گا۔"

"آپ کا کیا خیال ہے مسٹر آئی ایف کیا پولیس نے اب تک دانی شاہ سے بیانات نہ لئے ہوں گے۔"

"بات ابھی اگر ہے بھی تو پولیس کی حد تک ہے، ویسے دانی شاہ اتنا کمزور آدمی نہیں ہے کہ فوراً ہی زبان کھول دے، اس کے دوسرے آدمیوں کو صحیح تفصیلات معلوم نہیں ہیں اور آرگنائزیشن کے بارے میں وہ زیادہ کچھ نہیں جانتے۔ لیکن اگر بات پولیس کی حد سے نکل کر عدالت تک پہنچی اور دانی شاہ نے عدالت کے سامنے اعتراف کیا تو کیا یہ زیادہ خطرناک بات نہیں ہوگی۔"

"سو فیصد ہوگی۔"

"تو پھر آخری فیصلہ کیا ہے؟"

"سب سے پہلے عمل کے طور پر دانی شاہ کی ہلاکت۔"

"لیکن کیا یہ اتنا آسان ہوگا پولیس نے جب دانی شاہ کو گرفتار کیا ہے تو کسی بنیاد پر ہی کیا ہوگا، کیا اس کے لئے کوئی اتنا آسان ذریعہ ہوسکتا ہے۔"

"ہمیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ خود دانی شاہ کو کہاں سے گرفتار کیا گیا ہے، کیا باڑی سے۔" اعظم بیگ نے کہا۔

"ہاں یہ بھی سب سے اہم مسئلہ ہے، اگر اسے باڑی سے گرفتار کیا گیا ہے تو پھر تو یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ باڑی میں باقاعدہ آپریشن کیا گیا ہے اور نہایت ہی خفیہ پیمانے پر۔"

"یہ بھی اہم مسئلہ ہے اور اس سے بہت سی باتیں منظر عام پر آتی ہیں...... یہ بات ہم جانتے ہیں کہ دانی شاہ کو اب کسی طرح حاصل کرنا ممکن نہیں ہوگا، اس کی موت ہی ہمارے لئے سب سے بہتر ہے۔"

"مگر مرنا بھی تو اس کا اتنا آسان نہیں ہوگا۔"

"یہ ذمہ داری مجھے سونپ دی جائے۔" ڈاکٹر حیات نے کہا۔

"آپ کو ڈاکٹر حیات۔"

"ہاں میں کچھ خصوصی ذرائع رکھتا ہوں پہلے تو ہمیں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ دانی شاہ کو رکھا کہاں گیا ہے یقینی طور پر وہ لوگ اسے پولیس کی تحویل سے نکال کر جیل پہنچائیں گے...... آہ کاش وہ جیل پہنچ جائے تو میرے پاس ایک بہترین طریقہ کار ہے۔"

"وہ کیا؟"

"میں اس کا انتظام کرلوں گا۔"

"آپ جانتے ہیں کہ صرف یہ الفاظ کہہ دینے سے ہم مطمئن نہیں ہوسکتے، آپ ذرا سی وضاحت کردیجئے مسٹر اوا ایس۔"

"جیل کا ٹھیکیدار جو وہاں کھانا سپلائی کرتا ہے میرا اپنا آدمی ہے اور یہ بھی جانتا ہوں میں کہ جیل کے لئے کھانا کہاں تیار ہوتا ہے۔"

"یعنی...... یعنی جیل کے باورچی خانے میں۔"

"جی ہاں وہیں کی بات کررہا ہوں۔"

"اوہ میرے خدا آئیڈیا بہت اچھا ہے لیکن یہ کس طرح کارگر ہوسکتا ہے، کیا جیل میں موجود تمام قیدیوں کو ہلاک کردیا جائے گا۔"

"نہیں اس کے لئے ایک گراؤنڈ بنانا ہوگا باقاعدہ جیل کا جو ٹھیکیدار کھانا سپلائی کرتا ہے اس کا نام رمضان ہے، غیر تعلیم یافتہ آدمی ہے لیکن لالچی فطرت کا مالک اس سے کہہ دیا جائے گا اور اسے اتنی رقم دی جائے گی کہ وہ یہ خطرہ مول لینے پر تیار ہوجائے گا۔"

"اگر آپ اس کام کو پوری ذمہ داری کے ساتھ قبول کرسکتے ہیں تو مسٹر اوا ایس ہم

پر اطمینان کرسکتے ہیں۔"

"آج تک جتنے کام آپ لوگوں نے میرے سپرد کئے ہیں کیا میں نے انہیں ذمہ داری سے مکمل نہیں کیا۔"

"نہیں یہ بات نہیں ہے ظاہر ہے اسی میں ہماری موت و حیات کا معاملہ ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے سب سے پہلے دانی شاہ کے لئے انتظام کیا جائے اور یہ معلومات فراہم کی جائیں کہ وہ لاک اپ سے جیل کب پہنچایا جاتا ہے۔"

"یہ معلومات حاصل ہوجائیں گی، اس کے لئے اتنی پریشانی کی ضرورت نہیں ہے۔"

"لیکن اس بات کو ذہن میں رکھا جائے کہ اگر ہم یہ کام نہیں کرپائے تو ابھی تو ایک مرحلے سے نمٹنا ہے یعنی مقامی طور پر یہ کہ ہم لوگ منظر عام پر نہ آسکیں لیکن دوسرے مسئلے اپنی ہائی کمان کی ہم سے جو جواب طلبی ہوگی اس کا بھی جواب ہمیں دینا ہوگا۔"

"اب اس کے لئے اتنا زیادہ مضطرب ہونے کی بھی ضرورت نہیں ہے...... ہائی کمان بھی جانتی ہے کہ سارا مجمع بے وقوفوں کا نہیں لگا ہوا جو کچھ ہم کررہے ہیں اس کے خلاف کام ہورہا ہوگا، اب یہ اونچ نیچ تو چلتی ہی رہتی ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے میرا خیال ہے ہمیں زیادہ اُلجھنے کی بجائے اس بات پر متفق ہوجانا چاہئے۔"

"ٹھیک ہے۔" اور اس کے بعد چار مریض اپنے اپنے کمروں میں منتقل ہوگئے، ان سب کو کوئی نہ کوئی تکلیف اچانک ہوگئی تھی اور وہ ڈاکٹر حیات کے کلینک پہنچ گئے تھے...... اعظم خان بھی اپنے کمرے میں پہنچ گیا لیکن اس کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے، پھر دوسرے دن اس نے اپنی صحت یابی کا اعلان کیا اور ڈاکٹر حیات نے اسے گھر جانے کی اجازت دے دی۔

❁

شہاب اور بینا کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں داخل ہوگئے...... گاڑی سے اتر کر شہاب نے پچھلی سیٹ سے ایک بڑا سا پیکٹ نکالا جو پیک کیا ہوا تھا، بینا نے اسے حیرت سے دیکھا اس سے پہلے اس نے عقبی سیٹ کی جانب توجہ نہیں دی تھی، شہاب کے ساتھ نیچے اترتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"اس میں کیا ہے؟"

"اندر چل کر بتادوں گا۔" شہاب نے جواب دیا اور بینا اس کے ساتھ قدم بڑھاتی ہوئی کوٹھی کے اندرونی حصے میں داخل ہو گئی، جوہر خان گیٹ بند کرنے کے بعد پیچھے پیچھے چلا آرہا تھا، اس نے وہ پیکٹ شہاب کے ہاتھ سے لینے کی کوشش کی لیکن شہاب نے کہا۔

"نہیں جوہر خان ٹھیک ہے رہنے دو آؤ میرے ساتھ، رجب خان کا کیا حال ہے۔"

لیکن رجب خان کا حال سامنے ہی نظر آ گیا، کوٹھی کے خوبصورت برآمدے میں وہ ایک گوشے میں جائے نماز بچھائے بیٹھا ہوا تھا اور نماز پڑھ رہا تھا...... شہاب نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا، پھر جوہر کو دیکھا اور جوہر خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی...... شہاب کے چہرے پر بھی خوشی نظر آنے لگی تھی، وہ جوہر خان کے ساتھ اندر داخل ہو گیا اس نے کہا۔

"جوہر خان اتنے مختصر وقت میں تم نے یہ کر ڈالا۔"

"میں نے کیا کیا ہے صاحب یہ تو اللہ کے کام ہیں اور اللہ جو کچھ کرتا ہے بہتر کرتا ہے، وہ سخت بے چین تھا، مضطرب تھا، اس نے مجھ سے میرے بارے میں پوچھا میں نے اسے ساری تفصیل بتادی تو وہ کہنے لگا کہ جوہر خان میں کیا کروں مجھے کوئی مشورہ دو یہ پولیس افسر صاحب کہاں پیدا ہوئے ہیں اور انہوں نے یہ انداز کیوں اختیار کیا ہوا ہے...... یہ تو ایسا شعبہ ہے جس میں کسی نرم آدمی کی گنجائش ہی نہیں ہے...... یہ کیسا پولیس افسر ہے صاحب میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ کسی طور ماننے کو راضی نہیں تھے، وہ کہتے ہیں کہ انتقام کی جو بھٹی ان کے وجود میں سلگ رہی ہے اس پر کوئی پانی کے کچھ قطرے ڈال دے تب وہ جانے ورنہ زبانی بہلاوے تو بہت سے ہوتے ہیں، شہاب صاحب اپنا کام کر رہے ہیں، اپنی عاقبت روشن کر رہے ہیں، لیکن میری دنیا اور عاقبت جس طرح تباہ ہوئی ہے میں اس کے لئے کیا کروں تو صاحب پھر میں نے اس کو ایک مشورہ دیا میں نے اس سے کہا کہ رجب خان ایک مہینے کا معاہدہ کر لے مجھ سے اگر اس ایک مہینے میں تجھے سکون نہ ملے تو پھر جو تیرا دل چاہے کرنا اور شہاب صاحب جو تجھے یہاں چھوڑ گئے ہیں تو صرف اپنی محبت کی بنا پر ورنہ تو جہاں چاہے جا سکتا ہے، مجھے یہ ہدایت نہیں کی گئی ہے کہ میں تجھے یہاں پابند رکھوں۔"

"تو پھر؟" شہاب نے دلچسپی سے پوچھا۔

"اس نے میری بات مان لی صاحب۔"

"معاہدہ کیا ہے۔"

"میں نے اس سے کہا ہے کہ صرف اور صرف نماز پڑھ پانچوں وقت کی نماز پڑھ اور خدا سے مانگ کہ وہ تیرے دل میں سلگتی آگ کو ٹھنڈا کر دے، اگر ایک مہینے میں تیرے دل کی آگ ٹھنڈی نہ ہو تو پھر تیرا جو دل چاہے کر وہ مان گیا ہے، صاحب ہمیں جس قدر ٹوٹی پھوٹی نماز آتی ہے ہم نے اسے سکھادی ہے، ہمارا تو یہ تجربہ ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ اب کبھی بے سکونی نہیں ہوتی۔"

"جوہر خان میں بڑے بڑے خطرناک مجرموں کو گرفتار کر کے کیفر کردار تک پہنچاتا ہوں لیکن خدا کی قسم تم نے جو یہ کام کیا ہے وہ میرے کام سے بہت بڑا ہے اور میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں کہ تمہاری یہ کاوش بار آور ہو، بہت اچھے انسان ہو تم اس کا اجر ملے گا۔"

جوہر خان نے گردن جھکا لی پھر کہا۔ "کوئی حکم صاحب؟"

"نہیں کچھ نہیں۔"

"چائے وغیرہ بنادوں۔" اس نے پوچھا اور شہاب نے بینا کی طرف دیکھا تو بینا بولی۔

"نہیں جوہر خان صاحب...... چائے میں بنالوں گی۔"

"ارے واہ بی بی صاحب...... ہمارا کیا اچار پڑے گا۔"

جوہر خان نے کہا اور باہر نکل گیا...... شہاب مسکراتی نگاہوں سے جوہر خان کو جاتے ہوئے دیکھنے لگا...... پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر بینا کی جانب متوجہ ہوا اور بولا۔

"بینا واقعی میں نے یہ بات دل سے کہی ہے۔"

"کیا؟" بینا نے پوچھا۔

"ہم لوگ بہت بڑے بڑے کام کرتے ہیں اور اپنی دانست میں سوچتے ہیں کہ بڑا تیر مارا ہے ہم نے، یہ کارنامہ سرانجام دے کر لیکن ایک چھوٹا سا شخص ایک چھوٹا سا کام کر لیتا ہے تو کبھی کبھی اس کی حیثیت اتنی بڑی ہوتی ہے کہ ہم اپنی ساری کاوشوں کو اس کے سامنے ہیچ سمجھتے ہیں، پتا نہیں ان مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچا کر ہم کوئی مذہبی فریضہ بھی سرانجام دے رہے ہیں یا نہیں لیکن جوہر خان ایک شخص کو راہ راست پر لا کر جو فرض سرانجام دے رہا ہے ہماری تمام کاوشوں سے بہت بڑا ہے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے...... برائی کے راستے پر اس حد تک نکل جانے کے بعد واپسی کا تصور ہی ختم ہو جائے، اگر کوئی واپس آ جاتا ہے اور نہ صرف خود واپس آ جاتا ہے

بلکہ دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتا ہے تو میں سمجھتی ہوں واقعی بہت بڑا کام سرانجام دے رہا ہے۔"

"ہاں..... اس میں کوئی شک نہیں ہے۔"

"سنائیے..... کیا ہو رہا ہے آج کل..... لوگ بالکل خاموش بیٹھے ہوئے ہیں اور ہماری بے کاری کا دور چل رہا ہے۔"

"نہیں بینا..... بات اصل میں یہ نہیں ہے اصولی طور پر تو ہمیں دن رات مصروف عمل رہنا چاہئے کیونکہ انسانی ذہن میں جرم گہرائیوں تک سرایت کر گیا ہے، ماحول اور معاشرہ صرف اور صرف مجرم تخلیق کر رہا ہے، اب اس پر بحث تو طویل ہے اور کوئی فائدہ نہیں جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ تم بھی جانتی ہو اور میں بھی جانتا ہوں..... ہم اگر مجرموں کے خلاف ایک پوری ایسی فوج بنالیں جو سرحدوں کی نہیں بلکہ ملک کے اندرونی حصوں میں ہونے والے ملک کے خلاف جرائم کے خلاف کام کرے تو یوں سمجھ لو کہ بہت بڑی آبادی کو کنٹرول کرنا ہوگا، بس اپنے اظہار کے لئے جو الفاظ استعمال کئے جا سکتے ہیں..... میں انہیں استعمال نہیں کرنا چاہتا..... بے کاری تلاش کرلو مل جائے گی، لیکن درحقیقت انتظامی محکمے میں ایک لمحہ بے کاری کے لئے نہیں ہے..... ہم دن رات مصروف عمل رہیں تب بھی ہمارا کام پورا نہ ہو۔"

"ہاں یہ ایک المیہ ہے۔"

"اور یہ المیہ کسی جراثیمی بم سے پیدا نہیں ہوا ہے بلکہ معاشرے نے جو انداز فکر اختیار کیا ہے یہ سب اسی کا نتیجہ ہے۔" بینا سوچ میں ڈوب گئی تھی..... پھر وہ چونک کر بولی۔

"یہ کیا ہے اس پیکٹ میں بتایا نہیں تم نے۔"

"بتاتا ہوں۔" شہاب بولا اور اس کے بعد اس نے پیکٹ کھول لیا، اس میں ایک رولنگ پلیٹ رکھی ہوئی تھی..... بالکل نئی تھی..... شہاب نے وہ پلیٹ نکال کر سنٹرل ٹیبل پر رکھ دی تو بینا مسکرا دی۔

"یہ کیا یہ رولیٹ مشین کس لئے لائی گئی ہے کیا جوا کھیلنا ہے۔" شہاب مسکرادیا پھر بولا۔

"ہاں جوا ہی کھیلنا ہے۔"

"اوہو..... یہ کچھ تبدیلی بھی کی گئی ہے اس میں۔" بینا رولیٹ مشین پر جھک گئی، مشین

کے پانچ متوازن حصوں میں پانچ نام لکھ کر چپکا دیئے گئے تھے..... بینا دلچسپی سے ان ناموں کو پڑھنے لگی پھر بولی۔

"اب کچھ سمجھا بھی دیں اس سلسلے میں جناب عالی؟"

"رولیٹ مشین چلاؤ۔" شہاب نے سرد لہجے میں کہا اور بینا نے مسکراتی نگاہوں سے دیکھ کر مشین کا بٹن دبا دیا..... سفید بال گردش کرنے لگا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک نمبر پر رک گیا۔

"دوبارہ۔" شہاب بولا..... تیسری بار رولیٹ مشین کی بال ایک نام پر آکر رکی تھی..... یہ نام تھا جابر زمان شہاب نے دونوں ہاتھ سیدھے کر دیئے تو بینا بولی۔

"جناب یہ پانچوں نام۔"

"بینا میں نے تمہیں باڑی کے مکمل واقعات بتائے تھے، یہ بھی بتایا تھا کہ دانی شاہ کے پیچھے میں صرف ثریا کے قاتل کی تلاش میں گیا تھا اور اس کا تعاقب کرتے ہوئے مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ایک انتہائی وحشی صفت آدمی ہے اور زندگی اور موت سے اسے کوئی دلچسپی نہیں، وہاں جاکر میں نے دانی شاہ کے گرد جال بنا لیکن اس کے بعد وہاں جو کچھ میرے علم میں آیا بینا اس کے بارے میں میں نے جو کچھ سوچا کہ یہ تو بڑا عجیب سلسلہ ہے..... بات ایک ثریا کے قتل کی نہیں ہے وہ بے چاری تو اپنی مشکلات کے جال میں پھنس کر ان لوگوں کی گرفت میں آگئی تھی اور اس کے بعد جب اسے یہ احساس ہوا کہ یہ تو جرم کا ایک ایسا سلسلہ ہے جو زندگی کے آخری سانس تک ختم نہیں ہوگا تو اس نے ان کے چنگل سے نکلنے کی کوشش کی اور انہوں نے اسے ہلاک کر دیا..... ہم نے دانی شاہ کو ایک لڑکی کے قتل کا مجرم سمجھ لیا، لیکن جب ہمیں اس کا پس منظر معلوم ہوا بینا وہ تو بہت ہی خوفناک بات تھی، تم مجھے بتاؤ جواب دو مجھے بینا قانونی طور پر منشیات فروشی جرم ہے، اس کا استعمال جرم ہے کیونکہ وہ انسانوں کو ہلاکت دیتی ہے اور یہ ایک سچ ہے کہ وطن کے نوجوان اس کا شکار ہو کر بھلا وطن کے لئے کچھ کر پائیں گے، وہ تو وطن کی پیشانی کا ناسور بنتے جا رہے ہیں..... بین الاقوامی طور پر ہمارے ملک منشیات کا سوداگر قرار دے دیا گیا ہے، کیا یہ ایک بدنما داغ نہیں ہے، ہمارے اس پیارے وطن کی پیشانی پر بینا یہ بھی تو جرم ہے اور یہ جرم کرنے والے وہ قابل تسخیر لوگ ہیں جن کی زبردست پشت پناہی ہے تو ایک دانی شاہ جس نے ثریا کو قتل کیا..... جتنا خطرناک مجرم ہے

اس سے زیادہ تو خطرناک مجرم یہ لوگ ہیں جو منشیات کا کاروبار کر رہے ہیں...... تم مجھے بتاؤ کیا انہیں اسی طرح گرفتار کر کے موت دلوانا ہمارا فرض نہیں ہے۔"

"ہے۔"

"لیکن انہوں نے اپنے گرد مضبوط حصار قائم کر رکھے ہیں، بینا ہم تو ہر طرح کے حصار توڑ کر ہی مجرموں کو ان کے خول سے نکال کر باہر لاتے ہیں، پھر ان لوگوں کے حصار کو ناقابل تسخیر کیوں سمجھ لیا جائے۔"

"یہ کون لوگ ہیں؟" بینا نے اب تفصیل سے پانچوں نام پڑھتے ہوئے کہا۔

"یہ وہ لوگ ہیں جو کہ اس گینگ کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔"

"اوہ۔" بینا آہستہ سے بولی۔

"میں نے تمہیں بتایا تھا ناں کہ دانی شاہ سے دو دو ہاتھ کرتے ہوئے اتفاقیہ طور پر میرے ہاتھ وہ رجسٹر لگ گیا جس میں دانی شاہ اپنے حساب کتاب رکھا کرتا تھا اور اس رجسٹر سے مجھے بڑی مدد ملی اور یہ نام میرے علم میں آئے جو اس سنڈیکیٹ کی پشت پناہی کرتے ہیں اور بین الاقوامی سمگلروں کے ہمراہ مصروف عمل ہیں ان کے آلہ کار ہیں، اربوں روپوں کی دولت انہوں نے بیرون ملک جمع کر رکھی ہے اور انہیں ہر طرح کا تحفظ حاصل ہے...... بینا یہ ساری باتیں اپنی جگہ ہیں مگر مجھے بتاؤ کیا یہ سب کچھ ہونے کے باوجود جبکہ ہمارے علم میں ہے کہ یہ لوگ مجرم ہیں تو کیا میں انہیں چھوڑ دوں۔" بینا نے گردن جھکا لی کچھ دیر سوچتی رہی پھر بولی۔

"نادر حیات صاحب کیا کہتے ہیں؟"

"بہت اچھے انسان ہیں...... وہ سب کچھ کرنے کے لئے بے تاب ہیں لیکن بینا ہر شخص کے پاؤں میں زنجیریں پڑی ہوئی ہیں...... یہ نظر نہ آنے والی زنجیریں چاروں طرف بکھری ہوئی ہیں، ان سے بچ بچا کر اگر گزرا جا سکتا ہے تو ٹھیک ہے لیکن جہاں بھی پاؤں کسی حلقے میں آیا انسان گرفت میں آ جاتا ہے، بے چارے نادر حیات صاحب بھی بہت سی ایسی ہی نادیدہ زنجیروں کی گرفت میں ہیں۔"

"بات ہوئی تھی ان سے۔"

"ہاں۔"

"کیا کہتے ہیں۔"

"بے بسی کا اظہار کرتے ہیں۔"

"نادر حیات صاحب۔"

"انہی کی بات کر رہا ہوں۔"

"حالانکہ وہ تو بہت مرد میدان ہیں۔"

"مانتا ہوں مگر کہیں نہ کہیں مجبوریاں آڑے آ ہی جاتی ہیں۔"

"تو پھر تم نے کیا فیصلہ کیا؟"

"بینا ابھی تھوڑا سا انتظار کر رہا ہوں...... نادر حیات صاحب نے بھی مجھ سے وقت مانگا ہے لیکن یہ دیکھو اس کو کیا کروں یہ جو دل میں ناسور ڈال دیتا ہے۔" شہاب نے جیب سے ایک خبار نکالا اور اسے کھول کر بینا کے سامنے رکھ دیا، بینا اخبار پر جھک گئی تھی۔

"کون سی خبر کی جانب اشارہ ہے۔"

"یہ دیکھو...... یہ دیکھو...... یہ دیکھو۔" شہاب نے ایک سرخی اور ایک تصویر پر پرجوش نداز میں انگلی مارتے ہوئے کہا اور بینا اس پر جھک گئی، یہ ایک سماجی کارکن سوشل ورکر اور شہر کے بہت بڑے آدمی کے بارے میں پریس کوریج تھی، تصویر چھپی ہوئی تھی اس کی اور اس کے اہل خاندان کی، اس شخص نے منشیات کے خلاف علم جہاد بلند کر رکھا تھا اور بڑے پرجوش انداز میں اس بات کا اظہار کیا تھا کہ منشیات کی لعنت ملک سے ختم ہونی چاہئے، اس نے سرکاری ہسپتال میں پینتالیس لاکھ روپے کی زبردست رقم سے منشیات کے خلاف علاج کا ایک شعبہ تعمیر کرایا تھا اور اسی کے افتتاح کی تفصیلات موجود تھیں، نا صرف یہ بلکہ اس نے پچیس لاکھ روپے سالانہ اس ہسپتال کو ادویات وغیرہ کے سلسلے میں دینے کا وعدہ کیا تھا اور اخبارات نے اسے محب وطن اور محب قوم قرار دے کر اس کی تعریفوں میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے تھے...... بینا نے پوری خبر پڑھی...... پھر ایک دم چونک پڑی، اس نے رولیٹ مشین کی طرف دیکھا...... رولیٹ مشین پر چسپاں کاغذوں پر ہاتھوں سے جو نام لکھے ہوئے تھے ان میں مرزا اعظم بیگ کا نام بھی تھا...... بینا کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں، اس نے سوالیہ نگاہوں سے شہاب کی طرف دیکھا تو شہاب نے کربناک لہجے میں کہا۔

"ہاں بینا...... سنڈیکیٹ میں یہ شخص بھی شامل ہے۔"

"میرے خدا! ایک طرف یہ منشیات کے خلاف اتنے زبردست بیانات دے رہا ہے اور دوسری طرف۔"

"یہ ہی...... یہ ہی تو سب کچھ ہے بینا...... یہ لوگ کاروبار کر رہے ہیں۔ پچیس لاکھ روپے کی رقم سے ایک شعبہ تعمیر کرانا پچیس لاکھ روپے سالانہ اس ادارے کو دینا اور اس کے پس منظر میں کروڑوں ڈالر کمانا...... بتاؤ سودا برا ہے اپنے آپ کو چھپانے کی یہ کوشش کیا معمولی ہے...... وہ ایک کروڑ خرچ کرتا ہے اور دس کروڑ کماتا ہے، کیا برا ہے بینا...... کیا برا ہے، ایسی صورت میں بھلا صاحب اقتدار لوگ اس کے خلاف کوئی بات کہہ سکتے ہیں کیا اس کے لئے کوئی ثبوت حاصل کر سکتے ہیں۔"

"میرے خدا یہ تو واقعی بہت خوفناک بات ہے لیکن تمہیں یقین ہے شہاب کہ رجسٹر میں جو نام اس حیثیت سے درج ہیں۔"

"بس بینا بس...... بات مت کرو اس سلسلے میں...... بات مت کرو میرا خون کھول رہا ہے۔" شہاب نے کہا اسی وقت جوہر خان چائے کا سامان لئے اندر داخل ہو گیا تھا...... بینا نے جوہر خان کے جانے کے بعد چائے بنائی اور پیالی شہاب کے سامنے رکھتی ہوئی بولی۔

"اپنے ذہن کو پرسکون کرو شہاب...... ظاہر ہے یہ بے سکونی یا انتشار تعمیری سوچ کو جنم نہیں دے سکتا، ہمیں غور کرنا پڑے گا بہت غور کرنا پڑے گا۔"

"میں نے غور کر لیا ہے بینا...... ٹھیک ہے نادر حیات صاحب قانون کو ان لوگوں کے مقابلے میں بے بس پاتے ہیں، میں ان کی بے بسی کو تسلیم کرتا ہوں میں میں قبول کرتا ہوں اسے، لیکن شہنشاہ، شہنشاہ کی تو تشکیل کا مقصد ہی یہی ہے قانون ان لوگوں کو معاف کر دے لیکن شہنشاہ ان میں سے کسی کو معاف نہیں کر سکتا۔"

"تو پھر؟"

"کام ہوگا ان کے خلاف کام ہوگا، میں نہیں چاہتا کہ نادر حیات صاحب کو اس سلسلے میں مجھ سے کسی شکایت کا موقع ملے اس لئے کام کی رفتار میں نے سست کر دی ہے...... تم نے جو قرعہ اندازی کی ہے اس میں سب سے پہلے جابر زمان کا نام آتا ہے، انہی پانچ ناموں میں سے ایک اور ہمیں اپنی اس قرعہ اندازی کے نتیجے میں سب سے پہلے جابر زمان پر توجہ دینا ہوگی۔" بینا خاموشی سے شہاب کی صورت دیکھتی رہی، اس کے چہرے پر تشویش کے آثار

پھیل گئے تھے...... شہاب خاموشی سے چائے کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتا رہا، پھر اپنی پیالی خالی کرنے کے بعد بولا۔

"بینا مجھے اور چائے دو۔" بینا مستعدی سے اس کے لئے چائے کا دوسرا کپ بنانے لگی پھر نرم لہجے میں بولی۔

"شہاب اپنے ذہن کو انتشار کا شکار مت کرو ہم تو آج تک یہ ہی کرتے آئے ہیں اپنا فرض تو ہمیں ہر حالت میں پورا کرنا ہی ہوگا، یہ صرف نوکری نہیں بلکہ وطن کا قرض ہے...... قانون بے شک اپنی جگہ بہت بڑی حیثیت رکھتا ہے اور ایک قانونی آدمی کو قانون کی پاسداری کرنا ہوتی ہے، لیکن بہرحال وطن کے زخمی وجود کو کبھی کبھی قانون کا مرہم نہ ملنے کی وجہ سے اپنے طور پر بھی کچھ کرنا پڑتا ہے، پتا نہیں یہ جائز ہے یا ناجائز لیکن ہم یہ کرتے رہے ہیں اور اب بھی کریں گے لیکن دیکھو خود کو سنبھال کر نادر حیات صاحب اگر کسی سلسلے میں بے بسی کا اظہار کرتے ہیں تو اس کا کوئی مطلب ہے ایسی ہی وجوہات ہیں اس کی جہاں وہ بھی اپنے آپ کو بے بس پاتے ہیں۔"

"ہاں بینا میں جانتا ہوں...... خیر تم ٹھیک کہتی ہو جذبات اپنی جگہ لیکن عقل و دانش کے بغیر اندھی خودکشی نہیں کی جا سکتی...... بینا یہ نام ہمارے سامنے آیا ہے جابر زمان کے بارے میں مجھے اچھی طرح علم ہے اس دوران یہ بھی کرتا رہا ہوں ان پانچوں ناموں کو جو مجھے حاصل ہوئے ہیں...... میں نے اچھی طرح جانا اور سمجھا ہے اور ان کے بارے میں اپنے طور پر رپورٹیں حاصل کرتا رہا ہوں...... جابر زمان ایک بہت بڑی فرم کا مالک ہے، اس کی تین فیکٹریاں کام کر رہی ہیں اور وہ مختلف اشیاء ایکسپورٹ کرتا ہے اور بڑے ایکسپورٹر میں شمار ہوتا ہے...... اس فرم میں بہت بڑا اسٹاف ہے اور ضرورتیں نکلتی رہتی ہیں...... تمہاری ایک ذمہ داری لگانا چاہتا ہوں بینا۔"

"ہاں کہو؟"

"کچھ وقت کے لئے تمہیں بالکل روپوش رہ کر اس فرم میں ملازمت حاصل کرنی ہے اور ذہانت کے ساتھ جابر زمان تک پہنچنا ہے، اس کے بارے میں جو مجھے تفصیلات معلوم ہوئی ہیں وہ یہ ہیں کہ حسن پرست آدمی ہے، کھل کر عیاشی نہیں کرتا لیکن درپردہ حسین چہروں کا رسیا ہے اور آسانی سے ان کی گرفت میں آجاتا ہے...... ایک نائٹ کلب میں آتا جاتا

رہتا ہے اور وہاں کی مشہور شخصیتوں میں سے ہے...... بینا اگر تم اس کی سیکرٹری کی حیثیت حاصل کر لو تو میرا خیال ہے بہت کچھ معلومات حاصل کر سکتی ہو، ہم بے شک سست روی سے کام کریں گے لیکن کام جاری رہنا چاہئے۔" بینا نے چائے کی پیالی ہاتھ سے رکھ دی...... عجیب سے انداز میں شہاب کو دیکھنے لگی...... شہاب کو پہلے تو احساس نہیں ہوا لیکن پھر وہ فوراً بینا کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"کوئی خاص بات اس سلسلے میں؟" شہاب نے سوال کیا لیکن بینا خاموش رہی وہ خاموشی سے شہاب کو دیکھتی رہی تھی...... شہاب کو اس کی نگاہوں کی کیفیت خاصی بدلی ہوئی محسوس ہوئی، وہ اس وقت سوچ نہیں رہی تھی بلکہ ایک عجیب سی شکایت اس کی آنکھوں میں پیدا ہو گئی تھی۔

"بینا کیا بات ہے...... کیا سوچ رہی ہو تم؟" بینا اب بھی خاموش رہی تو شہاب خاموش ہو گیا۔

"سوچ رہی ہوں شہاب۔"

"کیا؟"

"یہ کہ ایک بات جب زبان سے نکل جاتی ہے تو پھر وہ مٹتی نہیں ہے، کاغذ پر لکھی ہوئی تحریر کو مٹایا جا سکتا ہے، پھاڑ کر پھینکا جا سکتا ہے لیکن زبان سے جو بات نکل کر کانوں تک پہنچتی ہے اسے کانوں سے نکال کر مٹایا نہیں جا سکتا۔"

"بات سمجھ میں نہیں آئی ہے بینا۔" شہاب نے کہا۔

"ایک سوال کرنا چاہتی ہوں شہاب۔"

"ہاں بولو؟"

"کیا تم مجھے بھی رولیٹ مشین سمجھتے ہو۔"

"کیا؟" شہاب چونک کر بولا۔

"ہاں مجھے بتاؤ ایک چھوٹا سا عمل کرنے کے لئے تم نے ایک رولیٹ مشین خریدی اور بات میں دلچسپی پیدا کر دی، میں کیا ہوں شہاب۔"

"بینا کیا کہنا چاہتی ہو پلیز۔"

"دیکھو شہاب...... مجبور ہوں کچھ کہنے پر اور پہلے سے معافی مانگ رہی ہوں، اگر تم مجھ

سے ناراض ہو گئے مجھ سے کنارہ کشی اختیار کر لی تم نے تو ٹھیک ہے تم مجھے اپنے آپ سے دُور کر دو گے، لیکن شہاب میں تم سے دُور نہیں ہوں گی...... اس بات کو ذہن میں رکھنا۔"

"بینا...... مجھے پریشان کر رہی ہو۔"

"نہیں بلکہ خود پریشان ہو گئی ہوں۔"

"وجہ...... کوئی ایسی بات کہہ دی میں نے۔"

"نہیں شہاب میرا ایک احساس ہے۔"

"ہاں کہو۔"

"شہاب تم کہتے ہو وہ حسن پرست ہے اور ایک خطرناک آدمی ہے۔"

"جابر زمان۔"

"ہاں اسی کی بات ہو رہی ہے۔"

"ہاں...... یہ حقیقت ہے۔"

"اور تم مجھے اس تک پہنچانا چاہتے ہو۔"

"وہ بینا اصل میں اس لئے کہ۔"

"نہیں مجھے اعتراض نہیں ہے اس پر شہاب میں بہرحال اس پائے کی عورت نہیں ہوں جس کا تم نے مجھے سمجھ لیا ہے...... بے شک تمہاری صحبت میں دلیر بھی ہو گئی ہوں، تھوڑا سا کام بھی کر لیا کرتی ہوں...... خطرے مول لینا بھی آ گیا ہے لیکن اس کے باوجود میں عورت ہوں شہاب...... ابھی اس قدر طاقتور نہیں ہوں کہ ہر شخص کا مقابلہ کر سکوں۔"

شہاب تعجب سے اسے دیکھ رہا تھا...... بینا نے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد پھر کہا۔

"خدانخواستہ فرض کرو اگر کہیں میری قوتیں میرا ساتھ نہ دے سکیں اور میں کسی کی وحشت کی بھینٹ چڑھ گئی تو شہاب اس کے بعد میرا کیا ہو گا۔" شہاب کے ذہن میں ایک جھٹکا سا ہوا تھا...... اس نے کہا۔

"نہیں بینا...... میرا یہ مقصد نہیں ہے...... ظاہر ہے میں یہ بالکل نہیں چاہوں گا کہ تمہیں کوئی ذہنی یا جسمانی نقصان پہنچے۔"

"لیکن اس کے امکانات تو ہیں شہاب...... میں اعتراف کر رہی ہوں کہ میں اس قدر طاقتور نہیں ہوں کہ ہر شخص کا مقابلہ کر سکوں۔"

"میں جانتا ہوں۔"

"اس کے علاوہ شہاب مشرق میرے خون میں شامل ہے...... پاکیزگی میری فطرت کا ایک حصہ ہے...... کیا تم اس بات کو تسلیم نہیں کرو گے۔"

"دل و جان سے بینا...... کیوں نہیں۔"

"اگر خدانخواستہ میری پاکیزگی داغدار ہو گئی، خدانخواستہ میں کسی حملہ آور بھیڑیئے سے مدافعت نہ کر سکی اور اس کے پنجے میں آ گئی تو کیا اس کے بعد...... اس کے بعد شہاب اس کے بعد میرے پاس میری اپنی کوئی سوچ رہے گی، کیا میں اس تصور کو دوبارہ اپنے دل میں زندہ رکھ سکوں گی، جو تمہارے لئے میرے دل میں ہے۔"

"مم...... میرے لئے۔"

"ہاں شہاب ایک عورت کو نگاہوں کے سامنے رکھ کر سوچو۔" شہاب غور کرنے لگا پھر بولا۔

"میں سمجھ رہا ہوں بینا میں سمجھ رہا ہوں۔"

"شہاب ایک بار پھر میں تمہیں مشرق کا حوالہ دوں گی...... خدانخواستہ اگر میں کسی درندے کی بھینٹ چڑھ گئی تو تم اطمینان رکھو میں خودکشی نہیں کروں گی، ہاں یہ الگ بات ہے کہ دُنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لوں، میں کسی ایسے وجود کو لے کر زندہ نہیں رہوں گی جو داغدار ہو۔"

"بینا...... بینا...... بینا...... کیوں مجھے پریشان کر رہی ہو۔"

"معافی چاہتی ہوں شہاب...... اگر پریشان ہو رہے ہو تو یقین کرو دل سے معافی چاہتی ہوں...... لیکن جو کچھ میں نے کہا ہے وہ ایک سچ ہے، تم پیشہ وارانہ طور پر یا ملی جذبات سے متاثر ہو کر میرے لئے ایک راہ منتخب کر رہے ہو، اس راہ میں اگر مجھے موت آ گئی تو مجھے غلط نہ سمجھنا شہاب، کیونکہ ایک مردہ جسم لے کر دوبارہ تمہارے پاس نہیں آؤں گی اور اس سلسلے میں اس سے زیادہ کوئی جذباتی بات کہوں گی بھی نہیں۔" شہاب سوچنے لگا بہت دیر تک سوچتا رہا پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ٹھیک ہے بینا تمہاری بات میں نے سنی ہے کیا تم مجھے اس پر غور کرنے کا موقع دو گی۔"

"غور...؟"

"ہاں...... بینا میں نے ایک پیش کش کی تھی تمہیں کہ تم اس طرح اس کی قربت حاصل کرو اور یہ قربت تمہیں بہرحال حاصل کرنی ہے، یہ میری ضرورت ہے لیکن تمہاری بھی ایک ضرورت ہے بینا تم سچ کہہ رہی ہو واقعی تم سچ کہہ رہی ہو...... ٹھیک ہے بینا ہم اس سلسلے میں بعد میں کوئی مناسب گفتگو کر لیں گے۔"

"میں جانتی ہوں تمہیں میری بات پسند نہیں آئی۔"

شہاب ہنسنے لگا تھا۔

عملے کی ڈیوٹی تبدیل ہوئی تھی مختلف بلاک پر مختلف سپاہیوں نے جا کر اپنی اپنی ڈیوٹیاں سنبھالی تھیں اور رات کی ڈیوٹی دینے والے سپاہیوں کو فارغ کیا تھا...... بلاک نمبر 16 میں بھی ڈیوٹی تبدیل ہوئی اور دو پہرے دار وہاں متعین کیے گئے جن میں سے ایک کا نام قادر اور دوسرے کا نام فضل خان تھا...... سورج آہستہ آہستہ طلوع ہوتا جا رہا تھا اور روشنی پھیل گئی تھی...... قیدیوں کے جاگنے کا وقت ہو گیا تھا...... بلاک نمبر 16 میں گیلری میں گشت کرتے ہوئے قادر اور فضل خان نے کوٹھڑیوں کے سامنے سے گزرنا شروع کر دیا...... انہوں نے قیدیوں کی گنتی کر لی تھی اور ان کا چارج لے لیا تھا اور اس کے بعد وہ اپنی رائفلیں سنبھالے راہداری میں دونوں طرف جھانکتے ہوئے گزرتے رہے تھے...... راہداری کے آخری سرے پر پہنچنے کے بعد دونوں رکے فضل خان نے کہا۔

"کیا زندگی ہے یار...... ان لوگوں کی بھی جرم کرتے ہیں اور دُنیا سے الگ ہو جاتے ہیں۔"

"ہاں...... بس انسان عجیب وغریب جانور ہے۔"

"دیکھو کیا مزے کی نیند سو رہے ہیں۔" قادر خان نے کہا اور فضل خان اپنے داہنے ہاتھ کی کوٹھڑی پر نظر ڈالنے لگا، یہاں دو قیدی بند تھے لیکن وہ کچھ اس انداز میں سو رہے تھے کہ انہیں ذرا سی حیرت ہوئی...... فضل خان نے قادر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"یار قادر۔"

"کیسی مست نیند سو رہے ہیں یہ انہیں اتنی گہری نیند کیسے آ جاتی ہے۔"

"بس آ جاتی ہے۔"

"دیکھو تو کمبل کہاں بچھا ہوا ہے اور خود کہاں پڑے ہوئے ہیں اور کیسے پڑے ہوئے

فضل خان ہنس دیا، لیکن قادر خان کے چہرے پر سنجیدگی طاری ہونے لگی تھی، اس نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"فضل خان۔"

"ہاں۔"

"ادھر دیکھو۔" فضل خان نے گردن گھمائی اور دوسری طرف بنی ہوئی کوٹھڑی میں وہاں بھی تین قیدی اسی طرح مڑے تڑے پڑے ہوئے تھے۔

"یہ سب کو ایک ہی طرح سے نیند کیوں آ گئی آج۔"

"ذرا آگے چلو۔" پھر دوسری کوٹھڑی میں دیکھا تو وہاں بھی دو قیدی دیوار سے لگے ایک دوسرے کے اوپر پڑے ہوئے ہیں...... سپاہیوں کے چہرے پر حیرت کے آثار گئے...... پھر آہستہ آہستہ وہ باقی کوٹھڑیوں کا بھی جائزہ لینے لگے اور ایک دم ان کے دل ایک عجیب سا احساس پیدا ہوا، سارے کے سارے قیدی ایک ہی انداز میں نظر آ رہے اور یہ بڑے تعجب کی بات تھی، پھر ایک قیدی کو انہوں نے دیکھا جو سلاخوں کے بالکل پڑا ہوا تھا، اس نے ایک ہاتھ سے سلاخ پکڑ رکھی تھی اور اس کا چہرہ بالکل سامنے ہی تھا، بلکہ سے اندھیرے میں انہوں نے غور نہیں کیا تھا لیکن کچھ ہی لمحوں کے بعد روشنی ہو گئی تھی اور اب اس قیدی کا چہرہ نظر آ رہا تھا، اس کا چہرہ دیکھ کر اس کا دل دہشت سے ہونے لگا...... قیدی کے منہ سے جھاگ نکل رہے تھے اور اس کی آنکھیں خوفناک انداز پھٹی ہوئی تھیں...... قادر خان کے حلق سے چیخ نکلی اور وہ بولا۔

"فضل خان کوئی حادثہ ہوا ہے کوئی بہت بڑا حادثہ ہوا ہے۔"

"یہ...... یہ اس کے منہ سے تو جھاگ نکل رہے ہیں۔"

"اور وہ دوسرے اِدھر دیکھو...... انہیں ایک دم احساس ہو گیا کہ وہ سب بہت ہی برے میں پڑے ہوئے ہیں اور دوسرے لمحے انہوں نے سیٹی بجانا شروع کر دی...... ان کی آواز سے قرب وجوار کے علاقوں میں بھی سنسنی دوڑ گئی، پھر قادر خان بھاگتا ہوا پر پہنچا اور چند سپاہی رائفلیں سیدھی کیے ہوئے اسی طرف آ رہے تھے۔

"کیا ہوا کیا ہو گیا۔" انہوں نے پوچھا۔

"کیا قیدی بھاگ گئے؟" دوسرے سپاہی نے سوال کیا۔

"نہیں جلدی سے ایس آئی صاحب کو بلاؤ جلدی سے۔" ایک سپاہی ایس آئی صاحب کو بلانے دوڑ گیا، دوسرے فضل اور قادر سے صورت حال معلوم کرنے لگے۔

"نہیں کوئی قیدی نہیں بھاگا ہے لیکن قیدیوں کو کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے...... ساری کوٹھریوں میں قیدی بری حالت میں پڑے ہوئے ہیں...... دو چار کے منہ سے جھاگ نکل رہے ہیں۔"

"کیا؟"

"ہاں آؤ دیکھو۔" اور سپاہی اندر داخل ہو گئے...... انہوں نے قید خانے کی سلاخوں پر ڈنڈے بجائے قیدیوں کو چیخ چیخ کر آوازیں دیں...... خاصا شور وغل مچ گیا تھا اور چاروں طرف سنسنی پھیل گئی تھی جہاں جس کی ڈیوٹی تھی وہ رائفل لے کر مستعد ہو گیا تھا کیونکہ ابھی صورت حال کا کسی کو علم نہیں تھا، پھر ایس آئی بھی سادہ لباس میں دوڑا چلا آیا تھا اور صورت حال معلوم کرنے لگا تھا...... جب اسے تفصیل معلوم ہوئی تو وہ اندر بلاک میں داخل ہو گیا اور پھر اس نے بھی سلاخوں کے باہر ہی سے قیدیوں کو دیکھا اور خوفزدہ لہجے میں بولا۔

"میرے خدا مجھے تو یہ سب مردہ معلوم ہو رہے ہیں...... کتنے قیدی ہیں اس بلاک میں۔"

"چوبیس۔" فضل خان نے جواب دیا۔

"تم نے ساری کوٹھریوں کا جائزہ لے لیا ہے۔"

"ایک ایک کا صاحب سب اسی حالت میں پڑے نظر آ رہے ہیں۔"

"اوہ میرے خدا میں جیلر صاحب کو اطلاع دیتا ہوں۔" جیلر کو بھی سوتے ہوئے ہی جگایا گیا تھا اور وہ بے چارہ پاگلوں کی طرح دوڑتا چلا آیا تھا، پھر اس کے اشارے پر احتیاط کے ساتھ ایک کوٹھری کا دروازہ کھولا گیا اور جیلر اندر داخل ہو گیا...... لوہے کے جنگلے کے ساتھ پڑے ہوئے قیدی کا معائنہ کیا گیا اس کا بدن سرد تھا اور اکڑ چکا تھا...... آنکھیں وحشت ناک انداز میں پھٹی ہوئی تھیں، منہ سے جھاگ اُبل رہا تھا...... باقی اس کوٹھری میں جو دو اور قیدی پڑے ہوئے تھے ان کی حالت بھی مختلف نہیں تھی ان کے چہروں پر نیلاہٹیں دوڑ گئی تھیں۔

"مر گئے یہ مر گئے۔" جیلر خوفزدہ انداز میں بڑبڑایا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ یہ معمولی حادثہ نہیں ہے...... یہ حادثہ تو زندگی اور موت کے مترادف ہے کیونکہ قیدیوں کی ذمہ داری بہر حال جیلر پر ہوتی ہے...... جیلر پاگلوں کی طرح وہاں سے باہر نکلا اور دوڑتا ہوا ایس پی

نس کی طرف جانے لگا...... پوری جیل میں ہنگامہ ہو گیا تھا...... فضل خان اور قادر کو باہر ہال لیا گیا تھا اور بلاک سولہ کا پوری طرح محاصرہ کر لیا گیا تھا...... اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ چوبیس ے چوبیس قیدی ہلاک ہو گئے ہیں اور اس کے بعد ایک خوفناک کیفیت برپا ہو گئی...... پرنٹنڈنٹ جیل، جیلر اور جتنے افسر جیل میں موجود تھے اور وہیں ان کی رہائش تھی وہ سارے ے سارے قیدیوں کی کوٹھریاں کھلوا کھلوا کر ان کا جائزہ لے رہے تھے...... چوبیس قیدیوں یں سے ایک بھی ایسا نہیں تھا جو زندہ بچ گیا ہو...... سپرنٹنڈنٹ نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"اور یہ سب زہر کا شکار ہوئے ہیں، ان کے انداز سے یہی پتا چلتا ہے۔"

"صاحب اب کیا کیا جائے کتنے کی موت مارے جائیں گے ہم سب۔" سپرنٹنڈنٹ یلر کے سوال پر کہا۔

"مگر صاحب یہ...... یہ۔"

"تم یہ...... یہ کر رہے ہو میں اعلیٰ حکام کو اطلاع دیتا ہوں، لگتا ہے کوئی بہت بڑا گناہ ہو گیا ہم سے، اس واقعہ کے نتیجے میں ہماری نوکریاں تو جائیں گی ہی لیکن بات شاید نوکریوں ک ہی نہیں رہے گی اس سے آگے بھی بہت کچھ ہوگا۔"

سپرنٹنڈنٹ کے الفاظ جیلر کو لرزا رہے تھے، لیکن بات غلط بھی نہیں تھی...... چوبیس یدیوں کی موت کوئی معمولی واقعہ نہیں تھی اور آسانی سے نہیں ٹالی جا سکتی تھی، بہر حال ارروائیاں ہونے لگیں...... جیل میں خطرے کا سائرن بج گیا تھا اور قیدیوں کو ان کے علاقے یں محصور رکھا گیا تھا...... کسی ایک کو باہر نہیں نکالا گیا تھا...... جب تک کہ اس واقعے کی تحقیقات نہ ہو جائیں ایک عجیب ہی فضا قائم ہو گئی تھی، ہسپتال کو فون کیا گیا یہاں کے ہسپتال ے کام نہیں چل سکتا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد ساری صورت حال اعلیٰ حکام کے علم میں گئی اور قیدیوں کی لاشوں کو ہسپتال منتقل کیا جانے لگا...... سول ہسپتال میں ہنگامی حالات کا علان کر دیا تھا اور تمام ڈاکٹروں کو طلب کر لیا گیا تھا...... چوبیس قیدیوں کا معائنہ کیا گیا لیکن ن میں سے ایک بھی زندہ نہیں بچا تھا...... ڈاکٹروں نے رپورٹ دی کہ ان کی موت کو دس ے بارہ گھنٹے گزر چکے ہیں، ہو سکتا ہے کہ اس سے بھی کچھ زیادہ وقت لگا ہو اور ان کے جسموں یں انتہائی مہلک زہر پایا گیا ہے، پھر اس سلسلے میں تحقیقات کا آغاز ہوا اور یہ صورت حال معلوم کی جانے لگی کہ قیدیوں کو زہر کس نے دیا...... بات جیل کے ٹھیکیداروں تک پہنچی جو

قیدیوں کو کھانا سپلائی کرتا تھا...... ایک بہت بڑی جگہ باورچی خانہ بنا ہوا تھا اور ٹھیکیدار نے وہیں پر سارے انتظامات کئے ہوئے تھے جو لوگ کھانا پکاتے تھے وہ بھی جیل کے اس حصے میں رہا کرتے تھے...... اعلیٰ حکام کی ہدایت پر ان سب کو حراست میں لے لیا گیا، البتہ رمضان خان ٹھیکیدار باہر رہتا تھا لیکن پولیس اس کے گھر بھی پہنچ گئی اور اس کے گھر کا گھیراؤ کر کے رمضان خان کو فوراً گرفتار کر لیا گیا...... ایک عجیب کیفیت پیدا ہو گئی تھی، سب سے بڑی بات یہ کہ اخبارات سے ابھی بچاؤ کے انتظامات کئے گئے تھے اور اس صورت حال کے لئے ہسپتال کے ڈاکٹروں کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ ایک لفظ بھی کسی اخباری رپورٹر کو نہ بتائیں...... جب تک تحقیقات مکمل نہ ہو جائیں وزیر جیل خانہ اور دوسرے تمام ذمے دار ارکان جیل پہنچ گئے تھے اور اس سلسلے میں تحقیقات کی جارہی تھیں...... باورچی خانے کا بھی جائزہ لیا گیا اور پھر کھانا پکانے کی ایک دیگ میں رات کے بچے ہوئے سالن کے ساتھ ایک مردہ سانپ پایا گیا...... یہ سانپ کھانے میں پڑا ہوا تھا، اس کھانے کو فوراً لیبارٹری بھجوایا گیا اور اس کا وہاں ایمرجنسی میں تجزیہ کرایا گیا تو پتا چلا کہ کھانا سخت زہر آلود ہے لیکن تجزیہ کرنے والوں نے یہ بات بھی بتائی تھی کہ یہ سانپ اس قدر زہریلا نہیں ہے جس سے چوبیس آدمی آن کی آن میں ہلاک ہو جائیں بلکہ سانپ کے زہر کے علاوہ کھانے میں ایک اور زہر بھی پایا گیا ہے جس سے صحیح صورت حال کا اندازہ نہیں ہو رہا ہے...... رمضان خان کو سختی سے اس سلسلے میں جواب دینے کو کہا گیا تو اس نے کہا۔

"صاحب پہلی بات تو یہ ہے کہ کھانا پکانے والے میرے پرانے آدمی ہیں...... دوسری بات یہ کہ اگر کھانے میں سانپ چلا گیا تو اس میں میرا کیا قصور کہیں نہ کہیں سے سانپ آ ہو گا، کیا ان لوگوں کو سزائے موت دے دیں جنہوں نے کھانا پکایا ہے...... تحقیقات کر لیجئے صاحب کہ وہ دیگ کس نے پکائی، ظاہر ہے جان بوجھ کر تو ایسا نہیں کیا گیا ہوگا......" رمضان خان ٹھیکیدار کو حراست میں لے لیا گیا، اس کے علاوہ سپرنٹنڈنٹ جیل کو معطل کر دیا گیا اور جیلر کو اور دوسرے چند افراد کو باقاعدہ ان لوگوں کی موت کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا...... یہ سب وہ لوگ تھے جن کا اس واقعے سے کوئی گہرا تعلق نہیں تھا، لیکن ذمہ داری بہرحال ذمہ داری ہوتی ہے اور اس کی جواب دہی انہیں کرنی ہی تھی، پھر سارے دن کی کارروائیوں کے بعد رات کو پریس رپورٹرز کو اس سلسلے میں تفصیلات بتا دی گئی تھیں لیکن اس دوسرے زہر

کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا تھا جو دیگ میں پایا گیا تھا، ساری تفصیل یہی تھی کہ جس دیگ کا کھانا زہر آلود تھا وہی بیرک نمبر 16 کو سپلائی کی گئی تھی اور اس کا شکار وہ تمام قیدی ہو گئے جو اس بلاک میں قید تھے۔

❁

گھریلو زندگی جس حد تک ممکن ہو سکتی تھی شہاب بسر کرتا تھا...... ماں، بھابی، بہن وغیرہ سبھی سے تھوڑا بہت تعلق رہتا تھا...... یہ الگ بات ہے کہ اتنا نہیں جانتا کہ وہ لوگ خواہشمند تھے، البتہ نعیمہ بیگم کچھ افسردہ افسردہ سی رہنے لگی تھیں ...... اس دن بھی شہاب گھر پر تھا اور بظاہر یوں لگتا تھا جیسے کہیں جانے کا ارادہ نہ رکھتا ہو حالانکہ ایسا بہت کم ہوتا تھا اور اس کی شکایت بھابی نے بھی کی تھی...... بھائیوں نے بھی نعیمہ بیگم نے البتہ زبان بند رکھی تھی لیکن اس دن کچھ ایسا ہی مسئلہ ہو گیا تھا...... سب لوگ ایک جگہ جمع تھے...... شہاب بھی ان کے درمیان آ بیٹھا تو ثریا بھابی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"کمال ہے شہاب کیا اس وقت کوئی اور مصروفیت نہیں ہے، بڑا تعجب ہوتا ہے جب تم ہمارے درمیان آ کر بیٹھتے ہو۔"

"بھابی میں تو آپ کو آگ بجھانے والی بھابیوں میں سمجھتا تھا، یہ آپ نے آگ لگانا کب سے شروع کر دی ہے۔"

"جو دل چاہے سمجھ لو حالانکہ سچی بات یہ ہے کہ تم مجھے بھابی کہہ لیتے ہو شہاب اور بڑا عجیب سا لگتا ہے، تمہارے منہ سے یہ لفظ سنتے ہوئے۔"

"تو مجھے کیا کہنا چاہئے آپ کو؟"

"نجانے کیوں دل میں کچھ احمقانہ خیال آ جاتے ہیں، خود کو ہمیشہ ہی تمہاری بڑی بہن سمجھا ہے لیکن غلط سمجھا ہے...... مجھے خود بھی اس کا احساس ہے۔"

"ارے باپ رے باپ قوم بڑے خطرناک موڈ میں نظر آتی ہے، بڑے گہرے وار کئے جارہے ہیں۔"

"نہیں بھئی اگر ایسا محسوس کر رہے ہو تو ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتی ہوں......" ثریا بھابی نے کہا اور دونوں ہاتھ جوڑ دیئے...... شہاب نے جلدی سے ان کے ہاتھ پکڑ لئے تھے۔

"تو پیاری سی بھابی یا پیاری سی بہن آخر اس ناراضگی کی وجہ؟"

”کوئی وجہ نہیں ہے شہاب اور نہ میں ناراض ہوں...... اصل میں انسان اپنا تعین کرنے میں کبھی کبھی بڑی غلطی کر جاتا ہے۔“

”اماں بی کیا ہو گیا ثریا بھابی کو فائق بھائی آپ ہی کچھ بتا دیجئے۔“

”نہیں بھئی تم دونوں کے معاملات میں بولنا حماقت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، ایک بات زبان سے نکل گئی تو پکڑی جائے گی، تم لوگ آپس ہی میں گفتگو کرتے رہو۔“

”لگتا ہے آج سب نے میرے خلاف محاذ بنا لیا ہے، مگر میرے پیارے بھائی بھابیو کچھ بتا تو دو۔“

”اصل میں سب سے زیادہ نقصان میرا ہو رہا ہے لیکن یہاں کے کچھ رسم و رواج ایسے ہیں کہ چھوٹوں کو بولنے کی اجازت ہی نہیں ہوتی۔“ واثق نے کہا۔

”سبحان اللہ...... سبحان اللہ بڑی فصیح و بلیغ گفتگو ہو رہی ہے...... قصہ کیا ہے میرے پیارے بہن بھائیو مجھے کم از کم کچھ بتا تو دیا جائے؟“

”کوئی قصہ نہیں ہے بھائی صاحب بس کچھ ایسے ہی معاملات ہیں کہ ڈور اُلجھ گئی ہے۔“

”کیسی ڈور؟“

”اب دیکھئے نا میں جوان ہوں لیکن جوانی کتنے دن کی کچھ عرصے کے بعد بڑھاپا شروع ہو جاتا ہے، آج کل موسمی حالات ویسے ہی خراب ہیں، سر میں دو چار بھی سفید بال نکل آئے تو تحقیقات شروع ہو جائے گی کہ لڑکے کی اصل عمر کیا ہے...... آپ تو خیر ذرا مختلف ہیں لیکن ہمارا مسئلہ ٹیڑھا ہو جائے گا۔“

”مطلب۔“ شہاب نے واثق کی طرف دیکھ کر کہا۔

”مطلب یہی ہے کہ ہماری شادی کھٹائی میں پڑ جائے گی، لوگ یہی کہیں گے کہ لڑکے کی عمر زیادہ ہے۔“

”مگر تمہاری شادی کیوں کھٹائی میں پڑ جائے گی؟“

”اس لئے کہ اماں بی کا کہنا ہے کہ شادی ترتیب سے ہی ہو گی، یعنی یہ کہ سب سے بڑے بھائی فائق حسین اس کے بعد جناب شہاب صاحب ہم تو سب سے آخر میں آتے ہیں...... اماں بی کا کہنا ہے کہ جب تک شہاب کی شادی نہیں ہو جائے گی واثق کی شادی کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا۔“ شہاب ہنسنے لگا تھا پھر اس نے کہا۔

”اماں بی میرے خیال میں تو یہ۔“

”کیا یہاں بھی اپنی ہی چلاؤ گے۔“ نعیمہ بیگم نے غصیلی نگاہوں سے شہاب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”ارے باپ رے باپ حالات خاصے سنگین نوعیت اختیار کر گئے ہیں۔“

”خیر تم ایک بہت بڑے پولیس آفیسر ہو...... بڑے نیک نام اخبارات میں تصویریں چھپتی رہتی ہیں...... نام چھپتا رہتا ہے، بھلا ہم لوگوں میں سے کس کی مجال ہے وہ تو تم ذرا سی لفٹ دے دیتے ہو تو آگے بڑھ کر بول لیا کرتے ہیں ورنہ ہم کیا ہماری اوقات کیا۔“

”ہوں تو مجھے یہ تو بتا دیا جائے کہ میرا جرم کیا ہے؟“

”شادی کر لو یار سارے مسئلے حل ہو جائیں گے۔“

فائق حسین نے مسکراتے ہوئے کہا اور شہاب ان کی صورت دیکھنے لگا، پھر بولا۔

”کیا واقعی؟“

”تو اور کیا تمہارے خلاف تو روزانہ ہی محاذ آرائی ہوتی رہتی ہے، لیکن ڈرتے ہیں یہ لوگ تم سے ورنہ زبردستی پکڑ کر تمہاری شادی کر دیتے۔“

”مجھ سے کیوں ڈرتے ہیں۔“

”اب یہ تم ان لوگوں سے خود ہی معلوم کر لو۔“ فائق حسین نے کہا۔

”ارے اماں بی حکم دے کر تو دیکھیں آج تک کبھی ان کا کوئی حکم ٹالا ہے میں نے۔“ شہاب نے کہا اور اماں بی چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

”دیکھ شہاب میرا جی مت جلا...... جلی ہوئی بیٹھی ہوں میں تجھ سے۔“

”نہیں اماں بی اچھا آپ مجھے بتا دیجئے وہ دن جب میں نے آپ کے کسی حکم سے انکار کیا ہو۔“

”باتوں میں تجھ سے کون جیت سکتا ہے، آج کی بات کر آج کی۔“

”اماں بی ہمیشہ کی بات کر رہا ہوں میں حکم دیجئے آپ مجھے بھلا اس کی تعمیل نہ کروں۔“

”ٹھیک ہے پھر شادی کر لے۔“ اماں بی نے کہا اور شہاب اُٹھ کھڑا ہوا۔

”بس بھاگے۔“ ثریا بھابی نے ٹکڑا لگایا۔

”نہیں بھابی کام سے جا رہا ہوں۔“

”کام تو تمہیں ہمیشہ ہی رہتا ہے، اماں بی کے کہنے کا جواب تو دے دو۔“

”تو بیٹھے بیٹھے شادی کرلوں کیا۔“ شہاب نے کہا اور سب ہنس پڑے ثریا بھابی بولیں۔

”تو کیا شادی کرنے جارہے ہو۔“

”ملنا جلنا تو پڑے گا بتایئے میں کیا کروں یہ مشورہ بھی مجھے آپ ہی سے لینا تھا۔“

”تو یہ بتا شادی کرے گا۔“ نعیمہ بیگم نے کہا۔

”اماں بی آپ حکم دیں گی تو کرلوں گا۔“

”کب۔“

”یہ بھی آپ ہی بتادیجئے۔“

”بڑا کہنا مانتا ہے نا میرا۔“

”آپ بتادیجئے اماں بی جب آپ کہیں گی کہنا مان لوں گا۔“

”تو بس پھر ٹھیک ہے تو فوراً سب کے سامنے اس وقت شادی کے لئے ہاں کردے اور یہ بتا کہاں شادی کرنا چاہتا ہے۔“

”ثریا بھابی کیا کروں بتایئے۔“

”بولو بولو بڑے سعادت مند ہو نا بتاؤ اماں بی کو۔“

”اماں بی ویسے تو آپ جہاں کہیں کرلوں گا لیکن۔“

”بس بس...... اس لیکن سے آگے ہمارا تحقیقاتی محکمہ آپ کی مدد کرے گا۔“ واثق نے کہا۔

”کیا مطلب۔“ ثریا بھابی چونک کر بولی۔

”ثریا بھابی ہم مرد ہیں ٹھیک ہے جناب شہاب صاحب ایک بہت بڑے پولیس آفیسر ہیں...... سپیشل ڈیپارٹمنٹ کے سربراہ لیکن ہم بھی انہی کے بھائی ہیں، ہم نے پتا لگا لیا ہے ان خاتون کا جو دن رات شہاب بھائی کے ساتھ رہتی ہیں۔“

”کون؟“

”بینا واسطی ہے ان کا نام۔“

”ارے وہ دو بچوں کی اماں۔“ ثریا بھابی نے کہا اور قہقہہ لگا کر ہنس پڑیں۔

”دو بچوں کی ماں۔“ نعیمہ بیگم بولیں۔

”دیکھئے بھابی آپ کا مذاق بعض اوقات سنگین صورت اختیار کر جاتا ہے بینا تو ابھی غیر شادی شدہ ہے۔“

”جناب آپ ہی نے اس سے ملاقات کرائی تھی اور مجھے بتایا تھا کہ دو بچوں کی ماں ہے۔“

”نہیں وہ محاورتاً بچے تھے۔“

”کیا مطلب؟“

”دیکھئے نا اماں بی کوئی اگر کسی کے لئے دل میں دُکھ اور درد رکھتا ہے تو اسے ماں کی ممتا بھی دے دیتا ہے، میرا مطلب ہے اگر مدمقابل بچے ہوں تو اب میں نے محاورے کے طور پر بینا کے بارے میں یہ بات بتادی۔“

”تو کیا تم بینا واسطی سے شادی کرنا چاہتے ہو۔“ فائق حسین نے پوچھا۔

”اگر آپ لوگ اجازت دیں تو۔“

”بھئی تمہاری پسند ہے اور ہمیں تمہاری پسند پر اعتبار ہے لیکن بات ٹالنے کی نہیں ہو رہی ہے۔“ فائق حسین نے کہا۔

”افسوس تو یہی ہے کہ جب سنجیدہ ہوتا ہوں تو زبردستی ٹالنے ٹالنے والی بات کردی جاتی ہے۔“

”دیکھ شہاب میں کہے دیتی ہوں تجھ سے زندگی بھر کے لئے تعلقات ختم کرلوں گی منہ نہیں دکھاؤں گی ورنہ سنجیدہ ہو جا۔“

”ثریا بھابی ایک بات بتادیجئے خدا کے واسطے ایک بات بتادیجئے سنجیدہ اور کیسے ہوا جاتا ہے۔“

”تم سچ کہہ رہے ہو اس وقت اماں بی کے سامنے بات ہو رہی ہے خیال رکھنا۔“

”آہ کاش میرے سچ پر کوئی یقین کرلے۔“

”ہم نے کرلیا اور بس باقی معاملات تم ہم پر چھوڑ دو...... واثق تمہیں واسطی صاحب کے گھر کا پتا معلوم ہے۔“

”ان کے پورے خاندان کا پتا معلوم ہے مجھے آپ کیا سمجھتی ہیں اماں بی اور پھر مسئلہ کچھ ایسا ہے کہ میری تو پوری پوری توجہ اس کیس پر ہے کیونکہ اس کے بعد میرا مستقبل روشن ہو جائے گا۔“ واثق شرارت سے بولا اور سب ہنسنے لگے تو اماں بی نے کہا۔

"بس بس ٹھیک ہے ایک آدھ دن کے اندر اندر جا رہی ہوں واسطی صاحب کے پاس ان سے بات کروں گی، ویسے وہ تیار تو ہو جائیں گے نا۔"

"یہ تو آپ کو وہاں جا کر ہی پتا چلے گا اماں بی۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا اور گھر والے خوشیاں منانے لگے، شہاب کچھ سنجیدہ نظر آ رہا تھا، جبکہ اس سے پہلے وہ کبھی اس قدر سنجیدہ نہیں ہوا تھا، بعد میں شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، بھلا کس کی مجال تھی جو اس کی اجازت کے بغیر یہ قدم اٹھانے کی کوشش کرتا لیکن بینا نے جس سنجیدگی سے یہ بات کہی تھی اس کے بعد شہاب نے کئی گھنٹے اس بارے میں سوچا تھا اور آخر کار فیصلہ کیا تھا کہ محکمہ پولیس اور انتظامیہ میں دوسرے افراد بھی تو ہیں اپنے کام سرانجام دیتے ہیں...... بینا زندگی میں اس طرح شامل ہو گئی ہے کہ اب اس سے جدائی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا...... شہاب جانتا تھا کہ بینا ایک نیک نفس لڑکی ہے، اس کا سنگین مسئلہ واقعی ایک مستحکم حیثیت رکھتا تھا اور جن الفاظ میں اس نے اپنے خدشے کا اظہار کیا تھا وہ اس قدر اہمیت کے حامل تھے کہ شہاب کو اپنے انداز میں لچک پیدا کرنی ہی پڑی...... بینا کے یہ خدشات دُور کرنے کا بہترین طریقہ یہ تھا کہ شہاب اسے اپنی زندگی میں شامل کر لے، بینا اس کی زندگی میں شامل تو تھی لیکن ایک حقیقی انداز ذرا مختلف بات ہوتی ہے اور ہاں شہاب اس کے لئے تیار ہو گیا تھا، پھر دوسرے دن صبح کو وہ آفس پہنچا اور اپنے کمرے میں داخل ہو گیا...... بینا کو نادر حیات کی ہدایت کے مطابق اب ہیڈ کوارٹر میں اپنے آفس میں ہی بیٹھنا تھا، حالانکہ شہاب اس کے خلاف تھا اور اس نے سوچا تھا کہ مناسب وقت پر نادر حیات سے اس سلسلے میں بات کرے گا اور انکار کر دے گا کہ بینا کو آفس میں بٹھایا جائے...... نئے سٹاف کو وہ دوسروں کی نگاہوں سے دُور ہی رکھنا چاہتا تھا...... نادر حیات نے اپنی دانست میں بینا کو یہ اعزاز دیا تھا لیکن شہاب کے اپنے مسائل تھے اور اب تو صورت حال بالکل ہی مختلف تھی...... گزشتہ دن گھر میں جو گفتگو ہوئی تھی وہ بینا کو اس سے آگاہ نہیں کرنا چاہتا تھا، بات واسطی صاحب کے ذریعے ہی اگر بینا تک پہنچے تو زیادہ اچھا ہے...... ویسے شہاب دل ہی دل میں لطف اندوز ہو رہا تھا، اپنی میز پر بیٹھنے کے بعد اس نے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا تا کہ بینا کے بارے میں معلومات حاصل کرے لیکن اسی وقت فون کی گھنٹی بج اُٹھی تھی، شہاب نے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو۔"

"آپ آ گئے۔"

"جی حاضر ہو گیا حکم۔" شہاب نے بینا کی آواز پہچان کر کہا۔

"اخبار پڑھ لیا۔"

"نہیں ابھی تک نہیں پڑھ سکا۔"

"میں آ جاؤں۔" بینا بولی۔

"کہاں دل کی گہرائیوں میں۔"

"جی نہیں آپ کے دفتر میں۔"

"ہاں یہاں آ جاؤ۔"

"کیوں دل کی گہرائیوں میں گنجائش نہیں ہے۔"

"بھئی وہ تو تمہارا گھر ہے اس میں آنے کے لئے کیوں پوچھتی ہو۔"

"اللہ رحم کرے، صبح ہی صبح یہ رومانی موڈ کیوں طاری ہو گیا ہے۔"

"یہ تو رات کو بھی طاری تھا، چوبیس گھنٹے رہتا ہے۔"

"بات بہت سنجیدہ ہے میں اخبار لے کر آ رہی ہوں۔"

"کاش تم پھولوں کے ہار لے کر آتیں بینا۔"

"میں آ رہی ہوں۔" بینا نے کہا اور ٹیلی فون بند کر دیا، شہاب مسکرانے لگا تھا، پھر اس کو اچانک بینا کے لہجے کی سنجیدگی کا احساس ہوا، اس کے اخبار بھی سامنے ہی پڑے ہوئے تھے لیکن بینا آ رہی تھی وہ کیا اخبار میں دکھانا چاہتی ہے، چند لمحوں کے بعد بینا شہاب کے کمرے میں داخل ہو گئی۔

"میڈم آپ کو پتا ہے پولیس ڈیپارٹمنٹ میں سیلوٹ کیا جاتا ہے اور ہر جونیئر سینئر کو سیلوٹ کرتا ہے۔"

"منہ دھو رکھئے گا میں نہیں کروں گی یہ سیلوٹ ویلوٹ۔"

"اچھا ایک بات بتاؤ کبھی نادر حیات صاحب کے سامنے جا کر سیلوٹ کیا۔"

"اپنے والد صاحب کو نہیں کیا وہ کیا حیثیت رکھتے ہیں، جس دن مجھے ہدایت دی گئی نوکری چھوڑ دوں گی۔"

"اماں کون ہدایت دے سکتا ہے تمہیں بیٹھو۔"

شہاب نے مسخرے پن سے کہا۔

"اگر اخبار پڑھ لیتے تو لہجے میں یہ شوخی نہ ہوتی۔"

"کیوں بینا کیا خاص بات ہے۔" شہاب نے کہا اور بینا نے اخبار شہاب کے سامنے رکھ دیا، واقعی سرخی دیکھ کر ہی شہاب کے چہرے پر ایک دم سنجیدگی پھیل گئی تھی...... لکھا ہوا تھا سنٹرل جیل میں چوبیس قیدی ہلاک ہو گئے اور پھر وہ پوری خبر پڑھنے لگا...... یہ قیدی زہر خورانی کا شکار ہوئے تھے، کھانے کے برتن میں کہیں سے سانپ جا پڑا تھا۔

"کیا جیل کے باورچی خانے میں اس قدر گندگی ہے۔" شہاب نے حیرت سے کہا۔

"ہلاک ہونے والوں کے نام پڑھو شہاب۔" بینا کہنے لگی اور اب شہاب بالکل ہی سنجیدہ ہو گیا...... چوبیس قیدیوں کی ہلاکت ہی ایک سنگین مسئلہ تھی لیکن جب ناموں پر نگاہ پڑی تو شہاب کا چہرہ اچانک سنجیدہ ہو گیا، ان میں دانی شاہ کا نام بھی تھا اور اس کے دونوں ساتھیوں کا بھی، اس نام سے گزرتے ہوئے شہاب نے آنکھیں بند کر لیں اور ایک ہاتھ سے پیشانی پکڑ لی، وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا...... رفتہ رفتہ اس کے چہرے پر سرخی نمودار ہو گئی اور آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی، اس نے گردن اُٹھا کر بینا کو دیکھا اور بولا۔

"یہ ہونا تھا بینا آخر کار یہ ہونا ہی تھا۔"

"کیا کہتے ہو اس بارے میں؟"

"قاتل دانی شاہ کے ساتھ اکیس اور افراد قتل کر دیئے گئے اور یہ یقینی طور پر دانی شاہ کی وجہ سے ہوا، اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ کار ان کی سمجھ میں نہیں آسکا ہو گا...... یہ سب ایک جانی بوجھی سکیم ہے...... بہر حال ہم نے اپنا فرض پورا کر دیا تھا، ظاہر ہے ہر کام ہمارے ہی دیکھنے کے لئے تو نہیں ہوتا۔"

"اور وہ اکیس بے گناہ جو صرف دانی شاہ کی وجہ سے موت کا شکار ہوئے۔"

"میں نے کہا ناں بینا ہر کام ہمارا ہی تو نہیں ہوتا، اس بات کی نشاندہی میں نے نادر حیات صاحب کو کر بھی دی تھی اور وہ بھی بے چارے کیا کریں...... ایک پورے معاشرے کی اُلجھن ہے یہ تو۔"

"ویسے بڑی سنگین صورت حال ہے جیل کے عملے کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔"

"دروازہ بند کرو۔" شہاب نے کچھ سوچ کر بینا سے کہا اور بینا جلدی سے اپنی جگہ سے

اُٹھ گئی...... اس نے شہاب کے آفس کا دروازہ بند کر دیا...... شہاب نے مخصوص ٹرانسمیٹر نکالا اور اس پر ڈبل او گینگ کا نمبر سیٹ کرنے لگا...... کچھ لمحوں کے بعد دوسری طرف سے آواز آئی۔

"سی پی کالنگ...... سی پی کالنگ اوور۔"

"سردار علی۔" شہاب آواز بدل کر بولا۔

"جی سر۔" سردار علی کی مودب آواز سنائی دی۔

"اخبار پڑھ لیا ہے؟"

"جی سر۔"

"جیل میں چوبیس قیدیوں کی ہلاکت کے بارے میں۔"

"جی سر پڑھ لیا۔"

"اور کسی کو ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے یا نہیں لیکن رمضان خان ٹھیکیدار کو فوری طور پر ذہن میں رکھنا ہے، حالانکہ وہ گرفتار ہے لیکن مجھے فوری طور پر یہ معلوم کر کے بتاؤ کہ اسے علاقے کے کون سے تھانے میں رکھا گیا ہے اور باقی افراد کی کیا پوزیشن ہے۔"

"یس سر۔"

"رپورٹ جب بھی مناسب سمجھو مجھے دے دینا۔" شہاب نے کہا اور پھر بینا کی طرف دیکھنے لگا پھر بولا۔

"ہیڈ کوارٹر میں تو ایسی کوئی رپورٹ نہیں ہے میرا مطلب ہے اسے ہیڈ کوارٹر تو نہیں لایا گیا۔"

"مجھے علم نہیں ہے۔"

"بینا میں معلوم کرتا ہوں۔" شہاب نے کہا اور پھر ٹیلی فون پر نادر حیات سے رابطہ قائم کرنے لگا، نادر حیات نے خود ہی فون ریسیو کیا تھا۔

"سر میں شہاب بول رہا ہوں۔"

"ایک لمحے پہلے میں نے تمہیں فون کرنے کے بارے میں سوچا تھا اور ریسیور کی جانب ہاتھ بڑھا ہی رہا تھا کہاں سے بول رہے ہو؟"

"آفس سے سر۔"

"میرے پاس آجاؤ۔"

"جی سر۔" شہاب نے کہااور پھر بینا کی طرف دیکھ کر بولا۔

"بینانادر حیات صاحب نے مجھے طلب کیا ہے، تم اپنے آفس میں جاؤاور میرا خیال ہے کل سے تمہیں آفس آنے کی ضرورت نہیں ہے...... میں اسی وقت ان سے بات کئے دیتاہوں۔"

"واقعی شہاب...... یہاں مجھے عجیب سالگتاہے تم ضرور یہ بات کرلو۔"

"نہیں کل سے تمہیں آفس نہیں آنا ہے بینا...... بس سمجھ لو میں نے کہہ دیا سب ٹھیک ہے۔"

"اوکے...... تو پھر میں آفس سے چلتی ہوں...... اگر موقع مل جائے تو مجھے صورت حال بتاتے جانا۔"

"ٹھیک ہے۔" شہاب نے کہااور اپنی جگہ سے اُٹھ کر نادر حیات کے دفتر کی جانب چل پڑا...... نادر حیات اس کا انتظار کررہے تھے، ان کے چہرے کے تاثرات میں خاصی جذباتی کیفیت نظر آرہی تھی...... شہاب کو سامنے بیٹھنے کااشارہ کرکے بولے۔

"خیریت...... مجھے فون کیوں کیا تھا؟"

"سروہ مس بینا کے بارے میں کچھ بات کرنا چاہتا تھا۔" شہاب فوراً ہی اصل بات گول کرگیا۔

"مس بینا کے بارے میں؟"

"جی ہاں سر...... اصل میں کچھ ایسے معاملات ہیں جن پر میں نے غور کیا ہے اور اس سلسلے میں آپ کے احکامات لیناضروری سمجھتاہوں۔"

"کیابات ہے؟"

"سر مس بینا میرے معاملات میں بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہیں اور اسی طرح وہ تمام افراد بھی جنہیں آپ نے ازراہ عنایت میرے ڈیپارٹمنٹ کے لئے اپائنٹ کیا ہے۔"

"میں جانتاہوں اور۔"

"لیکن سر ان کامنظر عام پر رہنامناسب نہیں ہے...... پولیس ہیڈکوارٹر میں ان کے آجانے کامطلب یہ ہے کہ تقریباً تمام افراد ان سے واقف ہوجائیں...... بات ختم ہوجاتی ہے

جناب۔ یعنی پھر یہ خفیہ سیل نہیں رہابلکہ ایک طرح سے محکمہ پولیس کے وہ افراد ہوگئے جو عموماً ہر مسئلے میں کام کیاکرتے ہیں۔" نادر حیات کچھ سوچنے لگے پھرانہوں نے کہا۔

"کیاچاہتے ہو؟"

"سر ان لوگوں کوایسے معاملات سے دُور رکھاجائے...... میرامطلب ہے کہ آپ نے بینا کے سپرد ایک کیس کیا بہت اچھا کیااور اس طرح آپ پرائیویٹ رابطوں پر ایسے حالات میں ان سے رابطہ قائم کرسکتے ہیں...... یہ مناسب ہوگا لیکن اگر وہ بھی یہاں پولیس ہیڈکوارٹر میں آکر بیٹھ جائیں تو میں سمجھتاہوں جناب پھر ان کی موجودگی کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

"غور کرلیں گے اس پر۔"

"نہیں سر...... غور کرنے کی بات نہیں ہے میری خواہش پر انہیں یہاں رکھا گیاہے اور میرا خیال ہے کہ اس سلسلے میں میری خواہشوں کو ہی بر نظر رکھاجائے تو بہتر ہے، کیونکہ اس کے بغیر میرامقصد فوت ہوجاتاہے۔"

"اگر تم یہ چاہتے ہو کہ بیناہیڈکوارٹر میں نہ بیٹھے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"آپ ذاتی طور پر ان سے جب چاہیں رابطہ قائم کرکے کوئی بھی ہدایت دے سکتے ہیں، وہ بہرحال آپ کے ماتحت ہیں...... بس میں تو صرف یہ ہی چاہ رہاتھاکہ ایسی صورت حال پیش نہ آئے۔"

"ٹھیک ہے مس بیناسے کہہ دوں گابلکہ آپ کہہ دیں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"جی سر...... بہت بہت شکریہ بس اسی موضوع پر بات کرناچاہتاتھا۔" شہاب کو فوراً ہی ایک موقع مل گیا تھا، اس نے جیل میں ہونے والے حادثے کے سلسلے میں کوئی گفتگو نہیں کی تھی...... نادر حیات کی وہ زبانی سنناچاہتاتھا...... نادر حیات نے کہا۔

"اخبار پڑھا آج کا۔"

"جی سر۔"

"کوئی خاص بات نہیں اس میں۔"

"اخبارات میں خاص باتیں ہوتی ہی کہاں ہیں سر۔"

"کیامطلب؟"

"زبان نہ کھلوایئے بس...... زیادہ بہتر ہوگا...... ضرورت کی باتیں ہوتی ہیں اور ایسی

باتیں کہاں ہوتی ہیں جنہیں واقعی ضرورت کی بات سمجھا جائے۔“

”میں جیل کے حادثے کی بات کر رہا ہوں۔“

”ہونا تھا سر...... میرے لئے متوقع تھا۔“

”کیا مطلب؟“ نادر حیات اُچھل پڑے۔

”سر یہ ہونا تھا...... بس حکام کی پسند کی بات ہے ورنہ دانی شاہ اور اس کے دو ساتھی ان افراد کے لئے اتنی ہی اہمیت کے حامل تھے کہ گرفتار ہونے کے بعد ان کا ہر لمحہ ان لوگوں کے لئے موت کا لمحہ تھا، میں نے تو پہلے ہی نشاندہی کر دی تھی سر...... البتہ آپ لوگوں نے دانی شاہ کے ساتھ اکیس مزید افراد کی موت مناسب سمجھی، یہ آپ کی اپنی پسند ہے۔“ نادر حیات کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لئے جھنجھلاہٹ نظر آئی، پھر ان کا چہرہ بے پناہ سخت ہو گیا...... کہنے لگے۔

”تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔“

”نہیں سر میں کیسی باتیں کر رہا ہوں آپ فرمایئے میں نے تو آپ سے عرض کیا تھا کہ اس سلسلے میں کام شروع کر دیا جائے...... میں نے باڑی سے دانی شاہ کو جس طرح گرفتار کیا ہے سر وہ نہ میرے فرائض پر احسان ہے نہ میری ذمہ داری پر مجھے یہ سب کچھ کرنا تھا، البتہ جب انسان بڑی محنت سے کوئی کام کرتا ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے کام کو قائم رہنے دیا جائے...... اگر مجھے یہ ہدایت کر دی جاتی کہ فوری طور پر ان لوگوں کو اپنی گرفت میں لے لوں جو اس کام کے ذمہ دار تھے تو میرا خیال ہے دانی شاہ اور اس کے دو ساتھیوں کے علاوہ مزید اکیس افراد قتل نہ ہوتے لیکن حکام بالا نے یہ ہی پسند کیا اور ویسے بھی میری محنت پر پانی پھر گیا...... دانی شاہ سے آپ لوگ کیا معلوم کرنا چاہتے تھے جو کچھ آپ کو دانی شاہ بتاتا وہ تو میں بتا چکا ہوں اور جب دانی شاہ کے بیان پر کوئی ایکشن نہیں لینا تھا سر تو میرا خیال ہے اس کی شخصیت بے کار ہو جاتی تھی اور میں سمجھتا ہوں کہ اسے اسی طرح ایک بیکار چیز سمجھ کر جیل کے لاک اپ میں چھوڑ دیا گیا...... ہاں ان اکیس افراد کا مجھے صدمہ ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر عوام کو اتنا شعور پیدا ہو جائے کہ وہ صرف یہ نہ دیکھیں کہ کس نے کیا کیا بلکہ یہ دیکھیں کہ کیوں کیا اور اس کا مقصد کیا تھا تو ان اکیس افراد کے اہل خاندان کو ملک بھر میں احتجاج کرنا چاہئے...... ان حکام بالا کے خلاف جو بے پروائی کے مرتکب ہوتے ہیں اور ایسے حادثے ان

ی بے پروائی کی وجہ سے رونما ہوتے ہیں۔“ نادر حیات حیرت سے شہاب کی صورت دیکھ ہے تھے، پر انہوں نے کہا۔

”کیا یہ باغیانہ الفاظ نہیں ہیں؟“

”نہیں سر...... میری محنت بے کار گئی ہے۔ اکیس بے گناہ افراد صرف اس لئے ہلاک ہو گئے ہیں کہ وہ دانی شاہ کے بلاک میں قید تھے اور صاحب حیثیت لوگ دانی شاہ کو قتل کرنا چاہتے تھے...... سر ایک شہری ہونے کی حیثیت سے یہ بات میرے لئے دُکھ کا باعث تو ہے۔“

”تو کیا میں ہی اس کا ذمہ دار ہوں۔“

”عارضی طور پر تو ایسا ہی ہے سر آپ کے علاوہ اور کسی کو یہ حقیقت معلوم نہیں تھی، میں نے آپ ہی کے سامنے وہ تمام نام پیش کئے تھے جو یہ اقدام کر سکتے تھے اور ان میں سے کسی نے یہ قدم اٹھا ڈالا، بات ابھی آپ سے آگے نہیں بڑھی۔“ نادر حیات شدید غصے میں آ گئے، انہوں نے کہا۔

”تو تم ایسا کرو میرے بارے میں ایک رپورٹ لکھ کر وزارت داخلہ کو پیش کر دو میں سمجھتا ہوں کہ مجھے اس بے پروائی کی سزا ملنی چاہئے۔“ شہاب نے نادر حیات کی طرف دیکھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”آپ تو میرے مائی باپ ہیں سر...... آپ کے خلاف رپورٹ لکھوں...... توبہ توبہ میری یہ مجال سر آپ حکم فرمایئے میں تو ان پانچوں افراد کی غلامی شروع کر دوں گا...... سر بس ایک بار حکم دے کر دیکھئے...... ہمارا کیا ہے ہم تو حکم کے غلام ہیں اور ویسے بھی سر ہمیں محکمہ پولیس میں ایک ایسی ہی شخصیت نے بھرتی کرایا تھا، ورنہ ہماری ہمت کہاں تھی کہ پولیس کی نوکری ہمیں مل سکتی...... سفارش کے بغیر دُنیا میں کچھ بھی نہیں ہوتا اور پھر یہ بڑے لوگ ان کی سفارش سے تو تقدیریں بدل جایا کرتی ہیں سر...... سر جو کچھ کہا ہے میں نے آپ اسے میری حماقت سمجھئے...... سر وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ اس قسم کے الفاظ کسی بھی بڑے آدمی کے خلاف منہ سے نکال جاؤں تو گردن کٹوادی جائے میری...... سر میں حاضر ہوں...... احکامات کا منتظر ہوں...... جو مر گیا سو مر گیا سر...... اس کے بارے میں تو یہ کہا جاتا ہے ناں سر کہ جس کی جب موت ہوتی ہے وہ مر ہی جاتا ہے، جہاں تک مسئلہ دانی شاہ کا ہے تو ٹھیک ہے وہاں بھی بے چارہ اکیلا نہیں رہے گا بلکہ کچھ جرائم پیشہ لوگ اس کے ساتھ ہی جائیں گے......

دل بہلا رہے گا بے چارے کا۔" نادر حیات پھٹی پھٹی آنکھوں سے شہاب کو دیکھ رہے تھے جو کچھ وہ کہہ رہا تھا وہ بہت عجیب تھا لیکن اس کے انداز میں جو کیفیت تھی وہ نادر حیات محسوس کر رہے تھے، پھر انہوں نے کہا۔

"شہاب تم بہت زیادہ Sentimental ہوگئے ہو۔"

"نہیں سر...... آئی ایم سوری...... سر اگر میری کسی بات سے آپ کو ناگواری کا احساس ہوا ہو تو ہاتھ جوڑ کر معافی چاہتا ہوں...... میں تو غلام ہوں سر...... آپ بے فکر رہئے آپ جو حکم دیں گے وہی ہوگا۔"

"شٹ اپ۔" نادر حیات غرائے ہوئے لہجے میں بولے۔

"یس سر...... یس سر۔" شہاب نے فوراً سلام کے لئے ہاتھ اُٹھالیا۔

"ہوش میں نہیں آؤ گے۔"

"سر معافی چاہتا ہوں...... پتا نہیں کیا غلطی ہو رہی ہے مجھ سے۔"

"میں جانتا ہوں تم سے کیا غلطی ہو رہی ہے۔"

"بتا دیجئے سر...... آئندہ ایسی غلطی کبھی نہیں ہوگی۔" نادر حیات صاحب نے آنکھیں بند کرلیں کچھ دیر تک خاموش رہے پھر بیل بجا کر چپڑاسی کو بلایا...... پانی لانے کے لئے کہا اور چپڑاسی پانی لے آیا۔

نادر حیات نے کئی گلاس پانی پیا...... اپنے آپ کو پر سکون کرنے کی کوشش کرتے رہے...... شہاب بدستور نیاز مندانہ شکل بنائے ہوئے بیٹھا تھا۔

"میں تمہارا بزرگ بھی ہوں...... تم میری عزت بھی کرتے رہے ہو اور ویسے بھی میں تم سے بڑی توقعات رکھتا ہوں شہاب۔ پلیز مجھ سے سلیقے سے گفتگو کرو۔"

"یس سر...... یس سر۔" شہاب جھٹکے دار لہجے میں بولا۔

"تمہارا کیا خیال ہے کیا یہ باقاعدہ زہر خورانی کا کیس ہے...... میرا مطلب ہے کہ ان لوگوں کو زہر جان بوجھ کر دیا گیا ہے۔"

"سر...... اتفاق بھی ہو سکتا ہے بلکہ بالکل اتفاق ہے سر...... اب بتائیے نا سالن میں سانپ گھس جائے تو بے چارے کھانا پکانے والے کا کیا قصور ظاہر ہے سانپ بھی چالاک ہوتا ہے نظر بچا کر ہی دیگچے میں گھسا ہوگا۔"

"باز نہیں آؤ گے تم۔"

"سر مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہو تو مجھے بتا تو دیجئے گا۔"

"کیا چاہتے ہو تم آخر؟"

"آپ کی محبت چاہتا ہوں...... نظر عنایت رہے سرکار باقی سارے معاملات کی کوئی بات نہیں ہے اور ویسے بھی وہ لوگ جرائم پیشہ تھے جو مر گئے، مرنا ہی تھا سسروں کو۔"

"تمہارے خیال میں دانی شاہ کے قتل کے سلسلے میں یہ سب کیا گیا ہے۔"

"جی سر...... میرا یہی خیال ہے۔" شہاب نے کہا۔

"مگر کس طرح؟"

"سر یہ تو تحقیقات کرنے سے پتا چلے گا لیکن جانے دیجئے تحقیقات کے نتیجے میں بھی وہی پانچوں نام سامنے آئیں گے، سر جن کی میں نے آپ کو نشاندہی کر دی تھی۔"

"کچھ بھی ہو جب تک تمہارے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہوگا میں تمہیں ان کے خلاف تحقیقات کی اجازت نہیں دوں گا...... اگر کوئی بہت ہی ٹھوس ثبوت ہو تو تم میرے سامنے لے کر آؤ...... اس کے بعد میں باقاعدہ ہوم منسٹری سے رابطہ قائم کروں گا، پھر تمہیں ان کے خلاف تحقیقات کی اجازت دی جاسکتی ہے...... تم کہتے ہو کہ دانی شاہ کے قتل کے لئے یہ کام کیا گیا اور وہ اکیس افراد لپیٹ میں آگئے تو ٹھیک ہے میں مانتا ہوں لیکن جب تک تم مجھے کوئی ٹھوس ثبوت نہیں دو گے میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔"

"آپ بے فکر رہیں سر...... میں آپ کو ٹھوس ثبوت دوں گا ہی نہیں اور کہاں سے دوں گا، جب میرے پاس ہوگا ہی نہیں۔"

"تم جاؤ اس وقت تم ذہنی مریض معلوم ہو رہے ہو مجھے...... بعد میں مجھ سے گفتگو کرنا۔"

"یس سر۔" شہاب اپنی جگہ سے اُٹھا ایک زوردار سلیوٹ کیا اور بھاری قدم اُٹھاتا ہوا نادر حیات کے کمرے سے باہر نکل گیا...... نادر حیات تشویش کی نگاہوں سے اسے دیکھتے رہ گئے تھے۔

واسطی صاحب اپنے گھر میں بیٹھے اپنی بیگم سے گفتگو کر رہے تھے کہ دروازے کی بیل بجی...... بینا موجود نہیں تھی، بیگم صاحبہ خود دروازہ کھولنے چلی گئیں...... باہر بہت سے

مہمانوں کو دیکھا...... دو خواتین تھیں اور ایک نوجوان...... بیگم واسطی نے کہا۔

"جی فرمائیے۔"

"عدنان واسطی صاحب کا مکان یہی ہے۔"

"جی ہاں۔"

"ان سے ملنا چاہتے ہیں ہم۔"

"کسی کیس کے سلسلے میں۔"

"جی ہاں بہت بڑا کیس ہے۔" معمر خاتون نے کہا۔

"تشریف لائیے۔" بیگم واسطی نے کہا اور ان لوگوں کو لئے ہوئے ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئیں...... ڈرائنگ روم میں انہیں بٹھانے کے بعد وہ واسطی صاحب کے پاس پہنچیں۔

"کون تھا؟" واسطی صاحب نے ہاتھ میں پکڑا ہوا اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

"تھا نہیں ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"ایک خاندان آیا ہے...... دو خواتین ہیں ایک مرد ہے...... آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"کیوں خیریت۔"

"کسی کیس کے سلسلے میں۔"

"گھر پر۔" واسطی صاحب متحیرانہ لہجے میں بولے اور پھر بیوی کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آ گئے...... تینوں افراد کھڑے ہو گئے تھے...... واسطی صاحب نے باری باری انہیں دیکھا پھر نرم لہجے میں بولے۔

"آپ لوگ تشریف رکھئے مجھے تعجب ہے کہ میرے گھر کا پتا آپ کو کس نے بتایا، میں اپنے کیس تو دفتر میں ہی لیتا ہوں...... خیر آپ تشریف لائے ہیں معزز مہمان ہیں میرے...... گھر پر آنے والے تو ہر طرح سے قابل احترام ہوتے ہیں...... آرام سے تشریف رکھئے یہ بتائیے چائے پئیں گے یا کچھ اور۔"

"ابھی کچھ نہیں پئیں گے۔" معمر خاتون نے کہا۔

"چلئے جب آپ پسند کریں بتا دیجئے گا...... آپ بھی بیٹھئے۔" واسطی صاحب نے اپنی بیگم کو بیٹھنے کے لئے کہا۔

"ہاں آپ کا بیٹھنا ضروری ہے۔" معمر خاتون بولیں۔

"جی۔" واسطی صاحب نے حیرت سے کہا۔

"اس کیس کا تعلق خاتون کی ذات سے زیادہ ہے۔"

"یہ میری بیگم ہیں محترمہ۔"

"میں جانتی ہوں۔" معمر خاتون نے مسکرا کر کہا...... واسطی صاحب نے حیرانی سے گہری سانس لی اور بولے۔

"جی فرمائیے۔"

"پہلے اپنا تعارف کرا دینا ضروری ہے۔"

"جی۔"

"میرا نام نعیمہ بیگم ہے...... یہ میری بہو ثریا بیگم ہیں اور یہ میرا بیٹا فائق حسین۔"

"جی۔" واسطی صاحب نے نرم لہجے میں کہا ان کے ذہن میں کوئی شبہ تک نہیں گزرا تھا شہاب سے ان کے بہت گہرے مراسم ہو چکے تھے لیکن ابھی تک شہاب نے اپنے اہل خانہ سے تعارف نہیں کرایا تھا...... بہر حال وہ گہری نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگے تو معمر خاتون نے کہا۔

"وکیل صاحب ایک بہت ہی اہم کیس لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں...... براہ کرم توجہ دیجئے گا۔"

"جی فرمائیے۔"

"ماشاء اللہ میرے تین بیٹے ہیں...... یہ سب سے بڑا فائق حسین ہیں...... ان سے چھوٹے کا نام شہاب ثاقب ہے اور اس سے چھوٹے واثق حسین ہیں۔"

"جی۔" واسطی صاحب اُچھل پڑے...... بے شک ملاقات آج تک نہیں ہوئی تھی لیکن اتنا تو معلوم تھا کہ شہاب کے بڑے بھائی کا نام فائق حسین اور چھوٹے کا نام واثق حسین ہے...... ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"کیا فرمایا آپ نے شہاب ثاقب۔"

"جی ہاں آپ اس سے اچھی طرح واقف ہیں انتظامی محکمے میں ملازمت کرتا ہے اور آپ کا نام بار بار لیتا ہے۔"

"خاتون معافی چاہتا ہوں آپ ہمارے شہاب کی والدہ ہیں۔"

"اب یہ تو پتا نہیں کہ وہ آپ کا شہاب ہے یا نہیں لیکن بہر حال۔"

"میں معذرت چاہتا ہوں...... حیرت سے دیوانہ ہو گیا ہوں، میں آپ ثاقب حسین کی بیگم ہیں...... ثاقب حسین مرحوم کی۔"

"جی ہاں۔"

"کمال ہے بھابی بیگم بھئی آپ نے صحیح معنوں میں ہمیں ذلیل کر دیا...... خدا کی قسم ارے آپ پہچان گئیں کون ہیں یہ...... شہاب کی والدہ ہیں اپنے شہاب کی۔" عدنان واسطی صاحب جوش و مسرت سے بولے اور بیگم صاحبہ بھی حیران رہ گئیں۔

"قصور ہمارا نہیں ہے...... شہاب نے آج تک اپنے خاندان سے ہمیں ملایا ہی نہیں۔" مسز واسطی نے کہا اور اپنی جگہ سے اُٹھ کر نعیمہ بیگم کے گلے لگ گئیں۔

"ثریا کو بھی پیار سے لپٹایا انہوں نے۔"

"بھئی خوب آئے آپ لوگ اس طرح آئے ہیں کہ اب ہمیں شرمندگی ہو رہی ہے لیکن بھابی بیگم میری معذرت آپ نے ضرور قبول کر لی ہو گی...... قصور میرا نہیں ہے آپ خود سوچئے کہ اس میں میرا کیا قصور ہے۔"

"تو میں کب کہہ رہی ہوں بھائی صاحب بس شہاب کی فطرت میں شرارت بہت زیادہ ہے، حالانکہ درجنوں بار کہا ہم نے کہ واسطی صاحب سے ہماری ملاقات کرائیں لیکن بس بے پروائی میں۔"

"بے پروائی نہیں آپ اسے مصروفیت کہئے۔"

شہاب کی مصروفیت کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا لیکن آپ لوگ خوب آئے، بھئی خدا کی قسم دل خوش ہو گیا...... بہت بہت شکریہ آپ کے آنے کا اصل میں یہ فرض ہمارا بھی تھا، لیکن ذرا سی جھجک ہوتی تھی کیونکہ خود شہاب نے میرا مطلب آپ سمجھ گئی ہوں گی۔"

"بس بس...... اب اتنی زیادہ معذرت کی ضرورت نہیں ہے بھائی صاحب...... آپ نہ آئے ہم آ گئے اور پھر سچی بات یہ ہے کہ آنا تو ہمیں ہی تھا۔"

"نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں ہے...... خیر چلئے یہ بڑائی آپ نے دکھا دی...... بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔"

"ان الفاظ سے بات ذرا ٹل جاتی ہے اور میں پوائنٹ پر آنا چاہتی ہوں۔" نعیمہ بیگم نے کہا اور واسطی صاحب نے حیرانی سے اپنی بیوی کی صورت دیکھی پھر بولے۔

"خیر...... باتیں تو ہوتی رہیں گی بھئی بیگم اٹھیں ہمارے ایسے مہمان آئے ہیں جن کی آمد ہماری عزت میں کتنا اضافہ کرتی ہے۔"

"سب کچھ بعد میں بھائی صاحب میں خود بتاؤں گی کہ مجھے کیا کھانا پینا ہے...... آپ اس کے لئے بہت زیادہ فکر مند نہ ہوں۔"

"آپ نے بڑا احسان کیا ہے بھابی صاحبہ۔"

"تو پھر اب آپ احسان کے جواب میں ہم پر بھی احسان کریں۔"

"میں احسان کروں آپ پر...... میری یہ مجال میری یہ جرات۔"

"نہیں اس وقت اللہ نے آپ کو یہ اعزاز بخشا ہے۔"

"کیا بات ہے...... پھر حکم دیجئے مجھے۔"

"دیکھئے ابھی یہ صرف رسمی الفاظ ہیں...... ہم مدعائے دل بیان کرنے آئے ہیں کہ ہماری دلی آرزو پوری ہو گی یا نہیں؟"

"میں اب بھی نہیں سمجھا براہ کرم ذرا سی وضاحت کیجئے۔"

"شہاب ثاقب کے لئے آپ کی بیٹی کا ہاتھ مانگنا چاہتے ہیں ہم...... بیٹا کو اپنی بہو بنانا چاہتے ہیں اس سلسلے میں آپ کے پاس حاضری ہوئی ہے، بغیر کسی رسمی کارروائی کے کیونکہ یہ تو صرف مدعائے دل بیان کرنے کی بات ہے...... آپ کی طرف سے اجازت ملنے پر باقاعدہ حاضری دیں گے...... بات اصل میں ابھی اپنی ذات تک ہی رکھنی ہے کیونکہ اگر آپ نے خدانخواستہ انکار کر دیا تو ذرا سی سبکی ہو گی۔" واسطی صاحب ششدر رہ گئے تھے...... ان کے وجود میں تھرتھراہٹ پیدا ہو گئی تھی، یہ آرزو تو دل کے آخری گوشوں تک میں تھی کہ شہاب جیسی شخصیت انہیں یہ اعزاز بخشے اور آج یہ آرزو الفاظ کی شکل میں کانوں تک خود بخود پہنچی تھی تو ان کے اندر ایک عجیب سی کیفیت بیدار ہو گئی تھی۔ گردن جھکا لی اور آہستہ سے بولے۔

"بھابی صاحبہ کیا آپ ہمیں اس قابل سمجھتی ہیں۔"

"اس سے کہیں زیادہ۔" نعیمہ بیگم نے کہا رسمی باتیں ہوئیں خاطر مدارات ہوئی آئندہ

کے پروگرام طے ہوئے پھر وہ لوگ چلے گئے، واسطی صاحب بھی خوش تھے اور ان کی بیگم بھی مسز واسطی نے کہا۔

"ظاہر ہے شہاب میاں نے ہی اس طرف اشارہ کیا ہوگا۔"

"مگر۔"

"اب اگر مگر کچھ نہیں آپ خوشیاں منائیے اللہ نے دل کی مراد پوری کردی ہے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں میرے دل میں بھی یہ آرزو تھی کہ کاش وہ وقت میری زندگی میں ہی آجائے۔"

"ارے اب تو ہماری زندگی بڑھ گئی انسان کو اگر اس کی دلی آرزو پوری ہونے کا موقع مل جائے تو زندگی تو خود بخود بڑھ جاتی ہے اور اس کے بعد وہ لوگ خوشیوں کی باتیں کرتے رہے، پھر بینا آگئی، گھر میں کچھ غیر معمولی رونق دیکھی ماں باپ کے چہرے خوشی سے کھلے ہوئے تھے...... بینا بھی مسکرانے لگی، عدنان واسطی نے کہا۔

"بھئی بینا بڑی اہم گفتگو کرنی ہے تم سے وقت نکالو۔"

"جی ڈیڈی میرے پاس وقت ہی وقت ہے۔"

"کہاں سے ہیڈ کوارٹر سے ہی آرہی ہو۔"

"جی ہاں۔"

"کیسا لگتا ہے پولیس ہیڈ کوارٹر میں ایک پولیس آفیسر کی حیثیت سے بیٹھتے ہوئے۔"

"اچھا نہیں لگتا تھا ڈیڈی۔" بینا نے جواب دیا۔

"ارے کیوں؟"

"آپ کو پتا ہے پولیس لائف کا ایک مزاج ہوتا ہے، سخت اور کھردرے لوگ ہر طرف وحشتوں کا دور دورہ ہر آدمی پتھرایا ہوا گفتگو میں بے دردی ایک عجیب سی غیر انسانی کیفیت محسوس ہوتی ہے، بات دراصل یہ ہے کہ جس طرح ہسپتال میں ایک ڈاکٹر کسی سنگین سے سنگین مریض کو دیکھ کر اندر سے بے شک متاثر ہوتا ہے لیکن اوپر سے وہ نارمل رہتا ہے جبکہ بے شمار لوگ اس مریض کے لئے تڑپ رہے ہوتے ہیں، مگر ڈاکٹر کی کیفیت مختلف ہوتی ہے...... میں سمجھتی ہوں اسی طرح پولیس کا مزاج بھی ہوتا ہے، وہ اگر مجرموں کی آہ وزاری سے متاثر ہونا شروع کردیں تو ان کا کام ان کے لئے مشکل ہو جائے، اس کے لئے ڈیڈی میرا

مطلب ہے جیسے میں ہوں وہاں کے ماحول کو برداشت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی، چنانچہ ڈیڈی کل سے میں آفس نہیں جاؤں گی۔"

"کیا مطلب؟"

"جی ہاں میں نے شہاب سے اس بات کا اظہار کیا تھا اور شہاب نے آئی جی سے میرے بارے میں گفتگو کی، آپ جانتے ہیں کہ شہاب کے اثرات خاصے ہیں اور ان کی آواز ہر جگہ سنی جاتی ہے...... انہوں نے اس سلسلے میں آئی جی صاحب سے بات کی تو انہوں نے منظور کرلیا۔"

"خیر شہاب کے اور تمہارے درمیان یہ بات ہوئی ہے تو ٹھیک ہی ہوگی اور شہاب نے بھی صحیح سوچا ہوگا۔" عدنان واسطی کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی...... بینا کو باپ سے بہت زیادہ انڈر سٹینڈنگ تھی، باپ کے چہرے کی معنی خیز مسکراہٹ کو اس نے محسوس کیا اور بولی۔

"کیوں ڈیڈی آپ کسی خاص انداز میں مسکرائے ہیں، کوئی وجہ ہے۔"

"ہاں وجہ ہے تم آرام سے بیٹھو تو تمہیں وجہ بھی بتائی جائے۔" مسز واسطی نے کہا۔

"آج آپ لوگ کچھ زیادہ خوش نظر نہیں آرہے۔"

"اب کیا پتا تم نے جاسوسی کی تربیت لے کر اپنے آپ کو اس قدر مستحکم بنالیا ہو کہ تمہارے تاثرات ہمارے علم میں بھی نہ آسکیں۔" بیگم واسطی نے کہا۔

"ویری گڈ ویری گڈ وجہ چاہے کچھ بھی ہو آپ لوگوں کی یہ مسکراہٹیں مجھے خوش کررہی ہیں، اب ذرا اس اپنی خوشی میں مجھے بھی شریک کرلیجئے گا۔"

"بھئی اصل میں ہم یہ سوچ رہے ہیں شہاب بہت ذہین آدمی ہے، انہوں نے باقاعدہ ایک گراؤنڈ بنایا ہے، البتہ یہ ممکن ہے کہ تمہیں بھی اس سے واقفیت حاصل نہ ہو۔"

"گراؤنڈ۔"

"ہاں۔"

"مگر کس سلسلے میں بتائیے تو سہی نہ کچھ امی آپ ہی بتائیے۔"

"تمہارے ابو کے سامنے بتاؤں۔"

"کوئی ایسی بات ہے کیا جو ابو کے سامنے نہ بتائی جائے۔"

"آپ بلاوجہ بینا پر شک کر رہے ہیں، میں جانتی ہوں اپنی بیٹی کو اگر اس کے علم میں کوئی بات ہوتی تو مجھے یقین ہے کہ مجھ سے پوشیدہ نہ ہوتی۔"

"خدا کی پناہ آپ لوگ کتنے سیریس ہو رہے ہیں، کیا بات ہے آخر خدا کے لئے مجھے بتایئے تو سہی۔"

"ٹھیک ہے بھئی آپ کا حکم ہے مس بینا تو بتائے دیتے ہیں، ہم اصل میں نعیمہ بیگم، فائق حسین اور ان کی بیگم شاید آئی تھیں۔"

"نعیمہ بیگم، فائق حسین کیا شہاب کے خاندان والے؟"

"جی ہاں۔"

"خیریت تو تھی نا۔"

"بہت زیادہ خیریت تھی۔"

"امی بتایئے نا مجھے۔"

"بھئی وہ تمہارا رشتہ لے کر آئے تھے شہاب کے لئے۔" مسز واسطی نے کہا اور بینا نہ سمجھنے والے انداز میں انہیں دیکھنے لگی پھر بولی۔

"پلیز کیا کہہ رہی ہیں آپ؟"

"ہاں شہاب کے لئے وہ تمہارا رشتہ لے کر آئے تھے، بینا ہم نے ان سے یہ کہہ دیا کہ بینا سے بات کرنے کے بعد اس بات کا جواب دیا جائے گا...... وہ تین دن کے بعد پھر ہم سے جواب لینے کے لئے آئیں گے، جواب دینا ہے یا نہیں۔"

"پتا نہیں...... پتا نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" بینا نے پریشانی سے کہا اور اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں آ رہی ہوں تمہارے پیچھے پیچھے۔" مسز واسطی نے کہا بینا ڈگمگاتے قدموں سے اپنے کمرے کی جانب چل پڑی تھی، یہ کیسے ہو سکتا ہے شہاب نے تو اس کی ہوا بھی نہیں لگنے دی، ایک لفظ بھی نہیں کہا اس سلسلے میں شہاب...... شہاب لیکن اچانک آخر کیوں کیسے مسز واسطی چونکہ پیچھے ہی پیچھے کمرے میں آ گئی تھیں اس لئے بینا کی ہمت نہ پڑی کہ شہاب کو ٹیلی فون کرے حالانکہ دل چاہ رہا تھا کہ فوراً اس شرارت کی وجہ پوچھے...... مسز واسطی بیٹھ گئیں پھر بولیں۔

"دیکھو بینا تم ماشاءاللہ جس قدر بولڈ ہو اور جس صاف گوئی سے ہم ماں بیٹیاں گفتگو کر لیتے ہیں میں سمجھتی ہوں اس وقت بھی مجھے تم سے گفتگو کرنے میں کوئی دقت نہیں ہو گی۔"

"بیٹھو...... بیٹھ جاؤ۔" بینا بیٹھ گئی تو مسز واسطی نے کہا۔

"عورت ہوں عورت کی نگاہ بھی پہچانتی ہوں...... مرد کے انداز بھی جانتی ہوں اور اپنے خیال کا اظہار بھی کر سکتی ہوں، پہلے میں اپنے خیال کا اظہار کر دوں اس کے بعد تم سے سوال کروں گی...... شہاب جیسا نوجوان ہے ماں باپ اپنی عمر کے اس حصے میں ایسے داماد کی آرزو کر سکتے ہیں کہ کاش اتنا اچھا کوئی انسان انہیں مل جائے...... یہ میں اپنے دل کی بات بتا رہی ہوں کہ شہاب کے لئے بار ہا میرے دل میں یہ آرزو اُبھری کہ کاش اس سے ہمارا کوئی دلی رشتہ ہو جائے، ویسے تو وہ اتنی اچھی شخصیت کا مالک ہے کہ اس سے دوری کا احساس ہی نہیں ہوتا لیکن ہمارے ذہن میں ایک ایسی بات بھی تھی اور اب جب شہاب کی والدہ اور بھائی وغیرہ اس کا رشتہ تمہارے لئے لے کر آئے تو ہمیں اس آرزو کے پورے ہونے کا احساس ہوا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ تم ایک ذہین، سمجھدار اور تعلیم یافتہ لڑکی ہو اور اس سلسلے میں آخری فیصلہ تمہارا ہی ہو گا...... بینا خوشیوں کا جب آغاز ہوتا ہے تو انسان یہ چاہتا ہے کہ ان کی بقاء کے لئے بھی فوراً ہی تم سے اس سلسلے میں معلوم کرنا بے حد ضروری ہے اور مجھے آسانی یہ ہے کہ میں ایک پڑھی لکھی اور سمجھدار لڑکی کی ماں ہوں چنانچہ مجھے ان حماقتوں کا سامنا کرنا نہیں پڑے گا جو جاہل لڑکیاں ایسے موقعوں پر کرتی ہیں، یعنی اپنے دلی جذبات کے اظہار میں گریز بینا مختصر الفاظ میں تم سے پوچھوں گی کہ کیا میں یہ رشتہ منظور کر لوں، کیا تم بھی اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں کرو گی۔"

"جی امی مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا لیکن ذرا غور کر لیجئے کیونکہ شہاب صاحب جن حالات سے گزر رہے ہیں ان میں شاید اس رشتے کی گنجائش نہیں تھی...... آپ ذرا تھوڑا سا ذہنی طور پر اس سلسلے میں بھی تیار رہئے کہ ہو سکتا ہے یہ صرف بھائی اور بھابی کی کوئی ضد ہو اور شہاب صاحب اس کے لئے ابھی معذرت کر لیں۔"

"یہ کام ان لوگوں کا ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ وہ شریف لوگ ہیں، اگر اپنے بیٹے کی اجازت کے بغیر یہ قدم انہوں نے اٹھایا ہے تو پھر تو وہ میری نگاہ میں مشکوک ہو جاتے

ہیں...... کم از کم اس حد تک ضرور کہ جلد بازی میں وہ اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے لے آئے، ہم تک تو انہیں اس وقت پہنچنا چاہئے تھا جب وہ اپنے طور پر مطمئن ہو جاتے۔"

"پھر بھی کبھی کبھی انسان حماقت میں جلد بازی کر جاتا ہے...... آپ بس ذہنی طور پر اپنے آپ کو اس کے لئے تیار رکھئے اور باقی کوئی بات نہیں ہے......اگر آپ لوگ متفقہ طور پر اس مسئلے پر متفق ہو جاتے ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"شکریہ تمہارا کام بس اتنا ہی تھا، میں چلتی ہوں۔" مسز واسطی نے کہا اور خوش خوش کمرے سے باہر نکل گئیں، لیکن بینا کو چکر آ رہے تھے...... شہاب کے اور اس کے درمیان جو معاہدے ہوئے تھے ان الفاظ کے بعد وہ سارے معاہدے منسوخ ہو جاتے تھے......اگر شہاب کی مرضی سے یہ لوگ آئے ہیں تو شہاب کو کم از کم مجھ سے تذکرہ تو کرنا چاہئے تھا اور پھر شہاب نے یہ فیصلہ آخر کیوں کر لیا، اگر یہ سب کچھ اس کے علم میں ہے بار بار ٹیلی فون کی جانب ہاتھ بڑھ رہا تھا لیکن بہرحال عورت تھی اور شرم راستہ روک رہی تھی...... اس لئے دل مسوس کر رہ جاتی تھی، لباس تبدیل کیا...... کمرے کا دروازہ بند کر لیا، اب تک تو خاموشی سے سب کچھ برداشت کر لیا تھا لیکن اب ذہنی ہیجان پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا، کیا کروں اور کیسے کروں، وہ سوچ رہی تھی...... دماغ میں بھنور پڑ رہے تھے، بس یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اگر شہاب کی طرف سے اپنی والدہ اور بھائی کو یہ اشارہ ملا ہے تو اس کا محرک کیا ہے جو معاہدہ ان کے درمیان ہوا تھا یہ اس معاہدے کی خلاف ورزی تھی، آدھی رات گزر گئی...... شہاب نے بھی رابطہ قائم نہیں کیا تھا حالانکہ اس بے ایمان کو پتا چل چکا ہوگا کہ نعیمہ بیگم نے یہ قدم اٹھایا...... الٰہی بس اتنا پتا چل جائے کہ یہ شہاب کی طرف سے کارروائی ہے یا صرف گھر والوں نے اپنی اُمنگوں سے مغلوب ہو کر یہ قدم اُٹھایا ہے، بڑی آرزو تھی دل میں کہ کسی طرح بھی سہی بس اس بات کا علم ہو جائے لیکن کوئی ترکیب ذہن میں نہیں آ رہی تھی، دوسرے دن اسے ہیڈ کوارٹر بھی نہیں جانا تھا اور شہاب سے ملاقات حالانکہ یہ مشکل کام نہیں تھا، لیکن ذہن پر عجیب سا احساس سوار تھا...... پھر اچانک ہی آدھی رات کو اس کے ذہن میں ایک چھناکا سا ہوا...... ایک دم سے ایک بات سمجھ میں آئی اور بات ایسی تھی جسے انتہائی ٹھوس کہا جا سکتا تھا...... شہاب نے اس سے ایک خواہش کا اظہار کیا تھا، اس نے کہا تھا کہ ان پانچ ناموں میں سے کسی ایک کی قربت حاصل کی جائے اور اس سلسلے میں جابر زمان کا نام ذہن میں آیا تھا

خوف کے سائے

ایم اے راحت

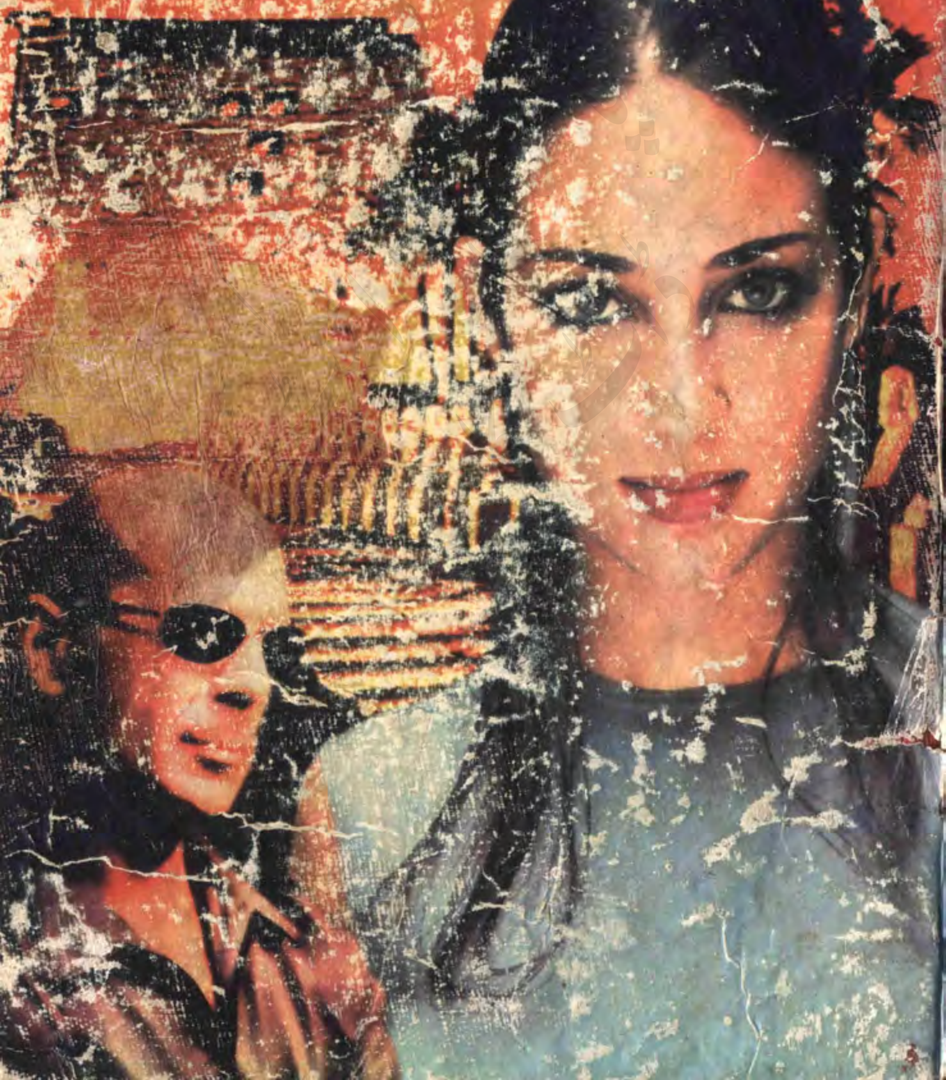

تقریب شیخ سلطان کی خوبصورت رہائش گاہ میں تھی...... شیخ سلطان انتہائی اہم شخصیت کا مالک تھا اور اعلیٰ ترین حلقوں میں نام رکھتا تھا، اس کے پوتے کی سالگرہ تھی اور اس کے اہل خاندان یہ خوشی منا رہے تھے...... شاندار کوٹھی کے لان پر وسیع و عریض جگہ میں کرسیاں لگی ہوئی تھیں اور تقریب بڑی خوش اسلوبی سے جاری تھی...... بے شمار افراد موجود تھے اور عیش و عشرت کا دور دورہ تھا، ہر طرح کی خوشیاں ان لوگوں کے لئے مخصوص ہو گئی تھیں اور افلاس زدہ جھونپڑوں میں زندگی کی اس اہمیت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا...... مہمان مسرور تھے...... بچے کے والدین یعنی شیخ سلطان کے بیٹے، بیٹی اور بہوئیں وغیرہ اپنے طور پر خوشیاں منا رہے تھے، بہت بڑے بڑے لوگ اس میں شامل تھے...... اس لئے پولیس سیکورٹی کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی...... شیخ سلطان کے ویسے تو بڑے روابط تھے لیکن اس کے خاص دوستوں میں چند افراد تھے جو اس وقت بھی یہاں موجود تھے...... مرزا اعظم بیگ، راحیل رضا، جابر زمان اور ڈاکٹر حیات یہ شیخ سلطان کے خاص دوست تھے...... تقریب جاری رہی اور اس کے بعد رنگ رلیوں کا دور دورہ ہو گیا...... بہت سے ٹیلی ویژن اور فلم کے آرٹسٹ آئے ہوئے تھے، ورائٹی شو کا اہتمام تھا لیکن بزرگوں کو ایسی تفریحات سے دلچسپی نہیں ہوتی، چنانچہ مرزا اعظم بیگ اپنے اہل خاندان کو وہیں چھوڑ کر کوٹھی کے اندرونی حصے کی جانب چل پڑا، پھر اس کے پیچھے راحیل رضا پھر جابر زمان اس کے بعد ڈاکٹر حیات یہ سب شیخ سلطان کے ایک مخصوص کمرے میں جمع ہو گئے تھے جو ساؤنڈ پروف تھا...... آخری آدمی جو وہاں پہنچا وہ شیخ سلطان تھا، مسکراتا ہوا اندر آ گیا تھا اور اس کے بعد اس نے دیواروں پر لگے ہوئے سوئچ بورڈ پر کئی بٹن دبائے اور پورا کمرا ساؤنڈ پروف ہو گیا، اندر نشستوں پر اس کے

چاروں دوست بیٹھے ہوئے تھے...... شیخ سلطان خود بھی مسکراتا ہوا صوفے پر آبیٹھا، پھر اس نے کہا۔

"بھئی ہماری میٹنگز مہنگی ترین ہوتی ہیں، کیا خیال ہے آپ لوگوں کا؟"

"نہیں صورت حال ایسی تھی کہ مختصر وقت میں دوبارہ میٹنگ کرنا ضروری تھی۔"

"میں جانتا تھا اور اسی لئے میں نے پوتے کی سالگرہ میں یہ اہتمام کر ڈالا۔"

"مجبوری ہے شیخ سلطان ہمیں عام لوگوں سے ذرا مختلف انداز میں اپنے کام کرنے پڑتے ہیں، حالانکہ ڈاکٹر حیات کا کلینک ہم دل کے مریضوں کے لئے بہترین جگہ ہے اور ہمارا شاندار میٹنگ ہال، خوش قسمتی سے ہم چاروں ہی دل کے مریض ہیں اور ڈاکٹر حیات دل کے ڈاکٹر لیکن ایک ہی جگہ بار بار ملنا ذرا غیر فطری ہو جاتا ہے، اس لئے میٹنگ کی ترتیب کا انداز بدلتے رہنا ضروری ہے، اب اگر کوئی اور میٹنگ فوری طور پر ضروری ہوئی تو میرا خیال ہے اس کے لئے جابر زمان انتظامات کریں گے۔"

"دل و جان سے حاضر ہوں اور میرا خیال ہے کہ اب مختصر وقت میں ہمیں مطلب کی گفتگو پر آجانا چاہئے...... "ہاں اس وقت جو سنگین صورت حال ہمیں درپیش ہے میں سمجھتا ہوں ہمیں اس کے خطرناک اثرات سے بچنے کے لئے شدید محنت کرنا ہوگی...... آپ لوگ کیا کہتے ہیں اس سلسلے میں؟"

"اس بات سے انکار کیا ہی نہیں جاسکتا، صورت حال بہت زیادہ بگڑ گئی ہے...... باڑی سے مکمل رپورٹ مل چکی ہے اور وہاں کوئی ایسے شواہد نہیں ملتے جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ وہاں سرکاری مداخلت ہوئی ہے بلکہ تفصیلات یہی معلوم ہو سکی ہیں کہ منشیات کی پیداوار کرنے والے اور انہیں سپلائی کرنے والے گروہوں میں آپس ہی میں زبردست جنگ چھڑ گئی تھی اور اس جنگ کے نتائج انتہائی ہولناک برآمد ہوئے...... انہوں نے ایک دوسرے کے ذخیرے تباہ کر دیئے اور بے دریغ انسانی خون بہایا جہاں تک دانی شاہ کا تعلق ہے، دانی شاہ کو کیسے گرفتار کیا گیا...... اس کی تفصیل بالکل نہیں معلوم ہو سکی، ویسے کمبخت سالار نے مٹی خراب کر دی اس کی وجہ سے یہ ساری ہنگامہ آرائی ہوئی، اس نے کس طرح کچھ لوگوں کو اپنے پیچھے لگالیا...... یہ بات سمجھ میں نہیں آئی اور پھر اتنی اعلیٰ کارکردگی کا مالک دانی شاہ آخر کسی کے جال میں کیسے پھنس گیا...... سوچ کر ہی حیرت ہوتی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ

اس وقت ہمارا سارا انتظام درہم برہم ہو گیا ہے، ابھی تو سب سے بڑا مسئلہ یہ باقی ہے کہ بین الاقوامی پیمانے پر ہم سے اس ناہمواری کی وجہ پوچھی جائے گی...... ہمارے پاس اس کا کیا جواب ہے، میں سمجھتا ہوں موجودہ حالات میں ہمیں اپنے آپ کو ہر طرح کے ہنگامی اقدامات کے لئے تیار کر لینا چاہئے، صورت حال جس قدر مشکل ہو گئی ہے اس میں ذرا سی بھی کوئی غفلت مصیبت کا باعث بن سکتی ہے، اس بات سے آپ سب لوگ واقف ہیں۔"

"بالکل بھلا اس سے کسے انکار ہے۔"

"اب آجاتے ہیں ہم موجودہ واقعے کی طرف تو اس سلسلے میں او۔ایس نے جو کارروائی کی ہے ہم اسے ایک انتہائی موثر کارروائی کہہ سکتے ہیں، لیکن اس وقت ہمارے تمام ذرائع مفلوج ہو گئے ہیں اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو ایک مطمئن انسان سمجھ کر بہت سے ایسے معاملات سے غافل ہو گئے جو ہمارے لئے انتہائی ضروری تھے۔"

"مثلاً؟"

"مثلاً یہ کہ ہم نے جو پوائنٹس بنا رکھے تھے اور جو لوگ ہمارے لئے ہر طرح کی خبریں فراہم کرتے تھے ان سے طویل عرصے سے ہمارے رابطے منقطع ہیں اور یہ بات ہمارے لئے بہت خوفناک ہے...... مثلاً اگر میں یہ سوال کروں کہ پولیس ہیڈ کوارٹر میں اعلیٰ ترین حکام کے درمیان کیا کارروائی ہو رہی ہے اور اس سلسلے میں کون کون مصروف عمل ہے تو کیا ہم میں سے کوئی اس بات کا جواب دے سکے گا؟" کسی نے کچھ نہ کہا شیخ سلطان بولا۔

"وہ تو خیر ٹھیک ہے، ہم ایک بار ایک خصوصی میٹنگ کر کے اپنے ان معاملات کو از سر نو ہموار کریں گے اور اپنی کوتاہیوں کا جائزہ لیں گے، اس وقت ہمارے سامنے یہ مسئلہ ہے کہ جیل میں دانی شاہ اور اس کے دو آدمیوں کے علاوہ اکیس مزید قیدی ہلاک ہو گئے ہیں...... آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں ڈاکٹر حیات؟"

"او۔ایس۔" ڈاکٹر نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"سوری مسٹر او۔ایس آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟"

"آپ مجھے ایک بات بتایئے اگر صرف ان تین افراد کو ہلاک کیا جاتا تو کیا پوری توجہ اس جانب مبذول نہ ہو جاتی کہ آخر جیل میں ان افراد کو کیوں اور کیسے ہلاک کر دیا گیا اور اس کے بعد صرف چند مخصوص افراد نگاہوں میں آجاتے، یعنی رمضان خان وغیرہ۔"

"مگر رمضان خان کو تو اب بھی گرفتار کرلیا گیا ہے۔"

"ہاں لیکن آپ اس خوبصورت پلان کی داد نہیں دیں گے، یعنی صورت حال یہ ہے کہ جیل کے مختلف بلاکوں میں جو کھانا سپلائی کیا جاتا ہے ان میں ایک ایک برتن یعنی دیگ ٹائپ کی چیز جاتی ہے اور اس میں پورے بلاک کے لئے کھانا ہوتا ہے...... ایک بلاک میں چند پلیٹوں میں اگر صرف دانی شاہ اور اس کے دونوں ساتھیوں کو زہریلا کھانا دیا جاتا اور وہ ہلاک ہو جاتے اور کیا اس کی خصوصی تحقیقات نہ ہوتی، بے شک رمضان خان اس بات سے انحراف نہیں کرے گا کہ سالن اسی نے پکوایا تھا اور بلاک تک پہنچایا تھا اور اس سالن میں ایک زہریلا سانپ گر پڑا حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ ایک سانپ کا زہر اتنی آسانی سے چوبیس افراد کو ہلاک نہیں کر سکتا، مردہ سانپ لے جاکر کھانے میں ڈال دیا گیا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی ایک ایسا مخصوص زہر جو سانپوں ہی سے حاصل کیا جاتا ہے اور اسے انتہائی اعلیٰ پیمانے پر ریفائن کیا جاتا ہے، یعنی زہر کا جزو حاصل کرلیا جاتا ہے تو سانپ کے ساتھ ساتھ زہر کے اس جزو کے بھی چار ڈراپ کھانے میں ڈالے گئے تھے...... اگر ایسا نہ ہوتا تو زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا تھا کہ وہ لوگ سانپ کے زہر سے بے ہوش ہو جاتے اور پھر انہیں علاج کے ذریعے بہتر کرلیا جاتا لیکن ان کی ہلاکت ضروری تھی...... رمضان خان یہی کہے گا کہ کھانے کے اس برتن میں سانپ کسی طرح پہنچ گیا اور صورت حال تبدیل ہوگئی، لیکن زہر خورانی کا شکار وہ تمام افراد ہوئے جنہوں نے اس برتن کا کھانا کھایا تھا، بات نیچرل ہو جاتی ہے۔"

"اور اگر رمضان خان کی زبان کھلوائی گئی تو؟" شیخ سلطان نے کہا۔

"آپ کیسی باتیں کررہے ہیں رمضان خان کی زبان اتنی آسانی سے نہیں کھلوائی جاسکتی۔"

"مجھے آپ سے اختلاف ہے مسٹر او۔ ایس۔"

"کیوں۔"

"تو آپ کا کیا خیال ہے پولیس کا طریقہ کار۔"

میں سمجھتا ہوں لیکن آپ اطمینان رکھیں، رمضان خان کو صورت حال کا مکمل احساس ہے اور پھر اس کے پاس ایک جواز ہے۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ خود کھانا نہیں پکاتا، بس ایک ذمے دار آدمی ہے،"

یعنی ٹھیکیدار اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن میرے ذہن میں ایک اور تجویز ہے۔"

"کیا؟"

"اگر ہم رمضان خان کو راستے سے ہٹادیں تو کیسا رہے گا۔" مرزا اعظم بیگ نے کہا۔

"بالکل غلط رہے گا۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ پھر یہ بات مستحکم ہو جائے گی کہ کھانے میں سانپ یا زہر جان بوجھ کر ڈالا گیا تھا اور ٹھیکیدار اس میں ملوث نہیں تھا، بلکہ اس کا ایک پس منظر تھا، ہم نے تو دانی شاہ کو بھی اسی طرح ختم کردیا ہے۔"

"ابھی تک یہ بات نہیں معلوم ہو سکی کہ دانی شاہ نے زبان کھولی یا نہیں؟"

"اتنی گہرائیوں میں جائیں گے تو مشکلات کا شکار ہو جائیں گے، ہمیں اس کے لئے زیادہ فکر مند نہیں ہونا چاہئے۔" وہ سب گہری گہری سانسیں لینے لگے، پھر شیخ سلطان نے کہا۔

"میں اس بات سے اتفاق کرتا ہوں کہ بہت زیادہ گہرائیوں میں جانے سے ہم اپنے پیچھے شبہات کی ایک لکیر چھوڑ جاتے ہیں اور کوئی بھی ذہین شخص اس لکیر کا تعاقب کرتے ہوئے ہم تک پہنچ سکتا ہے...... ہمیں اس سے گریز کرنا چاہئے، جو قدم ہم اُٹھا چکے ہیں وہ اب تک ہمارے لئے کارآمد رہا ہے، یعنی یہ کہ دانی شاہ ختم ہو گیا ہے اور عارضی طور پر ہم خطرات سے محفوظ ہوگئے ہیں، لیکن اگر دانی شاہ نے زبان کھولی ہے تو اس کے اثرات ہمارے سامنے آئیں گے اور جب یہ اثرات ہمارے سامنے آئیں گے تو ہم اس پر غور کرکے آگے قدم بڑھائیں گے...... یہی کیفیت رمضان خان کی ہے...... رمضان خان پر نگاہ رکھی جارہی ہے...... ویسے وہ ایک مستحکم آدمی ہے، اسے سب کچھ سمجھا دیا گیا ہے...... بے شک غیر تعلیم یافتہ شخص ہے لیکن بہت مضبوط۔ آپ خود سوچ لیجئے...... اس نے جیل خانہ جات کا ٹھیکہ لیا ہے اور وہاں کی سپلائی اپنے ذمے لی ہے۔ کام اتنا آسان نہیں ہے، چنانچہ ایسا شخص مشکل سے زبان کھولے گا لیکن اگر وہ زبان کھول ہی لیتا ہے اور ہمارے علم میں آجاتا ہے تو پھر ہم ان اثرات کا جائزہ لیں گے...... ہم لوگ بھی اتنے غیر مستحکم نہیں ہیں لیکن کوئی بات علم میں آئے بغیر اگر ہم شور مچانا شروع کردیتے ہیں اور بھاگ دوڑ شروع کردیتے ہیں تو آپ یہ

سمجھئے کہ اپنے آپ کو مشکوک کرتے ہیں۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں مسٹر اوالیس، تو اب آپ کے خیال میں خاموشی اختیار کی جائے۔"

"اس وقت تک جب تک کہ کوئی اہم صورت ہمارے سامنے نہ آئے۔" چند لمحات کے لئے مکمل خاموشی طاری ہو گئی اور اس کے بعد شیخ سلطان نے کہا۔

"بالکل ٹھیک ہے، تو پھر آیئے باہر ورائٹی شو شروع ہو چکا ہو گا اور اب ہم اس قدر عمر رسیدہ بھی نہیں ہیں کہ بچوں کے رقص و موسیقی کے ہنگاموں سے لطف اندوز نہ ہوں۔"

"لیکن ایک ایک کر کے۔" اعظم بیگ نے کہا اور سب لوگ مسکرانے لگے پھر وہ ایک ایک کر کے اس میٹنگ ہال سے باہر نکل آئے تھے۔

❀

بینا نے اپنی کار کریم سوسائٹی کی کوٹھی کے سامنے روکی...... جوہر خان نے فوراً ہی دروازہ کھول دیا تھا...... بینا کار لے کر اندر داخل ہو گئی...... احاطے میں شہاب کی کار موجود تھی...... بینا نے ایک گہری سانس لی اور کار سے اتر کر اندر کی جانب چل پڑی...... شہاب کو فون کیا تھا اس نے اور سخت لہجے میں کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں پہنچنے کے لئے کہا تھا...... بہر حال اندر داخل ہوئی تو ڈرائنگ روم میں شہاب اس کا منتظر تھا...... بینا کو دیکھ کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا...... بینا سنجیدہ چہرہ بنائے ہوئے آگے بڑھ گئی تھی۔

"ہیلو بینا...... خیریت...... کیا بات ہے...... کچھ سنجیدہ نظر آ رہی ہو؟" بینا صوفے پر بیٹھ گئی تو شہاب بھی اس کے سامنے ہی بیٹھ گیا...... بینا نے ناراض سی شکل بنا رکھی تھی۔

"بینا کیا بات ہے خیریت تو ہے...... واسطی صاحب ٹھیک ہیں، امی ٹھیک ہیں؟" بینا نے نگاہیں اُٹھا کر شہاب کو دیکھا...... معصوم سی شکل بنائے بیٹھا ہوا تھا...... بینا کو ہنسی آ گئی تو شہاب بولا۔

"خدا کا شکر ہے یہ اداکاری چل رہی تھی...... بھئی ایسے مجھے پریشان نہ کر دیا کریں بیگم۔"

"دیکھو شہاب!"

"جی جی...... فرمایئے فرمایئے۔" شہاب جلدی سے بولا۔

"بس...... میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کہوں؟"

"کوئی بات نہیں، جب سمجھ میں آ جائے تو کہہ دیجئے گا، ویسے آپ خیریت سے تو ہیں ناں۔"

"اپنی خیریت کی؟"

"میں کہے دیتی ہوں تم سے۔"

"ابھی تک تو کچھ کہا نہیں ہے...... کیا کہیں گی اللہ جانے؟"

"کیا ہے یہ سب کچھ؟"

"یہ کریم سوسائٹی کی کوٹھی ہے اور یہ اس کا ڈرائنگ روم ہے اور میں تمہارے سامنے ہوں۔"

"شہاب پلیز...... تھوڑی دیر کے لئے سنجیدہ ہو جاؤ۔"

"وقت بتا دیجئے کتنی دیر کے لئے یہ سنجیدگی ہونی چاہئے؟"

"نہیں مانو گے ناں تم۔"

"کس سلسلے میں...... میں تو مان گیا ہوں بینا۔"

"مجھے بتاؤ پلیز...... پلیز شہاب!"

"کیا پوچھنا چاہتی ہو؟" شہاب نے اس بار واقعی سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"تمہیں سب معلوم ہے...... میں جانتی ہوں...... وہ لوگ تمہاری مرضی کے بغیر نہیں آئے ہوں گے۔"

"کون لوگ؟"

"تمہارے اہل خاندان۔"

"او ہو ہاں...... امی، بھائی فائق حسین اور ثریا بھابی گئے تھے تمہارے گھر۔"

"بھئی وہ میری شادی کرنا چاہتے ہیں تم سے...... واسطی صاحب سے ملاقات کرنے گئے تھے۔"

"شرارتوں سے باز نہیں آؤ گے۔"

"کمال ہے بھئی...... اب بھی شرارت...... اگر کسی اور سلسلے میں کہنا چاہتی ہو تو وہ کہہ دو اس کا بھی سنجیدگی سے جواب دوں گا۔"

"یہ اچانک تمہیں کیا سوجھی؟"

"اچانک ہی مجھے احساس ہوا کہ عمر تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے...... اس عمر میں شادی نہیں کی تو بڑھاپے میں بچے پیدا ہوں گے اور ان کی پرورش میں دقت پیش آئے گی۔"

"خدا تمہیں سمجھے...... سنجیدگی کے ساتھ بھی ایسی باتیں کرتے ہو۔"

"یہی باتیں تو سنجیدگی کی ہوتی ہیں بینا...... آخر انسان کو اپنے مستقبل کے بارے میں سوچنا چاہیے۔"

"پہلے تو کبھی نہیں سوچا۔"

"اس بات پر ناراض ہو۔" شہاب نے کہا اور بینا اسے گھورنے لگی۔

"تم سے باتوں میں جیت سکتی ہوں میں۔"

"کس بات میں جیت سکتی ہو وہ بات بتا دو...... میں تمہیں جیتنے کا پورا پورا موقع دوں گا۔"

"مجھے نہیں بتایا تھا تم نے کہ ان لوگوں کو بھیج رہے ہو۔"

"اب ہر بات تو نہیں بتائی جا سکتی ناں بینا...... کچھ باتوں میں ایسی رومانیت ہوتی ہے کہ بس دل چاہتا ہے کہ انہیں اپنے آپ میں ہی رکھا جائے۔"

"میں سب سمجھتی ہوں۔"

"کیا؟"

"یہ کہ اچانک تم نے یہ فیصلہ کیوں کیا اور ان لوگوں کو کیوں بھیجا؟"

"سمجھتی ہو تو پھر بتا کیوں رہی ہو؟"

"تم نے میری اس بات کا برا مانا تھا ناں شہاب؟"

"کون سی بات کا؟"

"وہی جو میں نے جابر زمان کے سلسلے میں کہی تھی۔"

"یعنی یہ کہ غیر شادی حیثیت میں کسی حادثے کا شکار ہونے والی بات؟"

"ہاں۔"

"مگر بینا میں نے برا نہیں مانا تھا اس بات کا بلکہ تمہارے موقف کو تسلیم کیا تھا اور بہر حال جب انسان کسی کا موقف تسلیم کر لیتا ہے اور کسی کی شکایت کا تدارک کرنا چاہتا ہے تو پھر اسے مخلصانہ طور پر عمل کرنا چاہیے۔"

"میرا یہ مطلب بالکل نہیں تھا۔"

"جناب میرا تو تھا...... اچانک ہی میں نے یہ محسوس کیا کہ واقعی مس بینا ٹھیک کہتی ہیں اور پھر انسان اپنی چیزوں کو کہاں کھونا چاہتا ہے...... بس بینا میں نے یہ بات مان لی۔"

"جلدی نہیں کر بیٹھے۔"

"نہیں...... بس یوں سمجھو بینا کہ یہ سارے معاملات اتفاقات کے سہارے ٹل رہے تھے لیکن میں نے سوچا کہ اب ان کا ٹلنا مناسب نہیں ہے۔"

"کیسا لگے گا شہاب؟"

"تم بتاؤ؟" شہاب نے مسخرے پن سے کہا اور بینا کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا...... اس نے گردن جھکا لی تھی۔

"خدا کی قسم...... یہ منافع والی باتیں ہیں۔"

"کیسا منافع؟"

"یہ شرماہٹ، یہ آنکھوں کا جھکنا، چہرے کا سرخ ہونا...... بس سمجھ لو کہ یہ ہی منافع ہے میرا۔"

"مگر دیکھو شہاب ہم جلد بازی کر رہے ہیں...... تھوڑا اور انتظار کر لینے میں کوئی حرج ہے کیا؟"

"جناب حرج ہے۔"

"میری عمر بڑھ رہی ہے۔" شہاب نے کہا اور بینا اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔

"بس اب میں بدتمیزی پر اتر آؤں گی۔"

"ابھی نہیں...... شادی کے بعد۔" شہاب نے کہا اور پھر اپنی جگہ بیٹھ گئی...... کچھ لمحے خاموش رہی اور پھر بولی۔

"لیکن جلدی مت کرنا۔"

"نہیں کچھ وقت لگے گا...... ابھی امی وغیرہ ایک آدھ بار پھر جائیں گی...... تاریخ طے کریں گی اور اس کے بعد انتظامات ہوں گے...... تمہاری طرف سے بھی اور ہماری طرف سے بھی...... وقت تو لگ جائے گا بینا۔"

"شہاب سارا سیٹ اپ بدل جائے گا۔"

"بدل جائے گا...... بگڑ تو نہیں جائے گا۔"

"ہونہہ...... گویا تم ادھار کھائے بیٹھے ہو۔"

"یہی سمجھ لو۔" شہاب نے کہا اور بینا خاموش ہو گئی...... کچھ دیر تک سوچتی رہی پھر اس نے کہا۔

"اس سلسلے میں کوئی قدم آگے بڑھا رہے ہو؟"

"ہاں بالکل...... زیورات اور کپڑے وغیرہ اپنی پسند سے خریدوں گا۔"

"میں اس کی بات نہیں کر رہی۔" بینا غرا کر بولی۔

"اچھا اچھا پھر؟"

"میرا مطلب ہے ان پانچ افراد کے سلسلے میں۔"

"بینا کچھ وقت آرام کر لیتے ہیں بعد میں دیکھا جائے گا...... ویسے سزا ان کا مقدر ہے وہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں اصل میں بات ڈی آئی جی صاحب کی ہے، حالانکہ میں ان کی مجبوری بھی سمجھتا ہوں اور ان کی مجبوری کو بہر حال دیکھنا ہو گا، لیکن انہیں اپنی اس لچک کی سزا بھگتنا پڑے گی۔" شہاب نے کہا اور بینا چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"نادر حیات صاحب کی بات کر رہے ہو؟"

"ہاں...... انہی کی بات کر رہا ہوں۔"

"نہیں شہاب...... نادر حیات صاحب جس قدر نفیس شخصیت کے مالک ہیں انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچنی چاہئے۔"

"تکلیف نہیں پہنچے گی لیکن میں انہیں اپنے موقف کا قائل ضرور کروں گا...... ویسے بینا میں خود بھی جانتا ہوں کہ یہ لوگ جتنی بڑی حیثیت کے مالک ہیں، انہیں براہ راست نقصان پہنچانا خطرناک بھی ہو گا اور مشکل بھی لیکن شہنشاہ آزاد ہے۔" بینا مسکرا پڑی تھی۔

"تو شہنشاہ معظم...... اس غریب کنیز کو کیوں جال میں گرفتار کرنے کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔"

"کنیز نہیں...... ملکہ عالیہ۔" شہاب نے ہنس کر کہا اور بینا بھی مسکرانے لگی پھر بولی۔

"مگر اب ایک بات تو ذرا سنجیدگی سے بتا دو...... میرے دل میں کیسے کیسے خیالات ہیں...... تمہیں ان کا اندازہ ہے؟"

"چلو سنجیدہ...... سنجیدہ...... سنجیدہ۔"

"یہ سلسلہ کب تک ہو گا؟"

"تم چاہو تو کل ہی۔"

"نہیں نہیں...... نہیں میرا مطلب یہ نہیں ہے۔"

"تو پھر؟"

"تھوڑا سا وقت تو لگاؤ اس میں۔"

"تھوڑا سا وقت تو خود بخود لگے گا بینا لیکن ایک بات بتاؤں اب اس مسئلے کو میں ٹالوں گا نہیں۔"

"میری اتنی سی بات اتنی بری لگ گئی۔"

"ارے گماں کرتی بینا...... بات بری لگنے کی ہے بلکہ یوں سمجھو کہ دل میں جذبات کا طوفان جاگ اُٹھا ہے...... میرا تو بس نہیں چلتا بینا...... بینا...... بینا۔" شہاب جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گیا...... بینا نے دانت پیستے ہوئے اسے دیکھا اور پھر مسکرا کر گردن جھکا لی۔

"ویسے بینا ایک بات بتاؤ...... ہنی مون منانے کہاں چلیں گے؟"

"میں تم سے ایک بات کہوں شہاب؟" بینا نے اچانک ہی سنجیدہ ہو کر کہا۔

"ہنی مون کے بارے میں؟"

"ہاں۔" بینا بولی۔

"ارشاد ارشاد...... بڑی رومانی بات ہو گی...... میں سننے کے لئے بے چین ہوں۔"

"یہ سارا چکر جو ہے ناں...... ہنی مون وغیرہ کا...... یہ ایک احمقانہ قدم ہے...... ہمارا ہنی مون کسی ایسی جگہ ہونا چاہئے جہاں کچھ مجرم ہنگامہ آرائی کر رہے ہوں اور ہم ان کی گردن دبوچ لیں۔"

"میں نے اپنے ذہن پر نقش کر لیا ہے۔" شہاب نے کہا۔

"نہیں تم مجھے بتاؤ...... کیا یہ ساری حماقتیں نہیں ہیں...... ہم عملی زندگی کے لوگ ہیں...... ہنی مون وہ مناتے ہیں جو اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے خواہش مند ہوتے ہیں...... زندگی کسی تنگ اور تاریک جھونپڑی میں بھی اتنی ہی خوبصورت ہو سکتی ہے، اگر ذہن سے ذہن کے راستے کشادہ ہوں...... جتنی خوبصورت کسی پر فضا پہاڑی مقام پر...... ہم ہر جگہ لطف اندوز ہو سکتے ہیں اور ویسے بھی ہم کہاں نہیں گئے...... ہر طرح کی تفریحات کی ہیں، ہر

جگہ یکجا رہے ہیں...... ساتھ ساتھ رہے ہیں ہر جگہ...... حسین سے حسین مقام پر، چلو ٹھیک ہے یہ سب کچھ تو ہونا ہے، جس کا آغاز تم نے کر دیا ہے...... ایک زندگی کا آغاز ہوتا ہے...... بات کسی ایک تنہا فرد کی نہیں ہوتی...... اب تمہاری امی جان ہیں، بھابی ہیں، بھائی ہیں اور دوسرے اہل خاندان ہیں...... ایک کام کر رہے ہیں وہ تمہارے لئے ہی سہی لیکن اپنی تمام تر خوشیوں کے ساتھ دلہن رخصت ہو کر گھر جاتی ہے اور اس کے بعد ہنی مون کا آغاز ہو جاتا ہے۔ وہ لوگ صحیح طور سے صورت اور مزاج آشنا بھی نہیں ہو پاتے کہ ایک، ڈیڑھ، دو مہینے صاحبزادگان باہر گزار دیتے ہیں...... بھئی ان کی تو پوری زندگی پڑی ہوئی ہے تفریحات کے لئے...... کم از کم ان لوگوں کو محروم کیوں کیا جائے جن کا زندگی سے اتنا گہرا تعلق ہوتا ہے۔"

شہاب نے تعریفی نگاہوں سے بینا کو دیکھا اور بولا۔

"بینا یہ بات تم جیسی لڑکیاں ہی سوچ سکتی ہیں ورنہ اس وقت اس معاشرے میں ایک عجیب و غریب سماجی چپقلش موجود ہے...... اولاد اور والدین کے درمیان، بہو اور سسرال والوں کے درمیان...... خیر یہ ہمارا شعبہ نہیں ہے...... اس لئے ہم اس پر زیادہ نہیں سوچتے لیکن حقیقت یہ ہی ہے...... تصور یہ لیا جاتا ہے کہ زندگی کے یہ ہی ابتدائی دن تنہائی میں شوہر اور بیوی کو ایک دوسرے کو جاننے کے لئے ہوتے ہیں...... بھئی پہلی بات تو یہ کہ ہمارا کیس ذرا مختلف ہے...... ہم اتنا جانتے ہیں ایک دوسرے کو کہ مزید جاننے کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے لیکن ہمارا ایس نہ بھی ہو تو بہر حال طویل زندگی میں خاصے مواقع ہوتے ہیں جن کا حق ہے انہیں بھی تو دینا چاہئے۔"

"بالکل میں تم سے اتفاق کرتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے بینا...... ہم فوراً ہی ہنی مون نہیں منائیں گے...... ویسے یہ ہمارے موڈ کی بات ہے کہ جب دل چاہا ہے۔"

"ہونہہ...... ویسے تم نے واقعی ہمیشہ کی طرح ایک ایسا قدم اٹھایا ہے جس کے بارے میں سوچ بھی نہیں رہی تھی میں۔"

"تو اب سوچنا شروع کر دو...... مگر رات کو بستر پر صرف ڈیڑھ گھنٹے تک...... میں نہیں چاہتا کہ زیادہ جاگنے کی وجہ سے تمہاری آنکھوں میں سرخی پیدا ہو جائے، حالانکہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تمہاری حسین آنکھوں کی سرخی بہت خوبصورت لگے گی، لیکن آنکھوں

میں تکلیف بھی ہو سکتی ہے اور میں تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہتا بینا۔"

"بس پلیز خاموش ہو جاؤ۔" بینا نے کہا...... اس کا چہرہ جذبات میں ڈوب گیا تھا۔

❋

رمضان خان سختی سے اپنے موقف پر اڑا ہوا تھا...... درحقیقت غیر تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود وہ انتہائی سخت آدمی تھا...... ایک پوری ٹیم اس سلسلے میں تحقیقات کر رہی تھی...... واقعے کی نوعیت بھی بڑی خوفناک تھی اور اس سلسلے میں بہت سے افراد باقاعدہ ملوث ہو گئے تھے اور ان کی نوکریاں خطرے میں پڑ گئی تھیں...... خاص طور سے جیلر، سپرنٹنڈنٹ جیل اور کئی ذمے دار افراد تو شدید مشکلات کا شکار تھے...... رمضان خان ٹھیکیدار سے مسلسل تفتیش ہو رہی تھی...... اس وقت بھی جیل کے ایک وسیع و عریض کمرے میں بہت سے افسران موجود تھے اور نہایت جدید پیمانے پر رمضان خان سے معلومات حاصل کی جا رہی تھیں...... وہ باورچی بھی موجود تھے جو کچن میں کام کیا کرتے تھے...... ایک افسر اعلیٰ نے رمضان خان سے کہا۔

"کافی وقت دے دیا ہے ہم نے تمہیں رمضان خان! سوچنے کے لئے...... کیا اب بھی تم اپنی زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہو؟"

"دیکھو صاحب...... معاف کرنا...... اب تک ہمارے ساتھ آپ لوگوں نے جو سلوک کیا ہے وہ اس سے مختلف نہیں ہے جو ہم باہر والے لوگوں سے سنتے رہتے ہیں...... پولیس مائی باپ ہوتی ہے، جس کے خلاف کچھ کرنے کو تیار ہو جائے پھر اسے آسانی سے کوئی نہیں روک سکتا...... ہم جانتے ہیں صاحب...... آپ کو اس کا بھی اختیار ہے کہ جیل سے باہر نکال کر ہمیں کتے کی موت مار دو...... ہم کیا آپ کا بگاڑ سکیں گے صاحب، لیکن کیا کہیں بولو...... کیا کہیں...... یہ کہہ دیں کہ ہم نے جان بوجھ کر اپنی روزی پر لات ماری ہے...... ہم نے جان بوجھ کر کھانے میں زہر ملایا ہے، تاکہ چوبیس بندے ہلاک ہو جائیں صاحب...... انسان کو کسی ایک آدھ سے دشمنی ہو سکتی ہے۔ چوبیس آدمیوں سے نہیں اور پھر یہ بات تو آپ بھی جانتے ہو کہ ہم خود کھانا نہیں پکاتے...... ٹھیکیداری کرتے ہیں، جن لوگوں نے کھانا پکایا وہ یہ سامنے موجود ہیں...... ان سے الگ لے جا کر پوچھ لو...... ان سے یہ ہی کہلوا دو صاحب کہ کھانے میں ہم نے سانپ ڈالا ہے...... صاحب اگر یہ کہتے ہیں تو یہ بھی آپ کی مرضی ہے کہ یقین کر لویا

نہ کرلو...... ہم نے کچھ نہیں کیا ہے صاحب...... ان مردودوں کی کھال اتار دو ان کی...... انہیں پھانسی دے دو صاحب...... ہمیں بھی پھانسی دے دو...... ہم تیار ہیں...... پر آپ بتاؤ جو کام ہم نے نہیں کیا...... ہم اس کے بارے میں آپ سے کیا کہیں...... کیا کہیں آپ سے صاحب! ہم پر تو زبردستی ظلم ہو رہا ہے...... آپ مالک ہو صاحب...... ہم یہ نہیں کہتے کہ ذمے داری ہماری نہیں تھی لیکن صاحب بس جو ہونا تھا ہو گیا...... ہم اس سلسلے میں کچھ جانتے نہیں ہیں۔" وہ لوگ رمضان خان کو دیکھتے رہے...... رمضان خان کی آنکھوں میں بے بسی کے آنسو جھلک رہے تھے...... ویسے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس سلسلے میں حتمی طور پر رمضان خان پر کوئی الزام نہیں لگایا جاسکتا تھا...... لیبارٹری رپورٹ میں کوئی خامی بھی ہو سکتی تھی...... ویسے بہت سی باتیں زیر غور تھیں...... سانپ کا وہاں آجانا بھی ذرا مشکل سی بات تھی...... کوئی ایسا ذریعہ سامنے نہیں آرہا تھا لیکن بہرحال حکام اس بات پر متفق ہونے لگے تھے کہ یہ ایک اتفاقی حادثہ ہے...... ہاں ذمے داروں کی غفلت کے نتیجے میں انہیں سزا ضرور ملنی چاہئے، لیکن کم از کم رمضان خان اس سلسلے میں باقاعدہ ملوث نہیں ہے، چنانچہ کچھ دن کے بعد رمضان خان کو رہا کر دیا گیا...... البتہ وہ افراد جو اس کھانے پکانے کے ذمے دار تھے...... ان کا معاملہ عدالت میں پہنچا دیا گیا تھا اور یہ فیصلہ عدالت ہی کو کرنا تھا کہ بے پروائی کے نتیجے میں ہونے والی اموات کی سزا ان لوگوں کو کیا دی جاسکتی ہے، لیکن بہرحال رمضان خان آزاد ہو گیا تھا۔

مرزا طاہر بیگ ایک کاروباری میٹنگ سے واپس لوٹ رہا تھا، وہ جو کاروبار کرتا تھا اس کے سلسلے میں یہ میٹنگ منعقد کی گئی تھی...... ڈنر بھی تھا...... رات کو ساڑھے گیارہ بجے کے قریب وہ میٹنگ کے مقام سے واپس لوٹ رہا تھا اور اپنی کار خود ڈرائیو کرتا ہوا آرہا تھا کہ ایک پتلی سی گلی میں کار موڑتے ہوئے اسے گلی کے کنارے نالی کے پاس ایک شخص زمین پر اوندھا پڑا ہوا نظر آیا اور مرزا طاہر بیگ نے کار کے بریکوں پر دباؤ ڈال دیا...... ایک لمحے کے لئے اس کے دل میں بہت سے وسوسے جاگے، ہو سکتا ہے کسی نے اسے قتل کر کے یہاں پر ڈال دیا ہو...... ہو سکتا ہے کوئی اور حادثہ ہوا ہو...... کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ خود کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے، لیکن پھر انسانیت کے جذبات اس پر غالب آگئے...... یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ شخص مدد کا طالب ہو...... اس میں زندگی باقی ہو...... اسے مدد کی ضرورت ہو اور وہ اپنا انسانی فرض

کھو بیٹھے، چنانچہ اس نے کار اس شخص کے قریب روکی...... پھرتی سے اتر کر نیچے آیا...... وہ زندہ تھا لیکن ایک عجیب سے تشنج کا شکار...... اس کے بدن میں تھرتھراہٹیں ہو رہی تھیں...... ظاہری کیفیت سے مرزا طاہر بیگ نے چند ہی لمحوں میں اندازہ لگا لیا کہ یہ شخص نشے کا عادی ہے اور اس وقت شدید نشے کے عالم میں ہے...... اس کے منہ سے جھاگ اُبل رہے تھے...... طاہر بیگ نے اس کے گندے بدن کے باوجود اسے بازوؤں میں اٹھا کر کار کی پچھلی سیٹ پر ڈالا اور یہ فیصلہ کیا کہ اسے فوری طور پر کسی ہسپتال پہنچائے...... بہرحال اس کی تجربہ کار نگاہوں نے یہ اندازہ تو لگا لیا تھا کہ وہ شخص بری حالت میں ہے لیکن بات نشے کی ہی ہے، پھر اسے فوراً ہی ہسپتال کے اس شعبے کا خیال آیا جو اس کے باپ نے بنوایا تھا...... اسے اس بات کا اختیار حاصل تھا کہ وہ نشے کے مریض کو وہاں لے جائے...... کار برق رفتاری سے دوڑتی ہوئی ہسپتال کی عمارت میں داخل ہو گئی اور پھر اس نے اسے اس شعبے کے سامنے روک دیا جو نشے کے مریضوں کے علاج کے لئے تھا...... ریسپشن پر اس وقت کوئی موجود نہیں تھا...... وہ راہداریوں میں مارا مارا پھرنے لگا، پھر ڈیوٹی ڈاکٹرز کے روم میں داخل ہو گیا...... یہاں دو ڈاکٹر اور تین نرسیں بیٹھی ہوئی کافی پی رہی تھیں...... کافی کی سوندھی سوندھی خوشبو فضا میں رینگ رہی تھی...... انہوں نے اسے دیکھا تو مرزا طاہر بیگ نے کہا۔

"کیا بات ہے ڈاکٹر صاحب! نہ کوئی وارڈ بوائے نظر آیا...... نہ آپ کے ریسپشن پر کوئی موجود ہے...... یہ کیا کر رہے ہیں آپ لوگ؟"

"ملاحظہ فرمائیے...... حضور آپ شاعر ہیں۔" ایک ڈاکٹر نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

"جی...... میں نے آپ کو کوئی شعر سنایا ہے؟"

"انداز بڑا شاعرانہ ہے...... خیر فرمائیے کیا بات ہے؟"

"ایک مریض کو لے کر آیا ہوں...... زندگی اور موت کی کشمکش کا شکار ہے۔"

"کیا مرض ہے اسے؟" ڈاکٹر نے بے پروائی سے پوچھا...... وہ لوگ تفریح لینے کے موڈ میں تھے۔

"یہ تو آپ ہی تشخیص کر سکتے ہیں ڈاکٹر صاحب...... میں کیا عرض کروں۔"

"کہاں ہے بھائی...... کیوں جان کھا رہے ہو جاؤ...... یار دیکھ لو...... ذرا کون ہے وارڈ بوائے کہاں گئے...... موجود نہیں ہیں؟"

"کوئی نہیں ہے۔"

"نرس تم ذرا دیکھو جاکر...... مریض کو اٹھا کر کمرے میں پہنچا دو...... ایک نرس بڑی بے زاری سے اپنی جگہ سے اُٹھی اور بولی۔

"آیئے...... طاہر اس کے ساتھ آگے بڑھ گیا...... نرس نے ایک کمرے سے دو وارڈ بوائے کو اٹھایا اور وہ سٹریچر لے کر چل پڑے۔ طاہر نفرت بھری نگاہوں سے ان سب کو دیکھ رہا تھا...... ابھی اس نے اپنا تعارف ان سے نہیں کرایا تھا، لیکن ان کا جو انداز تھا اسے دیکھ کر وہ بے حد بددل ہوا تھا...... بہر حال مریض کو سٹریچر پر ڈال کر اندر لایا گیا اور طاہر بیگ اس کے پاس کھڑا ہو کر ڈاکٹروں کے آنے کا انتظار کرنے لگا...... دو منٹ، پانچ منٹ، دس منٹ اور پھر پندرہ منٹ...... نرس بھی چلی گئی تھی۔ وہ خود تنہا مریض کے پاس موجود تھا...... اس کے دل و دماغ غصے سے پھٹے جا رہے تھے...... یہ شعبہ اس کے باپ نے بڑی امنگوں اور نیک جذبوں کے ساتھ تعمیر کرایا تھا اور یہاں یہ سب ہو رہا ہے...... اس نے نوجوان کی جیب میں ہاتھ ڈال کر دیکھا...... اس کا شناختی کارڈ برآمد ہوا، اس پر رشید احمد ولد کریم احمد لکھا ہوا تھا، پتا بھی درج تھا...... خدا خدا کر کے ڈاکٹر صاحب آئے، انہوں نے مریض کا معائنہ کیا پھر بولے۔

"یہ سب کیا ہے...... ختم ہو گیا ہے بھائی یہ تو...... لاش کو لے کر آئے ہو تم کہاں سے اُٹھا لائے اسے۔" طاہر کی آنکھوں میں جنون اتر آیا، اس نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہسپتال کی عمارت میں داخل ہوئے مجھے پورے تیس منٹ ہو گئے...... ڈاکٹر اور اس سے پہلے یہ زندہ تھا، مکمل طور سے زندہ تھا...... پوسٹ مارٹم رپورٹ اس کی موت کا وقت بتائے گی اور آپ لوگوں کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آدھے گھنٹے تک آپ نے بے پروائی اور غفلت سے کام لیا"۔

"کیا مطلب ہے تمہارا کیا کہنا چاہتے ہو۔" ڈاکٹر نے سخت لہجے میں کہا۔

"اپنا نام بتاؤ۔"

"سر میں کھجلی ہو رہی ہے کیا لڑنے آئے ہو مجھ سے، میں اگر چاہوں تو یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ یہ نشے سے ہونے والی موت نہیں ہے بلکہ اسے ہلاک کیا گیا ہے۔"

"اور اس کے بعد مجھے اس کے قتل کے جرم میں پھنسا دو گے یہی کہنا چاہتے ہو نا تم؟"

"یار تم بات ہی ایسی کر رہے ہو۔"

"ٹھیک ہے ڈاکٹر میں افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ میرے باپ نے زبردست رقم خرچ کر کے نشے میں ڈوبے ہوئے افراد کے لئے یہ شعبہ قائم کرایا ہے اور تم لوگ یہاں یہ کر رہے ہو۔"

"باپ نے؟"

"ہاں میں مرزا اعظم بیگ کا بیٹا ہوں جس کے نام کی بڑی سی سل آپ لوگوں نے اس شعبے کے باہر لگوائی ہے اور آپ میرے باپ کی نیک نفسی کا مذاق اُڑا رہے ہیں۔"

"نہیں معافی چاہتا ہوں دیکھئے بات دراصل یہ ہے کہ ہم بھی انسان ہیں، کام کا شدید لوڈ ہے ہم بھی تھک جاتے ہیں تو تھوڑا سا آرام کر لیتے ہیں اور پھر یہ شخص آپ یقین کریں یہ نشے کی انتہائی حد تک پہنچا ہوا آدمی ہے اور اگر ہم اسے بچانے کی کوشش بھی کرتے تو اس میں کامیاب نہ ہوتے نرس...... ڈاکٹر فضل کو بلا کر لاؤ۔" تھوڑی دیر کے بعد ہسپتال کا پورا عملہ وہاں جمع ہو گیا...... ڈاکٹر طاہر بیگ کی خوشامدیں کرنے لگے اور ہر طرح سے مستعد ہو گئے...... طاہر بیگ نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اس کے باوجود میں یہ نظر انداز نہیں کر سکتا ڈاکٹر کہ آپ لوگ آدھے گھنٹے کے بعد یہاں پہنچے جبکہ میں خود اسے لے کر یہاں آیا۔"

"ٹھیک ہے آپ کا جو دل چاہے کیجئے رپورٹ کر دیجئے ہماری لیکن پوسٹ مارٹم رپورٹ بتا دے گی کہ ہیروئن کے استعمال سے یہ شخص اندر سے بالکل گل سڑ چکا تھا اور اس کی موت ناگزیر تھی، ویسے اگر ہو سکے تو آپ یہ سب کچھ نہ کریں۔" طاہر بیگ وہاں سے واپس پلٹ پڑا تھا، لیکن اس کے دل میں غم و غصے کا طوفان تھا، کم از کم اپنے باپ سے یہ بات کرنا چاہتا تھا کہ اے نیک نفس انسان تو نے اپنی محنت کی کمائی سے عوام کی بھلائی کے لئے جو کچھ کیا ہے وہاں یہ ہو رہا ہے، پھر اس نے ان لوگوں سے ملاقات کرنے کا فیصلہ کیا جو اس نوجوان کے ماں باپ تھے اور رات کا یہ وقت حالانکہ آرام کے لئے تھا لیکن آخر کار گھر جانے کی بجائے وہ معلومات حاصل کرتا ہوا اس کچی بستی میں پہنچ گیا جہاں رشید احمد کا مکان تھا...... بستی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی...... کتے بھونک رہے تھے، اس نے مکان نمبر تلاش کر کے اس

کے دروازے پر دستک دی، بوسیدہ سے جھونپڑے نما مکان کے دروازے میں سے ایک عمر رسیدہ شخص نمودار ہوا...... بڑی سی داڑھی، لاغر چہرہ، لاغر بدن، بوسیدہ لباس، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر طاہر بیگ کو دیکھنے لگا پھر بولا۔

"جی صاحب!"

"کریم احمد صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"میں ہی ہوں۔"

"کریم صاحب! رشید احمد آپ کا بیٹا ہے؟"

"ہاں بھائی کیا کچھ ہو گیا؟"

"کریم صاحب آپ میرے ساتھ چل سکتے ہیں؟"

"کہاں بھیا؟"

"بتا سکتے ہیں کہ رشید احمد کب سے یہاں سے غائب ہے؟"

"صبح سے نہیں ہے بھیا مگر کوئی بات ہو گئی ہے تو بتا دو تمہیں خدا کا واسطہ؟" بوڑھے کی آواز لرز گئی۔

"گھر میں اور کون کون ہے؟"

"بیوی ہے میری اور میں ہوں، زندگی کا بوجھ گھسیٹ رہے ہیں ہم خدا غارت کردے ان لوگوں کو جنہوں نے گھروں کے چراغ بجھا دیئے ہیں، وہ میرا اکلوتا بیٹا ہے بھیا نہ جانے کس کس طرح میں نے اسے ایف اے تک تعلیم دلوائی اور پھر بس تقدیر کا پالا مار گیا اسے نشے کا عادی ہو گیا اور اب وہ کچھ بھی نہیں ہے، گھر آجاتا ہے...... ہم لوگوں کو تنگ کرتا ہے، پیسے مانگتا ہے، گھر کا سارا سامان بیچ چکا ہے اور نشے میں لے جا کر خرچ کر دیتا ہے...... بھیا موت مانگ رہے ہیں، اللہ سے اپنے لئے کیونکہ بیٹے کی موت اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔" بوڑھا رونے لگا۔

"آیئے میرے ساتھ اگر چاہیں تو اپنی بیگم کو بھی لے لیجئے۔"

"کچھ ہو گیا ہے کیا رشید احمد کو؟"

"ہاں وہ ہسپتال میں ہے۔" طاہر نے جواب دیا...... اس سے زیادہ کوئی کاوش کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی بوڑھے کے گھر کا چراغ آخر کار گل ہو چکا تھا...... کریم احمد اور اس

کی بیوی کو ہسپتال کے دروازے تک چھوڑنے کے بعد اس نے کہا۔

"یہ کارڈ رکھ لیجئے آپ ڈاکٹر کو دکھادیں اور سنئے یہ تھوڑی سی رقم بھی آپ کے کام آئے گی۔" طاہر بیگ نے کچھ نوٹ نکال کر کریم احمد کو دیئے اور اندر جانے کا اشارہ کر دیا......

کریم احمد دعائیں دیتا ہوا اندر چلا گیا تھا...... اس بیچارے کو یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ رقم اس کے نوجوان اور اکلوتے بیٹے کے کفن دفن کے لئے دی گئی ہے...... طاہر اس سے زیادہ خود بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا، اس کا دل ڈوب رہا تھا...... گھر واپس آنے کے بعد بہت دیر تک وہ افسردگی کے عالم میں پڑا رہا، پھر برداشت نہ کر سکا، حالانکہ رات زیادہ ہو چکی تھی، لیکن مرزا اعظم بیگ بارہا یہ بات کہہ چکے تھے کہ رات کے جاگنے سے ضمیر روشن ہوتا ہے، یقینی طور پر وہ اپنی رہائش گاہ جسے وہ حجرہ کہتے تھے میں جاگ رہے ہوں گے...... جا کر انہیں بتائے تو سہی کہ ان کے بنائے ہوئے شعبے میں نشے کے مریضوں کا علاج کس طرح ہوتا ہے اور وہاں کیا کیا جا رہا ہے...... دل میں غم وغصے کا طوفان تھا، وہ کریم احمد کی کیفیت کا اندازہ کر رہا تھا، بہت مختصر وقت میں ایک المناک کہانی اس تک پہنچی تھی، لیکن ایسے المیئے نہ جانے کون کون سے گھروں میں بکھرے ہوئے ہوں گے...... بوڑھے ماں باپ کی ترسی ہوئی آنکھیں جوان بیٹے کے دکھ میں آنسو بہاتی ہوئی، بے شمار بہنوں کے بھائی اور ماؤں کے بیٹے، بیویوں کے شوہر اس لعنت کا شکار ہیں اور کسی کو ان سے کوئی ہمدردی نہیں ہے...... کون کس طرح اس لعنت میں گرفتار ہوتا ہے...... یہ تو ایک الگ بات ہے لیکن قصور قصور واروں کا ہے، سزا بے گناہوں کو ملتی ہے، اس نے بہت سی باتیں سوچیں...... اپنے باپ کو بتائے گا وہ کہ یہ طریقہ کار موثر نہیں ہے، ذمے داریوں کو پورا نہ کرنے والے ایک ٹھوس حیثیت رکھتے ہیں...... صرف ایک شعبہ بنوا دینے سے کام نہیں بنے گا...... انسانوں کو تلاش کرنا ہوگا جو دکھوں کے ماروں کا علاج کرنے کے لئے مستعد نظر آئیں۔ اور پھر اس حصے کی جانب چل پڑا جو ذرا دور دراز کو تھا اور مرزا اعظم بیگ وہیں موجود ہوتا تھا، دور ہی سے اس نے دیکھ لیا کہ بند دروازے کی دوسری جانب سے روشنی چھلک رہی ہے، وہ دروازے کے قریب پہنچا اور آہستہ سے دروازے پر دستک دی...... دروازہ ہلکا سا دبا، گویا وہ اندر سے بند نہیں تھا، لیکن دوسری جانب سے آواز نہیں آئی، دوسری اور تیسری دستک پر بھی جب دروازہ نہ کھلا تو طاہر نے سوچا کہ شاید اس کا باپ عبادت میں مصروف ہو، چنانچہ دروازہ دھکیل کر وہ اندر داخل ہو گیا......

صاف وشفاف حجرے میں کوئی نظر نہیں آرہا تھا اور ہر طرف خاموشی اور سناٹے کا راج تھا، اس نے حیرانی سے چاروں طرف دیکھا اور آگے تک بڑھتا چلا گیا...... پتا نہیں مرزا عظیم بیگ کہاں چلا گیا، واش روم پر پہنچ کر اس نے واش روم کا دروازہ بھی کھول کر دیکھا، لیکن وہاں بھی خاموشی تھی...... واش روم کا دروازہ بند ہی کر رہا تھا کہ اچانک پرندوں کے پنجرے میں ایک چڑیا زور سے چیخی اور وہ چونک کر اس جانب متوجہ ہو گیا...... پرندے اس وقت کیوں چیخ رہے ہیں اس خیال کے تحت وہ تیزی سے آگے بڑھا اور پنجرے کے پاس پہنچ گیا، لیکن پنجرے میں موجود پرندے خاموش تھے اور ان میں سے کسی کے انداز سے یہ پتا نہیں چلتا تھا کہ وہ جاگ رہے ہیں، لیکن چڑیا کے چیخنے کی آواز دوبارہ اُبھری اور اس بار طاہر بیگ کی آنکھوں نے اس چھوٹے سے چوکور بکس کا جائزہ لیا جو ایک کونے میں نصب تھا...... تیسری بار جب چڑیا کی آواز نکلی تو اسے یقین ہو گیا کہ یہ آواز اسی بکس سے آرہی ہے اور پرندے نہیں چیخ رہے، لیکن پرندوں کے انداز میں اس آواز سے چونکنے کا احساس بھی نہیں ہوتا تھا...... شاید وہ اس آواز کے عادی تھے، لیکن یہ کیا ہے...... طاہر بیگ حیرانی سے سوچنے لگا نہ جانے کیوں اس کے ذہن میں کچھ عجیب سے خیالات آنے لگے تھے...... وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا، پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھ گیا، نہ جانے کیوں اس کے دل میں خیال اُبھرا تھا کہ یہاں کی تلاشی لینی چاہئے...... چڑیا کے چیخنے کی آواز بے معنی نہیں ہو سکتی اور اسے پرندوں کے پنجرے میں کیوں لگایا گیا ہے...... ایک عجیب سی سنسنی اس کے رگ و پے میں دوڑنے لگی تھی، بس کوئی غیبی قوت ہی تھی جو اسے اس بات پر مجبور کر رہی تھی کہ وہ یہاں کی تلاشی لے، ایک ایک چیز کا جائزہ لیتا ہوا وہ ایک الماری تک پہنچ گیا اور پھر گہری نگاہوں سے الماری کا جائزہ لینے لگا...... الماری میں ایک سگار بکس دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں...... مرزا اعظم بیگ کبھی سگار استعمال نہیں کرتے تھے، پھر ان کی الماری میں سگار بکس کیوں موجود ہے...... اس نے وہ بکس نکال لیا، اسے ایک میز پر رکھ کر کھولا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اندر سگار نہیں ہیں بلکہ ایک عجیب سی مشینری موجود ہے جس پر پوائنٹ بنے ہوئے ہیں...... زمانہ ناشناس نہیں تھا، کچھ ہی لمحوں کے بعد اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ کوئی ٹرانسمیٹر ہے...... ننھے ننھے بلب اسپارک کر رہے تھے، وہ انہیں دیکھتا رہا کوئی دو یا تین منٹ تک یہ بلب سپارک کرتے رہے اور اس کے بعد ایک بٹن روشن ہوا جس پر او کے لکھا

تھا...... طاہر بیگ اپنی زندگی کی سب سے شدید حیرت کا شکار تھا...... جب یہ سب کام ختم ہو گیا تو اس نے کچھ بٹن چھیڑے، ایک جگہ Rewind لکھا ہوا تھا...... سرسراہٹ سنائی دی جس کا مطلب تھا کہ کوئی کیسٹ Rewind ہو رہا ہے، پھر جب ٹھک کی آواز کے ساتھ سرسراہٹ رُک گئی تو اس نے باقی بٹنوں کو دیکھ کر Play بٹن دبا دیا اور ایک کھڑکھڑاہٹ سی بلند ہوئی، کچھ لمحوں کے بعد ایک مدہم سی آواز اُبھری۔

"مرزا اعظم بیگ اس وقت پتا نہیں تم کہاں ہو...... رات کے اس حصے میں تمہیں موجود نہ پا کر حیرت ہوئی ہے، لیکن بہر حال پیغام ریکارڈ کیا جا رہا ہے...... سنو سنڈیکیٹ کے تین اعلیٰ افسران باڑی میں ہمارے اڈوں کی تحقیقات کرنے کے لئے ہانگ کانگ سے آرہے ہیں...... پہلا میسیج پہنچ گیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ان کے آنے کی تاریخ کا بعد میں اعلان کیا جائے گا اور ہم سب کو آگاہ کر دیا جائے گا، لیکن بہر حال دوسرا پیغام جو دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ آپ لوگ اپنے فرائض خوش اسلوبی سے سرانجام نہیں دے رہے اس لئے ایک تحقیقاتی مشن بھیجا جا رہا ہے...... آپ لوگوں کو سمجھنا چاہئے واقعات خاصی سنگین نوعیت اختیار کر چکے ہیں، اپنی سرگرمیاں فی الحال معطل کر دیں اور منشیات کے جتنے اڈوں سے سپلائی ہو رہی ہے...... وہاں فوری طور پر سپلائی روک دیں...... ہم جانتے ہیں کہ سپلائی رُک جانے سے بہت بڑے نقصانات ہوں گے، لیکن زیادہ بڑے نقصانات سے بچنے کے لئے یہ قدم اُٹھانا ضروری ہے، چنانچہ مرزا اعظم بیگ آپ اپنے سٹورز پر ہدایت کر دیجئے کہ ایک پیسے کی کوئی چیز فروخت نہ کی جائے اور گاہکوں سے کہہ دیا جائے کہ اگر ان کا دماغ خراب نہیں ہے تو وہ آئندہ ادھر کا رُخ نہ کریں...... انتہائی سخت اقدامات ہونے چاہئیں...... میں نے فوری طور پر یہ پیغام آپ کو دینا چاہا لیکن آپ چونکہ ٹرانسمیٹر پر موجود نہیں اس لئے یہ پیغام ریکارڈ کیا جا رہا ہے اس کے علاوہ آپ کو علم ہو گا کہ رمضان خان کو جیل سے آزادی دے دی گئی ہے لیکن اس گدھے نے ایک بہت بڑا قدم اٹھایا کہ وہ ملک چھوڑ کر بھاگ گیا ہے...... کہاں بھاگا ہے اس کے بارے میں نہیں معلوم ہو سکا، بات صرف یہ ہے کہ اگر پولیس حکام کو دوبارہ اس کی ضرورت ہوئی تو اسے موجود نہ پا کر وہ اس پر شبہ کریں گے اور پھر یہ شبہ ہم تک بھی پہنچ سکتا ہے، جیل میں ہلاک ہونے والے چوبیس افراد کے بارے میں فرداً فرداً تحقیقات ہو رہی ہے...... یہ الگ مشکل مرحلہ ہے کیونکہ اس میں دانی شاہ کا نام بھی سامنے آئے گا...... بہر حال

ان تمام باتوں کو ذہن میں رکھئے، ابھی میٹنگ کا کوئی پروگرام نہیں ہے...... میٹنگ کا وقت متعین ہونے پر آپ کو اطلاع دی جائے گی...... او کے۔

طاہر کا پورا بدن پسینے میں ڈوب گیا...... اس پر حیرتوں کے دورے پڑ رہے تھے، کیا ہے خدایا یہ کیا ہے...... اس کے ذہن میں چلتی ہوئی آندھیوں سے آواز اُبھری دیر تک وہ سکتے کے عالم میں بیٹھا رہا، پھر بری طرح چونک پڑا اس نے سگار بکس نما ٹرانسمیٹر میں وہ بٹن تلاش لیا جس سے یہ کیسٹ فارورڈ کیا جا سکتا تھا...... کیسٹ Rewind ہونا شبہ میں بھی ڈال سکتا تھا اس نے اپنے ذہن و دل پر قابو پا کر پہلے کیسٹ کو اس جگہ تک فارورڈ کیا جہاں وہ آواز ختم ہوئی تھی اور اس کے بعد بٹن بند کیا، سگار بکس کو بند کر کے اسے واپس الماری میں رکھا اور الماری بھی بند کر دی...... اسے چاروں طرف خوفناک سائے سے نظر آ رہے تھے...... یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے لاتعداد آنکھیں اسے دیکھ رہی ہوں، لیکن ہر طرف نظر آنے والی آنکھیں مرزا عظیم بیگ کی ہی تھیں، سوچنے سمجھنے کی قوتیں جواب دیئے جا رہی تھیں اور اس وقت اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس جگہ موجود دوسری چیزوں کا جائزہ لے، بس دل و دماغ میں ایک عجیب سا ہیجان برپا تھا، ہاتھ پیروں میں اینٹھن ہو رہی تھی سوچنا سمجھنا اس وقت اس کے بس کی بات نہیں تھی، لرزتے قدموں سے وہ باہر نکل آیا، دروازے کو اسی طرح بند کیا۔

اور پھر مہندی کی باڑ کی آڑ لے کر تیز رفتاری سے دوڑنے لگا، حلق خشک ہو رہا تھا...... آنکھیں حلقوں میں دُکھ رہی تھیں نہ جانے کس طرح گرتا پڑتا وہ اپنے کمرے میں داخل ہو گیا، وہ سب سے چھوٹا بیٹا تھا...... مرزا اطہر بیگ اور ناظم بیگ شادی شدہ اور کئی کئی بچوں کے باپ تھے، طاہر ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے اس نے والدین سے منع کر دیا تھا...... فطرتاً نیک نفس نوجوان تھا، ویسے تو مرزا اعظم بیگ کے باقی دونوں بیٹے بھی فطرتاً بہت اچھے انسان تھے اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے باپ نے انہیں پیروں پر کھڑا کیا تھا لیکن اس کے بعد انہوں نے اپنی ذمے داریاں جس طرح سنبھالی تھیں وہ قابل فخر بات تھی اپنے کاروبار کو انہوں نے چار چاند لگا دیئے تھے اور اپنے ملازمین کے ساتھ بہترین سلوک کرتے تھے...... نتیجے میں انہیں ان کی نیک نفسی کا صلہ بھی مل رہا تھا، لیکن طاہر بڑا پُر جوش نوجوان تھا...... اپنے باپ پر جان دیتا تھا لیکن اس وقت اس کے دل و دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے...... اس کا ساری زندگی کا مان ٹوٹ رہا تھا جو کچھ ٹیپ ریکارڈ میں سنا تھا اور جس

انداز میں اس تک رسائی ہوئی تھی وہ اب تک سمجھ میں نہیں آ رہا تھا...... بمشکل تمام جوتے اتارے اور کپڑوں سمیت بستر میں جا گھسا، کیا عجیب رات ہے دماغ کے پرخچے اُڑ کر رہ گئے ہیں...... وہ حادثہ ہی کیا کم تھا جس میں ایک شخص ہلاک ہو گیا اور دو مظلوم ماں باپ کی زندگی تاریک ہو گئی، دل میں تو نہ جانے کیا کیا احساسات لے کر آیا تھا کہ باپ سے شکایت کرے گا، لیکن اس وقت جو انکشاف ہوا تھا وہ ناقابل یقین تھا، کوئی ایک بات جو سمجھ میں آ رہی ہو اس کا مطلب ہے کہ مرزا اعظم بیگ کی ظاہری زندگی کے پس پردہ ایک پراسرار زندگی بھی ہے، وہ پیغام کس کا تھا، آواز کس کی تھی، سنڈیکیٹ کے ممبر کون سے تھے اور کس سلسلے میں آ رہے تھے، اس انداز میں کوئی کاروباری مسئلہ تو نہیں ہو سکتا تھا...... پھر یہ سب کیا تھا اور اس کے لئے یہ پراسرار طریقہ کار کیوں اختیار کیا گیا تھا آہ وہاں کیا کیا ہے مرزا اعظم بیگ، اس کا آئیڈیل، اس کا باپ جس کا احترام وہ باپ سے زیادہ ایک نیک نفس انسان کی حیثیت سے کیا کرتے تھے، کیا دہری زندگی کا مالک ہے اور دوسری زندگی میں وہ کیا کر رہے ہیں، وقت مرزا طاہر بیگ کے دماغ پر دستک دے رہا تھا اور یہ احساس دلا رہا تھا کہ یہ سب کچھ کوئی نیک عمل نہیں ہے بلکہ اس کا اشارہ کسی اور ہی سمت ہے...... کم از کم پتا تو چلنا چاہئے، تقدیر اسی طرح انکشافات کرتی ہے، حادثے اسی طرح رونما ہوتے ہیں...... چوبیس افراد کا قتل دانی شاہ رمضان خان یہ سارا قصہ کیا ہے، اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ہوں گی، ورنہ زندگی مشکل ہو جائے گی، پتہ تو چلنا چاہئے کہ آخر اصل معاملہ کیا ہے...... نیند اُڑ گئی تھی اور دل و دماغ بری طرح تھک گئے تھے، پھر اس نے دل میں آخری فیصلہ کیا...... فیصلہ یہ تھا کہ مناسب وقت دیکھ کر مرزا اعظم بیگ کی اس پراسرار رہائش گاہ کے تالے کی چابی بنوائی جائے اور اس کے بعد اس وقت جب مرزا اعظم بیگ اپنے حجرے میں موجود نہ ہو اس کی بھرپور تلاشی لی جائے، ابھی اس سلسلے میں زبان بند رکھی جائے...... بھائیوں یا بہن سے تذکرہ بھی غیر مناسب رہے گا...... زبان سے نکلی بات نہ جانے کیا شکل اختیار کر لیتی ہے...... خدا کرے میرے ابو کسی مجرمانہ کارروائی میں ملوث نہ ہوں، خدا ہمیں کوئی برا وقت نہ دکھائے...... اگر میں نے یہ کاوشیں جاری رکھیں، بھائیوں کو اس میں شریک کر لیا اور ابو کسی برائی میں ملوث نہ نکلے تو انہیں کتنا دُکھ ہو گا کہ میں ان پر کس طرح کا شک کرتا ہوں، وہ شک کے قابل تو نہیں ہیں لیکن پھر وہ چیختی چڑیا پرندوں کا پنجرہ، ٹرانسمیٹر اور اس میں ریکارڈ ہونے والا پیغام

میرے خدا میرے خدا، مرزا طاہر بیگ نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا، دلی آرزو تھی کہ اس وقت نیند آ جائے تاکہ ان خوفناک خیالوں سے پیچھا چھوٹ جائے لیکن ایک ایک تصور دل کو بے چین کر رہا تھا اور رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی، اس کمبخت کے گزرنے کی رفتار بھی تیز نہیں ہے، صبح ہی ہو جائے تاکہ دوسری مصروفیات میں ذہن کو کچھ سکون ملے اس نے سوچا تھا۔

❀

جیل میں زیر حراست چوبیس قیدیوں کی ہلاکت اتنا معمولی واقعہ بھی نہیں تھا کہ اسے صرف اتفاق قرار دے کر ختم کر دیا جائے، جو کارروائی سرکاری پیمانے پر ہوئی تھی وہ بھی قابل اطمینان نہیں تھی...... رمضان خان ٹھیکیدار کو رہا کر دیا گیا تھا...... باقی افراد پر مقدمہ قائم ہو گیا تھا، لیکن اخبارات اس واقعے کو فراموش نہیں کر سکے اور چند روز کی خاموشی کے بعد اچانک ہی یہ سلسلہ بڑے اعلیٰ پیمانے پر شروع ہو گیا...... اخبارات نے اس سلسلے میں جواب طلب کیا تھا کہ قانون کی حفاظت اور حراست میں موجود لوگ کیا اتنے ہی ناقابل اعتناء تھے کہ ان کی موت بس ایک اتفاقی حادثہ قرار دے دی گئی، اگر یہ حادثہ بھی تھا تو اس حادثے کے ذمے داروں کے لئے فوری طور پر کیا کیا گیا...... سوال خاص طور سے اعلیٰ حکام سے کیا گیا تھا اور اس کے بعد ایک طوفان آ گیا، ملک بھر کے اخبارات نے اس سلسلے میں اپنے اپنے تجزیئے شائع کئے اور حکومت سے سوالات کئے جانے لگے...... ایک ستم ظریف اخبار کے خصوصی رپورٹر نے تو قیامت ہی ڈھادی اور ان تمام لوگوں کے کوائف شائع کئے جو اس حادثے میں ہلاک ہوئے تھے...... بلاک نمبر سولہ ان قیدیوں کے لئے مخصوص تھا جو جیل ریمانڈ پر جیل آئے ہوئے تھے، مقدمے مکمل بھی نہیں ہو سکے تھے اور صرف ان کے چالان پیش کئے گئے تھے...... ان تمام لوگوں کی تفصیلات اس نامہ نگار نے شائع کی تھیں کہ ان کے جرائم کیا کیا تھے اور ان میں سے کسی ایک پر کوئی جرم ثابت نہیں ہو سکا تھا اور انہیں اس طرح سزائے موت دے دی گئی تھی، ان میں سے لاتعداد لوگ ایسے تھے جو بے گناہ بھی قرار پا سکتے تھے، ان کی موت کا حساب کس کے ذمے ہے...... اخبارات کی ان ہنگامہ خیزیوں سے محکمہ داخلہ بھی گھبرا گیا اور ایک بار پھر اس کیس میں جان پڑ گئی، ہوم منسٹری سے سوالات کئے جانے لگے اور اس سلسلے میں ٹھوس اور مدلل جواب دینے کی تاکید کی گئی، ہائی کورٹ کی طرف

سے الگ بیانات شائع ہوئے تھے اور وضاحت مانگی گئی تھی اور ان تمام ہنگامہ خیزیوں نے جن لوگوں کو بہت زیادہ پریشان کر دیا ان میں نادر حیات صاحب بھی تھے، اس وقت بھی تمام اخبارات اور ان کی طلب کردہ رپورٹیں ان کے سامنے پڑی ہوئی تھیں...... انہوں نے اپنے کئی ماتحت اداروں کو اس کام پر مامور کیا ہوا تھا، لیکن جو رپورٹیں انہیں حاصل ہوئی تھیں وہ بالکل بے مقصد اور بے کار تھیں، ان کی روشنی میں وہ کوئی جواب نہیں دے سکتے تھے......

ادھر اس دن کے بعد سے شہاب سے بھی نادر حیات صاحب کی ملاقات نہیں ہوئی تھی...... شہاب کے جانے کے بعد انہوں نے شہاب کے بارے میں بہت کچھ سوچا تھا اور اب ان لوگوں کی اتنی انڈر سٹینڈنگ ہو چکی تھی کہ نادر حیات صاحب، شہاب کا موڈ سمجھ گئے تھے اور انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ بہت زیادہ ناراض ہو گیا ہے...... نادر حیات صاحب دل سے اس کی عزت کرتے تھے اور وہ تھا بھی قابل عزت جس طرح اس نے محکمے کی ناک اونچی کر رکھی تھی وہ نادر حیات صاحب کے لئے بھی باعث فخر تھی، اس کا ناراض ہو جانا اپنی جگہ بالکل درست تھا لیکن نادر حیات صاحب کی مجبوریاں بھی اپنا ایک مقام رکھتی تھیں، ملک کی سیاست کو متحرک یا ڈسٹرب کرنے کی اجازت تو کسی کو نہ دی جا سکتی تھی اور جن لوگوں کے نام اس نے پیش کئے تھے ان میں کچھ تو ایسے تھے جنہیں چھونا بھی غضب ہو جاتا...... بہرحال نادر حیات صاحب اس وقت بے حد پریشان تھے، انہیں غصہ بھی آ رہا تھا کہ شہاب نے اس سلسلے میں بالکل خاموشی اختیار کر رکھی ہے، بہت غور و خوض کرتے رہے پھر اچانک ہی انہیں ایک اور احساس بھی ہوا، وہ اخبار جس نے اس تحریک کو دوبارہ زندہ کیا تھا...... نادر حیات صاحب اس کے بارے میں جانتے تھے کہ وہ شہاب ہی نے قائم کیا ہے اور کچھ ایسے تجربہ کار صحافیوں کو اس نے مراعات دے کر یہ اخبار نکلوایا ہے...... گو اس کا تعلق کبھی اس اخبار سے ظاہر نہیں ہوا تھا، لیکن کچھ ایسے لوگ تو بے شک اس بارے میں جانتے تھے جو شہاب سے بہت زیادہ قربت رکھتے تھے...... نادر حیات صاحب کو بھی ایک بار اس طرح کے شبہات ہوئے تھے لیکن ان کی براہ راست کوئی تصدیق نہیں ہو سکی تھی، بہرحال اب اس وقت مجبوری تھی...... انہوں نے خود بھی شہاب سے ملاقات سے گریز کیا تھا، لیکن اب یہ گریز ناممکن تھا، چنانچہ انہوں نے فون پر شہاب کو مخاطب کیا۔

"ہیلو۔"

”نادر حیات بول رہا ہوں۔“

”یس سر!“

”میرے پاس آؤ۔“

”بہتر سر۔“ شہاب نے مستعدی سے کہا اور پھر چند ہی لمحوں کے بعد وہ نادر حیات کے کمرے میں داخل ہو گیا، سلوٹ کیا اور آگے بڑھ کر کھڑا ہو گیا...... نادر حیات صاحب نے عصیلی نگاہوں سے اسے دیکھا اور کہا۔

”بیٹھو۔“ شہاب شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔

”میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ تم اس طرح اس کیس سے چشم پوشی کر لو۔“

”میں سمجھا نہیں جناب عالی؟“ شہاب نے کہا۔

”جو کچھ ہوا ہے اس کا تمہیں اندازہ ہے اور اس کے جو نتائج سامنے آ رہے ہیں اس کا بھی یقیناً تمہیں اندازہ ہو گا۔“

”بالکل ہے حضور عالی! لیکن اب دیکھئے نا یہ اتنے بڑے لوگ ہیں کہ دو چار اس قسم کے جرائم تو ان کے حساب میں لکھے بھی نہیں جا سکتے، ملک و قوم کو انہوں نے جو کچھ دیا ہے اس کے احسانات پورے ملک پر اس قدر ہیں کہ دس بیس اور پچاس آدمیوں کو مار دینا ان کا حق ہے، اب آپ بتائیے ہم ان سے یہ حق کیسے چھین سکتے ہیں؟“

”شہاب میں اپنے عہدے سے ہٹ کر بھی اپنی دانست میں تمہارے لئے ایک حیثیت رکھتا ہوں کیا میرے ساتھ تمہارا یہ سلوک مناسب ہے؟“

”اگر کوئی غلطی ہو گئی ہو تو ہر سزا کے لئے تیار ہوں...... افسران بالا تو بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں اور میں ہمیشہ افسران بالا کی بھرپور عزت کرتا ہوں، اس کے باوجود اگر کوئی گستاخی ہو گئی ہو تو۔“

”گویا تم میرے اس حق کو مسترد کر رہے ہو؟“

”توبہ توبہ احقر کی یہ مجال جناب عالی! اپنی جان کون مصیبت میں ڈالنا پسند کرے گا، میں تو ویسے بھی ایک بے وسیلہ آدمی ہوں، میرے پاس تو ایسی کوئی سفارش بھی نہیں ہے کہ کوئی میرے معطل ہو جانے پر میری نوکری بحال کرا دے...... حضور انور حکم فرمائیے جو حکم دیں گے اس کی تعمیل کروں گا، نوکری تو کرنی ہی ہے۔“

”ہوں گویا ہر قسم کے تعاون سے انکار کرتے ہو؟“

”مجال ہے آپ یقین فرمائیے میں ہر حکم کی تعمیل کے لئے حاضر ہوں۔“

”اور اگر تم سمجھتے ہو کہ میں اس اخباری تحریر کے بارے میں نہیں جانتا تو میرا خیال ہے تمہارا یہ سوچنا غیر مناسب ہے۔“

”نہیں حضور والا یقینی طور پر تمام ذمہ دار حضرات اخبار ضرور پڑھتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے شہاب ایک بحران آیا ہے، آخر کار ختم ہو جائے گا زیادہ سے زیادہ کچھ لوگوں کو استعفے دینے پڑیں گے، ہو سکتا ہے میں بھی ان میں شامل ہوں لیکن توقع نہیں ہے کہ تم اس حد تک نظر انداز کر سکتے ہو۔“ شہاب کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لئے جنون کے آثار اُبھرے، نادر حیات صاحب اس وقت اسی کی طرف دیکھ رہے تھے...... انہوں نے اچھی طرح شہاب کی اس کیفیت کو محسوس کیا اور نہ جانے کیوں انہیں جھرجھری سی آ گئی...... ایک عجیب رنگ دیکھا تھا انہوں نے شہاب کا پھر وہ آہستہ سے بولا۔

”لکھ کر دیجئے کہ ان پانچوں افراد کو میں اپنے ہاتھ سے سزائے موت دے دوں، واقعات نئے اور اجنبی نہیں ہیں...... روزانہ اخبار میں اس قسم کے واقعات آتے رہتے ہیں...... پولیس مقابلے ہوتے رہتے ہیں، ہلاکتیں ہوتی ہیں کیا صرف کچھ مخصوص لوگوں کے لئے یہ ہلاکتیں جائز ہیں...... میں جانتا ہوں قانون کے رکھوالے قانون کی خواہش پوری کرنے کے لئے کچھ ایسے عمل کرتے ہیں جنہیں مختلف نام دے دیئے جاتے ہیں لیکن جناب یہ ناجائز ہے کہ یہ صرف چند ہی لوگوں کی تقدیر ہو، ہر شخص ملک کی بقاء کے خلاف اگر کام کرے تو اس کا قانون کی گرفت میں آنا ضروری ہے۔“

”شہاب، شہاب، شہاب، میں سمجھتا ہوں کم از کم تم جیسے پولیس آفیسر نے کبھی کسی ایسے شخص کو پولیس مقابلے میں ہلاک نہیں کیا ہو گا جو در حقیقت مجرم ہے۔“

”ہاں آپ ٹھیک کہتے ہیں، لیکن میرا خیال ہے اس کے بعد میری زبان کا بند ہو جانا ضروری ہے۔“

”شہاب کوئی موثر حل تلاش کرو کوئی ایسا طریقہ کار فوری طور پر اختیار کرو جس سے کم از کم تھوڑی بہت تسلی ہو، تم دیکھ رہے ہو اخبارات کس طرح لے دے کر رہے ہیں۔“

”سب اپنے اپنے فرائض پورے کر رہے ہیں، جناب ایسا کرتے ہیں کچھ اخبارات کے

ڈیکلریشن منسوخ کرائے دیتے ہیں یا پھر پہلے انہیں وارننگ دے دی جائے کہ اس بارے میں کوئی خبر شائع نہ کریں اور اگر وہ اس وارننگ کو نہیں مانتے تو پھر ان پر کوئی الزام لگا دیتے ہیں۔" نادر حیات خاموش ہو گئے، دیر تک خاموش رہے پھر انہوں نے کہا۔

"ٹھیک ہے تم جس طرح مناسب سمجھو۔"

"نہیں سر آپ کے احکامات ہر حالت میں ضروری ہیں، اصل میں کچھ عجیب سی کیفیت ہے میری سر یہ بات آپ خود جانتے ہیں کہ انسان کسی فیلڈ میں آنے کے بعد اپنے لئے مختلف راستے تلاش کر لیتا ہے اور مجھے دیکھئے کتنی بار ترقی ہوئی اور کتنی بار تنزلی میں نے ترقی سے زیادہ تنزلی کو اہمیت دی اور اس کی وجہ آپ جانتے ہیں اور پھر میرے اور آپ کے درمیان جس رشتے کا آپ نے تذکرہ کیا ہے اس کی بنیاد یہی تھی کہ ہم کسی شخصیت سے مرعوب ہوئے بغیر اپنے قانونی فرائض قانونی طریقے سے سرانجام دیں گے جس کی کوئی بہت بڑی اہمیت ہو اور جو دوسروں کے لئے ناقابل تسخیر ہو، یہ معاہدہ تھا نادر حیات صاحب میرے اور آپ کے درمیان میں نے آپ کو جو تفصیل پیش کی تھی وہ ٹھوس اور مدلل تھی اور آپ بھی اس سے انکار نہیں کر سکتے تھے، لیکن وہی مجبوریاں آڑے آ گئیں۔"

"مجھے صرف ایک بات بتاؤ کیا تم اس بات کو محسوس نہیں کرتے کہ اگر میں اپنے طور پر کوشش بھی کروں اور ان شخصیتوں کی گرفتاری کے لئے حکام بالا سے درخواست کروں تو کیا وہ درخواست منظور ہو جائے گی؟" شہاب خاموش ہو کر سوچنے لگا تو نادر حیات صاحب نے کہا۔

"اور اگر نہیں یقین کر رہے تو پھر ٹھیک ہے مجھے بتاؤ کیا چاہتے ہو، میں آغاز کرتا ہوں اور اس کے بعد ہم ہر طرح کے نتائج کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھیں گے، میں وعدہ کرتا ہوں کہ ہر ذمے داری اپنے آپ قبول کروں گا اور تم پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔" شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، پھر اس نے کہا۔

"سر! ایک اجازت چاہتا ہوں؟"

"کیا؟"

"شادی کرنے کا خواہش مند ہوں۔" نادر حیات صاحب چونک کر اسے دیکھنے لگے پھر بولے۔

"کیا مطلب کیا اس کے لئے بھی مجھ سے اجازت لینا ضروری ہے؟"

"جی ہاں اپنے اس رشتے کی وجہ سے جو میرے اور آپ کے درمیان قائم ہے۔"

"بھئی بخدا کچھ نہیں سمجھ سکا ہوں کیوں میرا دماغ خراب کر رہے ہو، کیا کہنا چاہتے ہو بتاؤ تو سہی؟"

"سر شادی کرنا چاہتا ہوں، سچ کہہ رہا ہوں۔"

"تو کر لو بھائی، میں نے انکار کیا ہے۔"

"اس کے بعد ہنی مون پر تو جانا ہی ہوگا۔" نادر حیات صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ شہاب کو غصیلی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے، شہاب نے ایک دم سنجیدہ ہو کر کہا۔

"حالات کا مقابلہ کیجئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ ہم لوگ نرم رویہ اختیار کریں، آخر کار معاملہ کوئی نہ کوئی صورت اختیار کر جائے گا، لیکن اس کے بعد نادر حیات صاحب۔" اس کے بعد نادر حیات صاحب سر جھکا کر خاموشی سے سوچنے لگے، پھر انہوں نے کہا۔

"ہاں دونوں ہی صورتیں خوفناک ہیں اچھا اب یہ بتاؤ کہ اس سلسلے میں کیا رائے ہے تمہاری؟"

"بس وہی جو کہ عام طور سے ہوتا ہے تھوڑی سی بھاگ دوڑ، کچھ لوگوں کی گرفتاری، ہنگامہ خیزی اور اس کے بعد آہستہ آہستہ حالات کے معتدل ہو جانے کا انتظار اس کے علاوہ اور کچھ کیا جا سکتا ہے لیکن بعد میں......"

"ہاں مجھے یہی اندازہ ہو رہا ہے تم سے مشورہ لینا چاہتا تھا، ٹھیک ہے لیکن اپنے دماغ کو قابو میں کرو مجھ سے منحرف ہونے کی ضرورت نہیں اگر تمہارے پاس کوئی حل ہے تو مجھے بتانا میں تعاون کروں گا۔"

"بہتر۔" شہاب نے کہا اور اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا...... نادر حیات صاحب مسکرا کر بولے۔

"اب بھی ناراض ہو؟" شہاب نے نادر حیات صاحب کی طرف دیکھا اور مسکرا کر بولا۔

"آپ جیسے افسر سے ناراض ہو کر دل کو دکھ کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔"

"سچ کہہ رہے ہو۔"

"ہاں۔"

"شکریہ۔" نادر حیات صاحب نے کہا اور شہاب سیلوٹ کر کے ان کے کمرے سے باہر نکل آیا، درحقیقت اس نے نادر حیات صاحب کو جو مشورہ دیا تھا وہ اس وقت کی مصلحت تھی، اس ہنگامہ خیزی کو ٹالنا ہی تھا، یہ الگ بات ہے کہ اس ہنگامے کا آغاز اس نے اپنے دیرینہ دوستوں کے تعاون سے کیا تھا اور اس میں مکمل طور سے کامیاب رہا تھا۔

یہ روایت یہاں غلط ہوتی نظر آ رہی تھی کہ غلط کمائی سے پرورش پانے والی اولاد غلط ہی ہوتی ہے، اللہ کے کام اللہ ہی جانتا ہے کہ کہاں کیا کرنا ہے...... غالباً مرزا اعظم بیگ کے چاروں بچے مرزا اعظم بیگ سے انتہائی مختلف شخصیت رکھتے تھے...... طاہر بیگ تو اپنے کالج کا سٹوڈنٹ لیڈر بھی رہا تھا، انتہائی پرامن اور تعمیری تصورات کا حامل اس کی ایک شاندار رپورٹ تھی اور اس کے علاوہ ذہنی طور پر بھی وہ مختلف قسم کا انسان تھا...... ہمدرد انسانیت کا پرستار، برائیوں سے گریزاں ان سب کے لئے ان کا باپ ایک آئیڈیل شخصیت رکھتا تھا اور وہ باپ ہونے کے علاوہ ایک انسان کی حیثیت سے بھی مرزا اعظم کا دل سے احترام کرتے تھے کیونکہ وہ بہت مختلف شخصیت کا مالک تھا، غریبوں سے ہمدردی رکھنے والا ان کے لئے بساط بھر بہت کچھ کرنے والا چنانچہ مرزا اعظم بیگ کی رہائش گاہ میں طاہر نے جو کچھ دیکھا تھا اس نے اسے دیوانہ کر دیا تھا، بار بار اپنے آپ کو سمجھاتا تھا کہ ہو سکتا ہے اس کا تمام خیال غلط ہو...... ہو سکتا ہے صرف نگاہ کا دھوکا ہو، مرزا اعظم بیگ کی شخصیت کے ساتھ تو کسی ایسی برائی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جو اس وقت اس کے دل میں شبہ بن گئی تھی، باپ کے کسی عمل پر چشم پوشی بھی اختیار کی جا سکتی تھی، لیکن کمبخت دل بڑا بے ایمان ہوتا ہے، مان کر ہی نہیں دے رہا تھا اور اس کا صرف یہی حل تھا کہ اس کی چھان بین کی جائے...... باپ سے براہ راست کوئی سوال کرنا تو بے حد خطرناک تھا، پہلی بات تو یہ کہ باپ پر اس طرح کی گرفت کی ہی نہیں جا سکتی تھی...... پھر یہ کہ اگر صورت حال غلط نکلی تو مرزا اعظم بیگ کو ٹھیس پہنچے گی، آہ کیا کروں اس سلسلے میں اپنا رازدار بھی نہیں بنا سکتا، کسی کو آخر کار یہی فیصلہ کیا کہ خود ہی جس طرح ممکن ہو سکے چھان بین کی جائے اور اس کے لئے اس نے بڑے صبر و تحمل کے ساتھ اپنی کارروائی کا آغاز کر دیا...... سب سے پہلے اس نے اس حجرے کی ایک چابی بنوائی اور اس کے بعد منتظر رہا کہ مرزا اعظم بیگ کا کوئی ایسا پروگرام ہو جس میں اسے یقین ہو کہ اسے خاصا

وقت اس جگہ کی تلاشی کا مل جائے گا تو پھر کارروائی کرے اور چھ یا سات دن کے بعد اسے اس کا موقع ملا تھا، اس دوران وہ مرزا اعظم بیگ کے تمام پروگراموں پر گہری نگاہ رکھ رہا تھا، ابھی تک اس نے اپنے انداز میں کوئی ایسی بات ظاہر نہ ہونے دی تھی جس سے مرزا اعظم بیگ کو کسی قسم کا کوئی احساس ہو جائے لیکن آج یہ معلوم کر کے کہ "مرزا اعظم بیگ اس رات گھر پر موجود نہیں ہوگا، اس نے اپنے طور پر مکمل ارادہ کر لیا کہ آج کی رات وہ مرزا اعظم بیگ کے حجرے میں گزارے گا اور تمام تر صورت حال معلوم کرنے کی کوشش کرے گا...... رات کو تقریباً ساڑھے بارہ بجے جب سارا گھر اپنی ذمے داریوں سے فارغ ہو کر اپنے اپنے بیڈ روم میں داخل ہو گیا اور خاصا وقت گزر گیا تو طاہر بیگ اپنی جگہ سے اٹھا اور دھڑکتے دل کے ساتھ باپ کی رہائش گاہ کی جانب چل پڑا، ذہن میں لاتعداد سنسنی خیز خیالات لئے دگی کشمکش کا شکار اس کے قدم آہستہ آہستہ حجرے کی جانب بڑھ رہے تھے، وہ جس کیفیت سے دوچار تھا اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ باپ سے بے پناہ الفت تھی، ان لوگوں میں شمار ہوتے تھے جو سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوتے ہیں اور عیش و عشرت میں پل کر اپنے ماحول سے منحرف ہو جاتے ہیں، لیکن یہ وہ تھے جنہیں ان حالات کے باوجود اپنے ماں باپ سے بے پناہ الفت تھی اور کسی بھی طور کبھی وہ مرزا اعظم بیگ سے منحرف نہیں ہوئے تھے...... اس میں کوئی بھی شک نہیں تھا کہ مرزا اعظم بیگ ایک بے مثال باپ تھا...... اپنے بچوں کے لئے اس نے ہر طرح کی راہیں ہموار کر دی تھیں اور کسی کو بھی کوئی مشکل پیش آتی تو وہ اپنے تمام وسائل سے کام لے کر ان کی مشکلات کا حل دریافت کرنے میں لگ جاتا اور آخر کار ایسا کر کے ہی دم لیتا...... ایک ایسے باپ کے لئے دل میں اس قسم کے شکوک و شبہات خود طاہر بیگ کے لئے بڑے اذیت ناک تھے لیکن اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھ چکا تھا اسے بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا، ٹرانسمیٹر پر مخصوص طریقے سے ریکارڈ شدہ پیغام باقاعدہ مرزا اعظم بیگ کے نام تھا اور اس تمام وقت سے طاہر بیگ اس کوشش میں مصروف رہا تھا کہ اس پیغام کی حقیقت تلاش کرے...... ویسے طریقہ کار بھی عجیب تھا...... پرندوں کے پنجرے، چڑیا کے چیخنے کی آواز اور وہ صرف ایک نشانی ہوتی تھی کہ ٹرانسمیٹر پر کوئی پیغام موصول ہوا ہے...... ان تمام چیزوں کو نظر انداز تو نہیں کیا جا سکتا تھا...... وطن دشمن لاتعداد تھے اور وطن عزیز کو نقصان پہنچانے والوں کی کارروائیوں کو بڑی دکھ کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا...... طاہر بیگ ہی

نہیں بلکہ مرزا بیگم کے باقی تینوں بچے بھی ذہنی طور پر وطن پرست تھے...... ان کے افکار و خیالات سے یہ اندازہ باآسانی لگایا جاسکتا تھا اور مرزا طاہر بیگ تو وطن کے معاملے میں بہت ہی جذباتی تھا...... اس کا اظہار بھی بارہا ہو چکا تھا...... اپنے کالج کی یونین کا لیڈر بھی رہ چکا تھا اور وطن پرستی میں بہت سے بیانات ہی نہیں بلکہ بعض غیر ملکی معاملات پر اس نے ہڑتالیں بھی کی تھیں...... وہ سب دکھاوا نہیں تھا، بلکہ سچ مچ وہ ایک جذباتی نوجوان تھا اور اب دل پر جو گھاؤ لگا تھا اس نے اسے بے قرار کر دیا تھا...... قرب و جوار کا جائزہ لینے کے بعد وہ حجرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا...... مدہم مدہم روشنی پھیلی ہوئی تھی...... اس بات پر اسے یقین تھا کہ مرزا اعظم بیگ واپس ابھی نہیں پہنچے گا...... اس کی اپنی معلومات یہ ہی تھیں...... پراسرار ماحول میں خاموشی طاری تھی...... پرندے سو رہے تھے، پرندوں کی یہاں موجودگی صرف ایک دکھاوا تھی تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو سکے...... بہر حال مرزا طاہر بیگ نے ہر طرح کے خطرات مول لے کر حجرے کی تلاشی لینا شروع کر دی...... الماری میں وہ ٹرانسمیٹر موجود تھا...... اسے کھول کر اس نے اس پر پیغام کو سنا لیکن اب وہ پیغام اس میں ریکارڈ نہیں تھا اور نہ ہی کوئی نیا پیغام موجود تھا...... ٹرانسمیٹر کے ٹیپ ریکارڈ کو اچھی طرح چیک کرنے کے بعد اس نے ٹرانسمیٹر واپس اس کی جگہ پر رکھ دیا اور اس کے بعد الماریوں وغیرہ کا جائزہ لینے لگا...... ان تمام کاموں کے لئے اس نے اپنا طریقہ کار مکمل کر لیا تھا، لیکن مرزا اعظم بیگ بھی بے وقوف نہیں تھا...... یہ الگ بات ہے کہ ابھی تک اسے اس بات کا کوئی شبہ نہیں ہو سکا تھا کہ اس کے معاملات کو جاننے کے لئے کوئی کوششوں میں مصروف رہتا ہے، لیکن پھر بھی وہ اپنے طور پر محتاط رہتا تھا اور اس پیغام کو سننے کے بعد اس نے صاف کر دیا ہو گا...... یہاں کوئی ایسی چیز دستیاب نہیں ہوئی جو باپ کے خلاف کوئی ثبوت مہیا کر سکتی...... سوائے ایک ڈائری کے...... یہ ایک چھوٹی سی ڈائری تھی جو مسہری کے سرہانے کی میز کی دراز میں ملی لیکن اس ڈائری پر جو کچھ درج تھا، وہ مرزا طاہر بیگ کے لئے ناقابل فہم تھا...... غالباً کوئی کوڈ زبان تھی...... چھوٹے چھوٹے نام لکھے ہوئے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے ہندسے اور لکیریں جو بالکل سمجھ میں نہیں آتی تھیں...... وہ دیر تک ڈائری کو دیکھتا رہا...... اس ڈائری کو یہاں سے لے جانا کسی طور مناسب نہیں تھا، کیونکہ اس سے باپ کو شبہ ہو جاتا اور پھر پتا نہیں مرزا اعظم بیگ اس بارے میں کیا سوچتا...... کافی دیر تک طاہر بیگ اس حجرے کی تلاشی

لیتا رہا...... اس کے چہرے پر مایوسی کی لکیریں پھیل گئیں۔

"اس بات پر میں یقین نہیں کر سکتا ڈیڈی کہ یہ ٹرانسمیٹر بے مقصد ہے...... یقینی طور پر اس کے پس پردہ کچھ ہے اور میں، میں آپ کے قدموں کی خاک ہوں، ایک حقیر ذرہ ہوں آپ کے لئے لیکن میرا وطن، میرا پیارا وطن، ڈیڈی شاید ترازو کے دو پلڑوں میں اگر ایک طرف آپ کو رکھا جائے، دوسری طرف میرے وطن کے نام کو...... تو میں اپنے وطن کے نام کو وزنی دیکھنا پسند کروں گا...... آپ کو نہیں...... آپ میرے باپ ہیں، میرے جنم داتا ہیں...... آپ لیکن جس مٹی سے میں نے جنم لیا ہے۔ وہ میرے سینے پر زیادہ بھاری ہے...... آہ ڈیڈی کاش، کاش وہ سب کچھ نہ ہو جو میں سوچ رہا ہوں...... کاش کوئی ایسی بات ہو جائے جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ آپ وہ نہیں ہیں جو میرے سامنے آئے ہیں۔" وہ گویا اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا...... مرزا طاہر بیگ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے لیکن پھر اس نے یہ آنسو خشک کر ڈالے...... ہر چیز اس کی جگہ رکھی...... دروازے تک پہنچا اور واپس پلٹ کر بڑبڑایا۔

"ڈیڈی! آپ کو میں انتہا تک تلاش کروں گا...... چاہے اس کے لئے مجھے اپنی جان کی قربانی کیوں نہ دینی پڑے...... کاش میں بھی وطن کے لئے ان شہیدوں میں اپنا نام لکھوا جاؤں جو وطن پرستی میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔" وہ آہستہ سے دروازہ بند کر کے اپنی رہائش گاہ کی جانب چل پڑا...... دوسرے دن ناشتے کی میز پر سب ہی موجود تھے...... مرزا طاہر بیگ ان دنوں تکدر کا شکار رہتا تھا...... رات کی ناکامی سے وہ ایک عجیب سی کیفیت میں مبتلا ہو گیا تھا، جسے کوئی نام نہیں دے سکتا تھا، لیکن بس ذہن پر بحران سا سوار رہتا تھا اور شاید اس بات کو اس کے بڑے بھائی اطہر نے محسوس کر لیا...... کہنے لگا۔

"طاہر تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" طاہر نے چونک کر اپنے بھائی کی طرف دیکھا اور بولا۔

"کیوں بھائی صاحب...... خیریت؟"

"نہیں نیر بھی کہہ رہی تھی کہ طاہر ان دنوں کچھ اُلجھا اُلجھا سا ہے...... کوئی بات ہے؟"

"نہیں...... نیر بھابی آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"بھئی...... اس وقت بھی دیکھو...... ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے بے خوابی کا شکار رہے ہو...... چہرے کی اُڑی ہوئی رنگت بتا رہی ہے، ویسے میں تو اطہر سے کہہ رہی تھی کہ اب طاہر

کے لئے بھی کچھ سوچو۔"

"کیا؟" طاہر نے کہا۔

"بھئی تمہاری شادی کرنی ہے ہمیں۔"

"لیجئے...... کیوں بھابی کوئی غلطی ہو گئی ہے مجھ سے۔" طاہر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا...... یعنی جب انسان سے کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو اس کی شادی کر دی جاتی ہے؟"

"شادی بذات خود ایک غلطی ہے۔"

"سن رہے ہیں آپ ڈیڈی! اپنے صاحبزادے کی باتیں۔" نیر بھابی نے مسکراتے ہوئے مرزا عظم بیگ و مخاطب کیا جو کسی خیال میں ڈوبا ہوا تھا...... وہ چونک کر بولا۔

"ایں...... کیا مجھ سے کچھ کہا؟"

"آپ کہاں کھوئے ہوئے تھے ڈیڈی؟"

"نہیں کوئی خاص بات نہیں۔"

"یہ طاہر کو دیکھ رہے ہیں آپ...... کیسا بیمار بیمار سا لگ رہا ہے۔" مرزا اعظم بیگ نے چونک کر طاہر کو دیکھا اور بولا۔

"ارے ہاں...... اس کی آنکھوں میں تو حلقے پڑ گئے ہیں...... خیریت کیا بات ہے طاہر...... بیمار ہو تو مجھے کیوں نہیں بتایا۔" طاہر چند لمحے سوچتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

"بیماری ایسی ہے ڈیڈی! جس کے بارے میں کچھ بتاتے ہوئے عجیب سا لگتا ہے۔"

"کیوں کیا ہوا خیریت؟" مرزا اعظم بیگ نے چونک کر پوچھا۔

"خیریت...... ہم تو خیریت سے ہیں لیکن بے شمار افراد خیریت سے نہیں ہیں...... میں اکثر راتوں کو یہ سوچتا رہتا ہوں ڈیڈی کہ ان مظلوم لوگوں کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہئے؟"

"کن مظلوم لوگوں کی بات کر رہے ہو بھئی...... تم تو ویسے بھی ذرا لیڈر ٹائپ کے آدمی ہو...... اب کون سے مظلوم طبقے کی بات سامنے لے آئے ہو؟"

"ڈیڈی چند روز پہلے ایک عجیب واقعہ ہوا ہے اور میں یہ سوچتا ہوں کہ آپ نے پچیس لاکھ روپے سالانہ کی رقم جس ہسپتال کے لئے مخصوص کی ہے یا پینتالیس لاکھ روپے سے منشیات کے عادی افراد کے لئے شعبہ بنایا ہے، وہاں موجود ذمے دار افراد آپ کی دی ہوئی رقم

سے عیش کر رہے ہیں...... خوب مزے لے رہے ہیں...... ان لوگوں کے لئے کچھ نہیں ہے جن کیلئے آپ نے اپنے درد مند دل سے کام لیتے ہوئے اتنی بڑی رقومات خرچ کر ڈالی ہیں۔"

"کیوں کیا ہوا؟" مرزا اعظم بیگ نے چونک کر سوال کیا اور طاہر گزرے ہوئے واقعات بتانے لگا۔

"اس نوجوان کو میں بری حالت میں ہسپتال لے گیا تھا، وہ نہیں جانتے تھے کہ میں آپ کا بیٹا ہوں...... جو طریقہ کار انہوں نے اختیار کیا اور رویہ اختیار کیا گیا اس کے نتیجے میں اس شخص کی موت واقع ہو گئی۔ ڈیڈی یہ ہے آپ کی دولت کا مصرف؟"

"اور تم مجھے اب بتا رہے ہو۔"

"بس ڈیڈی میں سخت بددل ہوں۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا...... ان لوگوں کو اس کی سزا ملے گی، میں کل ہی اس سلسلے میں ایکشن لیتا ہوں۔" ناظم بیگ اور اظہر بیگ خاموشی سے یہ تفصیل سن رہے تھے، صدف نے کہا۔

"میں تو کہتی ہوں ڈیڈی! جتنے ذمے دار منشیات فروش ہوتے ہیں اتنے ہی ذمے دار وہ لوگ بھی ہیں جوان کا علاج کرتے ہیں...... اس علاج سے اگر گردن موڑی جائے تو میں سمجھتی ہوں کہ وہ لوگ قابل سزا ہیں۔"

"میں اس سلسلے میں پورا پورا ایکشن لوں گا، تم لوگ بے فکر رہو۔" بعد میں جب مرزا اعظم بیگ اپنی جگہ سے اُٹھ گیا اور باقی لوگ بھی ناشتے کی میز سے چلے آئے تو طاہر نے صدف سے کہا۔

"صدف کیا خیال ہے آؤ بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔"

"چلئے بھائی جان! میں خود اس سلسلے میں کئی ایسے لوگوں کو دیکھ چکی ہوں...... ایک نوکرانی آتی ہے ہمارے ہاں کام کرنے کے لئے...... میری اس سے بات ہو گئی تھی اور میں نے بھی ایک کام کیا ہے۔"

"کیا؟"

"تین بچے تھے اس کے، شوہر ہیروئن استعمال کرتا تھا...... اسے مارتا تھا، ساری تنخواہ کے پیسے چھین لیا کرتا تھا...... ایک دن میں نے اس کے رخسار پر ایک زخم دیکھا تو اس سے

سوال کیا کہ یہ زخم کیسا ہے؟ پہلے تو وہ ٹالتی رہی اور آخر کار پھٹ پڑی...... اس نے اپنے شوہر کے بارے میں تفصیلات بتائیں، پھر بھائی جان! میں نے اپنے ملازموں کی مدد سے اس آدمی کو پکڑ دیا اور ہسپتال پہنچا دیا...... اب میں اس کی مکمل نگرانی کرتی ہوں۔"

"اگر ہم منشیات فروشوں کے خلاف کوئی قدم اُٹھانے کی کوشش کریں صدف تو کیا تم اس میں میرا ساتھ دو گی؟"

"خدا کی قسم دل و جان سے۔"

"اور اگر وہ منشیات فروش کچھ ایسے لوگ نکلیں، جن سے ہمارے قریبی رابطے ہوں تو تمہارا کیا ردعمل ہوگا؟"

"دیکھیں بھائی جان! انسان جب نیکیوں کے راستوں پر چلتا ہے تو پھر اپنے یا پرائے نہیں دیکھنے چاہئیں۔ ورنہ وہ کسی بھی کام میں مخلص نہیں ہو سکتا۔"

"سوچ لو صدف یہ بہت بڑا مشن ہے جو ہم لے کر چلیں گے...... اس کے لئے ہمیں بہت سے نقصانات اٹھانے پڑیں گے"۔

"اگر ہمارے اس مشن سے کچھ لوگوں کی زندگی سنور جاتی ہے تو میں سمجھتی ہوں کہ ہمیں اس کے لئے جان دے دینی چاہئے...... اگر دل میں جذبے پیدا ہوں تو اسی پیمانے پر پیدا ہونے چاہئیں، ورنہ منافقت بے معنی چیز ہوتی ہے۔"

"سچ کہہ رہی ہو صدف؟"

"دل و جان سے بھائی جان! آپ آزما کر دیکھ لیجئے۔"

"ٹھیک ہے...... تو پھر اس مشن کا آغاز کرنا ہی ہوگا۔" مرزا طاہر بیگ نے کہا اور پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔

❀❀❀

رمضان خان سارے معاملات سے گزر تھا...... جنونی قسم کا آدمی تھا، جاہل، مکمل طور سے غیر تعلیم یافتہ، دولت کے لئے سب کچھ کر ڈالنے والا...... چوبیس افراد ہلاک ہو گئے تھے، لیکن اس کے دل میں خوف خدا پیدا نہیں ہوا تھا...... کچھ بھی نہیں سوچا تھا اس نے اس بارے میں...... بس اپنے طور پر اپنا دفاع کرتا رہا تھا...... پیسے اتنے مل گئے تھے کہ دل پر کوئی داغ نہیں آسکا تھا...... مرنے والے مر گئے...... انہیں مرنا ہی تھا...... اس دوران جس طرح انکوائری ہوتی رہی...... اس نے پوری ہمت کے ساتھ سب کچھ برداشت کیا تھا اور آخر کار رہا ہو گیا تھا...... رہا ہونے کے بعد اس نے کئی دن تک خاموشی اختیار کئے رکھی...... ڈاکٹر حیات سے بھی کوئی رابطہ نہیں قائم کیا گیا تھا...... اہل خاندان ان سارے معاملات سے ہمیشہ ہی بے نیاز رہا کرتے تھے...... اب بھی انہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ رمضان خان کیا کر بیٹھا ہے، پھر اس نے خود ہی ڈاکٹر حیات سے رابطہ قائم کیا۔ اکٹر حیات نے اسے ہدایت کر دی تھی کہ کبھی کلینک وغیرہ میں اس سے بات نہ کرے، بلکہ گھر ٹیلی فون کرے اور ٹیلی فون بھی اپنے گھر سے نہ کرے، بلکہ کسی پبلک کال بوتھ سے کرے، چنانچہ اس نے ایک پبلک کال بوتھ سے ڈاکٹر حیات کو فون کیا اور دوسری جانب سے اس کی آواز پہچان کر بولا۔

"رمضان خان بول رہا ہے صاب...... آپ کا خادم، آپ کا غلام۔"

"کیا بات ہے؟" دوسری طرف ڈاکٹر حیات کا لہجہ ترش تھا۔

"صاحب یہ معلوم کرنا ہے کہ آگے میرے کو کیا کرنا ہے؟"

"ابھی تک تمہیں اکیلا چھوڑا گیا ہے۔"

"نہیں...... مائی باپ...... وہ تو میرے کو معلوم ہے کہ آپ لوگ ایسا نہیں کرتے ہو۔"

"تو پھر تمہارے اوپر یہ مصیبت کیوں سوار ہوئی ہے؟"

"صاحب ہدایت تو لینا ہوتی ہے ناں......ڈائریکٹر صاحب سے۔"

"ڈائریکٹر کے بچے! جب تک میں خود تم سے کوئی بات نہ کہوں...... ادھر آنے کی کوشش مت کرنا......نہ کلینک، نہ گھر تم سے میرا کوئی رابطہ ظاہر نہیں ہونا چاہئے۔"

"ابھی صاحب! اس سے پہلے کبھی ایسا ہوا ہے۔" رمضان خان کچی گولیاں نہیں کھیلا ہوا......"پولیس والا لوگ نے کیا کیا کوشش نہیں کی مگر رمضان خان۔"

"گدھے...... ٹیلی فون بند کرو اور یہ بکواس بالکل بند کردو...... کیا تم پاگل ہوگئے ہو یا کوئی نشے کی چیز کھالی ہے؟"

"ابھی ٹھیک ہے صاحب! اگر غلطی ہوا تو معافی۔" رمضان خان نے کہا اور اس کے بعد ٹیلی فون بند کردیا، لیکن وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ اس سے کچھ فاصلے پر کوئی اس کی نگرانی کررہا ہے...... یہ نگرانی تو اسی دن سے جاری تھی جب سے وہ رہا ہوا تھا......ایک سایہ سا ہمیشہ اس کے پیچھے لگا رہتا تھا لیکن رمضان خان اس پائے کا آدمی نہیں تھا کہ ایسی باتوں کو محسوس کرلیتا......وہ اس طرف توجہ بھی نہیں دے سکتا تھا......اس وقت بھی وہ سایہ اس کے پیچھے لگا ہوا تھا......رمضان خان ٹہلنے والے انداز میں آگے بڑھا......پان کی ایک دکان پر پہنچا اسے پان کھانے کا شوق تھا......دکان کھلی ہوئی تھی اس نے اپنی پسند کا پان لیا اور اس کے بعد وہاں سے آگے بڑھا...... تھوڑی دیر کے بعد ایک سیاہ رنگ کی کار اس کے پاس آکر رُک گئی اور کھڑکی سے ایک آدمی نے گردن نکال کر کہا۔

"رمضان خان اندر آجاؤ۔" رمضان خان چونک کر اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"کیا ہوا تجھے بھئی؟"

"بکواس بند کرو اور اندر آجاؤ۔"

"ارے......ارے......ارے...... میرا تیرا کیا واسطہ؟"

"تمہیں بلایا گیا ہے اور تم اتنی سی بات نہیں سمجھتے جسے ابھی فون کررہے تھے اسی نے مجھے بھیجا ہے۔" رمضان خان ایک لمحے کے لئے سوچ میں ڈوبا، تو اس شخص نے کہا۔

"تمہارا دماغ واقعی خراب معلوم ہوتا ہے...... کیا سڑکوں پر اتنی بات سوچی جاتی ہے۔"

"ٹھیک ہے پہلوان...... ابھی تم رمضان خان کو بزدل مت سمجھو...... تم کوئی بھی ہو چلو چلتے ہیں۔" پھر رمضان خان پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا تھا اور کار اسٹارٹ ہوکر چل پڑی تھی۔

"ابھی بولو...... میں کس کو فون کرتا تھا؟"

"رمضان خان! کیا اس بات کا موقع ہے کہ تم ایسی بات پوچھو؟"

"یار کمال کرتے ہو تم لوگ بھی...... جب اپنا مطلب ہوتا ہے تو خان صاحب! خان صاحب! کرتے ہو اور کام نکل جاتا ہے تو تمہارا لہجہ اتنا خراب ہوجاتا ہے کہ غصہ آنے لگتا ہے۔"

"دیکھو رمضان خان! میں تو ملازم قسم کا آدمی ہوں...... تمہیں بلا کر لانے کی ہدایت کی گئی ہے اور میں لے آیا ہوں۔" پھر رمضان خان کو ایک ہوٹل میں لے آیا گیا اور ہوٹل میں ایک کمرے میں پہنچا کر کہا گیا۔

"تم یہاں بیٹھو...... کوئی تم سے ملے گا اور تمہیں تمام صورت حال بتادے گا۔" پھر جو شخص رمضان خان کے پاس پہنچا تھا اس کے چہرے پر نقاب لگی ہوئی تھی...... رمضان خان کافی پریشان ہوگیا تھا...... یہ عجیب سی مشکل آپڑی تھی اس پر......اس نے نقاب پوش کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے صاحب؟ میرے کو ادھر کیوں بلا کر لائے ہو؟"

"دیکھو رمضان خان، تم نے جو کچھ کیا ہے وہ معمولی نوعیت کا ہے...... ہم مستقل طور پر تمہارے تحفظ کے بارے میں غور کرتے رہے ہیں اور یہ فیصلہ کرتے رہے ہیں کہ تمہیں کیا کرنا چاہئے......پولیس یقینی طور پر تمہیں آسانی سے نظر انداز نہیں کرے گی...... تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ شروع سے لے کر اب تک پولیس کا ایک آدمی تمہارے پیچھے لگا رہا ہے۔"

"سی آئی ڈی والا؟"

"ہاں۔"

"میں نے نہیں دیکھا صاحب!"

"وہ لوگ اتنے چالاک ہوتے ہیں کہ تم انہیں دیکھ بھی نہیں سکتے۔"

"تو پھر اب میں کیا کروں؟"

"رمضان خان! پولیس والے بڑے چالاک ہوتے ہیں...... تمہیں بے شک چھوڑ دیا گیا

ہے، لیکن وہ مسلسل تمہاری نگرانی کر کے معلومات حاصل کر رہے ہیں...... تم احتیاط بھی نہیں کر رہے۔"

"صاحب! مجھے کچھ نہیں معلوم...... یہ سارا کام میں نے پہلے تو نہیں کیا۔"

"چوبیس افراد ہلاک ہوئے ہیں رمضان خان...... معمولی بات نہیں ہے...... تم اخبار بھی نہیں پڑھ سکتے...... ورنہ دیکھتے کہ اخبارات کتنا شور مچا رہے ہیں۔"

"مگر صاحب آپ کون ہو؟"

"بکواس بند کرو...... یہ فضول سوالات ہیں...... کیا اس سے پہلے سب لوگ تم سے۔"

"نہیں صاحب! میں ایسے ہی پوچھ بیٹھا۔"

"سنو...... جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ غور سے سنو...... اب اس کے بعد تم گھر سے باہر نہیں نکلو گے...... اپنے گھر میں مقیم رہو گے...... ایک یا دو دن کے اندر تمہیں کاغذات دے دیئے جائیں گے، جن میں تمہارا پاسپورٹ وغیرہ بھی ہو گا اور پھر تم یہ ملک چھوڑ دو گے۔"

"ابھی صاحب کیسے چھوڑ دوں گا یہ ملک...... ادھر میرے سارے بیوی بچے لوگ بھی رہتے ہیں۔"

"ایک مہینے کے لئے رمضان خان...... صرف ایک مہینے کے لئے...... ہم اس دوران سارا بندوبست مکمل کر لیں گے...... ایک مہینے کے بعد تم خوشی کے ساتھ واپس آ سکتے ہو۔"

"اگر ایسا ہے صاحب! تو ٹھیک ہے پھر، پھر میرے کو اعتراض نہیں ہے۔"

"اب چلو اُٹھو...... تمہیں تمہارے گھر پہنچا دیا جائے، لیکن جو ہدایت دی گئی ہے اس کا خیال رکھنا...... نہ کسی کو ٹیلی فون پر کچھ کہنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی کا ٹیلی فون تم ریسیو کرو گے...... تمہیں دھوکہ بھی دیا جا سکتا ہے...... تمہارے گھر کوئی ٹیلی فون آئے تو اپنے گھر والوں سے کہہ دینا کہ منع کر دیں کہ رمضان خان موجود نہیں ہے اور خود بھی کسی کو فون نہ کرنا...... تم نہیں جانتے...... پولیس والے کس انداز میں دھوکہ دہی کرتے ہیں۔" اور رمضان خان نے خوفزدہ انداز میں گردن ہلا دی، پھر اسی بند گاڑی میں اسے اس کے گھر پہنچا دیا گیا تھا...... رمضان خان کے سارے شبہات رفع ہو گئے تھے جو لوگ اسے اتنی آسانی سے لا کر اس کے گھر چھوڑ دیں وہ غلط نہیں ہو سکتے، پھر دو دن کے بعد اسے اس کے کاغذات اور پاسپورٹ وغیرہ مل گئے، لیکن اس ہدایت کے ساتھ کہ گھر والوں کو صرف اتنا بتائے کہ وہ

ملک سے باہر جا رہا ہے...... کہاں جا رہا ہے یہ کچھ نہ بتائے...... رمضان خان نے ایسا ہی کیا اپنے گھر والوں کو تفصیلات اس نے بتا دی تھیں کہ وہ ملک سے باہر جا رہا ہے اور اس کے بعد وقت مقررہ پر جس کی اسے ہدایت کر دی گئی تھی، وہ خاموشی سے ایک ٹیکسی پر بیٹھ کر ایئرپورٹ پہنچ گیا...... کاغذات مکمل تھے، ٹکٹ مکمل تھا، ساری چیزیں مکمل تھیں، ٹیکسی اسے لے کر چل پڑی لیکن ایئرپورٹ کے راستے میں ایک سنسان جگہ ٹیکسی ایک ذیلی سڑک پر مڑ گئی اور رمضان خان نے چونک کر ٹیکسی ڈرائیور کو دیکھا...... ٹیکسی ڈرائیور نے ٹیکسی روک دی اور پستول کا رُخ رمضان خان کی طرف کر کے بولا۔

"نیچے اترو۔"

"ارے کیا بات ہے؟ تم میرے کو لوٹنا چاہتے ہو...... میرا دوسرے ملک جانے کا ٹائم ہے، جہاز کو دیر ہو جائے گا۔"

"فکر نہ کرو رمضان خان...... دوسرے ملک بھی چلے جاؤ گے لیکن اگر تیسرے ملک جانا چاہتے ہو یعنی آسمان کی طرف تو دیر نہ کرو، یہ پستول چلنے کے لئے بے چین ہے۔" رمضان خان بحالت مجبوری نیچے اتر آیا تھا، پھر جس جگہ ٹیکسی رُکی ہوئی تھی وہاں سے دو تین آدمی اور نمودار ہوئے...... ان میں سے ایک شخص قریب پہنچا اور رمضان خان اسے دیکھ کر حیران رہ گیا...... وہ رمضان خان ہی کی شکل و صورت کا تھا...... رمضان خان آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھنے لگا...... تب بریف کیس، کاغذات، تمام چیزیں اس کے حوالے کر کے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا گیا کہ رمضان خان کو مطلوبہ جگہ پہنچا دو...... اسے ملک سے باہر جانا ہے...... یہ الفاظ ادا کرنے والے کے چہرے پر بھی نقاب تھی...... اس شخص کو ٹیکسی پر بٹھا کر روانہ کر دیا گیا اور رمضان خان کو ایک اور گاڑی میں بٹھا کر روانہ کر دیا گیا جو وہیں ذیلی سڑک پر کھڑی ہوئی تھی اور اس کے بعد رمضان خان کو ایک عمارت میں لے جا کر قید کر دیا گیا...... رمضان خان نے خاصا شور مچایا تھا لیکن کسی نے اس کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا اور اب وہ اس جگہ قیدی بنا ہوا تھا لیکن یہ باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں کہ یہ کن لوگوں نے کام کیا ہے...... اس کے سرپرستوں نے یا پولیس نے؟

عدنان واسطی بے پناہ خوش تھے، بیوی سے اس موضوع پر مسلسل بات ہوتی رہتی

تھی...... ادھر نعیمہ بیگم کی جانب سے بھی مسلسل ہی رابطہ تھا اور کئی بار اس موضوع پر گفتگو ہو چکی تھی، وہ بڑی نفاست سے سارے کام سر انجام دے رہی تھیں...... بیٹے کی شادی کی آرزو دل میں تھی...... شہاب کی بہن جو شادی شدہ تھی اور دوسری بہنیں بھی تیاریوں میں مصروف ہو گئی تھیں اور واسطی صاحب ایک عجیب سی کیفیت کا شکار تھے، کیونکہ اس کے بعد سے اب تک شہاب کا رابطہ نہیں ہو سکا تھا...... دل چاہتا تھا کہ ایک بار شہاب سے اس موضوع پر ضرور گفتگو کریں اور اس سے پوچھیں کہ یہ سب کچھ صرف ایک خواب تو نہیں ہے، ہمت نہیں پڑتی تھی بیٹی کے باپ تھے، پھر ایک دن اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے...... اس خوشی کو اپنے کانوں سے سننا چاہتے تھے، اس خبر کو اپنے دل میں اتار لینا چاہتے تھے...... شہاب کو تلاش کر لیا تھا انہوں نے اور آخر کار فون پر اس سے رابطہ قائم ہو گیا تھا۔

"شہاب میاں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"آپ حکم دیجئے کہاں حاضر ہو جاؤں؟"

"اگر مصروفیت نہ ہو تو دفتر آ جاؤ۔"

"ٹھیک ہے میں پہنچ رہا ہوں۔" اور پھر وہ شہاب کا انتظار کرنے لگے، بینا اب دفتر میں بہت کم آتی تھی...... انہوں نے مخصوص کمرے میں شہاب کا استقبال کیا جو سادگی سے ان کے سامنے پہنچ گیا تھا...... شہاب کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"شہاب اتفاق کی بات ہے کہ اس وقت میں نے تمہیں کسی عدالتی کیس کے سلسلے میں تکلیف نہیں دی ہے بلکہ ایک ذاتی پریشانی آ پڑی ہے اور اس میں تمہیں شریک کرنا چاہتا ہوں۔"

"خیریت؟" شہاب ایک دم سنجیدہ ہو گیا...... بے شمار وسوسے اس کے دل میں سر اُبھارنے لگے تھے، واسطی صاحب نے کہا۔

"شہاب میں کوئی ڈرامائی کیفیت نہیں پیدا کرنا چاہتا، بینا کے لئے تمہاری والدہ نے رشتہ دیا ہے اور اس سلسلے میں زور و شور سے کارروائیاں شروع ہو گئی ہیں، میں بھلا اس رشتے سے انکار کرنے کے بارے میں کیسے سوچ سکتا تھا، کیونکہ میرے لئے تو یہ خوشیوں کا پہاڑ ہے جسے سنبھالنا بھی میرے لئے انتہائی مشکل ہے، لیکن پھر بھی میرا دل یہ چاہ رہا تھا کہ میں تم سے اس موضوع پر بات کروں اور جس طرح بھی بن پڑے ایک بار تم سے کچھ سوالات ضرور کروں۔"

"جی۔"

"پہلی بات یہ کہ کیا واقعی بینا کے لئے تمہارا یہ رشتہ تمہاری خواہش کے مطابق ہے؟"

"جی ہاں۔" شہاب نے بڑے اعتماد کے ساتھ جواب دیا اور واسطی صاحب کا چہرہ کھل اُٹھا۔

"بے حد شکریہ اس بچی کی تقدیر کے ستارے شروع ہی سے روشن تھے اور نہ جانے کیوں میرا دل کہتا تھا کہ آخر کار ایک دن اسے وہ مقام حاصل ہو گا جو کسی کے تصور میں بھی نہیں ہو گا اور یہی وہ مقام ہے شہاب جس کی آرزو والدین کیا کرتے ہیں۔

"آپ کا بے حد شکریہ کہ آپ مجھے یہ مقام دیتے ہیں۔"

"شہاب اصولی طور پر ایک باپ کی حیثیت سے مجھے تم سے یہ تمام باتیں نہیں کرنی چاہئے تھیں، لیکن میں اپنی خوشیوں کو نہیں دبا سکا...... میرا دل بے اختیار یہ چاہ رہا تھا کہ ایک بار تمہاری زبان سے بھی یہ سب کچھ سنوں اور تم نے مجھ پر اک بیٹے ہم پر یہ احسان عظیم تم نے کر دیا ہے، ہم سے بھی تو کچھ مانگو، ہم سے بھی تو کچھ لو، پھر خود ہی ہنسی آتی تھی یہ سوچ کر کہ ہم تمہیں کیا دے سکیں گے بہر حال اب میں ذہنی طور پر مطمئن ہو گیا ہوں اور دل چاہتا ہے کہ تم سے کہوں کہ شہاب مجھ سے وہ بات کرو جو مجھے ذہنی طور پر خوشیاں بخشے اور میرے اس احساس کو مکمل کر دے۔"

"میں آپ سے کچھ مانگنا چاہتا ہوں واسطی صاحب!" شہاب نے کہا اور واسطی صاحب چونک پڑے۔

"ایں کیا؟" ان کا چہرہ ایک دم ست ہو گیا تھا۔

"واسطی صاحب بات دراصل میں یہ ہے کہ مستقبل میں بینا اور میں اپنے کام جاری رکھیں گے، بینا کے ساتھ کچھ ایسا ربط ہو گیا ہے کہ بینا میرے معاملات کو سمجھتی ہے اور انہیں میری خواہش کے مطابق سر انجام دے سکتی ہے، ایسی صورت میں مجھے اپنے معاملات میں بینا کی اشد ضرورت رہے گی...... واسطی صاحب ہم جیسے لوگوں کو ضرورت سے زیادہ منظر عام پر نہیں آنا چاہئے...... کسی بھی شکل میں، میں نہیں جانتا کہ اکلوتی بیٹی کے سلسلے میں آپ کے ذہن میں کیا کیا تاثرات ہوں گے لیکن میری خواہش ہے کہ صرف چند افراد کے ساتھ میں یہ شادی کر لوں اور اس میں کوئی ہنگامہ خیزی نہ ہو، یہ میرے مقصد کے لئے بہت ضروری ہے۔" واسطی صاحب تعجب سے شہاب کو دیکھتے رہے پھر بولے۔

"نہیں بالکل نہیں یقین کرو میرے مزاج کی بات ہے، میں تو خود یہی چاہتا تھا کہ اس میں کوئی اور بات نہیں ہے لیکن در حقیقت جو رسومات ہم نے اپنے آپ پر مسلط کرلی ہیں ان کے بارے میں ہمیں یہ یقین ہے کہ وہ بہتر نہیں ہیں، لیکن پھر بھی ہم روایات کی غلامی کرتے ہیں...... اگر ہم خود ہی ان روایات کو توڑنے پر آمادہ ہو جائیں تو کم از کم ہمیں ذہنی اطمینان تو ہوتا ہے لیکن تمہارے اپنے اہل خاندان۔"

"انہیں میں سنبھال لوں گا۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" واسطی صاحب نے جواب دیا پھر بہت ساری خوشیوں کے ساتھ انہوں نے شہاب کو رخصت کیا اور شہاب وہاں سے چلا آیا...... واسطی صاحب سے اپنی دل کی بات کہہ دی تھی، اپنے اہل خاندان کو بھی اب اس سلسلے میں تیار کرنا تھا، چنانچہ اس شام اس نے خود ہی یہ میٹنگ طے کی اور ہنستے ہوئے کہنے لگا۔

"خواتین و حضرات آپ لوگوں کی ہنگامہ خیزیاں دیکھ رہا ہوں...... ہر شخص اپنے اپنے طور پر شور شرابے میں مصروف ہے، نہ جانے کیا کیا تیاریاں ہو رہی ہیں...... مجھے واقعی اس بات کا دلی افسوس ہے کہ آپ لوگوں کی ان خواہشات کی تکمیل میرے لئے ممکن نہیں ہو گی۔" سب کے منہ حیرت سے کھل گئے تھے...... شہاب کے چہرے کی سنجیدگی یہ بتا رہی تھی کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے وہ کسی سنگین نوعیت کی بات ہے...... نعیمہ بیگم رندھی ہوئی آواز میں بولیں۔

"کیا بک رہا ہے تو کیا بات ہے؟"

"سچ کہہ رہا ہوں امی۔"

"کیا فضول بک بک لگا رکھی ہے۔" فائق حسین نے غصیلی آواز میں کہا۔

"بھائی جان کچھ مشکل ہی ایسی پیش آگئی ہے۔"

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا واسطی صاحب تیاریوں میں مصروف ہیں، اپنے اہل خاندان میں بھی انہوں نے یہ بات کہہ دی ہو گی اور ہم لوگ بھی اس بات کا چرچا کر چکے ہیں...... یہ کیا حماقت کی بات کر رہے ہو تم۔"

"اصل میں یہ بات تو آپ کو علم ہے کہ میں سرکاری نوکر ہوں اور ایک ایسے محکمے سے تعلق رکھتا ہوں جس پر شدید ذمے داریاں ہوتی ہیں اور میں نے ان ذمے داریوں کو پورا

کرنے کا حلف اٹھایا ہے، ایسی صورت حال میں سب سے پہلے مجھے اپنے اس منصب کا خیال رکھنا ہے جس کے لئے مجھے مخصوص کیا گیا ہے...... شادی ایک ایسا مسئلہ ہے کہ اس کے بعد بہت سی ذمے داریاں سر پر آپڑتی ہیں، میری بات میرے افسر اعلیٰ سے ہوئی تھی، وہ اس بات سے پریشان تھے...... ان کا کہنا خاص طور سے یہ تھا کہ شادی میں مجھے جو شہرت حاصل ہو گی وہ بہت سے معاملات میں ہمارے راستے روک سکتی ہے...... اس لئے یا تو شادی اتنی سادگی سے ہو کہ اس کی کوئی ایسی بات محسوس نہ کی جائے یا پھر شادی ہو ہی نا تو زیادہ بہتر ہے...... آزادی حاصل رہے گی۔"

"دماغ خراب ہے ان افسر اعلیٰ صاحب کا کیا انہوں نے خود شادی نہیں کی۔"

"وہ شادی شدہ ہیں۔"

"تو پھر تو یہ سمجھ لو کہ حماقت کی بات کر رہے ہیں وہ۔"

"افسر اعلیٰ جو ٹھہرے۔"

"دیکھو شہاب اس بات میں مذاق نہیں برداشت کیا جاسکتا۔" فائق حسین نے کہا۔

"تو پھر بھائی جان صرف ایک ہی ترکیب ہو سکتی ہے، صرف ہم اہل خاندان خاموشی سے اس شادی میں شرکت کریں، فرائض پورے کر لئے جائیں اور بس خاموشی سے یہ کام کر لیا جائے، اس میں کوئی اضافی بات نہیں ہونی چاہئے۔"

"تو یہ تو ٹھیک ہے مگر تو، تو سرے سے ہی انکار کر رہا ہے۔" نعیمہ بیگم جلدی سے بولیں۔

"آپ سوچ لیجئے آپ کے ارمان مٹی میں مل جائیں گے میں یہ نہیں چاہتا۔"

"نہیں کوئی ارمان مٹی میں نہیں ملیں گے، شادی کرنی ہے تجھے۔"

"ٹھیک ہے جیسا آپ پسند کریں۔"

"مگر امی واسطی صاحب۔" فائق حسین نے کہا۔

"انہیں سمجھالیں گے ساری صورت حال بتادیں گے، ان بیچاروں کو بھلا اس بات پر کیا اعتراض ہو گا۔" نعیمہ بیگم نے کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے آپ اس سلسلے کو اسی انداز میں لیجئے گا، میں اپنے طور پر اپنے افسر اعلیٰ کو سمجھالوں گا۔" شہاب نے آہستہ سے کہا بہر حال جو کچھ وہ چاہتا تھا وہ پورا ہو گیا تھا اور اب اس کے بعد انتہائی سادگی سے باقی سارا کام بھی سر انجام پا جانا تھا، اس سلسلے میں بینا سے بھی

ملاقات ہوئی تو بینا نے گردن جھکا کر کہا۔

”واقعی پروگرام بہت اچھا ہے اور مجھ سے یہ کہہ رہے تھے۔“ شہاب نے مسکراتی نگاہوں سے بینا کو دیکھا اور بولا۔

”کیسی بے تکلفی سے اپنی شادی کے بارے میں بات چیت کر رہی ہو۔“

”دیکھو شہاب میں ایک بات کہے دیتی ہوں مذاق نہیں اُڑاؤ گے بالکل میرا سمجھے۔“

بہرحال شہاب نے واقعی اس سلسلے میں بھی ایک کارنامہ ہی انجام دیا تھا، بڑی سادگی سے یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور آخرکار ایک دن کا تعین بھی ہو چکا تھا...... نعیمہ بیگم نے بڑے حسرت بھرے انداز میں شہاب سے پوچھا۔

”ایک بات کہوں شہاب برا تو نہیں مانو گے؟“

”جی امی فرمایئے؟“

”دلہن رخصت ہو کر اسی گھر میں آئے گی نا؟“

”کیا مطلب؟“

”میرا مطلب ہے کہ تم کہیں اور تو ٹھکانہ نہیں بنا رہے؟“ جواب میں شہاب نے ایک گھن گرج قہقہہ لگایا اور بولا۔

”اپنے ٹھکانوں کو چھوڑنے والے ہمیشہ ذلیل و خوار رہتے ہیں...... امی یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں۔“ نعیمہ بیگم کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے ٹپکنے لگے۔

❁❁❁

لائڈ تو ہمیشہ ہی کا دیوانہ تھا...... زندگی کی بازی لگانا اس کے لئے ایک حسین کھیل تھا، حالانکہ ہیکٹر نے جھانک کر نیچے دیکھا تھا، پھر اس پائپ کی مضبوطی کا اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی اور اس کے بعد لائڈ سے کہا تھا۔

”دیکھو ڈیئر یہ ایک ایسا ملک ہے جہاں تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کون سی چیز کس حیثیت کی حامل ہو گی، جو کچھ تم کر رہے ہو یہ خوفناک ہے، ہم کوئی اور طریقہ کار استعمال کرتے ہیں۔“

”تمہارے ذہن میں اگر کوئی اور طریقہ کار ہو تو مجھے بتاؤ؟“

”مگر بات، تو سنو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچ جائے، بہت گہرائی ہے۔“

”تم فکر مت کرو بلکہ جس طرح بھی بن پڑے اپنے طور پر اپنے تحفظ کی کوشش کرو۔“ لائڈ نے کہا اور اس کے بعد وہ بڑی مردانگی کے ساتھ عقبی کھڑکی سے باہر نکلا اور ہوٹل کی پچھلی عمارت پر بکھرے ہوئے پائپوں میں سے ایک پائپ کو پکڑ کر نیچے پھسلنے لگا، وہ نچلی منزل پر جا رہا تھا جہاں پائپ کے نزدیک ویسی ہی کھڑکی کھلی ہوئی تھی...... جیسی کھڑکی سے یہ باہر نکلا تھا...... اس کا ساتھی ہیکٹر اسے دیکھ رہا تھا...... لائڈ نے ایک مضبوط رسی اپنی کمر سے باندھی ہوئی تھی اور اوپر سے ہیکٹر اسے آہستہ آہستہ ڈھیل دے رہا تھا...... یہاں تک کہ لائڈ ایک منزل سے گزر کر دوسری منزل پر پہنچ گیا، لیکن جس منزل پر پہنچا تھا وہ بھی ہوٹل کی عمارت کی تیرہویں منزل تھی اور اسے نیچے گہرائیوں میں سڑک پر گاڑیاں چلتی پھرتی نظر آ رہی تھیں...... مدہم مدہم روشنیاں بہت ہی باریک لائڈ نیچے اترتا رہا پھر وہ اس کھڑکی پر پہنچ گیا جو اس کی مطلوبہ جگہ تھی...... اس نے اپنا بہت ہی اعلیٰ درجے کا کیمرا نکالا اور ایک جگہ پاؤں ٹکا کر کارروائی کرنے لگا، ننھا سا مووی کیمرا اچل گیا تھا...... اندر اسے کچھ افراد نظر آ رہے تھے،

لیکن یہ دیکھ کر اس کی مایوسی انتہا کو پہنچ گئی کہ ان سب کے چہروں پر نقابیں تھیں، البتہ وہ لوگ اب بھی بے نقاب تھے جن کا وہ ہانگ کانگ سے تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے تھے لائڈ اور ہیکٹر کا تعلق ایک بہت بڑے ملک کے نارکوٹکس ڈیپارٹمنٹ سے تھا اور منشیات کے سلسلے میں ان لوگوں کو بہت سے ایسے فرائض سر انجام دینے پڑتے تھے جو زندگی اور موت کے مترادف ہوتے تھے...... ایک گروپ کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہوئے یہ دونوں ہانگ کانگ پہنچے تھے اور گروہ کے تین افراد کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک آئے تھے، اس چینی کے بارے میں انہیں خاصی تفصیلات معلوم تھیں اور وہ اسی سے متعلق معلومات حاصل کر کے مقامی حکام کو ان کی اطلاع دینا چاہتے تھے جس کے لئے انہیں ان کے محکمے سے ہدایات ملی تھیں، جن لوگوں کا تعاقب کرتے ہوئے وہ یہاں تک پہنچے تھے...... وہ تیرہویں منزل پر موجود تھے...... یہیں سے انہیں اس میٹنگ کا علم ہوا تھا کیونکہ ہیکٹر اپنے طور پر ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں مصروف تھا، خاصی معلومات حاصل ہو چکی تھیں اور اب وہ اس میٹنگ کی کارروائی کو ریکارڈ کر کے مقامی حکام سے ملاقات کرنا چاہتے تھے اور انہیں معلومات فراہم کرنے کے خواہش مند تھے، لیکن ایسی معلومات جن کی تردید ممکن نہ ہو سکے، لائڈ زندگی کی بازی لگا کر اس کھڑکی تک پہنچا تھا لیکن اسے ان لوگوں کے چہرے نقابوں میں دیکھ کر مایوسی ہوئی تھی، تاہم اپنے طور پر وہ اپنی کارروائی کر رہا تھا، جس قدر بھی ممکن ہو سکے ٹھیک ہے، باقی سب کچھ بعد میں دیکھا جائے گا، اندر کی آوازیں مدہم مدہم اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھیں اور وہ اس سلسلے میں اپنی کارروائیوں سے مطمئن تھا...... یہ آوازیں بے شک وہ نہیں سن پا رہا تھا لیکن کم از کم اس کی ریکارڈنگ مشین ان آوازوں کو ریکارڈ کر رہی تھی، بہت زیادہ رسک نہیں لیا جا سکتا تھا...... یہی طے کر کے وہ نیچے اترا تھا کہ صرف چند منٹ اس میٹنگ کی کارروائی ریکارڈ کرے گا اور اس کے بعد واپس آ جائے گا، جب چند منٹ گزر گئے تو اوپر سے ہیکٹر نے رسی ہلا کر اسے آگاہ کیا کہ اب اسے واپس آ جانا چاہئے اور لائڈ نے نہ چاہنے کے باوجود اپنے دوست سے کئے ہوئے وعدے کا پاس کیا، اسی پائپ کے ذریعے وہ خطرناک سفر طے کرنے لگا، یہاں تک کہ اپنے کمرے کی کھڑکی تک پہنچا اور ہیکٹر نے اسے سہارا دے کر اوپر گھسیٹ لیا...... اس کے بعد آنکھیں بند کر کے گہری گہری سانسیں لینے لگا...... لائڈ نے اپنے بدن سے وہ تمام چیزیں کھول دی تھیں جن کے ذریعے وہ نیچے اترا تھا اور

اس کے بعد ایک صوفے پر بیٹھ کر ہانپنے لگا تھا، ہیکٹر اسے محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا، پھر اس نے کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تم اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے ہمیشہ ہی زندگی کی بازی لگاتے رہے ہو مگر میرے دوست تم نے اس وقت مجھے آدھا مار دیا تھا، نہ جانے کیوں میرے دل میں یہ وسوسے پیدا ہو رہے تھے کہ تم اس کوشش سے کامیاب نہیں لوٹو گے۔"

"میں اسے محبت کی انتہا ہی کہہ سکتا ہوں، ایسا سوچ لیا جاتا ہے محبت کے عالم میں لیکن مجھے افسوس ہے کہ مجھے وہ حاصل نہیں ہو سکا جو میں چاہتا تھا۔" لائڈ نے کہا۔

"مطلب؟"

"وہ تینوں آدمی بے نقاب تھے جن کا تعاقب کرتے ہوئے ہم یہاں تک پہنچے ہیں، لیکن وہ جو ان سے ملنے آئے ہیں ان کے چہروں پر نقاب ہیں...... کاش ہم اس منزل پر اس کمرے سے باہر ان آنے والوں کا انتظار کرتے لیکن یہ صورت حال خراب ہو گئی چونکہ وہ کم از کم ہوٹل کی عمارت میں تو نقاب پہن کر نہیں داخل ہوئے ہوں گے، بلکہ ان افراد کے سامنے وہ نقاب میں پہنچے ہوں گے۔"

"بات سمجھ میں نہیں آتی۔"

"بہت سی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں کیا کیا جا سکتا ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب کیا کیا جائے؟"

"ان کا تعاقب۔"

"ٹھیک ہے یہ کام میری ذمے داری ہے۔" ہیکٹر نے جواب دیا۔

"نہیں...... میں خود بھی تمہارے ساتھ رہوں گا۔"

"جیسا تم مناسب سمجھو۔" پھر خاصا وقت انہوں نے اپنے کمرے میں گزارا اور اسی موضوع پر آپس میں باتیں کرتے رہے...... میٹنگ جس انداز میں چل رہی تھی...... اس سے انہیں یہ یقین ہو گیا تھا کہ وہ ابھی کافی دیر تک جاری رہے گی...... یہ الگ بات ہے کہ جس مشکل صورت حال میں لائڈ نے اس میٹنگ کی تھوڑی سی کارروائی ریکارڈ کی تھی...... اسے جاری نہیں رکھا جا سکتا تھا، کیونکہ یہ ایک مشکل کام تھا...... ہر طرح سے انتہائی خطرناک پھر وہ لوگ تیاریاں کر کے باہر نکل آئے...... طے یہ کیا گیا تھا کہ دونوں الگ الگ میٹنگ ہال سے

نکلنے والوں کا تعاقب کریں گے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ ان کی رہائش گاہیں کہاں کہاں ہیں، حالانکہ یہ بھی ایک مشکل کام تھا لیکن بہرحال ایک بات کا انہیں اطمینان تھا، یعنی یہ کہ وہ جن تین افراد کا تعاقب کرتے ہوئے ہانگ کانگ سے یہاں پہنچے تھے...... وہ ان کی نگاہوں میں ہیں اور کچھ بھی ہو جائے وہ ان کی کارروائیوں سے روشناس رہ سکتے ہیں...... کم از کم اتنا ہی مناسب تھا...... ہاں اگر اس سلسلے میں مقامی لوگوں کے بارے میں بھی کچھ معلومات حاصل ہو جائیں تو یہ بڑی کارآمد بات تھی...... اس کمرے کے سامنے سے ...... تین بار گزرے، جس میں میٹنگ ہو رہی تھی...... یہ کمرا نچلی منزل کا تھا اور وہ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ میٹنگ جاری ہے کہ نہیں، حالانکہ وقت کافی ہو گیا تھا لیکن پھر بھی ہوٹل کی رونقوں میں کوئی کمی نہیں تھی...... راہداری میں بھی لوگ آ جا رہے تھے...... بیرے بھی تھے...... جو کمروں کے مکینوں کی ضروریات پوری کر رہے تھے...... اس لئے وہ زیادہ وقت اس راہداری میں نہیں گزار سکتے تھے، کیونکہ یہ مشکوک بات ہو جاتی...... بحالت مجبوری ایک بے مقصد جدوجہد کر رہے تھے...... ہو سکتا ہے اس میں انہیں کامیابی حاصل نہ ہو...... دونوں ہوٹل کے بڑے دروازے سے نکل کر ہوٹل کے پارکنگ لاٹ میں آ گئے...... ہیکٹر نے کہا۔

"ہم ان کوششوں کو اپنی ناکامی نہیں کہہ سکتے، کیونکہ بہرحال میٹنگ کی کچھ کارروائی ہمارے پاس ریکارڈ ہے اور اس کے علاوہ وہ تینوں افراد ہماری نگاہوں میں، ہاں اگر نقاب والوں کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات حاصل ہو جائیں تو ہم اسے اضافی کارروائی کہہ سکتے ہیں۔"

"اضافی کارروائی ہی نہیں بلکہ ہم اسے اپنی زبردست کامیابی کہہ سکتے ہیں، کیونکہ اس قدر برق رفتاری سے کام کر لینا آسان بات نہیں ہے۔"

"بے شک...... پارکنگ لاٹ پر وہ بہت دیر تک انتظار کرتے رہے اور پھر خود انہیں اپنی حماقت کا احساس ہوا...... لوگ ہوٹل سے باہر نکل رہے تھے...... مقامی شخصیتوں کے بارے میں وہ زیادہ نہیں جانتے تھے...... اعلیٰ درجے کی کاریں پارکنگ لاٹ سے باہر جا رہی تھیں اور وہ سب کچھ ہو رہا تھا جو ہونا چاہئے تھا...... مسئلہ صرف اتنا سا تھا کہ جانے والے اگر ان میں سے کچھ وہ افراد ہوئے جو میٹنگ میں شریک تھے اور اس وقت ان کے چہرے پر نقاب

نہ ہوئیں تو انہیں کیسے پہچانا جائے گا؟" ہیکٹر ہی نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہم وقت ضائع کر رہے ہیں...... کتنے افراد اپنی کاروں میں بیٹھ کر ہمارے سامنے سے جا چکے ہیں...... ہم بھلا کسی کے بارے میں کوئی تعین کر پائے۔"

"ایک غلطی ہو گئی مجھ سے۔" لائیڈ بولا۔

"کیا؟"

"اگر میں ان میں سے کسی کے لباس پر خاص طور سے توجہ دیتا تو شاید لباس ہی کے ذریعے ہم کسی کا تعاقب کر سکتے۔" ہیکٹر پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا...... پھر بولا۔

"بعض اوقات ہر بات انسان کے ذہن میں فوراً ہی نہیں آ جاتی، بلکہ وقت گزرنے کے بعد اس کا اندازہ ہوتا ہے...... میں سمجھتا ہوں فی الحال اتنی ہی کامیابی کو مناسب سمجھو جتنی ہمیں حاصل ہو گئی...... زیادہ کے لئے پریشان ہونا بے مقصد ہے۔"

"تو پھر آؤ واپس چلیں۔" اور اس کے بعد وہ واپس چل پڑے لیکن اپنی منزل پر پہنچنے کی بجائے وہ ایک بار پھر اسی راہداری میں لفٹ سے اتر گئے، جس میں وہ کمرا موجود تھا، جہاں میٹنگ ہو رہی تھی لیکن یہ دیکھ کر ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی کہ میٹنگ ختم ہو گئی ہے اور کمرے کے مکین شاید آرام کرنے بھی لیٹ گئے ہیں...... ہانگ کانگ سے آنے والوں کے بارے میں انہیں اس بات کا پتا تھا کہ وہ اس ہوٹل کی کون کون سی منزل پر کون کون سے کمروں میں موجود ہیں...... انہوں نے خاص طور سے اپنے لئے الگ الگ کمرے منتخب کئے تھے اور ایک دوسرے سے تعلق کا اظہار نہیں کر رہے تھے...... لائڈ اور ہیکٹر کم از کم ان کی جانب سے مطمئن تھے...... اصل صورت حال معلوم کرنا تھی...... ورنہ ان پر تو کسی بھی جگہ کوئی بھی کارروائی کی جا سکتی تھی اور اس میں انہیں کوئی دقت نہیں ہوتی...... بہرحال اس کے بعد وہ لفٹ کے بغیر سیڑھیوں کے ذریعے اپنے کمرے میں پہنچے اور یہاں آنے کے بعد لائڈ نے ٹیلی ویژن پر اپنے ویڈیو کیمرے سے سینگ مکمل کی اور میٹنگ کی کارروائی کو پلے کرنے لگا...... فلم ریوائنڈ کرنے کے بعد اس نے ٹیلی ویژن آن کیا اور اپنی کارروائی کو دیکھنے لگا...... شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا...... حالانکہ فاصلہ کافی تھا اور جس جگہ سے ریکارڈنگ کی گئی تھی، وہ بھی کافی دُور اور مشکل جگہ تھی، لیکن لائڈ کی مہارت نے بڑی کامیابی سے اندر کی کارروائی کو ریکارڈ کیا تھا...... ان کی مدھم مدھم آوازیں بھی بلند ہو رہی تھیں اور ان آوازوں

سے جو کہانی منظر عام پر آ رہی تھی اس سے صاف ظاہر تھا کہ یہ لوگ باقاعدہ یہاں منشیات کے سلسلے میں عظیم الشان کارروائیاں کر رہے تھے...... وہ بغور اس گفتگو کو سننے لگے...... لائڈ نے آواز کی کارکردگی درست کی اور یہ لوگ اس آواز کو سننے لگے۔

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ باڑی میں یہ ہنگامہ کیوں ہوا، جبکہ سنڈیکیٹ نے وہاں اپنے لوگوں کو بھاری تنخواہوں پر مقرر کیا ہوا تھا اور وہاں کے حالات کنٹرول کرنے کے لئے انہیں وہ تمام آسائشیں دی تھیں جنہیں استعمال کر کے وہ سنڈیکیٹ کا کام کر سکتے تھے...... اس کے علاوہ سنڈیکیٹ کی ایک انتہائی اہم شخصیت دانی شاہ کو کیسے گرفتار کیا گیا...... آپ لوگ اتنا بھی نہیں معلوم کر سکے کہ اس سلسلے میں آپ کے ملک کے حکام میں کن کن افراد کو متعین کیا تھا...... سنڈیکیٹ اس سلسلے میں پوری کارروائی کی رپورٹ چاہتی ہے اور ہمیں ہدایت کی گئی ہے کہ آپ سے اس کارروائی کی رپورٹ حاصل کی جائے...... ہم اربوں ڈالر کا نقصان اُٹھا رہے ہیں اور اس وقت باڑی سے ہمارے پاس جو سپلائی جاری تھی وہ بنیادی حیثیت رکھتی تھی...... آپ لوگوں نے اس سپلائی کو ختم کروا کے سنڈیکیٹ کو بہت بڑا نقصان پہنچایا ہے سنڈیکیٹ اس سلسلے میں آپ سے جواب چاہتی ہے تاکہ آپ کے مستقبل کا فیصلہ کیا جا سکے۔"

"ہم اس سلسلے میں ایک تفصیلی رپورٹ تیار کر چکے ہیں...... بہت سے محکمے ہر طرح کی کارروائیاں کرتے ہیں...... باڑی سے ہمیں رپورٹ موصول ہوئی ہے کہ وہاں منشیات سپلائی کرنے والے آپس میں اُلجھ گئے تھے...... جس کی وجہ سے یہ تمام کارروائی عمل میں آئی لیکن معلومات حاصل کی جا رہی ہیں اور بہت جلد کوشش کر کے سپلائی بحال کر دی جائے گی اور طریقہ کار وہی رہے گا...... ہم اس کی ذمے داری قبول کرتے ہیں۔"

"نہیں...... بات آنے والے وقت کی نہیں ہے...... گزرے وقت کی ہے جو ہو چکا ہے وہ لازمی طور پر مکمل ہو جائے...... آپ براہ کرم اس سلسلے میں کوشش کریں تاکہ ہم اپنے کام کی تکمیل کر سکیں۔"

"تو ہمارے لئے کیا ہدایت ہے؟"

"ہمیں تفصیلی رپورٹ درکار ہے۔ ہم خود بھی ایک جگہ قیام نہیں کر سکتے...... ہمیں ہدایت ہے کہ ہم جگہیں بدلتے رہیں...... اس لئے آپ لوگ فوری طور پر ہمیں رپورٹ دینے کی کوشش نہ کریں بلکہ ہم خود آپ سے رابطے کرتے رہیں گے۔" ہانگ کانگ سے آنے

والوں میں سے ایک نے یہ الفاظ ادا کئے تھے جس پر لائڈ اور ہیکٹر چونک پڑے تھے...... ہیکٹر نے انگلی اُٹھا کر کہا اور لائڈ نے آگے کی کارروائی روک دی۔ ہیکٹر کہنے لگا۔

"یہ تو بڑا خوفناک انکشاف ہوا ہے...... اب بتاؤ کیا کیا جائے۔ اگر ان لوگوں نے یہ جگہ چھوڑ دی تو ہم تو ان کی نشاندہی بھی نہیں کر سکیں گے۔"

"بے شک پہلی بار میں نے یہ الفاظ سنے ہیں، اب بتاؤ کیا کریں؟"

"میرا خیال ہے، ہم میں سے ایک کو ان لوگوں پر وقت دینا پڑے گا...... کل صبح سے ایک آدمی مسلسل ان میں سے ایک پر متعین رہے گا اور باقی ہم اپنے طور پر طے کر لیتے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔" اور اس بات پر وہ متفق ہو گئے کہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا...... پھر انہوں نے آرام کرنے کا فیصلہ کیا لیکن دوسرے دن ان پر انکشاف ہوا کہ یہ آرام ان کے حق میں نقصان دہ رہا ہے...... صبح کو منصوبے کے مطابق ہیکٹر اس کمرے کی جانب چل پڑا تھا، جہاں سے میٹنگ کی کارروائی ریکارڈ کی گئی تھی، لیکن کمرے کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا اور اس پر "خالی ہے" کا سائن نظر آ رہا تھا...... ہیکٹر پاگلوں کی طرح دوسرے کمروں کی جانب لپکا اور پھر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں...... وہ تینوں اتنی ہی صبح اپنے کمرے چھوڑ کر جا چکے تھے...... ساری معلومات مکمل کرنے کے بعد ہی ہیکٹر نے لائڈ کو یہ رپورٹ دی تھی اور لائڈ بھی پریشان ہو گیا تھا...... کافی دیر تک وہ افسوس کرتے رہے پھر لائڈ نے کہا۔

"بہر حال ہمارے پاس یہ فلم رپورٹ موجود ہے اور میرا خیال ہے اب ہمیں براہ راست یہاں کے اعلیٰ حکام سے رابطہ قائم کر لینا چاہئے...... ساری ذمے داریاں ہماری ہی نہیں ہیں، ہم اپنی رپورٹ اپنے حکام کو بھجوا سکتے ہیں۔" ہیکٹر نے لائڈ سے اتفاق کیا تھا۔

❁

شہاب نے اپنا مکمل موقف ان لوگوں کے سامنے پیش کیا تھا اور فائق حسین اس کے موقف سے پوری طرح متفق ہو گئے تھے، البتہ نعیمہ بیگم چونکہ خاتون تھیں...... اس لئے یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ ایک مکمل طور پر گھریلو عورت جو بیوی بننے والی ہے اور بعد میں بچوں کی ماں بھی بنے گی، ایک انٹیلی جنس کی جاسوسہ کیسے ہو سکتی ہے۔" انہوں نے ناک پر انگلی رکھ کر کہا تھا۔

"اے نوج وہ ڈاکوؤں اور مجرموں کے پیچھے بھاگتی پھرے گی یا گھرداری کرے گی۔"

"یہ ہی تو ذرا سا فرق ہے اماں جی! وقت بہت بدل چکا ہے...... اب آپ دیکھئے نا
ہمارے ہاں کی عورتیں بھی ہوائی جہاز چلا رہی ہیں...... آپ نے خاتون پائلٹ شکریہ خان
کے بارے میں پڑھا ہوگا اور یہ تو خیر ایک خاتون کی بات ہے...... زندگی کے ہر شعبے میں
جہاں خطرناک سے خطرناک کام ہوتے ہیں اس وقت خواتین اپنا کردار ادا کر رہی ہیں
محکمہ پولیس میں بھی آپ دیکھ لیجئے...... باہر نکل کر دیکھئے ذرا...... پولیس کی خواتین کس طرح
مجرموں کے خلاف مصروف عمل ہیں...... میرا تو یہ خیال ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں
ہے...... ظاہر ہے شہاب یہ بہتر سمجھتے ہوں گے کہ انہیں اپنی بیوی کو کس طرح دنیا کے
سامنے پیش کرنا ہے...... باقی کام بھی زندگی سے متعلق ہوتے ہیں...... سرکاری دفاتر میں
خواتین کام کرتی ہیں...... پرائیویٹ فرموں اور دفتروں میں کام کرتی ہیں تو کیا آپ کے خیال
میں وہ عام خواتین نہیں ہوتیں؟"

"ہاں...... ہوتی تو ہیں...... چلو ٹھیک ہے...... رہے گی تو ہمارے ساتھ ہی ناں۔"

"گھر کے ایک فرد کی مانند...... ظاہر ہے ہماری بہو ہوگی وہ۔"

"اب دیکھئے تم لوگوں کی شادیاں ہوئیں...... بے شک بچی کی شادی شہاب نے بہت
اچھی طرح کی اور سارے معاملے بڑی شان سے ہوئے...... مگر اپنی شادی وہ کیسے کر رہا ہے۔

"اماں بی! یہ بھی ایک ضرورت ہے جس شعبے سے وہ لوگ تعلق رکھتے ہیں، اسی میں
شہرت نقصان دہ ہوتی ہے...... دنیا سے پیچھے رہنا ہی کامیابی کی ضمانت ہوتی ہے۔" فا
حسین نے کہا...... بہر حال نعیمہ بیگم تیار ہوگئی تھیں اور اس کے بعد ایک عجیب کھیل کھیلا
گیا...... واسطی صاحب تو خیر ذہنی اور دلی طور پر ہر طرح شہاب سے متفق تھے...... اس
کسی بھی مسئلے میں انہوں نے مداخلت نہیں کی، بلکہ اس طرح اس سے مشورے لیتے ر
جیسے وہ داماد نہ ہو، کوئی مشیر یا دوست ہو...... شہاب بھی دلچسپی سے انہیں ہر بات بتاتا رہا
پھر نہایت سادگی سے شہاب کا نکاح ہوگیا...... ایک ہال میں چند معززین ہیں جن میں پولیس
کے اعلیٰ افسران بھی شامل تھے...... بارات کی شکل میں پہنچے تھے اور وہاں کورٹ کے وکلاء
بارات کا خیر مقدم کیا تھا...... اس کے بعد باقی معاملات طے ہوگئے تھے اور پھر بینا شہاب
اس قدیم رہائش گاہ میں آگئی تھی جو اب بہت بہتر شکل اختیار کر چکی تھی، لیکن اس کی قدام
کو قائم رکھا گیا تھا...... بینا کا یہاں اسی انداز میں استقبال ہوا تھا جس طرح روایتی دلہن کا

استقبال کیا جاتا ہے...... البتہ تمام لوازمات سے فراغت حاصل کرنے کے بعد جب شہاب
حجلہ عروسی میں پہنچا تو بینا عجیب سی کیفیت کا شکار ہوگئی...... شہاب پر خیال انداز میں اسے
دیکھتا ہوا اس کے پاس جا بیٹھا پھر بولا۔

"باڑی میں جو واقعات پیش آئے بینا! ان کے لئے میں تمہاری ماہرانہ رائے جاننا چاہتا
ہوں کیونکہ صحیح معنوں میں یہ کیس ابھی ختم نہیں ہوا، بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس کا آغاز ہوا
ہے۔" شہاب نے اتنی سنجیدگی سے یہ سب کچھ کہا کہ بینا ہنسی نہ روک سکی...... شہاب چونک
کر اسے دیکھنے لگا، پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔

"ارے سوری...... اوہو...... کیا احمقانہ بات ہے...... اس وقت تو غالباً مجھے کوئی خاص
قسم کی رومانوی گفتگو کرنی چاہئے بلکہ یہ لمحات تو ایسے ہیں کہ...... کہ...... کہ۔"

"شہاب۔" بینا شکایتی لہجے میں بولی۔

"ہیں...... ہیں...... ہیں...... پتا ہے شوہر کا نام لینے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔"

"آج بھی مذاق اڑاؤ گے میرا؟"

"کون احمق مذاق اڑا رہا ہے...... میں تو چاہتا ہوں ہمارا نکاح پائیدار رہے۔"

"تو پھر کیا میں آپ کو سرتاج کہوں، بلکہ زیادہ بہتر رہے گا سرتاج!" بینا شوخی سے بولی
اور شہاب اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"نج...... خدا کی قسم، معلوم ہوتا ہے کہ کسی بے دم کے بندر کو مخاطب کیا جا رہا ہے......
لفظ سرتاج، بس یہ ہی معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی بندر دونوں پیروں پر کھڑا ہوا ہے اور بیچارے
کی دم گم ہو گئی ہے۔" بینا ہنستی رہی تھی...... شہاب نے کہا۔

"یہ ہنسی میری طرف سے شوہر کی حیثیت سے اس ملاقات کا پہلا تحفہ ہے بینا اور
کوشش کروں گا کہ تم جب تک میری زندگی ہے، ہنستی رہو۔" بینا عجیب سی نگاہوں سے
شہاب کو دیکھنے لگی تھی اور شہاب خود بھی سنجیدہ ہو گیا تھا۔

طاہر بیگ کا دل تو یہ چاہتا تھا کہ اس سلسلے میں براہ راست اپنے باپ کے سامنے پہنچ
جائے اور اس سے سوالات کرے...... پوچھے کہ ڈیڈی یہ سب کچھ کیا ہے، یہ آپ نے اچانک
ہم سے زندگی کی خوشیاں کیوں چھین لی ہیں...... آپ تو ایک مثالی باپ تھے...... وہ سب کچھ

کر دیا آپ نے ہمارے لئے جس کے بعد ہم لوگ زندگی کی آخری سانسوں تک کے لئے محفوظ ہو گئے، لیکن آپ کیا کر رہے ہیں ڈیڈی جو کچھ آپ کر رہے ہیں، اگر آپ یہ سوچتے ہیں کہ قانون قدرت میں اس کی کوئی گرفت نہیں ہے، تو آپ نے ایسی معصوم بات کیوں سوچی...... ڈیڈی ایسا کیوں سوچا آپ نے یہ تو بڑی دُکھ بھری بات ہے...... یہ وطن ہمارا وطن ہے اور اس میں رہنے والے سب ایک دوسرے کی محبت کے مستحق...... ہم اپنی بقاء کے لئے ایسی زندگیاں چھین رہے ہیں جو بہت سے ماں باپوں کے لئے تنہا ہیں...... صدف طاہر سے بہت مشفق تھی...... دونوں بہن بھائی بہت پریشان تھے اور اس سلسلے میں آپس میں گفتگو کرتے رہتے تھے...... اچانک ہی ایک مشفق اور محبت کرنے والا باپ ان کے لئے اجنبی ہو گیا تھا...... چہرہ ہی بدل گیا تھا اس کا وہ شخص جو بڑا سرمایہ صرف کر کے ہسپتال میں منشیات کے مریضوں کے لئے ایک بہت بڑا شعبہ بنواتا ہے اور اس کے لئے سالانہ ایک رقم مختص کرتا ہے جو وطن دوستوں کی مانند تقریر کرتا ہے۔ وہی ان لوگوں کو منشیات کا عادی بنا رہا ہے...... یہ سرمایہ منشیات کی فروخت سے ہی حاصل ہو رہا ہے...... کتنی بڑی منافقت ہے اور کتنا بھیانک انداز...... آہ یہ سب کچھ درست نہیں ہے...... اس وقت بھی وہ دونوں بیٹھے ہوئے آپس میں یہی باتیں کر رہے تھے۔

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے صدف کہ اگر ڈیڈی کبھی قانون کی گرفت میں آگئے تو کیا قانون انہیں چھوڑ دے گا؟" صدف نے دُکھ بھری نگاہوں سے بھائی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ڈیڈی نے اتنے تعلقات بنا لئے ہیں طاہر بھائی کہ اگر ایسا کوئی مسئلہ ان پر مسلط کیا جاتا ہے تو وہ جس طرح بھی بن پڑے گا اپنی گردن بچا لیں گے، لیکن مجھے یہ بتاؤ میرے بھائی کہ منشیات کی لعنت کے شکار جو لوگ گندی نالیوں میں دم توڑ دیتے ہیں کیا ان کی بہنیں بھائی نہیں ہوتے؟ کیا وہ بھی کسی معصوم بچے کی طرح اس دُنیا میں آنکھیں نہیں کھولتے...... ڈیڈی قانون کی گرفت سے بے شک بچ سکتے ہیں، لیکن کیا کوئی انہیں اللہ کی گرفت سے بچا سکے گا؟ کیا وہ خود ایسا کر سکیں گے یا ہم؟"

"ہرگز نہیں۔" طاہر نے جواب دیا۔

"بتاؤ کیا کریں؟ طاہر بتاؤ کیا کریں؟"

"صدف! ڈیڈی کو سمجھائیں؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس وقت ان کا کیا رویہ ہو گا۔"

"کیا خیال ہے اطہر اور ناظم سے گفتگو کریں اس بارے میں؟"

"ایک بات کہوں طاہر بھیا...... دونوں میرے بھائی ہیں، لیکن وہ اپنے ہی معاملات میں اس قدر مست ہیں اور پھر مجھے یہ خوف ہے کہ کہیں وہ ہماری مخالفت نہ کریں...... یہ بھی خطرہ ہے مجھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انہیں پہلے سے یہ بات معلوم ہو جو کچھ بھی کرنا ہے بہت سوچ سمجھ کر کرنا ہے...... ہم تو واقعی بہت بڑی مشکل میں پھنس گئے۔"

"ایک اور بات ہے...... ہمارے پاس ابھی اتنے ٹھوس ثبوت نہیں ہیں کہ ہم ڈیڈی سے اس سلسلے میں کھل کر بات کر سکیں...... وہ اگر مکر گئے تو ہم ان کی نگاہوں میں ذلیل ہو جائیں گے...... ہاں اگر ہمیں ٹھوس ثبوت مل جاتے ہیں تو۔"

"یہ بھی آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

"آخری بات بتاؤ صدف...... کبھی کوئی ایسا نازک مرحلہ آگیا کہ ہمیں ملک کی بقاء، ملک کے نوجوانوں کی زندگی کے لئے قانون کی مدد اور ڈیڈی کے تحفظ کا مرحلہ درپیش ہوا تو ہم کیا کریں گے؟ کیا اپنے ڈیڈی کا تحفظ یا ملک کی بقاء کے لئے قانون کی برتری کا احساس؟"

"بہت مشکل سوال ہے لیکن مشکل ترین سوالات کے جواب اگر سچائی سے دیئے جائیں تو وقت نہیں ہوتی۔"

❋

مرزا اعظم بیگ اپنے حجرے سے نکل کر چوری چھپے عقبی دیوار کود کر باہر جاتا تھا...... تھوڑا سا پیدل چلتا تھا اور اس کے بعد کہیں سے کوئی نہ کوئی کار نمودار ہوتی اور مرزا اعظم بیگ اس میں سوار ہو کر چلا جاتا، یہ کاریں بالکل اجنبی ہوا کرتی تھیں اور رات کی تاریکی میں ان کی نمبر پلیٹ کبھی نہیں دیکھی جا سکتی تھی، ظاہر ہے انہیں کوئی نہ کوئی ڈرائیو کرتا ہوا آتا تھا، پھر طاہر بیگ نے خود ایک فیصلہ کیا اس نے اپنے شناسا دوست سے موٹر بائیک حاصل کی اور اس موٹر بائیک کو ایک ایسی جگہ کھڑا کر دیا جہاں سے اس کے ذریعے با آسانی مرزا اعظم بیگ کا پیچھا کیا جا سکتا تھا...... بائیک کو حاصل کئے ہوئے آج تیسرا دن تھا، لیکن پچھلی دو راتوں میں اتفاقاً مرزا اعظم اپنے حجرے سے باہر نہیں نکلا تھا، آج بھی دونوں معمول کے مطابق مرزا اعظم بیگ کی تاک میں تھے، دونوں کے دلوں کو لگی ہوئی تھی اور وہ تمام تر تیاریاں کر چکے

تھے، خاص طور سے طاہر بیگ نے باپ کی نگرانی کے لئے خصوصی تیاریاں کی تھیں...... صدف کے لئے بازار سے ایک برقع خریدا تھا اور خود اپنے لئے کچھ ایسی چیزیں جس سے اس کی شخصیت تبدیل ہو جائے...... آج رات کو وہ نگرانی کر رہے تھے اور اس وقت کافی رات ہو گئی تھی جب انہوں نے مرزا اعظم بیگ کو حجرے سے باہر نکلتے ہوئے دیکھا...... مرزا اعظم بیگ عموماً صاف ستھرے سادہ لباس میں رہا کرتا تھا...... کھدر کا شلوار قمیض اسے بہت پسند تھا سوٹ وغیرہ بہت کم پہنا کرتا تھا، مگر اس وقت وہ بہترین سوٹ میں ملبوس تھا اور اپنی ڈھیلی ڈھالی شخصیت کے برعکس کافی چست نظر آ رہا تھا، محتاط قدموں سے چلتا ہوا وہ کوٹھی کی عقبی دیوار کے پاس پہنچا، حالانکہ اس کی شخصیت ایسی نہیں تھی کہ وہ ایسے جسمانی کرتب دکھا سکتا لیکن دونوں نے اسے اُچھل کر دیوار پر چڑھتے ہوئے اور اس کے بعد دوسری طرف کودتے ہوئے دیکھا، طاہر اور صدف بھی اسی طرح دوسری جانب کود گئے...... آج شاید کچھ کام بننے والا تھا۔ طاہر نے صدف کو اشارہ کیا اور دونوں پھرتی سے موٹر بائیک کی جانب بڑھ گئے جو تاریکی میں ایک محفوظ جگہ کھڑی ہوئی تھی، وہاں پہنچ کر صدف نے جلدی سے برقعہ پہنا اور طاہر موٹر بائیک کو بغیر سٹارٹ کئے ہوئے آہستہ آہستہ دھکیلتا ہوا آگے بڑھنے لگا، اس دوران وہ لوگ مرزا اعظم بیگ پر نگاہ رکھے ہوئے تھے...... معمول کے مطابق اعظم بیگ اس چھوٹی سی ذیلی سڑک کی جانب جا رہا تھا جو ان کی کوٹھی کے عقبی حصے میں کوئی دو سو گز کے فاصلے پر تھی...... سڑک کے کنارے پہنچ کر وہ کھڑا ہو گیا۔ یہ دونوں درختوں کی آڑ لیتے ہوئے اس سے تھوڑے فاصلے پر پہنچ گئے تھے اور اس وقت بھی ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے تھے، پھر اچانک ہی دور سے کسی کار کی ہیڈلائٹس نظر آئیں اور طاہر محتاط ہو گیا۔

"میرا خیال ہے آج کام بن گیا۔" اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا اور صدف موٹر بائیک پر بیٹھ گئی، طاہر نے بھی اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا...... آنے والی کار مرزا اعظم بیگ کے سامنے رُکی اور اس کے بعد وہ اس کی عقبی سیٹ پر بیٹھ گیا...... کار آگے بڑھ گئی تھی۔ طاہر نے فوراً اپنی بائیک سٹارٹ کی صدف بھی سنبھل کر بیٹھ گئی تھی اور پھر بائیک برق رفتاری سے آگے جانے والی کار کا تعاقب کرنے لگی، طاہر بیگ نے اپنی بائیک کی روشنی نہیں جلائی تھی بلکہ آگے جانے والی کار کی سرخ روشنیوں کا تعاقب کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا...... یہاں تک کہ کار مختلف راستوں سے گزرتی ہوئی ایک ایسی جگہ پہنچی جہاں کاروں کے بڑے بڑے

شو روم تھے...... مرزا اعظم بیگ نے ایک جگہ اپنی کار رکوائی اور اس کے بعد نیچے اتر گیا، پھر وہ ایک ایسے گیراج کی جانب بڑھا تھا جو سامنے سے کھلا ہوا تھا اس نے اپنی جیب سے چابی نکالی اور گیراج سے ایک خوبصورت کار لے کر باہر نکل آیا، وہ کار جا چکی تھی جو اسے یہاں تک لے کر آئی تھی، پھر طاہر اور صدف نے دیکھا کہ مرزا اعظم بیگ نے اپنے چہرے پر نقاب لگائی اور اس کے بعد ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا...... کار سٹارٹ کر کے اس نے آگے بڑھا دی تو مرزا طاہر بیگ بھی اس کے پیچھے چل پڑا...... صدف نے سرگوشی میں کہا۔ "میرے خدا یقین نہیں آتا ڈیڈی ہم سے کس طرح اچانک اجنبی ہو گئے ہیں...... طاہر بھائی۔" طاہر نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ کار کا تعاقب کرتا رہا، کار ایک سنسان سڑک پر نکل گئی تھی اور طاہر اپنی بائیک پیچھے لگائے ہوئے تھا، لیکن اچانک فائر کی آواز سنائی دی اور گولی سنسناتی ہوئی طاہر کے کان کے پاس سے نکل گئی...... موٹر سائیکل ڈگمگا گئی تھی، لیکن یہ خوش قسمتی تھی ان کی کہ اچانک ہی چلنے والی گولی نے انہیں نشانہ نہیں بنایا تھا، اس سے پہلے کہ طاہر سنبھلتا پے در پے تین گولیاں چلیں اور یہ گولیاں اسی کار سے چل رہی تھیں جسے اب مرزا اعظم بیگ ڈرائیو کر رہا تھا...... طاہر موٹر سائیکل نہ سنبھال سکا اور موٹر سائیکل سڑک کے نشیب میں اترتی چلی گئی، تھوڑی سی ڈھلان پر کرنے کے بعد دونوں نیچے جا پڑے...... صدف کے حلق سے ایک ہلکی سی آواز نکل گئی۔ طاہر بیگ اس کے پاس پہنچا، اسے سہارا دے کر اٹھایا تو صدف اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"چوٹ تو نہیں لگی؟"

"نہیں معمولی سی خراشیں آئی ہیں برقع کی وجہ سے لباس بھی خراب نہیں ہوا۔"

"تم یہاں رکو میں دیکھتا ہوں کار واپس تو نہیں آ رہی۔" طاہر نے کہا۔

"سنبھل کر بھائی جان! ڈیڈی اس وقت نہیں جانتے کہ ان کا پیچھا کرنے والے ہم لوگ ہیں، کہیں وہ مزید فائرنگ نہ کریں۔" طاہر نے کوئی جواب نہیں دیا...... سڑک کے کنارے پہنچا اور دُور دُور تک نظریں دوڑائیں، کسی گاڑی وغیرہ کا کوئی پتہ نہیں تھا...... گویا مرزا اعظم بیگ ان لوگوں کو راستے سے ہٹانے کے بعد نکل گیا تھا، پھر طاہر نے صدف سے کہا۔

"میرے خیال میں اب واپس جایا جا سکتا ہے۔"

"ہاں!" اب موٹر سائیکل کوٹھی کی جانب چل پڑی تھی...... اسے اس کی جگہ رکھنے کے بعد طاہر نے صدف کو سہارا دے کر کوٹھی کی دیوار کے دوسری جانب پہنچایا اور خود بھی اندر

آگیا...... دونوں بہن بھائیوں کے دل خون ہو رہے تھے، انہوں نے اندرونی حصے میں جا
کی بجائے حجرے کا ہی رُخ کیا تھا اور طاہر اپنی چابی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا، اس
نے صدف سے کہا۔

"دیکھوں کہاں کہاں چوٹ لگی ہے۔"

"میرا خیال ہے نہیں لگی بس اس وقت ہلکی سی جلن کا احساس ہو رہا تھا، اب نہیں
مگر ہم پر گولیاں ڈیڈی نے چلائی تھیں طاہر بھائی۔"

"ڈیڈی نے نہیں صدف ایک منشیات فروش نے...... ایک سمگلر نے جس کی
سرگرمیاں بہت پراسرار ہیں، لیکن صدف میرے اس احساس کو مستقل طور پر جلا رہا
ہے کہ وطن اس وقت مجھ سے قربانی مانگ رہا ہے...... اپنی زندگی قربان کر دوں یا پھر وہ کر دا
جس کو سوچ کر کلیجہ پھٹتا ہے"۔

"ہمیں حوصلے سے کام لینا ہوگا بھائی جان جذبات میں ڈوبے بغیر ہمیں یہ کرنا ہوگا
شاید جذباتی ہونے کے بعد ہم نہ کر سکیں لیکن ایسے نہیں میرا اس میں ایک مشورہ ہے۔"

"ڈیڈی کے بارے میں ہمیں مکمل ثبوت فراہم کرنے ہوں گے، پھر ان ثبوتوں کے
حوالے سے ڈیڈی سے گفتگو کریں گے، ان سے کہیں گے کہ وہ اپنے گناہوں کا ازالہ کریں
نہ کریں جو وہ کرتے رہے ہیں، حالات کو بہتر بنانے کی کوشش کریں ایک اچھے اور سچے انسان
بن جائیں...... ہمیں اتنا موقع ڈیڈی کو دینا ہی ہوگا، ہم اپنے ڈیڈی کی گردن تو نہیں کٹوا سکتے
اور اس کے باوجود اگر ڈیڈی ہماری بات نہ مانیں تو پھر ہم وہ کریں گے جو ہمیں کرنا چاہئے۔"

"لیکن صدف کیا! ہم ایک مجرم کو صرف یہ سوچ کر چھوڑ دیں کہ وہ ہمارے ڈیڈی ہیں؟"

"بھائی جان میں آپ کو مشورہ نہیں دے سکتی، لیکن بہر حال ہم انسان ہیں...... ڈیڈی
اگر تمام تر سچائیوں کے ساتھ نیکیوں کے راستے پر واپس آجاتے ہیں تو ہمارے باپ ہیں
اور ہم یہ سمجھیں گے کہ وہ بیمار ہیں، ہم ان کا علاج کرنے کی کوشش کریں گے اور اگر مرض
ناقابل علاج ہوا تو۔" صدف ایک گہری سانس لے کر خاموش ہوگئی، طاہر سوچنے والے
انداز میں گردن ہلانے لگا تھا، پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"ٹھیک ہے آؤ۔" اور اس کے بعد دونوں بہن بھائی دروازے کی جانب مڑ گئے تھے۔

لائڈ اور ہیکٹر ویسے بھی ایک بہت بڑے ملک کے نمائندے تھے، ان کی سرکاری حیثیت بھی معمولی نہیں تھی، اگر باقاعدہ اپنے ملک کے حوالے سے اطلاع دے کر یہاں پہنچتے تو انہیں مکمل طور سے پروٹوکول دیا جاتا...... اعلیٰ سرکاری حکام ان کا استقبال کرتے، لیکن مختلف راستوں سے آئے تھے اور خطرناک مجرموں کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے تھے۔ اس لئے وہ حیثیت انہیں نہیں مل سکی تھی، لیکن جب متعلقہ محکمے میں انہوں نے اپنا تعارف کرایا تو ایک کھلبلی سی مچ گئی۔ اعلیٰ ترین شخصیتوں نے ان کا استقبال کیا اور انہیں فوری طور پر ملاقات کے لئے وقت دیا۔ چنانچہ لائڈ اور ہیکٹر دونوں ایک انتہائی ذمہ دار شخصیت کے پاس پہنچا دیئے گئے اور ملک کی بہت بڑی شخصیت نے ان کا پرجوش خیر مقدم کیا...... رسمی الفاظ ادا کئے گئے، اس بات کا اظہار کیا گیا ان کی آمد علم میں نہیں تھی، اس لئے انہیں ان کے شایان شان Reception نہیں دیا گیا...... لائڈ نے کہا۔

"ذمہ داریاں پوری کرتے ہوئے ان باتوں کا خیال نہیں رکھا جاتا سر کہ کون کس حیثیت کا مالک ہے، ہم تو ایک ایسے سنڈیکیٹ کے افراد کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہیں جس کے بارے میں ہمارے پاس تمام تر شواہد موجود ہیں کہ وہ انٹر نیشنل حیثیت رکھتا ہے اور دُنیا کے مختلف ملکوں میں ان کی شاخیں بکھری ہوئی ہیں اور ان میں آپ کا ملک بھی شامل ہے اور آپ کے ملک کے ایک خاص حصے میں یہ کاروبار بہت بڑے پیمانے پر ہو رہا ہے اور جس میں آپ کے ہاں کے اپنے افراد ملوث ہیں...... ہم نے زندگی کی بازی لگا کر ہانگ کانگ میں کچھ شواہد اکٹھے کئے تھے جن کے مطابق تین افراد یہاں آپ کے ملک پہنچ رہے تھے اور ایک مخصوص علاقے کے بارے میں تحقیقات کرنے کے لئے آئے تھے...... وہ باڑی کے نام

سے پکارا جاتا ہے اور وہاں سے ہیروئن کی بہت بڑی سپلائی ہوتی ہے...... یہ سپلائی رک جانے کی وجہ سے سنڈیکیٹ کے افراد کچھ لوگوں سے جواب طلبی کرنے کے لئے یہاں پہنچے ہیں جو آپ کے ہاں بہت بڑی حیثیت رکھتے ہیں اور اعلیٰ پیمانے پر اس کام کے نگراں ہیں، ہم لوگ بھی تمام معلومات اکٹھی کرنے کے بعد آپ تک پہنچنا چاہتے تھے، لیکن درمیان میں ایک جگہ ہم سے لغزش ہوگئی اور ہم عارضی طور پر ان تین افراد کو کھو بیٹھے جن کا تعاقب کرتے ہوئے ہم یہاں تک پہنچے تھے، لیکن ایک حقیقت ہے کہ وہ افراد یہاں موجود ہیں اور یقینی طور پر ابھی ان کی سرگرمیاں یہاں جاری رہیں گی، اس سلسلے میں ہم کچھ ایسے ثبوت مہیا کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں جو ہماری بات کی سچائی پیش کرتے ہیں۔" اعلیٰ حکام نے پراخلاق انداز میں کہا۔

"نہیں مسٹر ہیکٹر اور مسٹر لائڈ آپ کی شخصیت سے اس بات کا مکمل طور پر اندازہ ہو جاتا ہے کہ آپ لوگ جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں وہ بالکل درست ہے، ہمیں آپ کی بات پر مکمل اعتبار ہے اور ہم آپ سے مکمل تعاون کرنا چاہتے ہیں۔"

"ہم نے رات کو ایک ہوٹل میں اپنی کارروائیوں کا آغاز کیا تھا جس میں ان تین افراد کا قیام تھا لیکن ہمارے پاس محدود وسائل تھے...... ہم دو آدمی ان تمام کارروائیوں کو پوری طرح نہ سنبھال سکے جو ان کی جانب سے ہو رہی تھیں اور ان تین افراد کو عارضی طور پر کھو بیٹھے ہیں لیکن ہم ناامید نہیں ہیں، البتہ ہم کو آپ کا مکمل تعاون درکار ہے۔" بہرحال لائڈ اور ہیکٹر کو بہت اچھے انداز میں خوش آمدید کہا گیا تھا اور ان سے ہر طرح کے تعاون کا وعدہ کیا تھا، انہیں سرکاری طور پر قیام کرایا گیا اور لمحوں کے اندر اندر اس سلسلے میں متعلقہ افراد کو طلب کر کے ساری تفصیل ان کے علم میں لانے کا فیصلہ کیا گیا، نتیجے میں چند ہی گھنٹوں کے بعد کچھ افراد یکجا ہوگئے جن میں بڑے بڑے محکموں کے لوگ تھے...... خصوصی طور پر نادر حیات صاحب کو اس سلسلے میں شرکت کے لئے بلایا گیا تھا اور اس وقت پولیس ہیڈ کوارٹر کے اس بہت بڑے ہال میں ایک بڑی سی میز کے گرد ہیکٹر اور لائڈ کے ساتھ ساتھ اعلیٰ ترین حکام بیٹھے ہوئے تھے، ان کے چہروں پر غور و فکر کے آثار تھے...... نادر حیات صاحب بھی اس سلسلے میں خاصی معلومات رکھتے تھے لیکن وہ بالکل اجنبی انداز میں یہ ساری باتیں سن رہے تھے، بہت سی تفصیلات ان کے علم میں تھیں، لیکن اس وقت ان کا اظہار قطعی ممکن

نہیں تھا...... پھر لائڈ اور ہیکٹر نے وہ فلم دکھانے کے انتظامات کئے اور فلم ٹیلی ویژن پر چلنے لگی...... لائڈ اور ہیکٹر یہ بتا چکے تھے کہ انہوں نے کس طرح یہ فلم ہوٹل میں تیار کی ہے، وہ لوگ فلم کو دیکھتے رہے...... نادر حیات صاحب کی آنکھیں نقابوں میں لپٹے ہوئے افراد کا جائزہ لے رہی تھیں اور وہ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ چہرے سامنے نہ ہونے کے باوجود کون سی ایسی بات ہو سکتی ہے جس سے ان میں سے کسی کی نشاندہی ہو سکے، لیکن بہرحال یہ سب کچھ اتنا آسان بھی نہیں تھا، البتہ فلم اور اندر کی جانے والی گفتگو جو مکمل طور پر واضح تو نہیں تھی لیکن اس کے مفہوم کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا...... بڑی سنسنی خیز نوعیت تھی، اس کی صورت حال علم میں آ رہی تھی، یہاں تک کہ فلم ختم ہوگئی اور اس کے بعد ہیکٹر نے بتایا کہ وہ انہیں مس کر چکے ہیں اور وہ لوگ ہوٹل چھوڑ کر جا چکے ہیں...... پھر رسمی کارروائیاں جاری رہیں اور وہیں پر نادر حیات صاحب کو اعلیٰ حکام نے ہدایت کی کہ اس سلسلے میں مکمل طور پر اپنی کارروائی کا آغاز کریں اور خصوصی محکمہ اور ایجنسیوں کو حرکت میں لایا جائے...... نادر حیات صاحب نے اس فلم کی کاپی کے لئے مطالبہ کیا، ہیکٹر نے سرکاری طور پر ذمہ داریوں کے ساتھ یہ فلم نادر حیات صاحب کے حوالے کر دی اور کہا کہ اس کی کاپی کرا کر اصل کیسٹ انہیں واپس کر دیا جائے...... نادر حیات صاحب نے یہ ذمہ داری قبول کر لی تھی اور اس کے بعد یہ میٹنگ برخاست ہوگئی۔

ڈی آئی جی نادر حیات صاحب اپنی رہائش گاہ میں ایک بڑے ہال نما کمرے میں ٹہل رہے تھے، چہرے سے اظہار ہوتا تھا جیسے شدید ذہنی دباؤ کا شکار ہوں، جو ذمہ داری ان کے سپرد کی گئی تھی اس کے بارے میں بات جس قدر آگے بڑھ چکی تھی صحیح معنوں میں وہ اس کی رپورٹ بھی پیش نہیں کر سکے تھے...... شہاب کی شخصیت سامنے آ جاتی تھی اور جہاں تک شہاب کا تعلق تھا نادر حیات صاحب اپنے طور پر اسے حق بجانب سمجھتے تھے...... یہ بھی جانتے تھے وہ کہ شہاب جس قدر ضدی فطرت کا نوجوان ہے اسے کنٹرول کرنا ان کے بس سے باہر ہے وہ اپنے مقصد اور حصول کے لئے اپنی زندگی کی کبھی پروا نہیں کرتا اور نہ ہی ان حالات کی جو اس کام کے دوران پیش آ جائیں، وہ دیانت داری سے کام کرنے کا عادی تھا...... دانی شاہ کو ایک لڑکی کے قتل کے الزام میں گرفتار کرنے کے لئے اس نے باڑی جیسی خوفناک جگہ میں

جو کارنامے سرانجام دیئے تھے وہ بڑے سنسنی خیز اور ہیبت ناک تھے...... نادر حیات صاحب کو اس کی رپورٹ کے علاوہ اپنے طور پر بھی وہاں سے معلومات حاصل ہو چکی تھیں اور جو رپورٹیں انہیں موصول ہوئی تھیں وہ انتہائی بھیانک تھیں...... شہاب نے وہاں کام کیا تھا اور اتنے اعلیٰ پیمانے پر کام کیا تھا کہ تنہا ہونے کے باوجود اس نے لاتعداد جرائم پیشہ افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور دانی شاہ جیسے خطرناک مجرم کو اس کے دو ساتھیوں سمیت گرفتار کر کے لے آیا تھا...... شہاب نے یہ کارنامہ جس محنت کے ساتھ سرانجام دیا تھا اس کا اندازہ نادر حیات صاحب کر سکتے تھے اور اس کے بعد وہ ایسے پانچ نام لے کر آیا تھا جو سنڈیکیٹ کے سربراہوں میں سے تھے، لیکن نادر حیات صاحب نے اپنے طور پر اپنے وسائل اور ذرائع سے کام لے کر ان کے بارے میں جو تحقیقات کی تھیں وہ یہ بتاتی تھیں کہ ان پر ہاتھ ڈالنا بارود کے ڈھیر کو آگ دکھانے کے مترادف ہے اور شاید نادر حیات صاحب ہی نہیں بلکہ جو بھی اس بارود کے ڈھیر کو ہاتھ لگائے گا جل کر خاکستر ہو جائے گا اور ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا...... یہ ایک المیہ تھا لیکن جو تھا اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا اور دوسری جانب شہاب تھا کہ تعاون پر آمادہ ہی نہیں ہوتا تھا ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ نادر حیات صاحب شہاب کی فطرت سے ذاتی طور پر بہت مرعوب ہو گئے تھے، اس نے شادی کے لئے کہا تھا اور شادی کر ڈالی تھی، بلکہ بظاہر اس کے یہ الفاظ مذاق معلوم ہوتے تھے لیکن وہ مذاق بھی اتنی سنجیدگی سے کرتا تھا ویسے نادر حیات بھی اس بات کے قائل تھے کہ شہاب جو کچھ کہہ رہا ہے ظاہر ہے اس کے بغیر کچھ کیا نہیں جا سکتا...... مجرم نگاہوں کے سامنے ہیں لیکن وسائل محدود اور ان کے ذرائع طاقتور جس کی بنا پر ٹھوس طریقے سے کوئی عمل نہیں کیا جا سکتا تھا اور اگر عمل کیا بھی جاتا تو اس کے نتائج بڑے خطرناک نکل سکتے تھے...... بہر حال اب اس وقت محکمہ داخلہ کے جن اعلیٰ ترین افراد نے اس سلسلے میں انہیں ہدایات دی تھیں ایک طرف تو وہ تھے اور دوسری طرف شہاب کی ضد...... شہاب کوئی ایسا ذریعہ اختیار کرنے پر تیار نہیں تھا جس سے کوئی درمیانی راہ نکل آئے...... محکمے میں اور بھی بے شمار فراد تھے کچھ ایسے بھی تھے جن کے کارنامے زبردست تھے لیکن نادر حیات صاحب کی جو انڈرسٹینڈنگ شہاب سے تھی وہ ان میں سے کسی سے نہیں تھی، بہت دیر تک سوچتے رہنے کے بعد آخر کار انہوں نے شہاب کو فون کیا، جانتے تھے کہ اس وقت گھر پر ہوگا کسی اور نے فون ریسیو کیا تھا اور بات شہاب تک پہنچ گئی

تھی...... شہاب کی مودب آواز سنائی دی۔

"سر خادم بول رہا ہے۔"

"اور میں نے سنا ہے کہ تم برابر دفتر آ رہے ہو، تم نے کوئی چھٹی بھی نہیں لی، لیکن دفتر میں تم مجھ سے نہیں ملے...... شادی میں بھی جس طرح تم نے رسمی طور پر مجھے بلایا مجھے اس کی شکایت ہے۔"

"سر میرا خیال ہے آپ کی یہ شکایت بجا ہے، بات میرے اور آپ کے سٹیٹس کی ہے۔"

"ایک ماتحت اتنے بڑے افسر کو نیاز مندی کے طور پر شادی کا دعوت نامہ دے سکتا ہے، اس احساس کے ساتھ کہ وہ افسر بہر طور ایسی تقاریب میں شرکت نہیں کر سکتا، لیکن اس کے باوجود آپ نے جس محبت کا سلوک کیا شاید میں اس احساس کو زبان سے بیان نہ کر سکوں، جہاں تک دفتر آنے کی بات ہے تو سر ذمہ داریاں تفریح کی نذر نہیں کی جا سکتیں...... ایک جانب میرے شانے پر اپنی بیوی کی ذمہ داری آئی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ مجھے اپنی نوکری سے بھی دیانت دار رہنا چاہیے، تاکہ وہ قائم رہے اور میں اپنی بیوی کی کفالت کر سکوں...... دوسری جانب میری ملازمت اور فرائض ہیں جو مجھے اس کی اجازت نہیں دیتے کہ میں زندگی کی عارضی رنگ رلیوں میں کھو جاؤں، چنانچہ دونوں ہی کام خوش اسلوبی سے چل رہے ہیں آپ کی یہی عنایت کیا کم ہے کہ میری بیوی سرکاری نوکر ہے۔"

"شہاب تمہاری اور بینا کی واقف مجھ پر ڈیو ہے اور شاید میں اس وقت تک اس بارے میں نہیں سوچوں گا جب تک مجھے یہ علم نہ ہو کہ میرے اور تمہارے درمیان جو اختلاف پیدا ہوا ہے وہ ختم ہو گیا۔"

"اختلاف......" شہاب نے تعجب سے کہا۔

"ہاں قطعی تم چاہے کتنی ہی غیر جانبداری سے کام لو، لیکن جو تمہارے ذہن میں ہے۔"

"سر آپ اسے اختلاف کا نام نہ دیں۔"

"اور اس وقت بینا کیا کر رہی ہے یہ بتاؤ۔"

"میرے والدین کے ساتھ ہے۔"

"کچھ وقت نکال سکتے ہو۔"

"بالکل جناب۔"

"کیا میں اس کے لئے معذرت کروں۔"

"نہیں۔"

"تو پھر میرے گھر آجاؤ۔"

"کتنا وقت دے رہے ہیں آپ مجھے۔"

"بس آجاؤ میں انتظار کر رہا ہوں اور پریشان ہوں۔" نادر حیات صاحب نے کہا۔

"میں پہنچ رہا ہوں۔" شہاب کی آواز سنائی دی۔

"خدا حافظ۔" نادر حیات صاحب نے ٹیلی فون بند کر دیا اور پھر ایک صوفے پر بیٹھ کر آنکھیں بند کر لی تھیں، ذہن شہاب ہی میں اُلجھا ہوا تھا...... پتھر کا انسان ہے اپنے اصولوں میں فولاد سے زیادہ سخت، لیکن بہر حال اب کوئی درمیانی راہ نکالنی پڑے گی، کیونکہ اس کے تعاون کے بغیر چارہ کار نہیں ہے...... نادر حیات صاحب دیر تک بیٹھے ہوئے کچھ سوچتے رہے تھے...... بہت سے معاملات میں شہاب بھی نادر حیات صاحب کی مجبوریوں کو جانتا تھا، لیکن بس کبھی کبھی ضد کرنے کو دل کرتا تھا...... اسے علم تھا کہ نادر حیات صاحب بھی ایک حد تک ہی اپنے اختیارات استعمال کر سکتے ہیں...... ظاہر ہے انہیں شہنشاہ والے اختیارات حاصل نہیں تھے، جن میں صرف اپنا قانون چلتا تھا...... انہیں بہر طور قرب وجوار کے حالات کا بھی جائزہ لینا پڑتا تھا اور اس وقت شہاب نے اپنے طور پر جو کھیل کھیلا تھا وہ بالکل ہی مختلف تھا...... بینا کو بہر طور اس نے اپنی زندگی میں شامل کرنے کا خواب مکمل کر لیا تھا، حالانکہ وہ اس احساس اور اس خوف کا شکار تھا کہ خوابوں کی تکمیل جو بددلی پیدا کر دیتی ہے کہیں ایسی کوئی کیفیت نمودار نہ ہو، لیکن بہر حال ہر کام خود بخود نہیں ہو جاتا...... اس کے لئے کبھی کبھی ماحول اور کبھی کبھی عوامل راستہ ہموار کرتے ہیں اور انہی سے اگر بچ لیا جائے تو زندگی میں بہت سی مشکلات میں کمی ہو جاتی ہے...... نادر حیات صاحب کے پاس پہنچنے میں شہاب نے دیر نہیں لگائی تھی...... پہلے بھی خفیہ طور سے بہت سے سرکاری معاملات کے لئے نادر حیات صاحب کی کوٹھی میں آچکا تھا اور اس وقت نادر حیات صاحب نے اس کے لئے ملازموں کو ہدایت کر دی تھی...... اس دوران وہ شہاب سے گفتگو کے تمام بنیادی اصول طے کر چکے تھے...... انہوں نے اپنے کمرا خاص میں شہاب کا خیر مقدم کیا اور پرتپاک انداز میں ان کے اشارے پر بیٹھ گیا تھا...... نادر حیات صاحب خاموشی سے اسے دیکھتے رہے پھر بے اختیار

مسکرا پڑے۔

"بہت سی باتیں یاد کرتا ہوں...... یہ نہ سمجھنا کہ اپنی گفتگو سے تم کو خوش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" شہاب بھی مسکرا دیا پھر آہستہ سے بولا۔

"آپ میرے لئے بے حد محترم ہیں اور میں اپنے دل میں آپ کے لئے جو عزت اور جو مقام رکھتا ہوں...... شاید آپ اس پر یقین کر لیں۔"

"لیکن کبھی کبھی مجھے دو کوڑی کا کر کے رکھ دیتے ہیں۔"

نادر حیات صاحب نے شکایتی انداز میں کہا۔

"تصور بھی نہیں کیا ہے میں نے کبھی اس انداز کا لیکن اگر آپ یہ سمجھتے ہیں تو ہر اس ممکن طریقے سے معافی مانگنے کے لئے تیار ہوں جس کی آپ اجازت دیں۔"

"نہیں بیٹے...... میں تم پر ناز کرتا ہوں...... تمہارے افکار و خیالات سے میں نے ہمیشہ اتفاق کیا ہے، لیکن کبھی کبھی ضدی ہو جاتے ہو۔"

"ضد بھی اپنے بزرگوں اور اپنے بڑوں سے کی جاتی ہے جناب۔"

"مگر ایسی ضد تو نہیں ہونی چاہئے...... جسے بزرگ یا بڑے پوری نہ کر سکیں۔"

"ضد پوری نہ ہونے پر غصہ تو آتا ہی ہے۔"

"اور بزرگوں کو مشکل میں ڈال دیا جاتا ہے۔" شہاب نے کہا۔

"زبان کے بھی تیز ہو...... خیر اس وقت اجازت ہے...... کوئی ڈسپلن گھر میں نہیں ہوتا...... میں تمہیں اپنے بچوں کی طرح ہی سمجھتا ہوں اور اس وقت اس کیفیت سے فائدہ بھی اٹھاؤں گا۔" شہاب ہنسنے لگا تھا۔

"سناؤ...... شادی کا تجربہ کیسا رہا؟"

"ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں۔"

"نہیں تم نے جو فیصلہ کیا ہے وہ بڑی ذہانت پر مبنی ہے اور میں محسوس کرتا ہوں کہ ایک ایک قدم اٹھا کر تم یہاں تک پہنچے ہو، یعنی عدنان واسطی صاحب کی بیٹی جس نے قانون کی تعلیم حاصل کی ہے...... اس وقت ایک اچھی خاصی پولیس آفیسر بھی ہے اور اسے ہیڈ کوارٹر سے بھی اُٹھا لیا گیا ہے۔" نادر حیات صاحب نے کہا اور ہنسنے لگے۔

"جی ہاں...... تھوڑا سا یہ مسئلہ بھی ہے اور اگر اجازت دیں تو اس سلسلے میں ایک کام اور

کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں ہاں کہو۔"

"حقیقت یہ ہے کہ شاید میں ابھی شادی کے لئے کوئی قدم نہ اٹھاتا، لیکن بہت سے قانونی معاملات میں بینا کو اس طرح آگے بڑھانا پڑتا تھا کہ اس کی کیفیت بھی مخدوش ہو سکتی تھی...... وہ کسی جال میں پھنس سکتی تھی...... کسی کا شکار ہو سکتی تھی اور جب میں نے اسے ایسے ہی ایک مقصد کے لئے تیار کرنا چاہا تو اس نے دبی زبان سے مجھ سے یہ شکایت کی اور کہا کہ اگر وہ کسی حادثے کا شکار ہو گئی تو پھر کسی قیمت پر یہ نہ کرے گی کہ کسی کا سہارا حاصل کرے اور اپنی نسوانیت کی حفاظت کرے، بلکہ خود کو ان راستوں سے ہٹالے گی...... اس کی بات بڑی جائز تھی...... میں نے اسے تسلیم کیا...... پہلے میں نے اسے وہ حق دیا جو اس کا بنتا تھا اور اب وہ میرے لئے کار آمد ثابت ہوگی، کیونکہ ہم دونوں کا مشن ایک ہے جناب...... جرم کو ہر قیمت پر ختم کرنا، ہر قیمت پر۔" شہاب کے لہجے میں ایک غراہٹ پیدا ہو گئی اور نادر حیات صاحب اسے متاثر نظروں سے دیکھنے لگے، پھر ایک گہری سانس لے کر بولے۔

"ہاں...... میں تمہاری کیفیت سمجھتا ہوں۔"

"خیر چھوڑیئے...... یقینی طور پر آپ نے اس وقت مجھے کسی اہم سلسلے میں طلب کیا ہوگا...... میں حاضر ہوں۔"

"اور اس وقت ایک نئے شادی شدہ مرد کو اس کے گھر سے بلا کر کسی اُلجھن میں مبتلا کر دینا ایک غیر مناسب عمل ہے، جس کا مجھے پورا پورا احساس ہے اور اس کے لئے تم سے معذرت چاہتا ہوں۔"

"نہیں جناب بالکل نہیں...... بہر حال آپ نے یقینی طور پر کسی ایسے ہی اہم مسئلے میں مجھے طلب کیا ہوگا، جس کی اشد ضرورت ہوگی؟" ڈی آئی جی صاحب کچھ سوچنے لگے پھر بولے۔

"تفصیل وہی ہے، یعنی صورت حال بھی بعض اوقات کچھ اس طرح کا رُخ اختیار کر جاتی ہے کہ انسان بے بسی کا شکار ہو جاتا ہے...... مثلاً جو سلسلہ جاری ہے وہی شدت اختیار کرتا جا رہا ہے...... کوئی نئی بات نہیں ہے۔"

"جی۔" شہاب نے کہا۔

"انٹر نیشنل نارکوٹکس ہیڈ کوارٹر کے دو نمائندے جن کے سپرد بین الاقوامی طور پر انسداد منشیات کی ذمے داریاں ہیں...... اپنی معلومات کے مطابق کچھ لوگوں کا تعاقب کرتے ہوئے ہانگ کانگ تک پہنچے اور پھر ہانگ کانگ سے ایک بڑے سنڈیکیٹ کے تین نمائندوں کا تعاقب کرتے ہوئے وہ یہاں تک آئے...... یہاں ان نمائندوں نے ایک ہوٹل میں قیام کیا اور پھر ایک میٹنگ طلب کی گئی جس میں پانچ افراد شریک ہوئے۔ یہ مقامی نمائندے تھے اور میٹنگ میں نقاب لگا کر شریک ہوئے تھے...... میٹنگ میں جو گفتگو کی گئی وہ ریکارڈ کرلی گئی ہے اور یہ گفتگو بڑی عجیب و غریب حیثیت کی حامل ہے...... اس میں باڑی کا تذکرہ بھی ہے...... دانی شاہ کا بھی اور مقامی طور پر منشیات کے سلسلے میں جو سرگرمیاں ہو رہی ہیں ان کا بھی اور نئے سرے سے اپنے معمولات کی تکمیل کا اعلان کیا گیا ہے...... ساتھ ہی ساتھ بہت سے ایسے عوامل بھی سامنے آئے ہیں جو چند الفاظ میں ہیں لیکن حقیقتوں کا بڑی وضاحت سے اظہار کرتے ہیں...... ایسی شکل میں اب تم مجھے بتاؤ کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے اور صورت حال کو کس شکل میں کون سا رُخ اختیار کرنا چاہئے...... میں اس سارے مسئلے سے بے پناہ پریشان ہو گیا ہوں۔"

"لیکن جناب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ریکارڈنگ کس طرح کی گئی ہے؟" شہاب نے حیرت سے سوال کیا۔

"وہ دو نمائندے جو ان تین افراد کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہیں، خاصے ذہین اور پریکٹیکل معلوم ہوتے ہیں...... ان میں سے ایک کا نام لائڈ ہے دوسرے کا نام ہیکٹر...... لائڈ نے زندگی کی بازی لگا کر ایک ونڈو سے یہ ریکارڈنگ کی ہے...... میں نے تمہیں دکھانے کے لئے تمام انتظامات کر کے رکھے ہیں...... نادر حیات صاحب نے کہا اور اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے...... اس کے بعد انہوں نے تمام انتظامات کئے اور پھر وی سی آر پر فلم چلا کر شہاب کو وہ فلم دکھائی جو لائڈ اور ہیکٹر سے حاصل کی ہوئی کاپی تھی...... شہاب حیرت اور دلچسپی سے یہ فلم دیکھ رہا تھا جو نامکمل بے شک تھی لیکن اس سے بہت سی حقیقتوں کا انکشاف ہوتا تھا، بعد میں نادر حیات صاحب نے شہاب کو اس سلسلے میں تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"لائڈ اور ہیکٹر خود اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ فلم نامکمل ہے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ انتہائی مشکل حالات میں ایک عظیم الشان بے شمار منزلہ عمارت کی ایک منزل کے

بالکل بیرونی حصے کی کھڑکی سے یہ ریکارڈنگ کر رہا تھا اور کسی بھی لمحے کسی خوفناک حادثے شکار ہو سکتا تھا...... اس لئے زیادہ تفصیل سے ریکارڈنگ نہیں کی جا سکی۔" شہاب نے تعر انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"وہ جو کوئی بھی ہیں بہت ذہین افراد ہیں اور میرا خیال ہے انتہائی قابل قدر کہ انہو نے اس سخت جدوجہد کے ساتھ یہ کاوش کی ہے...... اس کے بعد کیا ہوا جناب؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ وہ تین نمائندے اور یہ پانچ افراد ان کے بارے لائڈ اور ہیکٹر نے معلومات حاصل کی ہیں۔"

"یہاں ان سے چوک ہو گئی۔" اور نادر حیات صاحب نے کہا۔

"وہ کیسے؟" شہاب نے سوال کیا۔

"وہ مطمئن تھے کہ ان کا قیام یہیں اسی ہوٹل میں ہے، لیکن صبح کو جب انہوں انہیں چیک کیا تو وہ کمرے خالی کر کے جا چکے تھے۔"

"اتنی صبح!" شہاب نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں...... یقینی طور پر ان پانچ افراد نے جو مقامی حیثیت رکھتے ہیں...... انہیں ایس کوئی پیشکش کی ہوگی...... ویسے بھی ایسے لوگوں کا ہوٹل میں قیام غیر مناسب تھا۔"

"ہونہہ...... تو یہ پتا نہیں چل سکا کہ وہ تین نمائندے اب کہاں ہیں؟"

"نہیں۔"

"اور ان پانچ نقاب پوشوں کے بارے میں بھی کچھ معلوم نہیں ہو سکا؟"

"نہیں شہاب...... غیر ملکی ہیں اور ہمارے ملک میں بہر حال ان کے پاس اتنے وسا نہیں ہیں کہ وہ اتنی برق رفتاری سے کوئی کارروائی کر سکتے، لیکن اب اس کے بعد انہوں براہ راست وزارت داخلہ سے رابطہ قائم کیا ہے اور ایک انتہائی اہم میٹنگ میں...... تم سمجھ لو اس میں ملک کے تمام بڑے شریک ہوئے ہیں...... یہ ذمے داری بڑی سختی کے سا میرے سپرد کی گئی ہے۔"

"دونوں نمائندے کہاں ہیں؟"

"انہیں سرکاری طور پر قیام کی دعوت دی گئی ہے، کیونکہ بہر حال انہوں نے اپنا

عمل کر لیا ہے اور اب بین الاقوامی معاہدے کے تحت ان کی مدد کرنا ہماری ذمے داری ہے۔"

"کیا چاہتے ہیں وہ؟"

"تفصیل تو چاہتے ہی ہیں اور اس سلسلے میں کوئی اطمینان بخش رپورٹ بھی لیکن ساتھ ہی ساتھ ہمارا فرض یہ ہوگا کہ ان نمائندوں کو گرفتار کر کے ان کے حوالے کریں...... بڑا ضروری ہے اور باقی جہاں تک ان مقامی نقاب پوشوں کی بات ہے تو ان کی ذمے داری بھی ہم پر ہی عائد ہوتی ہے کہ ان کے بارے میں معلومات حاصل کر کے انٹرنیشنل نارکوٹکس کو اطلاع دیں اور انہیں ان کے حوالے کریں...... ان تمام ضرورتوں کے ساتھ جو اس سلسلے میں ہم پر عائد ہوتی ہیں...... ساتھ ہی باڑی کے بارے میں بھی ہمیں تفصیلی رپورٹ دینا ہوگی اور باڑی پر کنٹرول حاصل کرنا ہوگا۔"

"کیا یہ سارا کام اتنی آسانی سے ہو جائے گا؟"

"نہیں...... اس سلسلے میں متعلقہ محکمے مل کر کارروائی کریں گے...... ہمارا کام صرف اپنی ذمے داری پوری کرنا ہے۔" نادر حیات صاحب نے کہا اور شہاب کے ہونٹوں پر ایک بار پھر جنونی سی مسکراہٹ پھیل گئی...... نادر حیات صاحب اسے دیکھ رہے تھے...... اس مسکراہٹ کو انہوں نے پوری طرح محسوس کیا اور ان کی آنکھیں جھک گئیں، پھر وہ آہستہ سے بولے۔

"اور اگر اس وقت تم مجھے کوئی سخت بات کہنا چاہتے ہو تو بے شک کہہ لو لیکن میں خود کو اس کا ذمے دار نہیں سمجھتا۔"

"نہیں جناب...... یہ غلط بات ہے...... آپ اپنے آپ کو اس کا ذمے دار سمجھیں گے اور آپ کو سمجھنا چاہئے۔"

"لیکن؟"

"وزارت داخلہ سے بات چیت کیجئے گا...... آپ کے سپرد ذمے داری کی گئی ہے...... آپ اجازت لیجئے ان لوگوں سے کہ آپ اپنی ذمے داری پوری کرنے کے لئے ہر وہ ممکن قدم اٹھائیں گے جو ضروری ہو۔"

"اور اگر کہیں کوئی چوک ہو گئی تو جواب دہی کون کرے گا؟" نادر حیات صاحب نے کہا۔

"میں۔" شہاب سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا اور نادر حیات صاحب اسے دیکھنے لگے، پھر

آہستہ سے بولے۔

"برامت ماننا شہاب...... جو ذمے داری میری ہے اس کی پوری ذمے داری تم پر نہیں آتی...... تم سے صرف میں جواب طلب کر سکتا ہوں۔"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن میں آپ کو جواب دوں گا۔"

"میں تم پر اعتبار بھی کرتا ہوں اور جانتا ہوں کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ بالکل درست ہے، لیکن تم مجھے یہ بتاؤ؟"

"نہیں سر! لیکن کا لفظ، میرے خیال میں ایسے حالات میں ایک لنگڑی معذرت ہے...... معاف کیجئے گا میں اسے قبول نہیں کرتا۔"

"شہاب پھر وہی سخت لہجہ اختیار کر لیا ہے تم نے۔"

"مجبوری ہے سر! ہم مجرموں کے خلاف کام کر رہے ہیں...... کوئی دوستانہ جدوجہد نہیں کی جا رہی...... مجرم پوری بے رحمی کے ساتھ مصروف عمل ہیں...... ہم اسے ذرا بھی کمزور چھوڑیں گے تو وہ ہمیں ختم کر دیں گے اور ہمیں علم ہے کہ میری تو نئی نئی شادی ہوئی ہے بلکہ آپ نے مجھے غصہ دلا کر میری شادی کرا دی...... ہو سکتا ہے زندگی کی جدوجہد کچھ ماند پڑ جائے...... اب تو مجھے اپنی بیوی کے لئے بھی غور کرنا ہوگا۔"

"ساری باتیں اپنی جگہ ہیں لیکن تم مجھے بتاؤ کہ کیا اس انداز میں کام کیا جا سکتا تھا۔"

"کیا جا سکتا تھا نہیں کیا جا سکتا ہے۔"

"مطلب؟"

"کیس وہی ہے...... دانی شاہ نے ایک بچی کو قتل کیا...... واقعہ یوں تھا کہ اس سنڈیکیٹ نے اس گروہ نے اس لڑکی کو بھی اپنے ساتھ شامل کیا ہوا تھا...... معمولی حیثیت کی مالک تھی وہ لیکن آپ دیکھئے کہ جرم کرنے والا کس طرح اپنے آپ کو چاروں طرف سے محفوظ رکھتا ہے اور ہم جو جرم کو ختم کرنے کے لئے کمر بستہ ہوتے ہیں لاتعداد زنجیروں میں جکڑے رہتے ہیں...... آپ خود سوچئے اسے ہم پر برتری کیوں نہ حاصل ہو...... اس کی زنجیریں تو کھلی ہوئی ہیں بلکہ حقیقی معنوں میں اس کے پاؤں میں تو کوئی زنجیر ہی نہیں ہے...... وہ بچی ایک ایسے خاندان کی تھی جو بے کس اور بے بس تھا...... وہ بحالت مجبوری ان کے چنگل میں جا پھنسی تھی اور حقیقتوں کا علم ہونے کے بعد ان سے بچ نکلنا چاہتی تھی...... انہوں نے اسے زندہ

نہیں چھوڑا...... ہلاک کر دیا اس بے چاری کو لیکن بہر حال بات میرے علم میں آ گئی اور نادر حیات صاحب میں نے باڑی پہنچ کر جو کچھ کیا اس میں لمحہ لمحہ میری زندگی موت سے ہمکنار ہوتی رہی...... میں اپنے آپ کو بچاتا رہا اور مجرموں کے گرد جال بنتا رہا...... بے شمار افراد ہلاک کرا دیئے میں نے...... اتنے کہ اگر آپ باقاعدہ کوئی مسلح جدوجہد شروع کراتے اور انتظامیہ کی بہت بڑی تعداد ان لوگوں کو گھیر کر فنا کرنے کی کوشش کرتی تو شاید اس سے زیادہ افراد کو نہ مار سکتی اور پھر میں وہاں سے جو کچھ معلومات حاصل کر کے آیا اور دانی شاہ کو قید کر کے لایا وہ معمولی کام نہیں تھا...... دانی شاہ میرے ساتھ دارالحکومت آنے تک آزاد تھا...... سوچ بھی نہیں سکتا تھا وہ کہ جو شخص اسے لئے جا رہا ہے وہ اس کے سنڈیکیٹ کا آدمی نہیں بلکہ انتظامیہ کا فرد ہے...... وہ جب بھی چاہتا مجھے قتل کر سکتا تھا اور جب میں اپنی دانست میں ایک بہت بڑا کارنامہ سرانجام دے کر یہاں تک پہنچا تو آگے قدم بڑھانے سے روک دیا گیا مجھے...... نہیں نادر حیات صاحب! یہ صلہ نہیں ہے یہ تو معاف کیجئے گا ایک عجیب سی بددلی کا احساس پیدا کرنے والی بات ہے...... میں مزید کیا کہوں اس سلسلے میں؟" نادر حیات صاحب نے گردن جھکائی پھر بولے۔

"ہاں اتفاق کرتا ہوں میں تم سے لیکن بہر حال جو ہے...... وہ تو ہے ناں...... ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہم اسے ختم کر سکتے ہیں...... معاشرہ بہت دُور تک بگڑا ہوا ہے اور بات یہیں کی یہیں ہے۔ دُنیا کے لاتعداد ملکوں میں کیا کچھ ہو رہا ہے، دیکھ لو شہاب...... بہت سی مجبوریاں ہر جگہ ہوتی ہیں، بیٹے! انہی میں اپنے لئے جگہ بنانی پڑتی ہے۔"

"دانی شاہ کو جیل میں قتل کر دیا گیا...... باقی افراد اس لئے مار دیئے گئے کہ حقیقتیں سامنے نہ آ سکیں...... کون لوگ تھے یہ میں جانتا ہوں...... کیا کروں بتائیے ان کے بارے میں...... کیا کرنا چاہئے مجھے...... آپ نے نقابوں میں انہیں دیکھ لیا...... یہ وہی پانچ تھے، جن کے نام میں لے کر آیا ہوں...... وہی پانچ...... سمجھ رہے ہیں ناں آپ...... اب بتائیے کیا کروں میں؟ انہی کی ہدایت پر رمضان خان نے جیل میں اس وارڈ کو زہر دیا، جس میں دانی شاہ موجود تھا...... باقی لوگ دانی شاہ کے ساتھ مارے گئے کیا یہ معمولی بات ہے...... وہ تو ہر اس ثبوت کو مٹا دیں گے، ہر اس شخص کو ختم کر دیں گے جو ان کے خلاف کسی بھی شکل میں سامنے آ سکتا ہے اور اس میں آپ جانتے ہیں سر فہرست کون ہوگا؟ محترم نادر حیات صاحب!

آپ کا یہ غلام شہاب ثاقب...... لیکن مجھے فکر نہیں ہے اس بات کی، کیونکہ میرے والد
کے شہید تھے اور میں بھی سچائی ہی کے ہاتھوں جینا چاہتا ہوں...... سمجھ رہے ہیں ناں...... موت کسی بھی وقت میں اپنانے کے لئے تیار ہوں لیکن سچ کے ساتھ...... سچ کا بول بالا کرتے ہوئے۔"

"مگر اب کریں کیا، یہ بتاؤ؟"

"کیا چاہتے ہیں آپ؟" شہاب نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"ان تین نمائندوں کی بازیابی جو ہانگ کانگ سے یہاں آئے ہیں...... انہیں لائڈ اور ہیکٹر کے حوالے کرنا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ہی ایک ایسا ٹھوس وعدہ جس کے بارے میں ہم یہ کہہ سکیں کہ ہم بہت جلد حقیقتوں کا سراغ لگا کر انٹر نیشنل ڈیپارٹمنٹ کو اس سلسلے میں اطلاع دیں گے۔"

"کیا آپ ایسا کریں گے؟"

"کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا...... اب فرض کرو دانی شاہ کا مسئلہ ہے، اس کی موت کی عجیب و غریب حیثیت رکھتی ہے...... کوئی اس سلسلے میں جواب دینے کے لئے تیار نہیں ہے...... وہ ایک شخص رمضان خان تھا وہ اپنی گردن صاف بچا لے گیا...... جانتے ہو ملک چھوڑ کر نکل گیا ہے۔"

"آپ اس سے کیا نتیجہ اخذ کرتے ہیں؟" شہاب نے سوال کیا۔

"سیدھی سیدھی سی بات ہے، بہر حال وہ یہاں رہنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔"

"اور کیا وہ لوگ اسے زندہ رکھنے کا خطرہ مول لے سکتے تھے؟" شہاب نے پوچھا۔

"کون لوگ؟"

"اس کے سرپرست، جنہوں نے اس سے یہ کام کرایا۔"

"ہاں ظاہر ہے۔"

"تو کیا یہ ممکن نہیں کہ رمضان خان کو یہاں سے نکلنے نہ دیا گیا ہو، بلکہ وہ بھی کہیں زمین کی گہرائیوں میں پوشیدہ ہو؟"

"نہیں...... میرا محکمہ بہر حال کام کرتا رہا ہے...... تم تو بگڑ گئے تھے اور پھر تم نے غصے میں آکر شادی کر ڈالی لیکن بہر حال تھوڑا بہت کام میں کراتا رہا ہوں۔"

"اوہو...... کیا واقعی؟"

"ہاں۔"

"کیا اس کے بارے میں مجھے آپ تھوڑی بہت تفصیل بتا سکیں گے آپ؟"

"مثلاً؟"

"مثلاً یہ کہ رمضان خان کے بارے میں آپ کو کیسے علم ہوا کہ وہ ملک چھوڑ کر نکل گیا ہے؟"

"تم اس پر خاص توجہ دے رہے ہو، کوئی خاص بات ہے کیا؟"

"نہیں سوال کر رہا ہوں...... پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ نے مجھے اس وقت طلب کیا ہے...... اس کی کوئی وجہ ہوگی۔"

"بھئی سیدھی سادی وجہ ہے۔"

"کیا؟"

"یہ کہ میں تمہیں اس سلسلے میں اب آگے بڑھانا چاہتا ہوں...... جو صورت حال پیش آگئی ہے، اس میں اور کوئی میری نگاہوں میں اس قابل نہیں ہے کہ ان نمائندوں کا سراغ لگا سکے۔"

"بات صرف نمائندوں کے سراغ کی ہے۔"

"ہاں۔"

"اور ظاہر ہے کہ وہی لوگ اس بارے مین بتا سکتے ہیں۔"

"کون؟"

"جنہوں نے انہیں تحفظ دیا۔"

"یعنی وہ پانچ نقاب پوش۔"

"جی۔"

"مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان پر ہاتھ کیسے ڈالا جائے؟"

"میرے ذریعے۔" شہاب نے کہا۔

"بات وہیں آجاتی ہے ناں۔"

"وہاں تو آئے گی۔" شہاب بولا۔

"رمضان خان کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے؟"

"یہ کہ اس کے بارے میں آپ کے پاس کیا ثبوت ہیں کہ اسے ہلاک نہیں کر دیا گیا؟"

"خیر یہ تو کوئی ثبوت نہیں ہے...... ہاں مگر یہ ہو سکتا ہے کہ اسے کسی غیر ملک میں لے جا کر مار دیا گیا ہو۔"

"یعنی یہاں اسے قتل نہیں کیا گیا؟"

"کیا تم اس کی لاش دریافت کر چکے ہو؟" اچانک ہی نادر حیات صاحب نے چونک کر کہا۔

"بالکل نہیں۔"

"تو پھر میں تمہیں مختصر الفاظ میں یہ بتاؤں کہ اس کے بارے میں تحقیقات کرتے ہوئے یہ بات پتا چل گئی ہے کہ رمضان خان نامی شخص فلاں دن فلاں وقت فلاں فلائٹ سے ملک سے باہر جا چکا ہے...... باقی معلومات یہ ہی کہتی ہیں۔"

"گڈ...... ٹھیک ہے...... اس کا مقصد ہے کہ انہوں نے ایک اہم ثبوت ختم کر دیا...... رمضان خان یہ گواہی دے سکتا تھا کہ اس نے کس کے کہنے پر کھانے میں زہر شامل کرایا۔"

"اس سلسلے میں تو سب کچھ پوچھا جا چکا ہے اس سے...... وہ اعتراف ہی نہیں کرتا، بلکہ اس نے ان لوگوں کو حوالے کر دیا تھا...... جو کھانا تیار کیا کرتے تھے...... ایک طرح سے وہ بچ گیا تھا لیکن اس کے باوجود وہ ملک چھوڑ کر چلا گیا۔"

"کیوں؟"

"بھئی اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ خوفزدہ تھا اور اس کے علم میں تھا کہ زہر شامل کرایا گیا تھا۔"

"جی بالکل لیکن میں سمجھتا ہوں کہ آپ کو یہ معلوم کرانا چاہئے تھا کہ رمضان خان گیا کہاں ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"وہ ہمارے لئے بہت بڑا مہرہ ثابت ہو سکتا ہے...... وہ ہی بتا سکتا تھا کہ وہ کون تھا کہ جس نے اسے زہر شامل کرنے کے لئے کہا تھا اور اگر وہ شخص کم از کم ہمارے علم میں آ جاتا تو ہم یہ کہہ سکتے تھے، یہ تو کر سکتے تھے کہ اس سے ان نمائندوں کے بارے میں معلومات حاصل کر لیتے۔"

"نادر حیات صاحب سوچ میں ڈوب گئے تھے، پھر انہوں نے کہا۔

"ہاں یہ حقیقت ہے ایسا ہو سکتا تھا مگر رمضان خان کے بارے میں اس سے زیادہ میں معلومات نہیں حاصل کر سکا۔"

"یہاں اس جگہ ہم جو گفتگو کر رہے ہیں کیا وہ محفوظ ہے؟"

"کیا مطلب؟" نادر حیات صاحب چونک کر بولے۔

"میرا مطلب ہے کوٹھی میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے...... جہاں ہم نہایت اطمینان سے گفتگو کر سکیں اور اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکیں۔"

"نہیں...... ایسی ایک جگہ ہے...... ایک تہہ خانہ جو بڑی اہمیت کا حامل ہے اور ہر طرح سے محفوظ بھی ہے۔"

"تو میرے خیال میں کیوں نہ ہم وہاں چلیں؟"

"مگر کیوں یہاں تم کوئی غلط بات محسوس کر رہے ہو؟"

"جی۔"

"کک...... کیا مطلب؟" نادر حیات صاحب نے چونک کر کہا۔

"وہ تہہ خانہ میں دیکھنا چاہتا ہوں...... کیا وہاں ہماری ہر بات محفوظ رہ سکتی ہے؟"

"پتا نہیں تم یہ الفاظ کیوں کہہ رہے ہو لیکن بہرحال اگر تم اس بات کے خواہش مند ہو تو آؤ، میں تمہیں لئے چلتا ہوں۔" اس کے بعد نادر حیات صاحب، شہاب کو لئے ہوئے اس تہہ خانے میں پہنچے تھے...... جو کوٹھی کے عقبی حصے میں تھا اور اس کا راستہ بھی کوٹھی کے بالکل پشت سے ہی اندر جاتا تھا...... شہاب نے یہ جگہ بہت پسند کی اور بولا۔

"اور ظاہر ہے آپ نے مجھے بلایا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ پریشان بھی ہیں۔"

"بہت پریشان ہوں شہاب! کیونکہ اب بات معمولی نہیں رہی ہے...... وزارت داخلہ نے باقاعدہ میری گردن پر انگوٹھا رکھ دیا ہے۔"

"اور اس کے باوجود آپ کسی اور کی گردن پر انگوٹھا رکھنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔"

"تیار ہوں...... لیکن احتیاط کے ساتھ۔" نادر حیات صاحب نے جواب دیا۔

"جناب عالی! میری شادی کو ابھی چند روز ہوئے ہیں...... اصولی طور پر مجھے اپنی بیوی کے پاس ہونا چاہئے لیکن آپ کے حکم پر میں یہاں حاضر ہوں، اس کا مطلب ہے کہ مجھے اس بات کا اختیار ہے کہ آپ کی یہ رات بھی بے سکون کر دوں۔" نادر حیات صاحب ہنسنے لگے

پھر بولے۔

"مگر میری بیوی گہری نیند سو رہی ہے، اس لئے مجھے اس کی پروا نہیں ہے...... تم خوشی کے ساتھ میری یہ رات برباد کر سکتے ہو۔"

"تو کچھ لمحوں کی اجازت؟"

"کہاں؟"

"بس ذرا تہہ خانے کے باہر بلکہ آپ بھی آیئے تہہ خانے میں ہمیں دوبارہ واپس آنا ہوگا لیکن کچھ وقت کے بعد۔"

"ہاں ہاں آؤ چلو۔"

"اب آپ سے تھوڑی سی معذرت چاہتا ہوں، ایک چند منٹ کی اجازت دیجئے۔"

باہر نکلنے کے بعد شہاب نے نادر حیات صاحب سے کہا اور ان سے خاصا آگے بڑھ گیا...... پھر اس نے ٹرانسمیٹر نکالا اور اس پر اپنے ساتھیوں کو کال کرنے لگا، جواب ذرا دیر سے ملا تھا لیکن کچھ لمحوں کے بعد نیند میں ڈوبی ہوئی ایک آواز سنائی دی۔

"سی پی کالنگ...... سی پی کالنگ۔"

"توصیف۔"

"ہاں توصیف بول رہا ہوں کون صاحب؟"

"توصیف...... شہاب بول رہا ہوں۔"

"جی شہاب صاحب! خیریت؟"

"ہاں خیریت ہے ایک کام پڑا ہے۔"

"ہاں ہاں کہئے فوراً میں حاضر ہوں۔" توصیف نے مستعدی سے کہا۔

"رمضان خان کو لیکر نادر حیات صاحب کی کوٹھی پہنچنا ہے۔"

"رمضان خان کو لے کر نادر حیات صاحب کی کوٹھی پر؟" توصیف نے سوال کیا۔

"تمہارا ذہن نیند میں ڈوبا ہوا تو نہیں ہے؟"

"نہیں اب نہیں ہے۔"

"رمضان خان کو لے کر نادر حیات کی کوٹھی پر پہنچ جاؤ...... بند گاڑی میں آنا ہے...... نادر حیات صاحب کی کوٹھی کے گیٹ پر میں تمہیں مل جاؤں گا اور بہتر ہوگا کہ اپنے ساتھ اور افراد

کو بھی لے آنا مستعد رہنا ہے...... رمضان خان بہر حال ایک الگ اہمیت کا حامل ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" توصیف نے کہا۔

"اور اس ہدایت کو یوں سمجھ لو کہ شہنشاہ کی ہدایت حاصل ہے اپنے طور پر چاہو تو اس سے رابطہ قائم کر سکتے ہو۔"

"نہیں بلکہ نہیں کیونکہ یہ ہدایت تو ہمیں پہلے ہی کر دی گئی ہے کہ آپ کی طرف سے ملنے والے ایمرجنسی کے احکامات کی تعمیل کی جائے۔" توصیف نے کہا۔

"تو پلیز اس کام میں جلدی بھی کرنی ہوگی تمہیں اور احتیاط بھی کرنی ہوگی...... رمضان خان کو باندھ کر لانا ہے، منہ میں کپڑا بھی ٹھونس دینا ہے تاکہ وہ کوئی حرکت نہ کر سکے، مکمل احتیاط رکھنا۔"

"ٹھیک ہے جناب!" ڈی آئی جی نادر حیات صاحب تھوڑے فاصلے پر چہل قدمی کر رہے تھے اور گردن اُٹھا اُٹھا کر شہاب کو دیکھتے بھی جا رہے تھے...... شہاب اپنا کام ختم کرنے کے بعد ان کے پاس پہنچا تو وہ مسکرا کر بولا۔

"بہت پراسرار شخصیت ہے تمہاری شہاب یقین کرو کبھی کبھی تو میں حیران رہ جاتا ہوں۔"

"کیوں جناب؟"

"بس نہ جانے کیوں مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ تمہاری اس سادہ شخصیت کے پیچھے کوئی گہرا راز چھپا ہوا ہے، تم صرف اس حد تک نہیں ہو جس حد تک نظر آتے ہو بلکہ اس کے پس پردہ بھی کچھ ہے۔"

"اس کے پس پردہ جو کچھ ہے جناب اس کا اظہار آپ پر کر چکا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"ایک احساس...... ایک ضد...... ایک عزم...... ایک کیفیت جو اپنے باپ کی موت کے بعد میرے دل میں بیدار ہوئی اور میں نے دُنیا کو ذرا مختلف انداز میں دیکھنا شروع کر دیا۔" نادر حیات صاحب خاموشی سے کچھ سوچنے لگے پھر چونک کر بولے۔

"میرا خیال ہے تم کسی سے بات کر رہے تھے؟"

"جی ہاں۔"

"کیا ٹرانسمیٹر پر؟"

"کچھ چیزیں اگر میری ذات تک محدود رہیں تو کیا آپ مجھے اس کا حق دیں گے؟"

"سوری کیوں نہیں۔" نادر حیات صاحب نے آہستہ سے کہا...... شہاب خاموش ہو گیا تھا، پھر نادر حیات صاحب بولے۔

"وہ کوئی اہم مسئلہ ہے میرا مقصد ہے ہمیں یہاں کہاں رکنا ہے۔"

"جی سر چوکیدار سے بس اتنا کہنا ہے کہ ابھی کچھ لوگ آنے والے ہیں کسی کو لے کر انہیں اندر پہنچانا ہے۔"

"کتنے افراد ہیں؟"

"نہیں صرف ایک آدمی۔"

"میں سیکورٹی گارڈز کو ہدایت کئے دیتا ہوں۔"

نادر حیات صاحب نے کہا اور آہستہ سے ٹہلتے ہوئے گیٹ کی جانب چل پڑے، پھر گیٹ پر موجود سیکورٹی گارڈز کو ہدایات دے کر وہ واپس پلٹے اور شہاب کے ساتھ دُور جا کھڑے ہوئے، دونوں مختلف موضوعات پر باتیں کرتے رہے تھے...... یہاں تک کہ کچھ دیر کے بعد کوٹھی کے وسیع و عریض گیٹ پر کسی کار کی روشنیاں نظر آئیں اور نادر حیات صاحب چونک کر ادھر دیکھنے لگے...... شہاب چند قدم آگے بڑھ گیا تھا...... ویگن گیٹ پر آ کر رُکی تو شہاب نادر حیات صاحب سے اجازت لے کر گیٹ کے قریب پہنچ گیا اور پھر اس نے توصیف اور دوسرے لوگوں سے رمضان خان کو وصول کیا اور سیکورٹی گارڈز کی حفاظت میں اسے لئے ہوئے آگے بڑھ گیا...... رمضان خان کے چہرے پر ایک کنٹوپ چڑھا دیا گیا تھا، اس کے دونوں ہاتھ پشت پر باندھے ہوئے تھے...... شاید منہ میں کپڑا بھی ٹھنسا ہوا تھا...... پاؤں کھلے ہوئے تھے...... سیکورٹی گارڈز اسے لئے ہوئے نادر حیات صاحب کے پاس پہنچے اور شہاب نے بعد میں اس کے بندھے ہوئے ہاتھوں کی رسی اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے جھٹکا دیتے ہوئے اسے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا...... نادر حیات صاحب بری طرح حیران نظر آ رہے تھے، ان کا منہ تعجب سے کھلا ہوا تھا لیکن اس کے باوجود تہہ خانے میں داخل ہونے سے پہلے انہوں نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ یہ کون آدمی ہے البتہ جس طرح سے اسے لایا گیا تھا اسے دیکھ کر نادر حیات صاحب نے یہ اندازہ ضرور لگا لیا ہو گا کہ کوئی اہم ہی شخصیت ہے لیکن کچھ سمجھ نہیں پائے تھے...... وہ یہاں تک کہ شہاب، رمضان خان کو لئے ہوئے نادر حیات

صاحب کے ساتھ تہہ خانے میں داخل ہو گیا...... پھر اس نے رمضان خان کو ایک طرف دھکا دے دیا اور وہ زمین پر جا پڑا...... نادر حیات صاحب کے منہ سے سرسراتی آواز نکلی۔

"کون ہے یہ؟" ان کے سوال کے جواب میں شہاب نے آگے بڑھ کر رمضان خان کے منہ سے وہ کنٹوپ ہٹا دیا جو اس کا چہرہ ڈھکے ہوئے تھا اور رمضان خان کا چہرہ نمایاں ہو گیا...... اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی، بری حالت ہو رہی تھی، چہرہ بری طرح بدحواس تھا، منہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا تھا اور ٹیپ چپکا دیا گیا تھا...... شہاب نے آگے بڑھ کر اس کے منہ سے ٹیپ ہٹایا اور پھر کپڑا بھی نکال دیا...... رمضان خان بری طرح گڑگڑانے لگا تھا۔

"خدا کے لئے معاف کر دو...... خدا کے لئے معاف کر دو...... ارے معاف کر دو، بس ایک بار معاف کر دو...... خدا غارت کرے سب نکل گئے مجھے پھنسا دیا...... معاف کر دو بابا ایک دفعہ معاف کر دو...... قصور میرا نہیں ہے...... ارے قصور میرا نہیں ہے۔" نادر حیات صاحب رمضان خان کو دیکھ رہے تھے، پھر انہوں نے شہاب سے کہا۔

"کون ہے یہ؟"

"رمضان خان ٹھیکیدار۔"

"کیا؟" نادر حیات صاحب چونک پڑے۔

"جی یہ رمضان خان ٹھیکیدار ہے جو آپ کی معلومات کے مطابق ملک سے باہر نکل گیا تھا، لیکن یہ بات میں جانتا ہوں کہ اس نے کھانے میں زہر ملوایا تھا...... چوبیس افراد کی ہلاکت کا ذمے دار ہے یہ، میں اس طرح تو اسے نظرانداز نہیں کر سکتا تھا...... آپ لوگوں نے تو اسے بے گناہ قرار دے کر چھوڑ دیا لیکن یہ بے گناہ نہیں ہے...... چوبیس افراد میں سے تین افراد کو نکال دیجئے، یعنی دانی شاہ اور اس کے ساتھی باقی اکیس افراد کی موت کس کھاتے میں جائے گی اس کا مجھے جواب چاہئے نادر حیات صاحب میں ان لوگوں کی موت کو نظرانداز نہیں کر سکتا...... یہ ان تین گناہ گاروں کے علاوہ اکیس ایسے افراد کا قاتل ہے جن کا اس معاملے سے تعلق نہیں تھا...... وہ مجرم ہوں گے، کچھ بھی ہوں گے لیکن آپ مجھے بتائیے کہ میں انہیں کیسے نظرانداز کر دوں، چنانچہ رمضان خان کے سرپرستوں نے اسے باہر نکالنے کے لئے تمام تیاریاں مکمل کر لیں لیکن میں نے اس کے نام پر کسی اور کو یہاں سے باہر نکال دیا اور اسے اپنی تحویل میں لے لیا، کیونکہ بہرحال آپ اجازت دیتے یا نہ دیتے لیکن مجھے تو علم تھا کہ

آنے والے وقت میں آپ کو ان لوگوں کی ضرورت پیش آئے گی جو اس تمام کاری گری کی روح رواں ہیں...... نادر حیات صاحب آپ یقین کرلیں اور اس شخص سے پوچھ لیں کہ ابھی تک میں نے نہ تو اس پر کوئی تشدد کیا، نہ اس سے یہ پوچھا کہ اس کے سرپرست کون تھے اس کی بھی کچھ وجوہات تھیں۔"

"کیا؟" نادر حیات صاحب بے اختیار بول پڑے۔

"وہ انتظار جو مجھے آپ کی طرف سے تھا اور میں جانتا تھا کہ آخر کار ایک وقت آپ مجبور ہو جائیں گے اور یہ معلومات حاصل کرنے کے لئے بے چین بھی ہو جائیں گے۔"

نادر حیات صاحب نے آنکھیں بند کرلی تھیں...... دیر تک وہ تاثر میں ڈوبے رہے، پھر آنکھیں کھول کر بولے۔

"تمہارا نام رمضان ہے؟"

"جی مائی باپ! رمضان ٹھیکیدار ہوں میں۔"

"ہوں رمضان خان کتنے عرصے سے تم جیل کی ٹھیکیداری کر رہے ہو؟"

"بہت وقت ہو گیا ہے صاحب بہت وقت ہو گیا۔"

"تم رمضان خان کیا تم اب بھی یہ بتانے کو تیار نہیں ہو کہ کھانے میں زہر کس نے ملایا تھا...... دیکھو تمہارے ساتھ رحم کیا جاسکتا ہے، لیکن ایسی صورت میں جب تم سچائی بتادو۔"

"وہ تو بات ختم ہو چکی ہے مائی باپ ہمیں تو یہ بھی نہیں پتا کہ ہمیں کیوں پکڑا گیا ہے...... ہمیں تو بے گناہ کہہ دیا گیا تھا...... سارے بیان تو دے دیئے تھے ہم نے اب تو دھاندلی بازی ہے، غلط کام ہے کہ پولیس نے ہمیں قید کر رکھا ہے...... ہمیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ ہمیں پولیس نے قید کیا ہے کہ آپ لوگوں نے کوئی اور چکر چلا رکھا ہے۔" شہاب آہستہ آہستہ رمضان خان کے قریب پہنچ گیا...... نادر حیات صاحب شہاب کو دیکھ رہے تھے شہاب نے کہا۔

"دیکھو رمضان خان یہ بتانا بہت ضروری ہے کہ وارڈ میں جو چوبیس افراد ہلاک ہوئے ان کے کھانے میں زہر کس نے، اپنے ہاتھوں سے ملایا تھا اور کس کے کہنے سے ملایا تھا؟"

"کچھ نہیں معلوم ہمیں بار بار یہ بات پوچھ کر تم لوگ ہمارا دماغ خراب کر رہے ہو۔ ایک تو اتنے دن سے ہمیں قید کر رکھا ہے اور پھر اوپر سے۔" رمضان خان نے ابھی اتنا

جملہ کہا تھا کہ شہاب نے اس کے داہنے کان کی لو پکڑ لی اور نرم لہجے میں بولا۔

"رمضان خان! ضد نہیں کرتے تم اتنے دن سے قید ہو اور کوئی رہائی دلانے نہیں آیا، اب کب تک ضد کرتے رہو گے۔"

"ضد کے بچو مجھے ایک بار چھوڑ دو میں پھر دیکھتا ہوں کہ تم کتنے پانی میں ہو۔" رمضان خان نے غرا کر کہا لیکن اس کے ساتھ ہی آخری جملہ ادا کرتے ہوئے اس کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکل گئی اور پھر وہ ارے ارے مر گیا کہتے ہوئے زمین پر گر پڑا...... نادر حیات صاحب سرد نگاہوں سے سامنے دیکھ رہے تھے انہیں یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ اچانک ہی کیا ہوا ہے...... انہوں نے تو صرف شہاب کو رمضان خان کا کان پکڑتے ہوئے دیکھا تھا لیکن دوسرے لمحے جب انہوں نے دیکھا کہ رمضان خان کا کان آدھے سے زیادہ اکھڑ کر لٹک گیا ہے اور اس سے خون ٹپک رہا ہے...... شہاب نے اس کا کان ادھیڑ دیا تھا...... ایک لمحے کے لئے ایک عجیب سی کیفیت نادر حیات صاحب کے اندر پیدا ہوئی لیکن انہوں نے خاموشی اختیار کی ہوئی تھی...... رمضان خان گر پڑا تھا اور اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن چونکہ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اس لئے وہ اُٹھ نہیں پا رہا تھا...... شہاب نے اس کا دوسرا کان پکڑا اور وہ تڑپ کر چیخ اُٹھا۔

"نہیں نہیں ایسا مت کرو۔" پھر شہاب نے اس کان کو پکڑ کر رمضان خان کو کھڑا کر دیا اور رمضان خان بری طرح کراہنے لگا۔

"ارے مر گیا...... ارے بچالو کوئی بچالو تمہیں خدا کا واسطہ مار ڈالا مار ڈالا۔" شہاب نے رمضان خان کا کان پھر پکڑ لیا تھا...... وہ آہستہ سے بولا۔

"اور اس بار میں اسے اکھاڑ دوں گا پھر تمہارے ایک ہاتھ کی تمام انگلیاں توڑ دوں گا، پھر دوسرے ہاتھ کی۔"

"مار ڈالو...... خدا تمہیں غارت کرے مار ڈالو کچھ نہیں معلوم مجھے۔"

"ٹھیک ہے تو پھر یہاں سے شروع کرتے ہیں۔"

شہاب نے رمضان خان کے بندھے ہوئے ہاتھوں کو پکڑ لیا اور اس کی انگلی اپنی گرفت میں لے لی۔

"بچالو...... بچالو...... دیکھو کچھ نہیں جانتا میں...... کچھ نہیں جانتا میں۔" لیکن اس کے

ساتھ ہی چٹ کی آواز آئی تھی اور نادر حیات صاحب نے رُخ بدل لیا تھا...... شہاب نے
طور پر رمضان خان کی کوئی انگلی توڑ دی تھی...... رمضان خان پھر زمین پر گر پڑا اور مچھلی
طرح تڑپنے لگا...... شہاب پرسکون نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا اور ایک بار پھر جھکا اور ا
نے رمضان خان کا بازو پکڑ کر اسے سیدھا کھڑا کر دیا، اس کے بعد اس کے دوسرے ہاتھ
انگلی پکڑ لی۔

"خدا تمہیں غارت کر دے...... خدا تمہیں غارت کر دے...... ارے زندہ نہیں چھو
گے تم مجھے بتاتا ہوں...... بتاتا ہوں خدا انہیں بھی غارت کر دے جنہوں نے میری کوئی
نہیں کی جبکہ کہانیاں نہ جانے کیا کیا سنائی گئی تھیں مجھے بتاتا ہوں بتاتا ہوں چھوڑ دو ایک
مجھے ارے چھوڑ دو بتا تو رہا ہوں۔"

"ہاں رمضان خان بے فکری سے بتاؤ چھوڑ دیا ہے میں نے تمہیں، لیکن اب تم
سوچ لو یہ چھوٹی سی تکلیف بالکل بے معنی ہے، ابھی جو تکلیف میں تمہیں دینے والا ہوں
تمہیں سر کے بل ناچنے پر مجبور کر دے گی۔" شہاب کے حلق سے غراہٹ نکلی۔

"ڈاکٹر حیات کو جانتے ہو...... ڈاکٹر حیات وہ ایک کلینک کا مالک ہے...... ڈاکٹر حیا
نے مجھے زہر ملانے کے لئے کہا تھا، اسی نے مجھے زہر کی شیشی بھی دی تھی...... اسی نے مجھے
ہوا سانپ بھی دیا تھا، اس نے کہا تھا کہ ایک دیگچی میں یہ سانپ ڈال دو اور یہ شیشی الٹ دو
لوگ یہی سمجھیں گے کہ کھانے کے برتن میں سانپ گر پڑا ہے، لیکن یہ شیشی بھی خالی کر
ضروری ہے اور پھر اس کھانے کو اپنی نگرانی میں ایک خاص بیرک میں پہنچا دوں...... سولہ
بیرک میں بس یہ کام کیا تھا میں نے اور مجھے اس کام کے بیس لاکھ ملے تھے اور یہ بھی کہا گیا
مجھ سے کہ میری ہر طرح کی حفاظت کی ذمے داری لی جا سکتی ہے...... ان کم بختوں نے ا
خدا انہیں غارت کرے۔"

"ڈاکٹر حیات کے علاوہ اور کون تھا رمضان خان؟" شہاب نے فوراً ہی سوال کیا۔

"کسی اور کو نہیں جانتا ہوں لیکن ڈاکٹر حیات یہ کہتا تھا کہ تم بالکل بے فکر رہو، ہزار
آنکھیں تمہاری نگرانی کریں گی، بے فکر رہو تم پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے اور میں آ گیا
میں...... ارے خدا مجھے بھی غارت کر دے، اچھی خاصی کمائی کر رہا تھا، اچھی خاصی کمائی کر
تھا میں...... بس آ گیا لالچ میں آ گیا مارا گیا۔" اور رمضان خان نہ جانے کیا کیا کہتا رہا، ڈا

حیات کا نام سامنے آ گیا تھا، چنانچہ شہاب نے نادر حیات کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"باہر وہ لوگ موجود ہیں جو اسے یہاں لے کر آئے ہیں، اس کے ایک ہاتھ کی انگلی ٹوٹ گئی ہے اور یہ کان اکھڑ گیا ہے لیکن وہ لوگ اس کی بینڈیج وغیرہ کر دیں گے...... ہمیں اس کی ضرورت ہے، گواہ کی حیثیت سے یہ استعمال ہو گا...... یہ ان پانچ افراد میں سے ایک ہے جناب جن کے نام میں آپ کو پیش کر چکا ہوں اور یہی پانچوں تھے جو اس میٹنگ میں شریک تھے، اس کے بعد میں آپ کے احکامات کا منتظر رہوں گا۔"

"اسے کہاں بھجواؤ گے؟"

"میرے پاس اس کے لئے جگہ موجود ہے۔"

"تو پہلے اسے یہاں سے بھجوا دو لیکن خاموشی کے ساتھ۔"

"بڑی آسانی سے۔" شہاب نے کہا اور رمضان خان کے سینے پر گھٹنا رکھ کر اس کے منہ سے نکلا ہوا کپڑا واپس ٹھونسا، پھر منہ پر ٹیپ بھی چپکا دیا اور اس کے بعد اسے اُٹھا کر کندھے پر لاد لیا، نادر حیات صاحب پھٹی پھٹی آنکھوں سے شہاب کی یہ کارروائی دیکھ رہے تھے...... شہاب رمضان خان کو لئے ہوئے کوٹھی کے بیرونی حصے میں آیا، پھر گیٹ سے باہر نکلا، تھوڑے فاصلے پر وہ ویگن کھڑی ہوئی تھی جسے شہاب نے رکنے کی ہدایت کر دی تھی...... ویگن فوراً ہی سٹارٹ ہو کر آگے بڑھی اور وہ لوگ نیچے اتر آئے۔ ڈی، آئی، جی صاحب اور سیکورٹی گارڈ بھی پیچھے کھڑے ہوئے تھے...... شہاب نے رمضان خان کو ویگن میں پھینکا اور ان لوگوں کو ہدایات کر دیں کہ وہ رمضان خان کی بینڈیج وغیرہ کر دیں اور اس کے بعد نادر حیات صاحب کے ساتھ واپس کوٹھی میں آ گیا پھر بولا۔

"اب تہہ خانے میں جانے کی ضرورت نہیں ہے، تھوڑا سا وقت اور مجھے عنایت فرمائیں گے آپ؟"

"ہاں آؤ، اندر آ جاؤ میں تمہارے لئے کافی تیار کراتا ہوں۔"

"اس وقت ملازموں کو کہاں تکلیف دیں گے۔"

"نہیں رات کی ڈیوٹی ہوتی ہے، کچھ ملازموں کی کافی تیار ہو جائے گی۔"

"اس کے لئے پیشگی شکر گزار ہوں۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا اور نادر حیات صاحب اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر ملازم کو کافی بنانے کی ہدایت دینے کے لئے چل

بڑے   اس وقت وہ اپنی افسری کی شان بھول گئے تھے اور شہاب کے ساتھ نہایت دو
انداز میں پیش آرہے تھے...... کافی وغیرہ کے لئے کہہ کر وہ شہاب کے سامنے آ بیٹھے
دیوار پر لگی گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے بولے۔

"بینا سوچ تو رہی ہو گی کہ تم اس وقت کس چکر میں پھنس گئے۔"

"نہیں جناب! بینا اصل میں میرے تمام امور سے واقفیت رکھتی ہے اور ہم دونوں
درمیان یہ معاہدہ ہے کہ ہم اپنے کام کو اول حیثیت دیں گے...... ماضی میں اگر بینا کو
کاموں میں رکاوٹ ہوا کرتی تھی تو اب یہ رکاوٹیں ختم ہو گئی ہیں، یوں سمجھ لیجئے کہ ہم
زندگی کی شاہراہ پر یہ ایک عظیم سنگ میل ہے۔"

"میری تمام تر دعائیں تمہارے ساتھ ہیں، اللہ تمہیں تمہاری عملی زندگی میں
کامیابیاں عطا فرمائے...... اچھا خیر تم نے اس وقت مجھے جس طرح حیران کیا ہے میں الفاظ
بیان نہیں کر سکتا...... تم نے رمضان خان کو ہاتھ سے نہیں نکلنے دیا، میں سمجھتا ہوں کہ
بہت بڑا ثبوت ہے...... ڈاکٹر حیات کے بارے میں اور کیا جانتے ہو؟"

"اصل میں آپ کی طرف سے گرین سگنل ملنے سے پہلے میں ان لوگوں کو ہا
نہیں کرنا چاہتا تھا...... وہ اپنی کارروائیاں کر رہے ہیں...... دانی شاہ کی موت کا مجھے پہلے
شبہ تھا، ان لوگوں نے یہ رسک لیا، ویسے مجھے یقین تھا کہ دانی شاہ جیسا آدمی ہے، وہ کبھی
کے خلاف زبان نہ کھولتا لیکن یہ لوگ اس بات سے خوفزدہ ہو گئے کہ ممکن ہے کہ وہ حقی
بتانے پر تل جائے اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنی کمینی فطرت سے کام لیتے ہو
دوسرے بے گناہ انسانوں کو بھی مار دیا...... یہ بات ان کی اس فطرت کی عکاسی کرتی ہے
منشیات کے سلسلے میں لاتعداد افراد موت کا شکار ہوتے رہتے ہیں، مگر انہیں اس کی کوئی
نہیں ہے۔ یہ صرف اپنی دولت میں اضافہ چاہتے ہیں...... یہ اتنے ہی بے درد اور سنگ
لوگ ہیں کہ تین افراد کو قتل کرنے کے لئے انہوں نے مزید اکیس بے گناہ افراد کو ق
ڈالا، ایسے لوگوں کے دلوں میں نہ تو انسانیت کا کوئی درد ہوتا ہے، نہ کسی کی موت اور زن
سے انہیں کوئی دلچسپی ہوتی ہے...... ڈاکٹر حیات کے بارے میں مجھے زیادہ معلومات
نہیں ہیں، صرف اسی قدر ہیں کہ میں ان کے ناموں سے واقفیت رکھتا ہوں اور تھو
تھوڑی سی معلومات میں نے ان کے بارے میں حاصل کرنی ہیں، لیکن ابھی تک میں نے

کے خلاف ایک ذرہ برابر قدم نہیں اٹھایا کہ انہیں کسی طرح کا کوئی شبہ ہو سکے، بات معمولی
پیمانے پر نہیں ہے، یہ میں جانتا ہوں۔"

"ہوں تو اب کیا کرو گے؟"

"سب سے پہلے ان حالات کی روشنی میں آپ کی اجازت چاہتا ہوں۔" شہاب نے
جواب دیا۔

"دیکھو مائی ڈیئر شہاب جس قدر بھی ممکن ہو سکے اس مسئلے کو سنبھالنے کی کوشش
کرو...... ڈاکٹر حیات کا نام رمضان خان نے لیا ہے، اگر تم چاہو تو ڈاکٹر حیات کو اس سلسلے میں
زبان کھولنے پر مجبور کر سکتے ہو، طریقہ کار کا انتخاب تم خود کرو لیکن بہتر یہ نہیں رہے گا کہ
اب ہم اسی انداز میں کام کریں...... میرا مطلب ہے کہ حالات کو منظر عام پر نہ لائیں بلکہ خفیہ
طریقے سے ہم اپنی کوششوں کو جاری رکھیں اور ڈاکٹر حیات سے پہلے ان نمائندوں کے
بارے میں معلومات حاصل کریں، بعد میں دیکھیں کہ کیا صورت حال پیش آتی ہے۔"

شہاب کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ سی اُبھری، حیات صاحب اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے......
آہستہ سے بولے۔

"جو دل چاہے کہہ لو یہ ایک تجویز ہے اس میں تم ترمیم کر سکتے ہو۔"

"نہیں بلکہ اس اجازت پر خوش ہوں میں۔"

نادر حیات صاحب نے گردن جھکالی تھی، پھر وہ آہستہ سے بولے۔

"اور تم صورت حال سمجھتے ہو۔"

"میں نے اس سے انکار نہیں کیا لیکن بہرحال آپ کی اجازت حاصل کر چکا ہوں، گویا
آپ کا حکم یہ ہے کہ میں ڈاکٹر حیات سے اپنے طور پر جس قدر بھی معلومات حاصل کر سکتا
ہوں وہ کر لوں اور اس کے لئے جو بھی طریقہ کار اختیار کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے کل کا دن رکھے لیتے ہیں بہتر ہے سب کچھ آپ کے سامنے ہی ہو۔"

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ یہ تہہ خانہ ڈاکٹر حیات آپ اور میں۔" شہاب نے کہا اور اسی وقت باہر
سے آہٹیں اُبھریں، ملازم نے اندر آنے کی اجازت طلب کی اور اجازت ملنے پر ایک ٹرالی

دھکیلتا ہوا اندر داخل ہو گیا...... نادر حیات اور شہاب کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گئے تھے۔
ملازم نے ٹرالی سامنے سجادی پھر بولا۔ ”کافی بنادوں سر؟“

”نہیں تم جاؤ۔“ نادر حیات صاحب نے ملازم سے کہا اور وہ گردن خم کر کے باہر نکل گیا تو حیات صاحب نے کافی کی ٹرالی کی جانب ہاتھ بڑھائے۔

”سر اب اتنا شرمندہ بھی نہ کریں۔“ شہاب جلدی سے اپنی جگہ سے اُٹھ گیا اور اس نے کافی بنانا شروع کر دی، پھر ادب سے کافی کی پیالی نادر حیات صاحب کے سامنے پیش کی اور اپنی پیالی بھی لے کر بیٹھ گیا...... نادر حیات صاحب گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ کافی کے کئی چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے کے بعد انہوں نے کہا۔

”حالانکہ یہ سب کچھ اجنبی نہیں ہے میرے لئے، لیکن شہاب نہ جانے کیوں میں ذہنی طور پر اُلجھا ہوا ہوں نہ جانے مجھے کیوں یہ احساس ہو رہا ہے کہ صورت حال کہیں کوئی سنگین نوعیت نہ اختیار کر جائے۔“

”نہیں جناب میں اس کی ذمے داری لے سکتا ہوں، اصل میں بات ایسے سنگدل مجرموں کی ہے جو کام کر رہے ہیں اور بدترین پیمانے پر کر رہے ہیں...... انسانی زندگیوں کے قاتل کسی بھی شکل میں اس قابل نہیں ہوتے کہ ان کے ساتھ کوئی رعایت کی جائے۔ میں پہلے بھی ایسے لوگوں سے اچھی طرح نمٹ چکا ہوں اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ اب مجھے اس میں کوئی مشکل نہیں ہو گی۔“

”تم نے کہا کہ ڈاکٹر حیات کو یہاں اس جگہ، میرا مطلب ہے اس تہہ خانے میں۔“

”اصل میں صورت حال آپ کے سامنے لانے والی بات ہے جس کے لئے اتنا سوچ رہا ہے، اگر میں اپنے طور پر اس مسئلے کو حل کرنے کی اجازت حاصل کر لیتا تو آپ کو اُلجھن کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔“ نادر حیات صاحب مسکرا دیئے، پھر بولے۔

”اس عہدے تک مذاق ہی مذاق میں نہیں پہنچ گیا ہوں...... شہاب، محنت کی ہے خاصی محنت کی ہے۔“

”میں جانتا ہوں ایسے عہدے مذاق میں نہیں حاصل کئے جاتے۔“

”لیکن ماضی میں صورت حال میں اس قدر سنگینی ہی نہیں تھی جو مجرم جرم کریں اس طرح کا تحفظ حاصل کر لیں...... موجودہ صورت حال خاصی تبدیل شدہ ہے اس لئے ذ

احساس ہوتا ہے کہ مدت ملازمت کے یہ آخری لمحات خراب نہ ہو جائیں، خیر یہ تو ذرا الگ ہی بات رہی، میں اس سلسلے میں تم سے اتفاق کرتا ہوں، ہم اس کے لئے کیا کر رہے ہیں شہاب، میرا مطلب ہے کہ رمضان خان کو تم نے محفوظ مقام پر رکھا ہے۔“

”جی، یہ نکل رہا تھا اور میں جانتا تھا کہ یہ ایک اہم مہرہ ہے ہمارے لئے مستقبل میں ہمارے کام آئے گا، پھر دوسری بات ایک اور بھی تھی بہر حال یہ مجرم ہے اور جرم کرنے کے بعد اسے اتنی آسانی سے فرار نہیں ہو جانا چاہئے۔“

”ڈاکٹر حیات کو یہاں پر لانا ہو گا...... وہ بھی اس شرط پر کہ آپ پسند کریں۔“

”میرا مطلب ہے کہ تمہارے پاس کوئی اور ایسی جگہ؟“

”ہے لیکن بات وہی تھی۔“

”نہیں نہیں ٹھیک ہے، تم مجھے بتاؤ جو کچھ بھی کارروائی کر رہے ہو۔“

”کل رات کا وقت۔“

”ہاں پھر؟“

”آپ کی کوٹھی۔“ شہاب نے کہا اور نادر حیات مسکرا دیئے۔

”چلو ٹھیک ہے وقت؟“

”ساڑھے بارہ بجے۔“

”طریقہ کار کیا ہو گا؟“

”آپ انتظار کریں گے یہاں میرا۔“

”بہت مناسب۔“

”اور اس کے بعد اجازت۔“ شہاب نے ہنستے ہوئے کہا اور نادر حیات صاحب گھڑی دیکھنے لگے پھر بولے۔

”بیچاری بینا سوچ تو رہی ہو گی کہ ایک اس قدر ذمے دار پولیس آفیسر سے شادی کرنے کے نتائج کیا ہوتے ہیں۔“ شہاب آہستہ سے مسکرا دیا اور اس کے بعد اجازت لے کر چل پڑا، پھر جب وہ اپنی رہائش گاہ میں داخل ہوا تو بینا ٹیبل لیمپ جلائے، کسی کتاب کا مطالعہ کر رہی تھی...... شہاب چونک پڑا۔ بینا نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولی۔

”مکان آپ کا خوب ہے، خاموشی سے نکل جانا اور واپس آ جانا، کوئی دقت کی بات

نہیں ہے۔"

"اوراس کے بعد بیوی کی نگاہوں کا جائزہ لینا کہ خاتون کس موڈ میں ہیں۔"

"نہیں میں نے تمام انتظامات کر رکھے ہیں، سونا چاہیں تو آرام سے سو جایئے کچھ کھانے پینے کا موڈ ہو تو تمام تیاریاں مکمل ہیں، بات اصل میں یہ ہے کہ میں ایک ای ذمے دار پولیس آفیسر کی بیوی ہوں جس کی زندگی میں یہ لمحات آتے رہیں گے اور م اس کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھتی ہوں۔" شہاب عجیب سی نگاہوں سے بینا کو دیکھنے لگا ا بینا مسکرادی۔

"شادی سے پہلے ہر وقت ذہن پر رومانس سوار رہتا تھا اور ایسے ایسے جملے دماغ م آتے رہتے تھے جن پر بعد میں خود ہی سر دھنتا رہتا تھا، اب سمجھ میں نہیں آتا کہ محبت بھر جذبات کی وضاحت کون سے جملوں میں کی جائے، جس سے صحیح مفہوم واضح ہو سکے۔"

"جو جملے تراشنے پڑیں جناب ان کا ادا نہ کرنا ہی بہتر ہوتا ہے، بات بے اختیار ہو تو دیتی ہے۔" بینا نے کہا۔

"اوہو...... بے اختیاری اگر طاری ہو جائے تو پھر باتوں کی کیا گنجائش ہے...... ہاں ا گستاخی پر اب کوئی وقت نہیں ہوتی۔" شہاب نے جھک کر بینا کے دونوں شانے پکڑ لئے پھر دوسرے لمحے قریب رکھا ہوا ٹیبل لیمپ بجھادیا، بینا اندھیرے میں بڑے دل آویز ا میں مسکرادی۔

❀❀❀

ڈاکٹر کرس مذہبی آدمی تھا...... اس لئے فادر رونالڈ ڈکسن سے بہت متاثر ہوا تھا، حالانکہ وہ کم گو اور خود پسند آدمی تھا اور غیر ضروری طور پر کسی سے مخاطب نہیں ہوتا تھا، لیکن فادر رونالڈ ڈکسن میں کچھ ایسی مقناطیسی کشش تھی کہ وہ ان کی جانب متوجہ ہوئے بغیر نہ رہ سکا...... رونالڈ ڈکسن پادری کے لباس میں تھا۔ عمر پچپن اور ساٹھ کے درمیان ہوگی، شخصیت نہایت پرکشش تھی، چہرے پر ایک قدرتی سکون نظر آتا تھا...... ڈاکٹر کرس کی طرف دیکھ کر بس ایک دفعہ مسکرایا تھا اور ڈاکٹر کرس اس کی جانب متوجہ ہو گیا تھا، جہاز کے پرسکون سفر میں کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی جو قابل غور ہوتی، پہلے وہی رسمی گفتگو ہوئی جو ایسے سفر کے دوران ہوا کرتی ہے...... ایک دوسرے کو ہائے ہیلو کہا گیا اور اس کے بعد ایک مذہبی مسئلہ چھڑ گیا...... تب ڈاکٹر کرس کو احساس ہوا کہ فادر ڈکسن تو علم کا سمندر ہے اور اس کی گفتگو میں بڑی علمیت ہے، حالانکہ کرس نے خود بھی خاصی مذہبی تعلیم حاصل کی تھی لیکن بہرحال فادر ڈکسن سے گفتگو کر کے وہ بے حد متاثر ہوا تھا...... اس نے کہا۔

"بڑی خوشی ہوئی ہے آپ سے مل کر فادر! حقیقت یہ ہے کہ آپ نے جس طرح بہت سے امور پر روشنی ڈالی ہے وہ انداز ہی جداگانہ ہے، آپ نے میرا دل جیت لیا ہے...... میں نہیں کہہ سکتا کہ بعد میں کبھی آپ سے ملاقات ہو یا نہ ہو، لیکن کم از کم میں اس ہوائی ملاقات کو ضرور یاد رکھوں گا۔" اور رونالڈ ڈکسن لفظ ہوائی ملاقات پر ہنس پڑا تھا، اس نے کہا۔

"اچھی اصطلاح استعمال کی ہے تم نے مائی ڈیئر کرس! لیکن کہا یہ جاتا ہے کہ انسان اگر کسی کی طلب کرے تو کہیں نہ کہیں اس کا ٹکراؤ اس سے ہو ہی جاتا ہے۔"

"آپ جب وطن واپس پہنچیں گے فادر تو میں آپ کو تلاش کروں گا۔"

"ضرور۔" پھر بہت سی باتیں ہوئی تھیں وہ لوگ ایک ایشیائی ملک جا رہے تھے اور دوران سفر ہی یہ ملاقات ہو گئی تھی۔ فادر ڈکسن نے کہا۔

"تو ڈیئر کرس! میری کچھ باتوں کو یاد رکھنا زندگی میں انسانوں کی مشکل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اگر اپنے لئے صرف ایک شعبے کا حصار قائم کر لیا جائے اور یہ سوچا جائے کہ جب کسی کے قدم اس حصار تک پہنچیں گے تو وہ تب ہی قبل مدد ہو گا تو پھر خدمت کے جذبے بے اثر ہو جاتے ہیں، کسی کے ہاتھ سے گرا ہوا ایک رومال بھی اٹھا کر دے دینا خدمت کے جذبوں کی صحیح نشاندہی کرتا ہے...... انتظار نہ کرنا ضرورت مند کو اگر وقت پر مدد پہنچا دی جائے تو یہی جذبہ خدمت ہوتا ہے۔"

"میں سمجھتا ہوں فادر! آپ کی باتیں بے حد قیمتی ہوتی ہیں۔"

"سسکتی انسانیت کے لئے کیا کیا جا سکتا ہے، دل تو چاہتا ہے کہ پورے وجود میں ہاتھ ہی ہاتھ ہوں اور ان ہاتھوں کی لمبائی اتنی ہو کہ ہر اس جگہ تک پہنچ جائے جہاں سے حاجت مند کی حاجت پوری ہوتی ہو تو سب کو ایک ہی وقت میں نمٹا دیا جائے اور اس کے بعد انتظار کیا جائے کہ کاش اس کائنات میں کوئی ضرورت مند باقی رہا ہو۔"

"بہت خوبصورت، بہت حسین واقعی یہ جذبہ خدمت کی اعلیٰ مثال ہے۔" ڈاکٹر کرس نے کہا بڑی علمی اور ادبی گفتگو ہوتی رہی تھی، ڈاکٹر کرس بھی ایک خاص مشن پر یہاں آ رہا تھا اور کچھ ایسی وجوہات تھیں جن کی بنا پر اس نے اپنی آمد کو خفیہ رکھا تھا...... مقامی طور پر چند افراد اس کا استقبال کرنے والے تھے اور اس کے بعد ہی یہ فیصلہ کیا جانا تھا کہ ڈاکٹر کرس کے مشن کا آگے کیا ہو گا...... پھر پائلٹ کیبن سے اعلان نشر ہوا کہ وہ لوگ اپنی منزل پر پہنچ رہے ہیں...... مسافروں سے بیلٹیں باندھنے کی درخواست کر دی گئی تھی...... ڈاکٹر کرس نے اپنی بیلٹ باندھتے ہوئے کہا۔

"آپ شاید اس بات پر یقین نہ کریں فادر کہ آپ سے ملنے کے بعد مجھے اپنے نظریات میں عجیب سی تبدیلی کا احساس ہوا ہے۔"

"بہت بڑی بات کہہ رہے ہو مائی ڈیئر کرس! کہا یہ جاتا ہے کہ کوئی بھی شخص اپنی زندگی میں صرف ایک بار کسی کو اپنے نظریات سے متاثر کر دے اور زندگی کی صحیح راہوں پر لگا دے

تو اس کا مقصد ہے کہ اس کی زندگی کا مشن پورا ہو گیا...... بہر حال تم نے یہ الفاظ ادا کر کے میرے دل میں بڑی خوشی جگا دی ہے۔" فادر نے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور ڈاکٹر کرس مسکرا دیا...... پھر فادر نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور کوئی چھوٹی سی خوبصورت چیز نکال لی، یہ ایک ننھا سا خوبصورت پن تھا جس پر ایک فاختہ کا نشان بنا ہوا تھا اور یہ فاختہ سبز رنگ میں چمک رہی تھی، کوئی عجیب سی چیز تھی...... فادر رونالڈ ڈکسن نے یہ پن ڈاکٹر کرس کے کوٹ کے کالر پر لگا دیا اور ڈاکٹر کرس مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"یہ کیا ہے فادر؟"

"بس میری خوشی ایک چھوٹا سا تحفہ ہے تمہارے لئے۔"

"لیکن اس کی چمک بہت قیمتی ہے۔" ڈاکٹر کرس نے کہا۔

"قیمتوں کا تعین صرف محبت سے کیا جاتا ہے۔"

"بہت بہت شکریہ میں اسے زندگی سے زیادہ قیمتی رکھوں گا اور یہ جب بھی میرے سامنے آئے گا مجھے آپ کی یاد دلاتا رہے گا۔" ڈاکٹر کرس نے کہا اور فادر ڈکسن مسکرا کر خاموش ہو گیا، طیارے نے رن وے کے کئی چکر لگائے اور پھر آخر کار نیچے اتر گیا...... امیگریشن ڈیپارٹمنٹ تک دونوں کا ساتھ رہا تھا، پھر جب وہاں سے کلیرنس ملی تو دونوں ہی باہر نکل آئے...... فادر ڈکسن ایک طرف چل پڑا تھا اور ڈاکٹر کرس نگاہیں اٹھائے سامنے دیکھنے لگا تھا، تبھی دو افراد اس کے قریب پہنچ گئے اور ان میں سے ایک نے گردن خم کر کے کہا۔

"میرا نام راکی مورگن ہے۔"

"ہیلو۔" ڈاکٹر کرس نے مسکراتے ہوئے کہا اور راکی مورگن سے ہاتھ ملایا۔

"یہ میرا ساتھی گارون ہے۔"

"آئیے چلیں۔" گارون نے کہا اور سیاہ رنگ کی ایک خوبصورت کار کی جانب بڑھ گیا، پھر اس نے کار کا دروازہ کھولا اور ڈاکٹر کرس کو کار کے پچھلے حصے میں بیٹھنے کی پیشکش کی...... ڈاکٹر کرس اطمینان سے پیچھے بیٹھ گیا...... راکی مورگن نے سٹیئرنگ سنبھال لیا تھا...... کار سٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی، پھر اس کے بعد خاصی خاموشی رہی تھی...... ڈاکٹر کرس کی نگاہیں چاروں طرف کا جائزہ لے رہی تھیں...... کار مختلف راستوں سے گزرتی ہوئی آخر کار ایک

ہوٹل کی عمارت تک پہنچی اور اس کے کمپاؤنڈ میں رُک گئی...... راکی مورگن نے نیچے اتر کر پرادب انداز میں دروازہ کھولا اور ڈاکٹر کرس نیچے اتر آیا، اس کے بعد راکی مورگن اور گارون اسے لئے ہوئے لفٹ تک پہنچے، لفٹ نے انہیں چودھویں منزل پر اتارا اور پرسکون راہداری طے کرتے ہوئے آخر کار وہ ایک کمرے تک پہنچ گئے...... ڈاکٹر کرس کا سامان بھی ساتھ ہی لایا گیا تھا، کچھ لمحے اسی طرح گزر گئے کمرے میں داخل ہونے کے بعد ڈاکٹر کرس نے اردگرد کا ماحول دیکھا، پھر مدہم لہجے میں بولا۔

"یہاں اور کوئی نہیں ہے میرے استقبال کے لئے؟"

"سر بس تھوڑی دیر یہاں قیام کیا جائے گا اور اس کے بعد۔"

"پہلی بات کہ میں اس بات پر حیران ہوں کہ آپ دونوں بھی کسی یورپین ملک سے تعلق رکھتے ہیں...... مقامی لوگوں کی بجائے آپ کے اس استقبال پر مجھے حیرت ہوئی ہے۔"

"نہیں سر یہ ضروری تھا کہ ہم ہی آپ کا استقبال کریں۔" اسی وقت ایک ہلکی سی آواز فضا میں اُبھری اور راکی مورگن نے اپنے کوٹ کے کالر کے پیچھے لگے ہوئے ایک چھوٹے سے ٹرانسمیٹر کا رخ اپنی جانب کیا تو ٹرانسمیٹر سے آواز اُبھری۔

"ہیلو رونالڈ ڈکسن بول رہا ہے۔"

"جی۔" راکی مورگن کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "ہاں اسی ہوٹل کے نچلے حصے کے پارکنگ لاٹ سے دوسری جانب پھیلے ہوئے لان سے۔"

"س...... سر...... سر...... سر......" راکی مورگن نے کہا اور دوسری طرف سے ہلکی سی ہنسی کی آواز سنائی دی۔

"وہ بیچارا ڈاکٹر کرس ہے بہت اچھی شخصیت کا مالک بڑا معصوم سا آدمی ہے، چنانچہ تم اس کے سر پر جو ضرب لگاؤ وہ بس اتنی ہونی چاہئے کہ کچھ لمحوں کے لئے وہ ہوش و حواس کھو بیٹھے اور اس سے زیادہ اسے اور کوئی تکلیف نہ پہنچے۔"

"ل...... لیکن سر!"

"باقی باتیں بعد میں کیا سب کچھ اسی وقت سن لو گے۔" آواز آئی ڈاکٹر کرس حیران نگاہوں سے راکی مورگن کو دیکھ رہا تھا، آواز اتنی مدہم تھی کہ فاصلہ زیادہ نہ ہونے کے باوجود

ڈاکٹر کرس کی سمجھ میں پوری طرح نہیں آرہی تھی اور نہ ہی شاید گارون مکمل طور سے اس آواز کو سن سکا تھا...... البتہ راکی مورگن نے اچانک ہی گھوم کر ڈاکٹر کرس کی گردن پر کراٹے کا وار کیا اور ڈاکٹر کرس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں...... پھر اچانک ہی اس کے حواس گم ہونے لگے، وہ آنکھیں بند کر کے زور سے گردن جھٹکنے لگا، پھر اس کے منہ سے بھرائی ہوئی آواز نکلی۔

"کک...... کیا مطلب ہے مم میں بالکل نہیں سمجھ سکا؟" اور اس کے بعد سوچنے سمجھنے کی قوتوں سے محروم ہو کر عارضی طور پر وہ ان سارے معاملات سے الگ ہو گیا...... گارون حیرانی سے راکی مورگن کو دیکھ رہا تھا، مورگن نے اطمینان سے ڈاکٹر کرس کو بستر پر لٹایا، ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا پھر اس کے کوٹ کے کالر پر لگا ہوا وہ خوبصورت پن نکال کر اپنی جیب میں رکھ لیا اور گارون سے بولا۔

"آؤ۔"

"میں کہتا ہوں یہ سب کیا ہے، کیا تم اپنے آپ کو مجھ سے آگے کی کوئی چیز سمجھتے ہو۔"

راکی ہنس پڑا پھر بولا۔

"میری جان یہاں سے تو باہر نکل آؤ اس کے بعد جتنا چاہو ناراض ہو لینا تم فوراً ہی میرا اور اپنا تجزیہ کرنے لگے ہو۔"

"آؤ پلیز۔" گارون اس کے ساتھ باہر نکل آیا تھا اور راکی نے دروازہ باہر سے بند کیا اور پھر تیز تیز قدموں سے لفٹ کی جانب چل پڑا، لفٹ نیچے اترنے لگی تو اس نے کہا۔

"یہ اصل آدمی نہیں تھا اور شاید یہ بھی گولڈن کراؤن کا کوئی خاص انداز تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"بھائی ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا تھا وہ تو سنا ہو گا تم نے؟" راکی نے گارون سے کہا۔

"ہاں۔"

"اور اس پر گولڈن کراؤن بول رہا تھا۔"

"کیا مطلب تو کیا یہ۔"

"ہاں یہ گولڈن کراؤن نہیں تھا۔"

"تو پھر کون تھا؟"

"تمہاری قسم میں بھی نہیں جانتا۔"

"وہ یار پھر؟"

"بس چند منٹ میری جان چند منٹ...... وہ باہر پارکنگ لاٹ کے قریب لان پر موجود ہے۔"

"کون؟"

"گولڈن کراؤن۔"

"مگر یہ کون تھا؟"

"میری جان میں نہیں جانتا۔" لفٹ نیچے رُک گئی تو راکی، گارون کے ساتھ ٹہلنے کے سے انداز میں باہر نکل آیا، پھر وہ لوگ راہداری سے گزرتے ہوئے ہوٹل کے بیرونی حصے میں آ گئے...... پارکنگ لاٹ سنسان پڑا ہوا تھا، ان کی گاڑی بھی ایسی جگہ کھڑی تھی جہاں سے اس کو نکالنے میں کوئی خاص دقت نہ ہو لیکن وہ گاڑی کی طرف جانے کی بجائے سائیڈ لان کی جانب چل پڑے، یہاں پہنچ کر راکی مورگن نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں لیکن کوئی نظر نہیں آیا نہ ہی کسی نے اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی...... راکی پریشانی کے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا تو گارون نے کہا۔

"مجھے یوں لگتا ہے راکی جیسے تم پاگل ہو گئے ہو، کیا یہاں پاگل پن کی گنجائش ہے؟"

"یار کوئی بہت بڑی گڑ بڑ ہو گئی ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا مائی گاڈ میرا خیال ہے ہمیں فوری طور پر مسٹر پیل کو اس بارے میں بتانا چاہئے۔"

"مگر ہوا کیا ہے؟"

"آؤ۔" راکی نے چٹکی بجا کر کہا اور وہ دونوں کار کی جانب بڑھ گئے، پھر سیاہ رنگ کی قیمتی کار کے پاس پہنچ کر راکی نے سٹیرنگ سائیڈ کا دروازہ کھولا...... سٹیرنگ پر بیٹھ کر اس نے اپنے برابر کی سیٹ کا دروازہ بھی کھول دیا تھا اور دوسرا آدمی اس کے برابر بیٹھ گیا، لیکن راکی نے کار سٹارٹ کرنے کی بجائے اپنے کوٹ کے عقبی حصے میں گھسے ہوئے ٹرانسمیٹر کا ایک بٹن دبایا، اسی وقت کار کی پچھلی سیٹ سے ایک ہاتھ آگے بڑھا اور راکی کے شانے پر آ، راکی اُچھل پڑا تھا۔

"گولڈن کراؤن میرا نام رونالڈ ڈکسن ہے۔" پھر پچھلی سیٹ سے آواز آئی، راکی

سانس بند ہو گیا تھا، اسے اس بات پر شدید تعجب ہوا تھا کہ اس کی کار لاک تھی، پھر اس کی عقبی سیٹ پر کوئی کیسے پہنچ گیا اور در حقیقت پیچھے جو شخص بیٹھا ہوا تھا وہ بے پناہ ذہین تھا اس نے کہا۔

"گولڈن کراؤن رونالڈ ڈکسن کیا میرے لئے یہ بڑا کام ہے کہ میں لان کی بجائے تمہاری کار میں آ بیٹھوں۔"

"نن...... نہیں، سر لیکن...... لیکن وہ کون ہے پلیز۔"

"اس کے بارے میں بھی تمہیں بتا دوں گا لیکن تمہاری اپنی شناخت۔"

"یس سر راکی اور گارون نے جلدی جلدی اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اور پھر ویسے ہی پن نکال لئے جیسا فادر رونالڈ ڈکسن نے ڈاکٹر کرس کے کوٹ کے کالر پر لگا دیا تھا...... یہ سوور کراؤن تھے...... رونالڈ ڈکسن نے انہیں دیکھ کر مطمئن انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اور میرا کراؤن تمہارے پاس ہو گا، اب میں اتنا احمق نہیں سمجھتا تمہیں کہ تم وہ کراؤن ڈاکٹر کرس کے کوٹ کے کالر پر لگا ہوا چھوڑ آئے ہو گے۔"

"یس سر وہ ہم نکال لائے ہیں۔" مورگن نے وہ خوب صورت چمکتا ہوا پن جیب سے نکال کر رونالڈ ڈکسن کو دیتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے یہاں سے آگے بڑھو، تم مجھے اپنی رہائش گاہ پر لے چلو کیونکہ تیسرے آدمی کو میں نے ہوٹل میں نہیں دیکھا اور یقینی طور پر تم پروگرام کے مطابق مجھے ہوٹل ہی لائے ہو گے۔"

"یس سر احتیاطاً یہ طے کیا گیا تھا کہ آپ کو کچھ وقت کے لئے ہوٹل لے جایا جائے اور جب اس بات کا یقین ہو جائے کہ ہمارے تعاقب میں کوئی نہیں ہے تو پھر ہوٹل سے آپ کو اس رہائش گاہ میں منتقل کر دیا جائے جو مقامی کارکنوں نے ہمیں فراہم کی ہے۔"

"ہوں، میں نے بھی تھوڑی سی احتیاط کی وہ بے چارہ جو ہوٹل میں بے ہوش پڑا ہوا ہے ڈاکٹر کرس ہے کسی کاروباری مشن پر یہاں آیا ہوا ہے، اسے بھی کچھ لوگوں کو ریسیو کرنا تھا لیکن میں جانتا تھا کہ تم زیادہ برق رفتاری سے کام کرو گے، چنانچہ میں نے دوران سفر اپنا یہ کراؤن اسے گفٹ کر دیا تھا اور جب تم اسے لے کر چلے تو میں ایک ٹیکسی میں تمہارے پیچھے

تھا، اصل میں دنیا میں سب سے زیادہ ذمہ داری کا کام یہ ہے کہ انسان اپنے ہاتھ کسی کے ہاتھ میں نہ دے...... مجھے تم پر تو پورا بھروسا تھا کہ تم ذہین لوگ ہو، لیکن اس کے ساتھ ساتھ دشمن سے بھی ہوشیار رہنا، ضروری ہے اس لئے میں نے اپنے طور پر یہ چھوٹا سا گیم کھیلا۔"

"اوہ میرے خدا آپ بے حد ذہین ہیں جناب۔"

راکی مورگن نے کہا اور رونالڈ ڈکسن مسکرانے لگا۔

❁ ❁ ❁

شہاب اور بینا اسی ہوٹل میں داخل ہو گئے جہاں عموماً ان کا قیام رہتا تھا...... اپنے مخصوص کیبن میں پہنچ کر وہ بیٹھ گئے...... بینا کے لباس میں سادگی تھی، حالانکہ ذرا سی دقت پیش آئی تھی انہیں، نعیمہ بیگم ارمان بھری تھیں اور شہاب کی شادی کو جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں ہوئے تھے...... بینا کو تلقین کرتی تھیں کہ ذرا دُلہنوں والے لباس استعمال کرے اور بینا عجیب مشکل میں گرفتار ہو جاتی تھی...... گھر تک تو مسئلہ صحیح تھا لیکن باہر نکلتے ہوئے وہ ایسے لباس پہننے میں مشکل محسوس کرتی تھی...... اس وقت بھی شہاب نے اس سے کہا کہ ذرا کام سے جانا ہے اور اسے بھی ساتھ چلنا ہے تو بینا نے بے چین نگاہوں سے شہاب کو دیکھا...... شہاب کے ہونٹوں پر ایک شرارت بھری مسکراہٹ پھیل گئی تھی...... اس نے زور سے آواز دی۔

"اماں بیگم امی جان۔" بینا کا منہ کھلا اور پھر بند ہو گیا...... نعیمہ بیگم شاید قریب ہی موجود تھیں، دروازے پر پہنچ کر بولیں۔

"کیا بات ہے کیا میں اندر آؤں۔"

"جی جی تشریف لائیے۔" اور نعیمہ بیگم اندر داخل ہو گئیں۔

"کیا بات ہے۔"

"وہ ہم ذرا باہر جا رہے تھے، آپ سے اجازت لینی تھی۔" نعیمہ بیگم نے شہاب کو گھورا اور بولیں۔

"دُلہن کے ساتھ کوئی شرارت کر رہے ہو گے، کیا بات ہے بیٹی بینا۔"

"کچھ نہیں امی پہلے انہوں نے مجھ سے باہر جانے کے لئے کہا، پھر اچانک آپ کو آواز دے دی۔" بینا مسکرا کر بولی۔

"بولو کیا بات ہے؟"

"وہ امی کون سے کپڑے پہن کر جانا ہے انہیں انتخاب کر لیجئے۔"

"مذاق اُڑا رہا ہے میرا ناں۔" نعیمہ بیگم نے شہاب کو گھورتے ہوئے کہا۔

"ارے توبہ یعنی کمال ہے اس میں بھلا مذاق اُڑانے والی کون سی بات ہے۔"

"بھئی دیکھو برا مت ماننا کچھ ریت رواج ہوتے ہیں، کچھ خواہشیں ہوتی ہیں۔۔۔ بے شک بدل گیا ہے، لیکن ہم کون سا تمہیں ہمیشہ کہنے کے لئے بیٹھے رہیں گے، بس چا سوتے ہیں اس کے بعد کون پوچھتا ہے، ویسے جا کہاں رہے ہو؟"

"بس ایسے ہی امی تھوڑا سا کاروباری معاملہ ہے۔"

"اگر کوئی کاروباری معاملہ ہے تو میں بھلا کیا کہہ سکتی ہوں، ویسے کاروبار کون تمہارا؟" نعیمہ بیگم نے پوچھا۔

"نہیں میرا مطلب ہے یہ بات تو آپ کے علم میں ہے نا امی کہ بینا بہر حال ڈیپارٹمنٹ کی ایک سرکاری افسر ہیں۔۔۔۔ بے شک ہم لوگ ابھی چھٹی پر ہیں لیکن ایر میں ہمیں بلا لیا جاتا ہے۔"

"تو ٹھیک ہے دُلہن بنا کر لے جاؤ، تھوڑا سا میک اپ بھی کرا لینا کسی بیوٹی پارلر میں اچھی لگیں گی، ایک مثال قائم ہو جائے گی۔" نعیمہ بیگم پر مزاح انداز میں بولیں ہنس پڑی۔

"واقعی امی آپ کا آئیڈیا بالکل درست ہے۔۔۔۔ یہ شہاب مجھے لے جا رہے ہیں ایسا کریں خود میرے لئے کپڑے نکالیں، انہیں بھی لطف ہی آ جائے گا۔" بینا کو خو شرارت سوجھ گئی۔۔۔۔ نعیمہ بیگم ہنسنے لگیں بینا نے شہاب کے چہرے کی طرف دیکھا سے دوسری جانب دیکھ رہا تھا، پھر بینا نے کہا۔

"آیئے ذرا الماری سے لباس نکالیں۔"

"ارے تم لوگ اپنے مذاق میں مجھے کیوں گھسیٹ رہے ہو، بعد میں کہو گے بی نے۔"

"نہیں امی آپ بینا کی بات مان لیجئے میں کچھ نہیں کہوں گا۔" شہاب نے جواب

بینا انتہا پسندی پر آمادہ تھی، خوب چمک دمک بھاری لباس نکالا اور شہاب سے بولی۔

"آپ ذرا باہر چلے جایئے میں لباس تبدیل کر لوں۔"

شہاب کے پیچھے پیچھے نعیمہ بیگم بھی ہنستی ہوئی باہر آ گئی تھیں، باہر ثریا بھابی نظر آئیں اور ان دونوں کی جانب متوجہ ہو گئیں۔۔۔۔ نعیمہ بیگم چونکہ ہنس رہی تھیں اس لئے ثریا بھابی بھی قریب آ گئیں۔

"ضرور کوئی گڑبڑ کر کے آئے ہونگے یہ حضرت؟"

ثریا بھابی نے شہاب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس میاں بیوی کی شرارتیں ہیں۔۔۔۔ اور بینا واقعی بہت اچھی ہے، دیکھنے میں تو بڑی سنجیدہ سنجیدہ سی ہے لیکن اچھی خوش مزاج ہے۔۔۔۔ خدا کی قسم میری تو دلی آرزو پوری ہو گئی، اب بس ایک ہی خواہش دل میں رہ گئی ہے اللہ میاں واثق کو بھی بینا جیسی کوئی بہو دے دے۔۔۔۔ میرے گھر کے تینوں چاند میری زندگی میں ہی چمک اُٹھیں۔"

"ہوا کیا؟"

"بس پولیس افسر صاحبہ پولیس کی وردی پہن رہی ہیں۔" نعیمہ بیگم نے تفصیل ثریا بھابی کو بتائی اور ثریا بھابی بھی خوب ہنسیں کہنے لگیں۔

"واقعی پولیس ڈیپارٹمنٹ میں ایک نئی روایت کا اضافہ ہو گا، اب ہوا ہے معاملہ بالکل درست یعنی اونٹ پہاڑ کے نیچے آیا ہے۔۔۔۔ بینا ہی صحیح کرے گی انہیں۔" ثریا بھابی نے شہاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"کمال کرتی ہیں ثریا بھابی میرا نام بھی شہاب ہے۔۔۔۔ مزہ نہ آ جائے تو بینا کو آپ بھی کیا یاد کریں گی۔"

"کیا مطلب دیکھو بہت اچھی لڑکی ہے وہ، کوئی بدتمیزی نہ ہونے پائے اس کے ساتھ۔"

"واہ واہ۔۔۔۔ یعنی وہ خاتون میرے ان الفاظ پر بھڑک دار لباس پہن کر میک اپ کریں گی اور میں انہیں معاف کر دوں۔"

"تو کیا کرو گے بھلا؟"

"سیدھا ہیڈ آفس لے جاؤں گا اور آئی جی کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔۔۔۔ غرارہ اور قمیض پہن کر جب سیلوٹ ماریں گی تو خود اندازہ ہو جائے گا، آخر پولیس آفیسر ہیں۔"

"توبہ ہے شہاب تم اسے وہاں لے جا کر ذلیل کراؤ گے، ٹھہرو میں دیکھتی ہوں۔" ثریا

بھابی بینا کے کمرے تک پہنچیں اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئیں، لیکن بینا ایک سادہ لباس میں ملبوس تھی اور بال باندھ رہی تھی...... ثریا بھابی ہنستے ہوئے بولیں۔

"تم لوگ ہم سب کو گھن چکر بنا دو گے۔"

"آیئے ثریا بھابی خیریت کیا ہوا۔" پھر جواب میں ثریا نے اپنی معلومات سے بینا کو آگاہ کیا تو وہ ہنس کر بولی۔

"میں انہیں اچھی طرح جانتی ہوں آپ کو پتا ہے اگر میں واقعی بھڑک دار لباس لیتی تو وہ اتنے ہی انتہا پسند ہیں کہ مجھے ڈی آئی جی صاحب کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دیتے لیکن ڈی آئی جی نادر حیات صاحب اس کے جواب میں جو کرتے وہ بھی مجھے معلوم ہے۔"

"کیا کرتے؟" ثریا بھابی نے پوچھا۔

"بس مجھے یقین ہے کہ وہ کوئی اچھا سا پروگرام بنا دیتے ہمارے لئے بہت مشفق ہیں وہ۔" پھر اس کے بعد بینا باہر نکل آئی اور شہاب ثریا بھابی سے بولا۔

"یہ آپ نے اچھا نہیں کیا ثریا بھابی سوچ لیجئے آپ کی یہ حرکت رجسٹر میں درج ہے اور نتیجہ آپ کو بھگتنا پڑے گا۔"

"ارے خدا کی قسم میں نے ایک لفظ کہا ہو تو کیڑے پڑیں زبان میں، یہ تو خود ہی یہ پہنے ہوئے تھی۔" بس اس کے بعد بینا اور شہاب چل پڑے تھے اور انہوں نے ہوٹل کیا تھا...... ان کا مخصوص ویٹر آ گیا تو بینا نے شہاب کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

"پلیز کوئی بات نہ کریں اس سے۔" شہاب بھی سنجیدہ ہو گیا تھا...... ویٹر نے مطلوبہ اشیاء کا آرڈر لیا اور باہر نکل گیا...... تب شہاب نے بینا سے کہا۔

"جی محترمہ بینا! اب تو آپ کو کوئی احساس نہیں رہا میرا مطلب ہے اگر اب میں کسی کی سیکرٹری بنانے کے لئے بھیج دوں تو آپ یہ تو نہیں کہیں گی کہ آپ کا مستقبل

"ایک سوال کا فوری جواب درکار ہے جناب شہاب صاحب۔" بینا نے کہا۔

"جی جی ارشاد۔"

"کیا صرف اس لئے آپ نے یہ قدم اٹھایا ہے کہ بعد میں آپ ایسی ذمہ داری سونپیں یا با الفاظ دیگر یہ کہنا چاہئے کہ کیا میرے اس دن کے الفاظ آپ کو اس قدر گزرے۔"

"اے مس بینا بلکہ مسز شہاب آپ میری توہین کر رہی ہیں، یعنی آپ کا مطلب ہے کہ میں اتنا احمق آدمی ہوں کہ اتنی سی بات پر شادی جیسا روگ پال لوں۔"

"ٹھیک ہے کہے جایئے آپ خود توہین کیجئے میری۔"

"خدا کی پناہ یہ عورت بیوی بن کر اتنی بدل کیوں جاتی ہے۔" شہاب نے کہا پھر ویٹر کے آنے پر وہ خاموش ہو گئے تھے...... ویٹر نے ان کی اشیاء سرو کیں تو شہاب کچھ لمحوں کے بعد بولا۔ "جناب بینا صاحبہ بہت شور مچا رہی ہیں آپ، پچھلے بہت سے دنوں سے موجودہ مصروفیات کے بارے میں آپ کو تفصیل سے بتاؤں بات اصل میں یہ ہے کہ سارا مزہ کرکرا ہو جاتا ہے تنہائی کے ان لمحات میں جن پر یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ خوب صورت سی گھڑی جو یہاں موجود ہے ساری کی ساری اپنی ہے، اب بتایئے ایسے لمحات میں انسان قتل وغارت گری خونریزی کی باتیں کرے۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے، ہم لوگ عملی دنیا کے لوگ ہیں اور میں یہ سمجھتی ہوں کہ ساری باتوں کے ساتھ ساتھ اگر ہمارے فرائض بھی ہنستے کھیلتے پورے ہوتے رہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور پھر ظاہر ہے جو کام ہمیشہ نہ کیا جا سکے اس کی ابتداء ہی نہیں کرنی چاہئے۔" بینا نے سنجیدگی سے کہا۔

"مطلب؟"

"ہم پریکٹیکل لوگ ہیں، جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں چند روز اس سلسلے میں خاموشی اختیار کر لیں گے، تھوڑی سی اداکاری کر لیں گے لیکن اس کے بعد کیا ہم ایسے معاملات گھر میں ڈسکس نہیں کریں گے۔"

"ہاں بات تو یہ بھی ٹھیک ہے لیکن چلو کچھ دن سہی۔"

"وہ الگ بات ہے۔" بینا نے سامنے رکھی ہوئی چیزوں کی جانب ہاتھ بڑھا کر کہا۔

"اچھا ایک بات بتاؤ بینا؟"

"شرارت بالکل نہیں۔"

"نہیں بھئی نہیں شرارت بالکل نہیں۔"

"ٹھیک ہے پوچھئے۔"

"کیسا لگ رہا ہے یہ سب کچھ۔"

"بہت اچھا......" بینا مسکرا کر بولی اور کہنے لگی۔

"موضوع غلط ہو گیا ہے یہاں کم از کم میں آپ سے سوالات کر سکتی ہوں۔"

"ان دنوں اور کوئی اہم مسئلہ سامنے نہیں ہے، بس وہی سارے معاملات ڈی آئی جی صاحب سے مذاکرات ہوئے ہیں...... اصل میں، میں نادر حیات صاحب کی مشکلات بھی جانتا ہوں، بس کبھی کبھی ان کے ساتھ بھی زیادتی ہو جاتی ہے۔" شہاب نے نادر حیات صاحب سے آخری ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے لائڈ اور ہیکٹر کے بارے میں بتایا اور بینا کہنے لگی۔

"تو پھر آپ نے کیا کیا؟"

"ابھی کچھ نہیں فیصلے کر رہا ہوں...... بہر حال ان سارے معاملات کو ذہن میں رکھ کر ہی کچھ نہ کچھ کیا جائے گا۔"

"میری ڈیوٹی بتائیے۔"

"سوچ لیجئے کہیں مشکل نہ محسوس کریں آپ۔"

"ارے ارے کیا آپ مجھے اس قدر ناکارہ سمجھتے ہیں۔"

"قطعی نہیں آپ ایک مکمل خاتون ہیں۔"

"اس وقت خاتون کی بات نہیں ہو رہی، میں اپنی ڈیوٹی پوچھ رہی ہوں۔"

"چلئے پھر ٹھیک ہے، تین چار خوب صورت بچے پیدا کر لیجئے فوری طور پر۔" شہاب نے بے اختیار کہا اور بینا کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"کیا فضول بات ہے آپ یہ مجھے میری ڈیوٹی بتا رہے ہیں۔"

"ہاں ہاں کیوں؟"

"شہاب...... سیریس پلیز۔"

"کمال ہے یار کوئی بات مان کر ہی نہیں دیتیں...... کیا بات ہے۔"

"چلئے ٹھیک ہے میرا کیا ہے آپ ہی بتائیے آپ کیا کر رہے ہیں۔"

"کوئی فیصلہ نہیں کر سکا ہوں ابھی تک۔" شہاب نے کہا۔

"میرا خیال ہے مجھے اس سلسلے میں باقاعدہ شامل ہو جانا چاہئے۔" بینا نے کہا اور شہاب کچھ لمحوں کے لئے سنجیدہ ہو گیا، پھر بولا۔

"ابھی نہیں بینا! معاملہ بڑی سنجیدگی اختیار کر گیا ہے، ڈبل او گینگ کے کارکن اب

بات معلوم کرنے میں مصروف ہیں کہ ان پانچوں افراد کے تعلقات کہاں کہاں تک پھیلے ہوئے ہیں اور اگر ان کے سلسلے میں کچھ کیا جائے تو بات کہاں تک جا سکتی ہے۔"

"ہوں یہ بات تو ہے۔" بینا پر خیال انداز میں بولی اور شہاب بھی گہری سوچ میں ڈوب گیا...... بہر حال اس نے کچھ اقدامات کئے تھے...... نادر حیات صاحب سے ہونے والی اس ملاقات کے بعد کیونکہ نادر حیات صاحب کی شخصیت بھی باقاعدہ اس میں ملوث تھی اور شہاب بہر حال ان سے بے پناہ محبت بھی کرتا تھا اور ان کی بہت عزت بھی کرتا تھا...... وہ کسی بھی طور نادر حیات صاحب کو بے بسی کا شکار نہیں دیکھ سکتا تھا۔

❋

طاہر بیگ ایک وطن دوست اور انسان دوست شخص تھا، جس طرح بے کل ہوا تھا اس کا دل ہی جانتا تھا...... صدف بھی حساس لڑکی تھی اور بہت سے معاملات میں اسے طاہر بیگ سے سب سے زیادہ انسیت کا احساس ہوتا تھا...... دونوں بڑے بھائی شادی شدہ تھے اور اپنی زندگی کے بہترین دن گزار رہے تھے...... یہ خطرہ بدستور موجود تھا کہ اگر انہیں اس سلسلے میں رازدار بنایا گیا تو ہو سکتا ہے کہ راز فاش ہو جائے...... بہر حال دونوں بہن بھائی شدید تشویش کا شکار تھے، اس وقت بھی ناشتے کی میز پر سارے بھائی اور بھابیاں وغیرہ موجود تھے...... مرزا اعظم بیگ کسی کام سے گیا ہوا تھا...... ناشتا خاموشی سے ختم کیا گیا اور منصوبے کے مطابق جب بھابیاں وغیرہ چلی گئیں اور ناشتے کے کمرے میں صرف تینوں بھائی اور صدف رہ گئے تو طاہر بیگ نے کہا۔

"اخبارات پر نگاہ ڈالتے رہتے ہیں بھائی صاحب۔"

"ہاں کیوں...... کوئی خاص بات؟"

"نہیں...... میں بس اس لئے پوچھ رہا تھا کہ صرف کاروبار میں ہی زندگی گزار رہے ہیں یا پھر دُنیا کی کوئی خبر بھی ہے۔" طاہر بیگ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"بھئی اصل میں بات یہ ہے طاہر میاں کہ اب اس وقت دُنیا ہم نے تمہارے سپرد کر رکھی ہے...... ناظم بھائی نے جب اپنی ذمہ داریاں سنبھالیں تو ہم دونوں کو آزادی دے دی اور خود اپنے شانوں پر بہت سے بوجھ لے لئے، اس کے بعد ہم پر ذمہ داریاں شروع ہوئیں تو تم دیکھ لو ہم نے ابھی تک بڑی خوش اسلوبی سے اپنے سارے کام سنبھالے ہیں اور تمہیں

عیش کرنے کے لئے اس دُنیا میں چھوڑ دیا ہے، لیکن عیش سے یہ مراد نہیں کہ تم بالکل ہی
وقت بے کار کرتے رہو اگر اس دُنیا میں کوئی مشکل ہے میرا مطلب ہے اگر دُنیا کسی وجہ سے
مشکل میں ہے تو میاں تم جیسا جوان آدمی تو ہم نے دُنیا کو دے رکھا ہے ہاں ہماری ذمہ داریاں
ہیں ہوا کریں تو ہمیں بتادیا کرو۔" اطہر بیگ نے محبت بھرے انداز میں بھائی سے کہا۔

"وہ تو خیر میں سمجھتا ہوں بھائی جان! میرے لئے مشکلات تو بالکل نہیں ہیں اور جہاں
تک معاملہ صدف کا ہے۔"

"نہیں صدف کا کوئی معاملہ نہیں ہے، صدف بے وفا ہے۔" ناظم نے کہا۔

"بے وفا۔" صدف چونک کر بولی۔

"تو اور کیا بچپن سے سینے پر بیٹھ کر گھوڑے کی سواری کرتی رہی ہو، گالوں پر تھپڑ
مارے ہیں رال ٹپکائی ہے اور اس کے بعد کچھ عرصے کے بعد شوہر کا گھر بسالو گی اور اس سے
اجازت لے کر ہم تک آؤ گی یہ کوئی وفاداری کی بات ہے۔"

"ارے واہ بھائی یہ کیا بات ہوئی یہ تو دُنیا کی ریت ہے۔"

"ٹھیک ہے بے وفائی بھی دُنیا ہی میں ہوتی ہے۔"

"آپ موضوع کو غلط سمت لے گئے۔"

"چلو تم صحیح سمت لے آؤ۔" اطہر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"پچھلے کچھ دنوں سے میں عجیب و غریب خواب دیکھ رہا ہوں، بھائی جان۔" طاہر بیگ
نے کہا۔

"خواب......" دونوں بھائی چونک کر اسے دیکھنے لگے...... صدف نے بھی سہمی ہوئی
نگاہوں سے طاہر کو دیکھا تھا...... وہ جانتی تھی کہ طاہر پر کیا بیت رہی ہے، لیکن بھائی کی مشکل
کا کوئی حل نہیں تھا اس کے پاس۔ اطہر نے کہا۔

"خواب معدے میں گرانی کی وجہ سے نظر آتے ہیں...... اگر تمہارے معدے میں
کوئی گڑ بڑ ہے تو میں ڈاکٹر فہیم سے کہے دیتا ہوں، کوئی دوا تجویز کر کے بھجوا دیں گے
تمہارے لئے۔"

"نہیں میرا معدہ بالکل ٹھیک ہے، خواب عجیب نوعیت کے ہیں جنہوں نے مجھے
پریشان کر رکھا ہے۔"

"طاہر تم اس قدر کمزور ذہن کے مالک تو نہیں تھے کیا ہو گیا ہے تمہیں۔"

"بس یوں سمجھ لیجئے بھائی جان! ان خوابوں نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔"

"خواب کیا ہیں۔" ناظم بیگ نے پوچھا۔

"ہمارے گھر میں سب سے اونچی جگہ پانی کی وہ ٹنکی میرا مطلب ہے وہ اوور ہیڈ ٹینک
سب سے اونچا ہے ناں میں یہ دیکھتا ہوں کہ پانی کے اس ٹینک سے اچانک ہی شعلوں کا
طوفان نکلنے لگا ہے اور یہ شعلے چھتری کی طرح پھیل کر ہمارے اس پورے گھر کو اپنی لپیٹ
میں لے لیتے ہیں...... خواب اگر ایک دفعہ دیکھا جائے تو اسے ذہن کی خرابی سمجھا جاسکتا ہے،
لیکن ایک ہی خواب بار بار نظر آئے تو پریشانی کی بات ہے۔" ناظم نے تشویش سے ہونٹ
سکوڑے اور بولا۔

"ایک بات بتاؤ؟"

"جی۔"

"تمہیں گھر کے سلسلے میں کوئی تشویش کوئی پریشانی لاحق ہے۔"

"نہ جانے کیوں دل پر ایک بوجھ سا رہتا ہے۔"

"خواب دیکھنے کے بعد؟"

"نہیں اس سے پہلے تھا کچھ عجیب سے احساسات، بھائی جان مجھے یوں لگتا ہے جیسے اس
گھر میں کوئی ایک شخص ایسا ہے جو کوئی گناہ کر رہا ہے، کوئی انسانی گناہ اللہ کے گناہ گاروں کو تو
اللہ خود معاف کر دیتا ہے یا پھر اس کے لئے اسے لمحوں میں کوئی سزا دینا مشکل کام نہیں ہوتا،
لیکن انسان معصوم ہوتے ہیں اور انسانی گناہ کرنے والوں کو خاصا وقت مل جاتا ہے...... بھائی
جان کوئی ایسا اخلاقی یا انسانی یا سماجی گناہ کیا جا رہا ہے اس گھر میں جس کی وجہ سے اللہ نہ کرے ہمارا
گھر کسی تباہی کا شکار ہو سکتا ہے...... میرے اس خواب کی یہی تعبیر ہے۔" طاہر بیگ نے کہا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"وہی جو میں نے کہا ہے گناہ گار کون ہے اور گناہ کیا ہے بھائی جان آپ لوگ اس سلسلے
میں میری مدد کیجئے...... معلوم کیجئے۔"

"دیکھو بڑی عجیب بات کر رہے ہو تم اگر تمہارے ان الفاظ کا کوئی گہرا پس منظر نہیں
ہے تو یہ بات تم بھی جانتے ہو کہ اس گھر کا تعلق براہ راست یا تو ہم تینوں سے ہے یا ڈیڈی سے

اور ہمارا ہی کوئی عمل اس گھر کی تباہی کا باعث بن سکتا ہے، تو میرے پیارے بھائی سب پہلے تو میں اپنی صفائی پیش کر دوں جو چاہو قسم لے لو مجھ سے میں تو بظاہر کوئی ایسا عمل نہ کر رہا جو کسی کے لئے نقصان دہ یا تکلیف دہ ہو...... اطہر اپنے بارے میں بتائیں اور تم خود ا بارے میں سوچو ہم لوگ خود اپنا تجزیہ کر سکتے ہیں...... چلو ایسا نہیں کرتے کہ ایک دوسرے کچھ بتائیں، لیکن اگر یہ احساس دل میں آ رہا ہے تو خود اپنا احتساب کر کے ہم اس گناہ سے ن کر سکتے ہیں...... چوتھی شخصیت والد صاحب قبلہ کی ہے تو ان کا کردار ہم تینوں کی نگاہ میں ہے، وہ تو فیاض ہیں...... فرشتہ صفت ہیں جو کچھ وہ کرتے رہتے ہیں وہ ہماری نگاہوں م بھی ہے، بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ شاید ان کے وجود کی برکتیں ہی ہماری خوشیوں اور خوشیا کا سبب ہیں...... باقی اور کون رہ جاتا ہے ہم تینوں ہی اپنے محاسب ہیں۔"

"بات بہت عجیب سی کر رہا ہوں، لیکن انسان تو خطا کا پتلا ہوتا ہی ہے...... اگر اس ک محرک ڈیڈی ہوئے تو کیا ہوگا...... بھائی صاحب؟" طاہر بیگ نے کہا اور دونوں بھائی چونک ک طاہر بیگ کو دیکھنے لگے...... صدف جلدی سے بولی۔

"مطلب یہ ہے تمہارا طاہر بھیا کہ ہو سکتا ہے کہ ڈیڈی نادانستگی میں کوئی ایسا عم کر رہے ہوں۔"

"نادانستگی میں یا دانستہ بہرحال فرشتہ تو نہیں ہیں۔"

"خیر میں جانتا ہوں کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو اپنی معصومیت میں کہہ رہے ہو کیونکہ ظاہر ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی اپنے باپ سے منحرف نہیں ہے اور نہ ہی ان پر کوئی الزام لگانے کا شوقین اور پھر یہ تو صرف ایک مفروضہ ہے، میں تو اسے صرف ذہنی خرابی ہی سمجھتا ہوں، بلاوجہ معمولی سی بات پر جذباتی یا سنجیدہ ہونے کی کوشش کریں۔"

"دیکھئے بھائی جان...... زندگی جذبات سے عبارت ہوتی ہے، خدانخواستہ ہمارے ا حوادث کی ذرہ برابر گرد بھی پڑی تو متاثر ایک فرد تو نہیں ہوگا نا میں آپ لوگوں سے یہ پوچھ رہا تھا کہ خدانخواستہ اگر ہمارے ڈیڈی کسی ایسے گناہ کے مرتکب ہو رہے ہوں جو دانستہ نادانستہ ان سے سرزد ہو رہا ہو تو ایسی شکل میں ہم ڈیڈی کو سمجھانے کے لئے کیا طریقہ کار استعمال کر سکتے ہیں۔"

"دیکھو بھئی بات اگر کسی سماجی گناہ کی ہے تو میرا خیال ہے ہمارے ڈیڈی بہت ہی فراخ

چشم اور فراخ دل انسان ہیں...... اگر ہم اس کی نشاندہی کر دیں گے تو وہ ہماری بات کا برا نہیں مانیں گے یا پھر کوئی بھی ایسی بات ہے جو کہ میں جانتا ہوں کہ نہیں ہے۔"

"فرض کرو اگر وہ کسی ایسے گناہ کے مرتکب ہو رہے ہوں جس کے بارے میں وہ اچھی طرح جانتے ہوں اور اس سے ہٹنا نہ پسند کرتے ہوں تو ہمیں کیا کرنا ہوگا۔"

"بہرحال ہمارے وہ باپ ہیں، ہم ان سے درخواست ہی کر سکتے ہیں۔"

"طاہر کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا...... وہ محسوس کر رہا تھا کہ باقی بھائیوں کو بھی کم از کم اس بات سے اختلاف ہے کہ وطن دشمن وطن میں کوئی ایسا عمل کریں جس سے اہل وطن کو نقصان پہنچے، لیکن باقی بھائیوں کی زندگی کے انداز بدل چکے تھے...... اس میں مصلحت پسندی کی کیفیت نظر آتی تھی اور وہ بھی بے چارے مجبور تھے...... ظاہر ہے انسان کسی بھی سطح کا ہو مسائل آسانی سے کسی کا پیچھا نہیں چھوڑتے بلکہ اگر کسی کا مسائل سے پیچھا چھوٹ جائے تو بس یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ زندگی اس سے دور ہوتی جا رہی ہے...... زندگی تو مسائل کا ہی نام ہے...... صدف محسوس کر رہی تھی کہ طاہر جذباتی ہو رہا ہے، یہ بھی اس نے محسوس کر لیا تھا کہ بھائی گفتگو تو بے شک کر رہے ہیں لیکن ان کے انداز میں بے پروائی ہے...... ایسا نہ ہو کہ کوئی غلط بات طاہر کے منہ سے نکل جائے، سو اس نے طاہر سے کہا۔

"اور شاید آپ بھول گئے طاہر بھیا کہ آپ کو میرے ساتھ فوزیہ کی طرف چلنا ہے۔"

طاہر نے بہن کو دیکھا تو صدف نے عاجزی سے اس سے درخواست کی۔

"چلنا ہے ناں طاہر...... اٹھو پلیز چلو۔" اور اس کے بعد وہ طاہر کو اپنے کمرے میں لے آئی تھی...... طاہر عجیب سی کیفیت کا شکار تھا...... صدف نے کمرے کا دروازہ بند کیا...... طاہر کو سامنے بٹھایا اور بولی۔

"یہ طریقہ کار کیا ہے طاہر بھائی کیا یہ مناسب طریقہ کار ہے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا صدف کیا کروں، ذہنی طور پر ختم ہو گیا ہوں میں۔"

"خود کو سنبھالو۔"

"تم خود سوچو...... تم اسے میری دیوانگی کہہ سکتی ہو، پاگل پن قرار دے سکتی ہو لیکن...... لیکن...... لیکن۔"

"نہیں...... نہ میں اسے تمہاری دیوانگی کہہ سکتی ہوں اور نہ پاگل پن۔"

"مجھ پر دہری ذمہ داریاں ہیں صدف دہری، دیکھو پہلی بات تو یہ ہے کہ میرے جذبات مجروح ہو رہے ہیں میں ایک شدید نفسیاتی بحران کا شکار ہو گیا ہوں...... تمہیں اندازہ ہو گا کہ کیوں ایک ایسی بات جس پر ہم نے ہمیشہ ناز کیا ہے یہ سوچ کر کہ ہم اس کی اولاد ہیں، ہماری گردنیں فخر سے تن گئی ہیں...... بخدا اس میں دولت کی موجودگی کا دخل نہیں ہے، بلکہ مجھے اپنے باپ کی سوچوں سے پیار تھا...... میں فخر سے سوچتا تھا کہ ہم لوگ تعمیر وطن میں اپنا معمولی سا ہی سہی لیکن ایک کردار ادا کر رہے ہیں اور یہ ہماری خوش بختی ہے سمجھ رہی ہو ناں تم۔"

"ہاں میں سمجھ رہی ہوں۔"

"اور اس کے بعد اچانک ہی یہ انکشاف ہوتا ہے کہ ڈیڈی...... ڈیڈی محب وطن نہیں بلکہ...... بلکہ وطن دشمن میں سے ہیں...... انسان دشمنوں میں سے ہیں...... صدف کیا حال ہونا چاہئے تھا میرے دل و دماغ کا۔"

"میں جانتی ہوں۔" صدف نے کہا۔

"اور اب...... اب یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا ہے ایک ایک سے پوچھتا پھر رہا ہوں کہ غلط کر رہا ہوں یا صحیح، کارروائی باپ کے خلاف ہے اس کے خلاف جس نے ہمیشہ ہماری بہتری کے لئے سوچا، لیکن آہ کاش وہ صرف ہماری ہی بہتری پر اکتفا نہ کرتا...... یہ بھی سوچتے کہ وطن میں لاکھوں مائیں ہیں...... لاکھوں باپ ہیں اور ان کے لاکھوں بیٹے ہیں...... وہ لوگ ہم پر حق رکھتے ہیں...... وطن کی مٹی ہم پر حق رکھتی ہے...... اہل وطن ہمارے اپنے ہیں...... غیر نہیں ہیں...... ہم نے صرف اپنے ہی بارے میں کیوں سوچا ان کے بارے میں کیوں نہیں سوچا...... بس اب اگر اس طرف سے نگاہیں پھیرتا ہوں تو مجرم ہونے کے باوجود خود کو زندگی بھر مجرم سمجھتا رہوں گا اور ابھی تو کچھ نہیں ہے ایک جرم ہوتا کر لیا جاتا...... ختم ہو جاتا، علم میں آجاتا میرے کہ ڈیڈی نے ایسا کیا ہے تو خاموش ہو جاتا...... مجرمانہ طور پر ہی سہی چشم پوشی اختیار کر لیتا کہ غلطی انسان سے ہوتی ہے...... ڈیڈی جرم کر بیٹھے لیکن اس جرم کا کیا کیا جائے جو مسلسل بڑھتا ہی جا رہا ہے اور جس میں دوسروں کو دولت حاصل ہو رہی ہے اور میرے اہل وطن کو موت اور اس میں ڈیڈی بھی شریک ہیں...... میں جانتا ہوں، وہ تنہا نہیں ہوں گے...... وہ آلہ کار ہیں...... میرے ڈیڈی اور آلہ کار، بہت سی باتیں سوچتا ہوں

صدف بہت سی باتیں سوچتا ہوں...... دل ٹکڑے ٹکڑے ہوتا چلا جاتا ہے...... میں نہیں جانتا کہ کون کون میرا ساتھ دے گا اور دے گا تو کیسے دے گا...... میں ایک فیصلہ چاہتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ وہ مجھ سے کہیں کہ یہ درست ہے اور یہ غلط ہے، لیکن...... لیکن نہیں ایسا نہ ہو صدف وہ دوسرا ہی انداز اختیار کریں...... آہ! کیا کہا جا سکتا ہے، کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"آپ اس قدر دیوانے ہو رہے ہیں طاہر بھائی کہ مجھے خدشہ ہے کہ خود آپ کو بھی کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔"

"خدا کی قسم اگر بات اتنی ہی دیوانگی کی حد تک ہوئی تو ایک دن میں اتنی ہیروئن پیوں گا کہ کوئی سوچ بھی نہ سکے اور اس کے بعد ڈیڈی کے سامنے جا کر کہوں گا کہ ڈیڈی میں نے آپ کا تحفہ قبول کر لیا ہے اور جو زہر آپ دوسروں کی رگوں میں بھرتے رہے ہیں آج میں جان بوجھ کر اسے پی رہا ہوں...... آپ کا تحفہ سمجھ کر...... سمجھ رہی ہو ناں۔"

"تمہیں خدا کا واسطہ ایسا نہ کرنا...... ایسا نہیں کرنا...... یہ...... یہ دیوانگی کی انتہا ہو گی۔"

"یار کمال کرتی ہو، وہ جو ایسا نہیں کرنا چاہتے لیکن کر رہے ہیں ڈیڈی کی وجہ سے اور تم صرف مجھے بچا رہی ہو...... جاؤ ان بے شمار افراد کی زندگیاں بھی بچاؤ جن کے ماں باپ نہ جانے کتنے آنسو بہا چکے ہیں...... جاؤ صدف ایسا کرو......" صدف کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے تھے...... اس نے کہا۔

"ایسا نہ کرنا طاہر بھیا...... ایسا نہ کرنا۔"

"تو پھر...... پھر کوئی ترکیب سوچو ڈیڈی کو اس راستے سے ہٹاؤ...... کوئی ترکیب سوچو۔"

"تم مجھے تھوڑا سا وقت دے دو...... تھوڑی سی مہلت دے دو...... اپنے آپ کو اس دیوانگی کے راستے سے ہٹاؤ...... میں...... میں وعدہ کرتی ہوں کہ کچھ کروں گی...... کچھ کر کے رہوں گی۔"

"اور اگر ڈیڈی حق کی راہ پر آنے کے لئے تیار ہو گئے صدف تو ہم ان میں سے ایک ایک شخص کو چن چن کر ختم کر دیں گے جو ہمارے وطن پاک میں یہ ساری گندگی کئے ہوئے ہیں۔"

"ہاں لیکن شرط یہی ہے کہ خود کو سنبھالو۔" صدف نے کہا اور طاہر نے آنکھیں بند کر لیں...... وہ زور زور سے آنکھیں بھینچ کر گردن جھٹک رہا تھا۔

رونالڈ ڈکسن نے عمارت کے پورچ میں اتر کر عمارت کے احاطے کا جائزہ لیا...... روکی خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا...... رونالڈ آہستہ آہستہ چلتا ہوا احاطے کا چکر لگانے لگا...... ایک دو جگہ رُک کر اس نے احاطے کی دیواروں کو دیکھا...... روکی بغور اس کا جائزہ لے رہا تھا اور گارون اس کے اشارے پر اندر انتظامات کے لئے چلا گیا تھا جس پر رونالڈ نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ بین الاقوامی مافیا گروہ کے یہ ارکان دُنیا بھر میں اپنا یہ جال پھیلائے ہوئے تھے...... یہ موت کے سوداگر موت کا سودا کرتے تھے اور اپنی جیبیں بھرتے تھے...... دُنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی تفصیل نگاہوں سے اُوجھل نہیں ہے...... دُنیا یہی جانتی ہے کہ دُنیا کا سب سے بڑا دشمن کون ہے...... خود انسان...... جو ایک دوسرے کی ہلاکت کے لئے دن رات کی سوچوں میں سرگرداں ہے اور نت نئے حربے تیار کر رہا ہے، لیکن پتا نہیں انسانیت کہاں سے کہاں تک پہنچ چکی ہے یا اب اس نام کو لغت سے خارج کر دیا جائے...... روکی نے آہستہ سے کہا۔

"سر کیا کسی خاص بات کی نشاندہی کرنا چاہتے ہیں آپ۔"

"نہیں میں جائزہ لے رہا ہوں اس عمارت کا۔"

رونالڈ ڈکسن نے کہا اور پھر اندرونی عمارت کی جانب بڑھ گیا...... پیل اور گارون نے دروازے کی دوسری جانب رونالڈ ڈکسن کا استقبال کیا تھا...... رونالڈ ڈکسن نے مسکراتے ہوئے پیل کو دیکھا اور بولا۔

"تم یقیناً پیل ہنٹر ہو؟"

"یس سر۔"

"ٹھیک ہے...... عمارت اچھی ہے لیکن کچھ جگہ سے مخدوش ہے...... تم بقیہ گفتگو کرنے سے پہلے مجھے بتاؤ کہ میرے لئے کوئی کمرے وغیرہ کا بندوبست کیا ہے؟"

"سر! ہو سکتا ہے آپ کے شایانِ شان نہ ہو لیکن۔"

"کہاں ہے مجھے بتاؤ۔" اور پھر وہ تینوں ہی رونالڈ ڈکسن کو اس کمرے تک چھوڑنے آئے تھے جو اس کے لئے تیار کیا گیا تھا...... دروازے پر رُک کر رونالڈ ڈکسن نے کہا۔

"اور اب تم آدھے گھنٹے کی مہلت مجھے دو تاکہ میں ذرا سا آرام کر سکوں اور تم عمارت کے باہر جاؤ اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرو کہ کسی نے ہمارا یہاں تک تعاقب تو نہیں کیا

ہے...... میں تمہیں تین ایسے پوائنٹس بتا سکتا ہوں جہاں سے تم اس عمارت میں دروازے کے بغیر آ جا سکتے ہو...... میرا مطلب سمجھ رہے ہو گے...... جب تم ان راستوں سے اندر آ سکتے اور جا سکتے ہو تو باہر والوں کے لئے بھی مشکل نہیں ہو گا۔" رونالڈ ڈکسن نے انہیں وہ تینوں جگہیں بتائیں اور اس کے بعد کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا...... تینوں نے ایک دوسرے کی صورت دیکھی تھی، پھر خاموشی سے آگے بڑھ کر ڈرائنگ روم کے دروازے سے ہی باہر نکل آئے تھے۔

"یار غضب کی چیز ہے یہ شخص۔" پیل نے کہا۔

"کیا گارون نے تمہیں ساری تفصیل بتا دی۔" روکی نے پوچھا۔

"کہاں...... کوئی بات ہی نہیں ہوئی...... پیل سے ہم لوگ اس کے قیام کے لئے تیار شدہ کمرے کا جائزہ لے رہے تھے۔" گارون نے کہا۔

"خدا کی قسم بہت ہی خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"یار کمال کرتے ہو، وہ گولڈن کراؤن ہے اور گولڈن کراؤن ایسے تو نہیں مل جاتا۔" پیل نے کہا اور روکی اور گارون ہنس پڑے...... ان کی اس ہنسی کو پیل نے ناخوشگواری کی نگاہوں سے دیکھا تھا، پھر بولا۔

"کیوں اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے...... کیا میں نے کوئی مزاحیہ بات کہہ دی ہے۔"

"تم نے تو نہیں کہی لیکن ایک مزاحیہ بات خود بخود ہو گئی ہے۔" گارون بولا۔

"کیا؟"

"تم ابھی کہہ رہے تھے کہ گولڈن کراؤن آسانی سے نہیں مل جاتا۔"

"تو کیا میں غلط کہہ رہا تھا؟"

"ہاں۔" گارون نے کہا اور ہنس پڑا۔

"کیوں؟"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے ایک شخص کو گولڈن کراؤن بڑی آسانی سے مل گیا تھا۔"

"کون؟"

"ڈاکٹر کرس۔"

"کیا مطلب، یہ کون ہے؟" پیل نے پوچھا...... روکی بھی ہنسنے لگا تھا۔

"پادری صاحب کو دیکھا تم نے...... ویسے اس شخص کے چہرے پر جو کیفیت چھائی ہے کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ در حقیقت کسی چرچ کا پادری نہیں ہے۔"

"پھر بھی یہی بات کہوں گا کہ گولڈن کراؤن ہے مگر ڈاکٹر کرس کون ہے۔" جوا... میں روکی اسے تفصیلات بتانے لگا اور گارون جگہ جگہ تصحیح کرتا رہا...... پیل کی آنکھیں حیر... سے پھیلی ہوئی تھیں، پھر اس نے کہا۔

"ہم لوگ اپنے آپ ہی کو عقل مند سمجھتے ہیں۔"

"غلط کرتے ہیں...... بہرحال ابھی ہمارے پاس سلور کراؤن ہے...... گولڈن کرا... بہت بڑی حیثیت رکھتا ہے...... ہم اس کے بعد نہ جانے کب گولڈن کراؤن حاصل کریں اور ڈائمنڈ کراؤن حاصل کرنے کے لئے تو شاید ہماری عمر ہی ابھی کم پڑے گی...... وی... قیامت خیز ذہن کا مالک ہے یہ شخص، ڈاکٹر کرس کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا گیا۔"

"نہیں رحمدل بھی ہے اور پھر ویسے بھی وہ بے چارہ ایک بے معنی سا آدمی تھا...... اس واقعے پر شاید آدھی عمر چکرایا رہے گا جن تینوں پوائنٹس کی نشاندہی کی گئی تھی...... انہوں نے بھی انہیں غور سے دیکھا اور دل ہی دل میں اس بات کا اعتراف کیا کہ رونالڈ ڈکسن کی تشویش بجا تھی...... بات ٹھیک ہے لیکن بہرحال یہ ان کی اپنی عمارت نہیں تھی، بلکہ... کارکنوں نے یہ عمارت ان کے لئے مہیا کی تھی، کیونکہ ہوٹلوں میں رہ کر اس تم... کارروائیاں لمحوں میں مشکوک ہو جاتی ہیں...... پھر آدھا گھنٹہ انہوں نے یہاں گزارا تھا اس کے بعد واپس اندر پہنچے تھے...... ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تو چونک پڑے، کیو... رونالڈ ڈکسن لباس تبدیل کئے ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر بیٹھا ہوا تھا...... شکل صورت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی، بس پادری کا لباس اتار دیا گیا تھا...... انہیں دیکھ مسکرایا اور بولا۔

"نہیں میری شکل اصلی نہیں ہے...... کسی مناسب وقت شکل تبدیل کر لوں گا، یوں ہی رہنے دو...... بات اصل میں یہ ہے کہ جس حیثیت سے میں آیا ہوں اس حیثیت پہلے صحیح انداز میں نمٹنا ہے...... ایک مشنری کا دعوت نامہ ہے میرے پاس ان کی میٹنگ کل شریک ہونا ہے...... پہلی شرکت کے بعد ہو سکتا ہے مجھے یہ حلیہ تبدیل کرنا پڑے لیکن بھی اس وقت جب کوئی اہم ضرورت پیش آئے، تم لوگ اگر میری اصلی شکل دیکھنا چا...

ہو تو اس کے لئے تھوڑا سا انتظار کر لو۔"

"سر! ہمیں صرف آپ کی شخصیت سے دلچسپی ہے شکل سے نہیں۔"

"ہونہہ...... اب تم مجھے کافی پلواؤ اس کے بعد میرے اور تمہارے درمیان تفصیلی گفتگو ہو گی۔"

"یس سر!" گارون نے کہا اور پیل سے بولا۔

"پیل کیا تم؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔" اور پیل تیزی سے باہر نکل گیا تھا...... رونالڈ ڈکسن نے آرام سے صوفے کی پشت سے گردن ٹکا کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔

❋

شہاب حیات کلینک میں داخل ہو گیا...... جب سادہ لباس میں ہوتا تو اس کی شخصیت ایک الگ ہی رنگ اختیار کر جاتی تھی اور دیکھنے والوں کی نگاہوں میں خود بخود ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی، ایسی ہی پرکشش شخصیت کا مالک تھا وہ...... اور اب تو اس کی شخصیت میں اور بھی نکھار پیدا ہو گیا تھا...... ڈاکٹر حیات کے بارے میں معلومات حاصل کرتا ہوا وہ اس تک پہنچ گیا...... ڈاکٹر حیات نے ایک نگاہ اس کا جائزہ لیا پھر بولا۔

"تشریف لائیے جناب، لیکن آپ کی ضد میری سمجھ میں نہیں آئی...... اصل میں میرے اپنے دوسرے مشاغل ہوتے ہیں، بس کچھ مخصوص مریضوں کو دیکھتا ہوں اور اس کے بعد باقی ذمہ داریاں میرے اپنے ماتحتوں کے پاس ہوتی ہیں، آپ کو شاید اس سلسلے میں بتایا گیا تھا لیکن آپ کی ضد سمجھ میں نہیں آئی۔"

"اس کی وجہ ہے ڈاکٹر حیات۔"

"براہ کرم تشریف رکھئے۔" ڈاکٹر حیات نے مسکراتے ہوئے کہا پھر بولا۔

"کیا وجہ ہے؟"

"شکریہ۔" شہاب بیٹھ گیا۔ "وجہ یہ ہے کہ میں مریض نہیں ہوں۔"

"آپ کی عمدہ صحت اور عمدہ شخصیت اس بات کی نشاندہی کرتی ہے...... پھر ایک ہسپتال میں ایک مصروف ڈاکٹر کے پاس آپ کی آمد کی وجہ پتا نہیں چل سکی۔"

"1961ء میں آپ ہالینڈ میں تھے اور کچھ عرصے کے بعد آپ کا قیام ڈچ فاؤنڈیشن

کے ایک رکن کے گھر میں رہا تھا۔"

"ہاں اگر آپ ہنری فوسٹر کی بات کر رہے ہیں تو وہ میرا دوست آج تک میرے ذ
میں موجود ہے۔"

"جی میں اسی کی بات کر رہا ہوں، ہنری فوسٹر تو مر چکا تھا...... یہ بات آپ کو معلوم
لیکن اس کی بیوی ہیلینا فوسٹر۔"

"اوہ وہ مہربان عورت، کیا یاد دلا دیا تم نے دوست لیکن تمہیں ان کے بارے میں ا
تفصیلات کیسے معلوم؟"

"بس معلوم ہے اور اسی طرح معلوم ہے کہ میڈم ہیلینا فوسٹر آج کل یہاں موجود
اور میری قیام گاہ پر ہیں۔"

"اوہ...... کیا واقعی کب آئیں وہ یہاں؟" ڈاکٹر حیات نے حیران اور خوشگوار لہجے میں کہ

"ویسے تو انہیں یہاں آئے ہوئے آٹھواں دن ہے، لیکن کچھ ایسی مصروفیات ہیں
کی بنا پر وہ آپ سے رابطہ نہیں قائم کر سکیں۔"

"آپ نہیں جانتے مسٹر کس نام سے مخاطب کروں آپ کو؟"

"ابن ثاقب۔" شہاب نے کہا۔

"جی مسٹر ثاقب۔"

"ابن ثاقب...... ثاقب میرے والد کا نام تھا۔

"اگر آپ کا نام تنہا لینا ہو تو مجھے کیا ابن کہنا ہوگا۔"

"نہیں آپ میرے نام کو تنہا لینے کی کوشش ہی نہ کریں۔" شہاب نے کہا اور ڈاکٹر
حیات نے شانے ہلائے اور پھر بولا۔

"خیر...... مجھے آپ کے نام سے کوئی دلچسپی نہیں ہے...... تو میں آپ سے یہ عرض
کر رہا تھا کہ آپ ان کے کتنے ہی قریب ہوں لیکن زندگی میں حالات میرے دوست ہنری
فوسٹر کے رہے ہیں...... آپ سوچ بھی نہیں سکتے اور میڈم ہیلینا انہوں نے میرے ساتھ
کچھ کیا ہے، اس کا صلہ میں کبھی زندگی بھر نہیں دے سکتا۔"

"آپ چاہیں تو دے سکتے ہیں۔" شہاب نے کہا۔

"وہی میں آپ سے کہہ رہا تھا کہ میں ان سے بہت زیادہ قریب ہوں اور اب میں ا

بھی انتظار نہیں کر سکتا...... آپ براہ کرم مجھے بتائیے...... میرے آدمی انہیں آپ کی
رہائش گاہ سے لے آئیں گے۔"

"کمال کرتے ہیں آپ ڈاکٹر حیات...... وہ کسی مزاحیہ پروگرام کے تحت تو میرے ہاں
قیام پذیر نہیں ہوں گی...... اگر وہ خوشی سے آپ کے ساتھ آنا پسند کریں تو ایک الگ بات
ہے لیکن اس کے لئے آپ کو ان سے ملنا پڑے گا...... ہو سکتا ہے آپ کی نگاہوں میں وہ اس
قدر اہمیت کی حامل نہ ہوں، لیکن میرے لئے ان کی شخصیت بے حد قیمتی ہے اور میں اس
طرح انہیں آپ کے کسی آدمی کے ساتھ بھیجنے کو تیار نہیں ہوں" ڈاکٹر حیات نے کلائی پر
بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا پھر بولا۔

"ٹھیک ہے آپ کو میری رہنمائی کرنا ہوگی۔"

"آپ تشریف تو لائیے...... میں ان کا پیغام لے کر آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں لیکن
یہ نہ سمجھیں کہ میں انہیں آپ تک منتقل کرنا چاہتا ہوں۔" ڈاکٹر حیات نے کوئی جواب نہیں
دیا...... انٹر کام اٹھا کر کچھ ہدایات دیں اور پھر شہاب سے بولا۔

"آپ کے پاس کار ہے؟"

"نہیں میں تو بے کار آدمی ہوں۔"

"یہ اچھی بات ہے آپ میری کار میں میرے ساتھ چلئے...... میڈم ہیلینا کو میں خود
اپنے ساتھ لے کر آؤں گا۔"

"اوکے۔" شہاب بولا...... ڈاکٹر حیات کچھ لمحوں کے بعد شہاب کے ساتھ باہر نکل آیا
اور شہاب اس کی شاندار کار میں بیٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑا...... اس کے ہونٹوں پر ایک
معنی خیز مسکراہٹ تھی...... ڈاکٹر حیات خود کار ڈرائیو کر رہا تھا اور سوچ میں ڈوبا ہوا تھا...... یہ
سردار علی کا کارنامہ تھا...... ڈبل او گینگ کے تمام افراد ان پانچوں آدمیوں پر مصروف تھے اور
اپنے طور پر ان کے خلاف کارروائیاں کر رہے تھے...... ایک ایک چیز کا جائزہ لیا جا رہا تھا اور
شہاب نے ان کے گرد باریک تاروں والا جال پھیلا دیا تھا اور وہ آہستہ آہستہ اس جال میں
جکڑتے جا رہے تھے...... سنہری کور کی ایک ڈائری سردار علی کے ذریعے شہاب تک پہنچی تھی
اور یہ ڈائری ڈاکٹر حیات کے بیڈ روم کے مسہری کے ایک ایسے خفیہ خانے میں پائی گئی تھی جو
بہت محفوظ تھا...... پھر اسی ڈائری سے فائدہ اٹھا کر اس نے اس وقت ڈاکٹر حیات کو ٹریپ کیا

تھا...... کچھ دیر کے بعد شہاب کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچ کر کار رُکی گیٹ پر دو مسلح
پولیس کی وردی میں ملبوس مستعد تھے...... ڈاکٹر حیات کے چہرے کی رگیں اور عضلات
گئے اس کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے بوکھلاہٹ پیدا ہو گئی، لیکن پھر اس نے خود کو
لیا اور بولا۔

"یہ تو کسی پولیس آفیسر کی رہائش گاہ معلوم ہوتی ہے۔"

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے پولیس آفیسر کی ہی رہائش گاہ ہے...... ڈاکٹر حیات
قاتل کی رہائش گاہ تو نہیں۔"

"نہیں میرا مطلب تھا کہ کیا آپ کا تعلق۔" اتنی دیر میں گیٹ کھل گیا تھا، چا
ڈاکٹر حیات اپنی کار پورچ میں لے کر چلا گیا، لیکن اب اس کا ذہن چکرایا ہوا تھا...... شہ
نے نیچے اترنے کے بعد مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔

"تشریف لائیے۔"

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟"

"جواب چند قدم کے فاصلے پر آپ کے لئے موجود ہوگا...... آپ آیئے تو
شہاب بولا اور ڈاکٹر حیات اس کے ساتھ اندر داخل ہو گیا...... شہاب بڑی احتیاط کے
اس کے ساتھ چل رہا تھا...... ڈرائنگ روم سے گزرنے کے بعد وہ ایک راہداری میں
ڈاکٹر حیات نے کہا۔

"بات کچھ سمجھ میں نہیں آرہی...... آپ مجھے کہاں لے جارہے ہیں، کسی سے ملا
کے لئے تو ڈرائنگ روم ہی ہوتا ہے۔"

"پولیس والوں کے ڈرائنگ روم کے بارے میں آپ نے کچھ نہیں سنا ڈاکٹر
شہاب نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"پولیس کا ڈرائنگ روم ذرا خفیہ ہوتا ہے اور اس ڈرائنگ روم میں پہنچنے وا
لذت سے ہمکنار ہوتے ہیں۔" شہاب کے بدلے ہوئے لہجے کو ڈاکٹر حیات نے محسو
رکا...... ٹھٹکا اور اس نے پلٹ کر شہاب کو دیکھا اور اپنی جانب سیاہ رنگ کا پستول تنا ہوا
رخ اس کی پیشانی کی جانب تھا...... ڈاکٹر حیات کا چہرہ تاریک ہو گیا۔

"کیا مطلب ہے اس بات کا یہ......" وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"مطلب صرف یہ ہے ڈاکٹر حیات کہ آگے بڑھتے رہئے...... میڈم ہیلینا فوسٹر اپنی
ہندی کی جگہ پر آپ کا استقبال کریں گی۔"

"لل لیکن یہ کیا انداز ہے اس کا مطلب ہے کہ تم مجھے دھوکہ دے کر یہاں تک
ائے ہو۔"

"آپ بڑی عجیب و غریب کیفیت کے مالک معلوم ہوتے ہیں...... اگر آپ ایک
عزت اور عام شہری ہیں تو آپ کو اطمینان ہونا چاہئے کہ پولیس آپ کے ساتھ کوئی غلط
ویہ اختیار نہیں کرے گی اور اگر آپ کوئی جرائم پیشہ آدمی ہیں تو پھر پولیس پر آپ دھوکا
ہی کا الزام نہیں لگا سکتے...... آپ کا کیا خیال ہے آپ اپنے آپ کو کون سے لوگوں میں شمار
رتے ہیں؟"

"میں آگے نہیں بڑھوں گا۔" ڈاکٹر حیات نے کہا اور شہاب کے بوٹ کی زوردار ٹھوکر
قب سے اس کی پنڈلی پر پڑی، ٹھوکر چونکہ پنڈلی کے جوڑ پر پڑی تھی، چنانچہ ڈاکٹر حیات کا
ؤں لچک گیا اور وہ اوندھے منہ نیچے گر گیا، لیکن شہاب نے پھرتی سے آگے بڑھ کر اس کی
ڑھ کی ہڈی پر پاؤں رکھ دیا اور دباؤ ڈالتا ہوا بولا۔

"کیا کروں بچپن سے صحبت بگڑ گئی تھی، اب بری صحبتوں میں اتنا گہرا پہنچ چکا ہوں کہ
رافت کا تصور ہی دل میں نہیں اُبھرتا...... آپ رُک گئے آگے چلئے۔" شہاب نے دوبارہ
ؤں اُٹھایا اور ڈاکٹر حیات جلدی سے کئی قدم آگے بڑھ گیا، اب اس کے چہرے پر کسی قدر
رواسی نظر آرہی تھی، اس نے ایک دو بار گردن گھما کر خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے
وئے شہاب کی طرف دیکھا اور پھر ادھر اُدھر...... لیکن بھاگنے کا راستہ نگاہ کے سامنے نہیں
ھا، چنانچہ وہ آگے بڑھتا رہا اور کچھ دیر کے بعد شہاب اسے لے کر تہہ خانے میں آگیا......
ور حیات صاحب نہ جانے کہاں سے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے...... سارا پروگرام ان کے علم
ں تھا اور شہاب پورے اعتماد سے یہ بات کہہ کر گیا تھا کہ وعدے کے مطابق وہ ڈاکٹر حیات کو
لے کر یہیں آئے گا...... بہرحال نادر حیات صاحب سمجھتے تھے کہ صورت حال کس قدر
ین نوعیت کی حامل ہے لیکن ایک جانب انہیں اعلیٰ حکام کی جانب سے یہ احکامات ملے
وئے تھے کہ اس جانب سے کوئی یقینی کارروائی عمل میں لائیں اور یقینی کارروائی عمل میں

لانے کے لئے انہیں شہاب کی ضرورت تھی اور دوسری طرف شہاب کسی بھی ط
رعایت برتنے کے موڈ میں نہیں تھا، ان مجرموں کے ساتھ جن کی نشاندہی اس نے پ
کردی تھی غرض کہ شہاب ڈاکٹر حیات کو لے کر تہہ خانے میں پہنچ گیا، ڈاکٹر حیات
بات کا اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ بری طرح پولیس کے جال میں پھنس گیا ہے...... پولیس
اس طرح کہہ سکتا تھا کہ بہر حال وہ بے وقوف نہیں ہوا تھا جس عمارت میں داخل ہوا
بہر حال اس کی نوعیت کو سمجھ چکا تھا...... تھوڑی دیر کے بعد نادر حیات صاحب بھی اس
خانے میں پہنچ گئے...... ڈاکٹر حیات کو شہاب نے ایک صوفے پر بٹھادیا تھا اور خود اس سے
فاصلے پر ایک کرسی سے ٹکا کھڑا تھا...... ڈاکٹر حیات نے نادر حیات صاحب کو چونک کر
اور پھر جلدی سے بولا۔

"او ہو سر! میں آپ کو پہچانتا ہوں کک...... کیا آپ نے مجھے اس طرح بلایا ہے؟"
حیات صاحب نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی اور بولے۔

"یہ تو اور بری بات ہے کہ تم مجھے پہچانتے ہو۔"

"آپ ایک ذمے دار اور اعلیٰ شخصیت کے مالک ہیں۔ ڈی آئی جی صاحب اور آپ
اس بات کا بھی علم ہے کہ میں بھی ایک معزز شہری ہوں، کوئی بے حیثیت انسان نہیں
نام حیات علی ہے اور میں اپنا ایک کلینک چلاتا ہوں...... ڈاکٹر حیات کے طور پر آپ کی
بھی میرا نام معلوم کر سکتے ہیں...... میری شخصیت نیک نام ہے اور میں نے انسان
خدمت کے لئے بہت سے کام سرانجام دیئے ہیں...... آپ سمجھ رہے ہیں نا میری بات
شہاب منتظر رہا کہ نادر حیات صاحب کوئی جواب دیں لیکن وہ خاموش رہے تو وہ بولا۔

"میرا کلینک اس بات کا گواہ ہے او...... اور...... اور۔"

"وہ تو ایک Professind کلینک ہے...... ڈاکٹر حیات آپ کے کلینک
زبردست چارجز ہیں، کوئی غریب آدمی تو اس میں داخل ہو بھی نہیں سکتا...... شاید آپ
لوگوں کی خدمت کی بات کر رہے ہیں جو صاحب حیثیت لوگ ہیں...... آپ ان سے
ترین فیسیں وصول کر کے ان کی خدمت کرتے ہیں، ویسے آپ کی بات بھی بالکل در
ہے کیونکہ انسان تو وہ بھی ہیں ٹھیک لیکن چھوڑیئے ان کو ہم آپ سے ان د
انسانوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں جن کی خدمت آپ خفیہ طو

کر رہے ہیں۔"

"محکمہ پولیس اگر کسی سلسلے میں مجھ سے معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے
ایک معزز شہری کے ساتھ یہ طریقہ کار بالکل غیر مناسب ہے میں اس سلسلے میں معلومات
چاہتا ہوں کہ آخر ایسا کون سا جرم عائد کیا گیا ہے مجھ پر جس کی بنا پر اس انداز میں تفتیش کی
جارہی ہے۔"

"ڈاکٹر حیات صاحب! اب ذرا تفصیلی گفتگو ہو جائے آپ بھی سنجیدہ ہو جائیں اور ہم
بھی سنجیدگی سے آپ سے گفتگو کریں...... دیکھئے ڈاکٹر حیات صاحب اس میں کوئی شک نہیں
ہے کہ آپ کا تعلق ایک ایسے معزز پیشے سے ہے کہ اس پیشے سے متعلق ہر شخص کا احترام کرنا
ضروری ہو جاتا ہے، لیکن بات اس معزز پیشے کی ہے کسی انسان کی نہیں...... ہر طرح کے
پروفیشن میں ہر طرح کے لوگ شامل ہو جاتے ہیں...... دولت کے حصول کی خواہش ایک
فطری جذبہ ہے اور آپ کا کلینک بہت شاندار ہے اور جہاں تک ہم غلط نہیں سمجھ رہے تو اتنی
اعلیٰ حیثیت ہے آپ کی ایک ڈاکٹر کی شکل میں کہ لوگ آپ کے کلینک کی طرف جانا اپنی
صحت کی ضمانت سمجھتے ہیں...... دولت آپ کے لئے کوئی مشکل چیز نہیں تھی لیکن ڈاکٹر
صاحب آپ تو مسیحا ثانی ہیں...... یہ چنگیز خان کا عہدہ آپ نے کیوں اختیار کر لیا...... انسان کو
قتل کرنا نہیں زندگی سے محروم کرنا...... دکھی انسانیت کی طرف سے آنکھیں بند کر کے ان
کی کراہوں کو پی جانا اور کسی کے لئے ممکن ہوتا تو ہمیں حیرت نہ ہوتی، آپ نے کس طرح ان
باتوں کو قبول کر لیا؟"

"اداکاری بھی اچھی ہے...... آواز بھی اچھی ہے اور تاثرات بھی اچھے ہیں لیکن نہ میں
کوئی فلم ڈائریکٹر ہوں...... نہ مستقبل میں میرا کوئی فلم پروڈیوس کرنے کا کوئی پروگرام
ہے...... آپ یہ اداکاری میرے سامنے کیوں کر رہے ہیں جناب بتانا پسند کریں گے؟" ڈاکٹر
حیات اب سنبھل گیا تھا۔ نادر حیات صاحب ایک صوفے پر بیٹھ گئے، اندازہ یہ ہو چکا تھا انہیں
کہ شہاب کا پروگرام طویل ہے لیکن بہر حال شہاب کی شخصیت سے وہ اتنا متاثر ہو گئے تھے کہ
اس کے کسی معاملے میں بولنا ان کے بس کی بات نہیں رہی تھی...... پہلی بات تو یہ کہ شہاب
یہاں سے انتظامات کر کے گیا تھا اور اتنے پیار سے ڈاکٹر حیات کو لے آیا تھا کہ یقین نہ کیا
جاسکے...... کیسے یہ بات وہ اب بھی نہیں جانتے تھے اور نہ ہی یہ طے کر پا رہے تھے کہ شہاب

نے یہ جادوگری کس طرح دکھادی، لیکن بہر حال اس وقت وہ شہاب کو اس کی اصلی شکل میں دیکھ رہے تھے...... ویسے بھی وہ اپنے ڈیپارٹمنٹ کے اس مایہ ناز آفیسر پر فخر کرتے تھے، اس کے کارناموں کی مکمل فہرست ان کے سامنے تھی جس میں شہاب نے ناقابل یقین صلاحیتوں کا مظاہرہ کر کے ایسے ایسے خطرناک مجرموں کو قانون کے حوالے کیا تھا جو بین الاقوامی اہمیت کے حامل تھے اور جن کے بارے میں انہی کے محکمے کے دوسرے لوگ سوچ بھی نہیں سکتے تھے اور کسی بھوکے بلے کی طرح ایسے لوگوں کی تاک میں رہتا تھا جو قانون شکن ہوں لیکن قانون کو بے حقیقت سمجھتے ہوں اور اپنے اختیارات پر نازاں ہوں، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک المیہ تھا...... لاتعداد افراد اپنے اختیارات کے بل پر قانون کو کھلونا سمجھ لیتے ہیں اور پھر انہیں سنبھالنا ناممکن ہو جاتا ہے، لیکن شہاب نے ایسے بہت سے ناقابل یقین کارنامے سرانجام دیئے تھے اور اس وقت وہ نادر حیات صاحب کے سامنے گویا اپنے فن کا مظاہرہ کر رہا تھا...... اس کی آنکھوں کی سفاک چمک ایک عجیب سی کیفیت کا اظہار کر رہی تھی...... ڈاکٹر حیات کے الفاظ نے اس کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پیدا کر دی۔ اس نے کہا۔

"یقینی طور پر اس سلسلے میں آپ سے بہتر اور کون ہو سکتا ہے ڈاکٹر حیات صاحب لیکن میری یہ اداکاری اور پرفارمنس آپ کے لئے نقصان دہ بھی ہو سکتی ہے۔"

"میرے نوجوان دوست دھوکے سے مجھے یہاں لے آئے ہو، اگر میری شخصیت کی مکمل تشریح چاہتے ہو تو تھوڑا سا وقت دو مجھے اور کھل کر میدان میں آؤ اپنی بھی پہنچ دیکھ لو میری بھی یہ تو بزدلی ہوئی کہ تم مجھے اس طرح یہاں لے آئے اور اب مجھ سے یہ احمقانہ باتیں کر رہے ہو...... چلو اگر کوئی الزام ہی لگانا چاہتے ہو تو میں یہ جانے بغیر تمہارا وہ الزام قبول کرتا ہوں کہ الزام کیا ہے، لیکن تم بھی میرا چیلنج قبول کرو اور اس وقت مجھے یہاں سے جانے دو بعد میں کھل کر سامنے آئیں گے اور فیصلہ کر لیں گے کہ کون کتنے پانی میں ہے؟"

شہاب مسکرادیا، پھر اس نے مدہم لہجے میں کہا۔

"بات اصل میں یہ ہے کہ تم نے میری آواز کی تعریف بھی کی ہے اور پرفارمنس پسند کی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تم نے یہ بھی کہا ہے کہ نہ تو تم فلم ڈائریکٹر ہو نہ پروڈیوسر ورنہ مجھے بہت سراہتے میں تو مایوس ہو گیا تھا، لیکن تم نے خود ہی مجھے یہ آفر کر دی گویا مجھے پرفارم کرنے کے مواقع حاصل نہیں تو ٹھیک ہے پھر میں بھی کسی فلمی ہیرو کی طرح تمہارا چیلنج قبول کرتا ہوں جو ہر قسم کے ہتھیار پاس رکھنے کے باوجود نہتا ہو کر ولن کے مقابلے پر آتا ہے...... تم نے کہا ہے کہ تمہیں چھوڑ دیا جائے تو ٹھیک ہے ڈاکٹر حیات جا سکتے ہو بلکہ چلو تمہیں عزت اور احترام کے ساتھ باہر پہنچا دیا جائے لیکن اس کے بعد جو کچھ ہو گا اس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"نہیں اب کچھ نہیں، در حقیقت میں ابھی اور اسی وقت تمہیں زچ کر سکتا ہوں اور زبان کھولنے پر مجبور کر سکتا ہوں لیکن ڈاکٹر حیات ایسا کروں گا نہیں، میں کیوں تم نے جو ایک بات کہی اس نے میرے دل کے تاروں کو چھو لیا ہے...... میرا باپ سچ کا شہید تھا...... بہر حال میں بھی سچائیوں کا شیدائی ہوں...... اگر یہ سچ صرف تم اپنی ہی زبان سے بیان کرو تو میرے لئے بہت اچھا ہو گا...... او کے ڈاکٹر حیات جا سکتے ہو، چلو میں تمہیں باہر چھوڑ دوں۔" نادر حیات صاحب نے بے چینی سے پہلو بدلا تھا...... پوری عمر کا تجربہ یہ کہتا تھا کہ اس قسم کی احمقانہ حرکت کا نتیجہ بہتر نہیں ہوتا اور اس کے مشکل نتائج بھگتنا پڑتے تھے، لیکن اس وقت شہاب کو تمام تر آزادی دینے کے بعد درمیان میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتے تھے...... باہر ڈاکٹر حیات کی کار موجود تھی...... شہاب نے کار کی چابی اس کے حوالے کی اور وہ کار سٹارٹ کر کے واپس چل پڑا، لیکن اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اسے اس طرح چھوڑ دیا جائے گا...... راستے بھر شاید وہ خوفزدہ ہو کر کار ڈرائیو کرتا رہا ہو، لیکن اب شہاب کو اس کی پروا نہیں تھی...... نادر حیات صاحب گردن جھکائے سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے، پھر انہوں نے کہا۔

"واقعی تم اس کے سلسلے میں جذباتی ہو گئے تھے، اسے اس طرح یہاں لانا اور پھر چھوڑ دینا کیا معنی رکھتا ہے؟"

"جذباتی تو میں ہو گیا تھا سر لیکن آپ بالکل بے فکر رہیں، کوئی مشکل نہیں پیش آئے گی...... میرے آدمی ایک ایک لمحہ اس پر نگاہ رکھیں گے اور وہ ہمارے خلاف کچھ بھی نہیں کر پائے گا۔" شہاب پراسرار مسکراہٹ کے ساتھ بولا اور نادر حیات اسے دیکھتے رہے، کچھ لمحے ان کی آنکھوں میں تشویش کے آثار نظر آئے پھر انہوں نے کہا۔

"دیکھو شہاب میرا پوری عمر کا تجربہ ہے ہو سکتا ہے تمہیں اس سے اختلاف ہو اور
تمہیں اس سے اختلاف ہوا تو میں زبردستی تمہیں قائل کرنے کی کوشش نہیں کروں گا لیکن
ایک مثال ہے کہ سانپ کو زخمی کر کے چھوڑنا بہر طور بہتر نہیں ہوتا۔"

"جی سر میں جانتا ہوں۔"

"او کے میں نے جب تم سے اتفاق کر لیا ہے تو پھر میں تم پر ہی بھروسا کروں گا۔"

"سر! وہ شخص جس کا نام ڈاکٹر حیات ہے اگر اپنے گال پیٹتا ہوا یہ اعلان کرتا ہوا آپ
کے سامنے نہ آئے کہ وہ مجرم ہے اور اس نے اپنی زندگی بدترین جرموں کے ساتھ گزاری
ہے، تو میرا نام بھی شہاب نہیں ہے۔"

نادر حیات صاحب ایک مشفق استاد کی مانند مسکرانے لگے تھے۔

❀❀❀

رونالڈو ڈکسن بہت زیادہ پر اعتماد آدمی تھا...... ویسے اس کی شخصیت بہت ہی
خطرناک نظر آتی تھی اور ایک ہی نظر دیکھنے سے پتا چل جاتا تھا کہ بھیڑ کی کھال میں بھیڑیا چھپا
ہوا ہے...... ایک کامیاب مسکراہٹ کے ساتھ اس نے تمام تر تیاریاں مکمل کیں اور اس کے
بعد ان تینوں کو سامنے لے کر بیٹھ گیا۔

"ہاں اب تم لوگ مجھے رپورٹ دو۔"

"سر آپ بہت اچھی شخصیت کے مالک ہیں ورنہ ہم سلور کراؤن سے اس بات کی توقع
رکھتے تھے کہ کوئی گولڈن کراؤن ہمارے ساتھ بہت سخت رویہ اختیار کرے گا۔"

"مجھے خوش کرنے کی بجائے بہتر طریقہ یہ ہے کہ تم الف سے لے کرے تک مجھے
مکمل رپورٹ دو، کیا تمہارے پاس یہ رپورٹ تیار ہے؟"

"جی سر بالکل......" گارون نے مدہم لہجے میں کہا۔

"چلو پھر شروع ہو جاؤ۔" اس نے کہا اور گارون، پیل اور را کی مستعد ہو گئے...... انہوں
نے اپنے سامنے رکھا ہوا فائل درمیان سے کھولا، پھر پہلے صفحے پر نگاہیں جما کر بولا۔

"سر یہ بات تو آپ کو معلوم ہے کہ ہماری فیلڈ کا تقریباً سولہواں حصہ اس علاقے سے
سپلائی لیتا ہے اور کوئی ایک علاقہ جہاں سے یہ اتنی بڑی سپلائی ملتی ہے، یہ پہلا علاقہ ہے ورنہ
ہمارے پاس جو پروڈکشن ہوتی ہے وہ مختلف علاقوں سے اور بہت ہی کم مقدار میں ہوتی ہے اور
جگہ جگہ سے مال اکٹھا کر کے ہم اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں، اس علاقہ میں جسے باڑی کہا
جاتا ہے...... ہماری سب سے بڑی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور اس طرح سے ہم اسے
زبردست اہمیت کا حامل سمجھتے ہیں...... سر یہاں کی زرخیز زمینیں اور تعاون کرنے والے لوگ

ہمیشہ ہمارے لئے فائدہ مند رہے ہیں لیکن ہم نے یہاں آنے کے بعد جو رپورٹ مرتب ہے وہ یہ ہے کہ سنڈیکیٹ کے کارکنوں کو وہ بڑا تحفظ نہیں مل سکا جو ملنا چاہئے تھا۔"

"اس سلسلے میں تم نے کوئی سفارش مرتب کی ہے۔"

رونالڈ نے پوچھا۔

"جی سر اصولی طور پر یہ ہونا چاہئے تھا۔"

"غلط تم یہ الفاظ کہنے کا کوئی حق نہیں رکھتے کہ کیا ہونا چاہئے تھا یا کیا اصولی طور پر نہ ہونا چاہئے تھا، سفارشات کا مطلب سمجھتے ہو۔" اس بار رونالڈ ڈکسن کا لہجہ خوفناک ہو گیا۔

"یس سر یس سر مطلب یہ ہے کہ یہاں پانچ افراد اس علاقے کو کنٹرول کرتے ہیں۔ مقامی لوگ ہیں اس میں ایک کا نام مرزا اعظم بیگ ہے، دوسرا ڈاکٹر حیات ہے تیسرا سلطان چوتھا راحیل رضا اور پانچواں جابر زمان ہے...... یہ پانچوں بہترین شخصیات کے مالک لوگ ہیں اور طے کیا گیا تھا کہ مقامی طور پر انہیں مکمل اختیارات دیئے جائیں گے...... انتہائی بااثر افراد ہیں اور اپنا حلقہ احباب بہت وسیع رکھتے ہیں...... یعنی اگر ان سے کوئی لغزش ہو بھی جائے تو یہ مشکل ہی سے قانون کی گرفت میں آسکتے ہیں لیکن سر ان پانچوں کو مکمل طور پر اختیارات دینے کے بعد سنڈیکیٹ کے اگر چند افراد یہاں خفیہ طور پر ان کی نگرانی کے لئے موجود ہوتے اور ان پر نگاہیں رکھتے تو شاید ہمیں بہت سی مشکلات سے دوچار نہ ہونا پڑتا۔"

"گڈ! اچھا آئیڈیا ہے میں نے پوائنٹ نوٹ کر لیا یعنی تم یہ چاہتے ہو کہ ان پانچ افراد بااختیار رہنے دیا جائے اور ان کی خفیہ نگرانی کے لئے ان کے علم میں لائے بغیر سنڈیکیٹ ڈیپارٹمنٹ یہاں موجود ہو جو ان پر نگرانی رکھے اور ان کی مشکلات میں ان کی مدد کرے۔"

"بالکل سر۔"

"ویری گڈ! ذہانت کی بات ہے جسے میں خلوص دل سے قبول کرتا ہوں، بہر حال آگے بڑھو۔"

"باڑی میں ایک پراسرار طریقے سے حادثات کا سلسلہ شروع ہو گیا، وہاں ذاتی طور بھی منشیات کی تجارت ہوتی ہے...... چھوٹے چھوٹے گروپ اور کچھ لوگ انفرادی طور منشیات کاشت کرتے ہیں اور اس کی مصنوعات بنا کر انہیں اپنے طور پر فروخت کرتے ہیں۔"

"کیا اس سلسلے میں سنڈیکیٹ کے مقامی نمائندوں کو یہ ہدایت نہیں کی گئی کہ

چھوٹی پارٹیوں سے بھی یہ مصنوعات خرید لیں۔"

"ایسی کوئی رپورٹ ہمارے پاس موجود نہیں ہے سر۔"

"پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہو یہ بات۔"

"جی سر!"

"تب میں اسے سنڈیکیٹ کی ایک فاش غلطی کہوں گا۔ خیر آگے بڑھو۔"

"باڑی میں اچانک ہی ہنگامہ آرائیاں شروع ہو گئیں، لاتعداد افراد ہلاک ہوئے وہ تو شکر ہے کہ مقامی حکومت باقاعدہ اس طرف متوجہ نہیں ہوئی، اس کی بھی ایک بنیادی وجہ ہے۔"

"وہ کیا؟"

"اس علاقے میں قبائل آباد ہیں...... یہ قبائل بہت تندخو اور جنگجو قسم کے ہیں...... چھوٹی چھوٹی سی بات پر ان کی آپس میں ہی لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں اور اس کے بعد زبردست خون ریزی ہوتی ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ حکومت اس خون ریزی کو بند کرنے کی کوشش کرتی ہے، لیکن وہ بھی انہی لوگوں کی مدد سے چنانچہ اس وقت بھی حکومت کا رویہ اس سلسلے میں درمیانہ ہی رہا اور پوری قوت کے ساتھ وہاں ایسی کوئی کارروائی نہیں ہوئی جس سے بات بہت آگے بڑھ جاتی، یعنی ابھی اس بات کے امکانات موجود ہیں کہ کچھ عرصے کے بعد وہاں کے حالات سنبھل جائیں گے اور کام بھی پورا ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ٹھیک ہے آگے۔"

"ہمارے خیال میں سر بلکہ خیال ہی نہیں معلومات حاصل کرنے سے جو رپورٹیں مرتب ہوئی ہیں ان کی تفصیلات یوں ہیں کہ دانی شاہ نامی ایک شخص جو سنڈیکیٹ کا ڈائریکٹ آدمی بھی تھا کیونکہ انتہائی دلیر اور جنگجو قسم کا شخص تھا، وہ کسی کی غداری پر مشتعل ہوا اور اپنی فطرت کی بنا پر اس نے ایک لڑکی کو ہلاک کر دیا، بہت معمولی سی بات تھی سر لیکن اتفاقیہ طور پر اس لڑکی کی ہلاکت ہی اس ہنگامے کا سبب بنی، مقامی خفیہ ڈیپارٹمنٹ کے افراد اس کے پیچھے آگئے اور اس کا تعاقب کرتے ہوئے باڑی تک پہنچے، سر کام تو بہت خفیہ اور سنسنی خیز رہا ہے لیکن شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ انہی لوگوں میں سے کوئی ایسا ذہین آدمی موجود ہے جس نے بات یہاں تک پہنچا دی اور اس کے بعد اس سے مسلسل خطرات محسوس کئے جانے لگے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہی سر کہ ہو سکتا ہے کہ کام آگے بڑھ گیا ہو چونکہ اندازہ یہ ہے کہ شخص نے بازی میں یہ سب کچھ کیا ہے وہ بہت خطرناک آدمی ہے اور اس سے اس بات کا ہے، کہیں مقامی طور پر سنڈیکیٹ کی کارروائیوں میں دخل اندازی پیش آئے اور ہمیں بڑے حالات کا سامنا کرنا پڑے۔"

"ان پانچوں سے ملاقات ہوئی۔"

"ہاں۔"

"کیا کہتے ہیں۔"

"ابھی تک حقیقتوں سے لاعلم ہیں۔"

"جب کہ تم کہہ رہے ہو کہ وہ صاحب اختیار ہیں۔"

"ہاں۔"

"تو پھر۔"

"یوں لگتا ہے سر جیسے کارروائی بہت خفیہ ہو۔"

"ذاتی طور پر تم اس سلسلے میں کچھ معلوم کر سکے؟"

"ابھی تک نہیں۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ ہمیں یہاں آئے ہوئے زیادہ وقت نہیں گزرا۔"

"مگر تمہیں کام پوری قوت کے ساتھ کرنا چاہئے۔"

"شروع کیا ہے سر اور امید ہے بہت کچھ معلوم کر لیں گے۔"

"ہوں! دیکھو پہلی بات یہ ہے کہ اس سارے پروگرام میں جگہ جگہ خامیاں نظر ہیں، جب تم لوگ یہ بات جانتے ہو اور سنڈیکیٹ بھی اچھی طرح سمجھتا ہے کہ 1/16 ہمیں یہاں سے ملتی ہے تو اس جگہ کی تو بڑی اہمیت ہوئی اور سنڈیکیٹ کو تو چاہئے تھا کہ مکمل طور پر نگاہ رکھتا، اس طرف سے بے پروائی برتی گئی ہے، پھر یہ پانچ افراد جو سنڈیکیٹ کے خاص نمائندے اور نگراں ہیں، بہت سی کمزوریوں کا شکار ہوئے ہیں میرے خیال میں ان کی یہ کمزوریاں ہی ہمارے لئے نقصان دہ ثابت ہوئی ہیں۔"

"بالکل سر! ہم یہی کہنا چاہتے تھے کہ۔"

"نہیں یہ مت کہنا کہ ان لوگوں کو راستے سے ہٹا دیا جائے، ختم کر دیا جائے یا معزول کر دیا جائے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ کام یہیں ہونا ہے، تمہاری پہلی تجویز کو میں خلوص دل سے قبول کرتا ہوں کہ ان کی نگرانی اور مدد کے لئے یہاں سنڈیکیٹ کا ایک ڈیپارٹمنٹ موجود ہو، لیکن بندوق انہی کے شانوں پر رہنی چاہئے تاکہ سنڈیکیٹ کے کام ان سے چلتے رہیں۔"

"یس سر! یہ بات ہم نے نہیں سوچی تھی۔"

"وہ لوگ اس پائے کے نہیں ہیں کہ ان پر مکمل انحصار کیا جائے۔"

"جی سر!"

"اس کے لئے جو تجویز تم نے پیش کی ہے میں اس سے اتفاق کرتا ہوں اور اپنے ذاتی اختیارات سے کام لے کر تمہیں ان کا نگراں مقرر کرتا ہوں۔" وہ تینوں ایک لمحے کے لئے ساکت رہ گئے تھے، لیکن پھر گولڈن کراؤن کی بات پر گارون، راکی اور پیل نے گردن خم کرتے ہوئے کہا۔

"سر! ہمارے لئے جو بھی حکم ہو ہم اس کے لئے حاضر ہیں۔"

"ہوں...... تو دیکھو میں تمہیں ایک بات بتاؤں اصولی طور پر بجائے اس کے ہم ادھر ادھر گھوم کر اپنا وقت خراب کریں سب سے پہلا گیم ہمارا یہی ہونا چاہئے کہ وہ لوگ جو کسی کام کے سلسلے میں بات کی تہہ تک پہنچنے والے ہوں، پہنچ چکے ہوں یا پہنچنے والے ہوں پہلے ہمارے راستے سے ہٹ جائیں اس طرح ہم کم از کم اس پہلی کھیپ سے بچ سکتے ہیں جو آگے بڑھ چکی ہے...... ہاں اگر وہ پہلی کھیپ اپنے کام دوسروں کو سونپ گئی ہے تو پھر ہمیں دوسروں کی طرف متوجہ ہونا پڑے گا، لیکن وہ سب دو نمبر پر آتے ہیں، جن لوگوں نے کسی کام کی ابتدا کی ہوئی ہے وہ زیادہ ذہین ہوتے ہیں اور اصل خوف انہی سے کھایا جانا چاہئے کہ کہیں وہ آگے بھی خطرناک ثابت نہ ہوں۔"

"جی سر!"

"صرف جی سر کہنے سے کام نہیں چلے گا...... میرے دوست ہمیں اس سلسلے میں عملی طور پر قدم اٹھانا پڑے گا۔"

"سر! ہم آپ کی ہدایات کے منتظر ہیں۔" راکی نے کہا اور رونالڈ ڈکسن گردن جھکا کر سوچ میں ڈوب گیا...... تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر سرد لہجے میں بولا۔

"سنو اس سلسلے میں پہلا حکم یہ ہے کہ تمہیں فیلڈ آؤٹ ہونا ہے۔"

"فیلڈ آؤٹ۔"

"ہاں۔"

"سر! میں سمجھا نہیں۔" راکی نے کہا۔

"تم یہاں باقاعدہ اعتماد کے ساتھ آئے ہو نا سرکاری ریکارڈ میں تمہاری تمام تفصیلات موجود ہیں، کس شکل میں آئے ہو یہاں۔"

"سر! ایک آئل کمپنی کے انجینئر کی حیثیت سے۔"

"آئل کمپنی سے تمہارا رابطہ قائم ہوا۔"

"ابھی تک نہیں۔"

"ویری گڈ تو پھر سنو تمہیں منظر عام سے آؤٹ ہونا ہے۔"

"وہ کیسے سر۔"

"اس کی تم فکر مت کرو پروگرام میں بنالوں گا، اب مجھے دیکھو میں ایک مشنری کے تحت آیا ہوں اور مجھے ایک تبلیغی عمل کرنا ہے، اس سلسلے میں، میں سب سے پہلے ان لوگوں سے ملوں گا جنہوں نے مجھے دعوت دی ہے اور اس کے بعد میں اپنا عمل کروں گا۔"

"ہوں سر!"

"تو پھر کل کا دن تم ان لوگوں سے ملاقات کرو جن کے ایماء پر تم یہاں آئے ہو اور پرسوں میں تمہارے لئے پروگرام ترتیب دے دوں گا۔"

"بہت بہتر سر!"

"اور کوئی ایسی بات جس کا تذکرہ تم مجھ سے کرنا چاہتے ہو۔"

"سر کوئی ایسی بات نہیں سوائے اس کے کہ ہم آپ کی مزید ہدایات کے منتظر ہیں۔"

"کوئی مزید ہدایات نہیں عقل و دانش سے کام لینا دنیا کی سب سے بڑی بات ہوتی ہے جہاں بے عقلی کے مظاہرے ہوں وہاں نقصانات کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا، میری ہدایت ہے تمہیں گویا بات یہ طے ہوئی کہ ان لوگوں کو ان کی جگہ برقرار رہنے دیا جائے...... ابھی ہم ان سے کوئی ایسی بات بھی نہیں کہیں گے جو انہیں پریشان یا ہراساں کرے اور تم یہ بات جانتے ہو کہ تم تینوں کے علاوہ کسی چوتھے کی آمد کا انہیں علم نہیں

چاہئے...... وہ تو یہاں کی صورت حال کی رپورٹ کے لئے میری ڈیوٹی یہاں لگائی گئی اور سنڈیکیٹ کے افراد نے مجھے یہاں بھیج دیا ورنہ شاید میں یہاں نہ آتا لیکن اب یہ سوچتا ہوں کہ اگر میں یہاں نہ آتا تو تم لوگوں کو خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ سکتا تھا، میں سب سے پہلے یہ عمل کرنا چاہتا ہوں کہ تمہیں منظر عام سے غائب کر دوں اور اس کے بعد ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں یا کون افراد ہیں یا کون فرد ہے جس نے باڑی میں یہ خطرناک کارنامہ سرانجام دیا ہے، سب سے پہلے ہمارا ٹارگٹ وہی ہونا چاہئے...... بعد میں ان لوگوں کو دیکھا جائے گا۔"

"یس سر! مجھے اس کا اندازہ ہے۔" راکی نے مدہم لہجے میں کہا۔

"نہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے ہمارے پاس لاتعداد ذرائع ہیں اور ہمیں اس کے بعد یہ دیکھنا ہوگا کہ ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

"سر! ایک سوال اگر کرلوں تو آپ برا نہیں مانیں گے۔"

"نہیں...... کر سکتے ہو سوال۔"

"سر! آپ ہمیں منظر عام سے کس طرح غائب کریں گے...... ہم تو باقاعدہ پاسپورٹ اور اجازت پر یہاں پہنچے ہیں...... ہمارا ریکارڈ یہاں موجود ہے، ہانگ کانگ سے ہماری آمد اور پھر کمپنی کے پاس ہماری انٹری ساری ہی چیزیں موجود ہیں...... ایسی صورت میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

"ابھی اس سلسلے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے، میں بعد میں تمہیں آگے کے حالات سے آگاہ کروں گا۔"

"یس سر!" ان تینوں نے جواب دیا۔

❁

ڈاکٹر حیات کچھ اس طرح بدحواسی کے عالم میں اس عمارت سے نکلا تھا کہ اس کے جائے وقوع کے بارے میں بھی اس نے غور نہیں کیا تھا...... بس دل میں ایک ہی خیال تھا اس کے...... وہ یہ کہ ضرور اس کے خلاف کوئی کارروائی کی جائے گی...... کافی دور نکل آنے کے بعد اس نے اچانک ہی کار کو روکا...... دل میں خیال آیا تھا کہ کہیں کار میں کوئی بم وغیرہ نہ فٹ کر دیا گیا ہو، جو ایک دھماکے کے ساتھ پھٹے اور اس کے پرخچے اڑ جائیں...... انجن بند کر کے اس نے اپنے حساس کانوں کو ہر آواز پر منتقل کر دیا...... ٹائم بم کی گھڑی کے چلنے کی کوئی ٹک

تک نہیں سنائی دی تھی...... پھر اس کا خیال ہوا کہ یہ بھی ممکن ہے ریموٹ کنٹرول سے
گیا ہو، لیکن فاصلہ اتنا ہو گیا تھا کہ وہ چاہتے تو اسے اب تک اُڑا سکتے تھے...... اس نے
سانس لے کر اپنے خوف کے بارے میں سوچا اور خود کو سمجھانے لگا۔

کیا زیادہ خوف زدہ نہیں ہو گیا میں...... ان کا تعلق لازمی بات ہے کہ پولیس سے
جس طرح وہ اسے لے گئے تھے اس کے بعد اس بات کے امکانات نہیں تھے کہ وہ اسے
دیں گے...... اس کا مطلب ہے کہ اس شخص نے چیلنج قبول کر لیا اور اس بارے میں
سوچا...... پھر اب، اب کیا کروں...... کار ایک بار پھر اس نے آگے بڑھا دی...... کچی طبیعت کا
انسان نہیں تھا...... بڑے بڑے مشکل حالات سے نمٹ چکا تھا اور سنڈیکیٹ میں شامل ہو
کے بعد اس نے بڑے بڑے کارنامے سر انجام دیئے تھے، لیکن اس وقت نجانے کیوں
ہو رہا تھا، حالانکہ شہاب کے سامنے اس نے جس دلیری کا ثبوت دیا تھا وہ ایک الگ ہی
کی حامی تھی، لیکن وہاں سے نکلنے کے بعد نجانے کیوں ایک عجیب سے احساس نے اسے
کیفیت کا شکار کر دیا تھا...... کار ایک بار پھر اس نے آگے بڑھا دی...... اس بار اسے یہ اندازہ
نہیں ہو پا رہا تھا کہ اسے کہاں جانا چاہئے...... اچانک ہی پھر ایک خیال آیا اور اس نے عقب
آئینے میں دیکھا...... ممکن ہے اس کا تعاقب کیا جا رہا ہو اور اب تک تو اس کا اندازہ نہیں
تھا...... پھر اس کے بعد تقریباً پینتالیس منٹ تک وہ اپنی کار مختلف سڑکوں پر گھماتا رہا
لیکن ایک بار بھی اسے یہ احساس نہ ہو سکا کہ کوئی تعاقب کر رہا ہے...... اس کا پورا بدن
پسینہ ہو رہا تھا...... پھر اس نے اپنے آپ پر ہی لعنت بھیجی...... بلاوجہ کس طرح کی اُلجھن کا
شکار ہو گیا ہے، حالانکہ یہ اس کی اپنی اُلجھن نہیں ہے...... شہاب اسے کلینک سے لے گیا
چنانچہ اب یہ بات تو سوچنی نہیں چاہئے کہ اسے کلینک کے بارے میں معلومات حاصل
ہیں...... وہ چند لمحے سوچنے کے بعد اپنے کلینک کی جانب مڑ گیا...... کلینک میں اس نے
زبردست انتظامات کر رکھے تھے...... عموماً ان کی ملاقاتیں وہیں کلینک میں ہی ہوا کرتی
اور اس کے لئے بڑا دلچسپ طریقہ کار اختیار کیا گیا تھا...... وہ لوگ باقاعدہ اس کے مریض
تھے، جن کا تعلق سنڈیکیٹ سے تھا...... وہ بیمار ہو کر کلینک میں داخل ہو جایا کرتے تھے اور
کے بعد مخصوص کمروں میں ان کی ملاقات ہوا کرتی تھی...... باقی بہت سے انتظامات
کلینک میں کئے گئے تھے اور کسی کو شبہ بھی نہیں ہو سکا تھا کہ یہاں کیا کیا کچھ ہو رہا ہے؟

دیر کے بعد ڈاکٹر حیات کی کار اپنے کلینک میں داخل ہو گئی...... اس نے نیچے اترنے سے پہلے
خود کو پرسکون کیا اور پھر آہستہ قدموں سے چلتا ہوا اندر داخل ہو گیا...... کچھ لوگ اس سے
رابطہ چاہتے، لیکن اس نے اپنے ماتحتوں سے معذرت آمیز انداز میں کہا۔

"میں خاصا تھکا ہوا ہوں...... براہ کرم یہاں کے معاملات آپ لوگ بھی ذرا دیکھ لیجئے
گا...... میرا خیال ہے میں اس وقت ذہنی طور پر بہتر نہیں ہوں، چنانچہ کسی کو اٹینڈ نہیں
کر سکوں گا۔" پھر وہ اپنے اس مخصوص کمرے میں پہنچ گیا...... یہاں اس نے اپنے لئے آرام کا
بندوبست بھی کر رکھا تھا اور کمرے میں دوسری ایسی بہت سی چیزیں بھی تھیں، جہاں وہ اپنا کام
کر سکتا تھا...... سب سے پہلے اس نے اپنے خاص آدمی کو بلایا اور بولا۔

"نیروز کوئی آیا تو نہیں تھا یہاں؟"

"نہیں سر! کوئی بھی نہیں۔"

"میری کوئی مخصوص کال بھی نہیں آئی تھی۔"

"بالکل نہیں سر!"

"ہونہہ...... دیکھو کسی سے ملاقات نہیں کروں گا...... محتاط رہنا کوئی بھی مجھ تک نہ
پہنچنے پائے۔"

"جی سر!" اور اس کے بعد ڈاکٹر حیات نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا......
بہت دیر تک سوچتا رہا تھا اور اس کے بعد اپنی جگہ سے اُٹھ کر ایک الماری کی جانب بڑھ گیا
تھا...... الماری کھولی اور اس کے نیچے ایک خفیہ خانہ تلاش کر کے اس میں سے ایک ٹرانسمیٹر
نکال لیا...... کچھ لمحوں کے بعد اس نے ٹرانسمیٹر آن کیا اور مخصوص کوڈ دہرانے لگا......
دوسری جانب سے پیغام وصول کر لیا گیا تھا۔

"ہاں...... کون؟"

"ڈی ایس۔"

"خیریت کیا بات ہے۔"

"دیکھو میں تم سے ایک انتہائی اہم گفتگو کرنا چاہتا ہوں...... کیا یہ ممکن ہے اس وقت
راحیل کہ تم مجھے کسی مناسب جگہ مل جاؤ۔"

"کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں...... بہت خاص...... سب سے پہلے تم یہ بتاؤ کہ تمہارے پاس کوئی ایسی جگہ
جہاں میں اور تم خفیہ ملاقات کر سکیں...... میرا مطلب ہے کہ بالکل پر اطمینان انداز
ہمارے درمیان کوئی مداخلت نہ ہو۔"

"میرے پاس ایک فلیٹ ہے...... تم پتا نوٹ کر لو اگر کوئی بہت ہی اہم مسئلہ
وہاں آ جاؤ۔"

"پتا بتاؤ۔"

"رچی روڈ باون سکوائر فلیٹ نمبر 8۔ اس فلیٹ میں ایک بوڑھی عورت اپنی بیٹی
ساتھ رہتی ہے...... میں اسے فون کئے دیتا ہوں...... وہ تمہارا انتظار کرے گی۔"

"کون ہے؟"

"بس میری ملازمہ ہے، لیکن نہایت اطمینان بخش۔"

"او کے...... کتنی دیر میں وہاں پہنچ سکو گے۔"

"بیس منٹ کے اندر اندر۔"

"ٹھیک ہے میں ابھی آرہا ہوں۔" ڈاکٹر حیات نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا...... پھر
ٹرانسمیٹر واپس اسی الماری میں رکھنے جارہا تھا کہ اچانک کسی خیال سے رُک گیا...... ایک
تک اسے دیکھتا رہا اور وہیں سینٹر ٹیبل پر رکھ کر سوچ میں ڈوب گیا...... کچھ لمحے غور
رہا...... پھر کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا...... اس کے بعد ٹرانسمیٹر اُٹھا کر
لباس میں پوشیدہ کیا...... دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اور اس کے بعد وہ بیرونی سمت جانے
بجائے ہسپتال کے عقبی حصے کی جانب چل پڑا...... پچھلے حصے میں اترنے کے بعد اس نے
اُدھر دیکھا...... قرب وجوار میں کوئی موجود نہیں تھا...... چنانچہ وہ تیزی سے دوڑتا ہوا احا
کی دیوار تک پہنچا اور پھر دیوار کود کر دیوار سے نیچے اور پھر وہاں سے بھی آگے بڑھتا
گیا...... کافی دُور جانے کے بعد اس نے ایک گہری سانس لی تھی...... اِدھر رہائشی مکانات
ہوئے تھے...... وہ ان مکانات کے درمیا[illegible] رہا اور کچھ لمحوں کے بعد ایک سڑک
گیا...... یہاں سے اس نے ایک ٹیکسی کی اور اس کا پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا......
نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

"رچی روڈ۔" اس کے بعد اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں...... ٹیکسی سفر کرتی

لیکن کچھ ہی دُور چل کر اچانک وہ پھر چونکا...... اس نے پلٹ کر عقب میں دیکھا اور دیر تک
دیکھتا رہا...... پھر یہ اطمینان کرنے کے بعد کہ اس کا تعاقب نہیں کیا جارہا...... ایک بار پھر اس
نے آنکھیں بند کر لی تھیں...... رچی روڈ پہنچنے کے بعد اس نے ڈرائیور کو چوراہے پر
رکوایا...... اتر کر بل ادا کیا اور پھر تھوڑے فاصلے پر موجود ایک شخص سے باون سکوائر کا پتا
پوچھنے لگا...... عمارت سامنے ہی موجود تھی، چنانچہ اس کی جانب چل پڑا...... پھر مطلوبہ فلیٹ
پر پہنچا تو بیل بجانے پر راحیل نے ہی دروازہ کھولا تھا۔

"اوہو...... تم پہنچ گئے۔"

"تمہارا لہجہ ہی ایسا تھا ڈاکٹر حیات کہ اس کے بعد مجھ سے صبر کرنا مشکل ہو گیا اور میں
فوراً ہی یہاں آگیا۔"

"چلو اچھا ہوا۔"

"ویسے تمہاری کیفیت بتاتی ہے کہ کوئی خاص ہی بات ہے۔"

"خاص نہیں بہت خاص...... میرا خیال ہے کہ اس سلسلے میں فوراً ہی ایک میٹنگ
کر لینی چاہئے۔"

"مگر میٹنگ کرنی تھی تو تم بقیہ افراد کو وہیں سے اطلاع دے دیتے۔"

"بات ایسی نہیں ہے...... یہ میٹنگ اتنی ہی اہمیت کی حامل ہے اور پھر کلینک اب
مخدوش ہو چکا ہے۔"

"کیا؟" راحیل رضا کس قدر سنسنی خیز لہجے میں بولا۔

"بہت زیادہ مشکوک۔"

"اوہ مائی گاڈ! کیا مطلب ہے...... یعنی یعنی۔"

"دیکھو اصل میں اس وقت صورت حال ایسی نہیں ہے کہ ہم انفرادی طور پر اس
موضوع پر گفتگو کر سکیں...... میرا خیال ہے ہمیں باقی تمام افراد کے ساتھ مل کر یہ طے کر لینا
چاہئے کہ یہ میٹنگ کہاں ہو۔" راحیل رضا نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"چونکہ تم نے مجھ سے رابطہ کیا تھا...... سب سے پہلے اور کسی جگہ کی فرمائش کی
تھی...... اس لئے میں نے سوچا کہ شاید تم مجھے کچھ زیادہ اہمیت دے رہے ہو، لیکن بہر حال اگر
تم یہ مناسب سمجھتے ہو تو باقی لوگوں سے رابطے قائم کرنے کے بعد ساری بات کو منظر عام پر

لاؤ تو پھر جیسا مناسب سمجھو لیکن...... یہاں میرے پاس ٹرانسمیٹر موجود نہیں ہے اور فون کا استعمال ہم ان حالات میں کر نہیں سکتے۔"

"میں اپنا ٹرانسمیٹر لے آیا ہوں۔" ڈاکٹر حیات نے جیب سے ٹرانسمیٹر نکال کر میز رکھتے ہوئے کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔"

"پہلی بات تو میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا تم اپنی اس خفیہ میٹنگ کے لئے کوئی جگہ منتخب کر سکتے ہو۔"

"دیکھو ویسے تو یہ فلیٹ بھی برا نہیں ہے...... تم نے اس بوڑھی عورت کو دیکھا ہوگا وہ بہری ہے...... اس کی بیٹی اپنی ڈیوٹی پر گئی ہوئی ہے۔ ہم یہاں بھی سب کو بلا سکتے ہیں، لیکن بالکل مناسب نہیں ہوگا...... اول تو جن حالات سے ہم گزر رہے ہیں...... ان میں ایک ایک لمحے کی احتیاط ہماری زندگی کی ضمانت دیتی ہے اور پھر اس سے پہلے بھی ہم نے کبھی ایسی کو بے پروائی کا مظاہرہ نہیں کیا۔"

"ٹھیک ہے...... میں بقیہ لوگوں سے رائے لے لیتا ہوں۔"

"اس سلسلے میں اگر کوئی بہت ہی مناسب جگہ ہو سکتی ہے تو میرے خیال میں اعظم بیگ کا وہ حجرہ سب سے بہتر ہے، جسے اس نے خانہ درویش بنا رکھا ہے۔"

"میں تم سے اتفاق کرتا ہوں مائی ڈیئر۔" پھر ٹرانسمیٹر پر سب سے پہلے جابر زمان سے رابطہ قائم کیا گیا...... اسے صورت حال بتائی گئی تو جابر زمان نے میٹنگ کے لئے اعظم بیگ کے حجرہ مناسب قرار دیا تھا...... شیخ سلطان سے گفتگو کرنے کے بعد مرزا اعظم بیگ سے رابطہ قائم کیا گیا اور مرزا اعظم بیگ سے بات بھی ہو گئی۔

"میٹنگ کے لئے ہمیں متفقہ طور پر آپ کے حجرے کی ضرورت ہے اور اس کے مرزا اعظم بیگ رات کو آٹھ بجے کا وقت طے کیا گیا ہے۔"

"لیکن ڈاکٹر حیات...... کلینک میں۔"

"اس وقت اس مضوع پر کوئی بات نہیں ہو سکتی...... آپ یہ بتائیے کہ آج آٹھ بجے آپ یہ میٹنگ ارینج کر سکتے ہیں؟"

"آپ لوگ بہتر سمجھتے ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"او کے۔" ڈاکٹر حیات نے کہا اور اس کے بعد سلسلہ منقطع ہو گیا...... راحیل رضا اب سنسنی خیز نگاہوں سے ڈاکٹر حیات کو دیکھ رہا تھا...... پھر اس نے کہا۔

"یار...... ذاتی طور پر مجھے کچھ بتا دو...... کوئی ایسی بات جس سے کم از کم آٹھ بجے تک کا سنسنی خیز وقت ٹل جائے، ورنہ میرے اعصاب کشیدہ ہو رہے ہیں۔"

"کچھ پلاؤ...... میں ذہنی کشمکش کا شکار ہوں۔"

"ابھی لو۔" راحیل رضا نے کہا اور اس کے بعد اس نے فلیٹ کی الماری سے بوتلیں اور گلاس نکال کر سامنے رکھ دیئے اور بوڑھی ملازمہ کو بلا کر اشارے سے کہا کہ بقیہ انتظامات وہ کرے...... وہسکی کے چھوٹے چھوٹے سپ لیتے ہوئے ڈاکٹر حیات نے کہا۔

"اس کا نام شہاب ثاقب ہے...... محکمہ پولیس کے کون سے ڈیپارٹمنٹ میں ہے اس کا مجھے کوئی اندازہ نہیں ہے، لیکن جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے، دانی شاہ کے سلسلے میں اس کا نام ہمارے علم میں آیا ہے...... باقی ساری چیزیں بعد کی ہیں...... دھوکے سے وہ مجھے اپنے ساتھ لے گیا تھا اور اس کے بعد ڈاکٹر حیات نے بغیر کسی کمی بیشی کے شہاب کے اور اپنے درمیان ہونے والی تمام بات چیت راحیل کو سنا دی اور راحیل رضا کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا...... وہ خوف زدہ لہجے میں بولا۔

"اور وہ جگہ کون سی تھی، جہاں وہ تمہیں لے گیا تھا۔"

"بس میں تمہیں کیا بتاؤں...... شاید زندگی میں پہلی بار میں اس قدر نروس ہوا ہوں کہ بہت سی باتوں سے ناواقف رہا۔"

"کچھ یوں محسوس ہو رہا ہے ڈاکٹر حیات ہم لوگوں کے گرد حلقہ تنگ ہوتا جا رہا ہے...... کہیں ایسا نہ ہو کہ سب کچھ کیا دھرا مٹی میں مل جائے۔" ڈاکٹر حیات نے کوئی جواب نہیں دیا تھا...... پھر رات کو آٹھ بجے وہ سب ایک ایک کر کے خفیہ طریقے سے مرزا اعظم بیگ کی کوٹھی میں داخل ہو گئے...... اس کے لئے انتہائی پراسرار طریقہ کار اختیار کیا گیا تھا اور مرزا اعظم بیگ نے اپنی کوٹھی میں خصوصی انتظامات کر دیئے تھے، چنانچہ وہ سب خفیہ راستے سے حجرے میں داخل ہو گئے اور جب سب وہاں موجود ہوئے تو دروازہ بند کر دیا گیا...... مرزا اعظم بیگ نے کہا۔

"اصل بات یہ ہے کہ یہ ایک خاص رہائشی عمارت ہے...... میرا تمام خاندان یہاں

ہوتا ہے اور کسی بھی طرح یہ جگہ ان سارے معاملات کے لئے موزوں نہیں ہے، لیکن
لوگوں نے یہ فیصلہ کیا تھا...... چنانچہ میں انکار نہیں کر سکا...... پہلی بات تو یہ کہ ڈاکٹر
کے کلینک میں بننے والے یہ پروگرام تبدیلی کیسے اختیار کر گئے۔"

"مرزا اعظم بیگ تمہاری اس رہائش گاہ کا فیصلہ بھی متفقہ طور پر ہی کیا گیا ہے۔ تک میں اپنے کلینک میں یہ خطرہ مول لیتا رہا اور شاید اسی کی وجہ سے یہ صورت حال پیش آئی ہے...... میں اپنے آپ کو شدید خطرات میں گھرا ہوا محسوس کر رہا ہوں۔" اس کے بعد حیات نے ان لوگوں کو بھی ساری تفصیل بتادی اور وہ سب دنگ رہ گئے...... جابر زمان نے سلسلے میں اپنی معلومات کا اظہار کیا۔

"تم لوگ شاید صورت حال سے واقف نہیں ہو، جس جگہ کی نشاندہی کی گئی ہے وہ انسپکٹر جنرل کی رہائشی کوٹھی ہے...... شہاب ثاقب کے بارے میں اس دوران جو معلومات ہمیں حاصل ہوئی ہیں وہ بے حد سنسنی خیز ہیں...... یہ وہی شخص ہے جسے ان دنوں ڈیپارٹمنٹ کی ناک کا بال سمجھا جا رہا ہے اور اس نے بہت سے خطرناک کیس سرانجام دیئے ہیں...... دانی شاہ کی گرفتاری کے سلسلے میں بھی اسی کا نام لیا جا رہا ہے اور اس سلسلے میں تحقیقات چل رہی ہیں۔"

"مگر یہ ہے کون؟"

"بس زیادہ تفصیلات نہیں معلوم ہو سکیں، لیکن عجیب و غریب فطرت کا مالک ہے اس کی ترقی اور تنزلی ہوتی رہتی ہے...... سر جھکانے والوں میں سے نہیں ہے اور سنا ہے کافی خطرناک ہے۔"

"مگر مجھے یہ بتاؤ کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے...... میں یہ سب کچھ کہہ کر نکل تو آیا ہوں لیکن میرا اندازہ ہے کہ وہ مجھے آسانی سے نظر انداز نہیں کر سکے گا اور اگر تم لوگ تھوڑا بہت میرے تجربے کو بھی تسلیم کرتے ہو تو یوں سمجھ لو کہ جو کیفیت میں نے اس کے چہرے پر پائی ہے وہ عام لوگوں کے چہرے پر نہیں ہوتی اور ایسی شکل کے لوگ دیوانگی کی حد تک غدار ہوتے ہیں...... کچھ کرنے پر آتے ہیں تو زندگی کی بازی لگا دیتے ہیں۔"

"پہلی بات تو میں یہ محسوس کر رہا ہوں آج کل کہ سالار کی موت کے بعد ہم لوگ کافی بزدل ہو گئے ہیں اور ہمارا انداز فکر کافی تبدیل ہو گیا ہے...... میں جانتا ہوں کہ سالار

زبردست انسان تھا اور اس نے ہماری تمام مشکلات سنبھال رکھی تھیں، لیکن بہر حال کوئی ایک آدمی تو حرف آخر نہیں ہوتا۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے، لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ ہمیں اس کا نعم البدل آج تک نہیں مل سکا۔"

"پھر بھی نعم البدل تلاش کرنا ایک الگ بات ہے اور خوف کا شکار ہو جانا بالکل الگ...... میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر ہم شہاب ثاقب کو اتنا خطرناک سمجھتے ہیں تو اسے راستے سے ہٹانے کی کوشش کیوں نہیں کر سکتے؟"

"اصل میں پارٹی کے واقعات نے ذہن کو کچھ اس طرح منتشر کر دیا ہے کہ ابھی تک ہم اس خطرے ہی سے نمٹنے کی تیاریاں کرتے رہے ہیں...... یعنی پہلے دانی شاہ کی موت اور اس کے بعد رمضان خان ٹھیکیدار کا مسئلہ...... کچھ اور سوچنے کا موقع ہی نہیں مل سکا اور اس دوران یہ لوگ بھی آ گئے...... میری مراد سنڈیکیٹ کے نمائندوں سے ہے...... ابھی تک تو ان لوگوں نے خاموشی اختیار کر رکھی ہے اور ہمیں کوئی ہدایت بھی نہیں دی، لیکن سنڈیکیٹ کی طرف سے کوئی نہ کوئی بم پھٹنے والا ہے...... مجھے اس کا اچھی طرح اندازہ ہے۔"

"زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا...... وہ لوگ ہمیں معزول کر دیں گے...... میں خود بھی ان ہنگامہ آرائیوں سے تنگ آ گیا ہوں۔" شیخ سلطان نے جھنجھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

"نہیں شیخ سلطان وہ ہمیں معزول نہیں کریں گے بلکہ یوں سمجھو کہ اپنے راز کو چھپانے کے لئے راستے سے ہٹا دیں گے...... ہم کسی معمولی جال میں نہیں پھنسے ہوئے ہیں۔" اعظم بیگ نے کہا۔

"تو پھر کچھ سوچو کچھ کرو۔"

"خون ریزی ہی کرنا ہوگی صرف خون ریزی...... سب سے پہلے اس شخص کو راستے سے ہٹاؤ، جس کا نام شہاب ثاقب ہے...... اس کے بارے میں مکمل معلومات فراہم کرے۔"

وہ سب گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

سلطان شیخ نے چند لمحات کے بعد کہا۔

"کارون اور پیل کے مسئلے میں کیا ہو رہا ہے۔"

"ان لوگوں نے پراسرار خاموشی اختیار کی ہوئی ہے۔"

"وہ اسی عمارت میں ہیں؟"

"ہاں بالکل۔"

"کوئی رابطہ نہیں کیا گیا؟"

"تو پھر ان سے بھی اس سلسلے میں مشورہ لے لیا جائے۔"

"یعنی یہ تفصیل انہیں بتا کر۔" ڈاکٹر حیات نے چونک کر پوچھا۔

"کیوں...... تمہاری اپنی کیا رائے ہے؟"

"کوئی ایسا احمقانہ قدم اٹھانے کی ضرورت نہیں، ہماری آپس کی بات اور ہے...... ہانگ کانگ سے آنے والے ہمارے لئے اپنے دلوں میں اتنی نرمی نہیں رکھتے ہوں گے کہ اگر وہ خطرہ محسوس کریں تو ہمیں زندگی بخشنے پر تل جائیں...... زندگی کھونے کی کوشش بھی نہ اور اگر آپ لوگوں میں سے کوئی یہ سمجھتا ہے کہ بات صرف میری ذات تک موجود ہے تو یہ غلط فہمی بھی اپنے دل سے نکال لے...... یہ درندے ہم سب کو ہلاک کر دیں گے۔"

"ہاں...... اس میں کوئی شک نہیں ہے...... ایسا کوئی احمقانہ قدم نہ اٹھایا جائے۔"

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کیا جائے؟"

"میرا اپنا یہ خیال ہے کہ سب سے پہلے شہاب ثاقب اور انسپکٹر جنرل کو راستے سے ہو گا، کیونکہ اس وقت یہ دونوں ہستیاں ہمیں بہت زیادہ پریکٹیکل نظر آ رہی ہیں...... اس شہاب اور انسپکٹر جنرل نادر حیات کا قصہ ختم کرنے کے بعد ہم یہ دیکھیں گے کہ ہمیں آ کیا کرنا ہے۔"

"کیا یہ سب کچھ آسان ہو گا۔" اعظم بیگ نے پوچھا۔

"مسٹر اعظم بیگ کیا ہم آسان کام کرنے کے لئے اس فیلڈ میں ہیں؟"

"مگر سوچنے کی ضرورت ہے کہ کیا وہ لوگ محتاط نہیں ہوں گے اور پھر ڈاکٹر حیات یہ چیلنج کرنے کے بعد کیا شہاب جیسا خطرناک آدمی اپنے آپ کو اس طرح بے پروائی سے کر دے گا۔" بات سوچنے کی تھی...... وہ سب گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

"اور پھر انسپکٹر جنرل پر حملہ یہ اتنی بڑی بات ہے کہ اس کے لئے ہمیں نجانے کیا کرنا ہو گا۔"

"دیکھو دوستو! میں تمہیں اس سب سے بڑے خطرے سے آگاہ کروں گا جو اس

ہمارے سامنے بنیادی حیثیت رکھتا ہے...... باڑی میں اس قسم کا ہنگامہ ہونے سے سنڈیکیٹ کو جس قدر نقصان پہنچا ہے اسے آسانی سے تسلیم نہیں کر لیا جائے گا...... بظاہر تو یہ اندازہ پوری طرح ہو چکا ہے کہ ایک طویل عرصے تک باڑی سے سپلائی بحال نہیں ہو سکتی اور ایسی شکل میں سنڈیکیٹ کو جو نقصانات اٹھانے پڑیں گے ان کے لئے وہ ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گا...... چلو ہمارا مسئلہ تو بالکل مختلف ہے...... ہم خدا کے فضل سے اپنے طور پر اچھی زندگی گزار رہے ہیں اور اگر ہماری آمدنی کچھ عرصے کے لئے ختم ہو جاتی ہے تو ہم پر کوئی قیامت نہیں ٹوٹ پڑے گی، لیکن سنڈیکیٹ کو اربوں ڈالر کا نقصان ہو جائے گا اور اس نقصان پر ہمیں معاف نہیں کیا جائے گا...... اس وقت وہ تین نمائندے آئے ہوئے ہیں ان کے بارے میں تم لوگوں کو ایک بات کا علم ہے کہ سلور کراؤن ہیں اور سلور کراؤن کو ہر طرح کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں...... وہ لوگ اگر ہم سے باز پرس کرنے کے بعد کوئی منصوبہ ہمیں دے کر یہاں سے واپسی کا سفر اختیار کر لیتے تب ہم یہ سوچتے کہ چلو ٹھیک ہے...... سنڈیکیٹ اس سلسلے میں بھی کوئی حل تلاش کرے گی، لیکن نمائندوں کا یہاں خاموش قیام اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ وہ یہاں کوئی منصوبہ بندی کر رہے ہیں اور اگر تم لوگ ذرا عقل اور ذہانت سے کام لو تو یہ منصوبہ بندی نئے نمائندوں کا انتخاب بھی ہو سکتی ہے...... اگر انہوں نے نئے نمائندوں کا انتخاب کیا تو یہ بات بھی تاریخ میں درج ہے اور تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو کہ پھر سنڈیکیٹ ایسے لوگوں کو قائم نہیں رہنے دیتی جو اس کے ارادوں سے واقف ہوتے ہیں اور ہر وہ نشان مٹا دیتی ہے جس سے اس کے بارے میں کسی کو معلومات حاصل ہونے کا خدشہ ہو۔" ان الفاظ پر سب کے چہرے دھواں دھواں ہو گئے تھے...... وہ سب پھٹی پھٹی آنکھوں سے جابر زمان کو دیکھ رہے تھے...... جابر زمان نے کہا۔

"اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں کسی بھی طرح تم لوگوں کو خوف زدہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں تو یہ میری نہیں تمہاری حماقت کی سوچ ہو گی...... میں تو ان حقیقتوں کا اظہار کر رہا ہوں جو ہمارے سامنے منہ کھولے کھڑی ہوئی ہیں...... آخر سنڈیکیٹ کے نمائندے یہاں کیا کر رہے ہیں...... تم میں سے کوئی یہ بات بتا سکتا ہے؟" کسی نے کوئی جواب نہیں دیا تو جابر زمان نے پھر کہا۔

"اور اپنی زندگی بچانا فرض ہے اور ہمارے خاندان بھی ہماری حماقتوں کا شکار ہو سکتے

ہیں۔"

"لیکن یہ بات تو بڑی خوفناک ہے...... جابر زمان اگر تمہاری بات کو مان لیا جائے تو ذرا خود سوچو کہ کتنی خوفناک صورت حال ہے۔"

"تو پھر آخر کیا کیا جائے؟"

"بتاؤ ہمیں سوچنا ہے اگر ہم نے ایسا نہیں کیا تو وہ ہمیں ہلاک کر دیں گے۔"

"لیکن یہ صرف ایک مفروضہ بھی تو ہو سکتا ہے۔"

ڈاکٹر حیات نے کہا۔

"ہاں بے شک یہ بات آپ کہہ سکتے ہیں ڈاکٹر حیات۔"

"تو آخر ہم کیا کریں؟"

"دوسری صورت ایک اور بھی ہے۔"

"کیا؟"

"سنڈیکیٹ کے تین نمائندوں کو ہم ہلاک کر دیں...... اس وقت ہم جانتے ہیں کہ وہ کہاں موجود ہیں۔"

"اوہ مائی گاڈ! کیسی باتیں کر رہے ہو تم راحیل رضا...... اگر ہم انہیں ہلاک کر دیں گے تو کیا اس کی ذمہ داری بھی ہم پر عائد نہیں ہو گی؟ کیا ہمارے جرم کی شدت اور نہیں بڑھ جائے گی؟ اور کیا ہمیں بالکل ہی نااہل قرار نہیں دے دیا جائے گا؟ کہ ہم اول تو بازی کا علاقہ کھو بیٹھے اور اس کے بعد سنڈیکیٹ کے نمائندوں کی حفاظت بھی نہیں کر سکے...... یار یہ تو بڑا ٹیڑھا مسئلہ ہو جائے گا۔"

"تو دوستو پھر سوچ لو...... خود سوچ لو کہ کیا کر سکتے ہو۔"

"فی الحال ایک ہی طریقہ کار سمجھ میں آتا ہے۔" شیخ سلطان نے کہا۔

"کیا؟"

"یہ کہ جس طرح بھی بن پڑے سب سے پہلے شہاب اور انسپکٹر جنرل کو ختم کرنے کے لئے ہمیں جان کی بازی لگانی ہو گی...... سنڈیکیٹ کے نمائندوں کو ہم یہ کہہ کر مطمئن کر سکیں گے کہ یہ دو افراد ہمارے سلسلے میں زیادہ فعال تھے اور مسلسل ہمارے خلاف کاوشوں میں مصروف تھے، چنانچہ ہم نے سب سے پہلے ان سے چھٹکارا پا کر اپنے آپ کو آگے کی

صورت حال کے لئے تیار کر لیا ہے اور اب کم از کم آئندہ کے لئے نقصانات نہیں ہوں گے...... یہ ساری چیزیں سنڈیکیٹ کے نمائندوں کو پیش کرنے کے بعد ہم کم از کم ان سے کچھ وقت کے لئے ضرور چھٹکارا حاصل کر لیں گے۔" وہ سب سوچ میں ڈوب گئے...... پھر انہوں نے کہا۔

"ہم اپنی کارروائیوں کے طور پر یہ بات شو کر سکتے ہیں۔"

"تو پھر اس سلسلے میں ڈاکٹر حیات ہی کو سامنے رکھنا ہو گا، چونکہ آج تک ڈاکٹر حیات اس قسم کے کاموں میں پیش پیش رہے ہیں اور جو بھی ذمے داری انہیں سونپی گئی ہے انہوں نے پوری کر دکھائی ہے۔" اعظم بیگ نے کہا۔

"ہرگز نہیں اور بالکل نہیں...... بڑی معصومیت کی بات کر رہے ہیں آپ مرزا صاحب...... بات اصل میں یہ ہے کہ اس وقت شہاب نے مجھے چھوڑ دیا ہے اور ایک چیلنج کے ساتھ چھوڑا ہے...... میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کی پوری نگاہ مجھ پر ہو گی...... جس انداز میں میں یہاں تک پہنچا ہوں آپ سوچ بھی نہیں سکتے...... مجھے منظر عام پر رہنے دیا جائے اور میں اپنے ہر عمل سے یہی ظاہر کروں گا کہ میں پر امن زندگی گزار رہا ہوں...... اس کے علاوہ آپ لوگ اس سلسلے میں کوئی موثر قدم اٹھائیے...... اول تو ہم لوگ اپنے رابطے ہی منقطع کر رہے ہیں فی الحال...... لیکن اس کے باوجود جس قدر جلد ممکن ہو یہ کام ختم کر دیا جائے۔"

"تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ذمے داری کسے سونپی جائے۔"

"میں کوشش کرتا ہوں۔" شیخ سلطان نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"صرف کوشش نہیں بلکہ عمل ہونا چاہئے۔"

"اس بات کا دعویٰ بالکل نہیں کیا جا سکتا لیکن بہر حال ہم سب جس انداز میں سولی پر لٹکے ہوئے ہیں...... اس کے تحت ہمیں یہ سب کچھ کرنا ہی ہو گا۔" اور اس کے بعد یہ میٹنگ ختم ہو گئی اور ایک دوسرے کو محتاط رہنے کی ہدایت کر کے وہ لوگ ایک ایک کر کے باہر نکل گئے۔

❁

یہ اتفاق کی بات ہے کہ مرزا اعظم بیگ کے تمام ہی بیٹے وطن دوست تھے...... ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک خاص ہی مزاج ہوتا ہے جرم کی جانب راغب ہونے کا، ورنہ محبت کس دل میں نہیں ہوتی اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ مرزا اعظم بیگ نے ان

لوگوں کو ہر سہولت اور آسائشیں مہیا کر دی تھیں...... وہ بد بخت خود برائیوں کے راستوں
چل نکلا تھا...... یہ اس کی بد بختی تھی کہ ورنہ بیٹے اس قدر برے نہیں تھے، البتہ ناظم بیگ
اطہر بیگ شادی شدہ ہونے کی وجہ سے اپنے مسائل میں خود اُلجھے ہوئے تھے...... طاہر
ان کی جو بات ہوئی تھی اس میں کم از کم طاہر کو یہ اندازہ ضرور ہو گیا تھا کہ دونوں
بھائیوں میں سے کوئی کسی بھی طرح وطن دشمن نہیں ہے اور اس بات کو قطعی طور
برداشت نہیں کریں گے کہ مرزا اعظم بیگ وطن کے خلاف کوئی عمل کریں...... ان کا
بھی درست ہی تھا...... ظاہر ہے باپ کو سرزنش تو نہیں کر سکتے تھے...... اسے سمجھا سکتے
تھے، لیکن سمجھانے کا معاملہ بھی بہت ہی مختلف اور ٹیڑھا تھا...... اگر وہ اس کوشش میں لگے
رہتے اور کسی وقت مرزا اعظم بیگ کو کچھ سمجھانے کی کوشش کرتے تو نتائج بے حد خوفناک
برآمد ہو سکتے تھے...... مرزا اعظم بیگ اور لوگوں سے منحرف ہو سکتا تھا اور اس کے بعد
کے اندر شدت بھی آ سکتی تھی...... طریقہ کار کوئی ایسا ہی ہونا چاہئے تھا جو بہت جامع ہو لیکن
اس کے ساتھ ساتھ ہی صدف اور طاہر نے آپس میں گفتگو کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا تھا کہ
دونوں بھائیوں کو ان معاملات میں ملوث نہ کیا جائے، بلکہ یہ تجویز صدف نے ہی پیش کی تھی
اور کہا تھا۔

"بات اصل میں یہ ہے طاہر بھائی کہ ہم ان لوگوں کو اگر اس معاملے میں شامل کر دیں
تو ان کے لئے بہت سی مشکلات کھڑی ہو جائیں گی...... ہمارا کیا ہے...... ہم لوگ تو ویسے بھی
اپنے آپ کو اس جہاد کے لئے وقف کر چکے ہیں...... میں اسے جہاد کا نام اس لئے دے رہی
ہوں کہ اپنے ہی باپ کے خلاف کام کرنا دُنیا کا سب سے مشکل عمل ہے اور معاف کیجئے
طاہر بھائی خاص طور سے ایک بیٹی کے لئے...... لیکن میں ایک مثال قائم کرنا چاہتی ہوں
یہ ہمارا وطن ہے...... ہماری نسلوں کا امین، ہماری شناخت، ہمارا وقار، ہماری آبرو، اس دنیا
کے ایک چھوٹے سے شہر میں ایک چھوٹا سا گھر ہے ہمارا...... اگر ہم وطن کی وسعتوں کو نظر
انداز کر کے صرف اپنے گھر کی جانب متوجہ ہو جائیں تو آپ یہ بتائیے کیا یہ وطن کے ساتھ
انصاف ہو گا...... کیا ہم اپنا فرض پورا کر رہے ہیں یا کریں گے...... نہیں طاہر بھائی...... اگر یہ
دونوں افراد قربان ہو جاتے ہیں تو کوئی حرج نہیں ہے...... کروڑوں اہل وطن ہیں جو ہمارا
مشن سنبھالیں گے...... جو برا ہے وہ ہر قیمت پر برا ہے اور برائی کرنے والا ہر حالت میں مجرم

ہے...... ہم اپنے خلاف ہر عمل برداشت کرنے کی سکت رکھتے ہیں، لیکن وطن کے خلاف جو
عمل ہو رہا ہے اہل وطن کے خلاف جو کچھ ہو رہا ہے وہ کم از کم ہمارے لئے ناقابل برداشت
ہے...... میری رائے ہے کہ ان لوگوں کو اس میں ملوث نہ کیا جائے بلکہ ہم جو گفتگو اب تک
کر چکے ہیں اسے ان کے ذہن سے بھلانے اور مٹانے کی کوشش کی جائے...... وہ بے چارے
بھرپور طریقے سے ہمارا ساتھ نہیں دے سکیں گے۔" طاہر نے اس بات سے اتفاق کر لیا تھا
اور پھر کچھ وقت کے لئے خاموشی اختیار کر رکھی تھی، لیکن طاہر ہر مسئلے میں پیش پیش تھا
معاملہ اپنے ہی گھر کا تھا اور اس نے ایسے انتظامات کر لئے تھے کہ اب وہ بڑی آسانی سے اس
حجرے میں داخل ہو سکتا تھا...... وہاں سے نکل سکتا تھا...... وہاں ہونے والے معاملے سے
متعلق رہ سکتا تھا اور اپنے طور پر وہ شدید جدوجہد کئے ہوئے تھا، چنانچہ اسے اس بات کا علم
ہو گیا کہ کوئی خصوصی کارروائی یہاں ہو رہی ہے اور وہ اس خصوصی کارروائی کے لئے اپنے
آپ کو تیار کرنے لگا...... پہلے اسے اندازہ نہیں ہو سکا تھا، لیکن پھر جب رات کی تاریکی میں
اس نے کچھ پراسرار لوگوں کو آتے ہوئے دیکھا اور مرزا اعظم بیگ کو ان کا استقبال کرتے
ہوئے تو اس نے سب سے پہلے حجرے میں اپنے لئے جگہ منتخب کی اور ایک ایسی جگہ دریافت
کرنے میں کامیاب ہو گیا جہاں وہ ان لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہ سکتا تھا...... بشرطیکہ
کوئی خاص ہی عمل نہ ہو جائے اور جب مرزا اعظم بیگ کی کوٹھی کے اس مخصوص حصے میں یہ
پراسرار کارروائی ہو رہی تھی تو اس کا ایک ایک لفظ طاہر بیگ کے کانوں تک پہنچ رہا تھا اور اس
کا دل خون ہوا جا رہا تھا، اب بھلا اس بات کی کیا گنجائش رہی تھی کہ مرزا اعظم بیگ یہ انکار
کر سکیں کہ وطن دشمن کارروائیوں میں وہ پیش پیش ہیں اور منشیات کی ناجائز تجارت کے ایک
گروہ کے سرگرم رکن ہیں...... طاہر سب کچھ سنتا رہا...... بڑی خاموشی سے اس نے اپنے آپ
کو اس جگہ پوشیدہ رکھا تھا لیکن اس کے دل میں ایک شدید دُکھ تھا اور اس وقت وہ دیوانگی کی ان
حدود کو چھو رہا تھا جو انتہا تک پہنچ جاتی ہیں...... اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کسی طرح باہر نکلے اور ان
تمام افراد کو گولی مار کر ہلاک کر دے...... آہ کاش اس کا کوئی ذریعہ میرے پاس ہوتا...... کاش
میں اس کے لئے پہلے سے انتظام کر لیتا...... وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا...... تمام تر کارروائی
اس کے سامنے ہوئی اور پھر تھوڑی دیر کے بعد اس میٹنگ کا اختتام ہو گیا...... وہ لوگ ایک
ایک کر کے باہر نکل گئے تھے...... مرزا اعظم بیگ کے بارے میں اسے یقین تھا کہ وہ واپس

آئے گا اور اس وقت وہ اپنی زندگی کے سب سے اہم فیصلے کر رہا تھا..... حالانکہ ہر مرحلے
صدف سے مشورہ لیتا تھا، لیکن اس وقت اس کی جذباتی کیفیت اس قدر خراب ہو گئی
کہ وہ صدف سے مشورہ بھی نہیں کر سکتا تھا اور پھر بھی صدف کو اس نے یہاں نہیں
دیا تھا..... یہ الگ بات ہے کہ صدف بھی آس پاس ہی موجود تھی اور ہر لمحے ہر بات
نگرانی کر رہی تھی..... دونوں بہن بھائی بے چارے بڑی معصوم جدوجہد میں مصروف
تھے..... پھر وہ سب جب چلے گئے تو مرزا اعظم بیگ گہری سانس لے کر اپنے حجرے
پلٹ آیا اور خاموشی سے ایک جگہ بیٹھ کر کچھ سوچنے لگا..... اچانک ہی مرزا اعظم بیگ کو
احساس ہوا تھا کہ یہاں وہ تنہا نہیں ہے..... سانسوں کی مدھم مدھم آواز اسے سنائی دے
رہی تھی..... دوسرے لمحے وہ دیوانوں کی طرح پلٹا اور اس نے ایک جگہ سے پستول نکال
لیا..... پستول ہاتھ میں لے کر اس کی خونی نگاہیں چاروں طرف کا جائزہ لینے لگیں..... تب
ہی اسے ایک آہٹ محسوس ہوئی اور وہ پستول لے کر سیدھا ہو گیا..... پھر اس نے غراتی
ہوئی آواز میں کہا۔

"تم جو کوئی بھی ہو سامنے آجاؤ..... ورنہ ایک لمحے کے اندر اندر زندگی سے ہاتھ دھو
بیٹھو گے، جو کوئی بھی ہو سامنے آجاؤ میں صرف تین تک گنتی گنوں گا اور اس کے بعد جو کچھ
ہو گا اس کے نتیجے کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔"

"نہیں ڈیڈی..... آپ کو گنتی گننے کی ضرورت نہیں ہے۔" طاہر بیگ نے کہا اور اپنی
جگہ سے نکل آیا..... مرزا اعظم بیگ نے اسے دیکھا اور دوسرے لمحے اس کا پورا وجود ڈھیلا پڑ
گیا..... پستول والا ہاتھ نیچے لٹک گیا اور وہ اپنی جگہ اس طرح ساکت ہو گیا جیسے کسی جادوگر
نے ساحری کر کے اسے پتھر بنا دیا ہو..... طاہر بیگ اپنی جگہ کھڑا ہوا خونی نگاہوں سے مرزا
اعظم بیگ کو گھور رہا تھا..... چند لمحات اسی طرح گزر گئے اور اس کے بعد مرزا اعظم بیگ نے
خود کو سنبھالا۔

"تو..... تو یہاں کیا کر رہا تھا؟"

"زندگی کے بدترین دور سے گزر رہا تھا ڈیڈی..... اپنی زندگی کے ان بدترین لمحات
سے گزر رہا تھا جن کے بارے میں میری دعا ہے کہ خدا کسی اولاد کو ان لمحات سے آشنا نہ
کرے۔"

"ڈراما بولنے کی ضرورت نہیں ہے..... میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ تم یہاں کیا کر رہے تھے؟"

"صرف میں ہی نہیں ڈیڈی صدف بھی ہے..... بلالوں اسے صدف، صدف کہاں ہو
اندر آجاؤ ڈیڈی بلا رہے ہیں تمہیں۔" طاہر بیگ نے ٹوٹی ہوئی آواز میں کہا..... مرزا اعظم
بیگ نے خوف زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا..... پھر دروازے سے صدف اندر داخل
ہوئی..... اس کے چہرے پر خوف اور دہشت کے آثار منجمد تھے..... اس نے طاہر بیگ کو
دیکھا پھر مرزا اعظم بیگ کو اور اس کے ہاتھوں میں دبے ہوئے پستول کو۔

"کک..... کیا..... کیا ہو رہا ہے؟ یہ کک..... کیا بات ہے؟"

"آجاؤ صدف آج بلی تھیلے سے باہر آگئی ہے..... ہماری بدقسمتی آج ہمیں اپنے ڈیڈی
کے سامنے لے آئی ہے..... صدف آج مرنے کا دن ہے..... ویسے صدف دل سے بتانا باپ
کے ہاتھوں موت قبول کرتے ہوئے تمہیں کیسا لگے گا۔"

"بکواس کئے جا رہا ہے..... صدف دروازہ بند کر دو اور بھی کوئی ہے تمہارے آس
پاس۔" مرزا اعظم بیگ نے کہا۔

"نہیں ڈیڈی..... خدا کا شکر ہے کہ ابھی ہمارے آس پاس کوئی نہیں ہے لیکن کل
آپ کی اس اقامت گاہ کے سامنے ایک مجمع لگا ہو گا..... کل کے بارے میں کیا کہتے ہیں
ڈیڈی؟"

"میں کہتا ہوں بکواس مت کرو..... خاموشی سے یہاں بیٹھ جاؤ..... مجھے بتاؤ تم لوگ
یہاں کیا کر رہے تھے۔"

"بیٹھو صدف ظاہر ہے ہمارے باپ کے ہاتھ میں پستول نہ بھی ہوتا تو کیا ہم اپنے باپ
سے کوئی الٹی سیدھی بات کر سکتے تھے۔"

"بہت زیادہ ڈراما کرنے کی کوشش مت کرو طاہر! میں تم سے جو کچھ کہہ رہا ہوں مجھے
صرف اس بات کا جواب دو۔"

"ٹھیک ہے کوئی ڈراما نہیں کریں گے ہم ڈیڈی..... فرمائیے۔ کیا پوچھنا چاہتے ہیں آپ
ہم سے۔"

"تم یہاں کب سے چھپے ہوئے ہو؟"

"اس وقت سے ڈیڈی جب یہ لوگ نہیں آئے تھے..... جب آپ کی اس میٹنگ کا

آغاز نہیں ہوا تھا۔"

"کیوں آئے تھے یہاں تمہیں کس طرح اس بات کا شبہ ہوا کہ یہاں کچھ لوگ آ
والے ہیں۔"

"ڈیڈی ہم بہت عرصے سے آپ کی کارروائیاں دیکھ رہے ہیں اور آپ کے بار
میں آپس میں ایک دوسرے سے گفتگو کر رہے ہیں...... ڈیڈی اصل میں مان ٹوٹ گیا
ہمارا اور ڈیڈی اگر مان ٹوٹ جاتا ہے کسی انسان کا تو کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اس کے پاس کچھ
جاتا ہے یا نہیں؟"

"بہت زیادہ جذباتی ہو رہے ہو حقیقتوں کی دُنیا سے بہت دُور کی بات کر رہے ہو۔ تم
کو نہیں جانتے کیا وہ صرف میرے اس چھوٹے موٹے کاروبار سے چل رہی ہے یا میں
تمہیں جو کچھ دے دیا ہے جو کچھ تمہیں بنا دیا ہے تم کیا سمجھتے ہو میں اربوں روپے کی دولت
رہا تھا، یا کماتا رہا ہوں...... ہر گز نہیں جس طرح سے میں نے یہ سب کچھ کیا ہے وہ میں جا
ہوں تم نہیں جانتے۔"

"کیوں کیا آپ نے یہ سب ڈیڈی کیا لاکھوں، کروڑوں کی آبادی ہماری مانند عیش
عشرت کی زندگی گزار رہی ہے۔"

"جو نہیں گزار رہے ان کے دلوں سے پوچھو، کس مشکل سے وہ اپنی زندگی کا تیا
کر رہے ہیں۔"

" کاش ہم بھی ان مشکلات میں ہوتے ڈیڈی! سچی بات یہ ہے کہ مشکلیں انسان کو ز
رکھتی ہیں۔"

"یہ سب کتابی باتیں ہیں...... اگر تم تمام حقیقتوں کو جان ہی چکے ہو تو پھر ان حقیقتوں
بھی تسلیم کرو کہ اس وقت اس دُنیا میں بات صرف اس ملک کی نہیں میں دُنیا کی بات کر
ہوں جو لوگ اچھی زندگی گزار رہے ہیں ان کا سوچنے کا انداز بالکل مختلف ہے۔"

"آپ کی طرح ڈیڈی۔" طاہر نے کہا۔

"ہاں یہ ہی سمجھ لو میری طرح۔"

"لیکن ہم اپنی طرح سوچنا چاہتے ہیں ڈیڈی...... ہمیں اپنے وطن سے محبت ہے
آپ براہ کرم ... ی تصحیح کر دیجئے...... کیا ہم اپنی نسلوں کو جو کچھ دے رہے ہیں، وہ ٹھیک

ڈیڈی...... ہم عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے ہیں ڈیڈی...... آپ نے لاکھوں روپیہ خرچ
کر کے منشیات کے علاج کے لئے ایک ہسپتال تعمیر کرایا اور اس ہسپتال کے لئے مریض بھی
آپ تیار کر رہے ہیں...... کیا یہ دو رُخی پالیسی مناسب ہے؟"

"دیکھو بات اتنی معمولی نہیں ہے...... مین بہت اُلجھن میں ہوں۔"

"آپ کی اُلجھن ہماری سمجھ میں آچکی ہے ڈیڈی۔ ساری باتیں سن لی ہیں اب اس کے
علاوہ کچھ اور کہنا بے کار ہی ہے۔"

"ہم موت کے دہانے پر پہنچ چکے ہیں۔"

"خدا کرے وہ لوگ یہاں آئیں ڈیڈی اور ہمارے پورے خاندان کو گولی سے
اُڑا دیں، خدا کرے ڈیڈی وہ صرف آپ کو زندہ چھوڑ دیں اور آپ دیکھیں کہ آپ کے کئے
کا کیا نتیجہ ملا۔"

"تم...... تم...... تم پاگل ہو رہے ہو طاہر بیگ! پاگل ہو رہے ہو، میں کہتا ہوں تمہیں کیا
اس طرح میری جاسوسی کرنی چاہئے تھی۔"

"آہ...... کاش ہم اس وقت آپ کی جاسوسی کر لیتے ڈیڈی جب آپ اس جنجال میں
پھنسے تھے...... اس وقت ہم آپ کو اس جنجال میں پھنسنے سے روکتے تو واقعی ہم سمجھتے کہ ہمارا
فرض پورا ہو رہا ہے۔"

"نہ ہوتا کچھ نہ ہوتا...... بات بہت پرانی ہے...... میں، میں تم یہ سمجھ لو کہ میں نے جو
کچھ کیا ہے، تم ہی لوگوں کے لئے کیا ہے۔"

"میں ان باپوں کو سلام کرتا ہوں ڈیڈی جو دن بھر مزدوری کرنے کے بعد شام کو اپنے
بچوں کے لئے گلے سڑے پھل، آٹے کی تھیلی اور دال لے کر آتے ہیں...... آپ سے بہت
اچھے ہوتے ہیں وہ ڈیڈی! کم از کم وہ اپنے بچوں کی زندگی کو تو داؤ پر نہیں لگاتے...... آپ کو خود
اندازہ ہے کہ سنڈیکیٹ کے افراد اس وقت آپ کی کسی کوتاہی کے نتیجے میں آپ کے خاندان
کو ختم کر سکتے ہیں...... ڈیڈی آپ کو اس کا صلہ ضرور ملنا چاہئے تھا...... کاش یہ ضرور
ہو جائے...... کاش کوئی مجھے وہاں تک پہنچا دے اور میں ان سے کہوں کہ آپ لوگ...... آپ
کے بچوں افراد غداری کر رہے ہیں...... آپ سنڈیکیٹ سے منحرف ہیں...... نتیجے میں وہ ہمیں
آپ کے سامنے قتل کر ڈالیں...... ڈیڈی آپ ہماری لاشوں کی تدفین کریں واہ! کیا لطف

آئے گا۔"

"خدا کے لئے طاہر ایسی فضول باتیں نہ کرو...... تم جانتے ہو...... تم سے کتنی محبت
ہوں میں۔"

"جھوٹ بول رہے ہیں آپ غلط کہہ رہے ہیں ڈیڈی! بالکل غلط کہہ رہے ہیں آپ
ہم سے کیا محبت کر سکتے ہیں...... آپ اگر ہم سے محبت کرتے تو ہماری دُنیا ہی نہیں
آخرت کے بارے میں بھی سوچتے...... آپ کو پتا ہے کہ حرام کی کمائی کھا کر ہمیں آخر کار
تو اسی جگہ ہے جہاں عام لوگ جاتے ہیں، جواب دہی کون کرے گا ڈیڈی...... آپ یا ہم
اس بار صدف نے کہا اور مرزا اعظم بیگ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"میں نے سب کچھ تم ہی لوگوں کے لئے تو کیا ہے۔"

"اگر ہم سے پوچھ بھی لیتے ڈیڈی تو آپ یقین کریں ہم آپ کو کبھی یہ مشورہ نہ دیتے
معمولی سی زندگی ہمیں ملتی ہم وہی گزار لیتے...... کم از کم ہم وطنوں، اپنے بھائیوں کی موت
سوگ تو ہمارے دلوں پر طاری نہ ہوتا۔"

"دیکھو...... اب تو جو کچھ مجھے کرنا تھا، وہ کر چکا ہوں...... میں شرمندہ ہوں تم
مم...... میں...... میں اب کچھ بھی نہیں کر سکتا...... سب کچھ ختم ہو چکا ہے...... صورت حال
بہت آگے بڑھ گئی ہے...... میں خطرے میں ہوں...... تم سب بھی خطرے میں ہو۔"

"ہمارا نام نہ لیجئے ڈیڈی...... ہم خطرے میں آنا چاہتے ہیں اور اب بھی ہماری یہی آرزو
ہے کہ کاش آپ ہماری لاشوں کو اپنے ہاتھوں سے اُٹھائیں۔"

"خدا کے لئے طاہر! ایسی بات مت کرو۔" مرزا اعظم بیگ کی آنکھوں سے آنسو
لگے تھے۔

"ڈیڈی یہ سامان تو آپ نے ہمارے لئے کیا ہے...... آپ نے کیا ہے ہمارے لئے
سب کچھ ڈیڈی۔"

"ہاں...... غلطی ہو گئی طاہر! غلطی ہو گئی...... بہت بڑی غلطی ہو گئی...... میں، میں
کر چکا ہوں مجھے اس کا احساس ہے، لیکن اب جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے...... آگے کا وقت بہت
آرہا ہے طاہر...... مجھے...... مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میری غلطی کہیں میرے بچوں کے
نقصان کا باعث نہ بن جائے...... طاہر جو دل چاہے کہہ لو...... آزاد کرتا ہوں تم دونوں کو

ارے الفاظ گستاخی نہیں تصور کروں گا...... ایک برا باپ بھلا اپنی اولاد کے سامنے ہی کیا
ار کو قائم رکھ سکتا ہے...... غلطی مجھ سے ہوئی ہے اور ہو گئی...... اب مجھے بتاؤ میں کیا
ں...... آہ میں، میں شاید تم لوگ یقین نہ کرو...... بہت عرصے سے پریشان ہوں میں......
دن سے پریشان ہوں اور ایک ایسی پریشانی کا شکار ہوں جس کے بارے میں کسی سے کچھ
بھی نہیں سکتا...... کسی سے مشورہ بھی نہیں لے سکتا...... اتنا تنہا محسوس کر رہا ہوں میں
دوران خود کو...... طاہر میری بچی صدف کہ میں بتا نہیں سکتا...... بچے غلطی کریں تو بڑے
سنبھال لیتے ہیں...... ان کے پاس ذریعہ ہوتا ہے، لیکن مجھے احساس ہو رہا ہے کہ اگر
غلطی کریں تو ان کو سنبھالنے والا کوئی نہیں ہوتا...... تم لوگ خوش نصیب ہو میں بھی
خوش نصیب تھا، لیکن اب میں ایک تنہا انسان ہوں...... بتاؤ کیا کروں میں کیا کروں......
جینا چاہتا ہوں مرنا نہیں چاہتا...... میری آرزو ہے کہ میں تم لوگوں کی ہر خوشی میں برابر
یک رہوں، لیکن جو کچھ مجھ سے ہو چکا ہے وہ ٹھیک نہیں ہے اور، اور اب مجھے اس کے
بھگتنا پڑیں گے...... میں بہت برے دوراہے پر آکر کھڑا ہو گیا ہوں...... بڑی خوفناک
شن ہے میری تم لوگ سوچ بھی نہیں سکتے کہ میں کتنا پریشان ہوں...... آہ، میں بہت
ان ہوں۔" مرزا اعظم بیگ کسی بچے کی طرح زار و قطار رونے لگا...... صدف اور طاہر
کے گرد بیٹھ گئے تھے...... طاہر نے کہا۔

"ہم بھی آپ کی زندگی چاہتے ہیں ڈیڈی...... ہر قیمت پر آپ کی زندگی چاہتے
...... آپ کو یہ احساس دلانا چاہتے ہیں کہ آپ نے اور ان وطن دشمنوں نے جو آپ کے
اس وقت بھی موجود تھے...... وطن کو کتنا نقصان پہنچایا...... ڈیڈی آپ تصور نہیں
ان گھرانوں کا جن کے سرپرست جوان بیٹے، جوان بچے منشیات کی لعنت کا شکار ہو کر
سے محروم ہو چکے ہیں...... آپ نے ان گھروں میں غم بکھیر دیا ہے ڈیڈی...... ایک ایسا
کا ازالہ وہ کبھی نہیں کر سکتے۔"

"مجھے احساس ہے...... آہ مجھے احساس ہے۔"

"اور میں نہیں جانتا کہ اللہ کس طرح آپ کو معاف کرے گا، لیکن ڈیڈی ہم کبھی
چاہیں گے کہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچے...... ہم آپ کے لئے زندگی کی بازی لگا سکتے

"تو پھر مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں...... کیا کروں میں کیا کروں...... تقریباً
معلومات تمہیں حاصل ہو چکی ہیں...... اب سب کچھ تم سمجھ چکے ہو...... مجھے مشورہ
میں خفیہ طور پر وہی کروں گا، جو تم کہو گے...... میں...... میں اب یہ سب کچھ نہیں کر پا
جواب تک کرتا رہا ہوں...... کاش میں کھلے عام اپنی ان حماقتوں کا ازالہ کر سکتا اور اگر تم
بات کا مشورہ دیتے ہو کہ میں خود اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر کے اپنے گناہوں کا اعتراف
کرلوں تو خدا کی قسم میں اس سے انکار نہیں کروں گا...... اگر پھانسی میرا مقدر بن سکتی ہے
میں مرنے کے لئے تیار ہوں...... بس خدا تم لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے۔" طاہر بیگ
سوچ میں ڈوب گیا اس نے کہا۔

"ویسے آج کا دن مبارک ہے میرے لئے میں کافی عرصے سے اس سولی پر لٹکا
تھا، میں اور صدف جس انداز میں ہم زندگی گزار رہے تھے...... آہ کاش آپ اس کا ازالہ
کر سکتے، لیکن آج آپ کے اس اعتراف گناہ نے کم از کم ہمارے سینے کا ایک خانہ تو
کر دیا ہے۔"

"سوچو، کچھ سوچو میں...... میں خوفناک کیفیت کا شکار ہوں...... میں سخت خطرے
ہوں تم سب...... تم سب بھی میرے ساتھ خطرے میں ہو...... آہ کچھ سوچو...... ہمیں
کرنا چاہئے؟"

"جو باتیں میں نے سنی ہیں ڈیڈی ان میں صرف ایک بات میرے سامنے آئی ہے
اس وقت ایک شخص آپ کے لئے خطرہ بنا ہوا ہے اور اس کا نام غالباً شہاب ثاقب ہے۔"

"ہاں، بے حد خطرناک آدمی ہے اور ابھی اس کے بارے میں مکمل تفصیلات
حاصل نہیں ہو سکیں۔"

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ جو تھوڑی بہت تفصیلات اس کے بارے میں حاصل ہوئی
وہ کیا ہیں؟"

"کیوں پوچھنا چاہتے ہو؟"

"سنئے ڈیڈی...... اس وقت آپ اگر سلطانی گواہ بن جائیں تو بہت سے مسائل
ہو سکتے ہیں...... خیر یہ تو بعد کی بات ہے...... سب سے پہلے تو میں اور صدف شہاب
سے ملیں گے اور اس سے اس بارے میں بات کریں گے...... ہو سکتا ہے تقدیر ہمارا

ساتھ دے جائے، ہو سکتا ہے وہ کوئی ایسا اچھا آدمی نکل آئے جو صورت حال کو سمجھے اور ہماری مدد
کرنے پر آمادہ ہو جائے...... ڈیڈی ہم پوری پوری کوشش کریں گے۔" اعظم بیگ تھوڑی دیر
تک سوچتا رہا پھر اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"میں تمہیں اس کے مکمل کوائف فراہم کئے دیتا ہوں اور اس کے بعد تم لیکن خدارا
سنبھل کر اگر میری وجہ سے تمہیں کوئی نقصان پہنچا تو پھر تو خودکشی ہی کرلوں گا۔"

"خودکشی ہم سب مل کر کریں گے ڈیڈی! آپ کبھی تنہا خودکشی نہ کریں اگر کوئی ایسی
صورت حال پیش آجائے تو ویسے بھی ہم سب کو خودکشی کرنا پڑے گی...... خودکشی کا انداز
بالکل مختلف ہوگا، وہ انداز کیا ہوگا اسے آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔" طاہر بیگ نے کہا اور
مرزا اعظم بیگ اپنے بیٹے کی صورت دیکھنے لگا جس کا چہرہ جوش اور جذبات سے تمتمارہا تھا۔

❁ ❁ ❁

فادر رونالڈ ڈکسن کے اعزاز میں چرچ میں باقاعدہ ایک پروگرام رکھا گیا تھا اور لاتعداد مشنری کے افراد وہاں مدعو کئے گئے تھے...... ان میں بہت بڑے بڑے اور صاحب حیثیت لوگ بھی تھے، مقامی چرچ کے پادری نے فادر رونالڈ ڈکسن کے اعزاز میں خوب صورت پروگرام رکھا اور اس میں مذہبی مقاصد کے لئے فادر رونالڈ کی خدمات کی تفصیلات بتائی گئیں اور اس کے بعد فادر رونالڈ نے اپنی تقریر کی جو انتہائی اہم نوعیت کی تھی، وہاں موجود لوگوں نے اس تقریر کو بہت سراہا...... فادر رونالڈ کے عقیدت مندوں کی بہت بڑی تعداد وہاں موجود تھی اور وہ سب فادر رونالڈ کو داد و تحسین دے رہے تھے...... مشنری کی طرف سے انہیں مختلف پیش کشیں کی گئیں لیکن فادر رونالڈ نے کہا۔

"میرے محبت کرنے والے اتنے موجود ہیں اس شہر میں کہ ان کا دل توڑنا میرے لئے ممکن نہیں رہا اور میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا قیام انہی کے ساتھ ہو ہاں اس سلسلے میں اپنی تمام تر ضروریات کو مدنگاہ رکھتے ہوئے مجھے مشورے دیئے جاتے رہے ہیں، میں جتنے عرصے بھی یہاں قیام رکھتا ہوں اپنی خدمات پیش کرتا رہوں گا...... بہر حال تقریباً تمام ہی لوگوں نے فادر رونالڈ کو تحفے تحائف پیش کئے تھے جنہیں انہوں نے محبت کے ساتھ چرچ کی خدمت میں پیش کر دیا اور کہا کہ ان چیزوں سے انہیں کوئی رغبت نہیں ہے...... عقیدت مندوں نے فادر رونالڈ کے ہاتھ بار بار چومے تھے، انہی میں سے فادر رونالڈ نے ایک آدمی کو اشارہ کیا اور بولا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"جیکب فادر۔"

"اس کے بعد مجھ سے ملاقات کرنا میں تمہاری پیشانی کی تحریر میں کچھ مشکلات پڑھ رہا ہوں۔"

"فادر! آپ کی نگاہ بہت دُور تک دیکھتی ہے، میں بڑی مشکل کا شکار ہوں۔"

"ابھی نہیں ابھی نہیں اور سنو وہ جو اس طرف کھڑا ہے پھولواری شرٹ پہنے اسے اور تیسرا اس طرف جو نظر آرہا ہے ان دونوں کو میرے پاس بھیجو۔"

"جی فادر۔" جیکب نے کہا اور ان دونوں کی جانب بڑھ گیا تو دونوں عقیدت مندی سے فادر رونالڈ کے پاس پہنچے تھے۔

"کیا کیا نام ہیں تمہارے؟ دیکھو مجھے معاف کرنا انسان اپنے آپ کو بہت چالاک اور بہت ذہین سمجھتا ہے، نجانے کیوں میرے دل میں یہ خیال آیا ہے کہ تم مجھ سے کچھ چاہتے ہو ہو سکتا ہے یہ صرف میری غلطی ہو، لیکن بس یہ احساس ہے۔"

"آپ عظیم ہیں فادر حقیقت یہ ہے کہ ہم آپ کو اپنے دل کا کچھ حال بتانا چاہتے ہیں۔"

"ہاں مجھے یہی شبہ تھا خیر تم تینوں کیا کیا نام ہیں تمہارے؟"

"میں اپنا نام بتا چکا ہوں فادر میرا نام جیکب ہے۔"

"اور تم۔"

"فادر میں جان میسن ہوں۔"

"اور تم۔"

"میرا نام پاسکل ہے فادر۔"

"جیکب، پاسکل اور میسن میں ایک پتا تمہیں بتائے دے رہا ہوں، آج شام کو تم وہاں میرے پاس پہنچ جاؤ، البتہ اگر وہاں تک آنے کی تفصیل کسی کو نہ بتاؤ تو تمہارے حق میں بھی بہتر ہوگا اور میرے حق میں بھی کیا تم میری یہ بات ماننا پسند کرو گے؟"

"فادر آپ جس قدر عظیم ہیں اور جس طرح آپ نے ہمارے دلوں کی بات جانی اس کے بعد بھلا آپ کی بات سے انحراف بھلا کیا معنی رکھتا ہے۔"

"بس پھر ٹھیک ہے میں شام کو سات بجے اس پتے پر تمہارا انتظار کروں گا اور وہ تینوں گردن ہلانے لگے...... انہوں نے پتا نوٹ کر لیا تھا، پھر تھوڑی بہت کارروائیاں ہوتی رہیں...... لوگ فادر سے ملاقات کرتے رہے اور اس کے بعد فادر نے واپسی کا مطالبہ کیا......

مشنری کے ارکان نے فادر کو بڑی عزت اور بڑے احترام کے ساتھ واپس بھجوانے کا
بندوبست کیا تھا...... فادر جس عمارت میں پہنچے یہ وہ عمارت تھی جہاں وہ تینوں ارکان
سے ملے تھے جن کا تعلق سنڈیکیٹ سے تھا، لیکن اس وقت کوئی ان میں سے وہاں موجود نہ
تھا...... البتہ وہاں پہنچنے کے بعد فادر نے چند لمحات توقف کیا اور اس کے بعد ٹیلی فون کا ریسیور
اٹھا کر ایک نمبر ڈائل کیا...... پھر آہستہ سے بولے۔

"کیا حال ہیں تم لوگوں کے سب خیریت تو ہے نا۔"

"جی فادر۔"

"جگہ کیسی ہے؟"

"فادر بالکل ٹھیک ہے۔"

"ٹھیک سات بجے تمہیں اپنا کام سرانجام دینا ہے، ایسا کرتے ہیں کہ تم میں سے ایک
میرے پاس آجائے اور مجھے وہاں لے جائے فی الحال میں یہاں موجود ہوں۔"

"ٹھیک ہے فادر جیسا آپ کہیں۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور رونالڈ نے ہنستے
ہوئے ریسیور رکھ دیا، اس کے بعد وہ آرام کرتا رہا تھا...... اس نے ایک پادری کا روپ دھارا
ہوا تھا، لیکن حقیقتاً اس کے چہرے کے نقوش پر غور کیا جاتا تو ایک بھیڑیئے کی سی کیفیت کا
احساس ہوتا تھا، یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کے ظاہر اور باطن میں بڑا گہرا فرق ہو اور یہ
واقعی ایک حقیقت تھی، بہر حال کافی وقت وہ وہیں گزارنے کے بعد تیار ہو گیا...... حلیہ اس نے
اختیار کئے رکھا تھا، پھر گارون کار لے کر آ گیا تھا...... یہ کار اس کمپنی کی تھی جس کے تحت
گارون پیل اور راکی یہاں آئے تھے...... کمپنی نے انہیں ہر قسم کی سہولتیں فراہم کی تھیں
کار کا ہارن بجا تو رونالڈ ڈکسن باہر نکل آیا اور تھوڑی دیر کے بعد کار چل پڑی، نئی جگہ جہاں
اب راکی، گارون اور پیل موجود تھے فادر ڈکسن ہی کی دریافت کی ہوئی تھی، جو ایک دور دراز
اور الگ تھلگ علاقے میں موجود تھی...... یہ بات وہ تینوں بھی نہیں جانتے تھے کہ فادر نے
یہاں آنے کے بعد کس طرح اس مکان کو حاصل کیا...... بہر حال گولڈن کراؤن اپنی جگہ
الگ ہی اہمیت کا حامل تھا اور وہ اس کی شخصیت کو کہیں بھی چیلنج نہیں کر سکتے تھے......
رونالڈ یہاں آنے کے بعد ان لوگوں سے باتیں کرتے تھے، کچھ اہم مسائل پر گفتگو ہوئی
گارون نے بتایا۔

"سر! آپ کی ہدایت کے مطابق میں نے ایک ایسے آئل ٹینکر کو تاڑ لیا ہے جو اس وقت
مخصوص جگہ کھڑا ہوا ہے اور اس کے ڈرائیور وغیرہ سے بھی ساز باز کر لی ہے...... مقامی ایک
آدمی ہے وہ دو افراد ہوں گے جنہیں کچھ وقت کے لئے ٹریپ کیا جا سکتا ہے...... سیدھے
سادے دیہاتی ٹائپ کے لوگ ہیں۔"

"ٹھیک موجودہ وقت پر وہ انہیں دستیاب ہو جائے گا نا؟"

"جی فادر۔"

"ٹھیک ہے اور باقی چیزوں کا کیا بندوبست کیا گیا؟"

"فادر یہ اس کمپنی کے کاغذات ہیں، کمپنی کی کار تو موجود ہے آپ کے علم میں یہ
بات ہے۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔"

"باقی چاروں طرف سے ساری صورت حال اطمینان بخش ہے۔"

"جی فادر ڈکسن۔" اس بار پیل نے کہا اور رونالڈ ڈکسن مسکرانے لگا پھر بولا۔

"کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ میری یہ شکل اصلی نہیں ہے؟"

"نہیں سر! ہم نہیں جانتے۔"

"تم فوراً فادر سے سر پر آ گئے کیا اس وجہ سے کہ میں نے تمہیں اپنی شکل کے بارے
میں کچھ کہا ہے۔"

"اصل میں ہم بہت سی باتیں سمجھنے ہی سے قاصر ہیں، لیکن ایک بات پر مشترکہ طور پر
اتفاق رکھتے ہیں وہ یہ کہ بہر حال مسٹر رونالڈ ڈکسن گولڈن کراؤن ہیں اور اس وقت
کنٹرولنگ پاور انہوں نے سنبھالی ہوئی ہے۔" ٹھیک سات بجے دروازے کی بیل بجی اور
گارون رونالڈ کے اشارے پر گیٹ پر پہنچ گیا، تین افراد تھے گارون نے سوالیہ نگاہوں سے
انہیں دیکھا تو ان میں سے ایک نے کہا۔

"ہم فادر رونالڈ ڈکسن سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"اوہو مسٹر جیکب...... مسٹر پاسکل ور مسٹر جان۔"

"جی...... جی۔"

"آیئے فادر نے مجھے آپ کے بارے میں ہدایت کی ہے، پھر انہیں ایک بڑے سے

کمرے میں بٹھا دیا گیا اور وہ فادر رونالڈ کا انتظار کرنے لگے...... رونالڈ اپنے مخصوص لباس پہنے ان کے پاس پہنچا تھا اور وہ احتراماً کھڑے ہو کر اسے تعظیم دینے لگے تھے...... رونالڈ نے ان کے سروں پر ہاتھ رکھا اور پھر وہ مدہم لہجے میں بولا۔

"بیٹھ جاؤ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ تم لوگ پریشانیوں کا شکار ہو، البتہ میں تم سے ان پریشانیوں کی نوعیت جاننا چاہتا ہوں۔"

"فادر ہم جس ملک میں ہیں وہاں ہمارے لئے کوئی ایک پریشانی نہیں ہے...... آپ یوں سمجھ لیجئے کہ ہم مختلف پریشانیوں کا شکار ہیں، لیکن سب سے بڑی پریشانی مالی پریشانی ہے، فادر اس کا کوئی حل ہمارے پاس نہیں ہے ہم لوگ ملازمتوں سے عاری ہیں۔"

"ہوں مجھے اندازہ ہو گیا تھا میں جس حد تک بھی تم لوگوں کی خدمت کر سکتا ہوں اس کے لئے میں تیار ہوں، کچھ وقت بیٹھو اس کے بعد میں تمہیں ایک جگہ بھیجوں گا...... تم لوگ وہاں جا کر ایسے لوگوں سے ملاقات کر لینا جو میری عزت کرتے ہیں اور مجھے اہمیت دیتے ہیں...... وہ تمہاری بھرپور مدد کریں گے اس سلسلے میں۔"

"فادر آپ محبتوں کے پیامبر ہیں اور ہم اس بات کی پوری پوری اُمید رکھتے ہیں کہ آپ ہمارے لئے جو کچھ بھی کریں گے بہتر کریں گے۔"

"تم لوگ بیٹھو میں تمہاری خاطر مدارات کرتا ہوں، اس کے بعد باقی انتظامات بھی۔" اور پھر فادر رونالڈ اُٹھ کر اس کمرے سے باہر نکل گیا، دوسرے کمرے میں پہنچ کر اس نے گارون سے کہا۔

"تم صورت حال کو سنبھال لو اور راکی تم جانتے ہو تمہیں کیا کرنا ہے، باہر گاڑی کھڑی ہوئی ہے لیکن سارا کام ہوشیاری کے ساتھ سرانجام دینا ہے۔"

"جی فادر آپ مطمئن رہیں۔"

"دوسری گاڑی یہاں گیراج میں موجود ہے، پیل تم میرے ساتھ گاڑی ڈرائیو کرو گے۔"

"یس سر! پیل نے کہا۔" تھوڑی دیر کے بعد ان لوگوں کے لئے ایک مشروب پہنچا دیا گیا اور وہ نیاز مندی سے پیل کو دیکھنے لگے۔

"اس کی کیا ضرورت تھی سر!" جان نے کہا۔

"مسٹر جان یہ بات فادر زیادہ بہتر جانتے ہیں کہ کس چیز کی ضرورت تھی اور کس کی

نہیں...... آپ براہ کرم اس سے شغل کیجئے۔" اور پھر وہ لوگ خاموشی سے گردن جھکا کر اپنے گلاسوں میں مشروب انڈیلنے لگے، اس وقت وہ دل سے فادر رونالڈ کے شکر گزار تھے اور ان کے بارے میں بڑے عظیم خیالات رکھتے تھے...... خوش ذائقہ مشروب کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ وہ لوگ لیتے رہے، کچھ دیر کے بعد وہ آہستہ آہستہ اونگھنے لگے تھے...... مشروب پوری طرح ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ ان کی گردنیں ان کے سینوں پر ڈھلک گئیں اور وہ بے ہوش ہو گئے...... پیل چند لمحوں کے بعد آ گیا تھا اور اس نے ان لوگوں کو اٹھا اٹھا کر کمپنی کی اس کار میں بٹھایا جو باہر کھڑی ہوئی تھی، وہ تینوں کار کی پچھلی سیٹ پر اوندھے سیدھے لیٹ گئے...... گارون اس کار کو ڈرائیو کر کے چل پڑا تھا اور اس کے پیچھے دوسری کار چل پڑی تھی، جسے پیل ڈرائیو کر رہا تھا...... راکی اس وقت ان کے درمیان موجود نہیں تھا...... کار آگے بڑھتی رہی، گارون نے ہدایت کے مطابق ریما کراس سے گزر کر کار اس سنسان سڑک پر موڑ دی جو آگے چل کر انڈسٹریل ایریا چلی جاتی تھی...... یہ سنسان سڑک ایک شارٹ کٹ کے طور پر انڈسٹریل کے لئے استعمال ہوتی تھی، لیکن چونکہ مکمل طور پر بنی ہوئی نہیں تھی اس لئے ادھر ٹریفک نہ ہونے کے برابر ہوتا تھا...... تب کار ایک مخصوص جگہ لے جا کر کھڑی کر دی گئی...... بیچ سڑک پر یہ کار کھڑی کی گئی تھی اور گارون منصوبے کے مطابق کار کو روک کر اس سے نیچے اتر گیا، اس نے پیچھے بیٹھے ہوئے تینوں آدمیوں میں سے دو کو سنبھال کر آگے بٹھایا...... ایک کو ڈرائیونگ سیٹ پر اور دوسرے کو اس کے برابر کی سیٹ پر تیسرا پیچھے ہی بیٹھا رہا تھا...... یہ کام کرنے کے بعد اس نے اطمینان سے پیچھے کی طرف دیکھا جس کار میں رونالڈ آ رہا تھا وہ آگے نکل کر رُک گئی تھی، لیکن پیچھے ایک اور گاڑی آ رہی تھی جس کی تیز ہیڈ لائٹس بتاتی تھیں کہ وہ کوئی بڑی گاڑی ہے اور پھر جب وہ قریب آئی تو اسے دیکھ کر اندازہ ہو گیا کہ وہ ایک بہت بڑا آئل ٹینکر ہے جس میں شاید آئل موجود نہیں تھا...... آئل ٹینکر تھوڑے فاصلے پر آ کر رک گیا، اس کی بڑی سیٹ پر دو افراد بے ہوش پڑے ہوئے تھے، ان میں ایک آئل ٹینکر کا ڈرائیور اور دوسرا کلینر، گاڑی یعنی ٹینکر راکی چلا رہا تھا...... پھر فادر رونالڈ اور پیل نیچے اتر آئے...... راکی بھی نیچے آ گیا تھا، ان کے درمیان آپس میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی اور اس کے بعد راکی نے ٹینکر کا اسٹیرنگ سنبھالا اور اسے پیچھے کر لیا، جب کہ فادر رونالڈ اور پیل آگے جا کر اپنی گاڑی میں بیٹھ گئے تھے...... ٹینکر پیچھے ہوا پھر برق رفتاری سے

آگے بڑھا اور پھر دوسرے لمحے اس نے پوری قوت سے آگے کھڑی ہوئی کار کو ٹکر ماری، ار تقریباً بیس فٹ اُچھل کر آگے جا کر ٹکرائی، خاصی بلندی پر پہنچ کر نیچے گری تھی اور سامنے کے حصے کی طرف سے گری تھی، اس لئے اس کے پرخچے اُڑ گئے اور اندر بیٹھے ہوئے تینوں آدمی اس طرح کچل کر مسخ ہو گئے کہ ان کے نقوش بھی باقی نہ رہے، باقی کسر کار میں لگ جانے والی آگ نے پوری کر دی تھی...... وہ آئل ٹینکر خالی تھا ورنہ اس خوفناک تباہی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، کیونکہ خود آئل ٹینکر کا بھی خاصا حصہ تباہ ہوا تھا لیکن چونکہ بڑی گاڑی تھی اور سامنے کا حصہ بھی کافی مضبوط تھا اس لئے ڈرائیور اور کلینر کو بس شیشوں کے ٹکڑے ہی لگے تھے، جب کہ راکی برق رفتاری سے نیچے کود گیا تھا اور کپڑے جھاڑتا ہوا کھڑا ہو گیا تھا...... اس خوفناک تصادم کا نتیجہ برآمد ہو گیا، کار میں موجود تینوں لاشیں جل کر خاکستر ہوئیں، ان کے نقوش تو پہلے ہی کچلے جا چکے تھے اور اب وہ اس طرح کوئلہ ہو گئی تھیں کہ لباس کا نام و نشان بھی مٹ گیا تھا...... کار مسلسل جل رہی تھی، راکی نے کچھ ایسے شناختی کاغذات قرب و جوار میں پھینک دیئے جن سے ان لوگوں کا پتا چل سکتا تھا، یعنی راکی گارون اور پیل کے کاغذات جو اس کمپنی کی طرف سے جاری کئے گئے تھے، اس طرح فادر رونالڈ نے ان تینوں کی موت کی تصدیق کر دی تھی اور اس کے بعد وہ ان تینوں کو دوسری کار میں بٹھا کر وہاں سے چل پڑا تھا...... وہ تینوں سحر زدہ نگاہوں سے فادر رونالڈ کو دیکھ رہے تھے...... تھوڑی دیر کے بعد وہ اسی عمارت میں واپس آگئے، لیکن تینوں فادر سے بہت متاثر نظر آرہے تھے...... ایک بڑے سے کمرے میں پہنچنے کے بعد فادر نے کہا۔

"اور اب تم تینوں اس دُنیا سے جا چکے ہو ابھی سنڈیکیٹ کو بھی اس بات کا علم نہیں ہو گا کہ تم زندہ ہو، اصل میں کام جب بھرپور طریقے سے کیا جائے تو اسی انداز میں کیا جائے کہ دُنیا کو اس کی حقیقت کا پتا نہ لگ سکے، حقیقتوں کا پتا لگ جانے کے بعد کوئی کسی طرح کوئی انتہائی معمولی سی غلطی کر سکتا ہے، جس کے سنگین نتائج برآمد ہوتے ہیں...... یہ میرا طریقہ کار ہے تم تینوں اب اپنے چہروں پر میک اپ کر لو گے، مقامی حکومت کو بہت جلد اس بات کا علم ہو جائے گا کہ کمپنی کی طرف سے جو افراد ہانگ کانگ سے آئے تھے وہ ایک حادثے کا شکار ہو کر ہلاک ہو گئے ہیں...... ٹینکر کا ڈرائیور چاہے کچھ بھی کہتا پھرے کوئی تسلیم نہیں کرے گا اور وہی سمجھا جائے گا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اپنی جان بچانے کے لئے کہہ رہا ہے...... لوگ الٹی

کہانیاں گھڑتے ہی ہیں چنانچہ یہ بات سوچنا بالکل بے مقصد ہو گا، سمجھ رہے ہو نا تم لوگ ابھی ساری باتیں تمہارے سامنے آگئی ہیں، اپنا چہرہ تبدیل کرنے کے بعد تم یہاں نئے سرے سے کام کا آغاز کرو گے...... میرا مطلب ان پانچوں سے ہے...... اب ہم خفیہ طور پر ان کی نگرانی کر کے ان کا جائزہ لیں گے کہ وہ کس قدر کارکردگی کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اس کے بعد ہم ایسے لوگوں کا نام و نشان مٹائیں گے، یہاں سے جو باڑی نامی جگہ میں اس تباہی کا باعث ہیں یوں سمجھ لو کہ اس غیر ملک میں میری سرکردگی میں تم کو وہ کام کرنا پڑے گا جو ہمارا اصل کام نہیں ہے۔"

"لیکن سر یہاں سے سپلائی جس انداز میں رُک گئی ہے اور جو کام یہاں ہو رہے ہیں ان کے ازالے کے لئے بہر طور ہمیں ہی یہ کام سرانجام دینا ہو گا، کیونکہ یہاں کے موجودہ افراد اپنی کوششوں میں ناکام ہو چکے ہیں۔"

"لیکن ہم انہیں ٹائٹل پر رکھیں گے، قربانی کے بکرے سمجھتے ہو نا تم لوگ جن بکروں کو قربان کیا جاتا ہے انہیں پہلے خوب کھلایا پلایا جاتا ہے...... ان لوگوں کو چلتے رہنا چاہیے تاکہ کسی بُرے وقت پر ہم ان کو آسانی سے قربان کر دیں۔"

"یس سر!" ان تینوں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی اور فادر رونالڈ نے چند لمحوں کے بعد آنکھیں بند کر لیں، پھر وہ چونک کر بولا۔

"تم لوگوں کے پاس میک اپ کا سامان موجود ہے۔"

"نن نہیں فادر۔"

"میں نے اس کا بندوبست کر لیا ہے، جاؤ میں اپنے ہاتھوں سے تمہارے چہروں پر میک اپ کروں گا، گارون تم اس بڑے کمرے میں جو براؤن رنگ کی الماری ہے اس میں ایک لکڑی کا بکس رکھا ہوا ہے اسے اُٹھا کر لے آؤ۔"

"یس فادر!" گارون نے کہا اور تیزی سے مڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا، باقی دونوں افراد دلچسپ نگاہوں سے فادر کو دیکھ رہے تھے...... رونالڈ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن میرا چہرہ ابھی اسی طرح رہنے دو کیونکہ ابھی مجھے اس سے بہت سے فائدے حاصل کرنا ہیں...... کم از کم ان لوگوں سے جو میرے عقیدت مند ہیں۔" رونالڈ نے کہا اور قہقہہ مار کر ہنسنے لگا لیکن اس ہنسی میں بھیڑیوں جیسی غراہٹ تھی جس طرح اس نے تین افراد

کو زندگی سے محروم کر دیا تھا اور افراد بھی ایسے جو خود زندگی کی خوشیوں سے محروم تھے اُن سے اس کی وحشت اور درندگی کا پتا لگتا تھا، بہر حال یہ بات طے تھی کہ شہاب کو ایک ایسے عفریت کے گروہ سے واسطہ تھا جو نجانے کیسی کیسی صورتوں میں خوفناک ثابت ہو سکتے تھے۔

بینا کو اعتراف تھا کہ دُنیا کا کوئی بھی انسان خود پر گزرے ہوئے لمحات سے واقفیت حاصل کئے بغیر کسی احساس کا صحیح تجزیہ نہیں کر سکتا...... ویسے تو نجانے کس کس کی زندگی کس کس طرح گزرتی ہے...... مرد ہو یا عورت، تجربات تو سب کو ہی ہوا کرتے ہیں اور جب تک یہ تجربات خود اپنی زندگی میں نہ ہو جائیں ان کی صحیح کیفیتوں کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ عدنان واسطی صاحب ایک منفرد شخصیت کے مالک تھے...... وکیل تھے اور اس بات کی اہمیت کو جانتے تھے، خیر اپنے پیشے کی اہمیت سے سبھی واقف ہوتے ہیں اور یہ بھی ایک سچائی ہے کہ ہر پیشہ اپنا ایک مقام اپنا ایک وقار رکھتا ہے، اب یہ الگ بات ہے کہ اسے اپنے طور پر کوئی بھی شکل دے دی جائے، اس سے پیشے کا وقار مجروح نہیں ہوتا، بات وہی ذاتیات کی آجاتی ہے عدنان واسطی نے ایک طریقہ کار اپنایا اور اس کے مطابق زندگی گزاری، یہ بھی شکر تھا کہ اپنی گاڑی اس لئے بھی آسانی سے دھکیل لے گئے کہ افراد خانہ زیادہ نہیں تھے، لے دے کر ایک بیٹی تھی، میاں بیوی تین افراد پر مشتمل زندگی کو نہایت سادگی سے اپنے دل میں پیشے کا وقار رکھتے ہوئے گزار دیا تھا، اب یہ آخری لمحات تھے جب زندگی کی وہ تمام آسائشیں انہیں حاصل ہوئی تھیں، لیکن پھر بھی انہوں نے ان تمام چیزوں کے باوجود اپنا یہ قدیم گھر نہیں چھوڑا تھا اور اس مین انہوں نے اپنا قیام باقی رکھا تھا...... بینا کو بھی انہوں نے وکالت ہی پڑھائی تھی اور بینا خصوصی طور پر اس لئے کہ بیٹی تھی باپ کے مقاصد سمجھنے کے بعد ان کے لئے خوشیوں کا باعث بنی تھی ورنہ بیٹے کبھی کبھی منحرف بھی ہوتے ہیں، پھر زندگی کے مختلف مراحل طے ہوئے تھے اور بظاہر کوئی ایسی مشکل پیش نہیں آئی تھی جس کے لئے اُلجھنوں کا سامنا کرنا پڑا ہو...... یہاں تک کہ شہاب ان کی زندگی میں آگیا اور زندگی کے تلخ ترین حقائق سے واقف ہونے کے باوجود بینا کو یہ احساس ہوا کہ محبت ہی ایک ایسا جذبہ ہے جس کی بہر طور ایک اہمیت ہوتی ہے اور اس جذبے کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا...... وہ لازمی طور پر زندگی میں شامل ہوتا ہے...... شہاب بھی اس سے متاثر ہو گیا اور اس کے بعد زندگی کے پر لطف معاملات جاری ہو گئے، حالانکہ دونوں کے ذہنوں میں یہ بات تھی کہ ذہنی

...ں کو یکجا رکھا جائے گا اور کسی ایسے وقت کا انتظار کیا جائے گا جب یہ ضرورت محسوس ...اب گھر بھی ایک ہو جائیں لیکن بینا کے کچھ الفاظ نے شہاب کو احساس دلایا تھا کہ بینا ہر ...ح کے تعاون کے باوجود ایک نسوانی خوف کا شکار ہے اور یہاں پھر اپنی انا بہت سے قدم ...چے چلی جاتی تھی، چنانچہ شہاب نے بینا کا یہ خوف دل سے دُور کر دیا تھا اور بینا کو یہ احساس ہوا ...کہ بے شک یہ سب کچھ شہاب کی فطرت کے خلاف لیکن اس کی محبت سے منسلک ہے اور اس احساس کو نظر انداز نہیں کر سکی تھی اور اب زندگی کی ایک انوکھی کیفیتوں سے دوچار ...ر ہی تھی...... شہاب کے گھر کا ماحول بھی شہاب کی فطرت سے مختلف نہیں تھا...... ظاہر ... شخصیتوں کی تشکیل والدین سے ہی ہوتی ہے اور والدین کے ترتیب دیئے ہوئے ماحول ...ے یہاں کی یہی کیفیت تھی...... ثریا بھابی محبتوں کا مینارہ تھیں، اس طرح انہوں نے بینا کو ...ذات میں سمو لیا تھا کہ بینا اس بات کو بھول گئی تھی کہ وہ تنہا ہے اور اس کی کوئی بہن نہیں ...ہے...... بہر حال نہ صرف ثریا بلکہ شہاب کی بہن فائق حسین نعیمہ بیگم واثق کون تھا جس کی ...کوئی منفرد شخصیت نہ ہو اور جس کی شخصیت کو محبتوں کا تاج محل نہ کہا جا سکے...... بینا بہت ...ش تھی، شہاب اپنے طور پر مصروف ہو گیا تھا، حالانکہ بینا یہ نہیں چاہتی تھی کہ معطل ...جائے...... لیکن بہر حال گھر میں ذمہ داریاں بھی ایک الگ نوعیت کی حامل ہوتی ہیں اور ...ی یہ سب کچھ مناسب بھی نہیں تھا...... نعیمہ بیگم بہر حال یہ بات تو نہیں جانتی تھیں کہ ...لوگوں کی شخصیت کیا ہے اور انہیں زندگی کے کیسے کیسے کٹھن معاملات سے گزرنا پڑا ...... وہ بہر طور ساس تھیں اور بہو کو پھولوں سے زیادہ نرم و نازک سمجھتی تھیں...... بینا ...خود بھی اس سلسلے میں کوئی ضد نہیں کی تھی بلکہ ایک آدھ بار جب اس نے شہاب سے ...معاملے میں خود بھی متعلق ہونے کے لئے کہا تھا تو شہاب کی مرضی نہ پا کر خاموش ہو گئی ...لیکن مسکراتی ہوئی وہ کبھی سوچ لیا کرتی تھی کہ واقعی شہاب جو کہا کرتا تھا وہی درست ......زندگی کا دوسرا رُخ اختیار کرنے کے بعد پہلے رُخ سے منہ موڑنا ہو گا...... بینا مسلسل ...سوچوں میں مصروف تھی کہ اس پہلے رُخ سے منہ نہ موڑا جائے بلکہ کوئی ایسی ترکیب نکالی ...ئے جس سے دونوں مسائل حل ہو جائیں، ویسے بہر حال وہ اس زندگی سے ناخوش نہیں ...اس وقت بھی وہ اپنے بیڈ روم میں جا بیٹھی ہوئی تھی...... شہاب ابھی تک انہی معاملات ...مصروف تھا جن معاملات نے انہیں زندگی کے اس روپ میں پیش کر دیا تھا اور وہ ایک

دوسرے سے منسلک ہوگئے تھے...... دانی شاہ کا کیس ابھی ختم نہیں ہوا تھا بلکہ شاید یہ کیس تھا جو پیچیدگیوں پر پیچیدگیاں اختیار کرتا جارہا تھا...... ٹیلی فون کی گھنٹی بجی، یہ ڈائریکٹ ٹیلی فون تھا جو شہاب کے نام پر تھا، ویسے تو یہاں پرانا ٹیلی فون بھی تھا لیکن شہاب نے اپنے نام سے حاصل کیا ہوا ٹیلی فون اہم ضروریات کے لئے بینا کے کمرے میں لگوادیا تھا بہرحال ان دونوں کی لائن ڈائریکٹ ویسے بھی ہونی چاہئے تھی، بینا یہی سمجھی تھی کہ شہاب کا ٹیلی فون ہوگا...... ریسیور اٹھایا اور مسکراتے ہوئے بولی۔

"ہیلو۔"

"جی میں مسٹر شہاب ثاقب سے بات کرنا چاہتی ہوں۔" ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

"معاف کیجئے گا شہاب صاحب تو اس وقت موجود نہیں ہیں۔"

"آپ کون بول رہی ہیں۔"

"میں مسز شہاب ہوں۔"

"مسز شہاب۔"

"جی...... دوسری طرف چند لمحات کے لئے خاموشی چھاگئی تو بینا نے کہا۔

"اور میرا تعلق بھی محکمہ پولیس سے ہی ہے، میں اسی ڈیپارٹمنٹ کی ایک عہدے دار ہوں...... اگر کوئی ایسی بات جو خاص اہمیت کی حامل ہو اور آپ مسٹر شہاب سے ہی کہنا چاہتی ہیں تو میرا خیال ہے اس کے بعد آپ مجھ پر بھروسہ کرسکتی ہیں۔"

"دیکھئے بات اصل میں یہ ہے۔"

"نہیں بی بی جھجکنے کی ضرورت نہیں...... میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ اگر آپ یہ محسوس کرتی ہیں کہ بات کا تعلق صرف شہاب سے ہے تو آپ ان سے کہہ دیجئے گا...... ورنہ آپ مجھے ساری تفصیل بتاسکتی ہیں۔"

"آپ مجھے ایک بات بتایئے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"جی۔"

"کیا آپ میری بات صیغہ راز میں رکھ سکتی ہیں۔"

"ہم لوگوں کے دل مقبرے ہوتے ہیں۔"

"آپ کے آس پاس تو کوئی موجود نہیں ہے۔"

"نہیں میں اپنے بیڈروم میں تنہا ہوں۔"

"آپ کی شادی کو کتنا عرصہ ہوا۔"

"چند روز کہہ لیجئے۔"

"اوہو کیا حال ہی میں ہوئی ہے۔"

"ہاں۔"

"تو میری طرف سے مبارک باد قبول کیجئے۔"

"شکریہ۔"

"میں کچھ ایسے حالات کا شکار ہوں کہ آپ کو اپنا نام بھی نہیں بتارہی، ویسے کیا آپ مجھے اپنا نام بتاسکتی ہیں۔"

"بینا شہاب۔"

"آپ نے یہ کیوں نہیں پوچھا کہ میں نے آپ کو اپنا نام کیوں نہیں بتایا۔"

"بی بی آپ کہہ چکی ہیں کہ آپ کسی اُلجھن کا شکار ہیں۔"

"آپ یقین کریں کہ میں بہت پریشان ہوں کہ شاید دُنیا میں کوئی اس قدر پریشان ہوا ہو۔"

"کاش میں آپ کی پریشانی دُور کرسکوں اور کاش آپ مجھ پر اعتبار کرسکیں۔"

"دیکھئے ویسے تو اصولی طور پر کچھ مشورے ایسے ہوتے ہیں جو صرف وکیلوں سے کئے جاتے ہیں...... اگر میں یہ کہوں کہ میں نے بس آپ کو اپنا وکیل منتخب کرلیا ہے تو کیا آپ میری یہ بات مان لیں گی۔" بینا ہنسنے لگی پھر بولی۔

"بی بی اگر آپ کسی قسم کا مذاق کررہی ہیں تب بھی مجھے یہ مذاق برا نہیں لگ رہا...... کہے جایئے میں فرصت سے ہوں ویسے میں آپ کو یہ بتادوں کہ میں نے وکالت بھی پڑھی ہے اور اس سے پہلے میں وکالت ہی کرتی رہی ہوں۔"

"اوہ ویری گڈ لیکن ایک بات آپ ذہن سے نکال دیجئے گا آپ کو خدا کا واسطہ یہ نہ سوچئے گا کہ میں آپ سے کسی قسم کا مذاق کررہی ہوں یا صرف ٹیلی فون پر فلرٹ کرنے والی لڑکیوں میں سے ہوں، جو صرف ٹیلی فون کے ریسیور میں پھونکیں مار مار کر اپنی زندگی کا اظہار کرنا چاہتی ہیں اور میں ان بزدل اور بے وقوف لڑکیوں میں سے نہیں ہوں۔"

"ٹھیک ہے آپ بولتی رہئے۔"

"میں...... میں ایک بہت بڑی مشکل کا شکار ہوں اور اسی وجہ سے میں آپ کو بارے میں تفصیل سے نہیں بتارہی۔"

"کوئی بات نہیں آپ کہئے بات کیا ہے۔"

"میں نے کہا نا میں آپ سے کچھ سوالات کرنا چاہتی ہوں۔"

"تو کیجئے میں نے کب منع کیا ہے۔"

"فرض کیجئے ایک چھوٹا سا خاندان ہے، کچھ بھائی کچھ بہنیں یا بہنیں نہ سہی کئی بھائی کی ایک بہن ایک اچھی محبت کرنے والی ماں...... ایک بہت ہی شفیق چاہنے والا باپ جس کے بارے میں بیٹی نے ہمیشہ یہ سوچا ہو کہ اس کا باپ انسانیت کے نقطہ نظر سے ایک قطب مینار ہے، اتنا بلند کہ اس کے آخری سرے تک دیکھا بھی نہ جاسکے...... اس گھرانے کے بیٹے اس لڑکی کے بھائی بھی اسی احساس کا شکار کہ وہ بہت اچھے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ان کے ماں باپ دُنیا کے عظیم ترین لوگ ہیں...... پھر اچانک ہی کچھ ایسی منحوس گھڑیاں آتی ہیں جب اچانک ہی ایک بھائی اور ایک بہن پر یہ انکشاف ہوتا ہے کہ ان کا باپ ایک مجرم ہے...... ایک ایسا شخص جو معاشرے کے بدترین جرائم کررہا ہے...... دیکھئے میں آپ کو ایک بات بتاؤں مس بینا......! سوری مسز شہاب کہ انسان اپنے ذہن میں کسی کے لئے ایک تصور بناتا ہے، یہ تصور آسمانی ہوتا ہے اور اس کی سوچیں انتہا تک پہنچی ہوتی ہیں اور پھر اچانک یہ سوچیں ٹوٹتی ہیں تو آپ خود غور کیجئے کہ اس کے دل کی کیا کیفیت ہوتی ہوگی۔"

"ہاں بے شک۔"

"تو انہیں احساس ہوتا ہے کہ ان کا باپ ایک معاشرتی مجرم ہے۔"

"معاشرتی مجرم سے آپ کی کیا مراد ہے۔"

"ہاں میں وہی بتارہی تھی لیکن بتاتے بتاتے بھول گئی تھی، میں اصل میں یہ کہہ رہی تھی کہ کوئی شخص ایک جذباتی گناہ کرلیتا ہے...... ایک ایسا آدمی جس کے بارے میں، میں نے ابھی آپ سے کہا کہ وہ بیٹی اور بیٹوں کے لئے قطب مینار کی حیثیت رکھتے ہیں، اس سے کوئی ہلکا پھلکا جرم سرزد ہوجاتا ہے یا کوئی سخت جرم جیسے قتل وغیرہ حالانکہ قانون سے محبت وطن سے محبت کا ثبوت ہوتی ہے...... قانون کی پابندی کرنا یہ سمجھ لیجئے کہ وطن دوستی کا ثبوت ہے؟

ہم اپنے وطن ہی کے دشمن ہیں تو وطن کے قانون سے وطن کی زمین سے وطن کے لیے وطن کی تمام ضروریات سے محبت کرتے ہیں اور اس کا خیال رکھتے ہیں تو میں کہہ رہی تھی کہ ایسا ایک شخص کسی بڑے جرم کا مرتکب ہوجاتا ہے اور وہ جرم صرف چند افراد کے لئے قابل تکلیف ہوتا ہے تو بہت زیادہ محبت کرنے والے اپنے اندر جرم کا احساس چھپا کر اپنے باپ کے جرم کی وہ پوشی بھی کرسکتے ہیں، حالانکہ ان کے اپنے ضمیر مجروح ہوجاتے ہیں اور وہ ہمیشہ یہ سوچتے رہتے ہیں کہ بہرحال انہوں نے اپنے وطن سے غداری کی ہے لیکن ایک جرم جو جرم مسلسل ہو اور ہم وطنوں کا قتل عام کرتا ہے اور وطن کی معیشت وطن کی تابانی کو داغدار کرتا ہے اور جرم مسلسل جاری رہتا ہو تو آپ مجھے بتائیے کہ کیا ان بچوں کو اپنے باپ کو معاف کردینا چاہئے۔"

"ہرگز نہیں۔" بینا نے ایک لمحے سوچے بغیر کہا۔

"نہیں نا۔"

"ہاں بالکل نہیں اگر وہ بچے جیسا کہ آپ نے کہا مس جو محبِّ وطن ہیں اور یہ بھی احساس رکھتے ہیں کہ جرم مسلسل اور وطن سے غداری کا کوئی بدل نہیں ہے تو پھر انہیں چاہئے کوئی بھی رشتہ ہو مجرم سے وطن دوستی کا ثبوت دینا چاہئے۔"

"چاہے وہ ان بچوں کا باپ ہی کیوں نہ ہو۔"

"ہاں۔"

"اور مذہب کیا کہتا ہے اس بارے میں۔"

"میں مذہبی نہیں ہوں لیکن اگر یہ سوال کرنا ہے تو اپنے ضمیر سے پوچھ لیجئے گا ضمیر آپ کو بتادے گا کہ خدا کی مخلوق کو نقصان پہنچانا چاہئے، اس کا محرک کوئی بھی ہو ناقابل معافی ہے اور اسے معاف نہیں کیا جاسکتا۔"

ایک بار پھر دوسری طرف خاموشی طاری ہوگئی تھی، بینا چند لمحات انتظار کرتی رہی پھر بولی۔

"ہیلو۔"

"ہاں میں فون پر ہوں بند نہیں کروں گی جب تک آپ کو اطلاع نہ دے دوں مسز شہاب۔"

"اب مجھے سوالات کرنے کا حق دیں گی آپ۔"

"جی جی فرمایئے۔"

"آپ نے اپنا نام تو بتایا نہیں ہے چلئے آپ بتا دیجئے کہ ایسا کوئی واقعہ آپ کے ساتھ پیش آیا ہے۔"

"ہاں...... دوسری طرف سے آنے والی آواز میں بے پناہ درد چھپا ہوا تھا اور بینا نے اچھی طرح محسوس کیا تھا کہ یہ درد مصنوعی نہیں ہے وہ جو کوئی بھی تھی اس احساس سے شکار تھی بینا نے چند لمحے توقف کیا پھر بولی۔

"بی بی آپ کے بارے میں صرف اتنا کہہ سکتی ہوں میں کہ آپ ایک آئیڈیل شخصیت ہیں، میں نہیں جانتی کہ آپ کے والد صاحب کیسی برائیوں میں مبتلا ہو گئے ہیں، کن مشکلات اور کس اُلجھن میں پڑ گئے ہیں لیکن اتنا میں جانتی ہوں کہ آپ کی رگوں میں وہ گندا خون نہیں ہے جو ایسی چیزوں کو برداشت کرے...... بی بی اس کی وجہ جانتی ہیں کیا ہو سکتی ہے، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ خود آپ کے والد بھی برے انسان نہیں ہیں، وہ کیسے اور کیوں...... ایسا کرنے پر مجبور ہوئے جو آپ کی نگاہ میں اس قدر شدید ہے...... بی بی جب آپ نے مجھ سے رابطہ قائم کیا ہی ہے تو آپ کو مشورہ دیتی ہوں صرف ایک دوستانہ مشورہ کہ مجھے حقیقتوں سے روشناس کرایئے میں آپ کی بھرپور مدد کروں گی، اگر آپ نے شہاب صاحب سے رابطہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور اسی فیصلے کے تحت انہیں ٹیلی فون کیا ہے تو اب میں آپ کو ایک بیوی کی حیثیت سے ہی نہیں ایک محبِّ وطن شخص کی حیثیت سے ایک ایک پولیس آفیسر کی حیثیت سے یہ بتا رہی ہوں کہ شہاب ثاقب صاحب نے اپنی زندگی کا مقصد بنایا ہے یہ کہ جو جرم ان کی نگاہوں میں آئے گا تو اس کے لئے وہ زندگی کی بازی لگا دیں گے، ہم دونوں ایسا ہی کرتے ہیں اور ہمیں زندگی کی پروا نہیں ہوتی، سمجھ رہی ہیں نا آپ آپ وطن پرستی کے جذبے سے مجبور ہو کر اپنے والد صاحب کے جرائم سے خوفزدہ بے دھڑک آپ مجھے اس کے بارے میں بتایئے اور میں آپ سے ایک انسان کی حیثیت سے وعدہ کرتی ہوں کہ اتنا زبردست تعاون کروں گی کہ آپ سوچ بھی نہیں سکیں گی۔"

"سنئے اصل میں بات یہ ہے کہ خود میرے والد صاحب نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ میں آپ سے رابطہ قائم کروں اور ایک بات اور بھی ہے۔"

"جی جی بتایئے۔"

"اس میں ہمارا ہی نہیں آپ کا بھی مسئلہ پوشیدہ ہے، یعنی یہ کہ میں کیا بتاؤں آپ کو کیسے بتاؤں میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔"

"دیکھئے اب میں آپ سے آخری مرتبہ بات کہہ رہی ہوں...... یہ گفتگو خاصی طویل ہو گئی ہے، آپ کو خود بھی اس کا احساس ہوگا، اگر آپ انسانیت پر بھروسہ کرتی ہیں تو مجھے اپنی مشکل سے آگاہ کریں، اپنے بارے میں مفصل طور سے بتائیں اور میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کے بتائے ہوئے لفظوں کو صیغہ راز میں رکھوں گی، مجھے آپ سے بے پناہ ہمدردی ہے...... اگر مصلحت پسندی میں گرفتار ہو کر آپ نے مجھے اپنے بارے میں نہ بتایا تو اپنے نقصان کی ذمہ دار آپ خود ہوں گی، کیونکہ بہرحال ہم لوگ بھی انسان ہیں اور یہ پسند نہیں کرتے کہ ہم پر بے اعتباری کی جائے اور اس کے باوجود ہم کسی کا ساتھ دیں۔"

"میں سمجھتی ہوں...... آپ ایک کام کر سکتی ہیں بینا صاحبہ۔"

"جی کہئے۔"

"دیکھئے میرا نام صدف ہے، میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں، کسی ایسی جگہ جہاں مطلب ہو کہ صرف میں اور آپ پہلے آپ میری تمام باتیں سن لیں مجھے بڑی بہن کی مانند مشورہ دیں بات ایسی نہیں ہے کہ اسے نظرانداز کیا جا سکے، دیکھئے میں نے آپ کو پہلے بھی کہا ہے کہ اس میں ہمارا ہی فائدہ نہیں آپ کا بھی فائدہ ہے...... میں آپ کو شہاب صاحب کے بارے میں بہت سے خطرات سے بھی آگاہ کرنا چاہتی ہوں جن میں شہاب صاحب کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔"

"ہم زندگی اور موت کا معاملہ صرف اللہ پر چھوڑتے ہیں اور ہمیں اس بات کی پروا نہیں ہوتی کیونکہ وہ ہمارا کام نہیں ہے جس کا کام ہے وہی جانتا ہے کہ اسے کیا کرنا ہے، اس لئے ہمیں اس بات کی بالکل پروا نہیں ہے نہ مجھے نہ شہاب صاحب کو باقی کوئی ایسا مسئلہ جو ملکی مفاد سے تعلق رکھتا ہے اگر ہے تو آپ ضرور مجھے اس سے آگاہ کریں۔"

"آپ مجھ سے ملاقات کر سکتی ہیں۔"

"ہاں کیوں نہیں۔"

"کوئی ایسی جگہ ہے آپ کے پاس اصل میں کسی پبلک مقام پر یہ ملاقات نہیں کی

جا سکتی۔"

"ہاں میرے پاس جو جگہ ہے بشرطیکہ آپ اس کے لئے تیار ہوں۔"

"نہیں میں ایک خود اعتماد لڑکی ہوں اور ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ میں اپنے آپ سے خوفزدہ ہو جاؤں۔"

"تو ٹھیک ہے پھر صدف آپ کب اور کہاں مجھ سے ملاقات کر رہی ہیں۔"

"یوں کر لیجئے کہ کل کسی مناسب وقت آپ مجھے بتا دیجئے میں آپ کی بتائی ہوئی جگہ پہنچ جاؤں گی، ہم دونوں ایک دوسرے سے اپنی شناخت کرائے دیتے ہیں، وہاں سے آپ مجھے اپنے ساتھ لے لیجئے گا اور پھر کسی مناسب جگہ۔"

"ہاں ٹھیک ہے تو کل آپ ایسا کیجئے کہ ہوٹل مارکو پولو پہنچ جایئے۔"

"میں نے مارکو پولو دیکھا ہے، لیکن ہوٹل کے اندر میں تنہا نہیں جاتی۔"

"آپ ہوٹل کے اندر نہ جایئے، مارکو پولو کے سامنے ایک ایڈورٹائزنگ کمپنی کا بڑا بورڈ لگا ہوا ہے۔"

"جی ہاں بالکل ہے۔"

"آپ بس اس کے نیچے کھڑی ہو جایئے، میں وہاں آ جاؤں گی۔"

"میں آپ کی شناخت کیسے کروں گی۔"

"میں سبز لباس پہنے ہوئے ہوں گی۔"

"بس پھر ٹھیک ہے اور میں ہلکے پیازی رنگ کا سوٹ پہنوں گی، میرا نام صدف ہے یاد رکھئے گا۔"

"او کے صدف۔"

"اچھا پھر خدا حافظ ہماری گفتگو کافی طویل ہو گئی ہے۔"

"ٹھیک ہے خدا حافظ۔" بینا نے کہا اور دوسری طرف سے لائن بے جان ہونے کے بعد خود بھی ٹیلی فون کا ریسیور رکھ دیا، وہ ایک عجیب سی کیفیت میں مبتلا ہو گئی تھی، اس کا ذہن برق رفتاری سے عمل کر رہا تھا...... لڑکی کی آواز اس کے الفاظ اس کا لہجہ اس نے نگاہوں کے سامنے رکھا تھا اور اب اس پر غور کر رہی تھی، زیادہ تجربہ تو نہیں تھا لیکن شہاب کی صحبت میں جتنا وقت گزار چکی تھی اس سے حالات کے بارے میں تھوڑا بہت اندازہ لگا سکتی تھی اور

کا اندازہ غلط نہیں تھا تو لڑکی نے جو کچھ کہا تھا وہ سچ اور سادگی پر مبنی تھا، کوئی فریب کی بات تھی اور بظاہر ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے واقعی ایک عجیب سی کیفیت اس کے دل میں ہو، کرنا چاہئے شہاب واپس نہیں آیا تھا اور شاید مصروفیت کچھ زیادہ ہی تھی، کہہ کر گیا تھا کہ ہے ساری رات مصروف رہے، اس لئے بینا انتظار نہ کرے اور بینا نے یہ نہیں پوچھا تھا رات کی مصروفیات کیا ہوں گی۔ بہرحال شہاب سے اس کو ہر طرح کا اطمینان اور اعتماد وہ جانتی تھی کہ شہاب کا عشق صرف دو چیزوں سے ہے...... بینا سے اور اپنے مقصد سے بینا کو اس پر مکمل اعتماد تھا، لیکن لڑکی کی داستان نے اسے خاصی الجھنوں کا شکار کر دیا تھا، پتا یں بے چاری کون ہے اور اس کا باپ کون سے جرم میں گرفتار ہو گیا ہے...... ویسے لڑکی کا ٹیلی فون پر گفتگو کرنے کا انداز [illegible] بات کا اظہار کرتا تھا جو کچھ بھی ہے اس کا تعلق کسی ھے لکھے اور شاید دولت مند گھرانے سے ہی ہے...... ایسے ٹیلی فون ہر کسی [illegible] مقام سے ہیں کئے جا سکتے بلکہ اپنی خواب گاہوں میں ہی ایسی گفتگو کی جا سکتی ہے، پھر اس کا ذہن دوسری ب مڑ گیا اس نے کچھ عجیب سی بات کہی ہے کہ خود انہیں ہی اس کا کوئی فائدہ حاصل نہیں گا بلکہ شہاب کو بھی، شہاب کی زندگی کو بھی، کیا مطلب ہوا اس بات کا اوہ میرے خدا کہیں گفتگو کا تعلق انہی واقعات سے تو نہیں ہے جن کے خلاف شہاب آج کل کام کر رہا ہے سکتا ہے...... بینا نے سوچا بات تو اس نے بے شک درست کہی تھی کہ زندگی اور موت کا لق صرف حالات سے ہوتا ہے اور انسان خود اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا، ن بہرحال احتیاط بھی ضروری ہوتی ہے، اب شہاب واپس آ جائے تب ہی آگے کا پروگرام تیب دیا جا سکتا ہے۔

شیخ سلطان نے ڈاکٹر حیات کا ٹیلی فون نمبر ڈائل کیا اور ریسیور کان سے لگالیا...... ڈاکٹر حیات کو اس وقت کلینک میں ہی ہونا چاہئے تھا...... کلینک اب بھی ایک محفوظ جگہ تھی صرف اس خیال سے کہ وہاں دن رات کام ہوتا تھا اور ڈاکٹر حیات نے کئی لائنیں لی ہوئی تھیں...... بہر حال چند لمحات کے بعد اس کا رابطہ ڈاکٹر حیات سے ہو گیا۔

"میں ایم ایس بول رہا ہوں۔"

"اوہو شیخ سلطان خیریت کیا بات ہے۔"

"کیا ہو گیا ہے تمہیں۔" شیخ سلطان نے کہا۔

"کیوں۔" ڈاکٹر حیات کی آواز اُبھری۔

"حالانکہ تم ہی سختی سے اس بات کی پابندی کرتے تھے کہ اپنے اصل ناموں سے منظر عام پر نہ آئیں۔"

"شیخ سلطان میں سخت بددل ہوں...... تم نہیں جانتے کہ راتوں کو انجکشن لے کر سوتا ہوں ورنہ سونے کی ہلکی پھلکی دوائیں مجھ پر بے اثر ہیں۔"

"اس قدر جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ڈاکٹر حیات بہر حال ہم لوگ ایک ہی کشتی کے سوار ہیں، یہ بتاؤ کچھ معلوم ہوا یا نہیں۔"

"کیا؟"

"کوئی اہم بات معلوم ہوئی۔"

"خدا کے لئے اس انداز میں گفتگو نہ کرو...... کون سی اہم بات کی بات کر رہے ہو۔"

"اس حادثے کے بارے میں کہیں سے تمہیں اطلاع ملی یا نہیں۔"

"اوہ...... میرا سر چیخ جائے گا...... کس حادثے کی بات کر رہے ہو تم خدارا مجھے بتاؤ۔"

"وہ تینوں میرا مطلب ہے کہ روکی پیل اور گارون کیا تمہیں ان کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکیں۔"

"نہیں کیوں خیریت۔"

"تینوں ہلاک ہو گئے۔"

"کیا؟" ڈاکٹر حیات کے ہاتھ سے شاید ریسیور چھوٹتے چھوٹتے بچا تھا...... پھر اس کی خوفزدہ آواز سنائی دی۔

"ہلاک...... ہلاک...... ہلاک ہو گئے۔"

"مم مگر کک کیسے...... کک کیا پولیس۔"

"نہیں۔"

"اوہ تو پھر۔" ڈاکٹر حیات نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"ایک ایکسیڈنٹ ہوا ہے ان کا۔"

"ایکسیڈنٹ؟"

"ہاں۔"

"مم...... مگر براہ کرم مجھے تفصیل تو بتاؤ۔"

"تمہیں یہ بات معلوم ہے کہ وہ تینوں یہاں ایک کمپنی کے انجینئر کی حیثیت سے پہنچے تھے اور کمپنی کے افراد نے انہیں ایک طرح سے یہاں بلایا تھا۔"

"ہاں۔"

"رات کو وہ اسی کمپنی کی کار میں کہیں جا رہے تھے کہ ایک آئل ٹینکر سے ان کی شدید ٹکر ہوئی کہ وہ تینوں ہلاک ہو گئے، ان کی لاشیں جل کر سیاہ ہو گئیں...... آئل ٹینکر ڈرائیور کو گرفتار کر لیا گیا ہے، وہ پولیس کی تحویل میں ہے، وہ تو شکر ہے کہ آئل ٹینکر خالی تھا مگر وہ تینوں زندہ نہ بچ سکے...... ڈاکٹر حیات کچھ لمحے خاموش رہا...... دوسری جانب شیخ سلطان بھی خاموش رہا تھا، پھر ڈاکٹر حیات کی آواز اُبھری۔"

"شیخ سلطان۔"

"ہوں۔"

"کیا یہ ایک طرح سے بہتر نہیں ہوا۔"

"موجودہ حالات میں اپنے آپ کو سنبھالنے کے لئے ان لوگوں کی آمد اور ہم پر دباؤ ایک مناسب عمل تھا۔"

"تم وہی بات کر رہے ہو ڈاکٹر حیات جس کے لئے میں نے تمہیں منع کیا تھا۔"

"اوہ تم سمجھتے کیوں نہیں ہو...... ہم شدید مشکلات کا شکار ہو گئے تھے...... وہ لوگ ہمارے بارے میں سنڈیکیٹ کو جو رپورٹ دیتے اس کے نتائج پر ہم بحث کر چکے ہیں کہ ہماری موت کی شکل میں بھی نکل سکتے تھے...... ان کا حادثہ ہو گیا، اب کمپنی ہی ان شناساؤں کو اطلاع دے گی جو ان سے متعلق ہیں اور اس کے ذریعے یہ اطلاع سنڈیکیٹ کو پہنچے گی...... سنڈیکیٹ اگر ہم سے رجوع کرے گی تو ہم جانتے ہو کیا جواب دیں گے۔"

"کیا؟"

"ہم یہ ہی کہیں گے کہ ظاہر ہے وہ ہمارے لئے محترم تھے اور ہم ان پر کوئی پابندی عائد نہیں کر سکتے تھے، ان کے اپنے مشاغل ایسے تھے جن پر ہمیں خود بھی اعتراض تھا...... مثلاً شراب کے نشے میں دھت ہو کر وہ ڈرائیونگ کیا کرتے تھے اور ہم نے انہیں ہر طرح کی پیش کشیں کیں لیکن انہوں نے ہم پر دباؤ ڈالتے ہوئے یہ ہی کہا کہ وہ جس مشن پر آئے ہیں اس کے بارے میں اچھی طرح جانتے ہیں، ہم صرف اپنے کام سے کام رکھیں۔"

"یہ تو ٹھیک ہے مگر اس سے فائدہ کیا ہو گا۔"

"یار کمال کرتے ہو فائدہ بے شک کوئی بڑا نہیں ہو گا لیکن ہمیں سنبھل کر کچھ کام کرنے کے لئے وقت تو مل جائے گا...... ابھی تو ان لوگوں کی آمد نے اور ان کے سوالات نے ہمارا ناک میں دم کر رکھا ہے۔"

"ہونہہ مگر اس کا ایک اور پہلو بھی تو ہے۔" ڈاکٹر حیات شیخ سلطان نے کہا۔

"وہ کیا؟"

"ہم یہ بھی سوچ سکتے ہیں کہ حادثہ اتفاقی نہیں ہو سکتا۔"

"تو تمہارا کیا مطلب ہے۔"

"دیکھو...... وہ لوگ کمپنی کی کار میں جا رہے تھے...... آئل ٹینکر نے انہیں ٹکر ماری، گاڑی تباہ ہو گئی، اس میں آگ لگ گئی اور وہ لوگ ہلاک ہو گئے سمجھ رہے ہو ناں تم کیا یہ

سب کچھ بلا وجہ ہے...... یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہیں ہلاک کیا گیا ہو۔

"کس نے ہلاک کیا ہو گا انہیں؟"

"یہ ہی تو ابھی سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

"ہونہہ بہر حال اب جو کچھ بھی ہے لیکن ایک بات بتاؤ۔" ڈاکٹر حیات نے کہا۔

"ہاں بولو کیا؟"

"جو کام اس دن ہمارے اور تمہارے درمیان طے ہوا تھا اس کے لئے کیا رہا۔"

"یعنی؟"

"بھئی ذمہ داری جو تم نے قبول کی تھی...... میرا مطلب ہے اعظم بیگ کے گھر پر۔"

"ڈی آئی جی نادر حیات اور شہاب ثاقب کی موت کے سلسلے میں۔"

"ہاں۔"

"اس کے لئے میں نے کچھ انتظامات کئے ہیں کام اتنا آسان نہیں ہے جتنا ہم چند الفاظ میں بیان کر دیتے ہیں...... در حقیقت ہمیں جتنی ذمہ داری اور ہوشیاری کے ساتھ یہ کام کرنا ہے...... تم اس کا تو تصور کرو دانی شاہ کی موت کے سلسلے میں یہ ہی دو نام سامنے آئے ہیں بلکہ دو کیا خصوصی طور پر ایک ہی دو نام کا تذکرہ کرو اور وہ ہے شہاب ثاقب اور اس کے علاوہ شہاب ثاقب کے بارے میں جو رپورٹیں موجود ہیں اور جن سے ہماری شناسائی ہو چکی ہے، وہ یہ ہیں کہ وہ لومڑی سے زیادہ چالاک، شیر سے زیادہ نڈر اور گینڈے سے زیادہ طاقتور ہے...... ایک ایسے افسر اعلیٰ پر آسانی سے ہاتھ ڈالنا کیا ممکن ہو گا...... پھر اس شخص کا ماضی بھی بڑا خطرناک ہے...... بہت سے ایسے لوگوں کو یہ جال میں پھانس چکا ہے جو اپنے آپ کو ناقابل تسخیر سمجھتے تھے۔"

"تم تو اس کی تعریف کرنے بیٹھ گئے۔"

"نہیں میں اس شخص کی حقیقت بیان کر رہا ہوں۔"

"خیر آگے بڑھو تمہیں پتا ہے کہ تم لوگ تو ابھی تک محفوظ ہو صرف میری ہی جان سولی پر لٹکی ہوئی ہے اور میں اس پریشانی کا شکار ہوں کہ وہ اپنے چیلنج کو کس طرح پورا کرے گا۔" ڈاکٹر حیات نے کہا۔

"ٹھیک ہے...... میں یہ صرف اس لئے کہہ رہا تھا۔"

"مجھے صرف یہ بتاؤ کہ تم کیا کر رہے ہو۔"

"یہ ہی بتا رہا ہوں۔"

"اُف مائی گاڈ...... میرا ذہن کسی قدر منتشر ہو گیا ہے، پتا نہیں یہ صرف حادثہ ہے یہ"

"ہاں یہ تو مجھے بھی پتا نہیں۔"

"خیر تم تذکرہ کر رہے تھے۔"

"تم سارا کالونی کے چینا کو جانتے ہو؟"

"کیا؟" ڈاکٹر حیات نے کہا۔

"سارا کالونی کا ایک خطرناک آدمی جس کا اصل نام نجانے کیا ہے لیکن چینا کے نام پہچانا جاتا ہے۔"

"وہ غنڈہ جو۔"

"ہاں اسی کی بات کر رہا ہوں۔"

"ہاں...... نام سنا ہوا ہے لیکن ظاہر ہے مگر تم اس کا نام کیوں لے رہے ہو۔"

"میں اس سے بات چیت کر رہا ہوں اور ایک مخصوص طریقے سے میں نے اسے کیا ہے...... وہ شہاب سے مقابلہ میں لایا جا سکتا ہے۔"

"ایک معمولی غنڈہ۔" ڈاکٹر حیات حیرت سے بولا۔

"معمولی تو تم اسے نہیں کہہ سکتے...... آدمی بے حد خطرناک ہے...... لیکن ذرا تم تجویز پر غور کرو۔"

"ہاں بولو۔"

"وہ کرائے کا قاتل بھی ہے اور ایسے افراد اگر کوئی جرم کریں تو تم سمجھتے ہو کہ کس طرف جائے گا۔"

"سمجھا دو...... سمجھا دو مجھے۔"

"یہ ہی سوچا جائے گا کہ چینا کسی بات پر ان دونوں افراد سے خوفزدہ تھا اور اس نے انہیں قتل کر دیا۔"

"ہونہہ وہ تیار ہو جائے گا۔"

"تقریباً آدھا تیار ہو چکا ہے۔"

"تمہاری شخصیت سے واقفیت ہے۔"

"نہیں کچھ الگ ذرائع سے میں نے اس سے رابطہ قائم کیا ہے۔"

"اور وہ الگ ذرائع تمہیں جانتے ہیں۔"

"اب ظاہر ہے اتنا رسک تو لینا ہی پڑتا ہے۔"

"میری جان یہ تو سوچو کہ اگر وہ گرفتار ہو گیا تو۔"

"تو وہ ذرائع جن سے میرا رابطہ ہوا ہے اسے زندہ کب چھوڑیں گے۔"

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ چینا ان دونوں کو قتل کرے گا اور میرے وہ خاص آدمی اسی جگہ چینا کو قتل کر دیں گے۔"

"ہونہہ...... پروگرام میں کوئی دقت پیش آ سکتی ہے میرا مطلب ہے کوئی ایسی مشکل جو اس پروگرام کو گڑبڑ کر دے۔"

"بظاہر نہیں...... چینا بے حد خطرناک انسان ہے اور اپنے کام بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیتا ہے...... شاید تم بھول گئے اس نے کئی سیاسی شخصیتوں کو بھی ختم کیا ہے اور یہ بات ہمارے علم میں تھی، لیکن اس کے خلاف کوئی ثبوت حاصل نہیں ہو سکا، جبکہ اخبارات نے اور سرکاری ذرائع نے کھلم کھلا اس کی جانب اشارہ کر دیا تھا...... وہ اب بھی محفوظ ہے۔"

"کتنی رقم پر معاملہ طے ہوا ہے۔"

"معاوضہ اس کے شایان شان ہی دینا پڑے گا، یعنی اتنا ہی بڑا معاوضہ جتنا کسی بڑی سیاسی شخصیت کے قتل کا ہو سکتا ہے۔"

"بات ہو گئی ہے تمہاری۔"

"صاف بھئی کسی حد تک میں نے کہا ناں کچھ ایسے مراحل باقی ہیں جنہیں سرانجام دینا ہے۔"

"یہ وہی کہوں گا کہ جس قدر جلد ہو سکے یہ کام کر لو، ان تینوں کا ختم ہو جانا ہمارے لئے ایک طرح سے باعث خوشی ہے اور اس سلسلے میں ہم سنڈیکیٹ کو ایک غم ناک خبر دینے والے ہیں، لیکن بہرحال اس کے ساتھ ساتھ ہی ان دونوں اہم آدمیوں کی موت بھی ہمارے لئے اتنی ہی اہمیت کی حامل ہے۔"

"اس سلسلے میں اگر تمہارے ذہن میں کوئی اور تجویز ہو تو بتاؤ۔"

"نہیں لیکن میٹنگ تو کرنا ہی ہوگی اور یہ طے کرنا ہوگا کہ ان تینوں کی موت کا، میرا مطلب ہے موت کی خبر سنڈیکیٹ کو کس انداز میں دی جائے۔"

"اس کے لئے کیا اعظم بیگ کی وہی رہائش گاہ مناسب رہے گی۔"

"نہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"ایک ہی جگہ بار بار ہم سب کا پہنچنا خطرناک ہو سکتا ہے اور وہ بھی ان حالات میں جب میرا کلینک خطرے میں پڑ گیا ہے، بہر حال گفتگو ختم کرو میں اب اس سلسلے میں مزید بات چیت نہیں کرنا چاہتا، جب بھی میٹنگ کے لئے جگہ کا تعین کر لو مجھے اطلاع دینا۔

"او کے...... شیخ سلطان نے کہا اور اس کے بعد فون کا ریسیور رکھ دیا، پھر وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔"

❁

توصیف آہستہ آہستہ ٹیلی فون کے پول سے نیچے اتر آیا، اس کے جسم پر ٹیلی فون کے لائن مین کی وردی تھی جس میں ایک زبردست ڈیوائس رکھا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ایک اعلیٰ درجے کا ٹیپ ریکارڈر جو بہت چھوٹا سا تھا منسلک تھا...... اس وقت اس نے جو گفتگو ریکارڈ کی تھی وہ اس کے لئے ناقابل یقین حیثیت کی مالک تھے، اتنے زبردست انکشافات تھے اس گفتگو میں کہ توصیف خواب و خیال میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا...... شہنشاہ کی طرف سے ہدایات ملیں تھیں اور اسے ڈاکٹر حیات کے کلینک سے کچھ فاصلے پر ایک طویل ڈیوٹی سرانجام دینی پڑی تھی، لیکن بہر حال ڈبل او گینگ کے ممبر کسی بھی کام کو کام کے طور پر کیا کرتے تھے وہ کام کیا ہے اور کس حیثیت کا حامل ہے، اس پر وہ کبھی غور نہیں کرتے تھے، چنانچہ توصیف پوری محنت اور ذہانت کے ساتھ اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتا رہا تھا اور اس نے بڑی خوش اسلوبی سے سارے انتظامات کئے تھے، حالانکہ لائن مین کی وردی میں خاصی مشکلات کا سامنا کرنا تھا اسے کچھ دلچسپ واقعات کا گزر نہ ہو تو بھلا زندگی کی کہانیاں کہاں ترتیب پائیں، وہ اسی وردی میں موجود تھا اور ٹیلی فون کے پول سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہوا تھا تو ایک نوجوان لڑکی اس کے پاس پہنچ گئی اور نرم لہجے میں بولی۔"

"معاف کیجئے گا کیا آپ کا تعلق ٹیلی فون ڈیپارٹمنٹ سے ہے۔" توصیف نے چونک کر اسے دیکھا اور بولا۔

"جی ہاں۔"

"میرا شوہر ٹیلی فون کی لائن کاٹ گیا ہے آپ براہ کرم میرے لئے تکلیف کریں گے...... توصیف نے سر سے پاؤں تک اسے دیکھا...... لڑکی کی عمر چوبیس پچیس سال سے زیادہ نہیں ہوگی، اچھا بہترین لباس پہنے ہوئے تھی...... اچھی شکل و صورت کی مالک تھی، لیکن چہرے پر کوئی ایسی خاص بات نظر نہیں آئی تھی جو توصیف کے لئے باعث حیرت ہوتی، البتہ اس کے چہرے پر کبیدگی کے آثار تھے...... توصیف نے کہا۔

"آپ کے شوہر نے لائن کاٹ دی ہے۔"

"جی ہاں۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ میں اپنے گھر والوں کو فون نہ کر سکوں۔"

"تو آپ لائن کا تار جوڑ لیجئے گا۔"

"مجھے نہیں آتا۔" توصیف نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا پھر شانے ہلاتے ہوئے بولا۔

"آیئے مجھے دکھایئے...... چھوٹا سا خوب صورت سا بنگلہ تھا اور کوئی وہاں معلوم نہیں ہوتا تھا...... توصیف کے ذہن میں بہت سے خدشات بھی تھے لیکن بہر حال جب آ ہی گیا تھا تو ایک نگاہ دیکھنا ضرور تھا۔

"آپ دیکھئے پلیز...... نجانے کہاں سے کم بخت لائن ڈراپ کر گیا ہے...... توصیف نے فون کا ریسیور اُٹھا کر دیکھا...... پھر اس کے بعد وہ تار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھا اور ایک جگہ اسے تار کٹا ہوا نظر آ گیا چونکہ اس وقت اس کے پاس ایک لائن مین کی حیثیت سے ٹیلی فون سے متعلق تمام چیزیں موجود تھیں...... اس لئے اس نے اپنے تھیلے سے اوزار وغیرہ نکالے اور اس کے بعد لائن جوڑ کر ٹیلی فون سیٹ کر دیا...... لڑکی اس کے ساتھ ساتھ موجود تھی، لیکن توصیف ہوشیار بھی تھا، ایسے معاملات میں کوئی بھی سنگین گڑبڑ ہو سکتی ہے...... اس بات کو اس نے ذہن میں رکھا تھا...... پھر وہ لڑکی کے ساتھ واپس اندر آیا اور ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا...... لائن آ رہی تھی، اس نے ریسیور لڑکی کی طرف بڑھا کر کہا۔

"دیکھ لیجئے چیک کر لیجئے۔"

"ٹھیک ہو گیا۔" وہ پر مسرت لہجے میں بولی۔

"جی۔" لڑکی نے ریسیور کان سے لگا کر لائن چیک کی...... پھر آہستہ سے بولی۔

"کتنے پیسے دوں آپ کو؟"

"نہیں میرا تعلق تو ٹیلی فون کے محکمے سے ہے۔"

"مگر آپ نے ان آفیشلی یہ کام ہے۔"

"کوئی فرق نہیں پڑتا کام تو کام ہی ہوتا ہے۔"

"شکریہ لیکن ایک پیالی چائے تو پی لیں آپ میرے ساتھ۔"

"نہیں...... محترمہ پھر کیا فائدہ...... معاوضہ ہی ہو جائے گا۔"

"فرشتہ بننے کی کوشش مت کیجئے...... انسان انسان ہی بن جائے کافی ہے، جبکہ اس دنیا میں سب کچھ مل جاتا ہے...... انسانوں کے سوا پلیز میرے ساتھ ایک کپ چائے پی لیجئے مجھے خوشی ہو گی...... توصیف چائے کی طلب محسوس کر رہا تھا اور پھر جو کام کر رہا تھا اس میں بھی اسے کوئی مشکل نہیں تھی، اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو اس کے پاس ایسے انتظامات تھے کہ حیات کلینک میں خصوصی طور پر آنے والی ہر کال سن سکتا تھا...... لڑکی نے اسے بیٹھنے کی پیش کش کی اور چائے بنانے چلی گئی، لیکن توصیف ہوشیار تھا...... بہر حال اس وقت تک کوئی بات نہ ہوئی جب تک لڑکی چائے کی دو پیالیاں اٹھائے ہوئے اندر نہ آ گئی۔

"ایک کپ لے لیجئے اس میں سے...... دوسرا میرا ہے۔" اس نے کہا اور توصیف نے ایک پیالی چائے اُٹھالی...... لڑکی آہستہ سے بولی۔

"سوچ تو رہے ہوں گے آپ کہ میں نجانے کس ٹائپ کی عورت ہوں...... بات اصل میں ماں باپ کی زبردستی اور انا پرستی کی ہے...... اگر ہم لڑکیاں زبان کھولیں تو بے غیرتی بے حیائی کا اشتہار لگا دیا جاتا ہے ہم پر...... ماں باپ کہتے ہیں کہ بے شرم ہو گئے ہیں، ہم... پرانے زمانے کی بات اور ہے، انسان سیدھے سادھے ہوا کرتے تھے...... ہزار دو ہزار میں ایک برا نکل آیا تو وہ بھلا کس گنتی میں شمار...... یہ دور دیکھئے فراڈ ہی فراڈ ہیں، کیا نہیں ہو... دور میں دُنیا بدل گئی، لیکن ماں باپ نہیں بدلے...... دو سیکنڈ میں عزت آبرو داؤ پر لگ... ہے...... اپنی مرضی سے جو دل چاہیں کر دیں انہیں پوچھنے والا کوئی نہیں...... یہ نہیں ہے

ایک لمحے میں زندگی بھر کا عذاب سر پر مسلط ہو جاتا ہے، فیاض بیگ کی بیوی ہوں میں...... جانتے ہیں آپ فیاض بیگ کی عمر کیا ہے، اس وقت اڑتالیس سال اور میں تیئس سال کی ہوں...... عورتوں والے جھوٹ نہیں بولے سچ بتا رہی ہوں آپ کو...... والد صاحب حضور ان فیاض بیگ صاحب کی فرم میں اکاؤنٹنٹ تھے، ایسے متاثر تھے ان سے کہ بس اپنی دُنیا ان پر نثار کرتے تھے...... سب پیٹ کا چکر ہوتا ہے...... دولت کے لالچی لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ دولت کے حصول کے لئے وہ کون سی ایسی قریبی چیز ہے جسے وہ بیچ سکتے ہیں...... بیچ دیا والد صاحب نے ہمیں، بیوی مر گئی تھی ان فیاض صاحب کی اور ٹھیک مر گئی ہو گی...... زندگی عذاب کر رکھی ہو گی اس کی بھی...... بس ابا جان قبلہ کو اتنا رحم آیا کہ میری شادی اُٹھا کر ان کے ساتھ کر دی...... شریف زادی ہوں...... ناں شریف زادی...... لیکن کیا کروں...... فیاض بیگ صاحب تو احساس کمتری کا شکار ہیں...... دیوانگی کی حد میں داخل ہیں، سارے الزامات مجھ پر ہیں مجھ پر...... گھر ٹیلی فون کرتی ہوں تو کہتے ہیں کہ میں ان کی شکایت کروں گی، بس ہر روز ایک نئی حرکت کرتے ہیں...... خدایا خدایا کیا کروں یہ بھی تو نہیں کہہ سکتی کہ خدا انہیں غارت کر دے، بس یہ ہی کہہ سکتی ہوں کہ خدا مجھے ہی غارت کر دے، تاکہ اس عذاب سے جان چھوٹے...... توصیف نے جلدی جلدی چائے حلق میں اُنڈیلی تھی، پھر اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"آج بھی آپ کی ان سے لڑائی ہوئی ہے؟"

"مجھے بھلا لڑنے کا موقع دے گا وہ شخص...... ارے ڈیوس ہے ڈیوس...... معافی چاہتی ہوں...... چائے پی آپ نے۔" وہ سنبھل کر بولی۔

"ایں...... جج جی ہاں۔"

"تو آخری گھونٹ لیں اور جائیں یہاں سے...... آپ تو جم ہی گئے...... لوگ بھی کمال کے ہوتے ہیں ایک چھوٹا سا احسان کر دیتے ہیں اور اس کے بعد سوچتے ہیں کہ بس اب اس کا صلہ اپنی من مانی کر کے وصول کریں، جلدی چائے ختم کریں، اگر کوئی گڑبڑ ہو گئی تو میرا تو مستقبل تباہ ہو جائے گا، ویسے بھی اڑتالیس سالہ شخص کی تیئس سالہ بیوی کو نجانے کیسے کیسے مراحل سے...... ارے پلیز کمال کر رہے ہیں آپ چائے ختم نہیں ہوئی، آپ کی تو رکھ دیجئے ہاں ہاں...... بہت بہت شکریہ آپ کا کہ آپ نے میرا ٹیلی فون ٹھیک کر دیا اور توصیف باقی بچی

جائے چھوڑ کر باہر نکل آیا تھا، باہر نکلنے کے بعد اس نے بہت دیر تک خود اپنے ہی ہاتھ سے اپنی کھوپڑی کی مالش کی تھی، لیکن بہر حال ایک دلچسپ واقعہ تھا اور تھوڑا سا افسوس ناک بھی اچھی خاصی شکل وصورت کی لڑکی بے چاری ان حالات کا شکار ہو گئی تھی کہ ابنارمل ہو گئی تھی...... توصیف اس کی اس کیفیت پر دُکھی تھا لیکن بہر حال...... پھر اسے وہ اشارہ ملا تھا جس سے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ حیات کلینک سے پرسنل ٹیلی فون پر کوئی کال آرہی ہے اور توصیف پھرتی سے پول پر چڑھ گیا تھا اور اس نے ڈیوائیس سیٹ کر کے اس کال کو نوٹ کر لیا تھا، کانوں پر لگے ہوئے اس فون میں ساری گفتگو سنائی دیتی رہی اور توصیف کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا...... شہاب نے شہنشاہ کی حیثیت سے اسے کچھ اشارے دیئے تھے...... اس سلسلے میں اور یہ ساری گفتگو انہی اشاروں کا نچوڑ تھی...... بہر حال توصیف نیچے اتر آیا اور اس کے بعد وہ پائپ لائن کی طرف بڑھ گیا جو کافی فاصلے پر پڑی ہوئی تھی اور اس کے نیچے بڑی چھاؤں تھی ہوا کی کراسنگ نے اسے جنت بنا رکھا تھا اور توصیف زیادہ وقت اسی پائپ لائن کے آس پاس ہی رہا تھا...... یہاں پہنچ کر اس نے جلدی سے اپنا وہ ٹیپ ریکارڈر نکالا جس پر ڈیوائس سے اس نے یہ گفتگو ریکارڈ کی تھی، اسے ریوائنڈ کر کے وہ کان کے پاس ٹیپ لگا کر سننے لگا...... ایک ایک لفظ بڑی اہمیت کا حامل تھا...... کسی شیخ سلطان نے فون کیا تھا اور اس فون پر اس نے جو گفتگو کی تھی وہ ناقابل یقین تھی...... توصیف اس گفتگو کو سنتا رہا اور پھر اس نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر براہ راست شہنشاہ سے ٹرانسمیٹر پر رابطہ قائم کیا جو چند لمحات کے بعد قائم ہو گیا تھا...... دوسری طرف سے شہنشاہ کی آواز سنائی دی۔

"ہاں۔"

"سی پی کالنگ سر...... سی پی کالنگ۔" توصیف بول رہا ہے۔

"ہاں توصیف...... بولو خیریت کیا بات ہے۔"

"سر بہت اہم رپورٹ ہے میرے پاس...... انتہائی اہم رپورٹ ہے...... میں اسے آپ تک پہنچانا چاہتا ہوں سر...... آپ یقین کیجئے میں بڑی عجیب وغریب کیفیت میں ہوں، کیونکہ بات اتنی ہی سنگین نوعیت کی ہے۔"

"تم ایک کام کرو توصیف۔" شہنشاہ نے کہا۔

"جی سر۔"

"تم پولیس ہیڈ آفس پہنچ جاؤ...... لائن مین کے لباس میں ہو۔"

"جی سر۔"

"کوئی بات نہیں...... لباس تبدیل کر لو اور پولیس ہیڈ آفس پہنچ جاؤ...... لباس تبدیل کرنے کے بعد شہاب کے ٹیلی فون پر یہ چیک کر لینا کہ شہاب ہیڈ آفس میں موجود ہے یا نہیں، ساری رپورٹ اسے دے دو اور اس سے کہو کہ اس رپورٹ پر مجھ سے گفتگو کرے، فوری طور پر کوئی اور ہدایت قبول نہ کرنا اور یہ کہہ دینا کہ میں نے کہا ہے۔"

"جی سر۔"

"تو پھر جاؤ لباس تبدیل کر کے شہاب تک پہنچ جاؤ، باقی رپورٹ میں شہاب ہی سے لے لوں گا...... تم بے فکر رہو۔"

"بہت بہتر جناب بہت بہتر۔" توصیف نے جواب دیا اور پھر اس کے بعد سلسلہ منقطع کر کے گہری گہری سانس لینے لگا، بہر حال اسے واپس اپنے ٹھکانے پر جانا تھا، ٹھکانا وہی قدیم تھا جہاں سے ان لوگوں نے اپنے مشن کی ابتدا کی تھی۔

شہاب نے پرتپاک انداز میں توصیف کا خیر مقدم کیا تھا...... توصیف ایک سادہ سے لباس میں ملبوس بہت سمارٹ نظر آرہا تھا، اس نے شہاب کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"یوں محسوس ہوتا ہے سر جیسے آپ کے پاس میری آمد غیر متوقع نہ ہو۔"

"ہاں توصیف یہ ہی بات ہے مجھے چیف کی طرف سے تمہارے آنے کی اطلاع مل چکی ہے، خیر سناؤ کیا صورت حال ہے۔"

"اگر چیف کی طرف سے آپ کو میری آمد کی اطلاع مل چکی ہے جناب تو یہ بھی علم ہو گیا کہ میں کس سلسلے میں کام کر رہا ہوں۔"

"ہاں توصیف بالکل صورتحال وہی بازی ہوئی چل رہی ہے اور اس سلسلے میں چیف نے اپنے طور پر جو معلومات حاصل کی ہیں ہمیں اس کے تحت کام کرنا پڑ رہا ہے...... یہ بات ہمارے علم میں ہے کہ تم ٹیلی فون کے لائن مین کی حیثیت سے ڈاکٹر حیات کے کلینک کے آس پاس متعین ہو اور غالباً اس کے ٹیلی فون ٹریس کر رہے ہو۔"

"گڈ اس کا مطلب ہے میری مشکل آسان ہو گئی۔" توصیف نے مدہم سانس لیتے

ہوئے کہا اور شہاب سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا...... توصیف نے کہا۔

”یہ ایک ٹیپ ہے میرے پاس اور یہ ٹیپ ریکارڈر بھی ہے...... میرا خیال ہے آپ یہ ہی لے لیجئے کیونکہ آپ کو چھوٹے سائز کا ٹیپ ریکارڈر مہیا کرنے میں دقت ہو گی“۔

”ہاں...... یہ تم نے ٹیلی فون ڈیوائس سے ٹیپ کیا ہے؟“

”جی سر۔“

”یقینی طور پر اس میں کوئی بہت ہی اہم رپورٹ ہو گی۔“

”جی سر۔“

”چلو ٹھیک ہے میں اسے دیکھ لوں گا۔“ شہاب نے جواب دیا پھر بولا۔

”تمہیں شہنشاہ نے ہی میرے پاس پہنچنے کی ہدایت کی ہو گی۔“

”جی۔“

”مجھے اس کی اطلاع دی گئی ہے کہ مسٹر توصیف آنے والے ہیں اور وہ جو کچھ میرے حوالے کریں، میں اس کے مطابق غور کر کے اس پر عمل کروں۔“

”بالکل ٹھیک میرے لئے کوئی ہدایت ہے؟“ توصیف نے سوال کیا۔

”میرا خیال ہے نہیں اور اگر کوئی ضرورت پیش آئی مسٹر توصیف تو ظاہر ہے میں آپ سے رابطہ قائم کروں گا...... پہلے یہ دیکھ لوں کہ آپ نے اس سلسلے میں کیا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔“

”بہتر...... ویسے یہ سنسنی خیز صورت حال۔“

”یقیناً ہو گی ورنہ شہنشاہ اس کے لئے اتنی تگ و دو نہ کرتا اور یہ بات تو ہم جانتے ہیں معاملہ اسی مسئلے میں چل رہا ہے اور میرا آئیڈیا ہے توصیف کہ چیف ان لوگوں کو آسانی سے نہیں چھوڑے گا جو اس کے لئے چیلنج بن گئے ہیں۔“

”چیف نے ہر چیلنج کا مقابلہ کیا ہے...... مسٹر شہاب ہم تو اس وقت سے اس عظیم الشان شخصیت کے ہمراہ ہیں جب ہمارے پاس ذرہ برابر وسائل نہیں تھے اور ہم لوگ بالکل معمولی سی حیثیت کے لوگ تھے...... یوں سمجھ لیں جیسے محلّہ میں کمیٹیاں ہوتی ہیں اور سرپنچوں کو اپنی جگہ بٹھا دیا جاتا ہے، بس اپنے طور پر جو کچھ بھی کر سکتے تھے کر لیا کرتے تھے، لیکن آج چیف کی بدولت ہم آپ کے سامنے موجود ہیں اور ہمیں ایک باقاعدہ سرکاری عہدہ دیا گیا ہے۔“

”میں جانتا ہوں جس قدر معلومات مجھے حاصل ہیں ان کے تحت واقعی وہ ایک حیرت انگیز انسان ہے اور میں مسٹر توصیف پتا نہیں آپ کو اس بارے میں کوئی معلومات ہیں یا نہیں، میں دعوے سے یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ اگر ہم چھان بین کریں تو ملکی انتظامیہ میں وہ کسی بہت بڑے عہدے پر فائز مل جائے گا...... یہ الگ بات ہے کہ شہنشاہ کی حیثیت سے ہم اس کے بارے میں معلومات نہ حاصل کر سکیں لیکن بہر حال اتنا میں جانتا ہوں کہ وہ خود کوئی معمولی شخصیت نہیں ہو گا...... توصیف حیران نگاہوں سے شہاب کو دیکھنے لگے...... اس کے چہرے پر ایک عجیب سی سنسنی پھیل گئی تھی، اس نے مدہم لہجے میں کہا۔

”خدا کی قسم ویسے تو ہم نے اس کے بارے میں ہر بات سوچی ہے مسٹر شہاب لیکن یہ ایک اجنبی سوچ ہے...... ایک نیا خیال نیا احساس...... اوہ میرے خدا حالانکہ بات کتنی واضح ہے کوئی اعلیٰ ترین سرکاری عہدے دار ہی اس قدر وسائل رکھتا ہو گا کہ ہر مشکل پر قابو پا لے...... یہ الگ بات ہے کہ وہ خود بھی انتہائی ذہین اور باعمل شخص ہو گا، لیکن اس کے اختیارات بے پناہ ہوں گے، سوچی جا سکتی ہے یہ بات سوچی جا سکتی ہے، سوائے ایک مشکل کے۔“

”وہ کیا؟“ شہاب نے دلچسپی سے پوچھا۔

”ابتدا میں ہم بڑے بے وسائل تھے اور ایسے ایسے معمولی کارنامے سرانجام دیا کرتے تھے کہ اس سے یہ احساس ہوتا ہے کہ شہنشاہ بھی اس وقت کوئی بنیادی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔“

”آپ کیا پینا پسند کریں گے مسٹر توصیف۔“ شہاب نے کہا توصیف نے چونک کر شہاب کو دیکھا اور پھر بے اختیار ہنس پڑا پھر بولا۔

”معافی چاہتا ہوں شہاب صاحب...... کبھی کبھی انسان جذبات میں یہ بہہ کر بہت معمولی سا آدمی بن جاتا ہے...... بچوں کی طرح پر تجسس ہو جاتا ہے، اصولی طور پر مجھے آپ کے پاس سے اُٹھ جانا چاہئے تھا...... آپ نے یہ سوال کر کے مجھے یہ احساس دلایا ہے اس کے لئے شکر گزار ہوں۔“

شہاب ہنس پڑا پھر بولا۔

”نہیں واقعی آپ بتائیے کیا پلاؤں میں آپ کو۔“

”بے حد شکریہ۔“ توصیف نے کہا اور اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا...... پھر اس نے شہاب سے مصافحہ کیا اور باہر نکل گیا شہاب مسکراتا رہا تھا، پھر کچھ دیر کے بعد اس نے پر تجسس

نگاہوں سے سامنے رکھے ٹیپ ریکارڈر کو دیکھا اور اس کے بعد بیل بجا کر چپڑاسی کو طلب

"اس وقت تک جب تک میں تمہیں دوبارہ یہ نہ کہوں کہ مجھے فرصت ہے، کسی شخص کو اندر نہ آنے دینا ٹھیک ہے۔"

"جی سر۔" چپڑاسی نے کہا اور باہر نکل گیا...... شہاب نے قریب رکھے ہوئے ٹیلی فون کے ریسیور بھی اتار کر نیچے رکھ دیئے اور اس کے بعد ٹیپ ریکارڈر کا ٹیپ ریوائنڈ کرنے ٹیپ ریوائنڈ ہو گیا اور اس نے ٹیپ ریکارڈ آن کر دیا اور بغور اس پر ریکارڈ گفتگو سننے کی کوشش کرنے لگا...... یہ شیخ سلطان اور ڈاکٹر حیات کے درمیان ہونے والی گفتگو تھی...... شہاب نے پہلے اسے سنا اور اس کے چہرے پر شدید تجسس کے آثار پھیل گئے، اس کا مطلب ہے توصیف کی سنسنی بے مقصد نہیں تھی، ابھی تک اسے اس ایکسیڈنٹ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا، اخبار سرسری طریقے سے نگاہوں سے گزرا تھا...... ٹریفک کے حادثات اس قدر ہوتے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک حادثے پر خصوصی طور پر توجہ دینا مشکل ہی ہو جاتا ہے، خصوصاً جب وقت مختصر ہو پورا ٹیپ سننے کے بعد شہاب نے دوبارہ کیسٹ ریوائنڈ کیا اور پھر ایک پیڈ اور پین نکال کر اپنے سامنے رکھ لیا...... کیسٹ کو اس نے دوبارہ آن کیا اور پھر تمام نوٹس لینے لگا، اس کمپنی کا نام اس نے نوٹ کیا جس کے تین افراد حادثے کا شکار ہوئے تھے...... حادثے کی جگہ علاقے کا تھانہ تمام چیزیں اس نے پیڈ پر نوٹ کر لی تھیں، بات قابل توجہ تھی اور بہت غور کرنے کا مقام تھا کیونکہ اس گفتگو میں خود اس کی ذات کی بھی جگہ جگہ نشاندہی کی گئی تھی...... ڈی آئی جی نادر حیات صاحب کے بارے میں بھی بڑی سنسنی خیز گفتگو تھی، یہ تمام چیزیں مل کر شہاب کو احساس دلا رہی تھیں کہ بہت ہی سنجیدگی کی ضرورت ہے...... بہر حال ٹیپ ریکارڈ بند کرنے کے بعد اس نے کیسٹ نکال کر اپنے پاس محفوظ کیا...... ٹیپ ریکارڈر کو بھی وہاں سے ہٹا کر ایک الماری میں رکھ کر لاک کیا اور پھر اپنی میز پر آ بیٹھا...... تقریباً تیس پینتیس منٹ تک وہ کاغذ پر الٹی سیدھی لکیریں کھینچتا رہا تھا، اس پر کچھ لکھتا رہا تھا...... بے ترتیب اور بے ربط جملے خاصی دیر تک یہ سارا عمل کرنے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا، پھر اس نے پیڈ پر لگا ہوا کاغذ نکالا اسے ساتھ لیا اور اس کے بعد بیٹھ کر تین کاغذات گن کر جن پر اس تحریر کا امپریشن بن گیا تھا، نکال لئے اور جب اسے یہ احساس ہو گیا کہ پیڈ پر بال پوائنٹ کے امپریشن کے نشانات نہیں رہے ہیں تو وہ یہ تمام کاغذات

لے کر واش روم کی جانب بڑھ گیا...... انہیں ریزہ ریزہ کر کے فلیش میں ڈالا اور فلیش چلا دیا...... اس کام سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وہ باتھ روم سے نکل کر آفس کے دروازے کی جانب بڑھ گیا...... تھوڑی دیر کے بعد اس کی کار پولیس ہیڈ آفس سے باہر نکل رہی تھی، لیکن اس وقت وہ وردی میں بھی تھا اور سروس ریوالور اس کے پاس موجود تھا، عقب میں لگے ہوئے آئینے میں دائیں بائیں اس کی نگاہ بھٹک رہی تھی اور وہ کسی چیتے کی مانند اپنا یہ سفر طے کر رہا تھا...... یہاں تک کہ کچھ وقت کے بعد وہ اس متعلقہ تھانے میں پہنچ گیا جس کے علاقے میں آئل ٹینکر اور کار کا حادثہ ہوا تھا۔

❁ ❁ ❁

تھانے میں خاموشی کا راج تھا کہ ہر آدمی فارغ تھا...... شہاب جب تھانے کی عمارت میں داخل ہوا تو کسی نے اس کی طرف توجہ نہ دی، اچانک ایک ایس آئی کی نظر جب شہاب پر پڑی تو یوں لگا جیسے تھانے میں بھونچال آگیا ہو۔

تھانہ انچارج اس وقت موجود نہیں تھا...... کچھ ایس آئی وغیرہ موجود تھے جنہوں نے اسے خوش آمدید کہا اور اس کے سامنے مودب ہو گئے...... شہاب ایک کرسی پر بیٹھ گیا تو ایس آئی نے کہا۔

"سر آپ یہاں تشریف رکھئے...... پلیز انچارج صاحب کو موبائل پر اطلاع دے دی گئی ہے...... وہ گشت پر ہیں۔"

"کیا نام ہے تمہارا۔" شہاب نے اس ایس آئی کو دیکھتے ہوئے کہا جس نے وہ الفاظ کہے تھے۔

"زکریا شیخ سر۔" اس نے جواب دیا۔

"مسٹر زکریا اپنے روزنامچے میں سے وہ رپورٹ نکالو جس میں آئل ٹینکر اور کار کا ذکر ہے...... کار کے اس حادثے میں تین افراد ہلاک ہوئے ہیں۔"

"جی سر...... انچارج صاحب وہیں گئے ہوئے ہیں۔"

"اوہو کیا واقعی؟"

"جی سر...... آپ فرمائیں تو میں موبائل پر ان سے رابطہ قائم کرا دوں۔"

"ٹھیک ہے ذرا بات کرواؤ" ایس آئی نے موبائل ٹیلی فون پر علاقہ انچارج سے بات کی جس کا نام سعید خان تھا، اس نے پوچھا کہ وہ کیا جائے حادثہ پر موجود ہے اور پھر اس نے شہاب

کے بارے میں بتایا...... پھر شہاب نے موبائل اس کے ہاتھ سے لے کر کہا۔

"مسٹر سعید میں آرہا ہوں...... آپ وہیں رکیں۔"

"یس سر...... یہ تو بہت خوشی کی بات ہے کہ آپ اس طرف متوجہ ہوئے...... میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔"

"چلو ایس آئی میرے ساتھ چلو۔" پھر تھوڑی دیر کے بعد شہاب ایس آئی زکریا کے ساتھ جائے حادثہ پر پہنچ گیا...... معمول کے مطابق انسپکٹر نے ایک مخصوص دائرے میں بتیاں لگادی تھیں...... آئل ٹینکر بھی وہاں سے جاچکا تھا...... کمپنی کی کار بھی تھانے میں پہنچادی گئی تھی...... جسے شاید سامنے کی بجائے عقبی حصے میں رکھا گیا تھا...... انسپکٹر نے یہ ہی بتایا تھا اس نے بہر حال شہاب کا پر تپاک خیر مقدم کیا تھا...... شہاب نے متعلقہ علاقے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ تو جگہ بھی ایسی ہے انسپکٹر سعید کہ تمہیں حادثے کے گواہان بھی نہیں مل سکے ہوں گے۔"

"قطعی نہیں سر چونکہ حادثہ رات کو ہوا ہے، کوئی ایسی شخصیت نہیں مل سکی جو ادھر سے گزرنے کی بات بھی کرے۔"

"کچھ نشانات کوئی ایسی چیز جو باعث توجہ بنی ہو۔"

"بالکل نہیں سر۔"

"کمپنی کے اعلیٰ ارکان سے ملے ہو۔"

"ابھی تک نہیں سر...... ابھی ذرا اس سلسلے میں تفصیلی معلومات ہی حاصل کر رہا ہوں...... بمشکل کام ہو گیا تھا۔"

"ہونہہ...... کام کتنی دیر کا ہے یہاں پر؟"

"بس یہ فوٹو گرافر تصویریں بنا رہے تھے...... بس اس کے بعد کام ختم ہو گیا ہے، اصل پُر مصروف سڑک ہے میں نے سوچا کہ اس کی صفائی کرا دی جائے۔ تصویریں بنانے کے بعد تھانے جانے ہی والا تھا۔"

"ٹھیک ہے آؤ واپس چلتے ہیں۔" ایک بار پھر شہاب اس جگہ کا جائزہ لینے کے بعد انسپکٹر سعید کے ساتھ تھانے میں واپس آگیا تھا...... تھانے میں پہنچ کر اس نے سب سے پہلا سوال

ٹینکر کے ڈرائیور اور کلینز کے بارے میں کیا۔

"جی سر لاک اپ میں ہیں دونوں، تحقیقات کر رہا ہوں میں۔"

"کیا کہتے ہیں۔"

"ابھی تو سر صحیح طور سے بیان بھی نہیں لیا ہے میں نے ان کا اگر آپ حکم دیں تو۔"

"ہاں بالکل ٹینکر کہاں ہے۔"

"بڑی کمپنی کا ٹینکر ہے سر اس نے درخواست کی تھی اور کہا تھا کہ ٹینکر اسے فوری طور پر دے دیا جائے ڈرائیور اور کلینز تو قبضے میں دیئے ہی جا رہے ہیں..... ٹینکر کی ہلکی مرمت کرائی ہے تاکہ کمپنی کو نقصان نہ ہو، بہر حال بات قاعدے کی تھی ٹینکر ان کو واپس کر دیا گیا ہے۔"

"ہوں ٹھیک بلواؤ ان دونوں کو۔" شہاب نے کہا اور ڈرائیور اور کنڈیکٹر بلوائے گئے دونوں کی بری حالت تھی، ڈرائیور اچھی خاصی عمر کا آدمی تھا، نیاز خان نام تھا ہاتھ جوڑ کر قدموں میں گر گیا اور کہنے لگا۔

"افسر صاحب ویسے تو ہم اچھے آدمی نہیں ہیں بس جی پڑھے لکھے ہیں نہیں ڈرائیور کی زندگی جیسی بھی ہوتی ہے صاحب جی اب دُنیا سے اتنے ناواقف بھی نہیں ہوئے تم کہ اس کے بارے میں نہ جان سکو صاحب جی، بس ایسی ہی زندگی گزاری ہے اس میں ہو برائیاں بھی رہی ہیں، کہنے کا مطلب یہ ہے صاحب جی کہ زندگی میں بہت برے کام کئے ہوں گے لیکن ایک بات ہم آپ کو بتا دیں، یہ حادثہ ہم سے نہیں ہوا ہے۔"

"نام کیا ہے تمہارا؟" شہاب نے پوچھا۔

"نیاز خاں جی نیاز خان۔"

"نیاز خاں عجیب بات نہیں کہہ رہے تم۔"

"صاحب جی بات لگے گی تو عجیب ہی لیکن سچی ہے اگر اللہ کے نام پر مان لو تو۔"

"تفصیل بتاؤ۔" شہاب نے ڈرائیور کو گھورتے ہوئے کہا۔

"بات تھوڑی بہت سمجھ میں آگئی ہے جی لیکن اب یہ نہیں کہتے کہ غلطی ہماری نہیں ہے..... صاحب جی تھوڑی سی لگا لیتے ہیں ڈرائیور آدمی ہیں، راتوں کو ٹینکر لے کر ہزاروں میل کا سفر کرنا پڑتا ہے..... یہ اپنا بابو جو ہے نا یہ بھی چسکی لگا لیتا ہے، تھوڑی بہت چرس وغیرہ

پی جاتی ہے صاحب جی، دماغ گرم کرنے کے لئے ضروری ہوتا ہے یہ اور عادت پڑ گئی ہے بس صاحب جی عادت کا شکار ہو گئے۔"

"بات مختصر کرو نیاز خان کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"صاحب جی وہ سالا باہر کا آدمی تھا، اشاروں میں بات کرتا تھا، گوری چمڑی والا تھا..... صاحب جی چرس دی اس نے ہمیں بس خود بخود ہی آکر ملا تھا اور بڑی اعلیٰ چرس تھی، ملاوٹ کے بغیر یہاں تو صاحب جی بات یہ ہے کہ جتنی رقم جیب میں ہے خرچ کر دو اصلی نشے کی چیز ہی نہیں ملتی، اس میں بھی سالی ملاوٹ ہوتی ہے، پر اس نے جو دی تھی صاحب جی..... ابے بول بولتا نہیں ہے مزا آگیا تھا جی، بس یاری ہو گئی اور پھر رات کو بھی وہ چرس لے کر ہمارے پاس آیا تھا..... سوٹا لگایا اور اس کے بعد یہ بابو تو اسی وقت انٹا غفیل ہو گیا تھا ہمیں کچھ صحیح طور پر یاد نہیں آرہا بابو ہمارے ساتھ تھا..... وہ بندہ بھی ساتھ تھا اور اگر ہمارا خیال غلط نہیں ہے تو تھوڑا سا ہوش باقی ہے ہمیں جی ٹینکر وہی چلا رہا تھا، بس اللہ معلوم جی اس کے بعد کیا ہوا..... پولیس نے پکڑ لیا نہ ہمیں حادثے کی خبر تھی اور نہ ہی پولیس کے پکڑنے کی۔"

"اچھی کہانی گھڑی ہے تم نے نیاز خان۔"

"ٹھیک ہے جی..... دیکھو ایک بات بتا دیں بابو جی..... افسر صاحب جی زندگی ہے تو موت بھی ہے..... مرنا تو ہے ہمیں..... ایسے لکھی ہے تو ایسے ہی سہی..... دے دو پھانسی..... پر جو کہا ہے اللہ کا نام لے کر کہا ہے..... برائیاں ہیں تو مانی ہیں اور جھوٹ نہیں بولا..... آپ سے سچائی کے لئے کوئی ثبوت نہیں ہے ہمارے پاس..... بس جو ہونا تھا وہ ہو گیا..... اللہ کی مرضی جی..... بندہ کیا کر سکتا ہے۔" نیاز خان نے کہا۔

"تمہارا مطلب کہنے کا یہ ہے کہ اس وقت ڈرائیونگ تم نہیں کر رہے تھے۔"

"صاحب جی..... ایک بات کہیں آپ سے..... چرس بھی بڑی پی ہے شراب بھی پی ہے جی سارے گناہ کئے ہیں مگر اس چرس میں کوئی گھپلا تھا..... ایسا گھپلا جس نے اُلٹا کر دیا..... چرس نہیں تھی صاحب جی وہ بلکہ کوئی اور گڑبڑ تھی، اس میں اور اس کے بعد جو بے ہوشی طاری ہوئی تھی ہم پر پھر ڈرائیونگ کیا چابی تک نہیں گھمائی جا سکتی..... سٹیرنگ تو بڑی چیز ہے جی۔"

"ہونہہ..... اس آدمی کا چہرہ یاد ہے تمہیں۔"

"ابے بابو...... بولتا نہیں یاد ہے کچھ۔"

"کیوں نہیں جی۔" اور اس کے بعد بابو ایک چہرے کے نقوش بتاتا رہا تھا اور نیاز اس کی تائید کرتا رہا تھا، خصوصی بات یہ تھی جو بابو نے نوٹ کی تھی کہ اس آدمی کی ٹھوڑی پر ایک زخم تھا...... جس کی شکل بندر جیسی محسوس ہوتی تھی، کٹی ہوئی کھال جسے سائیڈ سے دیکھا جائے تو بندر کا چہرہ نظر آتا تھا۔" انسپکٹر سعید نے ہنستے ہوئے کہا۔

"وہ بھی تجھے نشے میں ہی نظر آیا ہو گا۔"

"ٹھیک ہے انسپکٹر انہیں بند کر دو۔" شہاب نے کہا۔

"یس سر۔" پھر شہاب دیر تک انسپکٹر سے اس بارے میں باتیں کرتا رہا تھا۔ انسپکٹر سعید نے کہا۔

"سر اب میرے لئے کیا حکم ہے۔"

"نہیں تم اپنا کام جاری رکھو ویسے ایک بات کہوں انسپکٹر۔"

"جی۔"

"مارا پیٹا ہے تم نے ان لوگوں کو۔"

"نہیں سر میں نے آپ کو عرض کیا ناں کہ ابھی تک کوئی تحقیق ہی نہیں ہوئی۔"

"ویسے تم جو طریقہ کار رکھتے ہو اس کے لئے میں تمہیں کوئی ہدایت نہیں کر رہا لیکن نیاز خان جو کہہ رہا ہے وہ سچ ہے، میرے پاس بھی اس قسم کے ثبوت موجود ہیں اس لئے انہیں بند رکھو...... ظاہر ہے تحقیقات کے لئے ضروری ہے ابھی کوئی ضمانت وغیرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے...... ویسے کوئی ضمانتی آیا تو نہیں ان کا۔"

"نہیں سر کیوں بھٹی۔" انسپکٹر نے ایس آئی سے پوچھا۔

"نہیں سر...... کوئی بھی نہیں...... کسی نے پلٹ کر خبر بھی نہیں لی ہے۔"

"ہونہہ...... ضمانتی اگر کوئی آئے بھی تو اس سے اس کا نام پتا وغیرہ لے لینا ضمانت نہ لینا...... باقی میں تم سے ٹیلی فون پر رابطہ رکھوں گا جو بھی صورت حال ہوئی۔"

"ٹھیک ہے جناب۔" اور اس کے بعد شہاب وہاں سے بھی اُٹھ گیا تھا، اس کا ذہن خیالات میں ڈوبا ہوا تھا...... پھر وہاں سے آگے بڑھتے ہوئے اسے بینا کا خیال آیا۔ بینا میں موجود تھی، زیادہ قریب تھی لیکن شہاب یہ بات بہت اچھی طرح محسوس کر رہا

...ی کے بعد ایک بڑی نمایاں تبدیلی یہ آئی ہے کہ کسی بھی کیس کے سلسلے میں بینا کو سامنے ... جب اس سے بحث ہوتی تھی تو اس کا لطف ہی کچھ اور تھا...... یہ کام اب بھی ہو سکتا تھا، ... گھر جا کر بینا سے اس سلسلے میں بات کر سکتا تھا لیکن بار بار کی گھر واپسی بند کمرے میں بینا سے ڈسکس یہ باتیں گھر والوں کے لئے عجیب ہوتیں اور خود کو بھی ذرا عجیب سی ... بات پر محسوس ہوتی تھیں...... شاید یہی وجہ تھی کہ ابھی دونوں کے ذہنوں میں شادی کا کوئی تصور نہیں تھا، لیکن لمحے اپنا فیصلہ خود کرتے ہیں اور وقت نے یہ فیصلہ کر دیا تھا، ایک تھوڑی سی تشنگی کا احساس شہاب کو تھا لیکن بہر حال یہ وقت ایسا نہیں تھا کہ وہ اس تشنگی پر غور کرے، اپنے طور پر کچھ فیصلے کرنے تھے اور یہ فیصلے کرنے کے بعد وہ آخر کار اس کمپنی کی جانب چل ... جس کے وہ نمائندے تھے اور جس کی طرف سے ان کی موت کی رپورٹ درج کرائی گئی تھی...... یہ سارا مسئلہ ذرا سنسنی خیز نوعیت رکھتا تھا اور شہاب اس سلسلے میں اپنے آپ کو کسی الجھن کا شکار بنائے بغیر کام جاری رکھنے کا خواہشمند تھا...... بہر حال وہ کمپنی پہنچ گیا اس کی شخصیت کا تعارف ہونے کے بعد کمپنی کے جنرل منیجر مسٹر ڈیسوزا نے جو عیسائی تھے اسے خوش آمدید کہا اور شہاب اس کے سامنے بیٹھ کر بولا۔

"میں جانتا ہوں جناب کہ یہ کمپنی کا آفس ہے اور آپ کی ذمہ داریاں بے پناہ لیکن معاملہ تین افراد کے قتل کا ہے، میں اس سلسلے میں آپ کو زحمت دینے کے لئے معذرت خواہ ہوں لیکن ساری تفصیلات۔"

"جی ہاں وہ صحیح معنوں میں مجھ سے ملاقات بھی نہیں کر سکے تھے مسٹر فیٹ...... مسٹر راکی اینڈ مسٹر گارون ہم نے انہیں خصوصی طور پر دعوت دی تھی، حالانکہ ان کا تعلق دُنیا کے مختلف ملکوں سے ہے، میں ان کی تفصیلات آپ کو مہیا کر دوں گا لیکن وہ سب ہانگ کانگ میں ہماری کمپنی کی برانچ میں کام کر رہے تھے اور اپنی نوعیت کے واحد انجینئر تصور کئے جاتے تھے...... بہر حال یہاں آکر انہوں نے چارج بھی نہیں لیا تھا اور کمپنی نے انہیں کچھ دن تک آرام کرنے کی مہلت دے دی تھی، چنانچہ اپنے طور پر وہ سیر وسیاحت کر رہے تھے کہ اس حادثے کا شکار ہو گئے۔"

"بہر حال جناب ہم اس سلسلے میں مکمل طور پر آپ سے اور مرنے والے کے لواحقین سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں...... تحقیقات کی جا رہی ہیں، براہ کرم آپ ایک زحمت کیجئے گا۔"

"ہاں ہاں فرمائیے۔" مسٹر ڈیسوزا نے کہا۔

"ان کے ریکارڈ وغیرہ تو آپ کے پاس ہوں گے۔"

"مکمل طور پر ان کی تفصیل وغیرہ ہمارے پاس موجود ہیں۔"

"وہ ہمیں فراہم کر دیجئے گا تحقیقات میں مدد لینی ہے۔"

"یہ کام ابھی ہو سکتا ہے۔" مسٹر ڈیسوزا نے اپنے پی اے کو انٹر کام پر مخاطب کر کے شہاب کی خواہش کے مطابق ہدایات جاری کر دیں، اس کے بعد شہاب نے کہا۔

"کیا کمپنی ان کی لاشوں کو ان کے وطن واپس بھجوانے کا انتظام کر رہی ہے۔"

"آفیسر کیا آپ نے ان کی لاشیں دیکھ لی ہیں۔"

"ابھی تک نہیں۔"

"تو ایک نگاہ ان پر ڈال لیجئے جلی ہوئی راکھ کو اگر بھیجنے کی خواہش کا اظہار کیا جائے تو ہم اس راکھ کو بے شک بھجوانے کا انتظام کر سکتے ہیں، اصل میں ان کے لواحقین کو اس بارے میں اطلاع دی جا رہی ہے اور یہ فیصلہ انہی کو کرنا ہے کہ کیا وہ ان جلی ہوئی لاشوں کو لے جانا پسند کریں گے...... کمپنی اپنے اخراجات پر انہیں بلوانے کا بندوبست کر رہی ہے اور اس سلسلے میں ضمنی کارروائیاں ہو گئی ہیں...... لاشیں ہسپتال کے سرد خانے میں ہی ہیں، ذرا ایک نگاہ ان کا جائزہ لے لیجئے گا۔"

"ٹھیک ہے یہ معلومات حاصل کر لی جائیں گی۔" شہاب نے کہا تھوڑی دیر کے بعد اسے ان کے فائل موصول ہو گئے اور شہاب نے یہ فائل اپنی تحویل میں لے کر ان کی رسید کمپنی کے جنرل منیجر کو دے دی، پھر مزید کچھ دیر تک معلومات حاصل کرنے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اُٹھ گیا اور ہیڈ کوارٹر ہی واپس آ گیا...... اس تمام تر معلومات کو اپنے طور پر مجتمع کر کے وہ ایک رپورٹ تیار کر رہا تھا...... ڈی آئی جی نادر حیات صاحب سے ٹیلی فون پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تو پتا چلا کہ وہ موجود نہیں ہیں اور کسی کام سے گئے ہوئے ہیں...... شہاب عقلی گھوڑے دوڑاتا رہا اور پھر نادر حیات کا ٹیلی فون ہی اسے موصول ہوا تھا...... وہ ریسیور اُٹھا کر ان سے بات کرنے لگا تو نادر حیات صاحب بولے۔

"تم نے مجھے کال کیا تھا...... میرے پی اے نے بتایا ہے مجھے۔"

"جی سر ملنا چاہتا ہوں۔"

"آ جاؤ بھئی فوراً آ جاؤ"...... نادر حیات صاحب نے کہا۔ شہاب نے وہ ٹیپ ریکارڈر وغیرہ نکالا اور ان لوگوں کے کاغذات اور فائل لے کر نادر حیات صاحب کے کمرے کی جانب چل پڑا...... نادر حیات صاحب کو سیلوٹ کرنے کے بعد اس نے کہا۔

"شرط یہ ہے کہ آپ کے پاس وقت ہو۔"

"بالکل وقت ہے کچھ مصروفیات تھیں جنہیں نمٹا چکا ہوں۔"

"تو میں دروازہ بند کئے دیتا ہوں۔"

"میں چپڑاسی کو ہدایت دیئے دیتا ہوں تم بے فکر رہو۔" نادر حیات صاحب نے کہا اور پھر چپڑاسی کو طلب کر کے اسے ہدایات دیں، ان کی سنسنی خیز نگاہیں شہاب کے ساتھ لائے ہوئے ٹیپ ریکارڈر اور فائلوں پر جمی ہوئی تھیں، شہاب بیٹھ گیا تو نادر حیات صاحب بولے۔

"ہاں اب بتاؤ کیا صورت حال ہے۔"

"آپ کی ہدایت کے مطابق میں نے کام شروع کیا ہوا ہے اور کام مسلسل جاری ہے...... ایک بات فرمائیے انٹرنیشنل نارکوٹکس کے وہ دونوں نمائندے کیا ابھی یہاں موجود ہیں۔"

"لائڈ اور ہیکٹر۔"

"جی ہاں۔"

"ہاں دونوں موجود ہیں۔"

"آپ سے رابطہ ہے۔"

"مختصر۔"

"کیا مطلب؟"

"بھئی ظاہر ہے اب میں ان کا محکوم تو نہیں ہوں، ویسے انہیں سرکاری طور پر ٹھہرایا گیا ہے، وہ اپنے طور پر ہی وقت گزاری کر رہے ہیں۔"

"آپ سے کب رابطہ قائم ہوا۔"

"اب تو خیر خاصا وقت گزر گیا۔"

"خیریت سے تو ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے کہ کیا مقامی حکومت کی سیکورٹی میں ہیں وہ۔"

"نہیں کیوں۔"

"میرا خیال ہے کہ ہونا چاہئے تھا۔"

"کک کیا مطلب کیا ہونا چاہئے تھا، کیا انہیں خطرہ ہے۔"

"ہو بھی سکتا ہے۔"

"یہ پیشکش انہیں کی گئی تھی۔"

"پھر۔"

"انہوں نے خود اسے قبول نہیں کیا۔"

"یعنی۔"

"یعنی انہوں نے کہا کہ وہ اپنے طور پر وقت گزاری کر رہے ہیں اور خود اپنے ذمہ دار ہیں۔"

"کہاں ہیں وہ۔"

"ہوٹل میں ہیں جس کے بارے میں بہر حال مجھے علم ہے۔"

"خیر ابھی میں آپ کو یہ نہیں کہوں گا کہ آپ ان کی خیریت معلوم کریں۔"

"ویسے شہاب وہ ذمہ داری ہے میری۔"

"تو بہتر یہ ہوگا کہ ان پر نگاہ رکھی جائے صرف ان کی سیکورٹی کے خیال سے۔"

"ٹھیک ہے میں انتظام کردوں گا مگر تم بتاؤ کوئی خاص اطلاع ملی ہے۔"

"جی ہاں کام تو ہو رہا ہے۔"

"مثلاً۔"

"میں آپ کو ایک ٹیپ ریکارڈر سناتا ہوں اس پر ذرا سی تفصیلات موجود ہیں میرا خیال ہے میرے اور آپ کے لئے معاون ہوں گی۔" شہاب نے کہا اور ڈی آئی جی صاحب متوجہ ہوگئے...... شہاب نے کیسٹ جو اس نے اپنے پاس ہی رکھا تھا نکال کر ٹیپ ریکارڈر میں لگایا اور پھر ٹیپ ریکارڈر پر ہونے والی گفتگو سن رہے تھے اور جب یہ کیسٹ ختم ہوگیا تو شہاب نے کہا۔

"اگر کوئی اُلجھن رہ گئی ہو تو میں اسے Rewind کروں۔"

"نہیں بات بڑی واضح ہے یہ شیخ سلطان۔"

"جی سلطان انڈسٹریز۔"

"ہاں ہاں تم مکمل طور سے مجھے بتا چکے ہو۔"

"اور دوسرے فرد کو تو آپ پہچان ہی گئے ہوں گے۔"

"اچھی طرح لیکن بھئی بڑے دل گردے کا کام ہے، ڈاکٹر حیات اب بھی ان تمام معاملات میں ملوث ہے یعنی تمہیں چیلنج دینے کے بعد بھی۔"

"جی ہاں۔"

"مگر یہ ٹیپ تم نے کہاں سے حاصل کیا؟"

"میں نے عرض کیا تھا نا کہ کام جاری ہے۔"

"مگر یہ تین افراد کیا ان کے بارے میں تم معلومات حاصل کر چکے ہو۔"

"جی ہاں یہ تین فائل موجود ہیں ان پر تصویریں لگی ہوئی ہیں، تین افراد جن میں سے ایک کا نام راکی، دوسرا فیٹ اور تیسرا گارون ہے...... اس کمپنی میں انجینئر کی حیثیت سے آئے تھے، آئل ٹینکر سے ان کی کار کا حادثہ ہوا جبکہ انہوں نے ابھی تک اپنا چارج بھی کمپنی سے نہیں لیا ہے۔"

"نگران کے سلسلے میں تم۔"

"اصل میں سر میرا جہاں تک شبہ ہے، یہ تین افراد وہی ہیں جن کے بارے میں لائڈ اور ہیکٹر نے آپ کو اطلاع دی تھی۔"

"اوہ میرے خدا انتت تو تو کیا۔"

"جی ہاں جی ہاں اور یہ بہر حال آپ کی ذمہ داری ہے کہ ان تینوں چہروں کی تصدیق لائڈ اور ہیکٹر سے کرادی جائے۔"

"نگران کو ہلاک کس نے کیا۔"

اصولی طور پر تو جیسا کہ اس گفتگو سے ظاہر ہوا میرا مطلب ہے شیخ سلطان اور ڈاکٹر حیات کے درمیان ہونے والی گفتگو سے کہ یہ کام ان لوگوں کو ہی کرنا چاہئے تھا، کیونکہ سنڈیکیٹ کی جانب سے انہیں سزا کا خطرہ ہے اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ سنڈیکیٹ کے نمائندے ...بازی کے سلسلے میں اپنی سپلائی رُک جانے کی تحقیقات کرنے کے لئے آئے ہوئے ہیں ان

پانچواں افراد کے بارے میں فوری طور پر کوئی رپورٹ سنڈیکیٹ کو نہ دینے پائیں، ان کی موت کا مسئلہ ان کی ذمہ داری نہیں ہے کیونکہ نمائندے اپنی ذمہ داری پر یہاں آتے ہیں...... سنڈیکیٹ نے انہیں پورے اعتماد کے ساتھ بھیجا ہے لیکن یہ ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ اس حادثے کے ذمہ دار یہ نہیں ہیں۔"

"ہاں میں سمجھ رہا ہوں۔" نادر حیات صاحب اُلجھے ہوئے لہجے میں بولے، ان کی نگاہوں میں ایک بار پھر تعریف کے آثار اُبھر آئے تھے، شہاب کتنی باریکی سے یہ سب کچھ سوچ رہا ہے، وہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ پھر انہوں نے کہا۔

"مگر شہاب تمہارا کیا خیال ہے کیا انہی میں سے کسی نے۔"

"نہیں۔" شہاب کے الفاظ نے نادر حیات صاحب کو مزید سنسنی کا شکار کر دیا تھا۔

"تب تو پھر۔"

"ایک شخص جو غیر ملکی تھا ڈرائیور اور کلینر سے ملا اس نے انہیں چرس پیش کی اور اوہ ویری گڈ میں تھوڑی سی اجازت چاہتا ہوں ٹیلی فون کرنے کی۔"

"ہاں...... ہاں کسے ٹیلی فون کر رہے ہو۔"

"ایک خیال ہے جناب اس سے پہلے کہ میں یہ فائل آپ کو تصدیق کے لئے دوں کسی اور سے بھی ان کی شناخت کرانا چاہتا ہوں۔"

"جیسا دل چاہے کرو۔"

"آپ کا وقت ضائع ہونے کا مجھے افسوس ہوگا۔"

"نہیں بالکل بے فکر رہو میں فرصت سے ہوں۔"

"شہاب نے ٹیلی فون ڈائریکٹری میں متعلقہ تھانے کے نمبر دیکھے جہاں انسپکٹر سعید خان بیٹھا ہوتا تھا...... انسپکٹر سعید خان تھانے میں ہی موجود تھا اور اسی نے فون ریسیو کیا تھا۔

"ہیلو انسپکٹر سعید خان۔"

"کون صاحب بول رہے ہیں۔"

"میں شہاب ثاقب ہوں میں نے آپ سے ملاقات کی تھی اس سلسلے میں۔"

"جی سر جی...... السلام علیکم۔"

"سعید خان مکمل اعتماد کے ساتھ ڈرائیور اور کلینر کو لے کر میرے پاس آجاؤ...... میرا

مطلب ہے پولیس ہیڈ کوارٹر آجاؤ، ڈی آئی جی نادر حیات صاحب کے پاس بیٹھا ہوا ہوں...... یہ کام جتنی جلدی سے کر سکتے ہو کر لو سیدھے ڈی آئی جی صاحب کے کمرے تک آجانا۔"

"یس سر۔" سعید خان کی آواز سنائی دی اور شہاب نے ٹیلی فون بند کر دیا، پر نادر حیات صاحب کو دیکھتا ہوا بولا۔

"اصل تو میرے ذہن میں ایک تصور ہے جناب آپ کا حکم ہو تو پہلے سے اس کی وضاحت کر دوں ہو سکتا ہے میرا خیال غلط بھی ہو۔"

"میرے سامنے تکلف کی یہ باتیں نہ کیا کرو۔"

"جناب ان تینوں آدمیوں کو یہاں کام کرنے والے افراد نے قتل نہیں کیا بلکہ مجھے یہ کوئی اور ہی پراسرار چکر معلوم ہوتا ہے۔"

"مثلاً کیا؟"

"جہاں تک میرا خیال ہے سنڈیکیٹ کے وہ تینوں نمائندے قتل ہی نہیں ہوئے۔"

"کیا؟" نادر حیات صاحب نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھنے لگے، شہاب کی آنکھیں سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں اس نے کہا۔

"حالات اسی کی جانب اشارہ کرتے ہیں جیسا کہ لائڈ اور ہیکٹر نے بتایا کہ وہ تین افراد کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہیں اور وہ تین افراد یہی لوگ تھے جن کا تعلق سنڈیکیٹ سے ہے...... یہاں کسی کمپنی کی وساطت سے آئے ہیں اب میں یہ نہیں سمجھتا جناب یہ کمپنی کس حد تک اس معاملے میں ملوث ہے، ہو سکتا ہے کمپنی کے افراد کو تمام تفصیلات کا علم ہی نہ ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ وہاں اس طرح کے بیٹھے ہوئے ہوں اس کی تحقیقات بعد میں کی جا سکتی ہے بلکہ یہ پتا بھی چلانا پڑے گا کہ اس کمپنی کا تعلق ان پانچوں افراد میں سے کسی سے تو نہیں ہے، اس بات کے امکانات ہیں کہ ایسا ہو لیکن یہ بعد کی بات ہے، وہ لوگ یہاں آئے...... یہاں آنے کے بعد ابتداء میں انہوں نے ان سے رابطہ قائم کیا...... میری مراد ان پانچ افراد سے ہے جن کی تفصیلات میں آپ کو بتا چکا ہوں اور پھر ان لوگوں نے انہیں ایک بار قتل کر دیا ہو سکتا ہے کسی خاص بنیاد پر وہ اپنے آپ کو پردہ سے ہٹانا چاہتے تھے، چنانچہ انہوں نے خود کو قتل کر دیا۔"

"کیا مطلب؟" نادر حیات صاحب پھر بولے۔

"دیکھئے...... یہ ٹیپ جو میں نے آپ کو سنایا ہے خود اس بات کی تصدیق کرتا ہے، انہی میں اس کی وضاحت نہیں کروں گا کہ یہ تصدیق کیسے ہوتی ہے مطلب یہ ہے کہ ان تینوں نے خود اپنے قتل کا ڈرامہ رچایا...... ڈرائیور اور کلینر کو نشہ آور ادویات پلا کر انہوں نے اپنی جانب متوجہ کیا، پھر کمپنی کی کار نے ایک ایکسیڈنٹ کیا اور لاشیں جلا کر راکھ کر دیں، یہ سب پکو ان کی اپنی کارروائی ہے، ہلاک ہونے والے ہو سکتے ہیں وہ لوگ نہ ہوں بلکہ کچھ اور لوگ ہوں جن کے بارے میں کوئی بات نہیں بتائی جاسکتی کہ وہ کون ہیں اور کیا ہیں، لیکن بہرحال آپ مجھے خود بتائیے ڈی آئی جی صاحب کہ لاشیں جل کر راکھ ہو جاتی ہیں اور ہمیں میرا مطلب ہے پولیس کو ان کے وہ کاغذات مل جاتے ہیں جن سے ان کی شناخت ہو جاتی ہے، لاشیں جل کر خاکستر ہو جائیں بھلا وہ سامان کیسے بکھر سکتا ہے، کیا حادثے کی وجہ سے اگر حادثے کی وجہ سے سامان بکھرنا ہی ہے تو گاڑی کے کاغذات اس میں موجود تو تمام چیزیں بھی بکھرنی چاہئیں اور پھر یہ تینوں اپنے کاغذات لے کر کیوں پھر رہے تھے...... ان کا تو کسی باقاعدہ جگہ قیام تھا، کچھ ایسی اُلجھنیں درپیش ہیں اگر ڈرائیور اور کلینر کا بیان غلط نہیں ہے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مرنے والے اصل لوگ نہیں تھے بلکہ انہی میں سے کسی نے ڈرائیور کو اس بات پر اکسایا تھا اور ٹینکر کی مدد حاصل کی تھی، میں نے اسی لئے تصدیق کے لئے ڈرائیور اور کلینر یہاں بلایا ہے کہ انہیں بھی یہ تصویریں دکھا کر یہ معلومات حاصل کروں کہ کیا وہ ان میں سے کسی کو پہچانتا ہے۔"

"تو پھر ایک کام میں بھی کئے دیتا ہوں۔"

"کیا؟"

"لائڈ اور ہیکٹر سے بھی کیوں نہ اس کی تصدیق ہو جائے۔"

"میں سمجھتا ہوں نہایت مناسب ہے۔"

"میں انہیں بھی طلب کئے لیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے آپ ضرور ایسا کیجئے گا اس سلسلے میں آپ کی پیش قدمی کی اطلاع بھی انہیں مل جائے گی جو میرے لئے ضروری ہے۔"

"پلیز ایسا ضرور کیجئے گا۔" شہاب نے کہا اور نادر حیات صاحب ٹیلیفون پر کسی سے رابطہ قائم کرنے لگے...... شہاب خاموشی سے گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا، کچھ دیر بعد نادر حیات

شہاب نے کہا۔

"وہ لوگ بھی آرہے ہیں، پھر چند منٹ کے بعد انسپکٹر سعید خان ڈرائیور اور کلینر کو لے کر وہاں پہنچ گیا...... اپنے تھانے کے افراد کے ساتھ وہ ان لوگوں کو لے کر آیا تھا...... شہاب کی اجازت سے وہ لوگ اندر آگئے اور ڈرائیور سہما ہوا سا ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

"معاف کرنا دوست تمہیں فوری طور سے تکلیف دینی پڑی ہے...... غور سے ان تینوں کو دیکھو اور یہ بتاؤ کہ جس شخص نے تمہیں چرس پیش کی تھی اور پھر تم سے دوستی کی تھی، کیا ان میں سے کوئی ہے۔" تینوں فائلوں میں لگی تصویریں ڈرائیور کے سامنے کر دی گئیں اور ڈرائیور نے فوراً ہی ایک تصویر پر انگلی رکھ دی۔

"یہ ہے صاحب اس شخص کا نام گارون تھا۔" شہاب نے نادر حیات صاحب کی طرف دیکھا اور نادر حیات صاحب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، وہ ڈرائیور سے بولے۔

"تم پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہو کہ یہ وہی آدمی ہے۔"

"صاحب جی زندگی پر بن گئی ہے اب بھی یقین کے ساتھ نہیں کہیں گے تو کیا مرنے کے بعد کہیں گے ہم پورے ہوش و حواس میں ہیں کیونکہ پھانسی کا پھندا ہمارے گلے کے پاس جھول رہا ہے، یہی وہ آدمی ہے اور اس میں کوئی شک کی بات نہیں ہے۔"

"ہوں۔" شہاب نے گردن ہلائی پھر سعید خان سے بولا۔

"معاف کرنا سعید خان اس وقت یہ بڑا ضروری تھا، تمہیں تکلیف دی انہیں واپس لے جا سکتے ہو، ذرا احتیاط رکھنا۔"

"یس سر۔" سعید خان جھٹکے دار آواز میں بولا۔ ڈی آئی جی صاحب کے سامنے پیشی ہوئی تھی اس کی معمولی بات نہیں تھی، باتوں میں وقت گزر گیا تب شہاب نے کہا۔

"یہ صورت حال ہے جناب ان لوگوں نے تین افراد کو قتل کر کے اپنی لاشوں کے طور پر انہیں پیش کر دیا ہے...... میرا خیال ہے یہ یہاں روپوش ہونا چاہتے ہیں اور شاید اس سلسلے میں اپنے ان پانچوں افراد کو بھی اعتماد میں نہیں لینا چاہتے جو یہاں سنڈیکیٹ کی نمائندگی کرتے ہیں اب آپ لائڈ اور ہیکٹر سے تصدیق کرا لیجئے اس کے بعد صرف یہ مرحلہ باقی رہ جاتا ہے کہ وہ تین افراد کون تھے جنہیں اس طرح زندہ جلا دیا گیا...... ڈرائیور اور کلینر بیچارے بے قصور ہیں...... ان کا اتنا سا جرم ہے کہ لالچ میں آکر انہوں نے کچھ جرائم پیشہ افراد کی مدد

کی، اب باقی سارا مسئلہ کیا ہے...... کمپنی کے بارے میں تحقیقات کے لئے میں باقاعدہ تحقیقات شروع کرتا ہوں، لائڈ اور ہیکٹر آجائیں تو آپ اس کی تصدیق دوبارہ کرالیجئے گا، باقی باتیں خود بخود ختم ہو جاتی ہیں۔" نادر حیات صاحب نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی، شہاب بولا۔

"میرا خیال ہے میرا آپ کے پاس ہونا ضروری نہیں ہے...... آپ مجھے ان کی واپسی کے بعد طلب کرلیجئے گا۔" پھر شہاب وہاں سے اُٹھ آیا اور اپنے کمرے میں واپس پہنچ گیا۔ باقی تمام چیزیں وہ اپنے ساتھ ہی لے آیا تھا، بس فائل چھوڑ دیئے گئے تھے...... تقریباً بیس منٹ کے بعد نادر حیات صاحب نے اس طرف رابطہ قائم کیا۔

"شہاب۔"

"نادر حیات بول رہا ہوں۔"

"لیس سر۔"

"وہ آگئے ہیں۔"

"آپ نے۔"

"ہاں انہوں نے تصدیق کر دی ہے یہی وہ تینوں آدمی ہیں۔"

"گڈ...... اس کا مطلب ہے کہ کم از کم یہاں تک بات واضح ہو گئی۔"

"ہاں شہاب ویسے لائڈ اور ہیکٹر اب یہاں سے واپسی چاہتے ہیں اور اس سلسلے میں ہمیں آگے کام کرنا ہوں گے۔"

"سر انہیں روکنے کا کوئی جواز بھی نہیں ہے۔" شہاب نے جواب دیا۔

"وہ ان فائلوں کے بارے میں معلومات حاصل کر رہے تھے۔"

"آپ نے کیا جواب دیا۔"

"اب ظاہر ہے ہم کسی کے جوابدہ تو نہیں ہیں، میں نے کہا کہ ابھی تحقیقات جاری ہیں اور بہت سی ایسی باتیں ہوتی ہیں جو وقت سے پہلے بتائی نہیں جاسکتیں...... انہوں نے تحقیقات یعنی ان تصویروں کی تصدیق کر دی ہے بس اتنا کافی ہے وہ جب چاہیں واپس جاسکتے ہیں لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ مجھے اطلاع دیں۔"

"گڈ۔" شہاب نے مطمئن لہجے میں کہا۔

"ہاں کیا تم مجھ سے ملاقات کر رہے ہو۔"

"میں حاضر ہو رہا ہوں فائل احتیاط سے رکھنے ہیں، لیکن پہلے ذرا تھوڑی سی اس کمپنی کے بارے میں ذمہ داری پوری کرلوں تاکہ کوئی اُلجھن نہ بننے پائے۔"

"ہاں ٹھیک ہے بہرحال اس کے بعد مجھ سے مل لو فائل میں نے اپنے پاس ہی رکھی ہیں تم چاہو تو انہیں حاصل کر لینا۔"

"جی سر۔" رابطہ منقطع کرنے کے بعد شہاب ڈبل او گینگ کے ممبروں کو کال کرنے لگا سردار علی سے رابطہ قائم ہوا تھا اس نے شہنشاہ کی آواز میں کہا۔

"ہاں سردار علی میں تمہیں ایک کمپنی کا نام اور پتا دے رہا ہوں...... کم از کم چاروں افراد کو اس کمپنی کے ذمہ دار لوگوں کی نگرانی پر لگا دو اور ان سے کہو کہ وہ ان لوگوں کی تمام مصروفیات پر نگاہ رکھیں، مجھے ان کے بارے میں مفصل رپورٹ درکار ہے۔"

"بہت بہتر جناب۔" اور اس کے بعد شہاب نے سلسلہ منقطع کر دیا، پھر کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر گہری گہری سانسیں لینے لگا، اس معاملے کے دلچسپ مراحل طے ہو رہے تھے اور کیس دلچسپ سے دلچسپ ہوتا جا رہا تھا۔

❀❀❀

شہاب اپنی تمام ضروریات سے فراغت حاصل کرنے کے بعد آخر کار گھر پہنچ گیا...... گھر میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوئی تھی، بلکہ بینا کی آمد سے کافی رونق ہو گئی تھی...... نعیمہ بیگم بے حد خوش تھیں...... ثریا بھابی تو ویسے بھی مزاج کی بہت نفیس خاتون تھیں...... باقی تمام لوگ بھی محبت کرنے والوں میں سے تھے، اس گھر میں اگر کبھی کوئی ذہنی دباؤ کی وجہ سے چپقلش رہی بھی ہو تو اب طویل عرصے سے بالکل ختم ہو گئی تھی...... سب ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور یگانگت سے رہتے تھے اور بینا تو ویسے بھی بہت ہی فراخ ذہن اور فراخ دل کی لڑکی تھی، اس کے علاوہ دُنیادار بھی تھی اور حقیقتوں کو اچھی طرح سمجھتی تھی، وہ جانتی تھی کہ کس طرح ایک گھر کے افراد سے اندرونی طور پر واقفیت حاصل کر کے دوستی نبھائی جا سکتی ہے اور ذہنی طور پر انہیں مطمئن رکھا جا سکتا ہے...... بہر حال ڈنر پر شہاب ان لوگوں کے ساتھ شریک تھا اور کافی پُرلطف باتیں ہوتی رہی تھیں...... عدنان واسطی صاحب بھی کبھی کبھی اپنی اہلیہ کے ہمراہ آجایا کرتے تھے تو یہاں ان کا اتنا پرتپاک خیر مقدم ہوتا تھا کہ وہ شرمندہ ہو جاتے تھے...... بہر حال تمام معمولات سے فراغت حاصل کرنے کے بعد شہاب بینا کے ساتھ اپنے بیڈ روم میں پہنچ گیا، لباس وغیرہ تبدیل کر کے بینا اس کے نزدیک آ گئی تو شہاب نے شرارت بھری آواز میں کہا۔

"محترمہ آپ نے تو تمام حدود پھلانگ لی ہیں، ابھی چند دن پہلے کی بات ہے کہ ہمیں اس قسم کے مواقع نصیب ہوا کرتے تھے اور اس کے بعد بس کیا کہیں کیا ہوتا تھا۔"

"اور اگر آپ شرارت کی یہ باتیں نہ کریں تو میں جانتی ہوں کہ آپ کا کھانا ہضم نہیں ہو سکتا۔"

"نہیں ایسی بات نہیں ہے آپ کا یہ خیال غلط ہے بینا صاحبہ اب بات صرف شرارت کی باتوں کی نہیں ہے بلکہ اللہ نے ہاضمے کا اور بھی بندوبست کر دیا ہے۔" بینا ہنس پڑی پھر بولی۔

"کیا رہا دن بھر۔"

"وہی رفتار بے ڈھنگی جو پہلے تھی سو اب بھی ہے۔"

"نہیں اس رفتار کو بے ڈھنگی تو نہیں کہا جا سکتا، ویسے شہاب ایک بات بتائیں یہ کیس ہمارے لئے تو مبارک رہا۔" جواب میں شہاب ہنس پڑا پھر بولا۔

"دوسرا کیس بھی ہمارے لئے مبارک رہے گا...... میرا مطلب ہے وہ کیس جو میٹرنٹی ہوم میں ہو گا۔"

"پلیز یہ بتائیں اس سلسلے میں بات کہاں تک پہنچی ہے۔"

"میں بتاؤں......" شہاب نے حیرانی سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

"کیا مطلب۔" بینا شہاب کی بات نہیں سمجھ سکی تھی۔

"بھائی میٹرنٹی ہوم میں جو کیس ہو گا اس کے بارے میں میرا جہاں تک تجربہ ہے خواتین ہی مناسب بتا سکتی ہیں۔"

"گویا سنجیدگی کا موڈ نہیں ہے۔"

"یار بینا دن بھر سنجیدہ رہنا پڑتا ہے، کبھی نادر حیات صاحب کے سامنے...... کبھی دوسروں کے سامنے...... اب اگر تمہارے سامنے بھی سنجیدگی اختیار کر لی جائے تو کیا مزہ آئے گا اس زندگی میں۔"

"لیکن یہ بھول رہے ہیں آپ جناب شہاب ثاقب صاحب کہ میں آپ ہی کے محکمے کی ایک رکن ہوں، ہر چند کہ چھٹی پر ہوں لیکن بہر حال وہ ذمہ داریاں مجھ پر بھی بدستور عائد ہوتی ہیں۔"

"بینا ایک بلت بتاؤ۔"

"جی پوچھئے۔"

"ملازمت ختم کر دی جائے تمہاری۔"

"کوئی ناراضگی ہو گئی ہے یا کوئی غلطی ہو گئی ہے مجھ سے۔"

سنجیدہ ہوں۔"

"کیا فضول بات ہے یعنی کیوں ختم کر دی جائے میری ملازمت۔"

"نہیں میرا مطلب ہے اب زندگی کا دوسرا رُخ دیکھو، ان حالات سے لطف اٹھاؤ۔"

"اگر یہ آپ کا حکم ہے جناب شہاب صاحب تو مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ کا ہر حکم مانوں...... ہاں اگر مجھ سے میری آخری خواہش پوچھی جائے تو یونہی عرض کرنا پسند کروں گی کہ خدارا ایسا نہ کریں، جب بھی ایک گھریلو عورت بنانا چاہیں گے اعتراض نہیں کروں گی لیکن میرے چند الفاظ کی مجھے یہ سزا نہ دیں۔"

"چند الفاظ۔" شہاب چونک کر بولا۔

"ہاں۔"

"کیا...... وہ جو تم نے ایجاب و قبول کے سلسلے میں ادا کئے تھے۔"

"جی نہیں۔"

"پھر۔"

"وہ جو میں نے کہہ دیا تھا کہ کسی مہم کے دوران میں کسی حادثے کا شکار نہ ہو جاؤں، آپ نے مجھے اس کی سزا دے ڈالی۔"

"خیر اگر یہ سزا بھی ہے تو اتنی حسین سزا کہ زندگی بھر یہ سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوں، لیکن بات وہیں آ جاتی ہے کہ میری نوکری۔"

"ارے بابا میں نے تو صرف سوال کیا تھا۔"

"تو میرا جواب سن لیا ہے آپ نے۔"

"جی ہاں سن لیا ہے اب اگر کچھ اور سوالات کئے جائیں گے تو پتا نہیں ان کا جواب کیا ملے۔"

"مثلاً۔" بینا نے سوال کیا۔

"کچھ سوالات زبان سے نہیں کئے جاتے...... محترمہ بینا صاحبہ بلکہ۔" شہاب نے کہا اور ایک قدم آگے بڑھ گیا...... بینا ہنسنے لگی تھی، کچھ لمحے اسی طرح گزر گئے...... پھر بینا نے شہاب کے سینے پر رُخسار رکھتے ہوئے پوچھا۔

"ویسے پلیز شہاب آپ بتایئے تو سہی کہ اس سلسلے میں کہاں تک پیش رفت ہوئی کیس بہت لمبا ہو گیا نا۔"

"بینا کیس لمبا نہ بھی ہوتا تو باڑی سے واپسی کے بعد جو فائل میرے ہاتھ لگا تھا اگر اس کے تحت کام ہو جاتا تو پھر یہ تمام صورت حال نہ رہتی، اصل میں اس بار دل میں یہ خواہش ابھری تھی کہ ذرا نادر حیات صاحب کو بھی دیکھ لیا جائے...... ان کی رائے اور مشورہ لے لیا جائے لیکن بہر حال میں انہیں قصور وار نہیں کہتا، بڑی زنجیریں بکھری ہوئی ہیں چاروں طرف، بینا بظاہر یہ نظر نہیں آتیں لیکن انہیں ایک لمحے کے لئے اگر سنجیدگی کے ساتھ دیکھو تو پاؤں بری طرح ان میں اُلجھ جاتے ہیں...... نادر حیات صاحب کی مشکل کو بھی میں اچھی طرح سمجھتا ہوں بیچارے بس یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ انتہائی مخلص انسان ہیں...... اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہیں کرنا چاہتے لیکن وہی نادیدہ زنجیریں ان کے بھی سامنے ہیں اور بہر حال بینا ان زنجیروں کا ایک مستحکم وجود ہے، ابھی تک تو کوئی ان زنجیروں سے بچ نہیں پایا، چاہے کسی پائے کی شخصیت ہو۔" بینا خاموشی سے شہاب کی باتیں سن رہی تھی، پھر اس نے کہا۔

"لیکن شہاب ایک بات تو آپ نے سوچی ہی نہیں۔"

"کیا۔"

"جن دشمنوں کو آپ نے آزاد چھوڑ دیا ہے کہیں وہ آپ کے لئے عذاب ہی نہ بن جائیں۔"

"اب تمہارے سوچنے کا انداز بدلا ہے بینا دشمن تو ہمیشہ ہی عذاب ہوتا ہے، ظاہر ہے وہ کبھی نیک نیتی سے یا اچھے انداز میں نہیں سوچے گا، چونکہ خود اس کی اپنی زندگی کا معاملہ ہوتا ہے۔"

"مگر ایک بات تو سوچئے جناب آپ کو تو بھی بہر حال دشمن سے ہوشیار رہنا ہوتا ہے۔"

"تو کیا میں نہیں رہتا۔"

"خاک رہتے ہیں بے دھڑک ہر مسئلے میں کود پڑتے ہیں۔"

"کچھ دعاؤں کے ساتھ۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خالی دعاؤں سے کام نہیں چلتا محنت بھی کرنا ہوتی ہے، جدوجہد بھی انتہائی ضروری ہے۔"

"وہی کرتے ہیں بینا صاحبہ بس یوں سمجھ لیجئے آپ کے احساسات شدید ہو چکے ہیں

ورنہ باقی کام تو ہوتا ہی ہے اور کرنا پڑتا ہے کیا کیا جائے۔"

"ہاں ٹھیک ہے میں کب اس سے انکار کرتی ہوں...... بہر حال کچھ اطلاعات ہیں آپ کے لئے۔"

"اطلاعات۔"

"ہاں۔"

"کس سلسلے میں بھئی کیا وہی میٹر نٹی ہوم والا مسئلہ ہے۔"

"احتجاج۔" بینا نے کہا۔

"کیوں سرکار۔"

"بات اصل میں یہ ہے کہ اب میٹر نٹی ہوم کا تذکرہ کر کے آپ یہ احساس دلانا چاہتے ہیں کہ ہم صرف اسی مسئلے میں آپ کے لئے کار آمد ہیں۔"

"ارے...... ارے...... ارے...... یہ کس نے کہا۔"

"تو پھر وہی والی بات کہ ہمیں کسی اور قابل نہیں سمجھا جاتا کیا۔"

"سوری بینا یہ مقصد تو بالکل نہیں تھا۔"

"تو مراد یہ ہے کہ بات اسی سلسلے میں ہو رہی تھی۔"

"کس سلسلے میں۔"

"میرا مطلب ہے آپ سے جو باتیں ہو رہی تھیں نا اسی سلسلے میں۔" بینا کس قدر جھلائے ہوئے لہجے میں بولی، بہر حال شہاب کی قربت ذہنی طور پر اسے متاثر تو کئے ہوئے تھی انسانوں سے الگ تو کوئی جنس نہیں تھی جو کسی ایسے مسئلے سے متاثر نہ ہو پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور جلدی سے بولی۔

"شہاب ایک فون آیا تھا آپ کے لئے۔"

"کسی سابقہ محبوبہ کا نہیں ہو سکتا تقدیر اتنی اچھی کبھی نہیں رہی ہے۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"براہ کرم سنجیدہ ہو جائیے۔"

"ہو گئے بھئی ہو گئے۔"

"ایک لڑکی کا فون ہی تھا۔" بینا نے کہا۔

"کیا کہہ رہی تھی۔" شہاب نے شرارت کے باوجود سنجیدہ چہرہ بناتے ہوئے پوچھا۔

"وہ مجھ سے ملنا چاہتی ہے۔" کچھ عجیب اُلجھی اُلجھی سی لڑکی تھی اور بینا شہاب کو وہ تمام تفصیلات بتانے لگی جو اس کے اور صدف کی گفتگو کے دوران پیش آئی تھیں...... شہاب اب پوری سنجیدگی اور دلچسپی سے بینا کی کہانی سن رہا تھا...... جب بینا پوری تفصیل بتا کر خاموش ہوئی تو شہاب نے کہا۔

"ویری گڈ۔"

"کیا ویری گڈ یعنی اب آپ میرے سامنے دلیر سنگھ یا دلیر خان بننے کی کوشش کریں گے، یعنی آپ اس بات کو خاطر میں ہی نہیں لائیں گے، کچھ لوگ آپ کو اور نادر حیات صاحب کو نقصان پہنچانے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔"

"کیا مجھے اس بات کو خاطر میں لانا چاہئے بینا؟"

"پھر یہی سوال کہوں گی کہ کیوں اس سوال سے کیا مراد ہے آپ کی۔"

"زندگی میں کبھی آپ نے اس قدر کمزور یا بزدل پایا ہے مجھے؟"

"بالکل نہیں اسی لئے میں کہہ رہی تھی کہ اب آپ دلیر خان بننے کی کوشش کریں گے جناب دلیری کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اپنے دشمن سے کبھی غافل نہ رہا جائے اور ہمیشہ اس کی طرف سے چوکس اور چوکنا رہا جائے۔"

"تو میں نے کب انکار کیا ہے اس بات سے۔"

"ایک بات سمجھ لیجئے آپ۔"

"جی جی سمجھائیے سمجھائیے۔" شہاب جلدی سے سیدھا ہو گیا اور بدن سے چادر کھسک گئی۔"

"خدا تمہیں سمجھے۔" بینا نے چادر سمیٹتے ہوئے کہا۔

"ارے بابا...... بات سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"سنجیدہ نہیں ہو گے۔"

"یار سنجیدہ ہوں کیوں بور کر رہی ہو۔" شہاب نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ نے اگر اپنے آپ کو بہت زیادہ بے پروائی کی نذر کیا تو پھر مجھے میدان عمل میں آنا پڑے گا۔"

"کیا واقعی۔" شہاب خوشی سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"کیا مطلب کوئی شک ہے آپ کو۔"

"ارے نہیں خدا کی قسم کوئی شک نہیں ہے...... ذرا پلیز جلدی سے میدان عمل میں آجایئے۔" شہاب نے معنی خیز لہجے میں کہا، بینا چند لمحے اس کا مقصد سمجھنے کی کوشش کرتی رہی اور پھر اس نے شرما کر شہاب کے بالوں بھرے سینے میں منہ چھپالیا...... شہاب ہنسنے لگا، پھر اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"بات اصل میں یہ نہیں ہے بینا مذاق اپنی جگہ میں پہلے تو صرف اپنے لئے تھا اب اپنے لئے نہیں ہوں، جیتے ہوئے بینا کے بارے میں بھی سوچنا پڑتا ہے اور یہ خیال رکھنا پڑتا ہے کہ اس وجود کا ایک بہت بڑا حصہ اب میرا اپنا نہیں رہا ہے بلکہ محترمہ بینا کی ملکیت ہو چکا ہے، ایسی شکل میں ذرا صورت حال کو ذہن میں رکھنا ہوگا۔"

"اس عنایت کا بے حد شکریہ واقعی میری بھی یہی آرزو ہے۔"

"کیا نام بتایا تم نے اس لڑکی کا۔"

"صدف۔"

"اوہو صدف۔" شہاب پر خیال لہجے میں بولا اور بینا چونک کر اسے دیکھنے لگی پھر بولی۔

"کوئی شرارت۔"

"نہیں بینا میں نے ان پانچ ناموں میں تمہیں ایک نام بتایا تھا اعظم بیگ۔"

"بالکل مجھے یاد ہے چاہے تو پانچوں افراد کے نام پوچھ لیجئے۔"

"نہیں مجھے پتا ہے کہ بینا ایسے معاملات کبھی نظر انداز نہیں کرتی۔"

"یہ صدف جو ہے اعظم بیگ کی بیٹی ہے مگر بات ذرا ناقابل فہم ہے، یعنی تھوڑی سی اُلجھن والی اس لڑکی کو اچانک یہ کیا سوجھی۔"

"پتا نہیں میں تو بڑی متجسس ہوں اور انتہائی بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہی تھی۔"

"بات واقعی تجسس والی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اب اس تجسس کو ذہن سے نکالنے کا ایک ہی طریقہ ہے، تاکہ ہم سکون کے ساتھ کل کا انتظار کر سکیں۔"

"وہ کیا۔" بینا نے سوال کیا اور شہاب نے اسے اپنی جانب گھسیٹ لیا۔

"صرف اور صرف یہ۔" اس نے کہا اور بینا کی ہنسی کی آواز دب گئی۔

دوسری صبح معمولات کے مطابق تھی...... شہاب نے کچھ ٹیلی فون کئے، معلومات حاصل کیں...... نادر حیات صاحب سے بھی رابطہ قائم ہوا، کوئی اہم بات سامنے نہیں آئی...... مقررہ وقت پر طے شدہ منصوبے کے مطابق شہاب نے بینا کو ساتھ لیا اور کریم سوسائٹی کی کوٹھی کی جانب چل پڑا...... صدف سے ملاقات میں کافی وقت ہے، وہاں کچھ انتظامات کر لینے تھے، چنانچہ ایک مخصوص کمرے میں اس آٹومیٹک ٹیپ ریکارڈر کا بندوبست کیا گیا جس پر ضرورت کے وقت تمام گفتگو ٹیپ کی جاسکتی تھی...... ایک طاقتور ڈکٹافون اس کمرے میں موجود تھا...... کریم سوسائٹی کی اس کوٹھی کو اب ضروریات کے مطابق تیار کیا جارہا تھا اور کافی حد تک کام ہو چکا تھا، ایک زیر زمین تہہ خانہ تعمیر کرایا گیا تھا جس میں یہ انتظامات کئے جارہے تھے کہ اگر کوئی ایسا ویسا معاملہ ہو تو اس تہہ خانے کو استعمال کیا جاسکتا ہے...... کچھ مخصوص قسم کے لوگ یہاں کام کر رہے تھے اور اس کے لئے بھی مخصوص اوقات مقرر تھے...... ڈکٹافون ایک مخصوص جگہ نصب کیا گیا تھا اور یہاں سے تار دوسرے کمرے تک پہنچائے گئے تھے...... وہاں ہر طرح کی گفتگو ریکارڈ کرنے کا اور سننے کا معقول انتظام تھا...... کمرہ ساؤنڈ پروف کر لیا گیا تھا، سارے انتظامات کا جائزہ لینے کے بعد شہاب نے اپنے چہرے پر ہلکا سا میک اپ کیا اور ڈرائیور کے روپ میں آگیا...... یہ ہی طے کیا گیا تھا کہ ہوٹل مارکو پولو کے سامنے ڈرائیور کی حیثیت سے جاکر شہاب اور بینا صدف کو اپنے ساتھ لے کر آئے، چنانچہ مقررہ وقت پر وہ لوگ کریم سوسائٹی کی کوٹھی سے نکل آئے...... شہاب ڈرائیو کر رہا تھا اور بینا اپنی نشست پر بیٹھی ہوئی تھی...... راستے بھر خاموشی ہی رہی، دونوں اپنے اپنے طور پر سوچ میں ڈوبے رہے تھے اور پھر وہ ہوٹل مارکو پولو پہنچ گئے...... شہاب نے راستے میں بینا سے کہا تھا۔ "اور اس کی تلاش میں تمہیں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی کیونکہ تحقیقات کے دوران میں نے خاصی معلومات حاصل کر لی ہیں...... مثلاً یہ کہ مرزا اعظم بیگ کے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہے، بیٹی کا نام صدف ہے...... دو بیٹے شادی شدہ ہیں اور انہیں کوئی مالی پریشانی نہیں ہے...... صدف ایک نوجوان اور بظاہر باعزت قسم کی لڑکی ہے۔

"اتنی معلومات حاصل کر لی ہیں آپ نے شہاب۔"

"ہاں بھئی ظاہر ہے بینا یہ سب کچھ تو ضروری ہوتا ہے۔"

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔" مارکو پولو کے سامنے صدف کھڑی ہوئی تھی، پریشان پریشان سی

غالباً ٹیکسی میں آئی تھی، بینا نے اسے دیکھا اور اپنی جگہ سے اُٹھ کر اس کے پاس پہنچ
نے بھی اس کی تصدیق کر دی تھی، صدف نے چونک کر بینا کو دیکھا اور پھر آہستہ

"ویری گڈ آیئے صدف۔"

"مس بینا۔" صدف نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔" بینا آہستہ سے بولی۔

صدف کے چہرے پر پیلاہٹ تھی اس نے خوفزدہ نگاہوں سے اِدھر اُدھر
آہستہ سے بولی۔

"کیوں کیا بات ہے؟"

"نہیں کچھ بھی نہیں ہے۔"

"صدف کوئی ہے آپ کے ساتھ۔"

"خدا کی قسم نہیں۔"

"تو پھر آیئے جب آپ نے مجھ پر اعتماد کیا ہے تو میرا خیال ہے آپ کو تما
ذہن سے نکال دینا چاہئے۔"

"جی میں ایسے ہی۔" صدف نے کہا اور بینا کے ساتھ سڑک عبور کر کے
پاس پہنچ گئی۔ شہاب نے ڈرائیور کی حیثیت سے جلدی سے پہلے ایک طرف کا
طرف کا دروازہ کھولا تھا، دونوں اندر بیٹھ گئیں تو وہ اسٹیئرنگ پر بیٹھا اور تیز رفتار
پہلے اس نے مختلف راستوں پر کار دوڑائی تھی، تھوڑا سا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ صد

"محترمہ بینا پلیز یہ اندازہ لگایئے کوئی ہمارا تعاقب تو نہیں کر رہا۔" بینا ہنس

"نہیں تعاقب میں اگر کوئی ہے تو اس کا اندازہ ہو جائے گا، ہم نے اس طر
کیا ہے جہاں ہمیں پہنچنا ہے بلکہ پہلے یہی جائزہ لینے کی کوشش کی جا رہی ہے اگر
کریں تو اندازہ لگا سکتی ہیں، کار مختلف سمتوں میں جا رہی ہے۔"

"اوہو میں بھول گئی تھی کہ آپ کا تعلق کون سے شعبے سے ہے۔"
قدر مطمئن ہو کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہاں یہ نہیں بھولئے گا اور بالکل
ویسے ایک بات بتایئے صدف آپ کو کس سے خطرہ ہے۔"

"اصل میں جو گفتگو میں آپ سے کرنے والی ہوں ساری تفصیلات

میں نے بھلا زندگی میں اس طرح کے کام کب کئے ہیں، خوف تو محسوس ہوتا ہے نا
ہر حال کچھ لوگوں کے خلاف قدم اُٹھا رہی ہوں اور لوگ بھی وہ جو انتہائی خوفناک اہمیت کے
حامل ہیں اور اب تو اب تو......" صدف نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"جی جی اب تو۔"

"نہیں بات وقت سے پہلے ہو جائے گی، آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔" صدف
نے کہا اور بینا مدہم سی ہنسی کے ساتھ خاموش ہو گئی، اسے اندازہ تھا کہ شہاب ہر چیز کا
جائزہ لے رہا ہے اس لئے وہ مطمئن تھی، پھر شہاب نے کار کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں دا
کر دی اور پورچ میں دونوں اتر گئیں تو صدف نے کہا۔

"آپ یہاں رہتی ہیں۔"

"یہی سمجھ لیجئے۔"

"کیا مطلب۔"

"یہ ہمارا آپریشن ونگ ہے۔"

"قیام کہیں اور ہے آپ کا۔"

"جی ہاں۔"

"اچھی جگہ ہے۔" صدف نے کہا۔

"آیئے پلیز۔" پھر کچھ لمحات کے بعد بینا صدف کو ساتھ لے کر اس کمرے میں
گئی جہاں نشست کا انتظام رکھا گیا تھا...... صدف نے اس جگہ کو بھی تعریفی نگاہوں سے
تھا...... بینا کے اشارے پر وہ ایک جگہ بیٹھتی ہوئی بولی۔

"ہماری گفتگو یہاں محفوظ ہے۔"

"مکمل طور پر آپ یہ بتایئے آپ کیا پئیں گی۔"

"دیکھئے ایک بات کہوں آپ سے برا تو نہیں مانیں گی۔"

"بالکل نہیں مانوں گی۔"

"خدارا مجھے پانی تک کے لئے نہ پوچھئے بس یہی میری آرزو ہے۔"

"ارے کیوں۔"

"جواب دوں گی تو آپ ناراض ہو جائیں گی۔"

"ہیں۔" بینا حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولی۔

"دوسری طرف جھوٹ بولنا پڑے گا۔" بینا اسے پرخیال انداز میں دیکھتی رہی پھر قہقہہ مار کر ہنس پڑی پھر بولی۔

"خیر میں سمجھ گئی کہ آپ نے یہ الفاظ کیوں کہے ہیں، لیکن صدف آپ تو مکمل اعتماد کے ساتھ یہاں آئی ہیں، اس کا مقصد ہے کہ اس اعتماد میں کمی ہے اور آپ اس کی کو مدنگاہ رکھیں گی، وہ بتانے سے گریز کریں گی جس میں آپ کا اپنا کوئی خوف پوشیدہ ہو صورت حال تو میرے لئے ذرا سی مشکل رہے گی، یہ آپ خود بتائیے کہ ایسا ہے کہ نہیں صدف سوچ میں ڈوب گئی پھر آہستہ سے بولی۔

"ہاں ہے۔"

"اور آپ ایسا کریں گی۔"

"نہیں اب نہیں کروں گی چلئے آپ جو دل چاہے پلا دیجئے۔"

"نہیں آپ کا مطمئن رہنا ضروری ہے، البتہ ایک درخواست آپ سے ضرور کروں گی، اب بھی اگر آپ یہ محسوس کریں کہ جو کچھ آپ بتانے آئی ہیں اس میں کہیں تھوڑا سا آپ کا نقصان بھی ہو سکتا ہے تو پلیز اس سلسلے میں مجھے وہ سب کچھ نہ بتائیں لیکن جب بات کا آغاز کریں تو پھر اس میں کوئی خامی نہیں رہنی چاہئے۔"

"نہیں رہے گی۔" صدف نے مضمحل لہجے میں کہا اور پھر کسی سوچ میں ڈوب گئی خاموش نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی...... صدف کے بارے میں اس نے اندازہ لگایا تھا کہ ایک بہت بڑے گھرانے کی معصوم صفت لڑکی ہے، لیکن جو کچھ وہ بتانا چاہتی ہے وہ کی سمجھ میں ابھی تک نہیں آیا تھا...... صدف دیر تک سوچتی رہی تھی اور بینا اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لے رہی تھی، جبکہ شہاب دوسرے کمرے میں ڈکٹافون کا ریسیور ٹیپ ریکارڈر پر صدف کی جانب سے ہونے والی گفتگو کے آغاز کا منتظر تھا، دیر تک خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔"

"جی۔" بینا مسکراہٹ دبا کر بولی...... سنجیدہ ہی رہنا مناسب تھا...... ان الفاظ میں صدف کی معصومیت چھپی ہوئی تھی، کیونکہ بہر حال وہ بینا کو اپنا نام پہلے ہی بتا چکی تھی اب صدف خیالات میں کھو گئی تھی...... اس لئے اسے اپنی کسی حماقت کا احساس نہیں ہوا

بولی۔

"میرے والد کا نام اعظم بیگ ہے...... ہمارے تین بھائی ہیں...... بہنوں میں میں اکیلی بہن ہوں اور سب سے چھوٹی ہوں، میرے دو بھائیوں کی شادی ہو چکی ہے...... ایک غیر شادی شدہ ہے...... اس کا نام مرزا طاہر بیگ ہے...... مرزا طاہر بیگ بہت جذباتی ہے...... اصل میں، میں آپ کو بتاؤں ہم سارے بہن بھائی وطن کی محبت کے جذبے سے سرشار ہیں، مادر وطن سے پیار کا احساس ہماری زندگی ہے اور ہم اس کی محبت کو دنیا کی ہر چیز پر ترجیح دیتے ہیں...... مرزا اعظم بیگ ایک بہت بڑے کاروباری آدمی ہیں...... انہوں نے ملک کے لئے بہت سے کام کئے ہیں اور بڑے نیک نام انسان کے طور پر مشہور ہیں...... یہ سارے معاملات چل رہے ہیں، میرے والد نے انسداد منشیات کے لئے یہاں کے ایک ہسپتال میں ایک بہت بڑا شعبہ بنوایا ہے اور اس شعبے میں تمام رقم خود خرچ کی ہے اور منشیات کے مریضوں کا وہاں علاج کیا جاتا ہے...... پچیس لاکھ روپے سالانہ اس شعبے کو قائم رکھنے کے لئے مخصوص کر دیئے گئے ہیں اور اس طرح اور بھی بہت سے کام میرے والد نے کئے ہیں...... میرے دونوں بڑے بھائی ناظم بیگ اور اطہر بیگ دو بڑی بڑی فرموں کے ڈائریکٹر ہیں، میرا تیسرا بھائی طاہر بیگ بھی اپنا کاروبار کرتا ہے اور میرے والد صاحب نے ایک اچھے اور شفیق باپ ہونے کی حیثیت سے یوں سمجھ لیجئے کہ سارے بہن بھائیوں کو بہت اچھے طریقے سے مستقبل کے لئے محفوظ کر دیا ہے...... وہ ہمیشہ ایک اچھے نیک اور بہت ہی اعلیٰ شخصیت کے مالک باپ ثابت ہوئے اور ہم لوگوں نے ہمیشہ ہی ان پر فخر کیا اور یہ سوچا کہ ہم ملک کے بہت اچھے لوگوں میں سے ہیں...... سمجھ رہی ہیں ناں آپ بینا صاحبہ...... ایک معیار قائم کر رکھا تھا ہم نے اپنے باپ کے لئے اور نجانے کیا کیا سوچتے تھے ہم...... وطن کا پیار ہمارے رگ و پے میں زندگی بن کر دوڑتا تھا اور ہم ناز کرتے تھے...... اپنے عمل پر جس کی بنا پر ایک اچھے محب وطن ہونے کی حیثیت رکھتے تھے کہ اچانک ہی میرے بھائی طاہر بیگ کو عجیب و غریب احساس ہوا اور وہ احساس یہ تھا کہ ہمارے والد اعظم بیگ نے اپنی شخصیت پر ایک نقاب ڈال رکھا ہے...... یعنی یہ کہ ایک طرف وہ ایک محب وطن صنعت کار کی حیثیت سے دنیا کی نگاہوں کے سامنے ہیں تو در پردہ وہ سب سے بری حیثیت کے مالک ایک جرائم پیشہ انسان ہیں، یعنی منشیات فروش اور انسانیت کے دشمن...... طاہر بیگ پر جب یہ انکشاف ہوا تو

وہ دیوانگی کی حد میں داخل ہو گئے جو معیار انہوں نے اپنی زندگی اور اپنے باپ کے کردار کا بنا کر رکھا تھا۔ وہ اس طرح پاش پاش ہوا کہ اس کی کرچیاں بھی ہمارے ہاتھ نہ لگ سکیں۔ ہم سب ہی اپنے وطن سے پیار کرتے ہیں، اس وطن نے ہمیں جو کچھ دیا ہے ہم اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتے، اس نے ہم سے پیار کیا اور ہم نے اس کے ساتھ لیکن اچانک ہی وہ گھر جو ہمارے باپ کی مہربانیوں اور شفقت سے سجا ہوا تھا، ہمیں ایک اجنبی جہنم کدہ محسوس ہونے لگا جہاں ایک وطن دشمن چھپا ہوا بیٹھا تھا اور یہ وطن دشمن بدقسمتی سے ہمارا باپ تھا...... ہم نے بھائیوں سے ہم نے تذکرہ کیا...... نام تو نہیں لیا لیکن ہم نے یہ اندازہ لگانا چاہا کہ ہمارے دونوں بھائی جو شادی شدہ ہیں اور اپنی زندگی بہت عمدگی سے گزار رہے ہیں اس سلسلے میں کیا رائے رکھتے ہیں...... خدا کا شکر ہے ہمیں مایوسی نہیں ہوئی...... اگر کبھی کسی مرحلے پر انہیں اپنے مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہیں اور وطن دشمن کے لئے کوئی جنونی اقدام اٹھانے پر مجبور ہو جائیں تو وہ ہمارا ساتھ دیں گے...... یہ سوچے سمجھے بغیر کہ مدمقابل کون ہے۔ ہم نے انہیں اپنے راز میں شریک تو نہیں کیا، لیکن اپنے طور پر اپنے والد صاحب کے کرتوتوں کا کھوج لگانے لگے۔ میں جو معلومات آپ کو فراہم کر رہی ہوں مس بینا معاف کیجئے گا مسز شہاب وہ بڑی مستحکم ہیں، چند افراد جن کے نام آپ براہ کرم نوٹ کر لیجئے اور میں حلفیہ بیان دینے کے لئے تیار ہوں کہ میری ان سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے...... ہاں وطن کے رشتے سے میرے سب سے بڑے دشمن یہی لوگ ہیں تو میں آپ کو ان کے بارے میں بتا رہی ہوں لیکن ذرا بعد میں، میں ان کے ناموں کی تفصیل آپ کو بتاؤں گی...... مرزا اعظم بیگ کے بارے میں، میں آپ کو بتا رہی تھی...... مرزا اعظم بیگ بظاہر ایک درویش صفت آدمی بنے رہتے ہیں، یعنی میرے والد انہوں نے ایک حجرہ نما جگہ کوٹھی سے الگ بنائی ہوئی ہے، جہاں بقول ان کے وہ عبادت کرتے ہیں اس حجرہ نما جگہ میں انہوں نے پرندے رکھے ہیں لیکن وہیں انہوں نے بہت ہی خفیہ قسم کے ٹرانسمیٹر پوشیدہ کر رکھے ہیں اور کبھی وہاں پر منشیات فروش بڑے بڑے آدمیوں کی میٹنگیں بھی ہوا کرتی ہیں...... یہ بڑے لوگ ہیں جو ملک میں بڑی نیک نام حیثیت رکھتے ہیں اور حکومت ان کی بے حد عزت کرتی ہے...... ان میں ایک شخص کا نام راحیل رضا ہے...... دوسرا تمیر اہم

...... ڈاکٹر حیات کے کلینک میں عموماً یہ میٹنگیں ہوتی رہتی ہیں اور یہ لوگ وہاں علاج کی غرض سے جاتے ہیں چونکہ پانچواں ممبر خود ڈاکٹر حیات ہے، اس لئے وہ ان سب کے لئے سب بندوبست رکھتا ہے لیکن پچھلے دنوں ڈاکٹر حیات کا کلینک کچھ مشکوک ہو گیا تھا۔ اس لئے یہ میٹنگ وہاں نہ ہو سکی اور ہمارے ہاں اس حجرے میں ہوئی۔ تب میرے بھائی طاہر بیگ نے وہاں پوشیدہ ہو کر میٹنگ کی تمام کارروائی سنی...... بینا صاحبہ اس سلسلے میں سب سے اہم بات میں آپ کو بتانے جا رہی ہوں، خدارا آپ اس پر غور کیجئے...... اس میٹنگ میں جو سب سے بڑی بات سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ سب سے پہلے ڈی آئی جی نادر صاحب اور آپ کے شوہر شہاب ثاقب صاحب کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے اور اس کام کو سارے کاموں میں اول حیثیت دی گئی ہے...... چینا نامی ایک بدمعاش جو پتا نہیں کون سے علاقے کا ہے اس کام کے لئے مخصوص کیا گیا ہے۔ خدا کے لئے آپ ان دونوں قیمتی انسانوں کی حفاظت کا بندوبست کریں محترمہ بینا۔“

”ایک بات بتایئے مس صدف۔“

”جی۔“

”آپ اپنے والد کے خلاف یہ رپورٹ دے رہی ہیں۔“ جواب میں صدف کی آنکھوں میں آنسو آ گئے...... اس نے مدہم لہجے میں کہا۔

”ممکن ہے آپ کو میری بات پر یقین نہ آئے...... ممکن ہے آپ اس بات کو ایک چال سمجھیں لیکن بینا صاحبہ یہ حقیقت ہے کہ میں اپنے وطن کی مٹی سے پیار کرتی ہوں...... بہت محبت ہے مجھے اپنی زمین کے اوپر سجے ہوئے سائبان سے بڑا پیار ہے...... مس بینا مجھے...... بینا صاحبہ میں اپنے لئے نہیں سوچتی...... خواہ میری بوٹی بوٹی کر دی جائے، جوتے کی نوک پر اچھالتی ہوں اپنی زندگی کو لیکن میرے وطن کے لوگ ان جیسے لوگوں کے ہاتھوں جس طرح تباہ و برباد ہو رہے ہیں...... بینا میں اسے نہیں دیکھ سکتی...... ایک ننھا سا بچہ وہ کسی بھی آغوش میں ہو، نور میں آتا ہے کتنا معصوم ہوتا ہے...... اگر آپ اس ننھے بچے کی صورت دیکھ لیں تو ان کی معصومیت پر نثار ہو جائیں آپ بینا...... پھر وہ ماں اور باپ جو اس بچے کی مسکراہٹ سے خوش ہوتے ہیں اور اس کی تکلیف سے افسردہ ہو جاتے ہیں...... اسے اپنے لہو کا قطرہ قطرہ پلا کر پالتے ہیں اس کے لئے راتوں کو جاگتے ہیں، دن کو محنت کرتے ہیں اور اسے

پروان چڑھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے، پھر وہ بچہ ایسے شیطانوں کے ہاتھ لگ جائے اور اس وقت جب اس کے ماں باپ اسے اس کے پیروں پر کھڑا کرنے کے قابل بنا دیں اور پھر وہ بچہ جو ماں باپ کی آنکھ کا نور ہوتا ہے...... گندی نالیوں میں دم توڑ دے، بے بسی اور بے کسی کے عالم میں...... تو آپ مجھے بتائیے بینا کیا ایک صاحب دل اس کی اس موت کو آسودہ نگاہوں سے دیکھ سکے گا...... کیا ایسا ہو سکے گا بینا یہ سارے میرے اپنے ہیں...... میرے بہن بھائی ہیں...... وہ مظلوم مائیں، بہنیں، بیویاں، بیٹیاں جن کے بیٹے جن کے بھائی جن کے شوہر جن کے باپ منشیات کی لعنت کا شکار ہو کر سڑکوں پر دم توڑتے ہوئے پائے جاتے ہیں اور اخباروں میں بڑی سادہ سی خبریں چھپ جاتی ہیں کہ نشے کے عادی اتنے افراد نے ایسی ایسی جگہوں پر دم توڑ دیا...... بینا ایک کہانی ہوتی ہے...... ان کے پس منظر میں شاید میں کچھ زیادہ بول گئی، ہم اپنے باپ سے بے حد محبت کرتے ہیں...... ہم نہیں چاہتے کہ وہ کسی بھی مشکل کا شکار ہوں...... بینا وہ ہماری چھت ہیں ہم اپنے آپ کو دھوپ تلے نہیں لانا چاہتے، لیکن ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ ہم بہت سوں کو دم توڑتے ہوئے دیکھ سکیں...... نتیجہ یہ ہوا کہ آخر کار ہم اپنے باپ کے سامنے سینہ سپر ہو گئے...... میں اور طاہر بیگ ان کے سامنے آ گئے اور ہم نے شدید انداز اختیار کیا، ہم نے ان سے سوالات کئے بینا...... ہم نے ان سے کہا کہ کیا یہ سب کچھ جائز ہے جو وہ کر رہے ہیں...... بینا پہلے تو انہوں نے ہم سے بہت انحراف کیا نہ مانے ہماری بات کو لیکن ہم سچ لے کر ان کے سامنے گئے تھے اور وہ اس سچ سے منحرف نہ ہو سکے...... اس سچ کو وہ ٹھکرا نہیں سکے بینا...... انہیں اعتراف کرنا پڑا کہ وہ مجرم ہیں...... جرم کر رہے ہیں اور انہیں معاف نہیں کیا جا سکتا...... بینا ہم انہیں پست کرنے میں کامیاب ہو گئے اور وہ ہمارے سامنے رو پڑے...... انہوں نے کہا کہ ہاں وہ معاشرے کے انسانیت کے مذہب اور ملت کے دشمن ہیں اور پھر انہوں نے ہمیں اپنے جرم کی داستان سنائی، وہ ہی انسانی معاملات تھے، لالچ انسان کی کمزوریاں اس قسم کے حالات پیدا کر دیتی ہیں کہ آخر کار انسان ان کے ہاتھوں مجبور ہو جاتا ہے اور مشکلوں کا شکار ہو جاتا ہے...... بینا صاحبہ ہم نے انہیں مجبور کیا کہ وہ اس سارے معاملے کو منظر عام پر لے آئیں، اپنے ان ساتھیوں کو بے نقاب کر دیں...... ہم نے انہیں مجبور کیا بینا کہ وہ اپنے آپ کو سلطانی گواہ کے طور پر پیش کر دیں بینا وہ تیار ہو گئے...... ہم نے انہیں تیار کر لیا اور سب کچھ بتانے پر مجبور کر دیا، لیکن بینا ایک بات کہوں میں نہیں جانتی

وہ اس حیثیت کے انسان ہیں یا نہیں، تمام تر قانون تو میں نہیں جانتی...... میں بس ان کی مدد کرنا چاہتی ہوں...... ہاں اگر ایسا نہ بھی ہو سکے اور ہمیں اپنے باپ کی قربانی دینا پڑے تو شاید میری بات کو عجیب سے انداز میں محسوس کرو مس بینا...... میرا مطلب ہے مسز شہاب تو بہن اس کا اختیار ہے، لیکن اگر باپ کی زندگی کے بدلے مجھ سے یا میرے بھائی کی زندگی لی جائے تو ہم ہزار بار اپنے باپ کے عوض مرنے کے لئے تیار ہیں اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو بہر حال اس سارے جال کو توڑنے کے لئے ہم اپنے باپ کی قربانی بھی دے دیں گے اور شاید ابا بھی اس کے لئے تیار ہو۔" صدف کے لہجے میں ایک عجیب سی جذباتی کیفیت پیدا ہو گئی تھی اور بینا کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے...... بہر حال ایک سچی محبت وطن کے سامنے تھی اور بینا اسے متاثر نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"یہ مکمل کہانی ہے بینا صاحبہ اور اسی کے لئے میں نے آپ سے رجوع کیا ہے...... بتانا پسند فرمائیں گی کہ کیا ہو سکتا ہے۔" بینا پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگی...... کچھ دیر سوچتی رہی پھر مدھم لہجے میں بولی۔

"صدف شاید میں نے آپ کو ٹیلی فون پر بتایا تھا کہ شہاب تو اس محکمہ سے وابستہ ہیں میں بھی انتظامیہ سے تعلق رکھتی ہوں اور براہ راست اس سلسلے میں ملوث ہوں...... صدف اس کے علاوہ آپ نے میرے شوہر کی زندگی بچانے کے لئے ایک مخلصانہ جذبے کا اظہار کیا ہے اور یہ جذبہ بھی مجھ پر قرض ہے، بہت سے معاملات ہیں جن میں آپ نے مجھے متاثر کیا ہے...... صدف شہاب بہت نیک انسان ہیں، میں سمجھتی ہوں کہ آپ کے جذبوں کی پذیرائی نہ کرنا شاید ان کے بس کی بات بھی نہ ہو، وہ آپ کو ضرور اس سلسلے میں مطمئن کریں گے...... میں ان سے رابطے قائم کر کے آپ کے تمام جذبات ان تک پہنچا دوں گی اور اب جبکہ مرزا اعظم بیگ حکومت کے ساتھ تعاون پر آمادہ ہو گئے ہیں، اس لئے ہم ان سے بہت معلومات بھی حاصل کریں گے اور بہر حال ان دشمنوں کو کیفر کردار تک پہنچائیں گے، کیا کہنا ہے صدف کہ آپ مرزا اعظم بیگ سے ہمارا براہ راست رابطہ کرا دیں۔"

"ہاں بالکل ممکن ہے، لیکن آپ کو یہ بھی پتا ہے کہ دوسرے چار خطرناک آدمی بھی رہتے میں منظر عام پر ہیں، میرا تو دل یہ چاہتا ہے کہ ان چاروں کو بھی اس بات پر آمادہ کر کے وہ یہ وطن دشمنی چھوڑ کر اپنے گناہوں کا ازالہ کریں لیکن ممکن نہیں ہے اور پھر

سارے جہاں کے درد اپنے جگر میں سمیٹ کر تو شاید میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکوں، اس لئے میں یہ نہیں کر سکتی اور مرزا اعظم بیگ کو بھی وقتی طور پر محتاط ہونا پڑے گا، تاہم اگر آپ اس بات کی خواہشمند ہیں تو کوئی بھی لمحہ ایسا ہو سکتا ہے بلکہ یوں سمجھئے میرے ذریعے آپ کا ان سے رابطہ قائم ہو جائے گا۔"

"ہاں اس میں کوئی حرج نہیں ہے...... ہم بھی ایسا ہی طریقہ کار اختیار کریں گے جس میں آپ کو ایسی کسی الجھن کا سامنا نہ کرنا پڑے۔"

"آہ محترمہ بینا...... آپ اگر میری یہ مدد کر دیں تو آپ یوں سمجھ لیجئے کہ میں آپ کی غلام بے دام ہو جاؤں گی...... ساری زندگی آپ کے اس احسان سے سر نہ اُٹھا سکوں گی بس بینا میرے والد کی زندگی بچا لیجئے اور ساتھ ہی ان سب کی بھی جو منشیات کی لعنت کا شکار ہو گئے ہیں۔" صدف کی آواز رندھ گئی اور بینا متاثر نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی، پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"بہت جلد شہاب سے بھی آپ کی ملاقات کراؤں گی صدف...... بہر حال اب آپ آپ کو ہم میں سے ایک سمجھئے۔"

"اور ڈی آئی جی صاحب کو بھی کسی طرح محتاط کر دیجئے...... وہ لوگ ان کی زندگی کے درپے ہیں اور ہر ممکن کوشش کریں گے کہ شہاب صاحب اور ڈی آئی جی صاحب کو منظر سے ہٹا دیں تاکہ ان کا یہ خوف دور ہو جائے...... بس آپ یہ کر ڈالئے بینا...... میں نہیں جانتی کہ میرے اس قدم سے آنے والے وقت میں کیا حالات سامنے آئیں...... میری زندگی بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے...... بینا آپ یقین کریں اگر کوئی مجھ سے یہ کہے کہ سب ٹھیک ہو جائے گا اور صدف تم صرف اپنی زندگی قربان کر دو تو آپ میرے ان جذبوں پر یقین کر پائیں لیکن میں ایسا ہی کروں گی، بھروسا کیجئے میں ایسا ہی کروں گی۔" بینا نے سچے جذبات سے اپنی جگہ سے اُٹھ کر صدف کا سر اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

"میں جانتی ہوں صدف اور تمہارے اس جذبے کو سلام کرتی ہوں۔" صدف بے اختیار اس سے لپٹ کر سسکیاں لینے لگی تھی اس نے روتے ہوئے کہا۔

"بینا میں اپنے باپ کی زندگی بھی چاہتی ہوں آہ اگر ہو سکے تو میرے باپ کو بچا لیجئے گا۔" صدف روتی رہی اور بینا اسے تسلیاں دیتی رہی، پھر تھوڑی دیر کے بعد صدف

سنبھل کر کہا۔

"میں اب جاؤں۔"

"نہیں صدف میں تمہیں خود پہنچا دیتی ہوں، ایسی جگہ جہاں سے تم اپنے گھر جا سکو...... یا پولو کے سامنے ہی پہنچا دیتی ہوں تمہیں۔"

"اتنی دُور نہیں...... بس کسی بھی ایسی بڑی سڑک پر جہاں سے مجھے ٹیکسی مل جائے یہ ضروری ہے...... ویسے میں آپ سے رابطہ کہاں قائم کروں...... بینا صاحبہ۔"

"وہ ہی میرا ٹیلی فون نمبر...... ایک وقت کا خاص طور سے یقین کر لیجئے میں بہت جلد آپ کو خود اطلاع دوں گی۔"

"تو سنیں ہمارے گھر میں چھ ٹیلی فون لائنیں ہیں...... میں جو آپ کو ٹیلی فون نمبر بتا رہی ہوں وہ میرے اپنے ٹیلی فون کا نمبر ہے اور آپ اس پر مجھے رنگ کر لیجئے گا، بس یہ کہہ دیجئے کہ میں صدف کی دوست بول رہی ہوں، اگر میں نہ بھی ہوئی تو کسی کو بھی پیغام دے دیجئے گا۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔" بینا مدھم لہجے میں بولی تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنی جگہ سے اُٹھی صدف اس کے ساتھ باہر نکل آئی تھی...... بینا کو معلوم تھا کہ شہاب دوسرے کمرے میں یہ ساری گفتگو سن رہا ہے لیکن جب وہ باہر نکلی تو شہاب بدستور ڈرائیور کے میک اپ میں کار کے پاس کھڑا ہوا تھا...... ان دونوں کو دیکھ کر مودب ہو گیا اور کار کے عقبی دروازے کھول دیئے، دونوں اندر بیٹھ گئیں تو پھر اس نے مودبانہ انداز میں دروازے بند کئے اور اسٹیرنگ سنبھال لیا، کار اسٹارٹ ہو کر باہر نکل آئی تھی تو بینا نے کہا۔

"کسی ایسی بھری پڑی سڑک پر گاڑی روک دو جہاں سے ٹیکسی مل جائے۔"

"یس میڈم۔" شہاب نے مودبانہ انداز میں کہا۔

ایسی جگہ بھی یہاں سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھی، چنانچہ کار روک دی گئی...... صدف نے بینا کو خدا حافظ کہا اور اتر کر پیدل ایک جانب چل پڑی...... بینا متاثر نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی، شہاب نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی...... بینا خاموش بیٹھی رہی تھی، لیکن وہ دیکھ چکی تھی کہ کار کا رُخ کریم سوسائٹی کی کوٹھی کی جانب ہی ہے، راستے میں مکمل خاموشی رہی تھی...... شہاب نے بھی کسی سوچ میں ڈوبے ہونے کی بنا پر کوئی بات نہیں کی تھی......

بینا اپنے طور پر خود بھی اس کہانی کے تاثر میں اُلجھی ہوئی تھی، جو اسے صدف نے سنائی تھی...... بڑے عجیب و غریب اور پر پیچ معاملات تھے، بہر حال تھوڑی دیر کے بعد وہ ریز سوسائٹی کی کوٹھی میں داخل ہوگئے...... شہاب نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"جی بینا صاحبہ...... کیا فیصلے کئے آپ نے...... اس تمام گفتگو کے پس منظر میں۔"

"سچ مانو شہاب...... میں تو بڑی متاثر ہوگئی ہوں۔"

"کس بات سے؟" شہاب نے سوال کیا اور بینا کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ آگئی، کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"اس ساری کہانی میں ایک بیٹی کا پیار تڑپ رہا تھا، وہ اس لئے افسردہ اور پریشان ہے کہ اس کا باپ ایک غدار وطن کی حیثیت سے منظر عام پر آیا ہے اور وہ لوگ وطن کی محبت سے سرشار ہیں، وہ نہ وطن کو کوئی نقصان پہنچنے دینا چاہتے ہیں اور نہ اپنے باپ کو شہاب، اگر میری مانو تو یہ بات بہر طور قابل قدر بھی ہے اور قابل احترام بھی کہ وہ وطن کی محبت میں بہت آگے ہیں...... اگر کوئی عام انسان ہوتا تو اتنے اہم اور گہرے رشتے کو متاثر نہ کرتا لیکن یہ بہت بڑی بات ہے۔"

"ہاں بینا اس میں کوئی شک نہیں ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ یہ واحد لوگ نہیں ہیں، میں اپنے وطن کے نوجوانوں کے جذبوں کو دیکھ چکا ہوں، اگر بڑے سے بڑا دشمن ہمارا مد مقابل ہونے کی کوشش کرے تو وسائل اور ہتھیار کے نکتہ نگاہ سے الگ ہٹ کر ہمارے پاس جذبوں کا جو اسلحہ ہے دشمن اس کا مقابلہ تاقیامت نہیں کر سکتا اور جذبوں کا یہ اسلحہ تم یوں سمجھ لو نا قابل تسخیر ہے اور کسی کا اس سے کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے...... ہم جذبوں کی طاقت سے مالا مال ہیں...... میرے وطن کے نوجوان وطن کی آبرو پر ہزار جانیں بھی قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے اور یہ طاقت معمولی نہیں ہے...... خیر ہم اس جذباتی گفتگو میں اُلجھ گئے اب تم یہ بتاؤ اس ساری کہانی کو سننے کے بعد تمہارا نظریہ کیا ہے۔"

"دیکھو شہاب باقی باتوں میں تو ظاہر ہے میں کچھ نہیں کہہ سکتی لیکن اس لڑکی نے تو مجھ پر بھی احسان کر ڈالا ہے۔"

"احسان؟"

"کیوں...... اس کو احسان نہیں کہو گے۔"

"احسان نہیں سمجھا۔"

"اس نے مجھے ایک ایسی بات سے آگاہ کیا ہے جس کا تعلق میری زندگی سے ہے اور میری زندگی شہاب ہے۔"

بینا نے کہا۔

"اوہو یعنی وہ نادر حیات صاحب اور میری زندگی کے خاتمے والی بات۔"

"تم اسے سرسری انداز میں لے رہے ہو۔"

"نہیں بھئی خوفزدہ تو میں بھی ہوں۔"

"غیر سنجیدگی بالکل نہیں چلے گی شہاب...... دیکھو صدف اپنے باپ کی زندگی کی خواہاں ہے کیونکہ وہ اپنے باپ کو بے پناہ چاہتی ہے...... میری زندگی میں بھی خوشیوں کا عنصر بہت مختصر ہے...... صرف چند افراد میری زندگی سے متعلق ہیں اور ان کی زندگی ہی میری زندگی ہے۔" شہاب کسی بھی طور اس بات کو نظر انداز کرنے کی کوشش نہیں کرو گے تم۔"

"نہیں بینا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا بھلا یہ نظر انداز کرنے کی بات ہے۔" شہاب نے محسوس کر لیا تھا کہ بینا کی آواز گلوگیر ہوگئی ہے اور اگر اس نے ذرا بھی کوئی غلط گفتگو کی تو وہ رو پڑے گی حالانکہ شہاب بینا سے پہلے یہ بات جان چکا تھا کہ شیخ سلطان نے چینا نامی ایک غنڈے کو اس کام پر آمادہ کیا ہے لیکن بینا نے صدف کا معاملہ پیش کیا تھا اور بہر حال شہاب نہیں چاہتا تھا کہ بینا محسوس کرے کہ اس نے کچھ بھی نہیں کیا اور یہ ساری کہانی شہاب کو پہلے سے معلوم تھی، چنانچہ اس نے بینا پر اس بات کا بالکل اظہار نہیں کیا اور پوری سنجیدگی کے ساتھ اس بات پر آمادگی ظاہر کی کہ وہ اس مسئلے پر پوری پوری نگاہ رکھے گا اور اسے نظر انداز نہیں کرے گا، پھر اس نے کہا۔

"ویسے بینا اعظم بیگ کے بارے میں جو کچھ میں نے کہا تھا وہ سچ نکلا ناں۔"

"خیر میں نے تو اس پر کبھی شک نہیں کیا، ظاہر ہے تم ہر مسئلے کی تحقیقات کے بعد ہی کسی کو نامزد کرتے ہو، لیکن شہاب ایک بات بتاؤ۔"

"ہاں بینا۔"

"ان لوگوں کے بارے میں بھی تمہارے نظریات وہی ہیں، یعنی یہ کہ یہ لوگ صاحب حیثیت ہیں اور اگر ان پر ہاتھ ڈال دیا جائے گا تو یہ اپنی گلوخلاصی کر لیں گے۔"

"ہاں بینا سب کے تعلقات کا جائزہ لیتا رہا ہوں میں اور یہ حقیقت ہے کہ وہ لوگ نجانے

کیوں ابھی براہ راست مجھ سے نہیں اُلجھے..... ورنہ اگر وہ چاہیں تو میرے خلاف محاذ منظر عام پر آسکتے ہیں۔"

"پھر تم نے انہیں کیوں چھوڑ رکھا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"شہنشاہ کی عدالت میں کیا ہو رہا ہے۔"

"کیا تم یہ چاہتی ہو بینا۔"

"کیا مطلب؟"

"یہ کہ شہنشاہ کی عدالت انہیں سزا دے دے۔"

"نہیں ابھی نہیں۔" بینا نے کہا۔

"ابھی نہیں سے کیا مراد ہے۔"

"اور اب تو خاص طور سے کیونکہ بہر حال ایک بات کو تم نظر انداز نہیں کر سکتے۔"

"وہ کیا؟"

"میں بھی واسطی صاحب سے اتنا ہی پیار کرتی ہوں۔" بینا نے کہا اور شہاب پُر خیا انداز میں گردن ہلانے لگا..... دیر تک سوچتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

"بینا ویسے ہمیں مشکلات پیش آجائیں گی۔"

"کیا؟"

"کیا تم یہ چاہو گی کہ اعظم بیگ کو زندہ بچا لیا جائے۔"

بینا نے چونک کر شہاب کی صورت دیکھی پھر آہستہ سے بولی۔

"ہاں میں یہ چاہوں گی۔"

"یہ ممکن نہیں ہو گا۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ وہ نا صرف منشیات فروش ہے بلکہ غدار وطن بھی ہے اور غدار انسانیت بھی..... بے شمار افراد کا قاتل ہر قسم کے جرائم اس پر عائد ہو سکتے ہیں..... اس نے حکومت کو دھوکہ دیا ہے..... ایک طرف وہ ہسپتال بنواتا ہے تو دوسری طرف منشیات فروخت کرتا ہے..... گویا اس نے قانون کو صرف ایک مذاق کا درجہ دیا ہے..... بینا یہ بڑی خطرناک صور

...ہے اور بہت غور کرنا پڑ جائے گا۔" بینا مغموم انداز میں گردن ہلانے لگی، پھر اس نے کہا۔

"لوگ نہیں سوچتے..... لوگ نہیں سوچتے..... بس جذبے کچھ عجیب ہوتے ہیں اب دیکھو شہاب کہ اس شخص نے اپنے بچوں کو بہتر جگہ فروکش کر دیا اور خود کیا بن گیا، کیا ہو جائے گا اپنے ساتھ..... سزائے موت ہو جائے گی اور زندگی کھو بیٹھے گا حالانکہ سوچا اس نے یہ ہوا ہے کہ اپنے تعلقات کی بنا پر کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا، اس کا لیکن آج وہ کس نہج پر پہنچ گیا ہے۔"

"البتہ بینا۔ ان بچوں کی یہ قربانی اور ان کے جذبے مجھے متاثر کر رہے ہیں۔ بینا جب قانون کی حفاظت کیلئے میں غیر قانونی طور پر قانون شکنوں کو سزائیں دے سکتا ہوں تو دوسرے ایسے کام بھی کئے جاسکتے ہیں جو بظاہر غیر قانونی ہوں لیکن قانون انسانیت پر پورے اترتے ہوں دیکھیں گے بینا دیکھیں گے۔" شہاب نے کہا اور بینا کی آنکھوں میں امید کی روشنیاں جل اُٹھیں وہ در حقیقت شہاب کو اس وقت نہیں سمجھ پا رہی تھی اس کی آنکھوں کی نمی آواز کی بھراہٹ شہاب کو بار بار اپنے فیصلے بدلنے پر مجبور کر رہی تھی اور بہر حال وہ خاصی مشکل میں پڑ گیا تھا۔ لیکن بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں جن میں مشکلات قبول کرنا پڑتی ہیں، دیر تک وہ دونوں بیٹھے اس موضوع پر بات کرتے رہے تھے اور پھر شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بس اب آپ بیوی بن جائیے۔" بینا نے اسے چونک کر دیکھا اور محبت بھرے انداز میں مسکرا دی۔

فادر رونالڈو نے ان تینوں کا استقبال کیا، اس کے ہونٹوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ رقصاں تھی، روکی پیل اور گارون عقیدت سے اس کے سامنے پہنچے اور اس کے ہاتھ چوم لئے ڈاکسن مسکرانے لگا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"کہو مقتولو! کیسے ہو تم لوگ۔"

"یہ جگہ فادر یہ جگہ تو بہت عمدہ ہے آپ نے کہاں سے حاصل کی۔" جواب میں رونالڈو مسکرانے لگا پھر بولا۔

"بھئی تم لوگوں کو یہاں آئے کافی دن گزر گئے لیکن بہر حال ہم بھی کچھ لمحے تو یہاں گزار ہی چکے ہیں...... ہو گیا کچھ نہ کچھ کام ویسے کیسی جگہ ہے۔"

"سر...... بہت ہی شاندار اور حیرانی کی بات ہے کہ آپ نے اسے کیسے حاصل کر لیا؟ لحاظ سے ایک شاندار جگہ ہے۔"

"بات اصل میں یہ ہے کہ اب ذرا یہاں کافی عرصے تک مستقل کام کرنا پڑے گا۔ سب سے پہلا مسئلہ ہمارے سامنے یہ ہے کہ باڑی کے معاملات کو درست کیا جائے۔ باڑی میں جو کچھ ہوا ہے وہ انتہائی سنسنی خیز ہے...... جس طرح بھی ممکن ہو سکے...... ہمیں باڑی میں کاشت اور سپلائی کو واپس قائم کرنا ہوگا...... جیسا کہ اس سلسلے میں تم سے بات چیت ہو چکی ہے۔"

"جی...... مسٹر رونالڈو۔"

"بہتر یہ ہو گا کہ تم مجھے صرف فادر ڈکسن یا فادر رونالڈ کہو یہی اس وقت مناسب ہے۔"

"یس فادر...... لیکن فادر اب جبکہ ہم تینوں کو ایک حیثیت حاصل ہو گئی ہے تو

بتایئے کہ ہم ڈی آئی جی نادر حیات اور شہاب ثاقب کے لئے مصروف ہو جائیں......"

ڈکسن تھوڑی دیر تک سوچ میں ڈوبا رہا پھر بولا۔

"نہیں...... وہ تینوں چونک کر ڈکسن کو دیکھنے لگے پھر پیل نے کہا۔

"میں سمجھا نہیں فادر؟"

"دیکھو...... یہ لوگ ویسے تو اپنے طور پر ناکارہ ثابت ہو چکے ہیں...... پے در پے غلطیاں کر کے انہوں نے بات اس حد تک پہنچا دی ہے کہ ہم شدید نقصانات سے دوچار ہیں، لیکن میں نے اس دوران اور بھی معلومات حاصل کی ہیں۔ یہاں رہ کر اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس ملک میں وہ بڑی زبردست اہمیت کے حامل ہیں اور بڑے سے بڑے مسئلے کو حل کر سکتے ہیں، کیونکہ ان کے اختیارات اعلیٰ حکام تک ہیں، میں انہیں قائم رکھنا چاہتا ہوں اور انہیں محفوظ...... میری آرزو تو یہ ہے کہ تم صرف ایسے معاملات میں اُلجھو جن میں میں انہیں شریک نہ کرنا چاہوں...... اب اسی دوران دیکھ لو شاید ابھی انہوں نے تم تینوں کی موت کی اطلاع سنڈیکیٹ کو نہیں پہنچائی ہے اور سنڈیکیٹ ابھی تک تمہاری موت سے ناواقف ہے۔ ہو سکتا ہے وہ لوگ یہ کوشش کر رہے ہوں اور جلد ہی کوئی ایسا قدم اُٹھا لیں لیکن یہ ان کی کوتاہی ہے، تم ابھی ذرا پر سکون رہو...... میں گولڈن کراؤن کی حیثیت سے ان سے رابطہ کرتا ہوں اور اس سلسلے میں ان سے باز پرس کروں گا کہ پہلے تو تمہاری موت اور اس کے بعد یہ کوتاہی پھر میں ان سے یہ چاہوں گا کہ انسپکٹر جنرل اور آفیسران اسپیشل ڈیوٹی کو وہ فوری طور پر راستے سے ہٹائیں، اس طرح تمہیں محفوظ رکھوں گا میں اور انہیں اس لائن پر لگاؤں گا کیا سمجھے؟" تینوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

"ہم سمجھ گئے فادر اور ایک بات اور بھی سمجھ گئے۔"

"کیا؟" رونالڈو نے بھویں ٹیڑھی کر کے ان سے پوچھا۔

"یہ کہ گولڈن کراؤن صرف انعام میں نہیں مل جاتا بلکہ اسے حاصل کرنے کے لئے دماغ استعمال ہوتا ہے اور دماغ کہیں سے خریدا نہیں جاسکتا۔" رونالڈو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی، کچھ لمحے مسکراتا رہا اور اس کے بعد سنجیدہ ہو گیا، پھر اس نے کہا۔

"فی الحال تمہیں اپنی تمام مصروفیات ترک کرنا پڑیں گی، بہتر ہے کہ یہیں قیام کرو......

تمہاری جگہ میں کام کر رہا ہوں، مجھے ذرا یہ دیکھنا ہے کہ اس کمپنی کا ردعمل اس دوران کیا
جس کے نمائندوں کی حیثیت سے تم یہاں آئے ہو میرا خیال ہے کمپنی کو بھی اس سلسلے میں
تھوڑی سی جدوجہد کرنی چاہئے تا کہ حکومت پر اثر پڑے۔"

"جی مسٹر رونالڈو آئی ایم سوری فادر رونالڈو تو اب ہم لوگ یہیں قیام کریں۔"

"ہاں۔"

"اور فادر آپ۔"

"میری دُنیا بہت وسیع ہے، اب دیکھوں ناں راستوں سے بھٹکے ہوؤں کو راہِ راست پر
لانا مشنری کے ایک ممبر کی حیثیت سے عبادت گاہوں میں جانا یہ بھی تو میری ہی ذمہ داری
ہے، بہرحال اس رہائش گاہ میں تمہارے لئے میں نے وہ سب کچھ اکٹھا کر دیا ہے جس کی تمہیں
ضرورت پیش آسکتی ہے تو اب میں چلتا ہوں، تم اپنی اس نئی آرام گاہ کو سنبھالو۔" رونالڈو
ڈکسن اپنی جگہ سے اُٹھ گیا، پھر وہ باہر کھڑی ایک کار میں بیٹھا اور اسے سٹارٹ کر کے چل پڑا
کار پر مشنری کے ایک ادارے کا مونوگرام بنا ہوا تھا، جب اس کی کار نگاہوں سے اُوجھل ہوئی
تو پیل نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر گارون اور روکی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"پتا نہیں...... تم لوگوں کے اس کے بارے میں کیا خیالات ہوں لیکن درحقیقت مجھے
تو وہ ایک روحانی پیشوا ہی لگتا ہے، کیا عظیم دماغ پایا ہے اس نے اور کیا ہی عمدہ اقدامات ہوتے
ہیں اس کے...... میں تو شدید متاثر ہو گیا ہوں، روکی اور پیل بھی مسکرانے لگے تھے اور پھر
آنے والے لمحات کے تصور میں کھو گئے...... واقعات بہرحال ایک دلچسپ نوعیت رکھتے تھے
اور آنے والے وقت کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔

❁

شہاب نے مسکراتی نگاہوں سے بینا کو دیکھا اور عجیب سے احساسات کا شکار ہو گیا
اتنی قربت جس کو خواب ہی سمجھا جائے...... کل تک بینا ایک حسین خواب ہی تھی اور آج
تعبیر...... یہ فیصلہ کرنا مشکل کہ خواب زیادہ حسین ہوتا ہے یا تعبیر، شہاب کبھی کبھی اس انداز
میں بھی سوچنے لگتا تھا، بینا جب ایک اجنبی شخصیت تھی تو شہاب اسے چھیڑتا رہتا تھا
مدہم مسکراہٹیں، شرمگیں انداز، آنکھوں میں محبت ایک انوکھا رنگ رکھتی تھی اور اتنا
قریب کہ ہاتھ بڑھا کر اسے چھو لے...... کیا عجیب کہانی ہوتی ہے، انسانی اقدار کی بھی بڑی

الفاظ، زندگی بھر کی رقت بخش دیتے ہیں۔" بینا گہری نیند سو رہی تھی، اس کے بہت قریب،
بہت ہی قریب اور ان قربتوں کے لئے نہ جانے کیا کیا الفاظ تراشے گئے تھے۔" شہاب کو نیند
نہیں آ رہی تھی لیکن اس نے بہت دیر سے کروٹ بھی نہیں بدلی تھی کہ کہیں بینا کی آنکھ نہ
کھل جائے، بس محبت کا ایک یہ بھی انداز ہوتا ہے...... اس وقت نیند نہ آنے کی وجہ اسی
معاملے کے احساسات تھے، وہ غور کر رہا تھا کہ یہ کیس بے حد طوالت اختیار کر گیا ہے...... اس
معصوم لڑکی کے قتل سے واقعات کا آغاز ہوا تھا...... دانی شاہ منظر عام پر آیا تھا اور اس کے بعد
بازی کے خوفناک واقعات، پھر ان پانچوں کا منظر عام پر آنا اور پھر اس کے بعد نادر حیات
صاحب کی بے بسی، یہ ساری چیزیں اس داستان کو طوالت دیتی چلی گئی تھیں، شہاب نادر
حیات صاحب سے بھی غیر متفق نہیں تھا...... بہرحال وہ بھی انسان تھے...... ان کی ہاتھوں کی
وسعتیں بھی محدود تھیں...... اگر شہاب کو ان پر یہ اعتبار نہ ہوتا کہ وہ زمانہ ساز نہیں ہیں تو
شاید اب تک اس معاملے کا خاتمہ بھی ہو چکا ہوتا۔ بات اصل میں وہیں سے شروع ہوتی تھی
اور وہیں پر ختم ہو جاتی تھی...... دونوں رخ سامنے رکھے تھے اس نے اور اب تک اسے انتہائی
کامیابی حاصل ہوئی تھی، قانون کے راستے اگر بند کر دیئے جاتے تھے تو پھر شہنشاہ سامنے آتا
تھا، ویسے شہاب نہیں چاہتا تھا کہ شہنشاہ کی شخصیت کسی طرح اس سے منسوب ظاہر ہو......
ورنہ اب تک سارا کھیل ختم ہو چکا ہوتا، ایک اور احساس بھی دل میں تھا، کھیل صرف اسی حد
تک نہیں تھا، بلکہ دانی شاہ سے حاصل شدہ فائل میں جو اعداد و شمار اسے ملے تھے۔ ان میں کچھ
اور کہانیاں بھی تھیں، کسی ایک مسئلے کو آسانی سے ختم کر کے داخل دفتر کیا جا سکتا ہے، لیکن
اگر اس کی مکمل تفصیل سامنے نہ آئے تو مزا نہیں آتا اور یہی احساس شہاب کو ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر
حیات نے ڈی آئی جی صاحب کو اور اسے چیلنج کر دیا تھا...... وہ بے چارہ تھا کیا چیز، لیکن شہاب
نے اسے موقع دیا تھا اور اس کی وجہ بھی صرف یہی تھی کہ وہ ڈاکٹر حیات کے بارے میں مزید
تفصیلات جاننے کا خواہشمند تھا، غرض یہ کہ وقت آگے گزرتا رہا اور اب شہاب فیصلے کر لینا
چاہتا تھا، اس وقت انہی سوچوں نے اس کے ذہن کو اُلجھا رکھا تھا، نہ جانے کیوں ایک عجیب سا
احساس اس کے دل میں تھا، خصوصی طور پر ٹرک کا وہ حادثہ، ٹرک ڈرائیور نیاز خان نے جو
تفصیلات بتائی تھیں، وہ تو کچھ عجیب ہی نوعیت کی حامل تھیں اور ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ
حادثہ خصوصی طور پر کیا گیا ہو اور اس کی کوئی اہم وجہ ہو، لیکن سوال وہی پیدا ہوتا تھا کہ وہ اہم

وجہ کیا ہو سکتی ہے، نہ جانے کب تک شہاب کے ذہن میں یہ تمام چیزیں گڑ بڑ کرتی رہیں، سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا، لیکن ان سوچوں کا کوئی نتیجہ ظاہر نہیں ہوا تھا...... ویسے وہ اب بھی اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کیئے ہوئے تھا ورنہ صورت حال کافی خراب ہو سکتی تھی جب بھی دماغ کی چرخی اُلٹی گھوم جاتی، سارے مسئلے حل ہو جاتے، لیکن چونکہ یہ سب کچھ آئی جی نادر حیات صاحب کے علم میں آچکا تھا، اس لئے شہاب نہیں چاہتا تھا کہ نادر حیات صاحب اس سلسلے میں مختلف انداز میں سوچیں، بہر حال اس نے یہ فیصلہ دل میں تو کر لیا تھا، جب صورت حال ناگزیر ہو جائے گی اور کوئی ایسی مصروفیت سامنے آجائے گی، جو زیادہ اہم نوعیت کی حامل ہو تو پھر اس کیس کو شہنشاہ کے حوالے کر دے گا اور شہنشاہ کی عدالت میں اس کا مناسب فیصلہ ہو جائے گا، لیکن ابھی جب تک یہ سب کچھ نہیں تھا اس نے اس مسئلے میں ذہنی ورزش کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور دوسری صبح ناشتے کی میز پر اتفاقیہ طور پر بینا نے اس بارے میں سوال کر دیا تو شہاب نے اسے بھی یہی جواب دیا۔

"بات اصل میں یہ ہے بینا کہ ابھی کوئی اور مصروفیت تو ہے نہیں، گاڑی چل رہی ہے تو چلتی رہنے دی جائے، نادر حیات صاحب بھی اسی بات کے خواہشمند ہیں اور پھر سچی بات یہ ہے کہ یہ ان کے لئے بھی ایک کسوٹی ہے۔"

"میں سمجھتی ہوں کہ تم نے انہیں بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے شہاب۔"

"نادر حیات صاحب کو؟"

"تو اور کیا۔"

"نہیں بینا...... میں بالکل یہ بات نہیں کہتا...... میں جانتا ہوں کہ وہ بیچارے بھی بہر حال مجبور ہیں، ظاہر ہے قانون کے آدمی ہیں اور سارے قانونی عمل کو ذہن میں رکھنا چاہئے، اب یہ تو ممکن نہیں کہ وہ مجھے اس بات کی کھلی اجازت دے دیں۔" بینا ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گئی تھی۔

✿

اعظم بیگ جب سے اپنے بچوں کے سامنے نمایاں ہوا تھا اس پر ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی، چہرے کی مسکراہٹیں رخصت ہو گئی تھیں اور اس پر اُداسی کی ایک دُھندلی سی تہہ چڑھ گئی تھی، وہ ہمیشہ سوچ میں ڈوبا رہتا تھا اور اب جب اس کے بچوں نے اسے سوچنے

پر مجبور کر دیا تھا تو واقعی اس کی سوچوں میں نمایاں تبدیلیاں پیدا ہونے لگی تھیں...... اس نے بہت گہرائیوں کے ساتھ سوچا تھا اور اس وقت بھی وہ اپنے اس حجرے نما جگہ میں بیٹھا غور کر رہا تھا، صورت حال بڑی عجیب سی کیفیت کی حامل تھی، وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اس نے اپنے بچوں کو زندگی کی ہر خوشی دے دی ہے...... اس نے ان سب کا مستقبل محفوظ کر دیا ہے، لیکن ان کے علاوہ بھی اس دُنیا میں بہت سے انسان بستے ہیں...... وہ جو اس کی ان کاوشوں سے براہ راست متاثر ہوئے ہیں...... وہ جو زندگی کی خوشیوں سے محروم ہو گئے ہیں...... منشیات کے جن نشے نے ان سے ان کی مسکراہٹیں چھین لی ہیں نہ صرف ان کی بلکہ وہ بے شمار افراد جو انہیں دیکھ کر آنسو بہاتے ہیں، ایک بار صرف ایک بار اپنے کسی بچے کو آنکھوں میں رکھ کر ایسے کسی فرد کی آنکھوں میں بھی جھانک لیا جاتا جو اپنی اولاد، اپنے بیٹے، اپنے بھائی کے غم میں آنسوؤں میں ڈوب جاتا ہے، طاہر اور صدف اس کے لئے روشنی کے پیغامبر تھے...... وہ اسے صحیح راستہ دکھانے میں معاون ثابت ہوئے تھے، لیکن یہ راستہ اسے اس وقت نظر آیا تھا جب وہاں سارے راستے بند ہو چکے تھے...... بہت دیر تک وہ سوچوں میں ڈوبا رہا...... نہ جانے کب سے وہ اپنے حجرے میں بیٹھا ہوا یہ تمام باتیں سوچ رہا تھا، دل بھرتا چلا آ رہا تھا، وہ سب کچھ یاد آ رہا تھا، جو ذہن کی گہرائیوں میں سلا دیا گیا تھا اور اب، اب صورت حال اس کے برعکس ہو گئی تھی۔

میں اس دُنیا کے قابل نہیں ہوں...... میں نے وہ کیا ہے جو برا تھا اور اس پر سے اس طرح نظر ہٹالی تھی میں نے، جیسے میں اس دُنیا کا انسان ہی نہ ہوں، کیا کرنا چاہئے مجھے؟ کیا کرنا چاہئے؟ خود کشی کرنا حرام ہے، لیکن کیا دُنیا میں یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی میں عاقبت میں اپنی بہتری کے لئے کوئی تصور دل میں رکھوں؟ جہنم میری تقدیر ہے، جب جہنم میں ہی جانا ہے تو وہاں جلد از جلد کیوں نہ پہنچ جاؤں...... اس نے دل میں سوچا اور اس کا جنون، انتہائی حد تک پہنچ گیا، اپنی جگہ سے اُٹھا، میز کی دراز میں ہاتھ ڈال کر پستول نکالا، اسے کھول کر اسکے چیمبر چیک کئے اور اپنی جگہ آ بیٹھا...... پھر اس نے ایک کاغذ سامنے رکھا، قلم نکالا اور کھول کر لکھنے لگا۔

"میں زیادہ تفصیل میں نہیں جاؤں گا...... زندگی میں انسان برائیاں بہت جلد اپنا لیتا ہے، نیکیوں کے راستے بڑے دشوار گزار ہوتے ہیں، اس لئے ان پر سفر اتنا آسان نہیں ہوتا،

جبکہ برائیوں کے خوشگوار راستوں پر جو آخر کار تباہی کے گڑھوں پر ختم ہوتے ہیں، چلنے پر کوئی خاص دشواری پیدا نہیں ہوتی...... میں نے انہی آسان راستوں کا سفر شروع کیا تھا بہر حال میں نہ لفظ سازی کرنا چاہتا ہوں، نہ افسانہ طرازی میں ایک جرائم پیشہ شخص ہوں میں نے زندگی میں بہت کچھ برائیاں کی ہیں، تفصیل بے کار ہے، میں اپنے ان چار ساتھیوں کی نشاندہی اور کرنا چاہتا ہوں، جو اس سلسلے میں جرم کی دُنیا سے منسلک ہیں، ہمارا تعلق ایک ایسے سنڈیکیٹ سے ہے جو بین الاقوامی پیمانے پر منشیات کی تجارت کرتا ہے اور ہم مقامی طور پر اس کے کرتا دھرتا ہیں، میرے ساتھ یہ چار افراد اور شریک ہیں، میں اپنے ضمیر کی آواز سے مجبور ہو کر موت کی وادیوں کی جانب قدم بڑھا رہا ہوں...... یہ خودکشی میرے لئے ضروری ہے، کیونکہ میرے بچے بہت جلد میرے جرائم سے واقف ہونے والے ہیں، میرے بچوں میں سے کوئی میری اس زندگی سے واقف نہیں ہے، میں نے اپنی زندگی میں یہ ڈبل رول ادا کیا ہے...... بہر حال میں اپنے بچوں سے معافی کا خواست گار ہوں اور ان سب سے بھی جنہیں میرے جیسے لوگوں کے ہاتھ نقصان پہنچا ہے اور پہنچ رہا ہے، ہم اس کا کوئی سدباب نہیں کر سکتے لیکن میں سنڈیکیٹ کے کچھ پوائنٹ کی نشاندہی کر رہا ہوں...... اگر حکومت اعلیٰ سطح پر دُنیا کی مختلف حکومتوں سے رابطہ قائم کر کے سنڈیکیٹ کے ان پوائنٹس کو ختم کرنا چاہے تو ظاہر ہے یہ اس کا کام ہے۔ "چراغ سے چراغ جلتے ہیں" ان پوائنٹس سے پتا چل سکے گا کہ اور کہاں کہاں سنڈیکیٹ کے پوائنٹ ہیں...... میں اپنا چھوٹا سا فرض پورا کر رہا ہوں، یہ کہہ کر اپنے آپ کو بری الذمہ قرار نہیں دے سکتا کہ اب میرا ان تمام معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن میں اس تعلق کو ختم کر رہا ہوں۔"

اعظم بیگ

اپنے دستخط کرنے کے بعد اس نے کاغذ کو دہرا تہہ کیا اور ایک پیپر ویٹ کے نیچے دبا دیا پھر ادھر اُدھر دیکھا اور مدہم لہجے میں بولا۔

"میرے بچو! میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتا تھا...... جینا چاہتا تھا لیکن انسان زندگی میں جب کوئی غلطی کر بیٹھتا ہے تو ان میں سے بعض غلطیاں ایسی بھی ہوتی ہیں، جن کا ازالہ نہیں کیا جا سکتا...... بہر حال میری مجبوری مجھے اس دُنیا سے لے جا رہی ہے۔" اس نے پستول کنپٹی پر رکھا ایک لمحے سوچتا رہا اور اس کے بعد ٹرائیگر دبا دیا۔

ایک ہلکی سی آواز ہوئی اور اس نے حیرت سے پستول کو کنپٹی سے ہٹا کر دیکھا

دوبارہ کنپٹی پر رکھ کر یکے بعد دیگرے ٹرائیگر دباتا چلا گیا، لیکن ہلکی ہلکی آوازوں کے سوا کوئی عمل نہ ہوا تو وہ شدت حیرت سے اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا...... تبھی اس کی نظر عقب میں پڑی، اس نے دیکھا کہ طاہر اور صدف وہاں کھڑے ہوئے ہیں وہ انہیں اس طرح دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا۔

"تم لوگ یہاں؟"

"ہاں ڈیڈی...... ہم اپنی ڈیوٹی سر انجام دے رہے ہیں۔"

طاہر بیگ نے کہا۔

"ڈیوٹی!" اعظم بیگ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔

"ہاں ڈیڈی! وہ ڈیوٹی جو ہم نے اپنالی ہے اور جواب ہمارے لئے سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔"

"طاہر تم؟"

"ڈیڈی آپ خودکشی کر رہے تھے۔" طاہر غمناک لہجے میں بولا...... مرزا اعظم بیگ نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے ادھر اُدھر دیکھا...... پھر میز پر رکھے ہوئے پرچے کی جانب دیکھا...... پھر پستول کو دیکھا...... پھر آہستہ سے بولا۔

"ہاں۔"

"گناہوں میں ایک گناہ کا اضافہ...... آپ جانتے ہیں یہ گناہ کیا حقیقت رکھتا ہے؟"

"جتنے گناہ میں کر چکا ہوں طاہر...... اس کے بعد میرا ضمیر گناہوں کے بوجھ سے اس قدر ڈھلک چکا ہے کہ کوئی اور گناہ، گناہ نہیں لگتا۔"

"ڈیڈی! میں نہ تو آپ کو نصیحت کرنے کی اہلیت رکھتا ہوں، نہ میرا اتنا علم ہے، اپنے چھوٹے سے علم کی بنا پر میں یہ بات کہتا ہوں کہ "جگہ جگہ ہمیں بہت سی تحریریں نظر آئی ہیں...... بعض جگہ لکھا ہوتا ہے کہ "توبہ گناہ کو کھا جاتی ہے۔" بعض جگہ لکھا ہوتا ہے کہ توبہ کے دروازے کبھی بند نہیں ہوتے۔" ڈیڈی! توبہ کی طرف راغب ہونے کے بجائے ایک اور گناہ کا اضافہ، کیا عقل سے تعلق رکھتا ہے؟" جب ضمیر کو گناہ کی شدت کا احساس ہو تو پھر تو انسان کو توبہ کی جانب راغب ہونا چاہئے۔"

"تم نہیں سمجھتے، میری توبہ بے مقصد ہے۔"

"ہاں ڈیڈی! میں نہیں سمجھتا، لیکن یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ آپ بھی نہیں سمجھ رہے...... میں اس موضوع پر زیادہ بحث نہیں کرپاؤں گا...... ہم ہر وقت آپ پر نگاہ رکھتے ہیں...... میں اور صدف اپنے آپ کو آپ کیلئے وقف کر چکے ہیں، جانتے ہیں ڈیڈی کیوں؟"

مرزا اعظم بیگ نے کوئی جواب نہیں دیا...... خاموشی سے ان کی صورت دیکھتا رہا، طاہر نے پھر کہا۔

"اس لئے ڈیڈی کہ ہم آپ کو اپنے گناہ میں برابر کا شریک سمجھتے ہیں۔"

"کیا؟" اعظم بیگ کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔

"ہاں ڈیڈی! ان گناہگاروں میں ہم بھی شامل ہیں۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"سچ کہہ رہا ہوں ڈیڈی! بتایئے اگر ہم اس دُنیا میں نہ آتے تو کیا آپ یہ سوچتے کہ اپنے بچوں کا مستقبل محفوظ کرنے کے لئے، ہر جائز اور ناجائز طریقہ استعمال کریں...... ڈیڈی آپ نے ہمارے لئے ہی تو یہ زہر پیا ہے، ہمارے لئے ہی تو ڈیڈی آپ نے یہ زندگی اپنائی ہے، تو کیا ہم اپنے آپ کو اس سے بالکل بری الذمہ قرار دے دیں، نہیں ڈیڈی۔"

اعظم بیگ بے اختیار مسکرا پڑا پھر بولا۔

"واہ کیا دلچسپ منطق استعمال کی ہے تم نے پاگل، سوچ تو میری غلط تھی تم سے اس کا کیا واسطہ۔"

"ڈیڈی! بہر حال آپ جو کچھ بھی سوچیں، لیکن جو کچھ آپ کرنے جا رہے تھے وہ تو اور بھی زیادہ بھیانک تھا...... ابھی تو اس بات کے امکانات ہیں ڈیڈی کہ کوئی حل نکل آئے۔ کوئی ایسی تدبیر یا ترکیب ہو، جس سے ہمارے چہروں سے گناہ کے یہ داغ دھل جائیں، لیکن اگر آپ یہ خودکشی کر لیتے...... تو یہ خودکشی دُنیا کے سامنے آتی اور آپ کی خودکشی کے سلسلے میں تحقیقات ہوتی اور اس کے بعد یہ پتا چل جاتا کہ ہم ایسے باپ کی اولاد ہیں جو منشیات کا سمگلر تھا، ڈیڈی اس کے بعد تو ہماری کوئی کوشش بھی یہ عمل نہیں چھپا سکتی تھی، آپ سوچئے پھر کیا ہوتا ہم اپنی بات نہیں کرتے، ہم تو مرد ہیں گزارا کر لیتے...... صدف ایک منشیات کے تاجر کی بیٹی کہلاتی اور کوئی عزت دار آدمی اسے اپنے خاندان میں شامل کرنے پر راضی نہ ہوتا...... بولیں ڈیڈی کیا ایسا نہیں ہوتا؟" اعظم بیگ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، پھر

اس نے صدف کو دیکھا...... جس کے رخسار آنسوؤں سے بھیگے ہوئے تھے، ایک لمحے کے لئے اس کے دل میں ایک عجیب سی کیفیت بیدار ہو گئی، وہ ہاتھ بڑھا کر صدف کی جانب بڑھا لیکن صدف کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"نہیں ڈیڈی! مجھ سے اس محبت کا اظہار نہ کیجئے، کبھی نفرت کی یہ انتہا کہ ہمارا مستقبل برباد کرنے پر تل جاتے ہیں اور اس کے بعد محبت کا یہ انداز، ڈیڈی آپ کی یہ دورخی اچھی نہیں لگ رہی۔"

"کیا کہوں میں تم سے؟ کیا بتاؤں؟ مگر یہ پستول......"

"کہا نا ڈیڈی! آپ پر نگاہ رکھنی پڑتی ہے...... یہ جعلی کارتوس ہم نے پستول میں ڈالے تھے، کیونکہ ہم آپ کے ہاتھوں کسی بھی مزید گناہ کو برداشت نہیں کر سکتے۔"

"ڈیڈی ہم نے ہتھیار اٹھا لئے ہیں آپ کے دشمنوں کے خلاف...... یہ نہیں معلوم تھا کہ آپ اس پستول سے خودکشی کریں گے، بلکہ اس سوچ کا شکار تھے ہم کہ کہیں یوں نہ ہو کہ آپ اپنے کسی دشمن کو فنا کرنے کے بارے میں سوچیں...... اس کے لئے ہم خود مسلح ہیں ڈیڈی اور اپنی کاوشیں کر رہے ہیں۔"

مرزا بیگ نے گہری سانس لی اور مدہم لہجے میں بولا۔

"دیکھو...... میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا...... میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا...... میں کیا کروں مجھے بتاؤ، میں کیا کروں؟"

"کچھ نہیں کیجئے ڈیڈی...... اب اپنے آپ کو ان تمام معاملات سے آزاد کر لیجئے، ہم کر رہے ہیں جو کچھ ہم سے ہو رہا ہے...... ہم کر رہے ہیں لیکن ڈیڈی عقل و ہوش سے کام لینے کے بجائے، آپ جو عمل کر رہے ہیں وہ بہتر نہیں ہے...... آپ خود سوچئے سنڈیکیٹ کے بہت سے افراد آپ کے ساتھ شریک ہیں...... وقت سے پہلے ہماری کاوشیں منظر عام پر آگئیں، تو کیا وہ ہمیں زندہ چھوڑیں گے، ڈیڈی آپ کیا کر رہے ہیں...... خدا کے لئے سوچئے، ڈیڈی آپ کر رہے ہیں وہ تو ہماری زندگی بھی ختم کر دے گا...... ڈیڈی آپ! ہم سے دشمنی کر رہے ہیں۔" طاہر بیگ کے ان الفاظ پر اعظم بیگ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا تھا...... پھر اس نے روتے ہوئے کہا۔

"آہ میں ہار گیا ہوں...... تھک گیا ہوں میں اور تھکن کے بعد ہی موت کے راستوں

پر پناہ لینا چاہتا ہوں...... تھک گیا ہوں میں اب میں تھک گیا ہوں۔"

"اپنا سارا بوجھ ہم پر ڈال دیجئے ڈیڈی! ہم آخری وقت تک کوشش کریں گے کہ آپ کو بچا سکیں...... ناکام ہو گئے تو پھر ہم اجتماعی خودکشی کر لیں گے، سمجھ رہے ہیں آپ؟"

"خدا نہ کرے۔" اعظم بیگ نے کہا اور ہاتھ بڑھا کر اپنے دونوں بچوں سے لپٹ گیا...... پھر اس نے زاروقطار روتے ہوئے کہا۔

"وہی کروں گا میں، وہی کروں گا جو تم کہہ رہے ہو...... میں وہی کروں گا۔" اور صفدر اور طاہر بیگ اس سے لپٹ کر خود بھی سسکنے لگے۔

❀

نادر حیات صاحب کے ذاتی ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور انہوں نے ریسیور اٹھا لیا...... ٹیلی فون کی یہ لائن ڈائریکٹ تھی اور اس کے بارے میں خاص ہی خاص لوگوں کو معلومات حاصل تھیں...... اس وقت بھی یقیناً کسی ایسی شخصیت کا فون تھا، جن کے علم میں ڈی آئی جی صاحب کی یہ ٹیلی فون لائن تھی...... نادر حیات صاحب نے پروقار لہجے میں کہا۔

"ہیلو۔"

"نادر حیات صاحب سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

دوسری جانب سے ایک بھاری آواز سنائی دی۔

"میں ہی بول رہا ہوں فرمائیے؟"

"آہا نادر حیات صاحب، یقینی طور پر آپ میری آواز نہیں پہچان سکے ہوں گے کیونکہ میں نے پہلی بار آپ کو براہ راست فون کیا ہے۔"

"شاید فرمائیے کون صاحب ہیں؟"

"بھئی نام ہمارا جمال شاہ ہے...... آپ کی حکومت کے ایک چھوٹے سے عہدیدار ہیں شاید یہ نام آپ کے ذہن میں ہو۔"

"سر آپ! خیریت؟"

"ہاں بالکل خیریت ہے...... پہلے یہ بتائیے، پہچان لیا آپ نے ہمیں؟"

"جی سر کیوں نہیں۔"

"کیسے پہچانا؟"

"سر آپ کے نام سے۔"

"جمال شاہ تو بہت سے ہوں گے...... آپ کی اس مملکت میں۔" جمال شاہ بولا۔

"سر! اگر سرکاری عہدیدار کی بات ہے تو میرا خیال ہے، آپ تنہا ہی ہیں۔" جواب میں جمال شاہ کی ہنسی سنائی دی پھر اس نے کہا۔

"ہاں ڈی آئی جی صاحب! ہم وہی جمال شاہ ہیں...... آپ نے ٹھیک پہچانا۔"

"سر میرے لئے کوئی حکم؟"

"ارے نہیں کوئی حکم نہیں ہے نادر صاحب! بات اصل میں یہ ہے کہ ہر شخص کو، ہر شخص سے کوئی نہ کوئی کام پڑ جاتا ہے...... ایک چھوٹا سا کام آ پڑ گیا ہے آپ سے۔"

"حکم دیجئے سر!"

"ایسے نہیں اب اتنے بڑے لوگوں کو سڑکوں پر تو احکامات نہیں دیئے جاتے، اگر برا نہ مانیں اور وقت نہ محسوس کریں تو آج رات کو ہمارے غریب خانے پر کھانا وغیرہ کھا لیں...... بھئی دیکھئے تکلف کی کوئی بات نہیں ہو گی...... یہ تو دوستی کا ایک انداز ہوتا ہے...... آپ ہمارے ساتھ کھانا کھا لیں گے...... ہمیں خوشی ہو گی۔"

"میں آپ کا حکم سر آنکھوں پر مان لیتا، لیکن آپ یقین کیجئے کہ پہلی بات تو یہ کہ رات کا کھانا میں نہیں کھاتا اور دوسری بات یہ کہ تکلف کی کوئی ضرورت نہیں تھی، آپ کا حکم ہی کافی تھا۔"

"معاملہ کچھ اور ہے ڈی آئی جی صاحب!" دوسری طرف سے جمال شاہ کی ہنسی سنائی دی۔

"اور کوئی بات ہے تو مجھے بتا دیجئے!" نادر حیات مودب لہجے میں بولے۔

"زندگی میں کسی سے دوستی کی ہے؟"

"جی؟"

"دوستی، دوستی۔"

"کیوں نہیں سر۔"

"دوستی کے کچھ تقاضے بھی ہوتے ہیں۔"

"بے شک۔"

"ہم بھی آپ کو دوستی کی پیشکش ہی کر رہے ہیں...... کیا آپ یہ پیشکش قبول کریں

گے؟"

"سر! میری خوش بختی ہوگی۔"

"ہاں...... خوش بختی میں تو کوئی شک نہیں ہے...... ہماری دوستی حاصل کر لینا بڑی بات تو نہیں اور ہم نے اس لئے آپ کو کھانے کی پیشکش کی تھی۔"

"اس کے لئے میں عرض کر چکا ہوں۔" نادر حیات اس فضول گفتگو سے سخت بیزار ہو رہے تھے۔

"یعنی کھانا نہیں کھاتے۔"

"جی سر۔"

"بھئی چائے وغیرہ تو پیتے ہوں گے؟"

"جی۔"

"تو ٹھیک ہے...... وہ جو شاعر نے کہا ہے کہ تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہئے۔"

"جی سر۔"

"تو پھر آپ ہمارے ساتھ ایک پیالی چائے ہی پی لیں، ہماری خوشی کے لئے۔"

"کس وقت پہنچنا ہے مجھے؟"

"آٹھ بجے کے بعد آپ تشریف لے آئیے...... ہم انتظار کریں گے اور استقبال کے لئے موجود ہوں گے۔"

"بہت بہتر جناب!" نادر حیات صاحب نے کہا اور دوسری جانب سے شکریہ ادا کر کے ٹیلی فون بند کر دیا گیا، لیکن نادر حیات صاحب کی پیشانی پر لاتعداد شکنیں تھیں۔ جمال شاہ کے بارے میں ان کے پاس مکمل تفصیلات موجود تھیں اور ان تفصیلات کی تفصیل وہ اچھی طرح جانتے تھے...... بہرحال ایک ایسی شخصیت نے ان سے رجوع کیا تھا، جن کی کہانیاں لاتعداد بار نظر عام پر آ چکی تھیں۔

نادر حیات صاحب کی پیشانی بہت دیر تک شکن آلود رہی لیکن بہرحال وعدہ کر چکے تھے اور ان کے فرائض میں بھی تھا، جانا تو پڑتا ہی، چنانچہ وہ ذہنی طور پر اپنے آپ کو تیار کرنے لگے...... البتہ اس وقت تک شدید اُلجھن کا شکار رہے تھے، جب تک کہ ان کی کار مقررہ وقت پر جمال شاہ کی شاندار رہائش گاہ کے وسیع و عریض گیٹ کے سامنے نہ پہنچ گئی۔

در حقیقت جمال شاہ نے سکیورٹی گارڈز کو احکامات دے رکھے تھے، چنانچہ نادر حیات کی زبردست پذیرائی کی گئی اور آہنی گیٹ سے گزرنے کے بعد جب ان کی کار آگے پورچ میں پہنچی تو سامنے ہی جمال شاہ صاحب کچھ افراد کے ساتھ ان کے استقبال کے لئے موجود تھے...... ڈی آئی جی صاحب وردی میں وہاں پہنچے تھے...... انہوں نے جمال شاہ کو سلیوٹ کیا اور جمال شاہ نے آگے بڑھ کر ان سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"ارے واہ ڈی آئی جی صاحب! ارے بھائی یہاں ہم نے آپ کو کسی ڈیوٹی پر تو نہیں بلایا، یہ تو ایک دوستانہ میٹنگ تھی اور اس میٹنگ میں بھی آپ سرکاری لباس پہن کر آئے ہیں۔"

"سرکاری آدمی ہوں...... سر اور سرکار کے حضور حاضر ہوا ہوں، میں اس طلبی کو سرکاری ہی سمجھتا ہوں۔"

"آئیے...... آئیے...... ایسا ہے تو یونہی سہی، ہمیں اعتراض نہیں ہے...... ہم تو یہ کہہ رہے تھے کہ ذرا آرام سے بیٹھ کر کھلی فضا اور کھلے ماحول میں بات کریں گے، اب دیکھئے نا اگر لباس سرکاری وردی ہو تو انسان خود کو سرکاری ہی محسوس کرتا ہے مگر خیر سب کچھ اپنی جگہ انسان انسان ہی ہوتا ہے محسوس چاہے وہ کچھ بھی کرے۔"

نادر حیات صاحب...... جمال شاہ کے ساتھ چل پڑے...... جمال شاہ نے اپنے ساتھ موجود کسی شخص کا تعارف نہیں کرایا تھا، البتہ وہ ڈی آئی جی صاحب کو لے کر ایک بہت ہی خوبصورت کمرے میں پہنچ گیا اور پھر انہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتا ہوا بولا۔

"ساری فضا ہی خراب کر دی آپ نے...... ہم تو یہ سوچ رہے تھے کہ سارے گھر کے ساتھ بیٹھ کر آپ کے ساتھ کھائیں گے پئیں گے، مگر بھائی وردی سے تو ساری فضا ہی بدل جاتی ہے...... چلئے ٹھیک ہے بعد میں ایک پروگرام آپ کے اہل خاندان کے ساتھ رکھیں گے...... بھئی ہم ذرا مختلف قسم کے آدمی ہیں...... ویسے بھی آپ کو کم از کم اس بات کا پتا ہوگا کہ جمال شاہ عوامی حیثیت کا حامل ہے اور اس نے کبھی اپنے آپ کو اتنی بڑی شخصیت نہیں سمجھا اور ہمیشہ ہی عوام میں گھلا ملا رہا ہے۔"

"جی شاہ صاحب۔"

"چائے منگوائیں یا بلا تکلف کچھ کھانے کے لئے؟"

"سر اگر آپ کا حکم ہے تو میں چائے بے شک پی لوں گا، لیکن صرف چائے۔"

"ایسی ہلکی پھلکی اور پھیکی دعوت بھی شاید ہی ہم نے کسی کو دی ہو...... اصل میں
حیات صاحب ہم تو جیو اور جینے دو کے قائل ہیں۔ خود بھی زندگی کے یہ چند دن ...
گزارے جائیں اور دوسروں کو بھی اس کا موقع دیا جائے...... یہی ہمارا موقف ہے ...
کے بھی بال بچے ہوں گے، کبھی تعارف ہی نہ ہو سکا...... ہم چاہتے ہیں کہ ان کے ...
کچھ کریں اور کچھ نہیں تو وہ اپنے جمال چاچا کو یاد تو رکھیں گے۔"

"سر بے حد شکریہ...... اللہ کا دیا ہوا سب کچھ موجود ہے، آپ کی محبت ہی کافی ہے۔"

"چلو ٹھیک ہے...... ہم مطلب کی بات جلد ہی شروع کر دیتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں
کہ یہ اچھا ہی ہوتا ہے کیونکہ اگر واقعی انسان کو کسی سے کوئی کام ہو اور وہ گھماؤ پھراؤ کی ...
کرے تو اس کا مطلب ہے کہ دو ہی صورتیں ہیں یا تو اس کے اندر اصل بات کہنے کی ...
نہیں ہے یا پھر وہ جو بات کہنا چاہتا ہے اس سے خود بھی مخلص نہیں ہوتا، کیا خیال ہے آپ کا
اس بارے میں؟"

"سر آپ کا کہنا بالکل بجا ہے۔"

"ایک آدمی ہے ہمارا اپنا دوست ہے، بلکہ یوں سمجھ لو کہ ہمارا فیملی ڈاکٹر ہے...... نادر
حیات ہے اس کا نام۔" جمال شاہ نے کہا اور ڈی آئی جی صاحب کے کان کھڑے ہوگئے۔

"جی ہاں بہت اچھی طرح...... حیات کلینک بڑی شہرت کا حامل ہے۔"

"بھئی آدمی بھی بہت اچھا ہے...... اب دیکھیں نا زندگی میں کہیں نہ کہیں آدمی
غلطی ہو ہی جاتی ہے اور غلطی بھی اس طرح کہ خود اس کا کوئی قصور نہیں ہوتا بلکہ وقت
کسی جنجال میں پھنسا دیتا ہے...... ڈاکٹر حیات بھی ایسے ہی جنجال میں پھنس گیا تھا اور چونکہ
حیات صاحب اس نے مجھے پوری تفصیل بتا دی ہے، وہ کہہ چکا ہے کہ اس کی غلطی ہے
اس غلطی پر نادم ہے، اب آپ خود بتائیے ہمارا آدمی ہو اور آپ کے محکمے کا کوئی معمولی
آدمی، اسے دھمکیاں دے تو کیا یہ جائز بات ہے۔"

"پہلی بات تو یہ ہے سر کہ میرے محکمے میں کوئی بھی معمولی آدمی نہیں ہے
وہ ایک کانسٹیبل کیوں نہ ہو ہمارے محکمے کا ہر شخص قانون کا وفادار ہے اور قانون کے ...
کرتا ہے۔"

"نادر حیات صاحب! بہت سی فلمیں دیکھی ہوں گی آپ نے...... ہم نے بھی

فلموں کی کہانیاں عام بے وقوف لوگ صرف کہانیاں کہہ کر ٹال دیتے ہیں...... ان کا
... ہے کہ حقیقی زندگی میں وہ سب کچھ نہیں ہوتا جو فلموں میں دکھایا جاتا ہے...... ہم
... ہوتا ہے، فلموں کی کہانیاں بھی انسانوں ہی پر لکھی ہوتی ہیں اور ان انسانوں کو حقیقی
... کے بارے میں خاصی معلومات حاصل ہوتی ہیں...... پھر یہ تصور تو بالکل بے کار ہوا کہ
... کہانیاں صرف مفروضات پر مبنی ہوتی ہیں۔"

"جی سر! انسان کی کہانیاں، انسان ہی کی کہانیاں ہوتی ہیں۔"

"اور ان کہانیوں میں بڑے بڑے بھیانک واقعات ہوتے ہیں بھئی دیکھ
... کو خوف کا شدید احساس ہوتا ہے ہم یہ کہنا چاہتے تھے ڈی آئی جی صاحب کہ وقت
اور حالات سے سمجھوتہ کرنا چاہئے، انسان کی غلطیاں تو خدا بھی معاف کر دیتا ہے بھلا انسان
کیا چیز ہے۔"

"آپ مزید آگے کہئے۔"

"بھئی میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ اور آپ کا وہ آدمی کیا نام ہے اس کا...... خیر جو بھی
نام ہے ڈاکٹر حیات سے سمجھوتہ کرے...... جو ہو چکا ہے اسے نظر انداز کر دیا جائے اور ڈاکٹر
حیات کو تنگ نہ کیا جائے۔"

"ڈاکٹر حیات صاحب اس سلسلے میں خود کیا کہتے ہیں؟"

"جو کچھ وہ خود کہتا ہے اس کی تفصیل آپ کو ابھی پتا چل جاتی ہے...... آؤ ڈاکٹر اندر
آجاؤ۔" جمال شاہ صاحب نے ایک دروازے کی جانب رُخ کر کے کہا جس پر ایک پردہ لہرا رہا
تھا...... ڈی آئی جی نادر حیات صاحب اس طرف دیکھنے لگے...... اس لمحے پردہ ہٹا اور ڈاکٹر
حیات کمرے میں داخل ہو گیا۔

ڈاکٹر حیات قیمتی سوٹ میں ملبوس تھا اور بہت اسمارٹ نظر آ رہا تھا...... اندر آ کر اس نے
... حیات کی طرف ہاتھ بڑھایا تو ڈی آئی جی صاحب نے کہا۔

"تشریف رکھئے ڈاکٹر صاحب...... میں اور آپ فی الوقت ہاتھ ملانے کی پوزیشن میں
نہیں ہیں۔" ڈاکٹر حیات نے ہاتھ پیچھے کر لیا...... جمال شاہ صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔

"بیٹھ جا بھائی...... بیٹھ جا...... لوہا گرم ہے ابھی...... دیکھتے ہیں...... کوشش کرتے ہیں
ٹھنڈک پیدا ہو جائے...... ویسے نادر حیات صاحب، آپ کا نام نادر حیات ہے اور یہ صرف

حیات ہے..... دو حیات یکجا ہو گئی ہیں، ہاتھ تو ملنا ہی چاہئے۔"

"شاہ صاحب اچھا ہی ہوا کہ اس وقت میں وردی میں ملبوس آپ کے سامنے ہوں..... یہ وردی آپ ہی کی عطا کی ہوئی ہے..... کم از کم آپ اس وردی کی موجودگی میں کسی ایسے عمل کے لئے مجھ سے نہیں کہیں گے جس پر آپ کو خود افسوس ہو۔"

"دیکھ بھائی..... معاف کرنا ڈی آئی جی صاحب..... ہم زیادہ منطقی آدمی نہیں ہیں اور نہ ہی فلسفہ سمجھتے ہیں..... انسان کا فلسفہ ہی ہماری سمجھ میں آتا ہے اور اچھا یہ ہوگا کہ گھماؤ پھراؤ کی کوئی بات نہ کرو..... سیدھا سادا مسئلہ ہے اس کا پرابلم ہمارے علم میں آیا، ہمارا آدمی ہے، ہم نے کہا بھائی ہو جائے گا تیرا کام اور جب ہم نے کہا کہ اس کا کام ہو جائے گا تو ڈی آئی جی صاحب آپ کو بھی ہمارے ساتھ تعاون کرنا چاہئے۔"

منطق اور فلسفے کی زبان ہی سہی، قانون کی زبان تو سمجھتے ہیں نا آپ؟"

"پھر وہی یار ایسا کرو..... کل پھر آؤ ہمارے پاس سول ڈریس میں آؤ..... سادہ لباس میں آؤ وردی کبھی کبھی انسان سے اس کی عقل بھی چھین لیتی ہے۔"

"وردی کچھ بھی چھین لے شاہ صاحب لیکن کم از کم وطن سے خلوص اور محبت کا احساس ضرور دلاتی رہتی ہے..... کاش آپ لوگوں کے لئے بھی کسی وردی کا انتظام ہوتا..... ہر اعلیٰ عہدیدار کے لئے ایک وردی ہوتی ہے..... کم از کم اسے اپنے بدن پر موجود، اس کا احساس تو ہوتا، جہاں تک ڈاکٹر حیات صاحب کا تعلق ہے میں خود بھی ان کی بہت عزت کرتا، اگر یہ صرف ایک ڈاکٹر ہوتے..... آپ ذرا غور تو کیجئے کیا پیشہ ہے ان کا، کتنی عظمت کا حامل ہے، لیکن..... لیکن جو الزام ان پر عائد ہے آپ ذرا اس پر غور کیجئے۔"

"دیکھو یہاں جذباتی نہ ہو بھائی ڈی آئی جی جذباتی نہ ہو..... یہ ڈائیلاگ تو کسی فلم میں بھی نہیں بولے جا سکتے..... تم حقیقت سے دور کی بات کر رہے ہو..... ڈی آئی جی صاحب انسان کو حقیقتوں کا پجاری ہونا چاہئے..... ہم اس سچ میں زندگی گزار رہے ہیں..... یہ ایک ماحول کا سچ ہے..... اب زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہو تم کہ ڈاکٹر حیات سے آئندہ ایسی کوئی غلطی نہ ہو، نہیں ہوگی ہم خود اس کی ذمہ داری لے لیں گے، لیکن جو کچھ ہو چکا ہے اسے اب سنبھالنا تمہاری ذمے داری ہے اور دیکھو بھائی..... ملازمت تو تم بہت کر چکے ہو..... استعفیٰ بھی دے دو گے اور ریٹائر بھی ہو سکتے ہو، لیکن کیا فائدہ دشمنیاں آگے بڑھانے سے کچھ

مل نہیں ہوتا..... کچھ لے لو..... جو دل چاہے لے لو..... ہم سے بھی لے لو..... ڈاکٹر حیات سے بھی۔"

"میرا خیال ہے..... میری خوش قسمتی ہے کہ ابھی چائے نہیں آئی..... آجاتی تو مجھے آپ کا احسان مند ہونا پڑتا..... اجازت چاہتا ہوں۔"

"بیٹھ جاؤ ڈی آئی جی صاحب..... بیٹھ جاؤ..... تعاون کی بات کرو۔"

"میں معافی چاہتا ہوں۔"

"نہیں دیکھو کچھ معاملات ایسے ہوتے ہیں، جن میں وقت نکل جانے کے بعد پھر صورت حال بالکل مختلف ہو جاتی ہے اور تم وقت کو ہاتھ سے نکال رہے ہو۔"

نادر حیات چند لمحات خاموش رہے اور اس کے بعد شاید انہوں نے دل میں کوئی فیصلہ کر لیا..... مدھم لہجے میں بولے۔

"دیکھئے..... اگر بات صرف میری ذات تک ہی ہوتی تو میں خاموشی اختیار کر لیتا۔"

"کیا مطلب؟" جمال شاہ صاحب نے جلدی سے پوچھا۔

"یہ تو پورا ایک کیس ہے سر اور اس سلسلے میں بہت سے لوگ ملوث ہیں..... آپ بتائیے میں تنہا یہ کام کیسے کر سکتا ہوں؟"

"دیکھو..... یہ تم نے قاعدے کی بات کی..... تم تنہا یہ کام مت کرو..... ہم تمہارے ساتھ ہیں..... بات اصل میں یہ ہے کہ تم صرف حالات کی نگرانی کر لو ڈی آئی جی صاحب! جو میرے تمہارے ہاتھ میں ہیں..... انہیں مٹھی میں بند کر لو، جو آگے سے آئیں گے انہیں ہم دیکھتے رہیں گے..... ہم یہ نہیں کہتے کہ وطن میں برائی جاری رہے..... ہم نے ڈاکٹر حیات کو وارننگ دے دی ہے کہ جو کرتا رہا ہے اگر اس کے بعد اسے جاری رکھا تو سمجھ لے کہ پھر ہم تیرے ساتھ نہیں ہوں گے..... سن رہا ہے نا بھائی..... منہ پر کہہ رہے ہیں..... پیچھے نہیں کہہ رہے..... بس دوستی یاری اتنی ہی نبھا سکتے ہیں..... ارے ہماری بھی کچھ ذمے داریاں ہیں..... کیا ہم یہ چاہتے ہیں کہ ملک میں منشیات کی ناجائز تجارت جاری رہے، بالکل نہیں چاہتے ہم اور تجھے اس کی اجازت بھی نہیں دیں گے..... ڈاکٹر حیات اب تک تو جو کچھ کر چکا ہے، اس کے بعد تجھے اس سے ہاتھ کھینچنا ہوگا۔"

"میں اس کیلئے تیار ہوں شاہ صاحب، بہت جلد آپ کو اس بات کا پتا چل جائے گا۔"

"تو ڈاکٹر حیات صاحب آپ براہ کرم مجھے تفصیلی طور پر اس سنڈیکیٹ کے بارے میں بتائیے اور یہ بھی بتائیے کہ یہاں مقامی طور پر کتنے افراد اس سنڈیکیٹ کے لئے کام کرتے ہیں، آپ مجھے یہ ایک تحریر دے دیجئے گا، میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کی طرف رخ کرنے والے ہر قدم کو روک دوں گا۔"

ڈاکٹر حیات کا چہرہ ایک دم سے زرد پڑ گیا، اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے جمال شاہ کی طرف دیکھا اور پھر بولا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ ایسا کروں گا تو کیا میں خود محفوظ رہ سکوں گا۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا ڈاکٹر حیات؟" جمال شاہ صاحب نے پوچھا۔

"سر سنڈیکیٹ کے خلاف ایک لفظ بولوں گا تو میرے بال بچوں کو ختم کر دیا جائے گا۔"

"تو کوئی سنڈیکیٹ بھی ہے اس کے پیچھے؟" جمال شاہ صاحب نے پوچھا اور ڈاکٹر حیات خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا، نادر حیات صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔

"تو آپ کا کیا خیال ہے، آپ خود غور کر لیجئے...... شاہ صاحب! جس شخص نے اپنے جرم کو آپ تک سے چھپایا ہے وہ بھلا سچ کیا بول سکے گا۔"

"خیر دیکھو ڈی آئی جی صاحب، بعد میں ہم اس سے معلومات حاصل کر لیں گے، لیکن ایک بات ہماری مان لو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہئے، تم اپنے طور پر اس کے تحفظ کی ذمے داری لے لو...... اگر اس کے خلاف کوئی بڑا کام شروع ہو گیا ہو تو اسے روک دینا تمہاری ذمے داری ہے، بعد میں ساری تفصیل ہم تمہیں بتا دیں گے۔"

"یہ اس شکل میں ممکن ہے جناب، جب یہ مجھے اس سنڈیکیٹ کے بارے میں ساری تفصیلات لکھ کر دے دیں۔"

"ارے کیا بات ہے ڈی آئی جی صاحب! یہ ممکن نہیں ہے۔" ڈاکٹر حیات نے کہا اور نادر حیات مسکراتی نگاہوں سے جمال شاہ کو دیکھنے لگے، پھر انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"سر پھر کیا حکم ہے میرے لئے؟"

"دیکھو ڈی آئی جی صاحب! ساری باتیں اپنی جگہ یار ہم اس بارے میں زیادہ کچھ نہیں جانتے، جو کچھ یہ کر بیٹھا ہے اب اسے نبھا دو...... بس ایک بار اسے چانس دے دو، جو کام نہ کر سکے بے چارہ، نہ کراؤ نا اس سے دیکھو سارے معاملات دوستی کی بنیاد پر ہو رہے ہیں۔ تم

کہتے ہو چائے نہ پی کر تم نے عقل کا ثبوت دیا ہے، ہم کہتے ہیں ناعقلی ہے...... تم ایک تجربہ کار آفیسر ہو اور یقینی طور پر اس عہدے تک مذاق میں نہیں پہنچ گئے ہو گے، محنت کی ہو گی، جان ماری ہو گی، لیکن اب تو بہت عرصہ گزر چکا ہے۔ اب تو آرام کے دن ہیں تمہارے ڈی آئی جی صاحب! ایک دوسرے سے تعاون تو کرنا پڑتا ہے نا، بھئی تمہیں کوئی مشکل پیش آئی تو ہم تمہارا بھی اسی طرح ساتھ دیں گے، یاروں کے یار ہیں ہم، بس خیال رکھنا، تمہاری مہربانی ہو گی۔"

"یس سر!" نادر حیات صاحب نے کہا اور اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"برا تو نہیں مانے ہو نا ہماری باتوں کا اور کیا اب بھی وہی مسئلہ ہے چائے وائے نہیں پیو گے؟"

"آپ یقین کیجئے، یہ صرف آپ کے حکم کا معاملہ تھا ورنہ زندگی میں کچھ اصول رکھے ہیں میں نے اور انہی اصولوں کو سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔"

"نہیں شاہ صاحب اگر ڈی آئی جی صاحب نے چائے نہیں پی تو آپ سمجھ لیجئے کہ ان کا دل صاف نہیں ہے اس معاملے میں آپ چائے کے بغیر انہیں نہ چھوڑیں۔" ڈاکٹر حیات نے کہا اور نادر حیات صاحب ہنسنے لگے...... پھر بولے۔

"بہرحال ٹھیک ہے اگر یہ ضد کا معاملہ ہے تو آپ کی مرضی ہے، میں انکار نہیں کرتا...... میں نہیں چاہتا کہ آپ کے ذہن میں کچھ شبہات رہیں، لیکن اس کے باوجود کچھ ایسے معاملات تو ذہن میں رکھنا ہوں گے، جو قابل غور ہوں...... بہرحال آپ جلد بازی نہیں کریں گے ڈاکٹر حیات، مجھے سوچنے کا موقع دیں گے۔"

"ارے ساری زندگی سوچتے رہو، موقع کی کیا بات ہے، بس ذرا یہ ہے کہ خود سوچنا ان کے دشمنوں کو کچھ نہ سوچنے دینا۔" جمال شاہ صاحب نے کہا اور نادر حیات صاحب مسکرانے لگے...... بہرحال اس کے بعد وہ چائے پی کر ہی وہاں سے اُٹھے تھے، لیکن جب ان کی کار جمال شاہ کی کوٹھی سے باہر نکلی تو ان کے چہرے پر غم واندوہ کے تاثرات پھیل گئے...... نہ جانے کیا احساسات تھے، جو ان کے دل میں جاگزیں ہو گئے تھے، یہ دکھ بھرے لمحات پھر آہستہ آہستہ ان کی نگاہوں میں ایک تصویر اُبھر آئی، یہ تصویر شہاب کی تھی، شہاب ثاقب جس نے اپنی مجبوریاں ان کے سامنے بیان کی تھیں...... نادر حیات صاحب کے ہونٹوں سے بڑبڑاہٹ

نکلی۔

"ہاں شہاب! بعض معاملات میں تم سے غیر متفق نہیں ہوں میں...... وقت نے اس طرح اقدار کے رخ بدلے ہیں کہ انسان کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہا ہے۔ آئی ایم سوری شہاب! آئی ایم سوری لیکن یہ نہ سمجھنا کہ میں نے وقت سے شکست مان لی ہے۔ میں وقت سے شکست اسی وقت مانوں گا جب میری زندگی کی آخری سانسیں ہوں گی اور وہ شکست بھی بالکل مختلف انداز کی ہو گی۔

❁

پہلے دس سال سے ایسا نہیں ہوا تھا...... رینا، پاسکل سے محبت کرتی تھی دونوں پڑوسی تھے اور دس سال سے ایک دوسرے کی رفاقت انہیں حاصل تھی، بچپن کی یہ محبت جوانی میں اور شدت اختیار کر چکی تھی...... رینا گریجویشن کرنے کے بعد ملازمت کرنے لگی تھی۔ پولیس ہیڈ کوارٹر میں اسے ٹائپسٹ کی حیثیت سے ملازمت مل گئی تھی اور اب اس نوکری کو بھی تین سال ہو چکے تھے...... وہ اپنی آمدنی کے ایک حصے میں سے پاسکل کی کفالت کرتی تھی اور اس نے پاسکل کو ابھی تک بے روزگاری کا احساس نہیں ہونے دیا تھا...... پاسکل البتہ ملازمت کی تلاش میں ناکام رہا تھا اور ایک عجیب سی بددلی کے احساس کا شکار نظر آتا تھا۔ اگر رینا اسے مسلسل ڈھارس نہ دیتی رہی ہوتی تو پاسکل کی بددلی نہ جانے کیا شکل اختیار کر جاتی، لیکن رینا کی آواز اس کا حوصلہ بڑھاتی رہتی تھی...... وہ باقاعدہ چرچ عبادت کرنے جایا کرتا تھا اور وہاں اپنے لئے دعائیں مانگا کرتا تھا۔ رینا بھی سنڈے سروس میں اس کے ساتھ ہمیشہ ہی شریک ہوا کرتی تھی اور اسی سنڈے سروس میں اس کی ملاقات پادری ڈکسن سے ہوئی تھی...... پاسکل نے بعد میں رینا کو بتایا تھا کہ پادری ڈکسن نے اسے طلب کیا ہے، پادری ایک اچھا آدمی معلوم ہوتا ہے اور ممکن ہے اب تقدیر کوئی بہتر راستہ اختیار کر جائے۔

لیکن اس کے بعد جب پاسکل پادری سے ملنے گیا تھا تو واپس نہیں آیا تھا اور رینا سخت پریشان ہو گئی تھی...... ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ پھر اس نے پادری سے ملاقات کرنے کا فیصلہ کر لیا، پادری کے بارے میں تفصیلات معلوم کر کے اسے بڑی مایوسی ہوئی تھی۔

پادری ایک مشن پر آیا ہوا تھا اور کہیں اور قیام پذیر تھا...... رینا کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ پادری سے ملنا آسان نہیں ہے، کوئی ایسا ہی عمل کرنا پڑے گا چنانچہ بمشکل تمام اس دن اس

نے چرچ سے واپسی پر پادری کا تعاقب کیا تھا۔

اس تعاقب کا مقصد کوئی خاص نہیں تھا، لیکن بس رینا الجھن کا شکار ہو گئی تھی...... پھر اس نے اپنے آپ کو محدود کر لیا...... ویسے بہت ہی پھرتیلی اور چالاک لڑکی تھی، تین سال کی پولیس نوکری نے اسے اور بھی چالاک بنا دیا تھا، بڑے بڑے لوگوں سے سابقہ رہا تھا۔ شہاب ثاقب کو بھی جانتی تھی اور اس کے بارے میں بڑے فخریہ انداز میں اپنے اہل خانہ کو بتایا کرتی تھی کہ وہ کس طرح کا انسان ہے، چنانچہ پادری کی رہائش گاہ تک وہ بڑی چالاکی اور ہوشیاری کے ساتھ پہنچی تھی، پھر اس نے جو کچھ دیکھا تھا اسے دیکھ کر وہ شدت حیرت سے دنگ رہ گئی تھی۔ پادری نے اپنے چہرے سے ایک ماسک اتاری تھی اور ماسک اتارنے کے بعد وہ پادری نہیں رہا تھا، کیونکہ بعد میں جب وہ اس عمارت سے باہر نکلا تو شاندار سوٹ میں ملبوس ایک درمیانی عمر کے آدمی کی حیثیت سے باہر آیا تھا۔ رینا ایک عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گئی۔ وہ عمارت کا اندر سے جائزہ لینے کی ہمت تو نہیں کر سکتی تھی لیکن اس کے ہاتھ پاؤں شدید سنسناہٹ کا شکار ہو گئے تھے...... پاسکل کی گمشدگی کی تہہ میں کہیں پادری کا کوئی عمل تو نہیں ہے اس نے دل میں سوچا تھا لیکن واپس آنے کے بعد وہ رات بڑی پریشان کن گزری۔

اس کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آ رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ پاسکل کوئی جرائم پیشہ شخص نہیں ہے۔ نہ ہی وہ کبھی ایسے کسی جال میں پھنس سکتا ہے کیونکہ کئی بار اسے ایسے لوگوں سے سابقہ پڑا تھا، اس نے ان سے کنارہ کشی ہی اختیار کی تھی...... پھر یہ جعلی پادری کیا حیثیت رکھتا ہے...... بات کچھ بھی ہو لیکن آخر وہ پادری کا حلیہ کیوں بدلے ہوئے ہے۔

ساری رات کی سوچوں کے بعد اس نے ایک فیصلہ کیا...... دوسرے دن وہ معمول کے مطابق آفس پہنچی اور پھر دن کو گیارہ بجے وہ شہاب کے دفتر میں داخل ہو گئی...... شہاب نے اسے اجنبی نظروں سے دیکھا...... پھر اس کے سلام کا جواب دے کر بولا۔

"تشریف رکھئے...... فرمائیے کون ہیں آپ اور مجھ سے کیا چاہتی ہیں؟"

"شکریہ سر...... میرا نام رینا جیکسن ہے...... پولیس ہیڈ کوارٹر کے جنرل ڈیپارٹمنٹ کی ایک معمولی سی ٹائپسٹ ہوں۔" رینا نے بیٹھے بغیر کہا اور اس نے اس خوبصورت آفیسر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھی۔

"یہ معمولی ٹائپسٹ کیا ہوتی ہے مسز جیکسن؟"

شہاب نے کہا۔

"اوہ نہیں سر! مسٹر جیکسن میرے فادر تھے جو اب اس دنیا میں نہیں ہیں اور میں غیر شادی شدہ ہوں۔" رینا جلدی سے بولی۔

"سوری مس رینا، مگر آپ بیٹھ کیوں نہیں رہیں؟ براہ کرم تشریف رکھیں۔"

"شکریہ سر! یہ میرے لئے اعزاز ہے، مگر میں آپ کو اپنے بارے میں بتا چکی ہوں۔" رینا نے بیٹھ کر کہا۔

"یہ کہ آپ معمولی ٹائپسٹ ہیں۔" شہاب بدستور مسکرا کر بولا۔

"جی سر!"

"اور معمولی لوگوں کو کرسی پر نہیں بیٹھنا چاہئے۔"

"بڑے افسروں کے سامنے۔" رینا نے سنبھل کر کہا۔

"ٹھیک ہے...... بڑے افسروں کے سامنے آپ اپنی مرضی کی مالک ہیں، اس وقت تو آپ میرے سامنے ہیں...... خیر اب آپ بیٹھ گئی ہیں اس کے لئے شکریہ...... فرمائیے میرے لئے کیا خدمت ہے؟"

"سر! میں سخت پریشان ہوں۔"

"وجہ۔"

"دیکھئے میری پوری بات سن لیجئے...... اس کے بعد آپ کا جو دل چاہے کریں۔" رینا نے کہا۔

"میں تیار ہوں۔" شہاب نے کہا اور رینا اسے پوری تفصیل سنانے لگی...... شہاب نے خاموشی سے اس کی کہانی سنی تھی...... پھر اس نے ایک پیڈ نکال کر قلم اٹھالیا۔

"پادری جس عمارت میں گیا تھا اس کے بارے میں آپ کو علم ہے؟"

"جی 29 ٹمپل سٹریٹ۔"

"بعد میں وہ کار میں بیٹھ کر باہر نکلا تھا؟"

"جی۔"

"آپ نے کار کا نمبر تو دیکھا ہوگا؟"

"رینسل گرے کلر...... نسان نمبر یو...... این ٹرپل ایٹ۔" رینا نے جواب دیا۔

"تنہا تھا؟"

"جی۔"

"آپ نے بڑی ذہانت سے کار کا نمبر میکر وغیرہ دیکھا اور کوٹھی کو بھی چیک کیا...... اس ...بد ہے؟"

"جی ہاں۔" رینا نے کہا۔

"کیا؟"

"تین سال سے پولیس ہیڈ کوارٹر کی ہواؤں میں وقت گزار رہی ہوں۔" رینا پھیکی سی مسکراہٹ سے بولی۔

"آپ ذہین خاتون ہیں...... خیر مس رینا، پاسکل نے آپ کو یہ تو بتایا ہو گا کہ وہ رونالڈسن کے پاس کیوں جا رہا ہے؟"

"اس نے کہا تھا پادری روزگار کے سلسلے میں اس کی مشکل دور کرنے کی دعوت دے کر ...ُہا ہے۔"

"اسے تنہا ہی وہاں جانا تھا؟"

"نہیں۔" رینا چونک کر بولی۔

"کیا مطلب؟"

"اس نے دو نام اور لئے تھے...... جان اور جیکب۔"

"یہ کون ہیں؟"

"پاسکل کے دوست۔"

"یہ بھی بیروزگار تھے؟"

"جی ہاں۔"

"آپ ان سے ملیں؟" شہاب نے سوال کیا۔

"نہیں...... میں اس لئے چونکی تھی...... ان سے ملنے کا خیال مجھے نہیں آیا حالانکہ مجھے ...ئے۔"

"آپ ان کے پتے جانتی ہیں؟"

"صرف جان کا پتا مجھے معلوم ہے...... جیکب کا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے...... وہ شہر

کے فٹ پاتھوں پر زندگی بسر کرتا ہے۔"

"جان کا پتا بتایئے۔"

"ایم لائن۔ ستات نمبر کھولی۔" شہاب نے یہ پتا بھی لکھ لیا پھر بولا۔

"آپ کو اس بارے میں میرا خیال کیسے آ گیا مس رینا؟"

"سر یہ سوال نہ کریں۔" رینا بولی۔

"اچھا۔ کیوں؟"

"بس سر! پلیز نہ کریں یہ سوال...... اس وقت مشکل میں ہوں کسی اچھے انسان سے گفتگو نہیں کرنا چاہتی۔"

"ٹھیک ہے رینا...... اگر اس قدر اعتماد رکھتی ہیں مجھ پر تو بس ایک بات کا خیال رکھیں۔"

"جی سر!"

"میری اجازت کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھائیں۔"

"سر کیا میں جان کے گھر جا کر اس سے معلومات حاصل کروں؟"

"بالکل نہیں...... میرا ذاتی فون نمبر رکھ لیں۔"

اگر فون پر نہ ہوا تو بیٹا ہو گی۔"

"آپ کی مسز؟" رینا نے پوچھا۔

"گڈ...... آپ تو پوری دُنیا کے بارے میں سب کچھ جانتی ہیں۔"

"پوری دُنیا کے بارے میں نہیں سر! صرف آپ کے بارے میں اسی لئے آپ تک آئی ہوں۔"

"او کے مس رینا...... خود کو پر سکون رکھیں اور خود کوئی سرگرمی اختیار نہ کریں ورنہ خود آپ کو بھی کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

"جی سر! شکریہ۔" رینا اپنی جگہ سے اُٹھ گئی...... اسے شہاب سے گفتگو کر کے سکون حاصل ہوا تھا۔

❁ ❁ ❁

رینا کی کہانی شہاب کو کافی دلچسپ لگی تھی۔ حالانکہ ان دنوں وہ جس اُلجھن کا شکار تھا ...ے تحت وہ کسی نئے کیس کو ہاتھ میں نہیں لینا چاہتا تھا، لیکن پہلی بات تو یہ کہ ایک ایسی ...ان اس کے پاس آئی تھی جس کی آواز پر کوئی دوسرا توجہ نہیں دے سکتا تھا۔ وہ کسی بڑے ...ذریعہ کو نہیں حاصل کر سکتی تھی، کیونکہ ایک معمولی ٹائپسٹ تھی۔ دوسری چیز جعلی پادری ... ٹیمپل سٹریٹ کے علاقے میں جو کوٹھیاں تھیں وہ بھی معمولی لوگوں کی نہیں تھیں، ...تو وہ پادری کون ہے...... شہاب اس بات کو نظرانداز نہیں کر سکتا تھا۔ بہت غور کرنے کے ...بعد اس نے ٹرانسمیٹر پر ڈبل او گینگ کے ارکان سے رابطہ کیا، کال انجم شیخ نے موصول کی تھی۔

"ڈبل او سکس۔"

"ہیلو انجم۔" شہاب نے شہنشاہ کی آواز میں کہا۔

"یس سر۔"

"اور کون ہے اس وقت؟"

"فراست اور شوکت موجود ہیں۔"

"کافی ہے۔" تم لوگوں کو ایک اہم ذمے داری دے رہا ہوں...... چوبیس گھنٹے کے اندر ...رپورٹ درکار ہو گی۔"

"حکم سر۔"

"پہلے نوٹ کرو۔"

"یس سر۔" انجم نے کہا اور کچھ لمحوں کے بعد شہاب نے 29۔ ٹیمپل سٹریٹ کے ...سٹم بتاتے ہوئے کہا۔

"دو افراد یہاں ڈیوٹی دیں گے...... یہاں ایک ایسا شخص رہتا ہے جو بظاہر پادری کے میک اپ میں ہوتا ہے لیکن عمارت میں آنے کے بعد وہ یہ میک اپ تبدیل کر کے ایک سمارٹ آدمی نظر آتا ہے۔ یہ کار نمبر یو این ٹرپل ایٹ استعمال کرتا ہے...... ایک ایسا شخص جو کسی وجہ سے ڈبل رول ادا کر رہا ہو وہ بھی ایک پادری کی شکل میں وہ کتنا خطرناک ہو سکتا ہے تمہیں اس کا اندازہ ہونا چاہئے، اس کے لئے سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔"

"جی سر۔"

"کوٹھی میں کون کون رہتا ہے...... یہ شخص کتنے عرصے سے یہاں ہے کہاں جاتا ہے کیا کرتا ہے، اس کی رپورٹ درکار ہے۔"

"بہتر بہتر سر۔"

"دوسرا پتا ایم لائن کھولی نمبر سات ہے، یہاں ایک دیسی عیسائی نوجوان رہتا ہے اس کے بارے میں بھی تم تفصیل معلوم کرو۔"

"بہتر سر۔"

"دونوں کی رپورٹیں مجھے جلد از جلد درکار ہیں۔"

"ہم فوراً نکل رہے ہیں سر۔"

"او کے......! شہاب نے کہا کہ ٹرانسمیٹر بند کر دیا، پھر وہ کرسی سے پشت لگا کر کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ ذہن لاتعداد خیالات کا مجموعہ بنا ہوا تھا، فون کی گھنٹی بجی...... یہ سرخ فون تھا جس پر اعلیٰ شخصیات ہی اسے مخاطب کر سکتی تھیں...... اس نے مستعدی سے فون کا ریسیور کان سے لگا لیا۔"

"شہاب ثاقب۔"

"نادر حیات بول رہا ہوں۔"

"حکم سر۔"

"میرے پاس آجاؤ۔"

"حاضر ہو رہا ہوں سر۔" شہاب نے کہا اور ریسیور رکھ کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد نادر حیات صاحب کے آفس میں داخل ہو گیا...... سرکاری آداب کی تکمیل کے بعد نادر حیات کی پیش کش پر وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

"میں نے ڈی ٹیکٹر جائزہ لے لیا ہے کہ یہاں کوئی ڈکٹافون یا ایسا آلہ تو نہیں ہے جس سے ہماری گفتگو سنی جا سکے۔" "ہاں اگر چاہو تو اور تسلی کر لو۔"

"بہتر ہے۔" شہاب نے یہ پوچھے بغیر کہ اس کی کیا ضرورت پیش آ گئی ہے سامنے رکھے ہوئے برقی آلے کو اٹھایا اور پھر پورے آفس کو چھان مارا...... نادر حیات صاحب گہری نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے، پھر جب شہاب مطمئن ہو کر ان کے سامنے بیٹھا تو وہ برابر بولے۔

"تم نے جن جگہوں کی تلاشی لی ہے وہ بلاشبہ ایسی ہیں جنہیں میں نے نظر انداز کر دیا بہر حال میں تمہیں تمہاری ذہانت کی داد دیتا ہوں۔"

"میں نے آپ جیسے سینئرز سے سب کچھ سیکھا ہے سر۔" شہاب نے کہا۔

"تم نے یہ نہیں پوچھا کہ اس کی ضرورت کیوں پیش آ گئی۔"

"نہیں سر۔" شہاب نے جواب دیا۔

"کیوں۔"

"اس لئے سر کہ مجھے آپ پر مکمل اعتماد ہے، آپ نے اس کی ضرورت محسوس کی تبھی اس کے لئے آپ نے یہ زحمت گوارا کی، نادر حیات صاحب نے کوئی جواب نہ دیا، کچھ دیر تک خاموشی سے کسی خیال میں ڈوبے رہے، پھر آہستہ سے بولے۔"

"جمال شاہ کا نام سنا ہے تم نے ہماری حکومت کے ایک اہم عہدیدار؟"

"بہت اچھی طرح۔" شہاب نے چونکتے ہوئے انداز میں کہا۔

"کل رات مجھے جمال شاہ صاحب نے طلب کیا تھا، بہت ہی خوشگوار ماحول میں ان سے ملاقات رہی، ایک سفارش کرنا چاہتے تھے وہ کسی کی اور یہ چاہتے تھے کہ ان کے اس شناسا سے جو غلطیاں ہو گئی ہیں، ہم ان سے چشم پوشی اختیار کریں، اس سلسلے میں شاید وہ کوئی پیش کش کرنا چاہتے تھے جس کی میں نے انہیں مہلت نہیں دی، اس لئے وہ پیش کش تو نہیں کی لیکن انہوں نے بھرپور طریقے سے یہ کہا ہے کہ "اس شخص سے تعاون کیا جائے اور اس کی بھرپور معاونت کی جائے۔"

"کیا وہ کوئی مجرم ہے۔" شہاب نے سوال کیا اور نادر حیات صاحب نے نظریں جھکا لیں، پھر آہستہ سے بولے۔

"ہاں...... ڈاکٹر حیات وہ خود بھی وہاں موجود تھا۔" شہاب خاموشی سے نادر حیات صاحب کی صورت دیکھنے لگا پھر نادر حیات صاحب نے انتہائی مکمل طریقے سے اسے اس بارے میں ساری تفصیلات بتادیں اور اس کے بولنے سے پہلے ہی بول پڑے۔

"اس کے بعد مجھ سے بھول کر بھی یہ نہ کہنا کہ جو کچھ میں وہاں کہہ کر آیا ہوں...... اس میں سچائی کا ایک لفظ بھی شامل تھا، بعد میں جب میں نے محسوس کیا کہ جمال شاہ صاحب کے انداز میں درخواست بھی ہے اور دھمکی بھی تو میں نے فوراً ہی وہاں سے ٹرن لیا اور بات گول کر کے اُٹھ آیا۔"

شہاب کے ہونٹوں پر ایک دل آویز مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔

"سر آپ کا حکم درکار ہے۔"

"طنز کا ایک لفظ بھی نہ کہنا شہاب...... میرا دل پہلے ہی بہت دُکھا ہوا ہے۔"

"ماضی میں اگر میں نے کسی جذباتی حادثے سے متاثر ہو کر کوئی لفظ کہہ دیا ہے سر تو ماضی کے لئے بھی معافی چاہتا ہوں۔" شہاب پورے خلوص کے ساتھ بولا اور نادر حیات صاحب اسے دیکھنے لگے، پھر انہوں نے کہا۔

"شہاب تم نے ان لوگوں کی پہنچ کا جائزہ پہلے بھی لے لیا ہے اور تمہیں اندازہ ہے کہ اگر ہم نے کوئی عمل کیا تو کیا صورت حال پیش آسکتی ہے، لیکن اس کا کوئی حل ہے تمہارے ذہن میں۔"

شہاب سرد نگاہوں سے نادر حیات صاحب کی صورت دیکھتا رہا، پھر آہستہ سے بولا۔

"سر آپ کے احکامات درکار ہیں؟"

"کسی غیر قانونی عمل کی میں کوئی اجازت نہیں دے سکتا، لیکن یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ لوگ آسانی سے قابو آنے والوں میں سے نہیں ہیں، تم سمجھتے ہو شہاب ہم انہیں قانون کی گرفت میں نہیں لاسکتے...... یہ ایک دُکھ بھری بات ہے، لیکن تم کیا کرو گے...... میں نہیں چاہتا شہاب کہ میرے اہل خاندان میری انتہا پسندی کے شکار ہوں، اس نے مجھے جرائم کی فلموں کا حوالہ بھی دیا وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ ان فلموں میں جو کچھ ہوتا رہا ہے وہ اب بھی ہوسکتا ہے، مطلب آسانی سے سمجھ آنے والا ہے...... اپنی بات میں پہلے کہہ رہا ہوں کہ میں اس کی ہمت نہیں رکھتا اور اصولی طور پر یہ مناسب بھی نہیں ہے...... جذباتی قسم کی فلمی کہانیاں اپنی

لیکن یہ مسئلہ بھی اہمیت کا حامل ہے کہ ہم اپنے فرائض خود تو صحیح طور پر سرانجام دے نہ پاتے اور دوسروں سے قربانی مانگنے لگتے ہیں...... بالکل غیر مناسب، شہاب بالکل غیر مناسب کیا تم اس بارے میں مجھ سے اتفاق کرو گے۔"

"سو فیصد جناب۔"

"تو پھر بولو کیا کریں ہم ہمیں کیا کرنا چاہئے۔"

"جناب عالی اس کے بعد تو صرف ایک ہی عمل رہ جاتا ہے۔"

"کیا؟"

"چلہ کشی اور دعائیں کہ اللہ انہیں نیست و نابود کر دے۔"

"مذاق اڑا رہے ہو میرا۔"

"خواب میں بھی یہ جرات نہیں کر سکتا۔"

"میں نے تم سے پوچھا کہ اس سلسلے میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

"سر بس مجھے کچھ وقت درکار ہے، دیکھوں گا کوئی ایسا عمل کرنا پڑے گا جس سے سارا کام ہو جائے۔"

"لگتا ہے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہو؟"

"نہیں سر بلکہ یہ غلام آپ کو اپنے کارنامے دکھائے گا، صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ بالکل مطمئن رہیں اور جمال شاہ صاحب اگر آپ سے رابطہ قائم کر کے اس بارے میں سوالات کریں تو ان سے کہہ دیجئے کہ وہ مطمئن رہیں، آپ ان کی مدد پر آمادہ ہیں اور سر ایک بات اور۔"

"کیا" نادر حیات صاحب نے شہاب کو دیکھا تو شہاب مسکرا کر خاموش ہو گیا پھر بولا۔

"نہیں سر خیر وہ آپ کے مزاج کے خلاف بات ہو گی، ورنہ میں تو کہتا ہوں کہ ایسے لوگوں سے جو کچھ بھی وصول نہ کر لیا جائے وہ کم ہے۔"

"نہیں شہاب میرا ضمیر یہ بات انتقامی شکل میں بھی گوارا نہیں کرتا۔"

"ٹھیک کہتے ہیں سر بالکل ٹھیک ہم اپنے ضمیر کو کیوں داغدار کریں۔" شہاب نے کہا اور پھر بولا۔

"تو سر آپ بالکل اطمینان رکھیں...... بہت جلد کوئی بہترین ترکیب سوچ کر آپ سے رابطہ قائم کروں گا۔" نادر حیات صاحب اسے دیکھتے رہے، پھر مضمحل انداز میں بولے۔

"ٹھیک ہے۔" پھر شہاب ان کے پاس سے اُٹھ گیا تھا۔

❋

شوکت اور فراست ٹیمپل سٹریٹ کی اس کوٹھی تک پہنچ گئے تھے اور پھر اس کے بعد انہوں نے اپنے کام کا آغاز کر دیا تھا، کوٹھی نمبر تین اس کوٹھی کے بالکل سامنے تھی اور وہاں ایک نوجوان چوکیدار موجود تھا جس سے ان دونوں نے ذرا سی دیر میں یاری گانٹھ لی، چوکیدار نے انہیں بتایا۔

"صاحب...... یہ کوٹھی خالی پڑا ہوا تھا پہلے اس پر کرائے کے لئے خالی کا بورڈ لگا ہوا تھا، اب وہ بورڈ ہٹ گیا...... اِدھر زیادہ لوگ نہیں رہتا، ایک بابا آتا ہے جو عیسائی لوگوں کے باوا لوگ کا کپڑا پہنے ہوتا ہے...... ہم نے ایسا عیسائی لوگ گرجا گھروں میں دیکھا، ایک گرجا گھر کے سامنے ہم نوکری کرتا تھا...... ادھر بھی ایسا ہی لوگ نظر آتا ہے، یہ لوگ پادری کہلاتا ہے۔"

"ٹھیک۔"

"ایک اور آدمی رہتا ہے صاحب جوان سا آدمی ہے، مگر وہ کب آتا ہے، کب جاتا ہے، اس کے بارے میں ہمیں بالکل نہیں معلوم...... ویسے بھی صاحب دوسروں کے بارے میں زیادہ معلومات کرنا تو کوئی اچھی بات نہیں ہوتا۔"

"بالکل ٹھیک کہتے ہو دوست اور لوگ بھی رہتے ہیں اس کوٹھی میں۔"

"نہیں صاحب کوئی چوکیدار بھی نہیں ہوتا اور کوئی اِدھر ملازم بھی نہیں دیکھا، ابھی زیادہ دن نہیں ہوا ان لوگوں کو یہاں آئے ہوئے بس زیادہ تر دو آدمی نظر آتا، کار میں آتا جاتا ہے...... سلیٹی رنگ کا کار ہے صاحب۔"

"بڑی محبت ہے تمہاری مجید خان جو تم نے ہمیں یہ تفصیلات بتا دیں، ہم اس کے لئے تمہارے شکر گزار ہیں۔"

"مگر صاحب بات کیا ہے؟"

"کچھ نہیں یار، بس کچھ لوگ اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے، ہمیں تھوڑے سے پیسے مل گئے ہیں۔"

"ابھی ایسا ہے تو ٹھیک ہے اور میرے کو بولو۔"

"نہیں شکریہ کافی ہے، ویسے ہم لوگ اگر تمہارے اس ٹھکانے سے ان لوگوں کا جائزہ لیں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔"

"جب دوست بولا ہے صاحب تو پھر اعتراض کا کیا گنجائش رہ جاتا ہے۔" دوست کے ساتھ تو سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔" پھر مجید خان کے تعاون سے یہاں کے بارے میں اور بھی معلومات حاصل ہوئیں، یہ لوگ اب بہت ایڈوانس ہو گئے تھے اور شہنشاہ کی طرف سے انہیں ایسی ایسی چیزیں فراہم کر دی گئی تھیں کہ دوسرے ذرائع سے بھی یہ لوگ بہت کچھ معلوم کر سکتے تھے، فراست نے تجویز پیش کی، کہنے لگا۔

"ہمیں چوبیس گھنٹے کی مہلت دی گئی ہے شوکت، بات کوٹھی کے باہر کی ہے تو جتنی معلومات حاصل ہو گئی ہے اس سے بھی کام چلایا جا سکتا ہے لیکن یہ ایک عام معلومات ہے، اگر میں کوٹھی کے اندر کی ویڈیو بنا لوں اور اس پادری کی متحرک تصاویر لے لوں تو کیسا رہے گا۔"

شوکت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"مگر اس کے لئے تمہیں اندر جانا پڑے گا۔"

"کیا حرج ہے، صورت حال ہمارے کنٹرول سے باہر نہیں معلوم ہوتی، اندر جا کر جائزہ لیا جا سکتا ہے۔"

"اگر تم یہ مناسب سمجھتے ہو تو کر لو کوئی حرج تو نہیں ہے۔"

"تو پھر رات کو میں کوٹھی میں داخل ہوں گا۔"

فراست اپنے ساتھ ویڈیو فلم کا وہ سب سے چھوٹا کیمرا لے کر آیا تھا جو جرمنی سے منگوایا گیا تھا اور شہنشاہ نے ایسے تین کیمرے ڈبل او گینگ کو دیئے تھے، تاکہ ضرورت کے وقت وہ استعمال کئے جا سکیں...... اب یہ لوگ جدید ترین ساز و سامان سے آراستہ تھے اور گاہے گاہے اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے تھے، چنانچہ اس وقت بھی فراست کیمرا اپنے ساتھ لے آیا تھا...... رات کو تقریباً آٹھ بجے اس نے سٹیل گرے کار باہر نکلتے ہوئے دیکھی اور دونوں ٹہلنے کے سے انداز میں آگے بڑھ گئے...... مجید خان کسی کام سے اندر چلا گیا تھا، سٹیل گرے کار کے دُور نکل جانے کے بعد فراست تیار ہو گیا، چنانچہ وہ آگے بڑھ کر عمارت کے بغلی حصے میں پہنچا اور اس کے بعد اس نے شوکت سے کہا۔

"میرا خیال ہے تم باہر رک کر صورت حال کا جائزہ لو۔"

"مجھے اس خیال سے اختلاف ہے۔" شوکت نے کہا۔

"کیوں؟"

"اگر تم اندر جا رہے ہو تو میں بھی تمہاری تقلید کیوں نہ کروں، پہلی بات تو یہ کہ ہم اندر ہو جائیں گے جہاں تک باہر نگاہ رکھنے کا سوال ہے تو اس کی ذمہ داری مجھ پر سونپ دو، اچھا ہے، عمارت کا جائزہ احتیاط سے لے لیا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" فراست نے یہ بات تسلیم کر لی اور پھر دونوں عمارت کے بغلی حصے سے احاطے کی دیوار کی دوسری جانب کود گئے، حالانکہ دیوار پر موٹا شیشہ لگا ہوا تھا، لیکن بہر حال چونکہ دن میں وہ اس کا بخوبی جائزہ لے چکے تھے، اس لئے انہوں نے اس کی پروا نہیں کی اور احتیاط کے ساتھ اندر داخل ہو گئے...... نیچے کیاریاں بنی ہوئی تھیں، لیکن زیادہ چوڑی نہیں تھیں اس لئے وہ کیاری کے قریب خشک زمین پر کودے تھے، اس کے ساتھ ہی انہوں نے سائی لینسر لگے ہوئے پستول نکال کر ہاتھ میں لے لئے تھے، حالانکہ دن کی روشنی میں انہیں عمارت سے کتوں وغیرہ کی کوئی آواز نہیں سنائی دی تھی لیکن پھر بھی ہر طرح کی احتیاط ضروری تھی...... کچھ لمحے وہ اپنی جگہ رُکے صورت حال کا جائزہ لیتے رہے، پھر وہاں سے آگے بڑھنے لگے۔

کچھ دیر کے بعد وہ عمارت کے عقبی حصے سے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے، حالانکہ بیرونی دروازہ باہر سے لاک تھا اور اسی سے یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ عمارت میں اب کوئی انسان نہیں ہے، لیکن پھر بھی انہوں نے احتیاط رکھی تھی...... اندر داخل ہونے کے لئے انہیں ایک ایسی کھڑکی کا سہارا لینا پڑا تھا جو کچن میں کھلتی تھی اور اس کا خیال نہیں رکھا گیا تھا کہ کھڑکی میں شیشے نہیں ہیں، چھوٹی چھوٹی سی چیزوں کو نظر انداز کر دینا بھی بعض اوقات جن مشکلات کا حامل ہوتا ہے اس کا کبھی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ اس وقت یہی کھڑکی اندر داخلے کا ذریعہ بنی اور وہ کھڑکی سے اندر داخل ہونے کے بعد مختلف راستوں کو طے کرتے ہوئے اندرونی عمارت میں داخل ہو گئے...... یہ بات تو تھوڑی دیر کے بعد ہی پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی تھی کہ عمارت میں اس وقت کوئی موجود نہیں ہے اور لازمی امر ہے کہ اس خالی عمارت کا بخوبی جائزہ لیا جا سکتا ہے، لیکن تقریباً پینتالیس منٹ کی کوشش کے باوجود

عمارت میں کوئی ایسی چیز نہیں ملی جو اس عمارت میں داخلے کا صحیح نعم البدل ہوتی، الماریاں تھیں، ایک الماری میں لباس رکھے ہوئے تھے اور اس کے ساتھ ہی ایک ایسا باکس بھی جس میں میک اپ کا جدید ترین سامان موجود تھا...... مختلف رنگوں کے بال، ایسے لوشن جن سے ذہنی طور پر ماسک بنائی جا سکتی ہے اور اس طرح کی کچھ چیزیں، بس اگر تھوڑی بہت کامیابی کہا جا سکتا ہے تو اسی بات کو کہا جا سکتا تھا۔

لباس وغیرہ میں بھی تھوڑی سی تبدیلی تھی، یعنی یہ کہ ایسے لمبے لمبے چغے، ٹوپیوں کے ساتھ موجود تھے جنہیں عام طور سے گرجا گھروں کے پادری استعمال کیا کرتے ہیں، لیکن پینتالیس منٹ کے بعد انہیں باہر کچھ آہٹیں محسوس ہوئیں اور انہوں نے خود کو سنبھال لیا۔

پوشیدہ رہنے کے لئے ایسے تین پوائنٹس انہوں نے تلاش کر لئے تھے جہاں وہ پوشیدہ ہو سکتے تھے، چنانچہ انہوں نے فوراً ہی ایسی جگہ سنبھال لی جہاں سے وہ چھپ کر اندر آنے والوں کا جائزہ لے سکتے تھے۔ خصوصی طور پر وہ کیمرا تیار کر لیا گیا جس سے وہ ان کی ویڈیو بنا سکتے تھے۔ ننھا سا قیمتی اور شاندار کیمرہ اپنی خصوصی اہمیت یہ رکھتا تھا کہ وہ ہر قسم کی تاریکی میں بھی ویڈیو بنا سکتا تھا اور اس کے لئے روشنی کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے طاقتور لینس بس اتنی مدہم سی روشنی میں کام کر سکتے تھے کہ انسان کو وہ سپاٹ نظر آ جائے جہاں کی ویڈیو بنانی ہے، چنانچہ شوکت نے اپنا کام شروع کر دیا اور وہ بہت احتیاط کے ساتھ آنے والوں کا انتظار کرتے رہے۔ پھر انہوں نے چار افراد کو دیکھا ان میں ایک پادری کا لباس پہنے ہوئے تھا...... باقی تین جدید ترین لباسوں میں ملبوس تھے...... وہ پادری کے پیچھے پیچھے احترام سے چل رہے تھے اور اس کے بعد وہ ایک کمرے میں داخل ہو گئے، یہاں سے بھی شوکت کے لئے ان کا ویڈیو بنانا مشکل نہیں تھا...... اصل میں جو وقت یہ لوگ یہاں گزار چکے تھے، اس میں انہوں نے بڑی ذہانت کے ساتھ کام کی کچھ جگہیں تلاش کی تھیں، یہ کمرہ نشست گاہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا اور اس کا اندازہ یہ لوگ پہلے ہی لگا چکے تھے اور یہاں پر انہوں نے ایک ایسی جگہ بنا لی تھی جہاں سے ویڈیو بنائی جا سکے، البتہ وہ آواز کے لئے کوئی بندوبست نہیں کر سکے تھے کیونکہ آنے والے کمرے میں آ کر بیٹھ تو گئے تھے اور اس کے بعد انہوں نے گفتگو شروع کر دی تھی، لیکن لہجہ اتنا مدہم تھا کہ آوازیں ریکارڈ نہیں ہو سکی تھیں اور بہر حال اب کامیابی اس حد تک بھی نہیں حاصل ہو سکتی کہ سب کچھ ہی ان کے بس میں ہوتا، تھوڑی دیر

تک وہ یہ سارا عمل کرتے رہے اور اس کے بعد فراست نے شوکت کے شانوں پر تھپکی دی اور شوکت اس کا مطلب سمجھ کر انتہائی دبے قدموں سے واپس پلٹ گیا، فاصلہ اختیار کرنے کے بعد شوکت نے کہا۔

"ہاں...... خیریت، فراست کیا بات ہے؟"

"دیکھو جتنا کچھ ہم کر چکے ہیں، میں سمجھتا ہوں یہ کافی ہے بجائے اس کے ہم لوگ اس سے زیادہ خطرہ مول لیں اور صورت حال خراب ہو جائے، یہ زیادہ مناسب ہے کہ اتنے ہی کئے پر اکتفا کریں، ہو سکتا ہے ہماری یہ رپورٹ شہنشاہ کے لئے کافی ثابت ہو؟" شوکت نے گردن ہلائی اور اس کے بعد وہ انتہائی شاندار کامیابی حاصل کر کے یہاں سے باہر نکل گئے، ان لوگوں نے یہاں اپنا یہ کارنامہ انجام دیا تھا اور انجم اس طرف چل پڑا تھا جہاں کے بارے میں اسے ہدایت دی گئی تھیں، یعنی جان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے اس کی کھولی میں، جس کا اسے پتا بتایا گیا تھا یہاں ایک عمر رسیدہ عورت، ایک نوجوان لڑکی اور ایک بوڑھا بیمار مرد موجود تھا...... انجم باقاعدہ ان سے ملا اور وہ اسے دیکھنے لگے۔

"کیا بات ہے کس سے ملنے کو مانگتا ہے۔" عمر رسیدہ عورت نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ادھر، جان رہتا ہے۔"

"ہاں رہتا ہے...... پر تیرے کو اس سے کیا کام ہے؟"

"اس سے ملنا ہے مجھے۔"

"ابھی ایسا کرو کسی اونچی جگہ سے کود کر خود کشی کر لو اور پھر جان کے اِدھر آنے کا انتظار کرو، تم لوگ نے اس کا بیڑا غرق کر دیا ہے اور کیا کرنے کو مانگتا ہے۔"

"آپ اس کی کون ہیں؟"

"میں اس کا جو ہے، اپنے آپ کو اس پر کوستا ہے، یہ سالا جان کا باپ ہے...... بس کیا اس کو بولوں اور کیا اپنے آپ کو بولوں ہم دونوں کا بدبختی جونا اس کا نام جان ہے، پر تم لوگ، تم لوگ کب اس کا پیچھا چھوڑنے گا میرے کو بس اتنا بتا دو۔"

"آپ جان کی ممی ہیں؟"

"میرے کو اس پر شرمندگی ہے۔" عورت نے کہا۔

"اصل میں جان کے بارے میں معلومات حاصل کرنی تھی، آپ مجھے بتا دیجئے، وہ کہاں ہوگا؟"

"سالا کسی گٹر میں مرا ہوا پڑا ہوگا، ادھر بہت دن سے واپس نہیں آیا ہے، بے روزگار ہے، دنیا میں جھک مار رہا ہے اور...... اور ہم لوگ کو۔"

"تم فضول باتیں کرنے کا ماہر معلوم ہوتا ہے ممی...... ہٹو اِدھر مجھے بات کرنے دو۔" نوجوان لڑکی جس کا رنگ سانولا اور نقوش دلکش تھے ماں کو پیچھے دھکیل کر آگے آگئی، اس نے کہا۔

"سوری سر...... ممی کا ایسے ہی مغز خراب ہو گیا ہے، جان اِدھر بہت کم آتا ہے، ہم لوگ بہت پریشان ہے، ابھی اِدھر وہ کئی دن سے نہیں آیا...... ممی کا کچھ رقم لے کر بھاگ گیا ہے، ہم لوگ بہت مشکل کا شکار ہے، ابھی کھولی والا بولتا ہے، کرائے کا پیسہ دو اور ہمارے پاس کھانے تک کو نہیں ہے ہم لوگ سر...... آئی ایم سوری آپ یہ سوچیں کہ ہم اپنا رونا رو کر آپ کا ہمدردی مانگتا ہے، ابھی جان کا ہمارے کو پتا نہیں ہے...... وہ کمینہ ممی کا پیسہ لے کر بھاگ گیا ہے...... بس اس لئے ممی کا مغز خراب ہو گیا ہے...... آپ ہم کو معاف کرو صاحب، جان سے کوئی کام ہو تو بتا دو؟" لڑکی کے انداز میں کچھ ایسی بے بسی تھی کہ انجم کو بہت دُکھ محسوس ہوا، جان کے بارے میں تو معلومات حاصل نہیں ہو سکی تھیں، لیکن بہر حال اتنا ضرور ہوا کہ اسے جان کی حقیقت معلوم ہو گئی اور یہی شہنشاہ نے کہا بھی تھا اس نے لڑکی سے پوچھا۔

"جان کو غائب ہوئے کتنا ٹائم ہو گیا؟"

"ابھی سات آٹھ دن ہو گیا ہے۔"

"ٹھیک، اصل میں کچھ پیسے تھے میرے پاس جو جان نے کبھی رکھوائے تھے...... اب میں ملک سے باہر جا رہا ہوں تو یہ پیسے میں واپس کرنے آیا تھا۔"

"کتنا پیسہ تھا صاحب۔" لڑکی نے عجیب سے انداز میں پوچھا؟" اور انجم نے جتنی رقم اس کے پاس موجود تھی نکال لی، تقریباً ساڑھے چھ ہزار روپے تھے اس نے وہ پیسے لڑکی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"انہیں گن لو، یہ تھوڑی سی رقم اس وقت میرے پاس ہے جان اگر یہاں مل جاتا تو میں اسے اپنے ساتھ لے جاتا اور باقی رقم بھی ادا کر دیتا، لیکن یہ تھوڑی رقم آپ رکھ لیجئے بعد

میں اس کے باقی پیسے بھی دے جاؤں گا۔"

"اوہ مائی گاڈ، چھ ہزار پانچ سو یہ تو بہت زیادہ ہے، ابھی اور کتنا پیسہ ہے؟"

"میرا خیال ہے دس بارہ ہزار روپے اور ہیں اس کے پیسے الگ رکھے ہوئے ہیں میرے پاس۔"

"آپ ایسا کرو صاحب، میرے کو ساتھ لے چلو اور مجھ کو وہ پیسہ دے دو، ابھی آپ نہیں جانتا، ہم لوگ کو نیا لائف مل جائے گا، ہم ہم اتنا پریشان ہے صاحب کہ ایسا سوچا ہم نے کہ ہم زہر کھالے، اس کے علاوہ ہمارے پاس اور کوئی چارہ کار نہیں ہے، صاحب مکان مالک ہم کو اتنا ذلیل کیا کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتا، صاحب بس آپ کا نام کیا ہے پلیز؟"

"انجم!" انجم نے جواب دیا۔

"مسٹر انجم میں آپ کے ساتھ چلتا ہے، آپ میرے کو پلیز کیش دے دو۔"

"آپ ایسا نہ کریں مس۔"

"نیشا، میرا نام نیشا ہے، نیشا جیکسن۔"

"آپ ایسا کریں نیشا کہ انتظار کریں میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو کل تک یہ رقم پہنچادوں گا۔"

"ابھی صاحب ایک بات میں آپ کو بولے، ہم لوگ کا لائف کا مسئلہ ہے..... آپ پلیز۔"

"آپ بالکل اطمینان رکھیں یہ رقم آپ تک پہنچ جائے گی۔" انجم نے کہا اور نیشا نے شکر گزار نگاہوں سے اس کو دیکھا..... عورت اور بوڑھا مرد بھی پریشانی سے اسے دیکھ رہے تھے..... نیشا نے اس کی طرف رُخ کرتے ہوئے کہا۔

"اور اس کا بے عزتی کریں آپ لوگ..... اتنا شریف آدمی پہلے کبھی دیکھا!"

"نہیں دیکھا بائی گاڈ نہیں دیکھا۔" عورت نے جلدی سے کہا اور انجم مسکراہٹ دبائے وہاں سے واپس پلٹ پڑا..... پھر تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے سوچا کہ کوئی ایسی اہم بات نہیں ہے مسئلہ جان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا تھا وہ تو حل ہو گیا، تھوڑی سی رقم اگر خرچ ہو جائے تو اس میں کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے، انسان ہی انسان کے کام آتا ہے اور اس کے بعد وہ اپنی گاڑی کی جانب چل پڑا تھا جو اس نے وہاں سے کافی فاصلے

ی کی تھی۔

❀

رمضان خان بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتا رہتا تھا، وہ کہتا تھا کہ زندگی اب اس کے لئے بے کار ہو کر رہ گئی ہے۔ اپنوں سے دُور رہ کر اس قید میں زندگی گزارنے سے وہ موت کو زیادہ پسند کرتا تھا، اس وقت بھی نقاب پوش اس کے سامنے موجود تھا..... رمضان خان زمین پر بیٹھا ہوا بھیک مانگنے والے انداز میں اسے دیکھ رہا تھا، نقاب پوش سرد لہجے میں بولا۔

"یہ سزا تو کچھ بھی نہیں ہے رمضان خان..... تمہیں ساری زندگی اسی طرح گزارنی ہے گی..... زندگی کی آخری سانس تک تم یہیں رہو گے۔"

"صاحب میں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں..... صاحب آپ مجھے پھانسی پر لٹکا دو، صاحب میرے کو گولی مار دی جائے پر ایسے زندہ رہنا میرے لئے اب ممکن نہیں ہے..... میں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں صاحب، خدا کے واسطے میرے لئے کچھ کر دو..... آپ کا یہ احسان میں زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔"

"کیسا احسان رمضان خان..... کیا نہیں تھا تمہارے پاس جیلوں کے ٹھیکیدار تھے، لاکھوں روپیہ کماتے تھے..... یہ نہیں سوچا تم نے کہ جو کچھ کر رہے ہو اس سے کیا ہوگا؟ کتنے افراد موت کے گھاٹ اتر جائیں گے..... جواب دو رمضان خان؟ تم نے کھانے میں زہر ملایا تمہارے لئے یہ تو تمہاری روزی تھی..... تم نے سوچا تو نہیں ہوگا اس بات کو کہ زہر ملانے کا انجام کیا ہو سکتا ہے؟ کیا کھانے والا زندہ بچ سکتا تھا، وہ زہر کھانے کے بعد..... اس وقت تمہارے دل میں یہ خیال نہیں تھا کہ وہ انسان ہیں اور انسانوں کے ساتھ یہ سب کچھ نہیں کرنا چاہئے۔"

"ڈاکٹر حیات میرے کو بولا کہ وہ ڈاکٹر ہے..... ڈاکٹر ہو کر جب وہ انسانوں کے لئے موت خرید رہا ہے تو میں کون سا مسجد کا ملاں ہوں..... بڑی بڑی باتیں کر کے اس نے مجھے قائل کیا تھا صاحب۔"

"اور تم قائل ہو گئے، تم نے سب کچھ کر لیا رمضان خان۔"

"صاحب غلطی انسان سے ہوتا ہے، آہ کاش میرے کو موقع مل جاتا اس کے بعد اگر مجھے موقع مل جاتا تو میں اس ڈاکٹر کے ٹکڑے کر دیتا، میں اسے اس طرح مارتا صاحب کہ وہ بھی زندگی بھر یاد رکھتا۔"

"رمضان خان تم ایسا نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ تمہارا ضمیر سیاہ ہو چکا ہے۔" نقاب پوش بولا۔

"ضمیر سیاہ ہو چکا ہے نہیں صاحب، ہو چکا تھا، اب اتنا عرصے آپ کے پاس رہ کر میرے کو اس بات کا خیال آتا ہے صاحب میں زندگی بچانے کی بات نہیں کرتا، اس عذاب سے نکال دو مجھے...... ایک بار مجھے اپنے بچوں کی شکل دیکھنے دو ایسا دُور ہو گیا ہوں، میں ان سے، جیسے میرے اور ان کے درمیان کوئی رشتہ ہی نہیں تھا...... صاحب ایک بار سب کو سینے سے لگاؤں گا اور اس کے بعد اگر آپ کہو گے تو اپنے ہاتھ سے اپنے آپ کو گولی مار لوں گا، دل میں آرزو ہے صاحب کہ جس نے مجھے اس گناہ کی طرف مائل کیا جس نے مجھ سے زندگی کی ساری خوشیاں چھین لیں اسے اس طرح ہلاک کروں کہ دُنیا دیکھتی رہ جائے۔"

"نہیں...... تم ایسا شاید نہیں کر سکو، کیونکہ تم ایک بزدل آدمی ہو۔"

"ایک بار صاحب، ایک بار میرے کو چانس دے کر دیکھو...... صاحب موت تو انسان کو گلے سے لگانا ہی ہوتی ہے، آپ کی اس قید میں آخر کار ایک دن مر جاؤں گا، لیکن کچھ حسرتیں پوری کرنے دو، صاحب میں ڈاکٹر حیات کو قتل کروں گا، اس سے پہلے میں اپنے بچوں سے ملوں گا...... انہیں بتاؤں گا کہ مجھ سے غلطی ہو گیا ہے اور پھر اور پھر صاحب بس میں واپس آپ کے پاس آجاؤں گا یا اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دوں گا۔"

"اور قانون کے حوالے کر کے تم اپنے آپ کو کیا بتاؤ گے۔"

"میں نہیں سمجھا صاحب؟"

"قانون تم سے پوچھے گا کہ تم نے ڈاکٹر حیات کو کیوں قتل کیا؟"

"تو میں کہہ دوں گا صاحب کہ قانون کا کام میرے کو پھانسی دینا ہے بس اتنا کرنا ہے اس کو اور قانون اپنا فرض پورا کرے، میں اس کو بولوں گا کہ میں نے صرف اپنا فرض پورا کیا ہے۔"

"سوچ لو رمضان خان...... میں تمہیں رہائی دے سکتا ہوں۔"

"سوچنے کا کام آپ کا ہے صاحب...... ایسا کرنا کہ اگر میں اپنا یہ وعدہ پورا نہ کروں تو آپ لوگ میرے سامنے میرے گھر والوں کو زندہ جلا دینا اس سے بڑا پیش کش میں اور کوئی نہیں کر سکتا ہوں۔"

"ہوں اچھا...... اچھا ٹھیک ہے، تو میں تمہیں رہائی دے رہا ہوں...... رمضان خان

بھی اور اسی وقت لیکن ایک بات ذہن میں رکھنا...... میں بھی دیوانہ آدمی ہوں تم نے جو پیش کش کی ہے وہ میرے ذہن میں ہے...... تم ڈاکٹر حیات کو قتل کر دو گے جس طرح سے تم نے ہے اسی طرح سے اور اس کے بعد اس بات کا اعتراض کرو گے کہ ڈاکٹر حیات نے تم سے ہیں میں ان لوگوں کو قتل کرایا اور اس کے کہنے سے تم نے کھانے میں زہر ملایا، پھر تم قانون کو یہ بتاؤ گے کہ تمہارے ضمیر نے تمہیں ایک پل چین نہ لینے دیا، تم چھپے ہوئے تھے اب تک اور اب اپنا فرض انجام دے کر خود کو قانون کے حوالے کرنے آئے ہو ایسا کر سکو گے تم؟"

"کروں گا صاحب، اپنے ہر پیارے کی قسم ایسا ہی کروں گا۔"

"ٹھیک ہے تو پھر تھوڑا سا انتظار کر لو تمہیں آزادی مل جائے گی۔" نقاب پوش نے کہا اور اس کے بعد وہ وہاں سے واپس نکل آیا...... باہر آنے کے بعد اس نے اپنے چہرے سے نقاب اتار دی اور باہر بیٹھے ہوئے چند افراد کے پاس پہنچ گیا۔

یہ ڈبل او گینگ کی وہی پرانی جگہ تھی جہاں سے انہوں نے کام کا آغاز کیا تھا، اس وقت جو لوگ یہاں موجود تھے ان میں فراز اور سالک تھے۔ انہوں نے مودب نگاہوں سے شہاب کو دیکھا اور شہاب ان کے پاس آ بیٹھا...... پھر اس نے پر خیال لہجے میں کہا۔

"ابھی تھوڑی دیر کے بعد تم لوگ رمضان خان کو کھانا پیش کرو گے نا۔"

"جی مسٹر شہاب۔"

"کھانے میں دو گولیاں ڈال دینا تاکہ وہ گہری نیند سو جائے اور جب وہ گہری نیند سو جائے تو اسے یہاں سے نکال کر اس کے گھر کے پاس جو پارک ہے اس پارک کی بنچ پر ڈال دینا۔ سمجھ رہے ہو نا...... احتیاط سے...... ویسے گولیوں کے اثرات دو گھنٹے سے زیادہ نہیں رہتے، اس بات کا بھی خیال رکھنا۔"

"بہت بہتر جناب۔" فراز نے جواب دیا اور اس کے بعد وہ سوالیہ نگاہوں سے سالک کو دیکھنے لگا...... سالک نے کہا۔

"ٹھیک ہے سر اور کوئی حکم۔"

"بھئی تم لوگ مجھے شرمندہ مت کر دیا کرو...... شہنشاہ نے مجھے جس ذمہ داری پر لگایا ہے اس سلسلے میں کبھی کبھی تمہیں شریک کر لیا کرتا ہوں، لیکن میری حیثیت تمہارے برابر ہی ہے۔"

"نہیں شہاب صاحب...... آپ اعلیٰ ترین ذہانت کے مالک ہیں، اس بات کو بھلا بھولا

جاسکتا ہے۔" جواب میں شہاب ہنسنے لگا تھا۔

پھر وہ ان لوگوں سے اجازت لے کر چل پڑا، کار ڈرائیو کرتے ہوئے وہ ان سارے معاملات کے بارے میں سوچ رہا تھا...... ڈی آئی جی نادر حیات نے بحالت مجبوری جو اجازت اسے دی تھی شہاب نے اس سے ناجائز فائدہ نہیں اُٹھایا تھا۔ شہنشاہ باعمل ہو کر ان سب کو لمحوں کے اندر زندگی سے محروم کر سکتا تھا، لیکن شہاب خاصی ذہانت کے ساتھ اس سلسلے میں منصوبہ بندی کر رہا تھا اور اس نے یہ پہلا کام سرانجام دے دیا تھا...... وہ ڈاکٹر حیات کو اس طرح کیفر کردار تک پہنچانا چاہتا تھا اور اس کے لئے اس نے رمضان خان کو جس طرح محفوظ رکھا تھا آج اسے اس بات پر خوشی ہو رہی تھی اور وہ مسرور تھا کہ اس کا کام بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ تکمیل تک پہنچ جائے گا۔

بہر حال ہوتا ہے، بعض معاملات اس طرح آگے بڑھتے ہیں کہ ان کی ایک شکل کسی بھی طور سامنے نہیں آتی، بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے...... اس نے آخر کار اس مسئلے کا حل دریافت کر لیا تھا اور اس سے غیر مطمئن نہیں تھا۔

پھر دوسری صبح اسے دو رپورٹیں ایک ساتھ ملیں، پہلی رپورٹ تو یہ تھی کہ سالک اور فراز نے رمضان خان کو منصوبے کے مطابق وہاں پہنچا دیا ہے، دوسری رپورٹ اسے شوکت اور فراست کی جانب سے موصول ہوئی تھی، فراست نے کہا۔

"سر ہم نے زبردست کارنامہ انجام دیا ہے۔"

"مجھے یقین تھا میرے ساتھی اگر اس طرح اپنے لئے ایک مقام نہ بناتے تو ظاہر ہے انہیں آج یہ حیثیت کیسے حاصل ہوتی؟"

"سر اس عمارت کے بارے میں تفصیلی رپورٹ نوٹ فرمائیے گا۔ اس میں عام حالات میں ایک شخص رہتا ہے جو دوہری شخصیت کا مالک ہے، یعنی کبھی وہ پادری کی شکل میں وہاں نظر آتا ہے اور کبھی ایک ایسے خوش شکل اور سمارٹ آدمی کی شکل میں جو بالکل الگ شخصیت کا مالک ہوتا ہے، یہ آدمی ایک مشنری کے تحت یہاں آیا ہے اور ایک چرچ میں عبادت کرنے بھی جاتا ہے، شاید وہاں یہ سروس کراتا ہے اس کے علاوہ جناب ہم نے یہاں تین افراد کو اور دیکھا ہے جو پچھلی رات یہاں آئے تھے اور ان کے درمیان ایک طویل میٹنگ ہوئی تھی، ہم نے ان کی ویڈیو بنالی ہے لیکن افسوس ساؤنڈ سسٹم کا بندوبست نہیں تھا، ہمارے پاس...... البتہ

ویڈیو ہمارے پاس محفوظ ہے۔"

"ویری گڈ...... کتنا عرصہ ہوا اسے یہاں آئے ہوئے۔"

"جو معلومات حاصل ہوئی ہیں ان کے تحت دس سے پندرہ دن تک۔"

"ویڈیو کہاں ہے۔"

"ہمارے پاس موجود ہے سر۔"

"پولیس ہیڈ کوارٹر میں مسٹر شہاب کو پہنچا دینا...... دوپہر کو دو بجے کے بعد اور کچھ۔"

"نہیں جناب۔"

"انجم سے رابطہ قائم کرو اور اس سے کہو کہ مجھے رپورٹ دے۔"

پھر شہاب کو جان کے بارے میں بھی تفصیلی رپورٹ حاصل ہو گئی تھی...... یہ رپورٹیں اس نے شہنشاہ کی حیثیت سے وصول کی تھیں، لیکن وہ اس اہم کام کے لئے تیار تھا جو سرانجام پانے والا تھا، نادر حیات صاحب نے بھی اسے مخاطب نہیں کیا تھا، البتہ اس نے ڈاکٹر حیات سے رابطہ قائم کیا تھا...... ڈاکٹر حیات اس وقت اپنے کلینک ہی میں موجود تھا اور فون اسی نے ریسیو کیا تھا۔

"ہیلو ڈاکٹر حیات۔"

"سر میں بول رہا ہوں...... کون صاحب۔"

"ڈاکٹر حیات تم نے بہت بڑا جیک لگایا ہے بہت اعلیٰ پیمانے پر تم نے اپنے تحفظ کا بندوبست کیا ہے۔"

"کون ہو بھائی، اپنے بارے میں بتاؤ گے نہیں۔"

"حالانکہ میری آواز تمہارے ذہن کے گوشے گوشے میں ہونی چاہئے تھی ڈاکٹر حیات۔"

"اچھا......" ڈاکٹر حیات مضحکہ خیز لہجے میں بولا۔

"لیکن بہر حال جب انسان عقل کا اندھا ہو جاتا ہے تو آنکھوں یا کانوں کی بات نہیں رہ جاتی، عقل کی بات ہوتی ہے۔"

"ڈرامہ بول رہے ہو میرے سامنے، او ہو پہچان گیا، شہاب ثاقب ہیں کیا۔"

"ہاں۔"

"بھئی واہ کیا لائن حاضر کر دیئے گئے ہو۔" ڈاکٹر حیات نے مذاق اُڑاتے ہوئے کہا۔

”نہیں ڈاکٹر حیات میں تو لائن حاضر نہیں ہوا ہوں...... اپنے بارے میں سوچ۔“

”اپنے ڈی آئی جی صاحب سے ملاقات کی ہے کیا آپ نے جناب شہاب صاحب۔“

”ہاں...... سنا ہے میں نے کہ تم نے بڑے اعلیٰ پیمانے پر تیر اندازی کی کوشش کی ہے۔“

”ویری گڈ ویری گڈ...... گویا تمہیں ہمارے پیمانے کا احساس ہو گیا۔“

”ایسے پیمانوں کو میں اہمیت نہیں دیتا ہوں...... ڈاکٹر حیات تم نے یہ عمل کر کے دنیا اپنے لئے بہت مختصر کر لی ہے“۔

”ارے بھائی کیوں ڈرانے کی کوشش کر رہے ہو جو کچھ بھی کیا ہے ہم نے بڑی مشکل سے کیا ہے...... اب ایسا کرو نا یار کہ تم بھی اس کی پاسداری کر لو...... ہماری تمہاری کوئی دشمنی تو ہے نہیں کچھ مل ہی جائے گا تمہیں۔“

”یاد رکھنا ڈاکٹر حیات تمہیں جو ملنے والا ہے اس کے بارے میں تم سوچ بھی نہیں سکتے۔“ جواب میں ڈاکٹر حیات کا قہقہہ سنائی دیا تھا اور اس کے بعد اس نے ہنستے ہوئے فون بند کر دیا تھا۔

شہاب بھی پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا، پھر اس نے سلسلہ منقطع کیا ہی تھا کہ سرخ ٹیلی فون پر ڈی آئی جی صاحب کی کال موصول ہوئی۔

”ہیلو شہاب۔“

”جی سر۔“

”اگر کوئی خاص مصروفیت نہ ہو تو آ جاؤ میرے پاس۔“

”حاضر ہوا جاتا ہوں سر!“ نادر حیات صاحب نے اُس کا استقبال کیا تھا...... ان کے چہرے پر عجیب سی کیفیت نظر آ رہی تھی...... پھر انہوں نے آہستہ سے کہا۔

”شہاب میں نے زندگی اور موت کی کبھی پروا نہیں کی لیکن ہمارے ساتھ یہ سلوک ہو، یہ میرے لئے ناقابل برداشت ہے اور اب مجھے احساس ہو رہا ہے کہ دشمن کچھ زیادہ ہی سرگرم عمل ہو گیا ہے۔ شہاب کرنے کو تو میں بھی بہت کچھ کر سکتا ہوں، لیکن وہ کیا نہیں ہے آج تک جو منسوب کر دیا گیا ہے۔“

”جی سر...... کوئی خاص بات ہو گئی ہے کیا؟“

”خاص بات کہہ بھی سکتے ہو، رات کو حملہ ہوا ہے مجھ پر...... اپنے بیڈ روم میں تھا

سامنے والی عمارت سے گولی چلائی گئی...... کھڑکی کے شیشے ٹوٹ گئے...... غالباً کمرے میں روشنی تھی، میری پرچھائیں سے فائدہ اُٹھایا گیا، لیکن خدا کا شکر ہے وہ کامیاب نہیں ہوئے۔“

شہاب کا چہرہ آگ کی طرح سرخ ہو گیا تھا، کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے سرد لہجے میں کہا۔

”اس کی رپورٹ درج ہو گئی سر!“

”نہیں...... حالانکہ گھر والے کہہ رہے تھے کہ قانونی کارروائی تو کرنی چاہئے، میں نے نہیں روک دیا اور کہا کہ ابھی تھوڑا سا انتظار کر لیں...... قانونی کارروائی کی جا سکتی ہے، اصل میں تم سے مشورہ کرنا چاہتا تھا میں۔“

”بالکل نہیں سر...... صرف اتنا کیجئے کہ کھڑکی کا جو شیشہ ٹوٹا ہے اسے بدلوا دیجئے گا۔“ شہاب کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ نادر حیات صاحب نے چونک کر اسے دیکھا اور بولے۔

”میں سمجھا نہیں۔“

”شیشہ بدلوا لیجئے گا سر...... ایک شیشے کے عوض اگر ان پانچ میں سے ایک کم ہو جائے تو آپ کو یقینی طور پر نقصان نہیں ہو گا۔“

نادر حیات صاحب نے شہاب کو دیکھا پھر آہستہ سے بولے۔

”لیکن اس کے باوجود شہاب میں کسی بھی قیمت پر یہ پسند نہیں کروں گا کہ تم کوئی غیر قانونی عمل کرو...... ہم ان روایات کو توڑنا چاہتے ہیں جو پولیس سے منسوب کر دی گئی ہیں۔“

”روایات ٹوٹیں گی سر آپ بالکل بے فکر رہئے...... اب سے کچھ وقت کے بعد آپ کو ایک خبر ملے گی۔“

”کیا خبر!“

”سر کم از کم اتنا حق مجھے دیجئے گا کہ وہ خبر وقت پر ہی آپ کے پاس پہنچے۔“

”اور میری بات تمہارے ذہن میں ہے۔“

”جی سر۔“

”میرا تم سے ہر طرح کا تعلق ختم ہو جائے گا شہاب اگر کوئی ہلکا کام ہوا۔“

”کام ہلکا ہوا تب ہی ایسا ہو گا نا سر۔“

”مگر کیا کر رہے ہو آخر...... اور...... اور...... اس حد تک میرا مطلب ہے۔“

"اس کے لئے معافی چاہتا ہوں سر...... ابھی یہ بتانا میرے لئے ممکن نہیں ہے۔"

شہاب نے کہا اور نادر حیات صاحب گہری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے...... پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولے۔

"خدا تمہیں ہر آفت سے محفوظ رکھے۔"

❁

رمضان خان کی آنکھ کھل گئی، اس نے تعجب بھری نگاہوں سے سر پر کھلے آسمان کو دیکھا اور قرب و جوار میں پھیلے سناٹے کو...... رات کا نجانے کون سا پہر تھا، آسمان پر ستارے چمکے ہوئے تھے، چاند بھی نکلا ہوا تھا، ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، بہت دن کے بعد اس نے کھلا آسمان دیکھا تھا...... سوچنے لگا کہ شاید کوئی خواب دیکھ رہا ہے...... دُور سے کتوں کے بھونکنے کی آواز آ رہی تھی...... پھر کسی اور جگہ سے چوکیدار کی آواز سنائی دی اور یہ آواز سن کر وہ چونک پڑا۔

یہ فجر خان کی آواز تھی...... فجر خان چوکیدار کو وہ اچھی طرح جانتا تھا، کیا یہ سب خوابوں کی کہانی ہے، اس نے اپنے دل میں سوچا اور اپنے آپ کو دھوکا دینے کی بجائے اُٹھ کر بیٹھ گیا...... چاند کی روشنی میں اسے سامنے والی مسجد کا مینار نظر آ رہا تھا...... مینار پر روشنی ہو رہی تھی اور اب اس بات کا تصور نہیں تھا کہ وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے، یہ سب کچھ خواب نہیں ہے وہ اپنے محلے میں ہی ہے اور گھر کے سامنے والے پارک میں ایک بنچ پر پڑا ہوا ہے...... وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھتا رہا پھر اُٹھ کر کھڑا ہو گیا...... اس کے منہ سے آہستہ سے آواز نکلی۔

"میرے خدا...... میرے خدا اس دوران قید کے عالم میں اسے خدا یاد آ گیا تھا اور اس نے بارہا سچے دل سے خدا کو پکارا تھا اور اپنے گناہوں کا اعتراف کیا تھا، لیکن اپنے آپ کو سزا کے لئے تیار کر کے اس نے دل میں کہا تھا کہ اتنے انسانوں کے قاتل کو معاف تو نہیں کیا جا سکتا لیکن توبہ کے دروازے تو ہمیشہ کھلے ہوتے ہیں اور وہ انہی دروازوں کو کھٹکھٹا رہا ہے،" پھر اسے اس نقاب پوش کی بات یاد آئی اور اس نے ایک گہری سانس لی...... ذہنی طور پر وہ اپنے آپ کو تیار کرنے لگا...... سامنے ہی گھر کا دروازہ نظر آ رہا تھا، اس نے سوچا کہ وقت کم ہے اور کام بہت جو وعدہ کر کے وہ نکلا تھا اس کی تکمیل ضروری تھی...... ورنہ جن لوگوں کے قبضے میں

تھا ان کی پہنچ بھی اچھی طرح جانتا تھا اور پھر کم از کم ایک وعدہ تو پورا کر لیا جائے، زندگی میں نجانے کتنے جھوٹے سچے سودے کئے ہیں، ایک سودے میں تو سچ بول لیا جائے، وہی کرنا چاہئے جو وعدہ کر کے وہ آیا ہے، چنانچہ آہستہ آہستہ قدموں سے وہ اپنے گھر کی جانب چل پڑا۔

اس کا گھر گہرے سناٹے اور تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، لیکن اپنے گھر کے راستے کون نہیں جانتا۔

دروازے کی بیل بجائی اور انتظار کرنے لگا، رات کافی گزر چکی تھی...... گھر میں جو کوئی بھی تھا گہری نیند سو رہا تھا، چنانچہ اسے کئی بار بیل بجانی پڑی...... پھر تھوڑی دیر کے بعد دروازے کے دوسری جانب سے اس کی بیوہ بہن کی آواز سنائی دی۔

"کون ہے؟"

"دروازہ کھول سکینہ...... میں رمضان خان ہوں۔"

رمضان خان نے کہا اور بہن نے آواز پہچان لی...... بڑی بے صبری سے اس نے دروازہ کھولا تھا بھائی کو دیکھا اور اس سے لپٹ گئی تھی۔

"میرا بھائی میرا بھیا، میری زندگی، میری روح وہ اپنا چہرہ اس کے سینے سے رگڑتے ہوئے کہہ رہی تھی اور رمضان خان سکتے کے سے عالم میں بہن کی اس محبت کو دیکھ رہا تھا، کیا دُکھ بھری بات ہے...... انسان ایک لمحے کے لئے عقل و خرد سے عاری ہو جاتا ہے، وہ یہ نہیں سوچتا کہ دوسروں کو نقصان پہنچانے کے نتیجے میں خود اس کو بھی نقصان پہنچے گا...... وہ زندگی کی ان لطافتوں سے ہاتھ دھو بیٹھے گا جو زندگی کا سب سے اہم حصہ ہوتی ہیں، سب کچھ چھن جائے گا اور دُنیا سے کنارہ کشی کرنی پڑے گی، ان ساری باتوں میں سے کوئی بات نہیں سوچتا، وہ آنکھوں پر پٹی بندھ جاتی ہے اندھا ہو جاتا ہے اور شیطان کا شکار ہو کر وہ سب کچھ کرنے لگتا ہے جو اسے نہیں کرنا چاہئے، رمضان خان اس وقت انہی احساسات سے گزر رہا تھا، کیا نہیں تھا اس کے پاس، عیش و عشرت سے زندگی بسر کر رہا تھا، کسی چیز کی کمی نہیں تھی...... انسانوں کی ہلاکت پر آمادہ ہو گیا، ایک شیطان کی شیطنت کا شکار ہو گیا، اپنی عقل استعمال نہ کی اور سوچا کہ دنیا تو بے وقوف ہے، ہر کام آسانی سے ہو سکتا ہے...... کون دیکھنے اور کون سننے والا ہے...... دیکھنے اور سننے والی بات تو لوگ بھول ہی جاتے ہیں، ارے دُنیا دیکھے نہ دیکھے جو دیکھ رہا ہوتا ہے وہ تو بہر حال واقف ہوتا ہے اور اسے ہی بھولنے والے زندگی کے بدترین

نقصانات سے دوچار ہوتے ہیں، بس سوچ کا فرق ہے، انسان کا گناہ ہی اس کے لئے راستوں کا تعین کرتا ہے۔"

سکینہ بھائی سے لپٹی رہی پھر بولی۔ "بھیا باہر سے واپس آ گئے۔"

"ہاں سکینہ اپنی ذات سے بھی باہر چلا گیا تھا میں واپس آ گیا ہوں..... رمضان خان نے بڑا فلسفیانہ جواب دیا۔

"بھیا خطرہ ٹل گیا کیا۔"

"ہاں خطرہ ٹل گیا..... اصل میں سکینہ انسانوں سے بھاگ رہا تھا، خدا سے نہ بھاگ سکا۔" رمضان خان مدہم لہجے میں بولا اور سکینہ کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔

سکینہ بہت خوش نظر آ رہی تھی، حالانکہ کافی رات ہو چکی تھی لیکن سکینہ نے سب کو جگا دیا..... رمضان خان بھی یہی چاہتا تھا، زیادہ وقت نہیں تھا اس کے پاس..... اس نے سارے بچوں کو بیوی کو جگا دیا..... سب ہی اس کے آنے سے خوش ہو گئے تھے، اس کے بچے اس سے سوالات کر رہے تھے..... رمضان خان بڑے پیار سے انہیں جوابات دے رہا تھا..... اس کی بیٹی نے پوچھا۔

"بابا اب تو ایسی کوئی بات نہیں رہی بابا، آپ ہمارے درمیان سے چلے گئے تھے تو یوں لگتا تھا جیسے ہماری زندگی ختم ہو گئی ہو..... آپ کے جانے کے بعد کوئی مسکرایا تک نہیں۔"

"ارے نہیں بیٹے..... نجانے کون کب چلا جاتا ہے، کسی کے لئے اپنی مسکراہٹیں قربان نہیں کرنی چاہئیں..... مجھے تمہاری اس بات سے اختلاف ہے۔"

"بابا دل لگتا ہی نہیں تھا، آپ کیسی بات کرتے ہیں۔"

"ہاں دل تو میرا بھی نہیں لگتا تھا لیکن دیکھو انسان کو حالات سے سمجھوتہ کرنا چاہئے، بات یہ ہے کہ مجھ سے غلطی ہو گئی تھی، اب جب غلطی ہوتی ہے تو سزا تو ملتی ہے نا انسان کو..... دنیا نہیں دیتی سزا تو اللہ دیتا ہے۔"

"بابا آپ کی سزا ختم ہو گئی؟"

"نہیں بیٹا..... سزا تو ابھی شروع بھی نہیں ہوئی، سزا تو شروع ہو گی ابھی تھوڑا سا وقت ہے..... چھوٹ دی گئی ہے چھوٹ..... سمجھتی ہو نا..... تھوڑی سی چھوٹ دی گئی ہے..... بات اصل میں یہ ہے کہ میں تمہیں بتاؤں..... میں نے بہت بڑا گناہ کر دیا ہے، اتنا بڑا

گناہ کیا ہے میں نے کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"تو بابا وہ الزام جو آپ پر لگا تھا۔"

"نہیں وہ الزام نہیں تھا..... حقیقت تھی، کیا ہے میں نے ایسا کسی لالچ میں آ کر یا دھوکے میں آ کر۔"

"تو اب کیا ہو گا..... اب کیا ہو گا!"

"بھاگ گیا تھا نا میں واپس آ گیا ہوں سزا کے لئے واپس آ گیا ہوں۔"

"نہیں بابا ایسا نہ کریں آپ پھر بھاگ جائیں۔" اس کی بیٹی نے کہا اور رمضان پھر ہنس پڑا پھر بولا۔

"نہیں بیٹا نہیں بھاگ سکتا میں..... منع کر دیا ہے مجھے بھاگنے سے، ملنے آیا ہوں میں تم سے..... دیکھو سزا اپنا ضروری ہوتا ہے کیونکہ ابھی سزا چھوٹی ہو گی بعد میں بڑی ہو جائے گی..... چھوٹی سزا بھگت لینا زیادہ اچھا ہوتا ہے۔"

"تو آپ پھر چلے جائیں گے۔"

"ہاں..... لیکن تم لوگ آرام سے رہو خوش رہو میں سب کو بتا چکا ہوں کہ کسے کیا کرنا ہے، یہ بتاؤ کہ کسی نے کوئی گڑبڑ تو نہیں کی جیسا میں نے کہا ہے ویسا ہی کر رہے ہیں نا لوگ۔"

"ہاں بابا آپ نے جو کچھ ہم میں تقسیم کیا تھا ہم اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔"

"ہاں اصل میں یہی تو چھوٹی سی بھول ہوتی ہے انسان کی، اب دیکھو نا برا کر ڈالا تھا میں نے صرف اس چکر میں کہ تھوڑی سی دولت حاصل ہو جائے حالانکہ اچھی خاصی رقم تھی میرے پاس بس لالچ میں آ گیا، اب وہ رقم تم لوگ خرچ کرو گے اور میں..... لیکن نہیں سوچتے لوگ بس یہی تو نہیں سوچتے..... چلو خیر اب کچھ نہیں ہو سکتا، عیش کرو..... مجھے خوشی ہے تمہارے کسی کام تو آ سکا میں۔" رمضان خان نے کہا اور اس کے بعد وہ صبح تک اپنے بچوں میں گھیرا بیٹھا رہا..... بچے اس سے طرح طرح کے سوالات کرتے رہے، ہر ایک کو جواب دیتا رہا..... بڑی خوشدلی کے ساتھ اس نے گھر میں ناشتا کیا..... دن کے گیارہ بجے تک آرام سے اپنے اہل خاندان کے ہمراہ بیٹھا رہا..... گیارہ بجے اس نے اپنا لباس بدلا اور تیار ہو گیا۔"

"کہاں جا رہے ہیں بابا؟"

"بس بیٹا اتنی ہی دیر کی چھٹی ملی تھی واپس جانا ہے۔"

"بابا ہمیں بتائیے آپ کہاں جا رہے ہیں آخر!"

"ان لوگوں کے پاس جن کے پاس مجھے واپس جانا ہے۔" رمضان خان کی تو شخصیت ہی بدل گئی تھی، بہر حال وہ بڑی مشکل سے بچوں سے اجازت لے کر باہر نکلا، دل ڈوب رہا تھا لیکن ایک اور احساس بھی دل میں پیدا ہو رہا تھا...... اصل گناہ گار تو عیش کر رہا ہے، محفوظ ہے، اسے کوئی مشکل پیش نہیں آئی...... وہ آرام سے اپنا وقت گزار رہا ہے، اتنے سارے افراد کا قاتل، ٹھیک ہے میں نے یہ عمل کیا ہے لیکن اس کا محرک تو ڈاکٹر حیات ہی تھا...... آہ ڈاکٹر حیات نے مجھے زندگی سے محروم کر دیا، میرے بچوں سے میری دنیا سے محروم کر دیا... انتقام تو ضروری ہے ڈاکٹر حیات...... یہ تو دنیا کا عمل ہے کرنا ہی پڑتا ہے...... پھر بازار سے اس نے ایک بہت ہی عمدہ قسم کا چھرا خریدا اور پھر اسے اپنے لباس میں پوشیدہ کرنے کے بعد ڈاکٹر حیات کے کلینک کی جانب روانہ ہو گیا۔

کلینک میں زندگی رواں دواں تھی...... ڈاکٹر آ جا رہے تھے...... نرسیں گردش کر رہی تھیں...... ڈاکٹر حیات ویسے بھی کوئی اچھا انسان نہیں تھا...... مجبوریوں سے بڑی بڑی رقمیں وصول کرتا تھا، ہر قسم کی برائیاں اس کے اندر موجود تھیں، بہر حال ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ اپنے کلینک میں آیا تھا اور چہرے سے کچھ پریشان نظر آتا تھا...... اپنے آفس میں آتے ہی اس نے ٹیلی فون پر کسی کے نمبر ڈائل کئے اور ریسیور کان سے لگا لیا...... کچھ لمحات کے بعد آواز سنائی دی۔

"ہیلو۔"

"جمال شاہ صاحب سے بات کرنا ہے مجھے آپ ان کی سیکرٹری بول رہی ہیں۔"

"جی سر کون صاحب ہیں آپ۔"

"ڈاکٹر حیات۔"

"دیکھئے جمال شاہ صاحب۔" اس وقت سیکرٹری نے کہا لیکن ڈاکٹر حیات نے جملہ کاٹ دیا۔

"وہ اس وقت کچھ بھی کر رہے ہوں...... یہ آپ کی ڈیوٹی ہے کہ آپ انہیں بتا دیجئے کہ ڈاکٹر حیات بات کرنا چاہتے ہیں اور انتہائی ضروری بات کرنی ہے۔"

"ٹھیک ہے ہولڈ کیجئے...... سیکرٹری شاید جمال شاہ سے رابطہ قائم کرنے لگی، کچھ لمحوں

کے بعد جمال شاہ کی آواز سنائی دی۔

"ہاں جمال شاہ بول رہا ہوں...... کیا بات ہے؟"

"سر ڈاکٹر حیات۔"

"بھئی مجھے پتا چل گیا ہے بولو کیا بات ہے۔"

"نہیں سر آپ براہ کرم اس خشک رویئے کا اظہار نہ کریں۔"

"یار کیسی باتیں کر رہے ہو...... بہر حال اس وقت کام میں مصروف ہوں۔"

"جب آپ کی صحت خراب ہوتی ہے شاہ صاحب تو ہم لوگ زندگی کی بازی لگا دیتے ہیں...... ہم یہ نہیں سوچتے کہ کون سا وقت ہے اور ہمیں کیا کرنا ہے۔"

"احسان جتا رہے ہو۔"

"جمال شاہ صاحب یہ رویہ اختیار نہ کیجئے گا۔"

"بھئی اصل بات تو کہو کیا بات ہے...... میں اس وقت واقعی بہت مصروف تھا۔"

"جمال شاہ صاحب بات بنی نہیں۔"

"کیا مطلب!"

"آپ نے ڈی آئی جی نادر حیات صاحب سے میری سفارش کی تھی۔"

"تمہارے سامنے کی تھی۔"

"ہاں...... لیکن انہوں نے جس طرح انحراف کیا اس کا بھی آپ کو اندازہ ہے؟"

"اب کیا ہوا...... کیا ان کی طرف سے کوئی کارروائی کی گئی ہے؟"

"نہیں...... لیکن اصل آدمی اب بھی مجھ سے منحرف ہے۔"

"کون اصل آدمی؟"

"شہاب ثاقب۔"

"وہ کیا چیز ہے۔"

"آفیسر آن سپیشل ڈیوٹی۔"

"تو پھر۔"

"اصل مسئلہ اسی کا ہے۔"

"یہ بتاؤ کیا چاہتے ہو؟"

"اس نے مجھے دھمکیاں دی ہیں۔"

"کیا۔"

"یہ میں آپ کو فون پر نہیں بتا سکتا۔"

"ٹھیک ہے...... رات کو ساڑھے آٹھ بجے میرے پاس آجاؤ، اس کے بعد تفصیلی بات چیت ہو جائے گی او کے۔"

جمال شاہ نے ڈاکٹر حیات سے کچھ سنے بغیر ٹیلی فون بند کر دیا...... ڈاکٹر حیات ریسیور لئے سوچ میں ڈوبا رہا...... پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر فون کا ریسیور رکھ دیا...... اُسی وقت دروازے پر ہلکی سی آہٹ ہوئی اور کوئی اندر داخل ہو گیا۔

آنے والے کو ڈاکٹر حیات نے غور سے دیکھا اور دوسرے لمحے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے...... اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا، جو چہرہ وہ دیکھ رہا تھا وہ اس کے لئے اجنبی نہیں تھا، لیکن اس وقت اس عالم میں کئی لمحوں تک اس کے منہ سے آواز نہ نکل سکی...... پھر وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔

"رمضان خان۔"

"شکر ہے ڈاکٹر حیات آپ نے ہمیں پہچان لیا۔"

"یہاں کیوں آکر مرے ہو...... خدا تمہیں غارت کرے۔"

ڈاکٹر حیات سرد لہجے میں بولا۔

"بڑی اچھی دعا دی ہے ڈاکٹر حیات...... واقعی بڑی اچھی دعا دی ہے اور یہی سچائی بھی ہے، یعنی یہ کہ خدا مجھے غارت کرے اور تمہاری یہ دعا مانگنے سے پہلے ہی پوری ہو گئی، غارت کر دیا گیا ہوں میں ڈاکٹر حیات، مجھے غارت کر دیا گیا ہے۔"

"لگتا ہے پاگل ہو گئے ہو، میں کہتا ہوں تم واپس کیوں آگئے؟"

"کہاں سے ڈاکٹر حیات؟"

"کیا بکواس کر رہے ہو۔"

"ڈاکٹر حیات صحیح کہہ رہا ہوں میں۔"

"بے وقوف آدمی...... تم شاید واقعی پاگل ہو گئے ہو، میں کہتا ہوں تم واپس کیوں آگئے آخر؟"

"گیا ہی نہیں تھا ڈاکٹر حیات، جو آدمی گیا ہی نہ ہو اس کے آنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔"

"کوئی فریب کرنا چاہتے ہو...... کوئی چال چل رہے ہو؟"

"نہیں ڈاکٹر...... بالکل نہیں۔"

"میں نے تمہیں خود روانہ کیا ہے۔"

"تو پھر اپنے دماغ کا علاج کرو...... اس کے علاوہ اور میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" ڈاکٹر حیات اسے گھورتا ہوا بولا۔

"تم نے جسے روانہ کیا ہے وہ میں نہیں تھا، مجھے تو ایئرپورٹ سے ہی اغوا کر لیا گیا تھا اور ہمارے کاغذات مجھ سے چھین لئے گئے تھے جو تم نے مجھے بنوا کر دیئے تھے، اس کے بعد ان نامعلوم لوگوں نے مجھے قید کر لیا اور اس وقت سے میں ان کا قیدی تھا۔"

"کیا؟" ڈاکٹر حیات کا چہرہ خوف سے سفید پڑ گیا۔

"ہاں ڈاکٹر حیات اس وقت سے میں ان کا قیدی تھا، لیکن اس کے بعد ڈاکٹر حیات میں اپنے ضمیر کا قیدی بن گیا، سمجھ رہے ہو نا تم۔"

"کیا کسی سکول میں رکھا تھا انہوں نے تمہیں؟"

"اصل میں آج کل ہر اچھی بات، اچھی لگتی ہے ڈاکٹر حیات، بالکل صحیح کہہ رہے ہو...... انہوں نے واقعی مجھے سکول میں رکھا تھا اور اس سکول میں مجھے تعلیم دینے والا میرا ضمیر تھا، صرف و صرف ضمیر، وہ مجھے بہت کچھ سکھاتا رہا، بتاتا رہا مجھے ڈاکٹر حیات کہ کیا غلط ہوتا ہے اور کیا صحیح، ڈاکٹر حیات میرے ضمیر نے مجھے بتایا کہ زندگی دینے اور لینے والی ایک ہی ذات ہوتی ہے، اس ذات نے انسان کے لئے راستوں کا تعین کر دیا ہے، لیکن یہ راستے اسے خود منتخب کرنا ہوتے ہیں...... نیکی اور بدی کا تصور انسان کو دے دیا گیا ہے، اس کی اچھائیاں اور برائیاں بتا دی گئی ہیں اور جب انسان اس تصور سے ہٹ کر صرف اپنے مفاد کے راستے دیکھنے لگتا ہے اس روشنی کی جانب لپکتا ہے، جس میں چمک تو ہوتی ہے، سچائی نہیں، تو پھر اسے گناہ کہہ لیتے ہیں...... اس کا کالا دل اپنے جیسوں کی جانب سے بے پروا ہو جاتا ہے، سوچتا بھی نہیں ہے ان کے بارے میں اور اپنے مفاد کے لئے وہ سب کچھ کر بیٹھتا ہے، اس سکول میں، میں نے یہی سیکھا اور اس کے بعد میرے ضمیر نے مجھ سے کہا کہ جو کیا وہ اچھا نہیں کیا...... رمضان خان اور اس وقت تک ضمیر کو قرار نہیں آسکتا جب تک کہ اس کے بدلے میں کوئی

بہت ہی بہتر کام نہ کرلیا جائے، اب سوال بہتر کام کا پیدا ہوتا ہے، تو ڈاکٹر حیات اس
ایسے کسی بہتر کام کے بارے میں سوچتا رہا...... یہاں تک کے ذہن میں ایک ترکیب آگئی۔

"کیا ترکیب آگئی؟"

"آؤ ذرا باہر چل کر دیکھو، کیا کیا سوغات لایا ہوں تمہارے لئے؟" رمضان خان نے مسکرا کر کہا۔

"سوغات؟" ڈاکٹر حیات عجیب سے انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

"ہاں ڈاکٹر حیات...... سوغات، ذرا دیکھو تو سہی کون کون آیا ہے، ان سب سے مل تمہیں بہت خوشی ہوگی، آؤ میرے ساتھ۔" اور ڈاکٹر حیات حیران سا اپنی جگہ سے اُٹھ ہوا...... جرائم پیشہ آدمی تھا، میز کے دراز کے نچلے حصے میں پستول موجود تھا لیکن کچھ طرح بدحواس ہوا تھا کہ ایسے ہی رمضان خان کے ساتھ باہر نکل آیا...... رمضان خان لئے ہوئے اس بڑے سے ہال میں پہنچ گیا جو مریضوں کے لئے انتظار گاہ کے طور پر بنایا گیا تمام ڈاکٹروں کی گزرگاہ وہیں سے تھی، رمضان خان زور زور سے چیخنے لگا۔"

"جلدی آؤ بھائیو جلدی آؤ ایک بہت ہی اہم صورت حال پیش آگئی ہے، جلدی کہیں ایسا نہ ہو کہ تم صورت حال سے واقف نہ ہو سکو۔" کچھ افراد تو وہیں موجود تھے، کچھ یہ چیخ و پکار سن تو دوڑتے ہوئے اندر آگئے...... ڈاکٹر حیات کی بدحواسی آخری حدود میں ہو چکی تھی، اس کا بدن کچھ اس طرح مفلوج ہو گیا تھا کہ وہ کچھ کہہ بھی نہیں پا رہا تھا۔ سارے ڈاکٹر اور نرسیں وغیرہ وہاں جمع ہو گئے، رمضان خان انہیں دیکھ کر ہنستا ہوا بولا۔

"بہت بڑا ڈاکٹر ہے یہ...... ڈاکٹر حیات ہے اس کا نام، تم لوگ جانتے ہو نا اسے اس نے ایک ایسا کام کرا ڈالا ہے مجھ سے، جس نے مجھے برباد کر کے رکھ دیا ہے...... پڑ تم لوگوں نے، اخباروں میں ضرور پڑھا ہوگا۔"

کہ رمضان خان نامی ایک آدمی نے جو جیل میں قیدیوں کو کھانا سپلائی کرتا تھا، میں زہر ملا کر چوبیس آدمیوں کو ہلاک کر دیا...... چوبیس قیدیوں کو جن میں سے کون تھا اور کون گناہ گار وہ ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا، بس تھوڑی سی رقم کے بد نے چوبیس آدمیوں کی زندگی چھین لی، لیکن تم میں سے کسی کو یہ بات معلوم نہیں اس کے پیچھے کس کا ہاتھ تھا یہ کھڑا ہے وہ کمینہ انسان، تمہارا مالک، اس کلینک کا مالک،

بند ہے یہ لیکن اس نے چوبیس آدمیوں کی زندگی چھین لی، ہم سے یہ گناہ کرا دیا اس ہیں بھائیو وہ چوبیس آدمی ہمارے دشمن نہیں تھے...... انسان کا ضمیر کسی نہ کسی شکل میں ہمارا ضمیر بھی جاگ اُٹھا ہے، ہم ان چوبیس آدمیوں کے خون کا بدلہ اس سے لینا ہیں اور اس کے لئے ہم نے طریقہ بھی سوچ لیا ہے جانتے ہو کیا؟"

ڈاکٹر ساکت کھڑے ہوئے تھے...... رمضان خان نے اپنے لباس سے تیز دھار والا اور ڈاکٹر حیات کا گریبان پکڑ لیا۔

"کک کیا...... کیا بکواس ہے...... کک کیا کر رہے ہو تم، پاگل ہو گئے ہو رمضان خان، ہو گئے ہو، ارے پکڑو اسے پاگل ہو گیا ہے یہ۔" ڈاکٹر حیات نے کہا لیکن رمضان خان چھرے کا وار اس کی ناف کے نیچے سے کیا تھا اور پھر اسے سینے تک کھولتا چلا گیا تھا...... کے حلق سے دہشت بری چیخیں نکل گئیں...... کئی ڈاکٹر بھی زور سے چیخے تھے...... نے اس کی جانب بڑھنے کی کوشش کی تھی، لیکن رمضان خان نے چھرے کا دوسرا وار حیات پر کیا...... پھر تیسرا...... چوتھا اور پانچواں اور سارے کا سارا خون میں نہا گیا۔ ڈاکٹر آنکھیں بھی پتھرا گئی تھیں...... رمضان خان نے ایک کے بعد دوسرا وار جاری رکھا ڈاکٹر حیات وہاں سے بھاگنے کی کوشش میں بھی ناکام ہو گیا تھا...... رمضان خان اسے گرنے نہیں دے رہا تھا لیکن پھر ڈاکٹر حیات نے اپنا پورا بدن چھوڑ دیا اور زمین پر گر پڑا رمضان خان اس کے سینے پر بیٹھ گیا اور قہقہہ لگا کر بولا۔

"دیکھا تم نے برائی کا انجام آخر کار یہ ہوتا ہے...... ارے زندگی میں ہم نے شاید اس ایک کام کوئی نہیں کیا تم لوگ ہمیں مبارک باد دو۔"

"خبردار...... خبردار جس نے بھی قریب آنے کی کوشش کی میں اسے جان سے گا...... یہ بات تو تم لوگ بھی سمجھتے ہو کہ اس ایک آدمی کے قتل کے سلسلے میں مجھے سزا ملے گی...... دس آدمیوں کو قتل کر دوں گا تب بھی، ایک ہی سزا ملے گی...... یعنی مجھے پھانسی چڑھا دیا جائے گا...... اپنی جان کھونے کی کوشش مت کرو...... دُور رہو مجھ مزے لے رہا ہوں اس بدبخت کے گندے خون کے۔" رمضان خان زور سے ڈاکٹر کے بدن پر اُچھلا اور ڈاکٹر حیات کے زخموں نے خون اُگلنا شروع کر دیا...... خون کی کے بدن سے بلند ہوئی اور رمضان خان نفرت سے منہ بنا کر بولا۔

"دیکھ رہے ہیں آپ لوگ آہ کاش آپ میری نگاہوں سے اس خون کی غلاظت دیکھیں اور اسے سونگھیں...... یہ دیکھیں۔" اس نے پھر ڈاکٹر حیات کا بدن زور سے... لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے...... خون کی پھواریں بلند ہو رہی تھیں...... ڈاکٹر حیات تڑپ رہا تھا لیکن رمضان خان کا قوی ہیکل جسم اسے دبوچے ہوئے تھا، وہ اس بدن کی گرفت سے نکل نہیں پا رہا تھا، پھر کسی ڈاکٹر نے پولیس کو فون کر دیا...... رمضان خان آہستہ آہستہ ڈاکٹر حیات کے بدن پر مسلسل زخم لگا رہا تھا اور اُچھل اُچھل کر اس کے جسم سے خون بہہ رہا تھا۔ ڈاکٹر حیات کی آنکھیں چڑھ گئی تھیں اور وہ لمحہ لمحہ زندگی سے دور ہوتا جا رہا تھا، کوئی بھی اس کی مدد کرنے سے قاصر تھا...... پھر پولیس پہنچ گئی اور پولیس کے کئی افراد دھڑ دھڑاتے ہوئے اندر داخل ہوگئے...... وہاں موجود ڈاکٹروں پر سکتہ طاری تھا، وہ سب پھٹی پھٹی آنکھوں سے ڈاکٹر حیات کو دیکھ رہے تھے جو سسک...... سسک کر دم توڑ رہا تھا...... رمضان خان نے پولیس کو دیکھا اور ہنس کر بولا۔

"ابھی گولی مت مارنا...... کم از کم میری بات سن لو اس کے بعد جو دل چاہے کرنا۔"

"اس کمبخت نے مجھے ورغلا کر چوبیس آدمیوں کو زہر دلوا دیا میرے ہاتھوں سے۔ رمضان خان ہے میرا نام...... جیل مین کھانا سپلائی کرنے کا ٹھیکیدار تھا...... اس نے یہ جرم کرا ڈالا ہے مجھ سے...... آہ کاش میں ایسا نہ کرتا...... بڑا دکھ ہے مجھے لیکن بہر حال چوبیس میں سے ایک آدمی کا بدلہ تو لے ہی لیا میں نے اس سے...... اے یہ لو میرا چھرا...... میرے ہاتھ حاضر ہیں، گرفتار کر لو اب، خوشی سے گرفتاری دے رہا ہوں میں۔" اور رمضان خان نے دونوں ہاتھ سیدھے کر دیئے...... پولیس آفیسر نے اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دی تھی اور چھرا اپنے قابو میں کر لیا تھا...... حیات کلینک میں زبردست افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔

✿

شہاب بینا کو یہ احساس نہیں دلانا چاہتا تھا کہ شادی کرنے کے بعد اس نے اسے ان معاملات سے دور کر دیا ہے...... بینا کو گھریلو طور پر بھی آزادی ملی ہوئی تھی، کیونکہ نعیمہ بیگم اور اہل خاندان جانتے تھے کہ وہ خود محکمہ پولیس کی ملازم ہے اور اہم ترین خدمات سر انجام دیتی ہے، پھر اس کے بعد بینا کا رویہ ظاہر ہے ذہین لڑکی تھی...... ایک ایک فرد سے اس نے ذاتی تعلقات قائم کیے تھے...... نعیمہ بیگم...... ثریا بھابی پھر واثق حسین اور فائق حسین بھی

تھے اس کے ان سب سے اور تھوڑے ہی دنوں میں سب اسے چاہنے لگے تھے...... ...ن کی یا اختلاف کی کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی تھی...... بینا نے اور شہاب کو خوشی تھی ...دگی کا یہ مرحلہ بھی بہت خوبصورت رہا اور اس میں کوئی اُلجھن پیش نہ آسکی، لیکن ابھی ...ن نے بینا سے کوئی ایسا کام نہیں لیا تھا جو مشقت کا ہو، البتہ اسے یہ احساس تھا کہ بینا یہ نہ ...جھے کہ اب اس نے اسے بالکل ہی بے تعلق کر کے چھوڑ دیا ہے، چنانچہ اس وقت بھی ...ری امور سے فراغت حاصل کر کے وہ کریم سوسائٹی کی کوٹھی پہنچا تھا اور تھوڑی دیر کے ...ن نے بینا کو فون کیا تھا کہ دوسری طرف سے بینا نے ہی فون ریسیو کیا تو شہاب تھوڑی ...از تبدیل کر کے بولا۔

"مسز شہاب سے بات کرنی ہے۔"

"جی فرمایئے۔"

"میں نے کہا نا مسز شہاب سے بات کرنی ہے۔"

"میں بول رہی ہوں۔"

"کیا چاہتے ہو آخر تم لوگ؟" شہاب غرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"کیا تکلیف ہے آپ کو؟"

"مجھے جو تکلیف ہے اگر میں نے بتا دی تو حالات بہت خراب ہو جائیں گے۔"

"اگر آپ کسی پاگل خانے سے بول رہے ہیں تو براہ کرم فون بند کر دیجئے گا...... کچھ کہنا ...ہے شک آپ کہیں۔"

"تمہارے شوہر کی زندگی خطرے میں ہے۔"

"تو آپ مجھے دھمکی دینا چاہتے ہیں۔"

"ہاں۔"

"ٹھیک ہے میں اس سلسلے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں۔"

"اگر شوہر کی زندگی بچانا چاہتی ہو تو کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں چلی آؤ۔" شہاب نے ...بینا چونک پڑی۔

"کہاں۔"

"کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں۔"

"ہوں اور اگر آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ آپ مجھے بے وقوف بنانے میں کامیاب ہوئے ہیں تو یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔" بینا مسکرا کر بولی۔

"یعنی آپ کا خیال ہے کہ آپ سے شادی کر کے میں نے آپ کو بے وقوف بنایا ہے۔"

"جی نہیں...... مجھے دھمکی دے کر اور وہ بھی میرے شوہر کے بارے میں...... جناب عالی اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرا شوہر اپنی زندگی کی حفاظت کرنا جانتا ہے۔"

"اچھا...... اچھا اب پہچاننے کے بعد یہ مکھن لگایا جا رہا ہے۔"

"کیا کر رہے ہو بھئی وہاں۔"

"تمہارا انتظار۔"

"کیا مطلب؟"

"آ جاؤ یار...... حرام خوری اچھی چیز نہیں ہوتی۔"

"پھر پوچھوں گی کیا مطلب۔"

"میرا مطلب ہے سرکاری تنخواہ وصول تو کرنی ہی ہو گی، تھوڑا بہت ڈسکشن وغیرہ ہو جانا چاہئے۔"

"ناراض ہوں آپ سے۔"

"کیوں۔"

"سب کچھ چھوڑ دیا ہے میں نے آپ کی وجہ سے بلکہ پیروں میں زنجیریں پہنا دی ہیں میرے۔"

"محترمہ سیانے یہی تو کہتے چلے آ رہے ہیں۔"

"وہ بیویوں کے بارے میں کہتے چلے آئے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"کہتے ہیں کہ بیوی شوہر کے پیروں کی زنجیر ہوتی ہے اور اس کے بہت سے مسئلے نامکمل رہ جاتے ہیں۔"

"نہیں...... میں نے ایسی کوئی بات کبھی نہیں محسوس کی۔"

"سنجیدگی سے بات کر رہے ہیں۔"

"بالکل۔"

"آنا ہے مجھے۔"

"ہاں بھئی آ جاؤ تھکا ہوا بھی ہوں اور پھر تم سے کچھ بات چیت بھی کرنی ہے۔"

"میں آ رہی ہوں۔"

پھر شہاب بینا کا انتظار کرتا رہا تھا، جوہر خان کو اس نے بتا دیا تھا کہ بینا آ رہی ہے اس لئے کھانے پینے کا انتظام ہو جائے اور جوہر خان...... رجب خان کے ساتھ مل کر کھانے پینے کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا تھا...... تھوڑی دیر کے بعد بینا کی کار کا ہارن سنائی دیا اور پھر وہ کمرے میں داخل ہو گئی جہاں شہاب اس کا انتظار کر رہا تھا...... بینا نے شہاب کو سیلوٹ کیا اور شہاب نے مسکرا کر گردن خم کی تھی۔

"ڈسپلن کی پابندی کرنے کا شکریہ۔"

"آپ نے کہا ہے نا کہ آپ نے مجھے کچھ گفتگو کرنے کے لئے طلب کیا ہے؟ یعنی میں ڈیوٹی پر ہوں۔"

"ہاں بینا بیٹھو...... تھوڑی سنجیدگی سے بات کرنی ہے اس سلسلے میں۔"

"جی۔" بینا نے کہا اور شہاب کے سامنے بیٹھ گئی، شہاب نے نظر نیچی کر لی تھی...... کچھ سوچتا رہا تھا پھر کہنے لگا۔

"بینا...... کیا یہ منشیات کے سمگلنگ والا کیس طویل نہیں ہوتا جا رہا۔"

"ہاں...... اس میں تو کوئی شک نہیں ہے...... بہت لمبا مسئلہ چل پڑا ہے، لیکن وہ تھیوری تو سامنے ہے یعنی ڈی آئی جی صاحب کا اپنا خیال۔"

"ہاں بینا...... بہت سے ایسے معاملات ہیں جنہیں تفصیل سے دہرانا ضروری ہے مثلاً لڑکی کا قتل جس کی وجہ سے میں دانی شاہ کی جانب متوجہ ہوا...... دانی شاہ کی گرفتاری اور پھر اس کے بعد کے سارے معاملات جو تمہارے علم میں ہیں، پانچ وہ نام اس سلسلے میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں...... یہ ساری چیزیں اپنا ایک مقام رکھتی ہیں، ویسے تمہیں یہ سن کر افسوس ہو گا کہ نادر حیات صاحب پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے۔"

"کیا؟" بینا اچھل پڑی۔

"ہاں...... ان کی کوٹھی میں ان پر گولی چلائی گئی ہے اور یہ بات ہمارے علم میں آ چکی ہے، اصولی طور پر انہیں مجھ پر حملہ کرنا چاہئے تھا کیونکہ بہرحال ڈیوٹی آفیسر تو میں ہوں......"

ایکشن مجھے لینا ہے...... باقی سارے معاملے تو بعد کی حیثیت رکھتے ہیں۔"

"نادر حیات صاحب زخمی تو نہیں ہوئے۔"

"نہیں بچ گئے ہیں کوئی زخم نہیں آیا نہیں۔"

"گویا ان لوگوں نے یہ جرأت کر ڈالی لیکن شہاب تم نے چینا سے رابطہ نہیں کیا میرا مطلب ہے اس کے لئے کوئی بندوبست نہیں کیا۔"

"توصیف اور سردار علی چینا کے پیچھے ہیں...... ابھی تک انہوں نے مجھے اس بارے میں کوئی رپورٹ نہیں دی اور میں بھی کچھ اس طرح مصروف رہا ہوں کہ ان سے رابطہ نہیں کر سکا لیکن بہر حال یہ سب کچھ بھی ہو جائے گا، بلکہ ٹھہرو...... میں دیکھتا ہوں۔" شہاب نے کہا اور پھر ٹرانسمیٹر نکال کر سامنے رکھ دیا، اس کے بعد اس نے ڈبل او گینگ کے افراد کو کال کیا اور چند لمحات کے بعد رابطہ قائم ہو گیا۔

"توصیف۔"

"سر بول رہا ہوں۔"

"توصیف تمہیں ایک ذمہ داری سونپی گئی ہے۔"

"جی سر اور اس ذمہ داری کے نتیجے میں، میں اس وقت کریم سوسائٹی کی کوٹھی کے سامنے موجود ہوں...... جس میں مس بینا ابھی داخل ہوئی ہیں۔" توصیف نے جواب دیا اور شہاب چونک پڑا۔

"مطلب۔"

"چینا نے یہاں تک آپ کا تعاقب کیا ہے اور پھر یہاں سے واپس چلا گیا ہے، جب کہ سردار علی کو میں نے اس کے پیچھے بھیج دیا ہے۔"

"میرا تعاقب کیا ہے۔"

"جی ہاں...... پولیس ہیڈ کوارٹر تک...... وہ آپ کے پیچھے آیا ہے...... پولیس ہیڈ کوارٹر ہی سے آپ کے پیچھے چل پڑا تھا۔"

"او مائی گاڈ...... اس وقت تو چوٹ ہو گئی...... میں واقعی کسی تعاقب کا اندازہ نہیں لگا سکا۔"

"سر ہم دونوں اس کے پیچھے تھے۔"

"کیا اس نے کوئی کوشش کی اس سلسلے میں۔"

"بالکل نہیں...... بس وہ آپ کا تعاقب کر رہا ہے...... آپ کے پیچھے لگا ہوا ہے۔"

"ایک بات بتاؤ توصیف، کیا وہ ڈی آئی جی صاحب کے بنگلے پر بھی گیا تھا۔"

"پچھلے چوبیس گھنٹوں سے وہ میری نگاہوں کے سامنے ہے اور کہیں بھی نہیں گیا وہ آپ کا تعاقب کرتا رہا ہے اور جہاں تک میرا اندازہ ہے جناب، وہ آپ کے معمولات لے رہا ہے کہ آپ کہاں کہاں آتے جاتے ہیں...... کس وقت آفس سے نکلتے ہیں اور ...ت کیا کرتے ہیں...... ابھی تک میں نے اسے ان ایکشن نہیں دیکھا۔"

"ہوں...... تم لوگ خیریت سے ہونا۔"

"جی سر۔"

"او کے بھئی...... اب میری فکر مت کرو...... لیکن چینا پر پوری نظر رکھی جائے...... دیکھوں گا کہ وہ کیا کیا کر رہا ہے۔"

"بہتر جناب۔" توصیف نے جواب دیا اور شہاب نے ٹرانسمیٹر بند کر دیا...... وہ پر خیال نگاہوں سے بینا کو دیکھ رہا تھا۔

بینا نے بھی یہ گفتگو سنی تھی وہ اس سے نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کر رہی تھی پھر بولی۔

"ہو سکتا ہے ڈی آئی جی صاحب پر حملہ کرنے کے لئے کسی دوسری ٹیم سے رابطہ کیا ہو۔"

"ہاں ہو سکتا ہے...... ویسے بینا اس سلسلے کے پہلے کھیل کا آغاز کر چکا ہوں میں اور اب اس کے لئے انتظار کر رہا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"رمضان خان تو یاد ہے تمہیں۔"

"جیل کا ٹھیکیدار۔"

"ہاں۔"

"وہ تو ہماری تحویل میں ہے۔"

"بینا اسے چھوڑ دیا گیا ہے اور اب وہ جو کچھ کرے گا وہ بڑا سنسنی خیز ہوگا...... میں اپنے مرحلے کی کامیابی کا منتظر ہوں اور اس سے آگے کے بارے میں صحیح انداز سے قائم کئے جائیں گے۔"

"ہوں...... کیا مشن ہے اس کا۔"

"بینا...... ڈاکٹر حیات کے بارے میں رمضان خان جذباتی ہو گیا ہے...... اسے اپنے جرم کی سنگینی کا شدید احساس ہو رہا ہے اور امکان اس بات کا ہے کہ اس کا ضمیر واقعی جاگ اُٹھے...... ڈاکٹر حیات کو سبق اسی کے ہاتھ ملنا چاہئے تھا، تو یہ کوشش کر ڈالی ہے میں نے نتیجے کا منتظر ہوں۔"

"یعنی تمہارے خیال میں وہ۔"

"بھئی ایک کام کیا ہے...... مہرا آگے بڑھایا ہے...... دیکھتے ہیں کس حد تک کامیابی حاصل ہوتی ہے...... اس کے علاوہ بینا جو اہم مسئلہ ہے اب اس کا آغاز کرتے ہیں۔" شہاب نے مختصراً بینا کو ڈبل او گینگ کے ممبروں کی کارروائی کی تفصیل بتائی اور پھر ایک چھوٹا سا پروجیکٹر نکال کر اسے آن کر دیا...... سامنے ایک اسکرین رکھا گیا تھا...... یہ ان ویڈیو کیمروں سے بنائی گئی فلم کا پورا پراسس تھا، تھوڑی دیر کے بعد اسکرین پر روشنی نظر آنے لگی اور پھر ساری تفصیل نگاہوں کے سامنے آتی چلی گئی...... شہاب ان لوگوں سے ویڈیو وصول کر کے سیدھا کریم سوسائٹی کوٹھی آیا تھا اور اس نے بینا کو طلب کر لیا تھا، اپنے اس نظریئے کے مطابق وہ آگے کے سارے معاملات میں بینا کا مشورہ بھی چاہتا تھا لیکن اس اسکرین پر نظر آنے والی تصویریں دیکھ کر اچانک ہی وہ شدت حیرت سے اُچھل پڑا تھا، اس کی پھٹی پھٹی آنکھیں ان تینوں کو دیکھ رہی تھیں جو پادری کے سامنے بیٹھے ہوئے اس سے باتیں کر رہے تھے...... ان کی آواز کانوں تک نہیں آ رہی تھی لیکن پادری اور اس کے بعد وہ تینوں؟"

شہاب سکتے کی سی کیفیت میں تھا، جب کہ بینا ابھی صورت حال تو سمجھ نہیں پائی تھی...... شہاب کی تیز نگاہوں نے ایک لمحے کے اندر اندر وہ چہرے پہچان لئے تھے جن کا تعلق ایک غیر ملکی کمپنی سے تھا اور جن کی موت تسلیم کر لی گئی تھی...... شہاب کا ذہن بُری طرح چکرا رہا تھا، یہ اتنا ہولناک منظر تھا، اس کے لئے کہ صحیح معنوں میں اس کی کھوپڑی گھوم کر رہ گئی تھی، بھلا یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے، یہ تو وہی تینوں مقتول تھے جو ٹرک کے حادثے میں ہلاک ہوئے تھے...... وہ زندہ سلامت ہیں اور پھر شہاب کے ذہن کی چرخی چلتی چلی گئی۔

ویڈیو چل رہی تھی، بینا اس پر مکمل غور کر رہی تھی، لیکن شہاب کا ذہن ہواؤں میں اُڑ رہا تھا...... اس کا ذہن خود اس پر انتہائی خوفناک اور سنسنی خیز انکشافات کر رہا تھا...... کافی دیر

طرح گزر گئی، تو بینا نے کہا۔

"خیریت۔" "کون ہیں یہ لوگ۔"

"بینا بڑی سنسنی خیز بات ہے...... ایسی کہ تصور بھی نہیں کیا جاسکے، ان تین افراد کو دیکھ رہی ہو؟ یہ تینوں ٹرک کے حادثے میں ہلاک ہو چکے ہیں اور ایک کمپنی ان کے لئے بڑی لے کر چکی ہے...... اف میرے خدا...... مگر ٹھیک تو ہے...... بات کسی چھوٹے موٹے مجرم کی نہیں ایک انٹرنیشنل گینگ اس سلسلے میں کام کر رہا ہے...... بہت بڑے بڑے دماغ مصروف ہیں اور اب تو یہ اندازہ ہو رہا ہے کہ بات صرف ان پانچوں کی نہیں ہے بات سمجھ میں آ رہی ہے، یعنی یہ کہ یہ لوگ باڑی کے حادثے کے بعد سنڈیکیٹ کے لئے قابل اعتماد نہیں رہے اور دوسرے لوگوں کو یہاں بھیجا گیا ہے...... ویری گڈ بینا...... ویری گڈ...... اس کا مطلب ہے کہ ایک سنسنی خیز صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"بینا اگر میں اس سلسلے میں دُور نکل جاؤں اور دُنیا کے مختلف ملکوں میں جا کر کام کروں تو کیا تم مجھے اس کی اجازت دو گی۔" بینا کے جسم کو ایک جھٹکا سا لگا تھا، کچھ لمحے وہ سوچتی ہوئی شہاب کو دیکھتی رہی...... پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں۔" لیکن اس ہاں میں جو کیفیت چھپی ہوئی تھی، شہاب کے دل پر بری طرح جا کر لگی تھی اور شہاب دیر تک سوچ میں ڈوبا رہا تھا، پھر اس نے مسکرا کر کہا۔

"خیر...... شیخ چلی کے خواب تو مشہور ہیں، لیکن بینا بڑی سنسنی خیز بات ہے، یہ تینوں اس حادثے کے باوجود زندہ ہیں...... ان تینوں کی لاشیں ایک کار میں جل کر خاکستر ہو گئی تھیں اور اس کے کافی وقت کے بعد یہ لوگ اس پادری نما شخص سے بیٹھے گفتگو کر رہے ہیں۔"

"کیا؟" بینا اُچھل پڑی۔

"ہاں بینا...... اس کا مطلب یہ ہے کہ مرنے والے کوئی اور لوگ تھے، اوہ میرے خدا...... گویا رینا کی رپورٹ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی نکلی...... وہ اس کا مطلب ہے کہ تقدیر ساتھ دے رہی ہے، وقت میرے ہاتھوں کچھ کرانا چاہتا ہے۔"

"میں اگر کچھ سمجھ پاتی تو بات کرتی۔"

"بینا تمہیں سمجھانے کے لئے تو میں نے یہاں بلایا ہے۔" اور اس کے بعد شہاب نے رینا کے بارے میں ساری تفصیل بتائی جو پاسکل کی محبوبہ تھی...... پھر جان کے بارے میں اور

اس کے بعد بولا۔"

"اور تیسرا آدمی رہ گیا ہے، جس کے بارے میں تفتیش کرنا ہوگی۔"

"مطلب۔"

"مطلب یہ کہ بے چاری رینا کو یہ دردناک خبر شاید مجھے ہی دینی پڑے گی کہ پاسکل اور جان اب اس دُنیا میں نہیں ہیں اور ان کا تیسرا ساتھی بھی اور ان کی موت کی وجہ اوہ میرے خدا...... اوہ میرے خدا۔"

شہاب اپنی سوچوں کے جال میں گرفتار تھا، بہت دیر تک وہ بینا سے باتیں کرتا رہا اور اس کے بعد اس نے کہا۔

"بینا بڑے ہنگامی حالات میں کام کرنا پڑے گا اور یہ بات تو طے ہے کہ بات اب شہاب کے بس کی نہیں ہے، بلکہ شہنشاہ کو اپنا کام شروع کرنا پڑے گا۔"

"میں صرف ایک بات کہے دیتی ہوں شہاب اس بات کو آپ ذہن میں رکھیے گا۔"

"ارے باپ رے کیا خوفناک لہجہ ہے۔"

"ہاں ہے...... بجائے اس کے کہ میں آپ کی حفاظت کے لئے آپ کے پیچھے آپ کی اجازت کے بغیر نکلوں...... آپ کو اپنا خیال رکھنا ہوگا، اپنا تحفظ کیجئے گا۔" شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی، اس نے آہستہ سے کہا۔

"ٹھیک ہے بینا...... آپ کو اس سلسلے میں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔" بینا ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگئی تھی۔

❁ ❁ ❁

ڈی آئی جی نادر حیات نے یہ خبر سنی اور شدت حیرت سے گنگ رہ گئے...... شہاب نے جس طرح ڈاکٹر حیات کے سلسلے میں انہیں اطلاع دی تھی اس کے بعد یہ خبر ان کے لئے انتہائی سنسنی خیز تھی...... خبر دینے والے سے وہ مکمل تفصیلات معلوم کرتے رہے اور پھر انہیں چکر سے آنے لگے...... ظاہر ہے انہوں نے بھی کوئی معمولی سی زندگی نہیں گزاری تھی...... انسپکٹر جنرل کے عہدے تک پہنچنے کے لئے، جیسے جیسے مراحل سے گزرنا پڑا تھا اس کے بارے میں کہنا ہی بے مقصد تھا...... لیکن بہرحال ان ساری باتوں میں یہ بات انتہائی کوشش کے باوجود ان کی سمجھ میں نہیں آسکی کہ رمضان خان کہاں سے آگیا اور اس نے یہ سب کچھ کیسے کر ڈالا...... شہاب سے تو اس موضوع پر کبھی بات نہیں ہوئی، یا اگر ہوئی بھی ہوگی تو ان کے ذہن سے نکل گئی، بہت دیر تک تو وہ چکرائے ہوئے بیٹھے رہے اور اس کے بعد انہوں نے شہاب کی تلاش شروع کر دی، لیکن شہاب اس وقت انہیں حاصل نہیں ہو سکا تھا، پھر وہ اپنے ماتحت عملے کو اس بارے میں ہدایت دے کر خود اپنے آفس سے باہر نکل آئے اور پھر وہاں سے ہسپتال پہنچ گئے...... ڈاکٹر حیات کے کلینک کے سامنے پولیس کی موبائل موجود تھی...... ڈی آئی جی صاحب بنفس نفیس وہاں پہنچے تھے اور وہاں ایک دم ہنگامہ سا ہو گیا تھا، ویسے ہی صورت حال عجیب و غریب ہوگئی تھی...... پھر متعلقہ محکموں کو ہدایت دی گئی اور اس کے بعد ڈاکٹر حیات کا پورا کلینک پولیس کی تحویل میں آگیا...... تمام لوگوں کو ایک جگہ اکٹھا کر دیا گیا تھا، البتہ ڈاکٹروں کو یہ ہدایت کر دی گئی تھی کہ مریضوں کی دیکھ بھال میں کوتاہی نہ کریں...... ڈاکٹر حیات کی لاش کو پولیس نے اپنی تحویل میں لے رکھا تھا اور گرفتار رمضان خان کو بھی ابھی یہیں رکھا گیا تھا...... جب تک کہ اعلیٰ حکام سے صحیح احکامات نہ مل جائیں۔

نادر حیات صاحب اُلجھے ہوئے تھے کہ آخر شہاب کہاں ہے اور یہاں کیوں نہیں ہے؟ لیکن اس وقت جان بوجھ کر انہوں نے شہاب کے معاملے میں کسی بے چینی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا اور پھر ضرورت کی تمام کارروائیاں ہوئیں اور پھر اس کے بعد لاش کو وہاں سے اٹھوایا گیا، لاش تو پولیس ہسپتال پہنچادی گئی۔ ڈاکٹر حیات کے اہل خانہ کو اطلاع کر دی گئی اور ایک کہرام مچ گیا۔ پولیس کو دھمکیاں دی جانے لگیں...... ڈی آئی جی صاحب نے اپنے آفس پہنچ کے بعد اپنی کارروائیاں شروع کر دیں، ویسے اس وقت انہوں نے جمال شاہ سے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا تھا، یہ عہدے کی توہین تھی اور کم از کم وہ اپنے عہدے کی توہین اپنے آپ نہیں کر سکتے تھے، چنانچہ بار بار ان کا ذہن شہاب کی طرف جا رہا تھا...... پھر شہاب کو کہیں سے اس بارے میں معلومات حاصل ہوئیں اور وہ خود ہیڈ کوارٹر پہنچ گیا۔ ڈی آئی جی صاحب نے شہاب کو دیکھا اور ان کے چہرے پر شدید سنسنی پھیل گئی، بمشکل تمام انہوں نے اس کے لئے موقع نکالا تھا اور شہاب جب ان کے آفس میں داخل ہوا تو اس کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

"مجھے یقین ہے کہ تم مجھ پر کم از کم اتنا اعتبار ضرور کرو گے کہ مجھے حقیقت بتادو۔"

"سر آپ میرے لئے بہت بڑی حیثیت کے حامل ہیں۔"

"یہ رمضان خان کہاں سے آگیا۔"

"سر وہ میری تحویل میں تھا۔"

"مگر وہ تو ملک سے باہر چلایا تھا۔"

"وہ نہیں گیا تھا سر۔"

"میرے علم میں یہی بات ہے۔"

"بالکل صحیح آپ کے علم میں یہ بات ہے...... ڈاکٹر حیات اور دوسرے افراد نے اسے ملک سے باہر نکال دیا تھا، لیکن میں نے اس کی جگہ ایک اور شخص کو میک اپ کر کے بھیج دیا تھا اور اسے اپنی قید میں رکھا تھا تاکہ ضرورت پڑنے پر وہ میرے کام آسکے۔"

ڈی آئی جی صاحب نا سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھنے لگے اور بات جب ان کی سمجھ میں آئی تو ان کا چہرہ سرخ ہو گیا، پھر انہوں نے کہا۔

"تمہارے علم میں ہے کہ رمضان خان نے ڈاکٹر حیات کے کلینک میں داخل ہو کر

قتل کر دیا۔"

"جی سر اور اب وہ پولیس کی تحویل میں ہے۔"

"مم مگر کیسے...... تم کہہ رہے ہو کہ وہ تمہاری تحویل میں تھا۔"

"اس کا برین واش کیا گیا ہے سر...... اب ڈاکٹر حیات جیسے جرائم پیشہ لوگ میرے وطن ز کے مخلص لوگوں کو دھمکیاں دینے لگیں اور انہیں ان کی مرضی کے خلاف کام کرنے پر ور کریں تو کم از کم میں ایسے لوگوں کی زندگی برداشت نہیں کر سکتا...... ڈاکٹر حیات نے ال شاہ کا سہارا لے کر آپ کی جو توہین کی سر وہ میرے لئے ناقابل برداشت تھی...... میں نے کچھ نہیں کیا، جمال شاہ صاحب یہ الزام کسی پر نہیں لگا سکتے۔"

رمضان خان نے اپنے جذبوں کے تحت اسے قتل کیا ہے اور قتل کا اعتراف بھی رے گا وہ، اس کے فرشتے بھی یہ بات کسی کو نہیں بتا سکیں گے کہ وہ کس کی قید میں تھا...... لہ اس کا تو وہ تذکرہ ہی نہیں کرے گا، آپ اطمینان رکھیں۔"

"مگر کیسے...... کیوں۔" "کچھ نہ کچھ تو بتائے گا وہ؟"

"نہیں بتائے گا جناب...... اسے آپ میری ذمہ داری پر چھوڑ دیجئے۔"

"شہاب کیسے ہو گا آخر، یہ کیسے ہو گا، تم کرو گے کیا آخر۔"

"نہیں سر...... آج تک آپ کو میرے سلسلے میں کہیں کوئی جواب دہی کرنی پڑی ہے...... انشاء اللہ اب بھی نہیں کرنی پڑے گی، یوں سمجھ لیجئے ہم ان تمام معاملات سے بری الذمہ ہیں اور ہم پر کوئی کارروائی لاگو نہیں ہوتی۔"

نادر حیات صاحب گردن جھٹکنے لگے تھے، پھر انہوں نے کہا۔

"خدا تمہیں نظر بد سے بچائے۔ شہاب اتنی ہنگامہ آرائی نہ کرو کہ تمہارے دشمن تمہارے خلاف زندگی اور موت کا محاذ بنالیں۔" جواب میں شہاب کے ہونٹوں پر ایک تلخ راہٹ پھیل گئی۔

"سر، یہ تو میرا آبائی پیشہ ہے...... آپ کو یقینی طور پر اس بات کا علم ہو گا کہ ثاقب علی صاحب سچ کے راستوں کے شہید ہوئے، سر یہ سچ تو میرے خون میں شامل ہے، ابھی تو وہ یہ ہے...... سر آپ دیکھئے ایک ایک کر کے یہ لوگ اسی طرح ختم ہو جائیں گے اور کوئی بول کر بھی ہمارے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکے گا۔"

نادر حیات صاحب کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی، پھرانہوں نے کہا۔

”بڑی وحشت خیزی تھی اس کے انداز میں لوگوں نے تفصیلات بتائی ہیں، مگر ایسی بھیانک تفصیلات سن کر بدن میں جھرجھری آجاتی ہے۔“

”رمضان خان کی بات کر رہے ہیں سر۔“

”ہاں۔“

”انسان کا ضمیر جب جاگتا ہے تو وہ اپنے قابو میں نہیں رہتا...... رمضان خان کے ساتھ بھی یہی ہوا ہے سر اور یہ کوئی ایسا مشینی عمل نہیں تھا جس کے تحت اس نے یہ سب کچھ کیا ہے، وہ سوچنے سمجھنے کے بعد ان تمام باتوں پر آمادہ ہوا تھا۔“

پھر رات گئے، جمال شاہ صاحب کا فون ڈی آئی جی صاحب کو موصول ہوا تھا۔

”تو ڈاکٹر حیات قتل ہو گیا۔“

”جی سر...... میں آپ کو اس بارے میں اطلاع دینے ہی والا تھا۔“

”حالانکہ ڈی آئی جی صاحب، میں نے آپ سے اس کے بارے میں کہا تھا۔“

”سر آپ کے حکم کی ذرہ برابر خلاف ورزی نہیں ہوئی لیکن کیا کیا جاتا اس بات کو کہ ڈاکٹر حیات صاحب نے سیکورٹی قبول نہیں اور نہ ہی صحیح بیانات دیئے...... رمضان خان کے بارے میں وہ اگر یہ بات ہمیں بتا دیتے کہ رمضان خان یہاں موجود ہے تو ہم پہلے رمضان خان کو اپنے جال میں پھانستے۔“

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ شہاب ثاقب کو میں نے اس سلسلے میں مکمل طور سے وارننگ دے دی تھی اور کہا تھا کہ ڈاکٹر حیات کا کیس اپنے ذہن سے خارج کر دے اور اس سلسلے میں کچھ بھی نہ کرے...... بہر حال میرے احکامات تھے، وہ ٹال تو نہیں سکتا تھا اس کے بعد میں نے ڈاکٹر حیات صاحب سے رابطہ بھی قائم کیا تھا اور کہا تھا کہ اب جب کہ مجھے اوپر سے ہدایت مل چکی ہیں تو یہ میری ذمہ داری ہے کہ میں ان کا تحفظ کروں اور اس کے لئے میں کچھ لوگوں کو ان پر متعین کرنا چاہتا ہوں...... ڈاکٹر حیات صاحب نے بڑی دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ ”میں صرف اس منہ زور گھوڑے کو روکوں، جس کا نام شہاب ثاقب ہے...... باقی کسی کی ڈاکٹر حیات کو پروا نہیں ہے...... سر مسئلہ تو وہی ہوا نا کہ انہوں نے ہمیں اعتماد میں لینا پسند نہیں

کیا، ورنہ اگر رمضان خان۔“

”رمضان خان نے بیان دے دیا ہے۔“

”ابھی نہیں سر...... لیکن اگر آپ پسند کریں تو۔“

”ہاں...... یہ انتظامات کرو کہ رمضان خان میرے سامنے بیانات دے اور جمال شاہ صاحب کا حکم تھا بھلا کس کی مجال تھی کہ انکار کرتا۔ وہ پولیس ہیڈ کوارٹر میں بالکل عام انداز میں پہنچے تھے۔ پروٹوکول کے بغیر اور ان کا وہاں نہایت خاموشی سے استقبال کیا تھا، ڈی آئی جی صاحب خود اس میں پیش پیش تھے اور جمال شاہ کے سامنے رمضان خان کا بیان لیا گیا تو رمضان خان اپنے مخصوص انداز میں بولا۔“

”خود سوچو افسر صاحب ٹھیکیداری کرتے تھے اور یہ جو ڈاکٹر تھا نا اس کا کوئی احسان نہیں تھا ہم پر، کوئی ہم نے اس سے لیا دیا نہیں تھا ارے بابا مریض کی حیثیت سے پہنچتے تھے اس کے ہسپتال میں اور اس کے بعد سے یاری دوستی ہو گئی تھی، لینے میں نہ دینے میں شیطان کی طرح بہکا دیا کمبخت نے ہمیں...... چوبیس بندے مارے گئے ہمارے ہاتھوں سے چوبیس...... ارے کہاں تک ہم اپنی اس چھاتی کو دھوکا دیتے...... کہاں تک اپنے آپ سے یہ کہتے کہ کوئی بات نہیں ہے رمضان خان...... کمبخت نے سب سے دور کر دیا تھا، ملک سے باہر بھگایا...... پتا نہیں کون اللہ کا بندہ تھا...... جس نے ہمیں روک دیا اور اس کے بعد بھلا اس کے سوا اور کیا چارہ کار تھا کہ ہم اسے ہی ختم کر دیتے...... چوبیس آدمیوں کے قاتل ہیں ہم اب پچیس کے ہو گئے بس...... مرضی مالک کی، کیا کر سکتے ہیں۔“

”تم نے ابھی ایک جملہ کہا تھا کہ کسی اللہ کے بندے نے روک دیا۔“

”دیکھو بھائی جتنا کہہ دیا تو تھوڑے کہے کو بہت جانو اور ہم سے بک بک بند کرو...... ارے تم ہو...... یہ ہے اور یہ سارے ہیں ان میں سے کون ہماری زندگی بچا سکتا ہے...... پچیس آدمیوں کے قاتل کو موت کی سزا ہی ملے گی نا...... پھر ہم کیوں تمہاری غلامی کریں...... تمہارے باپ کے نوکر تو نہیں ہیں بس جتنا بتانا تھا تمہیں بتا دیا...... جو کام ہم نے کیا ہے اس کا اعتراف کر لیا، بولو کیا ہماری مرضی...... بس فالتو باتیں نہیں کرنا ہم سے ہاں...... اب ہم ایک لفظ نہیں بولیں گے۔“ اور پھر واقعی رمضان خان نے اپنے منہ سے مزید کوئی لفظ ادا نہیں کیا تھا۔

راحیل رضا خود مرزا اعظم بیگ کی کوٹھی پہنچ گیا تھا، ان لوگوں نے کبھی منظر عام پر آکر ایک دوسرے سے ملاقات نہیں کی تھی...... ویسے شہر کے بڑے لوگوں کی حیثیت سے مختلف تقاریب میں ان کی آپس میں ملاقاتیں ہو جایا کرتی تھیں، لیکن وہاں صرف وہ صرف شناساؤں کی طرح ایک دوسرے سے ملتے تھے، کبھی انہوں نے کسی پبلک مقام پر یہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ ان کے آپس میں کچھ تعلقات ہیں...... بس رسمی سی سلام دعا، جو ایک سطح کے لوگوں میں ہو جاتی ہے، کسی کے کسی سے گھریلو تعلقات نہیں تھے...... ہاں خفیہ طور پر وہ ایک دوسرے سے ملاقاتیں کرتے تھے اور اس وقت گہری دوستی کا اظہار ہوتا تھا لیکن راحیل رضا اس وقت بے دھڑک اپنی کار میں مرزا اعظم بیگ کی کوٹھی میں داخل ہو گیا تھا اور مرزا اعظم بیگ اسے دیکھ کر بری طرح چونک پڑا تھا...... بچے گھر میں نہیں تھے...... سب اپنی اپنی ذمہ داریوں میں مصروف تھے...... صدف بھی کسی کام سے باہر گئی ہوئی تھی...... راحیل رضا کو کار سے اترتے دیکھ کر اعظم بیگ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، بہر حال اس نے آگے بڑھ کر راحیل رضا کا استقبال کیا تھا۔

"مصروفیت تو نہیں ہے۔" راحیل رضا نے کہا۔

"مم مگر تم اس طرح یہاں۔"

"یار بس یہ طے کر لیا گیا ہے کہ ایک دوسرے سے رابطے کے سارے سلسلے ختم کر دیئے جائیں، تمہارے علم میں کوئی بات آئی۔"

"کیا؟" مرزا اعظم بیگ نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"چلو تو سہی...... یہاں کھلے عام۔"

"ہاں آؤ...... مجھے تو حیرت ہے کہ تم اس طرح آ گئے۔" مرزا اعظم بیگ اسے اپنے ساتھ لے کر کوٹھی کے ایک ایسے حصے میں پہنچ گیا، جہاں کسی اور کو آنے کی اجازت نہیں تھی، پھر اس نے راحیل رضا کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بولا۔

"کوئی منحوس ہی خبر سنانا چاہتے ہو شاید۔"

"نحوست تو اب ہم لوگوں کی تقدیر کا ایک حصہ بن گئی ہے۔"

"ہوا کیا یار جلدی بتاؤ...... میرا بلڈ پریشر ہائی ہو رہا ہے۔"

"ڈاکٹر حیات قتل کر دیا گیا۔" راحیل رضا نے کہا اور مرزا اعظم بیگ پر جیسے سکتہ سا

طاری ہو گیا...... اس کے منہ سے دیر تک کوئی لفظ نہیں نکل سکا تھا، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے راحیل رضا کو دیکھتا رہا تو راحیل رضا نے کہا۔

"ہوش و حواس قابو میں رکھو گے، مرزا اعظم بیگ ہم لوگ جس سنگین صورت حال سے دوچار ہیں اس میں ہمارے ہوش و حواس ہی ہمارے معاونت کر سکتے ہیں، ورنہ سمجھ لو کہ بے موت مارے جائیں گے۔"

راحیل رضا کے الفاظ پر مرزا اعظم بیگ عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"مم مگر کیسے...... کس نے قتل کیا؟"

"رمضان خان نے۔" راحیل رضا نے جواب دیا۔

"کون رمضان خان۔"

"جیل کا ٹھیکیدار۔"

"کیا کہہ رہے ہو یار، اسے تو ڈاکٹر حیات نے ملک سے باہر بھگا دیا تھا۔"

"وہ کب واپس آیا اس نے کب ایسا کیا...... کچھ نہیں معلوم...... ڈاکٹر حیات کی لاش اس وقت پولیس ہسپتال میں ہے، ابھی اسے اس کے ورثاء کے حوالے نہیں کیا گیا ہے۔"

"تمہیں یقین ہے۔"

"کمال کرتے ہو...... یقین نہ ہوتا تو میں اتنی خوفناک خبر تمہیں دیتا اور اس کے باوجود اگر یقین کرنے یا نہ کرنے کی بات ہے تو خود باہر نکل کر اندازہ لگا لو۔"

"نہیں میرا مطلب یہ نہیں ہے...... ظاہر ہے تم تحقیق کے بعد ہی مجھے اس بارے میں بتا رہے ہو گے۔"

"میں سخت پریشان ہوں اعظم بیگ، یہ سب کچھ معمولی نوعیت کا حامل نہیں ہے، اس کے پس پردہ بہت ہی اہم معاملات ہیں۔"

"مثلاً"

"اب ظاہر ہے اتنا کچھ معلوم ہوتا تو میں اس سلسلے میں تم سے رجوع کرتا۔"

"مگر بھائی اب ہو گا کیا؟" مرزا اعظم بیگ نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"لگتا تو یوں ہے جیسے سنڈیکیٹ خود ہی ہمیں ختم کرنے پر تل رہی ہے...... سنڈیکیٹ کے وہ تینوں نمائندے بھی ہلاک ہو گئے اور اس کے بعد مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے رمضان خان

کو کہیں نہ کہیں سے تلاش کر کے سنڈیکیٹ نے یہاں بھجوایا اور ڈاکٹر حیات کو قتل کرا دیا ہو سکتا ہے کچھ دوسرے ذرائع سے ہمیں بھی ہلاک کرنے کی کوشش کی جائے۔"

مرزا اعظم بیگ کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل سکی تھی۔

"سن رہے ہو نہ۔" راحیل رضا نے کہا۔

"ہاں میں سن رہا ہوں۔"

"میں جا رہا ہوں...... بہتر یہ ہے کہ تم بھی حفاظتی انتظام رکھو...... ہم سنگین ترین صورت حال سے دوچار ہیں، او۔ کے" راحیل رضا چلا گیا لیکن مرزا اعظم بیگ بہت دیر تک اس طرح پتھرایا ہوا بیٹھا رہا تھا، وہ شدید ذہنی انتشار کا شکار نظر آ رہا تھا، چہرہ بری طرح سرخ تھا اور بدن پر ایک تھرتھری سی طاری تھی، اس وقت مرزا اطہر بیگ اندر داخل ہوا۔ باپ کی یہ کیفیت دیکھی تو چونک پڑا...... دوڑتا ہوا اس کے قریب آیا اور مرزا اعظم بیگ کو دیکھتا ہوا بولا۔"

"ارے ڈیڈی کیا بات ہے، خیریت کیا ہو گیا آپ کو۔ ڈیڈی کیا بات ہے۔"

مرزا اعظم بیگ نے اپنے آپ کو سنبھالا اور خوف سے کپکپاتی آواز میں بولا۔

"کچھ نہیں اطہر، بس بیٹھے بیٹھے طبیعت خراب ہو گئی ہے۔" اطہر بیگ چیخنے چلانے لگا...... تمام گھر کے لوگ جمع ہو گئے تھے، فوری طور پر ڈاکٹر کو فون کیا گیا اور سب لوگ مرزا اعظم بیگ کی دیکھ بھال مین مصروف ہو گئے۔

دونوں بڑے بیٹوں کو صورت حال کا بالکل علم نہیں تھا، وہ بس یہی سمجھے تھے کہ باپ کی طبیعت بیٹھے بیٹھے بگڑ گئی ہے...... فیملی ڈاکٹر آیا، دیکھ بھال کی اور تشویش کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔

"کسی صدمے یا ٹینشن کا اثر ہے، خوف یا کسی قسم کی گھبراہٹ کے احساس نے یہ کیفیت پیدا کر دی ہے...... میں دوائیں دے رہا ہوں آپ انہیں مسلسل آرام کرنے دیں، طبیعت بہت بہتر ہو جائے گی۔"

پھر مرزا اعظم بیگ کو خواب آور دوائیں دے کر سلا دیا گیا لیکن صدف اور طاہر تشویش کا شکار تھے، انہیں صورت حال کا اندازہ تھا اور ان کے ذہن میں یہ بات موجود تھی کہ کوئی گڑبڑ ہے...... رات کو ساڑھے بارہ بجے دونوں خاموشی سے مرزا اعظم بیگ کے کمرے

داخل ہو گئے۔

مرزا اعظم بیگ اس وقت پرسکون تھا...... اپنی جگہ سے اُٹھ کر کرسی پر بیٹھا ہوا سوچ ڈوبا ہوا تھا، ان دونوں کو دیکھ کر اُچھل پڑا...... پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"جاگ رہے ہو تم دونوں۔"

"ہاں ڈیڈی۔" طاہر بیگ نے کہا۔

"میری وجہ سے پریشان ہو گے۔"

"جی ڈیڈی۔" صدف بولی۔

"بھئی تم لوگوں نے کچھ ضرورت سے زیادہ میری فکر شروع نہیں کر دی ہے۔"

"جی ہاں ڈیڈی کر دی ہے۔"

"بھئی ایسا نہ کرو...... میں تم سے تعاون کر تو رہا ہوں ہر طرح کا۔"

"ڈیڈی کیا بات ہوئی تھی، کس بات نے آپ کو اس قدر ہراساں کر دیا تھا؟" صدف باپ کی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ پھر بری طرح چونک پڑی۔

"ارے آپ کو تو شدید بخار ہے۔"

"خوف سے بخار آ گیا ہے بیٹے...... مجھے احساس ہے دروازہ بند کر دو۔"

طاہر بیگ نے دوڑ کر دروازہ بند کر دیا تھا...... "ہمیں احساس ہو گیا تھا ڈیڈی، لیکن ظاہر ہے ہم دونوں کسی کے سامنے آپ سے کوئی سوال نہیں کر سکتے تھے، کیا خوف آپ کے دل میں جاگزین ہو گیا ہے۔"

"بیٹے ڈاکٹر حیات کو قتل کر دیا گیا ہے۔"

"کیا ڈیڈی...... انکل حیات کو!"

"ہاں۔"

"مگر...... کک...... کب...... کک کس نے۔" صدف حیرت سے بولی۔

"گناہ تو ہم سب کا مشترک ہے اور مشترک نہیں بھی ہے، بس یہ سمجھ لو کہ ایک خوفناک کیفیت تھی، میں تمہیں بتاتے ہوئے بھی شرمندہ ہوتا ہوں بس یوں سمجھ لو بیٹے۔ پانچ افراد شدید عتاب کا شکار ہیں...... رمضان خان نامی ایک شخص جس نے جیل میں انسان کو زہریلی خوراک دی تھی اور جسے ملک سے باہر بھگا دیا گیا تھا واپس آیا اور اس نے

ڈاکٹر حیات کو قتل کر دیا۔"

"اوہ مگر ڈیڈی کیا اس نے پولیس ڈیپارٹمنٹ میں بیان دے دیا، آپ پانچوں کے خلاف۔"

"نہیں جاہل سا آدمی ہے، ٹھیکیدار ہے، ہم پانچوں کو نہیں جانتا، کیونکہ یہ کام اسے ڈاکٹر حیات نے دیا تھا۔"

"اور وہ گرفتار ہو گیا۔"

"ہاں اس نے خود کو پولیس کے حوالے کر دیا ہے۔"

"کیا اس نے کوئی ایسا ہی بیان دیا ہے۔"

"بتا دیا ہے اس نے کہ جیل کے قیدیوں کو اس نے زہر دیا تھا...... ڈاکٹر حیات کے کہنے پر...... ظاہر ہے اس سے زیادہ وہ خود بھی نہیں جانتا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ باہر سے واپس کیسے آیا۔"

"وہ جیسے بھی آیا ڈیڈی آپ کو اس سلسلے میں کیا پریشانی ہے۔"

"ہے نا بیٹے پریشانی ہے۔"

"کیا ڈیڈی؟"

"بھئی اب میں تمہیں کیا بتاؤں، بعض پریشانیوں کے لئے الفاظ نہیں ہوتے، کوئی نام نہیں ہوتا بس انسان پریشان ہو جاتا ہے۔"

"ڈیڈی آپ خود کو سنبھالیں گے نہیں۔"

"بیٹا اب مجھ سے یہ بات مت کہو، مجھے عجیب سا محسوس ہوتا ہے، گناہ میرا ہے پریشان تم لوگ ہو، اپنے گناہ کے لئے میں تم لوگوں کو اور پریشان نہیں کرنا چاہتا بے تکی اور فضول باتیں کروں یہ مجھے اپنے گناہوں کا شدید احساس ہے اور میں نے اپنے آپ کو تقدیر کے حوالے کر دیا ہے...... تقدیر میں اگر کوئی ایسی ہی بات لکھی ہوئی ہے تو بیٹے تو...... تو نہ تم اسے ٹال سکتے ہو اور نا ہی میری کوششیں کامیاب ہو سکتی ہیں...... پلیز مجھے دوہری مشکل کا شکار مت کرو اور اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میری وجہ سے تمہاری نیک نامی بھی مجروح ہوگی تو میں روپوش ہو جاتا ہوں۔"

"ڈیڈی ایسا نہ سوچیں آپ، ہمیں کچھ کر لینے دیں...... آپ کا سارا مسئلہ بالکل درست ہے...... ہم آپ کو اس سلسلے میں کوئی ایسی سرزنش کریں گے، وہ بات تو ختم ہو چکی ہے، میں

شہاب ثاقب سے ملتی ہوں، بینا بڑی اچھی خاتون ہیں...... بڑا اچھا رویہ اختیار کیا اور آپ دیکھ لیجئے ڈیڈی کہ آپ کے بارے میں مکمل انکشاف ہونے کے باوجود شہاب نے آپ پر نہیں ڈالا...... بینا کچھ نہ کچھ ضرور کریں گی آپ بالکل مطمئن رہیں...... سکون سے ...یں کوئی نہ کوئی حل نکل ہی آئے گا۔"

"ٹھیک ہے کوشش کرو بیٹا...... اصل میں ضمیر پر بھی بوجھ ہے نا اور یقین کرو اگر تم ...ں اس کا احساس نہ دلاتے تو شاید اپنے آپ کو ضمیر کی گرفت میں نہ لا سکتا میں، کیونکہ ...ساں ہی سب سے بڑا محاسب ہوتا ہے اس کے ہاتھوں فیصلے ہوتے ہیں اور اس فیصلے کے ...ے تم نے مجھے احساس کی عدالت میں لا کھڑا کیا ہے۔"

"ہم اس پر بالکل شرمندہ نہیں ہیں ڈیڈی، آپ کو احساس کی عدالت میں آنا ہی چاہئے ...ناں سے اور کچھ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو...... اتنا ضرور ہوا ہے کہ آپ کے ہاتھوں جن لوگوں کو ...قصان مزید پہنچنا تھا شاید وہ اس نقصان سے محفوظ رہیں...... ویسے ڈیڈی آپ کو یہ اطلاع ...ہاں سے ملی۔"

"انہی لوگوں میں سے ایک نے مجھے یہ اطلاع دی ہے...... راحیل رضا کا نام تمہارے علم ...ں ہے۔" صدف کے چہرے پر ایک طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی...... اس نے کہا۔

"اے کاش، ان لوگوں سے اب میں آپ کا رابطہ مستقل طور پر ختم کرا سکتی۔"

"اس حد تک آگے نہ بڑھنا صدف...... مجھے بے وقوف نہ سمجھو...... میں نے اپنے ...پ کو تمہاری خواہش پر تمہاری تحویل میں دے دیا ہے لیکن اتنے سنگین حالات ہیں کیسے ...ناک لوگوں سے واسطہ ہے تم تصور بھی نہ کر پاؤ گی، یہ انٹرنیشنل گروہ ہے بچوں کی سی کوئی ...ت نہ کر بیٹھنا...... ساری باتیں اپنی جگہ میں اس کے لئے تمہیں سختی سے ممانعت کرتا ...... تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ یہ بھیانک لوگ ہمارے ساتھ کیا سلوک کر سکتے ہیں۔"

"نہیں ڈیڈی آپ اطمینان رکھئے اور ایسے کسی خوف کا شکار نہ ہوں...... میں کوئی احمقانہ ...نہیں کروں گی آپ مطمئن رہیں۔"

"ہاں جیسا تم کہہ رہی ہو نا کہ ان لوگوں سے میرا پیچھا چھڑا سکتیں تو میں نے سوچا کہ ...م تم کسی سے کوئی گفتگو کرنے نہ بیٹھ جاؤ، کسی کو برا بھلا کہنا نہ شروع کر دو۔" صدف نے ...نا ہلائی اور کہا۔

"آپ اطمینان رکھئے میں ایسا نہیں کروں گی، لیکن بہر حال آپ کو اس وقت تک حوصلہ نہیں ختم کرنا چاہئے جب تک ہم اپنی ناکامی کا اظہار نہ کر دیں۔"

"خیر انسان ہوں...... خوف تو انسانی فطرت کا ایک حصہ ہوتا ہے، خوفزدہ ہو گیا تھا۔"

"جانتی ہوں ڈیڈی...... آہ کاش آپ ان کیفیات کا شکار نہ ہوتے۔"

"تمہاری گفتگو سے مجھے اُلجھن ہو رہی ہے، صدف بہتر یہ ہو گا کہ اب اس موضوع کو ختم کر دو، مجھے نیند آ رہی ہے میں سونا چاہتا ہوں۔"

"اس وعدے کے ساتھ ڈیڈی کہ آپ اس وقت تک اپنے طور پر کوئی عمل نہیں کریں گے جب تک ہم۔"

"ہاں یہ عدہ تو میں تم سے کر چکا ہوں اس کے لئے مطمئن رہو۔" مرزا اعظم بیگ نے کہا وہ اس گفتگو سے اب کچھ بے زار سا نظر آنے لگا تھا...... نجانے کون سے احساس نے اسے ایک بے زاری کی سی کیفیت میں مبتلا کر دیا تھا۔

یہ لوگ وہاں سے نکل آئے، پھر دوسرے دن صبح صدف اور طاہر بیگ چل پڑے تھے...... باہر سے انہوں نے ان لوگوں سے رابطہ کیا اور بینا انہیں اسی مطلوبہ فون نمبر پر مل گئی یعنی اس فون نمبر پر جس پر پہلے اس سے ملاقات ہوئی تھی اور یہ فون نمبر شہاب کے گھر کا تھا...... صدف نے اس سے اپنا تعارف کرایا تو بینا بولی۔

"ہاں صدف، تعارف کرانے کی ضرورت نہیں ہے میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔"

"آپ سے ملنا چاہتی ہوں بینا باجی۔"

"وہ جگہ یاد ہے۔"

"کریم سوسائٹی کے علاقے کی۔"

"ہاں۔"

"جی یاد ہے۔"

"تو تھوڑی دیر کے بعد وہاں آ جاؤ۔"

"بینا باجی کیا میں اپنے ساتھ اپنے بھائی کو بھی لا سکتی ہوں، میرے چھوٹے بھائی ہیں طاہر بیگ، جن کے بارے میں، میں نے بتایا تھا کہ صرف ہم دونوں اس صورت حال سے آگاہ ہیں۔"

"ذرا ایک منٹ رُک جاؤ۔" بینا کی آواز سنائی دی اور دونوں انتظار کرنے لگے...... پھر

بینا کی آواز اُبھری۔

"ٹھیک ہے لے آؤ...... میں نے شہاب صاحب سے معلومات حاصل کر لی ہیں۔"

"بینا باجی شہاب بھائی سے ہماری ملاقات ہو سکتی ہے۔"

"شاید۔" بینا نے کہا اور اس کے بعد سلسلہ منقطع کر دیا۔

دونوں بہن بھائی کریم سوسائٹی کی کوٹھی پہنچ گئے تھے، بہر حال بینا اور شہاب اب اس قدر محتاط بھی نہیں تھے کہ ہر ایک سے ڈرے اور سہمے رہیں...... کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں دونوں نے ان دونوں بہن بھائیوں کا استقبال کیا تھا...... صدف شہاب کو دیکھتی رہی پھر سر جھکا کر روتی ہوئی بولی۔

"کوئی نہیں ہوں میں آپ کی...... ایک مطلبی لڑکی ہوں لیکن کچھ بھی ہو شہاب بھائی اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھ دیجئے...... آپ کی اور بھی بہنیں ہوں گی، اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھئے لیکن خدارا یہ نہ سوچئے گا کہ آپ کو بے وقوف بنا رہی ہوں لیکن جب انسان بے بسی کی آخری حدوں کو پہنچ جاتا ہے تو اس کا دل ہر اس ہمدرد کو تلاش کرتا ہے جو اس کے سر پر ہاتھ رکھ دے...... شہاب بھائی آپ کا ہاتھ میرے لئے بہت بڑی حیثیت کا حامل ہے۔" صدف اس طرح بلک بلک کر روئی کہ شہاب بھی بے حد متاثر ہو گیا، اس نے صدف کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں صدف پلیز...... خود کو سنبھالو...... پلیز صدف خود کو سنبھالو۔"

"محبتیں سب ایک دوسرے سے کرتے ہیں...... شہاب بھائی آپ کو بھی یقیناً اپنوں سے محبت ہو گی، میرے ڈیڈی نے بہت برائیاں کی ہیں، بہت گھناؤنے جرائم کئے ہیں، انہوں نے لیکن کیا کروں بد قسمتی سے میرے باپ ہیں...... بہت محبت کرتی ہوں میں ان سے...... شہاب بھائی مجھے ڈیڈی خود سے جدا ہوتے نظر آ رہے ہیں...... برداشت نہیں کر پا رہی میں اس احساس کو...... شہاب بھائی کوئی ایسی ترکیب کر دیجئے کہ ڈیڈی مجھ سے جدا نہ ہوں...... کوئی ایسی ترکیب کر دیجئے شہاب بھائی۔" صدف اس طرح بے اختیار رو رہی تھی کہ اس کی کیفیت دیکھ کر کلیجہ پھٹا جا رہا تھا، خود طاہر بیگ بھی اپنے آپ کو نہیں سنبھال سکا تھا، بہن کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا وہ خود بھی آبدیدہ ہو گیا تھا اور شہاب کی پیشانی کی رگیں تن گئی تھیں...... کیا کیا جائے اس سلسلے میں کیا کیا جائے...... صورت حال کافی حد تک سامنے آ گئی

تھی، مرزا اعظم بیگ اپنے گناہوں سے تائب تھا لیکن یہ سب کچھ تو بعد از وقت تھا...... جتنے جرائم کر چکا تھا اس سلسلے میں اس کے ساتھ قانونی طور پر کوئی رعایت ممکن نہیں ہو سکتی تھی۔"

شہاب بہت دیر تک سوچوں میں ڈوبا رہا تھا بینا صدف کو تسلیاں دیتی رہی تھی...... آخر کار شہاب نے شاید اپنے ذہن میں کوئی فیصلہ بھی کر لیا...... بات وہی تھی لیکن اس نے اس وقت اس بات کا اظہار کسی پر نہیں کیا، صدف کو بمشکل تمام سنبھالا گیا تھا، اب شہاب براہ راست ان سے مخاطب تھا اس نے کہا۔

"اور کوئی خاص بات ہوئی ہے کیا۔"

"آپ کو ضرور علم ہوگا...... ڈاکٹر حیات کو قتل کر دیا گیا ہے...... رمضان خان نامی شخص نے اسے قتل کیا ہے اور اس گروپ کے ایک رکن راحیل رضا نے ڈیڈی کو اس بارے میں اطلاع دی ہے، اس وقت سے ڈیڈی کی حالت بے حد خراب ہے، وہ بری طرح نروس ہیں اور انہیں شدت سے بخار چڑھا ہوا ہے...... بات بڑی مضحکہ خیز ہے لیکن...... لیکن میں نے بھی ان سے کہا ہے کہ میں کچھ نہ کچھ کروں گی ان کے لئے اور وہ اس سلسلے میں مجھ پر بھروسا کریں بس اس کے بعد میں آپ کے پاس آ گئی ہوں۔"

"وہ خوفزدہ ہیں اس بات سے۔"

"ہاں بہت زیادہ۔"

"صدف تم فی الحال ان سے اتنا کہہ سکتی ہو کہ وہ اپنی سرگرمیاں بدستور جاری رکھیں اور تمہارے ذریعے ان سرگرمیوں کی اطلاع مجھے حاصل ہو، بلکہ سنو آج رات کو بارہ بجے کے بعد میں تمہاری کوٹھی پر آؤں گا لیکن میری آمد کی اطلاع کسی اور کو نہیں ہونی چاہئے...... مرزا اعظم بیگ سے مجھے کچھ گفتگو کرنی ہے انہیں ذہنی طور پر اس بات کے لئے تیار رکھنا۔"

صدف کا چہرہ پھول کی طرح کھل اٹھا...... اس نے کہا۔

"ایسا ہی ہوگا شہاب بھائی ایسا ہی ہوگا بھائی جان...... اگر آپ ان سے مل لیں گے تو انہیں اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ...... کہ کچھ ہو رہا ہے...... کچھ ہو رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے صدف...... میں ان سے ملاقات کر لوں گا۔" شہاب نے کہا...... صدف نے شہاب کے پاؤں پکڑنے کی کوشش کی تو وہ بولا۔"

"نہیں صدف یقین کرو...... بہنیں بھائیوں کے پاؤں نہیں پکڑتیں...... آہ کاش مرزا اعظم بیگ اس جرم میں ملوث نہ ہوتے اور مجھے اس مشکل کا شکار نہ ہونا پڑتا لیکن ٹھیک ہے...... اللہ مالک ہے دیکھتے ہیں۔"

پھر بینا نے ان لوگوں کو چائے وغیرہ پلوائی اور اس کے بعد صدف اور طاہر بیگ وہاں سے رخصت ہو گئے تھے، لیکن وہ اپنے دل میں ایک عجیب سی مسرت محسوس کر رہے تھے۔

بینا نے شہاب کے چہرے پر تفکر کے آثار دیکھے چند لمحات سوچتی رہی۔ پھر مسکرا کر بولی۔

"ایسا ہوتا ہے شہاب ایسا ہوتا ہے...... بعض اوقات نادان کی دوستی جی کا جنجال بن جاتی ہے۔"

شہاب نے چونک کر بینا کو دیکھا پھر بولا۔ "کیا مطلب میں سمجھا نہیں۔"

"اب دیکھو ناوہ سیاں ہوئے کوتوال والی بات یہاں کس طرح صادق آتی ہے...... یعنی یہ کہ سیاں کوتوال ہیں اور بیگم صاحبہ مجرموں کے لئے رعایت حاصل کرتی پھر رہی ہیں۔"

شہاب پھیکے سے انداز میں مسکرا دیا پھر بولا۔

"نہیں بینا یہ بات نہیں ہے...... درحقیقت کبھی کبھی جب انسان کے بارے میں یہ بات نظر انداز کر کے سوچا جاتا ہے کہ وہ صرف ایک مجرم ہی نہیں انسان بھی ہے تو پھر اس کے ساتھ اتنا وحشیانہ سلوک کرنے کو دل نہیں چاہتا بلکہ وہ خود بخود رعایت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ پھر ان عوامل پر غور کرنا پڑتا ہے جن کے تحت وہ جرم کی دنیا میں آیا، حالانکہ مرزا اعظم بیگ کا مسئلہ یہ نہیں ہے اس کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا کہ وہ منشیات کی سمگلنگ میں کیسے ملوث ہوا، لیکن بہرحال کوئی نہ کوئی مسئلہ تو ضرور ہوا ہوگا، کوئی بھی ایسی بات جس کی وجہ سے وہ اس طرف راغب ہوا ہو اور چلو اس کا معاملہ بھی چھوڑ دو، تو اب یہ دونوں بچے...... بینا محبتوں کے اس قدرتی انداز کو نہ کسی سے چھینا جا سکتا ہے اور نہ کوئی صاحب دل اسے نظر انداز کر سکتا ہے...... بلک رہے ہیں وہ دونوں باپ کی زندگی کے لئے اور بینا بہرحال انسان تو انسان ہی ہوتا ہے...... پھر میرا نظریہ...... اگر میں نے شہنشاہ کو جنم دیا ہے اور شہنشاہ وہ ہے جو قانون پر ناجائز اجارہ داری ختم کرنے پر تلا ہوا ہے تو کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قانون کی بے بسی انسانیت کی بے بسی سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے...... یہاں کم از کم شہنشاہ کی اپنی شخصیت داغدار

نہیں ہوتی...... میں قانون کے تحفظ کے لئے شہنشاہ سے غیر قانونی عمل کراتا ہوں، انسانیت کے تحفظ کے لئے بھی کبھی کبھی شہنشاہ کو غیر قانونی ہو جانا پڑتا ہے اور اس وقت یہی کیفیت ہے...... میں اپنے آپ کو مجبور محسوس کر رہا ہوں...... دو بچوں کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں کی وجہ سے دیکھتا ہوں بینا کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔"

بینا خاموشی سے شہاب کی صورت دیکھ رہی تھی، پھر وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر گردن جھٹکتی ہوئی بولی۔

"کیا ہے شہاب یہ سب کچھ...... لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں...... ایک ایسا فلسفہ ہے الجھا ہوا کہ کسی طور سمجھ میں نہ آئے۔"

پھر اس کے بعد شہاب اور بینا کریم سوسائٹی کی کوٹھی سے نکل آئے تھے...... شہاب نے بینا کو گھر پر چھوڑ دیا تھا اور خود چل پڑا تھا...... بہت سے کام تھے، بات آگے بڑھ رہی تھی، آفس پہنچا تو نادر حیات صاحب نے اسے فوراً ہی طلب کر لیا...... شہاب صحیح طور پر بیٹھا بھی نہیں تھا...... نادر حیات صاحب نے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"سوری شہاب! لیکن بہر حال تم جو کچھ کر رہے ہو میں اب اس سے غیر متفق نہیں ہوں...... یہ بات برسوں میرے ذہن میں چبھتی رہے گی کہ رمضان خان کا یہ قدم کس بنیاد پر تھا اور اس کا پس منظر کیا تھا۔"

شہاب مسکرانے لگا...... پھر اس نے کہا۔ "میری جرات نہیں ہے جناب کہ آپ کے کسی حکم سے انحراف کروں لیکن کچھ چیزوں کو انسانی کمزوریوں کے نام سے منسوب کر کے معافی کی گنجائش رکھیے گا۔"

"کچھ اور صورت حال علم میں آئی...... معاملہ صرف ایک شخص کا ہی تو نہیں ہے، ذرا ایک بار پھر مجھے ان لوگوں کے بارے میں تفصیل بتاؤ۔"

"حالانکہ میں جانتا ہوں کہ آپ ان میں سے ایک ایک شخص کو اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں، لیکن میرا یہ خیال ہے کہ اس طرح آپ میرا نظریہ جاننا چاہتے ہیں۔"

ڈی آئی جی نادر حیات گردن ہلانے لگے پھر بولے۔

"بالکل ٹھیک سمجھا ہے تم نے، ویسے کیا اس بات کا کوئی اندازہ ہو سکا کہ میرے اوپر یہ حملہ کس نے کرایا تھا، کیا فوری طور پر ڈاکٹر حیات کو اس سلسلے میں سزا ملی ہے؟"

"تحقیقات کر کے مزید تفصیل بتا دوں گا ویسے تھوڑی بہت تفصیلات جو میرے علم میں آئی تھیں میں نے آپ کو ان سے روشناس کروایا تھا، اس سلسلے میں ذمے داری شیخ سلطان کے سپرد کی گئی تھی یا یہ کہا جائے کہ اس نے قبول کی تھی۔"

"ہاں وہ تفصیل مفصل طور پر تم نے مجھے بتائی تھی، لیکن اب میں کیا کروں تم مجھے ساری باتیں بہت ہی مختصر بتاتے ہو۔"

"آپ یقین کیجئے جناب، یہ ساری باتیں مختصراً ہی میرے علم میں آتی ہیں۔" شہاب نے کہا، ڈی آئی جی نادر حیات صاحب بہت دیر تک اس سے اس موضوع پر بات کرتے رہے اور پھر شہاب ان سے رخصت ہو کر آ گیا۔

اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ بہر حال نادر حیات صاحب بھی اس سلسلے میں اپنے طور پر مکمل دلچسپی لے رہے ہیں، ویسے نادر حیات صاحب اپنے اوپر ہونے والے حملے سے بالکل متاثر نہیں تھے، ان کی زندگی میں نجانے کتنے حملے ان پر ہو چکے ہوں گے لیکن یہ مسئلہ کچھ زیادہ ہی طوالت اختیار کر گیا تھا۔

پھر شہاب کو مزید رپورٹیں موصول ہوئیں اور اس سلسلے میں شہنشاہ کی حیثیت سے اس نے فراز اور انجم کی رپورٹ موصول کی۔

"سر! ہم لوگ اس چرچ کے بارے میں معلومات حاصل کر چکے ہیں جو پادری اس عمارت میں رہتا ہے میرا مطلب ہے ٹیمپل سٹریٹ کی کوٹھی میں وہ اسی چرچ میں سروس کر رہا ہے، باہر سے آیا ہے اور ان لوگوں کے لئے بڑی متبرک حیثیت کا حامل ہے، اس کا نام فادر رونالڈ ڈکسن ہے اور سر اس کے بارے میں مقامی لوگ بڑی اچھی رائے رکھتے ہیں، لیکن جو تفصیل وہاں سے حاصل ہوئی ہے وہ بھی آپ کے علم میں ہے۔"

شہاب نے پر خیال انداز میں گردن ہلائی تھی، پھر اس نے کہا۔

"کیا تم لوگ چرچ تک پہنچے ہو؟"

"جی سر اور یہاں سے تھوڑی سی معلومات بھی حاصل کی ہیں۔"

"ٹھیک ہے...... میں تمہیں دو نام بتا رہا ہوں، ایک پاسکل ہے اور دوسرا جان، اگر ہو سکے تو ان دونوں کے بارے میں معلومات حاصل کرو۔"

"بہت بہتر جناب۔"

"اس کے علاوہ مجھے یہ بتاؤ کہ فادر رونالڈ اس وقت کہاں ہے؟"

"سر، اس وقت کے بارے میں تو نہیں معلوم۔"

"اچھا خیر ٹھیک ہے...... میں کسی اور کی ڈیوٹی وہاں لگائے دیتا ہوں...... مجھے یہ بتا جائے کہ فادر رونالڈ ڈکسن اپنی کوٹھی سے کس وقت باہر نکلتا ہے، بلکہ ایسا کرو تم لوگ اس وقت کیا کر رہے ہو؟"

"سر... بس اس کام سے فارغ ہونے کے بعد آپ کو رپورٹ دے رہے ہیں۔"

"تم لوگ رونالڈ ڈکسن کی کوٹھی پر چلے جاؤ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہاں صرف ایک ہی شخص رہتا ہو اور جیسا کہ ہمارے علم میں آیا ہے کہ اس عمارت سے ایک سمارٹ آدمی بھی نکلتا ہے، اس کار میں بیٹھ کر، جب وہ اپنی کار میں بیٹھ کر نکلے تو تم احتیاط کے ساتھ اس کا تعاقب کرو اور مجھے اس کے جانے کے بارے میں اطلاع دے دو۔"

"ٹھیک ہے سر۔" انجم نے جواب دیا۔

اور پھر اسی شام ساڑھے پانچ بجے انجم کی طرف سے کال موصول ہوئی۔

"سر...... ہم اس کے پیچھے چل پڑے ہیں وہ اس وقت کوٹھی میں موجود نہیں ہے، ابھی باہر نکلا ہے اور کوٹھی بالکل خالی معلوم ہوتی ہے۔"

"تعاقب احتیاط سے کرنا اور کسی بھی طرح کسی کو شبہ نہ ہونے پائے۔"

"جی سر آپ اطمینان رکھئے گا۔" جواب ملا اور شہاب تیاریاں کرنے لگا، پھر تھوڑی دیر کے بعد اس کی کار ٹیمپل سٹریٹ میں داخل ہو رہی تھی، کوٹھی نمبر انیس کے قریب پہنچ کر اس نے اپنی کار کھڑی کر دی...... چاروں طرف دیکھا قرب و جوار میں گہرا سناٹا تھا، وہ اطمینان سے کوٹھی میں داخل ہو گیا اور اس کے بعد اپنے ساتھ لائی ہوئی اشیاء کے ذریعے سارے مرحلے طے کرتا ہوا اندرونی عمارت میں پہنچ گیا۔

پھر اس نے اندرونی عمارت کا بھرپور طریقے سے جائزہ لے لیا تھا، کوئی ایسی چیز وہاں موجود نہیں تھی جو رونالڈ ڈکسن کی شخصیت پر مکمل طور سے روشنی ڈال سکتی، ہاں میک اپ کا سامان اس کے علاوہ پادری کے لباس اور ایسی ضروری اشیاء وہاں بے شک موجود تھیں جس سے یہ اندازہ ہو کہ رونالڈ ڈکسن پادری کا میک اپ کر کے نکلتا ہے یا پھر پادری رونالڈ ڈکسن اپنا حلیہ بدل کر یہاں سے باہر آتا جاتا ہے، بس اتنی تفصیل کے علاوہ شہاب کو یہاں سے اور کوئی

تفصیل حاصل نہیں ہوئی تھی۔

پھر اس وقت وہ وہاں سے نکل کر اپنی رہائش گاہ کی جانب جا رہا تھا کہ ایک سنسان سڑک پر اچانک ہی ایک کار عقب سے آئی اور اس سے چلائی جانے والی گولیوں نے شہاب کی کار کی بڑی چھلنی کر دی...... تقدیر ایسے موقعوں پر ہمیشہ اس کا ساتھ دیتی تھی...... شہاب بال بال بچ گیا تھا...... کار کا پچھلا ٹائر بھی پھٹ گیا تھا اور چونکہ کار کی رفتار اچھی خاصی تیز تھی اس لئے وہ اچھلتی ہوئی سڑک کے نشیب کی طرف چلی اور انتہائی کوشش کے باوجود شہاب اسے الٹنے سے نہیں بچا سکا، لیکن اتنا کافی تھا وہ برق رفتاری سے ڈرائیونگ سائیڈ کا دروازہ کھول کر کود گیا تھا...... یہاں مٹی گیلی تھی، کھیت تھے اور کھیت کے کنارے کنارے نالیاں بنی ہوئی تھیں جس میں پانی بہہ رہا تھا...... شہاب کے کپڑے بری طرح مٹی میں لتھڑ گئے، کہنی میں ہلکی سی چوٹ بھی لگی اور وہ سنبھل کر کھیتوں میں دوڑنے لگا...... غالباً باجرے کے کھیت تھے اور فصل مکمل طور سے تیار تھی۔ چنانچہ قد آدم کھیتوں میں وہ برق رفتاری سے آگے بڑھتا ہوا سڑک سے دور نکل گیا، اندازہ یہ تھا کہ اس پر فائرنگ کرنے والے وہاں آنے کے بعد اپنی کاوشوں کا نتیجہ ضرور دیکھیں گے، لیکن کافی دیر تک چھپے رہنے کے باوجود شہاب کو سڑک پر کوئی نظر نہیں آیا اور نہ ہی اس کی کار کے قریب پہنچا تھا...... ان لوگوں نے اس کارروائی کا نتیجہ دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی...... شہاب نے کافی دیر وہاں گزاری، خدا کا شکر تھا کہ کار کے پٹرول ٹینک کو نقصان نہیں پہنچا تھا ورنہ وہ بالکل ہی تباہ ہو جاتی۔

شہاب بہت دیر تک انتظار کرتا رہا لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حملہ آور اپنے چند افراد وہاں چھوڑ کر یہاں سے نکل ہی گئے ہوں اور یہ چند افراد اس وقت تک انتظار کریں جب تک کہ شہاب کی زندگی اور موت کے بارے میں کوئی صحیح صورت حال ان کے علم میں نہ آ جائے چنانچہ شہاب نے اس وقت کار کے پاس جانا مناسب نہیں سمجھا اور کچھ وقت گزارنے کے بعد آہستہ آہستہ وہاں سے آگے بڑھا اور کافی دُور نکلنے کے بعد سڑک پر پہنچ گیا۔

کار جس انداز میں تباہ ہوئی تھی اس کے بعد اس بات کی گنجائش نہیں تھی کہ اسے کسی بھی شکل میں استعمال کیا جا سکے، چنانچہ وہ یہ دیکھ کر سڑک پر کوئی موجود نہیں ہے پیدل آگے بڑھنے لگا...... پھر بہت دُور نکل کر اسے ٹیکسی مل گئی تھی، ٹیکسی سے وہ سیدھا پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچا اور وہاں کچھ لوگوں سے رابطہ قائم کر کے اس نے احکامات جاری کئے کہ وہ اس کی کار کے

پاس پہنچ جائیں اور اسے کسی بھی طرح کسی گیراج پہنچا دیا جائے۔ اس دوران اس نے بہت سی باتیں سوچی تھیں لیکن ذہن میں ایک ہی نام آیا تھا اور وہ تھا چینا۔

نادر حیات پر حملہ کرنے کے بعد چینا نے اب اس پر کارروائی کی تھی۔ ویسے بھرپور کارروائی تھی اور اس میں اس بات کی گنجائش قطعی نہیں تھی کہ تینے کا شکار بچ سکے۔ اپنی دانست میں بھرپور کارروائی کر کے نکل گئے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ چینا یا اس کے آدمیوں کی یہ ہمت نہ پڑی ہو کہ اپنی کارروائی کا نتیجہ بھی دیکھیں۔ بہر حال یہ سب کچھ ہو چکا تھا، شہاب نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ کم از کم بینا کو اس حملے کے بارے میں بتانا بالکل مناسب نہیں ہوگا۔ بینا کچھ بھی سہی لیکن عورت ہے اور اب تو اس کا ویسے بھی معاملہ بہت زیادہ بڑھ چکا ہے، یعنی اب شہاب اس کا شوہر ہے، وہ جذباتی ہو کر سوچے گی اور یہ چیز بہر طور مناسب نہیں ہے، چنانچہ اس نے اس سلسلے میں بینا سے کچھ نہ کہنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

ابھی رات کو اسے مرزا اعظم بیگ سے ملاقات کرنی تھی۔ اپنی کار پر تو واپس نہیں آسکتا تھا لیکن ایک دوسری کار اس نے استعمال کے لئے حاصل کر لی اور پھر گھر واپس آگیا۔ بینا کو اس نے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں بتائی تھی۔ البتہ بینا نے اس کے بدلے ہوئے لباس کو دیکھ کر کہا۔

"کیا کریم سوسائٹی نکل گئے تھے۔"

"ہاں۔"

"ٹھیک...... اس لباس کو دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کیوں کہ یہ تو وہیں موجود تھا۔"

"بیویوں کو شوہر سے اتنی واقفیت ہونا کیا کوئی خطرناک بات نہیں ہے۔"

"جی نہیں بالکل نہیں ہے کیونکہ بات بینا کے شوہر کی ہے اور بینا کو اپنے شوہر پر جس قدر اعتماد ہے شاید یہ بات آپ کی سمجھ میں نہ آسکے مسٹر شہاب۔"

"تھینک یو بینا...... ویسے بینا ہمیں وہاں جانا ہے، کیا تم بھی میرے ساتھ چلنا پسند کرو گی بلکہ یوں کرتے ہیں تھوڑا سا حلیہ بدل کر وہاں چلتے ہیں تاکہ بے چارہ اعظم بیگ بھی کسی شبے سے محفوظ رہ سکے۔"

"قسم خدا کی میرے منہ کی بات چھین لی ہے، میں خود بھی یہی چاہتی تھی۔"

بہر حال یہ ساری باتیں ہوتی رہیں، رات کے کھانے کے بعد تھوڑی دیر تک گپیں

ہوتی رہیں اور پھر دونوں تیاریاں کر کے وہاں سے اُٹھ گئے۔ پہلے کریم سوسائٹی کی کوٹھی پہنچے ۔۔۔ے بینا نے صدف کو فون کیا تو صدف نے ہی فون ریسیو کیا تھا، اس نے اسے اپنا ڈائریکٹ نمبر بتایا تھا اور اس نمبر پر وہ شاید ان لوگوں کی منتظر ہی تھی۔ بینا کہنے لگی۔

"صدف ہم دونوں آرہے ہیں...... ہم مسٹر اینڈ مسز واسطی کی حیثیت سے تم سے ملاقات کریں گے، ہمارا حلیہ بدلا ہوا ہوگا، تم ہماری شکل نہیں پہچان سکو گی۔"

"بھئی اصلی شکل میں اس وقت تم سے ملنا خطرناک ہو سکتا ہے۔"

"اوکے۔ گویا بس مسٹر اینڈ مسز واسطی، لیکن کیا شکل اس قدر تبدیل ہو جائے گی کہ میں پہچان نہ سکوں!"

"ہاں صدف یہ ضروری ہے۔"

"خیر کوئی ایسی بات نہیں ہے...... بڑا عجیب سا لگے گا مجھے...... دراصل ہمارا واسطہ کبھی ایسے حالات سے نہیں پڑا ناں۔"

"اپنے ڈیڈی سے بات کی ہے تم نے۔"

"ہاں۔"

"ہاں۔"

"ایسا ماحول ہونا چاہئے جس میں کوئی دوسرا ڈسٹرب نہ کرے۔"

"ڈیڈی نے کوٹھی میں ہی ایک ایسی جگہ بنا رکھی ہے جو الگ تھلگ ہے، بس وہ وہیں رہا کرتے ہیں اور اس وقت بھی وہیں ملیں گے آپ لوگوں کو۔"

"اس کے علاوہ بھی صدف ایک بات اور۔"

"جی کہئے۔"

"پہلے یہ پروگرام تھا کہ رات کے بارہ بجے ہم تمہارے پاس پہنچیں گے، لیکن اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے، تم یہی ظاہر کرنا کہ تمہاری کوئی دوست تم سے ملنے آئی ہے۔"

"پہلے بھی یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں تھا لیکن چونکہ آپ نے کہا تھا اس لئے میں نے کوئی ۔۔۔اہش نہیں کیا تھا۔ آپ بے دھڑک تشریف لے آئیے، میرے گھر میں ایسی کوئی پابندی نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے ہم کچھ دیر کے بعد تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔"

"اوکے...... اور پھر بینا نے سلسلہ منقطع کر دیا...... یہ بات بھی شہاب اور ان کے درمیان طے ہوئی تھی کہ اب رات کے بارہ بجے جانے کا کوئی مسئلہ نہیں رہ گیا ہے، اس لئے پہلے ہی ملاقات کر لی جائے، چنانچہ دونوں تھوڑی ہی دیر کے بعد وہاں سے چل پڑے اور خاموشی سے فاصلہ طے کر کے آخر کار اس کوٹھی پر پہنچ گئے جو خاصی خوبصورت تھی، کوٹھی کے گیٹ پر صدف موجود تھی۔ اس نے بڑی محبت سے بینا کا استقبال کیا...... شہاب کو سلام کیا...... بڑی حیران نگاہوں سے وہ ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ بینا نے اس سے اپنا تعارف کرایا تو وہ ہنس کر بولی۔"

"کچھ بھی ہو جائے اتنی حیرت انگیز تبدیلی میرے لئے آخر تک عجیب رہے گی۔"

"ہمارے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہوتا مس صدف، دن رات ہمیں اس قسم کے واقعات سے سابقہ پڑتا رہتا ہے آپ براہ کرم اس چکر میں نہ پڑیں...... ویسے گھر میں آپ نے کیا کہا ہے؟"

"ڈیڈی اپنے حجرے میں ہیں اور باقی لوگوں کو اس سلسلے میں کوئی تشویش نہیں ہے۔ میں نے اپنی دوست اور اس کے شوہر کے بارے میں اپنے گھر والوں کو بتا دیا ہے اور یہ بھی ہے کہ وہ ڈیڈی سے ملاقات کرنے کے لئے آ رہے ہیں۔"

"اور مرزا صاحب کو۔"

"ہاں ڈیڈی کو میں نے اس بارے میں بتا دیا ہے۔"

"ہوں کوئی حرج نہیں ہے۔" شہاب نے کہا اور اس کے بعد وہ صدف کی رہنمائی میں اس جگہ تک پہنچ گئے جسے حجرہ کہا گیا تھا، حجرے میں داخل ہونے کے بعد وہ مرزا اعظم سامنے آ گئے۔

مرزا اعظم بیگ اتنی غیر معروف شخصیت نہیں تھی، تھوڑے ہی وقت پہلے وہ کارکن کی حیثیت سے بڑی نمایاں شخصیت کا مالک تھا، اخبارات وغیرہ اکثر اس کی تصاویر چھاپتے رہتے تھے، لیکن اس وقت وہ ایک بیمار اور نڈھال شخص نظر آ رہا تھا، چہرے پر داڑھی بکھری ہوئی تھی، حالانکہ صحت اس قدر خراب نہیں تھی...... طاہر بیگ بھی اس کے پاس موجود تھا...... اس نے بھی ان کا استقبال کیا، وہ بھی پریشان نظر آ رہا تھا۔

شہاب نے ان دونوں کو دیکھا اور پھر ایک جگہ بیٹھ گیا، مرزا اعظم بیگ کی نگاہیں

نہیں، صدف اور طاہر بیگ بھی خاصے شرمندہ شرمندہ نظر آ رہے تھے...... بینا نے ے کہا۔

"صدف بھئی دوستوں کو اس طرح خوش آمدید کہا جاتا ہے۔"

"خدا کی قسم بینا باجی اتنی شرمندہ ہو رہی ہوں میں کہ آپ کو بتا نہیں سکتی۔"

"اور اس کی وجہ میں بد نصیب ہوں۔" مرزا اعظم بیگ نے کہا۔

"پہلی بات تو یہ مرزا اعظم بیگ صاحب کہ کیا آپ کے خیال میں یہاں ایسے خفیہ آلات ہو سکتے ہیں جن کے ذریعے یہاں کی باتیں باہر سنی جا سکیں۔"

"قطعی نہیں آپ اس طرف سے بالکل مطمئن رہیں، ایسا بالکل نہیں ہے، اس کے باوجود اگر آپ چاہیں تو یہاں کی مکمل تلاشی لے سکتے ہیں۔" مرزا اعظم بیگ نے کہا۔

"آپ جانتے ہیں کہ ہم لوگ کتنی سنجیدہ گفتگو کرنے والے ہیں، اس گفتگو کا ایک لفظ بھی باہر نہیں جانا چاہئے ورنہ آپ یہ سمجھ لیجئے کہ۔"

"میں سمجھتا ہوں...... بات بہادری کی نہیں ہے اور نہ ہی یہ الفاظ ادا کر کے میں اپنے آپ کو دلیر اور بے پروا ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، اب سے کچھ وقت پہلے میں خود کو ان سے بھرپور ایک شخص قرار دیتا تھا...... میں نے اپنی عمر کو کبھی قبول نہیں کیا...... عمر کا بڑھنا ایک بالکل ہی مختلف بات ہوتی ہے، میں نے اپنی تندرستی کا ہمیشہ ہی خیال رکھا، لیکن لوگ یقین کیجئے اب نجانے کیا ہو گیا ہے مجھے...... شاید ضمیر کی دُکھن اب سکون نہیں لینے دے رہی، برائی کی طرف چلتے چلتے اچانک ہی میرے بچوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر میرا رُخ ...ا کر دیا ہے اور آپ یقین کریں مسٹر شہاب کہ اب ہر لمحہ کانوں میں ان انسانوں کی آوازیں گونجتی رہتی ہیں، جو میری وجہ سے موت کی آغوش میں گئے...... میں کوئی جذباتی تقریر نہیں کرنا چاہتا، کسی گناہ گار کو اس کی اجازت نہیں ہوتی ورنہ آپ کو اپنے جذبات بتاتا...... یہ آپ کو کہ میں کتنے انسانوں کا قاتل ہوں اور کس کس طرح میں نے یہ قتل کئے ہیں، کس طرح میں نے گھروں سے سکون کو رخصت کیا ہے...... آئی ایم سوری مسٹر شہاب...... یہ باتیں نہ کرنے کا وعدہ کرنے کے باوجود فضول باتیں کئے جا رہا ہوں...... بہرحال اپنے ... کوئی علاج نہیں ہوتا، جن احساسات اور حالات کا شکار ہوں وہ میں نے خود اپنے لئے ...ئے ہیں اور اب اس کا نتیجہ بھگت رہا ہوں۔ حالانکہ...... حالانکہ...... خیر چھوڑیئے ایک

اور گناہ کی بات کر رہا ہوں...... شہاب صاحب بچوں نے بتایا ہے کہ آپ میری مدد پر آمادہ ہو گئے ہیں...... تعجب ہی کی بات ہے، آپ جیسی شخصیت، جس سے سچی بات ہے کہ میری اور ان کی نیندیں حرام ہو گئی تھیں جو یہ سب کچھ کر رہے تھے......وہ کس طرح میرے سلسلے میں نرم ہو جائے...... میرے لئے سخت تعجب کی بات ہے لیکن کیا کہا جا سکتا ہے میں بھلا کیا تبصرہ کر سکتا ہوں...... کون جانے کب کون کہاں کیا کر سکتا ہے...... خود پر رحم کی بات بھی نہیں کر سکتا میں نے کس پر رحم کیا ہے۔"

اعظم بیگ سخت ذہنی بحران کا شکار تھا اور اس کی باتیں بے ربط ہو گئی تھیں...... شہاب گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا، بینا کی نظریں صدف پر جمی ہوئی تھیں، جس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد شہاب نے کہا۔

"مرزا صاحب آپ سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں، آپ جواب دینا پسند کریں گے۔"

"ہوں...... کیوں نہیں۔"

"پہلے خود کو پر سکون کریں...... ورنہ آپ جواب نہیں دے سکیں گے۔"

"سکون۔" اعظم بیگ نے گہری سانس لی...... پھر پہلے سے انداز میں مسکرا دیا۔ پھر بولا، "یقین کرو گے میری بات پر یقین کرو گے۔"

"جی ضرور۔" شہاب بولا۔

"پہلے بے سکونی سے واقف نہیں تھا...... یہ چیز مٹھی میں لگتی تھی یوں۔" یوں مرزا نے مٹھی بند کر کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ "اور اب سکون کے عوض اپنی ساری دولت دینے کو تیار ہوں اور یہ بے سکونی میری خود کی خریدی ہوئی ہے۔ یہ ضمیر اس قدر بے رحم کیوں ہوتا ہے بکتا ہے تو اس طرح کہ انسان کو خبر تک نہیں ہونے دیتا اور جب منحرف ہوتا ہے تو اس سے اس کا سب کچھ چھین لیتا ہے...... میری بات کا برا نہ ماننا مسٹر شہاب ہم سب کے پاس ایسے ذرائع تھے اور ہیں کہ ہم اپنی برائیوں کا دفاع کر سکیں، لیکن...... ضمیر سے جنگ مشکل ہو رہی ہے۔"

"یہی زندگی کی علامت ہے مرزا صاحب اور یہی آسمانی طاقت کے وجود کا اظہار۔"

"ہاں ایسا ہی ہے۔"

"آپ مجھ سے کچھ سوالات کی بات کر رہے تھے۔"

"جی۔"

"ظاہر ہے اسی ساری کارروائی سے متعلق ہوں گے۔"

"جی ہاں۔"

"میں بھی آپ سے ایک سوال کروں۔"

"کیجئے۔"

"آپ مجھ سے سوال کریں گے، میں ان کا جواب دوں گا، میرے سچ کی کسوٹی کیا ہو گی۔"

"میں سمجھا نہیں؟" شہاب اُلجھ کر بولا۔

"ایک مجرم ایک انتظامی افسر کے سامنے جوابات دے رہا ہے، یقین کی کیا ضمانت ہو گی۔"

"صدف۔" شہاب مسکرا کر بولا اور سب چونک پڑے...... صدف نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"ہاں...... ہر جواب سچ ہو گا شہاب صاحب اور اس وقت بھی اگر ڈیڈی نے سچ نہ بولا۔ تو صدف کی آواز بھرا گئی۔

"نہیں بیٹے...... وعدہ کرتا ہوں سچ کہوں گا...... سچ کے سوا کچھ نہ کہوں گا۔" اعظم بیگ نے خوفزدہ آواز میں کہا...... عجیب سا ماحول پیدا ہو گیا تھا...... ایک ڈرامائی سچویشن تھی اور وہاں موجود تمام افراد اعصابی کھنچاؤ محسوس کر رہے تھے...... آخر کار شہاب نے کہا۔

"مرزا اعظم بیگ صاحب، کیا یہ سچ ہے کہ آپ اپنے کاروبار کے پس پردہ ڈرگس کا بھی کاروبار کرتے ہیں۔"

"ہاں اپنے کاروبار کے پس پردہ نہیں بلکہ اس صاف ستھرے کاروبار کے علاوہ میں یہ کاروبار بھی کرتا ہوں۔"

"کیوں۔"

"دولت کے حصول کے لئے، صرف دولت کے حصول کے لئے۔" اعظم بیگ نے جواب دیا۔

"ایک بین الاقوامی تنظیم سے آپ کا رابطہ ہے جو دُنیا بھر میں یہ کام کرتی ہے۔"

"ہاں۔"

"تنظیم کس نام سے پہچانی جاتی ہے۔"

"آئرن کراؤن...... سنڈیکیٹ کے کاغذات میں اسے آئرن کراؤن لکھا جاتا ہے۔"

"اس کی جڑیں کہاں تک ہیں؟"

"تنظیم کا کوئی رکن نہیں بتا سکتا۔"

"اس کے نمائندہ کو کسی خاص نام سے پکارا جاتا ہے۔"

"نمائندوں کو نہیں، عہدیداروں کو۔"

"کیا مطلب؟"

"تنظیم کے کنٹرولر سلور کراؤن، میٹل کراؤن، گولڈن کراؤن اور ڈائمنڈ کراؤن کے ناموں سے پکارے جاتے ہیں۔"

"آپ کا کیا رینک ہے؟" شہاب نے پوچھا۔

"ہمارے رینک نہیں ہوتے ہم صرف کارکن ہیں، مقامی نمائندے جنہیں کمیشن ملتا ہے جو چوالیس فیصد کمیشن۔"

"آپ کا کام کیا ہوتا ہے۔"

"پیداوار کنٹرول کرنا، پروڈکشن کا پورا پورا حساب رکھنا، پروڈکشن کی ترسیل کرنا۔"

"باڑی سے آپ لوگوں کا کیا واسطہ ہے۔"

"سب سے بڑا پروڈکشن پوائنٹ تھا۔" اعظم بیگ نے جواب دیا۔

"آپ کے علاوہ یہاں اور کون کون آئرن کراؤن کے لئے کام کرتا ہے۔"

"ہم پانچ افراد تھے اب چار رہ گئے ہیں۔"

"کون کون؟"

"راحیل رضا، سلطان شیخ، میں، ڈاکٹر حیات اور جابر زمان۔ ڈاکٹر حیات ابھی ابھی قتل کر دیا گیا ہے اور میرے خیال میں...... میرے خیال میں۔"

"آپ کے خیال میں کیا۔"

"ایسا سنڈیکیٹ کی طرف سے ہوا ہے۔"

"کیا مطلب۔"

"باڑی میں جو کچھ ہوا ہے اس کے بعد سے یہاں کی پروڈکشن بالکل رُک گئی ہے اور یہ بہت بڑا نقصان ہے۔ ابھی چند روز قبل سنڈیکیٹ کے تین عہدیدار تحقیق کے لئے آئے تھے...... انہوں نے ہم سے ملاقات کی اور ہم پر عدم اعتماد کا اظہار کیا۔ وہ خود اس بارے میں

ن کر رہے تھے کہ ان کی کار کو حادثہ پیش آ گیا...... تینوں ہلاک ہو گئے...... ہو سکتا ہے یہ ی حادثہ ہو لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سنڈیکیٹ نے اسے صرف حادثہ نہ سمجھا ہو...... اس ں ہو کہ ہم نے تحقیق سے بچنے کے لئے انہیں ہلاک کرا دیا ہو اور اب وہ لوگ ہمیں ایک ر کے ہلاک کر رہے ہوں۔"

"یہ صرف آپ کا خیال ہے کہ باقی لوگ بھی اسی انداز میں سوچ رہے ہیں۔"

"نہیں...... یہ بات تو بالکل ابھی میرے ذہن میں آئی ہے۔" اعظم بیگ نے جواب دیا۔

"ان تین افراد کے علاوہ بھی یہاں سنڈیکیٹ کا کوئی عہدیدار موجود ہے۔"

"نہیں...... یا پھر اگر ہے تو ہمارے علم میں نہیں ہے۔"

"آپ کو یقین ہے کہ وہ تینوں نمائندے ہلاک ہو گئے۔"

"ان کی تفصیل تو اخبارات میں بھی آ چکی ہے۔"

"اسے چھوڑیئے کوئی شعبہ ایسا تو نہیں ہے جس سے یہ پتا چل سکے کہ وہ نمائندے زندہ ہیں۔"

"نہیں...... بالکل نہیں۔"

"چلئے ٹھیک ہے اب یہ بتایئے آپ اس آرگنائزیشن میں کیسے اور کیوں شامل ہوئے، ب کہ آپ ایک نیک نام اور بہترین کاروباری انسان تھے۔"

"یقین کرو گے میری بات پر۔"

"ہاں...... میرے اور آپ کے درمیان سچ کا رشتہ قائم ہو چکا ہے۔" شہاب نے نجیدگی سے جواب دیا۔

"تو یوں سمجھو کہ مجھے بلیک میل کر کے تنظیم میں شامل کیا گیا ہے۔"

"کس طرح۔" شہاب نے پوچھا۔

"بات کئی سال پرانی ہے...... میں ایک کاروباری سلسلے میں ملک سے باہر گیا تھا...... ں ایئرپورٹ پر اترنے کے بعد اپنے سامان کے ساتھ ہوٹل پہنچ گیا لیکن وہاں پورٹر نے جب میرا سامان میرے کمرے میں رکھا تو اس میں ایک بریف کیس کا اضافہ تھا جو میرا ں تھا...... اس بریف کیس پر اسی فلائٹ کا ٹیگ لگا ہوا تھا جس سے میں آیا تھا...... مجھے بہت ب ہوا کہ کسی کا بریف کیس غلطی سے میرے سامان میں آ گیا ہے...... صرف یہ جاننے کے

لئے کہ شاید بریف کیس میں موجود کسی شے سے مجھے اس کے مالک کا پتا معلوم ہو جائے۔ میں نے بڑی مشکل سے اسے کھولا لیکن اس کے اندر ہیروئن کے پیکٹ دیکھ کر میں دم بخود رہ گیا تھا..... اس وقت میرے کمرے کا دروازہ کھلا اور دو انگریز اندر داخل ہو گئے۔ انہوں نے اندر آکر جلدی سے دروازہ بند کر لیا اور ان میں سے ایک نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"آہ..... اسے بند کریں مسٹر بیگ..... نارکوٹکس والے پولیس کے ساتھ یہاں تک آگئے ہیں..... وہ پتا لگاتے ہوئے آپ ہی کے پاس آرہے ہیں۔"

میں بد حواس ہو گیا تھا..... وہ کون ہیں کیا ہیں، میں نہیں جانتا تھا..... میں پاگلوں کی طرح انہیں دیکھ رہا تھا کہ ان میں سے ایک نے بریف کیس میرے ہاتھ سے لیا اور برق رفتاری سے مسہری کا گدا اٹھا کر اس کے نیچے رکھ دیا..... پھر خود بے تکلفی سے اس مسہری پر بیٹھ گیا، اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی تھی اور ان میں سے ایک نے دروازہ کھول دیا تھا..... میں نے پولیس کے بے شمار افراد کو دیکھا جو بھرا مار کر اندر گھس آئے تھے..... میں تو سکتے کے عالم میں تھا لیکن ان میں سے ایک نے حیران لہجے میں پولیس افسر سے پوچھا۔

"کیا بات ہے آفیسر۔"

"مسٹر بیگ، پولیس آفیسر نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے کاغذ کو دیکھ کر پوچھا۔"

یہ مسٹر اعظم بیگ ہیں ایک معزز بزنس مین..... کیوں کیا بات ہے۔" اس شخص نے کسی قدر سخت لہجے میں پوچھا۔

"آپ کون ہیں۔"

"جے آر تھامینس..... ممبر آف چیمبر آف کامرس..... کیا آپ ان سے اجازت لے کر اندر داخل ہوئے ہیں آفیسر۔"

"اور آپ کا کارڈ۔" آفیسر نے کہا۔

"یہ موجود ہے اور ساتھ ہی یہ چیمبر آف کامرس کا کارڈ..... تھامینس نے جیب سے دونوں کارڈ نکال کر اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔"

آفیسر نے کارڈ دیکھے، پھر دوسرے شخص کی طرف دیکھ کر بولا۔ "آپ کون ہیں جناب؟"

"لیونارڈ بگ مین۔" "یہ میرا کارڈ ہے اور مسٹر اعظم بیگ ایک بزنس ڈیل پر یہاں آئے ہیں اور مسٹر آفیسر ایک شریف برطانوی شہری ہونے کے ناتے ہم نے اپنا تعارف تو کرا دیا

ب آپ بتائیے کہ آپ کیوں آئے ہو؟"

"سر ایک انفارمیشن تھی۔" افسر نرم ہو گیا۔

"کیا۔"

"کروڑوں پونڈ کی ہیروئن اس فلائٹ سے لائی گئی ہے اور اسی ملک سے لائی گئی ہے جہاں سے مسٹر اعظم بیگ آئے ہیں۔"

"کیا اس فلائٹ سے صرف مسٹر اعظم بیگ نے سفر کیا ہے۔" تھامینس نے پوچھا۔

"نہیں سر..... کچھ نشاندہی ہے۔"

"کسی معزز شخص کے ساتھ یہ سلوک برطانوی قانون میں ہے..... آفیسر میں اور میرے ساتھی مسٹر لیونارڈ آپ کے رویئے کے گواہ ہیں، براہ کرم پہلے اپنا تعارف کرا دیں اس کے بعد ہم آپ کے احکامات کی تعمیل کریں گے۔"

"یہ میرا کارڈ ہے سر..... میں تلاشی لینا چاہتا ہوں۔" آفیسر نے کہا اور اپنا کارڈ پیش کر دیا..... پھر اس کے بعد اس نے کمرے کی تلاشی لی..... اللہ بہتر جانتا ہے کہ یہ کوئی بڑا آرڈر تھا یا آفیسر نروس ہو گیا تھا، اس نے بڑی باریک بینی سے ہر چیز کا جائزہ لیا مگر مسہری کا گدا ہٹا کر نہ دیکھا..... پھر اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"اگر آپ اسے میری گستاخی تصور کرتے ہیں تو آپ کے پاس میری سزا کا حق محفوظ ہے..... بہر حال میں نے صرف فرض کی ادائیگی کی ہے۔ آپ کے تعاون کا شکریہ۔"

اس تمام کارروائی کے درمیان میں پتھرایا ہوا رہا تھا، میری سمجھ میں ہی کچھ نہیں آتا تھا تھامینس نے باہر جا کر دیکھا پھر واپس آکر بولا۔

"گڈ..... اور سروس کو فون کر کے چائے منگوا لو..... بڑی شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔" وہ سب کچھ کرتے رہے پھر لیونارڈو نے چائے پیتے ہوئے کہا۔

"جی مسٹر اعظم بیگ..... تھوڑا سا خطرہ تو پیدا ہو گیا تھا لیکن بات بن گئی ہم آپ کو اس کامیاب سفر کی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔"

"آپ لوگ یقین کیجئے..... میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے اور میں حیران ہوں کہ آپ لوگوں کو میرا نام کیسے معلوم ہوا؟" میں نے کہا اور وہ مسکرانے لگے۔

"آئرن کراؤن نے ہمیں آپ کے بارے میں انفارمیشن دی تھی اور بتایا تھا کہ مرزا

اعظم بیگ چار کلو ہیروئن لے کر آ رہے ہیں...... یہ ان کا پہلا ٹور ہے، اس لئے ان سے بھرپور تعاون کیا جائے...... ہم ایئرپورٹ سے آپ کی نگرانی کر رہے تھے، اسی لئے سیدھے آپ کے پیچھے پیچھے یہاں پہنچ گئے۔"

"لیکن۔"

"نہیں مسٹر اعظم بیگ آپ نے کامیابی سے یہ مرحلہ طے کر لیا ہے، یہ بریف کیس ہم لے جا رہے ہیں...... آپ کو معاوضہ مناسب شکل میں مل جائے گا اور پھر مجھے معاوضہ ملا...... پچاس ہزار پونڈ بہت ہوتے ہیں...... میں ششدر تھا لیکن یہ رقم بھی بہت تھی، پھر ہانگ کانگ اور سنگاپور، اٹلی اور نہ جانے کہاں کہاں...... وہ لوگ مجھے اپنے جال میں پھانستے گئے، یہاں تک کہ بعد میں مجھے مقامی طور پر ذمے داریاں سونپ دی گئیں...... میرا کوئی قصور نہیں تھا، بعد میں، میں نے بہت مدافعت کی تھی لیکن مجھے موت کی دھمکیاں دی گئیں اور میں خاموش ہو گیا، اس طرح ان لوگوں نے مجھے۔"

شہاب خاموشی سے یہ تفصیل سن رہا تھا...... اعظم بیگ کے خاموش ہونے کے بعد وہ کچھ دیر تک خاموش رہا پھر اس کی سنگین آواز اُبھری۔

"ٹھیک ہے مرزا صاحب آپ جینا چاہتے ہیں۔"

"ہاں...... بات سچ کی ہے میں نے اب تک کی زندگی برائیوں میں گزاری ہے میرے بچے بھی میری زندگی چاہتے ہیں اور میں بھی...... آہ اب احساس ہوتا ہے ان کے ساتھ تو میں نے ابھی وقت ہی نہیں گزارا...... یہ سب کتنے بڑے بڑے ہو گئے، میں دادا بن چکا ہوں، لیکن مجھے پتا ہی نہیں ہے کہ گھریلو زندگی کیا ہوتی ہے؟ میں تو ان تمام چیزوں سے محروم رہا ہوں اب تک۔"

آہ شہاب صاحب آپ یقین کریں یا نہ کریں مجھے اب یہ احساس ہوتا ہے کہ غلطی کرتا رہا ہوں میں، لیکن آپ یقین کر لیجئے سنڈیکیٹ کے جال سے نکلنا میرے لئے ممکن نہیں تھا، میں اپنے آپ کو بے گناہ اور بے قصور بالکل نہیں کہوں گا، بعد میں تو سچی بات یہ ہے کہ میں خود پوری طرح لالچ کا شکار ہو گیا تھا اور خوشی سے سنڈیکیٹ کے لئے کام کر رہا تھا بلکہ اپنے تحفظ کے لئے میں نے نہ جانے کیا کیا، کیا تھا، بڑا سوشل ورکر بن گیا تھا، بہت سے ڈرامے کئے تھے میں نے، جب کہ میں خود ان کی الٹ تھا بس ہو گیا یہ سب کچھ...... میں اعتراف کر رہا ہوں اب جیسے آپ

فیصلہ کریں...... یہ بچے کہتے ہیں کہ میرے لئے کچھ کر لیں گے، ہو جائے تو اچھا ہے نہ ہو سکے تو کسی سے کوئی شکایت نہیں ہو گی...... میں نے کہا نا اپنے کئے کا کوئی علاج نہیں ہوتا۔"

"مرزا اعظم بیگ صاحب قانون، قانون ہے اور جرم جرم ہوتا ہے...... قانون یہ دیکھتا ہے کہ جرم کیا گیا ہے، کیوں کیا گیا ہے؟ پس منظر کیا تھا؟ یہ سب بعد کی باتیں ہیں اور ان سے صرف اتنا ہوتا ہے، کہیں سزا کی نوعیت میں کمی بیشی ہو جاتی ہے...... جرم مکمل طور سے معاف نہیں کیا جا سکتا، آپ کو موت کی سزا بھگتنا ہو گی، ہر قیمت پر آپ کو موت کی سزا بھگتنا ہو گی...... سمجھ رہے ہیں نا آپ۔"

وہاں موجود باقی افراد بری طرح چونک پڑے تھے، صدف نے اپنے منہ سے نکلنے والی چیخ کو بھینچ لیا تھا...... بینا بھی حیران تھی اور طاہر بیگ کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا تھا، شہاب نے ایک ایک کی صورت دیکھی پھر بولا۔

"ہاں...... موت کی سزا لیکن آپ اپنے بچوں کے لئے زندہ رہیں گے، صدف کو میں مایوس نہیں دیکھ سکتا، جو کچھ میں کر رہا ہوں اس کے لئے نہ جانے کس طرح میں اپنے ضمیر کو بہلا سکوں گا، میں نہیں جانتا لیکن بہرحال کر رہا ہوں میں...... مرزا اعظم بیگ صاحب آپ کو مرنا ہو گا، آپ کی موت کی تشہیر کی جائے گی...... آپ کی تدفین بھی کی جائے گی اور اس کے بعد آپ کو دُنیا کی نگاہوں سے اوجھل ہو جانا پڑے گا...... آپ صرف اپنے بچوں کے درمیان ایک معطل زندگی گزاریں گے، باقی دنیا سے آپ کا رابطہ کٹ جائے گا، آپ مرزا اعظم بیگ صاحب بس ان بچوں کے درمیان زندہ رہیں گے، زندگی چھین لینے یا دینے کا اختیار کسی کو نہیں ہوتا، میں کیا اور میری اوقات کیا، لیکن ایک جرم میں کر رہا ہوں...... کچھ لوگوں کے کہنے پر اور یہ وہ لوگ ہیں جو مجھ سے یہ جرم کرانے کی اہلیت رکھتے ہیں، میں اس بچی کے چہرے پر جو غم کے آثار دیکھ رہا ہوں اس سے منحرف نہیں ہو سکتا...... مرزا صاحب کم از کم میں اپنے ضمیر کو یہ کہہ کر مطمئن کر لوں گا کہ آپ کو بھی اس شکنجے میں جکڑنے کی کوشش کی گئی ہے...... آپ بذات خود اپنی خوشی سے اس معاملے میں ملوث نہیں ہوئے لیکن اگر میں اس کے علاوہ اور کچھ کر سکوں تو میں تو چاہوں گا لیکن قانون اس کی اجازت نہیں دے گا اور معاف کیجئے گا آپ اس سنڈیکیٹ سے الگ رہ کر زندگی نہیں گزار سکتے، سنڈیکیٹ آپ کو زندہ نہیں رہنے دے گا، یعنی ایک طرف قانون اور دوسری طرف جناب یہ آرگنائزیشن، دونوں

آپ کے دشمن ہیں...... آخر کار باقی سب لوگ موت کا شکار ہو جائیں گے، یہ میں آپ سے کہہ رہا ہوں اور آپ میری بات پر یقین رکھئے آپ کے لئے صرف ایک ہی ذریعہ ہے وہ یہ کہ آپ اپنی شخصیت کی موت برداشت کرلیں اور صرف اپنے بچوں کے لئے پوشیدہ طور پر زندہ رہیں...... میں کبھی یہ بات سامنے نہیں لاؤں گا کہ آپ کی موت جعلی ہے۔"

صدف اور طاہر مرزا اعظم بیگ کے بولنے سے پہلے ہی بول پڑا۔

"ہمیں منظور ہے۔"

"اُٹھو بینا بہت وقت ہو گیا ہے۔" شہاب نے کہا۔

"رکئے تو شہاب صاحب۔"

"میرا کام ختم ہو گیا ہے، مرزا طاہر بیگ، اب یہ آپ لوگوں کو طے کرنا ہے کہ کس طرح اس مسئلے کو سنبھالتے ہیں...... یہ آپ کی ذمہ داری ہے، مرزا اعظم بیگ کو بیمار ظاہر کیجئے یا کسی حادثے کا شکار کر دیجئے...... سارے کام بہت عمدگی سے ہونے چاہئیں، کہیں کوئی چوٹ کھائی آپ نے تو آپ خود ذمہ دار ہوں گے۔"

"ہم یہ صلاحیت نہیں رکھتے، شہاب بھائی، ہم یہ صلاحیت نہیں رکھتے، اتنی عمدگی کے ساتھ یہ نہیں کر پائیں گے ہم ایسا نہ کیجئے جب ہمیں یہ خوشخبری دے دی ہے آپ نے تو انسانیت کے نام پر ہی سہی، تھوڑی سی مدد اور کیجئے ہماری...... ہم اتنی خوش اسلوبی سے یہ سب کچھ نہیں کر سکیں گے۔" صدف نے کہا اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی تھی، بینا نے ایک دم کہا۔

"ٹھیک ہے صدف تم بے فکر رہو، مرزا صاحب آپ تھوڑا سا توقف کیجئے فی الحال آپ کو کوئی خطرہ نہیں ہے...... آپ یہاں آرام کریں، کچھ دن ان لوگوں کے ساتھ خوش و خرم طریقے سے گزار لیں اس کے بعد جب ہم آگے اقدامات کریں گے تو آپ کو یہاں سے ہٹا لیا جائے گا اور پھر ہم خود وہ انتظامات کریں گے جو ہمارے لئے ضروری ہوں گے...... آپ مطمئن رہیں صدف...... ہم یہ سب کر لیں گے اور مرزا اعظم بیگ صاحب آپ کسی تردد کے بغیر وقت گزاریئے...... سنڈیکیٹ کی طرف سے اگر آپ کو کچھ خصوصی ہدایتیں ملیں تو بہتر ہو گا کہ آپ وہ ہم تک پہنچا دیں، فی الحال آپ کو اس وقت تک کوئی خطرہ نہیں ہے جب تک کے آپ کے بارے میں انہیں یہ علم نہیں ہو جائے گا کہ آپ سنڈیکیٹ سے منحرف

چکے ہیں اور اس کے بعد ہم اس سلسلے میں کام کریں گے۔"

"ٹھیک ہے...... یہ بھی ٹھیک ہے...... کیا میں آپ کی طرف سے مطمئن ہو جاؤں...... اب صاحب۔"

"مزید کہنے کی ضرورت نہیں ہے، آپ ہماری طرف سے بالکل بے فکر رہیں لیکن جو کیا ہے وہ ضروری ہے۔"

پھر جب شہاب اور بینا واپس لوٹ رہے تھے تو بینا نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

"شہاب...... میں اپنی اوقات سے زیادہ تو نہیں بول گئی، اصل میں صدف کے لئے باتی ہو گئی تھی...... آپ یقین نہیں کر سکتے کہ جس طرح میں نے اس کے انداز میں ایک صوم بچے کی طرح سے بلکنے کی کیفیت پائی تھی بس نا جانے کیوں مجھے ایک دم یہ احساس ہوا اکہ میں خود اپنے باپ کی زندگی کے لئے بلک رہی ہوں...... شہاب انسان کے اندر اتنے ذبات تو پیدا ہو ہی جاتے ہیں، اگر مجھ سے غلطی ہوئی ہے تو مجھے معاف کر دینا۔" شہاب نے ں کر اس کے رخسار پر ایک چپت لگائی اور بولا۔

"کیا تم مجھے انسانی جذبات سے بالکل عاری سمجھتی ہو، بینا نے اپنا رخسار شہاب کے اندھے سے ٹکا دیا تھا۔

چینا در حقیقت ایک خطرناک آدمی تھا...... ہر شخص کا ایک ماضی ہوتا ہے۔ اسی طرح چینا کی بھی جرم کی دُنیا میں آنے کی ایک کہانی تھی، لیکن وقت نے ہر کہانی کو پس پشت ڈال دیا تھا اب وہ صرف ایک جرائم پیشہ آدمی تھا ایک اجرتی قاتل۔ کئی قتل اس کے کھاتے میں تھے لیکن کچھ تعلقات، کچھ ذہانت، اسی طرح وہ آج تک بچا ہوا تھا۔ کچھ بڑے لوگ اس کے پشت پناہ تھے اور چونکہ وہ ان کا رازدار تھا اس لئے وہ بھی اس کے رازدار تھے۔

زندگی میں اگر چینا کی کوئی کمزوری تھی تو وہ صرف شہزاد تھا...... اس کا بارہ سالہ بیٹا شہزاد...... چینا کی بیوی مر چکی تھی اور لوگوں کا کہنا تھا کہ چینا اپنی بیوی کو بے پناہ چاہتا تھا اور اس کے لئے اس نے جرم کی زندگی اپنائی تھی، بیوی کی زندگی بچانے کے لئے اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔ بہر حال یہ ایک الگ کہانی ہے، بعد کی کہانی یوں تھی کہ بیوی کی نشانی کو سینے سے لگائے اس نے زندگی کے چند سال گزارے اور اس کے بعد اپنے بیٹے کو لے کر ایک رات

اپنے بھائی کے پاس پہنچ گیا۔ بھائی خود غرض قسم کا آدمی تھا...... چینا نے دو سالہ شہزاد کو بھاوج کی گود میں دیتے ہوئے کہا۔

"دیکھ بھابی مجھے پتا ہے بھیا کی کوئی آمدنی نہیں ہے تو پریشانی میں زندگی گزارتی ہے، اتنا دوں گا تجھے کہ مزے سے وقت گزارے گی لیکن نتیجے میں تجھے شہزاد کی پرورش کرنا ہوگی اور ایک بات تم دونوں کان کھول کر سن لینا، میرے بچے کی پیشانی پر ایک شکن نہ آنے پائے...... بس سمجھ لو اس شکن میں تمہاری موت چھپی ہوگی...... اس کے ساتھ ہی اس نے ایک بڑی رقم اپنی بھاوج کو دی تھی، بہر حال یہ رقم پاکر ہر قسم کی شکنیں مٹ گئی تھیں...... پھر درحقیقت شہزاد کی وجہ سے ان دونوں کی زندگی بن گئی، عمدہ سا مکان انہیں مل گیا، زندگی کی ہر آسائش حاصل ہوگئی اور چینا کا بھائی بھابی عیش سے اس گھر میں رہنے لگے۔

شہزاد کو کچھ دن کے بعد ایک بہترین سکول میں ڈال دیا گیا...... چینا کی خواہش کے مطابق شہزاد کو یہی بتایا جاتا رہا تھا کہ چینا اس کا چاچا ہے اور ننھا سا شہزاد اس کو چاچا کہہ کر ہی مخاطب کرتا تھا...... چینا کو اس سے غرض نہیں تھی، وہ تو بس شہزاد کی ایک اچھی زندگی چاہتا تھا، اپنے آپ کو اس سے دور رکھ کر وہ اس کی پرورش کا خواہش مند تھا...... ہاں یہ الگ بات ہے کہ کچھ سال کے بعد جب شہزاد سات یا آٹھ سال کا تھا...... ایک دن وہ اچانک ہی اپنے بھائی کے گھر پہنچ گیا تھا تو اس نے دیکھا کہ اس کے بھائی اور بھاوج کہیں گئے ہوئے ہیں، ان کے بچے بھی ان کے ساتھ تھے اور شہزاد گھر میں تنہا تھا اور اپنے لئے کچن میں چائے بنا رہا تھا۔ اپنے بیٹے کو اس طرح مصروف دیکھ کر چینا کے سینے میں آگ لگ گئی، اس نے بیٹے کے ساتھ مل کر کھانا وانا کھایا رات کو بھائی بھابی بھی آگئے تو وہ ان سے بڑی محبت سے پیش آیا اور رات کو جب شہزاد اور بھائی کے بچے سو گئے تو چینا ان کے کمرے میں گھس گیا اور پھر اتنا مارا اس نے ان دونوں کو کہ ان کی شکلیں بگڑ گئیں...... وہ معافیاں مانگتے رہے لیکن چینا نے انہیں معاف نہیں کیا اور ان کا حلیہ بگاڑ دیا...... پھر اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کتے کے بچو جس تھالی میں کھا رہے ہو اس میں سوراخ کر رہے ہو، شہزاد کی وجہ سے تم آدمیوں کی طرح زندگی گزار رہے ہو، تم میرے بچے کے ساتھ۔" دونوں کے ہوش خراب ہو گئے تھے، شکلیں پٹ پٹ کر بگڑ گئی تھیں...... وہ چینا کے قدموں میں گر پڑے اور انہوں نے کہا کہ آئندہ اسے کبھی ایسی شکایت نہیں ہوگی...... چینا نے پستول نکال کر ان کی نبی پر رکھتے ہوئے کہا۔

"ستائیس قتل کر چکا ہوں اور یہی کرنا ہے مجھے زندگی بھر...... تم دو کتوں کو مارنا میرے لئے مشکل کام نہیں ہوگا...... جینا چاہتے ہو تو عقل کے ساتھ جیو، ایسی بے عقلی کبھی مت کرنا، اس بچے میں میری جان ہے...... میں نے کتنی بڑی قربانی دی ہے اس بچے کے لئے کہ اپنے باپ ہونے کی حیثیت چھین لی ہے، اپنے آپ اپنے ہاتھوں سے...... اگر اس کے ساتھ یہ سلوک کیا تم نے تو سمجھ لو کہ کتے کی موت مار دوں گا اور پھر کئی سال تک اس نے خفیہ طریقوں سے ان لوگوں کی نگرانی کی لیکن کام ہو گیا تھا، اب وہ شہزاد کے قدم چاٹتے تھے، چینا نے ان کی حرکت دیکھتے ہوئے نفرت بھرے انداز میں کہا تھا۔

."دھت تیری دنیا کی، کوئی تو شرافت اور محبت سے بھی کسی کی بات مان لے...... حسرت ہی رہی بہر حال بڑے لوگوں سے اس کا رابطہ تھا...... بہت سے بڑے لوگوں نے اسے مختلف کاموں میں استعمال کیا تھا اور اب بھی ایک بڑے آدمی نے اسے ایک اہم کام پر متعین کیا تھا، کام بہت بڑا تھا...... محکمہ پولیس کے دو بہت بڑے افسروں کو قتل کرنا تھا...... ایک انسپکٹر جنرل اور دوسرا آفیسر سپیشل ڈیوٹیز۔"

چینا نے عادت کے مطابق دونوں کام خود کرنے کی کوشش کی تھی، اس نے انسپکٹر جنرل پر حملہ کیا اور دوسرے دن اسے علم ہو گیا کہ نادر حیات بچ گئے ہیں...... دوسری کوشش اس نے شہاب پر کی تھی حملہ کرنے کے بعد وہ وہاں نہیں رکا تھا لیکن دوسرے دن اس کے گروہ کے آدمیوں نے اسے بتایا کہ یہ دوسرا حملہ بھی ناکام رہا ہے۔

"سالی تقدیر ہی پھڈا کر رہی ہے...... دونوں وار ناکام رہے لیکن اب ایسا نہیں ہوگا...... اب جو کچھ ہوگا وہ کامیاب ہوگا...... شیخ سلطان کے فون نے اس کا موڈ اور خراب کر دیا، بعد میں وقت متعین کر کے شیخ سلطان نے اس سے ملاقات کی اور بولا۔

"کیا کر رہے ہو چینا۔ میں نے پانچ سالہ منصوبہ تو نہیں بنایا ہے دونوں زندہ ہیں۔"

"اے شیخ صاحب پھڈا نہیں ہاں ان لوگوں کی زندگی کے کچھ سانس باقی ہیں...... پورے کرنے دو حملہ کر چکے ہیں دونوں بچ گئے ہیں مگر اب نہیں بچیں گے...... اب ہم ان کا بھنڈر کر کے ہی دم لیں گے۔"

"کتنا وقت لو گے۔" شیخ سلطان نے پوچھا۔

"کیا مطلب۔"

"صرف چوبیس گھنٹے دے سکتا ہوں تمہیں۔"

"اس کے بعد۔" چینا نے بھنویں سکیڑ کر پوچھا۔

"کوئی اور بندوبست کروں گا۔"

"ٹھیک ہے شیخ صاحب! آپ دوسرا بندوبست کرلو اپن کا معاہدہ کینسل۔"

"ایسے معاہدے اس طرح کینسل نہیں ہوتے چینا۔" "تم میرے رازدار ہو تمہیں ایسے تو نہیں چھوڑ سکتا۔"

"دیکھو شیخ صاحب...... جاؤ...... جان بھی بچاؤ اور عزت بھی چینا تمہارے سامنے کچھ بھی نہیں ہے، اسے کچھ بتانے کی کوشش مت کرو...... وہ بن جائے گا۔"

"چینا تمہیں ہمارے ساتھ کام کرنا ہے...... اس طرح بات بگڑنی نہیں چاہئے۔"

"بات تو تم بگاڑ رہے ہو شیخ صاحب۔"

"میری جان...... تمہیں نہیں معلوم ان دونوں نے میری زندگی عذاب کر رکھی ہے، جتنی جلدی کام ہو جائے اچھا ہے۔"

"آگے مت بولنا کہ کسی اور کا بندوبست کرلوگے۔"

"ٹھیک ہے بابا...... مگر جلدی کرو!" شیخ سلطان ٹھیک ہو گیا تھا...... اس کے جانے کے بعد چینا اس سلسلے میں پلاننگ کرنے لگا، اس بار وہ جلد بازی میں کوئی کام نہیں کرنا چاہتا تھا اور موثر قدم اٹھانے کا فیصلہ کرلیا لیکن دوسرے دن شام کو اس کا بھائی دوسرے شہر سے اس کے پاس پہنچ گیا، اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔"

"کیا بات ہے...... چینا نے پوچھا۔"

"بڑے بھیا...... شہزاد...... شہزاد کو سکول سے اغوا کرلیا گیا ہے...... لڑکے بتا رہے تھے کہ سرخ رنگ کی ایک کار سے کچھ لوگ سکول کے گیٹ کے پاس اترے اور اسے گھسیٹ کر کار میں لے گئے۔

چینا کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔

❀❀❀

چینا کچھ دیر تک اپنے بھائی کا چہرہ دیکھتا رہا...... رشتے ناطے تو اب اس کی نگاہوں میں بے مقصد ہو کر رہ گئے تھے...... یہ بات اس کا بھائی بھی جانتا تھا کہ سامنے جو شخص کھڑا ہے اس سے ہر بات کی توقع رکھی جا سکتی ہے، چنانچہ وہ خوف سے کانپ رہا تھا...... میاں بیوی میں گفتگو بھی ہوئی تھی۔ شہزاد کے غائب ہونے کے بعد بہت دیر تک باتیں کرتے رہے تھے، بیوی نے کہا تھا۔

"اب کیا ہو گا؟"

"سمجھ لے...... زندگی کا وقت پورا ہو گیا ہے۔"

"اس سے تو اچھا تھا کہ ہم غربت میں زندگی گزارتے رہتے...... دال روٹی ملتی مگر جیتے اپنی مرضی سے۔"

"وہ بھی نہیں کر سکتے تھے ہم۔"

"کیوں؟"

"میری ماں نے ایک سانپ جنا تھا وہ سانپ اب شیش ناگ بن چکا ہے...... ہم اس ناگ سے نہیں بچ سکتے تھے۔"

"مگر اب ہو گا کیا، تم پولیس میں رپورٹ لکھوا دو۔"

"اس سے پوچھے بغیر کچھ کرنا مصیبت مول لینا ہی ہے۔"

"ایسا کیوں نہ کریں کہ چپ چاپ بھاگ چلیں کہیں۔"

"قبر کی گہرائیوں میں بھی وہ ہمیں تلاش کرلے گا اور بار بار مارے گا ارے پاگل تو [illegible]"

"میں کیا سمجھوں گی میرے اماں باوا نے تو مجھے تم لوگوں کے حوالے کر دیا تھا
نجانے کیا سوچا تھا کم بختوں نے ارے کبھی کبھی یہ ماں باپ ایسا سلوک کرتے ہیں اپنی اولاد
کے ساتھ کہ بس کچھ کہے نہ بن پائے۔"

"اب روتی پیٹتی رہے گی کہ کوئی ترکیب بھی بتائے گی، مصیبت آپڑی ہے ہم پر
بتا کہ اس مصیبت سے کیسے نپٹیں۔"

"تمہارا بھائی ہے وہ تم ہی جانو۔"

"اس کتے کے پلے کو ہر جگہ تلاش کر لیا...... سرخ رنگ کی کوئی کار اس شہر ہی میں نہیں
ہے، مجھے تو یہی پتا چلا ہے۔"

"تمہیں تو پتا بتانے والے بھی تمہارے جیسے ہی ہوں گے۔"

"خدا تجھے غارت کر دے...... اب تو یہی کہوں گا تجھے پالنے کے چکر میں ہی اپنی زندگی
سودا کر بیٹھا ہوں، جا رہا ہوں اسی بھیڑیئے کے پاس، واپس نہ آؤں تو فاتحہ کروا لینا میری، چ
کے بھائی نے کہا تھا اور اس کے بعد وہ چینا کے پاس پہنچ گیا تھا اور اس کا اندازہ بالکل ٹھیک
تھا...... چینا نے سرد لہجے میں کہا۔

"اندر آ...... اندر آ۔" اور وہ چینا کے ساتھ اندر چل پڑا...... پاؤں کانپ رہے تھے
ہمت تو قائم رکھنی تھی...... چینا اسے اندر کمرے میں لے گیا، پھر آہستہ سے بولا۔

"بھائی ہے تو میرا...... ہم دونوں کے جسم میں ایک ہی خون ہے لیکن تو میرے اندر
بات نہیں جانتا...... بہت برا انسان ہوں میں نجانے کتنے اپنے جیسوں کو زندگی سے محرو
کر چکا ہوں، لیکن کم بخت اس دل میں کوئی ایک حصہ باقی رہ گیا ہے جس میں ابھی سرخی موجو
ہے اور یہ سرخ رنگ میرے بیٹے شہزاد کا ہے...... میں اس حصے میں بہت تکلیف محسوس کر
ہوں، وہ مجھے یاد آتا ہے اس کے لئے میں نے اپنی ذات کی قربانی دے دی ہے
سارے حقوق اپنے ہاتھوں سے ختم کر لئے ہیں کہ کوئی اسے برے آدمی کی اولاد نہ سمجھے مگر
جو کچھ کہہ رہا ہے اس کے بعد کیا اس دنیا کو قائم رہنا چاہئے، کیا مجھے زندہ رہنا چاہئے
نہیں مٹا سکا تو اتنے انسانوں کو ضرور مار دوں گا کہ دنیا بھی یاد رکھے گی اور ان میں سب
پہلے مرنے والا تو ہوگا...... کتے تو۔" اس نے آگے بڑھ کر بھائی کا گریبان پکڑ لیا لیکن ا
وقت چینا کا بھائی بھی عجیب کیفیت میں تھا...... اس نے کہا۔

"جب میں گھر سے چلا تھا نا چینا تو اپنی بیوی سے تیری بھاوج سے کہہ کر آیا تھا کہ واپس
ں تو اپنی چوڑیاں توڑ لے، بیوہ سمجھ لے خود کو، بھاگ بھی سکتے تھے ہم دونوں کہیں لیکن
ں بہت محبت تو ہمیں بھی ہو گئی ہے اس سے، ٹھیک ہے مار لے تو ہمیں تیرا ہمیں کیا بگاڑ
ا تو کہہ چکا ہے نا کہ تیرے ہاتھوں بے شمار انسان موت کے گھاٹ اتر چکے ہیں، ایک
ہی مر جاؤں گا تو کیا فرق پڑے گا تیرے کارناموں میں ایک کا اضافہ ہو جائے گا اور بس
ز مجھے بتا قصور میرا تو نہیں ہے...... معمول کے مطابق وہ سکول گیا تھا، معمول کے
ں سکول سے گاڑی میں بیٹھ کر گھر آتا تھا...... گاڑی کھڑی ہوئی تھی، بچے اس میں چڑھ
تھے...... وہ بھی باہر نکلا سرخ رنگ کی ایک کار آ کر رکی اسے اس میں زبردستی بٹھایا گیا اور
ل گئی...... میرا کیا قصور؟"

"سکول کے سارے بچوں سے کہہ دے کہ تین دن تک سکول نہ آئیں...... تین دن
اندر اندر وہ سکول اپنی جگہ قائم نہیں رہے گا۔" چینا نے کہا۔

"تجھے مشورہ دینے کا کوئی حق نہیں ہے مجھے اور نہ ہی میری ہمت ہے لیکن آج جب
دینے ہی آیا ہوں تو تو مجھے بتا دے سکول تباہ کرنے سے شہزاد مل جائے گا کیا؟"

"تو پھر کیسے ملے گا وہ...... کیسے ملے گا؟" چینا نے کہا اور اسی وقت کسی نے دروازے پر
ے دی اور چینا نے سرد نگاہوں سے دروازے کی جانب دیکھا اور بولا۔

"اندر آؤ...... کون ہے؟" ایک آدمی اندر داخل ہو گیا تھا۔

"چینا فون ہے۔" اس نے کہا۔

"کوئی فون نہیں سنوں گا اس وقت۔"

"کہنے والا کہتا ہے کہ بات کرنا بہت ضروری ہے۔"

اس آدمی نے کہا۔

"میں نے کہا نا تجھ سے...... خیر موبائل پر ہے۔"

"ہاں چینا۔"

"کدھر ہے موبائل۔"

"یہ ہے نا میرے پاس۔"

"لا اور دفعہ ہو جا۔" چینا نے کہا اور اس شخص نے موبائل چینا کی جانب بڑھا دیا اور چینا

نے اسے قریب کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں بولو کون ہے۔"

"چینا۔"

"تیرا باپ، سمجھا۔" چینا نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"بیٹے اپنے دادا سے بات کر رہا ہے تو۔" دوسری جانب سے آواز آئی۔" چینا کے لئے یہ لہجہ اور آواز اجنبی تھی، اس نے چند لمحوں کی خاموشی اختیار کی...... پھر آہستہ سے بولا۔

"کون ہے...... بتا دے کیا فائدہ میرے موبائل کا نقصان کرا دے گا کھینچ کر دیوار پر مار دوں گا۔"

"اگر تو اسے کھینچ کر دیوار سے مار دے گا چینا تو زندگی کے سب سے بڑے نقصان سے دوچار ہو گا۔"

"کہنا کیا چاہتا ہے؟" چینا نے کہا۔

"یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھ سے بات کر...... بیٹے کی گمشدگی کی اطلاع مل گئی تجھے۔" دوسری جانب سے آواز آئی اور ایک بار پھر چینا کے جبڑے بھنچ گئے، چند لمحوں تک وہ کوئی جواب نہ دے سکا، پھر آہستہ سے بولا۔

"ہاں۔"

"اسے ہم نے اغوا کیا ہے۔"

"کاش...... کوئی ایسا ذریعہ ہوتا کہ مجھے تیرے اور تیرے خاندان کے بارے پتا چل سکتا تو تو بھی یاد کرتا کہ زندگی میں تو نے کبھی کوئی غلطی کی ہے۔"

"غلطی نہیں کی نا چینا...... تجھے میرے اور میرے خاندان کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہے، جب میں نے غلطی نہیں کی ہے تو تو میرا کیا بگاڑ لے گا...... کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ مطلب کی بات کر۔"

"بول بول بول کتے...... کتنی ہڈیاں چاہئے تجھے۔"

"تو مجھے کتا کہہ کر مخاطب کر رہا ہے...... میں تجھے کیا کہوں چینا۔"

"کام کی بات کر...... کام کی کتنی رقم چاہتا ہے؟"

"میں تیری مہیا کی ہوئی رقم اور تیری صورت پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرتا، تیری جو

حیثیت ہے اپنی اس اوقات میں رہ کر بات کر۔"

"شہزاد تیرے پاس ہے؟"

"ہاں۔"

"اس وقت موجود ہے؟"

"ہاں ہے۔"

"مجھ سے بات کرا۔" چینا نے کہا۔

"ٹھیک ہے ایک منٹ انتظار کر۔" دوسری جانب سے آواز آئی اور چینا خاموشی سے انتظار کرتا رہا اور چند لمحوں کے بعد اسے اپنے بچے کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو...... چاچا تم بول رہے ہو؟"

"شہزاد کیسا ہے تو؟"

"چاچا...... ٹھیک ہوں یہ انکل جو ہیں نا بہت اچھے ہیں اور آنٹی بھی بہت اچھی ہیں چاچا...... مجھے خوب کار میں سیر کرائی ہے انہوں نے اور یہاں لا کر بہت سے کھلونے دیئے ہیں مجھے...... چاچا مجھے یہاں بہت اچھا لگ رہا ہے، اگر تم اجازت دو اور بابا اجازت دے تو میں کچھ دن انکل اور آنٹی کے ساتھ رہ جاؤں۔"

"فون اسے دے دے...... شہزاد۔" چینا نے کہا۔

"چاچا...... بابا کہاں ہے؟ تم اسے میرے بارے میں بتا دینا کہ میں انکل اور آنٹی کے ساتھ ہوں۔"

"ہاں ٹھیک ہے فون اسے دے دے۔" اور پھر چند لمحوں کے بعد چینا کو آواز سنائی دی۔

"ہاں چینا۔"

"معاف کر دینا مجھے...... معاف کر دینا تو نے جو طریقہ کار اختیار کیا ہے اس نے تیرا بازو میری گردن پر پہنچا دیا...... معاف کر دینا جو کہہ چکا ہوں تجھے، غصے میں تھا بول کیا چاہتا ہے؟"

"چینا...... کام معمولی نہیں ہے۔"

"کوئی کام مشکل نہیں ہوتا، اگر وہ کام ہوتا ہے کیا تو مجھے امریکہ کے وزیراعظم کو قتل کرنے کو کہے گا۔"

"نہیں......اتنی دور نہیں بھیجوں گا تجھے......اپنے ہی شہر کی بات ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"تجھے قتل کرنا ہے چینا۔"

"ہوں...... تیرا کوئی دشمن ہے؟"

"ہاں۔"

"کسی اور سے یہ کام کرالے مجھ سے پیسے لے لے۔"

"چینا تجھے ہی یہ قتل کرنا ہے اور میرا خیال ہے کہ مذاق کی باتیں بہت زیادہ ہو گئیں، اب کام کی باتیں کر۔"

"کون ہے؟" چینا نے سوال کیا۔

"شیخ سلطان ہے اس کا نام، تو شاید اس کو جانتا ہو اور اگر نہیں جانتا تو میں تجھے اس کی فرم کا پتا بتاتا ہوں۔"

"بتا۔" چینا کے چہرے پر شدید حیرت کے آثار پیدا ہو گئے تھے، وہ اس شک کا شکار تھا کہ ممکن ہے کہ یہ شیخ سلطان کوئی اور ہو لیکن جب اس کی فرم کا پتا بتایا گیا تو چینا ششدر رہ گیا...... کچھ لمحے وہ کچھ بول ہی نہیں سکا تھا، پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"ایک بات بتا۔"

"ہاں بول۔"

"کیا دشمنی ہے اس سے تیری؟"

"چینا...... یہ بتانا مشکل ہے۔"

"ایک بڑی عجیب بات ہوئی ہے دوست، میری بات سن لے۔"

"صرف ایک بات بتا چینا کیا تو میرے کام سے گریز کرنا چاہتا ہے؟"

"بالکل نہیں...... اس نے خود مجھے کچھ لوگوں کو قتل کرنے کو کہا ہے۔ میری ان لوگوں سے بھی کوئی دشمنی نہیں میرا تو معاملہ ہی نہیں تھا، معاوضہ دے رہا ہے مجھے...... اب تم مجھے اس کے قتل کے لئے کہہ رہے ہو، لیکن تمہارا معاوضہ زیادہ ہے...... شہزاد میرے لئے بہت بڑی چیز ہے، میرے بھائی کا بیٹا ہے وہ اور جواب میں چینا کو ہنسی سنائی دی تھی، پھر اس نے کہا۔

"اور ابھی تک میں نے شہزاد کو یہ بات نہیں بتائی چینا کہ وہ تیرے بھائی کا نہیں تیرا اپنا

ہے۔" دوسری طرف سے ادا کئے جانے والے الفاظ چینا کے لئے کسی بم کے دھماکے سے تھے، اس کا ذہن دیر تک اس آواز کی گونج کا شکار رہا تھا اور ششدر کھڑا سوچتا رہا تھا۔ آواز سنائی دی۔

"مسئلے کو اتنا گہرا تو خود بنا رہا ہے چینا، حالانکہ یہ تیرے لئے معمول کی بات ہے۔"

"ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے اور کوئی بات نہیں کروں گا میں تجھ سے پھر اس کے بعد کیا ہے گا۔"

"عزت واحترام کے ساتھ تیرے بیٹے کو واپس اس کے سکول پہنچا دیا جائے گا یا تیرے کے دروازے پر چھوڑ دیا جائے گا، اس گھر کے دروازے پر جو تیرے بھائی کا گھر ہے...... سمجھ رہا ہے نا۔"

"ہاں سمجھ رہا ہوں...... اس کے بعد تو کوئی اور بات تو نہیں کرے گا۔"

"نہیں وعدہ۔"

"تیرے وعدے پر اعتبار کرنا میری مجبوری ہے کیونکہ میرے دل کا ٹکڑا تیرے قبضے میں ہے۔"

"اس سے بات کی ہے تو نے چینا...... یہ سمجھ لے کہ وہ میرے لئے اس وقت تک اپنے بچے کی مانند رہے گا جب تک تو میرا کام نہیں کر دیتا...... کل دن میں شیخ سلطان کے دفتر میں داخل ہو کر اسے وہیں ہلاک کر دینا ہے...... باقی تو جان اور تیرا کام جانے میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کہوں گا، لیکن میرا یہ وعدہ ہے تجھ سے کہ تیرا بچہ خیریت سے واپس گھر پہنچ جائے گا۔"

"ٹیلی فون بند کر دوں؟"

"ہاں اور کوئی اہم بات نہیں رہ گئی ہے۔"

"ٹھیک ہے...... تیرا کام تیری خواہش کے مطابق ہو جائے گا۔" چینا نے کہا اور ریسیور آف کر دیا اور اس کا بھائی خاموشی سے کھڑا اس کی شکل دیکھ رہا تھا...... اسے اپنی ہی بیٹے کی فکر پڑی ہوئی تھی...... کافی دیر تک چینا خاموش کھڑا رہا، پھر اس نے ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"دھت تیرے کی، کیا کہوں مجھ جیسے آدمی سے اگر کوئی نیک کام کرنے کے لئے بھی کہا جاتا تو یہی کہ فلاں کو مار دے۔"

"بڑے بھیا میں۔"

"تو کچھ مت کر...... میرے بیٹے تو بھی تو میرے لئے اولاد کی طرح ہے۔" چینا نے اس سے کہا اور اس کا بھائی چونک کر اسے دیکھنے لگا، یہ جملے تو شاید اس نے کبھی چینا کی زبان سے نہیں سنے تھے، لیکن چینا کا کیا ٹھکانا ابھی کچھ کہہ رہا ہے ابھی بات تبدیل کر دے، وہ خاموشی سے چینا کی شکل دیکھتا رہا...... نجانے کیوں چینا کو یہ احساس ہو رہا تھا کہ کوئی انہونی ہو رہی ہے...... اس نے بھائی سے کہا۔

"او رشیدے۔"

"جی بڑے بھیا۔"

"جانا ہے تجھے واپس؟"

"میں سمجھا نہیں بڑے بھیا۔"

"ابھی گھر واپس جائے گا۔"

"جاؤں۔"

"نہیں ٹھہر کچھ دیر میرے پاس کھانا میرے ساتھ کھا۔"

"بڑے بھیا میں شہزاد کے لئے پریشان ہوں۔"

"نہیں...... اس کے لئے ابھی پریشان نہ ہو جب میں کہوں تو پریشان ہو لینا...... ابھی سب ٹھیک ہے...... آ میرے ساتھ آ۔" نجانے کیوں چینا کے رویئے میں عجیب سی تبدیلی پیدا ہو گئی تھی، وہ اپنے بھائی کو ساتھ لئے ہوئے ایک اور کمرے میں آ گیا...... راستے میں اس نے کھانے کے لئے کہہ دیا تھا...... اس کا بھائی اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا تھا...... اس کا چہرہ ابھی بھی دہشت سے زرد پڑا ہوا تھا...... بات اصل میں شہزاد کی تھی، جس کے لئے چینا اسے کبھی معاف نہیں کر سکتا تھا...... کھانا بے شک منگوا لیا گیا تھا لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ شاید چینا نے اسے زندگی سے محروم کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہے اور اب اسے کھلا پلا کر مار دینا چاہتا ہے، کھانا سامنے آ گیا تو چینا نے کہا۔

"چل شروع ہو جا۔"

"بڑے بھیا۔" رشیدے کی آواز اُبھری۔

"ہاں بول۔"

"بڑے بھیا مجھے معاف نہیں کرو گے تم۔"

"کیوں...... کیا ہو گیا؟"

"بڑے بھیا کیا فیصلہ کیا ہے تم نے میرے بارے میں؟"

"کچھ نہیں...... جس سے میری بات ہوئی ہے نا رشیدے وہ کہتا ہے کہ شہزاد کو وہ ...ے حوالے کر دے گا، ایک کام دیا ہے اس نے مجھے اچھا تو سن...... چل کھانا تو کھا۔"

"بڑے بھیا...... تم سچ کہہ رہے ہو۔" رشیدے نے کہا اور چینا چونک کر اسے دیکھنے لگا اور بولا۔

"تو اس قابل ہے کہ تجھ سے جھوٹ بولا جائے...... جھوٹ اس سے بولا جاتا ہے جس ...ے کوئی ڈر ہو...... کوئی خوف ہو...... مجھے تجھ سے کوئی ڈر ہو سکتا ہے...... ہوش قائم رکھ اپنے...... کہیں ایسا نہ ہو کہ میری کھوپڑی خراب ہو جائے۔"

"نہیں بڑے بھیا نہیں...... معافی چاہتا ہوں۔"

"کھانا کھا۔" اور رشیدے اس حکم کی تعمیل میں مصروف ہو گیا اور چینا خود بھی کھانا کھا ...ہا تھا، چینا نے کہا۔

"دیکھ اس کا کہنا ہے کہ اگر میں نے اس کا کام کر دیا تو وہ شہزاد کو ہمارے حوالے کر دے ...گا...... وہیں پہنچا دے گا اسے، اب تو اتنی بھی عقل خراب نہ کرنا کہ شہزاد کی طرف سے دماغ ...ی ہٹا لے، کل ہم اس کا کام کر دیں گے اور جیسے ہی وہ شہزاد کو تیرے پاس پہنچائے فوراً یہاں ...کر مجھے خبر دینا، بلکہ شہزاد کو بھی ساتھ لیتے آنا...... سمجھا اسی جگہ۔"

"ٹھیک ہے...... بڑے بھیا۔"

"کھانا کھا لے اور پھوٹ لے۔" چینا نے کہا اور اس کے بعد خاموشی سے کسی سوچ میں ...ڈوب گیا۔

❁

بینا کے چہرے پر شدید تشویش کے آثار تھے، وہ پریشان نگاہوں سے شہاب کو دیکھ رہی تھی اور شہاب مسکرا رہا تھا...... اس کی مسکراہٹ پر بینا کو غصہ آ گیا اور وہ چڑچڑے لہجے میں بولی۔

"اس وقت تمہارا مسکرانا مجھے برا لگ رہا ہے۔"

"لیکن تمہارا مسکرانا مجھے بالکل برا نہیں لگا...... کسی بھی وقت۔"

"[illegible] ...ق نہیں۔"

"اگر اپنی مسکراہٹ کے بارے میں کہہ رہی ہو تو یقین کرو مذاق بالکل نہیں کر رہا۔"

"خدانخواستہ کچھ ہو جاتا تو؟"

"نہیں ہوتا نا۔" شہاب نے کہا۔

"حقیقتوں سے نگاہیں نہیں چرائی جا سکتیں...... یہ جذباتی جملے مجھے مطمئن نہیں کر سکیں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ تم میرے جذباتی جملوں سے ہمیشہ مطمئن ہوتی رہی ہو۔"

"شہاب...... تمہیں قسم ہے مذاق نہ کرنا۔"

"یہ نہیں بتایا کس کی قسم ہے۔"

"نہیں مانو گے نا۔"

"اچھا چلئے مانے جاتے ہیں۔"

"کچھ کرو گے نہیں اس سلسلے میں۔" بینا نے کہا۔

"محترمہ بینا...... جب آپ گھر میں ہوتی ہیں تو صرف اہلیہ ہوتی ہیں اور جب آپ کو کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں بلایا جاتا ہے تو آپ کی اہلیت کا امتحان ہوتا ہے اور اس وقت آپ ڈیوٹی پر ہیں اور یہ الگ بات ہے کہ میں نے آپ کو پولیس ہیڈ کوارٹر کی ڈیوٹی سے بچایا ہوا ہے، آپ فرمایئے میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"شہاب...... خدا کے لئے ساری باتیں اپنی جگہ ہم جینا بھی چاہتے ہیں۔"

"بینا...... جب تک ہم یہ ملازمت کرتے رہیں گے لوگ ہماری زندگی کو ناپسند کرتے رہیں گے...... بے شک جینا کون نہیں چاہتا لیکن ہماری زندگی اسی طرح آگے بڑھے گی اس کے لئے ہمارے پاس کوئی اور چارہ کار نہیں ہے۔"

"لیکن اب ایسا بھی تو نہیں ہونا چاہئے کہ اس طرح کے قاتلانہ حملے ہوں اور ہمارے دشمن آزادی سے ہمارے خلاف کارروائی کرتے رہیں۔"

"دشمن کی آزادی ناپسند ہے آپ کو بینا۔"

"جی...... جی...... جی۔" بینا جھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"ٹھیک ہے...... دشمن آزاد نہیں رہے گا۔"

"شہاب...... حد سے زیادہ خود اعتمادی کبھی کبھی نقصان دہ ثا

ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو زندگی کی ہر مشکل سے محفوظ رکھے لیکن اپنے طور پر بھی حفاظتی اقدامات کرتے رہنا ضروری ہے۔"

"ہم نے آپ کی دعاؤں کا حصار اپنے گرد قائم کر لیا ہے اور بتاؤ کیا کریں؟" شہاب نے ہنستے ہوئے کہا باہر سے جوہر خان کی آواز سنائی دی۔

"صاحب...... کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟"

"آؤ خان صاحب۔" شہاب نے کہا اور جوہر خان اندر داخل ہو گیا۔

"وہ سردار علی فراز وغیرہ آئے ہیں۔"

"ہاں ہاں بلا لیجئے۔"

"ایک بچے کو بھی ساتھ لائے ہیں۔" جوہر خان نے کہا اور شہاب چونک پڑا اور بولا۔

"اچھا ٹھیک ہے ان کو پانچ نمبر میں پہنچا دیجئے۔"

"جی صاحب۔" جوہر خان نے کہا اور گردن جھکا کر چلا گیا، بینا چونک کر شہاب کو دیکھنے لگی تھی۔

"بچہ؟"

"ہاں۔" شہاب سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"کون ہے؟"

"بینا...... تمہارا اصرار تھا نا کہ اپنے تحفظ کے لئے میں کچھ کروں...... سو میں نے کر ڈالا ہے...... آؤ اس بچے سے ملاؤں تمہیں۔"

"چلو مگر ہے کون؟" بینا نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"بتا دوں گا، پہلے اس سے مل لو۔"

"کچھ بتاؤ تو سہی بھئی، ہر مسئلے میں پریشان کرنا اب تمہاری عادت بن گئی ہے۔"

"تو محترمہ اب پریشان ہونے لگی ہیں۔"

"ہاں...... ہاں...... ہاں بتاؤ کون ہے؟" بینا ناز بھرے انداز میں بولی اور پھر ہنس کر کہنے لگی۔

"آخر نصف بہتر ہوں تمہاری۔"

"بینا وہ چینا کا بیٹا ہے۔"

"کیا؟" بینا ایک دم چونک کر رک گئی۔

"ہاں...... چینا کا بیٹا میں نے اس کے بارے میں خاصی معلومات حاصل کی ہیں ایک دوسرے شہر میں رہتا ہے، میں نے سکول سے اغوا کرایا ہے۔"

"اغوا۔"

"ہاں۔"

"کیوں؟"

"بینا مجھے معلوم ہے کہ اس کا بیٹا اس کی دُکھتی ہوئی رگ ہے...... بڑی عجیب تفصیلات معلوم ہوئی ہیں اس کے بارے میں، وہ اپنے بیٹے کو بیٹا نہیں بھتیجا کہتا ہے، اپنے بھائی کے پاس پرورش کرا رہا ہے تاکہ اس کے بیٹے کو اس کا نام نہ ملے عجیب و غریب کردار چھپے ہوتے ہیں بینا ان برے انسانوں کے دلوں میں بھی...... پتا نہیں کون کون سے حالات انسان کو جرم کی راہ پر لے آتے ہیں...... پھر وہ جب جرم کی زندگی میں داخل ہوتا ہے تو آہستہ آہستہ اپنا ماضی بھولتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کا دل پتھر کا ہو جاتا ہے اور پتھر دل والے پتھروں میں کسی کا درد نہیں رکھتے اور ہر وہ غیر انسانی عمل کر لیتے ہیں جو شاید انسانوں کے لئے ممکن نہ ہو، لیکن اس غیر انسانی شخصیت کو اختیار کرتے ہوئے انہیں نہ جانے کتنا عرصہ لگ جاتا ہے...... چینا کی زندگی کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے کہ کون سے عوامل کون سے حالات اسے جرم کی دُنیا میں لائے تھے، لیکن اب وہ کرائے کا قاتل ہے اس کے بارے میں بہت سے شواہد موجود ہیں لیکن ٹھوس ثبوت کبھی ہاتھ نہیں آسکے...... بہر حال وہ معاشرے کا برا کردار ہے...... میں نے ایک تیر سے دو شکار کرنے کا ارادہ کیا ہے۔"

"مثلاً۔"

"چینا جیسے انسانوں کو آزاد نہیں رہنا چاہئے بینا...... انہیں اپنے کیے کی سزا ملنی چاہئے اور پھر ظاہر ہے جب شیر آدم خور ہو جاتا ہے تو پھر اسے خون درکار ہوتا ہے، پتا نہیں کتنے انسان چینا کے خاتمے سے اس کی درندگی کا شکار ہونے سے بچ جائیں گے اور میں نے جو کچھ کیا ہے اس کی تفصیل تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔" پھر شہاب اس کمرے میں داخل ہو گیا جہاں معصوم سا خرگوش بند تھا...... ہوش میں تھا...... ڈبل او گینگ کے افراد اسے دوسرے شہر سے اغوا کر کے لائے تھے اور وہ بہت خوفزدہ نظر آ رہا تھا...... شہاب اندر داخل ہوا تو بچے نے سرخ گلابی ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اپنی گول گول خوفزدہ آنکھوں سے انہیں دیکھا۔

...ب کے دل میں محبت در آئی...... بینا تو اس خوبصورت بچے کو دیکھ کر وارفتہ ہو گئی تھی۔ ...لمحے کے لئے وہ ٹھٹکی اور پھر آہستہ آہستہ بچے کے قریب پہنچ گئی۔

"ہیلو۔"

"ہیلو آنٹی۔" بچے نے معصوم لہجے میں کہا۔

"کیا نام ہے بیٹے تمہارا؟"

"شہزاد، مگر آنٹی یہ لوگ مجھے یہاں کیوں لے آئے ہیں...... کیا چاہتے ہیں یہ؟" بینا کو ...راہی سوجھ گئی اور اس نے آہستہ سے کہا۔

"شہزاد...... ہم لوگوں نے ایک کھیل کھیلا ہے۔"

"کھیل؟"

"ہاں۔"

"کیا کھیل؟"

"تمہارے ڈیڈی کو پریشان کرنا چاہتے ہیں ہم۔"

"کیوں؟"

"بس ایسے ہی تفریحاً تم ایک دو دن ہمارے پاس رہو گے اور پھر اس کے بعد ہم واپس نہیں تمہارے گھر بھیج دیں گے۔"

"مگر آنٹی آپ سچ کہہ رہی ہیں۔"

"ہاں...... بالکل سچ۔"

"آنٹی! یہ لوگ خطرناک تو نہیں ہیں؟"

"ارے نہیں...... بالکل نہیں، تم انہیں انکل کہہ کر پکار سکتے ہو۔"

"ایک لفظ جھوٹ ہو تو ہمارے ساتھ جو سلوک چاہو کرنا۔" بینا نے کہا۔

"آنٹی میں تو بہت ڈرا ہوا ہوں۔"

"نہیں بیٹے...... بہادر بچے ڈرتے تو نہیں ہیں اور اگر آپ ڈر گئے ہیں تو ہم آپ کو آپ کے گھر واپس پہنچا دیتے ہیں...... ویسے آپ کو کار کا یہ سفر پسند نہیں آیا...... ان لوگوں نے آپ کے ساتھ کوئی برا سلوک تو نہیں کیا ہوگا۔"

"نہیں آنٹی کوئی برا سلوک نہیں کیا مگر میں ڈرا ہوا ہوں۔"

”نہیں...... ڈیئر بالکل نہ ڈرو...... میں ہوں نا تمہارے پاس چلئے بھئی آپ لوگ جایئے یہ انکل ہیں تم انہیں انکل کہہ سکتے ہو اور مجھے آنٹی...... اچھا اب یہ بتاؤ کیا کھلایا پلایا جائے تمہیں؟“

”نہیں آنٹی...... ابھی تو میں کچھ نہیں کھاؤں گا...... ذرا میرا اڈر ختم ہو جائے۔“ بچے کی خوبصورت باتوں نے بینا اور شہاب کو بہت متاثر کیا تھا، بہت دیر تک وہ بچے سے گفتگو کرتے رہے اور اسے تسلیاں دیں اور اس سے کہا کہ وہ ایک مخصوص وقت پر اسے اس کے باپ کے پاس پہنچادیں گے...... بچے نے اپنے بارے میں مختصر تفصیلات بتادی تھیں...... بہرحال شہاب نے جو عمل کیا تھا ایک بہت برے انسان کو راہ راست پر لانے کے لئے وہ ضروری ہو گیا تھا اس کے لئے۔ خاص طور پر شہنشاہ کی شکل میں...... شہاب اس مسئلے کو اسی شکل میں حل کرنا چاہتا تھا۔ ڈی آئی جی نادر حیات صاحب نے اسے گرین سگنل دے دیا تھا اور اب اس کے بعد شہاب کو کسی اور سے کوئی اہم رابطہ کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی...... وہ اپنا کام خوش اسلوبی سے سرانجام دے رہا تھا...... بہرحال بچے کو اغوا کرانے کے بعد تھوڑا سا وقفہ بھی ضروری تھا...... ظاہر ہے اس کے بعد جب چینا کو ساری خبر ملے گی تو اس پر رد عمل ہوگا۔ چینا کے بارے میں اسے جو معلومات موصول ہوئی تھیں ان میں یہ بات سرفہرست تھی کہ چینا اگر کسی کو انسان کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو وہ اس کا اپنا بیٹا ہے...... بینا کو بھی اس نے ساری باتیں سمجھادی تھیں، لیکن بہرحال بینا بچے سے بہت متاثر تھی شہاب نے اس سے کہا۔

”تم اگر چاہو تو بچے کے پاس رہ سکتی ہو۔“

”کیا واقعی۔“ بینا خوش ہو کر بولی۔

”کیوں یہ اتنی بڑی بات تو نہیں ہے۔“

”نہیں...... میرا مطلب ہے تم یہ پسند کرو گے۔“

”کیوں نہیں۔“

”مگر گھر میں کیا کہو گے۔“

”نہیں...... گھر میں کچھ کہنے کا مسئلہ ہے نہیں...... نہ ہی جھوٹ بولنا ضروری ہے سبھی جانتے ہیں کہ بہرحال تم محکمہ پولیس میں ملازمت کرتی ہو، یہ الگ بات ہے کہ بدعنوان کارکنوں میں سے ایک ہو، یعنی گھر بیٹھے تنخواہ لے رہی ہو۔“

”جی نہیں...... میرا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔“

”تمہارے شوہر کا قصور تو ہے نا...... ظاہر ہے اس کے پاس وسائل ہیں اس نے تمہیں گھر بٹھا رکھا ہے، خیر اب ایسا بھی نہیں کہ تم کوئی کام ہی نہ کرو اس بچے کے پاس رہنا سمجھ لو تمہاری ڈیوٹی ہے۔“

”واقعی...... کتنا پیارا بچہ ہے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ یہ ایک ایسے جرائم پیشہ شخص کا بیٹا ہے جو کرائے کا قاتل ہے۔“

”بس...... بیناؤ نیا نجانے کیسے کیسے رنگوں میں رنگی ہوئی ہے، کس کے بارے میں کیا کہا جائے، کون کیا کرتا ہے اللہ بہتر جانتا ہے۔“

”شہاب...... ایک بات بتاؤ۔“ بینا پر خیال انداز میں بولی۔

”ہاں۔“ شہاب نے پوچھا لیکن بینا دیر تک کچھ نہ بولی، پھر آہستہ سے کہنے لگی۔

”چلو ٹھیک ہے رہنے دو...... اوکے۔“

”بری بات ہے ایسا آئندہ نہ کرنا۔“

”نہیں یقین کرو بس یونہی نجانے کیا سوال کرنا چاہتی تھی تم سے پوچھ نہیں سکی۔“ پھر اس کے بعد شہاب نے بینا کو وہیں چھوڑ دیا تھا اور اپنے آفس چل پڑا تھا...... سارے کام خوش اسلوبی سے سرانجام پا رہے تھے...... مجبور کر دیا گیا تھا اسے کہ وہ قانون کی لکیر سے ہٹ کر شہنشاہ کے راستوں پر آجائے...... ڈی آئی جی نادر حیات صاحب جیسی شخصیت مجبور ہو گئی تھی۔ تو بھلا شہاب اپنی کیا حیثیت سمجھتا...... نادر حیات صاحب ڈاکٹر حیات کے قتل پر انگشت بدنداں تھے اور نجانے ان کے ذہن میں کیسے کیسے خیالات تھے...... شہاب آفس پہنچا تو نادر حیات صاحب کی طرف سے طلبی ہو گئی اور اسے اپنے دفتر جانے کی بجائے ڈی آئی جی صاحب کے دفتر جانا پڑا...... نادر حیات صاحب نے بے چین نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور بولے۔

”آؤ بھئی بیٹھو...... کم از کم مجھے صورت حال سے آگاہ تو رکھا کرو۔“

”سوری سر...... صورت حال بالکل مناسب ہے۔“

”حد سے زیادہ خود اعتمادی بھی بعض اوقات نقصان کا باعث بن جاتی ہے شہاب۔“

”جی سر ضرور...... آپ کی بات میں تسلیم کرتا ہوں۔“

”تمہاری کار پر حملہ ہوا تھا؟“

"جی ہاں۔"

"سنا ہے کار گولیوں سے چھلنی ہو گئی ہے۔"

"جی سر نقصان ہو چکا ہے...... اب نقصان ہو ہی چکا ہے تو اس پر افسوس کیا کیا جائے۔"

"تم اس کار میں موجود تھے؟"

"حملہ کار پر نہیں مجھ پر ہوا تھا سر۔"

"کون تھے وہ لوگ؟"

"سر نام تو نہیں بتا سکتا ان کے لیکن بہر حال چینا کے آدمی تھے۔"

"تم اس چینا پر ہاتھ کیوں نہیں ڈالتے؟"

"ڈال سکتا تھا سر، لیکن وہ بڑے کام کی چیز ہے۔"

"کون؟ چینا۔"

"جی۔"

"وہ مجھ پر بھی حملہ کر چکا ہے اور یہ بات ہمارے علم میں پہلے سے آ چکی ہے کہ وہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔"

"جی سر۔"

"تو پھر وہ کس کام کا آدمی ہے...... میں تم سے کہتا ہوں کہ۔"

"سر آپ کا ہر حکم میرے لئے قانون ہے لیکن پلیز ابھی کوئی حکم نہ دیجئے...... چینا سے میں ایک کام لینا چاہتا ہوں، پھر اس کے بعد وہ خود بخود قانون کی گرفت میں آ جائے گا۔"

"کیا کام لینا چاہتے ہو؟"

"سر...... پانچ چوہے گھر سے نکلے کرنے چلے شکار...... ایک چوہے کو بلی کھا گئی، باقی رہ گئے چار۔" شہاب نے کہا اور نادر حیات صاحب مسکرا اُٹھے...... پھر بولے۔

"چلو ٹھیک ہے یہ بات مان لیتا ہوں میں کہ تم نے ان پانچ میں سے ایک کو بڑی ہوشیاری کے ساتھ کم کر دیا۔"

"آپ کا حکم تھا سر...... وہ قانون کی گرفت میں نہیں آ رہا تھا...... جمال شاہ جیسے لوگ اس کی پشت پر تھے۔"

"ہاں...... یہ ایک المیہ ہے...... میں نہیں جانتا کہ اپنی ملازمت کی مدت کو پورا کرتے

ہوئے مجھے اپنے اقتدار سے کتنا نیچے اترنا پڑے گا...... یہاں آنے کے بعد میرا مطلب ہے کہ ان واقعات سے منسلک ہونے کے بعد ایک عجیب سی بد دلی دل میں پیدا ہو گئی ہے۔ یقین کرو اگر ملازمت کی مدت اس قدر مختصر نہ رہ گئی ہوتی تو استعفیٰ دینے پر غور کرتا حالانکہ جانتا ہوں کہ اس کے بعد بھی مسائل میں کمی نہ ہوتی...... دشمنوں کو اپنے ساتھ گھر لے جانا لیکن شہاب ٹھیک نہیں ہے...... یہ سب کچھ کیا کہتے ہو تم۔"

"سر...... یہ سب کچھ واقعی ٹھیک نہیں ہے، لیکن میں جو آپ کی خدمت کے لئے موجود ہوں...... کیا ڈاکٹر حیات کو میں نے قتل کیا؟ چوبیس آدمیوں کا قاتل تھا وہ اور جس بے گناہ شخص کو اس نے اپنی سازش کے جال میں جکڑا تھا، وہ اس کا قاتل ہے...... خیر چھوڑیئے کل ایک اور شخص قتل ہو جائے گا...... کل چار چوہوں میں سے ایک اور ختم ہو جائے گا، باقی رہ گئے تین۔" شہاب کے لہجے میں پھر وہی غراہٹ بیدار ہو گئی تھی جو کسی بھیڑیئے کی غراہٹ سے بھی زیادہ خوفناک محسوس ہوتی تھی...... نادر حیات نے پوری زندگی پولیس کی ملازمت میں گزاری تھی، ایسے ایسے بھیانک لوگوں سے واسطہ پڑا تھا ان کا کہ ان کی تفصیل نہ بتائی جا سکے، لیکن کبھی کبھی شہاب کے اندر وہ ایسی اجنبی شخصیت کو پاتے تھے جو ان کو لرزا دیتی تھی...... وہ خاموشی سے شہاب کی صورت دیکھتے رہے، ایک لمحے کے لئے شہاب کے چہرے پر عجیب سی سنگین کیفیت نظر آئی تھی اس کے بعد وہ نارمل ہو گیا اور مسکرا کر بولا۔

"سر...... میرے لئے کوئی اور حکم؟"

"کون سا چوہا کم ہونے جا رہا ہے؟" نادر حیات نے سوال کیا اور شہاب نگاہیں اُٹھا کر انہیں دیکھنے لگا، اور پھر آہستہ سے بولا۔

"شیخ سلطان۔"

❀ ❀ ❀

سنگ و آہن بے نیازی غم نہیں
دیکھ ہر دیوار و در سے سر نہ مار

بات سوچ کی ہوتی ہے اور سوچ ہر جاندار کا حق ہے، اس کا عمل ہے کوئی کسی بھی شکل میں نظر آئے اس کے اپنے وجود میں ایک دُنیا آباد ہوتی ہے...... اس دُنیا میں کیا کیا ہے اور اگر کوئی اسے جاننے کا دعویٰ کر لے تو اسے احمق کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا...... ڈبل اوگینگ میں جتنے افراد شامل تھے۔ ان سب کا اپنا ایک ماضی تھا، ایک کہانی تھی، اس کہانی کے کچھ حصے شہنشاہ کے شروع کی قسطوں میں سنا دیئے گئے تھے، جیسے فراست اور چند افراد ان لوگوں نے زندگی سے بغاوت کی تھی اور خودکشی کرنے کی بجائے خود کو جرم کی دُنیا میں لانے کا فیصلہ کیا تھا اور کسی بھی وقت قانون کے کسی رکھوالے کی گولی سے مر جانے کو خودکشی قرار دیا تھا، یعنی کہ یہ مرنا تو ہے بجائے اس کے کہ چھت میں گھومتے ہوئے پنکھے سے لٹک کر، کسی بلند و بالا پل سے، دریا میں کود کر، ریل کی پٹری پر لیٹ کر، گردن کٹوانے سے یا پھر زہر کی کچھ خوراک معدے میں اتار لینے سے موت آ جاتی ہے لیکن انہوں نے یہ سوچا تھا کہ دُنیا نے ان سے جینے کا حق چھین لیا ہے تو پھر اس دُنیا سے جنگ ہی کیوں نہ کی جائے اور خودکشی اس جنگ کے نتیجے میں ہو تو زیادہ بہتر ہے لیکن کبھی کبھی مشیت ایزدی کسی انسان کو اس کے کسی نیک عمل کی بنیاد پر برائی کے گڑھوں میں پڑنے سے روک دیتی ہے، وہ جو اپنے آپ کو زندگی کے بدترین راستوں پر لانے کے لئے آمادہ تھے...... قادر مطلق کی سیدھی نگاہ کی زد میں آئے اور شہنشاہ سے ان کا کسی نہ کسی شکل میں رابطہ قائم ہو گیا...... پھر ان کے راستے تبدیل ہونے لگے......

ب دم سے دولت کے انبار نہیں آ لگے تھے، ان کے سامنے بس جینے کے راستے نظر آ گئے
تھے اور ایک ایسی پراسرار شخصیت سے واسطہ پڑ گیا تھا، جو ان کی نگاہوں کے سامنے نہ ہوتے
ہوئے بھی ہر لمحہ ان کے سینوں میں محفوظ تھی...... جن نامساعد حالات میں شہنشاہ نے اپنے
ن کا آغاز کیا تھا...... وہ سب اس کے ساتھ قدم بہ قدم آگے بڑھے تھے، یہاں تک کہ
شکلات کے بھنور سے نکل آئے تھے اور اب ان کی زندگی سے جو کوئی بھی متعلق تھا وہ اس
ذر عیش و عشرت میں بسر کر رہا تھا کہ شاید ان کو یہ موقع زندگی میں کبھی نہ ملتا، ایسے حالات
یں وہ شہنشاہ کی ہر جنبش پر اپنی زندگی قربان کرنے پر نہ تل جاتے تو اور کیا کرتے اس کے
نہ سے ہر نکلا ہوا لفظ ایک اہمیت کا حامل تھا اور وہ اس پر سوچنا گناہ سمجھتے تھے...... حکم شہنشاہ
نے دیا ہے یقینی طور پر اس کی تعمیل ان کی زندگی کا منصب ہے، سو یوں بہت عمدگی سے گزر
رہی تھی اور بات یہیں تک محدود نہیں تھی...... شہاب تو بہت کچھ کر کے بھول جانے کا
عادی تھا، نجانے کتنے زندگی سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو اس نے زندگی کی صحیح ڈگر پر لا کھڑا کر دیا
تھا...... اخبار نکل رہا تھا...... معذور ایڈیٹر اب بہترین حیثیت کا حامل تھا اور وہ جو اس معاملے
سے متعلق تھے، اعلیٰ درجے کی زندگی گزار رہے تھے...... شہاب کے ہر حکم کی تعمیل کرنے
کے لئے آمادہ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی وہ لمحات جن پر شہاب کی طرف سے آزادی
حاصل ہوتی تھی ان کی اپنی پسند سے بھی گزر رہے تھے...... انجم شیخ جس کا ماضی ایک عجیب و
غریب داستان کا حامل تھا جان کے گھر پہنچا تھا وہاں اسے تین زندگی سے بے زار افراد نظر
آئے تھے، جان کی ماں، اس کا باپ اور سب سے زیادہ وہ لڑکی جو یہ بھول گئی تھی کہ کبھی اس
کے رخساروں پر بھی شفق لہراتی ہو گی، کبھی اس کی کالی آنکھوں میں بھی روشنی کی کرنیں
ستاروں کی مانند چمکتی ہوں گی اور کبھی کسی نے ان آنکھوں کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہو گا،
ان مسائل کے بھنور نے اسے احساسات سے بے نیاز کر دیا تھا...... اب اسے اپنی جانب
اٹھنے والی آنکھ مشکوک محسوس ہوتی ہو گی، کون پتا نہیں کیا چاہتا ہے اور انجم نے اسی وقت جو
اس کی جیب میں تھا اس کے حوالے کر کے اپنے آپ کو بہت ہلکا محسوس کیا تھا...... شہنشاہ کی
جانب سے سونپی ہوئی ذمہ داری تو اپنی جگہ پوری ہو ہی گئی تھی لیکن اس بات کا علم بھی انجم کو
ہو گیا تھا کہ جان اب اس دُنیا میں نہیں ہے اور یہ محروم لوگ باقی کی زندگی بڑی بے بسی کے
عالم گ...
سائل انسان کو محبتوں سے بھی محروم کر دیتے ہیں...... جان کے

بارے میں ان تینوں نے جس طرح گفتگو کی تھی اس میں یقینی طور پر محبت کی چنگاریاں بھی دبی ہوئی ہوں گی لیکن ان پر پڑی ہوئی راکھ اس قدر دبیز تھی کہ یہ چنگاریاں اس راکھ سے جھانک نہیں سکتی تھیں، بلکہ اوپر اوپر سے چلنے والی گرم ہواؤں میں لپٹے ہوئے الفاظ نیشا جان کی ماں اور اس کے باپ کے ہونٹوں سے ادا ہوئے تھے...... سچ ہے کہ زندگی بھر کی کمائی زمینوں کی آبیاری کرنے کے بعد ان سے کونپلیں اور پھر پودے پھر درخت اور پھر ان درختوں سے پھل کھانے کی خواہش کس کے دل میں نہیں ہوتی، لیکن اگر یہ سوکھے درخت ان کا منہ چڑائیں تو جھنجھلاہٹوں کا آسمان تک پہنچ جانا فطری امر کا باعث ہوتا ہے...... ہاں، ایک مسائل سے ڈوبی ہوئی لڑکی سے انجم نے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کرنا زندگی کی علامت تھی اور بہرحال اس نے زندگی کا ثبوت دیا تھا...... بہت بڑی رقم دے کر وہ اپنی شخصیت کو مشکوک نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن شہنشاہ کی طرف سے آمدنی سے جو منافع تقسیم ہوتا تھا اور ہوتا رہتا تھا اب بنک میں اس کی تعداد اس قدر بڑھ چکی تھی کہ یہ لوگ اپنی مرضی سے بہت سی زندگیوں کو مشکلات سے نکال سکتے تھے، چنانچہ انجم نے وقت ملتے ہی پہلا کام یہی کیا تھا...... بیس ہزار روپے کی رقم لے کر وہ آخر کار وہاں چل پڑا تھا جہاں وہ بے بس اور بے کس فیملی زندگی کی جدوجہد میں مصروف تھی...... ایم سٹریٹ کے اس بوسیدہ گھر کے دروازے پر اسے نیشا نظر آ گئی، ایک بے کسی اور حسرت کی تصویر بنی نجانے کسے تک رہی تھی...... انجم دوسری جانب سے اس کی طرف پہنچا تھا اور پھر اس نے نیشا کو آواز دی تھی۔

"ہیلو مس نیشا۔" نیشا نے اس طرح تڑپ کر اسے دیکھا تھا جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو، دیکھتی رہی تھی، عجیب سی کیفیت ہو گئی تھی اس کے چہرے کی، ان لکیروں میں نجانے کیسی کیسی کہانیاں پوشیدہ تھیں...... اس کے دونوں ہاتھ تشنجی انداز میں اوپر اٹھے، غالباً انجم کی جانب بڑھنا چاہتے تھے۔ رکے، ٹھٹکے اور پھر اپنی جگہ واپس آ گئے، ہونٹوں پر مسکراہٹوں کی لکیریں کھنچیں اور نجانے کس طرح مدہم سی آواز حلق کی قید سے آزاد ہوئی۔

"ہیلو۔"

"شاید آپ مجھے پہچان نہیں سکیں؟"

"ایسا مت بولو...... میں شاید زندگی میں تم سے زیادہ کسی کو نہیں پہچانتی۔"

"کیا مطلب مس نیشا؟"

"میرے ساتھ اندر آنا پسند کرو گے، اندر بدبو ہے گھٹن ہے لیکن اسی بدبو اور گھٹن میں تین انسان رہتے ہیں...... تمہارا مافق دو ہاتھ...... دو پاؤں دو آنکھیں اور سارا وجود تمہارے جیسا، آنا پسند کرو گے مین۔"

"کیوں نہیں مس نیشا۔" انجم نے جواب دیا اور اندر داخل ہو گیا، ابھی دروازے سے اندر قدم ہی رکھا تھا کہ مسز جیکسن کی آواز سنائی دی۔

"کون ہے نیشا؟"

"وہ آ گیا مما۔" نیشا نے جواب دیا۔

"امپوسیبل۔" آواز آئی۔

"نہیں مما اپنی آنکھ سے دیکھو۔"

"او مین...... اگر تم سچ مچ آ گیا ہے تو پھر میں جیکسن کو یہی بولتا ہے کہ تم اینجل ہے انسان نہیں...... جیکسن تم اینجل دیکھا کبھی۔"

"ابھی دیکھتا ہے۔" جیکسن نے جواب دیا اور انجم ہنسنے لگا۔

"آپ لوگ مجھے ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہے ہیں۔"

"ضرورت...... مائی سن تم ضرورت کو کیا سمجھتا ہے...... ضرورت ایک ایسا بھیانک غار ہوتا ہے جس میں انسان سو بار بھی داخل ہو تو کم ہے، ابھی پتا نہیں میں کیا بولتا ہے...... تم بیٹھو...... پلیز بیٹھو۔"

"بیٹھیے مسٹر میں آپ کا نام نہیں جانتا...... بٹ ابھی آپ میرے کو اپنا نام بتاؤ پلیز بیٹھو۔" نیشا نے ایک ٹوٹی پھوٹی کرسی سامنے رکھتے ہوئے کہا اور انجم مسکراتا ہوا اس پر بیٹھ گیا اور پھر بولا۔

"آپ لوگ جس طرح میری عزت کر رہے ہیں اس سے میرے دل میں آپ کے لئے بہت بڑا مقام پیدا ہوتا جا رہا ہے۔"

"دیکھو مین...... میں تیرے کو بتایا کہ انسان اتنا خود غرض ہو گیا ہے کہ وہ انسان کا عزت نہیں کرتا وہ اپنا غرض کا عزت کرتا ہے، اپنی خواہش کا عزت کرتا ہے، اپنی ضرورت کا عزت کرتا ہے اور اس ٹائم ہم جو تمہارے ساتھ سلوک کرتا ہے اس میں خلوص بالکل نہیں ہے...... یہ سب خود غرضی ہے ہمارا آنکھ تمہاری جیب کی طرف دیکھتا ہے اور ہمارا دل چاہتا

ہے کہ تم جلدی سے جیب میں ہاتھ ڈال کر ہمارے لئے جو کچھ لائے ہو نکال کر ہمارے سامنے رکھ دو...... میرے کو معاف کرنا مین۔" جان کی ماں نے کہا۔

"او شیکسپیئر کا اولادا بھی تم اس سے ڈرامے کاہے کو بولتا ہے......اس کو کچھ انٹرٹین کرو۔"

"نہیں شکریہ...... مسٹر جیکسن آپ سب لوگ سچ بولنے والے ہو میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں...... یہ پیسے میں کس کے ہاتھ میں دوں......" انجم نے جیب سے بیس ہزار کے نوٹ نکالے اور دونوں ہاتھ اس کی جانب بڑھ گئے......ایک جیکسن کا ہاتھ دوسرا اس کی بیوی کا لیکن نیشا ان ہاتھوں کے درمیان آگئی اور اس نے وہ نوٹ انجم کے ہاتھ سے لے لئے اور پھر وہ انہیں گننے لگی اور پھر اس کے بعد سرسراتی ہوئی آواز میں بولی۔

"یہ تو ٹوئنٹی تھاؤزنڈ ہیں۔"

"ہاں...... جب میں نے یہاں سے جانے کے بعد حساب کا پرچہ نکالا تو مجھے یہ رقم اتنی ہی نظر آئی...... میرا اور جان کا حساب برابر ہو گیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی میں آپ کو ایک اور خوشخبری بھی سنانا چاہتا ہوں۔"

"بہت عرصہ ہو گیا مائی ڈیئر سن...... بہت عرصہ ہو گیا، ہم نے کوئی خوشخبری نہیں سنا...... تھوڑا خوشی اس وقت ہوا جب کل تم ہم کو سکس تھاؤزنڈ روپیہ دے کر گیا اور پھر ہم اس خوشی سے تڑپتا رہا کہ تم نیشا سے اور روپیہ دینے کا وعدہ کر کے گیا ہے...... مین، عزت بہت بڑا چیز ہوتا ہے اور تم لوگ یقین کرو کہ ہم یہ طے کر کے بیٹھا تھا کہ اب یہ مالک مکان ہم کو جوتے مار کر نکالے گا، تب بھی ہم نہیں نکلے گا اور اس کو بولے گا کہ اگر جوتے مارنے سے دل کا خوشی پورا ہو جاتا ہے تو ہر مہینے کا پہلا تاریخ کو ادھر آؤ اور ہم سب کو سو سو جوتا لگاؤ، بس کوئی پروا نہیں ہے...... کم از کم سر چھپا کر بیٹھنے کو ٹھکانہ تو ہمیں ملے گا۔" جیکسن کی آواز بھرا گئی، انجم عجیب سی کیفیت کا شکار تھا پھر اس نے کہا۔

"خوشخبری یہ ہے کہ آخر کار جان کو وہ نوکری مل گئی جس کے لئے وہ بہت عرصے سے کوشش کر رہا تھا۔"

"نوکری؟" نیشا چونک کر بولی۔

"ہاں مس نیشا۔"

"دیکھو...... میں نہیں کہہ سکتی کہ میرا خیال تمہارے بارے میں کیا ہے، گاڈ مجھ سے

بہتر جانتا ہے...... بٹ میرے کو یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ جان سالا پھکڑ آدمی، اس کے پاس تمہارا اتنا حساب کدھر سے آگیا...... ابھی پیسہ آتا ہے تو انسان بہت کم سوچتا ہے، اگر اس سوچ میں ڈوب گیا تو اس پیسے کو انجوائے نہیں کر سکے گا...... خیر چھوڑو میں جو بولنا چاہتا ہے بولنا نہیں چاہتا، ابھی انسان کے ہاتھ میں نوٹ آتا ہے نا تو اس کا کھوپڑی ایسا ہی آؤٹ ہو جاتا ہے مگر تم جان کے بارے میں کیا بولا مسٹر اس کو جاب ملا۔"

"ہاں اور وہ ملک سے باہر چلا گیا ہے۔"

"او مائی گاڈ، ہم لوگ سے ملے بغیر۔"

"کام ہی ایسا تھا۔"

"سمگلنگ۔" نیشا نے کہا۔

"تفصیل نہ جانو تو اچھا ہے۔"

"ابھی جانتا ہے...... جانتا ہے...... جانتا ہے اور میرے کو تسلی بھی ہو گیا...... اب میرے کو یقین آگیا جو کیش تم میرے کو دیا اتنا کیسے ہو سکتا ہے...... او کے او کے اب میں ٹھیکیدار تو نہیں ہے، شرافت کا کہ میں بولے کہ جان نے برا کیا...... اس کو ایسا کام نہیں کرنا چاہئے تھا، او کے ابھی بولو مین میں تمہارے لئے کیا انتظام کرے، اب تو ضروری ہو گیا ہے کہ واقعی تم ہم لوگوں کو خوشخبری سنایا۔"

"میں چلتا ہوں، جان جس طرح پیسے بھیجتا رہے گا میں تم لوگوں کو پہنچاتا رہوں گا۔"

اور اس کے بعد انجم وہاں سے واپس پلٹ پڑا تھا۔ ان لوگوں کے سینوں میں چھپا ہوا دکھ اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں تھا...... بہر حال سارے کام اپنی جگہ زندگی میں اگر کسی انسان کے لئے ایک چھوٹا سا سہارا مہیا کر دیا جائے تو فرض تو پورا نہیں ہوتا لیکن کم از کم اپنی ذات کی خوشی کا کوئی حساب نہیں کیا جا سکتا۔

❁

چینا شیخ سلطان کی فرم کے سامنے ٹیکسی سے نیچے اترا......ایک نگاہ اپنے چاروں طرف ڈالی اور اس کے بعد آہستہ قدموں سے اندر چل پڑا...... وہ عجیب عجیب سے احساسات کا شکار تھا، بہت کچھ سوچا تھا اس نے اس درمیان بہت غور کیا تھا اپنے آپ پر لیکن خود اپنی فطرت کے بارے میں کوئی صحیح فیصلہ نہ کرپایا تھا...... فیصلہ کرنے کی اہلیت بھی نہیں تھی اس کے

اندر بس جو کچھ بھی پیش آ رہا تھا اب اسے اسی کے سہارے آگے اقدامات کرنے تھے، نتیجہ کچھ بھی ہوا اور ریسپشن پر پہنچ کر اس نے شیخ سلطان کے بارے میں پوچھا...... جو لڑکی ریسپشن پر بیٹھی ہوئی تھی اس نے کلائی پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں جناب...... باس ابھی آئے نہیں ہیں، لیکن دس پندرہ منٹ کے اندر اندر وہ پہنچ جائیں گے۔"

"انتظار کر سکتا ہوں؟"

"ہاں...... کیا آپ کا ان سے اپائنٹ منٹ ہے؟"

"جی۔"

"تو آپ ضرور انتظار کر لیجئے...... وہ اس طرف ویٹنگ روم ہے پلیز۔" لڑکی نے کہا اور چینا ویٹنگ روم کی جانب بڑھ گیا...... صوفے پر بیٹھ کر وہ چاروں طرف دیکھنے لگا...... اس سے بہتر موقع اپنے بارے میں سوچنے کا نہیں مل سکتا تھا...... زندگی میں کیا کیا کچھ کیا تھا اس نے، مگر تقدیر ہر شخص کا اپنا الگ مقام رکھتی ہے جو مجھے ملا ہے شاید میری تقدیر میں وہی لکھا تھا اور دوسرے جو کچھ حاصل کر رہے ہیں وہ ان کی تقدیر میں شامل ہے، بے مقصد بے کار، پتا نہیں کون لوگ ہیں بچے کو کس لئے اپنی تحویل میں رکھا ہے، پتا ہی نہیں ہے...... ذہن بہت سے خاکے پیش کر رہا تھا، لیکن کسی ایک خاکے پر جمنا بہت مشکل تھا...... پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا...... وقت گزرتا رہا اور وہ اپنے آپ کو خیالات میں ڈبوئے رہا، پھر اچانک ہی اسے وقت کا احساس ہوا...... وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور ریسپشن پر لڑکی کے پاس پہنچ گیا...... لڑکی نے اسے دیکھا اور چونک کر بولی۔

"او آئی ایم سوری میں باس سے پوچھنا بھول گئی، آپ کا نام کیا ہے سر؟"

"مسٹر سلطان آ گئے۔"

"جی باس کو آئے کافی منٹ ہو گیا۔"

چینا خاموشی سے اس جانب چل پڑا جدھر شیخ سلطان کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی...... خوبصورت دروازے پر چپڑاسی مستعد کھڑا ہوا تھا، پھر ریسپشن والی لڑکی نے اسے آواز دی۔

"سنئے مسٹر سنئے پلیز مسٹر" لیکن چینا اس کی آواز پر کان دھرے بغیر آگے بڑھا...... لڑکی نے چیخ کر کہا۔

"دلدار خان...... ان صاحب کو روکو...... ابھی باس سے پرمیشن نہیں لیا ہے میں نے" چپڑاسی نے چونک کر اسے دیکھا تو چینا نے انگلی سے اسے پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا...... ویسے بھی اچھی شخصیت کا مالک تھا اور اس کی آنکھوں کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اس کی نگاہوں سے نگاہیں ملانا بڑا مشکل کام ہے...... چپڑاسی نے اسے روکنے کے لئے ہاتھ اٹھائے تھے اور پھر چینا کی آنکھوں میں دیکھا تھا اور پھر اس کے بعد دو قدم پیچھے ہٹ گیا تھا...... چینا دروازہ کھول کر شیخ سلطان کے دفتر میں داخل ہو گیا...... شیخ سلطان گردن جھکائے سامنے پڑے کاغذات دیکھ رہا تھا، اس کے چہرے پر رعونت چھائی ہوئی تھی، وہ گردن اٹھائے بغیر کاغذات میں مصروف رہا اور پھر ایک گہری سانس لے کر اس نے کہا۔

"ہاں۔" لیکن چینا نے کوئی جواب نہیں دیا...... تب شیخ سلطان نے گردن اٹھائی، سامنے چینا کو کھڑے دیکھا اور ایک لمحے کے لئے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں...... چینا سرد نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا...... شیخ سلطان نے تھوڑی سی کرسی پیچھے سرکائی اور اپنی جگہ سے اُٹھا پھر بیٹھ گیا اور پھر چینا سے کہا۔

"تم؟"

"ہاں شیخ صاحب۔"

"یہاں کیسے آ گئے یار؟"

"جیسے عام لوگ یہاں آتے ہیں۔"

"تمہارا دماغ خراب ہوا ہے چینا، کیا تمہیں یہاں آنا چاہئے تھا؟"

"اگر تم سمجھتے ہو کہ میرا دماغ خراب ہو گیا تو پھر ظاہر ہے مجھے یہاں آنے سے کون روک سکتا تھا؟" چپڑاسی اور ریسپشنسٹ نے دروازے سے اندر جھانکا تو شیخ سلطان نے کہا۔

"ہاں کیا بات ہے؟"

"سر یہ صاحب۔" ریسپشنسٹ بولی۔

"ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے جاؤ جاؤ۔" شیخ سلطان نے ہاتھ اُٹھا کر کہا اور ریسپشنسٹ اور چپڑاسی باہر نکل گئے...... شیخ سلطان بولا۔

"بیٹھو بیٹھو...... اصل میں تمہیں یہاں دیکھ کر میرے دماغ کو اس قدر جھٹکا لگا ہے کہ میں تمہیں بتا نہیں سکتا، اب ظاہر ہے سارے حالات تو سب کو بتائے نہیں جا سکتے چینا، اس

وقت میں جن حالات سے گزر رہا ہوں وہ بڑے سنگین ہیں میرے لئے...... تمہارا یہاں آنا۔"

"بولے جاؤ...... بولے جاؤ شیخ صاحب بولے جاؤ...... جب بول چکو تو مجھے بتا دینا تاکہ میں بھی بولوں۔"

"یار کمال کرتے ہو...... کچھ پیسے چاہئے تھے؟"

"نہیں۔"

"تو پھر؟"

"بس تم سے ملنے کو دل چاہ رہا تھا، سو آ گیا۔"

"کمال کرتے ہو، کمال کرتے ہو میں تو یہ چاہتا تھا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے کہ میرے اور تمہارے درمیان کوئی رابطہ ہے۔"

"مگر وقت نے اس کا موقع نہیں دیا کیا سمجھے؟"

"ٹھیک ہے...... اب کیا چاہتے ہو یہ بتاؤ اگر پیسوں کی ضرورت ہے تو بھلے آدمی مجھ سے پہلے ہی کہہ دیا ہوتا، ٹیلی فون پر کہہ دیتے میں پہنچا دیتا۔"

"کہا ناں پیسوں کی ضرورت نہیں۔"

"خیر چھوڑو...... یہ بتاؤ کیسے آنا ہوا؟"

"کچھ بات کرنا ہے آپ سے۔"

"تو یار ٹیلی فون کر کے مجھے بلا لیا ہوتا۔"

"فضول باتیں بند کرو شیخ سلطان کیا سمجھ رہے ہو تم اپنے آپ کو...... تمہارا کیا خیال ہے کہ میں اس قدر فالتو آدمی ہوں کہ بلاوجہ تم جیسے کسی چرکٹے کے پاس چکر لگاتا، مجبوری تھی اس لئے آ گیا۔" چینا نے کہا اور شیخ سلطان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا، لیکن پھر شاید مصلحت نے اسے خاموش کر دیا تھا۔ اب وہ خاموش ہو کر چینا کی شکل دیکھنے لگا۔ چینا نے کہا۔

"مجھے یہ بتاؤ جن لوگوں کو تم نے قتل کرانے کے لئے میری خدمات حاصل کی تھیں ان سے تمہاری کیا دشمنی ہے۔"

"چینا یہ میرا دفتر ہے...... یہاں آ کر میں اپنے کاروباری امور نپٹاتا ہوں...... کیا تمہاری یہ کہانی سننے کے لئے یہاں آیا ہوں...... پہلی بات تو یہ ہے کہ تم اصولوں کے خلاف یہاں آئے ہو اور ریسپشنسٹ لڑکی اور چپڑاسی کے اندر آنے کے انداز سے یہ پتا چلتا ہے...... ٹھیک ہے تم

اپنی دنیا کے بادشاہ ہو گے، وہاں تمہاری غنڈہ گردی چلتی ہو گی لیکن کیا ہر جگہ، جاؤ واپس چلے جاؤ اس وقت میں تمہیں چائے کے لئے بھی نہیں پوچھ سکتا کیونکہ میرے کام کا وقت ہے۔"

"اصل میں بات یہ ہے شیخ صاحب کہ میں نے ان لوگوں پر دو حملے کئے ہیں...... ڈی آئی جی نادر حیات پر حملہ آسان کام نہیں تھا اور اس کے بعد وہ بندہ شہاب ثاقب لیکن صورت حال کچھ بگڑ گئی۔"

"کک...... کیا مطلب؟"

"ڈی آئی جی کے حملے کی ناکامی کے بارے میں میں تمہیں بتا چکا ہوں۔"

"ہاں۔"

"اور شہاب ثاقب کے بارے میں بھی پتا چل گیا ہو گا۔"

"چل گیا ہے اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ شاید میں نے غلط آدمی کا انتخاب کیا ہے۔"

"ہاں...... غلط آدمی کا انتخاب ہی کیا ہے تم نے شیخ سلطان۔"

"مطلب۔"

"اصل میں بڑے بڑے کام کرنے والے جو لوگ ہوتے ہیں نا، شاید ان کا اس دنیا میں کوئی بھی نہیں ہوتا، وہ بے جگری سے یہ کام کر ڈالتے ہیں...... انہیں اس بات کی پروا نہیں ہوتی کہ ان کے اس عمل سے کسی کو کوئی نقصان پہنچے گا، پہنچتا ہے تو پہنچتا رہے ان کے دل کا کوئی ٹکڑا ان کے دل سے دور نہیں ہوتا۔"

"بولے جاؤ ڈائیلاگ بولے جاؤ...... اب مجھے احساس ہو رہا ہے کہ تم سے رابطہ قائم کر کے میں نے غلطی کی ہے۔"

"یہی تو احساس میں آپ کو دلا رہا ہوں شیخ صاحب۔"

"وضاحت کرو...... تم اپنے الفاظ کی۔"

"ایک بیٹا ہے میرا...... بارہ تیرہ برس عمر ہے اس کی...... کسی لمبی کہانی کے چکر میں نہیں پڑوں گا...... یوں سمجھئے کہ میری زندگی کو جو یہ روپ ملا ہے اپنے اس بیٹے کی وجہ سے ہی ملا ہے...... کچھ ایسے ہی حالات ہوئے تھے میرے ماضی میں کہ میں شرافت کی زندگی گزارنے کے قابل نہ رہا اور برائیوں کی جانب مائل ہو گیا، لیکن اپنے بیٹے کو میں نے اپنے آپ سے اتنا دور کر دیا تھا کہ بعد میں بھی کوئی اگر اس کے باپ کا پتا چلانے کی کوشش کرے تو

کم از کم میرا نام نہ لے سکے، مگر شیخ صاحب کسی نے اس بچے کے بارے میں معلوم کر لیا۔"

"معلوم کر لیا؟"

"ہاں۔"

"کیا معلوم کر لیا؟"

"یہی کہ وہ میرا بیٹا ہے۔"

"پھر؟"

"حالانکہ وہ ایک دوسرے شہر میں تھا۔"

"بولتے رہو یار...... بولتے رہو۔" شیخ سلطان بری طرح جھلا رہا تھا۔

"اس دوسرے شہر کے سکول سے اسے اغوا کر لیا گیا۔"

"اوہ۔" شیخ سلطان کی آنکھوں کا رنگ ایک لمحے کے لئے بدل گیا پھر وہ بولا۔

"اغوا کرنے والوں کا کچھ پتا چلا؟"

"پتا نہیں چلا لیکن انہوں نے الٹا ایک کام میرے سپرد کر دیا جس سے مجھے اس بات کا شبہ ہوتا ہے کہ اغوا کرنے والے کون ہیں، لیکن اپنے بچے کی زندگی کے لئے میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"

"تمہارے سپرد کوئی کام کر دیا انہوں نے؟"

"ہاں۔"

"کیا کام تھا؟"

"اسی کام سے میں تمہارے پاس آیا ہوں۔"

"کوئی رقم مانگی ہو گی؟"

"نہیں، شیخ سلطان...... زندگی مانگی ہے۔"

"کس کی؟"

"تمہاری۔" چینا نے کہا اور شیخ سلطان اس کے الفاظ سمجھنے کی کوشش کرنے لگا تھا...... پھر سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیا بک رہے ہو۔"

"کاش یہ الفاظ مجھے نہ بکنے پڑتے۔" چینا نے کہا اور جیب میں رکھا پستول نکال لیا جس

ںائی لنسر لگا ہوا تھا۔

"اور مجبوری ہے، شیخ سلطان مجبوری ہے، جس کے لئے میں یہ دولت کما رہا تھا جب وہ اس دُنیا میں نہ رہا تو باقی لوگوں کی کیا مجھے ضرورت پیش آئے گی۔"

"کک...... کیا مطلب ہے؟" شیخ سلطان نے کہا اور اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا...... حال جرم کی دُنیا کا انسان تھا...... چالاک بھی تھا بظاہر اس نے خوفزدہ ہونے کا مظاہرہ کیا یکن کھڑے ہوتے ہی اس نے میز کی سطح پر دونوں ہاتھ ٹکائے اور اسے پوری قوت سے ہ پر اُلٹ دیا...... چینا کرسی پر بیٹھا ہوا تھا...... میز کی ٹاپ کرسی پر پڑی اور وہ اس کے نیچے ب گیا، لیکن طاقت ور آدمی تھا پھرتی سے باہر نکل آیا...... ادھر شیخ سلطان نے دروازے کی ب چھلانگ لگائی تھی...... چینا نے اسے باہر نکلنے کا موقع نہ دیا...... پہلے فائر نے شیخ سلطان ان میں سوراخ کیا...... دوسرے نے پیٹ میں اور تیسرے نے سینے میں اور پھر جب وہ گرا روازے سے ٹکرایا...... شیشے کا دروازہ چکنا چور ہو گیا اور چینا بمشکل تمام میز سے نکل کر ھا ہو گیا...... بھاگنا چاہتا تو بھاگ سکتا تھا لیکن وجود میں کیسی کیسی سنسناہٹیں ہو رہی ں...... نجانے قدموں میں یہ بوجھ کیسے پیدا ہو گیا تھا، البتہ وہ زمین پر تڑپتے ہوئے شیخ طان کو دیکھ رہا تھا جس کے پورے بدن میں دروازے کے ٹوٹے ہوئے شیشے پیوست گئے تھے اور باہر بڑے ہال میں بھگدڑ مچی ہوئی تھی...... فرم میں کام کرنے والا سٹاف یا الٹ الٹ کر ان کے نیچے پناہ لے رہا تھا...... نسوانی چیخیں سنائی دے رہی تھیں...... انی چیخوں کی شکل میں تو نہیں تھیں لیکن کسی بھی طرح خوف کا عالم کم نہیں محسوس ہوتا چینا پستول لئے باہر نکل آیا...... اس نے جھک کر شیخ سلطان کو دیکھا...... وہ دم توڑ چکا جب اسے اس بات کا یقین ہو گیا کہ وہ مر چکا ہے تو پھر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا اور اس نے ال کے پیچھے مورچہ بند لوگوں کو دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔

"نکل آؤ یارو...... ایک بندے کو مارنا تھا تم سارے کیوں ڈر گئے...... یہ لو پستول بلا لو ا کو...... بیٹھے ہوئے ہیں...... اے لڑکی باہر نکل...... چینا نے ریسپشنسٹ کو دیکھ لیا تھا جو میز کے نیچے چھپی کانپ رہی تھی...... وہ اس کے قریب پہنچا تو وہ ہذیانی انداز میں چیخنے چینا نے اسے کھینچ کر باہر نکال لیا تھا۔

"تیرے پاس ٹیلی فون تھا نا؟" چینا بولا اور لڑکی زور زور سے گردن ہلانے لگی۔

"ڈرومت کسی اور کو کچھ نہیں کہوں گا میں، چل آجا ٹیلی فون پر پولیس کو بلا میں بیٹھا ہوا ہوں تیرے پاس چل۔" چینا نے کہا اور لڑکی کو ٹیلی فون ایکسچینج کے پاس لے گیا۔

"نمبر ہے نا تیرے پاس...... علاقے کے تھانے کا؟"

"ہاں ہے۔"

"چل نمبر ملا۔" چینا بولا اور تھوڑی دیر کے بعد لڑکی اپنے اعصاب پر قابو پا کر پولیس اسٹیشن کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔

"بول جو بھی بول رہا ہے کہ تیری فرم کا مالک قتل ہو گیا ہے۔" لڑکی نے چینا کی ہدایت کے مطابق پولیس اسٹیشن کا نمبر ڈائل کیا اور دوسری جانب سے بھاری آواز سنائی دی۔

"ہاں بولو کون ہے۔"

"وہ ہماری...... ہماری فرم کے مالک قتل ہو گئے ہیں۔"

"مبارک ہو تم لوگوں کو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"قاتل...... قاتل یہیں موجود ہے۔"

"کیا؟" اب دوسری طرف سے آنے والی آواز چونکی ہوئی تھی۔

"وہ میرے سامنے بیٹھا ہوا ہے۔"

"چائے پلائی تم نے اسے؟"

"میں مذاق نہیں کر رہی...... پلیز جلدی آیئے۔" لڑکی نے کہا اور اس سے زیادہ اس سے نہ بولا گیا...... دوسری طرف سے آواز آئی۔

"کچھ اتا پتا دو بھائی۔" اور لڑکی دوسری طرف سے بولنے والے کو شیخ سلطان کی فرم کا پتا بتانے لگی۔

"اوہو...... شیخ سلطان صاحب کی بات کر رہی ہو تم؟" بولنے والے کا لہجہ بدل گیا...... لہجے اسی طرح بدل جاتے ہیں جب دولت مند شخصیتوں کا اظہار ہوتا ہے...... بہرحال ریسپشنسٹ نے فون بند کر دیا...... پولیس نے پہنچنے میں دیر نہیں لگائی تھی...... پولیس انسپکٹر نے چینا کو دیکھا اور بولا۔

"تم۔"

"اب تم ڈائیلاگ بولو گے میرے سامنے مگر ادھر شوٹنگ نہیں ہو رہی...... چلو میرے

ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالو...... ابھی ایک پستول میرے لباس کے اندر بھی موجود ہے۔"

انسپکٹر کا چہرہ ایک لمحے کے لئے تبدیل ہوا لیکن بہرحال اس وقت اس نے چینا کی بات پر ہی عمل کرنا مناسب سمجھا اور اس کے بعد اس نے مقتول کو دیکھا...... ساری کارروائیوں کا آغاز ہو گیا تھا اور چینا دل میں سوچ رہا تھا کہ جلد از جلد یہ اطلاع ان لوگوں تک پہنچ جائے تو بہتر ہے جن کے پاس شہزاد محفوظ ہے...... اس کے علاوہ اس کا کوئی اور مقصد نہیں تھا...... بڑی عجیب بات ہے بہت ہی عجیب والدین اولاد کے لئے کیا کیا قربانیاں دیتے ہیں...... ان کا تعلق کسی بھی سطح سے ہو جب اولاد کے لئے قربانی دینے کا وقت آتا ہے تو سطح کا تعین نہیں ہوتا بلکہ آنکھیں بند کر کے زندگی قربان کر دی جاتی ہے...... چینا جیسا خطرناک آدمی جس نے زندگی میں ستائیس قتل کیے تھے اور جو کرائے پر قتل کرنے کا ماہر تھا، اس وقت ایک معصوم سے بچے کے لئے جس کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ مستقبل میں وہ چینا کو کس نگاہ سے دیکھے گا، اپنی زندگی کی قربانی دے رہا تھا بلکہ دے چکا تھا، اس لئے کہ وہ باپ تھا۔

❀❀❀

نادر حیات صاحب کو شیخ سلطان کی موت کی اطلاع ملی...... ایڈیشنل ڈی آئی جی نے انہیں یہ ساری رپورٹ پیش کی تھی اور نادر حیات صاحب سکتے میں رہ گئے تھے۔

"چینا گرفتار ہو گیا۔" انہوں نے ڈی آئی جی سے سوال کیا۔

"جی سر...... اس شخص کے بارے میں یہ تفصیلات ملی ہیں کہ یہ بہت ہی وحشی صفت انسان ہے اور بڑی خطرناک شخصیت کا مالک ہے...... سر بے شمار قتل اس کے نام سے منسوب ہیں...... پولیس کئی بار اس کے پیچھے لگی لیکن اس قدر ذہین اور چالاک آدمی تھا کہ اس نے اپنے پیچھے کبھی کوئی ثبوت نہیں چھوڑا...... پتا نہیں اس پر دیوانگی سوار تھی یا اور کوئی ایسا عمل ہوا تھا جس کی بنا پر یہ اس قتل کو اپنے نام سے منسوب کرنے پر مجبور ہو گیا بلکہ ایس ایچ او کا بیان ہے کہ قتل کرنے کے بعد اس نے وہیں شیخ سلطان کے آفس میں بیٹھ کر ریسپشنسٹ کو مجبور کیا کہ وہ پولیس کو اطلاع دے اور اس کو گرفتار کرائے...... پھر وہ وہیں بیٹھ کر پولیس کا انتظار کرنے لگا تھا۔" نادر حیات صاحب کی اندرونی کیفیت جو کچھ بھی تھی لیکن انہوں نے رکھ رکھاؤ قائم رکھا اور اس کے بعد ڈی آئی جی صاحب سے کہا۔

"کیا وہ علاقے کے لاک اپ میں ہے؟"

"نہیں سر...... ابھی کچھ لمحوں پہلے اسے ہیڈ کوارٹر کی حوالات میں منتقل کیا ہے...... علاقے کے تھانے میں اس جیسے خطرناک آدمی کا رہنا مناسب نہیں سمجھا گیا تھا...... اس سلسلے میں، میں نے بذات خود کارروائی کی ہے۔"

"اچھا کیا ہے آپ نے...... چلئے میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"جی سر۔" پھر نادر حیات صاحب ایڈیشنل ڈی آئی جی کے ساتھ ہیڈ کوارٹر کے لاک

چل پڑے تھے...... دل میں خیال تو آیا تھا کہ شہاب کو مطلع کریں لیکن بہر حال صبر کیا ...یہ یقین تو انہیں تھا کہ جو کچھ بھی ہوا ہے شہاب ہی کے عمل سے ہوا ہے...... وہ پیش ...کر چکا تھا اور اس نے پورے وثوق سے کہا تھا کہ اب ایک اور کم ہو رہا ہے اور ایک اور کم ...یا تھا...... کس طرح یہ نادر حیات صاحب نہیں جانتے تھے...... کچھ دیر کے بعد وہ ہیڈ ...ر کے لاک اپ کی کوٹھڑی تک پہنچ گئے۔ جس میں چینا کو قید رکھا گیا تھا...... اس شخص کی ...اک کیفیت کے پیش نگاہ قرب و جوار کی حوالات سے دوسرے قیدیوں کو نکال کر کہیں منتقل کر دیا گیا تھا...... چینا پتھر کی ایک سل پر خاموش گردن جھکائے بیٹھا تھا...... قدموں ...چاپ پر اس نے گردن اٹھائی...... نادر حیات صاحب اور ڈی آئی جی کو دیکھا پھر خاموشی ...اپنی جگہ سے اٹھا، سلاخوں کے قریب آیا اور انہیں سلام کیا...... سلام کا جواب دے کر ...حیات نے چینا کو دیکھا پھر بولے۔

"کیا تم نے اس سے پہلے بھی اپنی زندگی میں سلام کرتے رہے ہو؟"

"نہیں صاحب...... اصل میں میں ہوں تو مسلمان کی اولاد لیکن وقت نے بہت سی ...اں کو بھلا دیا تھا...... یہ بات بھی بھولا ہوا تھا لیکن اخبارات وغیرہ پڑھتا رہتا ہوں، جب ...کو سزائے موت ہو جاتی ہے تو اس کے دل میں اللہ کا خوف جاگتا ہے۔ اس نے زندگی میں ...نماز پڑھی ہو یا نہ پڑھی ہو، اخباری اطلاعات یہی ملتی ہیں کہ اس نے جیل میں نماز ...ی...... رات بھر عبادت کرتا رہا...... میں بھی یہاں سے آغاز کر رہا ہوں...... میں نے ...پ کو سلام کیا ہے...... صرف ایک دینی جذبے کے تحت اگر آپ یہ سمجھتے ہو کہ میں نے ...پ کی وردی کو سلام کیا ہے تو یہ خیال اپنے دل سے نکال دو...... ایسی کوئی بات نہیں ...ہ...... اس وردی سے بہت عرصے سے میرا جھگڑا چل رہا ہے۔"

"چینا کچھ بتانا پسند کرو گے اپنی گرفتاری کے بارے میں؟"

"ضرور پسند کروں گا صاحب، آپ پوچھو تو سہی۔"

"تب تو تم سے بہت سے سوالات کرنے ہیں۔"

"اور آپ اس کے لئے مجھے لاک اپ سے باہر نہیں نکالو گے کیونکہ آپ کے خیال ...میں بھاگ جاؤں گا۔"

"خیال غلط تو نہیں ہے۔"

"بالکل غلط ہے صاحب...... آپ لوگوں کے ہاں بڑی غلط رپورٹنگ ہوتی ہے۔ کسی کے فرشتوں کو بھی پتا نہ چلتا کہ میں نے کب شیخ سلطان کو قتل کیا اور کب یہ کام کر کے نکل گیا مگر صاحب دل نے میرے کو بولا کہ چینا بہت ہو گیا...... چل ختم کرو کتنے لوگوں کو مارو گے اور کس کے لئے مارو گے، جو کرنا تھا وہ کر چکے ہو...... اپنا مشن پورا کر لیا ہے تم نے، اب دوسروں کی زندگی بخش دو اور وہ کام کرو جو تم دوسروں کے خلاف کرتے رہے ہو یعنی اپنے آپ کو قتل کر دو...... دیکھ لو صاحب ہم نے اپنے آپ کو قتل کر دیا...... ہم اس وقت بھی خودکشی کر سکتے تھے جب ہم نے شیخ سلطان کو مارا تھا مگر ایک آرزو، ایک حسرت ہے ڈی آئی جی صاحب آپ جانتے ہیں وہ کیا حسرت ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"یہ کون ہیں؟ ڈی آئی جی صاحب ہیں شاید۔" چینا نے ڈی آئی جی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔"

"ذرا تھوڑا پیچھے بھیج دو انہیں، کچھ بات کرنی ہے آپ سے۔"

"کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"نہیں...... پیچھے بھیج دو ان کو۔"

"ٹھیک ہے پلیز۔" نادر حیات نے ڈی آئی جی سے کہا اور ڈی آئی جی وہاں سے پیچھے ہٹ گئے، کافی فاصلہ طے کر لیا انہوں نے تو چینا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں نے آپ پر حملہ کیا تھا صاحب...... اللہ نے آپ کو بچا لیا...... میں نے شہاب پر حملہ کیا تھا، اللہ نے شہاب کو بھی بچا لیا لیکن آپ لوگوں نے جو کیا ہے صاحب...... میں یہ نہیں کہوں گا کہ آپ نے یہ کیوں کیا...... ہاں میں نے اپنے آپ کو آپ کے سپرد کر دیا...... آپ کامیاب ہو گئے...... آپ کامیاب ہو گئے ہو صاحب پر میرا ایک کام کر دیں گے۔"

"جو کچھ تم کہہ رہے ہو میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔"

"چھوڑو صاحب...... چھوڑو، چینا بھی پاگل نہیں ہے...... وہ بچہ آپ ہی نے اغوا کیا ہے صاحب جس نے مجھے شیخ سلطان کا قتل کرنے پر مجبور کر دیا۔"

"پوری بات کرو۔"

"کیا آپ نے شہزاد کو اغوا نہیں کرایا؟ کیا اس کے بعد آپ لوگوں نے مجھ سے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ شہزاد کی زندگی شیخ سلطان کی موت سے منسلک ہے...... شیخ سلطان زندہ رہا تو شہزاد مر جائے گا؟" نادر حیات کے پورے بدن سے پسینہ اُبل پڑا تھا...... وہ بات کو سمجھ رہے تھے، غور کر رہے تھے اور انہیں اندازہ ہو رہا تھا کہ شہاب نے کون سا پہلو اختیار کیا ہے...... کچھ لمحے وہ خاموش رہے اور پھر بولے۔

"کیا چاہتے ہو؟"

"دیکھو صاحب...... ایک بار میرے بھائی کو پیغام دے دو میرا...... اس سے کہو کہ شہزاد کو آخری بار میرے پاس سلام کرانے کے لے آئے اور اس وقت صاحب آپ ایسا کرو کہ مجھے تھوڑا سا چانس دو...... لاک اپ میں نہیں کسی پرائیویٹ جگہ...... میں جی بھر کر اس بچے کو پیار کر لوں صاحب، اس کے بعد آپ مجھ کو اس کی شکل اس وقت تک نہ دکھانا جب تک مجھے موت کی سزا نہ دے دی جائے...... کر دو میرا کام ڈی آئی جی صاحب...... بڑے آدمی ہوں گے اپنی جگہ، کسی دفتر میں کلرک بھی ہو سکتے تھے...... تقدیر کا معاملہ ہوتا ہے کوئی نیک کام کر سکتے ہو تو کر لو...... باپ ہوں میں اس بچے کا یہ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے۔" نادر حیات کچھ سوچ رہے تھے اور انہوں نے کہا۔

"چینا انسانیت کا جو بھی مسئلہ ہوگا میں اس سے پیچھے نہیں ہٹوں گا...... میرا تم سے وعدہ ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے، لیکن جلدی تو نہیں ہے نا تمہیں۔"

"نہیں...... وعدہ کر لو مردوں والا...... بس پھر کوئی جلدی نہیں ہے...... ابھی تو مقدمہ بھی چلاؤ گے مجھ پر، جیسی مرضی آئے کرتے رہنا، کسی بات سے انکار نہیں کروں گا، ہاں اور مجھ کو ہدایات بھی دے دینا...... بتانا صاحب مجھے کہ شیخ سلطان کے سلسلے میں مجھے کیا بیان دینا ہے...... آپ جو کہو گے وہ کروں گا میں...... نہ مجھے آپ سے دشمنی تھی نہ شیخ سلطان سے...... میری دشمنی آپ لوگوں سے نہیں تھی، پیسے لے کر آپ کو قتل کرنے کی کوشش کر رہا تھا، بیٹے کے لئے مجبور ہوا تو شیخ سلطان کو قتل کر دیا...... بہت لوگوں کو مارا ہے سب کا اعتراف کروں گا...... موت کی سزا تو ہونی ہی ہے...... ویسے بڑا مسخرہ پن ہے صاحب کہ کیا کیا عجیب و غریب قانون بنا رکھے ہیں آپ نے، میرے لئے موت کی سزا انتخاب کرنا ہے تو بس مجھے میرے بیٹے کے ساتھ کسی ویران جزیرے میں چھوڑ دو...... موت تو آتی ہے آ جائے گی، اچھا

خیر بس میں ایسی ہی باتیں سوچتا رہوں گا...... آپ میرے سے وعدہ کرتے ہو کہ میری بات پوری کردو گے۔"

"میں تم سے رابطہ رکھوں گا اور میرا خیال ہے کہ یہ مشکل کام نہیں ہے...... میں تمہاری دلی آرزو پوری کردوں گا۔"

"بھاگوں گا نہیں صاحب...... حالات کو دیکھو...... اندازہ لگالو، نہیں وہ کوئی لمحاتی تاثر تھا، جس نے مجھے اپنے آپ کو پولیس کی تحویل میں دینے کو مجبور کردیا بس ایک تھکن تھی آگے کی برائیوں سے بچنے کا خیال تھا، جس کی وجہ سے میں نے اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کردیا۔"

"او کے...... او کے ٹھیک ہے...... اچھا میں چلتا ہوں۔" نادر حیات نے کہا اور پھر وہاں سے واپس پلٹ گئے...... ڈی آئی جی ان کا انتظار کررہے تھے...... جلدی سے بولے۔ "آپ نے اچھا کیا سر کہ اس شخص سے تنہائی میں ملنے کی کوشش نہیں کی...... بہت خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے اور اس کا ماضی مائی گاڈ۔" نادر حیات صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا، اب وہ شہاب سے ملنے کے لئے بے چین تھے اور ان کا رخ اپنے آفس ہی کی جانب تھا...... آفس میں داخل ہونے کے بعد وہ بہت دیر تک حالات پر غور کرتے رہے...... بہرحال اتنا اندازہ تو انہیں بخوبی ہوچکا تھا کہ شہاب نے اس سلسلے میں بہت ہی موثر اور زبردست قدم اٹھایا ہے...... حیرانی کی بات وہ اعتماد تھا جو شہاب کو اپنے اقدامات پر تھا، اس نے پورے وثوق کے ساتھ جو بات کہی تھی، آخر کار اس کی تکمیل کرڈالی تھی...... کافی دیر تک وہ اس بارے میں غور کرتے رہے...... پھر انہوں نے انٹر کام اٹھایا اور سیکرٹری سے کہا۔

"مسٹر شہاب کو کال دو۔"

"یس سر۔" پھر کچھ لمحوں کے بعد شہاب کی آواز سنائی دی تھی۔

"سر شہاب ثاقب بول رہا ہوں۔"

"شہاب اگر کوئی خاص مصروفیت نہ ہو تو میرے پاس آجاؤ۔"

"جی سر، حاضر ہورہا ہوں۔" اور کچھ دیر کے بعد شہاب نادر حیات صاحب کے سامنے موجود تھا۔

"سر۔"

"شہاب میں نے ابھی چینا سے ملاقات کی ہے۔" نادر حیات نے اس کا چہرہ بغور دیکھتے ہوئے کہا...... شہاب کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی، پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"یس سر۔"

"اور جو باتیں میں نے اس سے معلوم کیں اس میں اس کے بعد اب اس بات کا کوئی شبہ نہ رہا ہے کہ اس کارروائی میں تم ملوث ہو۔"

"سر آپ سے این او سی لینے کے بعد۔"

"اس کا بیٹا کہاں ہے؟"

"محفوظ ہے۔"

"اس نے ایک فرمائش کی ہے۔"

"کیا؟"

"وہ اس بچے سے ملنا چاہتا ہے لیکن اس طرح نہیں بلکہ ایک آزاد فضا میں وہ اس سے ملاقات کا خواہش مند ہے۔" شہاب ایک لمحے کے لئے سوچ میں ڈوب گیا اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"آپ نے اس سے کیا کہا ہے۔"

"بھئی یہ نہ پوچھا مجھ سے، انسانی ہمدردی کے نکتہ نظر سے میں اس احساس کو دل سے نہیں نکال سکتا تھا کہ ایک برا آدمی بھی صاحب اولاد ہو تو اولاد کی تڑپ سے مبرا نہیں ہوتا۔"

"جی سر...... ہم اس سے ملادیں گے لیکن ابھی اس کے لئے تھوڑا سا وقت درکار ہے۔"

"ٹھیک...... آخر کار تم نے اپنا دوسرا عمل بھی کرڈالا۔"

"اور اب سر بہت جلد تیسرے کی باری ہے۔"

"خدا کی پناہ، نمبر بتاؤ گے اس کا؟" نادر حیات نے کہا۔

"سر پلیز جو صورت حال ہے آپ کے علم میں آہی جائے گی۔"

"خیر میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا شہاب، بہرحال داد دیتا ہوں تمہیں بہت محنت کررہے ہو آسان بات نہیں ہے۔"

"سر آپ کی دعائیں بھی درکار ہیں اور تعاون بھی۔"

"کیا کہوں بھئی، بس کچھ کہنا مشکل ہی ہو جاتا ہے تمہارے سامنے، ٹھیک ہے میں اس سے وعدہ کرلوں گا اور نہ تم سے یہ پوچھوں گا کہ آگے کا کیا پروگرام ہے۔"

"سر زیادہ وقت نہیں ہے...... بہت کچھ سامنے آجائے گا۔"

شہاب نے جواب دیا اور اس کے بعد وہ نادر حیات سے اجازت لے کر وہاں سے اُٹھ گیا۔

جابر زمان رات کی تاریکیوں میں مختلف راستوں سے گزرتا ہوا آخر کار راحیل رضا کی کوٹھی تک پہنچ ہی گیا...... جو تاریکی اور سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ان لوگوں کے اندر کی کیفیت اس وقت اس کوٹھی کے ویرانے سے مختلف نہیں تھی، وہ اندر سے بھی اس قدر ویران ہو چکے تھے اور اب صرف زندگی کی لکیر کو مٹنے سے بچانے کے لئے سرگرم تھے اور باقی جہاں تک دولت کے حصول کا معاملہ تھا تو اب وہ تصور مٹ چکا تھا، بس ایک احساس تھا جو ان کے دلوں میں جاگزیں تھا...... راحیل رضا کی کوٹھی میں چوکیدار بھی نہیں تھا۔ جابر زمان کو بہت دیر تک بیل بجانی پڑی تھی اور پھر اس کے بعد اندر سے بوڑھی خادمہ نمودار ہوئی تھی، جس کی آنکھیں نیند میں ڈوبی ہوئی تھیں...... ذیلی کھڑکی کھول کر اس نے کسی قدر ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"کون ہے؟ یہ کسی آدمی کا کسی شریف آدمی کے گھر آنے کا وقت ہے، کیا ہے؟"

"اماں جی راحیل رضا گھر میں ہے؟"

"کوئی نہیں ہے گھر میں...... جاؤ دفع ہو جاؤ...... ارے ہاں انسانوں جیسی کوئی بات ہی نہیں رہی، انسانوں میں، نہ وقت دیکھتے ہیں اور نہ موقع...... منہ اُٹھایا چل پڑے، اپنی غرض کے لئے لوگوں کو پریشان کرنے...... ارے جاتے ہو منہ کیا دیکھ رہے ہو؟" عورت نے کھڑکی بند کرنے کی کوشش کی تو جابر زمان نے اس میں پاؤں اڑا دیا، عورت جھکی سی تھی اور ویسے بھی خاصی عمر رسیدہ تھی اور پھر یہ فطری بات تھی کہ اس وقت کسی کو نیند سے جگانے کے بعد اس سے ایسی گفتگو کی توقع رکھی جا سکتی تھی...... جابر زمان کھڑکی سے اندر گھس آیا۔

"اے...... اے...... اے ڈاکو ہو کیا...... ڈاکا ڈالنے آئے ہو۔"

عورت نے کہا جابر زمان نے آگے بڑھ کر ذیلی کھڑکی بند کی اور بولا۔

"اماں جی میں راحیل رضا کا دوست ہوں...... اس سے ملنا میرے لئے بہت ضروری

ہے...... آجاؤ میرے پیچھے پیچھے وہ تم سے یہ نہیں کہے گا کہ تم نے مجھے کیوں اندر آنے دیا۔"

جابر زمان نے آگے قدم بڑھاتے ہوئے کہا بوڑھی عورت اس کے پیچھے لپکی تھی۔

"بات سنو...... میری بات سنو...... ارے کم بختو کم از کم کسی کے گھر آنے کا سلیقہ تو سیکھو، بس دوڑے جا رہے ہو دوڑے جا رہے ہو...... میں کہتی ہوں رکو۔" لیکن جابر زمان نہیں رکا تھا، وہ راحیل رضا کے کمرے کے سامنے جا کر ہی رکا تھا...... کمرے میں تیز روشنی ہوئی تھی اور راحیل رضا غالباً دروازے کی جانب ہی آ رہا تھا، بوڑھی عورت بھی خاصی تیز رفتاری سے لپکتی ہوئی راحیل رضا کے کمرے کے دروازے تک پہنچی تھی اور اسی وقت راحیل رضا نے دروازہ کھول دیا تھا...... سامنے بوڑھی عورت تھی وہ جلدی سے بولا۔

"رانی ماں دروازے کی بیل بجی تھی شاید۔"

"یہ دیکھو یہ کیا کھڑا ہے مسٹنڈا...... ارے بابا دنیا سے شرافت ہی مٹ گئی...... ارے میں چیختی رہ گئی اور یہ اندر گھس آیا۔"

"ارے یار اسے واپس بھیجو کون ہے؟" جابر زمان نے راحیل سے کہا اور راحیل جابر زمان کو پہچان کر جلدی سے بولا۔

"کوئی بات نہیں ہے رانی ماں...... میرا بہت گہرا دوست ہے۔"

"تمہارے لچھن اس قدر بگڑے ہوئے نہ ہوتے تو آج یہ نوبت نہ پہنچتی...... دوستوں کے آنے کا یہ وقت ہوتا ہے...... عمر گزر گئی، بوڑھے ہوگئے حرکتوں سے باز نہ آئے۔"

بوڑھی عورت بڑبڑاتی ہوئی واپس چلی گئی تھی...... جابر زمان اندر داخل ہوتے ہوئے بولا۔

"یار کمال ہے یہ چوکیدار وغیرہ کہاں مر گئے تھے، سب تمہارے...... نہ کوئی ملازم نظر آ رہا ہے میں تو اتنی پریشانیوں کا شکار ہو کر یہاں تک پہنچا ہوں اور یہاں یہ مصیبت...... اتنی رات گئے اس لئے آیا ہوں کہ کسی بھی قیمت پر کسی کو اپنی یہاں آمد کی خبر نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔"

"آؤ بیٹھو۔" راحیل رضا صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"اگر کہو تو یہ تیز لائٹ بند کردوں...... نائٹ بلب کی روشنی بھی کافی ہے...... پتا نہیں کیوں طبیعت پر یہ تیز روشنی گراں گزر رہی ہے۔"

"بند کردو۔" جابر زمان صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا اور راحیل رضا نے تیز لائٹ بجھا کر

نائٹ بلب روشن کر دیا...... پھر وہ خود بھی جابر زمان کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

"سن لیا تم نے۔" جابر زمان نے پوچھا۔

"ظاہر ہے ہم حالات سے بے خبر رہ کر اپنے لئے پھانسی کا پھندا ختم تو نہیں کر سکتے، ویسے جابر زمان کیا ہو گیا یار یہ سب کچھ چند دن پہلے کی زندگی اور اب۔"

"غلطی کس کی ہے...... کوئی حتمی بات نہیں کہہ سکتا، خیر گناہ تو بہت سے کئے ہیں ہم نے اور نجانے کس کس کی آہیں ہمارا تعاقب کر رہی ہوں گی، ظاہر ہے ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ اب تک جو کچھ کرتے رہے ہیں، ان میں کوئی نیک کام بھی شامل تھا لیکن بات اس لڑکی والے مسئلے سے بگڑی...... دانی شاہ نے انتہا پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے اس لڑکی کو بڑی بے دردی سے قتل کر دیا...... تمہیں اندازہ ہے کہ بہت پس ماندہ گھرانے کی لڑکی تھی وہ، اپنے ماں باپ کا سہارا تھی آہ لگ گئی ان لوگوں کی اور اب ہمارے پاس آہیں بھرنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔"

"تو کیا خودکشی قبول کر لی؟"

"نہیں...... سڑکوں پر گھسیٹتے ہوئے کسی ایسے معذور انسان سے پوچھو جسے دیکھ کر دل خوف سے دہل جائے کہ کیا وہ مرنا چاہتا ہے تو جواب نفی میں دے گا بلکہ تم سے نفرت کرے گا کہ تم نے ایسے الفاظ کہے ہی کیوں...... اب ہم بھی اس وقت جن حالات کا شکار ہیں وہ موت ہی کے مترادف ہیں...... کیا ہم مرنا چاہتے ہیں؟"

"نہیں۔"

"تو پھر جینے کی راہ نکالو...... راحیل کوئی جینے کی راہ نکالو۔"

"راستے بند ہو گئے ہیں، جابر دیکھو ڈاکٹر حیات ہم سب سے دلیر انسان تھا ہر مشکل اپنے سر لینے کو تیار لیکن جو ہوا وہ بڑا عجیب رہا اور پھر اس کے بعد ذرا شیخ سلطان کو دیکھو قتل کس نے کیا چینا نے...... ارے باپ رے سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا یہ تو، کیا ہوا کیسے ہوا سمجھتے ہو اس بارے میں۔"

"اعظم بیگ کے بارے میں سنا۔" جابر زمان نے کہا۔

"نہیں......" راحیل رضا چونک پڑا۔

"یار سارے رابطے ختم کر ڈالے ہیں۔"

"اس وقت سچی بات تو یہ ہے کہ ساری دلیری ہوا ہو گئی ہے...... موت رفتہ رفتہ اپنے قریب آتی محسوس ہو رہی ہے...... اعظم بیگ کا کیا ہوا شدید بیمار ہے، میں نے کئی بار اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی ہے، اس کے بچے کہتے ہیں کہ وہ بہت بری حالت میں ہے...... ڈاکٹر اسے ہسپتال میں داخل کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں، لیکن وہ ہسپتال جانے کے لئے تیار نہیں ہے...... یہ بات اس کے بچوں نے ہی بتائی ہے مجھے۔"

"ہسپتال تو بہت خطرناک ہو جائے گا، اس کے لئے، تو کیا ٹرانسمیٹر پر بھی اس سے گفتگو ممکن نہیں ہو رہی۔"

"بچے کہتے ہیں کہ وہ کوما میں ہے۔"

"تو تم نے اسے دیکھا نہیں۔"

"نہیں...... اس وقت ہم یہ خطرہ مول نہیں لے سکتے۔" جابر زمان نے کہا اور راحیل رضا گردن ہلانے لگا...... چند لمحے خاموش رہنے کے بعد جابر زمان نے چونک کر کہا۔

"یہ تمہاری کوٹھی خالی کیوں ہو گئی ہے...... بچوں کو کہیں اور منتقل کر دیا ہے کیا؟"

"ہاں۔"

"کہاں؟ کسی نئے گھر میں...... کسی دوسرے شہر میں؟"

"شہر میں نہیں ملک میں۔"

"اوہو...... کہاں؟"

"سوری...... جابر زمان گھر کے معاملات دوسرے تمام معاملات سے ہٹ کر ہوتے ہیں، میں اس وقت ہوا کو بھی نہیں بتانا چاہتا کہ میرے اہل خانہ کہاں ہیں؟ بس اتنا سمجھ لو کافی ہے کہ وہ کسی اور ملک میں منتقل ہو گئے ہیں اور اگر یہاں کی صورت حال بالکل ہی خراب ہو گئی تو میں بھی خاموشی سے یہاں سے نکل جاؤں گا۔"

"اور اپنے یہ تمام اثاثے...... یہ جائیداد اور کاروبار؟"

جابر زمان نے کہا۔

"ان دنوں انہی کارروائیوں میں مصروف ہوں...... کچھ چیزیں فروخت کر دی ہیں، کچھ فروخت کر رہا ہوں جو رہ جائے گا اس کا متولی کسی کو بنا رہا ہوں...... دور کے رشتے دار بھی تلاش کئے ہیں، ان کے نام یہ سب کچھ منتقل کر رہا ہوں...... کسی کو یہ نہیں بتاؤں گا کہ کہاں

ہوں اور کہاں جارہا ہوں...... حالات جب میرے حق میں ہو جائیں گے تو ان لوگوں سے رابطے قائم کر کے باقی ساری کیفیتیں درست کروں گا...... اس وقت صورت حال بالکل ایسی ہے کہ زندگی بچالی جائے اور یہ دولت گنوادی جائے جو کچھ بیرون ملک منتقل کر چکا ہوں اسی پر اکتفا کروں گا...... آخر کیا کروں بتاؤ زندہ رہنے کے لئے قربانیاں تو دینی پڑتی ہیں نا...... بس یہ قربانی ہی دے سکتا ہوں میں۔"

"اور تم نے تنہا یہ سارے فیصلے کر لئے؟" جابر زمان شکایتی انداز میں بولا۔

"کیا مطلب؟"

"کم از کم یار مجھے بھی تو کوئی مشورہ دے سکتے تھے۔"

"جابر زمان حقیقتوں کو نگاہوں کے سامنے رکھ کر بات کرو اگر تم اپنی زندگی بچانے کا کوئی راستہ دریافت کر لیتے ہو تو پہلے کیا اپنی زندگی کو بچانے کے بارے میں نہیں سوچو گے...... اس وقت بڑی نفسا نفسی کی کیفیت ہے۔"

"پھر بھی آج تک ساتھ جیتے رہے ہیں...... آئندہ بھی کچھ لمحات ساتھ گزریں۔"

"بالکل نہیں...... کوشش کرنا کہ اپنے طور پر جینے کی راہیں تلاش کرو...... میں اگر کہیں مل بھی جاؤں تو عدم شناسائی کا اظہار کر دینا...... ہم دونوں کے حق میں بہتر ہے...... بات حقیقت کے انداز میں سوچنے کی ہے اور اس وقت یہی حقیقتیں نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔"

"ویسے کم از کم یہ تو بتا سکتے ہو تم کہ اس تمام کارروائی کے پس منظر میں تمہارے خیال میں کون ہو سکتا ہے؟"

"سنڈیکیٹ اور صرف سنڈیکیٹ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا ہمارے خلاف انتقامی کارروائی کی جارہی ہے اور ہو سکتا ہے کہ آئرن کراؤن کے بڑے ممبر یہاں آگئے ہوں...... میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ان تینوں افراد کے قتل میں بھی بڑے ممبروں کا ہی ہاتھ ہو سکتا ہے...... ہو سکتا ہے کہ وہ گولڈن کراؤن ہوں ممکن ہے وہ ڈائمنڈ کراؤن ہوں...... بہر حال یہ ساری باتیں اپنی جگہ اس وقت ان کہانیوں میں پڑنا بے مقصد ہے...... ہمیں زندگی کے راستے تلاش کرنے چاہئیں، میں اپنے بچوں کو دوسرے ملک منتقل کر چکا ہوں اور بس اس کا منتظر ہوں کہ کسی وقت خاموشی سے یہاں سے نکل جاؤں۔"

"یہ بزرگ خاتون کون ہیں۔"

"میری ملازمہ ہیں لیکن دادا کے زمانے کی، میری دادی کی گہری دوست تھیں...... ں سمجھ لو کہ بچپن سے ہمارے ساتھ ہیں...... میں نے باقی تو سارے ملازموں کو نکال دیا ہے، لیکن ان کے نکالنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا...... انہیں بھی بھیج دیتا ان لوگوں کے ساتھ لیکن یہ کہیں اور جانے کے لئے تیار نہیں تھیں اور اب یہاں ہیں۔"

"تو پھر تمہارا کیا خیال ہے...... مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"جابر زمان اس وقت اپنے بارے میں تم خود سب سے زیادہ مناسب اور بہتر فیصلہ رسکتے ہو، میرے دوست میری بات کا برا مت ماننا وقت اتنی ہی شدت اختیار کر گیا ہے کہ ہم اس انداز میں سوچنے پر مجبور ہیں۔"

"اعظم بیگ سے کوئی رابطہ قائم کیا جائے۔"

"اگر زندگی کو مشکلات میں ڈالنے کا شوق زیادہ چڑھ رہا ہے تو جیسا مناسب سمجھو کرو یں تو اس وقت تمہیں یہی مشورہ دوں گا کہ اچھے دوست اور ساتھی کی حیثیت سے کہ خود کو سنبھالو اور جس طرح بھی بن پڑے اس جنجال سے نکلنے کی کوشش کرو، ویسے ایک بات بتاؤ جابر زمان۔"

"ہاں پوچھو۔"

"سنڈیکیٹ کی جانب سے کسی قسم کے رابطے کی کوشش تو نہیں کی گئی؟"

"بالکل نہیں۔"

"تو پھر سمجھ لو کہ وہ لوگ ہمیں واش آوٹ کر دینا چاہتے ہیں اور عمل کر رہے ہیں...... دوہرے جال میں گرفتار ہیں ہم ایک جانب مقامی انتظامیہ کو ہم پر مکمل شبہ ہو چکا ہے اور دوسری جانب سنڈیکیٹ ہمارے چکر میں ہے...... سمجھ لو چکی کے دو پاٹوں کے درمیان پس رہے ہیں...... کتنا بچیں گے۔" جابر زمان گہری گہری سانسیں لینے لگا تھا...... راحیل رضا نے کہا۔

"یقین کرو مجھے تو اب وحشت ہونے لگی ہے نجانے کیوں یہ محسوس ہوتا ہے کہ لاتعداد نگاہیں مجھے گھور رہی ہیں، ہر طرف سے آہٹیں ابھر رہی ہیں...... بستر پر لیٹے لیٹے چونک پڑتا ہوں، قدموں کی چاپیں میرے ارد گرد منڈلاتی رہتی ہیں۔"

"خدا کی قسم میری کیفیت بھی اس سے مختلف نہیں ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ

کیسی چاپیں اور کیسی آوازیں ہیں۔"

"کیسی آوازیں ہیں؟" راحیل رضا سہمے ہوئے لہجے میں بولا۔

"یہ وہ سب ہیں جو ہماری وجہ سے موت کا شکار ہوئے ہیں اور اب ان کی روحیں ہمارے اطراف میں بھٹک رہی ہیں۔"

"یار تمہیں خدا کا واسطہ مجھے ایسے خوفزدہ نہ کرو...... تم تو ابھی اپنے اہل خانہ کے ساتھ ہو، میں تو اس کوٹھی میں تنہا ہوں بالکل تنہا، باہر کے تمام رابطے ختم کر دیئے ہیں میں نے، مجھے اس طرح خوفزدہ نہ کرو۔" راحیل رضا کی رندھی ہوئی آواز اُبھری اور جابر زمان گردن ہلاتے ہوئے کچھ سوچنے لگا پھر وہ آہستہ سے بولا۔

"ٹھیک ہے راحیل رضا تم نے اپنے لئے ایک راستہ منتخب کر لیا، میں ابھی درمیان میں ہوں...... دیکھوں گا اپنے بارے میں بھی سوچوں گا...... اب یہ پتا نہیں کہ اعظم بیگ نے اپنے لئے کون کون سے راستے منتخب کئے ہیں، لیکن اب جب ہم نفسا نفسی کا شکار ہو گئے ہیں اور پانچ افراد کے گروپ میں دو افراد سے محروم ہو چکے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں اپنے طور پر ہی کچھ نہ کچھ کرنا ہو گا...... او کے میں چلتا ہوں، لیکن بہر حال جاتے ہوئے بھی تم سے یہی کہوں گا کہ اپنا خیال رکھنا صورت حال خطرناک نہ ہونے پائے، ممکن ہے کچھ عرصے کے بعد ہم پر سے یہ عذاب ختم ہو جائے...... ایسے وقت میں پھر کہیں نہ کہیں ہم ایک دوسرے کو تلاش کر لیں گے اور اپنی دوستی کو قائم رکھیں گے۔" راحیل رضا پھیکے سے انداز میں مسکرایا اور بولا۔

"بہر حال بہت کچھ کیا ہے ہم نے، بہت ساری دولت اکٹھی کر لی ہے ہم نے لیکن اب یہ دولت ہی ہمارے سینے پر سانپ بن کر کلبلا رہی ہے۔" جابر زمان نے کوئی جواب نہیں دیا تھا، پھر وہ وہاں سے چل پڑا۔

❁

کون کہتا ہے کہ وقت انسان کو سبق نہیں دیتا...... بہت سے لوگ جن کے بارے میں یہ دیکھنے میں آتا ہے اور دُنیا جان لیتی ہے کہ ان کا رخ برائیوں کی جانب ہے، نا صرف یہ بلکہ وہ اپنے برے اقدامات سے زندگی کی بہت سی آسائشیں حاصل کر لیتے ہیں اور ان کے قرب و جوار میں بکھرے ہوئے مفلوک الحال لوگ یہ سوچتے ہیں کہ دیکھو اپنی برائیوں کے ساتھ یہ کس طرح عیش کی زندگی گزار رہے ہیں، وہاں ان کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے اور

یہاں تک آ جاتا ہے کہ آخر خدا ان کو ان کی برائیوں کی سزا کیوں نہیں دیتا؟ غلط سوچ ہے...... خدا بہتر جانتا ہے کہ اس نے ان برے انسانوں کے لئے راستوں کی لمبائی کیا رکھی ہے۔ کہاں تک ان کے قدموں نے آگے بڑھنا ہے، اختتام کہاں ہے اور واپسی کا سفر کون سے راستے سے شروع ہوتا ہے۔ جب تعین کرنے والا خود تعین کرنے کا حق دار ہے تو دیکھنے والے کو نکتہ چینی کا حق نہیں پہنچتا...... بہر حال یہی کیفیت ان لوگوں کی تھی، ان کی رسی دراز تھی اور اب اس رسی کو کھینچا جا رہا ہے۔ نتیجے میں دو افراد کو تو سزا مل چکی تھی اور اگر کسی کے دل میں یہ تصور ہو کہ وہ اپنی زندگی اپنی تمام برائیوں کے ساتھ آرام سے گزار لے گا تو یہ تصور یہاں آ کر ختم ہو جاتا ہے...... دیکھنے والی آنکھ اگر اس وقت مرزا اعظم بیگ کے وجود کی گہرائیوں میں جھانک لیتی تو ایسا عبرت اثر منظر نظر آتا اسے کہ وہ اپنی بینائی ہی کھونے لگتی۔

مرزا اعظم بیگ اندر سے اس طرح ٹوٹ گیا تھا کہ اگر اس کے وجود کی کرچیوں کا جائزہ لیا جاتا تو ان کا شمار ممکن نہیں تھا...... اپنے بچوں سے الگ اس حجرے میں جہاں اس نے اپنی اداکاری کے لئے نجانے کیا سے کیا بنا لیا تھا۔ تنہائیوں میں بیٹھ کر وہ خود اپنے اعمال کا حساب کرتا تھا...... اس میں کوئی شک نہیں کہ ماضی کا ایک ایسا حصہ اس کے لئے مشکل کا سبب بنا تھا جب وہ ان برائیوں میں ملوث نہیں تھا، لیکن پھر جب وہ ان برائیوں میں جکڑا تو اس طرح جکڑتا چلا گیا کہ پھر دل کی تمام سرخی سیاہی میں تبدیل ہو گئی، چاہتا تو بہت کچھ کر سکتا تھا۔ ابتداء ہی میں اپنے آپ کو سنبھال سکتا تھا ان لوگوں سے کسی نہ کسی طرح کنارہ کشی اختیار کر سکتا تھا...... یہ ممکن تھا اس وقت اس کے لئے اور وہ سوچتا بھی تھا اس بارے میں لیکن پھر جو دولت اس کے پاس آنا شروع ہوئی تو اس نے اسے خلوص دل سے اس جانب مائل کر دیا اور پھر دولت سے خلوص انسانوں کی تباہی کا سبب بنا اور وہ نجانے کیا سے کیا بن گیا، لیکن آج اس کے اعمال کا ایک ایک حساب اس کے سامنے موجود تھا...... زندگی بڑی پیاری ہوتی ہے، ہر انسان کو اور پھر اس نے تو ساری زندگی عیش و عشرت سے گزاری تھی اور اب بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی کھو دے...... ڈاکٹر حیات اور شیخ سلطان کا جو حشر ہوا تھا وہ بھی اس کے علم میں آ چکا تھا۔ اندر سے تو واقعی اس کی بری حالت ہو گئی تھی، حسرت سے سوچتا تھا کہ ان ساری کاوشوں کے نتیجے میں یہ ملے گا ایسا تو کبھی تصور میں بھی نہیں آیا تھا۔ بچوں سے جدائی بڑی شاق تھی اسے اور وہ دل ہی دل میں سوچتا تھا کہ ابھی تو زندگی کا صحیح لطف بھی نہ لیا تھا اور

یہ زندگی جانے پر کیوں تل گئی ہے...... بہرحال صدف اور طاہر نے جو کارروائیاں کی تھیں، اس کے نتیجے میں شہاب ثاقب اس کی مدد پر آمادہ ہو گیا تھا۔ مرزا اعظم بیگ جانتا تھا کہ شیخ سلطان نے شہاب ثاقب کی موت کے لئے چینا کو مصروف کیا ہے، لیکن شیخ سلطان چینا ہی کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اب یہ تو ممکن نہیں ہے کہ ہر شخص پر ہی قابو پایا جاسکے...... مرزا اعظم بیگ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر وہ شہاب ثاقب کے بارے میں خود کوئی کارروائی کرے تو اس کے نتیجے میں اسے بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، قدرت جس پر مہربان ہوتی ہے اسے اپنا تحفظ بھی عطا کرتی ہے...... شہاب ثاقب یقینی طور پر قدرت کے تحفظ میں تھا ورنہ آئرن کراؤن کے اژدھے اسے کبھی کا نگل جاتے لیکن وہ بھی اس کا کچھ بگاڑ نہیں پا رہے تھے......

بہرحال وہ اب دنیا سے کنارہ کش ہونے کے لئے تیار تھا..... کنارہ کشی کے بھی مختلف انداز ہوتے ہیں، وہ تو ایک ایسی کیفیت میں آرہا تھا جہاں زندگی بے شک تھی لیکن موت کے مترادف...... پروگرام طے ہو چکا تھا اور اس طے شدہ پروگرام کے تحت وہ ان لوگوں سے بھی کٹ گیا تھا جن سے اس کا تعلق تھا، یعنی جابر زمان اور راحیل رضا جنہوں نے کئی بار اس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اب طاہر بیگ نے تمام صورت حال سنبھال لی تھی اور بڑی سادگی سے اس نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ مرزا اعظم بیگ بیمار ہیں اور ڈاکٹروں نے پابندی لگادی ہے کہ کسی کو ان سے ملنے نہ دیا جائے، تاکہ ان کے دل و دماغ پر کوئی برا اثر نہ پڑے...... درحقیقت اندر کی بیماری باہر سے بھی ظاہر ہو رہی تھی...... دوسرے بچے ابھی تک اصل صورت حال سے واقف نہیں تھے اور یہی سمجھ رہے تھے کہ باپ بیمار ہے، تندرست ہو جائے گا۔ یہ سارے گھاؤ صدف اور طاہر بیگ ہی اپنے دل پر سنبھالے ہوئے تھے، پھر حجرے میں منصوبہ بندی ہوئی تھی کیونکہ ساری صورت حال طاہر اور صدف کے سامنے تھی، غالباً شہاب سے بھی اس موضوع پر کوئی گفتگو ہوئی تھی اور شہاب نے کوئی منصوبہ بھی پیش کر دیا تھا۔ چنانچہ اس وقت صدف اور طاہر حجرے میں داخل ہوئے تو مرزا اعظم بیگ نے خوفزدہ نگاہوں سے انہیں دیکھا، دونوں بچوں نے باپ کی صورت دیکھی اور ان کے دل دہل سے گئے، وہ باپ جو شیر کی طرح گرجتا تھا، جس کو دُنیا ایک عظیم محبِ وطن سے جانتی تھی اور جو دُنیا کو دھوکا دینے میں نہایت کامیابی سے اپنے اقدامات کرتا رہا تھا۔ آج چڑیا کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ سے بھی خوفزدہ ہو جاتا تھا اور یہ یقینی طور پر اس کے اعمال کا

نتیجہ تھا لیکن جن کے لئے دلوں میں محبت ہوتی ہے ان کی برائیوں کو جاننے کے باوجود ان کے لئے رحم کے جذبات سینے میں ضرور اُبھرتے ہیں، یہ تو قدرت کا عطا کردہ احساس ہے جسے قدرت ہی ختم کر سکتی ہے۔ انسان کے بس کی بات نہیں...... فطرت کی کمزوری آخرکار تمام نیک جذبات پر حاوی ہو ہی جاتی ہے، اس وقت بھی صدف اور طاہر بیگ کے چہرے پر باپ کی کیفیت دیکھ کر غم کے آثار اُبھرے تھے، لیکن انہیں بخوبی اندازہ ہو چکا تھا کہ اب اعظم بیگ انتہائی کمزور انسان ہے اور اس کے احساسات شدید سے شدید تر ہو چکے ہیں اور اب وہ کسی الٹی سیدھی بات کو برداشت نہیں کر سکتا کیونکہ جس راستے کی جانب اس نے قدم اٹھائے ہیں اس میں نجانے کیا کیا مشکلات کا سامنا کرنا پڑے...... وہ دونوں باپ کے سامنے بیٹھ گئے۔

"کیسے ہیں ڈیڈی۔" صدف نے مصنوعی مسکراہٹ سے پوچھا اور اعظم بیگ محبت بھری نگاہوں سے بیٹی کو دیکھنے لگا اور پھر بولا۔

"یہ سوال رسمی ہے؟"

"کیوں ڈیڈی۔" صدف نے کہا۔

"اس لئے بیٹے جیسا میں ہوں تم اچھی طرح جانتی ہو۔"

"ڈیڈی آپ نے بلکہ ٹھہریئے میں آپ کے ان احساسات کو ختم کرنے کی کوشش کرتی ہوں جو آپ نے اپنے سینے میں پال رکھے ہیں، دیکھئے پیدائش کے دن سے لے کر آج تک میں صرف اپنی بات کر رہی ہوں باقی لوگوں کی نہیں، آپ نے میرے ایک ایک لمحے کا خیال رکھا ہے، بیمار ہوں، تندرست ہوں، بھوکی ہوں، کوئی خواہش دل میں رکھتی ہوں، اگر آپ یہ خیال نہ رکھتے تو ڈیڈی آج میری شخصیت کی تشکیل اس طرح نہ ہو پاتی...... جب آپ زندگی بھر میرے لئے یہ سب کچھ کرتے رہے ہیں اور آپ نے میرے کمزور ہاتھوں اور پیروں کو اتنی قوت بخش دی ہے کہ اب میں ان سے اپنی پسند کے مطابق کام لے سکتی ہوں تو مجھ پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا کہ اب میں اور طاہر بھائی یا دوسرے سب لوگ آپ کا خیال رکھیں، آپ اگر کسی مشکل کا شکار ہو گئے ہیں تو اس مشکل میں آپ کے ساتھی بن جائیں...... ڈیڈی یہ تمام تاثرات اپنے ذہن سے نکال دیجئے...... میں پوچھتی ہوں آپ کیسے ہیں تو آپ کہتے ہیں جیسا ہوں تم جانتی ہو، ہاں ڈیڈی میں جانتی ہوں میں اس شخص کو جانتی

ہوں جس نے مجھے ایک ننھے سے کیڑے سے ایک تناور شخصیت بنادیا ہے، اگر اس کے احسانات اپنے دل میں رکھوں تو سچی بات کہوں آپ سے ساری دنیا سے اس کے لئے مجھے جنگ کرنی چاہئے اور جنگ کروں گی، ڈیڈی صرف میں نہیں بلکہ یہ تمام لوگ جو آپ کے پرورش کدہ ہیں۔" مرزا اعظم بیگ نے گردن جھکالی تھی...... صدف کچھ لمحے خاموش رہی اور پھر آہستہ سے بولی۔"

"کیسے ہیں ڈیڈی؟"

"ٹھیک ہوں بیٹے۔" مرزا اعظم بیگ نے جواب دیا۔

"گڈ...... آپ کو بالکل ٹھیک رہنا ہوگا...... ایک غلطی ہوگئی ہے ڈیڈی ہم اس پر تائب ہیں، ان سے توبہ کرتے ہیں...... آپ ایک نئے انسان کی حیثیت سے دُنیا کے سامنے آئے ہیں، بتاؤں ڈیڈی ہم جس مذہب سے تعلق رکھتے ہیں بے شک تھوڑا سا فاصلہ اختیار کرلیا ہے ہم نے اس سے، جو ہماری برائی اور کوتاہی ہے...... ڈیڈی میں کوئی مبلغ نہیں ہوں، نصیحت نہیں کرسکتی آپ کو...... دنیا کے جو رنگ آپ نے دیکھ لئے ان سے تو آپ اچھی طرح گونا گوں شناس ہوچکے ہیں...... اب دنیا کے اس رنگ کی جانب آجایئے جو رنگ فطرت ہے اور انسان کے لئے نجات کا راستہ مذہب اپنایئے ڈیڈی...... یہ جگہ جسے آپ نے حجرے کا نام دیا ہے اور جہاں لوگ آپ کو درویش کی حیثیت سے جانتے ہیں، اب آپ کے قابل نہیں ہے، کیونکہ یہاں سے ایک مصنوعی زندگی کا آغاز ہوا ہے...... ہم نے آپ کے لئے ایک جگہ منتخب کردی ہے ڈیڈی، آپ وہاں جایئے ہم بساط بھر آپ کے لئے ہر آسائش مہیا کردیں گے، وہیں آپ سے ملاقات کرلیں گے...... وہاں آپ عبادت الٰہی میں مصروف ہوجایئے، اب یہ کون جانے کہ یہ کون کون سے گناہوں کا سدباب کس طرح ہوسکتا ہے...... یہ تو وہی ذات باری جانتی ہے جو ہر چیز کی شناسا ہے...... ڈیڈی آپ سمجھ رہے ہیں نا میں یہ الفاظ اپنی عمر، اپنی حیثیت، اپنی بساط سے زیادہ ہی ادا کررہی ہوں، لیکن کیا کیا جائے کہ ذمہ داری میرے شانوں پر آپڑی ہے تو اسے بساط بھر پورا کرنے کی کوشش کررہی ہوں۔"

"اور کچھ نہ کہو صدف اس بارے میں اور کچھ نہ کہو۔" اعظم بیگ نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں صدف بہتر ہے کہ اب ان تمام باتوں کی بجائے ہم کام کی باتیں کریں۔" طاہر

نے کہا۔

"کام کی باتیں۔" صدف نے طاہر بیگ کو دیکھا۔

"نہیں میرا مطلب ہے کہ اب آگے جو کرنا ہے۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔" صدف نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور اس کے بعد چند لمحات لئے گہری خاموشی طاری ہوگئی تھی...... طاہر بیگ نے کہا۔

"ڈیڈی ہم لوگ آپس میں مشورہ کرتے رہے ہیں...... شہاب صاحب اور ان کی مسز اس مشورے میں شامل ہیں، وہ دونوں نیک دل انسان ہماری درخواست پر جو کچھ کرنے آمادہ ہوئے ہیں ڈیڈی شاید اس کا صلہ ہم انہیں کبھی نہ دے سکیں...... آنے والے وقت میں سنڈیکیٹ کے جتنے بھی ارکان ہیں ان کے لئے بڑی مشکلات پیدا ہونے والی ہیں...... ری آپ دیکھ لیجئے گا...... سن لیجئے گا کہ انکل راحیل اور انکل جابر کے لئے بھی وہی سب کچھ ین ہے جو انکل حیات اور انکل سلطان کے ساتھ ہوچکا ہے...... ڈیڈی شہاب کے بارے مجھے اتنا ہی اندازہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو چھوڑے گا نہیں...... خیر یہ بعد کی بات ہے، ہم نے یہ طے کیا ہے کہ ایک طویل عرصے تک دونوں بھائیوں کو اور گھر کے دوسرے افراد کو اس بارے میں کچھ نہیں بتایا جائے گا، جس طرح اب تک ہم نے ان لوگوں سے صورت ل کو جس حد تک بھی چھپا سکتے ہیں چھپا کر رکھا ہے...... اس کے بعد ہی ہم ایک طویل ے تک اس صورت حال کو چھپائے رہیں گے...... ڈیڈی شہاب صاحب نے بہت مدد نے کا وعدہ کیا ہے اور اس حد تک وہ ہمارے معاملات میں ملوث ہوچکے ہیں کہ آپ سوچ ں سکتے...... طے یہ کیا گیا ہے ڈیڈی کہ کسی بھی وقت آپ کی بیماری کی شدت اور اس کے میرے منہ میں خاک آپ کی موت کا اعلان کردیا جائے گا۔ بیماری کی شدت کا اظہار آپ رنا ہوگا...... ڈاکٹر جو آپ کی موت کی تصدیق کرے گا...... شہاب صاحب کا بھیجا ہوا ہوگا یہ ذمہ داری شہاب صاحب نے قبول کی ہے کہ وہ ایک ایسی لاش کا بندوبست کردیں گے ا کے چہرے پر آپ کا میک اپ ہوگا اور اس لاش کی تدفین کردی جائے گی...... میک اپ ب صاحب خود اپنے ہاتھوں سے کریں گے۔"

"مگر لاش کا بندوبست کیسے ہوگا؟"

"ڈیڈی ایک ڈراما کیا جائے گا اور اس کی تمام تر ذمہ داری شہاب صاحب نے اپنے

شانوں پر لی ہے۔"

"بہر حال یہ پولیس کے لوگ ہیں، سب کچھ کر سکتے ہیں ٹھیک ہے پھر۔"

"بس ڈیڈی آپ کو اس جگہ منتقل کر دیا جائے گا جو آپ کے لئے منتخب کر دی گئی ہے..... آپ چاہیں تو اسے دیکھ سکتے ہیں۔" طاہر نے کہا اور اعظم بیگ ہنسنے لگا اور پھر بولا۔

"دیکھ سکتا ہوں..... ہاں دیکھنا تو مجھے چاہئے لیکن دیکھ کر جو کچھ کیا ہے وہ غلط ہی رہا ہے بیٹا..... ٹھیک ہو گی کیونکہ تم نے منتخب کی ہے۔"

"بس ڈیڈی ایک طویل عرصے تک آپ وہاں رہیں گے، ہم لوگ آپ سے ملتے رہیں گے اور اس کے بعد پھر باقی بھائیوں کو بھی اس بارے میں اطلاع دے دی جائے گی۔"

"جیسا تم مناسب سمجھو۔" آخر کار یہ ڈراما آخری حد میں داخل ہو گیا..... شہاب اور بینا اس میں براہ راست ملوث تھے، مرزا اعظم بیگ کی بیماری کے بارے میں باتیں پھیلتی چلی گئیں..... مرزا اعظم بیگ کو ایک بیمار کا رول ادا کرنا تھا، اپنے بچوں کی ہدایت کے مطابق وہ اس رول کو سر انجام دیتا رہا..... شہاب اور بینا بھی دو تین بار مرزا اعظم بیگ کے گھر اس سے ملاقات کرنے گئے تھے اور مرزا اعظم بیگ کی آنکھوں کی کیفیت انہیں اس ممنونیت کا احساس دلاتی تھی جو مرزا اعظم بیگ کے دل میں موجود تھی..... یہاں تک کہ مقررہ وقت کا تعین ہو گیا..... سردار علی کو ڈاکٹر بنا کر اس وقت وہاں بھیجا گیا تھا جب انتہائی خفیہ طریقے سے مرزا اعظم بیگ کو وہاں سے ہٹا کر سول ہسپتال سے حاصل کردہ ایک مردہ جسم جو مرزا اعظم بیگ ہی کی جسامت سے مطابقت رکھتا تھا..... مرزا اعظم بیگ کی جگہ پہنچا دیا گیا تھا اور ایک مردہ چہرے پر مرزا اعظم بیگ کا میک اپ کرتے ہوئے خود شہاب کے ہاتھ بھی کانپتے رہے تھے، لیکن بہر حال برائیوں سے تائب ایک شخص کی مدد کرنے کا فیصلہ کرنے کے بعد یہ کڑوے گھونٹ شہاب کو پینا پڑے تھے اور پھر کچھ ایسے لوگوں کی مدد بھی اس میں شامل تھی جو اپنے وقت کے اچھے لوگ تھے اور جنہوں نے برائی کو برائی سے چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی، بلکہ اسے نیکیوں کے راستے ختم کرنا چاہا تھا..... سو مرزا اعظم بیگ کی موت کا اعلان ہو گیا اور اس کے بعد اس کی تدفین بھی اسی انداز میں ہوئی، وہ بھولے بھٹکے لوگ جو اسے فرشتہ صفت سمجھتے تھے اس کے جنازے پر دھاڑیں مار رہے تھے اور مرزا اعظم بیگ خود اپنے جنازے کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ اگر اصل حالت میں وہ زندگی کے اس اختتام کو حاصل کرتا تو شاید

ان میں سے کوئی فرد بھی اس کے ساتھ موجود نہ ہوتا، نجانے کون نیک انسان ہے جس کا جنازہ جا تو اس کی شکل میں رہا ہے لیکن اسے اس کے اعمال کا انعام مل رہا ہے..... سو یوں مرزا اعظم بیگ کی تدفین ہو گئی، اس کے اہل خاندان اشکبار تھے..... طاہر اور صدف بھی غم زدہ تھے، دونوں دوسرے بھائی اور بیویاں جو کوئی بھی تھا مرزا اعظم بیگ کو یاد کر رہا تھا اور مرزا اعظم بیگ خود کو بھی خود یاد کر رہا تھا کہ برائیوں میں کس قدر ملوث ہو گیا تھا کہ آج یہ عجیب و غریب کیفیت اس کی نگاہوں کے سامنے تھی، لیکن آخر کار اسے گھر چھوڑ کر اسی چھوٹے سے خوبصورت بنگلے میں منتقل ہونا پڑا جہاں تین ملازم اس کی تیمارداری کے لئے موجود تھے اور وہ افتخار صاحب کے نام سے متعارف کرا دیا گیا تھا اور یہ ساری کارروائی طاہر نے کی تھی، صدف بھی اس میں پیش پیش تھی اور شہاب کا مکمل تعاون انہیں حاصل تھا، ایسے ڈرامے کبھی کبھی ہی ہوا کرتے ہیں اور ان کی نوعیت پر یقین کرنا مشکل ہو جاتا ہے، لیکن بات وہی ہوتی ہے کہ کوئی بھی چیز تصور کر لی جائے اس کا وجود ہوتا ہے اور پھر یہ ایسی انہونی بھی نہیں تھی..... شہاب بھی ذہنی طور پر غیر مطمئن نہیں تھا کیونکہ شہنشاہ کی حیثیت سے جب اسے کوئی عمل کرنا ہوتا تھا تو دنیاوی رکاوٹوں کا احساس اس کے دل سے اس جرم کی سنگین کیفیت کو مٹا دیتا تھا جو وہ کرنے جا رہا ہوتا تھا، وہ تو ایک مجبوری ہوتی تھی جو ضمیر کی مانگ کہلاتی ہے اور ضمیر جو کچھ مانگتا ہے وہ کبھی کبھی دنیا قبول نہیں کرتی، چنانچہ ایسے موقعے پر یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ دنیاوی قوانین کو نگاہوں کے سامنے رکھا جائے یا ضمیر کی تڑپ کو، بہر حال اس سے پہلے بھی شہاب بہت سی بار ضمیر کی تڑپ سے مجبور ہو کر ان لوگوں کے خلاف کام کر چکا تھا جو قانون کی گرفت سے نکلنے میں کمال رکھتے تھے..... بہر حال یہ معاملہ اس طرح ختم ہو گیا تھا..... نادر حیات صاحب سے ملاقات ہوئی تو اعظم بیگ کے بارے میں خود اسے بتایا اور شہاب نے کہا۔

"جی سر..... مجھے علم ہے۔"

"ایک بات بتاؤ گے، شہاب یہ سوال میرے ذہن میں بہت مشکل پیدا کر رہا ہے۔"

"جی سر۔"

"تم نے کہا تھا کہ پانچ چوہوں میں سے دو کم ہو گئے، تیسرے کی باری ہے..... اعظم بیگ کے بارے میں یہی اطلاع ملی ہے کہ وہ خود طبعی موت کا شکار ہوا ہے۔"

"جی سر۔"

"کیااس کے پس پردہ کوئی عمل ہے؟"

"صرف اتنا ہے کہ اسے اس بات کا احساس دلادیا گیا تھا کہ وہ زندہ نہیں بچ سکے گا...... دو افراد جس طرح حادثوں کا شکار ہوئے ہیں وہ بھی اسی طرح دُنیا کھو بیٹھے گا...... بہر حال سر انسان کے اندر لاتعداد کمزوریاں ہوتی ہیں وہ بھی ان کمزوریوں سے الگ انسان تو نہیں تھا، اس دہشت کو برداشت نہ کر سکا اور اس کی موت اسی دہشت کا نتیجہ رہی۔"

"او گویا ایک نفسیاتی حربہ استعمال کیا تم نے۔" نادر حیات صاحب نے گردن ہلاتے ہوئے کہا...... بعد میں ساری تفصیل معلوم ہو جانے کے بعد بینا بولی۔

"شہاب کیا اس راز میں نادر حیات صاحب کو شریک نہیں کیا جاسکتا تھا۔"

"بینا کیا نادر حیات صاحب یہ بات جانتے ہیں کہ شہنشاہ نام جیسی کوئی چیز بھی وجود میں آئی ہوئی ہے...... میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر نادر حیات صاحب کو شہنشاہ کے بارے میں تفصیلات معلوم ہو جائیں تو وہ اپنی قانونی ذمہ داریوں کو مدنگاہ رکھتے ہوئے بھی شہنشاہ کی زندگی کی اجازت نہیں دیں گے...... یہ تو ایک الگ ہی شعبہ ہے جس کا تعلق صرف ثاقب صاحب کے اس مشن سے ہے جس کے لئے انہوں نے جان دے دی تھی اور شہاب ثاقب نے بچ کا وہ مشن جاری رکھنے کے لئے اپنے باپ کی روح سے وعدہ کیا ہوا ہے اور باپ سے کئے ہوئے وعدے سے میں دُنیا کے کسی اور شخص کو شریک نہیں کر سکتا۔" شہاب نے جواب دیا تھا اور بینا ایک جھرجھری سے لے کر خاموش ہو گئی تھی، کیونکہ شہاب کی آواز میں جو غراہٹ تھی اسے کسی درندے کی غراہٹ سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی تھی، کسی بھی درندے کی آواز میں اس قدر غراہٹ نہیں ہوتی۔

❁

راکی...... پیل اور گارون مسلسل رونالڈ ڈکسن سے رابطہ رکھے ہوئے تھے...... سنڈیکیٹ کی جانب سے انہیں مکمل اختیارات دیئے گئے تھے کہ وہ یہاں کی کھوئی ہوئی ساکھ کو بحال کر دیں...... باڑی میں جس طرح پروڈکشن رک گئی ہے اسے پھر سے ترتیب پر لائیں...... ان لوگوں سے رابطے قائم کریں جو پروڈکشن کے ذمے دار تھے، ان کے درمیان اعتماد بحال کیا جائے اور پروڈکشن دوبارہ شروع کرائی جائے...... یہ سارے احکامات رونالڈ ڈکسن کو اس کی رپورٹ کے بعد ملے تھے، یہ بھی کہا گیا تھا کہ وہ پانچ افراد جو کام کر رہے ہیں،

انہیں کام کرنے دیا جائے لیکن ان پر مکمل اعتماد قطعی طور پر ختم کر دیا جائے اور عارضی طور پر ان سے رابطے بھی منقطع کر لئے جائیں، لیکن ان پر نگاہ بھی رکھی جائے، اس سلسلے میں رونالڈ ڈکسن کو خصوصی اختیارات اس کی حیثیت سے بڑھ کر دے دیئے گئے تھے اور یہ بھی پوچھا گیا تھا کہ رونالڈ ڈکسن کو مزید افراد کی ضرورت ہے جس کے لئے اس نے انکار کرتے ہوئے کہا تھا کہ ابھی یہاں کے حالات اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ مزید افراد کی کھپت ہو سکے، بعد میں اگر ضرورت پیش آئی تو سنڈیکیٹ سے اس بات کا مطالبہ کر دیا جائے گا...... رونالڈ ڈکسن کی ملاقاتیں ان تینوں سے ہوتی رہتی تھیں اور خفیہ طور پر بہت سے منصوبے زیر عمل لائے جا رہے تھے...... ڈی آئی جی نادر حیات اور شہاب ثاقب کے بارے میں بھی یہ فیصلہ کر لیا گیا تھا کہ ان دونوں افراد کو ختم کر دیا جائے گا لیکن اس کے لئے بھی رونالڈ ڈکسن اپنے خصوصی وسائل سے کام لینا چاہتا تھا، جب کہ راکی، پیل، گارون نے اس سلسلے میں خود پیش کش کی تھی اور کہا تھا کہ یہ ذمہ داری انہیں سونپ دی جائے تو رونالڈ ڈکسن بولا تھا۔

"نہیں میرے بچو...... کوئی ایسا کام خود کرنے کی کوشش نہ کرنا جس کی اجازت میری جانب سے نہ ملی ہو...... بڑی مشکل سے میں نے تم تینوں کو مقتول بنایا ہے اور تمہارے لئے روپوشی حاصل کی ہے، ورنہ منظر عام پر رہ کر تم کبھی کوئی عمل نہ کر پاتے...... میری کسی کاوش کو ضائع کرنے کی کوشش کبھی بالکل نہ کرنا...... یہاں کی زندگی تم لوگوں کو کیسی لگ رہی ہے۔"

"سر ہم یہاں بہت مطمئن اور خوش ہیں۔"

"اپنی اصل حیثیت سے ہٹنے کے بعد تم کیا محسوس کر رہے ہو۔"

"نہیں سر...... ہم اپنی اصل حیثیت سے ہٹے نہیں ہیں...... یہ تو ایک عارضی قدم ہے۔" پیل نے جواب دیا اور رونالڈ ڈکسن ہنسنے لگا اور بولا۔

"تمہارے الفاظ سے مجھے خوشی ہوئی اور یہ اندازہ بھی ہوا کہ تم لوگ ذہین ہو اور صورت حال کی نزاکت کو سمجھتے ہو اور اس کے مطابق کام کر سکتے ہو...... خیر میرے کہنے کا مقصد یہی ہے کہ ہم لوگ اپنے طور پر ابھی بہت محتاط رہیں گے...... سب سے اہم مسئلہ جو تمہارے سامنے آیا ہے وہ یہ ہے کہ تم نے دیکھا ہو گا کہ ڈاکٹر حیات اور شیخ سلطان ان لوگوں کے ہاتھوں موت کا شکار ہوئے جن کو انہوں نے خود پالا تھا...... وہ ٹھیکیدار جس نے جیل میں ان شاہ کو زہر دیا تھا ڈاکٹر حیات کی موت کا باعث بنا اور اس نے کھل کر تمام باتوں کا اعتراف

کر لیا...... چینا نامی شخص کے بارے میں جیسا کہ تمہارے علم میں آیا تھا کہ شیخ سلطان نے اسے شہاب ثاقب کی موت کے لئے آمادہ کیا تھا اور چینا نے شیخ سلطان کو قتل کر دیا...... اس سے کیا نتیجہ اخذ کرتے ہو تم۔"

"سر یہ کہ شہاب ثاقب شیطانی قوتوں کا مالک ہے...... اپنے خلاف ہونے والی سازش سے آگاہ ہونے والا اور کون جانے کن دو افراد کا قتل شہاب ثاقب کے ایماء پر ہوا ہو...... اس نے اپنے دشمنوں کو خود اپنے دشمنوں کے خلاف استعمال کیا، یہ اس کی بہت بڑی کامیابی ہے سر...... ورنہ اور کیا وجوہات ہو سکتی ہیں۔"

"میرے ذہین دوستو! میں بھی یہی کہنا چاہتا تھا اور یہ بھی کہنا چاہتا تھا کہ شہاب ثاقب کے خلاف یا سنڈیکیٹ کے مقاصد کے لئے فوری طور پر کوئی قدم اٹھانا ہمارے لئے خطرناک ہو سکتا ہے، کیونکہ شہاب ثاقب جیسا شخص اصل حقیقتوں سے ناواقف نہ رہا ہو گا اور تھوڑا بہت علم اسے اس بارے میں ضرور ہو گیا ہو گا کہ سنڈیکیٹ یہاں کیا کر رہی ہے، کچھ وقت کے لئے مکمل خاموشی اختیار کی جائے تو ہمارے لئے بہتر رہے گا، اپنے معمولات کو محدود رکھو اور کسی بھی سرگرمی میں حصہ نہ لو...... ہم اس کے بعد بارڈی سے اپنے کام کا آغاز کریں گے...... پہلے میں مشنری کے تحت وہاں جانے کی تیاریاں کروں گا اور اس کے لئے میں نے کام کا آغاز کر لیا ہے...... ہماری مشینری اس کام میں مصروف ہو گئی ہے اور ہم ایک تبلیغی مشن لے کر ان پہاڑی علاقوں کا رخ کریں گے جہاں منشیات کی کاشت ہوتی ہے...... ہم وہاں انسانیت کا درس دیں گے، لیکن ہمارا رابطہ کاشت کاروں سے ہو گا جو ہمارے لئے بڑی اہمیت کے حامل ہیں، سمجھ رہے ہو نا۔"

"اور ہم آپ کے معتقدین کی حیثیت سے آپ کے ساتھ جائیں گے سر۔" گارون نے کہا اور سب لوگ ہنسنے لگے، چند لمحات یہ فضا قائم رہی، پھر رونالڈ ڈکسن نے سرد لہجے میں کہا۔

"لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی تمہیں اس بات سے باخبر بھی رہنا ہو گا کہ سرکاری پیمانے پر یہاں کیا ہو رہا ہے...... اپنے آپ کو بالکل ہی چھوڑ کر نہ بیٹھ جانا کیونکہ یہ بات ہمارے حق میں خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔"

"ہم جانتے ہیں فادر۔" پیل کے منہ سے نکلا۔

"اوکے...... محتاط رہو اور مجھے خبریں دیتے رہو۔" پھر تینوں نے ایک بار اور رونالڈ ڈکسن سے بات کر کے انہیں اعظم بیگ کی موت کی اطلاع دی تھی اور رونالڈ ڈکسن کی پیشانی شکن آلود ہو گئی تھی۔"

"تین...... تین گئے دو باقی رہ گئے ہیں، کیا ان دونوں کے معمولات کے بارے میں تمہیں علم ہے۔"

"نہیں سر...... ہم نے ان سے فاصلے ہی اختیار کر رکھے ہیں۔"

"اعظم بیگ کی موت کس طرح ہوئی۔"

"سر وہ کچھ عرصے سے بیمار تھا اور آخر کار یہ بیماری اس کی جان لے بیٹھی۔"

"رپورٹ بالکل درست ہے۔"

"جی سر مکمل طور پر معلومات حاصل کر لی گئی ہیں۔"

"گویا وہ خوف کا شکار ہو گیا اور ہونا بھی تھا اسے کیونکہ ڈاکٹر حیات اور شیخ سلطان بدترین موت کا شکار ہوئے تھے...... باقی دونوں کا کیا حال ہے۔"

"سر اگر آپ حکم دیں تو ان کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔"

"نہیں تمہارا پہلا طرز عمل ہی درست ہے...... ہاں اگر ان کی موت کی اطلاع مل جائے تو مجھے دے دینا میرے خیال میں ان دو افراد کا ختم ہو جانا بھی بے حد ضروری ہے۔"

"اگر اجازت ہو فادر تو ہم خود۔" پیل نے کہا اور رونالڈ ڈکسن اسے گھورنے لگا اور بولا۔

"یہ احمقانہ خیال تمہارے دل میں کیوں آیا؟"

"نہیں سر...... اصل میں ہمیں۔"

"دیکھو...... میں تم لوگوں کو ذہین کہہ چکا ہوں، اب میں اپنے خیالات میں کوئی تبدیلی نہیں چاہتا چنانچہ کوئی ایسی بات زبان سے نہیں نکالو گے تم جس میں ایسا حماقت بھرا کوئی احساس ہو...... ہمیں کیا ضرورت ہے جب وہ خود اپنی موت مر رہے ہیں تو ہم کیوں اپنے آپ کو منظر عام پر لائیں...... سمجھ گئے۔"

"ٹھیک ہے سر...... آئی ایم سوری۔" اور اس کے بعد وہ لوگ خاموش ہو گئے تھے۔

❁

دونوں کے چہروں پر غم واندوہ کے تاثرات منجمد تھے...... آخر کار اعظم بیگ بھی چل

بسا تھا...... یہ لوگ اس کی تمام رسومات میں شریک رہے تھے...... اعظم بیگ کے خاندان کو تسلیاں بھی دی تھیں اور اس کے بعد اس کی تدفین سے فارغ ہو کر وہاں سے واپس چل پڑے تھے اور راحیل رضا جابر زمان کی ہی کار میں تھا...... تھکے تھکے انداز میں بولا۔

"جابر کہیں چل کر کافی پلاؤ...... میں ذہنی طور پر بہت منتشر ہوں۔" جابر نے کار ایک خوبصورت کافی ہاؤس کے سامنے روکی تھی اور دونوں اتر کر اندر داخل ہو گئے تھے، ایک میز منتخب کر کے بیٹھ گئے تو راحیل رضا نے جابر سے کہا۔

"کیا کہتے ہو اعظم بیگ کی موت کے بارے میں؟"

"وہ دہشت کا شکار ہو کر مر گیا۔"

"ہاں میرا بھی یہی خیال ہے...... ہم نے اس کا چہرہ دیکھا تھا، تفکرات کا آئینہ بنا ہوا تھا، یہ کیفیت ہماری اپنی بھی ہے، لیکن یار اس طرح تو موت آسانی سے قبول نہیں کریں گے...... آخری دم تک جدوجہد کریں گے...... ویسے تم اب تک گئے نہیں راحیل۔"

"تھوڑا سا کام باقی رہ گیا ہے...... بچوں کی طرف سے بھی سخت مطالبہ ہو رہا ہے کہ میں باقی تمام چیزوں پر لعنت بھیجوں اور فوری طور پر آ جاؤں لیکن جابر اپنے ہاتھ سے جو کچھ بنایا جاتا ہے اس کی تباہی برداشت نہیں ہوتی...... ذرا سا دل کو ستاتا ہے بس کچھ ایسے کام باقی رہ گئے ہیں جنہیں مکمل کرنے کے بعد میں روانہ ہو جاؤں گا...... تم نے میری ہدایت پر عمل کیا یا نہیں اب تک۔" جابر نے کوئی جواب نہ دیا کہ ویٹر آ گیا تھا اور کافی کا آرڈر لے کر چلا گیا تھا...... راحیل نے پھر اپنا سوال دہرایا تو جابر نے کہا۔

"ہاں...... لیکن مجھے یہ سب کچھ اتنا آسان نظر نہیں آتا جتنا تم نے سب کچھ اپنے لئے آسان کر لیا تھا۔" راحیل رضا ہنسنے لگا اور پھر بولا۔

"اصل میں تم بھی اس کشمکش کا شکار ہو جس سے میں گزر رہا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ اعظم بیگ بھی اسی کشمکش کا شکار رہا ہو گا اور آخر کار یہی کشمکش اس کی جان لے بیٹھی۔"

"ممکن ہے کہ تم سچ کہہ رہے ہو لیکن یقین کرو میرا سارا خاندان یہاں بکھرا ہوا ہے، وہ سب ہیں یہاں پر جن سے ساری زندگی میں نے پیار کیا ہے، جن جن سے میرا تم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ راحیل کتنا بڑا خاندان ہے میرا...... سب میرے پیارے ہیں...... میں نے ان سب کے لئے بہت کچھ کیا ہے...... میں نے صرف اپنے آپ کو ہی نہیں بنایا بلکہ اپنے خاندان

کے لاتعداد افراد کو میں نے ایک اچھی حیثیت بخشی ہے...... میں تو ان سے یہ کہتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں کہ وہ یہ گھر چھوڑ دیں...... یہ شہر چھوڑ دیں...... یہ ملک چھوڑ دیں...... چلو سب نہیں چھوڑ سکتے لیکن میں خود اپنے قریبی، اپنے اہل خاندان سے یعنی کہ میرا مطلب ہے اپنی فیملی کے بھی افراد سے یہ بات نہیں کہہ سکتا۔"

"کہنا پڑے گا تمہیں۔"

"تم نے اپنے بچوں سے کیا کہا تھا۔"

"میرے بچے اتنے بے وقوف نہیں کہ وہ خود سمجھدار تھے...... میں نے انہیں حقیقتیں بتائیں تو وہ یہاں سے بھاگنے کے لئے تیار ہو گئے اور یہی طریقہ میں نے محفوظ سمجھا تھا۔"

"آہ...... نجانے کیوں میں اس سلسلے میں کمزور پڑ رہا ہوں۔" جابر زمان نے کہا۔

"نہ پڑو تو بہتر ہے۔" راحیل رضا بولا...... پھر اس کے بعد وہ خاموشی سے کافی پیتے رہے تھے...... جابر زمان نے بعد میں راحیل رضا کو گھر چھوڑا تھا اور خود راحیل سے ہونے والی باتوں پر غور کرتا ہوا اپنے گھر کی جانب چل پڑا تھا...... کوئی حل نکالنا ضروری تھا، اب تو بس دو ہی رہ گئے تھے بلکہ راحیل بھی کسی نہ کسی لمحے روانہ ہو جائے گا اور اس کے بعد وہ تنہا یہاں رہ جائے گا...... ایک بار پھر اس کے دل میں سنڈیکیٹ کے خلاف نفرت کا طوفان اُٹھا اور وہ سوچنے لگا کہ اس نے زندگی کا بہت قیمتی حصہ سنڈیکیٹ کے کاموں کے لئے وقف کر دیا تھا اور اب سنڈیکیٹ ان سب کو ختم کرنے پر تل گئی ہے، کتنے افسوس کی بات ہے یہ تو ایک روایتی طریقہ رہا...... یہ روایت مناسب تو نہیں ہے، کوئی ملے تو اس سے بات بھی کی جائے...... کون ہے آخر، کوئی ہے بھی تو نہیں، وہ تینوں بھی مر چکے ہیں کم بخت کتے کی موت مر گئے ہیں، ہو سکتا ہے کہ سنڈیکیٹ کے افراد اس بات پر یقین رکھتے ہوں کہ ان تینوں کی موت کا باعث میں ہوں یا ہم لوگ تھے۔ اچانک ہی جابر زمان کے دل میں ایک خیال پیدا ہوا اور وہ اس خیال کی بنیاد پر غور کرنے لگا، وہ گھر پہنچ گیا تھا...... اپنے کمرے میں پہنچنے کے بعد اس نے معمول کے مطابق دروازہ بند کر لیا...... ویسے تو اپنے اہل خاندان کے ساتھ اس کا رویہ ہمیشہ ہی اچھا رہتا تھا، لیکن ان دنوں وہ جن کیفیات سے گزر رہا تھا اس کے بعد طبیعت کی خوشگواری کو قائم رکھنا بڑا مشکل کام تھا، چنانچہ اس کے اہل خاندان نے بھی محسوس کر لیا تھا کہ وہ ذہنی طور پر کچھ تھکا تھکا سا ہے...... لوگوں کے سوالات کے جوابات میں بھی اس نے یہی کہا تھا کہ

ان دنوں اس کی طبیعت بہتر نہیں ہے...... وہ ڈاکٹر سے رجوع کر چکا ہے اور ڈاکٹر نے اس سے کہا ہے کہ وہ آرام کرے اور اپنے آپ کو کسی ذہنی اُلجھن کا شکار نہ ہونے دے، چنانچہ اہل خاندان اس سے تعاون کر رہے تھے...... اپنا کمرا بند کرنے کے بعد وہ سوچ میں ڈوب گیا اور راحیل رضا ملک سے باہر جا رہا ہے، اس نے جو اقدامات کر ڈالے ہیں وہ خاصے اہم ہیں، ہو سکتا ہے وہ اس کے ساتھ کسی قسم کا تعاون نہ کرے، لیکن اگر وہ تنہا ہی ہانگ کانگ جا کر سنڈیکیٹ کے افراد سے ملاقات کرے تو شاید اس کی بات سوچی اور سمجھی جائے اور اسے یہ آسانی حاصل ہو سکے کہ وہ بقیہ افراد کی طرح موت سے ہمکنار نہ ہونے پائے...... یہ خیال اس کے ذہن میں جڑ پکڑتا چلا گیا، اس نے سوچا کہ راحیل رضا سے بھی اس بارے میں بات کی جائے، یہ سوچ کر اپنی جگہ سے ٹیلی فون کی جانب بڑھ ہی رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اُٹھی اور اس کے بعد اس نے آگے بڑھ کر ریسیور اُٹھا لیا...... ویسے تو کوٹھی میں کئی اور بھی ٹیلی فون تھے لیکن اس ٹیلی فون کی لائن بالکل الگ تھی اور صرف اسی کمرے میں تھی...... جابر زمان نے ریسیور کان سے لگایا اور بولا۔

"ہیلو۔"

"کون بول رہا ہے؟" دوسری جانب سے ایک اجنبی آواز سنائی دی...... ایک عجیب سی آواز تھی جسے نہ زنانہ کہا جا سکتا تھا اور نہ مردانہ...... جابر زمان اس آواز کو نہیں پہچان سکا تھا، اس نے کہا۔

"کس سے بات کرنا چاہتے ہو؟"

"جابر زمان سے۔"

"میں بول رہا ہوں تم کون ہو؟"

"اللہ رکھا۔"

"کون اللہ رکھا۔"

"میں...... میں خود۔"

"کیا بات ہے، کیا چاہتے ہو؟"

"ایک اطلاع دینا چاہتا ہوں۔"

"کیسی اطلاع؟"

"تمہیں معلوم ہے جابر زمان کہ تمہارے سنڈیکیٹ کے تین افراد پیل، گارون اور راکی یہاں آئے ہوئے تھے۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو...... کیسا سنڈیکیٹ، کیسے افراد؟"

"اور ان لوگوں کا ایک آئل ٹینکر سے حادثہ ہو گیا تھا...... تمہیں اچھی طرح یاد ہوگا کمپنی کے نمائندوں کی حیثیت سے ان کی لاشوں کی یہیں تدفین کر دی گئی تھی، اس لئے کہ وہ لاشیں ان کے گھروں کو بھیجنے کے قابل نہیں رہی تھیں۔"

"تم پاگل معلوم ہوتے ہو، بکواس کئے جا رہے ہو، میں پوچھتا ہوں آخر تم ہو کون؟ اپنا تعارف بھی تو کراؤ۔" جابر زمان کے بدن میں سرد لہریں دوڑ رہی تھیں۔

"لیکن تمہیں یہ سن کر تعجب ہوگا کہ وہ تینوں زندہ ہیں۔"

"اگر تم نے اپنے بارے میں اور کچھ نہ بتایا تو میں ٹیلی فون بند کر دوں گا۔"

"اور ان کا پتا بھی نوٹ کرو...... کاغذ اور قلم اگر تمہارے پاس نہیں ہے تو اپنے پاس اُٹھا کر رکھ لو۔"

دوسری جانب سے جابر زمان کی باتوں کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی جا رہی تھی...... جابر زمان کی نگاہیں، اِدھر اُدھر بھٹکنے لگیں اور پھر اس نے پھرتی سے پیڈ اور پنسل اپنے ہاتھ میں لے لی...... اس دوران دوسری طرف وقفہ رہا تھا، جابر زمان نے کہا۔

"ہیلو۔"

"ہاں مل گیا کاغذ اور پنسل، پتا نوٹ کرو تینوں اس پتے پر موجود ہوتے ہیں اور اگر نہ بھی ہوں تو انتظار کر لینا۔"

"خدا کے بندے مجھے اپنے بارے میں کچھ تو بتا...... آخر تم ہو کون اور مجھ سے یہ فضول باتیں کیوں کر رہے ہو؟"

"خدا حافظ۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور ٹیلی فون بند ہو گیا۔

جابر زمان کافی دیر تک ٹیلی فون کا ریسیور ہاتھ میں لئے کھڑا رہا تھا، اس کے پورے بدن میں سرد سرد لہریں دوڑ رہی تھیں اور نجانے کیوں اسے ایک عجیب سی ٹھنڈک کا سا احساس ہو رہا تھا...... ہاتھ پاؤں بے جان سے ہوتے جا رہے تھے...... لرزتے ہاتھوں سے اس نے ٹیلی فون کا ریسیور کریڈل پر رکھا اور پھر لڑکھڑاتے قدموں سے مسہری کی جانب بڑھ گیا، لباس

تبدیل کر چکا تھا، مسہری پر پاؤں لٹکا کر بیٹھنے کے بعد اس نے دیر تک آواز پر غور کیا...... کوئی سازش کوئی خوفناک اور پر اسرار سازش، آخر کس کی آواز تھی، کون تھا جو اس سنڈیکیٹ کے بارے میں جانتا تھا...... کیا سنڈیکیٹ کے افراد...... اوہ شاید، شاید ایسا ہی ہے، مجھے کوئی خفیہ اشارہ دیا گیا ہے، یا پھر یا پھر یہ بھی کوئی سازش ہے...... تین کے بعد ہو سکتا ہے چوتھا فرد میں ہی ہوں، جسے وہ لوگ راستے سے ہٹانا چاہتے ہوں...... آہ شاید ایسا ہی ہے جس کے لئے یہ گراؤنڈ تیار کیا گیا ہے، اب کیا کروں راحیل رضا کے علاوہ اور کون ہے جس سے رابطہ قائم کر کے دل کی بات کہوں...... آہ کتنا کٹ گیا ہوں میں اس دنیا سے...... ایک برائی کر کے میں نے ساری دنیا ہی اپنے لئے کھو دی ہے...... کاش میں منشیات کی اس تجارت میں نہ پڑتا...... کاش میں ان خطرناک لوگوں کے چکر میں نہ پڑتا جنہوں نے میرے قدموں کے نیچے دولت کے انبار تو لگا دیئے لیکن باقی سب کچھ چھین لیا...... میرے دوست احباب، میرا خاندان، میرے بیوی بچے اور اب یہ مجھ سے میری زندگی بھی چھین لینا چاہتے ہیں...... یقیناً ایسا ہی ہے، یقیناً یہ کسی ایسی ہی سازش کا بھی آغاز ہے لیکن کیا کروں اور اس کے بعد وہ کمرے میں ٹہلنے لگا...... بلڈ پریشر بڑھ گیا تھا...... ذہن شدید ہیجان کا شکار تھا، بہت دیر تک ٹہلنے کے بعد اس نے ٹیلی فون اٹھایا اور راحیل رضا کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

حالانکہ اچھی خاصی رات گزر گئی تھی، لیکن جو لوگ اپنے دلوں کو کالا کر لیتے ہیں وہ اپنے ضمیر کی چبھن سے نہیں بچ سکتے، کبھی نہ کبھی آخر کار ان کا ضمیر جاگتا ہے اور پھر وہ ان سے ان کا سکون چھین لیتا ہے...... راحیل رضا نے بھی فوراً ہی ریسیور اٹھایا تھا اور اس کی لرزتی آواز اُبھری تھی۔

”ہیلو کون ہے؟“

”راحیل۔“ جابر زمان نے کہا۔

”کک کون...... کون...... مم میں پہچانا نہیں؟“

”اوہو...... میں...... جابر ہوں جابر زمان۔“

”یار آواز بدل کر بول رہے ہو کیا...... تمہاری آواز ٹیلی فون پر پہچانی کیوں نہیں جا رہی۔“

”نہیں میں تو اپنی اصل آواز میں ہی بول رہا ہوں، لیکن تم پریشان معلوم ہوتے ہو۔“

”نہیں ایسی بات نہیں ہے...... اصل میں تمہارے فون کی توقع نہیں تھی...... ابھی

تھوڑی دیر پہلے تو ہم ایک دوسرے سے جدا ہوئے ہیں...... خیر چھوڑو کہو کیا بات ہے، خیریت تو ہے۔“

”راحیل میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔“

”کب؟“ راحیل نے سوال کیا۔

”ابھی اسی وقت۔“

”اس کا مطلب ہے کوئی ایسی بات ہے جس کی وجہ سے تم پریشان ہو؟“

”ہاں؟“ جابر زمان نے کہا اور دوسری طرف سے خاموشی طاری ہو گئی...... پھر راحیل بولا۔

”کہاں ملیں؟“

”میں تمہارے پاس آ جاؤں؟“

”پتا نہیں کیا مسئلہ ہے...... اچھا تم یوں کرو بہرام سکوائر والا فلیٹ دیکھا ہے میرا؟“

”ہاں دیکھا ہے۔“

”بس تم وہاں اس عمارت کے سامنے آ جاؤ۔“

”میں آ رہا ہوں...... تم وہیں پہنچ رہے ہو۔“

”ہاں۔“

”ٹھیک ہے میں آتا ہوں۔“ جابر زمان نے کہا اور اس کے بعد ٹیلی فون بند کر دیا...... پھر وہ جلدی سے تیار ہو کر نیچے اتر آیا، اپنا ریوالور ساتھ لینا نہیں بھولا تھا، کچھ دیر کے بعد اس کی کار بہرام سکوائر کی جانب جا رہی تھی، وہاں تک پہنچنے میں اسے دقت نہیں ہوئی لیکن راحیل رضا کے آنے تک انتظار کرنا پڑا تھا...... تھوڑی دیر کے بعد راحیل رضا اس کے پاس پہنچ گیا...... جابر نیچے اتر آیا تھا...... راحیل رضا نے کہا۔

”آؤ فلیٹ پر چلتے ہیں...... یہاں رکنا مناسب نہیں ہے، کار سائیڈ پر کھڑی کر دو۔“ اپنی کاریں ایک سائیڈ پر کھڑی کرنے کے بعد وہ دونوں فلیٹ میں آ گئے...... چھوٹا سا خوب صورت سا فلیٹ تھا، ہر طرح کی ضرورتوں سے آراستہ جرائم پیشہ لوگ تھے، اپنے تحفظ کے لئے انہوں نے لاتعداد انتظامات کر رکھے تھے۔

فلیٹ میں پہنچ کر راحیل رضا نے جابر کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں اب بولو کیا بات ہے۔"

"یار مجھے ایک پراسرار ٹیلی فون موصول ہوا تھا۔"

"پراسرار ٹیلی فون؟"

"ہاں۔"

"تفصیل بتاؤ۔"

"بس یوں سمجھ لو کہ اللہ رکھا نامی ایک شخص نے مجھے ایک عجیب و غریب اطلاع دی ہے...... جابر زمان نے فون پر ہونے والی تمام گفتگو کی تفصیل راحیل رضا کو بتادی اور راحیل رضا سکتے کے عالم میں اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اطلاع دینے والا کون تھا۔"

"یوں سمجھ لو راحیل کہ بات اب زندگی اور موت پر آبنی ہے...... تین افراد ختم ہوگئے...... آخر ان کے خاتمے کی بنیاد تو کوئی نہ کوئی ضرور ہوگی اور پھر جس بنیاد پر کام ہو رہا ہے میرے خدا...... اب یہ بتاؤ کیا کرنا چاہئے۔"

"فیصلہ کرو۔"

دونوں دیر تک سوچ میں ڈوبے رہے...... پھر جابر زمان نے کہا۔

"میں تو ہر طرح کا رسک لینے کو تیار ہوں۔"

"مثلاً۔"

"جو پتا بتایا گیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ ایک بار اسے دیکھ لیا جائے۔"

"فرض کرو بات ٹھیک نکلی تو۔"

"تو ان تینوں کو ختم کرنا ہمارے لئے از حد ضروری ہے...... بعد میں دیکھیں گے کہ کیا کرنا ہے...... میں تو تمہیں بتا ہی چکا ہوں اور تم...... تم بھی۔"

"ہاں اگر وہ تینوں واقعی زندہ ہیں تو پھر یوں سمجھ لو کہ سارا کیا دھرا انہی کا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ہم سے رابطہ ضرور قائم کرتے۔"

"بالکل...... اب بولو کیا ارادہ ہے؟"

"نہیں میں تم سے اتفاق کرتا ہوں۔" راحیل رضا نے کہا۔

"تو چلو پھر تیار ہو جاؤ...... آج رات ہم اپنی زندگی کا سب سے اہم مشن سرانجام

دیں گے۔"

"اوکے۔" راحیل رضا نے کہا اور دونوں اپنے چہروں پر خوفناک ارادے سجائے فلیٹ سے نیچے اتر آئے...... پھر روانگی کے لئے راحیل رضا کی کار ہی منتخب کی گئی تھی اور دونوں اس میں بیٹھ کر چل پڑے۔

❁

توصیف جابر زمان کی کار کا تعاقب کر رہا تھا...... اللہ رکھا کے نام سے شہاب نے جابر زمان کو ذہنی طور پر مفلوج کر دیا تھا اور اب توصیف کی ڈیوٹی جابر زمان پر تھی، جب کہ انجم شیخ اور سردار علی راحیل رضا پر نظر رکھے ہوئے تھے، احتیاط شرط تھی اور وہ بڑے محتاط تھے...... توصیف کامیابی سے جابر کا تعاقب کرتا ہوا اس عمارت تک پہنچ گیا، جہاں جابر زمان رکا تھا۔

توصیف نے اپنے لئے ایک جگہ منتخب کی تھی اور وہاں صورت حال کا جائزہ لے رہا تھا، کچھ دیر کے بعد راحیل رضا کی کار بھی وہاں پہنچ گئی تھی...... انجم شیخ اور سردار علی اس کے پاس پہنچ گئے۔

"کیا صورت حال ہے؟"

"سامنے ہے۔" توصیف نے کہا۔

"اوہو...... وہ عمارت میں جا رہے ہیں۔"

"ہاں۔"

"کیا خیال ہے اندر چلیں۔"

"خطرناک ہے۔"

"تو پھر۔"

"یہیں انتظار کرو...... میں شہنشاہ سے ہدایات لے لیتا ہوں۔" انجم نے کہا اور ٹرانسمیٹر پر شہنشاہ کو کال کرنے لگا...... دوسری طرف سے فوراً جواب ملا تھا، تمام صورت حال شہنشاہ نے کہا۔

"میرا خیال ہے یہ یہاں سے آگے جائیں گے، اس کے بعد یہ جہاں پہنچیں گے وہاں تمہیں شہاب مل جائے گا، وہی تمہیں کمانڈ کرے گا۔"

"شہنشاہ کا کہنا درست نکلا...... کچھ دیر کے بعد وہ دونوں ایک کار میں بیٹھ کر چل دیئے

اور یہ سب احتیاط سے تعاقب کرنے لگے۔"

❁

راکی نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے گلاس کا آخری پیگ حلق میں انڈیلا اور پھر کھڑکی کے پاس سے ہٹنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اچانک اسے گیٹ کے پاس کی دیوار پر کوئی حرکت محسوس ہوئی، بڑے گیٹ پر تالا لگادیا گیا تھا، رات کافی گزر چکی تھی...... دوسرے کمرے میں گارون اور پیل بھی ڈرنک کر رہے تھے، راکی اپنا گلاس لے کر اپنے کمرے میں آگیا تھا اور کھڑکی کے پاس کھڑا ہوا باہر بکھری ہوئی رات کا نظارہ کر رہا تھا کہ اسے یہ منظر نظر آیا...... ایک لمحے تو اسے اپنے اوپر یقین نہ ہوا لیکن پھر اس نے دیوار پر چڑھ کر اندر کودنے والے سائے کو دیکھ لیا...... اس کے پیچھے دوسرا سایہ بھی کودا تھا...... راکی بہت ہی چالاک آدمی تھا...... حیرت سے ان لوگوں کا جائزہ لینے کے بجائے اس نے تیزی سے اندر کی سمت دوڑ لگادی اور برق رفتاری سے دوڑتا ہوا اس کمرے میں آگیا جہاں پیل اور گارون موجود تھے...... اس نے فوراً ہی کمرے کی تیز روشنی بجھادی تھی، پیل اور گارون اسے اس حالت میں دیکھ کر اُچھل کر کھڑے ہو گئے تھے۔

"کیا بات ہے راکی؟"

"کچھ لوگ پراسرار انداز میں دیوار کود کر آئے ہیں اور یقینی طور پر ان کے ارادے اچھے نہیں ہوں گے...... پیل اور گارون بھی ہوشیار ہو گئے اور اس کے بعد انہوں نے انتہائی برق رفتاری سے اپنے اپنے ہتھیار حاصل کئے اور پھر ایسی جگہوں پر کھڑے ہو گئے، جہاں سے وہ اندر آنے والوں کا جائزہ لے سکتے تھے، وہ انتظار کرتے رہے، بڑے گیٹ کو تالا بے شک لگا ہوا تھا لیکن عمارت کے اندر آنے والے راستے پر انہیں کبھی تالا لگانے کی ضرورت نہیں پیش آئی تھی، ابھی تو یہ عمارت ہر طرح شبہے سے پاک رہی تھی اور کہیں بھی انہیں کوئی دقت نہیں محسوس ہوئی تھی، غرض یہ کہ وہ ستونوں کی آڑ میں انتظار کرتے رہے...... انہوں نے اپنے لئے ایک ہی بیڈ روم بنایا ہوا تھا، بہت بڑا کمرا تھا، جس میں تینوں نے اپنے بستر ساتھ ہی لگائے تھے، اس کمرے میں انہوں نے سبز روشنی جلادی تھی اور اپنے اپنے بستروں پر اس طرح تکیے بچھا کر کمبل اڑادیئے تھے کہ دیکھنے والا یہی محسوس کرے کہ ان بستروں کے مکین آرام کی گہری نیند سو رہے ہیں، پھر اس کے بعد انہوں نے ان دونوں افراد کو اندر داخل

ہوتے ہوئے دیکھا تھا جنہوں نے اپنے اپنے ہاتھوں میں ریوالور سنبھال رکھے تھے، جس راہداری سے وہ گزر رہے تھے اس میں بھی روشنی تھی اور ان لوگوں نے اپنے چہرے چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی، چنانچہ انہوں نے انہیں پہچان لیا...... جابر زمان اور راحیل رضا تھے...... تینوں کے چہرے حیرت کا آئینہ بن گئے، یہ دونوں یہاں کس طرح پہنچے اور پھر اس انداز میں، بڑی سنسنی خیز صورت حال تھی...... کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا لیکن تینوں سانس روکے انہیں دیکھتے رہے اور انہوں نے اسی کمرے کی جانب رخ کیا تھا جہاں سبز روشنی جل رہی تھی...... راکی نے انہیں دروازے پر رکے دیکھ کر اشارے سے پیل سے پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہئے اور پیل نے ہاتھ سیدھا کر کے اسے رکنے کا اشارہ کیا...... وہ لوگ بے آواز دوڑتے ہوئے دروازے تک پہنچے تھے اور جیسے ہی وہ دروازے تک پہنچے انہوں نے ڈس...... ڈس...... ڈس کی آوازیں سنیں اور اندازہ لگالیا کہ جابر اور راحیل رضا نے ان کے بستروں پر فائرنگ شروع کر دی ہے...... وہ خاموشی سے انتظار کرنے لگے...... پیل کی حکمت عملی کو انہوں نے سمجھ لیا تھا اور پیل ہی کے اشارے پر انہوں نے اپنے اپنے پستول اپنے لباسوں میں رکھ لئے اور دروازے کے دونوں طرف کھڑے ہو گئے...... اندر کی صورت حال کا انہیں اچھی طرح اندازہ تھا، جابر زمان اور راحیل رضا یقینی طور پر اب ان بستروں کو دیکھ رہے ہوں گے اور اس کے بعد وہ بے اختیار باہر نکلیں گے، چنانچہ خاموش منصوبے کے تحت وہ ان کے منتظر ہو گئے اور ان کا اندازہ بالکل درست نکلا...... برق رفتاری سے دروازہ کھلا تھا اور جابر زمان اور راحیل رضا باہر نکلے تھے، لیکن پیل اور راکی کی ٹانگیں آگے پھیلیں اور دونوں ان ٹانگوں میں اُلجھ کر اس بری طرح زمین پر گرے کہ مانو زمین پر کوئی ستون آگرا ہو، تھوڑی دیر کے لئے ان کی پسلیاں بھی گڑگڑا کر رہ گئی ہوں گی اور اس وقت ان لوگوں نے ان کی گردنوں پر پاؤں رکھ کر اپنے لباس سے پستول نکالے اور ان کی گردنوں پر رکھ دیئے، پھر گارون کی آواز اُبھری۔

"پستول آگے پھینک دو، ورنہ تم جانتے ہو ایک لمحے کی تاخیر تمہاری کھوپڑی میں سوراخ کر دے گی...... گرنے والوں کی حالت تو ویسے ہی خراب ہو گئی تھی...... پیٹ کے بل گرے تھے...... سر میں بھی چوٹ لگی ہو گی...... بہر حال انہوں نے بے سدھ سے ہو کر اپنی پستولیں پھینک دیں اور خود جگہ پڑے رہے، راکی نے دونوں پستول اٹھائے...... پیل اور گارون نے ان کے پیچھے آکر دونوں کی ٹانگیں پکڑیں اور مردہ جانوروں کی طرح انہیں گھسیٹتے ہوئے

واپس کمرے میں لے گئے، ان کے حلق سے آوازیں نکل گئی تھیں، کمرے میں پہنچنے کے بعد راکی نے دروازہ بند کر دیا اور اس کے بعد تیز روشنی جلادی...... راحیل رضا اور جابر زمان کراہتے ہوئے اُٹھ کر بیٹھ گئے تھے...... جابر زمان کی تو ناک سے خون بری طرح بہہ رہا تھا...... راحیل رضا کی پیشانی زخمی ہوئی تھی اور اس نے ایک بڑا سا اُبھار نظر آ رہا تھا...... دونوں کے حلیئے بگڑ گئے تھے، پیل، گارون اور راکی ان کے سامنے کھڑے ہوئے تھے اور وہ دونوں آنکھیں بھیچ بھیچ کر گردنیں جھٹک رہے تھے...... پھر انہوں نے ان تینوں کو دیکھا اور ان کے چہروں پر مردنی سی پھیل گئی۔"

"یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں مسٹر جابر...... مسٹر راحیل آپ لوگ یہاں اس انداز میں کیسے آئے ارے ہمیں نہیں معلوم تھا کہ یہ آپ لوگ ہیں، ہم تو سمجھے تھے کہ ہمارا کوئی دشمن ہے پلیز اُٹھیے سامنے صوفے پر بیٹھ جائیے...... خیریت کیا ہوا کیسے آنا ہوا آپ کا؟"

"تم لوگ...... تم لوگ زندہ ہو؟"

"آپ آرام سے اُٹھ کر تو بیٹھیے۔" راکی نے جابر کی بات کا جواب دیئے بغیر کہا...... پھر ہاتھ آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا، جابر نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا اور پھر اُٹھ کر کھڑا ہو گیا...... راحیل بھی ہمت کر کے کھڑا ہو گیا تھا...... وہ دونوں صوفے پر بیٹھ گئے، راکی اور اس کے ساتھیوں کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"تم تینوں زندہ ہو؟" راحیل رضا بولا۔

"تمہیں کیا نظر آ رہا ہے اور تم ہماری موت کے خواہش مند کیوں تھے؟"

"اتنے عرصے سے تم لوگوں نے ہم لوگوں سے کوئی رابطہ بھی نہیں قائم کیا، اس کے علاوہ ہمیں تمہاری موت کی اطلاع بھی ملی تھی۔"

"تین لاشیں ملی تھیں جو جل کر خراب ہو گئی تھیں اور وہ گاڑی تباہ ہو گئی تھی جو تمہاری کمپنی کی تھی۔" جابر زمان کہنے لگا۔

"پتا نہیں تم لوگ کہاں کہاں سے کہانیاں تلاش کرتے پھرتے ہو...... بہر حال تمہیں یقینی طور پر اس بات کا افسوس ہو گا کہ ہم تینوں زندہ ہیں؟"

"ہمیں افسوس کیوں ہوتا۔" راحیل رضا بولا۔

"مگر تم نے ہم سے رابطہ کیوں نہیں قائم کیا؟"

"کیا یہ پابندی ہے ہم پر۔" پیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں پھر بھی...... تمہیں اس بات کا علم ہے کہ ڈاکٹر حیات...... اعظم بیگ اور شیخ سلطان مر چکے ہیں۔"

"ہمیں اس بات تک کا علم تھا کہ تم لوگ مسلح ہو کر ہماری تلاش میں یہاں تک آئے ہو تو پہلے کی باتوں کا ہمیں کیوں نہ علم ہوتا؟"

"تم چوہے بلی کا کھیل کھیل رہے ہو ہمارے ساتھ۔"

"ہو سکتا ہے۔"

"ہو نہیں سکتا، ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ شیخ سلطان...... ڈاکٹر حیات اور اعظم بیگ کو تم نے قتل کیا ہے۔"

"اوہ ویری گڈ...... اتنی اچھی معلومات کے صلے میں ہم تمہیں کیا دے سکتے ہیں؟"

"لیکن تم مر چکے ہو اور تمہیں اب مردہ ہی ہونا چاہئے۔" جابر زمان کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

"تم سنڈیکیٹ سے علیحدگی اختیار کر چکے ہو کیا؟" پیل نے کہا۔

"بکواس مت کرو...... میں تمہیں...... میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" جابر زمان پر جنون طاری ہو گیا تھا...... دوسرے لمحے اس نے صوفے سے اُٹھ کر پیل پر چھلانگ لگا دی، اس کی ناک سے مسلسل خون بہہ رہا تھا اور پیل کو اس کی کوئی پروا نہیں تھی...... پیل نے اپنی جگہ خالی کی اور پستول کا رخ جابر زمان کی طرف کئے ہوئے بولا۔

"ابھی وقت سے پہلے کیوں موت کو آواز دے رہے ہو، لیکن اسے اس بات کا علم نہیں تھا کہ راحیل بھی پیچھے سے حملہ کرنے والا ہے...... راحیل نے بڑی مہارت کے ساتھ پیل پر چھلانگ لگائی لیکن اسی وقت گارون کی پستول سے دو گولیاں نکلیں اور راحیل کے سینے میں پیوست ہو گئیں...... جابر زمان پلٹا تو دوسری دو گولیوں نے بھی اس کا استقبال کیا اور وہ کئی فٹ اونچا اُچھل کر راحیل کے جسم پر گر پڑا...... دونوں کے نازک مقامات پر گولیاں لگی تھیں، ان کے جاندار بدن کچھ لمحوں تک تڑپے اور اس کے بعد سرد ہو گئے...... پیل، گارون اور راکی انہیں دیکھ رہے تھے، اس کے بعد راکی نے آہستہ سے کہا۔

"پتا نہیں یہ بہتر ہوا یا غلط، اس سلسلے میں گولڈن کراؤن نہ جانے کس رویئے کا اظہار

کرے۔"

"لیکن ظاہر ہے ہم ان کے ہاتھوں تو نہیں مر سکتے تھے، اگر ہم انہیں نہ مارتے تو وہ ہمیں مار دیتے۔"

"اس چیز کو مستحکم بنانا ضروری ہے تاکہ ہم اس پر رونالڈ ڈکسن کو صحیح صورت حال بتا سکیں۔"

"ان کے پستول ان کے ہاتھوں میں تھما دو اور اس کے بعد فادر ڈکسن کو اطلاع دو۔"

پیل نے کہا اور اس کے بعد ان کی ہدایت پر عمل ہونے لگا...... جابر اور راحیل رضا نے بھی دم توڑ دیا تھا اور اس طرح اپنے وطن میں غیر ملکی دشمنوں کے ہاتھوں اپنے بھائیوں کا خون کرنے والوں کا یہ گروہ اپنے انجام کو پہنچ گیا تھا اور اس سلسلے میں جو پراسرار جال شہاب نے پھیلایا تھا...... یہ اس کی آخری کڑیاں تھیں جن میں آخر کار ان پانچوں کا خاتمہ ہو گیا تھا جنہوں نے اپنے آپ کو ناقابل تسخیر سمجھا تھا اور نادر حیات جیسی مخلص اور محبّ وطن شخصیت کو بے بس کر کے رکھ دیا تھا...... اس وقت ان آخری دو افراد کی لاشیں مثال عبرت بنی ہوئی تھیں اور پیل، گارون اور راکی اپنے وجود میں ہمدردی کا کوئی احساس لئے بغیر اپنی بچت کی کارروائیوں میں مصروف ہو گئے تھے۔

ہر ظلم کی انتہا ہوتی ہے...... تاریخ اس کی گواہ ہے اور پھر یہ کوئی کہنے کی بات بھی نہیں ہے...... خالق کائنات نے زمین پر بکھرے ہوئے ان کھلونوں کو مختلف رنگ دیئے ہیں...... بھٹکنے والے بھٹک کر اپنے آپ کو نجانے کس منزل پر لے جانے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ انتہا موت ہی ہوتی ہے اور ان میں سے کوئی اپنے آپ کو بچانے میں کامیاب نہیں ہو سکا...... شداد، نمرود، فرعون، قارون اور ایسے لاتعداد کردار جنہوں نے اپنے آپ کو ناقابل تسخیر سمجھا تھا، لیکن آخر کار موت نے انہیں تسخیر کر لیا اور ساری کہانیاں صرف کاغذ سے چپک کر رہ گئیں، یہ الگ بات ہے کہ ان کاغذات کو ہی نظر انداز کر دیا جائے جن پر یہ داستانیں تحریر ہیں، کچھ ایسے امور بھی ہوتے ہیں جن کی بنا پر کچھ لوگ تقدیر سے فائدہ اٹھا جاتے ہیں، جیسے مرزا اعظم بیگ اس کے تمام بچے محبّ وطن تھے اور چونکہ ان کے دلوں میں خلوص تھا، اپنے وطن کے لئے اور افسردہ تھے وہ اپنے باپ کی ان دہشت ناک کارروائیوں سے...... سو اعظم بیگ بروقت سنبھل گیا اور قدرت نے اسے مہلت دے دی، لیکن دیکھنے والوں کے لئے وہ بھی نشان عبرت تھا، بھلا یہ جینا بھی کوئی جینا ہوتا ہے...... اہل خاندان آج تک اس کی تعزیت کے لئے آ رہے تھے، اس کی قبر موجود تھی اور اس کے بچے نجانے کب تک اس کی مصنوعی قبر پر فاتحہ خوانی کے لئے جانے پر مجبور تھے...... وہ ساری دنیا سے کٹ کر رہ گیا تھا اور اپنے ہی گھر میں ایک ملازم کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہا تھا...... وہ لوگ جن پر اس نے حکمرانی کی تھی اسے کوئی بھی اہمیت نہیں دیتے ہوں گے لیکن بہر حال سانسیں بچ گئی تھیں، یہی کافی تھا اور اس وقت راحیل رضا اور جابر زمان زندگی سے محروم پڑے ہوئے تھے اور یہ تو ہونا ہی تھا...... راکی، پیل، گارون اپنا کام سرانجام دے چکے تو انہوں نے اپنی سنڈیکیٹ

کے سربراہ کو اطلاع دی...... فادر رونالڈ ڈکسن سے رابطہ قائم ہونے پر پیل نے کہا۔

"فادر آپ کے خادم بول رہے ہیں۔"

"کیا بات ہے...... یقینی طور پر کوئی ایسا ہی کام ہو گا جس کی بنا پر تم نے اتنی رات گئے مجھے مخاطب کیا۔"

"فادر آپ کو اپنی رہائش گاہ پر تکلیف دینا چاہتے ہیں۔"

"کیا۔"

"جی فادر...... حالات ایسے ہی ہیں۔"

"کیا میرا آنا ضروری ہے۔"

"جی فادر آپ کا ہی آنا ضروری ہے۔"

"حالات میں کوئی گڑبڑ تو نہیں ہے۔"

"نہیں فادر اگر ایسا ہوتا تو ہم آپ کو زحمت دینے کی کوشش نہ کرتے۔"

"تم نے مجھے تجسس کا شکار کر دیا ہے...... بہر حال میں پہنچ رہا ہوں۔" اور اس کے بعد سلسلہ منقطع ہو گیا تھا...... پیل، گارون اور راکی سخت متجسس نظر آ رہے تھے...... پیل نے کہا۔

"جاؤ...... پہلے عمارت کے اردگرد ایک چکر لگا کر آؤ اور یہ دیکھو کہ یہ دونوں تنہا ہی آئے تھے یا کوئی اور بھی ان کے ساتھ تھا...... بہت ضروری ہے ہم نے اس وقت صورت حال پر بے شک قابو پا لیا ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ آنے والے وقت میں ہمیں کس دقت کا سامنا کرنا پڑے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" پھر اس کے بعد دو افراد خاموشی سے باہر نکل آئے اور انہوں نے اپنے ہاتھوں میں پستول تھامے ہوئے تھے اور ایک ایک لمحہ چوکنا نظر آ رہے تھے۔ "وہ گاڑی دیکھی گئی جس میں یہ دونوں آئے تھے۔" گارون نے کہا۔

"میرا خیال ہے اس کار کا اس عمارت کے سامنے موجود رہنا ٹھیک نہیں ہے۔"

"تو پھر۔"

"یوں کرتے ہیں اسے کہیں دُور چھوڑ آتے ہیں۔"

"میرا خیال اس سے مختلف ہے۔"

"کیا۔"

"میرا خیال ہے کہ فی الحال اسے عمارت کے عقب میں کھڑا کر دو مسٹر ڈکسن آ جائیں...... اس کے بعد وہ جیسی بھی ہدایت دیں گے، اگر ضروری ہوا تو ہم ان لاشوں کو کار میں رکھ کر کہیں دُور چھوڑ آئیں گے۔" بات گارون کی سمجھ میں آ گئی تھی، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور گارون نے کار کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی...... ماسٹر کی کے ذریعے کار کا لاک کھل گیا اور گارون کار سٹارٹ کر کے عمارت کے عقب میں لے گیا...... تاحد نظر خاموشی اور سناٹے کا راج تھا اور بظاہر یہ احساس ہوتا تھا کہ صورت حال بالکل معتدل ہے اور کسی بھی مشکل کے امکانات نہیں ہیں، اس کے بعد وہ واپس آ گئے تھے...... پھر زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک کار کی روشنیاں چمکیں اور گیٹ سے کچھ فاصلے پر موجود گارون اور راکی نے جائزہ لینے کے بعد یہ اندازہ لگا لیا کہ فادر رونالڈ ڈکسن آ گیا ہے، اس کے بعد انہوں نے پادری کا استقبال کیا تھا...... رات کے اس حصے میں رونالڈ ڈکسن پادری ہی کے میک اپ میں یہاں تک آیا تھا تاکہ راستے میں اگر کوئی پولیس پیٹرول اسے روکنے کی کوشش کرے تو ایک مذہبی آدمی سمجھ کر اس کے ساتھ رعایت برتی جا سکے...... بہر حال عمارت کے احاطے میں ان دونوں نے فادر رونالڈ ڈکسن کا استقبال کیا تھا...... رونالڈ ڈکسن کے چہرے پر شدید تجسس نظر آ رہا تھا...... اس نے کہا۔

"میں جانتا ہوں اگر کوئی ایسی سنگین صورت حال ہوتی جس میں خطرات پوشیدہ ہوتے تو کم از کم تم مجھے یہاں طلب نہ کرتے۔"

"جی سر ایسی کوئی صورت حال بے شک نہیں ہے، لیکن ہم اس سنگین صورت حال سے انکار نہیں کر سکتے جو اس وقت پیش آئی ہے، آپ براہ کرم اندر تشریف لائیے۔" رونالڈ ڈکسن نے بے صبری کا مظاہرہ نہیں کیا تھا اور خاموشی سے ان کے ساتھ اندر چل پڑا تھا...... ان کا تیسرا ساتھی ابھی تک اسی کمرے میں موجود تھا جس میں جابر زمان اور راحیل رضا کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں...... رونالڈ ڈکسن نے البتہ اس تجسس کا مظاہرہ نہیں کیا تھا جس کی انہیں توقع تھی، بلکہ اس نے نہایت پرسکون انداز میں ان دونوں لاشوں کو دیکھا تھا...... پھر ایک دیوار سے ٹک کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"اب اس کے بعد تم مجھے ان کی یہاں آمد اور ان کی موت کی کہانی سناؤ گے۔"

"فادر یہ دونوں یہاں بہت خطرناک موڈ میں پہنچے تھے...... ظاہر ہے ان کا یہاں پہنچ جانا

ہی ہمارے لئے ایک خطرناک عمل تھا، پتا نہیں انہیں کہاں سے اس بات کا علم ہو گیا کہ ہم زندہ ہیں اور یہاں موجود ہیں۔"

"جی فادر، حالانکہ آپ یہ بات جانتے ہیں کہ صورت حال کیا ہے...... ہم تو بہرحال ایسا نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن ہماری زندگی کا علم ہمارے لئے کتنا خطرناک ہو سکتا تھا، اس سلسلے میں آپ نے ہی ہمیں ہدایت کی ہوئی ہے۔"

"نہیں خیر جو کچھ تم نے کہا میں اس سے منحرف نہیں ہوں، لیکن بہت سی باتیں قابل غور ہیں اور میں ان پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"پہلے تو ہمیں یہ بتایئے فادر کہ ہم ان لاشوں کا کیا کریں...... کیا انہیں کار میں ڈال کر کہیں دُور چھوڑ آئیں۔"

"یہ کوئی اتنا اہم مسئلہ نہیں ہے...... ابھی رات باقی ہے، مر تو چکے ہیں بدبخت فیصلہ کرلیں گے کہ ان کے لئے کیا ہونا چاہئے...... آؤ دوسرے کمرے میں آؤ، بیٹھ کر باتیں کریں گے۔" اور اس کے بعد یہ چاروں افراد ایک اور بڑے کمرے میں پہنچ گئے تھے جہاں خوبصورت فرنیچر پڑا ہوا تھا، وہ فادر رونالڈ کے بیٹھنے کا انتظار کرنے لگے اور جب وہ بیٹھ گیا تو اس کے اشارے پر یہ تینوں بھی بیٹھ گئے۔

"کیا عجیب بات ہے اگر غور کرو تو، یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کچھ پراسرار اور ماورائی قوتیں مصروف عمل ہیں، حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ ماورائی قوتیں نہیں ہیں، البتہ اگر میرے نظریئے سے اتفاق کرتے ہو تم تو انسان کا ذہن ہی سب سے زیادہ ماورائی قوتوں کا حامل ہوتا ہے...... سب کچھ ذہن ہی سے شروع ہوتا ہے اور ذہن ہی میں ختم ہو جاتا ہے...... میں یہ نہیں کہتا کہ مقامی پولیس کا سربراہ انسپکٹر جنرل نادر حیات کسی معمولی شخصیت کا حامل ہوگا، لیکن اب تک مجھے جتنی معلومات حاصل ہوئی ہیں ان میں وہی شخص سرفہرست آتا ہے جس کا نام شہاب ثاقب ہے۔ تم لوگ بھی یہ بات اچھی طرح جانتے ہو کہ باڑی سے دانی شاہ کو گرفتار کرنے والا شہاب ثاقب ہی تھا اور اسی نے یہ سارا چکر چلایا تھا، ہماری معلومات ہمیں اب تک کی رپورٹ یہی دیتی ہیں اور اس کے بعد سنڈیکیٹ کے مقامی لوگوں نے جن لوگوں کو شہاب ثاقب کے قتل پر آمادہ کیا انہی کے ہاتھوں خود ان کا قتل ہوا...... میں ڈاکٹر حیات اور شیخ سلطان کی بات کر رہا ہوں، حالات سے تم بھی لاعلم نہیں ہو اور میں بھی لاعلم نہیں ہوں،

چینا نامی غنڈا اور رمضان وہ شخص جو جیلوں کا ٹھیکیدار تھا ان دونوں کو جس طرح استعمال کیا گیا وہ ساری صورت حال انہی پر الٹ گئی، کیسے، آخر کیسے، آہ کاش اتنے شاندار دماغ سنڈیکیٹ کو حاصل ہو جاتے تو ہم لوگوں کو کتنی آسانیاں فراہم ہو جاتیں...... سنڈیکیٹ ایسے لوگوں کی دل و جان سے قدر بھی کرتا ہے اور عزت بھی کرتا ہے، لیکن یہ بے وقوف لوگ تھوڑی سی تنخواہوں کے لئے تھوڑا سا معاوضہ حاصل کرنے کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو حکومتوں کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں...... کوئی اگر مجھ سے پوچھے کہ انسانی صلاحیتوں کی کیا قیمت ہے تو صحیح معنوں میں میں اس کی قیمت لگاؤں۔"

"سوچنے کا انداز ہے جناب بس ان احمقوں کے ذہن میں محب وطن ہونے کے جذبے سمائے ہیں اور یہ جذبے انہیں ایسی حماقتوں پر آمادہ کرتے رہتے ہیں۔"

"شہاب ثاقب کے بارے میں سچ پوچھو تو میرے دل میں ایک عجیب سی انسیت پیدا ہو گئی ہے...... کیا عظیم ذہانتوں کا مالک ہے یہ شخص، لیکن افسوس ہم ان ذہانتوں کو خرید نہیں سکتے...... کاش ان کا حصول ہمارے بس کی بات ہوتی، خیر چھوڑو ان باتوں کو، مسئلہ یہ ہے کہ اب تو یہ تمام لوگ ختم ہی ہو گئے اور ایک طرح سے یوں سمجھو کہ یہاں اس ملک میں اور اس شہر میں ہماری سنڈیکیٹ کا آخری آدمی بھی ہلاکت کی منزل میں داخل ہو گیا، یعنی اب ہمارے پاس اور کوئی ایسی شخصیت نہیں ہے جسے ہم یہاں سربراہ کے طور پر استعمال کر سکیں۔"

"جی سر، یہ بات بھی باعث پریشانی ہے کیونکہ بہرحال سنڈیکیٹ کی یہ پالیسی رہی ہے کہ ہر ملک میں وہیں کے لوگوں کو ایسی ذمہ داریاں سونپی جائیں کیونکہ وہ صورت حال سے واقف ہوتے ہیں۔"

"بالکل...... میں سمجھتا ہوں ان پانچوں کی موت کے بعد ہمارا اب یہاں کوئی کام نہیں رہا ہے، چنانچہ بہتر ہوگا کہ ہم لوگ واپس چلیں، واپس جانے کے بعد یہ تمام مسئلہ سنڈیکیٹ کے سربراہان کے سامنے رکھیں اور سربراہان اس سلسلے میں فیصلہ کریں کہ یہاں کن لوگوں کو منتخب کیا جائے گا، جہاں تک باڑی کا معاملہ ہے تو باڑی کا کھیل تقریباً ختم ہو چکا ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ باڑی میں دوبارہ پوست کی کاشت شروع کرنے کے لئے ایک طویل وقت چاہئے، اس کے لئے ہمیں بالکل نئے لوگوں کو تیار کرنا ہوگا، حالانکہ یہ کام مشکل نہیں ہے، ہمیں وہیں پھر کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد وہاں ایسے لوگوں کا انتخاب کرنا ہوگا لیکن یہ

صورت حال اسی وقت ممکن ہو سکتی ہے جب ہمیں وہاں قیام کی اجازت دی جائے اور اس کے بعد کم از کم میں اپنے آپ کو اور تم تینوں کو غیر مناسب شخصیت سمجھتا ہوں، کیونکہ بہر حال ہم لوگ یہاں چند افراد کی نگاہوں میں آ چکے ہیں۔"

"آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں فادر رونالڈ، واقعی یہ سارا مسئلہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔"

"تو پھر اس سلسلے میں آخری فیصلہ کرو کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔" فادر رونالڈ نے کہا اور پھر اچانک ہی دونوں ہاتھ سیدھے کر کے خاموش ہو گیا...... وہ فادر رونالڈ کے اس چونکنے پن کو حیرت سے دیکھنے لگے تھے، پھر پیل نے کہا۔

"سر کوئی بات ہے۔" فادر رونالڈ نے دونوں ہاتھ مزید اونچے کئے...... ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی خاص آواز سننے کی کوشش کر رہا ہو اور ان تینوں نے اس کے کانوں کو ایک مخصوص انداز میں ہلتے ہوئے محسوس کیا تھا، پھر اس کی سنسنی خیز آواز اُبھری۔

"کوئی ہے۔"

"جی۔" وہ تینوں اُچھل کر کھڑے ہو گئے۔

"ہاں، کوئی ہے۔" انہوں نے اپنے پستول ہاتھوں میں نکال لئے...... پیل نے کہا۔

"کیا میں دیکھوں سر۔"

"نہیں ایک منٹ۔" فادر رونالڈ نے کہا اور اپنا ایک ہاتھ کان پر رکھ لیا اور پھر اسی وقت عقب سے ایک آواز سنائی دی۔

"دیر ہو گئی ہے اگر تم لوگ فائرنگ کرنے کی کوشش کرو گے تب بھی کامیاب نہ ہو سکو گے...... پوری عمارت کے چپے چپے پر مسلح پولیس کے افراد موجود ہیں اور تم لوگوں کو ذرا سی جنبش پر بھون کر رکھا جا سکتا ہے...... تم جانتے ہو اس وقت اس عمارت میں دو لاشیں موجود ہیں اور تمہیں با آسانی ان دونوں کے قتل کے الزام میں موت کے گھاٹ اتارا جا سکتا ہے...... اس لئے ایک بہتر طریقہ یہ ہے کہ اپنے ریوالور پھینک دو اور ہاتھ بلند کر دو۔" آواز عقب سے آئی تھی اور ایک روشن دان پر ایک سایہ سا لہراتا ہوا محسوس ہوا تھا...... پیل، گارون اور روکی نے سانپ کی طرح پلٹ کر اس جانب رخ کیا لیکن رونالڈ کی آواز اُبھری۔

"خبردار، کوئی بھی حرکت کرنے کی ضرورت نہیں۔" وہ تینوں اس آواز کو سن کر چونک پڑے تھے...... رونالڈ ڈکسن کی آنکھیں شیشے کی گولیوں کی مانند چمک رہی تھیں......

ں نے آہستہ سے کہا۔

"ہم ہتھیار ڈال رہے ہیں، ایک بھی فائر نہیں کیا جائے گا اور تم لوگ بھی یہ بات سن لو۔ ہمارے ساتھ کوئی سختی کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ہم تم سے مکمل طور پر تعاون کریں گے، کوئی جنبش نہیں کرے گا اس وقت تک اپنی جانب سے کوئی کارروائی کرنے کی کوشش نہ رنا، جب تک ہماری طرف سے کوئی عمل نہ ہو۔"

"ٹھیک ہے...... ریوالور نیچے ڈال دو۔" عقب سے آواز آئی اور ریوالور نیچے پھینک یے گئے...... رونالڈ ڈکسن نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"جو کچھ میں نے کہا ہے اس پر حرف بہ حرف عمل ہو، تم لوگ کسی بھی حالت میں پنے بدن کو جنبش نہیں دو گے، کوئی ایسا عمل نہیں کرو گے جو ہماری موت کا باعث بن بائے، جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے ان کی کیا مجال ہے کہ ہمیں کوئی نقصان بنچا سکیں...... میں ساری صورت حال سنبھال لوں گا۔" یہ سرگوشی ان تینوں نے سن لی ھی...... بہر حال ریوالور پھینک دیئے گئے اور اس کے بعد کچھ دیر خاموشی طاری رہی...... پھر جھ افراد اندر داخل ہوئے تھے، ان میں شہاب ثاقب تھا، نادر حیات تھے اور محکمہ خصوصی کے چار آفیسر تھے، جو مسلح تھے اور وردیوں میں ملبوس تھے، یہ سب آٹومیٹک ریوالور تھامے ندر داخل ہوئے تھے اور اس کے بعد سب سے پہلے زمین پر پھینکے ہوئے ریوالور قبضے میں کئے گئے اور پھر ان کے جسموں سے ریوالور کی نال لگا کر ان کی تلاشی لی گئی...... رونالڈ ڈکسن کو بھی نہیں بخشا گیا تھا اس کے پاس سے بھی ایک بہت خطرناک قسم کا ریوالور دستیاب ہوا ھا...... کسی نے ان ہتھیاروں پر کوئی تبصرہ نہیں کیا، اس کے بعد شہاب نے کہا۔

"ان لوگوں کو اس کمرے سے نکال لیا جائے، ہو سکتا ہے کہ یہاں ان کے پاس ایسے رائع موجود ہوں جن سے یہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔" کسی نے کوئی جواب نہیں یا...... پھر اس کے بعد انہیں وہاں سے کسی اور کمرے میں منتقل کر دیا گیا۔ غالباً شہاب وغیرہ نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ عمارت میں ان چار افراد کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں ہے...... تمام تر مضبوطی کے بعد ہی یہ لوگ یہاں آئے تھے اور شہاب ثاقب نے جو منصوبہ ترتیب دیا تھا وہ س کے مزاج کے مطابق ایک ایک لمحہ صحیح انداز میں عمل پذیر ہوا تھا، چنانچہ وہ مطمئن تھا، جس کمرے میں ان لوگوں کو لایا گیا تھا یہ ایک وسیع و عریض کمرہ تھا...... فادر رونالڈ ڈکسن کا

چہرہ اس طرح مطمئن نظر آرہا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو اور وہ اپنے خاص ساتھیوں کے درمیان موجود ہو، پھر وہ چار افراد جو شہاب اور ڈی آئی جی کے ہمراہ آئے تھے ہتھیاروں سے مسلح مستعد کھڑے ہوگئے تھے۔ان میں سے ایک باہر نکل گیا تھا اور غالباً باہر کے ماحول پر نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ یہ بھی سپیشل سکواڈ کے لوگ تھے جو ایک طرح سے گونگے اور بہرے تھے، یعنی جو دیکھا، سنا لیکن زبان سے کبھی ادا نہ کیا...... ڈی آئی جی نادر حیات صاحب رونالڈ ڈکسن اور ان تین افراد کو دیکھ رہے تھے، پھر انہوں نے شہاب سے کہا۔

"تمہیں پورا پورا یقین ہے شہاب کہ ان کے اطراف اور لوگ موجود نہیں ہیں۔"

"اگر ان کے اطراف کوئی باقاعدہ فوجی دستہ بھی ہوتا جناب تو اس وقت ان بے وقوفوں کو قابو میں کرنا کوئی مشکل کام نہ ہوتا...... آپ نے رونالڈ کی شرافت دیکھی، انہوں نے درحقیقت ایک مذہبی آدمی ہونے کا ثبوت دیا ہے، حالانکہ اگر آپ دیکھنا چاہیں تو ان کی اصلی شکل دکھادوں۔"

"ارے ارے نہیں، میں خود اپنا چہرہ آپ لوگوں کے سامنے پیش کرسکتا ہوں...... یہ تو ایک مصنوعی چہرہ ہے جو میں نے ضرورت کے تحت اپنے چہرے پر چڑھا لیا ہے، ورنہ ہمارا تعلق تو ایک بین الاقوامی سنڈیکیٹ سے ہے جو منشیات کی ناجائز تجارت کرتی ہے اور آپ کے ملک میں بھی ہم نے بڑے پیمانے پر دھندا پھیلا رکھا ہے۔ اس سلسلے میں آپ کو وہ تمام معلومات فراہم کردی جائیں گی جو آپ کیلئے بڑی کارآمد ہوں گی۔" رونالڈ ڈکسن نے کہا اور شہاب قہقہہ مار کر ہنس پڑا، اسی وقت راکی جو یہ تمام کیفیت برداشت نہیں کرسکا تھا بول پڑا۔

"آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں فادر، کم از کم ہم اس سلسلے میں آپ کے شریک نہیں ہیں۔"

رونالڈ ڈکسن نے خونی نگاہوں سے ان تینوں کو دیکھا اور بولا۔

"کیا تم میری آواز پر اپنی آواز کو حاوی کرنا چاہتے ہو۔"

"شہاب اب کیا کہتے ہو، گرفتار کرکے لے جانا ہے انہیں۔"

"سر آپ یہ محسوس کررہے ہیں کہ یہ مسٹر رونالڈ ڈکسن کس قدر ذہانت کا مظاہرہ کررہے ہیں، اصل میں ان کی خواہش ہے کہ ہم انہیں زندہ سلامت یہاں سے لے جائیں، یقینی طور پر ان کے پاس ایسے ذرائع موجود ہوں گے جس کی بنا پر یہ کوئی بہت بڑی مداخلت کرکے اپنے آپ کو اپنے ان تینوں ساتھیوں کو بچانے کی کوشش کریں گے اور یہ حقیقت ہے

کہ ہم انہیں ہیڈ کوارٹر تک لے جائیں اور قانونی طور پر پولیس لاک اپ میں دے دیں تو یہ اپنا بچاؤ کرلیں گے، اس میں کوئی شک کی بات نہیں ہے اور اس وقت مسٹر رونالڈ ڈکسن کا یہ رویہ اور ان کی یہ کوششیں صرف اسی لئے ہیں کہ ہم انہیں گرفتار کرکے قانونی طور پر ہیڈ کوارٹر لے جائیں...... اس کے بعد ظاہر بات ہے کہ ان کی گرفتاری کے چرچے ہوں گے اور ساری صورت حال علم میں آجائے گی۔" ڈی آئی جی نادر حیات صاحب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں...... انہوں نے رونالڈ ڈکسن اور باقی تینوں افراد کی طرف دیکھا، پہلی بار انہوں نے رونالڈ ڈکسن کے چہرے پر کچھ بدحواسی کے آثار محسوس کئے...... شہاب نے آگے بڑھ کر رونالڈ ڈکسن کا اصل چہرہ نمایاں کردیا اور نادر حیات صاحب گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے اس خطرناک چہرے کو دیکھنے لگے، رونالڈ ڈکسن کے چہرے پر اب کچھ پھیکا پن سا نظر آرہا تھا، اس نے نادر حیات کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"انسپکٹر جنرل صاحب...... میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کے ملک میں عہدوں کا تعین کیا ہوتا ہے...... یہ تیسرے درجے کا آفیسر ایسے محسوس ہورہا ہے جیسے آپ کو ہدایات دے رہا ہے...... کیا آپ کے ہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔" نادر حیات کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور انہوں نے کہا۔

"رونالڈ ڈکسن ہے تمہارا نام۔"

"جی۔"

"اور تم ڈرگ مافیا کے نمائندے ہو۔"

"جی۔"

"اور یقینی طور پر تمہیں ایک بڑے عہدے سے نوازا گیا ہوگا۔"

"ہاں...... میں بہت بڑا عہدے دار ہوں۔"

"اور یہ عہدہ تمہیں بلاوجہ ہی نہیں دیا گیا ہوگا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تم نے اپنے آپ کو اس عہدے کا اہل ثابت کیا ہوگا۔"

"انسان کو کوئی بھی مقام اپنے آپ کو اس مقام کا اہل ثابت کرنے سے پہلے نہیں ملتا۔"

"ویری گڈ، تو اگر اس آفیسر کے بارے میں تمہارا یہ خیال ہے کہ یہ مجھے ہدایات دے

رہا ہے تو احمق آدمی کیا تم یہ نہیں سوچتے کہ ہدایات دینے کا یہ منصب اسے کسی بنیاد پر ہی حاصل ہوا ہوگا۔" رونالڈ ڈکسن سے کوئی جواب نہیں بن پڑا تھا، نادر حیات نے کہا۔

"ہاں شہاب بولو...... کیا کرنا ہے تمہیں۔"

"جناب میں انہیں پولیس ہیڈ کوارٹر نہیں لے جانا چاہتا۔"

"تو پھر۔"

"تھوڑی سی معلومات درکار ہیں مجھے ان سے، اگر آپ کی اجازت ہو تو میں ان سے معلومات حاصل کرلوں لیکن اس کے لئے تنہائی ضروری ہے۔"

"کیا مطلب؟" نادر حیات صاحب بولے۔

"ان شریف لوگوں سے مجھے بہت کچھ معلومات حاصل ہو جانے کی امید ہے، آپ براہ کرم مجھے اس کی اجازت دے دیجئے۔"

"گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں واپس چلا جاؤں۔"

"جی۔"

"اور یہاں تمہارے لئے سیکورٹی کا کیا انتظام ہے۔"

"آپ نے ہمیشہ مجھ پر بھروسا کیا ہے، بہتر یہ ہوگا کہ اس وقت بھی آپ مجھ پر بھروسا کریں۔"

"اوہو...... کیوں نہیں...... کیوں نہیں...... بھلا تمہاری کسی بات سے میں منحرف ہو سکتا ہوں، لیکن شہاب۔"

"سر براہ کرم۔"

"ٹھیک ہے بھئی...... ٹھیک ہے۔" نادر حیات صاحب نے کہا اور پھر اپنے ساتھ آئے ہوئے چاروں آفیسروں کو دیکھ کر بولے۔

"چلو...... تم باہر چل کر گاڑی میں بیٹھو میں آ رہا ہوں۔" وہ چاروں باہر نکل گئے تو نادر حیات صاحب نے ان لوگوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"آؤ شہاب کچھ لمحوں کے لئے میرا ساتھ دو۔"

"ایک منٹ جناب...... ذرا میں ان کے پاؤں بھی باندھ دوں۔" شہاب نے کہا اور اس کے بعد وہ راکی کے پاس پہنچ گیا اور راکی نے خونخوار نگاہوں سے شہاب کو دیکھا اور شہاب کا

ھونسا اس کے جبڑے پر پڑا اور راکی اُچھل کر کئی فٹ دُور جا گرا...... شہاب نے اسے اوندھا ر کے اس کے دونوں پاؤں رسی سے کس کر باندھ دیئے، باقی لوگوں نے کوئی مزاحمت نہیں ی تھی، یہاں تک کہ رونالڈ ڈکسن نے بھی اپنے پاؤں بندھوا لئے تھے، لیکن اس کی آنکھوں یں سخت نفرت کے آثار تھے...... شہاب نادر حیات صاحب کے ساتھ باہر نکل آیا۔

"پوچھ سکتا ہوں شہاب کہ تم کیا کرنا چاہتے ہو۔"

"سر آپ اجازت دے چکے ہیں، تھوڑی سی مہلت عطا فرمایئے...... اس کے بعد آپ و بہت سی باتیں بتاؤں گا۔"

"اوکے...... ٹھیک ہے...... میں تمہیں اختیارات دے چکا ہوں۔"

"اور یہ سارا معاملہ ابھی ہمیں اپنے آپ تک محدود رکھنا ہے۔"

"ہاں...... کیوں نہیں...... ظاہر ہے...... پلیز اپنا خیال ضرور رکھنا۔"

"آپ مطمئن رہئے...... کل آپ سے ملاقات کروں گا۔"

"خدا حافظ۔" نادر حیات صاحب نے کہا اور باہر نکل گئے...... شہاب کمرے کا دروازہ ھول کر واپس اندر داخل ہو گیا تھا۔

ڈی آئی جی نادر حیات صاحب کی اپنی زندگی بھی بڑی سنسنی خیز گزری تھی...... فطرتاً مہم جو آدمی تھے۔ سخت گیر اور سخت مزاج، تقدیر نے ساتھ دیا تھا کہ ہر دور میں انہیں کچھ ایسے سہارے مل گئے جن کی بنا پر وہ اپنا وقار، اپنی عزت اور اپنے اختیارات استعمال کرنے کے قابل رہ سکے تھے، ورنہ بہت کم لوگوں کو ایسے مواقع حاصل ہوتے ہیں جو اپنے عہدے کا صحیح منصب استعمال کر سکیں...... ہر اہل دل پر کوئی ایسا بے دل نازل ہو جاتا ہے جو اس کی اپنی شخصیت کو اس سے چھین لیتا ہے، زندگی میں نادر حیات صاحب کو بھی بہت سے ایسے واقعات کا سامنا کرنا پڑا تھا، لیکن اس کے باوجود تقدیر نے انہیں بہترین مواقع بھی فراہم کئے تھے اور وہ بڑے بڑے شیطانوں کو جال میں گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اس طرح سے ان کی اپنی ایک ساکھ تھی جو بہرحال عمر کے اس حصے تک برقرار رہی تھی اور قدرت نے اس سلسلے میں انہیں بڑی نوازشوں سے نوازا تھا...... بہت سے معاملات میں انہیں بے بسی کا سامنا بھی کرنا پڑا تھا لیکن ایسے مواقع کم ہی آئے تھے اور اس وقت وہ انہی حالات سے گزر رہے

تھے۔ یہ حقیقت تھی کہ انہیں بہت عرصے کے بعد ایسے واقعات کا سامنا کرنا پڑا تھا، جب کچھ جرائم پیشہ افراد زبردست اختیارات کے ساتھ منظر عام پر آئے تھے اور ڈی آئی جی صاحب کو باقاعدہ چیلنج کا سامنا کرنا پڑا تھا اور انہوں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ ان برے لوگوں کے خلاف وہ اس انداز سے کام نہیں کر سکتے، جس انداز سے ان کے خلاف کام کیا جانا چاہئے، لیکن پچھلے کچھ عرصے سے جب سے ان کا شہاب ثاقب سے ساتھ ہوا تھا، انہیں ایک بار پھر ڈھارس مل گئی تھی...... شہاب ثاقب کے ماضی کے بارے میں انہیں سب کچھ معلوم ہو چکا تھا، ایک ایسے باپ کا بیٹا جس نے سچ کے ہاتھوں زندگی کھودی تھی...... ایک طرح سے چیلنج قبول کر کے میدان عمل میں آیا تھا اور اس نے اپنے چیلنج کو جس طرح پورا کر کے دکھایا تھا وہ بھی مثالی حیثیت رکھتا تھا...... اچھے برے لوگ ہر محکمے میں ہوتے ہیں، ہر جگہ ہوتے ہیں...... محکمہ پولیس میں بھی بے شمار افراد شہاب ثاقب کے رویئے سے نالاں تھے اور اس سے اختلاف بھی رکھتے تھے، یہ وہ لوگ تھے جو وقت کو وقت کی آنکھ سے دیکھنے کے عادی تھے اور اس بات کو تسلیم نہیں کرتے تھے کہ ہر مجرم کو سزا ہونی چاہئے، بلکہ اس سلسلے میں ان کا یہ تعین تھا کہ سزا پانے والے مجرموں کا شعبہ الگ ہی ہونا چاہئے یعنی کہ وہ جس کا تعلق کسی بڑی حیثیت کے آدمی سے نہ ہو سزا کا مستحق ہوتا ہے اور جو ایسے لوگوں کے ساتھی ہوتے ہیں، جو اپنا تحفظ کرنا جانتے ہیں انہیں بہر حال سزا نہیں ہونی چاہئے...... نادر حیات صاحب اس مسئلے میں بڑے اُلجھے ہوئے تھے، رات کو جو واقعات پیش آئے تھے اور جس طرح شہاب نے انہیں اس عمارت سے واپس کر دیا تھا، وہ نادر حیات صاحب کے لئے بڑا سنسنی خیز تھا، لیکن بہر حال بہت سے مشکل مرحلوں کے بعد اس سلسلے میں انہوں نے شہاب کو اختیارات دیئے تھے اور بحالت مجبوری یہ کہا تھا کہ اب شہاب جو دل چاہے وہ کرے، کیونکہ بہت بڑے بڑے لوگوں نے ان کے راستے میں مزاحمت کی کوشش کی تھی، چنانچہ رات کو بھی شہاب نے جب انہیں اس سلسلے میں اطلاع دی اور کہا کہ اس نے اپنا جال تنگ کر دیا ہے اور ایک ایک کر کے تمام افراد اب اس جال کی جانب بڑھ رہے ہیں اور فائنل پنچ کے لئے اسے ان کی ضرورت ہے تو انسپکٹر جنرل صاحب نے اپنے خصوصی سکواڈ کے چار افراد کو ساتھ لے کر شہاب کے ساتھ اس عمارت تک کا سفر طے کیا تھا اور پھر وہاں جو واقعات پیش آئے تھے انہوں نے انہیں بڑی عجیب سی کیفیت کا شکار کر دیا تھا...... رات کو سونے کی کوشش کی تھی، لیکن بس سوتے جاگتے

ہی رہے تھے، نیند پوری طرح نہیں آئی تھی...... بے چین تھے یہ معلوم کرنے کے لئے کہ شہاب پر کیا گزری یا اس نے ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا...... آفس بھی وقت سے کچھ پہلے ہی پہنچ گئے تھے کہ اس دوران تین بار شہاب کے بارے میں معلوم کر چکے تھے، لیکن شہاب ابھی تک آفس نہیں پہنچا تھا، بے پناہ مضطرب تھے کہ ایس ایس پی بختیار حسین نے اندر آنے کی اجازت طلب کی اور ڈی آئی جی کی اجازت پر اندر آ گئے...... بختیار حسین نے سلیوٹ کر کے ڈی آئی جی صاحب کو رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا۔

"جناب ایک واردات ہو گئی تھی رات کو، آپ کو زحمت دینا چاہتا تھا، لیکن پھر ہمت نہیں پڑ سکی، پھر میں نے سوچا کہ صبح ہی آپ کو اس کے بارے میں تفصیل بتائی جائے۔"

"خیریت...... کیا واردات ہوئی۔" ڈی آئی جی صاحب نے پوچھا اور بختیار حسین نے کہا۔

"ایک عمارت ہے آر سن روڈ پر، وہاں آگ لگ گئی تھی اور ایسی سنسنی خیز آگ کہ آپ کو بتا نہیں سکتا...... ویسے تو اس آگ نے بعد میں پوری عمارت کو لپیٹ میں لے لیا، لیکن اس کا آغاز ایک کمرے سے ہوا...... میری تمام تر تحقیق کہتی ہے کہ یہ آگ لگائی گئی تھی...... کمرے میں پانچ لاشیں ملی ہیں...... یہ لاشیں خاصی خراب ہو چکی ہیں، لیکن بہر حال ان کی شناخت کر لی ہے میں نے...... ان میں سے دو لاشیں ہمارے ہاں کے دو بڑے صنعت کاروں کی ہیں جن میں سے ایک کا نام جابر زمان ہے اور دوسرا راحیل رضا کے نام سے روشناس ہے...... یہ دونوں افراد گولیوں سے ہلاک ہوئے ہیں اور انہیں قتل کیا گیا ہے، لیکن تین لاشیں اور ملی ہیں، جناب اور ان لاشوں کے بارے میں تحقیقات کرنے کے بعد ہم سب ششدر رہ گئے ہیں۔" ایس ایس پی بختیار حسین یہ تفصیل سنا رہے تھے اور ڈی آئی جی نادر حیات کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوئے تھے، وہ سنسنی خیز نگاہوں سے بختیار حسین کو دیکھ رہے تھے، بختیار حسین نے کہا۔

"کچھ عرصے قبل آئل ٹینکر اور کار کے درمیان تصادم ہوا تھا...... یہ کار ایک کمپنی کی تھی اور کمپنی کے تین نمائندے اس کار سے سفر کر رہے تھے، یہ تین نمائندے ہانگ کانگ سے بلائے گئے تھے اور انجینئروں کی حیثیت رکھتے تھے، بعد میں تفصیلات سامنے آئی تھیں لیکن آپ کو حیرت ہوگی کہ ان تین نمائندوں کی تدفین ان کی کمپنی کے ایما پر یہیں کر دی گئی تھی، چونکہ لاشیں اس کیفیت میں نہیں تھیں کہ انہیں ان کے ملک واپس کیا جا سکتا، اس

تدفین کے لئے اس ملک کے سفارت خانے نے اجازت دی تھی، لیکن وہ تینوں لاشیں جواب دستیاب ہوئی ہیں انہی تینوں افراد کی ہیں جو حادثے میں ہلاک ہوئے تھے۔" نادر حیات صاحب نے نگاہیں اٹھا کر ایس ایس پی بختیار حسین کو دیکھا، ان کی نگاہوں کا مفہوم کچھ اور تھا لیکن بختیار حسین سمجھا کہ نادر حیات صاحب حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہے ہیں، اس نے کہا۔

"جی جناب، صاف ظاہر ہے کہ وہ تین افراد کوئی اور تھے جو کار کے حادثے میں ہلاک ہوئے، ممکن ہے جان بوجھ کر یہ قدم اٹھایا گیا ہو اور ان لوگوں نے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لئے یہ حادثہ خود کسی نہ کسی شکل میں کیا ہو، لیکن اب تین لاشیں انہی لوگوں کی ہیں۔"

"وہاں سے کل کتنی لاشیں برآمد ہوئی ہیں۔" نادر حیات صاحب نے پوچھا۔

"پانچ۔"

"تین وہ نمائندے تھے۔"

"جی۔"

"اور دو یہ افراد تھے۔"

"جی۔"

"کیا، باقی پوری عمارت کی تلاشی لے لی گئی۔"

"جی۔"

"اور کوئی لاش وہاں سے نہیں ملی۔"

"نہیں۔"

"اس کے علاوہ اور کوئی ایسی چیز، وہاں سے دستیاب ہوئی ہو جو ان حالات پر روشنی ڈالتی ہو۔"

"بالکل نہیں۔"

"ہوں...... پھر آپ اس سلسلے میں کیا کر رہے ہیں بختیار حسین صاحب؟"

"سر، متعلقہ تھانے کے انچارج ایس پی، ڈی ایس پی سب اس کیس کی تفتیش میں مصروف ہیں، میں براہ راست اس میں دلچسپی لے رہا ہوں...... آپ کو رپورٹ پیش کر دی ہے آپ جس طرح سے مناسب سمجھیں مجھے ہدایات دیں۔"

"تفصیلات معلوم کیجئے اور رپورٹ کو عام نہ ہونے دیجئے چونکہ معاملہ کچھ غیر ملکیوں کا ہے...... کمپنی اور اس ملک کے سفارت خانے سے رابطہ قائم کر کے اس سلسلے میں سوالات لئے جائیں گے، لیکن آپ مکمل احتیاط رکھیں گے...... ایس ایس پی صاحب، کیونکہ معاملہ کچھ غیر ملکیوں کا ہے، ہم اس کے لئے کوئی رسک نہیں لے سکتے۔"

"میں سمجھتا ہوں جناب۔"

"او کے...... آپ جا سکتے ہیں۔" پھر جب ایس ایس پی بختیار حسین کمرے سے باہر نکل گئے تو نادر حیات صاحب اس قدر بے چین ہوئے کہ اپنی کرسی سے ہی اُٹھ کھڑے ہوئے، وہ شہاب ثاقب کے لئے پریشان تھے اور پھر انہوں نے سوچا کہ گھر پر فون کیا جائے، چنانچہ ڈائریکٹ فون سے انہوں نے شہاب ثاقب کے گھر کے نمبر ڈائل کئے اور یہ بھی اتفاق تھا کہ ریسیور بینا نے اُٹھایا تھا۔

"ہیلو۔" بینا کی آواز سنائی دی۔

"کون...... بینا بول رہی ہیں۔"

"جی آپ کون ہیں۔"

"بینا...... میں نادر حیات بول رہا ہوں۔"

"اوہو...... ہو...... س...... سر سر آپ۔"

"بینا شہاب کہاں ہے۔"

"بس ابھی کوئی پندرہ منٹ پہلے گھر سے نکلے ہیں...... اصل میں رات کو ساڑھے پانچ بجے ان کی واپسی ہوئی تھی، آئے تھے، آکر سو گئے تھے، مجھ سے کہا تھا کہ بینا ذرا جلدی سے ہی جگانا، اگر سو جاؤں تو، ورنہ کوشش کروں گا کہ نیند گہری نہ ہونے پائے...... پھر مجھے جاگنا ہی پڑا تھا جناب۔"

"خیریت سے تو ہے ناوہ۔"

"جی بالکل...... کوئی خاص بات ہے۔"

"ہاں بیٹے...... کبھی کبھی اس کے بارے میں برے برے خواب دیکھنے لگتا ہوں...... اصل میں اتنا سخت مزاج انسان ہے وہ کہ بس اس کے لئے ڈر ہی لگتا رہتا ہے۔"

"سر آپ کی محبت...... آپ کی دعائیں شامل حال رہیں تو شہاب کو کچھ نہیں ہوگا۔"

"یقیناً اسے کچھ نہیں ہوگا...... اچھا بیٹے شکریہ۔" نادر حیات نے ریسیور رکھ دیا اور اردلی کو بلانے کے لئے گھنٹی بجادی، لیکن اردلی کے پیچھے پیچھے ہی شہاب اندر داخل ہو گیا تھا...... نادر حیات صاحب شہاب کو دیکھ کر خوش ہو گئے اور اردلی بھی اندر آ گیا تھا اور انہوں نے کہا۔

"بہت عمدہ قسم کی چائے ہم دونوں کے لئے بھجوادو اور سنو کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں ہے...... میں ٹیلی فون کا ریسیور بھی نیچے رکھ رہا ہوں...... آپریٹر سے بھی کہہ دینا کہ سارے فون خود ہی ریسیو کرے...... میں نے ڈائریکٹ فون بند کر دیا ہے۔"

"جی سر۔" اور پھر اردلی باہر نکل گیا تھا...... نادر حیات صاحب نے شہاب کو دیکھا اور پھر بولے۔

"تو تم نے انہیں زندہ جلا دیا۔"

"جناب انہوں نے اب تک جو کیا ہے اس کے بعد تو یہ سزا ان کے لئے بہت کم ہے۔"

"خدا کی پناہ...... میں نے تو مذاق میں کہا تھا...... کیا واقعی تم نے ایسا ہی کیا ہے۔" شہاب نے گردن جھکالی تھی، اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے...... نادر حیات صاحب نے آہستہ سے کہا۔

"بہرحال میں نے تمہیں اختیارات دیئے تھے۔"

"آپ کو یہ اطلاع کہاں سے موصول ہوئی، میرا خیال ہے ابھی یہ خبر پریس تک نہیں پہنچی...... میں تو خود آپ کو رپورٹ دینے کے لئے حاضر ہوا تھا اور آپ سے معافی مانگنا چاہتا تھا کہ صبح کو جاگنے میں دیر ہو گئی۔"

"بختیار حسین صاحب آئے تھے...... ظاہر ہے عمارت کی آگ کا پتا چل گیا، لیکن۔"

"جناب عالی...... اس کے علاوہ کوئی اور چارہ کار نہیں تھا، ہم جس طرح حالات کی ان زنجیروں میں جکڑ گئے ہیں وہ اسی نوعیت کی حامل تھیں۔"

"تم نے...... تم نے ایسا کیسے کر ڈالا۔"

"ملک کے دشمن...... میرے وطن کے...... لاتعداد لوگوں کے قاتل اس سے بھی زیادہ بدترین سزاؤں کے مستحق ہیں جناب اور آپ کی اجازت شامل حال رہی تو آپ یقین کیجئے ایسے ہزاروں واقعات منظر عام پر آئیں گے اور معافی چاہتا ہوں اس بات کی کہ اگر کہیں

آپ نے اپنے قدم روک لئے تو بہتر ہوگا کہ پہلے مجھے صفحہ ہستی سے مٹا دیجئے گا، کیونکہ میں اپنے پاؤں اپنی زندگی کے آخری سانس تک نہیں روک سکوں گا، اسی طرح جس طرح میرے باپ نے سچی صحافت کا سہارا لے کر آخر میں موت قبول کر لی تھی۔" شہاب کا لہجہ بھرا گیا...... نادر حیات صاحب کے رونگٹے کھڑے ہوئے تھے...... انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں شہاب...... میں کیا اوقات رکھتا ہوں کہ تمہارے راستے روک سکوں...... شاید کوئی بھی تمہارے راستے نہ روک سکے، خیر چھوڑو جذباتی کیفیت سے نکل آؤ...... ایس ایس پی نے مجھے بتایا ہے کہ وہاں سے پانچ لاشیں دستیاب ہوئی ہیں...... تین تو وہ تھے جو نمائندے تھے، چوتھا فادر رونالڈ تھا اور دو لاشیں راحیل رضا اور جابر زمان کی تھیں...... رونالڈ ڈکسن کہاں گیا؟"

"وہ آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ سے اس کی ملاقات کرانا ضروری ہے۔"

"کہاں ہے وہ۔"

"میری تحویل میں۔"

"اوہ...... تم نے اسے زندہ رکھا ہے۔"

"جی ہاں۔"

"کوئی وجہ۔"

"اس سے ملاقات کے بعد ہی آپ کو اس کی وجہ بھی بتا سکوں گا۔"

"کب ملنا ہے مجھے اس سے۔"

"جب آپ پسند کریں۔"

"کچھ وقت انتظار کر لو گے کچھ حرج تو نہیں ہے۔"

"کوئی حرج نہیں ہے۔"

"تو لنچ کے وقت اٹھ جاؤں گا، مجھے بتاؤ میری تم سے کہاں ملاقات ہونی چاہئے۔"

"نہیں...... اب کوئی ایسی شخصیت ہمارے درمیان نہیں ہے جو اس سلسلے میں مداخلت کر سکے...... آپ جب بھی مجھے حکم دیں گے، میں اور آپ ساتھ ہی چلیں گے۔"

"ایک بجے۔"

"ٹھیک وقت ہے۔" شہاب نے جواب دیا اور بولا۔

"اجازت۔"

"ہاں۔" نادر حیات صاحب نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور شہاب واپسی کے لئے دروازے کی جانب مڑ گیا...... نادر حیات صاحب سنسنی خیز نگاہوں سے شہاب کی طرف دیکھ رہے تھے...... یہ شخص پتا نہیں کیا تھا، کبھی کبھی تو وہ اس سے خوف محسوس کرنے لگتے تھے......

پھر دوپہر کو ٹھیک ایک بجے وہ تیار ہو گئے...... شہاب ان سے پہلے تیار تھا...... نادر حیات صاحب اپنے آفس سے باہر نکلے تو شہاب ان کا منتظر تھا...... نادر حیات صاحب خاموشی سے اپنی کار کی جانب چل پڑے...... ان کا ڈرائیور مستعد تھا لیکن شہاب نے کہا۔

"سر، اس وقت آپ کی اپنی کار یہاں رہے تو زیادہ بہتر ہے۔"

"تمہاری گاڑی کہاں ہے۔"

"وہ موجود ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" نادر حیات صاحب نے اپنے ڈرائیور سے کہا کہ وہ یہیں رکے وہ ابھی تھوڑی دیر میں واپس آتے ہیں اور اس کے بعد شہاب نے آگے بڑھ کر اپنی کار کی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا اور نادر حیات صاحب پیچھے بیٹھ گئے...... شہاب نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا تھا...... کار جب پولیس ہیڈ کوارٹر سے باہر نکل آئی تو نادر حیات صاحب نے تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد کہا۔

"کار روکو شہاب۔" شہاب نے حیرانی کے سے انداز میں کار سڑک کے کنارے لگا دی تھی...... نادر حیات صاحب دروازہ کھول کر نیچے اترے...... پھر گھوم کر لیفٹ سائیڈ آئے اور شہاب کے برابر کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئے۔

"سر۔" شہاب عجیب سے لہجے میں بولا۔

"چلو۔" نادر حیات صاحب نے کہا اور شہاب نے ایک نیاز مندانہ مسکراہٹ کے ساتھ کار آگے بڑھا دی اور پھر اس کے بعد راستہ بھر کوئی بات چیت نہیں ہوئی تھی۔ نادر حیات صاحب گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے اور شہاب اپنے طور پر سوچوں میں گم تھا...... نادر حیات صاحب نے یہ تک نہیں پوچھا تھا کہ شہاب انہیں کہاں لے کر جا رہا ہے، لیکن تھوڑی

دیر کے بعد کار کریم سوسائٹی کی ایک کوٹھی کے سامنے جا کر رکی تھی اور جوہر خان نے دروازہ کھول دیا تھا...... نادر حیات صاحب نے دلچسپی کی نگاہوں سے اس عمارت کو دیکھا اور پھر اس کے پورٹیکو میں کار سے نیچے اتر گئے...... شہاب انہیں ساتھ لئے ہوئے اندر داخل ہو گیا تھا...... دو تین راہداریاں عبور کرنے کے بعد آخر کار شہاب ایک کمرے پر رک گیا، جہاں ایک اور شخص متعین تھا...... اس نے دروازہ کھولا اور نادر حیات صاحب شہاب کے ساتھ اندر داخل ہو گئے، تب انہوں نے ایک بستر پر رونالڈ ڈکسن کو پڑے ہوئے دیکھا...... ہسپتالوں جیسے لباس میں ملبوس تھا، ہاتھ پاؤں باندھے ہوئے نہیں تھے...... چہرے پر شدید بے بسی طاری تھی...... نادر حیات صاحب کو دیکھا، شہاب کو دیکھا اور اس کی آنکھوں میں خوف کے آثار اس طرح اُبھر آئے کہ خود نادر حیات صاحب کو اس پر رحم آنے لگا...... شہاب نے ایک کرسی گھسیٹی اور بستر کے قریب کر دی...... نادر حیات صاحب حیران نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے، اچھی خاصی جسامت کا مالک یہ شخص جس کے چہرے کے نقوش سے یہ پتا چلتا تھا کہ ساری زندگی اس نے سنگدلی سے گزاری ہے اور شاید اس کے چہرے کے عضلات میں رحم کی کوئی لکیر نہیں ہے...... بے بسی ایک الگ چیز ہوتی ہے اور رحم کا انداز بالکل مختلف، اس وقت سہمی ہوئی آنکھوں میں شہاب کی ہولناک شخصیت جھانک رہی تھی...... نادر حیات صاحب نے بے اختیار پوچھا۔ "تم نے اسے باندھ کر نہیں رکھا۔" شہاب کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے کہا۔

"میں نے اسے اس طرح باندھ دیا ہے جناب کہ اب اس کی زندگی کی جتنی سانسیں باقی ہیں، یہ اپنی جگہ سے کوئی حرکت نہیں کر سکتا۔"

"کیا مطلب؟" نادر حیات صاحب چونک کر بولے۔

"میں نے اس کے ٹخنوں کی ہڈیاں توڑ دی ہیں، یہ اب زندگی بھر کھڑا نہیں ہو سکتا۔"

نادر حیات صاحب نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے رونالڈ ڈکسن کے پیروں کی جانب دیکھا پنڈلیاں کھلی ہوئی تھیں لیکن ٹخنوں کے نیچے سے پاؤں تقریباً تین انچ نیچے کھسکے ہوئے تھے اور صرف کھال میں لٹک رہے تھے...... نادر حیات صاحب نے ایک لمحے کے لئے آنکھیں بھینچ لی تھیں، چند لمحات وہ سخت اذیت محسوس کرتے رہے، پھر انہوں نے کہا۔

"لیکن یہ پرسکون کیوں ہے...... تم نے جس طرح اس کے ٹخنوں کی ہڈیاں ایک

دوسرے سے جدا کر کے لٹکادی ہیں، اس کے تحت اسے کرب سے مر جانا چاہئے تھا۔"

"اس کے پاؤں میں نے ایک انجکشن کے ذریعے سن کر دیئے ہیں...... اسے کوئی تکلیف نہیں محسوس ہو رہی...... ہاں، دوسرا انجکشن لگا کر اسے اس تکلیف کا احساس دلایا جا سکتا ہے...... اس وقت جب یہ زبان کھولنے میں کوئی دقت محسوس کرے تو وہ دوسرا انجکشن اسے لگا دیا جائے گا۔"

"او...... میرے خدا۔" نادر حیات صاحب نے گردن جھٹکتے ہوئے کہا۔

"جناب عالی، اس کا تعلق ایک ایسے بین الاقوامی گروہ سے ہے جس نے دُنیا کے بیشتر ممالک میں منشیات کی تجارت کا کام شروع کر رکھا ہے...... دُنیا بھر کی بدترین منشیات یہ لوگ دُنیا کے ہر ملک میں جہاں ان کے پاس وسائل ہیں پھیلاتے ہیں اور اربوں ڈالر کما رہے ہیں...... ان کے سنڈیکیٹ کے افراد بڑی مضبوط حیثیت کے حامل ہیں...... ان کا طریقہ کار یہی ہے کہ دُنیا کے مختلف حصوں میں یہ ایسے لوگوں کو اپنا آلہ کار بناتے ہیں جو سیاسی اور سماجی طور پر مستحکم ہوں...... انہیں طرح طرح سے بلیک میل کر کے اپنے جال میں پھانس لیتے ہیں اور پھر ان کی زندگی کو اس نکتے پر لے آتے ہیں کہ ان کے لئے موت کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہتا...... ہمارے ملک میں ان کے پاس وہ پانچ افراد تھے جن کے نام آپ کے علم میں ہیں، وہ سب صاحب حیثیت تھے...... اپنی ایک آواز رکھتے تھے، اقتدار میں شریک لوگوں کی آنکھوں کا تارہ تھے، حالانکہ صاحب اقتدار لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ ان کی اصلیت کیا ہے لیکن اقربا پروری، دوست نوازی ہمارے ہاں اس قدر جڑ پکڑ چکی ہے کہ خود صاحب اقتدار لوگ یہ نہیں سوچتے کہ جن سانپوں کی وہ پرورش کر رہے ہیں وہ سانپ خود ان کے لئے کس قدر زہریلے ہیں اور انہیں کیا نقصان پہنچا سکتے ہیں، تو یہ ان لوگوں کا طریقہ کار تھا...... یہ تو سنڈیکیٹ کے چند افراد ہیں جو یہاں میرے ہاتھوں ہلاک ہوئے یا دیگر مشکلات میں پڑ گئے...... دُنیا بھر میں ان لوگوں نے قابل نفرت کام پھیلا رکھا ہے...... اس کے بعد کیا یہ کسی رعایت کے مستحق ہیں۔" نادر حیات صاحب گہری نگاہوں سے رونالڈ ڈکسن کو دیکھ رہے تھے، پھر انہوں نے کہا۔

"لیکن شہاب، اب کیا ارادہ ہے تمہارا، اس شخص کو کس حیثیت سے قانون کے حوالے کرو گے۔" شہاب نے چونک کر نادر حیات صاحب کو دیکھا اور بولا۔

"قانون کے رجسٹر میں کیا اس کا نام درج ہے جناب...... کیا میں اسے ایک بین الاقوامی گروہ کے نمائندے کی حیثیت سے قانون کے حوالے کر سکتا ہوں...... آپ کو علم ہے کہ یہ کس حیثیت سے ملک میں داخل ہوا ہے اور اس نے یہاں آنے کے بعد کیا کیا کچھ کیا ہے...... جناب عالی، یہ ساری تفصیل تو قانون کے حساب میں ہے ہی نہیں، ہم جو کچھ کر رہے ہیں اپنے طور پر کر رہے ہیں۔"

"مطلب؟"

"میں نے صرف آپ کو ان حالات سے آگاہی فراہم کی ہے جو کہ میری ڈیوٹی تھی اور اس کے بعد میری ڈیوٹی کا ایک اور حصہ بھی ہے جو بہر حال مجھے سر انجام دینا ہے۔"

"وہ کیا؟" نادر حیات صاحب نے پوچھا اور اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ خود ان کے تصور سے باہر تھا...... ایک بار پھر ان کے بدن پر لرزشیں طاری ہو گئی تھیں، حالانکہ ایسی بات نہیں تھی کہ اپنی پولیس کی زندگی میں انہوں نے بڑے بڑے مجرموں کو کیفر کردار تک نہ پہنچایا ہو، لیکن ایک طریقہ کار ہوتا ہے...... ایک عمل ہوتا ہے اور اس عمل کا ایک رد عمل بھی ہوتا ہے، وہ اس وحشت اور درندگی کے ساتھ نہیں جو اس وقت انہوں نے دیکھا کہ شہاب نے اپنی جیب سے ریوالور نکالا اور اس کا رخ رونالڈ ڈکسن کی جانب کیا اور پھر ڈز، ڈز کی آوازوں کے ساتھ پہلا سوراخ رونالڈ ڈکسن کی پیشانی پر، دوسرا اس کے حلق پر، تیسرا سینے پر اور پھر بقیہ فائر اس نے رونالڈ ڈکسن کے سینے پر ہی کئے تھے...... اس پرانسپکٹر جنرل صاحب کا چہرہ ایک لمحے کے لئے دھواں دھواں ہو گیا تھا...... رونالڈ ڈکسن نے کسی مرنے والے سانپ کی مانند دو تین لہریں لیں اور اس کے بعد سرد ہو گیا...... ڈی آئی جی صاحب پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس ایک لمحے میں رونما ہونے والے اس عجیب و غریب واقعے کو دیکھ رہے تھے، پھر انہوں نے شہاب کی جانب دیکھا، لیکن نجانے کیوں ان کے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکل سکا تھا...... شہاب نے کہا۔

"آیئے...... آپ میرے ساتھ یہاں تشریف لایئے...... چائے وغیرہ تیار ہو گئی ہو گی، چائے پیتے ہیں۔" نادر حیات صاحب سوچے سمجھے بغیر باہر نکل آئے تھے...... شہاب انہیں لئے ہوئے ایک خوبصورت کمرے میں پہنچ گیا...... نادر حیات صاحب کے اعصاب چند لمحات کے لئے کشیدہ ہوئے تھے اور اب وہ سوچ رہے تھے کہ شہاب نے جو عمل کیا ہے

قانونی طور پر وردی میں ملبوس ایک افسر اعلیٰ کے سامنے یہ عمل مناسب ہے یا نہیں، کم از کم اس سلسلے میں شہاب سے تھوڑی سی باز پرس تو ہونی چاہئے، لیکن پھر انہیں خود ہی اپنے خیال کی تردید کرنا پڑی، انہیں یاد آ گیا کہ انہوں نے شہاب کے سلسلے میں فری ہینڈ دیا تھا اور یہ اعتراف بھی کیا تھا کم از کم شہاب جیسی شخصیت کے سامنے وہ ایک بے مقصد گفتگو کا آغاز نہیں کرنا چاہتے تھے، کچھ لمحے وہ خاموش بیٹھے رہے اور در حقیقت جوہر خان نے چند لمحوں کے بعد ایک خوبصورت ٹرالی میں چائے وغیرہ کا سامان لا کر ان کے سامنے سجا دیا...... شہاب بڑے پر اخلاق انداز میں چائے وغیرہ بنا کر نادر حیات صاحب کو پیش کرنے لگا اور پھر خود بھی ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

"اس بے تکلفی کے لئے معافی کا خواستگار ہوں جناب، لیکن آپ یوں محسوس کیجئے کہ اس وقت آپ کے سامنے آپ کا ایک منہ چڑھا ماتحت نہیں، بلکہ ثاقب کا بیٹا بیٹھا ہوا ہے، وہ ایک سچا صحافی جس نے زندگی میں ہمیشہ سچ لکھا اور سچ کی سولی پر چڑھ گیا...... میں اپنے باپ کے نام کے ساتھ بڑے فخر کے ساتھ اپنے آپ کو منسوب کرتا ہوں اور جب میں اپنے آپ کو اپنے باپ کے نام کے ساتھ منسوب کرتا ہوں تو جناب اپنی شخصیت کو اتنا بڑا سمجھتا ہوں جناب کہ دنیا مجھے بہت چھوٹی نظر آتی ہے، کیونکہ وہ شخص جس نے زندگی میں سچ کو سب سے بڑا مقام دیا اور کبھی سچ کا سودا نہیں کیا اس دنیا کا انوکھا انسان ہے، میری نگاہ میں، میں اسی انوکھے انسان کا بیٹا اس وقت آپ کے سامنے ہوں...... براہ کرم میری حیثیت کو محکمہ پولیس کے آفیسر آن سپیشل ڈیوٹی کے آفیسر کے طور پر نہ محسوس کیجئے گا، اس وقت میں اپنے باپ کے نام کی عزت کے ساتھ آپ کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں۔" نادر حیات صاحب اس قدر جذباتی ہوئے کہ انہوں نے اُٹھ کر شہاب کے شانے پر ہاتھ رکھا اور اسے تھپتھپاتے ہوئے بولے۔ "ایسی باتیں مت کرو شہاب...... بے شک تم ایک سچے باپ کے بیٹے ہو، لیکن تمہارا اپنا مقام بھی میری نگاہوں میں کسی طور کم نہیں ہے، میں تمہیں بھی بہت بڑی حیثیت دیتا ہوں کیونکہ تم نے بھی اب تک جو کچھ کیا ہے اس کی بھی ایک تاریخ ہے اور یہ تاریخ بنے گی اور تمہارے بچے بھی اس فخر سے حکومت کے کسی افسر اعلیٰ کے سامنے بیٹھیں گے اور کہیں گے کہ ہم اس باپ کے بیٹے ہیں جس نے کبھی حالات سے سودا نہیں کیا، بلکہ جس نے سکندر اعظم کی طرح حالات پر فتوحات حاصل کیں اور اپنے ذاتی نہیں بلکہ قانون کے

دشمنوں کو شکست دی...... مت کرو ایسی باتیں شہاب لاؤ پلیز ذرا یہ چائے کی پیالی مجھے اُٹھا کر دو، میں تمہارا بزرگ ہوں۔" شہاب کی آنکھوں میں خوشی رقصاں تھی، بڑے احترام کے ساتھ اس نے چائے کی پیالی اُٹھا کر نادر حیات صاحب کے سامنے رکھی اور کہنے لگا۔

"یہ پذیرائی میرے حوصلے اس قدر بڑھا دے گی جناب کہ بہت سے جرائم پیشہ افراد زندگی بھر کف افسوس ملیں گے کہ کاش یہ گٹھ جوڑ نہ ہوتا۔"

"نہیں شہاب...... ہمیں مجبور کیا گیا ہے۔ وہ لوگ اس قانون پر اپنا قبضہ جمائے بیٹھے ہیں جو ہمارا اپنا ہے اور جس کے لئے ہم تربیت حاصل کرنے کے بعد بڑی سچائی کے ساتھ حلف اٹھاتے ہیں، ہم اپنی نیکیوں میں حق بجانب ہیں...... ہم وہی کرتے ہیں جس کا حلف اٹھاتے ہیں، لیکن برے لوگ جن کا باطن خراب ہے ہمیں مجبور کر دیتے ہیں، ہمیں بہت مجبور کر دیتے ہیں وہ، بحالت مجبوری ہم وہ کرتے ہیں جو نہیں کرنا چاہئے...... ان برے لوگوں کے خلاف یہ مشن بڑی حیثیت کا حامل ہے...... خیر، ہاں اس لاش کا تم کیا کرو گے اور یہ عمارت میرے لئے بالکل اجنبی ہے۔"

"بس جناب، کچھ ضروری امور کے لئے میں نے اسے حاصل کیا ہے، جہاں تک لاش کا معاملہ ہے وہ ٹھکانے لگا دی جائے گی...... اس مسئلے کی کوئی تشہیر نہیں کریں گے، ہاں متعلقہ محکمہ ان لاشوں کے بارے میں بہر حال معلوم کر لے گا اور آپ جس طرح سے مناسب سمجھیں، باقی وہ سب کچھ ضروری تھا...... ویسے بھی انہیں وہی موت ملی ہے جو انہوں نے اپنے لئے منتخب کی تھی۔"

"کیا مطلب؟"

"ٹینکر میں کچھ بے گناہوں کو جلا کر انہوں نے یہ سوچا تھا کہ بات ان بے گناہوں تک ہی محدود ہو کر رہ جائے گی، لیکن میں نے انہیں ان کی پسند کی موت دی، یعنی انہیں اسی طرح جلا کر خاکستر کر دیا جس طرح وہ لوگ خواہشمند تھے۔" نادر حیات صاحب کپکپا کر رہ گئے تھے، پھر کافی دیر تک وہ خاموشی کے ساتھ چائے کے گھونٹ لیتے رہے اور اس کے بعد انہوں نے کہا۔

"خیر میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ایک طرح سے یہ سلسلہ ختم ہو گیا ہے یا اس میں اب بھی کوئی گنجائش باقی رہی ہے۔"

"میں خود اس موضوع پر آپ سے گفتگو کرنا چاہتا تھا جناب۔"

"کیا؟"

"سنڈیکیٹ کے بارے میں جو تفصیلات میرے علم میں آئی ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں کہ ہانگ کانگ، بنکاک، سنگاپور اور پھر اس کے بعد کچھ دوسرے ایسے علاقے ہیں جہاں ان لوگوں کا کام اعلیٰ پیمانے پر جاری ہے، بات چونکہ ہمارے ایک علاقے کی ہے یعنی باڑی کا علاقہ، میں اس کام کو باڑی سے شروع کرنے کی بجائے ان علاقوں سے شروع کرنا چاہتا ہوں، میری خواہش ہے کہ میں ان کے خلاف مہم پر نکلوں اور جس طرح بھی ہو سکے اس سنڈیکیٹ کے افراد کو چن چن کر قتل کر دوں، بنیادی وجہ یہ نہیں ہے کہ میں دنیا بھر سے منشیات کی لعنت کو ختم کر دوں گا بلکہ بنیادی وجہ یہ ہے کہ منشیات کے ان تاجروں نے جس طرح میرے وطن کے نوجوانوں کو تباہ و برباد کر دیا ہے، جس طرح سڑکوں پر نالیوں کے کنارے نظر آنے والی لاشیں جن کے بارے میں اخبارات ایک چھوٹی سی سرخی لگا دیتے ہیں کہ ایک نشہ کا عادی فلاں جگہ مردہ حالت میں ملا، پھر اس کی لاش کتوں کی طرح گھسیٹ کر کسی جگہ مٹی میں دبا دی جاتی ہے...... جناب عالی اگر آپ غور کریں، اگر آپ سوچیں تو اس کی ماں نے بھی اسی طرح اسے جنم دیا ہوگا جس طرح ایک آرزوؤں اور امیدوں بھرے گھرانے میں ایک بچے کی پیدائش پر خوشی منائی جاتی ہے، اس بچے کو گندی نالی کے کنارے مرنے پر کون مجبور کرتا ہے...... جناب عالی کیا آپ اس بات پر یقین نہیں رکھتے کہ وہ بھی معاشرے کا ایک معزز فرد ہے جسے اگر عزت بخشی جاتی، جسے اگر وسائل مہیا ہوتے، جو اگر منشیات کی اس لعنت میں گرفتار نہ ہوتا تو یقینی طور پر کسی گھر کا مالک، بیوی اور بچوں کا سرپرست ہوتا، کس طرح بے کسی کی موت مر جاتا ہے وہ چہرے پر اداسیاں سجائے ہوئے ہم معاشرے کے ہر فرد کو پاکیزہ انسان نہیں کہتے، کچھ برائیوں کو بخوشی اپناتے ہیں، لیکن ان کا بھی ایک پس منظر ہوتا ہے اور بات بہت دور تک نکل جاتی ہے، یعنی ان خاندانوں تک جن کے سربراہان یہ سوچنا چھوڑ دیتے ہیں کہ جس راستے سے ان کے پاس دولت آ رہی ہے وہ کیا راستہ ہے...... دولت آتی ہے، کبھی کبھی اس کی آمد کا راستہ گناہوں سے پر ہوتا ہے اور پھر گناہوں کی یہ کمائی اولادوں کے پیٹ میں جاتی ہے اور جناب عالی ایک مسلمان گھرانے میں اس ایمان کے ساتھ پیدا ہونے والا شخص جو ایک مسلم گھرانے کا سرمایہ اور ورثہ ہے، کبھی اس بات کو نہیں مان سکتا کہ

خون میں شامل ہونے والا حرام کسی طور پر بہتری کی جانب مائل کر سکتا ہے...... شاید میں مقرر بننے کی کوشش کر رہا ہوں...... شاید میں انتہائی جذباتی تقریر کر رہا ہوں اور اپنے آپ کو یہ الفاظ ادا کر کے ایک مبلغ، ایک مقرر اور ناصح سمجھ رہا ہوں...... اس لئے میں زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا، مطلب یہ ہے کہ اس گروہ کے خلاف ایک طویل مشن پر نکلنا چاہتا ہوں میں۔" نادر حیات صاحب خاموشی سے یہ تمام تفصیلات سن رہے تھے، کچھ وقت خاموش رہنے کے بعد انہوں نے کہا۔

"دیکھو شہاب، ہر انسان کو ایک منصب سونپا جاتا ہے، کچھ لوگ گھروں میں رہ کر اہل خانہ کی کفالت کے امین ہوتے ہیں، کچھ لوگوں کو سرحدوں پر دشمن پر کڑی نگاہ رکھنے کی ذمہ داری سونپی جاتی ہے، کچھ ایسے ہوتے ہیں جو اندرونی دشمنوں کو خاک و خون میں نہلانے کے لئے کمربستہ رہتے ہیں، اپنے منصب کو چھوڑ کر صرف اپنے جذبات کے ہاتھوں کھیلنا ایک طرح سے خود پرستی ہے...... تم یہ بتاؤ کہ تمہاری ذمہ داریاں کیا ہیں۔ مجھے اس بات کا جواب دو کہ اگر تم ملک سے باہر اپنے کسی ایسے مشن کی تکمیل کے لئے نکلے ہوئے ہو اور اندرون ملک کوئی ایسی گھناؤنی سازش وجود میں آتی ہے جس میں تم ہی کسی ذمہ دار فرض شناس افسر کی ضرورت ہو تو تم اپنی پسند کا مشن سرانجام دو گے یا اپنی ذمہ داری پوری کرنا پسند کرو گے۔"

نادر حیات صاحب کے الفاظ پر شہاب نے چونک کر انہیں دیکھا، کچھ لمحے حیرانی سے انہیں دیکھتا رہا پھر ایک دم سے مسکرا پڑا۔

"اور بزرگ کبھی غلط نہیں کہتے جناب، ویسے، تو بارہا اس کا تجربہ ہو چکا ہے، لیکن آپ کے اس وقت کے الفاظ نے اس تجربے کو مزید جلا بخشی ہے۔" نادر حیات صاحب کے ہونٹوں پر ایک بے اختیار مسکراہٹ اُبھری اور وہ بولے۔ "نہیں، یہ تمہارا سوچنے کا انداز ہے...... تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"یہ کہ دو لفظوں میں آپ نے مجھے چت کر دیا اور میرے ہی داؤ پر مجھے مار دیا۔"

"نہیں نہ تو میں نے تمہیں چت کیا ہے نہ تمہارے داؤ پر تمہیں مارا ہے...... کیا تم ان سچائیوں سے منحرف ہو سکتے ہو۔"

"نہیں"

"پھر یوں کرو کہ ابھی کچھ وقت انتظار کر لو، برائیاں اندر پہنچیں تو ان کے نتخنے اسی

طرح اتار دو جس طرح تم نے، اف میرے خدا شہاب ایسا کیسے کیا تم نے، خیر میرا خیال ہے کہ میں اصل راستے سے بھٹک رہا ہوں...... مطلب یہ ہے کہ ابھی تمہارا اس مشن پر جانا مناسب نہیں ہے...... ہاں، ایک وعدہ میں تم سے کرتا ہوں کہ اگر ضرورت پیش آئی اور بات کسی بھی شکل میں آگے بڑھی تو پھر ہم ایک جامع پروگرام ترتیب دیں گے۔"

"ٹھیک ہے جناب، ظاہر ہے میں آپ کے حکم سے منحرف نہیں ہو سکتا...... جیسا آپ مناسب سمجھیں۔"

"تو اب مجھے اجازت دو، بہت دیر ہو گئی ہے اور سنو اس لاش کو احتیاط سے ٹھکانے لگا دو اور یہ بھی سنو کہ ہم لوگ کم از کم اس سلسلے میں براہ راست اپنے ملوث ہونے کا اظہار نہیں کریں گے، بلکہ جو محکمہ جاتی کارروائی ہو گی بس اسی تک محدود رہیں گے، خصوصاً یہ بات میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ سنڈیکیٹ کو بھی اپنے پیچھے لگا لینے کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ ہم ان کی کارروائیوں سے لاتعلق رہیں...... ہمیں درپردہ ان کی نگرانی کرنی ہے اور اس کیس کو براہ راست کوئی اہمیت نہیں دینی، خصوصاً پریس وغیرہ کے مسئلے میں۔"

"جی سر۔" پھر اس کے بعد شہاب نادر حیات صاحب کے ساتھ باہر آیا تھا اور انہیں لے کر چل پڑا تھا۔

خون کی پیاس
ایم اے راح

نادر حیات صاحب نے فوری شہاب کو بلا کر اس سے درخواست لکھوائی تھی اور یہ درخواست دو مہینوں کی چھٹیوں کے لئے تھی...... شہاب حیرت سے چونک پڑا تھا، لیکن نادر حیات صاحب جو کچھ بولتے رہے تھے وہ خاموشی سے اسے کاغذ پر تحریر کرتا رہا تھا اور جب یہ درخواست ختم ہو گئی تو نادر حیات صاحب نے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... لاؤ میں اسے منظور کر لوں۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے درخواست نادر حیات صاحب کے سامنے پیش کر دی تھی اور انہوں نے اس پر دستخط کر کے منظوری کا نوٹ لکھتے ہوئے ایک پیپر ویٹ کے نیچے دبا دیا تھا...... پھر وہ کہنے لگے۔ "کچھ پوچھو گے نہیں اس کے بارے میں۔"

"دلچسپ چیز ہے...... بتانا پسند فرمائیں تو بتا دیجئے گا۔"

"مکمل آرام کرو، ذہن کو ذرا بھی پراگندہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، پرسکون رہو، سمجھ رہے ہو نا۔"

"جی۔"

"بینا کے لئے بھی چھٹی کی درخواست بھجوا دینا میرے پاس۔"

"سر ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں بولو۔"

بینا تو اس وقت کچھ بھی نہیں کر رہی...... اصولی طور پر اسے سرکاری تنخواہ نہیں وصول کرنی چاہئے۔"

"جس وقت میں مناسب سمجھوں گا یہ بھی کر لوں گا...... زیادہ جذباتی ہونے کی

ضرورت نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے سر۔" شہاب نے جواب دیا تھا اور جب اس نے بینا کو یہ خوشخبری سنائی تو وہ پر مسرت لہجے میں بولی۔

"ہنی مون۔"

"کتنی بار یہ ہنی مون منائیں گی آپ۔"

"ارے ہم گئے ہی کہاں ہیں۔"

"تو پھر فرمائیے کہاں چلنا ہے۔"

"ابھی جاری کیا ہے، دیکھیں گے، سوچیں گے اس بارے میں ویسے ایک بات کہوں شہاب برا تو نہیں مانیں گے۔"

"سوچ لیجئے آپ...... اگر کوئی ایسی بات ہے جس پر برا مانا جاسکے تو بھلا اس کا موقع کیوں دیتی ہیں آپ مجھے اور اگر آپ یہ سمجھتی ہیں کہ میں کسی ایسی بات کا برا نہیں مانوں گا تو کہنے میں دقت کیوں محسوس کر رہی ہیں۔" بینا ہنسنے لگی، پھر بولی۔

اصل میں وہ جو کہتے ہیں نا کہ چور چوری سے جاتا ہے ہیرا پھیری سے نہیں جاتا...... ڈیڈی کے ساتھ دفتر میں بیٹھ کر ان کے کیسز پر کام کر رہی تھی کہ درمیان میں ایک صاحب آ ٹپکے، سارا شیرازہ حیات ہی منتشر کر ڈالا...... ایک اچھی خاصی وکیل لڑکی آخر کار بیوی بن گئی، اب دیکھو نا انسان بیوی بن کر تو کچھ بھی نہیں رہتا...... کئی بار دل چاہا کہ ڈیڈی کے ساتھ مل کر ان کے مقدمات دیکھوں، ایک تپش سی ہے دل میں۔" شہاب نے ایک لمحے کے لئے بینا کا چہرہ دیکھا، پھر بولا۔

"ایک شرط پر اس کی اجازت مل سکتی ہے آپ کو۔"

"نہیں...... میں تو بس ایسے ہی کہہ رہی تھی۔"

"میں نے کہا نا، ایک شرط پر آپ کو اس کی اجازت مل سکتی ہے۔"

"چلئے شرط بھی بتا دیجئے گا۔"

"وہاں اس کمرے میں جہاں عدنان واسطی صاحب بیٹھتے ہیں، ایک میز اور لگنی چاہئے اور اس میز پر شہاب ثاقب کا قبضہ ہوگا...... یہ بات تو تمہارے علم میں ہے کہ ہم بھی سند یافتہ وکیل ہیں۔"

"ارے ارے...... کیا مذاق کر رہے ہیں آپ۔" بینا نے انتہائی مسرور لہجے میں کہا۔

"جی نہیں...... بالکل سچ کہہ رہے ہیں...... ابھی دو مہینے کی چھٹی ہے...... ہنی کا مطلب ہے شہد یعنی مٹھاس اور مون کا مطلب ہے چاند اور ہمارے ہاں شادی کے تقریباً ایک سال تک شوہر حضرات اپنی بیگمات کو تنہائی میں چاند یا چندا کہہ کر مخاطب کرتے ہیں تو مسئلہ یہ ہے کہ آپ کے لہجے کی شیرینی تو مٹھاس سے بھرپور ہے اور باقی جو کچھ آپ ہیں وہ آپ جانتی ہیں...... پھر کہیں باہر کے چکر میں کیوں پڑا جائے، بہتر یہ نہیں ہوگا کہ ہم عدنان واسطی صاحب کے ساتھ مل کر ان کے مقدمات نمٹائیں۔"

"خدا کی قسم شہاب میرے دل کی بات کہہ دی آپ نے، اگر واقعی سنجیدگی سے کہی ہے۔"

"ارے ارے، محترمہ! یہ آپ مجھے ہر وقت غیر سنجیدہ شخصیت کیوں قرار دینے کی کوشش کرتی ہیں۔"

"ڈیڈی کو فون کر رہی ہوں میں۔"

"نہیں بھئی، فون کر دیں گے وہ تکلف کا اظہار کریں گے...... آپ جائیے کل ایک میز ہونی چاہئے وہاں پر، یہ ایک داماد کے حقوق ہیں۔"

"میں جانتی ہوں۔"

"خدا حافظ۔" پھر تھوڑی دیر کے بعد بینا کار میں بیٹھ کر چلی گئی تھی اور شہاب مسکراتا رہا تھا...... نادر حیات صاحب نے اس کا ذہنی بخار کم کرنے کے لئے دو مہینے کی یہ چھٹی اس لئے منظور کی ہوگی کہ وہ سکون سے کسی پر فضا مقام پر بینا کے ساتھ وقت گزارے، لیکن اب اس بات کو کیا کہا جاتا کہ شہاب نے اپنی زندگی کا جو مشن ترتیب دیا تھا اس میں ان جذباتی کیفیات کا زیادہ دخل تھا جو ابتدا ہی سے اس کے رگ و پے میں سرایت کر گئی تھیں اور وہ ان سے کبھی چھٹکارا نہیں پا سکا تھا...... یہاں تک کہ اس نے کسی حد تک وہ منصب حاصل کر لیا تھا جس کے لئے اس کے باپ نے جان دی تھی اور اس انداز میں اس نے یہ منصب حاصل کیا تھا کہ آج نہ صرف وہ بلکہ وہ لوگ جو اس سے منسلک تھے پر عیش زندگی گزار رہے تھے، ایسے صاحب حیثیت لوگ جو اپنی دولت کو تجوریوں میں اس طرح محفوظ کر دیتے تھے کہ ان تجوریوں کے تالے زنگ آلود ہو جائیں، انہوں نے اپنی دولت کا بہت بڑا حصہ شہنشاہ کی

حیثیت سے شہاب کی نذر کیا تھا اور شہاب نے حسب توفیق اسے ضرورت مندوں تک پہنچایا تھا اور اب اس کی اس حیثیت کو بہر طور ہر حالت میں تسلیم کر لیا گیا تھا اور اسے بہت سے افراد جو قانون کو اپنی جیب میں رکھا کرتے تھے اب اس بات سے خوفزدہ تھے کہ بہر حال قانون سیدھی سڑک سے گزر کر نہیں بلکہ کسی پراسرار گوشے سے نکل کر ان کی گردن میں پھندا ڈال سکتا ہے اور یہی ثاقب صاحب کا مشن تھا، جس پر کچھ صاحب اقتدار حاوی آگئے تھے، لیکن شہاب اب انہیں ان کا حق ادا کر رہا تھا، سو اب یوں ہوا کہ بینا نے عدنان واسطی صاحب کو شہاب کے مقصد کے بارے میں تفصیل بتائی، عدنان واسطی خود بھی ششدر رہ گئے تھے لیکن بہر حال وہ میز جو عدنان واسطی کے دفتر میں شہاب کے لئے لگائی گئی تھی، بے حد قیمتی، بہت خوبصورت اور سب سے زیادہ شاندار تھی، ہاں جب شہاب کو وہاں داخل ہونے کی اجازت دی گئی اور اس میز کے پیچھے پڑی کرسی پیش کی گئی تو شہاب نے کہا۔

"ہر کام حسب مراتب ہوگا..... اگر یہ نئی میز آہی گئی ہے تو یہ ہمارے استاد کا حق ہے، یعنی عدنان واسطی صاحب کا اور میری درخواست ہے کہ اس سلسلے میں کسی تکلف کے بغیر عمل کیا جائے..... آیئے، واسطی صاحب یہاں تشریف رکھیے۔" پھر شہاب مسکرا کر بولا۔

"اور تم سمجھتی نہیں ہو بینا، واسطی صاحب تو اس نئی میز پر بیٹھ گئے اور ایک تجربے کار وکیل کہیں بھی بیٹھ جائے اپنے تجربے کی بنیاد پر ہر مسئلے کا حل تلاش کر سکتا ہے، لیکن میں جس کرسی اور میز پر بیٹھا ہوں وہاں سے لاکھوں مقدمات کیے گئے ہیں، گویا وہ مقدمہ میں نے مفت میں سمیٹ لیا اور باقی رہی محترمہ آپ، تو بیٹھیے اب آپ ایک کو نہیں دو افراد کو اسسٹ کر رہی ہیں۔" اتنی دیر میں اکرم نے چائے لا کر رکھ دی تھی، شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور چپڑاسی ہو تو اکرم جیسا۔" سب قہقہہ مار کر ہنسنے لگے تھے، بینا اپنی جگہ سے اُٹھی، اس نے چائے بنا کر عدنان واسطی اور شہاب کو پیش کی اور خود بھی ایک پیالی لے کر بیٹھ گئی، عدنان واسطی نے کہا۔

"کہنے کو تو بہت دل چاہتا ہے کہ نجانے کیا کیا کہوں، لیکن اچھا نہیں لگتا، بہت بڑی شخصیت ہمارے ساتھ موجود ہے۔"

"جی ہاں..... اب میں یہ تسلیم کرنے سے انکار نہیں کر سکتا، کیونکہ ایک بہت بڑے وکیل کا داماد ہوں..... شخصیت تو بڑی ہونی ہی چاہئے میری۔" شہاب نے کہا اور عدنان

واسطی ہنسنے لگے اور پھر بولے۔

"میں تو صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ زندگی میں کوئی بہت بڑی نیکی کر ڈالی تھی، خدا کی قسم خود اندازہ نہیں ہے کہ کون سی نیکی تھی، جس کے صلے میں میرا بڑھاپا سنور گیا۔"

"اب جذباتی باتیں چھوڑیئے، دو مہینے کی چھٹی لی ہے ہم دونوں نے، آپ کے علم میں آہی گیا ہوگا..... ایسے تمام کیسز نکال لیجئے جو اس وقت آپ کے پاس موجود ہیں یا اگر کوئی ہمارے ذوق کی بات ہو، ہمارے سے مراد بینا اور میں ہوں تو براہ کرم اس کے بارے میں ہمیں کچھ بتایئے۔"

"اصل میں بینا کے پاس بہت عرصے سے تفصیلات موجود نہیں ہیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ میں نے بھی تھوڑی سی بے پروائی برت لی ہے، حالانکہ جو مقدمات میرے پاس آتے ہیں ان میں سے بڑا سوچ سمجھ کر کوئی مقدمہ لے لیتا ہوں، زیادہ کام کرنے کی سکت نہیں رہی ہے اب، پھر بھی کچھ فائل پیش خدمت ہیں۔" اور اس کے بعد عدنان واسطی نے جو فائل سامنے لا کر رکھیں..... شہاب اور بینا سارا دن ان پر مغز ماری کرتے رہے تھے۔ کوئی ایسا مسئلہ نہیں تھا جو کہ باعث غور ہوتا اور اس پر خاص طور سے کام کرنے کے بارے میں سوچا جاتا، لیکن پھر تیسرے دن ایک نئی صورت حال سامنے آگئی تھی..... اکرم باہر کسی سے تیز تیز لہجے میں بات کر رہا تھا۔ بینا نے اکرم کو آواز دے ڈالی۔

"اکرم کیا بات ہے۔"

"آیئے جی، میں کب منع کر رہا ہوں آپ کو..... آجایئے اندر مل لیجئے، اکرم نے کہا اور اپنے ساتھ ایک بزرگ اور لڑکی کو لے کر اندر آگیا، آنے والا شخص بہت اچھی شخصیت کا مالک تھا، عمر تقریباً ساٹھ پینسٹھ سال کے لگ بھگ، بال سفید، چہرے پر شرافت برس رہی تھی، ساتھ میں ایک نوجوان لڑکی بھی تھی جس کو ایک نگاہ دیکھنے کے بعد ہی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ شریف زادی ہے، گو برقعے میں ملبوس نہیں تھی، لیکن پورے وجود پر حیا کا لباس موجود تھا، یہی کیفیت آنکھوں کی بھی تھی..... شہاب، عدنان واسطی اور بینا ان دونوں کی شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے تھے..... عدنان واسطی نے اکرم کی طرف دیکھا، جو ان کے پیچھے پیچھے چلا آرہا تھا..... پھر جلدی سے بولا۔ "صاحب عجیب لوگ ہیں میں نے کہا نام پتا بتاؤ تو کہنے لگے ہمارا کوئی نام، کوئی پتا نہیں ہے..... بس واسطی صاحب سے ملنا چاہتے ہیں..... خود

ہی دروازہ کھول لیا اور اندر گھس آئے...... صاحب اگر یہ بی بی ساتھ نہ ہوتی تو" عدنان واسطی نے حیرت سے اکرم کو دیکھا اور بولے۔

"کیا بات ہے اکرم، کچھ پاگل ہو گئے ہو کیا، اگر یہ بی بی ساتھ نہ ہوتی تو تم کیا کرتے۔"

"نن...... نہیں صاحب، میرا مطلب تو یہ ہے کہ، کہ اجازت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔"

"اگر کوئی ایسی بات ہے تو غلطی میری ہے، آپ براہ کرم یہاں تشریف رکھئے جناب، اگر اس شخص نے آپ کے ساتھ کوئی بدتمیزی کی ہے تو میں ہاتھ جوڑ کر آپ سے معافی کا خواستگار ہوں...... شاید کچھ کوتاہی مجھ سے ہی ہو گئی ہے، حالانکہ آج تک اس دروازے سے اندر قدم رکھنے والے کے لئے میں نے کبھی کوئی شرط نہیں لگائی...... آپ اس بے وقوف سے پوچھ سکتے ہیں...... اکرم تم نے اپنے بارے میں مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔"

"نہیں صاحب جی...... اصل میں وہ، ہماری غلطی ہو گئی صاحب جی۔"

"دروازے سے کوئی اندر آنے کی کوشش کرے یا آنا چاہے تو تمہیں صرف اس کے لئے دروازہ کھولنا ہے اس بات کا خیال رکھنا۔"

"جناب میں ایک دفعہ پھر آپ سے معافی چاہتا ہوں۔"

"آنے والے نے کوئی جواب نہیں دیا...... بس خاموش نگاہوں سے واسطی صاحب کو دیکھتا رہا...... لڑکی بھی گردن جھکائے بیٹھی ہوئی تھی...... شہاب اور بینا ہمدردانہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے...... عمر رسیدہ شخص کے چہرے سے جن کیفیات کا اظہار ہو رہا تھا وہ ان لوگوں کے لئے اجنبی نہیں تھی، مصیبت میں گرفتار لوگ اسی طرح اپنی شخصیت کھو بیٹھتے ہیں...... اکرم باہر چلا گیا تو عدنان واسطی نے کہا۔

"آپ لوگ چائے پینا پسند کریں گے یا کوئی ٹھنڈی چیز۔" عمر رسیدہ شخص نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"آپ نے پوچھ لیا ہے تو اگر ایک گلاس پانی مل جائے تو میں شکریہ ادا کروں گا۔" اس سے پہلے کہ عدنان واسطی صاحب اکرم کو بلانے کے لئے بیل بجاتے بینا اپنی جگہ سے اُٹھ گئی تھی، ایک طرف رکھے ہوئے فریج سے اس نے پانی کی بوتل نکالی، گلاس اٹھائے اور پھر گلاس میں پانی بھر کر نووارد کو پیش کیا، جسے اس نے شکریہ کے ساتھ قبول کر لیا...... بینا بوتل لئے وہیں کھڑی رہی تھی۔ عدنان واسطی محبت بھری نگاہوں سے بیٹی کو دیکھ رہے تھے اور خود

شہاب کے چہرے پر مسکراہٹ تھی...... بینا نے لڑکی سے پانی کے بارے میں پوچھا تو اس نے بھی گردن ہلادی تھی...... پھر بینا بوتل میز پر رکھ کر اپنی میز پر بیٹھ گئی اور س شخص نے کہا۔

"میرا نام رضا حسین ہے اور یہ میری بیٹی فاطمہ رضا ہے۔"

"جی...... ہمارا بورڈ تو آپ نے باہر پڑھ ہی لیا ہوگا۔"

"جی ہاں...... وہ اصل میں کچھ مشکلات میں گرفتار ہوں، ایسے ہی عدالت میں کچھ لوگوں کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی تو ایک شخص نے آپ کی طرف اشارہ کر کے کچھ الفاظ کہے، میں قریب ہی موجود تھا میں نے وہ الفاظ سن لئے۔"

"اچھا...... کون شخص تھا وہ اور الفاظ کیا تھے۔"

"وکیل صاحب ہی تھے، لیکن ان کے الفاظ کچھ یوں تھے کہ عدنان واسطی صاحب اس وقت مسیحا ثانی بنے ہوئے ہیں، کوئی کیس ہاتھ میں لے لیں تو اس کی ناکامی کا کوئی امکان نہیں رہتا، ویسے اس عمر میں جا کر کسی کی اس طرح لاٹری نکل آئے تو بڑی بات ہوتی ہے...... اس پر کسی دوسرے وکیل صاحب نے اپنے ترش لہجے میں ان پہلے صاحب سے کہا کہ کسی کی بدخواہی چاہنے والے ہمیشہ اسی کرب کا شکار رہتے ہیں...... عدنان واسطی کے پاس پوری عمر کا تجربہ ہے اور صحیح معنوں میں وہ اس تجربے کو بروئے کار لا رہے ہیں...... شریف آدمی ہیں، اس لئے زندگی میں کبھی بدمعاملگی سے کام نہیں لیا، اب اگر تم انہیں کچھ کہنا چاہتے ہو تو یہ تمہاری اپنی مرضی ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں یہ لاٹری نہیں ہے...... ان لوگوں میں خاصی دیر بحث ہوتی رہی اور جناب میں سنتا رہا، پھر بڑی مشکل سے میں نے آپ کا پتا معلوم کیا، یہ تو میں جانتا ہوں کہ بہت بڑے وکیلوں کی بہت بڑی فیس ہوتی ہے لیکن الفاظ کچھ ایسے تھے جن سے میری ہمت بندھی اور میں اپنی اس مظلوم بچی کو لے کر آپ کے پاس آ گیا...... یہ ایک برا عمل ہے جناب کہ ایک باپ بیٹی کو لے کر اپنی سفارش بن کر آئے، لیکن بعض اوقات وقت نجانے انسان سے کیا کیا برائیاں کروالیتا ہے...... میں آپ سے پہلے معافی مانگنا چاہتا ہوں کہ آپ جیسے بڑے وکیل کے سامنے میں نے آنے کی جرات کی۔"

"آپ کہہ چکے رضا صاحب۔" عدنان واسطی نے کہا۔

"نہیں دل میں تو بہت کچھ ہے، لیکن کیا کیا کہوں گا، بہتر ہے آپ کا زیادہ وقت ضائع نہ ہو۔"

"جواب میں صرف ایک لفظ کہوں گا میں، انسان ہوں اور اللہ سے ہمیشہ یہ دعائیں مانگتا رہتا ہوں کہ انسان ہی رہوں...... ان لوگوں کی بات چھوڑ دیجئے، جن کو اللہ اگر نواز دیتا ہے اور وہ دنیا کے سامنے بڑے نیکوکار کی حیثیت سے روشناس ہو جاتے ہیں لیکن اپنے اندر کی اصلیت کبھی نہ کبھی ابھر ہی آتی ہے اور کچھ سے کچھ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، بہر حال آپ بے فکر ہو کر مجھے بتائیے کہ آپ کی مشکل کیا ہے؟"

"ایک منٹ جناب...... میں آپ کو متاثر کرنے کی کوشش نہیں کر رہا، دو باتیں ہیں جن کے لئے آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں پہلے ان کی تکمیل کر لوں۔"

"کیجئے کیجئے۔" عدنان واسطی نے کہا اور رضا حسین صاحب نے جیب میں ہاتھ ڈال کر نوٹوں کی تین یا چار گڈیاں نکالیں اور انہیں عدنان واسطی کے سامنے بڑے عاجزانہ انداز میں پیش کر دیا، سو سو کے کئی نوٹ تھے، کچھ پچاس پچاس کے تھے، دس دس اور پانچ پانچ کے نوٹ بھی تھے، ایک گڈی میں ایک ایک روپے کے اور دو دو روپوں کی بھی خاصی تعداد تھی اور رضا حسین کی آنسو بھری آواز اُبھری۔

"یہ تیرہ ہزار ایک سو اٹھائیس روپے ہیں بس، اپنے تمام تر وسائل سے کام لے کر بس اتنے ہی پیسے اکٹھے کر سکا ہوں، میں جانتا ہوں کہ اگر میں یہ آپ کو فیس کی حیثیت سے پیش کروں تو اصولی طور پر دھکے مار دینے کے قابل ہوں، لیکن خدارا ایسا نہ کیجئے اس سے زیادہ کر نہیں سکا۔" اس کی آواز لرز گئی...... بینا اور شہاب گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے، لڑکی کی گردن بدستور جھکی ہوئی تھی اور رضا حسین نے اپنے لہجے پر قابو پانے کے بعد کہا۔

"اس بچی کی عمر سترہ سال ہے، ایف اے کی طالبہ ہے...... سیکنڈ ایئر میں پڑھ رہی تھی...... امتحان نہیں دے سکی ہے، کیونکہ ہم ایک بدترین عتاب کا شکار ہو گئے ہیں، ساتھ اس لئے لے آیا ہوں کہ اگر میں اپنی وکالت آپ کے سامنے کرنے میں ناکام رہوں تو شاید اس کے آنسو آپ کو متاثر کر لیں، بس یہ آرزو لے کر آیا ہوں کہ آپ کا ہاتھ اس بچی کے سر پر آ جائے اور اسے اس کا بھائی واپس مل جائے تاکہ یہ بھی آبرو سے اپنی زندگی کا مقصد حاصل کر سکے، ورنہ ہمارا کوئی نہیں ہے اس دنیا میں۔" عدنان واسطی صاحب نے چہرے پر دونوں ہاتھ رکھ لئے تھے، کچھ لمحے وہ چہرہ مسلتے رہے، پھر بولے۔

"آپ نے بہت سی گالیاں دے ڈالی ہیں مجھے رضا حسین صاحب، حالانکہ میں ابھی

تک بے قصور ہوں، لیکن خیر، مہمانوں کی گالیاں بھی برداشت کرنا پڑتی ہیں۔" اور رضا حسین ان الفاظ پر چونک پڑا، حالانکہ اپنے الفاظ کی ادائیگی کے بعد اس پر غم و اندوہ کی سخت کیفیت طاری ہو گئی تھی، لیکن عدنان واسطی کے جملوں نے اسے چونکا دیا اور وہ ششدر لہجے میں بولا۔

"گالیاں۔"

"جب میرے اور آپ کے درمیان معاوضے کی کوئی بات نہیں ہوئی، جب میں نے آپ کے کیس کو لینے سے انکار کا شبہ بھی ظاہر نہیں کیا نہ تو اس معاوضے کی کوئی ضرورت تھی اور نہ ہی اس بچی کے بارے میں کچھ کہنے کی، ادھر دیکھ رہے ہیں آپ۔" عدنان واسطی نے بینا کی طرف اشارہ کیا اور رضا حسین کی گردن بینا کی جانب اُٹھ گئی، عدنان واسطی نے کہا۔

"وہ میری بیٹی ہے...... اکلوتی بیٹی...... سمجھ رہے ہیں نا آپ اور بس اتنا اندازہ لگا لیجئے آپ کہ ایک بیٹی کا باپ بہت سے رموز سے آشنا ہوتا ہے...... وہ جانتا ہے کہ سینے کے اندر بیٹیوں کا کیا مقام ہوتا ہے...... براہ کرم جذبات کے اس دھارے پر اتنی برق رفتاری سے بہنے کی بجائے آپ مجھے یہ بتائیے کہ معاملہ کیا ہے۔"

"خدا آپ کو خوش رکھے۔" رضا حسین نے کہا اور پھر بولے۔ "ہمارا خاندان چار افراد پر مشتمل ہے...... میں، میری بیوی، یہ بیٹی جس کا نام فاطمہ ہے اور ایک بیٹا ہے میرا جو فیصل رضا کے نام سے جانا جاتا ہے...... میں زندگی بھر ملازمت کرتا رہا ہوں نہ ہی میں نہ ہی میرے والد نہ ہی میرے دادا ہم میں سے کوئی دولت مند آدمی نہیں رہا ہے، درمیانے درجے کے ملازم پیشہ لوگ تھے اور زمانے کے لحاظ سے نوکریاں کرتے چلے آئے تھے، تھوڑا سا تعلیم کا رواج بے شک رہا اور حسب اوقات میرے دادا نے میرے والد کو میرے والد نے مجھے اور میں نے اپنے بیٹے فیصل کو تعلیم دلائی۔ اصل میں کچھ حقیقتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں اگر نظر انداز کر دیا جائے تو مستقبل بڑا بھیانک ہو جاتا ہے...... میں تھوڑی سی تنخواہ حاصل کرتا تھا، گھر کے مسائل پس پشت ڈال دیئے تھے، اگر برتن ٹوٹے ہوتے تو ٹوٹے برتنوں میں ہی کھانا کھا لیا جاتا، اس وقت تک جب تک کہ وہ ناقابل استعمال نہ ہو جاتے، لیکن میں اور میری بیوی نے اپنے بچوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کی کوششوں میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی، فیصل رضا نے جب میٹرک کیا تو مجھے کہنے لگا کہ ابو اگر آپ اجازت دیں تو میرے ایک

دوست کے والد ایک ٹیکسٹائل مل میں لیبر آفیسر ہیں، وہ مجھے ٹائم کیپر کی ملازمت دلا سکتے ہیں...... میرے دوست نے اپنے والد سے ہمارے حالات کے بارے میں کہا تھا تو انہوں نے کہا کہ فیصل کو اب ملازمت کر لینی چاہئے...... جواب میں میں نے اس معصوم کے رخسار پر ایک زوردار تھپڑ رسید کر دیا تھا اور سخت لہجے میں کہا تھا کہ جب تک میں اس سے نہ کہوں دوبارہ مجھ سے ملازمت کی بات نہ کرے...... سو اس نے ایسا ہی کیا اور وکیل صاحب ایم ایس سی کر لیا اس نے، ایم ایس سی کرنے کے بعد وہ میرے سامنے آ کھڑا ہوا اور مجھ سے بولا کہ ابو اب کیا کروں...... میں نے ہنس کر اسے گلے سے لگا لیا اور کہا کہ بیٹے اب نوکری تلاش کرو...... وقت ہمیں اس سے آگے کی کوئی اجازت نہیں دیتا اور وکیل صاحب میرا بچہ نوکری کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا، گزرنے والے وقت کے ساتھ ساتھ ملازمت کے حصول کے معاملات جس قدر مشکل ہو گئے وہ آپ کے علم میں بھی ہیں...... بہرحال وہ کوششیں کرتا رہا، یہاں تک کہ اسے ایک ٹرانسپورٹ کمپنی میں اسسٹنٹ منیجر کی ملازمت مل گئی۔ اس کمپنی کے مالک امجد فضل خان ہیں...... یہ ابتدائی حصہ ہے میری اس داستان کا، بیٹی ایک گلاس پانی پلا دو۔"

"میں لاتی ہوں ابو۔" اچانک ہی فاطمہ اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ پھر اس نے بوتل اور گلاس اٹھایا اور پھر پانی باپ کو پیش کیا اور رضا حسین نے پانی کا گلاس سینے میں اتارتے ہوئے کہا۔

"فیصل کو نوکری مل گئی، خوشیوں کا جو طوفان میرے چھوٹے سے گھر میں آیا، نجانے اسے کس کی نظر لگ گئی۔ بات اس سے کچھ آگے ہے...... کاش میں آپ کو بذاتِ خود یہ سنانے پر مجبور نہ ہوتا، لیکن بہرحال مجبوریاں تو نجانے کیا کیا کچھ کروا دیتی ہیں...... شہاب، عدنان واسطی اور بینا سرد نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے...... اس میں کوئی شک نہیں کہ ان پر پڑنے والی پہلی نگاہ نے اس بات کا اندازہ انہیں کرا دیا تھا کہ لوگ شریف معلوم ہوتے ہیں، لیکن زندگی کے تلخ ترین تجربات انسان کو بہت سنگدل بنا دیتے ہیں، برے سے برے حالات میں وہ اگر اپنی کامیابیوں کا خواہش مند ہوتا ہے تو بالغ نظری سے کام لیتا ہے...... اس دور کے انسان چہروں کو تبدیل کرنے میں مہارت رکھتے ہیں اور اس مہارت ہی کو صحیح سمجھنے والا اس دنیا سے نپٹ سکتا ہے، ورنہ دُنیا گزارنا بے حد مشکل کام ہے، چنانچہ ابتدائی تاثر کے بعد اپنے آپ کو سنبھال کر حقیقتوں سے روشناسی بھی ضروری تھی، چنانچہ یہ لوگ گہری نگاہوں سے ان دونوں کا جائزہ لے رہے تھے، اب تک کی کیفیتیں تو صرف انسانی

مسئلہ تھیں لیکن اس کے بعد جو حقیقتیں سامنے آنے والی تھیں اس میں یقیناً کوئی مدمقابل بھی ہوگا اور مدمقابل کے ساتھ کیا ہوا ہے اس کی تفصیل تو اب سامنے آنے والی تھی، چنانچہ عدنان واسطی صاحب نے اپنے کام کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

"دیکھئے جناب...... کیا نام بتایا آپ نے اپنا۔"

"رضا حسین۔"

"رضا حسین صاحب کسی بھی مسئلے میں انسان جذباتی کیفیتوں کا شکار بے شک ہو جاتا ہے، لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ جب ہم اصل گفتگو پر آتے ہیں تو تھوڑی دیر کے لئے ہمیں جذبات کو اپنے آپ سے دور رکھنا ہوتا ہے...... اس سے حقیقتوں کو سمجھنے میں آسانی حاصل ہو جاتی ہے...... آپ میرا مطلب سمجھ رہے ہوں گے، میں آپ سے ہمدردی بھی رکھتا ہوں اور آپ کو یہ یقین بھی دلاتا ہوں کہ یہ جو کچھ آپ جمع کر کے لائے ہیں، یہ میرے لئے بڑی اہمیت کا حامل ہے اور اس کی ظاہری شکل سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے جو کچھ بھی کیا ہے بہت مشکل سے کیا ہے، لیکن اتنا میں آپ کو یقین دلائے دیتا ہوں کہ اگر معاملہ بنیادی طور پر آپ کی مظلومیت کا ہے تو میں بھی اسی دنیا کا انسان ہوں اور یہ جو میرے بچے بیٹھے ہوئے ہیں ان میں سے بھی کوئی ایسا نہیں ہے جو صرف لالچ کو اولیت دیتا ہو، اگر آپ چاہیں تو یہ رقم ابھی اور اسی وقت واپس اپنی جیب میں رکھ سکتے ہیں اور اگر اسے کوئی اہمیت نہ دینا چاہیں تو آپ انہیں ایک جانب سرکا دیجئے اور مجھے تمام تر تفصیلات سے آگاہ کیجئے۔" شہاب اور بینا کے چہرے سے ان الفاظ کو سننے کے بعد یہ احساس ہوتا تھا کہ جو گفتگو عدنان واسطی صاحب نے کی ہے وہ ان کی پسند کے مطابق ہی ہے، دونوں ہی مطمئن نظر آ رہے تھے...... لڑکی نے ابھی تک اپنے چہرے سے کسی کیفیت کا اظہار نہیں کیا تھا، لیکن اس کی غم واندوہ میں ڈوبی ہوئی نگاہیں بتاتی تھیں کہ بہرحال وہ اپنے باپ کے ساتھ صرف اس لئے آئی ہے کہ بوڑھے کو سپورٹ دے سکے اور کسی بھی غمزدہ کیفیت میں اسے سنبھال سکے اور رضا حسین نے کہا۔

"میرا بیٹا فیصل رضا قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا ہے...... اس پر اپنے مالک کی بھتیجی رمشہ عدیل پر قاتلانہ حملہ کر کے اسے قتل کر دینے کا الزام عائد کیا گیا ہے اور اس قتل کے الزام میں وہ گرفتار ہے...... وکیل صاحب ہمارا گھرانہ ان چار افراد پر مشتمل ہے، میں ملازمت کرتا تھا اور اپنے بچوں کو زندگی کی جو سہولتیں فراہم کر سکتا تھا میں نے کر دی

تھیں...... فیصل رضا میری عمارت کا وہ ستون تھا جس پر اس گھر کی پوری عمارت قائم تھی۔ یہ میری بیٹی ہے، غیر شادی شدہ ہے ابھی، ایک اور شہر میں رہنے والے ایک خاندان کے لڑکے سے اس کی منگنی ہوگئی ہے اور ہم نے ان لوگوں سے اس قدر مہلت طلب کرلی ہے کہ اپنے حالات سنبھالنے کے بعد ہم اس کی وہاں شادی کردیں گے، جو واقعہ ہوا ہے ابھی تک ہم نے ان لوگوں کو اس کی ہوا نہیں لگنے دی ہے، خیر یہ مسئلہ بالکل مختلف ہے...... میرے بیٹے کی زندگی بنیادی طور پر ان تمام معاملات پر حاوی ہے...... وکیل صاحب صرف اتنا عرض کرسکتا ہوں میں، ماں باپ تو کبھی اپنی اولاد کو برا نہیں سمجھتے لیکن فی زمانہ اولاد اس قدر نافرمان ہوچکی ہے اور اخبارات میں جس طرح عاق نامے چھپتے ہیں، آپ یہ سمجھ لیجئے کہ اس سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ والدین نے اولاد کی نالائقی کو محسوس کرکے صرف صبر کرنے کا فیصلہ نہیں کرلیا ہے، بلکہ وہ اولاد کو سزائیں بھی دینے لگے ہیں...... میں اپنے بیٹے کے بارے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ انتہائی فرماں بردار اور نفیس طبیعت کا نوجوان ہے...... اس نے وہ نہیں کیا جو الزام اس پر لگایا گیا ہے...... اس کے پس پردہ کوئی اور ہی بات ہے وکیل صاحب، میں تو ایک سیدھا سادا انسان ہوں، جہاں نوکری کرتا ہوں وہاں سے آپ میری زندگی کا ریکارڈ حاصل کرسکتے ہیں...... وکیل صاحب ایسا ہی ریکارڈ میرے بیٹے کا بھی ہے، ابھی اس بدنصیب نے زندگی کے ماہ و سال کا آغاز ہی کیا تھا کہ نجانے اسے کس کی نظر کھاگئی۔ وکیل صاحب میں بات کو ضرورت سے زیادہ طول دے رہا ہوں، خدا کے لئے میری مدد کیجئے...... میں صاحب حیثیت آدمی نہیں ہوں، بڑا پریشان ہوں میں، عجیب و غریب حالات کا شکار ہوں...... صرف خدا کو سہارا بنا کر یہ بات کہہ سکتا ہوں آپ سے کہ اگر فیصل اتنا ہی برا انسان ہوتا تو شاید میں شرمساری کی بنا پر آپ کے پاس اس کے لئے نہ آتا، وہ بے گناہ ہے، وہ یقیناً بے گناہ ہے، بس اس کی بے گناہی ثابت کردی جائے، یہ بتادیا جائے کہ اس نے وہ سب کچھ نہیں کیا جو اس کے نام سے منسوب کیا گیا ہے تو، تو، تو۔" اور اس کے بعد رضا حسین کی آواز ان کا ساتھ نہ دے سکی وہ زار و قطار رونے لگا تھا...... بہرحال یہ انسانی فطرت ہے کہ انسان کے آنسو ہر انسان کو متاثر کرتے ہیں، جن کے سینے میں دل پتھرا نہیں گئے ہوتے...... عدنان واسطی صاحب، بینا اور شہاب ایک ایسے بے بس انسان کے آنسوؤں اور اس کی رقت بھری سسکیوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے تھے...... عدنان واسطی خود اپنی جگہ سے اُٹھے اور رضا حسین کے پاس

پہنچ کر ان کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں رضا حسین صاحب آپ میرے پاس تشریف لائے ہیں، بڑے قابل عزت ہیں آپ میرے لئے، مرد کی آنکھوں میں آنسو نہیں آنے چاہئیں...... آپ دیکھئے آپ کی بچی آپ کے ساتھ ہے، اس نے شاید ابھی دنیا میں بہت زیادہ...... نہیں دیکھا ہے...... آپ اسے اس قدر غمزدہ نہ کیجئے...... اس نے اپنے آپ کو سنبھالا ہوا ہے، یہ بہت بڑی بات ہے...... سنئے اپنے آپ کو سنبھالئے، مجھے ساری تفصیلات بتائیے...... بیٹے تمہارا نام کیا بتایا، شاید بتایا ہی نہیں ہے یا پھر میں بھول گیا۔"

"میرا نام فاطمہ ہے، فاطمہ رضا۔" لڑکی کی سسکی بھری آواز اُبھری۔

"انہیں سنبھالئے فاطمہ، ان سے کہئے کہ اپنے ایمان کو قائم رکھیں...... انسان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے لاکھوں ہدایات ہیں...... اگر یقین کامل ہوتا ہے اور بات سچائی کی ہوتی ہے تو اللہ اپنے بندوں کو مایوسی کے بھنور میں نہیں رہنے دیتا...... انسان انسان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا جب تک حکم ایزدی نہ ہو...... آپ انہیں سنبھالیئے، جہاں تک آپ کے مسئلے میں میری مدد کا تعلق ہے تو جب میں اللہ کے احکامات کی بات کرتا ہوں تو آپ یوں سمجھ لیجئے کہ مکاری سے کام نہ لیتے ہوئے میں رقم کو درمیان میں نہیں لاؤں گا...... فرائض ہر شخص پر عائد ہوتے ہیں، مجھ پر بھی ہیں...... میں بھی اپنی بساط بھر یہ فرائض پورے کرنے کی کوشش کروں گا...... سنبھالیئے بی بی انہیں، اس طرح سے بات نہیں بن سکے گی۔"

"ابو خدا کے لئے آپ سنبھالئے تو سہی اپنے آپ کو ذرا سی تفصیل تو بتادیجئے وکیل صاحب کو، ان کے الفاظ بڑے امید افزا ہیں ابو، وکیل صاحب ہماری مدد کرنے کے لئے تیار ہیں...... ابو شاید قدرت کو ہماری بہتری منظور ہے...... ابو خدا کے لئے اپنے آپ کو سنبھالئے۔" بینا اور شہاب کے دل خون ہو رہے تھے، جذباتی مناظر سے کون متاثر نہیں ہوتا اور جہاں دلوں میں اتنی سختی آجاتی ہے کہ ایسی کسی کیفیت سے متاثر نہ ہو تو یہ سمجھ لیا جانا زیادہ بہتر ہوتا ہے کہ انسان انسانیت کی حدود سے گزر چکا ہے، بمشکل تمام حالات کسی حد تک بہتری میں شامل ہوئے اور رضا حسین نے تفصیلات بتاتے ہوئے کہا۔

"تھوڑے دن قبل کی بات ہے میرا بیٹا جو ملازمت کی تلاش میں سرگرداں تھا...... ایک بڑی ٹرانسپورٹ کمپنی میں ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا...... اس ٹرانسپورٹ

کمپنی کے مالک ایک بہت بڑے آدمی ہیں...... ان کا نام امجد فضل خان ہے۔ فیصل ائر ٹرانسپورٹ کمپنی میں منیجر کے عہدے پر فائز ہو گیا تھا، تنخواہ بھی معقول رکھی گئی تھی، لیکن بس یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ ابھی آغاز ہی ہوا تھا کہ انجام سامنے آ گیا۔ امجد فضل خان کی بھتیجی رمشہ خان اس سے متاثر ہو گئی تھی یا پھر یہ صرف ایک کہانی ہے جو بنائی گئی ہے، اللہ بہتر جانتا ہے...... اصل مسئلہ کیا ہوا ہے...... بس آپ یوں سمجھ لیجئے وکیل صاحب رمشہ قتل کر دی گئی اور قتل کا الزام میرے بیٹے پر لگا دیا گیا...... وہ گرفتار کر لیا گیا ہے، اس پر قتل کا مقدمہ قائم ہو گیا ہے۔ وہ قاتل نہیں ہے وکیل صاحب، وہ بچہ کسی بھی صورت میں ذہنی ہیجان کا شکار نہیں ہو سکتا...... ارے ہم نے تو بڑے مشکل حالات میں زندگی گزاری ہے...... ذرا اس کا ماضی دیکھ لیا جائے۔"

"ایک منٹ...... ایک منٹ...... بات میری سمجھ میں آ گئی ہے اور رضا حسین صاحب تمام جذباتی کیفیات کو بالائے طاق رکھ کر آپ مجھے صرف یہ بتائیے کہ یہ واقعہ کب کا ہے، جو سوالات میں آپ سے کر رہا ہوں، بی بی آپ بھی اس میں مدد کریں۔"

"تقریباً سوا دو مہینے ہو گئے۔"

"اچھا...... گویا عدالت میں چالان پیش کر دیا گیا ہے۔"

"ہاں، دو پیشیاں ہو چکی ہیں۔" لڑکی نے جواب دیا۔

"آپ بتا سکتی ہیں کہ ان لوگوں کی طرف سے، میرا مطلب ہے امجد فضل خان کی طرف سے وکیل کون ہے۔"

"ان کا نام مرزا جواد بیگ ہے۔" بینا نے معمولات کے مطابق بیڈ پر تمام تفصیلات لکھنا شروع کر دی تھیں...... ابتداء ابھی ایسے ہی ہوا کرتی تھی...... عدنان واسطی صاحب نے کہا۔

"مقتولہ کا نام رمشہ خان ہے۔"

"جی۔"

"اور مرزا جواد بیگ امجد فضل خان کی جانب سے یہ کیس لڑ رہے ہیں۔"

"جی۔"

"آپ کا وکیل کون ہے۔" عدنان واسطی صاحب نے سوال کیا تو رضا حسین صاحب نے سر جھکا دیا۔

"آپ وکیل نہیں کر سکے۔"

"بات ہوئی تھی ایک وکیل صاحب سے، نام لینا بیکار ہے کوئی فائدہ نہیں، جو کچھ میرے پاس تھا ان کی خدمت میں پیش کر دیا...... دوسری پیشی پر پھر رقم مانگی...... تھوڑے سے پیسے مزید ادا کئے لیکن وہ خوش نہ ہوئے اور انہوں نے کہا کہ وہ یہ کیس نہیں لے سکتے...... ان کا معاوضہ ان کی پسند کے مطابق ادا کیا جائے...... ہم لوگ قسمت پر شاکر ہونے کی کوشش کرتے رہے، لیکن بد نصیب انسان عجیب الجھنوں میں زندگی گزار رہا ہے...... بات کچھ عجیب سی ہو جاتی ہے، ہمیں مجبور کیا گیا کہ ہم کوئی وکیل کریں، پھر کچھ لوگوں سے ایک مذاق بھری گفتگو سننے کو ملی...... میرے ہی بارے میں تھی اور میرے وکیل صاحب نے طنزیہ انداز میں کہا تھا کہ اگر کوئی خیراتی وکیل چاہئے تو عدنان واسطی صاحب موجود ہیں...... آپ اتفاق سے اس وقت کورٹ سے باہر نکل رہے تھے...... میں نے ان لوگوں کے اشارے پر آپ کی جانب دیکھا...... پھر آپ کا یہاں تک پیچھا کیا اور آپ کا آفس دیکھ کر چلا گیا...... گھر میں میں نے اپنی بیوی اور بیٹی سے بات کی تو فاطمہ نے کہا کہ ابو لوگ کسی ایسے شخص کا مذاق اڑاتے ہیں تو کبھی کبھی وہ کوئی بہت بڑی شخصیت بھی نکل آتی ہے...... ہم لوگ جو کچھ بھی کر سکتے ہیں کر کے دیکھ تو لیں، ہو سکتا ہے کہیں تقدیر ہمارا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جائے...... وکیل صاحب آپ کو متاثر کرنے کے لئے یہ سب کچھ نہیں کہہ رہا، بس یوں سمجھ لیجئے کہ جو ہمارے پاس ہے اس کے علاوہ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے...... وکیل صاحب اسے قبول کر لیجئے، بڑی معمولی سی رقم ہے، لیکن ہم اور کچھ نہیں کر سکیں گے، کسی شکل میں نہیں کر سکیں گے، کم از کم ایک سہارا تو حاصل ہو جائے گا ہمیں۔" اور رضا حسین کی آواز پھر آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

"پہلا عمل آپ یہ کیجئے رضا حسین صاحب کہ اپنے آپ کو مکمل طور پر سنبھال لیجئے...... جب ایک اعتماد کے ساتھ یہاں تک آئے ہیں تو اس اعتماد کو برقرار رکھیں اور بات کریں، جذباتی نہ ہوں، جب کوئی مشکل پڑتی ہے تو اس کا مقابلہ بھی کرنا پڑتا ہے...... آپ کی تسلی کے لئے پہلی بات تو یہ میں آپ کو عرض کر دوں کہ آپ کا کیس میں نے لے لیا ہے...... ابھی یکطرفہ کہانی سنی ہے...... ہم لوگ اس سلسلے میں کام کریں گے جہاں تک ان تھوڑے سے پیسوں کا معاملہ ہے...... آپ اس سلسلے میں بالکل غور نہ کیجئے، بعد میں ہم آپ کو

بتائیں گے کہ ہمیں آپ سے کیا معاوضہ قبول کرنا ہے اور جو بھی معاوضہ ہم آپ سے مانگیں گے وہ آپ کی استطاعت کے اندر رہوگا، اس لئے آپ بالکل فکر نہ کیجئے...... علاقے کے تھانہ انچارج کا کیا نام ہے، میرا مطلب ہے یہ کیس کون سے تھانے میں رجسٹرڈ ہے۔"

"تھانہ فیض آباد میں اور اتفاق سے تھانہ انچارج کا نام بھی انسپکٹر فیض احمد ہے۔"

"ہوں...... ٹھیک...... آپ کا اپنا تفصیلی پتا۔" عدنان واسطی صاحب نے پوچھا اور اس کے بعد رضا حسین عدنان واسطی کو مکمل تفصیلات بتانے لگا...... تمام تاریخیں وغیرہ بتانے کے بعد اس نے کہا۔

"آئندہ پیشی بیس تاریخ کو ہے، وکیل صاحب، کیا آپ اس پیشی میں شریک ہوں گے؟"

"میں ایک آدھ دن میں وکالت نامہ سائن کرالوں گا...... آپ بالکل مطمئن رہیں پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے...... جیسا کہ آپ کہتے ہیں کہ آپ کا بیٹا بے گناہ ہے تو انشاء اللہ اسے رہائی دلانا ہمارا کام ہوگا۔"

"ٹھیک ہے وکیل صاحب، جتنی دعائیں آپ کو دے سکتا ہوں، اگر زبانی دوں گا تو چاپلوسی اور خوشامد قرار دی جائیں گی...... ارے جب کسی کے گھر کے چراغ جلائے جاتے ہیں تو دعائیں تو خود بخود دل سے نکلتی ہیں...... گھروں کو روشن کرنا وکیل صاحب خود بہت بڑی دعا ہے...... بس اللہ آپ کو ایک مظلوم کی دادرسی کا صلہ عطا کرے۔" تمام تفصیلات نوٹ کرلی گئیں اور اس کے بعد اکرم کو بلا کر چائے وغیرہ کا بندوبست کیا گیا اور پھر ان لوگوں کو نہایت آرام سے رخصت کردیا گیا، جاتے ہوئے عدنان واسطی نے کہا تھا۔

"آپ یہ سمجھ لیجئے رضا حسین صاحب کہ آپ تنہا نہیں ہیں...... ہم سب آپ کے اور آپ کے بیٹے کے ساتھ ہیں...... خدا کرے آپ کا بیٹا بے گناہ ہو، خدا کرے ہمیں ایک بے گناہ کے لئے کام کرنے کا موقع عطا ہو۔" وہ لوگ باہر چلے گئے...... ماحول بڑا جذباتی سا ہوگیا تھا، سبھی کافی دیر تک تاثر میں ڈوبے رہے تھے...... عدنان واسطی نے تھوڑی دیر کے بعد ان لوگوں کی شکل دیکھی، پھر ہنس کر بولے۔

"کبھی کبھی تلوار سے نوک قلم بھی تراشی جاتی ہے، شہاب میاں تم جو بڑے بڑے خطرناک لوگوں کے خلاف کام کرتے ہو اور اللہ نے تمہیں یہ قوت عطا فرمائی ہے کہ تم اژدھوں کو فنا کردیتے ہو، کبھی کبھی ایسے چھوٹے چھوٹے کام بھی سامنے آجاتے ہیں اور اب

چونکہ میرا تم سے صرف کاروباری رشتہ نہیں ہے بلکہ بہت گہرے روابط قائم ہوگئے ہیں اور تھوڑی سی بزرگی بھی حاصل ہوگئی ہے مجھے تمہارے سلسلے میں تو تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ایسے لوگوں کو کبھی نظرانداز نہ کرنا۔" شہاب نے سنجیدگی سے عدنان واسطی کی شکل دیکھی اور بولا۔

"کیا اس سے پہلے میرے ریکارڈ میں ایسی خرابیاں موجود ہیں جناب۔"

"نہیں، مجھے معاف کرنا، بس کبھی کبھی بعض معاملات میں جذباتی ہوجاتا ہوں، اس حوالے سے میں نے یہ الفاظ کہہ دیئے تھے۔"

"بہرحال کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے...... ہمیں اس سے پہلے بھی اس طرح کے واقعات کا سامنا کرنا پڑا ہے...... ویسے انسپکٹر فیض احمد سے اس بارے میں تفصیلات معلوم کی جاسکتی ہیں، میں اسے یہیں طلب کرلیتا ہوں تاکہ باقی سارے معاملے ہمیں اسی جگہ پتا چل جائیں۔"

عدنان واسطی صاحب نے فخریہ نگاہوں سے اپنے اس تازہ تازہ داماد کو دیکھا، بینا بھی مسکراتی نگاہوں سے شہاب کو دیکھ رہی تھی...... شہاب نے ٹیلی فون سامنے سرکایا، ڈائریکٹری میں فیض آباد تھانے کا نمبر دیکھا اور پھر وہ نمبر ڈائل کرنے لگا، کچھ دیر کے بعد دوسری طرف سے آواز ابھری تھی۔

"ہیلو...... تھانہ فیض آباد۔"

"انسپکٹر فیض احمد موجود ہیں۔"

"آپ کون صاحب بول رہے ہیں۔"

"شہاب ثاقب...... آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی۔"

"سر السلام علیکم، میں ایس آئی رفیق خان بول رہا ہوں۔"

"وعلیکم السلام، فیض احمد کہاں ہیں؟"

"سر ابھی فون دیتا ہوں انہیں...... کسی بندے سے بات کررہے ہیں۔" پھر کچھ لمحوں کے بعد ایک اور آواز سنائی دی۔

"انسپکٹر فیض احمد بول رہا ہے سر۔"

"فیض احمد مجھے پہچانتے ہو۔"

"سر آپ کو نہیں پہچانیں گے، آپ جیسے لوگ ہمارے محکمے میں بہت کم ہیں...... سر

حکم، خیریت۔"

"کوئی ایسی مصروفیت تو نہیں ہے فیض احمد جس میں میری طرف سے کوئی مداخلت ہو۔"

"نہیں سر...... بالکل نہیں...... آپ حکم دیجئے۔"

"تو پھر ذرا سی تفصیل نوٹ کرو، میں تمہیں ایک بالکل ہی ذاتی تکلیف دینا چاہتا ہوں۔"

"سر...... اگر آپ ہمیں یہ عزت دے رہے ہیں تو اس سے بڑی بات ہمارے لئے نہیں ہو سکتی۔"

"ہوں...... فیض احمد تمہارے پاس ایک کیس رجسٹرڈ ہے قتل کا ہے، مقتولہ کا نام رمشہ خان ہے، امجد فضل خان ٹرانسپورٹر سے اس کا کوئی رشتہ ہے اور قاتل کی حیثیت سے تم نے فیصل رضا نامی شخص کو گرفتار کر لیا ہے۔"

"یس سر...... بالکل یہ تو زیادہ پرانا معاملہ نہیں ہے ابھی دو پیشیاں کی گئی ہیں۔"

"ہاں...... اسی کی بات کر رہا ہوں۔"

"حکم سر۔"

"اگر میں تم سے کہوں کہ اس کے بارے میں مکمل تفصیلات لے کر ایک مخصوص جگہ پہنچ جاؤ تو کیا تم اس بات کو اپنی توہین تو نہیں محسوس کرو گے۔" دوسری طرف کچھ لمحوں کے لئے خاموشی طاری رہی، پھر فیض احمد کی آواز سنائی دی۔

"سر ہمارے ہاں تو خیر اس بات پر یقین نہیں کیا جاتا، لیکن ہندو مذہب میں تقدیر کی دیوی کی بڑی حیثیت ہے اور ان کا عقیدہ ہے کہ اگر قسمت کی دیوی کسی پر مہربان ہو جائے تو اس کے وارے کے نیارے ہو جاتے ہیں...... سر اتنا میں جانتا ہوں کہ جن لوگوں کو آپ کی قربت حاصل رہی ہے ان کے لئے ترقی کے میدان وسیع ہو گئے ہیں...... میرا خیال ہے ہر وہ پولیس آفیسر جو سچ مچ اپنی ترقی چاہتا ہے، اس بات کا خواہشمند رہتا ہے کہ اسے آپ کا قرب حاصل ہو جائے...... سر، اگر قسمت کی دیوی مجھ پر مہربان ہو رہی ہے تو بھلا اس بارے میں سوچنے کی کوئی گنجائش ہے...... آپ مجھے حکم دیجئے، میں فائل اور تمام متعلقہ کاغذات لے کر جہاں آپ حکم دیں حاضر ہوا جاتا ہوں۔"

"عدنان واسطی صاحب کو جانتے ہو، وکیل عدنان واسطی۔"

"جی ہاں...... جن کا آفس نیر چیمبر میں ہے۔"

"ہاں ہاں...... بالکل...... آفس دیکھا ہے تم نے۔"

"جی سر دیکھا ہے۔"

"سمجھ لو میں وہیں موجود ہوں...... یہ تمام تفصیلات لے کر عدنان واسطی صاحب کے آفس میں آ جاؤ...... اصل میں یہاں ذرا سکون رہے گا بات کرنے میں، ورنہ میں خود تمہارے پاس آتا۔"

"سر بس ایک بیس منٹ کا وقت دے دیجئے...... تمام تفصیلات لے کر پہنچ رہا ہوں...... آپ بالکل مطمئن رہیں۔"

"شکریہ فیض احمد۔" شہاب نے کہا اور اس کے بعد ٹیلی فون بند کر دیا...... عدنان واسطی اور بینا شہاب کی صورت دیکھ رہے تھے...... شہاب نے کہا۔

"انسپکٹر فیض احمد پورے ریکارڈ کے ساتھ آنے والا ہے۔" پھر اس کے بعد وہ لوگ خاموشی سے اپنی اپنی سوچوں میں گم ہو گئے تھے...... بینا بال پوائنٹ سے سامنے رکھے ہوئے پیڈ پر لکیریں کھینچ رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں گہری سوچ کے آثار تھے، شہاب بھی اندر ہی اندر مسکراتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ ڈی آئی جی نادر حیات صاحب نے منشیات کے سمگلروں کے خلاف اس کے ذہن میں جلتی ہوئی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی غرض سے اسے زبردستی دو مہینے کی چھٹی دلوائی ہے، لیکن بات تقدیر کے فیصلوں کی ہوتی ہے اور یہ غلط نہیں ہے اگر واقعی کسی مظلوم کی دادرسی کے لئے یہ سارا سیٹ اپ تیار ہوا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ معاملہ قدرتی نوعیت کا ہے اور اپنے فرائض کی بجا آوری کے لئے اسے مستعد ہو جانا ہو گا...... بہر حال اس کی حیثیت معمولی نہیں تھی، فیض احمد کو وہ اپنے طور پر جب اور جہاں جی چاہے طلب کر سکتا تھا...... یہ الگ بات ہے کہ اس نے اپنی حیثیت کا استعمال کرنے کی بجائے فیض احمد کو دوستانہ انداز میں طلب کیا تھا، لیکن انسپکٹر فیض احمد نے بڑی مستعدی کا ثبوت دیا تھا، کچھ دیر کے بعد اکرم نے اندر آ کر پولیس آفیسر کے آنے کی اطلاع دی اور اسے اندر طلب کر لیا گیا، فیض احمد ایک بریف کیس لئے ہوئے اندر آیا تھا، وردی میں ملبوس تھا، اس نے شہاب کو سلیوٹ مارا تھا اور عدنان واسطی کو بھی سلام کیا تھا...... شہاب نے مسکرا کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور فیض احمد نیاز مندی سے بیٹھ گیا، اس نے بریف کیس کھول کر تمام کاغذات باہر نکال لئے تھے۔ "بھئی میں اس وقت وردی میں نہیں ہوں اور ایک عام آدمی کی

حیثیت سے تم سے ملاقات کر رہا ہوں...... اس لئے بے تکلفی سے بتاؤ کہ کیا پیو گے؟"

"سر آپ یقین کیجئے...... کسی چیز کی حاجت نہیں ہے۔"

"پھر بھی کچھ تو۔"

"چائے پلوا دیجئے گا بس، اسے بھی میں اس لئے اپنے لئے ایک قیمتی شے سمجھوں گا کہ میرے ایک ایسے پسندیدہ افسر اعلیٰ کی جانب سے یہ پیشکش ہے جسے میں عام حالات میں بھی اپنا ہیرو قرار دیتا ہوں اور آپ یقین کیجئے شہاب صاحب یہ چاپلوسی کی بات نہیں ہے، میں ذاتی طور پر آپ کو اپنا آئیڈیل سمجھتا ہوں اور بارہا میں نے اپنے دل میں یہ خواہش محسوس کی ہے کہ کاش میں بھی آپ ہی کی طرح زندگی میں ایسے کچھ کارنامے سرانجام دینے کے لئے اپنے آپ کو تیار کر لوں جس کے نتیجے میں مجھے آپ جیسی عزت و شہرت حاصل ہو جائے۔"

"لگن سچی ہو تو منزل دُور نہیں ہوتی میرے دوست، بہر حال تمہارے محبت بھرے الفاظ کے لئے میں تمہارا شکر گزار ہوں۔" شہاب نے کہا اور پھر بولا۔

"میں فیصل رضا کے کیس کے سلسلے میں تم سے مکمل معلومات چاہتا ہوں۔"

"یہ فائل موجود ہے...... میں ہر وہ چیز لے آیا ہوں جو اس سے متعلق ہو سکتی ہے، مثلاً یہ تاریخ جس تاریخ کو رمشہ خان کو قتل کیا گیا، فیض احمد نے پہلا کاغذ نکال کر شہاب کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"رمشہ خان کے بارے میں تفصیلات۔"

"امجد فضل خان کی بھتیجی ہے...... امجد فضل خان ٹرانسپورٹر ہے...... باقی تمام تفصیلات میں آپ سے عرض کرتا ہوں...... امجد فضل خان کا کافی بڑا کاروبار ہے اور قتل ہونے والی لڑکی رمشہ خان ان کی بھتیجی تھی...... امجد فضل خان کے بھائی انور فضل خان تقریباً سات سال پہلے انتقال کر چکے ہیں، ان کی بیگم بھی بہت پہلے سے مر چکی تھیں اور انہوں نے اپنی بیٹی رمشہ خان کی وجہ سے دوسری شادی نہیں کی تھی بلکہ اپنی بیگم کے انتقال کے بعد وہ اپنی کوٹھی چھوڑ کر امجد فضل خان کے پاس ہی قیام پذیر ہو گئے تھے اور وہیں زندگی گزار رہے تھے، اس طرح سے مقتولہ رمشہ خان اپنے چچا کے ساتھ ہی زندگی بسر کر رہی تھی اور باپ کی موت کے بعد امجد فضل خان ہی اس کے سب کچھ تھے...... رمشہ خان بی اے کے فائنل ایئر میں تھی، لیکن وہ کچھ کرنے کی شوقین بھی تھی، چنانچہ اس نے ایک چھوٹی سی

ایڈورٹائزنگ کمپنی کھول لی تھی اور آہستہ آہستہ اس کا کام آگے بڑھ رہا تھا۔"

"اوہو ہو...... اچھا...... ایڈورٹائزنگ کا نام۔"

"رمشہ نیو آرگس۔"

"کہاں ہے۔"

"انتیس کوئین روڈ۔"

"کتنے افراد اس کمپنی میں کام کرتے ہیں۔"

"نہیں سر...... ابھی تو صرف آفس بنایا گیا تھا اور آہستہ آہستہ اس آفس کی تیاریاں ہو رہی تھیں...... اصل میں وہ اس بات کی خواہش مند تھی کہ زندگی میں خود بھی کچھ بن کر دکھائے، امجد فضل خان کا چونکہ ٹرانسپورٹ کا کاروبار ہے اس لئے وہ اس میں دلچسپی نہ لے سکی، جبکہ کچھ عرصے قبل اس نے امجد فضل خان سے بھی یہ بات کہی تھی کہ وہ اس کے لئے کوئی مصروفیت تلاش کرے۔"

"ٹھیک۔"

"ویسے اس نے جو ایڈورٹائزنگ کمپنی بنانا چاہی تھی اس کا آفس بھی اسی عمارت کی اوپری منزل پر ہے، جس میں وہ نیچے امجد فضل خان کی ٹرانسپورٹ کمپنی کا ہیڈ آفس ہے۔"

"ویری گڈ۔"

"یہ شخص فیصل رضا بہت تھوڑے عرصے قبل امجد فضل خان کے ہاں منیجر کی حیثیت سے ملازم ہوا تھا...... امجد فضل خان نے باقاعدہ اخبارات میں اشتہارات دیئے تھے، انٹرویو ہوئے تھے اور انٹرویو لینے والوں میں رمشہ خان بھی شامل تھی...... آپ یوں سمجھ لیجئے کہ فیصل رضا کا انتخاب انٹرویو کے بعد رمشہ خان نے کیا تھا۔"

"ویری گڈ...... تم نے اس سلسلے میں تحقیقات تو کی ہی ہوں گی فیض احمد۔"

"یقیناً جناب، خاصی معلومات حاصل کی ہیں۔"

"کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ رمشہ خان اور فیصل رضا میں اس ملازمت سے پہلے کوئی شناسائی تھی۔"

"خصوصی طور پر میں نے اس بارے میں معلومات حاصل کی تھیں جناب، لیکن دونوں میں دور کا تعلق بھی نظر نہیں آیا...... فیصل رضا نے جہاں سے تعلیم حاصل کی وہاں

رمشہ خان کبھی نہیں پڑھی، دونوں بالکل اجنبی تھے...... ایک دوسرے کے لئے، لیکن بظاہر بعد کے حالات کے بارے میں جو شواہد وہاں سے موصول ہوئے وہ یہ ہیں کہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد رمشہ خان اور فیصل رضا کو ساتھ دیکھا جانے لگا، رمشہ خان اکثر اپنی کار میں فیصل رضا کو اس کے گھر چھوڑنے چلی جاتی تھی اور اس بات کو کچھ ہی عرصے کے اندر اندر امجد فضل خان نے محسوس کرنا شروع کر دیا تھا، لیکن بن ماں باپ کی بچی کو امجد فضل بہت زیادہ چاہتے تھے، اس کی ایک وجہ اور بھی تھی کہ خود ان کی اپنی کوئی بیٹی نہیں تھی...... وہ اسے یہ تو بتانا چاہتے تھے کہ ان کی فرم میں کام کرنے والے ملازم کو یہ حیثیت دینا مناسب نہیں ہے، لیکن اس کے لئے وہ اسے کسی مناسب وقت سمجھانے کے منتظر تھے...... غرض یہ کہ ان دونوں کے درمیان کافی گہری راہ و رسم پیدا ہو گئی اور پھر ایک دن ٹرانسپورٹ کمپنی میں کام کرنے والے ملازموں کے بیان کے مطابق فیصل رضا کو اپنے ساتھ کار میں لیا اور خود ڈرائیو کرتی ہوئی چل پڑی، پھر وہ لاپتا ہو گئی اور جب رات گئے تک واپس نہ پہنچی تو امجد فضل خان کو شدید تشویش لاحق ہوئی۔ انہوں نے اپنے طور پر کچھ شناساؤں سے معلومات حاصل کیں، ساری تفصیلات کا پتا لگانے کی کوشش کی، لیکن پتا نہیں چل سکا...... فیصل رضا کے بارے میں بھی انہوں نے معلومات حاصل کیں تو پتا چلا کہ فیصل رضا مقررہ وقت پر اپنے گھر پہنچ گیا تھا، اس کی گواہی فیصل رضا کے ماں باپ اور بہن نے بھی دی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب میں نے تفتیش کا آغاز کیا تھا، لیکن پھر دوسرے دن رمشہ خان کی لاش شہر سے باہر ایک پارک میں پائی گئی...... اس پارک میں زیادہ تر ایسے ہی لوگ آتے جاتے ہیں جو شہر کی ہنگامہ خیزیوں سے یا پھر والدین سے چھپ کر تھوڑا سا وقت یکجا رہ کر گزارنا چاہتے ہیں...... پارک میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کسی برائی کو فروغ دیا جا سکے...... آپ میرا مطلب سمجھ رہے ہوں گے...... وہ بالکل بے رونق جگہ نہیں ہے، وہاں لوگوں کا کافی آنا جانا رہتا ہے، لیکن ایسے مواقع وہاں موجود ہیں کہ ہوٹلوں وغیرہ میں ملاقات نہ کرنے کے شوقین وہاں تنہائی میں ایک دوسرے سے باتیں کر لیا کرتے ہیں...... لاش کے جسم پر بہت سے زخم تھے، لیکن اس کے بدن پر کچھ ایسے نشانات بھی پائے گئے، جن سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ کوئی اور بھی نظریہ وہاں کام کر رہا تھا اور اس نے اپنی مدافعت کی تھی اور اس مدافعت میں کامیاب رہی تھی...... غالباً اس پر مجرمانہ حملہ کرنے والوں کو ناکامی ہوئی تھی اور شاید اس ناکامی سے مغلوب ہو کر انہوں

نے اسے ہلاک کر دیا...... آپ میری بات سمجھ رہے ہوں گے، یہ میڈیکل رپورٹ ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رمشہ خان ایک باعصمت اور باکردار لڑکی تھی اور موت کے وقت تک اس نے اپنی ذات پر کوئی غلاظت برداشت نہیں کی...... بہرحال امجد فضل خان کو جب اس بارے میں اطلاع ملی تو وہ بے چارہ دیوانگی کی حد میں داخل ہو گیا، حالانکہ خاصا وقت گزر گیا ہے لیکن ابھی تک وہ ذہنی طور پر غیر معتدل ہے وہ رو رو کر ہمیشہ یہی کہتا ہے کہ رمشہ خان کہنے کو اس کے بھائی کی اولاد تھی لیکن اس کی اپنی بیٹی کی طرح تھی اور وہ بدبخت اپنی بیٹی کی حفاظت نہ کر سکا...... اب یہاں پر فیصل رضا کی بات آتی ہے تو اس مختصر سے وقت میں آپ یوں سمجھ لیجئے کہ جس طرح رمشہ خان برق رفتاری سے فیصل رضا کی جانب راغب ہوئی اسے بہت سے لوگوں نے محسوس کیا...... اس بات کا اندازہ تو آپ کو ہے نا سر، کہ ایسے معاملات میں ہر شخص کے بے مقصد رقیب پیدا ہو جاتے ہیں، امجد فضل خان کی ٹرانسپورٹ کمپنی میں ایسے کچھ نوجوان بھی کام کرتے ہیں جو شکل و صورت کے بھی اچھے ہیں، تعلیم یافتہ بھی ہیں، اب ظاہر ہے اگر کسی کو اتنے مختصر سے وقت میں یہ چانس مل جائے تو دشمنی تو پیدا ہو ہی جاتی ہے...... لوگوں نے بڑھا چڑھا کر فیصل رضا کے بارے میں گفتگو کی ہے، یہاں تک کہہ دیا گیا ہے کہ اگر ایڈورٹائزنگ کمپنی کھل جاتی تو فیصل رضا ہی اس کا کرتا دھرتا ہوتا اور رمشہ خان شاید تھوڑے ہی عرصے کے اندر اندر فیصل رضا سے اپنی قربت کا اعلان کر دیتی۔ کئی افراد نے یہ بھی کہا ہے کہ دفتری اوقات کے بعد رمشہ خان اور فیصل خان عمدہ ہوٹلوں اور پارکوں میں دیکھے گئے تھے...... تحقیقات کی گئی اور اس کے بعد فیصل رضا کو گرفتار کر لیا گیا۔"

"ایک منٹ فیض احمد ایک منٹ۔" شہاب نے پہلی بار فیض احمد کی بات میں دخل اندازی کی۔

"یس سر۔"

"فیصل رضا کو صرف ان بیانات کی روشنی میں گرفتار کیا گیا یا کوئی ٹھوس ثبوت بھی اس کے خلاف حاصل ہوا۔"

"سر...... اصل میں فیصل رضا کا خون آلود لباس ہمیں حاصل ہوا تھا جو اس کے مکان کے کچھ فاصلے پر ایک زیر تعمیر عمارت میں پایا گیا تھا۔"

"فیصل رضا ہی کا لباس تھا وہ۔"

"جی۔"

"اور زیر تعمیر عمارت میں اسے غالباً پولیس تک پہنچانے کے لئے رکھا گیا تھا۔"

"نہیں جناب...... اصل میں اس زیر تعمیر عمارت میں کافی عرصے سے کام نہیں ہو رہا اور ایک جگہ ایسی بنی ہوئی ہے جہاں قرب و جوار کے رہنے والے کوڑا ڈال دیا کرتے ہیں، ایک طرح سے اس جگہ کو کوڑا گھر بنالیا گیا ہے اور ہم اس سلسلے میں چھان بین کر رہے تھے تو معلومات حاصل ہوئیں اور وہاں سے ہم نے وہ خون آلود لباس حاصل کر لیا...... اس کے بعد کچھ افراد سے اس کی تصدیق بھی کرائی گئی، یعنی اس دن جب فیصل رضا اور رمشہ خان آفس سے باہر نکلے تھے تو فیصل رضا اسی لباس میں ملبوس تھا۔"

"ہوں...... تو تمہیں خون آلود لباس اس زیر تعمیر عمارت میں، کوڑا گھر سے حاصل ہوا۔" اس بار عدنان واسطی صاحب نے سوال کیا تھا۔

"جی سر۔"

"کس شکل میں تھا وہ۔"

"بس اس میں گرہیں باندھ دی گئی تھیں اور اسے کوڑا گھر میں پھینک دیا گیا تھا۔"

"وہ کوڑا گھر فیصل رضا کے مکان سے کتنے فاصلے پر ہے۔"

"کوئی ڈیڑھ سو گز کا فاصلہ ہے۔"

"گڈ...... ٹھیک، تو اس لباس کی بنیاد پر فیصل رضا کو گرفتار کیا گیا۔"

"لباس پر خون کے دھبے بھی تھے جناب۔"

"اس کے علاوہ کیا آلہ قتل بھی دستیاب ہوا، عدنان واسطی نے سوال کیا۔

"نہیں جناب...... ظاہر ہے مجرم نے آلہ قتل اپنے لباس میں رکھ کر وہاں نہیں پھینکا ہوگا۔"

"حالانکہ جب وہ اپنا لباس اتنی قریبی جگہ پھینک سکتا ہے تو آلہ قتل بھی وہیں پھینک سکتا تھا، خیر...... ہم اس معاملے کے پازیٹو پہلو کو دیکھ رہے ہیں، جبکہ ہمیں نیگیٹو کا بھی پتا چلنا چاہئے تو یہ ہے تمام صورت حال، ویسے جیسا کہ تم نے کہا فیض احمد کہ ٹرانسپورٹ کمپنی میں کام کرنے والے نوجوان فیصل رضا سے رقابت محسوس کرنے لگے تھے اور انہوں نے اس کے خلاف بڑھ چڑھ کر بیانات دیئے ہیں، خود امجد فضل خان کا اس بارے

میں کیا خیال ہے۔"

"امجد فضل خان ایک جانب غم واندوہ میں ڈوبے ہوئے ہیں تو دوسری جانب اس کی آتش غضب عروج پر ہے اور انہوں نے اپنے تمام تر وسائل کو مدنگاہ رکھتے ہوئے کہا ہے کہ مجرم کو جس قدر بدترین سزا دی جاسکتی ہے وہ دلوائی جائے، بلکہ ایسے شخص کے پورے خاندان کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے، کیونکہ وہ ایک ایسے برے انسان کے عزیز و اقارب ہیں۔"

"گڈ، تو غالباً امجد فضل خان صاحب اس پورے خاندان کو پھانسی پر لٹکانے کی تیاریوں میں مصروف ہوں گے، ویسے یہ کیس مرزا جواد بیگ کے پاس ہے، واسطی صاحب آپ مرزا جواد بیگ کو جانتے ہیں۔"

"کچھ کہوں گا نہیں ان کے بارے میں شہاب...... بہرحال میرے ہم پیشہ ہیں، لیکن ذرا مختلف قسم کے انسان ہیں، خود کو آسمان کی بلندیوں پر محسوس کرتے ہیں...... چلو، خیر چھوڑو ہمیں کسی پر تبصرہ نہیں کرنا چاہئے...... البتہ ایک مسئلہ ضرور ہے امجد فضل خان اگر اپنے اختیارات سے کام بھی لے رہا ہے تو یہاں اسے روکنا ضروری ہو جائے گا۔ ملزم اگر مجرم ہے اور جرم اس پر ثابت ہو جاتا ہے تب وہ قابل سزا ہے اور یقینی طور پر ایسے شخص کی مدد میں سمجھتا ہوں ایک غیر انسانی عمل ہے، کیونکہ مرنے والا بھی انسان ہی ہوتا ہے...... ہاں بات اگر کسی بے گناہ کی ہے اور اصل شخصیت کے بچنے کے امکانات ہیں تو صرف ایک مفروضے کی بنا پر چاہے کوئی کسی کا کتنا ہی دشمن کیوں نہ بن جائے اسے کامیاب نہیں ہونا چاہئے...... ویسے معاف کرنا فیض احمد میں ذاتی طور پر تم سے کوئی رعایت نہیں لے سکتا، لیکن اگر تحقیقات کے دوران تم پر کہیں سے دباؤ پڑا ہے تو میری تم سے درخواست ہے کہ اس دباؤ کے بارے میں ضرور مجھے بتانا اور اس یقین کے ساتھ بتانا کہ اگر تم صحیح مجرم تک پہنچ رہے ہو تو ہم لوگ سر تا پاؤں تمہارے ساتھ ہیں، لیکن مجرم کا صحیح تعین ہونے کے بعد۔" فیض احمد نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"جناب عالی میرا بھی ایک بھرا پرا خاندان ہے...... بہن بھائی ہیں، دوسرے عزیز و اقارب ہیں...... ملازمت میں جو کچھ بھی مل جاتا ہے سر، وہ میری اور میرے اہل خاندان کی ضرورت ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی کم از کم نام کا انسان ضرور ہوں...... مجبوریاں بے شک کبھی کبھی آڑے آجاتی ہیں اور نوکری قائم رکھنے کے لئے بس سر کہنا پڑتا ہے، لیکن دل

برائی کو قبول نہیں کرتا، مجھے خود بھی اس خاندان سے ہمدردی ہے...... تین غمزدہ افراد جن میں ایک ماں...... ایک بہن اور ایک باپ ہے...... میرے سینے میں بھی چبھتے ہیں، لیکن اگر اس لڑکے نے قتل کیا ہے سر تو میں کچھ کر سکوں گا اور نہ آپ...... جہاں تک دباؤ کی بات ہے تو میں آپ یوں سمجھ لیجئے کہ امجد فضل خان صاحب، صاحب حیثیت آدمی ہیں۔"

"ہمیں ان سے اختلاف نہیں ہے، وہ جس حیثیت کے بھی حامل ہوں، اگر ایک شخص نے ان کی بھتیجی کو قتل کیا ہے تو ظاہر ہے انہیں صدمہ ہوا ہوگا...... پھر ایک انسان نے ایک انسان پر ظلم کیا ہے، ظالم کو کیفر کردار تک پہنچنا چاہئے لیکن ظالم کو۔"

"میں سمجھ رہا ہوں جناب۔"

"تم نے ابھی امجد فضل خان کے صاحب حیثیت ہونے کی بات کی تھی۔" شہاب نے کہا۔

"جی ہاں...... ٹرانسپورٹر ہے...... بہترین کاروبار چل رہا ہے اس کا۔" انسپکٹر نے جواب دیا۔

"میرا یہ مطلب نہیں ہے!" شہاب معنی خیز لہجے میں بولا۔

پھر اس نے کہا۔

"اصل میں مائی ڈیئر فیض، میں بھی بہت عرصے تک تھانہ انچارج رہ چکا ہوں اور صاحب حیثیت لوگ مجھ سے بھی کھیلتے رہے ہیں...... تم اب تو میرا مطلب سمجھ گئے ہوگے، امجد فضل خان نے اپنے صاحب حیثیت ہونے کے اثرات تم پر ڈالنے کی کوشش تو نہیں کی؟"

"بات اصل میں یہ ہے سر کہ کچھ لوگوں سے انسان کو دلی عقیدت ہوتی ہے، چاہے زندگی میں کبھی ان سے ملاقات ہو یا نہ ہو...... میری اور آپ کی حیثیت میں زمین آسمان کا فرق ہے...... یہ الگ بات ہے کہ کسی بھی لمحے آپ مجھے طلب کرتے تو میں اسے اپنی خوش قسمتی ہی سمجھتا، کہنا یہ چاہتا ہوں کہ آپ سے بالکل جھوٹ نہیں بولوں گا، اگر اس سلسلے میں میرا کوئی جھوٹ کہیں سے ثابت ہو جائے تو جو سلوک آپ کا دل چاہے میرے ساتھ کر سکتے ہیں۔"

"نہیں...... تمہاری کسی بات کو میں جھوٹ نہیں سمجھ رہا...... اصل میں سوال کرنے کا مطلب یہ تھا کہ امجد فضل خان کی اس سلسلے میں ذاتی کوششیں کیا ہیں؟ ہم تو ہر معاملے میں بال کی کھال نکالتے ہیں نا...... یہ پتا چلنا چاہئے کہ چچا بھتیجی کے لئے کس قدر

مضطرب ہے۔"

"خیر ذاتی طور پر تو میں نے اس بارے میں بالکل نہیں سوچا، لیکن آپ کے احکامات پر معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔"

"نہیں کام باقاعدگی سے ہی ہو تو زیادہ بہتر ہے، اصل میں انسپکٹر فیض تم پر اعتبار کرتے ہوئے میں تمہیں یہ بتانا چاہ رہا ہوں کہ میرا تعلق کسی نہ کسی شکل میں ان لوگوں سے ہو گیا ہے اور میں اس سلسلے میں تحقیقات کر رہا ہوں اور یہ جاننا چاہتا ہوں کہ فیصل رضا کس حد تک اس معاملے میں ملوث ہے...... تم نے یقیناً ایف آئی آر کے تحت فیصل رضا کو گرفتار کیا ہوگا اور بلاشک و شبہ تحقیقات بھی کی ہوگی اور جیسا کہ تم نے بتایا، خون آلود لباس وغیرہ تو اشارہ تو اسی سمت جاتا ہے، لیکن بس...... کبھی کبھی اشارے غلط بھی ہو جاتے ہیں...... ہاں اگر فیصل رضا مجرم ہے تو اسے سزا ضرور ملنی چاہئے اور اگر نہیں ہے تو پھر اس کے سلسلے میں دادرسی تو کرنا ہوگی تم بھی اپنے رویئے کو اس وقت تک ذرا نرم رکھنا جب تک کے فیصل رضا پر مکمل جرم ثابت نہ ہو جائے...... اصل میں تھوڑی سی کاوش میں بھی کر رہا ہوں۔"

"سر...... آپ مجھے ہدایت دے دیں؟"

"فی الحال تم اس فائل کی ایک نقل میرے لئے تیار کرادو اور جس قدر جلد ہو مجھے یہیں فراہم کر دو...... میں کچھ وقت کے لئے چھٹی پر ہوں، لیکن پرائیویٹ طور پر یہ کام کرنا چاہتا ہوں۔"

"سر، چند گھنٹوں کے اندر آپ کے حکم کی تعمیل ہو جائے گی۔" انسپکٹر فیض نے کہا اور پھر اسے جانے کی اجازت دے دی...... وہ چلا گیا تو شہاب، عدنان واسطی اور بینا سر جوڑ کر بیٹھ گئے، جو کچھ انسپکٹر فیض سے انہیں معلوم ہوا تھا اس سے تو سب اندازے یہی ہوئے تھے کہ کوئی ایسی صورت حال ہوتی ہے، کوئی جذباتی عمل یا کوئی بھی ایسی کوشش، جس کی بنا پر فیصل رضا نے رمشہ کو قتل کر دیا...... باقی تمام تفصیلات کے بارے میں جب تک کہ پوری چھان بین نہ کرلی جاتی، فیصلہ کرنا مشکل تھا ہو سکتا ہے فیصل رضا کسی جذباتی لغزش کا شکار ہو گیا ہو، بہر حال وہ تین سر پھرے تو ایسے معاملات کے لئے دیوانے ہی تھے، بہت سے فیصلے کئے گئے تھے اور ایک بار پھر کوشش کی گئی، دوسرے دن وہ فیصل رضا کے گھر پہنچ گئے، بینا شہاب کے

ساتھ تھی، دروازہ ایک عمر رسیدہ خاتون نے کھولا تھا، پورے وجود سے بے کسی ٹپکتی تھی، چہرہ اس طرح خشک تھا جیسے زندگی آہستہ آہستہ نچوڑلی گئی ہو، سوالیہ انداز میں شہاب کو دیکھا تو شہاب نے کہا۔"

"رضا حسین صاحب موجود ہیں۔"

"آپ کون صاحب ہیں؟" خاتون نے پوچھا۔

"میرا نام شہاب ثاقب ہے...... رضا صاحب مجھے جانتے ہیں۔"

"آپ براہ کرم اندر تشریف لائیے...... رضا حسین تو موجود نہیں ہیں، لیکن شہاب ثاقب کا نام بھی میرے لئے اجنبی نہیں ہے، فاطمہ نے آپ کے بارے میں بتایا ہے، آپ براہ کرم اندر آجائیے۔" عمر رسیدہ خاتون شہاب اور بینا کو ساتھ لے کر اندر داخل ہوگئی، گھر کے ماحول سے ان لوگوں کی مالی حیثیت کا اندازہ ہوتا تھا...... بہر حال شہاب اور بینا اندر بیٹھ گئے، کچھ ہی لمحوں کے بعد فاطمہ آگئی تھی، غم زدہ گھرانے کی کیفیت ان کے چہروں سے جھلکتی تھی، جس گھر کے چراغ بجھنے کے قریب ہوجاتے ہیں وہاں چہروں کی روشنیاں بھی ایسے ہی مدہم پڑجاتی ہیں...... خاتون بیٹھ گئی، فاطمہ بھی بینا کے پاس بیٹھ گئی تھی...... خاتون کہنے لگی۔

"میرا نام خدیجہ ہے...... میری بیٹی فاطمہ تو رضا صاحب کے ساتھ آپ سے مل چکی ہے، ہم لوگ بے شک چار افراد پر مشتمل تھے، لیکن ہم نے اپنی محبتیں ایک دوسرے کے لئے تقسیم کردی تھیں، ہم آپس ہی میں اپنی خوشی اور غم بانٹ لیا کرتے تھے، بیٹے اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز کرے...... یہ جو کوئی بھی ہیں میری تمام دعائیں ان کے لئے بھی ہیں، ہم زخمی ہوگئے ہیں، ہمارا ایک بازو ٹوٹ گیا ہے اور اس حقیقت سے تم ناواقف نہیں ہوگے کہ رضا حسین عمر کی جس منزل میں داخل ہوگئے ہیں اس کے بعد انہیں سہاروں کی ضرورت تھی، بیٹا عمر کا یہ حصہ اپاہج ہوجاتا ہے اور اپاہج کے لئے بیساکھی اس کی بقیہ زندگی کا سہارا ہوتی ہے، ہماری بے ساکھی ہمارے پاس نہیں رہی ہے...... میں نہیں جانتی کہ ماں سے تمہارا کتنا واسطہ ہے لیکن میں ایک ماں کے حوالے سے کہتی ہوں کہ جو کچھ میں کہہ رہی ہوں وہ بالکل سچ ہے، بیٹے مجھے یوں لگتا ہے جیسے کوئی میرے بیٹے کو مجھ سے چھین لینا چاہتا ہے، ماں ہو کر میں اولاد کی وکالت نہیں کروں گی تو اور کیا کروں گی، لیکن ایک بات میں تمہیں بتادیتی ہوں......

دوسری طرف بھی ایک انسانی زندگی گئی ہے، بیٹا اگر اس زندگی کو چھیننے کا باعث فیصل بنا ہے تو پھر میں اللہ سے یہی التجا کروں گی کہ مجھے صبر عطا کرے اور اسے سزا ملے، لیکن بیٹا اگر وہ قصوروار نہیں ہے تو میری مدد کرو خدا کے نام پر...... خدا کے نام پر میری مدد کرو...... میں کسی اور کا حوالہ نہیں دے سکتی، میں تمہیں صرف ایک بات بتانا چاہتی ہوں، وہ یہ کہ جب میں اس سے سلاخوں کے پیچھے ملی تو اس نے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ وہ بے گناہ ہے اور تمہیں یہ بھی بتادوں میں کہ میری ساری زندگی اس بات کی گواہ ہے کہ فیصل نے میری قسم کبھی جھوٹی نہیں کھائی، ساری دُنیا اس کے خلاف لاکھوں کروڑوں ثبوت مہیا کردے میں تسلیم نہیں کروں گی کیونکہ اس نے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی ہے اور کہا ہے امی میں نے اسے قتل نہیں کیا...... میں بے گناہ ہوں...... اگر اسے سزا ہو ہی جاتی ہے تو روز حشر میں اپنے خالق سے یہ پوچھ لوں گی کہ اس میں اس کی کیا مصلحت تھی، میرے ذہن میں کچھ تو روشن ہوجاتا بس اور کیا کہوں میں اور کچھ بھی تو نہیں کہہ سکتی...... عورت اپنے آپ پر جس قدر جبر کررہی تھی اسے بینا اور شہاب بھی محسوس کررہے تھے، بہر حال شہاب نے مدہم لہجے میں کہا۔

"محترمہ...... آپ کی باتیں میں نے سنی ہیں...... آپ نے جو کچھ کہا ہے، وہ بہت کچھ ہے میرے لئے بھی، وہ آپ کا بیٹا ہے...... خدا کے فضل سے میری بھی ماں زندہ سلامت ہیں، میں ان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر آپ کا بیٹا مجرم نہیں ہے تو اسے لاکر آپ کے سامنے کھڑا کردوں گا...... یہ میرا وعدہ ہے۔" معزز عورت اب اپنے آنسو نہیں روک سکی تھی، وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور ساتھ بیٹھی ہوئی فاطمہ اسے سنبھالنے لگی...... شہاب نے پھر کہا۔

"بہر حال اب آپ ہمیں اجازت دیں، اگر انسانوں پر سے بالکل ہی اعتماد نہیں اُٹھ گیا ہے آپ کا تو آپ یہ سمجھ لیجئے کہ آپ بھی میری ماں کی مانند ہیں...... شرط وہی ہے کہ فیصل بے قصور ثابت ہو، پھر شہاب اور بینا وہاں سے اُٹھ کر باہر نکل آئے تھے...... بینا کی آنکھوں میں بھی آنسوؤں کی نمی تھی، شہاب نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں بینا...... ہمیں دن رات ایسے مراحل سے گزرنا ہوتا ہے...... انسانی دُکھوں کو کبھی نہیں بھول سکتے لیکن ان دُکھوں میں اگر ہماری طرف سے مرہم کا انتظام ہوجائے تو میں سمجھتا ہوں کہ تھوڑا سا فرض ہمارا بھی پورا ہوجاتا ہے، ہمیں ہمیشہ کی طرح محنت کرنا ہوگی۔

"ہاں واقعی...... کیا کیا جائے۔" انسان کس طرح مجبوریوں میں گزارا کرتا ہے......

بہر حال جو فائل انسپکٹر فیض خان نے مہیا کی تھی اس کا تفصیلی جائزہ لیا گیا اور بہت سے معاملات پر تبادلہ خیال ہوا...... واسطی صاحب بھی اس سلسلے میں پوری پوری دلچسپی لے رہے تھے۔ یہاں تک کہ عدنان واسطی صاحب نے وکالت نامہ وغیرہ سب کچھ تیار کر لیا......

فیصل رضا کی پیشی میں ابھی کئی دن باقی تھے، چنانچہ وکالت نامے پر اس کے دستخط بھی کرانے تھے اور یہ کام شہاب کے لئے مشکل نہیں تھا، چنانچہ اس نے جیل کے حکام سے ٹیلی فون پر گفتگو کی اور آخر کار عدنان واسطی صاحب اور شہاب جیل میں فیصل رضا سے ملاقات کرنے چل پڑے، حالانکہ کام کی رفتار کسی حد تک سست تھی، لیکن جو کچھ کیا جا رہا تھا ٹھوس بنیادوں پر کیا جا رہا تھا...... اصولی طور پر تو شہاب کو فوراً ہی فیصل رضا سے ملاقات کرنی چاہئے تھی اور ایسا کر لینا اس کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا، لیکن باہر کے معاملات کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد وہ اپنے قدم آگے بڑھانا چاہتا تھا...... عدنان واسطی صاحب کو بھی بڑا لطف آ رہا تھا، کیونکہ ایک طرح سے شہاب انہیں اسسٹ کر رہا تھا اور اب قربتیں کچھ زیادہ ہی تھیں......

بہر حال فیصل رضا سے ملاقات اس سلسلے میں بنیادی حیثیت کی حامل تھی اور وہ اپنے ذہنوں میں مختلف سوچوں کو بسائے ہوئے جیل کی جانب جا رہے تھے، تین افراد جو سامنے آئے تھے ان کے غم نیکی اور سچائی میں کوئی شبہ نہیں تھا، معاملہ فیصل رضا کا تھا کبھی کبھی بہت اچھے اچھے لوگ بھی کچھ لمحاتی حادثوں سے متاثر ہو کر دیوانگی کی شکل اختیار کر جاتے ہیں، لیکن بہر حال جرم کی سزا لازمی چیز ہے چاہے اس کی وجوہات کچھ بھی ہوں...... کچھ لمحوں کے بعد ان کی کار جیل کے احاطے کے قریب پہنچ گئی، جہاں اسے پارک کرنے کے بعد عدنان واسطی صاحب شہاب کے ہمراہ اندر کی جانب چل پڑے۔

جیلر نے خوش اخلاقی سے ان دونوں کا استقبال کیا تھا۔ شہاب نے اسے اپنی آمد کی وجہ بتائی تو اس نے فوراً کہا۔

"ہاں...... کیوں نہیں...... آپ سے تعاون کر کے میں خوشی محسوس کروں گا۔" پھر جیلر نے بقیہ انتظامات کئے اور کچھ دیر کے بعد فیصل رضا ان کے سامنے آ گیا...... ان کا چہرہ دیکھ کر ایک عجیب سا احساس شہاب اور واسطی صاحب کے دل میں پیدا ہوا تھا، وہ اس قدر پرسکون تھا کہ تصور بھی نہ کیا جا سکے...... یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی مشکل کا شکار ہی نہ ہو۔

"میرا نام شہاب ثاقب ہے اور یہ عدنان واسطی ایڈووکیٹ ہیں...... تمہارے والد صاحب نے انہیں تمہارے لئے وکیل مقرر کیا ہے۔"

"میرے لئے کیا حکم ہے؟" اس نے نرم لہجے میں کہا۔

"پہلے اس وکالت نامے پر دستخط کر دو...... اس کے بعد دوسری باتیں ہوں گی۔"

"بہتر۔" اس نے کہا اور قلم لے کر واسطی صاحب کے بتائے ہوئے فارموں پر دستخط کر دیئے۔

"تم پر جو الزام لگایا گیا ہے اس کے بارے میں تم کچھ بتانا پسند کرو گے۔"

"صرف اتنا کہ ضرور کوئی ایسی غلطی، ایسا گناہ مجھ سے سرزد ہوا ہو گا جس کی سزا اس رسوائی کی شکل میں مجھے ملی ہے...... اس کے لئے اللہ سے مسلسل توبہ کر رہا ہوں اور معافی مانگ رہا ہوں، اللہ سے معافی مل گئی تو اس رسوا کن الزام سے ضرور رہائی مل جائے گی جو بے حد گھناؤنا ہے اور جس سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"تم بہت پرسکون ہو...... جیسے تمہیں یقین ہے کہ تم اس جرم سے رہا ہو جاؤ گے۔"

"ہاں...... میں پرسکون ہوں کیونکہ میں نے اپنا معافی نامہ اللہ کی عدالت میں پیش کر دیا ہے اور انسان سے اپنی مخلوق کو ستر گنا زیادہ چاہنے والا جو کرتا ہے اپنی مخلوق کے حق میں بہتر کرتا ہے مجھے اس پر اعتماد ہے۔"

گویا تم پر جو الزام ہے...... وہ غلط ہے اور تم کسی جذباتی لمحے کا شکار نہیں ہوئے۔

"نہیں۔"

ٹھیک ہے واسطی صاحب...... آپ اگر کوئی سوال کرنا چاہیں تو؟"

"نہیں ٹھیک ہے۔ بس مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا۔"

"اچھا دوست...... حوصلہ نہ ہارنا...... اللہ پر تمہارا اعتماد تمہاری بیگناہی کا سب سے بڑا ثبوت ہے...... خدا حافظ۔"

شہاب نے کہا اور وہ دونوں ایک عجیب سے تاثر کے ساتھ جیل کی عمارت سے باہر نکل آئے۔

❀❀❀

فیصل رضا سے ملاقات کے بعد عدنان واسطی اور شہاب نے جو فیصلے کئے تھے، ان میں عمر کا تجربہ بھی شامل تھا...... یہ بھی صرف ایک اتفاق تھا کہ وقت نے شہاب کو دُنیا سے اس قدر روشناس کرا دیا تھا کہ اب انسانوں کی شناخت میں اسے بہت زیادہ دقت نہیں ہوتی تھی بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ محکمہ پولیس میں شامل ہونے کے بعد اسے ایسے خصوصی تجربات حاصل ہوگئے تھے جو بعض اوقات انسان کو زندگی بھر نہیں حاصل ہوتے...... عدنان واسطی صاحب کی تو خیر بات ہی دوسری تھی کیونکہ انہوں نے زندگی کا ایک طویل عرصہ وکالت کے پیشے میں گزارا تھا اور وکالت کا پیشہ معمولی نہیں ہوتا، انسانوں کی شناخت میں جس قدر اس پیشے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں شاید دوسرے کسی پیشے میں ہی ہوتی ہوں...... بہر حال دونوں ہی خاموش تھے، فیصل رضا سے ملنے کے بعد جو تاثر ان کے ذہنوں میں قائم ہوا تھا وہ تھوڑی سی افسوس ناک کیفیت کا حامل تھا، لیکن بہر حال وہ پر امید تھے اور صورت حال پر کام کرنے کے لئے پوری طرح آمادہ، عدنان واسطی نے پیشکش کی کہ اب آفس جانے کی بجائے گھر چلنا زیادہ مناسب ہوگا اور بینا کو بھی وہیں بلا لیا جائے گا، کیونکہ بینا اس وقت اپنے گھر ہی میں تھی یعنی اپنی سسرال میں...... راستے میں عدنان واسطی نے اس بارے میں کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا، گھر پہنچنے کے بعد بھی یہ طے کیا گیا کہ یہ تمام تبصرہ بینا کی آمد تک ملتوی کر دیا جائے...... بینا کو شہاب نے ہی فون کیا تھا...... شہاب کی آواز سن کر بولی۔

"ہیلو شہاب۔"

"بینا...... عدنان واسطی صاحب تمہیں بلا رہے ہیں۔"

"خیریت۔"

"ہاں...... جلدی سے آجاؤ۔"

"کہاں ہیں آپ لوگ...... کیا گھر میں۔"

"ہاں۔"

"ٹھیک ہے...... میں آرہی ہوں۔" بینا کے فون کا سلسلہ منقطع کرنے کے بعد شہاب نے اپنے اہل خاندان کے بارے میں سوچا، حالانکہ وہاں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن سے خطرات محسوس کئے جاسکتے تھے، یعنی یہ کہ ممکن ہے ان کے معمولات میں کبھی خلل اندازی ہو لیکن آفرین ہے امی تو بہت اچھی طبیعت کی مالک تھیں...... ثریا بھابی نے بھی ہمیشہ پورا پورا تعاون کیا تھا اور اس بات کو پورے خلوص کے ساتھ تسلیم کر لیا تھا کہ بینا بھی چونکہ پولیس ہی کے محکمہ میں ملازم ہے، اس لئے اسے بھی اپنی ڈیوٹی سرانجام دینا ہوتی ہے...... بہر حال اس گھر میں کوئی ایسی بات پیدا نہیں ہوئی تھی کہ جو باعث تکلیف ہوتی اور سارے کام بحسن خوبی چل رہے تھے، کچھ دیر کے بعد بینا پہنچ گئی، ان دونوں کو دیکھ کر بولی۔

"اگر آپ لوگوں نے اس بارے میں کوئی گفتگو کر لی ہے تو آپ یہ سمجھ لیجئے کہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"

"خیر پہلی بات تو یہ ہے کہ تم بری ہو ہی نہیں، جو کسی برے سے تمہارا موازنہ کیا جائے...... دوسری بات یہ کہ آئندہ کبھی اس بارے میں اس انداز سے مت سوچنا جس کیس میں تمہیں شامل نہیں کیا جائے گا، اس سے تمہیں آسانی سے علیحدہ کر دیا جائے گا اور اس وقت تم محکمہ پولیس پر کوئی اعتراض نہیں کرو گی۔"

"آپ تو اس وقت سچ مچ ایک آفیسر کی آواز میں بول رہے ہیں۔" بینا نے کہا۔

"سنجیدگی محترمہ...... سنجیدگی۔"

"ٹھیک ہے بینا بولی...... عدنان واسطی صاحب بھی مسکرا رہے تھے، ان کے سامنے کھانے پینے کی اشیاء رکھی ہوئی تھیں جن سے شغل کرتے ہوئے شہاب نے بینا کو بتایا کہ میں فیصل رضا سے ملا ہوں۔"

"وہ تو مجھے پتا تھا کہ آپ لوگ جیل جا رہے ہیں۔"

"خدانخواستہ کم از کم بولتے ہوئے میرا نہیں تو اپنے والد صاحب ہی کا خیال کیا کرو۔"

"نہیں...... جیسے ایک ڈاکٹر کے لئے آپریشن تھیٹر کوئی حیثیت نہیں رکھتا اسی طرح

پولیس آفیسر کے لئے جیل کا لفظ بے معنی ہو جاتا ہے...... بہر حال مذاق چھوڑیئے اب یہ بتایئے کہ فیصل رضا سے ملاقات ہوئی۔"

"ہاں۔"

"کیا فیصلہ ہوا فیصل کے بارے میں۔"

"فیصلہ کرنا تو بڑا مشکل کام ہے بینا...... چہروں کی شناخت اتنی آسانی سے تو نہیں ہو جاتی...... اب دیکھو نا ایک اچھی خاصی لڑکی مجھے ملی اور عجیب و غریب طریقے سے ملی لیکن اس کے دل کا حال مجھے معلوم نہیں تھا...... آخر کار مجھ غریب سے شادی کر بیٹھی، معافی چاہتا ہوں واسطی صاحب۔"

"ایسے موقعوں پر میں اپنے کان بند کر لیتا ہوں، جس میں مجھے مہارت حاصل ہے کیونکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب سے کوئی پچیس سال قبل میرے والد بھی ایسے موقعوں پر اپنے کان بند کر لیا کرتے تھے...... کمرے میں قہقہہ گونج اُٹھا تھا، شہاب نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"بینا بظاہر وہ لڑکا معصوم لگتا ہے...... اہل خاندان کو تو تم دیکھ ہی چکی ہو، سادہ لوح لوگ ہیں، بس اس سلسلے میں ہم لوگ کارروائی شروع کر رہے ہیں...... کوئی ایسی اہم بات اس دوران نہیں ہوئی ہے، لیکن چونکہ دیانت داری اور ایمانداری شرط تھی، کیس تمہاری موجودگی ہی میں آیا تھا اس لئے تمہارے بغیر کوئی گفتگو نہیں کی گئی۔"

"پروگرام کیا ہے۔"

"علاقے کے تھانے کو دیکھنا ہوگا...... تھانہ انچارج کون ہے یہ معلوم کرنا ہوگا۔"

"اس کی فہرست میرے پاس موجود ہے...... اس علاقے میں جو تازہ ترین شخص ایس ایچ او کے طور پر لگا ہے یہ ایک تجربہ کار آدمی ہے...... ذرا سخت مزاج ہے، اتفاق کی بات یہ ہے کہ علاقے کے ایک چھوٹے سے مسئلے پر عدالت میں میری اس سے ملاقات ہوئی تھی اور میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ اقبال شاہ کافی سخت گیر آدمی ہے...... ایک خالص پولیس والا۔"

"ہوں...... میرا خیال ہے اقبال شاہ سے اس کے دفتر ہی میں مل لیا جائے۔"

"کیا حرج ہے...... اس کے لئے وقت کا تعین کرو۔"

عدنان واسطی صاحب نے کہا۔

"کیوں نہ اسے آپ کے دفتر میں بلا لوں۔"

"ایک وکیل کے دفتر میں...... تمہاری مرضی ہے...... دیکھ لو جیسی صورت حال سمجھو۔"

"تھوڑا سا اس کام کو ورک آؤٹ کیا جائے پھر دیکھتے ہیں۔" شہاب نے کہا......

دوسرے دن اس وقت جب بینا بھی آفس میں موجود تھی اور سب لوگ فراغت حاصل کر چکے تھے...... واسطی صاحب بھی کورٹ سے واپس آ گئے تھے، جہاں تھوڑی دیر کے لئے انہیں جانا پڑا تھا...... شہاب نے اس علاقے کے انچارج اقبال شاہ کو فون کیا...... فون اقبال شاہ نے ہی ریسیو کیا تھا۔

"ہیلو...... کون صاحب بول رہے ہیں۔"

"کس سے بات کرنی ہے بھئی، فون کدھر کیا ہے تم نے۔"

"مجھے اقبال شاہ صاحب سے بات کرنی ہے۔"

"بول رہا ہوں۔"

"اقبال شاہ صاحب...... میرا نام شہاب ثاقب ہے۔"

"آسمان سے کب نیچے اترے ہو۔" اقبال شاہ کی آواز سنائی دی۔

"وقت کافی ہو گیا لیکن اتفاق سے یہ کہ آسمان سے نیچے اترنے کے بعد جب بڑا ہوا تو نوکری غلط محکمے میں مل گئی یعنی محکمہ پولیس میں۔"

"اوہو...... آپ ہیں سر...... شہاب ثاقب آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی۔" اقبال شاہ کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"معلومات بہت اچھی ہیں تمہاری۔"

"برادری ہے جی اپنی، معلومات تو رکھنا ہی پڑتی ہیں۔"

"تم سے کچھ کام ہے اقبال شاہ۔"

"حکم کرو صاحب۔"

"عدنان واسطی وکیل صاحب کو جانتے ہو۔"

"وہ بابا جی جنہیں اب وکالت نہیں کرنی چاہئے۔"

"اب یہ تو میں نہیں جانتا کہ تم کون سے بابا جی کی بات کر رہے ہو...... پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ عدنان واسطی صاحب کو جانتے ہو۔"

"وکیل صاحب سے ملاقات ہوچکی ہے ایک دوبار ہماری۔"

"شاید تمہیں یہ معلوم نہیں کہ وہ میرے سسر ہیں۔"

"ہاں جی...... یہ تو ہمیں نہیں معلوم تھا...... چلئے ٹھیک ہے آپ کی رشتے داری سے ہمارا کیا معاملہ ہے۔"

"آفس دیکھا ہے ان کا کبھی۔"

"نہیں کبھی نہیں دیکھا۔"

"پتا نوٹ کرواور وہاں پہنچ جاؤ۔"

"کیوں...... خیریت جی...... کیا وہاں کوئی واردات ہوگئی ہے۔"

"نہیں...... بلکہ تم سے کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں۔"

"دو باتیں ہیں جی...... ایک تو وہ اپنا علاقہ نہیں ہے...... دوسری بات یہ کہ تھانے میں بھی بہت سے کام ہیں...... اگر کوئی اہم کام ہے تو ہم فون کر کے بتادیں گے اور اگر کوئی بہت ضروری بات ہو تو آپ اِدھر آجاؤ...... ابھی دو تین گھنٹے ہم ادھر سے کہیں جا نہیں رہے۔"

"ٹھیک ہے شاہ جی...... آرہے ہیں ہم۔" شہاب نے کہا اور فون بند کر دیا...... واسطی صاحب سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے...... شہاب نے آہستہ سے کہا۔

"کہا جاتا ہے کہ اگر کسی چھوٹے آدمی کی بات پر غصہ آئے تو بہر حال اسے درگزر کر دینا چاہئے، لیکن اقبال شاہ نے اپنے لئے بہت سے راستے بند کر لئے ہیں...... چلئے ہم سے وہیں ملاقات کریں گے۔" عدنان واسطی صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا تھا...... شہاب نے تھوڑی دیر کے بعد بینا کو وہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور اس کے بعد عدنان واسطی صاحب کے ساتھ نیچے اتر آیا...... پھر کچھ دیر کے بعد وہ دونوں تھانے کی عمارت میں داخل ہورہے تھے...... ماحول واقعی بڑا عجیب سا تھا...... اقبال شاہ سچ مچ روایتی قسم کے پولیس والوں میں تھا...... وہ اپنی کرسی پر سے کھڑا بھی نہیں ہوا تھا، شہاب اور واسطی صاحب کو دیکھ کر، واسطی صاحب وکالت کا کالا کوٹ پہنے ہوئے تھے، لیکن شہاب سادہ لباس میں ملبوس تھا، اقبال شاہ چوڑے چہرے والا ایک جلی ہوئی رنگت کا مالک تھا جس کی آنکھوں سے سخت گیری ٹپکتی تھی اور کافی خطرناک آدمی معلوم ہوتا تھا۔"

"میرا نام شہاب ثاقب ہے۔"

"ہم سمجھ گئے تھے صاحب جی...... آپ تشریف رکھو جی...... کیا منگوائیں آپ کے لئے چائے یا ٹھنڈا...... شہاب نے گھور کر اسے دیکھا اور بولا۔

"کیا یہاں تم لوگ صرف چائے یا ٹھنڈے پر گزارہ کرتے رہتے ہو یا کچھ کام بھی کرتے ہو۔" شہاب کے ان الفاظ پر اقبال شاہ نے چونک کر شہاب کو دیکھا اور بولا۔

"سر جی ناراض ہونے کی تو کوئی بات نہیں ہے...... بندہ کہیں مہمان جاتا ہے تو میزبان کو پوچھنا ہی پڑتا ہے آپ کی مرضی ہے جی...... کچھ پیو یا نہ پیو، حکم کرو...... ہمارے لئے کیا کام ہے۔"

"فیصل رضا کا کیس تمہارے پاس ہے...... تم نے فیصل رضا نامی ایک لڑکے کو گرفتار کیا تھا، جس پر قتل کا الزام تھا۔"

"ٹھیک ہے صاحب جی...... آپ الزام کہہ لو اسے...... ایک قاتل پر صرف الزام ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ قاتل ہوتا ہے۔"

"اوہو...... اس کا مطلب ہے کہ تم اس کے خلاف ثبوت حاصل کر چکے ہو۔"

"کیا بات ہے جی...... ثبوت کے بغیر تو کسی پر ہاتھ ڈالا ہی نہیں جاسکتا اور پھر ظاہر ہے جی اس کے بارے میں ابھی تھوڑی بہت تفتیش اور بھی ہو رہی ہے...... چالان پیش ہو گیا ہے، لیکن ہمیں کچھ اور ہدایات ملی ہیں...... آپ اس کے بارے میں کیا جاننا چاہتے ہو جی۔"

"انسپکٹر اقبال شاہ، کیا تمہارے خیال میں وہ قاتل ہے۔"

"ہمارا خیال...... کمال کرتے ہو صاحب جی...... ارے خیال ہوتی کیا چیز ہے سارا کھیل تو ثبوتوں کا ہوتا ہے...... ثبوت جو بھی کہے وہ بات ماننی پڑتی ہے۔"

"لیکن بعض اوقات انسان اپنے ضمیر سے بھی سوال کرتا ہے...... اقبال شاہ صاحب...... آپ کا ضمیر کیا کہتا ہے۔"

"صاحب جی ایک بات کہیں آپ سے...... آپ کی اور ہماری عمروں میں بڑا فرق ہے...... یہ الگ بات ہے کہ اللہ نے آپ کو افسر بنایا ہے اور ہم آپ سے نیچے درجے کے بندے ہیں، لیکن زمانہ جو ہے نا جی وہ چہروں پر نہیں چلتا...... ثبوتوں پر چلتا ہے اور جہاں تک رہی ضمیر کی تو صاحب جی یہ وکیل صاحب بھی بیٹھے ہوئے ہیں، عمر گزاری ہے...... انہوں نے ذرا ان سے آپ یہ سوال کرلو کہ ضمیر کی باتوں کو عدالت نے کب مانا ہے یا انہوں نے

ضمیر کا حوالہ دے کر عدالت سے کتنے کیس جیتے ہیں۔"

"آپ کیا چاہتے ہیں اقبال شاہ صاحب...... کیا اس نوجوان کو پھانسی ہونی چاہئے۔"

"ہونی کیا چاہئے صاحب جی...... ہو گی اسے پھانسی...... ہم دلائیں گے اسے پھانسی اس کا کیا سوال ہے...... آپ یہ بتاؤ کہ آپ امجد فضل خان سے ملے ہو۔"

"نہیں ابھی تک تو ملاقات نہیں ہوئی۔"

"مل لو جی...... کام کے بندے ہیں، ہر ایک کے کام آتے ہیں...... ایسے بندے کو اگر کوئی تکلیف پہنچائے تو پھر دل کو دکھ تو ہوتا ہے ناجی...... بھتیجی تھی ان کی بیچاری کو مار ڈالا... ایک تو نوکری دی...... انہوں نے اس لونڈے کو اور پھر وہیں پر عشق بازی کرنے لگا اور، اور اپنی ہوس کے ہاتھوں مجبور ہو کر لڑکی کی جان ہی لے لی۔"

"خود امجد فضل خان اس بارے میں کیا کہتے ہیں۔"

"صاحب جی بس...... بڑے لوگوں کی باتیں بھی زیادہ نہیں کرنی چاہئیں...... آپ خود ان سے ملاقات کر لو۔"

"چلئے ٹھیک ہے اقبال شاہ صاحب...... آپ یہ بتائیے کہ کیا آپ نے آلہ قتل دریافت کر لیا ہے۔"

"کون سا مشکل کام تھا جی...... مل گیا۔"

"کہاں سے۔"

"ملزم کے گھر سے ہی ملا ہے جی۔"

"آپ نے ابھی ملزم کہا ہے اسے۔"

ملزم نہیں جی مجرم...... چھڑے کی زبان سے پھسل گئی، اقبال شاہ نے کہا۔

"گویا آپ یہ کہنے پر تلے ہوئے ہیں کہ فیصل رضا ہی اس لڑکی کا قاتل ہے۔"

"ثبوت کہتے ہیں جی، ثبوت...... اس کا خون آلود لباس مل چکا ہے...... اس پر خون کے دھبے ہیں اور باقی ساری چیزیں بھی مل چکی ہیں...... یہ لباس وہی ہے جو اس دن فیصل پہنے ہوئے تھا۔"

"اور اس لباس پر اس لڑکی کا خون ہی ہے۔" شہاب نے سوال کیا۔

"لو جی تو کیا مرغی کا خون ہو گا۔"

"لیبارٹری رپورٹ ہے آپ کے پاس۔"

"لیبارٹری رپورٹ۔"

"خون کی...... ظاہر ہے لباس پر خون کے دھبے ملے ہیں اور یہ خون یقینی طور پر لڑکی کا ہونا چاہئے تھا، کیا رمشہ کا بلڈ گروپ اور اس کے بعد باقی لیبارٹری رپورٹ یہی کہتی ہے کہ لباس پر پائے جانے والے دھبے اسی خون کے ہیں۔"

"نہیں جی یہ تو ہمیں نہیں معلوم۔"

"کیا کہہ رہے ہیں آپ اقبال شاہ صاحب، کیا آپ نے اس خون کا تجزیہ نہیں کرایا۔"

"صاحب جی ضرورت ہی پیش نہیں آئی تھی...... کپڑے اسی کے تھے...... بندہ وہی تھا، پھر بھلا ان ساری چیزوں کی کیا ضرورت تھی۔"

"ہوں...... ویری گڈ...... اس کا مطلب ہے آپ عدالت میں اتنا بڑا ثبوت پیش کر دیں گے، یعنی خون آلود کپڑے اور بس۔"

"ایک بات سنیں جی...... ہم آپ کو ایک بات بتا دیں...... کوئی بھی کام کرنے سے پہلے ذرا مرزا جواد بیگ صاحب سے مل لیں...... امجد فضل خان کی طرف سے وہی اس کیس کی پیروی کر رہے ہیں اور یہ بات تو آپ کو معلوم ہے جی کہ مرزا جواد بیگ کوئی معمولی ایڈووکیٹ نہیں ہیں...... بڑے لمبے ہاتھ ہیں ان کے، ہمارے پاس بھی ان کی کچھ ہدایات موجود ہیں۔"

"ویری گڈ...... مثلاً۔" شہاب نے فوراً سوال کیا۔

"نہیں جی...... بہت سی باتیں تو ذاتی ہوتی ہیں ناں...... اب دیکھیں کیا کیا جائے...... ہمارا بھی تعلق ایسے لوگوں سے رہتا ہی ہے اور ہمیں ان کا خیال بھی رکھنا پڑتا ہے۔"

"ٹھیک ہے...... واقعی، ذاتی معاملات بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں، حالانکہ آپ خود سوچ سکتے تھے یہ بات اقبال شاہ صاحب کہ جب کوئی قتل جیسا جرم کرتا ہے تو بہت سی باتوں کا اسے خیال رکھنا پڑتا ہے، لیکن کیا زبردست قاتل تھا...... اس نے پرواہ ہی نہیں کی نہ اپنے لباس کو کہیں چھپانے کی کوشش کی نہ آلہ قتل کو...... آرام سے تمام چیزیں پولیس کے حوالے کر دیں اور اپنے آپ کو بھی کہ لو بھائی، چلو شروع ہو جاؤ اور ہمیں پھانسی پر چڑھا دو اور جہاں تک بات رہی مرزا جواد بیگ کی تو صحیح کہتے ہو مرزا جواد بیگ کے بارے میں...... میں

نے بھی سنا ہے کہ کسی بہت بڑے شخص کے ہم زلف ہیں...... خیر کوئی بات نہیں ہے۔ دیکھیں گے۔"

"ہمارے لئے کوئی اور حکم۔"

"نہیں بہت بہت شکریہ...... بڑی مہربانی...... بس آپ سے اتنی ہی معلومات حاصل کرنی تھیں۔" اور اس کے بعد شہاب اور واسطی صاحب وہاں سے اُٹھ گئے تھے...... عدنان واسطی صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"زندگی میں بہت سے کرداروں سے واسطہ پڑتا ہے، شہاب میرا خیال ہے یہ کیس اپنی نوعیت کے لحاظ سے اس لئے اور بھی دلچسپ ہے کہ اس میں ایک طرف تو ایک بے گناہ مجرم ہے یا ملزم ہے اور دوسری جانب کچھ طاقتیں۔"

"اب ذرا مختلف انداز میں سوچنا پڑے گا واسطی صاحب۔"

"مثلاً۔"

"مثلاً امجد فضل خان۔"

"کیا مطلب۔" واسطی صاحب چونک پڑے۔

"جس کی وہ بھتیجی تھی، یعنی رمشہ۔"

"ہاں۔"

"واسطی صاحب...... وقت سے پہلے کچھ نہیں کہوں گا، مرزا جواد بیگ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔"

"بھئی میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ آدمی بہت سخت ہے۔"

"ٹھیک ہے...... بعض اوقات تقدیر جو فیصلے کرتی ہے بعد میں ہمیں اس کا صحیح اندازہ ہوتا ہے...... یہ دو مہینے کی چھٹی جو مجھے نادر حیات صاحب نے ازراہ کرم فرمائی ہے کچھ ایسے ہی کاموں کے لئے مخصوص تھی...... میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں واسطی صاحب کہ وقت کا ایک ایک لمحہ انسانیت کی خدمت کے لئے صرف کروں گا۔" شہاب نے جذباتی لہجے میں کہا...... بہر حال بعد میں وہ واسطی صاحب سے جدا ہو گیا تھا اور پھر اس نے اپنے طور پر کام شروع کر دیا...... ڈبل او گینگ کے سردار علی کو شہنشاہ کی حیثیت سے مخاطب کر کے اس نے کہا۔

"سردار علی ایک تفصیل نوٹ کرو، ایک نوجوان کو قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے۔

نام فیصل رضا ہے، جیل میں ہے...... اس کے گھر کا نمبر نوٹ کرو، اس کی تعلیمی حیثیت اس کی شخصیت کے بارے میں مکمل طور پر گواہیاں درکار ہیں...... یہ تمام رپورٹیں اکٹھی کرو اور شہاب تک پہنچا دو، اگر چاہو تو اپنے ساتھ دوسرے افراد کو بھی شامل کر سکتے ہو۔"

"بہت بہتر جناب۔" سردار علی نے جواب دیا اور شہاب نے سلسلہ منقطع کر دیا...... بینا سے گفتگو ہوئی تو اس نے کہا۔

"بینا بات اصل میں یہ ہے اور رحمدلی، لوگوں کی فطرت پر ترس کھانا بہت اچھی بات ہے، اللہ کی طرف سے بھی یہی حکم ہے، لیکن کبھی کبھی کچھ ایسے برے لوگ نگاہوں کے سامنے آ جاتے ہیں کہ گناہ کرنے پڑ جاتے ہیں...... اب دو آدمی میرے سامنے صرف دو کہوں گا کیونکہ تیسرے کے بارے میں ابھی میرے پاس ثبوت موجود نہیں ہے، نمبر ایک انسپکٹر اقبال شاہ ہے جو اس علاقے کے تھانے کا انچارج ہے جس حدود میں یہ واردات ہوئی ہے، دوسرے مرزا جواد بیگ ہیں، مرزا جواد بیگ کے بارے میں پہلے بھی کئی بار میرے کانوں تک یہ رپورٹیں پہنچ چکی ہیں کہ وہ اپنے اختیارات کو ناجائز استعمال کرتے ہیں اور صرف ایک کاروباری آدمی ہیں۔ انسانی معاملات میں ذرا کم ہی دلچسپی لیا کرتے ہیں...... اب ان دو آدمیوں کے خلاف محاذ بنانا پڑے گا اور ذرا سلیقے سے کام کرنا ہوگا۔"

"شہاب بات خطرناک تو نہیں ہو جائے گی۔" جواب میں شہاب کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی...... کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"بینا اس سے پہلے بھی حالات تو خطرناک ہوتے ہی رہے ہیں، لیکن خیر قصور تمہارا بھی نہیں ہے...... تم نے ہر بار مجھ سے یہ سوال کیا ہے کہ شہاب حالات خطرناک تو نہیں ہو جائیں گے...... امکان تو ہوتا ہے حالات کے خطرناک ہو جانے کا، لیکن تم کس نوعیت سے یہ سوال کرتی ہو...... یہ بات ہر بار ذرا جدا ہو جاتی ہے۔"

"نہیں بھئی میرا مطلب ہے...... خیر چھوڑو...... یہ بتاؤ کیا اس سلسلے میں تم نے اب تک کوئی ایسا نتیجہ اخذ کیا ہے جو بنیادی حیثیت رکھتا ہو۔" بینا کا سوال بڑی توجہ کا حامل تھا، شہاب کچھ دیر تک خاموشی سے اس بارے میں سوچتا رہا پھر بولا۔

"بینا چند بنیادی باتیں تو سمجھ میں آتی ہیں، لیکن ان کو حتمی نہیں کہا جا سکتا۔"

"بنیادی۔" بینا سوالیہ نگاہوں سے شہاب کو دیکھ کر بولی۔

"ہاں...... مثلاً یہ کہ امجد فضل خان بڑی حیثیت کا مالک ہے، اتنی بڑی حیثیت کا مالک ک اس کے ایماء پر مرزا جواد بیگ اور انسپکٹر اقبال شاہ نے اپنے انداز میں خاصی تبدیلیاں پیدا کر ہیں...... یہ سب کچھ بے مقصد نہیں ہو سکتا...... خیر کیس تو عدنان واسطی صاحب کے پاس آ ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہماری تمام تر دلچسپیاں اس میں موجود ہیں اور کام ذرا مختلف انداز میں کیا جائے گا...... اقبال شاہ کو خون آلود لباس ملا ہے اور اس کے بعد دیکھیں گے۔" شہاب نے پر خیال انداز میں جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا، پھر وقت گزر گیا اور اس کے بعد سردار علی نے فیصل رضا کی تعلیمی رپورٹ پیش کی...... فیصل رضا کا پورا ماضی بے داغ رہا تھا...... اس کی نجی زندگی اس قدر صاف ستھری رہی تھی کہ کوئی بات بھی اس کی جرم کی نشاندہی نہیں کرتی تھی...... ہاں اتنا ضرور پتا چلا تھا کہ رمشہ خان کی اس سے اچھی خاصی دوستی ہو گئی تھی اور کئی بار وہاں کے مختلف لوگوں نے رمشہ کو فیصل رضا کے ساتھ ہوٹلوں وغیرہ میں دیکھا تھا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ فیصل رضا اپنے مزاج کے خلاف رمشہ کے قتل پر آمادہ ہو جائے یا کوئی ایسے کام جو رمشہ کے لئے موت بن جائے، معاملہ چونکہ بڑی سادہ نوعیت کا تھا اور اس میں بہت زیادہ برق رفتاری سے کام نہیں کرنا تھا، لیکن پھر بھی دلچسپی کی خاطر سبھی اس میں مصروف ہو گئے تھے اور اکثر اس موضوع پر گفتگو ہوتی رہتی تھی، ابھی تک بیچارے فیصل رضا کے والد کو اس بارے میں کوئی خاص بات نہیں بتائی گئی تھی، بس ایک طرح سے انہیں اس بات کا اطمینان کرا دیا گیا تھا کہ وہ مجموعی طور پر مطمئن رہیں، ان کا کیس لے لیا گیا ہے......

بات اصل مین یہ تھی کہ جب تک کوئی ٹھوس صورت حال سامنے نہ آئے انہیں بھی تسلی نہیں دی جا سکتی تھی، ابھی تو سب سے پہلے جناب مرزا جواد بیگ صاحب کا سامنا کرنا تھا...... اس کے بعد یہ دیکھنا تھا کہ مرزا جواد بیگ صاحب اس سلسلے میں ذاتی طور پر کس حد تک ملوث ہیں، کیا وہ فیصل رضا کو ہر قیمت پر سزا دلوانے کے حق میں ہیں، اگر ایسا ہے تو انہوں نے اس سلسلے میں اپنے جو اختیارات استعمال کئے ہیں ان کی نوعیت کیا ہو گی؟ یہ ساری باتیں ابھی ایسی تھیں جن کے بارے میں اس وقت تک کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہی جا سکتی تھی، جب تک عدالت میں پیشی نہ ہو جائے اور اب پیشی کا انتظار تھا اور اس سلسلے میں مرزا جواد بیگ صاحب سے ملاقات ہونے کے باوجود عدنان واسطی صاحب نے انہیں یہ بات نہیں بتائی تھی کہ فیصل رضا کا کیس انہوں نے لے لیا ہے...... یہاں تک کہ پیشی کا وقت آ گیا...... بینا اور شہاب

بالکل عام لوگوں کی حیثیت سے کمرا عدالت میں پہنچے تھے اور پھر مرزا جواد بیگ کو بھی دیکھا تھا، مرزا جواد بیگ صاحب ویسے بھی کسی قدر پستہ قامت، تنگ پیشانی اور چھوٹی چھوٹی چالاک آنکھوں والے آدمی تھے، چہرے سے ہی مغرور نظر آتے تھے اور درحقیقت تھے بھی مغرور، اپنی قابلیت، اپنی شخصیت پر نازاں، ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ بڑے بڑے نامی گرامی کیس لڑے تھے...... انہوں نے اور اس سلسلے میں ان کا اپنا ایک مقام تھا، البتہ امجد فضل خان ابھی تک نہیں آیا تھا اور یہ کردار بھی ایسا تھا جسے دیکھنا بے حد ضروری تھا، لیکن شہاب ذرا راست روی سے کام کر رہا تھا، اس کی وجہ اگر کچھ تھی تو صرف اس کے ذہن میں تھی، خود بینا بھی اس کا کوئی تجزیہ نہیں کر پائی تھی، بلکہ ایک آدھ بار تو اس نے شہاب سے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اس دلچسپی سے کام نہیں کر رہا جس دلچسپی سے یہ کیس لیا گیا ہے تو شہاب نے مسکراتے ہوئے اپنی عادت کے مطابق جوابات دے دیئے تھے، جن میں اس نے کہا تھا کہ شادی کے بعد زندگی کچھ ڈل سی ہو گئی ہے، کام کرنا تو ہوتا ہے لیکن زیادہ دیر تک دل یہ چاہتا ہے کہ بینا کے ساتھ وقت گزارا جائے...... بینا مسکرا کر خاموش ہو گئی تھی...... بہر حال یہ لوگ کمرہ عدالت میں پہنچ چکے تھے اور جب فیصل رضا کو جج صاحب کے سامنے پیش کیا گیا تو اس سلسلے میں تمام صورت حال سامنے آئی او عدنان واسطی صاحب نے اپنا وکالت نامہ معزز عدالت کو پیش کیا تو جواد بیگ نے چونک کر عدنان واسطی کو دیکھا، پھر ان کے ہونٹوں پر ایک حقارت بھری مسکراہٹ پھیل گئی، وکالت نامہ قبول کر لیا گیا تھا...... کیس کی ابتداء ہوئی تو عدنان واسطی صاحب نے کہا۔

"جناب والا...... چونکہ فیصل رضا کا کیس میں نے فوری طور پر ہاتھ میں لیا ہے اس لئے ابھی اس کی اسٹڈی کر رہا ہوں اور کچھ ضروری معلومات حاصل کرنا ہیں، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ مجھے کم از کم بارہ دن کے بعد کی تاریخ دے دی جائے...... عدالت نے عدنان واسطی صاحب کی یہ درخواست منظور کر لی تھی، پھر اس دلچسپ مرحلے کا آغاز ہوا جس کی توقع کی جا رہی تھی۔ مرزا جواد بیگ شاید شہاب کو پہچانتے تو تھے لیکن انہیں اس وقت اس بات کا علم نہیں تھا کہ شہاب اس وقت بھی عدالت میں موجود ہے، چونکہ شہاب سادہ لباس میں تھا اور ویسے بھی مرزا جواد بیگ سے اس کی بہت کم ملاقاتیں ہوئی تھیں، اس لئے مرزا جواد بیگ نے اسے نہیں دیکھا تھا، البتہ کمرہ عدالت سے باہر نکلتے ہوئے انہوں نے آواز دے کر عدنان

واسطی صاحب کو روکا...... بینا اور شہاب ذرا پیچھے تھے...... مرزا جواد بیگ نے کہا۔

"واسطی صاحب ویسے تو وکالت کے پیشے میں بہت سی رازداریاں چلتی ہیں...... ظاہر ہے وکیل کو اپنے موکل کے معاملات میں ذرا سا غور کرنا پڑتا ہے اور احتیاط برتنی پڑتی ہے، لیکن ذاتی تعلقات کی بھی کچھ نوعیت ہوتی ہے...... کیا آپ کو اس بات کا علم تھا کہ رمشہ کے قتل کا کیس میرے پاس ہے۔"

"جی ہاں...... وکالت نامہ دستخط کراتے ہوئے جب بہت سی تفصیلات سامنے آئیں تو مجھے پتا چل گیا کہ کیس آپ کے پاس ہے۔"

"ویری گڈ...... بہرحال میں آپ کی توہین بالکل نہیں کر رہا...... میرے ان الفاظ کو اپنی توہین بالکل تصور نہ کیجیے گا، البتہ جہاں تک میری معلومات ہیں وہ یہ ہیں کہ بڑے بڑے وکلاء کو جب اس بات کا علم ہوتا ہے کہ کیس مرزا جواد بیگ کے پاس ہے تو پھر وہ اس کیس پر مرزا جواد بیگ کی مخالفت میں ہاتھ ڈالتے ہوئے گھبراتے ہیں...... کیا میرا یہ اندازہ بالکل غلط ہے؟"

"نہیں...... میں نے بھی اس بارے میں کافی سن رکھا تھا اور خوش قسمتی تھی...... یہ نہیں کہہ سکتا میں کہ ایسا کوئی کیس میرے پاس آیا ہی نہیں جس میں مجھے آپ کی مخالفت میں آنا پڑے۔"

"اوہو...... اچھا...... ہاں...... یعنی آپ اسے اپنی بھی خوش قسمتی یا میری بھی خوش قسمتی کہہ سکتے ہیں، یعنی آپ کا مطلب تھا کہ اگر اس سے پہلے کوئی کیس اس طرح آپ کے سامنے پہنچتا تو آپ اسے ضرور قبول کر لیتے۔"

"ظاہر ہے...... میرے جسم پر بھی یہ کالا کوٹ ہے اور میرے پاس بھی لاء کی ڈگری ہے مرزا صاحب۔"

"ارے...... ارے...... برا نہ مانیے میری بات کا...... میں تو پہلے ہی آپ سے کہہ چکا ہوں کہ اس گفتگو میں برا ماننے کی گنجائش نہیں ہے لیکن حیران ہوں میں...... سنا تھا میں نے کہ پچھلے کچھ عرصے سے اچانک ہی آپ دم کے بل کھڑے ہو گئے ہیں اور اچھی خاصی آمدنی بھی ہو گئی ہے آپ کی...... کچھ معلومات بھی حاصل ہوئی تھیں، کوئی شخص ہے جو غالباً انتظامیہ سے تعلق رکھتا ہے۔"

"جی ہاں...... وہ میرا داماد بھی بن چکا ہے۔"

"کیا انسپکٹر جنرل کے عہدے پر ہے یا مستقبل میں وزیر خارجہ لگنے والا ہے...... ویسے آپ نے ہمیں اپنی بیٹی کی شادی میں نہیں بلایا۔"

"یہی مشہور تھا آپ کے بارے میں مرزا صاحب کہ آپ ذرا اس قسم کی تقاریب میں کم ہی شرکت کرتے ہیں۔"

"نہیں ایسی بات نہیں ہے...... بات یہ ہے کہ میں ذرا تقاریب میں شرکت کرتے ہوئے اپنے اسٹیٹس کا خیال رکھتا ہوں...... اب دیکھئے نا ضروری ہوتا ہے یہ واسطی صاحب آپ اگر مجھے مدعو بھی کرتے تو شاید میں نہ پہنچ پاتا...... کیونکہ میرے مداح مجھ سے سوال کرتے کہ آپ کا حلقہ احباب کیا ہے۔"

"اور کچھ کہنا چاہتے ہیں آپ۔"

"نہیں...... کوئی خاص بات نہیں...... میں یہ کہہ رہا تھا کہ اس لڑکے کو سزائے موت تو ہونی ہے کیونکہ اس نے بہت بڑے آدمی کی بھتیجی کو قتل کیا ہے...... آپ دیکھ لیجئے کتنے پیسے مل گئے آپ کو اور حیرت کی بات یہ کہ کہاں سے مل گئے، جہاں تک بات میرے علم میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ وہ لوگ کسی کو کچھ ادا کرنے کے قابل نہیں ہیں۔" شہاب اور بینا اس وقت واسطی صاحب سے اس قدر قریب تھے کہ یہ تمام باتیں سن رہے تھے...... شہاب سے برداشت نہیں ہو سکا تو وہ دو قدم آگے بڑھا اور اس نے مرزا جواد بیگ کے سامنے آتے ہوئے کہا۔

"مکمل تعارف تو شاید آپ سے میرا ابھی نہیں ہوا مرزا صاحب...... ایک آدھ بار میں نے آپ کو دیکھا ہے...... شاید آپ نے بھی مجھے دیکھا ہو۔" مرزا جواد بیگ نے یا تو جان بوجھ کر شہاب سے ناشناسی کا اظہار کیا تھا یا پھر واقعی وہ ذہنی طور پر اتنا مصروف انسان تھا کہ اس نے شہاب کو نہیں پہچانا، کہنے لگا۔

"صورت سے کافی مہذب اور شریف آدمی معلوم ہوتے ہو لیکن کسی کو مخاطب کرنے کا طریقہ شاید نہیں جانتے...... کہو کیا بات ہے۔"

"بات چونکہ راہ چلتے ہی ہو رہی تھی اور آپ نے عدنان واسطی صاحب سے کچھ الفاظ کہے تھے، مجبوراً مجھے مداخلت کرنا پڑی۔"

"مگر میاں تم ہو کون۔"

"شہاب ثاقب ہے میرا نام...... محکمہ پولیس ہی میں ملازمت کرتا ہوں اور ابھی آپ سے جو گفتگو ہو رہی تھی وہ میرے ہی بارے میں ہو رہی تھی۔"

"اوہو...... اچھا...... اچھا...... واسطی صاحب کے داماد ہو اور یہ بچی بینا...... سوری بینا میں تمہیں نہیں دیکھ سکا تھا، لیکن قصور میرا ابھی تو نہیں ہے یہ واسطی صاحب اگر مجھے بھی شادی میں بلا لیتے تو شاید میں مسٹر شہاب سے بھی واقف ہو جاتا...... آیئے بھئی تھوڑا سا بار روم میں بیٹھیں اور کچھ نہیں تو کم از کم میں شہاب صاحب کو چائے ہی پلا دوں...... ویسے خاصے تیز مزاج نوجوان معلوم ہوتے ہیں...... آیئے واسطی صاحب تھوڑا سا وقت صرف کر ہی لیا جائے، ویسے تو خود آپ کو میری مصروفیات کا اندازہ ہے لیکن اگر کسی کیس کے سلسلے میں کچھ تبادلہ خیال ہو جائے تو برا نہیں ہوگا۔"

"آیئے۔" عدنان واسطی صاحب نے بھی کہا۔

شہاب نے بینا کی جانب دیکھا...... تھوڑی دیر بعد وہ سب بار روم میں جا بیٹھے...... شہاب سنجیدہ نگاہوں سے مرزا جواد بیگ کو دیکھ رہا تھا اور مرزا جواد بیگ بھی شہاب کا جائزہ لے رہا تھا، پھر اس نے کہا۔

"شہاب ثاقب نام ہے آپ کا آپ کے والد تو شاید صحافی تھے...... پچھلے کچھ دنوں میں آپ کے بارے میں تھوڑی بہت باتیں سنی تھیں۔"

"جی ہاں...... یقیناً سنی ہوں گی آپ نے، البتہ آپ کے بارے میں مجھے زیادہ تفصیلات معلوم نہیں ہو سکیں، ابھی بس کچھ وقت پہلے ہی یہ پتا چلا تھا کہ آپ ہر طرح کے کیس لے لیتے ہیں۔" شہاب نے کہا۔

"ہر طرح کے کیسوں سے تمہارا کیا مطلب ہے ڈیئر۔" مرزا جواد بیگ نے کہا۔

"نہیں...... بات ہو رہی تھی کیس لینے کی...... اس میں یہ ذکر نکلا کہ بعض وکلاء بے شک پیشہ ور وکیل ہیں لیکن یہ خیال رکھتے ہیں کہ جو کیس ان کے پاس آ رہا ہے اس کی نوعیت کیا ہے...... اصل میں عدنان واسطی صاحب نے زندگی کا بیشتر حصہ اسی انداز میں گزارا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ بہت زیادہ کیس اپنے ہاتھ میں نہیں رکھتے، لیکن اگر کوئی حقیقی کیس ان کے ہاتھ میں آ جائے تو پھر وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ کون کچھ دینے کے قابل ہے یا نہیں، ویسے اس طرح آپ نے کم از کم ہم سے امجد فضل خان صاحب کا تعارف کروا دیا۔" مرزا جواد بیگ

ایک مخصوص انداز میں آنکھیں سکوڑ کر شہاب کو دیکھنے لگا، اس کی پیشانی پر بل پڑے ہوئے تھے، پھر اس نے عدنان واسطی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یا تو آپ کا داماد اپنا مقصد مجھے سمجھا نہیں پا رہا مسٹر عدنان واسطی یا پھر یہ جو کچھ کہہ رہا ہے شاید اس میں اس کا بچپن بول رہا ہے۔"

"بچہ تو ہے لیکن نئی نسل کو ہم بولنے سے روک نہیں سکتے، یہ بے باک نسل جو کچھ کہنا چاہتی ہے نا مرزا جواد بیگ اس میں یہ نہیں سوچتی کہ جس شخص سے کہا جا رہا ہے وہ کون ہے۔" عدنان واسطی کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔

"لیکن بزرگوں کا فرض ہے کہ جب کسی سے تعارف کرائیں تو اس کی حیثیت بھی بتا دی جائے۔"

"مرزا صاحب...... مرزا صاحب...... آپ کی حیثیت کی کوئی توہین نہیں کر رہا میں...... میں تو ہر پیشے کے بارے میں بتا رہا ہوں...... اب وکالت ہی کے پیشے میں لے لیجئے...... میرا واسطہ تو آپ لوگوں سے پڑتا رہتا ہے نا...... میں سمجھتا ہوں سو میں سے اٹھانوے افراد بہت اچھے ہیں...... دین دار ہیں...... اپنے منصب کا خیال رکھتے ہیں، لیکن دو فیصد کو دیکھا جائے...... اصولی طور پر تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ تعداد نہ ہونے کے برابر ہے...... ویسے آپ کے بارے میں میں نے یہ ضرور سنا ہے کہ ہر طرح کے کیس لے لیتے ہیں، بس معاوضہ بھرپور ملنا چاہئے۔"

"خوب...... تو پھر ان ناجائز کیسوں کے معاوضے میں سے بہت عمدہ قسم کی چائے پیئو تم، بھئی ذرا ویٹر ادھر سے گزرے تو آواز دینا واسطی صاحب۔"

"اتفاق کی بات ہے کہ ان دو فیصد میں نا واسطی صاحب آتے ہیں نہ مرزا صاحب اور نہ میں، چنانچہ بڑا مشکل ہو جائے گا ہمارے لئے آپ کی چائے پینا۔"

"گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ۔"

"جی ہاں...... میں نہیں بلکہ ابھی آپ نے خود کہا۔"

"عدنان واسطی بات اصل میں یہ ہے کہ ہم سب جس پیشے سے منسلک ہیں ان میں ہمارا آمنا سامنا تو ہوتا ہی رہتا ہے...... اگر اسے ذاتی جنگ بنا لیا جائے تو میرا خیال ہے کہ ہم چار کیس بھی نہ لڑ سکیں، تمہارا داماد کچھ ایسی ہی کیفیتوں کا اظہار کر رہا ہے۔"

"آپ نے ابھی جو الفاظ کہے تھے مرزا صاحب، ان کا جواب دے رہا ہوں میں، اگر فیصل رضا واقعی گناہ گار ہے اور اس نے قتل کیا ہے تو آپ یقین کیجئے کہ اس کی سزا کے لئے ہر طرح سے کوششیں کی جائیں گی، لیکن اگر وہ بے گناہ ہے اور آپ نے اس کے بارے میں معلومات حاصل کئے بغیر ہی اپنے ذہن میں اسے قاتل قرار دے دیا ہے تو بس ایک درخواست کرتا ہوں آپ سے کہ بہتر ہے کے آپ اس کیس سے دستبردار ہو جائیں اور کسی اور وکیل کو یہ کیس لڑنے دیں۔"

"بہت آگے بڑھ کر بول رہے ہو صاحبزادے...... میری پوری عمر گزری ہے۔"

"وہی میں عرض کرنا چاہتا تھا کہ آپ نے پوری عمر غالباً اسی طرح کے کیسوں میں گزار دی ہے...... عدنان واسطی میں اور آپ میں یہی فرق ہے...... فیصل رضا کا کیس عدنان واسطی صاحب کے پاس آیا ہے اور عدنان صاحب اس کے بارے میں معلومات حاصل کر رہے ہیں کہ فیصل رضا واقعی مجرم ہے یا پھر اس کے جرم کی صحیح تفتیش نہیں ہو سکی، آپ نے غالباً انسپکٹر اقبال شاہ سے خاصی ملاقاتیں کی ہیں اور آپ دونوں مل کر فیصل رضا کو قاتل کے فریم میں لانا چاہتے ہیں، لیکن بہتر ہوگا کہ اس کی مکمل تفتیش ہونے دیجئے۔"

"ٹھیک ہے، اگر تم اسے بے گناہ ثابت کر سکتے ہو تو اب تو معاملہ سسر داماد کا ہے جبکہ اقبال شاہ سے تو میرا کوئی ایسا رشتہ بھی نہیں ہے لیکن کھیل اچھا بن رہا ہے، چلو ٹھیک ہے کوشش کر لو...... ہم بھی کوشش کر رہے ہیں۔"

"گڈ...... میں آپ سے یہی کہلوانا چاہتا تھا کہ فیصل رضا کو مجرم ثابت کرنے میں آپ کی کچھ ذاتی کوششیں بھی شامل ہیں۔"

"چائے کی آفر تو ٹھکرا ہی دی گئی ہے، میرا خیال ہے کہ مجھے یہاں سے اُٹھ جانا چاہئے، مرزا جواد بیگ نے کہا اور کرسی سے اُٹھ گیا اور پھر وہ مزید کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گیا تھا...... عدنان واسطی سرد نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے...... بینا کے ہونٹوں پر مدہم سی مسکراہٹ تھی اور شہاب کے چہرے پر سنجیدگی، چند لمحے اسی طرح گزر گئے پھر عدنان واسطی نے شہاب کی طرف دیکھا اور بے اختیار مسکرا اُٹھے...... شہاب ان کی جانب دیکھنے لگا تھا۔ عدنان واسطی صاحب بولے۔

"جتنی تمہاری عمر ہے نا بیٹے اگر اس عمر میں جذبات کا یہ انداز نہ ہو تو پھر یہی کہہ سکتے

ہیں ہم کہ انسان اپنی عمر سے بہت آگے بڑھ گیا ہے...... ناراض نہیں، ناراض نہیں، مرزا جواد بیگ کا اپنا ایک ٹائپ ہے، وہ یقینی طور پر اپنے اس کیس کو ہر قیمت پر جیتنے کی کوشش کریں گے، ہماری صورت حال مختلف ہے...... خوش قسمتی سے ہم دو ایک ہی مزاج کے لوگ مل گئے ہیں، ہماری نگاہوں میں وہ مظلوم گھرانہ ہے جس میں رہنے والے تین افراد اپنے سروں سے سایہ ہٹتا ہوا محسوس کر رہے ہیں، وہ اپنے ایک ساتھی کے کھو جانے سے خوفزدہ ہیں، جبکہ مرزا جواد بیگ کے بنک بیلنس میں ایک معقول اضافے کی امید ہے، بس اتنا سا فرق ہے سوچ میں، لیکن بہر حال ہماری سوچ ہمارے ایمان کو زیادہ مستحکم کرتی ہے...... جواد بیگ اپنا کام کر رہے ہیں ہمیں اپنا کام کر لینا چاہئے...... مطمئن رہو، حقیقت سامنے آکر رہے گی۔"

جی...... یقینی طور پر اور پھر اس رات شہاب نے بینا کی موجودگی میں ڈبل او گینگ کے افراد کو ہدایات دی تھیں۔

"اقبال شاہ اس پولیس انسپکٹر کا نام ہے جس کے علاقے میں یہ کیس موجود ہے...... مرزا جواد بیگ ایڈووکیٹ ہیں...... اس کے علاوہ امجد فضل خان وہ ٹرانسپورٹر ہے جس کی بھتیجی کا قتل ہوا ہے۔ پورا گینگ ان تین افراد کے گرد پھیل جائے اور ان کی تمام تر کارروائیوں پر بھرپور نظر رکھی جائے، اس سلسلے میں کوئی بھی اہم رپورٹ ہو فوری طور پر مجھے دی جائے، اس کے علاوہ دو افراد شہاب...... بینا اور عدنان واسطی صاحب کی نگرانی کریں اور خیال رکھیں کہ ان پر کسی طریقے سے نگاہ تو نہیں رکھی جا رہی ہے۔" جواب میں انجم شیخ کی آواز سنائی دی تھی۔

"یس سر...... تمام چیزوں کا دھیان رکھا جائے گا۔" ٹرانسمیٹر پر سلسلہ منقطع کرنے کے بعد شہاب نے بینا کی جانب دیکھا...... بینا کی آنکھوں میں ایک سحر انگیز کیفیت تھی، وہ اپنے بیڈ روم میں تھے اور تمام معمولات سے فراغت پانے کے بعد آرام کرنے کے لئے اندر آئے تھے...... شہاب ایک کرسی پر بیٹھ گیا تو بینا نے محبت بھرے انداز میں پوچھا۔

"چائے پئیں گے۔" شہاب نے نگاہیں اٹھا کر بینا کو دیکھا اور بولا۔

"کون بنائے گا۔"

"کیوں...... میں بناؤں گی۔" شہاب کے ہونٹوں پر مدہم سی مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے کہا۔

"نہیں بینا...... اس کے برعکس تم میرے قریب بیٹھو اور اگر کچھ عنایت ہی کرنا چاہ ہو تو اپنی گرم گرم سانسوں کو میرے وجود میں پیوست کر دو...... چائے بھلا ان کے سامنے کیا م دے گی۔"

"خدا آپ کو سمجھے...... اچھے خاصے جذبات کا ستیاناس کر دیتے ہیں۔"

"ارے...... ارے...... میں کسی غیر لڑکی سے تو یہ بات نہیں کہہ رہا۔"

"پلیز میں بڑی سنجیدہ ہوں۔"

"کیوں، وجہ۔"

"اس وقت آپ نے جو ہدایات جاری کی ہیں کیا عام حالات میں وہ ہدایات آپ میرے سامنے جاری کرتے۔"

"ہرگز نہیں بینا...... بھلا اس کا کیا سوال ہے، ویسے اس سلسلے میں ایک شعر میرے ذہن میں آتا ہے، سن لو شعر ہے۔

راز ہستی راز ہے جب تک کوئی محرم نہ ہو
کھل گیا جس دم تو محرم کے سوا کچھ بھی نہیں

بات بینا کی ہے نا اور بینا ایک قلمرو کی رانی ہے ایک شہنشاہ کی رانی...... ظاہر ہے شہنشاہ رانی سے اپنی حقیقتیں نہیں چھپا سکتا، بینا یہ ایک بہت بڑی سچائی ہے کہ اپنے والد کے سچ پر قربان ہونے کے بعد میں نے دل میں یہی فیصلہ کیا تھا کہ زندگی کو کوئی جہالت کا رنگ نہیں دوں گا...... ان لوگوں کی مانند جیوں گا جو کامیاب زندگی گزارتے ہیں اور اپنی سچائی کی صلیب پر نہیں لٹک جاتے...... میں نے یہ صلیب اپنے قبضے میں کر لی ہے...... صلیب وہی سچ کی صلیب ہے لیکن اس پر سزا پانے والے سچے لوگ نہیں ہیں بلکہ وہ جھوٹے لوگ ہیں جنہیں ان کے جھوٹ کی سزا سچ کی صلیب پر دی جاتی ہے...... آج تک یہی کرتا رہا ہوں اور بہت مطمئن ہوں اس بات سے کہ وقت نے، حالات نے، قدرت نے میری مدد کی ہے...... بینا بہت چھوٹی سی بات ہے...... بہت چھوٹی سی بات ہے، لیکن ہماری تاریخ شاہد ہے اور تمہارا بھی تجربہ گواہ ہے کہ بہت چھوٹی سی بات بہت بڑی نکل آتی ہے اور بات حقیقی بنیادوں پر بہت بڑی ہے اور اس بے سہارا خاندان کا اکلوتا ستون زمین بوس ہو رہا ہے...... کیسے گر جانے دوں اسے اور اگر اس سے کوئی جذباتی لرزش ہوئی ہے تو پھر مجبوری ہو گی بینا...... ویسے مرزا جواد

بیگ جیسے لوگ لمحاتی طور پر ذہن خراب کرنے کا باعث بن جاتے ہیں...... وہ کیا کر سکتے ہیں حقیقتوں سے ناآشنا لوگ اپنے آپ کو بڑی بلندیوں پر محسوس کر لیتے ہیں، لیکن یہ نہیں جانتے کہ اونٹ بھی ہوتا ہے اور پہاڑ بھی، اب کیا کہا جائے۔"

"تو پھر کیا پروگرام ہے شہاب۔"

"کچھ نہیں بینا...... بس جائیں گے، میرا مطلب ہے کام شروع کریں گے اور اعلیٰ پیمانے پر کریں گے، وکیل صاحب پوچھ رہے تھے کہ وہ لوگ جنہوں نے ہمیں یہ کیس دیا ہے، کوئی معاوضہ ادا کرنے کے قابل تو ہیں نہیں اور یہی تو ان کی خوبی ہے جسے وکیل صاحب نہیں سمجھتے۔" شہاب نے کہا اور بینا قربان ہو جانے والی نظروں سے شہاب کو دیکھنے لگی، پھر آہستہ سے بولی۔

"اور میں آج تک اس بات پر حیران ہوں شہاب یقین کرو میں واقعی اس بات پر حیران ہوں کہ آخر زندگی میں کون سا ایسا نیک کام کر لیا جس کے انعام کے طور پر تم مجھے ملے ہو۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی اور بولا۔

"اس کا مطلب ہے کہ اب مجھے وہ حق حاصل ہو گیا ہے جس کے لئے میں نے چائے کی جگہ فرمائش کی تھی۔" بینا کے چہرے پر شرم آلود مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے نگاہیں جھکا لی تھیں...... دوسرے دن چھٹی کا دن تھا، حالانکہ شہاب نے ویسے بھی ایک طویل چھٹی لے رکھی تھی، لیکن گھر کے دوسرے لوگوں کی چھٹی ہوا کرتی تھی تو اس دن کی نوعیت بالکل مختلف ہو جاتی تھی...... فائق حسین، واثق وغیرہ بھی گھر پر ہوا کرتے تھے...... طے یہ ہوا کہ عدنان واسطی صاحب کو کھانے پر بلایا جائے اور گھر میں تھوڑی سی ہنگامہ آرائیاں ہوں...... اس سلسلے میں فوراً عدنان واسطی صاحب سے رابطہ قائم کیا گیا...... بے چارے دو افراد تھے صرف ایک ٹیلی فون کال پر تمام پروگرام ملتوی کر کے بیٹی کی سسرال پہنچ گئے...... نعیمہ بیگم، ثریا بھابی، باقی افراد، گھر میں جو رونق ہوئی وہ قابل دید تھی، داماد بھی آ گئے تھے اور سب لوگ ہنسی مذاق میں مصروف ہو گئے تھے...... ایک زبردست ہنگامہ آرائی برپا تھی، سارے لوگ اپنے اپنے طور پر تفریحات میں مشغول تھے...... مشورہ کیا گیا کہ کھانے پکانے کا کیا بندوبست ہو، چنانچہ ایک دلچسپ تجویز پیش کی گئی وہ تجویز یہ تھی کہ آج کا کھانا پکانا مردوں کے سپرد رہے اور عورتوں کی بجائے کچن میں مرد پہنچیں اور کھانا پکانے کی ذمہ داری قبول کریں......

بہر حال یہ شرط بھی مان لی گئی اور اس کے بعد خوب ہنگامہ آرائی ہوئی...... دستر خوان پر جو کچھ نظر آیا تھا وہ تھا تو بہت عجیب و غریب، لیکن اس میں جو ایک تبدیلی تھی وہ انتہائی دلچسپ اور خوشگوار تھی، بہر حال کھانے کی میز پر بھی خوب خوش گپیاں ہوتی رہیں...... پھر تقریباً چار ساڑھے چار بجے یہ ہنگامہ آرائی ختم ہوئی اور عدنان واسطی صاحب شہاب اور بینا کو لے شہاب کے کمرے میں جا گھسے...... انہوں نے کہا۔

"بھئی یہ تو ہو گئی چھٹی والی بات، لیکن اب کچھ کام کی بات ہو جائے تو کوئی حرج تو نہیں ہے۔"

"آج تو پاپا رہنے ہی دیا جائے، آج بالکل موڈ نہیں ہے، ایسی کوئی بات کرنے کا...... بینا نے کہا۔

"ٹھیک ہے...... اگر یہ بات ہے تو میں معذرت چاہتا ہوں۔"

"لیکن واسطی صاحب میرے ذہن میں شروع ہی سے ایک پروگرام تھا اور سوری بینا یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہاری بات کاٹ رہا ہوں یا تمہاری اس خواہش سے انحراف کر رہا ہوں جس کا اظہار تم نے کیا ہے، بس یونہی چونکہ کام کے بغیر زندگی ادھوری محسوس ہوتی ہے اس لئے یہ تجویز میرے ذہن میں تھی اور آج شام کیلئے میں اس تجویز پر عمل کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔"

"تجویز کیا تھی۔"

"ایک چکر ہم ان لوگوں کے گھر کا لگاتے ہیں۔"

"کن لوگوں کے گھر کا۔"

"وہی رضا حسین کی بات کر رہا ہوں۔"

"ہاں...... اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے...... ہم اسے کوئی ایسا کام نہیں سمجھتے جس میں یہ کہا جائے کہ ہماری چھٹی متاثر ہوتی ہے۔"

"نہیں...... بس یونہی یہ بات میرے ذہن میں تھی۔"

"بہت اچھی بات ہے...... کیوں واسطی صاحب آپ کا کیا ارادہ ہے۔"

"بھئی میرا وہاں جانا مناسب نہیں ہو گا، اب تم لوگ یہ تو سمجھتے ہو کہ ہم فریق بن چکے ہیں...... خاص طور پر مرزا جواد بیگ سے گفتگو ہونے کے بعد تو صورت حال کو ذرا سنگین حدود میں داخل کرنا پڑے گا، کیونکہ مرزا جواد بیگ کے بارے میں یہ بات شاید تمہارے

ہیں ہو کہ وہ جب کسی سے کوئی مسئلہ کرتے ہیں تو پھر کچھ ایسے لوگوں کو بھی مصروف کر دیتے ہیں جو ایک طرح سے ان کے زر خرید ہوتے ہیں۔"

"کیا مطلب۔"

"کچھ ایسے لوگ جو اچھی شہرت کے حامل نہیں ہیں، مرزا جواد بیگ کے لئے کام کرتے ہیں...... مطلب یہ ہے کہ وہ ذرا ان کے تحفظ کے لئے یا پھر ان کے کسی مقصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تیار رہتے ہیں۔"

"واسطی صاحب یہ تو بڑا عجیب انکشاف کیا ہے آپ نے، کیا آپ کو اس کا ذاتی تجربہ ہے۔"

"ہاں۔"

"پھر تو انکار کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا لیکن طریقہ کار کچھ غیر مناسب نہیں ہے۔"

"اصل میں ابھی تک ایسی کوئی صورت حال سامنے نہیں آئی جس سے اندازہ ہو سکے کہ مرزا جواد بیگ نے اپنے کسی موکل کے خلاف کوئی غیر قانونی اقدامات کئے ہیں...... وہ لوگ جو انہوں نے اپنے طور پر کرائے پر حاصل کئے ہوئے ہیں اصل میں ایسے کاموں کی نگرانی کرتے ہیں جن سے مرزا جواد بیگ کو یہ خطرہ ہو کہ اپنے ہاتھ میں آیا ہوا کیس ہار جانے کی پوزیشن میں آ گئے ہیں...... میرا مطلب صرف اتنا سا تھا کہ ہمیں اپنا ہر قدم اٹھاتے ہوئے مرزا جواد بیگ کی جانب سے ہوشیار رہنا ہو گا...... دوسری طرف تم برا نہ ماننا، شہاب ویسے تو اچھے برے لوگ ہر محکمے میں ہوتے ہیں لیکن جہاں تک اقبال شاہ سے میرا معاملہ ہے یعنی میں جس قدر اسے جانتا ہوں اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال شاہ بھی ایسا ہی آدمی ہے جو آسانی سے کام کر دیا کرتا ہے...... شہاب کچھ دیر خاموشی سے سوچتا رہا پھر اس کے بعد اس نے کہا۔

"اور اگر ان دونوں باتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے واسطی صاحب اتنی سی بات دماغ میں ابھرتی ہے کیا آپ اس سے اتفاق کریں گے۔"

"تیسری بات۔"

"جی ہاں۔"

"کیا، ذرا سی وضاحت کرو۔"

مرزا جواد بیگ اور اقبال شاہ کو اس راستے پر لگانے والا کون شخص ہو سکتا ہے، ہم یہ بات

تو کھلے دل سے کہہ سکتے ہیں کہ امجد فضل خان جس کی بھتیجی کا قتل ہوا ہے اور یہ قتل اس معمولی سے ملازم نے کیا ہے، اپنے اس معمولی سے ملازم کو معاف کرنے کے لئے ہر ق اُٹھا سکتا ہے، لیکن کیا امجد فضل خان جیسا شخص یہ بھی چاہے گا کہ کوئی ایسا شخص اس معا میں پھنس جائے جس نے اصل گناہ کیا ہو۔" شہاب کے سوال پر عدنان واسطی اور بینا سوچ میں ڈوب گئے، کچھ لمحے کے بعد عدنان واسطی نے کہا۔

"شہاب میں تمہارا مطلب سمجھ رہا ہوں...... واقعی یہ تو ایک نیا نکتہ نگاہوں کے سا آیا ہے، ہمیں اس پر غور کرنا پڑے گا۔"

خیر غور تو ہم ایک ایک نکتے پر کریں گے...... شہاب نے کہا۔

"ہاں بھئی...... سچی بات یہ ہے کہ اب یہ دماغ بوڑھا ہو گیا ہے اور جوانی کے عالم بھی ہم نے صرف قانون کی کتابوں میں داخل ہو کر قانون کی دفعات تلاش کی ہیں...... یہ کہ اندر سے کیا ہو رہا ہے اس کے بارے میں سچی بات یہ ہے کہ کبھی بھاگ دوڑ نہیں کی نہ ہی اپنے اندر اتنی ہمت پائی۔"

"تو پھر ٹھیک ہے واسطی صاحب اب دن کی تفریحات ختم ہو گئیں...... آپ لو انجوائے کیجئے ان لوگوں کے ساتھ، ویسے بھی آپ کا سمدھیانہ ہے...... تھوڑی سی گپیں رہیں گی...... ہم لوگ ذرا خاموشی سے نکل جائیں گے کیونکہ اس وقت اہل شرارت آسانی سے گھر سے باہر نہیں جانے دیں گے۔"

"اور اگر مجھ سے سوال کیا گیا تو۔"

"تو آپ بھی دوسروں کی طرح لاعلمی ظاہر کیجئے...... ہم لوگ اپنے کمرے میں ہمارے پاس ایسے ذرائع ہیں کہ ہم خاموشی سے یہاں سے نکل جائیں...... اصل میں جو لو باہر کے مہمان آئے ہوئے ہیں نا، ان کو چھوڑ کر جانے کی اجازت نہ تو والدہ صاحبہ دیں گ نہ بھابی صاحبہ، چنانچہ خاموشی سے نکل جانے ہی میں عافیت ہے۔"

"جیسا پسند کرو بھئی، ہمیں ذرا سی اداکاری کرنا پڑے گی۔"

"آپ کو...... ظاہر ہے آنٹی تو اس میں شریک نہیں ہوں گی۔"

"تمہاری آنٹی کا بھی کوئی جواب نہیں ہے، کبھی انہوں نے زندگی میں جھوٹ بو کوشش کی تو یقین کرو اتنی سچائی سے جھوٹ بولا کہ جھوٹ پر بھی شرم آجائے۔" وا

صاحب نے کہا اور سب ہنسنے لگ گئے، پھر اس کے بعد واسطی صاحب تو کمرے میں چلے گئے تھے...... شہاب اور بینا مختصر سی تیاریاں کرنے کے بعد باہر نکل آئے، درحقیقت کسی کو اندازہ بھی نہیں ہو سکا تھا کہ یہ دونوں کب باہر نکل گئے ہیں...... شہاب خاموشی سے کار ڈرائیو کر رہا تھا...... ان لوگوں کے ذہنوں میں عجیب سے خیالات تھے...... یہ کوئی نئی بات نہیں تھی، اس سے پہلے بھی اس طرح کے لاتعداد واقعات سے واسطہ پڑ چکا تھا اور بہر حال تقدیر نے انہیں کامیابی ہی عطا کی تھی، ویسے بھی انسان کا ایمان ہونا چاہئے کہ اللہ کی طرف سے بے گناہوں کی مدد ہوتی ہے، اب یہ الگ بات ہے کہ شیطان کا عمل بھی جاری تو رہتا ہی ہے آخر اسے بھی کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہوتا ہے، ورنہ اس کی شیطانیت کہیں جا سوئے تھوڑی دیر کے بعد اس علاقے میں پہنچ گئے جس کے بارے میں تفصیلات معلوم ہو چکی تھیں...... کار کو ایک جگہ کھڑا کرنے کے بعد شہاب اور بینا فاصلہ طے کرتے ہوئے اس گھر کے دروازے تک پہنچ گئے...... کار کو براہ راست گھر کے دروازے تک لے جانے کا مقصد یہ تھا کہ بات کسی اور کے علم میں بھی آجائے، صورت حال تھوڑی سی ذرا اُلجھی ہوئی تھی، اس لئے اس بات پر غور کرنا پڑا تھا...... دستک دی تو فاطمہ نے دروازہ کھولا...... ایک لمحے کے لئے ان دونوں کو پہچاننے کی کوشش کرتی رہی اور پھر پہچان گئی، جلدی سے پیچھے ہٹ کر بولی۔

آپ لوگ، آیئے، براہ کرم اندر جایئے، شاید کافی عرصے کے بعد اس کے چہرے پر خوشی کی لہر بیدار ہوئی تھی اور اس کی وجہ یہی تھی کہ ان دونوں کی آمد اس کے لئے غیر متوقع تھی، اس نے جلدی سے پلٹ کر دروازہ بند کر لیا اور بے اختیار چیخی۔

"امی، ابو دیکھئے کون آیا ہے...... وہ لوگ آئے ہیں ابو، وہ وکیل صاحب اور وکیل صاحب ابو اور رضا حسین اور اس کی بیوی باہر نکل آئے تھے...... پورے گھر پر ایک سوگوار کیفیت طاری تھی، اس سوگواری کو محسوس کیا جا سکتا تھا وہ دونوں بھی شہاب اور بینا کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے اور رضا حسین نے فوراً ہی ان کے لئے بیٹھنے کا انتظام کرتے ہوئے کہا۔

"امید نہیں تھی اس طرح آپ لوگ اچانک بغیر کسی اطلاع کے آئیں گے۔"

"یہ بتایئے آپ کو ہماری آمد سے تکلیف تو نہیں ہوئی۔" شہاب نے سوال کیا۔

"وکیل صاحب یہ تکلیف ہمیں کیسے ہو سکتی ہے، ہم نے اپنے آپ کو کبھی اس قابل نہیں سمجھا کہ آپ جیسی شخصیت ہمارے گھر آئے...... ارے وکیلوں کے پاس تو لاکھوں چکر

لگانے پڑتے ہیں وہ بھلا۔"

"خیر آپ کا جو دل چاہے کہہ لیجئے، میں آپ سے کیا عرض کروں...... حالانکہ اصو[لی] طور پر میں وکیل ہوں ہی نہیں۔"

"جی...... وکیل نہیں ہیں۔"

"جی ہاں، وکیل کا داماد ہوں۔" شہاب نے کہا اور ہنسنے لگا۔

"وہ صاحب جو عدنان واسطی صاحب۔"

"جی ہاں...... یہ ان کی صاحبزادی بینا ہیں اور میری بیگم ہیں، البتہ یہ وکیل ہیں۔"

"اس دن تو اصل میں تعارف ہو ہی نہیں سکا تھا اور پھر سچی بات تو یہ ہے کہ تعارف کی گنجائش نہیں تھی، ہم لوگ تو بہت معمولی لوگ ہیں۔"

"جی...... واقعی آپ بہت معمولی سے لوگ ہیں، بھلا معمولی سے لوگوں کا کہیں انسانوں سے تعارف ہوتا ہے۔" شہاب نے کہا اور رضا حسین چونک کر دیکھنے لگے، پھر ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے...... انہوں نے کہا۔

"اصل میں بیٹے...... معاف کیجئے گا وکیل صاحب، انسان اپنی اوقات کا تعین تو نہیں کرنا چاہتا، لیکن وقت، حالات، سماج اور معاشرہ اسے مجبور کر دیتا ہے کہ وہ انسانیت کا تعین بھی کرے اور انسانوں کی ان قسموں کو تسلیم کرے جو وقت اور حالات نے مقرر کی ہیں...... غربت، مصیبت، درجے یہ ساری چیزیں اب اس دُنیا میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں...... ان کے خلاف بولنے والے خوبصورت تقریریں تو کر سکتے ہیں لیکن وہ خود بھی جانتے ہیں کہ ان کی تقریریں بے مقصد اور ٹوٹی پھوٹی ہوتی ہیں۔"

"جی ہاں...... بالکل ٹھیک کہا آپ نے، بہرحال میں کوئی جذباتی گفتگو نہیں کرنا چاہتا آپ سے...... اس سلسلے میں کام شروع کر دیا گیا ہے، آپ کو بتانا بھی مقصود تھا...... اس کے علاوہ یہ بھی مسئلہ ہے کہ کچھ تھوڑی سی معلومات آپ سے ہو جائیں تو ہمارے لئے کارآمد رہیں گی۔"

"بڑی خوشی کی بات ہے یہ تو کہ آپ لوگ مجھ غریب کے معاملے میں اتنی دلچسپی لے رہے ہیں، صرف اللہ سے آپ کی صحت و تندرستی اور زندگی کی دعا ہی کر سکتا ہوں۔"

"بس وعدہ کیجئے کہ یہ دعائیں جاری رکھیں گے۔"

"ہاں...... کیوں نہیں...... لیکن پتا نہیں میری دعاؤں کی قبولیت کی کیا کیفیت ہو کیونکہ اپنے بیٹے کے لئے مانگی ہوئی دعائیں بھی ابھی تک مقبولیت کی منزل میں داخل نہیں ہو سکی ہیں۔"

"سب سے بڑا مسئلہ اور مرحلہ یہی ہوتا ہے رضا حسین صاحب...... میں مذہبی آدمی نہیں ہوں لیکن جن لوگوں کو مذہب کے بارے میں معلومات حاصل ہیں وہ کم از کم ایک بات ضرور کہتے ہیں وہ یہ کہ جب کسی مشکل میں انسان پڑ جاتا ہے تو اس کے بعد اسے حوصلے سے کام لینا چاہئے کیونکہ امتحان کے وہی لمحات زیادہ سخت ہوتے ہیں اور انہی لمحات سے گزر جانے کا مطلب یہ ہے کہ امتحان میں کامیابی حاصل ہو گئی۔"

"ماشاء اللہ بڑے اچھے خیالات ہیں خیر ظاہر ہے اچھا ہی کہوں گا تمہیں...... مجھے بتاؤ میں اپنے بیٹے کی زندگی کے حصول کے سلسلے میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"کچھ معلومات درکار ہیں آپ سے۔"

"ہاں پوچھو۔"

"براہ کرم مجھے اس سلسلے میں مکمل تفصیلات بتاتے جائیے جس قدر آپ کو معلوم ہیں اور فاطمہ آپ چونکہ فیصل رضا کی اکلوتی بہن ہیں، ظاہر بات ہے بہن بھائیوں کے درمیان خاص مفاہمت ہوتی ہے، آپ اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے جو کچھ آپ کے علم میں ہے اس کی مجھے پوری تفصیل بتائیے...... بہت ضروری ہے یہ تفصیل معلوم ہونے کے بعد مجھے کچھ فیصلے کرنے میں آسانی ہو گی۔"

"آپ یقین کیجئے کہ میں آپ سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گی۔"

"بہرحال ہماری دعا ہے میری اور میری بیوی کی کہ فیصل رضا صحت و تندرستی کے ساتھ اپنے اس الزام سے بری ہو کر آپ کے پاس واپس پہنچے، لیکن اس کے لئے آپ کا تعاون بے حد ضروری ہو گا...... اگر آپ نے کہیں بھی اس تعاون سے گریز کیا تو میرے لئے کام کرنے میں مشکلات پیش آئیں گی۔"

"نہیں...... نہیں آپ اس کا تصور نہ کریں، اس وقت تعاون نہیں کریں گے آپ سے تو پھر وہ کون سا وقت ہو گا۔"

"بالکل ٹھیک...... فاطمہ آپ یہ بتائیے کہ فیصل رضا کیا واقعی اپنے باس کی بھتیجی رمشہ

سے محبت کرنے لگا تھا۔" فاطمہ ایک لمحے کے لئے خاموش رہی اس نے اپنے باپ کی جانب دیکھا، پھر آہستہ سے بولی۔

"میں معذرت خواہ ہوں ابو...... آپ کے سامنے ایسے الفاظ زبان سے نکالوں گی جو آپ کے احترام کی وجہ سے مجھے نہیں نکالنے چاہئیں، لیکن جیسا کہ وکیل صاحب نے کہا یہ مجبوری ہے، چنانچہ میں۔"

"ہاں...... تم جو کچھ بتا سکتی ہو وکیل صاحب کو بے دھڑک بتاؤ، میری طرف سے تمہیں اجازت ہے۔" رضا حسین نے کہا۔

"جی ہاں، غالباً رمشہ صاحبہ بھائی جان سے متاثر تھی، بھائی جان کی خود تو کبھی جرات نہیں پڑ سکتی تھی کہ کوئی ایسا کھیل شروع کریں...... سب سے بڑی بات یہ تھی وکیل صاحب کہ اتنے عرصے کی کوششوں کے بعد انہیں یہ ملازمت ملی تھی، اس ملازمت کو وہ عشق و محبت کی نذر نہیں کر سکتے تھے...... کئی بار انہوں نے مجھ سے کہا کہ فاطمہ کچھ عجیب سے حالات سے واسطہ پڑ رہا ہے آج کل...... کیا بتاؤں تمہیں اور کیا نہ بتاؤں لیکن انسان کو اپنی زندگی میں ایک رازدار کی ضرورت ہوتی ہے...... چلو میری رازدار بن جاؤ اس وعدے کے ساتھ کہ جو کچھ میں تمہیں بتاؤں گا اسے تم چھپا کر رکھو گی۔"

"جی میں وعدہ کرتی ہوں بھائی جان۔"

"وہ اصل میں میرے مالک کی ایک بھتیجی صاحبہ ہیں، کہتی تو یہ ہیں کہ وہ سب کچھ انہی کا ہے اور ٹرانسپورٹ کی اس کمپنی کے اصل مالک وہ ہیں...... امجد فضل خان تو ایک طرح سے اس تمام کام کے نگران ہیں اور ان کا مستقبل بہت شاندار ہے...... انہوں نے پہلی بار مجھے اپنی کار میں چھوڑنے کی پیشکش کی تو میں نے شکریہ کے ساتھ اسے مسترد کر دیا لیکن دوسری تیسری بار انہوں نے کہا اور پھر کسی قدر ناراض ہونے لگی تو مجھے ان کی قربت قبول کرنی پڑی...... اب صورت حال مجھے کچھ گڑبڑ نظر آتی ہے۔" میں نے پوچھا، بھائی جان کیسی گڑبڑ تو بس وہ خاموش ہو گئے...... مطلب صاف ظاہر تھا...... اس کے بعد دو تین بار میں نے خود ہی کریدا تو وہ کہنے لگے کہ رمشہ کھل کر ان سے اظہار محبت کر چکی ہے اور کہتی ہے کہ وہ ان سے شادی کرے گی۔"

"آپ نے یہ نہیں پوچھا فاطمہ کہ کیا رمشہ کے چچا امجد فضل خان کو یہ بات معلوم ہو گئی۔"

"پوچھا تھا۔"

"پھر۔"

"بھائی جان نے بتایا کہ نا صرف انہیں بلکہ چونکہ محترمہ رمشہ انہیں اتنی زیادہ اہمیت دینے لگی ہیں اور دفتر میں بھی کبھی کبھی ان کے سامنے کرسی ڈال کر بیٹھ جاتی ہیں اور ان سے باتیں کرتی رہتی ہیں...... کئی بار امجد فضل خان نے بھائی جان کو طلب کر کے ان کے کام کی کوتاہیوں پر ڈانٹ ڈپٹ بھی کی، لیکن بھائی جان نے انہیں یہ بتایا کہ رمشہ ان کے سامنے بیٹھی ان سے حساب کتاب طلب کر رہی تھی...... اس لئے اس کام میں دیر ہو گئی، مطلب یہ کہ وہاں موجود تقریباً تمام افراد کو اس بارے میں معلومات حاصل تھیں کہ رمشہ بھائی جان کی جانب متوجہ ہیں۔"

"ہوں...... اس کے علاوہ ایسی کوئی خاص بات جو آپ کے خیال میں باعث توجہ ہو۔"

"جی ہاں...... ایک خاص بات ہے جس پر غور کرنے کے بعد ہم لوگوں نے فیصلہ کیا تھا کہ یہ وکیل صاحب کو بتائی جائے گی...... آپ خود تشریف لے آئے اس لئے یہ بات آپ کو بتانا بے حد ضروری ہے لیکن براہ کرم آپ وکیل صاحب کو بھی بتا دیجئے گا۔"

"مجھے تو صرف اس بات پر شرم آتی ہے وکیل صاحب کہ میں نے آپ لوگوں کو کوئی معاوضہ بھی ادا نہیں کیا اور مجھے نہیں معلوم کہ آپ کا معاوضہ کیا ہے اور یہ بھی نہیں معلوم کہ میں...... میں اسے ادا بھی کر سکوں گا یا نہیں لیکن میرا بیٹا۔"

"دیکھئے...... آپ معاوضے کی بات کو بالکل ذہن سے نکال دیجئے، یوں سمجھ لیجئے اس وقت یہ بات چیت ہو گی، جب آپ کا بیٹا آزاد ہو کر اپنے گھر واپس آ جائے گا...... آپ سمجھ لیجئے کہ یہ آپ کے اور ہمارے درمیان معاہدہ ہے کہ اس وقت تک آپ سے کسی معاوضے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔"

"اور نہ ہی تعین۔" رضا حسین نے پوچھا۔

"تعین...... بس آپ یہ سمجھ لیجئے کہ وہ معاوضہ اتنا ہو گا کہ آپ بخوشی اور بآسانی دے سکیں گے...... یہ بات تو آپ جانتے ہی ہیں کہ میں اس سلسلے میں اپنے سسر کی نمائندگی کر رہا ہوں۔" شہاب نے کہا اور رضا حسین نے گردن جھکا دی، پھر آہستہ سے بولا۔

"اللہ آپ کو خوش رکھے، اس کے علاوہ میں بدنصیب کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"ہاں...... فاطمہ آپ اپنا بیان جاری رکھیں۔"

"نہیں سر...... بیان کی بات نہیں ہے...... ہوا یہ کہ بھائی جان کے جو خون آلود کپڑے وہاں سے ملے ہیں...... وہ ایک عجیب و غریب نوعیت رکھتے ہیں اور اب غور کرنے پر ہمیں ان کے بارے میں یاد آیا ہے۔"

"کیا۔" شہاب نے دلچسپی سے پوچھا۔

"چونکہ بھائی جان مجھے اپنا رازدار بنا چکے تھے اور اپنے حالات بتاتے رہتے تھے اس لئے اس دن بھی انہوں نے بتایا کہ ابو سے خواہ مخواہ جھوٹ بولنا پڑتا ہے اور اس جھوٹ کی بنیاد بھی ان کا قصور نہیں ہے...... رمشہ جب وہ آفس سے نکلتے ہیں تو باہر ان کی منتظر ہوتی ہے اور بڑے عجیب و غریب بہانے کر کے انہیں اپنے ساتھ بٹھا کر لے جاتی ہے...... کہتی ہے گھر چھوڑ دے گی لیکن کسی پارک میں، کسی تفریحی مقام پر، ساحل سمندر پر یا پھر کسی ہوٹل میں وہ کوشش کے باوجود انکار نہیں کر سکتے...... ایک دو بار رمشہ نے ان سے یہ بھی کہا کہ جب انہیں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ کاروبار اس کا اپنا ہے تو اس وقت تک تو خاموشی اختیار کریں جب تک کہ امجد فضل خان اس سلسلے میں ان سے کوئی باز پرس نہ کرے یا پھر انہیں اس بات پر ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے کہ وہ رمشہ کے ساتھ کیوں جاتے ہیں...... مطلب یہ کہ وہ یہ کہنا چاہتی تھی کہ وہ اصل مالک ہے اور ان سے محبت کرتی ہے، چنانچہ وہ صرف دو کام کریں جن کی وہ ہدایت کرے...... جب کبھی امجد فضل خان بھائی جان سے کچھ باز پرس کریں گے اور معلومات حاصلکریں گے تو رمشہ اس معاملے میں دخل اندازی کر دے گی، لیکن ظاہر ہے بھائی جان گھر واپس آجانے کے بعد امی اور ابو کو یہ بات نہیں بتا سکتے تھے کہ وہ ایک لڑکی کے جال میں گرفتار ہو گئے ہیں اور اس کے ساتھ کسی ہوٹل میں بیٹھے گلچھڑے اڑا رہے تھے، چنانچہ وہ اکثر جھوٹ بولتے رہتے تھے اور کہتے تھے کہ دفتر میں اوور ٹائم ہو رہا ہے اور آپ یقین کریں کہ وہ اس اوور ٹائم کی رقم بھی باقاعدہ دے دیا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ یہ رقم رمشہ انہیں دیا کرتی تھی، کیونکہ بقول بھائی جان کے انہوں نے رمشہ کو بتا دیا تھا کہ انہوں نے گھر میں کیا کہا ہے، چنانچہ رمشہ ان کے پرس میں نوٹ رکھ دیا کرتی تھی جو اوور ٹائم کی شکل میں بھائی جان گھر لا کر دے دیا کرتے تھے تو اس دن جب بھائی جان واپس آئے تو خاصی دیر ہو چکی تھی، آٹھ ساڑھے آٹھ بج چکے تھے، گھر آنے کے بعد انہوں نے لباس تبدیل کیا، میں آپ کو وہ جگہ دکھا سکتی ہوں جہاں وہ اپنے کپڑے لٹکا دیا کرتے تھے اور اس دن بھی انہوں نے ایسا

ہی کیا تھا...... رات کا کھانا بھی انہوں نے ہمارے ساتھ نہیں کھایا تھا...... پیٹ کے درد کی شکایت کر دی تھی اور بعد میں ہنستے ہوئے بتایا تھا کہ کھانا وہ رمشہ کے ساتھ ایک عمدہ سے ہوٹل میں کھا کر آئے ہیں...... کپڑے وہیں لٹکے ہوئے تھے دوسرے دن چونکہ انہوں نے لباس تبدیل کرنا تھا، میں ان کے اکثر لباس استری خود ہی کر دیا کرتی تھی، چنانچہ دوسرے دن کے لئے میں نے وہ لباس استری کر دیا تھا اور پھر وہ لباس مجھے نہیں ملا...... آپ یقین کیجئے کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ میں پرانے کپڑے کہیں ڈال دیا کرتی تھی اور بعد میں کئی کئی دن تک ان کو نہیں دھویا جاتا تھا...... لانڈری میں نہیں ڈالا جاتا تھا، میں اس لباس کو بھول ہی گئی اور وہ لباس وہاں موجود نہیں ملا...... مجھے یاد آیا کہ یہ تو وہی لباس ہے جو وہاں سے دستیاب ہوا ہے یعنی اس جگہ سے جہاں وہ خون میں ڈوبا ہوا پڑا تھا، جبکہ اس رات میں نے اس لباس کو وہیں ٹنگے ہوئے دیکھا تھا، اس کے علاوہ ایک اور بات بھی ہے جو امی بتائیں گی، فاطمہ نے کہا اور فیصل رضا کی والدہ گلا صاف کر کے بولیں۔

"ہاں، کیونکہ ہم لوگوں نے یہ طے کیا تھا کہ یہ تمام تفصیلات وکیل صاحب کو بتائی جائیں گی، اصل میں مجھے شوگر کا مرض ہے اور اس کی وجہ سے اکثر رات کو میں جاگ کر واش روم جاتی ہوں...... کئی بار اُٹھ کر پانی بھی پیتی ہوں، اس رات بھی میں اپنی جگہ سے اُٹھی تھی تو میں نے محسوس کیا تھا کہ کوئی باہر موجود ہے، پہلے تو میں یہ سمجھی کہ شاید فیصل کسی کام سے باہر نکلا ہے، جھانک کر فیصل کے کمرے میں دیکھا تو وہ گہری نیند سو رہا تھا...... فاطمہ ہمارے ساتھ ہمارے کمرے میں سوتی ہے وہ بھی اپنی جگہ موجود تھی اور فاطمہ کے ابو بھی، میں نے بھی سوچا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ صرف میرا وہم ہو اور بلاوجہ ان لوگوں کو جگا کر میں پریشان نہ کروں...... بعد میں خیال ہی نہ رہا...... دروازہ اسی طرح بند تھا اور کوئی ایسی نشانی بھی نہیں تھی جس سے یہ سمجھا جائے کہ کوئی اندر داخل ہوا تھا، لیکن اب یہ پتا چلتا ہے کہ وہ لباس باقاعدہ چوری کیا گیا تھا، سمجھ رہے ہیں نا وکیل صاحب، وہ لباس کسی نے فیصل کو پھنسانے کے لئے چوری کر لیا تھا اور بعد میں اسے خون میں ڈبو کر پھینک دیا گیا۔"

"جی، آپ نے بہت اچھا پوائنٹ بتایا ہے مجھے، ہم اس بات کو ذہن میں رکھیں گے، بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ ہیں...... آپ لوگوں کو مکمل حوصلے سے کام لینا چاہئے اور ایک سوال میں آپ سے اور کرنا چاہتا ہوں۔"

"آپ ہزاروں سوال کیجئے۔"

"کسی نے اس کے بعد آپ کو کوئی پریشان کرنے کی کوشش تو نہیں کی۔"

"نہیں...... ہماری پریشانی تو بس یہی رہی ہے کہ ہمارا بچہ زندگی اور موت کے درمیان لٹک کر رہ گیا ہے...... اب کیا کیا جائے اور کیا نہ کیا جائے...... بس یہ سمجھ میں نہیں آرہا، صورت حال جو ہوئی ہے اس کا آپ کو اندازہ ہے وکیل صاحب۔"

"پولیس نے یہاں آپ کے گھر کی تلاشی تو لی ہوگی۔"

"بڑی باقاعدگی سے اور بہر حال کسی کو کیا کہا جائے، تقدیر کی خرابی تو پتا نہیں کیا کیا کرا لیتی ہے۔"

"کیا مطلب۔"

"وہ پولیس افسر جو آئے تھے وہ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ہم سب کو اس قتل کے الزام میں گرفتار کرنا چاہتے ہوں یا سب کو ہی قاتل سمجھ رہے ہوں، ان کا رویہ بہت خراب تھا۔ بڑے تلخ انداز میں ہم سے ایک ایک چیز کے بارے میں پوچھتے رہے...... فیصل کے پورے کمرے کی تلاشی لی تھی انہوں نے۔"

"کچھ لے گئے تھے یہاں سے۔"

"نہیں...... انہیں کوئی ایسی چیز نہیں ملی جو وہ ساتھ لے جاتے، یہ بھی ان کی برہمی کی وجہ تھی، وہ ہر قیمت پر فیصل کے خلاف کوئی ثبوت حاصل کرنے کا شوق رکھتے تھے اور ان کا شوق پورا نہیں ہو سکا تھا۔"

"ہوں...... ٹھیک تو اور کوئی ایسی بات جو آپ کے ذہن میں ہو، یاد کر کے بتایئے۔"

"اور تو کوئی ایسی بات ذہن میں نہیں آتی۔"

"ٹھیک ہے، بہت بہت شکریہ...... آپ یوں سمجھ لیجئے جو معلومات آپ نے ہمیں فراہم کی ہیں وہ بھی بڑی اہمیت کی حامل ہیں اور آپ یہ نہ سمجھئے بلکہ میں بتاؤں آپ کو اس وقت تک آپ اس بات کو کسی اور کو بتایئے بھی نہیں جب تک ہم آپ کو مشورہ نہ دیں۔"

"ایک بات بتایئے وکیل صاحب۔" رضا حسین نے سوال کیا اور شہاب ان کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"ہاں...... پوچھئے۔"

"آپ نے واقعی ہمارا کیس اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے...... میرا مطلب ہے عدنان واسطی صاحب نے۔"

"ارے...... آپ کو کوئی شبہ ہے۔"

"شبے کی بات نہیں ہے اصل میں ہم کچھ بھی تو نہیں دے سکے انہیں، اب ایسی بات نہیں ہے کہ ہم انہیں کچھ نہ دے سکیں...... بچے کے لئے جو کچھ بھی ممکن ہو سکتا ہے وہ ہم کریں گے، کچھ عزیز واقارب بھی مالی امداد پر آمادہ ہو گئے ہیں...... آپ صرف یہ بتا دیجئے کہ کیا۔"

"رضا حسین صاحب وہ عزیز واقارب جو آپ کی مالی مدد پر آمادہ ہو گئے ہیں، بے شک آپ کا ان سے خون کا رشتہ ہو گا اور کوئی بھی زبردستی یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ وہ آپ کا عزیز ہے...... ہماری خواہش تو یہ تھی کہ آپ ہمیں بھی اپنے عزیزوں میں ہی تصور کر لیتے اور کچھ نہ ملتا تو کم از کم آپ کی طرف سے دعائیں ہی مل جاتیں، دعاؤں کی بھی بہت بڑی قیمت ہوتی ہے...... بہر حال جہاں تک معاملہ لین دین کا ہے تو اس بارے میں آپ سے جو گفتگو ہو چکی ہے اس میں مزید کوئی بات کہنا بس یہ احساس ہو گا کہ آپ ہمارا خلوص بے مقصد سمجھتے ہیں اور اس بات پر یقین نہیں رکھتے کہ کوئی کسی کے ساتھ مخلصانہ طور پر بھی مصروف کار ہو سکتا ہے، اب یہ آپ کی مرضی ہے کچھ دینا چاہتے ہیں تو بے شک عدنان واسطی صاحب کو کچھ دے دیں، ورنہ یہ انہی کے الفاظ ہیں...... ہاں، ایک بات آپ کو بتا دوں جب خلوص کی توہین کی جاتی ہے تو دل ٹوٹ جاتا ہے اور اس وقت پھر انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ مدمقابل اسے یا تو چھوٹا سمجھ رہا ہے یا اس کی شخصیت کو قبول نہیں کر رہا۔" جواب میں رضا حسین نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے تھے اور سر جھکا کر کہا تھا۔

"دس جوتے مار لیجئے ان الفاظ پر مگر خدارا برا نہ مانئے گا...... کیا کروں پاگل ہو چکا ہوں، دیوانہ ہو گیا ہوں تھوڑا سا۔"

"اپنے آپ کو سنبھالئے رضا حسین صاحب اور اس وقت کا انتظار کیجئے جب آپ کا بیٹا مشکلات سے نکل آنے کے بعد سرخرو ہو کر واپس گھر آجائے گا۔"

"اللہ تمہاری زبان مبارک کرے۔" بہر حال یہ تمام جذباتی منظر ہوتے تھے اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی، اس سے پہلے بھی ایسے کئی مواقع پیش آ چکے تھے کیا کیا جاتا مجبوری تھی۔ مجرم جرم کرتا ہے اور کبھی کبھی اپنا جرم کسی اور کے سر منڈھنے کی کوشش بھی کرتا ہے، پھنسنے

والا اس طرح پھنستا ہے کہ بیچارہ زندگی سے ہی محروم ہو جائے...... ایسے موقع پر جو بھی کہہ ڈالے وہ کم ہے، لیکن بہر حال اور کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا، سوائے اس کے کہ خا اختیار کر لی جائے...... بینا اور شہاب وہاں سے واپس چل پڑے تھے اور پھر بینا نے یہ پوچھا کہ شہاب کہاں جا رہا ہے، لیکن جب شہاب نے اپنے اسی مخصوص ہوٹل کے سامنے روکی جہاں ان کی زندگی کے بیشتر واقعات رونما ہوئے تھے تو بینا کے ہونٹوں پر مدھم مسکراہٹ پھیل گئی۔ ہوٹل میں داخل ہوتے ہوئے کہنے لگی۔

"اور یقینی طور پر اب ہم اسی کیبن میں جائیں گے۔"

"ہاں اور ویٹر ہمیں مسکراتی نگاہوں سے دیکھے گا۔"

"کیوں نہ اس ویٹر کو ہم یہ حقیقت بتا دیں کہ مسئلہ اب مختلف ہو چکا ہے۔"

"نہیں بینا چلنے دو...... اسے اس بات میں لطف آتا ہے۔"

شہاب نے کہا...... لیکن آج اس کیبن میں اس ویٹر کی ڈیوٹی نہیں تھی بلکہ وہ نظر نہیں آیا تھا...... نئے ویٹر سے انہوں نے اس کے بارے میں معلوم کیا تو پتا چلا کہ وہ چھٹی اپنے گاؤں چلا گیا ہے اور کچھ دن کے بعد واپس آئے گا، اپنے لئے مطلوبہ اشیا طلب کر ہوئے شہاب نے بینا سے کہا۔

"ہاں...... بہر حال میں یہ سمجھتا ہوں بینا کہ اس وقت ہمارا ان کے گھر جانا بڑا کار آمد رہا"

"بہت زیادہ...... اس سے کم از کم ایک بات تو منظر عام پر آئی کہ کوئی شخصیت ایسی جو اس سارے معاملے کو فیصل رضا کے سر تھوپنا چاہتی ہے۔"

"بالکل...... وہ شخصیت کون ہو سکتی ہے۔"

"میں یہ سمجھتی ہوں شہاب کہ ہمیں اپنی تمام تر توجہ امجد فضل خان کی جانب مبذ کرنی چاہئے...... اس کے بارے میں تفصیل سامنے لانا ضروری ہے۔"

"ویری گڈ...... یقین کرو مجھے تم سے اسی بات کی توقع تھی، تم نے سوچا تو ہو گا کہ سے اہم کردار کو میں نے ابھی تک نگاہوں سے اُوجھل کر رکھا ہے۔"

"جی نہیں...... اگر اپنے آپ کو سمجھنے کے سلسلے میں میری جان کاری کا دعویٰ ہیں تو آپ کا کیا خیال ہے کیا میں اس کی وجہ نہیں سمجھ سکی ہوں گی۔"

"ویری گڈ...... بتانا پسند فرمائیں گی آپ۔"

"جی فرمائیے دیتی ہوں کوئی حرج نہیں ہے۔"

تو ارشاد فرمائیے گا۔

"کیا مجھے یہ بات معلوم نہیں ہے کہ آپ نے ڈبل او گینگ کے آدمیوں کو مختلف لوگوں پر تعینات کر دیا ہے، ان میں جواد بیگ بھی ہیں...... انسپکٹر اقبال شاہ بھی اور دوسرے چند کردار بھی...... ویسے یہ نہیں معلوم مجھے ابھی تک ان میں سے کسی کی طرف سے کوئی رپورٹ موصول ہوئی ہے یا نہیں۔"

"بس اتنی ہی رپورٹ ہے کہ ابھی تک کوئی ایسی خاص بات نہیں ہوئی جسے قابل ذکر کہا جا سکے۔"

"میں سمجھتی ہوں خاص بات ہونی چاہئے۔" بینا نے کہا۔

"مثلاً کیا۔"

"کم از کم ہمیں فوری طور پر امجد فضل خان کے بارے میں صحیح تفصیلات موصول ہونی چاہئیں۔"

"ہاں بینا...... میرا ذہن بھی اس طرف جاتا ہے، ہم تفصیلات معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

"او کے...... اب اس سلسلے میں یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ اس سب کی تفصیلات کیا ہے...... رمشہ کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرنا پڑیں گی، دیکھتے ہیں صورت حال کیا نکلتی ہے۔"

"او کے۔"

"میرے لئے کیا حکم ہے جناب۔"

"کیا مطلب۔"

"میرا مطلب یہ ہے کہ میں بس اب گھر ہی میں بیٹھی رہوں یا باہر نکل کر کوئی کام بھی کروں۔"

میرا خیال ہے تم اس وقت گھر پر نہیں ہو بینا۔"

"ہاں گھر پر تو نہیں ہوں لیکن جناب کی کچھ اجازت بھی درکار ہے۔"

"کیا کرنا چاہتی ہو۔"

"نہیں آپ یقین کریں فی الحال تو کچھ بھی نہیں، لیکن اگر کوئی کام کرنے کو موڈ بنے تو
"سرکاری افسر ہیں آپ اور تنخواہ لے رہی ہیں اس لئے اگر کچھ کرنے کا موڈ ہو تو
کرم ضرور کیجئے گا، وہ تو آپ کے ساتھ اخلاقاً رعایت برت دی گئی ہے کہ بیچاری نئی نئی شادی شدہ ہے...... چلو کھا، کھیل لینے دو بعد میں مصروف تو ہونا ہی ہے...... سرکاری کاموں میں سہی غیر سرکاری کاموں میں...... میرا مطلب ہے بچوں وغیرہ میں۔" بینا مسکرانے لگی تھی پھر اس نے کہا۔

"منہ دھو رکھئے آپ...... ابھی ان جھگڑوں میں نہیں پڑنا چاہتی...... ویسے بھی ملک ذرا احتیاط کی ضرورت ہے، ہم محبِ وطن لوگ کہلانا چاہتے ہیں۔" جواب میں شہاب کا قہقہہ گونج اُٹھا تھا...... بہرحال زندگی کے یہ معمولات تو زندگی کے ساتھ تھے...... ایک جانب گھریلو زندگی جس میں ایک ہنستا بولتا خوبصورت گھر تھا تو دوسری جانب یہ ہنگامہ آرائی، اپنے گھر کی خوشیوں میں دوسرے گھروں کی خوشیوں کا خیال رکھ لینا بھی یہ سمجھ لیا جائے کہ اپنے گھر کی خوشیوں کو برقرار رکھنے کے لئے ایک ادائیگی ہے تو غلط نہیں ہوتا...... ہر چیز کا ایک صلہ ہوتا ہے اور صلہ دینے والی ذات ذاتِ باری تعالیٰ کی ہے، اسے ہمیشہ ذہن میں رکھنا چاہئے، شاید یہی وجہ تھی کہ شہاب کی ہر طرح سے پذیرائی ہو رہی تھی، ملازمت میں بڑی ترقی ہوئی تھی۔ زندگی کی ہر خوشی حاصل ہوگئی تھی اور ہر مسئلے میں کامیابی اس کے قدم چومتی تھی۔ بہرحال اس وقت یہ مظلوم خاندان نگاہوں کے سامنے تھا اور شہاب کی کوشش تھی کہ جلد از جلد اس مسئلے کو نپٹا لے...... ہر چند کہ نادر حیات صاحب نے اس کی توجہ منشیات کے سمگلروں کی جانب سے ہٹانے کے لئے اور اس سلسلے میں شدید جذباتی ہونے سے بچانے کے لئے اسے یہ چھٹی دی تھی، لیکن بہرحال شہاب کے سامنے یہ مسئلہ آگیا تھا اور یہ اپنی جگہ ایک الگ نوعیت کا حامل تھا، بلکہ اس سے پہلے زیادہ تر واقعات اسی شکل میں ہوتے رہے تھے اور یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ صحیح معنوں میں شہاب کی زندگی کی ابتدا ایسے ہی حالات سے ہوئی تھی، چنانچہ انہیں نظر انداز کر دینا تو کسی طور پر ممکن تھا ہی نہیں، پھر مختلف اطلاعات کے بعد اسے ایک اہم اطلاع فراز کی جانب سے موصول ہوئی...... فراز اور فراست کے سپرد یہ ذمہ داری کی گئی تھی کہ وہ امجد فضل خان کے بارے میں تمام تفصیلات معلوم کر کے شہنشاہ کو رپورٹ دیں، اس وقت شہاب بینا کے ساتھ اپنے کمرے میں موجود تھا۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد سب لوگ معمول کے مطابق آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے تھے کہ ٹرانسمیٹر پر شہاب کو اشارہ موصول ہوا...... شہاب کی بجائے بینا نے ٹرانسمیٹر دیکھا تھا اور جلدی سے شہاب کو اس کی جانب متوجہ کیا تھا، تب شہاب نے یہ کال موصول کی۔

"سی پی کالنگ...... سی پی کالنگ اوور۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ہیلو...... فراز میں نے تمہاری آواز پہچان لی ہے۔"

"سر...... خادم ہی بول رہا ہے۔"

"یقیناً اس وقت کال کرنے کی کوئی خاص وجہ ہوگی۔"

"سر جن معلومات کے سلسلے میں کوششیں کی جارہی تھیں، ان میں سے کچھ کی تکمیل ہوگئی ہے۔ ان معلومات کو آپ کے پاس محفوظ کر دینا ضروری تھا، چنانچہ اس جذبے کے تحت یہ کام کیا ہے اور اس بات پر ذرا اُلجھا ہوا ہوں کہ غلط وقت پر مخاطب تو نہیں کر لیا۔"

"کیا تمہیں وقت کا تعین کرنا چاہئے۔" شہاب نے سوال کیا۔

"نہیں سر...... آئی ایم سوری...... بس یونہی ایسے ہی۔"

"تفصیل بتاؤ۔"

"سر...... ایک مکمل تفصیل ہے جسے مکمل طور پر ہی ذہن نشین کرنا ہوگا...... آپ کی اجازت ہو تو مسٹر شہاب سے اس سلسلے میں رابطہ قائم کر لیا جائے۔"

"نہیں فراز...... بولو، کیا صورت حال ہے اور کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"سر امجد فضل خان کے بارے میں خاصی تفصیلات معلوم ہو چکی ہیں...... امجد فضل خان حقیقی طور پر رمشہ کے والد حاجی غیاث فضل خان کا بھائی نہیں ہے بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ غیاث فضل خان سے اس کا کوئی رشتہ ہی نہیں ہے بلکہ غیاث علی خان سابق مشرقی پاکستان میں ہوا کرتا تھا اور امجد فضل خان بھی وہاں پر اس کا منیجر تھا...... امجد فضل خان وہیں سے غیاث علی خان کے ساتھ یہاں آیا، وہاں پر یہ لوگ اور کاروبار کرتے تھے، یہاں آنے کے بعد دونوں ساتھ ساتھ ہی رہے اور پھر اس کے بعد غیاث علی خان نے یہ ٹرانسپورٹ کمپنی کھولی، جس میں امجد فضل خان بس ایک ساتھی کی حیثیت سے تھا لیکن غیاث علی خان چونکہ بہت ہی اچھا انسان تھا اور پھر یہ لوگ سابق مشرقی پاکستان سے کچھ ناخوشگوار یادیں لے کر آئے تھے، اس لئے ان کے درمیان خاصی مفاہمت اور دوستی رہی اور ایک طرح سے بالکل

گھریلو سی کیفیت پیدا ہو گئی...... غیاث علی خان کی بیگم کا انتقال ہو چکا تھا اور غیاث علی خان بھی اس دنیا سے رخصت ہو گیا...... امجد فضل خان کے ہاتھ میں کیونکہ غیاث علی خان کا پو کار.. رتھا اس لئے کسی کو یہ پتا ہی نہیں چل سکا کہ امجد فضل خان کی اصل حیثیت کیا ہے اس کے بعد سے اب تک یہ شخص سارا کاروبار خود سنبھالے ہوئے ہے، اس کے علاوہ جناب ایک اور تفصیل میرے علم میں آئی ہے جو خاص طور پر قابل ذکر ہے۔"

"وہ کیا۔" شہاب نے دلچسپی سے پوچھا۔

"رمشہ کی ایک جگہ منگنی ہو گئی تھی...... وہ ایک الگ خاندان ہے احمد خان کپڑے تھوک بیوپاری ہے...... علی شہزاد اسی کا بیٹا ہے...... احمد خان بھی کسی زمانے میں سابق مشرقی پاکستان میں رہ چکا ہے اور وہیں سے امجد فضل خان کے اس سے تعلقات تھے...... اب یہ تو نہیں معلوم کہ رمشہ کی منگنی اس کے باپ غیاث علی خان کے دور ہی میں ہوئی تھی یا بعد میں یہ کام ہوا...... صحیح تفصیل مجھے نہیں معلوم، لیکن بہر حال آپ یہ دیکھ لیجئے کہ یہ خاندان ک طور منظر عام پر نہیں آیا اور رمشہ کے قتل کے بعد کسی بھی مسئلے میں اس کا نام نہیں ملتا۔"

"ویری گڈ...... یہ بات تو شاید اقبال شاہ کو بھی معلوم نہیں ہے اور مرزا جواد بیگ بھی نہیں، یہ بات اگر ان دونوں کو معلوم ہے تو اس کا مطلب ہے کہ انہوں نے اسے انتہا پوشیدہ رکھا ہے...... گڈ...... ویری گڈ...... فراز تم نے واقعی کام کیا ہے...... شہاب کو اس سلسلے میں تفصیل بتائی۔"

"نہیں سر، چونکہ آپ نے براہ راست یہ کہا تھا کہ تفصیل آپ کو بتائی جائے، چنانچہ ابھی تک شہاب صاحب سے اس سلسلے میں کوئی رابطہ قائم نہیں ہوا۔"

"خیر ٹھیک ہے...... میں خود شہاب سے رابطہ قائم کر لوں گا، تم مطمئن رہو۔"

"سر کوئی نئی ہدایت۔"

"نہیں...... ابھی نہیں...... فی الحال تم اپنا کام جاری رکھو، لیکن احتیاط کے ساتھ کیا تم نے علی شہزاد کو دیکھا ہے یا احمد خان سے ملاقات کی ہے۔"

"جی سر، براؤن کلر کی ایک شیراڈ گاڑی ہے جس میں ایک نوجوان آدمی آتا ہے، اچھی شکل و صورت کا مالک ہے، بعد میں پتا چلا یہی علی شہزاد ہے، چونکہ آپ کی طرف سے سلسلے میں کوئی ہدایت نہیں تھی اس لئے ہم نے اس پر زیادہ توجہ نہیں دی ہے۔"

"تم میں سے کون کون ساتھ ہے...... میرا مطلب ہے دو افراد کی ڈیوٹی ہے نا۔"

"جی سر...... دوسرا افراست ہے۔"

"ہاں...... اب تم یہ کرو کہ تقسیم ہو جاؤ، لیکن اس وقت جب علی شہزاد تمہارے سامنے آئے...... تم میں سے ایک کو علی شہزاد کے پیچھے لگ جانا ہے۔"

"بہت بہتر جناب۔"

"او کے...... ویسے ان معلومات کے لئے شکریہ۔" شہاب نے کہا اور ٹرانسمیٹر بند کر دیا...... اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل رہی تھی...... بینا اس کی صورت دیکھ رہی تھی، بینا نے کہا۔

"گفتگو تو میں نے سن لی ہے، لیکن تم بہت زیادہ پر جوش ہو گئے ہو شہاب۔"

"یار بینا...... دیکھو نا کتاب کے چپکے ہوئے اوراق کھلتے جا رہے ہیں...... یہ اوراق ایک دوسرے سے چپک گئے تھے، لیکن ان کے درمیان کی تحریر نمایاں ہوتی جا رہی ہے...... خوشی کی تو بات یہی ہے۔" پھر شہاب اور بینا بہت دیر تک اس موضوع پر گفتگو کرتے رہے...... یہ حقیقت ہے کہ کوئی شخص اگر اپنے کام سے دلچسپی رکھتا ہو تو اسے بیکاری کے لمحات سخت ناگوار گزرتے ہیں...... نادر حیات صاحب نے تو اپنے طور پر اسے مکمل طور پر آزادی دے دی تھی اور ان کا خیال تھا کہ دو مہینے کی یہ چھٹی شہاب بڑے سکون سے گزارے گا، لیکن شہاب کو ایک مشغلہ مل گیا تھا اور مشغلہ بھی کافی دلچسپ، ایک طرف عدنان واسطی صاحب نے یہ کیس اپنے سپرد لے لیا تھا تو دوسری جانب شہاب اپنے طور پر یہ کوشش کر رہا تھا اور شاید اس سلسلے میں جواد بیگ صاحب کو بھی خاصی تشویش ہو گئی تھی...... پیشی کی دوسری تاریخ پڑی اور عدنان واسطی صاحب نے تیاریاں کیں اور پھر اس کے بعد عدالت میں کچھ جرح ہوئی اور نئی تاریخ کا اعلان ہو گیا...... جواد بیگ صاحب آج کچھ زیادہ ہی برہم تھے...... کمرۂ عدالت سے باہر نکلنے کے بعد انہوں نے عدنان واسطی صاحب سے کہا۔

"واسطی صاحب...... اصولی طور پر آپ بے شک مجھ سے سینئر ہیں، لیکن جہاں تک ہمارے اور آپ کے درمیان کام کا تعلق ہے تو میرے مقابلے میں آپ کا کام شاید پچیس فیصد بھی نہ ہو، میں چاہتا ہوں کہ یہ کیس جلد سے جلد نپٹا کر اپنے اور کام شروع کروں...... یہ میرا اصول ہے کہ میں اپنے کاموں کو کبھی بے پروائی میں نہیں ڈالتا، آپ کیوں اس معاملے

میں ٹانگ اڑا رہے ہیں۔"

"آپ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر مجھے تعجب ہوتا ہے جواد بیگ صاحب...... کیا کبھی کسی کیس میں معاملہ یکطرفہ ہو سکتا ہے، مدمقابل کوئی نہ کوئی وکیل تو ہوتا ہی ہے۔"

"ہاں ہوتا ہے مقدمے کی نوعیت جب صاف ہو جائے، قاتل سامنے آجائے تو بہتر یہی ہوتا ہے کہ حق و حقدار رسید ہو۔ اس شخص نے اس بچی کو قتل کیا ہے، اسے اقرار جرم کرنے دیجئے، بلاوجہ بیچ میں آپ نے ٹانگ رکھی ہوئی ہے۔"

"آپ اگر اس ٹانگ کو ہٹا سکتے ہیں جواد صاحب تو ضرور ہٹا دیجئے گا، آپ تو بہت بڑے وکیل ہیں نا۔" عدنان واسطی صاحب کو بھی غصہ آگیا تھا...... جواد بیگ نے سرد نگاہوں سے عدنان واسطی صاحب کو دیکھا اور بولے۔

"عزت تو میں بے پناہ کرتا ہوں آپ کی، لیکن بہرحال ایک پیشہ ور وکیل ہوں اور مجھے اپنا بھرم بھی قائم رکھنا ہے...... بہتر تھا آپ میری بات مان لیتے اور اگر ایسا نہیں کر رہے آپ تو پھر مجھے باقاعدہ آپ کے مدمقابل آکر گستاخی کرنا ہوگی۔"

"میں اس گستاخی کا منتظر رہوں گا۔" عدنان واسطی صاحب نے بے پروائی سے کہا...... اس وقت یہ لوگ تنہا نہیں تھے بلکہ کچھ اور وکیل بھی اس کے پاس موجود تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ پچھلے کچھ عرصے سے عدنان واسطی صاحب کی حیثیت میں بہت فرق پڑ گیا تھا، لیکن مرزا جواد بیگ مانے ہوئے ایڈووکیٹ تھے اور ان کے کسی مسئلے میں ٹانگ اڑانا بڑا خطرناک کام ہوتا تھا، کیونکہ وہ مانے ہوئے ایڈووکیٹ تھے اور جج صاحبان بھی کسی اہم کیس میں ان کی رائے کو بڑی اہمیت دیا کرتے تھے اور اس کے لئے ان کا احترام بھی کیا جاتا تھا۔ بہرحال عدنان واسطی صاحب نے یہ تمام باتیں شہاب کو بھی بتائی تھیں...... ہر معاملے میں شہاب سے رابطہ تو قائم رہتا ہی تھا...... شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ تو اچھی بات ہے کہ جواد بیگ صاحب نے ہمارے عزم کو جلا بخشی ہے اور ہمیں کام کرنے کا موقع دے رہے ہیں...... آپ ان کی باتوں کی بالکل فکر نہ کریں...... کام آگے بڑھ رہا ہے اور امید ہے کہ اس سلسلے میں بہت جلد کوئی بہت ہی موثر پیش رفت ہوگی...... ویسے ذاتی طور پر تو آپ کو کوئی اُلجھن یا پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑ رہا۔"

"ارے...... نہیں میاں تم لوگوں کی موجودگی میں بھلا مجھے کوئی اُلجھن پیش آسکتی ہے؟

اصل میں بڑے بڑے لوگوں سے تو کبھی کوئی جھگڑا مول نہیں لیا، یہ لوگ بلاشبہ تجربہ کار بھی ہیں اور زمانہ شناس بھی، یہ جانتے ہیں کہ کون سے کیس میں انہیں کیا کرنا ہے، اسی انداز میں اپنے کام کا آغاز کرتے ہیں...... میرا مسئلہ تو شہاب تمہیں معلوم ہے کیا رہا ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ ایسے بڑے بڑے کیسوں سے بچتا رہا ہوں جن میں بہت بڑی بڑی شخصیتیں شامل ہوتی ہیں...... بھئی، ظاہر ہے میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا، وہ طاقتور لوگ ہیں...... صاحب اختیار ہیں اور میرے تجربے نے مجھے یہی بتایا کہ دل تو چاہتا ہے کہ حق اور سچ کا ساتھ دو اور وہی کہو جو حق ہو، پیشے کا انتخاب ذرا غلط ہو گیا۔ فطرتاً ایسا انسان نہیں تھا کہ مصلحتوں کا لبادہ اوڑھ کر زندگی کو خوشنما پھولوں سے سجا لیتا، بس کرنا تھا سو کیا...... ہاں، البتہ اپنے آپ کو محدود کر لیا کہ بھائی تھوڑا کھاؤ، تھوڑا کماؤ، وہ کرو جس سے عاقبت میں بھی کوئی خدشہ باقی نہ رہے اور تھوڑی بہت صورت حال ایسی پیدا ہو جائے کہ موت کے بعد زندگی کو کوئی خوف نہ رہے۔ مرزا جواد بیگ جیسے لوگ دنیا میں بڑے کامیاب لوگ ہیں، بس یہ خیال ہوتا ہے کہ جو عزت اللہ تعالیٰ نے عطا کر دی ہے تم بچوں کے حوالے سے اس میں بٹہ نہ لگ جائے۔ شہاب نے عدنان واسطی کو تسلیاں دیں اور اس کے بعد اس نے اپنی کارروائیوں میں مزید کچھ اضافہ کر دیا۔ ڈبل او گینگ کے تمام ممبرز مختلف لوگوں پر تعینات تھے...... اس سلسلے میں ایک اہم اطلاع جو شہاب کو موصول ہوئی تھی وہ ایک شخص کے بارے میں تھی جس کا نام جمالو تھا......

جمال الدین یا جمالو کسی زمانے میں کچی شراب بنانے کا بہت بڑا ماہر رہا تھا، کئی بار کا سزا یافتہ تھا، بعد میں یہ پتا چلا کہ جمالو نے توبہ کر لی ہے اور توبہ کی وجہ ایک ایسی عورت تھی جس سے اس نے شادی کر لی تھی، لیکن اپنا کاروبار چھوڑ دینے کے بعد جمالو کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس کے بارے میں بھی تھوڑی بہت معلومات مختلف لوگوں کو حاصل تھیں، بہرحال معاملہ اقبال شاہ کا تھا جمالو کو اقبال شاہ کے ساتھ دیکھا گیا تھا، وہ اقبال شاہ کی جیپ میں بیٹھ کر کئی ایسی جگہوں پر گیا تھا جو ذرا مشکوک تھیں اور جمال الدین عرف جمالو کے ساتھ اقبال شاہ کا رویہ بہت اچھا تھا، چونکہ شہاب نے ایک ایک بات کو اپنے گروہ کے افراد کو سمجھا رکھا تھا، اس لئے جب اقبال شاہ اور جمالو امجد فضل خان کی ٹرانسپورٹ کمپنی میں گئے اور وہاں کافی دیر تک بیٹھے رہے تو ڈبل او گینگ کے ان ممبران کو جو ان دونوں کے پیچھے لگے ہوئے تھے، کچھ شبہ ہوا، پھر وہاں سے اقبال شاہ تو چلا گیا، جمالو تھوڑی دیر کے بعد نکلا تو وہاں سے چلتا ہوا کافی دُور پیدل

گیا، پھر ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر شہر کے ایک بڑے جنرل سٹور گیا، جنرل سٹور سے آگے بڑھ کر اس نے ایک میڈیکل سٹور سے کافی دوائیں خریدیں اور اس کے بعد ہسپتال پہنچا، بعد میں تفصیل معلوم ہوئی کہ اس کا پانچ سال کا بیٹا ہسپتال میں داخل ہے، یہ کچھ ایسے واقعات تھے جنہوں نے شہاب کو اپنی جانب متوجہ کر لیا تھا، شہاب نے اپنے آدمیوں کو ہدایت دی کہ ایک ایک لمحے جمال الدین کا تعاقب کریں اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ امجد فضل خان، اقبال شاہ اور جمالو کا کیا گٹھ جوڑ ہے، چنانچہ اس سلسلے میں بھی معلومات حاصل کی جا رہی تھیں اور مزید تفصیلات میں علی شہزاد اور اس کا باپ احمد دین بھی آگئے تھے۔ شہاب چونکہ اس وقت یہ سمجھ چکا تھا کہ معاملہ مرزا جواد بیگ جیسے وکیل کا ہے جو بہر حال تجربہ کار آدمی ہیں، فتح و شکست کا معاملہ نہیں تھا...... ایک بے گناہ کی زندگی بچانے کا کھیل چل رہا تھا، حالانکہ یہ بات سبھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ کسی بھی وکیل کو کسی ایسے شخص سے ذاتی دشمنی نہیں ہوتی جو کسی طور بے گناہ ہو، بات ثبوتوں اور عدالتوں کی آجاتی ہے اور ملزم مخالف وکیل کی نگاہوں میں خود بخود مجرم بن جاتا ہے...... مرزا جواد بیگ بھی اپنے کیس کو کامیابی کے ساتھ لڑنا چاہتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ انہیں اس کا بہترین معاوضہ ملا ہوگا، چونکہ معاملہ امجد فضل خان کا تھا، چنانچہ اب اس سلسلے میں دو ہی باتیں تھیں یا تو شہاب اپنی چھٹیوں کو کینسل کر کے اس کیس کو اپنے ہاتھ لے اور تحقیقات کرے یا پھر اسی طرح عدنان واسطی صاحب کی مدد کرتا رہے۔ پہلی صورت میں اسے وہ آسانیاں حاصل ہو جاتیں جن سے اسے کافی مدد مل سکتی تھی، لیکن کبھی کبھی تجربات بھی اپنی جگہ دلکش اہمیت کے حامل ہوتے ہیں اور اب تک شہاب نے اس تجربے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی، وہ اپنے طور پر کام کر رہا تھا اور اس کے ساتھی مصروف عمل تھے، چنانچہ علی شہزاد کے بارے میں یہ بات معلوم ہوئی کہ وہ رین بو کلب کا مستقل ممبر ہے اور عام طور پر ہفتے میں تین دن رین بو کلب میں دیکھا جاتا ہے، فطرتاً دلچسپ آدمی تھا، یقینی طور پر شہاب اگر کوشش کرتا تو اس تک رسائی حاصل کر سکتا تھا اور شہاب نے ایسا ہی کیا...... رین بو کلب میں داخلہ شہاب جیسی شخصیت کے لئے مشکل تو نہیں تھا اور پھر مختلف مراحل سے گزرتا ہوا وہ آخر کار علی شہزاد تک پہنچ ہی گیا۔ علی شہزاد جوان آدمی تھا اور اچھی شکل و صورت کا مالک، شہاب کی اصلیت سے تو خیر ناواقف تھا لیکن شخصیت میں اس نے شاید دلچسپی بھی لی تھی، شہاب اس سے خود ہی مخاطب ہوا۔

"ہیلو۔"

"ہیلو...... نجانے کیوں آپ کی صورت کچھ جانی پہچانی سی لگی تھی مجھے...... اس لئے میں آپ کی جانب متوجہ ہوا تھا، بہر حال کسی کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں ہوتا۔ معافی چاہتا ہوں آپ سے۔"

"ارے...... ارے...... آپ نے تو مجھے شرمندہ کر دیا جناب مخاطب تو میں نے کیا ہے آپ کو، شہاب نے کہا۔

"چلئے...... اگر ایسی بات ہے تو میں اپنی شرمندگی واپس لے لیتا ہوں...... آئیے تعارف ہو جائے۔" اس نے کہا اور شہاب مسکراتا ہوا اس کے ساتھ ایک میز پر بیٹھ گیا۔

"بس یونہی آپ سمجھ لیجئے کہ یہاں آگیا، حالانکہ میری ذمہ داریاں مجھے اس کی اجازت نہیں دیتیں، لیکن کیا کروں انسان بھی ہوں اور کبھی کبھی خود کو انسان سمجھنے کو دل چاہتا ہے۔"

"ہاں، لیکن جناب میرا نظریہ اس سلسلے میں ذرا آپ سے مختلف ہے۔"

"یقیناً...... نظریات میں اختلاف اگر نہ ہو تو انسان مخلصانہ طور پر گفتگو نہیں کر سکتا۔"

"ویری گڈ...... اچھا یہ بتائیے کیا پئیں گے آپ۔"

"اس گندی شے کے علاوہ سب کچھ۔"

"زندہ باد، یہ کچھ مزید بات آگے بڑھی، حالانکہ میرے والد بڑی اچھی حیثیت کے مالک ہیں...... بہت عمدہ کما رہے ہیں، میں بھی ان کا ساتھ دیتا ہوں، لیکن سچ عرض کروں آپ سے، جھوٹ نہ سمجھئے گا...... شراب نہیں پیتا۔"

"معافی چاہتا ہوں اگر کچھ جذباتی باتیں بلکہ یوں کہوں کہ فرسودہ باتیں کر جاؤں تو۔"

"چلئے معاف کر دیا، آپ فرسودہ باتیں کیجئے۔"

"کچھ برائیاں کوشش کے باوجود انسان کو اپنی جانب راغب نہیں کر پاتیں، ان کی وجہ جانتے ہیں آپ۔"

"نہیں آپ ہی بتائیے۔"

خاندانی پس منظر ہوتا ہے...... جواب میں علی شہزاد ہنسنے لگا، پھر بولا۔

"آپ کے نظریات کو چیلنج کر کے یا آپ کے تجربے کو کسی طرح غلط ثابت کر کے مجھے ذرہ برابر خوشی نہیں ہوگی۔ اصل میں ذرا سا اختلاف ہے مجھے آپ کی اس بات سے اور اس کی

وجہ یہ ہے کہ میں خاندانی طور پر بھی کوئی معزز آدمی نہیں ہوں...... میرے والد کا نام احمد دین ہے، مشرقی پاکستان میں ٹیکسی ڈرائیور تھے، ٹیکسی چلایا کرتے تھے اور ہم لوگ بڑی پسماندہ زندگی گزار رہے تھے، پھر یوں ہوا کہ ایک دن ٹیکسی میں انہیں ایک بریف کیس ملا، تقریباً ایک مہینے تک بریف کیس کو اسی طرح بند کئے بریف کیس کے مالک کو تلاش کرتے رہے۔ اب اسے دیانت، شرافت کہہ لیں یا بے وقوفی کہ انہوں نے ایسا کیا، لیکن مہینہ بھر کی کاوشوں کے بعد جب بریف کیس کے مالک کا پتا نہ چلا تو انہوں نے وہ بریف کیس پولیس کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر لیا...... میری والدہ جو ہیں نا وہ والد کی نسبت سمجھدار تھیں، کہنے لگیں کہ احمد دین ذرا کھول کر تو دیکھو بریف کیس میں ہے کیا...... اگر کوئی قیمتی چیز ہوئی تم نے پولیس کے حوالے کر دی تو پولیس اس کو ہڑپ کر لے گی، بلکہ اگر زیادہ ہی قیمتی چیز ہوئی تو تمہاری زبان بند رکھنے کے لئے ہو سکتا ہے کہ خود تمہیں کوئی نقصان پہنچانے پر تل جائے، اس لئے ذرا عقل کے ناخن لو، ذرا کھول کر تو دیکھو ہے کیا اور بس جناب بریف کیس میں ہماری تقدیر بند تھی...... بہت بڑی رقم تھی اس میں، اب انسان فرشتہ تو ہو نہیں سکتا، فرشتے تو بہت مقدس اور بڑے بلند ہوتے ہیں...... رقم دبا گئے ہم لوگ، اس کے بعد میرے والد صاحب نے کچھ ٹیکسیاں خرید لیں...... ٹیکسیوں کا کاروبار بند ہوا تو بسوں کی جانب آ گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ اچھا خاصا ٹرانسپورٹ کا کاروبار شروع ہو گیا...... بس پھر یہاں آ گئے اور یہاں آنے کی وجہ آپ کو معلوم ہے...... سانحہ مشرقی پاکستان کے بعد بے شمار لوگ یہاں پہنچے تھے، انہی میں ہم بھی تھے...... والد صاحب نے یہاں بھی ٹرانسپورٹ کا کاروبار شروع کر دیا اور آخر کار ہم لوگوں نے یہاں بھی اپنے قدم جما لئے...... خدا کا شکر ہے بڑی بہتر حالت میں زندگی گزار رہے ہیں، جہاں تک خاندانی معاملات کا تعلق ہے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ کیا ہیں...... اب کہئے کیا کہتے ہیں آپ۔"

شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

"ایک بات کہوں آپ سے مسٹر علی شہزاد، دوستیاں بڑھانا اچھی چیز ہوتی ہے، ہر انسان کسی نہ کسی شکل میں دوستی کا خواہشمند ہوتا ہے، میں بھی آپ سے دوستی چاہتا ہوں مگر ایک بے لوث اور بے غرض دوستی اس میں تھوڑی سی ضرورت اور غرض بے شک شامل ہے، لیکن بہر حال دوستی اپنی جگہ ایک مستحکم چیز ہوتی ہے...... آپ نے اپنے ماضی کے بارے

میں بتایا ہے نا، آپ کیا سمجھتے ہیں ہمارا مذہب، ہمارا دین انسان کی تفریق کے سخت خلاف ہے، جس شخص نے کلمہ پڑھ لیا وہ دین کے رشتے میں منسلک ہو جاتا ہے...... ہماری تفریق پیشوں کے لحاظ سے تو نہیں ہے۔"

"ہاں...... یقینی طور پر، مذہب بہر حال اپنی جگہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور ہم اسے مکمل طور پر تسلیم کرتے ہیں۔"

"بڑائی انسان کی اپنی ذات میں چھپی ہوئی ہوتی ہے اور میرے خیال میں آپ ایک بڑے آدمی ہیں۔"

"ابھی آپ نے ایک عجیب بات کہی تھی جس نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا۔" علی شہزاد نے کہا۔

"کیا۔" شہاب نے پوچھا۔

"یہ کہ ایک غرض تو تھی آپ کی مجھ سے ملاقات کی، گویا یہ ملاقات جانی بوجھی ہے۔"

"جی ہاں...... یہی سمجھ لیجئے آپ...... اب میں یہ بات آپ سے کھل کر کہہ سکتا ہوں۔"

"ارے بھائی، ملاقات تو اتفاقیہ طور پر ہوئی ہے...... یہ بتائیے آپ کرتے کیا ہیں۔" علی شہزاد نے پوچھا۔

"بس یہ سمجھ لیجئے کہ محکمہ پولیس سے تعلق ہے۔"

"اوہو...... کوئی تفتیش، کوئی ایسا عمل جس میں کسی طور میری ضرورت ہو۔"

"ہاں...... ایسی ہی بات ہے۔" شہاب نے کہا اور علی شہزاد کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے، احمق شہاب بھی نہیں تھا...... اصل میں شخصیتوں کی شناخت اگر صحیح انداز میں نہ ہونے پائے تو کم از کم ایسے بڑے کام نہیں کئے جا سکتے جو شہاب کر رہا تھا، اس کے تجربے نے یہ بات بتائی تھی کہ علی شہزاد صاحب ظرف انسان ہے، حالانکہ اس کے بارے میں جس انداز سے شہاب کو معلومات حاصل ہوئی تھیں وہ بالکل الگ نوعیت کی حامل تھیں، لیکن اب صورت حال ایک دم بدل گئی تھی...... علی شہزاد نے کہا۔

"ویسے تو میں نے سنا ہے کہ پولیس والے یا محکمہ خفیہ والے بہت کایاں ہوتے ہیں اور بڑی ہوشیاری سے وہ اپنے کام کا آغاز کرتے ہیں...... ظاہر ہے نہ کریں تو جرم کا خاتمہ کیسے ہو لیکن زندگی میں پہلی بار تجربہ ہو رہا ہے...... حسین شخصیت ہے آپ کی اور آپ یقین

کریں کہ میں آپ سے شخصیت کی بنا پر ہی متاثر ہوا تھا، اب مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ آپ میرے لئے گھاس لئے کھڑے ہوئے ہیں، یعنی آپ بھی مجھے گھاس ڈالیں گے۔" شہاب ہنسنے لگا پھر بولا۔

"تو پھر کیوں میں رین بو میں آپ کا مہمان ہوں اور آپ ہی کی وجہ سے رین بو میں ہوں، ورنہ میں پہلے کبھی اس کلب میں نہیں آیا...... میرا مطلب ہے کلب کے کسی ممبر وغیرہ کی حیثیت سے، چنانچہ اب آپ پر میری خاطر داری کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور یقینی طور پر آپ مجھے بہت عمدہ سی کافی پلائیں گے مسٹر علی شہزاد۔" علی شہزاد ہنسنے لگا پھر اس نے ویٹر کو طلب کر کے کافی کے لئے کہہ دیا پھر وہ بولا۔

"تجسس پیدا ہو گیا ہے ذہن میں اور خاصا مضطرب ہوں کیونکہ بزرگوں نے کچھ عجیب وغریب باتیں کہی ہیں محکمہ پولیس کے افراد کے بارے میں۔"

"یعنی یہ کہ ان کی قربت سے بچنا چاہئے۔"

"خیر بزرگوں کے تجربے کو چیلنج نہیں کر رہا لیکن کم از کم آپ جیسے کسی آدمی کے بارے میں انہیں یہ نہیں کہنا چاہئے تھا۔" علی شہزاد نے ہنستے ہوئے کہا۔

"خیر اب میں اس پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا کیونکہ معاملہ بزرگوں کا ہے، بات اصل میں یہ ہے علی شہزاد صاحب کہ آپ امجد فضل خان کو تو جانتے ہوں گے، امجد فضل خان صاحب یہاں ٹرانسپورٹ کمپنی کے مالک ہیں اور آپ ہی کے شعبے سے تعلق رکھتے ہیں، حالانکہ آپ یقین کیجئے کہ مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی کہ آپ کے والد صاحب بھی۔"

"امجد فضل خان کے بارے میں ایک اور بات آپ کے علم میں نہیں ہو گی یا اگر ہے تو ابھی آپ نے مجھے بتانا پسند نہیں کی ہو گی۔" علی شہزاد سنجیدہ ہو کر بولا۔

"کیا۔" شہاب نے بغور اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"رمشہ غیاث علی خان قتل ہو گئی ہے یہ بات آپ کو معلوم ہے۔"

"جی ہاں اور میں اسی کے سلسلے میں تفتیش بھی کر رہا ہوں۔"

"مجھے اندازہ ہو گیا تھا، میرا مطلب ہے اب اس وقت جب آپ کی شخصیت میرے سامنے آئی، خدا کی قسم میں خود اس معاملے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا تھا، میرے والد صاحب

نے بھی مجھے محتاط کر دیا تھا حالانکہ میں جانتا تھا کہ حالات کے تحت پولیس مجھ تک بھی آئے گی۔ اس سلسلے میں میں نے اپنے گھر میں مشورے بھی کئے تھے اور والد صاحب نے یہی کہا تھا کہ جب تک پولیس اس سلسلے میں خود ہمارے پاس نہ پہنچے یا امجد فضل خان صاحب ہمارے بارے میں کوئی نشاندہی نہ کریں خاموشی ہی اختیار کی جائے اور صرف انتظار کیا جائے کہ وہ ہمارے لئے کیا کرتے ہیں۔"

"کون...... امجد فضل خان۔"

"جی۔"

"خیر، میں نے آپ کو بڑے خلوص کے ساتھ آپ تک پہنچنے کی کہانی سنائی ہے اور اب میں اس بات کا منتظر ہوں کہ آپ مجھے اس بارے میں جس قدر تفصیل آپ کے علم میں ہے بتا دیں گے۔"

"پتا نہیں آپ لوگوں کو، میرا مطلب ہے آپ کو میرے بارے میں کیا کیا معلومات حاصل ہوئی ہیں جس کے نتیجے میں آپ مجھ تک پہنچے ہیں...... میں آپ کو شروع سے ساری تفصیل بتائے دیتا ہوں، اس میں جہاں کہیں مجھے ٹوکنے کی ضرورت پیش آئے آپ بلاشبہ ٹوک دیجئے گا...... ہم لوگ جیسا کہ آپ کو بتایا جا چکا ہے سابق مشرقی پاکستان میں تھے، امجد فضل خان اصل میں بذات خود کچھ نہیں تھا بلکہ وہ رمشہ کے والد غیاث علی خان کی فرم کا منیجر تھا...... 1970ء میں جب حالات بہت زیادہ خراب ہوئے تو ہم تمام لوگ یہاں منتقل ہو گئے...... غیاث علی خان نے اپنا کاروبار پھر سے سنبھال لیا، امجد فضل خان اس وقت بچھڑ چکا تھا لیکن یہاں وہ نظر آ گیا اور غیاث علی خان صاحب نے اسے بڑی محبت کے ساتھ اپنے کاروبار میں شامل کر لیا، پہلے بھی وہ ان کا منیجر رہ چکا تھا، اب یہ تو مجھے معلوم نہیں کہ وہاں صورت حال کیا تھی، کیونکہ اس وقت ظاہر ہے میں بہت چھوٹا تھا، لیکن یہاں آنے کے بعد یہ سمجھ لیجئے آپ کہ غیاث علی خان کا سارا کاروبار امجد فضل خان کی نگرانی میں چلنے لگا اور پھر غیاث علی خان کا رمشہ کے علاوہ کوئی تھا بھی نہیں، ادھر ہم لوگوں نے بھی جیسا کہ میں آپ کو بتا چکا ہوں یہاں آ کر اپنے کاروبار کا آغاز کر دیا۔ غیاث علی خان کی ملاقات میرے والد احمد دین سے ہوئی حالانکہ ہمیں ہمیشہ اپنی اصلیت کا احساس رہا اور ہم نے کبھی خود کو کسی اونچے اور بڑے خاندان کا فرد ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کی، لیکن جب غیاث علی خان کی مجھ سے

ملاقات ہوئی تو انہوں نے میرے بارے میں میرے والد سے سوال کیا کہ میری شادی کردی گئی، والد صاحب نے ظاہر ہے اس سلسلے میں منع ہی کیا تھا تو غیاث علی خان کی طرف سے اشارہ موصول ہوا کہ اگر میرے والد صاحب رمشہ کے لئے رشتہ دیں تو غیاث علی خان قبول کرلیں گے...... حیرت تو ہوئی تھی ہم لوگوں کو، غیاث علی خان نے یہ کہہ کر بات ہی ختم کردی کہ موجودہ دور میں خاندانوں کی شناخت تو تقریباً ناممکن ہوگئی ہے، کچھ وقت پہلے خاندانوں کا یہ معاملہ بنیادی حیثیت رکھتا تھا، لیکن اب بنیاد ہی کا پتا نہیں ہے...... اعلیٰ درجے کی کوٹھیوں میں وہ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں جنہوں نے اس پائے کی کوٹھیوں میں نوکری تک نہیں کی تھی، چنانچہ یہ تصور اب فرسودہ ہوگیا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری منگنی کی تاریخ طے ہوگئی اور منگنی سے کچھ عرصہ پہلے ہی غیاث علی خان صاحب کا انتقال ہوگیا...... اتنا اچانک اور غیر متوقع کہ ہم سب حیران رہ گئے...... بہرحال زندگی اور موت کے معاملات اللہ کے ہاتھ میں ہوتے ہیں، امجد فضل خان نے رمشہ کی دیکھ بھال شروع کردی اور اس کے بعد خاصا وقت گزر گیا...... یہ بات بھی سچ ہے کہ میرے اور رمشہ کے درمیان پسندیدگی کا کوئی رشتہ قائم نہیں ہوسکا، مطلب یہ کہ ہم دونوں کے بارے میں بزرگوں نے جو طے کیا تھا اس کے بعد بھی ہماری کوئی خاص ملاقات ایک دوسرے سے نہیں ہوئی اور نہ ہمارے ذہنوں میں ایک دوسرے کے لئے کوئی تاثر پیدا ہوا، جبکہ میرے والد صاحب کا خیال تھا کہ یہ شادی ضرور ہونی چاہئے لیکن اب جبکہ غیاث علی خان کا انتقال ہوچکا تو بات زیادہ اہمیت اختیار کرگئی تھی، لیکن بہرحال ہم لوگوں نے اس انتظار میں وقت گزارنا شروع کردیا کہ اب فوری طور پر ظاہر ہے رمشہ کا غم غلط ہوئے بغیر یہ صورت حال کچھ غیر مناسب سی ہے کہ ہم منگنی یا شادی کا مطالبہ کریں...... تھوڑا سا وقت گزر جائے گا تو پھر صورت حال کا جائزہ لے لیا جائے گا اور جناب وقت گزرتا رہا، کچھ عرصے قبل اچانک ہی میرے کانوں میں یہ اطلاع پڑی کہ رمشہ کسی اور نوجوان میں دلچسپی لینے لگی ہے اور اکثر وہ اس نوجوان کو اپنے ساتھ اپنی کار میں ہوٹلوں، پارکوں وغیرہ میں لے کر جاتی ہے...... ویسے تو میں نے والد صاحب کی بات مان لی تھی اور ان کی خواہش پر رمشہ سے شادی پر رضامند ہوگیا تھا کیونکہ سچ عرض کروں آپ سے...... پہلے میرے ذہن میں کوئی اور لڑکی تھی بھی نہیں...... شادی کے معاملے میں میرے ذہن میں صرف یہ تصور تھا کہ ضرورت ہے ایک حقیقت ہے، بہتر ہے والدین کو ہی خوش ہونے کا

موقع دے دیا جائے اور ان کی مرضی سے کرلی جائے، لیکن بہرحال یہ صورت حال ذرا ایسی تھی جس پر مجھے سوچنا پڑا، اگر رمشہ کسی اور کو چاہتی ہے تو پھر اسے اختیار ہے کہ اپنی پسند کی شادی کرے...... یہاں میں والد صاحب سے بھی تعاون نہیں کرسکتا تھا، لیکن اس اطلاع کو ملے ہوئے زیادہ وقت بھی نہیں گزرا تھا کہ اچانک ہی رمشہ کے قتل کی اطلاع ملی اور پھر اس سلسلے میں وہ نوجوان گرفتار کرلیا گیا تھا۔ ہمیں صرف اتنی دلچسپی تھی اس بات سے کہ غیاث علی خان کی زندگی میں میرا اور رمشہ کا معاملہ طے ہوا تھا لیکن اب وہ ہی نہ رہی تھی تو ہماری دلچسپیاں ایک طرح سے بے مقصد ہوگئیں، ہاں بس یہ خیال ضرور تھا کہ بیچاری ایک نوجوان لڑکی زندگی کھو بیٹھی پتا نہیں اس کے عوامل کیا تھے تو جناب شہاب صاحب یہ صورت حال ہے اب اس سلسلے میں اگر مزید کہیں میری ضرورت پیش آتی ہے تو آپ سمجھ لیجئے کہ خلوص دل سے راضی ہوں...... ہاں ایک درخواست ضرور کرتا ہوں نہ تو رمشہ کا عاشق تھا نہ اس کا کوئی ثبوت آپ کو کہیں سے مل سکے گا...... خدارا کہیں مجھے قاتل وغیرہ نہ سمجھ لیجئے گا، ابھی دُنیا میں کچھ نہیں دیکھا ہے میں نے...... زندگی گزارنے کے بڑے بڑے پلان بنا رکھے ہیں میں نے، بہرحال یہ بات میں نے مذاق میں کہی ہے...... آپ اس بات پر یقین کرلیجئے کہ میں کسی بھی شکل میں نہ تو رقابت کا قائل ہوں اور قتل وغیرہ تو بہت بھیانک سی چیز ہے، بہت چھوٹا سا تھا میں اس وقت جب سانحہ مشرقی پاکستان ہوا تھا لیکن پھر بھی کچھ مناظر ذہن میں موجود ہیں...... اس بات کی سخت مخالفت کرتا ہوں کہ انسان انسان کی زندگی لینے کی کوشش کرے...... یہ تو اللہ کا کام ہے زندگی دے اور لے...... وہ جانتا ہے یہ بدبخت انسان خود کو بلاوجہ گناہ گار کرلیتا ہے، خیر شہاب کافی دیر تک کافی پیتا رہا تھا اور سوچوں میں گم رہا تھا...... کم از کم اس شخص کی بات سے بھی یہ اندازہ ہوجاتا تھا کہ رمشہ کے قتل سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن بہرحال گنجائش چھوڑی جاسکتی تھی، اب اس کے بعد امجد فضل خان رہ گیا تھا جس سے کسی نہ کسی شکل میں ملاقات کرنی تھی، کہانی ان چند کرداروں کے گرد ہی گھومتی تھی......

فیصل رضا نے اگر رمشہ کو قتل کیا تو کیا اس کی وجہ صرف ہوس ہوسکتی ہے...... پڑھا لکھا نوجوان تھا اور بے داغ ماضی رکھتا تھا، کم از کم اس سے اس دیوانگی کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی اور اگر اس نے یہ دیوانگی کی بھی تھی تو اپنے آپ کو منظر عام پر لانے کے لئے یہ سب کچھ کس طرح کیا جاسکتا تھا، وہ لباس جو کسی عمارت میں پھینک دیا گیا تھا جلا کر خاکستر بھی کیا جاسکتا تھا،

اچانک ہی شہاب کو اس لباس کا بھی خیال آیا تھا، بہر حال علی شہزاد سے یہ ملاقات بہت مناسب رہی تھی اور شہاب کو بہت سی معلومات حاصل ہو گئی تھیں، پھر اس نے دوسرے عمل کے طور پر عدنان واسطی کے ذریعے وہ خون آلود لباس لیبارٹری تک پہنچایا اور اس پر لگے ہوئے خون کے دھبوں کا کیمیاوی تجزیہ کیا گیا، اقبال شاہ پولیس آفیسر نے اس کے لئے کوشش نہیں کی تھی لیکن جو کیمیاوی رپورٹ شہاب کو موصول ہوئی تھی وہ بڑی مضحکہ خیز تھی...... پتا یہ چلا تھا کہ لباس پر کسی انسان کے خون کے دھبے نہیں بلکہ بکرے کے خون کے دھبے تھے جن سے اس لباس کو رنگ دیا گیا تھا، لباس واپس خاموشی سے سرکاری مال خانے تک پہنچا دیا گیا جہاں اسے اس وقت تک رکھنا تھا جب تک فیصل رضا کے کیس کا فیصلہ نہ ہو جائے لیکن یہ رپورٹ شہاب کے لئے بڑی کارآمد تھی، فیصل رضا کی بے گناہی کا ایک اور ثبوت...... بینا، شہاب اور عدنان واسطی سر جوڑ کر بیٹھ جاتے تھے اور اس سلسلے میں گفتگو ہوتی رہتی تھی، چنانچہ اقبال شاہ کے ساتھ جس شخص کو سرگرمیوں میں ملوث دیکھا گیا تھا اب اس پر توجہ دینے کی ضرورت تھی اور ڈبل او گینگ کے مختلف افراد اس کا جائزہ لے رہے تھے اور اس کے بارے میں مکمل طور سے معلومات حاصل کر رہے تھے...... جمال الدین عرف جمالو اب ہسپتال ہی میں دیکھا جاتا تھا، اس کا بچہ سخت بیمار تھا اس لئے عارضی طور پر اس کے خلاف کوئی عمل نہیں کیا گیا تھا، البتہ یہ معلومات حاصل ہو گئی تھیں کہ اس کا پانچ سالہ بچہ ہسپتال میں داخل ہے اور زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے...... پھر شہاب نے عدنان واسطی صاحب سے مشورہ کیا اور اس کے بعد یہ طے پایا کہ اب امجد فضل خان سے مل لیا جائے اور براہ راست اس سلسلے میں کارروائی کرلی جائے، چنانچہ طے شدہ منصوبے کے مطابق امجد فضل خان سے اس وقت اس کی کوٹھی پر ملاقات کی گئی جب وہ اپنے معاملات سے فراغت حاصل کر کے اپنی کوٹھی میں پہنچ گیا تھا...... شہاب نے ملازموں کے ذریعے معلومات حاصل کر کے امجد فضل خان تک رسائی حاصل کی تھی، صورت سے ہی ایک اجڈ اور گنوار قسم کا آدمی معلوم ہوتا تھا، کہنے لگا۔

”فرماؤ جی...... کیا حکم ہے ہمارے لئے۔“

”امجد فضل خان صاحب میرا نام عدنان واسطی ہے، آپ سے اتفاق سے کورٹ میں ملاقات نہیں ہوئی چونکہ اپنی بھتیجی رمشہ کے قتل کے سلسلے میں صرف آپ کا وکیل کام کر رہا

ہے، آپ خود عدالت تک نہیں جاتے۔“

”او بھائی جی...... کیا سمجھتے ہو آپ، بچی ماری گئی، کوئی معمولی بات ہے...... ارے، نوکر رہے تھے ہم غیاث علی خان کے لیکن سگا بھائی تھا وہ ہمارا، کوئی مائی کا لال یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ ہم دونوں سگے نہیں ہیں...... بس اس سے غلطی ہوئی تھی یا مجھ سے کہ میں اس کی ماں کے پیٹ سے نہیں پیدا ہوا تھا...... ایسی ہی یاری تھی ہماری کہ سگے بھائیوں میں بھی کبھی کبھی اختلاف ہو جاتا ہے...... میرے اور اس کے درمیان کبھی اختلاف نہیں ہوا، میرا یار اپنی ایک امانت میرے سپرد کر گیا تھا اور میں انتظار کر رہا تھا کہ اس کی برسی ہو جائے تو اس امانت کو ان لوگوں کے حوالے کر دوں جن کے لئے یہ رشتہ طے ہو گیا تھا، بس جی بدقسمتی بیچ میں آ گئی اور وہ بچی بھی مجھ سے جدا ہو گئی۔“ امجد فضل خان کی آواز بھرا گئی۔

”خان صاحب...... بات ذرا تھوڑی سی غیر مناسب ہے، لیکن بحالت مجبوری بہت سے سوالات کرنے پڑتے ہیں ان کے بارے میں، میں آپ سے معذرت چاہتا ہوں لیکن سوال کرنا بڑا ضروری ہے۔“

”کر لو بھائی، کر لو، جو سوال دل چاہے کر لو، غم میں ڈوبے ہوئے ہیں، کسی سے کہیں گے تو دنیا یہی کہے گی کہ اداکاری کر رہے ہیں، کون کس کے لئے غمزدہ ہوتا ہے آج کل۔“

”نہیں خان صاحب ایسی بات بھی نہیں ہے...... ابھی دنیا اتنی بری نہیں ہو گئی ہے...... اب بھی محبتوں کا وجود ہے۔ آپ یقینی طور پر اتنی ہی محبت کرتے ہوں گے، جو بات میں معلوم کرنا چاہتا ہوں اس کی کچھ وجوہات ہیں۔“

”زیادہ پڑھے لکھے آدمی نہیں ہیں ہم...... ہم سے جو بات بھی کرو نا اتنی صاف کرنا کہ ہمیں سمجھنے میں دقت نہ ہو۔“

”پہلا سوال تو یہ ہے امجد فضل خان صاحب کہ آپ کا اور غیاث علی خان کا موجودہ کاروباری رشتہ کیا تھا۔“

”حالانکہ اس سوال کا ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں ہے...... میرا یار مر چکا ہے...... اب کیا معلوم کرنا چاہتے ہو اس کے بارے میں مجھ سے بولو۔“

”نہیں بہت سی باتیں ضروری ہوتی ہیں امجد فضل خان صاحب۔“

"مجبور کررہے ہو تو سنو، جب وہ وہاں سے چلا تھا تو اس کا سب کچھ لٹ چکا تھا، کچھ بچا نہیں تھا اس کے پاس، صرف اپنی بیوی اور بیٹی کی جان بچا کر یہاں تک آ گیا تھا اور یہاں آنے کے بعد بڑی بے کسی کی زندگی گزار رہا تھا...... دوسری جانب ہم خوش قسمت تھے اس کی نسبت کہ کچھ پیسہ بچا کر لے آئے، حالانکہ ہم وہاں اس کے منیجر تھے ہم، نوکری کرتے تھے اس کی، لیکن یہاں آنے کے بعد بس یوں سمجھ لو کہ اس بے چارے کے پاس کچھ نہیں تھا جبکہ ہمارے پاس ہماری جمع شدہ رقم تھی جسے ہم نکال لانے میں کامیاب ہو گئے تھے، پھر اس کے بعد ہم نے اپنا وہی پرانا کاروبار شروع کر دیا...... میں اپنے یار کی روح کو شرمندہ نہیں کرنا چاہتا، لیکن یہ سمجھ لو کہ بس دوستی نبھائی ہے میں نے، ورنہ اس کاروبار میں بھی اس کا کچھ نہیں تھا...... سوائے اس کی محنت کے، مگر میں نے اس سے کہہ دیا کہ میرے دوست سب کچھ تیرا ہی ہے...... جب تیری بیٹی کی شادی ہو گی تو اتنا کچھ دوں گا میں جتنا اپنی بیٹی کو دے سکتا ہوں، یہی وعدہ کیا تھا اس سے اور یہی سوچا تھا، لیکن خدا غارت کرے اس بدنصیب آدمی کو جس نے رمشہ کو بہکا کر اپنے فریب میں لانے کی کوشش کی، حالانکہ رمشہ ایک عزت دار لڑکی تھی، اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اس خوبصورت لونڈے کے جال میں پھنس گئی تھی، لیکن جب اس لڑکے نے اس کی آبرو پر ہاتھ ڈالا تو وہ جان پر کھیل گئی اور آخر اس بدبخت نے اسے مار ڈالا۔" امجد فضل خان رونے لگا...... شہاب، عدنان واسطی اور بینا اس کا بغور جائزہ لے رہے تھے، جتنی گفتگو ان لوگوں سے کی جا سکتی تھی وہ کر لی گئی۔ امجد فضل خان نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ فیصل رضا کے علاوہ کوئی اور اس کا قاتل نہیں ہو سکتا...... بہرحال جب یہ لوگ وہاں سے چلے تو بہت سی باتیں ان کے ذہن میں تھیں بعد میں بیٹھ کر اس موضوع پر گفتگو ہوئی تو عدنان واسطی صاحب نے کہا۔

"شہاب میاں اس شخص کی باتوں سے یہ اندازہ تو آپ نے با آسانی لگا لیا ہو گا کہ کس قدر شاطر آدمی ہے اور یہ اندازہ بھی لگا لیا ہو گا کہ کہنا اور کرنا کیا چاہتا ہے، گویا بڑے آرام سے یہ غیاث علی خان کے پورے کاروبار پر قابض ہو گیا اور اگر قبل از وقت کہے جانے والی بات نہ ہو تو کھل کر یہ بات کہہ دوں کہ یہ کوئی باقاعدہ قتل نہیں بلکہ سازش ہے اور اس سازش میں امجد فضل خان کے علاوہ کوئی اور شریک نہیں ہے، یقینی طور پر اس دولت کو ہتھیانے کے لئے یہ ساری کارروائی کی گئی ہے، اب یہاں پر چند کردار آ جاتے ہیں جن پر

شک کیا جا سکتا ہے...... مثلاً وہ نوجوان جس کا نام علی شہزاد ہے یا پھر وہ شخص جو اس وقت ہسپتال میں ہے اور اپنے بچے کی تیمارداری کر رہا ہے، ذرا اس کے بارے میں تھوڑی اور معلومات حاصل ہو جائیں، ویسے یہ امجد فضل خان صاف ستھرا آدمی نہیں ہے اس بات کی گواہی میرا دل دے رہا ہے اور میں پورے یقین کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں۔"

"ہوں...... بہرحال میرے ذہن میں بہت سے وسوسے ہیں، میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس سلسلے میں کیا ہونا چاہئے، ویسے فیصل رضا کی پوزیشن آہستہ آہستہ صاف ہوتی جا رہی ہے۔"

"ہاں...... وہ تو ویسے بھی ہماری نگاہوں میں قاتل نہیں تھا اور ایک صاف ستھرا نوجوان تھا...... اب یہ بتاؤ آگے کیا کرنا ہے۔"

"میرے اپنے ذہن میں ایک تصور ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس پر عمل کر ڈالنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

"وہ کیا۔"

"اس شخص کو ہی اغوا کر لیا جائے جس کا نام جمال الدین عرف جمالو ہے۔"

"اغوا کر لیا جائے۔" عدنان واسطی حیرت سے بولے۔

"ہاں۔"

"مگر کیوں۔"

"بس جناب اگر آپ دیکھنا ہی چاہتے ہیں تو چلئے تھوڑا سا تماشا میں بھی آپ کو دکھائے دیتا ہوں۔"

"یعنی یہ کوئی جادوگری ہو گی۔"

"جادوگری تو نہیں لیکن واسطی صاحب بس سمجھ لیجئے کہ ایک عمل ہے جس کی تکمیل کرنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے اچھا لگے گا، اگر مجھے بھی ان معاملات میں شریک کر لو۔"

"ٹھیک ہے، حالانکہ کچھ غلط کر رہا ہوں، لیکن بہرحال مجبوری کے عالم میں یہ کرنا پڑتا ہے کیونکہ جو صورت حال میرے ذہن تک پہنچی ہے اس میں کچھ ایسی ہی باتوں کا دخل ہے۔"

"یقینی طور پر کوئی ایسا ہی مسئلہ ہو گا جس کے لئے تم اس قدر سنجیدہ ہو گئے ہو۔"

"اگر آپ یہ سمجھتے ہیں تو یہ تصور کر لیجئے گا کہ واقعی ایسا ہی مسئلہ ہے۔"

"کمال ہے، اچھا ٹھیک ہے اگر ایسی بات ہے تو پھر تم دیکھ لو کیا صورت حال رہتی ہے۔" واسطی صاحب نے کہا اور شہاب اپنے عمل کے لئے تیار ہو گیا، باقی سب لوگوں کے ساتھ معاملات جوں کے توں چل رہے تھے لیکن انجم شیخ سردار علی اور فراز نے اس وقت جمال الدین عرف جمالو کو ہسپتال سے اپنے قابو میں کیا تھا جب رات کو وہ گہری نیند سو رہا تھا اس کی بیوی اور بچہ ہسپتال ہی میں تھے اور وہ باہر ہسپتال کے لان میں سو رہا تھا، اسے بے ہوشی کی ہلکی سی دوا سونگھا کر بے ہوش کیا گیا اور پھر ایک گاڑی میں ڈال کر کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں لے آیا گیا...... یہاں شہاب اور بینا موجود تھے...... عدنان واسطی صاحب کو بھی انہوں نے دعوت دی تھی ویسے عدنان واسطی صاحب نے بینا سے پوچھا تھا۔

"یہ شہاب کو اچانک جمال الدین عرف جمالو کی کیا سوجھ گئی۔"

"پتا نہیں آپ یقین کیجئے کہ مجھ سے بھی اس موضوع پر کوئی خاص بات نہیں ہو سکی۔"

"اب تک تو بالکل یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کچھوے کی رفتار سے رینگ رہا ہو، ویسے وہ کارروائی کر رہا تھا، میں نے محسوس کیا تھا کہ قدم بہ قدم بڑے اچھے انداز میں چل رہا ہے لیکن اچانک ہی اس نے جمال الدین عرف جمالو کو کیوں اغوا کرا لیا اور یہ اغوا کرانا، خیر میں اخلاقیات پر لیکچر نہیں دوں گا، مگر بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی ہے۔"

"جمالو کو ہوش میں آجانے دیجئے اس کے بعد وہ کیا کہتا ہے یہ دیکھنا ہے۔" عدنان واسطی صاحب بھی بڑے متجسس تھے، جمالو کو ہوش میں لایا گیا...... صبح ہو چکی تھی، ہوش آنے کے بعد وہ دیر تک ماحول کا جائزہ لیتا رہا پھر ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا...... اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھا، ان تینوں کو دیکھا اور رندھی ہوئی آواز میں بولا۔

"ارے بھائی...... یہ میں کہاں آگیا...... یہ کہاں لے آئے آپ لوگ مجھے...... بھائی میرا بچہ ہسپتال میں ہے، میرا بچہ بیمار ہے بھائیو...... خدا کے واسطے مجھے بتا دو یہ کون جگہ ہے، کیوں لے آئے ہو مجھے یہاں...... کوئی غلطی ہو گئی ہے کیا مجھ سے، بھائی تمہاری مہربانی ہو گی...... مجھے کم از کم میرا قصور تو بتا دو، کچھ ہو گیا ہے کیا مجھ سے، بھائی تمہیں خدا کا واسطہ میری مدد کرو مجھے بتا دو...... مجھ سے اگر کوئی غلطی ہو گئی ہے تو مجھے معاف کر دو

میں تو ویسے ہی زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہوں...... میں تو، میں تو، وہ رونے لگا......

شہاب نے اسے سرد نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔

"تمہیں یہ احساس نہیں ہے جمالو کہ کچھ وقت کے بعد تمہیں سزائے موت ہونے والی ہے اور جب تمہیں سزائے موت ہو جائے گی تو تمہاری بیوی اور تمہارا بچہ کس عالم میں ہو گا۔"

"سز...... سز...... سزائے موت۔"

"ہاں، ایسا ہی ہوتا ہے جمالو...... ایسا ہی ہوتا ہے، یہ بڑے لوگ دُنیا میں کبھی کسی کے ہوئے ہیں، بتاؤ جواب دو، کیا اتنا بڑا آدمی امجد فضل خان تمہارے بچے کو کسی اچھے ہسپتال میں داخل نہیں کرا سکتا تھا...... بولو اس نے اپنا کام تو تم سے نکال لیا...... یقینی طور پر تمہیں اس کا معاوضہ بھی ادا کیا ہو گا، لیکن جب اس کی جان پر آپڑی تو نہ اقبال شاہ اور نہ ہی وہ کوئی بھی تمہارے کام نہ آیا، بلکہ خاموشی سے تمہیں قانون کے حوالے کر دیا گیا...... کیا سمجھے۔"

عدنان واسطی تو عدنان واسطی خود بینا بھی حیران رہ گئی تھی...... شہاب کے الفاظ ان کی سمجھ میں نہیں آرہے تھے، پہلا موقع تھا کہ شہاب نے بینا سے اپنے ذہن کے بارے میں کچھ نہیں کہا تھا اور خاموشی سے دل میں کوئی فیصلہ کر کے جمالو سے یہ باتیں کرنے لگا تھا، لیکن جمالو کے چہرے پر ایک دم ایک سرد سی کیفیت طاری ہو گئی تھی، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان تینوں کو دیکھ رہا تھا، پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"تو اس نے ہمارا نام لے ہی دیا آخر، بتا دیا اس نے ہمارے بارے میں۔"

"پتا نہیں تم نے کہاں زندگی گزاری ہے جمالو...... ان بڑے لوگوں سے کبھی واقفیت حاصل نہیں ہوئی تمہیں، کبھی نہیں جان سکے انہیں...... یہ صرف اپنا مطلب نکالتے ہیں پھر اس کے بعد انسان کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکتے ہیں۔"

ساری بلا تمہارے سر آگئی ہے، کوئی بھی اس سلسلے میں اپنی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار نہیں ہے...... کسی سے ایک بار کہلوا کر تو دکھا دو کہ قصور وار کوئی اور ہے...... یہ تو کہلوا دو کسی سے کہ تمہارا کوئی ذاتی مسئلہ نہیں ہے، بلکہ یہ تم نے کسی اور کے کہنے پر کیا ہے...... سمجھ رہے ہو نا جمالو، کہلوا دو کسی سے یہ بات۔ جمالو کی گردن جھک گئی تھی، پھر اس نے کہا۔

کیا کہلوا دیں جی کسی سے، اپنی سزا خود بھگتنی پڑتی ہے، پر بابو صاحب ایک کام کر دو اگر ہو سکے تو، صرف ایک کام کر دو۔

”ہاں بولو...... کیا کام۔“

”بابو صاحب، میرا بچہ ہسپتال میں ہے، وہیں تھا میں رات کو...... آپ لوگوں کے کیسے لگا، یہ نہیں معلوم، پر اتنی مہلت دے دو...... آپ کی بڑی مہربانی ہوگی کہ ذرا سی میرے بچے کی دیکھ بھال ہو جائے، کوئی ایسی ترکیب نکال لو جی۔“

ترکیب نکال لی جائے گی، جمال الدین، ترکیب بالکل نکال لی جائے گی تم یہ مت سمجھو کہ ہم جانور ہیں، ہمیں معلوم ہے تمہارا بچہ ہسپتال میں داخل ہے...... تمہاری بیوی اس کے پاس موجود ہے اور تم اس کے لئے پریشان ہو، جواب میں جمال الدین پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا، کسی نے اس کو نہ ٹوکا، بینا اور عدنان واسطی، شہاب کی یہ جادوگری دیکھ رہے تھے، جمال الدین روتا رہا، شہاب نے اسے رونے دیا، پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا۔

سزا تو مجھے مل رہی ہے صاحب، زندگی گناہوں میں ہی کٹی ہے، ارے کون سا نیک کام کیا ہے، میں نے اپنی زندگی میں کبھی، سارے ہی کام برے برے کرتا رہا ہوں...... یہ بچہ کر کے اپنی بھی اولاد ہے، بس ہوتا ہے، صاحب جی ہوتا ہے، یوں تو ہزاروں برائیاں کی میں نے، قتل پہلا ہی کیا ہے جی...... اس لڑکی کو میں نے ہی مارا ہے، صاحب جی بتائے ہوں آپ کو سب کچھ...... ساری تفصیل بتائے دیتا ہوں، باقی آپ جانیں اور اللہ جانے جو حشر ہونا ہے میرا...... وہ تو ہو ہی جائے گا کر سکتے ہو تو اللہ کے نام پر ایک کام کر دینا، صاحب جی...... میرے بچے کی خبر گیری کر لینا، وہ ٹھیک ہو جائے، میرا کچھ بھی بنے...... اللہ مالک اب مجھے اس کی زیادہ پروا نہیں ہے جمالو نے کہا اور اس کے بعد خاموش ہو کر آنکھیں بند کر لیں...... وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

عدنان واسطی، بینا ششدر نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے، کیونکہ ابھی ابھی اس نے رمشہ کے قتل کا اعتراف کیا تھا اور یہ بات ناقابل یقین تھی، لیکن بینا شہاب کو جانتی تھی، شہاب ایک ایسا ہی جادوگر تھا، جس نے بینا پر بھی جادو کر دیا تھا اور آج بینا جس نے اپنی زندگی میں نا جانے کیا کیا منصوبے ترتیب دیئے تھے، ایک محبت کرنے والی بیوی تھی اور اگر اسے ہزاروں زندگیاں ملتیں، تو وہ شہاب پر جان قربان کرنے کو تیار ہو جاتی۔

بہر حال جمالو کچھ دیر تک گہری سوچ میں ڈوبا رہا اس کے بعد گردن اُٹھا کر بولا۔

”صاحب جی...... زندگی میں کیا کیا کچھ کیا ہے، برائی کرنے والا کبھی بھولتا نہیں ہے...... یہ الگ بات ہے کہ اس کے دل میں سیاہی جمتی چلی جاتی ہے اور پھر یہ سیاہی اسے کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں چھوڑتی، آپ ان پرانی باتوں کو جانے دو جی...... ہم جرم کرتے رہے ہیں، ایک بندہ ہے، شیر خان نام ہے اس کا، ہمارے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا...... خود بھی دو چار چھوٹے موٹے جرم کئے تھے اس نے، پھر کہتا تھا شریف آدمی بن گیا ہے، ہماری سلام دعا تھی جی اس سے ایک دن اس نے ہماری ملاقات ایک بندے سے کرائی، نام تھا اس کا امجد فضل خان، شیر خان اسی کی ٹرانسپورٹ کمپنی میں کام کرتا تھا...... امجد فضل خان بڑا آدمی تھا جی، اب یہ الگ بات ہے کہ صورت سے وہ بڑا آدمی بالکل نہیں لگتا تھا، پر کوشش کر رہا تھا بڑا آدمی بننے کی...... ہمیں دیکھا، ہم سے ہمارے بارے میں پوچھا، ایک طرح سے ہمارا انٹرویو لیا اور بولا کہ ہمیں ایک کام کرنا ہے، جہاں تک پیسوں کا تعلق ہے وہ اس سے طے کر لیا جائے، لیکن کام ہوشیاری سے کرنا ہے اور یہ جاہلوں والا کام نہیں ہے بلکہ اس میں عقل سے کام لینا ہے...... صاحب جی جرم تو کئے ہیں ہم نے، لیکن جیسا کہ ہم نے آپ کو بتایا کہ یہ قتل ہم نے پہلا ہی کیا ہے، چھوٹے موٹے جرم کرتے ہوئے ہم نے کئی بار ایسا سوچا کہ کوئی ایسا بڑا کام ہاتھ میں آ جائے جو زندگی ہی میں لاکھ دو لاکھ روپے دے دے تو پھر ہم جرم کی یہ زندگی چھوڑ کر، بلکہ یہ شہر ہی چھوڑ کر چھوٹی موٹی دکان ڈال لیں جی۔ آدمی کی جب اولاد پیدا ہو جاتی ہے نا تو خیال ہی بدل جاتا ہے سسرے کا...... پھر سوچتا ہے کہ زندگی بھر کے گناہوں کو نظر انداز کر کے فرشتہ بن جائے، اب یہ تو مالک ہی بہتر جانتا ہے جی، گناہوں کی سزا کیا ہوتی ہے اور بندہ اپنے آپ کو فرشتہ سمجھ لے تو اپنے سمجھنے سے فرشتہ نہیں ہو جاتا، بس صاحب جی اس بندے نے ہم سے کہا کہ معاملہ ایک لڑکی کو قتل کرنے کا ہے اور اس سلسلے میں اس نے ہمیں جی پچاس ہزار روپے دیئے، صاحب جی ساری زندگی میں کبھی پچاس ہزار روپے نہیں دیکھے تھے اور بات ان پچاس ہزار تک ہی نہیں تھی جی، اس نے کہا کہ ہر وہ کام جو ہم کریں گے اس کے لئے اس کا الگ الگ معاوضہ ہوگا، پچاس ہزار روپے اس لڑکی کو قتل کرنے کے لئے جس کا نام رمشہ تھا، پانچ ہزار روپے فیصل رضا کے گھر سے اس کے کپڑے چرا کر لانے کے اور انہیں خون میں بھگو کر گٹھڑی بنا کر ایک خاص جگہ پھینک دینے کے۔ یہ تو الگ کام ہوا اس کے بعد صاحب جی باقی باتیں ہماری شیر خان سے ہوئیں اور شیر خان ہمارے اور اس کے درمیان رابطے کا ذریعہ بن گیا...... پیسے نقد مل گئے صاحب جی اور ہم نے انہیں

احتیاط سے زمین میں گڑھا کھود کر گاڑھ دیا...... بنک وینک میں رکھنا تو خطرناک تھا، پھر پانچ ہزار روپے جو ہمیں کپڑے چرانے کے ملے، انہیں ہم نے خرچ کرنا شروع کر دیا...... صاحب جی آگے کے بھی کام تھے جو ہمیں دیئے گئے تھے، ان میں یہ کام تھا جی کہ کیس عدالت میں چلے گا اور کپڑے برآمد ہونے کے بعد فیصل رضا کو قاتل کی حیثیت سے پکڑ لیا جائے گا، پیشیاں ہوں گی، امجد فضل خان نے کہا کہ شیر خان ہمیں صورت حال سے آگاہ کرتا رہے گا، پھر جب کئی پیشیاں ہو جائیں گی اور فیصل رضا پر فرد جرم عائد ہو جائے گی تو صاحب جی ہمیں عدالت میں پیش ہونا پڑے گا...... اس دوران ایک اور کام تھا جی وہ یہ کہ ہمارا بیٹا کچھ دن اپنی خالہ کے پاس جا کر رہے گا اور ہم یہ مشہور کر دیں گے کہ ہمارے بیٹے کو اغوا کر لیا گیا ہے...... محلے کے دو چار گھروں میں اطلاع دے دیں گے، بیوی ذرا رو پیٹ لے گی، صاحب جی پانچ ہزار روپے اس بات کے تھے، پھر صاحب جی پچیس ہزار روپے اس بات کے تھے کہ ہم وقت پر عدالت میں پیش ہوں گے اور وہاں جا کر یہ اعتراف کریں گے کہ ہم نے ایک اور بندے کو قتل کرتے ہوئے دیکھا تھا...... رمشہ کو ایک اور بندے نے قتل کیا ہے اور ہم اس کے آنکھوں دیکھے گواہ ہیں صاحب جی...... بڑی سے بڑی قسم کھانی پڑے گی ہمیں وہاں پر اور اس کے بعد ہم یہ بتائیں گے کہ اصل قاتل کون ہے؟ ہم یہ بھی بتائیں گے کہ ہماری زبان بند رکھنے کے لئے اس نے ہمارے بیٹے کو اغوا کر لیا تھا اور ہمیں دھمکیاں دی تھیں کہ اگر ہم نے کہیں زبان کھولی تو ہمارے بیٹے کو قتل کر دیا جائے گا...... پھر صاحب جی ہم یہ بھی بتائیں گے کہ اس نے ہمیں پیسے بھی دیئے تھے اور وعدہ کر لینے پر ہمارے بیٹے کو واپس ہمارے حوالے کر دیا تھا...... صاحب جی اس طرح جرم فیصل رضا سے ہٹ کر ہماری گواہی میں دوسرے بندے پر آجائے گا اور اس دوسرے بندے کا نام علی شہزاد ہے جی...... وہ بھی ایک ٹرانسپورٹر کا بیٹا ہے اور اس ٹرانسپورٹر کا نام احمد دین ہے...... صاحب جی ہمیں باپ بیٹوں کی شناخت کرا دی گئی ہے...... یہ کام ہمیں کرنا تھا جی مگر تقدیر نے سارا کھیل ہی الٹا کر دیا...... پیسے تو ہمارے ہاتھ آگئے قتل بھی ہم نے کر دیا، مگر صاحب جی اللہ نے ہماری گردن پکڑ لی، بیٹا ہمارا مشکل میں پڑ گیا جی اور اب وہ زندگی اور موت کا شکار ہے...... آپ بتاؤ صاحب، پیسے مل جائیں گے ہمیں...... کیا کریں گے ہم اس کا، بتاؤ صاحب جی، ہم کیا کریں گے اس کا؟ خود میاں بیوی ان پیسوں کو لے کر گھومتے رہیں گے شہر شہر، بیوی تو ہماری آدھی پاگل ہو گئی ہے جی اور ہم یہ جانتے ہیں کہ تباہی نے

ہمارے گھر کا راستہ دیکھ لیا ہے، اب آپ ہمیں پکڑ لائے ہو، برے کام کا برا نتیجہ جو تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے، پر صاحب جی ایک کام کر دو، تمہارے بھی بال بچے ہوں گے، ہر بندے کے ہوتے ہیں ہمارے بچے کی خبر گیری کرو ذرا، صاحب جی ہمیں کچھ نہیں چاہئے...... جھونک دیا ہے بھاڑ میں سب کچھ، بچے کو زندگی مل جائے، ہمیں سب کچھ مل جائے گا، ہمیں ہی پھانسی ہو جائے گی نا، برا کیا ہے نتیجہ بھگتیں گے، جو کچھ بھی ہو گا دیکھ لیں گے صاحب جی اللہ مالک ہے...... پر بچہ بچ جائے ہمارا...... جمال الدین پھوٹ پھوٹ کر روتا رہا اور یہ تاسف بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے رہے، بینا اور عدنان واسطی شدید حیران تھے ایک عجیب و غریب کیس تھا جو زندگی میں کبھی ان کے سامنے نہیں آیا تھا، وہ پوری طرح بات سمجھ ہی نہیں پا رہے تھے، لیکن انہوں نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی...... شہاب آنکھیں بند کئے کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

”سنو جمال الدین ابھی تمہارے بارے میں یہ ساری کہانی صرف ہمیں معلوم ہے، بات اصل میں یہ ہے جمال الدین کہ میں نے زندگی میں ہمیشہ صرف جذباتی کھیل کھیلے ہیں، اللہ پر بھروسا کیا ہے...... باقی میں کچھ نہیں جانتا، تم نے ایک انسانی زندگی لی ہے، تمہیں اس کی سزا مل رہی ہے، اب کون جانے کہ اللہ اپنے کون سے بندوں کو معاف کر دیتا ہے، ہمیں اتنی واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کرنی بھی نہیں چاہئے، بلکہ اللہ کی طرف دیکھنا چاہئے کہ وہ اپنے کسی بندے کے لئے کیا فیصلہ کر چکا ہے، سنو جمال الدین تم نے ایک انسانی زندگی کی قیمت وصول کی ہے، اللہ نے تمہیں سزا میں ڈال دیا ہے، یہ لو یہ تھوڑی سی رقم ہے اسے اپنے پاس رکھ لو...... میں تمہیں یہاں سے واپس جانے کی اجازت دیتا ہوں، حالانکہ میں ایک اعلیٰ پولیس افسر ہوں اور تم اقبالی مجرم، ساتھ میں ایک ایسے وکیل صاحب بھی ہیں جو اس شخص کی وکالت کر رہے ہیں جسے مجرم اور قاتل قرار دیا گیا ہے، لیکن اس کے باوجود اللہ کی ذات پر بھروسا کرتے ہوئے میں تمہیں آزادی دے رہا ہوں...... یہ رقم لے جاؤ، اپنے بیٹے کا علاج کرو، ابھی تمہارے پاس وقت ہے، اگر تمہارے بیٹے کو صحت اور زندگی مل جائے تو یہ سمجھ لینا کہ تم نے اپنے گناہ کا احساس کر لیا، تو اللہ نے تمہارے بیٹے کو زندگی دے دی، سمجھ رہے ہو نا تم، باقی میں تم سے رابطہ قائم رکھوں گا، جو بھی صورت حال ہو گی، وہ سامنے آجائے گی، تمہارا ضمیر اگر تمہیں ایک اور گناہ کرنے پر مجبور نہ کرے تو جیسا میں نے کہا ہے ویسا ہی کرنا، سنو

فیصل رضا نے چونکہ قتل نہیں کیا...... جرم نہیں کیا ہے، اسے تو میں بچا ہی لوں گا کم از کم اس جرم سے، یہ میری ذمہ داری ہے لیکن تمہارے اوپر جو ذمہ داری عائد ہو گئی ہے، اگر تم نے اسے پورا نہ کیا تو کون جانے کے کون کون سے عذاب تم پر نازل ہوں گے جاؤ بھاگ جاؤ...... یہ پیسے لو...... جو نوٹ شہاب نے نکال کر جمالو کو دیئے تھے، وہ بیس پچیس ہزار سے کم نہیں ہوں گے جمالو کے ہاتھ آگے نہ بڑھے تو شہاب نے کہا۔

"اور یہ سمجھ لو کہ یہ تمہیں ایک نیک اور اچھا انسان بنانے کی قیمت ہے جو میں تمہیں ادا کر رہا ہوں...... باقی سب کچھ تم خود بہتر سمجھتے ہو...... جاؤ میں کہہ رہا ہوں وہ کرو، میں تم سے خود رابطہ رکھوں گا اور اس کے بعد تمہیں وہ کرنا ہو گا جو میں کہوں گا۔" اپنی بیوی اور بچے کو لے کر یہاں سے بھاگ جانے کی کوشش کرو گے تو برا کرو گے، کیونکہ پہلی بات تو یہ کہ میں تمہارے ضمیر کو جگا رہا ہوں...... تمہارا مردہ ضمیر اگر نہ جاگا تو دنیا کے جس گوشے میں بھی ہو گے، میں تمہیں اس گڑھے سے کھود کر باہر نکال لاؤں گا، بس اس سے آگے میں کچھ نہیں کہوں گا۔

شہاب نے وہ نوٹ جمالو کی جیب میں ٹھونس دیئے اور اس کے بعد بولا۔

"خدا حافظ جاؤ...... میرا دماغ خراب مت کرو...... جمالو چلا گیا، عدنان واسطی اور بینا شدید سنسنی خیز کیفیت کا شکار تھے اور شہاب کا جائزہ لے رہے تھے...... شہاب کچھ لمحے آنکھیں بند کئے بیٹھا رہا، اس کے بعد اس نے مسکرا کر ان دونوں کو دیکھا...... اس کا موڈ ایک دم بدل گیا تھا، اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میری پرفارمنس کیسی رہی، کیا اچھی اداکاری کی ہے میں نے یا نہیں۔"

بینا اور واسطی صاحب چونک پڑے...... واسطی صاحب نے کہا۔

"اداکاری؟"

"ہاں ایک جذباتی منظر کے لئے میں نے جو کوشش کی ہے اس کی بات کر رہا ہوں۔"

"لیکن شہاب، ہماری تو عقل حیران ہے...... یہ سب کچھ کیا ہوا ہے...... کیسے ہوا ہے، میرا خیال ہے، میں تو زندگی بھر نہیں سمجھ سکوں گا، عدنان واسطی نے کہا۔"

"لیکن میں سمجھ گیا ہوں جناب...... یہ بات تو ثابت ہو گئی ہے کہ بے چارے فیصل رضا کو پھنسانے کی کوشش کی گئی ہے اور یہ بات بھی ثابت ہو گئی ہے کہ فیصل رضا کو جرم کی سزا نہیں ہو گی، مجرم البتہ سامنے آ گیا، یعنی امجد فضل خان ٹرانسپورٹر...... وہ میرے سامنے ہے اور جناب محترم عدنان واسطی صاحب مجھے افسوس اس وقت ہو گا، جب مرزا جواد بیگ اپنا چہرہ لٹکائے ہوئے یہ کیس ہار جائیں گے۔

"انہیں ہارنا چاہئے بھئی، کسی بے گناہ کی زندگی کو موت کے حوالے کرنے کا کام کوئی اچھا کام تو نہیں ہے...... ہاں یقین کرو اگر کسی کی زندگی بچ جانے کی امید ہوتی اور ان کے کسی عمل سے مجھے ایسی کوئی شکست ہوتی تو بخدا خلوص دل سے قبول کر لیتا، اول تو میں ایسا کوئی کیس ہی نہیں لیتا جس میں ایسے جھگڑے والی بات ہوتی...... بہر حال فرشتہ بننے کی کوشش نہیں کر رہا، سچ کہہ رہا ہوں میں۔

عدنان واسطی صاحب جذباتی ہونے کی وجہ سے جملہ پورا نہیں کر سکے تھے، شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور محترمہ بینا صاحبہ، آپ کا کیا خیال ہے؟" بینا کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ پھیل گئی، کہنے لگی۔

"اگر استاد محترم کے خیالات کو اس انداز میں نہ سمجھ سکی تو استاد محترم مجھے زوجہ محترمہ کا درجہ نہ دیتے، ہماری بھی کچھ صلاحیتیں ہیں جن کی بنا پر آخر کار ہمیں یہ خلعت فاخرہ ملی، کیا سمجھے آپ حضرات، جناب شہاب صاحب پورا کیس میرے ذہن میں آ گیا ہے اور اس دعوے کے ساتھ یہ بات کہہ رہی ہوں کہ غلط نکل آئے تو گولی مار دیجئے گا مجھے۔"

عدنان واسطی نے سر پکڑ لیا تھا اور شہاب مسکراتی نگاہوں سے بینا کو دیکھنے لگا تھا، پھر اس نے کہا۔

"نہیں بی بی، کچھ نہیں پوچھوں گا آپ سے، نہ اس کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں، کیونکہ آپ کی زندگی مجھے دنیا کی ہر شے سے زیادہ قیمتی ہے اس لئے ابھی آپ اس کیس کے بارے میں کچھ نہ بتائیے، ہاں واسطی صاحب بس مطمئن ہو کر کچھ پوائنٹس پر گفتگو کیجئے گا، وہ ہم مل جل کر تیار کر لیں گے، باقی سب خیریت ہے...... اگر آپ کی ملاقات رضا حسن صاحب سے ہو تو ان سے کہہ دیجئے کہ انشاء اللہ ان کا بیٹا اس جرم سے آزادی پا کر جلد از جلد گھر واپس پہنچ جائے گا، کیوں بینا۔"

انشاء اللہ، بینا نے بھی بڑے خلوص سے کہا تھا۔

❁ ❁ ❁

بینا جانتی تھی کہ مشرقی ماحول میں عورت کی ذمہ داری کسی بھی صورت میں نہیں بدل سکتی۔ وہ چاہے جتنی مرضی بڑی حیثیت کی حامل کیوں نہ ہو، اپنے گھر میں اسے اسی مقام پر رہنا ہوتا ہے جس کی ایک ترتیب صدیوں سے چلی آئی ہے اور بہر حال انسان کی اپنی سوچ کہیں سے کہیں پہنچ جائے لیکن اس ترتیب کو بدلنا شاید ممکن نہ ہو کیونکہ وہ ترتیب خلاف فطرت ہوتی ہے اور جہاں یہ ترتیب بدل گئی وہاں ایسے غلط سلط حالات کا سامنا کرنا پڑا ہے انسان کو انسانیت ہی مسخ ہو کر رہ گئی ہے...... ہم فرسودہ خیال لوگ نہیں ہیں...... دنیا میں جہاں انسانی زندگی کو بہتر طور پر گزارنے کے لئے منصوبے تراشے گئے ہیں وہاں اگر زندگی واقعی بہتر بن گئی ہے تو اس کی تعریف کرنا انسانی فطرت ہے، صرف اپنے اس خیال کے تحت کسی نظام کے خلاف گفتگو کرنا کوئی اچھی بات نہیں ہے...... عورت کے معاملے میں اگر ہم یورپ اور مغربی اقوام پر نگاہ ڈالیں تو صرف تعصب کی بات نہیں ہے، کچھ اچھے عمل بھی وہاں کئے جاتے ہیں، لیکن صحیح معنوں میں اگر غور کیا جائے تو یورپ میں عورت بے وقعت ہو گئی ہے، اس کا کوئی اہم مقام نہیں ہے۔ قصے کہانیوں کے طور پر، افسانہ طرازی کے طور پر چند کرداروں کی تصاویر اخباروں میں دیکھ کر یا ان کے بارے میں خبریں پڑھ کر یہ فیصلہ کر لیا جائے کہ کون سا کام کس جگہ بہتر ہو رہا ہے تو شاید اسے کچے ذہن کی تخلیق سمجھا جا سکتا ہے کیونکہ کسی بھی چیز کو حقیقت کی نگاہوں سے اور گہرائیوں کے ساتھ دیکھنا ایک بالکل الگ کام ہے اور اگر یہ سچائیاں اتنی ہی مستحکم ہوتیں تو لیڈی ڈیانا کی موت اس طرح دنیا کی زبان پر نہ آتی اور بے مقصد طریقے سے کسی کردار کو اتنی اہمیت نہ ملتی...... ہر چیز کا کوئی نہ کوئی پس منظر ہوتا ہے اور ہم اگر اپنے ماحول اور اپنے طرز معاشرت کی بات کرتے ہیں تو ہمارے ہاں بھی

عورت کا ایک منفرد مقام ہے، کچھ مقدس ناموں کے ساتھ سب سے بڑی چیز جو اسے دی گئی ہے وہ اس کا احترام ہے اور کوئی بھی اخبار یا اعلیٰ سوسائٹی کا کوئی بھی فرد کم از کم مشرق کے کسی ملک میں یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ عورت کوئی بے مقام شے ہے...... اب اگر ٹیلی ویژن میں اسے بے لگام کر دیا جائے اور مختصر سے لباس میں پیش کر کے چند پیسے کمانے کی کوشش کی جائے تو یہ تو ان گندے ذہنوں کی پیداوار ہے جن کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے، ورنہ مشرق کی روایات میں چاہے کسی بھی قوم اور کسی بھی مذہب و ملت کی بات لے لی جائے، عورت کو ایک مقدس مقام دیا گیا ہے، ایک پر احترام مقام، بات کسی ایک نکتے پر جا کر رک جاتی ہے لیکن کائنات کی بیکراں وسعتوں میں کوئی ایک نکتہ کوئی آخری حیثیت نہیں رکھتا، مختصراً یہ کہ اس بحث میں پڑنا مقصود نہیں ہے کہ وہ نکتہ کونسا ہے لیکن بہر حال ہم اپنے معاشرے میں عورت کا ایک پر وقار مقام پا سکتے ہیں اور سچی بات یہ ہے کہ اس مقام کو مکمل طور پر اپنے نظام حیات پر مسلط رکھنے کا عزم کرتے ہیں...... عدنان واسطی کی بیٹی بینا جس نے باپ کے ساتھ وکالت کی تعلیم حاصل کی تھی اور ایک اچھے اسسٹنٹ کی طرح اپنی نیک فطرت کے ساتھ اپنے باپ کے ساتھ معاونت کر رہی تھی، بزرگوں کی مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کا صحیح مقام عطا کرتا ہے...... اچھی عورتوں کو اچھے مرد اور اچھے مردوں کو اچھی عورت، بہر حال یہ ساری حقیقتیں نگاہوں کے سامنے ہوتی ہیں اس لئے ان پر کوئی وہم نہیں کیا جا سکتا...... بینا ایک پولیس آفیسر کی حیثیت بھی رکھتی تھی، ایک ذہین ایڈووکیٹ کی بھی اور ایک ذہین ترین آفیسر کی اسسٹنٹ کی بھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک نئے منصب سے آشنا ہو چکی تھی اور وہ منصب اس گھر کی ذمہ داریاں تھیں...... نعیمہ بیگم گھر میں بنیادی حیثیت رکھتی تھیں، اس کے بعد ثریا بیگم کا نمبر آتا تھا جو فائق حسین کی بیوی تھی اور پھر ایک اور حیثیت بینا کو ملی تھی اور بینا نے بڑے خلوص سے نعیمہ بیگم اور ثریا بھابی سے کہا تھا۔

کوئی اعتراض، ثریا اب بینا نے یہ بات نکالی ہے تو تم بھی خلوص دل سے اپنے موقف کا اظہار کرو۔“ ثریا بھابی بھی فراخدل خاتون تھیں کہنے لگیں۔

”دیکھو بینا بات اصل میں یہ ہے کہ اب میں تم سے یہ کہہ کر اپنے آپ کو بے وقوف نہیں ظاہر کرنا چاہتی جب عورت کسی گھر کو اپنی عزت سمجھ لیتی ہے تو خود اپنے اوپر کیا ذمہ داریاں محسوس کرتی ہے...... یہ گھر میری بھی عزت ہے چونکہ یہ میرے شوہر کا گھر ہے......

فائق حسین بہت اچھے انسان ہیں، انہوں نے اپنی زندگی میں مجھے وہ سب کچھ دیا جس کی کوئی بھی عورت طلب کر سکتی ہے تو مجھ پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ میں فائق حسین کے گھر کو ہر طرح کی عزت دینے کی کوشش کروں، چنانچہ اس گھر کا ایک ایک فرد میرے اپنے کلیجے کا ٹکڑا ہے اور شاید تم اس بات پر یقین نہ کرو کہ شہاب بھی مجھے اپنے سگے بھائیوں کی مانند عزیز ہے اور واثق بھی، سمجھ رہی ہو نا میرے بچے یا میرے بھائی کی بیوی میرے لئے کیا ہو سکتی ہے، وہ تم ہو بینا...... ہمارے درمیان کوئی ایسی تفریق نہیں ہے...... تمہاری اپنی ذمہ داریاں الگ ہیں، جب بھی تم اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے نکلو مجھے ان کے بارے میں بتاؤ، باقی جہاں تک اس گھر کی ذمہ داریاں ہیں تو خدا نے ہمیں یہ موقعہ عنایت کیا ہے کہ کسمپرسی اور بے کسی کی زندگی سے نکلنے کے بعد ہم عیش و عشرت اور آرام کی زندگی گزار رہے ہیں۔ میں یہ الفاظ بالکل نہیں کہوں گی کہ تم شہاب کو نہیں جانتیں یا حالات سے واقفیت نہیں رکھتیں، شہاب اگر چاہیں تو نہایت اعلیٰ درجے کی رہائش حاصل کر سکتے ہیں، وہ ایک عالی شان کوٹھی بھی ہو گی اور نجانے کیا کیا کچھ ہو گا اس میں، نوکروں کی بھرمار ہر چیز مہیا ہو سکتی ہے، وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ بے وقوف نہیں ہیں، ہم جانتے ہیں تمہاری ذاتی آمدنی بھی کتنی شاندار ہے اور پھر شہاب جس قدر ذہنی صلاحیتوں کا مالک ہے ایک بڑی بہن یا بھابی ہونے کی حیثیت سے کیا مجھے اس کے بارے میں معلوم نہیں ہے، لیکن امی کے ایک لفظ نے شہاب کو ہمیشہ کے لئے اس تصور سے بے نیاز کر دیا کہ ہم اس گھر کو چھوڑیں اور سچی بات تو یہ ہے بینا کہ مجھے بھی اس گھر سے اتنا ہی پیار ہے، بات کچھ زیادہ طویل ہو گئی مگر کیا کیا جائے تم ہی نے چھیڑی ہے، مطلب یہ ہے کہ تم اپنے ذہن پر کوئی ایسا بوجھ نہ محسوس کرنا کبھی جس سے تمہیں یہ احساس ہو کہ ہم میں سے کوئی تم سے کسی مسئلے میں گریز کرنے کی کوشش کر رہا ہے، باقی بچیوں کا معاملہ ہے تو بیٹیاں پرائی ہوتی ہیں جس طرح ہم اپنے گھر میں پرائے تھے یعنی وہاں جہاں ہم پیدا ہوئے اور آخر کار یہاں آ گئے۔"

"میں جانتی تھی آپ کو نہیں شہاب کو جانتی تھی اور یہ بھی جانتی تھی کہ جس گھر میں اس کی تربیت اور تخلیق ہوئی ہے وہ کیا ہو گا...... خدا آپ کو خوش رکھے، میں ہمیشہ آپ کی غلامی کر کے فخر محسوس کروں گی، بینا جب باہر نکلی تو واثق حسین گردن جھکائے کھڑا تھا...... بینا اسے دیکھ کر چونکی اور پھر بولی۔

"کیسے ہو واثق بھیا۔"

"آپ کے ساتھ آپ کے کمرے تک جانا چاہتا ہوں۔"

"آؤ خیریت ویسے تم آج تک مجھ سے اس طرح مخاطب نہیں ہوئے۔"

"جی بڑی خود غرض چیز ہوتی ہے انسان، آپ کو کیا پتا بھابی بیگم۔"

"اچھا تو آ جاؤ اے خود غرض انسان، چلو میرے کمرے میں آ جاؤ۔" شہاب گیا ہوا تھا بینا واثق حسین کے ساتھ اندر آ گئی...... واثق حسین بدستور گردن جھکائے بیٹھا تو پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"چہرے سے سعادت مند لگتا ہوں نا۔"

"چہرے سے ہی نہیں آج تک تو تم سعادت مند ہی رہے ہو۔"

"اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ آپ ایک اچھی شخصیت کی مالک ہیں چھوٹی بھابی لیکن اس وقت میں تھوڑی سی اداکاری کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"کیا اس اداکاری کی کوئی اہم ضرورت ہے۔"

"ہاں۔"

"تو پھر بتاؤ۔" جواب میں واثق حسین نے جیب سے ایک تصویر نکالی اور دوسری طرف رخ کر کے بینا کی طرف بڑھا دی تھی اور بینا ہنس پڑی، اس نے کہا۔

"آج تو تم واقعی کمال کر رہے ہو، لگ رہے ہو شہاب کے بھائی ہو۔"

"آپ تصویر دیکھئے گا بعد میں اس بارے میں آپ سے بھی سوال پوچھوں گا۔" بینا نے تصویر دیکھی ایک خوبصورت لڑکی کی تصویر تھی، نوجوان اور خوبصورت لڑکی جو دیکھنے ہی سے حسین لگ رہی تھی، بینا کی آنکھوں میں مسکراہٹ ناچ اٹھی اس نے پلٹ کر تصویر کو دیکھا تو لکھا تھا۔

"نام ناظمہ فاروق، عمر اکیس سال، قد پانچ فٹ نو انچ، وزن ایک سو بائیس پونڈ، پتا ایک سو اٹھارہ گرین سکوائر، تعلیم بی اے۔" بینا مسکراتی نگاہوں سے تصویر دیکھتی رہی پھر بولی۔

"جی تو معاملات کہاں تک ہیں۔"

"بات ان کے والدین کے کانوں تک پہنچ چکی ہے۔"

"کیسے۔"

“ناظمہ کی بھابی کے ذریعے۔”

“میری کیا خدمات ہیں۔”

“کیا صرف ناظمہ ہی کی بھابی ہے میری کوئی بھابی نہیں ہے۔”

“کیوں نہیں، میں ہوں نا۔”

“تو ابھی آپ اپنی ذمہ داریاں پوچھ رہی تھیں، کبھی ہم سے بھی اس بارے میں پوچھ لیا ہوتا۔”

“سوری۔”

“کوئی بات نہیں عارضی طور پر معاف کیا جاسکتا ہے، اب باقی ذمہ داری آپ کی ہے، اصل میں ہمارے شہاب بھائی تھے نا آپ کو نہیں پتا ان کے بارے میں ایک زمانے میں گھر میں سب کی ناپسندیدہ شخصیت تھی، لوگوں کا خیال تھا کہ یہ زندگی بھر کچھ نہیں کریں گے، خیر میں ان لوگوں میں شامل نہیں تھا لیکن انہوں نے بھی کبھی کسی کو اپنا شریک کار نہیں بنایا، ان کے ذہن میں کیا تھا یہ بات تو بہت دیر میں معلوم ہوئی، اصل میں ابو ایک بے باک اور سچے صحافی تھے، ہمیشہ سچائیوں کی راہ میں اپنے آپ کو لٹاتے رہے، یہاں تک کہ اپنی سچائیوں کے ہاتھوں مارے گئے، بھائی جان کے ذہن میں اسی وقت سے ایک جنون پل رہا تھا جو آخر کار اپنی اصل حالت میں آگیا۔”

“ہاں شہاب بہت بڑے انسان ہیں، بہت ہی بڑے انسان۔”

“اور اس بہت بڑے انسان کی پسند بھی بہت بڑی ہوگی، مگر شرط یہ ہے کہ آپ اس بات کا ثبوت پیش کریں۔”

“ٹھیک ہے واثق اطمینان رکھو...... انشاءاللہ ہمارے گھر کی تیسری رونق ناظمہ ہی ہوگی۔”

“یہ ٹافی پیش کرسکتا ہوں اس وقت، مٹھائی ادھار رہی۔” واثق نے کہا اور جیب سے ایک ٹافی نکال کر بینا کو دے دی...... بینا نے ہنستے ہوئے اسے قبول کرلیا تھا، اس گھر میں بہر حال زندگی ویسے ہی کافی خوشگوار تھی، شہاب بھی خوش تھا بینا بھی یہاں آکر خوش تھی، پچھلے دن شہاب نے جو عمل کیا تھا جمال الدین عرف جمالو کے ساتھ وہ بھی بڑا جذباتی نوعیت کا عمل تھا، ابھی تک اس بارے میں بینا کی شہاب سے کوئی خاص گفتگو نہیں ہوئی تھی، لیکن موقع ملتے ہی اس نے شہاب سے کہا۔

“کیا جمال الدین کے پیچھے بھی ڈبل او گینگ کے کچھ افراد مخصوص کردیے گئے ہیں۔”

“نہیں۔”

“اور اگر وہ نکل جائے تو۔” جواب میں شہاب نے بینا کو دیکھا اور کہا۔

“کہو کیا کہنا چاہتی ہو۔”

“وہ تو انتہائی اہم کردار تھا تم نے اس طرح اسے چھوڑ دیا۔”

“بینا میں نے اسے اسی طرح چھوڑ دیا ہے...... تم فکر مت کرو، بہر حال اگر اس نے برا کیا تو معاملہ ذرا مختلف ہو جائے گا۔”

“ابھی تک اس بارے میں کچھ معلوم کرنے کی کوشش کی۔”

“یقین کرو بالکل نہیں، بس میں بھی ذرا آرام کر رہا ہوں اور ویسے بھی نادر حیات صاحب نے جو چھٹی دی ہے اسے بالکل ہی بیکار تو نہیں کرسکتا۔”

“کہاں آرام کر رہے ہیں آپ...... یہ تو میری سمجھ میں نہیں آیا، جناب شہاب صاحب کیا کوئی اور بہتر جگہ۔”

“گڈ...... گڈ...... گڈ...... اگر یہ سوال نہ کرتی تو مجھے تم سے شکایت ہوتی۔”

“کیا مطلب۔”

“بہتر جگہ یعنی ابھی عمر کی بات ہے ناں۔”

“جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے منہ دھو رکھیئے گا۔”

“فرض کرو ایسا ہو جائے تو۔”

“کچھ نہیں سوائے اس کے کہ میں سمجھوں گی کہ یقینی طور پر یہ بھی آپ کی کوئی ضرورت ہوگی۔”

“اب مجھے جذباتی کرنے کی کوشش نہ کرو۔”

“خیر یہ بتائیے اس کیس کے سلسلے میں کوئی تیز رفتاری نہیں دکھائی جاسکتی، اصل میں فیصل رضا جیل میں ہے ایک ناکردہ گناہ کو قید میں رکھا گیا ہے اور صورت حال خراب سے خراب تر ہوتی جارہی ہے۔”

“کیوں بھئی خراب سے خراب تر کیوں، یوں سمجھو بہتر سے بہتر ہوتی جارہی ہے مگر معاملہ بڑا گڑبڑا چل رہا ہے...... یہ صورت حال کافی خطرناک ثابت ہوگی۔”

"خیر کوئی ایسی بات نہیں ہے دیکھ لیں گے جو کچھ بھی ہے۔" اس کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا تھا، بہت غور کرنے کا مقام تھا، غالباً تین دن گزر چکے تھے...... شہاب بھی اس دوران بڑی تفریحات کر رہا تھا، گھر والوں کے ساتھ پکنک کا پروگرام بنا تھا...... شہاب کے لئے اپنا موڈ بدل لینا کوئی مشکل کام نہیں تھا اور اکثر کبھی کبھی اچانک ہی کوئی ایسا عمل کر ڈالتا تھا جس کی گھر والوں کو کوئی توقع نہیں ہوتی تھی...... یہ پکنک کی تجویز بھی انہی لوگوں نے پیش کی تھی...... بینا بھی اس پکنک پر بڑی دلچسپی محسوس کر رہی تھی، بہت شاندار دن گزارا گیا اور اس رات بینا نے شہاب سے کہا۔

"تمہارا یہ موڈ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔"

"بھئی کمال کر رہی ہو آخر چھٹیاں منا رہے ہیں ہم لوگ۔"

"ہوں...... ٹھیک ہے...... میں اس بارے میں کچھ نہیں کہوں گی۔" بینا نے کہا لیکن اسے اندازہ نہیں تھا کہ شہاب کچھ انتظار کر رہا ہے، پھر کریم سوسائٹی سے جوہر خان کا ٹیلی فون وصول ہوا تھا...... بینا اس وقت کسی کام میں مصروف تھی، شہاب باتھ روم میں تھا...... فون بینا نے ہی وصول کیا تھا۔

"کون بول رہا ہے۔"

"وہ جی مجھے شہاب ثاقب صاحب سے بات کرنی ہے۔" جوہر خان نے کہا۔

"کون صاحب ہیں آپ۔"

"کیا بینا بی بی بول رہی ہیں۔"

"ہاں لیکن تم۔"

"معافی چاہتا ہوں آواز بدل کر بول رہا تھا، جوہر خان ہوں۔"

"صاحب موجود ہیں۔"

"ہاں...... ہاں ہیں...... واش روم میں ہیں۔"

"وہ جی، ایک بندہ آیا ہے، پہلے بھی آپ لوگوں کے ساتھ یہاں آچکا ہے۔"

"کون ہے کیا کہتا ہے۔"

"جمالو بتاتا ہے اپنا نام۔"

"کہاں ہے وہ۔"

"یہیں موجود ہے کہتا ہے صاحب سے ملنا چاہتا ہے۔"

"ہوں...... ایسا کرو ایک دس منٹ انتظار کر لو، اس کے بعد میں تمہیں وہاں فون کراتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" جوہر خان نے کہا اور فون بند کر دیا...... بینا بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگی تھی، کچھ لمحوں کے بعد شہاب واش روم سے برآمد ہوا تو بینا نے جلدی سے کہا۔

"شہاب کریم سوسائٹی سے فون آیا تھا۔"

"کس نے کیا تھا۔" شہاب چونک کر بولا۔

"جوہر خان نے۔"

"خیریت۔"

"جمالو وہاں آیا ہے۔" بینا نے کہا اور شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"خدا اس کے بچے کو زندگی، تندرستی عطا کرے، بینا تیار ہو جاؤ فٹافٹ، چل رہے ہیں۔"

"کیا مطلب۔"

"تیار ہونے کا مطلب تیار ہونا ہوتا ہے۔"

"آپ...... آپ بس۔" اس کے بعد بینا نے الماری سے کپڑے نکالے اور واش روم میں داخل ہو گئی، تھوڑی دیر کے بعد دونوں باہر نکلے اور اپنی کار میں بیٹھ کر چل پڑے، راستے میں بینا نے شہاب سے کہا۔

"یوں محسوس ہوتا ہے جیسے تم اس بات کے منتظر تھے، آخر جوہر خان کا فون اور جمالو کی وہاں آمد۔"

"تم نے محسوس نہیں کیا ہے بینا بعض اوقات بڑی موٹی موٹی باتیں نظر انداز کر جاتی ہو۔" شہاب آہستہ سے بولا۔

"اب تفصیل بھی فرما دیجئے گا جناب۔"

"کیا تم مجھے بے وقوف سمجھتی ہو...... کریم سوسائٹی کی کوٹھی کو میں نے کتنا محفوظ رکھا ہے، دوسروں کی نگاہوں سے اور کس طرح سے اس میں اپنے آپ کو خاموشی سے برقرار رکھے ہوئے ہوں، اگر جمالو جیسے جرائم پیشہ فرد کو میں نے خوشی سے کچھ رقم دے کر وہاں سے

خود چلے جانے کی اجازت دے دی تھی تو کیا تمہارے خیال میں کوئی حماقت کی تھی میں نے۔"

"سمجھی نہیں ہوں اب تک۔"

"مطلب یہ تھا کہ مجھے امید تھی کہ وہ وہاں آئے گا اور ضروری تھا کہ وہ کوٹھی تلاش کرتا ہوا وہاں پر آئے اور اسے کوئی دقت نہ ہو۔"

"اوہ...... بینا پر خیال نگاہوں سے شہاب کو دیکھنے لگی پھر بولی۔

"گویا تم اس کے وہاں آنے کے منتظر تھے۔" شہاب نے کوئی جواب نہیں دیا، کچھ دیر کے بعد وہ کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں پہنچ گئے، جوہر خان منتظر تھا...... اس نے کہا۔

"ڈرائنگ روم میں بٹھادیا ہے میں نے اسے۔"

"ٹھیک ہے۔"

"غلطی تو نہیں کی صاحب۔"

"نہیں۔" شہاب نے مختصراً جواب دیا اور اس کے بعد بینا کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا...... جمالو صوفے پر بیٹھا ہوا تھا اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا...... شہاب نے ایک نگاہ میں اس کا جائزہ لے لیا تھا، کم از کم اس قدر انسان شناسی تو اسے تھی کہ چہرے کے تاثرات اندازہ لگالے اور جمالو کے چہرے کا اندازہ لگا کر اسے خوشی ہوئی تھی، اس نے کہا۔

"مبارک باد پیش کرتا ہوں ڈیئر جمالو۔" جمالو ایک لمحے تک شہاب کو گھورتا رہا پھر بے اختیار آگے بڑھا اور پھر شہاب کے قدموں میں بیٹھ کر اس نے اس کی ٹانگیں پکڑ لیں۔

"ارے ارے کیا کر رہے ہو، غلط، بالکل غلط مسٹر جمال الدین بالکل غلط۔"

"میں...... میں اپنے جذبات کا اظہار کیسے کروں۔" جمالو نے کہا اور بے اختیار رو پڑا۔ شہاب نے آہستہ سے اس کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

"بیٹھو، بیٹھو...... بینا جمالو کے لئے کسی مشروب وغیرہ کا بندوبست کرو۔"

"ہاں میں ابھی آئی۔"

"صاحب نہیں کچھ نہ کریں مجھے...... مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں محسوس ہورہی...... آپ کے پاس، آپ کے پاس۔"

"اچھا ٹھیک ہے بیٹھو، کیسا ہے بچہ۔"

"صاحب اللہ کا بہت بڑا احسان ہے اب ٹھیک ہو گیا ہے...... ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں

ابھی دو چار دن تک ہسپتال میں رہنا زیادہ اچھا رہے گا...... اس کے بعد چھٹی کر دیں گے۔"

"مطلب یہ کہ وہ خطرے سے نکل گیا ہے۔"

"ہاں صاحب، ہم نے اسے خود خطرے میں ڈالا تھا۔" جمال الدین نے کہا۔

"نہیں جمال الدین بات انسان کی غلطی کی ہے اور غلطی ہو جاتی ہے۔"

"صاحب وہ ٹھیک ہو گیا ہے ہم نے یہ سوچ لیا ہے کہ اب ہم اس کی شکل میں جئیں گے...... اب ہم صاحب اس کے وجود میں زندہ رہیں گے...... اللہ نے اسے زندگی دی ہے تو ہم اپنی زندگی کی قربانی پیش کر دینا چاہتے ہیں...... یہ ہونا چاہئے صاحب جب ہم نے خلوص دل سے اللہ سے یہ دعا مانگی ہے اور آپ نے ہمیں اس کا موقع دیا ہے تو اللہ سے دھوکا نہیں کریں گے...... ہم آپ کے پاس مشورہ لینے آئے ہیں صاحب، تمام تفصیل کے ساتھ اپنی گرفتاری پیش کر دیں یا پھر کیا کریں آپ ہمیں بتائیے چند روز کے بعد ہمارا بچہ ہسپتال سے فارغ ہو جائے گا، ہم اپنی بیوی کو بتادیں گے کہ سارا کام کیا ہے، بس پھر ہم اپنے آپ کو عدالت میں پیش کر دیں گے صاحب، آپ سے ایک مشورہ لینے بھی آئے ہیں۔"

"ہاں بولو۔"

"ہم چاہتے ہیں اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کرنے سے پہلے وہ پیسے جو ہمارے پاس موجود ہیں ان کے ساتھ اپنی بیوی کو یہاں سے کہیں دور بھجوادیں تاکہ بیوی اور بچے پر کوئی مشکل پیش نہ آئے۔"

"یہ بتاؤ کہ تمہاری سسرال کہاں ہے۔"

"کہیں نہیں ہے صاحب، دو تین چھوٹے موٹے رشتے دار ہیں، مطلب یہ کہ بیوی کے وہ بہت دور دراز کے شہروں میں ہیں، غریب لوگ ہیں ان سے رابطہ بھی نہیں ہے ہمارا، اصل میں جو پیسے ہیں نا ہمارے پاس یعنی میرا مطلب ہے جو ہمیں مل چکے ہیں اور جنہیں ہم نے چھپا رکھا ہے...... صاحب ان کے ساتھ ہم اسے ایک ایسی جگہ بھجوادیتے ہیں جہاں وہ آرام سے رہ سکے گی...... اب اسے ساری صورت حال تو بتائی نہیں جاسکتی۔ ہم کہہ دیں گے اس سے کہ ہم ملک سے باہر جا رہے ہیں کہیں دبئی وغیرہ میں نوکری مل رہی ہے ہمیں...... وہاں جا کر کام کریں گے، یہ پیسے ایڈوانس میں ملے ہیں...... صاحب گھر کی گھر میں ہونی چاہئے اور باہر کی باہر، بیوی کو ساری تفصیلات کا پتا تو نہیں ہے نا...... ہم تو آپ سے مشورہ لینے آئے ہیں۔"

"ہوں...... ٹھیک جمال الدین فرض کرو تم اپنی بیوی کو اگر کہیں بھیجتے تو کون سے ش
میں بھیجتے۔"

"بہت پرانی بات ہے صاحب کہ ایک جان پہچان والا تھا اپنا اپنی ماں کے ساتھ رہتا تھ
ایک شہر میں، کبھی کبھی اس سے یاد اللہ ہو جاتی ہے...... وہ بھی ویسے وطن سے باہر ہے......
نے یہی سوچا تھا کہ اس کے ہاں بھیج دیں گے، اپنا خرچہ خود اٹھائے گی سمجھا دیں گے اسے، ب
بعد میں تو صاحب جو اللہ کا حکم ہوگا ہو ہی جائے گا، اللہ ہی سب کی سرپرستی کرتا ہے۔"

"تم ایسا کرو جلد بازی میں یہ فیصلہ نہ کرو بلکہ اگر مجھ سے مشورہ لینا چاہتے ہو تو م
تمہیں مشورہ دینے کے لئے تیار ہوں۔"

"ہاں...... بولو صاحب۔"

"شیر خان تم سے اب بھی ملتا ہے۔"

"بالکل ملتا ہے، ابھی تو کیس باقی ہے بس اس لئے تھوڑی سی خاموشی اختیار کر رکھ
ہے ان لوگوں نے کہ انہیں ہمارے بچے کی بیماری کا پتا ہے۔"

"سنو، پھر بات سنو، آرام سے اپنے بچے کو لے کر گھر جاؤ جس طرح سے شیر خان ک
رہتا ہے اسی طرح سے کرتے رہو، کسی اور کو قتل کرنے کی کوشش نہ کرنا جو بھی صورت حا
ہو مجھے بتاتے رہنا، میں کوئی وعدہ تو نہیں کرتا تم سے لیکن تمہیں وعدہ معاف گواہ بنا کر بچا
کی کوشش کروں گا یا اگر نہ بھی بچا سکا تو تم یہ سمجھ لو کہ تمہیں موت کی سزا نہیں ہونے دو
گا، ہو سکتا ہے کہ تھوڑی بہت قید ہو جائے...... کیا یہ بہتر نہیں رہے گا۔ جمال الدین بلک بلک
رو پڑا تھا...... اس نے کہا۔

"صاحب ہر آدمی کی خواہش ہوتی ہے کہ اپنی اولاد کے ساتھ خوشی کی زند
گزارے...... ہمارے دل میں بھی یہ خواہش ہے لیکن جو کر چکے ہیں، اس کے لئے اپنے آپ
کو سزاوار پاتے ہیں...... بس اللہ سے معافی مانگتے ہوئے بھی شرم آتی ہے کیا کہہ کر معا
مانگیں، ایک بچی کی زندگی چھین لی اور اس کے بعد اپنے آپ کو معافی کے قابل بھی سمجھیں۔"

"خیر میری بات تو سمجھ رہے ہو نا تم لیکن شرط یہ ہے کہ ظاہر نہ ہونے پائے کسی ک
تمہارے ذہن میں کوئی تبدیلی آئی ہے یا تم نے اپنے طور پر کچھ فیصلے کئے ہیں۔"

"صاحب برے آدمی ہیں، برے رہنا نہیں چاہتے، لیکن اگر اپنی برائی میں سے

ایک کا خاتمہ بھی اس انداز میں ہو جائے تو کم از کم دل کو یہ اطمینان تو ہوگا کہ چلو کچھ نہ کچھ تو کیا ہے...... آپ بالکل بے فکر رہو اور ہمیں حکم دیتے رہو، ہم آپ سے رابطہ کئے رکھیں گے صاحب۔"

"ایک ٹیلی فون نمبر رکھ لو جو یہاں کا ہے، اس عمارت کا جب بھی کوئی اطلاع دو کسی پبلک ٹیلی فون بوتھ سے یہ اطلاع دے دینا اور بتا دینا کہ کب اور کہاں ملنا چاہتے ہو، میں تم سے ملاقات کر لوں گا، بہت جلد تمہارے لئے میری طرف سے کچھ کام ہوں گے جو تمہیں سرانجام دینا ہوں گے۔"

"جان کی بازی بھی لگانی پڑی تو صاحب لگا دیں گے۔"

"اور ایک بات اور ذہن نشین کر لو اب اس کے بعد کسی بھی قیمت پر جرم کے بارے میں مت سوچنا۔"

"امجد فضل خان جو کچھ بھی تھا وہ ایک الگ بات ہے، لیکن نیرنگئی زمانہ بس عجیب چیز ہوتی ہے...... وقت کس کس طرح کروٹیں بدلتا ہے، اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے اور اسی کیفیت کا شکار ہونے کے بعد انسان یہ سوچتا ہے کہ اس کے اپنے بس میں کوئی بات نہیں ہے...... وقت جس طرح کی بھی تبدیلیاں مناسب سمجھتا ہے کر ڈالتا ہے اور یہ تمام تر تبدیلیاں قدرت کے اشاروں پر ہوتی ہیں، اب اس کے پیچھے کیا رنگ چھپے ہوتے ہیں...... اگر انسان اتنا ہی جان لیتا تو پھر بات ہی کیا تھا۔ بہرحال بات امجد فضل خان کی تھی، حقیقت یہ تھی کہ سابقہ مشرقی پاکستان میں وہ بہت ہی معمولی حیثیت کا حامل آدمی تھا اور یہ بات بھی بڑی اچھی طرح جانتا تھا کہ حاجی غیاث کس طرح نرم دل اور نرم فطرت کا مالک ہے...... پاکستان آنے کے بعد اس نے حاجی غیاث کی تلاش شروع کر دی تھی۔ حاجی غیاث سابق مشرقی پاکستان میں بھی ایک بہترین حیثیت کا حامل تھا، بہت بڑا حلقہ تھا اس کا، لیکن تقدیر کا ہمیشہ ہیٹا رہا اور کچھ ایسے واقعات پیش آتے رہے اس کے ساتھ جن کی تفصیل اگر جمع کر لی جائے تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ کے کام بس اللہ ہی جانتا ہے...... انسان کی سمجھ سے باہر ہوتے ہیں وہ، حاجی غیاث نے یہاں آنے کے بعد پھر اپنے آپ کو مستحکم کر لیا تھا اور ایک ٹرانسپورٹر کی حیثیت سے بڑے بڑے حلقوں میں اپنا ایک مقام بناتا جا رہا تھا۔ بیوی کا انتقال ہو چکا تھا، بس نوجوان بیٹی رمشہ تھی، پھر اچانک ہی وہ بھی ایک عجیب موت کا شکار ہو گیا۔ یہ

موت دم گھٹنے سے واقع ہوئی تھی۔ اب یہ دم کس طرح گھٹا، یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ یہ یہاں آنے کے بعد اس نے اپنے کاروبار کے لئے بڑی محنت کی تھی اور جب وہ اپنا کار پوری طرح جما چکا تھا تو اس کو پھر امجد فضل خان ملا تھا...... اس میں کوئی شک نہ ٹرانسپورٹ کی لائن میں امجد فضل خان بہت زبردست تجربہ رکھتا تھا اور حاجی غیاث اسے اس کے تجربے کی بنا پر ہی اپنا منیجر رکھا تھا...... وہاں سب کچھ ختم ہو گیا، سب ا دوسرے سے بچھڑ گئے لیکن یہاں دوبارہ امجد فضل خان کے مل جانے سے حاجی غیاث بڑی تقویت ہو گئی تھی اور اس کے بعد اس نے امجد فضل خان کے ساتھ جو سلوک کیا شاید ہی لوگ یقین کر پاتے کوئی سگا بھائی بھی سگے بھائی پر اتنا اعتماد نہیں کر سکتا، بات یہ ہے کہ دنیا اعتماد سے خالی ہو چکی ہے، آج بھی آپ کو ایسے ایسے کردار نظر آئیں گے جو کسی کے لئے کچھ کرنے پر آتے ہیں تو پھر فرشتوں ہی جیسی صفات اختیار کر لیتے ہیں حاجی غیاث نے امجد فضل خان کو اپنے سگے بھائی کی حیثیت دی تھی...... امجد فضل خان ا اپنے پورے خاندان کے ساتھ یہاں آیا تھا اور اسی خاندان میں وہ خبیث روح بھی تھ ایک عجیب و غریب شخصیت کی مالک تھی، لیکن رئیسہ عجیب و غریب نوعیت کی حامل تھ امجد فضل خان کے علاوہ اب اس کا کوئی اور نہیں رہ گیا تھا...... بظاہر گوشہ نشین اور دبی عورت کے روپ میں بیوگی کی زندگی گزار رہی تھی، لیکن یہ بات تو بس شاید کوئی نہیں جا تھا کہ وہ کس قسم کی مالک ہے اور پھر جب حاجی غیاث دوبارہ امجد فضل خان کو مل گیا تو یہ رئیسہ ہی کی کوشش تھی کہ اس نے امجد فضل خان کو پٹی پڑھانا شروع کر دی...... امجد فض خان ویسے تو کوئی بہت اچھا انسان نہیں تھا لیکن اس نے شاید ایسا کوئی غلط عمل نہیں کیا ہ جیسا کرنے کی ترغیب رئیسہ نے اسے دی۔ حاجی غیاث مل چکا تھا اور امجد فضل خان نے ا کاروبار سنبھال لیا تھا...... رئیسہ بہت کم امجد فضل خان سے مخاطب ہوتی تھی، لیکن اس دن امجد فضل خان سے خاص طور پر ملی اور امجد فضل خان نے سہمی ہوئی نگاہوں سے اسے د بہرحال رئیسہ کی شخصیت سے واقف تو تھا۔

"آؤ رئیسہ خیریت...... کیسے آنا ہوا۔"

"آنا تو بس ویسے ہی ہو گیا، کیا کروں باجی کے رشتے سے تم جیسے گدھے کو بھی منہ پڑتا ہے۔"

"خیر بدتمیز تو تم ہمیشہ ہی کی طرح ہو، میں خود تمہیں کبھی منہ نہیں لگاتا اس لئے کہ تمہیں منہ لگنا ہی نہیں آتا۔"

"اچھا فالتو باتیں مت کرو، یہ بتاؤ کیا ارادہ ہے آگے۔"

"آج تمہیں میرے ارادے کی کس طرح سوجھ گئی۔" امجد فضل خان نے پوچھا۔

"اس لئے کہ اپنی بہن کے بچوں کی طرف دیکھتی ہوں، تمہاری طرف دیکھتی ہوں تو دل کو یہ احساس ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کو غلام پیدا کیا گیا ہے اور وہ غلامی ہی میں مر جانے کے لئے اس دنیا میں جی رہے ہیں۔"

"بڑی اونچی اونچی باتیں کرنے لگی ہو جو بکنا چاہتی ہو صاف صاف بکو۔"

"تم دیکھ رہے ہو کہ جو وہاں تھا وہ یہاں ہو چکا ہے۔"

"کیا مطلب۔"

"حاجی غیاث آج پھر ایک بڑی حیثیت اختیار کر چکا ہے اور تم وہی لکیر کے فقیر۔"

"مطلب کیا ہے تمہارا۔"

"مطلب یہ ہے کہ اسی فقیری میں مر جاؤ گے یا ہاتھ پاؤں ہلا کر کچھ کرو گے بھی۔"

"تم تو ایسے بات کر رہی ہو جیسے تم مجھے کوئی خزانہ دینے والی ہو اور کہنے والی ہو کہ یہ خزانہ لے کر میں اپنا کاروبار شروع کروں۔"

"فضل خان، فضل خان بلکہ امجد فضل خان...... فضل خان تو تمہارے باپ کا نام تھا...... دیکھو انسان اگر عقل کا کھوٹا ہو تو زندگی میں کچھ نہیں کر سکتا...... میں کہتی ہوں آخر جب عقل بٹ رہی تھی تو تم کہاں گئے ہوئے تھے۔"

"تمہاری بہن سے نکاح کرنے گیا ہوا تھا بس وہیں تو مارا گیا۔" امجد فضل خان نے کہا۔

"ارے قدر کرو میری، قدر کرو میری جو کچھ آج میں تمہیں بتانے جا رہی ہوں اگر کر لو تو سمجھ لو زندگی بن جائے گی۔"

"کیا بتانے جا رہی ہو بتاؤ۔"

"یہ حاجی غیاث کا کیا تمہیں اچار ڈالنا ہے۔"

"کیا مطلب۔"

"سب کے سب پر قبضہ جمائے بیٹھا ہے تم جو جہاں تھے وہاں ہو بس اسی منیجری میں

زندگی گزارتے رہو گے۔"

"خیر حاجی غیاث نے مجھے اپنی کوٹھی میں رکھا ہوا ہے، بچوں کے ساتھ وہ تایا کی طرح پیش آتا ہے...... رمشہ بے چاری بھی گردن اٹھا کر بات نہیں کرتی، سارے سیاہ و سفید کا مالک مجھے بنا رکھا ہے اس نے۔"

"بالکل ٹھیک ہے تھوڑے دن کے بعد رمشہ کی شادی ہو جائے گی۔"

"ہاں بالکل ہو جائے گی۔"

"اور حاجی غیاث کو اس کی تمام دولت اور جائیداد کا وارث مل جائے گا۔"

"وارث۔"

"اس کا اپنا داماد جو اگر کوئی چالاک آدمی ہوا تو سب سے پہلا کام تم جانتے ہو کیا کرے گا۔"

"کک کیا کرے گا۔"

"تمہیں کان سے پکڑ کر باہر نکال دے گا، آخر تم کس بنیاد پر اتنا سب کچھ حاصل کئے ہوئے ہو۔"

"مقصد کیا ہے تمہارا۔" یہ کام کرنا ہوتا تو حاجی غیاث خود کر لیتا دوسرا آدمی کیے کر سکتا ہے...... حاجی غیاث مجھے بھائی کا درجہ دیتا ہے۔

"اور تمہیں بھائی کا درجہ مل گیا...... مجھے ایک بات بتاؤ امجد فضل خان۔"

"ہاں پوچھو۔"

"اگر کوئی دعویٰ کر دیتا ہے تمہارے اوپر اور کہتا ہے کہ تمہارا آخر ٹرانسپورٹ کی اس کمپنی میں کیا حصہ ہے تو کیا کرو گے تم۔"

"ایں۔"

"بولو، بولو کیا کرو گے تم۔"

"مم...... میں...... میرا مطلب یہ ہے کہ حصے دار تو نہیں ہوں میں اس کمپنی کا، میں ملازم ہوں۔"

"اور مالک نہیں بننا چاہتے۔"

"رئیسہ مالک بننا چاہتا ہوں مگر کیسے بنوں۔"

"ہاں یہی تو میں کہہ رہی تھی تم سے ذرا اپنے منہ سے کچھ پھوٹو تو سہی تا کہ میں آگے

تم سے اس موضوع پر بات کروں۔" رئیسہ نے کہا اور اب امجد فضل خان خاص طریقے سے رئیسہ کی جانب متوجہ ہو گیا تھا، کچھ لمحے رئیسہ کی شکل دیکھنے کے بعد اس نے کہا۔

"تمہارے ذہن میں کوئی خیال ہے مجھے بتاؤ۔"

"کوئی خیال نہیں ہے سوائے اس کے کہ میں اس گھر کا بھلا چاہتی ہوں۔"

"خیر وہ تو میں جانتا ہوں اچھی طرح۔"

"سنو سب سے پہلے تمہیں حاجی غیاث کو راستے سے ہٹانا ہو گا...... اس کے بعد کچھ عرصے کے لئے مکمل خاموشی اختیار کر لو بعد میں تم سے جو کہوں وہ کرتے جانا۔"

"رئیسہ پلیز بتاؤ میں کیا کروں...... مجھے بتاؤ تو سہی۔" امجد فضل خان کہنے لگا۔

"سنو جو کچھ میں کہہ رہی ہوں اسے سنو۔" اور اس کے بعد رئیسہ مدھم لہجے میں امجد فضل خان کو سب کچھ سمجھاتی رہی، کبھی امجد فضل خان کے چہرے پر خوف کے آثار پیدا ہو جاتے اور کبھی اس کی آنکھیں مسرت سے چمکنے لگتیں، پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"اور اگر یہ بات منظر عام پر آ گئی تو۔"

"تو میرا نام لے دینا، سمجھ رہے ہو نا...... میرا نام لے دینا، اس سے بڑی بات اور کیا کہہ سکتی ہوں، سب کچھ اپنے سر پر لے لوں گی میں، جاہل، گنوار، بے وقوف کہیں کے۔" رئیسہ نے کہا اور امجد فضل خان خاموش ہو گیا اور پھر حاجی غیاث خاموشی سے اس دنیا سے رخصت ہو گیا اور امجد فضل خان نے وہ ناٹک کیا کہ دیکھنے والے ششدر رہ گئے، تین دن تک کھانا نہیں کھایا تھا اس نے اور یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جو ڈھکی چھپی ہو، خود اس کے اہل خانہ پریشان ہو گئے تھے...... رئیسہ منہ پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھنے لگی تھی، لیکن جب ایک بار امجد فضل خان نے آنکھ دبائی تو رئیسہ نے تنہائی ملتے ہی سرگوشی کے عالم میں پوچھا۔

"کچھ ٹھونستے جا رہے ہو کیا، کہیں بھوک سے مر ہی نہ جاؤ۔"

"ٹھونسوں گا میں آواز نکل رہی ہے میری، بھوک کے مارے جو حالت ہے میری، اللہ جانتا ہے اور میں جانتا ہوں...... ڈاکٹر چیک کر کے گئے ہیں کہ کھایا پیا نہیں تو مر جاؤں گا۔ اب بولو اس سے زیادہ میں کیا کروں۔"

"ارے تمہارا ستیاناس...... تم نے تو کمال ہی کر دیا، اب ایسا کرو مرنے سے پہلے کچھ کھا لو تو زیادہ اچھا ہے۔" رئیسہ نے کہا اور بمشکل تمام اہل خاندان نے، دوستوں نے، جاننے

والوں نے امجد فضل خان کو سمجھایا، بجھایا کہ مرنے والے کے ساتھ مرا نہیں جاتا، یہاں تک کہ رمشہ نے بھی کہا۔

"چاچا جی کچھ کھالو تمہیں میری قسم۔" بس رمشہ کی قسم کافی تھی، امجد فضل خان دھاڑیں مار مار کر رویا اور بولا۔

"بیٹی تیرے لئے تو...... تیرے لئے تو زندہ رہنا چاہتا ہوں بس، تیرے لئے ہی زندہ رہنا چاہتا ہوں۔" اور اس کے بعد امجد فضل خان نے رمشہ کے لئے زندہ رہنے کی کوششوں کا آغاز شروع کر دیا اور یہ سلسلہ کافی عرصے تک خاموشی سے چلتا رہا لیکن پھر اس کے بعد ایک گڑ بڑ ہو گئی، ایک ایسی گڑ بڑ جو ذرا قابل غور تھی اور اس گڑ بڑ نے امجد فضل خان کو پریشان کر دیا۔ یہ گڑ بڑ اچانک ہی پیدا ہوئی تھی...... یہ احمد خان تھا، احمد خان نے اچانک ہی دعویٰ کیا تھا کہ حاجی غیاث کی زندگی میں علی شہزاد کی رمشہ سے منگنی ہو گئی ہے۔

"مگر میرے علم میں تو یہ بات نہیں ہے۔"

"تمہارے علم میں نہ ہو مگر میرے پاس اس کے ثبوت موجود ہیں اور بہت ساری ایسی چیزیں بھی جنہیں اگر تم کسی طرح بھی چیلنج کرو گے تو بات کھل کر سامنے آجائے گی، اس کے علاوہ تم نے جو کچھ شروع کر رکھا ہے امجد فضل خان میں اس پر بھی گہری نگاہ رکھ رہا ہوں...... بات یہ نہیں ہے کہ میں کسی کی دولت پر قبضہ کرنا چاہتا ہوں، اللہ نے مجھے بھی بہت کچھ دے رکھا ہے۔ تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو لیکن چونکہ شروع ہی سے ایک معاملہ میرے اور حاجی غیاث کے درمیان طے تھا۔ مرحوم حاجی غیاث تو اپنی بات نبھا نہ سکے اور زندگی ہی سے روٹھ گئے، لیکن مجھے رمشہ کو دلہن بنا کر گھر لے جانا ہے۔ وہ تمہیں چاچا جی کہتی ہے اور تم بھی اس کے ملازم کی حیثیت سے سارے معاملات سنبھالے ہوئے ہو، چنانچہ میں چاہتا ہوں رمشہ کو رخصت کرنے کا فیصلہ کر لو اور کچھ عرصے کے بعد ہم اس سلسلے میں کوئی موثر قدم اٹھائے لیتے ہیں۔ یہ بات ذہن میں رکھنا امجد فضل خان کہ حاجی غیاث کا ایک ایک پیسہ تمہارے پاس امانت ہے۔ اپنی ذمہ داریاں ضرور پوری کرو، اپنی محنت کا معاوضہ ضرور حاصل کرو لیکن باقی چیزوں کا دھیان رکھنا۔"

"مجھے کیا کرنا ہے ان تمام چیزوں کا، مجھے کیا کرنا ہے جو تمہارے پاس ثبوت ہیں، کم از کم وہ مجھے دکھا دینا تاکہ بعد میں کوئی مجھ پر الزام نہ رکھ سکے کہ میں نے اپنی مرضی سے حاجی

غیاث کی بیٹی تمہارے حوالے کر دی۔" اور پھر جو ثبوت احمد خان نے امجد فضل خان کو دکھائے وہ ناقابل تردید تھے اور ان سے یہ بات بالکل کھل کر ظاہر ہو جاتی تھی کہ رمشہ کی منگنی کر دی گئی ہے اور احمد خان جو کچھ کہہ رہا ہے وہ بالکل سچ ہے...... امجد فضل خان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی، پھر اسے اس شیطانی مشیر کا خیال آیا اور رئیسہ امجد فضل خان کی خلوت میں پہنچ گئی، ساری تفصیل سننے کے بعد وہ رخسار کھجاتے ہوئے بولی۔

"تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو، ابھی یہ بات کہہ دو کہ حاجی غیاث کی برسی سے پہلے اس بارے میں کچھ نہیں سوچا جا سکتا، وقت مل جائے گا تو سوچیں گے اور پھر کوئی موثر منصوبہ بنائیں گے۔" رئیسہ نے کہا اور امجد فضل خان نے یہی بات احمد خان سے کہہ دی اور احمد خان بخوشی اس بات کے لئے تیار ہو گیا...... بہر حال یہ سارا مسئلہ چلتا رہا، امجد فضل خان پریشان تھا، ویسے بھی پڑھا لکھا آدمی نہیں تھا، بس کام چلانا جانتا تھا اور جو ملازم دوسرے کام کرتے تھے ان میں سے سب اس کی مٹھی میں نہیں تھے...... سارے معاملات دیکھ رہا تھا اور ایک ایک قدم احتیاط سے اٹھا رہا تھا...... رئیسہ خاموش تھی، لیکن پھر تقدیر نے ایک موقعہ فراہم کر دیا اور یہ موقع بھی بد قسمتی سے رئیسہ ہی نے فراہم کیا تھا...... رئیسہ کیا کرتی تھی، کس طرح سے زندگی گزارتی تھی یہ تو اللہ ہی جانتا ہے لیکن حقیقت ہے کہ بعض لوگ زمین پر صحیح معنوں میں شیطان کے پیروکار ہوتے ہیں...... رئیسہ نے ہی بے چاری رمشہ کو فیصل رضا کے ساتھ دیکھا تھا اور اس کے بعد چھان بین میں پڑ گئی تھی، شاطر قسم کی عورت تھی، زندگی میں اور کوئی کام نہیں تھا بس دوسروں کی ٹوہ میں رہتی تھی، کون کیا کر رہا ہے، کس طرح سے کیا کر رہا ہے اور اس کے بعد اس نے باقاعدہ فیصل رضا کے لئے اپنے کچھ ایسے خاص لوگوں کو منتخب کر لیا جو اسی کی طرح اس کے شیطانی کاموں کے حصے دار تھے، گھر کے ملازم تھے اور رئیسہ کو خفیہ رپورٹیں دیا کرتے تھے، چنانچہ رئیسہ کو خفیہ رپورٹیں ملیں کہ رمشہ فیصل رضا کی طرف متوجہ ہے، گاڑی لئے چھٹی ہونے کا انتظار کرتی ہے اور زبردستی اس ملازم لڑکے کو اپنے ساتھ لے جاتی ہے۔ ہوٹل بازی کرتی ہے، پارکوں میں ٹہلتی ہے، سمندر کے کنارے چہل قدمی کرتی ہے اور رئیسہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے جب اچھی طرح صورت حال کا جائزہ لیا تو ایک دن امجد فضل خان کو اپنے پاس بلا بھیجا اور کہنے لگی۔

"ہاں، میرے بے وقوف بہنوئی اب بتاؤ تم اس سلسلے میں کیا کر رہے ہو۔"

"میں کیا کر رہا ہوں...... میں تو ایک عجیب مصیبت میں پھنس گیا ہوں...... ی
صحت نہیں دیکھ رہی ہو آج کل، کتنا دبلا ہو گیا ہوں۔"

"ہاں...... ہاں وہ لگ رہے ہو...... سارے نکمے آدمی اس طرح دُبلے ہو جاتے ہیں۔" رئیسہ نے کہا۔

"اگر تم لوگ مجھے اتنا برا آدمی سمجھتے تھے تو کیوں اپنی بہن میرے گھر بھیجی تھی۔"

"میں نے بھیجی تھی۔" رئیسہ آنکھیں نکال کر بولی۔

"اچھا اب یہ بتاؤ کیا کریں۔" جب بھی سامنے آتا ہوں کچھ نہ کچھ برا بھلا کہنا شرو
کر دیتی ہو۔"

"وجہ ہے نا اس کی۔"

"کیا وجہ ہے بھلا۔"

"وجہ یہ ہے کہ تم خود کوئی کام نہیں کر پاتے، ارے میں عورت ہو کر کتنی ذمہ داریا
قبول کروں، تم نے ابھی تک کوئی ترکیب سوچی...... کچھ کیا۔"

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا سوائے اس کے کہ اپنا سر پھاڑ لوں۔"

"وہی کر لو...... جو سمجھ میں آئے وہی کر لینا چاہئے انسان کو، سر پھاڑ پھاڑ کر مر جاؤ تو
از کم سکون تو ہو جائے کہ ایک نکما آدمی اس دُنیا سے چلا گیا۔"

"تم اتنی باتیں کرتی ہو کہ کہیں کسی دن میرے ہاتھوں ماری نہ جاؤ۔" امجد فضل خا
نے کہا۔

"یہی تو تمہارے لئے سب سے زیادہ آسان کام ہے کہ مجھے مار دو...... کسی اور کو ما
تمہارے بس میں کہاں۔"

"بابا جو کچھ تم مجھ سے کرا بیٹھی ہو وہ بہت ہے اور اب کیا کرانا ہے مجھے بتاؤ، اب کس
مروانا ہے۔"

"کچھ آنکھیں کھلی رکھتے ہو کچھ نظر آتا ہے یا اندھے ہو گئے ہو۔"

"اندھی ہو جاؤ تم خود، میں کیوں اندھا ہو جاؤں، جو بکواس کرنی ہے کھل کر کرو نا۔"

"میں تمہارے دفتر کی باتیں تمہیں بتا رہی ہوں کچھ شرم آئے تو مجھے بتا دینا۔"

"میرے دفتر کی باتیں۔"

"ہاں...... تمہارے دفتر کی باتیں۔"

"بھلا وہ کیا۔"

"تھوڑے عرصے قبل کوئی نیا لڑکا تمہارے ہاں ملازم ہوا ہے۔"

"رمشہ کا فیصل رضا سے عشق چل رہا ہے، ساتھ لے جاتی ہے اسے اپنے...... گھماتی پھراتی ہے...... لڑکے کا کیا نظریہ ہے مجھے اس بارے میں کچھ نہیں معلوم لیکن تمہاری بھتیجی اس سے عشق کرنے لگی ہے...... ارے ایسی ترکیب آئی ہے میرے ذہن میں امجد فضل خان کہ سنو گے تو پاگل ہو جاؤ گے۔"

"پاگل تو میں آدھا ہو چکا ہوں...... میں کہتا ہوں آخر تمہیں یہ بات کیسے معلوم۔"

"یوں کرو پہلے دو چار دن میری بات کی تصدیق کر لو، پتا لگا لو پھر اس کے بعد مجھ سے بات کرنا۔"

"سنو تم غلط تھوڑی کہہ رہی ہو گی مگر کمال ہے بھئی تمہاری معلومات کو...... یہ سب تمہیں کہاں سے معلوم ہو گیا۔" امجد فضل خان نے کہا۔

"بھاڑ میں اور چولہے میں سے تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے سمجھے، جاؤ دو تین دن تک تصدیق کرو پھر اس کے بعد میرے پاس آنا۔"

"سنو تو سہی رئیسہ...... مجھے بتاؤ تو سہی یہ قصہ کیا ہے۔" امجد فضل خان نے عاجزی سے کہا اور رئیسہ اسے گھورنے لگی...... کافی دیر خاموشی سے امجد فضل خان کی صورت دیکھتی رہی تھی، پھر اس نے کہا۔

"حالانکہ اپنے دل کا راز کسی اور کو دینا دنیا کی سب سے بڑی حماقت ہوتی ہے اور عام طور سے یہ دیکھا گیا ہے کہ جن لوگوں نے اپنا راز کسی کے سامنے کھول دیا انہیں نقصان کے علاوہ کچھ نہیں حاصل ہوتا لیکن بعض اوقات انسان کے دل میں کچھ باتیں اس طرح پکنے لگتی ہیں کہ اگر انہیں اُگلنے نہ دیا جائے تو سینہ پھٹ جاتا ہے...... تم نے کبھی میرے بارے میں کچھ سوچا امجد فضل خان۔"

"کیا مطلب میں سمجھا نہیں۔" امجد نے کہا۔

"بات بہت پرانی ہے بہت ہی پرانی لیکن چونکہ تم ہمارے خاندان سے کافی متعلق رہے ہو، تمہارے بزرگوں کو بہت سی ایسی باتیں معلوم تھیں جو عام لوگوں کو نہیں معلوم، تم نے

بھی کبھی غور نہیں کیا...... کیا تم نے اس بات پر غور کیا کہ میں اس طرح لاوارث اور بے
اپنی بہن یعنی تمہارے در پر کیوں پڑی ہوئی ہوں۔" امجد فضل خان نے حیرت سے رئیہ
صورت دیکھی اور کہنے لگا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ نہ تم یہاں لاوارث پڑی ہوئی ہو اور نہ کسی غیر جگہ پڑی ہو
ہو...... یہ تمہاری بہن کا گھر ہے اور بات تمہاری بہن کے رشتے کی بھی نہیں ہے...... رئیہ
ہم لوگ تو سابق مشرقی پاکستان میں بھی بہت اچھے دوست اور ساتھی تھے...... اس گھرانے
کے تعلقات تو بہت پرانے ہیں، کبھی یہ بات سوچی ہی نہیں گئی کہ تم کوئی غیر شخصیت ہو
سابق مشرقی پاکستان میں جو حادثہ ہم لوگوں کے ساتھ پیش آیا اور اس حادثے میں جس طرح
بربادیاں ہوئیں ان میں ہمارا گھر بھی شامل تھا۔ میں تمہارے گھر کو بھی اپنا گھر کہہ کر مخاطب
کر رہا ہوں جو ہو گیا اس کی تفصیل دہرانا بیکار ہے...... اس کے بعد تمہارے پاس اس گھر کے
سوا اور کون سی جگہ تھی اور پھر یہ گھر کب کس غیر کا ہے، تمہارا اپنا ہی تو ہے۔"

"ہاں میرا اپنا ہی ہے اور اس لئے میں چاہتی ہوں یہ گھر سلامت رہے، بنا رہے لیکن
آج میں تمہیں تھوڑے سے مختصر واقعات بتاتی ہوں...... تم جانتے ہو میری شادی کیوں
نہیں ہوئی...... تم جانتے ہو ساری زندگی میں نے اس طرح کیوں گزار دی۔"

"جہاں تک میرے علم میں ہے بس یہ ہے کہ تمہاری شادی کے سلسلے میں تمہارے
والدین نے کوئی خاص پیش رفت نہیں کی، کچھ رشتے ٹھکرا بھی دیئے گئے تھے اور اس کے بعد
یہ سلسلہ منقطع ہو گیا اور ہم لوگ حادثوں کا شکار ہوتے چلے گئے۔"

"نہیں یہ تو اب کی بات ہے، میں پرانی بات کر رہی ہوں...... احمد علی سے میری بچپن
میں منگنی ہوئی تھی، بہت چھوٹی عمریں تھیں ہماری، غالباً میری عمر اس وقت سات سال تھی
اور وہ مجھ سے تھوڑا سا بڑا تھا...... ہم دونوں کے والدین کے درمیان بڑے اچھے تعلقات
تھے...... احمد علی کے والدین میرے والدین سے بھائیوں کی طرح ہی محبت کرتے تھے، نتیجے
میں ایک بار یہ سلسلہ بھی سامنے آگیا اور دونوں نے خوشی کے عالم میں ہم دونوں کی منگنی
کر دی...... میں نہیں جانتی امجد فضل خان کہ موٹر گاڑیوں کے درمیان، ان کے پرزوں کے
درمیان زندگی بسر کرتے ہوئے تمہارے دل میں جذبات، احساسات نام کی کوئی چیز باقی رہ
گئی ہے کہ نہیں...... لیکن بہر حال یہ الفاظ کہنے میں مجھے کوئی دقت نہیں محسوس ہوتی کہ بچپن

ے ہی میرے ذہن میں احمد علی کو ڈال دیا گیا تھا، ان کے حالات ہم سے ہزار درجے بہتر
تھے، بعد میں صورت حال آگے بڑھتی چلی گئی۔ ہم تو خیر تھے ہی غریب مگر احمد علی کو چار
چاند لگ گئے...... انہوں نے کپڑے کا کاروبار کیا۔ یہاں آکر ٹرانسپورٹ کا کاروبار بھی کیا اور
وہ بہتر سے بہتر ہوتے چلے گئے...... میں جوان ہو گئی کیونکہ شروع ہی سے میرے دل میں احمد
علی کا نام بٹھا دیا گیا تھا...... اس لئے میں اسی کے نام پر جی رہی تھی، لیکن پھر جب سنجیدگی سے
اس سلسلے میں میرے والدین نے احمد علی کے والدین سے گفتگو کی تو وہ بے چارے تو خوشی
سے تیار ہو گئے، لیکن احمد علی نے مجھ سے شادی کرنے سے انکار کر دیا...... اس نے کہا بچپن
میں یہ کھیل کسی اور نے کھیلا تھا، اس نے نہیں وہ اپنی پسند سے شادی کرے گا اور میرے لئے
اس کے دل میں کوئی جگہ نہیں ہے...... میرے والدین خاموش ہو گئے، لیکن میں اپنی توہین
برداشت نہ کر سکی اور اس کے بعد میرے والدین ہی نہ رہے...... میرے لئے بہت سے رشتے
اس کے بعد بھی آئے لیکن میں نے انہیں قبول نہیں کیا اور خاموشی سے وقت گزارتی
رہی...... تم یقین کرو میرے دل میں احمد علی کے لئے عشق کا کوئی مقام نہ تھا، بالکل نہیں تھا،
لیکن میں اس سے نفرت کرتی تھی، میں اس سے بدلہ لینا چاہتی تھی، البتہ اس کے لئے مجھے
کوئی موقعہ نہیں مل سکا...... احمد علی کی شادی ہو گئی اور وہ زندگی کی خوشیاں سمیٹ کر مجھ سے
کنارہ کش ہو گیا، لیکن میں مسلسل اس آگ میں جلتی رہی ہوں اور پھر بعد کے واقعات
تمہارے علم میں ہیں، عمر کا ایک حصہ بیت گیا احمد علی کی شادی ہوئی۔ اولاد ہوئی اس کی،
مشرقی پاکستان بنگلہ دیش میں تبدیل ہو گیا...... ہم لوگ یہاں آگئے...... ہماری اپنی حیثیت کچھ
بھی نہیں تھی، لیکن آخر کار یہ سب کچھ ہو گیا...... پھر اس کے بعد تمہیں حاجی غیاث دوبارہ
مل گیا اور آخر کار تمہاری تقدیر بدل گئی...... وہ اپنی بیٹی رمشہ کے ساتھ تمہارے ہمراہ رہنے لگا
اور تم نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے اس کے کاروبار پر قبضہ کر لیا، پھر اس کے بعد احمد علی
دوبارہ سامنے آیا اور اس نے بھی وہی کہانی دوبارہ شروع کر دی جسے ایک بار وہ ختم کر چکا تھا،
یعنی اپنے بیٹے علی شہزاد کا رشتہ رمشہ سے طے کر چکا تھا وہ، دو بڑے آدمی یعنی حاجی غیاث اور
احمد علی ایک بار پھر اسی کہانی کو جوڑ چکے تھے جو بچپن میں میری کہانی تھی اور یہاں سے ایک بار
پھر میرے دل میں انتقام کی آگ روشن ہو گئی۔ تم بھی مختلف انداز میں سوچنے لگے اور
صورت حال یہاں تک آگئی اور اب اس سے آگے میں تمہیں جو کچھ بتانا چاہتی ہوں اسے غور

سے سنو اور اس پر عمل کرو۔" امجد فضل خان نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ انتقام میں جھلستی ہوئی ناگن اس وقت بری طرح زہر میں ڈوبی ہوئی ہے...... اسے خود تو بہت زیادہ تجربہ نہیں تھا لیکن بعد کے سارے حالات رئیسہ کی ڈائریکشن میں طے ہوئے، نجانے کہاں سے اس انتقام کی پیاسی کے ذہن میں یہ خوفناک منصوبے آتے گئے، ایک عورت چاہے وہ گھر کی چار دیواری میں ہے تو اس سے زیادہ خطرناک چیز اور کوئی نہیں ہوتی، اس کا اندازہ امجد فضل خان کو بخوبی ہو رہا تھا...... حاجی غیاث کو اس طرح چٹ پٹ کر دیا گیا کہ کسی کو کانوں کان شبہ بھی نہ ہو سکا، اس میں بھی رئیسہ کی کارکردگی شامل تھی۔ صورت حال بالکل ہی گم ہو گئی اور کہیں سے بھی کوئی برائی سامنے نہ آ سکی...... ادھر امجد فضل خان نے نہایت چالاکی سے حاجی غیاث کے کاروبار پر قبضہ کر لیا...... رمشہ کو اپنی سگی بیٹی کی حیثیت سے پروان چڑھانے لگا وہ اور اس کے بعد رئیسہ نے احمد علی کے بارے میں اسے آگے کے حالات سے آگاہ کیا...... جمال الدین عرف جمالو کو اس سلسلے میں شامل کیا گیا اور رمشہ کی عشق کی داستان کی تصدیق آخر کار امجد فضل خان کو بھی ہو گئی۔ جب یہ تصدیق مکمل ہو گئی تو رئیسہ نے امجد فضل خان کو دوبارہ اپنے حضور طلب کر لیا۔

"ہاں تو سارے کام میری پیش گوئی کے مطابق ہی ہوئے نا امجد۔"

"ہاں رئیسہ اور میں شدید حیران ہوں کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا...... بے حد تعجب کی بات ہے رئیسہ، بے حد تعجب کی بات ہے لیکن بہر حال تمہاری بات بالکل درست ہے، اب میں کیا کروں یہ بتاؤ مجھے۔"

"اس لڑکے فیصل رضا کو رمشہ کا قاتل ثابت کر دو اور رمشہ کو قتل کرانے کے لئے ایک مخصوص طریقہ کار متعین کرو۔" امجد فضل خان بالکل سحر زدہ ہو گیا تھا، بعد کے معاملات رئیسہ کی ہدایت کے مطابق ہی ہوتے رہے...... جمال الدین عرف جمالو سے رابطہ قائم کر کے رمشہ کو قتل کرا دیا گیا اور فیصل رضا پر اس قتل کی ذمہ داری عائد ہو گئی، لیکن جو اصل کھیل تھا اس کے بارے میں سن کر امجد فضل خان نے دونوں کان پکڑ لئے تھے، بہت ہی بھیانک منصوبہ تھا رئیسہ کا اور امجد فضل خان سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک گھریلو عورت اتنا بھیانک منصوبہ بنا سکتی ہے...... فیصل رضا کو صرف اس وقت کے لئے رمشہ کا قاتل قرار دیا جانے والا تھا جب تک صحیح صورت حال پر رئیسہ کو کنٹرول حاصل نہ ہو جائے، چنانچہ طے یہ

ہوا تھا کہ جب عدالت فیصل رضا کو رمشہ کا قاتل قرار دے کر سزا سنانے لگے تو جمال الدین عرف جمالو عدالت میں پیش ہو اور مکمل طور پر قسم کھا کر کہے کہ رمشہ کا قاتل فیصل رضا نہیں بلکہ احمد خان کا بیٹا علی شہزاد ہے اور اس کے لئے بھی رئیسہ نے باقاعدہ ایک کہانی پیش کر دی تھی...... اس نے کہا تھا کہ علی شہزاد کو قاتل قرار دینے کے لئے جمالو کو عین وقت پر عدالت میں پیش کیا جائے گا اور جمالو مکمل تفصیلات بتاتے ہوئے یہ کہے گا کہ علی شہزاد نے اس کی مدد سے فیصل رضا کو قاتل قرار دیا اور رمشہ کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا۔ وہ یہ بتائے گا کہ جمالو کے ذریعے اس نے فیصل رضا کا لباس اس کے گھر سے چرایا اور اس کے بعد اس وقت جب رمشہ اور فیصل رضا ایک پارک میں سیاحت میں مصروف تھے تو علی شہزاد نے جمالو کی آنکھوں کے سامنے رمشہ کو قتل کیا اور اس سلسلے میں کچھ ایسے ثبوت فراہم کرنے ہوں گے جن کی تردید نہ ہو سکے...... مثلاً وہ خون آلود لباس وغیرہ اور اس وقت علی شہزاد کو قاتل قرار دے دیا جائے گا اور فیصل رضا کو بے گناہ اور یہ رئیسہ کا احمد علی سے انتقام ہو گا...... یہ بات صاف ظاہر کر دی جائے گی کہ چونکہ علی شہزاد اور حاجی غیاث کی بیٹی رمشہ کے درمیان رشتہ طے ہو چکا تھا اور رمشہ فیصل رضا کے ساتھ دیکھی جانے لگی تھی، اس لئے علی شہزاد جوش رقابت میں دیوانہ ہو گیا اور صورت حال کو برداشت نہ کر سکا اور اس نے ایک کرائے کے غنڈے کی مدد سے یہ سارا ڈرامہ کیا تھا اور اب وہ اس بات سے بے حد مطمئن تھا کہ صورت حال چاہے کچھ بھی ہو حاجی غیاث اس دنیا سے چلا گیا اور اس کی بیٹی بھی، ایک طرف دولت قبضے میں آ گئی اور دوسری جانب احمد علی کا پتہ کٹ گیا...... وہ اس شکل میں کہ اگر علی شہزاد کی شادی رمشہ سے ہو جاتی تو ظاہر ہے اس بات کو امجد خان سے زیادہ کون جانتا تھا کہ یہ سارا کاروبار اصل میں امجد خان کی نہیں حاجی غیاث کی ملکیت ہے اور امجد فضل خان اس پر صرف قبضہ جمائے بیٹھا ہے تو یوں یہ اُلجھی ہوئی کہانی چل رہی تھی...... اس سلسلے میں ظاہر ہے نہ تو بیچارے مرزا جواد بیگ کو ساری تفصیلات معلوم تھیں نہ ہی پولیس آفیسر اس بارے میں کچھ جانتا تھا، بس یہاں جو چیز صورت حال کا ایک مخصوص منظر بنا کر پیش کر دی جائے اسی پر غور کر لیا جاتا، یقین کر لیا جاتا ہے چنانچہ ذرا سی کوتاہی کی بات اپنی جگہ لیکن قصور اقبال شاہ کا تھا نہ مرزا جواد بیگ کا...... مجرم اسی طرح اپنے جال بنا کرتے ہیں اور ایسے ہی جال بے گناہوں کو پھانسی کے پھندے تک پہنچا دیا کرتے ہیں، لیکن بہر حال تقدیر نے فیصل رضا وغیرہ کا ساتھ

دیا تھااور ان لوگوں کی فریاد آسمان تک پہنچ گئی تھی اور نتیجے میں شہاب اس سلسلے میں عمل پیرا ہو گیا تھااور بات خاصی حد تک سدھر گئی تھی، کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جمال الدین عرف جمالو اس طرح پینترا بدل لے گا...... مرزا جواد بیگ نے بھی اپنا کیس مکمل کر لیا تھااور ادھر انسپکٹر اقبال شاہ بھی اپنے طور پر اس سلسلے میں اپنا چالان مکمل کر چکا تھا...... عدالت میں اس بار جو پیشی ہوئی وہ اس بار تمام تر تیاریوں کے ساتھ تھی۔ بینا بھی تھی، شہاب بھی ویسے ضرورت نہیں پیش آئی تھی کہ شہاب اپنے اختیارات سے کچھ کام لے کر معمولی سی بات تھی اور عدنان واسطی صاحب مکمل تیاریاں کر کے پہنچے تھے...... البتہ مرزا جواد بیگ سے باہر ہی ملاقات ہو گئی تھی۔ مرزا جواد بیگ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس دوران بہت سی معلومات حاصل کر چکا ہوں، واسطی صاحب اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بعض لوگوں کو اسی طرح الہ دین کے چراغ مل جاتے ہیں لیکن مجھے ایک بات بتایئے آپ...... اگر کیس سچ ہوں جیسا کہ آپ نے اپنا نظریہ تشکیل دیا ہے اور انسان یعنی کوئی وکیل ایسے کیس جیت لے تو مالی منافع کے علاوہ جو روحانی منافع حاصل ہوتا ہے میرے اپنے خیال میں تو وہ کم از کم مالی منافع سے بہت زیادہ ہوتا ہے، لیکن کسی مقدمہ قتل میں قاتل کو بچانے کی کوشش کیا ایک انسانی عمل ہے۔ معاف کیجئے گا ایک سوال ہے سہارے چاہے کتنے بڑے فائدے ہی حاصل کیوں نہ ہو جائیں حقائق کو کسی بھی شکل میں مسخ کر دیا جائے، لیکن ضمیر کی بھی ایک عدالت ہوتی ہے...... کیا پیشہ وارانہ طور پر کسی معصوم لڑکی کے قاتل کو بے گناہ ثابت کر کے ضمیر کی عدالت میں بھی کیس جیتا جا سکتا ہے۔" عدنان واسطی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، انہوں نے کہا۔

"جواد بیگ صاحب اتنے اچھے الفاظ ادا کر کے آپ میرے ان جذبوں کو سرد نہ کریں جو آپ کے خلاف میرے دل میں بیدار ہیں۔ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں نا یہ ایک سچے اور اچھے انسان کے دل کی آواز ہوتی ہے اور اس آواز کو نظر انداز کرنا کسی بھی طرح ممکن نہیں ہو سکتا۔"

"کچھ نہیں...... ایک قاتل کو بے گناہ ثابت کرنا ایک بہت بڑا گناہ ہے، لیکن جس نے گناہ نہ کیا ہو اسے گناہ گار ثابت کرنا بھی تو بہت بڑا گناہ ہے۔"

"بات بہت بڑی ہے وکیل صاحب، پیشہ اپنی جگہ ایک الگ حیثیت رکھتا ہے اور میں

سمجھتا ہوں کہ ہر پیشے میں ایک ذمہ داری ہوتی ہے۔ دکاندار سودا بیچتا ہے اس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اپنے گاہک کو صحیح چیز دے، اس کی صحیح قیمت وصول کرے، آپ یہ سمجھ لیجئے کہ یہ اس کی مذہبی ذمہ داری بھی ہوتی ہے اور معاشرتی ذمہ داری بھی، اتنا منافع بے شک اسے لینا ہوگا جتنے میں اس کے اپنے اہل خاندان کی کفالت ہو سکے...... اب ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ دنیا میں فرشتے آکر آباد ہو گئے ہیں، لیکن جہاں تک ممکن ہو سکے تھوڑے سے دینی فرائض بھی نبھا لینے ضروری ہوتے ہیں...... ڈاکٹر کا بھی ایک پیشہ ہے اور انسانی بنیادوں پر نہایت زبردست اہمیت کا حامل، تکلیف سے تڑپتا ہوا شخص ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے، کبھی تنہا ہوتا اور کبھی اس کے ساتھ لواحقین ہوتے ہیں، سب کے چہروں پر ایک امید رقصاں ہوتی ہے کہ ڈاکٹر اسے دوا دے گا جسے تکلیف ہے اسے آرام ملے گا اور جو اس کی تکلیف سے پریشان ہیں، انہیں بھی سکون حاصل ہوگا۔ اس وقت ڈاکٹر پر صرف ایک پیشہ وارانہ نہیں بلکہ اخلاقی، انسانی اور مذہبی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ مریض کے مرض کی اپنی بساط کے مطابق صحیح تشخیص کرے اور اسے صحیح دوا دے اور یقینی طور پر مرزا جواد بیگ صاحب ڈاکٹر ایسا ہی کرتے ہیں لیکن کچھ ایسے ہوتے ہیں جو کسی مریض کو دیکھ کر پہلے اپنے چہرے پر تشویش کے آثار پیدا کرتے ہیں، پھر افسوس بھری گہری گہری سانسیں چھوڑتے ہیں اور اس کے بعد نا صرف مریض بلکہ اس کے لواحقین کو بھی اس طرح اپنے جال میں الجھا لیتے ہیں کہ زندگی انہیں ایک بوجھ محسوس ہونے لگے، وکالت کا پیشہ بھی ایسا ہی ہے۔ ہماری تمام تر کوشش اس بات پر ہونی چاہئے کہ ہم جرم کی تشخیص کریں، کسی ڈاکٹر کی مانند اور جہاں تک ممکن ہو سکے گناہ گار کو سزا اور بے گناہ کو مشکل سے نجات دلائیں، صرف یکطرفہ عمل کے ذریعے ہم بعض اوقات ایسے عمل کر ڈالتے ہیں جنہیں شاید روز محشر ہمیں کبھی معاف نہ کیا جا سکے۔"

"ہمارے سامنے جو حقائق آتے ہیں...... ہم انہیں عدالت کے سامنے پیش کرتے ہیں اور عدالت ثبوتوں کی بنیاد پر سزا کا تعین کرتی ہے۔"

"صرف اس حد تک کہ تھوڑے سے حقائق پر غور کر لینا ضروری ہے۔"

"معاف کیجئے گا آپ نے ساری زندگی یہی سب کچھ کیا ہے...... میں معافی مانگ چکا ہوں لیکن آپ کو خود اندازہ ہے کہ آپ کا ماضی کیا رہا ہے۔ اب یہ چند معاملات میں کچھ

تھوڑی بہت کامیابی حاصل کر لینا اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی بہت بڑا کارنامہ ہے تو ضرور سمجھئے میں آپ کو اس سے نہیں روکتا۔" عدالت کی طرف سے مجرموں کے نام پکارے گئے تو یہ سلسلہ گفتگو ختم ہوا اور اس کے بعد وکلا ملزم کے ساتھ عدالت میں پیش ہو گئے...... فیصل رضا، اس کا باپ اور دوسرے افراد، بینا اور شہاب بھی ایک گوشے میں جا کر بیٹھ گئے تھے...... آج کی پیشی بڑی اہم نوعیت کی حامل تھی...... اس وقت امجد فضل خان بھی موجود تھا اور اسے خاص طور سے اس سلسلے میں بلایا گیا تھا، کیونکہ اس کی جانب سے درخواست پیش کی گئی تھی کہ مجرم کے لواحقین ایک وکیل کے ذریعے اپنے تعلقات استعمال کر کے اس کیس کو زیادہ سے زیادہ الجھا رہے ہیں اور اس بنیاد پر یہ کام کر رہے ہیں کہ جس طرح کیس کی تاریخیں پڑتی جائیں گی اس کی اہمیت کم ہوتی جائے گی اور کچھ ایسے معاملات درمیان میں نکال لئے جائیں گے جن کے ذریعے گناہ گار کو سزا سے بچایا جا سکے اور ایک معصوم لڑکی کے قتل پر پردہ ڈالا جا سکے، بہر حال بڑی سنگین نوعیت کی پیشی تھی اور عدنان واسطی نے اس سلسلے میں کافی ہوم ورک کیا تھا...... خود شہاب اور بینا نے ان کے ساتھ بیٹھ کر کئی گھنٹے تک مغزماری کی تھی اور اس پیشی کی نوعیت بڑی دلچسپ تھی۔ یہ کام بھی مرزا جواد بیگ نے اپنے اختیارات سے کام لیتے ہوئے کرایا تھا کہ آج عدالت میں صرف یہی ایک کیس تھا جس کے بارے میں مکمل طور پر بہت سے الٹ پھیر ہونے تھے...... سارے کا سارا کام تیار کر لیا گیا تھا اور اس طرح سے مقدمے کی نوعیت آج کے دن کے لئے کافی سنسنی خیز ہو گئی تھی۔ شہاب کے منصوبے کے مطابق سارے معاملات تیار تھے اور اگر کیس باقاعدگی سے چل جاتا تو ایک باقاعدہ ڈرامہ منظر عام پر آنے والا تھا...... بہر حال فیصل رضا کو کٹہرے میں پہنچا دیا گیا اور فاضل عدالت نے کیس کا فائل کھول لیا، امجد فضل خان کے وکیل مرزا جواد بیگ نے عدالت کو کیس کی تفصیلات بتاتے ہوئے کہا۔

"بڑا سادہ سا کیس ہے جناب والا جسے کچھ لوگوں نے ذاتی شہرت کے لئے ایک اُلجھا ہوا کیس بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ فیصل رضا جو ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ماضی میں اس کا کوئی مجرمانہ عمل اس کے مجرمانہ ذہن کی عکاسی نہیں کرتا، لیکن اس دور میں کچھ ایسے عوامل کار فرما ہیں کہ نوجوانوں کے سوچنے کا انداز بدل گیا ہے۔ فیصل رضا کو امجد فضل خان کے دفتر میں ملازمت مل گئی اور یہاں اس کی

ملاقات رمشہ حاجی غیاث سے ہوئی جو فضل خان کی بھتیجی اور مرحوم حاجی غیاث کی بیٹی تھی۔ یہ ملاقات رفتہ رفتہ عشق و محبت میں تبدیل ہو گئی، لیکن فیصل رضا ایک غریب گھرانے کا لڑکا تھا، اس نے رمشہ کو اس غرض کے تحت اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کی تھی کہ ہو سکتا ہے کہ مستقبل میں اس کی تقدیر بدل جائے اور امجد فضل خان کا داماد بن کر وہ ایک شاندار حیثیت اختیار کر سکے...... جناب والا صورت حال کافی حد تک آگے بڑھتی چلی گئی۔ رمشہ اور فیصل رضا تنہائیوں میں ملاقات کرنے لگے، لیکن فیصل رضا نے بے صبری سے کام لیتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ رمشہ کو داغدار کر دے تا کہ وہ کبھی بھی اس کے چنگل سے نکلنے کی کوشش نہ کر پائے اور اس بے صبری میں وہ وحشت کا شکار ہو گیا اور نتیجے میں اس کے ہاتھوں رمشہ کی موت واقع ہو گئی، چنانچہ اب صورت حال کچھ کچھ بدل گئی...... ظاہر ہے انسان کو کچھ کرنے کے بعد ہی اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے۔ فیصل رضا کیونکہ کوئی باقاعدہ مجرم نہیں تھا اس لئے وہ اپنے جرم کو چھپانے کے لئے احمقانہ حرکتیں کرتا رہا اور نتیجے میں گرفتار ہو گیا۔ یہ ساری صورت حال ہے کوئی بھی مجرم اپنا جرم اتنی آسانی سے قبول نہیں کرتا۔ ہاں، ضمیر کی بات اور ہے لیکن جہاں تک مسئلہ یہاں اس کیس کا ہے اس میں ضمیر ملوث نہیں ہے، سیدھا سیدھا قتل کا کیس ہے اور کچھ لوگ اسے اُلجھا کر مجرم کو بچانے کے خواہشمند ہیں جبکہ اس سلسلے میں کوئی ایسی اُلجھی ہوئی بات نہیں ہے جو قابل غور ہو۔" اس کے بعد عدنان واسطی صاحب نے جج صاحب کے سامنے کھڑے ہو کر کہا۔

"مرزا جواد بیگ صاحب نے اپنے طور پر اس کیس کو بہت سیدھا سادا بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے...... جناب والا، لیکن بہت سی بنیادی حقیقتوں کو انہوں نے یکسر نظر انداز کر دیا ہے کہ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ مرزا جواد بیگ جیسے فاضل وکیل کسی بے گناہ شخص کو مجرم قرار دینے پر کیوں تلے ہوئے ہیں...... بے شک وکالت کے معزز پیشے میں بہت سی بنیادی باتوں کا دھیان رکھا جاتا ہے لیکن مرزا صاحب نے چونکہ فیصل رضا کو ایک غریب اور نادار لڑکا تصور کر لیا ہے اور اپنے طور پر اپنے ذہن میں یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہی قاتل ہو سکتا ہے اور سیدھا سادا کیس ہے یہ، لیکن حقیقت کچھ اور ہے اس بارے میں کچھ تفصیلات پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔"

"مجھے اعتراض ہے جناب والا اور اعتراض یہ ہے کہ جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے،

مرزا جواد بیگ نے کھڑے ہو کر کہا لیکن فاضل جج نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"آپ اپنا بیان جاری رکھئے عدنان واسطی صاحب۔"

"جناب والا کسی چھوٹے سے چھوٹے واقعہ کو ہم بہت سرسری نگاہوں سے دیکھتے ہیں...... پولیس بہت سادگی سے اس کی تفتیش کرتی ہے، لیکن کبھی کبھی واقعات حقائق سے بالکل مختلف نکلتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ پولیس کی ذمہ داری ہے کہ تفتیش کو اتنی گہرائی کے ساتھ کرے، خاص طور پر قتل جیسے معاملے کی تفتیش کو کہ کسی بے گناہ کو سزا نہ ہو سکے...... یہاں صورت حال بالکل مختلف ہے، میں ماضی کے کچھ اوراق الٹنا چاہتا ہوں اور ثبوت کے طور پر یہ کچھ کاغذات پیش کرنا چاہتا ہوں۔" عدنان واسطی صاحب نے ایک فاضل عدالت کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"ان کاغذات میں کیا ہے۔" جج صاحب نے سوال کیا۔ "جناب عالی، اس کاغذات میں جو شواہد موجود ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ امجد فضل خان سابق مشرقی پاکستان میں حاجی غیاث صاحب کا ایک معمولی سا ملازم یا ان کی ٹرانسپورٹ کمپنی کا منیجر تھا...... امجد فضل خان 1971ء کے فسادات میں حاجی غیاث سے جدا ہو گیا اور اس کے بعد حاجی غیاث یہاں آ گئے اور پھر کچھ عرصے کے بعد امجد فضل خان حاجی غیاث کو ملا اور حاجی غیاث نے اپنی محبت کے پیش نگاہ امجد فضل خان کو ایک بار پھر اپنی کمپنی میں اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ یہ وہ دستاویز ہیں جو بہر حال حاصل کی گئی ہیں...... پھر جناب عالی ایک اور واقعہ پیش آیا۔ وہ واقعہ حاجی غیاث کے انتقال کا تھا...... امجد فضل خان نے حاجی غیاث کو زہر دے کر قتل کر دیا۔ میں آپ کو اس کی تفصیلات ان کاغذات کے ذریعے پیش کرنا چاہتا ہوں...... اصل میں اس دوران جیسا کہ میں نے آپ سے عرض کیا کہ مرزا جواد بیگ صاحب نے تو صرف قتل کا ایک معمولی کیس اپنے ہاتھ میں لے کر اسے ایک معمولی سا قتل قرار دیا ہے لیکن معاملہ ایک بے گناہ کی زندگی کا تھا، چنانچہ مجھے اس سلسلے میں کچھ لوگوں کا سہارا لے کر تھوڑا سا کام کرنا پڑا اور اس میں سے سب سے بڑا کام یہ ہے کہ حاجی غیاث کی لاش کو اس کی قبر سے نکالنے کے بعد میں نے میڈیکل لیبارٹری سے اس کا تجزیہ کرایا ہے اور اس کے بعد ڈاکٹروں کی رپورٹ موجود ہے جس کے ذریعے کیمیکل ایگزامینر نے صاف صاف کہا ہے کہ حاجی غیاث طبعی موت نہیں مرا بلکہ اسے زہر دے کر ہلاک کیا گیا اور اس کی ہلاکت سے صرف اور صرف امجد فضل خان کو

فائدہ حاصل ہوا۔ یہ ان کاغذات کی نقول ہیں جن کی رو سے امجد فضل خان نے حاجی غیاث کے ٹرانسپورٹ کے مکمل کاروبار پر قبضہ کر لیا اور وہ تفصیلات ہیں جناب عالی جو اس وقت کے بنگلہ دیش سے امجد فضل خان کے بارے میں حاصل ہوئی ہیں اور ان تفصیلات میں ہمیں ایک اور نام بھی ملتا ہے اور یہ نام احمد خان کا ہے۔ احمد خان کی مکمل تفصیل ان کاغذات میں موجود ہے اور اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ احمد خان کے بیٹے علی شہزاد سے حاجی غیاث کی بیٹی کی منگنی ہو چکی تھی...... یہاں آنے کے بعد بھی یہ سلسلہ مسلسل جاری تھا کہ حاجی غیاث کی موت واقع ہو گئی اور پھر۔"

"مجھے اعتراض ہے جناب عالی، کیس کو الجھانے کے لئے بڑی مدلل کہانی گھڑی گئی ہے۔ ہم ماضی کی تمام باتوں کو مان لیتے ہیں، لیکن رمشہ کے قتل کا معاملہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ ان ماضی کے واقعات سے بھلا قتل کے اس واقعے کا کیا تعلق۔"

"وکیل صفائی آپ اپنا بیان جاری رکھئے۔" جج صاحب نے کہا اور عدنان واسطی گردن خم کر کے بولے۔

"یہ تعلق ہی میں ظاہر کر رہا تھا جناب...... اصل میں یہ سارا معاملہ ایک بالکل ہی مختلف نوعیت کی کہانی پر مبنی ہے۔ میں آپ کو لاتعداد ثبوتوں کے ساتھ اس کہانی کا اصل پیش کرتا ہوں اور ایک بالکل نئی کہانی وجود میں آتی ہے اور رمشہ کا قاتل فیصل رضا نہیں بلکہ خود امجد فضل خان کے اشارے پر کرائے کے ایک قاتل نے رمشہ کو قتل کیا اور اس کے پس پشت ایک گہری سازش تھی۔" کمرہ عدالت میں اچھی خاصی سنسنی پھیل گئی تھی۔ عدنان واسطی نے کہا۔

"اصل میں امجد فضل خان جو سابق مشرقی پاکستان میں صرف ایک ملازم کی حیثیت رکھتا تھا، یہاں آنے کے بعد حاجی غیاث کی نرم دلی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے پورے کاروبار پر قابض ہو گیا اور پھر جیسا کہ میں نے آپ کو اپنی رپورٹوں سے ظاہر کیا کہ امجد فضل خان نے حاجی غیاث کو زہر دے کر ہلاک کر دیا...... اب اس کے بعد اس کے سامنے رمشہ تھی لیکن یہ بات اس وقت اس کے ذہن میں نہیں تھی کہ رمشہ کو بھی راستے سے ہٹا دے، بلکہ اس نے سوچا تھا کہ رمشہ کی کہیں نہ کہیں شادی کر دے گا اور تھوڑا بہت لے دے کر سارے راستے ہموار کر دے گا، لیکن یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ اس نے احمد خان کے

بارے میں نہیں سوچا تھا جو نمودار ہوا تو ایک نئی صورت حال سامنے آگئی، یعنی ایک ایسا گواہ جو یہ بات جانتا تھا کہ اصل میں سب کچھ حاجی غیاث اور رمشہ ہی کی ملکیت ہے اور خود امجد فضل خان جو کچھ کر چکا ہے وہ سب کچھ جعلی ہے۔ چنانچہ امجد فضل خان نے منصوبہ بندی کی، کرائے کے ایک قاتل کو مہیا کر کے اس نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور حقیقت ہے کہ رمشہ فیصل رضا نامی اس نوجوان کو چاہنے لگی تھی، لیکن یہ بے چارہ اپنی اوقات کو ذہن میں رکھتا تھا، اس نے رمشہ کو سمجھانے کی کوشش کی اور رمشہ نے اسے بتایا کہ وہ آزاد فطرت کی مالک ہے اور اپنا سب کچھ خود کر سکتی ہے...... اس دوران علی شہزاد کا معاملہ سامنے آیا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ امجد فضل خان نے جو خوبصورت پروگرام بنایا۔ وہ ایک باکمال ذہن کی سوچ تھا، اس نے کرائے کے ایک قاتل کو مہیا کیا اور اس کے ذریعے رمشہ کو قتل کرادیا او فیصل رضا کو اس کا قاتل قرار دیا، لیکن ایک انتہائی خوبصورت منصوبے کے تحت، جناب والا میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں کہ ایک ایسی شخصیت کو پیش کروں جس سے اس مقدمے پر بہترین روشنی پڑے اور اصل صورت حال کھل کر سامنے آجائے۔'' جج کی جانب سے اجازت ملنے پر عدنان واسطی صاحب نے جمال الدین عرف جمالو کو پیش کیا اور امجد فضل خان کا چہرہ تاریک ہو گیا...... جمال الدین کٹہرے میں آکر کھڑا ہوا اور اس نے کہا۔

''جناب عالی میرا نام جمال الدین ہے اور ایک مخصوص علاقے کے لوگ مجھے جمالو دادا کہہ کر پکارتے ہیں۔ زندگی میں بہت سے جرائم کئے ہیں لیکن قتل پہلی بار کیا ہے اور وہ بھی ایک وقتی جذبے سے متاثر ہو کر، یہ امجد فضل خان صاحب ہیں اور انہوں نے مجھے اس لڑکی کے قتل پر آمادہ کیا تھا جس کا نام رمشہ ہے یا تھا۔ اس دن وہ فیصل رضا کے انتظار میں تھی اور میں نے فیصل رضا سے پہلے پہنچ کر اس سے کہا کہ فیصل ایک پارک میں اس کا انتظار کر رہا ہے، دونوں اکثر اس پارک میں ملا کرتے تھے۔ وہ میرے ساتھ چل پڑی اور پارک میں میں نے اسے لے جا کر قتل کر دیا...... امجد فضل خان صاحب نے اس کے لئے مجھے ایک بڑی رقم ادا کی تھی۔ جناب عالی اس کے بعد کا منصوبہ یہ تھا کہ عین اس وقت جب فیصل رضا پر فرد جرم عائد کی جا رہی ہو، میں کمرہ عدالت میں داخل ہوں اور اصل حقائق سامنے لاؤں جس میں علی شہزاد کو رمشہ کا قاتل ثابت کروں اور یہ بتاؤں کہ علی شہزاد نے اصل میں مجھے اس کام کے

لئے آمادہ کیا تھا کیونکہ وہ رمشہ کا منگیتر تھا اور جذبہ رقابت میں دیوانہ ہو گیا تھا۔ اس نے رمشہ کو سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن رمشہ فیصل رضا کو نہیں چھوڑنا چاہتی تھی، چنانچہ جوش رقابت میں اس نے رمشہ کو قتل کر دیا۔ میں اس کا دوست تھا اور یہ قتل میری آنکھوں کے سامنے ہوا ہے۔ جب رمشہ قتل ہو گئی تو علی شہزاد نے مجھے مجبور کیا کہ میں فیصل رضا کو قاتل قرار دینے میں اس کی مدد کروں اور اس طرح وہ، وہ سوٹ میں نے علی رضا کے گھر سے چرایا اور اسے خون میں ڈبو کر ایک ایسی جگہ پھینک دیا جہاں سے وہ پولیس کو باآسانی حاصل ہو جائے، بعد میں مجھے فرشتہ بن کر عدالت میں آنا تھا اور ساری صورت حال بتانا تھی تاکہ علی شہزاد اس قتل کے الزام میں گرفتار ہو جائے۔ فیصل رضا کو رہائی مل جائے، رمشہ راستے سے ہٹ چکی ہے اور اس کے بعد کوئی یہ کہنے والا موجود نہیں کہ اصل میں امجد فضل خان اس کاروبار یا دولت کا مالک ہے، یہ تھی ساری صورت حال صاحب لیکن بدقسمتی سے یا خوش قسمتی سے قدرت کی طرف سے میری رہنمائی ہو گئی۔ میرا بچہ جسے میں اس دنیا میں سب سے زیادہ چاہتا ہوں، اس بری طرح بیمار ہو گیا کہ اس کی زندگی خطرے میں پڑ گئی اور میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں رہا کہ میں اس کی زندگی بچا سکوں، تب میری رہنمائی ہوئی صاحب اور ایک کسوٹی مہیا کر دی گئی میرے لئے...... وہ کسوٹی یہ تھی کہ میں اگر اپنے بچے کی زندگی بچانا چاہتا ہوں تو کسی دوسرے کی زندگی کی حفاظت کروں اور اصلیت سامنے لے آؤں۔ صاحب آپ ہسپتال سے میرے اس تمام معاملے کی تحقیق کر سکتے ہیں...... میرا بچہ ان حالات میں موت سے زندگی کی جانب پلٹا، جب کسی ڈاکٹر کو اس کی امید نہیں تھی اور اسے موت کے بالکل قریب تصور کر لیا گیا تھا۔ یہ رہنمائی تھی میری کہ میں اصلیت ظاہر کر دوں اور پھر میں جذباتی ہو گیا اور بس صاحب یہی اصل کہانی ہے اور اس کے لئے میں آپ کو بے شمار ثبوت پیش کر سکتا ہوں۔'' عدالت میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ امجد فضل خان کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا تھا...... مرزا جواد بیگ ہونق بن گئے تھے، ایک عجیب کیفیت ہو گئی تھی، تب عدنان واسطی نے کہا۔

''اور اس کا پہلا ثبوت یہ ہے جناب والا کہ خون کے اس تجزیئے کی رپورٹ جو فیصل رضا کے لباس پر پایا گیا ہے۔ آپ کو یہ سن کر خوشی ہو گی کہ یہ خون رمشہ حاجی غیاث کا نہیں بلکہ ایک بکرے کا ہے جس سے اس سوٹ کو رنگا گیا، جس سوٹ کو فیصل رضا کی الماری سے اور اس کے گھر سے چرایا گیا تھا، اس سلسلے میں انسپکٹر صاحب مناسب بتا سکیں گے کہ انہوں

نے اس کی تصدیق کہیں سے کی تھی یا نہیں اور مرزا جواد بیگ بھی لیبارٹری کی رپورٹ پڑھ کریں تاکہ صحیح صورت حال کھل کر سامنے آجائے...... میں نے اس سوٹ کو مال خانے سے نکلوا کر پولیس لیبارٹری سے اس کا کیمیائی تجزیہ کروایا ہے اور یہ رپورٹ پیش خدمت ہے جو ہر حالت میں چیلنج کیا جاسکتا ہے اور یہ شخص جسے میں سلطانی گواہ بنانے کے لئے یہ درخواست پیش کر رہا ہوں۔ اس قتل کا عینی شاہد ہے۔ اصل مجرم امجد فضل خان ہے جس نے یہ منصوبہ بنایا۔"

"بب، بکواس کرتا ہے یہ...... یہ جھوٹ بولتا ہے...... میرے دماغ میں بھلا اتنی بات کہاں، وہ کم بخت میری سالی سالی کو خدا غارت کرے...... اس سالی نے مجھے اس دھندے میں لگایا تھا جناب عالی، اصل مجرم میں نہیں وہ سالی رئیسہ ہے۔ اسی نے یہ پورا کھیل کھیلا تھا اسی نے، اماں وکیل صاحب تم نے تو میرا ٹیپا کرادیا، کہہ رہے تھے کیس جیتا کر چھوڑوں گا تم انسپکٹر صاحب تم نے پچیس ہزار روپے لئے ہیں مجھ سے، اب میری جان بچانا بھی تمہاری ذمہ داری ہے پھنسوادیا مصیبت میں، نہیں جناب عالی، جج صاحب میرا کوئی قصور نہیں ہے آپ اس عورت کو گرفتار کیجئے جو شیطان کی خالہ ہے اور اصل میں وہ بدلہ لینا چاہتی تھی اس علی سے، ساری بات، ساری بات میں بتاتا ہوں آپ کو۔" امجد فضل خان بہر حال ذہنی طور پر اس قدر طاقتور نہیں تھا۔ مرزا جواد بیگ سٹپٹا کر رہ گیا۔ امجد فضل خان نے اس کے بعد پوری کہانی دہرائی تو ساری صورت حال ہی بدل گئی اور عدالت سکتے کے عالم میں رہ گئی، یہاں تک کہ جج صاحب کو کہنا پڑا۔

"کیونکہ بات انتہائی اُلجھ گئی ہے، لیکن یہ ثابت ہو چکا ہے کہ قاتل فیصل رضا نہیں ہے اس لئے فیصل رضا کو قید میں رکھنے کا ایک لمحے کے لئے جواز نہیں بنتا، فوری طور پر امجد فضل خان، اس کی سالی رئیسہ اور اس شخص کو گرفتار کیا جائے جس کا نام جمال الدین ہے اور اس کے بعد اس کیس کو از سرِ نو پیش کیا جائے۔" چنانچہ کارروائی کا آغاز ہوا۔ مرزا جواد بیگ کی گردن لٹک گئی تھی۔ فیصل رضا کو رہائی فوری طور پر دے دی گئی تھی اور فاضل عدالت نے انتہائی سخت ریمارکس دیئے تھے کہ اقبال شاہ جیسے انسپکٹر کے خلاف بھرپور کارروائی کی جائے اس کے بعد بقیہ افراد کے لئے بھی عدالت کی طرف سے احکامات جاری ہوئے تھے، لیکن بات فیصل رضا کی رہائی کی تھی، چنانچہ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھاریں پھوٹ رہی تھیں

عدنان واسطی، بینا، شہاب، رضا حسین اور تمام لوگ مسرور انداز میں کمرہ عدالت سے باہر نکلے تھے۔ رضا حسین نے لڑکھڑاتے ہوئے دو قدم آگے بڑھ کر اپنے بیٹے کو سینے سے لگایا تھا اور پھر آنسوؤں سے ڈوبی ہوئی آنکھیں اس کے سینے سے رگڑتے ہوئے بولا تھا۔

"ہمیں امداد غیبی حاصل ہو گئی تھی۔ ہمیں امداد غیبی حاصل ہو گئی تھی...... فیصل بیٹے آ میں تجھے ان لوگوں سے ملاؤں...... آ میں تجھے ان لوگوں سے ملاؤں جو، جو......" اور اس کے بعد وہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے عدنان واسطی اور شہاب کی طرف بڑھ گیا تھا۔

❀ ❀ ❀

کسی بھی ایسے مسئلے میں کامیابی کے حصول کے بعد جو ذہنی خوشی حاصل ہوئی تھی اس کا کوئی جواب نہیں ہو سکتا، بہت کم انسان ایسے ہوتے ہیں جنہیں قدرت زندگی میں دعائیں لینے کا موقع فراہم کرتی ہے اور یہ بہت بڑا کام ہوتا ہے، بات معمولی نہیں ہوتی۔

بہر حال شہاب، بینا اور عدنان واسطی کی زندگی اب ایسے بہت سے واقعات کی تحریر بن گئی تھی، لیکن پھر بھی کسی بھی نئے سلسلے میں اس طرح کی کامیابی حاصل کرنے کے بعد جو خوشی انہیں حاصل ہوئی تھی اس کا کوئی جواب نہیں ہوتا تھا۔ اس خاندان کا ایک نکما شہاب ہی ایک معتبر کردار بن چکا تھا اور اس کے اہل خاندان اس کو تسلیم کرتے تھے کہ شہاب کا جو موقف تھا وہ اپنے طور پر بالکل درست تھا۔ اس کا باپ اپنے موقف کا شکار ہوا تھا اور شہاب نے اس میں درمیانی راہ نکالی تھی، یعنی یہ کہ سچ کو زخمی نہ ہونے دو لیکن جو جھوٹ کو سچ بنانے پر تلے ہوتے ہیں ان کے جھوٹ کو ہوا دے کر اس حد تک لے جاؤ کہ جب ان کے جھوٹ کا لبادہ اترے تو اس کے نیچے سچ کو چھپانے کا کوئی ذریعہ موجود نہ ہو اور ایسا وہ بے شمار بار کر چکا تھا۔ اس کے بعد پھر وہی زندگی کے معمولات، چھٹیاں تقریباً ختم ہو رہی تھیں اور شہاب اپنی مصروفیات میں مصروف ہونے کے لئے تیاریاں کر رہا تھا...... زندگی کے معمولات میں کوئی بہت بڑی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی۔ نادر حیات صاحب نے اپنے گھر میں ایک چھوٹی سی تقریب کی تھی اور یہ تقریب معمولات کی تقاریب میں تھی، بالکل نجی محفل تھی۔ حالانکہ نادر حیات صاحب بہت بڑے عہدے کے مالک تھے اور خصوصاً ان کی نجی محفلوں میں ان کے خاص عزیز و اقارب ہی شامل ہوا کرتے تھے، لیکن اس میں خصوصی طور پر شہاب اور بینا کو بھی مدعو کیا گیا تھا اور نادر حیات صاحب نے ٹیلی فون پر شہاب سے بات کرتے ہوئے کہا تھا۔

"تمہیں اس تقریب میں ضرور آنا ہے۔ یہ نہ سوچنا کہ یہ صرف ضابطے کی کارروائی ہے بلکہ یہ میری ہدایت اور اس کے بعد میرا حکم ہے۔"

"حاضری دوں گا سر۔"

"بینا کو بھی ساتھ لانا ہے۔"

"بہت بہتر۔" شہاب نے کہا اور اس کے بعد وہ نادر حیات صاحب کی اس نجی تقریب میں پہنچ گئے...... شہر کے بہت بڑے بڑے لوگ اس تقریب میں موجود تھے، ان میں سے بے شمار افراد کو شہاب اور بینا پہچانتے بھی تھے، لیکن ظاہر ہے شہاب کے لئے کسی احساس کمتری میں مبتلا ہونا کوئی ممکن عمل ہی نہ تھا۔ وہ بہت سے لوگوں کا شناسا بھی تھا اور ان میں چند افراد ایسے بھی تھے جو شہاب کو اس کی اصل حیثیت سے جانتے تھے، یعنی ایسے افراد جنہیں شہاب کے ہاتھوں تھوڑا بہت نقصان اٹھانا پڑا تھا یا جن کے عزیز و اقارب شہاب کا شکار ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے کچھ اشارے بازیاں بھی کی تھیں لیکن سب سے زیادہ دلچسپ مرحلہ اس وقت پیش آیا جب مرزا جواد بیگ ایک حسین سی لڑکی کے ساتھ بالکل اتفاقیہ طور پر شہاب کے قریب سے گزرے...... بینا اس وقت شہاب کے پاس موجود نہیں تھی، بلکہ کچھ خواتین نے اسے گھیر رکھا تھا اور وہ ان سے گفتگو کر رہی تھی۔ یہ خواتین بینا کی شناسا تھیں اور خاص طور پر بینا کی ایک دوست رحمانہ جو ایک بڑے افسر کی بیوی تھی، بینا کو مل گئی تھی اور بینا کو اپنے ساتھ لے گئی تھی، وہاں گفتگو ہو رہی تھی...... یہ لڑکی ملک سے باہر گئی ہوئی تھی اور بہت عرصے کے بعد آئی تھی، آئے ہوئے چوبیس گھنٹے سے زیادہ نہیں ہوئے تھے کہ اس تقریب میں شریک ہونا پڑا اور یہاں اپنی پرانی دوست بینا کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور یوں بینا کچھ وقت کے لئے شہاب سے الگ ہو گئی، یہاں صورت حال بالکل مختلف ہو گئی۔ مرزا جواد بیگ کا شہاب سے اس طرح آمنا سامنا ہوا تھا کہ دونوں ہی ایک دوسرے کو دیکھ کر چونک پڑے تھے۔ وہ خوبصورت سی دراز قامت لڑکی جس کے نقوش تو مقامی ہی تھے لیکن اس نے اپنا حلیہ غیر ملکیوں جیسا بنا رکھا تھا۔ شہاب کو دیکھ کر مسکرائی...... مرزا جواد بیگ کے رکنے پر وہ بھی رک گئی تھی...... شہاب نے بہر حال پر ادب انداز میں مرزا جواد بیگ کو سلام کیا تھا لیکن مرزا جواد بیگ کے سینے پر تازہ تازہ زخم تھا اس لئے وہ بہت زیادہ ضبط کا ثبوت نہ دے سکے اور ان کا پہلا ہی جملہ غیر مناسب رہا۔

"تم یہاں کیسے۔" شہاب نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے مرزا جواد بیگ کو دیکھا اور بولا۔

"بس جناب بڑے لوگوں کی محفل میں کبھی کبھی چھوٹے لوگوں کا بھی داخل ہونے کو دل چاہتا ہے اور اگر کہیں اس طرح سے شرکت کا موقعہ مل جائے تو بھلا کون اسے چھوڑنے کی کوشش کرے گا۔"

"سیکورٹی پر ہو۔ ظاہر ہے محکمہ پولیس کے بہت بڑے افسر کی کوٹھی میں تقریب ہے، لیکن سپیشل پولیس کے افراد کو بھی وردی تو پہننا پڑتی ہے یا پھر تمہاری ڈیوٹی سادہ لباس میں ہے۔" شہاب نے مسکراتی نگاہوں سے اس لڑکی کی طرف دیکھا جو مرزا جواد بیگ کے ساتھ تھی...... مرزا جواد بیگ تو کچھ نہ بول سکا لیکن لڑکی نے آگے بڑھ کر کہا۔

"ہیلو مسٹر......" میں آپ کو کس نام سے مخاطب کروں۔"

"شہاب ثاقب...... ویسے کیا آپ...... میرا مطلب ہے کہ مرزا صاحب کی صاحبزادی ہیں۔" شہاب کے یہ الفاظ مرزا جواد بیگ کے لئے شاید بہت بڑا ذہنی جھٹکا ثابت ہوئے تھے۔ وہ غرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"ریما یہ ہر ایرے غیرے سے تعارف حاصل کرنا مجھے سخت ناپسند ہے، حالانکہ تم میری گفتگو سن چکی ہو یہ شخص محکمہ پولیس سے تعلق رکھتا ہے اور یہاں سیکورٹی پر ہے۔"

"تمہارے اس ملک میں سب سے بڑا اختلاف مجھے یہی رہا ہے ڈیئر مرزا کہ یہاں تم لوگ انسانوں میں شدید تفریق رکھتے ہو، اگر یہ صاحب پولیس آفیسر ہیں اور بقول تمہارے یہاں پر اپنی ڈیوٹی سرانجام دے رہے ہیں تو اس سے ان کی شخصیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ایک پرکشش، ایک صحت مند اور سر سے پاؤں تک ایک مکمل نوجوان جس طرح کسی کے لئے باعث کشش ہو سکتا ہے۔ وہ کوالٹی ان صاحب میں موجود ہے اور چونکہ تم ان کے سامنے رکے ہو اور تم دونوں کے انداز میں ایک تعارفی عمل ہے، اس لئے میں نے بھی ان سے تعارف حاصل کرنا ضروری سمجھا...... ویسے مسٹر آپ کی بات کی تصحیح کر دوں میں، مرزا جواد بیگ میرے شوہر ہیں...... میں ان کی بیٹی نہیں ہوں۔" شہاب کے پیٹ میں قہقہے مچل اٹھے تھے حالانکہ اس نے دانستہ ایسا نہیں کیا تھا لیکن اب اسے کیا کرتا کہ اس کی ایک معصوم بات بھی مرزا جواد بیگ کے لئے تازیانہ ثابت ہوئی تھی اور پھر جب کبھی اس طرح کے تفریحی واقعات پیش آتے ہیں تو خود بخود آگے بڑھ جاتی ہے بات کہ ٹالے نہیں ٹلتی، اتفاق

ی بات تھی کہ نادر حیات صاحب بھی اسی طرف نکل آئے تھے۔ انہوں نے جواد بیگ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ہیلو جواد بھئی تم آ گئے لیکن مجھ سے نہیں ملے۔"

جواد بیگ مودب ہو گیا تھا، جلدی سے بولا۔

"ہیلو سر پہلی بات تو یہ کہ آپ نے مجھ ناچیز کو اپنی اس ذاتی تقریب میں مدعو کیا۔ اس کے لئے میں بے حد شکر گزار ہوں، کم از کم ناہید سے مجھے یہ تو فضیلت حاصل ہوئی کہ مجھے آپ کی تقریب میں شرکت کا موقعہ ملا۔"

"ہیلو ناہید بیٹا کہو کیسی ہو...... کیا حال چال ہیں۔"

"بالکل ٹھیک ہوں انکل بس زندگی گزر رہی ہے، ویسے ممی نے آپ کے بارے میں کچھ پیغامات بھیجے تھے۔ مجھے آپ تک پہنچانے تھے...... اتفاق کی بات آپ کا دعوت نامہ بھی فوراً ہی مل گیا۔"

"ہاں...... مجھے بتایا گیا تھا کہ تم آ گئی ہو...... شاید تم نے نائلہ سے ٹیلی فون پر بات کی تھی۔ نائلہ نے فوراً ہی مجھ سے کہا کہ میں تمہیں اس تقریب میں مدعو کروں۔"

"ہاں انکل۔"

"ہاں بھئی بیٹھو، آؤ جواد۔" شہاب نے محسوس کیا کہ جواد نے اس موقع کو غنیمت سمجھا ہے لیکن بہرحال شرارت اس کی فطرت میں بھی تھی۔ اس نے اپنے آپ کو اس طرح نمایاں کیا کہ نادر حیات صاحب نے بھی قریب دیکھ لیا اسے ادھر...... وہ لڑکی جسے مرزا جواد بیگ نے ریما اور نادر حیات صاحب نے ناہید کہہ کر مخاطب کیا تھا کئی بار مسکراتی نگاہوں سے شہاب کو دیکھ چکی تھی اور شہاب اس بات سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ بدقسمتی نے مرزا جواد بیگ کو خوامخواہ پریشان کر دیا ہے۔ ناہید یا ریما کے بارے میں کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ پہلی بات تو یہ کہ اس لڑکی کا نام ڈبل کیوں تھا۔ اس کے نقوش سے یہ تو صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کم از کم خالص مقامی نہیں ہے بلکہ اس کے نقوش میں غیر ملکی رنگ بھی پایا جاتا تھا اور اس کا اندازہ بھی ہو رہا تھا، لیکن بہرحال یہ ضروری تو نہیں تھا کہ نادر حیات صاحب کے تمام تر معاملات سے شہاب کو مکمل طور پر واقفیت ہوتی۔ اس نے ان لوگوں کے معاملے میں بہت زیادہ ٹانگ اڑانا مناسب نہیں سمجھا اور بینا کی تلاش میں اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑانے لگا...... بینا

اسے نظر آ گئی حالانکہ نادر حیات صاحب نے خود اسے اپنے ساتھ آنے کی پیشکش کی تھی۔ شہاب ایک معذرتی انداز اختیار کرنے کے بعد آگے بڑھ گیا اور پھر اس نے بینا کو اشارہ کیا۔ بینا نے اس کا اشارہ دیکھ لیا اور اپنی ساتھی لڑکی سے معذرت کر کے شہاب کے قریب آ گئی۔

"خیریت تنہا کیوں نظر آ رہے ہو۔"

"اس لئے کہ تم دوسروں کے ساتھ جا بیٹھی تھیں۔"

"رقابت۔"

"لڑکیوں میں کوئی حرج نہیں ہے، ویسے تم کو ایک دلچسپ صورت حال سے آشنا کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا۔" بینا نے سوال کیا تو شہاب نے مرزا جواد بیگ کی طرف اشارہ کیا۔

"وہ ادھر دیکھ رہی ہو۔"

"اوہو مرزا جواد بیگ صاحب۔"

"پہلے نہیں دیکھا تھا تم نے۔"

"نہیں۔"

"خیر وہ دیکھنے کی چیز تو ہے ہی نہیں، ان کے ساتھ جو شخصیت ہے اسے دیکھو۔"

"ہاں وہ لڑکی کافی خوبصورت ہے۔ کیا وہ مرزا جواد بیگ کے ساتھ ہے۔"

"ہاں۔"

"بیٹی ہے۔" بینا نے سوال کیا تو شہاب ہنس پڑا اور پھر بولا۔

"مناسب سمجھو تو یہ سوال اس کے قریب جا کر کر لو۔"

"کیا مطلب۔"

"وہ تو خیر خوش ہو گی کیونکہ اسے خوش ہونا چاہئے، لیکن مرزا جواد بیگ کی بری حالت ہو جائے گی۔"

"کیوں۔"

"بھئی وہ بیوی ہے اس کی، شاید کسی اور ملک میں رہتی ہے اور وہاں سے واپس آئی ہے..... نادر حیات صاحب کی بیٹی نائلہ سے تعلقات ہیں اور نائلہ نے اسے مدعو کیا ہے..... جواد بیگ اس کا نام ریما لیتا ہے جبکہ نادر حیات صاحب اسے ناہید کہتے ہیں، معاملات کچھ اُلجھے

ہوئے سے ہیں، لیکن ہمیں اس سے غرض نہیں ہے، مسئلہ مرزا صاحب کا ہے جو بہر حال اس نوجوان لڑکی کے شوہر ہیں اور یقینی طور پر اس کے پس پردہ کوئی کہانی ہو گی۔"

"خیر کوئی بہت پیچیدہ اور اُلجھی ہوئی کہانی نہیں ہو سکتی یہ..... ممالک غیر میں عورت جس طرح بے حقیقت ہے شہاب اس کے بارے میں تمہیں بھی معلوم ہے میں بھی جانتی ہوں اور باقی لوگ بھی، وہاں کسی بھی حیثیت کی کوئی شخصیت ہو دوسرے ملکوں کے مرد اور اگر وہ صاحب حیثیت بھی ہوں تو ان غیر ملکی خواتین کے لئے بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں..... یہاں سے اگر کوئی نوجوان پلمبر کا کام کرنے کے لئے بھی کسی بڑے ملک جا پہنچے تو یہ خواتین اس سے شادی کر کے اس کے ساتھ آنا اپنی خوش بختی سمجھتی ہیں کیونکہ ان کے اپنے ملک میں ان کی کوئی وقعت نہیں ہوتی..... یورپ میں عورت جس قدر بے حقیقت ہے اس کا اندازہ تمہیں بھی ہے اور مجھے بھی، پھر مرزا جواد بیگ تو بہر حال ایک صاحب حیثیت انسان ہیں..... اب ان خاتون کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے کہ ان کی اپنی حیثیت وہاں کیا ہو گی۔"

شہاب تعجب سے بینا کو دیکھنے لگا پھر بولا۔

"یار بینا ایک بات بتاؤ لڑکیوں کے چہروں پر اس قدر سادگی ہوتی ہے کہ اگر اس سادگی پر غور کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ بس ایک سادہ سا ورق نگاہوں کے سامنے ہے لیکن اس ورق کی دوسری جانب جتنی گہری تحریریں لکھی ہوتی ہیں ان کا کوئی اندازہ نہیں، کمال ہے واقعی۔"

"بہر حال اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں دنیا کے حالات سے اس قدر بے خبر ہوں تو جناب یہ آپ کی غلطی ہے میری نہیں۔" بینا نے چاروں طرف نگاہیں ڈالیں اور پھر بولی۔

"آؤ بیٹھیں کہیں۔"

"نہیں تمہیں صرف یہ دکھانا مقصود تھا، باقی جن لوگوں کو تم چھوڑ کر آئی ہو وہ تمہاری طرف منتظر نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں..... ہمارا تو خیر کوئی معاملہ ہی نہیں ہے۔ تم اپنے طور پر تفریحات میں حصہ لو۔"

"بس چند منٹ۔"

"ارے نہیں بینا پلیز آرام سے جاؤ۔" شہاب نے کہا اور بینا اپنی ساتھی دوستوں کی جانب بڑھ گئی..... شہاب نے ایک گہری نگاہ چاروں طرف ڈالی، یہاں بے شمار لوگ تھے جو اس کی قربت کے خواہشمند بھی ہوں گے، اس کے شناسا بھی تھے، لیکن کیا کرتا مرزا جواد

بیگ پر ہی نگاہ پڑ گئی تھی۔ نادر حیات صاحب بھی مرزا جواد بیگ ہی کے قریب بیٹھے ہوئے تھے اور ناہید یار یما سے باتیں کر رہے تھے۔ شہاب کی نگاہیں چاروں طرف بھٹکنے لگیں، ماحول کافی خوبصورت تھا۔ نادر حیات صاحب نے اس تقریب میں خاصی نفاست کا ثبوت دیا تھا..... شہاب کی بھٹکتی ہوئی نگاہیں بڑے گیٹ کی جانب اُٹھ گئیں اور پھر اچانک ہی وہ چونک پڑا..... اس نے گیٹ کے قریب موجود ایک درخت کی موٹی شاخ سے دو ٹانگیں نیچے لٹکتی ہوئی محسوس کیں، کچھ عجیب سی بات تھی کوئی اس طرح سے درخت پر چڑھ جائے اس کی کوئی خاص وجہ ہو سکتی ہے۔ بہر حال شہاب ایک دم سے مستعد ہو گیا، پھر اس نے ایک انسانی جسم کو درخت کی اس شاخ سے الٹا لٹکتے ہوئے دیکھا۔ اس نے درخت میں ٹانگیں پھنسائی تھیں اور الٹک لٹک گیا تھا، لیکن اس کے علاوہ شہاب کی نگاہوں نے جو دیکھا وہ بڑا سنسنی خیز تھا اس شخص کے ہاتھ میں ایک ٹیلی سکوپ رائفل تھی اور وہ اس رائفل سے نشانہ لے رہا تھا۔ شہاب کا پورا بدن ایک لمحے کے لئے جھنجھنا کر رہ گیا تھا۔ بہر حال محفل میں اتنے افراد شریک تھے۔ وہ سب کی زندگی تو نہیں بچا سکتا تھا لیکن صاحب محفل کو بچانا اس کا فرض تھا، کسی انتہائی برق رفتار چیتے کی مانند اس نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور ان لوگوں پر آ پڑا...... اتفاق کی بات یہ کہ مرزا جواد بیگ ہی اس کا نشانہ بنا تھا، کرسی نادر حیات صاحب کی بھی لڑھک گئی تھی اور ناہید بھی لپیٹ میں آ گئی تھی، لیکن شہاب کے پورے بدن نے مرزا جواد بیگ کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا اور مرزا جواد بیگ کے حلق سے دلخراش چیخ نکل گئی تھی اور پھر دھماکے کی آواز بھی ہوئی اور اس کے ساتھ ایک کرب ناک چیخ بھی سنائی تھی، پھر مسلسل کئی فائر ہوئے اور کئی آوازیں اُبھریں...... چاروں طرف بھگدڑ مچ گئی تھی۔ اس وقت شہاب اس شخص کے بارے میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا جس نے یہ سب کچھ کیا تھا لیکن اور کر بھی کیا سکتا تھا!! چنانچہ مرزا جواد بیگ کو چھوڑ کر وہ ایک سمت ہٹ گیا، ادھر نادر حیات صاحب خوفزدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہے تھے، ایک عجیب ہنگامہ برپا ہو گیا تھا جس کے جدھر سینگ سمائے تھے چلا جا رہا تھا...... شہاب اس وقت اپنے آپ کو سپر مین بھی نہیں ثابت کر سکتا تھا، انسانوں کے اس مجمعے کو پھلانگ کر گیٹ تک پہنچنا اور پھر اس شخص کا تعاقب کرنا کسی فلمی ہیرو کا کام ہو سکتا تھا...... شہاب انسان ہی تھا اور انسانی مجبوریاں اس کے راستے میں حائل تھیں، البتہ اب ان لوگوں کو دیکھنا ضروری تھا جو ان گولیوں کا شکار ہوئے تھے۔ نادر حیات صاحب تو کچھ

لمحوں کے لئے پتھرا گئے تھے، حالانکہ وہ فوراً ہی اُٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے، لیکن ظاہر ہے ایسے حالات میں اعصاب پر قابو رکھنا آسان کام نہیں ہوتا۔ مرزا جواد بیگ کے تو چوٹ بھی آ گئی تھی اور اگر پیچھے موجود افراد شدید زخمی نہ ہو جاتے تو مرزا جواد بیگ یہی سوچتا کہ شہاب نے جان بوجھ کر ایسی کوئی حرکت کی ہے، پیچھے موجود افراد جو ان لوگوں کی جگہ گولیوں کا شکار ہوئے تھے...... نادر حیات صاحب کے مہمان ہی تھے اور یہ خوش قسمتی ہی تھی کہ ان میں سے کوئی موت کا شکار نہیں ہوا تھا، لیکن کئی ایسے تھے جن کے بازو اور پسلیاں وغیرہ ٹوٹ گئی تھیں، فوراً ہی بھاگ دوڑ شروع ہو گئی اور زخمیوں کو ہسپتال پہنچایا جانے لگا...... شہاب جانتا تھا باقی ساری بھاگ دوڑ بیکار ہے...... مرزا جواد بیگ کو اس کی بیوی نے سنبھال کر کھڑا کیا تھا...... شہاب قریب ہی تھا...... مرزا جواد بیگ کے چہرے پر عجیب سی کیفیت کے آثار تھے اور وہ چاروں طرف سہمی ہوئی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا...... نادر حیات صاحب نے شہاب کو اشارہ کیا اور شہاب قریب پہنچ گیا۔

"اب اس محفل کو سنبھالنا تو خیر کسی طور ممکن نہیں ہے، لیکن لوگوں کو کم از کم اتنا تو ضرور بتا دو کہ ظاہر ہے یہاں کسی فوج نے حملہ نہیں کیا جو واقعہ ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔ لوگ پرسکون اور مطمئن رہیں۔"

"چنانچہ شہاب اپنے طور پر چیخ چیخ کر لوگوں کو اس صورت حال سے آگاہ کرنے لگا، سیکورٹی کے دوسرے افراد نے بھی لوگوں کو پرسکون رہنے کی ہدایت کی تھی، لڑکیاں، عورتیں ابھی تک مسلسل چیخ رہی تھیں...... کیفیت ہی ایسی تھی...... زخمیوں کو کاروں کے ذریعے ہسپتال پہنچایا جا چکا تھا...... نادر حیات صاحب نے شہاب سے کہا۔

"اصل میں اس وقت میں واقعی اپنے آپ کو ذہنی طور پر بہت کمزور محسوس کر رہا ہوں...... براہ کرم جس انداز میں مناسب سمجھو ضروری کارروائیاں کرو۔" شہاب نے گردن ہلا دی تھی اور اس کے بعد کارروائیاں کی جا سکتی تھیں...... محفل تو تتر بتر تو ہو ہی گئی تھی، بس مہمانوں کو رخصت کرنا تھا، چنانچہ جس طرح بھی ممکن ہو سکا صورت حال کو کنٹرول کیا جانے لگا۔ مرزا جواد بیگ کرسی پر بیٹھ گیا تھا، اس کی کیفیت بہتر نہیں تھی...... نادر حیات صاحب ادھر ادھر دوڑتے پھر رہے تھے... مہمانوں سے معذرت کر رہے تھے اور مہمان آہستہ آہستہ رخصت ہوتے جا رہے تھے، یہاں تک کہ تھوڑی دیر میں مہمانوں کا صفایا

ہو گیا، کچھ لوگ اب بھی موجود تھے جن میں مسٹر جواد بیگ وغیرہ بھی تھے...... نادر حیات صاحب نے انہیں اندر چلنے کو کہا اور جواد بیگ کی بیوی ناہید جواد بیگ کو سنبھال کر اندر لے گئی۔ ادھر نائیلہ اور بینا وغیرہ بھی مصروف عمل تھیں، چنانچہ اندر ڈرائنگ روم میں انتظار ہو گیا...... نادر حیات صاحب نے شہاب سے کہا۔

”جو لوگ زخمی ہو کر ہسپتال پہنچے ہیں براہ کرم ان کی خبر گیری کرو شہاب...... کیا تم نے اس کا انتظام کر دیا ہے۔“

”جی ہاں...... آپ مطمئن رہیں...... بہر حال وہ جو کوئی بھی ہیں ان کے نام ہم تک پہنچ جائیں گے...... مجھے یہیں رکنا ہے آپ مجھ سے جانے کے لئے نہ کہیں۔“

”آؤ پلیز اندر آؤ...... بہر حال جو ہونا ہوتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور ہم اسے روک نہیں پاتے...... لوگوں کا خیال ہو گا کہ ایک پولیس آفیسر کی کوٹھی پر ایسے ہنگامے کی توقع کی جاتی ہے اور کوئی بھی ایسا مسئلہ نہیں ہو سکتا جس سے ان ہنگاموں کو روکا جائے، ہو سکتا ہے لوگ آئندہ میرے ہاں کی کسی تقریب میں شرکت سے گریز کریں۔“ نادر حیات صاحب افسردہ تھے...... بینا وغیرہ بھی یہیں آ گئی تھیں...... جواد بیگ خاموش بیٹھا ہوا شہاب کی صورت دیکھ رہا تھا، پھر اس نے ایک انوکھا انکشاف کیا۔

”آپ جانتے ہیں ڈی آئی جی صاحب یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا ہے۔“

”کیا۔“ نادر حیات صاحب نے چونک کر کہا۔

”جی ہاں...... انسان اس قدر بے ضمیر بھی نہیں ہو سکتا کہ ایسے کسی واقعہ پر اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کرے...... میں نے مذاق سمجھا تھا یہ سب کچھ لیکن یہ مذاق مذاق نہیں نکلا...... ناہید چوبیس گھنٹے گزرنے میں اب بھی چار گھنٹے باقی ہیں۔“

شہاب اور نادر حیات صاحب نے تعجب سے جواد بیگ کے یہ الفاظ سنے تھے...... جواد بیگ نے آہستہ سے کہا۔

”جس شخص نے مجھ پر حملہ کیا ہے اس کا نام شاکو ہے...... آپ لوگوں نے اخباروں میں پڑھا ہو گا کہ شاکو نامی مجرم فرار ہو گیا ہے...... یہ سارا کھیل شاکو کا تھا۔“

”گولی آپ پر چلائی گئی تھی۔“ نادر حیات صاحب نے تعجب سے پوچھا اور جواد بیگ نے شہاب کی طرف رخ کر کے کہا۔

”اس افسر نے کیا صرف مجھے ہی نہیں بچانے کی کوشش کی تھی۔“

”شہاب کیا یہ حقیقت ہے۔“

”حقیقت۔“ شہاب نے عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا، پھر جواد بیگ کی جانب رخ کر کے بولا۔

”جواد بیگ صاحب حقیقتوں کا انکشاف کر رہے ہیں...... بہتر ہے باقی حقیقت بھی انہی سے پوچھی جائے۔“

”اگر تم یہ سمجھتے ہو نوجوان آفیسر کہ میں تم پر کوئی الزام لگانا چاہتا ہوں تو براہ کرم میرے الفاظ غلط مت سمجھنا...... میں یہ اشارہ کرنا چاہتا تھا کہ تم نے شاید حملہ آور کو مجھ پر حملہ کرتے ہوئے دیکھ لیا اور یہ سمجھ گئے کہ اس کا رخ میری جانب ہے...... بخدا میں صرف اتنا ہی کہنا چاہتا تھا تم سے، میری کسی بات کو غلط مطلب نہ دینا...... حیرت کی بات ہے کہ بعض اوقات وہ لوگ جن سے شدید اختلافات ہوتے ہیں اتنے بڑے محسن بن جاتے ہیں، حالانکہ تم نے صرف اپنا فرض پورا کرنے کے لئے میری زندگی بچائی ہے، لیکن اگر تم ایسا نہ کرتے تو ظاہر ہے اس وقت میرا جسم گولیوں سے چھلنی ہوتا۔“

”پہلی بات تو یہ سنو مائی ڈیئر مرزا جواد بیگ کہ شہاب یہاں ڈیوٹی پر نہیں بلکہ اپنی مسز کے ساتھ میرے معزز مہمان ہیں...... ان کا جو مقام یہاں پر ہے وہ شاید ہی کچھ لوگوں کا ہو، چنانچہ تم انہیں سیکورٹی پر نہ سمجھو اور اگر تمہارے ذہن میں ایسا کوئی تصور ہے تو براہ کرم تفصیل بتاؤ، جو سنگین واقعہ ہو چکا ہے وہ بہت خطرناک نوعیت کا ہے، ابھی ہمیں معلوم ہو گا کہ کون کون زخمی ہوا ہے...... خدانخواستہ ان میں سے کوئی ہلاک ہو گیا تو مزید مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا، لیکن یہ شاکو کا کیا قصہ ہے۔“

”میں اس کے بارے میں تفصیل تو اس طرح نہیں بتا سکتا، بعد میں بتاؤں گا لیکن اس کا نام شاکر خان ہے اور شاکو کے نام سے وہ جیل میں تھا...... چار دن پہلے پولیس وین کا حادثہ ہوا تھا، شاکو یا شاکر خان اس میں موجود تھا اور وہ نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا تھا...... پھر اس نے مجھے اٹھارہ انیس گھنٹے پہلے فون کیا تھا اور کہا تھا کہ میں تیار رہوں کہ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر مجھے اس دنیا سے چھٹی دلا دی جائے گی۔ اصل میں نادر حیات صاحب ہم لوگوں کا پروفیشن ایسا ہے کہ ہمیں اس قسم کے واقعات سے سابقہ پڑتا رہتا ہے اور لوگ اس قسم کی دھمکیاں

ہمیں دیتے رہتے ہیں...... شاکو کے بارے میں یہ تحقیقات ہوگئی تھی کہ جیل کی اس گاڑی جسے حادثہ پیش آگیا تھا، شاکو کو بھی کہیں شفٹ کیا جارہا تھا اور نکل بھاگنے والوں میں وہ تھا۔

"مگر اس کا کیس کیا تھا۔"

"کیس تو خیر لمبا ہی تھا۔ میں نے اس کی مخالفت میں کیس لڑا تھا اور میں نے اسے سزا دلوائی تھی...... آدمی تو غلط تھا، بہر حال مجھے امید نہیں تھی کہ وہ کم بخت اس طرح سے اپنے کہے کو عملی جامہ پہنادے گا...... ہندوستانی فلموں میں تو خیر ہر دوسری فلم میں ایسا ہوتا ہے کبھی کبھی یہ واقعات تھوڑی بہت حقیقی شکل بھی اختیار کر لیتے ہیں، لیکن ظاہر ہے نہ تو ہم پیشہ چھوڑ سکتے ہیں اور نہ ہی ایسے لوگوں سے مکمل طور پر حفاظت کا کوئی بندوبست کر سکتے ہیں۔" نادر حیات صاحب کے ہونٹوں پر تشویش آمیز کیفیت پھیل گئی تھی۔

بہر حال اس کے بعد کے حالات ظاہر ہے وہی ہونے چاہئے تھے جو ہو گئے، حالانکہ بھرے مجمع میں گولیاں چلائی گئی تھیں، لیکن جو لوگ ان گولیوں سے زخمی ہوئے تھے خدا کا شکر تھا کہ ان سے ہلاک کوئی نہیں ہوا تھا، چار پانچ دن گزر گئے تھے اس حادثے کو، ذہنوں پر بھی بات نہیں رہی تھی...... بینا سے تذکرہ بھی ہوا تھا...... عدنان واسطی سے بھی مرزا جواد بیگ پر ہونے والے اس حملے کے بارے میں گفتگو ہوئی تھی اور بات تقریباً ختم ہوگئی تھی۔ ظاہر ہے ان واقعات کو اگر ذہن پر مسلط رکھا جائے تو ان سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ تذکرے ہوتے رہے، نادر حیات صاحب بھی اس بارے میں شہاب سے معلومات حاصل کرتے رہے...... شاکو ذہن سے نکل گیا تھا لیکن پھر اس دن عدنان واسطی صاحب نے خصوصی طور پر شہاب کو گھر ٹیلی فون کیا تھا اور شہاب جو اس وقت آفس جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ عدنان واسطی صاحب کا فون سن کر رک گیا تھا، بینا نے شہاب کو آواز دی تھی۔

"شہاب ڈیڈی کچھ بات کرنا چاہتے ہیں۔" شہاب نے جلدی سے ریسیور بینا کے ہاتھ سے لے لیا اور بولا۔

"جی واسطی صاحب خیریت۔"

"ہاں بالکل خیریت ہے...... چھٹیاں تو ختم ہوگئیں ناں تمہاری۔"

"جی ہاں بالکل۔"

"کوئی کیس ہاتھ میں ہے۔"

"نہیں خیریت...... آپ بتایئے۔"

"نہیں...... کیس ویس کا معاملہ نہیں ہے...... ملاقات کر سکو گے مجھ سے۔"

"ابھی حاضر ہوا جاتا ہوں۔"

"نہیں ابھی نہیں...... تقریباً تین بجے کورٹ سے واپسی کے بعد آفس میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

"تنہا آنا ہے۔"

"بیٹی کو دیکھنے کو کس کا دل نہیں چاہتا، اگر مناسب سمجھو تو ہماری سابقہ اسسٹنٹ اور موجودہ پولیس آفیسر بینا کو بھی ساتھ لیتے آنا۔" واسطی صاحب نے خوشگوار انداز میں کہا۔

"بہتر۔" اور اس کے بعد مختصر سی رسمی گفتگو ہوئی۔ شہاب نے بینا کو تفصیل بتائی تو بینا کہنے لگی۔

"اجازت ہو تو گھر چلی جاؤں، تین بجے آفس پہنچ جاؤں گی، آؤ گے؟"

"ہاں...... ہاں کیا حرج ہے...... چلو میں تمہیں چھوڑتا ہوا چلا جاتا ہوں۔" بینا کو عدنان واسطی کے گھر اتارنے کے بعد شہاب آفس پہنچ گیا...... آفس میں کوئی خاص معاملات نہیں تھے بس کچھ فائلیں تھیں جنہیں دیکھنا تھا، چند تھانوں کے لئے ہدایات جاری کرنی تھیں...... شاکو کے معاملے میں بھی ڈی آئی جی نادر حیات صاحب سے کچھ بات چیت ہوئی تھی، لیکن اس میں نادر حیات صاحب نے شاکو کے سلسلے میں شہاب کو کوئی مصروفیت نہیں دی تھی۔ شہاب بھی نجانے کیوں ذہنی طور پر اس جانب متوجہ نہیں ہوا تھا، حالانکہ اس کی دلچسپی کی چیز تھی لیکن بس کبھی کبھی موڈ ایسا ہی ہوتا ہے ویسے اس نے اس لڑکی ناہید کے بارے میں بھی سوچا تھا جو مرزا جواد بیگ کی بیوی تھی اور خاص طور پر اسی لئے وہ اس مسئلے میں متوجہ نہیں ہوا تھا کہ کہیں کوئی غلط فہمی نہ ہو جائے، ویسے اس لڑکی کی نگاہوں میں شہاب نے کچھ عجیب سی کیفیات پائی تھیں جنہیں الفاظ کا رنگ دینا مناسب نہیں سمجھا تھا، چونکہ یہ اخلاقی گراوٹ تھی۔ بہر حال ٹھیک تین بجے وہ واسطی صاحب کے آفس کے دروازے پر دستک دے رہا تھا...... اجازت ملنے پر وہ اندر داخل ہو گیا۔ بینا اپنی سیٹ پر موجود تھی اور واسطی صاحب نے اس کے لئے سیٹ کا انتظام کر رکھا تھا، ساتھ ہی ساتھ کچھ اور بھی انتظامات جن کے لئے بینا فوراً ہی اُٹھ گئی تھی، پھر چند لمحوں کے بعد وہ ایک بھری پری ٹرالی کے ساتھ ملازم کے

ہمراہ اندر داخل ہوئی اور شہاب مسکرانے لگا۔

"ایک پولیس آفیسر کو رشوت پیش کی جارہی ہے۔" اس نے بینا سے کہا۔

"بالکل نہیں جناب بلکہ وہ انتظام گھر کی بجائے دفتر میں کیا گیا ہے جو اگر آپ گھر تشریف لاتے تو گھر میں کیا جاتا، بات اس وقت ایک پولیس آفیسر کی نہیں بلکہ ایک داماد کی ہے۔" شہاب ہنسنے لگا، پھر بولا۔

"مجھے اندازہ تھا یقین کرو اسی لئے اب تک کچھ کھا پی کر نہیں آیا ہوں ورنہ شدید بھوک لگ رہی تھی۔" پھر تینوں ہی کھانے پینے میں مصروف ہوگئے تھے۔ شہاب نے عدنان واسطی صاحب سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ انہوں نے اسے کس لئے طلب کیا ہے، البتہ کھانے کے بعد بہترین قسم کی کافی کے گھونٹ لیتے ہوئے شہاب سے نہ رہا گیا تو اس نے سوال کر ڈالا۔

"جناب عالی تین بجے طلبی ہوئی تھی میری لیکن ابھی تک یہ نہیں پتا چل سکا کہ یہ طلبی کس سلسلے میں تھی اور مجھے کیوں بلوایا گیا ہے۔ ظاہر ہے ایک پولیس آفیسر اپنا آفس چھوڑ کر یہاں پہنچا ہے۔"

"شہاب اصل میں معاملہ وہی ہے...... میں بینا سے یہ پوچھ رہا تھا کہ کیا شہاب نے شاکو کے سلسلے میں کسی طرح کی کارروائی کا اظہار کیا ہے یا کوئی کارروائی کرنے کی کوشش کی ہے تو بینا کہنے لگی کہ نہیں، اس دن کے بعد سے شاکو کا تذکرہ تک نہیں ہوا...... یہ بات تھوڑی سی میرے لئے باعث حیرت بھی تھی کیونکہ میں شہاب کی فطرت کے بارے میں جانتا ہوں۔"

"ہاں...... بس کچھ ایسے تصورات ذہن میں تھے جن کی وجہ سے اس طرف غور نہیں کیا لیکن کیوں، تقریباً ایک ہفتہ ہونے والا ہے...... یہ شاکو کا تذکرہ آپ لوگوں کے ذہنوں میں کس طرح آگیا، خیریت تو ہے۔"

"اصل میں مرزا جواد بیگ تم سے ملنا چاہتے ہیں شہاب۔"

"اوہو...... شاکو کے سلسلے میں، بیس گھنٹے پورے ہو چکے تھے اور ہم تو یہ سوچ رہے تھے کہ خدانخواستہ مرزا جواد بیگ کہیں کام نہ آگئے ہوں...... ویسے شاکو کے بارے میں واقعی مجھے کوئی معلومات حاصل نہیں ہوئیں مگر مرزا صاحب کیا چاہتے ہیں۔"

"تم سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"تو مجھے بتا دیا ہوتا تو اس سلسلے میں اتنے تجسس کی کیا ضرورت تھی۔"

"اصل میں جب تک بات میں تجسس نہ ہو مزہ نہیں آتا...... کیا تم ان سے ملنا پسند کرو گے۔"

"ناپسندیدگی کا کیا سوال ہے۔" شہاب نے کہا اور اسی وقت دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ عدنان واسطی صاحب نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا اور پھر بولے۔

"آیئے، تشریف لائیے، پھر اس کے بعد انہوں نے کرسی سے کھڑے ہو کر مرزا جواد بیگ کا استقبال کیا تھا...... ریما یا ناہید بھی ساتھ ہی تھی اور درحقیقت بے حد خوبصورت نظر آرہی تھی۔ مرزا جواد بیگ کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ شہاب نے معنی خیز نگاہوں سے عدنان واسطی کو دیکھا اور پھر مرزا جواد بیگ کو اور پھر ادب سے انہیں سلام کر کے ان کے احترام میں کھڑا ہو گیا۔ مرزا جواد بیگ نے آگے بڑھ کر شہاب سے مصافحے کے لئے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اور ہاتھ ملانے سے گریز نہ کرنا...... اچھے لوگوں کی یہی نشانیاں ہوتی ہیں اور ہم جیسے گھٹیا لوگ ایسی ہی باتوں پر شرمندہ ہوتے ہیں، لیکن ایک بات اور بھی ہے مائی ڈیئر مسٹر شہاب ثاقب کہ اس کے بعد ہم جیسے لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سدھر جاتے ہیں۔"

"ارے ارے آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں...... براہ کرم تشریف رکھئے گا...... آپ ہر لحاظ سے ہمارے لئے قابل احترام ہیں۔"

"اور بہرحال یہ جو کچھ سامنے نظر آرہا ہے ہم اس میں بھی شریک ہونا چاہتے ہیں، کیوں ناہید۔" مرزا جواد بیگ نے اپنی بیوی سے کہا اور ہنسنے لگی پھر بولی۔

"یہ ان کی ہمیشہ کی کمزوری ہے اور کافی کی سوندھی سوندھی خوشبو میری بھی کمزوری ہے۔"

"لیکن مجھے ذرا سی شکایت ہے عدنان واسطی صاحب سے، مجھے یہاں تین بجے پہنچنا تھا، اگر انتظار کر لیا جاتا تو آپ لوگوں کے ساتھ اس کافی وغیرہ میں بھی شریک ہو جاتا۔"

"نہیں یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کا افسوس کیا جائے، عدنان واسطی صاحب نے مجھے اپنے ساتھ کافی میں شرکت کی دعوت دی تھی لیکن میں نے معذرت کرتے ہوئے کہا تھا کہ پہلے ناہید کو گھر سے ساتھ لوں گا اور پھر اس کے بعد چار بجے تک یہاں پہنچوں گا ورنہ

واسطی صاحب مجھے دعوت دے چکے تھے۔"

"چلئے پھر کافی سہی۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا اور اس کے بعد باقی برتن ہٹا لئے گئے...... ملازم سے مزید کافی تیار کرنے کو کہا گیا اور اس کے بعد جواد بیگ صاحب شہاب کی طرف دیکھنے لگے اور پھر بولے.

"شہاب ثاقب اصل میں جب انسان اپنی کسی خود غرضی کا شکار ہوتا ہے تو پھر ضمیر کی چوٹوں کے باوجود اپنے آپ کو ایک معصوم اور سادہ لوح شخصیت ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے...... میں عدنان واسطی صاحب اور تم سے شرمندہ ہوں کہ پچھلے کیس میں کچھ عجیب سی گفتگو ہوئی حالانکہ اس میں مجھے شکست ہوئی، لیکن میں نے اس شکست کو اچھے انداز میں نہیں لیا جبکہ یہ ہمارے پیشے کے اصولوں کے خلاف ہے...... سب سے پہلے میں شہاب، ان تمام الفاظ کی معافی چاہتا ہوں جو میں نے تمہارے بارے میں روا رکھے اور اس دن کے لئے بھی معذرت کا طلب گار ہوں جس دن نادر حیات صاحب کی کوٹھی میں مجھ پر حملہ ہوا تھا اور تم نے میری زندگی بچائی تھی اور اس سے پہلے میں تم سے کچھ توہین آمیز الفاظ استعمال کر چکا تھا...... اب ظاہر ہے اس کے لئے معافی مانگنے کے علاوہ میرے پاس کوئی اور چارہ کار نہیں ہے...... اگر ایسی باتوں کا کسی بھی شکل میں ازالہ ممکن ہو سکتا تو انسان یقینی طور پر اس ازالے سے گریز نہ کرتا، میں اپنی گفتگو میں طوالت اختیار کر گیا ہوں، لیکن چند آخری الفاظ اور میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔"

"اور میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ براہ کرم اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے تو مجھے معاف کر دیجئے گا، ہو سکتا ہے میں آپ کے بارے میں کچھ نازیبا الفاظ استعمال کر گیا ہوں، اس کی سزا آپ اپنے ان الفاظ سے مجھے دے چکے ہیں...... آپ میرے بزرگ ہیں بہت سینئر ہیں، اگر بزرگ کوئی بات کبھی کہہ بھی دیا کرتے ہیں تو وہ قابل توجہ نہیں ہوتی، ڈانٹ ڈپٹ، بزرگوں کا حق ہوتا ہے۔

تم بہت بڑے باپ کے بیٹے ہو، عدنان واسطی سے تمہارے بارے میں گفتگو ہو چکی ہے...... اصل میں پہلے تو صحیح انداز میں میرا تم سے کوئی تعارف نہیں تھا۔

"چلئے یہ اچھی بات ہے، کہ اب ہم ایک دوسرے کے شناسا ہو گئے ہیں۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ناہید عجیب سی نگاہوں سے شہاب کو دیکھ رہی تھی اور بینا کے ہونٹوں پر جو مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی، اسے دیکھ کر شہاب کو نا جانے کیوں ایک بے کلی کا سا احساس ہو رہا تھا، بینا بہت چالاک تھی...... ناہید کی نگاہوں میں موجود کہانی پڑھ رہی تھی، لیکن بہر حال ایسی کہانیاں قابل توجہ نہیں ہوتیں، اپنے اپنے مسائل ہوتے ہیں، اپنے اپنے واقعات ہوتے ہیں...... اپنے اپنے کیس ہوتے ہیں...... اب ہر ایک کے بارے میں تو تفصیلی تبصرہ نہیں کیا جا سکتا۔

بہر حال شہاب ان باتوں کو نظر انداز کر کے مرزا جواد بیگ کی جانب متوجہ ہو گیا تھا...... مرزا جواد بیگ نے پھر کہا۔

"اور یہ حقیقت تھی شہاب کہ اس دن شاکو کا نشانہ میں ہی تھا...... مجھے ذرہ برابر اس میں کوئی شک نہیں ہے...... بعد میں اس نے پھر مجھے ٹیلی فون کیا تھا۔"

"شاکو نے۔" شہاب سنجیدہ ہو گیا۔

"ہاں۔" اس نے کہا تھا کہ بچ گئے ہو وکیل صاحب، لیکن کب تک...... میں تو آزاد ہی اس لئے ہوا ہوں کہ تمہیں اس دُنیا سے رخصت کر دوں۔" میں پچھلے دنوں سے کچھ خوفزدہ ہو گیا ہوں...... یہ نہیں کہتا کہ کوئی بہت ہی دلیر آدمی ہوں، لیکن بہر حال زیادہ بزدل بھی نہیں ہوں...... زندہ رہنا چاہتا ہوں...... زندگی کے مسائل میں اُلجھے رہنے کا خواہشمند ہوں، چنانچہ اپنے لئے فکر مند ہوں اور یہی کیفیت میری بیوی کی بھی ہے۔

میں نے جواد بیگ اور ناہید کی جانب دیکھا اور ناہید چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی پھر بولی۔

"مجھ سے کچھ کہا...... بے اختیار مسکراہٹوں کو بھلا کون روک سکتا ہے، لیکن یہ مسکراہٹیں روکنا ضروری تھیں...... کیونکہ مرزا جواد بیگ فی الحال عدنان واسطی کے دفتر میں مہمان تھا...... مرزا جواد بیگ خود بھی ناہید کی اس بے نیازی پر شرمندہ سا ہو گیا تھا، لیکن اس نے بات کو فوراً سنبھال کر کہا۔

"انسان انسان ہوتا ہے...... ہم لوگ ذہنی طور پر اس قدر مضمحل ہو گئے ہیں کہ ہر وقت کھوئے کھوئے رہتے ہیں، حالانکہ میں ناہید سے کہتا ہوں کہ زندگی اور موت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے...... اس قدر پریشان ہونے سے کچھ حاصل نہ ہوگا، جو کچھ بھی کرنا ہے، وہ کر لیا جائے، اگر تقدیر میں یہی سب کچھ لکھا ہے تو پھر اللہ کی مرضی، کیوں ناہید؟"

"ایں...... ہاں...... ہاں...... ناہید یا ریما جلدی سے بولی، ویسے یہ بھی ایک دلچسپ
تھی کہ اس وقت مرزا جواد بیگ نے ناہید کو ریما کہہ کر مخاطب کرنے کی کوشش
تھی...... چونچلے فرصت کے ہوتے ہیں اور سکون کے عالم میں انسان زیادہ بے اختیار
ہے، لیکن اس وقت کی بے اختیاری ذرا مختلف تھی، تاہم عدنان واسطی نے شہاب کی طرف
دیکھا اور ان نگاہوں کا مفہوم جو بھی تھا...... وہ شہاب نے بھی سمجھ لیا اور نگاہوں ہی نگاہوں
میں اس بات کا اظہار کیا کہ وہ عدنان واسطی سے پوری طرح متفق ہے اور اس سلسلے میں اسے
عدنان واسطی کے رویئے پر کوئی اعتراض نہیں ہے...... بات کچھ بھی نہیں تھی، مرزا جواد
بیگ ایک خود غرض انسان تھا اور زندگی میں بہت کم اس نے دوسروں کے بارے میں
انداز میں سوچا تھا، لیکن تقدیر انسان کو ایسے ہی کھیل دکھاتی ہے اور کبھی کبھی وہ خود مظلوم
جاتا ہے...... ایسے موقعوں پر اس سے انتقام لینے کا تصور بھی خاصہ غیر انسانی ہوتا ہے اور
فطرتوں کا معاملہ بھی ہے، خود یہ لوگ اس فطرت کے مالک نہیں تھے...... البتہ مرزا جواد
بیگ اس وقت اپنی کیفیتوں کو محسوس کر رہا تھا...... شہاب نے کہا۔

"مرزا صاحب، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت تقدیر نے اور کسی غیبی قوت نے
میری رہنمائی کی تھی کہ میں نے اس شخص کو دیکھ لیا، جو آپ پر حملہ کرنا چاہتا تھا اور پھر میں
نے اپنا فرض پورا کیا...... آپ کی جگہ کوئی بھی ہوتا...... میں یقینی طور پر اسے بچانے کے لئے
پوری پوری کوشش کرتا، بہر طور آپ کی زندگی تھی اور اس بات کو بھول جائیے کہ میں نے
آپ کے لئے کچھ کیا...... اب مجھے بتائیے میرے لائق کوئی خدمت، آپ تشریف لائے ہیں
تو میں ظاہر ہے آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں...... ویسے آپ کو ساری تفصیلات پہلے ہی
معلوم تھیں اور اب مزید معلوم ہو گئی ہوں گی، عدنان واسطی صاحب سے میرا ایک رشتہ
کے حوالے سے ہے لیکن اس سے بڑا بھی رشتہ ان کی انسانیت سے ہے، وقت نے بھی
ثابت کر دیا ہے کہ عدنان واسطی صاحب معمولی وکیل نہیں ہیں، لیکن انہوں نے اپنا ایک
معیار رکھا ہے اور ہمیشہ سچائیوں کے ساتھ ہی رہے ہیں، کیا آپ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں
مرزا صاحب۔

عدنان واسطی اور بینا نے چونک کر شہاب کو دیکھا...... شہاب اس طرح کے الفاظ بہت
کم استعمال کرتا تھا اور وہ بھی کسی ایسے شخص کے ساتھ جو مہمان ہو اور جس کے بارے میں

اندازہ ہو کہ اس وقت وہ بہتر کیفیت میں نہیں ہے، لیکن بہرحال شہاب بھی انسان تھا، مرزا
جواد بیگ جس شخصیت کے مالک تھے اس کے بعد شاید شہاب کو یہ سب کچھ کہنے پر مجبور ہونا
پڑا تھا...... مرزا جواد بیگ نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں...... میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں۔"

"تو سمجھ لیجئے، کہ میرے آپ سے سارے گلے ختم ہو جاتے ہیں، کیا آپ مجھے یہ
بتائیں گے کہ شاکو آپ کا دشمن کیوں بن گیا ہے۔"

"اس کے لئے میری طرف سے ایک پیشکش ہے، مرزا جواد بیگ نے کہا۔

"کیا؟"

"آپ لوگ رات کا کھانا میرے ساتھ کھائیے...... ساری تفصیل وہیں پر ہو جائے گی۔"

"آپ اس کی بالکل فکر نہ کریں...... کھانا اہم حیثیت نہیں رکھتا۔"

"نہیں میں...... مرزا جواد بیگ کی اس خواہش سے پورا اتفاق کرتی ہوں، بلکہ اصولی طور
پر یہ پیشکش مجھے کرنی چاہئے تھی، لیکن مرزا صاحب پہل کر چکے ہیں...... آپ لوگ رات کا
کھانا میرے ساتھ ہی کھائیں گے، مجھے دلی خوشی ہو گی، ناہید نے کہا۔"

"ٹھیک ہے اگر آپ لوگ اس پر بضد ہیں تو آپ کی مرضی۔" عدنان واسطی صاحب
نے شہاب اور بینا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"بہرحال اب اجازت دیجئے، آپ لوگوں نے ہماری یہ دعوت قبول کر لی...... رات کو
ساڑھے سات بجے آپ کا انتظار کریں گے تاکہ تھوڑی دیر تک گفتگو ہو جائے اور اس کے
بعد کھانے کا اہتمام کیا جائے۔"

بہرحال جواد بیگ اور اس کی بیوی چلے گئے...... شہاب بینا اور عدنان واسطی خاموشی
سے ایک دوسرے کی صورت دیکھتے رہے، پھر بینا ایک دم ہنس پڑی اور بولی۔

"ویسے یہ مس ریما ناہید واقعی قابل غور شخصیت ہیں، کیا کہتے ہو شہاب ان کے
بارے میں؟"

"میں فی الحال یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اب یہاں سے چلنا ہے، آپ کا کیا پروگرام ہے
محترمہ۔"

"نہیں...... اچانک ہی کوئی بات یاد آ گئی ہے کیا؟"

"ہاں۔"

"او کے...... پھر ڈیڈی سے اجازت لے لی جائے، کار میں جاتے ہوئے شہاب نے
سے کہا۔"

"ایسے سوالات کر دیتی ہو، عدنان واسطی صاحب کے سامنے جن کا جواب دینا میرے
لئے مشکل ہو جاتا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"تم نے ایک سوال کیا تھا؟"

"وہ کیا؟"

"ناہید یا ریما کے بارے میں۔"

"ہاں...... میں سمجھتی ہوں، تم اس سوال کو کیوں ٹال گئے تھے۔"

"بینا بس کیا کہا جائے، حقیقت تو یہ ہے کہ مرزا جواد بیگ اس قابل نہیں ہے کہ اس کی کسی سلسلے میں مدد کی جائے، لیکن کیا کیا جائے، کچھ انسانی مسائل بھی ہوتے ہیں اور پھر ایک شخص اگر اس کیفیت میں مبتلا ہے کہ وقت ہی اس کے لئے نقصان دہ ہو جائے، یا اس کی زندگی کا دشمن تو صورت حال عجیب ہو جاتی ہے...... اب بتاؤ اس سلسلے میں مرزا جواد بیگ کا کیا کیا جائے۔"

"ایک بات کا جواب آپ بھی مجھے دینا پسند فرمائیں گے جناب شہاب صاحب۔" بینا نے کسی قدر تیکھے لہجے میں کہا۔

"ہاں، بولو کیا؟"

"اس وقت وہ کون سا جذبہ تھا...... جب آپ نے اپنی زندگی خطرے میں ڈال کر مرزا جواد بیگ کو بچانے کی کوشش کی تھی؟"

شہاب نے ونڈ سکرین پر سے نگاہیں ہٹا کر بینا کو دیکھا پھر مسکراتا ہوا بولا۔

"میں جانتا ہوں تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"تو پھر اب جبکہ ذہنی طور پر اس سارے مسئلے کو تسلیم کر لیا گیا ہے، تو مرزا جواد بیگ کی ہر خطا کو معاف کرنا ضروری ہو گیا ہے ہمارے لئے...... جہاں تک ناہید صاحبہ کا تعلق ہے اس بڑے آدمی نے اس نوجوان لڑکی کو اپنی بیوی بنا کر کوئی اچھا عمل نہیں کیا ہے...... پتا نہیں

بے چاری کے ساتھ کیا ٹریجڈی ہو گی، جس کی بنا پر وہ اس کے لئے تیار ہو گئی۔

"جیسا کہ ہم لوگ پہلے بھی اس موضوع پر گفتگو کر چکے ہیں...... یورپ میں یہ ساری چیزیں قابل تسلیم ہوتی ہیں۔"

"وہ تو ہوتی ہیں، لیکن تسلیم کرنے کے بعد آنکھوں میں ہوس کے چراغ جلائے رکھنا، کہاں کی انسانیت ہے...... بینا نے کہا اور شہاب ہنس پڑا، پھر بولا۔

مجھے اندازہ ہے کہ تم سخت ناراض ہو رہی تھیں۔

"رات کو بھی وہ بھوکی بلی کی طرح تمہیں گھورتی رہے گی۔"

"بھائی اس میں میرا قصور نہیں ہے۔" شہاب نے کہا بینا کچھ سوچتی رہی، پھر ہنس پڑی اور اس کے بعد کہنے لگی۔

"ویسے شہاب اس عورت کا تجزیہ کرنے کی اجازت دینا مجھے۔"

"کیا مطلب؟"

"ذرا دلچسپ صورت حال ہے...... معلومات تو کروں گی کہ بے چاری پر کیا گزری...... اور وہ کون سا ایسا عمل تھا جس کی وجہ سے اسے مرزا جواد بیگ سے شادی کرنا پڑی؟"

"کیا یہ کسی کے ذاتی معاملے میں مداخلت کرنا نہیں ہے؟" شہاب نے سوال کیا۔

"اگر تمہاری اجازت ہو تو، صرف معلومات کی غرض سے۔" بعض اوقات کچھ کہانیاں خاص دلچسپ اہمیت اختیار کر جاتی ہیں، میں بھی بس اسی طور پر یہ معلوم کرنے کی کوشش کروں گی۔'

"یہ تمہاری مرضی ہے...... ظاہر ہے وہاں جاؤ گی تو کچھ نہ کچھ تو معلومات حاصل ہوں گی ہی۔"

"بس...... بس یہی میں کہنا چاہتی تھی۔"

"ویسے فوری ملاقات میں کیا یہ ممکن ہو گا؟"

"کیوں نہیں...... ہم عورتوں کو تم کیا سمجھتے...۔"

"نہیں بابا...... بس اب اگر کچھ کہوں گا تو تم برا مان جاؤ گی۔"

"نہیں کہو...... کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"تم عورتوں کو ہم مرد بہت کچھ سمجھتے ہیں اور یوں سمجھ لو کہ ہر وقت محتاط رہنا پڑتا ہے۔"

"خیر ایسی کوئی بات نہیں ہے، تمہیں محتاط رہنے کی ضرورت نہیں، بھلا بینا تمہیں نہیں جانتی...... بینا نے محبت بھرے لہجے میں کہا اور شہاب مسکرانے لگا۔

رات کو مقررہ وقت پر بینا...... شہاب عدنان واسطی صاحب کے پاس پہنچ گئے اور عدنان واسطی کے ساتھ چل پڑے...... مسز واسطی ایک گھریلو قسم کی خاتون تھیں اور ایسے کسی معاملے میں کبھی حصہ نہیں لیا کرتی تھیں، چنانچہ اس وقت صرف یہی تینوں افراد چل پڑے تھے، بینا نے کہا۔

"ویسے شہاب انتظام کر کے چلنا...... مجھے تو تعجب ہے کہ مسٹر جواد بیگ اس قدر مطمئن کیوں ہیں، اپنے اوپر حملہ ہونے کے باوجود اور یہ تمام تفصیل معلوم ہونے کے باوجود کہ شاکو آزاد ہے...... وہ اطمینان سے اپنے گھر میں مقیم ہیں...... حالانکہ اس طرح کا حملہ ہونے کے بعد انہیں اپنے طور پر محتاط رہنا چاہئے۔"

ہو سکتا ہے انہوں نے اپنے اطمینان کے لئے کوئی بندوبست کیا ہو۔"

"انہوں نے کر لیا ہو، لیکن ہم نے کوئی بندوبست نہیں کیا۔" بینا نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"اس بات پر تم غور کیوں نہیں کرتے کہ اس دن شاکو کے حملے کو تم نے ناکام بنایا تھا، ایک ایسا شخص جو کسی کی زندگی کے درپے ہو...... کیا اسے بھی اپنا دشمن نہیں سمجھے گا، جو اس کے دشمن کا دوست ہو۔"

"ڈر رہی ہو...... شہاب نے کہا اور بینا اسے گھورنے لگی۔" پھر بولی۔

"ڈرتی ہوں کبھی۔"

"تو پھر ٹھیک ہے، جو ہوگا دیکھا جائے گا، فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"میں بالکل فکر مند نہیں ہوں...... سمجھے آپ...... بینا نے کہا اور اپنے ہینڈ بیگ سے پستول نکال کر شہاب کے سامنے کر دیا۔"

"میں تیار ہوں۔"

"ویری گڈ...... ویری گڈ...... شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔" واسطی صاحب بھی ہنسنے لگے، پھر انہوں نے کہا۔

"ویسے ایک بات میں کہوں گا شہاب...... پتا نہیں اس لڑکی کے اندر یہ روح تم نے کیسے

پھونک دی ہے...... یہ تو بالکل ایک عام قسم کی لڑکی تھی، بے شک جہاں تک ذہانت کا تعلق ہے...... وہ اس کے اندر موجود تھی لیکن۔"

مرزا جواد نے اپنی کوٹھی پر ان کا استقبال کیا تھا...... مسلح گارڈز وہاں موجود تھے...... جواد بیگ نے ان کا پر احترام استقبال کیا اور بولا۔

بہر حال آپ لوگوں کی آمد کا شکر گزار ہوں...... خصوصاً اس لئے بھی کہ کچھ ہی وقت پہلے ہمارے درمیان ایک بحث چل چکی ہے۔"

"آپ خود اس کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔"

واسطی صاحب نے کہا۔

"بالکل نہیں...... اظہار شرمندگی کر رہا ہوں۔"

"وہ بات ختم ہو گئی...... مستقبل میں بھی نہ جانے کتنی بار ہم ایک دوسرے کے مدمقابل ہوں گے۔" واسطی صاحب نے فراخ دلی سے کہا۔

"آپ شاکو کے بارے میں تفصیل بتا رہے تھے۔" شہاب نے یاد دلایا۔

"ہاں...... ایک مختصر کہانی ہے، کچھ فلمی انداز کی۔"

"بتانا پسند کریں گے۔" شہاب بولا۔

"کیوں نہیں...... تم سے اس بارے میں مدد لینا چاہتا ہوں مسٹر شہاب۔" مرزا جواد بیگ نے کہا۔

"تب مجھے شاکو کے بارے میں بتائیے۔" شہاب نے کہا اور جواد بیگ سوچ میں ڈوب گیا، پھر بولا۔

"ہمارا پیشہ عجیب ہے...... اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم ذاتی طور پر کسی کے دشمن نہیں ہوتے۔ کلائنٹ ہمارے پاس آتے ہیں، ہمیں اپنے کیس دیتے ہیں اور ہم انہیں قانونی مدد فراہم کرتے ہیں، یعنی خود بخود ہمارے کلائنٹس کے اور ہمارے درمیان دشمنی ہو جاتی ہے...... ایسا ہی معاملہ شاکو کے سلسلے میں ہوا ہے۔"

"کیا؟" واسطی صاحب نے پوچھا۔

"رحمان گڑھی کا نام سنا ہے۔"

"شاید نہیں۔" شہاب نے جواب دیا۔

"بہت چھوٹی سی آبادی ہے۔" ٹرین وہاں سے گزرتی ہے لیکن رکتی نہیں بلکہ یوں سمجھ لو...... آبادی سے کوئی چار کلومیٹر کے فاصلے سے گزر جاتی ہے...... ہاں دو چار لاریاں چلتی ہیں وہ بھی ہفتے میں دو بار۔"

"ٹھیک۔"

"اور ارمان شاہ رحمان گڑھی کا مالک ہے، وہاں جو کچھ بھی ہے ارمان شاہ کا ہے۔"

"وہاں کے لوگ بھی۔"

"ایک طرح سے یہی سمجھ لو۔"

"تب تو بڑی شخصیت ہوگی۔"

"بالکل ہے...... کبھی اس سے ملو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔"

"وہ کیوں؟"

"اس لئے کہ وہ ایک نیک اور پرہیزگار انسان ہے...... سادہ سی زندگی بسر کرتا ہے...... بہت اچھی فطرت کا مالک ہے...... بستی کے لوگوں کے ساتھ بھی اس کا سلوک برا نہیں ہے۔ اس ارمان شاہ پر اچانک دو عورتوں کے قتل کا الزام لگایا گیا۔"

"اوہ...... وہ عورتیں کون تھیں۔"

"تمہیں بتا رہا ہوں۔" شاکر خان بستی جاہ پور کا رہنے والا تھا، وہیں کام دھندا کرتا تھا لیکن ایک بار شدید بارشیں ہوئیں اور سیلاب نے پوری بستی کا نام و نشان مٹا دیا...... آدھی سے زیادہ آبادی ختم ہوگئی، بہت کم لوگ زندہ نکل پائے، انہی میں شاکر خان کی بیوی، بھاوج اور ایک دو سال کی بچی تھی جو شاکر خان کے بھائی کی بیٹی تھی...... شاکر خان کا بھائی ذاکر خان سیلاب کا شکار ہوگیا تھا۔ شاکر خان ان تینوں کے ساتھ مختلف جگہ ٹھوکریں کھاتا ہوا آخرکار رحمان گڑھی آ نکلا اور اسے ارمان شاہ کی حویلی میں نوکری مل گئی۔ بس حویلی کے کام کرنے پڑتے تھے اسے، رہنے کے لئے بھی حویلی ہی میں جگہ مل گئی تھی...... شاکر خان جسے اب شاکو کے نام سے پکارا جاتا تھا وہاں زندگی بسر کرنے لگا...... ارمان شاہ ویسے بھی ایک رحم دل انسان تھا اس نے شاکو کو بڑی مراعات دے رکھی تھیں اور یوں کافی عرصہ اسے وہاں گزر گیا...... شاکو کے علاوہ حویلی میں اور بھی بہت سے ملازم تھے، ویسے شاکو کی بیوی اور بھاوج دونوں خوبصورت عورتیں تھیں...... نوجوان تھیں، غربت اور بے کسی کے عالم

میں تھیں...... حویلی کے ایک ملازم فرزند سے شاکو کی بیوہ بھاوج کے تعلقات ہوگئے اور بعد میں اس بیوہ بھاوج نے اپنا راز چھپانے کے لئے شاکو کی بیوی کو بھی اس راستے پر لگا لیا اور دونوں چھپ چھپ کر فرزند سے ملنے لگیں...... شاکو ارمان شاہ کے کاموں سے اکثر گڑھی سے باہر جاتا رہتا تھا...... اس لئے خواتین کو کھل کھیلنے کا موقع مل گیا تھا، لیکن نتیجہ وہی نکلا جو نکلنا تھا۔

"کیا مطلب۔" واسطی صاحب بے اختیار بولے۔

"ایک دن شاکو اچانک واپس آ گیا اور اس نے ان تینوں کو قابل اعتراض حالت میں دیکھ لیا...... فرزند تو بچ کر بھاگ گیا، لیکن شاکو نے گنڈاسے سے بیوی اور بھاوج کی گردنیں اڑا دیں اور بھائی کی بچی کو لے کر بھاگ گیا...... ارمان شاہ نے پولیس کو اطلاع دی اور پولیس ضروری کارروائی کے بعد شاکو کی تلاش میں لگ گئی۔ شاکو نے بچی کو کسی جگہ محفوظ کر دیا یا اسے بھی ہلاک کر کے کہیں پھینک دیا اور پھر کچھ عرصے کے بعد گرفتار ہوگیا...... اور یہ کیس ارمان شاہ نے میرے حوالے کر دیا اور چونکہ ایک معتبر شخصیت گواہ تھی اس لئے فیصلہ شاکو کے خلاف ہی ہوا، حالانکہ میں نے کوشش کی تھی کہ اسے سزائے موت ہو، لیکن اشتیاق حسین نے فیصلہ ہی غلط سنایا۔

"اشتیاق صاحب۔" واسطی صاحب نے پوچھا۔

"وہ جج جنہوں نے شاکو کو عمر قید کی سزا دی تھی۔"

"دہرے قتل کی سزا عمر قید۔"

"ہاں پہلی بات تو یہ ہے کہ کوئی عینی گواہ دستیاب نہیں ہو سکا تھا...... دوسری بات یہ کہ اشتیاق حسین صاحب نے اسے ایک شخص کی غیرت و حمیت جاگ جانے کی کہانی بنا دیا تھا۔ خود تو اس دنیا کو چھوڑ گئے دوسروں کو مصیبت میں پھنسا گئے۔"

"اوہ...... اشتیاق حسین سیفی کی بات کر رہے ہیں آپ۔" واسطی صاحب بولے۔

"ہاں وہی۔"

"لیکن شاکو۔"

"وہی سب کچھ جو ایسے بے ضمیر کرتے اور کہتے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"اس نے اپنا جرم تسلیم نہیں کیا تھا۔"

یعنی...... اس بار شہاب نے چونک کر کہا تھا۔

"میرے پاس پورا ریکارڈ موجود ہے...... باقاعدہ کیس چلا تھا اور چونکہ واقعہ ارمان شاہ کی حویلی میں پیش آیا تھا اس لئے نیک سیرت ارمان شاہ نے مکمل طور پر اس کیس میں دلچسپی لی تھی۔

"شاکو کا بیان کیا تھا۔"

"کہتا تھا بیوی اور بھاوج کو اس نے قتل نہیں کیا۔"

"بس جان بچانے کی بھرپور کوشش کی تھی اس نے۔ سرے سے یہ بات ہی ماننے سے انکار کر دیا تھا کہ اس کی بیوی اور بھاوج بدکردار تھیں...... اس پورے واقعہ سے لاعلمی کا اظہار کیا تھا اس نے لیکن اسے ثابت نہ کر سکا۔"

"اس کا وکیل کون تھا۔" شہاب نے سوال کیا۔

حکومت نے انعام صدیقی کو یہ ذمے داری دی تھی کیونکہ شاکو خود وکیل کرنے کے قابل نہیں تھا۔

"اس نے آخر تک جرم تسلیم نہیں کیا۔"

"نہیں...... اور جب سزا ہوئی تو فلمی انداز کی دھمکیاں، مجھے اشتیاق حسین اور ارمان شاہ کو دیں کہ وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔" اور میں کیا کہوں اس پولیس کو آخرکار وہ نکل گیا اور ہم لوگوں کی مصیبت آ گئی۔"

"گویا اس کے تین شکار ہیں۔"

"اب تین کہاں؟" جواد بیگ نے کہا۔

"کیا مطلب۔" شہاب بولا۔

"وہ جج اشتیاق بیگ کا انتقال ہو گیا ہے۔"

"اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اب صرف دو افراد اس کے ٹارگٹ پر ہیں۔" شہاب پرخیال انداز میں گرفتار ہو کر بولا۔

"اور اس نے پہلی کوشش کر ڈالی۔" مرزا جواد بیگ تشویش بھرے لہجے میں بولے۔

"وہاں سے کچھ معلوم ہو سکا۔" واسطی صاحب نے پوچھا۔

"رحمان گڑھی سے۔"

"یہاں اپنی فکر پڑی ہوئی ہے...... اس بارے میں کون معلومات کرتا۔" مرزا جواد بیگ نے کہا۔

"کیا ارمان شاہ کو شاکو کے فرار کا علم ہے۔"

"مجھے نہیں معلوم۔" جواد بیگ نے کہا۔

"ارمان شاہ نے آپ سے کوئی رابطہ نہیں کیا۔"

"میرا ان کا کوئی اتنا گہرا رشتہ بھی نہیں ہے، مگر ان کے لئے کیا مشکل ہے...... اپنے گرد فوج اکٹھی کریں گے...... مشکل تو ہمیں پیش آئے گی۔" جواد بیگ نے کہا۔

"نہیں بیگ صاحب...... آپ قانون کا سرمایہ ہیں...... آپ کی زندگی کسی اور کے لئے قیمتی ہو نہ ہو ہمارے لئے ہے...... آپ کے تحفظ کے لئے سب کچھ کیا جائے گا۔"

"میں شکر گزار ہوں شہاب صاحب...... ویسے بھی سچی بات ہے مجھے اپنی کوتاہی کا شدید احساس ہے۔"

"کوتاہی کا۔"

"ہاں...... آپ کے بارے میں کچھ واقعات تو سنے تھے لیکن کبھی تحقیق نہیں کی تھی...... اب جب آپ نے میری زندگی بچائی صحیح معنوں میں آپ کے بارے میں تحقیق کی ہے میں نے اور شہاب میاں اب آپ سے یہ درخواست کرنا میں اپنا حق سمجھتا ہوں کہ براہ کرم اپنی بے پناہ ذہانت سے کام لے کر میرے تحفظ کا بندوبست کریں۔

"آپ نے بھی تو کافی انتظامات کئے ہیں لیکن میرے خیال میں ڈی آئی جی صاحب سے مزید درخواست کرنا پڑے گی۔" شہاب پرخیال لہجے میں بولا۔

"میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں...... ویسے اصل معاملہ اس کی دوبارہ گرفتاری کا ہے۔"

"شاکو کی گرفتاری کا۔"

"ہاں۔" ورنہ خطرہ مستقل رہے گا۔

"ہمیں یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ ارمان شاہ کو اس کے فرار کا علم ہے یا نہیں...... بہرحال وہ بھی ایک معزز شخصیت ہیں...... اس معلومات کے بعد میری ذمہ داری بھی شروع ہوتی ہے...... ویسے مرزا صاحب مجھے شاکو کا مکمل فائل درکار ہے۔"

”آفس میں ہے کہیں تو میں اپنے ماتحت کو فون کئے دیتا ہوں وہ آفس کھول کر فائل نکال لائے گا۔“

”بالکل ٹھیک...... آپ ایسا کریں۔“ شہاب نے کہا اس وقت بینا اُٹھ کھڑی ہوئی اور بولی۔

”آپ لوگ یہ کارروائی کریں میں ذرا مسز بیگ کے ساتھ کچن کی سیر کرلوں کیونکہ یہ بھی انسان کی ایک بڑی ضرورت ہے۔“

”اوہ......ہاں۔ ضرور ڈیئر ریما مسز شہاب کو اپنا گھر دکھاؤ۔“ مرزا جواد بیگ نے کہا اور بینا مسکراتی ہوئی مسز جواد کے ساتھ باہر نکل آئی...... بہرحال ایک دلچسپ کیس کا آغاز ہو چکا تھا۔

❀❀❀

بینا کو یہ لڑکی پہلی نگاہ ہی میں کچھ عجیب سے محسوس ہوئی تھی، ویسے تو مرزا جواد بیگ بذات خود ایک ایسی شخصیت کا مالک تھا جسے بالکل خود غرض، اور ابن الوقت کہا جا سکتا تھا، اپنے اوپر مشکل پڑی تھی تو فوراً ہی اس کا انداز فکر بدل گیا تھا، لیکن اب کم از کم اتنا تجربہ تو بینا کو دنیا کے بارے میں ہو چکا تھا کہ وہ اس طرح کے لوگوں کی کیفیت کو سمجھ لے اور بینا مرزا جواد بیگ کو اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔ اس لڑکی پر اسے تھوڑا سا غصہ بھی آیا تھا کیونکہ عدنان واسطی کے آفس میں اس نے جس طرح شہاب کی طرف قدم بڑھانے کی کوشش کی تھی وہ کم از کم بینا کے لئے ناقابل برداشت تھا، بہرحال وہ بھی ایک عورت تھی۔ ریما اسے ساتھ لئے ہوئے اپنی خوبصورت کوٹھی کے مختلف گوشے دکھانے لگی، پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تمہارا شوہر بے حد خوبصورت ہے۔ ایک شاندار شخصیت کا مالک۔“

”ہاں...... ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور ہم نے لو میرج کی ہے۔“ ریما مسکرانے لگی اور پھر مدہم لہجے میں بولی۔

”کیا تم اس بات پر یقین کرو گی کہ میں نے مرزا جواد بیگ کو اپنی مرضی سے اپنی زندگی کا ساتھی بنانا پسند کیا ہے۔“

”پہلی بات تو یہی میری سمجھ میں نہیں آئی مسز بیگ کہ آپ کا اصل نام ریما ہے یا ناہید۔“

”میرا اصل نام جولیس تھا...... آخرکار میں نے مرزا کا مذہب قبول کر لیا اور مرزا نے مجھے ریما کہنا شروع کر دیا، حالانکہ یہ نام مجھے بالکل پسند نہیں تھا، بہت پرانی بات ہے میری ایک دوست تھی ناہید جو مجھ سے جدا ہو گئی۔ وہ مجھے بہت عزیز تھی...... میں نے مرزا سے درخواست کی کہ وہ مجھے ناہید کے نام سے پکارے اس طرح میرا نام ڈبل ہو گیا۔“

"مگر یہ بات تم نے حیرت انگیز کہی کہ تم نے خود مرزا جواد بیگ کو پسند کیا تھا۔ معاف کرنا کیا تمہیں عمر کے اس فرق کا احساس نہیں تھا۔"

"تھا۔"

"تو پھر۔"

"میری ماں نے ایک سینی ٹوریم میں خون تھوکتے ہوئے جان دے دی تھی۔" ناہید کی مدہم آواز اُبھری۔

"اس لئے کہ میرا باپ اس کا علاج نہیں کرا سکتا تھا۔ وہ ایک غریب آدمی تھا اور اس وقت سے مجھے غربت سے بے پناہ خوف محسوس ہوتا ہے...... میں نے سوچا کہ اگر زندہ رہ جائے تو اس طرح کے انسان کسی سینی ٹوریم میں خون تھوکتے ہوئے نہ مرے ورنہ اس سے بہتر ہے کہ موت کو ہی گلے لگا لیا جائے۔ زندگی کا یہ بھیانک انجام مجھے شروع ہی سے ناپسند تھا اور اس کے بعد میں نے بہت سے نوجوان لڑکوں کی جانب بڑھنے کی کوشش کی جو صاحب حیثیت تھے۔ انہوں نے صرف مجھ سے کھیلنا چاہا لیکن میں اپنے آپ کو ایک کھیل نہیں بنانا چاہتی تھی...... مرزا جواد بیگ مجھے ملے اور جب انہوں نے مجھے شادی کی پیشکش کی تو میں نے پورے خلوص کے ساتھ اس پیشکش کو قبول کر لیا...... دیکھو ڈیئر میرے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہونا، تمہارا شوہر ایک خوبصورت آدمی ہے۔ جب کوئی بہت اچھا جوڑا میری نگاہوں کے سامنے آتا ہے تو اس وقت میں اسے بغور دیکھتی ہوں اور یہ سوچتی ہوں کہ تقدیر کیا چیز ہوتی ہے یا جو لوگ زندگی میں کامیابیاں حاصل کرتے ہیں ان کی شکلیں کیسی ہوتی ہیں۔ لیکن یہ نہ سمجھنا کہ میرے سینے کے اندر کوئی ایسی خواہش بیدار ہو جاتی ہے جسے کسی سے کچھ چھین لینے کی خواہش کہا جا سکتا ہے۔ پلیز ایسا مت سوچنا میرے بارے میں...... میں اس مسئلے میں تم سے بالکل جھوٹ نہیں بول رہی۔" بینا ایک دم سنجیدہ ہو گئی تھی۔ وہ کچھ دیر کے لئے تو کچھ نہ بول سکی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"سوری ناہید میں نے ایک بے تکا سوال کر کے تمہارا دل دکھایا ہے...... میں اس کے لئے معذرت خواہ ہوں ویسے ناہید ایک بات کہوں تم سے۔"

"ہاں ضرور۔"

"مرزا جواد بیگ کی زندگی سے تمہیں دلچسپی ہے۔"

"یہ سوال کیوں کر رہی ہو، کیا یہ تمام باتیں بتانے کے باوجود یہ سوال ضروری ہے۔ مرزا جواد بیگ جیسا بھی ہے جو کچھ بھی ہے اس کا ٹائپ کیسا بھی ہے میں سب سمجھتی ہوں میں اسے خود غرضی کہہ لو یا پھر انسان کی انسان سے دلچسپی جو کہ قدرت کا کھیل ہے کہ میں ان کی زندگی بھی چاہتی ہوں...... اس کی سلامتی بھی اور اس کے لئے ہر طرح کی قربانی بھی دینا چاہتی ہوں۔"

"تو سنو ہو سکتا ہے ہمارے ہاں کی روایات کے بارے میں تمہیں زیادہ معلومات نہ ہوں، ویسے مجرم تو دنیا کے ہر گوشے میں ہوتے ہیں۔ یہاں سے باہر بھی ایسے مجرم پائے جاتے ہوں گے لیکن اس وقت جو جرم میرے علم میں آیا ہے وہ ایسا ہے کہ مرزا جواد بیگ کی زندگی کو شدید خطرہ لاحق ہو سکتا ہے، کم از کم ایک مخصوص عرصے کے لئے اس وقت کے لئے جب تک کہ یہ مجرم گرفتار نہ ہو جائے جس نے مرزا جواد بیگ پر حملہ کیا ہے، تم جواد بیگ کو لے کر کہیں نکل جاؤ...... یہ ایک دوستانہ مشورہ ہے، بہت سے ایسے معاملات ہوتے ہیں جو مرد کی سمجھ میں نہیں آتے، کاروباری طور پر مرزا جواد بیگ کسی بھی طرح یہ شہر چھوڑنے کی کوشش نہیں کریں گے...... اس سے مرد کی انا کو بھی ٹھیس لگتی ہے اور وہ بزدلی کا اظہار نہیں کرنا چاہتا لیکن بعض ذمہ داریاں ہم عورتوں کی بھی ہوتی ہیں، اگر میری رائے مانو تو ایسا کر ڈالو۔"

"یقین کرو تم نے میرے دل کی بات کہہ دی ہے...... میں خود بھی اب یہی کرنا چاہتی ہوں ویسے تمہارے اس مخلصانہ مشورے کے لئے میں تمہارا احسان مانتی ہوں۔" بینا کا دل بالکل صاف ہو گیا تھا...... اس نے ایک عورت کی ضرورت کو محسوس کیا تھا اور اپنا مشورہ دے دیا تھا، کچھ دیر کے بعد وہ کچن میں داخل ہو گئیں اور ملازم سے معلومات حاصل کی جانے لگی، کھانا تیار ہو چکا تھا۔ چنانچہ بینا ناہید کے ساتھ کھانا لگوانے میں مصروف ہو گئی، پھر دونوں نے تینوں مردوں کو کھانے کی اطلاع دی تھی...... مرزا جواد بیگ، شہاب اور عدنان واسطی صاحب کے ساتھ اُٹھتا ہوا بولا۔

"خواتین اپنے فرائض ہمیشہ بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیتی ہیں...... آیئے، کھانا ہو جائے۔" کھانے کی میز پر اتفاق کی بات یہ کہ شہاب نے بھی یہی تجویز پیش کی تھی جو بینا ناہید کو دے چکی تھی...... ناہید نے پرجوش تائید کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... ہم کچھ عرصے کے لئے ملک سے باہر چلے جائیں گے، اس کا انتظام انتہائی خفیہ طور پر ہو جانا چاہئے...... یہ سیکورٹی گارڈ ہماری حفاظت نہیں کر سکتے...... جواد بیگ تمہیں ہر قیمت پر یہ انتظام کرنا ہوگا۔"

"نا صرف یہ انتظام بلکہ میں تجویز پیش کرتا ہوں کہ مرزا جواد بیگ اگر مناسب سمجھیں تو فوری طور پر یہ کوٹھی چھوڑ دیں لیکن اس طرح کہ کچھ عرصے تک کسی کو معلوم نہ ہو سکے کہ مرزا جواد بیگ کوٹھی میں موجود نہیں ہیں...... یہ سیکورٹی یہیں رہے اور سمجھنے والا یہی سمجھتا رہے کہ مرزا جواد بیگ نے اپنے تحفظ کے لئے یہ بندوبست کیا ہے۔"

"ایک بات بڑی ایمانداری کے ساتھ کہہ رہا ہوں، خوفزدہ تو خیر میں تھا اور مجھے یہ احساس تھا کہ شاکو آسانی سے میرا پیچھا نہیں چھوڑے گا لیکن اب میں زیادہ خوفزدہ ہو گیا ہوں، بس یوں سمجھو تم سب لوگوں نے مل کر مجھے ڈرا دیا ہے...... میرا خیال ہے مسٹر شہاب مجھے واقعی یہ کام کر لینا چاہئے اور تم لوگوں سے رابطہ رکھنا چاہئے تاکہ شاکو کا مسئلہ جب تک حل نہ ہو جائے اس وقت تک میں روپوش رہوں، لیکن دوست شرط یہی ہے کہ یہ راز ہم لوگوں کے درمیان رہے گا، کوئی بھی نہیں چاہے گا کہ اس کا مذاق اڑایا جائے۔"

"اطمینان رکھیں مرزا جواد بیگ ہماری آپ سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔" شہاب نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر کافی دیر تک قیام کے بعد ان لوگوں نے رخصت طلب کر لی۔ مرزا جواد بیگ نے فوری طور پر یہ طے کیا تھا کہ وہ پوری پوری کوشش کر کے یہ ملک چھوڑ دے گا اور ایک طویل عرصے تک ملک سے باہر قیام کرے گا...... واپسی میں عدنان واسطی صاحب نے پیشکش کی اور کہا۔

"ویسے تو یہاں خوب کھا پی لیا ہے لیکن میرا دل چاہتا ہے کہ یہاں سے میرے گھر چلو تم لوگ اور میرے ساتھ چائے پیو، کچھ باتیں ابھی ایسی ہیں جنہیں کرنا ضروری ہے اور میری خواہش ہے۔"

"ویسے بھی ڈیڈی کم از کم آپ کو گھر چھوڑنے تو چلنا ہی ہے ہمیں...... بعد میں زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ ہم اپنے گھر چلے جائیں گے۔"

"بالکل ٹھیک ہے...... بہر حال دوسری نشست عدنان واسطی صاحب کے گھر پر ہوئی تھی اور عدنان واسطی نے چائے کے گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"مرزا جواد بیگ کے ساتھ ساتھ ہی وہ شخص بھی خطرے میں ہے جس کا نام ہمارے سامنے آیا ہے، یعنی رحمان گڑھی کا ارمان شاہ۔"

"کیوں اس کے بارے میں آپ کیوں یہ بات کہتے ہیں۔"

"بھئی ظاہر ہے اسی نے شاکو کو گرفتار کرایا تھا۔"

"ویسے شہاب بعض اوقات معاملات بالکل مختلف نکل آتے ہیں...... کیا اس سے پہلے ہمارے پاس ایسے کیس نہیں آچکے کہ اصل معاملہ جو نظر آیا ہے وہ نہیں نکلا، ہو سکتا ہے جس طرح مرزا جواد بیگ نے کہا کہ یہ شخص یعنی شاکو یہ تسلیم نہیں کرتا کہ اس نے اپنی بیوی اور بھاوج کو قتل کیا ہے اسی طرح ہو سکتا ہے کہ یہ سچ بھی ہو اور اس پر کیس بنا دیا گیا ہو اور تم سمجھتے ہو کہ میں کیا کہنا چاہتی ہوں...... ارمان شاہ جیسے صاحب حیثیت لوگوں کے لئے یہ مشکل نہیں ہوتا اور جہاں تک بات رہی ارمان شاہ کی عبادت اور تہجد گزاری کی تو بس اللہ تعالیٰ معاف کرے غلط جملے نکالتے ہوئے بھی خوف محسوس ہوتا ہے۔"

"اس فائل کو تو دیکھو، اس فائل میں کیا تفصیل ہے، بھئی کہنے کو تو یہ الفاظ مجھے نہیں کہنے چاہئیں کیونکہ رات خاصی ہو چکی ہے لیکن معاملہ ہی اتنا دلچسپ ہے اگر تم لوگوں نے صورت حال کا بھرپور جائزہ نہ لیا تو پھر بات مشکل ہو جائے گی۔"

"ٹھیک ہے اس فائل پر پہلے نگاہ ڈالتے ہیں۔ شہاب نے کہا اور فائل اس دوران مرزا جواد بیگ کی طلبی پر اس کے دفتر کے کلرک نے خصوصی طور پر دفتر کھول کر نکالا تھا اور گھر پر دے گیا تھا اور اب یہ فائل ان لوگوں کی تحویل مین تھا اور مرزا جواد بیگ نے بخوشی اسے ان لوگوں کے حوالے کر دیا تھا، چنانچہ چائے کے دوران تیز روشنی کا انتظام کیا گیا اور اس کے بعد شاکو کو یا شاکر خان کے فائل پر نگاہ دوڑائی گئی۔ سب سے پہلے ایف آئی آر کی نقل موجود تھی۔ ایف آئی آر ارمان شاہ ولد رحیم شاہ کی طرف سے درج کرائی گئی تھی جس میں دو افراد کے قتل کی اطلاع پولیس آفیسر کو دی گئی تھی اور دو افراد میں سے ایک شاکر خان کی بیوی اور دوسری اس کی بھاوج تھی، جن کے نام فرزانہ اور فریدہ درج کئے گئے تھے۔ ان دونوں کا قتل ارمان شاہ کی کوٹھی کے سرونٹ کوارٹر میں ہوا تھا اور ان کا قاتل فرزانہ کا شوہر شاکر خان قرار دیا گیا تھا۔ یہ ایف آئی آر ارمان شاہ کی طرف سے تھی اور اس کے بعد پولیس کی تحقیقات، پولیس آفیسر نے شاکر خان کو حویلی سے ہی گرفتار کیا تھا۔ شاکر خان قطعی اس کیفیت میں

نہیں تھا جس سے یہ احساس ہو کہ وہ فرار ہونا چاہتا ہے۔ وہ شدید غمزدہ تھا اور گرفتاری کے وقت بھی اس نے رو رو کر کہا تھا، ارے اسے اپنی بیوی اور بھاوج کی تدفین میں تو شرکت کر لینے دو...... وہ ان کا قاتل ہے ہی نہیں، کسی بے درد نے ان کی عزت لوٹ کر انہیں قتل کر دیا ہے...... وہ قاتل نہیں ہے بعد میں شاکر خان پر مقدمہ چلا تھا اور اس نے ہر بار یہی کہا تھا کہ ایسا تو وہ کر ہی نہیں سکتا...... وہ سب کچھ نہیں کر سکتا...... بہر حال اس کے بعد شاکر خان کو سزا ہو گئی تھی اور اس نے دھمکیاں دی تھیں کہ وہ ان لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا جنہوں نے اس کی بیوی اور بھاوج کو قتل کیا ہے اور اسے ایک بے گناہ آدمی ہوتے ہوئے مجرم قرار دلوایا ہے۔ اس میں کوئی اور خاص بات نہیں تھی۔ اس شخص کا تذکرہ تھا جس کے ساتھ ان دونوں خواتین کے تعلقات کا تذکرہ کیا گیا تھا لیکن فرزندہ اسی وقت سے غائب تھا۔ پولیس نے فرزندہ کی تلاش کے لئے بار بار کوشش کی تھی، لیکن فرزندہ کا کچھ پتا نہیں چل سکا تھا، حالانکہ وہ بھی بستی رحمان گڑھی ہی کا رہنے والا تھا...... اس کے اہل خاندان بھی تھے جو اس کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکے تھے۔ اس کے چھوٹے بھائی کو گرفتار کر کے تحویل میں رکھا گیا تھا اور پولیس نے اس چھوٹے بھائی کے ذریعے اس کے خاندان کے کئی گھروں پر چھاپہ مارا تھا جو قریبی رشتے دار تھے لیکن فرزندہ کہیں سے گرفتار نہیں ہوا تھا۔ بہر حال فرزندہ کا معاملہ جو کچھ بھی تھا لیکن چونکہ قاتل شاکر خان عرف شاکو تھا اس لئے شاکر خان ہی کے خلاف مقدمہ قائم ہوا تھا۔ یہ مختصر تفصیل تھی اور اس تفصیل کو پڑھنے کے بعد عدنان واسطی نے کہا۔

"واقعات عام واقعات ہیں اور اس قسم کے کیسز ہوتے رہتے ہیں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ عام طور پر اس طرح کے لوگ اپنا جرم تسلیم کر لیتے ہیں...... ایک شخص اگر غیرت کے عالم میں اپنی بیوی اور بھاوج کو قتل کر دیتا ہے تو وہ اس قتل کا بخوشی اعتراف بھی کر لیتا ہے۔ یہ ایک انوکھا جذبہ ہے جو اس کے اندر پیدا ہو جاتا ہے، کیونکہ غیرت مند کی غیرت کبھی نہیں مرتی لیکن وہ تو سرے سے ہی یہ بات ماننے کو تیار نہیں ہے کہ اس کی بیوی اور بھاوج بدچلن تھیں اور انہیں اس نے خود قتل کیا ہے۔ وہ تو مسلسل یہی کہتا رہا تھا کہ اسے اس بارے میں کچھ نہیں معلوم۔" شہاب خاموشی کے ساتھ عدنان واسطی کی شکل دیکھ رہا تھا، پھر اس نے کہا۔

"واسطی صاحب اب ایک اور اہم مسئلہ ہے۔"

"کیا۔"

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس ناکام حملے کے بعد شاکو خاموش ہو کر بیٹھ جائے گا۔ وہ یقینی طور پر ارمان شاہ کی طرف بھی رخ کرے گا۔"

"ہاں اصولی طور پر اسے کرنا تو چاہئے۔"

"کیا ہم اپنے اس کام کا آغاز ارمان شاہ کی حویلی سے نہیں کر سکتے۔" واسطی صاحب چونک کر اسے دیکھنے لگے اور پھر بولے۔

"کیا تم اس سلسلے میں واقعی سنجیدگی سے کچھ کرنا چاہتے ہو؟"

"دو باتیں ہیں...... پہلی بات تو یہ کہ ایک شخص اپنے آپ کو بے گناہ کہتا ہے، کون جانے وہ بے گناہ ہی ہو اگر کوئی بے گناہ زندگی کے اس عذاب میں گرفتار ہے تو ویسے بھی ہم پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم تھوڑی سی کوشش کریں کیونکہ یہ ہمارا پروفیشن ہے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔"

"اس کے علاوہ جس طرح سے ارمان شاہ کے بارے میں ہمیں معلومات حاصل ہوئی ہیں اگر وہ واقعی ایک سیدھا سچا انسان ہے اور اس کی زندگی خطرے میں ہے تو پھر یہ بھی ہم پر لازم ہے کہ ارمان شاہ کی زندگی بچانے کی کوشش کریں۔"

"بالکل ٹھیک کہتے ہو۔"

"تو اس سلسلے میں جہاں تک میرا خیال ہے ہمیں ارمان شاہ کے گھر سے آغاز کرنا چاہئے اور تم یوں کرو بینا کہ اس کے لئے تیاریاں کرو، اگر ہو سکا تو ہم دونوں ہی وہاں چلیں گے۔" بینا نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے شہاب کو دیکھا اور بولی۔

"خدا کا شکر ہے کفر تو ٹوٹا۔"

"کیا مطلب۔"

"مجھے تو آپ نے نکال کر پھینک دیا تھا جیسے دودھ میں سے مکھی نکال کر پھینکی جاتی ہے۔"

"میں نے کسی کو دودھ میں سے مکھی نکال کر پھینکتے ہوئے نہیں دیکھا، اس لئے اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں، ہاں جہاں تک کسی معاملے میں تمہاری شمولیت کا معاملہ ہے تو وہ ایک الگ صورت حال ہے اور اب بھی مجھے اس کے لئے ذرائع پیدا کرنے پڑیں گے اور اس قسم کے حالات اختیار کرنا ہوں گے جس سے بہر حال اس کیس میں تمہاری شمولیت لازمی

قرار پا جائے۔"

"اچھا جناب گویا اب آپ ہمارے لئے یہ انتظامات کریں گے، خود ہماری اپنی کوئی حیثیت نہیں ہے۔"

"یہ تو واسطی صاحب بتا سکیں گے کہ تمہاری اپنی کیا حیثیت ہے ان معاملات میں۔" شہاب نے کہا اور واسطی صاحب ہنسنے لگے اور پھر بولے۔

"بھئی تم لوگ مجھے اپنی ان باتوں میں نہ گھسیٹو، دل تو میرا بھی چاہتا ہے کہ اس قسم کی تفتیش میں حصہ لوں لیکن جانتا ہوں ایسا نہیں کر سکتا۔ ویسے ایک بات بتاؤ شہاب تمہارے خیال میں کیا مرزا جواد بیگ مسلسل خطرے میں نہیں ہے۔"

"سو فیصدی ہے۔"

"تو کیا اس کے تحفظ کے لئے۔"

"اصولی طور پر دو ہی باتیں ہیں یا تو پھر وہ اپنے تحفظ کے لئے درخواست دے اور پولیس فورس حاصل کرے لیکن اس سلسلے میں میرا خیال ہے اس نے اچھی خاصی گارڈ جمع کر لی ہے چاہے یہ وہی لوگ کیوں نہ ہوں جو کرائے پر یہ فرائض سرانجام دیتے ہیں، لیکن بہر حال وہ مرزا جواد بیگ کے ارد گرد پھیلے ہوئے ہیں، پھر دوسری بات یہ ہے کہ وہ یہاں سے نکلنے کا پکا ارادہ کر چکا ہے اور میرے خیال میں اس کے حق میں یہی بہتر ہے۔"

"کہیں ایسا نہ ہو کہ نکلنے سے پہلے وہ کسی مشکل کا شکار ہو جائے۔"

"اس سلسلے میں ہم ذاتی طور پر کچھ نہیں کر سکتے۔"

شہاب نے پتھریلے لہجے میں کہا اور واسطی صاحب چونک کر اسے دیکھنے لگے، پھر آہستہ سے بولے۔

"میں جانتا ہوں جو کام تم مناسب سمجھو گے وہی کرو گے، بہر حال میں اس سلسلے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"کیا خیال ہے بینا چلیں۔"

"ہاں...... میرا خیال ہے چلنا چاہئے ویسے بھی رات اچھی خاصی ہو چکی ہے۔" اور پھر اس کے بعد شہاب اور بینا اپنی کار میں بیٹھ کر چل پڑے...... اپنے بیڈ روم میں پہنچنے کے بعد لباس وغیرہ تبدیل کئے گئے اور پھر بینا نے شہاب کے بازو پر سر رکھتے ہوئے کہا۔

"جناب عالی اتفاق کی بات یہ ہے کہ ہمارا تعلق ایک ایسے شعبے سے ہے جس میں اگر ذہن پر رومان بھی سوار ہو تب بھی کسی نہ کسی قتل، کسی نہ کسی ڈاکے، کسی نہ کسی چوری کی بات ہی جاتی ہے، البتہ ایک عورت کی حیثیت سے مجھ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ میں جناب کے بارے میں معلومات حاصل کر لوں۔"

"وہ معلومات کیسی ہیں۔" شہاب نے شرارت آمیز لہجے میں کہا۔

"میرا مطلب ہے آنکھوں میں جو سرخی لہرا رہی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کو سکون کی نیند سونے دیا جائے۔"

"جی نہیں...... اس سرخی کے بارے میں آپ کا اندازہ غلط ہے۔" شہاب نے بدستور شرارت آمیز لہجے میں کہا اور بینا کے چہرے پر شرم کے تاثرات پھیل گئے، تب شہاب سنجیدہ ہو کر بولا۔

"اچھا تم یہ بتاؤ کہ تنہائی میں تمہیں ریما کے ساتھ جو موقعہ ملا اس میں تم نے اس سے کیا معلومات حاصل کیں۔"

"نہایت حیرت انگیز اور اگر غور کیا جائے تو بہت ہی افسوس ناک۔" بینا نے جواب دیا اور شہاب اس کی جانب متوجہ ہو گیا۔ وہ سوالی نگاہوں سے بینا کی طرف دیکھ رہا تھا، چند لمحوں کے بعد بینا نے ریما کی کہانی سنانا شروع کر دی، اس نے شہاب کو مکمل تفصیل بتائی اور شہاب کے چہرے پر تھوڑے سے افسوس کے تاثرات پیدا ہو گئے، پھر وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"ہاں بینا زندگی کبھی کبھی اتنا ہی بڑا بوجھ بن جاتی ہے انسان پر...... کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کس کے سینے میں کتنے کتنے دُکھ چھپے ہوئے ہیں...... تم نے واقعی مجھے افسردہ کر دیا اور بہر حال یہ اندازہ تمہیں ہو گیا اور مجھے بھی کہ اس کے لئے مرزا جواد بیگ کی زندگی کتنی ضروری ہے۔"

"میں نے اسے بالکل صحیح مشورہ دیا کیونکہ بہر حال شاکو جیسے دیوانے آسانی سے کسی کا پیچھا نہیں چھوڑتے، ویسے شہاب واقعی یہ بتاؤ کہ کیا پروگرام ہے...... کیا تم وہاں جاؤ گے۔"

"رحمان گڑھی۔"

"ہاں۔"

"ارادہ تو مکمل ہے۔"

"بس تو پھر ٹھیک ہے میں بھی تمہارے ساتھ ہی چلوں گی۔"

"ایک بات کہوں بینا محسوس تو نہیں کرو گی۔"

"نہیں...... بالکل نہیں کہو۔"

"اس وقت میں نے تذکرہ تو کر دیا تھا اس بات کا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ فوری طور پر تمہارا میرے ساتھ جانا مناسب نہیں ہے...... پہلے ذرا میں اس گڑھی کے حالات کا جائزہ تو لے لوں، کچھ عرصے پہلے بھی ایسے ہی رنگے سیار سے واسطہ پڑ چکا ہے یعنی ایک ایسے مکرو شخص سے جس کی شخصیت بالکل مختلف تھی اور وہ کچھ کا کچھ نکلا تھا، بجائے اس کے کہ میں صحیح انداز میں کام کروں، تھوڑی سی پریشانی کا شکار ہوں گا...... میں چاہتا ہوں کہ ذرا حالات سے مکمل طور پر واقفیت حاصل کر کے پھر تمہیں وہاں بلالوں اور اگر معاملہ آسانی سے ختم ہو جائے تو پھر اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی، ویسے میرا خیال ہے کہ شاکو ارمان شاہ کی طرف ضرور جائے گا۔"

"تم جیسا مناسب سمجھو، مجھے صورت حال سے آگاہ رکھنا، کسی بھی مسئلے میں میں تمہاری ذمہ داریوں میں رخنہ اندازی کبھی نہیں کرنا چاہوں گی۔" بینا نے جواب دیا۔

پھر دوسرے دن شہاب نے نادر حیات صاحب سے ملاقات کی۔ نادر حیات صاحب نے اپنے آفس میں مسکراتے ہوئے اس کا خیر مقدم کیا تھا۔

"جناب شہاب ثاقب صاحب فرمائیے کیسے جا رہے ہیں آپ کے آج کل کے حالات۔"

"آپ مجھے جس محبت سے مخاطب کرتے ہیں، ڈی آئی جی صاحب میرے پاس اس کے جواب میں کچھ بھی نہیں ہے۔"

"چلو پھر ہم کچھ جذباتی قسم کے ڈائیلاگ بول دیتے ہیں، میری طرف سے ان کا آغاز یوں ہوتا ہے کہ ہر شخص دلوں میں اپنا مقام خود بناتا ہے، کوئی مقام خود بخود پیدا نہیں ہو جاتا...... تم نے میرے دل میں اپنے لئے وہ جگہ بنائی ہے کہ میں تمہیں اس انداز میں مخاطب کرتا ہوں...... میرا خیال ہے کہ جذباتی ڈائیلاگ ختم ہو گئے، اب ہمیں کام کی باتوں کی جانب آنا چاہئے، کوئی ایسا مسئلہ تو نہیں ہے جس کے سلسلے میں تم مجھ سے مشورہ کرنا چاہو۔"

"جی ہاں ہے۔"

"بولو...... مجھے یقین تھا اصل میں اب میں بھی اپنے آپ کو کم از کم تجربہ کار کہہ سکتا

ہوں...... جب تم ایسے کسی مسئلے میں میرے پاس آتے ہو تو تمہاری پیشانی پر کچھ نشان ہوتے ہیں اور یہ نشان اس بات کا اظہار کر دیتے ہیں کہ تم یقینی طور پر مجھ سے کوئی اہم بات کرنا چاہتے ہو۔"

"یس سر...... ابھی کچھ دن قبل ایک کیس ہمارے ہاتھ میں آیا تھا اور خدا کے فضل و کرم سے حقیقتیں سامنے آنے کے بعد ہماری کوششوں اور کاوشوں سے اس بے گناہ کو آزادی مل گئی تھی جو واقعی بے گناہ تھا اور یہ سلسلہ مرزا جواد بیگ۔"

"بالکل سمجھ گیا ہوں...... ساری صورت حال سمجھ میں آگئی ہے بلکہ تھوڑا سا حیران تھا میں کہ ابھی تک اس سلسلے میں تم نے مجھ سے ملاقات کیوں نہیں کی، جبکہ بات تمہاری دلچسپی اور لائن کی تھی...... میری مراد شاکو سے ہے، ویسے ظاہر سی بات ہے کہ اب ہر مسئلے میں میں تمہیں یہ نہیں کہہ سکتا کہ کوئی بھی بات سامنے آئے تو شروع ہو جاؤ، البتہ جو کچھ ہوا تھا وہ بڑا سنسنی خیز تھا اور وہ بے چارے جو اس دن کی فائرنگ سے زخمی ہوئے ہیں ابھی تک ہسپتالوں میں زیر علاج ہیں...... اصولی طور پر کچھ ذمہ داریاں ہم پر بھی عائد ہو جاتی ہیں اور میں نے بہرحال احکامات جاری کر دیئے ہیں، لیکن براہ راست اس پیمانے پر کام شروع کرنے کا کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا، شاکو کی ہر ممکن جگہ تلاش کی جا رہی ہے اور مجھے اس سلسلے میں رپورٹیں بھی موصول ہو رہی ہیں...... مثلاً وہ بچی جو شاکو کے بھائی کی تھی یہ نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہے، اگر ہمیں اس بارے میں معلومات حاصل ہو جائیں تو ہو سکتا ہے کہ شاکو کی تلاش میں کچھ آسانی ہو جائے، ویسے بھی وہ ایک مفرور مجرم ہے اور اس کی گرفتاری بے حد ضروری ہے۔"

"میں نے سنا ہے کہ جج اشتیاق حسین صاحب کو بھی اس نے دھمکی دی تھی۔"

ہاں لیکن یہ بات شاید تمہارے علم میں آچکی ہو کہ۔

"جی ہاں مجھے علم ہو چکا ہے کہ اشتیاق حسین صاحب اب اس دُنیا میں نہیں ہیں۔"

"تیسرا آدمی ارمان شاہ ہے۔"

"اس شخص کے بارے میں آپ کے پاس کیا رپورٹ ہے۔"

"اصل میں بستی رحمان گڑھی اتنی چھوٹی سی جگہ ہے کہ وہاں کے بارے میں رپورٹیں حاصل ہونا کوئی آسان بات نہیں ہے...... ارمان شاہ نے ان دنوں اپنی حویلی میں ہونے والے دوہرے قتل کے سلسلے میں تھوڑی سی بھاگ دوڑ کی تھی۔ پولیس سے تعاون بھی کیا

تھا...... پولیس بھی وہاں پہنچی تھی، لیکن وہاں ذرائع بہت خراب تھے، پھر بھی احتیاطاً میں نے اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہوئے چار پولیس افسر وہاں بھیج دیئے ہیں اور وہ ارمان شاہ سے ملاقات کر کے اس سلسلے میں گفتگو کرنے گئے ہیں، بعد میں وہ مجھے جواب دیں گے کہ ارمان شاہ کیا چاہتا ہے...... شاکو کے فرار کا علم تو اسے ہو جائے گا، اب اگر اس نے ہم سے سیکورٹی مانگی تو پھر دیکھیں گے کہ کیا کیا جا سکتا ہے، ویسے تمہارا اپنا کیا خیال ہے۔"

"میں اس سلسلے میں کام شروع کرنا چاہتا ہوں۔"

"خدا کی قسم شوق سے شروع کر دو، تمہارے مطلب کا کام ہے...... اُلجھا ہوا کیس ہے خصوصاً اس لئے کہ شاکو نے اعتراف جرم نہیں کیا تھا بلکہ آخر تک یہی کہتا رہا تھا کہ اس کی بیوی اور بھاوج بے گناہ تھیں۔ وہ اعلیٰ کردار کی مالک تھیں اور ان سے اس قسم کی برائی کی توقع نہیں کی جا سکتی، اس کے علاوہ وہ شخص بھی مفرور ہے جس سے ان دونوں کو منسوب کیا گیا ہے...... ہمارے پاس اس قدر واضح ثبوت بھی نہیں تھے کہ شاکو کو یقینی طور پر قاتل سمجھا جاتا اور یہی وجہ تھی کہ جج اشتیاق حسین صاحب نے اسے سزائے موت نہیں دی۔" شہاب کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے آہستہ سے کہا۔

"اسے شاید یہ سزا ہی نہ ہوتی، اگر وہ کوئی غریب آدمی نہ ہوتا یا اس کے خلاف گواہی دینے والی شخصیت ایک بستی کی مالک نہ ہوتی۔" نادر حیات صاحب نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اور اب طویل عرصے سے مجھے تمہاری باتوں سے اختلاف نہیں رہا ہے اور میں تسلیم کرتا رہا ہوں کہ جو کچھ تم کہتے ہو وہ سچائیوں پر مبنی ہوتا ہے...... بہر حال ہم اس سلسلے میں بالکل تلخ نہیں ہوں گے۔ اب مجھے بتاؤ کیا چاہتے ہو۔"

"مجھے رحمان گڑھی روانہ ہونا ہے اور بہتر ہے آپ اس سلسلے میں وہاں سے رابطہ قائم کریں اور مجھے وہاں تک پہنچا دیں۔"

"یہ بتاؤ کیا اپنے طور پر ارمان شاہ کے علم میں ایک پولیس آفیسر کی حیثیت سے آنا پسند کرو گے۔" نادر حیات صاحب کے سوال پر شہاب سوچ میں ڈوب گیا تھا اور بہت دیر تک اس بات کا کوئی جواب نہیں دے سکا تھا، پھر اس نے کہا۔

"میرا خیال ہے مجھے ایک پولیس آفیسر کی حیثیت سے نہیں بلکہ کسی بھی شکل میں ایک

آدمی کی حیثیت سے وہاں پہنچنا چاہئے...... اب یہ الگ بات ہے کہ اس کے لئے میرے پاس اب تک کوئی لائحہ عمل نہیں ہے۔" نادر حیات صاحب بھی سوچ میں ڈوبے رہے...... پھر انہوں نے کہا۔

"بہر حال جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا کہ وہاں یہ اطلاع تو پہنچا ہی دی گئی ہے کہ شاکو فرار ہو گیا ہے اور اپنا قول نبھانے کی فکر میں ہے، ممکن ہے تم اگر وہاں کسی اور حیثیت سے جاؤ تو تمہیں مشکلات پیش آئیں...... میرے اپنے خیال میں میں خود اس سلسلے میں ارمان شاہ سے ٹیلیفون پر بات کئے لیتا ہوں...... اس کے علاوہ کوئی اور چارہ کار نہیں تھا، چنانچہ شہاب نے اس بات پر آمادگی کا اظہار کر دیا اور نادر حیات صاحب نے اپنی انڈکس میں نمبر تلاش کر کے رحمان گڑھی کا نمبر ڈائل کیا، تھوڑی دیر کی کوشش کے بعد دوسری طرف رابطہ قائم ہو گیا تھا، بولنے والی کوئی خاتون تھی...... نادر حیات صاحب نے کہا۔

"میں ارمان شاہ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں، دارالحکومت سے پولیس آفیسر بول رہا ہوں۔"

"انتظار کیجئے صاحب ابھی اطلاع دی جاتی ہے۔"

دوسری جانب سے آنے والی آواز بڑی شستہ تھی...... نادر حیات صاحب نے پوچھا۔

"جو پولیس آفیسر وہاں تحقیقات اور حفاظت کے لئے آئے ہیں کیا وہ موجود ہیں یا واپس چلے گئے۔"

"میرے علم میں نہیں ہے...... آپ براہ کرم چند لمحوں کا توقف کر لیں۔"

"ٹھیک ہے...... میں انتظار کر رہا ہوں۔" پھر کچھ لمحوں کے بعد ایک آواز سنائی دی۔

"میں ارمان شاہ بول رہا ہوں...... آپ کون صاحب ہیں۔"

"اوہو شاہ صاحب میں انسپکٹر جنرل نادر حیات بول رہا ہوں۔" دوسری طرف ایک لمحے کے لئے خاموشی طاری ہو گئی تھی، پھر کہا گیا۔

"آپ لوگ جس طرح میری زندگی سے دلچسپی لے رہے ہیں میں خود کو اس کا اہل تو نہیں سمجھتا...... اس کے علاوہ میرا نظریہ حیات بھی ذرا مختلف ہے...... میں زندگی کو خدا کی امانت سمجھتا ہوں، مل جائے تو ٹھیک ہے، واپسی ہو جائے تو جس کی امانت وہ جانے...... تاہم اگر پولیس اس سلسلے میں کوششیں کر رہی ہے تو میں قانون کا راستہ تو نہیں روک سکتا...... چار افسر آئے تھے، کہنے لگے ارمان شاہ صاحب ہم آپ کا تحفظ کرنا چاہتے ہیں، میں نے کہا میاں

جاؤ کسی بڑے آدمی کا تحفظ کرو...... میں تو فقیر منش ہوں اور دوسرے زندگی اتنی قیمتی چیز نہیں ہے، جس طرح لکھی ہے اس طرح آجائے گی...... ضد کرنے لگے مگر میں نے انہیں واپس کر دیا، چلے گئے ہیں ابھی تھوڑی دیر پہلے...... کیا اس سلسلے میں کوئی بات ہے۔"

"نہیں شاہ صاحب پھر بھی پولیس کے کچھ فرائض تو ہوتے ہیں نا...... آپ بے شک اپنی حویلی میں پولیس کی وردی کو پسند نہیں کرتے ہوں گے، کوئی بھی پسند نہیں کرتا لیکن میں ایک آدھ سادہ لباس آدمی وہاں لگانا چاہتا ہوں...... دیکھئے نا ہم شا کو دوبارہ گرفتار بھی کرنا چاہتے ہیں...... شاید آپ کو اس بات کا علم نہ ہو کہ اس نے وکیل جواد بیگ پر قاتلانہ حملہ کیا ہے...... ہر چند کہ وہ کامیاب نہیں ہو سکا لیکن پھر بھی ہماری خواہش ہے کہ ہم اسے جلد از جلد گرفتار کر لیں۔"

"اگر ایک سادہ لباس والا وہاں آرہا ہے تو بھلا وہ اسے کیسے روک لے گا۔"

"آپ کے علم میں ہے کہ شا کوئی باقاعدہ مجرم نہیں ہے، بس جذباتی طور پر اس نے اپنی بیوی اور بھاوج کو قتل کر دیا، مجبوری تھی اس کی، جو آدمی ہم بھیج رہے ہیں وہ صرف حالات پر نگاہ رکھے گا، بہت اچھا آدمی ہے آپ اس کی طرف سے بالکل بے فکر رہیں، کسی بھی شکل میں آپ کے ذاتی معاملات میں مداخلت نہیں کرے گا اور آپ کے احکامات کا پابند رہے گا۔"

"ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے آپ بھیج دیجئے...... آپ کے مہمان کے طور پر ہم انہیں عزت افزائی کریں گے۔"

"بہت بہت شکریہ، وہ بہت جلد آپ کے پاس پہنچ جائے گا۔"

"ایک بات سن لیجئے۔"

"جی فرمایئے۔"

"اپنے کارڈ پر لکھ کر بھیج دیجئے گا کہ یہ میرا آدمی ہے...... سرکاری کارڈ ہونا چاہئے تاکہ میں صحیح آدمی کو پہچان سکوں تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی غلط بندہ یہاں پہنچ جائے اور ان بے چارے کو کوئی مشکل پیش آئے۔"

"نہیں آپ فکر نہ کیجئے، نادر حیات صاحب نے شہاب کو دیکھا تھا۔

"کہو...... کیوں ٹھیک ہے۔"

"بالکل۔" بعد میں شہاب نے تمام تر کاروائیاں کی تھیں...... بینا سے رابطے کے لئے بہت سی انتظامات کئے گئے تھے اور یہ سب کچھ مشکل نہیں تھا...... ایک چھوٹا سا کٹ بیگ بنایا تھا اور اس میں جو کچھ موجود تھا وہ کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتا تھا، بینا نے بہت سی ہدایتیں دی تھیں اور شہاب مسکراتا ہوا اس سے رخصت ہو گیا تھا...... اس سلسلے میں تمام تر معلومات حاصل کر لی گئی تھیں، ایک ٹرین اس راستے سے گزرتی تھی، اس کے بعد رحمان گڑھی کی جانب سفر کیا جاتا تھا، عام طور پر سنا یہ گیا تھا کہ رحمان گڑھی پہنچنے کے لئے وہاں کے رہنے والے بیل گاڑیاں استعمال کرتے ہیں اور دوسرا کوئی ذریعہ نہیں ہے، تانگے وغیرہ تک نہیں چلتے بہر حال ایک دلچسپ سفر تھا...... شہاب کو ماضی کی بہت سی ایسی داستانیں یاد آرہی تھیں جن میں اس نے اس طرح کے سفر کئے تھے اور خاصا لطف اندوز ہوا تھا، کچھ میں تو بینا بھی ساتھ ہوا کرتی تھی اور وہ بھی اس وقت جب اس کی شہاب سے شادی نہیں ہوئی تھی...... بہر حال ٹرین کے سفر کا آغاز ہو گیا اور پھر تھوڑا سا سفر طے کرنے کے بعد وہ اس چھوٹے سے اسٹیشن پر اتر گیا جسے اسٹیشن نہیں کہا جا سکتا تھا، بس گاڑی یہاں کچھ وقت کے لئے رکتی تھی، البتہ رحمان گڑھی کا اسٹیشن پیچھے ہی رہ گیا تھا اور یہاں سے شہاب کو مختلف ذرائع سے رحمان گڑھی جانا تھا، چھوٹے سے اسٹیشن سے باہر نکلنے کے بعد اس نے صورت حال کا جائزہ لیا، بے چارے سادہ لوح دیہاتی کاندھے پر گٹھڑیاں رکھے پیدل سفر کر رہے تھے...... شہاب خود ہی ان لوگوں کے نزدیک پہنچ گیا، پھر ایک آدمی سے اس نے رحمان گڑھی کے بارے میں پوچھ ہی ڈالا۔

"بابا جی مجھے رحمان گڑھی جانا ہے...... کیا طریقہ اختیار کروں۔"

"کون ہو بھئی، کیوں جا رہے ہو رحمان گڑھی، شکل سے تو پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہو۔"

"تو کیا کسی پڑھے لکھے آدمی کو رحمان گڑھی نہیں جانا چاہئے۔"

"ایسی بات نہیں ہے...... اصل میں تم جیسے اچھی شکل وصورت کے بندے اگر رحمان گڑھی جاتے ہیں تو ارمان شاہ صاحب کے مہمان ہوتے ہیں اور جو ارمان شاہ صاحب کا مہمان ہوتا ہے اس کے لئے بگھی آتی ہے...... کبھی کبھی موٹر گاڑی بھی آجاتی ہے، اگر تم ارمان شاہ صاحب کے مہمان نہیں ہو تو پھر کون ہو اور وہاں کیوں جانا چاہتے ہو۔"

"سوال تو آپ کا بالکل صحیح ہے بابا جی، اصل میں میں ایک ایسا آدمی ہوں جسے دیہات

دیکھنے کا شوق ہے..... جگہ جگہ دیہاتوں میں جاتا رہتا ہوں اور گاؤں کا ماحول دیکھتا ہوں، پھر اس پر کتابیں لکھتا ہوں..... یہ ہے میرا کام۔"

"لو..... کتابیں لکھنے والے ہو..... ارے ہم بھی کوئی جاہل نہیں ہیں..... کئی کتابیں پڑھی ہیں ہم نے، ہمارا نام الیاس خان ہے اور ہم سبزی کا کاروبار کرتے ہیں..... وہ دیکھو ہمارا چھکڑا کھڑا ہوا ہے۔ تم بھی کیا یاد کرو گے کہ کسی الیاس خان سے واسطہ پڑا تھا۔"

"تو کیا آپ بھی رحمان گڑھی ہی جا رہے ہیں۔"

"صرف رحمان گڑھی ہی نہیں جا رہے بلکہ اب تم ٹھہرو گے بھی ہمارے ہاں..... سمجھے۔"

"بہت بہت شکریہ..... پھر آیئے مگر آپ تو ریل سے آ رہے ہیں۔"

"ہاں..... کچھ سامان لینے گئے تھے..... شہری آبادی سے، اب یہاں سے اپنا چھکڑا لیں گے اور جائیں گے۔"

"تو چھکڑے کو آپ یہیں چھوڑ گئے تھے کیا۔"

"لو تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے..... بیلوں کے لئے چارہ ڈال گئے تھے، بات وہیں ختم ہو گئی اور کیا چاہئے تھا۔"

"کیا یہاں آپ کا چھکڑا کوئی چوری نہیں کر سکتا تھا۔"

"ارے توبہ کرو..... توبہ..... چوری ہوتی ہے بیٹا شہروں میں، بستی کے بڑے بڑے لوگ چور ہوتے ہیں..... ان دیہاتوں میں چور کہاں سے آئے۔" پھر شہاب دو بیلوں والے چھکڑے میں بیٹھ کر چل پڑا تھا اور یہ سفر اس کو بہت زیادہ مزیدار لگ رہا تھا..... الیاس خان بہت زیادہ باتونی تھا اور بہت سی باتیں کرتا جا رہا تھا اور شہاب کو بھی گفتگو میں خاصا لطف آ رہا تھا..... الیاس خان نے کہا۔

"گھر تو ہے ہمارا چھوٹا سا پر موسم خراب نہیں ہے..... باہر برآمدے میں چارپائی ڈال دیں گے اور چادر دے دیں گے تمہیں، آرام سے رہنا جب تک دل چاہے اور خوب کتابیں لکھنا..... ویسے جگہ بہت بڑھیا ہے بیٹا۔"

"سنا ہے وہاں کے سب سے بڑے زمیندار ارمان شاہ صاحب ہیں۔"

"لو سب سے بڑے یا چھوٹے کیا، زمیندار ہی کی ارمان شاہ صاحب، رحمان گڑھی انہی

کی ہے..... ایک ایک گھر جو ہے نا سب ان کی اپنی ملکیت ہے، انہی کی زمینوں پر لوگوں نے بستی آباد کی ہے..... اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے رحیم شاہ صاحب کو، بستی کے رہنے والے تو انہیں گھروں کی زمین کا معاوضہ دینا چاہتے تھے، مگر رحیم شاہ صاحب کہنے لگے..... ارے بھائیو اکیلے رہ کر میں کون سا اپنا مقبرہ بناؤں گا یہاں، تم سب کے ساتھ ہی زندگی گزرے گی میری بھی جیسی تم گزارو گے ویسی میں گزاروں گا اور بس بھائی جی، کیا نام ہے تمہارا۔"

"شہاب۔" شہاب نے جواب دیا۔

"اں تو وہی جو تمہارا نام ہے..... رحیم شاہ صاحب نے زمینیں لوگوں کو دے دیں اور لوگوں نے اپنے گھر بنائے، ویسے سنا تو یہ جاتا ہے کہ ولی کے ہاں شیطان اور شیطان کے ہاں ولی ہوتا ہے مگر یہاں بات دوسری ہے..... ولی کے ہاں ولی ہی ہوا ہے..... اب اپنے ارمان شاہ صاحب جی ہیں، کیا کہا جائے بس سمجھ لو پانچوں وقت کے نمازی ہیں، ایمانداری سے دنیا کا ہر کام کرتے ہیں، کیا مجال کہ بستی والوں کو کوئی شکایت ہو جائے۔"

"ہاں یہ تو ہے ویسے یہاں سیاحت، سیر و تفریح کے لئے کوئی جگہ ہے۔"

"نہیں صاحب جی، چھوٹی سی بستی ہے، چھوٹے چھوٹے لوگ رہتے ہیں..... سرائے وغیرہ بھی نہیں ہے، ویسے ایک بات ہم کہیں چھوٹی بستیوں میں ایک بڑی آسانی ہوتی ہے جو بڑی بستیوں میں نہیں ہوتی۔"

"وہ کیا۔"

"تم مسافر ہو اتر کر بستی تک پہنچ جاؤ، جس گھر کے دروازے پر جا کر کھڑے ہو جاؤ گے اور اس سے کہو گے کہ باہر سے آئے ہوئے ہو بس وہ اپنے دل کے سارے دروازے تمہارے لئے کھول دے گا اور جھگڑا ہو گا اس بات پر کہ تم اس کے مہمان رہو گے یا کسی اور کے، ان بستیوں میں بس یہی محبت ہوتی ہے۔ ہم تو کئی بار شہروں میں بھی جا چکے ہیں، لوگ اپنے گھر کے دروازوں پر آرام کے لئے بیٹھنے بھی نہیں دیتے، ایک گلاس پانی کی ضرورت ہو تو پانی تک نہیں پلاتے، ایسا کیوں ہے آپ کے شہروں میں۔"

"پتا نہیں بابا جی مگر ویسے اگر شہر آتے اور میرے گھر کے دروازے تک پہنچ جاتے تو میں بھی آپ کو اسی عزت سے اپنے گھر میں جگہ دیتا۔"

"ہاں...... ہاں دُنیا میں سبھی برے تو نہیں ہوتے، اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں کیا سمجھے۔"

"بالکل، بالکل تو یہ ارمان شاہ صاحب بھی مجھے بہت اچھے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"تو اور کیا کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی ان کے ہاتھوں، ویسے یہ ایک چھوٹی سی آبادی ہے بس کھیتی باڑی کر کے زندگی گزارتے ہیں یہ لوگ اور ایسی کوئی چیز بھی نہیں ہے جسے خاص طور سے دیکھا جائے، سیدھے سادے لوگ۔"

"ویسے ارمان شاہ صاحب کتنے عرصے سے یہاں رہتے ہیں۔"

"لو ہماری عمر کیا ہوگی ہمارے پرکھے تک یہیں رہتے تھے، یہی سارا خاندان چلا آرہا ہے اور یہیں عزت سے زندگی گزار رہا ہے، کوئی ایسی بات نہیں ہے جو یہاں کبھی ہوئی ہو سوائے ایک قصہ ہو گیا تھا بس اور پوری بستی میں کھلبلی مچ گئی تھی، اللہ بہتر جانے جی اصل بات کیا تھی۔"

"کیا قصہ ہو گیا تھا۔"

"چھوڑیں ایسی باتوں کو جی، بس جو ہوا اس کے بارے میں ارمان شاہ صاحب نے کہہ دیا تھا کہ کوئی تذکرہ نہ بنایا جائے، کوئی کسی سے اس موضوع پر بات نہ کرے اور شاہ جی اگر کوئی ایسی بات کہہ دیں تو کس کی مجال کہ اس بارے میں بات کرے۔"

"یعنی کوئی واقعہ ہو گیا تھا تو آپ لوگ اسے بتا بھی نہیں سکتے۔"

"شاہ جی نے جو منع کر دیا تھا ورنہ بتانے والی بات تو بتائی ہی جاتی ہے۔" شہاب کو احساس ہو گیا کہ مقامی لوگوں کے دلوں میں ارمان شاہ کے بارے میں کوئی برا تاثر نہیں ہے۔ بہر حال اس سے پہلے کچھ ایسے معاملات سامنے آئے تھے اور کچھ ایسے کیسز بھی سامنے آئے تھے جن میں بعض شخصیتیں ایسی نکلی تھیں جو بالکل نیگیٹو تھیں، لیکن انہوں نے اپنی بستی والوں کی زبانیں بند کر رکھی تھیں اور کوئی بھی ان کے بارے میں ایک لفظ بھی کہنے پر آمادہ نہیں تھا، لیکن الیاس خان کے لہجے اور آواز سے پتا چلتا تھا کہ کم از کم ارمان شاہ کے خلاف کوئی ایسا تصور نہیں ہے بلکہ لوگ اس کی عزت ہی کرتے ہیں...... بہر حال جو ہوگا وہ دیکھا جائے گا۔ ایک دلچسپ مرحلے کا آغاز ہو گیا تھا اور شہاب ایک بار پھر اپنی پسند کے کیس میں ملوث ہو گیا تھا اور اس سے اسے پوری دلچسپی تھی، دلچسپی تو خیر اس کیس سے بینا کو بھی ہوگی لیکن اس بار صورت حال ذرا مختلف تھی۔ ہاں، اگر کچھ ایسے ہی حالات ہوئے کہ بینا کو یہاں بلایا جا سکتا تو

شہاب نے دل میں سوچا تھا کہ اس سے گریز نہیں کرے گا۔

آخر کار بستی رحمان گڑھی آ گئی...... راستے کچے اور ناہموار تھے۔ خوب گرد اُڑتی رہی تھی اور شہاب بھوت بن گیا تھا، اسے اپنی کیفیت کا اندازہ ہو رہا تھا...... الیاس خان اسے اپنے گھر ہی لے آیا تھا۔ ایک غریب آدمی کا گھر جس انداز کا ہو سکتا تھا ایسا ہی گھر الیاس خان کا تھا لیکن بہر حال اس بے چارے نے اسے حتی الامکان سہولتیں فراہم کیں، تانبے کے ایک برتن میں پانی، لکڑی کا بیٹھنے کا ایک تختہ اور صابن اور تولیہ اس کے حوالے کیا بہر حال شہاب نے [illegible] کم از کم اس سلسلے میں بہت زیادہ دقت نہیں اٹھانی پڑی تھی، ورنہ چھوٹی سی بستی رحمان گڑھی میں ہو سکتا ہے اسے ابتداء میں دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا اور اگر براہ راست حویلی جاتا تو لازمی بات ہے ارمان شاہ پہلے سے ہوشیار ہو جاتا، حالانکہ نادر حیات صاحب نے ارمان شاہ کو اس سلسلے میں اطلاع دے دی تھی کہ ایک سرکاری آدمی آ رہا ہے...... بہر حال ساری باتیں اپنی جگہ کم از کم الیاس خان کی مہمان نوازی سے شہاب بہت متاثر ہوا تھا...... الیاس خان نے اپنے کئے ہوئے وعدے کے مطابق اس کے لئے ایک چارپائی بھی ڈلوا دی، اسے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ اچانک ہی کچھ افراد وہاں پہنچ گئے، آنے والوں کے بارے میں اسے ایک لمحے میں اندازہ نہیں ہوا لیکن جب وہ سیدھے سادھے اس کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے تو شہاب حیرانی سے انہیں دیکھنے لگا، ان میں سے ایک نے کہا۔

"صاحب جی کیا آپ شہر سے آئے ہو۔" شہاب تعجب بھری نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا تو ان میں سے ایک نے کہا۔

"وہ جی ہم بڑے شاہ جی کے بھیجے ہوئے ہیں...... بڑے شاہ جی کو پتا چلا ہے کہ آپ یہاں آئے ہوئے ہو...... آپ سرکاری افسر ہو نا اور آپ کا نام شہاب الدین ہے۔" شہاب ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا...... اس کی آمد کا اتنی جلدی ارمان شاہ تک پہنچ جانا بہر حال ایک عجیب کام تھا، لیکن اسے جواب تو دینا ہی تھا۔

"ہاں۔"

"وہ صاحب جی تو آپ ہمارے ساتھ چلو جی، بڑے شاہ جی نے آپ کو بلایا ہے۔"

"میں اپنے میزبان سے اجازت لے لوں۔" لیکن میزبان پیچھے ہی کھڑا ہوا تھا...... الیاس خان مایوس لہجے میں بولا۔

"اور ایسا تو بہت سی بار ہو چکا ہے۔ بڑے شاہ جی کو وہ باتیں پتا چل جاتی ہیں جو کسی اور کو پتا نہیں ہوتیں، پھر سرکاری افسر کا یہاں آنا کیا چھپ سکتا تھا ان کی ذات سے، لیکن ہمیں افسوس ہے کہ ہم تمہاری کوئی خدمت نہیں کر سکے، ویسے چلو بڑے شاہ جی کے مہمان کو یہاں تک لانے میں تو ہم نے اپنا کام سرانجام دے دیا۔" الیاس خان نے جیسے اپنے آپ کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ بہر حال شہاب کو ان دونوں کے ساتھ جانا ہی پڑا لیکن وہ دلچسپی سے ان تمام معاملات کے بارے میں سوچ رہا تھا، اس کا مقصد ہے کہ ارمان شاہ کا نیٹ ورک بہت عمدگی سے کام کر رہا ہے اور بستی میں داخل ہونے والے کسی بھی نئے آدمی کے بارے میں اسے فوراً پتا چل جاتا ہے، ویسے بھی نادر حیات صاحب نے کم از کم اسے اس بات سے تو آگاہ کر دیا تھا کہ وہ ایک سرکاری افسر کو یہاں بھیج رہے ہیں، ہو سکتا ہے اس بعد کے سے ارمان شاہ نے ہر آنے والے کے بارے میں معلومات کے لئے کوئی طریقہ کار متعین کر دیا ہو، اب یہ اس قدر تعجب کی بات بھی نہیں تھی، فاصلہ زیادہ نہیں تھا، ارمان شاہ کی حویلی شہاب کی توقع کے مطابق ہی تھی۔ اصل میں ارمان شاہ کے لئے شہاب کے دل میں یہ تمام خدشات اور تصورات اور شاکو کے فرار ہونے کے بعد اس کا جواد بیگ پر قاتلانہ حملہ اور اس کا پس منظر شہاب کے لئے ایسے واقعات نئے نہیں تھے۔ یہ صاحب ثروت لوگ اس قسم کے گھناؤنے کھیل کھیلتے رہتے ہیں، پس منظر میں سو فیصدی ہی نکلتے ہیں اور انہوں نے اپنے گرد تحفظ کے اتنے جال بنے ہوئے ہوتے ہیں کہ کوئی بھی ان جالوں کے اندر داخل ہونے کی جرات نہیں کر سکتا یا کرے بھی تو اسے کامیابی حاصل نہیں ہوتی، زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا ایسے ہی ایک پہنچے ہوئے شاہ جی سے پہلے بھی شہاب کا واسطہ پڑ چکا تھا اور وہ شخص اتنی گھناؤنی شخصیت کا مالک نکلا تھا کہ شہاب آج تک اس کے تصور سے ذہن کو آزاد نہیں کر سکا تھا اور اس سے پہلے بھی ایسے بہت سے کیس اس کے پاس آ چکے تھے جن میں اسی قسم کے لوگ ملوث نکلے تھے۔

بہر حال یہ ساری باتیں اپنی جگہ ابھی کسی فیصلہ کن مرحلے پر پہنچنا شہاب کے لئے ممکن نہیں تھا، آنے والے دونوں آدمی لباس تو سادہ ہی پہنے ہوئے تھے، لیکن چہروں سے اچھے خاندانی نظر آتے تھے، ان کے چہروں پر جہالت نہیں تھی، پھر حویلی کے دروازے سے اندر داخل ہونے کے بعد وہ شہاب کو مین حویلی کی جانب لے جانے کی بجائے انیکسی کی طرف لے چلے یہ انیکسی اصل کوٹھی سے بائیں سمت بنی ہوئی اچھی خاصی عمارت تھی اور یہاں جس

شہاب کا استقبال کیا یہ کالی سفید داڑھی والا کسی قدر بھاری جسم کا آدمی تھا جس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ایک خوش اخلاق اور نفیس انسان ہے، آگے بڑھ کر شہاب سے ہاتھ ملاتا ہوا بولا۔

"میرا نام اخلاق احمد ہے، یہاں حویلی میں یوں سمجھ لیں آپ کے منیجر کی حیثیت رکھتا ہوں، بڑے شاہ جی مجھ پر بڑا اعتبار کرتے ہیں اور آنے والے مہمانوں کی ذمہ داری بھی میرے ہی سپرد ہوتی ہے، بھائی...... میرے بارے میں تو آپ جان چکے آپ کے بارے میں مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ آپ کا نام شہاب ثاقب ہے، دارالحکومت سے آئے ہیں اور سرکاری افسر ہیں۔"

"آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی اخلاق احمد صاحب اور اب کیونکہ آپ نے میرا استقبال کیا ہے اس لئے آگے بتایئے مجھے کیا کرنا ہے۔"

"اندر آجایئے...... اصل میں ہر نئے آنے والے کے بارے میں جس کی خاص طور سے ہدایت ملی ہو ہم اپنے ذہن میں ایک خاکہ بنا لیتے ہیں۔ بعض اوقات یہ خاکے بالکل مختلف نکلتے ہیں...... آپ آئیے، بعد میں آپ سے باتیں ہوں گی، کپڑے وغیرہ تو بہت خراب ہو رہے ہیں آپ کے۔"

"یہ بات آپ کو کیسے پتا چلی کہ میں الیاس خان کے گھر پر ہوں۔"

"بڑے شاہ جی نے بتایا تھا، کہا تھا ہمارا مہمان بھٹک کر بستی کے ایک اور آدمی کے گھر پہنچ گیا ہے...... ذرا دیکھو اسے جا کر۔"

"بڑے شاہ جی کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی۔"

"اللہ بہتر جانتا ہے...... مجھ سے یہ سوال نہ کریں تو اچھا ہے۔" اخلاق احمد کے چہرے پر ایک دم سنجیدگی طاری ہو گئی تھی، ویسے بھی وہ ایک دیندار آدمی معلوم ہوتا تھا، پیشانی پر نماز کا نشان موجود تھا...... بہر حال انیکسی کے ایک کمرے میں مجھے پہنچا دیا گیا اور اخلاق احمد صاحب نے کہا۔

"شہاب میاں فی الحال آپ کو یہیں آرام کرنا ہوگا، وہ غسل خانہ ہے نہا دھو کر کپڑے بدل لیجئے اور یہ بتایئے کہ آپ کی کیا خدمت کی جائے۔"

"اصل میں الیاس خان نے جو خدمت کر لی ہے اس کے بعد مزید کسی شے کی ضرورت

نہیں...... ہاں، اگر آپ نہانے کی بات کرتے ہیں تو وہ ٹھیک ہے نہائے لیتا ہوں کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے۔" میں نے کہا اور پھر اپنے ساتھ لائے ہوئے بیگ سے ایک جوڑا نکال کر غسل خانے میں داخل ہو گیا۔ جب نہا دھو کر واپس نکلا تو سینٹرل ٹیبل پر ناشتا لگا ہوا تھا...... ایک خاتون وہاں بیٹھی ہوئی تھیں، اخلاق احمد صاحب بھی موجود تھے، خاتون کی عمر تقریباً چالیس پینتالیس سال ہوگی، بہت اچھے نقوش تھے نوجوانی کے زمانے میں خاصی دلکش شخصیت کی مالک رہی ہوں گی، مسکراتی ہوئی کھڑی ہو گئیں، اخلاق احمد صاحب کہنے لگے۔

"بیٹھئے شہاب صاحب...... دل تو چاہتا ہے آپ سے بے تکلفی سے باتیں کی جائیں لیکن بہر حال ایک سرکاری افسر سے اتنے زیادہ بے تکلف ہونے کے نتائج کا بھی پتا نہیں کیا نکلیں گے۔"

"آپ لوگ تو بہت ہی اچھے ہیں اور یہ خاتون کون ہیں۔"

"یہ میری بیگم ہیں...... زرینہ بیگم نام ہے...... اصل میں ان بے چاری کے ساتھ ایک وقت پیش آ گئی جس کی وجہ سے اس چائے وغیرہ کے ساتھ یہ خود بھی یہاں نازل ہو گئیں۔ دیکھو میاں گھر تو تمہارا بھی کوئی نہ کوئی ضرور ہوگا۔ اس گھر میں تمہارے اہل خاندان بھی ہوں گے، بھلا رشتے ناطوں سے کون دور ہوتا ہے، لیکن کبھی کبھی کچھ عجیب سے واقعات ہو جاتے ہیں۔ زرینہ بیگم تصویر دکھائیں آپ شہاب میاں کو پھر اس کے بعد ہماری باتوں میں وزن ہوگا۔" زرینہ بیگم نے اپنے لباس سے ایک تصویر نکال کر شہاب کے سامنے رکھ دی...... پرانے زمانے کی تصویر تھی، بلیک اینڈ وہائٹ لیکن اس میں شہاب کو ایک شخص نظر آ رہا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ شہاب کا بہت زیادہ ہمشکل تھا، چہرے کے نقوش بالکل شہاب سے ملتے تھے، بالوں کا انداز ذرا مختلف تھا...... بہر حال شہاب کی اپنی تصویر نہیں تھی لیکن بہت زیادہ ملتی جلتی شکل تھی۔ شہاب نے حیرت اور دلچسپی سے اس شکل کو دیکھا تھا اور پھر گردن ہلاتے ہوئے بولا تھا۔

"یہ تو آپ نے میری تصویر مجھے دکھا دی، مگر یہ کس کی تصویر ہے، ایسا کوئی لباس میں نے اس سے پہلے نہیں استعمال کیا۔"

"یہ زرینہ بیگم کے بھائی کا بیٹا ہے...... بھتیجا، فوج میں تھا بس اللہ کو پیارا ہو گیا...... زرینہ بیگم اسے جس طرح چاہتی تھی اس کے بارے میں اگر میں تمہیں بتاؤں تو شاید تم یقین

کرو۔ ایک جان دو قالب تھے یہ پھوپھی بھتیجے اور بڑی مثالی محبت تھی ان کے درمیان، اس کی موت کے بعد زرینہ بیگم کافی عرصہ ہسپتال میں رہی تھیں...... بمشکل تمام بے چاری کو صبر و قرار آ سکا...... بہر حال اللہ کی مرضی میں کس کا چارہ ہو سکتا ہے۔ اتفاق کی بات ہے جب آپ یہاں آئے تو زرینہ بیگم کی نگاہ آپ پر پڑ گئی، بس اس کے بعد ان کی بے چینی اس قدر شدت اختیار کر گئی کہ میں نے ان سے کہا کہ بھئی یہ بات تو تم جانتی ہو کہ وہ مرحوم اکرام نہیں ہے، لیکن پھر بھی تم اپنی آنکھوں کی تشنگی بجھانا چاہتی ہو تو اس سے بات چیت کر لو، تھوڑی دیر اس کے پاس بیٹھ جاؤ...... شہاب میاں میں معافی چاہتا ہوں آپ بھی کیا سوچیں گے کہ کیا دقیانوسی لوگ ہیں...... حقیقتوں کو جاننے کے باوجود جہالتوں سے گریز نہیں کرتے اور یہ احمقانہ عمل کر ڈالا ہے، لیکن انسانی کمزوریوں کو نظر انداز تو کرنا ہی پڑتا ہے...... زرینہ بیگم کچھ ایسی بے اختیار ہو گئی تھی کہ مجھے انہیں تم تک لانا پڑا۔"

"اور اس بات پر آپ مسلسل شرمندگی کا اظہار کئے جا رہے ہیں، اخلاق احمد صاحب یعنی مجھے شرمندہ کرنا ضروری ہے، کون انسانی کمزوریوں سے انکار کر سکتا ہے۔ کیا آپ مجھے زرینہ بیگم کو پھوپی جان کہنے کی اجازت دیں گے۔" شہاب نے کہا اور زرینہ بیگم بے اختیار اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی، شہاب نے ان کی بھرپور پذیرائی کی تھی۔ بہر حال رزم کی زندگی ایک الگ چیز ہوتی ہے، جنگ و جدل جرم و سزا، انسانی فرائض ساری چیزیں اپنا ایک الگ مقام رکھتی ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی انسانی جذبات بھی الگ حیثیت رکھتے ہیں...... ایک خونخوار پولیس آفیسر جہاں اپنے فرائض کی بجا آوری میں مجرموں کے لئے ایک طوفان ثابت ہوتا ہے وہیں اس کے دل میں گداز کے ایسے چشمے بھی پھوٹتے ہیں جن میں تمام تر انسانی اجزاء کا مرکب ہوتا ہے۔ بہر حال زرینہ بیگم نے شہاب کا سر سینے سے لگا لیا تھا اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار پھوٹ پڑی تھی۔ یہ ایک الگ کھیل تھا جس کا اس داستان سے کوئی تعلق نہ تھا لیکن دنیا کی ہر داستان کا تعلق جذبات سے الگ کر دیا جائے تو وہ بے کیف اور بے مقصد ہو کر رہ جاتی ہے، کہانی کوئی بھی ہو اگر اسے انسانی احساسات سے دور رکھ کر صرف ایک مشینی عمل سے گزارا جائے تو پتہ نہیں وہ کون لوگ ہیں جو کہانی کے ان واقعات کو انسانی زندگی سے دور سمجھتے ہیں چند لمحوں کے اندر اندر یہ جذباتی کیفیت ختم ہوئی اور شہاب کو یوں محسوس ہوا جیسے اس بستی میں آ کر واقعی اسے کچھ عجیب سی کیفیات سے دوچار ہونا پڑا ہو۔

الیاس خان نے بھی ایک تاثر چھوڑا تھا، بڑے شاہ جی نے اسے طلب کرنے کے لئے آدمی بھیج دیا تھا، پھر اس کے بعد یہ بھائی اخلاق احمد مل گئے تھے۔ یہ تو اپنی جگہ جو کچھ بھی تھے اس کے علاوہ زرینہ بیگم نے کمال ہی کر دیا تھا...... بہر حال کئی گھنٹے شہاب کو ان محبتوں کے درمیان گزارنے پڑے، بڑے شاہ جی کی طرف سے ابھی تک کوئی طلبی نہیں ہوئی تھی۔ اخلاق احمد صاحب بھی چلے گئے تھے...... زرینہ بیگم نے شہاب سے کچھ سوالات کئے تھے، خود بھی شرمندہ شرمندہ سی نظر آ رہی تھیں، گھر کے اندرونی حصے سے کچھ اور نسوانی آوازیں بھی اُبھر رہی تھیں جو بہر حال نوجوان لڑکیوں کی تھیں لیکن شہاب مختلف قسم کا انسان تھا اور پھر اس طرح کے جو رشتے قائم ہو جاتے ہیں ان کا احترام اپنی جگہ ہوتا ہے اور اس احترام کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے، لیکن ابھی تک صرف یہ کھیل ہی جاری تھا، کوئی اہم بات نہیں ہوئی تھی، یہاں تک کہ جب اخلاق احمد صاحب سے موقع نہ ملا تو شہاب نے زرینہ بیگم ہی سے فائدہ اٹھانے کا سوچا۔ زرینہ بیگم کو تلاش کرنے کے لئے اسے دروازے کے باہر قدم رکھنا پڑا تھا اور سامنے ہی ایک نوجوان لڑکی نظر آ گئی تھی۔ نقوش زرینہ بیگم کے تھے، بھاگنے کی کوشش نہیں کی تھی اس نے اور اپنی جگہ کھڑی جھینپی ہوئی نگاہوں سے شہاب کی طرف دیکھتی رہی تھی۔

"وہ سنئے بی بی، زرینہ پھوپھی کہاں ہیں...... آپ کو تکلیف تو ہوگی، بتلا دیں گی انہیں۔"

"بلا کر لاتی ہوں۔" لڑکی نے کہا اور اندرونی حصے کی جانب بڑھ گئی۔ شہاب اندر واپس آ گیا تھا، کچھ لمحوں کے بعد زرینہ بیگم اندر داخل ہو گئیں۔

"آ ہی رہی تھی تمہارے پاس، بچیاں پوچھ رہی ہیں کہ کھانے میں کیا پسند کرو گے، اس وقت کا کھانا تو تمہیں ہمارے ہی ساتھ کھانا پڑے گا...... بڑے شاہ جی اگر مصروف نہ ہوتے تو یقینی طور پر تمہیں اب تک اندر بلا لیا جاتا لیکن سنا ہے وہ بڑے مصروف ہیں۔"

"پھوپھی جان کھانے کا کوئی مسئلہ نہیں ہے جو آپ پکائیں گی وہی کھا لیں گے...... آپ بیٹھئے تو سہی ویسے اخلاق احمد صاحب کہاں گئے؟"

"باہر نکلے ہوئے ہیں، میرا خیال ہے کسی کام سے ہی بھیجا ہوگا ورنہ آ جاتے اب تک۔"

"میں نے تو ابھی تک بڑے شاہ جی کی شکل بھی نہیں دیکھی۔"

"میں نے کہا نا کچھ مصروف ہوں گے ورنہ اب تک تمہیں ہم سے چھین لیا جاتا، ویسے شہاب میاں سوچا تو یہ تھا کہ بعد میں تم سے بیٹھ کر باتیں کروں گی اور تم سے تمہارے اہل

خاندان کے بارے میں پوچھوں گی، کوئی ڈرامہ یا کوئی کہانی تو ہو نہیں سکتی۔" زرینہ بیگم کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی...... شہاب خاموشی سے گردن جھکائے بیٹھا رہا تھا۔ یہ سب کچھ بھی ڈیوٹی ہی کا ایک حصہ تھا ورنہ ظاہر ہے وہ ان تمام باتوں میں دلچسپی تو لے نہیں سکتا تھا، یہ کہانیاں تو قدم قدم پر بکھری ہوئی ہیں...... تاہم بعض کاموں کے لئے انسان کو سوشل ہونا پڑتا ہے۔ زرینہ بیگم نے تھوڑی دیر کے بعد اپنے آپ کو سنبھال لیا اور بولیں۔

"چار بیٹیاں ہیں میری، اللہ تعالیٰ نے کوئی بیٹا نہیں دیا تم سرکاری افسر ہو مگر اس بات کو یا ریں کہ اللہ نے تمہیں شکل ایسی بخش دی کہ میں اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکی۔"

"کوئی بات نہیں پھوپھی جان بعض اوقات رشتے سرراہ بھی بن جاتے ہیں...... میں آپ کے بھتیجے کا ہم شکل ہوں...... آپ مجھے تھوڑا سا وہی مقام دے دیں...... تین بھائی ہیں ہم لوگ، دو بہنیں ہیں، والدہ ہیں...... والد صاحب کا انتقال ہو چکا ہے اور خدا کے فضل سے ایک اچھی زندگی گزر رہی ہے میں شادی شدہ ہوں...... بینا میری بہت اچھی دوست بھی ہیں اور بیوی بھی، یہاں ایک سرکاری کام سے آیا ہوں...... بس اتنی سی کہانی ہے میری، آپ اگر دارالحکومت آئیں گی، میرے اہل خاندان سے ملیں گی تو آپ یقین کیجئے وہ سب آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گے اور رشتہ تو بن جاتا ہے اس طرح اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس چند روزہ زندگی میں اگر ہم اپنے کسی مشکل مسئلے کو اس طرح پرسکون کر لیں تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک اچھی بات ہوتی ہے، باقی جہاں تک آنے جانے کا سلسلہ لگا رہتا ہے تو لاتعداد افراد روزانہ پیدا ہوتے ہیں اور لاتعداد اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں...... یہ ہمارا کھیل نہیں ہے یہ کھیل کھیلنے والا کوئی اور ہی ہے جسے ہم کسی بھی طرح اس کے کھیل سے نہیں روک سکتے۔"

"ٹھیک کہتے ہو بیٹے ویسے یہاں اس سلسلے میں، میرا مطلب ہے کہ تمہارا آنا کس سلسلے میں ہوا ہے...... شاہ جی سے کوئی سرکاری کام تھا۔"

"اب آپ سوچیں گی کہ میں نے یہاں آنے کے بعد آپ سے جاسوسی شروع کر دی۔ ایک چھوٹا سا کام ہے اور اگر آپ مجھے بھتیجے کا درجہ دیتی ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ تو بہت ضروری ہو جاتا ہے کہ میں آپ سے تھوڑا سا فائدہ اٹھانے کی کوشش کروں...... یہ فائدہ میرے کام ہی کے سلسلے میں ہے مجھے آپ سے معلومات حاصل ہو جائیں گی تو میرے لئے بڑی کارآمد رہیں گی۔"

"ہاں ..... ہاں ..... بولو بولو ..... کیا بات ہے ..... کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟"

"تھوڑے عرصے قبل کی بات ہے پھوپھی جان یہاں دو خواتین قتل ہو گئی تھیں شاکر خان نامی ایک شخص اپنی بیوی اور بھاوج کے ساتھ یہاں رہتا تھا، اسی نے اپنی بیوی اور بھاوج کو کچھ وجوہات کی بنا پر قتل کر دیا تھا، وہ وجوہات مجھے معلوم ہیں، آپ کے سامنے ان کا تذکرہ نہیں کروں گا۔"

"اللہ ہی بہتر جانتا ہے بیٹے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے ..... ہاں ایک عورت ہونے کے رشتے سے اور ایک کمزور ذہن کی مالک اپنے آپ کو تسلیم کرتے ہوئے اتنا تو میں کہہ سکتی ہوں کہ دونوں عورتیں نیک تھیں کسی کے اندر برائی کا کوئی پہلو نہیں تھا، خوش اخلاق، ملنسار اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بہت خوبصورت تھیں، بس کچھ لعنتی لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے لئے اللہ نے بہر حال ایک دن متعین کیا ہوا ہے ..... رسی دراز ہوتی ہے ان کی لیکن جب کھینچتی ہے تو اس طرح کہ پھر وہ سنبھال نہیں سکتے ..... فرزند جہنمی اپنا کام کر کے بھاگ گیا اور اس کے بعد دو عورتوں کی زندگی چلی گئی، ایک خاندان برباد ہو گیا ..... شاکر خان بھی بس دیوانہ ہی ہو گیا تھا بس، کیا کہا جا سکتا ہے اس بارے میں انسانی غیرت بہر حال جوش میں آ جاتی ہے اور پھر بس ..... کیا بتاؤں بھائی، بڑا دکھ رہا یقین کرو، ہفتوں کھانا نہیں کھایا گیا، راتوں کو نیند نہیں آئی بس یوں سمجھ لو کہ جو کچھ ہوا وہ بڑا ہی دردناک تھا ..... ایک بات تو میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں عورت ہونے کی بنیاد پر وہ یہ کہ عورتیں دونوں بری نہیں تھیں۔"

"لیکن پھوپھی جان سنا ہے شاکو یہ قتل تسلیم نہیں کرتا تھا، وہ تو یہ کہتا تھا کہ اس نے ان دونوں عورتوں کو قتل نہیں کیا۔"

"ہاں سنا تو میں نے بھی یہی تھا لیکن بہر حال مجرم کب مانتا ہے شاکو جذبات میں آ کر جو قدم اٹھا بیٹھا بعد میں احساس ہوا ہو گا کہ خود اپنی زندگی مشکل میں پڑ گئی، پھر انسان کو جب ہوش آتا ہے تب وہ اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتا ہی ہے۔"

"خود بڑے شاہ جی کا کیا کہنا تھا اس سلسلے میں۔"

"کچھ نہیں، بڑے شاہ جی نے کچھ بھی نہیں کہا اس بارے میں، اتنا ہی کہا کہ شاکو جلد بازی کر گیا تو، بے وقوف مجھ سے بات تو کر لی ہوتی یہ سب کچھ کرنے سے پہلے، ایک بار تو مجھ سے مشورہ لے لیا ہوتا، کچھ کرتا میں تیرے لئے، جذبات میں اندھا ہو گیا تھا تو پاگل، اب تو

پار کر سکتا ہوں ..... تیری تقدیر یہی چاہتی تھی تجھ سے، بات میرے بس سے باہر ہے، مگر وہ یہی کہتا رہا بڑے شاہ جی مجھے بچالو میں نے یہ سب کچھ نہیں کیا ہے ..... بس بڑے شاہ جی بھی دوسری قسم کے آدمی ہیں، اس بات کو برداشت نہیں کر سکے کہ شاکو نے ان کے مشورے کے بغیر ہی سارا کچھ کر ڈالا، کہنے لگے بھائی اب جو کیا ہے بھگت، گواہی بھی دی تھی بڑے شاہ جی نے تو عدالت میں، انہیں کوئی ہمدردی نہیں تھی شاکو سے کیونکہ فرزند نے تو خیر گندگی کر ہی ڈالی تھی بڑے شاہ جی کا کہنا تھا کہ شاکو کو اس سلسلے میں خود کوئی فیصلہ نہیں کر لینا چاہئے تھا، بلکہ بڑے شاہ جی سے مشورہ کرنا چاہئے تھا، اس کے بعد سچی بات تو یہ ہے کہ بڑے شاہ جی پر بھی کچھ ذمہ داری آتی تھی کیونکہ بات ان کی کوٹھی میں ہوئی تھی، چنانچہ وہ بے چارے کیا کرتے جو قانون کے تقاضے تھے وہ انہوں نے بھی پورے کئے باقی لوگوں نے بھی گواہی دی۔"

"ہوں ..... تو بڑے شاہ جی نے بھی اس سلسلے میں شاکو کو سزا دلوانے کے لئے۔"

"وہ تو کرنا تھا، بڑے شاہ جی کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ تو نہیں تھا نا، ایک قاتل، ایک مجرم کو بھلا کون بچا سکتا ہے۔"

"مگر شاکو یہاں سے بھی گرفتار نہیں ہوا تھا؟"

"بھاگ گیا تھا اس بچی کو لے کر جو اس کے بھائی کی بیٹی تھی، کم بخت نے شاید بچی کی بھی گردن دبا کر کہیں اسے بھی دبا دیا ..... ہائے ایسی معصوم اور پیاری بچی تھی کہ کیا بتاؤں تمہیں بس یہ ہے ساری کہانی۔"

"یہاں حویلی میں بڑے شاہ جی کے ساتھ اور کون کون رہتا ہے۔"

"بڑے شاہ جی اور ان کے گھر کے اور بھی دوسرے لوگ ہیں، کیوں؟ یہ سوال کیوں کر رہے ہو۔"

"نہیں ..... میں نے ویسے ہی پوچھا تھا کہ بڑے شاہ جی کے اور بھائی وغیرہ تو ہوں گے۔"

"نہیں ..... بھائی وائی کوئی نہیں ہے ..... بڑے شاہ جی لاولد ہیں کوئی اولاد نہیں ہے ان کی اور ویسے بھی بے چارے بس کیا بتاؤں یوں سمجھ لو درویش ہیں ..... درویش ہیں پورے نگاہیں نیچی رکھنا ہر وقت دینداری میں مصروف رہنا یہی ان کی زندگی ہے، بہت اچھے آدمی ہیں ..... بستی میں کبھی کسی کو ان سے کوئی شکایت نہیں ہوئی۔"

"بستی میں اور بھی ایسے واقعات ہوئے ہیں میرا مطلب ہے نوجوان عورتوں کے

قتل کے۔"

"نہیں، مجھے نہیں معلوم...... تم نے تو مجھ سے ہی پولیس والی باتیں شروع کر ڈالیں...... کسی کام کی تحقیقات کے سلسلے میں آئے ہو۔" زرینہ بیگم ہنس کر بولیں اور شہاب بھی ہنسنے لگا اور پھر بولا۔

"واقعی۔" بہرحال خاصی بہتر معلومات حاصل ہو گئی تھیں، شہاب کو مسز اخلاق سے اور اس کے بعد پھر اس کی پیشی بڑے شاہ جی کے دربار میں ہو گئی۔ دربار ہی کہا جا سکتا تھا اسے ڈرائنگ روم تھا کہ دیکھنے دکھانے سے تعلق رکھتا تھا، بہت ہی اعلیٰ جگہ تھی، دیکھ کر ذہن پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی...... بڑے شاہ جی تندرست و توانا اور لمبے چوڑے آدمی تھے، بہت ہی بہترین صحت کے مالک، آنکھوں میں ایک نیم غنودگی سی کیفیت تھی اور انہوں نے صرف ایک بار نگاہیں اٹھا کر شہاب کو دیکھا تھا، پھر نظریں نیچے جھکا لی تھیں۔

"شہاب ثاقب آسمانوں پر سفر کرنے والے کبھی کبھی نام کے اثرات انسان کی شخصیت کو بھی متاثر کرتے ہیں، اپنی زندگی میں کامیاب رہے ہو یا کچھ ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔"

"کامیابیوں اور ناکامی کا تصور بس انسان کے اپنے خیالات و تصورات کے ساتھ ہے لیکن اپنی جتنی پہنچ بنالی جاتی ہے اگر اسی پہنچ کو تکمیل کا درجہ دیا تو تعین کر لیا جاتا ہے اور میرا خیال ہے میں اپنی تکمیل کو مکمل سمجھتا ہوں ورنہ خواہشوں کے پھن تو انسان کو حیات کے آخری لمحے تک ڈستے رہتے ہیں اور اطمینان نام کی کوئی چیز اسے کبھی نہیں حاصل ہوئی۔ اب ان خواہشوں میں بعض اوقات دنیا کی آسائش، اپنی پسند کی ہر شے حاصل کر لینے کا تصور ہوتا ہے اور بعض اوقات یہ خواہشات مختلف ہوتی ہیں اور میں سمجھتا ہوں شاہ جی کہ خواہشات کی تکمیل کو صرف موت ہی کا نام دیا جا سکتا ہے۔"

"بڑی اچھی بات کہی، بڑی اچھی بات کہی بہت پسند آئی، اچھا چلو چھوڑو...... یہ بتاؤ نادر حیات صاحب نے ہمارے لئے کچھ حکم بھیجا ہے، بڑے اچھے آدمی ہیں، بس چونکہ تعلق قانون کے ایسے محکمے سے ہے جس میں انسان کے تحفظ کا مسئلہ بھی ہے...... شاکو جیل سے فرار ہو گیا ہے، سنا ہے اس نے ایڈووکیٹ پتا نہیں کیا نام تھا اس کا، جس نے اس کا کیس بھی لڑا تھا اس پر قاتلانہ حملہ کیا ہے۔ غالباً اس قتل کے کیس کا فیصلہ سنانے والے جج اشتیاق صاحب تھے۔ ان کا بھی انتقال ہو چکا ہے۔ نادر حیات صاحب نے یہی بتایا تھا کہ شاکو تین آدمیوں کا

دشمن تھا اور اس نے یہی کہا تھا کہ وہ ان تینوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا...... ہم بھی اسی میں دنیا ہیں...... ارے بھائی اپنی دیکھو، ہمارا کیا ہے...... درویش منش ہیں، آنے جانے کا کوئی نہیں رکھتے...... دنیا میں سانس لینے والا ہر نیا وجود اپنی خواہش، اپنی پسند سے اس دُنیا میں نہیں آتا اور یہی کیفیت جانے والے کی ہے، کون جانا پسند کرتا ہے لیکن وقت کا بلاوا آ جائے تو کوئی روک کر دکھا دے...... نادر حیات ہوں، تم ہو، چار آفیسر بھیج دیئے تھے ہمارے تحفظ کے لئے، معذرت کی اور واپس کر دیا، تم بھی ایسا کرو، رحمان گڑھی آئے ہو گھومو پھرو، بھولی سی جگہ ہے کچھ بھی نہیں ملے گا تمہیں یہاں سیر و سیاحت کے لئے۔ ہاں تازہ ہوا، تازہ دودھ، تازہ سبزیاں، سادہ سادہ لوگ جو شہر میں ذرا مشکل ہوتے ہیں ان کے درمیان تھوڑا وقت گزارو...... شاکو اگر یہاں آیا تو دیکھ لیں گے اسے بھی، اب اتنے چوہے بھی نہیں ہیں ہم...... اتنی طویل زندگی گزار چکے ہیں اس زندگی میں دوست بھی ہیں اور دشمن بھی...... احمق اگر ہم سے مشورہ لے لیتا تو ہم اس سے کہتے صبر کر، فرزند کو تلاش کرنا ہمارا کام ہے بنی جو اصل مجرم تھا اسے تو نکال دیا اور جو خود مجرم نہیں تھا بس وقت نے اسے مجرم بنا دیا...... غیرت مند ہونا اچھی بات ہے لیکن دیوانگی بہرحال انسان کو انسان کی زندگی لینے کا کوئی حق نہیں ہے اور وہ دیوانہ ہو گیا تھا اور اب سنا ہے کہ دیوانگی میں مزید مارا مارا پھر رہا ہے۔ بہرحال چھوڑو ان باتوں کو، ارے ہاں گھومنے پھرنے کے لئے جاؤ تو اخلاق احمد سے کہہ دینا ہمارے منیجر ہیں، وہی جن کے ہاں تم نے قیام کیا تھا ہر طرح کا بندوبست کر دیں گے۔"

"جی۔"

"اور سنو اپنے آپ کو خواہ مخواہ کی احمقانہ ہلاکتوں میں مت ڈالنا بلاوجہ پریشان رہو گے۔ شاکو ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا، ہمارے پاس انتظام ہے، آ گیا تو پکڑ کر تمہارے حوالے کر دیں گے باقی بے فکر رہنا، اب کیا کہیں تم سے یوں سمجھ لو کہ ہمارے اِرد گرد ہمارے ایسے نادیدہ دوست پھیلے ہوئے ہیں جو شاکو جیسے ہزار انسانوں سے ہمارا تحفظ کر سکتے ہیں، اس لئے ہم نے نادر حیات سے تو اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا تم سے کہہ رہے ہیں کہ کسی احمقانہ عمل میں نہ پڑنا، ٹھیک ہے۔"

"جی بہت بہتر، میں آپ کی ہر ہدایت پر عمل کروں گا۔"

شہاب نے جواب دیا اور ارمان شاہ نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی، پھر اس کے بعد

اس نے شہاب کو اخلاق احمد کے حوالے کر دیا تھا۔ اخلاق احمد صاحب نے اسے پیشکش کی کہ اگر چاہے تو انیکسی میں بھی اس کے لئے آرام سے بندوبست ہو سکتا ہے بلکہ ان کی مرضی یہی کہا ہے کہ اگر ممکن ہو سکے تو شہاب کو یہیں انیکسی میں ہی ٹھہرا لیا جائے...... شہاب میاں تم کیا پسند کرو گے۔"

"میرا خیال ہے مناسب نہیں ہو گا، اخلاق احمد صاحب زرینہ پھوپھی جذباتی ہو گئی ہیں لیکن آپ کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہو چکی ہے کہ میں یہاں کس سلسلے میں آیا ہوں اور یہ بڑے شاہ جی کی ہدایت بھی ہے...... میرا خیال ہے آپ بھی کسی طور اس سے منحرف ہونا پسند نہیں کریں گے۔"

"ہاں۔" اخلاق احمد صاحب نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا، غرض یہ کہ شہاب کو انیکسی سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک خوبصورت جگہ قیام کرا دیا گیا، بڑی اچھی جگہ تھی یہ اور مہمان خانہ ایک معیاری حیثیت کا حامل، ارمان شاہ کے بارے میں شہاب نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ بہت ہی خود اعتمادی کا شکار ہے اور کسی قسم کی خوف و دہشت میں مبتلا نہیں ہے اس نے جن نادیدہ محافظوں کا تذکرہ کیا تھا میرے ذہن میں اس سے یہی مطلب آیا تھا کہ ارمان شاہ صاحب خود کو درویش یا ولی ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں اور وہ نادیدہ محافظ شاید وہ موکل ہو سکتے ہیں جو ان کے قبضے میں ہوں لیکن بہر حال شہاب بھی سرکش آدمی تھا اور اپنے طور پر اس نے کبھی ایسی باتوں کو قبول نہیں کیا تھا، جب تک کوئی یقینی چیز نگاہوں کے سامنے نہ آ جائے...... چنانچہ اپنی اس نئی رہائش گاہ میں پہنچنے کے بعد اس نے آئندہ کے لئے لائحہ عمل ترتیب دینا شروع کر دیا، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شاکو اگر یہاں آ جائے تو کیا وہ ارمان شاہ کو نقصان پہنچا سکتا ہے، جہاں تک معاملہ مرزا جواد بیگ کا تھا تو وہ بے چارے اپنی بیوی کو لے کر محفوظ مقام پر نکل گئے تھے۔ شاکو کا جہاں تک معاملہ تھا اس کے بارے میں شہاب اپنے سابقہ تجربے کی بنیاد پر کام کرنا چاہتا تھا۔ ارمان شاہ صاحب کی شخصیت کو وہ در حقیقت ابھی تک نہیں سمجھ پایا تھا، جملوں میں تو یہ شخص بالکل ہی مختلف نظر آتا تھا اور نجانے کیوں شہاب کو احساس ہوتا تھا کہ شاید یہاں اس کا تجربہ مار کھا گیا ہے اور وہ مکمل طور پر ایک آدمی کو سمجھنے میں ناکام رہا ہے۔ کیا یہ شخص کوئی غلط انسان ہو سکتا ہے اس کا اندازہ ایسا ہی تھا لیکن بہر حال سارے معاملات اپنی جگہ سابقہ تجربات ایسے تھے کہ اس قسم کے بہت سے افراد اسے دو چار

بہت میں نظر آئے تھے بلکہ بعض اوقات کچھ لوگ اسی انداز میں کام کرتے ہیں...... پہلے بے شمار خول چڑھا لیتے ہیں اور اس کے بعد صورت حال بالکل بدل جاتی ہے۔ غور کرنے کے بعد ہی صحیح فیصلہ کیا جا سکتا تھا، چنانچہ شہاب نے اس سلسلے کو ذرا سی وات دے دی تھی اور یہ سوچا تھا کہ کام چاہے دیر سے ہو لیکن اس میں استحکام ہونا ہے اور اس کے علاوہ اسے یہ خیال بھی تھا کہ شاکر خان یا شاکو کے بارے میں بھی یہاں معلومات حاصل کی جائیں اور اس کے لئے اسے کوئی مناسب شخصیت درکار تھی، اس مختصر سے قیام کے دوران اس نے یہ اندازہ تو لگا لیا تھا کہ نا صرف کوٹھی کے اندر رہنے والے بلکہ باہر کے لوگ بھی ارمان شاہ کے لئے دل میں کوئی برائی نہیں رکھتے۔ ارمان شاہ خود بہت مطمئن تھا، حالانکہ شہاب نے یہاں سیکورٹی کے کوئی خاص انتظامات نہیں دیکھے تھے...... ارمان شاہ کا اطمینان اس کے لئے باعث حیرت تھا، کچھ وقت گزر گیا اور اس وقت ارمان شاہ اور اخلاق احمد ساتھ ساتھ کہیں گئے ہوئے تھے کہ ایک خوبصورت سی لڑکی شہاب کے پاس پہنچ گئی۔

"بھائی آپ کو امی نے بلایا ہے۔ میرا نام فرحانہ ہے اور میں اخلاق احمد کی بیٹی ہوں۔"

"آپ جائیے بیٹے...... میں آ رہا ہوں۔" شہاب نے لڑکی سے کہا اور وہ مسکراتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ یہ ذمہ داری تھی جو شہاب کو سر انجام دینا تھی۔ آخر کار وہ زرینہ کے پاس پہنچ گیا۔

"یہ نہ سمجھنا کہ میں نے شوہر سے چھپ کر تمہیں بلایا ہے ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اصل میں کچھ تھوڑے سے معاملات مجھے اخلاق صاحب نے بتائے تھے اور کہا تھا کہ ذرا سا اجتناب برتنا پڑے گا مجھے تم سے اور جذباتی ہونے کی کوشش نہ کروں، بلکہ ذرا سی احتیاط رکھوں چونکہ معاملہ بالکل مختلف ہے، بس یوں سمجھ لو کہ اب تک تم سے کم ملاقاتوں کی بنیادی وجہ یہ ہے ورنہ دل تو چاہتا ہے کہ تمہیں اتنا دیکھوں، اتنا دیکھوں کہ دل بھر جائے۔" شہاب مسکرانے لگا اور کہا۔

"یہ تو میں کبھی نہ چاہوں گا کہ آپ کا دل مجھے دیکھنے سے بھر جائے پھوپھی جان بہر طور آپ نے مجھے ایک رشتہ دیا ہے اور بعض رشتے اس قدر قیمتی اور دلکش ہوتے ہیں کہ زندگی کی قیمت پر نہیں کھوئے جا سکتے، میں یہ کبھی نہیں چاہوں گا۔"

”نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا، اچھا خیر چھوڑو، مجھے اپنے بارے میں کچھ اور بتاؤ۔“

”آپ مجھ سے پوچھئے۔“

”میں چاہتی ہوں تم سے مستقل تعلقات رہیں...... یہ تو بتایا تھا تم نے کہ تمہاری شادی ہو گئی ہے، کون بچی ہے۔“

”بینا نام ہے خود بھی وکیل ہے...... محکمہ پولیس میں بھی اسے ایک عہدہ حاصل ہے لیکن ہم سرکاری مراعات سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں، یعنی یہ کہ شادی کے بعد بہانہ تعلق تو ہے محکمہ پولیس سے لیکن بس محکمہ پولیس گھر میں آگیا ہے اور کام گھر ہی کی حد ہو رہا ہے۔“

”ہاں بالکل...... بالکل...... میں سمجھ رہی ہوں اور یہ بھی کہہ رہی تھی میں اخلاق صاحب سے کہ اب جب مجھے ایک ایسی شخصیت ملی ہے تو شاید میں اسے اتنی آسانی سے نہ چھوڑ سکوں، چنانچہ مجھے اس کے لئے اجازت درکار ہے...... میں یہ رابطے رکھنا چاہتی ہوں۔“

”آپ ایسا کر کے یوں سمجھ لیجئے کہ مجھ پر احسان کریں گی، ایک ایسی آرزو جو میں خود کرنا چاہتا تھا آپ نے اس میں پہل کر کے میری عزت بڑھائی ہے۔“

”خدا تمہیں خوش رکھے، یقین کرو وہ میرا بچپن کا...... اچھا چھوڑو یہ بتاؤ یہاں کس سلسلے میں آئے ہو، پولیس کی طرف سے کوئی کارروائی سونپی گئی ہے تمہیں۔“

”جی ہاں...... ایک بار سوچا تھا کہ آپ سے اس موضوع پر گفتگو کروں لیکن پھر یہ خیال آیا کہ کہیں آپ کے لئے کوئی مشکل نہ بنے۔“

”نہیں...... ہم تو بس یوں سمجھ لو کہ سادگی سے یہاں وقت گزار رہے ہیں، کوئی ایک اہم بات نہیں ہے جو قابل تذکرہ ہو۔“

”اصل میں یہاں جو حادثہ ہوا تھا جس کا تذکرہ اس دن آپ سے ہوا تھا مجھے اس کے بارے میں معلومات درکار تھیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ میں ابھی تک اس میں ناکام رہا ہوں۔“

”حقیقت تو یہ ہے شہاب کہ وہ واقعہ بڑا ہی پر اسرار ہے اور صحیح معنوں میں کوئی بھی اس کی تشریح نہیں کر سکتا، جہاں تک شاکر خان کا تعلق ہے وہ بہت اچھا انسان تھا، تصور بھی نہیں کر سکتا کوئی کہ وہ کسی کو قتل کر سکتا ہے، بس اس پر قتل کا شبہ ظاہر کیا گیا اور اس نے آخری طور پر یہی کہا کہ وہ ان دونوں کا قاتل نہیں ہے...... وہ تو یہی کہتا رہا کہ اس کی بیوی اور

بابی انتہائی صاحب کردار ہیں یا تھیں اور وہ کسی کے فریب میں آنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں، ان کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔“

”خود آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے پھوپی جان۔“

”خدا کی قسم انسان شناسی میں دعویٰ رکھتی ہوں میں اور اسی دعوے کے ساتھ یہ بات کہہ سکتی ہوں کہ بہت ہی نفیس خواتین تھیں وہ، بالکل کوئی ایسی بات نہیں ہے جو کچھ بھی ہوا یا فرزندہ نے جو کچھ بھی کیا وہ یوں سمجھ لو یقینی طور پر زبردستی اور جعل سازی سے کیا ہوگا مگر بس شاکر خان یا تو جذباتی ہو گیا یا پھر اسے پھنسانے کے لئے بھرپور کوشش کی گئی کیا کہا جا سکتا ہے اور باقی جہاں تک رہا انسان کا ایک ایسا عمل، ایک ناکردہ گناہ اور ایک شریف انسان جب برائی کی طرف آتا ہے تو پھر وہ بہت خطرناک ہو جاتا ہے۔“

”ایک بات ذرا تعجب خیز ہے پھوپی جان۔“

”وہ کیا۔“

”ارمان شاہ صاحب کو اس بات کا مکمل طور پر علم ہو چکا ہے کہ مرزا جواد بیگ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ میں ہی تھا جسے اتفاق سے عین وقت پر اس بات کا احساس ہو گیا کہ کوئی شخص مرزا جواد بیگ پر قاتلانہ حملہ کرنا چاہتا ہے، اگر وہ کوشش بروقت نہ ہو گئی ہوتی تو مرزا جواد بیگ اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہوتے اور اب وہ اس قدر خوفزدہ ہیں کہ شاید ملک چھوڑ کر ہی چلے گئے ہیں۔ جج اشتیاق حسین بھی مر چکے ہیں اور اس سلسلے میں ارمان شاہ کو جتنا خطرہ درپیش ہو سکتا ہے وہ کسی اور کو نہیں ہے لیکن ارمان شاہ اس قدر بے تعلق نظر آتے ہیں ان تمام باتوں سے جیسے معاملہ کسی اور کا ہو اور ان کا ان واقعات سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔“

”اصل میں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ارمان شاہ صاحب بہت ہی درویش صفت آدمی ہیں اپنے آپ کو کبھی درویش نہیں ظاہر کرتے لیکن طریقہ کار ایسا ہی ہے، لوگوں کے ساتھ بہت اچھا رویہ ہے ان کا اور یہ سمجھ لو کہ شاید ہی تمہیں کوئی ایسا مل سکے جس سے تمہیں ارمان شاہ کے لئے برائی سننے کا موقعہ ملے، بات کیونکہ اصول کی تھی اور شاکو کے سلسلے میں وہ حقیقت نہیں چھپا سکتے تھے اس لئے انہیں عدالت میں گواہی بھی دینا پڑی اور ہر قسم کے خوف سے بے نیاز ہو کر وہ شاکو کے خلاف کیس میں دلچسپی لیتے رہے، لیکن بڑے کایاں انسان ہیں اور حقیقتوں کو سمجھتے ہیں۔“

”بہر حال ان کی زندگی کا تحفظ ہمارا فرض ہے اور مجھے فی الحال اسی کام پر مامور کیا گیا ہے، ڈیوٹی تو بہر حال دینا ہی ہوتی ہے، چنانچہ میں صرف یہ ڈیوٹی سرانجام دے رہا ہوں۔“

شہاب نے ذہنی طور پر بہت سے فیصلے کئے تھے، لیکن اس سے پہلے کے واقعات میں اور ان واقعات میں زمین و آسمان کا فرق نظر آ رہا تھا، تھوڑے ہی عرصے قبل کی بات ہے کہ اسے اسی طرح کے ایک بہروپئے کا سامنا کرنا پڑا تھا جو اپنے آپ کو درویش کہتا تھا لیکن پھر وہ اس قدر خطرناک نکلا تھا کہ شہاب کو صورت حال سنبھالنا مشکل ہو گئی تھی۔ اس وقت بھی اس کا دل یہی کہہ رہا تھا کہ ارمان شاہ چاہے اپنے آپ کو کچھ بھی کہہ لے لیکن یہ بالکل اسی انداز کا ایک جاگیر دار ہے جس انداز کے ایک جاگیر دار سے اس کا واسطہ پڑ چکا تھا اور اس چیلنج کو قبول کر کے شہاب نے پھر اپنے ماضی کو دہرایا تھا، یہاں حویلی میں اسے کوئی بہت بڑی اہمیت نہیں دی جا رہی تھی...... ارمان شاہ نے بھی اس کے بعد اس سے ایسی کوئی خصوصی ملاقات نہیں کی تھی، ویسے بھی شہاب نے محسوس کیا تھا کہ ارمان شاہ ایک بے پرواہ انسان ہے اور اپنے تحفظ کے لئے اس نے کوئی خاص بندوبست نہیں کیا ہے، پھر شہاب معمول کے مطابق رحمان گڑھی کی سیر کے لئے نکل آیا...... زرینہ اور اخلاق احمد کو وہ اس سلسلے میں بہت زیادہ پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا...... رحمان گڑھی واقعی ایک چھوٹا سا علاقہ تھا اسے بہر حال الیاس خان وغیرہ بھی یاد تھے لیکن الیاس خان کے پاس دوبارہ واپس جانے کے بعد وہ الیاس خان کو اس سلسلے میں کسی طرح سے پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا، البتہ یہ الگ بات تھی کہ الیاس خان خود ہی اسے کھیتوں پر مل گیا تھا۔ شہاب نے اسے ایک لمحے کے اندر پہچان لیا۔ الیاس خان بھی رک گیا تھا، لیکن اس کے چہرے پر اچھے تاثرات نہیں تھے۔ شہاب خود ہی اس کے پاس پہنچ گیا اور اس نے الیاس خان کو سلام کیا، سلام کا جواب دے کر الیاس خان واپس پلٹا تو شہاب نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روکتے ہوئے کہا۔

”ارے کیا بات ہے، الیاس صاحب کچھ ناراض ہو گئے ہیں آپ۔“

”مذاق اڑا رہے ہو ہمارا بھیا، اُڑا لو، ہم تم سے ناراض ہو کر جیتے رہ سکتے ہیں۔“

”اوہو...... ہو، او بھائی، پہلی بات تو یہ کہ تم ناراض ہو، دوسری بات یہ کہ میں تمہارا کیا بگاڑ لوں گا۔“

”بڑے آدمیوں کے مہمان بھی بڑے آدمی ہی ہوتے ہیں۔ ارے ہم کیا ہماری اوقات

خیر، تم تو مہمان ہو بڑے شاہ جی کے ہم سمجھے تمہیں اپنا مہمان، ہم سوچے اپنے دل سے کہ تم ایک آدھ وقت کی روٹی ہماری طرف بھی کھاؤ گے تو بے وقوفی تو ہماری ہوئی نا، تمہارا اس میں کیا قصور ہے۔“

”اچھا...... اچھا تو خان صاحب ناراض ہو گئے ہم سے۔“

”ارے نہیں بھیا۔“

”خان صاحب جب آپ کا دل چاہے آپ اپنے ہاں روٹی کھلا دیجئے اور پھر میں تو بڑے شاہ جی کا مہمان ہوں بھی نہیں میں تو ایک سرکاری آدمی ہوں جو ایک سرکاری کام سے یہاں آیا ہوں۔“

”رکے تو بڑے شاہ جی صاحب کے پاس ہی ہو نا، کیوں ایسی باتیں کرتے ہو جنہیں جھوٹ میں شمار کیا جائے۔“

الیاس خان بولا۔

”اچھا چلئے وعدہ آپ کے ہاں آؤں گا اور خود فرمائش کر کے آپ سے کھانا کھاؤں گا۔“

”چھوڑو کیا رکھا ہے ان باتوں میں، ہمارے لائق کوئی حکم ہو تو بتاؤ۔“

”اگر آپ کی ناراضگی دور نہیں ہوئی خان صاحب تو پھر مزہ نہیں آئے گا۔“

”نہیں ہم ناراض نہیں ہیں بھیا، ہم بہت معمولی آدمی ہیں اور تم ٹھہرے شہر والے، ویسے ہی تمہیں دیکھ کر ڈر لگتا ہے ہمیں تو۔“

”الیاس خان صاحب ایک بات بتایئے، ایک چھوٹا سا کام اگر میں آپ سے لینا چاہوں تو آپ میرا وہ کام کریں گے یا آپ کے دل میں اللہ سے زیادہ بڑے شاہ جی کا خوف ہے۔“

”ایں، یہ کیا کہہ رہے ہو، گالیاں دینا چاہتے ہو، برا بھلا کہنا چاہتے ہو تو کہہ لو بھائی مگر اللہ کے نام کے ساتھ تو ایسے الفاظ نہ کہو۔“

”کچھ پوچھنا چاہتا ہوں آپ سے۔“

”پوچھو، پوچھو بڑے شاہ جی کی عزت ضرور کرتے ہیں اور ویسے بھی وہ برے آدمی نہیں ہیں، لیکن ہمارا ایمان تو ہمارا اپنا ہی ہے نا بھیا، کون سی ایسی بات ہی جسے تم پوچھنا چاہتے ہو۔“

”اصل میں جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا کہ سرکاری آدمی ہوں خان صاحب اور سرکار کی طرف سے کچھ تحقیقات کرنے آیا ہوں۔ یہ بتاؤ اور ذرا سوچ سمجھ کر بتاؤ کہ سچ مچ یہ بڑے

شاہ جی جو ہیں ارمان شاہ صاحب کیسے آدمی ہیں۔"

"دیکھو بھیا ایک بات تو ہم تم سے کہیں آدمی وہ بالکل برے نہیں ہیں، بستی والوں کے ساتھ کبھی برا سلوک نہیں کیا، نیک طبیعت کے رہے ہیں...... ارے تمہارا ان سے کوئی تعلق ہو یا نہ ہو اگر کبھی اپنی کوئی ضرورت لے کر کبھی ان کے پاس پہنچ جاؤ گے تو انکار نہیں کریں گے جس حد تک بھی وہ تمہارے لئے کچھ کر سکتے ہیں ضرور کر کے دیں گے، یہ تو ہم تم سے پورے دعوے کے ساتھ کہہ رہے ہیں۔"

"یہاں تھوڑے دن پہلے ایک واقعہ ہو گیا تھا۔"

"کیسا واقعہ۔"

"ارمان شاہ صاحب کی حویلی میں دو عورتیں قتل کر دی گئی تھیں۔"

"ارے ہاں بس...... وہ فرزندہ یہاں تو یہ بات ہے کہ جب انسان فرزندہ کا نام لیتا ہے تو پہلے لاحول پڑھتا ہے اور پھر فرزندہ کی صورت پر لعنت بھیجتا ہے...... کم بخت نے دو جانیں لے لیں، ایک آدمی کو مصیبت میں گرفتار کرا دیا۔"

"فرزندہ نے جانیں لے لیں۔"

"بھائی کسی کی عزت لوٹو گے تو جس کی عزت ہوتی ہے اس کو دکھ تو ہوتا ہے۔ ارے عزت دار، غیرت دار تھا مگر جلدی کر گیا، مارتا تو اس کمینے فرزندہ کو جس نے یہ حرکت کی تھی، دو عورتوں کو مارنے سے کیا ملا، کون جانے کس کی بات سچ تھی، کس کی جھوٹ ہو سکتا ہے الزام ہی ہو ان عورتوں پر، فرزندہ کمینہ تو بھاگ گیا وہ بے چاری ماری گئیں اور شاہ جی پھنس گیا پوری زندگی کے لئے۔"

"فرزندہ کے اہل خاندان بھی تو ہیں یہاں۔"

"ہمارے گھر کے پچھواڑے ہی تو رہتے ہیں...... ایک بہن ہے، ایک بہنوئی ہے اور ماں ہے، پاگل ہو گئی ہے بے چاری، اکیلا ہی بیٹا تھا اور وہ بھی نگاہوں سے دور ہو گیا ہے۔ ارے تھا ہی کمینہ جو ماں کو چھوڑ دے اس سے بڑا کمینہ کون ہو سکتا ہے۔"

"آپ کے گھر کے پچھلے حصے میں رہتے تھے فرزندہ کے اہل خاندان۔"

"بتا تو دیا حمیدا ہے اس کے بہنوئی کا نام، بہن کا نام سکھی ہے۔"

"میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"تو مل لو، ان سے ملنا کون سا مشکل کام ہے۔"

"ابھی مل سکتا ہوں۔"

"بھائی جب مل لو، ہم سے تو ایسے پوچھ رہے ہو تم جیسے ہم تمہیں اجازت دیں گے تو تم ان سے مل سکتے ہو ورنہ نہیں۔"

"تو پھر مجھے وہاں پہنچا دیں۔"

"گھر بتائے دیتے ہیں، تھوڑا سا کام ہے ہمیں جو ہم کر رہے ہیں۔"

"گھر بتا دیجئے بس۔" پھر شہاب الیاس خان کی رہنمائی میں فرزندہ کے گھر کے دروازے پر پہنچ گیا اور دروازے کی زنجیر بجانے پر ایک بھاری بھر کم بدن کے آدمی نے دروازہ کھولا، چہرے سے ہی خبیث نظر آ رہا تھا، کڑی نگاہوں سے شہاب کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"کہو بابو جی کیا بات ہے، کوئی کام ہے ہم سے۔"

"حمیدا ہے تمہارا نام۔"

"ہاں۔"

"تم سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیسی معلومات۔"

"فرزندہ کے بارے میں۔"

"اس کے بارے میں ہم کوئی بات نہیں کریں گے، بھاگ جاؤ۔" اس نے کہا اور دروازہ بند کرنے کی کوشش کی لیکن شہاب نے دروازے میں پاؤں اڑا دیا اور بولا۔

"میرا تعلق پولیس سے ہے حمیدا، یہاں سے تمہیں جوتے مارتا ہوا لے جاؤں گا پولیس اسٹیشن، وہاں پہلے ایک ہفتے تک بند رکھوں گا الٹا لٹکا کر مار لگاؤں گا اور پھر اس کے بعد تم سے فرزندہ کے بارے میں پوچھوں گا۔"

"بلاوجہ ہی، ہمیں نہیں معلوم فرزندہ کے بارے میں اور پولیس کے کپڑے کب پہنے ہوئے ہو تم۔"

"یہ دیکھو یہ میرا کارڈ ہے۔" شہاب نے کہا اور اپنا سروس کارڈ نکال کر حمیدا کے سامنے کر دیا جس پر وردی والی تصویر لگی ہوئی تھی...... حمیدا نے اسے دیکھا اور اس کا رویہ بدل گیا، وہ کہنے لگا۔

"معاف کرنا افسر صاحب آپ خود سوچو ہم تو نہیں جانتے تھے کہ آپ پولیس والے ہو یا نہیں اور پھر سچی بات تو یہ ہے کہ جس بندے کی وجہ سے ہماری اتنی بدنامی ہوئی ہے ہم اس کے بارے میں زیادہ بات نہیں کرنا چاہتے تھے تو اس میں ہمارا کون سا قصور تھا...... آجائیے جی، اندر آجائیے، ہم بھی شہر میں رہ چکے ہیں، بس میں کنڈیکٹری کرتے تھے اب نوکری چھوڑ کر یہاں آگئے ہیں...... اس کمینے فرزند نے سب کچھ بیڑا اغرق کر کے رکھ دیا، شہر میں اچھی خاصی کمائی ہوتی تھی لیکن یہاں آکر ڈنڈے بجا رہے ہیں اور رکھا ہوا کھا رہے ہیں کیا کریں...... بڑی بی الگ پاگل ہو گئی ہیں، انہیں سنبھالنا بڑا مشکل کام ہے۔" حمیدا کہنے لگا، اچانک ہی اسی وقت ایک تیز آواز سنائی دی۔

"مجھے کھول دو جہانگیر بادشاہ اب تو تم نے زنجیر بھی اتار لی ہے۔ ارے میں کس کی زنجیر ہلاؤں...... میں کس سے فریاد کروں، بادشاہ، او بادشاہ۔" یہ ایک بوڑھی آواز تھی...... شہاب اندر داخل ہوا تو اسے ایک نوجوان لڑکی نظر آئی...... تھی تو نوجوان ہی لیکن چہرے کے نقوش میں جو کیفیات جھلکتی تھیں وہ نوجوانی کا مذاق اڑاتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں، بدحال، بدحالی اور پریشانی انسان سے اس کا کیا کچھ چھین لیتی ہے...... حمیدا چہرے سے جو نظر آرہا تھا وہ ایک الگ بات تھی، لیکن اب شہاب کے ساتھ اس کا رویہ خاصا بدلا ہوا تھا۔

"بیٹھئے افسر صاحب جی، ہم سے کیا پوچھنا چاہتے ہیں آپ۔"

"یہ کون ہیں۔"

"تو کیوں کھڑی ہے یہاں، چل جا چائے بنا افسر صاحب کے لئے۔" حمیدا نے عورت کو ڈانٹتے ہوئے کہا، عورت واپسی کے لئے مڑی تو شہاب جلدی سے بولا۔

"سنو بی بی ادھر آؤ...... ادھر آؤ...... حمیدا اسے بلاؤ۔"

"صاحب وہ میری بیوی ہے، اس سے آپ کیا بات کریں گے۔"

"تم یوں نہیں مانو گے، ٹھیک ہے میں چلتا ہوں لیکن اس کے بعد جو ہوگا اس کی ذمہ داری تم پر ہوگی۔"

"کمال ہے بھئی...... آجا ادھر آجا...... سامنے آنے کا بہت شوق ہے نا تجھے مردوں کے، آجا۔"

"لو میں کب آرہی تھی، میں تو سمجھی پتا نہیں کیا بات ہے۔"

"بہن کون ہو تم، حمیدا کو بکواس کرنے دو، مجھے بتاؤ کون ہو تم، شہاب نے کہا تو لڑکی کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔"

"رفیعہ ہے میرا نام، فرزند کی بہن ہوں۔"

"ارے او جہانگیر بادشاہ مجھے بھی تو نکال لے، تیرا بیڑا اغرق گھنٹا ہی لے گیا اپنا اتار کر، ارے میری بھی تو سن لو کوئی۔"

"یہ کون ہے۔"

"ساس ہے جی میری، بیٹے کے غم میں پاگل ہو گئی ہے...... فرزند نے سب کو برباد کر کے رکھ دیا ہے، اب اس بڑھیا کی مصیبت الگ گلے پڑی ہوئی ہے۔"

"فرزند نے جو کچھ کیا ہے حمیدا تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے۔"

"بس جی شرم سے آنکھیں ہی جھک جاتی ہیں، بگڑا ہوا لونڈا تھا، گند کر بیٹھا، بے چاری دو عورتیں ماری گئیں، گھر چھوڑ کر بھاگ گیا...... اب آپ بتاؤ جی میں تو شہر میں نوکری کرتا تھا، خرچہ بھیجتا تھا اب وہ نوکری بھی ختم کرنی پڑی ہے...... ان دونوں کو شہر لے جا نہیں سکتا، بڑھیا میری ساس الگ پاگل ہو گئی ہے...... بیٹے کے غم میں اور اسے ویسے یہاں نہیں چھوڑ سکتا، بڑی پریشانی ہے جی دماغ خراب نہ ہو جائے تو بندہ کیا کرے۔"

"تو تمہارے خیال میں فرزند نے وہ سب کچھ کیا تھا جس کا الزام اس پر لگایا گیا ہے۔"

"آپ کیا کہنا چاہتے ہو صاحب جی، کیا وہ بڑا شریف زادہ تھا...... بنا رہتا تھا شریف اندر سے کیا نکلا یہ تو اب پتا چلا ہے نا۔"

"تو یہ خاتون اسی وقت سے پاگل ہو گئی ہے۔"

"ہاں جی۔"

"اور کوئی ایسی بات تم مجھے بتا سکتے ہو جس سے یہ پتا چلے کہ فرزند پر کوئی الزام تو نہیں لگایا گیا۔"

"کون الزام لگائے گا جی، اس کے پاس رکھا ہی کیا تھا جو اس پر الزام لگاتا کوئی، ہاتھ لگ جاتا اگر شاکو کے تو وہ بتا دیتا، مگر اب کیا کیا جائے ہم ہی بھگت رہے ہیں۔" شہاب کو احساس ہو گیا کہ یہ حمیدا نامی شخص جو ہے بہت چار سو بیس اور تیز آدمی ہے، شہر میں رہ چکا ہے...... بس میں کنڈیکٹری کر چکا ہے کام کی کوئی بات نہیں بتائے گا لیکن یہ دونوں عورتیں کارآمد

ثابت ہو سکتی ہیں...... ان سے کچھ پوچھ لینا ضروری ہوگا اور اس کے بعد شہاب نے اپنے طور پر ایک فیصلہ کیا اور پھر وہاں سے اُٹھ کر بولا۔

"ٹھیک ہے حمیدا بس تم سے اتنا ہی معلوم کرنا تھا، چلتا ہوں اب۔"

"بڑی مہربانی صاحب جی۔" نجانے کیوں شہاب کو یہ احساس ہو رہا تھا کہ حمیدا کے گھر سے اسے کچھ کام کی باتیں معلوم ہو سکیں گی۔ اس سلسلے میں کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی لیکن پھر اس سلسلے میں بھی الیاس خان ہی کام آئے...... وہ الیاس خان کے گھر پہنچا، الیاس خان گھر ہی میں موجود تھے۔

"مل لئے حمیدا سے۔"

"ہاں، وہ تو بہت غلط آدمی ہے۔"

"ہوگا جی، ہم اپنے منہ سے کسی کو برا یا بھلا کیوں کہیں۔"

"اس کی بیوی رفیعہ بھی عجیب نظر آ رہی تھی، فرزندہ کی ماں پاگل ہو گئی ہے۔"

"اولاد کی برائیوں کی سزا کبھی کبھی ماں باپ کو ہی بھگتنا پڑتی ہے...... اس کا زندہ ثبوت ہے صاحب اور کیا کہیں گے، بے چاری رقیہ اچھی خاصی عورت تھی مگر بس اللہ کی مرضی۔"

"حمیدا کوئی کام وام نہیں کرتا۔"

"بس دس بجے منڈی نکل جاتا ہے...... دلالی کا کام کر لیتا ہے تھوڑے بہت پیسے کما لیتا ہے۔"

"صبح دس بجے۔"

"ہاں۔"

"پھر واپس کب آتا ہے۔"

"بس چار پانچ گھنٹے لگ جاتے ہیں منڈی میں۔"

"منڈی کہاں ہے؟"

"بس رحمان گڑھی سے کوئی چھ کوس کے فاصلے پر ہے۔"

"اچھا...... اچھا۔" شہاب نے کہا۔

بہر حال دوسرے دن کا انتظار کرنا تھا، دوسرے دن دس بجے کے بعد وہ خاموشی سے حمیدا کے دروازے پر پہنچا، دستک دی تو بے چاری رفیعہ نے ہی دروازہ کھولا تھا...... شہاب کو

کر خوف زدہ ہو گئی، خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔

"جی صاحب جی۔"

"رفیعہ بہن میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ تم مجھے سگے بھائی کی مانند سمجھو مگر میرے دل میں تمہارے لئے بہن جیسی ہی عزت ہے، تھوڑی سی کچھ باتیں معلوم کرنا چاہتا ہوں تم سے، میں نے کل ہی بتا دیا تھا کہ میں پولیس افسر ہوں...... کیا تم میری مدد کرو گی۔"

"کیوں نہیں صاحب جی اندر آ جاؤ، رفیعہ کے لہجے میں ایک عجیب سی کیفیت تھی۔

شہاب اندر داخل ہوا تو رفیعہ نے دروازہ بند کر دیا اور بولی۔

"صاحب جی اگر گھر میں کوئی آئے گا تو میں اس سے کہہ دوں گی کہ گھر میں کوئی نہیں ہے...... آپ ذرا مہربانی کر کے کسی کو اپنے یہاں آنے کا پتا نہیں چلنے دینا۔"

"تم اطمینان رکھو بہن، بہر حال اس وقت تم ایک بھائی کے سامنے ہو۔"

"آپ کی بڑی مہربانی، اللہ آپ کو خوش رکھے۔" رفیعہ نے کہا۔

"تھوڑی سی باتیں معلوم کروں گا میں تم سے اور دیکھو جذبات سے الگ ہٹ کر بات کرنا، جھوٹ نہ بولنا، ممکن ہے میں تمہارے کام ہی آ جاؤں۔"

"اللہ کی قسم جھوٹ نہیں بولیں گے۔" رفیعہ نے کہا۔

"رفیعہ فرزندہ پر جو الزام لگایا گیا ہے...... کیا فرزندہ ایسا کر سکتا ہے؟"

"مرحوم باپ کی قسم میرا بھائی ایسا نہیں ہے...... وہ کبھی یہ کچھ نہیں کر سکتا، وہ تو بڑا شرمیلا اور بہت اچھا تھا، الزام ہے اس پر، سب جھوٹ ہے...... میں آپ کو ایک بات بتاؤں حمیدا جو ہے نا بڑا لالچی ہے، جب یہ قصہ ہوا تو حمیدا ادھر آیا ہوا تھا۔ حمیدا کو کسی نے بلایا، اسے پیسے دیئے اور اس کے بعد سے حمیدا یہیں ہے...... حمیدا نے خود گواہی دی تھی، کچہری جا کر کہ فرزندہ نے یہ حرکت کی ہے، بس صاحب جی پیسے کی وجہ سے اس نے یہ سب کچھ کیا ہے اور اماں پاگل تھوڑی ہے...... اماں کو تو پاگل کہہ کر اس نے اندر بند کر دیا ہے۔ اب ایک انسان جس کے دل میں غم کے اتنے سارے بوجھ ہوں تو کیا وہ ہوش میں رہے گا۔ اب اماں جہانگیر بادشاہ کی زنجیر ہلانا چاہتی ہے تا کہ انصاف مانگے...... صاحب جی میرا بھائی بالکل ایسا نہیں ہے اس پر الزام لگایا گیا ہے۔"

"ایک بات بتاؤ رفیعہ کیا فرزندہ کو جان سے مار دیا گیا ہوگا۔"

"کچھ نہیں کہہ سکتے صاحب جی، میں تو گھر کی عورت ہوں بس ہم پر برا وقت آپڑا ہے۔
پتا نہیں میرا بھائی کہاں ہے مگر وہ ایسا نہیں تھا۔"

"پورے اعتماد کے ساتھ کہتی ہو۔"

"ہاں۔"

"حمیدا کو پیسے کس نے دیئے تھے اور یہ بات تمہیں کیسے معلوم ہوئی۔"

"شہر سے بلایا گیا تھا اسے جی، مہینے میں پچاس ساٹھ روپے بھیج دیا کرتا تھا، جب آیا تو تب بھی اس کے پاس سوڈیڑھ سو روپے ہی تھے، لیکن تین چار دن کے بعد نوٹوں کی یہ موٹی گڈی اس کے پاس دیکھی میں نے، تب سے اب تک شہر واپس نہیں گیا ہے، نوکری چھوڑے آرام سے بیٹھا کھا رہا ہے، اماں کا بھی کوئی علاج وغیرہ نہیں ہو رہا۔"

"ٹھیک ہے تم بے فکر رہو رفیعہ اگر فرزندہ بے قصور ہے تو میں اسے بچاؤں گا۔ میں اسی لئے یہاں آیا ہوں...... میرے یہاں آنے کا ذکر کسی سے نہ کرنا، میں نے تم سے کچھ نہیں پوچھا سمجھ رہی ہونا، میرا وعدہ ہے کہ تم لوگوں کو میرے ہاتھوں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"ٹھیک ہے صاحب جی اللہ آپ کا بھلا کرے۔" پھر شہاب وہاں سے نکل آیا تھا اور نجانے کیوں پہلی بار اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ کوئی کام کی بات معلوم ہوئی ہے، ویسے اسے حیرت تھی کہ شاکو جس نے اس کی نگاہوں کے سامنے جواد بیگ پر حملہ کیا تھا ابھی تک یہاں نہیں پہنچا، یا تو وہ ابھی جواد بیگ ہی کی تلاش میں سرگراں ہے یا پھر فرزندہ کی تلاش میں لگا ہوا ہوگا۔ فرزندہ بھی تو اس کی لسٹ میں آتا ہے، ابھی اس نے ارمان شاہ کے بارے میں نہیں سوچا ہوگا کیونکہ بہرحال یہ اس کے لئے سب سے مشکل ترین مرحلہ ہے لیکن ارمان شاہ کی بے نیازی واقعی قابل غور اور قابل تحسین تھی۔ کیا واقعی یہ شخص بے گناہ ہے اور اپنی بے گناہی پر یقین رکھتے ہوئے سوچتا ہے کہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ شاکو بھی ابھی تک یہاں نہیں آیا تھا، لیکن بہرحال حمیدا قابل توجہ شخصیت تھی اور رفیعہ نے جو کچھ بتایا تھا اس پر غور کرنا بھی بہت ضروری تھا۔ وہ رقم آخر حمیدا کے پاس کہاں سے آئی، دیکھنے میں بھی حمیدا ایک شاطر آدمی معلوم ہوتا تھا اور چہرے سے کافی خطرناک نظر آتا تھا۔ شہاب کا انداز فکر بدل گیا، پہلے سے بھی اس کے کئی تجربات اسی طرح کے تھے اور انہی تجربات کے تحت اسے ایک ایسی جگہ کی تلاش ہوئی جہاں وہ چھوٹا موٹا کام کر سکے اور بات بن گئی۔ رحمان گڑھی کے

مشرقی حصے میں ایک سوکھی ندی تھی جس کے اوپر پل بنا ہوا تھا۔ اس بوسیدہ پل سے کبھی کوئی کام لیا جاتا رہا ہوگا، اب تو اس کے دونوں طرف کی سڑک ہی ٹوٹی ہوئی تھی، پل کے نیچے البتہ اتنی جگہ تھی کہ وہاں آرام سے کوئی بھی کام کیا جا سکے، آس پاس بھی کوئی ایسا خطرہ نہیں تھا جو کسی کے دیکھ لئے جانے کا ہو۔ بہرحال شہاب نے اپنے طور پر ایک فیصلہ کیا اور پھر اس فیصلے پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ حمیدا کو سنبھالنا ذرا مشکل کام تھا لیکن اس کے لئے شہاب نے تھوڑا سا وقت برباد کرنا مناسب سمجھا تھا۔ یہ اندازہ لگا لیا تھا اس نے کہ ارمان شاہ نے اس کی طرف خاص توجہ نہیں دی ہے، حیرت تو اسے اس بات پر تھی کہ حویلی میں نامناسب انتظامات ہونے کے باوجود ارمان شاہ شاکو کے مسئلے میں بالکل بے فکر تھا، آخر اس کی وجہ کیا ہے یا تو اس نے اتنے خفیہ اور مضبوط انتظامات کر رکھے ہیں کہ اسے شاکو کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہے یا پھر وہ پاگل آدمی ہے...... بہرحال شہاب کو کافی دیر تک حمیدا کا انتظار کرنا پڑا تھا، اس دن حمیدا منڈی جانے کے لئے ذرا دیر ہی سے نکلا تھا۔ شہاب نے اس کا تعاقب کیا اور بڑی احتیاط کے ساتھ اس کا پیچھا کرتا رہا، پھر ایک مخصوص جگہ پہنچ کر شہاب اچانک ہی حمیدا کے سامنے آ گیا۔ حمیدا چونک کر رک گیا تھا، اس نے شہاب کو دیکھا اور بولا۔

"صاحب جی آپ ادھر، یہاں کیا کر رہے ہو آپ۔"

"نہیں اتفاق کی بات ہے حمیدا، وہ سامنے جو تمہیں ٹوٹا پل نظر آ رہا ہے نا اس کے نیچے میں نے ایک ایسی چیز دیکھی ہے جسے دیکھ کر میں حیران ہو گیا تھا اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ کسی کو اس طرف بلا کر دکھاؤں تو سہی ہے کیا۔"

"کیا ہے صاحب جی۔"

"حیرت کی بات ہے حمیدا آؤ ذرا ایک منٹ کے لئے ساتھ۔"

"ایسی کیا چیز ہے صاحب جی...... حمیدا نے کہا لیکن شہاب آگے بڑھ گیا تھا۔ حمیدا بحالت مجبوری اس کے پیچھے چل پڑا کیونکہ اس سے پہلے شہاب اسے اپنے پولیس آفیسر ہونے کی دھمکی دے چکا تھا، پل کے نیچے پہنچنے کے بعد شہاب نے کہا۔

"حیرت کی بات ہے حمیدا کہ یہاں دور دور تک کوئی نہیں ہے دیکھ رہے ہو نا۔"

"ہاں...... صاحب جی مگر آپ مجھے کیا چیز دکھانے کے لئے لائے تھے۔"

"اصل میں حمیدا مجھے کسی نے کچھ رقم دی ہے اور کہا ہے کہ تمہیں یہاں بلا کر دوں

اور یہیں تمہاری لاش کسی گڑھے میں دفن کردوں، بس سمجھ لو میں نے تمہارے گھر سے تمہارا پیچھا کیا ہے اور اب تم میرے قبضے میں آ گئے ہو...... مجھے معاف کرنا دوست دولت کے لئے انسان کیا کچھ نہیں کرتا، یہ میری مجبوری ہے ورنہ میری تم سے کوئی دشمنی نہیں تھی۔"

"کک کیا کہہ رہے ہو صاحب، ہم کیا کہیں آپ سے آپ تو ویسے بھی پولیس والے ہو۔"

"ہم بھی تو انسان ہوتے ہیں حمیدا اور پھر دس ہزار روپے کی رقم کم نہیں ہوتی، کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا کہ ہم نے تمہیں مار دیا۔"

"دیکھو صاحب جی ایک بات کہیں آپ سے چوڑیاں ہم نے بھی نہیں پہن رکھی ہیں، آپ کیا کرو گے ہمیں گولی مار دو گے۔"

"نہیں پستول کی آواز تو دور دور تک سنی جائے گی، میں تمہیں گردن دبا کر مار دوں گا۔"

"صاحب جی گیارہ سال تک پہلوانی کی ہے ہم نے، ایک بہت بڑے استاد کے پٹھے رہے ہیں، جان بچانے کے لئے آپ سے مقابلہ کریں گے جی، مقابلے میں ہار گئے تو بات دوسری ہے ورنہ ہمیں مارنا آپ کے لئے اتنا آسان نہیں ہوگا۔"

"ہوئی نامردوں والی بات، آ جاؤ پھر۔" شہاب نے کہا اور حمیدا کو بھی طیش آ گیا، چنانچہ دونوں سامنے آ گئے، اب حمیدا نے پہلوانی بے شک کی ہوگی لیکن مارشل آرٹس کا معاملہ دوسرا تھا۔ حمیدا دونوں ہاتھ سیدھے کر کے آگے بڑھا لیکن شہاب کی لات اس کے پیٹ پر پڑی تھی اور وہ دوہرا ہو گیا تھا، دوسری لات اس کی ٹھوڑی کے نیچے پڑی اور وہ زمین پر چت ہو گیا، اس کی کمر میں چوٹ لگی تھی۔ شہاب نے برق رفتاری سے اس کے دونوں پاؤں پکڑے اور انہیں ایک مخصوص انداز میں موڑ کر ایک دوسرے پر چڑھا دیا۔ یہ ایسی اذیت ناک اور کرب ناک کیفیت ہوتی تھی کہ پنڈلی کی دونوں ہڈیاں ایک دوسرے پر جم جاتی تھیں اور پاؤں پر اتنا دباؤ پڑتا تھا کہ انسان کے لئے اذیت برداشت کرنا مشکل ہو جائے۔ حمیدا نے اس عجیب و غریب داؤ کو نکالنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہو سکا، تب شہاب ہنستا ہوا آگے بڑھا اور بولا۔

"یہ تو بہت معمولی سا داؤ تھا حمیدا ابھی تمہاری ریڑھ کی ہڈی کے سارے منکے بھی ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے۔"

"ارے تیرا...... ارے تیرا ستیاناس، ارے تیرا بیڑا غرق چھوڑ دے، چھوڑ دے، ہار گئے ہیں ہم تجھ سے...... ابے یہ کیا کیا...... او پولیس افسر خدا تجھے غارت کرے۔"

"اب تمہاری موت تو لازمی ہے حمیدا، تم نے اس وقت یہ بات نہیں سوچی تھی جب تم نے فرزندہ کے لئے ایک بڑی رقم وصول کی تھی۔" شہاب نے کہا اور حمیدا چیختے چیختے خاموش ہو گیا، اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"کک کیا کہہ رہے ہو افسر صاحب، تمہیں اللہ کا واسطہ میری ٹانگیں کھول دو، میں تو تکلیف ہی سے مر جاؤں گا۔"

"چلو اگر تم اسی طرح پڑے رہنے کا وعدہ کرو تو میں تمہاری ٹانگیں کھول دیتا ہوں لیکن اس کے بعد میں تمہاری ریڑھ کی ہڈی پر داؤ لگاؤں گا اور تم زندگی بھر کھڑے نہیں ہو سکو گے، سمجھے۔"

"تمہیں خدا کا واسطہ میری ٹانگیں صحیح کر دو۔"

شہاب نے بہرحال زور لگا کر حمیدا کی ٹانگیں سیدھی کر دیں، لیکن وہ یہ بات جانتا تھا کہ حمیدا اب بھی اگر کھڑے ہونے کی کوشش کرے گا تو آدھے گھنٹے تک یہ کام آسان نہیں ہوگا۔

"ہاں حمیدا اب جو کچھ میں تم سے پوچھوں تم مجھے بتاؤ۔"

"ارے مر گئے ہم تو، پوچھو، پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو صاحب۔"

"وہ رقم تمہیں کس نے دی تھی اور کس لئے دی تھی۔"

"افسر صاحب کون سی رقم کی بات کر رہے ہو۔"

"بہکنے لگے، اس کا مطلب ہے کہ موت آ ہی گئی ہے تمہاری۔" شہاب نے ایک قدم آگے بڑھایا تو حمیدا چیخ پڑا۔

"نہیں، آپ یقین کرو افسر صاحب جی وہ بڑے رحم دل آدمی ہیں...... ہم، ہم ہی دھوکا کر گئے تھے۔"

"وہ جی بات اصل میں یہ ہے کہ ہمیں یہ بات معلوم ہے کہ فرزندہ نے ایسا سب کچھ نہیں کیا تھا، وہ تو بس دھوکے میں آ گیا تھا۔ فرزندہ سے بات ہوئی تھی ہماری ہمیں معلوم تھا، صاحب جی آپ کو ایک بات بتائیں، صاحب جی آپ کو اللہ کا واسطہ ہمارا نام مت لینا ورنہ ہم تو کتے کی موت مارے جائیں گے، صاحب جی بس غلطی ہو گئی تھی ہم سے، ہمیں معاف

کر دیں جی۔"

"پھر فضول باتیں شروع کر دیں تم نے، کیا قصہ تھا پوری تفصیل بتاؤ مجھے ورنہ اس کے بعد تم نے ایک لفظ ادھر اُدھر کا کہا تو میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔"

"صاحب جی حویلی کا پچھلا حصہ جو ہے نا ادھر ایک نظر مار لینا، ہمیں جو رقم دی تھی نا، شاہ جی نے دی تھی، بڑے شاہ جی نے، بڑے شاہ جی نے کہا کہ فرزندہ کچھ کر کے بھاگ گیا ہے، وہ بالکل الگ بات ہے لیکن اس کی بہن اور ماں کے لئے بڑے شاہ جی کچھ رقم دینا چاہتے ہیں جسے احتیاط سے ان دونوں پر خرچ کیا جائے اور انہیں کوئی تکلیف نہ ہونے دی جائے، صاحب جی اس وقت جو ہمیں معلوم ہوا تھا وہ بڑا عجیب تھا اور اس کے لئے بڑے شاہ جی نے ہمیں یہ رقم دی تھی جی اور ایک بات اور بتائیں جی آپ کو صاحب جی وہ جو ہے نا شاکر خان کی بھتیجی وہ فرزندہ کے پاس ہے اور فرزندہ جی شہر میں رہتا ہے...... ہم نے ہی اس کی رہائش کا بندوبست کیا ہے...... ہم شہر میں کنڈیکٹری کرتے تھے جی، بس جی ایک لمبی کہانی ہے یہ۔"

"سناؤ۔" شہاب نے غرائی ہوئی آواز میں کہا اس کے فرشتوں کو بھی گمان نہیں تھا کہ حمیدا اتنے کام کا آدمی نکلے گا۔ بہر حال حمیدا نے اسے جو کہانی سنائی شہاب اسے سن کر ششدر رہ گیا تھا۔ شہاب کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے حمیدا کو دیکھ رہا تھا۔ آخر میں حمیدا نے کہا۔

"صاحب جی آپ نے ہمیں سولی پر لٹکا دیا ہے...... بڑے شاہ جی بہت اچھے آدمی ہیں، بڑے نیک انسان ہیں کسی کا برا نہیں چاہتے وہ لیکن انسان کبھی کبھی اتنا ہی مجبور ہو جاتا ہے۔ صاحب جی آپ کو اللہ کا واسطہ ویسے جو کچھ بھی ہو گا دیکھا جائے گا، لیکن اگر ہو سکے تو یہ بات بڑے شاہ جی تک نہ پہنچنے دینا یا ہمارا نام مت لینا، باقی آپ کی مرضی ہے جی ہمارا تو کچھ بھی نہیں ہے، مارے جائیں گے آپ مار دو یا بڑے شاہ جی مروا دیں ہمیں کچھ بھی ہو جائے۔"

"حمیدا مجھے تم سے پوری ہمدردی ہے اور تم یہ مت سمجھنا کہ جو وعدہ میں نے تم سے کیا ہے اسے پورا نہیں کروں گا۔ تم یوں کرو منڈی جا رہے ہو نا شہر نکل جاؤ، کچھ دن کے لئے شہر نکل جاؤ وہیں رہو بلکہ جو کام کر رہے تھے وہ نہ کرو...... یہاں تمہاری بیوی اور ساس ہے ان دونوں کے علاوہ تو اور کوئی نہیں ہے۔ تم بالکل بے فکر رہو، انہیں تھوڑی سی رقم میں پہنچا دوں گا کہہ دوں گا کہ تم کسی ضروری کام سے شہر چلے گئے ہو۔ کیا سمجھے، حالات جب

ٹھیک ہو جائیں تو تب آ جانا۔"

"ٹھیک ہے صاحب جی اگر آپ یہ حکم دیتے ہو تو ہم یہ کام کر لیں گے۔"

"تم بے فکر رہو...... میں تمہیں ایک پتا بتائے دیتا ہوں اگر شہر میں تمہیں کوئی اور ٹھکانہ نہ ملے تو اس وقت تک جب تک کہ میں اپنا کام مکمل نہ کر لوں تم اس پتے پر جا کر رہ سکتے ہو۔"

"صاحب جی...... جو آپ کا حکم، آپ نے ہم پر یہ مہربانی کی، اللہ آپ کو خوش رکھے، تو کیا صاحب جی اب ہم جائیں یہاں سے۔"

"سیدھے منڈی جانا اور وہاں سے شہر نکل جانا، اگر تم نے رقم لے کر زیادہ وفاداری دکھانے کی کوشش کی تو پھر سمجھ لو کہ میرے لئے بھی مشکل ہو جائے گا کہ میں تمہیں چھوڑ دوں۔"

"کوئی دماغ خراب ہوا ہے ہمارا صاحب جی ویسے ایک بات کہیں آپ سے، پہلے گھر جائیں گے اور رفیعہ کو سمجھا دیں گے کہ اچانک ہی شہر جانا پڑ گیا ہے...... مہینہ دو مہینے میں واپس آئیں گے...... صاحب جی آپ اسے رقم کیوں دیتے ہو وہ رقم تو بڑے شاہ جی نے ان دونوں کے لئے دی تھی نا...... ہم تھوڑی سی رقم انہیں دیئے دیتے ہیں، ان کا کام بن جائے گا۔ بس صاحب جی۔"

"حمیدا ایک بار پھر سوچ لو۔"

"صاحب جی اب کوئی قسم تو کھا نہیں سکتے ہم، ارے ہمیں کیا پڑی ہے اپنی گردن پھنسائیں، گردن نکل رہی ہے تو نکالنے کی کوشش کیوں نہ کریں۔"

"بہت اچھی بات ہے تو پھر جاؤ تاکہ تمہیں میرے ساتھ نہ دیکھا جا سکے۔" شہاب نے کہا اور حمیدا لنگڑاتا ہوا آگے بڑھنے لگا، وہ بڑی مشکل سے چل رہا تھا۔ شہاب کافی دیر تک وہاں کھڑا رہا اور اس کے بعد شہاب کے لئے بھی ضروری تھا کہ وہ حمیدا پر نگاہ رکھے، اس نے حمیدا سے اتنا فاصلہ اختیار کر رکھا تھا کہ حمیدا کو اپنے گھر میں داخل ہوتا دیکھ کر شہاب نے ایک گہری سانس لی تھی اور اس کے بعد کوئی بیس منٹ کے بعد حمیدا باہر نکلا تھا۔ اب اس کی چال ٹھیک ہی تھی، پھر وہ اسی راستے سے گزر کر آگے بڑھ گیا۔ شہاب نہایت چالاکی کے ساتھ اس کا پیچھا کر رہا تھا اور جب حمیدا رحمان گڑھی سے باہر نکل گیا تو شہاب کو اطمینان ہوا اور وہ واپسی کے لئے پلٹ پڑا لیکن اس کا ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا جو واقعات حمیدا نے سنائے

تھے اگر وہ واقعی سچ تھے تو یہ ایک نہایت حیرت انگیز کہانی تھی اور اس کے بہت سے پہلو ابھی تشنہ تھے۔ حمیدا کے بارے میں یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ واقعی نکل گیا ہے لیکن پھر بھی شہاب نے اس کی تصدیق کر لینا مناسب سمجھا، حویلی کی طرف جاتے جاتے اس نے راستہ بدل لیا اور حمیدا کے گھر پہنچ گیا، ایک بار پھر دستک دی تو رفیعہ نے دروازہ کھولا، شہاب نے رفیعہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"رفیعہ بہن اس وقت میں تم سے زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ ایک وعدہ کیا ہے میں نے تم سے کہ تمہارے بھائی کو بے قصور ثابت کر کے تم تک پہنچا دوں گا۔ اس میں کچھ اور بے قصور لوگ بھی پھنسے ہوئے ہیں ان کی گردن بھی نکالنی ہے، مسئلہ صرف یہ ہے کہ تم مجھے ایک بات اور سچ سچ بتا دو۔"

"پوچھیے بھائی، کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔"

"حمیدا کہاں گیا۔"

"شہر کا کہہ کر گیا ہے۔ یہ اتنے سارے پیسے دے گیا ہے مجھے کہنے لگا تھا کہ دو تین مہینے میں واپس آئے گا اور کوئی پوچھے تو یہ کہہ دوں کہ شہر واپس چلا گیا ہے۔ بس اتنی سی بات ہے۔"

"کچھ کپڑے وغیرہ لے گیا ہے اپنے۔"

"ہاں، چار جوڑے لے گیا ہے وہی تھے اس کے پاس۔"

"بس یہی پوچھنا تھا اور جو کچھ وہ کہہ گیا ہے وہی تم پوچھنے والوں کو کہوں گی کسی کو کوئی حقیقت بتانے کی کوشش نہ کرنا اور یہ بھی نہ کہنا کہ میں تمہارے پاس آیا تھا۔"

"جی بھائی جی۔" رفیعہ نے جواب دیا اور اس کے بعد شہاب وہاں سے واپس چل پڑا، پھر کچھ دیر کے بعد وہ حویلی میں داخل ہو رہا تھا۔

بہر حال اپنی آرام گاہ میں پہنچنے کے بعد نجانے کب تک وہ ذہنی پریشانی کے عالم میں ڈوبا رہا تھا اور پھر معمولات کے مطابق فراغت حاصل کر کے وہ زرینہ کے پاس پہنچا تھا۔ زرینہ مجسم اخلاق بنی ہوئی تھی ویسے اخلاق احمد بھی موجود تھے۔ انہوں نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے شہاب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"آؤ بھتیجے اب تو بھئی تم نے اس طرح ہماری تنہائیوں پر قبضہ جما لیا ہے کہ جب بھی دیکھو تمہارے ہی بارے میں گفتگو ہوتی رہتی ہے۔ کہو کیا ہو رہا ہے۔"

"کوئی خاص کام نہیں اخلاق احمد صاحب۔"

"یار ویسے تو تم یقینی طور پر پولیس کے افسر ہو جب تم نے ان خاتون کو پھوپھی جان کہنا قبول کر لیا ہے تو ہمیں بھی پھوپھا جان کہہ لیا کرو، تھوڑی بہت خوشی ہمیں بھی حاصل ہو جائے گی۔"

"سوری پھوپھا صاحب۔"

"کہو کیسی گزر رہی ہے یہاں ویسے ایک بات کہیں تم سے، تمہارا جو اصل مقصد ہے نا وہ پتا نہیں پورا ہو رہا ہے یا نہیں جہاں تک شاکو کا معاملہ ہے تو شاکو شاید ادھر کا رخ نہ کرے۔ اصل میں حویلی میں بہت زیادہ پہرے وغیرہ کا بندوبست تو نہیں ہے لیکن شاہ جی کا معاملہ کچھ ایسا ہے کہ ان کے بارے میں کوئی بری بات سوچتے ہوئے خود بخود ذہن ڈانواڈول ہو جاتا ہے۔ یہ بات تو بہر حال تمہارے علم میں آ ہی چکی ہے کہ عدالت میں شاہ جی نے شاکو کے خلاف بیان نہیں دیا تھا بلکہ سچی بات یہ ہے کہ جو حقیقت تھی وہ بیان کر دی تھی اور یہ ان کی مجبوری تھی۔"

"ہاں...... ہاں کیوں نہیں...... لیکن اب میں اسے کیا کروں، محترم پھوپھا جان کہ میری ڈیوٹی ہی ایسے لگا دی گئی ہے۔"

"ہاں، یہ بات بھی ٹھیک ہے لیکن معاف کرنا سرکاری عہدے دار ویسے بھی ذرا اپنے فرائض پورے کرنے میں پیچھے ہی رہتے ہیں۔ اگر آرام کر رہے ہو تو بے شک کرو حالانکہ رحمان گڑھی کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں سیر و سیاحت کا لطف اٹھایا جائے، کوفت نہیں ہو رہی تمہیں یہاں۔"

"نہیں کوفت کا کیا سوال ہے، اس بات کے امکانات میں کہ شاکو کسی وقت یہاں پہنچ جائے۔"

"فرض کرو اگر وہ یہاں پہنچ گیا تو کیا کر لو گے۔" اخلاق احمد نے پوچھا۔

"جہاں تک ممکن ہو سکا کوشش کروں گا کہ شاہ جی کو اس سے کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے، ویسے اخلاق صاحب شاہ جی کا ماضی بالکل تاریکی میں ہے...... میرا مطلب ہے کہ ارمان شاہ صاحب کے اور ایسے بھائی بہن وغیرہ کا کوئی پتا نہیں ملتا جو یہاں رہتے ہوں۔" شہاب نے اخلاق احمد صاحب کے چہرے پر نگاہیں جماتے ہوئے کہا اور ایک لمحے کے اندر اسے احساس

ہو گیا کہ اخلاق احمد کے چہرے کا رنگ بدلا ہے لیکن صرف ایک لمحے کے لئے اس کے بعد فوراً انہوں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا، پھر آہستہ سے بولے تھے۔

"ہاں بے چارے تنہا ہی ہیں اور کوئی نہیں ہے بھائی بہن وغیرہ۔"

"تھے ہی نہیں یا۔"

"نہیں میرا خیال ہے ماں باپ کے اکلوتے ہی تھے وہ اور ویسے بھی کافی عرصے تک ملک سے باہر رہے ہیں، بہت زیادہ تفصیلات تو مجھے نہیں معلوم لیکن جب سے میرا اور ان کا ساتھ ہوا ہے اس کو بھی کوئی معمولی وقت نہیں گزرا، تبھی سے مجھے ان کے بارے میں معلومات حاصل ہیں، پتا نہیں ملک سے باہر رہے ہیں یا رحمان گڑھی سے باہر انہوں نے خاصا وقت گزارا ہے۔ رحمان گڑھی کی اس حویلی میں بہت سے ملازم ہوا کرتے تھے بلکہ یوں سمجھو کہ پرانے ملازموں میں سے اب تو کوئی ہے ہی نہیں، سب کے سب نئے ہیں، میرا مطلب ہے ارمان شاہ صاحب کے دور کے، رحیم شاہ جی تو بس اللہ لوگ آدمی تھے۔ وہ بھی اچھی زندگی گزار گئے اور جہاں تک ارمان شاہ صاحب کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں تو پوری بستی سے پوچھ لو سب ایک ہی بات کہیں گے کہ بڑے اچھے انسان ہیں۔"

"جی۔" شہاب نے آہستہ سے کہا، کوشش تو کی تھی اس نے اور اندازہ بھی لگا لیا تھا کہ اخلاق صاحب تھوڑا بہت کچھ جانتے ہیں لیکن ایک لمحے کے اندر اندر انہوں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔ ظاہر ہے ارمان شاہ صاحب کے وفادار تھے اور پھر تھوڑی بہت جو تفصیل شہاب کے علم میں آئی تھی وہ ایسی عجیب وغریب نوعیت کی حامل تھی کہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، مجموعی طور پر یہ ایک دلچسپ کیس تھا اور شہاب سوچ رہا تھا کہ اس سلسلے میں کیا کرنا چاہئے۔ وہ اگر چاہتا تو زرینہ بیگم کو جذباتی طور پر متاثر کر سکتا تھا اور اس صورت حال میں شاید کوئی کام کی بات بن جاتی لیکن پھر اس نے یہ فیصلہ ترک کر دیا، ایک اور تصور اس کے ذہن میں آیا تھا اور اس تصور کے تحت وہ کوئی بہتر عمل کرنا چاہتا تھا، چنانچہ اس نے اسی رات کوشش کر کے ارمان شاہ صاحب تک رسائی حاصل کی۔ ارمان شاہ صاحب بڑے ڈرائنگ روم میں بیٹھے کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے، ان کے خصوصی ملازم نے انہیں اطلاع دی کہ شہاب ان سے ملنا چاہتا ہے تو انہوں نے فوراً ہی شہاب کو طلب کر لیا اور ہنس کر بولے۔

"آیئے افسر صاحب بھئی آپ تو یہاں ہماری حفاظت کے لئے آئے ہیں۔ آپ کو

...ت لینے کی کیا ضرورت ہے، جب چاہیں جدھر داخل ہو سکتے ہیں زیادہ سے زیادہ پوچھ گچھ ...کہہ دیں گے کہ کسی پراسرار سائے کو اندر داخل ہوتے دیکھا ہے اور اس کا تعاقب کرتے ...ے یہاں آ گئے ہیں۔ آیئے، بیٹھئے، کہئے ہماری حفاظت کا انتظام کیسا چل رہا ہے۔" شہاب ...موشی سے ایک صوفے پر بیٹھ گیا اور پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارمان شاہ صاحب آپ کو اندازہ ہے کہ محکمہ پولیس سپیشل ڈیپارٹمنٹ یا اس طرح کے دوسرے محکمے کس کیفیت کے حامل ہیں، ذمہ داریاں سپرد کی جاتی ہیں لیکن بعض اوقات ...ن ذمہ داریوں کا سر پاؤں نہیں ہوتا اور انسان خود یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ جو کچھ وہ ...ر رہا ہے اس کا کوئی مفہوم بھی ہے یا نہیں۔" شہاب کے ان الفاظ کو ارمان شاہ غور سے سنتا ...ا پھر آہستہ سے بولا۔

"ہاں اس میں کوئی شک تو نہیں ہے لیکن عزیزی اپنی ذمہ داریوں سے اکتاہٹ کا اظہار نہیں کرنا چاہئے جو کچھ کر رہے ہو اس سے وفادار رہو، کہیں ایسا محسوس کرتے ہو کہ کام غیر ذمہ داری کے ساتھ ہو رہا یا غیر مناسب ہو رہا ہے تو اگر موقعہ مل جائے تو اپنی تجویز بے شک پیش کر دو لیکن ہماری رائے تو یہ ہے کہ بیزاری کا اظہار یا اپنے اعلیٰ افسران کے بارے میں ...اثرات خراب نہ خود رکھو اور نہ کسی کے دل میں پیدا ہونے دو۔"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں جناب لیکن اب آپ ہی سوچئے، آپ ہنس رہے ہوں گے اس بات پر کہ خطرہ آپ کی زندگی کو ہے جسے سرکاری طور پر محسوس کیا گیا ہے۔ ...پ خود اسے ذرا برابر اہمیت نہیں دے رہے لیکن سپیشل ڈیپارٹمنٹ کا ایک آدمی یہاں ...یش و آرام کی زندگی گزار رہا ہے آپ کی حفاظت کے نام پر۔"

"بھئی اگر سپیشل ڈیپارٹمنٹ محکمہ پولیس اور انتظامیہ تمہیں یہاں بھیج کر مطمئن ہے تو ...یں بھلا کیا کہہ سکتا ہوں، مہمان تو خیر کسی کو بھی برے نہیں لگتے، گزار لو کچھ وقت یہاں، کیا ...ق پڑتا ہے۔"

"ارمان شاہ صاحب ابھی تھوڑے ہی دن قبل میری شادی ہوئی ہے، بیوی کی شدید ...اہش تھی کہ اگر ہنی مون کے لئے نہ سہی تو کم از کم بلی کی طرح سات گھر تو اسے دکھا دوں ...ر پہلا گھر تک نہ اسے دکھا سکا۔ رحمان گڑھی کا ماحول مجھے بے حد خوبصورت لگا ہے، خصوصاً ...ں زندگی کا ایک انداز جو یہاں انتہائی حسین اہمیت کا حامل ہے اس کا کوئی جواب نہیں ہے،

چلئے اگر آپ کی حفاظت کے نام پر مجھے یہاں تھوڑا سا وقت دے دیا گیا ہے تو کم از کم آپ مجھے اس بات کی اجازت دے دیجئے کہ تھوڑے دن کے لئے اپنی بیوی کو بھی یہاں بلالوں، آپ کے مہمان رہ جائیں گے، کچھ روز دعائیں ہی کریں گے۔ آپ کے لئے ویسے تو آپ جیسے درویش صفت انسانوں کو ہم جیسے گناہ گاروں کی دعائیں۔"

"نہ، نہ میاں نہ...... ایسی بات مت کہنا یہ بات تو جاننے والا ہی جانتا ہے کہ کون کیا ہے، دعا تو ہر شخص کی ہی سنی جاتی ہے کس کی دعا کس کے لئے کارگر ہو جائے اس کا فیصلہ کرنا ہمارا کام نہیں ہے اور جہاں تک تم نے اپنی بیوی کو یہاں بلانے کی بات کی تو پہلے تو ہم تمہاری یہاں آمد کو بے مقصد بات سمجھ رہے تھے لیکن اب ہم خود ڈی آئی جی سے درخواست کریں گے کہ ہمیں تمہاری ضرورت ہے اور کچھ وقت یہاں گزار لو، تم تو یہاں سرکاری طور پر بھیجے ہوئے آدمی ہو لیکن ہم دعوت دیتے ہیں کہ اپنی بیگم کو یہاں ہمارے مہمان کی حیثیت سے بلاؤ اور فوراً بلالو...... ہمیں خوشی ہوگی۔"

"جناب عالی سرکاری ذمہ داریاں تو بعض اوقات بڑی مشکل اہمیت کی حامل ہوتی ہیں لیکن آپ جیسے کسی مشفق انسان کی محبت بھی حاصل ہو جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ اسے ہم ڈیوٹی کے خوشگوار دور کی فہرست میں شامل کر سکتے ہیں۔"

"خلوص کے ساتھ تم یہاں قیام کرو اور اپنی بیگم کو بلالو، ہم ہدایت کر دیں گے کہ ہماری مہمان کو یہاں کوئی تکلیف نہ ہو...... ہاں، ایک خاص بات ہم تم سے کہنا چاہتے ہیں ہر انسان اپنی کمزوریوں کو چھپانے کا خواہشمند ہوتا ہے، یوں سمجھ لو کہ ہم اپنی ایک کمزوری تم سے چھپانا چاہتے ہیں۔" شہاب سنجیدہ نگاہوں سے ارمان شاہ کو دیکھنے لگا تو ارمان شاہ نے کہا۔

"ہر انسان مختلف مزاج کا حامل ہوتا ہے۔ میری بیگم مسرت جہاں بس یہ بات میں تمہیں اس لئے بتا رہا ہوں کہ کہیں تمہیں کوئی خاص احساس نہ ہو، مسرت جہاں بہت اچھے خاندان کی خاتون ہیں لیکن ایک ایسے خاندان سے ان کا تعلق ہے جو اپنے آپ کو ہمیشہ احساس برتری میں مبتلا سمجھتا رہا ہے۔ مسرت جہاں کی بھی یہی کیفیت ہے میں تم سے پہلے سے معذرت خواہ ہوں اس سلسلے میں کہ ممکن ہے مسرت جہاں تمہاری بیگم کو اس انداز میں خوش آمدید نہ کہہ سکیں جس طرح مہمانوں کو خوش آمدید کہا جاتا ہے، اپنے آپ میں محدود رہنے کی عادی ہیں بس وہ جو ذرا کہتے ہیں نا کہ موڈی قسم کی خاتون ہیں، تمہاری بیگم کو کہیں یہ

شکایت نہ ہو کہ انہوں نے تمہاری بیگم کے ساتھ بہت اچھا سلوک نہیں کیا البتہ اس سلسلے میں اخلاق احمد بہت خوش نصیب ہیں کہ انہیں زرینہ بیگم جیسی بیگم حاصل ہیں۔ اخلاق احمد کو میں خاص طور سے ہدایت کر دوں گا اور وہ آپ لوگوں کا خاص خیال رکھیں گے، کیوں میاں محسوس تو نہیں کرو گے۔"

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں ارمان شاہ صاحب ہم تو زبردستی کے مہمان بن رہے ہیں۔ محترمہ اگر خوش ہوئی تو ٹھیک ورنہ چند روز یہاں قیام رہے گا اور اس کے بعد ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔"

"ایک بار پھر معذرت کرتا ہوں۔" ارمان شاہ نے کہا، کچھ دیر کے بعد شہاب وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ بینا کو یہاں اس جگہ بلانا بے مقصد نہیں تھا...... حمید اسے اسے جو معلومات حاصل ہوئی تھیں ان کی دو ہی نوعیتیں ہو سکتی تھیں یا تو حمید افراڈ کر کے نکل گیا اور اپنی بیوی اور ایک مظلوم ماں کو اسی طرح چھوڑ گیا یا پھر جو کچھ وہ کہہ گیا ہے اگر وہ سچ ہے تو ایک عجیب و غریب کہانی جنم لینے والی ہے، حالانکہ ذہن میں اور بھی بہت سے نکتے آرہے تھے لیکن بینا کی آمد بڑی عجیب و غریب تھی اور شہاب کو اس کے آنے سے خوشی ہو رہی تھی۔ آخر کار اس نے ٹیلی فون پر بینا سے رابطہ قائم کیا اور بینا کہنے لگی۔

"کہاں سے بول رہے ہو...... کیا واپس آگئے۔"

"کیا محسوس ہو رہا ہے؟"

"بیکار باتیں نہیں...... یہ بتاؤ کہاں سے بول رہے ہو۔"

"بھئی رحمان گڑھی سے۔"

"تو اب تک خیال نہیں آیا مجھ سے رابطہ قائم کرنے کا۔"

"ویری گڈ...... ویری گڈ ایک نیا لہجہ سنا ہے میں نے محترمہ بینا کا، غالباً یہ بیوی کے حقوق ہیں جو استعمال کئے جارہے ہیں۔"

"میں بہت ناراض ہوں تم سے...... کیا ہمارے پاس اس قسم کے ذرائع نہیں تھے کہ ہم ایک دوسرے سے رابطہ قائم کر سکتے۔"

"تھے...... یقیناً تھے محترمہ اور اس وقت میں بالکل آپ سے یہ نہیں کہوں گا کہ عزیزہ، جان من، نور نظر، سکون دل نوکری پر آیا ہوا ہوں ڈیوٹی سر انجام دے رہا ہوں...... پولیس

سلسلہ ایک دم ختم ہو جاتا اور بہر حال شہاب کا مسلک ہی کچھ اور تھا، حقیقتوں کو بے نقاب کرنا، حقیقتوں کو منظر عام تک لانا یہ ساری چیزیں از حد ضروری تھیں اور شہاب اس سلسلے میں بے پروائی نہیں کرنا چاہتا تھا، پھر اس کے بعد بینا کے جوابی فون کا انتظار اس نے جس شدت سے کیا تھا ایسے لمحات اس کی زندگی میں بہت کم ہی آئے تھے...... تقریباً بیس منٹ کے بعد ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تھی، ڈائریکٹ لائن تھی، دوسری طرف سے آنے والی آواز بینا ہی کی تھی۔

"ہاں بینا میں بول رہا ہوں۔"

"نادر حیات صاحب سے بات کیجئے، میں اس وقت انہی کے پاس ہوں۔" بینا نے کہا۔

"تھینک یو بینا...... بات کراؤ۔" ٹیلی فون نادر حیات صاحب نے لے لیا تھا پھر وہ کہنے لگے۔

"ہاں شہاب خیریت۔"

"سر بالکل خیریت ہے...... آپ نے اس بات کی تصدیق کرلی کہ گرفتار ہونے والا شاکو ہی ہے۔"

"ہاں بالکل...... مکمل طور پر تصدیق ہو چکی ہے۔"

"کہاں ہے وہ اس وقت۔"

"فی الحال تو ایک علاقے کے تھانے کے لاک اپ میں ہے۔" ڈی ایس پی نیاز احمد کا علاقہ ہے لیکن تمہاری خواہش کے مطابق میں نے فوری طور پر نیاز احمد سے رابطہ قائم کر کے ایک طرح سے یوں سمجھ لو کہ اس خبر کو سیل کر دیا ہے اور کسی کو بھی اس بارے میں زبان کھولنے کی ممانعت کر دی ہے اور ڈی ایس پی نیاز کو ہدایت کر دی ہے کہ اس گرفتاری کو بالکل خفیہ رکھا جائے۔ ایس ایچ او سے بھی کہہ دیا جائے کہ روزنامچے میں اس گرفتاری کو ابھی نہ دکھایا جائے۔"

"میں تو یہ چاہتا ہوں...... جناب کہ اسے بالکل خفیہ سیل میں منتقل کر دیا جائے۔"

"ہو جائے گا، یقینی طور پر ہو جائے گا لیکن اس خطرے کو ذہن میں رکھنا کہ وہ دوبارہ بھی فرار ہو سکتا ہے۔"

"سر آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ وہ دوبارہ فرار نہ ہو لیکن خفیہ سیل میں جہاں بھی اسے رکھا جائے وہاں یہ ہدایت کر دی جائے کہ اس کے ساتھ نہایت وی آئی پی سلوک ہو یا اگر آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس کے فرار ہونے کا خطرہ زیادہ ہے تو میں اس

بندوبست کئے دیتا ہوں...... آپ مجھے بتائیے۔"

"نہیں خیر ایسا تو ممکن نہیں ہے لیکن اس میں دوسری صورت حال ذرا غلط ہو جائے گی۔"

"کیا۔"

"مثلاً یہ کہ اگر میں کسی کو ہدایت کر دوں کہ اس پر کڑی نگرانی رکھی جائے اور اسے دوبارہ فرار ہونے کا موقعہ نہ دیا جائے اور وہ کوشش کرے تو کیا اس سلسلے میں اسے قابو میں رکھنے والے تشدد نہیں کریں گے، اس پر۔" شہاب نے ایک لمحے کے لئے سوچا، پھر بولا۔

"تو پھر ٹھیک ہے جناب ایسا کیا جا سکتا ہے کہ اسے ہم اپنی تحویل میں لے لیں...... آپ کو اس سلسلے میں مدد کرنا ہو گی۔"

"اصل میں، میں بھی یہی کہنا چاہتا تھا۔"

"تو پھر بینا کو فون دیجئے۔"

"ہاں بات کرو۔" فون ایک بار پھر بینا کے ہاتھ میں پہنچ گیا تو شہاب نے کہا۔

"بینا ایسا کرو کہ ڈبل او گینگ کو مخاطب کر کے ان سے کہو کہ شاکو کو اپنی تحویل میں لے لیں، بہتر ہے کہ وہ اسے بے ہوشی کے عالم میں لے جائیں جہاں اسے رکھا جانا ہے لیکن اس کے بعد مکمل طور پر اس کا تحفظ بھی کریں اور اسے عزت و احترام بھی دیں...... وہ اسے یہ سمجھانے کی کوشش کریں کہ بس اسے تھوڑے سے وقت کے لئے یہاں رکھا گیا ہے بعد میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کیا خیال ہے اسے پوائنٹ ون پر رکھا جائے یا پوائنٹ ٹو پر۔"

"میرا خیال ہے پوائنٹ ٹو پر جو سہولتیں حاصل ہیں وہ پوائنٹ ون میں نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔"

"لیکن بینا بڑی ہوشیاری سے یہ کام کرنا ہے۔"

"شاکو کو پولیس کسٹڈی سے کس طرح حاصل کرنا ہو گا۔"

"جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ تم نے سمجھ لیا ہے نا، تم اس سلسلے میں کسی سے بھی رابطہ قائم کرو اور ایک مکمل طور پر سیٹ اپ بنا لو، پھر جب شاکو کو پوائنٹ ٹو پر پہنچا دیا جائے تو تم مجھے اطلاع دو...... اب ذرا نادر حیات صاحب کو ٹیلی فون دے دو۔" پھر شہاب نے نادر حیات صاحب سے بھی یہی فرمائش کی کہ نہایت احتیاط کے ساتھ شاکو کو بے ہوش کر کے بینا

کے حوالے کر دیا جائے، باقی ہدایات اس کو دے دی گئی ہیں۔

"ٹھیک ہے میں یہ کام کئے لیتا ہوں مگر اب ایک بات تو بتادو۔"

"سر حکم۔" شہاب نے مودبانہ انداز میں کہا۔

"کیوں کر رہے ہو یہ سب ہمیں تو دو افراد کو اس سے محفوظ رکھنا تھا...... مرزا جواد بیگ تو سنا ہے شہر چھوڑ کر ہی چلا گیا ہے، باقی رہ گیا معاملہ ارمان شاہ کا تو اب شا کو گرفتار ہو ہی چکا ہے، اس لئے ارمان شاہ کو بھی کوئی خطرہ نہیں ہے...... تم یہ مزید کارروائی کیوں کر رہے ہو۔"

"سر آپ نے ایک غلط آدمی کو ایک مہم سونپ دی ہے۔ اب آپ خود فرمایئے جب تک اس کی تمام تر تفصیلات میرے علم میں نہیں آجائیں گی میری واپسی کس طرح ممکن ہے۔"

"ہاں خیر یہ بات تو میں جانتا ہوں ضدی آدمی کہ تم تمام حقیقتوں کے بارے میں معلومات حاصل کئے بغیر واپس نہیں آؤ گے۔ لیکن کوئی اہم انکشاف ہو گا کیا۔"

"انشاءاللہ بہت اہم۔"

"کر دیا نا مجھے تجسس کا شکار۔"

"آپ کو اس انکشاف پر لطف آئے گا...... یہ میرا وعدہ ہے۔"

"اوکے...... بینا سے بات کرنی ہے۔"

"ایک بار اور دے دیجئے۔" پھر فون بینا کے ہاتھ میں آگیا۔

"جی جناب فرمایئے۔"

"بینا تم ڈیوٹی پر ہو اور بہر حال کبھی کبھی تمہیں ایسی ڈیوٹیاں سر انجام دینا چاہئیں، کیا سمجھیں۔"

"جی سر آپ اطمینان رکھیں۔" بینا نے غیر متوقع لہجے میں کہا۔

"میں آپ کی رپورٹ کا انتظار کروں گا میڈم۔"

"اوکے۔" اور اس کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا، لیکن شہاب کے لئے سوچوں کے میدان کھل گئے تھے، بڑا بروقت کام ہو گیا تھا، بے چارے شا کو ایک بار پھر گرفتار کر لیا گیا تھا اور اس بار جب اسے جیل کی تحویل میں دیا جاتا تو ایک مفرور کی حیثیت سے اس کے ساتھ جو سلوک ہوتا وہ اسے دیوانہ کر دیتا اور بہر حال موجودہ حالات کے تحت یہ ایک ناپسندیدہ عمل ہوتا جو شہاب کے لئے ناقابل برداشت تھا، پھر بہت سا وقت انتظار کرنا پڑا تھا کوئی دو گھنٹے کے

بعد اسے بینا کا ٹیلی فون دوبارہ موصول ہوا تھا، شکر تھا اس دوران کوئی ایسی مداخلت نہیں ہوئی تھی جس کی وجہ سے شہاب کو کسی دقت کا سامنا کرنا پڑتا، بینا نے فون کر کے کہا۔

"سر سارے کام آپ کی خواہش کے مطابق ہو گئے ہیں...... سردار علی، انجم شیخ، ذصیف یہ تین افراد ڈیوٹی پر لگا دیئے گئے ہیں۔ پوائنٹ ٹو پر یہ افراد موجود ہیں...... وہ ابھی بے ہوش ہے اور اسے مارک روم میں رکھا گیا ہے۔"

"ان لوگوں کو ہدایت کر دو بینا کہ شا کو نہ تو خودکشی کرنے پائے نہ اپنے آپ کو کوئی نقصان پہنچانے پائے...... وہ فرار ہونے کی ہر ممکن کوشش کرے گا، چنانچہ اس کو اس سے روکا جائے۔"

"اسے بے ہوشی کے عالم میں یہاں منتقل کیا گیا ہے اور جتنا ڈوز اسے دیا گیا ہے کم از کم وہ اسے آٹھ گھنٹے تو بے ہوش رکھے گا اس کے بعد۔"

"بس ان لوگوں کو ہدایت کر دو کہ شا کو ایک خطرناک مجرم ہے...... اس سے بچتے بھی رہیں اور اسے کوئی نقصان بھی نہ پہنچنے دیں۔"

"اوکے۔"

"اور محترمہ بینا صاحبہ اب آپ سے ایک غم زدہ شوہر کی درخواست ہے کہ آپ براہ کرم فوراً رحمان گڑھی پہنچ جایئے...... رحمان گڑھی تک آنے کا طریقہ کار میں آپ کو بتائے دیتا ہوں...... میں آپ کا منتظر رہوں گا۔"

"کیا۔"

"جی...... وہ بہت سے فلمی گانے اس موقع کے لئے ایجاد کئے گئے ہیں لیکن سوچتا ہوں کہ ٹیلی فون آپریٹر کہیں میرے گانے کو سن نہ لے اس لئے سارے گانے ادھار، وہ جو سارے جدائی کے گانے ہوا کرتے ہیں نا اور پھر وہ ملن کی خوشی کے۔"

"یار سیریس ہو جاؤ...... مجھے بتاؤ کہ واقعی جو کچھ کہہ رہے ہو وہ سچ ہے۔" بینا نے کہا۔

"بالکل سچ ہے مائی لاڈ...... آپ رحمان گڑھی کے لئے روانہ ہو جایئے، میں آپ کو یہاں آنے کی مفصل تفصیل فراہم کئے دیتا ہوں۔"

"کچھ خاص تیاریوں کے ساتھ آؤں۔"

"جی ہاں لیکن ایسی تیاریوں کے ساتھ جنہیں بتاتے ہوئے بہر حال شرم آتی ہے اور

جہاں تک لباس وغیرہ کا تعلق ہے تو آپ یہاں ایک مہمان کی حیثیت سے آرہی ہیں، ذرا اچھے اچھے لباس لے آیئے، بہرحال آپ کو ایک خوبصورت مہمان کے طور پر یہاں قیام کرنا ہوگا۔"

"شاکو تو گرفتار ہوگیا ہے پتا نہیں تم نے یہ لمبا چکر کیوں چلادیا ہے۔"

"ایک بے گناہ کی زندگی بچانے کے لئے، خدا حافظ۔" شہاب نے کہا اور سلسلہ منقطع کردیا۔ بس اس سے زیادہ وہ بینا کو کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا لیکن بہرحال بینا کو ریسیو کرنے کے لئے اس نے تمام انتظامات کئے تھے خود تو جس طرح یہاں پہنچا تھا اس میں الیاس خان کی مہربانی تھی، لیکن بینا کو لانے کے لئے اب ارمان شاہ کا سہارا لینا پڑا تھا اور ارمان شاہ نے اسے تمام سہولتیں فراہم کردی تھیں...... چنانچہ شہاب ایک شاندار لینڈ روور لے کر اس اسٹیشن تک پہنچ گیا تھا جہاں بینا کو ٹرین ہی سے آنا تھا...... بینا ہر طرح سے خوداعتماد لڑکی تھی۔ وہ مقررہ وقت پر ریلوے پلیٹ فارم پر اتر آئی اور شہاب نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔ بینا نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور بولی۔

"بہرحال یہ تو نہیں کہہ سکتی کہ مجھے جس انداز میں بلایا گیا ہے اس میں کیا شرارت پوشیدہ ہے...... ہاں، یہاں بلانے کے جذبے کو میں مکمل طور سے سمجھتی ہوں۔"

شہاب نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔

"بہرحال یہ اعتماد ہی زندگی کے آخری لمحات تک ہمارے درمیان قائم رہنا چاہئے اور میں سمجھتا ہوں یہ بہت کافی ہے۔" بینا نے کہا۔

"راستے بھر تجسس رہا ہے اور یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ شاکو کی گرفتاری کے بعد تمہارے یہاں موجود رہنے کا کیا جواز ہے۔" شہاب نے سست رفتاری سے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے کہا۔

"بینا ہم لوگ اتنے سطحی لوگ نہیں ہیں کہ کسی مسئلے کو بالکل عام انداز میں سیدھی لکیروں پر چلتے ہوئے محسوس کریں اور اس کے خاتمے پر یہ سوچیں کہ چلئے بات ختم ہوئی، اب ہمیں کیا لینا دینا ہے...... شاکو کے بارے میں تمہیں کم از کم یہ بات معلوم ہے کہ اس نے اپنے جرم کا اعتراف نہیں کیا تھا...... وہ آخر تک یہ کہتا رہا تھا کہ وہ بے گناہ ہے۔ اس نے اپنی بیوی اور بھاوج کو قتل نہیں کیا ہے...... ایک ایسا شخص اگر کوئی سزا پالے تو پھر وہ شدت سے

...وں سے محروم ہوجاتا ہے۔ شاکو کے جذبوں کی شدت کا تمہیں یقینی طور پر احساس ہوگا ...کا مقصد ہے اس شدت کی کوئی وجہ ہے، ہو سکتا ہے وہ بے گناہ ہی ہو اگر وہ بے گناہ ہے تو ...گار کون ہے...... ظاہر ہے کم از کم میں اس بات کو تو نظر انداز نہیں کرسکتا۔" بینا نے ...کر شہاب کو دیکھا، پھر آہستہ سے بولی۔

"کیا ارمان شاہ۔"

"بینا ایسے خود ساختہ شاہ اپنے وسائل کے حوالے سے نجانے کیا کیا کرلیا کرتے ...۔ بہرحال ہماری جنگ تو انہی سے ہی ہے نا، ویسے مجھے یوں محسوس ہورہا ہے جیسے اس ...کہانی ایک بڑی تبدیلی کے ساتھ ہمارے سامنے آرہی ہے، کچھ انوکھے معاملات سے دوچار ...نا پڑے گا۔ حویلی میں داخل ہونے سے پہلے میں تم سے وہاں کے ماحول اور ان لوگوں کا ...ارف کرادینا چاہتا ہوں، حالانکہ ارمان شاہ صاحب تو ڈرائیور کو بھی میرے ساتھ کررہے ...ے لیکن چونکہ مجھے تمہیں تفصیلات سے آگاہ کرنا تھا اس لئے میں نے کسی اور کو اپنے ساتھ ...ہامناسب نہیں سمجھا، تو یہ صورت حال ہے محترمہ بینا اس حویلی میں ویسے تو لاتعداد افراد ...تے ہیں۔ ارمان شاہ بڑی بہترین مالی حیثیت کا حامل ہے اور ہمیں ماضی کے کچھ ایسے ہی شاہ یاد ...جاتے ہیں، خود درویش بننے کی کوشش نہیں کرتا لیکن رحمان گڑھی کے متعدد افراد اسے ...ی عقیدت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں، ابھی تک مجھے ایک بھی شخص ایسا نہیں ملا جس نے ...کی برائی کی ہو اور یہ کہا ہو کہ اس نے کسی کے ساتھ ظلم کیا ہے، وہ ضرورت مندوں کی ...رورتیں بھی پوری کرتا ہے، مقصد یہ کہ درپردہ بھی مجھے ایسے افراد نہیں ملے جو اس سے ...اکی ہوں...... حویلی میں بہت سے ملازم ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک چھوٹا سا دلچسپ ...اندان بھی ہے۔ ارمان شاہ کے متعدد کاموں کا نگراں ایک شخص ہے اس کا نام اخلاق احمد ...ہے، عمر رسیدہ آدمی ہے اور مجسم اخلاق ہے اور ایک روایتی کہانی بھی اس خاندان کے ساتھ ...ل ہے۔"

"وہ کیا۔" بینا نے سوال کیا۔

"ایک نوجوان جو اخلاق احمد کی بیوی زرینہ کا بھتیجا تھا اور پھوپھی اپنے بھتیجے پر جان دیتی ...ی لیکن وہ شخص ایک حادثے میں ہلاک ہوگیا۔"

"ہوں...... تو پھر......؟ بینا شہاب کی بات نہیں سمجھی تھی۔"

"وہ بھتیجا میرا ہمشکل تھا۔"

"وہ لوگ مجھ سے بڑی اپنائیت اور محبت کا برتاؤ کر رہے ہیں۔"

"ہوں..... بینا نے ایک گہری سانس لے کر معنی خیز انداز میں گردن ہلائی۔" پھر بولی۔ "ایک بات بتائیے۔"

"ہوں..... بولو۔"

"کیا محترمہ پھوپھی جان اور پھوپھا صاحب کی نوجوان لڑکیاں بھی ہیں؟"

"بے شک ہیں۔" "لیکن بینا اس مرحوم بھتیجے کی تصویر میں بھی دیکھ چکا ہوں..... تم بھی دیکھو گی تو حیران رہ جاؤ گی یوں بھی وہ بہت نیک نفس اور پر اخلاق لوگ ہیں ملو گی تو تمہیں خود اندازہ ہو جائے گا۔ شہاب نے کہا اور بینا گہری سانس لے کر خاموش ہو گئی۔ پھر بولی۔

"خدا کا شکر ہے۔" شہاب بھی مسکرانے لگا تھا۔

❁ ❁ ❁

بینا پر مسرت نگاہوں سے رحمان گڑھی کے راستے کو دیکھ رہی تھی۔ کچھ لمحوں کے بعد ...ن نے کہا۔ "کچھ بھی ہے شہاب زمین کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس کی اپنی کوئی اہمیت نہ ہو۔ ہم اپنی فطرت اور جبلت کی بنیاد پر اپنی پسندیدہ جگہیں منتخب کرتے ہیں اور انہیں اچھا یا برا قرار دیتے ہیں، لیکن ان محنت کشوں کو دیکھو، جو کھیتوں میں کام کر رہے ہیں۔ انہیں یہ جگہیں کتنی عزیز ہوں گی۔"

"یقیناً....." شہاب نے کہا۔

"ان لوگوں کا کیا نام بتایا تھا تم نے؟"

"اخلاق احمد..... زرینہ بیگم..... میں انہیں پھوپھی جان کہتا ہوں..... زرینہ پھوپھی اپنے بھتیجے کو بہت زیادہ چاہتی تھی اور وہ شخص حادثے میں ہلاک ہو گیا تھا، لیکن میرا ہمشکل تھا وہ بالکل..... پرانے زمانے کی تصویر دیکھ کر مجھے اس بات کا پورا یقین ہو گیا ہے کہ زرینہ اور اخلاق احمد صاحب جھوٹ نہیں بول رہے، چنانچہ ان لوگوں کی خصوصی محبت اور عنایت مجھ پر ہے۔"

"ایک سوال بتائیے۔" بینا نے کہا۔

"ہوں۔"

"اخلاق احمد آپ کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں؟"

"ہاں..... بالکل۔"

"اور انہیں یہ معلوم ہے کہ آپ شادی شدہ ہیں۔"

"بہت صاف ستھرے لوگ ہیں بینا، بڑی اچھی فطرت کے مالک، بچیوں کو میں نے

مکمل طور پر نہیں دیکھا، صرف ایک بچی دیکھی ہے...... بے شک نوجوان اور خوب صورت ہے لیکن پاکیزہ فطرت کی مالک ہے۔ میں وہاں مہمان خانے میں رہتا ہوں...... تم ان سے ملو گی تو تمہیں خوشی ہو گی۔"

"یقیناً کیوں نہیں۔"

"مجھ سے بہت محبت کا اظہار کرتے ہیں، تمہاری آمد سے بہت خوش ہیں اس کے علاوہ ارمان شاہ صاحب نے اپنا ایک پرابلم بھی مجھے بتایا ہے۔"

"وہ کیا۔"

"وہ یہ کہ ان کی بیگم خود بھی مغرور ہیں، ایک مغرور خاندان سے تعلق رکھتی ہیں اور شاید اپنی سطح کا ایک تعین رکھتی ہیں...... ارمان شاہ صاحب نے پہلے سے معذرت کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کی کسی بات سے بد دل نہ ہوا جائے ویسے بذات خود ارمان شاہ ایک نفیس انسان ہیں، تو یہ تمام صورت حال میں تمہارے علم میں لے آیا ہوں تاکہ تم پہلے سے اپنے آپ کو اس کے لئے تیار رکھو۔"

"ٹھیک ہے، مگر مجھے کرنا کیا ہو گا؟"

"اس کے بارے میں تفصیل آہستہ آہستہ بتاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" بینا نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

بہر حال شہاب کے ساتھ ایسے بہت سے کیسوں پر کام کر چکی تھی اس لئے اسے اس بات کی پروا نہیں تھی کہ شہاب اس سے کیا کام لے رہا ہے...... بس اتنا کافی تھا کہ شہاب کے پاس پہنچ گئی تھی، کیونکہ تنہائی کے یہ لمحات بڑی بوریت سے گزر رہے تھے۔ پھر وہ حویلی میں داخل ہو گئے اور پہلی بار شہاب نے اخلاق احمد صاحب کی دونوں بیٹیوں کو دیکھا خود زرینہ بیگم بینا کے استقبال کے لئے تیار تھیں...... بہر حال یہ صرف خلوص تھا، نہ اخلاق صاحب کی ڈیوٹی لگائی گئی تھی اور نہ ہی اس سلسلے میں پہلے سے کوئی بات ہوئی تھی۔ شہاب لینڈ روور سے اترنے کے بعد بینا کے ساتھ وہیں پہنچ گیا جہاں یہ لوگ موجود تھے اور زرینہ بیگم نے آگے بڑھ کر بینا کو گلے لگا لیا، دونوں لڑکیوں نے بھی بینا کو بڑے محبت بھرے انداز میں خوش آمدید کہا تھا اور پھر اسے اندر لے گئی تھیں، شہاب بھی ساتھ ہی تھا...... زرینہ بیگم نے کہا۔

"اتنے خوب صورت انسان کی بیوی اگر اتنی حسین نہ ہوتی تو ہم اظہار تو بے شک نہ

کرتے لیکن دل ہی دل میں یہ ضرور سوچتے کہ شہاب میاں کے والدین نے شہاب کے ساتھ انصاف نہیں برتا، لیکن یہاں تو یہ محسوس ہوتا ہے جیسے انصاف کی حد کر دی گئی ہے...... بہر حال بیٹی بعض لوگ بہت زیادہ خلوص کا اظہار کرتے ہیں...... بڑے پیار کا اظہار کرتے ہیں لیکن ان کے دل میں سچ مچ خلوص کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا، ہمارے سینوں میں بھی تمہارے لئے ایک جذبہ ہے، ایک پیار ہے، خدا کے لئے اس میں گہرائیاں تلاش کرنے کی کوشش نہ کرنا، اگر کوئی گہرائی ہے تو صرف اتنی کہ شہاب میاں میرے مرحوم بھتیجے کے ہم شکل ہیں اور میں اپنے مرحوم بھتیجے کو ضرورت سے زیادہ محبت کی نگاہ سے دیکھتی تھی اور اس سے پیار کرتی تھی۔"

"پھوپھی جان شہاب نے راستے میں مجھے تمام تفصیلات بتا دی ہیں۔"

"اور اب یہ تو ممکن نہیں ہو سکتا کہ تمہارے آنے کے بعد بھی شہاب میاں مہمان خانے میں رہیں۔"

"مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے پھوپھی جان لیکن ارمان شاہ صاحب۔"

"اخلاق احمد ان سے بات کر چکے ہیں...... بڑے شاہ جی کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"آپ کی مرضی ہے۔" اور اس کے بعد واقعی شہاب کو یہ محسوس ہوا کہ وہ اپنی سگی پھوپھی کے گھر میں ہی ہے۔ بینا بھی ان لوگوں کے خلوص کی قائل ہو گئی۔ زرینہ بیگم ان کی دونوں بچیاں آمنہ اور شاہانہ بے انتہا محبت کا برتاؤ کر رہی تھیں، ابھی تک، ارمان شاہ صاحب سے رابطہ قائم نہیں ہوا تھا...... انیکسی خاصی وسعت میں تھی، ایک کمرہ ان دونوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا...... غالباً یہ لوگ پہلے ہی طے کر چکے تھے کہ اس کے بعد شہاب کو مہمان خانے میں نہیں رہنے دیا جائے گا، لیکن شہاب کو ایک ہلکی سی ذہنی اُلجھن کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ مہمان خانے سے وہ اپنے طور سے بہت سے عمل کر سکتا تھا، جبکہ یہاں اسے ذرا محتاط رہنا پڑتا لیکن بہر حال اس نے سوچا کہ اس مشکل کا حل بھی کسی نہ کسی شکل میں بعد میں نکال لے گا۔ یہاں ان لوگوں کی خاصی پذیرائی ہوئی تھی، البتہ شام کو سورج ڈھلنے کے بعد ارمان شاہ نے شہاب سے پوچھا تھا کہ اس کی بیوی خیریت سے پہنچ گئی اور شہاب نے ان کا شکریہ ادا کیا تھا۔ شاکو کی بات صیغہ راز ہی میں رکھی گئی تھی...... بینا ان لوگوں کے ساتھ مگن تھی، لیکن شہاب ارمان شاہ کے ساتھ خاصے وقت تک رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر ارمان شاہ سے اس بات کا

اظہار کیا۔

"شاہ صاحب مجھے ایک بات پر سخت حیرت ہے...... میں نے بہت گہری نگاہ سے جائزہ لیا ہے، آپ نے ذرہ برابر بھی اپنے تحفظ کا بندوبست نہیں کیا۔"

"دیکھو میاں! پہلے بھی یہ بات کہہ چکا ہوں تم سے اور اب بھی یہی کہہ رہا ہوں کہ آنا اور جانا ہمارا اپنا کام نہیں ہے، جس کا یہ کام ہے اسے جو بھی منظور ہے وہ ہو کر رہے گا۔ جان بچانے کی کوشش اس کی قوتوں سے انحراف ہے...... نظریہ ہوتا ہے اپنا اپنا، میں اپنے نظریئے کی بات کر رہا ہوں...... بہر حال تم اس سلسلے میں میری طرف سے بالکل بے فکر رہو، کیا سمجھے۔"

"جی۔" شہاب گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ پھر اس رات اس نے بینا کو تمام تر تفصیلات بتاتے ہوئے کہا۔

"اور محترمہ بینا حویلی کے مختلف گوشوں میں آپ کو وقت بے وقت سیر و سیاحت کرنا ہو گی۔ ویسے تو ماشاءاللہ آپ کی شکل و صورت بڑی قتل و غارت گری کی حامل ہے، لیکن میں چاہتا ہوں ان دنوں آپ کچھ زیادہ ہی حسین نظر آئیں، کیا سمجھیں اور اس کے علاوہ۔"

"مجھے ساری صورت حال بتاؤ۔" پھر نہ جانے رات کے کون سے حصے تک بینا اور شہاب اس موضوع پر گفتگو کرتے رہے تھے، پھر جب بینا کی آنکھوں میں نیند کی سرخی لہرانے لگی تو شہاب نے اسے محبت بھرے انداز میں سلا دیا...... بینا کی آمد سے تھوڑی سی دلچسپیاں پیدا ہو گئی تھیں، ایک طرف تو یہ سارا گھریلو مسئلہ چل رہا تھا، دوسری طرف شہاب حمید اسی انکشاف کے تحت اپنے اور کام بھی کر رہا تھا، چنانچہ رات کی تاریکیوں میں اس نے حویلی کے مختلف گوشوں کا جائزہ لینا شروع کر دیا...... بینا بے شک اس میں شریک نہیں تھی لیکن شہاب نے بینا سے یہ بات کہی تھی کہ اسے یہ اہم کام بھی سر انجام دینا ہے۔ بس ایک نظریہ تھا حالانکہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ حمید اجیسے غلط انسان نے شہاب کو دھوکا دے کر نکل جانے کی کوشش کی ہو لیکن بہر حال ایسا ہی کرنا پڑتا ہے۔ ذمہ داریاں اپنا ایک الگ مقام رکھتی ہیں اور ان ذمہ داریوں کو نبھانے کے لئے ہر قسم کے خطرات مول لینے پڑتے ہیں...... دوسری صبح مدہم مدہم بوندیں پڑ رہی تھیں...... موسم بہت گہرا سیاہ ہو رہا تھا اور چونکہ ان علاقوں میں بارشیں ذرا کم ہی ہوتی تھیں اس لئے ایسے موسم نظر انداز نہیں کئے جا سکتے تھے۔

اخلاق احمد صاحب کی دونوں بیٹیاں تو خوشی سے پاگل ہوئی جا رہی تھیں کیونکہ بینا

ہیں بہت پسند آئی تھی، لڑکیوں نے تجویز پیش کی کہ حویلی کے پچھلے باغ میں جھولا ڈالا ئے اور موسم سے لطف اٹھایا جائے...... بینا ہنس کر شہاب سے بولی۔

"شہاب تمہیں رسیوں پر جھولا جھولنے سے کوئی دلچسپی ہے۔"

"ہاں...... کیوں نہیں لیکن ایسا آدمی ہوں نہیں۔" شہاب نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ گردن میں رسی ہونی چاہئے۔"

"خدانہ کرے کیسی باتیں کر رہے ہو، دلچسپی تو ویسے مجھے بھی نہیں ہے اس احمقانہ عمل ے لیکن یہ لڑکیاں ارمان بھری ہیں۔"

"تو پھر ان ارمان بھری لڑکیوں کا ساتھ دو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" بینا نے ردن ہلا دی تھی اور اس کے بعد تمام انتظامات ہو گئے لیکن دلچسپ بات یہ رہی کہ اس وقت ب یہ سب حویلی کے باغ کے پچھلے حصے میں انجوائے کر رہے تھے تو عمارت کے پچھلے حصے ے ایک خاتون نمودار ہوئیں اور اخلاق احمد کی دونوں لڑکیاں ایک دم سنبھل گئیں۔

"جہانیاں آ رہی ہیں۔"

"کون؟"

"جہانیاں، مسرت جہاں ارمان شاہ صاحب کی بیگم ہیں۔"

"اوہ تم پریشان کیوں ہو گئیں۔"

"نہیں، بہر حال انہیں سلام تو کرنا ہو گا۔" بینا کی گہری نگاہیں آنے والی کا جائزہ لے رہی تھیں...... ایک دراز قامت لیکن بے انتہا خوب صورت عورت تھی، اس کے چہرے کے نقوش میں بڑی جاذبیت تھی لیکن اس کے ساتھ ہی ایک کرختگی بھی پائی جاتی تھی۔ قد و قامت، جسامت بہت اچھا تھا، دونوں لڑکیاں اُلجھ سی گئی تھیں لیکن بینا ہونٹوں پر دل آویز مسکراہٹ لئے اپنی جگہ کھڑی جہانیاں کے نام سے شہرت پانے والی مسرت جہاں کو دیکھ رہی تھی، دونوں لڑکیوں نے آگے بڑھ کر سلام کیا تو مسرت جہاں نے کہا۔

"وہ کون ہے، کیا تمہاری کوئی مہمان؟"

"جی دارالحکومت سے آئی ہیں۔"

"اچھا...... اچھا بڑی پیاری لڑکی ہے۔"

"وہ آپ کے پاس آنا چاہتی ہیں۔" شاہانہ نے جلدی سے کہا، ذرا سی اُلجھ گئی تھی وہ، اس کا خیال تھا کہ بینا بھی آگے بڑھ کر جہانیاں کو سلام کرے گی لیکن بینا اپنی جگہ کھڑی رہی تھی۔ وہ اس سے کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔ مسرت جہاں خود ہی آگے بڑھی اور بینا کے قریب پہنچ گئی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"ہیلو، کیا نام ہے آپ کا میڈم...... کیا آپ تعارف کرانا پسند کریں گی۔"

"میرا نام بینا واسطی ہے اور یقینی طور پر میں آپ کی مہمان ہوں ویسے یہ دونوں بچیاں مجھے آپ کے بارے میں بتا چکی ہیں، لیکن نہ جانے کیوں آپ کو جہانیاں کہتے ہوئے مجھے ایک عجیب سا احساس ہوگا، کیوں نہ میں آپ کو مسرت جہاں ہی کہوں یا اگر آپ احترام کا کوئی اور لفظ اس کے لئے متعین کر سکتی ہیں تو براہ کرم مجھے اس کے بارے میں بتایئے۔"

"ہوں، ویری گڈ بہر حال دارالحکومت میں رہتی ہو یقینی طور پر اچھی خاصی تعلیم یافتہ بھی ہو گی، لیکن ہمیں ان تمام باتوں میں سے صرف ایک بات پر اعتراض ہے۔"

"کیا؟" بینا نے کہا۔

"ہماری مہمان ہو جیسا کہ تم نے ابھی کہا لیکن ہم سے ہی تعارف نہیں۔"

"موقع ملتے ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی لیکن زیادہ وقت نہیں ہوا ہے آئے ہوئے مجھے اور بہر حال مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ آپ سے ملاقات کے لئے پہلے اجازت لینا ضروری ہوگا۔"

"ہوتا ہے ایسا لیکن ہر شخص کے لئے نہیں، اب دیکھو کتنا حسین موسم ہے، ہم یہ سوچ کر باہر نکلے تھے کہ ہم بھی باہر کے موسم سے لطف اٹھائیں لیکن سمجھ میں نہیں آتا کیا کریں، ایسا بہت سے معاملات میں ہوتا ہے۔"

"مشورے قبول کرتی ہیں آپ۔" بینا نے کہا اور وہ غور سے بینا کو دیکھنے لگی، پھر بولی۔

"مہمان قابلِ احترام ہوتے ہیں، لیکن طبیعتوں کا تعین بھی ضروری ہوتا ہے، کسی سے بے تکلف ہونے کے لئے وقت درکار ہوتا ہے۔ کیا آپ اس سلسلے میں جلد بازی کی قائل ہیں خاتون؟"

"شاید ایسا ہی ہے۔"

"نام نہیں بتایا آپ نے؟"

"بینا۔"

"شادی شدہ ہیں؟"

"جی۔"

"شوہر کہاں ہیں، کیا کرتے ہیں؟"

"یہیں آپ کی حویلی میں ہیں، بڑے شاہ صاحب کے پاس خدمات انجام دے رہے ہیں۔"

"اوہو...... ہمیں نہیں معلوم...... کیا نام ہے؟"

"شہاب ثاقب۔"

"بچیو...... تم واقف ہو، کیا نئے ملازم ہوئے ہیں۔ شاہ جی نے بھی کوئی تذکرہ نہیں کیا۔"

"نہیں کسی سرکاری کام سے شاہ جی کے پاس آئے ہیں۔ سرکاری ملازم ہیں۔"

"ایک ہی بات ہے، بڑے شاہ جی خود سرکار ہیں، خیر بہن آپ ہمیں پسند آئیں۔"

"کیا واقعی۔" بینا نے کہا۔

"لوگ ہماری باتوں پر شک نہیں کرتے۔"

"ثبوت دیجئے گا محترمہ مسرت جہاں۔" بینا بولی۔ جہانیاں نے ایک نگاہ دونوں لڑکیوں کو دیکھا، پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔

"کیسا ثبوت؟"

"آیئے جھولا جھولیں۔" بینا نے کہا...... جہانیاں کی آنکھوں میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہوگئی۔ پھر وہ پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بولی۔

"بے تکا کام ہے...... رسی پر بیٹھ کر ہچکولے کھانا۔ کیا فائدہ اس سے۔"

بینا مسکرانے لگی پھر اس نے مدھم لہجے میں کہا۔

"جہانیاں کیا کہا جائے اس بارے میں خود اپنی توہین ہوتی ہے، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم لوگ حیثیت ہی کیا رکھتے ہیں...... دنیا کی ان معصوم معصوم خوشیوں کو اپنی زندگی میں شامل کر کے ہم جینے کے سہارے تلاش کر لیتے ہیں۔ کام کچھ بھی ہو اس کا پس منظر بعض اوقات کچھ نہیں ہوتا لیکن تھوڑی بہت خوشی حاصل ہو جاتی ہے۔"

"بچپن میں، میں نے بھی یہ سب کچھ کیا ہے، لیکن کچھ عجیب لگے گا یہ، نہیں بھئی پلیز ویسے تم خود اپنی بات کی نفی کر رہی ہو۔" اس نے کہا۔

"نفی۔"

"ہاں بالکل۔"

"وہ کیسے؟"

"تم نے کہا تھا کہ تم مجھے مسرت جہاں کہو گی مگر تم مجھے جہانیاں کہہ کر مخاطب کر رہی ہو۔"

"آپ نے بھلا اجازت دی تھی مجھے۔"

"خیر اجازت تو میں کسی کو بھی نہیں دے سکتی، ٹھیک کہہ رہی ہو تم...... چلو آؤ موسم بہت اچھا ہے تھوڑی سی سیر کر لیں۔" وہ بولی اور پھر شاہانہ اور آمنہ کی طرف رخ کر کے کہنے لگی۔

"تم لوگ کیا کھڑی سن رہی ہو جاؤ۔" وہ دونوں اتنی برق رفتاری سے واپس بھاگی تھیں جیسے رسی کھل گئی ہو۔ مسرت جہاں خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی تھیں، اس کے چہرے پر واقعی غرور کے آثار تھے، پھر وہ سرد لہجے میں بولی۔

"خیر حالانکہ میں ہر شخص کو اس کے مقام پر رکھنے کی عادی ہوں لیکن کوئی بات نہیں کبھی کبھی۔" بینا ایسے لوگوں کے بارے میں اچھی طرح جانتی تھی۔ یہ ذہنی طور پر بیمار لوگ ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو دوسروں سے نمایاں کرنے کی کوشش میں بہت سی چیزیں کھو بیٹھتے ہیں اور عورت انہی میں سے ایک معلوم ہوتی تھی، لیکن بہر حال بینا کے لئے یہی کیا کم تھا کہ اس نے جہانیاں کی توجہ حاصل کر لی تھی۔ مقصد یہی تھا اور شہاب بھی یقینی طور پر یہی چاہتا ہوگا۔ غرضیکہ تھوڑی دیر تک وہ جہانیاں کے ساتھ وہیں گھومتی پھرتی رہی، پھر جہانیاں بولی۔

"آؤ اندر چلتے ہیں، اس سے زیادہ میرا باہر رہنے کو دل نہیں چاہتا۔" بینا خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑی تھی اور اس نے پہلی بار کوٹھی کو اندر سے دیکھا تھا...... ایک دولت مند شخص کی حویلی جس قدر خوب صورت ہو سکتی تھی یہ بھی ایسی ہی جگہ تھی اور رحمان گڑھی میں ارمان شاہ کا یہ محل نما گھر اسی کیفیت کا حامل تھا، باادب ملازمین خاموش چلنے پھرنے کے عادی، شور نہ کرنے کی ہدایات پر عمل کرنے والے، پتا نہیں خود ارمان شاہ کس

کا انسان تھا، ابھی تک تو اس کے بارے میں شہاب کو یہی خیال تھا کہ اگر اداکاری کرتا تو بہت عمدہ اداکار ہے ورنہ ممکن ہے ان واقعوں سے اس کا کوئی تعلق ہی نہ ہو اور کھیل مختلف ہی ہو لیکن اندر کے ماحول سے یہ احساس ہوتا تھا کہ اور جو کچھ ہے لیکن جہانیاں بارے میں جو کچھ معلومات شہاب کے ذریعے بینا کو حاصل ہوئی تھی اس کے ذریعے کے ماحول کے مطابقت صحیح اندازہ ہو جاتا تھا...... مسرت جہاں نے کہا۔

"یہ علاقہ میری تحویل میں ہے اور یہاں بڑے شاہ جی کا حکم بھی نہیں چلتا۔ میرا اپنا انداز ہے، طرز زندگی ہے، ہو سکتا ہے کہ بہت سوں کو یہ ناپسند ہو لیکن میری فطرت کچھ قسم کی ہے...... خیر چھوڑو، تم یہ بتاؤ مگر ٹھہرو آؤ بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ موسم سے لطف چاہتی ہو تو چلو اوپر کے حصے میں چلتے ہیں۔" مسرت جہاں یا جہانیاں اسے لے کر جس جگہ پہنچی تھی وہ واقعی حسین تھی، خاصی بلندی پر تھی اور یہاں سے چھوٹی سی رحمان گڑھی کے بے شمار منظر نظر آتے تھے۔ جہانیاں اسے لے کر ایک بڑے شیڈ کے نیچے بیٹھ گئی۔ چاروں طرف پھولوں کے گملے رکھے ہوئے تھے اور پھول مہک رہے تھے...... بارش ذرا کچھ تیز ہو گئی تھی جس سے شیڈ کی چھت پر جلترنگ بج رہا تھا۔ کچھ ملازمائیں خود بخود اوپر پہنچ کر کافی فاصلے پر ایک دوسرے شیڈ کے نیچے کھڑی ہو گئیں تاکہ جہانیاں کی جانب سے کوئی اشارہ ملے تو اس کی تعمیل کریں۔

مسرت جہاں نے دور دور تک بارش کی دھند میں لپٹے ہوئے ماحول کو دیکھا، پھر بینا سے بولی۔

"چائے یا کافی پینا پسند کرو گی۔"

"اس ماحول میں ان دونوں چیزوں سے انکار کرنا میں سمجھتی ہوں کہ کفران نعمت ہے اور کوئی بھی صاحب ذوق اس پیشکش کو ٹھکرا نہیں سکتا۔"

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو...... چائے یا کافی؟"

"کافی کی بات ہی کیا ہوتی ہے۔" بینا نے بے تکلفی سے کہا اور اس نے اشارے سے ایک ملازمہ کو اپنے قریب بلایا، ملازمہ دوڑتی ہوئی اس کے قریب پہنچی تو وہ بولی۔

"کافی۔"

"جی۔" ملازمہ نے جواب دیا اور واپس پلٹ گئی۔

جہانیاں کی نگاہیں پھر چاروں طرف دیکھنے لگی تھیں...... بینا بھی چاروں طرف کا جائزہ لے رہی تھی، پھر اس نے کہا۔

"رحمان گڑھی بہت چھوٹی سی ہے لیکن بے حد خوب صورت۔"

"ہاں...... مجھے پسند ہے حالانکہ بڑے شاہ جی نے مجھے کئی بار پیشکش کی کہ اگر میں یہاں اکتاہٹ محسوس کروں تو شہری آبادی میں میرے لئے کوئی خوب صورت کوٹھی خرید لیں، ویسے بھی ان کی کافی جائیداد ہے شہری آبادی میں، لیکن مجھے رحمان گڑھی پسند ہے۔"

"خوب صورت جگہ ہے...... شہر کی نسبت انتہائی پرسکون ماحول لیکن مجھے تعجب ہے مسرت جہاں۔" وہ سوالیہ نگاہوں سے بینا کو دیکھنے لگی تو بینا نے کہا۔

"ابھی عمر کی اس منزل میں ہیں آپ جہاں انسان نہ تو تنہائی پسند ہوتا ہے نہ ہنگاموں سے دور رہنے کا خواہشمند، پھر وہ کون سے جذبات ہیں جنہوں نے آپ کو سکون پسند بنا دیا ہے۔"

"نہیں...... ضروری نہیں ہوتا کہ انسان کسی طرح کے جذبات کا شکار ہو کر ہی تنہائی پسند ہو۔ بعض اوقات یہ چیزیں فطرت میں بھی شامل ہوتی ہیں۔"

"معاف کیجئے گا جہاں بلایا ہے جہاں بٹھایا ہے عزت کے ساتھ کافی پلا رہی ہیں اس لئے ہمت بڑھ رہی ہے میری، اگر میری باتوں میں گستاخی محسوس ہو تو ایک دفعہ انکار کر دیجئے گا، میں احتیاط کر لوں گی ورنہ دوسری صورت میں اگر میں کچھ ایسے جملے بول جاؤں جو آپ کو ناگوار گزریں تو اس کے لئے پہلے سے معافی مانگتی ہوں۔"

"اس حد تک آنے کے بعد اگر تکلف کی باتیں کی گئیں تو پھر یہ ملاقات ہی بے کار ہو جائے گی۔" مسرت جہاں نے کہا۔

"بے حد شکریہ...... اصل میں ہر چیز کا ایک پس منظر ہوتا ہے، اگر آپ اپنی فطرت کو خاموش طبع کہتی ہیں تو اس کے پس منظر میں بھی کچھ نہ کچھ ہو گا۔"

"ہاں ہے۔" وہ بولی۔

"کیا؟" بینا نے سوال کیا اور وہ نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھنے لگی اور پھر بولی۔

"کب تک یہاں ہو؟"

"تھوڑے عرصے۔"

"مطلب۔"

"مطلب یہ کہ جیسا کہ آپ کو بتا چکی ہوں کہ میرے شوہر یہاں ہیں، واپس چلے جائیں گے میں بھی چلی جاؤں گی۔"

"اوہو...... میں نے توجہ سے نہیں سنی تھی تمہاری بات، کیا انہوں نے بڑے شاہ جی کے پاس ملازمت کی ہے؟"

"نہیں، ان کا تعلق محکمہ پولیس سے ہے اور پچھلے دنوں یہاں کوئی واقعہ ہو گیا تھا اس کی تحقیقات کے لئے میرے شوہر یہاں آئے تھے اور اب شاید بڑے شاہ جی کی زندگی کو کوئی خطرہ ہے، اس سلسلے میں حکومت کی طرف سے یہاں بھیجا گیا ہے بلکہ خاصے دن ہو گئے انہیں یہاں آئے ہوئے، ہو سکتا ہے آپ کو اس سلسلے میں معلومات حاصل نہ ہوں۔"

"بڑے شاہ جی کے دوسرے معاملات میں میرا کوئی دخل نہیں ہوتا، کیونکہ میں اس سے کوئی دلچسپی نہیں لیتی، لیکن واردات کیا ہوئی تھی یہاں، کیا واقعہ ہوا تھا وہ؟"

"غالباً دو خواتین قتل کر دی گئی تھیں سرونٹ کوارٹر میں۔"

"اوہو...... ہو...... اچھا...... کچھ دن ہنگامے تو رہے تھے...... میں نے سنا تھا لیکن بعد میں کیا ہوا یہ نہیں معلوم ویسے پولیس وغیرہ بڑے شاہ جی کے راستے میں کم ہی آتی ہے اور خود بڑے شاہ جی اپنے لئے مناسب حفاظتی انتظامات رکھتے ہیں...... کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس میں ہمیں پولیس کے تحفظ کی ضرورت ہو اور بڑے شاہ جی کا نظریہ تو پھر بالکل ہی مختلف ہے اور ٹھیک بھی ہے، میں ان سے اتفاق کرتی ہوں۔"

"کیسا نظریہ؟"

"زندگی اور موت کو وہ اہمیت نہیں دیتے کیونکہ ان کا خیال ہے دونوں کام لازم و ملزوم ہیں اور جو ہونا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے اس سے گریز نہیں کیا جا سکتا۔"

"بے شک، یہ بات تو آپ بالکل ٹھیک کہتی ہیں۔"

"بہرحال تم مجھ سے میرے ماضی کے بارے میں پوچھ رہی تھیں۔"

"ہاں۔"

"کسی سے کچھ کہو گی تو نہیں؟"

"نہیں مسرت جہاں، میں ایک اچھے خاندان کی لڑکی ہوں اور یہ جانتی ہوں کہ انسان اگر اچھا نہ بھی ہو تب بھی اسے دوستی نبھانے کے لئے کم از کم کچھ باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔"

"اچھی لگ رہی ہو مجھے...... اصل میں انسان اپنے ماحول سے بری طرح اکتا جاتا ہے، یکسانیت فطرت کی قاتل ہوتی ہے اور کبھی کبھی خود اپنا تعین کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں، بات اصل میں یہ ہے کہ بچپن ایسا ہی گزرا تھا جیسے چھوٹے بچوں کا گزرتا ہے۔ ماں باپ صاحب حیثیت تھے اور ہیں، بھائی اور پورا خاندان بڑے شاہ جی سے زیادہ اچھی حیثیت کے مالک ہیں ہم لوگ، ہماری زمینیں، ہماری مالی حیثیت بڑے شاہ جی سے دس گنا زیادہ ہے، لیکن بہر حال والدین کے کچھ فاصلے ہوتے ہیں ایک ماضی ہے ہمارا اس ماضی کے تحت، یوں سمجھ لو کہ مجھے میری مرضی کے بغیر بڑے شاہ جی سے منسلک کر دیا گیا۔ میں فطرتاً مختلف تھی میں کچھ اور چاہتی تھی۔ میری خواہشات، میری آرزوئیں بالکل الگ نوعیت کی حامل تھیں لیکن میری پسند کے برخلاف بڑے شاہ جی جیسی طبیعت کے مالک شخص سے میری شادی کر دی گئی۔ ارمان شاہ بہت اچھے انسان ہیں لیکن انسان کی اپنی پسند ہوتی ہے۔ وہ روایتی قسم کے آدمی ہیں، مذہبی ہونا بری بات نہیں ہے لیکن انتہا پسند ہونا بری بات ہے...... وہ عورت کو وہی مقام دیتے ہیں جو ایک روایتی مقام ہوتا ہے، مجھے انہوں نے دنیا کی ہر سہولت مہیا کر رکھی ہے اور بس یہ سوچ کر مطمئن ہو گئے ہیں کہ جو کچھ انہوں نے کر دیا ہے میں اس سے مطمئن ہوں...... ماں باپ کی یہی ہدایت تھی اور ہے کہ شوہر سے ہر طرح سے تعاون کرو، سو کر رہی ہوں لیکن فطری طور پر میں اس مزاج کی مالک نہیں ہوں۔"

"لیکن مسرت جہاں آپ نے اپنے آپ کو اس مزاج کا مالک بنا تو لیا ہے، لوگ آپ کے بارے میں یہی کہتے ہیں کہ آپ مغرور ہیں اور لوگوں سے کم ملنا جلنا پسند کرتی ہیں۔"

"ہاں...... یہ مزاج میں نے اپنے اندر پیدا کیا ہے، جب مجھے میری پسند کی زندگی نہیں ملی تو میں دوسروں کی پسند کی زندگی کیوں گزاروں، اپنی مرضی کی اتنی مالک تو ہوں میں کہ کسی کو پسند کروں اور کسی کو نہ کروں...... میری فطرت کو تو نہیں بدل سکتے نا یہ لوگ، میری مرضی ہے۔"

"ہاں خیر...... یقیناً برا نہ مانئے...... سوالات ٹیڑھے ضرور ہیں مگر آپ سے محبت سے کئے جا رہے ہیں۔"

"نہیں میں برا نہیں مان رہی...... اگر میرا لہجہ تلخ ہو جائے تو تم بھی اس کا برا مت ماننا...... کم از کم آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا جانتی ہو، یہ سب بڑے شاہ جی کے غلام

تم مجھے بتاؤ نگاہیں جھکی ہوئی ہوں...... چہرے پر یتیمی برس رہی ہو تو کیا میں کہہ سکتی ہوں آؤ میرے شانوں پر بیٹھ جاؤ، نفرت ہے مجھے ان تمام لوگوں سے، آخر یہ مجھ سے آنکھیں کر بات کیوں نہیں کرتے...... کس کو قتل کرا دیا ہے میں نے، لیکن یہ ہمارے نمک خوار ہیں پھر میں ان کو انہی کا مقام دیتی ہوں تو پھر کیا غلط کرتی ہوں...... تم مجھے بتاؤ تم نے مجھ پر توجہ دی، مسرت جہاں کہہ کر پکارا مجھے، میں نے تمہارے ساتھ کوئی بدتمیزی یا بدسلوکی کی۔"

"نہیں...... نہیں...... آپ کیسی باتیں کرتی ہیں مسرت...... بہر حال میں آپ کو بتا دوں کہ زندگی میں تبدیلیاں اپنی پسند اور اپنی مرضی کے مطابق کی جا سکتی ہیں، اپنے آپ کو ایک گھٹن کا شکار رکھ کر زندگی گزارنا کوئی عقل مندی کی نشانی نہیں ہے...... آپ پلیز اپنے لئے ایسا ماحول بنائیے کہ باقی زندگی آپ کی اپنی پسند سے گزرے۔"

"چھوڑو بینا کیا بات کرتی ہو...... بس ہوتا ہے بہت کچھ ہوتا ہے۔"

"آپ بڑے شاہ جی سے کچھ خوش نظر نہیں آتیں۔"

"نہیں وہ اچھے انسان ہیں، بہت اچھے انسان ہیں انسانیت ہے ان کے اندر لیکن ایک بات کہوں انسان کو انسان رہنا چاہئے یا تو دنیا ترک کر کے درویش بن جائے، عبادتوں میں زندگی گزارے یا پھر اگر دنیا دار ہے تو کم از کم دوسروں کے سینے پر بوجھ نہ بنے۔"

"مذہب تو یہی کہتا ہے مسرت جہاں کہ انسان دنیا اور دین دونوں کا خیال رکھے۔"

"دیکھو مجھ سے مذہبی گفتگو مت کرو، کہیں کوئی ایسی بات منہ سے نکل جائے جو مذہبی روایات کے خلاف ہو تو بلاوجہ کچھ گناہ سر پر مسلط ہو جائیں گے...... میں تھکی ہوئی شخصیت ہوں بہت زیادہ تھکی ہوئی...... شاہ جی درویش صفت بنے رہتے ہیں...... میرا خیال ہے کہ رحمان گڑھی میں کوئی بھی تمہیں ایسا نہیں ملے گا جو شاہ جی کو برا انسان کہے لیکن ان کے کچھ اصول کسی کو ذہنی تکلیف تو پہنچا سکتے ہیں، بس چھوڑو ان باتوں کو یوں سمجھ لو کہ مجھے شاہ جی جیسے شوہر سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، شوہر تو دوست ہوتا ہے احترام تو ہم بہت سے رشتوں کا کرتے ہیں...... میں اپنے طور پر ایک دوست شوہر چاہتی تھی، وہ مجھے نہیں ملا۔"

"کوئی ذہن میں تھا۔" بینا نے سوال کیا...... وہ بڑی احتیاط کے ساتھ مسرت جہاں کو شیشے میں اتار رہی تھی۔

"یقین کرو نہیں...... عشق و محبت جیسی چیزوں سے میں بالکل دور رہی ہوں لیکن

خیال ضرور تھے دل میں کہ زندگی میں جو شخصیت شامل ہو وہ ایسی ضرور ہو جس سے دوستی کا انداز اختیار کیا جائے۔"

"ہاں...... یہ صحیح طلب ہے جسے غلط نہیں کہا جاسکتا، ماحول واقعی بہت خوب صورت ہو رہا ہے۔" کچھ دیر کے بعد ملازمہ نے کافی کی ٹرے سامنے لاکر رکھ دی...... بینا چاروں طرف کا جائزہ لے رہی تھی، حویلی سے تھوڑے فاصلے پر ایک چھوٹا سا خوب صورت گھاس کا میدان پھیلا ہوا تھا جس کے دونوں سمت کا حصہ درختوں سے گھرا ہوا تھا اور اس کے بعد ایک اور دروازہ نظر آرہا تھا جو کسی ٹوٹی پھوٹی حویلی کا دروازہ تھا۔ بینا نے اس طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا ہے؟"

"آسیب محل۔"

"کیا؟" بینا چونک کر بولی۔

"ہاں...... وہ آسیب محل ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"پرانی حویلی جو اب آسیب زدہ کہلاتی ہے لیکن تم دیکھو کہ آسیبوں کا بڑی حویلی سے کسی طرح رابطہ قائم ہے اور ان کو بڑی حویلی میں آنے جانے کی کوئی وقت محسوس نہیں ہوتی۔" بینا نے نہ سمجھ آنے والے انداز میں مسرت جہاں کو دیکھا تو وہ بولی۔

"کبھی آسیب دیکھے ہیں زندگی میں۔"

"نہیں۔"

"ہوں۔"

"مگر وہ پرانی حویلی۔"

"چھوڑو وہ ہمارا موضوع نہیں ہے...... تم یہ بتاؤ کہ شادی کرکے کیسی زندگی گزار رہی ہو؟"

"بہت اچھی ہے...... ظاہر ہے یہاں کے اصول نہیں ہیں ورنہ میں آپ کو شہاب سے ضرور ملواتی۔"

"شہاب تمہارے شوہر کا نام ہوگا۔"

"جی۔"

"طبیعت کا کیسا انسان ہے؟"

"خوش اخلاق، محبت کرنے والے، اچھی شخصیت کے مالک ہیں۔"

"میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔" مسرت جہاں نے کہا اور بینا نے کافی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ بولی۔

"نہیں رہنے دو وہ سب کچھ مت کرو جو دوسرے کرتے ہیں تم میری مہمان ہو میرے ہاتھوں کی بنائی ہوئی کافی پیو۔"

"شاہ جی اپنے والدین کے اکلوتے ہیں؟" بینا نے سوال کیا۔

"سوال ہماری شخصیتوں سے تعلق نہیں رکھتا۔"

"نہیں، آپ ایسی بات نہ کہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ نے شہاب کے بارے میں پوچھا...... میں نے آپ کو تفصیل بتائی...... شاہ جی کے بارے میں میں آپ سے کچھ معلومات حاصل کر رہی ہوں تو غلط تو نہیں ہے، اس کے باوجود اگر آپ کچھ نہ بتانا چاہیں تو کوئی حرج نہیں۔"

"پہلی بار ملی ہو...... اچھی لگتی ہو، اعتبار قائم کرنے کو دل چاہتا ہے لیکن بہرحال بہت سے معاملات ایسے ہوتے ہیں جنہیں زبان سے نکالنا بہتر نہیں ہوتا...... شاہ جی سے بڑے بھی ایک اور شاہ جی تھے نام سنا ہوگا۔"

"کون؟" بینا نے سوال کیا۔

"رحیم شاہ صاحب۔"

"غالباً ارمان شاہ کے والد۔"

"ہاں۔"

"ہاں...... بالکل نام سنا ہے۔"

"بہت اچھے انسان تھے یوں سمجھ لو کہ رحمان گڑھی کو رحمان گڑھی انہوں نے ہی بنایا تھا، حالانکہ یہ آبادی یا یہ بستی ان کے والد یعنی ارمان شاہ کے دادا نے آباد کی تھی اور ان کا نام رحمان شاہ تھا جس کی مناسبت سے اس آبادی کا نام رحمان گڑھی پڑا لیکن رحیم شاہ نے رحمان گڑھی کے لوگوں کو زندگی کی بہت سی ضرورتیں مہیا کیں اور یہاں کے لوگ ان کی پوجا

کرتے رہے، جبکہ رحمان شاہ صاحب ذرا سخت قسم کے انسان تھے پھر اس کے بعد ارمان شاہ نے یہاں کا نظام سنبھالا...... آؤ، میں تمہیں ایک عجیب و غریب کہانی سناتی ہوں...... بارش کے اس موسم میں تمہیں یہ کہانی پسند آئے گی، بڑی دلچسپ کہانی ہے۔"

"ہاں، ضرور۔" بینا نے کہا۔

"رحیم شاہ بہت اچھے انسان تھے، بلاشبہ برائیاں نہیں تھیں ان کے اندر لیکن پھر ایک واقعہ ہو گیا ایک چھوٹا سا واقعہ...... ہوا یوں کہ کہیں سے کوئی دعوت نامہ آیا...... رحیم شاہ کے لئے غالباً کسی کی شادی تھی۔ رحیم شاہ یعنی ارمان شاہ کے والد اس شادی میں شرکت کرنے کے لئے گئے، شادی ہو چکی تھی اور ارمان شاہ پیدا بھی ہو چکے تھے، زندگی بہتر انداز میں گزر رہی تھی، جس شادی میں گئے تھے وہ ذرا آزاد خیال لوگوں کی شادی تھی، وہاں مجرے کے لئے کچھ طوائفیں آئی ہوئی تھیں، کوئی بہت ہی حسین طوائف زادی رحیم شاہ کو بھا گئی...... انسان بہر حال کچھ بھی ہو لیکن کچھ قدرتی صفات ایسی ہوتی ہیں جن سے بہتر طور پر وہ متاثر ہو جاتا ہے۔ رحیم شاہ اس رقاصہ سے متاثر ہو گئے اور اتفاق کی بات یہ کہ رقاصہ بھی انسان ہی تھی، میں اسے طوائف نہیں کہہ رہی بلکہ رقاصہ ہی کہہ رہی ہوں...... غرضیکہ دونوں کی ملاقات ہوئی اور رحیم شاہ صاحب کچھ اس طرح اس سے متاثر ہوئے کہ اس سے نکاح کر لیا، گئے تھے کسی اور کی شادی میں، اس سے نکاح کر کے واپس آ گئے پھر اس طوائف کو رہنے کے لئے ایک عالی شان جگہ دی گئی بات جب تک چھپا سکے چھپ گئی، نہ چھپا سکے اور آہستہ آہستہ وہ بات منظر عام پر آ گئی...... پہلی بیوی نے سنا، عورت جو ہنگامہ کر سکتی تھی کیا لیکن بہر حال عورت کی ایک حد ہوتی ہے، وہ حد ختم ہو گئی لیکن قدرت نے رحیم شاہ کی بیوی کو موقع دیا...... وہ طوائف انتقال کر گئی اور اپنے وجود کا ایک حصہ ایک بیٹے کی شکل میں چھوڑ گئی۔ بیٹے کو بہر حال رحیم شاہ صاحب نے پروان چڑھایا لیکن اس کا دماغی توازن درست نہیں تھا، بہت علاج کرائے گئے اس کے...... ٹھیک نہیں ہو سکا اب بھی وہ اس پرانی حویلی میں رہتا ہے...... بس ایک ملازم اس کے ساتھ ہوتا ہے جو اس کی دیکھ بھال کرتا ہے...... ارمان شاہ کو ان کے والد یہ تلقین کر گئے تھے کہ اپنے سوتیلے بھائی کو کوئی تکلیف نہ ہونے دے لیکن بہر حال اس کا دماغی توازن درست نہیں ہے، وہ وہیں رہتا ہے اور رحیم شاہ صاحب کی ہدایت کے مطابق ارمان شاہ نے اس سے کسی کو ملنے کی اجازت بھی نہیں دی ہوئی، بعض اوقات تو لوگ یہ

سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ ممکن ہے کہ ارمان شاہ اس طوائف زادے کو اپنی دولت میں سے …ئی حصہ نہ دینے کی غرض سے اسے پرانی حویلی میں قید کئے ہوئے ہیں، لیکن ایسی بات نہیں ہے وہ نہیں ہوا جو لوگوں نے سوچا تھا اور حالات نارمل ہی رہے...... یہ کہنے والوں کی زبانیں …بخود بند ہو گئیں...... ارمان شاہ بہت نرم طبیعت کے انسان ہیں لیکن بہر حال کسی کو اپنے …ے میں کچھ کہنے کی اجازت بھی نہیں دیتے اور ان کی جگہ کوئی بھی ہو ظاہر ہے ایسا ہی …ے گا وہ، تو یہ ہے جناب صورت حال، تسلی ہو گئی ہو گی آپ کی۔" مسرت جہاں نے کسی …در خوشگوار انداز میں کہا اور بینا مسکرانے لگی اور بولی۔

"سچ بتاؤں آپ کو، مجھ سے کہا گیا تھا مسرت جہاں کہ آپ انتہائی مغرور اور کسی کو منہ نہ لگانے والی خاتون ہیں، لیکن میں سمجھتی ہوں آپ اتنی اچھی انسان ہیں کہ آپ کے بارے میں اگر کوئی شخص غلط کہے تو اس سے جھگڑا کرنا چاہئے۔" مسرت جہاں پھیکے سے انداز میں مسکرا کر رہ گئی تھی، بینا نے کہا۔

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی...... ہر چیز کا کوئی نہ کوئی حل ہونا چاہئے...... آپ کی زندگی اگر اسی انداز میں گزرتی رہی تو اسے زندگی کہیں گی آپ۔"

"دیکھو...... مجھے رلانے کی کوشش مت کرو، اگر رو پڑی تو سارا وقار بہہ جائے گا...... بڑی مشکل سے میں نے اپنا ایک مقام بنایا ہے اور میں اپنی زندگی میں کوئی شگاف نہیں چاہتی، تم تو آج ہو کل چلی جاؤ گی، مجھے باقی زندگی بھی اسی انداز میں بسر کرنی ہے اس لئے ایسے جملے نہ کہو میرے بارے میں کہ میرے دل میں خود میرے لئے ہمدردی پیدا ہو جائے، پلیز بینا۔"

"اوکے...... اوکے...... میں جانتی ہوں، میں سمجھتی ہوں۔"

"آؤ نیچے چلتے ہیں، نہ جانے کیوں طبیعت پر تکدر سا سوار ہو گیا ہے۔ آؤ پلیز، میں ذرا اسی قسم کی انسان ہوں۔" پھر بینا نے محسوس کیا کہ وہ اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہے، چنانچہ اس نے مسرت جہاں سے اجازت مانگ لی۔

"ہاں...... طبیعت پر اضمحلال پیدا ہو گیا ہے لیکن سنو میں جب بھی بلاؤں آ جانا اور جانے کی کوشش مت کرنا...... مطلب یہ کہ جانے سے بہت پہلے مجھے بتا دینا کہ جا رہی ہو اگر …کچھ کہنا چاہے تو کہیں دل ہی میں نہ رہ جائے۔"

"نہیں...... آپ جب بھی مجھے بلائیں گی میں آ جاؤں گی، حالانکہ میرا دل تو یہ چاہے گا

کہ جب بھی چاہوں یہاں آجاؤں لیکن پھر بھی۔"

"ہاں...... میں بلاؤں گی تمہیں...... اوکے۔" وہ اپنی خواب گاہ میں داخل ہوئی اور دروازہ اندر سے بند کرلیا...... بینا نے محسوس کرلیا کہ خاصی ذہنی مریضہ ہے اور اپنے طور پر اپنی اُلجھنوں میں ڈوبی ہوئی، بہرحال کردار تو ہواہی کرتے ہیں لیکن بینا کچھ نئے انکشافات لے کر شہاب تک پہنچی تھی اور رات ہی کا وقت اسے ملا تھا۔ جب شہاب سے اس بارے میں گفتگو ہوئی تو شہاب نے کہا۔

"ویسے تو بینا اس سے پہلے بھی ہم بہت سے ایسے معاملات سے نمٹ چکے ہیں جو ہمارے لئے خاصی اُلجھنوں کا باعث بنے ہیں، لیکن آخر کار تمام اُلجھنیں سلجھ گئی ہیں، بعض واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے وقت درکار ہوتا ہے...... اب جہاں تک شاکو کا معاملہ ہے تو وہ بے چارہ گرفتار ہو گیا ہے۔ یہ ایک بہتر قدم اٹھایا ہے میں نے کہ اسے ڈبل او گینگ کی تحویل میں رکھا ہے، لیکن بہرحال کسی نہ کسی وقت اسے قانون کے حوالے کرنا ہوگا...... ویسے نادر حیات صاحب ہمارے لئے بڑی اہمیت کے حامل ہیں...... اس شخص نے مجھے میرے کام کے لئے جتنی آسانیاں فراہم کی ہیں بینا میں انہیں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا، مگر ابھی تک اونٹ کسی کروٹ بیٹھ نہیں رہا ہے۔"

"کیوں؟"

"بھئی ابھی تھوڑے دن پہلے کی بات ہے تمہارے ذہن میں ایسا ہی ایک شخص ہوگا جو درویش بنا پھرتا تھا لیکن بعد میں وہ اتنی بھیانک چیز نکلی کہ میں خود بھی دنگ رہ گیا تھا...... میرے ذہن میں ارمان شاہ کے لئے بھی یہی خیال تھا، لیکن یار کہیں سے کوئی ایسا کمزور پہلو مل نہیں رہا جس سے میں حقیقتوں کو جان سکوں...... ایک تھوڑی سی غلطی ہوگئی ہے مجھ سے، بس یہ احساس ہوتا ہے کہ اس غلطی کے بعد کہ انسان کو ہمیشہ حد سے زیادہ خود اعتمادی کا شکار نہیں ہونا چاہئے، ممکن ہے کہ وہ غلطی مجھے کوئی نقصان بھی پہنچا جائے۔" شہاب کے ان الفاظ پر بینا نے چونک کر شہاب کو دیکھا اور شہاب نے اس کی آنکھوں میں تشویش کے آثار پائے تو جلدی سے بولا۔

"ارے نہیں نہیں، غلط سمجھی ہو...... نقصان سے میری مراد یہ نہیں ہے کہ مجھے کوئی جانی نقصان پہنچ جائے، مطلب میرے اپنے کام کے سلسلے میں ہے۔"

"خدا آپ کو محفوظ رکھے...... ویسے ابھی تک آپ۔"

"ہاں بینا، آؤ وہی انداز اختیار کریں جو اس سے پہلے کرتے رہے ہیں، یعنی کسی مسئلے پر آپس میں گفتگو کرنا اور کسی نتیجے پر پہنچنا۔" بینا نے گردن ہلادی تو شہاب مسکرا کر بولا۔

"یار میرے منافع کی کوئی انتہا ہے کہ ایک پولیس آفیسر سے ایک کیس کے سلسلے میں بات کر رہا ہوں اور پوری ہمت اور اس یقین کے ساتھ کہ جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں اس میں صحیح مشورہ ملے گا اور پھر وہ شخصیت میری بیوی بھی ہے۔"

"ویسے مجھے تھوڑی شکایت ہے شہاب۔"

"شکایت نہ ہو بینا تو زندگی بے مزہ ہو جاتی ہے، شرط یہ ہے کہ شکایت ضرور بیان کی جائے اور اس کے جواب میں اگر کچھ کہا جائے تو اس پر ہمدردانہ غور فرمایا جائے تاکہ دوسرا اپنی بے گناہی ثابت کرنے میں کامیاب ہو جائے، بشرطیکہ وہ بے گناہ ہو۔"

"بات اصل میں یہ ہے...... مگر چھوڑو، یہ بتاؤ شکایت کیا ہے؟"

"وہ یہ ہے کہ شادی کرنے کے بعد آپ نے ذرا میری کچھ زیادہ ہی حفاظت شروع کر دی ہے...... مجھے بہت سے معاملات سے دور رکھتے ہیں...... یہ سوچ کر کہ کہیں مجھے کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔"

"نہیں بینا...... میں اس پر احتجاج کرتا ہوں، شادی ہونے کے بعد یاں سمجھ لیجئے آپ کہ میں نے آپ کی حفاظت کا سلسلہ بہت محدود کر دیا ہے، جبکہ اس کے بعد مجھ پر زیادہ ذمہ داریاں عائد ہونی چاہئے تھیں...... شادی سے پہلے ایک خود غرض انسان کی حیثیت سے میں آپ کو مختلف معاملات میں جھونک دیا کرتا تھا، لیکن توبہ...... توبہ...... آپ نے ایسا ایٹمی دھماکا کیا میرے سر میں کہ صاحب میں تو ہیروشیما بن کر رہ گیا۔" بینا شرما کر ہنس دی تھی، پھر اس نے کہا۔

"یہ نہ کہئے آپ بلکہ یہ کہئے کہ۔"

"جی جی...... فرمائیے۔"

"بس کچھ نہیں کہنا، اب دیکھیں نا بات کو آپ کہاں سے کہاں لے گئے حالانکہ ہم اس موضوع پر ایک سنجیدہ گفتگو کر رہے تھے۔"

"چلئے ٹھیک ہے جیل سے شاکر خان عرف شاکو فرار ہوا، یہ وہ شخص تھا جس نے اپنی

بیوی اور بھاوج کو قتل کر دیا تھا لیکن عینی شاہدوں کے نہ ملنے سے سزائے موت سے بچ گیا تھا، کچھ گواہان ایسے تھے جن کی بنا پر اسے عمر قید کی سزا ہو گئی، جبکہ وہ کہتا تھا کہ اس نے اپنی بیوی اور بھاوج کو قتل نہیں کیا...... تم نوٹ کر رہی ہو نا۔"

"ایک منٹ، مگر یہاں کاغذ پنسل کہاں سے لاؤں؟"

"صرف ذہنی طور پر۔"

"جی۔"

"شاکر خان یا شاکو کے بھائی کا انتقال ہو چکا تھا۔ بھاوج کی ایک بیٹی تھی جسے وہ ساتھ لے گیا تھا۔ میرا مطلب ہے شاید میں آگے سے بول گیا یعنی وہ یہاں اس حویلی میں ملازمت کرتا تھا اور فیملی کوارٹر میں رہتا تھا۔ یہاں فرزند نامی ایک شخص نے اس کی بیوی اور بھاوج کو اپنی برائی کا نشانہ بنایا اور فرار ہو گیا، جبکہ شاکر خان نے واپس آکر بد چلنی کے الزام میں اسے قتل کر دیا۔ فرزند اسی وقت نکل بھاگا تھا...... انہیں قتل کرنے کے بعد شاکو یا شاکر خان بھاوج کی بچی کو لے کر یہاں سے فرار ہو گیا، بعد میں گرفتار ہوا اور یہی کہتا رہا کہ یہ دونوں قتل اس نے نہیں کیے لیکن اس میں بہت بڑی خرابی یا خامی یہ رہ گئی کہ اس بچی کے بارے میں صحیح پتا نہ چل سکا اور یہ فرض کر لیا گیا کہ شاکر خان اس بچی کو لے کر وہاں سے فرار ہوا اور اس نے اس کی بھی گردن دبا کر اسے ہلاک کر دیا...... بینا یہاں پر یہ نکتہ نوٹ کرو کہ پہلی بات تو یہ کہ ایک شخص جو دو افراد کو قتل کر کے وہاں سے فرار ہوتا ہے ایک بچی کو اپنے ساتھ لے جانے کا خطرہ کیوں مول لے گا اور وہ بھی اس لئے کہ اسے بھی جان سے مار کر ہلاک کر دے...... اس کا دوسرا پہلو یہ سامنے آتا ہے کہ وہ اس بچی کو چاہتا تھا۔ اگر چاہتا تھا تو پھر اس نے اسے ہلاک کیوں کر دیا، نہیں چاہتا تھا اس سے چھٹکارے کا خواہش مند تھا تو اسے وہیں ہلاک کر کے کیوں نہ فرار ہو گیا جہاں اس نے دو عورتوں کو قتل کیا تھا وہاں اس بچی کو بھی ختم کر دیتا، اگر وہ اس کا اعتراف کر لیتا کہ اسی نے ایسا کیا ہے تو معاملہ اتنا بگڑا ہوا نہ رہتا نہ وہ بچی کے قتل کا اعتراف کرتا ہے اور نہ ان دونوں عورتوں کے قتل کا بلکہ وہ یہ کہتا ہے کہ دونوں انتہائی پاک باز تھیں اور اچھی طبیعت کی مالک تھیں، ان کے ساتھ ظلم ہوا، وہ کہتا ہے کہ اس نے انہیں قتل نہیں کیا۔ بات فرزند پر آتی ہے، فرزند بھی اسی جگہ ملازم تھا...... ظاہر ہے شاکر خان عرف شاکو فرزند سے بھی واقف ہو گا۔ اس سلسلے میں اس کا کوئی بیان کسی جگہ نہیں ہے صرف اس بنیاد پر

مجرم تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ارمان شاہ نے اس کے لئے گواہی دی ہے۔ بینا! ارمان شاہ جہاں تک ہم دیکھتے ہیں بستی میں اس کے لئے ایسا تاثر نہیں ملا جس سے یہ اندازہ ہو کہ وہ بھی برا انسان ہے، لوگوں کے خیالات اچھے ہی ثابت ہوئے ہیں اس کے لئے جبکہ یہ کیس دوہری اور قتل کا ہے کوئی بہت اہم نکتہ ابھی تک پتا نہیں چل سکا...... فرزند کے بارے میں، میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اس کی ماں اور بہن پوری طرح سے یہ بات کہتی ہیں کہ وہ ایک اچھا انسان تھا...... یہاں زیادہ لوگوں سے تو معلومات حاصل نہیں ہو سکیں لیکن جس سے بھی معلوم ہوا یہی پتا چلا ہے کہ معاملہ کچھ اُلجھا ہوا سا ہے۔ فرزند بھی برا آدمی نہیں تھا، اس کی ماں پاگل ہو گئی ہے...... ہاں، ایک غلط شخص ملا تھا جس کا نام تھا حمیدا، حمیدا کو کسی نے زبان خاموش رکھنے کے لئے رقم دی تھی اور حمیدا نے مجھے جو کہانی سنائی ہے میں اس پر دنگ ہوں اور اب اسی سلسلے میں کام کرنا چاہتا ہوں۔"

"کہانی کیا ہے؟" بینا نے سوال کیا پھر جلدی سے بولی۔

"مگر ٹھہرو...... تھوڑا سا میں تمہیں اس بارے میں بھی بتاتی ہوں، میرا مطلب ہے کہ اپنے کسی انکشاف سے پہلے میں نے یہاں جو کچھ کیا ہے وہ میں آپ کو سنانا چاہتی ہوں...... مسٹر شہاب اس کے بعد آپ آگے کے واقعات کا آغاز کریں۔"

"ٹھیک، پھر ہو جائے بسم اللہ۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا...... بینا کچھ لمحے سوچتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔

"شہاب! اس حویلی کو پوری طرح دیکھا ہے آپ نے۔" شہاب نے چونک کر بینا کو دیکھا اس کے چہرے پر حیرت کے نقوش اُبھر آئے تھے۔ بینا بغور اس کا جائزہ لے رہی تھی...... بہر حال اب شہاب اور بینا کے درمیان اتنی یگانگت ضرور ہو گئی تھی کہ دونوں ایک دوسرے کی کیفیات سے واقف ہو سکیں...... بینا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اگر نہیں بھی دیکھا ہے آپ نے تو یقینی طور پر آپ کو اس کے بارے میں خاصی معلومات حاصل ہیں۔"

"بینا بات پوری کرو، پلیز۔" شہاب نے کہا۔

"ہاں یقیناً اس حویلی کا عقبی حصہ بالکل الگ حیثیت رکھتا ہے، یعنی آپ یہ سمجھ لیجئے کہ عقبی حصے کے ایک سلسلے کو اس طرح ایک دوسرے سے منقطع کیا گیا ہے کہ ساری

صورتحال واضح ہو جاتی ہے، یعنی یہ کہ ادھر سے اگر کوئی ادھر جانا چاہے تو اس کے راستے میں دیواریں حائل ہیں اور وہاں تک جانا کم از کم حویلی کے اندرونی حصے سے آسان نہیں ہے، لیکن یہ بات بھی ہے کہ ادھر سے رابطہ بھی قائم ہے یعنی یہ کہ یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ وہاں تک نہ جایا جاسکے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں بینا، آگے کہیں۔"

"میں نے دور سے اسے دیکھا ہے وہ غالباً پرانی حویلی ہے اور عرف عام میں آسیب زدہ مشہور ہے۔"

"ٹھیک، بولتی رہو۔"

"وہاں ایک شخص رہتا ہے۔" بینا نے کہا۔

"کون؟" شہاب سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔

"ارمان شاہ کا سوتیلا بھائی، میں اس کا نام نہیں جانتی لیکن وہ ذہنی طور پر عدم توازن کا شکار ہے، یعنی یوں سمجھ لو کہ وہ پاگل ہے۔" شہاب کی آنکھوں میں شدید حیرت کے آثار تھے، اس نے آہستہ سے کہا۔

"بولتی رہو بینا، میرے لئے حیرت انگیز انکشافات کر رہی ہو۔"

"کیا تمہیں اس کے بارے میں معلوم تھا شہاب۔"

"نہیں۔" شہاب نے صاف گوئی سے کہا۔

"تب یہ اچھی بات ہے کہ میں نے تمہیں ایک اہم بات سے روشناس کیا۔"

"ہاں بینا! براہ کرم مجھے مزید تفصیل بتاؤ۔"

"شہاب! وہ شخص ارمان شاہ کا سوتیلا بھائی ہے لیکن ایک طوائف کی اولاد جسے بہرحال ظاہر ہے ارمان شاہ کبھی باقاعدہ منظر عام پر نہیں لایا ہو گا۔"

"رحیم شاہ کا بیٹا ہے وہ؟"

"ہاں اور رحیم شاہ نے بھی بقول مسرت جہاں کے آوارگی کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس طوائف سے شادی نہیں کی تھی بلکہ ایک ایثار کیا تھا جس کے نتیجے میں اس کے ہاں وہ بیٹا پیدا ہوا اور ظاہر ہے اس بیٹے کو کسی بھی طرح رحیم شاہ کوئی قانونی مقام نہیں دے سکا تھا، لیکن اس نے ارمان شاہ کو یہ وصیت کی کہ اس بیٹے کو سڑکوں پر نہ روندھا جائے بلکہ ارمان شاہ اس کا

تحفظ کرے۔"

"اوہ...... میرے خدا واقعی، واقعی، بہت عجیب، بے حد عجیب، تقریباً، خیر آگے کہو۔"

"بس وہ وہاں رہتا ہے اور شاید ارمان شاہ اس کے تحفظ کی خاطر یہ نہیں چاہتا کہ لوگوں کو اس طرف جانے کا موقع ملے، اس لئے وہ حویلی آسیب زدہ مشہور کر دی گئی ہے۔"

"اور وہ پاگل بھائی وہیں رہتا ہے؟"

"ہاں۔"

"ایک بات اور بتاؤ۔"

"پوچھو۔"

"کیا ارمان شاہ نے اس کا علاج کرانے کی کوشش نہیں کی؟"

"یقین کرو اتنی معلومات مجھے حاصل نہیں ہیں۔"

"ظاہر ہے، ظاہر ہے...... حیرت انگیز، بے حد حیرت انگیز، اوہو، واقعی۔"

"اچھا اب یہ بتاؤ، واقعی تمہیں اس سلسلے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔"

"نہیں بینا...... تھوڑا بہت معلوم تھا لیکن جو شخص میرے لئے ذریعہ معلومات بنا وہ بھی شاید اصل بات نہیں جانتا تھا، ورنہ، ورنہ......" شہاب جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گیا۔

"فرزند کا بہنوئی حمیدا جو بہرحال ایک جرائم پیشہ قسم کا انسان ہے، یقینی طور پر ایک غلط انسان۔" اور اس کے بعد شہاب نے بینا کو حمیدا کی کہانی سنائی...... بینا گہری سوچ میں ڈوب گئی، تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا۔

"شہاب ہم پورے اعتماد کے ساتھ تو کوئی بات نہیں کہہ سکتے لیکن ظاہری بات ہے کہ خود ارمان شاہ نے حمیدا کو وہ رقم دی ہو گی۔"

"ہاں...... حمیدا نے کچھ دیکھ لیا تھا اور یقینی طور پر اس نے جو کچھ دیکھا ہے...... او، بینا تمہارے آنے سے سارا مقصد حاصل ہو گیا مجھے۔"

"جناب میں تو شادی شدہ ہو کر مفلوج ہو گئی ہوں، بالکل اپاہج ہو گئی ہوں، کوئی کام ہی نہیں کر سکتی...... اس لئے جناب مجھے نظر انداز کر دیتے ہیں۔"

"یار...... بار بار وہ بات مت کہلواؤ جو ایک بار کہہ چکا ہوں...... بھائی اب تم میری عزت ہو، میری آبرو ہو۔"

"اور میرے اپنے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"کیا میں اپنی عزت، اپنی آبرو خود نہیں ہوں۔"

"ہو...... بالکل ہو...... سو فیصدی ہو۔"

"تو مجھ پر اعتبار کرنا چاہئے تمہیں۔"

"بینا اعتبار کرتا ہوں میں تم پر، اچھا خیر چھوڑو، یہ بتاؤ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں کوئی حل نکالنا ہوگا اس کا، حمیدا نے غلط نہیں کہا تھا۔"

"مسئلہ فرزند کا آجاتا ہے، آخر وہ کہاں ہے؟"

"حمیدا کا کہنا ہے کہ وہ شہر میں ہے۔"

"میری سمجھ میں ایک بات نہیں آتی۔"

"کیا؟"

"فرزند......" پھر بینا جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گئی، شہاب نے کہا۔

"تمہیں یہ بات معلوم ہے کہ شاکو گرفتار ہو گیا ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ نادر حیات صاحب کی مدد سے میں نے شاکو کو پولیس کی تحویل میں نہیں جانے دیا۔"

"ہاں۔"

"بینا...... ہمیں ایک بار شاکو سے ملاقات کرنا ہو گی۔"

"شاکو سے ملاقات؟"

"ہاں، وہ بہت سے انکشافات کر سکے گا۔"

"کر دے گا۔"

"کوشش کریں گے۔"

"کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"ایک بات سنو...... میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔"

"کیا؟"

"اگر شاکو کو اس بچی کا حوالہ دیا جائے مگر بات وہی فرزند والی آجاتی ہے...... فرزند ہمیں اگر اس کے بارے میں معلوم ہو جائے تو بڑی آسانی ہو جائے گی۔"

"کیا کہا جا سکتا ہے، کیا کہہ سکتی ہوں میں۔" بینا نے کہا اور دونوں گہری سوچ میں ڈوب گئے...... ظاہر بات ہے ہر کام اس طرح تو نہیں ہو جاتا جس طرح انسان کی خواہش ہوتی ہے، بہت سی مشکلات راستے میں آتی ہیں اور یہ ابھی ان مشکلات کا شکار تھے...... شہاب کچھ لمحے سوچتا رہا پھر اس نے مسکرا کر بینا سے کہا۔

"جانتی ہو تمہیں یہاں بلانے کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی؟"

"پتا نہیں، میں تو یہ سمجھی تھی کہ شاید مجھ سے دور رہتے ہوئے کچھ مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، یعنی میں یاد وغیرہ آتی ہوں گی۔" شہاب ہنسنے لگا پھر بولا۔

"نہیں ایسی بات نہیں تھی بینا، ظاہر ہے اب تم میرا اپنا وجود ہو...... اپنے بدن کے جس حصے کو جب دل چاہے چھوا جا سکتا ہے وہ حسرت نہیں بنتا اس لئے میں یہ جھوٹ نہیں بولوں گا۔"

"پھر؟"

"اصل میں ذرا سا شبہ تھا میرے ذہن میں، خود اپنے ارمان شاہ صاحب کے سلسلے میں تو میں یہ سوچ رہا تھا کہ تمہیں ذرا یہاں بلا کر ارمان شاہ صاحب کا رویہ دیکھوں اور تم سے بہتر اور کون ہو سکتا تھا لیکن اب اس نئی کہانی نے صورتحال کو تبدیل کر دیا ہے اور بالکل یہ سمجھ لو کہ ایک طرح سے ہمیں ایک نیا سیٹ اپ بنانا پڑے گا، ایک بار شاکو سے ملاقات ہو جائے تو کچھ کام کیا جا سکتا ہے، ویسے بینا ایک اور حیرت ناک بات یہ ہے کہ آخر ارمان شاہ، شاکو کی طرف سے اتنا مطمئن کیوں ہے؟ اس کی کیا وجہ ہے؟"

"ارمان شاہ کے بارے میں جہاں تک اندازہ ہوتا ہے کوئی ایسا مسئلہ ضرور ہے جو قابل غور ہے وہ حد سے زیادہ خود اعتمادی کا شکار ہے۔ یہ بھی وجہ ہو سکتی ہے کہ فطرتاً نیک طبع ہے اپنے آپ پر بہت زیادہ یقین رکھتا ہو۔"

"ہاں ہو سکتا ہے اس بات کے پورے پورے امکانات ہیں۔"

"اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔"

"میں اس سلسلے میں ایک لمبا ڈراما کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہوں، بہرحال شاکو ہماری گرفت میں ہے اور اگر وہ واقعی مجرم ہے تو قانون کی گرفت سے ہم نکالنے کی کوشش نہیں کریں گے، ایسا ہم نے کبھی نہیں کیا اور آئندہ بھی یہی ہمارا رویہ رہے گا، لیکن بہرحال

ساری باتیں اپنی جگہ شاکو سے ملاقات کر کے کچھ انکشافات بھی ہو سکتے ہیں۔ اصل میں بینا، میں جو ڈراما کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہوں وہ بالکل منفرد نوعیت کا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس ڈرامے کے نتائج خطرناک نکل آئیں لیکن بہر حال یہ بہتر رہے گا، ہمیں اس سے کچھ تبدیلیوں کے ہونے کا امکان ہے۔ یہ بات تو ارمان شاہ اچھی طرح جانتا ہے کہ شاکو جیل سے فرار ہو چکا ہے اور اس نے مرزا جواد بیگ پر قاتلانہ حملہ کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن اس کے باوجود ارمان شاہ نے اپنے تحفظ کے لئے کوئی معقول بندوبست نہیں کیا۔ میں اس کی وجہ جاننا چاہتا ہوں۔"

"طریقہ کار کیا ہوگا؟" بینا نے سوال کیا اور شہاب پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا، پھر بولا۔

"سوچنا پڑے گا، ذرا گہرائی سے سوچنا پڑے گا۔" اور اس کے بعد دونوں خاموش ہو گئے تھے...... شہاب سوچ میں ڈوبا ہوا تھا، کچھ لمحوں کے بعد وہ مسکرا کر بولا۔

"ترکیب ہے بینا، ذرا تھوڑا سا ڈراما بھی ہونا چاہئے...... ہم لوگ بہت دن سے سادہ سی زندگی گزار رہے ہیں...... اب ذرا چینج ضروری ہے۔"

"مثلاً۔"

"ارمان شاہ پر قاتلانہ حملہ۔" شہاب نے کہا اور بینا چونک کر شہاب کی شکل دیکھنے لگی۔

"میں سمجھی نہیں۔"

"ڈبل او گینگ کے افراد سے رابطہ قائم کرنا ہوگا۔ شاکو کی گرفتاری کی خبر ابھی کسی کو بھی نہیں ہے...... ارمان شاہ پر ایک ناکام حملہ ہوگا لیکن اس انداز میں کہ ارمان شاہ سوچنے پر مجبور ہو جائے...... ہم اس کا رویہ دیکھیں گے اس کے لئے ایک باقاعدہ پلاننگ کرنا ہوگی، کیا سمجھی؟" بینا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، پھر بولی۔

"گویا اس وقت تم صحیح معنوں میں تفریح کرنے کے موڈ میں ہو۔"

"کریں گے بینا، کریں گے...... بعض اوقات حقیقتوں کو سامنے لانے کے لئے ناک کو ہاتھ گھما کر پکڑنا پڑتا ہے اور یوں مجبوری ہوتی ہے۔ اب تم دیکھو نا کافی حد تک بات سمجھ میں آ رہی ہے، لیکن اب بھی کچھ ایسے پہلو تشنہ ہیں جن کی وضاحت صرف چند ہی لوگ کر سکتے ہیں، لیکن یہ چند لوگ اگر تم غور کرو تو وضاحت تو ایک الگ بات ہے، اگر انہیں اس بات کا

علم ہو جائے کہ ہم تھوڑی بہت حقیقتوں کو جان چکے ہیں تو وہ خود ہمارے لئے نہ جانے کیا کچھ کرنے پر آمادہ ہو جائیں...... بینا آج تک یہی ہوتا رہا ہے، لوگ اپنا جرم چھپانے کے لئے بہت کچھ کر ڈالتے ہیں...... ساری باتیں اپنی جگہ بہت سی باتوں سے اتفاق کرتا ہوں میں، لیکن پھر بھی بینا دیکھو ہر انسان کا اپنا ایک مقام ہوتا ہے، ایک طریقہ کار ہوتا ہے۔ ہم صرف اپنے آپ کو بچانے کے لئے خود کو محفوظ رکھنے کے لئے یا اپنی کسی خواہش اور محبت کی تکمیل کے لئے دوسروں کی زندگی سے کھیلنے کا کیا حق رکھتے ہیں، یہ تو نہیں ہونا چاہئے نا۔"

"ہاں بالکل۔" بینا نے مدہم لہجے میں کہا اور اس کے بعد پھر خاموشی چھا گئی تھی...... زندگی میں بہت بار ایسا ہوا تھا، بہت سی بار یہ سب کچھ کرنا پڑا تھا، لیکن پھر بھی صورت حال میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی، جب تک انگلیاں ٹیڑھی نہ کرلی جائیں، بہت سے منصوبوں پر گفتگو کر لینے کے بعد بینا اور شہاب حویلی سے باہر نکل آئے۔ اخلاق احمد، زرینہ بیگم در حقیقت اپنے نام کے مطابق بہت ہی نفیس لوگ تھے اور اب تو مسرت جہاں بیگم، بینا کی دیوانی ہو گئی تھیں...... زیادہ سے زیادہ اسے اپنے پاس رکھنے کی کوشش کرتی تھیں...... شہاب نے اس دوران ارمان شاہ کا جائزہ بھی لیا تھا۔ بس ایک مخصوص شخصیت کا مالک تھا۔ مسائل تو خیر تھے ہی نہیں ایسے لوگ جن کے اپنے مسائل نہیں ہوتے وہ مسائل تلاش کرتے ہیں...... ارمان شاہ نے اپنی حیثیت کے مطابق کچھ ایسے چکر چلا رکھے تھے جس سے اس کی مصروفیت بھی بڑھ گئی تھی۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ اپنی جانب سے وہ بڑا مطمئن سا رہتا تھا اور شہاب نے بہت بار کوشش کے باوجود کوئی ایسا عمل نہیں دیکھا تھا جس سے اسے یہ احساس ہو کہ ارمان شاہ نے کوئی ایسا موثر بندوبست کر رکھا ہے، اپنی حفاظت کے لئے جس پر اسے مکمل طور سے اعتبار ہو۔ اس دن بھی پروگرام کے مطابق بینا اور شہاب چھوٹی سی رحمان گڑھی کی سیر کو نکل آئے تھے، باہر آنے کے بعد شہاب نے کہا۔

"اصل میں بینا...... ہم ڈبل او گینگ کے زیادہ افراد کو نہیں بلائیں گے، بلکہ اپنے طور پر ہی کام کریں گے، لیکن پھر بھی دو افراد کے لئے کسی ایسی جگہ کی گنجائش نکالنی ہوگی جہاں انہیں قیام کرایا جائے...... ویسے میرے خیال میں توصیف اور سردار علی کو طلب کئے لیتے ہیں۔ یہ دونوں کام کے لوگ ثابت ہوں گے۔"

"منصوبے کے مطابق تو بالکل ٹھیک ہے، لیکن واقعی ٹھہرانے کا مسئلہ کہاں ہوگا؟"

"اس سلسلے میں ایک بات میرے ذہن میں آرہی ہے۔"

"کیا؟"

"الیاس خان بہت اچھے انسان ہیں...... الیاس خان سے ملاقات کرتے ہیں حالانکہ وہ شخص ناراض ہوگا۔"

"دیکھ لو اگر مناسب سمجھتے ہو۔"

الیاس خان ذرا کھری طبیعت کا مالک تھا، بہت اچھے انداز میں ملا تھا...... شہاب کے ساتھ بینا کو بھی دیکھا، کہیں جانے کی تیاریاں کر رہا تھا، سلام کرنے کے بعد شہاب نے کہا۔

"کہاں چل دیئے الیاس خان صاحب؟"

"بس سرکار ایسے ہی، اصل میں آپ میری حیثیت کو سمجھ نہیں پائے...... ہم تو محنت مزدوری کے بغیر زندہ رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"الیاس خان صاحب آخری بار آپ کے پاس آیا ہوں، اس کے بعد نہیں آؤں گا...... آپ اس دن کے بعد سے مسلسل مجھ سے ناراض ہیں، جبکہ قصور میرا نہیں ہے۔"

"ارے نہیں بھیا...... بات یہ نہیں ہے بس کچھ طبیعت میں خرابی ہے، لوگوں کا یہی کہنا ہے کہ ہر بات غلط سوچتے ہیں ہم، پر کیا کریں بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی الٹی کھوپڑی میں صحیح بات آتی ہی نہیں ہے، نجانے کیوں یہ دل چاہا تھا کہ بڑے آدمیوں کے ہاں تو مہمان آتے ہی رہتے ہیں، کسی چھوٹے آدمی کے ہاتھ کوئی مہمان لگ جائے تو اسے بھی پتا چلے کہ وہ بھی انسان ہے...... ہم سمجھے، سچی بات ہے کہ تم دو چار دن ہمارے ہاں گزارو گے لیکن وہی ہوا بڑے آدمیوں کے بڑے مہمان، دھت تیرے کی، ہم پھر جیسے کے تیسے رہ گئے۔"

"نہیں الیاس خان صاحب اصل بات جب آپ کے علم میں آئے گی تو آپ مجھے ضرور معاف کر دیں گے۔"

"ارے بھیا کیسی باتیں کرتے ہو، معافی تلافی کی باتیں مت کرو...... ہمیں ذلیل کر رہے ہو...... ہم اور کسی کو معاف کرنے کی حیثیت رکھیں دو الگ الگ باتیں ہیں...... چلو چھوڑو ان باتوں کو، ہمارے لئے کوئی خدمت ہو تو بتاؤ۔"

"کام ہے الیاس خان صاحب آپ سے۔"

"ہم سے۔"

"جی۔"

"تو کہہ دو نا بھیا...... اب جب اتنی عزت دے رہے ہو تو تھوڑی سی عزت اور دے ڈالو، ہم سے بھی تمہیں کوئی کام ہو سکتا ہے۔"

"میرے دو آدمی شہر سے آرہے ہیں۔"

"اچھا پھر۔"

"میں انہیں آپ کا مہمان بنانا چاہتا ہوں۔"

"اس جھونپڑی میں جو کچھ بھی ہے بھیا اس سے کام چل جائے گا۔"

"ہاں چل جائے گا۔"

"تو پھر حاضر ہیں۔"

"مگر انہیں ذرا پوشیدہ رکھنا ہوگا۔"

"کیا مطلب؟"

"بس وہ ایسے کام سے آرہے ہیں جس میں ابھی وہ کسی کے سامنے نہیں آنا چاہتے۔"

"اس۔" الیاس خان چونک پڑے...... شہاب کو دیکھتے ہوئے آہستہ سے بولے۔

"بھیا کوئی ایسا ویسا کام تو نہیں ہے۔"

"ہو سکتا ہے وہ یہاں سے کوئی چیز چوری کر کے بھاگنا چاہتے ہوں، ڈاکہ ڈالنا چاہتے ہوں یہاں، ہو سکتا ہے الیاس خان صاحب۔" الیاس خان سیدھا سادا آدمی تھا، گہری سوچ میں ڈوب گیا اور پھر بولا۔

"بھیا کیا کہہ رہے ہو؟ بات سمجھ میں نہیں آئی۔"

جواب میں شہاب ہنس پڑا تھا، پھر اس نے کہا۔

"الیاس خان صاحب میں بھی تو برا آدمی ہو سکتا تھا، ہو سکتا تھا میں بھی یہاں کسی جگہ ڈاکہ ڈالنے کے بعد واپس بھاگ جاتا اور لوگ کہتے آپ کا مہمان ہوں۔" الیاس خان نے شہاب کی صورت دیکھی، پھر گردن ہلاتے ہوئے بولے۔

"امتحان لے رہے ہو ہمارا، ٹھیک ہے ہم انہیں مہمان رکھنے کے لئے تیار ہیں...... یہ جو جگہ ہے نا یہاں وہ رہ سکتے ہیں۔ ڈاکو ہیں تو ٹھیک ہے ڈاکہ مارنے دو، ہماری گردن پھنسنا چاہتی ہے تو پھنسے، اللہ تو دیکھنے والا ہے۔" شہاب ہنستا رہا پھر اس نے الیاس خان کے کاندھے پر ہاتھ

رکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں خان صاحب وہ ڈاکو نہیں ہیں...... بس اصل میں میں انہیں حویلی میں نہیں ٹھہرانا چاہتا اور ان کی یہاں آمد کو بھی خفیہ رکھنا چاہتا ہوں ورنہ بڑے شاہ جی ناراض ہوں گے کہ میں نے تکلف برتا ان کے ساتھ، ان دونوں کو کچھ وقت آپ کے پاس ٹھہرانا چاہتا ہوں۔"

"بلالو بھیا، ہیں کہاں؟"

"بس آنے والے ہیں۔"

"تو بس ٹھیک ہے تم بے فکر رہو۔" وہاں سے نکلنے کے بعد شہاب نے بینا سے کہا۔

"بینا یقین کرو ان جیسے لوگوں سے ملنے کے بعد یہ احساس ہوتا ہے کہ انسان ابھی بہت عرصے تک زندہ رہے گا...... دنیا کتنی ہی بری ہو جائے لیکن سب لوگ برے نہیں ہوں گے، کبھی بھی نہیں ہوں گے، میرا ایمان ہے یہ۔"

"ہاں...... کیوں نہیں۔" بینا نے پر خلوص لہجے میں کہا، اچانک ہی شہاب کو کچھ خیال آیا تو اس نے کہا۔

"بینا فرزند کے گھر چلیں۔"

"چلو اور کرنا کیا ہے یہاں رحمان گڑھی میں...... ویسے یہ جگہ توصیف اور سردار علی کے لئے مناسب رہے گی، میرا مطلب ہے وہ ہوں یا کوئی بھی ہو...... میں سمجھ رہی ہوں تم نے یہ بات ان لوگوں سے کیوں کی ہے۔"

"الیاس خان کا گھر۔"

"ہاں۔"

"تمہیں خود اندازہ نہیں ہو سکا کہ کیسا آدمی ہے وہ۔"

"ہاں...... نہایت سادہ لوح اور بہت ہی معصوم فطرت کا مالک۔"

"بالکل ٹھیک ہے بینا، بالکل آرام سے رہیں گے اور پھر انہیں زیادہ وقت یہاں قیام بھی تو نہیں کرنا ہوگا...... کام کرنے کے بعد انہیں یہاں سے فوری طور پر نکال دینا ہے، دونوں کو میں نے اس لئے بلایا ہے کہ اگر کوئی خطرہ پیش آجائے تو دوسرا اس کی مدد کردے، کیونکہ ہم لوگ تو حویلی میں اس وقت صورت حال کا جائزہ لینے والوں میں سے ہوں گے۔"

"میں سمجھ رہی ہوں۔" کچھ دیر کے بعد وہ فرزند کے گھر کی زنجیر بجا رہے تھے......

کی بہن رافیہ نے ہی دروازہ کھولا تھا اور ان دونوں کو دیکھ کر عجیب سی کیفیت کا شکار تھی، پھر اس نے انہیں سلام کیا اور اندر آنے کا راستہ دے دیا، بیچاری کی کیفیت بڑی سی ہو رہی تھی۔

"کہو رافیہ بہن کیا حال ہے؟"

"بھائی ٹھیک ہوں...... حمیدا ابھی تک واپس نہیں آیا۔"

"وہ، رافیہ بہن شاید وہ آپ کو یہ بات بتا کر نہیں گئے۔ انہوں نے مجھے یہ بات بتادی کہ وہ شہر واپس جارہے ہیں، اصل میں جہاں وہ کام کرتے تھے ان لوگوں نے یہ کہا ہے ان کہ فوری طور پر اگر وہ واپس نہ آئے تو ان کی نوکری ختم ہو جائے گی۔ پچھلے کچھ عرصے جو کچھ ہو رہا ہے آپ لوگوں کو بھی معلوم ہے اور مجھے بھی معلوم ہے...... حمیدا نے مجھ مشورہ کیا تھا میں نے اس سے یہی کہا تھا کہ بھائی شہر واپس چلا جا، نوکری نوکری ہوتی ہے تیرے پاس کچھ رقم موجود بھی ہے تو کتنے دن بیٹھ کر کھائے گا اور پھر آپ فکر نہ کریں اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا...... ان سے ملئے یہ میری بیگم ہیں، بینا ہے ان کا نام اور بینا یہ طرح سے یوں سمجھ لو کہ میری بہن ہیں۔"

"ارے جہانگیر بادشاہ...... او جہانگیر بادشاہ...... ارے تیرا ستیاناس، زنجیر ہی نکال کر دی ہے، گھنٹا بھی اتار دیا ہے، مجھے بتا میں کیا کروں۔" اندر سے آواز آئی تو شہاب نے مغموم انداز میں رافیہ کی طرف دیکھا اور بولا۔

"ماں جی کی وہی حالت ہے۔"

"ہاں...... بالکل ویسی ہی ہے کوئی فرق نہیں ہے...... بس فریاد کرنا چاہتی ہیں جہانگیر شاہ سے کہ ان کے بیٹے کو رہا کرادیا جائے۔"

"گھر سے بھاگنے کی کوشش تو نہیں کرتی۔"

"کمرا کھول دو تو نکل بھاگیں گی، بڑی مشکل سے دروازہ بند کر کے انہیں کھانا وغیرہ دیتی ہوں، ویسے عام طور سے پر سکون رہتی ہیں...... بس یہی ایک رٹ لگائے رہتی ہیں کہ نہیں انصاف دے دیا جائے اور حقیقت یہ ہے بھائی کہ فرزند ایسا نہیں ہے، اس پر سراسر الزام لگایا گیا ہے...... اماں جی اس وقت تک ٹھیک نہیں ہو سکتی جب تک فرزند واپس نہ آجائے۔"

"آہ...... کاش میں تم سے یہ بات کہہ کر تمہیں یقین دلا سکوں کہ فرزند واپس آجائے

گا بس میں یہی کہہ سکتا ہوں۔"

"بھیا آپ بھی میرے لئے بھائیوں کی طرح ہیں لیکن ہمارا کوئی اور پرسان حال نہیں ہے۔"

"خدا کو کبھی نہ بھولا کرو رافیہ، سب کا پرسان حال وہی ہے اور جب وہ ہے تو پھر کسی کی ضرورت بھی نہیں ہے، کیا سمجھیں۔" رافیہ نے گردن ہلا دی تھی، کافی دیر تک وہ ان کے پاس رہے پھر وہاں سے واپس پلٹ پڑے...... پھر بینا نے کہا۔

"پھر اب کیا انتظار ہے شہاب، توصیف اور سردار علی کو طلب کر لیا جائے۔"

"ہاں۔" شہاب نے جواب دیا اور پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔

❁

توصیف اور سردار علی اس چھوٹے سے اسٹیشن پر اتر گئے تھے اور پھر وہ سوالیہ نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے آگے بڑھے کہ شہاب انہیں نظر آ گیا اور وہ دونوں اس کی جانب بڑھ گئے...... شہاب نے ان سے پر جوش انداز میں ہاتھ ملایا تھا اور کہا تھا۔

"کہو کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی یہاں آنے میں۔"

"نہیں شہاب صاحب...... ہم بس آپ کو ہی تلاش کر رہے تھے، یہاں تک آنے میں بھلا کیا تکلیف ہوتی، بس یہ خیال تھا کہ آگے پتا نہیں کن دقتوں کا سامنا کرنا پڑے...... چھوٹے چھوٹے سے علاقے ہوتے تو بڑے خوبصورت ہیں لیکن یہاں ایسی آسانیوں کا فقدان ہے۔"

"آؤ، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" شہاب نے کہا، پھر کچھ دیر کے بعد وہ ساتھ لائی ہوئی لینڈ روور میں ان دونوں کو بٹھا کر لے چلا، لیکن پھر اس نے بستی رحمان گڑھی کے آخری سرے پر ان دونوں کو اتار دیا اور کہا۔

"اب کچھ وقت تمہیں یہاں انتظار کرنا ہوگا...... میں ذرا چلتا ہوں اور تم پیدل ہی یہ طے کر کے اس کھجور کے درخت تک پہنچو جو یہاں سے بہت مختصر نظر آ رہا ہے، اس طرح اس تھوڑے سے سفر سے ہی تمہارا حلیہ ایسا ہو جائے گا جس پر اندازہ ہو کہ تم یہ سفر پیدل کر کے آ رہے ہو۔"

"نہیں اس میں کوئی حرج نہیں ہے، بس آپ کی ہدایات ہی کافی ہیں۔" توصیف

ب وہاں سے چل پڑا...... بینا اس وقت حویلی ہی میں تھی...... لینڈ روور کے سفر کے اس کا حلیہ دیکھ کر اندازہ ہو جاتا تھا، لیکن بہر حال یہ کوئی ایسی بات نہیں ...... دونوں کو مکمل طور سے آزادی حاصل تھی اور شہاب کوشش کے باوجود کوئی ایسی تلاش نہیں کر سکا تھا جس پر اسے یہ شبہ ہو کہ وہ اس کی نگرانی کر رہی ہے، کوئی بھی نظر نہیں آیا تھا، عجیب و غریب حالات تھے حالانکہ وہ یہاں موجود تھا، لیکن خود نے بھی اسے اس طرح نظر انداز کر رکھا تھا جیسے بس کوئی مہمان آیا ہوا ہو اور اتنی میں کسی ایک مہمان کے لئے رہنا کوئی دقت طلب بات تھی بھی نہیں، لینڈ روور نے کے بعد شہاب پھر واپس پلٹا اور خود بھی ایک طویل فاصلہ طے کر کے کھجور کے ت تک پہنچ گیا جہاں اب توصیف اور سردار علی موجود تھے۔ راستے کی گرد اور مٹی ان کا حلیہ بگاڑ دیا تھا، پھر شہاب انہیں لے کر الیاس خان کے گھر پہنچا، نیک آدمی ان ...... شہاب نے توصیف اور سردار کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

یہ ہیں میرے وہ مہمان اور آپ یقین کر لیں کہ ان میں سے نہ کوئی چور ہے اور نہ ...۔"

"کیوں بھائی ایسی بات ہے تو نہیں۔"

"اب اس کے بارے میں ہم کیا کہیں اگر ہم ہیں بھی تو کیا آپ کو یہ بات بتائیں گے صاحب۔"

"مذاق کر رہا ہوں بھیا...... ادھر آ جاؤ...... جیسی ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی ہے سمجھ لو کوئی ... نہیں ہونے دیں گے تمہیں۔" الیاس خان نے کہا...... شہاب نے توصیف اور سردار راستے ہی میں ساری صورت حال سمجھا دی تھی، چنانچہ وہ ان لوگوں کو وہاں چھوڑنے بعد ایک بار پھر حویلی میں واپس چلا گیا، وہ کہہ گیا تھا کہ اب بقیہ گفتگو ٹرانسمیٹر پر ہی ...... بینا کو اس نے ان دونوں کی آمد کے بارے میں بتایا بینا ہنس کر بولی۔

"یہ محترمہ مسرت جہاں جو ہیں نا مجھے اچھی خاصی ذہنی مریضہ معلوم ہوتی ہیں، عجیب ب کیفیات کی حامل ہیں ویسے جس حد تک معلومات ہو چکی ہیں بس اس سے زیادہ کی ں نہیں ہے، مجھے پیشکش کر دی ہے کہ پولیس سے تمہاری نوکری چھڑوا دوں جو تنخواہ تی ہے یہاں اس سے دگنی تنخواہ دلوا دوں گی وہ مجھے اور تمہیں اور ہم لوگوں کو یہیں قیام

کرنا ہوگا...... ہمیں ہر طرح کی سہولت فراہم کی جائے گی، یہاں تک کہ شہر آنے جا... لئے گاڑی بھی دے دی جائے گی...... انیکسی میں ہماری رہائش کا بندوبست کر دیا جا... پیشکشیں کر دی ہیں انہوں نے مجھے، یقین کرو سادہ لوح عورت معصوم ہوتی ہے او... کبھی کبھی تو یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ حمیدا نے جو کچھ تمہیں بتایا ہے وہ بھی غلط ہے اور... پر صورت حال کچھ اور ہی ہے۔" شہاب مسکراتی ہوئی نگاہوں سے بینا کو دیکھنے لگا اور بولا۔

"میرا خیال ہے شادی شدہ ہونے کے بعد تم تھوڑی سی کم عقل ہوتی جا رہی ہو... مجرم جب جرم کرتا ہے تو اس کے پس منظر میں بہت سی گہرائیاں پوشیدہ ہوتی ہیں... اپنے جرم کو چھپانے کے لئے اپنے گرد ایسا جال بن لیتا ہے کہ اس جال کے دوسری طر... جھانکنا نہایت مشکل کام ہوتا ہے...... بینا، اتنی آسانی سے ہر معاملے پر فیصلہ کر لینا ممکن نہ... ہوتا، خیر حمیدا کی جانب سے میں بہت زیادہ مطمئن نہیں ہوں چونکہ ایک بدقماش انسان... لیکن بہرحال پھر بھی سوچنا تو پڑتا ہے۔"

"نہیں میرا مقصد یہ نہیں ہے حتمی طور پر نہیں کہہ رہی ہوں...... بس ایک چھوٹا... اندازہ تھا میرا، ہو سکتا ہے غلط ہو۔" بینا جھینپے جھینپے سے انداز میں بولی اور شہاب مسکرا... لگا پھر بولا۔

"خدا کی قسم بہت دن سے تمہارے چہرے پر یہ جھینپے جھینپے تاثرات نہیں دیکھے تھے... یہی دیکھنا چاہتا تھا۔" بینا ہنس کر خاموش ہوگئی۔

❁ ❁ ❁

رحمان گڑھی میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو قابل توجہ ہو توصیف اور سردار علی ہنشاہ کی ہدایت پر یہاں آئے تھے، انہیں بتا دیا گیا تھا کہ شہاب وہاں موجود ہے اور کسی کیس کام کر رہا ہے...... مختصر طور پر وہ تفصیلات انہیں بتا دی گئی تھی، جن کے تحت انہیں کام کرنا تھا لیکن یہاں آنے کے بعد دو دن گزر چکے تھے اور ان دونوں دنوں میں انہوں نے رحمان گڑھی کو دیکھ بھی لیا تھا، ویسے الیاس خان بڑے مزے کا آدمی تھا...... طنزیہ گفتگو کرتا تھا، شہر والوں سے اسے بڑے اختلافات تھے اور اس کے خیال کے مطابق وہ طوطا چشم اور بے مروت ہوتے تھے، بہرحال بے چارہ حسب توفیق ان کی خاطر مدارت کر رہا تھا...... تیسرے دن شہاب نے انہیں اپنے ساتھ لیا اور لینڈ روور میں بٹھا کر دور نکل گیا...... انہوں نے اپنے ساتھ وہ بیگ لے لیا تھا جس میں میک اپ وغیرہ کا سامان موجود تھا اور پھر شہاب نے انہیں ایک ویران سی جگہ لے جا کر توصیف کے چہرے پر میک اپ شروع کر دیا اور توصیف کو جس حد تک بھی ممکن ہو سکا صرف حلیئے کی بنیاد پر شاکو کا روپ دے دیا گیا...... یہ تمام کام شہر ہی سے کہہ کر بنوائے گئے تھے...... شاکو کی تصاویر بھی جیل سے حاصل کی گئی تھیں اور انہی کے تحت یہ ہلکا سا میک اپ کیا گیا تھا...... شہاب نے توصیف کو آخری ہدایت دیتے ہوئے کہا۔

"اور کہیں تم گولی اس طرح مت چلا دینا کہ ارمان شاہ کو کوئی نقصان پہنچ جائے، بڑی ہمت اور بڑی محنت کا کام ہے...... سردار علی تم ہر طرح سے یہ خیال رکھو گے کہ توصیف کا اگر تعاقب وغیرہ ہو تو تعاقب کرنے والوں کا راستہ روکو، وقت جو متعین کیا گیا ہے وہ تمہاری مدد کرے گا، تم سمجھ لو تمہیں کتنی احتیاط کے ساتھ یہ کام کرنا ہے، وقت کا خاص طور سے دھیان رکھنا باقی جو تکلیفیں تمہیں اٹھانی پڑیں گی اس کا تو تمہیں خود اندازہ ہے۔"

"پروگرام ہی ایسا ہے جناب کہ یہ سب کچھ کرنا ہوگا...... لیکن بہرحال ہم عیش و عشرت سے زندگی گزارتے ہیں، کبھی کبھی تو کوئی کام کرنا پڑ جاتا ہے اس کے لئے بھلا تکلیف کا کیا خیال کیا جائے۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی تھی، توصیف اور سردار علی اپنے کام کے لئے مستعد ہوگئے...... توصیف کو تمام صورت حال بتا دی گئی تھی، وہ جگہ بھی دیکھ لی گئی تھی جہاں سے اسے اپنا کام کرنا تھا، پھر اس وقت سورج ڈوب چکا تھا، فضا میں مدہم مدہم اندھیرے اترتے چلے آرہے تھے...... یہ وقت ارمان شاہ کی چہل قدمی کا ہوتا تھا...... عموماً سامنے والے لان کے آخری حصے میں ایک ایسے حوض کے پاس وہ ٹہلتا رہتا تھا جہاں خوبصورت رنگین مچھلیاں گردش کرتی رہتی تھیں اور ارمان شاہ کی پسندیدہ جگہ تھی وہ، شہاب نے تمام تر اندازے لگانے کے بعد یہ پروگرام ترتیب دیا تھا اور اس سلسلے میں توصیف کو مکمل صورت حال سے آگاہ کر دیا گیا تھا...... شہاب اس وقت خود بھی ارمان شاہ سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا اور ایک ایسی آڑ میں تھا جہاں سے وہ نکل کر ارمان شاہ تک با آسانی پہنچ سکے، صورت حال بالکل مناسب تھی اور شہاب نے جو وقت دے رکھا تھا اس کا ایک ایک سیکنڈ آہستہ آہستہ گزر رہا تھا، پھر حویلی کی بغلی دیوار کے آخری حصے سے اس نے توصیف کو نیچے کودتے ہوئے دیکھا، ویسے بڑا رسک تھا لیکن چونکہ سارا کام پلاننگ کے تحت کیا گیا تھا اس لئے شہاب کو یقین تھا کہ توصیف با آسانی اپنا کام کرے گا، اس نے دیوار سے ایک رسی نیچے لٹکائی تھی، اگر حویلی میں اتر کر اور ارمان شاہ پر حملہ کر کے وہ بھاگنے کی کوشش کرتا تو حویلی کی بلند دیوار تک پہنچنا کوئی آسان کام نہیں تھا، لیکن رسی کے ذریعے وہ واپس اس جگہ سے اوپر چڑھ سکتا تھا۔ نیچے آنے کے بعد اس نے ارمان شاہ کا نشانہ باندھا اور اسی وقت کچھ ملازموں نے جو حویلی کے اندرونی حصے سے باہر نکل رہے تھے اس کو دیکھ لیا، توصیف اس وقت شاکو کے میک اپ میں تھا، اس نے ارمان شاہ کا نشانہ لے کر گولی چلائی اور ارمان شاہ جو چادر اوڑھے ہوئے تھا اس میں سوراخ ہو گیا...... دوسری گولی برابر سے نکلی اور تیسری گولی ارمان شاہ کے سر کو چھوتی ہوئی نکل گئی، لیکن اس کے ساتھ ہی جو شور بلند ہوا وہ شہاب کی توقع سے کہیں زیادہ تھا بہت سے ملازم چیختے ہوئے دوڑ پڑے تھے اور دوڑتے دوڑتے توصیف نے چوتھا فائر بھی جھونک مارا...... شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی، توصیف کے لئے یہ لمحات بڑے صبر آزما تھے۔ ارمان شاہ پر غلط نشانے لگا کر اس طرح کے کام کرنا آسان بات نہیں تھی، اس کی

چادر میں تین سوراخ ہوئے تھے اور ایک گولی اس کے سر کو چھوتی ہوئی گزر گئی تھی، اگر ذرا سا بھی چوک ہو جاتی تو ایک آدھ ملازم بھی ڈھیر ہو سکتا تھا، اس کے بعد توصیف برق رفتاری سے اس رسی پر چڑھا جو اس نے نیچے لٹکا دی تھی، ملازم چیخ رہے تھے۔

"شاکو ہے، شاکر خان ہے...... شاکر خان ہے پکڑو...... دوڑو، باہر سے بھاگو۔" اخلاق احمد بھی انیکسی سے باہر نکل آیا تھا...... شہاب خود دوڑتا ہوا ارمان شاہ کے پاس پہنچا تھا جو سکتے کے عالم میں کھڑا ہوا دیوار کی جانب دیکھ رہا تھا...... ملازم دوڑتے ہوئے رسی تک پہنچے، بے شک یہ جانبازی کا کام تھا...... وہ تو اتفاق کی بات یہ کہ کسی کے پاس رائفل وغیرہ نہیں تھی، اگر اس طرح کا مسلح پہرہ ہوتا اور ارمان شاہ اس کے لئے کوئی بندوبست کر دیتا تو توصیف کا خدا ہی حافظ تھا، بہرحال وہ دیوار پر پہنچا اور دوسری جانب کود گیا تو شہاب نے سکون کی سانس لی...... ملازم بھاگ دوڑ کر رہے تھے...... اخلاق احمد اور شہاب ایک ساتھ ہی ارمان شاہ کے پاس پہنچے تھے...... شہاب نے ارمان شاہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کو کوئی، کوئی، کوئی۔" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا...... ارمان شاہ چونک پڑا تھا، پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"ہاں...... بدقسمتی سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا...... ظاہر ہے وہ کوئی ماہر نشانہ باز نہیں تھا۔"

"کون؟" اخلاق احمد صاحب نے بے صبری سے پوچھا۔

"وہی بے وقوف جو نجانے کیوں اپنی زندگی کو عذاب بنا چکا ہے۔ احمق کہیں کا۔"

"شاکو تھا کیا، ملازم یہی کہہ رہے ہیں۔"

"ہاں...... میں نے بھی اسے دیکھا تھا، شاکو ہی تھا۔"

"او یہ کم بخت، بدبخت، اوہو آپ کی چادر میں سوراخ ہوگئے...... اللہ نے آپ کی زندگی محفوظ کر لی ہے، بھلا اور کون بچا سکتا تھا اس وقت آپ کو۔" اخلاق احمد نے کہا اور ارمان شاہ کے ہونٹوں پر ایک افسردہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کاش اسے کامیابی حاصل ہو جاتی۔"

"آپ کیا کہہ رہے ہیں شاہ جی۔"

"نہیں...... بس یہ موت بھی بڑی سعادت سے حاصل ہوتی ہے...... کسی کو، ادنیٰ

درجے کے شہید بننے کا موقعہ ملتا ہے۔"

"شاہ جی آپ...... آپ اتنے جذباتی ہیں کہ بس آپ کا غلام ہوں ورنہ...... ورنہ آپ کو سرزنش کرتا اس بات پر۔"

اخلاق احمد نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"ارے نہیں اخلاق میاں زندگی موت تو دنیا کا کھیل ہے، کتنے لوگوں کو بچالیا ہے آپ نے، جو مرنے والے ہوتے ہیں انہیں کوئی بچا سکتا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے شاہ جی، لیکن یہ لوگ، یہ سب، بتائیے اچھا خاصا شاکو گرفتار ہوا تھا...... سزا ہوئی تھی اسے لیکن بے پروائی اور غیر ذمہ داری کی انتہا ہے...... میں آپ سے پوچھتا ہوں جناب، آپ مجھے بتائیے شہاب آپ یہاں شاہ صاحب کی حفاظت کے لئے بھیجے گئے ہیں گویا حکومت نے اپنے سر سے ایک بلا ٹالی ہے...... کیا کر رہے ہیں آپ، آپ مجھے جواب دیجئے اس بات کا، کیا کیا ہے اب تک آپ نے؟" شہاب نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے اخلاق احمد کو دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"اخلاق احمد صاحب کیا خیال ہے آپ کا، مجھے کیا کرنا چاہئے تھا۔"

"میرا مطلب ہے کہ...... کہ آپ...... آپ...... دیکھئے نا کیا کر رہے ہیں آپ...... آپ سے اس کا ایک حملہ نہیں بچایا جا سکا۔"

"ہاں، مجھے علم نہیں تھا کہ وہ حملہ کرنے والا ہے۔ کیا آپ یہ بات جانتے تھے۔" شہاب نے اخلاق احمد سے سوال کیا۔

"پھر بھی آپ...... آپ بتائیے آپ اس حویلی میں کیا کر رہے ہیں؟"

"اصل میں ہماری حکومت لوگوں کو مواقع فراہم کرتی ہے کہ وہ کہیں جائیں اور اپنی روٹی پانی کا بندوبست کر لیں، اب آپ دیکھئے نا ہم دونوں میاں بیوی مفت کا کھا رہے ہیں...... آپ ایسا کیجئے کہ ہمیں دھکے دے کر باہر نکال دیجئے ورنہ شاید ہمارا جانا ممکن نہ ہو سکے۔" شہاب نے کہا اور اخلاق احمد چونک پڑا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی ارمان شاہ کے چہرے کے تاثرات بھی بدل گئے، اس نے کہا۔

"اخلاق میاں آپ ہمارے بہت اچھے، وفادار ساتھی اور ہمدرد ہیں...... ہم نے آپ کو ملازم تو کبھی نہیں سمجھا یہ بات آپ اچھی طرح جانتے ہیں، لیکن کیا یہ ہمارے ساتھ انصاف

ہے کہ ہم موجود ہیں اور جو کچھ ہم نہیں کہہ رہے اور جو کچھ ہمارے دل میں نہیں ہے اور جو کچھ ہم نہیں چاہتے وہ آپ فرما رہے ہیں۔ اخلاق احمد کم از کم ہمیں اتنا موقع تو دیجئے اپنے آپ کو یہاں صاحب اختیار سمجھنے کا کہ ایسے فیصلے جو آپ کر رہے ہیں ہم کر سکیں...... آپ شہاب میاں سے باز پرس کر رہے ہیں، اصولی طور پر اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ ہمیں اس کا موقع دیتے۔" اخلاق احمد ایک دم سنبھل گئے تھے، ارمان شاہ کا لہجہ بڑا عجیب تھا اخلاق احمد سے کوئی جواب نہیں بن پڑا...... وہ خاموشی سے گردن جھکا کر کھڑا ہو گیا...... شہاب نے کہا۔

"نہیں ارمان شاہ صاحب کوئی بات نہیں، اخلاق احمد صاحب یہاں کے نگران ہیں، میرا خیال ہے کہ حکومت پہلے بھی آپ کے سلسلے میں کچھ نہیں کر سکی، اب بھی آپ کی زندگی خطرے میں ہے، البتہ ہم نے آپ کو اس کا احساس دلایا تھا، پہلے بھی حکومت کے آدمی آئے تھے اور آپ نے انہیں واپس کر دیا تھا، پھر بھی اخلاقی طور پر یہ کام کیا گیا۔ اب اتفاق کی بات یہ ہے کہ وہ شخص یہاں پہنچ گیا...... آپ نے کچھ کیا ہے ابھی تک اخلاق احمد صاحب کم از کم کچھ لوگوں کو اس کے پیچھے دوڑانا تو چاہئے تھا۔"

"ایں...... ہاں واقعی۔" اخلاق احمد نے کہا۔

" شہاب نے در حقیقت اس کی مدد کی تھی، وہ دوڑتا چلا گیا، شہاب کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے اخلاق احمد کو دیکھا، بے وقوف آدمی توصیف کے فرشتوں کا بھی پتا نہیں پا سکے گا...... توصیف یہاں سے صاف نکل گیا تھا اور اس نے وہ کام بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دے ڈالا تھا...... شاہ جی ان دو مہمانوں کے بارے میں اس بار کچھ نہیں معلوم کر سکے تھے جو الیاس خان کے گھر میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ توصیف نے اپنا میک اپ اتار دیا ہوگا اور اس کے بعد وہ اپنی اصل شکل میں آگیا ہوگا اور شہاب سے ملنے والی دوسری ہدایت کا منتظر ہوگا، بھلا اس کے بارے میں یہ لوگ کیا کر سکتے تھے...... بہر حال خوب بھاگ دوڑ ہوئی۔ اخلاق احمد نے اپنا فرض پورا کیا، البتہ ارمان شاہ نے کہا۔

"آپ کیا کہہ رہے ہیں ارمان شاہ صاحب۔"

"اسے وہ الفاظ تم سے نہیں کہنے چاہئے تھے۔ تم میرے مہمان ہو۔ خدا کی رحمت سے انکار کرنا بڑی بد اخلاقی کی بات ہے...... میرے گھر میں یہ ہوا ہے، مہمان خدا کی رحمت ہوتا

ہے لیکن یہ الفاظ ایک ملازم نے کہے ہیں مجھے اس سلسلے میں بے قصور تصور کر کے اگر مجھ سے ذرا سی بھی انسیت رکھتے ہو تو اسے معاف کر دو۔"

"نہیں، وہ ایک مخلص اور وفادار انسان ہے...... آپ پر ہونے والے حملے کو برداشت نہیں کر سکا لیکن میں نے آپ سے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ اپنے تحفظ کا آپ نے ذرا برابر بھی بندوبست نہیں کیا، اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں از سر نو۔"

"یقین کرو، بخدا یقین کرو میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کا وہی مطلب ہے اور وہی میری خواہش ہے...... آہ، کاش اس کی چلائی ہوئی تمام گولیاں میرے سینے پر لگی ہوتیں، زندگی کا اختتام کتنا آسان ہو جاتا۔ میں تو اس دن سے خوفزدہ ہوں جب مجھے جانکنی کے عالم میں وقت گزارنا ہوگا اور لوگ میری موت کی دعا کر رہے ہوں گے۔" شہاب نے کوئی جواب نہیں دیا...... بہر حال حویلی میں جو افراتفری پھیلی ہوئی تھی وہ دیکھنے کے قابل تھی۔ ارمان شاہ اندر چلا گیا...... اخلاق احمد اپنی کوششوں میں مصروف رہا اس کی گردن لٹکی ہوئی تھی، بینا میرے پاس آ گئی تھی اور میں بینا کو صورت حال بتا رہا تھا...... بینا نے کہا۔

"بڑا شاندار طریقہ کار اختیار کیا لیکن کیا یہ توصیف کو پا سکیں گے؟"

"گرد بھی نہیں پا سکیں گے اس کی، اس کی جانب سے تم مطمئن ہو جاؤ۔" بینا نے مسکرا کر گردن ہلائی اور بولی۔

"آخر جناب کے تربیت یافتہ ہیں۔"

"بہر حال یہ اچھا قدم رہا...... میرا خیال ہے اس کے اچھے نتائج نکلیں گے، ویسے بینا میں آج ہی ایک اور کام بھی کر ڈالنا چاہتا ہوں۔"

"کیا۔"

"پرانی حویلی کی جانب سفر۔" بینا نے سنجیدہ نگاہوں سے شہاب کو دیکھا اور بولی۔

"لیکن باقی سارا معاملہ۔"

"ہم بہت طویل عرصے تک یہاں قیام نہیں کر سکتے بینا، اصل میں ہر نگاہ کی ایک نوعیت ہوتی ہے۔ آج کے اس مسئلے میں جو کچھ ہوا ہے وہ بہت شاندار ہوا ہے...... اخلاق احمد باقاعدہ مجھ پر بگڑ گیا تھا۔" پھر شہاب کو یہ گفتگو ترک کرنا پڑی کیونکہ اخلاق احمد آہستہ قدموں سے ان دونوں کی جانب آ رہا تھا...... شہاب نے بینا کو اخلاق احمد کے بارے میں

تفصیلات بتا دیں۔ انہوں نے کس طرح رخ تبدیل کر لیا تھا کہ اخلاق احمد کی جانب ان کی توجہ ہی نہیں محسوس ہو رہی تھی...... اخلاق احمد خود ان کے قریب پہنچ گیا اور کھڑا ہو گیا، پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"کیا تم نے زندگی میں کبھی کوئی غلطی نہیں کی۔"

شہاب نے چونک کر اخلاق احمد کو دیکھا اور بولا۔

"ہزاروں جناب...... ہزاروں۔"

"اگر مجھ سے ایک غلطی ہو گئی تو کیا قابل معافی نہیں ہے وہ۔"

"آپ سے کیا غلطی ہو گئی؟"

"بس تم سے بدتمیزی کر بیٹھا ہوں...... مجھ سے چھوٹے ہو نا، تمہارے بھی بڑے ہوں گے کبھی تم سے کوئی تلخ بات کہہ جاتے ہوں گے۔" شہاب نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا...... پھر اخلاق احمد کو گلے لگاتے ہوئے بولا۔

"اگر آپ کو میرے کسی رویئے سے یا میری کسی جسمانی جنبش سے یہ احساس ہوا ہے کہ میں آپ کی بات کا برا مان گیا ہوں تو اس کے لئے میں خود آپ سے معافی کا خواستگار ہوں...... آپ نے جو کچھ کہا مجھے اس کی گہرائی کا احساس ہے۔ واقعی میں کیا کروں اخلاق صاحب مسئلہ وہی ہے ارمان شاہ صاحب اپنے تحفظ کے لئے کسی طور تیار نہیں ہوتے۔"

"ان تمام باتوں کو چھوڑو، پہلے یہ بتاؤ کہ کیا تم نے مجھے معاف کر دیا۔"

"ہمارے ہاں غالباً ایک دوسرے سے محبت کا یہی اظہار ہے کہ سینے سے سینہ ملا لیں، اگر آپ کو یہ احساس ہے کہ میں آپ سے ناراض ہو گیا تو کم از کم اب یہ نہیں ہونا چاہئے۔"

"شاکو نے بڑا جان لیوا حملہ کیا تھا، وہ تو بچ گئے شاہ جی ورنہ، ورنہ......" اخلاق احمد کی آواز بھرا گئی۔

"اچھا خیر چھوڑیئے ان باتوں کو، کچھ ہوا شاہ جی کے سلسلے میں۔"

"میں نے تمام راستوں پر گھوڑے سوار بھیج دیئے ہیں اور کہا ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے کسی کو رحمان گڑھی سے باہر نہ نکلنے دیا جائے...... شاکو کو پولیس تو خیر جو بھی کر رہی ہے کر رہی ہے لیکن ہم خود گرفتار کریں گے۔"

"آپ نے بہت اچھا کیا...... میں سمجھتا ہوں ان لوگوں کو آپ مزید ہدایات جاری

کردیں۔"

"اب یہ تو بتادو کہ تم نے واقعی مجھے معاف کردیا ہے۔"

"اگر آپ ان الفاظ کو سننے کے خواہشمند ہیں تو چلئے...... ٹھیک ہے میں آپ سے یہ الفاظ ادا کئے لیتا ہوں اور وہ بھی آپ کی فرمائش پر کہ اگر آپ نے کوئی تلخ بات کی ہے تو مجھے اس کا کوئی احساس نہیں ہے۔"

"تمہارا شکریہ...... میں ذرا ان لوگوں کو ہدایات جاری کئے دیتا ہوں۔" جیسے ہی اخلاق احمد وہاں سے باہر گئے تو شہاب نے مدھم لہجے میں بینا سے کہا۔

"توصیف کو فوری طور پر ہدایت دینا ضروری ہے۔"

"ہاں۔" پھر شہاب نے ٹرانسمیٹر پر توصیف کو مخاطب کیا اور ایک لمحے کے اندر توصیف کا جواب موصول ہو گیا۔

"ہاں توصیف کیا صورت حال ہے؟"

"بالکل ٹھیک جناب میں واپس پہنچ گیا ہوں...... کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی نا۔"

"نہیں، کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی...... تم بتاؤ۔"

"نہیں...... بالکل ٹھیک ٹھاک ہے سب، بالکل مناسب ہے۔"

"اچھا تو اب ایسا کرو کہ اپنے آپ کو اسی جگہ بالکل محدود کرلو اور کوشش کرو کہ کوئی بات آگے نہ جانے پائے۔ ظاہر ہے اس سلسلے میں بھاگ دوڑ ہو رہی ہے...... میک اپ تو اتار لیا ہو گا تم نے۔"

"جی۔"

"الیاس خان ایک معصوم اور سیدھا سادا انسان ہے۔ جو کچھ بھی کر رہا ہے کرنے دو بلکہ تھوڑا سا اس طرح اپنے آپ کو محدود کرلو کہ تمہیں باہر بھی نہ جانا پڑے، سمجھ رہے ہو نا...... میرا خیال ہے بہت جلد میں اس سلسلے میں کوئی مناسب کارروائی کرلوں گا اور یہ کہ تم لوگوں کو یہاں سے نکل جانے کا موقع مل جائے گا۔"

"بہت بہتر شہاب صاحب اور کوئی حکم۔"

"نہیں...... باقی سب ٹھیک ٹھاک ہے اپنی حفاظت کا خیال رکھنا۔"

"آپ مطمئن رہیں ویسے وہاں کسی کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچا؟"

"نہیں، بالکل نہیں...... سب ٹھیک ہے۔" شہاب نے جواب دیا...... توصیف کو اس طرف سے ہوشیار کرنے کے بعد وہ مطمئن ہو گیا تھا...... ادھر اندرونی طور پر جو کچھ بھی کارروائیاں ہو رہی ہوں وہ اپنی جگہ۔ لیکن کچھ ہی دیر کے بعد زرینہ بیگم شہاب کے پاس پہنچ گئی اور شہاب کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"ہاں...... تم ناراض ہو گئے ہو۔"

"توبہ ہے...... یہ آپ کے اخلاق احمد صاحب جو ہیں میرا خیال ہے بات کا بتنگڑ بنانے کے ماہر ہیں۔"

"تم اندازہ نہیں لگا سکتے شہاب میاں کہ ان کی کیا کیفیت ہے۔ غالباً تم سے کوئی تلخ گوئی کر بیٹھے ہیں...... اصل میں، بس یوں سمجھو کہ شاہ جی ایسی حیثیت کے مالک ہیں کہ ان کی کسی تکلیف پہ کسی کا اپنے آپ کو سنبھالے رکھنا ایک مشکل کام ہو جاتا ہے۔ وہ بس جو کچھ بھی کہہ گئے ہوں گے دیوانگی میں کہہ گئے ہوں گے۔"

"پہلی بات تو یہ کہ انہوں نے ایسی کوئی بات کہی ہی نہیں جو قابل غور ہو اور اس پر کچھ خاص طور سے غور کیا جائے۔"

"دوسری بات یہ کہ اگر کہہ بھی گئے ہیں تو تم سے ایک چھوٹا رشتہ ہی سہی ہے تو سہی نا۔"

"آپ لوگ بالکل اس بات کو ذہن سے نکال دیجئے۔"

"تم یہاں سے جانے کی کوشش نہیں کرو گے۔"

"ارے آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ جانا تو بہرحال ہو گا لیکن ابھی نہیں۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا، بہرطور وہ بڑی مشکل سے زرینہ بیگم کو یہ احساس دلانے میں کامیاب ہو سکا تھا کہ اسے زرینہ بیگم سے کوئی اختلاف نہیں ہے...... زرینہ بیگم کے جانے کے بعد بینا نے شہاب سے کہا تھا۔

"بہت اچھے لوگ ہیں...... واقعی شہاب اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے کہ یہ شخص نجانے کیوں میرے ذہن میں ایک الگ حیثیت کا حامل ہے...... اس سے پہلے بہت سے ایسے مصنوعی چہرے ہمارے سامنے آئے جنہوں نے ہم پر اچھے اثرات مرتب کئے لیکن بعد میں ہمیں اپنی حماقت کا احساس ہوا اور یہ پتا چلا کہ وہ بہت کامیاب اداکار ہیں اور اداکاری میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتے، لیکن بہرحال ہم نے بھی انہیں نہیں چھوڑا، لیکن یہ ارمان شاہ تو ہر طرح

سے ہمارے ذہنوں میں ایک عجیب سی تبدیلی پیدا کر چکا ہے اور ہمیں ذہنی طور پر ایک عجیب سی کیفیت کا شکار کر گیا ہے۔"

"بینا کیا کیا جائے وقت اور تجربات کو بہت سے اچھے لوگ ملتے ہیں، لیکن پہلے ان کی اچھائی کا پتا لگانا ہوتا ہے، کیونکہ یہ ہمارا فرض بھی ہے، روزگار بھی ہے دو دو چیزیں یکجا ہو جاتی ہیں...... اگر ارمان شاہ ایک اچھا انسان ہے تو کم از کم حقیقت کا پتا تو چلانا ہی پڑے گا جو حمیدا نے کہا ہے آج اس کی تصدیق بھی ہو ہی جائے گی۔"

"آج ہی۔"

"ہاں...... کسی بھی مسئلے کو بے مقصد طول دینا مناسب نہیں ہے۔"

"ویسے توصیف اور سردار علی کے بارے میں کیا خیال ہے۔"

"نہیں دونوں تربیت یافتہ ہیں اور میں ان کی جانب سے بالکل بے فکر ہوں، وہ کسی بھی طرح ان لوگوں کے چنگل میں نہیں آئیں گے۔" بینا خاموش ہو گئی تھی۔ شہاب نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آج رات حمیدا کے بیان کے مطابق اور اس کے بعد مسرت جہاں سے ہو جانے والی تصدیق کے مطابق اس آسیب زدہ حویلی کو اور دیکھ لیا جائے، اس کے بعد آخری فیصلہ کرنے میں طریقہ کار کو ذرا سا تبدیل کرنا ہو گا اور سچائیوں کا پتا چلانے کے لئے بہر طور ایک صحیح انداز اختیار کیا جائے گا۔ غرض یہ کہ رات کو شہاب نے تیاریاں مکمل کیں کئی بار اس نے بینا کے چہرے پر عجیب سے تاثرات دیکھے تھے اور بینا کو الجھن میں گرفتار دیکھ کر اس نے آہستہ سے کہا تھا۔

"بینا اصلی مسئلہ اتنا زیادہ مشکل نہیں ہے ویسے میں وعدہ کرتا ہوں کہ وہاں سے واپس آنے کے بعد تمہیں مکمل تفصیل بتاؤں گا، تمہارا وہاں جانا کسی طور مناسب نہیں ہو گا ورنہ تمہارے چہرے پر میں یہ سوالیہ نشان دیکھنا کبھی پسند نہ کرتا۔"

"تم زیادہ بہتر سمجھتے ہو گے۔" بینا نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا، آخر کار رات جب گہری ہو گئی تو شہاب اپنی جگہ سے نکلا اور اس کے بعد حویلی کے عقبی حصے میں پہنچنے کے لئے اسے خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس طرف اس نے محسوس کیا تھا کہ پہرے کا معقول انتظام ہے، دو افراد کو اس نے باقاعدہ مستعدی سے گشت کرتے ہوئے دیکھا تھا، جبکہ پوری حویلی میں خود ارمان شاہ کے تحفظ کے لئے کوئی بندوبست نہیں تھا، بہت سی حیرتیں شہاب

کے ذہن میں جاگزیں تھیں، لیکن شہاب نے انہیں بہت زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ یہ اندازہ اسے تھا کہ اگر ارمان شاہ پر باقاعدہ گولی چلا دی جاتی تو وہ ہلاک ہو جاتا...... توصیف کی بجائے اگر خود شاکو ارمان شاہ پر حملہ کرتا تو بھلا کون سی چیز مانع تھی کہ ارمان شاہ ہلاک نہ ہو جاتا، توصیف بڑی کامیابی کے ساتھ باہر نکل گیا تھا...... شاکو بدنصیب تھا کہ جواد بیگ پر قاتلانہ حملہ ناکام رہا تھا...... جج اشتیاق حسین مر گیا تھا اور ارمان شاہ پر حملہ کرنے سے پہلے وہ گرفتار ہو گیا تھا۔ بہر حال کیس خاصی دلچسپ نوعیت کا تھا، بہت سی چیزیں صیغہ راز میں تھیں جن کے بارے میں ابھی کچھ پتا نہیں چل سکا تھا، لیکن کچھ ذمہ داریاں ہمیشہ کی مانند اس بار بھی عائد ہو گئی تھیں اور انہیں پوری کرنا ضروری تھا...... غرض یہ کہ شہاب ان دونوں پہرے داروں کی نگاہوں سے بچتا ہوا انتہائی چالاکی کے ساتھ آخر کار اصل عمارت کے دروازے تک پہنچ گیا، دروازہ بھی باہر سے بند تھا اور اس میں موٹا سا تالا پڑا ہوا تھا...... شہاب کو ایسی جگہوں کی تلاش کی ضرورت محسوس ہوئی جہاں سے وہ اندر داخل ہو سکے اور اس کے لئے اسے خاصی محنت کرنا پڑی تھی...... ایک درخت اور اس کی ایک شاخ اس کی معاون بنی تھی جو چھت پر آ کر پھیل گئی تھی، چھت پر پہنچنے کے بعد نیچے اترنے کا راستہ تلاش کرنا پڑا اور ایک پائپ اس کے کام آیا جو عمارت کے اندرونی حصے کی ایک پتلی سی گلی میں کھلتا تھا...... شہاب اس پائپ کے ذریعے نیچے اترا اور پتلی سی گلی میں پہنچ گیا جو آگے جا کر عمارت کے اندرونی حصے کی جانب گھوم گئی تھی...... پوری عمارت درحقیقت آسیب زدہ محسوس ہو رہی تھی لیکن ایک کمرے میں ایک مدہم سی روشنی نظر آ رہی تھی۔ شہاب نے اپنے آپ کو سنبھالا اور اس روشن کمرے کی جانب بڑھ گیا...... کمرے کا دروازہ باہر سے بند تھا اور اس پر صرف کنڈی لگا دی گئی تھی۔ شہاب نے اندر جھانکا...... مدہم روشنی کا بلب جل رہا تھا...... مسہری پر ایک شخص سو رہا تھا...... شہاب کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے، بہر حال اس نے آہستگی کے ساتھ اس دروازے کو کھولا اور پھر بڑی احتیاط سے اندر داخل ہو گیا...... مسہری پر سونے والا بہترین جسامت کا مالک تھا، حالانکہ وہ ایک چادر اوڑھے ہوئے تھا، لیکن شہاب کو اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اچھی خاصی جسامت کا مالک ہے، ایک لمحے تک شہاب سوچتا رہا، اس نے پورے کمرے کا جائزہ لیا ہر چیز ابتری کا شکار تھی، اعلیٰ درجے کا فرنیچر، الماریاں، لیکن سب عجیب و غریب حالات میں، گویا کمرے کا مکین کوئی باسلیقہ انسان نہیں تھا...... شہاب آہستہ

ہستہ آگے بڑھا اور مسہری کے قریب پہنچ گیا...... ایک لمحے تک سوچتے رہنے کے بعد اس
نے آہستہ سے چادر کو سونے والے کے چہرے پر سے سرکایا...... ایک نوجوان آدمی کا چہرہ
ہوں کے سامنے تھا، سرانڈے کے چھلکے کی طرح صاف شفاف بھنوئیں تک صاف تھیں
ر چہرہ انتہائی جاندار محسوس ہو رہا تھا، عمر زیادہ سے زیادہ چھبیس ستائیس سال ہوگی، اس
ساب سے باقی جسم بھی پہلوان کا جسم نظر آتا تھا لیکن چہرے کی کیفیت بہت عجیب تھی، پھر
نک ہی سونے والے نے آنکھیں کھول دیں اور شہاب کو دیکھنے لگا...... شہاب ان آنکھوں
کیفیت کو محسوس کر رہا تھا، پہلے تو ان میں نیند نظر آئی اس کے بعد ہوش مندی کے آثار،
ر حیرت اور آخری کیفیت کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا، لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے
اہی دونوں ہاتھ سے چادر شہاب پر اچھال دی تھی اور پھر جس پھرتی سے اس نے شہاب کو
چادر میں لپیٹ کر کمر پر لادا تھا اس پر شہاب سخت حیران رہ گیا تھا، ایک مخصوص دیسی
ملوانی کے داؤ کے طور پر اس نے شہاب کو کمر پر لاد کر زمین پر پھینکا، لیکن بہر حال باقی ساری
ت اپنی جگہ لیکن شہاب زمین پر پیروں کے بل ہی آیا تھا اور اس کے بعد اس نے چادر سمیت
ن ایک الٹی چھلانگ لگا دی تھی...... شہاب کافی پیچھے ہٹ گیا تھا، اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ طاقتور
دمی اسے یقینی طور پر دبوچ لیتا، سب سے پہلے شہاب نے اس چادر سے نجات پائی تھی جبکہ
ملوان نما موٹے تازے بدن کا مالک جو سرخ رنگ کا ایک جانگیہ پہنے ہوئے تھا، کسی ارنے
ہسے کی مانند شہاب کی جانب لپکا اور اس نے پوری قوت سے شہاب کو ٹکر مارنے کی کوشش
لیکن شہاب سامنے سے ہٹ گیا تو وہ دو قدم تک آگے بڑھتا چلا گیا، شہاب کا خیال تھا جس
ح سے اس نے ٹکر ماری ہے وہ دوڑتا ہوا دور تک چلا جائے گا اور ممکن ہے دیوار سے ٹکرا
ئے لیکن اس نے اپنے آپ کو فوراً سنبھالا تھا اور یہ معمولی بات نہیں تھی، اس کا مطلب تھا
وہ لڑائی بھڑائی کا ماہر ہے...... اب سوچنے سمجھنے کے معاملات کچھ دیر کے لئے لاشعور میں
چے گئے تھے...... شہاب کو سب سے پہلے اپنی زندگی بچانی تھی، کیونکہ سامنے والا کچھ عجیب و
یب صفات کا مالک معلوم ہوتا تھا...... شہاب پوری طرح مستعد ہو گیا اور بہر حال اس نے
سلسلے میں خاصی تربیت حاصل کی تھی، چنانچہ مدمقابل کا اندازہ لگانے کے بعد اس نے اسی
معیار کے مطابق اس سے جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا، طاقتور آدمی ایک بار پھر سیدھا
شہاب اس کے چہرے کا جائزہ بھی لے رہا تھا اور اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ وہ بہر حال

درندہ ہے، اس کی آنکھوں میں جو وحشت اتری ہوئی ہے وہ غیر انسانی کیفیت رکھتی ہے
اس سے زندگی بچانے کے لئے شدید جدوجہد کرنی ہے، اس بار اس نے دونوں ہاتھ زمین
کائے تھے اور گردن اٹھائے شہاب کو دیکھ رہا تھا، کسی خاص انداز میں حملہ کرنا چاہتا تھا وہ،
اب اپنی جگہ آہستہ آہستہ اُچھلنے لگا، وہ خود کو بھی جسمانی طور پر گرم رکھ رہا تھا، پھر اس
ن نے بڑی لمبی چھلانگ لگائی اور شہاب نے فوراً ہلکی سی جگہ تبدیل کر کے اپنی داہنی ٹانگ
ری قوت سے اس کی ٹھوڑی پر ماری، نتیجے میں وہ الٹ کر پیچھے جا گرا، لیکن کم بخت قلابازی
بار کر کھڑا ہو گیا تھا اور پھر اسی انداز میں دوسری چھلانگ اس نے شہاب پر لگا دی تھی، شہاب
ن پھرتی کا مظاہرہ نہیں کر سکا اور اس بار وہ اس کی گرفت میں آ گیا...... وہ ہاتھی نما انسان
ہاب کو اپنی گرفت میں لے کر دیوار کی جانب دوڑا اور شہاب کو اپنے پاؤں جمانا مشکل ہو گئے،
کن دیوار کے قریب جاتے ہوئے شہاب نے اچانک اپنے جسم کو جنبش دی اور اس بار شہاب
یچے بیٹھ کر اسے دیوار سے ٹکرانے میں کامیاب ہو گیا، اس کی ناک اور پیشانی بھی دیوار سے
کرائی تھی اور ناک سے خون کی دھاریں بہنے لگی تھیں جو اس کے برہنہ جسم پر گرنے لگی
ہیں، لیکن اس نے اس کی پروا نہیں کی۔ کلائی سے دو تین بار خون پونچھنے کے بعد وہ پھر
یدھا ہو گیا...... شہاب کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی بلا سامنے ہو اور اس سے چھٹکارا پانا
ممکن، لیکن بہر حال اس وقت جنگ کے سوا چارہ کار نہیں تھا اور شہاب نے اس دوران خود
و سنبھال کر یہ فیصلہ بھی کر لیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے، چنانچہ اب اس شخص کی گرفت میں آ کر
اس سے باقاعدہ جسمانی قوت آزمائی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ خود کو ہلاکت میں ڈال دیا
جائے۔ بس پھرتی سے اس کے وار بچا کر ہر بار اس پر نیا وار کیا جائے، یہی اسے زیر کرنے کی
رکیب تھی، وہ کون ہے؟ کیا ہے؟ کیوں ہے؟ یہ سب تو بعد میں سوچنے کی بات تھی، اس
قت زندگی بچانے کا مسئلہ تھا اور شہاب اسی کوشش میں مصروف تھا، یہی شکر تھا کہ اس کے
اس کوئی ہتھیار وغیرہ موجود نہیں تھا اور شاید وہ ہتھیار استعمال کرنے کے بارے میں غور بھی
ہیں کر رہا تھا، بس اس کی چمکدار اور خونخوار آنکھیں شہاب پر جمی ہوئی تھیں...... ایک بار پھر
وہ آہستہ آہستہ شہاب کی جانب بڑھا تو شہاب پیچھے ہٹنے لگا، پھر اس نے اپنی کمر دیوار سے لگا لی
تھی، وہ اس بار دیوار کی جانب نہیں دوڑا کیونکہ پہلی بار اپنے آپ کو دیوار سے ٹکراتے ہوئے
کلیف اٹھا چکا تھا، اس بار اس نے بڑا سنبھل کر شہاب کے قریب پہنچ کر اسے اپنی گرفت میں

لینے کی کوشش کی تھی، لیکن شہاب تیار تھا اس نے ایک لات اس کے بدن کے نچلے حصے پر ماری اور پھر پوری قوت سے داہنے ہاتھ کا گھونسا اس کے سینے پر، وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گیا تھا اس بار اس کے چہرے پر ہلکی سی تکلیف کے آثار نظر آئے تھے لیکن فوراً ہی ایک اور ایسا واقعہ ہوا جس نے شہاب کو سنبھلنے پر مجبور کر دیا، اچانک ہی دروازہ کھلا تھا اور کوئی دروازے سے اندر داخل ہوا تھا۔ بس ایک لمحے کے لئے شہاب نے اس کی صورت دیکھی تھی...... وہ ارمان شاہ تھا...... شہاب دوسرے لمحے ایک بار پھر جھکائی دے کر اس شخص کی گرفت سے نکلا اور وہ دیوار سے پشت لگا کر کھڑا ہو گیا، اس نے ارمان شاہ کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا، لیکن ارمان شاہ کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ارے یہ کیا ہو رہا ہے...... کون ہو تم...... او ہو تم شہاب کیا کر رہے ہو یہاں؟ اور یہ...... ارے خدا تجھے غارت کرے...... یہ تو نے اسے زخمی کر دیا کیا...... آہ، یہ اس کے جسم پر خون کیسا ہے۔" ارمان شاہ اس شخص کی جانب دوڑا تو اس نے ارمان شاہ کو بازوؤں سے پکڑ کر ایک جانب کر دیا اور ایک بار پھر شہاب پر چھلانگ لگائی، لیکن شہاب ایک لمحے کے لئے غافل نہیں ہو سکتا تھا، اس وقت، غفلت موت بن سکتی تھی...... ارمان شاہ مسلسل چیخ رہا تھا۔

"میں تجھے فنا کر دوں گا، کتے، کمینے، میں کہتا ہوں تو ادھر آیا ہی کیوں، رک جا، ریحان رک جا، میں اسے دیکھ لوں گا...... میں بتا دوں گا اسے، ریحان تو کچھ مت کر...... تو رک جا، میں اسے دیکھ لوں گا۔" ارمان شاہ کی فطرت اس وقت بالکل بدل گئی تھی۔ شہاب محسوس کر رہا تھا کہ ارمان شاہ کی پول کھل گئی ہے اس کی تمام درویشی اس وقت ہوا ہو گئی ہے اور اب ایک نہیں دو افراد سے اس کا مقابلہ ہے...... ارمان شاہ کے الفاظ اور اس کا لہجہ بتاتا تھا کہ اب وہ کسی قسم کی شریفانہ کیفیت کے موڈ میں نہیں ہے، بلکہ یقینی طور پر وہ اس وحشی جانور کے ساتھ مل کر شہاب پر حملہ کرے گا اور شہاب کو ان دونوں سے نمٹنا تھا...... وہ شخص مسلسل شہاب پر حملہ کر رہا تھا اور ارمان شاہ کہہ رہا تھا۔

"رک جاؤ، دونوں رک جاؤ...... میں کہتا ہوں رک جاؤ...... ریحان سنبھال خود کو، رک جا...... میں کہتا ہوں رک جا۔" ایک بار پھر وہ ان دونوں کے درمیان آیا تو اس طاقتور آدمی نے اسے زور سے دھکا دیا اور ارمان شاہ دوڑتا ہوا دیوار سے جا ٹکرایا، پھر سیدھا ہو گیا، پھر اس نے شہاب سے کہا۔

"تو بھاگ جا یہاں سے شہاب، دیکھ میں کہتا ہوں تو بھاگ جا یہاں سے...... میں اس تیرے سے کوئی رعایت نہیں برت سکوں گا...... تو نکل جا یہاں سے تو نہیں جانتا تو ری زندگی سے کھیل رہا ہے...... شہاب، شہاب میں نے تیرے ساتھ ہمیشہ شرافت کا ک کیا ہے لیکن...... لیکن یہ جو کچھ تو کر رہا ہے وہ میں برداشت نہیں کر سکتا...... نکل جا تیری منت سماجت کرتا ہوں...... شہاب...... شہاب باہر نکل جا میں اسے سنبھال لوں گا تو نکل جا۔" شہاب نے ایک لمحے کے لئے ارمان شاہ کی جانب دیکھا...... پھر دروازے کی ب بڑھا...... وہ وحشی صفت آدمی پھر شہاب کی جانب دوڑا تھا، لیکن اس بار ارمان شاہ نے ے اسے پکڑنے کی کوشش کی اور اس کی جانب متوجہ ہو گیا...... شہاب نے دروازے قریب پہنچ کر دروازہ اندر سے بند کر دیا اور پھر سیدھا ہو گیا، اس دوران وہ ارمان شاہ کو دھکیل چکا تھا، لیکن ارمان شاہ نے حیرت بھری نگاہوں سے شہاب کو دیکھا جو دروازہ بند کے واپس پلٹا تھا...... پھر شہاب سرد لہجے میں بولا۔

"یہ تو بہت اچھا ہوا ارمان شاہ صاحب کہ آپ خود یہاں آ گئے اور آپ نے اپنی زبان ار چہرے پر سے اخلاقیات کی نقاب نوچ پھینکی...... میں اسے ٹھیک کئے دیتا ہوں، اس کے بعد آپ سے اس کے بارے میں سوال کروں گا۔"

"میں کہتا ہوں تو، تو شہاب مجھے مجبور نہ کر...... میں...... میں تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا، دیکھو میں کہہ رہا ہوں مان جاؤ شہاب...... دیکھو مجھے دیوانہ نہ کرو...... میں، تم نہیں جانتے کہ میں...... میں۔" لیکن شہاب نے کوئی جواب نہیں دیا اور تیار ہو گیا، جب اس بار ریحان اس کے قریب پہنچا تو شہاب کا زوردار گھونسا اس کے جبڑے پر پڑا اور ریحان کا خون میں ڈوبا ہوا چہرہ دوسری جانب گھوم گیا، جیسے ہی اس کا چہرہ مڑا...... شہاب نے ایک زوردار لات اس کے پیٹ پر رسید کی پھر اس کی گردن پکڑ کر پوری قوت سے اسے گھما کر زمین پر اسے مارا...... اب شہاب پر بھی جنون سوار ہونے لگا تھا، اس نے آستینیں چڑھا لی تھیں اور پوری طرح مقابلے کے لئے تیار تھا، اچانک ہی اس نے ارمان شاہ کو ایک جانب بڑھتے ہوئے دیکھا...... یہاں ایک ٹیبل لیمپ رکھا ہوا تھا جو ماربل سے بنا ہوا تھا اور خاصا لمبا ڈنڈے کی مانند تھا...... ارمان شاہ نے ٹیبل لیمپ کے تار نوچ کر پھینکے اور اسے لاٹھی کی طرح اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا...... شہاب نے اس کی یہ حرکت دیکھی تھی، چنانچہ وہ سنبھل گیا اور پھر ارمان شاہ برق

رفتاری سے آگے بڑھا اور اس نے ٹیبل لیمپ لاٹھی کی طرح پوری قوت سے گھمادیا...... شہاب نے اپنے آپ کو بچا کر ٹیبل لیمپ پکڑا اور ایک زوردار جھٹکا دیا...... ارمان شاہ خیر شہاب کی طاقت کا بھلا کیا مقابلہ کر سکتا تھا، ٹیبل لیمپ اس کے ہاتھوں سے چھوٹا اور اوندھے منہ زمین پر آرہا...... شہاب کھڑا ہو گیا تھا اور اب اس کے چہرے پر بھی خونخوار تاثرات نظر آرہے تھے، چنانچہ وہ سیدھا کھڑا ہو گیا اور اس نے ٹیبل لیمپ ارمان شاہ کے ہی انداز میں سنبھال لیا، پھر اس بار جب ریحان ان کے پاس آیا تو اس نے ٹیبل لیمپ کو سیدھا کر کے ریحان کے پیٹ پر رکھا اور اسے زور سے دھکیلتا ہوا لے گیا...... ارمان شاہ نے آہستگی سے کہا۔

"نہیں...... خدا کے لئے نہیں...... مارنا نہیں...... اسے نہیں مارنا...... وہ میری زندگی ہے، اس میں میری جان ہے، آہ...... اسے نہ مارنا۔" لیکن ریحان تو انسان لگتا ہی نہیں تھا...... اب شہاب کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ دیوانہ ہے، پاگل ہے بالکل، کوئی بات سمجھتا...... سوچتا نہیں ہے، چنانچہ شہاب اسے مارنا تو نہیں چاہتا تھا لیکن یہ جانتا تھا کہ اس طاقتور آدمی کو سنبھالنا بے حد مشکل کام ہے...... ارمان شاہ اپنی جیسی کوشش کر چکا تھا اور خاصی چوٹیں کھا چکا تھا، اپنی حویلی میں اور پوری رحمان گڑھی میں وہ جس حیثیت کا مالک تھا اس کے بعد اس کیفیت کو پہنچ کر شہاب کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کیا نہیں کر سکتا، لیکن بہر حال شہاب ہر طرح کا خطرہ مول لینے کا ارادہ کر چکا تھا، اس نے ارمان شاہ سے کہا۔

"میں اب بھی تمہیں عزت و احترام سے مخاطب کر رہا ہوں ارمان شاہ، اسے روک سکتے ہو تو روکو ورنہ ہر نقصان کے ذمہ دار خود ہو گے۔"

"تو دروازہ کھول کر باہر نکل جا میں اسے سنبھال لوں گا، شہاب اور کچھ نہیں کر سکتا میں۔"

"کون ہے یہ؟" شہاب نے سوال کیا۔

"میں کہتا ہوں باہر نکل جا بے غیرت انسان، باہر نکل جا۔" ارمان شاہ پھر اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا اور وہ اِدھر اُدھر کوئی چیز تلاش کرنے لگا اور شہاب کے لئے اس کے سوا کوئی اور چارہ کار نہیں تھا کہ وہ اب کچھ نہ کچھ کر ڈالے، چنانچہ اس بار جیسے ہی ریحان اس کے قریب آیا شہاب نے اس کی پنڈلی پر ٹیبل لیمپ مارا اور ریحان ایک دم سے منہ کھول کر نیچے بیٹھ گیا۔ شہاب نے اس کے منہ پر ایک زوردار لات رسید کر دی تھی...... عقب سے ارمان شاہ نے اس پر چھلانگ لگائی تو شہاب نے اس کو کمر پر لاد کر زور سے ریحان پر دے مارا اور ارمان شاہ

کے حلق سے کراہیں نکل گئیں...... ریحان کی شاید پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی وہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن ہر بار گر پڑتا تھا، البتہ اس کے منہ سے کوئی چیخ، کوئی آواز اب بھی نہیں نکل سکی تھی، وہ وحشیانہ انداز میں اٹھنے کی بار بار کوشش کر رہا تھا اور گر رہا تھا، جبکہ ارمان دیر تک زمین پر پڑا رہا تھا...... شہاب آہستہ آہستہ اس کے قریب آیا، اس نے ارمان شاہ کو گریبان سے پکڑ کر سیدھا کھڑا کر دیا اور غراتی ہوئی آواز میں بولا۔

"میرا نام شہاب ثاقب ہے ارمان شاہ...... آپ کو چاہئے تھا کہ پہلے میرے بارے میں معلومات حاصل کر لیتے، میں نے اپنے آپ کو آپ سے چھپایا نہیں...... سمجھ رہے ہیں آپ۔"

"تم دیکھنا...... تم دیکھنا کیا حشر کرتا ہوں میں تمہارا۔"

"تم کیا میرا حشر کرو گے میں اگر چاہوں تو اسی کمرے کو تم دونوں کا مقبرہ بنا سکتا ہوں سمجھ رہے ہو۔"

"تو نے، تو نے اس کی ٹانگ توڑ دی...... آہ، بدبخت خدا تجھے غارت کرے تو۔ میرے بھائی کی ٹانگ توڑ دی...... آہ تو نے اسے زخمی کر دیا ہے۔" شہاب نے دانت کچکچا ایک زوردار لات ریحان کے پیٹ پر رسید کی اور اس بار ریحان کی چیخ نکل گئی، اس کی پسلیاں ٹوٹ گئی تھیں شاید...... شہاب نے دو تین ٹھوکریں اور ماریں اور پھر ارمان شاہ سے بولا۔

"بولو ارمان شاہ کیا کہتے ہو...... تم دونوں کا مقبرہ یہیں بنا دوں۔"

"بنا دے...... بنا دے...... میں کہتا ہوں بنا دے...... موت کے بعد انسان ہر کیفیت سے آزاد ہو جاتا ہے۔"

"کھڑے ہو جاؤ...... بالکل جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس وقت، کھڑے ہو جاؤ...... جس کو چاہو بلا سکتے ہو...... اس وقت اس کمرے میں داخل ہونے والے ہر شخص کو میں زندگی سے محروم کر دوں گا، سمجھ رہے ہو تم۔" شہاب کی غراہٹ بے حد خطرناک تھی...... ارمان شاہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا، اب اس کے چہرے پر کسی قدر حیرت کے نقوش تھے۔

"میں کیا کروں...... خدارا میں کیا کروں...... خدایا میں کیا کروں۔" اس نے کہا، شہاب آگے بڑھا اور اس نے زمین پر بیٹھے ہوئے ریحان کی دوسری ٹانگ پکڑی اور اسے موڑنے لگا...... ریحان اوندھا ہو گیا تھا۔

"چھوڑ دے...... تجھے خدا کا واسطہ میرے سامنے اس کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہ کر......

میں یہ برداشت نہیں کر سکتا۔"

"میں اسے زندگی سے محروم کردوں گا، پہلے میں اس کی دوسری ٹانگ توڑوں گا اور پھر یہ ٹیبل لیمپ اس کے سر پر مار کر اس کا بھیجا باہر نکال دوں گا۔"

"آہ...... خدا تجھے غارت کردے...... خدا تجھے غارت کردے۔" ارمان شاہ تھکے ہوئے لہجے میں بولا، شہاب نے اس کی ٹانگ چھوڑ دی اور اسے ٹھوکریں مار مار کر دیوار کے سہارے کر دیا...... اب ریحان میں اتنی سکت نہیں رہی تھی کہ وہ کھڑا ہو کر شہاب سے مقابلہ کرے، خاص طور سے پنڈلی ٹوٹ جانے کی وجہ سے بہت زیادہ نڈھال ہو گیا تھا وہ لیکن اب بھی ہوش میں تھا، تب شہاب نے ارمان شاہ سے کہا۔

"ہاں کیا کہتے ہو اب تم اس بارے میں۔"

"میں کیا کہوں...... میں کیا کہوں...... مین...... میں...... میں آخر یہ پوچھتا ہوں تم، تم۔"

"نہیں...... مجھے تم کہہ کر مخاطب نہ کرو...... اپنی اصلیت دکھا چکے ہو تم ارمان شاہ، بہت بڑے آدمی ہو تم اس بستی کے، پوری رحمان گڑھی تمہاری غلام ہے لیکن ایک بات سمجھ لینا میں تمہیں اپنا نام بتا چکا ہوں اگر مجھے مجبور ہی کر دیا گیا تو قتل عام کر دوں گا یہاں پر، سمجھے...... جتنے مار سکا مار دوں گا اور اس کے بعد میں جانتا ہوں اس کا نتیجہ کیا ہو گا...... اس لئے اپنے ہوش و حواس قائم کرو اور ان چند لمحات کے لئے یہ بھول جاؤ کہ تمہاری اپنی حیثیت اور تمہاری اپنی شخصیت کیا ہے...... میں نے تمہارا مکمل احترام کیا ہے لیکن اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم مجھ پر برتری حاصل کر لو گے تو کم از کم یہ اس وقت ممکن نہیں ہے، سمجھ رہے ہو نا تم۔" ارمان شاہ نے دیوار سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لی تھیں...... شہاب آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور ارمان شاہ کے قریب پہنچ گیا، پھر اس نے کہا۔

"تمہاری تلاشی لینا چاہتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے ارمان شاہ کے لباس اور جسم کی تلاشی لی لیکن ارمان شاہ کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا...... شہاب نے اس کی جو درگت بنائی تھی وہ شاید اس نے کبھی زندگی میں تصور تک میں نہ سوچی ہو گی، لیکن شہاب بعض اوقات خود بھی اپنی کیفیات پر قابو نہیں پا سکتا تھا اور وہ کچھ کر ڈالتا تھا جس کی دوسرے کو توقع نہ ہو، اس وقت بھی اس کی ذہنی کیفیت ایسی ہی تھی اور وہ جو کچھ کہہ رہا تھا اگر اسے مجبور کر دیا جاتا تو شاید وہ کر ہی ڈالتا، ارمان شاہ نے آہستہ سے کہا۔

"اسے...... اسے...... اس کے لئے کچھ کرو...... مجھے ہر قیمت پر اس کی زندگی درکار ہے۔"

"مگر مجھے اس کی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے...... اس کے علاوہ ٹھیک ہے کوئی بی تکلیف نہیں پہنچی ہے اسے، بس میں نے اس کی وحشت دور کر دی ہے...... اب یہ دش میں ہے۔"

"آہ...... وہ کیا ہوش میں آئے گا...... وہ پاگل ہے قدرتی طور پر پاگل ہے وہ، وہ ہوش بں نہیں آسکتا...... وہ کیا ہوش میں آئے گا۔"

"وہ جو کچھ بھی ہے اگر تم چاہتے ہو کہ تم اس کی زندگی کے لئے کچھ کر سکو تو اس کے لئے ارمان شاہ تمہیں ایک ایک لفظ بتانا ہو گا مجھے، ایک ایک لفظ بتانا ہو گا۔"

"چلو فرض کرو میں تمہیں سب کچھ بتا دیتا ہوں، لیکن یہ سب کچھ بتا دینا اتنا آسان تو نہیں ہو گا...... تم پہلے اس کے لئے کچھ کرو۔"

"میں صرف اس کے لئے ایک ہی کام کر سکتا ہوں کہ اس کی گردن اس کے شانوں سے اتار کر پھینک دوں اور اگر تم اس سلسلے میں مداخلت کرو تو تمہیں بھی یہیں سلا دوں ہمیشہ کے لئے۔"

"مجھے اپنی زندگی کی نہ تو پہلے پروا رہی ہے نہ اب ہے...... تم ہمیشہ مجھ سے پوچھتے رہے ہو کہ شاکو کے خلاف میں نے اپنی زندگی بچانے کی کوشش کیوں نہیں کی ہے تو اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ میں مر جانا چاہتا تھا، مجھے اس بدنصیب کی ناکامی کا بے حد افسوس ہے جس نے مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا تھا اور کامیاب نہیں ہو سکا...... میری دلی آرزو تھی کہ وہ کامیاب ہو جاتا تاکہ میں سانسوں کے اس عذاب سے چھٹکارا پا سکتا، تم اگر چاہو تو مجھے قتل کر دو مگر میرے سامنے اسے کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ...... کیا سمجھے، تم چاہو تو یہ کر سکتے ہو۔"

"اور اگر تم اسے اپنی آنکھوں سے مرتے دیکھنا پسند نہیں کرتے تو مجھے ایک ایک لفظ کھل کر بتاؤ۔"

"میں تم سے کہہ رہا ہوں...... وعدہ کر رہا ہوں...... بتا دوں گا لیکن اس کے لئے کچھ کرو، خاموشی کے ساتھ اس کے لئے کچھ کرو...... حویلی میں کسی کو پتا نہ چلے...... میں تمہیں ایسے خفیہ راستے بتا سکتا ہوں جن سے ہم تینوں باہر نکل سکتے ہیں...... میں گاڑی کا بھی بندوبست کر سکتا ہوں، مجھے اجازت دو میں گاڑی لے کر اس جگہ پہنچ جاؤں جہاں کے بارے

میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں اور جہاں سے ہم سب نکل سکتے ہیں۔"

"کون سی جگہ ہے وہ؟"

"بالکل اسی حویلی کا عقبی حصہ، یہاں ایک دروازہ موجود ہے اس میں اندر سے تالا پڑا ہوا ہے...... تالے کی چابی وہ سامنے رکھی ہوئی ہے، گاڑی لے کر میں ادھر آجاتا ہوں اسے خاموشی سے ہسپتال لے چلتے ہیں، یہاں کے نہیں بلکہ شہر کے کسی گمنام ہسپتال...... تم میری مدد کرو میں وعدہ کرتا ہوں راستے ہی میں کچھ بتادوں گا۔" جواب میں شہاب ہنسنے لگا تھا، پھر اس نے کہا۔

"ارمان شاہ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ تم غلط کہہ رہے ہو، لیکن یہ ممکن نہیں ہے بات جب یہاں تک پہنچ چکی ہے تو اب میرے اور تمہارے درمیان اخلاق و مروت کا کوئی رشتہ نہیں رہ گیا۔ یہ مرے گا نہیں ایسا کوئی زخم، ایسی کوئی چوٹ اس کو ابھی نہیں لگی ہے جس سے اسے موت آجائے، یہ میرا تم سے وعدہ ہے کہ میں اسے مرنے نہیں دوں گا اور موت سے پہلے اسے کسی مناسب مقام پر لے چلیں گے لیکن شرط یہ ہے کہ ساری تفصیل میرے علم میں آنی چاہئے، بس سمجھ لو اس میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔" ارمان شاہ نے بے بسی کی نگاہوں سے شہاب کو دیکھا اور بولا۔

"کیا پوچھنا چاہتے ہو، بولو کیا پوچھنا چاہتے ہو تم، تم تو میری حفاظت کے لئے یہاں آئے تھے...... شاکو سے مجھے بچانے کے لئے یہاں آئے تھے...... میں نے تمہارے ساتھ محبت بھرا سلوک کیا، بتاؤ کیا تکلیف پہنچی ہے تمہیں مجھ سے، میں، میں، میں تمہیں ایک بات بتادوں تم اسے گرفتار کرلو لیکن یہ ذہن میں رکھنا کہ تم اس کا کچھ نہیں کرسکتے۔"

"ارمان شاہ دیکھو عقل سے کام لو، میرا تعلق انتظامیہ سے ہے...... میں تمہیں شاکو کے حملے سے بچانے کے لئے یہاں آیا تھا، لیکن میرا کوئی اور منصب بھی ہے میں ان واقعات کی حقیقتوں کو جاننا چاہتا تھا۔ شاکو آخری وقت تک اپنے آپ کو بے گناہ کہتا رہا ہے۔ میں اس کی اس بے گناہی کا راز جاننا چاہتا ہوں اور ارمان شاہ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے یہاں آنے کے بعد جھک ماری ہے تو اپنے اس خیال کو ذہن سے نکال دو...... کیا سمجھے بہت سی حقیقتیں مجھے معلوم ہوچکی ہیں، تم اپنے آپ کو رحمان گڑھی والوں کی نگاہوں میں ولی اور درویش بنا کر پیش کرتے ہو لیکن ارمان شاہ اگر تمہارے دل میں اپنے مذہب، اپنے دین اور اللہ سے سچائی کا

برابر خیال بھی ہے تو کیا تم بھی مظلوم فرزندا کے گھر گئے ہو، کیا تم نے اس عورت کو دیکھا ہے جو عدل جہانگیری طلب کررہی ہے جو کہتی ہے جہانگیر بادشاہ تیری زنجیر کہاں گئی، اب بتا میں کیا کروں...... کس سے انصاف مانگوں، اگر تم ایک بار اپنے اس بہروپ کو سچ کی نگاہ سے دیکھ لو تو خود پر لعنت بھیجو...... ارمان شاہ ہوسکتا ہے کہ اندر سے تم ایک بڑے گناہ گار، بدکار انسان ہو چونکہ تم جیسے لوگوں سے میرا بار بار واسطہ پڑچکا ہے، لیکن ایک بار، صرف ایک بار انسان بن کر بھی دیکھو، انسان بن کر بھی غور کرو ہوسکتا ہے تمہارے دل میں خدا کا خوف جاگ اٹھے، ہوسکتا ہے تم یہ سوچو کہ ساری زندگی کی توبہ تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچاسکتی اور اگر یہ سب مصنوعی ہے صرف اپنے آپ کو دنیا کی نگاہوں میں ایک درویش ظاہر کرنے کی کوشش اور اس کی آڑ میں جرائم پیشہ زندگی گزارنے کا خیال، تو سمجھ لو کہ اب تک جو کچھ کرتے رہے ہو اب اس کے آخری لمحات ہیں...... یہ صرف گناہوں کے حساب دینے کا وقت ہے...... ہاں، اگر تم چاہو تو اس کا کفارہ ادا کرسکتے ہو۔"

ارمان شاہ کی آنکھیں بند تھیں، وہ خاموش تھا، پھر اس کی سسکیاں نکل پڑیں، وہ بے اختیار رونے لگا اس نے روتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... گناہ پر گناہ کئے جارہا ہوں اور جانتا ہوں ان گناہوں کی توبہ اس جیسی ہزار زندگیاں مل جانے تک کروں تو وہ توبہ قبول نہیں ہوسکتی...... میں نے جو کچھ کیا ہے وہ اللہ کے حکم کے مطابق نہیں ہے...... میں تو اپنے آپ کو فریب دے رہا ہوں اور اپنی دانست میں اپنے معبود کو فریب دے رہا ہوں، حالانکہ یہ جانتا ہوں کہ وہ میری ذات کے ہر ذرے سے واقف ہے...... میں یا کوئی بھلا اس سے کیا فریب کرسکے گا...... آہ، میں بدنصیب انسان بس کچھ ایسی سوچوں کا شکار ہوگیا جن کے بارے میں نہ تو مجھے کوئی مشورہ دینے والا تھا نہ کوئی میری مدد کرنے والا...... ٹھیک ہے...... سچ کہہ رہے ہو تم...... وہ انصاف مانگ رہی ہوگی...... کاش وہ خدا سے انصاف مانگ لیتی تو سب کچھ مل جاتا اسے، ذہنی طور پر جنونی ہوگئی ہے وہ جو جہانگیر، جہانگیر پکار رہی ہے...... ارے اللہ ہی ہوگا اس کے دل میں، ہوگیا وہ سب کچھ جو ہونا تھا...... اب بھلا اسے کون روکے گا، بیٹھ جاؤ، مرتا ہے یہ کم بخت تو مرجائے، میں کیا کروں...... کیسے سنبھالوں کسی کے کئے دھرے کو، یہ میرا بھائی ہے، میرا سوتیلا بھائی ہے یہ، ریحان شاہ ہے اس کا نام، میرے باپ کی، میرے باپ کی جائز اولاد ہے...... اس میں کوئی

شک نہیں ہے لیکن دنیا یہ بات نہیں جانتی تھی، دنیا یہ بات بالکل نہیں جانتی تھی...... رحیم شاہ بہت اچھے انسان تھے برے نہیں تھے وہ...... لیکن نجانے کیسے وہ ایک عذاب میں گرفتار ہو گئے، کوئی عورت تھی، کیا تھی یہ بابا ہی جانتے تھے لیکن وہ بابا کی بیوی تھی، نکاح کیا تھا بابا نے ان سے، لیکن بعد میں جب یہ پتا چل گیا کہ یہ شخص وجود میں آرہا ہے تو بابا نے اس سے نکاح کر لیا...... بابا کیسے اس بات کا شکار ہوئے، تم یقین کرو مجھے نہیں بتایا انہوں نے، ہاں جب وہ شدید بیمار ہوئے تو انہوں نے مجھے بلایا اور صائمہ کے بارے میں تفصیل بتائی...... صائمہ سے میری ملاقات کرائی، وہ قریب المرگ تھی، ٹی بی کی مریضہ تھی اور آخری اسٹیج پر پہنچ گئی تھی۔ یہ ریحان اسی کا بیٹا ہے...... یہ بچپن سے پاگل تھا اور اس کے علاج کے لئے رحیم شاہ نے بے شمار کوششیں کر ڈالی تھیں، لیکن وہ خوفزدہ بھی تھے چونکہ اس بات کو منظر عام پر نہیں لانا چاہتے تھے...... غرض یہ کہ مرحوم باپ نے رو رو کر موت کے وقت اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے مجھے بتایا تھا کہ یہ کیا قصہ ہے...... میرے شانوں پر انہوں نے ذمہ داری ڈالی تھی کہ میں ان کا تحفظ کروں اور جس طرح بھی ممکن ہو سکے انہیں کوئی تکلیف نہ ہونے دوں...... انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر ممکن ہو سکے تو ان کی اس بدنما داستان کو منظر عام پر نہ آنے دیا جائے اور میں نے پورے اعتماد کے ساتھ ان سے وعدہ کیا تھا کہ ایسا کبھی نہیں ہوگا، کوئی کبھی نہیں جان سکے گا کہ یہ کون ہے اور رحیم شاہ کی زندگی سے ایسا کوئی واقعہ بھی منسلک ہے، بہت وقت گزر گیا...... رحیم شاہ کے انتقال کے ٹھیک تین ہفتے بعد صائمہ بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئی...... رحیم شاہ صاحب ریحان کی ہر طرح کی دیکھ بھال کرا چکے تھے اور اس کی اس دیوانگی کا کوئی علاج نہیں تھا۔ یہ ایک فطری جنونی ہے، کبھی کبھی بالکل صحیح الدماغ ہوتا ہے اور کبھی ایسا جیسا تم نے اسے دیکھا...... اس کے بارے میں ڈاکٹر کی تمام رپورٹیں موجود تھیں، لیکن میں اپنے طور پر اپنے آپ کو اس قدر مستحکم اور طاقتور نہیں پاتا تھا کہ ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کر سکوں...... اخلاق احمد میرا منیجر ہی نہیں میرا دوست بھی ہے، مگر باپ کا راز راز رکھنے کے لئے میں نے مرتے وقت اس سے وعدہ کیا تھا میں کسی کو بھی اپنا رازدار نہیں بنا سکتا تھا، بمشکل تمام میں نے کچھ ترکیبوں سے اسے یہاں منتقل کیا اور اس جگہ قیدی بنا دیا، کچھ لوگوں کو میں نے کچھ ایسی الٹی سیدھی کہانیاں سنا کر اس کی خدمت کے لئے تیار کر لیا، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس آسیب زدہ حصے کا راز کسی طور اس جگہ سے باہر نہ نکلے...... میں نے اس جگہ کو

آسیب زدہ مشہور کیا اور اس کے لئے نجانے کیا کیا طریقہ کار اختیار کئے، ہر چیز جھوٹ پر مبنی تھی لیکن میرا دل یہ سوچ کر اپنے آپ کو مطمئن کر لیتا تھا کہ بہر حال میں ایک مرتے ہوئے شخص سے اپنا وعدہ نبھا رہا ہوں، مجھے اس سے بالکل محبت نہیں ہے...... یہ میرا سوتیلا بھائی ہے اور اس کی وجہ سے میری زندگی جس عذاب کا شکار ہوئی ہے...... آہ شہاب تم اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے...... وہ کچھ ہوا ہے کہ میں تمہیں بتا نہیں سکتا اور میری ساری زندگی اس گناہ کا کفارہ ادا کرتے ہوئے گزری ہے، میں ہمیشہ توبہ کر کے اپنی زندگی کے یہ بدنما لمحات گزارتا رہا ہوں...... میں جو کچھ بھی ہوں وہ الگ بات ہے لیکن اپنے باپ سے کئے ہوئے وعدے کو میں زندگی کی آخری سانس تک نبھانا چاہتا تھا، پتا نہیں تم اس طرف کس طرح راغب ہو گئے، پتا نہیں کیا ہوا۔“ ارمان شاہ کچھ دیر کے لئے خاموش ہوا تو شہاب نے سفاک لہجے میں کہا۔

”کہانی ابھی بالکل نامکمل ہے ارمان شاہ، پوری تفصیل میرے علم میں لاؤ۔“ شہاب پر بھی اس وقت دیوانگی سوار ہو گئی تھی، اس وقت وہ ان دونوں سے زیادہ دیوانہ محسوس ہو رہا تھا۔ ارمان شاہ نے بھی اس کے لہجے میں کوئی ایسی ہی بات محسوس کر لی تھی جس سے اسے یہ احساس ہو گیا تھا کہ اس وقت چھٹکارا ممکن نہیں ہے۔ اس کا بھائی بے پناہ طاقتور تھا...... ریحان ایک ایسی شخصیت تھی جس میں دماغ نام کی کوئی چیز نہیں تھی اور جسمانی طور پر وہ ایک طاقتور طوفان تھا لیکن اس طوفان کو بڑی آسانی سے شہاب نے زمین بوس کر دیا تھا اور ارمان شاہ نے اپنے کئے کا نتیجہ بھی دیکھ لیا تھا...... آہستہ آہستہ ریحان کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں...... ارمان شاہ اپنی جگہ سے اٹھا اس کے قریب پہنچا اور اسے غور سے دیکھا، پھر بولا۔

”اس کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی ہیں۔“

”بے ہوشی، صرف بے ہوشی...... یہ بے ہوش ہو رہا ہے لیکن تم اس کی بالکل فکر مت کرو۔“

”آہ...... ایک بات کا وعدہ کرو اگر یہ مر جائے تو مجھے بھی مار ڈالنا، بولو اس کا وعدہ کرتے ہو۔“

”ٹھیک ہے ارمان شاہ اگر تم اس بات کے خواہشمند ہو تو میں یہی کروں گا۔“

”اور اس موت کی کہانی کسی کو نہیں معلوم ہوگی کہ اس کا اصل مقصد کیا تھا۔“

”میں اپنی گردن بھی نہیں پھنساؤں گا ارمان شاہ، کیا سمجھے۔“ شہاب نے اسی بے دردی

سے کہا اور ارمان شاہ اسے دیکھتا رہا اور پھر بولا۔

"ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے زندگی موت اللہ کے ہاتھ میں ہے، اگر تم یہی چاہتے ہو تو یہی سہی...... بہر حال میں اس کی پرورش کرتا رہا اور نجانے اس کے لئے مجھے کس کس سے کیا کیا جھوٹ بولنے پڑے...... میں بس تمہیں اپنی ذہنی کیفیت بتا نہیں سکتا ایک بار، ایک بار یہ بد بخت، آہ...... ایک بار یہ بد بخت یہاں سے نکل بھاگا، جوان ہو چکا تھا نجانے کیسی کیسی کیفیات کا حامل تھا یہ، بھاگنے کے بعد یہ ان دونوں بدنصیب عورتوں کے پاس پہنچ گیا...... تم اس کی جسمانی قوت کا اندازہ تو لگا ہی چکے ہو۔ آہ، یہ اعتراف کرتے ہوئے مجھے ڈوب مرنا چاہئے، لیکن اب تمہیں مجبور ہو کر بتا رہا ہوں کہ وہ دونوں بے گناہ تھیں، بالکل بے گناہ تھیں...... گناہ گار یہی تھا، یہی کم بخت گناہ گار تھا اس نے انہیں داغدار کیا اور اپنی دیوانگی کی بھینٹ چڑھا ڈالا، پھر انہیں ہلاک بھی کر دیا، ان کا قاتل یہی ہے...... اس نے انہیں قتل کر دیا لیکن میں...... میں بس...... میں یہاں بھی اپنے جرم کی سیاہی کو اپنے وجود سے نہ دھو سکا...... اتفاق کی بات تھی کہ فرزندا اس وقت وہاں پہنچ گیا تھا اور تمام صورت حال سے واقف ہو گیا تھا۔ اب دو ہی صورتیں تھیں یا تو میں فرزندا کو قتل کر دیتا یا اسے اپنا رازدار بنا لیتا...... تقدیر نے کچھ عجیب کھیل کھیلا تھا کہ غیر متوقع طور پر شاکر خان بھی آ گیا اور منصوبے کے مطابق یہ سارا الزام فرزندا پر لگا کر میں نے فرزندا کو فرار کرا دیا اور شاکر خان کو اس کہانی کے تحت اس کیس میں پھنسا دیا...... میں نے اپنا انداز ایسا رکھا تھا کہ شاکر خان کو بھی اس بات کا احساس نہ ہو سکے کہ میں نے یہ کارروائی کی ہے۔ بہر حال پھر اس کے بعد جو ساری کارروائی ہوئی وہ میری منصوبہ بندی کے تحت تھی اور بے چارہ شاکر خان بے گناہ سزا پا گیا...... آہ، بس کیا کہوں...... ایک گناہ چھپانے کے لئے گناہ پر گناہ کرنے پڑے...... فرزندا کو یہاں سے بھگا کر محفوظ کیا اور فرزندا شہر چلا گیا، بے چارہ شاکر خان گرفتار ہوا، بچی بھی میں نے فرزندا کے حوالے کر دی تھی کہ وہ اس کی پرورش کرے، لیکن کہا یہ کہ شاکر خان اس بچی کو لے کر فرار ہوا ہے بعد میں وہ گرفتار ہوا...... ظاہر ہے وہ وہی بیان دے سکتا تھا جو حقیقت پر مبنی تھا، بڑی امید تھی اسے مجھ سے، لیکن میرا ہی کیا دھرا تو یہ سب کچھ تھا...... میں ہی اس بد بخت کو بچانے کے لئے یہ ساری کارروائیاں کر رہا تھا...... فرزندا بے چارہ حمیدا کے پاس پہنچا، حمیدا اس کا بہنوئی تھا...... شہر میں کنڈیکٹری کرتا تھا...... فرزندا نے اسے ساری

صورت حال بتائی، لیکن اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ حمیدا اتنا بڑا شیطان ہے، وہ واپس آیا اور آنے کے بعد مجھ سے ملاقات کی اور ساری صورت حال مجھے بتائی اور پھر مجھ سے سودا کیا۔ آہ میں آج جو درویش بنا پھرتا ہوں در حقیقت اس کھیل میں شیطان سے بھی آگے بڑھ گیا تھا...... میں نے حمیدا کو ایک بڑی رقم دی اور کہا کہ وہ فرزندا کو قتل کر دے اور اس بچی کو بھی زندگی سے محروم کر دے، بس یہ سب کچھ کیا میں نے...... حمیدا نے مجھے یہی بتایا کہ اس نے یہ دونوں کام کر ڈالے ہیں، لیکن بعد میں مجھے پتا چلا کہ فرزندا زندہ ہے...... فرزندا کی خوش بختی تھی یا پھر حمیدا نے اس سلسلے میں کوشش ہی نہیں کی، ایک دفعہ فرزندا نے مجھ سے رابطہ قائم کیا اور یہ بتایا کہ بچی اس کے پاس موجود ہے میں نے فرزندا کی باقاعدہ مدد شروع کر دی اور اس سے کہا کہ بچی کی بہتر طریقے سے پرورش کرے، بچی اور فرزندا محفوظ ہیں اور اب حمیدا کو بھی ان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم، بس یوں سمجھ لو کہ جرم پر جرم کرتا چلا گیا ہوں میں، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں کوئی صحیح فیصلہ نہیں کر پایا ہوں اس سلسلے میں، آہ بعض اوقات انسان کس طرح دوسروں کے جال میں پھنس جاتا ہے...... میں خود کو بے گناہ نہیں کہہ رہا لیکن اتنا کہہ رہا ہوں کہ جو کچھ میں نے تمہیں بتایا ہے وہ سب سچ ہے باقی فیصلے تقدیر کرتی ہے جو کچھ ہونا ہے وہ ہو جاتا ہے۔ میں تمہیں ایک بات بتاؤں اگر تم اسے گرفتار کرو گے اور سزا دلوانے کی کوشش کرو گے تو میں ایک کام کروں گا اور وہ کام یہ ہو گا کہ اس کی جگہ میں اعتراف جرم کروں گا اور بتاؤں گا کہ ان دونوں عورتوں پر میری نیت خراب ہو گئی تھی اور جو کچھ کیا ہے ان کے ساتھ میں نے کیا ہے اور ایک ایسی کہانی گھڑی ہے جس سے یہ میرا پاگل بھائی مشکل میں آ جائے...... کیا سمجھے، ذرا دیکھو تو سہی اسے، دیکھو شاید وہ دم توڑ رہا ہے۔"

"نہیں...... ارمان شاہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اس کی حالت بہتر ہے بلکہ ٹھیک ہے...... بس پاؤں میں تکلیف ہے اور ہو سکتا ہے کہ ہڈی ٹوٹ گئی ہو، دو صورتیں ہیں اسے شہر لے چلو اور پہلے اس کی ڈریسنگ وغیرہ کراؤ اور اس کے بعد اس ساری کہانی کو منظر عام پر لا کر شاکر خان کی زندگی بچاؤ یہ ضروری ہے۔"

"شاکر خان کی زندگی اگر بچ گئی تو کیا وہ مجھے زندہ چھوڑ دے گا یا اسے زندہ چھوڑ دے گا۔"

"اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا اگر تم انسانیت کے جامے میں آ جاؤ تو تمہاری

مدد کی جاسکتی ہے اور اگر اپنے اندر غرور کا یہی عنصر قائم رکھا تم نے اور صرف بڑائی کی جانب راغب رہے تو صورت حال مختلف ہو سکتی ہے، جہاں تک رہا تمہارے اس بھائی کا تعلق تو ایک بات میں بھی تم سے کہوں کہ اگر کوئی وصیت کر جاتا ہے اور تم محسوس کرتے ہو کہ وہ سراسر گناہ پر مبنی ہے تو اس گناہ کو تم تا قیامت نہیں دھو سکتے، تمہارے باپ نے جو کچھ بھی کیا سب سے پہلی بات تو یہ کہ یہ تمہارے باپ کی ناجائز اولاد ہے، پھر بھی تم اگر اتنا ہی احترام کرتے ہو اپنے باپ کی وصیت اور خواہش کا تو تم اسے باقاعدہ قانون کے حوالے کرو، اس کے لئے میں کوئی موثر منصوبہ بندی کرتا ہوں، لیکن یہ بات ذہن میں رکھنا کہ اگر چالاکی کرنے کی کوشش کی تو ایک بار پھر تمہیں اپنا نام یاد دلاتا ہوں...... میرا نام شہاب ثاقب ہے۔"

"مگر یہ بتاؤ کہ پھر میں کیا کروں گا، کیا خودکشی کرلوں یا سچ کا اعتراف کر کے سزا پاؤں۔"

"یہ فیصلے خود کیوں کرتے ہو، وقت آنے پر تمام فیصلے خود بخود ہوں گے...... تم کیا سمجھتے ہو جن لوگوں کا صبر سمیٹا ہے تم نے کیا وہ خدا کے بندے نہیں ہیں؟ کیا ان کی فریاد سننے والا اللہ نہیں ہے، اس بات کو تم کیوں بھول جاتے ہو۔"

"ہاں ہے...... بے شک ہے...... بالکل سچ ہے...... مم مگر، مگر میرے بھائی میں اپنے اندر یہ ہمت نہیں پاتا۔"

"ہمت پیدا کرو ارمان شاہ، ہمت پیدا کرو، تمہیں یہ ہمت پیدا کرنی ہوگی ورنہ دوسری صورت میں بھی بچت تمہارے لئے ممکن نہیں ہے...... میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑوں گا...... تم ان بدترین مجرموں میں سے ہو جنہیں صرف اور صرف سزائے موت ملنی چاہئے، لیکن میں اصل مجرم کو منظر عام پر لاؤں گا، اگر تمہیں بھی اس کے ساتھ ساتھ ہی سزا ہوئی تو دوسری بات ہے لیکن تمہارے ساتھ اتنی رعایت کی جاسکتی ہے کہ تمہارے بھائی کو طبی معائنے کے لئے پیش کر دیا جائے گا اور اس کا جو فعل تھا وہ دیوانگی پر محمول کیا جائے گا، تمہارے ساتھ میں صرف اتنا کر سکتا ہوں ارمان شاہ کہ عام لوگوں کو ان تمام باتوں سے لاعلم رکھوں اور ایک ایسی سچویشن بناؤں جس سے یہ صورت حال منظر عام پر آئے کہ تم ان تمام چیزوں سے ناواقف تھے اور یہی سب کچھ سمجھے تھے جو تم نے کیا۔" ارمان شاہ حیرت بھری نگاہوں سے شہاب کو دیکھنے لگا، پھر بولا۔

"تم میرے لئے یہ سب کچھ کرو گے۔"

"ہاں...... لیکن یہ وعدہ نہیں کرتا کہ اس کے بعد بھی میں تمہیں جرم سے بچاسکوں۔"

"بات سمجھ میں نہیں آئی۔"

"بات ابھی تک میرے ذہن میں بھی نہیں واضح ہوسکی ہے اس لئے۔"

"تو پھر اب بتاؤ میں کیا کروں؟"

"اب صرف ایک کام ہو سکتا ہے پہلے اسے یہاں سے لے کر شہر چلو اور اسے ہسپتال میں داخل کراؤ...... میں تمہاری اس سلسلے میں مدد کروں گا لیکن شرط یہی ہے جو میں نے کہا ہے تم وہ کرو...... ورنہ دوسری صورت میں تم جانتے ہو جو کچھ میں نے اب کیا ہے وہ میں کسی بھی جگہ کر سکتا ہوں۔"

"ہوں...... اب کیا کروں؟"

"چلو اسے یہاں سے نکال کر لے جانے کا بندوبست کرو۔"

"لینڈ روور کے ذریعے اسے شہری آبادی تک لے چلتے۔"

"جیسا تم مناسب سمجھو۔"

"تو پھر ٹھیک ہے جس طرح تم چاہو، آغاز کرو۔"

"مناسب...... انتظار کرو۔" شہاب نے کہا اور اس کے بعد وہ ٹرانسمیٹر پر توصیف اور سردار علی کو کال کرنے لگا، کچھ لمحوں کے بعد ان سے رابطہ قائم ہو گیا تو شہاب نے کہا۔

"توصیف...... سردار علی تم دونوں حویلی پہنچ جاؤ...... حویلی کے بڑے گیٹ کے سامنے انتظار کرو۔"

"جی شہاب صاحب۔" توصیف نے جواب دیا۔

"ہیلو بیٹا۔"

"ہاں، کہاں ہو تم...... کیسی عجیب بات ہے مجھے پریشانی ہو رہی ہے۔"

"بیٹا تیار ہو کر باہر نکل آؤ ہمیں کچھ کام کرنے ہیں، بلکہ یہ کرو کہ حویلی کے عقبی حصے میں آسیب زدہ حویلی کے گیٹ پر پہنچ جاؤ...... میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"

"آسیب زدہ حویلی کے گیٹ پر۔"

"آجاؤ۔" اس دوران ارمان شاہ بے ہوش پڑے ہوئے ریحان کے قریب بیٹھ کر اسے ٹٹولتا رہا تھا...... ریحان کی پنڈلی سوجتی چلی جارہی تھی اور سوجھ کر کپا ہو گئی تھی اور ویسے بھی

شہاب نے اس کی اتنی مرمت کی تھی کہ جگہ جگہ اس کے نشانات واضح تھے اور اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کتنا زخمی ہے...... بہر حال یہ ساری باتیں اپنی جگہ، شہاب نے ان کاموں سے فارغ ہونے کے بعد اس سے کہا۔

”ارمان شاہ میرے ساتھ چلو اور لینڈ روور لے کر یہاں پر آجاؤ۔“

”چلو۔“ ارمان شاہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا، اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ اب وہ اوقات میں آچکا ہے اور ساری صورت حال مناسب ہے...... شہاب کے ذہن میں البتہ کھچڑی پک رہی تھی...... یہ ساری باتیں کر تو ڈالی تھیں اس نے لیکن ابھی تک کوئی جامع منصوبہ اس کے ذہن میں نہیں تھا، ابھی تو اسے یہ دیکھنا تھا کہ آگے کی صورت حال کیا ہوتی ہے...... فی الحال اس کو بچانا بھی ضروری تھا ویسے تو واقعی کوئی ایسی ضرب نہیں تھی جو اس کی جان لے لیتی لیکن پھر بھی تکلیف کی شدت سے وہ موت کا شکار ہو سکتا تھا اور پھر اسے قبضے میں کرنا ضروری تھا۔ دن کی روشنی میں ممکن ہے ارمان شاہ پھر ایک بار راستے سے بھٹک جائے اور شہاب کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے، اس لئے جو کچھ بھی کرنا تھا فوری طور پر کرنا بے حد ضروری تھا اور شہاب اس کے لئے تمام انتظامات کر لینا چاہتا تھا، چنانچہ وہ ارمان شاہ کے ساتھ باہر آیا، وہ پوری طرح مستعد اور ہوشیار تھا، یہاں ظاہر ہے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا، لیکن ارمان شاہ غالباً اوقات ہی میں آگیا تھا اس نے یہ دیکھ لیا تھا کہ وہ بری طرح جال میں گرفتار ہو چکا ہے...... شہاب نے خاص طور پر ٹرانسمیٹر استعمال کر کے اسے اور مشکل میں ڈال دیا تھا اور اب اگر وہ کوئی کوشش کرنا بھی چاہتا تو وہ اس کے لئے ممکن نہ ہوتی اور پھر سارے کام شہاب کی مرضی کے مطابق کئے گئے...... بینا کو شہاب نے راستے ہی میں خوش آمدید کہا تھا، بینا نے کوئی سوال نہیں کیا...... ارمان شاہ اور شہاب کو دیکھ کر وہ کچھ عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گئی تھی اور اس کے بعد ارمان شاہ نے ایک لینڈ روور کا فیول وغیرہ چیک کیا، ٹنکی بھری ہوئی تھی اور اس کے ذریعے طویل سفر کیا جا سکتا تھا، چنانچہ شہاب نے لینڈ روور کو آسیب زدہ حویلی کے بڑے گیٹ کے سامنے روکا، پھر بڑی محنت کے ساتھ اس نو من وزنی لاش کو باہر لایا گیا...... کم بخت پاگل تھا سب کچھ تھا لیکن بڑا وزنی اور بڑی جاندار شخصیت کا مالک تھا...... شہاب کو اس سے مقابلہ کرتے ہوئے دانتوں پسینہ آگیا تھا اور یہی کیفیت اس کو باہر لانے میں ہوئی تھی...... ارمان شاہ چونکہ ساتھ تھا اور اس نے یہاں موجود لوگوں کو شہاب کی ہدایت

کے مطابق وہاں سے ہٹا دیا تھا تاکہ صحیح صورت حال کا کسی کو بھی علم نہ ہو سکے، البتہ شہاب نے ارمان شاہ سے یہ ضرور کہہ دیا تھا کہ ارمان شاہ اگر چاہے تو کسی کو یہ بتا کر جا سکتا ہے کہ وہ بہت ضروری کام سے جا رہا ہے لیکن ارمان شاہ نے اس سے انکار کر دیا تھا...... پھر لینڈ روور حویلی کے بڑے گیٹ سے ہی باہر نکلی تھی اور باہر توصیف اور سردار علی مل گئے تھے، ڈرائیونگ شہاب کر رہا تھا لیکن اس کے بعد اس نے ڈرائیونگ توصیف کے حوالے کر دی...... اور وہ لوگ شہر کی جانب چل پڑے...... ارمان شاہ ساتھ موجود تھا...... بینا اور بقیہ افراد حیران نگاہوں سے اس دیو قامت کو دیکھ رہے تھے جو بے ہوش پڑا ہوا تھا...... اس کے علاوہ انہوں نے ارمان شاہ کو بھی دیکھا تھا جو بھیگی بلی بنا ہوا تھا، لیکن کوئی صورت حال واضح نہیں تھی...... بہر حال لینڈ روور شہاب کی ہدایت کے مطابق برق رفتاری سے سفر کرنے لگی۔

❀ ❀ ❀

بینا کے ذہن میں بہت سے خیالات آ رہے تھے۔ موجودہ صورت حال سے اندازہ ہو رہا تھا کہ شہاب نے آخر کار یہ معرکہ بھی سر کر لیا ہے، لیکن واقعات بے حد عجیب تھے۔ اچانک شہاب کی آواز اُبھری۔

"سردار علی...... تم یوں کرو کہ اس کے ہاتھ پشت پر کس کر باندھ لو، کوئی چیز تلاش کرو جس سے یہ کام کیا جاسکے۔"

"کک کیوں۔" وہ تو...... وہ تو بے ہوش ہے، ارمان شاہ جلدی سے بولا...... شہاب ارمان شاہ کی اس کیفیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا، اس نے نرم لہجے میں کہا۔

"اس کا دماغی توازن درست نہیں ہے ارمان شاہ...... ہوش میں آنے کے بعد وہ کوئی بھی کارروائی کر سکتا ہے، ہماری گاڑی حادثے کا شکار ہو سکتی ہے، اس لئے براہ کرم اس سلسلے میں جذباتی نہ ہوں۔"

ارمان شاہ خاموش ہو گیا تھا، سردار علی، شہاب کی ہدایت کے مطابق کام میں مصروف ہو گیا تھا۔ توصیف، سردار کسی کو نہیں معلوم تھا کہ اصل مسئلہ کیا ہے، بہر حال انہیں بھی اس بات پر مکمل اعتماد تھا کہ اس گروپ میں شہاب کی شمولیت کے بعد صورت حال تبدیل ہو گئی ہے اور شہاب کی کوئی بھی ہدایت شہنشاہ کی مرضی سے مختلف نہیں ہوتی، اس کا بارہا تجربہ ہو چکا تھا، چنانچہ وہ دونوں مطمئن تھے، ارمان شاہ کے چہرے سے جس کیفیت کا اظہار ہو رہا تھا اس پر بھی شہاب کو افسوس تھا لیکن یہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا وہ کہ اس شخص نے اپنے باپ سے جو وعدہ کیا ہے اسے نبھاتے ہوئے یہ خود ایک مجرم بن گیا ہے، کیا اسے رعایت دی جاسکتی ہے؟ بہر حال خاصہ اُلجھا ہوا معاملہ تھا اور اس بارے میں شہاب کو خاصی ذہنی ورزش

کرنی پڑ سکتی تھی۔

بینا بھی محسوس کر رہی تھی کہ شہاب ذہنی طور پر بری طرح اُلجھا ہوا ہے، وہ خاموش تھی، شہاب کو سوچنے کا موقع دینا چاہتی تھی...... ادھر ارمان شاہ بالکل خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ شہاب سوچ رہا تھا کہ اس شخص نے کس طرح اپنی زندگی صرف ایک وعدہ نبھانے کے لئے تباہ کر دی ہے اور سب کچھ موجود ہونے کے باوجود اپنی خوشیاں ایک بیمار شخص کے لئے ختم کر دی ہیں، بہر حال یہ انسانی سوچ تھی اور انسانیت کے رشتے سے شہاب کو ارمان شاہ کی اپنی حد کے مطابق مدد بھی کرنی تھی۔

شہر میں داخل ہونے کے بعد شہاب نے سیدھے پولیس ہسپتال کا رخ کیا تھا اور ارمان شاہ ایک لمحے کے لئے اُلجھ گیا تھا اس نے شہاب سے کہا۔

"مسٹر شہاب، اگر مناسب ہو تو اسے کسی اعلیٰ درجے کے پرائیویٹ ہسپتال لے چلیں۔ جو کچھ ہو گا وہ بعد میں ہو جائے گا...... آپ کو اندازہ ہے کہ میں مکمل طور سے آپ سے تعاون کر رہا ہوں اور اب کہیں بھی آپ سے انحراف نہیں کروں گا، لیکن میں چاہتا ہوں کہ۔"

"آپ کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا ارمان شاہ صاحب، یہ ایک قاتل ہے اور قاتل کے ساتھ کسی قسم کی کوئی رعایت نہیں کی جاسکتی...... ویسے آپ فکر نہ کریں، پولیس ہسپتال میں بھی اس کی وہی دیکھ بھال ہو گی جو کسی اعلیٰ درجے کے ہسپتال میں ہو سکتی ہے...... آپ یہاں بھی اپنی دولت کا مظاہرہ کر کے انسانوں میں تفریق نہ کریں، آخر آپ جیسے لوگ کب تک غریب لوگوں کو انسان نہیں سمجھیں گے...... ایک دن آپ کو یہ احساس کرنا ہی پڑے گا کہ اللہ کا بنایا ہوا قانون بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور تمام انسان یکساں ہیں، بس اس بدبخت مخلوق کا انداز فکر بدل جاتا ہے، ورنہ ذمہ داری تو ہر شخص پر یکساں عائد ہوتی ہے۔"

ارمان شاہ کی گردن جھک گئی تھی، پولیس ہسپتال میں شہاب نے اپنی حیثیت سے کام لے کر وہی کیا تھا جس کا اس نے وعدہ کیا تھا، یعنی سب سے پہلے اس نے ریحان کو ڈاکٹروں کی تحویل میں دیا تھا اور تمام ڈاکٹروں نے آفیسر آن سپیشل ڈیوٹی شہاب ثاقب کے احکامات کی تعمیل کی تھی، ارمان شاہ کو اس سلسلے میں شریک رکھا گیا تھا، شہاب نے بینا کو گھر واپس بھیج دیا تھا، توصیف اور سردار علی ساتھ تھے، تاکہ ضرورت کے مطابق کام کیا جاسکے، چنانچہ پہلے ریحان کے پاؤں کو پلاسٹر کیا گیا اور اسے ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا جہاں اسے تمام تر سہولتیں

مہیا کر دی گئی تھیں، البتہ یہ بات واضح کر دی گئی تھی کہ وہ خطرناک قسم کا دماغی مریض ہے
اور اسے اس کی حیثیت میں رکھنا ہے، اس کے علاوہ وہ ایک قاتل بھی ہے اور پولیس کو اس کی
نگرانی کرنی ہے، چنانچہ کمرے پر سخت پہرہ لگا دیا گیا اور ڈاکٹروں نے اس قسم کے انتظامات
کر لئے کہ ہوش میں آنے کے بعد اگر وہ کسی قسم کی ہنگامہ آرائی کرے تو مکمل طور سے قابو
میں رہے، ارمان شاہ سارے معاملات میں شہاب کے ساتھ رہا تھا، پھر ان کاموں سے فارغ
ہونے کے بعد شہاب نے ارمان شاہ سے کہا۔

"آپ کو کچھ وقت ہمارے پاس قیام کرنا ہوگا، شاہ صاحب، اس سلسلے میں باقی کارروائی
کے لئے مجھے کچھ وقت درکار ہوگا۔"

"کیا مجھے یہاں اس کے پاس نہیں چھوڑا جا سکتا۔"

ارمان شاہ نے درد بھری آواز میں کہا۔

"نہیں۔" قانون قانون ہے اور میں ایسا کوئی بھی کام نہیں کر سکتا، جس کی قانونی نفی
ہوتی ہو، البتہ آپ کو یہ احساس ضرور ہوگا کہ آپ نے ایک قاتل کو پوشیدہ رکھا ہے اور بہت
سے افراد کو زندگیوں کی خوشیوں سے محروم کر کے مصیبتوں میں گرفتار کیا ہے، اس لئے
آپ اس جرم میں برابر کے شریک ہیں...... اصولی طور پر مجھے آپ کو فوری طور پر پولیس کی
تحویل میں دے دینا چاہئے، لیکن اپنے آپ کو ایک پولیس آفیسر سمجھتے ہوئے میں آپ کو
عزت کے ساتھ قیام کے لئے وقت دے سکتا ہوں، کیونکہ خود بھی آپ کی رہائش گاہ پر
میری عزت افزائی کی گئی ہے۔"

"ارے چھوڑو بھائی، ان فضول باتوں کو رہنے دو جو کرنا چاہتے ہو کرو، بات ہی ختم
ہو گئی...... میں نے جس حد تک اپنا فرض نبھایا وہ ہی کافی ہے، اب تو مجبوری ہے، وہی ہوگا جو
قانون چاہے گا، میں نے جو کچھ کیا ہے اس میں جہاں جہاں قانون کی خلاف ورزی ہوتی ہے،
میں اس کے لئے سزا ہی بھگتوں گا اور کیا کہہ سکتا ہوں۔"

بہر حال شہاب ارمان شاہ کو لے کر کریم سوسائٹی پہنچ گیا، جوہر خان کے ساتھ ساتھ
توصیف اور سردار علی کو بھی یہ ہدایت کر دی گئی کہ ارمان شاہ کی نگرانی پر موجود رہیں اور
کوشش کریں کہ ارمان شاہ ایسا کوئی عمل نہ کرنے پائے جو کسی بھی طرح پریشانیوں کا باعث
بنے، چونکہ بہر حال اس کیس میں اس کی ضرورت ہے...... اس کے بعد شہاب نے کریم

سوسائٹی ہی سے بینا کو فون کیا اور بینا نے فون ریسیو کیا۔

"ہاں بینا...... کیا ہو رہا ہے۔"

"کچھ نہیں، تم بتاؤ کوئی ہدایت میرے لئے۔"

"نہیں، آرام کرو اور ساری تھکن دور کر لو...... میں تو اس سلسلے میں مصروف ہو گیا
ہوں، نادر حیات صاحب سے ملاقات کرنے جا رہا ہوں، اگر کوئی خصوصی ضرورت پیش
آئے تو مجھے بتا دینا۔"

"ٹھیک ہے۔" اور اس کے بعد شہاب نادر حیات صاحب کی جانب چل پڑا تھا، نادر
حیات صاحب کو ان کے آفس ہی میں موجود پایا گیا اور جب شہاب ان کے سامنے پہنچا تو ہمیشہ
کی طرح نادر حیات صاحب نے اس وقت بھی شہاب کو خوش آمدید کہا تھا۔

"اب مجھے اتنا بھی بے خبر نہ سمجھو کہ تمہاری مصروفیات سے میں بالکل ہی لاعلم ہوں،
سوچو گے کہ شاید میں تمہاری ٹوہ میں رہتا ہوں اور تمہارے بارے میں معلومات حاصل کراتا
رہتا ہوں، ایسی بات نہیں ہے، اب خود بخود ہی کچھ معلومات مجھ تک پہنچ جائیں تو اس میں
بھلا میرا کیا قصور۔"

"یقیناً جناب، واقعی، اس میں آپ کا کیا قصور۔"

شہاب نے ہنستے ہوئے کہا۔

"سناؤ کیا صورت حال ہے اور جو کچھ کر رہے ہو اس میں کہاں تک کامیابی حاصل
ہوئی ہے۔"

"جب آپ کے علم میں تمام تفصیلات ہیں، نادر حیات صاحب تو یہ آپ کو ضرور
معلوم ہوگا کہ میں شاکر پر کام کر رہا ہوں۔"

"ہاں یقین کرو بلاوجہ اپنی ہمہ دانی کا مظاہرہ نہیں کر رہا بلکہ واقعی مجھے یہ بات معلوم ہے
کہ تم شاکر کے کیس میں مکمل طور پر دلچسپی لے رہے ہو اور انہی پر کام کرنے کے لئے غالباً
رحمان گڑھی گئے تھے۔"

"آپ کو میں نے مختصر تفصیلات بتائی تھیں۔"

"بالکل۔"

"لیکن کچھ تفصیلات ایسی ہیں جو ابھی آپ تک نہیں پہنچی ہیں۔"

"بھئی شاکر کے سلسلے میں تم نے مجھ سے جو کچھ کہا تھا میں نے اس کی مکمل پابندی کی ہے، شاکر کے بارے میں کوئی نیوز اخبار میں نہیں آسکی اور مجھے علم ہے کہ وہ تمہاری تحویل میں ہے۔"

"جی......جی بالکل، اس کا مطلب ہے کہ آپ اس طرف متوجہ ہیں۔"

"ہاں کیوں نہیں...... بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں شہاب جو بنیادی طور پر اہم نوعیت کے حامل ہوتے ہیں اور ان کا پورا پورا خیال رکھنا پڑتا ہے۔"

"یہ بات ثابت کر کے آگیا ہوں جناب کہ شاکر مجرم نہیں ہے۔" شہاب نے کہا اور نادر حیات صاحب پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگے، پھر بولے۔

"مجھے اندازہ تھا، تم جب کسی کام کے پیچھے اس طرح لگ جاتے ہو، تو اس کا کوئی نہ کوئی پس منظر ضرور ہوتا ہے۔"

"وہی تمام باتیں، کہیں کسی شکل میں اور کہیں کسی شکل میں ظہور میں آتی رہتی ہیں۔"

"مطلب؟" نادر حیات صاحب نے پوچھا اور اس کے بعد شروع سے شہاب، نادر حیات کو اس سلسلے میں تفصیلات بتانے لگا۔ نادر حیات صاحب حیرت اور دلچسپی سے یہ تمام باتیں سن رہے تھے۔

"کبھی کبھی انسان فرشتہ بننے کی کوشش کرتا ہے لیکن خود اسے اپنے آپ پر ہنسی آتی ہوگی، انسان اور فرشتوں میں اللہ تعالیٰ نے نمایاں فرق رکھا ہے اور بہر حال فرشتے آسمان پر رہتے ہیں اور انسان شاید ہی ان کی پیروی کر سکتا ہو، اللہ تعالیٰ نے جو تفریق کی ہے اسے بھلا تبدیل کیسے کیا جاسکتا ہے۔"

"بے شک اس میں بھلا شک کی کیا گنجائش ہے۔"

نادر حیات صاحب نے پر خلوص انداز میں کہا۔

"اور یہی کوشش اس شخص نے کی تھی، جس کا نام ارمان شاہ ہے، اس کوشش میں وہ حدود سے بہت آگے بڑھ گیا تھا اور بہر حال یہ جائز نہ تھا۔"

شہاب ایک ایک لفظ نادر حیات صاحب کو بتا تا رہا اور پھر بولا۔

"اب صورت حال یہ ہے کہ وہ پولیس ہسپتال میں ہے، زخمی حالت میں ہے، ویسے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ ذہنی مریض ہے اور اسی ذہنی جنون کے عالم میں اس نے ان

دونوں عورتوں کو قتل کیا لیکن الزام بے چارے شاکر پر لگایا گیا۔"

نادر حیات صاحب اس پوری تفصیل کو سننے کے بعد گہری سوچ میں ڈوب گئے تھے، پھر انہوں نے گردن ہلا کر کہا۔

"نہیں، ارمان شاہ اپنے آپ کو فرشتہ بنانے کی کوشش میں شیطانی عمل کرتا رہا ہے، اپنے طور پر اگر وہ اپنے آپ کو بے گناہ اور معصوم سمجھتا ہے تو کم از کم قانون کی نگاہ میں ایسا نہیں ہے، اس کے باپ نے اسے اپنی ناجائز اولاد چھپانے کی ہدایت دی تھی، لیکن گناہ گار تو گناہ گار ہی ہوتا ہے اور پھر باقی سب کچھ جہنم میں جائے، اس دیوانے شخص نے دو معصوم اور بے گناہ عورتوں کو بے حرمتی کر کے ہلاک کر دیا، اگر وہ پاگل ہے تو ارمان شاہ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ وہ اسے اپنی حویلی میں رکھنے کے بجائے پاگل خانے میں رکھتا، تاکہ وہ کسی کو نقصان نہ پہنچا سکتا، اس نے اپنے باپ کی ہدایت پر جرم کیا، وہ مکمل طور پر مجرم ہے، اسے فوری طور پر قانون کی تحویل میں دو، اس کے ساتھ کوئی رحم، کوئی انصاف نہیں ہو سکتا، باقی رہا جہاں تک معاملہ شاکر کا تو ہم اسے اس کی بیوی اور بھاوج واپس نہیں کر سکتے، لیکن اسے ہر طرح کی مراعات دینا ہوں گی اور باعزت طریقے سے اسے عدالت سے رہا کرایا جائے گا، فرزندہ کا معاملہ جہاں تک ہے تو بہر حال وہ بے گناہ انسان ہے، ارمان شاہ کو اسے ہرجانہ دینا ہوگا، عدالت بے شک جو بھی فیصلے کرے لیکن کم از کم ہماری سفارشات یہی ہوں گی۔"

"تو پھر...... ارمان شاہ کو بھی پولیس کی تحویل میں دے دیا جائے۔"

"سو فیصدی۔"

"اگر آپ مناسب سمجھیں تو شاکر سے ملاقات کر لی جائے۔"

"یہی الفاظ میں تم سے کہنا چاہتا تھا۔" نادر حیات صاحب نے کہا، پھر بولے۔

"کیا خیال ہے، تمہاری تحویل میں ہے وہ، کہاں ملو گے اس سے۔"

"آپ جیسا حکم دیں...... اسے یہاں بھی بلایا جاسکتا ہے۔"

"میرے خیال میں اسے پولیس ہیڈ کوارٹر ہی بلوالو، کیونکہ ہم اسے جو مشورہ دیں گے، وہ ذرا مختلف ہوگا۔"

"لیکن...... اچھا خیر ٹھیک ہے، کوئی حرج نہیں ہے اس کا معاملہ تو بالکل اب مختلف ہوگا۔"

"ہاں اور ارمان شاہ کہاں ہے؟"

"وہ بھی میری تحویل میں ہے۔"

"میرا خیال ہے اسے باقاعدہ پولیس کی تحویل میں لے لو۔"

"بہتر۔" پھر اس کے بعد نادر حیات صاحب کی ہدایت کے مطابق شہاب کارروائیاں کرنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد ارمان شاہ کو اور دوسری جانب سے شاکر خان کو پولیس ہیڈ کوارٹر میں بلوالیا گیا، ان دونوں کو نادر حیات صاحب کے سامنے پیش کیا گیا تھا، شاکر خان نے ارمان شاہ کو دیکھ کر نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

"شاہ جی آپ کا نمک خوار آپ کو سلام بھی نہیں کرے گا، سلامتی کی دعا اس کے لئے کی جاتی ہے جو دوست ہو، دشمن کی سلامتی کی دعائیں نہیں مانگی جاتیں، شاہ جی آپ میری نگاہ میں فرشتوں کی جگہ تھے، لیکن آپ نے شیطانوں سے بھی بدتر کردار ادا کیا، شاہ جی تقدیر کی بات ہے، دل میں تو یہ تھا کہ آپ کے بدن کی بوٹی بوٹی کاٹوں گا مگر کچھ بھی نہ کر سکا، لیکن ایک بات یاد رکھنا، دنیا کی عدالت تو چند روزہ ہے...... بڑی عدالت میں جھوٹ بول کر دکھانا شاہ جی اس وقت تمہاری یہ فقیری اور درویشی چل جائے تب میں مانوں۔" ارمان شاہ کی گردن جھک گئی تھی...... شاکر نے ایک بار پھر نادر حیات اور شہاب کی جانب دیکھا اور بولا۔

"سرکاری آدمی ہو، ٹھیک ہے تمہاری تو روزی ہوتی ہے، روزی کمانے کے لئے تم بھی یہ وردی اپنے بدن پر سجاتے ہو، لیکن کوئی ایسا آلہ ایجاد کرو جس سے تم سچ اور جھوٹ کی پرکھ کر سکو، مجھے سزا دے دی تم نے، کیا سے کیا بنا دیا، ارے میں تو بہت شریف آدمی ہوں...... میں بھلا کسی کو کیا نقصان پہنچا سکتا ہوں، مجھ سے تو اس وکیل کو بھی نہیں مارا جا سکا، جس نے مجھ بے گناہ کو سزا دلادی تھی، جج صاحب جو کرسی پر بیٹھے تھے انصاف کی کرسی پر بیٹھے تھے، انہوں نے انصاف یہ کیا کہ مجھے جیل میں پہنچا دیا...... پتا نہیں پھانسی کیوں نہیں دی اور ارمان شاہ جی، فرشتے اس دنیا کے فرشتے تم نے میرے خلاف گواہی دی، لیکن ایک بات میں جانتا ہوں...... زمین کی عدالت میں جو کچھ ہو گیا وہ اپنی جگہ ہے، مجھے یقین ہے، میرا ایمان ہے کہ آسمان کی عدالت میں میرے ساتھ ناانصافی نہیں ہو گی، کر لو جو تمہارا دل چاہے کر لو، ہاں افسر صاحب اب کیا حکم ہے میرے لئے...... میں کسی سے انتقام نہیں لے سکتا، گردن

کٹوانی ہے میری، ایک کام کر دو، زندہ رکھ کر کیوں مار رہے ہو، پھانسی کی سزا کیوں نہیں دے دیتے مجھے...... میری ہاتھ جوڑ کر تم سے درخواست ہے کہ مجھے پھانسی کی سزا دے دو، دنیا بہت بری لگ رہی ہے مجھے، دنیا بہت بری لگنے لگی ہے، میں جانتا ہوں، میں کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا لیکن ایک کام تو کم از کم کر دو، وہ یہ کہ مجھے حرام موت مرنے سے بچاؤ، کئی بار دل چاہا ہے کہ اپنے آپ کو خود موت کی سزا دے دوں، لیکن خودکشی بھی تو حرام ہے، ارے میں نے کوئی گناہ نہیں کیا تو یہ گناہ مجھ سے کیوں کرا رہے ہو، تم لوگ...... مجھے پھانسی کی سزا چاہئے، پھانسی دے دو مجھے، کس کا واسطہ دوں تمہیں، خدا کا واسطہ تو دے نہیں سکتا، اس لئے کہ خدا کو ماننے تم لوگ تو میرے ساتھ انصاف کرتے۔" کیا کہو، بولو کیا کہوں۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

شہاب کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے، نادر حیات صاحب بھی سکتے کے عالم میں اسے دیکھ رہے تھے اور ارمان شاہ پتھرا کر رہ گیا تھا، شاکر زار و قطار رونے لگا تھا۔

کسی کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلی تھی۔ شاکر نے روتے ہوئے کہا۔ "میں نے نہیں مارا فریدی کو...... میں نے نہیں مارا فرزانہ کو...... میری بھابھی تو فرشتہ تھی، ماں کی جگہ تھی وہ میرے لئے اور...... خدا تمہیں غارت کرے، خدا تمہیں فنا کر دے...... تم نے ان کے کردار پر داغ لگایا ہے۔ اگر...... کوئی ان پر میلی نگاہ ڈالتا تو وہ خود جان دے دیتیں...... کیا کیا نہیں کیا تم نے شاہ جی ہمارے ساتھ...... کیا بگاڑا تھا ہم نے تمہارا۔"

"ایک بات بتاؤ شاکر۔" نادر حیات صاحب نے خود کو سنبھال کر کہا...... شاکر اپنے آنسو پونچھنے لگا تھا...... نادر صاحب بولے۔ "تمہیں فرزند پر شک ہے۔ وہ یہ سب کر سکتا تھا۔"

"خدا کو جان دینی ہے صاحب...... دنیا میں اچھے برے سبھی ہوتے ہیں، مگر وہ ایسا نہیں تھا...... ماں، بہن والا تھا وہ بھی...... ہمیں آج بھی یقین نہیں آتا کہ وہ ایسا کر سکتا ہے۔"

"اس نے ایسا نہیں کیا شاکر...... تم ٹھیک کہتے ہو۔"

ارمان شاہ نے کہا۔

"ارے چھوڑو شاہ جی...... عدالت میں کیا کہا تھا تم نے۔"

"جھوٹ بولا تھا شاکر خان۔"

"کون تھا ہمارے گھر کو اجاڑنے والا...... بولو کون تھا وہ؟" شاکر نے کہا اور ارمان شاہ کی گردن جھک گئی۔

"کون تھا وہ؟" شاکر غرا کر بولا۔

"وہ جو کوئی بھی تھا شاکر...... پتا چل جائے گا لیکن تم یہ بتاؤ وہ بچی کہاں ہے...... کیا تم نے اسے مار دیا۔"

"بھائی کی نشانی تھی وہ ہمارے ہمیں کیا معلوم ہم گرفتار ہوئے تو اسے پولیس نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا...... سب سے پوچھا مگر کسی نے ہمیں آج تک اس کے بارے میں نہیں بتایا۔"

"وہ فرزندہ کے پاس ہے جناب۔" ارمان شاہ نے آہستہ سے کہا اور شہاب اور نادر حیات چونک کر ارمان شاہ کو دیکھنے لگے...... ارمان شاہ نے پھر مدہم لہجے میں کہا۔

"ہاں اور میں جانتا ہوں فرزندہ کہاں رہتا ہے...... میری ہدایت پر جب شاکر خان گرفتار ہوا اور بچی پولیس نے اپنی تحویل میں لے لی تو میری ہدایت کہیں یا درخواست کہیں یا پھر کچھ لوگوں کا تعاون کہ بچی کو میرے حوالے کر دیا گیا۔ فرزندہ کو کیونکہ روپوش ہونا تھا اس لئے میں نے اسی سے کہا کہ وہ بچی کو اپنی تحویل میں لے لے اس کے اخراجات میں ادا کروں گا اور بچی اور فرزندہ بالکل خیریت سے ہیں اور بچی آرام سے پل رہی ہے۔"

"کیا بکواس ہے یہ، کیا بکواس کر رہے ہو تم ارمان شاہ، مجھے بتاؤ، خدا کے لئے مجھے بتاؤ یہ کون سا نیا ڈرامہ ہو رہا ہے...... ارے میں تم میں سے کسی کا کیا بگاڑ سکوں گا، یہ بات تو تم بھی اچھی طرح جانتے ہو، اللہ کے نام پر، انسانیت کے نام پر اگر مجھے صورت حال کے بارے میں کچھ بتا دو تو میں تو تمہارا احسان ہی مانوں گا...... میں تم میں سے کسی کا کیا بگاڑ سکتا ہوں...... یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتے ہو...... بتاؤ تمہیں خدا کا واسطہ، کچھ تو بتا دو مجھے۔"

"اگر تم بہت سی باتیں جاننے کے خواہشمند ہو شاکر خان تو میں تمہیں مختصر تفصیل بتاتا ہوں، یوں سمجھ لو کہ تمہاری بیوی اور بھابھی کا اصل قاتل گرفتار ہو گیا ہے اور وہ قاتل فرزندہ نہیں تھا کوئی اور تھا...... اب وہ پولیس کی تحویل میں ہے تم اس الزام سے بری ہو چکے ہو۔"

"کون ہے ان دونوں کا قاتل، مجھے بتا دو، بتا دو مجھے۔"

"شاکر خان کوئی دیوانگی کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ابھی تم پولیس کی تحویل میں ہو...... تمہیں عدالت میں پیش کیا جائے گا۔"

"مجھے قاتل کا نام تو بتا دو، میری دنیا تو اُجڑ ہی چکی ہے، کیا رکھا ہے میری اس دُنیا میں۔"

"ان دونوں کی موت کے بعد جب تم پر قتل کا الزام لگایا گیا تھا، شاکر خان تو تم اس بچی کو لے کر فرار ہو گئے تھے، وہ بچی اب بھی تمہاری ذمہ داری ہے...... یہ نیا انکشاف بڑا خوشگوار ہے کہ وہ فرزندہ کے پاس پل رہی ہے...... فرزندہ نے وہ سب کچھ نہیں کیا تھا تمہاری بات بالکل درست ہے...... وہ اچھا انسان تھا تمہاری بیوی اور بھاوج کو وہ یقینی طور پر اپنی بہن اور بھابھی ہی سمجھتا ہوں کیونکہ تم جیسے نیک لوگ سچ مچ عزت دار ہوتے ہیں اور عزت دار ہمیشہ دوسرے کی عزت کا خیال رکھتا ہے...... میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں، قاتل پر مقدمہ چلے گا، اسے سزا ملے گی لیکن تم اپنی ذمہ داری محسوس کرو...... میری ہدایت ہے کہ کسی دیوانگی کا شکار نہ ہونا اور صبر و تحمل سے کام لینا۔"

"لیکن قاتل کون ہے؟" شاہ جی تو ایسے نہیں ہو سکتے ساری باتیں اپنی جگہ...... کیا شاہ جی کے اندر کوئی شیطان چھپا بیٹھا ہے۔

"نہیں...... شاہ جی مجرم ہیں لیکن اصل مجرم وہ نہیں، تمہیں عدالت ہی میں پتا چل جائے گا اور اس کے لئے تمہیں تھوڑا سا انتظار کرنا ہوگا...... دیکھو، شاکر خان جو تم سے جدا ہو گیا ہم اس کے لئے تمہارے غم میں برابر کے شریک ہیں لیکن ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہمارے دل کو ایک اور زخم لگے، تم کوئی جذباتی قدم اٹھا کر کوئی گناہ کر بیٹھو اور اس گناہ کی سزا تمہیں ملے...... وہ معصوم بچی ایک بار پھر تنہا رہ جائے گی۔" شاکر خان پھر رونے لگا تھا......

بہرحال شاکر خان کو اس وقت نہیں بتایا گیا۔ ہاں، اسے پولیس نے اپنی تحویل ہی میں رکھا تھا...... نادر حیات صاحب نے شہاب سے کہا۔

"ہاں...... شہاب بھئی اب بتاؤ اس سلسلے میں کیا کرنا ہے...... میں تو واقعی بہت اُلجھ گیا ہوں، ایک عجیب سی ذہنی کیفیت ہو گئی ہے میری۔"

"شاکر خان کو عدنان واسطی صاحب کے ذریعے عدالت میں پیش کیا جائے گا، پورا کیس عدنان واسطی بنائیں گے اور اس کا مدعی تلاش کرنا پڑے گا۔"

"فرزندہ، میرے ذہن میں فرزندہ کا نام آتا ہے۔" نادر حیات صاحب نے کہا۔

"بالکل مناسب۔"

ارمان شاہ کا سب سے رابطہ ختم تھا اس کے بارے میں کسی کو کوئی اطلاع نہیں دی گئی تھی۔ ارمان شاہ کو بھی انتہائی خفیہ سیل میں رکھا گیا تھا، اس سے فرزندہ کا پتا معلوم کیا گیا اور

اس کے بعد فرزندہ کو بھی برآمد کرلیا گیا، بچی اس کے پاس موجود تھی، پھر فرزندہ کی طرف سے درخواست بنائی گئی جس میں تمام تفصیلات لکھی گئیں اور اس سلسلے میں پولیس کی تحقیقاتی رپورٹ اور پھر یہ تمام چیزیں عدالت عالیہ میں پیش کردی گئیں...... پہلی ہی پیشی پر عدالت نے شاکر خان کو بری کردیا اور ارمان شاہ کو اپنے پاگل بھائی کے ساتھ اس جرم میں برابر کا شریک قرار دیا اور ان دونوں کو پولیس کی تحویل میں لے کر نئے سرے سے مقدمے کا آغاز کرایا گیا...... بہرحال اس کے بعد نادر حیات صاحب نے شہاب سے پوچھا۔

”ہاں بھئی، اب یہ بتاؤ اس سے آگے ہمیں کیا کرنا ہے؟“

”اصل مجرم قانون کی تحویل میں پہنچ گئے ہیں، جہاں تک ارمان شاہ کا تعلق ہے تو آپ یقین کیجئے میں اس کے سلسلے میں سخت الجھا ہوا ہوں اور اس اُلجھن کا ایک ہی حل ہے میرے پاس، بذات خود میں اس کیس میں کوئی دلچسپی نہیں لوں گا بلکہ عدنان واسطی صاحب کی طرف سے بھی یہ کیس کسی اور وکیل کے سپرد کردیا جائے گا۔ چونکہ وہ مجھ سے ہی مدد مانگیں گے۔ بہرحال قانون ان دونوں مجرموں کے بارے میں جو بھی فیصلہ کرے اب یہ قانون کا کام ہے۔“ نادر حیات صاحب گردن ہلا کر خاموش ہوگئے تھے، اس کے بعد آخری کام سرانجام دینا باقی رہ جاتا تھا...... فرزندہ اور شاکر خان مل بیٹھے تھے اور ابھی شہاب ہی کی تحویل میں تھے۔ شہاب نے فرزندہ سے کہا۔

”فرزندہ تمہاری بہن اور بیوی سے میری ملاقات ہوچکی ہے، تمہاری ماں کی دماغی حالت تک خراب ہوگئی ہے۔ میں ان سے وعدہ کرکے آیا تھا کہ میں تمہیں لے کر ان کے پاس پہنچوں گا...... قدرت نے مجھے میرے وعدے کی تکمیل کا موقعہ دیا ہے تو میں تمہیں اپنے ساتھ رحمان گڑھی لے جانا چاہتا ہوں۔“

”صاب جہاں اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر شیطان کو طاقت بخشی ہے وہیں اس کی طاقت کو فنا کرنے کے لئے انسان کو بھی تخلیق کیا ہے...... صاحب اللہ آپ کو اس کا صلہ دے گا۔“

”ٹھیک ہے فرزندہ اگر تم چاہو تو میرے بھائی کی یہ امانت میرے سپرد کردو۔“

”ایک بات کہوں بھائی شاکر خان اللہ نے تمہیں عزت سے نوازا ہے۔ آؤ، رحمان گڑھی چلتے ہیں اگر تم اپنے بھائی کی اس امانت کو مجھ سے لینا چاہتے ہو تو یہ تو ہے ہی تمہاری ملکیت، لیکن یقین کرو مجھے بھی اس سے اتنی ہی محبت ہوگئی ہے جتنی تمہیں اس سے ہوگی۔

ان تھوڑے سے دنوں میں میں نے بھی اپنے سینے پر اسے سر رکھ کر سلایا ہے، اگر تم ایک غریب بھائی کی پیشکش قبول کرلو تو میں تم سے ایک ہی بات کہوں گا آنے والے وقت میں ایک ماں کے دو بیٹوں کی طرح زندگی گزاریں گے دونوں مل کر اس بچی کی پرورش کریں گے۔“

”شاکر خان بہترین فیصلہ ہے یہ فرزندہ کا اور باقی تمہاری مدد ہم لوگ کریں گے اپنی ماں اور بہن کو لے کر رحمان گڑھی چھوڑ دو اور شہر آجاؤ، تمہیں اچھی ملازمتیں دلا دی جائیں گی، سب لوگ مل کر رہنا۔“ شہاب نے کہا۔

”صاحب آپ کا تو بس حکم دے دینا ہی کافی ہے۔“ پھر اس نیک کام میں شہاب اور بینا دونوں نے ہی حصہ لیا تھا وہ شاکر خان اور فرزندہ کو لے کر رحمان گڑھی میں داخل ہوئے تھے اور رحمان گڑھی میں داخل ہوتے ہی شاکر خان جذباتی ہوگیا تھا، اس نے رحمان گڑھی کے چوک کی جانب رخ کیا اور چیخ چیخ کر بولا۔

”لوگو میں شاکر خان ہوں شاکو، ارمان شاہ کا وفادار، ارمان شاہ اور اس کے پاگل بھائی نے میرے ساتھ، میری بیوی اور بھاوج کے ساتھ جو سلوک کیا تم لوگ بھی اسے سن لو، قانون نے مجھے عزت کی رہائی دی ہے...... ارمان شاہ نے اپنے بھائی کی زندگی بچانے کے لئے جس بدبخت نے میری بیوی اور بھاوج کو بے آبرو کیا تھا اور قتل کردیا تھا مجھ پر اس قتل کا الزام لگایا۔ فرزندہ کو ان کی آبرو کا قاتل قرار دیا اور اسے زبردستی رحمان گڑھی چھوڑنے کا حکم دیا، ہم دو آدمیوں کے خلاف جو برائی کی اس نے آخر کار اللہ کے حکم سے اس کی برائی منظر عام پر آگئی، جیل میں ہے سسرا، بڑا ولی بنا پھرتا تھا اپنے بھائی کی جان بچانے کے لئے دوسروں کو دو کوڑی کا سمجھ کر رکھ لیا تھا...... اس نے، میں آزاد ہوں...... فرزندہ بھی آزاد ہوکر واپس آگیا ہے کیونکہ اصل مجرم عدالت میں پہنچ گئے۔ اب انہیں بدترین سزائیں ہوں گی۔ رحمان گڑھی والو، ایک درخواست کرتا ہوں تم سے، میں تو یہاں پر نہیں رہوں گا لیکن جشن منانا اس دن جب ان دونوں کو سزائے موت ہو۔“ بستی والے خاموش رہ گئے تھے، پھر شاکر خان اور فرزندہ شہاب اور بینا کے ہمراہ فرزندہ کے گھر پہنچے اندر داخل ہوئے تو فرزندہ کی بہن فرزندہ کو دیکھ کر ساکت رہ گئی تھی۔

”میں نے تم سے کہا تھا بہن کہ میں فرزندہ کو لے کر واپس آؤں گا۔“ شہاب جذباتی لہجے میں بولا تو اندر سے آواز آئی۔

"ارے جہانگیر بادشاہ تیری زنجیر کہاں گئی رے، ارے میں کیسے انصاف کو پکاروں گی۔"

"آؤ فرزندہ دروازہ کھولو۔" شہاب نے کہا اور فرزندہ نے اس کمرے کا دروازہ کھول دیا جس میں اس کی ماں قید تھی، پھر اس کے بعد کے مناظر بینا کو بھی رلانے کا باعث بن گئے۔ شہاب نے آہستہ سے بینا سے کہا۔

"اب آؤ واپس چلیں...... بینا، ہمارا یہ کام پورا ہو گیا۔" واپسی میں بینا بہت متاثر تھی، پھر اس نے کہا۔

"شہاب کیا ہم واقعی اپنا فرض پورا کر رہے ہیں۔"

شہاب نے آنکھیں اُٹھا کر بینا کو دیکھا اور بولا۔

"نہیں بینا! انسان پر تو بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، اگر ہم ان میں سے ایک بھی ذمہ داری پوری کر سکیں تو یہ بات تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کے حضور ہماری ان کاوشوں کی کیا پذیرائی ہو گی، لیکن دلوں میں سکون کا جو سمندر رقصاں ہو جاتا ہے ہمیں اس کا صلہ کہیں سے نہیں مل سکے گا۔"

"ہماری زندگی کے شب و روز کیا دوسروں کی زندگی سے مختلف نہیں ہیں شہاب۔"

"تھوڑے سے ہیں کیونکہ ان میں جگہ جگہ جدت ملتی ہے۔ عام لوگوں کا ایک روٹین ہوتا ہے اور وہ اس کے تحت کرتے ہیں، لیکن ہمارے سامنے زندگی کے نئے نئے رخ آتے رہتے ہیں۔" بہر حال اس کے بعد فرصت کے شب و روز شروع ہو گئے، پھر نادر حیات صاحب نے وہ سالانہ سیمینار منعقد کیا جس میں تمام افسران اور پولیس کے جوانوں کو مدعو کیا جاتا تھا، بڑا کھانا ہوتا تھا اور نظریاتی مقالات پیش کئے جاتے تھے...... اس میں شہاب کے ساتھ بینا کو بھی شریک ہونا پڑا کیونکہ پچھلے کچھ دنوں سے بینا خود شہاب سے یہ بات بار بار کہہ رہی تھی کہ یا تو محکمہ پولیس سے اس کی ملازمت ختم کرا دے یا اگر وہ باقاعدہ تنخواہ وصول کر رہی ہے تو پھر اسے باعمل ہونے کی اجازت دے، شہاب نے پر خلوص انداز میں کہا تھا۔

"بینا ایک لمحے کے لئے نہیں چاہتا کہ تم معطل زندگی گزار دو، وہ تو بس یوں سمجھو کہ تمہیں تھوڑا سا موقعہ دیا گیا تھا کہ یہ ابتدائی خوشیاں منالو، میرا خیال ہے کہ ہم چاند میں کافی شہد لگا چکے ہیں...... اب باعمل ہو جاؤ۔"

"تو پھر اس سیمینار میں مجھے بھی شرکت کرنا ہو گی۔" سیمینار میں مختلف لوگوں نے

اپنے اپنے افکار و خیالات پیش کئے ایک افسر اعلیٰ نے کہا۔

"کچھ عرصے سے چوریوں اور ڈکیتیوں کی وارداتوں میں غیر معمولی اضافہ ہوتا جارہا ہے، دن میں یا رات کے پچھلے پہر گھروں میں ڈاکے ڈالنے، گن پوائنٹ پر لوگوں کو لوٹنے کے مختلف واقعات بڑھتے جا رہے ہیں اور ہمارے خیال میں یہ صورت حال بڑی تشویش ناک ہے، شہریوں میں عدم تحفظ کا احساس پیدا ہوتا جارہا ہے۔ پولیس ان واقعات کے بعد مجرموں کی گرفتاری کے لئے دوڑ دھوپ کا آغاز بے شک کر دیتی ہے لیکن اس پیمانے پر کام نہیں ہو رہا جس پر ہونا چاہئے، صحیح معنوں میں ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم اپنے فرض کی ادائیگی میں مکمل طور پر کامیاب نہیں ہو رہے، ان وارداتوں کو ختم ہونا چاہئے، مجرموں کو گرفتار ہو کر کیفر کردار تک پہنچانا اور شہریوں میں تحفظ کا احساس پیدا کرنا پولیس کی بنیادی ذمہ داری ہے، باقی چوری اور ڈکیتیوں کی وارداتوں میں اضافے اور مجرموں کے گرفتار نہ ہو سکنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پولیس بھی اس معاملے میں مکمل موثر طریقے سے اپنا فرض سرانجام نہیں دے پا رہی اور اس ناقص کارکردگی پر محکمہ پولیس کا محاسبہ ضروری ہے۔ پولیس قوم کا ایسا معزز عنصر ہے جس پر اہل ملک کو ناز ہونا چاہئے، کیونکہ وہ ان کے محافظ ہوتے ہیں...... پولیس والوں کو اپنے کردار و عمل سے قوم کو ان کے بارے میں اچھی رائے اور اچھے تاثر قائم کرنے کا موقعہ فراہم کرنا چاہئے...... بہر حال اس سلسلے میں کہاں تساہل برتا جارہا ہے اور کہاں کیا ہو رہا ہے، یہ فیصلہ کرنا مشکل کام ہے لیکن آپ لوگوں سے میری گزارش ہے کہ خوف خدا، کام کی سچی لگن اور ایمان کے جذبے کے ساتھ کام کریں تو ناکامی کبھی نہیں ہو گی...... یہ تو پیشہ قلندری ہے جس میں ہر وقت خدا کے بندوں کی خدمت کا موقعہ میسر ہوتا ہے لیکن ایسی شکل میں کہ ایمان کا سودا نہ کیا جائے میں کچھ سفارشات محترم انسپکٹر جنرل صاحب کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

افسر اعلیٰ کو اجازت دی گئی اور اس نے کہا۔

"جناب عالی سپیشل ڈیپارٹمنٹ کے افراد پر ذمہ داری لگائی جائے کہ وہ ہر تھانے پر نگاہ رکھیں، ان کی کوئی تفریق نہ ہو یعنی یہ کہ علاقے مخصوص نہ کئے جائیں بلکہ جس شخص کو صاحب اختیار قرار دیا جائے اسے یہ اختیار حاصل ہو کہ وہ کسی بھی تھانے کی جانچ پڑتال کر سکے، کسی بھی وقت کر سکے اسے یہ اختیارات دینے کے بعد اس پر پابندی عائد کی جائے کہ

وہ متعلقہ تھانوں میں جا کر تمام کیسز کی فائل نکلوائے اور اگر تھانے دار یا افسر تفتیش کسی کیس میں کامیابی نہ حاصل کر پا رہا ہو تو اپنی اعلیٰ ترین صلاحیتوں سے کام لے کر اس کی مدد کرے...... جناب والا میں سمجھتا ہوں اس طرح بڑی آسانیاں فراہم ہو جائیں گی۔" اس بات کو سب نے سراہا، خود آئی جی نادر حیات صاحب نے افسر اعلیٰ کی تجویز کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ یہ انتہائی موثر اور مکمل طریقہ کار ہو گا جس سے ہمیں بڑے فائدے حاصل ہوں گے، میں فوری طور پر چوبیس گھنٹے کے اندر اندر سپیشل ڈیپارٹمنٹ کو یہ ہدایات جاری کر دوں گا۔" بہت سی کار آمد بات چیت ہوئی اور اس کے بعد سیمینار ختم ہو گیا...... نادر حیات صاحب نے بعد میں دوسرے دن اپنے عملے کے تمام افراد کو طلب کر کے ان ڈیوٹیوں کو ایک نوٹیفکیشن کے ذریعے ان لوگوں میں تقسیم کر دیا، یہیں پر شہاب نے بھی بینا کی خواہش نادر حیات صاحب کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا۔

"بینا چاہتی ہیں کہ اب وہ باقاعدہ اس سلسلے میں کام کا آغاز کریں۔"

"بہت اچھی بات ہے اور بینا کو ہر طرح کی سہولتیں فراہم کرنا ہماری ذمہ داری ہو گی۔" چنانچہ بینا بھی خوش ہو گئی۔ ادھر شہنشاہ گروپ کے تمام افراد جن کا باقاعدہ سپیشل ڈیپارٹمنٹ میں تقرر تھا انہیں بھی یہ تمام ذمہ داریاں سونپ دی گئیں اور اپنے مخصوص ہیڈ کوارٹر پہنچنے کے بعد توصیف نے شہنشاہ سے رابطہ قائم کر کے اسے اس فیصلے سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

"جناب عالی آپ جانتے ہیں کہ ہمارا یہ تقرر آپ ہی کے حکم سے ہوا ہے۔ اب اس سلسلے میں ہمیں کیا کرنا ہے اس کی اجازت ہمیں، آپ ہی سے لینا ہو گی۔"

"ڈبل او گینگ کے تمام افراد اگر یہاں موجود ہیں تو میں تم سب سے یہی کہنا چاہتا ہوں کہ میں نے اپنا دست راست شہاب کو چنا ہے اور اب تک تم لوگوں نے دیکھا ہو گا کہ شہاب کسی بھی سلسلے میں کوئی نامکمل شخصیت ثابت نہیں ہوا ہے بلکہ اس نے صحیح انداز میں ان تمام کاموں کو اسی طرح سرانجام دیا ہے جس طرح میں چاہتا تھا، میری طرف سے تمہیں اجازت بھی ہے اور ہدایت بھی کہ شہاب سے بھرپور تعاون جاری رکھو اور جو فرائض تمہیں سونپے گئے ہیں ان کی تکمیل کرو، بات اصل میں یہ ہے کہ بعض ایسے معاملات میں ہمیں ہاتھ ڈالتے ہوئے بہت سی ایسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن کا تعلق براہ راست پولیس سے ہو جاتا

ہے اس وقت پولیس کی راہ میں کوئی مداخلت کر کے ہم اپنے آپ کو ایک مجرمانہ عمل کا ذمہ دار قرار نہیں دینا چاہتے، میں نے یہی ساری باتیں سوچ کر شہاب جیسے آفیسر کا انتخاب کیا ہے اور تم لوگوں کا رابطہ اس سے قائم کرا دیا ہے، چنانچہ ان احکامات پر عمل جاری رکھو۔" بینا خود بھی مصروف ہو گئی تھی۔

❀ ❀ ❀

شاطر
ایم اے راحت

شہاب کے اہل خاندان پر مسرت اور مسرور زندگی گزار رہے تھے...... ان دنوں بڑے زور و شور کے ساتھ چھوٹے بھائی کے لئے لڑکی کی تلاش جاری تھی اور دفتری اوقات سے فرصت پانے کے بعد جو لمحات گزرتے تھے وہ بڑی ہنسی خوشی میں گزرتے تھے۔ بینا اپنے طور پر کام کر رہی تھی اور پھر اس دن وہ پولیس اسٹیشن میں بیٹھی ہوئی پولیس انسپکٹر افضال شاہ سے گفتگو کر رہی تھی اور گفتگو کا یہ سلسلہ درمیان میں روکنا پڑا، ایک ٹیلی فون کال موصول ہوئی تھی اور افضال شاہ نے ریسیور اٹھا لیا تھا۔

"تھانے دار صاحب بول رہے ہیں۔"

"ہاں، کون ہو تم، کیا بات ہے؟"

"صاحب ایک قتل ہو گیا ہے...... آپ جلدی سے پہنچ جاؤ۔" آواز کسی سادہ لوح شخص کی تھی۔ افضال شاہ نے کہا۔

"کس کا قتل ہوا ہے، تم کون ہو اور کہاں سے بول رہے ہو؟"

"دیکھو صاحب جی نہ ہم اپنا نام بتائیں گے اور نہ یہ بتائیں گے کہ کہاں سے بول رہے ہیں۔ آپ بلال سٹریٹ پہنچ جاؤ، جی، بلال سٹریٹ کے گھر، کیا نام ہے میرا مطلب ہے ابے کیا نمبر ہے اس گھر کا۔"

"تین سو اٹھارہ، بلال سٹریٹ، دوسرے آدمی نے جواب دیا...... غالباً دو افراد تھے جو کسی ٹیلی فون بوتھ سے اطلاع دے رہے تھے کیونکہ قرب و جوار سے گاڑیوں کے ہارن، موٹر رکشاؤں کے گزرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

"کم از کم یہ تو بتا دو تم کہ یہاں کس کا قتل ہوا ہے۔"

"صاحب جی اس کا نام جلال بیگ ہے، السلام علیکم۔" اور اس کے بعد ٹیلی فون بند ہو گیا...... افضال شاہ نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر گردن ہلائی اور بینا کو اس قتل کے بارے میں بتانے لگا۔

"دیکھ لینے میں کیا حرج ہے ویسے بھی اگر کوئی اطلاع ملی ہے تو بہر حال اسے نظر انداز تو نہیں کیا جا سکتا۔"

"اکثر لوگ بڑا بے تکا مذاق کر لیتے ہیں اور پھر بلاوجہ پریشان ہونا پڑتا ہے بلکہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے میڈم کہ پولیس کو کسی اور سمت روانہ کر دیا جاتا ہے اور مخالف سمت میں کوئی واردات ہو جاتی ہے۔ اصل میں مجرم بھی سائنس کے اس دور میں بڑے سائنسی ہو گئے ہیں اور بڑی ذہانت سے اپنے کام سر انجام دیتے ہیں۔"

"مطلب کیا ہے تمہارا؟"

"نہیں جی کوئی مطلب نہیں ہے...... میں سوچ رہا تھا کہ پہلے اے ایس آئی کو بھیج کر ذرا سی تحقیقات کرا لوں، اس کے بعد اگر واقعی سنجیدہ معاملہ ہے تو۔"

"نہیں افضال شاہ، چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔ آؤ، دیکھیں اگر کوئی غلط بات بھی کہی ہے کسی نے تو بہر حال ہمارا فرض ہے کہ اسے نظر انداز نہ کریں۔"

"جی میڈم جو آپ کا حکم۔" افضال شاہ نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا اور بینا بھی اس کے ساتھ ہی پولیس کی موبائل میں چل پڑی۔ بہر حال کچھ دنوں سے باقاعدگی کے ساتھ یہ کام سر انجام دے رہی تھی اور اپنے طور پر اس کی شناسائیاں بڑھتی جا رہی تھیں، اسے مسرت بھی تھی، لطف بھی آ رہا تھا...... عدنان واسطی صاحب کو بھی صورت حال کا علم تھا اور وہ بڑے مسرور تھے...... ماں باپ کے لئے اس سے زیادہ خوشی کا مقام اور کیا ہو سکتا ہے کہ اولاد کا مستقبل سنور گیا ہو۔ در حقیقت عدنان واسطی صاحب کو تو ان کی زندگی بھر کی شرافت کا صلہ دنیا ہی میں مل گیا تھا، تمام زندگی اپنی دانست میں صرف ایسے کیس اپنے ہاتھ میں لئے جس میں کسی بے گناہ کو مشکل سے نکالنے کا کام ہوتا تھا جو کچھ بھی مل گیا اللہ کا شکر ادا کر کے قبول کر لیا اور اب وہ ایک باحیثیت انسان تھے، اکلوتی بیٹی کو بہترین گھر مل گیا تھا اور سب ٹھیک ٹھاک تھا۔ غرض یہ کہ دونوں بلال سٹریٹ پہنچ گئے، کچھ کانسٹیبل اور ایک ایس آئی بھی ساتھ تھے، بلال سٹریٹ میں بنگلہ نمبر تین سو اٹھارہ میں کچھ لوگ جمع تھے، تعلق محلے سے تھا۔

دو افراد رضاکارانہ طور پر پہرہ دے رہے تھے، تھوڑے ہی فاصلے پر ایک ٹیلی بوتھ لگا ہوا تھا، لیکن پولیس کو پہنچا دیکھ کر وہ سب حیران رہ گئے۔ بلال سٹریٹ میں یہ مکانات تین تین کمروں کے مکانات تھے جو کسی کنسٹرکشن کمپنی نے بنائے تھے، سب ایک ہی ڈیزائن کے تھے، درمیانے درجے کے لوگ یہاں قیام پذیر رہتے تھے، موبائل رکی تو ایک بزرگ صورت آدمی آگے بڑھے اور افضال شاہ سے بولے۔

"کمال ہے صاحب ابھی تو ٹیلی فون کیا ہی جا رہا ہے آپ کو کہ آپ آ بھی گئے۔"

"ٹیلی فون کیا جا رہا ہے۔"

"ہاں، وہ دیکھئے، وہ اقبال ٹیلی فون کرنے ہی تو گیا ہے۔"

"کیا واقعہ ہوا ہے؟" افضال شاہ نے پوچھا بینا جمع ہونے والوں پر ایک نظر ڈال رہی تھی۔

"بس جی پتا چلا ہے کہ اندر لاش پڑی ہوئی ہے۔"

"کیسے پتا چلا ہے؟" افضال شاہ نے اس شخص کو گھورتے ہوئے کہا۔

"وہ جی سامنے بچے گیند سے کھیل رہے تھے، گیند تین سو اٹھارہ میں آ پڑی، بچے گیند لینے کے لئے اندر گئے گیٹ کھلا ہوا تھا، گیند نہیں مل رہی تھی...... سامنے ڈرائنگ روم کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا، بچے لاش دیکھ کر آئے تو باہر آ کر انہوں نے شور مچایا کہ جلال چاچا کو کسی نے مار ڈالا اور پھر میں نے اندر جا کر کھلے دروازے سے جھانکا، جلال کی لاش اندر پڑی ہوئی تھی، اسے سر کچل کر مار دیا گیا ہے...... مجھے تو یہ کام ہتھوڑا گروپ کا معلوم ہوتا ہے۔" بزرگ نے کہا۔

"ہوں...... کتنی دیر پہلے یہ واقعہ ہوا ہے، مطلب یہ کہ بچوں نے کب یہ منظر دیکھا؟"

"بس جی، کوئی پندرہ بیس منٹ ہو گئے...... ہم سب جو گھر میں موجود تھے انہوں نے فیصلہ کیا کہ تھانے میں فون کریں تھانے کا نمبر بڑی مشکل سے معلوم ہوا اور ابھی اقبال آپ کو فون کر کے ہی آ رہا ہے کہ آپ آ گئے۔"

"ہوں...... آپ لوگوں میں سے کسی نے اس سے پہلے پولیس کو فون نہیں کیا؟"

"نہیں، کسی نے نہیں، بس اقبال ابھی تو ہم سب سے بات کر کے فون کرنے گیا تھا...... ہم تو خود آپ کو دیکھ کر حیران ہو گئے ہیں۔"

"آؤ۔" بینا نے افضال شاہ سے کہا اور اس کے بعد افضال شاہ کے ساتھ اندر داخل ہو گئی۔

"بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی میڈم۔" افضال شاہ بولا۔

"بھئی ان لوگوں کو بعد میں اس لاش کے بارے میں معلوم ہو سکا ہے...... اس سے پہلے کسی اور نے اس لاش کو دیکھا ہے اور اس نے اس بارے میں پولیس کو اطلاع دے دی ہے ویسے بولنے والے کے بارے میں تو تمہیں اندازہ ہو گا۔"

"جی۔" بینا اور افضال شاہ کھلے دروازے سے اندر داخل ہو گئے، چھوٹا سا گیٹ تھا، گیٹ کے آگے خالی جگہ تھی، بائیں سمت بھی ایک خالی گلی بنی ہوئی تھی، سامنے تین سیڑھیاں تھیں اس کے بعد ڈرائنگ روم کا دروازہ داہنی جانب بھی تھا جو بند تھا لیکن ڈرائنگ روم کے دروازے کا آدھا پٹ کھلا ہوا تھا...... بینا اور افضال شاہ اندر داخل ہو گئے تو صورت حال پڑوسیوں کے بیان کے مطابق ان کے سامنے آ گئی، ویسے پولیس کے افراد نے پڑوسیوں کو اندر نہیں گھسنے دیا تھا، وہ باہر ہی موجود تھے۔ افضال شاہ نے اس بزرگ صورت آدمی سے اس بارے میں پتہ پوچھا بھی نہیں تھا، اندر جلال بیگ کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ تقریباً پینتیس چھتیس سال کا اچھی شکل و صورت کا آدمی تھا، چہرے کی بناوٹ خاصی خوبصورت تھی، بدن بھی مضبوط تھا...... وہ کمرے کے فرش پر سیدھے بل پڑا ہوا تھا۔ دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بری طرح بھنچی ہوئی تھیں اور سر پھٹ چکا تھا، یوں محسوس ہوتا تھا کہ سر پر ضربیں لگا کر اسے زخمی کیا گیا ہے۔ افضال شاہ نے اسے غور سے دیکھا اور پھر بولا۔

"یہ شخص کہیں دیکھا ہوا معلوم ہوتا ہے، ویسے بھی چہرے سے بڑا شاطر لگتا ہے، آلۂ قتل موجود نہیں ہے، اس کا مطلب ہے جو کوئی بھی تھا وہ قتل کر کے ہتھیار اپنے ساتھ لے گیا۔" کچھ لمحے دونوں اس کمرے کا جائزہ لیتے رہے جو ڈرائنگ روم ہی کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے بعد بینا نے افضال شاہ سے کہا۔

"افضال شاہ تم جس طرح سے اپنا کام کرتے ہو وہی طریقہ کار جاری رکھو، میں اس وقت تمہارے ساتھ ہوں اور دیکھنا چاہتی ہوں تم کس طرح سے کام کرتے ہو۔"

"وہ میڈم جی موقعہ واردات کا نقشہ بنایا جائے گا، تصویریں بنائی جائیں گی، اگر آپ اجازت دو جی تو میں باہر جا کر ٹیلی فون کرا دوں وائرلیس سے اور ضروری لوگوں کو بلوا لوں۔"

"ہاں ضرور، وہ بزرگ آدمی اور دو آدمی اور منتخب کر و اور انہیں اندر بھیج دو۔" بینا نے کہا۔

"ٹھیک ہے میڈم جی۔" افضال شاہ باہر نکل گیا...... بینا جلال بیگ کی صورت

رہی تھی، سر کی ضربوں نے ہی اسے زندگی سے محروم کر دیا تھا اور لگ رہا تھا جیسے اذیت سے جان نکلی ہو...... بینا کو اچانک ہی شہاب کا خیال آیا...... یہ اس کی زندگی میں شاید پہلا ہی موقع تھا کہ ایک واردات ابھی صرف اس کے علم میں تھی اور شہاب اس سے ناواقف تھا بلکہ شاید شہاب یہی چاہے گا کہ یہ واردات کا سراغ لگانے میں بینا اپنی عقل اور ذمہ داری سے کام لے، چنانچہ وہ محتاط ہو گئی، بزرگ اندر آ گئے تھے انہوں نے آیات پڑھیں اور اس کے بعد آنکھیں بند کر کے گردن ہلانے لگے۔

"محترم آپ کہاں رہتے ہیں اور کیا نام ہے آپ کا؟"

"عبدالقدوس ہے جی میرا نام اور میں تو ذرا فاصلے پر رہتا ہوں۔"

"ان بچوں ہی کے ذریعے آپ کو اس قتل کے بارے میں معلوم ہوا۔"

"ہاں جی۔"

"اور آپ دونوں۔"

"ہم بھی قدوس چچا کے ساتھ والے گھروں میں رہتے ہیں۔"

"دائیں بائیں کون رہتا ہے؟" بینا نے سوال کیا۔

"بائیں طرف جی عنایت خان رہتے ہیں پوسٹ آفس میں نوکری کرتے ہیں اور بڑے شریف آدمی ہیں، دائیں طرف کا گھر بہت عرصے سے خالی پڑا ہوا ہے...... یہ کسی بڑے آدمی نے خرید لیا ہو گا جی کنسٹرکشن کمپنی کے بڑے آدمی بھلا کہاں رہتے ہیں اس چھوٹے سے علاقے میں آ کر، نہ کسی کو کرائے پر دیا اور نہ خود آ کر رہے...... یہ تو شروع ہی سے خالی پڑا ہوا ہے۔"

"ہوں...... ویسے یہ آدمی یہاں اکیلا رہتا تھا یا اس کے بیوی بچے کہیں گئے ہوئے ہیں، کیا نام تھا اس کا؟"

"جلال بیگ جی، جلال بیگ، اکیلا ہی رہتا تھا کبھی بیوی بچوں کو اس کے ساتھ نہیں دیکھا گیا۔"

"اس کے بارے میں کچھ اور بتا سکتے ہیں آپ۔"

"نہیں جی، کسی سے ملتا جلتا نہیں تھا زیادہ لوگ نہیں جانتے اس کے بارے میں۔"

"کتنے عرصے سے یہاں رہ رہا ہے؟"

"کوئی تین چار مہینے ہوئے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کرائے دار ہے۔"

"ہاں جی...... کرائے دار ہی ہوگا ویسے صحیح پتا اس پراپرٹی ڈیلر سے چل سکے گا، ویسے کرائے دار ہی ہے کیونکہ اس سے پہلے ایک اور صاحب یہاں رہتے تھے وہ بھی اچھے آدمی تھے۔" بینا خاموش ہوگئی، پھر افضال شاہ واپس آگیا اور اس نے بینا سے کہا۔

"میرا خیال ہے باقی جانچ پڑتال بھی کرلی جائے۔" بینا نے گردن ہلائی، پھر نہایت باریک بینی سے انہوں نے ان دونوں کمروں کا جائزہ لیا جن میں سے ایک بیڈ روم تھا، بیڈ روم میں بڑا اچھا بستر بچھا ہوا تھا اور بستر کی حالت ظاہر کرتی تھی کہ اسے استعمال کیا گیا ہے اور کوئی اس پر سویا ہے، پھر پتا نہیں جلال بیگ ڈرائنگ روم میں کیوں آیا، یہ ساری صورت حال سامنے تھی اور وہ لوگ اس کا جائزہ لے رہے تھے، پھر کچھ دیر بعد پولیس کے عملے کے بقیہ افراد آگئے، نقشہ نویس نقشہ بنانے لگا اور وہ تمام ابتدائی کارروائی ہونے لگی جو پولیس ایسے موقعوں پر کرتی ہے...... بینا اس تمام کارروائی کا جائزہ لے رہی تھی اور اس کا ذہن ان لوگوں کے بارے میں سوچ رہا تھا جنہوں نے افضال شاہ کو اس قتل کی اطلاع دی تھی، بچوں اور گیند کا معاملہ تو بعد کا معلوم ہوتا تھا، بائیں جانب والے مکان جس میں عنایت خان رہتے تھے، کے دروازے پر دستک دی گئی تو دروازہ ایک تقریباً پینتالیس سالہ شخص نے کھولا تھا، اس کا چہرہ اترا ہوا تھا جسے بینا نے خاص طور سے محسوس کیا...... بینا نے اس سے کہا۔

"یہاں عنایت خان صاحب رہتے ہیں۔"

"میں ہی ہوں بیگم صاحب۔"

"آپ ملازمت کرتے ہیں۔"

"جی پوسٹ آفس میں کلرک ہوں اور بچوں کو ٹیوشن بھی پڑھاتا ہوں۔"

"تو آج آپ ڈیوٹی پر نہیں گئے۔"

"گیا تھا، تھوڑی دیر پہلے ہی بیوی نے ٹیلی فون کر کے بلوایا، کہنے لگی مجھے ڈر لگ رہا ہے فوراً آجاؤ...... جلال بیگ کا قتل ہوگیا ہے ابھی ابھی تو آیا ہوں اپنے آفس سے۔"

"بڑا اچھا کیا آپ نے عنایت خان صاحب، آپ سے کچھ سوالات کرنے ہیں، کیا آپ مجھے گھر میں آنے کی اجازت دیں گے۔"

"آیئے جی آیئے۔" عنایت خان نے کہا، افضال شاہ اے ایس آئی کو مختلف ہدایات دے کر بینا کے ساتھ ہی ساتھ اندر چلا آیا تھا، چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں جس میں موجود فرنیچر اور قرب وجوار کی علامتیں ظاہر کرتی تھیں کہ عنایت خان بے چارہ معمولی حیثیت کا مالک ہے۔ بینا نے پوچھا۔

"آپ کے گھر ٹیلی فون ہے؟"

"ہاں جی، ٹیلی فون ہے اصل میں جب کنسٹرکشن کمپنیاں یہ مکان الاٹ کررہی تھیں اور ہم نے اس کا فارم بھرا تھا تو اسی وقت ہم نے ٹیلی فون کا فارم بھی بھر دیا تھا، ٹیلی فون ملتے کہاں ہیں جی، ہم نے سوچا کہ ہو سکتا ہے کبھی مل ہی جائیں اور یہی ہوا جب کنسٹرکشن کمپنی نے ہمیں قبضہ دیا تو ٹیلی فون بھی تھوڑے دن کے بعد لگ گیا تھا، ویسے جی ہماری حیثیت تو نہیں ہے ٹیلی فون کی مگر مل گیا، خلق خدا کے کام بھی آجاتا ہے۔"

"اچھا آپ کو یہ تو پتا چل چکا ہے کہ جلال بیگ کا قتل ہوگیا...... آپ چونکہ جلال بیگ کے بالکل قریبی پڑوسی ہیں اس لئے آپ ہمیں اس کے بارے میں تفصیل سے بتائیں گے۔"

"بیگم صاحبہ بتانے کو تو جو کچھ ہمیں معلوم ہے ہم خوشی سے بتانے کے لئے تیار ہیں، لیکن بیگم صاحبہ اللہ کے واسطے ہم پر رحم کریں بال بچوں والے ہیں نوکری پیشہ کہیں کسی مشکل میں نہ پھنس جائیں۔"

"نہیں آپ اطمینان رکھئے آپ کسی مصیبت میں نہیں پھنسیں گے، آپ یہ بتایئے آپ اس شخص کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟"

"کچھ بھی نہیں جانتے بیگم صاحب جی، آپ قسم لے لو، ابھی تین مہینے پہلے تو یہ یہاں کرائے پر آیا ہے...... جلال بیگ نام تھا کسی سے ملتا جلتا بھی نہیں تھا، محلے کے بچے جلال چچا، جلال چچا کہا کرتے تھے، لیکن بس دو چار بچے سلام کرتے تھے تو جواب دے دیا کرتا تھا اور اندر گھس جاتا تھا، کسی سے زیادہ سلام دعا نہیں تھی اس کی۔"

"ہوں...... آدمی کس قسم کا تھا تھوڑا بہت اندازہ تو لگایا ہوگا آپ نے۔"

"کیا کہیں بس اکیلا تھا، بتایا تو تھا ہی نہیں کسی کو اپنے بارے میں۔"

"ارے ہم سے پوچھیں، ہم بتائیں گے آپ کو، ساری باتیں ہم بتائیں گے۔" عنایت خان کی بیگم نے آنکھیں نکال کر کہا، بینا اور افضال شاہ نے انہیں دیکھا، غالباً حیدر آباد سے

تعلق تھا لہجہ یہی بتاتا تھا خاصی تیز طرار معلوم ہوتی تھیں، شوہر کی طرف دیکھا اور پھر جلدی سے بولیں۔

"کاہے کو گھور رہے ہیں جو معلوم ہے وہ تو بتانا ہی چاہیئے...... پولیس کی مدد کرنا بھی تو فرض ہے۔ ہاں، ہم سے پوچھئے آپ...... بہت برا آدمی تھا اب کوئی برا آدمی مر جائے تو یہ انسان اس کے لئے دعائیں کرنے بیٹھ جائے، ارے کوئی جیسا ہوا سے بتانا تو پڑے گا ہی، ارے ہم سے پوچھو اس مظلوم عورت کے رونے پیٹنے کی داستان جس نے ہمیں سب کچھ بتا دیا تھا، ہم سے پوچھیں۔"

"وہ رقیہ بیگم۔" عنایت خان نے کہا۔

"نہیں...... عنایت خان صاحب آپ سے بہتر آپ کی بیگم صاحبہ ہیں جو کم از کم پولیس کی مدد کرنے کا جذبہ تو رکھتی ہیں۔"

"ٹھیک ہے پوچھ لیجئے۔" عنایت خان صاحب نے لاچاری سے کہا۔

"ہاں ہاں...... بتائیں گے ان کا کیا ہے، یہ تو صبح سے نکلے رات کو گھر میں لوٹے، ہم سے پوچھیں اصل صورت حال، تین چار مہینے سے آئے ہوئے ہیں، بدمعاش آدمی تھا عورتیں آتی رہتی تھیں آس پاس، کئی بار ہم نے دیکھا کبھی کوئی ٹیکسی سے اتر رہی ہے اور کبھی کوئی۔ اچھے سے اچھے کپڑے پہنتا تھا الماریاں کھول کر دیکھ لیں ایسا نکلتا تھا جیسے کوئی بڑا افسر ہو لیکن اس کے کرتوت تو ہمیں اس بے چاری نے بتائے، جوان عورت تھی، زار و قطار رو رہی تھی ارے ہمارے تو کلیجہ منہ کو آ گیا تھا...... بتایا اس نے ہمیں...... پوچھنے آئی تھی کہ کب آتا ہے اس نے ہمیں بتایا کہ یہ بڑا چالاک آدمی ہے صورت شکل کا اچھا ہے اور اخباروں میں اشتہار پڑھ پڑھ کر شادیوں کے رشتے دیتا رہتا ہے، پھر شادی کرتا ہے اور جو کچھ بھی ملتا ملاتا ہے اسے لوٹ مار کر کے اور کسی کی زندگی برباد کر کے فرار ہو جاتا ہے اور پھر نئے سرے سے اپنا کام شروع کر دیتا ہے...... وہ عورت بھی بے چاری اسی کا شکار تھی اور اس کی تلاش میں یہاں تک پہنچی تھی۔"

"کب کی بات ہے؟" بینا نے سوال کیا۔

"جمعہ، ہفتہ، اتوار، پیر کوئی پانچ دن ہو گئے پانچ دن پہلے آئی تھی بے چاری، یہ تو نہیں ہمارے پاس آ گئی اور ہم سے اپنی داستان رو رو کر سنائی۔"

"اپنا پتا نشان نہیں بتایا۔"

"نہیں، بس اتنی ہی بات چیت ہوئی تھی زیادہ کچھ نہیں معلوم ہو سکا، ہم نے تو عنایت خان کو بتایا تھا کہ میاں عنایت اس آدمی کو نکلواؤ محلے سے، یونین کمیٹی سے بات کرو ایسے لوگوں کو یہاں نہیں رہنا چاہئے، مگر یہ میاں عنایت انہیں تو بس یوں سمجھ لو کہ اللہ میاں کے بیل ہیں ہر ایک سے ڈرتے ہیں۔"

"تو شاید یہ آپ سے ڈرتے ہیں۔" بینا بے اختیار بول پڑی۔

"ارے سبھی سے ڈرتے ہیں اکیلے ہم سے کیا ڈریں گے، ہم سے عمر میں بھی تو بڑے ہیں۔" بیگم صاحبہ ہری مرچ معلوم ہوتی تھیں...... بینا نے سوال کیا۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ ان کے گھر میں کوئی اور بھی آتا جاتا تھا، میرا مطلب ہے ان عورتوں کے سوا۔"

"تھوڑے دن پہلے ہی کی تو بات ہے عنایت خان سے پوچھو...... سامنے والے گھر میں ایک ماسی کام کرتی تھی جوان تھی بے چاری اس کو صفائی ستھرائی کے لئے انہوں نے بھی لگا لیا، پانچویں دن وہاں سے بھاگ آئی، ہمارے ہی گھر میں تو آ کر گھسی تھی، ہم نے پوچھا کیا بات ہے تو بے چاری کہنے لگی کہ یہ آدمی مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا، میں صفائی کر رہی تھی تو مجھے گھورے جا رہا تھا اور ایسے گھور رہا تھا کہ میں تو بری طرح ڈر گئی اور وہاں سے نکل بھاگی۔"

"پڑوسیوں نے اس سے پوچھا نہیں اس ماسی کے بارے میں۔"

"نہیں، ایسی ویسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی، بس ماسی ہی کو ڈر لگا تھا۔"

"اس کے بعد سے یہاں کوئی کام کرنے والا آتا تھا۔"

"ہاں...... کاچھو آتا تھا کاچھو۔" بیگم صاحبہ نے بتایا۔

"کاچھو کون؟"

"وہ بھی صاحب گھروں میں کام کرتا ہے مرد ہے...... ہم نہیں جانتے کہ کون ہے اور کہاں رہتا ہے۔"

"یہاں پڑوس میں کسی اور کے گھر میں بھی کام کرتا تھا۔"

"نہیں، ہمیں اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہو سکتا، کسی اور کو کچھ پتا ہو ویسے اس محلے میں صرف انہی کے گھر آتا جاتا تھا۔"

”آج اسے کسی نے دیکھا۔“

”ہاں...... میں نے دیکھا تھا دفتر جارہا تھا تو میں نے دیکھا کہ کاچھو معمول کے مطابق گیٹ کھول کر اندر داخل ہوا ہے۔“

”اکیلا تھا۔“

”نہیں ایک آدمی اور تھا اس کے ساتھ۔“

”آپ مجھے کاچھو کا حلیہ بتا سکتے ہیں۔“ بینا نے پوچھا اور عنایت خان نے کاچھو نامی شخص کا جو حلیہ بتایا وہ کسی ملازم کا ہی حلیہ معلوم ہوتا تھا، تمام کارروائیوں سے فراغت پانے کے بعد جب بینا اور افضال شاہ تھانے کی طرف واپس پلٹے تو بینا نے کہا۔

”ٹیلی فون پر اطلاع دینے والا کاچھو ہی ہو سکتا ہے، لیکن وہ کون ہے، کہاں کام کرتا ہے اس بارے میں آپ کو تفتیش کرنا ہو گی۔“

”میں آپ کی طرف سے رہنمائی کا خواہشمند ہوں۔“

”کریں گے، مل کر کام کریں گے آپ فکر نہ کریں، اپنا روزنامچہ تیار کریں، پوسٹ مارٹم رپورٹ وغیرہ کی تفصیلات تیار کریں اور اس سلسلے میں جو بھی معلومات آپ کو حاصل ہوں آپ مجھے اس کی اطلاع دیں، باقی کوئی اور خاص بات نہیں ہے، اچھا اب میں چلتی ہوں۔“ بینا وہاں سے اُٹھ گئی اور پھر اپنی کار میں بیٹھ کر چل پڑی جو تھانے ہی کی عمارت میں کھڑی ہوئی تھی، لیکن اس کے ذہن میں اس کیس کے بارے میں تفصیلات گردش کر رہی تھیں...... عنایت خان کی بیگم صاحبہ خاصی تیز طرار معلوم ہوتی تھیں...... ان سے مزید معلومات حاصل ہو سکتی تھیں اور بینا اس سلسلے میں کوششیں بھی کر سکتی تھی۔ پھر سوچ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ شہاب کو ابھی اس سلسلے میں رازدار بنایا جائے یا نہ بنایا جائے، ڈرائیونگ کرتے ہوئے وہ یہی سوچتی رہی تھی، لیکن پھر اس نے یہ فیصلہ کیا کہ شہاب کو تفصیل بتانا ضروری ہے، کہیں محسوس نہ کر جائے کہ بینا اس سے الگ ہو کر کام کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور پھر کہاں شہاب اور کہاں وہ، اس سے رہنمائی بھی مل سکے گی، چنانچہ اس نے کار کا رخ ہیڈ کوارٹر کی جانب کر دیا، اسے علم تھا کہ شہاب اس وقت نہیں ہو گا پھر بھی اس نے کار میں لگے ہوئے وائرلیس سیٹ پر شہاب کو مخاطب کیا اور کچھ لمحوں کے بعد اسے دوسری جانب سے شہاب کا جواب موصول ہو گیا۔

”بینا بول رہی ہوں۔“

”اوہو...... فرمایئے میڈم خیریت سے ہیں آپ۔“

”کہاں ہو؟“

”تحقیقات کر رہی ہیں میرے بارے میں۔“

”نہیں میں ہیڈ آفس آ رہی ہوں، وہیں ہونا۔“

”جی...... آپ کی اجازت کے بغیر اور کہاں جا سکتے ہیں۔“

”کہیں جانا نہیں...... میں آ رہی ہوں۔“

”بہتر۔“ شہاب کا جواب ملا اور بینا نے مسکرا کر وائرلیس سیٹ بند کر دیا، ہیڈ کوارٹر تک کا راستہ طے کرتے ہوئے اس کے ذہن میں شہاب کے بارے میں خیالات گردش کرتے رہے تھے...... انسان بعض اوقات کس طرح غیر متوقع طور پر اپنی منزل پالیتا ہے، زندگی میں شاید کوئی ایسا نیک کام ہو جاتا ہے جس کی بنا پر اتنے اچھے لوگ اس دنیا میں مل جاتے ہیں...... شہاب سے ملاقات جس طرح بھی ہوئی لیکن بعد میں شہاب نے زندگی میں جو دخل حاصل کر لیا اس سے بینا کی خوشیوں کی انتہا نہیں تھی...... شہاب نے اپنے آفس میں اس کا استقبال کیا تھا اور بڑے پرتپاک انداز میں کہا۔

”آفیسر آن سپیشل ڈیوٹی محترمہ بینا واسطی۔“

”بینا شہاب۔“ بینا نے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے کہا، اسی وقت عقب میں دروازے پر دستک ہوئی اندر داخل ہونے والا شہاب کا اردلی تھا جس نے ہاتھوں میں کافی کی ٹرے اٹھائی ہوئی تھی اور اس میں کچھ اور لوازمات بھی موجود تھے، پھر میز پر رکھ کر وہ گردن جھکا کر واپس چلا گیا تو بینا نے کہا۔

”خوب، بہر حال یقینی طور پر شکریہ، آپ نے یہ زحمت کیوں کی۔“

”چلئے تھوڑی زحمت آپ کر لیجئے۔“ شہاب نے کافی کے برتنوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا، کافی کے گھونٹ لیتے ہوئے بینا بولی۔

”جناب عالی کیا مصروفیات چل رہی ہیں؟“

”میرے علاقے میں کوئی واردات ہی نہیں ہوئی، لوگوں کو پتا چل گیا ہے کہ جناب شہاب ثاقب صاحب اس علاقے میں کارروائی کر رہے ہیں۔“

"تو کیا علاقوں کی حد بندی کر دی گئی ہے، پہلے تو نادر حیات صاحب نے اس سلسلے میں کہا تھا کہ سپیشل ڈیپارٹمنٹ کے تمام افراد پورے شہر کے علاقے میں گردش کرتے رہیں گے اور کوئی تفریق نہیں ہوگی۔"

"ہاں...... شاید وہ نوٹیفکیشن تمہاری میز پر نہ پہنچا ہو یا تم نے اس پر غور نہ کیا ہو، نئے فیصلے کے تحت علاقے مخصوص کر دیئے گئے ہیں اور شاید ان کی حد بندی بھی کر دی گئی ہے۔"

"تمہارے پاس ہے وہ نوٹیفکیشن۔" بینا نے کہا۔

"ہاں۔" شہاب نے میز کی دراز میں ہاتھ ڈال کر ایک سرکلر نکالا اور اسے بینا کے سامنے رکھ دیا...... بینا اس کا جائزہ لینے لگی، پھر اس نے کہا۔

"یقینی طور پر یہ میرے پاس بھی پہنچا ہوگا لیکن آفس گیا ہی کون ہے۔"

"یہی بات ہے۔" پھر بینا کافی دیر تک اس سرکلر کو دیکھتی رہی، بینا واسطی کو جو علاقہ سونپا گیا تھا افضال شاہ کا تھانہ بھی اسی علاقے کی حدود میں آتا تھا...... بینا نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی اور بولی۔

"شکر ہے ورنہ ایک دلچسپ کیس ہاتھ سے نکل جاتا۔" شہاب خاموشی سے بینا کی طرف دیکھتا رہا، بینا نے اپنی کافی کی پیالی میں تھوڑی اور کافی انڈیلی اور بولی۔

"تم نے پوچھا نہیں کہ میں کون سے کیس کی بات کر رہی ہوں۔"

"محترمہ بینا واسطی جس وقت آپ نے وائرلیس پر مجھے مخاطب کیا تھا اس وقت میرے ذہن میں پہلا خیال یہ آیا تھا کہ خاتون یقینی طور پر کسی شکار کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئی ہیں۔"

"کیا واقعی؟"

"یقیناً۔"

"مگر یہ اندازہ کیسے لگایا؟"

"آپ کے لہجے سے، آپ کا خیال ہے کیا اب آپ کی کوئی شے مجھ سے پوشیدہ ہے۔" بینا کے چہرے پر ایک شرم آلود مسکراہٹ پھیل گئی...... کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد وہ بولی۔

"میرا خیال ہے کیس کافی دلچسپ ہے۔"

"جی، علاقہ آپ کا ہی ہے۔"

"وہی تو میں خاص طور سے دیکھ رہی تھی، تھانہ انچارج افضال شاہ نامی شخص ہے...... اچھا آدمی ہے، خالص قسم کا پولیس والا معلوم نہیں ہوتا، عزت کرنا اور عزت کروانا جانتا ہے۔"

"گڈ...... کیا واقعہ بتانا پسند فرمائیں گی آپ۔"

"استاد محترمہ صرف بتانا پسند نہیں فرمائیں گے ہم بلکہ استاد کی رہنمائی بھی درکار ہے۔"

"چلو ٹھیک ہے شروع ہو جاؤ۔" شہاب نے کہا اور بینا شہاب کو اس سلسلے میں تفصیلات بتانے لگی، شہاب خاموشی سے بینا کی سنائی ہوئی داستان سن رہا تھا، پھر اس نے کہا۔

"لاش پوسٹ مارٹم کے لئے بھجوا دی گئی۔"

"ہاں۔"

"افضال شاہ نے وہاں فوٹوگرافی کرالی، میرا مطلب ہے جائے واردات کے آس پاس کا پورا علاقہ تصویروں میں تبدیل کر لیا گیا ہے۔"

"تقریباً۔"

"آلہ قتل مل سکا۔"

"نہیں۔"

"پورا گھر تلاش کیا گیا۔"

"جی۔"

"کوئی قابل ذکر چیز ملی۔"

"نہیں۔"

"ٹھیک، چلو صحیح ہے اب کیا ارادے ہیں، اب وہاں سیل لگا دی گئی ہے۔"

"نہیں، ابھی نہیں۔"

"یہ اچھا کیا ہے ورنہ عام طور سے تھانہ انچارج یہی کیا کرتے ہیں اگر افضال شاہ کو تمہاری موجودگی میں یہ اطلاع نہ ملی ہوتی تو وہ لاش وغیرہ اٹھا کر مکان سیل کرا دیتا، اصل میں بس وہی کارکردگی کی کمی ہے جس کی بنا پر نادر حیات صاحب کو یہ کہنا پڑا کہ محکمہ پولیس موثر طور پر اپنی کارکردگی انجام نہیں دے رہا، خیر تو محترمہ طے یہ ہوا کہ جلال بیگ نامی شخص کو بلال سٹریٹ کے مکان نمبر تین سو اٹھارہ میں قتل کر دیا گیا ہے۔ وہ وہاں تنہا رہتا تھا کرائے دار تھا اور اس کے علاوہ کوئی اور خاص بات معلوم نہیں ہو سکی، ویسے چلو خیر ٹھیک ہے، کیا خیال

ہے ایک بار پھر جائزہ لے لیا جائے اس جگہ کا، پوسٹ مارٹم رپورٹ تو بعد میں ملے گی۔"

"میں بھی یہی چاہتی ہوں۔"

"حالانکہ آپ کو اپنے طور پر یہ سارا کام کرنا چاہئے، کیونکہ اس سے پہلے بھی آپ ایک قابل فخر کارنامہ سرانجام دے چکی ہیں اور میں نے خود حیران ہو کر اس بارے میں سوچا تھا کہ واقعی محترمہ بینا آپ نے بڑی ذہانت کا ثبوت دیا تھا۔"

"مذاق اڑا رہے ہو نا۔" بینا نے شہاب کو گھورتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں، خدا کی قسم فخر کیا تھا میں نے تو۔"

"چلو پھر جائزہ لے لو۔"

"پولیس کانسٹیبل ہیں وہاں۔"

"ہاں۔"

"او کے۔" پھر تھوڑی دیر کے بعد شہاب اور بینا بلال سٹریٹ پہنچ گئے، پولیس کانسٹیبل ڈیوٹی پر مستعد تھے...... شہاب کو بھی جانتے تھے اور بینا کو بھی، سیلوٹ کیا اور تالے کی چابی ان کے حوالے کر دی...... بینا شہاب کے ساتھ اندر داخل ہو گئی اور پھر وہ تمام تفصیلات شہاب کو بتانے لگی، شہاب نے مختلف جگہوں کا جائزہ لیا، بیڈ کو بھی دیکھا وہاں موجود اشیاء، کاغذات جو کچھ بھی نظر آیا انہیں دیکھا اور پھر ایک چیز اسے کام کی مل گئی۔

اس نے الماری سے ایک کاغذ نکالا...... یہ مکان مالک کے اور جلال بیگ کے درمیان گیارہ ماہ کے معاہدے کا کاغذ تھا، اس میں اس مکان کے مالک کا پتا لکھا ہوا تھا...... شہاب نے اس کاغذ کو اپنی تحویل میں لیا، بینا شہاب کی کارروائی کو دیکھ رہی تھی اور کوئی ایسی چیز شہاب کو نہ ملی جس سے یہ بات پتا چلتی کہ جلال بیگ کیا کاروبار کرتا تھا اور اس کا طریقہ کار کیا تھا...... بہر حال یہ تمام چیزیں تھیں اور اس کے بعد شہاب گھر سے باہر نکل آیا اور پھر اس نے دوسری بار عنایت خان سے ملاقات کی، تھوڑی دیر کے بعد ہی عنایت خان کی بیوی نے دروازہ کھولا تھا...... شہاب کو تو نہیں پہچان سکی لیکن بینا کو پہچان لیا اور بولی۔

"بی بی تم پولیس والی ہوا پنے گھر کی ہو گی، میرے میاں سے میری لڑائی کرا دی تم لوگوں نے...... ارے بابا ہم جتنا جانتے تھے تمہیں بتا چکے اب ہمارے کان اور مت کھاؤ۔" اس نے دھڑ سے دروازہ بند کر دیا بینا نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے شہاب کو دیکھا، پھر شہاب نے کہا۔

"ٹھیک ہے واقعی پولیس بے قصور لوگوں کو خاصا تنگ کرتی ہے جس کی وجہ سے تعاون کی فضا ختم ہو گئی ہے اور لوگ کچھ جاننے کے باوجود پولیس کو کچھ بتانے سے گھبراتے ہیں، ویسے اس لب و لہجے کے لوگ کسی طور برے نہیں ثابت ہو سکتے، آؤ، ذرا اب قرب و جوار کا جائزہ لیں۔" پھر شہاب اپنی گاڑی وہیں چھوڑ کر کافی دیر تک اِدھر اُدھر بھٹکتا رہا، یہ سڑک جہاں یہ مکان تھا سیدھی آگے جا کر بڑی سڑک سے مل جاتی تھی...... ایک چھوٹا سا نالہ عبور کرنا پڑتا تھا، باقی دائیں بائیں وہ ذیلی سڑک پھیلی ہوئی تھی، پہلے شہاب بائیں سمت کوئی دو سو گز تک پیدل گیا اس کے بعد داہنی سمت، داہنی سمت میونسپلٹی کا کوڑے دان نظر آیا جس سے کوڑا نہیں اٹھایا گیا تھا اور یہ اندازہ تھا کہ کم از کم اس میں تین چار دن کا کوڑا جمع ہے...... شہاب اِدھر اُدھر دیکھنے لگا، تھوڑے فاصلے پر ایک خاکروب کام کر رہا تھا...... شہاب نے اسے اشارے سے بلایا تو خاکروب اس کے پاس پہنچ گیا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"صابر مسیح۔"

"آؤ، ادھر آؤ تم سے ایک کام ہے۔"

"جی صاحب بولو۔"

"آؤ...... ادھر آ جاؤ۔" کوڑے دان کے پاس پہنچ کر شہاب نے جیب سے سو روپے کا نوٹ نکالا اور خاکروب کو دیتے ہوئے کہا۔

"تمہیں اس کوڑے دان کو پھیلا کر اس میں کوئی چیز تلاش کرنی ہے اس کے بعد اس کوڑے کو واپس کوڑے دان میں ڈالنا ہے...... سو روپیہ معاوضہ ہے بولو کیسا رہے گا۔"

"بالکل فسٹ کلاس رہے گا صاحب، ابھی لیجئے آپ۔" بینا حیرت سے شہاب کو دیکھ رہی تھی، اس نے ناک پر رومال رکھ لیا لیکن شہاب اطمینان سے کوڑا کوڑے دان سے باہر نکلتے دیکھ رہا تھا دوسرے لمحے اس کی آنکھیں چمک اُٹھیں...... یہ برف توڑنے والا ایک نوک دار ہتھیار تھا جو تقریباً ڈیڑھ فٹ لمبا اور پونے انچ کی گولائی میں تھا، دلچسپ بات یہ تھی کہ اس پر لگے ہوئے خون کے دھبے صاف نظر آ رہے تھے جن سے کچھ گندگی بے شک لپٹ گئی تھی، لیکن خون کو صاف محسوس کیا جاتا تھا، خاکروب نے اسے نکال کر ایک طرف پھینکا تو شہاب نے کہا۔

"بس بس...... رک جاؤ۔" پھر شہاب اِدھر اُدھر دیکھنے لگا اور اس کے بعد اس نے جیب سے رومال نکالا اور اسے خاکروب کو دیتے ہوئے بولا۔

"اب اس لوہے کے ٹکڑے کو رومال میں لپیٹ دو اور یہ کوڑا واپس اس کی جگہ ڈال دو۔"

"سارا نہیں خالی کرنا صاحب۔" خاکروب نے پوچھا۔

"نہیں کافی ہے۔" خاکروب اپنا کام کرنے کے بعد وہاں سے چلا گیا، شہاب نے مسکراتے ہوئے بینا سے کہا۔

"محترمہ بینا آلہ قتل۔" بینا نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی، شدت جذبات سے وہ کچھ بول نہیں سکی تھی۔ شہاب نے مکان کی طرف واپس آتے ہوئے کہا۔

"اصل میں بہت ہی چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ بس ذرا سا انہی پر غور کر لیا جائے تو کام کی کافی باتیں نکل آتی ہیں۔" پھر شہاب مکان کے دروازے تک پہنچا اور نہایت باریک بینی سے ایک بار پھر اس نے دروازے کے آس پاس کا جائزہ لیا اور بینا کو ایک کار کے ٹائروں کے نشانات دکھاتا ہوا بولا۔

"یہ نشانات سامنے سے آئے ہیں...... دیکھو، یہاں سڑک کے کنارے یہ خاصے واضح ہیں گویا کوئی کار یہاں آکر رکی ہے اور اس کے بعد یہاں سے چلی گئی ہے جہاں کار رکتی ہے وہاں یہ نشانات گہرے ہوتے ہیں، چلتی ہوئی گاڑی کے نشانات کچھ فاصلے تک تو گہرے ہوتے ہیں اس کے بعد ہلکے ہو جاتے ہیں، ذرا غور سے جائزہ لو۔" بینا نے پر خیال انداز میں گردن ہلائی تھی...... شہاب نے کہا۔

"اب تم ایسا کرو کہ پہلے تھانے چلو اور آلہ قتل افضال شاہ کے سپرد کرو، اس سے کہو کہ اس کا بھی تجزیہ کرائے اور اس کی صفائی وغیرہ کرا کے پوسٹ مارٹم رپورٹ میں اس پر لگے ہوئے خون کا تجزیہ کرائے اور یہ معلوم کرے کہ یہ خون جلال بیگ کے خون سے ملتا ہے یا الگ ہے۔" افضال شاہ موجود نہیں تھا لیکن ایس آئی موجود تھا...... بینا نے اسے وہ تمام ہدایات نوٹ کرائیں اور اس کے بعد وہ اس پتے پر چل پڑے جو معاہدے پر موجود تھا...... یہ پتا ایک ایسے شخص کا تھا جس کی ایک کاروباری علاقے میں دکان تھی، اس کا نام امتیاز علی خان تھا...... امتیاز علی خان ایک دُبلے پتلے جسم کا مالک شخص تھا، دکان اچھی خاصی بڑی تھی، اس نے شہاب اور بینا کو دیکھا تو شہاب نے اپنا کارڈ اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"امتیاز علی صاحب ہمارا تعلق محکمہ پولیس سے ہے۔ آپ سے کچھ بات کرنا ہے۔"

"پپ...... پولیس...... کیا بات ہو گئی بھائی صاحب، میں تو بہت شریف آدمی ہوں...... آپ میری پوری دکان کو دیکھ لو ایک پیسے کا غلط دھندا نہیں کرتا ہوں اللہ کو منہ دکھانا ہے...... خیال رکھتا ہوں ہر بات کا۔"

"آپ بالکل فکر مند نہ ہوں بس تھوڑی سی معلومات چاہئے آپ سے۔"

"ہاں...... کہیے۔"

"وہ اصل میں ہمیں اندازہ ہو رہا ہے کہ آپ کو اس واردات کا پتا نہیں ہے جو بلال سٹریٹ میں آپ کے مکان میں ہوئی ہے۔"

"واردات۔" امتیاز اُچھل پڑا۔

"جی، یہ آپ کا ہی معاہدہ ہے نا۔" شہاب نے ایگریمنٹ کا کاغذ نکال کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا، امتیاز کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا تھا اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"جی صاحب یہ مکان کوئی ساڑھے تین چار مہینے پہلے ہم نے جلال بیگ کو دیا تھا اور جلال بیگ نے ہمیں سال بھر کا کرایہ ایڈوانس دے دیا تھا، اس کے بعد سے ہم نے صرف دو دفعہ جلال بیگ سے ملاقات کی ہے، واردات کیا ہو گئی ہے صاحب۔"

"جلال بیگ کو اس مکان میں قتل کر دیا گیا ہے۔"

"ہیں۔" امتیاز کا رنگ فق ہو گیا...... سیدھا سادا آدمی معلوم ہوتا تھا، شہاب نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ جلال بیگ کس قسم کا آدمی تھا اور تم نے کیسے اسے یہ مکان دے دیا۔"

"صاحب جی اسی محلے میں ایک پراپرٹی ڈیلر ہے، ہم نے اس کے ہاں اپنے مکان کے متعلق لکھوا دیا تھا...... وہ دکان بند کر کے چلا گیا ہے، کوئی اور کاروبار کر رہا ہے...... جلال بیگ نے بیس ہزار روپیہ ایڈوانس دیئے تھے جو اس میں لکھے ہوئے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ سال بھر کا کرایہ بھی ایڈوانس دے دیا تھا، بس ہمیں اطمینان تھا۔"

"محلے والوں سے تمہاری اس موضوع پر کبھی کوئی بات ہوئی۔"

"نہیں صاحب جی، پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔"

"اچھا ایک بات اور بتاؤ کا چھونامی کسی آدمی کو جانتے ہو جو اس کے ہاں کام کرتا تھا۔"

"ہاں جی کا چھو اور رکھا دو بھائی ہیں، گھروں میں کام کرتے ہیں، ہم نے ہی انہیں وہاں بھیجا تھا...... وہ اکثر ہمارا کام کر دیا کرتے ہیں، صفائی کے لئے بھیجا تھا تو جلال بیگ نے انہیں شاید بعد میں بلا لیا تھا اور وہی ان کے ہاں کام کرتے تھے۔"

"ٹھیک، تب تو تمہیں ان کے بارے میں یہ بھی معلوم ہوگا کہ وہ کہاں رہتے ہیں؟"

"جی صاحب، پتا ہے"

"مجھے ان کے بارے میں صحیح طور پر تفصیل بتاؤ۔" کاچھو اور رکھا ایک کچی آبادی میں رہتے تھے، مکان مالک نے ان تک ان دونوں کی رہنمائی کی اور آخر کار کاچھو ہاتھ لگ گیا، اگر شہاب اور بینا نہ ہوتے تو کاچھو کبھی باہر نہ آتا، وہ بہت خوفزدہ معلوم ہوتا تھا، جب اسے یہ پتا چلا کہ یہ دونوں پولیس کے آدمی ہیں تو اس کے چہرے پر مردنی چھا گئی، بلکہ ایک لمحے کے لئے شہاب نے محسوس کیا کہ شاید وہ پلٹ کر بھاگ نکلنے کی کوشش میں ہے...... شہاب نے اس کا گریبان پکڑ لیا اور پھر بولا۔

"رکھا کہاں ہے؟"

"وہ صاحب جی، وہ آپ یقین کرو صاحب جی، ہم، ہم تو بے گناہ ہیں جی...... آپ ہمارے گھر کی تلاشی لے لو، ہم تو بس ایسے ہی زندگی گزار رہے ہیں...... صاحب جی ہم نے تو کچھ کیا ہی نہیں ہے۔"

"میں پوچھ رہا ہوں رکھا کہاں ہے؟"

"کام سے گیا ہے جی۔"

"ہوں...... تمہیں پولیس اسٹیشن لے جایا جائے یا خود ہی سب کچھ بتا دو گے۔"

"نہیں صاحب جی...... آپ ہم پر بھروسا کرو جی، ہمارے بارے میں معلوم کر لو کسی سے، ہم نے تو زندگی میں کبھی ایسا کوئی غلط کام نہیں کیا جس سے صاحب جی ہم سے کسی کو کوئی شکایت ہو۔"

"کاچھو تم سے جو معلوم کیا جائے اس کا صحیح صحیح جواب دو، آؤ میرے ساتھ چلو اور یہاں رکھا کے لئے کسی سے کہہ دو کہ جب بھی وہ آجائے اسے پولیس اسٹیشن بھیج دیا جائے۔"

"صاحب جی آپ ہمیں مارو گے؟"

"کیوں ماروں گا...... مارنے کی کوئی وجہ تو نہیں ہے۔"

اتنی دیر میں رکھا بھی آگیا، وہ سمجھا کہ کوئی جھگڑا وغیرہ ہو گیا ہے لیکن شہاب نے اسے بھی اپنے ساتھ لے لیا اور اس کے بعد گاڑی میں بٹھا کر وہ ان دونوں کو ایک بار پھر تھانے میں لے آئے، کام بڑی برق رفتاری سے ہو رہا تھا، تھانے کی عمارت میں داخل ہوئے تو افضال شاہ موجود تھا۔ افضال شاہ نے بڑی پرتپاک پذیرائی کی تھی ان کی، بینا کو دیکھ کر وہ بولا۔

"میڈم میں نے وہ آلہ قتل لیبارٹری بھجوا دیا ہے اور خود وہاں جا کر پوسٹ مارٹم رپورٹ فوری طور پر حاصل کرنے کے لئے کہا ہے...... میں نے ان لوگوں کو بتا دیا ہے کہ اسپیشل والے اس کیس میں پوری پوری دلچسپی لے رہے ہیں...... اس لئے کام پھرتی سے ہونے چاہئیں، رپورٹ کے ساتھ ہی آلہ قتل پر موجود خون کے نشانات کی رپورٹ بھی مل جائے گی۔"

"ہوں...... یہ کاچھو اور رکھا ہیں۔" بینا نے کہا اور افضال شاہ اُچھل پڑا، پھر وہ ان دونوں کو گھورتے ہوئے بولا۔

"آپ نے انہیں تلاش بھی کر لیا، بڑی بات ہے، آپ یقین کرو جی میں بس یہی سوچ رہا تھا کہ ان کی تلاش کے لئے کوششیں کی جائیں لیکن یہ آلہ قتل آپ کو کہاں سے ملا۔"

"مجھے جانتے ہو افضال شاہ۔" شہاب نے کہا۔

"سر معافی چاہتا ہوں...... ظاہر ہے میڈم کے ساتھ ہیں آپ تو۔"

"میرا نام شہاب ثاقب ہے۔" افضال شاہ اُچھل پڑا اور پھر اس نے شہاب کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"سر آپ یقین کریں آپ کو خوش کرنے کی بات نہیں ہے آپ کا نام بے شمار بار سن چکا ہوں...... دل میں یہ خواہش تھی کہ کسی وقت آپ سے ملاقات کروں گا، آپ آگئے میری عزت میں ہزار گنا اضافہ ہو گیا۔"

"کاچھو سے بیان لینا ہے ہمیں۔"

"آپ فکر ہی نہ کریں سر جی، کھال اتار دوں گا ان دونوں کے بدن کی...... ہاں بھئی بولو۔"

"معاف کر دو صاحب جی، آپ کو خدا کا واسطہ ہمیں معاف کر دو...... ہم تو شہر ہی سے بھاگ جانے کی فکر میں تھے، یہ رکھا ریل کے ٹکٹ لینے کے لئے گیا تھا، صاحب جی ہماری تو جان ہی نکل گئی ہے...... ہم جانتے تھے کہ ہم مصیبت میں پھنس جائیں گے۔"

"کیوں؟"

"صاحب جی دیکھیں اگر اللہ پر بھروسا رکھتے ہیں آپ تو ہماری بات کو سچ سمجھ لیں...... گھروں میں کام کرتے ہیں...... محلے کے تھانے میں ہمارا رجسٹریشن ہے...... شناختی کارڈوں کی کاپیاں اور ہمارے گھربار کا سارا اپتا علاقے کے تھانے میں موجود ہے...... صاحب جی ہم نے خود انچارج صاحب کو بتایا تھا کہ ہم گھروں میں کام کرنے والے آدمی ہیں اور ہم نے آج تک کوئی جرم نہیں کیا اور نہ آئندہ کریں گے، وہ اس لئے کیا تھا ہم نے کہ آج کل گھروں میں جو وارداتیں ہوتی ہیں ان میں نوکر ہی ملوث ہو جاتے ہیں...... کئی بار ہم نے دوسرے کام تلاش کئے اور سوچا کہ ایسے کام کرنے سے اچھا ہے کوئی دوسرا ہی کام کیا جائے، مگر صاحب جی کوئی اور کام بھی کامیاب نہیں ہو سکے...... رشوت چلتی ہے صاحب جی، ہم تو غریب لوگ ہیں ہم کہاں سے دیتے سو ہمیں نوکری بھی نہیں ملی، بس پانچ چھے گھروں میں کام کرتے ہیں...... صاحب جی آپ ضرور اس گھر کے بارے میں معلوم کرنے آئے ہوں گے، مطلب یہ کہ تین سو اٹھارہ میں۔"

"ہاں...... تم نے لاش کب دیکھی؟"

"صاحب جی صبح سات بجے ہم وہاں جاتے ہیں اندر گھسے تو ہم نے دیکھا کہ گیٹ کھلا ہوا ہے ورنہ پہلے بیگ صاحب ہی گیٹ کھولتے تھے، پھر ہم نے دو چار آوازیں لگائیں اور ہمارے دل میں ایک خیال گزرا کہ کہیں گھر میں چوری نہ ہو گئی ہو، پہلے تو سوچا کہ بھاگ جائیں مگر پھر سوچا کہ کم از کم معلوم تو کرنا چاہئے اس کے بعد وہ دروازہ بھی ہمیں کھلا ہوا ملا جو اندر جانے کا دروازہ تھا اور صاحب جی جیسے ہی ہم نے اندر نظر ڈالی تو کمرے میں ہمیں بیگ صاحب خون میں لت پت نظر آئے۔ صاحب جی بس آپ یہ سمجھ لو کہ ہم نے بڑی بری حالت میں وہاں سے جان بچائی، بہت دیر تک ہم لوگ پریشان رہے، کہیں اور بھی کام پر نہیں جا سکے، پانچ چھ جگہ کام کرتے ہیں آپ اگر چاہیں تو ہم ان سے آپ کو گواہی دلا سکتے ہیں، کسی کو کوئی شکایت نہیں ہوئی، اپنا کام پوری طرح کرتے ہیں۔ صاحب جی بہت سوچنے اور سمجھنے کے بعد ہم نے پولیس اسٹیشن کا نمبر تلاش کیا اور پھر ادھر فون کر دیا، بس اور اس سے زیادہ کیا کر سکتے تھے، رکھا کی حالت بہت خراب تھی اور میری بھی اور پھر ہم نے یہ طے کیا کہ شہر چھوڑ کر ہی بھاگ جائیں۔ رکھا ہی ٹکٹ لے کر آیا ہے۔"

"ہاں...... میری جیب میں موجود ہیں۔" رکھا نے بتایا۔

"جب تم نے کچھ کیا ہی نہیں ہے تو بھاگ کیوں رہے تھے؟"

"صاحب جی غریب آدمی کی گردن ہر جگہ پھنس جاتی ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ جب پولیس کو اصل مجرم نہیں ملتے تو کسی بھی غریب آدمی کی گردن میں پھندا ڈال دیا جاتا ہے۔ صاحب جی ہم تو بہت ہی بے سہارا تھے۔" کاچھو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، شہاب نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"نہیں کاچھو ہو سکتا ہے کہ کچھ ایسے واقعات ہوئے ہوں لیکن بہر حال تمہارے ساتھ ایسا نہیں ہو گا...... تم سے جو کچھ معلوم کیا جائے وہ بتاؤ۔"

"صاحب جی بس، آپ جو کچھ پوچھو گے سچ سچ بتا دیں گے۔ اب جیسی ہماری تقدیر وہ تو ہو گا جو ہونا ہے۔"

"کچھ نہیں ہو گا میں نے کہا ناں تم سے...... تم بے فکر ہو جاؤ اور بتاؤ کہ یہ بیگ صاحب کس قسم کے آدمی تھے؟"

"صاحب جی ہمیں ان کے ساتھ کام کرتے زیادہ وقت تو نہیں گزرا لیکن دل والے تھے۔"

"کوئی ایسی بات جو کبھی تم نے دیکھی ہو۔"

"ہاں صاحب جی شوقین مزاج تھے، پیتے پلاتے بھی تھے ایک بار ہمیں آدھی بوتل بھی دی تھی اور اس کے علاوہ صاحب جی بری عورتیں بھی ان کی دوست تھیں۔"

"کوئی خاص بات دیکھی کبھی تم نے۔"

"ایک دن صبح کو دونوں سو رہے تھے، بڑی مشکل سے دروازہ کھلا تو کہنے لگے یار کاچھو کبھی کبھی چھٹی بھی کر لیا کرو یا پھر دیر سے آیا کرو مگر صاحب جی ٹائم تو انہوں نے ہی باندھا تھا، وہ کہتے تھے کہ ہم سات بجے تک پہنچ جایا کریں...... بیل بجانے سے وہ خود بھی جاگ جاتے ہیں۔"

"تم کبھی ایسے وقت بھی وہاں پہنچے جب سات نہ بجے ہوں وہ کہیں کام پر جاتے تھے۔"

"یہ تو کچھ پتا نہیں صاحب جی، لیکن وہ کہتے تھے کہ سات بجے جاگ جانا چاہتے ہیں اور ہم آکر زور زور سے بیل بجا دیا کریں...... وہ ہماری بیل بجانے سے ہی اُٹھتے تھے۔"

"اکیلے ہوتے تھے۔"

"ہاں۔"

"تم ابھی جو بتا رہے تھے۔"

"ہاں صاحب جی اس دن ایک بی بی ان کے ساتھ تھیں، باہر نیلے رنگ کی کار کھڑی ہوئی تھی اور وہ بی بی، بس صاحب جی آگے آپ خود سمجھدار ہو۔"

"اس کا حلیہ۔" شہاب نے سوال کیا اور کاچھو اور رکھا ایک حلیہ بیان کرنے لگے جسے شہاب نے خاص طور سے کاغذ پر نوٹ کیا تھا۔

"کار کا رنگ۔"

"نیلے رنگ کی کار تھی۔"

"نمبر۔"

"نہیں صاحب جی نمبر تو ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔"

"کار تم نے ایک بار دیکھی کہ کئی بار دیکھی۔"

"دو دفعہ دیکھی صاحب جی، ایک دفعہ جب ہم وہاں پہنچے تو بیگ صاحب جاگ چکے تھے اور وہ میم صاحب کار میں بیٹھ کر جا رہی تھیں۔"

"اکیلی۔"

"ہاں۔"

"خود کار چلا رہی تھیں۔"

"ہاں صاحب جی۔"

"ٹھیک، چلو ٹھیک ہے اور کوئی ایسی بات کاچھو جو تم اس کے بارے میں بتا سکو۔"

"نہیں صاحب جی۔"

"دیکھو بات سنو بلاوجہ ہی ڈر رہے تھے تم...... بس تمہیں اتنی ہی باتیں بتانی تھیں اس سے زیادہ تو ہم تم سے کچھ نہیں پوچھنا چاہتے تھے...... اب تم ایک کام کرو ہو سکتا ہے تمہیں اس بارے میں گواہی دینا پڑے، بھاگنے کی کوئی ضرورت نہیں...... یہ ٹکٹ پھاڑ کر پھینکو اور لو یہ ٹکٹوں کے پیسے مجھ سے لے لو، کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے، تمہارا کچھ نہیں بگڑے گا...... افضال شاہ: بیچاروں کو دوبارہ پریشان نہ کرنا اور اگر ان سے کوئی کام ہو تو مجھ سے مشورہ ضرور کر لینا۔"

"بہتر جناب۔" اس کے بعد کاچھو اور رکھا سلام کر کے چلے گئے تو افضال شاہ نے کہا۔

"آپ لوگ یقین کیجئے میں آپ لوگوں کو خوش کرنے کے لئے یہ بات نہیں کہہ رہا، ڈی آئی جی صاحب نے یہ جو نیا آرڈیننس نکالا ہے اور سپیشل والوں کو ہم لوگوں کی مدد کے لئے مخصوص کر دیا ہے تو ہم بھی اپنی کارکردگی دکھائیں گے...... صاحب جی بات اصل میں یہ ہے کہ ٹریننگ تو ہماری ہوتی ہے لیکن تجربہ تو وقت سے ہی آتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہم فرشتے ہیں اور کبھی ہم سے کوئی برائی نہیں ہوتی، لیکن کبھی کبھی ناتجربےکاری میں بھی ہم کچے رہ جاتے ہیں...... میڈم جس تیز رفتاری سے کام کر رہی ہیں صاحب جی اسے دیکھ کر تو ہم حیران رہ گئے ہیں، کام واقعی ایسا ہی ہونا چاہئے۔"

"افضال شاہ اب تھوڑی بہت معلومات تو حاصل ہو گئی ہے، پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ظاہر ہے کوئی خاص نہیں ہو گی، بس آلہ قتل پر جو خون کے دھبے ملے ہیں ان کی تصدیق اور پوسٹ مارٹم کی رپورٹ تم ہیڈ کوارٹر پہنچا دو...... کام جاری رکھو پتا چل جائے گا اس نیلے رنگ کی گاڑی کے بارے میں جس طرح بھی ہو سکے معلومات حاصل کرو اور ہمیں اطلاع دو۔"

"اس علاقے میں جیسا کہ افضال شاہ تمہیں معلوم ہے میری ڈیوٹی ہے میرا کارڈ اپنے پاس رکھ لو، کوئی بھی نئی بات ہو مجھے فوراً اطلاع دینا...... نیلے رنگ کی کار کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرنا۔"

"ٹھیک ہے...... آپ اطمینان رکھیں سر۔" اس کے بعد بینا اور شہاب وہاں سے چل پڑے تھے...... رات کو بینا مسکراتے ہوئے بولی۔

"شہاب اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تمہاری نگاہیں کافی گہری ہیں...... اصل میں بات تجربے کی بھی ہوتی ہے، یقین کرو میں تو کبھی اس آلہ قتل کو حاصل نہ کر سکتی، میرا ذہن ایسی کسی طرف گیا ہی نہیں۔"

"اصل میں اس قسم کے واقعات میں گہرائی کے ساتھ یہ سوچنا پڑتا ہے کہ مجرم جرم کرتے وقت کیسے کیسے حالات کا شکار ہو سکتا ہے...... اب سب سے پہلی بات تو ہمارے سامنے یہ ہے کہ ہمیں جلال بیگ کی حقیقت ہی نہیں معلوم کوئی ایسی چیز نہیں حاصل ہو سکی جس سے صحیح معنوں میں یہ پتا چل سکے کہ جلال بیگ کون تھا، کیا کرتا تھا، کیا حیثیت تھی اس کی، ذریعہ آمدنی کیا تھا جہاں تک معلومات کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ وہ ادائیگیوں میں بہتر تھا، فراخدل بھی تھا اور ہوشیار بھی تھا کیونکہ تم نے دیکھا ہو گا مکان کے اندر سے شراب کی کوئی

خالی بوتل یا ایسی اشیاء دستیاب نہیں ہوئیں، وہ پیتا تھا لیکن احتیاط کے ساتھ، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نیلے رنگ کی وہ کار کس کی تھی جس میں کوئی عورت آتی تھی، ویسے تو خیر بینا کہنے کی بات نہیں ہے...... معاشرہ اس قدر بگڑ چکا ہے کہ اس کے بارے میں تذکرہ کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے اس قسم کے لوگ، میرا مطلب غلط قسم کی عورتوں سے ہی اتنا کما لیتے ہیں کہ بہت اعلیٰ زندگی گزار سکیں...... ہر کاروبار جس میں برائی شامل ہے بہترین ذریعہ آمدنی بن چکا ہے...... عزت دار، محنت مزدوری چاہے وہ قلم کی ہو یا بدن کی، محنت مزدوری کرنے والے لوگ بس پیٹ بھر کر روٹی کھالیں...... بدن ڈھک لیں تو سمجھ لو کہ وقت کا احسان ہے ان پر، اس نیلے رنگ کی کار کے بارے میں کچھ تفصیلات پتا چلیں تو بات سامنے آئے...... اب یوں سمجھو کہ اگر کوئی عورت آتی تھی جیسا کہ کاچھو نے بتایا تو یہ عورت بھی اس قتل میں ملوث ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ ہمیں کار کے میکر اور ماڈل کا پتا چل سکے۔"

"میرا خیال ہے اس سلسلے میں عنایت خان کی بیوی بڑی کارآمد ثابت ہو سکتی ہے، تیز طرار عورت ہے، ضرورت سے زیادہ بولنے والی۔"

"ارے ہاں...... ذرا اس کو ایک بار اور ٹٹول لو، لیکن تنہا تم۔"

"میں کل ہی کوشش کروں گی۔" اور دوسرے دن بینا اپنی کار میں ایسے وقت بلال سٹریٹ پہنچی جب اسے اندازہ تھا کہ عنایت خان گھر میں موجود نہیں ہوگا...... پولیس کانسٹیبل البتہ ڈیوٹی پر تھا، ایک ہی آدمی تھا جو اپنی ڈیوٹی سرانجام دے رہا تھا، بینا کو دیکھ کر اس نے سلیوٹ کیا...... بینا نے تین سو سترہ کی بیل بجائی تو خاتون نے ہی دروازہ کھولا۔

"ہم نے پہچان لیا ہے تمہیں، پولیس میں نوکری کرتی ہو نا مگر دیکھو ہمارے میاں سے ہمارا بہت جھگڑا ہوا ہے ان کا کہنا ہے کہ ہم ضرورت سے زیادہ بولتے ہیں اور ضرورت سے زیادہ بولنا نقصان دہ بھی ہو سکتا ہے...... ہم اس بارے میں تم سے کوئی اور بات نہیں کرنا چاہتے۔"

"لیکن دیکھئے نا پولیس کی مدد کرنا تو ہر شریف شہری کا فرض ہے اور اگر کوئی اس سلسلے میں پولیس کا ساتھ نہیں دیتا تو پولیس اس کے ساتھ زبردستی بھی کر سکتی ہے...... آپ چہرے سے انتہائی شریف خاتون معلوم ہوتی ہیں...... میں آپ سے کوئی سخت بات نہیں کہنا چاہتی لیکن کیا فائدہ کہ آپ کو کوئی تکلیف ہو۔"

"شریف تو ہم ہیں ہمارے ابا خشک میووں کا کاروبار کرتے تھے اور یقین کرو۔"

"دروازے پر کھڑے ہو کر یہ باتیں کریں گی آپ۔"

"آجاؤ...... آجاؤ مگر ہمارے میاں کو نہ بتانا، ارے ہم تو ویسے ہی تنگ تھے، تمہیں پتا نہیں ہے برابر میں کون لوگ آ کے رہ گئے تھے...... آؤ، اندر آجاؤ۔" بیگم صاحبہ نے کہا اور بینا ان کے ساتھ اندر داخل ہو گئی۔ گھر کے بارے میں تو اسے پہلے ہی اندازہ ہو چکا تھا کہ بے چارے عنایت خان پوسٹ آفس میں کلرک ہیں...... بینا نے بہت سے اندازے قائم کئے تھے، بہرحال پرانی طرز کے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بینا نے کہا۔

"جی بیگم صاحبہ آپ کچھ بتا رہی تھیں۔"

"ارے ہم یہ کہہ رہے تھے کہ دیکھو نا کیسی مشکل آپڑتی ہے...... وہ تین سو انیس بھی خالی پڑا ہوا ہے۔ یہ تین سو اٹھارہ بھی کافی عرصے خالی پڑا رہا، پہلے اس میں بے چارے جو لوگ تھے نا ان کا تبادلہ ہو گیا، وہ شاید اسلام آباد چلے گئے...... اس کے بعد گھر خالی رہا، ہم تو شروع ہی سے جب کمپنی نے قبضہ دیا تھا اس گھر میں آ گئے تھے، بہت کم گھر آباد تھے مگر یہ مکان مالک ہوتے ہیں نا بس کرائے کے لالچ میں الٹے سیدھے لوگوں کو مکان دے دیتے ہیں اور محلے کے لوگ پریشان ہوتے ہیں...... اب زمانہ ایسا ہے کہ اگر آپ کسی کی شکایت کریں تو وہ آپ کی جان کا دشمن، اخبار تو پڑھتی ہوں گی نا آپ۔"

"جی، جی۔" بینا نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔

"چائے بنا کر لائیں آپ کے لئے، بڑی اچھی چائے بناتے ہیں ہم۔"

"آپ کی محبت ہے مگر آپ یقین کریں اس وقت بالکل ضرورت محسوس نہیں ہو رہی۔"

"آپ کی مرضی ہے تو ہم کہہ رہے تھے کہ مالک مکان لالچ میں آکر الٹے سیدھے لوگوں کو مکان دے دیتے ہیں...... اب یہ صاحب آئے تھے جو مارے گئے، دو چار بار دیکھا ہم نے انہیں، شکل ہی سے لفنگے لگتے تھے، ویسے بڑے ٹھاٹھ باٹھ تھے...... ملازمہ کا قصہ تو ہم آپ کو بتا ہی چکے ہیں...... ایک اور صاحبہ آتی تھیں، نیلے رنگ کی کار میں اچھی شکل وصورت کی مالک تھیں، بڑے ٹھاٹھ باٹھ بنا رکھے تھے...... انہوں نے، ایک مرتبہ ہم بیمار ہو گئے اور ہسپتال میں داخل ہو گئے تھے تو ہم نے ایک ڈاکٹر صاحب کو دیکھا تھا...... وہ ڈاکٹر صاحب ہمارا علاج کرتے تھے، کوئی سترہ دن ہمیں ہسپتال میں رہنا پڑا تھا، ڈاکٹر صاحب بہت اچھے آدمی

تھے...... بڑی اچھی طرح ہماری خیریت پوچھا کرتے تھے مگر لگتے تھے گھن کے پکے، بس کیا بتائیں آپ کو آنکھیں خراب تھیں ان کی، ارے ہم تو اڑتی چڑیا کے پر پہچان لیتے ہیں دور سے دیکھ کر بتا دیتے ہیں کہ انسان کیسا ہے تو جن ڈاکٹر صاحب نے ہمارا علاج کیا تھا ایک بار ہم نے انہیں ایک سپر مارکیٹ میں دیکھا، ہم بھی اپنے شوہر کے ساتھ خریداری کرنے گئے تھے اور وہاں وہ صاحبہ ڈاکٹر کے ساتھ تھیں...... ہم تو یہی سمجھے تھے کہ ڈاکٹر کی بیگم صاحبہ ہوں گی لیکن پھر جب ہم نے انہیں یہاں اس آدمی کے ہاں نیلے رنگ کی کار سے اترتے دیکھا تو ہمیں بڑی حیرت ہوئی...... میں نے عنایت خان کو بھی یہ بات بتائی تھی، عنایت خان نے کہا ہمیں کیا...... یہ عنایت خان جو ہیں نا ہمارے میاں بڑے ڈرپوک آدمی ہیں، آپ یقین کریں کہ انہوں نے آدھی زندگی پوسٹ آفس میں نوکری کرتے کرتے گزار دی ہے، کبھی ترقی نہیں ملی...... افسروں کے سامنے جانے سے ڈرتے ہیں، کہتے ہیں کہ افسر کی اگاڑی اور گھوڑے کی پچھاڑی ہمیشہ غلط ہوتی ہے...... ارے ہم کہتے ہیں کہ لات کھائے بغیر اس دور میں ترقی کہاں ملتی ہے...... اب آپ خود ہی بتائیے، چلیں چھوڑیں، ہم کیا باتیں کرنے بیٹھ گئے...... اب آپ آئی ہیں تو ایک پیالی چائے پی ہی لیں، عنایت خان کی تو جان نکل جائے گی...... ایک بات سنیں ہم عنایت خان کو نہیں بتائیں گے کہ آپ آئی تھیں، ہم نے آپ سے کوئی بات کی تھی۔"

"آپ بالکل بے فکر رہیں اور چائے کی زحمت نہ کریں بلکہ تھوڑی سی میری مدد کر دیں۔"

"ہاں ہاں بولیں بولیں...... آپ اچھی عورت معلوم ہوتی ہیں...... وہ جو کل آپ کے ساتھ آئے تھے کیا آپ کے افسر تھے۔"

"جی ہاں...... وہ میرے افسر بھی تھے اور میرے شوہر بھی تھے۔"

"ایں...... شادی کر لی آپ دونوں نے، محبت کی شادی کی ہوگی۔"

"جی ہاں...... یہی سمجھ لیجیے۔"

"بڑے خوش نصیب ہوتے ہیں وہ، ارے ہماری تو پوری زندگی گزر گئی...... ابا نے ہمیشہ پردے میں رکھا، گھر کے دروازے پر بھی کھڑا نہ ہونے دیا...... ہم کسی سے کیا محبت کرتے...... پھر یہ عنایت خان پتا نہیں کہاں سے مل گئے ابا کو، بس کیا کہیں ماں باپ بھی ظلم کرتے ہیں۔"

"کیوں...... آپ کے شوہر تو اچھے خاصے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"چھوڑیئے، جی چھوڑیئے...... کار میں سیر و تفریح کرتی پھر رہی ہیں آپ، ایک ہم ہیں وہ تو شکر ہے ابا نے اپنی جیب سے پیسے ادا کر کے یہ گھر بک کرا دیا تھا...... قسطیں البتہ ہم نے ادا کیں اور وہ بھی جیسے ہم نے ادا کیں آپ کو کیا بتائیں، ابھی تک ہاؤس بلڈنگ کا قرضہ بھگت رہے ہیں ایسی کوئی زندگی ہوتی ہے۔"

"نہیں...... زندگی صرف عیش و عشرت کے سہارے نہیں چلتی اور بھی بہت کچھ چاہئے ہوتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ عنایت خان تم سے محبت کرتے ہیں یا نہیں۔"

"خیر اللہ رکھی کہیں گے ایسی کوئی بات نہیں ہے، عنایت خان اتنے شریف آدمی ہیں کہ ہمارے علاوہ کسی کو انہوں نے نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا ہوگا، ہمت بھی نہیں ہے...... ارے خود ہم سے نظریں بہت کم ملاتے ہیں...... تم یہ سمجھ لو بی بی کہ ہم اس گھر کے مرد ہیں، اگر تھوڑا سا فرق ہوتا تو ہم ڈیوٹی پر جا رہے ہوتے اور عنایت خان گھر میں کھانا پکاتے۔" بیگم صاحبہ نے کہا اور ہنس پڑیں...... بینا ان خاتون کی گفتگو میں بہت مزے لے رہی تھیں، پھر اس نے کہا۔

"آپ نے میری مدد کا وعدہ کیا تھا۔"

"ہم کیا مدد کر سکیں گے۔"

"یہ بتائیے آپ نے اس نیلی کار کا نمبر دیکھا تھا۔"

"نہیں کبھی نہیں دیکھا، ہم ویسے بھی زیادہ دلچسپی نہیں رکھتے دوسروں کے معاملات سے، عنایت خان بھی ہمیں یہی سمجھاتے رہتے ہیں اور بات ٹھیک بھی ہے...... کیا فائدہ کسی بھی جھگڑے میں پڑنے سے اور پھر وہ برے لوگ تھے۔"

"کار کا ماڈل تو بتا سکتی ہیں آپ۔"

"ہاں شاید مزدا تھی، ہمیں یوں معلوم ہے مزدا کے بارے میں کہ ابا نے ایک بار مزدا کار کا سودا کیا تھا اور بتا رہے تھے کہ یہ مزدا تیرہ سو ہے...... اب مزدا تیرہ سو کیا ہوتی ہے یہ تو ہمیں نہیں معلوم لیکن جو کار تھی نا وہ بالکل ایسی ہی تھی، اچھی کنڈیشن کی تھی اور وہ بی بی اسے خود ہی چلا رہی تھیں...... ان کا حلیہ تو ہم آپ کو بتا چکے ہیں۔"

"جی جی...... بالکل...... اچھا آپ یہ بتائیے کہ آپ کب بیمار ہوئی تھیں۔"

"مئی میں...... مئی میں ہماری طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی...... بس کچھ ایسی ہی گڑبڑ ہو گئی تھی کہ کیا بتائیں آپ کو۔"

"نہیں نہیں ٹھیک ہے...... کون سے ہسپتال میں داخل ہوئی تھیں؟"

"ٹھہریئے ہم آپ کو وہ کاغذ دکھاتے ہیں، آپ کو خود پتا چل جائے گا۔" پھر بیگم صاحبہ نے کچھ کاغذات بینا کو دکھائے جن سے بینا کو ہسپتال کا پتا بھی چل گیا اور ڈاکٹر فیروز کا نام بھی انہی کاغذات کے ذریعے سامنے آیا...... ڈاکٹر فیروز اور وہ ہسپتال بہر حال بینا یہ محسوس کر رہی تھی کہ اس کا یہاں آنا ناکام نہیں رہا...... دو تین باتیں کم از کم معلوم ہو گئیں کہ کار، مزدا تیرہ سو تھی اور اس عورت کا ڈاکٹر فیروز سے کوئی تعلق تھا...... یہ ایک بہترین عمل تھا...... بینا سوچ رہی تھی کہ اب اس سے زیادہ ان خاتون کے پاس رکنا مناسب نہیں ہے، کچھ اور نہیں معلوم ہو سکے گا...... اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے بیگم صاحبہ اب اجازت دیجیئے۔"

"دیکھیئے آپ نے چائے تک تو پی نہیں، ہمیں اس کا افسوس رہے گا۔"

"پھر کبھی سہی۔"

"ارے نہیں...... نہیں...... آپ کو خدا کا واسطہ ہماری زندگی میں کوئی خرابی نہ پیدا کریں...... عنایت خان کا تو ویسے ہی دم نکل رہا ہے، اگر ان کا بس چلتا تو گھر چھوڑ چھاڑ کر کہیں بھاگ جاتے کہ برابر کے گھر میں قتل ہو گیا ہے...... اب دیکھیں نا کوئی مقتول کی روح تو ہمارے گھر گھس نہیں آئے گی...... ارے ہمیں کیا پڑی کسی کے بارے میں کچھ کہنے کی، خیر آپ اللہ کے واسطے دوبارہ نہ آئیں...... آپ کی بڑی مہربانی ہو گی۔"

"اگر کوئی بہت ہی اہم ضرورت ہوئی بیگم صاحبہ تو ایک آدھ بار آپ کو اور تکلیف دوں گی ایسے وقت میں جب عنایت خان نہ ہوں۔"

"خیر ویسے تو بڑی بداخلاقی ہے کسی کو اپنے گھر میں آنے سے منع کرنا کوئی اچھی بات تو نہیں ہے...... ہم تو مجبوری کی حالت میں یہ بات کہہ رہے تھے، چلیں ٹھیک ہے اللہ مالک ہے حالانکہ آپ ہمیں بہت اچھی طبیعت کی مالک معلوم ہوتی ہیں، لیکن اب کیا کیا جائے شوہر کی بات تو ماننی ہی پڑتی ہے...... ذرا بزدل آدمی ہیں، اچھا پھر خدا حافظ۔" بینا اب خود بھی یہاں نہیں رکنا چاہتی تھی، جو کچھ بھی تھا لیکن کچھ کام کی باتیں بھی معلوم ہوئی تھیں...... نادر

حیات صاحب کی ہدایت پر جو سلسلہ باقاعدگی سے شروع ہو گیا تھا...... بینا کا خیال تھا کہ یہ اس کی پہلی کڑی ہے اور جلال بیگ کے قاتل کے بارے میں اسے بہر طور معلومات تو حاصل کرنا ہی ہیں...... اب اس کے ذہن میں وہ ڈاکٹر تھا جس نے ان بیگم صاحبہ کا علاج کیا تھا اور جس کے ساتھ نیلی کار والی کو دیکھا گیا تھا...... ڈاکٹر کے بارے میں تفصیلات بہر حال معلوم ہو گئی تھیں، اس کی باقی تفصیلات معلوم کرنے کے لئے بینا کو یہ فیصلہ کرنا تھا کہ افضال شاہ کو استعمال کیا جائے یا پھر ڈبل او گینگ کے کسی ممبر کو اس کام پر لگایا جائے...... افضال شاہ بہر حال ایک تعاون کرنے والی شخصیت تھی، بینا نے سوچا کہ اگر ڈبل او گینگ کے کسی فرد کو اس کام پر لگایا جائے تو فائدہ ہی کیا ہو گا، حالانکہ وہ بھی محکمہ پولیس کے ملازمین ہی تھے لیکن پھر بھی بینا اصل بات سے واقف تھی، چنانچہ وہ اس سلسلے میں کام نہیں کرنا چاہتی تھی، پھر افضال شاہ نے اسے رپورٹ پیش کی...... تقریباً تمام تفصیلات کا علم ہو گیا ہے...... میڈم، آلہ قتل وہی ہے، پوسٹ مارٹم رپورٹ بتاتی ہے کہ سر پر برف توڑنے والے وزنی سوئے سے پوری قوت سے ضرب لگائی گئی تھی جس کی وجہ سے جلال بیگ کی موت واقع ہوئی، ایک ہی ضرب میں کام تمام ہو گیا تھا، ویسے سلاخ پر انگلیوں کے نشانا نہیں مل سکے کیونکہ وہ کوڑے دان میں ڈال دی گئی تھی اور اس پر کوڑے اور گرد کی تہہ جم گئی تھی۔"

"ٹھیک ہے افضال شاہ میں تم سے کچھ اور بھی رابطے قائم کروں گی اور اس کے بعد تمہیں بتاؤں گی کہ آگے کیا کرنا ہے۔"

"میں تو بہت خوش ہوں میڈم کہ مجھے آپ کا تعاون حاصل ہو رہا ہے...... بہر حال آپ یقین کریں مجھ سے آپ کو کوئی شکایت نہیں ہو گی...... آپ کے ایک ایک حکم پر عمل کروں گا۔" بینا نے افضال شاہ کو یقین دلایا کہ وہ بہر طور اس کی ہر طرح سے مدد کرے گی اور اس کیس کو باقاعدگی کے ساتھ وہی حل کرے گا...... افضال شاہ نے بے حد شکریہ ادا کیا تھا، بینا نے بھی دل میں فیصلہ کیا تھا کہ اگر شہاب کی مدد ہی حاصل کرنی ہے تو پھر یہ کیس تنہا سرانجام دینا نہ ہوا، جیسا بھی ہو کم از کم اپنے طور پر کوشش تو کرنی چاہیئے...... باقی اگر ڈور کہیں جا کر بری طرح پھنس ہی گئی تو پھر شہاب کی مدد لے لینا ضروری ہو جائے گا اور اسی رات اس نے اس موضوع پر شہاب سے گفتگو بھی کی۔

"ان دنوں ہم لوگ واقعی کچھ کام کرنے کی پوزیشن میں نظر آ رہے ہیں، کیا خیال ہے

آپ کا مسٹر شہاب۔" غیر متوقع طور پر شہاب نے سنجیدگی سے کہا۔

"اصل میں بینا میرے سلسلے میں تو تمہیں اس بات کا علم ہے کہ نادر حیات صاحب نے بڑی کوشش کر کے مجھے منشیات کے سمگلروں کے خلاف بین الاقوامی پیمانے پر کام کرنے سے روکا ہے ان کا موقف بھی میں سمجھتا ہوں، ان کا کہنا یہ ہے کہ جس کا کام اسی کو ساجھے، نارکوٹکس اور اس کے علاوہ دنیا کے کئی ملکوں کے محکمے جو بڑے اعلیٰ پیمانے پر منشیات کے خلاف جنگ جاری رکھے ہوئے ہیں، اس سلسلے میں کوششیں کر رہے ہیں...... یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ بین الاقوامی پیمانے پر منشیات کی اس تجارت کو روکیں، اس سلسلے میں تجاویز پیش کریں...... اگر کوئی ایسا مسئلہ آتا ہے جس میں ہمارے وطن کی انتظامیہ کی ضرورت پیش آتی ہے تو اس کے لئے الگ بات ہے کہ اپنی پسند کے لوگوں کو کام پر لگایا جا سکے...... نادر حیات صاحب کا کہنا ہے کہ شہاب یہاں بے شمار جرائم ہوتے ہیں، پہلے اندرونی طور پر ان جرائم کے خلاف بھرپور جنگ کی جائے تو زیادہ مناسب ہے، اپنے منصب سے ہٹ کر اپنی پسند کے شعبے کا انتخاب مناسب نہیں ہے اور میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں بینا...... آئی جی صاحب نے خلوص دل سے یہ بات قبول کی ہے کہ میں نے اپنے طور پر جو کارروائی کی ہے اس کے نتائج بہت عمدہ برآمد ہو رہے ہیں، بہت سے ایسے معاملات ہیں جو ابھی پس پردہ ہیں، لیکن میری کارروائیوں کے نتائج برآمد ہوئے ہیں اور خفیہ رپورٹیں یہی مل رہی ہیں کہ منشیات کا یہ کاروبار جو کچھ عرصے قبل ہمارے علم کے بغیر بڑے اعلیٰ پیمانے پر ہو رہا تھا...... اب ایک دم سست پڑ گیا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کام کا اندازہ نہیں رہا اور تجارت کرنے والوں کو آسانیاں فراہم نہیں ہو رہیں...... بہرحال میں اس سلسلے میں کسی مفصل تفصیل میں نہیں جاؤں گا، مطلب یہ ہے کہ میں نے ان سے اتفاق کر لیا ہے اور یہ ٹھیک بھی ہے، دنیا بھر کے کام صرف ہم ہی تو نہیں کر سکتے اور بھی لوگ ہیں جنہیں یہ ذمہ داریاں پوری کرنا ہوں گی۔ بہرحال تم سناؤ تمہارا معاملہ کیسا جا رہا ہے...... تم نے تو اپنے لئے ایک مشن تلاش کر لیا ہے۔"

"میں اسی موضوع پر تم سے گفتگو کرنا چاہتی تھی شہاب۔"

"ہاں ہاں بالکل، بولو۔"

"اصل میں شہاب جب تم نے مجھے اس کھیل میں ڈال ہی دیا ہے تو تمہاری شاگرد کی حیثیت سے میں بھی اپنے آپ کو آزمانا چاہتی ہوں اور وہ سب کچھ کرنا چاہتی ہوں جس میں

بعد میں مجھے تمہارے سامنے سرخروئی حاصل ہو۔"

"تمہیں گلابی روئی تو حاصل ہو گئی ہے میرے سامنے...... بس گلابیوں کو میرے سامنے قائم رہنے دو، باقی جہاں تک تمہاری سرخروئی کا تعلق ہے تو تمہاری کامیابی کے لئے یہ خادم دل و جان سے حاضر ہے۔" بینا مسکرائی اور بولی۔

"بہت دنوں سے بڑی سنجیدگی طاری تھی آپ پر جناب شہاب صاحب اور بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ اس سنجیدگی کی وجہ کیا ہے، لیکن خدا کا شکر ہے کہ آج قفل ٹوٹ گیا۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں، اصل میں بس ڈی آئی جی صاحب سے مذاکرات چل رہے تھے وہ اپنا موقف مجھے سمجھا رہے تھے اور میں ان سے کہہ رہا تھا کہ قوم کے نوجوان اور بہت سے خاندان منشیات کی لعنت کا شکار ہو کر جس بے کسی کی زندگی گزار رہے ہیں وہ میرے لئے ناقابل برداشت ہے...... گندی نالیوں میں منشیات کے نشے میں دھت دم توڑ جانے والوں کی لاشیں ملتی ہیں...... کیا یہ میرے اہل وطن نہیں ہیں؟ کیا یہ کسی اور دنیا سے آئے ہیں؟ منشیات کی یہ لعنت انہوں نے پیدائشی تو نہیں حاصل کی ہے...... انہیں اس لعنت کا شکار کیا گیا ہے اور اپنے اہل وطن کو میں ان شکاریوں سے بچانا چاہتا ہوں...... میرا موقف انہوں نے تسلیم کیا اور کہنے لگے کہ اگر ایسے کچھ لوگ نگاہوں میں آتے ہیں تو میں انہیں قطعی نہ چھوڑوں، خواہ وہ کسی منصب کے حامل ہوں لیکن صرف اسی شعبے پر کام نہ کروں بلکہ چاروں طرف نگاہ رکھوں، ویسے بینا میں نے اپنے لئے ایک کام تلاش کر لیا ہے۔" شہاب نے کہا اور بینا چونک کر اسے دیکھنے لگی اور بولی۔

"وہ کیا؟" شہاب چند لمحے سوچتا رہا پھر بولا۔

"فی الحال میرے حلقے میں کوئی ایسا اہم کیس موجود نہیں ہے جس پر میں کام کروں، چنانچہ میں نے کچھ آفیشل کام اپنے ذمے لے لئے ہیں...... مثلاً میں ایسے لوگوں کی فائلیں نکلوا رہا ہوں جنہیں سزائیں دی گئی ہیں اور جو مختلف واقعات میں ملوث ہیں جنہیں موت کی سزا دے دی گئی ہے، ان کے لئے تو خیر کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا، لیکن جو لوگ سنگین وارداتوں میں ملوث ہیں اور عمر قید کی سزا پا رہے ہیں ان کی فائلوں کی ورق گردانی کر رہا ہوں میں اور معلومات کر رہا ہوں کہ ان کے جرم کیا تھے...... بینا یہ بھی ایک نیک جذبے کے تحت کر رہا

ہوں میں...... آج میں پھر تمہارے سامنے اپنے باپ کا موقف دہرا رہا ہوں...... ثاقب حسین ایک سچے صحافی تھے اور سچائیوں کو لکھتے تھے، انہوں نے کبھی زرد صحافت میں حصہ نہ لیا، جس شخص نے جو کچھ کیا اگر اسے منظر عام پر لانا انہوں نے اپنا فرض سمجھا تو دنیا کی ہر مشکل کو ٹھکرا کر وہ اس سچ کو منظر عام پر لائے کیونکہ سچائیوں کو قبول کرنا دنیا کا سب سے مشکل کام ہے، لیکن ان نفرتوں کی پروا کئے بغیر وہ اپنا کام سرانجام دیتے رہے اور اس کے بعد بار بار تفصیل دہرانا اچھا نہیں لگتا، انہیں اس کا جو کچھ صلہ ملا وہ تمہارے علم میں ہے۔"

"بینا میں بھی انہی جذبوں کے تحت کوششیں کرتا رہا ہوں...... محکمہ پولیس میں داخل ہونا میرے لئے جتنا کٹھن اور مشکل ثابت ہوا ہے، تم یقین کرو میں یہ نہیں کہتا کہ میں واحد آدمی ہوں لیکن بے شمار افراد کو اتنی زیادہ محنت نہ کرنی پڑی ہوگی جتنی مجھے یہ ملازمت حاصل کرنے کے لئے کرنی پڑی...... میرا مقصد صرف ملازمت کا حصول نہیں تھا بلکہ میں اپنے باپ کے مشن کو آگے بڑھانے کا خواہشمند تھا، میں یعنی سچ کو منظر عام پر لاؤں...... بینا حسب توفیق جتنا میرے بس میں تھا میں نے وہ سب کچھ کیا ہے اور اسے جاری رکھنا چاہتا ہوں...... کام تو ہو ہی رہے ہیں ہر قسم کے کیسز سامنے آجاتے ہیں اور اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کی غرض سے میں یہ سب کچھ کر بھی رہا ہوں لیکن ذرا سا موقعہ ملا ہے تو کیوں نا ان کی دادرسی کی جائے جن کا کوئی بھی نہیں تھا اور جو بے گناہی کی سزا بھگت رہے ہیں، میں ان کے لئے کام کرنا چاہتا ہوں، جتنا بھی موقع ملا درمیان میں اگر دوسرے مسائل درپیش نہ رہے تو بے شک کام کروں گا لیکن اس سلسلے میں چند بے گناہوں کو میں ان کی بے گناہی کی بقیہ سزا سے بچا سکوں تو کیا یہ اچھا کام نہیں ہوگا۔" بینا کی آنکھوں میں آنسو آگئے...... اس نے کہا۔

"شہاب کیا اللہ کے ہاں ہمیں اس کا صلہ نہیں ملے گا۔"

"میرا ایمان ہے ضرور ملے گا۔" شہاب نے جواب دیا۔

"اور خدا کی قسم میری دلی دعا ہے کہ تمہیں اپنے پاس نیک مقصد میں زبردست کامیابی حاصل ہو...... میں تم سے پوری طرح اتفاق کرتی ہوں۔"

"شکریہ بینا...... بہرحال اس سے میرے انسانی جذبوں کی تسکین ہوتی ہے...... تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ خود میرے اہل خاندان میرے گھر والے مجھے ایک نکما اور بے مقصد آدمی سمجھتے تھے ان کا خیال تھا کہ میں ان ناکام لوگوں میں سے ہوں جو زندگی بھر اپنی ناکامیوں کا رونا

روتے رہتے ہیں، لیکن میرے دل میں جو کچھ تھا وہ بالکل مختلف کام تھا اور میں اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتا رہا، پھر بینا میں نے جو کچھ کیا وہ بہت مختلف کیفیت کا حامل تھا، اگر تم مجھے رشوت خور کہتی ہو تو تم یقین کرو میں اپنے آپ کو رشوت خور نہیں سمجھتا، میں نے صرف ان لوگوں سے اپنا حصہ وصول کیا جو دوسروں کی گردنوں پر چھری پھیر کر دولت جمع کرتے تھے اور ان کے نزدیک انسانی معاملات کچھ بھی نہیں تھے۔"

"خیر چھوڑو، خواہ مخواہ جذباتی ہوگئے اور وہ باتیں کرنے لگے جو ایک طرح سے فی الحال بے مقصد ہی ہیں۔"

"نہیں شہاب...... بے مقصد باتیں نہیں ہیں۔"

"بہرحال اس موضوع کو ختم کرو...... میں خواہ مخواہ تمہیں بور کر رہا ہوں۔"

"کہہ تو رہی ہوں نا کہ بالکل بور نہیں کر رہے۔"

"بھئی میرا مطلب ہے کہ اب کچھ پیار محبت کی باتیں ہو جائیں، اب ایسی بھی دوری کس کام کی۔"

"جی نہیں جناب...... ابھی مجھے آپ سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔" شہاب نے شرارت سے پوچھا۔

"نہیں۔"

"کمال ہے...... آپ مجھ سے محبت نہیں کرتیں۔"

"یہ آپ جانتے ہیں۔"

"اور پیار۔"

"وہ بھی کرتی ہوں۔" بینا نے ناز بھرے انداز میں کہا۔

"تو پھر۔"

"دراصل میں شہاب جس قسم کا، میں کام کر رہی ہوں نا اس پر میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

"کمال ہے یار اب ایسا بھی کیا...... ہر کام کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔"

"جی نہیں، میری باتوں کا جواب دیجئے آپ۔"

"جی فرمائیے۔"

"بات اصل میں یہ ہے کہ میں اپنے کیس پر کام کرتے ہوئے تھوڑا آگے بڑھی ہوں۔"

"وری گڈ...... کوئی رکاوٹ ہے اس میں۔"

"نہیں رکاوٹ تو بالکل نہیں ہے، ہو سکتا ہے جو دیوار میں تعمیر کر رہی ہوں وہ کمزور بنیادوں پر ہو، غلط ہو۔"

"ہو سکتا ہے۔"

"تو پھر مجھے بتاؤ...... میں کیا کروں؟"

"کام جاری رکھو، راستے تلاش کرنے سے ملتے ہیں۔"

"افضال شاہ کو اس سلسلے میں شامل رکھوں یا اپنے طور پر کام کروں۔"

"بینا جہاں تک ہماری سچائیوں کا تعلق ہے تو بات اصل میں یہ ہے کہ ڈی آئی جی صاحب نے جو ذمہ داریاں مختلف لوگوں کو سونپی ہیں میں سمجھتا ہوں انہیں خوش دلی سے پورا کرنا چاہئے...... محکمہ پولیس میں ہر طرح کے لوگ موجود ہیں، ایسے بھی ہیں جو احکامات خداوندی کی پیروی کرتے ہیں، اپنے منصب اور اپنے موقف سے مکمل طور پر دیانتدار ہیں، مشکلات کا شکار ہوتے ہیں اور حالات کو اپنے قابو میں کرتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو ان تمام چیزوں کا خیال نہیں کرتے، لیکن میں سمجھتا ہوں وہ لوگ جو خوش دلی سے اپنا کام سرانجام دے رہے ہیں یا سرانجام دینا چاہتے ہیں، ہماری توجہ اور مدد کے مستحق ہیں...... افضال شاہ اگر خلوص سے اپنے عہدے پر کام کرنا چاہتے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ اس کی بھرپور مدد بھی کرنی چاہئے، اگر ان لوگوں کی تھوڑی سی تربیت ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے...... ہاں، وہ جو کچھ کرنا نہیں چاہتے اور کام سے جی چراتے ہیں انہیں یا تو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے یا پھر ان کے بارے میں رپورٹ تیار کی جائے...... اصل میں محکمہ پولیس کا کام جو ہے نا بینا اتنا ہی اہمیت کا حامل ہے جتنا تم کسی ہسپتال کے ڈاکٹر کے بارے میں کہہ سکتی ہو، بیماری سے تنگ آیا ہوا مریض بے شمار امنگیں اور آرزوئیں لئے ہوئے ڈاکٹر کے پاس پہنچتا ہے...... ڈاکٹر پر یہ فرض عائد ہوتا ہے بینا کہ وہ اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ اس کا علاج کرے...... محکمہ پولیس کے افراد بھی اسی ذمے داری کے زمرے میں آتے ہیں...... ان کا موقف بھی یہی ہونا چاہئے...... خیر بات ذرا طوالت اختیار کر گئی، افضال شاہ کس قسم کا آدمی ہے ابھی تک تم نے جو کام اس سے لیا ہے اس نے تم سے تعاون کیا ہے؟"

"بہت زیادہ...... عزت بھی کرتا ہے اور نیاز مند بھی ہے۔"

"تو بس ٹھیک ہے کم از کم اس کیس میں اس کی ہمت افزائی کرو، اسے بتاؤ اور اپنے احکامات کے تحت اس سے کام کراؤ...... ہاں جب تم یہ دیکھو کہ کہیں کوئی ایسی گرہ ہے جو تم سے کھولے نہیں کھل رہی تو یہ خادم حاضر ہے۔"

"تم نے واقعی میرا حوصلہ بڑھا دیا، سچی بات یہ ہے کہ اگر ہم تھوڑی بہت تربیت کر سکتے ہیں ان افسروں کی تو یہ آگے چل کر خود ملک کے لئے کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں۔"

"یہ زندگی کے ہر شعبے میں ہونا چاہئے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہمارا فرض ہے۔"

"تھینک یو، بہت بہت شکریہ جناب۔"

"آپ بھی ہمیں شکریہ کے کچھ مواقع عطا فرمائیں۔"

شہاب نے شرارت بھری نگاہوں سے بینا کو دیکھتے ہوئے کہا اور بینا نے گردن خم کر لی۔

"ایسے نہیں جناب...... مردوں کی طرح آنکھوں میں آنکھیں ڈالئے۔"

"میں مرد تو ہوں نہیں۔" بینا نے جواب دیا۔

"ارے ہاں سوری...... ہم اپنے آپ کو بھول گئے تھے۔"

شہاب بدستور شرارت بھرے لہجے میں بولا اور ہاتھ بڑھا کر روشنی کا سوئچ آف کر دیا۔

"دوسرے دن بینا نے افضال شاہ سے ملاقات کی وہ ابھی ابھی آیا تھا، موبائل سے اتر رہا تھا، بینا کو دیکھ کر سلیوٹ کیا بینا نے جواب دیا اور افضال شاہ بڑے احترام سے اسے آفس میں لے کر آ گیا۔

"کہو افضال شاہ کیا ہو رہا ہے، کتنے کیسز ہیں اس وقت تمہارے پاس...... کیا کیا کر رہے ہو؟"

"میڈم روزنامچہ پیش کرتا ہوں، اپنے طور پر جو ذمہ داریاں نبھا سکتا ہوں نبھا رہا ہوں...... خدا کے فضل و کرم سے پچھلے چھ ماہ کا ریکارڈ دیکھ لیجئے کچھ واقعات ہوئے ہیں لیکن میرے علاقے میں کوئی سنگین واردات نہیں ہوئی...... قتل کا یہ پہلا کیس ہے ان چھ ماہ میں اور انشاء اللہ ہم اسے صحیح طور پر ڈیل کریں گے اور قاتل کو کیفر کردار تک پہنچائیں گے۔"

"سوچا ہے تم نے اس بارے میں کچھ۔"

"جی، بہت کچھ سوچا ہے لیکن بہر حال آپ اگر اسے خوشامد نہ سمجھیں تو آپ یقین فرمائیے کہ میں تو کچھ یوں محسوس کر رہا ہوں جیسے مجھے آپ کا سہارا ملا ہے اس سلسلے میں۔"

"خیر، ظاہر ہے ہر کام مل جل کر ہی ہوتا ہے۔"

"آپ دیکھئے میں نے اس بارے میں اپنے موقف کو تحریر کیا ہے...... ذرا آپ اس کا بھی جائزہ لے لیجئے۔" افضال شاہ نے کہا اور پھر بینا نے ایک کاغذ اپنے سامنے کر لیا جو فائل میں لگا ہوا تھا اور جسے افضال شاہ نے اپنی یادداشت کے طور پر تیار کیا تھا، یعنی بلال سٹریٹ کے مکان نمبر تین سو اٹھارہ میں جلال بیگ نامی شخص کا قتل افضال شاہ نے لکھا تھا۔

"نمبر ایک جلال بیگ کون ہے؟ یہ بات ابھی تک صیغہ راز میں ہے اور کسی کو نہیں معلوم ہو سکا کہ اس آبادی میں آنے سے پہلے وہ کہاں تھا؟ اس کے گھر میں موجود کاغذات وغیرہ سے بھی یہ پتا نہیں چل سکا کہ وہ کون تھا اور کیا کرتا تھا؟ اس کا ذریعہ آمدنی کیا تھا؟ لیکن اتنا اندازہ ہو چکا ہے کہ وہ جو کوئی بھی تھا کم از کم مالی طور پر فارغ حیثیت سے زندگی بسر کر رہا تھا، اس کا مطلب ہے کہ وہ ایک خوش حال انسان تھا اور یقینی طور پر اس کا ذریعہ آمدنی جائز نہیں تھا...... نمبر دو، اسے سر پر برف توڑنے کا اوزار مار کر ہلاک کیا گیا...... ایک ضرب نے اس کا کام تمام کیا اس کا مطلب ہے کہ یہ ضرب ایسے بھرپور ہاتھوں سے اس کے سر پر پڑی جن میں قوت تھی...... وہ کون ہو سکتا ہے جاتے ہوئے وہ اوزار کوڑے دان میں پھینک گیا، اس کا مطلب ہے کہ اسے اس علاقے کے بارے میں تمام معلومات حاصل تھیں...... اسی قسم کی بہت سی ایسی باتیں جو بہر حال اہمیت نہیں رکھتی تھیں، لیکن پھر بھی ایک ترتیب پیش کرتی تھیں...... بینا نے پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"یہ اچھا طریقہ کار ہے اور میں اس سے مطمئن ہوں...... اب ایسا ہے افضال شاہ کہ کچھ پوائنٹس مجھے ملے ہیں ان پر کام کرنا چاہتی ہوں ایسا کرتی ہوں میں خود اس سلسلے میں معلومات حاصل کر رہی ہوں چونکہ یہ کام پرائیویٹ طریقے سے کرنے کا ہے...... اگر ہم پولیس کی وردی میں تحقیقات کے لئے نکلیں گے تو بہت سے لوگ محتاط ہو سکتے ہیں۔"

"میڈم میرے لئے حکم فرمائیے۔"

"نہیں، میں یہی کہہ رہی تھی کہ بددل نہ ہونا جو قدم بھی اٹھاؤ اس کے لئے مجھ سے مشورہ کر لینا چونکہ میں باقاعدگی سے کام کر رہی ہوں اور یہ نہیں چاہتی کہ میری اطلاع میں

لائے بغیر تم کوئی قدم اٹھاؤ اور میری بنائی ہوئی لائن ٹیڑھی ہو جائے۔"

"آپ نے مجھے یہ حکم دیا بہت اچھا کیا...... میرے لئے تو اس میں بہت آسانی ہو گی...... براہ کرم میری تھوڑی سی مدد بھی فرما دیجئے، فی الحال مجھے کیا کرنا ہے۔"

"نہیں تھوڑا سا انتظار کرو، میں تمہاری ان رپورٹس میں بہت جلد اضافہ کروں گی۔"

"بہتر ہے۔" پھر بینا نے افضال شاہ کو خدا حافظ کہا اور اس کے بعد وہ اس ہسپتال کی جانب چل پڑی جس میں ڈاکٹر فیروز تعینات تھا...... ہسپتال خاصا بڑا تھا اور ایک طرح سے نیم سرکاری نوعیت کا حامل تھا، یہاں اس نے ڈاکٹر فیروز کے بارے میں معلومات حاصل کیں...... ہسپتال کے جو رنگ ڈھنگ ہوا کرتے ہیں وہ یہاں بھی بھرپور طریقے سے موجود تھے...... ایک عام شہری کی حیثیت سے اسے اس سلسلے میں خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، کوئی اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے تیار نہیں تھا، پہلے تو وہ لوگ ڈاکٹر فیروز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھتے رہے کہ یہاں ڈاکٹر فیروز نامی کوئی شخص ہے بھی یا نہیں اور اگر ہے بھی تو کون سے شعبے سے تعلق رکھتا ہے...... بہر حال کافی مشکلات کے بعد ایک ڈاکٹر نے ہی ڈاکٹر فیروز کے بارے میں بتایا، یہ ایک خاتون ڈاکٹر تھی...... اس نے کہا۔

"ڈاکٹر فیروز صاحب تو تین دن کی چھٹی پر ہیں، ویسے اگر آپ چاہیں تو ان کے شعبے کے دوسرے ڈاکٹر کو دکھا سکتی ہیں، وہ ڈاکٹر نیاز احمد صاحب ہیں اچھے ڈاکٹر ہیں...... آپ ادھر چلی جائیے، روم نمبر چار میں وہ آپ کو ملیں گے۔"

"بے حد شکریہ لیکن براہ کرم آپ مجھے یہ بتا دیجئے کہ ڈاکٹر فیروز کیا آج ہی سے چھٹی پر ہیں۔"

"ہاں...... کل تو ان سے ملاقات ہوئی تھی، ویسے اگر بہت زیادہ آپ انہی کی ضرورت محسوس کر رہی ہیں تو شام کو ان کے پرائیویٹ کلینک پر مل لیجئے۔"

"پرائیویٹ کلینک۔"

"جی ہاں...... میں آپ کو ان کا پتا بتائے دیتی ہوں، شام کو چھ بجے کے بعد وہ وہاں بیٹھتے ہیں۔"

"بے حد شکریہ...... آپ نے تو میری بہت بڑی مشکل حل کر دی۔" بینا نے کہا اور اس کے بعد اس نے ڈاکٹر فیروز کے کلینک کا پورا پتا لکھ لیا...... اب وہ خاصی مطمئن تھی اور اس

کے علاوہ اور کچھ نہیں کرنا چاہتی تھی، اپنے کام کی تکمیل کے سلسلے میں ان لوگوں کے لئے وقت کا کوئی تعین نہیں تھا...... جب بھی فرصت ملے گھر پہنچا جا سکتا تھا اور بینا اب کیونکہ اس سلسلے میں پوری طرح ملوث ہو چکی تھی...... چنانچہ شہاب نے اسے بھی اس کی اجازت دے دی تھی...... مقررہ وقت پر وہ ڈاکٹر فیروز کے کلینک کی جانب چل پڑی، اپنے آپ کو ڈاکٹر فیروز کے سامنے نہیں لانا چاہتی تھی، ایسے لوگ جو جرم کی دنیا میں کسی نہ کسی شکل میں داخل ہو گئے ہوں یا اگر ان کا تعلق کسی جرم سے ہو تو بہت زیادہ محتاط ہو جایا کرتے ہیں، چنانچہ بینا ڈاکٹر فیروز سے براہ راست جا کر نہیں ملی بلکہ وہ اس کے پرائیویٹ کلینک کا جائزہ لیتی رہی اور بہرحال جب انسان سچی لگن کے ساتھ کام کرتا ہے تو کوئی نہ کوئی کامیابی کسی نہ کسی شکل میں حاصل ہو ہی جایا کرتی ہے، زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ نیلے رنگ کی ایک مزدا تیرہ سو ڈاکٹر فیروز کے کلینک پر آ کر رکی اور بینا بری طرح چونک پڑی، اس نے مزدا کا نمبر دیکھا اور پھر مزدا سے اترنے والی اس عورت کو جو بہترین جسامت کی مالک کسے ہوئے بدن کی ایک دراز قامت عورت تھی، عمر اٹھائیس یا تیس کے درمیان ہو گی، بدن کی مضبوطی کا بھرپور اندازہ ہو تا تھا...... چہرے کی کیفیت بھی کچھ عجیب سی تھی، میک اپ کیا ہوا تھا، لیکن بہت عمدگی کے ساتھ وہ نیچے اتر کر پروقار قدموں سے چلتی ہوئی ڈاکٹر فیروز کے کلینک میں داخل ہو گئی تھی بینا پھرتی سے اپنی جگہ سے نیچے اتر آئی اور اس مزدا کار کو بالکل قریب سے دیکھا...... پھر جھک کر اس کے ٹائروں کا جائزہ لیا اور چند لمحات کے بعد تیز قدموں سے چلتی ہوئی آگے بڑھ گئی تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو اس کا دل اُچھل رہا تھا...... مزدا تیرہ سو اس کو ڈرائیو کرنے والی یہ عورت مزدا کا نمبر یہ تمام تفصیلات اس نے ذہن کے گوشوں میں فٹ کر لی تھیں...... ڈاکٹر فیروز سے فوری طور پر ملنا اس نے مناسب نہیں سمجھا...... مزدا تیرہ سو کا نظر آ جانا اس کے لئے بڑی اہمیت کا حامل تھا، بہرطور کسی مٹی مٹی لکیر پر پھر قدم آگے بڑھے، بڑھے تو سہی پھر وہ صبر کے ساتھ بیٹھی رہی، کوئی آدھے گھنٹے کے بعد وہ عورت ڈاکٹر فیروز کے کلینک سے باہر نکلی تھی اور اس کے بعد مزدا میں بیٹھ کر چل پڑی تھی...... بینا نے اس کے بارے میں پہلے ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے...... اس میں کوئی شک نہیں کہ دوسروں کو اپنے ساتھ شامل کر کے بعض اوقات بہت سے کام میں آسانیاں فراہم ہو جاتی ہیں، لیکن بینا ابھی تنہا ہی اس سلسلے میں کوششیں کر رہی تھی...... اپنے آپ کو بھی آزما رہی تھی اور یہ دیکھنا چاہتی تھی

کہ خود اس کی کارروائیوں کا رد عمل کیا ہوتا ہے اور کہاں غلطی کرتی ہے وہ اور کہاں صحیح انداز میں کام کرتی ہے...... غرض یہ کہ وہ انتہائی احتیاط کے ساتھ عورت کا تعاقب کرتی رہی، عورت کار ڈرائیو کرتی ہوئی ایک نواحی آبادی میں داخل ہوئی جو اچھے خاصے کھاتے پیتے لوگوں کا علاقہ تھا...... خوبصورت مکانات بنے ہوئے تھے ان میں مختلف طرح کے مکانات تھے کچھ بہت بڑے اور عالی شان، کچھ درمیانے درجے کے جس مکان کے سامنے عورت نے کار روکی تھی وہ بھی اچھا خاصا شاندار مکان تھا...... عورت نے زور زور سے ہارن دیا اور پھر انتظار کرنے لگی، کچھ دیر کے بعد گیٹ کھلا اور عورت کار ڈرائیو کرتی ہوئی اندر لے گئی تھی، پھر گیٹ بند ہو گیا...... بینا کچھ لمحے انتظار کرتی رہی پھر اس کے بعد سست روی سے اس عمارت کے سامنے سے گزری اس پر اعظم ہاؤس لکھا ہوا تھا...... اب بینا کو یہ فیصلہ کرنا تھا کہ اعظم ہاؤس کی نگرانی کرے اور یہ دیکھے کہ عورت اتفاقیہ طور پر یہاں آئی تھی یا اس کی رہائش یہیں ہے، فیصلہ اس نے یہ کیا کہ اس وقت اتنا ہی کافی ہے، اگر عورت اعظم ہاؤس کی مکین نہ نکلی تو پھر کار کے نمبر سے یہ معلوم کیا جائے گا کہ کار کا رجسٹریشن کس کے نام ہے؟ اور اگر وہ یہاں نہیں رہتی تو کہاں رہتی ہے؟ ویسے جس انداز میں وہ کار اندر لیتی چلی گئی تھی اس سے یہی اندازہ ہوتا تھا کہ یہی اس کی رہائش گاہ ہے، اس کا مطلب ہے بہرحال وہ ایک اچھی حیثیت کی مالک ہے...... اس دوران اگر ڈاکٹر فیروز کو بھی دیکھ لیا جائے تو اچھا ہو گا...... چنانچہ اچھا خاصا لمبا سفر طے کر کے وہ ایک بار پھر ڈاکٹر فیروز کے کلینک تک پہنچی تھی اور یہ سوچ رہی تھی کہ ڈاکٹر فیروز سے ملاقات کرنے کے لئے کیا طریقہ کار اختیار کیا جائے...... شہاب کا سہارا لیتی تو سب کچھ آسان ہو سکتا تھا...... براہ راست ڈاکٹر فیروز سے جا کر ملتی تو صورت حال گڑبڑ بھی ہو سکتی تھی، اگر میک اپ کا تھوڑا بھی سلیقہ اسے ہوتا تو چہرے کو تبدیل کر لیتی، البتہ دل میں اس نے یہ سوچا تھا کہ شہاب سے بات کر کے تھوڑا سا میک اپ کرنا سیکھے گی، بعض معاملات میں بڑا کارآمد ہو جاتا ہے، بہت دیر تک سوچتے رہنے کے بعد آخرکار اس نے فیصلہ کیا کہ ڈاکٹر فیروز سے مل ہی لیا جائے اور اس کے بعد وہ کلینک میں داخل ہو گئی۔ استقبالیہ پر اس نے ڈاکٹر فیروز کے بارے میں پوچھا تو وہاں سے پتا چلا کہ کوئی مریض اندر نہیں ہے، وہ جانا چاہے تو جا سکتی ہے، چنانچہ بینا نے اپنے چہرے پر ایسے تاثرات پیدا کئے جیسے وہ بیمار ہو اور اس کے بعد وہ ڈاکٹر فیروز کے کمرے میں داخل ہو گئی...... بڑی سی میز کے پیچھے لمبے قد و قامت، چوڑے

چھلکے جسم کا مالک ایک شخص بیٹھا ہوا تھا جو چہرے سے سخت گیر اور بینا کے اندازے کے مطابق کوئی اچھا انسان نہیں تھا...... اس نے جس انداز میں بینا کو دیکھا تھا وہ بینا کے لئے بڑا پریشان کن تھا، لیکن بہر حال وہ اس جگہ بیٹھ گئی جہاں ڈاکٹر مریضوں کو دیکھا کرتا تھا۔

"جی فرمائیے۔"

"ڈاکٹر صاحب میں کچھ عرصے سے بے خوابی کا شکار ہوں، مجھے نیند نہیں آتی اور کافی اُلجھن محسوس کرتی ہوں۔ بظاہر اس کی کوئی وجہ نہیں ہے لیکن میں چاہتی ہوں کہ آپ براہ کرم مجھے ایسی کوئی دوا دیں جس سے میں ایک پرسکون نیند لے سکوں...... میں نے اپنے طور پر خواب آور گولیوں کو استعمال کرنے کا فیصلہ نہیں کیا۔"

"یہ کیفیت کتنے عرصے سے ہے؟"

"تقریباً ڈیڑھ مہینہ ہو گیا۔"

"آپ کے ساتھ کوئی نہیں آیا۔"

"نہیں...... بس میں تنہا ہی آئی ہوں۔"

"شادی شدہ ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"شوہر کیا کرتے ہیں؟"

"ملک سے باہر ہیں...... باہر ہی رہتے ہیں، سال میں ایک بار ایک مہینے کے لئے آجاتے ہیں۔"

"اچھا...... اچھا کتنے عرصے سے ملک سے باہر ہیں؟"

"جی...... کوئی دو سال ہو گئے۔"

"آپ کی شادی کو کتنا عرصہ ہوا؟"

"بس دو سال ہی ہوئے ہیں...... وہ باہر ہی ملازمت کرتے ہیں۔"

"گھر میں کون کون ہے؟"

"ساس ہیں...... دوسرے بھائیوں کی بیویاں ہیں...... نندیں وغیرہ ہیں۔"

"آپ کے ان سے کیسے تعلقات ہیں؟"

"ٹھیک ہیں...... بس گھر میں اپنے آپ کو مکمل طور سے تنہا محسوس کرتی ہوں۔"

"خاتون ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے ہی نہیں، ایک انسان کی حیثیت سے بھی مجھے آپ سے ہمدردی ہے...... ظاہر ہے تنہائی کا شدید احساس بے خوابی کا سبب بن سکتا ہے...... آپ اپنے کچھ دوست بنائیں ایسے جو آپ کے رازدار ہوں، آپ کے سسرال والے کیا دقیانوسی قسم کے لوگ ہیں؟"

"جی ہاں...... یہی سمجھ لیجئے۔"

"ظاہر ہے آپ کا ان کے درمیان کیسے گزارہ ہو سکتا ہے...... آپ یوں کیجئے کہ اپنی دل جوئی کے لئے کچھ ایسے دوستوں کا سہارا حاصل کیجئے جن کے ساتھ آپ ہنسی خوشی رہ سکیں...... آپ اطمینان رکھیں آپ کی بے خوابی کی یہ تکلیف دور ہو جائے گی، میں کچھ دوائیں لکھے دیتا ہوں اس کے ساتھ ساتھ ہی اگر ممکن ہو سکے تو آپ وقت نکال کر مجھ سے ملاقات کرتی رہیں...... آپ صحت مند ہو جائیں گی، اگر آپ کی بے خوابی قائم رہی تو معاف کیجئے گا کہ کچھ عرصے بعد آپ کے چہرے پر جھریاں نظر آنے لگیں گی اور اس کے ساتھ ساتھ بہت سی تکلیفیں آپ کو ہو جائیں گی، ذرا اپنا بلڈ پریشر وغیرہ چیک کرا دیجئے گا۔" ڈاکٹر نے بینا کو جس قدر ممکن ہو سکتا تھا اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کی...... بینا کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کس قسم کا آدمی تھا لیکن بہر حال اب اس کے اندر اتنی خود اعتمادی پیدا ہو گئی تھی، پھر اس نے بڑے اطمینان سے اپنا نام اور پتا غلط ملط لکھوایا...... ڈاکٹر سے دواؤں کا نسخہ لیا اور پھر فیس کے بارے میں پوچھا تو ڈاکٹر نے کہا۔

"ایسے لوگ جو چاہے کسی بھی حیثیت کے مالک ہوں انسانی حیثیت سے وہ توجہ کے مستحق ہوں تو میں ان سے فیس نہیں لیتا...... آپ آرام سے جائیے...... بس یہ دوائیں آپ بازار سے خرید لیجئے گا۔"

"لیکن ڈاکٹر ایسے تو تمام ہی لوگ آپ کے پاس آتے ہوں گے، کیا آپ سب سے فیس نہیں لیتے؟"

"محترمہ شازیہ آپ اس سلسلے میں مجھ سے سوال نہ کریں تو بہتر ہے، کچھ لوگ پہلی ہی ملاقات میں ذہن میں ایسے تاثرات چھوڑتے ہیں کہ بس یوں سمجھ لیجئے کہ ذہن منجمد ہو جاتا ہے۔ خیر آپ ایسا کیجئے کہ تین دن کے بعد مجھ سے دوبارہ ملاقات کیجئے اسی وقت۔"

"ٹھیک ہے...... آپ کا بے حد شکریہ۔" بینا نے کہا اور باہر نکل آئی، دروازے سے

باہر قدم رکھتے ہوئے اس نے سوچا کہ کمینے تجھ سے تو میں ایسی دوستی کروں گی کہ زندگی بھر یاد رکھے گا...... بہر حال اپنی کار میں بیٹھ کر واپس آتے ہوئے وہ دل میں سوچ رہی تھی کہ اس عورت کا اور اس ڈاکٹر کا یقینی طور پر ایسا کوئی اہم مسئلہ ہے جو قتل کی اس واردات میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اب صرف یہ دیکھنا تھا کہ وہ کار وہیں موجود ہے یا نہیں...... یہ آخری کوشش تھی جو اس نے کی، جب وہ فاصلہ طے کر کے اس نواحی علاقے میں پہنچی اور اعظم ہاؤس کے سامنے سے گزری تو اس نے گیٹ کی جالیوں سے جھانکا وہاں دو کاریں کھڑی ہوئی تھیں، ایک تو وہی نیلے رنگ کی مزدا تھی، برآمدے میں پیلے رنگ کا مدہم بلب روشن تھا...... باقی عمارت تقریباً تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی، گیٹ پر کوئی چوکیدار وغیرہ بھی نہیں تھا، بہر حال اس سے یہ اندازہ ہو گیا کہ عورت وہیں موجود ہے...... بس اس کے بعد بینا نے آج کا کام ختم کر دیا تھا...... شہاب نے بھی بینا سے اس کی مصروفیت کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا...... بینا متوقع تھی کہ شہاب اس سلسلے میں کوئی سوال پوچھے گا، لیکن پھر وہ بھی مسکرا کر خاموش ہو گئی تھی...... شہاب اسے اعتماد کے ساتھ کام کرنے کا پورا موقع دینا چاہتا تھا، یوں دوسرا دن شروع ہوا...... صبح ناشتے پر تمام لوگوں سے ملاقاتیں ہوئی تھیں، حالانکہ اب صورت حال خاصی مختلف ہو گئی تھی اور شہاب کی جانب سے نعم البدل کے طور پر ایک ملازمہ کا بندوبست کر دیا گیا تھا جس کے سپرد کام تھا جو گھریلو طور پر بینا کو کرنے پڑ سکتے تھے، کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا، خود بینا کا رویہ سب کے ساتھ ایسا تھا کہ کسی کو اس سے شکایت کا موقع نہیں ملا تھا، گھر سے باہر نکلتے ہوئے شہاب نے بینا سے کہا۔

"تو آفیسر آپ تو اپنی ڈیوٹی پر مستعد ہیں مجھے میرا کام کرنے دیجئے، ٹھیک ہے۔"

"ضرور مسٹر شہاب خدا حافظ۔" بینا نے کہا اور کار سٹارٹ کر کے چلی گئی، اس طرح تھوڑی سی تبدیلی پیدا ہوئی تھی اور یہ تبدیلی خود بینا کو بھی خوشگوار محسوس ہو رہی تھی۔ افضال شاہ سے تھانے جا کر ملاقات کی۔ افضال شاہ واقعی ایک کارآمد آدمی تھا، احترام کرنا بھی جانتا تھا، پر اعتماد انداز میں اس نے بینا کا استقبال کیا اور بولا۔

"میڈم آپ نے ابھی تک مجھے اس بارے میں کوئی ہدایات نہیں دیں۔"

"ایک کام ہے جس کی تصدیق کرانی ہے...... تم ایسا کرو افضال شاہ لیکن چھوڑو، ٹھیک ہے...... اصل میں، میں نے تھوڑا سا کام کیا ہے لیکن ابھی اس سلسلے میں جلد بازی نہیں کرنا

چاہتی، جب تک مکمل طور سے تصدیق نہ ہو جائے۔"

"آپ نے ابھی تک کوئی ذمہ داری میرے سپرد نہیں کی۔"

"تمہارے پاس سادہ لباس آدمی موجود ہیں۔"

"کسی کی بھی وردی اتار دی جائے اور سادہ لباس پہنا دیا جائے تو وہ آدمی سادہ لباس ہو جاتا ہے...... میڈم۔" افضال شاہ نے کہا اور بینا ہنس پڑی۔

"ہاں واقعی...... میں نے ذرا غلط لفظ استعمال کر لیا تھا، کسی ذہین آدمی کو ایک ایڈریس دے رہی ہوں اس پر لگا دو۔"

"جی جی فرمائیے...... ایس آئی ممتاز بڑے کام کا آدمی ہے اور میڈم پورے اعتماد کا بھی ہے۔"

"تو پھر یوں کرو جو میں پتا بتا رہی ہوں اسے نوٹ کرو...... ابھی ڈاکٹر فیروز تین دن کی چھٹی پر ہے لیکن اس کا پرائیویٹ کلینک جس علاقے میں ہے وہاں کا پتا نوٹ کرائے دیتی ہوں...... ایس آئی وہاں ڈیوٹی پر لگا دو اور اس سے کہو کہ ڈاکٹر فیروز کے پاس آنے جانے والوں پر نگاہ رکھے، ویسے تو زیادہ تر اس کے مریض ہی ہوں گے، لیکن ہو سکتا ہے کوئی ایسی شخصیت نظر آ جائے جو قابل توجہ ہو...... ایس آئی خود فیصلہ کرے کہ اس نے کیا کرنا ہے لیکن اسے کہہ دینا کہ احتیاط کے ساتھ ڈاکٹر فیروز کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھے، کلینک کے اوقات ویسے تو شام ہی کے ہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ ڈاکٹر فیروز دن میں بھی وہاں نظر آئے۔"

"یہ ڈاکٹر فیروز کیا اس سلسلے میں۔"

"ابھی کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہہ سکتی افضال شاہ اور یہ بھی چاہتی ہوں کہ اس سلسلے میں زیادہ سرگرمی کا مظاہرہ نہ کیا جائے تاکہ مجرم کو ہوشیار ہونے کا موقع مل جائے۔"

"او ہو...... ٹھیک ہے۔"

"اور تمہیں یہ ہدایات کرتی ہوں کہ جو کچھ میں کہہ رہی ہوں اسی پر عمل کرنا اس سے آگے پیچھے نہ ہونے پائے ورنہ دقت پیش آ سکتی ہے۔"

"او کے میڈم، آپ اطمینان رکھیں۔" کافی وقت افضال شاہ کے ساتھ گزارا اور اس کے بعد تقریباً ساڑھے گیارہ بجے بینا تھانے سے چل پڑی اور اس نواحی علاقے میں پہنچ گئی جہاں اعظم ہاؤس واقع تھا...... اعظم ہاؤس سے کافی فاصلے پر ایک خالی پلاٹ پر گاڑی روکنے کے

بعد بینا ٹہلنے کے سے انداز میں آگے بڑھی اور اعظم ہاؤس پہنچ گئی، جالی دار گیٹ کے اندر جھانک کر اس نے دیکھا کہ نیلی کار موجود نہیں تھی، لیکن سفید نسان وہیں کھڑی ہوئی تھی...... بینا نے کال بیل پر انگلی رکھ دی...... اب اس وقت وہ صحیح طور پر عمل کرنا چاہتی تھی، کچھ لمحوں کے بعد اس نے سامنے سے ایک شخص کو آتے ہوئے دیکھا...... یہ دبلی پتلی جسامت کا ایک بیمار سا آدمی تھا، داڑھی بڑھی ہوئی تھی اور اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ تھی...... وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا گیٹ تک پہنچا، پھر اس نے گیٹ کی ذیلی کھڑکی کھولی...... بینا کو وہ جالی ہی سے دیکھ چکا تھا اس کے چہرے پر کسی قدر حیرت کے نقوش نظر آرہے تھے، کھڑکی کھول کر وہ بولا۔

"جی بی بی جی کس سے ملنا ہے آپ کو۔"

"اعظم صاحب گھر میں موجود ہیں؟"

"اعظم صاحب...... اعظم صاحب کا اب اس گھر سے کوئی تعلق نہیں ہے...... عزیزہ آپ کون ہیں؟ کسی کے بتانے پر یہاں آئی ہیں یا میرا مطلب ہے یہ مکان اب میرا ہے اور میرا نام ارشاد احمد ہے...... کافی عرصے پہلے میں نے یہ مکان خریدا تھا...... پانچ چھ سال سے یہیں رہتا ہوں...... آپ اعظم ہاؤس کی تختی دیکھ کر تو یہ بات نہیں کہہ رہیں...... اصل میں یہ تختی پرانی لگی ہوئی ہے...... مکان کے پہلے مالک کے نام کی تختی ہے بس میں کچھ ایسا بے پروا آدمی ہوں کہ میں نے کبھی اپنے نام کی تختی یہاں لگانا ضروری نہیں سمجھا...... آپ یہ بتایئے کہ کہیں باہر سے آئی ہیں یا آپ کو کسی نے یہاں کا پتا دیا ہے۔"

"معافی چاہتی ہوں ارشاد احمد صاحب اصل میں مجھے اس مکان کے مالک ہی سے ملنا تھا...... یہاں ایک خاتون ہوتی ہیں نیلے رنگ کی مزدا کار میں اکثر نظر آتی ہیں۔"

"وہ میری بیوی ہے آپ کو اس سے کوئی کام ہے؟"

"اس وقت وہ کہاں گئی ہوئی ہیں؟"

"سب کچھ مجھ سے پوچھے جا رہی ہیں، آپ اپنے بارے میں بھی تو کچھ بتایئے؟"

"معاف کیجئے گا ارشاد احمد صاحب آپ کا تھوڑا سا وقت لینا چاہتی ہوں...... اگر آپ مناسب سمجھیں تو۔" اس شخص کے چہرے پر سوچ کے آثار پیدا ہو گئے، قریب سے دیکھنے پر معلوم ہوتا تھا کہ اس کی عمر زیادہ نہیں ہے، البتہ صحت کافی خراب ہے...... وہ کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا، پھر اس نے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کو میں زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ دے سکتا ہوں، کیونکہ اس کے بعد آپ کا یہاں رکنا میرے لئے مشکل کا باعث بن جائے گا۔ آپ یہ بتانا پسند کریں گی کہ آپ کس سلسلے میں مجھ سے۔"

"دیکھئے...... یہ میرا کارڈ ہے...... آپ اسے دیکھ لیجئے...... اس کے بعد اگر مناسب سمجھیں تو مجھ سے گفتگو کر لیں۔" کارڈ میں بینا کی تصویر بھی لگی ہوئی تھی جو وردی میں تھی اور اس کے ساتھ ہی اس کی حیثیت بھی درج تھی...... ارشاد احمد ایک تعلیم یافتہ آدمی معلوم ہوتا تھا، کارڈ دیکھ کر اس کی آنکھوں میں جو تاثرات نظر آئے وہ بینا کے لئے حیران کن تھے، ان تاثرات میں کسی قدر خوشی کی کیفیت جھلکتی تھی، اس کا اظہار اس کے الفاظ سے بھی ہوا۔

"بہت دیر کی آپ نے یہاں تک آنے میں براہ کرم جلدی تشریف لے آیئے، آیئے۔" بینا ان الفاظ کا مطلب بھی نہیں سمجھ سکی تھی...... تاہم اس شخص کے پیچھے ہٹ جانے کے بعد وہ اندر داخل ہو گئی اور اس نے دروازہ اندر سے بند کر دیا...... پھر بینا کی رہنمائی کرتا ہوا آگے بڑھنے لگا، تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ رکا اور بولا۔

"آپ کے پاس کوئی کنویس ہے؟"

"جی ہاں...... کیوں؟"

"میرا مطلب ہے آپ کی گاڑی وغیرہ؟"

"جی، وہ یہاں سے کچھ فاصلے پر کھڑی ہوئی ہے۔"

"فاصلہ کتنا ہے؟"

"زیادہ نہیں ہے۔"

"آیئے میں آپ کو اس گھر کا پچھلا دروازہ دکھا دوں، اگر کوئی آجائے اور آپ اپنے آپ کو پوشیدہ رکھنا چاہیں تو آپ اس پچھلے دروازے سے نکل جایئے گا، تھوڑا سا لمبا راستہ طے کرنا پڑے گا آپ کو...... آپ اپنی کار تک پہنچ سکتی ہیں...... معاف کیجئے گا آپ کو میرے الفاظ کچھ عجیب سے معلوم ہو رہے ہوں گے، لیکن آپ یوں سمجھ لیجئے کہ میں خود بھی ایسی شخصیت سے ملنا چاہتا تھا جس کا تعلق محکمہ پولیس سے ہو اور وہ کسی اہمیت کا حامل ہو، ویسے تو میں اپنے طور پر خود بھی بہت کچھ کر سکتا تھا کیونکہ نہ معذور ہوں اور نہ بے بس

لیکن دیکھئے صورت حال کچھ ایسی ہی ہے...... آیئے، آیئے براہ کرم تشریف لایئے۔"
جس ڈرائنگ روم میں وہ بینا کو لے کر داخل ہوا تھا وہ اچھی سجاوٹ کا حامل تھا، بینا نے اس سے پہلا سوال کیا۔

"یہاں آپ کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے ارشاد احمد صاحب۔"

"ہاں کوئی بھی نہیں ہے یہاں...... صرف میں ہوں پہلے کچھ ملازم تھے، لیکن عزت دار تھے، اپنی عزت کو ملازمت پر ترجیح دی اور چھوڑ کر چلے گئے، کیونکہ اس کا رویہ کسی کے ساتھ بھی اچھا نہیں تھا...... آپ تشریف رکھئے پلیز۔" اس نے کہا اور بینا ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ بینا کے سامنے دوسرے صوفے پر جا بیٹھا تھا، چہرے ہی سے شریف آدمی معلوم ہوتا تھا...... بینا نے بغور اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ مسز ارشاد کی بات کر رہے ہیں؟"

"جی فرخندہ ہے اس کا نام...... ارشاد کے لہجے میں ایک عجیب سا طنز تھا جسے محسوس کیا جا سکتا تھا...... نہ جانے کیوں بینا کو ایک عجیب سا احساس ہوا تھا۔

❁ ❁ ❁

بینا خاموشی سے اس شخص کو دیکھنے لگی، کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد ارشاد احمد نے کہا۔

"آپ کا سروس کارڈ دیکھ چکا ہوں، انتہائی معزز شخصیت ہے آپ کی، لیکن پھر بھی آپ سے یہ سوال کیے بغیر نہیں رہ سکوں گا کہ آپ کی آمد کس سلسلے میں ہوئی ہے۔"

"معاف کیجئے گا؟ قتل کی ایک واردات میں مسز ارشاد سے متعلق کچھ شواہد حاصل ہوئے ہیں، ذرا ان کی تصدیق چاہتی ہوں۔"

"آپ سے میں نے یہی کہا تھا نا کہ آپ کو اس سے پہلے ہی یہاں آ جانا چاہئے تھا۔ آپ یہ سمجھ لیجئے کہ قاتل کے سلسلے میں جو رہنمائی آپ کی میں کر سکتا ہوں وہ کوئی اور نہیں کر سکتا، اب آپ یہ بتایئے کہ قتل کی واردات...... میرا مطلب ہے آپ جلال بیگ کے قتل کے سلسلے میں ہی تفتیش کر رہی ہیں نا۔"

بینا کے بدن میں ایک سرد لہر سی دوڑ گئی تھی، وہ عجیب و غریب احساس کا شکار ہو گئی تھی، ایک بار پھر اس نے ارشاد احمد کا جائزہ لیا، وہ صحیح الدماغ معلوم ہوتا تھا لیکن اس کے الفاظ بڑے سنسنی خیز تھے، کیا یہ شخص اپنی بیوی پر قتل کا الزام لگوانا چاہتا ہے...... اس کی جانب سے شبہ کا شکار ہے یا پھر خود اس کا بھی اس قتل سے کوئی گہرا تعلق ہے، بہر حال بینا نے چند لمحات اس کا جائزہ لینے کے بعد کہا۔

"آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں ارشاد صاحب براہ کرم ذرا وضاحت کے ساتھ کہیں؟"

"میں مکمل ہوش و حواس میں ہوں محترمہ اور آپ سے بالکل سچ کہہ رہا ہوں کہ اس قتل میں سو فیصدی میری بیوی کا ہاتھ ہے...... آپ کو اس بات پر ضرور حیرت ہو گی کہ میں ایسے الفاظ کیوں کہہ رہا ہوں، لیکن آپ یہ سمجھ لیجئے کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، اس کی ایک

اہمیت ہے ایک حیثیت ہے اور آپ کو اس سلسلے میں تفتیش میں بے حد مدد مل سکتی ہے۔"

"مجھے یہی اندازہ ہو رہا ہے کہ آپ واقعی میری صحیح رہنمائی کریں گے، میں نہیں جانتی کہ خود آپ کے اپنے ذہن میں اپنی بیوی کے بارے میں کیا تاثر ہے، لیکن جس اعتماد کے ساتھ آپ نے اس بارے میں ان کا نام لیا ہے وہ میرے لئے باعث حیرت بھی ہے اور اس سے آپ کی عزت اور وقار میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔" ارشاد احمد خاموش ہو گیا...... وہ ایک عجیب سی کشمکش کا شکار تھا، اس کے چہرے پر غصے کے آثار بھی تھے اور اس کے ساتھ ساتھ ایک ایسا احساس بھی جسے کوئی نام نہیں دیا جا سکتا...... بینا بدستور اس کا جائزہ لے رہی تھی اور اس کی کیفیات کے بارے میں اندازہ لگا رہی تھی، اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ شخص اندر سے کسی گہرے دکھ کا شکار ہے وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ نہیں کہنا چاہتا، لیکن اس کی اندرونی کیفیات، اس سے کچھ کہلوانا چاہتی ہیں، کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"اپنا اصل نام تو آپ کو بتا چکا ہوں...... آپ یوں سمجھ لیجئے کہ میرے والد کا چھوڑا ہوا ترکہ میرے پاس اتنا تھا کہ میں عیش و آرام سے زندگی بسر کر سکتا تھا، بس ایک بد قسمتی تھی اور وہ بد قسمتی یہ تھی کہ ماں کا انتقال تو اس وقت ہو چکا تھا جب شاید میرے ہونٹوں سے ماں کا لفظ بھی نہیں نکل سکتا تھا، باپ ذرا رنگین مزاج آدمی تھے، نوکروں کے ہاتھوں میں پلا، تھوڑے عرصے کے بعد باپ کا انتقال بھی ہو گیا...... وہ اپنی برائیوں کا شکار ہو گئے تھے، میں تنہا رہ گیا تھا...... باپ کو جس رنگ میں دیکھا تھا میں خود بھی اسی رنگ میں رنگنے کی کوشش کرنے لگا اور بہت کچھ گنوا بیٹھا، لیکن پھر ہوش آ گیا اور میں نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کی، لیکن اس وقت سنبھلا جب بہت کچھ گنوا بیٹھا تھا...... میں نے وہ تمام راستے ترک کر دیئے، جو میرے اپنے خیال میں تباہی کے راستے تھے لیکن پھر اس سے بڑی تباہی میری طرف بڑھنے لگی، جس سے میں نا آشنا تھا...... یہ فرخندہ تھی، ہاں محترمہ آپ یقین کیجئے وہ جس انداز میں مجھے ملی تھی آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتیں، بس کیا بتاؤں میں آپ کو میں نشے کا عادی تھا، چنانچہ میں نے ایک ایسے ہسپتال میں داخلہ لے لیا جو منشیات کے عادی افراد کا علاج کرتا تھا اور وہیں میری ملاقات فرخندہ سے ہوئی...... فرخندہ وہاں نرس تھی اور اس نے کچھ اس طرح میری تیمارداری اور خدمت کی کہ میں حیران رہ گیا...... شکل و صورت کی بھی ٹھیک تھی، جب میں صحت مند ہوا تو میں اس کا ممنون کرم تھا اور پھر میں نے خود اس سے اس

کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور اس نے مجھے بتایا کہ کس طرح وہ اس دنیا میں بے سہارا ہے...... کوئی بھی نہیں ہے اس کا اور زندگی اس پر تنگ ہے تو میں نے اسے اپنی زندگی میں شامل ہونے کی پیشکش کر دی، اس نے پہلے تو تھوڑی سی حیل و حجت کی، آخر کار میرے اصرار پر تیار ہو گئی اور میں نے اس سے شادی کر لی...... پھر زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ اس ہسپتال پر چھاپہ پڑا...... پتہ یہ چلا کہ وہاں منشیات کے عادی افراد کا علاج کرنے کی بجائے منشیات کے عادی لوگوں کو خفیہ طریقے سے منشیات فراہم کی جاتی ہیں...... وہ ایک عجیب و غریب واقعہ تھا، میں نے فرخندہ کو مبارک باد دی کہ وہ بروقت بچ گئی، میں نے اس سے یہ بھی پوچھا کہ کیا اسے یہ بات معلوم تھی تو اس نے بڑی معصومیت سے قسمیں کھاتے ہوئے کہا کہ وہ تو اس بارے میں بالکل نہیں جانتی تھی، پھر وہ زار و قطار روتے ہوئے بولی کہ اگر میں اسے سہارا نہ دے چکا ہوتا تو اس کی زندگی جیل میں گزرتی اور وہ نہ جانے کیسی کیسی مشکلات کا شکار ہو جاتی...... آپ غور کر رہی ہیں خاتون انسان کیسے کیسے روپ بدل کر انسانوں کے سامنے آتا ہے...... فرخندہ نے کچھ عرصے تک مجھے یہ احساس دلایا کہ میں نے جو کچھ کیا ہے، اپنی زندگی کا بہترین کام کیا ہے، حالانکہ میں بہت کچھ گنوا چکا تھا لیکن پھر بھی وہ جو کہتے ہیں کہ "ہاتھی لاکھ کا لٹے پھر بھی سوا لاکھ کا" میں نے گھر بھی خرید کر دیا...... فرخندہ کے لئے الگ سے کار بھی خرید لی، اسے شوق تھا اس بات کا، وہ آزادانہ پھرتی رہتی تھی، میں نے اس کی حیثیت ہی بدل دی تھی...... پھر میں نے، میں نے محسوس کیا کہ وہ کچھ کر رہی ہے...... ایک رات جب میں سونے کے لئے جا رہا تھا تو اس نے مجھے دودھ کا گلاس دیا...... اتفاق کی بات یہ ہے کہ میں دودھ پینے سے پہلے واش روم چلا گیا اور واپس آنے کے بعد لائٹ بجھا کر لیٹ گیا، کچھ ایسے خیالات دل میں آئے کہ میں دودھ پینا بھول گیا...... فرخندہ نے بھی غور نہیں کیا تھا، کیونکہ اتفاق سے دودھ کا گلاس ایک اخبار سے ڈھک گیا تھا، پھر کوئی بارہ ساڑھے بارہ کے قریب وہ چوروں کی طرح بستر سے اُٹھی، میں مکمل طور پر سونے نہیں پایا تھا بلکہ آج کچھ بے خوابی سی ہو گئی تھی، چنانچہ میری آنکھ کھل گئی، میں فرخندہ سے پوچھنا چاہتا تھا کہ خیریت تو ہے، وہ اس وقت کیسے جاگی، لیکن اچانک مجھے اندازہ ہوا کہ اس کا انداز چوروں کا سا ہے...... مجھے حیرت ہوئی تھی، وہ الماری کے قریب پہنچی، نائٹ بلب روشن تھا...... الماری سے اس نے لباس نکالا، میری حیرت اور بڑھ گئی، پھر واش روم میں جا کر اس نے لباس بدلا اور لباس بدلنے کے بعد

خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئی، اس دوران آپ کو ایک بات اور بتاتا چلوں...... اس مکان میں پہلے ملازم بھی تھے، لیکن فرخندہ نے شروع ہی میں ملازموں کے سلسلے میں اعتراض کیا تھا اور کہا تھا کہ اسے نوکروں پر اعتبار نہیں ہوتا، پہلی بات یہ کہ وہ چور ہوتے ہیں کبھی کبھی ڈاکو اور قاتل بھی ثابت ہو جاتے ہیں...... اخبارات ایسی خبروں سے بھرے پڑے ہوتے ہیں، لیکن اس کے علاوہ اس نے کہا کہ اسے گھر کے معاملات میں نوکروں کی مداخلت پسند نہیں ہے...... وہ اپنا ایک سیٹ اپ بنانا چاہتی ہے، نتیجہ یہ کہ تمام ملازم ایک ایک کر کے اس نے نکال دیئے، گھر کا کام خود کر لیا کرتی تھی...... میرا بھی کوئی اہم مشغلہ نہیں تھا...... میں بھی اس کا ہاتھ بٹایا کرتا تھا، تو اب آپ اصل بات کی طرف آ جائیے...... میری حیرت انتہا کو پہنچ گئی، میں نے سوچا فرخندہ کیا کر رہی ہے...... بہرحال میں اسے ایک گاڑی خرید کر دے چکا تھا، کچھ دیر کے بعد میں نے اسے کار میں بیٹھ کر باہر جاتے ہوئے دیکھا اور میری حیرت عروج کو پہنچ گئی، میں شدت حیرت سے گنگ رہ گیا اور اس کے بعد بھلا وہ رات کہیں سونے کے لئے تھی، اس رات میں نے ٹہل ٹہل کر فرخندہ کا تجزیہ کیا اور اچانک ہی مجھے کچھ احساسات، ایسے احساسات جنہوں نے مجھ سے میرا سکون چھین لیا۔" ارشاد احمد کے انداز میں ہانپنے کی سی کیفیت تھی، وہ خاصہ دلبرداشتہ نظر آتا تھا، بینا حیرت و دلچسپی سے اس کی یہ داستان سن رہی تھی اور دل میں تھوڑی سی خوش ہو رہی تھی کہ تقدیر نے ایک عمدہ موقع فراہم کیا ہے، آہ کاش یہ کیس شہاب کی مدد کے بغیر ہی حل ہو جائے...... کم از کم شہاب کو بھی خوش ہونے کا موقع ملے گا اور مجھے بھی اور پھر ذرا میں بغلیں بجاؤں گی۔

ارشاد احمد تھوڑی دیر تک ہانپتا کانپتا رہا، پھر اس طرح اس نے بینا کی جانب دیکھا جیسے آگے کی کہانی سنانا چاہتا ہو...... ایک سنسنی خیز دلچسپ اور دلدوز کہانی...... کچھ لمحے یوں محسوس ہوا جیسے ارشاد احمد اپنے اعصاب سنبھالنے کی کوشش کر رہا ہو، پھر اس نے کہا۔

"بدبختی کبھی کبھی انسان کو وہ کچھ کہنے اور کرنے پر مجبور کر دیتی ہے جسے شاید وہ کبھی اپنی زبان سے ادا کرنا پسند نہ کرے...... میں بھی اس وقت اسی کیفیت کا شکار ہو گیا ہوں محترمہ۔"

"میں جانتی ہوں ارشاد صاحب، لیکن حقیقتوں کو چھپانے کی کوشش بھی جرم ہے۔"

"اگر وہ مجھ سے وفا کرتی اور غلطی سے کوئی جرم بھی کر بیٹھتی تو آپ یقین کریں میں اس کا جرم اپنے سر لے کر اسے ضرور بچا لیتا لیکن۔"

"آپ نے بالکل درست فیصلہ کیا ہے...... براہ کرم اپنا بیان جاری رکھیں۔" بینا جلدی سے بولی۔

"انسان کے ذہن میں جب کسی کے لئے کوئی بال آ جاتا ہے تو پھر وہ بہت کچھ سوچتا ہے...... میں نے بھی اس کی غیر موجودگی میں بہت کچھ سوچا۔"

"مثلاً کیا؟" بینا نے پوچھا۔

"آپ ایک خاتون ہیں...... کیا بتاؤں آپ کو۔"

"میں ایک پولیس افسر ہوں مسٹر ارشاد...... اس وقت آپ مجھے ایک ایسا ڈاکٹر سمجھ سکتے ہیں جو کسی مرض کی تشخیص کر رہا ہو، آپ بے دھڑک مجھے ایک ایک لفظ سے آشنا کریں۔"

بینا نے کہا اور ارشاد احمد جو صورت سے بری طرح نروس نظر آ رہا تھا کچھ لمحے سوچتا رہا، پھر بولا۔

"میں بتا رہا تھا کہ جب انسان کے دل میں کوئی بال پڑ جاتا ہے تو وہ اپنے سوچنے کا انداز بدل دیتا ہے، اس سے پہلے میرے ذہن میں اپنی بیوی کے لئے جو بہترین خیالات تھے ان میں رخنہ پیدا ہو گیا تھا اور میں نے ماضی پر غور کیا تھا، میں اندازہ لگاتا رہا تھا کہ جو عورت تنہا اتنے عرصے زندگی گزارتی رہی ہو اس کے لئے ضروری تو نہیں ہے کہ اس کا ماضی بے داغ رہا ہو...... ہو سکتا ہے فرخندہ سے کبھی ایسی کوئی غلطی ہوئی ہو جس نے اسے کسی مشکل کا شکار کر دیا ہو، اگر ایسی کوئی بات ہے تو اسے مجھ سے اچھا رازدار کوئی اور نہیں مل سکتا تھا، لیکن جو انداز اس نے اختیار کیا تھا وہ بہت ہی تکلیف دہ تھا، یعنی میرے ساتھ غداری کر کے وہ کہیں کسی جگہ جاتی تھی اور محترمہ مجھے یہ احساس بھی تھا کہ میں فرخندہ کے مقابلے میں جس حیثیت کا مالک ہوں وہ بے شک ایک کمتر حیثیت ہے، ایک جوان اور خوبصورت عورت کے لئے دولت ہی سب کچھ نہیں ہوتی...... زندگی کے دوسرے لوازمات بھی بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اور مجھے بارہا اس بات کا احساس ہوا تھا، لیکن ایسے موقعوں پر فرخندہ نے مجھے بڑی ڈھارس دی تھی اور کہا تھا کہ ایک اچھی بیوی شوہر کی تمام کمزوریوں اور خامیوں کو سنبھال لیتی ہے اور ضروری نہیں ہے کہ زندگی کے راستے صرف وہی ہوں جو روایتی قسم کے ہوتے ہیں...... کبھی کبھی ایثار و قربانی بھی عورت کا مقدر بن جاتے ہیں اور اسے ایثار کرنا چاہئے...... یہ اس کے الفاظ تھے اس کے بعد اس نے جو کچھ کیا وہ درحقیقت میرے ان جذبات پر ضرب تھی جو

اس کی ہر خواہش کو پورا کرنا میں نے اپنا ایمان بنا لئے تھے...... محترمہ آپ یقین کیجئے گا کہ میں اس کی ایک ایک خواہش پر سر جھکا دیا کرتا تھا اور میں نے کبھی کوئی اس سے انحراف نہیں کیا تھا اور اس کے نتیجے میں مجھے آج جس ذہنی حادثے سے دوچار ہونا پڑا تھا، میرا مطلب ہے میں اس رات کی بات کر رہا ہوں تو اس نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا...... میں فرخندہ کے کردار پر غور کرتا رہا، پھر میں نے سوچا کہ مجھے یہ تو معلوم ہونا چاہئے کہ اس طرح وہ کہاں جاتی ہے...... میں اس کا تعاقب کرنے کی ہمت تو نہیں کر سکا تھا، فوری طور پر اگر میں اس کا تعاقب شروع بھی کر دیتا اور وہ اس بات سے آگاہ ہو جاتی تو مستقبل میں محتاط ہو سکتی تھی، چنانچہ میں نے بھی اپنی ذہانتوں کو مجتمع کیا اور جوش اور افسوس کے سمندر سے نکل کر میں نے ہوش کی دنیا میں قدم رکھا اور اس کے لئے میں نے ان تمام جگہوں کی تلاشی لی جہاں اس سے متعلق کوئی چیز ہو سکتی تھی...... آپ خود بھی اگر چاہیں تو جائزہ لے سکتی ہیں...... اس کی الماریاں بیش قیمت کپڑوں سے بھری پڑی ہیں، اس کے پاس دنیا کے بہترین میک اپ کا سامان موجود ہے...... اس کے پاس اپنی پسند کے زیورات بھی ہیں جو بے حد قیمتی ہیں......

آپ یوں سمجھ لیجئے کہ اپنی مشکلات سے نکلنے کے بعد میں نے اپنا تمام سرمایہ اس پر صرف کر دیا تھا اور اس کی کسی خواہش کو کبھی پس پشت نہیں ڈالا تھا، لیکن معاف کیجئے گا اگر آپ ایک خاتون نہ ہوتیں تو میں عورت کے بارے میں اپنے جذبات کا اظہار کرتا، خیر چھوڑیئے......

اصل میں آپ خود سوچ سکتی ہیں کہ ایک شخص جس کے احساسات کو آگ میں جھلسا دیا ہو کس قدر زہریلا ہو سکتا ہے...... یہ زہر ہی آج مجھے اس کے خلاف ساری تفصیل بتانے پر مجبور کر رہا ہے اور تو کوئی خیر ایسی چیز نہیں ملی مجھے، ہاں...... اس کی ٹیلی فون انڈیکس میں کچھ ایسے اجنبی نام نظر آئے جو پرانے نہیں تھے، لیکن میرے لئے نہ سمجھ میں آنے والے تھے، اس کے دوستوں کے بارے میں جانتا تھا، اس کی مصروفیات کے بارے میں جانتا تھا لیکن یہ نام ان کے بارے میں ذرا آپ کو تفصیل سے بتاؤں گا، میرے لئے اجنبی تھے اور اس سے پہلے شاید میں اس کی انڈیکس کو دیکھتا تو کبھی اس بات پر غور نہ کرتا کہ یہ نام کس کے ہیں، لیکن اب اس رات اس کے اس قدم نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ اس کی الماری کے ایک خفیہ خانے سے ایک شیشی برآمد ہوئی...... اب جاہل تو میں بھی نہیں ہوں، اس شیشی میں جو کچھ تھا اسے دیکھ کر میں مزید ششدر رہ گیا...... یہ خواب

آور گولیاں تھیں، لیکن عام نہیں بلکہ شیشی کے لیبل پر جو کچھ لکھا ہوا تھا اسے پڑھ کر میں دنگ رہ گیا...... یہ گولیاں خواب آور بھی تھیں اور آپ اسے ہلکا زہر بھی کہہ سکتی ہیں جس کی تھوڑی تھوڑی مقدار انسانی جسم میں جاتی رہے تو اعصابی طور پر وہ مفلوج ہو جاتا ہے...... یہاں تک کہ کسی شدید اعصابی جھٹکے سے اس کی زندگی بھی جا سکتی ہے...... یہ رات چونکہ میرے لئے مشکلات کی رات تھی اور میرے احساسات شدید سے شدید تر ہوتے جا رہے تھے...... چنانچہ میری ذہانتیں بھی اُبھرتی چلی جا رہی تھیں، میں نے سوچا کہ ذرا دیکھوں تو سہی ان گولیوں کی کتنی تعداد میرے جسم میں پہنچ چکی ہے، چنانچہ میں نے انہیں گننا شروع کر دیا...... اب یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اس سے پہلے میں کتنا زہر کھا گیا ہوں لیکن بہر حال سو گولیوں میں سے تیس گولیاں کم تھیں...... میں نے شیشی کو صاف کر کے اسی جگہ رکھ دیا اور ہر چیز اسی طرح محفوظ کر دی، لیکن بعد میں گویا میں کانٹوں کے بستر پر لوٹتا رہا، کوئی ساڑھے چار بجے رات کے وہ آئی اور آنے کے بعد لباس تبدیل کر کے آرام سے سو گئی، صبح کو ہم دونوں ہی دیر سے اُٹھنے کے عادی تھے، میں تو شاید اس خواب آور دوا کے زیر اثر دیر تک سوتا رہتا تھا، لیکن وہ راتوں کو دیر تک جاگنے کی وجہ سے سویا کرتی تھی...... اس دوران جب وہ نہیں آئی تھی، میں نے اپنے ذہن میں بہت سی منصوبہ بندیاں کی تھیں اور بہت کچھ سوچا تھا، چنانچہ جاگنے کے بعد میں نے اپنے انداز میں ذرا برابر تبدیلی پیدا نہیں کی اور اسی مخلصانہ انداز میں اس سے پیش آیا اور اس طرح کا اظہار کیا جیسے مجھے اس پر ذرا برابر کوئی شبہ نہ ہوا ہو...... وہ دن تو میں نے سکون سے گزارا دوسرے دن وہ اپنی کسی دوست سے ملنے چلی گئی اور مجھے موقع مل گیا...... اکثر وہ اپنی کچھ دوستوں سے ملنے چلی جایا کرتی تھی، لیکن اب مجھے اس بات پر بھی شبہ ہو گیا تھا کہ اس کی وہ دوست کون ہیں؟ ویسے بھی آپ کو بتاؤں محترمہ حقیقت یہ ہے کہ بعض معاملات میں انسان بڑے خسارے میں رہتا ہے، اس نے ایک بار خود ہی مجھے اپنی کچھ دوستوں سے ملوایا تھا اور بعد میں بڑی افسردہ نظر آئی تھی، جب میں نے اس سے اس کی افسردگی کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ وہ آئندہ اپنی ان دوستوں سے کبھی نہیں ملے گی، وہ اسے میری عمر کا طعنہ دیتی ہیں...... میں نے یہاں بھی فراخدلی سے کام لیا میڈم...... میں نے اس سے کہا نہیں وہ جو کچھ کہتی ہیں سچ تو ہے اور میں یہ کبھی نہیں چاہوں گا کہ میری وجہ سے وہ بالکل گھٹ کر رہ جائے، میں نے اس سے کہا کہ اس کا حل یہ ہے کہ اپنی دوستوں سے وہ تنہا مل

لیا کرے اور اس وقت اس نے جن جذبات کا اظہار کیا تھا، آہ میں آپ کو بتا نہیں سکتا، اس نے کہا تھا کہ اسے میرے وجود سے پیار ہے...... وہ میرے ایک ایک عضو کی عزت کرتی ہے اور مجھے کسی طرح کمتر نہیں سمجھتی، میں بھی خوش ہو گیا تھا، پھر میں نے فراخدلی سے اس کو اپنی مشغولیات کی اجازت دے دی تھی، خیر...... جب وہ چلی گئی تو میں اپنی جگہ سے نکلا اور پھر میں نے ایک پرائیویٹ کلینک جا کر ڈاکٹر کو انتہائی معقول رقم دی اور اس سے اس بات کا شبہ ظاہر کیا کہ شاید میرے جسم میں کوئی زہریلا مادہ پہنچا دیا گیا ہے...... میں اس کے بارے میں تفتیش چاہتا ہوں...... ڈاکٹر نے مجھے کئی ٹیسٹ لکھ کر دیئے، ڈاکٹر کو معقول معاوضہ دے کر میں نے اس سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ میرا یہ تجزیہ خفیہ طور پر کرے...... لیبارٹری میں جا کر میں نے اپنا بلڈ وغیرہ ٹیسٹ کرایا، پھر اس کی رپورٹیں وغیرہ حاصل کیں...... ڈاکٹر سے مشورہ کیا تو اس نے مجھے وہی نام بتایا جو میں نے اس شیشی پر پڑھا تھا...... اس نے کہا کہ میرے جسم میں ایسی زہریلی گولیوں کا اثر موجود ہے جو بظاہر خواب آور ہوتی ہیں، لیکن پوائزن ہوتی ہیں...... اس نے مجھ سے کہا کہ یہ دوا کون مجھے دے رہا ہے...... ظاہر ہے میں نے اسے اپنی حقیقت نہ بتائی اور کہا کہ میں ایک نیم حکیم یا ڈاکٹر کے مشورے پر یہ گولیاں خود کھا رہا ہوں...... ڈاکٹر نے مجھے اس کے سلسلے میں شدید مذمت کی اور مجھ سے کہا کہ میں آئندہ مزید ایسا نہ کروں، لیکن پھر جناب میں نے اپنی ذہانت سے کام لینا شروع کر دیا...... میں نے میڈیکل سٹور سے بالکل اسی ڈیزائن کی وٹامن کی گولیوں کی ایک شیشی خریدی اور اس کے بعد دوسری شیشی میں ان گولیوں کو ڈال دیا اور اصل گولیاں ضائع کر دیں، اب جبکہ اس نے اپنے خلاف ایک محاذ کھول لیا تھا تو میں بھی بہر حال کوئی بے وقوف انسان نہیں تھا...... میں نے اس کے چیلنج کو قبول کر کے اپنے طور پر اقدامات شروع کر دیئے، غرضیکہ اسے گمان بھی نہیں ہو سکا کہ گولیاں اس طرح تبدیل کر دی گئی ہیں...... میں اس کے سامنے ہی دودھ پی لیا کرتا تھا...... چار پانچ دن تک تو میں نے مکمل خاموشی اختیار کیے رکھی اور جائزہ لیتا رہا، اتفاق کی بات ہے کہ ان چار پانچ دن میں ایک بار گھر سے نکلی تھی، پھر ساتویں، آٹھویں دن بالکل اطمینان بخش طریقے سے وہ اپنے تمام تر انتظامات کر کے نکلی تو میں پہلے سے تیار تھا اور جب وہ کچھ فاصلے پر پہنچ گئی تو میں نے اس کا تعاقب شروع کر دیا...... اصل میں اس دن یہ کیا تھا میں نے کہ اپنی کار میں خرابی کا بہانہ کر کے ٹیکسی میں واپس آیا تھا، اس نے مجھ سے گاڑی کے بارے میں پوچھا تو

میں نے کہا کہ مکینک کے پاس ہے، تھوڑا سا کام ہے کل مل جائے گی، لیکن اصل میں گاڑی کو میں نے ایسی جگہ کھڑا کر دیا تھا جہاں سے میں اسے لے کر اس کا تعاقب شروع کر سکوں اور ایسا میں نے اس لئے کیا تھا کہ وہ سوچ بھی نہ سکے...... آخر کار چالاک عورت تھی، لاکھ اسے مجھ پر اعتماد تھا کہ وہ مجھے بے ہوش کر کے باہر نکلی ہے لیکن پھر بھی میں نے ہر پہلو کو مد نگاہ رکھا تھا جیسے ہی اس کی گاڑی سٹارٹ ہو کر باہر نکلی میں نے پھرتی سے خود بھی باہر چھلانگ لگائی اور گیٹ سے باہر نکلنے کے بعد اپنی گاڑی تک پہنچ گیا...... تھوڑے ہی فاصلے پر میں نے اس کی گاڑی کو جا لیا اور پھر اس کی سرخ روشنیوں کا تعاقب کرتا ہوا آخر کار میں بلال سٹریٹ پہنچ گیا، جہاں وہ مکان نمبر تین سو اٹھارہ میں داخل ہوئی تھی، پھر کافی فاصلہ رکھ کر میں نے وہاں کا جائزہ لینا شروع کر دیا...... ایک گھنٹہ، ڈیڑھ گھنٹہ، دو گھنٹے گزر گئے...... تب میں وہاں سے واپس پلٹا...... گاڑی اسی جگہ کھڑی کی جہاں پہلے میں نے اسے چھوڑا تھا اور گھر میں آ کر لیٹ گیا، بلال سٹریٹ کے مکان نمبر تین سو اٹھارہ کو میں نے ذہن نشین کر لیا تھا اور اس کے بعد محترمہ میں نے باقاعدگی سے کام شروع کر دیا...... اصل میں ان حقیقتوں تک پہنچنا چاہتا تھا جو میرے لئے سنگ راہ بنی ہوئی تھیں، مختصر عرض کر رہا ہوں...... آپ سے کہ اس کے بعد میں بلال سٹریٹ کے رہنے والے جلال بیگ سے واقف ہوا لیکن بات جلال بیگ ہی کی نہیں تھی، بلکہ وہ عورت میرے خدا...... وہ شیطان کی دست راست ہے...... آہ، کاش وہ ایسی نہ ہوتی......

آپ یقین کریں آپ کے سامنے اس کا کچا چٹھا کھولتے ہوئے میرا دل ڈوب رہا ہے اور میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ مین اس کے قتل کا سامان کر رہا ہوں، لیکن آپ خود بتائیے دو ہی چیزیں ہیں یا تو میں خودکشی کر لوں یا پھر اسے کیفر کردار تک پہنچاؤں جس کے لئے میں نے بہت کچھ کیا ہے تو میں بتا رہا تھا کہ اس دوران میں شدت کے ساتھ اس کے بارے میں معلومات حاصل کر رہا تھا اور ان معلومات کے درمیان مجھے ڈاکٹر فیروز کے بارے میں علم ہوا...... ڈاکٹر فیروز منشیات کے اسی ہسپتال میں نوکری کرتا تھا جس کے بارے میں بعد میں یہ پتہ چلا کہ وہ اصل میں منشیات کا اڈا تھا...... ڈاکٹر فیروز نے جو خود بھی پولیس کی تحویل میں رہا تھا، منشیات کے اس اڈے کے خلاف بڑے زہریلے بیان دیئے تھے اور کہا تھا کہ اس کے کرتا دھرتا دوسرے ہی لوگ تھے اور انہوں نے ڈاکٹر فیروز کو وہاں ملازم رکھا تھا، لیکن مخلصانہ طور پر وہ منشیات کے عادی افراد کا علاج کرتا تھا، اب یہ الگ بات ہے کہ خفیہ طور پر وہاں کے منتظمین

دوسرا کام کیا کرتے تھے، بہر حال ڈاکٹر فیروز نے اپنا ایک کلینک الگ کھولا ہوا تھا اور یہ محترمہ ڈاکٹر فیروز سے اس طرح بے تکلف تھیں جیسے میرے بجائے وہ ان کا شوہر ہو، بس میں آپ کو کیا بتاؤں کہ کئی بار میں نے ان دونوں کو اتنی بے تکلفی کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ دیکھا کہ شاید میری جگہ کوئی اور شوہر ہوتا تو کوئی فوری اقدام کر ڈالتا، تو محترمہ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ ایک مثلث ہے اور ان لوگوں نے کوئی ایسا چکر چلا رکھا ہے جس کے بارے میں مجھے معلوم نہیں ہیں...... میں آپ کو سچ بتا رہا ہوں کہ اس قتل کے پس پردہ لازمی طور پر ڈاکٹر فیروز بھی ہے...... یہ لوگ کیا کر رہے ہیں...... کیا چاہتے ہیں یہ میں نہیں جانتا لیکن آپ سے اب تک میں نے جو کچھ کہا ہے وہ مسلسل طور پر میری بیوی کے خلاف جاتا ہے۔ ہاں، اگر اس سلسلے میں آپ مجھ سے یہ سوال کر دیں کہ کیا میری بیوی تنہا کسی شخص کو قتل کر سکتی ہے تو میں اپنے احمقانہ تجزیئے کی بنیاد پر یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ شاید وہ ایسا نہ کر سکے۔“

”احمقانہ تجزیہ؟“ بینا نے کہا۔

”ہاں، میں اپنے تجربات کو حماقت ہی کہوں گا کہ سارے فیصلے غلط کرتا رہا...... اس کے بارے میں صحیح اندازہ نہیں لگا سکا اور بس...... بہر حال میں نے آپ کو تمام تفصیلات بتا دی ہیں اور دیکھئے ایک بات میں آپ سے اور عرض کر دوں کہ اگر آپ یہ سمجھتی ہیں کہ میں کھلا کھلا اپنی بیوی کے خلاف خود کوئی قدم اٹھاؤں گا تو نہ تو میرے اندر اتنی ہمت ہے، نہ میں یہ جرات کر پاؤں گا، البتہ میں نے تمام حقیقتیں بتا دی ہیں۔“

”آپ عجیب باتیں کر رہے ہیں ارشاد صاحب جب ایک مجرم قانون کے علم میں آتا ہے تو اس کے لئے اس کے خلاف ثبوت بھی درکار ہوتے ہیں اور آپ نے جو داستان مجھے سنائی ہے وہ آپ کی بیگم کے خلاف ایک ٹھوس اور اہم ثبوت ہے...... عدالت میں اس ثبوت کی ضرورت پیش آئے گی...... آپ کے بیان کو تحریری رنگ دیا جائے گا، پھر آپ کیسے اس سے بچ سکتے ہیں۔“

”اصل میں قانون میں کچھ ایسی خامیاں ہیں کہ لوگ قانون کی مدد کرتے ہوئے بچتے ہیں۔ ہم اگر یہ چاہیں کہ ہم قانون کی مدد کریں اور اپنے آپ کو محفوظ بھی رکھیں تو آپ یقین کریں کہ ایسا نہیں ہو پاتا اور اس کے نتیجے میں اخبارات بھرے پڑے ہوتے ہیں، مخبری کے الزام میں قتل اور ایسے بدترین انداز میں کہ جسم کے اعضاء الگ الگ پھینک دیئے جاتے

ہیں یا پھر بھری عدالت میں گولیاں چلا کر گواہوں کو قتل کر دیا جاتا ہے...... آپ لوگ ایسا کوئی طریقہ کار دریافت نہیں کر سکتے جس سے آپ کی مدد کرنے والے کی زندگی کی حفاظت بھی ہو سکے۔“

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے ارشاد صاحب اگر ہم سے کسی ایسے خدشے کا اظہار کیا جاتا ہے تو ہم قانون کی مدد کرنے والے کی بھرپور مدد کرتے ہیں۔“

”کیا خاک مدد کریں گی آپ، اب آپ معمولی سی بات لے لیجئے، وہ میری بیوی ہے اور ابھی تک کوئی ایسی صورت حال سامنے نہیں آئی ہے جس سے وہ اس قتل کی مجرم ثابت ہو جائے جو کچھ میں نے آپ کو بتایا ہے وہ آپ کی مدد کے لئے ہے لیکن اگر، اگر آپ نے مجھے اس کے خلاف عدالت میں طلب کر لیا تو، تو......“

”نہیں...... میں سمجھ رہی ہوں آپ کی کیفیت، آپ پریشان نہ ہوں ویسے میں آپ کو بتاؤں کہ آپ نے جذباتی ہو کر یہ بات کہی ہے، وہ آپ کو زہر دینے کی کوشش کرتی رہی ہے اور محسوس بھی ہوتا ہو گا...... آپ کو کسی حد تک سہی، اس زہر نے آپ کو نقصان ضرور پہنچایا ہے...... بات اصل میں یہ ہے ارشاد صاحب کہ انسان کو فرشتہ بننے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے...... خیر، پھر بھی آپ نے چونکہ میری اتنی مدد کی ہے اس لئے میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ فوراً ہی آپ کو منظر عام پر نہیں لاؤں گی اور کوشش کروں گی کہ بچت کا کوئی راستہ نکل آئے اور آپ اس سلسلے میں الجھنوں کا شکار نہ ہوں۔“

”آپ ذہن میں رکھئے گا...... ڈاکٹر فیروز کا پتہ اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو دے سکتا ہوں۔“

”ہاں یقیناً...... بے شک“ بینا نے کہا اور پتہ وغیرہ نوٹ کر کے وہ اُٹھتی ہوئی بولی۔

”اس کے باوجود آپ اس بات کو ذہن میں رکھئے گا کہ وقت سے پہلے وہ ان حقیقتوں سے آگاہ نہ ہو سکے کیونکہ اگر ایسا ہو گیا اور اسے اپنی زندگی کا خطرہ لاحق ہوا تو آپ کو بھی راستے سے ہٹانے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔“ اس وقت بینا نے محسوس کیا کہ انسان چاہے کتنی ہی تکلیفوں کا شکار ہو زندگی سے اسے کس قدر دلچسپی ہوتی ہے اور کس طرح وہ ہر قیمت پر جینا چاہتا ہے، اس کا اندازہ ارشاد احمد کے چہرے سے ہو رہا تھا، بقول اس کے کہ وہ اپنا سب کچھ گنوا بیٹھا تھا، لیکن اس کے باوجود دنیا میں کسی کی محبت حاصل نہ ہوتے ہوئے بھی وہ جینا

جا ہتا تھا، اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"آپ وعدہ کر چکی ہیں کہ مجھے کسی مشکل میں نہ پھنسنے دیں گی۔"

"بالکل بے فکر رہیں۔" پھر بینا وہاں سے چل پڑی تھی، بہت شاندار انکشافات ہوئے تھے اور بینا سب سے زیادہ اس بات پر خوش تھی کہ شہاب کی مرضی کے بغیر یا اس کی مدد کے بغیر اب تک کامیابی سے فاصلہ طے کر رہی ہے، رات کو البتہ شہاب نے اس سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بھئی بینا صاحبہ کچھ زیادہ نہیں ہو رہی۔"

"جی میں سمجھی نہیں۔"

"اصل میں آپ کی مصروفیات کچھ زیادہ نہیں بڑھ گئی ہے۔"

"وہ تو ہے لیکن جناب یہ ڈیوٹی بھی تو آپ نے لگائی ہے۔"

"کیا مطلب۔"

"میرا مطلب یہ سب کچھ آپ کی اجازت کے بغیر تو نہیں ہو رہا۔"

"ایک سوال کروں بینا وعدہ کرو سچ جواب دو گی؟"

"ارے، یعنی کہاں غلطی ہم سے ہوئی جناب کہ آپ کو یہ وعدہ لینے کی ضرورت پیش آئی، ہم تو کوشش یہی کرتے رہے ہیں کہ کبھی بھول کر بھی آپ یہ نہ سوچیں کہ آپ سے کہیں جھوٹ بولنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔"

"ہاں بینا...... خیر اس بات سے میں کبھی انکار نہیں کروں گا...... اصل میں بعض اوقات کچھ الفاظ ادا کرتے ہوئے کچھ ایسے غیر ضروری الفاظ منہ سے نکل جاتے ہیں جن کا کوئی مفہوم نہیں ہوتا، بس وہ روایتی انداز میں سامنے آ جاتے ہیں۔"

"تو یہ معذرتیں پیش کرنے کی کوششیں کیوں کی جا رہی ہیں، ہر بات کہہ سکتے ہیں، ہر جملہ کہہ سکتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے جناب کہ آپ کو اندر سے جانتی ہوں، کیا سمجھے آپ۔"

"تھینک یو بینا، تھینک یو ویری مچ، اصل میں یہ پوچھنا چاہ رہا تھا کہ میں نے اپنے کچھ خیالات کی بنا پر تمہیں محکمہ پولیس میں ملازمت دلادی اور اب ظاہر ہے کہ تم میری واحد راز دار ہو جو تمام حقیقتوں کو سمجھتی ہو، شہنشاہ اس لئے وجود میں آیا کہ میرا باپ سچ کا شہید تھا اور اسے سچائی کی موت مرنا پڑا...... بینا یہ بات میرے لئے انتہائی دکھ کا باعث تھی، میں جانتا تھا

کہ قانون بعض جگہ اپنے تمام تر خلوص اور سچائیوں کے باوجود مفلوج کر دیا جاتا ہے اور کچھ صاحب اقتدار اس پر اس طرح حاوی ہو جاتے ہیں کہ قانون کو سچ سے آنکھ چرانی پڑتی ہے...... شہنشاہ اس لئے وجود میں آیا تھا کہ جہاں قانون اس کی بے بسی کو محسوس کرے وہاں شہنشاہ اپنا عمل دہرائے اور ان لوگوں کو کیفر کردار تک پہنچائے جو قانون کی توہین کرتے ہیں اور خدا کی قسم بینا میں نے ایسا کیا ہے اور بڑے دھڑلے سے کیا ہے...... انسپکٹر جنرل صاحب یہ بات جانتے ہیں اور ایک طرح سے تم یوں سمجھو کہ میں نے ان سے بھی انحراف کیا ہے...... میں جانتا ہوں کہ اس سے میرے باپ کی روح کو خوشی ہوتی ہوگی اور میرے اعمال نامے میں یقینی طور پر نیکیاں لکھی جاتی ہوں گی، انسان کو اللہ کی ذات پر یقین ہے وہ ہر چیز کو دیکھتا ہے اور ساری حقیقت صرف اور صرف اسے معلوم ہوتی ہے...... بینا میں ذرا سا جذباتی ہو گیا ہوں، میرے جذبات کو سہارا دو ذرا میرا سر اپنے سینے سے لگاؤ تاکہ میں بات آگے بڑھا سکوں" شہاب ایک دم پٹڑی سے اتر گیا اور بینا حیرت سے اسے دیکھنے لگی، پھر حیرانی سے ہنس کر بولی۔

"یہ کیا ہوا؟"

"یار بس بلڈ پریشر ہونے لگا تھا، میں نے سوچا ذرا اس پریشر کو کم کر دوں...... ذہن پر جذبات کی تہیں چڑھتی جا رہی تھیں، بینا ایک اچھی بیوی اسی لئے تو انسان کا بہترین سہارا ہوتی ہے کہ جب خون زیادہ جوش مارنے لگے تو کسی درخت کی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھ کر خون کی تیزی کو کم کیا جا سکے، میں بس یہ کہنا چاہ رہا تھا بینا کہ کوئی مجبوری میرے لئے قبول نہ کرنا بلکہ اپنے طور پر بتا دینا کہ شہاب مجھے یہ بات پسند نہیں ہے...... مجھے خوشی ہوگی بینا۔"

"اب آپ مجھے بھی جذباتی کر رہے ہیں...... آپ یہ سمجھ لیجئے شہاب صاحب کہ میں صرف آپ کی مسز نہیں ہوں آپ کی فین بھی ہوں، اب ماضی کی باتوں کو دہرانے کا کیا فائدہ، ایک کمزور گھرانے کو آپ نے اپنا سہارا دے کر اس قدر طاقتور بنا دیا ہے کہ آج ہم سب عزت کی زندگی جی رہے ہیں...... میرے والد نے اپنا ایک مقام رکھا تھا، مجھے بھی وکالت پڑھائی انہوں نے اور آپ بھی یقین کریں میں نے بھی یہ فیصلہ کیا تھا کہ زندگی میں کبھی کسی ایسی الجھن کو قبول نہیں کروں گی جو میرے والدین کے اور میرے درمیان دیوار بنے یعنی شادی نہیں کروں گی میں بلکہ وکالت کا پیشہ اپنا کر جب تک میرے باپ کی ہڈیوں میں دم ہے ان کی ساتھی بنی رہوں گی اور اس کے بعد جب وہ تھک جائیں گے تو انہیں سکون سے ایک جگہ

بٹھا کر خود ان کی کفالت کروں گی۔ یہ کیا کہ انسان کسی مجبور کو زندگی بھر کی کاوشوں کا یہ صلہ دے کہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علیحدہ بنالے اور وہ جو اپنا مضبوط ترین وقت اپنی اولاد کو دیتے ہیں آخر میں اپنے کمزور جسم کے ساتھ تنہائیوں میں بیٹھ کر سوچیں کہ اب کیا کریں، لیکن شہاب آپ جیسا انسان مجھے ملا، بس آگے مجھ سے مت کہلوائیں ورنہ میں رو پڑوں گی۔“

”ارے باپ رے، حالانکہ میں تو آپ کو کسی اور ہی موڈ میں لانا چاہتا تھا، بس ٹھیک ہے محترمہ جاری رکھئے اپنے کام اور جہاں تک عدنان واسطی صاحب کا تعلق ہے تو اب میں بھی آپ سے کچھ جذباتی باتیں کہہ دوں مجھے ان کے ہر عمل میں اپنے باپ کی جھلکیاں نظر آتی ہیں، میرے باپ صحافی تھے، سچ لکھتے تھے، سچ پہنتے تھے، سچ کھاتے تھے، پس ماندہ تھے یہاں تک کہ سچ کے شہید ہوگئے...... واسطی صاحب نے بھی سچ کا جہاد شروع کیا ہوا تھا اور اپنی حیثیت نہ بنا کر انہوں نے سچ کی خدمت کی تو بینا ہم دونوں کا خون یکساں ہے...... چلئے چھوڑیئے آپ کا مشن کیسا جا رہا ہے۔“

”کیا آپ یہ پوچھنا چاہیں گے کہ میں نے کیا کیا ہے؟“

جی نہیں...... بالکل نہیں اپنے معاملات خود نپٹایئے میں نادر حیات صاحب کے سامنے قسم کھا کر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس کیس میں، میں نے بینا کی بالکل مدد نہیں کی اور بینا کو بلاوجہ میں نے اپنی بیوی کی حیثیت سے محکمہ پولیس سے تنخواہ دار نہیں بنایا ہے بلکہ بینا ڈی آئی جی صاحب کے اس نئے منصوبے پر بھرپور کام کر رہی ہے جس میں ملک میں امن و امان قائم کرنے، جرم کو ختم کرنے کے لئے ایک شاندار منصوبہ بندی موجود ہے تو محترمہ ذرا گھڑی پر نگاہ ڈالئے اب وہ گھڑی آ پہنچی ہے کہ ہم ایک ایک گھڑی کو جاوداں بنا دیں، کیا سمجھیں آپ۔“

”شٹ اپ!“ بینا آہستہ سے بولی اور شہاب نے ہاتھ بڑھا کر لیمپ کا سوئچ آف کر دیا۔

❁ ❁ ❁

دوسری صبح دونوں نے تیاریاں مکمل کیں...... شہاب چونکہ بینا کو مکمل طور پر اجازت دے چکا تھا کہ وہ اپنے اس کیس کے سلسلے میں جس طرح چاہے کارروائی کر سکتی ہے، اس لئے بینا اپنی کار لے کر الگ چل پڑی اور شہاب ہیڈ آفس روانہ ہو گیا...... بینا کار ڈرائیو کرتی ہوئی سیدھی افضال شاہ کے پاس پہنچی تھی، ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ پولیس کے معاملات میں بہت اچھے تجربات نہیں تھے، لیکن پھر بھی اب بھی ایسے بہت سے افراد موجود تھے جو ذمہ داری کو ذمہ داری سمجھ کر پورا کرتے تھے اور افضال شاہ بھی انہی میں سے ایک تھا، وہ باقاعدہ اپنی ڈیوٹی پر مستعد نظر آیا، چوری کے کچھ ملزمان پکڑ کر لائے گئے تھے اور افضال شاہ ان سے تفتیش کر رہا تھا...... بینا بھی اسی کمرے میں پہنچ گئی، اس نے افضال شاہ کو دیکھا اور افضال شاہ کسی قدر خجل ہو گیا۔

”معاف کیجئے گا میڈم یہ عادی لوگ ہیں، ان کے ساتھ تھوڑی سی سختی تو کرنی ہی پڑتی ہے...... چلو انہیں لاک اپ کر دو...... ان کا تو باپ بھی بتائے گا کہ انہوں نے کون کون سے کھیل کھیلے ہیں۔“ پھر افضال شاہ بینا کے ساتھ اپنے آفس میں آ گیا تھا۔

”میڈم آپ یقین کیجئے آپ کے ساتھ کام کر کے دل کو بڑی خوشی کا احساس ہو رہا ہے...... آپ تو بہت بڑے لوگ ہیں جی، بڑے بڑے کارنامے سر انجام دیئے ہیں آپ نے اور یہ بات میرے علم میں آ چکی ہے کہ اگر کسی کیس کے سلسلے میں آپ کا سہارا حاصل ہو جائے تو کیس کو حل ہونا ہی ہوتا ہے...... ویسے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جلال بیگ کا قتل ایک معمہ بنا ہوا ہے اور کم از کم میں تو بات کو بالکل بھی آگے نہیں بڑھا سکا۔“

”کوئی بات نہیں ہے افضال شاہ کم از کم تم نیک نیتی کے ساتھ کام تو کر رہے ہو۔“

"آپ یقین کیجئے میڈم میری دلی خواہش ہے کہ اس وقت جو علاقہ میرے پاس ہے اسے اتنا پرامن بنادوں کہ لوگ وہاں جرائم کرنے سے پہلے گھنٹوں سوچیں اور آخر میں جرم کرنے کا فیصلہ ترک کردیں کہ نتیجہ بہت برا نکلے گا۔"

"اور اس کے بعد۔" بینا نے سوال کیا۔

"اس کے بعد میڈم اعلیٰ حکام سے کہوں کہ میرا کسی دوسرے علاقے میں تقرر کردیا جائے۔"

"یہ جذبے دل میں ہیں تو کامیاب رہو گے، بے فکر رہو" بینا نے پرخلوص انداز میں کہا۔

"لیکن بہرحال ان اُلجھے ہوئے معاملات میں میرا کام جاری ہے اور میں کچھ ایسے لوگوں کو ٹریس کرچکی ہوں جو اس سلسلے میں ہمارے کام آسکتے ہیں، کیا سمجھے۔"

"جی میڈم۔"

"اچھا...... اب یوں سمجھ لو کہ ایک آدمی کو میرے بتائے ہوئے پتے پر سادہ لباس میں ڈیوٹی پر لگادو بلکہ ایک نہیں دو آدمی رکھو...... کوئی بھی ایسی صورت حال پیش آسکتی ہے جو کسی دوسرے کی فوری ضرورت پیش آجائے۔"

"جی...... میں سمجھ رہا ہوں۔"

"اور اس وقت بتاؤ کوئی کام ہے یا نہیں۔"

"نہیں...... میں سمجھا نہیں۔"

"میرا مطلب ہے کوئی اور ضروری کام تو نہیں ہے۔"

"نہیں بالکل نہیں...... آپ حکم دیجئے۔"

"بس چلنا ہے تمہیں میرے ساتھ۔" بینا نے کہا۔

"جی بہت بہتر...... میں ایسا کرتا ہوں کہ پہلے ایس آئی کمال الدین کو بلاتا ہوں دوسرے بندے کا وہ انتخاب خود کرلے گا...... کمال الدین ذہین آدمی ہے ہوشیاری سے حالات پر نگاہ رکھے گا۔" نوجوان کمال الدین کو بینا پہلے بھی دیکھ چکی تھی، اس نے اندر آکر سلیوٹ کیا تو افضال شاہ اسے بینا کی ہدایت کے بارے میں بتانے لگا۔

"تمہیں سادہ لباس میں جانا ہے اور ایسی تیاریوں کے ساتھ کہ اگر کوئی بہت اہم ضرورت پیش آجائے تو صورت حال کا صحیح انداز میں جائزہ لو، حالات خود تمہاری نگاہ میں

رہنے چاہئیں۔"

"پتہ نوٹ کرو۔" بینا نے کہا اور اس کے بعد اس نے ڈاکٹر فیروز کے کلینک کا پتہ بتادیا...... افضال شاہ چونک کر کہنے لگا۔

"یہ جی یہ وہ ڈاکٹر فیروز تو نہیں ہے جو ایک منشیات کے ہسپتال میں ملازمت کرتا تھا اور ہسپتال پر چھاپہ پڑا تھا۔"

"بالکل وہی ہے کیوں تم اس بارے میں جانتے ہو۔"

"جی...... کچھ نہیں جی...... ایک دو دفعہ شکایتیں ملی تھیں۔"

"کیسی شکایتیں۔"

"یہی کہ ڈاکٹر فیروز نے جو نیا کلینک کھولا ہے وہاں بھی کوئی دھندا چلتا ہے مگر پہلی بات تو یہ کہ ہمارا علاقہ نہیں تھا، پھر یہ کہ تھوڑی بہت کوشش سے کام نہیں چلا تھا...... ہم نے سوچا تھا کہ اگر کبھی فرصت ملی تو اس بندے کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے لیکن جی۔"

"بس اتنا کافی ہے افضال شاہ، کمال الدین تم ایک ایسے آدمی کو ساتھ لے کر جاؤ، تمہارے پاس پرائیویٹ موٹر سائیکلیں تو موجود ہوں گی۔"

"جی میڈم ہیں۔"

"بس انہیں استعمال کرو، ڈاکٹر فیروز کو کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے، ایک خاص خیال رکھنا ویسے تو ڈاکٹر کے کلینک پر بے شمار لوگ آتے جاتے ہیں، بس ذرا تم کسی ایسی شخصیت پر خاص طور سے نگاہ رکھنا جو تمہیں مشکوک محسوس ہو۔"

"آپ فکر نہ کریں جی...... آپ کے حکم کے مطابق ہی کام ہوگا۔"

"اوکے۔" بینا نے کہا اور اس کے بعد وہ انسپکٹر افضال شاہ کو ساتھ لے کر چل پڑی اور تھوڑی دیر کے بعد وہ وہاں پہنچ گئی جہاں ارشاد احمد رہتا تھا...... ارشاد احمد کی کار بھی اندر موجود تھی اور دوسری کار بھی جسے فرخندہ استعمال کرتی تھی، چنانچہ بینا نے کال بیل پر انگلی رکھی اور کچھ لمحوں کے بعد فرخندہ نے ہی گیٹ کھولا تھا، وہ ایک خوبصورت لباس میں ملبوس تھی، اس کے چہرے پر ایک عجیب سی معصومیت طاری تھی، انسپکٹر افضال شاہ کو دیکھ کر وہ گھبرا گئی، بینا کو بھی اس نے سرد نگاہوں سے دیکھا تھا پھر بولی۔

"جی فرمائیے کیا بات ہے؟"

آپ سے کچھ گفتگو کرنی ہے میڈم۔" افضال شاہ نے کہا۔

"پولیس کے آنے کا مطلب ہے کہ کسی جرم کے سلسلے میں کوئی تفتیش کی جا رہی ہے۔"

"جب آپ یہ سب کچھ سمجھتی ہیں میڈم تو بلاوجہ ہم لوگوں کو آپ نے دروازے پر کھڑا کر رکھا ہے...... آپ جانتی ہیں کہ پولیس کو کتنے اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔"

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ" عورت نے کہا اور اسی وقت عقب سے آواز سنائی دی۔

"کیا بات ہے، فرخندہ کون ہے، کیا ہو گیا" یہ آواز ارشاد احمد کی تھی...... وہ برآمدے میں آ گیا تھا...... بینا پر اس کی شاید نگاہ نہیں پڑی تھی لیکن پولیس انسپکٹر کو اس نے دیکھ لیا تھا، چنانچہ وہ تیز قدموں سے چلتا ہوا دروازے تک پہنچ گیا اور پھر اس کی نگاہ بینا پر پڑی...... وہ ایک دم سنبھل گیا اور اس نے کسی قدر خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"کک کیا بات ہے جناب...... خیریت تو ہے۔" وہ دو قدم پیچھے ہٹ گیا تھا اور بینا کو عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا...... غالباً وہ بینا کو کوئی اشارہ کرنا چاہتا تھا...... بینا نے ایک بار اس کی نگاہوں میں دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے یقین دلانے کی کوشش کی کہ وہ اس سلسلے میں اس کی اور اپنی ملاقات کا کوئی تذکرہ نہیں کرے گی، پھر وہ فوراً بولا۔

"کیا انسپکٹر صاحب اندر آنا چاہتے ہیں۔"

"چاہتے تو یہی ہیں مگر تم لوگ مجھے مجبور کر رہے ہوں کہ میں اندر آنے کی بجائے تمہیں باہر نکال کر تھانے لے چلوں۔"

"بادشاہ ہیں آپ...... ہمیں لے چلئے یا اندر آجائیے...... فرخندہ تم انسپکٹر صاحب کا راستہ روکے ہوئے کیوں کھڑی ہوئی ہو۔"

"کیا ہم پولیس کے سامنے اس قدر بے بس ہیں کہ پولیس جس طرح چاہے ہمیں آکر دھمکیاں دے...... یہ تو کوئی اچھی بات نہیں ہوئی۔"

"تم پیچھے ہٹو، اچھی یا بری بات ہر ایک سے نہیں کی جاتی...... آئیے انسپکٹر صاحب براہ کرم آجائیے...... پڑوس کے لوگ پولیس کو دیکھ کر نہ جانے ہمارے بارے میں کیا سوچیں گے۔"

"اور آپ کون ہیں؟" فرخندہ نے بینا کو دیکھ کر کہا۔

"بد قسمتی ہے میرا تعلق بھی پولیس سے ہے۔" بینا نے کہا۔

دونوں اندر داخل ہو گئے...... فرخندہ خاصی تیز معلوم ہوتی تھی، کہنے لگی۔

"اگر بد قسمتی ہے تو آپ نے محکمہ پولیس میں ملازمت کیوں کر لی، اچھی خوبصورت خاتون ہیں، ماڈلنگ کر لیتیں، اداکاری کر لیتیں، فلم اور ٹیلی ویژن میں تو آپ کے لئے بڑی گنجائش نکل آتی۔"

"میں اپنی بد قسمتی نہیں بلکہ آپ کی بد قسمتی کہہ رہی ہوں محترمہ کہ میرا تعلق پولیس سے ہے۔"

"مم میری بد قسمتی۔"

"ایک تو عورتوں کو بولنے کی اتنی عادت ہوتی ہے کہ وقت دیکھتی ہو نا موقع، معاف کیجئے گا آپ کو نہیں کہہ رہا، آپ براہ کرم اندر آجائیے، ان کا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔" ارشاد احمد نے عاجزی سے بینا سے کہا اور بہر حال افضال شاہ اور بینا اس کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئے، چونکہ اس دوران فرخندہ خاصی بے تکی باتیں کر چکی تھی اس لئے جب وہ ڈرائنگ روم کے دروازے سے مڑ کر واپس جانے لگی تو بینا کے اشارے پر افضال شاہ نے کرخت لہجے میں کہا۔

"آپ میرا خیال ہے شرافت کی زبان سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہی ہیں میڈم، فوراً اندر آجائیے ورنہ میں آپ کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں بھی ڈال سکتا ہوں۔"

"فرخندہ اپنے ہر فعل کی ذمہ دار تم خود ہو گی ورنہ پولیس سے تعاون کرو۔" فرخندہ برا سامنہ بنا کر اندر آگئی تھی، ویسے خاصی تیز طرار عورت معلوم ہوتی تھی لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ چہرے پر ایک عجیب سی معصومیت تھی اور اس کا چہرہ دیکھ کر کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کسی کی قاتل ہو سکتی ہے یا قتل کے کسی مسئلے میں کسی کی شریک کار، لیکن بہر حال اس کا رویہ مشکوک تھا، اندر داخل ہو کر وہ رُوٹھے رُوٹھے سے انداز میں ایک علیحدہ صوفے پر بیٹھ گئی، جبکہ ارشاد احمد نے ان دونوں کو بڑی عاجزی سے بیٹھنے کی پیشکش کی تھی، پھر وہ بولا۔

"دیکھئے بات اصل میں یہ ہے کہ پولیس والوں کو دیکھ کر تو اچھے اچھوں کے حواس خراب ہو جاتے ہیں...... قانون کے رکھوالے بلاوجہ ہی تو کسی کے ہاں نہیں جاتے، خیر اگر میں غیر ضروری گفتگو کر رہا ہوں تو براہ کرم اب مجھے بتا دیجئے کہ آپ کا یہاں آنا کس سلسلے میں ہوا ہے۔" ارشاد احمد نے رحم طلب نگاہوں سے بینا کی طرف دیکھا...... غالباً یہ کہنا چاہتا

تھا کہ بینا بھی اس سے اسی طرح اجنبیت کا اظہار کرے جس طرح وہ بینا سے اجنبیت کا اظہار کر رہا ہے اور اس سے ظاہر بھی کرنا چاہتا تھا وہ کہ بینا کی آمد کے بارے میں ابھی فرخندہ کو کچھ معلوم نہیں ہے...... بینا نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا، پھر بولی۔

"آپ کا نام ارشاد احمد ہے؟"

"جی۔" ارشاد احمد نے فوراً ہی جواب دیا...... یہ سوال کرنے سے بینا کا مقصد یہ تھا کہ اس نے ارشاد احمد کی درخواست کو مدنگاہ رکھا ہے اور وہ یہ ظاہر کرنے کے موڈ میں نہیں ہے کہ اس کی بیوی کو اس کی اور بینا کی ملاقات کے بارے میں علم ہو سکے...... اس احساس سے ارشاد احمد کے چہرے پر کسی قدر اطمینان کے آثار پھیل گئے تھے جبکہ فرخندہ بدستور تلخ نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ بینا نے کہا۔

"محترمہ فرخندہ ہم لوگ ایک قتل کے سلسلے میں تفتیش کر رہے ہیں اور ہمارے اندازے کے مطابق اس قتل سے آپ کا بھی کچھ نہ کچھ تعلق ہے۔" فرخندہ کا چہرہ ایک لمحے کے لئے پھر متغیر ہوا لیکن بلا کی عورت تھی۔ ظاہر ہے پہلی بات تو یہ کہ ایک ہسپتال میں کام کر چکی تھی اور اس کے علاوہ اس کی شخصیت بھی خاصی مشکوک تھی، چنانچہ پھر اپنے آپ کو سنبھال گئی اور بولی۔

"آپ کو معلوم ہے کہ قانون شہریت کیا ہے؟"

"جی۔" افضال احمد نے کسی قدر مضحکہ خیز انداز میں فرخندہ کو دیکھا۔

"کسی شریف شہری کی عزت اور احترام کرنا پولیس آفیسر کا فرض ہوتا ہے...... دوسری صورت میں عام لوگوں کو بھی قانون کا سہارا حاصل ہوتا ہے...... آپ شاید اس بات کو بھول رہے ہیں۔"

"جی بالکل...... بالکل صحیح فرمایا آپ نے، میرا خیال ہے میڈم ہم واقعی غلط طریقے سے محترمہ سے تفتیش کر رہے ہیں...... معاف کیجئے گا ارشاد احمد صاحب آپ کی مسز کو کچھ دیر کے لئے ہمیں تھانے لے جانا ہوگا۔"

"جج...... جی۔"

"جی ہاں...... محترمہ اصل میں قانون سے پوری پوری واقفیت رکھتی ہیں، چنانچہ ہمارا اندازہ ہے کہ قانون کے تقاضے پورے کئے بغیر یہ ہمیں کچھ بتانے پر آمادہ نہیں ہوں گی۔"

"آپ یعنی آپ بلا وجہ مجھے دھمکیاں دے رہے ہیں...... کیا آپ کے پاس میرا وارنٹ گرفتاری موجود ہے۔"

"جی ہاں ہے۔"

"تو آپ مجھے دکھائیے۔"

"افسوس...... وہ بھی تھانے ہی میں رکھا ہوا ہے...... چلئے اُٹھئے۔" افضال شاہ نے کہا۔

"مم میں میں!" پہلی بار فرخندہ کے چہرے پر کسی قدر اُلجھن کے آثار نظر آئے۔

"جی فرمائیے۔"

"میں اس طرح نہیں جاؤں گی، آپ کو...... آپ کو اپنے اس عمل کا جواب دینا ہوگا۔"

"ظاہر ہے ہر عمل کا جواب دینا ہوتا ہے، کبھی اس دُنیا میں کبھی اس دُنیا میں۔" افضال شاہ نے بدستور مضحکہ خیز انداز میں کہا۔

"اگر آپ مذاق بھی کر رہے ہیں تو جناب تو یہ ایک سنگین مذاق ہے۔"

"نہیں...... براہ کرم آپ اس کو مذاق مت سمجھئے...... معاف کیجئے گا ارشاد احمد صاحب یہ بڑا ضروری ہو گیا ہے، اب افضال شاہ کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا...... بینا بھی صورت حال کا اندازہ لگا رہی تھی...... عورت حد سے زیادہ مدافعت کرنے کی کوشش کر رہی تھی اور ایسی صورت میں واقعی کچھ سنگین حالات بھی نکل سکتے تھے، جبکہ اسے تھانے لے جا کر تفتیش کی جا سکتی تھی، ورنہ اگر وہ شور مچا دیتی اور پڑوسیوں کو ہی جمع کر لیتی تو سنگین صورت حال پیدا ہو سکتی تھی...... افضال شاہ اور بینا اُٹھ گئے تو ارشاد احمد نے کہا۔

"نہیں نہیں، آپ براہ کرم ایسا مت کیجئے گا جو کچھ بھی پوچھنا چاہتے ہیں آپ وہ میں آپ کو بتا دوں گا۔"

"اور اگر آپ نے ہمارے کام میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی تو، آپ کو بھگتنا ہوگا، آپ ایسا مت کیجئے کہ ہمارے پیچھے پیچھے اپنے وکیل کو لے کر تھانے آ جائیے، آئیے محترمہ" افضال شاہ نے کہا۔

"مم میں...... میں نہیں جاؤں گی" فرخندہ مچل گئی تو افضال شاہ نے پستول کا رخ اس کی جانب کر دیا اور پھر اپنے لباس سے ہتھکڑیاں نکالتا ہوا بولا۔

"میڈم مجبوری ہے، مجھے اس طرح کی خواتین کا خاصا تجربہ ہے...... میں جانتا ہوں

یہاں اپنے گھر میں یہ مجھے کچھ نہیں بتائیں گی۔"

"جناب عالی میں انہیں سمجھاتا ہوں آپ براہ کرم جو کچھ پوچھنا چاہتے ہیں یہیں پو لیجئے...... خدارا ایسا عمل نہ کیجئے گا۔" ارشاد احمد نے کہا لیکن فرخندہ فوراً ہی بول اُٹھی۔

"نہیں نہیں ٹھیک ہے۔ تم بیٹھو میرے پیچھے وکیل کو لانے کی ضرورت ہے او گھبرانے کی، ابھی تھوڑی دیر کے بعد میں واپس آجاؤں گی...... میں قانون کو قانونی طر سے پورا کرنے کی قائل ہوں، اگر یہ صاحب مجھے تھانے لے جاکر کچھ معلوم کرنا چاہتے ہیں ٹھیک ہے چلئے...... میں تیار ہوں۔" اس کے ان الفاظ پر سچی بات یہ ہے کہ خود افضال شاہ حیران رہ گیا تھا۔ عورت کچھ عجیب و غریب فطرت کی مالک تھی...... وہ تھانے چلنے کے تیار تھی۔ افضال شاہ نے کہا۔

"تو آپ بغیر ہتھکڑیوں کے تھانے جانا پسند کریں گی یا ہم آپ کو ہتھکڑیاں لگاکر جائیں۔"

"جب میں آپ کے ساتھ تھانے چلنے کے لئے تیار ہوں تو ہتھکڑیاں لگانے ضرورت تو نہیں ہے، مزید یہ کہ اگر آپ اس بات کے حق میں ہیں اور اس سے خوشی محس کرتے ہیں تو ظاہر ہے پولیس کی وردی میں ہیں جو چاہیں کر سکتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"تو پھر آیئے۔" افضال شاہ نے کہا اور ارشاد احمد کی طرف رخ کر کے بولا۔

"دیکھئے محترمہ سے معلومات حاصل کر کے ہم انہیں باعزت طریقے سے رخص کر دیں گے اور اگر کوئی دقت ہوئی تو آپ کو ٹیلی فون کر دیں گے...... آپ کے ہاں ٹیلی فو ہے نا۔"

"جی ہاں۔"

"تو ٹیلیفون کا نمبر دے دیجئے۔" افضال شاہ نے کہا اور ارشاد احمد نے ٹیلی فون کا نم کر افضال شاہ کو دیتے ہوئے کہا۔

"اگر میں بھی آپ کے ساتھ چلوں تو کیا حرج ہے۔"

"نہیں...... بہتر ہے آپ نہ جائیں" اچانک ہی بینا نے کہا اور ارشاد احمد شانے ہلا گیا، پھر وہ بولا۔

"گھبرانا نہیں اگر کوئی بات ہو تو مجھے فون کر دینا، دیکھئے جناب آپ اتنی مہلت

گے نا۔"

"ہاں...... ہاں...... کیوں نہیں...... تم فکر مت کرو۔" افضال شاہ کی بجائے فرخندہ پھر بول پڑی...... اب اس کے اندر بڑی خود اعتمادی نظر آرہی تھی...... بہرحال کچھ دیر کے بعد وہ ان دونوں کے ساتھ بیٹھ کر تھانے چل پڑی...... اس سے اس کی مضبوط اور دلیر فطرت کا احساس ہوتا تھا...... ویسے بھی جو کچھ اس کے بارے میں معلومات حاصل ہو چکی تھیں، اس سے بینا کو تو کم از کم علم تھا کہ وہ کس پائے کی عورت ہے لیکن افضال شاہ بھی بہرحال پولیس آفیسر تھا اور اس کا واسطہ ہر طرح کے مرد اور عورتوں سے پڑتا رہتا تھا، چنانچہ اسے بھی تھوڑا بہت اندازہ ہو گیا تھا کہ فرخندہ ذرا مردمار قسم کی عورت ہے اور اس سے کس طرح پیش آنا چاہئے...... بہرحال راستے میں مکمل خاموشی طاری رہی تھی...... بینا فرخندہ کی دلیری پر حیران تھی، حالانکہ وہ فرخندہ کے قریب بیٹھی ہوئی تھی، لیکن راستے میں فرخندہ نے اس سے ایک بھی سوال نہیں کیا تھا...... البتہ بینا پوری طرح ہوشیار تھی، تھوڑی دیر کے بعد وہ پولیس اسٹیشن پہنچ گئے...... بینا نے افضال شاہ سے کہا۔

"افضال شاہ تفتیش کے دوران تم ساتھ رہو گے لیکن کمرے میں کسی اور کو آنے کے لئے منع کر دیا جائے اور اگر تمہیں بہت ضروری کام ہے تو تم کر سکتے ہو۔"

"نہیں میڈم، آیئے آفس میں نہیں دوسرے کمرے میں چلتے ہیں۔" یہ دوسرا کمرہ جو ڈرائنگ روم کہلاتا ہے...... تقریباً ہر تھانے میں ہوتا ہے اور یہاں وہ لوگ بہت سے رازوں کی نقاب کشائی کرتے ہیں جو اپنے آپ کو بڑا ہمت والا سمجھتے ہیں، کئی ایسی چیزیں یہاں موجود تھیں جنہیں دیکھ کر فرخندہ کے چہرے پر تشویش کے آثار پیدا ہوئے تھے، اس کے ہونٹ خراب ہو گئے تھے، اس نے چاروں طرف نگاہیں دوڑاتے ہوئے کہا تھا۔

"دیکھئے میں کوئی جرائم پیشہ عورت نہیں ہوں نہ میں نے کوئی جرم کیا ہے جس کی وجہ سے مجھے خوف کا احساس ہو، لیکن آپ لوگ براہ کرم میرے ساتھ کوئی زیادتی نہ کیجئے گا، پہلے آپ مجھے بتا دیجئے گا کہ میرا جرم کیا ہے، اس کے بعد میں صورت حال کا جائزہ لوں گی اور آپ کو وہ سب کچھ سچ سچ بتا دوں گی جو میرے علم میں ہوگا...... براہ کرم کیا آپ مجھے بتانا پسند کریں گے کہ آپ مجھ سے کیا معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

"آپ بالکل اطمینان سے تشریف رکھئے محترمہ فرخندہ ہم بھی آپ کو یہاں پر تشدد

کرنے کے لئے نہیں لائے، آپ اگر گھر ہی میں کچھ بتا دیتیں ہمیں تو بہت بہتر رہتا، لیکن آپ نے خود۔"

"میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے۔" فرخندہ نے کہا اور بینا اور افضال شاہ چونک پڑے۔

"جان بوجھ کر۔"

"جی ہاں۔"

"وہ کیوں؟"

خدارا مجھ سے یہ سوال نہ کیجئے۔

آپ کی مرضی ہے، آپ کہتی ہیں کہ آپ نے جان بوجھ کر ایسا کیا اور پھر آپ اس کی وجہ نہیں بتاتیں تو ہمارا تو قصور نہ ہوا نا...... جو کام آپ نے جان بوجھ کر کیا ہے اس کے بارے میں پہلی بات تو یہ کہ ہمیں معلومات نہیں ہیں، لیکن خیر۔

اصل میں وہ بات نہیں کہنا چاہتی جو حقیقت ہے، بہت سی خود بخود سمجھی جا سکتی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو بھی سمجھنی چاہئیں۔"

"اب محکمہ پولیس کی تربیت اگر آپ کر رہی ہیں تو ہم کیا کہہ سکتے ہیں...... آپ مرضی ہے۔" افضال شاہ نے کہا۔

"میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ آپ نے میرے اور میرے شوہر کے درمیان کو محسوس کیا ہوگا...... ہم لوگوں کی عمروں میں کافی تضاد ہے اور جن شوہروں اور بیویوں عمروں میں اتنا تضاد ہوتا ہے وہاں شوہر بیویوں کی ہر بات کو شک و شبے کی نگاہ سے دیکھتے اور بیویوں کے لئے زندگی گزارنا مشکل ہو جاتا ہے...... آپ شاید میری بات پر ہنسیں جو حقیقتیں ہیں ان پر لوگ ہنستے ہیں، ہنستے رہیں، جنہیں ان سے گزرنا ہوتا ہے وہی ان حقیقتوں سے آشنا ہوتا ہے۔"

آپ کا مطلب ہے کہ آپ کے شوہر شکی مزاج ہیں اور عمر کے اس تضاد کی وجہ آپ پر شک کرتے ہیں۔"

افضال شاہ نے کہا۔

"نہیں افضال شاہ...... یہ بالکل ذاتی معاملات ہیں، اگر محترمہ انہیں خود بتانا پسند گی تو ہم ان سے پوچھیں گے، ورنہ قانون کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ کسی کے نجی اور ا

معاملات میں اس طرح مداخلت کر سکے۔" بینا نے کہا اور افضال شاہ نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے میڈم۔"

"فرمایئے خاتون آپ کیا پوچھنا چاہتی ہیں بجائے اس کے کہ ہم آپ سے سوال کریں آپ خود ہم سے سوال کر سکتی ہیں۔"

"تو پھر میرا سب سے پہلا سوال یہی ہے کہ آپ لوگ مجھے میرے گھر سے تھانے کیوں لائے ہیں۔" فرخندہ نے سوال کیا...... افضال شاہ بینا کی طرف دیکھنے لگا تو بینا نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"میڈم ایک شخص ہے جس کا نام جلال بیگ ہے...... جلال بیگ بلال سٹریٹ کے مکان نمبر تین سو اٹھارہ میں رہتا ہے، بلکہ رہتا تھا، اسے اس کے مکان میں لوہے کی سلاخ مار کر قتل کر دیا گیا...... یہ سلاخ اس کے گھر سے تھوڑے فاصلے پر ایک کوڑے دان سے برآمد ہوئی اور اس پر کچھ انگلیوں کے نشانات پائے گئے ہیں...... مزید تحقیقات سے یہ علم ہوا ہے کہ ایک کار جس کا نمبر آپ کی کار کا نمبر ہے اس مکان پر آتی جاتی رہی ہے اور آپ سمجھ رہی ہوں گی اس بات کو، قرب و جوار کے کچھ لوگوں نے ایک خاتون کو اس مکان میں آتے جاتے دیکھا ہے اور اس خاتون کا حلیہ سو فیصدی آپ کا حلیہ ہے...... ہم تحقیقات کرتے ہوئے آخر کار آپ تک پہنچے ہیں اور میرا خیال ہے کہ اس کے بعد آپ کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے، آپ کی کار، آپ کی شخصیت اس علاقے میں با آسانی شناخت کرائی جا سکتی ہے، بتایئے اس کے بعد آپ کچھ کہنا چاہیں گی...... ہم اس سلسلے میں آپ کے شوہر سے بھی سوالات کر سکتے تھے، لیکن انسانی ہمدردی کی بنیاد پر سمجھ لیجئے یا پھر ہمارا طریقہ کار ایسا ہے کہ ہم سب سے پہلے آپ سے تنہائی میں گفتگو کر کے حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہیں...... دیکھئے، خاتون آپ کی انگلیوں کے نشانات ابھی لے لئے جائیں گے اور اس کے بعد لیبارٹری میں برف توڑنے والے سوئے پر پائے جانے والے نشانات کا تجزیہ ہو جائے گا، اگر وہ آپ کے ہاتھوں کے نشانات نہ ہوئے تو ظاہر ہے کسی اور شخصیت کے بارے میں سوچا جائے گا، لیکن آپ کی کار اور آپ کی اپنی شخصیت کی شناخت لازمی طور پر آپ کو اس قتل سے ملوث کرے گی۔"

"صورت حال آپ کی سمجھ میں آ گئی ہوگی...... ہم نے آپ کو سوال کرنے کا موقع دیا

اور آپ نے سوال کیا اور ہم نے جواب دے دیا...... اب کیا آپ ہمارے سوالات کے جواب دینا پسند کریں گی۔" فرخندہ نے آنکھیں بند کر لیں...... اس کے چہرے کے نقوش آہستہ آہستہ ڈھیلے پڑتے جا رہے تھے، اب تک وہ اپنے آپ کو بہت زیادہ نڈر ظاہر کرنے کی کوشش کرتی رہی تھی، لیکن اب افضال شاہ اور بینا کو یہ احساس ہو رہا تھا کہ فرخندہ کی قوت مدافعت جواب دیتی جا رہی ہے، چہرے کے نقوش سے بہت سی باتوں کا اندازہ ہو جاتا ہے، ایسا ہی اس وقت ہو رہا تھا کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں، پھر بولی۔

"آپ کو ظاہر ہے اس تفتیش کے دوران اس بات کا علم تو ہو گیا ہو گا کہ بلال سٹریٹ کے اس مکان میں جلال بیگ زیادہ عرصے سے نہیں رہتا تھا بلکہ کچھ عرصہ قبل اس نے یہ مکان کرائے پر لیا تھا۔"

"جی ہاں۔"

"آپ نے جلال بیگ کے ماضی کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کیں...... میرا مطلب ہے اس کے قتل ہونے کے بعد۔"

"آپ کیوں یہ سوال کر رہی ہیں؟"

"یقینی طور پر آپ نے مقتول کے بارے میں بھی معلومات حاصل کی ہوں گی۔"

"یہ معلومات آسمان سے نہیں حاصل کی جاتیں بلکہ پولیس ایک ایک قدم اُٹھاتی ہوئی اپنی منزل کی جانب بڑھتی ہے اور وہیں سے ہمیں تفصیلات کا علم ہوتا ہے، آپ اگر کسی خاص معلومات کی طرف اشارہ کرنا چاہتی ہیں تو ظاہر ہے اس قتل کے سلسلے میں ہمیں جتنے بھی مشکوک لوگ ملے ہیں ان میں آپ کا بھی شمار ہے اور تفتیش اس طرح سے ہوتی، اگر آپ جلال بیگ کو جانتی ہیں تو اس کے بارے میں ہمیں معلومات فراہم کیجئے، پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کے ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ جلال بیگ کو جانتی تھیں۔"

"ہاں...... میں پہلے اسے نہیں جانتی تھی لیکن بعد میں مجھے اس کے بارے میں خاص معلومات حاصل ہوئیں...... وہ ایک انتہائی شاطر انسان تھا...... شاید اس نے زندگی میں کبھی کوئی نوکری نہیں کی، کوئی کاروبار نہیں کیا...... اس کا اصل کام مختلف قسم کے جرائم تھا...... ایک دھوکے باز اور شاطر آدمی تھا، پتہ نہیں آپ نے اسے کس حال میں دیکھا ہو گا، لیکن اس کی شخصیت بہت اچھی رہی ہے اور جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے وہ دو ایک بار گر

بھی ہوا ہے...... ایک پختہ کار جرائم پیشہ شخص تھا وہ اپنی شخصیت سے فائدہ اٹھا کر مختلف طریقوں سے بھولی بھالی عورتوں کو اپنے دام میں پھانستا تھا، ان سے شادی کر لیتا تھا، بہت خوش اخلاق اور ملنسار آدمی معلوم ہوتا تھا، عمدہ لباس اور میٹھی زبان کا مالک، جن عورتوں کو وہ تاکا کرتا تھا وہ ان کے لئے خاصی منافع بخش ہوتی تھیں اور اس کے بعد وہ نت نئے طریقوں سے ان کی دولت پر قبضہ کر لیتا، کبھی کاروبار کرنے کے نام پر، کبھی کسی اور شکل میں اور پھر وہ ایسا غائب ہوتا کہ اس کا پتہ نہ چلتا، کسی بھی عورت کے پیسے کو ہضم کرنے کے بعد وہ اس سے عیش و آرام کرتا اور اس کے بعد کسی نئے شکار کی تلاش میں مصروف ہو جاتا، مجھے یہ بات بہت بعد میں معلوم ہوئی تھی، بہت بعد میں، غلطی میری بھی تھی...... بس آپ یوں سمجھ لیجئے کہ ایک حادثے کے تحت اس سے ملاقات ہوئی تھی، بارش ہو رہی تھی اور میں اپنے گھر واپس آ رہی تھی کہ راستے میں وہ ایک کار میں آتا ہوا نظر آیا اور اس نے کار میرے قریب روک کر مجھے انتہائی شریفانہ انداز میں پیشکش کی کہ لباس بھیگ جانے کی وجہ سے میں بیمار پڑ جاؤں گی اور قرب و جوار میں کوئی کنوینس نہیں ہے...... میں اس کی شخصیت سے مرعوب ہو گئی...... اصل میں میں بھی ایک غریب گھرانے کی لڑکی ہوں...... والدین مر چکے تھے...... تایا نے پرورش کی لیکن تائی کا سلوک میرے ساتھ بالکل اچھا نہ تھا اور میں بڑی بے کسی کی زندگی گزار رہی تھی، ایک ملازمت کرتی تھی میں اور بڑی معمولی سی تنخواہ ملتی تھی...... آپ یوں سمجھ لیجئے کہ میرے ذہن میں بھی ایک ایسی بے بس عورت کی حیثیت سے یہ تصور موجود تھا کہ کوئی صاحب حیثیت انسان مجھے ملے تو میں اس سے شادی کر کے اپنی زندگی کی دبی ہوئی خواہشات پوری کروں...... میں نے جلال بیگ کو ایک دولت مند آدمی سمجھا اور اس کی پیشکش قبول کر لی...... اس نے مجھ سے میرے مکان کے بارے میں پوچھا تو میں نے اپنی ایک ایسی دوست کا مکان بتا دیا جو شادی شدہ تھی اور بڑی صاحب حیثیت تھی، نا صرف اسے وہ مکان بتایا میں نے بلکہ اسی کے گیٹ پر اترنے کے بعد میں نے اسے خدا حافظ کہا اور پھر اندر اپنی دوست کے پاس چلی گئی...... میں نے اپنی اس دوست کو حقیقت بتائی...... اس نے حالانکہ مجھے برا بھلا کہا اور کہا کہ اب وہ شخص کہیں یہاں کے چکر نہ لگانا شروع کر دے...... اس کی ازدواجی زندگی خراب ہو سکتی ہے...... میں نے اپنی اس دوست سے کہا کہ وہ میری مدد کرے...... مجھے یہ اندازہ ہوا ہے کہ یہ شخص مجھے پسند کرنے لگا ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ مجھ سے

دوبارہ رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ایک عیاش طبع آدمی ہو...... بہرحال اس کے بعد بات آگے بڑھی، تین چار بار جلال بیگ نے مجھے وہاں سے پک کیا اور اس کے بعد اس نے مجھے شادی کی پیشکش کی، میں نے پہلے تو اس سے حیل وحجت کی اور کہا کہ میں خود مختار نہیں ہوں لیکن بعد میں اس نے جب مجھے بہت زیادہ مجبور کیا تو میں نے کھلے الفاظ میں اس سے کہا کہ اگر وہ میرے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار ہے تو اس غلط فہمی کو دل سے نکال دے...... میں ایک لاوارث اور بے سہارا لڑکی ہوں، ایک چھوٹی سی جگہ نوکری کرتی ہوں...... بس اس کے علاوہ اور میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے...... جلال بیگ نے میری اس بات کو غلط سمجھا اور اپنا اصرار جاری رکھا، یہاں تک کہ پھر اس نے مجھ سے شادی کرلی اور شادی کرنے کے بعد جب واقعی اسے اس بات کا احساس ہوا کہ اس سے غلطی ہوگئی اور میں نے سچ کہا تھا تو اس کا سلوک میرے ساتھ خراب ہوتا چلا گیا اور آخر کار وہ میری تھوڑی سی جمع پونجی جسے میں نے تایا کے حلق سے نکال لیا تھا لے کر فرار ہوگیا...... میں بے سہارا رہ گئی، میری وہ دوست بھی ملک سے باہر چلی گئی اور اب میرے پاس کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ وہ کم بخت مجھے چھوڑ کر جا چکا تھا، میں نے ایک ہسپتال میں نوکری کرلی اور وہاں کام کرتی رہی، یہاں تک کہ اسی ہسپتال میں میری ملاقات میرے موجودہ شوہر ارشاد احمد سے ہوئی۔ ارشاد احمد بہت اچھا انسان ہے، وہ عمر میں مجھ سے زیادہ تھا لیکن جب مجھے یہ احساس ہوا کہ وہ صاحب حیثیت ہے اور بہت عمدگی سے میری زندگی گزر سکتی ہے، اگر وہ میری جانب متوجہ ہوجائے تو میں نے اپنی بھرپور کوششیں کیں اور رفتہ رفتہ ارشاد احمد پر ڈورے ڈالنے لگی، یہاں تک کہ اس معصوم انسان میرے جال میں پھنس گیا اور میں نے خلوص کے ساتھ اس سے شادی کرلی۔

آپ یقین کیجئے انسپکٹر صاحب اور محترمہ کہ میں اپنے شوہر سے غیر مخلص نہیں تھی نہ ہی میں کوئی بدکردار عورت ہوں، ہوسکتا ہے آپ میری اس بات سے اتفاق نہ کریں اور حالات کو دیکھتے ہوئے مجھ پر یقین نہ کرپائیں...... بہرحال طویل عرصہ گزر گیا اور صورت حال بالکل مختلف ہوگئی۔ پھر ایک دن میری بدبختی، میں ایک جنرل سٹور سے خریداری کرکے نکلی تھی اور اپنی کار میں بیٹھ کر میں نے کار سٹارٹ کی ہی تھی کہ اچانک ہی جلال بیگ میری کار کے سامنے آکھڑا ہوا...... کچھ دیر تو میں شدت حیرت سے گنگ رہی، وہ اطمینان سے میری کار میں ڈرائیونگ سیٹ کے برابر کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا اور اس نے انتہائی سرد لہجے میں

مجھ سے کہا کہ کسی ریسٹورنٹ میں چلوں...... وہاں بیٹھ کر اس سے بات کروں...... میرے اعصاب کشیدہ ہوگئے تھے، اسے دیکھ کر میرے دل میں نفرت کا طوفان پیدا ہوگیا تھا...... بہرحال میں کار سٹارٹ کرکے چل پڑی اور تھوڑے فاصلے پر جو ریسٹورنٹ نظر آیا اس کے ساتھ وہاں داخل ہوگئی تو وہ کہنے لگا۔

"میں نے تمہاری تلاش میں بڑی مشکل سے کامیابی حاصل کی ہے فرخندہ...... بہت اونچی پرواز ہے آج کل تمہاری خیریت تو ہے کہیں خزانہ مل گیا ہے کیا؟"

"اگر ایسا ہو بھی گیا ہے تو تمہیں اس سے کیا غرض؟"

"سنو اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ میں حالات سے بے خبر ہوں تو یہ تمہاری بھول ہے، بہت عرصہ ہوگیا تم سے جدا ہوئے اور جب تم مجھے یاد آئیں تو میں تمہیں تلاش کرتا ہوا یہاں تک آگیا...... فرخندہ بیگم مبارک باد قبول کرو میری جانب سے کہ اس وقت تم ایک مال دار بوڑھے کی بیوی ہو...... میں جانتا ہوں یہ شادی تم نے بوڑھے سے عشق کرکے نہیں کی ہوگی بلکہ اسے اپنے جال میں پھانسا ہوگا...... تمہاری فطرت سے تھوڑا بہت میں بھی واقف ہوں...... فرخندہ بیگم مجھے اس پر اعتراض نہیں ہے کہ تم نے ایسا کیوں کیا، لیکن اگر تمہیں قانون کے بارے میں معلوم نہیں ہے تو میں تمہارے شوہر کی حیثیت سے تمہیں قانون بتائے دیتا ہوں کہ کیا میں نے تمہیں طلاق دے دی تھی؟" اس کے اس سوال پر میں بھونچکی رہ گئی تھی۔

"بولو...... میں نے تمہیں طلاق تو نہیں دی تھی، میں بدستور تمہارا شوہر ہوں...... میرے پاس نکاح نامہ موجود ہے، جبکہ تمہارے پاس طلاق کی کوئی گواہی موجود نہیں ہے، کیونکہ ایسا ہوا ہی نہیں تھا...... اس نکاح نامے کے تحت اگر میں تم پر مقدمہ قائم کردوں اور یہ کہوں کہ تم نے میری منکوحہ ہونے کے باوجود نکاح کرلیا تو تم پر حدود کا مقدمہ قائم ہوجائے گا اور اس کے نتیجے میں تمہیں اور تمہارے شوہر کو سزائے موت ہوسکتی ہے، کیونکہ ارشاد احمد اس جرم کا مرتکب ہوا ہے...... اس نے میری منکوحہ بیوی کو میرے طلاق دیئے بغیر اپنے نکاح میں لے لیا ہے۔" بہرحال یہ صورت حال میرے لئے انتہائی دہشت کا باعث تھی، بعد میں اس نے مجھے اپنا وہ گھر دکھایا جہاں وہ قتل ہوا ہے...... وہ بس یہ کہتا تھا کہ مجھے دولت چاہئے...... یہ بات میں اچھی طرح جانتی تھی کہ اگر اس نے ہم پر مقدمہ قائم کردیا تو ارشاد

احمد اتنا شریف آدمی ہے کہ وہ اس مقدمے سے گھبرا جائے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ ا[س] مقدمے میں کامیابی ہوتی ہے یا ناکامی...... غرضیکہ یہ سلسلہ چلتا رہا، اس بدبخت کو میری ا[...] دوست کے گھر کا پتہ بھی معلوم تھا اور یہ بھی معلوم تھا کہ وہ اس وقت کہاں ہے، بحا[لت] مجبوری مجھے اس سے تین چار بار ملاقات کرنی پڑی...... میں نے اسے کچھ رقومات بھی فرا[ہم] کی تھیں لیکن میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ میں کیا کروں...... میں بے حد مش[کل] میں تھی اور اس رات بھی میں اس سے چھپ کر ملنے گئی تھی...... میں یہ کہنا چاہتی تھی کہ و[ہ] کے لئے میرا پیچھا چھوڑ دے، میرا پیچھا چھوڑ دے اور یہاں سے دفعان ہو جا، لیکن...... لیک[ن] صورت حال میں خاصی تبدیلی ہو گئی۔"

"ایک بات میڈم، ایک بات ایک سوال درمیان میں آتا ہے۔"

"جی۔" وہ بولی۔

"ارشاد احمد کو کیا یہ بات معلوم تھی کہ آپ کسی سے ملنے جاتی ہیں۔"

"نہیں...... میں عموماً رات کے وقت یہ عمل کرتی تھی اور اس کے لئے میں نے ا[یک] ڈاکٹر کی مدد سے ایسی دوا حاصل کر لی تھی جس سے انسان خواب میں ڈوب جاتا ہے اور کافی [دیر] تک بے ہوش رہتا ہے۔"

"اوہو...... لیکن ایسی دوا میں تو زہریلی چیزیں شامل ہوتی ہیں۔"

"جس ڈاکٹر سے میں نے اس سلسلے میں مشورہ کیا تھا اس نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا۔"

"تو آپ اپنے شوہر کو گہری نیند سلانے کے بعد گھر سے نکلتی تھیں۔"

"جی۔"

"آپ کو یہ احساس نہیں ہوا کہ آپ کا شوہر ایک کمزور آدمی ہے اور اس کی ظاہری حا[لت] سے بھی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بیمار ہو چکا ہے، کتنے عرصے سے آپ یہ کام کر رہی ہیں۔"

"خاصے دن ہو گئے۔"

"ہوں...... خیر، اب آپ آگے بتائیے۔"

"بس یوں سمجھ لیجئے کہ اس رات بھی میں وہاں پہنچی تھی اور مقصد یہی تھا کہ میں ا[سے] سمجھاؤں اور کہوں کہ اگر وہ تھوڑی بہت دولت لے کر یہاں سے نکل جائے اور مجھے [...] نامہ لکھ کر دے دے تو میں اسے وہ دولت دے دوں گی۔ بہرحال جب میں اس کے پا[س]

تو وہ غصے میں بھرا بیٹھا ہوا تھا...... اس نے کہا کہ کل ہر قیمت پر اسے ایک لاکھ روپے کی ضرورت ہے، اگر اس نے یعنی میں نے ایسا نہ کیا تو وہ فوری طور پر مجھ پر مقدمہ قائم کروا دے گا...... میں نے شدید غصے کے عالم میں اس سے کہا کہ میرے پاس دولت کے انبار نہیں ہیں، اتنا روپیہ میں کسی بھی قیمت پر اسے نہیں دے سکتی تو اس نے مجھے گالیاں دینی شروع کر دیں...... میرے رخسار پر تھپڑ بھی مارا اور کہنے لگا کہ میں یہ بات بھول جاؤں کہ مجھے ارشاد احمد کا سہارا حاصل ہے...... میرا اصل شوہر وہ ہے...... میں بھی شدید غصے میں تھی میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے اگر ایسی بات ہے تو آج اس کا فیصلہ ہو جانا چاہئے...... میں خود پولیس کو فون کرتی ہوں۔" اور میں واقعی ٹیلی فون کی جانب بڑھ گئی، لیکن اس نے مجھے بالوں سے پکڑ کر زور سے دھکا دیا، میں گری تو اس نے دو تین لاتیں میرے بدن پر رسید کر دیں اور مجھ سے کہنے لگا کہ وہ مجھے قتل کر دے گا...... میں سمجھتی کیا ہوں بیوی ہوں اس کی یہ کہہ کر اس نے میرے بال پکڑ لئے اور مجھے بری طرح مارنے لگا، میں جھٹکے سے ایک طرف گری تو میرا ہاتھ لوہے کی اس سلاخ پر پڑا جو نجانے کیوں وہاں رکھی ہوئی تھی، میں نے اپنی مدافعت کے لئے وہ سلاخ اٹھالی اور اسے دھمکی دی کہ اگر وہ آگے بڑھا تو میں یہ سلاخ اسے ماردوں گی اور پھر اسی وقت وہ مجھ پر حملہ آور ہو گیا...... آپ یقین کیجئے کہ سلاخ میں نے اس کے سر پر نہیں ماری تھی بلکہ اچانک ہی لائٹ چلی گئی تھی اور وہ سلاخ میرے ہاتھ سے گر پڑی تھی...... جیسے ہی روشنی گئی اس نے مجھ پر ہاتھ مارا لیکن میں پھرتی سے پیچھے نکل آئی اور وہاں سے فرار ہو گئی...... آپ یقین کیجئے کہ میں نے سلاخ اٹھائی ہوئی تھی لیکن اس سلاخ سے میں نے اس پر حملہ بالکل نہیں کیا تھا...... آہ میں نہیں جانتی کہ بعد میں کیا ہوا، بس میں باہر نکلی اور اپنی کار سٹارٹ کر کے وہاں سے چل پڑی اور پھر گھر واپس پہنچ گئی...... بس آپ یقین کر لیجئے میری بات پر میں سخت مشکل کا شکار رہی ہوں جس اذیت سے میرے دن رات گزر رہے ہیں۔"

"ایک منٹ ایک منٹ تو پھر بعد میں آپ کو علم ہو گیا کہ جلال بیگ مر چکا ہے۔"

"ہاں اور میں اس وقت سے نجانے کتنی بار مر چکی ہوں، نجانے کیسے کیسے خیالات میرے دل میں آتے رہے ہیں اور نجانے کیسے میں نے یہ وقت گزارا ہے۔"

"محترمہ انسان اپنے آپ کو بہت زیادہ چالاک سمجھتا ہے...... آپ نے بڑی عمدگی کے ساتھ اپنی کہانی سنائی اور اپنی دانست میں اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کی لیکن کیا آپ کو اس

بات کا علم ہے کہ آپ کا شوہر ارشاد احمد ان سارے معاملات سے بخوبی واقف ہے۔"

بینا کے ان الفاظ پر فرخندہ کا چہرہ دہشت سے زرد پڑ گیا، وہ یقین نہ کرنے والے انداز میں بینا کو دیکھنے لگی پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"نہیں...... ایسا کسی طور پر ممکن نہیں ہے...... یہ بالکل نہیں ہو سکتا۔"

"ہو سکتا ہے کپڑوں کی جس الماری میں آپ نے ویٹ پول نامی دوا رکھی ہے...... دوا کی شیشی تک وہاں سے برآمد ہو گئی ہے اور آپ کو سن کر شاید یہ افسوس ہو گا کہ اب اس شیشی میں وہ گولیاں نہیں ہیں جو آپ نے اس میں رکھی تھیں...... ہر انسان تھوڑی بہت عقل رکھتا ہے اور آپ کے شوہر کو بھی اس بات کا علم ہے کہ آپ راتوں کو کہیں جاتی رہی ہیں، اس کے علاوہ محترمہ آپ کی سچائی تو اسی بات سے ظاہر ہو رہی ہے کہ آپ نے بڑی چالاکی کے ساتھ اور بڑے سکون کے ساتھ ڈاکٹر فیروز کا تذکرہ گول کر دیا ہے...... کیا آپ ڈاکٹر فیروز کو بھول چکی ہیں یا اس کا نام چھپانا چاہتی ہیں۔" بینا کے ان الفاظ پر اس کا چہرہ دھلے ہوئے کپڑے کی مانند سفید پڑ گیا تھا...... کچھ لمحے تک اس کی آنکھوں میں سہمے سہمے سے تاثرات نظر آتے رہے لیکن باکمال عورت تھی اور رفتہ رفتہ یہ احساس ہوتا جا رہا تھا کہ خاصی پختہ کار ہے۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"آپ مجھے یہ بتائیے کہ ڈاکٹر فیروز کا نام اس سلسلے میں کس نے لیا ہے کیا جلال بیگ کے کسی پڑوسی نے یا کسی اور نے؟"

"میڈم حد سے زیادہ چالاک بننے کی کوشش بعض اوقات انسان کو زیادہ مصیبتوں میں پھنسا دیتی ہے اور میرا خیال ہے آپ ضرورت سے زیادہ ہوشیار بننے کی کوشش کر رہی ہیں، حالانکہ آپ کو اس بات کا احساس نہیں کہ آپ جیسے لوگ صبح سے شام تک ہم سے ٹکراتے رہتے ہیں اور ہم ان کے بارے میں ہر طرح کی معلومات رکھتے ہیں، اگر آپ خود ہی کسی طرح ڈاکٹر فیروز کا تذکرہ کر دیتیں تو میرا خیال ہے کہ بات اس قدر اُلجھی ہوئی نہ ہوتی، آپ کہتی ہیں کہ لوہے کی وہ سلاخ آپ نے جلال بیگ کے سر پر نہیں ماری، آپ اقرار کر چکی ہیں کہ اس وقت جب جلال بیگ آپ پر تشدد کرنا چاہتا تھا بقول آپ کے برف توڑنے والا اوزار وہاں آپ کو اچانک مل گیا، حالانکہ جلال بیگ کے اس بیڈ روم میں برف توڑنے والا وہ کہاں سے آپ کے ہاتھ لگ گیا...... کیا وہ سوا اپنے پاس لے کر سوتا تھا۔"

"آپ یقین کریں کہ میں۔"

"آپ کی بے شمار باتوں پر ہم نے یقین کر لیا ہے...... ڈاکٹر فیروز کے بارے میں آپ کیا کہیں گی؟"

"میں آپ کو اپنے بیان میں بتا چکی ہوں کہ جب جلال بیگ نے مجھے بے سہارا چھوڑ دیا تو میں نے ایک ہسپتال میں ملازمت کی تھی اور اسی ہسپتال میں نشے کے عادی ارشاد احمد سے میری ملاقات ہوئی تھی اور وہاں میں نے ان کی صرف اپنے پیشے کے مطابق خدمت کی تھی، لیکن وہ مجھ سے بہت متاثر ہو گئے اور بعد کی بات میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ میں بھی اپنی زندگی کو بہتر حالات میں گزارنا چاہتی تھی، چنانچہ میں نے ایک ایسے شخص کا سہارا مناسب سمجھا وہ بہرحال اس قدر فارغ البال تھا کہ میری چھوٹی موٹی ضروریات پوری ہو سکتی تھیں...... انسان کے دل میں خواہشیں تو کبھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتیں لیکن ساری خواہشیں پوری نہیں ہو جاتیں، جتنی بھی ہو جائیں غنیمت ہے اور پھر سچی بات تو یہ ہے کہ میں ایک داغ دار عورت تھی یعنی ایک شخص کی ٹھکرائی ہوئی بے کس، بے بس، بے سہارا مجھے اس کے بعد کون پوچھتا سوائے ارشاد احمد کا سہارا میرے لئے بڑی قیمتی چیز تھا اور میں نے اس کے لئے بھرپور کوشش کی آپ ارشاد احمد سے پوچھ سکتے ہیں کہ زندگی کا ہر لمحہ میں نے اس کے ساتھ وفاداری سے گزارا ہے اور اسے شکایت کا کوئی موقع نہیں دیا...... وہ بدبخت جلال بیگ تو اچانک ہی مل گیا تھا، مجھے اور اس کی بات بھی اس قدر وزن دار تھی کہ مجھے یہ احساس ہوا کہ میں اس کے جال میں پھنس گئی ہوں۔"

"بات ڈاکٹر فیروز کی ہو رہی تھی۔"

"جی ہاں ڈاکٹر فیروز اسی ہسپتال میں تھے اور جب ہسپتال پر چھاپا پڑا تو ہم لوگوں کو معلوم ہوا کہ اصل میں وہاں پر تو بڑی فریب دہی ہوتی ہے...... بہرحال میرا اپنا ٹھکانا ہو چکا تھا اور ڈاکٹر فیروز پر کوئی ایسا جرم عائد نہیں ہو سکا تھا چنانچہ انہوں نے اپنا کلینک کھول لیا۔"

"لیکن اس کے بعد آپ کی شادی ارشاد احمد صاحب سے ہو گئی تو پھر آپ ڈاکٹر فیروز سے ملتی جلتی رہی ہیں۔"

"نہیں بس اس انداز میں میرا اور ان کا ساتھ تھا کہ میں ان کے ساتھ کام کر چکی تھی...... ایک دو بار میں ان کے کلینک پر اتفاقیہ طور پر ان سے ملی ہوں، ورنہ ہمارے درمیان

کوئی باقاعدہ رابطہ نہیں ہے۔"

"کتنا عرصہ ہو گیا آپ کو ڈاکٹر فیروز سے آخری بار ملے ہوئے۔" بینا نے سوال کیا۔

"بہت عرصہ ہو گیا، میں نے کہا ناکہ کبھی جان بوجھ کر میں ڈاکٹر فیروز تک نہیں جاتی۔ ہاں سر راہ اگر کہیں ملاقات ہو جائے تو الگ بات ہے۔"

"ویری گڈ...... ویری گڈ لیکن ہماری اطلاع ہے کہ پچھلی شام بھی آپ ڈاکٹر فیروز سے ملی تھیں۔" بینا نے کہا اور فرخندہ کا چہرہ ایک بار پھر مدھم پڑ گیا، اس کی آنکھوں میں دھندلاہٹیں اتر آئی تھیں، پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"مجھے بالکل یاد نہیں میں نروس ہو رہی ہوں اس وقت۔" افضل شاہ اور بینا نے دیکھا کہ اس کی پیشانی پر پسینہ آ گیا ہے۔

"آخری بات قتل والی رات بالکل سچ سچ بتائیے کہ کیا ڈاکٹر فیروز بھی آپ کے ساتھ تھا، میرا مطلب ہے جلال بیگ کے مکان پر۔"

"قت...... قتل والی رر...... رات نہیں یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی مجھے پھنسانے کی کوشش کر رہا ہے...... آپ کو کیا ملے گا مجھے کوئی نقصان پہنچا کر میں اب جانا چاہتی ہوں...... براہ کرم مجھے جانے دیجئے، آپ کے پاس میرا وارنٹ گرفتاری نہیں ہے...... میں نے تو آپ سے تعاون کیا ہے؟" بینا نے سرد لہجے میں افضال شاہ سے کہا۔

"افضال شاہ انہیں گرفتار کر لیا جائے اور آپ انہیں لاک اپ میں ڈال دیں۔ انہوں نے اقرار کر لیا ہے کہ جس رات جلال بیگ قتل ہوا یہ وہاں موجود تھیں، باقی ان کی کہانی تو آپ کے علم میں ہے...... انہوں نے یہاں تک اقرار کیا ہے کہ برف توڑنے کا لوہے کا مضبوط ہتھیار انہوں نے اپنے ہاتھوں میں اس خیال کے تحت اٹھایا تھا کہ اس سے جلال بیگ سے مدافعت کریں گی یا اسے مار دیں گی...... میرے خیال میں بس اتنا کافی ہے، صورت حال بھی معلوم ہو جائے گی۔"

"آپ میرے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں مجھے...... مجھے فون کرنے دیجئے۔"

"کسے فون کریں گی آپ، ڈاکٹر فیروز کو۔"

"میں اپنے شوہر کو فون کروں گی...... اول تو آپ اس طرح مجھے یہاں لے آئے ہیں

"میڈم جس شخص کو آپ ویٹ پول دے کر آہستہ آہستہ ہلاک کر رہی تھیں، آپ کا کیا خیال ہے کیا وہ شخص ایک قاتلہ کا ڈیفنس کرنے کے لئے اپنے آپ کو اس میں ملوث کرے گا...... براہ کرم اب آپ جھوٹ پر جھوٹ نہ بولئے گا، حقیقتیں سامنے آ جائیں گی۔" اور پھر افضال شاہ نے ضروری کارروائیاں کیں...... بینا کے حکم پر اسے لاک اپ کر دیا گیا تھا اور وہ لاک اپ کی دیوار کے پاس پشت ٹکا کر بیٹھ گئی تھی، اس کے چہرے پر ایک عجیب سی ویرانی برسنے لگی تھی...... بینا افضال شاہ کے پاس آ گئی، افضال شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ یقین کیجئے میڈم اگر آپ مجھ سے میرے جذبات کے بارے میں پوچھنا چاہتی ہیں تو آپ کو بہن کہہ کر میں فخر محسوس کروں گا...... اس سے آپ میرے دل میں اپنے لئے عزت کے اس مقام کا تصور کر سکتی ہیں جو ہے لیکن بہت چھوٹی سی عمر ہے آپ کی، یہ تجربہ کارانہ صلاحیتیں دیکھ کر میں دنگ رہ گیا ہوں...... میں جانتا ہوں کہ سپیشل ڈیپارٹمنٹ میں کسی ایسے ویسے کا تقرر نہیں ہو سکتا، لیکن میں تو یہ سمجھ رہا ہوں کہ اگر دو چار کیس مجھے آپ کے ساتھ حل کرنے کا موقع مل گیا تو شاید میں بھی ترقی کی منازل طے کرتا چلا جاؤں...... آپ نے تفتیش کا جو انداز اختیار کیا اور جس طرح آپ بال کی کھال نکال کر ایک ایسی شخصیت تک پہنچ گئیں جو واقعی اس سلسلے میں خاصی ذمے دار نکلی ہے، ابھی تک میں تو شاید مشکل ہی سے اس مسئلے میں اس حد تک آگے جا سکتا تھا۔"

"بہت بہت شکریہ اور خاص طور پر اپنے جذبات کے اظہار کے طور پر مجھے بہن کہہ کر خود تم نے میرے دل میں جو مقام حاصل کیا ہے افضال شاہ وہ بڑی اہمیت کا حامل ہے...... بہر حال یہ لفظ بہت اچھا لگتا ہے، اچھا اب سنو میرے خیال میں وقت ضائع کئے بغیر ہمیں ڈاکٹر فیروز سے ملنا چاہئے کیا خیال ہے؟"

"میں تو بس یوں سمجھئے کہ آپ کے ہر حکم کی تعمیل کرنے کے لئے دل و جان سے حاضر ہوں۔"

"میرا خیال ہے ارشاد احمد کو اس بارے میں اطلاع دے دیں اور اسے یہ بتا دیں کہ اس کی بیوی گرفتار کر لی گئی ہے۔"

"میں ابھی بتائے دیتا ہوں اس کا ٹیلی فون نمبر ہے؟"

"ہاں۔" بینا نے کہا اور افضال شاہ ارشاد احمد کو فون کرنے لگا، کچھ دیر کے بعد ارشاد احمد

سے رابطہ قائم ہو گیا تھا۔

"ارشاد احمد بول رہا ہوں میں کون صاحب ہیں؟"

"ارشاد احمد صاحب پولیس اسٹیشن سے انسپکٹر افضال شاہ بول رہا ہوں میں۔"

"جی جی شاہ صاحب فرمائیے۔"

"آپ کی مسز کو گرفتار کر لیا گیا ہے اور انہوں نے اس بات کا اقرار کر لیا ہے کہ والی رات وہ جلال بیگ کے گھر موجود تھیں اور کچھ ایسے معاملات تھے جن کے بارے آپ کو بعد میں تفصیل بتادی جائے گی، لیکن بات کافی آگے بڑھ گئی ہے...... بس انہوں اقرار نہیں کیا ہے اس قتل کا البتہ وہ سارے ثبوت مہیا کر دیئے ہیں جس سے یہ ظاہر ہو کہ قاتل وہی ہیں۔" دوسری طرف کافی دیر تک خاموشی طاری رہی تھی، پھر جب افضال ہی نے ہیلو کہا تو دوسری طرف سے بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"دیکھئے انسپکٹر صاحب میں فرشتہ نہیں ہوں زندگی اور موت تو اللہ کے ہاتھ میں لیکن ظاہر ہے کوئی بھی شخص نیکی کر کے اس نیکی کے عوض مرنا نہیں چاہتا...... اگر میر دل میں اس عورت کے لئے کوئی گنجائش ہوتی تو میں یقینی طور پر میڈم سے زہریلی گولیوں اس شیشی کا تذکرہ نہ کرتا جس کے ذریعے مجھے بے ہوش کر کے وہ کسی سے ملنے جاتی آپ خود سوچئے اگر میری جگہ کوئی اور بھی ہوتا تو وہی کرتا جو میں کر رہا ہوں، میں اگر سمجھتا تو اس کے ساتھ ساتھ اور آپ کے ہمراہ تھانے آنے کی کوشش کرتا...... میری بات سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ اب میرے دل میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ شک اس نے میری خدمت کی اور میں اس سے متاثر ہوا لیکن آپ اس سے یہ سوال کر ہیں کہ شادی کی پیشکش میں نے اسے نہیں کی تھی کیونکہ مجھے اپنی اور اس کی عمر کے احساس تھا، اس نے خود اس طرح کا اظہار کیا جس میں الفاظ بے شک یہ نہیں تھے کہ م سے شادی کر لوں، لیکن مفہوم یہی تھا جسے میں نے سمجھا سوچا اور اس کے بعد اس کی پر یہ فیصلہ کر لیا، پھر اس عورت نے میرے ساتھ بے وفائی کے علاوہ اور کیا کیا، اگر کسی بنے ہوئے جال میں گرفتار ہو گئی ہے تو کم از کم میں تو اس کے مقدمے کی پیرو نہیں کروں گا جس نے جو اعمال کئے ہیں اس کی سزا بھگتے، اگر آپ مجھے کوئی حکم دی میں حاضر ہوں لیکن اگر اس کی مدد کے لئے آپ مجھ سے یہ کہیں کہ میں کوئی وکیل

تو میں تو خود اس کے خلاف مدعی ہوں، یہ الگ بات ہے کہ میں کچھ نہیں کرنا چاہتا...... آپ میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے۔"

"جی لیکن بہر حال آپ اس وقت تک نہ یہ گھر چھوڑیں اور نہ کہیں باہر جائیں، جب تک ہم اس مقدمے کی مکمل کارروائی نہ کر لیں آپ کو بہر طور گواہی کے لئے تو پیش ہونا پڑے گا۔"

"میڈم کے سامنے میں نے جو اقرار کیا ہے وہ ایک طرح کی گواہی میں ہے...... عدالت میں بھی اگر آپ مجھے بلا کر کچھ پوچھیں گے تو میں وہ تمام تفصیلات عدالت میں بھی بتا دوں گا، میری طرف سے آپ ہر کارروائی کے لئے مکمل آزاد ہیں...... ہر شخص کو اس کے کئے کی سزا بھگتنی چاہئے...... آپ سوچئے میں نے کیا کیا تھا اور اس کے جواب میں اس نے کیا کیا...... بس میں یہ کہنا چاہتا ہوں ویسے اگر میرے لئے کچھ حکم ضروری ہے تو آپ اطمینان رکھئے میں کسی بھی طور پر اس میں پیچھے نہیں رہوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" افضال شاہ نے فون بند کر دیا، پھر وہ بینا کے ساتھ ڈاکٹر فیروز سے ملنے کے لئے تیار ہو گیا اور کچھ دیر کے بعد وہ دونوں ڈاکٹر فیروز کے کلینک پر پہنچ گئے...... ایس آئی کمال الدین کے پاس گاڑی روک کر افضال شاہ نے ڈاکٹر فیروز کے بارے میں پوچھا تو کمال الدین نے کہا ڈاکٹر فیروز اندر موجود ہے اور مریضوں کے علاوہ اور کوئی ایسی شخصیت نہیں آئی جو مشکوک حیثیت رکھتی ہو اور جس کے تعاقب کی ضرورت پیش آئی ہو...... بہر حال کلینک کے بڑے کمرے میں ڈاکٹر فیروز اپنی کسی معاون ڈاکٹر سے غالباً کسی مریض کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا...... افضال شاہ نے چھڑی سے کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک دی اور اس کے بعد اندر داخل ہو گیا...... ڈاکٹر فیروز ایک دراز قامت آدمی تھا، لیکن چہرے سے بہت زیادہ بشاش نظر نہیں آتا تھا بلکہ اس کے چہرے پر کچھ افسردگی سی پائی جاتی تھی، اس کی معاون ڈاکٹر پولیس کی وردی میں افضال شاہ کو دیکھ کر چونکی تھی۔ ڈاکٹر فیروز نے بھی عجیب سی نگاہوں سے افضال شاہ اور پھر بینا کو دیکھا تھا۔

"آیئے تشریف لایئے کسی کو پولیس کی وردی میں دیکھ کر انسان کے دل میں خواہ مخواہ ایک اُلجھن سی پیدا ہو جاتی ہے، آپ غالباً ان خاتون کو معائنے کے لئے لائے ہیں، آیئے بی بی تشریف رکھئے۔"

"شکریہ ڈاکٹر فیروز بیٹھیے میڈم۔" افضال شاہ نے کہا اور جب بینا بیٹھ گئی تو وہ خود بھی کرسی پر بیٹھ گیا، معاون ڈاکٹر تیکھی نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی، افضال شاہ نے بینا کی طرف دیکھا اور بینا نے گردن ہلا دی، گویا وہ افضال شاہ کو اجازت دے رہی تھی کہ وہ کارروائی کا آغاز کرے...... افضال شاہ نے کہا۔

"یہ کون ہیں؟"

"ڈاکٹر فرزانہ ہاؤس جاب کرنے کے بعد میرے پاس کام کر رہی ہیں۔"

"اگر آپ کی نجی زندگی سے متعلق کوئی بات کی جائے تو کیا ڈاکٹر فرزانہ کے سامنے کی جاسکتی ہے؟"

"کوئی حرج نہیں ہے مگر آپ میری نجی زندگی کے بارے میں کوئی بات کرنے تشریف لائے ہیں یا ایک مریض کی حیثیت سے یا کسی مریض کے ساتھی کی حیثیت سے تشریف لائے ہیں۔"

"میں ایک پولیس آفیسر کی حیثیت سے آپ کے پاس آیا ہوں اور میڈم بھی پولیس آفیسر ہیں...... ہم آپ سے ایک قتل کی تفتیش کے لئے آئے ہیں۔"

"دیکھئے جناب میں ڈاکٹر ہوں اور یہ کلینک کا وقت ہے، میرے مریض آسکتے ہیں اصولی طور پر آپ کو چاہئے تھا کہ آپ پہلے مجھ سے وقت لیتے، اس کے بعد تشریف لاتے، معافی چاہتا ہوں اس وقت میں آپ کو کوئی جواب نہیں دے سکتا۔"

"جی۔" افضال شاہ اپنی جگہ سے اُٹھا دروازے تک پہنچا، دروازے پر اردلی کھڑا ہوا تھا...... افضال شاہ نے اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"سنو میرے جسم پر یہ وردی دیکھ رہے ہو نا پہچانتے ہو میں کون ہو۔" اردلی کا منہ کھل گیا تھا، افضال شاہ نے پُرغرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"منہ بند کرو۔" اردلی نے فوراً منہ بند کر لیا تو افضال شاہ نے کہا۔

"پولیس اندر موجود ہے، ڈاکٹر صاحب سے کچھ بات کر رہی ہے...... کوئی بھی مریض آئے اسے منع کر دینا اور اپنی ریسپشنسٹ سے کہہ دینا کہ ڈاکٹر کے لئے کوئی مریض نہ لے، ہم کچھ ضروری باتیں کر رہے ہیں...... کچھ سمجھ رہے ہو۔" افضال شاہ نے شاید اردلی کے کندھے پر دباؤ ڈالا تھا، وہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"یس سر...... یس سر۔" دوسری جانب سے ڈاکٹر فیروز کی آواز سنائی دی۔

"میں کہتا ہوں کہ کیا ہو رہا ہے یہ آپ کیا کر رہے۔" لیکن افضال شاہ اس وقت خاص پولیس والا بن گیا اور بینا کو یہ احساس ہوا کہ کبھی کبھی پولیس والے جو کچھ کرتے ہیں وہ انتہائی مجبوری کے عالم میں کرتے ہیں، بدنام تو کسی کو ایک لمحے میں کر دیا جاتا ہے لیکن کچھ بدنامیاں بحالت مجبوری مول لینا ہوتی ہیں، اب یہ ڈاکٹر صاحب بڑے پارسا بن رہے ہیں، اپنی مصروفیات کا اظہار کر رہے ہیں...... حقیقتیں تو واضح ہونی ہی چاہئیں...... یہ بات تو ثابت تھی کہ ان کا اس کیس سے گہرا تعلق تھا اور اس کے لئے تفتیش ظاہر ہے کسی بھی وقت کی جاسکتی ہے، ان کی فرصت کا تو انتظار نہیں کیا جاسکتا، افضال شاہ واپس آگیا، کرخت لہجے میں بولا۔

"ڈاکٹر صاحب بجائے اس کے ہم آپ کو اٹھا کر یہاں سے تھانے لے چلیں بہتر ہے کہ آپ ہمارے سوالات کے جوابات دیں اور ان خاتون کو آپ نے خود اپنے ساتھ رکھا ہے، حالانکہ ہم نے تو چاہا تھا کہ یہ باہر چلی جائیں، تب آپ سے گفتگو ہو لیکن آپ نے اپنی ڈاکٹری کا رعب ڈالنے کی کوشش کی۔"

"دیکھئے میں ایک باعزت آدمی ہوں اور باقاعدہ انکم ٹیکس ادا کرتا ہوں...... میری ایک سماجی حیثیت بھی ہے، کسی پولیس آفیسر کو کسی شریف شہری کے ساتھ یہ سلوک نہیں کرنا چاہئے۔"

"اگر آپ شریف شہری ثابت ہوگئے ڈاکٹر صاحب تو ہم آپ سے اپنے اس سلوک کی معافی مانگیں گے، حالانکہ بات وہی ہے جس طرح آپ مریضوں کا آپریشن کرتے ہیں، اسی طرح افسوس ہمیں بھی مجرموں کا آپریشن کرنا ہوتا ہے...... آپ اپنے مریضوں کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتتے تو آپ خود سوچئے کہ ہم اپنے مریضوں کے ساتھ کیسے رعایت برت سکتے ہیں۔"

"آپ بہت زیادہ چرب زبان معلوم ہوتے ہیں آفیسر لیکن بہرحال آپ دیکھ لیجئے آپ کو اپنے اس اقدام کا نتیجہ بھگتنا ہوگا۔"

"یہ آپ اچھا کر رہے ہیں، اگر آپ دوستانہ فضا میں گفتگو کرنے کی کوشش کرتے تو یقینی طور پر ہم پر بھی کچھ اخلاقی فرائض عائد ہو جاتے، اب آپ نے یہ راستہ بند خود کیا ہے۔"

اچانک ہی افضال شاہ نے خاتون ڈاکٹر کی طرف رُخ کر کے کرخت لہجے میں کہا جو آہستہ آہ
دروازے کی جانب چل پڑی تھی وہ رُکی تو افضال شاہ بولا۔

”آپ اس کرسی پر بیٹھ جائیے میں نے ڈاکٹر صاحب سے سوال کیا تھا کہ کیا وہ جوا
دینا پسند کریں گے اور پولیس سے تعاون کریں گے تو جواب میں انہوں نے انکار کر دیا، اگر
آپ کو باہر بھیج دیتے تو زیادہ بہتر ہوتا لیکن غلط فہمی کے مریض تھے بے چارے اب آ
کیونکہ اس تھوڑی سی گفتگو سے واقف ہو گئی ہیں...... اس لئے براہ کرم آپ رکئے، ادھر
اور اس کرسی پر بیٹھ جائیے...... ہم جب تک اپنی تفتیش مکمل نہیں کر لیتے آپ کو اس
اجازت نہیں دیں گے کہ آپ باہر جائیں...... یہ پولیس کا معاملہ ہے براہ کرم ذہن میں رکھ
گا۔“ ڈاکٹر کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے تھے...... بہر حال افضال شاہ کی ہدای
پر وہ سہمی سہمی سی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ ڈاکٹر بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا اور اب شاید ا
اس بات پر افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے پولیس کی وردی کا احترام کیوں نہ کیا، ورنہ واقعی شا
افضال شاہ اس کے سلسلے میں کوئی رعایت برت لیتا بینا ایک پولیس آفیسر کی کارروائی دیکھ ر
تھی اور اس کے اندر ہلکی سی مسکراہٹ تھی...... افضال شاہ کی تو گویا لاٹری نکل آئی تھی،
کے ساتھ وہ بڑی خوشی کے عالم میں کام کر رہا تھا...... خود بینا کے اندر بھی خوشی کا ای
احساس تھا، شہاب کی غیر موجودگی میں وہ شہاب کی مدد کے بغیر ایک کیس پر کام کر رہی
اور اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ کامیابی اس کے ساتھ ساتھ سفر کر رہی ہے...... بہر حا
افضال شاہ نے ڈاکٹر فیروز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”جناب فیروز صاحب۔“

”آفیسر پولیس کے خراب رویئے کے بارے میں ویسے تو بہت سی کہانیاں منظر عا
آ چکی ہیں، لیکن اپنی نظروں سے دیکھنے کا یہ پہلا ہی اتفاق ہے، بہر حال اب آپ یہ فرمائیے
میرے ساتھ یہ غیر ملکی جاسوسوں جیسا عمل کیوں کیا جا رہا ہے۔“

”ہاں آپ یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں، لیکن جب پولیس کسی مسئلے میں
شخص کو ملوث کرتی ہے تو اس کا کوئی جواز ہوتا ہے اور یہ جواز ہے ہمارے پاس میڈم براہ
آپ ڈاکٹر فیروز سے سوالات کیجئے، ڈاکٹر صاحب ہمیں آپ کے بارے میں مکمل تفصیلا
درکار ہیں۔“ ڈاکٹر نے بے چینی سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھی ہوئی لیڈی ڈاکٹر کو دیکھا اور

کسی قدر عاجزی سے بولا۔

”اگر آپ مجھ سے کوئی بہت ہی اہم بات معلوم کرنا چاہتے ہیں تو براہ کرم اتنا تو کیجئے گا
کہ اسے صیغہ راز میں رکھیں۔“

”مطلب۔“

”دیکھئے یہ خاتون میری ساتھی ڈاکٹر ہیں اور ان سے میرا رابطہ قائم ہوئے زیادہ
عرصہ نہیں گزرا، میری زندگی کے بہت سے نجی حالات ان کے علم میں نہیں...... کیا
آپ یہ پسند کریں گے کہ کچھ ایسی باتیں جو صیغہ راز میں رہنی چاہئیں، غیر متعلق لوگوں
کے علم میں آ جائیں۔“

”نہیں...... ہم یہ بالکل نہیں چاہیں گے۔“

”تو پھر آپ انہیں جانے کی اجازت دیجئے اور مس فرزانہ آپ براہ کرم باہر جا کر
مریضوں کو دوسرے کمرے میں سنبھالئے، یقینی طور پر ان حضرات کو میرے بارے میں غلط
فہمی ہو گئی ہے...... میں آپ کو بعد میں صورت حال سے آگاہ کر دوں گا۔“

”میں تو جانا چاہتی ہوں لیکن۔“

”آپ جا سکتی ہیں ڈاکٹر فرزانہ لیکن دیکھئے باہر کی فضا کو سازگار رہنے دیجئے، ذرا برابر
کسی کو شبہ نہیں ہونا چاہئے، باقی آگے آپ خود سمجھدار ہیں۔“

”میں جا سکتی ہوں۔“ ڈاکٹر فرزانہ کی آواز لرز رہی تھی، چنانچہ اسے جانے کی اجازت
دے دی گئی، ڈاکٹر فیروز چہرے سے سخت پریشان نظر آ رہا تھا اور بینا کی نگاہیں اس شخص کا
جائزہ لے رہی تھیں...... اگر واقعی یہ اس جرم میں ملوث ہے تو پھر یہی کہنا پڑے گا کہ ابھی
میرا تجربہ صفر ہے، کیونکہ ڈاکٹر کے چہرے کے نقوش کو گہری نگاہ سے دیکھنے کے بعد یہ اندازہ
ہوتا تھا کہ وہ مجموعی طور پر برا انسان نہیں ہے، لیکن بعض چہرے حقیقتوں سے بالکل مختلف
ہوتے ہیں، اس لئے کوئی بھی فیصلہ کر لینا مشکل کام ہوتا ہے...... افضال شاہ نے اب خاموشی
اختیار کر لی تھی، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اب اس سے آگے سوالات بینا ہی کو کرنا مناسب ہوں
گے...... بینا نے کہا۔

”ڈاکٹر فیروز آپ نے یہ کلینک کتنے عرصے قبل کھولا ہے...... یہ آپ کا اپنا ہے یا یہاں
آپ بحیثیت ڈاکٹر۔“

"کلینک میرا اپنا ہے...... اصل میں آپ یہ سمجھئے کہ یہ جگہ، یہ گھر میرے والدین کا چھوڑا ہوا ترکہ ہے، میں اسی گھر میں پیدا ہوا ہوں اور اسی میں، میں نے پرورش پائی ہے۔ یہیں میرے والدین مجھ سے بچھڑے تھے اور اسی گھر میں میری شادی بھی ہوئی تھی، لیکن اس کے بعد میں کوئی ایسا موثر ذریعہ نہ اختیار کر سکا جس سے میں اپنا کلینک بنا سکوں، چنانچہ ایک ہسپتال میں...... میں نے ملازمت کر لی اور وہاں طویل عرصے تک ملازمت کرتا رہا، بعد میں اس ہسپتال میں کچھ ایسی خفیہ کارروائیوں کا انکشاف ہوا جو میرے علم میں بھی نہیں تھیں، چند افراد جو ان کارروائیوں کے سلسلے میں گرفتار ہوئے ان کارروائیوں کے مرتکب تھے...... دو پورشن بنائے گئے تھے اس ہسپتال کے، اس میں منشیات کے عادی لوگوں کا علاج ہوتا تھا اور بھاری رقوم وصول کی جاتی تھیں، لیکن دوسرا ایک خفیہ شعبہ ایسا بھی تھا جسے اس ہسپتال کے مالکان چلا رہے تھے اور اس خفیہ شعبے کے ذریعے منشیات کے عادی افراد کو منشیات سپلائی کی جاتی تھیں...... حکومت کو علم ہو گیا مقدمہ چلا اور اس کے بعد اصل صورت حال سامنے آ گئی...... خدا کا شکر ہے کہ میں اور چند دوسرے افراد بچ گئے جو اس معاملے میں ملوث نہیں تھے ان کے خلاف پولیس کو کوئی ثبوت نہیں ملا تھا، چنانچہ ہم لوگوں کی گلو خلاصی ہو گئی۔ اب اس کے بعد میرے لئے ملازمت کی تلاش کا معاملہ تھا اور میں کافی دن تک اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔"

"ایک ڈاکٹر ہو کر آپ ایسی بات کر رہے ہیں...... کیا ڈاکٹروں کے لئے کسی ہسپتال میں ملازمت کر لینا اتنا مشکل کام ہے اور ویسے بھی آپ کا یہ کلینک تو خاصا شاندار ہے، کیا ایک چھوٹا سا کلینک کھول کر آپ اپنا کاروبار نہیں شروع کر سکتے تھے، اچانک ہی آپ نے اس شاندار کاروبار شروع کر دیا۔"

"آپ کیا سمجھتی ہیں میڈم کس ملک کی بات کر رہی ہیں آپ...... آپ کو اندازہ ہے ہمارے ملکی وسائل کیا ہیں...... ہمارے ہاں بیماریاں بے پناہ ہیں لیکن ہسپتال نہ ہونے کے برابر ہیں...... کیا آپ مجھ سے کوئی سیاسی تقریر کروانا چاہتی ہیں، ہم کس پسماندگی سے گزر رہے ہیں...... ہر سال ڈاکٹروں کی ایک کھیپ تیار ہوتی ہے، کہیں کھپت ہے اس کی آپ کو اگر اتنا معلوم نہیں ہے تو معاف کیجئے گا...... آپ اس شعبے میں اپنے آپ کو کوئی ماہر شخصیت نہیں کہہ سکتیں، ملکی معاملات بہر حال اپنے اندر ایک انفرادی حیثیت رکھتے ہیں اور خصوصاً

شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد کو ان معاملات سے واقفیت ہونی چاہئے...... اصل میں آپ نے سوال ایسا کر دیا ہے جس نے میری دُکھتی رگ کو چھیڑ دیا، جی ہاں...... یہاں نوجوان لڑکوں کو ہاؤس جاب نہیں ملتی، وہ اپنی زندگی کے قیمتی سرمائے کو خرچ کر کے تعلیم حاصل کرتے ہیں...... ڈاکٹر بنتے ہیں جوتیاں چٹخاتے ہیں...... نوکریاں تلاش کرتے ہیں بجائے اس کے کہ ان کی مہارت کو جلا ملے یا سرکاری طور پر ان کی کوئی پذیرائی ہو انہیں کہیں بھی کوئی ملازمت نہیں ملتی ان کا اپنا ایک اسٹیٹس بن چکا ہوتا ہے...... ان کے اندر جذبے اور آرزوئیں پروان چڑھتی ہیں...... لیکچرار انہیں انسانیت سے محبت کا سبق دیتے ہیں، لیکن اس وقت وہ آہستہ آہستہ اپنی ان تمام جذباتی کوششوں کو ناکام پا کر بددلی کا شکار ہوتے ہیں اور پھر یہ سوچتے ہیں کہ ان کے پروفیسرز انہیں جو لیکچر دیتے رہے ہیں وہ کون سی دُنیا کے لئے دیتے رہے ہیں، کیا اسی دُنیا کے لئے جس میں خدمت خلق کے لئے آنا چاہتے ہوئے ان کے تمام راستے بند کر دیئے جاتے ہیں، کہیں انہیں کوئی جگہ نہیں ملتی کہ وہ اپنے اس منصب اپنے فرض کی تکمیل کر سکیں، تب پھر وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ جو کچھ انہیں پڑھایا جاتا ہے وہ بس ایک روایتی عمل ہے اور اس روایت میں کوئی جان نہیں ہے اور پھر اگر انہیں کوئی موقع مل جاتا ہے تو وہ ان ہتھکنڈوں کو استعمال کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں جن کے تحت ان کی اپنی شخصیتوں کی تکمیل ہو سکے یا پھر وہ والدین کی ان ضرورتوں اور خواہشوں کو پورا کر سکیں جن کی بنا پر بعض گھرانوں کے والدین اپنا سب کچھ صرف کر دیتے ہیں...... محترمہ دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں آپ نے یہ تو کہہ دیا کہ ایک ڈاکٹر بننے کے بعد دولت کے انبار لگ جاتے ہیں، لیکن حقیقت سے آپ بالکل ناواقف ہیں، اس بات کو تسلیم کیجئے گا۔" ڈاکٹر فیروز کا لہجہ بہت پرجوش ہو گیا تھا، بینا پرسکون اسے دیکھتی رہی تھی، جب وہ خاموش ہو گیا تو بینا مسکرا کر بولی۔

"کالج کے زمانے میں شاید آپ اچھے خاصے مقرر رہے ہوں گے۔"

"آپ سے معافی مانگنا ضروری ہے، کیونکہ جانتا ہوں میری اس پرجوش تقریر کے نتائج کیا برآمد ہو سکتے ہیں...... آپ یقینی طور پر مجھ سے ناراض ہو گئی ہوں گی، لیکن خدارا کسی کا دل کم از کم اس طرح مت دکھایا کریں، میں آپ سے عرض کر رہا ہوں آپ یقین کیجئے میرے اعزازات دیکھ سکتی ہیں آپ...... میں نے بڑی محنت کی ہے لیکن، لیکن اپنا کلینک نہیں

بناسکا میں بس کچھ کرم فرماؤں نے یہ کرم کیا اور آہستہ آہستہ میں اپنے اس گھر کو خالی چھوڑ کر اسے کلینک بنانے میں مصروف ہو گیا...... میں نے اس کے برابر میں ایک چھوٹا سا فلیٹ کرائے پر لے رکھا ہے جہاں میری بیوی اور ایک بچہ رہتا ہے اور میں بہر حال اس کلینک کو چلانے میں مصروف ہوں اور آہستہ آہستہ خدا کے فضل سے مجھے اس میں کامیابی حاصل ہوتی جا رہی ہے۔"

"آپ شادی شدہ ہیں۔"

"جی ہاں ایک بچہ بھی ہے میرا۔"

"ٹھیک...... ڈاکٹر فیروز آپ کی تقریر بہت اچھی تھی اور یقینی طور پر بہت سے مسائل کی نشاندہی کرتی ہے...... آپ کا شعبہ ہے اور میں واقعی اس بارے میں زیادہ نہیں جانتی، چنانچہ آپ سے اس موضوع پر اور کوئی گفتگو نہیں کروں گی، اصل میں ہم ایک قتل کی تفتیش کر رہے ہیں۔" ڈاکٹر فیروز کے چہرے پر ایک ہلکی سی کھچاوٹ پیدا ہوئی پھر اس نے سنبھل کر کہا۔

"قتل...... کیا وہ میرے ہاتھوں ہوا ہے۔"

"تلخی اور طنز اختیار نہ کیجئے گا، سوچ سمجھ کر جواب دیجئے گا آپ کی عزت افزائی کی جا رہی ہے کہ ہم نے آپ کے کلینک میں آکر آپ سے ملاقات کی، اگر آپ نے اس کے بعد بھی اپنا لیڈرانہ عمل جاری رکھا تو بحالت مجبوری آپ کو یہاں سے اٹھا کر تھانے لے جانا پڑے گا اور وہاں آپ تفصیل بتائیں گے، اس لئے میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ طنز سے گریز کیجئے۔" بینا نے پتھرائے ہوئے لہجے میں کہا اور ڈاکٹر فیروز نے اپنے آپ کو سنبھال لیا...... میز پر رکھے ہوئے گلاس میں پانی بھرا ہوا تھا اور اس پر ایک سرپوش ڈھکا ہوا تھا، اس نے گلاس اٹھا کر سرپوش ہٹایا اور پانی پی گیا، پھر وہ گہری سانس لے کر بولا۔

"معافی چاہتا ہوں آپ کو اس کے بعد میرے الفاظ سے شکایت نہیں ہو گی۔"

"اور ڈاکٹر فیروز آپ جو کچھ کہیں گے سچ کہیں گے۔"

"انتہائی کوشش کروں گا لیکن اگر کہیں جھوٹ بولنا پڑا تو شاید اس سے گریز بھی نہ کر سکوں، بشرطیکہ کوئی مجبوری ہو۔"

"جی...... تو بات ایک قتل کی ہو رہی تھی۔"

"براہ کرم کیا آپ مجھے بتانا پسند کریں گی کہ وہ قتل کس کا ہوا ہے اور میرا اس سے کیا تعلق ہے؟"

"مقتول کا نام جلال بیگ ہے، بلال سٹریٹ کے مکان نمبر تین سو اٹھارہ میں رہتا تھا۔" ڈاکٹر فیروز غالباً سمجھ چکا تھا کہ معاملہ کیا ہے، اس بار وہ پرسکون رہا تھا، پھر اس نے کہا۔

"جی۔"

"اور قاتل کی حیثیت سے جس شخصیت کا نام لیا جا رہا ہے اس کا تعلق آپ سے بھی ہے۔"

"کون شخصیت ہے وہ۔" ڈاکٹر فیروز کا لہجہ اب بھی پرسکون تھا۔ وہ مکمل طور پر اپنے آپ کو سنبھال چکا تھا۔

"اس کا نام فرخندہ ہے...... فرخندہ ارشاد احمد۔"

"جی۔"

"ڈاکٹر فیروز کیا آپ فرخندہ ارشاد احمد کو جانتے ہیں۔"

"جی ہاں۔" ڈاکٹر فیروز نے جواب دیا۔

"آپ کے خیال میں کیا وہ ایک قاتلہ ہو سکتی ہے؟"

"نہیں۔"

"اتنے وثوق، اتنے اعتماد سے کہہ رہے ہیں آپ یہ بات۔"

"جی ہاں۔"

"وجہ بتانا پسند کریں گے۔"

"آپ نے یہ وجہ فرخندہ سے نہیں پوچھی۔"

"آپ سوال نہ کیجئے گا آپ سے جو پوچھا جا رہا ہے صرف اسی کا جواب دیجئے گا...... آپ جانتے ہیں جس وقت کوئی مریض آپ کے سامنے آتا ہے آپ اس کے مرض کی تشخیص کرتے ہیں، اس کے لئے علاج اور دواؤں کا انتخاب کرتے ہیں، اگر اس وقت آپ سے کوئی سوال کرے کہ آپ نے اس دوا کا انتخاب کیوں کیا یا اسی طریقہ علاج کو کیوں مناسب سمجھا تو میرا خیال ہے اس وقت آپ کو بھی اس بات سے اُلجھن ہوتی ہو گی، چنانچہ ڈاکٹر صرف جواب دیجئے گا...... فرخندہ سے ہم نے کیا پوچھا اور کیا نہیں پوچھا، اسے ہم تک ہی محدود رہنے

دیجئے۔" ڈاکٹر فیروز نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری، ایک نگاہ گلاس کی طرف دیکھا اور پھر اس نے بچا ہوا تھوڑا سا پانی حلق میں انڈیل لیا پھر بولا۔

"حالات انسان کو بعض اوقات وہ باتیں بتانے پر مجبور کر دیتے ہیں جنہیں وہ ہمیشہ اپنی زندگی کا راز بنا کر راز رکھنے کا خواہش مند ہوتا ہے، ٹھیک ہے آپ سن لیجئے اور اس کے بعد جب سارا معاملہ منظر عام پر آ رہا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ کچھ چھپانا میرے لئے ممکن نہیں ہے بلکہ اب خطرناک بھی ہو سکتا ہے...... سنئے جناب میں آپ سے عرض کر چکا ہوں اور دوبارہ دہرانا میرا خیال ہے مناسب نہیں ہوگا۔ میڈیکل کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد میرے پاس ایسے کوئی ذرائع نہیں تھے جن سے میں اپنا کلینک کھول کر بیٹھ سکتا، سوائے اس گھر کے جو ایسی لوکیشن پر واقع ہے جہاں کلینک بنایا جا سکتا تھا۔ بہر حال یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی میرے سامنے میرا مستقبل پڑا ہوا تھا، شادی ہو چکی تھی میری اور جس لڑکی سے میری شادی ہوئی وہ میری پسندیدہ شخصیت تھی، چنانچہ تھوڑی سی تنگی ترشی کے حالات بے شک تھے لیکن کچھ آرزوئیں ایسی تھیں جن کی تکمیل میں نہیں کر پا رہا تھا، لیکن اس کے بعد میں نے اپنے آپ کو ان آرزوؤں میں ایڈجسٹ کر لیا اور اس ہسپتال میں ملازمت کی جس کا آپ تذکرہ کر چکے ہیں، وہیں میری ملاقات فرخندہ سے ہوئی اب آپ مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ آپ مجھ سے وہ کچھ سننا چاہتے ہیں جو مجھے معلوم ہے تو آپ نے فرخندہ سے کوئی بھی سوال کیا ہو وہ اس کے حق میں ہو یا خلاف لیکن میں ساری حقیقتیں آپ کے گوش گزار کر رہا ہوں سنئے خاتون فرخندہ درحقیقت نرس نہیں تھی بلکہ ایک گھریلو عورت تھی، ہاں میں اسے عورت ہی کہوں گا جس نے بحالت مجبوری ہسپتال میں نرس کی حیثیت سے ملازمت کی تھی، بلکہ نرس بھی نہیں آپ اسے آیا کہہ سکتے ہیں، کیونکہ اس نے نرسنگ کورس نہیں کیا ہوا تھا لیکن پڑھی لکھی تھی، سمارٹ تھی، خوبصورت تھی، آپ یقین کیجئے میں پورے خلوص نیت کے ساتھ یہ الفاظ کہہ رہا ہوں کہ اس کے حسن و جمال کو کم از کم میں نے کسی غلط نگاہ سے نہیں دیکھا بلکہ اس کی شخصیت کے کچھ ایسے روپ میرے سامنے آئے جنہوں نے مجھے اس کی جانب متوجہ کیا اور میرے دل میں اس کے لئے ہمدردی پیدا ہو گئی، میں اسے وہاں جو آسانیاں فراہم کر سکتا تھا کر رہا تھا، وہ ایک بند کتاب کی مانند تھی، لیکن اس کتاب کے اندر کی تحریر اکثر اس کی آنکھوں اور چہرے کے نقوش سے ظاہر ہو جاتی تھی، بارہا مجھے یہ محسوس ہوا کہ وہ کسی دکھ کا شکار ہے

اور بارہا میرے دل میں یہ تصور پیدا ہوا کہ میں اس کا دکھ جانوں اور ایک بار مجھے اس کا موقع مل گیا، وہ بھی کچھ جذباتی ہو رہی تھی، میں نے کہا...... آپ یقین کریں گے کہ میں نے اسے بہن کہہ کر مخاطب کیا۔

"آپ بتائیے پلیز...... ہم غور سے سن رہے ہیں۔"

"میں نے اس سے کہا فرخندہ کیا تمہارا کوئی بھائی ہے۔ اس نے انکار میں گردن ہلائی تو میں نے بھی کہا کہ میری بھی کوئی بہن نہیں ہے، رشتے بے شک اس طرح قائم نہیں ہوتے لیکن کبھی کبھی زبان کے رشتے بھی بہت مضبوط ہوتے ہیں...... اگر میں تمہیں پیشکش کروں کہ تم مجھے ایک بھائی کا درجہ دو تو کیا تم اس پیشکش کو قبول کر لو گی، وہ بلک بلک کر رو پڑی تھی، بمشکل تمام میں نے اسے خاموش کیا تو وہ بولی۔

"ڈاکٹر صاحب آپ بہت بڑی شخصیت کے مالک ہیں، آپ صرف ایک ڈاکٹر ہی نہیں ہیں بلکہ ایک نیک دل انسان بھی ہیں، کسی کو بہن کہنے سے پہلے کم از کم اس کے بارے میں جان تو لینا چاہئے کہ وہ اس قابل ہے یا نہیں۔" تو میں نے اس سے کہا کہ جب دل اندر سے کسی کو کسی کے قابل قبول کر لے تو پھر اس کے بارے میں معلومات حاصل نہیں کی جا سکتیں...... تمہارا ماضی کچھ بھی ہو میرے دل میں تمہارے لئے یہی جذبات ہیں، تم قبول کرو یا نہ کرو میں اپنے دل میں تمہیں بہن سمجھتا رہوں گا...... ہاں اگر قبول کر لو تو مجھے اپنے چہرے کی ان بند تحریروں کی داستان سناؤ جو کبھی کبھی تمہاری جلد پر ابھر آتی ہے، لیکن میں اسے پڑھ نہیں پاتا تو محترمہ اس نے مجھے اپنے بارے میں بتایا اور بڑی تفصیل سے بتایا، اس کے ماضی کی تفصیل کو جانے دیجئے، اس مرحلے تک آئیے جب وہ ایک پر فریب شخص کے جال میں پھنسی اور اس پر فریب شخص سے شادی کر بیٹھی...... اس شخص کا نام جلال بیگ تھا۔ جلال بیگ ایک اوباش آدمی تھا، اپنے دلکش نقوش اور اپنی پر سحر شخصیت کی بنا پر وہ معصوم اور بھولی بھالی عورتوں کو اپنی طرف راغب کر لینے میں ماہر تھا اور فرخندہ بھی اسی کا شکار ہوئی تھی۔ اس نے جلال بیگ سے شادی کر لی، اصل میں جلال بیگ کا ذریعہ معاش یہی تھا، وہ ایسی عورتوں کی دولت قبضے میں کر لیا کرتا تھا، جیسا کہ میں نے آپ کو فرخندہ کے تھوڑے سے ماضی کے بارے میں بتایا...... جلال بیگ وہاں غلط فہمی کا شکار ہو گیا، وہ سمجھا کہ فرخندہ کے پاس بہت کچھ ہے...... چنانچہ جب اسے اس بات کا علم ہوا کہ اس کی نئی بیوی کے پاس کچھ بھی نہیں

ہے تو وہ معمول کے مطابق فرخندہ کو پریشان کرتا رہا...... اس نے ایسے بہت سے طریقے استعمال کرنا چاہے جس سے فرخندہ غلط راستوں پر چل سکے اور جلال بیگ کے لئے ضرورت کی چیزیں اکٹھی کرے مگر فرخندہ نے اسے صاف انکار کر دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ جلال بیگ اسے بے یار و مددگار چھوڑ کر بھاگ گیا اور فرخندہ خلا میں گھورتی رہ گئی، زندگی گزارنے کے لئے اس نے کئی جتن کئے اس کے بعد وہ اس ہسپتال میں پہنچی اور یہاں بمشکل تمام اسے آیا کی ملازمت مل گئی، یہ میرے اور اس کے درمیان روابط کا ذریعہ تھا اور اس کے بعد وقت گزر گیا...... فرخندہ کا مسئلہ بھی وہی تھا جو میرا تھا، پھر کسی طرح ارشاد احمد اس ہسپتال میں آیا فرخندہ نے اس کی عادت کے مطابق خدمت کی، لیکن ارشاد احمد اس سے متاثر ہو گیا اور اس نے فرخندہ کو شادی کی پیشکش کر دی، اگر آپ ارشاد احمد سے مل چکے ہیں تو آپ کو بھی اندازہ ہو گا کہ اس میں فرخندہ میں کتنا فرق ہے لیکن میں اسے اپنی بدقسمتی کہوں یا خوش قسمتی کہ فرخندہ اور میں اکثر ساتھ رہا کرتے تھے...... فرخندہ میری بیوی سے بھی مل چکی تھی وہ میرے بچے کو بھی بہت پیار کرتی تھی، بہر حال ایک بار غلطی سے میری بیوی نے اسے میرے اندر چھپی ہوئی خواہش کے بارے میں بتا دیا...... اس نے اسے بتایا کہ میں دلی آرزو رکھتا ہوں کہ اپنا کلینک بناؤں، لیکن یہ بھی بتایا میری بیوی نے اسے کہ میں اپنی اس آرزو کی تکمیل سے مایوس ہوں اور کہتا ہوں جو سوچ میرے ذہن میں ہے وہ کبھی پوری نہیں ہو گی، بس وہ دیوانی اس بات پر نجانے کیسے کیسے احساسات کا شکار ہو گئی اور محترمہ اس کے بعد اس نے ارشاد احمد سے شادی کر لی...... ارشاد احمد ایک دولت مند آدمی تھا، لیکن بہر حال فرخندہ کی اور ان کی عمر میں کافی فرق تھا، اس نے فرخندہ کی خواہشات پوری کرنا شروع کر دیں۔

محترمہ فرخندہ نے اس سے اس لئے شادی کی تھی کہ میری آرزوؤں کی تکمیل کرے، آپ سمجھ رہی ہیں نا فرخندہ میری ان آرزوؤں کی تکمیل کے لئے ارشاد احمد سے بڑی بڑی رقمیں حاصل کرتی رہی اور پھر اس کے بعد جب اس نے ایک اچھا خاصا سرمایہ جمع کر لیا تو میرے لئے کرائے کا فلیٹ حاصل کیا اور اس کے بعد اس نے مجھ سے خواہش کا اظہار کیا کہ میں یہ کلینک کھول لوں، خیر یہ میری خواہش کی تکمیل تھی لیکن اس کے لئے میں یہ ذریعہ نہیں چاہتا تھا، میں نے فرخندہ کو منع کیا تو وہ جذباتی ہو کر کہنے لگی وہ صرف میری زندگی سے نہیں چلی جائے گی بلکہ اپنی زندگی سے بھی چلی جائے گی، کیونکہ

اس نے صرف اپنے اندر چھپے ہوئے جذبے کے تحت ارشاد احمد سے شادی کی ہے ورنہ ارشاد احمد کا اور اس کا کوئی نہ ذہنی میل ہے نہ جسمانی، آپ سمجھ رہی ہیں نا اس نے اپنی پوری زندگی میرے لئے داؤ پر لگا دی تھی...... بہر حال پھر اس کے بعد یہ ہوا کہ اچانک ہی وہ بدبخت نازل ہو گیا۔"

"ایک منٹ، ایک منٹ آپ یہ کہنا چاہتے ہیں ڈاکٹر فیروز کہ فرخندہ کے تعاون سے میرا مطلب ہے مالی تعاون سے یہ کلینک وجود میں آیا۔"

"جی ہاں ورنہ میرے فرشتے بھی یہ سب کچھ نہیں کر سکتے تھے۔"

"لیکن کیا ارشاد احمد کو کبھی یہ بات معلوم نہیں ہو سکی۔"

"جی ہاں ارشاد احمد کو واقعی اتنی تفصیل سے یہ بات معلوم نہیں ہو سکی اسے اتنا علم ضرور تھا کہ فرخندہ کا کسی نہ کسی طرح تعلق مجھ سے ہے، لیکن میں نے کبھی اس کے انداز میں چھان بین نہیں پائی۔"

"ہوں پھر۔"

"اس کے بعد اچانک ہی جیسا کہ میں نے آپ سے عرض کیا کہ وہ لعنتی انسان نمودار ہو گیا اور اس نے فرخندہ کو بلیک میل کرنا شروع کر دیا۔"

"کیا فرخندہ نے آپ کو یہ بات بتائی۔"

"نہیں بتائی، یہی تو غلطی کی اس نے وہ مجھے ذہنی اذیت میں مبتلا نہیں کرنا چاہتی تھی، وہ جانتی تھی کہ میں ایک جذباتی آدمی ہوں اور کوئی ایسا قدم اٹھا سکتا ہوں اس کے حق میں جو میرے لئے نقصان دہ ثابت ہو، چنانچہ اس نے مجھے اس بارے میں نہیں بتایا اور خود ہی اذیتوں کے اس ماحول سے گزرتی رہی...... یہاں تک کہ جب اس نے اپنے مطالبوں کی رفتار بہت تیز کر دی تو فرخندہ اس سے آخری بات کرنے کے لئے تیار ہو گئی، بات اصل میں یہ تھی کہ اس نے فرخندہ کو طلاق تو دی نہیں تھی اور طلاق لئے بغیر فرخندہ نے ارشاد احمد سے نکاح کر لیا تھا، چنانچہ وہ اسے دھمکی دیا کرتا تھا کہ وہ حدود آرڈیننس کے تحت ان پر کیس کرے گا اور فرخندہ کو اس کے ہولناک نتائج بھگتنا پڑیں گے...... آپ یقین کیجئے فرخندہ کسی کو قتل نہیں کر سکتی، یہ ایک انوکھا معمہ ہے اور جب اس رات وہ وہاں گئی تو جلال بیگ نے شاید اسے مارا پیٹا جس کے نتیجے میں فرخندہ نے صرف اپنا بچاؤ کرنے کے لئے اس کے سر پر لوہے کی کوئی

چیز ماردی اور وہ زخمی ہوگیا، لیکن فرخندہ کا کہنا ہے کہ اسی وقت لائٹ چلی گئی اور وہ اندھیر ہی میں وہاں سے بھاگ آئی...... اپنے آپ کو بچانے کے لئے اس نے اس وقت وہ استعمال کیا تھا اور وہ کہتی ہے کہ اسے پورا پورا یقین ہے کہ اس کے زخم سے جلال بیگ کا انت نہیں ہوا تھا بلکہ بعد میں کسی نے ایسا کیا اور آپ جانتے ہیں کہ فرخندہ کے ذہن میں اس بات کیا تصور تھا۔"

"میں نہیں جانتا۔" افضال شاہ نے کہا اور بینا کو ہنسی سی آگئی...... افضال شاہ نے بڑی ساختگی سے یہ الفاظ کہے تھے، لیکن ظاہر ہے ڈاکٹر فیروز سنجیدہ تھا...... وہ سنجیدگی سے بولا۔

"فرخندہ سمجھتی تھی کہ یہ کام میں نے کیا ہے۔"

"وری گڈ...... اس کا مطلب ہے محترمہ فرخندہ خاصی سمجھدار خاتون ہیں۔"

"کہہ دیجئے آپ جو دل چاہے کہہ دیجئے آپ کو ابھی تھوڑی دیر کے بعد خود افسو ہوگا۔"

"پلیز آپ آگے کی بات کیجئے ڈاکٹر۔" بینا نے کہا۔

"فرخندہ میرے پاس آئی اور اب بھی وہ اپنے دل میں یہی خیال رکھتی ہے کہ میں نے جذباتی ہوکر یہ قدم اٹھایا ہے اور جلال بیگ کو ہلاک کردیا ہے...... میں نے قسمیں کھا کر ا یقین دلایا کہ فرخندہ مجھے اصل میں اس بات کا علم ہی نہیں تھا، ویسے اگر مجھے اس بات کا ع ہو جاتا کہ صورت حال ایسی ہوگئی ہے تو درحقیقت میں جلال بیگ جیسے شخص کو قتل کردینا بھی پسند کرتا...... یہ الگ بات ہے کہ یہ قتل اس انداز میں نہ ہوتا کہ شبہ میری طرف جاتا، محترمہ آپ یقینی طور پر پولیس کے خفیہ محکمے سے تعلق رکھتی ہیں آپ تفتیش کیجئے گا مجھے مجرم پائیں تو جو آپ کا دل چاہے وہ میرے ساتھ کریں...... زبان سے ایک لفظ احتجاج کا نہیں کہوں گا، لیکن ایک بات آپ ذہن نشین کرلیجئے، اگر فرخندہ اقبال جرم کر لیتی ہے تو میں اسے سزا نہیں ہونے دوں گا...... آپ کیس عدالت ہی میں لے جائیں گے میں عدالت جاکر اعتراف کروں گا کہ جلال بیگ کو میں نے قتل کیا ہے...... آپ اگر چاہیں ابھی اسی وقت میرا بیان لے کر جاسکتی ہیں جس میں یہ کہوں گا کہ کیونکہ فرخندہ کے احسان مجھ پر تھے اور میں اسے بہن کہتا تھا، چنانچہ جب میں نے دیکھا کہ جلال بیگ میری بہن کو تنگ کررہا ہے تو پہلے تو میں نے جلال بیگ کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن پھر اس نے مجھ پر مذ

الزام لگایا اس نے کہا کہ فرخندہ کے اور میرے درمیان گھناؤنے تعلقات ہیں تو میں نے شدت جوش میں آکر اسے قتل کردیا...... آپ سمجھ رہے ہیں نا اگر فرخندہ پر قتل ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تو آپ یوں سمجھ لیجئے کہ یہ بیان میں آپ کو بہت پہلے لکھ کر دینے کو تیار ہوں اور اگر آپ کے شوق کی تکمیل مجھے پھانسی دے کر ہوجاتی ہے تو ایک مرد کی طرح سینہ ٹھونک کر کہہ رہا ہوں کہ میں فرخندہ کے لئے مرنے کو تیار ہوں، سمجھ رہے ہیں نا آپ۔"

افضال شاہ مضحکہ خیز نگاہوں سے ڈاکٹر فیروز کو دیکھ رہا تھا، پھر اس نے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب آپ تو بڑی عظیم شخصیت ہیں...... میڈم کیا ہم اس عظیم شخصیت سے یہ بیان لے کر اسے لے چلیں۔"

"افضال شاہ پلیز شٹ اپ۔" بینا نے سرد لہجے میں کہا اور افضال شاہ ایک دم سنبھل گیا، تب بینا نے ڈاکٹر فیروز کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"ڈاکٹر فیروز بڑے جذباتی انداز میں آپ نے مجھے یہ داستان سنائی ہے، لیکن کم از کم آپ اگر اپنے سینے میں نیک جذبے رکھتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ انسانیت کی بھلائی کے لئے کچھ کیا جاسکتا ہے تو پلیز آپ یہ بھی سوچئے کہ کوئی دوسرا ابھی انہی جذبوں سے مالا مال ہوسکتا ہے...... ہم آپ کے دشمن تو نہیں ہیں نہ ہی آپ کا اور ہمارا کوئی ذاتی جھگڑا ہے، اگر صورت حال ایسی ہی ہے جیسی آپ فرما رہے ہیں تو آپ بالکل بے فکر رہیں...... سزا گناہ گار ہی کو ملے گی...... ہاں اگر قتل فرخندہ نے کیا ہے تو آپ لاکھ اعتراف کرتے رہیں ہم ثبوت مہیا کریں گے اور فرخندہ کو سزائے موت دلائیں گے، آپ صرف فرخندہ کے دفاع کی کوشش نہ کریں بلکہ حقائق کو تلاش کرنے کی کوشش کریں...... ہم اس سلسلے میں سب کچھ کریں گے، سمجھ رہے ہیں نا آپ۔"

"ہاں، بالکل بالکل سمجھ رہا ہوں اب اس بات کو آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے کہ بعد میں کیا ہوتا ہے۔"

"جی۔" تھوڑی دیر کے بعد وہ ڈاکٹر فیروز کے کلینک سے چل پڑے تھے...... افضال شاہ نے کہا۔

"میڈم جی آپ کو ایک بات بتاؤں۔"

"ہاں افضال شاہ۔"

”دیکھئے جی میرا پولیس کیریئر بہت پرانا تو نہیں ہے، لیکن جتنا بھی ہے اس میں میں انسانوں کو بڑے الگ الگ روپ میں دیکھا ہے، کچھ لوگ اس دُنیا میں رہ کر فرشتہ بننے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن جی پولیس کی آنکھ بھی کوئی چیز ہوتی ہے، ہم انہی کوششوں کے درمیان سے حقیقتوں کا سراغ لگاتے ہیں، اب جلال بیگ زندہ ہو کر تو یہ بتانے سے رہا کہ اسے کس نے قتل کیا ہے لیکن میں آپ کو بتاؤں لمبا ڈراما ہے جی یہ بڑا لمبا ڈراما ہے۔“

”مثلاً کیا خیال ہے تمہارا اس بارے میں افضال شاہ۔“

”سیدھی سی بات ہے بس آپ بھی ہمارے لئے محترم ہیں...... اول تو ہماری افسر ہیں آپ، دوسری بات یہ کہ ایک خاتون ہونے کے ناطے ہمارے لئے احترام کا درجہ رکھتی ہیں...... میڈم لیکن جہاں تک میرا خیال ہے یہ ساری ایک کہانی ہے، ڈاکٹر صاحب فرشتہ بننے کی کوشش کر رہے ہیں اور اپنے آپ کو قربان کرنے کی بات کر رہے ہیں...... میڈم ڈاکٹر صاحب اتنے فرشتے نہیں ہیں، ضرور ان دونوں کی ملی بھگت ہے، ذرا سا بیان یوں تبدیل کر لیجئے کہ فرخندہ نے ڈاکٹر کو بتایا کہ جلال بیگ اس طرح اسے بلیک میل کر رہا ہے اور ڈاکٹر اور فرخندہ نے مل کر جلال بیگ کو قتل کر دیا...... ایک سیدھی سی بات ہے فرخندہ بھی پکڑی گئی ہے، ذرا ڈاکٹر فیروز کو بھی پکڑ لیا جائے تو پھر دونوں کو ڈرائنگ روم کی سیر کرا دی جائے...... آپ دیکھ لیجئے کہ حقیقت سامنے آ جائے گی۔“

”ہو سکتا ہے تم ٹھیک کہہ رہے ہو، افضال شاہ لیکن ایک بات سنو بات جب تک مکمل ثبوت کے ساتھ ہمارے علم میں نہ آ جائے صرف ڈرائنگ روم پر بھروسا کرنا اچھی بات نہیں ہے، ایسے بہت سے واقعات تم بھی سن چکے ہو گے کہ تمہارے ڈرائنگ روم میں لوگوں نے ان ناکردہ گناہوں کا اعتراف بھی کیا ہے جو انہوں نے کبھی نہیں کئے اور انہیں سزائیں بھی ہوئی ہیں...... تم یہ بتاؤ شہاب صاحب کو جانتے ہو۔“

”کیوں نہیں جی، ہمارے محکمے کی ناک ہیں وہ۔“

”اور یہ بھی جانتے ہو کہ وہ میرے شوہر ہیں۔“

”جی میڈم...... معلوم ہے ہمیں۔“

”تو پھر سنو شہاب دُنیا کی بڑی سے بڑی دولت کو لات مار دیتا ہے اور اس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ کسی بے گناہ کو سزا نہ ہونے پائے...... میں یہ کیس الگ سے تمہارے ساتھ حل کر رہی ہوں اور شہاب نے مجھے اس کی پوری پوری اجازت دی ہے، اگر تمہارے ڈرائنگ روم سے اور میری کوششوں سے بے گناہ کو نقصان پہنچا تو اول تو شہاب مجھے کبھی ملازمت نہیں کرنے دیں گے، دوسری بات میں جانتی ہوں کہ میرے اور ان کے درمیان اچھے تعلقات نہیں رہ سکیں گے...... پھر ان کے لئے مجھے قبول کرنا مشکل ہو جائے گا، چنانچہ یہ میری ذاتی زندگی کا سوال بھی ہے...... ہاں اگر یہ دونوں مجرم نکلے واقعی تو صورت حال خاصی گڑبڑ ہو جائے گی۔“

”میڈم جی آپ بالکل ٹھیک کہتی ہیں، لیکن ہم اگر ٹھوس ثبوت حاصل کر لیں تب تو پھر شہاب صاحب کو کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا۔“

”ظاہر ہے پھر اعتراض کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے، مجرم کو تو کیفر کردار تک پہنچنا ہی ہے۔“

”بس جی ذرا سا وقت تو لگے گا...... آپ ہمیں بھی کام کرنے کا موقع دیجئے، ہمیں خوشی ہو گی، اگر ہم آپ کی سرپرستی میں کوئی بڑا کارنامہ سرانجام دے سکیں۔“ بینا نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی تھی، لیکن بہرحال اس کے بعد اس کا ذہن اُلجھ رہا تھا، کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر تھی، رشتوں کو وہ بہت دل سے مانتی تھی، کوئی گناہ گار سے گناہ گار آدمی اپنی محبوبہ کو بہن کا نام نہیں دے سکتا، بڑا مشکل ہو جاتا ہے...... یہ لفظ تو انسانی زندگی میں اتنی بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں کہ اگر انسان غور کرے اور لفظوں کی قیمت جان جائے تو شاید دُنیا کے بہت سے مسئلے حل ہو جائیں، کسی کو زبان سے بہن کہہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ بہت بڑی ذمے داری قبول کر لی گئی...... ایک بہن نے بھائی کے نام پر اپنے آپ کو قربان کر دیا اور ارشاد احمد جیسے عمر رسیدہ شخص سے شادی کر کے اس نے ڈاکٹر فیروز کا کلینک بنوایا، بہت بڑی بات ہے یہ...... لیکن افضال شاہ کا کہنا بھی درست تھا، بے شمار بار دنیا کے ایسے انوکھے رنگ نگاہوں کے سامنے آئے تھے کہ عقل بالکل بے عقل ہو گئی تھی اور بعد میں نجانے کیا کیا سوچنا اور کرنا پڑا تھا۔

❁ ❁ ❁

شہاب نے مسکراتے ہوئے بینا کی صورت دیکھی اور کہنے لگا۔

"کیا بات ہے بینا آج بڑی جلدی نیند آ رہی ہے۔" بینا نے عجیب سی نگاہوں سے شہاب کو دیکھا اور پھر پھیکے سے انداز میں بولی۔

"استادِ محترم ذرا سی اُلجھن میں گرفتار ہو گئی ہوں۔"

شہاب اُٹھ کر بیٹھ گیا، پھر پوری سنجیدگی کے ساتھ بولا۔

"بینا میں نے تمہیں کام کرنے کے لئے کھلا میدان ضرور دیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمارے اس طرح کے رشتے بالکل ختم ہو گئے ہیں، کوئی بھی کام کر رہی ہو بے شک کرتی رہو...... یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ ہم دونوں ایک ہی پیشے سے منسلک ہیں...... میں ہمیشہ بے شمار معاملات میں ساری تفصیل تمہارے سامنے رکھ کر تم سے مشورے کرتا ہوں بولو...... یہ تو شادی سے پہلے کی بات ہے نا، ہم لوگ فہرست بنایا کرتے تھے کہ جرم تفصیل کیا ہے، ایک ایک پوائنٹ کاغذ پر نوٹ کیا کرتے تھے اور پھر اس پر غور کیا کرتے تھے...... اتنا گریز کیوں کر رہی ہو تم۔"

"خدا کی قسم شہاب گریز نہیں بلکہ ایک بات سوچی تھی وہ یہ کہ جس کیس پر کام کر رہی ہوں اس کی تکمیل کر کے تمہارے سامنے بغلیں بجاؤں گی، لیکن بغلیں بج نہیں رہیں، معاملہ اُلجھ گیا ہے۔"

"تب پھر دوست سے مدد لو اور شوہر کے سامنے بغلیں بجا دینا۔"

"کیا مطلب؟"

"بھئی شہاب تمہارا دوست بھی تو ہے...... دوست کی مدد لے کر اس معمے کو حل

اور جب حل کر لو تو شوہر کے سامنے بغلیں بجا دینا، ویسے بغلیں بجتی ہیں نا تمہاری۔"

"پلیز شرارت نہ کرو مجھے گدگدی ہوتی ہے۔"

"مسئلہ کیا ہے مجھے بتاؤ۔" اور جواب میں بینا نے پوری کہانی شہاب کو سنا دی، شہاب سنتا رہا پھر اس کے بعد اچانک اس نے اپنا سیدھا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ہاتھ دکھاؤ۔"

"کیا مطلب؟"

"ہاتھ تو دکھاؤ بھئی۔" بینا نے اپنا داہنا ہاتھ آگے بڑھایا تو شہاب نے اس کی کلائی پکڑ کر اسے اپنی جانب گھسیٹ لیا اور پھر مسہری پر گرا کر بولا۔

"اتنی سی بات کے لئے پریشان ہو رہی ہو، بے فکر رہو ابھی تھوڑی دیر کے بعد تم پر بے شمار عقدے کھلتے چلے جائیں گے۔"

"شہاب۔" بینا کی مدہم آواز اُبھری اور شہاب نے اس آواز کو اپنے وجود میں جذب کر لیا، دوسری صبح ناشتے وغیرہ سے فراغت حاصل کر کے جب بینا نکلنے کے لئے تیار ہوئی تو شہاب بولا۔

"کہاں میڈم؟"

"جا رہی ہوں۔"

"اور اس سلسلے میں ہماری خدمات۔"

"تم بہت شریر ہو۔"

"جی نہیں ہم کھرے سوداگر ہیں۔"

"کھرے سوداگر۔"

"جی ہاں...... آپ کا کچھ قرض ہے رات سے ہم پر اس کی ادائیگی کرنی ہے۔" بینا ہنسنے لگی تو شہاب بولا۔

"ساتھ ہی چلتے ہیں آج ذرا تمہارے ساتھ آوارہ گردی کریں گے۔" پھر دونوں باہر نکل آئے تو بینا نے کہا۔

"شہاب تمہارے ذہن میں اس سلسلے میں۔"

"ہاں...... ہاں میرے ذہن میں اس سلسلے میں بہت کچھ ہے۔ آؤ ذرا چلتے ہیں۔"

"کہاں چلوں۔"

"کلینک کس وقت کھل جاتا ہے۔"

"کلینک۔"

"ہاں۔"

"کون سا کلینک بھئی۔"

"ڈاکٹر فیروز کے کلینک کے بارے میں کہہ رہا ہوں۔"

"کلینک تو میرا خیال ہے کھلا ہوا ہوگا۔"

"تو پھر چلتے ہیں اگر ڈاکٹر فیروز نہ بھی ہوا تو وہاں سے معلومات کر کے اسے طل
کرلیں گے۔" شہاب نے کہا اور بینا مسکرانے لگی...... بہر حال دل تو چاہتا تھا اس کا کہ کیس
شہاب کی مدد کے بغیر حل کرلے لیکن اب وہ اُلجھ گئی تھی...... اس کی دانست میں آگے
راستے بند تھے اور ان دروازوں کی دوسری جانب کیا تھا اس کا ذہن اسے سمجھنے سے ق
تھا...... تھوڑی دیر کے بعد وہ ڈاکٹر فیروز کے کلینک پہنچ گئے، ڈاکٹر فیروز کلینک پر م
تھا...... بینا کے ساتھ اس نے شہاب کو دیکھا اور پرتپاک انداز میں مسکرا کر بولا۔

"آئیے...... آئیے آپ لوگ آئیے میڈم میں تھوڑی دیر کے بعد پولیس ا
جانے کی تیاریاں ہی کر رہا تھا اور اس سلسلے میں، میں نے اپنی نائب ڈاکٹر کو ہدایات د
تھیں کہ میں آج دن بھر مصروف رہوں گا۔"

"خیریت پولیس اسٹیشن جا کر آپ کیا کرنا چاہتے تھے۔"

"فرخندہ کی ضمانت کی کوششیں، دیکھئے اس کے لئے میں نے کاغذات بھی تیار
اور ٹیلی فون پر [illegible] وکیل صاحب کو بھی تلاش کر رہا تھا...... میں وکیل صاحب کی
فرخندہ کی ضمانت کرانا چاہتا ہوں، کیا آپ اس سلسلے میں میری مدد کر سکتی ہیں۔"

"جی آئیے میں اس سلسلے میں آپ کی بھرپور مدد کر سکتا ہوں۔" شہاب نے کہا۔

"آئیے تشریف لائیے۔" ڈاکٹر پرتپاک انداز میں بولا اور انہیں ایک علیحدہ کمر
لے گیا جو اس کی نشست گاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا، انہیں بیٹھنے کی پیشکش کر کے
کہا۔

"خدارا آپ لوگ میری مدد کیجئے، میں زندگی بھر آپ کا یہ احسان مانو

بہر حال محترمہ سے میری کافی بات چیت ہو چکی ہے، سر آپ کا تعلق بھی یقینی طور پر محکمہ پولیس سے ہوگا۔"

"جی، جی، جی اور محترمہ بینا مجھے آپ سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتا چکی ہیں بس ایک معلومات مجھے اور کرنی ہے آپ سے۔"

"جی فرمائیے۔"

"آپ یوں سمجھئے کہ اب تک تمام تفصیلات میرے علم میں ہیں، ایک تفصیل میں اور آپ سے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"آپ بے دھڑک مجھ سے پوچھئے اور اس بات پر پورا بھروسہ رکھئے کہ میں زندگی کی قیمت پر بھی آپ سے ایک لفظ جھوٹ نہیں کہوں گا۔"

"کیا بقول آپ کے آپ کی بہن فرخندہ ارشاد نے آپ کو یہ بتایا ہے کہ وہ دودھ میں اپنے شوہر ارشاد احمد کو ویٹ پول نامی دوا دیتی رہی ہیں۔"

"نہیں...... ایک ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے میں ویٹ پول کے بارے میں جانتا ہوں...... ویٹ پول ایک ہلکا زہر ہے اور اس کی ٹیبلٹ خاص امراض میں مریض کو ایک حد تک دی جاتی ہے...... دودھ میں ویٹ پول دینے کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو سلو پوائزن دیا جا رہا ہے اور جو یہ کوشش کر رہا ہے وہ کسی کے قتل کے درپے ہے، ویسے میں آپ کو بتا دوں کہ وہ مجھے تمام تفصیلات بتاتی رہی ہے...... وہ بدبخت جلال بیگ اسے پریشان کر رہا تھا اور وہ شاید اس کے کچھ مطالبات پورے بھی کر چکی تھی، لیکن پہلی بات تو یہ کہ وہ اپنے شوہر کو کوئی دوا وغیرہ نہیں دیتی تھی، کیونکہ اگر وہ ایسا کرتی تو میرے علم میں یہ بات ضرور ہوتی، ہاں البتہ دو تین بار وہ اس سے ملنے ضرور گئی اور وہ بھی اس کی طلبی پر کچھ ایسے ہی معاملات ہو گئے تھے جنہیں وہ پورا نہیں کر سکتی تھی، جب کہ جلال بیگ اس پر وہ تمام حقوق استعمال کر رہا تھا جو بیوی کے حقوق ہوتے ہیں، مطلب یہ کہ جسمانی طور پر نہیں بلکہ وہ اس کے تھپڑ بھی لگا دیتا تھا، میں آپ کو بالکل سچ بتا رہا ہوں، وہ عجیب و غریب عورت ہے لیکن اگر آپ کو یقین آسکتا ہے تو یقین کر لیجئے کہ اس نے ایسی کوئی کوشش کبھی نہیں کی ہوگی، انتہائی مجبوری کے عالم میں بھی وہ اگر کوئی ایسا قدم اٹھاتی تو مجھے ضرور بتا دیتی، آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس نے اس بارے میں مجھے اس لئے نہیں بتایا کہ کہیں میں جذباتی نہ ہو جاؤں لیکن جناب کچھ اعتبار

ہوتا ہے انسان کو میرا خیال ہے اس سے زیادہ میں کچھ اور نہیں کہہ سکوں گا...... بس اتنی بات آپ سے کہنا چاہتا ہوں۔"

"بہت شکریہ ڈاکٹر صاحب اور ایک بات میں بھی آپ سے عرض کردوں کہ اس ملاقات میں، میں نے جو آپ سے سوال کیا ہے آپ براہ کرم اسے اپنے آپ تک محدود رکھئے۔"

"سنئے کیا فرخندہ کی ضمانت ہوسکتی ہے؟"

"آپ آیئے میرے ساتھ۔" شہاب نے کہا بینا بالکل خاموش تھی اور شہاب کی کارروائی کو دیکھ رہی تھی...... شہاب ڈاکٹر فیروز کو ساتھ لے کر چل پڑا، پھر اس نے بینا سے کہا۔

"محترمہ بینا افضال شاہ کی طرف چلئے گا۔" بینا اس وقت ڈرائیو کر رہی تھی...... شہاب ڈاکٹر فیروز کے ساتھ پچھلی نشست پر بیٹھا ہوا تھا...... کچھ دیر کے بعد بینا کی کار پولیس اسٹیشن میں داخل ہوگئی۔ افضال شاہ روزنامچے کو چیک کر رہا تھا...... بینا کے ساتھ شہاب کو دیکھ کر وہ اٹینشن ہوگیا اور ان لوگوں کو بیٹھنے کی پیشکش کی، ڈاکٹر فیروز کو بھی اس نے دلچسپ نگاہوں سے دیکھا تھا۔

"فرخندہ کہاں ہے۔" شہاب نے سوال کیا۔

"لاک اپ میں ہے جناب، بلاؤں۔"

"نہیں...... ڈاکٹر فیروز اگر آپ چاہیں تو فرخندہ سے مل سکتے ہیں، ہم کچھ دیر کے لئے جارہے ہیں آپ یہیں ہمارا انتظار کیجئے گا، میں سنتری کو ہدایت دیئے دیتا ہوں وہ لاک اپ کے سامنے کرسی ڈال دے گا...... آپ بیٹھ کر فرخندہ سے باتیں کیجئے گا، تھوڑی دیر میں ہم واپس آجاتے ہیں۔"

"میں اس سے ملنا چاہتا ہوں پلیز۔"

"افضال شاہ انتظام کردو۔" شہاب نے کہا۔

"یس سر۔" افضال شاہ نے ایڑیاں بجائیں اور پھر ایک اے ایس آئی کو ہدایت جاری کیں اور اے ایس آئی نے گردن خم کردی۔

"آیئے افضال شاہ صاحب دو کانسٹیبلوں کو ساتھ لے لیجئے، ویسے تو ہم چل ہی رہے ہیں۔" افضال شاہ نے گردن ہلادی، تھوڑی دیر کے بعد یہ لوگ چل پڑے، بینا بالکل خاموش تھی...... شہاب بڑی سنجیدگی کے ساتھ ہر قدم پر عمل کر رہا تھا...... پھر شہاب کی ہدایت پر نے ارشاد احمد کے گھر کا رخ کیا اور کچھ وقت کے بعد وہ ارشاد احمد کے گھر کے دروازے

دستک دے رہے تھے...... ارشاد احمد نے دروازہ کھولا اور اس کے چہرے پر عجیب سی بوکھلاہٹ نظر آئی...... دروازہ کھولنے سے پہلے ایک لمحے کے لئے وہ بالکل چاک وچوبند نظر آیا تھا، لیکن پھر اچانک اس نے چہرے پر عجیب سی کیفیت طاری کرلی اور ہانپنے لگا پھر بولا۔

"آؤ افضال شاہ۔" شہاب نے کہا اور اندر داخل ہوگیا...... پھر اس نے ارشاد احمد سے کہا۔

"آپ یہاں تنہا ہیں ارشاد احمد صاحب۔"

"جی...... ہاں......"

"پھر آیئے آپ کی تنہائی دُور کردی جائے، افضال شاہ ارشاد احمد کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دو...... جلال بیگ کے قتل کے سلسلے میں ارشاد احمد صاحب آپ کو گرفتار کیا جاتا ہے۔" ارشاد احمد کا ہی نہیں بلکہ ساتھ میں موجود بینا اور افضال شاہ کا منہ بھی حیرت سے کھل گیا تھا، لیکن افضال شاہ نے فوراً ہی کانسٹیبلوں کو ہدایت دی اور ہتھکڑی جو ساتھ لائی گئی تھی ارشاد احمد کے ہاتھوں میں ڈال دی گئی، ارشاد احمد پتھرا سا گیا تھا۔

بینا اور افضال شاہ کو اس بات پر حیرت تھی کہ شہاب نے مکمل اعتماد کے ساتھ ارشاد احمد کو قاتل قرار دے دیا تھا، خود ارشاد احمد کی جو کیفیت تھی اس سے یہ اندازہ ہوجاتا تھا کہ درحقیقت وہ قاتل ہے، وہ ایک لفظ بھی نہیں بول سکا تھا...... شہاب نے اس کے بعد ایک کانسٹیبل سے کہا۔

"فی الحال مکان کو بند کیا جارہا ہے...... تمہیں یہاں ڈیوٹی سرانجام دینی ہے، ہر آنے جانے والے سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنی ہے، بہت جلد تمہاری مدد کے لئے تھانے سے اور کانسٹیبل آجائیں گے۔"

"بغیر کسی رعایت کے آپ ارشاد احمد کو لے جایئے اور اسے ایک الگ لاک اپ میں بند کیجئے گا، میں اور بینا تھوڑی دیر میں واپس پہنچ جائیں گے...... آپ گاڑی لے جاسکتے ہیں۔"

افضال شاہ ارشاد احمد کو لے کر چلا گیا تو شہاب اور بینا ارشاد احمد کے مکان میں داخل ہوگئے...... بینا پر ایک سکتے کی سی کیفیت طاری تھی، کبھی کبھی وہ قربان ہونے والی نگاہوں سے شہاب کو دیکھنے لگتی تھی، اتنا فوری عمل اور اتنا برق رفتار فیصلہ آسان کام نہیں تھا، ایسا کوئی قدم شہاب ہی اٹھا سکتا تھا...... شہاب ہر اس ممکنہ جگہ کی تلاشی لیتا رہا جہاں ارشاد احمد کے خلاف کوئی ثبوت مل سکتا تھا، بینا اس کی تمام کارروائی کو نہایت خاموشی سے دیکھ رہی تھی...... الماریاں، میز کی درازیں ایسی جگہ جنہیں خفیہ سمجھا جاسکتا تھا، لیکن اصل چیز خود ارشاد احمد

کے بیڈ روم میں اس کے بستر کے پچھلے حصے میں بنی ہوئی ایک خفیہ دراز سے حاصل ہوئی یہ ایک ڈائری تھی جس میں پین بھی لگا ہوا تھا اور اس ڈائری کو کھول کر دیکھتے ہوئے شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، بینا صرف عقیدت بھری نگاہوں سے شہاب کو دیکھ رہی تھی...... شہاب نے ڈائری کے کچھ صفحات پڑھے اور اس کے بعد بینا سے بولا۔

"میڈم آپ کچھ ضرورت سے زیادہ ہی مستعدی کا اظہار کر رہی ہیں، میرا مطلب ہے یہ مکمل خاموشی مجھے اچھی نہیں لگ رہی۔"

"نہیں جناب اس وقت میں اپنے شوہر کے سامنے نہیں بلکہ ایک افسر اعلیٰ کے سامنے ہوں۔"

"شکریہ محترمہ۔ اس وقت اگر آپ ہماری یہ حیثیت تسلیم کر رہی ہیں تو ٹھیک ہے ور تو ویسے عمر بھر کی غلامی لکھ دی ہے ہم نے اور اپنی عمر بھر آپ سے ڈرتے ہیں ہم یہ محکما ذمے داریاں تو آنی جانی چیزیں ہیں، ہو سکتا ہے کل آپ ہماری افسر اعلیٰ ہوں۔" بینا مسکرا انداز میں مسکرا دی تھی شہاب نے کہا۔

"آؤ چلیں کام مکمل ہو گیا ہے...... پتا نہیں کیوں اس بات پر مجھے یقین تھا کہ ارشاد کے خلاف کوئی نہ کوئی مجھے ایسی چیز ضرور دستیاب ہو جائے گی جو ثبوت کا درجہ رکھتی ہو تم نے دیکھا کہ میں اچانک ہی چلتے چلتے اپنا پروگرام ملتوی کر کے اور کانسٹیبل کی ڈیوٹی یہ متعین کر کے واپس پلٹا ہوں، بس یوں سمجھ لو بینا کہ یہ ایک قدرتی رہنمائی ہے۔ ویسے تو ڈا بعد میں بھی مل جاتی لیکن اس وقت اس کا مل جانا ہمارے لئے بڑا کارآمد ثابت ہوا ہے...... انسان اپنا ایک شوق رکھتا ہے اور کبھی کبھی کوئی شوق اس طرح عذاب بھی بن جاتا ہے، ا تجزیہ تم اس ڈائری سے کر لو آؤ اب یہاں سے چلتے ہیں...... ہمیں ٹیکسی لے کر ہی واپس ہو گا۔" پھر شہاب اور بینا باہر نکل آئے تھے، بینا نے احتراماً شہاب سے اس ڈائری کے بار میں کوئی سوال نہیں کیا اور شہاب بھی چونکہ سوچ میں ڈوبا ہوا تھا اس لئے اس نے تفصیل بھی نہ بتائی اور پھر راستے میں یہ ممکن بھی نہیں تھا کچھ دیر کے بعد وہ پولیس اسٹیشن عمارت میں داخل ہو رہے تھے۔

❁❁❁

ارشاد احمد کو ابھی پولیس لاک اپ ہی میں رکھا گیا تھا اور بینا کی ہدایت کے مطابق افضال شاہ نے اس سے ابھی تفتیش کا آغاز نہیں کیا تھا، لیکن جب شہاب اور بینا تھانے میں داخل ہوئے تو افضال شاہ نے پرتپاک انداز میں ان کا خیر مقدم کیا تھا اور پھر ہنستے ہوئے بولا تھا۔

"وہ تو بہت اُچھل کود مچائے ہوئے ہے اور پولیس کو گالیاں بھی دے رہا ہے۔"

"کون...... ارشاد احمد۔"

"ہاں۔"

"اس کے لئے ہم ویٹ پول لے آئے ہیں یعنی وہ دوا جو اس کو سکون بخشتی ہے...... آؤ، ذرا دیکھیں اسے۔" شہاب نے تفریحی موڈ میں کہا اور اس کے بعد وہ پولیس لاک اپ پہنچ گیا...... ارشاد احمد بری طرح جھلایا ہوا تھا۔

"اگر تم لوگوں نے مجھے بالکل چوہا ہی سمجھ رکھا ہے تو سمجھ لو اپنی اس غلطی پر زندگی بھر افسوس کرو گے۔"

"اگر ہم کسی شخص کو چوہا سمجھ لیں تو کیا ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ اس کے بعد ہم اسے چوہا سمجھنے پر بہت زیادہ ہی افسوس کرنے لگیں...... بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی ہے ارشاد احمد صاحب۔"

"مجھے وکیل سے گفتگو کرنے کا موقع دو، میں اپنے وکیل کے ذریعے تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں...... آخر تم کس کے ایما پر مجھے پھانسنے کی کوشش کر رہے ہو...... تم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ میرے سینے میں کون کون سے طوفان پوشیدہ ہیں، میری بیوی بد چلن ہے، اس نے مجھ پر جذباتی دباؤ ڈال کر مجھ سے شادی کی ہے اور میری دولت کا بہت بڑا حصہ اس نے

اُڑا دیا ہے...... میں بہت ستم رسیدہ ہوں اور اُوپر سے تم بھی میرے ساتھ ایسا سلوک کر رہے ہو...... یہ کہاں کی انسانیت ہے، یہ کہاں کی شرافت ہے...... میں کہتا ہوں مجھے میرے وکیل سے گفتگو کرنے کا موقع دیا جائے۔“

”ارشاد احمد صاحب لازمی بات ہے کہ پولیس کو آپ سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے...... ایک قتل ہوا ہے اور ہم اس کی تفتیش کر کے بہر حال مجرموں تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے اور آخر کار آپ فریم میں آ گئے...... آپ بے شک وکیل بھی کیجئے گا اپنا کیس بھی لڑیئے گا...... ہمیں تو اپنا فرض پورا کرنا ہی تھا...... اب آپ دیکھئے اس مسئلے میں دو بے گناہ ملوث ہو رہے تھے...... یعنی ڈاکٹر فیروز جو بلاشبہ ایک نیک اور شریف آدمی ہے اور آپ کی بیگم جنہیں آپ نے جلال بیگ کے قتل میں ملوث کرنے کے لئے ہر طرح کے انتظامات کر رکھے تھے، ارشاد احمد صاحب اصل میں جلال بیگ کو آپ نے قتل کیا ہے اور وجہ قتل بھی آپ کی وہی نفسیاتی کمزوری ہے...... آپ نے جذبات میں آ کر فرخندہ سے شادی تو کر لی لیکن بعد میں آپ کچھ وجوہات کی بنا پر شدت سے اس احساس کا شکار ہو گئے کہ فرخندہ نوجوان ہے اور آپ اس کی نسبت ایک بوڑھے آدمی، ایسے واقعات نئے نہیں ہیں آپ لوگ اپنا غلط تجزیہ کرتے ہیں اور وہ اقدامات کر بیٹھتے ہیں جو بعد میں آپ میں دیوانگی کے جراثیم پید کر دیتے ہیں اور اس دیوانگی میں آپ انتہا سے گزر جاتے ہیں...... آپ کو اپنی بیوی پر شبہ تھ لیکن حقیقتیں آپ کو معلوم نہیں تھیں...... مرزا جلال بیگ آپ کی بیگم فرخندہ کا سابقہ شوہ تھا اور اس سے رقومات وصول کر رہا تھا، وہ اسے بلیک میل کر رہا تھا...... یہ ایک لمبی کہانی ہے جس کی تفصیلات آپ نے جاننے کی کوشش نہیں کی، بس اتنا ہی سوچا آپ نے کہ فرخند نوجوان ہے اور یقینی طور پر آپ کا بڑھاپا اس کے لئے سکون بخش نہیں ہے...... بس ا احساس سے مچلتے رہے آپ یہاں تک کہ آپ نے ایسا قدم اُٹھا ڈالا جو آپ کی دیوانگی کا مظ ہے...... جانے بوجھے بغیر آپ نے جلال بیگ کو اس وقت قتل کر دیا جب فرخندہ بھی وہاں پہنچی تھی اور اس کے بعد آپ نے سوچا کہ الزام تو فرخندہ پر ہی آئے گا...... آپ ا نشانات کے حوالے دیں گے جس سے پولیس غلط راستے پر پڑ جائے پتا نہیں کیوں آپ پولیس کو اس قدر پس ماندہ ذہنیت کا مالک سمجھا کہ وہ حقیقتوں کو تلاش نہ کر سکے...... بہر ح ارشاد احمد صاحب ماضی میں پیش آنے والے واقعات کسی بھی نوعیت کے حامل ہوں غلط

کی بنیاد پر ہی سہی آپ نے مرزا جلال بیگ کو سر پر لوہے کا وزنی سوا مار کر قتل کیا ہے اور آپ کو اس جرم میں گرفتار کیا گیا ہے، یقینی طور پر آپ بہت زیادہ اُچھل کود مچائیں گے لیکن بس یہ دیکھ لیجئے یہ ڈائری ہمارے قبضے میں آ گئی ہے اور اس ڈائری میں وہ تمام اعترافات موجود ہیں جو آپ نے کئے ہیں، ڈائری لکھنا ایک تفریحی عادت ہے میں نہیں سمجھتا کہ لوگ مختلف مشغلے اختیار کرتے ہیں لیکن ایک حد تک جنون ہی تصور کرتا ہوں میں اسے، البتہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے اور اگر وہ کسی بے گناہ کو بچانا چاہتا ہے تو اس کے لئے گناہگار کے ذہن میں بہت سے دروازے بند کر دیتا ہے...... اس ڈائری کو پہچان رہے ہیں نا آپ، اس میں وہ سب کچھ موجود ہے جو آپ کے خلاف ساری تفصیلات مہیا کر دیتا ہے۔“ ارشاد احمد نے ڈائری کو دیکھا اور یوں لگا جیسے غبارے میں سے ہوا نکل گئی ہو...... اس کے منہ سے بس مدہم لہجے میں نکلا تھا۔

”آہ، یہ کیا ہوا...... یہ کیا ہوا۔“ اور اس کے بعد شہاب، بینا اور افضال شاہ کے ساتھ لاک اپ سے ہٹ کر افضال شاہ کے آفس میں آ گیا تھا، پھر اس نے ڈائری افضال شاہ کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

”مجرم سے اس وقت تک ہماری دشمنی رہتی ہے، افضال شاہ جب تک کہ وہ مجرم ثابت نہ ہو جائے...... ہر ایسا شخص جس کے بارے میں یہ بات پایہ تکمیل تک نہ پہنچی ہو کہ وہ مجرم ہے یا نہیں اسے مجرم قرار دینا خلاف انسانیت ہے، عدالتوں میں بھی جواب دہی کرنی پڑتی ہے اور آسمانی عدالتوں میں بھی، تم سے تمہارے منصب کا حساب لیا جاتا ہے کہ جس پیشے کا تم رزق کھا رہے ہو اس میں تم نے کسی ایسی بے پروائی سے کام تو نہیں لیا جس سے اللہ کی مخلوق کی زندگی ناجائز طریقے سے موت کی بھینٹ چڑھ جائے...... میرا خیال ہے کہ اب اس سلسلے کے تمام ان اور آؤٹ تمہیں معلوم ہو چکے ہیں باقی تمہاری ذمے داری ہے کہ کس طرح اس کیس کو ڈیل کرتے ہو...... عدالت میں چالان پیش ہو گا...... ارشاد احمد اپنا وکیل کرے گا...... جلال بیگ کا قتل اسی نے کیا ہے...... جلال بیگ کی طرف سے کوئی مدعی نہیں ہے، وہ خود بھی ایک بدکردار شخص تھا اور ارشاد احمد ایک نفسیاتی مریض ڈاکٹر فیروز اور فرخندہ کو ہم اس سلسلے میں بے گناہ قرار دیتے ہیں...... بہر حال کیس کی نوعیت تمہارے علم میں ہے...... چالان پیش کر دو اور اس کے بعد تم جانو اور تمہارا کام، ہمارا اب اس سلسلے میں کوئی

واسطہ نہیں رہا ہے۔" اس کے بعد شہاب اور بینا واپس چلے آئے تھے، شہاب نے حسب عادت بینا کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ میری اور تمہاری عمروں میں بہت زیادہ فرق نہیں ہے بینا لیکن بہر حال ساری باتیں اپنی جگہ تم نے اس کیس کے سلسلے میں جس قدر چھان بین کی ہے اور جتنی ذہانت سے اصل مجرم کو ٹریس کیا ہے سب سے پہلے میں تمہیں اس کی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔"

"میرا مذاق اُڑا رہے ہو۔" بینا نے کہا اور شہاب چونک کر اسے دیکھنے لگا، پھر بولا۔

"کیوں؟"

"سچی بات تو یہ ہے کہ میں ان بھول بھلیوں میں اُلجھ کر رہ گئی تھی اور کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی مگر تم نے ایک لمحے میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا...... شہاب فخر کرتی ہوں میں تم پر۔"

"چلو اچھا ہے...... ہم دونوں کو کہیں باہر جانے کی ضرورت نہیں پڑتی، تم مجھ پر فخر کرتی ہو اور میں تم پر۔"

ڈی آئی جی نادر حیات کو شہاب نے ہی اس سلسلے کی پوری تفصیل پیش کی تھی اور ڈی آئی جی صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"بھئی آخر ہے کس کی شاگرد بینا...... میں تو تم دونوں میاں بیوی کے بارے میں یہ سوچتا ہوں کہ دیکھو مستقبل میں کون کون سے بڑے عہدے تم لوگوں کے لئے دروازے کھولے کھڑے ہیں۔"

"سر آپ یقیناً اسے خوشامد تصور نہیں کریں گے، آپ جیسا کوئی قدر دان آفیسر بھی تو ملے ہمیں ہم تو آپ کی سلامتی کی دعائیں مانگتے ہیں۔" نادر حیات صاحب خاموش ہو گئے تھے، پھر اس کے بعد کئی دن تک کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جو قابل ذکر ہو۔

اس دن بھی نادر حیات صاحب فارغ بیٹھے ہوئے تھے...... انہوں نے ان دونوں کو طلب کر لیا اور جب یہ لوگ پہنچ کر ڈسپلن کی پابندی کر چکے تو نادر حیات صاحب نے کہا۔

"ان دنوں شہر بڑا ٹھنڈا پڑا ہوا ہے...... جرائم کی وارداتیں ہو تو رہی ہیں لیکن کوئی ایسی صورت حال نہیں جو سنگین نوعیت کی ہو ویسے تم لوگ قرب و جوار پر بھی نگاہ رکھ رہے ہو یا نہیں۔"

"قرب و جوار سے آپ کی کیا مراد ہے نادر حیات صاحب۔"

"اصل میں یہ تم لوگوں کی فراغت کا دور تھا...... میرے ذہن میں تو بہت سے منصوبے آتے رہتے ہیں...... سوچو گے کیا سنکی افسر اعلیٰ ملا ہے، سکون سے بیٹھنے ہی نہیں دیتا، لیکن شہاب اور بینا سکون سے بیٹھنے کا بھی ایک وقت ہوتا ہے، وقت سے پہلے سکون سے بیٹھ جانے کا مطلب ہے کہ انسان دُنیا کو چھوڑنے کی کوششوں میں مصروف ہے اور تم لوگوں پر تو خیر ابھی ایسا وقت آیا ہی نہیں ہے۔"

"سر مجھے آپ سے ایک شکایت ہے۔" شہاب نے کہا اور نادر حیات صاحب چونک کر اسے دیکھنے لگے تو شہاب جلدی سے بولا۔

"اس بے تکلفی سے گفتگو کرنے کی معافی چاہتا ہوں سر۔"

"کیا فضول باتیں کر رہے ہو...... میں نے اس وقت تمہیں کسی مسئلے کے لئے نہیں بلایا ہے جو کہنا چاہتے ہو وہ کہو۔"

"سر میں جانتا ہوں کہ آپ نے مجھے منشیات کے خلاف کام کرنے سے روکنے کے لئے ایک طویل عمل کیا ہے اور میرے قدم روک دیئے ہیں۔"

"تمہارے خیال میں اس کا بیک گراؤنڈ کیا ہو سکتا ہے۔"

جواب میں شہاب ہنس پڑا اور بولا۔

"اگر آپ یہ سوچ رہے ہیں سر کہ کسی طرح منشیات کے سمگلروں کی سرپرستی کر رہے ہیں آپ اور میری سوچ یہ ہے تو اس سے بہتر یہ ہے کہ یہ سوچنے کی بجائے آپ ہی سیاہی کی دوات اٹھا کر میرے منہ پر پھینک دیجئے۔"

"نہیں، میں یہ نہیں سوچ رہا...... آخر انسان کو انسان پر بھروسا ہوتا ہی ہے۔"

"تو پھر کیا بات ہے سر...... یہ ایک بین الاقوامی معاملہ ہے اور دُنیا میں منشیات کے ذریعے جو جرائم ہو رہے ہیں ہر طرح کے یعنی سب سے دردناک پہلو تو یہ ہے کہ بے شمار جوان، مرد، عورتیں اور بچے منشیات کی لعنت کا شکار ہو کر اپنی زندگی کے ان لمحات کو اس قدر مختصر کر بیٹھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں زندگی سے لطف اٹھانے کے لئے دیئے ہیں اور اس کا محرک انسان ہی ہوتے ہیں...... سر، کیا ان کے خلاف کارروائی اخلاقی اور انسانی اقدار کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ہے۔"

"تو پھر آپ نے مجھے ان راستوں سے کیوں روکا؟"

"کچھ وجوہات ہوتی ہیں، عمر تجربہ دیتی ہے شہاب...... تم بہت ذہین ہو، لیکن ابھی تمہارے خون کا معاملہ ہے، تم جذباتی انداز میں سوچتے ہو، جبکہ میں اس قدر جذباتی نہیں ہوں، ابھی تم نے خود ہی کہا کہ منشیات کا معاملہ بین الاقوامی نوعیت رکھتا ہے، تمہارا کیا خیال ہے کیا وہ محکمے جو منشیات کو ختم کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں اور کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ بڑی بڑی حکومتیں ان محکموں کی سرپرستی نہیں کر رہیں...... وہ محکمے کام کر رہے ہیں...... نارکوٹکس کے ادارے اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہیں، پھر میں تم جیسے قیمتی آدمی کو ایسے کاموں سے ہٹا کر دوسرے کاموں پر کیوں لگا دوں...... تمہیں جو منصب سونپا گیا ہے یا جس کا انتخاب تم نے خود کیا ہے اور اپنا وہ فرض سرانجام دینے کی بجائے تم دوسرے راستوں کی جانب قدم کیوں بڑھا رہے ہو، ابھی بینا ہی کا معاملہ لے لو، انہوں نے جو کیس نمٹایا ہے تمہارا کیا خیال ہے واقعات اور شواہد اس عورت کو جلال بیگ کا قاتل قرار نہ دیتے ہو سکتا ہے جلال بیگ کے قتل کے الزام میں اسے سزائے موت ہو جاتی یا عمر قید ہو جاتی، کیا ایک بے گناہ ناکردہ گناہ میں سزا نہ بھگتتی، تم بتاؤ فیصلہ کرنا مشکل نہیں ہے...... شہاب اور بینا کیا وہ لوگ اس قابل نہیں تھے کہ ان کی مدد کی جاتی یا ان جیسے اور بہت سے دوسرے اس قابل نہیں ہیں کہ انہیں ناگہانی مشکلات سے بچایا جا سکے...... یہ تم لوگوں کی ذمے داری ہے بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ میں نے سپیشل پولیس ڈیپارٹمنٹ کے لئے جو نیا طریقہ کار منتخب کیا ہے اس سے بہترین نتائج برآمد ہو رہے ہیں...... شہاب بین الاقوامی پیمانے پر نارکوٹکس منشیات کے خلاف کارروائی کر رہی ہے...... تم نے اپنے وطن میں جو عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا ہے وہ تمہارا کیا خیال ہے کیا سنہرے لفظوں میں لکھنے کے قابل نہیں ہے اور کیا تم نے صحیح معنوں میں اپنا فرض سرانجام نہیں دیا ہے...... ان لوگوں کا تعاقب کر کے دوسرے ملکوں میں جا کر انہیں سزا دینا ہمارا کام نہیں ہے...... آخر وہاں بھی تو لوگ اپنا کام سرانجام دے رہے ہیں...... ہاں، اگر منشیات کے بین الاقوامی سمگلر پھر کبھی ہمارے وطن میں سرگرم عمل ہوں اور منظر عام پر آئیں تو تمہاری ہی ڈیوٹی ہو گی کہ انہیں پہلے ہی کی مانند ختم کر دو۔

"دیکھو، میرے دوست، میرے بیٹے میں پھر تمہیں یہ احساس دلا رہا ہوں کہ جرم کسی بھی نوعیت کا حامل ہو...... پہلے تو یہ کہ تم نے قانون کے سامنے حلف اٹھایا ہے کہ جرم کی سرکوبی کرو گے، پھر یہ انسانیت کے تقاضے بھی پورے کرنے ہوتے ہیں...... تم اپنا دائرہ کار پھیلا دو میں تمہیں بتاؤں اس وقت اپنی ذمے داریاں پوری کرنے والے انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں...... نجانے کیوں لوگ ذمے داریاں پوری کرنے سے بھاگتے ہیں، حالانکہ جو منصب جو عہدہ کسی کو دیا جاتا ہے وہ اسی اعتماد اور یقین کے ساتھ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے عہدے سے، اپنے منصب سے انصاف کرے گا...... بہت کم ایسا ہوتا ہے شہاب کہ اس بات کا خیال رکھا جائے حالانکہ بہت بڑی ضرورت ہے یہ، بہت بڑی ضرورت ہے لیکن خیر برائیاں تو ہر ایک کے نام سے منسوب کر دینا دُنیا کا سب سے آسان کام ہے...... میں سمجھتا ہوں تم اگر اپنے طور پر یہ فرض پورا کر لیتے ہو تو بہت بڑا کام کرتے ہو۔"

"نہیں سر میں نے تو بس ایسے ہی یہ سوال کر ڈالا تھا۔"

"بینا میں خاص طور سے تمہیں مبارکباد دیتا ہوں...... شہاب اول تو مرد ہیں اور پھر بلاشبہ انہوں نے جس طرح اپنے کام کا آغاز کیا ہے اس میں ایک چیلنج پوشیدہ تھا، ایک ایسا چیلنج جو جذباتی نوعیت کا تھا اور شہاب آج تک اپنے مشن میں کامیاب رہے ہیں...... انہوں نے جو کچھ کیا ہے اگر تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ میری نگاہوں سے اوجھل ہے یا میں اس کے پس منظر کی اصل نوعیت سے واقف نہیں ہوں تو بیٹے ایسے خیالات ذہن میں نہ رکھو...... یہ غلط ہوں گے، میرے کہنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ میں بھی تمام حقیقتوں سے واقف ہوں...... تم لوگ اپنا دائرہ عمل اور دائرہ کار بڑھا دو...... اس سے بہتوں کو فائدہ ہو گا، بہتوں کا بھلا ہو گا...... میری تو یہی رائے ہے باقی میں تم لوگوں کی اس طرح عزت کرتا ہوں اور دل سے اتنی قدر کرتا ہوں کہ اگر تم کبھی مجھ سے کوئی فرمائش کرو گے تو شاید متفق نہ ہونے کے باوجود اس فرمائش کو ٹال نہ سکوں۔" نادر حیات صاحب خاموش ہو گئے...... بینا اور شہاب ان کے ان الفاظ سے بہت متاثر ہوئے تھے۔ شہاب نے کہا۔

"سر آپ کی ہدایت کے برعکس کوئی بات سوچنے کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے، یقینی طور پر آپ کا اپنا ایک مقام ہے اور ہمارے دلوں میں آپ کے لئے ایک جگہ ہے اور اس کے تحت ہم آپ کے ہر حکم کی تکمیل کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔"

"شکریہ...... اچھا خیر ہم لوگ ذرا جذباتی انداز میں گفتگو کرنے لگے تھے...... شہاب

میں نے سنا ہے بلکہ یہ سننے والی بات چھوڑو تجربہ ہے میرا کہ یہ جو نواحی آبادیاں ہیں جیسے دارالحکومت کے گردونواح میں سو دو سو چار سو یا پانچ سو میل کے فاصلے پر جو پولیس اسٹیشن اور چھوٹی آبادیاں ہیں وہاں تھانہ انچارج در حقیقت اپنے فرائض مکمل طریقے سے پورے نہیں کرتے...... دیکھو کوئی بھی ایسا لفظ کہتے ہوئے میں خاص طور سے یہ بات کہتا ہوں کہ سب ایک جیسے نہیں ہوتے، بہت سے ایسے ہوتے ہیں جو اپنے فرض کے لئے سر کٹا دیتے ہیں، ان بلند قامت انسانوں کو میں سلام کرتا ہوں کہ وہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں غفلت نہیں برتتے، میں ان غفلت برتنے والوں کی بات کر رہا ہوں جو چھوٹی چھوٹی مراعات سے فائدہ اٹھا کر اپنے آپ کو بڑے لوگوں کے ہاتھوں میں بیچ دیتے ہیں اور غریبوں اور ضرورت مندوں کی دادرسی نہیں ہوتی...... اب جبکہ یہ دائرہ کار تم نے اتنا پھیلا دیا ہے تو ضروری نہیں ہے کہ ہم ادھر متوجہ نہ ہوں، کچھ عرصہ قبل کی بات ہے کہ تم نے ایک انتہائی سنسنی خیز کیس میں ہاتھ ڈالا تھا اور ایک ایسے رنگنے سانپ کو گرفتار کیا تھا جس نے ایک دُنیا پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا...... میں یہ سمجھتا ہوں ایسی بہت سی جگہیں ہیں جہاں بڑے بڑے لوگ وحشتیں کر رہے ہیں اور وہاں کی پولیس چوکیاں یا پولیس اسٹیشن ان کی دادرسی نہیں کر رہے، شہر میں تو خیر ایک جال پھیلا ہوا ہے لیکن شہاب ایسی جگہوں پر تھوڑی سی نگاہ رکھنا بڑا ضروری ہے...... کیا خیال ہے تمہارا۔"

"جی سر، آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

"اب شہر میں تو یوں سمجھ لو کہ ایک طرح سے تمہیں اچھی طرح جانا پہچانا جاتا ہے لیکن قرب وجوار کے علاقوں میں میرا خیال ہے کہ تم اپنی اصل حیثیت سے نہیں بلکہ مختلف حیثیت سے ذرا ان تھانوں اور چوکیوں کا جائزہ لو جہاں یہ سب کچھ ہو رہا ہے...... میرا خیال ہے تمہیں بہت سے ایسے کیس مل جائیں گے جنہیں حاصل کرنے کے بعد تم سوچو گے کہ در حقیقت تمہاری توجہ کے مستحق تو وہی لوگ تھے جن کی کوئی دادرسی نہیں ہو رہی۔ وہ اگر اپنے اوپر ہونے والے کسی ظلم کا کسی سے انصاف مانگنا چاہتے ہیں تو انہیں انصاف گھروں تک پہنچنے نہیں دیا جاتا اور ان کے راستے روک دیئے جاتے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ اگر تم ایسی مہم کا آغاز کرو تو یہ مہم صحیح معنوں میں انسانیت کی خدمت ہو گی اور قانون کی خدمت بھی یعنی ان لوگوں پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش جو قانون کو اپنی جیب میں سمجھتے ہیں اور ایسے بے شمار افراد

تمہارے علم میں آ چکے ہیں...... میں غلط تو نہیں کہہ رہا...... یہ لفاظی ہے اور نہ چرب زبانی ایسا والے اور تم خود اس کے عینی شاہد ہو۔"

"سر آپ حکم دیجئے۔" شہاب نے متاثر لہجے میں کہا۔ در حقیقت اس بات سے شہاب نے پورا پورا اتفاق کیا تھا۔

"بھئی کوئی بھی جگہ لے لو، اپنی پسند کی...... تمہیں مکمل آزادی ہے...... چاہو تو قرب و جوار کے علاقوں میں نکل سکتے ہو...... میں یہ نہیں کہتا کہ گاؤں، دیہاتوں میں جا کر تم یہ سب کچھ کرو، چھوٹے موٹے شہر بھی ہیں اور بہت سی ایسی جگہیں ہیں جہاں جا کر تم صورت حال کے بارے میں واقفیت حاصل کر سکتے ہو۔"

"ٹھیک ہے سر، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہم کام کرنا چاہتے ہیں لیکن اس میں آپ کی رہنمائی بعض اوقات مشعل راہ ہوتی ہے۔"

"تم خود بہت اچھے بچے ہو جو میری اتنی عزت کرتے ہو، ڈسپلن اپنی جگہ قاعدے قانون کے مطابق احکامات اور ان کی تعمیل اپنی جگہ لیکن تم لوگ ذاتی طور پر بھی، بس میری زبان سے تعریفیں نہ کرواؤ اپنی۔"

"نہیں سر آپ ہماری تعریف کیجئے، ہمیں اچھا لگتا ہے۔" شہاب نے کہا۔

"تو پھر اس کے لئے ایک ہی بات کہہ سکتا ہوں میں، خدا تم دونوں کی عمریں دراز کرے تاکہ تم مظلوموں کی دادرسی کر سکو۔"

"سر پھر ہمیں اجازت ہے کہ ہم قرب وجوار کا جائزہ لیتے رہیں۔"

"نہ صرف اجازت بلکہ مکمل طور پر اختیار ہے تمہیں اور یہ اختیار براہ راست مجھ سے تعلق رکھتا ہے۔"

"بہت بہتر جناب، بے حد شکریہ" بینا نے بعد میں شہاب سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"پتا نہیں تم زیادہ چالاک ہو شہاب یا نادر حیات صاحب۔" شہاب نے مسکراتی نگاہوں سے بینا کو دیکھا اور بولا۔

"کیوں...... یہ کس سلسلے میں کہا جا رہا ہے۔"

"یا تو تم نادر حیات صاحب کو بلیک میل کرنے کے لئے گھر سے بھاگ جانے کی دھمکی دیتے ہو، یعنی منشیات کے سمگلروں کے چکر میں باہر جانے کی یا پھر نادر حیات صاحب زیادہ

ذہین ہیں کہ تمہاری اس خواہش کو ایک ایسی پسندیدہ شکل میں ڈھال دیتے ہیں کہ جر
خود بھی متفق ہو جاؤ۔" شہاب پر خیال انداز میں مسکرانے لگا تھا، پھر اس نے آہستہ سے کہا
"نہیں بینا...... نادر حیات صاحب بہت نفیس انسان ہیں...... میں افسروں کی
احترام تو کرتا ہوں، ڈسپلن کی پابندی بھی مجھے پسند ہے لیکن بعض شخصیتیں ذاتی پسند
رکھتی ہیں اور نادر حیات صاحب اس سلسلے میں مجھے ذاتی طور پر ہی پسند ہیں، بے حد
کرتا ہوں میں ان کا اور ان کے احکامات کی پابندی فرض سمجھتا ہوں، ویسے واقعی ایک ب
مشورہ دیا ہے، کیا خیال ہے نقشہ پھیلاتے ہیں، جگہوں کا انتخاب کرتے ہیں اور پھر با
نکلتے ہیں، جاسوسی کی مہم پر۔" شہاب نے کہا اور بینا مسکرانے لگی۔

چونکہ نادر حیات صاحب نے انہیں اس سلسلے میں اشارہ دے دیا تھا...... اس لئے تیاریاں شروع ہو گئیں اور دوسرے دن پھر باقاعدہ اس سلسلے میں فیصلہ کیا جانے لگا کہ ان لوگوں کو اپنی اس مہم کی تلاش کے سلسلے میں کہاں جانا ہے...... نقشہ سامنے رکھا گیا اور جہاں سب سے پہلی نگاہ بینا کی نقشے پر پڑی وہ حاضر پور نامی ایک جگہ تھی، بینا نے حاضر پور پر انگلی رکھی اور پھر شہاب کی طرف دیکھ کر بولی۔

"حاضر پور گئے ہیں کبھی آپ۔" شہاب نے دلچسپی سے نقشے پر لکھے اس نام کو دیکھا اور اس کے بعد اس کے جائے وقوع کا جائزہ لینے لگا پھر بولا۔

"اتفاق کی بات یہ ہے کہ پہلے کبھی نہیں گیا ویسے سنا ہے اس کے بارے میں۔"

"بس نجانے کیوں حاضر پور ہی میں حاضری دینے کو دل چاہتا ہے، ویسے سنا ہے اس کے بارے میں؟"

"ایک قدیم شہر ہے جسے جدت کے ساتھ آباد کیا گیا ہے، پہلے ریاستی علاقہ کہلاتا تھا اور اب بھی وہاں قدیم ریاستوں کے کچھ آثار موجود ہیں...... انگریزوں کے زمانے میں نواب حاضر پور کو بڑی مراعات ملی تھیں، لیکن حاضر پور کے رہنے والے اس نوابی خاندان کو آج بھی ناپسند کرتے ہیں، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ ان کے اور اس نوابی خاندان کے درمیان ایک فاصلہ ہے اور وہ نوابی خاندان سے دُور رہتے ہیں۔"

"عمدہ جگہ نہ ہوئی۔"

"یقیناً ہو گی...... ظاہر ہے محترمہ نے اس کا انتخاب فرمایا ہے۔"

"نہیں واقعی، پہلی بات تو یہ کہ وہاں ہمارا کوئی جاننے والا نہیں ہے اور ہمیں اس سلسلے

میں کافی دلچسپیوں کا سامنا کرنا پڑے گا، یوں کرتے ہیں کہ حاضر پور بذریعہ ٹرین چلتے ہیں
میں صورت حال اگر کچھ اور ہوئی تو دیکھا جائے گا...... ڈبل او گینگ کے افراد کو بلالیں گے
"اور اس کے بعد حاضر پور میں ایک ڈیری فارم بنائیں گے ،ور وہاں گائے بھینسیں
پالیں گے...... کیا خیال ہے۔" شہاب نے کہا اور بینا ہنس پڑی، پھر بولی۔
"نہیں میرا مطلب ہے کہ تھوڑی سی تفریح ہی سہی، ذرا دلچسپ طریقہ کار اختیار
کریں گے۔"
"پہلے تو اس کے جائے وقوع کو دیکھنا پڑے گا۔"
"اب جو کچھ بھی ہے لیکن بہر حال رہے گا دلچسپ۔" اس کے بعد دونوں تیار
کرنے لگے...... شہاب نے گھر والوں کو بتادیا تھا کہ وہ کچھ عرصے کے لئے ڈیوٹی پر باہر جا
ہیں...... شہاب کے اہل خاندان ان کی مصروفیات سے اچھی طرح واقف تھے اور ظاہر
اس میں خلل اندازی نہیں کرتے تھے...... تیاریاں مکمل ہوئیں اور اس کے بعد حاضر پو
بارے میں مزید معلومات حاصل کرلی گئیں...... نادر حیات صاحب کو اس بارے میں ا
دی گئی اور انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"حاضر پور تو بہت خوبصورت جگہ ہے، اگر تم پہلے وہاں نہیں گئے تو تعجب کی بات
اچھا خاصا بڑا قصبہ ہے...... کچھ عرصے پہلے وہاں کافی ترقیاتی کام بھی ہوئے ہیں...... اصل
حکومت وہاں کچھ صنعتیں لگانا چاہتی تھی، لیکن جن ترقی یافتہ ملکوں کی وجہ سے وہا
صنعتوں کا آغاز کیا جارہا تھا ان سے بعد میں کچھ معاہدوں میں گڑ بڑ ہوگئی جس کی وجہ سے
وہاں ان صنعتوں کا آغاز نہیں ہوا ہے...... بات چیت چل رہی ہے، لیکن ان صنعتو
خیال سے وہاں بڑی اعلیٰ قسم کی سڑکیں سٹیٹ گیسٹ ہاؤس اور ایسی ہی دوسری جگہیں
گئی ہیں، ویسے چھوٹے موٹے ہوٹل بھی ہیں لیکن اگر تم سٹیٹ گیسٹ ہاؤس میں رہنا
تمہارے لئے بندوبست کیا جاسکتا ہے۔"
"محکمہ ٹورازم نے وہاں کوئی انتظام نہیں کیا ہے۔"
"نہیں...... اصل میں ایسی کوئی چیز ان علاقوں میں نہیں ہے جو سیاحوں کے لئے
دلچسپی ہو اور وہاں ٹورسٹ جانا پسند کریں، لیکن یہ سٹیٹ گیسٹ ہاؤس تمہیں رہائش
مل سکتے ہیں۔"

"اصل میں ہم کسی سرکاری حیثیت سے وہاں نہیں جانا چاہتے۔"
"نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے، اکثر یہ ہوتا ہے کہ وہاں جانے والے لوگ یہاں
ے اجازت نامہ حاصل کرتے ہیں اور وہاں انہیں قیام کے لئے جگہ مل جاتی ہے...... بعض
یسٹ ہاؤس ایسے ہیں جو یونہی بالکل خالی پڑے ہوئے ہیں اور وہاں بس ایک چوکیدار ہوتا ہے
وان کی دیکھ بھال کرلیتا ہے...... شہری آبادی سے فاصلے پر بھی نہیں ہیں۔"
"اگر کوئی بندوبست ہوسکتا ہے تو ٹھیک ہے۔"
"بالکل ہوجائے گا، بائی روڈ جاؤ گے۔"
"جائیں گے تو بائی روڈ لیکن اپنی کار سے نہیں بلکہ ٹرین سے۔"
"گویا پورا پورا لطف اٹھانے کا ارادہ رکھتے ہو۔"
"لطف بھی اور کام بھی۔" پھر اس کے بعد ٹرین کا یہ سفر انہیں خاصا دلچسپ محسوس
وا تھا...... بینا بہت خوش تھی اور اس وقت کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ جوڑا جو ٹرین کے
ام کمپارٹمنٹ میں سفر کررہا ہے...... سپیشل پولیس کے اتنے بڑے عہدیدار ہوں گے۔ وہ
یک صاف ستھری طبیعت کا حسین جوڑا محسوس ہوتا تھا...... وہ حاضر پور کے ریلوے اسٹیشن پر
پہنچ گئے...... ریلوے اسٹیشن کو ابھی کوئی خاص ترقی نہیں دی گئی تھی، لیکن حاضر پور ایک
رسبز وشاداب قصبہ نظر آتا تھا، خاص طور سے اسے ناریل کا شہر کہا جاسکتا تھا یا ناریل کا قصبہ
دھر بھی نگاہ جاتی ناریل ہی ناریل نظر آتے اس کا تذکرہ نادر حیات صاحب نے نہیں کیا تھا
ہ یہاں ملک بھر میں ناریلوں کی پیداوار سب سے زیادہ ہوتی ہے...... بہر حال قصبے کی اپنی
کل وصورت برقرار تھی، حالانکہ اسے چھوٹا سا قصبہ نہیں کہا جاسکتا تھا، دیکھنے ہی سے اندازہ
وتا تھا کہ اچھا خاصا شہر آباد ہوگیا ہے...... اونچی اونچی عمارتیں تو نہیں تھیں، پھر بھی کہیں
ہیں تین تین منزلہ عمارتیں نظر آجاتی تھیں...... اسٹیشن سے باہر چوڑی اور شفاف سڑک
بچھی ہوئی تھی جس کے دونوں جانب عمارتیں بنی ہوئی تھیں...... چھوٹے چھوٹے ہوٹل بھی
تھے...... یہ اندازہ البتہ ہوجاتا تھا کہ مستقبل میں اسے ایک صنعتی شہر کا درجہ دینے کے لئے
نتظامات تقریباً مکمل ہیں...... بہر حال یہ لوگ ایک تانگے کے قریب پہنچ گئے، چھوٹے
چھوٹے آٹو رکشا بھی موجود تھے، ٹیکسیوں کا البتہ کہیں پتا نہ تھا لیکن بینا کی خواہش پر ایک تانگا
منتخب کیا گیا تھا...... تانگے والا کافی خوش مزاج معلوم ہوتا تھا، دبلے پتلے بدن کا مالک لیکن

مونچھیں اتنی بڑی رکھی ہوئی تھیں کہ آدھا چہرہ ان مونچھوں میں ہی چھپ گیا تھا، بڑی خوش مزاجی سے بولا۔

"تشریف لایئے جناب! جہاں جانا ہے مجھے بتایئے گا...... خادم آپ کی خدمت کر کے خوشی محسوس کرے گا۔" شہاب نے دلچسپ نگاہوں سے بینا کو دیکھا اور بینا نے شہاب کو! شہاب نے کہا۔

"چلو...... یہ تمہیں راستے میں بتادیں گے کہ کہاں جانا ہے، لیکن تم نے جس انداز میں ہمارا استقبال کیا ہے بس اسی نے تمہیں ہمارا دوست بنادیا۔"

"میرا نام عالم ہے جناب، اصل میں علم تو بہت بڑی چیز ہے اور میں نے سنا ہے علم حصول کے بعد ہی انسان عالم بنتا ہے لیکن مجھے میرے ماں باپ عالم بنا گئے ہیں۔ پہلے تو کوئی خیال نہیں تھا، لیکن جب لوگوں نے مجھے میرے نام کے معنی بتائے تو میں نے اتنا ضر کیا کہ پڑھے لکھے لوگوں میں بیٹھنا شروع کر دیا اور پھر ان سے کم از کم ادب آداب سیکھ لئے اب آپ کے یہ عالم صاحب انسان کو دیکھ کر اس سے اس کی زبان میں نماز پڑھنا سیکھ ہیں۔ آپ لوگ شہری ہیں اندازہ ہو گیا ہے اس لئے ہم نے آپ سے آپ ہی کے انداز گفتگو کی۔"

"بھئی واہ، لطف آ گیا...... اچھا چلو عالم، اب یہ بتاؤ کہ یہاں سٹیٹ گیسٹ ہاؤس کہ ہیں؟"

"ایک علاقہ ہے جناب! ہری پورہ کہلاتا ہے زیادہ فاصلہ نہیں ہے یہاں سے، وہاں کا لیکن وہ سٹیٹ گیسٹ ہاؤس جو ہیں نا کیا آپ وہیں قیام کریں گے؟"

"کیوں، تمہارا کیا خیال ہے؟"

"نہیں صاحب جی، بس ایسے ہی پوچھ لیا تھا آس پاس کوئی انتظام نہیں ہے، وہاں آپ مستقل تانگا تیار رکھئے ورنہ کافی دور پیدل چل کر آپ کو سواری مل سکتی ہے۔ اصل ابھی وہ سٹیٹ گیسٹ ہاؤس استعمال ہی نہیں ہوتے۔"

"آس پاس کا علاقہ کیسا ہے؟"

"اچھا ہے مگر سنسان ہے ادھر ہی چلنا ہے کیا۔"

"ہاں...... ادھر ہی چلو۔" سٹیٹ گیسٹ ہاؤس کا ایک چھوٹا سا آفس بنا ہوا تھا اس

میں ایک منشی ٹائپ کی چیز موجود تھی، گول مٹول سی اور عجیب و غریب شخصیت کی مالک، جب یہ دونوں تانگے سے اترے اور اندر گئے تو اس نے برابر رکھی ہوئی ٹوپی سر پر رکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں جی، بولو جی، کیا ہے جی۔"

"یہ ایک کاغذ ہے جی اگر آپ دیکھنا پسند کریں۔"

"دیکھو جی، فری ہونے کی کوشش نہ کرو جی، ہمارا نام عبدالکریم ہے۔"

"ٹھیک ہے عبدالکریم جی، بالکل فری نہیں ہو رہے جی آپ یہ کاغذ دیکھ لیجئے جی۔"

عبدالکریم نے پھر انہیں گھورا جیب سے ایک چشمہ نکالا، اسے آنکھوں پر لگایا پھر برا سا منہ بنا کر اسے رکھتے ہوئے بولا۔

"دونوں شیشے گھس کر ستیاناس ہو گئے ہیں...... کیا ہے اس کاغذ میں آپ خود ہی بتادو۔"

"عینک کیوں نہیں بدلوا لیتے عبدالکریم جی۔"

"مشورہ مت دو جی، کیا ہے اس کاغذ میں۔"

"گیسٹ ہاؤس نمبر بارہ ہمیں الاٹ کیا گیا ہے۔"

"تو پھر میں کیا کروں؟"

"آپ اس علاقے کے انچارج ہیں۔" شہاب نے کہا اور منشی جی ٹائپ کی چیز ایک دم سے اکڑ گئی۔

"ہاں جی...... ہیں جی تو پھر۔"

"میرا مطلب ہے آپ ہی ہمیں وہاں تک پہنچائیں گے، ویسے ظاہر تو یہ ہوتا ہے کہ یہاں صفائی وغیرہ کا کوئی انتظام نہیں ہے۔"

"وہ ہے سامنے نمبر بارہ، وہ بالکل سامنے جا کر دیکھ لیں جی، حکومت جتنے پیسے خرچ کرتی ہے اتنا کام ہو جاتا ہے، اس سے زیادہ کام ہونا مشکل ہے جی آپ آیئے ہمارے ساتھ۔"

"ٹھیک ہے چلئے۔" واقعی اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ گیسٹ ہاؤس جو پانچ کمروں پر مشتمل تھا بالکل صاف ستھرا بھی تھا، بستر بھی پڑے ہوئے تھے، چادریں وغیرہ البتہ اس پر میلی سی بچھی ہوئی تھیں، باہر چھوٹا سا باغیچہ بھی تھا، پانی کا انتظام بھی تھا، باتھ روم بھی صاف ستھرے تھے، ایسی کوئی بات نہیں تھی جس سے یہ احساس ہوتا کہ وہ کوئی گندی جگہ ہے...... شہاب نے عبدالکریم صاحب کو ایک معقول رقم دیتے ہوئے کہا۔

”اب اگر آپ کے پاس کوئی چپڑاسی وغیرہ ہے عبدالکریم صاحب تو ہمارے لئے کھانے پینے کی چیزوں کا انتظام کرادیجئے۔“

”کتنے عرصے کا قیام ہے جی؟“ عبدالکریم نے اپنے مخصوص انداز میں پوچھا۔

”اب یہ تو نہیں کہہ سکتے۔“

”اصل میں چوکیداری بھی ہمیں کرتے ہیں باقی سارے کام بھی ہمیں کرتے ہیں...... سودا سلف بھی ہم ہی لادیں گے، آپ فکر نہ کریں اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو ہمیں بتادیجئے۔“

”بس یہ اگر بستر وغیرہ کا انتظام معقول ہو جاتا تو۔“

”جی وہ ہو جائے گا آپ اس کی پروانہ کریں...... پیسے سے دُنیا کا ہر کام ہو جاتا ہے...... نہ مانئے جی، ایک نوکرانی آجائے گی صفائی ستھرائی کرنے کے لئے بس اسے کچھ دے دیں گے، ویسے کتنے دن تک آپ یہاں رہیں گے؟“

”کہانا خاصے دن ہو جائیں گے۔“

”بس ٹھیک ہے جی آپ کا اور ہمارا حساب کتاب تو چلتا ہی رہے گا، پر کہاں سے آئے ہیں جی۔“

”کیا مطلب؟“ شہاب نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

”نن...... نہیں میرا مطلب ہے کوئی اور جگہ نہیں ملی آپ کو، یہاں تو آسانیاں نہیں ہیں زیادہ۔“

”کیا آپ اس طرح یہاں آنے والوں کو بھگا کر اپنی ذمے داریوں سے بچنا چاہتے ہیں عبدالکریم صاحب جی۔“ شہاب بولا۔

”لگالیں لگالیں...... جی لگالیں الزام جی ہم تو شرافت کی بات کر رہے ہیں...... آپ کہہ رہے ہیں آپ اگر ہم پر کوئی الزام لگانا چاہتے ہیں تو لگالیجئے ہم کیا کر سکتے ہیں۔“

”ارے نہیں عبدالکریم جی کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ...... آپ پر بھلا ہم کیا الزام لگائیں گے، آپ تو بہت اچھے انسان معلوم ہوتے ہیں...... اچھا خیر نوکرانی کو صفائی وغیرہ کے لئے لے آیئے اور باقی جو انتظامات آپ کھانے پینے کے لئے کر سکتے ہوں کر دیجئے گا معاف کیجئے گا آپ کو یہاں کوئی آمدنی وغیرہ تو نہیں ہوتی ہوگی۔“

”کیسی آمدنی جی۔“

”میرا مطلب ہے روکھی سوکھی تنخواہ ہی ملتی ہوگی۔“

”نہیں جی سوکھی روکھی تو نہیں ہوتی اچھی خاصی ہوتی ہے ہمارا کام چل جاتا ہے، اوپر کی آمدنی سے آپ کی مراد کوئی بخشش وخشش ہے تو ہاں وہ نہیں ہوتی لیکن جی ضرورت بھی نہیں ہے...... ہمارے آگے پیچھے کون ہے جو تنخواہ ملتی ہے اس سے آرام سے گزارا ہو جاتا ہے، اچھا جی اور کوئی حکم، نوکرانی آجائے گی صفائی ستھرائی کے لئے، باورچی خانہ بھی ہے برتن بھی مل جائیں گے ضرورت کے، سب کام ہو جائے گا، اگر آپ زیادہ دن تک یہاں رکنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو بس ٹھیک ہے۔“ عبدالکریم جی چلے گئے تو بینا کو تانگے والا یاد آگیا۔

”ارے اس غریب کو کیوں کھڑا کر رکھا ہے۔“

”اوہو عالم صاحب، بھی فی الحال تو وہ بڑے کام کا آدمی ہے...... دو کردار ملے ہیں یہاں اور دونوں ہی دلچسپ ہیں، آؤ ذرا اس سے بات کر لیں۔“ پھر بینا اور شہاب نے اشارے سے تانگے والے کو قریب بلایا جو بے چارہ کھڑا ہوا تھا...... وہ تانگا لئے ہوئے گیسٹ ہاؤس پر آگیا۔

”ہاں بھئی عالم صاحب! آپ سے مل کر تو واقعی بہت خوشی ہوئی ہے، ویسے آپ بھی کیا سوچ رہے ہوں گے کہ آپ کو پیسے دیئے بغیر ہم لوگ گھر میں آبیٹھے۔“

”نہیں جناب! ایسی کوئی بات نہیں ہے میں تو آپ کی مزید مدد کے لئے تیار ہوں...... آخر مہمان ہیں آپ، آپ بالکل فکر نہ کیجئے گا جہاں تک میرے پیسوں کا معاملہ ہے تو بس مناسب پیسے دے دیجئے گا، بس کام چل جانا چاہئے باقی سب کچھ گزارہ ہو ہی جاتا ہے حالانکہ اصولی طور پر مجھے آپ سے کچھ نہیں مانگنا چاہئے، لیکن یہ نہ سمجھیں کہ میں آپ سے کوئی رعایت مانگ رہا ہوں، بس ضرورتیں انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتیں...... کم بخت کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑتا ہے۔“

”یقیناً۔“

”ویسے آپ کو کیسا لگا یہ گیسٹ ہاؤس، اصل میں اندر سے میں نے کبھی یہ گیسٹ ہاؤس دیکھا ہی نہیں...... باہر سے جو ویرانہ یہاں نظر آتا ہے اسے دیکھ کر ہی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سرکاری کاموں کی طرح یہ گیسٹ ہاؤس بھی سرکاری نوعیت کے ہی ہوں گے...... معافی چاہتا ہوں جناب آپ بھی سرکاری آدمی ہی ہوں گے، اگر سرکاری آدمی نہ ہوتے تو یہ

گیسٹ ہاؤس آپ کو کہاں سے حاصل ہوتے، برا نہ مانئے گا میری بات کا۔"

"یار تم تو واقعی بڑے عالم فاضل ہو...... آؤ اندر سے دیکھ لو انہیں۔" شہاب نے کہا، نیچے اتر آیا، پھر اس نے بڑے ناقدانہ انداز میں گیسٹ ہاؤس کا جائزہ لیا تھا اور اس کے بعد کہا،

"اصل میں یہ چوکیدار صاحب جو ہیں نا یہ خاصے اچھے انسان معلوم ہوتے ہیں، یہ یہاں انہی کی عمل داری ہے غالباً محنت کی کھانا جانتے ہیں کیونکہ یہ جو سارے کام ہیں بہت اچھے ہیں۔"

"آپ نے بالکل صحیح تبصرہ فرمایا عالم صاحب، اب آپ یہ بتائیے کہ ہم آپ مہمان ہیں آپ ہمیں کتنا وقت دے سکتے ہیں؟"

"جناب عالی! شرمندہ کررہے ہیں آپ، حکم دیجئے صبح و شام یہیں رہیں سمجھئے گا کہ اسامی پھانس رہے ہیں جب آپ نے اپنے آپ کو ہمارا مہمان کہہ دیا تو ہم پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہو جاتی ہیں...... اب ہم یہاں موجود ہیں، رات تک ہیں اس وقت ہیں جب تک آپ ہمیں واپسی کی اجازت نہیں دیں گے۔

"بس تو پھر ٹھیک ہے یوں سمجھ لیجئے کہ آپ کی اور ہماری میزبانی اور مہمانی پکی۔"

"ٹھیک ہے جناب! ٹھیک ہے..... ہو گئی ہے۔" عالم نے کہا اور اس کے بعد وہ گ ہاؤس سے باہر نکل گیا...... بینا چاروں طرف کا جائزہ لے رہی تھی، پھر اس نے کہا۔

"ایسی جگہوں پر زیادہ عرصہ نہیں رہا جا سکتا لیکن ایک تصور میرے ذہن میں آرہا ہے

"کیا؟"

"اصل میں لوگ غلط سلط فیصلے کر لیا کرتے ہیں...... سچ بتانا شہاب مذاق نہیں وعدہ کرو۔"

"ارے...... ارے...... یہ پریشانی کیوں لاحق ہوگئی، کوئی ایسی بات کہ ہیں آپ جس کا مذاق اُڑایا جا سکے۔"

"ہاں بات ذرا حماقت کی ہے لیکن انسان اپنی سوچ کا اظہار کرتا ہی ہے۔"

"تو اظہار فرمائیے گا۔"

"لوگ ہنی مون منانے کے لئے نجانے کہاں کہاں جھک مارتے پھرتے ہیں کہتی ہوں ایسی کسی قدرتی جگہ آئیں یہاں زندگی کا جو سکون حاصل ہوتا ہے وہ کہ

حاصل نہیں ہو سکتا، ہر چند کہ یہ جگہیں عارضی قیام کے لئے ہی بہتر ہوتی ہیں اور یہاں کسی طرح بھی مستقل قیام کے بارے میں نہیں سوچا جا سکتا، لیکن بہرحال ہیں بہت عمدہ جگہیں اور یہاں زندگی بہت پرسکون اور پرکشش ہو سکتی ہے۔"

"ہاں بینا اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بعض جگہیں روح سے ہم آہنگ محسوس ہوتی ہیں اور یوں لگتا ہے رُوح سے ان کا گہرا تعلق ہے...... اصل میں انسان اپنے بارے میں کچھ نہیں جانتا، کون جانے کس کا خمیر کہاں کی مٹی سے اُٹھا ہے...... یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی جگہ ہمیں خود بخود پیاری لگنے لگے اور اس سے ایک لگاوٹ کا سا احساس ہو اور اس بات کے امکانات بھی ہوتے ہیں کہ اسی جگہ سے ہماری تکمیل کے لئے مٹی حاصل کی گئی ہو، ہیں تو آخر مٹی کی مخلوق نا۔"

"اچھی لگی نا تمہیں یہ جگہ۔"

"واقعی بہت پرسکون ہے۔"

"مگر ہم بے سکون ہیں۔" بینا بولی۔

"ارے وہ کیوں؟"

"نہیں میرا مطلب ہے کہ ہم یہاں تخریب کاری کے لئے آئے ہیں اور اس تخریب کاری کا آغاز ہمیں بہت جلد کرنا ہے۔" شہاب ہنسنے لگا تھا...... پھر کچھ دیر تک خاموشی طاری رہی، بینا گیسٹ ہاؤس کے دوسرے کمروں کی جانب متوجہ ہوگئی تھی، تقریباً سارے ہی انتظامات کئے گئے تھے یہاں اور سب کچھ بہت ٹھیک تھا، خاص طور سے یہ دونوں افراد یعنی عبدالکریم جی اور یہ عالم فاضل، دونوں بے حد شاندار تھے...... بینا نے کہا۔

"کھانے پینے کا انتظام بجائے اس کے کہ عبدالکریم جی سے کرایا جائے باہر جا کر دیکھتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے...... تھکن تو نہیں ہوئی ٹرین کے سفر سے۔"

"ارے صاحب...... آپ کہیں ساتھ ہوں اور تھکن ہو جائے۔"

بینا نے کہا اور پھر دونوں باہر نکل آئے...... عالم تانگے سے کچھ فاصلے پر زمین پر بیٹھا پتھر سے لکیریں کھینچ رہا تھا، انہیں دیکھ کر جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

"جی کہئے۔"

"آؤ چلیں.... اپنا شہر تو دکھاؤ عالم۔" شہاب نے کہا۔

"چلیئے، تھکے تو نہیں ہیں نا آپ۔"

"نہیں با تں۔" پھر یہ دونوں تانگے میں بیٹھ کر عبدالکریم کی رہائش گاہ پہنچے تو وہاں لگا ہوا تھا۔

"ارے یہ عبدالکریم جی کہاں بھاگ گئے؟"

"میرا خیال ہے انتظامات وغیرہ کرنے گئے ہوں گے...... آپ نے کچھ پیسے دیے تھے انہیں۔"

"ہاں۔"

"بس تو جو کچھ آپ نے کہا ہو گا وہی کرنے گئے ہوں گے۔"

"جانتے ہو انہیں۔"

"نہیں ہم نہیں جانتے۔" عالم نے کہا اس کے بعد یہ لوگ تانگے میں بیٹھ کر سڑک پر نکل آئے اور علاقے کا جائزہ لیا جانے لگا، اس میں کوئی شک نہیں کہ حاضر پور اپنی نوعیت کسی حد تک منفرد قصبہ تھا اور وہاں کے طرز زندگی میں ایک اجنبیت سی پائی جاتی تھی...... ت کاروبار تھے یہاں، یہ اندازہ بھی بہت جلد ہو گیا کہ ناریل کے بالوں کو صاف کیا جا رہا تھا۔ کوٹ کوٹ کر انہیں صاف ستھرا کر کے غالباً فرنیچر وغیرہ کی بھرائی کے لئے استعمال کیا جا تھا...... بہرحال لوگ بھی سادہ لوح ہی معلوم ہوتے تھے...... عالم سے شہاب نے سوال کیا۔

"عالم صاحب یہاں پولیس اسٹیشن کتنے ہیں؟"

"جج...... جی۔" عالم نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں، میرا مطلب ہے یہاں حاضر پور میں جرائم وغیرہ ہوتے ہیں کیا۔" عالم نے ا لمحے تک سوچا پھر بولا۔

"اصل میں جناب جرم کی ابتداء نجانے کہاں سے ہو گئی تھی...... ہابیل اور قابیل پھر کوے والا معاملہ تو آپ کے علم میں ہو گا ہی...... جرائم کہاں نہیں ہوتے یہاں؟ ہوتے ہیں۔"

"زیادہ ہوتے ہیں۔"

"نہیں...... آبادی کے لحاظ سے بس ٹھیک ٹھاک ہی ہیں۔" عالم نے اس انداز سے

بینا کو ہنسی آگئی۔

"گویا تم یہاں ہونے والے جرائم سے مطمئن ہو۔" عالم بھی مسکرانے لگا پھر بولا۔

"کبھی کبھی زبان کا استعمال غلط بھی ہو جاتا ہے، لیکن آپ یقین کریں بعض جگہ تو اہل زبان بھی بے بس ہو جاتے ہوں گے کہ کسی سوال کے جواب میں مناسب جملہ کون سا ہو سکتا ہے...... خیر، میں یہ کہہ رہا تھا کہ جرائم ہوتے ہیں ویسے پولیس اسٹیشن ایک ہی ہے...... ہاں، سرحدوں پر چھوٹی چھوٹی دو تین چوکیاں بنا دی گئی ہیں، تھوڑے تھوڑے فاصلے پر لیکن یہاں سے کافی فاصلہ ہے۔"

"شہر کا پولیس اسٹیشن کون سا ہے؟"

"آپ تو ہمیں ڈرا رہے ہیں...... چلنا ہے کیا اس طرف۔"

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے، پولیس اسٹیشن کے سامنے سے گزر کر اس کی صورت دکھا دو۔"

"عجیب خواہش ہے لوگ تو لاحول پڑھا کرتے ہیں، آپ اس عمارت کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار کر رہے ہیں...... چلیئے صاحب ہمیں کیا۔" اور پھر ایک وسیع و عریض عمارت کے سامنے سے گزرتے ہوئے عالم نے کہا۔

"یہ ہے وہ جگہ جہاں کے بارے میں اللہ سے دعا کی جاتی ہے کہ اللہ اس دروازے سے گزرنے کی سزا نہ دے۔"

"یہاں کی پولیس عام لوگوں کو پریشان کرتی ہے، میرا مطلب ہے بھتہ وغیرہ وصول کرنے کے لئے۔"

"نہیں، ابھی تک ہمارے ساتھ تو ایسا واقعہ پیش نہیں آیا...... اللہ کا فضل ہے۔" اس کے بعد عالم اپنے تانگے میں حاضر پور کی سیر کراتا رہا، یہاں تک کہ شام ہو گئی اور پھر بینا اور شہاب نے واپسی کی فرمائش کی تو عالم نے انہیں گیسٹ ہاؤس پہنچایا...... عبدالکریم صاحب دوڑے دوڑے چلے آئے تھے اور آنے کے بعد انہوں نے اپنی کارکردگی کا اظہار کیا۔ رات ہو گئی، کھانے وغیرہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اس ویران سے گیسٹ ہاؤس میں رات گزارنے کا تصور ہی بڑا خوبصورت تھا، بات اصل میں مزاج کی ہوتی ہے...... بینا اور شہاب دونوں ہی ایڈونچر پسند تھے اور جس پروگرام کے تحت وہ دونوں یہاں آئے تھے وہ مزید

دلچسپ تھا...... وہ تھانے کی عمارت دیکھ چکے تھے، حاضر پور کے اطراف کا جائزہ بھی لے چکے تھے، رات کے کسی حصے میں بارش شروع ہوگئی اور بارش کی چھم چھم کی آواز سے ان کی آنکھ کھل گئی، ٹھنڈی ہواؤں کے ساتھ بارش کی پھواریں کسی طرف سے اندر داخل ہو رہی تھیں، ایک کھڑکی کا پٹ کھلا رہ گیا تھا، لیکن اسے بند نہیں کیا گیا بلکہ ان پھواروں سے لطف اُٹھایا گیا، پھر دوسری صبح عبدالکریم صاحب نے جو ناشتا پیش کیا وہ اپنی مثال آپ تھا۔ باجرے کی روٹی، مکھن اور گاڑھا دودھ، کہنے لگے۔

"صاحب جی شہری بابو جو کچھ کھاتے ہیں وہ بھی ہمیں معلوم ہے اور سب کچھ مل ہو سکتا ہے مگر یہ ہم نے خاص طور سے تیار کرایا ہے...... خالص مکھن ہے، بڑی مشکل سے لے کر آئے ہیں ہم۔"

"بارش بند ہوگئی۔"

"بادل تو کالے کالے چھائے ہوئے ہیں صاحب۔"

"ہوں، بہت عمدہ ناشتا ہے عبدالکریم۔" اس کے بعد تقریباً دو تین گھنٹے گزر گئے تھے...... عالم تانگا لے کر آگیا اور اس کے بعد بادلوں کی چھاؤں میں یہ لوگ شہر کے نظارے کرتے رہے...... حاضر پور کے اطراف بھی سرسبز و شاداب تھے، زیادہ تر کھیت لگے ہوئے تھے، ایک آدھ باغ بھی نظر آیا تھا جہاں سبز پتوں میں اورنج کینو لگے ہوئے تھے...... کینوؤں کا موسم تھا...... بہرحال شام تک خوب تفریح رہی، پھر شہاب نے طے کیا کہ آج ذرا حاضر پور کے تھانہ انچارج سے مل لیا جائے اس کے لئے ایک منصوبہ بندی کرلی گئی اور شہاب نے عالم سے کہا۔

"عالم صاحب اب آپ ہمیں تھانے کے گیٹ پر اتار دیجئے۔"

عالم کا منہ ایک بار پھر حیرت سے کھل گیا تھا۔

"صاحب بہت سوچا ہم نے آپ کے بارے میں مگر قسم کھاتے ہیں کہ کچھ سمجھ نہ پائے، کل بھی ہم نے یہی کہا تھا کہ لوگ تو دعائیں مانگتے ہیں کہ اللہ تھانے کا منہ نہ دکھائے اور آپ کو تھانہ تھانہ سوجھا ہے...... آپ کی مرضی ہے ہم انتظار کریں۔"

"نہیں...... تم جانا چاہو تو چلے جاؤ...... ہم نے راستہ دیکھ لیا ہے اور موسم بھی بہت اچھا ہے، موقع ہوا تو پیدل ہی نکل جائیں گے، فاصلہ بھی زیادہ نہیں ہے۔"

"آپ کی مرضی ہے جی۔" عالم نے کہا اور شہاب اور بینا تانگے سے اُتر گئے...... عالم دوسرے دن آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا تھا...... بادل بدستور تھے، بارش رات کے بعد سے اب تک نہیں ہوئی تھی، اس لئے سڑکیں تو خشک ہوگئی تھیں لیکن موسم کا بھیگا بھیگا پن برقرار تھا اور اس بھیگے بھیگے پن میں بڑی خوشگوار کیفیت رچی ہوئی تھی...... تھانے کی وسیع و عریض عمارت کے احاطے میں دو تین گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں...... پولیس کی موٹر سائیکلیں بھی تھیں، سپاہی نظر آرہے تھے، کام معمول کے مطابق جاری تھا، سامنے ہی آفس کا بورڈ لگا ہوا تھا، ایک چوڑی راہداری تھی جس کی سیڑھیاں عبور کر کے داہنے ہاتھ پر تھانہ انچارج صاحب کا کمرا تھا، بائیں ہاتھ پر دور تک وسیع و عریض دفتر اور اختتام پر غالباً لاک اپ بنے ہوئے تھے...... تھانیدار کے کمرے کے برابر تھے، ڈرائنگ روم بھی تھا...... بہرحال جب ان لوگوں نے سیڑھیاں طے کیں تو راہداری کی بینچوں پر انہیں ایک نوجوان بیٹھا ہوا نظر آیا...... انیس یا بیس سال کی عمر تھی اور ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی تھیں، لباس میلا کچیلا سا تھا، بال بکھرے ہوئے تھے، آنکھوں میں خوف کی ایک کیفیت منجمد تھی...... صاف ظاہر ہوتا تھا کہ تھانے سے تعلق نہیں ہے...... پھر شہاب اور بینا انچارج کے دروازے پر پہنچے تو دروازے پر کھڑے اردلی نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے صاحب منہ اٹھائے اندر چلے آرہے ہیں آپ، پوچھ گچھ بھی کرنا ہوتی ہے کسی سے...... کس سے ملنا ہے۔" اسکا لہجہ بڑا سخت تھا۔

"وہ حوالدار صاحب انچارج صاحب سے ملنا ہے۔"

"تو ہم سے بات کریں نا۔" حوالدار صاحب نے کہا۔

"اچھا تو آپ انچارج صاحب ہیں۔"

"نہیں جی انچارج صاحب تو نہیں ہیں مگر آپ اپنا نام بتاؤ، ہم اندر سے اجازت لے کر آئیں۔"

"کوئی بیٹھا ہوا ہے انچارج صاحب کے پاس۔"

"کوئی نہیں بیٹھا ہوا چائے پی رہے ہیں وہ۔"

"تو آپ ہٹ جائیے...... تھانہ انچارج ہیں وہ وزیراعظم تو نہیں ہیں۔" شہاب نے کہا اور اندر داخل ہوگیا۔

"ارے ارے کیا کیا۔" لیکن شہاب اور بینا اندر داخل ہو گئے تھے...... تھانہ انچارج صاحب ذرا روایتی شکل وصورت کے آدمی تھے، خوب بھاری بدن، توند نکلی ہوئی، وردی شک پہنے ہوئے تھے...... چائے کے برتن سامنے سجے ہوئے تھے...... کرسی پر جھول رہے تھے اور مدہم مدہم گنگنانے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"اے ابر کرم آج اتنا برس، اتنا برس کہ وہ جا نہ سکے" اور جب یہ دونوں اندر داخل ہوئے تو انچارج صاحب کا گانا درمیان میں رُک گیا، کرخت نگاہوں سے انہیں گھورا...... پھر شاید شکل وصورت اور لباس سے تھوڑے مرعوب ہوئے اور اس کے بعد بولے۔

"آپ لوگوں کو اجازت لے کر اندر آنا چاہئے تھا، چلئے آ ہی گئے ہیں تو بیٹھئے، کیا بات ہے، کیا ہو گیا بھئی۔"

"وہ سر جی یہ تو بڑے بدتمیز لوگ ہیں، کہنے لگے تھانہ انچارج صاحب سے ملنے آئے ہیں وزیراعظم سے نہیں...... میں نے روکا تھا تو رُکے نہیں گھسے چلے آئے۔"

"ہوں...... ٹھیک ہے...... تم جاؤ انہیں وزیراعظم سے بھی ملوا دیں گے۔

تھانہ انچارج نے طنزیہ انداز میں کہا اور پھر شہاب کو گھورتے ہوئے بولا۔

"ہاں بھئی کیا بات ہے، کیسے آنا ہوا۔"

"وہ دراصل سر ہم شہر سے آئے ہیں۔"

"لگ رہے ہو لگ رہے ہو، شہر کے لوگ اپنے آپ کو کچھ زیادہ ہی شہری سمجھتے ہیں، حالانکہ تمیز نام کو نہیں ہوتی...... خیر چھوڑو ان باتوں کو، کیسے آنا ہوا۔"

"حضور ہم یہاں سرکاری گیسٹ ہاؤس میں آکر ٹھہر گئے تھے۔"

"ایں...... سرکاری گیسٹ ہاؤس میں، سرکار کے ملازم ہو کیا۔"

"نہیں حضور بس ایسے ہی تھوڑی سی جان پہچان تھی اجازت نامہ حاصل کر لیا ہے سرکاری گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرنے کا۔"

"کس سے اجازت نام حاصل کر لیا ہے بھئی، تمہیں معلوم ہے گورنمنٹ کی پراپرٹی استعمال کرنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔"

"جناب ہم نے پوری طرح اجازت حاصل کرنے کے بعد قیام کیا ہے وہاں۔"

"اجازت نامہ تو ہو گا تمہارے پاس۔"

"اسی سلسلے میں تو حاضر ہوئے ہیں آپ کے پاس۔"

"کیا مطلب؟"

"جناب عالی! کسی نے ہمارا پرس نکال لیا ہے...... بیس ہزار روپے بھی تھے اس میں، شناختی کارڈ اور دوسری تمام چیزیں بھی تھیں، اس کی رپورٹ درج کرانے آئے ہیں آپ کے پاس۔"

"اور تم شہری ہو، ایں، پڑھے لکھوں جیسی شکل بنا رکھی ہے...... تھوڑا بہت پڑھا لکھا بھی ہے یا یہ بس سوٹ شوٹ پہن کر ٹائی لگا کر اپنے آپ کو شہری بابو سمجھ لیا...... تمہیں پتا ہے رپورٹیں کہاں لکھوائی جاسکتی ہیں...... وہ سامنے محرر کا آفس ہے وہاں جانا چاہئے تھا تمہیں۔"

"لیکن انچارج صاحب ہمارے ساتھ جو مشکل پیش آئی ہے اس میں ہمیں آپ کی خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔"

"سامان کہاں رکھا ہوا ہے تمہارا۔"

"مختصر سا سامان گیسٹ ہاؤس میں رکھا ہوا ہے۔"

"سامان میں کتنے پیسے ہیں؟" انچارج صاحب نے پوچھا۔

"یہی تو پریشانی ہے جناب پرس میں کوئی بیس ہزار روپے تھے جو جیب تراش کے ہتھے چڑھ گئے، ہم تو پریشان ہو گئے ہیں۔"

"جس شخص کی جیب میں پیسے نہ ہوں پریشانی تو اس کا مقدر ہوتی ہی ہے...... اس جیب تراش کی جیب میں بھی پیسے نہیں ہوں گے...... اس نے اپنی پریشانی کا حل نکال لیا...... آپ اپنی پریشانی کا کیا حل نکالو گے جی اب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ پولیس آپ کو ٹکٹ کے پیسے دے کر ریل میں بٹھائے اور کہے کہ گھر جائیے، پولیس کو ملتا ہی کیا ہے...... لیجئے بیس ہزار گنوانے کے بعد پولیس اسٹیشن آئے ہیں۔"

"مگر انچارج صاحب آپ جیب تراش کو تلاش کرنے میں ہماری مدد تو کر سکتے ہیں نا۔"

"ہاں ہاں...... وہ تو اپنا پتا یہاں لکھوا کر گیا ہے ناں کہ میں جا رہا ہوں ایک بابو صاحب کی جیب کاٹنے، یار آپ لوگ نجانے کیسی عقل رکھتے ہو...... کیسی باتیں کرتے ہو...... آپ کی کوئی بات میری سمجھ میں آتی نہیں...... جائیے رپورٹ لکھوا دیجئے تفتیش ہو جائے گی۔"

اچانک ہی اردلی کی آواز سنائی دی۔ وہ کسی کو ڈانٹ رہا تھا اور پھر وہی انیس بیس سالہ لڑکا دوڑتا

ہوا اندر گھس آیا۔

"صاحب جی! خدا کے لئے میری مدد کیجئے...... صاحب جی وہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے...... صاحب جی مجھے مار دیں گے وہ، ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے جی دو بندوں کو تھانے کے گیٹ کے سامنے سے گزرتے ہوئے دیکھا ہے...... صاحب جی وہ انہی کے آدمی ہیں...... صاحب جی آپ کو اللہ کا واسطہ میری زندگی بچا لیجئے صاحب جی...... میرا کوئی قصور نہیں ہے صاحب جی۔"

"اوئے میں نے تجھ سے کہا تھا باہر بیٹھ...... ابھی دوسرے کام نمٹانے ہیں۔"

"کب سے تو بیٹھا ہوں صاحب جی، صاحب جی اگر مجھے اپنی زندگی کا خطرہ نہ ہوتا تو میں آپ کے پاس نہ آتا۔"

"اوئے ہوئے اوئے ہوئے...... اب زندگیاں بچانے کا ٹھیکہ ہمارے پاس تو نہیں ہے...... یار تم لوگ پولیس کو پتا نہیں کیا سمجھتے ہو...... ہم بھی انسان کے بچے ہیں، ایسا کر کل آ جانا ہمارے پاس دیکھیں گے تفتیش کریں گے...... معلومات کریں گے تیرے دشمنوں کے بارے میں، کیا سمجھا۔"

"صاحب جی آپ ایسا کریں مجھے لاک اپ میں بند کر دیں...... صاحب جی میری زندگی سخت خطرے میں ہے...... میرے پاس اور کوئی سہارا نہیں ہے صاحب، میں جس طرح یہاں تک آیا ہوں صاحب جی آپ سوچ بھی نہیں سکتے...... مار ڈالیں گے وہ قسم کھاتا ہوں...... وہ مجھے مار ڈالیں گے...... زندگی ختم ہو جائے گی میری جی، میں مرنا نہیں چاہتا۔"

"ہوں...... تو موت کے فرشتے سے بات کر لیں ہم کہ بھائی اس کی روح قبض نہ کر اسے کل تک نہیں مرنا چاہئے...... او میاں کیوں دماغ خراب کرتا ہے ہمارا، لاک اپ میں کس خوشی میں بند کر دیں تجھے، رات کا کھانا اور صبح کا ناشتا بھی دینا پڑے گا تجھے اور تجھے پتا ہے حکومت فنڈ کتنا دیتی ہے...... او جا میاں نکل جا یہاں سے کل آ جانا، کل آ جانا...... کل بات کریں گے تجھ سے۔"

"صاحب جی آپ میری بات تو سنئے جو کچھ میں آپ کو بتا چکا ہوں۔"

"جو کچھ تو مجھے بتا چکا ہے نا وہ تیری چمڑی ادھیڑنے کے لئے کافی ہے...... اب اتنی دیر سے کہہ رہا ہوں تجھ سے صاف صاف کہ بھاگ لے یہاں سے جن بڑے لوگوں کا تو نام

رہا ہے وہ کتنے بڑے لوگ ہیں اس کا تجھے اندازہ ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے صاحب جی لیکن آپ یہ سوچئے، آپ میری بات تو سن لیں۔"

"اوئے یار رحیم خان! کہاں مر گیا...... اسے اٹھا کر باہر پھینک، کمال کرتا ہے تو دماغ خراب کئے جا رہا ہے ادھر...... انہیں دیکھو بیس ہزار گم کرنے کے بعد ہمارے پاس آئے ہیں...... یار آج کا دن تو سارے کا سارا چوپٹ ہو گیا۔"

"دیکھئے صاحب جی، میں جا رہا ہوں لیکن آپ یقین کیجئے مجھے مار دیا جائے گا...... وہ لوگ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے...... وہ یہاں تک میرا پیچھا کرتے ہوئے آئے ہیں...... میں آپ کو جو کچھ بتا چکا ہوں آپ کو اس کا اندازہ نہیں ہے صاحب جی۔" اتنی دیر میں ایس آئی دو کانسٹیبلوں کے ساتھ آ گیا۔

"یہ ابھی تک بیٹھا ہوا ہے۔"

"سر آپ نے کہا تھا باہر بیٹھ۔"

"اسے نکالو، کل آئے تو میرے سامنے پیش کرنا۔"

"چل بھئی چل اٹھ۔" ایس آئی نے اس کا گریبان پکڑتے ہوئے کہا اور لڑکا رونے لگا۔

"ٹھیک ہے جی، اب جو قسمت میں لکھا ہے وہی ہو گا کیا کر سکتے ہیں ہم۔" اور اس کے بعد ایس آئی اسے دبوچتے ہوئے باہر لے گیا...... شہاب اور بینا ایک دوسرے کی صورت دیکھ رہے تھے، بینا نے کہا۔

"دیکھئے انچارج صاحب پولیس تو عوام کی خدمت گار ہوتی ہے...... آپ انہی لوگوں کے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہیں جو آپ پر پورا پورا اعتماد کرتے ہیں۔"

"بی بی کسی کالج میں لیکچرار ہو؟" انچارج صاحب نے بڑے سنجیدہ انداز میں پوچھا۔

"نہیں...... بس ایک شریف شہری ہوں، ٹیکس دیتی ہوں گورنمنٹ کو اور یہ بھی جانتی ہوں کہ عوام کے حقوق کیا ہیں۔"

"گورنمنٹ کو ٹیکس دیتی ہو۔"

"جی بالکل دیتی ہوں۔" بینا بولی۔

"ہمیں کیا دیتی ہو، یہ بتاؤ۔"

"گورنمنٹ کو جو ٹیکس دیا جاتا ہے اسی سے آپ لوگوں کو تنخواہیں ملتی ہیں۔"

"کتنی تنخواہیں ملتی ہیں یہ بتاؤ۔" انچارج صاحب تفریح لینے کے موڈ میں تھے۔

"اپنی تنخواہ تو خیر آپ ہی بتا سکتے ہیں۔"

"بی بی عورت سے اس کی عمر اور مرد سے اس کی تنخواہ نہیں پوچھتے، لیکن پولیس والو
سے تم ان کی تنخواہ پوچھ رہی ہو...... ساری دُنیا جانتی ہے کہ چوبیس گھنٹے کی ڈیوٹی کا ہمیں کیا مط
ہے...... ہم تمہیں حساب دینے بیٹھیں کیوں...... ہم یہ کہتے ہیں کہ سارے پیسے پرس میں
ایک جگہ کیوں رکھے تھے تم لوگوں نے، تھوڑے بہت کسی کو لینے دینے کے لئے بھی بچا رکھے
ہوتے...... سارے کے سارے پیسے لٹا دینے کے بعد یہاں آئے ہو۔"

"انچارج صاحب آپ حاضر پور کے مالک ہیں...... آپ کو پتا ہوگا کہ وہ جیب تراش
کون ہے...... آپ اسے پکڑوا لیجئے دعائیں دیں گے آپ کو۔"

"خالی دعائیں ہمیں دو گے اور بیس ہزار روپے اسے دے آئے...... او میاں جاؤ، جا
سامنے بتا تو دیا تمہیں...... رپورٹ درج کرا دو محرر کے پاس دیکھیں گے سوچیں گے...... کل آ
شام کو ہمارے پاس، بندوں کو بھیجیں گے اگر کوئی ہاتھ لگ گیا تو پکڑوا لیں گے اسے اور اگر تمہار
بٹوہ مل گیا تو دلوا دیں گے تمہیں...... چلو پھوٹو...... یار ساری چائے ٹھنڈی کروادی...... او بھا
رحیم خان...... حیم خان اب یہ چائے لے جا یہاں سے اور سن نوکری پر رہنا ہے یا آرام کر
ہے...... بغیر پوچھے اب کسی کو مت اندر آنے دینا...... اچھا صاحب خدا حافظ کہیں آپ کو۔"

"آپ کی مرضی ہے انچارج صاحب۔" شہاب نے کہا اور بینا کو اشارہ کر کے اپنی جگ
سے اُٹھ گیا، پھر وہ کمرے سے باہر نکل آئے اور شہاب نے گہری سانس لے کر کہا۔

"خدا کی قسم! ایسے لوگوں کو کچھ کہنے کے لئے الفاظ بھی تو نہیں ملتے۔" بینا خاموشی
گردن ہلانے لگی تھی...... باہر آنے کے بعد انہوں نے دُور دُور تک نگاہیں دوڑائیں اور ا
کے بعد وہاں سے چل پڑے...... نجانے کیوں ان کے ذہنوں پر ایک افسردگی سی چھا گئی تھ
نوجوان لڑکے کا انداز ان لوگوں کو بڑا عجیب محسوس ہوا تھا...... باہر آ کر شہاب نے ایک اے
آئی سے اس لڑکے کے بارے میں پوچھا۔

"ابھی ایک لڑکا یہاں بیٹھا ہوا تھا تھوڑی دیر پہلے گیا ہے بتا سکتے ہو کس طرف گیا؟"

"دائیں بائیں یا آگے پیچھے کہیں نہ کہیں گیا ہوگا صاحب...... جانے والوں کو بھلا
پوچھتا ہے۔" ایس آئی نے اپنی دانست میں مذاق کیا اور شہاب گہری سانس لے کر وہاں

نکل آیا اور اس کے بعد وہ ٹہلتے ہوئے گیسٹ ہاؤس پہنچے تھے اور عبدالکریم ان کی خدمت کے
لئے موجود تھا...... عبدالکریم کو بھی ایسے مہمان بہت کم ملے ہوں گے جو بات بات میں اس کا
خیال رکھتے تھے اور اسے اتنا کچھ دیتے رہتے تھے کہ وہ سوچتا تھا کہ یا تو یہ لوگ پاگل ہیں یا
ضرورت سے زیادہ دولت منداور دولت کی کوئی قدر نہیں کرتے...... بہر حال یہ سارا سلسلہ
چلتا رہا...... شہاب کچھ اُلجھا ہوا سا تھا، بینا نے اس سے اس بارے میں پوچھا تو شہاب کہنے لگا۔

"اصل میں بینا اس شخص کی میرا مطلب ہے اس لڑکے کی شخصیت نے مجھ پر بڑا اثر ڈالا
ہے، اسے اپنی زندگی کا خطرہ تھا وہ کہہ رہا تھا کہ وہ لوگ اسے قتل کر دیں گے، اسے لاک اپ
میں ہی ڈال دیا جائے اور انچارج نے اسے بھگا دیا تھا...... نجانے کیوں بینا مجھے یہ احساس ہو رہا
ہے کہ تھوڑی سی غلطی مجھ سے ہو گئی۔"

"کیا؟"

"ہمیں فوری طور پر اسے پناہ دینی چاہئے تھی اور کچھ نہ ہوتا تو اسے اپنے ساتھ گیسٹ
ہاؤس ہی لے آتے، اس سے کچھ معلومات حاصل کرتے، کبھی کبھی ایسی اہم باتیں ذہن سے
نکل جاتی ہیں کہ بعد میں ان کا شدید افسوس ہوتا ہے...... کہیں اس بیچارے کو واقعی کوئی
نقصان نہ پہنچ جائے۔" بینا پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگی پھر بولی۔

"واقعی ہمیں یہ کرنا چاہئے تھا لیکن بروقت نہیں سوجھی لیکن شہاب کیا خیال ہے انچارج
نے اسے عادتاً نظر انداز کیا ہے یا پھر اس کی بات کو توجہ نہ دینے کی کوئی خاص وجہ ہو سکتی ہے۔"

"خاص وجہ۔" شہاب نے بینا کو دیکھا۔

"ہو سکتا ہے وہ پہلے انچارج کو اس بارے میں کچھ بتا چکا ہو۔" شہاب سوچ میں ڈوب گیا
تھا لیکن بہر حال وقت گزر چکا تھا اور اس گزرے ہوئے وقت میں لکیر پیٹنے سے کوئی فائدہ
نہیں تھا، لڑکا پتا نہیں بے چارہ کہاں چلا گیا، لیکن بہر حال تھوڑا بہت انچارج کو اس کے بارے
میں معلوم ہوگا ہی، بینا بھی غالباً اسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی اس نے کہا۔

"ویسے ہم انچارج کو مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ ہمیں یہ بتائے کہ لڑکے کے ساتھ اس نے
یہ سلوک کیوں کیا اور وہ کس کے خلاف کوئی بات انچارج کو بتانا چاہتا تھا۔"

"میرا خیال ہے اس سلسلے میں ہمیں ابھی مکمل خاموشی اختیار کرنی چاہئے، انچارج کو تو
ہم جب چاہیں ہوش میں لا سکتے ہیں، لیکن ذرا سا دیکھنا پڑے گا...... بات اسی لڑکے کی نہیں

ہے بلکہ یہ انچارج صاحب یقینی طور پر یہاں حاضر پور میں غائب رہتے ہیں، میرا مطلب ہے کام وام نہیں کرتے یہ ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے۔"

"ہوں۔" پھر اس کے بعد افسوس کرنے کے سوا کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا، لیکن ذہن میں ایک کرید لگی ہوئی تھی...... صبح کو عالم صاحب معہ اپنے تانگے کے تشریف لے آئے۔

"دیکھئے صاحب ایک بات کہیں آپ سے۔" عالم نے کہا۔

"جی جی فرمائیے...... آئیے ناشتا تیار ہے۔" شہاب بولا۔

"صاحب ناشتا تو ضرور کریں گے آپ کے ساتھ چھوٹے آدمیوں کو منہ لگانے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے...... ہم سر چڑھ گئے ہیں آپ کے لیکن زبیدہ سے بات ہوئی تھی آپ کے بارے میں وہ پیچھے پڑی ہوئی ہے کہ مہمانوں کو ایک وقت کا کھانا ضرور کھلواؤ، صاحب بڑی بات نہیں کرتے آپ کو ایسا کھانا کھلائیں گے کہ آپ بھی کیا یاد کریں گے۔"

"کھانا ضرور کھائیں گے عالم تمہارے ہاں...... اب ناشتا تو کرو وہاں یہ کیا بات کی تم نے کہ چھوٹے آدمیوں کو سر چڑھانے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے، عمر تو تمہاری اچھی خاصی ہے، اب ایسے بچے بھی نہیں ہو پھر چھوٹے آدمی کہاں سے ہو گئے۔" عالم ہنسنے لگا تھا پھر بولا۔

"صاحب بڑے افسوس میں ہیں ہم۔"

"کیوں خیریت، کیا ہوا۔"

"صاحب ایک بندہ مر گیا ہے...... کسی گاڑی نے ایسا کچلا ہے کہ دیکھے نہیں دیکھا جا رہا...... لاش زمین سے چپک کر رہ گئی ہے۔"

"اوہو کیسے کچلا گیا؟"

"پتا نہیں صاحب صبح ہم نے تانگا نکالا تھا...... اصل میں ایک دو سواری اُٹھا لیا کرتے ہیں پتا تو چل ہی گیا ہے ہمیں کہ آپ لوگ کس وقت یہاں سے نکلتے ہو، ہم سوچتے ہیں پچاس کما ہی لیں کچھ دیہاڑی بن جائے تو اچھا ہے لیکن صبح کو ہم نے وہ لاش دیکھی صاحب چہرہ بچ گیا تھا اور بس یہی برا ہوا تھا، اتنی معصومیت تھی اس کے چہرے پر کہ آپ کو بتا نہیں سکتے...... اٹھارہ انیس سال کا لڑکا تھا، یہ تھا صاحب کہ گاڑی نہیں بلکہ کوئی رولر اس پر پھر گیا ہو ایسے ہی لاش چپکی ہوئی تھی۔"

"کس جگہ کا واقعہ ہے؟"

"بس جی وہ آپ جو تھانے کے پاس اترے تھے ناں وہاں سے کچھ فاصلے پر یہ ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔" دفعتاً ہی شہاب اور بینا کے بدن میں جھرجھری سی آ گئی، انہیں ایک دم وہ لڑکا یاد آ گیا تھا اور نجانے کیوں دل دھک سے ہو گیا تھا، کہیں مارے جانے والا مظلوم وہ لڑکا ہی نہ ہو...... شہاب اور بینا نے ایک ساتھ ایک دوسرے کی جانب دیکھا، پھر شہاب نے کہا۔

"عالم تمہارے خیال میں یہ حادثہ کب ہوا ہوگا؟"

"نہیں صاحب لاش تو اس وقت تک وہیں پڑی ہوئی تھی...... اصل میں ایک بات اور بتائیں آپ کو تھانے سے جو سیدھی سڑک آتی ہے ناں وہ لاش اس سڑک پر نہیں تھی، بلکہ تھانے سے ایک راستہ آگے بھی جاتا ہے اور آگے جا کر یہ سڑک کچی سڑک میں بدل جاتی ہے اور یہ کچی سڑک جاتی ہے راؤ نگر، راؤ نگر یہاں سے کوئی چار کوس کے فاصلے پر ہے اور راؤ نگر پر صرف وہی گاڑیاں چلتی ہیں جو رانی وغیرہ کی ہوں یا حویلی راؤ نگر سے آتی جاتی ہوں، کیونکہ اس طرف سے باقاعدہ گاڑیاں نہیں آتیں...... یقینی طور پر وہ راؤ نگر آنے جانے والی کسی گاڑی ہی سے کچلا گیا ہے۔"

"راؤ نگر یہاں سے چار کوس کے فاصلے پر ہے۔"

"ہاں جی...... اتنا ہی فاصلہ ہوگا اس کا، اصل میں کبھی کبھی راؤ نگر کی کوئی سواری مل جاتی ہے تو ہم چلے جاتے ہیں۔"

"یہ راؤ نگر ہے کیا چیز؟"

"صاحب جی آبادی ہے...... انسانوں کا شہر ہے اور کیا ہو سکتا ہے۔" عالم نے بتایا۔

"نہیں میرا مطلب ہے کہ کتنی آبادی ہے وہاں کی؟"

"چھوٹی جگہ ہے رانی راؤ نگر جی بڑی رعب داب والی عورت ہیں اور صاحب بڑی شان ہے ان کی ایک بات کہیں ہم، دیکھیں لڑکے کی لاش اسی سڑک پر پائی گئی ہے جو راؤ نگر جاتی ہے اور گاڑیاں اس پر سے گزری ہیں...... اس سڑک پر تو اول صاحب جی اتنی گاڑیاں جاتی نہیں ہیں اور جاتی بھی ہیں تو صرف رانی صاحبہ کی ہوتی ہیں کسی اور کی نہیں ہوتیں۔"

"عالم لاش اُٹھوا دی گئی ہے۔"

"یہ تو پتا نہیں ہے صاحب، اٹھوا دی گئی ہوگی، ہم تو بس سڑک سے اس طرف گئے تھے

لوگ وہاں جمع تھے...... ہم سے دیکھا نہیں گیا، ساری آنتیں، اوجھڑی باہر نکلی پڑی تھیں
ٹانگوں کی ہڈیاں تک اس طرح چپک گئی تھیں کہ جیسے ہڈیاں ہی نہ ہوں۔"

"ہمیں وہاں لے چلو گے۔"

"آپ بھی کمال کے لوگ ہیں جناب، پتا نہیں آپ ہیں کیا چیز، آپ کی مرضی ہے اگر
آپ کو ایسا ہی شوق ہے تو چلئے ہم لئے چلتے ہیں۔"

"بینا ہری اپ۔" شہاب نے کہا، پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ تانگے میں بیٹھے اس طرف
جارہے تھے...... تھانے کی عمارت سے کوئی ایک کلومیٹر کے فاصلے پر یہ سڑک نیچے اترتی تھی
اور لاش کا جو معاملہ تھا وہ بالکل الگ ہی تھا...... یہ لوگ مین روڈ پر ہی اتر گئے، لاش غالباً اٹھا لی
گئی تھی۔ اب وہاں لوگ موجود نہیں تھے لیکن دو سپاہی وہاں پہرے پر موجود تھے اور اس جگہ
اینٹیں لگا دی گئی تھیں اور سائیڈ سے راستہ نکال دیا گیا تھا...... شہاب اور بینا نیچے اتر کر پیدل
چل پڑے، دونوں سپاہیوں نے کرخت نگاہوں سے انہیں دیکھا، پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"کیا بات ہے صاحب جی...... کیا بات ہے؟"

"وہ سنتری بادشاہ کچھ نہیں بس ایسے ہی معلوم کرنے آگئے، یہاں کوئی حادثہ ہوا ہے۔"

"تو اس میں معلوم کرنے کی کیا بات ہے؟" سنتری بادشاہ نے کہا اور شہاب نے جیب سے
ایک نوٹ نکال لیا...... سنتری نے شہاب کو یہ عمل کرتے ہوئے دیکھا اور اس کا لہجہ بدل گیا۔

"مطلب یہ صاحب جی کہ آپ کے ساتھ بیگم صاحب جی بھی ہیں، ابھی یہاں کی
تصویریں نہیں بنی ہیں...... اصل میں فوٹوگرافر تو چھٹی پر گیا ہوا ہے، بس لاش سڑک پر پڑی
ہوئی تھی۔ اصل میں اِدھر سے رانی صاحبہ کی گاڑیاں گزرتی ہیں ناں اس لئے انچارج صاحب
نے کہا لاش تو اُٹھوا دو کم از کم، فوٹوگرافر بھی آجائے گا انتظام کیا گیا ہے...... یہاں کی کچھ
تصویریں بنالی جائیں اور بس اس کے بعد لاش اُٹھا دی گئی۔"

"اچھا اچھا لاش اس جگہ پڑی ہوئی تھی۔" شہاب نے کہا۔

"ہاں جی...... اس جگہ۔" نوٹ سنتری کے ہاتھ میں منتقل ہو چکا تھا اور اس کا موڈ
بدل گیا تھا...... شہاب نے جھک کر اس جگہ کو دیکھا، خون دُور دُور تک پھیلا ہوا تھا، لیکن ایک
بات جو شہاب نے محسوس کی وہ بہت عجیب تھی، یوں محسوس ہوتا تھا کہ کسی وزنی گاڑی کو بار
بار لاش پر سے گزارا گیا ہے...... خون میں ڈوبے ہوئے ٹائر آگے جا کر بالکل بریکوں کے

انداز میں رُکے تھے اور پھر انہیں واپس ریورس کیا گیا تھا، خون کے نشانات اس بات کی
نشاندہی کرتے تھے اور یہ بات اس بات کا مظہر بھی تھی کہ حادثہ اتفاقیہ نہیں ہے، جانا بوجھا
ہے...... اس شخص کو قتل کیا گیا ہے اور بار بار وہ بھاری گاڑی اس پر سے گزاری گئی ہے......
آگے پیچھے ریورس کر کے تاکہ اس میں زندگی کی رمق باقی نہ رہے، بینا نے آہستہ سے کہا۔

"اگر فوٹوگرافر نہیں تھا اور لاش کی تصویریں اس انداز میں یہاں نہیں بنائی گئی تھیں تو
بعد میں فوٹوگرافر کی کیا ضرورت ہے...... لاش تو اُٹھوائی ہی نہیں جانی چاہئے تھی، جب تک
تصویریں نہ بنالی جاتیں۔"

"آؤ۔" شہاب نے کہا اور ایک دم پلٹ کر بولا۔

"سنتری بادشاہ جی بڑی مہربانی آپ کی ویسے لاش کہاں پہنچائی گئی ہے۔"

"صاحب جی ہسپتال والے ہی آئے تھے گر وہ لاش تھی کہاں، بس کھوپڑی ہی کھوپڑی
باقی رہ گئی ہے باقی بدن تو اللہ معاف کرے۔"

سنتری نے جھرجھری لے کر کہا۔

"ابھی تو وہ ہسپتال ہی میں ہو گی، میرا مطلب ہے پوسٹ مارٹم وغیرہ کے لئے۔"

"وہی والی صاحب کی باتیں، صاحب پوسٹ مارٹم کرنے کے لئے اس میں رہ کیا گیا ہے
آنتیں، اوجھڑیاں تو سب کچل چکی ہیں۔"

"ارے ہاں تم نے بتایا تھا...... چلو خیر، ٹھیک ہے۔"

عالم ان سے کچھ فاصلے پر موجود تھا...... بینا اور شہاب افسردگی کے ساتھ تانگے میں
آبیٹھے، پھر انہوں نے عالم سے کہا۔

"یہاں پولیس کا ہسپتال تو ہو گا۔"

"ہاں جی ہے پولیس ہی کا ہسپتال ہے۔"

"چلو۔"

"کہاں؟"

"پولیس ہسپتال......" عالم نے عجیب سی نگاہوں سے بینا اور شہاب کو دیکھا لیکن اس بار
وہ کچھ بولا نہیں تھا اور اس نے خاموشی سے تانگا آگے بڑھا دیا تھا۔ بہر حال وہ ایک اچھا گائیڈ
بھی تھا...... پولیس ہسپتال کی عمارت بھی زیادہ وسیع نہیں تھی اور ان لوگوں کو اندر داخل

ہونے میں کسی خاص دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا...... استقبالیہ پر ایک پولیس والا ہی موجود تھا جو وردی میں تھا...... شہاب نے اسے سلام کیا تو وہ چونک کر شہاب کو دیکھنے لگا اور بولا۔

"فرماؤ جی۔"

"وہ بس ایک ایکسیڈنٹ ہوا ہے، یہاں لاش لائی گئی ہے سنا ہے بالکل ہی ختم ہو گیا ہے وہ۔"

"وہ اصل میں میں ڈاکٹر ہوں، ہم لوگ ایسے ہی شہر سے آئے ہوئے تھے...... یہ واقعہ سنا لاش دیکھنے کو دل چاہا، ہم نے سوچا ذرا اسی معلومات کریں تو اس طرف نکل آئے...... کیا ہم لاش کی تھوڑی سی جھلک دیکھ سکتے ہیں۔" شہاب نے مٹھی میں دبے ہوئے نوٹ کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا اور کانسٹیبل نے اِدھر اُدھر دیکھ کر نوٹ مٹھی میں دبا لیا اور پھر بولا۔

"میں ابھی بندوبست کرتا ہوں...... ویسے صاحب بیگم صاحبہ کو اگر آپ لاش نہ دکھائیں تو زیادہ اچھا ہے، کچھ نہیں بچا ہے اس میں بس چہرہ اللہ نے بچا لیا ہے۔"

"دیکھنا چاہتا ہوں میں اُسے۔"

"ہاں ہاں ضرور دیکھئے مگر ہم بیگم صاحبہ کے بارے میں کہہ رہے تھے...... اصل میں دیکھا نہیں جا سکتا۔"

"یہ بھی ڈاکٹر ہیں...... ہم لوگوں کا تو رات دن ایسی ہی لاشوں سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔" اسی وقت ایک چپڑاسی ٹائپ کا آدمی جو سادہ لباس میں ملبوس تھا اور غالباً صفائی وغیرہ کام کرتا تھا ادھر آیا تو کانسٹیبل نے اسے آواز دی۔

"او رکھا اِدھر آ...... وہ جو لاش لائی گئی ہے وہ کہاں رکھی ہے۔"

"میں ہی تو رکھ کر آیا ہوں صاحب جی گٹھڑی باندھ دی ہے، اس کی، بس چہرہ باقی۔ باقی بدن لپیٹ دیا گیا ہے...... سنا ہے اس کی تصویریں بنی ہیں یہ اچھی بات ہے صاحب مرنے کے بعد بھی بندے کی فوٹو چھپتی ہے۔"

"چل ذرا صاحب لوگوں کو لاش دکھا دے۔"

"لو، لاش نہ ہوئی تماشا ہو گئی۔"

"تجھ سے جو کچھ کہا گیا ہے وہ کر، بڑے ڈاکٹر صاحب تو نہیں آئے ابھی۔"

"بڑے ڈاکٹر صاحب کب آتے ہیں صاحب جی آپ بھی کمال کی باتیں کرتے ہو" چپڑاسی کانسٹیبل کے منہ لگا تھا پھر اس نے ان دونوں کو دیکھ کر کہا۔

"آیئے صاحب جی دکھائیں آپ کو۔" پھر بینا اور شہاب اس جگہ پہنچ گئے جسے مذاق کے طور پر سرد خانہ کہا جا سکتا تھا، کیونکہ وہاں سردی کی بجائے گرمی تھی، لاش چونکہ پرانی نہیں تھی اور کوئی لاش یہاں موجود نہیں تھی، اس لئے وہاں تعفن بھی نہیں پھیلا تھا اور وہ لاش جو ایک بوری نما گٹھڑی میں لپٹی ہوئی تھی اور اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا دیکھ کر بینا نے سچ مچ آنکھیں بند کر لیں...... شہاب کے جبڑوں کے مسلز اُبھر آئے...... یہ وہی نوجوان لڑکا تھا جسے ایک نگاہ میں دونوں نے اسے پہچان لیا تھا...... چپڑاسی بولا۔

"آیئے صاحب دیکھ لی آپ نے ہماری یہاں ڈیوٹی ہے...... آیئے واپس چلیں۔" بینا اور شہاب افسردگی سے گردن جھکائے وہاں سے واپس پلٹ پڑے تھے، باہر عالم کھڑا ہوا تھا دونوں تانگے میں بیٹھے تو عالم نے کہا۔

"دیکھ لیا صاحب۔"

"ہاں۔"

"اب حکم کریں۔"

"گیسٹ ہاؤس چلو۔" شہاب بولا...... بینا کی طبیعت بھی بہت مضمحل ہو گئی تھی...... گیسٹ ہاؤس پہنچنے کے بعد شہاب نے کہا۔

"عالم تم اطمینان سے کسی درخت کی چھاؤں کے نیچے آرام کرو...... کوئی سواری وغیرہ تو نہیں اٹھانی۔"

"نہیں صاحب جی۔"

"اچھو سنو لو یہ کچھ پیسے رکھ لو کام آئیں گے۔" شہاب نے جیب سے نوٹ نکال کر عالم کو دیتے ہوئے کہا اور عالم نے وہ نوٹ دیکھ کر کہا۔

"بہت زیادہ ہیں صاحب جی بہت زیادہ ہیں، بالکل نہیں لیں گے اتنے، لاٹری نہیں نکلی ہے ہماری...... مہمان آئے ہو وہی بات ہے گھوڑا گھاس سے یاری کرے گا تو کھائے گا کیا، مگر جتنے بنتے ہیں اتنے ہی دو ورنہ عالم بھی انسان کا بچہ ہے، دوبارہ شکل نہیں دیکھو گے ہماری۔"

"اچھا بابا اچھا...... یہ رکھ تو لو...... ایڈوانس سمجھ کر رکھ لو، ابھی تو ہمیں تم سے بہت سے کام لینے ہیں، بعد میں حساب کتاب ہو جائے گا...... بچ جائیں تو واپس کر دینا کم ہو جائیں تو مانگ لینا۔" عالم نے کچھ لمحوں کے لئے سوچا اور اس کے بعد نوٹ جیب میں رکھ لئے...... بینا

اور شہاب افسردگی سے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے، پھر شہاب نے کہا۔

"یقین کرو بینا وہ تھانہ انچارج اس لڑکے کا قاتل ہے...... اتفاق کی بات ہے ہم یہاں آگئے ہیں اور سارا واقعہ ہمارے سامنے ہوا ہے، وہ کہہ رہا تھا کہ اس کی زندگی کو خطرہ ہے لوگ اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے، انچارج نے اس کی بات پر کوئی غور نہیں کیا۔"

"میں تو کہتی ہوں اسے فوراً ہی معطل کر کے اس کے خلاف کیس بناؤ۔" بینا نے کہا۔

"نہیں بینا ابھی نہیں...... ابھی کسی پر ظاہر نہیں کرنا کہ ہماری کیا حیثیت ہے، کام یہ ہے بینا...... اس لڑکے نے ہمیں اپنی جانب متوجہ کر لیا ہے اور اب اس کے قاتلوں کی گرفتاری ہماری ذمے داری بن گئی ہے...... اب اس سلسلے میں کوئی ایسی موثر منصوبہ بندی ہونی چاہئے جس سے ہمیں آگے بڑھنے میں مدد ملے۔" شہاب نے کہا اور بینا گہری سوچ میں ڈوب گئی، کافی دیر غور کرنے کے بعد بینا نے کہا۔

"شہاب۔"

"ہوں۔"

"شہاب ابھی ہم لوگ انچارج پر اپنی شخصیت کو ظاہر نہیں کریں گے۔"

"ٹھیک، آگے کہو۔"

"ہماری معلومات کا ذریعہ یہی شخص بن سکتا ہے، حالانکہ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے شہاب کہ اس قتل میں انچارج کا کوئی دخل ہے لیکن لڑکے نے انچارج کو اس سلسلے میں کچھ نہ کچھ بتایا ضرور ہوگا...... میرا خیال ہے کہ اگر ہم انچارج کو مٹھی میں رکھیں تو عارضی طور پر خاصی معلومات حاصل ہو سکتی ہیں...... بات جہاں تک انچارج کے کردار کی رہی تو یہ تو کوئی نئی بات نہیں ہے، جہاں ہمیں افضال شاہ جیسے فرض شناس اور ذمہ دار لوگ ملتے ہیں وہاں ان کی ضد بھی تو ہونا ضروری ہے...... اب یہ انچارج صاحب کیا چیز ہیں...... میرا خیال ہے کہ فوری طور پر انہیں کوئی ہوا لگنے نہ دی جائے۔" بہرحال دونوں نے اس بات پر اتفاق کیا تھا اور یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ پولیس کی جیپ عبدالکریم کے جھونپڑے کے پاس آکر رکی تھی اور اس وقت کھڑکی سے بینا نے دیکھا تھا کہ انچارج صاحب سب انسپکٹر اور دو کانسٹیبل کے ساتھ نیچے اُترے تھے اور عبدالکریم سے کچھ معلومات کر رہے تھے...... عبدالکریم نے اس گیسٹ ہاؤس کی طرف اشارہ کیا تو بینا جلدی سے شہاب سے بولی۔

"لیجئے مسٹر شہاب! ہمارے معزز مہمان خود آگئے۔"

"کون۔" شہاب چونک کر بولا۔

"انچارج صاحب عبدالکریم سے شاید ہمارے ہی بارے میں باتیں کر رہے ہیں...... جلدی سے لائحہ عمل طے کر لو تاکہ کوئی گڑبڑ نہ ہونے پائے...... بہرحال وہ وردی میں ہیں۔"

"ٹھیک ہے آنے دو لیکن یہ بندہ اس طرف کیسے آیا۔" شہاب نے سوچا اور پھر کھڑکی سے دیکھا...... ادھر انچارج صاحب پوزیشن لئے آگے بڑھ رہے تھے...... مجرموں کو بس وہ گرفتار ہی کرنا چاہتے تھے...... بہرحال شہاب اور بینا اطمینان سے ایک جگہ بیٹھ گئے اور پھر کچھ لمحوں کے بعد دروازے پر زوردار دستک سنائی دی...... بینا دروازے پر پہنچ گئی تھی، پھر اس نے غالباً انچارج صاحب کو خوش آمدید کہا تھا اور انچارج صاحب اندر آگئے تھے...... شہاب نے آگے بڑھ کر انہیں دیکھا اور مسکرا کر بولا۔

"ہیلو انچارج صاحب! آپ اور یہاں ایسا لگتا ہے کہ ہمارے ستارے ایک دوسرے سے کچھ دوستی کر بیٹھے ہوں...... آیئے آیئے، آپ مہمان ہیں ہمارے۔"

"میاں بات سنو...... لوگوں کا خیال ہے میں بڑا ٹیڑھا آدمی ہوں، اس لئے مجھ سے زیادہ بے تکلف ہونے کی کوشش نہ کرو...... شہر سے آئے ہو، کس لئے آئے ہو، کیا کر رہے ہو ذرا کہانی تو سنا دو مجھے۔"

"آپ کو کہانیاں سننے کا بہت شوق معلوم ہوتا ہے انچارج صاحب، آیئے آیئے بیٹھئے آپ کو آپ کی پسند کی ہر کہانی سنا دی جائے گی...... فرمایئے کیسی کہانی سننا چاہتے ہیں آپ۔"

"کل تم کس چکر میں آئے تھے وہاں پر۔"

"چکر تو آپ کو معلوم ہی ہے جناب کہ کیا تھا۔"

"بٹوہ کھو گیا تھا تمہارا۔"

"بس انچارج صاحب نہ پوچھئے آج کل خواتین نے اپنی ذمے داریاں نبھانا چھوڑ دی ہیں...... مردوں کو پریشان کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کرتیں۔"

"میں تم سے خواتین اور مردوں کے معاملات کے بارے میں نہیں پوچھ رہا...... میں تو یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ جب تمہارا بٹوہ گم ہو گیا تو اب تم یہاں کیا کر رہے ہو۔"

"خوشیاں منا رہے ہیں۔" شہاب نے جواب دیا۔

"بٹوہ گم ہو جانے کی۔"

"نہیں...... بٹوہ مل جانے کی۔" شہاب نے کہا اور انسپکٹر صاحب چونک پڑے۔

"مل جانے کی۔"

"جی۔"

"مل گیا تمہارا بٹوہ۔"

"جی۔"

"کیسے؟ کیا جیب تراش خود بٹوہ دے گیا تھا۔"

"وہی تو آپ کو بتا رہے تھے کہ آج کل خواتین اپنی ذمے داریاں پوری کرتیں...... بٹوہ جیب تراش کے پاس نہیں تھا بلکہ بیگم صاحبہ گھر پر ہی رکھ کر بھو تھیں...... میرا مطلب ہے یہاں گیسٹ ہاؤس میں، مل گیا۔"

"اوہو...... پھر تو خوشخبری کی بات ہے۔" انچارج صاحب ہاتھ ملتے ہوئے پھر اپنے ساتھ کھڑے ہوئے لوگوں سے کہنے لگے...... "تم لوگ میرے سر پر کیوں جاؤ باہر انتظار کرو میں آرہا ہوں۔" وہ لوگ باہر نکل گئے تھے...... انچارج صاحب نے

"تو پھر جی ہماری طرف سے بٹوہ مل جانے کی مبارک باد تو قبول کرلو۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

"سوکھا سوکھا شکریہ...... بیس ہزار تھے تمہارے بٹوے میں، پچیس فیصد ہونے چاہئیں۔"

"آپ سے بڑھ کر ہیں...... یہ لیجئے۔" شہاب نے جیب سے پرس نکالا اور بٹو پانچ ہزار کے نوٹ گن کر انچارج صاحب کے حوالے کر دیئے، انچارج صاحب نے سے نوٹ لے کر اپنی پتلون کی جیب میں ٹھونس لئے تھے، پھر انہوں نے کہا۔

"ایک بار پھر ہم آپ کو بٹوہ مل جانے کی مبارک باد دیتے ہیں...... ارے ہاں تھوڑی سی باتیں بھی کرنا تھیں آپ سے۔"

"تو بیٹھیے نا...... آپ تو کھڑے ہوئے ہیں...... ہمیں عجیب سا لگ رہا ہے، بات میں یہ ہے انچارج صاحب کہ بہت کم شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں جو کسی کے ذہن پر اپنا سکتی ہیں...... یہ میری مسز ہیں کہہ رہی تھیں تھانہ انچارج ہو تو کم از کم اسی سٹینڈرڈ کا

شخصیت تو لگتی ہے...... آپ نے ڈانٹ ڈپٹ کر بھگا دیا ہمیں حالانکہ ہم تو آپ کے بارے میں بہت اچھے خیالات لے کر وہاں سے نکلے تھے۔"

"اونہیں بھائی ایسی بات نہیں ہے بی بی...... بات اصل میں یہ ہے کہ ہمارا دماغ بھی تھکا ہوا ہوتا ہے، دن بھر اُلٹے سیدھے لوگوں سے جھگڑے چلتے رہتے ہیں...... لوگ جرم کرتے ہیں، اپنا جرم بھلا کوئی آسانی سے قبول کر سکتا ہے...... اصل میں بات یہ ہے کہ مجرموں کے ساتھ برائیاں کرتے ہوئے ہمارا مزاج ہی بگڑ جاتا ہے اور دیکھیں نا جی سختی نہ کریں تو کون بھلا اپنا جرم قبول کرتا ہے، حالانکہ ہم بھی انسان ہیں۔"

"کیوں نہیں کیوں نہیں ویسے آپ یقین کیجئے انچارج صاحب آپ کی شخصیت بے حد شاندار ہے۔" بینا نے کہا اور کسی خوبصورت عورت کی زبان سے اپنی تعریف سن کر اپنے آپ پر قابو پانے والے لوگ ذرا کم ہی ہوا کرتے ہیں...... انچارج صاحب بھی انہی لوگوں میں سے تھے، خوش ہو گئے، کہنے لگے۔

"وہ آپ لوگوں کو ایک خبر سنانے آیا ہوں...... افسوس تو ہو گا آپ کو، مگر اللہ کی مرضی میں کس کا دخل، کل جب آپ لوگ آئے تھے نا تو آپ نے ایک بندہ دیکھا ہو گا میرے پاس آیا تھا۔"

"کون سا بندہ۔" شہاب نے انجان بن کر پوچھا۔

"وہ جی ایک چھوکرا تھا اٹھارہ انیس سال کا...... پتا نہیں بے چارے کو کیا تکلیف تھی مجھے تو لگتا ہے کسی مرض میں مبتلا تھا...... وہ جو بیٹھا ہوا تھا اور کہہ رہا تھا کہ مجھے بند کر دو۔"

"ارے ہاں...... وہ ایک لڑکا تھا نا کل جسے انچارج صاحب نے بھگا دیا تھا۔"

"وہی وہی۔" انچارج صاحب بولے۔

"تو پھر کیا ہوا؟"

"مر گیا بے چارہ...... کسی گاڑی کے نیچے آکر کچلا گیا...... بڑی بری ہوئی جی اس کے ساتھ، لاش اُٹھوا دی گئی ہے۔"

"اوہو...... اس کا مطلب ہے انچارج صاحب کہ جو کچھ کہہ رہا تھا ٹھیک کہہ رہا تھا۔"

"بات اصل میں یہ ہے جی کہ بندے کو بد فال منہ سے نکالنی ہی نہیں چاہئے...... اب کوئی گاڑی اسے کچل گئی...... میرا تو خیال ہے اس کا دماغ ہی خراب تھا...... مجھے تو وہ ٹھیک لگ

ہی نہیں رہا تھا...... پتا نہیں کس نے بے چارے کو گاڑی کے نیچے دبا دیا...... وہ جی بس بات یہ بھی ہو واقعہ کچھ بھی ہو...... شامت آتی ہے پولیس کی اب ظاہر ہے ہمیں ہی تفتیش کرنی ہو گی...... ویسے آپ کے پاس ہم ایک خاص کام سے حاضر ہوئے تھے۔"

"ارے...... ارے آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں انچارج صاحب...... آپ حکم دیجئے ذمے داری ہے ہماری؟"

"ویسے تو ہم آپ سے یہ معلوم کرنے آئے تھے کہ آپ لوگ کون ہو اور ادھر آپ کا آنا کیسے ہوا...... کام کیا ہے؟ شہر میں کیا کرتے ہو؟ دیکھو نا جی، اب خانہ پری تو کرنی ہی پڑتی ہے...... پر انسان کی شکل سے اندازہ ہو جاتا ہے، باتوں سے پتا چل جاتا ہے کہ کون کیا ہے...... آپ لوگ تو شریف لوگ معلوم ہوتے ہو، ہاں ایک خاص بات ہم آپ کو بتانا چاہتے ہیں...... اس کا ذرا خیال رکھنا۔"

"جی جی انچارج صاحب...... حکم کریں آپ۔" شہاب نے کہا۔

"وہ یار کسی کو بتانا مت کہ لڑکا ہمارے پاس آیا تھا۔"

"ہم کسے بتانے جائیں گے انچارج صاحب، یہاں تو ہم تھوڑے دن کے قیام کے لئے آئے ہیں اور اس کے بعد واپس چلے جائیں گے بھلا...... ہمارا کسی سے کیا واسطہ، کس کو بتانے جا رہے ہیں ہم کہ وہ آپ کے پاس آیا تھا یا نہیں آیا تھا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے خیر پھر بھی انسان کو ہوشیار کر دینا ضروری ہوتا ہے...... بات اصل میں یہ ہے کہ مرنا تو اسے تھا، اب یہ کہ کیا ہوا؟ کیسے ہوا؟ کس نے اس بیچارے کے ساتھ یہ سلوک کیا؟ اس کی تفتیش کرنا پڑے گی، مگر لوگ بس پولیس پر الزام لگا دیا کرتے ہیں کہ پولیس ایسی تو پولیس ویسی ہے، بس ذرا آپ خیال رکھئے گا، یہ بات اپنی زبان سے کبھی نہ نکالئے۔"

"آپ بالکل مطمئن رہیں شہاب نے کہا۔"

"ویسے کتنے دن، آپ کا اِدھر قیام ہے؟"

"اصل میں انچارج صاحب، شہر کے ماحول سے تھکے ہوئے لوگ ہیں، تھوڑا سا وقت گزارنے کے لئے یہاں آ گئے ہیں، ویسے اگر آپ اجازت دیں تو آپ سے ملاقات کی جاتی رہے، بڑے اچھے انسان معلوم ہوتے ہیں آپ۔"

"ہاں، ہاں، ضرور ضرور...... کسی وقت آؤ، ہمارے ساتھ چائے پیو، ابھی تو ہم ذرا

تفتیش میں لگے ہوئے ہیں۔"

"ضرور، آپ بھی کسی وقت ہمارے ساتھ کھانا کھائیے، بے شک یہ ہمارا شہر نہیں ہے، لیکن ادھر بھی ہمیں آپ کی خدمت کر کے خوشی ہو گی۔"

"جب بھی بلاؤ گے، آجائیں گے، وہ کہتے ہیں نا کہ اللہ کی نعمت کو ٹھکرانا نہیں چاہئے...... اور کوئی کسی کو کھانے کی دعوت دے تو فوراً قبول کر لینی چاہئے، جب بلاؤ گے، ہم آجائیں گے۔"

"بیٹھئے کچھ دیر چائے وغیرہ منگواؤں آپ کے لئے۔"

"ارے نہیں، ابھی تو ڈیوٹی پر ہوں۔"

"آپ سے مل کر واقعی ایسی خوشی ہو رہی ہے جیسے کوئی اپنا مل گیا ہو، ویسے انچارج صاحب لڑکے کی موت کا بہت افسوس ہوا، آپ بھی انسان ہیں، آپ کو بھی افسوس ہوا ہو گا۔"

"کیوں نہیں جی، لیکن وہ جو کہتے ہیں نا کہ، ہر ایک کو اس دُنیا سے واپس جانا ہوتا ہے، اب اس بے چارے کا یہی وقت لکھا ہوا تھا، چلا گیا۔"

"مگر تھا کون؟ بتایا نہیں اس نے۔"

"اصل میں آتے ہی شور مچانا شروع کر دیا کہ مجھے بچا لو، مجھے بچا لو، ویسے میرا خیال ہے کہ رانی راؤ نگر کے ہاں کام کرتا تھا وہ۔"

"رانی راؤ نگر؟"

"ہاں۔"

"راؤ نگر کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم۔"

"کمال ہے بھئی، آپ راؤ نگر کے بارے میں کچھ نہیں جانتے کمال ہے بھئی، تھوڑے فاصلے پر یہاں سے رانی صاحبہ کا علاقہ ہے، اور رانی صاحبہ آپ یوں سمجھ لو جی، کہ بہت بڑی شخصیت ہے ان کی، بہت بڑی، آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"خیر، ویسے تو بہت بڑے بڑے لوگ اس دُنیا میں پڑے ہوئے ہیں، لیکن بڑے لوگوں کے بارے میں جان کر خوشی بھی ہوتی ہے۔"

"بڑی سرکار ہے جی، بڑے تعلقات ہیں، منسٹر وغیرہ آیا جایا کرتے ہیں ان کے ہاں رانی صاحبہ بھی بڑی نیک عورت ہیں، غریب لوگوں کو نہ جانے کیا کچھ دیا کرتی ہیں...... ہم پر بھی

بڑی مہربانی ہے جی، بلایا تھا ہمیں بلکہ ہم خود سلام کرنے گئے تھے تو ہمیں بیس ہزار روپے دیئے اور کہا کہ کوئی فکر مت کرنا خادم خان، بس خادموں میں رہنا، کبھی سر پر سوار ہونے کی کوشش مت کرنا، صاحب جی آپ کو تو پتا ہی ہے کہ آج کل کا دور کیسا ہے، سر جھکا کر ہی زندگی ملتی ہے، سر اٹھاؤ تو پھر خود اپنے لئے مصیبتیں خریدو، ویسے سچی بات یہ ہے کہ نوکری کرنا دنیا کا سب سے مشکل کام ہے اور نوکری تو کرنا ہی ہوتی ہے جی، بس کیا بتائیں آپ کو کیسے زندگی گزرتی ہے۔"

"مگر رانی راؤ نگر کے بارے میں پہلے کبھی تفصیلات سننے کو نہیں ملیں اور یہ راجہ صاحب۔" جواب میں خادم خان ہنسنے لگا، پھر بولا۔

"راجہ صاحب کا کوئی پتہ نہیں ہے صاحب۔"

"کیا مطلب؟"

"میرا خیال ہے کہ راجہ صاحب تھے ہی نہیں کبھی۔" خادم خان نے کہا پھر چونک کر بولا۔ "مگر آپ کسی اور کے سامنے مت کہہ دیجئے گا۔"

"مطلب کیا ہوا اس بات کا۔"

"صاحب جی، راجہ صاحب کا کبھی کوئی ذکر سننے میں ہی نہیں آتا...... چلو ٹھیک ہے رانی صاحب بیوہ ہیں، مگر بیوہ کا بھی کوئی نہ کوئی شوہر ہوتا ہے نا۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ......"

"او نہیں جی، خدا سے ڈرو، آپ کو اللہ کا واسطہ، ایسی کوئی اُلٹی سیدھی بات کہہ مت دینا، ہمارا وہ مطلب نہیں جو آپ سمجھ رہے ہو، رانی صاحبہ، بڑی نیک اور بڑی شریف عورت ہیں، آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"ان کے بچے وغیرہ۔" بینا نے سوال کیا اور انچارج صاحب ہنسنے لگے پھر ہنستے ہوئے بولے۔"

"بی بی جی جب راجہ صاحب کا ہی کوئی پتا نہیں ہے تو بچے کیسے...... اچھا جی ہم چلتے منہ سے نکلی بات، پرائی ہوتی ہے بس اتنا کافی ہے، آپ آرام سے رہو جی، پروا کی کوئی نہیں، بس ہم جو کہہ رہے ہیں اس کا خیال رکھنا۔"

"اب آپ اس لڑکے کی موت کی تفتیش کریں گے انچارج صاحب۔"

"خانہ پری تو کرنی ہی پڑے گی جی۔"

"خانہ پری کیوں؟ آپ قاتل کو تلاش کیجئے، اسے گرفتار کریں۔ آخر پتا تو چلے، لڑکے نے کوئی بات تو بتائی ہوگی آپ کو۔"

"وہ بات اصل میں یہ ہے جی کہ قاتل کو ہم کہاں تلاش کریں، کوئی وہ ہمیں بتا کر گیا ہے کہ ہم اسے مارنے جا رہے ہیں، بس جی آپ چھوڑو ان باتوں کو ان میں کیا رکھا ہوا ہے، اصل میں بات یہ ہے صاحب جی کہ ایسے چھوٹے موٹے کام چلتے ہی رہتے ہیں، اب اگر کسی کی موت آئے تو اسے کون روک سکتا ہے، یہ تو اللہ کی مرضی ہے۔"

"ہاں یہ بات تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

"اچھا تو پھر اجازت دو جی، ملاقات ہوتی رہے گی۔" انچارج صاحب نے کہا اور اس کے بعد وہ وہاں سے نکل گئے...... بینا ٹھنڈی سانس لے کر دروازے کی جانب دیکھتی رہ گئی تھی۔

شہاب کے چہرے پر بھی غور و فکر کے آثار تھے، کچھ دیر تک ایک گہری خاموشی طاری رہی، پھر شہاب ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"ویسے تو بینا...... بہت سے جرائم ہوتے ہیں انسان، انسان کی زندگی چھین لیتا ہے، جبکہ اسے یہ حق حاصل نہیں ہے اللہ کے ہاں سے موت کا وقت معین ہوتا ہے، لیکن کچھ بدبخت اپنے آپ کو اس کا گناہگار بنا کر گناہ کر لیتے ہیں، بدنصیب ہوتے ہیں وہ کہ جہنم کے راستے اپناتے ہیں بے شمار ایسے واقعات ہماری نگاہوں کے سامنے آ چکے ہیں، لیکن اس لڑکے کے الفاظ، زندگی کے لئے اس کی تڑپ، اس کی عاجزی اور اس کے بعد اس کی موت، یوں لگتا ہے بینا، جیسے کہ ہم بالکل صحیح جگہ آئے ہیں اب بتاؤ اس سلسلے میں ہمیں کیا کرنا چاہئے، ویسے یہ پولیس انچارج تو اپنی ملازمت کھو بیٹھا ہے اس طرح ایک انسان کی زندگی کو نظر انداز کیا جائے، میں قسم کھاتا ہوں کہ میں اسے اس نوکری پر قائم رہنے نہیں دوں گا، ایسے لوگوں کو سزا ملنی ہی چاہئے۔" شہاب نے کہا۔

"ہاں بالکل، میرا جہاں تک خیال ہے وہ اس وقت ہم لوگوں کو پریشان کرنے آیا تھا، پانچ ہزار روپے اسے مل گئے تو رویہ ہی بدل گیا...... خیر وہ بعد کی چیز ہے، لڑکے کو اپنی زندگی کا خطرہ تھا انچارج نے یہ بھی نہ پوچھا کہ یہ خطرہ کس سے ہے اسے اور اس نے یہ بھی کہا تھا کہ دو آدمی اس کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک آئے ہیں، معلومات کرنا پڑے گی بینا، ویسے کام

جس انداز میں ہو رہا ہے، اس کا بھی تم نے اندازہ لگا لیا ہوگا۔"

"شہاب ویسے یہ جگہ کچھ مخدوش نہیں ہے۔" بینا نے کسی خیال کے تحت کہا۔

"کس طرح؟" شہاب نے پوچھا۔

"ہم یہاں رہ کر وہ سب کچھ کر سکیں گے، میرا مطلب ہے کہ اگر ہمارا کسی سے ٹکراؤ ہوتا ہے تو یہ بڑی غیر محفوظ جگہ ہے۔"

"نہیں، دیکھ لیں گے، یا پھر کوئی اور مناسب جگہ مل جائے گی، حاضر پور چھوٹی جگہ نہیں ہے، کوئی نہ کوئی اور بندوبست بھی کر لیں گے، بلکہ ایسا کرتے ہیں، باہر نکل کر پہلا عمل اس سلسلے میں ہی کر لیتے ہیں کہ اس جگہ کو بھی قائم رکھیں گے اور دوسری کوئی جگہ بھی دیکھ لیں گے۔"

بینا اور شہاب نے اس موضوع پر زیادہ گفتگو نہیں کی تھی، ویسے عالم اس سلسلے میں ان کا معاون ہو سکتا تھا...... نہ جانے کیوں قابل اعتماد لڑکا لگتا تھا، ادھر اچانک ہی شہاب کے ذہن میں ایک خیال بھی آیا تھا...... اس نے مسکراتے ہوئے بینا سے کہا۔

"بینا ہم کیوں نا عالم کے مہمان بن جائیں۔" بینا چونک کر شہاب کو دیکھنے لگی، پھر گردن جھٹک کر کہنے لگی۔

"واقعی بڑی آسان سی بات ہے، کمال ہے، عالم کو اعتماد میں لینا پڑے گا۔"

"اس کی فطرت سے تھوڑا سا اندازہ لگایا ہوگا تم نے۔"

"جو لوگ لالچی نہیں ہوتے اور صرف دولت کی طرف نہیں دیکھتے وہ کھرے اور سچے دوست بھی ثابت ہوتے ہیں، عالم میں یہ بات دیکھی ہے تم نے۔"

"ہاں بالکل۔"

"بڑا اچھا آئیڈیا ہے، بات کر لیں گے اس سے۔" پھر بینا اور شہاب اس بات پر مکمل طور سے متفق ہو گئے تھے۔

عالم سے ملاقات کوئی اہم مسئلہ نہیں تھا...... وہ ایک مستعد نوجوان تھا۔ حاضر پور کی سیر کرتے ہوئے شہاب نے ایک پر فضا مقام پر تانگہ رکوایا اور عالم سے کہا۔

"عالم تم نے اپنے بارے میں ہمیں کچھ نہیں بتایا۔"

"صاب جی ہمارا خیال ہے بتا دیا ہے ہم نے۔"

"لو کمال کرتے ہو اگر تم کچھ بتاتے تو ہمیں یاد نہ ہوتا۔"

"پھر آپ نے پوچھا نہیں ہوگا صاحب جی۔" عالم نے کہا۔

"چلو اب پوچھ لیتے ہیں، کون کون ہے تمہارے گھر میں؟"

عالم نے اپنی عظیم الشان مونچھوں کو مروڑا اور پھر بولا۔ "بس جی زبیدہ ہے اور اللہ کا نام ہے۔"

"زبیدہ کون ہے؟"

"ویسے تو ہمارے چچا کی بیٹی تھی، مگر اب ہماری زوجہ ہے۔"

"شادی شدہ ہو عالم؟" بینا نے پوچھا۔

"ہاں جی۔"

"زبیدہ کیسی طبیعت کی مالک ہے؟"

"وہ جی بات اصل میں یہ ہے کہ آپ کا بڑا ذکر رہتا ہے اس سے، بے وقوف ہے کہتی ہے کہ اس سے آپ کو ملوائیں ہم نے اس سے کہا ہوش میں رہو بی بی، وہ لوگ شہر کے بڑے لوگ ہیں اپنی اوقات بھول جاتی ہو...... ایک تانگے والے کی بیوی ہو تم۔"

"ماں باپ مر چکے ہیں عالم۔"

"ہاں جی بہت عرصہ ہوا۔"

"اور اولاد کوئی نہیں ہے۔"

"اللہ کی مرضی ہے صاحب، ویسے شادی کو ابھی سوا سال ہوا ہے...... بس جی چچا بیمار تھے ان کی بھی اکلوتی لڑکی تھی زبیدہ، بیچارے کی حالت جب زیادہ خراب ہو گئی تو ہمیں بلوایا، چار پڑوسیوں کو بلوایا اور نکاح پڑھوا دیا اور پھر اللہ کو پیارے ہو گئے...... اب سب کچھ ہم ہی ہیں زبیدہ کے اور بس رشتے ناطے دار بھی نہیں ہیں یہاں۔"

"ٹھیک، جس گھر میں رہتے ہو وہ کس کا ہے؟"

"صاحب جی کچھ ایسے ہی حالات تھے اپنا ایک گھر تھا یہاں، مگر ابا کی بیماری میں بک گیا...... ایک منشی صاحب ہیں انہوں نے اپنا گھر دے دیا ہے، دو کمرے ہیں جی چھوٹا سا صحن ہے، ضرورت کی چیزیں ہیں اللہ کا فضل ہے...... منشی صاحب کو سو روپے کرایہ دے دیتے ہیں خوش ہو جاتے ہیں بیچارے خود بھی غریب آدمی ہیں...... ساری عمر نوکریاں کیں، بچوں

کو پڑھایا لکھایا، بچے بڑے ہو گئے تو ایک ایک کر کے منشی صاحب کو چھوڑ کر چلے گئے...... اب منشی صاحب جو ہیں نا بے چارے ایک دوست کے گھر کے سامنے پڑے ہوئے چھپر کے نیچے رہتے ہیں اور اپنا یہ گھر سو روپے کرائے پر اس لئے اٹھا دیا ہے کہ گزر بسر ہو جائے ان کی حالانکہ ہم نے تو کہا تھا کہ منشی جی ایک کمرا خالی ہی پڑا رہتا ہے، آپ اس میں رہئے اور ہم سے سو روپیہ بھی لیتے رہئے، پر ذرا کھرے آدمی ہیں کہنے لگے میاں جب سو روپے میں پورا گھر دیا ہے تو گھر تمہارا ہم کس حساب میں تمہارے پاس پڑے رہیں، بیٹوں نے رکھا نہیں، غیروں کے ہاں نہیں رہیں گے...... بس ٹھیک ہے پھر دوست سے دوستی ہے دل بھی لگ جاتا ہے۔"

"عالم تمہارے پاس ایک کمرا خالی ہے، کچھ دن کے لئے ہمیں دے دو...... اب تم نے اپنا مہمان کہا ہے تو مہمان بنا کر رکھ لو۔" عالم چونک کر شہاب کو دیکھنے لگا پھر بولا۔

"صاحب جی مذاق کر رہے ہیں آپ۔"

"کم از کم یہ مذاق نہیں کر رہے کہ تم تھوڑے دن کے لئے ہمیں اپنا کمرا کرائے پر دے دو۔"

"کرائے پر۔" عالم نے شکایتی انداز میں کہا۔

"یہ تمہاری مرضی ہے۔"

"صاحب یہاں سے اُٹھئے اور سیدھے میرے گھر چلئے...... زبیدہ تو بی بی صاحب کو دیکھ کر خوشی سے پاگل ہو جائے گی، اکیلی مرتی رہتی ہے، شہر والوں کو بڑا پسند کرتی ہے اور نجانے کیا کیا خیالات ان کے بارے میں دل میں رکھتی ہے تو صاحب جی کہنے کا مطلب یہ تھا کہ آپ سیدھے اِدھر چلو۔"

"دیکھو عالم بات اصل میں یہ ہے کہ سرکاری گیسٹ ہاؤس ہمیں الاٹ ہوا ہے ہمیں اپنے پاس رکھنا ہی ہے لیکن تھوڑا بہت وقت تمہارے گھر بھی گزار لیں گے ضرور پڑنے پر۔"

"جیسا آپ پسند کرو جی تو پھر چلیں۔"

"ہاں۔"

"آ جاؤ جی۔" عالم نے بے پناہ خوشی کے عالم میں کہا۔

زبیدہ چھوٹی سی عمر کی لڑکی تھی، ان دونوں کو دیکھ کر سحر زدہ ہو گئی...... شہاب اور

بھی یہ کومل سی معصوم سی لڑکی پسند آئی تھی...... بینا نے اس سے بہت محبت کا سلوک کیا اور جب عالم نے زبیدہ کو بتایا کہ صاحب لوگ کچھ وقت ہمارے یہاں مہمان رہیں تو زبیدہ خوشی سے دیوانی ہو گئی۔

"ہائے میں مر جاؤں...... سچ کہہ رہے ہیں آپ، ہمارے ہاں تو کوئی مہمان آتا ہی نہیں ہے۔"

"مگر ہماری کچھ شرطیں ہوں گی زبیدہ۔" بینا نے کہا۔

"مجھے ساری شرطیں منظور ہیں بی بی صاحب۔"

"بی بی صاحب نہیں، بینا باجی۔" بینا بولی۔

"ہائے میں مر جاؤں بینا باجی۔"

"نہیں تم زندہ رہو زبیدہ، تمہیں تو اپنے مونچھوں والے عالم کے لئے زندہ رہنا ہے۔" بینا مسکرا کر بولی تو زبیدہ کھلکھلا کر ہنس پڑی، پھر عالم کی طرف دیکھ کر بولی۔

"نجانے کیوں اس نے اتنی ساری مونچھیں رکھی ہوئی ہیں۔"

"باؤلی ہے تو، صاحب جی یہ کیا سمجھے گی ان مونچھوں کا راز، بات اصل میں یہ ہے جی کہ بدن تو ہمارا کمزور ہے کوئی رعب نہیں کھاتا مونچھیں دیکھ کر لوگ ذرا غور کر لیتے ہیں کہ کوئی بندہ ہے اور پھر صاحب جی ایک بڑے گر کی بات بتائیں آپ کو، جب سواریاں اسٹیشن پر اترتی ہیں نا اور کہیں جانے کے لئے اپنی پسند کے تانگے کو تلاش کرتی ہیں تو نظر آ جاتے ہیں ہم، ہماری مونچھیں انہیں عجیب لگتی ہیں اور وہ سوچتے ہیں کہ ہم ہیں کیا چیز، بس صاحب جی اس چکر میں ہمارے پاس چلے آتے ہیں اور ہمیں سواری مل جاتی ہے...... سمجھتی نہیں ہے یہ زبیدہ اب اسے اور کیا سمجھائیں۔" شہاب نے ایک زوردار قہقہہ لگایا تھا پھر اس نے کہا تھا۔

"یار واقعی تم تو بہت ذہین آدمی ہو عالم بلکہ واقعی عالم ہو...... کمال ہے کیوں بینا آئیڈیا اچھا ہے نا۔" بہر حال وہ کمرا جو انہیں دیا گیا تھا، اچھا خاصا کشادہ تھا اور عالم نے وہاں فوری طور پر دو چارپائیاں لا کر ڈال دی تھیں جنہیں وہ اپنے کمرے سے لایا تھا...... بینا اور شہاب کو غریب لوگوں کے خلوص کا پورا پورا اندازہ تھا...... صحیح معنوں میں اگر خلوص کا نام لغت میں موجود ہے تو ان غریبوں کے پاس اس کا مفہوم موجود تھا ورنہ بے شمار الفاظ تو اب متروک ہو چکے ہیں، کیونکہ ان کے مفہوم بھی باقی نہیں رہے...... بہر حال زبیدہ نے ان کی جو خاطر مدارات

وغیرہ کی وہ قابل قدر تھی اور بینا اور شہاب اُن سے بہت متاثر ہوئے تھے، لیکن اس مظلو
لڑکے کا مسئلہ بھی ان کے ذہن میں تھا جس کا نام تک بھی انہیں معلوم نہیں تھا کہ وہ کون تھ
کہاں رہتا تھا اور کیا کرتا تھا...... انچارج سے ہی اس سلسلے میں معلومات حاصل ہو س
تھیں...... یوں یہاں تھوڑا سا وقت گزرا، شہاب اور بینا نے آج رات عالم اور زبیدہ ک
ساتھ ہی گزارنے کا فیصلہ کیا تھا اور بارہ ساڑھے بارہ بجے تک دونوں میاں بیوی ان کے پ
بیٹھے شہر کی باتیں کرتے رہے...... شہاب نے عالم سے کہا تھا کہ یہ دونوں چارپائیں ان ک
حوالے کر کے اس نے انہیں شرمندہ کیا ہے تو عالم نے کہا۔

”صاحب جی غریب آدمی کا مذاق مت اُڑاؤ...... یہ سب کچھ کیا ہے۔ بس اسے قبو
کر لو جی ہم سے کچھ نہ کہو۔“ شہاب اور بینا بہت دیر تک ان دونوں میاں بیوی کے جانے ک
بعد انہی کے بارے میں باتیں کرتے رہے تھے، پھر شہاب نے بینا سے کہا۔

”بینا وہ معصوم چہرہ بھولے نہیں بھولتا جو زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا اور اب یہ احسا
ہوتا ہے کہ انچارج کی بجائے ہمیں اس پر توجہ دینی چاہئے تھی، لیکن بہر حال تمہارا اس با
میں کیا خیال ہے۔“

”میں سوچ رہی تھی کہ اس موضوع پر تم سے بات کروں شہاب، ایک بات بتاؤ
جگہ اس کی لاش پائی گئی ہے وہ تو تھانے سے کافی دُور ہے۔“

”ہاں یقیناً۔“ شہاب نے بینا کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”شہاب اس جگہ لاش کے پائے جانے کا مطلب ہے جبکہ لڑکا کہہ رہا تھا کہ ا
تعاقب کرنے والے تھانے کے سامنے سے گزرے ہیں، یعنی اگر انہیں معلوم تھا کہ
تھانے میں بیٹھا ہوا ہے تو وہ تھانے سے زیادہ دُور نہیں گئے ہوں گے، جب لڑکا تھانے سے
نکلا تو انہوں نے اس کے اتنے دُور نکل جانے کا انتظار کیوں کیا، اگر وہ کارروائی کرنا چا
وہیں آس پاس ہی ایسی کارروائی کیوں نہ کر ڈالی۔“

”نہیں، خیر یہ تو آسان سی بات ہے تھانے کے قریب کسی کیس کو کرنے کا مطلب
ہے کہ تھانہ انچارج پوری طرح اس طرف متوجہ ہو جائے اور دو منٹ کے بعد واقع
ہونے کے بعد بھاگ دوڑ شروع ہو جائے، اگر وہ لوگ اس کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں
بھی تھے تو انہیں بہر حال لڑکے کے اتنے دُور تک پہنچ جانے کا انتظار تو کرنا چاہئے تھا۔“

”ٹھیک ہے، اب ایک بات اور۔“

”ہاں، وہ کہو۔“

”وہ اس ذیلی سڑک پر کیوں مڑا جو راؤنگر کی جانب جاتی ہے، اس کا مطلب ہے اِدھر جانے کا کوئی خاص مقصد تھا۔“

”مثلاً کیا ہو سکتا ہے؟“ شہاب نے سوال کیا۔

”ہو سکتا ہے وہ راؤنگر کا رہنے والا ہو۔“

”ہاں، ہو بھی سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب اس نے اپنے تعاقب کرنے والوں کو اپنے پیچھے آتے دیکھا تو راؤنگر جانے والی سڑک پر دوڑ لگا دی۔ وہاں اسے زیادہ، میرا مطلب ہے اس کے قاتلوں کو زیادہ آسانی ہو گئی۔“

”سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس لڑکے کا تعلق کن لوگوں سے تھا، اس کے دشمن کون تھے، اس کا نام کیا تھا، کوئی تفصیل تو پتا چلے۔“

”اس سلسلے میں انچارج ہی ہمارے کام آسکتا ہے۔“ بینا نے کہا اور پھر کافی دیر تک گفتگو کرنے کے بعد یہ لوگ بھی سو گئے اور اس پرسکون جگہ انہیں بڑی اچھی نیند آئی تھی۔ بہر حال وقت گزرتا چلا گیا اور صبح کو ہلکی ہلکی آہٹوں سے ان کی آنکھ کھلی، ٹائم دیکھا تو پونے نو بج رہے تھے...... بینا ہڑبڑا کر اُٹھ گئی، پھر اس کے بعد وہ باہر نکلے تو انہیں منہ ہاتھ وغیرہ دھونے کے لئے گرم پانی پیش کیا گیا...... بیچارہ عالم اور اس کی بیوی اپنے طور پر ان کی خاطر مدارات کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے...... ناشتا بھی انڈوں اور پراٹھوں پر مشتمل تھا، چائے بھی بہترین بنی ہوئی تھی۔ بینا نے مسکرا کر کہا۔

”زبیدہ یہاں تمہارا میکا تو ہے نہیں۔“

”میرا میکا تو کہیں بھی نہیں ہے بینا باجی۔“ زبیدہ نے بڑی مشکل سے اپنے منہ سے بینا باجی کا لفظ ادا کیا تھا۔

”بینا باجی کہہ رہی ہو اور اس کے بعد کہتی ہو کہیں میکا نہیں ہے...... میکا ہے تمہارا زبیدہ تمہاری باجی کا گھر، کیا سمجھیں۔“ زبیدہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے، اس نے گردن جھکالی...... عالم بھی آزردہ ہو گیا تھا...... مدھم سے لہجے میں بولا۔

”ہمیشہ ہی روتی پیٹتی رہتی ہے اور سچی بات ہے صاحب جی ہم واقعی اکیلے ہیں، کوئی

نہیں ہے ہمارا...... کبھی کبھی انسان کا دل تو چاہتا ہے ناکہ کوئی اس کا اپنا بھی ہو۔"

"ہاں، بے شک دل چاہتا ہے اور کبھی کبھی اپنے مل بھی جاتے ہیں، عالم لیکن انسان کو خطرہ مول لینا پڑتا ہے۔"

"خطرہ۔"

"ہاں۔"

"وہ کیسے صاحب جی؟"

"کسی اپنے کو تلاش کرنے کا خطرہ۔"

"صاحب جی انسان بڑی کمزور عقل کا مالک ہے کیا آپ کے خیال میں وہ اس تلاش میں کامیاب ہو جاتا ہے۔"

"دیکھو جستجو والی بات ہے، اگر جستجو کی جائے اور دل میں خلوص رکھا جائے تو بہر حال کبھی نہ کبھی کامیابی حاصل ہو جاتی ہے۔ اب تم یہ بتاؤ کہ تم ہمیں اپنے گھر میں کیوں لے آئے ہو؟ شہر کے لوگ ہیں لچے لفنگے بھی ہو سکتے ہیں، تمہارے گھر کا سامان اُٹھا کر بھی بھاگ سکتے ہیں۔" جواب میں عالم نے ایک زوردار قہقہہ لگایا تھا، پھر اس نے کہا۔

"میرے گھر کا سب سے قیمتی سامان میری زبیدہ ہی ہے صاحب جی اور اللہ نے چاہا تو اسے کوئی خطرہ نہیں ہے، اس کے گلے میں اس کی اماں نے ایک تعویذ ڈالا تھا صاحب جی آپ یہ سمجھ لو کہ بس اس کے بعد یہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہے، ہر آفت سے بچی ہوئی ہے سوائے ہماری آفت کے، صاحب جی بڑا عقیدہ ہے ہمیں یہ تو رہی بات اس تعویذ کی اور ہمارے قیمتی سامان کی باقی رہا آپ کا معاملہ تو صاحب ایک بات کہیں آپ سے، اماں ابا نے نام عالم رکھ دیا تھا...... علم تو بڑی چیز ہے جی وہ ہم جیسے جاہلوں کے پلے کہاں پڑتی ہے، مگر صاحب جی اللہ پر بڑا ایمان ہے اور تھوڑا سا تجربہ بھی ہے...... آپ لوگ بہت اچھے لوگ ہو جی ایسی بات کہہ کر ہمارا دل نہ توڑو۔"

"چلو ٹھیک ہے اب گھومنے نہیں نکلو گے؟"

"ہاں...... جی بالکل...... چلیں کہاں جانا ہے؟"

"تھانے۔" شہاب نے کہا اور عالم کا منہ کچھ حیرت سے کھل گیا، پھر وہ ہنس پڑا اور بولا۔

"صاحب جی سچی بات تو یہ ہے کہ ساری باتیں سمجھ میں آ گئیں اور ایک بات سمجھ نہیں آئی۔ یہ آپ لوگ بار بار تھانے کا چکر کیوں لگاتے ہو؟" جواب میں شہاب ہنس کر

خاموش ہو گیا تھا۔ تھانے دار صاحب کو بھلا شہر میں کیا کام تھا، چین کی بانسری بجاتے تھے کوئی اگر آ بھی جاتا تھا رپورٹ وغیرہ درج کروانے کے لئے تو یا تو اسے محرر کے پاس بھیج دیا یا پھر تھانے دار صاحب خود ہی اسے بھگا دیا کرتے تھے...... بہر حال بینا اور شہاب کے پانچ ہزار کے ممنون تھے، چنانچہ اردلی نے انہیں فوراً ہی تھانے دار کے پاس پہنچا دیا۔

"لو جی آپ لوگ خود آ گئے، ہم تو سوچ رہے تھے آپ سے ملنے کے لئے، آیئے بیٹھیے۔"

"کہیں خادم خان صاحب کیسے مزاج ہیں آپ کے۔"

"اوہ بھائی مزاج مزاج داروں کے ہوتے ہیں، ہم تو قوم کے خادم ہیں...... ماں باپ نے بھی نام سوچ کر ہی رکھا تھا...... اصل میں ہم یہ سوچ رہے تھے کہ آپ لوگوں نے ہمیں کھانے کی دعوت دی ہے، کہیں بھول نہ جائیں آپ سے ملتے رہنا چاہئے۔"

"کھانا تو خادم خان صاحب آپ جب چاہیں کھائیں...... اصل میں یہ تو آپ کو پتا ہی ہے کہ ہم بھی غریب الوطن ہیں اور یہ ہمارا۔"

"کیا ہیں؟" خادم خان نے چونک کر پوچھا۔

"غریب الوطن۔"

"او میاں بھائی کیوں ہمیں بے وقوف بناتے ہو...... بیس ہزار تھے تمہارے پاس چلو پانچ ہمیں دے دیئے پندرہ بچے، دو دن ہوئے ہیں ابھی اور دو دن میں انسان ہزار بارہ سو خرچ کر سکتا ہے زیادہ سے زیادہ وہ بھی حاضر پور جیسے شہر میں بہت زیادہ ہوتے ہیں، پھر بھی تیرہ چودہ ہزار بچے ہوں گے تمہارے پاس...... او بھائی غریب کدھر سے ہو گئے۔" بینا نے بمشکل تمام اپنی ہنسی روکی تھی، پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"غریب نہیں غریب الوطن، مطلب یہ ہے کہ یہاں ہمارا اپنا گھر تو ہے نہیں، کھانا آپ جب دل چاہے کھائیں لیکن۔"

"او بھئی بات ذرا دیر سے سمجھ میں آئی مگر صاحب جی ہوٹل کہاں نہیں ہوتے اور پھر حاضر پور میں تو ایسے ایسے ہوٹل ہیں کہ آپ ایک مرتبہ وہاں کا کھانا کھاؤ دل خوش ہو جائے آپ کا، وہ بھئی کھانے کا کوئی مسئلہ نہیں ہے بس رقم کی بات ہوتی ہے۔"

"ہاں ہاں...... آپ ایسا کیجئے کہ ہوٹل سے کھانا منگوا لیجئے ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا،

بل ہم ادا کریں گے۔"

"صاحب جی بل ہی کا تو مسئلہ اصل ہوتا ہے...... او بھائی رحیم خان، رحیم خان! اندر آ ذرا۔" انچارج صاحب نے اپنے کسی آدمی کو آواز دی اور شہاب چونک کر بولا۔

"کیا ابھی کھانا کھائیں گے؟"

"نہیں نہیں ابھی تو دیر ہے پر بندہ جائے گا آرڈر دے گا اور کھانا پیک کرائے گا، لے کر آئے گا تو ٹائم تو لگ ہی جائے گا...... صاحب جی وہ جو کہتے ہیں نا کہ بڑے سیانے لوگ کہ جو کل کرنا ہے وہ آج کر لیا جائے اور جو آج کرنا ہے وہ ابھی کر لیا جائے تو آپ ایسا کرو جی کہ رحیم خان کو آرڈر دے دو کھانے کا، جائے گا کھانا لے کر آئے گا، رحیم خان کدھر مر گیا۔" انچارج صاحب نے پھر آواز دی اور ایک ایس آئی اندر داخل ہو گیا، اندر آکر اس نے سلیوٹ کیا تو خادم خان صاحب بولے۔

"او میاں لاٹری نکل آئی ہے تم لوگوں کی...... آج صاحب سب کو کھانا کھلا رہے ہیں...... چلو تیاریاں کرو سب سے ان کی پسند پوچھ لو اور آج سب ڈٹ کر کھاؤ، صاحب جی بس آپ انہیں پیسے دے دیجئے باقی کام ہم پر چھوڑ دیجئے۔"

"ٹھیک ہے کتنے پیسے دے دوں؟" شہاب نے سوال کیا۔

"وہ جی بندے کچھ زیادہ ہیں بس ہزار روپے میں کام چل جائے گا۔" شہاب نے ہزار روپے کا نوٹ نکال کر رحیم خان کو دیتے ہوئے کہا۔

"لو باہر ہمارا تانگے والا کھڑا ہوا ہے اسے مت لے جانا کیونکہ ابھی ہمیں جانا ہے۔"

"او نہیں جی سرکاری گاڑی موجود ہے وہ کس کام آئے گی...... آپ بے فکر رہو اور ہاں تانگے والے کو بھی ملا دو ہم سے اس کا اگر کبھی کوئی جھگڑا ہوا تو اس سے کہہ دینا کہ ادھر آجائے تمہارا دوست یہاں موجود ہے۔"

"ٹھیک ہے ملا دوں گا اور سنائیے کیا مصروفیت چل رہی ہے آپ کی؟"

"او بس صاحب شہر بھر کی ذمے داریاں ہم غریبوں کے کندھوں پر ہیں...... بس دن رات اسی میں اُلجھے رہتے ہیں، کہیں کوئی واردات نہ ہو جائے۔"

"ارے ہاں...... اس لڑکے کے بارے میں کچھ پتا چلا۔"

"ہاں جی...... راؤنگر سے ہی آیا تھا وہاں کوئی نوکری شوکری کرتا تھا...... اب سوچ رہے

تھے کہ کسی وقت خانہ پری کرنے کے لئے راؤنگر جائیں...... وہیں سے ساری معلومات حاصل ہوں گی۔"

"ٹھیک ہے ابھی کچھ پتا نہیں چلا آپ کو۔"

"چل جائے گا جی راؤنگر جانا بھی تو آسان نہیں ہے...... پہلے ذرا رانی صاحبہ سے اجازت لینا پڑے گی، ویسے بندہ بھیج دیا تھا ہم نے۔"

"کہاں؟"

"راؤنگر جی۔"

"کیوں؟"

"اطلاع دینی تھی کہ رانی صاحبہ کا بندہ ایکسیڈنٹ میں مر گیا ہے، اطلاع دینا تو ضروری تھا جی جب ہمیں پتا چلا کہ بندہ رانی صاحبہ کا ہے تو پھر تو خبر کرنی ہی تھی ورنہ وہ ناراض ہوتیں۔"

"کیا جواب ملا؟"

"کچھ نہیں جی، رانی صاحبہ تو مصروف تھیں جواب کدھر سے ملتا۔"

"اچھا اچھا اور کچھ پتا نہیں چلا تمہیں، لڑکے کا نام کیا تھا؟"

"عارف، عارف خان تھا۔" انچارج صاحب نے جواب دیا۔

"کیا کام کرتا تھا وہاں؟"

"او نہیں جی اس بارے میں کچھ نہیں معلوم، وہ تو جب ہم اِدھر جائیں گے تب پتا چلے گا کہ اصل بات کیا تھی، بندہ کیسے مر گیا۔"

"مگر سنو خادم خان یہ بات تو تمہیں معلوم ہے کہ وہ بے چارہ لڑکا اپنی موت کا خدشہ ظاہر کر رہا تھا، ایسا تو نہیں کہ اسے جان بوجھ کر قتل کیا گیا ہو۔" خادم خان نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر آنکھ دبا کر بولا۔

"ایسا تو ہے صاحب جی مگر جب تک رانی صاحبہ کی طرف سے صحیح بات کا پتا نہ لگ جائے زبان پر بھی نام نہیں لانا ہے یہ۔"

"کیوں؟ رانی صاحبہ کا اس معاملے سے کیا تعلق۔"

"نہیں جی تعلق تو کوئی نہیں ہوگا...... ہم جانتے ہیں مگر صاحب جی بڑائی بھی کوئی چیز ہوتی ہے ان کا حکم ہے ان سے پوچھے بغیر کسی بندے کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے۔"

"کیا مطلب خادم خان؟ رانی صاحبہ کون ہوتی ہیں سرکاری معاملات میں اڑانے والی۔"

"اوہ صاحب جی کیسی باتیں کر رہے ہو کسی دوسرے کے سامنے ایسی بات کہہ دینا...... دیکھو جی وہ جو کہتے ہیں نا کہ جہاں کا کھاؤ وہیں کا گاؤ، آپ سمجھنے کی کوشش کرو، شہری آدمی ہو، آئے ہو چلے جاؤ گے...... او بھائی جان ہمیں تو اِدھر ہی زندگی گزارنی ہے جب ادھر رہنا ہے تو وہی کہنا ہے جس کا حکم اُوپر سے ملے۔"

"چلو ٹھیک ہے...... اصل میں بس اس بچے کی صورت دیکھی تھی، اس کی موت دیکھی، دل کو افسوس ہوا اس لئے ذرا سی دل میں تکلیف پیدا ہو گئی تھی...... ہم نے سوچا خان صاحب سے ہی ملاقات ہو جائے اور معلوم کریں اس بارے میں۔"

"ہاں جی، ہوتا ہے انسان کے دل میں انسان کا درد تو ہوتا ہے پر صاحب جی ملتا ہے کچھ اس سے، بس درد ہو دوا کھالو اور چھٹی کرو، زیادہ چکر میں پڑنے کا مطلب ہے مصیبت گلے میں ڈال لی...... اب دیکھو نا جب تک ہم رانی صاحبہ سے ملیں گے نہیں کوئی نہیں معلوم ہو سکے گی۔"

"مگر تمہیں اپنا روزنامچہ تو تیار کرنا ہوتا ہوگا خادم خان۔"

"روزنامچے میں بس لکھ دیا ہے کہ ایکسیڈنٹ ہو گیا، بندہ مر گیا تفتیش جاری ہے ایس آئی کام کر رہا ہے...... معلومات ہو رہی ہیں...... صاحب جی اب ایسے کام اتنی آسا تو نہیں ہو جاتے ٹائم لگتا ہے اس میں۔"

"بہر حال خادم خان صاحب آپ بہت اچھے آدمی ہیں...... دل تو چاہتا ہے کہ سے بار بار ملاقات کی جاتی رہے۔"

"او صاحب جی اب تو ہمارا بھی دل یہ چاہتا ہے ویسے آپ لوگ تو اچھے خاصے آدمی معلوم ہوتے ہو آتے جاتے رہا کرو کوئی حرج تو نہیں آنے جانے میں۔"

"ضرور خادم صاحب آپ سے ملاقات رہے گی...... اچھا اب اجازت۔"

"ہیں جی، وہ کھانا نہیں کھاؤ گے ہمارے ساتھ۔"

"نہیں نہیں ہم دوپہر کا کھانا کھاتے بھی نہیں ہیں۔"

"ٹھیک ہے جی، اچھی بات ہے دو آدمیوں کا کھانا بچا گھر میں بچوں کے کام آجا

خادم خان نے کہا۔

بینا اور شہاب وہاں سے اُٹھ گئے تھے، لیکن ایک عجیب سا تصور ان کے ذہنوں میں خادم خان کے لئے پیدا ہو گیا تھا، انسانوں کی ایک قسم یہ بھی ہوتی ہے...... عالم کے ہاں قیام تو کر لیا تھا زبیدہ جیسی معصوم لڑکی سے ملاقات بھی ہو گئی تھی جو مہمانوں کی آمد سے بے حد خوش تھی۔ اصل میں یہ سب کچھ اس لئے بھی کیا گیا تھا کہ ایک کی بجائے دو جگہیں ہونا ضروری ہیں، کیونکہ ایک معاملہ نکل آیا تھا ویسے تو اگر خادم خان تک ہی بات محدود ہوتی تو اس کی شخصیت کا اندازہ کرنے کے بعد کوئی قدم اٹھایا جا سکتا تھا اور اس کے بعد یہاں سے روانگی خادم خان کی نااہلی اپنی جگہ لیکن یہاں معاملہ بالکل الگ پیدا ہو گیا تھا اور وہ شخص جس کے بارے میں اب اتنا معلوم ہو چکا تھا کہ اس کا نام عارف خان تھا اور جسے اپنی موت کا خطرہ تھا۔ اب بھلا انہیں کہاں جانے دیتا، پھر رانی راؤ نگر کا نام بھی ان کے لئے بڑی دلکشی کا حامل تھا، ماضی میں کئی بار اس طرح کی رانیوں سے واسطہ پڑ چکا تھا، اس وقت گیسٹ ہاؤس ہی کا رُخ کیا گیا تھا...... عالم نے انہیں یہاں ان کی مرضی کے مطابق پہنچا کر کہا تھا۔

"واپس گھر کب چلو گے صاحب؟"

"اب کچھ وقت یہاں گزاریں گے عالم بس یوں سمجھ لو کہ آنا جانا رہے گا...... تمہیں ایک بات بتائیں ہم، یہاں ہمیں کچھ اور بھی کام ہیں جن کی بنا پر ہمارا تمہاری رہائش گاہ کی طرف آنا جانا رہے گا، پھر اس کے بعد اطمینان سے کچھ وقت گزاریں گے...... اب تم ایسا کرو زبیدہ کو بتا دینا کہ یہاں کچھ اور بھی ہمارے شناسا ہیں، اس کے مہمان تو خیر ہم ہیں ہی لیکن دوسرے شناساؤں کے ساتھ بھی تھوڑا سا وقت گزارا جائے گا۔" عالم نے کوئی جواب نہیں دیا، پھر بولا۔

"تو پھر ہم جائیں۔"

"ہاں تم سے بعد میں ملاقات ہو گی...... کل جیسے روزانہ آتے ہو ایسے آجانا۔" عالم چلا گیا۔ اصل میں تمام معاملات میں کوئی اہم فیصلہ نہیں کیا جا سکا تھا، چنانچہ شہاب اور بینا اب اس بارے میں ذرا محتاط انداز میں سوچنا چاہتے تھے...... گیسٹ ہاؤس میں پہنچنے کے بعد شہاب نے کہا۔

"بینا ایک بات بتاؤ عالم کے ہاں جا کر غلطی تو نہیں ہوئی۔"

"نہیں غلطی کیا ہے بس معصوم سے لوگ ہیں، ذرا کچھ زیادہ سر پڑنے کی کوشش کریں گے ملاقات تو ہوگئی بہت اچھا ہوا، بلکہ شہاب ایسے معصوم لوگوں کی قربتیں بعض اوقات بڑی اچھی ثابت ہوتی ہیں...... اگر موقع ہوا تو ہم ان لوگوں کی تنہائی دُور کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"وہ کیسے؟"

"کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں ان جیسے دو افراد کے لئے جگہ نہیں نکل سکتی کیا، بے چارے زندگی کی خوشیاں پالیں گے۔" شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے کہا

"چلو ٹھیک ہے، اگر تم نے یہ فیصلہ کیا ہے بینا تو بھلا میری مجال ہے کہ میں انکار کرسکوں۔"

"ویسے شہاب ایک بات کہوں تم نے ایک بہت بڑا آرگنائزیشن بنایا ہے جو کچھ تم کررہے ہو اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارے اپنے مقاصد کے ساتھ ساتھ ایک انتہائی نیک قدم ہے لیکن میرے ذہن میں ایک اور خیال بھی آیا ہے۔"

"ہاں...... وہ کیا؟"

"کیوں نہ ایک دارالامان قسم کی جگہ بنائیں جو ایسے لوگوں کے لئے ہو جن میں زندگی کی لہر تو دوڑ رہی ہو لیکن اس طرح کہ وہ موت سے بدتر زندگی گزار رہے ہوں...... بے شمار کردار کبھی کبھی ایسے ہماری نگاہوں میں آجاتے ہیں جن کے بارے میں سوچ کر اور دیکھ کر دل کو دُکھ ہوتا ہے۔ میں یہ کہہ رہی تھی کہ اگر ایسا کوئی سلسلہ ہوجائے تو ایک عمارت ایسے لوگوں کے لئے مخصوص کردیں اور پھر جناب شہنشاہ تو اس سے پہلے بھی لوگوں سے خراج وصول کرتا رہا ہے، بھلا ایسے کسی ادارے کو چلانے کے لئے اگر شہنشاہ کچھ لوگوں کے ذمے داریاں لگادے تو مجال ہے کسی کی۔" شہاب پُرخیال نگاہوں سے بینا کو دیکھنے لگا، پھر نرم لہجے میں بولا۔

"اچھا خیال ہے بینا، واقعی اچھا خیال ہے اور اب تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ ایک اچھی خاصی رقم ہمارے پاس بنکوں میں پڑی ہوئی ہے، ابتدا اسی سے کرتے ہیں اور اس کے بعد دیکھ لیتے ہیں کہ کیا صورت حال ہوتی ہے۔"

"اور پھر شہاب میں یہ ملازمت ترک کردوں گی اور وہ جگہ میرے اپنے گھر کی حیثیت

رکھتی ہوگی، میں اسے سنبھالوں گی...... بات یہ نہیں ہے کہ میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گی بلکہ جب ایسے موقعوں پر میری ضرورت پیش آئے گی تو میں تمہارے شانہ بشانہ ہوں گی۔"

شہاب واقعی سنجیدگی سے غور کرنے لگا تھا...... اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس نے ایک جلائے ہوئے ذہن سے اپنی اس ملازمت کا آغاز کیا تھا اور اس وقت اس کے ذہن میں جو سوچیں دامن گیر تھیں وہ مختلف تھیں، اس نے بے تکان بڑے بڑے لوگوں کی جیبوں سے اپنا حصہ وصول کیا اور بہت سے ایسے معاملات میں وہ خرچ بھی کئے جو ضروری تھے، لیکن اس کے بعد طویل عرصے سے اس نے یہ سلسلہ ترک کردیا تھا...... زندگی کی ایک ڈگر منتخب ہوگئی تھی اور اس ڈگر پر چلتے ہوئے اسے خاصا عرصہ ہوگیا تھا اور کچھ ایسی انوکھی کامیابیاں حاصل ہوئی تھیں کہ وہ بہت خوبصورتی کے ساتھ اپنا یہ عمل جاری رکھے ہوئے تھا، خاصے عرصے سے اس نے یہ سلسلہ ترک کیا ہوا تھا، لیکن برائیاں اس قدر عام تھیں کہ اگر وہ اپنے سلسلے کو دوبارہ جاری رکھنا شروع کرتا تو اسے کامیابی ہی کامیابی حاصل ہوتی...... بینا بھی بے شک اس کا ساتھ دے رہی تھی اور یہ بھی ڈی آئی جی نادر حیات صاحب کی عنایات تھیں ورنہ اس طرح کہیں آرگنائزیشن بنائے جاسکتے ہیں، ایسی صورت میں اگر بینا کی یہ خواہش بھی پوری ہوجائے اور ثواب بھی کمالیا جائے تو کوئی بات نہیں ہے...... بینا نے اسے بالکل خاموش دیکھ کر کہا۔

"میں نے کوئی ایسی بات کہہ دی ہے جو تمہارے لئے اس قدر افسوس اور پریشانی کا باعث بن گئی۔"

"نہیں بینا ایک آئیڈیا دیا ہے تم نے بے شک اچانک دیا ہے، لیکن ہے بات قابل غور اور سوچا جاسکتا ہے اس بارے میں۔"

"میں نے آئیڈیا بھی دیا ہے اور اس بارے میں سوچا بھی جانا چاہئے، لیکن اس طرح نہیں کہ مجھے نظرانداز ہی کردیا جائے۔"

"کمال کرتی ہو یار وہ جو کہتے ہیں کہ کیا کہتے ہیں بس اس کی تفصیل ذہن میں نہیں آرہی، یعنی مقصد یہ کہ تیرا صدقہ اور تجھی کو بھیک دوں...... شاید غلط کہہ رہا ہوں، مطلب یہ ہے کہ تم نے ہی میرے سامنے یہ نظریہ پیش کیا ہے اور اب اس بات کی شاکی ہو کہ میں تمہیں نظرانداز کررہا ہوں بلکہ مجھے تو ایک اور خطرہ ہے۔"

"کیا؟"

"ادارہ قائم ہو گیا اور بینا صاحبہ اس کی سرپرست بن گئیں تو کیا اس کے بعد خادم کو
شکایت نہ ہو جائے گی کہ ہم پر توجہ نہیں کی جا رہی۔"

"نہیں یہ شکایت نہیں ہو گی۔"

"بس تو پھر ٹھیک ہے یہاں سے دارالحکومت واپس جانے کے بعد اس ادارے
قیام کے لئے جگہ منتخب کی جائے گی۔ اس موضوع پر گفتگو کر کے ایک پروگرام بنائیں گے
ایک عمارت کی تعمیر کا نقشہ ذہن میں لائیں گے، نقشہ تعمیر ہو گا اور اس کے بعد بینا صاحبہ
کام میں مصروف ہو جائیں گی۔"

"تم بالکل بے فکر رہو...... میں اس سلسلے میں تم سے مکمل طور سے تعاون کروں گا۔"

"او کے تھینک یو، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب کیا کیا جائے گا؟"

"بینا وہ لڑکا سترہ اٹھارہ سال سے زیادہ عمر کا نہیں ہو گا، وہ کہتا تھا اسے قتل کر دیا جائے
اسے بچا لیا جائے چاہے اسے لاک اپ میں ہی کیوں نہ بند کر دیا جائے اور اسی بے رحم خا
خان نے ایسا نہیں کیا بلکہ شاید اس بات کے بھی امکانات ہیں کہ خادم خان واقف تھا
لڑکے کے دشمن کون ہوں گے، مگر خیر ہم فوری طور پر ایسا نہیں کرتے کہ خادم خان
اس سلسلے میں کوئی باز پرس کریں لیکن بہر حال ہمیں اس سلسلے میں معلومات ضرور حاصل
چاہئے اور نجانے کیوں میرے ذہن میں رانی راؤنگر آتی ہے ایسا کرتے ہیں، بینا کہ ایک
اس رانی پر ڈال لی جائے اس کے بعد سوچیں گے کہ آگے کیا کیا جائے۔"

"اس سلسلے میں عالم سے بات کر لیں گے۔" پھر بینا اور شہاب عالم کے بغیر ہی اس
گھر پہنچے تھے اور زبیدہ نے ان کا استقبال کیا۔

"کہاں گئے عالم خان؟" شہاب نے پوچھا۔

"صاحب جی تانگا لے کر نکل گئے ہیں پتا نہیں کہاں گئے ہیں، ویسے کہہ رہے تھے
آپ لوگ واپس نہیں آئیں گے۔"

"ہاں ہم اس لمبی مصروفیت میں مصروف ہونے والے ہیں۔ پہلے تو ارادہ یہ تھا کہ
ہاؤس میں رات گزاریں گے، لیکن پھر سوچا کیوں نہ زبیدہ بہن پر ہی اس وقت کا بوجھ ڈالیں

"نہیں جی، یہ تو آپ کی مہربانی ہے کہ اتنے بڑے آدمی ہو کر آپ ہم غریبوں کو
دے رہے ہیں...... اللہ آپ کو عزت دے۔" عالم خان واپس آ گیا تھا...... شہاب اور بینا

ر بری طرح چونک پڑا، پھر گردن جھٹکتے ہوئے بولا۔

"سمجھا رہا ہوں ابھی خود کو بہت سمجھا رہا ہوں صاحب جی کہ پردیسیوں سے پیار کرنا
اچھی بات نہیں ہے۔ آپ تو باہر سے آئے ہو جی نجانے کتنے دن یہاں رہو گے، پھر چلے جاؤ
گے لیکن اس کے بعد ہم دونوں کو بے وقوف بنا جاؤ گے، میرا مطلب ہے کہ ہم آپ لوگوں کو
کس طرح بھول سکیں گے۔"

"بہت سے معاملات ایسے ہوتے ہیں عالم خان کہ جنہیں وقت سے پہلے سامنے نہیں
لایا جا سکتا...... اب تمہارے دل میں ہمارے لئے جو محبت پیدا ہو گئی ہے تو تمہارا کیا مطلب
ہے کہ ہمارے دل اس محبت سے خالی ہوں گے...... نہیں عالم خان ایسی بات نہیں ہے"۔

رات کا کھانا عالم خان کے ساتھ کھایا گیا اور کھانے کے بعد عالم خان اپنی جگہ سے اُٹھا تو
شہاب نے کہا۔

"تم سے کچھ بات کرنی ہے عالم خان مجھے بتانا۔"

"جی صاحب بولئے۔"

"میرا مطلب ہے تھوڑی دیر کے بعد، ہاں زبیدہ بہن چائے نہیں پلائیں گی آپ۔"

"بناتی ہوں صاحب جی، سارا سامان لا کر رکھ دیا ہے۔"

"یار عالم تم نے کمایا تو ہم سے کچھ بھی نہیں اور خرچ ہم پر اتنا کئے جا رہے ہو۔"

"کیا اب بھی ان باتوں کی ضرورت ہے صاحب جی۔"

"اچھا ایک بات بتاؤ عالم خان...... تم کبھی راؤنگر گئے ہو؟"

"جی صاحب بہت بار، راؤنگر میں بھی لوگ رہتے ہیں، پر وہاں کے بارے میں کچھ ایسی
باتیں ہمیں معلوم ہیں صاحب ہو سکتا ہے جو آپ کو معلوم نہ ہوں۔"

"مثلاً۔"

"اول تو پہلی بات یہ ہے کہ راؤنگر کی آبادی بہت بڑی نہیں ہے...... راؤنگر کی آبادی کے
دو حصے ہیں...... ایک حصہ دائیں والا کہلاتا ہے اور دوسرا بائیں والا، دائیں والے حصے میں عام
لوگ رہتے ہیں، یعنی وہ لوگ جو راؤنگر کے آس پاس کھیتی باڑی کرتے ہیں، چھوٹے موٹے اور
بہت سے کام کرتے ہیں دکانیں کھولی ہوئی ہیں...... انہوں نے اور ایسے کوئی دو چار سو تو گھر ہوں
گے جو دائیں والے حصے میں آباد ہیں اور پھر رانی صاحبہ کا قلعہ ہے جہاں وہ خود رہتی ہیں۔"

"قلعہ۔"

"جی صاحب جی قلعہ ہے وہ کوئی پرانا قلعہ ہے، رانی راؤنگر کا کسی زمانے سے چلا آ رہا ہے، ویسے قلعہ ہی ہے اس میں بھی بہت سے لوگ رہتے ہیں، لیکن ایک سب سے بڑی بات ہے وہ یہ کہ بستی دائیں کی ہو یا بائیں کی جب دائیں کی بستی میں کوئی باہر کا بندہ آتا ہے تو قانون کے تحت اس کے آنے کی خبر دی جاتی ہے کہ کون ہے، کہاں سے آیا ہے کتنے دن رہے گا، کیا کرتا ہے...... اصل میں جب وہاں کوئی مہمان آنے لگتا ہے نا تو پہلے بائیں طرف والوں کو اس کی اطلاع دی جاتی ہے۔ اب یہ الگ بات ہے کہ مہمان کو اس کے بارے میں پتا ہو یا نہ پتا ہو لیکن بہر حال یہ قانون ہے وہاں کا۔"

"کیا راؤنگر کا یہ قانون ہمیشہ سے ہے؟"

"ہمیشہ سے تو نہیں تھے صاحب جی جب ہمیں عقل اور شعور آیا اور ہم سوچنے سمجھنے کے قابل ہوئے، تب ہمیں یہ بات پتا چلی کہ راؤنگر کا یہ قانون ہے۔" عالم نے منطقی انداز میں بتایا اور شہاب دلچسپی سے بینا کو دیکھنے لگا۔

"بینا واقعی یہ تو سچ مچ کمال کی بات ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ سلسلہ بہت دلچسپ اور عجیب و غریب ہے، اچھا تو تم بتا رہے تھے کہ تمہارا وہاں جانا ہوا ہے۔"

"ہاں، کئی بار سواریاں آئی ہیں کوئی کسی کا مہمان آتا ہے تو اسے لے کر چلے جاتے ہیں، ویسے رانی صاحبہ کے جتنے مہمان آتے ہیں انہیں ہم کبھی نہیں لے کر گئے، کیونکہ پہلی بات تو یہ کہ وہ تانگے میں آنے والے ہوتے ہی نہیں ہیں، یعنی یہ کہ وہ تو رانی صاحبہ کے مہمان ہوتے ہیں۔ وہاں سے گاڑیاں آتی ہیں اور انہیں اسٹیشن سے لے کر چلی جاتی ہیں...... عام لوگوں کے بھی مہمان ہوتے ہیں انہیں البتہ ہم کئی بار لے کر راؤنگر گئے ہیں۔"

"تم نے دائیں اور بائیں دونوں حصے دیکھے ہیں۔"

"نہیں صاحب جی، بائیں حصے کو اتنی آسانی سے نہیں دیکھا جا سکتا لیکن دائیں حصے میں پہنچ کر بائیں حصے کو دور سے دیکھا جا سکتا ہے۔"

"ہوں ٹھیک، اگر ہم میرا مطلب ہے میں اور میری مسز وہاں جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں۔" عالم خان سوچ میں ڈوب گیا اور پھر بولا۔

"نہ جائیں تو اچھا ہے صاحب کیونکہ پہلی بات تو یہ کہ آپ جائیں گے کہاں اور کس

کے گھر، یہ بڑے سوچنے کی بات ہے، پھر آپ کیوں خوامخواہ کا خطرہ مول لے رہے ہیں، کوئی فائدہ نہیں ہے، ادھر جانے کا بلاوجہ کسی مشکل میں پھنس جائیں گے۔"

"نہیں ایسے ہی پوچھ لیا تھا۔"

"ہاں بینا یہ ہے صورت حال اب بولو۔"

"شہاب ایک دلچسپ ایڈونچر کیوں نہ ہو جائے۔"

"کیا مطلب؟" شہاب نے تعجب سے پوچھا۔

"چار کوس، چار کوس کتنے ہوتے ہیں؟"

"بھئی تقریباً آٹھ میل، جہاں تک میرا علم ہے۔"

"یہ لوگ چار کوس ہی بتاتے ہیں نا راؤنگر۔"

"ہاں۔"

"اگر ہم یہ فاصلہ پیدل طے کریں تو" شہاب نے پر خیال انداز میں بینا کو دیکھا اور بولا۔

"اصل میں مجھے اس بات کا اندازہ نہیں تھا بینا کہ صورت حال ایسی دلچسپ اور سنگین نوعیت اختیار کر جائے گی ورنہ تمہیں اس وقت تکلیف دیتا جب صورت حال کافی حد تک میرے علم میں آ جاتی۔"

"جناب عالی! اب آپ سے بار بار یہ کہتے ہوئے کچھ عجیب سا لگتا ہے کہ میں تو ایسے ہزاروں موقعوں پر آپ کا ساتھ دے چکی ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ نے ہمیشہ ہی مجھے ناکارہ سمجھا ہے۔"

"ارے ارے...... یہ الزام لگانے کی ضرورت کیوں پیش آگئی محترمہ بینا...... میں نے آپ کو ناکارہ کب سمجھا ہے...... میں تو ہمیشہ آپ کی اس معاملے میں بڑی عزت کرتا رہا ہوں۔"

"اور میں جناب کو یہ یاد دلاؤں گی کہ بیشتر مواقع پر میں نے ایسے کارنامے سرانجام دیئے ہیں جن کی تعریف آپ بھی کیے بغیر نہیں رہ سکے، سمجھ رہے ہیں نا آپ۔"

"ارے بھائی کیوں مجھ غریب کو شرمندہ کیے جا رہی ہو، منع تو نہیں کیا ہے نا میں نے۔"

"تو پھر میں بھی یوں سمجھ لیجئے کہ آپ کے ساتھ راؤنگر کی سیر کروں گی اور اس کے بعد ہم دیکھیں گے کہ یہ رانی صاحبہ کیا چیز ہیں۔"

"تو پھر ایک کام کرتے ہیں بینا بتانا کسی کو نہیں ہے، ایسا کھانے پینے کا انتظام کر لو جو

ہماری ضروریات میں ہمارا ساتھ دے سکے، پیدل سفر کریں گے اور سڑک سے ہٹ کر ان
راستوں پر سفر کریں گے جن پر راؤنگر آنے جانے والے آتے جاتے نہ ہوں، سڑک سے
زیادہ فاصلہ نہیں رکھیں گے لیکن بہرحال اس طرح راؤنگر پہنچیں گے کہ دائیں طرف والے
کو اپنے کسی مہمان کی آمد رجسٹرڈ نہ کروانی پڑے، ویسے واقعی ماحول بڑا سنسنی خیز ہے
لڑکا تو خیر اپنی زندگی سے گیا لیکن میں یہ سمجھتا ہوں بینا بلکہ میرا ذہن چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ
راؤنگر کی کہانی میں کوئی ایسی بات ضرور ہے جو باعث توجہ ہے۔"

"بس تو پھر بسم اللہ کرتے ہیں اس کام پر۔"

"ٹھیک ہے۔" اور بہرحال یہ مشکل کام نہیں تھا...... دوسرے دن عالم خان کو انہوں
نے اپنے ساتھ تو نہ لیا لیکن گیسٹ ہاؤس پہنچے اور وہاں سے عبدالکریم سے معلومات حاصل
کیں اور یہ تمام معلومات حاصل کر کے وہ شہر چل پڑے، چھوٹے موٹے سے ضروری
معاملات تھے جنہیں طے کرنا تھا اور یہ معاملات باآسانی طے ہو گئے، پھر انہوں نے خریداری
کی اور بہرحال ایسی چیزیں انہیں حاصل ہو گئیں جو ان کی ضرورت بن سکتی تھیں، بینا۔
ایک بار ایک تجویز پیش کی تو شہاب نے اسے مسترد کر دیا...... بینا نے کہا تھا۔

"شہاب اگر ہم پنے ساتھ ڈبل او گینگ کے کچھ افراد کو ملالیں تو کیا حرج ہے؟"

"خود میرے اپنے ذہن میں بینا یہ بات کئی بار آئی تھی لیکن ابھی اس کی کوئی بنیاد نہیں
ہے، ذرا دیکھیں صورت حال کیا ہے اس کے بعد اس پر بھی غور کر لیں گے۔"

"اوکے۔" بینا نے کہا اور پھر انہوں نے گیسٹ ہاؤس سے ہی سفر کا آغاز کیا تھا اور ا
وقت کیا تھا جب عالم خان کو انہوں نے کسی کام سے بھیج دیا تھا...... وہ جانتے تھے کہ عالم خا
اس سلسلے میں ان لوگوں کی جان کھانے کی کوشش کرے گا۔ وہ ایسا شخص تھا جس کی کسی با
کو سختی سے منع کرنا یا نظرانداز کرنا خود بھی کچھ اچھا نہیں لگتا تھا، اس لئے اس کا دل توڑنے
کچھ فائدہ نہیں، اپنے سامان کی پیکنگ کرنے کے بعد انہوں نے مجموعی طور پر طے کیا کہ
کام کا آغاز کہاں سے کرنا چاہئے اور اس سلسلے میں اسی ذیلی سڑک کے راستے کو اختیار کیا
راؤنگر جاتی تھی، لیکن سڑک سے کافی دُور ہٹ کر تاکہ جس حد تک ممکن ہو سکے کسی کو
شک نہ ہو سکے۔

شہاب اور بینا کو اس بات کی اُمید نہیں تھی کہ انہیں اس جگہ اپنی ضرورت کا ہر
سامان مل جائے گا، لیکن حاضر پور کے بازاروں میں حیرت انگیز طور پر انہیں تمام چیزیں
دستیاب ہو گئی تھیں اور وہ یہ سفر آسانی سے طے کر رہے تھے۔ ضرورت کے وقت مجبوریاں
بھی کبھی وہ سب کرنے پر آمادہ کر دیتی ہیں جو کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ مثلاً عالم جیسے مخلص
انسان اور زبیدہ جیسی معصوم لڑکی کو دھوکا دینا مناسب بات نہیں تھی، پتا نہیں بے چارہ عالم
ان دونوں کی گمشدگی سے کیا نتیجہ اخذ کرے اور اس کے لئے نہ جانے کیا کیا کارروائیاں
کرے، لیکن بہرحال انہیں اپنا کام سرانجام دینا تھا...... شہاب نے ضرورت کے سامان کے
لئے صرف ایک ہی بیگ بنایا تھا اور اس میں تمام چیزیں مہیا کر لی تھیں، حالانکہ اس وقت بھی
بینا نے کہا تھا۔

"میں تمہاری نصف بہتر ہوں چنانچہ یہ سامان دو تھیلوں میں تقسیم ہونا چاہئے تھا اور
ایک تھیلا میری پشت پر ہوتا۔"

"نصف بہتر کو بہتر رکھنا ہی میری ذمہ داریوں میں شامل ہے اور میں نے اسی لئے
تمہیں کوئی بوجھ نہیں دیا ہے۔"

"شکریہ جناب! یہ تو ہمیں بھی پتا ہے لیکن آپ اتنا تکلف فرماتے ہیں کہ اب کبھی کبھی
شرم آنے لگتی ہے۔"

"ارے نہیں! اب اتنا شرمانے کی ضرورت بھی نہیں ہے کہ خود مجھے شرمندہ ہونا
پڑ جائے۔" شہاب مسکراتے ہوئے بولا اور بینا بھی مسکرانے لگی۔ دونوں کی فطرت ایک
جیسی تھی...... شہاب اگر ایڈونچر پسند تھا تو بینا نے بھی اس کے ساتھ زندگی گزارتے ہوئے

اپنے ہر عمل سے یہی ظاہر کیا تھا کہ وہ خود بھی کوئی کمزور لڑکی نہیں ہے بلکہ صورت حالات سے پوری طرح دلچسپی لینے والی اور زندگی کے ہر سفر میں ساتھ دینے والی لڑکی ہے۔ چاہے وہ سفر کسی نوعیت کا حامل کیوں نہ ہو؟ یہاں حاضر پور میں آنے کے بعد ان کا واسطہ کئی دلچسپ کرداروں سے پڑا تھا۔ خادم خان صاحب ہی کو لے لیا جائے اس شخص کے بارے میں سوچ کر ہی غصہ آتا تھا...... انتہائی لالچی اور خود پرست تھا، کسی کو پریشان کرنے میں ماہر۔ ان دونوں نے اس سے ملاقات کی تھی اور پھر اس بات پر افسوس ہوتا رہا تھا کہ بیس ہزار روپے وہ جیب تراش کیوں لے گیا اور آخر کار اس میں سے پانچ ہزار روپے اس نے اپنا حصہ وصول کر لیا تھا۔ اس وقت وہ یقیناً کسی بری نیت سے ہی وہاں پہنچا تھا۔ اس کے پاس ایک کیس آیا تھا، اور معصوم لڑکے عارف کی موت کو کم از کم اور کچھ نہیں تو وہ اس سلسلے میں بینا اور شہاب کو تھوڑا بہت پریشان کر سکتا تھا، لیکن پانچ ہزار روپے مل جانے کے بعد اس کا رویہ بدل گیا تھا اور لوگ اس کی نگاہوں میں معصوم ہو گئے تھے۔ ویسے اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ رانی راؤنگر کے بارے میں اسی سے معلوم ہوا تھا۔ دونوں یہ سفر طے کر رہے تھے، کبھی کبھی آپس میں باتیں بھی کر لیا کرتے تھے، وہ سڑک انہوں نے چھوڑ دی تھی جو راؤنگر جاتی تھی۔ البتہ محسوس کیا تھا انہوں نے کہ سڑک کا ابتدائی حصہ خاصا ٹوٹا پھوٹا تھا، جب کہ اس کے بعد کا خاصا بہتر تھا اور سڑک بھی اچھی خاصی صاف ستھری نظر آ رہی تھی۔ راؤنگر کے بارے میں اب تک جو معلوم ہو چکا تھا وہ خاصا سنسنی خیز تھا۔ بینا نے کہا۔

"شہاب! ویسے تو ہم درجنوں بار اس قسم کی گفتگو کر چکے ہیں...... یعنی یہ کہ لوگ ایسے ہوتے ہیں ویسے ہوتے ہیں۔ دنیا ایک دوسرے پر مظالم کر کے زندگی گزارتی ہے، لیکن ایسے لوگ کہاں کہاں بکھرے ہوئے ہیں...... اس کا کوئی اندازہ لگا سکتے ہو؟"

"بھلا کس کی مجال ہے جو آج تک اس ساری دنیا کے بارے میں اندازہ لگا سکا ہو۔ ہاں بینا اس لڑکے کی موت مجھے شاید بہت عرصے تک تڑپاتی رہے گی۔ وہ زندگی چاہتا تھا۔ معصوم صفت تھا کہ اس نے پولیس کا سہارا لینے کی کوشش کی، گویا وہ یہ نہیں جانتا ہوگا کہ پولیس بڑے آدمیوں کے سلسلے میں کیا مدد کر سکتی ہے؟ یہ بات البتہ وہ جانتا تھا کہ کچھ لوگ اسے ہلاک کر دینا چاہتے ہیں...... اگر یہ کم بخت انسپکٹر اس سے یہ سوال کر لیتا کہ وہ چند لوگ کون ہیں تو بڑی ہی آسانی ہوتی؟"

"آپ بھول رہے ہیں شہاب! مجھے یقین ہے کہ انسپکٹر یہ بات اچھی طرح جانتا تھا، اس نے چند الفاظ میں یہ بات کہی بھی تھی کہ اپنے کام سے کام رکھنا چاہئے، اسی میں عافیت ہے۔"

شہاب نے گہری نگاہوں سے بینا کو دیکھا اور بولا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تمہارا خیال ہے؟"

"نہیں! ابھی نہیں شہاب! بعض اوقات کسی پر شبہ کرنا بعد میں دکھ کا باعث بن جاتا ہے...... ہم بالکل یہ بات نہیں کہہ سکتے کہ اس سلسلے میں رانی راؤنگر کا کوئی کردار ہے؟ اصل میں ماضی میں یہ بڑے لوگ جس طرح کہیں برائیوں میں مصروف نظر آئے ہیں اس سے دل میں شک تو یہی پیدا ہوتا ہے کہ کسی بڑے آدمی نے اپنے مفاد کے لئے ایک زندگی چھین لی جس کا اسے کوئی حق نہیں تھا اور یہ کام بڑے آدمی کا ہی ہو سکتا ہے...... شہاب! کیونکہ جس گاڑی نے اسے بار بار آگے بڑھ کر اور ریورس ہو کر کچلا تھا، وہ یقینی طور پر کوئی بھاری گاڑی تھی۔ اس بات کی پروا نہیں کی گئی کہ سڑک کون سی ہے؟ پتا نہیں بے چارا کس حیثیت کا حامل تھا...... ہاں! یہ بات اتفاقی طور پر معلوم ہو گئی تھی کہ وہ رانی راؤنگر کے ہاں ملازم بھی تھا۔"

"رانی راؤنگر" شہاب کے منہ سے غراہٹ سی نکلی اور اس کے بعد خاموشی طاری ہو گئی۔ بینا سمجھ گئی تھی کہ شہاب اب جنون میں مبتلا ہوتا جا رہا ہے...... خود بینا بھی اس معصوم لڑکے کی موت کو نہیں بھول سکتی تھی...... وہ لوگ آگے بڑھتے رہے، سفر کو پرلطف بنانے کے لئے یہ ضروری تھا کہ گفتگو میں اس بات کا خیال رکھا جائے، ویسے اپنے طور پر انہوں نے منصوبہ بندی بھی کر لی تھی اور اس کے لئے راستے میں کوششیں بھی کی تھیں...... ویسے بھی سفر بہت زیادہ لمبا نہیں تھا۔ البتہ یہ اندازہ انہیں ہو چکا تھا کہ قرب وجوار میں جو علاقے موجود ہیں وہ خطرناک ہیں...... راستے میں انہیں کچھ ایسے نشانات نظر آئے تھے جن سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ اگر یہاں اس علاقے میں شیر نہیں تو کم از کم چھوٹے موٹے گینڈے ضرور موجود ہو سکتے ہیں، چونکہ سڑک سے ہٹ کر سفر کر رہے تھے اور اپنی موجودگی سے کسی کو آگاہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے راستے بھی دشوار گزار نظر آئے تھے۔ بعض جگہ نشیب و فراز کا توازن بہت زیادہ بڑھا ہوا تھا...... کبھی بلندی اور کبھی گہرائی بہرحال اپنے طور پر وہ نہایت احتیاط سے یہ سفر کر رہے تھے اور تقریباً تین یا ساڑھے تین میل کا سفر طے کر چکے تھے کہ انہیں نشیب میں اترنا پڑا...... ایک جگہ ایک ندی بڑے اہتمام سے سڑک پر سے گزر رہی

تھی..... پانی کی آواز بہت زیادہ نہیں تھی جس کی وجہ سے یہ اندازہ بھی ہو رہا تھا کہ اس کی گہرائی زیادہ نہیں ہے، لیکن! شہاب اور بینا کو رُکنا پڑا..... سڑک سے تھوڑے فاصلے پر رُک کر وہ اس ندی کا جائزہ لینے لگے..... تعجب کی بات تھی کہ اسے سڑک پر سے ہی گزار دیا گیا تھا، کوئی پل وغیرہ بنانے کی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ ویسے دلچسپ بات یہ تھی کہ سڑک پر سے گزرنے والا پانی چھ سات انچ سے زیادہ نہیں تھا، البتہ چوڑائی کافی تھی، لیکن سڑک سے نیچے اترنے کے بعد کافی گہرائی نظر آتی تھی..... بینا نے کہا۔

"شاید اس میں بھی رانی راؤنگر کی کوئی جدت ہے..... تمام گاڑیاں سڑک پر سے گزر ہی جاتی ہوں گی۔" شہاب نے کوئی جواب نہیں دیا..... یہاں کچی جگہ اترنے کی بجائے انہوں نے سڑک کا رُخ کیا تھا۔ اب یہ خطرہ تو مول لینا ہی تھا۔

چنانچہ وہ اس ندی سے گزرنے لگے..... تقریباً آدھا کلو میٹر کا فاصلہ تھا جو انہوں نے اس پانی میں طے کیا، لیکن بہرحال راستہ آگے چلنے کے بعد پھر ویسا ہی ہموار ہو گیا اور فاصلے طے ہوتے رہے..... یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ رفتار چونکہ زیادہ تیز نہیں تھی اور سفر بھی ایسے وقت میں شروع کیا گیا تھا جو صبح کا وقت نہیں تھا، بلکہ خاصا دن گزر چکا تھا، چونکہ بہت عرصے سے ان لوگوں کو پیدل چلنے کا کوئی تجربہ نہیں ہوا تھا، اس لئے وقت کا بھی تھوڑا دھوکا ہو گیا تھا۔ شہاب بار بار بینا کے چہرے سے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتا تھا کہ وہ تھک تو نہیں گئی ہے، لیکن! حقیقت یہ ہے کہ بینا نے اس وقت سے جب سے شہاب سے اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ آج تک کبھی یہ ظاہر نہیں ہونے دیا تھا کہ کسی مسئلے میں وہ شہاب سے پیچھے رہ جائے گی۔ بہرحال اس نے اس بات کے دعوے بھی کئے تھے اور ان دعوؤں میں پوری اُتری تھی جس وقت انہیں شہری آبادی کا اندازہ ہوا تو اس وقت اچھی خاصی شام ہو چکی تھی۔ دور سے روشنی ٹمٹماتی نظر آ رہی تھی..... شہاب نے یہاں رُک کر بینا سے کہا۔

"ہم راؤنگر پہنچ گئے ہیں بینا..... لیکن میرا خیال ہے کچھ وقت گزارنے کے لئے ہمیں کسی مناسب جگہ کا انتخاب کرنا ہوگا۔"

"وہ ادھر درخت دیکھ رہے ہیں۔" بینا نے شہاب سے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں! بالکل۔"

"باغ معلوم ہوتا ہے کوئی؟"

"گویا تمہارا خیال ہے۔"

"کیوں؟ تمہارا کیا خیال ہے؟" بینا نے سوال کیا۔

"نہیں ادھر ہی چلتے ہیں..... کوئی دقت نہیں ہو گی؟"

"کیا سمجھ رکھا ہے آپ نے بینا کو جناب؟"

بینا نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ لوگ اس جانب رُخ کر کے آگے بڑھنے لگے..... بہرحال اب بھی فاصلہ اتنا تھا کہ وہاں تک پہنچتے پہنچتے اچھی خاصی رات ہو گئی، لیکن بہرحال وہ درختوں کے اس سلسلے کے پاس پہنچ گئے تھے اور شہاب نے یہاں رُک کر ایک چوڑے درخت کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"زمانہ قدیم میں انسان جس انداز میں زندگی گزارتا تھا بینا، اس کے بارے میں یہی سنا ہے کہ درختوں اور پتھروں میں اس کی رہائش گاہ تھی، کیسا لگتا ہوگا؟"

"ابھی پتا چل جائے گا۔" بینا نے جوتے اتارتے ہوئے کہا اور شہاب قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

"یار ویسے ایک اچھے ساتھی میں یہ بہت بڑی خوبی ہوتی ہے کہ اس کی اپنے ساتھی کے ساتھ مکمل طور پر انڈر سٹینڈنگ ہو، لیکن کچھ لوگ ضرورت سے زیادہ ہی انڈراسٹینڈ ہو جاتے ہیں۔" شہاب کے انداز پر بینا ہنس پڑی پھر بولی۔

"میں اُوپر چلتی ہوں آپ بھی آجایئے گا۔"

"جی..... جی حاضر ہو رہا ہوں..... آپ ضروریات زندگی سے فراغت حاصل کریں۔" شہاب نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد دونوں درخت کی بلندی پر پہنچ گئے۔ شہاب نے درخت کی شاخوں اور پتوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"محترمہ! وہ جو کہتے ہیں نا کہ سنگ و آہن بے نیاز غم نہیں، دیکھ ہر درخت پر ایسے نہ چڑھ جا۔"

"مطلب؟"

"آپ کو علم ہے کہ ایک وسیع و عریض درخت بہت سے خطرناک حشرات الارض کا مسکن ہوتا ہے۔"

"گویا سانپ؟" بینا نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"احتیاط میں کیا حرج ہے؟"

"افسوس ہمارے پاس بین نہیں ہے۔ ورنہ بین بجا کر دیکھ لیتے۔" شہاب نے کوئی جواب نہیں دیا...... درخت اتنا چوڑا تھا کہ واقعی وہ یہاں سے دُور دُور تک کا جائزہ لے سکتے تھے۔ اس کے علاوہ وہاں شاخیں اس طرح تنے سے نکل کر تقسیم ہوئی تھیں کہ بہت چوڑی جگہ بن گئی تھی۔ غالباً بہت قدیم درخت تھا، بے حد مضبوط اور زمانے کے سرد گرم کا سالوں سے مقابلہ کرنے والا۔ یہاں انہوں نے اپنے سامان کو محفوظ کیا...... شہاب نے دُور بین نکالی اور دُور دُور تک کا جائزہ لینے لگا...... گو رات کی تاریکی میں دُور بین بہت زیادہ کار آمد نہیں ثابت ہو رہی تھی، لیکن پھر بھی ایک میدان میں اس نے چند خیمے لگے ہوئے دیکھے...... میدان میں درخت بھی لگے ہوئے تھے...... وہ ان خیموں پر غور کرتا رہا، قرب وجوار میں پورا علاقہ آہستہ آہستہ اس کی نگاہوں میں آتا جا رہا تھا۔ ادھر بینا نے خاتون خانہ کا کام سنبھال لیا تھا اور ساتھ لائے ہوئے کھانے کو مناسب انداز میں نکال کر سجا رہی تھی۔ کیونکہ بھوک شدت پر تھی...... شہاب نے پوری طرح یہاں کے قرب وجوار کا اندازہ لگایا جو خیمے لگے ہوئے تھے ان کے عقبی حصے میں کچھ فاصلے پر ایک جھیل نظر آرہی تھی...... بلندیوں پر بھرے درختوں کا سلسلہ دُور تک پھیلا ہوا تھا...... یہ چھوٹی سی وادی اس علاقے میں کسی پیالے کی مانند آتی تھی...... بہرحال خوب صورت جگہ تھی اور اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ رانی راؤنگر یقینی طور پر اس علاقے میں شکار کھیلنے آئی ہوگی، اگر وہ شکار کی شوقین ہوگی۔ یہاں جانور نظر آرہے تھے...... شہاب نے کہا۔

"بینا! بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں دیکھ کر منہ میں پانی آجاتا ہے۔"

"مثلاً کیا؟"

"خواتین کے لئے تو مجھے معلوم ہے اور میں خود بھی ان خواتین میں شامل ہوں جنہیں کھٹی چیز دیکھ کر واقعی کچھ احساس ہوتا ہے، لیکن! مردوں کے بارے میں مجھے پتا نہیں۔"

"ہائے ان ہرنوں کو دیکھ کر میرے منہ میں پانی آرہا ہے۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا...... اتنے معصوم جانوروں کو زندگی سے محروم کر کے اپنے معدے میں اتار لینا۔" "نہیں شہاب بالکل نہیں، آپ اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتے۔"

"بھائی! پانی آنے کی بات کہی ہے میں نے...... نہ کچھ کر رہا ہوں...... نہ کرنا چاہتا

ہوں...... ویسے یہ خیمے کچھ سمجھ میں نہیں آرہے؟ یہ بات بھی نہیں پتا چل رہی کہ دائیں اور بائیں والے جن کے بارے میں پتا چلا تھا کس طرف ہیں، حالانکہ راؤنگر کی آبادی تو اچھی خاصی نظر آرہی ہے۔"

راؤنگر نے اپنی اس آبادی کو اس طرح چھپا کر رکھا ہے کہ بے چارے حاضر پور والے اس کے بارے میں زیادہ تفصیلات نہیں جانتے...... تھوڑی دیر کے بعد کھانے کا پروگرام ہوا اور دونوں پرلطف انداز میں کھانا کھانے لگے...... کھانا کھاتے ہی شہاب بے اختیار مسکرا دیا...... بینا اس کی جانب متوجہ تھی بولی۔

"کیوں خیریت؟"

"یار زندگی میں ندرت ہو تو واقعی لطف آتا ہے۔"

"ہونہہ! یہ محترمہ ندرت کون تھیں؟" بینا نے سوال کیا اور شہاب ہنس پڑا۔ پھر بولا۔

"تم نے وہاں گیسٹ ہاؤس میں کہا تھا کہ لوگ ہنی مون منانے کے لئے نہ جانے کہاں کہاں جاتے ہیں، حالانکہ ایسی پر سکون اور پراسرار جگہیں ہنی مون کے لئے سب سے زیادہ دلچسپ ثابت ہو سکتی ہیں۔ میں اب اس میں ذرا ترمیم کرتا ہوں، اگر یہ ہنی مون ایسے لمبے چوڑے درختوں کو تلاش کر کے ان پر منایا جائے تو کیسا رہے؟"

"میری رائے ہے تم ایک چھوٹی سی کتاب لکھو، جس کا نام رکھو "ہنی مون" اور اس میں ہنی مون کے لئے جگہوں کے انتخاب کا طریقہ لکھو...... اپنے آئیڈیے تم اس کتاب میں پیش کر سکتے ہو۔" بینا نے کہا۔

"ہاں! بے شک لیکن ایک اچھا ادیب وہی ہوتا ہے جس کا بہترین مشاہدہ ہو اور اگر تجربہ ہو تو بات ہی کیا ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"آپ کے مشورے کی بات کر رہا تھا محترمہ بینا صاحبہ...... میرا خیال ہے ایسی ایک کتاب مجھے ضرور لکھنی چاہئے، آج ہی سے ان تجربات کا آغاز کر رہا ہوں...... ذرا میری تحریریں زیادہ متاثر ہوں گی۔" بینا نے ناز سے منہ بنا کر شہاب کو گھورا اور بولی۔

"شرارتوں سے کہیں باز نہیں آتے۔"

"محترمہ! زندگی میں ان تمام مراحل کو شرارت کہہ دینا کسی اچھی بیوی کا کام نہیں

ہے۔ جن سے اسے گزرنا ہوتا ہے...... کیا سمجھیں آپ؟" بینا شرماتے ہوئے انداز میں ہنس پڑی تھی۔ اس کے بعد وہ کچھ نہ بولی اور شہاب شرارت بھرے انداز میں کھانا کھاتا رہا، پھر کھانے سے فراغت ہوگئی اور دونوں سنجیدگی سے قرب و جوار کا جائزہ لینے لگے...... ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور آسمان تاریک ہوتا جارہا تھا...... دفعتاً شہاب نے اوپر دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیجئے ہوگئی گڑبڑ۔"

"کیا؟"

"آپ پر کوئی بوند نہیں آئی؟"

"درخت کے اُوپر سے نظر بھی تو نہیں آرہا۔"

"میرا خیال ہے بوندا باندی شروع ہوگئی ہے۔"

"تو پھر؟"

"کیا ہم پرندوں کی مانند درختوں کی شاخوں پر بارش اور ہوائیں گزار سکتے ہیں۔"

"ہاں! پرندے تو بہت کمزور ہوتے ہیں...... ہم تو طاقتور لوگ ہیں۔"

"ارے کیا واقعی؟" شہاب نے ایک بار پھر تمسخرانہ انداز میں کہا۔ بینا ہنس کر بولی۔

"اتنا خوب صورت تو موسم ہورہا ہے...... معلوم ہوتا ہے قدرت واقعی ہمیں ایک بہترین وقت سے نوازنا چاہتی ہے۔ اب دیکھو نا حاضر پور ویسے بھی کلاسیکل جگہ ہے...... اور اس کے بعد یہ راؤنگر درخت کیا، اپنی زندگی میں ہم اس ندرت کو اہمیت نہیں دیں گے؟"

"او ہو! آپ نے مس ندرت کہا یا اس ندرت کہا۔"

شہاب بولا اور بینا ہنسنے لگی۔

"جی نہیں میں نے اس ندرت کی بات کی ہے۔" اور جب میں نے اس ندرت کی بات کی تھی تو آپ ناراض ہوگئی تھیں...... شہاب نے کہا اور بینا ہنسنے لگی...... کافی دیر تک وہ لوگ کھانے پینے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد آرام کرتے رہے، اچانک ہی بینا نے کہا۔

"کیا ہم اس درخت پر رات گزارنے کے لئے آئے ہیں؟"

"نہیں! ایسی تو کوئی بات نہیں...... کیوں؟"

"میرا مطلب ہے کہ اب ہمیں تھوڑا سا کام تو کرنا چاہئے...... کیا خیال ہے...... ذرا

خیموں کے پاس ہی پہنچ کر دیکھیں کہ یہاں کی صورت حال کیا ہے؟ ممکن ہے کچھ کام کی باتیں معلوم ہو جائیں۔" شہاب پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا پھر بولا۔

"ٹھیک ہے مجھے احساس نہیں ہے، لیکن سامان تھیلے میں رکھو اور تھیلے سمیت چلو...... کون جانے صورت حال کیا رہے؟ اور ہم واپس اس درخت تک پہنچ سکیں یا نہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ہوسکتا ہے بھاگ کے کسی اور طرف جانا پڑے۔" بینا کچھ لمحے سوچتی رہی پھر اس نے کہا۔

"آئیڈیا ٹھیک ہے...... پھر کیا خیال ہے؟"

"بسم اللہ۔" شہاب بولا اور بینا چیزیں سمیٹ کر بیگ میں رکھنے لگی اور پھر بیگ کی زپ بند کر کے شہاب نے اسے تسموں کے ذریعے اپنے شانوں پر لٹکایا اور دونوں درخت سے نیچے اترنے لگے، حالانکہ ماحول بہت سنسنی خیز تھا...... عام ہمت کے لوگ تو شاید اس ماحول میں اور خاص طور سے رانی راؤنگر کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنے کے بعد اس قسم کی کوئی جرات کرنے کی ہمت نہ کرتے، لیکن شہاب اور بینا بہت مختلف قسم کے لوگ تھے...... ایسی چیزیں ان کے لئے ذرہ بھر کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھیں...... قریب جا کر دیکھنا چاہتے تھے کہ کیا صورت حال ہے اور دائیں بائیں کا کیا قصہ ہے...... وہ معصوم لڑکا ذہن سے کسی طرح محو نہیں ہورہا تھا...... بہرحال کافی فاصلہ طے کرنا پڑا اور اس کے بعد یہ لوگ اس جگہ پہنچ گئے جہاں وہ خیمے لگے ہوئے تھے...... یہ خیمے جن کے بارے میں تھوڑی دیر کے بعد ہی معلوم ہوگیا کہ راؤنگر کے نواحی علاقوں کے چوکیداروں کے لئے ہیں اور یہاں سے باقاعدہ ڈیوٹی دی جاتی ہے، کیونکہ ان لوگوں نے زیادہ فاصلہ طے نہیں کیا تھا کہ اچانک ہی تیز روشنیوں میں نہا گئے اور روشنیاں بھی معمولی نہیں تھیں بلکہ شاید بیم لائٹ ڈالی جارہی تھی اور یہ بیم لائٹ ان کے لئے بڑی تکلیف دہ تھی...... پھر اس کے ساتھ ہی کئی گولیاں ان کے آس پاس زمین میں پیوست ہوگئیں...... فائرنگ کی آواز سے پورا ماحول گونج اُٹھا تھا اور انہوں نے نہایت حیرت سے دیکھا تھا کہ چاروں طرف تو ان کے اُوپر روشنیاں پڑنے لگی تھیں...... بڑی بڑی روشنیاں غالباً پہاڑی ٹیلوں اور درختوں پر نصب کی گئی تھیں...... اس قدر زبردست تیاریاں ناقابل فہم تھیں...... بینا اور شہاب دونوں کو حیرت ہوئی تھی...... شہاب نے سرگوشی کے

انداز میں کہا۔

"بیٹا! ہم اسے گڑبڑ تو نہیں کہہ سکتے، لیکن ذرا ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے...... یہ خیال ہے ہم ان لوگوں کے قابو میں آ گئے ہیں۔"

"کوئی فکر کی بات نہیں ہے...... دیکھتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے؟" ان لوگوں نے تھوڑی ہی دیر کے بعد لوگوں کے قدموں کی آوازیں سنیں...... پھر غالباً میگافون پر کسی نے کہا تھا۔

"تم دونوں کو دیکھ لیا گیا ہے...... اپنے ہاتھ اُوپر اُٹھا لو...... اگر جنبش کرنے کی کوشش کی تو تم دیکھ چکے ہو کہ تمہارے اِرد گرد گولیاں زمین سے ٹکرا رہی ہیں...... یہ گولیاں تمہاری ٹانگوں کو بھی زخمی کر سکتی ہیں...... اب اس طرح بھلا وہ کیا کر سکتے تھے...... جب کہ ان کی آنکھیں تک بند ہو گئی تھیں...... سفید روشنیاں اتنی ہی طاقتور تھیں، چنانچہ کچھ دیر کے بعد گھوڑے سوار ان کے قریب آ گئے اور ان کے چاروں طرف پھیل گئے...... بینا خاموشی سے گردن جھکائے کھڑی تھی...... چہرہ اٹھاتی تو روشنیاں آنکھوں کو زخمی کر دیتیں، چنانچہ گردن جھکا کر آنکھیں بند کئے رکھنا ہی زیادہ مناسب ثابت ہوا، البتہ ہاتھ انہوں نے اُوپر اُٹھا ہوئے تھے...... گھوڑے سوار ان کے قریب پہنچ گئے اور پھر گھوڑوں سے اُتر گئے۔

"ہمیں اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ ہم تم سے پوچھیں کہ تم کون ہو؟ لیکن اپنے آپ خاموشی سے ہمارے حوالے کر دو...... ہم تمہارے ہاتھ پشت پر باندھنے پر مجبور ہیں۔" اور شہاب نے کوئی جواب نہیں دیا...... کچھ لمحوں کے بعد ان کے ہاتھ پشت پر کس دیئے گئے تھے...... پھر ان میں سے ایک شخص نے کہا۔

"تم دونوں اگر چاہو تو گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ۔ اگر دونوں ایک ہی گھوڑے پر سوار ہونا چاہتے ہو تو تب بھی مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے...... یہاں سے تمہیں تقریباً ایک میل فاصلہ طے کرنا ہو گا اور پیدل یہ فاصلہ مناسب نہیں ہے۔"

"ہمیں گھوڑا دے دو ہم دونوں ایک ہی گھوڑے پر سوار ہو جائیں گے...... میں تھکا ہوں۔" شہاب نے کہا اور اس کے بعد ان لوگوں نے انہیں سہارا دے کر گھوڑے پر بٹھا لیکن دو گھوڑے ان کی دونوں سمت کھڑے ہو گئے تھے اور جس گھوڑے پر انہیں بٹھایا گیا اس کے دونوں طرف کے سرے دونوں گھوڑے سواروں نے پکڑ لئے تھے...... اس طرح لوگ آگے بڑھنے لگے...... دونوں گھوڑے سواروں میں سے ایک نے کہا۔

"ایک آدمی پیچھے پیچھے آ جاؤ اور پستول تیار رکھنا، اگر یہ کچھ گڑبڑ کرنے کی کوشش کریں تو پھر انہیں زخمی کرنا مجبوری ہو گی۔" شہاب نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"دیکھو! بار بار دھمکیاں دینے کی کوشش مت کرو...... تمہاری کسی بات کا میں نے کوئی جواب نہیں دیا، لیکن اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ تم ہمیں بزدل سمجھ کر دھمکانا شروع کر دو...... اب اس کے بعد اگر ایک لفظ بھی تمہارے منہ سے نکلا تو تمہارے حق میں بہتر نہیں ہو گا...... ہم تو خیر اپنے بارے میں کیا بتائیں تمہیں کیونکہ تمہیں اس بارے میں کچھ معلوم ہی نہیں ہے، لیکن تم اپنے بارے میں بھی سن لو کہ اتنی آسانی سے ہم لوگوں کا شکار نہیں کر سکو گے اور اب جب کہ ہم نے تمہاری بات مان لی ہے تو یہ بتاؤ کہ ہمیں لے کر کہاں جا رہے ہو؟"

"جانتے ہو تم کون سے علاقے میں ہو؟"

"نہیں جانتے؟ یہی تو بات ہے ورنہ تمہاری بات کا جواب ضرور دیتے...... کیا تم ڈاکو ہو؟"

"نہیں دوست! برا نہ مان اصل میں تم راؤنگر کی سرحدوں میں ہو اور رانی راؤنگر کا حکم ہے کہ کسی بھی اجنبی کو سرحدوں کے اندر برداشت نہ کیا جائے اور اس کا پورا پورا خیال رکھا جائے...... اصل میں تم غلط سمت آ گئے ہو۔ بس یہی تمہاری غلطی ہے...... رانی راؤنگر سے ملاقات کرنے کے بعد تمہیں عزت کے ساتھ اس جگہ پہنچا دیا جائے گا جہاں تم جانا چاہتے ہو۔"

"شکریہ!" شہاب نے بھاری لہجے میں کہا...... پھر بقیہ راستہ خاموشی سے طے ہوا تھا اور جب وہ اس قلعے کے سامنے پہنچے تو واقعی یہ بات سچ ثابت ہو گئی تھی کہ وہ قلعہ ہی ہے...... ایک قلعے ہی کا یہ انداز ہو سکتا تھا...... بڑا عظیم الشان دروازہ، لیکن یہ دروازہ کھلا ہوا تھا اور اس کے دونوں طرف مسلح پہرے دار کھڑے ہوئے تھے...... زبردست شان و شوکت تھی...... قلعے میں رہائش تو بے شک تھی، لیکن اس رہائش کو کچھ رنگ دینے کی کوشش بھی کی گئی تھی۔ تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد انہیں گھوڑوں سے اتارا گیا...... اس دوران دو افراد وہاں اور آ گئے تھے۔ ان میں سے ایک نے پوچھا۔

"کون ہیں یہ، کیا بات ہے؟"

"بانو کو بلاؤ اور اس سے کہو کہ ان خاتون کی تلاشی لے...... ہتھیار اگر ہوں تو ان سے

لے لئے جائیں...... باقی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔"

"ٹھیک ہے؟" "کیوں کوئی ہتھیار ہے آپ لوگوں کے پاس؟"

"نہیں......؟" شہاب نے جواب دیا۔

"آیئے! اِدھر آجایئے۔" پھر وہ شہاب کو لے کر ایک کمرے میں داخل ہوگئے تھے...... بڑا سا کمرا جس میں بس ایک قالین بچھا ہوا تھا...... یہاں لاکر ان لوگوں کو چھوڑ دیا گیا...... پھر چند ہی لمحوں کے بعد ایک عورت اندر داخل ہوئی...... شکل وصورت سے ہی خراٹ نظر آرہی تھی۔ شہاب اور بینا کو لانے والوں میں سے ایک نے کہا۔

"بانو! ان خاتون کی تلاشی لو...... صرف ہتھیار تلاش کئے جائیں...... باقی اور چیزیں ان کی اپنی ملکیت ہیں اور آپ باہر نکل آیئے...... آپ کی تلاشی باہر ہوگی...... اس تھیلے میں کیا ہے؟"

"صرف کھانے پینے کی چیزیں۔"

"آیئے باہر آیئے؟" اور شہاب ان کے ساتھ باہر آگیا...... اس کے شانوں سے تھیلا اتار لیا گیا اور اس کے بعد تھیلے کی تلاشی لی گئی۔ پھر شہاب کے پورے بدن کی اور اس کے بعد وہ عورت باہر نکل آئی۔

"نہیں! کوئی قابلِ اعتراض چیز نہیں ہے۔"

شہاب کو اندر بھیج دیا گیا...... تھیلا بھی اس کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ پھر اس سے کہا گیا۔

"افسوس! اس وقت تم لوگوں کے لئے کوئی خاص بستر مہیا نہیں کیا جاسکتا ہے۔ تمہیں یہیں آرام کرنا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔" شہاب نے کہا اور اس کے بعد وہ لوگ باہر نکل گئے...... بینا اور شہاب اس کمرے کا جائزہ لینے لگے...... شہاب نے پُر مسرت لہجے میں کہا۔

"مبارک ہو بینا...... ہم بڑی مناسب جگہ پہنچے ہیں...... میرا خیال ہے اس سرکار میں ہمیں پناہ مل جائے گی...... بینا نے دلچسپ نگاہوں سے شہاب کو دیکھا اور آنکھیں بند کر کے گردن ہلادی۔

"اور یہ قالین بھی اچھا خاصا آرام دہ ہے، چنانچہ یہاں آرام کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔"

"ہاں! اور میرا خیال ہے اب آرام سے لیٹ جاؤ، تقدیر نے یہاں تک ہماری رہنمائی

کی ہے تو اس سے آگے بھی ضرور ہمارا ساتھ دے گی۔"

"کیوں نہیں!" بینا نے کہا اور اس کے بعد دونوں آرام سے لیٹ گئے...... بینا نے شہاب کے کان کے پاس منہ کر کے سرگوشی کی۔

"کچھ محسوس کر رہے ہو؟ میرا مطلب ہے کوئی خاص بات۔"

"نہیں...... بس احتیاط اور ہاں میں نے جو جملے کہے ہیں ان کا مفہوم میں تمہیں بتائے دیتا ہوں۔" پھر شہاب نے سرگوشی کے انداز میں بینا کو کچھ تفصیلات بتائیں اور بینا مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی...... کچھ لمحے خاموشی رہی، پھر سرگوشی کے انداز میں بولی۔

"کیا ہم...... میرا مطلب ہے کسی کو ایسے لگتے ہیں کہ ہماری بات مان لی جائے۔"

"تعریف سننا چاہتی ہو اپنی؟ تو الگ بات ہے ورنہ جو کہوں گا اس پر یقین کر لینا۔"

"بس کافی ہے۔" بینا نے بدستور شہاب کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا اور اس کے بعد دونوں بالکل خاموش ہوگئے...... دیر تک کسی نے کوئی گفتگو نہیں کی...... اس کے بعد بینا بولی۔

"مجھے نیند آرہی ہے۔"

"میرا خیال ہے آرام سے سو جاؤ، حالانکہ اب تک ہمارے ساتھ جو سلوک کیا گیا ہے انسانی نقطہ نظر سے وہ کسی شکل میں برا نہیں ہے، چنانچہ کوئی خطرہ تو نہیں ہے۔" پھر واقعی تھوڑی دیر کے بعد بینا کی گہری گہری سانسیں اُبھر رہی تھیں...... البتہ شہاب جاگتا رہا تھا...... وہ جاگتا رہا تھا، پھر اسے بھی نیند آگئی اور دوسری صبح وہ اس وقت جاگے جب دروازے پر دستک ہوئی تھی...... دروازہ حالانکہ اندر سے بند نہیں تھا، لیکن ان لوگوں نے تو شرافت کی انتہا کر دی تھی...... دستک کے جواب میں شہاب نے کہا۔

"کون ہے؟ دروازہ کھلا ہوا ہے اندر آجاؤ۔"

اندر آنے والی وہی عورت بانو تھی، جو بے شک چہرے سے کافی خطرناک نظر آتی تھی لیکن اس نے نہایت نرم لہجے میں کہا۔

"سکتر صاحب نے کہا کہ آپ جاگ گئے ہوں تو ناشتا وغیرہ پہنچا دیا جائے...... منہ ہاتھ دھونے کے لئے وہ غسل خانہ موجود ہے۔"

"بہت بہت شکریہ! ان سکتر صاحب کا۔"

شہاب نے کہا اور بانو باہر نکل گئی۔ بینا بھی آنکھیں ملتی ہوئی اُٹھ بیٹھی تھی۔

"یہ سکتر کیا ہوا؟"

"غالباً وہ سیکرٹری کہنا چاہتی تھی۔"

"شہاب! کچھ عجیب سا نہیں محسوس ہو رہا؟"

جواب میں شہاب نے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر بینا کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور بینا دانتوں تلے زبان دبا کر خاموش ہو گئی۔ بار بار بھول جاتی تھی کہ شہاب یہاں کسی ڈکٹافون وغیرہ کی موجودگی کو ذہن میں رکھے ہوئے ہے اور اس لئے کھل کر بولنا نہیں چاہتا...... بہر حال! ان لوگوں نے منہ ہاتھ وغیرہ دھویا حالانکہ یہ حویلی قلعہ یا محل جو کچھ بھی اسے کہہ لیا جائے وہ قدیم طرز کا تھا، لیکن غسل خانے کی مرمت اور قالین وغیرہ اس قدر شاندار تھا کہ اس سے یہاں کے مکینوں کی خوش ذوقی کا پتا چلتا تھا اور یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ کوئی بھی ہیں کم از کم اعلیٰ ذوق کے مالک ہیں...... پھر بانو آ گئی، اس کے ساتھ دو ملازم تھے، جو اپنے ہاتھوں پر بڑی سی ٹرے اُٹھائے ہوئے کھڑے تھے...... ٹرے میں پھلوں کا جوس، ڈبل روٹی، اُبلے ہوئے انڈے، ہاف فرائی انڈے، چائے اتنا سب کچھ موجود تھا کہ انہیں دیکھ کر حیرت ہوئی۔ شہاب نے بانو سے کہا۔

"ارے! ہم صرف دو افراد ہیں...... یہ ناشتا تو تم بہت لوگوں کے لئے لائی ہو۔"

"صاحب جی! جو بھیجا گیا وہ میں لے آئی، اب آپ کی مرضی ہے آپ کا دل چاہے کھائیں...... چائے پینا چاہیں تو چائے پیجئے اور جوس پینا چاہیں تو وہ بھی موجود ہے۔" بانو باہر نکل گئی...... شہاب نے بہر حال کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا...... بظاہر کوئی ایسی چیز نظر نہیں آ رہی تھی جو شبہ کا باعث ہوتی، جیسے ڈکٹافون وغیرہ جس پر ان کی گفتگو کہیں اور سنی جا سکتی۔ چنانچہ ابھی تک انہوں نے کوئی ایسا لفظ اپنی زبان سے نہیں نکالا تھا جو کسی طرح مشکوک ہو سکتا...... ناشتا کیا گیا اور اس کے بعد ہی بانو واپس آ گئی تھی...... شہاب نے اس سے کہا۔

"ہمارا کیا ہو گا؟ محترم بہن! ہم بہت پریشان ہیں۔"

"نہیں! پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے...... تم لوگ یوں سمجھ لو کہ مہمان ہو رانی صاحبہ کے حالانکہ پکڑے ہوئے مہمان ہو پھر بھی رانی صاحبہ کا حکم ہے کہ اس چار دیواری کے اندر جب کوئی آ جائے تو اس کی امن و سلامتی کی ذمہ داری رانی صاحبہ کے شانوں پر ہوتی ہے

ن کا خاص طور سے خیال رکھا جائے۔"

"تو کیا ہمیں! میرا مطلب ہے رانی صاحبہ کو ہمارے بارے میں اطلاع دے دی گئی ہے؟"

"صبح ہی صبح سب سے پہلا کام یہی کیا گیا ہے۔"

شہاب نے گردن ہلا دی...... بانو برتن اُٹھا کر باہر نکل گئی تھی...... پھر تقریباً گیارہ بجے بجے اور افراد آئے اور ان کی طلبی ہو گئی۔ اس محل کو دن کی روشنی میں انہوں نے غور سے دیکھا تھا اور عش عش کر کے رہ گئے تھے...... کمال کی جگہ تھی۔ واقعی کمال کی جگہ تھی...... پھر انہیں جس شخصیت کے سامنے پہنچایا گیا وہ ایک بہت ہی حسین عورت تھی...... عمر چالیس سال سے زیادہ نہیں ہو گی...... ہو سکتا ہے اس سے کچھ زیادہ ہو لیکن بہترین صحت اور انتہائی حسین چہرے کی بنا پر اس کی عمر پر توجہ نہیں دی جا سکتی تھی...... اس نے بڑی بڑی سیاہ آنکھوں سے ان دونوں کو دیکھا...... ایک لمحے کے لئے شہاب کو احساس ہوا کہ ان آنکھوں میں بندیدگی کے تاثرات ہیں...... پھر انتہائی مترنم اور خوب صورت آواز اُبھری۔

"پہلے تم لوگ اپنے درمیان رشتہ بتاؤ؟ باقی ساری باتیں تم سے بعد میں ہوں گی۔"

شہاب نے مردانہ وار سینہ تان کر کہا۔

"اب ہم دونوں میاں بیوی ہیں...... اور میں پورے بھروسے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میرے شانوں پر اس کی حفاظت کی ذمہ داری ہے اور میں ہر قیمت پر اس کا تحفظ کروں گا سمجھیں آپ؟" "بے شک! ہم زمانے کی قوت کا مقابلہ نہیں کر سکتے لیکن دونوں ایک ساتھ جان دے سکتے ہیں...... یہ عہد ہے ہمارا۔" سامنے بیٹھی ہوئی عورت جو اپنے انداز سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ رانی راؤنگر ہے...... دل آویز انداز میں مسکرا دی...... اس نے عجیب سی نظروں سے پہلے شہاب اور پھر بینا کو دیکھا تھا اور اس کے بعد مسکراتی ہوئی بولی تھی۔

"اتنے خوب صورت جوڑے کو علیحدہ کرنے والے بڑے سنگ دل ہوں گے...... البتہ ایک بات میرے ذہن میں چبھ رہی ہے...... وہ یہ ہے کہ تم لوگوں نے اتنے عرصے کے بعد شادی کا فیصلہ کیوں کیا؟"

"اس لئے کہ زندگی کے سات سال ہم نے انہیں یہ بتاتے ہوئے گزارے کہ وہ ہمیں ساری زندگی ایک دوسرے سے جدا رکھ سکتے ہیں، لیکن ہمارے دلوں سے ایک دوسرے کی محبت نہیں مٹا سکتے...... شادی ضروری چیز نہیں ہے، ہم پوری عمر گزار دیں گے لیکن اگر

انہوں نے یہ چاہا کہ ہم ان کی مرضی کے مطابق کہیں اور شادیاں کرلیں تو ان کا یہ خواب زندگی بھر پورا نہیں ہوگا۔"

"ویری گڈ...... ویری گڈ...... اگر انسان کے دل میں واقعی کسی کے لئے سچی محبت ہو تو اس کا عزم بھی اتنا ہی پائیدار ہونا چاہئے...... آخر کار تم لوگوں نے شادی کرلی۔"

"جی! لیکن ہم آپ کے سوالات پر حیران ہیں، ہم تو یہ جاننا چاہتے تھے کہ ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟ ایسا لگتا ہے جیسے آپ کو ہمارے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔"

"لو! بھلا مجھے کیسے معلوم ہوگا...... میں جادوگر ہوں۔ یا...... ؟ کیا سمجھ رہے ہو تم مجھے کسی غلط فہمی کے شکار تو نہیں ہو؟"

"آپ...... سب سے پہلے آپ ہمیں یہ یقین دلا دیجئے کہ ہم یہاں محفوظ ہیں یا ہمیں پولیس کے حوالے کر دیا جائے گا؟"

"نہیں۔" مجال ہے کسی کی کہ میرے احاطے میں قدم رکھ جائے یا تمہیں چھونے کی کوشش کرے...... یہ راؤنگر ہے اور راؤنگر میں میرے حکم پر ہی سب کچھ ہوتا ہے...... کس کی مجال ہے جو یہاں داخل ہوکر تمہیں ٹیڑھی نگاہوں سے دیکھ جائے...... آؤ بیٹھو۔ میں تم سے تمہارے بارے میں تفصیل سننا چاہتی ہوں...... ویسے یقین کرو...... میرے دل میں تمہارے لئے عزت پیدا ہوگئی ہے...... پہلے مجھے بتاؤ؟ میرے کسی آدمی نے تمہارے ساتھ کوئی سخت یا برا سلوک تو نہیں کیا؟"

"بالکل نہیں۔" اور ہم اس بات پر حیران ہیں کہ آپ آخر۔"

"نہیں بس...... یہی میں جاننا چاہتی تھی...... اس سے آگے کی باتیں ذرا تفصیل سے ہوں گی۔" رانی راؤنگر نے کہا...... شہاب اور بینا بڑے غور سے اس عورت کا جائزہ لے رہے تھے اور یہ اندازہ لگا رہے تھے کہ کیا اس طرح کی عورت کسی معصوم لڑکے کی قاتل ہو سکتی ہے؟ لیکن چہروں پر یقین کا دور گزر چکا ہے...... اب ہر جرم نہایت ذہانت سے ہوتا ہے۔ ذہین مجرم پہلے جرم کی منصوبہ بندی کرتا ہے، ان جرائم کی بات نہیں جو وقتی حادثوں کے تحت ہو جاتے ہیں، بلکہ بات ان جرائم کی ہو رہی ہے جو جان بوجھ کے منصوبہ بندی کے تحت کئے جاتے ہیں اور بہرحال ایسے جرائم کا تعین کیا جا سکتا ہے...... رانی راؤنگر کے چہرے پر وقار تھا، ایک سنجیدگی تھی...... ایک ملائم کیفیت تھی، اس کا لہجہ اس کی آنکھوں کی سادگی،

پیشانی کی کشادگی اس بات کا اظہار کرتی تھی کہ وہ ایک فراخ دل اور نرم مزاج عورت ہے، لیکن اس میں بھی تضاد تھا...... تضاد یہ تھا کہ اگر وہ ایک فراخ دل اور نرم مزاج عورت ہے تو راؤنگر کے رہنے والے دو حصوں میں کیوں تقسیم ہیں؟ دائیں اور بائیں کا کیا قصہ ہے؟ ملکی حیثیت کے حامل لوگوں کو نچلا درجہ کیوں دیا جاتا ہے اور اپنے آپ سے دور کیوں رکھا جاتا ہے؟ اس کے علاوہ وہ لوگ جو رانی راؤنگر کے لئے اس قسم کے کام سرانجام دیتے ہیں، جیسے ہم دونوں کی گرفتاری یہ تمام باتیں کس حیثیت کی حامل ہیں؟ ان کی تفصیل بہر طور انہیں ابھی نہیں معلوم تھی...... رانی راؤنگر کے چہرے کی نرمی، شہاب اور بینا کی سوچوں میں تحلیل ہوگئی اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، پھر اس نے کہا۔

"تم دونوں ایک دوسرے پر مکمل بھروسا کرتے ہو نا؟"

شہاب نے چونک کر رانی کو دیکھا اور بولا۔

"جی؟"

"تو پھر یہ سمجھ لو کہ میں بھی تم دونوں کی رازدار اور شریک ہوں...... میرا وعدہ ہے کہ تمہیں میری ذات سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔"

"ہمیں اندازہ ہو رہا ہے رانی صاحبہ! مختصر تفصیل ہمارے بارے میں یہ ہے۔ جتنا کچھ بتا چکے ہیں وہ تو آپ کے علم میں ہے۔ ہم دونوں نے آخر کار اپنی زندگی برباد ہوتے دیکھ کر شادی کرلی۔ اس کے بعد بینا کے عزیز واقارب اس شادی کو برداشت نہیں کر سکے۔ انہوں نے ہر طرح کی کوششیں شروع کر دیں...... پہلے تو انہوں نے پولیس کے ذریعے ہم دونوں کو گرفتار کرانے کی کوشش کی اور ہمارے اُوپر باقاعدہ کیس بنوانا چاہا اور دوسری جانب انہوں نے کچھ ایسے جرائم پیشہ افراد کو ہماری نشاندہی کر دی جو معاوضہ لے کر دُنیا کا ہر کام کر لیا کرتے ہیں اور رانی صاحبہ! جب عزت وزندگی بچانا مشکل ہوگئی تو ہم لوگوں نے اپنا شہر چھوڑ دیا...... ٹرین میں بیٹھ کر چل پڑے...... کوئی منصوبہ ذہن میں نہیں تھا...... تھوڑی سی رقم ساتھ تھی بس۔ تھوڑا سا سامان ساتھ لے لیا تھا...... زندگی اور عزت بچانے کے لئے دُنیا کی ہر چیز بے کار ہوتی ہے...... یہ فیصلہ نہیں کیا تھا کہ کہاں جائیں گے...... بس ٹرین میں بیٹھ گئے تھے اور چل پڑے تھے...... یہاں تک کہ ہمیں حاضر پور کا اسٹیشن نظر آیا اور ہم خاموشی سے اس اسٹیشن پر اتر گئے، سچی بات یہ ہے کہ دُنیا کی نگاہوں سے چھپنا چاہتے تھے، چنانچہ ہم نے

تھوڑی سی جعل سازی کی اور معلومات کرنے کے بعد سرکاری گیسٹ ہاؤس میں پہنچ گئے۔ گیسٹ ہاؤس کے منشی سے ہم نے کہا کہ ہمیں سرکاری طور پر یہاں رہنے کی اجازت دی گئی ہے..... سیدھا سادا آدمی تھا..... ہماری باتوں میں آگیا اور ہمیں وہاں قیام کرنے کی اجازت دے دی۔ پھر ہم نے حاضر پور میں تھوڑا سا وقت گزارا..... میں یہ نہیں کہتا کہ بینا کے عزیز و اقارب بہت ذہین ہیں، لیکن پیارے خاں نامی آدمی کو میں اچھی طرح جانتا تھا..... شخص وہاں شہر میں مسلسل میرے تعاقب میں تھا اور شاید کسی واردات کا ارادہ رکھتا تھا۔ بس آپ یوں سمجھ لیجئے کہ ہم خوف زدہ ہوگئے..... ہمیں یہ بات معلوم تھی کہ پیارے خاں کو ہمارے خلاف کام کرنے پر مجبور کیا گیا ہے اور اس نے معاوضہ لے کر غالباً ہماری گرفتاری یا موت کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ راتوں رات ہم یہ سامان سمیٹ کر چل پڑے..... بس ہمیں چھپنے کی جگہ درکار تھی۔ راؤنگر کے بارے میں ہمیں کچھ بھی نہیں معلوم تھا..... بس ایک جگہ روپوشیدہ ہوگئے اور اس کے بعد کے واقعات آپ کے علم میں ہیں۔"

"مگر تم نے قانونی طور پر شادی کی ہے؟ تمہیں کیا خطرہ ہو سکتا ہے اور ویسے بھی معاف کرنا! تم دونوں مکمل طور سے بالغ ہو اور قانون اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ تمہیں ایک جائز شادی کرنے سے روکا جائے۔"

شہاب نے تلخ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"رانی صاحبہ! قانون بے شمار باتوں کی اجازت نہیں دیتا، لیکن قانون شکن ہر طرح کی اجازت سے مستثنیٰ ہوتے ہیں اور وہ کر لیا کرتے ہیں جو ان کا دل چاہے۔ یہ بات آپ بھی جانتی ہیں اور میں بھی۔"

اگر کسی طرح میرے علم میں یہ بات آجاتی تو میں تمہیں یقینی طور پر خادم خاں کے حوالے کر دیتی۔

"خادم خاں۔"

"مزے کی چیز ہے..... بہت مزے کی چیز ہے..... یوں سمجھ لو وہ جو کہتے ہیں نا مٹی کا مادھو، مگر بڑا چالاک کم از کم اپنے معاملات میں بہت چالاک ہے اور بس ویسے کام کا آدمی ہے۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو سنو! میں تمہیں پیش کش کر رہی ہوں، تم یہاں اپنے آپ کو محفوظ سمجھو..... اس وقت تک یہاں آرام سے رہو، جب تک کہ تمہارے لئے بہتر فضا

ہو جائے..... اخراجات اگر تمہارے پاس نہ ہوں تو بھول کر بھی نہ سوچنا کہ اجنبی جگہ ہو۔ بڑی بات تو یہ کہ راؤنگر میں تمہیں کسی شے کی ضرورت ہی نہیں پیش آئے گی۔ یہ تو بہت چھوٹی سی جگہ ہے..... ہم لوگوں کو بھی اگر خریداری وغیرہ کرنی ہوتی ہے تو دارالحکومت چلے جاتے ہیں۔ چھوٹی موٹی چیزیں حاضر پور سے حاصل کر لیا کرتے ہیں..... تھوڑے دن تک دوسری آبادیوں کو بھول جاؤ..... راؤنگر کے نواحات بھی خوب صورت ہیں، لیکن میں اس وقت تمہیں ان نواحات میں سیر کرنے کی اجازت دوں گی جب مجھے اس بات کا یقین ہو جائے کہ تمہارا کوئی دشمن تمہارے آس پاس موجود نہیں ہے اور ویسے بھی مکمل طور پر اطمینان رکھو، میں نے جن لوگوں کو اس کام کے لئے منتخب کیا ہے یعنی وہ لوگ جو میرے لئے کام کرتے ہیں، وہ پوری طرح اس بات کا خیال رکھیں گے کہ کوئی اجنبی شخصیت راؤنگر کے آس پاس نہیں بھٹک رہی ہے..... میری مراد پیارے خاں سے ہے اور ان تمام باتوں کے بعد یہ بھی سن لو دل میں یہ خیال بالکل مت لانا کہ تمہاری یہ مدد کر کے میں تم سے اپنا کوئی کام لینا چاہتی ہوں یا اس کے پس منظر میں کوئی خاص تصور ہے۔ بس تم سے یہی ایک درخواست ہے..... ایسی کوئی بات مت سوچنا ورنہ مجھے دُکھ ہوگا۔ انسان کا انسان سے رشتہ بھی ہوتا ہے اور انسانی رشتوں کی بنیاد پر میں تم سے یہ بات کہہ رہی ہوں..... اگر مجھ سے کوئی سوال کرنا چاہتے ہو تو ضرور کرو۔" شہاب نے گردن جھکا دی تھی..... بینا بھی بہترین اداکاری کر رہی تھی۔ دونوں چند لمحات تاثر میں ڈوبے رہنے کا مظاہرہ کرتے رہے..... پھر شہاب نے کہا۔

"صرف ایک ہی بات کہنی ہے آپ سے رانی صاحبہ کہ اگر دُنیا میں اچھے آدمیوں کا ظہور نہ رہے تو آپ یقین کیجئے کہ درختوں پر پھل اور زمین پر سبزہ ختم ہو جائے..... یہ پھل، سبزہ اور خوش نما پھول ان اچھے لوگوں کی نشاندہی کرتے ہیں جو بے لوث کسی کی خدمت اور ان کی مدد کرتے ہیں..... ہم شکریئے کے علاوہ کچھ نہیں کہہ سکتے۔"

"میں تمہارے لئے مہمان خانے میں مناسب بندوبست کرائے دیتی ہوں، وہاں آرام سے رہنا..... زندگی کی ہر ضرورت پوری ہو جائے گی اور جب تک میرے آدمی اطراف میں تمہارے دشمنوں کے بارے میں تفصیلات نہ معلوم کر لیں، اس وقت تک بس اتنا کرنا کہ باہر نہ نکلنا..... ویسے یہ گھر جسے تم قلعہ کہہ سکتے ہو، حویلی کہہ سکتے ہو، بہت کشادہ ہے اگر اس کی سیر کرو گے تو باہر جانے کی ضرورت، نہیں پیش آئے گی۔ ہر جگہ آنے جانے کی تمہیں

آزادی ہے...... میں ملازمین کو اس بارے میں بتادوں گی...... بس بڑے گیٹ سے باہر نکلنا...... اس میں تمہیں آسانی ہوگی اور کوئی خدمت ہو میرے لائق تو بتاؤ؟"

"نہیں! رانی صاحبہ بس شرمسار ہیں کہ آپ کو آپ کی اس محبت کا کیا صلہ دیں گے؟"

"جاؤ! صلے کا تصور ذہن سے نکال دو...... نہ کوئی کسی کو صلہ دے سکتا ہے۔ نہ کوئی کسی سے صلہ حاصل کر سکتا ہے...... یہ دور ہاتھ پاؤں ہلانے کا ہے...... اپنی مدد زیادہ تر آپ ہی کرنی پڑتی ہے اور اگر کہیں سے تمہیں کوئی سہارا مل جائے تو بس یہ سمجھ لو کہ قدرت تم پر مہربان ہے۔ میں اس وقت تو تمہیں وہیں پہنچا رہی ہوں جہاں تم ابھی تک تھے، لیکن اس سے کچھ دیر کے بعد تمہیں تمہارے کمرے میں منتقل کر دیا جائے گا۔" شہاب اور بینا آخر کار اس نئے کمرے میں منتقل ہو گئے جو مہمان خانہ تھا...... رانی راؤ نگر نے شاید ملازموں کو بتا دیا تھا کہ نئے مہمانوں کو ہر وقت ہر جگہ آنے جانے کی اجازت ہے...... یہاں پہنچنے کے بعد شہاب نے سب سے پہلے بینا کے کان میں سرگوشی کی۔

"پہلے دروازہ بند کرو بینا اور پھر اس کمرے کے ایک ایک انچ حصہ کا جائزہ لے لو اور صرف یہ بات معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ یہاں کسی شے میں ہماری آواز کہیں اور سننے کے لئے کوئی آلہ تو نہیں لگایا گیا؟ یا پھر کوئی ایسا ویژن کیمرہ جو ہماری حرکات و سکنات دوسری جگہوں تک منتقل کر سکتا ہو۔" بینا نے بھی سرگوشی کے ہی انداز میں کہا۔

"اور یہ جو آپ میرے کان سے منہ لگائے کھڑے ہیں، اگر کوئی کیمرہ یہاں موجود ہے تو کیا یہ تصور کہیں اور منتقل نہ ہو رہی ہو گی۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، پہلی بات تو یہ کہ ہم سچ مچ شادی شدہ ہیں...... دوسری بات یہ کہ میں جس انداز میں کھڑا ہوں آپ نے غور نہیں کیا کہ میرے ہونٹ آپ کے کان سے لگے ہوئے ہیں یا؟" بینا جلدی سے پیچھے ہٹ گئی اور ناز بھرے انداز میں شہاب کو دیکھنے لگی پھر بولی۔

"خدا کی قسم! شرارت تو اس طرح تمہارے وجود میں رچ گئی ہے کہ کوئی بات شرارت سے خالی نہیں ہوتی۔"

"محترمہ! شکر کیجئے گا کہ یہ شرارت صرف آپ کی ذات تک محدود ہے...... فرض کرو شرارت میں کہیں دُور نکل جاؤں تو آپ خوش نہیں ہوں گی۔"

"خیر! اعتماد بڑی عجیب چیز ہوتی ہے اور اگر اعتماد انسان کو حاصل ہو جائے تو آپ یہ سمجھ لیجئے شاید میں اپنے الفاظ کی صحیح تشریح نہیں کر پا رہی۔"

"اس سے بہتر یہ ہے کہ ہم اپنا کام کیوں نہ کریں۔"

اور اس کے بعد ان لوگوں نے کمرے کی تلاشی لینا شروع کر دی...... دروازے کے ہینڈل سے لے کر ایک ایک ڈیکوریشن پیس، جتنا فرنیچر تھا وہ اور میز پر رکھا ہوا سامان، گلدان، دیواریں، چوکھٹیں الیکٹرک کے سوئچ، واش روم میں موجود ایک ایک چیز اور بہر حال دونوں کو جو تجربہ تھا...... کوئی ننھا سا سوراخ بھی ان کی نگاہوں سے محفوظ نہ رہ سکا اور آخر کار یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ ایسی کوئی چیز یہاں موجود نہیں ہے اور جب اس بات کا اطمینان ہو گیا تو بینا نے کہا۔

"ویسے تو ہم رانی راؤ نگر کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتے لیکن شخصیتوں کی تحریر پڑھنے کا جو تجربہ ہمیں حاصل ہے اس کے تحت ایک بات کہی جا سکتی ہے کہ اگر رانی راؤ نگر کسی طرح کی خطرناک عورت ہے تو اس سے بڑی اداکارہ شاید روئے زمین پر دوسری نہ ہو۔ وہ اپنے وجود کے ہر حصے میں شرافت کا ایک عنصر رکھتی ہے اور اس کا اظہار ہوتا ہے۔" شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تو بینا نے کہا۔

"غالباً تمہیں میرے ان الفاظ سے اختلاف ہے۔"

"سو فیصد۔" شہاب نے کہا اور بینا چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"یقیناً تمہارے تجربے کو چیلنج نہیں کر سکتی لیکن تھوڑا مجھے بھی تو سمجھایا کرو۔"

"بینا! بعض لوگ مجرم نہیں ہوتے لیکن اگر میرے تجربے کی بات کرتی ہو تو تم یہ سمجھ لو کہ ایک بہت ہی نیک، بہت ہی شریف انسان اگر کسی حادثے کا شکار ہو جاتا ہے تو اس کے اندر ایک دوسرا انسان جنم لے لیتا ہے...... وہ دوسرا انسان عام دُنیا کے لئے اس وجود کے اندر چھپا بیٹھا ہوتا ہے اور جب اس وجود میں ماضی کے کسی حادثے کا جوار بھاٹا نمودار ہوتا ہے تو اس کی شخصیت تبدیل ہو جاتی ہے اور پھر اس وجود سے بھیانک جرائم سرزد ہوتے ہیں، جن کا تصور اس کی صورت دیکھ کر خواب میں بھی نہ کیا جا سکے۔"

"لیکن شہاب! ایسے کسی وجود کو پہچاننے کا کیا ذریعہ ہو سکتا ہے۔"

"کوئی نہیں...... انتظار اور صرف انتظار۔" شہاب نے جواب دیا اور بینا گہری سانس

لے کر گردن ہلانے لگی۔ جو کچھ انہوں نے رانی راؤنگر کو بتایا تھا اب انہیں اسی کے مطابق مظاہرہ بھی کرنا تھا...... رانی راؤنگر نے ان سے درخواست کی تھی کہ وہ ابھی باہر نہ جائیں اس قلعہ نما عمارت میں ہی سیر و سیاحت کریں...... حقیقت یہ تھی کہ زمانہ قدیم کے کسی میں تیار ہونے والا یہ قلعہ تقریباً ستر فیصد پرانا طرز تعمیر رکھتا تھا...... بعض جگہ اس بوسیدہ کھنڈرات بھی نظر آتے تھے...... پرانے طرز کی اینٹوں کے ڈھیر لیکن یہ دُور دراز حصے تھے...... رہائش کے لئے جو علاقے منتخب کئے گئے تھے انہیں دوبارہ تعمیر کرایا گیا تھا اور نہیں یہ رانی راؤنگر کا ذوق تھا یا ان سے پہلے کی کسی شخصیت کا طریقہ عمل کہ ان کے حصوں کو ان کی اصل شکل ہی دینے کی کوشش کی گئی تھی۔ رانی راؤنگر نے بہت سے لوگوں سے شہاب اور بینا کا تعارف کرایا تھا اور کہا تھا کہ یہ اس کے مہمان ہیں اور دونوں کچھ عرصہ اس کے ساتھ رہیں گے۔ لوگوں کا رویہ ان کے ساتھ بہت اچھا تھا...... شہاب خاصی اُلجھن کا شکار تھا اور سوچ رہا تھا کہ کہیں یہاں رہ کر وقت ضائع کرنے والی بات تو نہیں ہے؟ اس وقت بھی بینا کے ساتھ وہ ایک ایسے حصے میں بیٹھا ہوا تھا جہاں خوب صورت سبزہ لگا ہوا تھا...... پھولوں کے بڑے بڑے تختے دُور تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان کے عقب میں ملازموں کی رہائش گاہیں تھیں اور ان تمام چیزوں کو دیکھنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا تھا کہ رانی راؤنگر بہر طور ایک نرم دل اور فراخ شخصیت کی مالک ہے، لیکن اس کی کہانی ابھی تک صیغہ راز میں تھی...... پھولوں کے ایک کنج کے برابر بیٹھے ہوئے دونوں یہی باتیں کر رہے تھے...... شہاب نے کہا۔

"بینا! بوریت تو نہیں ہو رہی؟"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا...... میں نہیں جانتی ہوں اس وقت تم کس انداز میں یہاں وقت گزار رہے ہو؟ لیکن میرے لئے یہ تجربہ بڑا دلچسپ اور انوکھا ہے۔"

"وہ کس طرح؟"

"ایک بات تو ثابت ہے کہ یہ کوئی قدیم دور کا قلعہ ہے۔ اس کی تاریخ کیا ہے؟ اس کے بارے میں مجھے نہیں معلوم لیکن شہاب! اس کے بعض حصوں میں پہنچ کر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے زمانہ قدیم میں یہاں رہنے والوں کی روحیں اب بھی یہاں اس قلعہ کے اندر موجود ہیں...... ان روحوں سے لاتعداد کہانیاں منسلک ہوں گی...... تاریخ میں جن باتوں کو پڑھتے رہتے ہیں، یہاں وہ تمام باتیں عملی شکل میں ہوا کرتی ہوں گی...... خوب صورت اور حسین

شہزادیاں جن میں سے بیشتر واقعی شہزادیاں ہوں گی۔ جب رانی راؤنگر کو رانی راؤنگر کہا جاتا ہے تو لازمی امر ہے کہ ان بچوں کو شہزادے اور شہزادیاں کہا جاتا ہوگا۔ اگر کبھی موقع ملے تو صحیح معنوں میں رانی راؤنگر سے اس قلعے کی تاریخ پوچھی جائے، کیا خیال ہے؟ کیا یہ ایک دلچسپ مشغلہ نہیں ہے؟"

"میں ذرا مختلف انداز میں سوچ رہا ہوں بینا!"

"کیا؟"

"کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ہم یہاں صرف وقت ضائع کر رہے ہیں؟" بینا کچھ لمحے خاموش رہی پھر اس نے کہا۔

"دیکھو شہاب! جہاں تک وقت ضائع کرنے کا تعلق ہے تو میرے خیال میں ہم وقت تو نہیں ضائع کر رہے...... ڈی آئی جی صاحب نے ہماری کیا ڈیوٹی لگائی تھی یاد ہے؟"

"ہاں! کیوں نہیں۔"

اور میرا خیال ہے اس کے لئے ہمیں مناسب کام مل گیا ہے۔ یعنی جناب خادم خان صاحب! میں سمجھتی ہوں کہ اس سے زیادہ بدقماش شخص اور کون ہو سکتا ہے؟ ذرا غور کرو، پہلی بات تو یہ کہ اس دن وہ ہمارے پاس آیا تھا...... یقینی طور پر ہمیں پریشان کرنا چاہتا تھا، اگر پانچ ہزار روپے اسے نہ مل گئے ہوتے تو اس کا رویہ ہمارے ساتھ کچھ اور ہی ہوتا...... وہ تو اس کی جیب میں پیسے پہنچ گئے، اس کے علاوہ ذرا غور کرو اس کے مجرمانہ عمل پر وہ نوجوان بچہ، یقین کرو جب اس کی صورت مجھے یاد آتی ہے میرا دل ہل جاتا ہے...... جو اپنے لئے زندگی مانگ رہا تھا اور خادم خان خاموشی سے اسے نظر انداز کئے جا رہا تھا...... یہاں تک کہ وہ زندگی کھو بیٹھا اور میں بتاؤں، یہ خادم خان یقینی طور پر اس سلسلے میں کچھ نہ کچھ ضرور جانتا ہے...... اگر ہمیں صحیح انداز میں اس بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا تو میں خادم خان کی ہڈیاں توڑ دوں گا اور اس سے اگلواؤں گا کہ اس نوجوان لڑکے کے قاتل کون ہو سکتے ہیں؟ لیکن یہ رانی راؤنگر جس پوزیشن میں سامنے آئی ہے اس میں ذرا احتیاط برتنا پڑ رہی ہے اور صحیح معنوں میں ہم ابھی تک کوئی اندازہ نہیں لگا سکے...... ذرا یہ پتا چل جائے۔ کیا نام تھا اس لڑکے کا؟"

"عارف!" بینا نے فوراً جواب دیا اور شہاب مسکرانے لگا۔

"کیوں؟ غلط بتایا ہے میں نے۔"

"نہیں...... مین تمہاری یادداشت کا امتحان لے رہا تھا۔"

"نہیں شہاب! بالکل چھوٹی سی عمر کا تو تھا اور جس طرح مضطرب تھا اپنی زندگی کے لئے بس یاد آتا ہے تو دل تڑپ اُٹھتا ہے...... میرے خدا! کس درندگی سے اسے ہلاک کر گیا تھا...... تو اصل بات ہو رہی تھی وقت ضائع ہونے کی تو وقت کہاں ضائع ہو رہا ہے؟ ہم تو اس معصوم بچے کی تحقیق کر رہے ہیں۔"

"فرض کرو بینا، اگر رانی راؤنگر۔" شہاب نے ابھی اتنا ہی جملہ کہا تھا کہ دُور سے رانی راؤنگر آتی ہوئی نظر آئی اور دونوں اس کے استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے...... ویسے تو وہ اکثر نظر آجایا کرتی تھی...... زیادہ تر مصروف رہا کرتی تھی۔ کبھی کبھی گاڑی میں بیٹھ کر کہیں چلی جاتی تھی اور کبھی چہل قدمی کرتی ہوئی نظر آتی تھی...... بے شک اس نے ان لوگوں کو اپنے یہاں ان کی داستان سننے کے بعد پناہ دے دی تھی، لیکن! اب اس کا یہ مقصد بھی نہیں تھا کہ وہ ہر وقت ان لوگوں کو اپنے آپ پر مسلط رکھے...... اس دوران صرف اس سے زیادہ سے زیادہ دو یا تین بار ملاقاتیں ہوئی تھیں...... ویسے ان لوگوں کی گہری نگاہیں یہاں آنے جانے والوں کا جائزہ بھی لیتی رہتی تھیں اور ان میں کچھ لوگ انہیں ایسے نظر آئے تھے جنہیں مشکوک کہا جا سکتا تھا، حالانکہ شہاب وغیرہ کو بھی جس انداز میں یہاں لایا گیا تھا۔ وہ ایک الگ حیثیت کا حامل تھا اور اس پر غور کیا جا سکتا تھا کہ انہیں یہاں لانے والے جس شکل و صورت کے مالک ہیں ان کی کیا حیثیت ہے؟ لیکن شہاب ابھی کھل کر کام نہیں کر رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وقت سے پہلے اس کی شخصیت کسی بھی شکل میں منظر عام پر آئے، چنانچہ وہ بڑی خاموشی سے یہ وقت گزار رہا تھا...... رانی مسکراتی ہوئی اس کی جانب آ گئی تھی۔ شہاب نے سرگوشی میں بینا سے کہا۔

"بینا! اس عورت کے چہرے کو دیکھ کر بتاؤ، کیا یہ بری عورت معلوم ہوتی ہے؟"

"میں نے کہا میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اگر کوئی مجھ سے اس کے بارے میں کچھ کہتا میں اس پر یقین نہیں کرتی...... چہرے کی یہ سادگی اس قدر مصنوعی نہیں ہو سکتی۔"

رانی ان کے پاس پہنچ گئی تھی۔

"اور کم از کم تم لوگ تعلیم یافتہ ہو، یہ بات سمجھتے ہو کہ عورت ہو یا مرد، جب ذمہ داریاں اس کے شانوں پر آپڑتی ہیں تو شخصیت میں بڑا کچاپن پیدا ہو جاتا ہے...... لوگ ان

کے بارے میں برے انداز میں سوچتے ہوں گے...... اگر میں خود تمہاری جگہ ہوتی تو یقینی طور پر سوچتی کہ تم اس قلعے کے مالک ہو...... ایک بڑی شخصیت رکھتے ہو یہاں...... از راہ کرم تم نے اپنے درمیان جگہ دے دی ہے، لیکن اس سے زیادہ میں تمہاری یا تم میری کوئی حیثیت نہیں سمجھتے...... بات اصل میں یہ نہیں ہے میرا مسئلہ بھی وہی ہے جو دُنیا کے ہر انسان کا یعنی تن ڈھکنا، لباس پہننا اور بس لیکن اس ماحول کو برقرار رکھنے کے لئے ان تمام لوگوں کو ذہنی طور پر رکھنے کے لئے مجھے سب سے زیادہ محنت کرنا پڑتی ہے...... کیا سمجھے؟"

"جی رانی صاحبہ! آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔"

"ٹھیک نہیں کہہ رہی...... اصل بات جو کہنا چاہتی ہوں وہ یہ کہ تم یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہیں نظرانداز کر رہی ہوں...... مجھے ایک مصروف انسان سمجھ کر معاف کر دینا...... ویسے یہ بتاؤ کیسی گزر رہی ہے؟"

"رانی صاحبہ! ہم یہ کہہ کر آپ کے اس انداز کی توہین تو نہیں کر سکتے جس انداز سے آپ نے ہمیں خوش آمدید کہا ہے اور پھر عزت سے یہاں رہنے کے لئے مقام دیا ہے...... ہم صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ آپ انتہائی معزز اور قابل احترام شخصیت کی مالک ہیں...... رانی صاحبہ! آپ بہت نفیس خاتون ہیں اور ہم ہمیشہ یہ سوچتے رہے ہیں کہ جتنے عرصے بھی ہم یہاں رہیں کسی نہ کسی شکل میں آپ کے لئے کارآمد ثابت ہوں۔"

"ارے نہیں! تم لوگ اپنی منزل پالو...... خوش رہو میرے لئے اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ کیا سمجھے؟"

"جی!" شہاب نے کہا...... بینا بول پڑی۔

"رانی صاحبہ! یہ عمارت قدیم قلعوں کی مانند ہے، بلکہ ہو سکتا ہے زمانہ قدیم میں یہ کوئی قلعہ ہی ہو...... اس کی کوئی تاریخ تو یقیناً ہو گی۔"

"سو فیصد یہ قلعہ ہے...... اب تو اس کی وسعتیں بہت کم ہو گئی ہیں...... پیچھے سے بہت بڑا حصہ ایسا ہے جو میں نے ختم کرا کے اسے کھیتوں کی شکل میں تبدیل کر دیا ہے...... احاطے کا یہ آخری حصہ جو تم دیکھ رہے ہو اگر غور کرو گے تو اندازہ ہو جائے گا کہ زیادہ پرانا بنا ہوا نہیں ہے...... اس کے پیچھے بہت دُور تک یہ احاطہ چلا گیا تھا۔ اس میں زیادہ پرانی عمارتیں تھیں...... میں نے انہیں ختم کرا کر یہاں زمینوں پر ہل چلوا دیئے اور اس کے بعد یہاں باغات

اگائے...... اتنی وسعتوں کا کیا کرنا تھا؟ زمین کو قابل استعمال بنایا گیا اور اس سے بہت بہتر حاصل ہوا...... ویسے میں تمہیں بابا سفیان سے ملائے دیتی ہوں...... بابا سفیان یوں سمجھ لو اس قلعے کی قدیم ترین شخصیت ہیں...... ویسے بھی پڑھے لکھے آدمی ہیں اور تمہیں صحیح انداز میں اس قلعے کی تاریخ بتا سکیں گے...... آؤ میرے ساتھ آؤ...... بابا سفیان کے ساتھ تمہاری کمپنی تمہیں بہت خوشی دے گی۔" شہاب اور بینا فوراً تیار ہو گئے اور کچھ لمحوں کے بعد ملازموں کے کوارٹر میں پہنچ کر رانی نے آواز دی۔

"بابا سفیان! بابا سفیان۔" ملازموں کے کوارٹروں میں رہنے والے آس پاس کے تمام ملازم اپنے اپنے دروازے کھول کر باہر نکل آئے تھے...... یہ ملازم عورتوں اور بچوں کے ساتھ یہاں رہا کرتے تھے...... اس وقت جو ملازم قلعے میں مصروف تھا وہ تو یہ نہ جان سکا کہ رانی ان کے پاس موجود ہے، لیکن باقی جو وہاں موجود تھے وہ سب باہر نکل آئے تھے۔

"ارے نہیں بھئی، تم لوگ آرام کرو...... اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہو...... ذرا سفیان بابا کے پاس آئی تھی میں۔"

"کچھ لمحوں کے بعد ایک عمر رسیدہ آدمی باہر نکل آیا...... سر کے بال سفید تھے۔ بھنویں تک سفید تھیں، لیکن اس کے باوجود اچھی خاصی صحت نظر آ رہی تھی۔ البتہ اس وقت کچھ نڈھال سی کیفیت کا شکار تھا...... جلدی سے بولا۔

"رانی صاحبہ! معافی چاہتا ہوں...... آپ کو کئی آوازیں دینی پڑیں...... اصل میں کچھ طبیعت خراب تھی۔ بس جلدی اُٹھ کر باہر نہ آ سکا اور پھر آپ ادھر کیوں آئیں...... کوئی کام تھا؟" مجھے کیوں نہیں بلوا لیا؟"

"نہیں سفیان بابا، ایسی کوئی بات نہیں لیکن اگر آپ کی طبیعت خراب ہے کچھ تو مجھے اس بارے میں کیوں پتا نہیں؟"

"وہ جی بس! ایسے ہی کبھی کبھی طبیعت بگڑ جاتی ہے...... نہیں بگڑتی تو تعجب ہوتا ہے۔ آپ کو پتا ہے میری عمر کیا ہے؟"

"کیوں نہیں، کیوں نہیں؟ لیکن پھر بھی میں ڈاکٹر آفتاب کو دکھا دیتی آپ کو...... میں ڈاکٹر آفتاب کو ابھی بھیجتی ہوں۔"

"نہیں! رانی صاحبہ اب ٹھیک ہوں...... کوئی ضرورت نہیں ہے...... آپ بالکل

اطمینان رکھئے گا، اگر واقعی کوئی ضرورت ہوئی تو میں آپ کو اطلاع کرا دیتا...... میرے لئے حکم کیجئے۔"

آپ ادھر کیسے نکل آئیں...... کیا کسی بے وقوف نے آپ کو میری بیماری کی اطلاع دی تھی؟ میں تو پہلے ہی ان سب سے کہہ رہا تھا کہ ارے معمولی سا بخار ہے۔ نزلہ ہو گیا ہے...... کہیں کوئی جا کے رانی صاحبہ کو نہ بتا دے۔ ورنہ پریشان ہو جائیں گی...... کچھ کریں گی۔"

"خیر! کوئی بات نہیں ہے اگر بخار وغیرہ بھی ہے تو میں ابھی آفتاب کو بھیج دوں گی...... آپ ڈاکٹر آفتاب کو بتا دیجئے۔"

"ہاتھ جوڑ کر کہتا ہوں...... ڈاکٹری دواؤں سے میں نے پہلے بھی پرہیز کیا ہے اور اب اس آخری عمر میں دوائیں نہیں کھانا چاہتا...... میں بس ٹھیک ہو چکا ہوں...... تھوڑی سی کمزوری باقی رہ گئی ہے...... دُور ہو جائے گی آپ حکم کریں۔"

"ان سے ملئے، یہ معزز مہمان ہیں...... ان کا نام شہاب اور یہ ان کی مسز بینا ہیں...... اصل میں بات قلعے کی ہو رہی تھی...... میں نے سوچا کہ انہیں آپ سے ملا دوں، کیونکہ اس قلعے کی تاریخ آپ سے زیادہ بہتر طور سے اور کون جان سکتا ہے؟"

"جی! میں ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔"

"سفیان بابا! اگر اس وقت آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو آپ بالکل فکر نہ کریں...... یہ اتنی جلدی کا کام نہیں ہے...... ہم پھر آ جائیں گے۔" شہاب نے کہا۔

"نہیں بیٹے! آپ آ جاؤ میرے ساتھ اندر آ جاؤ یا باہر ہی بیٹھو گے تو باہر ہی صحیح...... چلو! اور حکم رانی صاحبہ؟"

"نہیں! بس میں چلتی ہوں...... اصل میں سب کو بتا دیا گیا ہے کہ یہ ہمارے معزز مہمان ہیں کہ ان کی ہر خواہش کی تعمیل کی جائے۔"

"آپ اطمینان رکھئے رانی صاحبہ! ایسا ہی ہو گا۔" بابا سفیان نے کہا اور رانی مسکراتی نگاہوں سے شہاب اور بینا کی جانب دیکھنے لگی پھر بولی۔

"اور کوئی خواہش؟"

"بے حد شکریہ!" شہاب نے گردن خم کر کے کہا اور رانی مسکراتی ہوئی آگے بڑھ

گئی...... بینا کے ہونٹوں سے مدہم سی بڑبڑاہٹ نکلی۔

"مگر کتنے اچھے ہوتے ہیں...... واقعی تعجب کی بات ہے؟" شہاب اب سفیان بابا کی جانب متوجہ ہو گیا تھا...... بابا سفیان نے کہا۔

"بیٹے! میری عمر ایک سو دو سال ہے...... مجھ پر ذرا غور کرلو...... زندگی کے کچھ اصولوں نے بس صحت قائم رکھی ہے...... کوئی پچاس سال پہلے کی بات ہے کہ بیوی کا انتقال ہو چکا تھا...... اولاد کوئی تھی نہیں...... بس اس کے بعد اکیلے زندگی گزاری ہے...... یہ تو رہا میرا تعارف...... جہاں تک اس قلعے کا معاملہ ہے یہ قلعہ وسیع ہے...... یہ تو تم نے دیکھ ہی لیا اگر تمہارا قیام یہاں زیادہ دن ہے تو پھر یوں کرتے ہیں کہ قلعے کے ایک ایک حصے سے تعارف کا پروگرام بنالیتے ہیں اور میں تمہیں اس کے بارے میں تفصیل سے بتاتا جاؤں گا۔"

"نہیں! بابا سفیان یہ بات نہیں ہے...... اصل میں تھوڑے سے قدامت پسند ہیں...... میرا مطلب ہے بے شمار ایسی عمارتیں، ایسے نوادرات جن کا اپنا ایک انداز ہوتا ہے، ان کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنا ہمارا شوق ہے...... بس اسی لئے رانی صاحبہ سے بات ہوئی تھی اور رانی صاحبہ نے آپ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ہمیں آپ تک پہنچائے دیتی ہیں...... اس کے بعد یہ کہا تھا انہوں نے کہ بابا سفیان ہمیں اس قلعے کے بارے میں بتا دیں گے...... قلعے کے تمام حصے ہم نے گھومے ہیں...... اس لئے ہر حصہ میں جا کر وہاں کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنے کے خواہش مند نہیں ہیں ہم...... بس آپ مجموعی طور پر ہمیں اس کے بارے میں بتائیں اور اس کے علاوہ ہم دونوں کو ہی افسوس ہے کہ آپ کو بیماری کے اس عالم میں تکلیف دی۔"

"ارے نہیں! بس عمر بہت ہو چکی ہے۔"

"اور...... اور۔" بابا سفیان کی آواز ایک سسکی شکل میں ڈھل گئی اور شہاب کے کان کھڑے ہو گئے...... اس نے ایک نگاہ بابا سفیان کو دیکھا اور بولا۔

"اس اور سے آگے آپ کچھ کہنا چاہتے تھے...... بابا سفیان! آئیے ادھر آئیے...... بیٹھنے کے لئے یہ جگہ بہت عمدہ ہے۔" شہاب نے کہا اور اس بوڑھے شخص کا ہاتھ پکڑ کر گھاس کے ایک قطعہ کی جانب بڑھ گیا...... بہر طور یہاں بیٹھ کر اس نے بابا سفیان سے کہا۔

"پہلے یہ بتائیے؟ آپ کی طبیعت کیا خراب ہے؟"

"میں نے کہا نا بس تھوڑا سا بخار آ گیا تھا۔

اصل میں چونکہ یہاں کا قدیم آدمی ہوں اور رانی صاحبہ ویسے بھی اپنے ملازمین کا بے پناہ خیال رکھتی ہیں...... کوئی مشکل نہیں پیش آنے دیتیں کسی کو...... اسی لئے انہوں نے اتنا خیال کیا...... تم بالکل فکر مت کرو...... میں تمہیں اس قلعے کی تاریخ بتاتا ہوں...... زمانہ قدیم میں یہ قلعہ ایک ہندو راجہ ترلوک سنگھ نے تعمیر کرایا تھا اور یہ جگہ جسے اب تم راؤ نگر کہتے ہو پہلے ترلوکی کہلاتی تھی...... اس کے بعد اسے مختلف نام ملے اور آخر میں راؤ جمشید خاں اس قلعے کا مالک بنا...... اس نے یہ قلعہ حکومت سے خرید لیا تھا...... یہ اس کے اپنے تعلقات تھے جس کی بنا پر حکومت اسے یہ قلعہ فروخت کرنے پر مجبور ہو گئی تھی، مگر یہ بھی بہت قدیم بات ہے...... اتنی قدیم کہ بس یوں سمجھ لو میں اس کا صحیح تعین نہیں کرپاتا...... اس کے بعد یہ وراثت منتقل ہوتی رہی اور آخر میں یہ وراثت راؤ شمشیر کے حصے میں آئی...... راؤ شمشیر لاولد تھے...... ان کی کوئی اولاد نہیں تھی، البتہ ان کے اہل خاندان یہاں موجود تھے...... بس کچھ ایسی صورت حال ہوئی کہ راؤ شمشیر نے بہت سے ایسے کام کر ڈالے جس سے ان کے اہل خاندان کو اختلاف پیدا ہوا اور میں ذرا تفصیل میں نہیں جاؤں گا...... بس یوں سمجھ لو اب یہ قلعہ رانی کی ملکیت ہے اور رانی اس کی مکمل طور پر مالک ہیں۔"

"رانی کے شوہر یا کوئی اولاد؟"

"میں نے کہا نا چونکہ یہ مسئلہ رانی راؤ نگر سے تعلق رکھتا ہے...... اس لئے میں اس کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا...... جب تک کہ رانی صاحبہ کی جانب سے اجازت نہ ہو...... ہاں! آثار کے بارے میں اگر تم پوچھو تو میں تمہیں ایک ایک گوشے کے بارے میں یہ بتا سکتا ہوں کہ کون سا گوشہ کب اور کس سن میں کس طرح استعمال ہوتا تھا۔"

"نہیں! بابا سفیان بس ٹھیک ہے، ہم نے آپ کو زحمت دی اس کے لئے معذرت خواہ ہیں۔"

"ارے برا مان گئے۔" بابا سفیان نے کہا۔

"آپ یقین کریں آپ کی شخصیت اس قدر پرکشش ہے کہ ہم آپ کی بات کا برا ماننے کا تصور بھی نہیں کرسکتے...... آپ بلاوجہ یہ سوچ رہے ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ!"

"میرا خیال ہے اب آپ آرام کیجئے۔"

"بابا صاحب کیا آپ اس بات پر یقین کریں گے کہ آپ کو دیکھ کر مجھے اپنے ایک ایسے بزرگ یاد آگئے ہیں جن سے مجھے بے پناہ محبت تھی...... کاش! میں آپ کو ان کی تصویریں دکھا سکتی...... ہم شہر سے آئے ہوئے ہیں لیکن اس کے باوجود مجھے جیسے ہی موقع ملا آپ کو ان کی تصویریں لاکر دکھاؤں گی...... آپ کو خود حیرت ہوگی کہ اس دُنیا میں آپ کا کوئی ہم شکل بھی موجود تھا، لیکن بہرحال! ہوتا ہے ایسا ہوتا ہے۔"

"ارے بیٹا! یہ تو آپ کی محبت ہے اور بڑی عنایت ہے آپ کی کہ مجھ جیسے معمولی حیثیت کے انسان کو آپ نے اپنے کسی بزرگ سے تشبیہ دی۔ بڑی مہربانی۔"

"سفیان بابا...... آپ کی تعلیم کتنی ہے؟"

"ارے بیٹا! بس رانی صاحبہ کی محبت ہے...... اس قلعے میں رہتے ہوئے ادیب فاضل کا امتحان دے دیا تھا...... بس یوں سمجھ لو کہ مجھے پڑھا لکھا تصور کر لیا گیا...... لکھنے پڑھنے کے کچھ کام دے دیئے گئے تھے...... وہ کرتا رہا...... اب تو عمر اتنی زیادہ ہوگئی ہے کہ یادداشت پر بھی اثر پڑا ہے...... کارکردگی پر بھی اب تو اگر یہ کہوں تو غلط نہیں ہوگا کہ رانی مجھے پال رہی ہیں۔"

"آپ میرے لئے بڑے قابل قدر اور قیمتی ہیں...... بس مجھے ایک اجازت دے دیجئے بابا سفیان!"

"کیا؟"

"آپ سے ملتی رہوں جب تک یہاں ہوں...... آپ کی تھوڑی بہت خدمت کروں گی...... مجھے خوشی ہوگی۔" بینا نے کہا...... شہاب کچھ لمحوں کے لئے حیران ہوا تھا، لیکن اس کے بعد اس نے لاتعلقی اختیار کر لی...... البتہ جب یہ لوگ بابا سفیان کے پاس سے ہٹ کر ایک سمت جا رہے تھے تو بینا نے کہا۔

"شہاب! آپ کے سامنے اگر کسی ذہانت کا مظاہرہ کروں تو مجھ سے زیادہ احمق شاید ان روئے زمین پر کوئی دوسرا نہیں ہوگا، لیکن ایک بات کہوں آپ سے۔"

"ہاں!"

"بابا سفیان اس سلسلے میں ہمیں بہت کچھ بتا سکتے ہیں اور جہاں تک میرا اندازہ ہے!! سفیان کے ذہن پر کوئی شدید بوجھ طاری ہے...... شہاب! میں نے سوچا ہے کہ کہیں یہ بوجھ

اس بچے عارف کا تو نہیں ہے، جو زندگی سے محروم ہوگیا ہے۔" شہاب سنسنی خیز نگاہوں سے بینا کو دیکھنے لگا...... پھر سرسراتی آواز میں بولا۔

"کیا ایسا ہو سکتا ہے بینا؟"

"اس بات کے امکانات تو ہیں۔"

"او ہو! ادھر دیکھو!" اچانک ہی شہاب نے کہا اور بینا کا ہاتھ پکڑ کر ایک درخت کے چوڑے تنے کی آڑ میں ہوگیا...... ایک چھوٹی سی جیپ اندر داخل ہو رہی تھی اور اس پولیس جیپ کو شہاب اور بینا نے انسپکٹر خادم خاں کے تھانے کے احاطے میں دیکھا تھا...... کھلی ہوئی جیپ میں خادم خاں بھی ایک لمحے کے اندر ہی اندر نظر آگیا تھا...... پیچھے تین کانسٹیبل بیٹھے ہوئے تھے اور خادم خاں کی جیپ پورچ میں آکر رُک گئی تھی...... شہاب نے کہا۔

"بینا دیکھنا ہے کہ خان صاحب یہاں کس سلسلے میں پہنچے ہیں...... یوں لگ رہا ہے جیسے تقدیر ہماری رہنمائی کر رہی ہے...... لازمی امر ہے بینا کہ کوئی صورت حال معلوم ہونے والی ہے...... یقیناً، یقیناً۔"

"تو پھر ہم خادم خان کا تعاقب کرینگے اور دیکھیں گے کہ یہاں وہ کس سلسلے میں آیا ہے۔"

"یوں کرتے ہیں...... منتشر ہو جاتے ہیں تاکہ وہ جدھر سے، جہاں اور جس سے ملے ہم اس پر نگاہ رکھ سکیں اور اس بات پر دونوں متفق ہوگئے تھے...... رانی راؤ نگر ان لوگوں کو مکمل طور پر اختیارات دے چکی تھیں کہ وہ جب اور جہاں چاہیں قلعے میں آجا سکتے ہیں...... اندرونی حصے میں بھی وہ کئی بار جا چکے تھے، چنانچہ! اس وقت بھی یہی صورت حال رہی...... دونوں نے دو مختلف سمتیں اختیار کیں اور ایسی جگہوں پر پوزیشن سنبھال لی جہاں سے وہ خادم خاں کو دیکھ سکتے تھے...... کانسٹیبل تو باہر جیپ میں ہی بیٹھے رہے تھے...... خادم خان نیچے اترا اور حویلی کے اندرونی حصے کی جانب چل پڑا...... کچھ لمحوں کے بعد خادم خان کو ایک وسیع ڈرائنگ روم میں پہنچا دیا گیا...... یہاں اس قلعہ نما عمارت میں ایسی بے شمار جگہیں تھیں جہاں رانی مہمانوں سے گفتگو کیا کرتی تھی، جس جگہ خادم خان کو پہنچایا گیا تھا۔ وہاں ایک ڈبل راہداری بنی ہوئی تھی۔ بڑی بڑی عظیم الشان کھڑکیاں جس پر رنگین پردے پڑے ہوئے تھے موجود تھیں اور ان کھڑکیوں سے با آسانی نہ صرف اندر جھانکا جا سکتا تھا بلکہ یہاں سے اس کمرے میں ہونے والی گفتگو بھی سنی جا سکتی تھی...... شہاب اور بینا ایک ساتھ ہی تھے اور بینا

نے مسکراتے ہوئے سرگوشی کی تھی۔

"جب قدرت مہربان ہوتی ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے، ویسے شہاب خادم خان کی آمد بے معنی نہیں ہے۔" شہاب نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر بینا کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور دونوں نے اندر کان لگا دیئے...... خادم خان نے رانی راؤ نگر کو بڑے احترام کے ساتھ سلام کیا تھا اور رانی راؤ نگر نے اسے بیٹھنے کی پیشکش کی تھی۔

"آپ کے سامنے بیٹھنے کی ہمت تو نہیں کر سکتا...... رانی صاحبہ۔ آپ کا غلام ہوں آپ کا خادم ہوں...... ماں باپ نے بھی شاید آپ کی خدمت کے لئے ہی خادم خان نام رکھ دیا تھا۔" خادم خان خود بخود ہنسنے لگا، لیکن رانی راؤ نگر کا چہرہ سنجیدہ ہی رہا تھا۔

"اصل میں خادم خان! بہت سے معاملات ایسے ہوتے ہیں جنہیں راز میں رکھنا ہوتا ہے...... تمہاری آمد کو ویسے بھی یہاں کے لوگ مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہوں گے...... اس لئے بہتر ہے کہ جب کوئی بہت ہی کام کی بات ہوا کرے تو آیا کرو۔ ورنہ گریز کیا کرو...... مجھے اگر تم سے کوئی کام ہوتا ہے تو بہر حال مدد وغیرہ سے کہلوا ہی دیتی ہوں۔"

"جی رانی صاحب! بس جی وہ جو ایک مسئلہ ہوتا ہے نا کہ ضرورت انسان کو در بدر بھٹکاتی ہے، کبھی کبھی کچھ ایسی ضرورتیں پیش آ جاتی ہیں کہ۔"

"ایک منٹ...... ایک منٹ...... ایک منٹ۔ پیسے چاہئیں نا؟"

"وہ نہیں جی بس۔"

"رکو! ایک منٹ۔" رانی نے کہا اور پھر اپنی جگہ سے اُٹھ گئی...... اس کمرے میں ایک الماری کھول کر اس نے نوٹوں کی ایک گڈی نکالی اور قریب آ کر خادم خان کی گود میں پھینکتی ہوئی بولی۔

"تمہارا کام تو ہو گیا...... اب یہ بتاؤ، حالات کی کیا کیفیت ہے؟"

"بس جی رانی صاحبہ! آپ کو سلام کرنے سے کبھی کبھی شرمندگی بھی ہوتی ہے مگر یہ پاپی پیٹ ایسا۔"

"خادم خان! میں نے کہا نا صرف کام کی باتیں کیا کرو۔"

"وہ جی سب خیریت ہے مگر آپ کے آدمیوں سے کبھی کبھی بڑی فاش غلطی ہو جاتی ہے؟"

"کوئی غلطی ہو گئی کیا؟" رانی راؤ نگر نے چونک کر پوچھا۔

"وہ جی! کام تو سارا کیا...... بار بار گاڑی اس پر سے گزاری...... بدن کا کچومر بنا دیا مگر چہرے کا کچھ نہیں بگڑا۔"

"تمہیں چاہئے تھا کہ سب سے پہلے چہرہ نا قابل شناخت بنا دیتے۔"

"وہ تو جی آپ کی دُعا سے کوئی بڑی بات نہیں ہوتی، لیکن تفتیش تو ہمیں ہی کرنی ہوتی ہے...... ایک گمنام چیز کی بات اور ہوتی ہے اور چہرہ سامنے ہو تو پہچاننے والا کوئی نہ کوئی مل ہی جاتا ہے...... ہم تو جی آپ کے کتے ہیں، ہم تو انتظار کر رہے تھے مگر ہم کیا کریں؟ نہ تو ہمیں صحیح وقت کا پتا تھا...... جب پہنچے تو صاف سارے نشانات موجود تھے...... کوئی اندھا بھی دیکھ کے کہہ سکتا تھا کہ لاش کو کچلا گیا ہے...... گاڑی بار بار آگے پیچھے ہوئی ہے اور جی ٹائروں کے نشانات بھی ہوا کرتے ہیں...... وہ تو آپ یہ سمجھ لیجئے! کہ آپ کے خادم نے سب سے پہلے نشانات صاف کئے تھے، مگر لاش کا چہرہ کون بگاڑتا جی؟ سوال تو ہم سے بھی کیا جا سکتا تھا...... ایسے تو نہیں ہوتے...... آئندہ آپ ذرا ان باتوں کا خیال رکھئے گا۔"

"تم ضرورت سے زیادہ فضول بات نہیں کرتے خادم خان...... آئندہ سے تمہاری کیا مراد ہے؟ کیا یہ کام جاری رہے گا۔"

"وہ نہیں جی! اگر کبھی ضرورت پیش آ جائے تو۔"

"خدا نہ کرے، خدا نہ کرے۔" رانی کے لہجے میں ایک عجیب سا دُکھ رچا ہوا تھا...... شہاب اور بینا اپنا سر کھجا رہے تھے...... رانی نے کہا۔

"اور تو کوئی ایسی بات نہیں جو قابل ذکر ہو؟"

"نہیں جی!"

"بس تو تم خاموشی سے واپس چلے جاؤ...... کیا سمجھے؟"

"حکم...... جی حکم...... بس اور تو کوئی خاص بات نہیں؟"

"میں! جب بھی ضرورت پیش آئی کسی کو تمہارے پاس بھیج دوں گی۔ تم کم آیا کرو۔"

"وہ جی بس جب بھی کبھی۔"

"ہاں! ہاں، ہاں ٹھیک ہے...... کوئی اہم ضرورت ہو تو آ جایا کرو۔"

"آپ کے غلام ہیں جی...... آپ کے قدموں پر مرمٹنے والے...... اچھا پھر خدا حافظ۔" خادم خان نے کہا اور اس کے بعد دروازے سے باہر نکل گیا...... رانی راؤ نگر وہیں بیٹھ

گئی تھی...... شہاب اور بینا کو اب اس بات کا اندازہ تو تھا کہ خادم خان واپس چلا جائے گا، لیکن جو کچھ انہوں نے سن لیا تھا اس کے بعد مزید کچھ سننے کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی...... اس مظلوم لاش کے بارے میں انہیں اندازہ ہو گیا تھا اور وہ غم زدہ ہو گئے تھے...... رانی راؤنگر ایک خونخوار ناگن کی مانند ان کی نگاہوں کے سامنے تھی...... اس وقت وہ ایک آرام کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی...... اس نے کرسی کی پشت سے گردن ٹکا کر آنکھیں بند کی ہوئی تھیں اور اس کے چہرے پر شدید کرب کے آثار نظر آ رہے تھے...... بینا اور شہاب دیر تک اسے دیکھتے رہے...... پھر شہاب نے بینا کا شانہ تھپتھپایا اور بینا نے چونک کر شہاب کی صورت دیکھی تو شہاب نے اسے وہاں سے واپس چلنے کا اشارہ کیا اور بڑی احتیاط کے ساتھ چلتے ہوئے وہ واپس اپنی رہائش گاہ میں پہنچ گئے...... اس دوران خادم خان کی گاڑی واپس جا چکی تھی...... بینا اور شہاب دیر تک خاموش بیٹھے رہے...... پھر بینا نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"شہاب! اس کا مطلب ہے کہ اس لڑکے عارف کی قاتل یہی خونخوار ناگن ہے۔"

"ہاں!" شہاب نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ اس کا ڈبل روپ ہے۔" بینا نے کہا لیکن شہاب نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا...... بینا بھی سوچوں میں ڈوبی رہی، پھر اس نے چونک کر شہاب سے کہا۔

"کوئی خاص بات سوچ رہے ہو؟" شہاب نے ایک نگاہ بینا پر ڈالی، پھر آہستہ سے بولا۔

"تم چاہو تو اسے خاص بات کہہ سکتی ہو بینا، مجھے تعجب ہے کہ رانی راؤنگر نے ہم لوگوں کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کیوں کیا؟" مزید یہ کہ جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے...... وہ ایک معمولی سا ملازم تھا اس گھر کا...... ویسے تم دیکھ رہی ہو کہ یہاں ملازموں کے انداز میں بھی کوئی بے چینی نہیں پائی جاتی جس سے یہ احساس ہو کہ عارف کی گمشدگی یا اس کی موت ان لوگوں کے لئے حیرانی کا باعث ہے۔"

"میں تمہیں اتنا بتا دوں شہاب اس قلعہ نما عمارت میں جتنے بھی لوگ رہتے ہیں" پراسرار نوعیت کے حامل ہیں، اگر ہم حالات کا تجزیہ کرنے بیٹھیں تو ہمیں کچھ عجیب باتوں کا مکمل طور پر احساس ہوتا ہے۔"

"اور اب کے تجزیہ تو کرنا ہے بینا...... اس سے پہلے بھی ہمارے سامنے بے شمار رنگے چہرے آئے ہیں اور آخر کار وہ چہرے اندر سے بہت خوفناک نکلے ہیں...... اس وقت خادم

رانی راؤنگر کی گفتگو سے یہ اندازہ تو ہمیں مکمل طور پر قائم ہو گیا ہے کہ عارف کی ...ن اور ...کی ذمہ دار یہی رانی ہے...... اس کے آدمیوں نے عارف کو قتل کیا...... اس لئے کہ ...خان یہ بات جانتا تھا کہ عارف کا قتل رانی کے اشارے پر ہو رہا ہے، چنانچہ وہ جان بوجھ کر ...بچے کی باتوں سے لاتعلقی ظاہر کر رہا تھا، جبکہ یہ لڑکا بار بار یہ کہہ رہا تھا کہ جناب میری ...زندگی خطرے میں ہے...... مجھے لاک اپ میں ڈال دیجئے...... ورنہ کوئی مجھے جان سے مار دے ...اور خادم خان اس کی بات پر توجہ بھی نہیں دے رہا تھا، بلکہ بعد میں خادم خان نے اسے ...نے کی عمارت سے نکلوا دیا تھا...... میں تو خادم خان کو بھی مکمل طور پر اس قتل کا ذمہ دار ...سمجھتا ہوں۔"

"اور جب ہم ان قاتلوں کو گرفتار کریں گے تو خادم خان قاتلوں میں شمار ہو گا۔" بینا ...جوش لہجے میں بولی۔

"یقیناً! میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔"

"وہ لوگ جو ہمیں گرفتار کر کے لائے تھے اور انہوں نے ہمیں رانی راؤنگر کے سامنے ...پیش کیا تھا...... وہ لوگ کس قدر خوفناک تھے...... اندازہ یہی ہوتا ہے کہ وہی ٹولہ عارف کا ...قاتل بھی ہو گا۔"

"سو فیصدی!" شہاب نے جواب دیا۔

"اور اس کے بعد یہ عورت اگر چہرے پر درجن بھر نقابیں چڑھا لے تب بھی اس کی ...اصل شخصیت چھپ تو نہیں سکتی، لیکن! یہ پتا تو چلے کہ آخر عارف جیسے معمولی آدمی کو اس ...نے کیوں قتل کرایا؟"

"بینا! ویسے تو کئی باتیں اب ذرا قابل غور ہو گئی ہیں...... میں اگر چاہوں تو کام کو مختصر ...کرنے کے لئے براہ راست خادم خان پر ہاتھ ڈال کر اس کی زبان کھلوا سکتا ہوں، لیکن اس ...سے مسئلہ حل نہیں ہو گا کیونکہ وہ زیادہ سے زیادہ یہ بتا دے گا کہ رانی راؤنگر کی جانب سے اسے ...ہدایت موصول ہوئی تھی کہ عارف کی مدد نہ کی جائے اور یہ بھی تم نے دیکھ لیا کہ رانی راؤنگر ...کی مالی امداد کرتی رہتی ہے...... ویسے اس قسم کے علاقے میں یہ واقعات ہوا کرتے ہیں۔"

"میں تو ڈی آئی جی نادر حیات صاحب پر حیران ہوں۔"

"کیوں؟"

"کیا خوبصورت تدبیر نکالی ہے انہوں نے ہماری یہ ڈیوٹیاں لگا کر...... واقعی اس م
کوئی شک نہیں کہ دُنیا بھر میں ایسے جرائم ہو رہے ہیں جہاں انسانیت سسک سسک کر دم تو
رہی ہے، لیکن! اگر خود غرضی نہ سمجھا جائے اسے تو سب سے پہلے ہم اپنے گھر اور اس
اطراف کے لئے سوچتے ہیں...... آخر ہم دوسروں کے گھروں میں جا کر صفائی کیوں نہ
کرتے؟ اس لئے نا کہ ہمیں سب سے زیادہ اپنے گھر سے محبت ہوتی ہے...... ہم اپنے اطراف
کو صاف ستھرا اور شگفتہ دیکھنا چاہتے ہیں...... اگر ہمارا منصب قانون کی برتری اور جرم کو
کرنے کا ہے تو بجائے اس کے کہ ہم دُنیا بھر کے جرائم پیشہ افراد کے خلاف آغاز جنگ کر
کے لئے بجائے سب سے پہلے ان لوگوں پر نگاہ ڈالیں جو ہمارے بالکل قریب رہ کر ہمار
زندگی کے لئے عذاب بنے ہوئے ہیں اور ہم اب تک یہ کرتے رہے ہیں...... بے شمار
اس طرح ہمارے ہاتھوں کیفر کردار کو پہنچ رہے ہیں...... میں نادر حیات صاحب کی اس با
پر اتفاق کرتی ہوں کہ انٹرنیشنل ڈرگ مافیا اور اس طرح کے دوسرے ریکٹ جو بین الاقوا
پیمانے پر کام کرتے ہیں...... ان پر ہاتھ ڈالنے کی بجائے بہتر ہے کہ اپنے اردگرد کے ماحول
پہلے صاف ستھرا کیا جائے...... جیسے یہ رانی راؤنگر۔" شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھی
گئی۔ پھر اس نے کہا۔

"کیا بات ہے؟ نادر حیات صاحب کی زبردست وکالت ہو رہی ہے۔" ایک لمحے
لئے تو بینا کچھ نہ سمجھ سکی، لیکن پھر وہ مسکرا دی...... پھر بولی۔

"کیوں نہیں ہوگی؟ ظاہر بات ہے کہ تم کچھ بھی کہو، کتنے ہی شگفتہ ذہن کے مالک
کیوں نہ ہو...... اگر تم ڈرگ مافیا کے خلاف کام کرنے کے لئے ملک سے باہر نکلو گے تو لازم
امر ہے کہ مجھے اپنے ساتھ نہیں لے جاؤ گے اور میں تنہا تمہیں اتنے سارے دشمنوں کے
درمیان نہیں دیکھ سکتی...... یقین کرو اگر بات صرف رانی راؤنگر کی بھی ہو اور اب تم مجھے
کہہ دو کہ میں گھر جاؤں اور تم اس سلسلے میں کام کر رہے ہو؟ تو خدا کی قسم! ایک پل سکون سے
نہیں سو سکوں گی جو عورت اس قدر وحشی صفت ہو کہ ایک زندہ انسان کو گاڑی سے کچل
مروا دے وہ کتنی خطرناک ہو سکتی ہے...... میں بھلا سکون سے کیسے رہ سکتی ہوں؟"

"انسان اور بیوی میں یہی فرق ہے۔"

"جی نہیں! جناب...... انسان اور بیوی میں یہی فرق ہے۔" بینا نے کہا۔

"یہی تو میں کہہ رہا ہوں۔"

"آپ انسان ہیں میں بیوی۔"

"ارے واہ!" شہاب ہنس پڑا...... یعنی مطلب۔"

"مطلب یہ کہ آپ ایک عام انداز میں سوچ رہے ہیں، جب کہ ایک بیوی اپنے شوہر کے بارے میں ایک عام انداز میں نہیں سوچ سکتی...... وہ اس کے ہر پہلو کو محفوظ رکھنا چاہتی ہے۔"

"ویسے بینا! تم یقین کرو...... مجھے تعجب ہے۔"

"کس بات پر؟"

"رانی راؤنگر نے ہمیں کیوں اس قدر اہمیت دی ہے؟" میرا مطلب ہے اگر وہ اس طرح کی جرائم پیشہ اور خطرناک عورت ہے تو اسے چاہئے تھا کہ ہمیں فوراً نکلوا دیتی۔"

"اس کی ایک وجہ اور بھی ہو سکتی ہے۔" بینا نے پر خیال انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"میں اسی بات پر تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں...... کیا وجہ ہو سکتی ہے بھلا؟"

"اس نے ہو سکتا ہے ہمیں اس لئے اپنے پاس جگہ دی ہو کہ وہ ہمارے بارے میں ذرا گہرائی سے جاننا چاہتی ہو؟"

"تمہارا مطلب ہے اسے ہم پر کوئی شبہ ہو گیا ہو؟"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ اگر ایسا کوئی خیال اس کے ذہن میں ہوتا تو انسپکٹر خادم خان سے وہ اس بارے میں گفتگو ضرور کرتی کیونکہ خادم خان بہر حال وہاں حاضر پور میں اس کا آلہ کار بنا ہوا ہے۔"

"ہونہہ!" بینا پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگی۔ پھر بولی۔

"لیکن بہر حال! کہیں نہ کہیں سے تو اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ علم ہو ہی جائے گا۔"

"ہاں! انتظار کرنا پڑے گا اور یہ دیکھنا پڑے گا کہ رانی راؤنگر ہم لوگوں کے ساتھ کیا رویہ اختیار کرتی ہے؟ ویسے بینا اب یہ صورت حال واضح ہونے کے بعد ضروری ہو گیا ہے کہ احتیاط کا ایک لمحہ بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔"

"میں سمجھ رہی ہوں اور تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ اپنا کام اپنے طور پر کرنا اور مجھ پر اعتماد کرنا۔" بینا کے ان الفاظ پر شہاب دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔

"مطلب۔"

"مطلب یہ کہ کہیں میرے چکر میں پڑ کر کوئی مشکل روگ نہ لے بیٹھنا...... میں اپنی حفاظت بھی کرنا جانتی ہوں اور ضرورت پڑنے پر اپنے دشمنوں سے نمٹنا بھی جانتی ہوں۔"

"اور دوستوں سے؟"

"نہیں جناب...... بالکل نہیں...... دوستوں کی دوستی گھر پر ہوتی ہے، ادھر اُدھر نہیں۔ یہ کام کی جگہیں ہیں۔" بینا نے کہا اور شہاب قہقہہ مار کر ہنس پڑا...... بہر حال! انہوں نے اپنی کسی بات سے اس بات کا اظہار نہیں کیا کہ رانی راؤ نگر کے بارے میں ان کے دل میں کوئی اُلجھن پیدا ہو گئی ہے...... شام کو سات ساڑھے سات بجے رانی راؤ نگر معمول کے مطابق سجی ہوئی باہر آ گئی تھی اور اسے دیکھ کر یہ لوگ بھی باہر نکل آئے تھے۔

"ہیلو!" رانی نے خود ہی انہیں مخاطب کیا اور شہاب اور بینا اس کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے بڑے ادب سے رانی کو مخاطب کیا تھا۔

"تم لوگوں کی جانب سے مجھے فکر رہتی ہے، کیونکہ سچی بات یہ کہ ایک میزبان کو مہمان سے اتنا فاصلہ نہیں رکھنا چاہئے۔"

"رانی صاحبہ! بس یہی عرض کیا جا سکتا ہے کہ قدرت نے آپ کو بہت بڑا دل دیا ہے۔ ورنہ اس طرح زبردستی سڑکوں پر گھوم پھر کر کسی پر مسلط ہو جانے والے مہمان نہیں بلکہ ایک طرح کے مجرم ہوتے ہیں؟" شہاب نے کہا۔

"تم بہت حساس معلوم ہوتے ہو جو اس انداز میں سوچتے ہو۔ لوگ تو تاک میں رہتے ہیں کہ کہیں انہیں وقت گزارنے کے لئے موقع مل جائے...... میری کسی بات کا برا مت ماننا میں تم سے ایک بات بڑی صاف گوئی سے کہہ دوں...... اگر تم دونوں مجھے بے حد پسند نہ آتے تو یقین کرو، میں تم سے مکمل طور سے معذرت کر لیتی اور شاید ایک لمحہ بھی تمہارے ساتھ گزارنا پسند نہیں کرتی...... مجھے تم دونوں اس قدر پسند آئے ہو کہ میں نے تمہیں اپنے ساتھ رکھا ہے اور میں تم سے ایک بات کہوں...... یہ نہ سمجھنا کہ بس تم یہاں آئے ہو کھانا کھا رہے ہو، رہ رہے ہو...... ابھی اس وقت تک تم جانے کا نام مت لینا جب تک کہ میں تمہیں اس کی اجازت نہ دوں۔"

"کیوں؟ رانی صاحبہ!" بینا نے پر محبت انداز میں پوچھا۔

"دیکھو! میں ذہنی طور پر تھوڑی سی اُلجھن میں ہوں...... کبھی اطمینان سے بیٹھ کر

تمہیں اپنی اس اُلجھن کے بارے میں بتاؤں گی، لیکن! میری یہ اُلجھن رفع ہو گئی تو تم مجھے بہت مختلف انسان پاؤ گے...... میں آداب میزبانی جانتی ہوں اور مہمانوں کو اس طرح تنہا نہیں چھوڑتے، لیکن اس وقت پلیز! خیال رکھنا اس بات کا...... یہ نہ سمجھنا کہ میں کوئی رانی ہوں...... دُنیا میں کوئی کچھ نہیں ہوتا...... انسان کی شخصیت ایک معمولی سی حیثیت کی حامل ہے...... یقین کرو، وہ اتنا ہی معصوم ہوتا ہے جتنا پیدائش کے وقت اپنی مرضی سے ہاتھ نہیں ہلا سکتا...... اسے رونے کے علاوہ کچھ نہیں آتا...... وہ آنکھیں کھول کر اس دُنیا کو مکمل طور سے دیکھ بھی نہیں سکتا، پھر وقت آہستہ آہستہ اس کی پرورش کرتا ہے اور وقت کی پرورش اسے مختلف روپ دے دیتی ہے، کہیں وہ جانوروں سے بدتر ہو جاتا ہے اور کہیں اگر اللہ تعالیٰ موقع دے دیتا ہے تو وہ انسان ہی رہتا ہے، لیکن میرا ایک دعویٰ ہے مائی ڈیئر مسٹر شہاب!"

"کیا...... رانی صاحبہ، آپ کی باتیں بڑی عالمانہ ہیں۔"

"نہیں......! میری خوشامد مت کرو...... مجھ سے ایسے الفاظ نہ کہو...... تمہیں خدا کا واسطہ، تھوڑی سی بے تکلفی سے گفتگو کرو مجھ سے...... میں تنگ آ گئی ہوں اپنی خوشامد کرنے والوں سے...... یہ بھی انسانی فطرت کا ایک حصہ ہے...... لوگ کسی کو صرف اس کی حیثیت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں...... اسے اندر سے نہیں جھانکتے...... یہ نہیں سوچتے کہ وہ انسان بھی ہے اور انسان ہمیشہ سچ کا متلاشی ہوتا ہے، میں یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ دُنیا کا برے سے برا انسان نہ جانے کس لئے برا بن جاتا ہے؟ برائی کی آخری حدوں تک پہنچنے کے بعد بھی اگر اسے اس بات کا موقع دے کر وہ بہتری اور نیکی کی جانب راغب ہو تو تم یقین کرو کہ وہ مرنے سے پہلے ایک اچھا انسان بن جانا ضرور پسند کرے گا...... کتنا ہی برا ہو چاہے وہ۔ کتنا ہی برا ہو، آہ! کاش وقت کسی کو اتنی مہلت اور وقت دے دیا کرے۔" رانی کے چہرے میں جو جذبات جھلک رہے تھے اس سے ان دونوں کو شدید پریشانی لاحق ہو گئی تھی۔ وہ بہت دیر تک گردن جھکائے سوچتی رہی، پھر شہاب نے کہا۔

"دُنیا کیسی بھی ہو رانی صاحبہ! لیکن بہر حال آپ ایک بہت ہی نیک اور نفیس خاتون ہیں۔"

"میں نے کہا نا...... کاش تم مجھے ان جملوں سے مخاطب نہ کرو...... تمہارا کیا نام ہے لڑکی؟ بینا ہے نا۔"

"جی! میں بینا ہوں۔"

"بینا! کبھی مجھے تنہائی میں وقت دو گی؟"

"کیوں نہیں۔" "ویسے شہاب بھی برے انسان نہیں ہیں۔" "میں تم لوگوں سے ایک بات کہوں؟ تم نے جو کیا میں اس سے بہت متاثر ہوں...... بہت اچھا تم لوگوں نے کیا کہ اپنی زندگی اپنے طور پر گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔ کون ہوتے ہیں وہ لوگ جو کسی کی زندگی کا حق چھیننا چاہتے ہیں...... میں تمہاری پشت پر ہوں...... میں تمہاری مدد کروں گی...... یہاں رہنا میں تمہارے لئے ایسا بندوبست کروں گی کہ کوئی تمہارا بال بیکا بھی نہ کر سکے...... بہت دُور تک کا سفر ہے میرا...... بہت دُور تک کا۔ جن لوگوں کو میرا مطلب ہے۔" اچانک ہی رانی اس طرح چونک پڑی جیسے اب تک جو کچھ وہ کہہ رہی ہو کسی بے خودی کے عالم میں کہہ رہی ہو...... ناہوشی کے عالم میں کہہ رہی ہو اور اب اسے ایک دم ہوش آ گیا ہو...... وہ کچھ لمحے خاموش رہی...... پھر مدہم انداز میں مسکراتی ہوئی بولی۔

"میں اب یہاں سے اپنی گفتگو کا سلسلہ منقطع کر رہی ہوں اور تمہیں بہلانے کے لئے تمہیں اپنے ساتھ پھولوں کے اس تختے تک لے جانا چاہتی ہوں...... یہ پھول میں نے آسٹریلیا سے منگوائے تھے اور میرا خیال ہے یہاں اس ملک میں ان جیسے دوسرے پھول نہیں ملیں گے...... آؤ میں تمہیں وہ پھول دکھاؤں۔" شہاب اور بینا اس کے ساتھ ساتھ چل پڑے...... شہاب بڑی گہری نگاہوں سے اس کا تجزیہ کر رہا تھا...... بینا بھی رانی کے بارے میں سوچ رہی تھی...... ویسے یہ بات تو طے تھی کہ رانی کے قریب آنے کے بعد بھی اس کی اصلیت کا صحیح طور پر اندازہ تو ہو سکتا تھا، عام حالات میں تو شاید وہ اسے اس قدر اہمیت نہ دیتے لیکن اب رانی کا کردار ان کے ذہن میں کچھ اُلجھ سا گیا تھا۔ غرض یہ کہ یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں۔ واقعی وہ آسٹریلوی پھول جو رانی نے انہیں دکھائے تھے۔ اپنی نوعیت کے بالکل منفرد تھے...... بہت بڑے بڑے اور انتہائی خوبصورت ڈیزائن کے۔ رانی انہیں ان کے بارے میں بتانے لگی...... اس کی آنکھوں میں بچوں جیسی خوشی جھانک رہی تھی۔ وہ آہستہ سے بولی۔

"اور بعض اوقات جب انسان جاندار چیزوں سے اکتا جاتا ہے تو یہ بے جان چیزیں اس کی معاون ہوتی ہیں اور اسے بڑا سکون بخشتی ہیں...... پتا نہیں تم لوگ میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہو گے...... کوئی بری بات نہ سوچنا میرے بارے میں، میں تم سے درخواست

ہوں...... اچھا تم سیر کرو...... مجھے کچھ کام ہیں۔" اور اس کے بعد وہ اچانک وہاں سے چلی گئی۔ شہاب اسے بغور دیکھ رہا تھا...... جب وہ دُور نکل گئی تو شہاب نے آہستہ سے کہا۔

"ایک دلچسپ اور میرا خیال ہے کسی قدر منفرد کیس ہے...... غالباً کوئی نفسیاتی گرہ، گرہ کوئی بھی ہو...... اس کے بارے میں یہ بات تو طے ہو چکی ہے کہ اس معصوم لڑکے کا قتل اس کے ایما پر ہوا ہے...... بینا! ایک بات اور ذہن میں رکھنا، اگر موقع مل جائے تو یہاں آنے جانے والوں پر بھی نگاہ رکھنا اور ان کی شخصیتوں کے بارے میں اپنے طور پر تجزیہ کرنا۔"

"میں ایک اور کام کرنا چاہتی ہوں...... اگر آپ اجازت دیں گے تو شہاب۔" بینا نے کہا۔

"ہاں...... کیا؟"

"یہ آپ کے خیال میں سفیان بابا کا کیس کیا ہو سکتا ہے؟"

"سفیان...... ہاں...... وہ بزرگ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔"

"میرا خیال ہے تھوڑی سی اجازت مجھے دو...... میں اسے شیشے میں اتاروں۔"

"اجازت ہے۔" شہاب نے شاہانہ انداز میں کہا اور بینا نے گردن خم کر دی...... پھر وہ ٹہلتے ہوئے وہاں سے آگے بڑھ گئے...... بینا خصوصی طور پر اس وقت سفیان کے کمرے میں داخل ہوئی تھی جب وہ رات کو تمام معمولات سے فارغ ہو گئے تھے...... بابا سفیان شام ہی سے نظر نہیں آیا تھا...... جب بینا اس کے کمرے میں پہنچی، تو وہ بستر پر گھٹنے سینے سے لگائے ہوئے لیٹا ہوا تھا اور اس کے بدن پر ہلکی ہلکی لرزش طاری تھی...... وہ کپکپا رہا تھا۔ بینا چونک پڑی اور پھر تیزی سے وہ اس کے قریب پہنچ گئی، حالانکہ موسم اتنا سرد نہیں تھا کہ بوڑھا اس طرح کپکپاتا لیکن بینا نے جلدی سے ادھر اُدھر آنکھیں دوڑا کر ایک جگہ رکھا ہوا لحاف تلاش کیا اور پھرتی سے وہ لحاف اُٹھا کر بوڑھے سفیان کو اوڑھا دیا۔ بوڑھے سفیان نے چونک کر بینا کو دیکھا اور پھر ہڑبڑا کر اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔

"ارے بی بی صاحبہ! آپ، بی بی صاحبہ آپ، معافی چاہتا ہوں...... میں بی بی صاحبہ مجھے آپ کے آنے کی خبر نہیں ہو سکی۔" وہ ہکلاتا ہوا بولا۔

"ارے ارے آپ لیٹ جائیے اوہ آپ کو تو بخار ہے...... خاصا تیز بخار ہے...... آپ کو سردی لگ رہی تھی۔"

"نہ...... نہیں میں ٹھیک ہوں۔" سفیان نے کہا...... اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا......

آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور بدن خوب گرم ہو رہا تھا۔

"بابا سفیان! آپ کو شدت سے بخار ہے...... ملیریا ہوا ہے شاید آپ کو۔"

"یقین کرو! کوئی ایسی بات نہیں ہے بی بی صاحب میں بس...... معافی چاہتا ہوں اس میں عمر اتنی ہو گئی ہے کہ، کہ، کہ۔"

"ٹھیک ہے۔" سفیان لیٹ گیا...... بینا اس کے پاس ہی چارپائی پر بیٹھ گئی تھی۔

"اتنا تیز بخار ہے آپ کو اور آپ نے کسی کو بتایا بھی نہیں۔"

"کسے بتاتا۔"

"ہمیں بتاتے...... لوگ یہاں آپ کا خیال نہیں رکھتے۔"

"نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے...... خیال رکھتے ہیں...... اصل میں تم نے تو بھی دیکھ لیا ہو گا، بی بی صاحب کہ سب لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہتے ہیں...... نے بہت طویل زندگی گزاری ہے یہاں پر...... سب عزت کرتے ہیں ہماری، لیکن اب اس مطلب یہ تو نہیں ہے کہ ہم ان سے کہیں کہ ہماری خدمت کرو۔"

"آپ نہ کہیں وہ الگ بات ہے لیکن ان کا فرض تو ہے۔"

"ارے نہیں بیٹا! معاف کرنا بی بی صاحبہ...... فرض کسی کا کسی پر نہیں ہوتا۔ ہمیں یہاں روٹی ملتی ہے، تنخواہ ملتی ہے...... فرض تو ہم پر ہے...... ہم کون سا کسی کو روٹی اور تنخواہ دیتے ہیں جو اس پر ہمارا فرض ہو۔"

"انسانیت بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے بابا۔"

"ہاں ہوتی تو ہے۔" بوڑھے نے کہا۔

"اب یہ بتائیے کہ میں آپ کے لئے کیا کروں؟"

"نہیں بیٹا! بس دعائیں ہی دے سکتے ہیں اس بارے میں تمہیں...... ہمارے لئے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم تو خود اپنا فرض پورا نہیں کر سکے، حالانکہ رانی صاحبہ ہماری ڈیوٹی آپ لوگوں پر لگائی تھی اور کہا تھا کہ۔"

"اچھا اب آپ یہ بتائیے کہ ڈاکٹر آفتاب کون ہیں؟"

"ڈاکٹر آفتاب یہیں رہتے ہیں۔"

"مجھے بتائیے! کس جگہ رہتے ہیں وہ؟"

"وہ پانچ نمبر کوارٹر جو ہے نا...... دوسری طرف والا ادھر تو اصل میں ہم ملازم رہتے ہیں...... ادھر ڈاکٹر صاحب رہتے ہیں۔ گھر ہے پورا ان کا۔"

"میں ان سے جا کر بات کرتی ہوں آپ کے لئے۔"

"بیٹی! رہنے دو...... تمہاری مہربانی ہو گی...... ہاں! اگر رانی صاحبہ کو یہ پتا چلے گا کہ ہم نے تمہاری خدمت کرنے کی بجائے تمہیں اپنی خدمت پر لگا لیا ہے تو ناراض ہوں گی۔"

"نہیں! آپ اس سلسلے میں بالکل بے فکر رہیں اور آرام سے لیٹے رہیں...... کچھ چاہئے آپ کو؟" بوڑھے سفیان نے عجیب سی نگاہوں سے بینا کو دیکھا...... پھر مدھم لہجے میں بولا۔

"اگر وہ سامنے جو برتن رکھا ہوا ہے اس میں سے ایک گلاس پانی دے دو...... تو، تو، ہم اور تو کچھ کچھ نہیں دیں گے لیکن دعائیں دیں گے بٹیا...... دعائیں دیں گے۔" بینا جلدی سے آگے بڑھ گئی اور اس نے ایک مٹکے کے اوپر رکھے ہوئے کٹورے میں پانی نکالا اور وہ پانی لے کر سفیان کے پاس پہنچ گئی...... بازو سے سہارا دے کر اپنا سر سینے سے لگایا تھا اور اس کے بعد بوڑھے نے ہونٹوں پر زبان پھیری...... بینا نے اسے آہستہ سے لٹا دیا...... بوڑھے کی آنکھیں بینا کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں...... اس کے بعد وہ آہستہ سے بولا۔

"خدا تمہیں خوش رکھے!"

"آپ سے بہت سی باتیں کرنی ہیں مجھے بابا سفیان لیکن ابھی نہیں...... میں ڈاکٹر آفتاب کے پاس جا رہی ہوں۔"

"سامنے کے کوارٹر میں...... پانچ نمبر کوارٹر میں وہ آپ کو مل جائیں گے۔ بی بی صاحبہ۔"

"یہ کیا؟" کبھی بیٹی، کبھی بی بی صاحبہ۔"

"بیماری میں انسان کا دماغ خراب ہو جاتا ہے نا اور اگر وہ بوڑھا ہو تو بالکل ہی پاگل ہو جاتا ہے...... مجھے آپ کو بیٹا کہنے کا حق نہیں پہنچتا۔"

"اچھا خیر! میں ابھی آتی ہوں۔" بینا دوڑتی ہوئی باہر نکلی تھی اور اس کے بعد اس نے شہاب سے اس بارے میں اس طرح اجازت لینی ضروری نہیں سمجھی تھی...... یہ الگ بات ہے کہ جس وقت وہ ڈاکٹر آفتاب کے کوارٹر میں داخل ہوئی تو شہاب بھی سامنے ہی موجود تھا اور کچھ سوچتا ہوا اس کے قریب آ گیا تھا۔ ڈاکٹر آفتاب کے کوارٹر کا دروازہ بند تھا...... بینا نے دستک دی تو ایک جوان عورت نے دروازہ کھولا...... بینا کو دیکھ کر وہ شاید اسے پہچان گئی

تھی، حالانکہ ابھی تک بینا سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی اس کی اور نہ ہی بینا نے اس عورت کو پہلے دیکھا تھا، لیکن عورت نے شاید اسے رانی راؤنگر کے ساتھ دیکھ لیا تھا...... اس لئے وہ بڑے احترام سے بولی۔

"جی بی بی! فرمائیے۔"

"ڈاکٹر آفتاب ہیں اندر؟"

"ہاں جی! ابھی کھانا کھا کر فارغ ہوئے ہیں۔ بلاؤں؟"

"ہاں! جلدی بلائیے۔" بینا نے کہا...... اتنی دیر میں شہاب اس کے پاس پہنچ گیا۔

"کیا بات ہے بینا؟"

"وہ بابا سفیان کو سخت ملیریا ہوا ہے...... سردی سے تھر تھر کانپ رہا ہے...... اس کوارٹر میں ڈاکٹر آفتاب رہتا ہے...... آپ کو یاد ہو شاید شہاب کہ رانی راؤنگر نے ان کا نام لیا تھا۔"

"ہاں!" ابھی ان لوگوں نے اتنی ہی باتیں کی تھیں کہ ایک جوان آدمی باہر نکل آیا...... اچھی شخصیت کا مالک تھا...... اس نے شہاب اور بینا کو دیکھ کر سلام کیا اور بولا۔

"مجھے معلوم ہے آپ رانی صاحبہ کے مہمان ہیں...... آئیے اندر آئیے۔"

"ڈاکٹر صاحب! ہم آپ سے تفصیلی ملاقات بعد میں کرلیں گے...... اتفاق سے میں تھوڑی دیر پہلے بابا سفیان کے کوارٹر میں جا نکلی تھی...... رانی صاحبہ نے بابا سفیان کی ذمہ داری یہ لگائی تھی کہ وہ ہمیں اس قلعے کی سیر کرائیں، لیکن وہ بیچارے بیمار ہوگئے...... اس وقت بھی انہیں شدید سردی سے بخار چڑھا ہوا ہے...... اگر آپ زحمت کریں تو۔"

"ہاں! ہاں...... میں چل رہا ہوں آپ کے ساتھ ہی چل رہا ہوں...... بس ایک منٹ ذرا کچھ لے آؤں...... ویسے بابا سفیان بہت سخت جان آدمی ہیں...... پتا نہیں کیا بات ہوگئی۔ پہلے کبھی انہیں بخار چڑھا نہیں ہے، بلکہ حیرانی کی بات یہ ہے کہ اتنے بزرگ ہونے کے باوجود انہیں بیماری کوئی نہیں ہے...... اللہ نے کچھ لوگوں کو اتنی شاندار تندرستی دی ہے۔"

"بہتر ہے کہ ہم بابا سفیان کی تندرستی کے بارے میں راستے میں گفتگو کرلیں...... آپ اگر ہمارے ساتھ آسکیں تو جلدی کریں۔" شہاب نے درمیان میں مداخلت کی اور کچھ لمحوں کے بعد ڈاکٹر آفتاب اپنا ایک بیگ لئے ہوئے باہر نکل آیا...... اس کی بیوی کہنے لگی۔

"اگر آپ مناسب سمجھیں تو یہاں رُکیں میرے پاس...... یہ بابا سفیان کو جا کر دیکھ لیں

گے...... آپ کے شوہر کے ساتھ۔" بینا نے مسکرا کر اس خوبصورت عورت کو دیکھا اور بولی۔

"کیا نام ہے آپ کا؟"

"صفیہ!"

"صفیہ! میرا نام بینا ہے...... اس وقت میں ان بزرگ کو جس عالم میں دیکھ کر آئی ہوں...... اس میں ذرا تھوڑی سی تشویش ہے مجھے لیکن! میرا وعدہ ہے کہ کل دن میں میری اور آپ کی نشست ہوگی اور میں آپ کے ساتھ چائے پیوں گی۔"

"ٹھیک ہے؟" صفیہ نے جواب دیا...... بینا، ڈاکٹر آفتاب اور شہاب تیز قدموں سے چلتے ہوئے بابا سفیان کے کوارٹر میں پہنچ گئے...... بابا اُٹھ کر بیٹھ گیا تھا...... البتہ لحاف اس نے اپنے اوپر ڈالا ہوا تھا۔

"ارے! اللہ تم لوگوں کو زندگی دے...... یہ تو تم اُلٹے کام کر رہے ہو...... آفتاب میاں! سردی سے بخار آگیا ہے مجھے بس...... بچے پریشان ہوگئے...... یہ تو مہمان ہیں کبھی کبھی یہ بالکل اُلٹے ہو جاتے ہیں۔"

"آپ بالکل فکر نہ کریں بابا جی! ابھی آپ کو انجکشن دیتا ہوں۔" ڈاکٹر آفتاب نے کہا اور اپنا بیگ کھول کر اس میں سے سرنج وغیرہ نکالنے لگا...... پھر اس نے سفیان کو انجکشن دیا...... چند گولیاں دیں اور بینا جلدی سے پانی لے آئی...... اس نے ایک بار پھر بابا سفیان کو سنبھال کر گولیاں کھلائیں...... سفیان کے چہرے پر شرمندگی کے آثار نظر آرہے تھے...... ڈاکٹر آفتاب نے اس سے تھوڑا سا حال پوچھا اور بولا۔

"نہیں کچھ نہیں، مچھروں کا موسم ہے...... اب کے بابا جی مچھر آپ پر حاوی ہوگئے۔ پہلے تو آپ کہتے تھے کہ ننھے ننھے سے جانور آپ کا کیا بگاڑ سکیں گے؟" سفیان ہنسنے لگا پھر بولا۔

"اب آپ لوگ آرام کرو جی! بڑی مہربانی، بہت بہت مہربانی آپ کی، ڈاکٹر آفتاب" پھر وہ باہر نکل آئے...... ڈاکٹر آفتاب نے ان دونوں کو اطمینان دلایا کہ بابا سفیان ایک صحت مند بوڑھا ہے اور پھر جس پاور کا انجکشن اسے دیا گیا ہے...... وہ اس کے لئے انتہائی کارآمد رہے گا۔" بینا اور شہاب ڈاکٹر آفتاب کو باہر چھوڑنے کے بعد اندر آگئے تھے اور پھر دیر تک وہ سفیان کو دیکھتے رہے...... غالباً دواؤں میں کوئی خواب آور دوا بھی تھی چونکہ سفیان بابا گہری نیند سو گیا تھا، لیکن! واپس جانے کے بعد بینا نے شہاب سے کہا۔

"شہاب! یقین کرو ایسے کسی شخص کی تھوڑی سی خدمت اگر کرلی جائے تو دل کو بڑا سکون ملتا ہے اس سکون کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔"

"اس وقت بینا! نہ جانے کیوں؟ میرا بدن بھی کپکپا رہا ہے؟ سردی لگ رہی ہے۔ اب یہاں کوئی لحاف تو ہے نہیں؟ تم، تم میری کچھ مدد کرو۔" شہاب کی شرارت پر بینا بے اختیار مسکرا دی اور بولی۔

"باز نہ آنا۔" دوسری صبح غالباً کہیں سے اذان کی آواز آرہی تھی..... بینا کی آنکھ کھل گئی..... شہاب گہری نیند سو رہا تھا..... اسے بابا سفیان کا خیال آیا اور وہ جلدی سے اُٹھ کر باہر نکل آئی اور اس کے بعد فاصلہ طے کرتی ہوئی بابا سفیان کے کوارٹر میں پہنچ گئی..... بوڑھا آرام سے سو رہا تھا..... بینا نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دیکھا تو وہ نارمل تھا، لیکن! ہاتھ رکھنے سے بوڑھا جاگ گیا..... اس نے بینا کو دیکھا اور ایک بار پھر وحشت زدہ ہو کر اُٹھ گیا۔

"ارے آپ؟ آپ، بیٹا آپ۔"

"ہاں! کیسی طبیعت ہے آپ کی..... اب یہ بتائیے۔"

"آپ..... آپ کیا کر رہی ہیں آخر یہ؟ یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟ آپ ہمیں کیوں ذلیل کر رہی ہیں؟"

"میں آپ کو ذلیل کر رہی ہوں؟ ایک طرف تو آپ مجھے بٹیا بٹیا کہہ رہے ہیں اور دوسری طرف کہہ رہے ہیں میں آپ کو ذلیل کر رہی ہوں۔"

"ارے بٹی! اللہ تمہارے ماں باپ کو تمہاری خوشیاں دیکھنی نصیب کرے..... انسانیت تو واقعی بہت بڑی چیز ہوتی ہے، لیکن! تم لوگوں نے جس انسانیت کا ثبوت دیا ہے اس دور میں وہ ختم ہو چکی ہے بیٹا..... اس لئے حیرت ہوئی ہے۔"

"نہیں بابا جی! انسانیت کبھی ختم نہیں ہوگی..... دُنیا میں جب تک ایک بھی انسان زندہ ہے..... آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ انسانیت ختم ہو جائے گی اور پھر میں نے جو کچھ کیا ہے وہ تو میرا فرض تھا..... میری اور آپ کی عمر میں زمین آسمان کا فرق ہے..... آپ عمر کی بہت سی منزلیں طے کر چکے ہیں..... میں ان منزلوں سے گزر رہی ہوں اور ہو سکتا ہے ایک دن میں بھی آپ ہی کی عمر تک پہنچ جاؤں..... بابا جی! اس وقت خواہش تو ہوتی ہے کہ کوئی انسان کسی کا سہارا بنے۔ اس وقت اگر تھوڑا سا کام میں نے آپ کے لئے کر دیا ہے تو ایسا کون سا احسان ہے

آپ پر۔" سفیان عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا..... بینا بولی۔

"اب یہ بتائیے؟ چائے وغیرہ آپ لوگ کہاں سے پیتے ہیں..... "کیا آپ کے گھر میں چائے کا سامان ہے؟"

"میں ابھی جاتا ہوں..... چائے تیار کر کے لاتا ہوں۔"

"میں پوچھ رہی ہوں یہاں چائے کا سامان ہے؟"

"ہاں! پورا پورا سامان ہے..... صبح کی چائے تو میں خود ہی بنا کر پیتا ہوں لیکن! بٹیا کچھ برتن وغیرہ گندے ہیں۔"

"میں دھولوں گی آپ فکر نہ کریں۔" اس کے بعد کچھ زیادہ ہی پر لطف ماحول پیدا ہو گیا..... ماحول یہ تھا کہ بینا چائے بنا رہی تھی..... اس نے برتن بھی دھو لئے تھے، لیکن! دو کپ، اتنی دیر میں شہاب اندر داخل ہو گیا..... بینا شہاب کو دیکھ کر چونکی بھی اور پھر مسکرا پڑی۔

شہاب نے کیا عمدہ اندازہ لگایا تھا..... چائے کی خوشبو اُٹھ رہی تھی..... مسکراتا ہوا بولا۔

"جناب عالی! یہ چچا بھتیجی میں چائے چل رہی ہے اور ہمیں سوتا ہوا چھوڑ دیا گیا تھا..... ہم بھی منہ دھوئے بغیر سیدھے چلے آئے اور اب چائے پئیں گے آپ لوگوں کے ساتھ۔"

"ضرور بیٹے! آؤ، میاں بیوی ہو نا تم دونوں..... بس لگتا ہے کہ اب اللہ نے اپنی قدرت ابھی سمیٹا نہیں ہے..... ابھی اس کے بنائے ہوئے انسان واقعی اس کائنات میں موجود ہیں۔ اللہ! آپ لوگوں کو خوش رکھے۔"

"اب یہ بتائیے؟ طبیعت کیسی ہے آپ کی؟"

"بیٹا! بالکل ٹھیک ہوں..... میرا خیال ہے واقعی مچھروں نے کاٹ لیا تھا..... ڈاکٹر صاحب بہت بڑے اسپیشلسٹ ہیں۔ بہت اچھے ڈاکٹر ہیں..... رانی صاحبہ انہیں اتنی بڑی تنخواہ دیتی ہیں کہ اگر وہ اپنا کلینک بھی کھول لیں تو انہیں اتنا معاوضہ نہ ملے..... ویسے بھی وہ راؤ نگر کے دوسرے رہنے والوں کا علاج کرتے ہیں..... رانی صاحبہ کی طرف سے انہیں اجازت ہے ایک چھوٹا سا کلینک بنایا ہوا ہے انہوں نے جہاں وہ دوپہر کو چار بجے کے بعد تین گھنٹے بیٹھتے ہیں اس طرف سے بھی آمدنی ہو جاتی ہے..... ویسے ان کی دی ہوئی دوا..... اللہ نے ان کے ہاتھ میں شفا دی ہے۔" بینا نے چائے بابا سفیان کو دی تو اس شخص نے ہزاروں دعائیں دے ڈالیں..... پھر چائے کا دوسرا کپ شہاب کو دیا تھا اور تیسرا کپ لے کر بینا خود بیٹھ گئی۔

"بس بابا سفیان!" حالانکہ رانی صاحبہ نے ہم سے کہا تھا کہ آپ یہاں کے ہر معاملے میں ہمیں تفصیلات بتائیں گے، لیکن ابھی تک آپ سے ایسی کوئی بات نہیں ہوئی ہمارے۔" بابا سفیان چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"بیٹا! کچھ زخمی ہو گیا ہوں میں تھوڑا سا...... ایک زخم لگ گیا ہے دل پر جس نے مجھے نڈھال کر دیا ہے...... بس اللہ سے دعا کرو کہ میرا وہ زخم بھر جائے۔"

"کیا ہو گیا بابا؟ کہاں زخم لگ گیا؟" بینا نے پوچھا اور بوڑھے سفیان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"ارے کیا بات ہے؟ بابا آپ نے ہمیں بیٹی کہا ہے۔ بتائیں گے نہیں؟"

"کیا بتاؤں بیٹی؟ کیا بتاؤں...... نہ پوچھو تو زیادہ اچھا ہے، حالانکہ کلیجہ پک رہا ہے۔ دل اُبل رہا ہے...... زبان کھولنے کو دل چاہ رہا ہے لیکن! لیکن کیا بتاؤں؟ بولو کیا بتاؤں؟ تمہیں۔"

"بابا صاحب! ہم آپ کو مجبور نہیں کریں گے...... اگر ہمیں کسی قابل سمجھتے ہیں تو بتا دیجئے۔ ورنہ، ورنہ آپ کی مرضی۔"

"نہیں بیٹا! زندگی بھر جس کا نمک کھایا ہے اب اس نے اس آخری عمر میں نمک حرام نہ کراؤ...... بات، بات، بوڑھا خاموش ہو گیا...... بینا نے بوڑھے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے! اصل میں بابا سفیان، زبان اور دل دو مختلف چیزیں ہوتی ہیں...... کسی وقتی جذبے سے متاثر ہو کر زبان بہت بڑے بڑے الفاظ کہہ دیتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان الفاظ کو نبھانا بڑا مشکل کام ہے، ٹھیک ہے ہم آپ کو بالکل مجبور نہیں کریں گے کہ آپ ہمیں اپنے دل کی بات بتا دیں لیکن! ایک بات سن لیجئے! تھوڑا سا افسوس رہے گا...... ہم تو بے لوث آپ سے محبت کرنے لگے تھے لیکن محبت کے بھی مختلف مدارج ہوتے ہیں...... رانی صاحبہ نے بتایا کہ آپ تھوڑے بہت پڑھے لکھے آدمی ہیں...... آپ سے باتیں کر کے اچھا لگ رہا تھا لیکن فاصلے ہر شخص رکھتا ہے...... آپ نے بھی اپنے اور ہمارے درمیان فاصلہ رکھا ہے مجبور نہیں کریں گے...... آپ کو بالکل مجبور نہیں کریں گے۔"

"اور مار لو اور مار لو...... بھگو بھگو کر جوتے مار لو...... اُٹھاؤ جوتا...... میرے سر پر مارو۔ سچ کہہ رہی ہو تم...... بالکل سچ کہہ رہی ہو...... بہت خود غرض ہوتا ہے یہ انسان...... وہی بات سامنے آ جاتی ہے کہ اپنی ذات سے عشق ہے سچا...... باقی سب اضافے ہیں...... ہاں! عشق اپنی

ذات سے سچا ہوتا ہے۔ تم نے میری خدمت کی میں نے تمہاری تعریفیں کیں، لیکن! سچ بات یہ ہے کہ میری خدمت کے صلے میں تمہاری تعریفیں کی ہیں نا لیکن! ایک چھوٹی سی بات سامنے آئی ہے تو مجھے اپنے نمک کا خیال آ گیا۔"

"یہاں بھی ہم آپ سے تعاون کریں گے...... سفیان بابا اور اس کے بعد کچھ نہیں پوچھیں گے...... اچھا! اب ہمیں اجازت دیجئے...... اللہ کرے آپ بالکل صحت مند ہو جائیں۔" بینا نے متاثر کرنے والے انداز میں کہا اور بوڑھے نے چائے کا کپ رکھ دیا، پھر جلدی سے بولا۔

"بیٹی! بیٹھ جاؤ بیٹی...... ناراض نہ ہو۔ بیٹھ جاؤ...... آج ساری قسمیں توڑ رہا ہوں۔ آج اپنی پوری زندگی کے نمک کو حرام کر رہا ہوں میں، لیکن مجھے کرنا ہے...... ایسا کرنا ہے مجھے...... مجبوری ہے میری...... دل کے زخم کو میں بھر نہیں سکتا لیکن! یہ زخم پک کر سڑ جائے گا اور میں جو موت مروں گا مجھے اندازہ ہے کہ وہ کیسی ہو گی؟ بیٹو...... ایک کام کر دو بیٹے! دروازہ اندر سے بند کر دو...... اگر کوئی آ جائے تو بس یہ بتا دینا کہ میں بیمار تھا تم مجھے دیکھنے آ گئے تھے...... ڈاکٹر آفتاب بھی رات کی باتیں رانی صاحبہ کو بتا دے گا...... اس سے آگے کچھ نہ کہنا...... تمہیں خدا کا واسطہ...... دیکھو! مجھے اپنی موت کا کوئی دُکھ نہیں ہو گا۔ اگر کسی وجہ سے مجھے مار ڈالا جائے تو میں بالکل افسوس نہیں کروں گا، لیکن! بس تمہیں تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچنی چاہئے...... اصل میں میں اگر تم سے کچھ چھپانا چاہتا ہوں تو وہ اس لئے بھی کہ جو حقیقت میں تمہیں بتاؤں گا اسے سن کر تمہاری اپنی زندگی کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔"

"ہماری بات آپ جانے دیجئے بابا! ہم دُنیا کے ہر خطرے کو خاطر میں لاتے ہی نہیں ہیں۔" بینا نے کہا اور بوڑھا گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر آہستہ سے بولا۔

"اس قلعے کی ایک کہانی ہے، اتنی طویل اور ایسی عجیب کہ سنو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔"

"حالانکہ! رانی صاحبہ نے آپ سے کہا تھا کہ آپ ہمیں اس قلعہ کے بارے میں تفصیلات بتا دیں، لیکن آپ نے ان تفصیلات کو محفوظ رکھا ہے۔" بوڑھا سفیان کچھ لمحے گردن جھکائے سوچتا رہا...... بینا اور شہاب غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔ پھر اچانک ہی انہیں یوں محسوس ہوا کہ بوڑھا چونک پڑا ہو تو اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھا...... ان دونوں کو دیکھا...... اب اس کے چہرے پر ذرا مختلف قسم کے تاثرات نظر آ رہے

تھے...... یہ دونوں گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہے تھے...... انہیں محسوس ہوا تھا جیسے بوڑھے کے اندر اچانک ہی کوئی تبدیلی رونما ہوئی ہو...... ایک لمحہ تک وہ اس کیفیت کا شکار رہا...... اس کے بعد اس نے گہری سانس لی اور آہستہ سے بولا۔

”یہ قلعہ زمانہ قدیم میں ایک ہندو راجہ نے بنوایا تھا۔“

”یہ کہانی ہم سن چکے ہیں کہ پشت در پشت اس میں تبدیلیاں پیدا ہوتی رہیں...... یہاں تک کہ یہ راؤ شمشیر کے ہاتھ آ گیا اور راؤ شمشیر کے بعد اب یہ رانی راؤنگر کے قبضہ میں ہے۔

”ہاں!“ یہ کہانی اگر تم سن چکے ہو تب تو ٹھیک ہے...... میں یہی بتا رہا تھا کہ بڑی قدیم کہانی ہے اس کی۔ لیکن! بس آخری بد قسمتی ہے کہ رانی راؤنگر ہے صاحب اولاد نہیں ہے اور اس کے بعد نہ جانے اس قلعہ کا کیا ہوگا؟ ظاہر ہے سرکاری ملکیت میں چلا جائے گا۔“

”یہ کیا بات ہوئی؟“

”نہیں...... تو اور بتاؤ؟ اور کیا ہوگا اس کا؟ ویسے ایک بات میں اور بتاؤں آپ کو بچو!“ وہ یہ کہ راؤ شمشیر رانی راؤنگر کے شوہر نہیں تھے۔“

”کیا؟“

”ہاں؟“ رانی راؤنگر راؤ شمشیر کی منہ بولی بہن تھیں۔“

”اوہ! کیا واقعی؟“

”ہاں؟“ یہی وہ بات تھی جو میں آپ کو نہیں بتانا چاہتا تھا۔“

”مگر یہ کوئی ڈھکی چھپی بات ہے کیا؟“ دوسرے لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں ہے؟“

”ہر ایک کو تو نہیں معلوم...... جو خاص خاص ہیں انہیں معلوم ہے؟“

”نہیں! میرا مطلب ہے کہ اگر وہ منہ بولی بہن تھیں تو راؤ شمشیر کے اپنے بیوی بچے کہاں گئے؟“

”شادی ہی نہیں کی تھی راؤ شمشیر نے...... بڑے آدمیوں کی بڑی باتیں...... نہ جانے کیا اصلیت تھی؟ لیکن بس یہ سمجھ لو کہ قلعہ کی کہانی اس طرح سے چلتی چلی آئی ہے۔“

”ہونہہ! ٹھیک...... بہر حال بابا صاحب! یہ کہانی تو بڑی مختصر رہی۔“ شہاب نے بوڑھے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”تعجب کی بات نہیں ہے جو میں نے تمہیں بتائی ہے، لیکن ایک بات اور کہوں۔ اگر

بڑی زندگی بچائی ہے تم نے اس طرح...... میری اتنی تیمارداری کی ہے تو خدا کے لئے کسی سے یہ نہ کہنا کہ میں نے یہ حقیقت تمہیں بتا دی ہے۔“

”نہیں بابا سفیان! ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کسی سے کچھ کہنے کی...... چلو بینا! اُٹھو باہر چلتے ہیں...... باہر کا موسم کافی خوشگوار ہے۔“ بینا بھی اپنی جگہ سے اُٹھ گئی تھی اور پھر دونوں باہر نکل گئے تھے...... شہاب کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی...... بینا بھی اس کے ساتھ چہل قدمی کرتے ہوئے گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کچھ لمحوں کے بعد شہاب نے کہا۔

”بوڑھا سفیان کچھ حقیقتیں بتاتے بتاتے ایک دم خاموش ہو گیا۔“

”ہاں! بالکل یوں لگا جیسے ایک دم کوئی احساس ہو گیا ہو۔“

”کیا بات ہو سکتی ہے وہ شہاب؟“

”ویسے تو بات بھی انتہائی حیرت کا باعث ہے، ہمارے لئے کہ رانی راؤنگر، راؤ شمشیر کی بیوی نہیں بلکہ بہن ہے۔“

”ہمیں تو رانی راؤنگر کا نام تک نہیں معلوم ہو سکا۔“

”ہاں! بالکل لیکن صورت حال کافی سنگین ہے...... ویسے یہ بوڑھا بہت کچھ جانتا ہے۔“

”اس نے اچھا نہیں کیا...... میرے دل میں اس کے لئے جو محبت تھی وہ ایک دم ختم ہو گئی...... ہاں! کسی نہ کسی طرح حقیقتوں کا علم ہو جائے گا سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خادم خان اور رانی کے درمیان جو گفتگو ہوئی ہے اس سے اس بات کا اندازہ تو ہو گیا ہے کہ رانی اپنے طور پر ایک پراسرار شخصیت کی حامل ہے۔ یہ انکشاف البتہ ذرا سنسنی خیز ہے کہ رانی راؤنگر، راؤ شمشیر کی بیوی نہیں ہے...... وہ کون ہے؟ کیا ہے؟ اس سلسلے میں کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔ ارے ہاں! ایک بات کہوں تم سے؟“

”کیا؟“ بینا نے پوچھا وہ تمہیں ڈاکٹر آفتاب کی بیوی نے دعوت دی تھی...... عورتیں ذرا زیادہ آسان ہوتی ہیں...... ہو سکتا ہے اس سے تمہیں کچھ تفصیلات معلوم ہوں۔“ بینا نے شرارتی نگاہوں سے شہاب کو دیکھا اور بولی۔

”جو کہنا چاہتے تھے وہی کہو...... الفاظ چبا گئے چھپا گئے۔“

”بھئی میں خود تھوڑی کہتا ہوں یہ تو محاورہ ہے۔“

”یعنی عورتیں پیٹ کی ہلکی ہوتی ہیں...... یہی کہنا چاہتے تھے نا آپ جناب۔“

"میرا مطلب ہے...... تمام عورتیں نہیں، جیسے تم۔" شہاب نے کہا اور بینا شہاب کو گھورنے لگی اور پھر بولی۔

"بہر حال! بات سچ ہے لیکن میرا خیال ہے اتنی گہری بات اس معصوم سی عورت کو نہیں معلوم ہوگی۔"

"بینا ایک بات کہوں؟ ہو سکتا ہے ڈاکٹر آفتاب کو کوئی علم ہو؟ اور بعض چغد قسم کے شوہر، چغد سمجھتی ہو نا؟"

"سمجھتی کیا ہوں؟ اچھی طرح سمجھتی ہوں۔" بینا نے شہاب کو دیکھتے ہوئے کہا اور پھر قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔

"ٹھیک ہے بات برابر تو کرنی ہی تھی نا تمہیں...... بدلہ تو لینا تھا تو جناب بعض شہاب قسم کے شوہر اپنی بیویوں کو سب کچھ بتا دیا کرتے ہیں...... ہو سکتا ہے ڈاکٹر آفتاب بھی ان ہی لوگوں میں سے ہو۔ صفیہ کی زبان کھلوانا تمہارا کام ہے...... کچھ نہ کچھ معلومات حاصل ہوں گی تمہیں۔"

"میں پوری پوری ٹرائی کروں گی۔" اور پھر اس کے بعد...... بات ٹل گئی تھی۔ شہاب نے اس کے بعد اپنے طور پر کچھ منصوبہ بندیاں کی تھیں اور بینا نے اپنے طور پر آج نہ جانے کیوں ناشتے پر ان لوگوں کو رانی صاحبہ نے طلب نہیں کیا تھا اور ملازموں نے ناشتا ان کی رہائش گاہ پر ہی پہنچایا تھا، لیکن بہر حال! اس سلسلے میں ان لوگوں نے کوئی سوال نہیں کیا...... البتہ کوئی ساڑھے نو بجے کے قریب رانی صاحبہ خود ان کے پاس پہنچی تھیں...... بینا اور شہاب انہیں دیکھ کر باادب انداز میں کھڑے ہو گئے۔

"نہیں بیٹھو! اصل میں آج کچھ ایسی مصروفیت آ گئی کہ میں ناشتا بھی تم لوگوں کے ساتھ نہیں کر سکی...... میں تقریباً چھ بجے تک واپس آ جاؤں گی...... ذرا باہر جا رہی ہوں...... جیسا کہ میں نے کہا نہ تو یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کرنا نہ ہی کوئی تکلف۔ کیا سمجھے؟ ابھی جب تک میں مکمل طور پر تمہاری میزبانی نہیں کر لوں گی...... مجھے چین نہیں آئے گا سمجھے۔ مطلب صرف اتنا سا ہے کہ جانے کی کوشش نہ کرنا کیا سمجھے؟"

"ابھی ہم کہاں جا رہے ہیں رانی صاحبہ! آپ کو تو خود ہی پتا ہے۔" شہاب نے کہا اور رانی ہنسنے لگی...... تھوڑی دیر کے بعد شہاب اور بینا نے اپنی رہائش گاہ کی کھڑکی سے رانی کو

شاندار لینڈ کروزر میں بیٹھ کر جاتے ہوئے دیکھا تھا...... کچھ افراد اس کے ساتھ تھے...... کے چہرے پر گہرے غور و فکر کے آثار تھے...... پھر اس نے بینا سے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں رانی کی غیر موجودگی سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانا چاہئے۔"

"ہاں! اگر کوئی خاص منصوبہ ذہن میں ہو تو بتاؤ۔ ورنہ ہم اپنے اپنے طور پر کام کرتے

"شہاب پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا تھا...... کچھ دیر تک مکمل خاموشی طاری پھر شہاب نے کہا۔

"ویسے تو بہت سے منصوبے ذہن میں ہیں بینا لیکن کیوں نہ ہم اپنے پرانے نسخے کو ئیں۔"

"کون سا پرانا نسخہ؟" بینا نے شہاب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"بیگم صاحبہ! یہ غیر مناسب بات ہے، یعنی ماضی کی باتوں کو بھول کر آپ صرف بیگم صاحبہ بنتی جا رہی ہیں۔" بینا ایک دم سنبھل گئی...... اس نے معذرت آمیز لہجہ میں کہا۔

"سوری شہاب! نہیں ایسی بات نہیں ہے...... میں ایسی جرات ہرگز نہیں کر سکتی...... اگر کبھی کوئی ایسی غلطی ہو جایا کرے تو اسے ہمارے اپنے درمیان بے تکلفی کے حساب درج کر دیا کرو...... میں واقعی سمجھ نہیں سکی ہوں۔"

"میں تمہیں برا بھلا کہنا شروع کر دوں گا...... یعنی اب مذاق بھی احتیاط سے کرنا پڑے گا۔"

"نہیں واقعی! میں سمجھ نہیں پائی تھی۔"

"ہم لوگ یوں کرتے ہیں کہ جب کسی کیس پر کام کرتے ہیں تو اپنے اپنے طور پر اس کے نکات تیار کرتے ہیں اور پھر ان پر بحث کیا کرتے ہیں...... وہیں سے ہم یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ آگے ہمیں کیا کرنا ہے؟"

"سوری، سوری، بالکل ٹھیک کہا...... تو کیا خیال ہے ابھی اور اسی وقت سے شروع ہو جائے۔"

"ہاں! رانی کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔"

"او کے اور اس کے بعد دونوں نے کاغذ قلم سنبھال لئے اور ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر بیٹھ گئے...... اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے پہلے بھی اس طریقہ کار سے بہت

سے اُلجھے ہوئے مسئلے حل ہوئے تھے اور شہاب اس طریقہ کار کو بہت کار آمد قرار دیتا تھا۔ بینا کو بھی اس کی قابلیت کا احساس ہوا تھا...... دونوں آزادانہ طور پر اپنے اپنے ذہنوں کی بات کاغذ پر منتقل کر دیا کرتے تھے اور اس وقت بھی تقریباً پچیس منٹ صرف ہوئے اور پھر دونوں نے اپنے اپنے کاغذات تیار کر لئے۔

"جی! تشریف لائیے...... نمبر ایک۔" شہاب نے بینا سے کہا۔

"نمبر ایک یہ کہ نادر حیات صاحب نے ہمیں ہدایت کی کہ دارالحکومت کے نواح میں اور ملک کے ایسے چھوٹے چھوٹے حصوں میں جہاں انتظامیہ کا نظام بہت اعلیٰ پیمانے پر قائم نہیں ہوا ہے۔ وہاں ہونے والے لاتعداد جرائم حل نہیں ہوتے اور مجرم ایک کے بعد دوسرا جرم کر ڈالتے ہیں...... کبھی کسی اخباری رپورٹر کو اس کی ہوا لگ گئی تو ان جرائم کی کچھ تفصیلات اخبارات میں آ گئیں...... ورنہ عموماً ان علاقوں کے بڑے لوگ ان جرائم کو آسانی سے چھپا جاتے ہیں اور اس کا تجربہ ہمیں حاضر پور آ کر ہوا۔ جہاں ہم نے حاضر پور کے تھانہ انچارج خادم خان کو اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ کرتے ہوئے دیکھا...... یعنی یہ کہ اگر ہم پانچ ہزار اسے ادا نہ کرتے تو وہ اس نوجوان لڑکے کے قتل کے الزام میں ہماری گردنیں پکڑتا اور ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا...... دوم یہ کہ اس نے رانی راؤ نگر کے پاس آ کر اپنی وفاداریوں کے ثبوت دیئے اور اس کے بعد ہم نے جو کچھ سنا...... نمبر دو ڈی آئی جی نادر حیات صاحب نے ہم لوگوں سے یہ بھی کہا تھا کہ ان نواحی علاقوں میں اور ان چھوٹی جگہوں پر ہونے والے جرائم میں سے لاتعداد جرائم ایسے ہوتے ہیں جو وہاں کے سرور آوردہ لوگ کرتے ہیں اور پولیس ان کی معاونت کرتی ہے...... ہمیں ان کا جائزہ بھی لینا چاہئے تو پولیس کے تعاون کا اندازہ تو ہمیں خادم خان صاحب کے طرز عمل سے ہو گیا...... اب اس کے بعد رانی راؤ نگر رہ جاتی ہیں...... رانی راؤ نگر یہ بات جانتی ہیں کہ عارف نامی نوجوان کا قتل ہو گیا ہے اور یہ بات خادم خان نے ہمیں بتائی تھی کہ عارف رانی راؤ نگر کے ہاں کا ملازم ہے...... یہاں اب تک جو رپورٹیں ہمارے پاس ہیں ان میں سے ایک بھی رپورٹ ایسی نہیں ہے جس میں قلعہ محل یا حویلی کے کسی ملازم کی زبان پر عارف کا نام آیا ہو، جبکہ یہ بظاہر ممکن نہیں ہے کہ عارف کی موت کا راز ابھی تک ان لوگوں کو معلوم نہ ہو...... اس کا مطلب ہے کہ رانی راؤ نگر دوہری شخصیت رکھتی ہے...... تیسری بات یہ کہ ایک بالکل ہی انوکھا انکشاف راؤ

شمشیر کے بارے میں ہوا ہے، رانی راؤ نگر جس کا اصل نام ابھی تک سامنے نہیں آیا ہے۔ یعنی یہ کہ راؤ شمشیر کی بیوی نہیں بلکہ بہن ہے...... بس یہ چیزیں ہمارے لئے نکات کی حیثیت رکھتی ہیں۔"

"بالکل، بالکل ٹھیک۔" شہاب نے کہا اور اپنے بنائے ہوئے نکات بینا کے سامنے پیش کر دیئے...... صرف الفاظ کا اُلٹ پھیر تھا ورنہ بات یہیں تک تھی...... بینا مسکرانے لگی تو شہاب نے کہا۔

"نہیں!" بات صرف مسکرانے کی نہیں ہے بینا، سنجیدگی سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ہم دونوں کا ایک دوسرے کے قریب آنا ضروری تھا...... راستے بے شک ذرا طویل رہے لیکن بہر حال ہماری ربط بہت سے معاملات کے لئے نہایت ضروری تھی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے بعد ہمارے اقدامات کیا ہونے چاہئیں؟" بینا سوچ میں ڈوب گئی، پھر اس نے کہا۔

"اس قسم کے معاملات سے پہلے بھی بے شمار بار واسطے پڑ چکے ہیں...... اصل میں بہت زیادہ گہرائیوں میں جانا بھی بعض اوقات اُلجھنوں کا باعث بن جاتا ہے...... فی الحال جو کردار ہمارے سامنے ہیں میں ڈاکٹر آفتاب کی بیوی صفیہ سے ذرا سے تعلقات بڑھاتی ہوں۔ جو یہیں رہتی ہے، اصل میں ایسے کردار اس لئے زیادہ کار آمد ثابت ہو جاتے ہیں کہ بہت بڑی جگہوں پر رہتے ہوئے انہیں زندگی گزارنے کی آسائشیں تو حاصل ہو جاتی ہیں لیکن زندگی کا وہ لطف حاصل نہیں ہوتا جو اپنے جیسوں میں رہ کر حاصل ہوتا ہے...... ڈاکٹر صاحب کی بیگم یقینی طور پر انسانوں کی بھوکی ہوں گی اور ہو سکتا ہے میں ان کی زبان کھلوانے میں کامیاب ہو جاؤں۔ اصل میں اس بات پر آپ نے ضرور غور کیا ہو گا شہاب! کہ یہاں کے کسی ملازم نے عارف کے بارے میں کوئی تذکرہ نہیں کیا، اس کا مطلب ہے کہ یہاں جو لوگ کام کرتے ہیں ان کے کانوں تک کم از کم یہ بات پہنچ جاتی ہے کہ جس کام کے لئے رانی راؤ نگر نہ چاہے وہ کام اس حویلی میں نہیں ہونا چاہئے...... ہمیں صفیہ کی زبان سے ممکن ہے کچھ ایسی باتوں کا علم ہو جائے جو ہمارے لئے کار آمد ہو، بہر حال یہ ایک گیم تو ہے باقی قتل ہونے والا مظلوم بچہ نہ سہی وہ جو اپنی زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا اور جسے خادم خان نے موت کے ہاتھوں تک پہنچانے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے...... ہو سکتا ہے صفیہ کو اس کے بارے میں تفصیلات

معلوم ہوں۔"

"ٹھیک ہے...... دوسرا کردار میں جانتا ہوں تم کسے کہنا چاہتی ہو؟"

"بالکل! بالکل میرا خیال ہے بابا سفیان بھی ہمارے لیئے کار آمد ثابت ہو سکتا ہے۔"

"تو پھر ڈیوٹی شروع؟" شہاب نے سوال کیا۔

"شروع۔" بینا اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

❁ ❁ ❁

ڈاکٹر آفتاب اس وقت موجود نہیں تھا...... بینا نے دروازے پر دستک دی۔ صفیہ نے ہی دروازہ کھولا تھا...... بینا کو دیکھ کر اس کے چہرے پر خوشی کے آثار پھیل گئے۔

"آیئے! آپ یقین کریں میری ہمت نہیں پڑی تھی، کیونکہ بہر طور یہ بات میرے علم میں آچکی ہے کہ آپ رانی راؤنگر کی معزز مہمان ہیں...... میں نے آفتاب سے کہا تھا کہ وہ خاتون جو آئی تھیں، اگر کہیں سامنے پڑ جائیں تو انہیں میرا یہ پیغام ضرور دے دیں کہ اگر تھوڑا سا وقت ملے تو ہم غریبوں سے بھی ملاقات کر لیں۔"

"سبحان اللہ!" بینا اندر داخل ہوتی ہوئی بولی اور پھر اس نے اس اعلیٰ درجے کی ڈرائنگ روم کی سجاوٹ دیکھی اور درمیان میں کھڑے ہو کر کہنے لگی۔

"واقعی آپ نے میرے ذہن میں وہ چھوٹی سی کہانی تازہ کر دی جو بچوں کے عالمی ادب کے ایک رسالے میں چھپی تھی اور کہانی کو پہلا انعام ملا تھا۔ بہت مختصر کہانی تھی، ایک بچے نے اپنے بارے میں لکھا تھا کہ ہم بہت غریب لوگ ہیں۔ ہماری غربت کی انتہا نہیں ہے۔ ہمارا ڈرائیور بھی بڑا غریب ہے۔ ہمارا مالی بھی بہت غریب ہے اور ہمارا باورچی بھی بے چارہ بہت غریب ہے، ہمارے ابو بھی بہت غریب ہیں اور امی بھی بہت غریب ہیں تو محترمہ! آپ نے بھی واقعی وہی کہانی دہرا دی۔ اگر ہمارے وطن کے غریب ایسے ہیں تو پھر تو دعا مانگنی چاہئے کہ ہر فرد اتنا ہی غریب ہو جائے۔" صفیہ ہنسنے لگی پھر بولی۔

"آپ کے بارے میں قطعاً طور پر یہی اندازہ لگایا تھا میں نے...... کچھ لوگوں کا اندازہ ان کی آنکھوں سے ہو جاتا ہے کہ وہ خوش مزاج ہیں۔ ویسے تو یہاں بھی بہت سے لوگ ہیں، لیکن آپ کے بارے میں نہ جانے کیوں میرے دل میں یہ بار بار خواہش پیدا ہو رہی تھی کہ

جب تک بھی آپ کا یہاں قیام ہے آپ سے دوستی کی جائے اور اگر آپ کچھ زیادہ گھاس ڈال دیں تو پھر آپ سے یہ درخواست بھی کی جائے کہ کبھی ہمیں اپنے ہاں بلایئے...... بیٹھئے آپ۔" صفیہ نے کہا اور بینا بیٹھ گئی۔

"آپ باتیں بہت اچھی کرتی ہیں صفیہ، بہرحال آپ سے وعدہ کر کے گئی تھی حاضر ہو گئی ہوں۔"

"یہ بتایئے، کیا پلاؤں آپ کو؟"

"نہیں! ہماری یہ بات تو نہیں ہوئی تھی۔ اس سلسلے میں آپ کو پہلے سے مجھ سے بات کرنی چاہئے تھی۔"

"کس سلسلے میں؟"

"یہی کہ اگر میں آؤں گی تو آپ مجھے کچھ پلائیں گی ضرور۔" صفیہ پھر ہنسنے لگی اور بولی۔

"تھوڑا سا وقت دیجئے...... بس ابھی حاضر ہوئی۔"

"پلیز صفیہ! آپ پہلے میری بات سن لیجئے...... دیکھئے جب انسان کو کچھ ضرورت ہوتی ہے تو یقینی طور پر وہ اس بات کی آرزو کرتا ہے کہ اس کی ضرورت پوری ہو جائے۔ کم از کم تعلیم یافتہ اور کشادہ ذہن لوگوں میں یہ تبدیلی ضرور پیدا ہونی چاہئے کہ وہ اپنے مہمان سے پوچھ لیں کہ مہمان بھلا کہاں بتائیں گے کہ انہیں یہ درکار ہے تو اپنے بارے میں، میں آپ کو صرف اتنا بتا دوں کہ میں کس طرح کی مہمان ہوں...... اگر مجھے واقعی کسی شے کی ضرورت ہوئی تو آپ سے ضرور کہہ دوں گی اور اگر میں آپ سے۔ معذرت کروں اور آپ ضد کریں تو یقین کیجئے آپ کے نمبر کم ہو جائیں گے۔" صفیہ پھر ہنسنے لگی اور بولی۔

"ٹھیک ہے، آپ کی مرضی...... ویسے آپ کا نام مجھے نہیں معلوم۔"

"میرا نام بینا ہے اور میرے شوہر جنہیں آپ نے دیکھا ان کا نام شہاب...... ہم لوگ رانی صاحبہ کے مہمان ہیں۔"

"یہ تو مجھے معلوم ہے...... رانی صاحبہ سے آپ کے تعلقات کب سے ہیں؟"

"کوئی چوبیس پچیس گھنٹے سے۔" بینا نے جواب دیا اور صفیہ چونک پڑی۔

"کیا مطلب؟"

"ممکن ہے کچھ گھنٹے زیادہ ہوں۔"

"نہیں! میرا مطلب ہے اس سے پہلے۔"

"نہیں اس سے پہلے ہمارے ان سے کبھی تعلقات نہیں تھے...... اصل میں ہم دونوں میاں بیوی ذرا مختلف انداز کے لوگ ہیں...... یوں سمجھ لیجئے کہ شہاب بھی ایڈونچر پسند ہیں اور میں بھی...... بس ہم لوگ یونہی سیر و سیاحت کرنے نکلے تھے ٹرین میں بیٹھے ہوئے تھے، کوئی منصوبہ ذہن میں نہیں تھا کہ کہاں جائیں گے؟ حاضر پور کا اسٹیشن نظر آیا تو یہاں اتر گئے۔ پھر یک گیسٹ ہاؤس میں قیام کیا...... کچھ وقت وہاں گزارنے کے بعد حاضر پور کے نواح میں سیر کے لئے نکلے اور ایک ایسے راستے پر گزرتے ہوئے آ گئے جس کے بارے میں ہم نہیں جانتے تھے...... اس کے بعد چند بہادروں نے ہمیں بڑی ہوشیاری کے ساتھ گرفتار کیا اور رانی صاحبہ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا، لیکن رانی صاحبہ نے مہربانی سے کام لیتے ہوئے ہمارے ساتھ مہمانوں کا سا سلوک کیا اور اب ان کے معزز مہمان ہیں...... بس یہ ہے ہماری کہانی۔"

"ویسے آپ کے شوہر کیا کرتے ہیں؟"

"بس یوں سمجھ لیجئے...... دارالحکومت میں ایک چھوٹا سا جنرل سٹور ہے...... جسے ملازمین چلاتے ہیں...... ہم لوگوں نے بہت تھوڑے عرصے پہلے شادی کی ہے...... اب آپ یہ نہیں کہیں گی کہ اتنی عمر تک ہم کیا کرتے رہے؟"

"ارے نہیں! اب ایسا بھی کیا؟ کیا آپ اپنے آپ کو بہت عمر رسیدہ سمجھتی ہیں؟" صفیہ نے کہا۔

"وہ بات جو دوسروں کی زبان سے نکلنے والی ہو۔ خود کہہ دینی چاہئے، اچھا ہی رہتا ہے۔"

"جی نہیں...... یہ غلط فہمی دل سے نکال دیجئے آپ اور آپ یقین کیجئے ماشاءاللہ بہت خوب صورت جوڑا ہے...... میں ڈاکٹر آفتاب سے یہی کہہ رہی تھی کہ دونوں کے درمیان عمروں میں نہ جانے کیا رشتہ ہے؟ دونوں ساتھ ساتھ نظر آتے ہیں تو بہت پیارے لگتے ہیں۔"

"شکریہ! اصولی طور پر مجھے بھی آپ لوگوں کے بارے میں یہی کہنا چاہئے، لیکن اب آپ پہلے کہہ چکیں اس لئے آپ کے الفاظ دہرانا مناسب نہیں ہے۔"

"آپ واقعی بہت دلچسپ خاتون ہیں بینا...... شہر میں آپ کہاں رہتی ہیں۔"

"بس ایک چھوٹا سا گھر بھی ہے۔"

"ساری چیزیں چھوٹی چھوٹی ہوں گی مجھے پتا ہے لیکن میری بدقسمتی ہے کہ میں شہری

زندگی کی ان چھوٹی چھوٹی چیزوں سے محروم ہوں...... آفتاب اتنے مصروف رہتے ہیں یہاں اور انہیں اتنی کم چھٹی ملتی ہے کہ میں کبھی دل بھر کر شہر میں نہیں رہ سکی۔“

”شہر میں آپ کے عزیز واقارب ہوں گے۔“

”ہاں......! سگے ماں باپ تو نہیں ہیں ماموں اور ممانی نے پرورش کی تھی...... پھر بھی بیچارے اچھا مل لیتے ہیں۔ ہاں! کالج وغیرہ کی دوست کافی ہیں...... کئی کی شادی ہو چکی ہے۔ اکثر بلاتی رہتی ہیں...... بس ایک بار گئی ہوں۔ یہاں آنے کے بعد...... اس کے بعد نہیں۔“

”لیکن! یہ تو کر سکتی ہیں آپ کے اگر ڈاکٹر صاحب مصروف ہوتے ہیں تو آپ خود چلی جایا کریں۔“

”اس کی اجازت نہیں ہے۔“

”کیوں؟ ڈاکٹر آفتاب بہت سخت ہیں۔“

”نہیں! ڈاکٹر آفتاب کی طرف سے نہیں بلکہ رانی صاحبہ کی طرف سے۔“

”ارے کیا مطلب؟“

”بس میں نہیں جانتی۔“

”میں کچھ سمجھی نہیں صفیہ۔“ بینا نے کہا۔

”یہاں جتنے ملازمین ہیں ان میں سے کسی کو یہ اجازت نہیں ہے کہ رانی صاحبہ سے پوچھے بغیر اور انہیں ساری تفصیلات بتائے بغیر یہاں سے کہیں اور جا کر رہیں...... خود رانی صاحبہ کسی کو کسی کام سے بھیجتی ہیں تو وہ چلا جاتا ہے، ورنہ باقی لوگ یہاں اپنے معمولات میں وقت گزارتے ہیں۔“

”اور لوگ اس بات کو مان لیتے ہیں...... میرا مطلب ہے۔“

”ہاں...... بہترین تنخواہیں ملتی ہیں انہیں ہر طرح کی سہولتیں ملتی ہیں...... اتنی اچھی تنخواہیں اور آسائشیں انہیں کہیں اور نصیب نہیں ہوتیں...... اب ڈاکٹر آفتاب کو ہی لیجئے...... اگر وہ اپنا کلینک بھی کھول لیں تو انہیں اتنا معاوضہ یا آمدنی نہ ہو...... جتنی یہاں رانی صاحبہ انہیں دے دیتی ہیں...... پھر اپنا کلینک کھولنے کے لئے تو ایک بڑی رقم درکار ہوتی ہے...... اس کے علاوہ پچاس قسم کے مسائل یہاں تو یوں سمجھ لیجئے کہ کھانے پینے اور عیش کرنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہے...... کبھی کبھار کوئی بیمار ہو گیا تو آفتاب نے دیکھ لیا

ورنہ آرام ہی آرام...... ہاں! یہ پابندی ہے کہ بس یہاں سے کہیں جایا نہ جائے...... اصل میں جب ڈاکٹر آفتاب نے یہاں نوکری کی تھی تو اس وقت یہ تفصیلات ان کے سامنے نہیں آئی تھیں...... انہیں بعد میں بتایا گیا تھا۔ مجھے یہاں بلانے پر بھی پابندی تھی۔ پہلے وہ تنہا ہی یہاں آئے تھے...... بعد میں جب انہوں نے مجھے یہاں لانے کے لئے کہا تو یہ شرط ان کے سامنے پیش کر دی گئی۔ بہر حال چونکہ میں بھی وہاں تنہا ہی تھی...... ماں باپ ہوں تو خیر کوئی مسئلہ نہیں ہوتا یا پھر باقاعدہ سسرال ہو۔ نہ ڈاکٹر آفتاب کا وہاں کوئی گھر ہے...... نہ میرا بالکل ذاتی۔ چنانچہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ ساتھ رہنے کے لئے ہم لوگ رانی صاحبہ کی شرط مان لیں۔“

”ایک بات بتائیے صفیہ...... یہ آپ کی رانی صاحبہ کا اصل نام کیا ہے؟“

”صحیح تو مجھے بھی نہیں معلوم لیکن ایک آدھ بار کہیں سے سننے کو مل گیا تھا...... غالباً عالیہ ہے ان کا نام لیکن اب عالیہ کے نام سے کوئی انہیں مخاطب نہیں کرتا۔“

”کیا یہ حیرانی کی بات نہیں ہے صفیہ کہ رانی صاحبہ نے اپنے ملازموں کو خرید رکھا ہے؟“

”اصل میں انسان مجبوری کے ہاتھوں بکتا ہے...... ورنہ کون اپنے آپ کو کسی کی غلامی میں دینا پسند کرتا ہے، اب ڈاکٹر آفتاب جیسے آدمی کو لے لیجئے آپ، حالانکہ ان کی فطرت تنوع پسند ہے...... زندگی میں ہر طرح کی دلچسپیوں کے قائل ہیں، بہت خوش مزاج اور لطیفہ گو ہیں لیکن۔“

وہ خاموش ہو گئی۔ بینا بغور اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی...... صفیہ کے چہرے پر سادگی تھی...... نہ جانے کیوں وہ تشویش زدہ نظر آ رہی تھی، کچھ لمحے کی خاموشی کے بعد بینا نے ہی اسے ٹوکا۔

”کیوں آپ خاموش کیوں ہو گئیں۔“

”کبھی کبھی مجھے یوں لگتا ہے جیسے، جیسے آفتاب مجبور ہوں اپنی فطرت کے خلاف۔ وہ یہاں رہ رہے ہیں۔“

”آپ نے آفتاب صاحب سے یہاں سے چلنے کی فرمائش نہیں کی۔“ بینا نے سوال کیا اور صفیہ کچھ کھو سی گئی نہ جانے کیوں بینا کو احساس ہوا کہ اب کوئی اہم انکشاف ہونے والا ہے۔

"میں نے ایک دوبار ان سے شکایت کی اپنی اس تنہائی کی تو کہہ رہے تھے کہ "صفیہ! تھوڑا وقت یہاں گزار لو ہو سکتا ہے کہ اس قابل ہو جائیں کہ اپنا کلینک بنا سکیں...... نوکری چھوڑ دینا کوئی مشکل کام نہیں ہوتا۔" صفیہ نے پر خیال انداز میں کہا۔

"رانی صاحبہ کی اس پابندی کی وجہ کا کوئی پتا نہیں چل سکا؟"

"نہیں، بالکل نہیں۔" بس بڑے لوگوں کو کچھ شوق ہوا کرتے ہیں...... جانور پالنے کے۔ انسان پالنے کے رانی صاحبہ نے بھی انسان پال رکھے ہیں اور ان پر مکمل حکمرانی کرتی ہیں۔

"تب تو وہ ایک اچھی خاتون نہ ہوئیں۔"

"خاک اچھی خاتون ہیں...... بس اپنے آپ کو صرف رانی سمجھتی ہیں...... ارے بابا! رانی بھی تو انسان ہی ہوتی ہے، پھر کاہے کی رانی؟ رانی راجاؤں کا دور تو نہ جانے کب کا گزر گیا...... لوگوں کو اپنے آپ کو بس کوئی بڑا نام کہلوانے کا شوق ہوتا ہے۔ رانی صاحبہ بھی اپنا یہ شوق پورا کر رہی ہیں۔"

"تو کیا انہیں ان کی مرضی سے رانی راؤ نگر کہا جاتا ہے؟"

"اب یہ مجھے نہیں معلوم بعض اوقات لوگ بھی خوشامد کی انتہا کر دیتے ہیں لیکن اگر کوئی ہمیں کسی غلط نام سے پکارتا ہے تو ہمیں خود کو انکار کر دینا چاہئے۔"

"ہاں! یہ بھی آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔"

"چھوڑیئے! کہاں رانی کے چکر میں پڑ گئیں۔"

"نہیں! صفیہ باتیں بہت دلچسپ کر رہی ہیں آپ۔ رانی صاحبہ کی کوئی اولاد نہیں ہے؟"

"اولاد۔" صفیہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں! کیوں؟"

"شوہر نہیں ہے تو اولاد کہاں سے ہو گی؟"

"نہیں! یہ بات اُڑتی اُڑتی میرے کانوں تک پہنچی تھی کہ رانی راؤ نگر راؤ شمشیر کی بیوی نہیں بلکہ منہ بولی بہن ہے۔ کیا یہ سچ ہے صفیہ؟"

"ہاں!"

"تو راؤ شمشیر کی موت کے بعد رانی کو یہ سارا نظام کیسے مل گیا؟"

"راؤ شمشیر نے اپنی زندگی ہی میں سب کچھ ان کے حوالے کر دیا تھا۔"

"وجہ؟"

"خدا کی قسم! شاید ایک بھی آپ کو ایسا نہ مل سکے جو اس بات کی وجہ بتا دے۔"

"تعجب ہے...... واقعی بڑا تعجب ہے...... بعض کہانیاں کس قدر پر اسرار ہوتی ہیں، ویسے رانی صاحبہ کس مزاج کی انسان ہیں۔"

"یہاں پر موجود لوگ ان کے گن گاتے ہیں جس سے پوچھو وہ یہی کہتا ہے کہ رانی جیسی مہربان عورت کا ہونا مشکل ہے...... میں تو صرف ایک سوال کرتی ہوں آپ سے؟ انسان کی زندگی پر انسان کا کوئی حق نہیں ہوتا...... آپ کسی سے کوئی کام لیتے ہیں اس سے کام لیجئے، اگر وہ آپ کا کام آپ کی پسند اور آپ کی خواہش پر کر رہا ہے تو پھر آپ کو کیا حق ہے کہ اس کی زندگی کے دوسرے معاملات میں دخل اندازی کریں اور اگر آپ دخل اندازی کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ آپ ایک اچھے انسان تو نہیں ہیں۔"

"ہاں! بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ...... ویسے رانی صاحبہ کے اپنے عزیز و اقارب تو ہوں گے؟"

"میں نے کہا نا بینا کہ رانی صاحبہ کے قریب آنے کا کبھی موقع ہی نہیں مل سکا۔ یہی کیفیت آفتاب کی بھی ہے۔ آفتاب کو انتہائی معقول معاوضہ ملتا ہے۔ بونس وغیرہ ملتے رہتے ہیں۔ آفتاب بھی اپنے کام سے کام رکھتے ہیں اور کبھی نہیں پوچھتے کہ رانی صاحبہ کے منہ میں کتنے دانت ہیں؟"

بینا بہت دیر تک صفیہ کو ٹٹولتی رہی...... سادہ لوح اور دلچسپ عورت تھی۔ آخر کار وغیرہ پر معاملہ ختم ہوا...... بینا وہاں سے کوئی اہم معلومات لے کر نہیں اٹھی تھی......

سوائے اس کے کہ رانی راؤنگر کی شخصیت میں دہرے پن کا احساس ہوتا تھا...... بہر حال! ابتدائی طور پر یہ سب کچھ مناسب تھا...... ادھر شہاب بھی اپنے کام میں بینا سے پیچھے نہیں بلکہ کافی آگے تھا...... وہ سفیان کے پاس پہنچ گیا تھا...... سفیان اس وقت اپنے کوارٹر میں ہی تھا، بستر پر بیٹھا ہوا تھا کہ شہاب اس کے پاس پہنچ گیا...... سفیان اس وقت ہاتھ میں کوئی تصویر لئے ہوئے بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا...... کھلے ہوئے دروازے سے شہاب اندر داخل ہوا تو سفیان نے جلدی سے وہ تصویر اپنے لباس میں چھپالی۔ شہاب کو دیکھا تو اس کے چہرے کے نقوش بدل گئے۔ جلدی سے اپنی جگہ سے اُٹھنے کی کوشش کی تو شہاب نے آگے بڑھ کر اس کے شانوں پر دباؤ ڈالا اور اسے بٹھاتا ہوا بولا۔

"بابا صاحب! آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں، میں تو آپ کی طبیعت پوچھنے چلا آیا تھا۔"

"ارے نہیں...... سرکار ہم آپ کو بھلا کیا شرمندہ کریں گے...... اتنی ہمت ہوئی تو پھر اپنے ہاتھوں سے اپنی گردن کاٹ لیں گے...... ہم تو غلام ہیں آپ کے۔"

"لیجئے! اب آپ نے مجھے گالیاں دینا شروع کر دیں...... پہلی بات تو یہ بابا صاحب کہ انسان کبھی انسان کا غلام نہیں ہو سکتا...... دوسری بات یہ کہ اگر آپ ملازم بھی ہیں تو رانی راؤنگر کے۔ میں تو صرف انسانی ہمدردی کی بنیاد پر آپ کی خیریت معلوم کرنے چلا آیا تھا۔"

"سرکار! بس اتنا ہی کہہ سکتے ہیں اس کے جواب میں کہ رگوں میں کوئی اچھا خون دوڑ رہا ہے...... نیک ماں باپ کی نیک اولاد ہیں، آپ دونوں ورنہ کون کسی کو پوچھتا ہے؟" اتنی دیر میں اسی کھلے دروازے سے ایک ملازم چائے کا پیالہ لئے ہوئے اندر آگیا...... شہاب کو دیکھ کر ٹھٹکا اور پھر پیالہ سفیان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"سرکار کے لئے بھی چائے لے آؤں؟"

"ارے پاگل! سرکار یہاں چائے پئیں گے؟ تیرے ان گندے برتنوں میں۔"

"بابا سفیان! آپ دوبار اس طرح کے الفاظ زبان سے ادا کر کے مجھے یہاں سے بھگانے کی کوشش کر چکے ہیں۔ لیکن اطمینان رکھئے بھاگوں گا نہیں یہاں سے...... تمہارا کیا نام ہے بھئی۔" شہاب نے چائے لانے والے کی طرف رخ کر کے کہا۔

"بلا کہتے ہیں سرکار مجھے۔"

"بلا! یہ بابا سفیان جو ہیں ناپڑھے لکھے آدمی ہیں...... ہم لوگوں کو معمولی حیثیت کا

ہیں...... یہ سوچتے ہیں کہ ہم ان کی کہی ہوئی باتیں سوچ ہی نہیں پا رہے ہے...... اب دیکھونا! کو اچھی خاصی طبیعت خراب تھی ان کی میں تو صرف طبیعت معلوم کرنے آیا تھا...... نہ جانے کیا کیا کہہ ڈالا۔"

"ارے سرکار! ہماری زبان میں کیڑے پڑیں ایک لفظ بھی نہیں کہا ہم نے تو آپ سے کوئی بات غلطی سے زبان سے نکل گئی ہو تو پاگل بوڑھا سمجھ کر معاف کر دیجئے گا...... بہت شرمندہ ہیں ہم اس بات سے۔"

"دیکھ لیا تم نے بلا، دیکھ لیا۔"

"بابا تو پاگل ہو گیا ہے...... بس جو کچھ یہ کر رہا ہے وہ اس کے حق میں اچھا نہیں ہے...... ہم تو کہتے ہیں مالکوں کی باتیں مالکوں تک ہی رہنے دو...... خود اس میں اتنے کیوں اُلجھتے کہ اپنی زندگی برباد ہو جائے اور پھر تو ویسے بھی زندگی کا اتنا سفر طے کر چکا ہے۔"

"او پاگل کے بچے! تجھ سے کس نے کہا ہے اتنی بکواس کرنے کے لئے...... صرف ذرا چائے بنا کر پلا دی ہے تو احسان جتا رہا ہے مجھ پر۔" بابا سفیان نے چائے کا پیالہ اُٹھا کر پھینک حالانکہ غصے ہونے والی کوئی بات نہیں تھی...... بلا نے اُچھل کر اپنے آپ کو چائے سے ہونے سے بچایا تھا...... بابا سفیان کہنے لگا۔

"نکل جا یہاں سے بس...... معافی چاہتا ہوں بھائی معاف کر دے مجھے...... تیری مہربانی...... میں تیری چائے کے قابل نہیں تھا۔"

"مر جاؤ گے ایک دن مر جاؤ گے میں نے کہہ دیا ہے۔ گھٹ گھٹ کر ہی مر جاؤ گے۔ میں کہتا ہوں...... لگتا کون تھا وہ تمہارا؟ کیوں مر رہے ہو اس کے لئے۔"

"میرے ہاتھ میں کوئی چیز ہوتی تو تیرا سر پھاڑ دیتا۔ فضول باتیں کئے جا رہا ہے۔"

"فضول باتیں نہیں ہیں...... بس تم اپنے آپ کو سنبھالو۔ ہم بھی تمہارے اپنے ...کیا کر سکتے ہو تم کسی کا کیا بگاڑ سکتے ہو؟"

"خدا تجھے غارت کرے...... خدا تجھے غارت کرے۔" بابا سفیان اپنی جگہ سے اُٹھا اور چکر کھا کر بیٹھ گیا۔

"میں تو خود تمہارے پاس آنا چاہتا ہوں مار لو مجھے بھی ہم میں کون سی کمی ہے آخر؟ نہیں کرتے تم سے؟ خدمت نہیں کرتے تمہاری...... تمہاری بات نہیں مانتے کیا؟ لو

"مار لو اپنا شوق پورا کر لو۔" بلا آگے آیا اور اس نے بابا سفیان کے سامنے گردن جھکا دی۔ بابا سفیان کے چہرے سے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ رو پڑے گا اور پھر ایسا ہی ہوا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا..... بلک بلک کر رونے لگا تھا۔

"بہت یاد آتا ہے وہ مجھے، بہت یاد آتا ہے..... بھول نہیں پاتا میں اسے..... بہت یاد آتا ہے..... کیا ہو گیا تھا؟ کیوں ہو گیا تھا؟ کیا جرم کر ڈالا تھا اس نے؟ خدا کے لئے کوئی مجھے بتا تو دو۔ ارے بہت یاد آتا ہے وہ مجھے، بہت یاد آتا ہے۔"

بابا سفیان نے لباس میں ہاتھ ڈال کر وہ مڑی تڑی تصویر نکال لی اور پھر اسے بے تحاشہ چومنے لگا۔

"مر گیا! اس عمر میں مر گیا..... ارے کیا رکھا ہے اس دنیا میں..... کیسے ہوتے ہیں ہم لوگ۔ کیوں ہماری تقدیر ایسے بنائی جاتی ہے؟ کچھ مالک ہوتے ہیں..... کچھ نوکر کچھ آقا ہوتے ہیں، کچھ غلام، کچھ قاتل ہوتے ہیں، کچھ مقتول، مجھے یہ بتا دو کہ مقتول کیوں پیدا ہوتے ہیں؟ غلام کیوں پیدا ہوتے ہیں؟ نوکر کیوں پیدا ہوتے ہیں..... سب غلام کیوں نہیں ہوتے؟ سب مقتول کیوں نہیں ہوتے..... یا پھر سب آقا اور قاتل کیوں نہیں ہوتے؟ یہ تفریق کیا ہے؟ نہیں سمجھ میں آتی بھائی، نہیں سمجھ میں آتی۔" شہاب نے جرات سے کام لیتے ہوئے تصویر بوڑھے کے ہاتھ سے لے لی اور اسے صرف ایک نگاہ دیکھا..... عارف کی تصویر تھی..... سو فیصد عارف کی تصویر تھی..... بوڑھے نے فوراً ہی یہ تصویر شہاب کے ہاتھ سے جھپٹ لی تھی۔

"دیکھو سرکار! یہ جوتے پڑے ہوئے ہیں اٹھا کر مار لو ہمیں لیکن کم از کم اس چھوٹے سے گھر کے چھوٹے سے کمرے میں ہماری ملکیت رہنے دو..... ایسا نہ کرو..... یہ نہ بتاؤ ہمیں کہ ہم اتنے بوڑھے ہو گئے ہیں کہ اب اپنے ساتھ ہونے والے کسی ظلم پر احتجاج بھی نہیں کر سکتے۔"

"بھائی! ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ رہے ہیں آپ سے۔ برا نہ مانئے ہماری بات کا۔"

"بات میری سمجھ میں کافی حد تک آ گئی ہے بابا سفیان! یہ اسی لڑکے عارف کی تصویر ہے نا جسے قتل کر دیا گیا ہے..... لیکن! بابا سفیان آپ لوگ محبت کے نام کا مذاق اڑاتے ہیں کیا سمجھے؟ محبت کے نام پر صرف آپ آنسو بہا سکتے ہیں..... آپ کہتے ہیں کہ آپ کو اس بچے سے محبت تھی اور آپ کو یہ بہت یاد آتا ہے..... بس اتنی ہی محبت تھی نا آپ کو اس سے

محبت تو اسے کہتے ہیں کہ انسان مظلوم کا ساتھ دے، جس سے محبت کرتا ہے اس کا ساتھ دے۔"

"ہم کیا ساتھ دیں گے؟ دیکھ چکے ہو بوڑھی ہڈیوں میں کھڑے ہونے کی تو طاقت نہیں ہے۔"

"کیا ہو گا..... مار دیں گے نا وہ آپ کو۔ جینا چاہتے ہیں نا آپ..... بہت عرصے تک جینا چاہتے ہیں..... آپ زیادہ سے زیادہ اس کے لئے رو سکتے ہیں، جو آپ کو بہت یاد آتا ہے..... اس کے بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتے..... کیوں کہ آپ کو اپنی اپنی زندگی کا خطرہ ہوتا ہے..... گویا بات یہاں پر آ گئی کہ آپ اس سے زیادہ اپنے آپ کو چاہتے ہیں..... چلئے خیر چھوڑیئے، میرا کیا ہے؟ مجھے کیا لینا دینا ان باتوں سے..... میں تو اب بھی یہی بات کہہ رہا ہوں کہ میں تو صرف آپ کی خیریت معلوم کرنے آ گیا تھا۔"

"ابھی چائے اور باقی ہے..... دوسرے پیالے میں لاتے ہیں یہ تو ہمارے سر پر پھوڑ ہی ہے..... کرتے رہو جس سے تمہارا دل چاہے محبت..... ہم تمہیں اپنا بابا سمجھتے ہیں تو ہم اپنا کام کرتے رہیں گے..... دوسرا پیالہ جو ہے نا وہ بھی ہمارے سر پر مار دینا بابو صاحب! ایک بات بتایئے سرکار! کیا آپ کے لئے بھی ایک پیالی چائے لیتے آئیں؟"

"یار بلا! دو دفعہ ذلیل کر چکے ہو..... چائے بھی بھلا ایسی چیز ہے جس کے لئے منع کر دیا جائے۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خدا آپ کو خوش رکھے..... بات اصل امیر اور غریب کی ہے، اجازت دے دی ہے تو ابھی لے کر آتے ہیں۔" بلا نے کہا اور باہر نکل گیا..... بوڑھے سفیان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سمندر رواں تھا..... شہاب نے آگے بڑھ کر رومال جیب سے نکالا اور اس کے آنسو خشک کرتے ہوئے کہا۔

"یہ جو دل ہے نا کمبخت سینے کے اندر پتا نہیں اس سے کیا کیا کہانیاں منسوب ہیں؟ کبھی کبھی تو یہ انسان کو اتنا بے بس کر دیتا ہے کہ وہ یہ سوچتا ہے کہ وہ بدتر ہے یا اس کے سینے میں دھڑکتا ہوا چھوٹا سا گوشت کا یہ لوتھڑا؟ آخر سارا وجود ہے جس کا ایک وزن ہوتا ہے..... وہ سارا وجود اس چھوٹے سے وزن کے سامنے اس قدر ناکارہ اور اس قدر بے کار ہے۔ بابا سفیان! آپ تو پڑھے لکھے آدمی ہیں..... میں سمجھتا ہوں کہ دماغ دل بے شک بنیادی حیثیت رکھتے

ہیں، دماغ فیصلے کرتا ہے...... دل سے بھی بہت سی کہانیاں منسوب ہیں، لیکن! کہا جاتا ہے کہ پاسبان عقل کا ساتھ رہنا بہت اچھا ہوتا ہے، لیکن کبھی کبھی دل کو تنہا بھی چھوڑ دینا چاہئے...... کیا دُکھ ہے آپ کے دل میں؟ مجھے بتایئے...... ہلکا کر لیجئے اس بوجھ کو بابا سفیان۔ موت تو خیر ہر انسان کا مقدر ہے، لیکن صاحب دل ایسے تو نہیں مرتے؟" بابا سفیان نے آنکھیں اُٹھا کر شہاب کو دیکھا...... ان آنکھوں میں غم کی پرچھائیاں رقصاں تھیں، پھر وہ آہستہ سے بولا۔

"کیا کرو گے؟ بھیا چھوٹا سا...... محبت کرتے تھے ہم دونوں ایک دوسرے سے، اس کا بھی اس دُنیا میں کوئی نہیں تھا...... کبھی کبھی مجھ ابا کہہ لیا کرتا تھا...... ارے میں تو اس نام سے آشنا ہی نہیں تھا، مگر کچھ نام ہی کمبخت ایسے ہوتے ہیں جو دل کی گہرائیوں میں نہ جانے کہاں جا کر بیٹھ جاتے ہیں اور یہ دل خدا اسے غارت کرے یہ پھر چین نہیں لینے دیتا...... وہ محبت سے بات کرتا تھا اور دیوانہ ہو گیا تھا، میں اس کا...... رات کی بات تھی...... سو رہا تھا میں گہری نیند کہ دوڑتا ہوا آیا مجھ سے لپٹ گیا...... رو رہا تھا بری طرح کہنے لگا۔ "بابا غلطی ہو گئی ہے...... غلطی ہو گئی ہے بابا...... جان بوجھ کر ایسی غلطی نہیں کی میں نے...... مجھے بچالو۔" میں حیران رہ گیا...... نیند سے جاگا تھا...... کچھ بات ہی سمجھ نہیں آرہی تھی، ہوش آیا تو میں نے پوچھا کہ کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں ہوا بابا؟" غلطی ہو گئی ہے۔"

"ارے پاگل! بتا تو سہی کیا غلطی ہو گئی ہے؟ بکے جا رہا ہے بکے جا رہا ہے۔"

"وہ ضرور مجھے مار ڈالیں گے بابا...... وہ مجھے مار ڈالیں گے۔"

"کون؟" میں نے پوچھا۔

"جبرو...... ایک غلطی ہوئی مجھ سے بابا...... وہ نہیں چھوڑے گا مجھے...... رانی صاحب نے کہہ دیا ہے اس سے کہ مار دے مجھے...... کیا کروں بابا مجھے بتاؤ؟ کیا کروں۔"

"رانی صاحب نے کہہ دیا ہے۔"

"ہاں۔" اس نے کہا باہر قدموں کی چاپ سنائی دی اور وہ جلدی سے بولا۔

"آگئے، آگئے وہ...... مم...... میں...... مم...... میں پولیس کو، پولیس کو بتا دوں گا میں...... میں پولیس کو بتا دوں گا اور پھر وہ اس کھڑکی سے کود کر باہر بھاگ گیا...... قدموں کی آوازیں آئی ضرور تھیں لیکن ہمارے دروازے تک کوئی نہیں آیا، البتہ ہمیں یہ پتا چل گیا کہ

...ی بھاگ دوڑ کر رہا ہے اس بھاگ دوڑ کے بارے میں ہمیں کچھ بھی نہیں پتا چل سکا پھر، پھر ...ی نے بتایا تھا...... بلا ہی نے بتایا تھا دوسرے دن کہ...... کہ......" بوڑھا سفیان پھر رونے لگ۔ شہاب خاموشی سے اس کی صورت دیکھ رہا تھا...... کافی دیر تک خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"بابا سفیان! آپ کی باتوں سے صاف پتا چل گیا ہے کہ رانی راؤ نگر کے اشارے پر ...ارف کو مار دیا گیا، لیکن ابھی آپ نے ایک نام لیا ہے جبرو یہ جبرو کون ہے؟"

"مالک کا وفادار کتا جو صرف چیر پھاڑ کرتا ہے جو انسان کم حیوان زیادہ ہے...... ارے مار ...ے گا نا ہمیں...... زیادہ سے زیادہ اور کیا کرے گا؟ بات اگر اس کے کانوں تک پہنچ گئی، لیکن یہ ...مجھ لو گونگا بہرا ہے...... صرف وہ کرتا ہے جو رانی راؤ نگر کہتی ہے۔"

"بابا صاحب آپ راؤ شمشیر کے زمانے سے اس گھر میں ہوں گے۔"

"اس سے بھی بہت پہلے سے۔"

"کیا راؤ شمشیر اپنی موت مرا تھا؟"

"کیا مطلب؟"

"کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں آپ سے۔"

"ہاں! بولو...... اب زبان کھل گئی ہے تو کھل گئی...... بس سمجھ لیا ہم نے بھی اپنے آپ کو قبر میں...... ارے جو ہو گا دیکھا جائے گا...... ڈرتے نہیں ہیں جبرو سے ہم۔"

"تو پھر مجھے آپ ایک بات بتایئے؟ کیا یہ بات سچ ہے کہ رانی راؤ نگر راؤ شمشیر کی بیوی نہیں تھی۔"

"بالکل نہیں تھی...... بہن تھی...... یہ بات تو ہم ہی نے تمہیں بتائی تھی...... منہ بولی بہن تھی اس کی۔"

"یہ منہ بولی کیا ہوتا ہے؟ کہاں سے آئی تھی؟"

"بہت پرانی بات ہے...... کوئی نئی بات نہیں ہے...... راؤ صاحب ہی اسے اپنے ساتھ لائے تھے...... بڑی عزت سے، بڑے احترام سے اور پھر انہوں نے سب سے کہا تھا کہ وہ ان کی بہن ہے...... اس کی عزت کی جائے...... شمشیر کا بھی ایک قصہ تھا۔ کتنے قصے سنائیں تمہیں۔"

"جب آپ نے زبان کھول ہی دی ہے بابا صاحب! تو پھر کچھ تو بتایئے۔"

"ہاں! آج دل ہلکا کر ہی ڈالیں اپنا...... راؤ شمشیر بہت اچھا انسان تھا۔ اتنا اچھا انسان کہ بتا نہیں سکتے ہیں۔ جوانی میں کسی غریب لڑکی سے محبت کی تھی۔ اسے اپنی زندگی کا ساتھی بنانا تھا مگر راؤ شمشیر کے باپ راؤ شہباز نے اس لڑکی کے پورے خاندان کو مروادیا اور اسے غریب ہونے کی سزا دی بلکہ اسی زمانے سے یہاں کے علاقے دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ دائیں طرف والے اور بائیں طرف والے ایک طرف غریب آباد ہیں تو دوسرا وہ جو یا تو راؤ صاحب کے ملازم ہیں یا پھر ایسے لوگ جو صاحب حیثیت ہیں...... غریبوں کو الگ تھلگ کر دیا گیا ہے اور یہ ریت رواج آج تک قائم ہیں...... البتہ اتنا ہوا کہ راؤ شمشیر نے دوسری شادی نہیں کی اور کنوارے رہ کر زندگی گزار دی۔"

"کیا راؤ شہباز کی اور اولاد نہیں تھی؟" شہاب نے سوال کیا۔

"تھی! ایک بیٹا اور تھا...... دو بیٹیاں بھی تھیں جو مر گئی تھیں...... وہ دوسرا بیٹا جو تھا وہ کسی حادثے میں مارا گیا تھا...... راؤ شمشیر ہی باقی رہ گیا تھا۔"

"رانی راؤ نگر جب یہاں آئیں تو ان کے بارے میں پوچھا گیا ہوگا کہ وہ کون ہیں؟"

"نہیں......! سرکار پوچھنے والا کون تھا! کون پوچھتا...... راؤ شمشیر آزاد طبیعت کا مالک تھا...... بس اس نے جو کہہ دیا سو کہہ دیا۔"

"بابا سفیان! کیا راؤ شمشیر فطرتاً عیاش تھا؟"

"ایسی بات دوبارہ نہ کہنا...... میں وفاداری کے طور پر نہیں کہہ رہا بلکہ سچی بات کہہ رہا ہوں...... وہ اتنا نیک اور شریف انسان تھا کہ عیاشی کا کوئی تصور بھی اس کے نام سے وابستہ نہیں کیا جا سکتا...... کوئی برائی نہیں تھی اس کے اندر۔ کوئی برائی نہیں تھی۔ بس اس لڑکی کے مر جانے کے بعد اس نے خاموشی سے زندگی گزارنا شروع کر دی، جیتا رہا تھا مگر ہم جانتے ہیں کہ اس کے دل میں کتنے گہرے زخم ہو گئے تھے اور آخر کار وہ زخم اس کی جان لے بیٹھے۔"

"بابا سفیان! ایک سوال اور کرنا چاہتا ہوں آپ سے...... آپ کے خیال میں کہیں رانی راؤ نگر نے راؤ شمشیر کو تو نہیں مروادیا۔"

"نہیں! بالکل نہیں ایسی بات نہیں ہے...... رانی راؤ نگر کو تکلیف ہی کس بات کی تھی...... راؤ شمشیر نے وہ مقام دے دیا تھا جو سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا...... سب کچھ ہی دے دیا تھا راؤ شمشیر نے اسے۔ کوئی ایسی بات نہیں تھی جو قابل ذکر ہوتی۔"

"ہونہہ! اس کا مطلب ہے کہ جو معاملہ طے ہے اچھا ہاں! ایک بات اور بتائیے کہ جبرو کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟"

"جبرو بس وہ بھی یہیں پلا بڑھا ہے، جیسے جبری کتے پلتے اور بڑھتے ہیں۔"

"اگر راؤ شمشیر اس قسم کا آدمی تھا تو جبرو جیسے شخص کی اسے کیا ضرورت تھی؟"

"بس یوں سمجھ لیجئے سرکار کہ جبرو بھی نوکر ہی ہے۔ زمینوں وغیرہ سے لگان وصول کرتا ہوتا تھا...... بے رحم آدمی تھا۔ اب رانی کے کام آتا ہے...... میرے عارف کو جبرو نے ہی مارا ہے...... میں سچ بتائے دیتا ہوں تمہیں۔"

"مگر جبرو رہتا کہاں ہے؟"

"ارے ڈاک بنگلہ پر رہتا ہے اور کہاں رہتا ہے۔"

"بس وہیں سے اس کے سارے کام ہوتے ہیں...... اللہ کو منہ دکھانا ہے کم بخت کو...... مالکوں ہی کے سہارے تو جنت میں نہیں چلا جائے گا۔ بے غیرت، بے شرم کہیں کا۔" اچانک ہی بوڑھا ایک دم سنبھل گیا اس نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر آہستہ سے بولا۔

"دیکھئے سرکار! جو پوچھنا تھا آپ کو، ہم سب بتا چکے ہیں...... آپ کو اللہ کا واسطہ، اس سے زیادہ اور کچھ نہ پوچھیں...... ہم اپنی زبان بند کر رہے ہیں...... نمک کی کہانی تو ختم ہو گئی بس اب زندگی کے جتنے سانس باقی رہ گئے ہیں ان ہی کے درمیان گزارا کر لیتے ہیں...... ہاتھ جوڑتے ہیں آپ سے...... اب آپ جائیے یہاں سے۔" شہاب خاموشی سے اُٹھا اور بوڑھے مکین کے پاس سے باہر آ گیا، لیکن ذہن میں بہت سی کہانیاں جنم لے رہی تھیں اور اب ان کہانیوں کی روشنی میں اسے آنے والے وقت کے بارے میں فیصلہ کرنا تھا۔

❁ ❁ ❁

زندگی کے معاملات بعض اوقات اس قدر دلچسپ ہوتے ہیں کہ انسان کو عمر گزرنے کا پتا ہی نہیں چلتا...... بینا اور شہاب کا آغاز اس انداز میں ہوا تھا...... اس کے بعد زندگی میں دلچسپیاں ہی دلچسپیاں تھیں...... اصل بات یہ ہوتی ہے کہ ہر شخص اپنی سوچ، اپنے طور پر رکھتا ہے اور اسے خود فیصلے کرنا ہوتے ہیں کہ مستقبل میں اس کے لئے دلچسپیوں کے کیا کیا سامان پیدا ہو سکتے ہیں...... شہاب اور بینا کی ملاقات جس انداز میں ہوئی تھی وہ ایک ڈرامائی سچویشن تھی، لیکن اس کے بعد صورت حال جس طرح آگے بڑھی وہ کچھ قدرتی معاملات ہی کہے جا سکتے تھے...... دونوں اپنے اپنے کام سے پوری پوری دلچسپی رکھتے تھے اور دونوں کو ایک دوسرے پر مکمل اعتماد تھا...... شہاب نے بینا کے سپرد جو ذمہ داریاں کی تھیں...... بینا نے آج تک انہیں بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیا تھا اور اپنے کام کرتی رہی تھی...... نہ اسے کہیں شہاب سے کوئی مایوسی ہوئی تھی اور نہ شہاب کو اس سے...... دونوں زندگی کی گاڑی کو بڑی خوش اسلوبی سے آگے دھکیل رہے تھے اور یہ حقیقت ہے کہ قدرت بعض اوقات مظلوم انسان کے لئے ایسے سامان خود مہیا کرتی ہے...... ہزاروں بار ایسا ہوا تھا کہ بہت سے اہم معاملات ناکامی کی نذر ہو رہے تھے، لیکن اچانک ہی وقت نے انہیں کامیابی کی راہوں پر ڈال دیا تھا۔ بینا بہت پرجوش تھی لیکن بہر حال ان لوگوں کو محتاط رہ کر سارے کام کرنے تھے۔ ایک طرف بینا نے صفیہ سے ملاقات کر کے جو کارنامہ سرانجام دیا تھا وہ اسے شہاب کو سنانے کے لئے بے چین تھی تو دوسری طرف شہاب نے سفیان سے اتنی اہم معلومات حاصل کر لی تھیں کہ اب اس کے لئے حالات کو برداشت کرنا مشکل ہو رہا تھا...... بہر حال محتاط رہنا بھی بے حد ضروری تھا...... رات کی خاموشیاں ہی ان دونوں کو اطمینان سے ایک دوسرے

گفتگو کرنے کا موقع دیتی تھیں...... شہاب نے مسکراتے ہوئے بینا کے چہرے کو دیکھا اور بولا۔

"ڈنر میں جس طرح تم پرجوش نظر آ رہی تھیں، مجھے اس کا اندازہ ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"اندازے کی بات کر رہا تھا۔"

"وضاحت نہیں ہو سکتی۔"

"بینا! کبھی تم نے اپنے ہاتھ کی انگلی پر غور کیا ہے؟ میرا مطلب ہے وہ انگلی جو شہادت کی انگلی کہلاتی ہے؟"

"جی ہاں! غور کیا ہے...... کیوں خیریت؟"

"حالانکہ اصولی طور پر مجھے نہیں بتانا چاہئے تھا۔"

"پھر آپ سے وہی سوال کروں گی کہ کیا مطلب؟"

"بھئی، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ میرے اور تمہارے رشتے میں کوئی بات صیغہ راز میں نہیں رہتی اور نہ رہنی چاہئے، لیکن کبھی کبھی انسان کو محتاط بھی رہنا ضروری ہوتا ہے۔"

"تو آپ مجھ سے محتاط رہنے کی کوشش کر رہے ہیں؟"

"تم سے بس، تمہارے اس عمل سے۔"

"میں آپ سے سوال کر کے رہوں گی کہ میرا کون سا عمل؟"

"بینا! بہت سے لوگ بڑے طاقتور ہوتے ہیں...... اعصابی طور پر وہ کسی کو ہوا بھی نہیں لگنے دیتے کہ ان کے ذہن میں کوئی خاص بات ہے اور بینا تم ان لوگوں میں سے ہو۔"

"جی آگے فرمائیے۔" بینا طنزیہ انداز میں بولی۔

"نہیں، پہلے یہ تسلیم کرو کہ تم ان لوگوں میں سے ہو یا نہیں؟"

"اگر یہ مجازی خدا کا حکم ہے تو سر تسلیم خم ہے۔"

"نہیں، حکم نہیں بلکہ کچھ سچ درمیان میں ہیں۔"

"یار! کیوں بور کر رہے ہو، جو بات دل میں ہے وہ بتاؤ؟"

"بات تمہارے داہنے ہاتھ کی انگلی کی ہو رہی تھی۔"

"اگر یہ مذاق ہے تو مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔" بینا نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"اصل میں تم اپنے چہرے، اپنی آنکھوں، اپنے تمام عضلات کو چھپا سکتی ہو بینا اور میں اعتراف کرتا ہوں کہ اگر میں کبھی تم سے تمہارے دل کے اندر کی کوئی بات معلوم کرنا چاہوں تو آسانی سے نہیں معلوم کر سکتا...... لیکن تمہاری یہ انگشت شہادت جو ہے نا یہ تمہارے اندر چھپے ہوئے جوش کی شہادت دیتی ہے۔" بینا نے چونک کر اپنے داہنے ہاتھ کی انگلی کو دیکھا، دیکھتی رہی، پھر بے اختیار ہنس پڑی۔

"کیوں، ہنسی کیوں؟"

"سوچ رہی ہوں آج کل آپ نئی نئی شرارتیں ایجاد کر رہے ہیں۔"

"نہیں بینا! میں قسم کھاتا ہوں کہ سچ بول رہا ہوں۔"

"میری قسم کھاتے ہیں؟"

"ہاں۔"

"ارے باپ رے پھر تو آپ کو بتانا ہو گا کہ وہ کیا بات ہے...... جو......!"

"بینا! جب تمہارے دل میں کوئی خاص بات ہوتی ہے تو یہ انگلی جو ہے نا یہ مستقل حرکت میں رہتی ہے...... میز پر بیٹھی ہوئی ہو تو کھٹ کھٹ، کھٹ کھٹ کر کے میز بجاتی رہتی ہو...... اگر میز کے بغیر ہوتی ہو تو اسے انگوٹھے میں دبا کر سیدھا جھٹکتی رہتی ہو...... اس سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ زبان پیٹ خالی کرنے کے لئے مضطرب ہے۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ آج ڈائننگ ٹیبل پر میں؟"

"ہاں اور ابھی چند لمحات قبل جب میں نے تمہاری توجہ اس طرف نہیں دلائی تھی تو یہ انگوٹھے اور انگلی کا کھیل جاری تھا۔" بینا ہنسی اور پھر پیار بھری نگاہوں سے شہاب کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"کوئی رازدار بھی تو ہونا چاہئے کہ انسان کے وجود کی اتنی گہرائیوں کا، ہر ایک تو یہ سب کچھ نہیں معلوم کر سکتا شہاب؟"

"کوئی معلوم کر کے دیکھے، خون پی جاؤں گا اس کا۔"

شہاب نے کہا اور بینا مسکرانے لگی پھر بولی۔

"اب یہ تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ آج میری ملاقات ڈاکٹر آفتاب کی بیوی صفیہ سے ہوئی تھی؟"

"معلوم ہے۔" شہاب نے کہا۔

"اور صفیہ سے مجھے واقعی بہت سی کام کی باتیں معلوم ہوئی ہیں...... ظاہر ہے وہ باتیں تمہیں سنانا تھیں...... خیر وقت مل نہیں رہا تھا...... اب جو کچھ بھی ہوا اس میں میرا کیا قصور؟"

"قصور کی بات کون بدبخت کر رہا ہے؟ میں تو صرف تمہاری انگلی کی جانب تمہیں توجہ کر رہا تھا۔"

"اچھا! میں آئندہ کوشش کروں گی کہ اپنی انگلی کو قابو میں رکھوں۔"

"کر لینا، کر لینا...... میں منع نہیں کرتا...... میں تمہارے پاؤں کے ناخنوں سے لے کر سر کے بالوں تک کا رازدار ہوں...... پتا چل جائے گا کہ محترمہ اپنے اس اضطرابی عمل کو کس طرف منتقل کرتی ہیں۔"

شہاب کی آنکھوں کی شرارت دیکھ کر بینا شرما گئی تھی...... پھر اس نے کہا۔

"اب میں بتاؤں کہ ڈاکٹر آفتاب کی بیوی صفیہ سے میری کیا بات چیت ہوئی؟"

"ارشاد! ارشاد۔"

"ویسے شہاب! تم بہت چالاک ہو۔"

"ویری گڈ...... اب پتا نہیں یہ اچھے معنوں میں کہا گیا ہے یا برے معنوں میں؟"

"تم نے اپنے اندر کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جس کا میں اس طرح سے اندازہ لگا سکوں۔"

"غلط، بالکل غلط۔" شہاب نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں، غلط کیوں؟"

"تم کبھی میرا بھرپور جائزہ لو اس طرح جیسے میں تمہارا جائزہ لے چکا ہوں۔"

"فضول باتیں مت کیا کرو۔" بینا شرماتے ہوئے بولی۔

"بھئی انسان کی جذباتی کیفیات کا اندازہ مختلف طریقوں سے ہوتا ہے اور مختلف لوگوں کے ساتھ مختلف انداز ہوتے ہیں...... اب اگر ایک بیوی شوہر کے جذبات کو سمجھنا چاہے تو یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے لئے کیا طریقہ کار منتخب کرتی ہے؟"

"شہاب! غیر سنجیدہ نہ ہو۔" بینا نے کہا اور شہاب ہنسنے لگا پھر بولا۔

"اچھا چلو سنجیدہ ہو جاتے ہیں...... بتاؤ کیا معلومات ہوئیں صفیہ سے؟" بینا نے شہاب کو صفیہ اور آفتاب کے بارے میں بتانا شروع کیا...... شہاب یہ پوری داستان سن رہا تھا۔ بینا

پر جوش لہجے میں اس کو صفیہ سے ہونے والی گفتگو کی تفصیلات بتا رہی تھی اور شہاب پرخیال انداز میں گردن ہلا رہا تھا...... جب بینا خاموش ہوگئی تو شہاب بھی دیر تک خاموش رہا تھا۔ بینا نے کہا۔

"اور اب جناب یہ فرمائیں گے کہ یہ ساری باتیں پہلے معلوم کر چکے ہیں۔"

"نہیں! جناب یہ بات بالکل نہیں فرمائیں گے بلکہ جناب آپ کو مبارکباد دیتے ہیں...... محترمہ بینا کہ آپ نے واقعی ایک کام کا شخص ہمیں دے دیا، کام کا شخص۔"

"ہاں۔"

"وہ کون؟"

"ڈاکٹر آفتاب۔"

"اوہو، تمہارا مطلب ہے کہ؟"

"ہاں، بینا ظاہر ہے وہ معصوم لڑکا زندگی چاہتا تھا جسے موت دینے کے لئے بہت سے لوگ سرگرم عمل ہوگئے تھے...... دُنیا بے شک اسے نظرانداز کر دے...... میں اسے نہیں بھول سکتا...... اس کی موت کو نہیں بھول سکتا اور جو لوگ اس کی موت کا راز جانتے ہیں جو اس قتل میں ملوث ہیں میں انہیں کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟ ڈاکٹر آفتاب ہو یا رانی راؤ نگر کوئی بھی ہو، تمہارا کیا خیال ہے بینا؟"

"بالکل! انسانی زندگی اپنا ایک الگ مقام رکھتی ہے، ہم کچھ مجرموں کو نگاہوں کے سامنے پاتے ہیں مثلاً انسپکٹر خادم خان جو اس وقت ہماری لسٹ پر سرفہرست ہے...... اس کے بعد یہ چھوٹی سی معلومات۔"

"بینا! بہت سی تلخ معلومات حاصل ہوگئی ہیں ہمیں۔" شہاب نے کسی قدر افسردہ لہجے میں کہا اور بینا چونک کر شہاب کی صورت دیکھنے لگی، پھر آہستہ سے بولی۔

"یقینی طور پر تم بابا سفیان کی زبان کھلوانے میں کامیاب ہوگئے ہو۔"

"ہاں بینا! بوڑھا سفیان اپنے دل میں گہرا زخم چھپائے ہوئے ہے اور اس کی بیماری کی بنیاد یہی ہے...... عارف کو وہ اپنی اولاد کی طرح چاہتا تھا...... عارف کے قتل کا راز اسے معلوم ہے...... یہ بات تو طے ہے نا...... خادم خان اور رانی راؤ نگر کے درمیان ہونے والی گفتگو سے ہی معلوم ہوگئی تھی کہ کسی شکل میں رانی راؤ نگر عارف کے قتل میں ملوث ہے، لیکن اب بابا

سفیان نے اس بات کی مزید تصدیق کر دی ہے۔"

"کیا پلیز، بتاؤ شہاب...... میں واقعی بڑی جذباتی ہوگئی ہوں۔" بینا نے کہا اور شہاب، سفیان سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بینا کو تفصیلات بتانے لگا...... بینا انہماک سے سن رہی تھی، پھر اس نے کہا۔

"کیسی افسوس کی بات ہے شہاب! چہرے سے اس قدر نفیس اور اپنے انداز سے اس قدر پاکیزہ نظر آنے والی یہ رانی راؤ نگر اپنے اندر کیسی بھیانک شخصیت کو چھپائے ہوئے ہے۔"

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے بینا کہ اس بھیانک شخصیت کو باہر نکالنے کا ذریعہ کیا ہو سکتا ہے؟ ابھی تک تو ہم رانی راؤ نگر کا احترام اس انداز میں کرتے چلے آئے ہیں کہ اسے ہم پر ذرہ برابر شک نہیں ہو سکا ہے، لیکن آنے والے وقت میں ہم اس کام کو کیسے آگے بڑھا سکتے ہیں، اس کے لئے کیا طریقہ کار منتخب کیا جائے؟" بینا گہری سوچ میں ڈوب گئی پھر اس نے کہا۔

"شہاب! وہ شخص جس کے بارے میں بابا سفیان نے بتایا ہے۔"

"جبرو؟"

"ہاں۔"

"تمہیں ان لوگوں میں سے ایک آدمی یاد ہے؟ جو ہمیں گرفتار کر کے یہاں تک لائے تھے؟ لمبے چوڑے قد و قامت کا ایک شخص اگر تمہیں یاد نہ ہو، لیکن مجھے یاد ہے اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو وہی جبرو تھا۔"

"خیر...... جبرو کوئی بھی ہو؟ یوں سمجھ لو کہ ایک طرح سے وہ رانی راؤ نگر کا جلاد ہے، لیکن عارف جیسے معصوم لڑکے کو رانی راؤ نگر نے کیوں قتل کرا دیا؟ اس کے پس پردہ یقینی طور پر کوئی بہت ہی پراسرار اور پیچیدہ قسم کی کہانی ہے۔"

"اصل میں ابھی تک رانی راؤ نگر کا ماضی ہمارے علم میں نہیں ہے...... میرا خیال ہے ڈاکٹر آفتاب کی بیوی صفیہ بھی رانی راؤ نگر کے بارے میں اس سے زیادہ نہیں جانتی ہوگی جتنا تمہیں بتا چکی ہے۔"

"ہاں، یقینی طور پر اس کی گفتگو مکمل تھی اور اس میں کوئی ایسی بات نہیں تھی جو تشنہ رہ گئی ہو۔" شہاب اپنا رخسار کھجانے لگا...... دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔

"بینا! ہمارے پاس کوئی اہم ذریعہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ تم رانی کے مزید ق

ہونے کی کوشش کرو، اس کے دل میں داخل ہو کر اس حقیقت کو معلوم کرو کم از کم میں یہاں اس بات سے مطمئن ہوں کہ مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"خطرہ!"

"ہاں...... اس لئے کہ رانی ایک عورت ہے۔" شہاب کا مطلب سمجھ کر بینا مسکرادی اور بولی۔

"اب تم اس قدر بدگمان بھی نہ رہو میری جانب سے...... بینا اب خدا کے فضل سے بہت مضبوط بانہوں کے حصار میں ہے۔"

"کہاں؟" شہاب نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا اور بینا مسکرادی۔

"محترمہ، ایسی غلط فہمی کی باتیں نہ کیا کریں، خوامخواہ دل میں حسرتیں بیدار ہو جاتی ہیں۔" بینا آہستہ آہستہ شہاب کے قریب پہنچ گئی اور اس نے اپنا سر شہاب کے سینے سے ٹکادیا...... دوسری صبح ان دونوں کو ناشتا ان کی خواب گاہ میں ہی پہنچادیا گیا تھا...... یہ رانی کا اصول تھا اور اس کے لئے انہیں پہلے سے اطلاع دینے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ ملازم وقت سے پہلے ان کا ناشتا یا کھانا پہنچادیا کرتے تھے اور اگر رانی راؤنگر فرصت میں ہوا کرتی تھی تو وہ انہیں طلب کرلیا کرتی تھی...... ناشتا کرتے ہوئے شہاب اور بینا اس بات پر غور کرنے لگے کہ ممکن ہے رانی راؤنگر اس وقت قلعے میں موجود نہ ہو، پھر اس کے بعد شہاب نے بینا سے کہا۔

"تو جناب! آج ذرا سی کوششیں کی جائیں؟"

"مثلاً۔"

"رانی نے ویسے تو ہم سے یہ بات کہی تھی کہ ہم قلعے سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کریں لیکن اگر جبرو تک پہنچنا ہے تو پھر قلعے سے باہر نکلنا ہی ہوگا۔" بینا سوچ میں ڈوب گئی۔ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی وہ اس کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی تھی جس سے قلعے کا عقبی منظر نظر آتا تھا۔ اچانک ہی وہ چونک کر بولی۔

"شہاب! رانی راؤنگر ٹہل رہی ہے۔"

"اوہ، ہاں۔" شہاب کھڑکی کے قریب پہنچ کر بولا۔

"کیا خیال ہے، کوشش کی جائے؟"

"کیا کروگی؟"

"تم نے اکثر دیکھا ہے کہ وہ سفید پھول زیادہ استعمال کرتی ہے۔"

"ہاں، پھر؟"

"تو پھر پھولوں کا ایک گلدستہ اس کی خدمت میں پیش کیا جائے تو؟" شہاب دیر تک وش رہا پھر بولا۔

"ٹھیک ہے ٹرائی کرلو۔" بینا تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔ قلعے کے مختلف گوشوں میں ن پھولوں کے تختے بکھرے ہوئے تھے...... باقاعدہ ان کے لئے مالی رکھے گئے تھے جو ان لوں کو سنوارتے تھے...... بینا کو پھولوں کے انتخاب میں بڑی مہارت تھی، اس نے ایک ئی حسین گلدستہ بنایا...... سفید پھولوں کے درمیان اس نے مختلف رنگوں کے تین پھول طرح لگائے تے کہ یہ گلدستہ انتہائی حسین ہو گیا تھا...... اسے سنبھالے ہوئے وہ آہستہ نہ قلعے کے پچھلے حصے کی جانب چل پڑی اور تھوڑی دیر کے بعد رانی راؤنگر کے پاس پہنچ ۔رانی راؤنگر کے چہرے پر خوشگوار تاثرات نہیں تھے...... اس کی آنکھوں میں ہلکی ہلکی نا لہرا رہی تھی اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ رات بھر سوئی نہ ہو۔ پراسرار عورت نے ں اٹھا کر بینا کو دیکھا لیکن مسکرا کر اس کی پذیرائی نہیں کی تھی...... بینا خود ہی اس کے ب پہنچ گئی اور پھولوں کا وہ گلدستہ اسے پیش کرتے ہوئے بولی۔

"اصل میں، میں نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے آپ کو یہاں چہل قدمی کرتے ہوئے یا تھا...... میں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ آپ کو سفید پھول بے حد پسند ہیں...... اصل میں ل کی سجاوٹ کا کورس کیا ہے میں نے، بس میرا دل مچل اُٹھا کہ آپ کو پھولوں کا یہ تہ پیش کروں۔" رانی راؤنگر کے چہرے میں ہلکی سی تبدیلی نمایاں ہوئی...... پھر اس نے ھا کر گلدستہ بینا کے ہاتھوں سے لے لیا، اسے دیکھتی رہی اور اس کے بعد تعریفی انداز بولی۔

"شاید تمہیں میرے لفظ داغدار پر اعتراض ہے۔"

"نہیں...... میں معافی چاہتی ہوں...... شاید میں ہی کچھ غلط بول گئی۔"

"نہیں بینا! تم نے غلط نہیں کہا اور میں نے بھی غلط نہیں کہا...... کبھی کبھی ہم چاند کو غور یکھتے ہیں...... چاند انسانی زندگی میں خوبصورتی کی علامت ہے، لیکن چاند کے داغ پر غور

کیا تم نے کبھی؟ لوگ نہ جانے کیا کیا کہانیاں سناتے چلے آئے ہیں...... بچپن میں میں نے سنا تو
کہ چاند میں ایک بڑھیا بیٹھی چرخہ کاتتی رہتی ہے...... بوڑھی عورت چاند تک پہنچنے والے کسی
شخص کو نظر نہیں آئی...... کہانیاں جھوٹی سچی ہوتی ہیں...... دادی اماں اور بزرگوں کو اپنے
بچوں کو یہ جھوٹی کہانیاں نہیں سنانی چاہئے تھیں...... حقیقتیں اس داغ کی طرح نمایاں ہوتی
ہیں...... چاند کا یہ داغ انسانی زندگی کے سادہ ضمیر پر اس دھبے کی مانند محسوس ہوتا ہے جو......
جو...... جو......" رانی نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور چونک کر بینا کو دیکھنے لگی، پھر بولی۔

"ویسے میں تم سے ایک درخواست کرنا چاہتی ہوں۔"

"جی رانی صاحبہ۔" بینا نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔

"دیکھو ڈیئر! ہر انسان کے وجود میں کہیں نہ کہیں کوئی ایسی خامی ہوتی ہے جسے وہ بہت اچھی طرح جانتا ہے، سمجھتا ہے۔ وہ کمزوری، کمی یا کوئی بھی شے کبھی کبھی اسے دُنیا سے بے زار کر دیتی ہے، میں بھی ایسی ہی ایک اُلجھی ہوئی شخصیت کی مالک ہوں...... جب تک میں تمہیں خود طلب نہ کروں یا مخاطب نہ کروں...... مجھ سے اس طرح بے تکلفی سے نہ پیش آیا کرو، اس کی وجہ میری ذہنی کیفیت ہے مجھے اس وقت تمہارا آنا بالکل اچھا نہیں لگا لو اپنا یہ گلدستہ لو اور یہاں سے واپس چلی جاؤ، سنو! یہ نہ سمجھنا کہ تمہیں یہاں پناہ دے کر میں نے خود پر کوئی احسان کیا ہے، میری جگہ کوئی بھی ہوتا تم جیسے خوب صورت جوڑے کی اسی طرح مدد کرتا لیکن ہر شخص کے اپنے مسائل ہوتے ہیں...... کبھی دیواروں کو عبور کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے، بعض اوقات ان دیواروں کا وجود لازمی ہوتا ہے۔" رانی راؤ نگر نے پھولوں کا یہ گلدستہ اس طرح پھینکا کہ اگر بینا اسے پکڑ نہ لیتی تو وہ زمین پر گر جاتا...... رانی راؤ نگر تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی تھی اور بینا اپنی جگہ کھڑی رہ گئی تھی...... کافی دُور جانے کے بعد رانی راؤ نگر نے اسے دیکھا تو بینا جلدی سے واپس مڑی اور پھر تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی آگے آگئی، لیکن اس کے چہرے پر اب افسوس کی بجائے ایک پُراسرار مسکراہٹ کھیل رہی تھی...... اسے اس بات کا اندازہ تھا کہ شاید شہاب اس کھڑکی سے یہ تمام صورت حال دیکھ رہا ہوگا کیونکہ یہاں سے پورا منظر نظر آتا تھا...... واپس وہ اپنی رہائش گاہ میں آگئی اور اس کا اندازہ بالکل درست نکلا۔ شہاب نے کہا۔

"میں نے دُور ہی سے اس بات پر غور کیا تھا کہ اس کا موڈ بہتر نہیں ہے۔"

"وہ ایک قاتلہ ہے، لیکن شہاب اس وقت جو اس سے بات چیت ہوئی ہے وہ بڑی سنسنی خیز اہمیت کی حامل ہے...... یہ عورت یقینی طور پر ایسی اُلجھی ہوئی ڈور ہے جسے سلجھانا آسان نہیں ہوگا۔"

"فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے بینا، اُلجھی ہوئی ڈور کو سلجھانا ہمارا پیشہ بھی ہے، مقصد بھی اور مسلک بھی۔ البتہ میں اب تمہیں محتاط کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"اگر ہم نے یہاں بہت زیادہ ہنگامہ آرائی کی تو دو افراد شدید نقصان اُٹھا سکتے ہیں۔"

"کون؟"

"بابا سفیان اور آفتاب۔" بینا بغور شہاب کا چہرہ دیکھتی رہی پھر بولی۔

"خدا کی قسم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو، حالانکہ خود رانی راؤ نگر بابا سفیان سے اس طرح پیش آتی ہے کہ اس سے اس کے نقصان کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا۔"

"یقینی طور پر وہ عارف کے ساتھ بھی اسی طرح پیش آتی ہوگی لیکن اس نے عارف کو قتل کرا دیا اور اب اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ بہر حال بینا اور شہاب بہت دیر تک اس موضوع پر گفتگو کرتے رہے تھے، لیکن کوئی صحیح حل تلاش نہیں کر پائے تھے۔ شہاب نے آخر کار بینا سے کہا۔

"کیا خیال ہے؟ اس وقت رانی نے تمہارے ساتھ جو رویہ اختیار کیا ہے؟ اس کے بعد ہم یہ قلعہ چھوڑ دیں گے؟" بینا غور کرنے لگی، پھر بولی۔

"اور اگر رانی نے ہمیں روکنے کی کوشش نہ کی تو۔"

"تو پھر دیکھیں گے؟"

"گویا تم اس بات سے اتفاق کرتے ہو؟"

"بینا! کوئی ردعمل تو ہونا چاہئے ورنہ ہم تھوڑی سی ہلکی شخصیت اختیار کر جائیں گے۔"

"جیسے تم پسند کرو شہاب! لیکن ایک بات پر ذرا غور کر لینا اگر رانی نے ہمیں روکنے کی کوشش نہ کی تو ہم مشکلات میں پڑ جائیں گے۔"

"یار خطرہ تو مول لینا ہی پڑتا ہے، چلو تیاریاں کرتے ہیں۔" اور اس کے بعد شہاب اور بینا واپسی کے لئے تیار ہو گئے، ان کا مختصر سا سامان جو ڈاک بنگلہ سے یہاں منتقل ہو چکا تھا، پیک

ہوااور اس کے بعد شہاب باہر نکل آیا، البتہ اس نے اپنی رہائش گاہ سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"ویسے رانی سے ملنا بہت ضروری ہے۔"

"سوچ لو، وہ روکنے کی کوشش کرے گی۔"

"اس کی کوشش کو کامیاب بنادیں گے، کیونکہ بالکل خاموش رہ جانا مناسب نہیں ہوگا۔" پھر وہ اپنا سامان لئے ہوئے باہر نکل آئے...... رانی اپنے کمرے میں پہنچ چکی تھی، بینا نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی تو رانی نے کہا۔

"کون ہے؟ اندر آجاؤ۔" شہاب اور بینا اندر داخل ہوئے تو رانی نے ان دونوں کو دیکھا اور پھر بری طرح چونک کر کھڑی ہوگئی۔

"یہ کیا ہے تمہارے ہاتھوں میں؟"

"وہ، رانی صاحبہ! سامان ہے ہمارا۔" شہاب نے کہا اور رانی انہیں بغور دیکھنے لگی پھر بولی۔

"جارہے ہو یہاں سے؟"

"جی رانی صاحبہ، بزرگوں کا کہنا بالکل درست ہوتا ہے، مہمان ایک دن، دو دن یا تین دن سے زیادہ رہ جائے تو اپنی عزت کھو بیٹھتا ہے...... رانی صاحبہ! ہمیں اجازت دیجئے۔" رانی کچھ سوچنے لگی پھر بولی۔

"اس دُنیا کو سمجھنے کا کوئی طریقہ ہے؟ اگر ہے تو مجھے بتاتے جاؤ، بھلا میں تمہیں یہاں سے جانے سے کیسے روک سکتی ہوں۔ لیکن مجھے اتنا بتاتے جاؤ کہ انسان کا دل اگر جینے کو چاہے تو جینے کے لئے کیا طریقہ کار اختیار کرے وہ؟ دُنیا پتھر کی ہے...... اتنی سنگ دل ہے یہ دُنیا کہ اسے ایک دم چھوڑ دینے کو دل چاہتا ہے، لیکن، لیکن موت بہت خوفناک ہوتی ہے، اسے دیکھ کر ڈر لگتا ہے مجھے بتاؤ، تم یہاں رہ چکے ہو...... میرا نمک کھا چکے ہو، چلو اسی کے صلے میں سہی مجھے یہ بتاؤ کہ انسان آخر جینے کے لئے کون سی راہ استعمال کرے؟"

"کاش! ہم آپ کی بات سمجھ سکے ہوتے؟"

"تم صرف اس لئے جارہے ہو نا کہ تھوڑی دیر پہلے میں نے تمہارے ساتھ میرا مطلب ہے...... بینا کے ساتھ ایک تھوڑا سا سخت رویہ اختیار کیا تھا، میں...... میں کیا بتاؤں کیا بتاؤں بولو، ہر شخص کو سینہ کھول کر تو نہیں دکھایا جاسکتا...... تم نے میری محبت کے الفاظ نہیں سنے تھے...... کیا لالچ تھا مجھے تم سے، بولو کیا غرض تھی مجھے...... کیا حاصل کر لیا میں نے

...... ارے میں تو تمہارے ساتھ ابھی زیادہ وقت بیٹھ بھی نہیں سکی...... یہ بھی نہیں میرے اور تمہارے درمیان محبت کے وہ رشتے استوار ہوئے ہوں جن سے مجھے میری حاصل ہوگئی ہو۔ تمہارے ساتھ تو میری نشست بھی نہیں ہوئی ابھی تک...... معمولی سی بات زبان سے نکل گئی۔ ایک معمولی سی تبدیلی ہوئی ہے رویئے میں تو تم نے میرے منہ پر لات ماردی۔ چھوڑ کر جانے لگے مجھے...... اگر جارہے تھے تو یہ بتاؤ کیوں آئے ہو؟ مجھے گالیاں دیتے ہوئے یہاں سے نکل جاتے...... اس قلعے میں رہنے شخص کو تمہاری حیثیت، تمہاری اہمیت سے آگاہ کردیا گیا ہے۔ کوئی تمہیں نہ تھوک دیتے اور اگر تھوکنے ہی آئے ہو تو آگے بڑھو...... دونوں میرے چہرے دو، اور چلے جاؤ۔"

"رانی صاحبہ! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"ایک لفظ کا برا مانا ہے تم نے...... ایک بات کا برا مانا ہے، یہ غور نہیں کیا کہ اس ایک اس ایک بات کا پس منظر کیا ہے؟ ایسا کیا جاتا ہے انسانوں کے ساتھ سلوک، محبتوں کو جوتے کی نوک پر مارا جاتا ہے؟" رانی بے اختیار رو پڑی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ لیا تھا اور شہاب اور بینا کے سر میں کھجلی ہونے لگی تھی۔ یہ کیا شے ہے، کیا چیز ہے یہ؟ وہ پتھرائے کھڑے رہے، پھر بینا چند قدم آگے بڑھ کر بولی۔

"قصور میرا نہیں ہے رانی صاحبہ، میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ کے سر کو اپنے سینے لگالوں...... اتنا چوموں آپ کو کہ آپ کا چہرہ میرے ہونٹوں کے لمس سے کہیں سے خالی نہ رہے، لیکن میرے اور آپ کے درمیان جو دیوار ہے، کیا اس دیوار کو گرانے سے نقصان نہیں ہوگا؟ بتایئے، کیا میرا اور آپ کا معیار ایک ہے...... کیا میں یہ سوچنے میں بجانب نہیں ہوں کہ جس طرح میرے پھولوں کا گلدستہ میرے منہ پر مار دیا گیا، اس سے میری اوقات، میری حیثیت کا احساس ہوجانا چاہئے اور ہوگیا...... واقعی رانی صاحبہ! آپ کچھ بھی کہہ لیں ان الفاظ میں طنز نہیں ہے، ہم کبھی کبھی ایسی نامعلوم دیواروں کے کی جانب کھڑے ہوجاتے ہیں جو ہمیں نظر نہیں آتیں، لیکن ہوتی ہیں...... کاش! اس نیت میں ان دیواروں کا وجود نہ ہوتا۔" شہاب حیرت سے منہ پھاڑے بینا کی صورت دیکھ تھا اور دل ہی دل میں مسرور ہو رہا تھا کہ کیا قیامت کی باتیں کر رہی ہے...... رانی بے اختیار

ہو کر بینا سے لپٹ گئی تھی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی شہاب رانی کے انداز پر بھی غور کر رہا تھا...... بہت تجربہ ہو چکا تھا اسے...... عمر نے بڑے بڑے چہرے دکھائے تھے اور ان چہروں میں وہ بہت کچھ تلاش کر چکا تھا، لیکن اس وقت اسے یہ اعتراف کرنے میں ذرہ برابر عار نہیں محسوس ہو رہی تھی کہ رانی ایک ناقابل فہم شخصیت ہے...... بالکل سمجھ میں نہ آنے والی رانی بہت دیر تک بینا سے لپٹی رہی تھی، پھر اس نے کہا۔

"سوری بینا! جو کچھ مجھ سے ہو چکا ہے میرے پاس اس کی واپسی کا کوئی بندوبست نہیں ہے...... معافی مانگنے کے علاوہ اور کیا کر سکتی ہوں۔"

"خدارا ایسی باتیں نہ کیجئے رانی صاحبہ! آپ ہماری محسن ہیں، بہت برے حالات میں آپ نے ہمارا ساتھ دیا ہے...... ہمارا رواں رواں آپ کا شکر گزار ہے۔"

"تو بس رکھو یہ اپنا سامان اور ایک پاگل عورت کو معاف کر دو...... بات یہیں تک محدود نہیں رہے گی...... تمہیں کبھی کبھی میرے ان پاگل پن کے دوروں سے سابقہ پڑتا رہے گا۔ انہیں میری بیماری سمجھ لینا سمجھیں...... اور اگر کبھی وقت نے موقع دیا تو میں تمہیں اپنی اس بیماری کے بارے میں بتاؤں گی۔ مجھے یقین ہے کہ تم میری اس بیماری کو معاف کر دو گی۔ مجھے یقین ہے بینا، رکھو، میں تمہارا سامان واپس تمہارے کمرے میں رکھوا دیتی ہوں، شہاب پلیز، سوری۔"

"نہیں رانی صاحبہ!"

"سنو! میرا نام عالیہ ہے...... عالیہ کیا سمجھے؟ بس اب مجھے رانی نہ کہنا...... کم از کم تنہائی میں ایسا نہ کہنا تاکہ لوگوں کو غلط فہمی نہ ہو۔"

"جی!" شہاب نے کہا۔

"تم ابھی تک تذبذب کا شکار ہو۔ غالباً تم نے مجھے معاف نہیں کیا۔" رانی بینا سے مخاطب ہو کر بولی۔

"نہیں رانی صاحبہ! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" بینا نے جلدی سے کہا...... بہر حال ان کا سامان واپس رکھوا دیا گیا...... شہاب اور بینا اپنی اب تک کی کارروائی سے بالکل مطمئن تھے...... رانی کے ساتھ بہت دیر تک نشست رہی، بس وہ ایک عجیب اُلجھی اُلجھی ہوئی سی عورت نظر آنے لگی اور پھر جب رات کو بینا اور شہاب یکجا ہوئے تو بینا نے کہا۔

"سارا دن اس انتظار میں رہی ہوں کہ تم سے رانی کے بارے میں گفتگو کروں۔"

"بہت سے کیس ایسے ہوئے ہیں بینا جن سے دماغ کی چولیں ہل گئی ہیں...... میرا خیال ہے ان دنوں پھر ہمارے دماغ کی چولیں خطرے میں ہیں...... ویسے یار! کیا دماغ میں چولیں بنتی ہیں۔"

"شہاب! یقین کرو اگر وہ اداکار ہے تو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ دُنیا کی سب سے بڑی اداکارہ ہے وہ اور اگر اس فیلڈ میں آجاتی تو شاید اپنا ایک بھی مدمقابل نہ چھوڑتی۔"

"وہ اداکارہ نہیں ہے بینا...... مجھے کوئی شدید نفسیاتی کیس معلوم ہوتا ہے یہ، کوئی ایسا الجھا ہوا کیس...... جسے سلجھانے میں دانتوں پسینے آجائیں گے۔" بینا بھی سوچ میں ڈوب گئی تھی، کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"بہر حال! ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے...... کام تو کرنا ہی پڑے گا۔" پھر اس رات رانی کے ساتھ وہ ڈنر میں شریک تھے...... رانی بہت خوشگوار موڈ میں نظر آرہی تھی، پھر اس نے کہا۔

"میں جانتی ہوں انسان اگر ایک ہی جگہ محدود رہے تو اس کی کیفیت قیدیوں جیسی ہو جاتی ہے، بہت سے معاملات میں وہ صحیح فیصلے نہیں کر پاتا...... تم لوگوں کی اس کیفیت کا مجھے احساس ہے، دیکھو یہاں سے تھوڑے فاصلے پر حاضر پور ہے...... تمہیں حاضر پور تک جانے کی اجازت بھی دی جا سکتی ہے اور اگر وہاں تک نہ جانا چاہو اور یہ سوچو کہ وہاں تمہارے لئے خطرات ہو سکتے ہیں تو راؤنگر کے اطراف بھی بڑے حسین ہیں...... کبھی شکار کھیلیں گے وہاں، میں نے کل صبح جبرو کو بلا لیا ہے...... جبرو تمہارے محافظ کی حیثیت سے تمہیں اطراف کی سیر کرایا کرے گا...... حاضر پور تک کوئی بھی آسکتا ہے لیکن راؤنگر میں داخل ہونے والوں پر ہماری پوری پوری نگاہ رہتی ہے، وجہ کوئی خاص نہیں ہے۔ بہت زیادہ اہم نہیں ہے، لیکن اصل میں ہم راؤنگر کا ایک مقام رکھنا چاہتے ہیں اور ہماری یہ خواہش ہے کہ راؤنگر آمد کو اتنا آسان نہ سمجھا جائے بلکہ یہاں قدم رکھتے ہوئے کوئی بھی ایسی شخصیت جو راؤنگر کے بارے میں اُلجھنوں کا شکار ہو یہ ضرور سوچ لے کہ راؤنگر جا کر صحیح سلامت واپس آنا ایک مشکل کام ہے...... اصل میں راؤ شمشیر کا بھی یہی خیال تھا...... ہر گھر کے اپنے کچھ راز ہوتے ہیں...... راؤنگر کے بھی کچھ راز ہیں جنہیں راز رکھنا بے حد ضروری ہے۔ سمجھ رہے ہو نا تم...... کل

سے تم لوگوں کو آزادی ہو گی اور تم آرام سے گھومنے پھرنے جاسکو گے۔" جبرو کا نام سن کر ہی شہاب بہت خوش ہوا تھا...... بینا نے ایک بار بھی شہاب کی جانب نہیں دیکھا تھا...... اس سلسلے میں بھی کافی مضبوط اعصاب کی مالک تھی اور رانی کو کوئی موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ یہ بات تو ان دونوں کے علم میں تھی کہ عارف کا قتل رانی کے اشارہ پر ہوا ہے۔ اپنے کانوں سے سن چکی تھی وہ۔ اس لئے اب اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں تھی، البتہ بینا شہاب کے ان الفاظ سے پوری طرح متفق تھی کہ رانی راؤنگر کوئی نفسیاتی کیس ہے اور اس نفسیاتی کیس کے سلسلے میں اپنی آرام گاہ میں پہنچ کر بینا نے شہاب سے سوال کیا۔

"شہاب! مجھے ایک بات بتاؤ؟"

"جی ارشاد! کچھ خواب گاہ کے سلسلے میں ہے؟"

شہاب نے اپنی مخصوص عادت کی بنیاد پر کہا۔

"نہیں! مجھے سچ بتاؤ رانی ایک طرح سے مجرم تو قرار پا گئی ہے اور ہم عارف کے قتل کو نظر انداز نہیں کر سکتے، اگر وہ کوئی سنجیدہ نفسیاتی کیس نکلا تو تمہارا اس سلسلے میں کیا رویہ ہوگا؟"

"بینا! خادم خان ایک برا انسان ہے اور ایسے برے انسان جگہ جگہ بکھرے ہوئے ہیں۔ تمہیں خود اندازہ ہے کہ ایسے لوگ ہمیں اکثر ملتے رہتے ہیں...... ہم بھی بہت اچھے لوگ نہیں ہیں...... میں نے ہم کا صیغہ اس لئے استعمال کیا ہے کہ اب تم بھی مجھ سے الگ نہیں ہو۔ جیسا کہ تمہارے علم میں ہے کہ میرے باپ نے سچ کے لئے اپنی جان دے دی تھی۔ میں نے اس کی پر غور کیا اور جو کچھ کیا وہ تمہارے سامنے ہے، لیکن ہاں میں نے کسی مظلوم کو تنہا نہیں چھوڑا...... عارف کا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ بوڑھا سفیان چھپ چھپ کر رو لیتا ہے۔ رانی نے آخر اسے کیوں قتل کرایا؟ جبرو نے اسے کیوں قتل کیا اور وہ بھی ایسے بھیانک طریقے سے...... اس کا پس منظر معلوم ہو جائے۔ اگر یہاں رانی غلط نکلی تو بھول جاؤ اس بات کو کہ اسے معاف کر دیا جائے گا۔ شہاب تمہارے کہنے پر اسے چھوڑ دے گا، لیکن اگر شہنشاہ کی بات کرتی ہو تو شہنشاہ ایسا کوئی عمل کر کے اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتا۔ اگر شہنشاہ کی زد میں آکر کوئی بھی شخصیت کسی ایسے انداز سے نکل گئی تو شہنشاہ اس دن اپنا وجود ختم کر لے گا اور خود کو فنا کر لے گا۔"

"خدانہ کرے، خدانہ کرے۔" بینا سہمی ہوئی آواز میں بولی...... شہاب کے چہرے اور

ہے میں اس وقت جو کیفیت جھلک رہی تھی۔ وہ بینا کے لئے بڑی متاثر کن تھی...... حقیقت شہاب کبھی تو ایک جذباتی مسئلہ ہی تھا جس کی بنا پر وہ شہنشاہ کو وجود میں لایا تھا۔ پھر دوسرے دن ناشتے کے بعد کوئی پونے دس بجے ہوں گے کہ جبرو آ گیا...... اندازہ درست تھا...... یہ وہی توانا شخص تھا جو پہلی بار ان لوگوں کو گرفتار کر کے یہاں تک لایا تھا، لیکن اس بت ایک اور چیز نگاہوں کے سامنے آئی تھی، یہ ایک شاندار قسم کی لینڈ کروزر تھی لیکن وہ نہیں جو رانی راؤنگر کے استعمال میں رہتی تھی بلکہ یہ ایک پرانی گاڑی تھی جس کے ٹائر بہت چوڑے چوڑے تھے اور باڈی بھی بہت مضبوط تھی، کوئی خاص ہی قسم کی گاڑی تھی...... جبرو رانی راؤنگر کے پاس پہنچ گیا، ان لوگوں نے جبرو کی آمد کو اپنی رہائش گاہ سے ہی دیکھا تھا اور پھر تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد ایک ملازم آ گیا...... یہ رانی صاحبہ کے خاص ملازموں میں سے تھا، اس نے کہا۔

"رانی صاحبہ آپ دونوں کو اپنے کمرے میں بلا رہی ہیں۔" شہاب اور بینا رانی کے کمرے میں پہنچے تو جبرو کسی سنگی ستون کی مانند خاموش کھڑا ہوا تھا، رانی نے کہا۔

"جبرو کو میں نے سب کچھ سمجھا دیا ہے...... یہ آپ لوگوں کو اپنے ساتھ لے جائے گا...... آپ اگر شکار کھیلنا چاہیں تو جبرو اس کے لئے بھی آپ کو ماحول مہیا کر دے گا اور اگر صرف نواح کی سیاحت کرنا چاہیں تو آزادی سے گھوم پھر سکتے ہیں۔ یہ آپ کا وفادار آپ کا محافظ ہو گا، کیوں جبرو؟" جبرو نے مشینی انداز میں سینے پر ہاتھ رکھ کر گردن خم کر دی تھی۔ آدمی واقعی بہت بھیانک معلوم ہوتا تھا۔ اب شہاب اور بینا نے اسے غور سے دیکھا تھا، بہر حال شہاب نے کہا۔

"کیونکہ یہ آپ کا حکم ہے رانی صاحبہ! اس لئے ہم۔"

"نہیں، یہ میرا حکم نہیں ہے بلکہ یوں سمجھ لو کہ یہ احساس دلانا ہے تمہیں، کسی کی مجال نہیں ہے جو تمہیں کوئی نقصان پہنچا سکے اور تم اب آزادی سے نواحات میں گھوم سکتے ہو؟ جبرو کو بتا دیا گیا ہے کہ کون سے علاقوں سے گریز کرے...... میرا مطلب ہے حاضر پور۔" ابھی جانے سے تھوڑا سا پرہیز کر لو۔ بعد میں وہاں کا ماحول بھی سنبھال لیا جائے گا۔ باقی رہی بات تمہارے مستقبل کی تو ابھی تو تم مہمان ہو چار دن نہیں ہوئے تمہیں یہاں آئے ہوئے، ماحول کو ذرا سا سازگار ہو لینے دو اگر تمہارے خلاف کسی نے مخبری بھی کر دی تو کسی

کی مجال نہیں ہے جو تمہیں راؤنگر سے واپس لے جائے، اس لئے مطمئن رہو۔" بہر حال بینا اور شہاب جبرو سے بھی دلچسپی رکھتے تھے، اس لئے وہ جبرو کے ساتھ چل پڑے اور انہوں نے محسوس کیا کہ جبرو واقعی اب ان کے سامنے موم ہو گیا ہے، لیکن اس وحشی کے نام سے عارف کی موت وابستہ تھی اس لئے غیر اختیاری طور پر وہ جبرو سے نفرت کر رہے تھے۔ جبرو انہیں لے کر قلعے سے باہر نکل آیا اور پھر اس نے تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد کہا۔

"معزز مہمان! کیا شکار کرنا پسند کریں گے یا پھر سیر و سیاحت؟"

"نہیں جبرو! ہم جانوروں کی موت سے دلچسپی نہیں رکھتے...... بس ذرا ہمیں قرب و جوار کے مناظر دکھاؤ۔"

"ایک جگہ یہاں بہت خوب صورت ہے...... ایک قدرتی آبشار پہاڑی سے بہتا ہے اور اس کے اطراف میں انتہائی حسین مناظر بکھرے ہوئے ہیں۔"

"وری گڈ! پھر وہیں چلتے ہیں۔" شہاب نے کہا اور جبرو نے گاڑی کی رفتار تیز کر دی...... جبرو سفر کرتا ہوا ایک مخصوص علاقے میں پہنچا، یہاں دائیں اور بائیں کا چکر نمایاں ہوتا تھا...... اس چھوٹی سی آبادی کے لوگ جن کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی، نفرت بھری نگاہوں سے جبرو کی گاڑی کو دیکھ رہے تھے، اس کا صاف احساس ہو گیا تھا...... شہاب اور بینا نے اس وقت جبرو کے چہرے کے تاثرات بھی دیکھے، لیکن وہ ایک پتھرائی ہوئی شخصیت کا مالک تھا...... پھر اس نے اپنے اڈے پر گاڑی روکی اور یہاں ان لوگوں نے دیکھا کہ ایک بہت ہی شاندار قسم کی جیپ موجود ہے، اس جیپ میں کلاشن کوفوں سے مسلح کئی افراد موجود تھے...... جبرو نے گاڑی آگے بڑھائی تو ان لوگوں نے اپنی جیپ جبرو کی لینڈ کروزر کے پیچھے لگا دی...... شہاب اور بینا کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ سب کچھ ان کے تحفظ کے لئے ہے، جس آبشار کے بارے میں جبرو نے کہا تھا اس کے اطراف واقعی حسین تھے۔ یہاں پہنچنے کے بعد جبرو نے اپنی گاڑی روک دی اور پھر کہنے لگا۔

"معزز مہمان! سیر و شکار کریں...... اِدھر اطراف میں ہرن بہت ملتے ہیں دوسرے جانور بھی ہیں...... ایک طرح سے آپ یہ سمجھ لیجئے کہ یہ راؤ شمشیر کی شکارگاہ ہے۔ راؤ شمشیر تو اب اس دُنیا میں نہیں رہے...... رانی صاحبہ بھی آپ ہی لوگوں کی طرح رحم دل ہیں، بس جب ان جانوروں کی تعداد بہت بڑھ جاتی ہے تو ہم لوگ [illegible] ن تھوڑا بہت فائدہ

لیتے ہیں ان سے...... ہرن کا گوشت کھانا پسند کریں گے آپ لوگ؟"

"بھئی جبرو، دوپہر کا کھانا تو تمہارے ہی ذمے ہے...... گھاس کھلانا چاہو گے تو گھاس کھالیں گے۔" شہاب نے کہا۔

"نہیں جناب! آپ کو بھنا ہوا ہرن کھلائیں گے۔"

جبرو نے کہا اور پھر وہ وہاں سے آگے بڑھ گیا...... بینا اور شہاب کو مکمل طور پر تنہائی مل ئی تھی۔ جبرو البتہ کافی فاصلے پر اپنے تین آدمیوں کو کھڑا کر کے گیا تھا اور یہ فاصلہ تقریباً ھا آدھا کلو میٹر تھا...... شہاب ٹہلنے والے انداز میں آگے بڑھ گیا...... آبشار کے قریب کا حول بہت خوب صورت تھا۔ بینا کہنے لگی۔

"ویسے اس میں کوئی شک نہیں ہے شہاب کہ میں رانی راؤنگر سے بہت متاثر ہو گئی ہوں، پتا نہیں اس عورت کا کیا کیس ہے؟ آہ! کاش یہ کسی قتل میں ملوث نہ ہوتی۔"

"نہیں بینا جذباتی باتیں نہیں کرتے...... جرم کی سزا ہوتی ہے اور یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم مجرم کو کیفر کردار تک پہنچائیں۔"

"ہاں میں جانتی ہوں، میں تو یونہی اپنے دل کی بات کہہ رہی تھی۔" شہاب ٹہلتا ہوا اس لینڈ کروزر کے پاس پہنچ گیا جو یہیں تھوڑے فاصلے پر کھڑی ہوئی تھی۔ چھوٹے موٹے جانور گھوم پھر رہے تھے...... سفید ننھے منے خرگوش جو سبز رنگ کی گھاس میں دوڑتے ہوئے عجیب و غریب لیکن بے حد حسین محسوس ہو رہے تھے...... دفعتاً شہاب لینڈ کروزر کے عقب میں گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ بینا نے چونک کر اسے دیکھا اور بولی۔

"کیا ہوا؟" لیکن شہاب نے کوئی جواب نہیں دیا تھا...... وہ اسی طرح بیٹھا رہا تو بینا بھی اس کے پاس پہنچ گئی۔

"کیا ہوا شہاب؟ بتاتے کیوں نہیں ہو؟" بینا نے غور کیا تو اس نے دیکھا کہ شہاب کا چہرہ سرخ ہو گیا ہے۔ بینا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

"شہاب بتاؤ گے نہیں کیا ہوا ہے؟"

"بینا! ان ٹائروں کو دیکھو...... ذرا جھک کر ان ٹائروں کو دیکھو۔"

"ٹائروں کو؟"

"ہاں۔"

"کیا بات ہے؟"

"اگر دیکھنا چاہتی ہو تو دیکھو۔" شہاب کا لہجہ تلخ تھا...... بینا جلدی سے بیٹھ گئی۔ اس نے ٹائروں کو دیکھا پھر پھٹی پھٹی آنکھوں سے شہاب کو دیکھنے لگی...... کم از کم اتنا اندازہ اسے اب ہو گیا تھا کہ شہاب کہاں مذاق کرتا ہے اور کہاں سنجیدہ رہتا ہے، لیکن ٹائروں کو دیکھ کر کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی...... شہاب نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور رُخ بدل لیا۔

"شہاب پلیز، مجھے بتاؤ تو سہی، کیا دکھانا چاہتے ہو؟ مجھے ان ٹائروں میں؟"

"بینا! ان کی ریخوں میں جھانکو۔" شہاب بولا اور بینا ٹائروں کے کٹاؤ دیکھنے لگی۔ پھر یکایک اس کے چہرے پر بھی غم کے آثار نظر آنے لگے...... اس کے منہ سے آہستہ سے نکلا۔

"خون......"

"ہاں، ایک مظلوم کا خون...... عارف کا خون...... میرے ذہن میں اس وزنی لینڈ کروزر کو دیکھ کر فوراً یہ خیال آیا تھا، لیکن اس وقت میں ان ٹائروں کی ریخوں میں نہیں جھانک سکا تھا...... بینا یہی وہ گاڑی ہے جس سے عارف کو کچل کچل کر ہلاک کیا گیا ہے، ہے نا یہی وہ گاڑی؟"

"ہاں...... اور ان بدبختوں نے اس کی موت کا ثبوت چھوڑ دیا ہے۔"

"ثبوت نہیں، یہ بے رحمی اور غلط فہمی کی ایک مثال ہے...... بینا! ہم لینڈ کروزر کو پردے میں نہیں کر سکتے...... ورنہ یہ ایک خوب صورت ثبوت ہوتا...... اب بھی تم رانی راؤ نگر سے ہمدردی رکھتی ہو؟ بینا، میں ہمدردی نہیں رکھتا اس سے۔ کیا سمجھیں؟" بینا نے کوئی جواب نہیں دیا...... چند لمحے مسلسل خاموش رہی اس کے بعد بینا بولی۔

"جذباتی نہ ہوں شہاب!"

"بینا، میرا دل چاہتا ہے کہ جبرو کو اسی جگہ فنا کردوں...... یہیں اس آبشار کے پانی میں اس کی لاش بہادوں...... وہ عارف کا قاتل ہے، لیکن ایسے نہیں...... ابھی رانی کی اصلیت کھل جائے...... یہ لوگ جو کلاشن کوفیں لئے ہوئے کھڑے ہیں نا مجھے ان کی ذرہ برابر پروا نہیں ہے...... میں ان سب کو اس جگہ موت کی نیند سلا سکتا ہوں، انہیں مجرم قرار دے کر کیونکہ یہ سب مجرم ہیں...... رانی کے حکم پر یہ انسانی زندگیوں سے کھیلتے رہے ہیں...... رانی یہ احکامات انہیں کیوں دیتی ہے؟ ان لوگوں نے یہ رویہ کیوں اختیار کیا ہوا ہے، بس اتنا معلوم

ہو جائے مجھے...... اس کے بعد سمجھ لو کہ مجرموں کے لئے پھانسی کے پھندے تیار ہیں اور یہ مجرم حکومت کے مجرم نہیں شہنشاہ کے مجرم ہوں گے، کیا سمجھیں؟" شہاب کے لہجے کی غراہٹ بے حد خوفناک تھی۔ بینا بعض اوقات شہاب کو ایسی نگاہوں سے دیکھتی تھی جیسے وہ ایک قطعی اجنبی انسان ہو...... بعض اوقات شہاب ایسا ہی رنگ بدل لیتا تھا لیکن کچھ لمحوں کے بعد اس نے اپنا منہ باہر کر لیا۔ وہ آہستہ سے بولا۔

"عارف! تیرا خون ان ٹائروں کی ریخوں میں جما ہوا ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ تیرے اس خون کا بدلہ لینے والا کوئی نہیں ہے؟ تیرے قاتلوں سے انتقام لیا جائے گا۔ ایک بھرپور انتقام، سوری بینا! تم بھی پریشان ہو گئی ہو، لیکن دیکھو نا! ہر تیسری فلم میں تم ایسی ہی کوئی کہانی دیکھتی ہو، اس وقت یوں سمجھ لو میں اس کہانی کا ہیرو ہوں اور تم ہیروئن اور ہم ولن کے ساتھ ہیں۔" بینا پھیکے سے انداز میں مسکرا دی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

"شہاب! میں تمہاری ذہنی کیفیت کو اچھی طرح سمجھتی ہوں...... تمہاری فطرت کو بھی جانتی ہوں، بے شک ایسے لوگ جن کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا، بڑی بدنصیب کیفیت کے حامل ہوتے ہیں، لیکن وہ لوگ جن کے شانوں پر ایسے لوگوں کی ذمہ داری قدرتی اور دُنیاوی طور پر رکھ دی جاتی ہے کسی بھی شعبے سے منسلک ہوں اور اپنے فرض سے بے شک انحراف کر لیں لیکن کسی مظلوم کی دادرسی کے شعبے سے ان کا تعلق ہو پھر اس کے بعد وہ چشم پوشی کریں تو شاید روز حشر ان کا حال باقی گناہ گاروں سے کہیں بدتر ہو گا۔ تم اپنے جذبات کو قابو میں رکھو، ہم جس فرض کے لئے اس دُنیا میں اتارے گئے ہیں اس کو دیانت داری سے انجام دینے کا ایک بار پھر حلف اٹھاتے ہیں...... میں ہر طرح تمہارے ساتھ ہوں۔" بینا نے کچھ اس انداز میں یہ الفاظ کہے کہ شہاب اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"ایک بات کہوں بینا؟"

"ہاں ضرور۔"

"مجھے کبھی رونے نہ دینا۔"

"کیا مطلب؟"

"بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں بینا کہ انسان اپنی رقت پر قابو نہیں پا سکتا۔ آئندہ ہمیشہ یہ کوشش کرنا کہ کبھی میری آنکھوں میں آنسو نہ آنے پائیں...... بینا! اگر میری آنکھوں میں

کبھی آنسو آگئے تو تم یہ سمجھ لینا کہ پھر ہمیں کوئی دکان کھولنی پڑے گی اور اس کے بعد تم صرف ایک دکاندار کی بیوی ہوگی۔“

”مجھے سمجھا تو دو! کیا کہنا چاہ رہے ہو؟“

”اتنی جذباتی باتیں نہ کیا کرو...... ذرا سا خیال رکھا کرو...... تمہارے ان الفاظ سے میرے دل پہ ایک عجیب سا اثر ہوا ہے اور بس آنکھیں بھیگنا چاہتی ہیں، لیکن بینا! میں نے قسم کھائی تھی ثاقب صاحب کی قبر پر کہ ابو! آپ سچ کے شہید ہیں اور میں آپ کے سچ کو وہ مقام دوں گا جو کبھی کسی نے نہ دیا ہوگا۔ بینا! بے شمار افراد میرے ہاتھوں مارے گئے ہیں اور یہ سب وہ ہیں جو سچ کو چھپانے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ قانون ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکا تھا...... وہاں میں نے سچ کے نام پہ انہیں ہلاک کیا، انہیں ان کے جرم کی سزا دی۔ یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتی ہو۔“

”جبرو آرہا ہے۔“

”ہاں تھوڑی دیر کے لئے گفتگو منقطع کرتے ہیں۔“ شہاب نے ایک دم اپنا انداز تبدیل کر لیا تھا۔ جبرو کہنے لگا۔

”بابو صاحب جی! آپ تو بہت ہی نرم دل کے مالک ہو، ایسے نرم دل لوگوں کو اس دُنیا میں کیا گنجائش ہوتی ہے۔“

”اور تم جبرو! تمہیں دیکھ دیکھ کر دل کو یہ احساس ہوتا ہے کہ دیکھو کیسی کیسی شاندار شخصیتیں اس دُنیا میں پیدا ہوئی ہیں۔ آؤ جبرو کہیں بیٹھ کر باتیں کریں گے، تمہیں ایک نگاہ سے دیکھتے ہی بڑی محبت، بڑی اپنائیت کا اظہار ہوتا ہے...... تم بہت اچھے انسان ہو جبرو، واقعی بہت اچھے انسان ہو۔“

”بس جی اللہ کا کرم ہے، زندگی گزر رہی ہے۔“

”تھوڑی دیر پہلے ہی میں اور بینا یہی باتیں کر رہے تھے، بینا کہہ رہی تھی کہ جبرو جیسے لوگ بہت کم نظر آتے ہیں۔ جبرو ٹیلی ویژن پر بھی کشتیاں آتی ہیں تم دیکھتے ہو۔“

”نہیں، بابو جی! ہم کہاں دیکھتے ہیں، ہمیں تو ٹائم ہی نہیں ملتا۔“

”اس میں ایک بہت بڑا پہلوان ہے جس نے دُنیا بھر کے پہلوانوں کو ہرا دیا ہے، میں سمجھتا ہوں اگر تمہیں اس کے سامنے کھڑا کر دیا جائے تو اسے ہی ہار ماننی پڑے گی۔“

”بس جی بابو جی! کرم ہے مولا کا...... گاڑی چل رہی ہے... ویسے ایک بات ہم آپ

کو بتاتے ہیں...... استاد نے کہا تھا کہ جبرو بیٹا دو چیزوں کا خیال رکھنا...... مالک کے وفادار کتے بنے رہنا اور اپنی جان کبھی ہلکی نہ کرنا...... دُنیا نے اگر تمہیں ہلکا پایا تو ختم کر کے رکھ دے گی۔ بس جبرو علی شاہ اس دن سے اس بات کا خیال رکھتا ہے۔“

”بڑی اچھی بات ہے اس طرح انسان کا کردار بھی بن جاتا ہے۔ ویسے جبرو تم نے اپنی اس طاقت سے کبھی ناجائز فائدہ اٹھایا ہے؟“

”سمجھے نہیں صاحب!“

”کسی کمزور کو مارا ہے تم نے؟“ شہاب نے جبرو کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

جبرو سوچ میں ڈوب گیا پھر آہستہ سے بولا۔

”جو ہم کہیں گے برا تو نہیں مانو گے جی؟“

”ارے تم جیسے پیارے آدمی کی بات کا کوئی برا مان سکتا ہے؟“ شہاب بولا۔

”دیکھو جی! اس دُنیا پر طاقت کی حکمرانی ہے اور طاقت جو ہے بابو صاحب جی وہ اب انسانی جسم کی بات نہیں رہی ہے، بڑی جان بنالی ہے آپ نے۔ آپ درختوں کو اُکھاڑ کر پھینک سکتے ہو، لیکن ایک چھوٹا سا چھ انچ کا کھلونا آپ کے سینے میں گولی تو اتار سکتا ہے اور فاصلہ بھی بہت زیادہ ہو اور اب آپ بتاؤ بابو صاحب جی! طاقت کدھر پھنس گئی؟ مطلب کیا ہے ہماری بات کا...... ہماری بات کا مطلب یہ ہے کہ طاقت کی حکمرانی قبول کرو، آپ نے ہماری جان کی تعریف کی ہے، ہم اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور بابو صاحب ایک بات ہم جانتے ہیں کمزور کبھی زندہ رہنے کے قابل نہیں رہا، اگر جینا چاہو تو اپنے آپ کو طاقتور بنا کر رکھو...... ہمارے بدن کی جان جو کچھ بھی ہے، لیکن ہم سے زیادہ طاقتور یہ چھوٹا سا ریوالور ہے اور اس سے بھی زیادہ طاقتور یہ کلاشن کوفیں ہیں جو ہمارے آدمیوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ آج کل اس طاقت کی حکمرانی ہے اور یہ طاقت پیسے والوں کے پاس ہے، بابو اگر آپ پیسے والوں کے دوست ہو جی تو سمجھو کہ محفوظ ہو...... کسی بھی پیسے والے سے یاری کر لو۔ بس پھر سمجھ لو کہ آپ کی حفاظت ہوگئی۔“

جاہل سا آدمی لگ رہا تھا، لیکن کیا پتے کی بات کر رہا تھا...... شہاب اور بینا نے اعتراف کیا، بہر حال جبرو ذرا مشکل چیز تھا...... رانی کے خلاف زبان کھولنے پر اسے آسانی سے آمادہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ خوب سیر و تفریح کے بعد آخر کار شہاب اور بینا حویلی میں آگئے تھے۔

ویسے جبرو سے دوستی کا اظہار کر کے انہوں نے بہت عقل مندی کا ثبوت دیا تھا۔ وقت کافی خوب صورتی سے گزر رہا تھا...... شہاب اور بینا اپنے اپنے طور پر مصروف تھے۔ رانی کی یہ کیفیت تھی کہ کبھی کسی کام میں لگ جاتی تو ان لوگوں سے بات کرنا مشکل ہو جاتا، اس طرح بے نیاز ہو جاتی جیسے جان پہچان تک نہ رہی ہو اور جب ملتی تو ہمیشہ اپنی مصروفیات کا رونا روتی تھی۔ بہر حال یہ لوگ بھی اپنے کاموں میں لگے ہوئے تھے، اس دن بھی وہ دونوں اپنے اپنے کاموں سے نکلے تھے۔ بینا جان بوجھ کر صفیہ کی طرف گئی تھی اور شہاب سفیان کی طرف۔ ڈاکٹر آفتاب کے بارے میں وہ یہ اندازہ لگا چکے تھے کہ بہت چالاک آدمی ہے اور رانی کا حقیقی معنوں میں دست راست، چنانچہ شہاب نے جان بوجھ کر ڈاکٹر آفتاب کو ریزرو میں رکھا ہوا تھا اور یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ ڈاکٹر آفتاب کو بالکل آخری لمحات میں دیکھے گا۔ ابھی تو اس سلسلے میں بہت سی ایسی باتیں تھیں جو نامکمل تھیں اور ان میں سے کچھ ذمہ داریاں بینا کے سپرد کر دی گئی تھیں...... کچھ شہاب نے خود سنبھال لی تھیں...... اس وقت بھی جب شہاب، سفیان کے پاس پہنچا تو بلا وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ سفیان پانی پی رہا تھا...... بلا نے شہاب کو دیکھا تو جلدی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"سلام بابو صاحب!"

"سلام بلا...... بیٹھو کیسی طبیعت ہے بابا سفیان کی؟"

"بس جی عمر بھی زیادہ ہو گئی ہے اس کی اور اب اس کا کہنا ہے کہ یہ اب جینا نہیں چاہتا۔"

"کیوں بابا سفیان؟ ایسی بات ہے۔" سفیان ہنسنے لگا پھر بولا۔

"یہ بلا جو ہے نا یہ بالکل بلی کا بچہ ہے...... اسے ابھی بلا کہنا ہی غلط ہے بڈھا ہو گیا ہے، مگر جوان نہیں ہوا...... بچے کا بچہ ہے۔"

"کچھ بھی کہہ لو بابا سفیان۔"

"بلا دیکھ! ہر وقت زبان نہیں کھولتے بری باتیں منہ سے نہیں نکالتے۔"

"ایک بات کہوں بابا سفیان آپ برا تو نہیں مانیں گے؟" شہاب نے کہا۔

"نہیں بابو صاحب! آپ کی اتنی مہربانی کم ہے ہمارے ساتھ کہ آپ ہم جیسے غریب آدمیوں کے دروازے سے اندر آجاتے ہو۔"

"بابا سفیان! دل جو ہے نا بڑی عجیب چیز ہوتی ہے بلا کہہ رہا ہے کہ آپ مرنا چاہتے

...... میں سمجھتا ہوں کہ بلا کا خیال غلط ہے۔"

"نہیں بابو صاحب! ہمارا خیال بالکل سچ ہے...... اسے کوئی بیماری نہیں ہے...... ڈاکٹر حب بھی یہی کہتے ہیں کہ اسے کوئی بیماری نہیں ہے...... بس دل کو کوئی روگ لگا لیا ہے اور روگ ہم جانتے ہیں...... ہمیں اچھی طرح معلوم ہے۔"

"میں جو بات کہنا چاہ رہا ہوں وہ بالکل مختلف ہے۔"

شہاب نے کہا۔

"کیا کہنا چاہ رہے ہیں، آپ بابو صاحب؟" بابا سفیان نے پوچھا۔

"دیکھو بابا سفیان! یہ بات میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ اپنی ذات کے لئے انسان پنا برے سے برا کام اپنے لئے حلال کر لیتا ہے۔"

"وہ تو ہے ہم نے کب منع کیا ہے۔"

"آپ بابا سفیان جو کچھ اپنے سینے میں چھپائے رکھتے ہیں یا جس کے لئے آپ دُکھی ہیں ہ کے لئے آپ نے کچھ نہیں کیا۔ آپ کو پتا ہے کہ روحیں اس دُنیا میں انسانوں سے اپنا ام چاہتی ہیں...... وہ انصاف کے لئے خود واپس نہیں آسکتیں، لیکن کسی کی طرف ان کی یں انصاف کے لئے دیکھتی ہیں۔"

"ارے کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟ ہمیں بتایئے تو سہی۔ جو کچھ ہم نے آپ کو اپنی زبان ے بتا دیا ہے اتنا کافی نہیں ہے؟"

"نہیں! اتنا کافی نہیں ہے؟"

"بس اس سے زیادہ ہم کچھ جانتے بھی نہیں ہیں۔ آپ ہم سے ملو یا نہ ملو ہم غلام آدمی ہ جوتا اٹھاؤ مارو سو ہمارے اوپر...... ہم نے کہہ دیا کہ جبرو نے اسے مارا ہے...... جبرو نے ے مارا ہے، اب ہم کیا کریں؟ کہ جبرو کو پکڑ کر آپ کے سامنے لے آئیں...... ارے، آپ بھی تو کوئی فرض ہے...... ہمیں تو ہمارے فرض کا احساس دلانے آجاتے ہو اور خود کیا ے ہو؟ بابا! جب تم نے سن لیا ہے کہ قاتل تمہاری نگاہوں کے سامنے ہے اسے پکڑو، ے مارو، اس سے پوچھو کہ اس نے کیوں اس معصوم سے بچے کو قتل کر دیا؟ آجاتے ہو ہم جیسے کمزور کو ستانے کے لئے تو بابا زبان کھلوا کر وہ کرو...... ایسا کرو، ویسا کرو...... ارے ہمیں بھی قبر میں جانا ہے اپنی...... نمک کھایا ہے ہم نے کسی کا...... اتنا ہی بول سکتے ہیں جتنا

نمک اجازت دے...... اس سے زیادہ بولنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے...... دیکھو بابو صاحب! برا مت ماننا! بالکل برامت ماننا...... اگر ہم سے ایسی باتیں کرنے کے لئے آتے ہو تو ہمارے ہاں اس کے بعد مت آنا...... ہم آپ سے ہاتھ جوڑ کر یہ بات کہتے ہیں...... ویسے بھی ہمارا آپ کا کوئی جوڑ نہیں ہے...... کیا سمجھے؟ چل بھئی بلا نکل یہاں سے، چل اُٹھتا ہے کہ نہیں بھوتنی والے...... یا اٹھاؤں جوتا؟" بلا اُٹھ کھڑا ہوا کہنے لگا۔

"مرنے دو بابو صاحب اسے مرنے دو۔ یہ ایسے ہی مر جائے گا۔"

"ہاں! مجھے مرنے دو...... میں مرنا چاہتا ہوں...... ارے بابا! میرا تم لوگوں سے کیا رشتہ ہے؟ مر جانے دو مجھے۔ زندگی میں کون ہے میرا۔ بولو کوئی رونے والا تو ہے نہیں...... جاؤ چلے جاؤ۔"

"دیکھو بابو صاحب! چلے جاؤ...... تمہیں خدا کا واسطہ، تمہارے ہاتھ جوڑتا ہوں میں۔" سفیان نے کہا...... بلا تو پہلے ہی باہر نکل گیا تھا...... وہ برا مان گیا تھا...... شہاب کچھ دیر بوڑھے سفیان کے پاس کھڑا رہا پھر اس نے کہا۔

"تم نے مجھے طعنہ دیا ہے نا بابا سفیان! تم نے کہا ہے نا کہ دُنیا صرف زبان چلاتی ہے۔ معلومات حاصل کرتی ہے، تم نے بہت بری بات کہی ہے مجھ سے بابا سفیان۔"

"ہر بات کے جواب میں ہمارے سر پر دس جوتے لگادو۔ زبان سے اف کر جائیں تو دس اور لگا دینا مگر بتاؤ؟ ہم کیا کریں...... کیا ان بوڑھی ہڈیوں میں اتنی جان ہے کہ اب یہ دُنیا کے ظلم و ستم برداشت کرلیں...... ارے جبرو اگر ایک تھپڑ بھی مار دے گا ہمیں تو ہماری گردن ٹوٹ جائے گی۔ تم کہتے ہو ہم اپنے لئے جی رہے ہیں...... نہیں جی رہے ہم اپنے لئے...... ہم مرتے اس لئے نہیں ہیں کہ اپنے ہاتھ سے مرنے کے بعد دُنیا تو خیر جو کچھ ہوتی ہے لیکن عاقبت بھی جہنم بن جاتی ہے۔ سمجھ رہے ہو نا تم؟ کیا کر سکتے ہیں ہم، کیا بگاڑ سکتے ہیں اور سنو، جہاں تک ہماری زبان کا معاملہ ہے تو ہم پر بھروسا کرو یا نہ کرو...... جتنا بول چکے ہیں اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں جانتے...... ہاتھ جوڑتے ہیں تمہارے بابو صاحب! بس تم ابھی چلے جاؤ یہاں سے۔"

"ٹھیک ہے بابا سفیان! میں چلا جاتا ہوں لیکن تم نے پورے اعتماد کے ساتھ یہ بات کہی ہے کہ جبرو نے عارف کو قتل کیا ہے۔ سنو! جبرو کا انجام تمہاری آنکھوں کے سامنے ہو گا اُس

وقت تک تمہیں جینا پڑے گا بابا سفیان! جب تک تم جبرو کا انجام نہ دیکھ لو...... اب میں اسی تمہارے پاس آؤں گا...... جب میں تم سے کہوں گا کہ آؤ بابا سفیان! میں تمہیں دکھاؤں بارے عارف کے قاتل کا کیا حشر کر رہا ہوں؟ سمجھ رہے ہو نا اور اس وقت تمہیں میرے تھ چلنا ہو گا۔ بابا سفیان اگر تم میرے ساتھ نہ چلے تو۔ تو تم نہیں جانتے کہ میں تمہارے تھ بھی کیا سلوک کروں گا؟" شہاب نے کہا اور وہاں سے باہر نکل آیا۔ نہ جانے کیوں اسے تی غصہ آگیا تھا...... ادھر بینا اپنے کام سے نکلی ہوئی تھی۔ یہ اندازہ لگا لیا تھا اس نے کہ ڈاکٹر تاب اس وقت اپنی رہائش گاہ میں موجود نہیں ہے۔ رانی بھی کہیں باہر گئی ہوئی تھی۔ وہ وماً جبرو کے ساتھ ہی جایا کرتی تھی، کہاں جاتی تھی یہ بات آج تک نہیں معلوم ہو سکی ی...... ویسے جہاں تک شہاب کی معلومات کا تعلق تھا وہ اپنی زمینوں وغیرہ کی دیکھ بھال بھی دہی کیا کرتی تھی اور جبرو اس کے ساتھ ہوتا تھا...... عام طور سے ایسا ہی ہوتا تھا۔ بہر حال! بنا صفیہ کے پاس پہنچ گئی اور صفیہ نے مسکراتے ہوئے اس کا خیر مقدم کیا۔ پھر بولی۔

"میں تم سے ناراض ہوں بینا!" بڑی بے تکلفی کا انداز تھا...... پتا نہیں بینا کو یہ انداز یوں پسند آیا...... وہ آہستہ سے بولی۔

"ارے بھئی کیوں؟ میں نے کیا بگاڑ لیا آپ کا صفیہ صاحبہ! ویسے آپ یہ بتایئے، راضی رنے کے لئے مجھے کیا کرنا ہو گا؟ صرف معافی مانگنے سے کام چل جائے گا یا ہاتھ جوڑ کر آپ کے پاؤں پکڑے جائیں بتایئے۔" صفیہ نے محبت بھری نگاہوں سے بینا کو دیکھا اور بولی۔

"میری بات کا برا نہیں مانا تم نے؟"

"کمال ہے بھئی! آپ اگر مجھ سے ناراض ہیں تو میرا فرض ہے کہ میں آپ کو مناؤں ں میں برا ماننے والی کون سی بات ہے؟" ایک لمحہ کے لئے صفیہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے، نہیں اس نے فوراً ہی خشک کر لیا پھر بولی۔

"تم یقین کرو بینا! میں قیدی بن گئی ہوں یہاں، میں بری طرح قیدی بن گئی ہوں...... یں آفتاب سے کہتی ہوں کہ آفتاب! یہ کیا روگ پال لیا ہے تم نے اپنی زندگی کے لئے یہ تو نہیں کہا تھا تم نے مجھ سے کہ تم اس طرح مجھے لے جا کر ایک قلعے میں قید کر دو گے؟ ایک یک جگہ قید کر دو گے جہاں زندگی ہی نہیں ہے...... آفتاب، بس کیا کہوں میں بینا۔"

"ایسا کرو صفیہ! پہلے مجھے بیٹھنے کے لئے کہو۔"

"ارے معاف کرنا! کچھ زیادہ ہی بدتمیزی کر گئی ہوں میں...... بینا پلیز! برا مت مانو میری بات کا۔ آؤ بیٹھو۔" صفیہ نے آگے بڑھ کر بینا کا بازو پکڑا اور اسے صوفے پر بٹھا دیا۔ بینا ہنستی ہوئی بیٹھ گئی تھی۔

"اور اب اس بداخلاقی کے بدلے میں مجھے عمدہ سی چائے بھی پلواؤ۔" بینا بولی اور صفیہ نے کہا۔

"ابھی بالکل، بلکہ رکو ابھی لے کر آتی ہوں۔" جب چائے آگئی تو بینا ہنستی ہوئی بولی۔

"سوچ تو رہی ہوگی کہ ذرا سی بات کیا کرلی تم نے مجھ سے۔ میں پھیلتی ہی جارہی ہوں۔"

"تمہیں خدا کا واسطہ، پھیلتی رہو...... خوب پھیل جاؤ۔" صفیہ بولی۔

"میں تمہاری کیفیت سمجھتی ہوں صفیہ، لیکن ڈاکٹر آفتاب آخر یہ بات کیوں نہیں مانتے تمہاری کیا انہیں احساس نہیں ہوتا۔"

"بینا! وہ پتا ہے کیا کہتے ہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ رانی راؤ نگر کو ان کی سخت ضرورت ہے...... اگر وہ رانی راؤ نگر کو چھوڑ دیں گے تو رانی راؤ نگر کو بہت بڑا نقصان پہنچ جائے گا۔"

"پوچھا نہیں تم نے کہ ایسا کیا نقصان پہنچ جائے گا۔ رانی بذات خود تو تندرست ہیں...... بہت فریش نظر آتی ہیں۔"

"آفتاب مجھے نہیں بتاتے۔"

"صفیہ! کیا تم دونوں کے درمیان انڈر سٹینڈنگ نہیں ہے؟"

"بہت زیادہ ہے...... ڈاکٹر آفتاب نے ایک بار مجھے اپنی زندگی کی قسم دلائی تھی۔"

"کیوں؟"

"انہوں نے یہ کہا تھا کہ میں ان سے یہ نہ پوچھوں کہ رانی راؤ نگر کو ان کی ضرورت کیوں ہے؟"

"پھر۔"

"ظاہر ہے اس قسم کے بعد میں ان سے یہ نہیں پوچھ سکتی تھی۔"

"کیا یہ سب کچھ بے حد پراسرار نہیں ہے؟"

"ہے۔"

"ویسے رانی راؤ نگر ڈاکٹر آفتاب کو انعامات وغیرہ دیتی رہتی ہیں...... میرا مطلب ہے

ذاہ کے علاوہ۔"

"ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ جب رانی راؤ نگر انہیں یہاں سے جانے کی اجازت دیں گی تو ان
ے پاس اتنی رقم ہوگی کہ وہ اپنا ایک شاندار ہسپتال تعمیر کر سکیں...... اصل میں یہی ڈاکٹر
تاب کا خواب تھا اور ہے۔"

"ہونہہ! واقعی اس قلعہ نما رہائش گاہ کے معاملات بڑے پراسرار ہیں۔"

"اور تم دونوں یہاں آ پھنسے۔"

"تمہیں تو ہمارے بارے میں تفصیلات بتادی گئی ہوں گی۔"

"جناب! اچھی طرح بتادی گئی ہیں...... ویسے تم نے بھی مجھ سے بہت سی باتیں کی ہیں
ن ساری تفصیل مجھے ڈاکٹر آفتاب نے بتائی۔"

"ڈاکٹر آفتاب نے؟"

"ہاں۔"

"وہ کیسے؟"

"بس! انہوں نے بتادیں...... انہوں نے یہ بتادیا ہے کہ تم دونوں نے اپنی پسند کی شادی
ہے اور تمہارے رشتے دار اور والدین تمہاری زندگی کے دشمن بن گئے ہیں، بہت ساری
تیں بتائی ہیں ڈاکٹر آفتاب نے مجھے...... رانی صاحبہ نے تمہیں مکمل تحفظ فراہم کیا ہے۔
ے ایک بات بتاؤں رانی کے اندر یہ صفت ہے...... وہ مغرور عورت نہیں ہے...... بہت
ھی عورت ہے...... مجھ سے جب بھی ملتی ہے بہت پیار بہت محبت سے ملتی ہے، لیکن! کچھ
ول بھی ہیں اس کے۔"

"مثلاً۔"

"بھئی ڈاکٹر آفتاب جو ہیں نا ملازم ہیں رانی صاحبہ کے۔"

"ہاں۔"

"تو میں ان کی دوست کیسے ہو سکتی ہوں؟"

"ہونہہ! یعنی وہ درمیان کا فرق۔"

"ہاں!" رانی صاحبہ یہ فرق رکھنا ضروری سمجھتی ہیں جب کہ تم لوگوں میں سے کوئی ان
ملازم نہیں ہے...... اگرچہ مجھے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ تم لوگ بہت ہی کمزور دل کے

مالک ہو۔"

"جبرو تمہیں شکار کھلانے لے گیا تھا شاید؟"

"ہاں۔"

"اور وہاں تم نے شکار کرنے سے انکار کر دیا۔"

"ارے! تمہیں کیسے معلوم؟"

"پرندوں کو مارنا تم نے بالکل ناپسند کیا اور سبزی اور پھل کھا کر گزارا کیا۔"

"مجھے بتاؤ، تم سے کس نے کہی یہ بات؟"

"آفتاب نے۔"

"اور آفتاب کو کس نے بتائی؟"

"رانی صاحبہ نے! اور اب تم پوچھو گی کہ رانی صاحبہ کو کس نے بتائی تو ظاہر ہے جبرو نے۔"

"ہونہہ! اس کا مطلب ہے کہ جبرو نے ہمارے وہاں جانے کی پوری تفصیل رانی صاحبہ کو بتائی ہے؟"

"جبرو کو دیکھا ہے نا تم نے؟"

"لو! ہم اس کے ساتھ گئے تھے...... آنکھیں بند کر کے تھوڑی گئے تھے۔"

"پتا نہیں وہ مجھے اپنی آنکھوں سے خونی معلوم ہوتا ہے...... بہت خطرناک آدمی ہے وہ۔"

"صفیہ! ویسے تو ہم لوگ درحقیقت ابھی بہت دن تک یہاں رہنے کا ارادہ رکھتے ہیں لیکن میں شہاب سے کہوں گی کہ جس طرح بھی بن پڑے صفیہ اور ڈاکٹر آفتاب کو بھی یہاں سے لے کر چلیں...... اصل میں شہاب بھی کوئی بزدل آدمی نہیں ہیں...... ذہین بھی ہیں سمجھ دار بھی ہیں...... بے شک ہم لوگوں نے جو کچھ کیا ہے نا، وہ ماں باپ کے خلاف کیا ہے۔ ایک لمبی کہانی ہے یہ...... ماں باپ ہمارے پیچھے پڑ گئے ہیں...... ان کا اس طرح پیچھے پڑنا بھی ٹھیک ہی ہے۔ والدین ہوتے ہیں ان کے حقوق بھی ہوتے ہیں، لیکن اتنے نہیں صفیہ! کہ والدین اولاد کی پوری زندگی اپنی پسند سے تباہ کر دیں۔"

"تمہارے ساتھ کچھ ایسا ہی ہو رہا تھا۔"

"سو فیصد!"

"اور شہاب نے تمہیں سہارا دیا۔"

"ضروری تھا کیونکہ یہ سہارا دینا شہاب کی زندگی سے بھی تعلق رکھتا تھا۔"

"اس کے بعد تم دونوں کے والدین کیا پولیس کی مدد سے تمہارے پیچھے لگے تھے؟"

"نہیں! اگر قانون کی مدد سے وہ ہمارے پیچھے بھاگتے نا تو ہمیں اتنا خوف نہ ہوتا کیونکہ یہ اندازہ تم لگا چکی ہو کہ ہم دونوں بالغ ہیں...... بہر حال قانون سے تحفظ تو ملتا...... انہوں نے کچھ ایسے خطرناک لوگوں کا سہارا لیا جو خفیہ طور پر ہمارے پیچھے پڑ گئے۔"

"اوہ! یہ واقعی بہت افسوس ناک بات ہے تو آئندہ۔"

"نہیں! بس یہ ابتدائی کھیل ہے اس کے بعد شہاب نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ یہاں سے بیرون ملک کہیں نکل جائیں گے۔"

"آہ! کاش تم لوگ واقعی مجھے اور آفتاب کو بھی اپنے ساتھ لے چلو۔ مگر آفتاب۔"

"رُک کر انتظار کرو...... ابھی تو ہم بھی یہاں کافی دن ہیں۔"

"مگر ہمیں اس سے کیا فائدہ؟" صفیہ نے کہا۔

"کیوں؟"

اتنے دن کے بعد تو آپ لوگ چکر لگاتے ہیں...... رانی کے تو منظور نظر ہیں آپ...... شہاب صاحب بھی ابھی تک یہاں نہیں آئے...... دور سے ویسے میں نے انہیں دیکھا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تم دونوں کی جوڑی اتنی پیاری ہے کہ رانی صاحبہ کو تم پہ پیار ہی آ گیا ہوگا اور انہوں نے فوراً ہی تمہیں اپنی تحویل میں لے لیا۔ میں اگر ان کی جگہ ہوتی تو میں بھی یہی کرتی۔"

"شکریہ! تم دونوں بھی خوبصورت ہو...... تم نے کبھی ڈاکٹر آفتاب پر غور نہیں کیا؟"

"کیوں نہیں کیا؟" صفیہ شرمائے ہوئے انداز میں بولی۔

"ویسے صفیہ! تھوڑی سی عقلمندی سے کام لے نا اگر عورت تو مرد کی زبان کھلوا سکتی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے کہ عورت کیا بالکل ہی بے بس اور کمزور شے ہے؟"

"پتا نہیں؟" صفیہ بولی۔

"دیکھو صفیہ! شوہر کو مٹھی میں رکھنے کے لئے کچھ جدوجہد کرنا ہوتی ہے...... اب ڈاکٹر آفتاب نے تمہیں قسم دلا دی ہے اس لئے میرا کچھ بتانا ہی بے کار ہے۔"

"نہیں نہیں! بتاؤ تو سہی، کیا؟ کیا بتانا چاہتی ہو تم؟" صفیہ نے کہا۔

"بھئی ڈاکٹر آفتاب سے رانی راؤنگر کے بارے میں تمہیں خاص معلومات حاصل ہو سکتی ہیں...... اگر تم ڈاکٹر آفتاب کو ایسے جذباتی موقعوں پر متاثر کرو جب۔" جب بینا خاموش ہو گئی تو صفیہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

"ہاں! بات تو ٹھیک ہے مگر میں نے ان کی قسم جو کھائی ہے؟"

"وہ ایک الگ بات ہے، لیکن تم دوسرے طریقوں سے ان سے معلومات حاصل کر سکتی ہو...... اچھا بابا چھوڑو یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہیں تمہارے شوہر کے خلاف ورغلا رہی ہوں...... کہیں ایسا نہ ہو کہ ڈاکٹر آفتاب میرے یہاں آنے پر پابندی ہی لگا دیں...... یہ سوچ کر کہ میں ان کی بیوی کو ان سے بھڑکا رہی ہوں۔"

"نہیں! ڈاکٹر بہت اچھے آدمی ہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ مجھ سے پوچھ بھی رہے تھے بلکہ یہ الفاظ بھی انہوں نے کہے تھے کہ شہاب اور بینا رانی صاحبہ کے پسندیدہ افراد ہیں اور رانی انہیں بہت پسند کرتی ہیں، چنانچہ ہم سے بھلا ان کی کیا دوستی ہو سکے گی۔"

"اب ڈاکٹر آفتاب صاحب مجھے طعنے دینے لگے...... اچھا یہ بتاؤ؟ اگر رانی صاحبہ کو میرے یہاں آنے پر اعتراض ہوا تو۔"

"ابھی تک کوئی ایسی بات نہیں کہی ہے انہوں نے؟"

"ابھی تک تو نہیں کہی لیکن...... لیکن اگر کہہ دیں تو؟"

"تب کی تب دیکھی جائے گی۔"

"اچھا پھر ٹھیک ہے...... میں جلدی جلدی تمہارے پاس آتی رہوں گی۔ ویسے صفیہ، مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ تم نے ابھی تک ڈاکٹر آفتاب پر اپنا اتنا سکہ نہیں جمایا کہ ڈاکٹر آفتاب تمہیں اپنے دل کی باتیں بتا سکیں۔"

"تم یقین کرو بینا، انہوں نے مجھے اپنے دل کی ساری باتیں بتا دی ہیں...... رانی راؤنگر کے بارے میں جب میں ان سے سوالات کرتی ہوں تو وہ کہتے ہیں کہ صفیہ ذرا سا خیال رکھو میں رانی کا ملازم ہوں اور رانی کوئی معمولی شخصیت نہیں ہیں...... وہ کسی نہ کسی طرح حقیقتیں معلوم کر لیں گی اور اس کے بعد وہ ہماری دشمن بھی بن سکتی ہیں۔"

"رانی کسی کی دشمن بن سکتی ہے؟" بینا نے سوال کیا۔

"ارے بابا! ان بڑے لوگوں کی کوئی خبر نہیں ہوتی...... کسی وقت دماغ اُلٹ جائے اور نہ جانے کیا سے کیا کر بیٹھیں۔"

"صفیہ! ایک بات کہوں، برا تو نہیں مانو گی؟"

"ہر دوسری بات پر یہی بات کہتی ہو کہ برا تو نہیں مانو گی میں برا تو نہیں مانوں گی؟ برا مانا ہے میں نے کسی بات کا؟ اور کیوں برا مانوں گی کہو؟"

"صفیہ رانی راؤنگر کے بارے میں اس دن ہماری یہ بات پہلے بھی ہو چکی تھی کہ راؤ شمشیر کی بیوی نہیں بلکہ منہ بولی بہن ہے۔"

"ہاں۔"

"تمہیں یقین ہے صفیہ کہ یہ بات سچ ہے؟"

"کیا مطلب؟" صفیہ کسی قدر تعجب بھرے لہجے میں بولی۔

"صفیہ! دُنیا کے اتنے رنگ ہیں کہ تم ان صحیح رنگوں کا اندازہ بھی نہیں لگا پاؤ گی۔ بعض لوگ اپنے کردار میں اس قدر مسخ ہو جاتے ہیں کہ انسان ان کی اصل شکل نہیں دیکھ سکتا...... ایک نوجوان اور خوب صورت عورت کو منہ بولی بہن بنا کر اپنی تمام دولت، جائیداد، سلطنت ہی سمجھو، کوئی اس طرح سونپ سکتا ہے؟" صفیہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے بینا کو دیکھنے لگی پھر بولی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"سیدھا سیدھا مطلب ہے...... سمجھ رہی ہو تم میرا جو مطلب ہے۔" صفیہ کے چہرے پر خوف کی ایک لکیر نمودار ہو گئی، اس نے کہا۔

"دیکھو یہاں آج تک میں نے کسی کے ساتھ برا سلوک ہوتے نہیں دیکھا، لیکن ایک شخص جس کا نام جبرو ہے اور تم نے اسے دیکھ بھی لیا ہے جان بھی لیا ہو گا۔ یہاں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ میں ایک دفعہ ڈاکٹر آفتاب سے کہہ رہی تھی کہ یہ شخص تو مجھے زمانہ قدیم کا کوئی شاہی جلاد معلوم ہوتا ہے تو ڈاکٹر آفتاب بری طرح چونک پڑے تھے اور انہوں نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا تھا کہ خبردار! جبرو کے بارے میں ایسا کوئی لفظ کسی اور کے سامنے کبھی مت کہنا اور نہ ہی اس پر کبھی غور کرنا...... وہ رانی راؤنگر کا دست راست ہے۔"

"خدا تمہیں خوش رکھے صفیہ! میرے کہنے کا مطلب یہی تھا کہ ایک اتنی اچھی نرم

مزاج اور نفیس طبیعت کی مالک خاتون کو ایک ایسے جلاد کی آخر کیا ضرورت پیش آ گئی؟" صفیہ سوچ میں ڈوبی رہی پھر کچھ دیر کے بعد بولی۔

"دیکھو! اس کی ایک مثال تو دی جا سکتی ہے شاید میں غلط کہہ رہی ہوں، میرا مطلب یہ ہے کہ اس کا ایک جواز تو ہے۔"

"کیا؟"

"رانی صاحبہ ایک عورت ہیں، کبھی بھی کوئی ان کے خلاف سرکشی کر سکتا ہے...... عورت ہونے کی حیثیت سے انہیں اس سلسلے میں مشکلات بھی پیش آ سکتی ہیں، چنانچہ ایک گروہ انہوں نے ایسا بنا رکھا ہے کہ اگر سرکش رانی صاحبہ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں تو وہ گروہ ان کی حفاظت کرے...... اگر اس کے لئے جبرو جیسے جلاد کو رکھا گیا ہے تو میں سمجھتی ہوں کہ یہ تو رانی صاحبہ کی مجبوری ہے...... اصل میں یہ الفاظ اس لئے کہہ رہی ہوں کہ راؤ شمشیر کی موت کے بعد رانی اگر ایسی ہی بری عورت ہوتیں تو کہیں نہ کہیں سے ان کے کردار کا کوئی برا پہلو جھلکتا...... جب کہ یہاں ایسی کوئی بات آج تک ہوئی تو نہیں ہے۔"

"ہاں، دلیل مضبوط ہے...... بس، یونہی میرے ذہن میں یہ بات آئی تھی کہ رانی صاحبہ کا کردار بہت پراسرار ہے۔"

"یار! ایک بات بتاؤں تمہیں بینا! بے شک یہ بہت بڑے لوگ جو ہوتے ہیں نا یہ اپنے خول میں بند رہتے ہیں...... یہ خول انہوں نے خود بنایا ہوا ہوتا ہے۔ اگر تم ان سے اس موضوع پر بات کرو گی تو جانتی ہو کیا کہیں گے؟"

"کیا کہیں گے بھئی؟ آپ بتاتی جائیے محترمہ صفیہ! آپ کو میں اپنا استاد تسلیم کر لوں گی۔"

"اصل میں ان کی بھی مجبوری ہے۔ اگر یہ اپنے آپ کو ہم لوگوں سے مختلف بنا کر ظاہر نہ کریں تو عام لوگ انہیں اتنا پریشان کریں کہ ان کا جینا محال ہو جائے...... ویسے تم یقین کرو، بہت سی جگہوں پر رانی راؤ نگر مجھے بہت ہی اچھی خاتون نظر آتی ہیں...... وہ اپنے ملازموں کی بھی دیکھ بھال کرتی ہیں...... ہمدردی کرتی ہیں ان سے، ہر طرح ان کے ساتھ اچھے انداز میں پیش آتی ہیں۔"

"ہاں! یہ تو ہے...... ویسے میں تمہاری بات سے اتفاق کرتی ہوں...... رانی صاحبہ کے

ار میں مجھے کوئی کھوٹ نہیں نظر آتی۔"

"بھئی دیکھو! ڈاکٹر آفتاب اچھے آدمی ہیں...... مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں، بے شک وں نے مجھے ایسی باتوں کے لئے منع کیا ہے، لیکن وہ جو ہوتا ہے نا کہ بہرحال انسان اپنے ی بات کسی نہ کسی سے کہنا چاہتا ہے اور بیوی سے زیادہ قربت اور کس سے ہو سکتی ہے؟ ر آفتاب کا زیادہ تر ساتھ رانی صاحبہ کے ساتھ رہا کرتا ہے...... ایک بار تو ان کے منہ سے ی ایسی ویسی بات نکلتی۔"

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے، بہرحال سوری صفیہ! میں نے رانی صاحبہ کے بارے میں ایسی یں کیں۔"

"بہتر یہ ہے کہ ہم لوگ اپنے ہی بارے میں گفتگو کیا کریں۔" رات کو بینا نے ڈاکٹر تاب اور صفیہ وغیرہ کے بارے میں شہاب کو تفصیل بتائی۔ بینا نے محسوس کیا کہ شہاب کچھ ھا ہوا ہے اور شہاب کی الجھن کی وجہ وہ جانتی تھی اور ایسی کسی الجھن کے نتائج سے بھی ھی طرح واقف تھی اور کسی مسئلے میں بات اگر طویل ہو جائے تو پھر شہاب پر جھنجھلاہٹ ار ہو جاتی تھی اور شہاب پر جھنجھلاہٹ سوار ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شہنشاہ جاگ ٹھے...... بینا اس کی صورت دیکھ رہی تھی...... شہاب بہت دیر تک گہری سوچ میں ڈوبا رہا پھر ینا نے کہا۔

"محترم! یہاں ایک ایسی عورت بھی موجود ہے جو اپنے شوہر سے محبت کرتی ہے اور اگر ن کا شوہر چند لمحات کے لئے بھی اس سے اجتناب کا اظہار کرے تو اس کا دل دکھنے لگتا ہے۔" شہاب نے چونک کر بینا کو دیکھا پھر بولا۔

"بینا! بات کچھ گڑبڑ ہے...... ظاہر بات ہے کہ ہم یہ جان چکے ہیں کہ جبرو عارف کا قاتل ہے اور اس نے عارف کو رانی راؤ نگر کے ایما پر قتل کیا ہے...... قاتل بھی ہمارے سامنے ہے اور قاتل کا پشت پناہ بھی۔ کچھ ایسے کردار بھی ہمارے ارد گرد موجود ہیں جو اس سلسلے میں انکشافات کر سکتے ہیں...... کیا شرافت اتنی ہی قیمتی چیز ہے؟ کیا انسان ان تمام باتوں و اچھی طرح جاننے کے باوجود خاموش رہے۔"

"یہ تو شرافت سے ملاقات کرنے کے بعد ہی معلوم ہو سکتا ہے۔" بینا نے کہا۔

"نہیں بینا! انہیں بس، کافی ہے میرا خیال ہے ہم بہت زیادہ شرافت برتنے کی کوشش

کر رہے ہیں...... پہلی شخصیت تو خادم خان کی ہے...... میرے اپنے حساب سے وہ اس پورے جرم میں مجرم نمبر ون ہے...... اس کے بعد رانی اور جبرو آتے ہیں لیکن درحقیقت کسی بات کی تہ تک پہنچنا ہمارے لئے تو بے حد ضروری ہوتا ہے کیونکہ ہمیں عدالت میں وہ ثبوت پیش کرنا ہوتے ہیں، اب یہ الگ بات ہے کہ اگر معاملہ عدالت میں حل نہ ہو سکے تو پھر شہنشاہ کی عدالت لگ جاتی ہے...... بینا حالات ایسا بتا رہے ہیں کہ ہمیں یہ کیس شہنشاہ کی عدالت میں لے جانا ہوگا۔" بینا خاموشی سے گردن ہلانے لگی۔ شہاب نے کہا۔

"اور اب یہ ضروری ہو گیا ہے کہ حاضر پور کا ایک چکر لگایا جائے۔"

"کیوں؟" بینا چونک کر بولی۔

"ڈبل او گینگ کے افراد حاضر پور پہنچنے چاہئیں، کیونکہ معاملات ذرا اُلجھے ہوئے ہیں اور اس وقت چند افراد کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔"

"مگر کیسے؟"

"میں یہ سمجھتا ہوں کہ جس طرح ہمیں جبرو کے ساتھ سیر و سیاحت کی اجازت دی گئی ہے اس طرح یہاں سے نکل کر ہم جبرو کو لے کر شہر پہنچیں اور اس کے بعد ذرا یہ کام بھی کر لیا جائے۔"

"ہونہہ، کوشش کی جا سکتی ہے اور شہاب! میں آپ کے چہرے پر جو تاثرات پا رہی ہوں ان سے مجھے یہ اندازہ ہو رہا ہے کہ اب آپ اس ڈرامے کا ڈراپ سین کر دینا چاہتے ہیں۔"

"بینا! جرم کو تو چند لمحوں میں ختم ہو جانا چاہئے، لیکن بہر حال جرم کبھی کبھی ایسی صورت بھی اختیار کر جاتا ہے۔"

"ٹھیک ہے جیسا آپ پسند کیجئے جناب! لیکن کم از کم ایسے معاملات میں مجھے تو قصوروار قرار نہ دیا کریں۔"

"تمہیں!" شہاب حیرت سے بولا۔

"تو اور کیا؟ میری جانب حضور کی توجہ ہی نہیں ہے، آپ نے یہ تک نہیں پوچھا کہ صفیہ کے ساتھ آج کیا کیا باتیں کی ہیں؟"

"ارے ہاں، بتاؤ؟" اور جواب میں بینا راؤ شمشیر اور رانی راؤ نگر کے بارے میں صفیہ سے ہونے والی گفتگو کی تفصیل بتانے لگی۔ شہاب نے کہا۔

"رانی راؤ نگر ایک بہت ہی پیچیدہ کردار ہے، بینا میں نے خود بھی کبھی اس کی آنکھوں میں ذرہ برابر برائی نہیں دیکھی۔"

"دیکھنا پڑے گا، سوچنا پڑے گا۔"

"اور سونا بھی پڑے گا۔" شہاب نے کہا۔

"جی!" بینا بولی۔ پھر کچھ دیر کے بعد بینا گہری نیند سو گئی تھی۔ شہاب بھی سونے کی کوشش کرتا رہا لیکن اسے کامیابی حاصل نہیں ہو سکی...... اس وقت رات کے تقریباً سوا دو بجے تھے جب شہاب اپنی جگہ سے اُٹھ کر کھڑکی کے پاس آ کھڑا ہوا تھا...... ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے اندر داخل ہونے لگے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی شہاب نے ایک اور منظر بھی دیکھا۔

جبرو دو آدمیوں کے ساتھ کوئی چیز لئے ہوئے اندر سے برآمد ہوا تھا...... یعنی اس حصے سے جہاں ان سب کی رہائش گاہ تھی، یہ چیز ایک وزنی گٹھڑی کی شکل میں تھی...... اس گٹھڑی میں نہ جانے کیا تھا جو دو آدمی اپنے شانوں پر اٹھائے ہوئے تھے اور پھر اس گٹھڑی کو جبرو کی لینڈ کروزر میں رکھ دیا گیا اور اس کے بعد وہ تینوں لینڈ کروزر میں بیٹھ کر باہر نکل گئے...... شہاب نے ایک بار پھر گھڑی کی جانب دیکھا تھا...... دو بج کر بائیس منٹ ہو گئے تھے، اس وقت آدھی رات کو یہ جبرو کیا لئے جا رہا ہے...... کیا رانی راؤ نگر اسمگلنگ وغیرہ بھی کرتی ہے؟ آہ! کاش اس وقت ان لوگوں کے تعاقب کا کوئی ذریعہ ہوتا...... شہاب نے افسوس بھرے انداز میں سوچا تھا لیکن کسی طور ممکن نہیں تھا...... شہاب بہت دیر تک کھڑکی کے پاس کھڑا نہ جانے کیا کیا سوچتا رہا، پھر اچانک ہی اس کے ذہن میں ایک خیال آیا تھا اور اسے اپنے آپ پر حیرت ہوئی تھی۔ اب تک اس انداز میں کیوں نہیں سوچا تھا؟ بہر حال یہ اُلجھن اسے دیر تک جگائے رہی اور اس کے بعد نہ جانے کب وہ بستر پر لیٹ کر سو گیا تھا...... بینا نے ہی اسے جگایا تھا۔

"جناب عالی! ناشتا بڑی دیر سے آیا ہوا ہے اور ٹھنڈا ہو گیا ہے...... ایک وفادار بیوی کی حیثیت سے میں نے چائے کی پیالی تک نہیں پی ہے۔ البتہ یہ وفادار بیوی چائے تو گرم کر کے نہیں لا سکتی، اسے گرم کرنے کے جتنے جتن کر سکتی تھی کر ڈالے ہیں۔ اب حضور کا جو بھی حکم ہو؟"

"ارے فوراً نکالو ناشتا، میں بس ایک سیکنڈ میں آیا۔" اور اس کے بعد شہاب

منہ دھو کر بینا کے پاس آ بیٹھا تھا...... اس دوران بینا ٹوسٹ پر مکھن وغیرہ لگا چکی تھی۔

"یہ اتنی رات گئے سونے کا مطلب کیا ہے؟ کیا رات کو کوئی کام دکھا بیٹھے ہیں؟"

"کام؟" شہاب نے اُبلا ہوا انڈا دانتوں سے کاٹتے ہوئے کہا۔

"میرا مطلب ہے نکلے تھے کمرے سے باہر؟"

"نہیں بینا! لیکن کمرے کی کھڑکی سے میں نے جو منظر دیکھا تھا وہ میرے لئے حیرت انگیز تھا۔"

"کیا مطلب؟" بینا نے سوال کیا...... بینا سے چھپانے والی کوئی بات نہیں تھی...... شہاب نے پوری تفصیل بتا دی اور بینا بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"جتنا کچھ یہاں موجود ہے شہاب اور جس طرح رانی راؤ نگر بے پناہ دولت کی مالک ہے چاہے یہ دولت اسے راؤ شمشیر ہی سے کیوں نہ ملی، کیا اس کے بعد رانی کو اسمگلنگ وغیرہ کی ضرورت رہ جاتی ہے۔"

"پھر اس کٹھڑی میں کیا تھا؟"

"جبرو ہی بتا سکے گا صرف جبرو۔" بینا نے کہا۔

"ہاں! لیکن بینا! میں اس کام کو ہلکے پھلکے پیانے پر نہیں کرنا چاہتا...... مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے ایک اور شیطان ہمارے سامنے ہے اور اس نے بڑی کامیابی سے اپنی شیطنت چھپا رکھی ہے...... رانی راؤ نگر قاتل تو ثابت ہو چکی ہے لیکن اس کے پس پردہ کوئی گہری کہانی چھپی ہوئی ہے، یقینی طور پر کوئی گہری کہانی اور تم...... تم یقین کرو اب میرا صبر کا پیانہ لبریز ہوتا جا رہا ہے...... یقیناً آج کچھ ہونا چاہئے، آج کچھ ہونا چاہئے۔"

"دیکھو جیسا مناسب سمجھو بہرحال ہمارا ایک موقف سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے، وہ یہ کہ ہم انتہائی محتاط رہیں۔"

"ہاں، میں تمہاری بات پر پورا پورا یقین رکھتا ہوں۔" پھر بینا اور شہاب رانی کی تلاش میں نکلے تھے...... رانی کے کمرے تک پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ دو آدمی وہاں مستعد ہیں۔ ان میں سے ایک نے پر عجیب انداز میں کہا۔

"جناب! براہ کرم اندر جانے کی کوشش نہ کریں، رانی صاحبہ کی طبیعت کچھ خراب ہو گئی ہے۔"

"اوہو، کیا ہوا؟"

"آپ براہ کرم تھوڑا یہاں سے ہٹ جائیے، آپ کی آواز سے بھی وہ پریشان ہو سکتی ہیں...... کبھی کبھی ان کی طبیعت اس طرح خراب ہو جاتی ہے۔"

"وہ اندر موجود ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"ہم جھانک کر انہیں دیکھ سکتے ہیں؟"

"اصل میں آپ کے لئے رانی صاحبہ نے اتنے احکامات دیئے ہیں ہم لوگوں کو کہ آپ کو کسی مسئلے میں روکتے ہوئے ہم کو خود ڈر لگتا ہے، لیکن جب رانی صاحبہ کی طبیعت خراب ہوتی ہے تو ڈاکٹر آفتاب صاحب کے سوا اور کوئی ان کے پاس نہیں جاتا۔"

"تو ڈاکٹر آفتاب اندر ہیں؟" شہاب نے سوال کیا۔

"ہاں وہ اندر ہی ہیں۔"

"دیکھو، تم چاہے کچھ بھی کہو، رانی صاحبہ نے جس محبت کا سلوک ہمارے ساتھ کیا ہے ہم ان کے بے پناہ احسان مند ہیں...... ہم انہیں ذرہ برابر کوئی تکلیف نہیں دینا چاہتے، بس ذرا جھانک کر ان کو دیکھنا چاہتے ہیں...... اگر تم اجازت دو تو ہم ذرا بھی آواز نہیں پیدا ہونے دیں گے۔" ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"اس طرف وہ شیشہ جو ہے وہاں سے آپ اندر دیکھ لیں مگر آواز نہ کریں۔"

"بہت بہت شکریہ!" شہاب اور بینا نے کہا۔

جس شیشے کی جانب اس چوکیدار نے اشارہ کیا تھا اس میں سے اندر جھانک کر بینا اور شہاب دونوں نے دیکھا...... رانی راؤ نگر مسہری پر بے سدھ پڑی ہوئی تھی اور ڈاکٹر آفتاب مودب انداز میں اپنا بریف کیس بند کر رہا تھا...... اس نے غالباً رانی کو کوئی انجکشن وغیرہ دیا تھا...... شہاب اور بینا وہاں سے ہٹ گئے اور پھر تھوڑے فاصلے پر آ کر کھڑے ہو گئے...... ان کا اندازہ درست نکلا...... چند ہی لمحوں کے بعد ڈاکٹر آفتاب کمرے سے برآمد ہوا تھا اور آگے بڑھ گیا تھا، لیکن ان دونوں کو دیکھ کر وہ چونک پڑا اور پھر ان کے قریب آ گیا...... اب یہ واحد شخصیت تھی جس سے شہاب اور بینا کی کوئی خاص بے تکلفی نہیں ہو سکی تھی، لیکن اس وقت اس نے نرم لہجے میں کہا۔

"آپ لوگ یہاں؟ کیا رانی صاحبہ سے ملنے جارہے ہیں۔"

"جا کیا رہے ہیں پہنچ چکے تھے وہاں تک لیکن وہ جو دو چوکیدار کھڑے ہوئے ہیں انہوں نے کہہ دیا کہ رانی صاحبہ کی طبیعت خراب ہے اور ہم اندر نہیں جا سکتے۔"

"آئیے میرے ساتھ آئیے پلیز!" ڈاکٹر آفتاب نے کہا اور بینا اور شہاب اس کے ساتھ آگے آگئے...... بات اصل میں یہ ہے کہ رانی صاحبہ مریضہ ہیں...... آپ انہیں ذہنی مریضہ کہہ لیں تو کوئی حرج نہیں ہے، لیکن تعجب خیز بات یہ ہے کہ دُنیا کا کوئی بڑے سے بڑا ڈاکٹر ان کے دماغ کا تجزیہ کر کے یہ نہیں کہہ سکتا کہ انہیں کوئی ذہنی مرض لاحق ہے، لیکن کبھی کبھی وہ ذہنی اور جسمانی طور پر بالکل معطل ہو جاتی ہیں...... یہ کیفیت دو یا تین دن تک طاری رہتی ہے اور اس کے بعد ان کی حالت پھر بہتر ہو جاتی ہے، لیکن اگر اس کیفیت کے عالم میں انہیں ڈسٹرب کیا جائے تو آپ یقین کریں کہ ان کی زندگی کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے...... وہ دیواروں سے سر پھوڑ لیتی ہیں...... صرف ایک بار ایسا ہوا تھا اور اس کے بعد میں نے اس سلسلے میں پورا پورا خیال رکھا ہے...... یہ چوکیدار یہاں خصوصی طور پر تعینات کئے گئے ہیں۔ رانی صاحبہ کی اس وقت یہی کیفیت ہے...... آپ براہ کرم اس وقت تک ان سے ملاقات کی کوشش نہ کریں جب تک کہ وہ خود آپ کو باہر نظر نہ آئیں...... جب وہ خود باہر آئیں گی تو انتہائی بہتر حالت میں ہوں گی اور آپ سے ایک درخواست اور بھی ہے ان سے ان کے اس دورے یا طبیعت کی خرابی کے بارے میں کوئی سوال نہ کریں کیونکہ وہ سوال ان کی ذہنی کیفیت کو پھر سے خراب کر دیتا ہے۔"

"لیکن کیا یہ عجیب بیماری نہیں ہے؟"

"بے شمار ایسی بیماریاں ہیں جنہیں ابھی تک دنیا کا کوئی بھی ڈاکٹر کوئی نام نہیں دے سکا ہے اور نہ ہی ان بیماریوں کا صحیح علاج دریافت ہو سکا ہے۔"

"لیکن ڈاکٹر آفتاب، کتنی بڑی شخصیت کی مالک ہیں وہ۔ ان کی اس بیماری کا باقاعدہ شہر میں جا کر علاج ہونا چاہئے، ملک سے باہر علاج ہونا چاہئے۔"

"سب کچھ ہونا چاہئے، لیکن اس وقت نا جب خود رانی صاحبہ اس کے لئے تیار ہوں۔"

"کیا مطلب؟ وہ تیار نہیں ہوتیں؟"

"جی ہاں، وہ تیار نہیں ہوتیں۔"

"وجہ بتائی ہے انہوں نے؟"

"انہوں نے ایک بار صرف ایک وجہ بتائی تھی۔"

"کیا؟"

"انہوں نے کہا تھا کہ اس بیماری کا تعلق ان کے ماضی سے ہے۔"

"ماضی سے؟"

"ہاں۔"

"مطلب یہ کہ آپ نے ان کے ماضی کے بارے میں سوال کیا۔"

"نہیں...... میری تو ہمت نہیں ہے، کیا آپ ان سے یہ سوال کرنا چاہتے ہیں۔" ڈاکٹر ب کا چہرہ کسی قدر ناخوشگوار ہو گیا۔

"نہیں بھئی ایسی کوئی بات نہیں ہے...... اصل میں ایک محسن اگر تکلیف میں نظر آئے ن کے بارے میں بے شمار خیالات دل میں آ ہی جاتے ہیں۔"

"وہ آپ کا کہنا بالکل ٹھیک ہے لیکن کسی محسن کے ذاتی معاملات کو کریدنا، میں سمجھتا ں اچھی بات نہیں ہے...... رانی صاحبہ کا معالج میں ہوں آپ یوں سمجھ لیجئے کہ میں نے ہر ن طریقے سے ان سے ان کے ماضی کے اس حصے کے بارے معلومات حاصل کرنے کی ش کی ہے، جس حصے نے انہیں ذہنی طور پر اس قدر متاثر کیا ہوا ہے، لیکن رانی صاحبہ ے موقعوں پر انتہائی سخت ہو جاتی ہیں، بلکہ ان پر دورہ پڑ جاتا ہے، میں اس دن کی بات کر رہا ں جس دن میں نے ان سے یہ سوال کیا تھا، پھر اس کے بعد رانی نے مجھ سے بہت سخت یں کہا تھا کہ اگر آئندہ میں نے ان سے اس کے بارے میں سوال کیا تو ہو سکتا ہے مجھے ندگی سے ہی ہاتھ دھونے پڑیں۔"

"اوہ اگر یہ بات ہے تو ڈاکٹر آفتاب! تو آئی ایم ویری سوری۔"

"نہیں! اچھا ہوا، کیوں کہ رانی صاحبہ آپ کو بے حد پسند کرتی ہیں اور اکثر مجھ سے پ کے بارے میں گفتگو کرتی رہتی ہیں...... اصل میں انہیں خوب صورت لوگ پسند ہیں، یسی ہی فطرت کی مالک ہیں...... حالانکہ آپ اس بات کا یقین رکھئے گا کہ اور تو ان کو آپ بارے میں کوئی تجسس ہے نہ وہ آپ سے اپنا کوئی مقصد حل کرنا چاہتی ہیں...... بس مجھ کہتی ہیں کہ دونوں بہت پیارے لگتے ہیں...... بڑے اچھے لگتے ہیں انہیں اور اسی لئے

انہیں مکمل تحفظ دیا جائے گا۔"

"یہ ان کی بڑائی ہے۔"

"اگر آپ انہیں بڑا سمجھتے ہیں؟ تو پھر میری چھوٹی سی درخواست کا خیال رکھئے گا۔"

"آپ فکر نہ کریں ڈاکٹر آفتاب۔" شہاب نے کہا اور اس کے بعد ڈاکٹر آفتاب انتہائی غیر اخلاقی طریقے سے رخ بدل کر وہاں سے چل پڑا...... شہاب دیر تک اس کا جائزہ لیتا رہا تھا......اس نے بینا سے کہا۔

"بینا! ہم اسے تیسرا اہم بلکہ چوتھا اہم کردار قرار دے سکتے ہیں۔"

"نمبرون۔"

"رانی راؤنگر۔"

"نمبر دو۔"

"خادم خان۔"

"نمبر تین۔"

"جبرو۔"

"ہونہہ!" بینا نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی۔ پھر اس کے بعد وہی روزمرہ کے معمولات...... رانی بیمار پڑ گئی تھی۔ ڈاکٹر آفتاب اس کا معالج تھا...... ان لوگوں کی ذمہ داری دوسروں کے سپرد تھی...... سفیان سے اور کوئی بات معلوم نہیں ہو سکی تھی...... صفیہ، جو اسے معلوم تھا سب بتا چکی تھی، جبرو رہ گیا تھا جس کی زبان کھلوانا ضروری تھا، لیکن اس کے لئے شہاب نے فیصلہ کیا تھا کہ ابھی کوئی جلد بازی نہیں کرے گا...... ویسے اس قلعہ نما عمارت کے دوسرے کردار بھی قابل توجہ تھے...... ہو سکتا ہے وہ حقیقتوں سے ناواقف ہوں لیکن جبرو اور رانی کے اس کردار کے لئے ضروری اہمیت کا حامل تھا اور وہی ان سب کی زبان بند رکھ سکتا تھا، جس طرح ان پہرے داروں کا کردار سامنے آیا تھا لیکن پھر اس کے ساتھ ساتھ ہی یہ بات بھی شہاب اور بینا کو معلوم ہو چکی تھی کہ رانی نے ان لوگوں کا بڑے اچھے انداز میں اپنے ساتھیوں سے تعارف کرایا ہے...... بہر حال! اس قسم کے واقعات اکثر ہوا کرتے ہیں...... بہت سے ایسے کردار جو فلم کے لئے اچھی حیثیت کے حامل ہوتے ہیں، لیکن بعد میں کچھ ایسی گڑبڑ نکل آتی ہے کہ انہیں خود بھی ان کے خلاف قدم اٹھانے پر مجبور ہو

تا ہے...... غرض یہ کہ سلسلہ جاری رہا، ڈاکٹر آفتاب سے بھی کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی، وہ لوگ یہ بات اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ ڈاکٹر آفتاب کے لئے کسی قسم کے ایسے خیالات کا اظہار کرنا خطرناک ہو سکتا ہے بلکہ شہاب نے بینا سے بھی کہا تھا۔

"بینا! ڈاکٹر آفتاب کا کردار تم نے اپنے ذہن میں رکھا ہے۔"

"جو کچھ تم کہنا چاہ رہے ہو میں سمجھ رہی ہوں اور اس کے لئے مجھے صفیہ سے ملاقات کرنا ہو گی۔"

"کیا سمجھ رہی ہو؟"

"یہی کہ کہیں صفیہ معصومیت میں ڈاکٹر آفتاب سے تمہارے سوالات کا تذکرہ نہ کرے اور ڈاکٹر آفتاب اس سلسلے میں شبہ کا شکار ہو جائے۔"

"ٹھیک بالکل ٹھیک۔"

"تو پھر اس کا کیا حل ہے؟" دونوں کچھ لمحات سوچنے لگے پھر بینا نے کہا۔

"کیا میں صفیہ سے ملاقات کروں؟"

"اوہو! نہیں...... دیکھو شاید جبرو آ رہا ہے۔" شہاب نے باہر سے اسی لینڈ کروزر کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر کہا، اور بینا بھی خاموش ہو گئی۔ شہاب کے ذہن میں کوئی خیال آیا تھا اور پھر اس نے تیاریاں کی تھیں اور بینا کو ساتھ لے کر باہر نکل آیا تھا...... اس وقت جبرو کسی کام سے آیا تھا اور واپس اپنی لینڈ کروزر کی جانب جا رہا تھا...... شہاب اور بینا کو دیکھ کر رُک گیا۔ شہاب آگے بڑھا اور اس نے کہا۔

"ہیلو! جبرو استاد! آپ کو دیکھ کر میں اور یہ میری مسز جو ہیں نا یہ مچل گئی ہیں اور باہر نکلنے کا پروگرام رکھتی ہیں۔"

"کوئی حرج نہیں ہے میں تیار ہوں کہاں جانا چاہتے ہیں آپ؟"

"بس جہاں آپ لے جانا چاہیں...... ویسے آپ کی کیا مصروفیات ہیں جبرو استاد؟"

"ہماری کوئی مصروفیت نہیں ہے...... آپ کو پتا ہے رانی صاحبہ بیمار ہو گئی ہیں۔"

"ہاں! جبرو...... رانی جس قدر اچھی شخصیت کی مالک ہیں انہیں اگر کوئی تکلیف ہو جائے تو دل کو کتنا دکھ ہوتا ہے، شاید تم اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔"

"نہیں! یہ بات تو ہے...... خاص طور سے آپ کے لئے تو رانی صاحبہ اپنے دل میں

بہت بڑا مقام رکھتی ہیں...... ویسے آپ جہاں بھی آپ کا دل چاہے چلیں...... مجھے فرصت ہے......رانی صاحبہ جب بیمار ہوتی ہیں تو ظاہر ہے کوئی کام میرے سپرد نہیں ہوتا۔"

"ہاں! وہ تو ہے...... چلیں بیٹا! جبرو صاحب اس کے لئے تیار ہوگئے ہیں۔" پھر بڑی آسانی سے بیٹا اور شہاب کا کام بن گیا...... جبرو انہیں لے کر چل پڑا تھا اور شہاب جبرو سے بہت زیادہ بے تکلف ہونے کی کوشش کرنے لگا...... اسے زیادہ محنت نہیں کرنا پڑی...... کیوں کہ اس سے پہلے اس نے جبرو کی شان میں جو کچھ کہہ دیا تھا اس نے جبرو کو بالکل موم کر دیا تھا اور جبرو خود شہاب سے بہت زیادہ بے تکلفی سے پیش آرہا تھا۔ شہاب نے کہا۔

"حقیقت یہ ہے جبرو استاد کہ رانی صاحبہ جیسی کسی خاتون کا ہونا مشکل ہے...... اتنی اچھی شخصیت کی مالک ہیں وہ کہ ان کی بیماری پر ایسا لگ رہا ہے جیسے کوئی بالکل اپنا بیمار ہو گیا ہو۔" جبرو نے کوئی جواب نہیں دیا، تو شہاب نے پھر کہا۔ "ویسے ڈاکٹر آفتاب بتا رہے تھے کہ یہ دورے اکثر ان پر پڑتے رہتے ہیں۔"

"ہاں جی! بس مگر مرضی ہے مولا کی۔ بیماری مولا کی دی ہوئی ہوتی ہے۔"

"جبرو یقین کرو ہم دونوں اکثر تمہارے بارے میں بات کرتے ہیں...... لوگ نہ جانے تمہارے بارے میں کیا کیا سوچتے ہوں گے، لیکن میری بیوی کا کہنا ہے کہ جبرو جیسا شریف آدمی ہونا مشکل ہے۔" جبرو کے چہرے سے ان الفاظ کے تاثرات صاف نظر آرہے تھے۔ اس نے کہا۔

"بس جی! مولا کی مرضی ہے...... سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔"

"ویسے جبرو استاد ایک بات ضرور کہیں گے...... چلو چھوڑو۔ کیا فائدہ؟"

"نہیں جی! کہو ایسی کیا بات ہے؟"

"دل چاہتا ہے کہ تم سے تمہارے بارے میں بہت کچھ معلوم کیا جائے۔"

"دیکھو جی! بات اصل میں یہ ہے کہ ہم بس رانی صاحبہ کے نوکر ہیں...... ہمارے بارے میں اتنا ہی جان لینا کافی ہے اور کیا کہیں...... کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

"جبرو استاد! آج کدھر م لے چل رہے ہو؟ میرا مطلب ہے کوئی ایسی مصروفیت تمہیں ہماری وجہ سے پریشان نہ کرے؟"

"میں نے کہا نا جی! سارے کام ٹھیک ہیں...... ہمیں تو کوئی کام نہیں ہے...... بس ایک

ساکام تھا، لیکن کوئی بات نہیں اسے پھر کر لیں گے۔"

"اوہ نہیں! ایسی بات نہیں ہے...... آپ ہمیں کسی جگہ اتار دیں اور پھر آرام کے اپنا کام کر لیں...... کہاں جا رہے ہیں؟"

"نہیں جی! ایسی کوئی بات نہیں ہے...... بس ذرا حاضر پور کا چکر لگانا تھا۔ وہاں ہمیں دو ام تھے۔"

"ارے واہ! اگر ایسی بات ہے جبرو استاد تو پھر ہمیں بھی حاضر پور لے چلیں...... ہمیں ارک وارک میں چھوڑ دیں اور آپ خود اپنا کام کر لیں۔"

"آپ کی مرضی ہے صاحب اگر ایسا ہے تو اور بھی اچھی بات ہے...... میرا بھی کام ائے گا۔"

"استاد دیکھیں ایک بات ہے...... جب دوستوں کی طرح مل رہے ہیں تو پھر تکلف کی بالکل نہیں ہوتی۔ آپ کو پہلے ہی یہ بات کہہ دینی چاہئے تھی کہ آپ حاضر پور جا رہے ۔" جبرو ہنسنے لگا پھر اس نے کہا۔

"یہ تو آپ کی مہربانی ہے صاحب جی کہ آپ ہمیں دوست کہہ رہے ہیں...... ورنہ پ مالکوں کے دوست ہو اور جبرو بہر حال! مالکوں کا غلام ہے، مگر آپ کی مہربانی ہے۔" پھر اور شہاب کی خوشی قابل دید تھی...... وہ حاضر پور جانا چاہتے تھے...... شہاب اپنے منصوبے ے مطابق ڈبل او گینگ کے افراد کو یہاں بلانے کا خواہش مند تھا، لیکن حاضر پور جانا ایک لہ بنا ہوا تھا اور بات وہیں آجاتی تھی...... غیبی قوتیں صرف اور صرف غیبی قوتیں جو ہمیشہ م معاملات میں شہاب کا ساتھ دیتی تھیں...... بہر حال! جبرو انہیں لے کر چل پڑا...... ضر پور کا فاصلہ ہی کتنا تھا؟ حاضر پور پہنچنے کے بعد شہاب نے ایسی جگہ منتخب کی جہاں سے وہ سانی سے اپنا کام کر سکتے تھے...... پھر اس نے جبرو سے کہا۔

"تو جبرو استاد! آپ ہمیں صرف یہ بتا دیں کہ آپ کو یہاں کتنی دیر تک کام ہے۔"

"یہ تو آپ لوگوں کی محبت ہے کہ آپ نے میرے کام کو اتنی اہمیت دی ہے، لیکن پ جب تک یہاں رکنا چاہیں رکیں اور مجھے بتائیں کہ میں کس وقت پہنچوں؟"

"نہیں! آپ کا کام جس وقت بھی مکمل ہو جائے تو آپ یوں کریں کہ یہاں سے ھوڑے فاصلے پر جو ڈاک بنگلہ ہے، وہاں پہنچ جائیں...... ہم آپ کو وہاں مل جائیں گے۔"

"ایک بات کہوں صاحب جی!"

"ہاں! بولو؟" شہاب نے کہا۔

"اصل معاملہ آپ کی حفاظت کا بھی ہے ناجی...... کہیں کوئی ایسا ویسا بندہ نہ مل جائے آپ کو جو آپ کو نقصان پہنچادے۔" شہاب نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی اور بولا۔

"اصل میں جبرو استاد ہم سنبھال تو لیں گے اپنے آپ کو میرا مطلب ہے...... بس یہ تو اتفاق تھا کہ تقدیر نے ہمیں رائی راؤنگر جیسی شخصیت کی ہمدردیاں دے دیں، ورنہ جیتے اپنے طور پر ہی جیتے۔ تم اس کی بالکل فکر مت کرو...... اب اتنا نرم چارہ بھی نہیں ہیں ہم کہ کوئی ہمیں آسانی سے نگل جائے۔ ایسا کرو جبرو استاد! اپنا کام آرام سے کرلو...... یہاں سے راؤنگر کا فاصلہ ہی کتنا ہے؟ تین چار گھنٹے میں واپس آجانا۔"

"آپ کی مہربانی! لیکن بس اپنا خیال رکھیں۔"

"فکر مت کرو؟" شہاب نے کہا اور پھر وہ اس وقت تک وہاں موجود رہے جب تک جبرو اپنی لینڈ کروزر سمیت نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو گیا...... تب شہاب نے کہا۔

"اب بتاؤ بینا! رابطہ کیا جائے؟"

"ہاں! بالکل...... ظاہر ہے یہاں سے دارالحکومت ٹیلی فون کرنے کیلئے انہیں بہرحال تھوڑی سی مشکلات پیش آئی تھیں...... ایک جگہ بھاری معاوضہ دے کر ٹیلی فون کرنے کی اجازت مل ہی گئی اور اس طرح مل گئی کہ بینا نے اس دکاندار کو اپنی باتوں میں لگالیا...... اس نے دارالحکومت کا ٹیلی فون نمبر خود اپنے ہاتھوں سے انہیں ملا کر دیا تھا...... کیونکہ ٹیلی فون پر کوڈ لگا ہوا تھا اور اس نے کوڈ کھولا تھا...... بینا اس سے مختلف چیزوں کے بارے میں معلومات حاصل کرتی رہی اور شہاب نے ڈبل او گینگ کے ایک ممبر توصیف کو مخاطب کر کے کہا۔

"ہاں! توصیف کیا ہو رہا ہے؟ میں شہنشاہ بول رہا ہوں۔"

"سر! آج کل سب کاہلی کا شکار ہیں اور اس بات پر حیران ہیں کہ بہت عرصے سے آپ نے ہمیں استعمال نہیں کیا۔ نہ ہی شہاب صاحب کی طرف سے کوئی ایسی کارروائی ہوئی، بلکہ شہاب صاحب تو ان دنوں نظر ہی نہیں آ رہے؟ اپنے طور پر ہم نے انہیں تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"ہاں! شہاب ان دنوں حاضر پور میں ہے۔"

"حاضر پور؟"

"ہاں...... ایک چھوٹا سا شہر ہے...... کیا تم نے کبھی اس کا نام نہیں سنا؟"

"کیوں نہیں سر! لیکن کیا شہاب صاحب وہاں کسی کیس کے سلسلے میں گئے ہیں؟"

"یقیناً! انہیں ڈی آئی جی صاحب نے بھیجا ہے اور شہاب نے مجھ سے رابطہ قائم کر کے اہے کہ اب اسے ڈبل او گینگ کی ضرورت ہے۔"

"تو حکم فرمائیے سر!"

"حاضر پور پہنچ جاؤ بس! کوئی بہت بڑی احتیاط کرنے کی ضرورت نہیں ہے...... وہاں پنے لئے رہائش کا بندوبست کرنا تمہاری ذمے داری ہوگی اور اس کے بعد شہاب کو اپنی آمد کی طلاع ٹرانسمیٹر پر دو گے...... شہاب خود تم سے رابطہ قائم کر کے جو کچھ بھی کہے وہ تمہیں رنا ہے...... معاملہ پہلے سے مختلف نہیں ہوگا۔"

"بہت بہتر سر!"

"او کے!"

"یس سر!" شہاب نے ٹیلی فون بند کر دیا...... دکاندار کو اس کا منہ مانگا بل ادا کر کے وہ گ اس کام سے فارغ ہوگئے...... بینا نے کچھ عجیب سی خریداریاں کی تھیں اور بڑا سا پیکٹ نوا کر یہاں سے واپسی کے لئے تیار ہوگئی تھی۔

"کیا کیا خرید ڈالا بھئی؟"

"اب یہ بتائیے جناب پروگرام کیا ہے؟"

"بس عالم سے ملیں گے اور تھوڑی دیر کے بعد ڈاک بنگلے چلیں گے...... منشی عبدالکریم بھی عمدہ چیز ہے...... ویسے دل تو چاہتا تھا کہ خادم خان سے بھی مل لیا جائے، لیکن اس سے ذرا اطمینان ہی سے ملیں گے...... ورنہ وقت سے پہلے گڑبڑ ہو جائے گی۔"

"چلئے ٹھیک ہے...... جیسا آپ مناسب سمجھیں؟" پھر وہ عالم کے گھر پہنچ گئے...... تانگا باہر ہی کھڑا ہوا تھا...... اس کا مطلب تھا کہ عالم تانگا لے کر نہیں گیا ہے...... دروازے پر دستک دی تو عالم کی بیوی نے دروازہ کھولا تھا، ان لوگوں کو دیکھ کر اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پیدا ہوگئے۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"آؤ......" شہاب اور بینا ایک دم عجیب سی کیفیت کا شکار ہوگئے تھے۔ شہاب نے

پریشان لہجے میں کہا۔

"کیا بات ہے زبیدہ؟ خیریت تو ہے؟"

"ہاں اللہ کا شکر ہے...... میرے عالم کو روگ لگ گیا ہے۔"

"عالم کو؟"

"اور کیا ہے میرا اس دُنیا میں۔"

"کہاں ہے وہ؟"

"آؤ! اندر لیٹا ہوا ہے۔" عالم نے شاید شہاب کی آواز سن لی تھی۔ فوراً ہی دروازے سے باہر نکل آیا...... شیو بڑھا ہوا تھا...... میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے تھے...... دروازے میں کھڑا ان لوگوں کو دیکھتا رہا...... شہاب آگے بڑھا اور اس نے کہا۔

"جناب عالم صاحب! یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے آپ نے؟"

"بیٹھئے صاحب جی! آپ خیریت سے تو ہیں؟" عالم نے کہا۔

"ہم تو خیریت سے نظر آ رہے ہیں، لیکن آپ یہ فرمائیے کہ آپ نے اپنا کیا حال بنا ڈالا ہے؟"

"بس! بیمار ہو گیا ہوں...... ٹھیک ہو جاؤں گا، دو چار دن میں۔" عالم کی بیوی نے ان دونوں کو دالان میں پڑے ہوئے تخت پر بٹھایا۔ پھر بولی۔

"میں بتاؤں، کیا ہوا ہے؟"

"ارے زبیدہ! کیوں مجھے ذلیل کر رہی ہو؟"

"رہنے دو عالم! تیرے معاملات میں بہت کم بولی ہوں ساری زندگی۔ میرا بھی ایک دن ہے۔"

"زبیدہ اگر کچھ کہنا چاہتی ہے تو اس کی آواز بالکل تو نہ بند کر دے۔"

"کیا ہوا ہے زبیدہ؟" بتاؤ تو سہی۔" عالم گردن جھکا کر ایک طرف بیٹھ گیا تھا۔

"بینا باجی! ہم لوگ بہت چھوٹے لوگ ہیں...... بہت ہی چھوٹے ہیں اور جب انسان چھوٹا ہوتا ہے تو بہت کم لوگ اسے انسان سمجھتے ہیں...... وہ انسان رہتا ہی نہیں ہے...... بس وہ تانگا ہوتا ہے، گھوڑا ہوتا ہے، ڈھور ڈنگر ہوتا ہے اور کچھ نہیں ہوتا۔ مگر اندر سے وہ انسان ہی ہوتا ہے اور جب اتفاق سے کوئی شخص اسے انسان سمجھ لے۔ جو دیکھنے میں بھی اچھا ہو، بولنے

ں بھی اچھا ہو تو پھر وہ انسان جو بڑی مشکل سے اپنے آپ کو یہ سمجھنے کے لئے تیار ہوتا ہے وہ انسان نہیں ہے۔ ایسا بگڑتا ہے کہ پھر اپنے آپ سے بنائے نہیں بنتا...... پاگل ہو جاتا ہے کمبخت! تم دونوں نے شاید اسے کچھ عزت دے ڈالی تھی اور جب غریب کو عزت ملتی ہے اس سے زیادہ خوشی اسے کہیں نہیں ملتی۔ تم نے اچانک ہی اس سے اس کی یہ عزت چھین بس وہ بیمار پڑ گیا۔" شہاب اور بینا سناٹے میں رہ گئے تھے...... جس قدر خوفناک بات یہ باتوں کر رہی تھی اس کا اندازہ شہاب کو بھی ہو رہا تھا اور بینا کو بھی اور یہ بھی احساس ہو رہا تھا ایک غیر تعلیم یافتہ عورت کتنی بڑی بات کہہ رہی ہے، لیکن بڑی بات اندر چھپی ہوتی ہے۔ دُنیاوی تعلیم بڑی باتوں کا درس نہیں دیتی۔ یہ تو قدرت کا عطیہ ہوتی ہے اور اس وقت یک بیوی نے اپنے دل کی ساری بات زبان تک پہنچا دی تھی۔ شہاب نے عالم کی طرف دیکھا تو وہ بولا۔

"اصل میں، نام رکھا ہے میری ماں نے عالم! لیکن سب سے بڑی عالم یہ زبیدہ بن کر رہ ئی ہے۔ معاف کر دینا کچھ تلخ ہو گئی ہے جو کچھ بھی ہے صاحب جی! ہے تو سہی! خواب اس طرح اچانک غائب ہو گئے۔ بہن جی بھی معاف کیجئے گا باجی! بس دل میں آ رہا ہے کہ آپ کو بہن جی کہہ دوں...... سو کہہ دیا...... بہن جی نے بھی ہمیں اس قابل نہیں سمجھا کہ یہی بتا دیتے کہ کچھ دن کے لئے کہیں جا رہے ہیں، بعد میں آ جائیں گے...... آپ لوگ چلے گئے صاحب جی! دل میں بہت وسوسے بھی پیدا ہوئے...... یہ خیال بھی آیا کہ آپ کہیں کسی مشکل کا شکار نہ ہو گئے ہوں...... یہ خیال بھی آیا کہ عالم ایک کھلونا تھا...... ایک تانگے والا آپ نے اسے معاوضہ دیا بات ختم ہو گئی۔ اب بھلا اس کی کیا اوقات کہ وہ اس سے آگے بڑھ کے سوچے...... مگر صاحب جی! بڑا برا روگ لگا دیا ہے مالک نے...... یہ سینے میں گوشت کا ایک لوتھڑا رکھ کر۔ اس گوشت کے لوتھڑے میں صاحب جی بڑی تکلیف ہوتی ہے...... کبھی کبھی اس کی بے اعتنائی پر۔ صاحب جی! بس ایک دم سے طبیعت پر اکتاہٹ سوار ہو گئی۔ اور آج کل نہ تانگا چلانے کو دل چاہتا ہے نہ کوئی کام کرنے کو۔ مگر دو چار دن کی بات ہوتی ہے صاحب جی! دیکھیں نا! ہر زخم آخر کار ٹھیک ہو جاتا ہے...... ہم بھی ٹھیک ہو جائیں گے...... آپ بہت بڑے ہو جی! ہم تو تانگے والے ہیں بس تانگے والے۔" شہاب کا سر جھک گیا تھا۔ بینا کی آنکھوں میں بھی آنسو تیرنے لگے تھے...... شہاب نے پہلے اپنی جگہ سے اُٹھی۔ عالم کے پاس

پہنچی اور بولی۔

"عالم! قصور شہاب کا ہی نہیں، میرا بھی ہے اور شہاب سے پہلے اگر میں اپنے بھائی سے معافی مانگوں تو کیا میرا بھائی اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھ کر مجھے معاف کر دے گا؟" بینا نے عالم کا ہاتھ اُٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا تھا اور عالم پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا تھا...... اس کی بیوی بھی آنسو بہا رہی تھی۔

"ارے نہیں! ارے نہیں، ارے ہمیں اتنی عزت نہ دو...... نہیں برداشت کر پائیں گے...... دل کی حرکت بند ہو جائے گی ہماری۔ اس لئے مر جائیں گے ہم کہ اس کے بعد ہمیں اس طرح کی عزت دینے والا کوئی نہیں ہو گا۔"

"یہ جوتا اُٹھاؤ! اور جتنے چاہیں میرے سر پر مار دیں...... مجھ سے غلطی ہو گئی تھی اور عالم! یار معاف کر دو...... بس ہو گئی غلطی...... ہم دونوں آوارہ گردی کرتے ہوئے نکل گئے تھے یہاں سے، لیکن آئندہ تمہیں یہ شکایت نہیں ہو گی۔" عالم مسلسل روتا رہا تھا...... ایک عجیب سا ماحول پیدا ہو گیا تھا۔ درحقیقت! محبت بڑی عجیب چیز ہوتی ہے...... کم بخت انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتی...... دل لگانے کے لئے ضروری نہیں ہے کہ کوئی رشتہ، خون یا کوئی اور بات اس کا محرک بنے...... یہ کم بخت دل ایسی بے قابو چیز ہوتا ہے کہ شاید مریخ پر قبضہ کر لیا جائے، لیکن دل پر قبضہ کرنا کم از کم انسان کے لئے ناممکن ہے۔" کافی دیر تک یہ غم ناک ماحول رہا اور اس کے بعد اچانک ہی عالم نے نیچے بیٹھ کر شہاب کے پاؤں پکڑ لئے اور بولا۔

"معاف کر دینا صاحب جی! معاف کر دینا...... اپنی اوقات سے بہت بڑھ کر بات کی ہے میں نے...... مجھے معاف کر دینا...... ہم آپ کے برابر کے لوگ نہیں ہیں صاحب جی! مگر اللہ نے آپ کو بہت بڑا دل دیا ہے کہ آپ نے ہم سے ایسی باتیں کیں۔" شہاب نے عالم کو شانوں سے پکڑ کر اُٹھایا اور سینے سے لگاتا ہوا بولا۔

"عالم! جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پر یقین کرو گے؟ پہلے اس بات کا جواب دو۔"

"جی صاحب جی! پورا یقین کروں گا۔"

"تو پھر سنو!" اب تم یہاں نہیں رہو گے...... میں تمہیں اور زبیدہ کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا اور اس کے بعد تمہیں وہاں رہنا ہو گا، جہاں میں تمہیں رکھنا چاہوں گا...... یہ تانگا

ہ نہیں چلاؤ گے تم اور کوئی ضد نہیں کرو گے مجھ سے...... اگر اتنی ہی محبت کرتے ہو تو ں سلسلے میں میری ہر بات ماننی ہو گی۔"

"مانوں گا...... وعدہ کرتا ہوں۔"

"تو بس یہ سمجھ لو کہ باقی باتیں میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ کیا سمجھے؟"

"جیسا آپ کا حکم۔"

"عالم! میں ایک سرکاری افسر ہوں اور سرکاری پیمانے پر کام کر رہا ہوں...... ان ہی وں کے سلسلے میں میں اور میری بیوی یہاں آئے ہیں...... ہم اس کام کی تکمیل کر لیں ...... آپ کی دعاؤں کے ساتھ اور اس کے بعد ہمیں یہاں سے شہر چلنا ہو گا۔ آپ کو میں ں بھی رکھنا چاہوں گا آپ یوں سمجھ لیجئے گا کہ عالم کے بڑے بھائی کی حیثیت سے میرا بھی پ پر اتنا ہی حق ہے۔"

"کیوں نہیں؟ کیوں نہیں؟" عالم کی بیوی نے کہا۔

"اب اس کے بعد ماحول خوشگوار ہو جانا چاہئے عالم! تھوڑا سا کام ہے مجھے یہاں...... تم سمجھ لو کہ اس کام کے لئے ہی سرکاری طور پر میں یہاں آیا ہوں...... یہ بات اپنے دل میں ھنا...... اب یار! کچھ خاطر مدارات کرو۔"

"میں ابھی لائی اپنے بھائی کے لئے...... بتا! کیا بنا کر لاؤں؟"

"کوئی بھی کھانے پینے کی چیز ہو زبیدہ! کھائیں گے اور چائے بھی پئیں گے۔"

"زبیدہ! یہ کچھ چیزیں لائی تھی میں تمہارے اور عالم کے لئے۔" بینا نے اپنے ساتھ ئے ہوئے پیکٹ ان کے حوالے کرتے ہوئے کہا اور عالم کی بیوی بینا کو دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔ تا نہیں کب، کہاں اور کون سی نیکی کی تھی۔ مگر مولا صلہ ضرور دیتا ہے...... ادھار نہیں رکھتا کسی کا۔ ٹھیک ہے باجی جو کچھ بھی ہے...... لاؤ مجھے دے دو...... میں لالچی نہیں ہوں...... لن! جو محبت تم نے ہمیں دی ہے اس میں تمہارا احسان نہیں ہے ہم پر اللہ نے ہمیں ہماری ی نیکی کا صلہ دیا ہے۔" ماحول واقعی خوشگوار ہو گیا۔

"شہاب انسان اگر جذبات سے خالی ہو جائے تو میں سمجھتی ہوں کہ پھر انسانیت کا نام یک بے مقصد چیز ہو جاتا ہے۔"

"آنکھ کے آنسو اور دریا کے پانی میں بس جذبات ہی کا فرق تو ہوتا ہے بینا...... ورنہ پانی

تو دونوں ہی ہوتے ہیں۔" شہاب متاثر لہجے میں بولا...... کافی دیر یہ ان لوگوں کے ساتھ رہے، پھر شہاب نے کہا۔

"اصل میں عالم ابھی مجھے کافی وقت یہاں کام کرنے میں لگے گا...... اب تم ایسا کرو...... مجھے ڈاک بنگلے چھوڑ دو۔" اور اس کے بعد خاموشی سے گھر بیٹھو...... تانگے وانگے سے جان چھڑا لو...... کیا سمجھے؟"

"جی صاحب جی!"

"چلو پھر جاؤ...... تانگا تیار کرو۔" پھر کچھ دیر کے بعد دوسرے کردار سے واسطہ پڑا تھا۔ یہ اپنے منشی عبدالکریم تھے۔ ڈاک بنگلے والے اور شہاب نے ان سے ملاقات کی۔ عبدالکریم شہاب اور بینا کو دیکھ کر چونک پڑے۔

"عجیب لوگ ہو تم دونوں...... یعنی یہ کہہ کر بھی نہیں گئے کہ جا رہے ہو؟ اور نکل گئے...... کچھ حساب کتاب ہے تمہارا۔"

"منشی صاحب یہ بتائیے کہ ہم پر کتنا قرض ہے آپ کا؟"

"طنز نہ کرو، طنز نہ کرو۔" "تم پر قرض نہیں ہے تم پر قرض نہیں ہے...... ارے بابا انسان کو حساب کتاب دے دینا چاہئے فوراً، کیوں کہ اوپر کے حساب کتاب کا کوئی علم نہیں ہوتا۔"

"منشی جی! ہمارے کچھ پیسے بچ رہے ہیں آپ کے پاس۔"

"اچھے خاصے۔"

"تو پھر آپ یہ سمجھ لیجئے کہ وہ آپ کے بلکہ یہ بھی آپ کے۔ مگر ابھی تھوڑی دن ڈاک بنگلے میں قیام کرنا ہوگا۔" شہاب نے جیب سے کچھ نوٹ نکال کر منشی عبدالکریم کو دیتے ہوئے کہا اور منشی صاحب کی آنکھیں اور منہ کھلے کے کھلے رہ گئے...... پھر انہوں نے عالم کی طرف دیکھا اور نوٹ چھپاتے ہوئے بولے۔

"تو کیا کھڑا گھور رہا ہے؟ اپنی مرضی سے دیئے ہیں...... بابو صاحب جی نے...... مانگے ہیں تیرے سامنے ہم نے؟"

عالم بے اختیار ہنس پڑا تھا۔

"منشی جی! میں نے کب کہا ہے؟ میں کچھ بول رہا ہوں اس معاملے میں۔" شہاب اور بینا ڈاک بنگلے میں پہنچ گئے تھے، عالم تھوڑی دیر تک ان لوگوں کے ساتھ رہا پھر شہاب نے کہا۔

"اچھا عالم! اب تم یوں کرو پیسے کتنے ہیں تمہارے پاس؟"

"آپ یقین کرو صاحب جی! پیسے بہت ہیں...... کوئی زیادہ خرچ تھوڑی ہے ہمارا۔ پیسے کی کوئی پریشانی نہیں ہے۔"

"میں نے زبیدہ کو بتا دیا تھا کہ یہاں کام کرتے ہوئے مجھے خاصا وقت لگ جائے گا۔ تم آرام سے گھر میں زندگی بسر کرنا...... گھوڑا تانگا اگر ابھی بیچنا ہو تو ابھی بیچ باچ دو۔ یا چھوڑ دو...... یہ تمہاری مرضی ہے...... مطلب میرا یہ ہے کہ تیار رہنا ہمارے ساتھ تمہیں شہر چلنا ہوگا۔"

"آپ جو حکم دیں گے صاحب جی!"

"ایسا کرو...... پہلا حکم میرا تم یہ مانو کہ صاحب جی کے بجائے مجھے بھائی جی کہا کرو۔"

"ٹھیک ہے بھائی جی!" عالم نے مستعدی سے کہا۔

"تو اب تم گھر جاؤ اور جو میں نے کہا ہے وہ کرو...... اگر اس کے خلاف ہوا تو پھر سمجھ لو کہ میں ناراض ہو جاؤں گا۔"

"نہیں ہوگا۔" عالم نے کہا...... عالم کو انہوں نے اس لئے بھیج دیا تھا کہ بہر حال جبرو کو ادھر ہی آنا تھا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ عالم جبرو کی نگاہ میں کسی ایسی حیثیت سے آئے۔ پھر بہت دیر تک وہ باتیں کرتے رہے تھے اور اس کے بعد جبرو کی لینڈ کروزر کو انہوں نے دُور سے آتے دیکھا تھا...... جبرو ان کے پاس آیا اور بولا۔

"جی صاحب جی! تیار ہیں آپ لوگ؟"

"بس بھئی! خوب گھوم پھر لئے...... اب کیا لینا دینا ہے؟ چلو چلتے ہیں۔" پھر کچھ دیر کے بعد وہ لینڈ کروزر میں بیٹھ کر راؤ نگر چل پڑے...... جبرو خاموش تھا...... بینا اور شہاب بھی خاموشی سے راستے کے دونوں سمت دیکھ رہے تھے۔ آخر کار قلعے میں پہنچ گئے...... یہاں کوئی بات قابل ذکر نہیں تھی۔ سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے...... ڈاکٹر آفتاب بھی نظر آیا...... بابا سفیان بھی...... باقی لوگ بھی...... وہ اپنی رہائش گاہ میں پہنچ گئے۔ تھوڑا سا آرام کرنے کے بعد باہر نکلے اور خصوصی طور پر شہاب نے ڈاکٹر آفتاب کو تلاش کیا۔ اس کے مل جانے پر اس سے پوچھا۔

"رانی صاحبہ کی طبیعت اب کیسی ہے؟ ڈاکٹر صاحب۔"

"ان کی طبیعت اکثر خراب ہو جاتی ہے اور جیسا کہ میں آپ کو پہلے بتا چکا ہوں کہ ایسے

اوقات میں انہیں صرف آرام کی ضرورت ہوتی ہے...... کبھی کبھی اس میں دو تین دن لگ جاتے ہیں اور کبھی کبھی وہ ایک آدھ دن میں ہی پر سکون ہو جاتی ہیں۔" رات کو ڈنر کے بعد شہاب نے بینا سے کہا۔

"بینا! سارے مسئلے آہستہ آہستہ حل ہوتے جارہے ہیں...... یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی ابھی تک کہ جبرو اس گٹھڑی میں کیا لے کر گیا تھا؟ میں جبرو کی زبان کھلوا سکتا ہوں، لیکن اس کے بعد دو ہی صورتیں ہیں یا تو جبرو کو ہلاک کر دینا پڑے گا۔ یا پھر اسے غائب کرنا ہوگا...... میرا مطلب ہے کہ اس سے معلومات حاصل کرنے کے بعد اسے چھوڑا تو نہیں جاسکتا...... بے حد خطرناک صورت حال ہو جائے گی۔"

"ہاں! بات قابل غور ہے...... ویسے میرا خیال ہے ڈبل او گینگ کے ممبر آجائیں اس کے بعد ان پر ہاتھ ڈالنا مناسب ہوگا۔"

"بالکل! لیکن ایک اور بات جو میں تم سے کہنا چاہتا ہوں۔"

"ارشاد!" بینا نے گردن خم کر کے کہا، لیکن شہاب اس وقت سنجیدہ ہی رہا تھا، پھر اس نے کہا۔

"بینا! جبرو کوئی چیز گٹھڑی یا بوری میں بند کر کے پھینک کر آتا ہے یا لے کر کہیں چلا جاتا ہے اور اس کے فوراً بعد رانی راؤنگر بیمار ہو جاتی ہے، کیا ان دونوں باتوں کا آپس میں کوئی رابطہ ہو سکتا ہے؟" بینا پر خیال انداز میں شہاب کو دیکھنے لگی۔ پھر مدہم لہجے میں بولی۔

"ہو بھی سکتا ہے...... کیا کہنا چاہتے ہو؟" لیکن شہاب نے بینا کے کسی سوال کا کوئی جواب نہیں دیا تھا اور دیر تک خاموش رہا تھا...... کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔

"بینا! میرے خیال میں اب ہمیں اصل بات کے اوپر آجانا چاہئے...... رانی راؤنگر کے بارے میں اب اس بات پر کوئی شبہ نہیں رہا ہے کہ کم از کم وہ عارف کی قاتل ہے اور اسی کے ایما پر جبرو نے عارف کو کچل کر مار ڈالا ہے۔ کوئی ایسی بات ہوئی ہے جس کی بنا پر عارف کو یہ شبہ ہوا کہ اسے قتل کر دیا جائے گا...... اس نے پولیس سے مدد مانگی لیکن خادم خان رانی راؤنگر کا پٹھو ہے اس نے رانی کو اطلاع دے دی اور رانی نے عارف کو مروا ڈالا...... ہو سکتا ہے عارف پولیس کی تحویل میں جانے کے بعد اس سلسلے میں کوئی انکشاف کر سکتا ہے، چنانچہ اب یہ لازم ہو گیا ہے کہ رانی راؤنگر کو چیک کیا جائے۔"

"پھر کیا پروگرام ہے؟"

"بینا! ہمیں خفیہ طور سے رانی راؤنگر کی نگرانی کرنا ہوگی۔" بینا پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگی تو شہاب نے کہا۔

"رات کو ہمیں رانی کے کمرے کے آس پاس کہیں ڈیوٹی دینا ہوگی بینا! اگر تم مناسب سمجھو تو یہ کام میں تنہا کرنا چاہتا ہوں...... کیوں کہ دو افراد کی موجودگی خطرناک ہو سکتی ہے۔"

"شہاب! جیسا تم پسند کرو ظاہر ہے میں کسی معاملے میں مداخلت تو نہیں کروں گی۔"

"تو پھر یوں کیا جائے کہ آج ہی ہم ایسی جگہ منتخب کر لیتے ہیں جہاں سے رانی کو رات بھر دیکھا جائے...... کل کا دن تم صرف کرو گی۔"

"ٹھیک ہے۔"

"لیکن اس کے باوجود تمہاری ایک ڈیوٹی رہے گی۔"

"کیا؟"

"تم گیٹ پر نظر رکھو گی...... جبرو یا کوئی اور ایسا اجنبی شخص میرا خیال ہے ہم ڈاکٹر تاب کو بھی اس میں شامل کر لیتے ہیں۔ سامنے آئے تو پھر تم مجھے ٹرانسمیٹر پر اس بارے میں ہوشیار کرو گی۔"

"بہت مناسب!" پھر دونوں کی ڈیوٹی یکساں رہے گی؟"

"بالکل۔" اور اس کے بعد یہ معاملہ طے ہو گیا...... تقریباً ساڑھے گیارہ بجے بینا نے رانی کے کمرے کے قریب سے گزر کر موقع پاتے ہی جھانک کر رانی کو دیکھا اور یہ دیکھ کر ششدر رہ گئی کہ بستر پر نیم مردہ کیفیت میں پڑی ہوئی رانی راؤنگر اس وقت ایک آرام کرسی پر بیٹھی کسی کتاب کا مطالعہ کر رہی تھی...... اس کے جسم پر لباس بھی رات کے سونے کا نہیں ...... یہ اطلاع بینا نے شہاب کو دی تو شہاب نے کہا۔

"بس ٹھیک ہے! میرا خیال ہے...... ہماری ڈیوٹی آج سے ہی شروع ہو جاتی ہے۔"

"مطلب؟"

"مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے کام کا آغاز آج ہی کئے دیتے ہیں، بلکہ ہو سکتا ہے آج کی رات ہمارے لئے اہمیت کی حامل ہو۔ چونکہ جس عالم میں رانی کو ہم دیکھ چکے ہیں...... وہ بظاہر رہا تھا کہ کوئی شخص اُٹھ کر کھڑا بھی نہ ہو سکے...... رانی راؤنگر اس کیفیت میں ہے تو اس سے

صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بیماری کا وہ اظہار صرف ایک ڈرامہ ہے۔"

"امکانات ہیں اس بات کے شہاب!" سو فیصد امکانات ہیں۔

"امکانات تو یقیناً ہیں نا...... کیوں کہ بہر حال رانی جو کچھ کر رہی ہے اس کا کوئی مفہوم تو ہوتا ہے نا۔" شہاب نے بھی اس طرح کا لباس استعمال کیا تھا کہ اسے اپنے کام میں کوئی دقت پیش نہیں آئے...... اس کے علاوہ ایک ایسی جگہ کا انتخاب بھی کر لیا گیا جہاں چھپ کر شہاب رانی کے کمرے کا جائزہ لے سکے...... یہ اندازہ بھی لگا لیا گیا تھا کہ رانی کے کمرے میں اور کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں سے وہ نکل کر کہیں جائے...... غرض یہ کہ شہاب انتظار کرتا رہا کہ کوئی ساڑھے بارہ بارہ بجے دروازہ کھلا اور رانی نے جھانک کر اِدھر اُدھر دیکھا...... شہاب کے بدن میں ایک تناؤ سا پیدا ہو گیا تھا...... بینا اپنی ڈیوٹی پر مستعد تھی...... رانی یہ اطمینان کرنے کے بعد کہ آس پاس کوئی نہیں ہے...... سامنے والی راہداری میں چل پڑی اور شہاب ایک مخصوص فاصلہ دے کر ستونوں اور ایسی جگہوں کی آڑ لیتا ہوا آگے بڑھتا گیا جہاں سے رانی کو اس پر کوئی شک نہ ہو سکے...... بلی جیسے دبے قدموں سے شہاب رانی کا تعاقب کر رہا تھا...... ایک بہت دور دراز حصے میں جہاں عام لوگوں کی آمد و رفت ہی نہیں تھی رانی ایک کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ اس نے روشنی کی تھی اور چونکہ بالکل مطمئن تھی۔ اس لئے روشنی بند کرنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ شہاب اس کمرے تک پہنچ گیا اور پھر اس نے کی ہول سے کمرے کے اندر کا جائزہ لیا...... رانی دیوار پر لگے ہوئے ایک سوئچ بورڈ کو بار بار دبا رہی تھی...... شہاب نے کی ہول کے عین سامنے والی دیوار میں ایک دروازہ نمودار ہوتے ہوئے دیکھا...... دروازے کی دوسری جانب تیز روشنی جل رہی تھی...... رانی اس دروازے سے اندر داخل ہو گئی اور دروازہ بند ہو گیا...... شہاب کا ذہن برق رفتاری سے کام کر رہا تھا...... اس نے تھوڑی دیر تک انتظار کیا پھر جیب سے رومال نکال کر چہرے پر باندھا اور انگلی سے دروازے کو تھوڑا سا دبا کر دیکھا...... دروازہ لاک نہیں تھا...... وہ اندر کھل گیا...... کشادہ کمرا ہر قسم کے فرنیچر سے عاری تھا اور وہاں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو قابل توجہ ہو لیکن وہ بورڈ اپنی جگہ موجود تھا...... شہاب کچھ لمحے سوچتا رہا، سوئچ بورڈ پر لگے ہوئے بٹن اچھی طرح دیکھے، لیکن کسی بٹن کو چھونے کی کوشش نہیں کی...... یہ خطرناک تھا...... البتہ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ رانی کسی خفیہ جگہ پہنچی ہے...... اور اس خفیہ جگہ میں یقینی طور پر کوئی اہم

بدہ ہے...... شہاب کوئی جلد بازی یا حماقت نہیں کرنا چاہتا تھا، چنانچہ کچھ لمحات کے بعد وہ کمرے سے باہر نکل آیا...... احتیاط سے دروازہ کھولا اور اس کے بعد ایک ایسی جگہ منتخب جہاں بیٹھ کر وہ آرام سے رانی کی واپسی کا انتظار کر سکے...... اِدھر یقینی طور پر بینا بھی ب کی منتظر تھی، چنانچہ شہاب نے ٹرانسمیٹر آن کیا اور مدہم لہجے میں بینا سے بولا۔

"بینا شہاب بول رہا ہوں۔"

"ہاں! شہاب کہو؟"

"بینا! خاصے انکشافات ہوئے ہیں...... لیکن سرگوشی میں تمہیں تفصیل نہیں بتا سکوں ... کیوں کہ رات کا وقت ہے...... بس یہ سمجھ لو...... میں محفوظ ہوں اور یقینی طور پر رے لئے کچھ انکشافات لے کر سامنے آؤں گا۔"

"او کے...... ادھر میں بھی محتاط ہوں۔" بینا نے جواب دیا اور شہاب نے سلسلہ منقطع یا۔ ڈیڑھ گھنٹے کا طویل انتظار جس قدر صبر آزما ہو سکتا ہے...... اس کا اندازہ لگانا چاہیں تو مشکل نہیں ہو گی۔ آخر کار کمرے کی لائٹ بجھی اور رانی دروازہ کھول کر باہر نکل آئی اور وہ بے فکری سے راہداری میں چلتی ہوئی اپنے کمرے پر پہنچی اور اندر داخل ہو گئی۔ شہاب دس منٹ تک انتظار کرتا رہا پھر وہ بھی دبے پاؤں آگے بڑھا...... رانی کے کمرے میں نکا تو رانی شب خوابی کے لباس میں ملبوس مسہری پر لیٹ چکی تھی اور نائٹ بلب کی روشنی ظاہر کر رہی تھی کہ اب وہ کہیں باہر نکلنے کا ارادہ نہیں رکھتی...... شہاب نے کچھ لمحے سوچا اس کے بعد وہ وہاں سے چل پڑا...... کچھ دیر کے بعد وہ بینا کے پاس پہنچ گیا تھا۔

"آؤ بینا! بہت زیادہ تیس مار خانی تو نہیں کی ہے میں نے، لیکن ایک اہم راز کا پتا لگا لیا ہے۔"

"جلدی بتاؤ پلیز...... میں بھی بڑی جذباتی ہو رہی ہوں۔"

بینا نے کہا اور شہاب ہنسنے لگا اور پھر اس نے اس بارے میں تفصیل بینا کو بتا دی۔

"تہہ خانہ؟" بینا نے سوال کیا۔

"ممکن ہے۔"

"تو پھر؟"

"اب سے تھوڑی دیر کے بعد ہم وہ تہہ خانہ دیکھیں گے بینا۔"

"جلد بازی تو نہیں ہو جائے گی؟"

"یہ خطرہ مول لینے کو دل چاہ رہا ہے۔" شہاب نے کہا۔

"او کے باس...... جب دل چاہ رہا ہے تو سب ٹھیک ٹھاک ہے۔" پھر ایک مخصوص وقفہ دے کر بینا اور شہاب تیار ہو کر نکل آئے اور راہداری میں اس سمت بڑھنے لگے جہاں سے گزر کر رانی اس کمرے تک پہنچی تھی، دونوں مکمل طور پر اپنے عمل کے لئے تیار تھے اور انہیں یقین تھا کہ کوئی سنسنی خیز کہانی سامنے آنے والی ہے۔

حالانکہ زندگی میں ایسے لاتعداد واقعات پیش آچکے تھے جن میں انتہائی سنسنی خیز یتوں سے گزرنا پڑا تھا، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسانی فطرت ہر حال میں انسانی رت ہی رہتی ہے اور جو جذبات واحساسات رکھتے ہیں ان کے اندر خوف کا عنصر بھی لازمی تا ہے۔ شہاب تو خیر مرد تھا اور حقیقت ہے اپنی زندگی میں ہزاروں بار سنگین ترین واقعات ے گزرا تھا، لیکن بینا بہرحال اپنے طور پر اس وقت شدید سنسنی محسوس کر رہی تھی۔ شہاب ے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے اس نے کہا۔

"شہاب!"

"ہاں! کہو۔"

"نہیں کوئی ایسی خاص بات نہیں کہنے جا رہی میں۔ بس تم سے یہ پوچھ رہی ہیں کہ اس ت تمہاری کیا کیفیت ہے۔"

"کیوں؟"

"تم یقین کرو میں اپنے طور پر بڑی عجیب سی کیفیت محسوس کر رہی ہوں۔"

"اگر ایسا نہ ہو تو ظاہر ہے انسان کو انسان نہیں پتھر کہا جائے گا۔"

"مگر تم مجھے پتھر ہی معلوم ہو رہے ہو؟" بینا نے کہا۔ اور شہاب مسکرا دیا...... پھر بولا۔

"اس کائنات میں صنف قوی اور صنف نازک کا مسئلہ بالکل سامنے کی بات ہے اور ظاہر ہے اس پورے بدن کو دیکھو اور اس میں سے ایک پسلی کو دیکھو۔ پورے بدن میں بہت زیادہ ت ہوتی ہے اور ایک پسلی میں جتنی قوت ہے۔ وہ تمہارے اندر ہے۔" بینا ہنس پڑی تھی۔

روہ بولی۔

"تم مرد اس موقعہ سے بڑا فائدہ اٹھاتے ہو۔"

"کیا تم اس حقیقت سے انکار کرنے کی کوشش کروگی؟"

"نہیں بابا! خدا نہ کرے۔ میں اپنا ایمان تھوڑی خراب کرسکتی ہوں۔"

"اس کے باوجود بینا! یہ عورت ہمیشہ مردوں کے شانہ بشانہ کھڑے ہونے کے دعوے کرتی ہے۔"

"خیر وہ بالکل الگ بات ہے اور اس وقت اس موضوع کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔"

"جب چاہو اس موضوع پر بھی بات کرلینا۔"

"چیلنج کررہے ہو؟"

"ارے چھوڑیئے آپ کو کیا چیلنج کریں گے...... بقول شخصے ہم تو لنگوٹ کس کر میدان میں اتریں گے اور آپ مسکرادیں گی۔" شہاب نے اپنے مخصوص انداز میں کہا اور بینا ہنس پڑی۔

"تو پھر کیا ہوگا؟"

"بس یہ نہ پوچھو۔" شہاب بدستور مسخرے پن سے بولا۔

"تم بہت فحش ہوتے جارہے ہو شہاب۔"

"ارے...... ارے میں نے ایسی کون سی بات کہہ دی۔"

"اب خاموش رہو...... دیکھو وہ چوکیدار۔" دور سے ایک شخص کو دیکھ کر بینا نے اشارہ کیا اور شہاب نے اسے ایک ستون کی آڑ میں گھسیٹ لیا...... رات کا چوکیدار سامنے سے گزر کر چلا گیا تھا۔ بہر حال ایک عجیب سی فضا پیدا ہوگئی تھی...... بینا اور شہاب آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتے ہوئے آگے بڑھتے رہے، یہاں تک کہ اندرونی حصے سے گزر کر وہ رانی راؤنگر کے کمرے تک پہنچے...... وہاں سے انہوں نے جھانک کر اندر دیکھا...... رانی راؤنگر اطمینان سے اپنے بیڈ پر سو رہی تھی۔ شہاب نے احتیاطاً تیز قدم اُٹھایا اور بڑی آہستگی کے ساتھ رانی راؤنگر کے کمرے کے دروازے کو باہر سے بند کردیا۔ "اب اگر رانی راؤنگر باہر آنے کی کوشش بھی کرے گی تو کم از کم تھوڑا سا شور مچے گا اور ہوسکتا ہے اس شور سے ہمیں فائدہ پہنچ جائے۔" وہ اس سنسنی خیز کیفیت میں آگے بڑھتے رہے...... بینا اور شہاب تھوڑی دیر کے بعد اس کمرے میں پہنچ گئے جس میں رانی راؤنگر کو دیکھا گیا تھا...... اندر داخل ہوکر شہاب نے دروازہ اندر سے بند کیا۔ اس کے اوپر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے۔ اس نے ان پردوں کو کھینچا کیونکہ

ی سی روشنی کرنا لازمی تھا اور اس وقت کسی قسم کا رسک نہیں لیا جاسکتا تھا۔ باہر سے
یوں اور دروازوں کا جائزہ لینے کے بعد اور پردوں کو اچھی طرح بند کرنے کے بعد اس
اس سوئچ بورڈ کو چیک کیا، جس پر بٹن موجود تھے جن سے تہہ خانے کا دروازہ کھلتا تھا......
شہاب کے ایک ایک قدم کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ دروازہ نمودار
یا اور شہاب نے پستول نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ ہر خطرے کو وہ ذہن میں رکھنا چاہتا
...... دروازے کی دوسری جانب راہداری تھی جو روشن ہوگئی تھی اور اس کے ساتھ ہی
ازہ بھی اندر سے بند ہوگیا تھا، لیکن شہاب نے اس روشنی میں اس سوئچ بورڈ کو دیکھ لیا
ا پر وہ صرف ایک بٹن لگا ہوا تھا۔ یہ بٹن شاید دروازہ کھولنے کے لئے تھا اور اس کا تجربہ
ب نے پہلے کرکے دیکھا۔ بٹن دبانے سے دروازہ دوبارہ کھل گیا...... شہاب مطمئن ہوکر
ے بڑھا اور بینا کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرکے نیچے اترنے لگا...... ایک لمحے کے اندر
ں احساس ہوگیا تھا کہ یہ کمرہ ایئر کنڈیشنڈ ہے...... یعنی وہ تہہ خانہ جس میں وہ اتر رہے تھے۔
ری ٹھنڈی فرحت بخش ٹھنڈک پھیلی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ ہی پراسرار سی عجیب سی
ئی لیکن ایک بات انہوں نے چند قدم طے کرنے کے بعد خاص طور سے محسوس کی تھی۔
بکہ اس تہہ خانے میں ایک ناقابل فہم سی بدبو پھیلی ہوئی تھی...... بینا نے شہاب کی طرف
کر کہا۔

"کچھ محسوس کررہے ہو شہاب؟"

"بدبو کی بات کررہی ہو؟"

"ہاں۔"

"ہاں کیوں نہیں محسوس کررہا۔"

"کیسی بدبو ہے یہ؟"

"تمہارا کیا خیال ہے؟"

"یوں لگ رہا ہے جیسے انسانی گوشت سڑ رہا ہو۔" شہاب ایک لمحے تک اپنی جگہ رُک کر ٹھٹکا رہا پھر اس نے کہا۔

"تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہورہی؟"

"نہیں اب اتنی نازک بھی نہیں ہوں۔"

"آؤ۔" شہاب نے ایک دم قدم آگے بڑھا دیئے اور کچھ لمحوں کے بعد وہ اس عظیم الشان قلعہ نما حویلی کے نیچے پھیلے ہوئے اس وسیع و عریض تہہ خانے کو دیکھ رہے تھے، جو عجیب سا بھیانک منظر پیش کر رہا تھا...... تہہ خانے کی دیواریں جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھیں اور اس میں نہ جانے کیا کیا کاٹھ کباڑ بکھرا ہوا تھا...... پھٹے ہوئے کپڑے جن کے رنگین ٹکڑے ادھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے اور کبھی کبھی ایئر کنڈیشنڈ کی ٹھنڈی ہوا سے اُڑتے پھرتے نظر آ جاتے تھے...... دروازوں میں تین جگہ اسپاٹ لگے ہوئے تھے، جنہوں نے اس تہہ خانے کو اچھی طرح ٹھنڈا کر دیا تھا...... کافی فاصلے پر کوئی انسانی وجود نظر آ رہا تھا...... ایک لمبا چوڑا شخص جو گہری نیند سو رہا تھا...... وہ دیوار کے پاس تھا...... وہ دونوں اسے دیکھ کر رُک گئے...... سونے والے کے خراٹے اس پراسرار اور سنسنی خیز ماحول میں گونج رہے تھے...... وہ چاروں طرف دیکھتے رہے اور پھر بینا کے حلق سے سہمی سہمی آوازیں نکل گئیں۔

"کیا ہے؟" شہاب نے پوچھا۔

"وہ دیکھو شہاب!" بینا نے دیوار کی جانب اشارہ کیا۔

دیوار پر بڑے بڑے خون کے دھبے تھے، جو جمے ہوئے تھے...... ایسے دھبے جگہ جگہ فرش پر بھی نظر آ رہے تھے...... بینا نے دوسری بار سہمے ہوئے انداز میں اس کی طرف اشارہ کیا اور شہاب نے دیکھا کہ یہ انسانی بالوں کی لٹیں تھیں...... لمبے لمبے انسانی بال، شہاب ان کے قریب پہنچا اور اس نے ان بالوں میں سے ایک گچھے کو اٹھا کر دیکھا...... یہ یقینی طور پر کسی عورت کے بال تھے...... سنہرے ریشمی بال، شہاب کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے...... پھر وہ ماحول کو دیکھتا ہوا ایک ایک قدم آگے بڑھنے لگا...... سونے والے کے خراٹے اب بھی بلند ہو رہے تھے اور بینا خوف زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی......
شہاب نے کچھ لمحے کے بعد یہ اندازہ لگا لیا کہ اس تہہ خانے کا دروازہ بظاہر تو اور کوئی نہیں ہے۔ پھر وہ خود کو سیدھا کرتے ہوئے آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس انسانی وجود کے پاس پہنچا اور اسے دیکھ کر وہ دونوں ششدر رہ گئے...... یہ ایک نوجوان لڑکا تھا...... عمر انیس اور بیس سال سے زیادہ نہیں ہوگی، لیکن جسم انتہائی چوڑا قوی بے حد مضبوط اس کے اطراف میں پھلوں کے انبار لگے ہوئے تھے اور بہت سے برتن بھی بکھرے ہوئے تھے، لیکن اس کی شکل صورت پر ہیبت تھی...... وہ اُوپری جسم سے برہنہ تھا...... پورے بدن پر بازوؤں پر شانوں پر

کلائیوں پر کانوں پر بال ہی بال بکھرے ہوئے تھے...... سر کے بال مٹی میں اٹے ہوئے تھے اور یوں لگتا تھا کہ جیسے انہیں برسوں سے نہ دھویا گیا ہو...... یہ بال کافی بڑے بڑے بھی تھے...... داڑھی بڑھی ہوئی تھی...... ایک عجیب بھیانک قسم کا وحشی ان کے سامنے تھا، جس کے موٹے موٹے ہونٹوں سے خراٹے اس طرح بلند ہو رہے تھے کہ پورے کمرے میں ایک دہشت ناک آواز پھیلی ہوئی تھی۔ وہ دونوں سہمی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھتے رہے اچانک ہی اس کے خراٹے رُک گئے...... غالباً اسے کچھ آہٹیں محسوس ہو گئی تھیں۔ اس نے ایک دم سے آنکھیں کھول دیں...... سرخ انگارہ آنکھیں، انتہائی چمکدار، انتہائی وحشی، ان کھلی ہوئی آنکھوں نے پہلے شہاب کو دیکھا اور وہ اتنی برق رفتاری سے اپنی جگہ سے اُٹھا کہ شہاب اور بینا حیران رہ گئے، لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے اپنی جگہ سے جست کی اور شہاب پر آ پڑا...... بینا سہم کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔ پھر اس نے شہاب کے گریبان پر ہاتھ ڈالا اور شہاب بڑی مشکل سے اس کی گرفت سے بچ کر پیچھے ہٹا۔ البتہ اس نے اس وحشی وجود کو دھپ سے زمین پر گرتے ہوئے دیکھا تھا...... خاصی زوردار آواز پیدا ہوئی اور اس کے ساتھ ہی زنجیروں کے بجنے کی آواز بھی سنائی دی۔ یہ ان لوگوں کی خوش قسمتی ہی تھی کہ اس کے دونوں پاؤں زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے اور زنجیریں صرف اتنی لمبی تھیں کہ وہ شہاب تک باآسانی نہ پہنچ سکا تھا۔ ورنہ اگر ذرا بھی لمبی زنجیریں ہوتیں تو شہاب کو اس پہاڑ جیسے نوجوان لڑکے سے اپنے آپ کو بچانا مشکل ہو جاتا، لیکن گرنے کے بعد وہ جلدی سے گھٹنوں کے بل بیٹھا اور پھر گھٹنے موڑ کر بیٹھتے ہوئے انہیں دیکھنے لگا۔ پھر اس کی نگاہوں کا زاویہ بدلا اور اس نے بینا کو دیکھا۔ بینا کو دیکھتے ہوئے اس کے تاثرات میں خاصی تبدیلی رونما ہو گئی تھی۔ اس نے جبڑے پھیلا کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"ماما! یہ چاہئے۔" انگلی کا اشارہ بینا کی جانب تھا...... بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ وہ پھر شہاب کی طرف گھوما۔

"ماما! یہ چاہئے۔" کچھ لمحوں کے اندر اندر شہاب نے اندازہ لگا لیا کہ وہ نارمل نہیں ہے۔ یقینی طور پر وہ ذہنی مریض تھا...... اب اس کی نگاہیں شہاب کی طرف دیکھ ہی نہیں رہی تھیں...... بینا کو وہ اس انداز میں دیکھ رہا تھا کہ بینا کٹی جا رہی تھی۔ ایک عجیب سی شرم اس کے چہرے پر پھیل گئی تھی اور لڑکا بدستور شہاب کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہا تھا۔

"ماما یہ چاہئے۔" اس کا اشارہ بینا کی جانب ہوتا تھا...... شہاب اس کا اندازہ لگاتا رہا۔ پھر اچانک ہی لڑکے کے اندر وحشت پیدا ہوگئی۔

"ماما تو سنتا کیوں نہیں...... یہ چاہئے۔"

"کیا چاہئے؟"

"یہ......" اس نے بینا کی طرف اشارہ کر کے کہا...... شہاب پھر خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ اب لڑکے کے اندر جنون کے آثار پیدا ہوتے جارہے تھے۔ وہ چیخ کر بولا۔

"یہ چاہئے...... ماما یہ چاہئے۔" لیکن شہاب بدستور اس کا جائزہ لیتا رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"کچھ محسوس کر رہی ہو بینا۔"

"چلو شہاب یہاں سے مجھے وحشت ہو رہی ہے۔"

"کیا پاگلوں کی سی باتیں کر رہی ہو؟ ہم حقیقتوں کے بہت قریب پہنچتے جارہے ہیں اور تم کہہ رہی ہو یہاں سے واپس چلیں۔"

"یہ...... یہ...... یہ پاگل ہے شہاب۔"

"ہاں!"

"خطرناک نہ ہو جائے کہیں؟ جسمانی طور پر بالکل دیو معلوم ہوتا ہے۔"

"زنجیریں بندھی ہوئی ہیں۔"

"ہاں میں یہ دیکھ رہی ہوں لیکن یہ دیو قامت کہیں زنجیروں کو توڑ نہ دے۔"

"نہیں توڑ پائے گا...... اگر توڑ پاتا تو یہ زنجیریں باندھی نہ جاتیں۔"

"لیکن یہ کیا...... یہ کیا ہے؟"

"ماما تو سنتا کیوں نہیں...... مجھے یہ چاہئے۔"

"سنو! تمہیں یہ چاہئے نا۔"

"ہاں...... ماما۔" اس نے کہا۔

"کیا کرو گے اس کا؟"

"ماما یہ چاہئے۔" وہ بدستور اپنا ایک ہی جملہ دہرائے جارہا تھا...... پھر شہاب اس کا تجزیہ کرتا رہا...... لڑکے کے چہرے پر جو تاثرات تھے اس سے شہاب کوئی نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر لڑکے کے اندر شدید وحشت پیدا ہوگئی۔ وہ بار بار بینا کی جانب جھپٹنے لگا

اور ہر بار وہ بری طرح پیٹ کے بل نیچے گرنے لگا...... پھر وہ اپنے بال نوچنے لگا۔ شہاب نے بینا کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"آؤ۔" بینا ایک دم واپس پلٹ پڑی تھی...... کچھ لمحوں کے بعد وہ سیڑھیاں طے کر کے اوپر پہنچ گئے اور جب تہہ خانے کا دروازہ کھولکر وہ دوسری جانب داخل ہوئے تو بینا نے سکون کی گہری سانس لی۔ وہیں کھڑے ہو کر اس نے کئی گہری گہری سانسیں لیں اور بولی۔

"خدا کی پناہ۔"

"آؤ۔" شہاب نے کہا...... روشنی بند کرنے سے پہلے اس نے ان تمام پردوں کو واپس ان کی اصلی حالت میں کر دیا...... دروازے کا پردہ بھی ہٹا دیا...... پھر برق رفتاری سے روشنی گل کی اور اس کے بعد دروازہ کھول کر تھوڑا سا باہر جھانکا۔ راہداری میں مکمل سناٹا تھا...... وہ بینا کا ہاتھ پکڑے ہوئے باہر نکل آیا...... پھر وہ دونوں آہستہ آہستہ قدموں سے چلتے ہوئے کمرے میں داخل ہو گئے۔ ان کی یہ مہم بے پناہ کامیاب رہی تھی۔

بینا بستر پر جانے کی بجائے ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ دیر تک وہ سر پکڑے بیٹھی رہی۔ پھر اس نے نگاہیں اُٹھا کر شہاب کی جانب دیکھا...... شہاب بھی مسہری پر اُلجھا اُلجھا سا بیٹھا ہوا تھا...... بینا بولی۔

"شہاب!" اور شہاب چونک کر اسے دیکھنے لگا...... پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ آہستہ سے بولا۔

"خدا کی پناہ! واقعی زندگی کا انوکھا ترین تجربہ ہے۔"

"شہاب کیا چیز ہے وہ؟"

"میں نہیں جانتا بینا کہ وہ کیا ہے اور کیوں ہے؟ لیکن اتنا جانتا ہوں کہ وہ شاید دس آدمیوں کی قوت اپنے بدن میں رکھتا ہے۔"

"لیکن رانی راؤنگر کا اس سے کیا واسطہ ہے؟"

شہاب پر خیال انداز میں بولا۔

"خدا جانے رانی راؤنگر اندر سے کیا ہے، بینا وہ اتنی بگڑی ہوئی عورت تو نہیں معلوم ہوتی۔"

"بگڑی ہوئی سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"ایک آوارہ مزاج عورت۔" شہاب نے کہا اور بینا سوچ میں ڈوب گئی۔ غالباً وہ اپنے ذہن میں رانی راؤنگر کا تجزیہ کر رہی تھی...... پھر کچھ دیر کے بعد اس نے گردن اُٹھا کر کہا۔

"تمہارے مقابلے میں میرا تجربہ نہ ہونے کے برابر ہے شہاب، لیکن یہ حقیقت ہے کہ رانی راؤنگر کی آنکھوں میں شرم و حیا اور شرافت ہے...... وہ کسی بھی طرح ایک آوارہ عورت نہیں معلوم ہوتی۔"

"زندگی میں بڑے انوکھے تجربات ہوئے ہیں بینا۔"

"کیسے تجربات؟"

"کبھی کبھی شخصیتیں اتنے بڑے دھوکا دے جاتی ہیں کہ انسان خود اپنے حواس کھو بیٹھتا ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے رانی؟"

"نہیں میں اس کے بارے میں نہیں کہہ رہا۔"

"ہاں پھر؟"

"میں صرف ایک عام تذکرہ کر رہا ہوں کہ اتنی سی بات سے کہ اس کے چہرے پر ہم نے شرافت تلاش کر لی ہے۔ یہ سوچ لینا کہ اس معاملے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، کیسے ممکن ہے؟"

"ہاں یہ تو ہے؟"

"اس بارے میں کیا کہتی ہو؟"

"مگر تعلق؟"

"میرا مطلب ہے میں نے اسے اس تہہ خانے میں جاتے ہوئے دیکھا ہے...... کافی دیر کے بعد وہ واپس آئی ہے اور یہ ہے کہ تم نے تجزیہ کر لیا۔"

"شہاب! جو کچھ میں نے سوچا ہے کیا تمہارا بھی وہی اندازہ ہے؟"

"سو فیصدی بینا، سو فیصدی۔"

"یہ تو کافی خوفناک بات ہے...... ایسی حالت میں اگر رانی راؤنگر جو خود بھی ایک خوبصورت عورت ہے وہاں جاتی ہے تو...... تو؟"

"بس یہیں سے میں شک کا شکار ہو رہا ہوں۔"

"کچھ بھی ہے لیکن تمہارا کیا خیال ہے شہاب؟ عارف کی موت اور اس وحشی کی موجودگی۔ رانی کا اس سے ملنا...... ان تمام چیزوں کا آپس میں کیا تعلق ہو سکتا ہے؟"

"اپنی قیاس آرائی کے لئے ہم بہت سی کہانیاں تراش سکتے ہیں بینا...... تعلق تلاش کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہو گا۔ لیکن ہم ذہنی طور پر صرف قیاس آرائیوں سے کام لے کر اس مسئلے کو حل نہیں کر سکتے...... اسکے لئے ہمیں ابھی اور محنت کرنا ہو گی۔"

"ہاں یہ تو ہے...... تو پھر اب یہ بتاؤ کہ کیا سوچا ہے تم نے؟"

"ایک عجیب و غریب شخصیت دیکھنے کو ملی ہے۔ میں نے اپنی دانست میں کوئی ایسا نشان نہیں چھوڑا کہ رانی راؤنگر کو اس بارے میں کچھ معلوم ہو جائے؟ لیکن بہر حال گہرائیوں میں کچھ نہ کچھ تو ہے...... میں غور کر رہا ہوں کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے؟"

"میں ایک مشورہ دے سکتی ہوں۔"

"کیا؟"

"ویسے تو تم یہ دیکھو شہاب! کہ بابا سفیان نے کھلے الفاظ میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ عارف کو شکار کیا گیا ہے اور پھر ظاہر ہے...... عارف کا تعلق یہیں سے تھا...... تم یہ بھی دیکھو کہ لوگ کس طرح اس کی کہانی کو بھول بیٹھے ہیں، حالانکہ میں یہ بھی دیکھ رہی ہوں کہ یہاں ان پر رانی کا خوف طاری نہیں ہے۔"

"تم ایک بات بھول رہی ہو بینا۔"

"کیا؟"

"یہاں رانی کا خوف طاری نہیں ہے لوگوں پر لیکن جبرو کا خوف طاری ہے۔"

"زندہ رہو شہاب! یہی میں کہنے جا رہی تھی۔"

"کیا؟"

"رانی نے جبرو کو تمام تر اختیارات دے دیئے ہیں اور ہم لوگوں نے بذات خود اس کا اندازہ لگا لیا ہے...... یہ بھی دیکھ لیا ہے ہم نے کہ جبرو کی لینڈ کروزر کے ٹائروں میں عارف کا خون موجود ہے...... گویا یہ بات طے ہو گئی کہ عارف کو جبرو نے قتل کیا ہے؟ جبرو رانی کا نمک خوار ہے...... یقینی طور پر اس سلسلے میں رانی نے خاموشی اختیار کر رکھی ہے بلکہ تم خادم خان کی بات کر رہے ہو؟ رانی نے خادم خان کو بھی اپنے قبضے میں لے لیا ہے...... اس سے ہم یہ

اندازہ لگا سکتے ہیں کہ رانی کی شخصیت دوہری ہے۔"

"میں تو خود یہ کہنے والا تھا، بلکہ کہا تھا میں نے؟"

"ہاں...... ظاہری انداز سے ایسے پتا نہیں چلتا۔"

"تو پھر اب یہ بتاؤ کہ طریقہ کار کیا ہونا چاہئے؟ مجرم ہمارے سامنے ہیں...... عارف بہر حال ایک انسان تھا...... اسے معمولی شخصیت قرار دے کر یہ سوچنا کہ ہمیں رسک لینے سے کیا فائدہ؟ میں سمجھتا ہوں کہ میری فطرت کے بالکل خلاف ہے۔"

"ہاں یقینی طور پر ہم اس لڑکے کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔"

"کیا رانی کے حکم پر اسے قتل کیا گیا؟"

"شہاب! اس کے علاوہ اور کیا سوچا جا سکتا ہے؟"

"ہونہہ۔" شہاب گہری سوچ میں ڈوب گیا...... پھر جب اس نے نگاہیں اٹھا کر بینا کو دیکھا تو اس کی آنکھوں میں ایک تیز چمک لہرا رہی تھی جسے بینا نے محسوس کیا اور مسکرا دی۔

"غالباً تم کسی فیصلے پر پہنچ گئے ہو۔"

"ہاں۔"

"کیا فیصلہ ہے؟"

"جبرو۔" شہاب نے کہا۔

❁ ❁ ❁

دوسری صبح رانی راؤ نگر نے انہیں ناشتے پر طلب کیا اور شہاب ایک دم سمجھ گیا...... جو ملازمہ انہیں ناشتے کی اطلاع دینے آئی تھی۔ اس کے جانے کے بعد شہاب نے بینا سے کہا۔

"بینا ہوشیار۔" بینا چونک کر شہاب کو دیکھنے لگی، پھر بولی۔

"کیا مطلب؟"

"میں نے صرف ہوشیار رہنے کے لئے کہا ہے...... رانی راؤ نگر کی طلبی کسی مقصد کے پیش نگاہ بھی ہو سکتی ہے۔" بینا نے ہونٹ ہلا کر گردن ہلائی...... دونوں تیار ہوئے اور اس کمرے میں پہنچ گئے جہاں اس سے پہلے بھی کئی بار جا چکے تھے؟ اور رانی راؤ نگر نے ان کے ساتھ لنچ ڈنر اور ناشتا وغیرہ کیا تھا...... رانی بہت بڑی میز کے گرد تنہا تھی...... دونوں نے اسے سلام کیا تو اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا...... پھر انہیں بیٹھنے کا اشارہ کر کے بولی۔

"دیکھو میں تم سے ایک بات کہہ چکی ہوں وہ یہ کہ اب تم اس گھر کے ایک فرد ہو...... میری طرف سے تمہیں پیش کش ہے کہ زندگی یہیں گزار دو...... اگر کوئی ملازمت کرنا چاہتے ہو تو وہ بھی میں تمہیں دے دوں گی...... یہ بھی سمجھو کہ یہاں کی دُنیا خطرے سے خالی ہے...... یہاں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا...... البتہ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد جب تمہیں اپنے والدین کی یاد آئے اور تم ان سے ملنا چاہو تو اس سلسلے میں بھی میں تمہاری مدد کروں گی۔"

"رانی صاحبہ! اس احسان کا کوئی صلہ بھی ہو سکتا ہے؟"

"ہاں ہو سکتا ہے؟"

"کیا؟" شہاب نے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور رانی کے چہرے پر غم کے سائے نمودار

ہو گئے تو اس نے آہستہ سے کہا۔

"صرف یہ کہ جب بھی اللہ کے سامنے جھکو تو میرے لئے یہ دعا ضرور کر دینا کہ اللہ مجھے سکون دے۔" رانی کے ان الفاظ پر بینا اور شہاب پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ رات کو جو کچھ ان کے ذہن میں آیا تھا اس وقت رانی کے چہرے کو دیکھ کر اور اس کے الفاظ سن کر اس کی شکل مسخ ہو گئی تھی...... رانی چند لمحات سوچ میں ڈوبی رہی تو پھر چونک کر گردن اُٹھائی اور بولی۔

"ارے ان ملازموں نے ابھی ناشتا نہیں لگایا؟" اس کے جملے ختم بھی نہیں ہوئے تھے کہ دو تین ملازمائیں اندر داخل ہوئیں، ان کے پاس ناشتے کا سامان تھا جو میز پر سجا دیا گیا...... رانی ہنس کر بولی۔

"دو تین دن سے میری طبیعت بڑی خراب تھی...... کبھی کبھی مجھ پر ایسے دورے پڑ جاتے ہیں...... میں نے تمہیں بتایا بھی تھا شاید۔ ایسے وقت میں یہ نہ سوچنا کہ میں جان بوجھ کر تم لوگوں سے اجتناب کر رہی ہوں...... بس سمجھ لینا یہ میری بیماری ہے...... آفتاب اس کے لئے مجھے دوائیں دیتے ہیں...... انجکشن دیتے ہیں...... بہت اچھے ڈاکٹر ہیں وہ...... میں ٹھیک ہو جاتی ہوں...... چلو ناشتا شروع کرو۔"

شہاب اور بینا رانی کی ہدایت پر عمل کرنے لگے۔ وہ خود بھی ان کے ساتھ شریک تھی...... پھر بولی۔

"کوئی اور مشکل تو پیش نہیں آئی تمہیں یہاں؟"

"نہیں رانی صاحبہ! بس ہماری یہ آرزو ہے کہ ہم ہمیشہ آپ کی محبتوں کے زیر سایہ رہیں اور یہ خوف ہے کہ کہیں کوئی ایسی غلطی نہ ہو جائے جس سے آپ ناراض ہوں۔"

"دیکھو! تم مجھے رانی صاحبہ کہہ کر مخاطب کر رہے ہو۔ خدا کی قسم! میں رانی وانی بالکل نہیں ہوں...... بس انسان کا اپنا ایک رکھ رکھاؤ ہوتا ہے...... اس کی زندگی میں کچھ ایسی چیزیں شامل ہو جاتی ہیں، جن کے لئے وہ مجبور ہو جاتا ہے...... کبھی کبھی وہ اپنی مجبوریوں سے اتنا زچ ہوتا ہے کہ خود اپنی شخصیت کو بھی بھول جاتا ہے۔ ایسے لمحوں میں، میں اگر تمہیں رانی نظر آؤں تو اپنے دل میں مجھے معاف کر دینا اور وہ لمحات برداشت کر لینا۔"

"آپ مطمئن رہیں رانی صاحبہ! ایک بار پھر ان دونوں کے ذہن ڈانواڈول ہو گئے تھے

ے فراغت حاصل کرنے کے بعد رانی سے رخصت ہو کر جب وہ اپنے کمرے میں تھے تو دونوں بڑی دیر تک خاموش بیٹھے رہے تھے۔ پھر بینا نے کہا۔

"اب کیا کہتے ہو؟"

"کچھ نہیں۔"

اپنے کمرے کی کھڑکی سے انہوں نے رانی کو ایک جیپ میں بیٹھ کر باہر جاتے ہوئے تھا۔ شہاب اور بینا کے پاس ایسے ذرائع بالکل نہیں تھے جس سے وہ رانی کا تعاقب کر کے علوم کر سکیں کہ رانی کہاں جا رہی ہے؟ اس موقع پر شہاب کو اپنی بے بسی کا احساس ہوتا یکن بہر حال! لمحہ لمحہ وہ اپنے پروگرام کے آخری مرحلے کی جانب آگے بڑھ رہا تھا اور یقین تھا کہ بہت جلد وہ اس بال کی کھال اتار لے گا۔ رانی کے جانے کے بعد کوئی ایسا نہیں رہ جاتا تھا...... شہاب نے باہر نکلنے کے بعد ماحول کو دیکھا...... ڈاکٹر آفتاب ایک جا رہا تھا...... شہاب نے بینا کی طرف دیکھا اور بولا۔

"میں ذرا ڈاکٹر آفتاب سے ملاقات کر لوں۔"

"ٹھیک ہے میں صفیہ کے پاس جا رہی ہوں...... بہت اچھی لڑکی ہے...... تم یقین کرو ب! اس سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوتی ہے اور میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس کے لئے کروں۔"

"جاؤ!" شہاب نے کہا اور خود ڈاکٹر آفتاب کی جانب بڑھ گیا۔ آفتاب کے قریب پہنچ نے کہا۔

"ہیلو ڈاکٹر صاحب!"

"ہیلو! کیسے ہیں جناب؟ خیریت سے تو ہیں۔"

"ہاں ٹھیک ہوں...... آپ مصروف ہیں؟"

"بالکل نہیں...... بالکل فارغ ہوں...... بس ایسے ہی سوچ رہا تھا کہ کیا کرنا چاہئے؟"

"ویسے یہاں کی فضا اتنی اچھی ہے ڈاکٹر آفتاب کہ آپ کی پریکٹس تو بالکل ختم ہو کر رہ گئی۔" شہاب نے کہا اور ڈاکٹر آفتاب کھڑا رہا پھر بولا۔

"آئیے اس طرف بیٹھتے ہیں۔" گھاس کے ایک قطعے پر بیٹھ کر ڈاکٹر آفتاب نے کہا۔

"بڑی عمدہ بات کہی آپ نے...... ویسے یہاں کی فضا بہت خوشگوار ہے اور ایک ڈاکٹر

کے لئے ضروری ہے کہ اسے پیار ملتے رہیں تاکہ اس کے اپنے تجربات میں بھی اضافہ ہوتا رہے۔ یہ بات میں بھی کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ میرے تجربات بڑے محدود ہوگئے ہیں، لیکن جناب ہر انسان کو اپنے وسائل کے حصول کے لئے وقت درکار ہوتا ہے...... یہ وقت مجھے بھی درکار ہے...... دیکھئے تقدیر کب ساتھ دیتی ہے؟" شہاب نے گہری نگاہوں سے ڈاکٹر آفتاب کو دیکھا پھر بولا۔

"ڈاکٹر آفتاب! کبھی کبھی انسان کے دل میں خوامخواہ کسی سے محبت کی لہریں بیدار ہو جاتی ہیں اور اس کی آرزو ہوتی ہے کہ وہ اس کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔ آپ کے دل میں اس سلسلے میں کیا خیال ہے؟"

"ہاں! انسانی فطرت کے اس پہلو کو غلط تو نہیں کہا جا سکتا۔"

"آپ نے اپنی زندگی کا کوئی مقصد تو بنایا ہوگا۔"

"بے مقصد زندگی آپ یقین کیجئے زندگی نہیں ہوتی۔ کوئی نہ کوئی مقصد بنانا ضروری ہوتا ہے۔"

"میں آپ سے پورا پورا اتفاق کرتا ہوں اس بارے میں۔"

"آپ مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔"

"نہیں ظاہر ہے میں یہاں ایک بے کار انسان کی حیثیت سے وقت گزار رہا ہوں...... ویسے ہی آپ نظر آگئے تھے تو میں نے سوچا کہ تھوڑی دیر آپ سے بات کرلوں۔"

"چھوڑیئے دنیا کی باتیں...... اپنی باتیں کہیں...... آپ کے بارے میں تھوڑی بہت تفصیلات تو مجھے معلوم ہوگئی ہیں، لیکن مستقبل میں آپ کا ارادہ ہے، یہ نہیں پتا چل سکا۔"

"رانی صاحبہ سے اس موضوع پر بات ہوئی تھی اور ابھی ہوئی تھی...... کتنی اچھی خاتون ہیں...... بہت سی پیش کش کی ہیں انہوں نے مجھے۔ لیکن بہر حال! ان کا بہت احسان ہے میرے اوپر، میں سوچتا ہوں کب تک یہ احسان برداشت کرتا رہوں۔"

"جی ظاہر ہے...... یہ فیصلہ کرنا آپ ہی کا کام ہے۔"

"کاش میں رانی صاحبہ کے لئے کچھ کرتا...... کبھی کبھی میں نے انہیں بہت مغموم دیکھا ہے...... نہ جانے ان کے سینے میں ایسا کون سا دکھ پل رہا ہے۔" ڈاکٹر آفتاب ایک دم سنبھل گیا۔ کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا اور بولا۔

"تھوڑی دیر کے لئے اجازت چاہتا ہوں کچھ کام یاد آگیا ہے۔" شہاب نے خوش اخلاقی سے گردن ہلادی تھی، پھر وہ ہونٹ بھینچ کر ڈاکٹر آفتاب کو جاتا ہوا دیکھتا رہا...... اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ڈاکٹر آفتاب ایک نہایت محتاط آدمی ہے۔

رانی کے بارے میں تذکرہ آتے ہی اسے کوئی ضروری کام یاد آگیا تھا...... بہر حال یہ اس کا اپنا عمل تھا کسی غریب آدمی کو زبان کھولنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا...... جب تک کہ قانون کی زد میں نہ آجائے...... اب شہاب کو اپنے اس قدم کے سلسلے میں آگے کی کارروائیوں پر عمل کرنا تھا۔

ڈبل او گینگ کے تمام ممبر شہاب کی یہاں موجودگی سے واقف ہو چکے تھے...... شہنشاہ نے انہیں حاضر پور بلاوجہ ہی نہیں بھیجا ہوگا۔ اس دوران انہوں نے اپنے طور پر حاضر پور اور اس کے نواح کے بارے میں بے شمار تفصیلات معلوم کرلی تھیں اور نہایت محتاط انداز میں اپنا قیام کئے ہوئے تھے...... بہر حال ان کی اپنی صلاحیتیں بھی تھیں اور ان ہی صلاحیتوں کے تحت انہوں نے اپنے لئے ایک بہترین جگہ حاصل کرلی تھی جو ان سب کے قیام کے لئے نہایت موضوع تھی...... ایسا پہلی بار نہیں ہوا تھا بلکہ اس سے پہلے بھی شہنشاہ نے انہیں بے شمار ذمے داریاں سونپی تھیں اور بعض جگہوں پر انہیں اپنی یہ ذمے داریاں خود اپنے طور پر پوری کرنا ہوتی تھیں...... یہ شہنشاہ کا اعتماد بھی تھا اور ان لوگوں کی اعلیٰ صلاحیت بھی کہ انہوں نے شہنشاہ کے اس اعتماد کو دھوکا نہیں دیا تھا اور ہمیشہ اس اعتماد پر پورے اترے تھے۔ چنانچہ اب حاضر پور میں ان کی ہنگامہ آرائیاں جاری تھیں...... عام حالات میں انہیں دیکھ کر کوئی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ گروپ اتنا خطرناک ہوگا اور ایسے ایسے کارنامے سرانجام دے چکا ہوگا جن کی نوعیت بالکل ہی مختلف ہو...... توصیف نے ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول کیا بقیہ لوگ جو یہاں موجود تھے...... اشارہ پا کے ایک دم خاموش ہوگئے تاکہ توصیف صحیح انداز میں گفتگو کرے۔ دوسری طرف سے شہاب کی آواز اُبھری تھی۔

"ہیلو! ڈبل او گینگ۔"

"جی شہاب صاحب؟" خیریت سے تو ہیں نا آپ۔"

"ہاں! بالکل...... تم لوگ بتاؤ کیا پوزیشن ہے۔"

"ہم بالکل محفوظ ہیں اور بڑا عمدہ وقت گزار رہے ہیں، آپ ہمارے لئے خدمت بتایئے؟"

"ہاں! اب وقت آگیا ہے کہ تم لوگ باعمل ہو جاؤ۔ ویسے راؤنگر کے بارے میں تو ساری تفصیلات معلوم کر چکے ہو۔"

"مکمل طور پر۔"

"میں اس وقت راؤنگر میں ہی ہوں۔"

"جی۔"

"میں تمہیں جائے وقوع بتاتا ہوں...... اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لو بلکہ ایک کاغذ پر نقشہ ترتیب دے لو۔"

"تھوڑا توقف فرمایئے مسٹر شہاب!"

"ہاں۔" شہاب نے کہا اور توصیف نے کاغذ اور قلم طلب کر لیا...... شہاب کافی دیر تک اسے اپنی مطلوبہ جگہ کے بارے میں بتاتا رہا تھا۔ پھر شہاب نے کہا۔

"تم لوگوں کو نقاب استعمال کرنے ہیں...... لباس بھی بہت موزوں ہونے چاہئیں اور اس کے بعد تم اس جگہ پہنچ جاؤ...... یہاں میں موجود ہوں گا اور باقی تفصیلات زبانی بھی ہوں گی۔ مسلح رہنا ہے...... اپنے ساتھ ایسی رسیاں لانی ہیں جو کسی کو باندھنے کے لئے کارآمد ہوں...... گاڑی کا بھی معقول بندوبست کرنا ہے...... ہو سکتا ہے جن لوگوں کو تمہیں بے ہوش کر کے لے جانا ہو، ان کی تعداد بارہ سے پندرہ تک ہو اور اگر ایسی کوئی خواب آور گیس مہیا ہو سکے جو لوگوں کو لڑے بھڑے بغیر بے ہوش کر دے تو زیادہ مناسب ہے، کیونکہ ہم انسانوں کو نقصان پہنچانے کے قائل نہیں ہیں، جو کام قانون کے کرنے کا ہے۔ بہتر ہے وہ قانون ہی کرے۔"

"ہم شہنشاہ کی ہدایت کے مطابق بے شمار چیزوں سے لیس ہو کر آئے ہیں مسٹر شہاب۔" توصیف نے جواب دیا۔

"ویری گڈ! اب اگر میں تم سے یہ کہوں کہ مجھے بہت ہی اعلیٰ درجے کے ڈکٹافون چاہئیں تو تم کیا کہو گے! کہ تم وہ مہیا کر سکتے ہو۔"

"جی ہم یہی کہیں گے۔" توصیف نے مسکرا کر کہا اور شہاب کو ہنسی کی آواز سنائی دی۔

"حقیقت یہ ہے کہ ایسے موقعوں پر مجھے شہنشاہ کی عظمت کو سلام کرنے کو جی چاہتا ہے جس

نے تم لوگوں کی تربیت کی۔"

"اور حقیقت بھی یہی ہے مسٹر شہاب! کہ...... شہنشاہ نے ہم ناتراشیدہ پتھروں کو تراش کر یہ رنگ دے دیا ہے...... ہم اس بات سے بالکل انکار نہیں کریں گے، یہ ہماری ذہانت نہیں بلکہ شہنشاہ کی ذہانت ہے۔"

"تو پھر ان تمام چیزوں سے آراستہ ہو کر اس جگہ پہنچ جاؤ...... ڈکٹافون کے ساتھ مجھے ریکارڈنگ سسٹم بھی چاہئے۔"

"بہت بہتر...... وہ سب ہو جائے گا۔" توصیف نے کہا۔

"بس تو پھر ٹھیک ہے...... شام کے بعد تم لوگوں کو ادھر پہنچ جانا ہے...... میرا مطلب ہے سورج چھپنے کے بعد۔"

"ٹھیک ایسا ہی ہوگا...... جناب" توصیف نے جواب دیا اور دوسری جانب سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

وہ سب خاموشی سے توصیف کی صورت دیکھ رہے تھے...... تب توصیف نے انہیں تمام تفصیل بتائی اور سب کے سب نقشے پر جھک گئے۔

❁

رانی راؤنگر ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ شہاب نے جبرو سے رابطے کے لئے کوششیں کیں اور کچھ وقت کے بعد موبائل فون پر اس سے رابطہ قائم ہو گیا...... یہ ساری تفصیلات جبرو نے ہی اسے بتائی تھیں...... ویسے وہ ہر طرح سے لیس رہتا تھا...... شہاب کے بارے میں چونکہ رانی راؤنگر نے اسے بریف کیا تھا اس لئے جبرو شہاب کا بہت خیال رکھتا تھا...... وہ قلعے میں واپس آگیا تو شہاب نے اس سے کہا۔

"معافی چاہتا ہوں جبرو، تمہیں تکلیف دی اصل میں میری مسز ذہنی طور پر کچھ زیادہ ہی نڈھال ہو گئی ہیں...... تم جس علاقے میں رہتے ہو...... وہ علاقہ ہم دونوں ہی کو بے پناہ پسند ہے...... اگر مناسب سمجھو اور کوئی حرج نہ ہو تو تھوڑی دیر کے لئے ہمیں وہاں کی سیر کرا دو۔"

"آپ مائی باپ ہیں جناب...... جب رانی صاحبہ نے آپ کو اپنا دوست کہہ دیا تو پھر پریشانی کی کیا بات ہے؟ آپ حکم کرو۔"

"تو پھر چلتے ہیں جبرو۔"

"آیئے صاحب!" اور جبرو انہیں اپنی اسی خونی لینڈ کروزر میں لے کر چل پڑا...... راستے میں وہ راؤنگر کے اس حصے کے بارے میں بتاتا جارہا تھا۔ اس نے کہا۔

"رانی صاحبہ نے وہ علاقہ اور اس کے آس پاس کی وہ زمینیں ہمیں دے دی ہیں صاحب! اور کہا ہے کہ جبرو جس طرح چاہو ان زمینوں کو اپنے لئے تیار کرو۔"

"ایک بات بتاؤ جبرو، تمہارا اپنا کوئی خاندان نہیں ہے؟"

"تھا صاحب تھا مگر ختم ہو گیا...... ایسا ہوا کہ ہماری ایک بڑے زمیندار سے دشمنی چل گئی تھی...... صاحب پندرہ دن، مہینے دو مہینے میں ایک بندہ ان کا یا ہمارا مارا جاتا تھا...... ہمارے باپ تین بھائی، ماں ایک بہت زمیندار کے ہاتھوں ماری گئی...... ہم اکیلے بچ گئے تھے...... ہمیں اپنی ذمے داری پوری کرنی تھی...... ہم نے اس زمیندار کے پورے خاندان کو باندھ کر جلتی ہوئی آگ میں ڈال دیا...... سارے کے سارے سو گئے...... اس نے ہمارے چند افراد مارے تھے مگر ہم نے جو اس کے بندے مارے وہ پورے سترہ تھے صاحب، اس کے بعد ہماری تلاش شروع ہو گئی...... ہمیں یہیں پر پناہ ملی تھی...... اس کے بعد سے اب تک ہمارے خاندان کا تو کوئی نہیں ہے...... پر سارا اپنا خاندان ہی ہوتا ہے...... یہ سمجھ لیجئے آپ کہ راؤنگر کے علاقے میں رانی راؤنگر کے علاوہ ہمارا ہی اقتدار ہے...... ہم صرف رانی صاحبہ کی بات مانتے ہیں کیونکہ ہمارے اور ان کے درمیان ایک بڑا معاہدہ ہے۔"

"ہونہہ!" شہاب نے ایک نظر بینا کو دیکھا اور بینا خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر خاموش ہو گئی۔ شام کے سائے تیزی سے گرتے چلے آرہے تھے...... جبرو کا جو علاقہ تھا وہ واقعی اپنے طور پر بے حد خوبصورت علاقہ تھا...... یہاں تک کہ جبرو اس جگہ پہنچ گیا...... جہاں خوبانیوں کے باغ لگے ہوئے تھے...... خوبانیوں کی میٹھی خوشبو فضا میں گردش کر رہی تھی۔ شہاب نے کہا۔

"جبرو ان باغوں پر بھی تم ہی محنت کرتے ہو گے۔"

"ہاں صاحب! اس علاقے میں ہم غیروں کو کبھی نہیں آنے دیتے...... ہمارے آدمی ہیں جو ہمارے اپنے اشاروں پر کام کرتے ہیں۔"

"کہاں ہیں اس وقت وہ؟"

"وہ صاحب جو ہماری عمارت بنی ہوئی ہے سب وہیں ہوا کرتے ہیں۔"

"یہ خوبانیوں کا باغ کمال کی خوشبو رکھتا ہے۔"

"اس کا بھی ہمارے بچپن سے ایک لگاؤ ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"ہمارے پورے گھر والوں کو خوبانیاں بہت پسند تھیں اور ہم نے اپنے گھر کے آنگن میں خوبانیوں کے بہت سے درخت لگا رکھے تھے...... بس وہ یادیں باقی رہ گئیں...... یہ زمین ہمیں ملی تو آپ سمجھ لیجئے کہ ہم نے یہاں خوبانیوں کی کاشت کرائی...... آپ یہ سمجھیں صاحب کہ ہماری زندگی کا آدھا حصہ ان درختوں کی پرورش میں گزرا ہے۔"

"چلو بھئی چلتے ہیں۔" شہاب نے کہا...... خوبانیوں کا باغ اس وقت سنسان اور ویران پڑا ہوا تھا...... سورج تقریباً آدھا ڈوب چکا تھا...... منظر بے حد حسین تھا...... خوبانیوں کی میٹھی خوشبو چاروں طرف بکھری ہوئی تھی...... جبرو ان کے ساتھ چلتا ہوا بہت دُور تک نکل آیا...... شہاب کی نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں اور وہ یہ جائزہ لینے کی کوشش کر رہا تھا کہ قرب و جوار میں کوئی موجود ہے یا نہیں، لیکن اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ آس پاس کوئی بھی نہیں ہے...... جبرو انہیں درختوں کے بارے میں بتاتا جارہا تھا اور پھر شہاب نے ایک جگہ رُک کر کہا۔

"آؤ جبرو یہاں بیٹھو کچھ باتیں کرنی ہیں تم سے۔"

"مہربانی ہے جناب آپ کی۔" جبرو نے کہا اور ایک پتھر پر بیٹھ گیا...... بینا اب بھی کس قدر نروس نظر آرہی تھی...... جبکہ شہاب کی آنکھوں میں اس چیتے کی سی چمک پیدا ہو گئی تھی جو شکار کو دیکھ کر ہوشیار ہو جاتا ہے اور حملہ کرنے کی تیاری کر لیتا ہے...... بینا شہاب کی اس کیفیت کو بھی اچھی طرح سمجھ رہی تھی...... شہاب نے ایک نگاہ چاروں طرف دیکھا پھر بولا۔

"جبرو میں اپنے طور پر تم سے کچھ معکومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیسی معلومات صاحب؟" جبرو نے بے نیازی سے کہا۔

"رانی صاحبہ کے بارے میں۔" شہاب نے کہا اور جبرو چونک کر شہاب کی صورت دیکھنے لگا۔

"جی صاحب پوچھئے کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟"

"جبرو رانی صاحبہ اتنی اُداس کیوں رہتی ہیں؟" جبرو ایک لمحے کو سوچتا رہا پھر بولا۔

"اصل میں بات یہ ہے صاحب کہ ہم ان کا نمک کھاتے ہیں اور صرف اتنا کرتے ہیں جتنا وہ کہتی ہیں...... اتنا بولتے ہیں جتنا وہ کہتی ہیں...... اتنا سنتے ہیں جتنا وہ کہتی ہیں...... اپنی طرف سے صاحب نہ کوئی بات ہم کہہ سکتے ہیں نہ کر سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں۔"

"چلو ٹھیک ہے جبرو مگر تم اتنا تو بتا سکتے ہو کہ بوری میں بھر کر وہ کون سی چیز ہوتی ہے جسے تم وہاں سے لے کر آتے ہو۔" شہاب نے کہا اور جبرو ایک دم اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا ...... شہاب کو گھورتا رہا پھر بیٹھ کر بولا۔

"ہم سمجھے نہیں صاحب!"

"اور جب تم وہ چیز لے کر آ جاتے ہو تو رانی صاحبہ بیمار ہو جاتی ہیں۔"

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہو صاحب؟ یہ ساری باتیں اگر ہیں بھی تو رانی صاحبہ ہماری ان داتا ہیں اور آپ کیا سمجھتے ہو ہم رانی صاحبہ کا کوئی راز کھول دیں گے۔"

"اور جبرو وہ لڑکا کون ہے جو اس تہہ خانے میں ہوتا ہے اور پاگلوں جیسی حرکتیں کرتا ہے؟" جبرو کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا...... وہ شہاب کو گھور رہا تھا اور شہاب کی آنکھیں بھی اس کی آنکھوں میں ڈلی ہوئی تھیں۔

"اور عارف کو تم نے کیوں قتل کیا جبرو؟ اس کی موت کی وجہ کیا تھی؟" پھر اچانک ہی جبرو کے ہونٹوں پر ایک مکروہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔

"صاحب! مالک جب دینے پر آتا ہے تو ایسے دے دیتا ہے کہ انسان سوچ بھی نہیں سکتا اور رانی صاحبہ سے ہمارا معاہدہ ہے اور ان کا حکم ہے کہ جس شخص کے لئے وہ جو کچھ کہیں ہم ان کے حکم پر عمل کریں لیکن اگر کسی کو ان کے مفادات کے خلاف دیکھیں تو پھر یہ فرض بھی ہم پر عائد ہوتا ہے کہ رانی صاحبہ سے پوچھے بغیر ان کی طرف دیکھنے والی میلی آنکھ کو نکال دیں تو بینے کی بات یہ رہی صاحب کہ آپ کی یہ بیگم صاحب جو تھیں نا یہ ہمیں بہت پسند تھیں اور ہم کئی بار ان کے بارے میں سوچ چکے ہیں مگر مالک کا حکم، مالک کا حکم ہوتا ہے۔"

"ان کے بارے میں کیا سوچ چکے ہو؟ جبرو۔"

"آپ کی ہر بات ہم آپ کو بتائے دے رہے ہیں صاحب...... ہمیں بتانے میں کوئی اعتراض نہیں ہے...... عارف کو ہم نے گاڑی سے کچل کر مارا...... اس لئے کہ رانی صاحبہ کے

ملاف وہ کوئی شکایت لے کر گیا تھا پولیس اسٹیشن...... خادم خان پولیس آفیسر جو ہے وہ تنخواہ ار ہے...... سرکاری تنخواہ سے اس کا بھلا نہیں ہوتا...... وہ لڑکا رانی صاحبہ کا بیٹا ہے اور جنونی ہے...... کیا سمجھے صاحب...... بوریوں میں جو چیز ہم بھر کے لاتے ہیں وہ دور دراز کے علاقوں سے اٹھائی ہوئی نوجوان لڑکیاں ہوتی ہیں، جنہیں ہم اس جنونی کے حوالے کرتے ہیں لیکن صاحب اس سے پہلے وہ ہمارے پاس بھی کچھ وقت گزار لیتی ہیں۔" جبرو منہ پھاڑ کر ہنسا...... شہاب اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔

"مگر وہ جنونی لڑکا؟ تم کہتے ہو کہ رانی راؤنگر کا بیٹا ہے۔"

"ہاں اسی کا ہے۔" جبرو نے بدستور شرارت بھری نگاہوں سے شہاب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"مگر اس کا باپ کون ہے؟"

"ہم نہیں ہیں صاحب، تم بھی نہیں ہو، پھر کوئی بھی ہوگا ہم نے نہ اس کی چھان بین کی اور نہ آئندہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"مگر جبرو وہ لڑکیاں؟ جنہیں تم زندہ وہاں تک پہنچاتے ہو۔"

"جی صاحب بولو آگے بولو۔"

"وہ بوری میں کیوں لاتے ہو وہاں سے؟"

"اس لئے صاحب کہ وہ انہیں مار ڈالتا ہے۔" جبرو نے کہا اور ہنس پڑا پھر دوبارہ بولا۔

"وہ پاگل ہے نیم دیوانہ ہے...... صاحب اب اس کے آگے تفصیل نہ پوچھنا...... آپ کی بیگم آپ کے ساتھ ہیں...... آپ کے مرنے کے بعد تفصیل ہم انہیں بتا دیں گے۔"

"مگر مرنے سے پہلے مجھے تو تفصیل بتا دو؟"

"اور کچھ پوچھنا ہے؟"

"ہاں...... رانی صاحبہ تمہیں اس بات کا حکم دیتی ہیں۔"

"جی صاحب! وہ اصل میں آپ تو سمجھتے ہیں وہ لڑکا جب جنون میں آتا ہے تو اپنے آپ کو زخمی کر لیتا ہے...... اسے کچھ نہ کچھ عرصے کے بعد کسی نہ کسی سے ملنا ہوتا ہے اور ہم تلاش کا کام بھی کرتے ہیں اور پہنچانے کا بھی۔"

"کیا رانی صاحبہ نے اس کی دیوانگی کا علاج کرانے کی کوشش نہیں کی؟"

"ہمیں نہیں معلوم صاحب۔" اور ہم آپ سے اس وقت بالکل سچ بول رہے ہیں۔"

"جبرو تم کتنے عرصے سے ان کے لئے کام کر رہے ہو؟"

"بہت دن گزرے صاحب کوئی تین یا چار سال۔"

"کبھی کسی ایسے علاقے کی پولیس یہاں تک نہیں پہنچی؟ جہاں سے تم لڑکی کو اُٹھا کر لائے ہو۔"

"یہ ہماری ذمے داری ہے صاحب...... رانی صاحبہ کا حکم ہے کہ جب تک ہم محفوظ ہیں جب تک پولیس کو نہیں معلوم ہو تا کہ ہم کہاں سے لڑکی اُٹھا کر لائے ہیں؟ یہ ساری ذمے داری ہمیں خود ہی تسلیم کرنی پڑتی ہے...... یعنی اگر کبھی کسی کو شبہ ہو جائے تو ہم رانی صاحبہ کا حوالہ بھی نہیں دیں گے اور سب ذمے داری اپنے سر لیں گے...... انہیں بتائیں گے کہ ہم برے آدمی ہیں...... رانی صاحبہ نے یہ وعدہ کیا ہے ہم سے کہ اگر ہم کسی طرح کبھی جال میں پھنس گئے تو ہماری پوری حفاظت کریں گی اور اپنے اختیارات سے کام لے کر ہمیں آزاد کرالیں گی۔"

"یہ سارے آدمی یہ ساری باتیں جانتے ہیں۔"

"کون سے آدمی؟"

"وہ جو تمہارے اپنے آدمی ہیں؟"

"نہیں صاحب! صرف ہم ہیں جو رانی صاحبہ کے راز دار ہیں باقی سب مشینیں ہیں، جو ہمارے اشاروں پر کام کرتی ہیں اور جو مشین خراب ہو جاتی ہے تو ہم اسے زمین میں اتار دیتے ہیں۔"

"اور ان لاشوں کا تم کیا کرتے ہو؟"

"یہ علاقہ بہت بڑا ہے صاحب...... وہ سامنے والی پہاڑیاں جو آپ دیکھ رہے ہیں...... ان کے پیچھے بڑے بڑے غار ہیں...... پہلے ہم اس علاقے میں پلنے والے گدھوں کو ان کا گوشت کھلاتے ہیں...... اب دیکھئے نا صاحب ان کو بھی تو خوراک چاہئے ہوتی ہے...... اس کے بعد لڑکیوں کی ہڈیاں اور ان کے ڈھانچے ہم ان غاروں میں ڈال دیا کرتے ہیں۔"

"جبرو! عارف کا کیا قصہ تھا یہ تمہیں نہیں معلوم؟"

"بولا نا صاحب! رانی صاحبہ نے حکم دیا کہ دیکھو! جو بات ہمارے علم میں آئی ہے صاحب وہ یہ ہے کہ جس تہہ خانے کی تم بات کر رہے ہو وہ عارف نے بھی کسی نہ کسی طرح

کھ لیا تھا اور عارف کو رانی صاحبہ نے دیکھ لیا تھا کہ وہ ان کے راز سے واقف ہو چکا ہے...... ب دیکھو نا صاحب! رانی صاحبہ اس راز کو تو نہیں کھول سکتی تھیں نا اور پھر آپ کو یہ بات ہیں معلوم کہ عارف پولیس اسٹیشن پہنچ گیا تھا...... خادم خان سے شکایت کرنے۔" جبرو پھر ور سے ہنسا۔

"پھر کیا ہوا؟"

"بس ہم اس کی تاک میں تھے، پھر خادم خان نے اسے بھگا دیا...... اس نے سوچا ہو گا کہ چلو رانی صاحبہ سے معافی مانگ کر جان بچانے کی کوشش کی جائے مگر اسے سزائے موت دی جا چکی تھی...... اس کا زندہ رہنا خطرناک تھا...... چالاک بننے کی کوشش کر رہا تھا ہم نے اس پر گاڑی چلا دی اور وہیں اس کی چٹنی بنا کر رکھ دی...... کیا سمجھے صاحب؟ یہ چٹنی ہم ہاتھوں سے بھی بنا سکتے تھے مگر ہم نے گاڑی استعمال کی...... آپ نے کبھی ہمارے ہاتھوں کی چٹنی دیکھی ہے صاحب۔"

"نہیں!"

"تو اب دکھاتے ہیں آپ کو؟" جبرو بولا۔

"کیا مطلب؟"

"دیکھو صاحب! بتا چکے ہیں ہم آپ کو کہ رانی صاحب کا حکم ہے کہ ساری باتیں اپنی جگہ کبھی بھی جگہ اگر ان کے مفادات کو نقصان پہنچ رہا ہو یا کوئی ایسی شخصیت سامنے آ جائے جو رانی صاحبہ کے ایسے راز جان چکی ہو جن کا راز رہنا ضروری ہے تو پھر اس شخصیت کو زندہ نہیں رہنا چاہئے...... صاحب آپ خود بھی سمجھدار ہو...... اگر آپ زندہ رہ گئے تو رانی صاحب کا راز کھل جائے گا...... ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ جبرو کی زندگی میں ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ ہم مالک کے دین کی بات اس لئے کر رہے تھے کہ آپ نے خود ایسا ماحول پیدا کر دیا کہ یہ بیگم صاحبہ ہماری ہو جائیں۔"

"او ہو اچھا! واقعی پھر تو کمال کی بات ہے مگر جبرو تم میری بیوی پر ہاتھ کیسے ڈال سکتے ہو، جب تک کہ میں موجود ہوں۔"

"تو آپ غائب ہو جاؤ صاحب...... آپ کو تو اب اس دُنیا سے غائب ہونا ہی ہے...... اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ رانی صاحبہ کے راز سے واقف ہو چکے ہو...... اس لڑکے کے راز

سے واقف ہو چکے ہو جو تہہ خانے میں ہے...... ساری باتیں تو آپ کو پتا چل گئی ہیں صاحب مگر ایک بات ہمیں بھی بتا دو۔"

"پوچھو پوچھو!" شہاب نے بھی چہکتے ہوئے لہجے میں کہا اور پہلی بار جبرو کے چہرے پر ایک ہلکی سی حیرت کی لکیر نظر آئی وہ چند لمحات شہاب کو گھورتا رہا پھر بولا۔

"صاحب! آپ کو ان تمام باتوں کا تجسس کیسے ہوا؟ اور آپ کو اس تہہ خانے کے بارے میں کیسے علم ہوا...... آپ کون ہو صاحب؟ کیا وہ نہیں ہو جو رانی صاحبہ سمجھتی ہیں۔"

"ہاں! جبرو افسوس کی بات ہے کہ میں وہ نہیں ہوں۔"

"تو پھر آپ کون ہو صاحب؟ اب تو بتا دو۔"

"اصل میں میرا تعلق محکمہ پولیس کے سپیشل ڈیپارٹمنٹ سے ہے اور میں اس سارے معاملے کی چھان بین کے لئے آیا ہوں۔"

"ارے واہ صاحب! یہ پولیس کا چکر ادھر بھی چل گیا، مگر غلطی کر دی آپ نے صاحب...... بہت بڑی غلطی کر دی۔"

"وہ کیا جبرو...... مجھے بتا دو کم از کم۔"

"صاحب! اب آپ کو بہت سے نقصانات اٹھانا پڑیں گے...... یہ میم صاحبہ! ہم قسم کھاتے ہیں کب سے ہماری رال ان پر ٹپک رہی تھی...... اب یہ ہماری ہیں...... رانی صاحبہ کا حکم تو خود بخود ختم ہو گیا...... آپ کی عزت بھی ختم ہو گئی۔ اب آپ کیا کریں گے؟"

"تمہیں گرفتار کر کے لے جاؤں گا جبرو اور پھر تمہیں قانون کے حوالے کروں گا۔"

"خوب خوب تو پھر گرفتار کیسے کرو گے صاحب؟"

"وہ میں تمہیں ابھی بتائے دیتا ہوں...... باقی جہاں تک بات رہی ان میم صاحب کی تو جبرو تمہاری رال ان پر ٹپک رہی ہے نا۔"

"بولا نہ صاحب! یہ اب کی بات نہیں ہے...... اس وقت [illegible] نے ان کو پہلی بار دیکھا تھا۔"

"تو جبرو پھر ٹھیک ہے تم انہیں بہن کہو گے...... ماں کہو گے اور بیٹی کہو گے اور نہیں کہو گے تو تمہارا بھیجا دماغ کی بجائے تمہاری ناک سے باہر نکل آئے گا۔" شہاب نے کہا اور

جبرو بھیانک انداز میں ہنسنے لگا...... پھر اس نے کہا۔

"صاحب! جبرو سے کہہ رہے ہو...... یہ بات۔ اگر مذاق کر رہے ہو تو یہ مذاق تمہاری زندگی لے لے گا صاحب...... ٹھیک ہے ہوشیار...... بات ختم ہو گئی۔ جہاں تک رانی صاحبہ کا معاملہ ہے تو انہیں یہ بتا دینا کافی ہو گا کہ تم سپیشل پولیس کے آدمی ہو۔" جبرو نے کہا اور دونوں ہاتھ پھیلا دیئے...... شہاب نے بینا کو ایک طرف ہٹ جانے کا اشارہ کیا اور بینا سمٹ کر ایک سمت ہو گئی۔ شہاب خود بھی تیار ہو گیا تھا...... جبرو اسے دیکھ کر پینترے بدلنے لگا اور بولا۔

"کون سا فائٹ کرو گے صاحب...... مارشل آرٹ، دیسی یا؟"

"یا......؟" شہاب نے سوال کیا اور جواب میں جبرو نے جیب سے پستول نکال لیا، لیکن اسی وقت بجلی سی چمک گئی...... شہاب نے گھوم کر ایک لات جبرو کے ہاتھ پر ماری اور پستول جبرو کے ہاتھ سے نکل کر فضا میں بلند ہو گیا، لیکن اس وقت بینا نے جو کام کیا تھا...... اس سے یہ اندازہ ہو گیا کہ شہاب نے آج تک بینا پر جو محنت کی ہے وہ بے مقصد نہیں ہے...... بینا نے اُچھل کر پستول کو اسی طرح کیچ کر لیا تھا جیسے کرکٹ کا کوئی کھلاڑی اپنی پوزیشن بنا کر مخالف سمت کا مارا ہوا چھکا کیچ کر لیتا ہے، جیسے ہی پستول بینا کے ہاتھ میں آیا...... جبرو بینا کی طرف دوڑا لیکن شہاب نے گھوم کر ایک لات اس کی کمر پر رسید کی البتہ جبرو نے جس طرح اس ضرب کو برداشت کر کے قلابازی کھائی اور سیدھا کھڑا ہو گیا...... اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اس نے جوڈو وغیرہ بھی سیکھی ہوئی ہے...... اس کے چہرے پر خون نظر آ رہا تھا حالانکہ بینا کے ہاتھ میں پہنچ جانے والے پستول کا مقصد یہ تھا کہ پہلے ہی مرحلے پر جبرو کو شکست ہو گئی ہے...... بینا اس کا نشانہ لے سکتی تھی، لیکن جبرو تھوڑا سا جاہل آدمی بھی معلوم ہوتا تھا کیونکہ اس نے بینا کی طرف توجہ دیئے بغیر شہاب پر آنکھیں جما رکھی تھیں...... پھر اس نے دو تین ایکشن دیئے اور اس کے بعد گھوم کر شہاب کے سینے پر لات مارنے کی کوشش کی، لیکن شہاب نے اس کے وار کو ناکام بنا کر ایک ضرب اس کے پیٹ پر اور لگائی اور پھر فضا میں اُچھل کر دونوں لاتیں اس کے سینے پر ماریں...... جبرو طاقتور تھا لیکن ذہین نہیں تھا...... شہاب جانتا تھا کہ جسمانی طاقت میں جبرو اس سے زیادہ ہے...... اس لئے دو چار ایسے وار ضروری ہیں جن کی بنا پر جبرو نڈھال ہو جائے اور اس نے یکے بعد دیگرے جبرو پر ایسے ہی وار کیے...... جبرو اب بالکل خاموش ہو گیا تھا...... شہاب نے ایک لات اس کے جبڑوں پر رکھی تھی اور جبرو

بری طرح زمین پر گرا...... جیسے ہی وہ زمین پر گرا شہاب اُچھل کر اس کی کمر پر سوار ہو گیا...... اس نے اس کے چہرے کی مخالف سمت پر بیٹھ کر اس کا پاؤں پکڑا اور پوری طرح اسے اپنی گرفت میں لے کر اچانک ہی لیٹ گیا...... جبرو کے حلق سے نکلنے والی دھاڑ...... بس ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کوئی مرتا ہوا بھینسا چیخا ہو...... شہاب کا یہ انتہائی خوفناک داؤ تھا...... جبرو کے کولہے کی ہڈی نے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی...... شہاب اپنی جگہ سے اُٹھ گیا...... اس کے چہرے پر اس وقت شدید غصے کے آثار تھے...... جبرو اگر بینا کے بارے میں ایسے الفاظ نہ کہتا تو شاید شہاب یہ داؤ اس پر استعمال نہ کرتا لیکن جبرو نے خود اپنی موت کو پکارا تھا...... وہ شدت کرب سے کراہ رہا تھا اور شہاب ایک جگہ کھڑا اسے دیکھ رہا تھا...... جبرو بولنے کی کوشش کرنے کے باوجود بول نہیں پا رہا تھا...... زمین پر مٹی اُڑ رہی تھی اور لاتعداد خراشیں جبرو کے چہرے پر پڑ چکی تھیں...... اس کے ہاتھ پاؤں سب بری طرح چھل گئے تھے، لیکن جو گھاؤ اس کے لگا تھا اس نے اسے بے قرار کر رکھا تھا...... شہاب آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور دفعتاً اس کے پیروں پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہو گیا...... اس نے بینا کو آگے بلایا اور جبرو سے کہا۔

"کہو اسے بہن۔" جبرو نے خونی نگاہوں سے شہاب کو دیکھا اور غصے سے گردن جھٹکی۔

"بیٹی کہو اسے۔" جبرو نے پھر وہی انداز اختیار کیا۔

"ماں کہو اسے۔" جبرو تکلیف کی شدت سے اُٹھ کر بیٹھ گیا...... شہاب نے ایک لات اس کے منہ پر ماری...... وہ پھر زمین پر گر پڑا...... شہاب پھر اپنے الفاظ دہراتے ہوئے بولا۔

"بہن کہو، ماں کہو، بیٹی کہو اسے۔"

"نہیں کہوں گا کتے...... نہیں کہوں گا۔" جبرو نے کہا اور شہاب نے ایک دم اس کی زخمی ٹانگ پلٹ کر اسے پھر اوندھا کر دیا اور اس کے بعد اب نے اس کی دوسری ٹانگ بھی اسی انداز میں پکڑی اور پھر اسے بالکل اسی انداز میں دوبارہ موڑ دیا...... جبرو کی مشکل حل ہو گئی...... اس کے حلق سے کئی درد بھری چیخیں نکلیں اور اس کے بعد وہ بے ہوش ہو گیا...... شہاب نے اسے چھوڑ دیا اور ایک زوردار لات اس کے پیٹ پر رسید کی...... لیکن بے کار جبرو بے ہوش ہو چکا تھا...... چند لمحات تک شہاب اس کو گھورتا رہا...... پھر آہستہ آہستہ اس نے نگاہیں اُٹھا کر بینا کی جانب دیکھا...... بینا کے ہونٹوں پر ایک جذباتی مسکراہٹ

تھی...... وہ دوڑتی ہوئی آئی اور شہاب سے لپٹ گئی۔ شہاب نے اس کے شانے کو تھپتھپایا تو بینا کہنے لگی۔

"اللہ کے بعد جسے ایسا سہارا مل جائے وہ اپنی خوش قسمتی پر جس قدر ناز کرے کم ہے۔"

شہاب نے کوئی جواب نہیں دیا...... بینا کے ہاتھ سے پستول لے کر جیب میں رکھ لیا اور اس کے بعد ادھر اُدھر دیکھنے لگا...... تبھی اسے ڈبل او گینگ کے افراد نظر آئے...... سردار علی، نجم شیخ اور توصیف سامنے ہی تھے...... وہ آگے بڑھ کر اس کے قریب پہنچ گئے...... وہ سب خاموشی سے شہاب کو دیکھ رہے تھے اور شہاب انہیں دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

"میں بے چینی سے تم لوگوں کا انتظار کر رہا تھا...... میں نے سوچا تم لوگ لیٹ نہ ہو گئے ہو۔"

"نہیں سر! ہم یہاں موجود تھے لیکن شہاب صاحب خدا کی قسم! کبھی کبھی تو ہمیں اس بات پر شبہ ہونے لگتا ہے کہ کہیں آپ ہی شہنشاہ نہ ہوں۔"

"خوب! تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں...... اتنی بڑی بات کہنے پر...... بھلا میرے اندر وہ صلاحیتیں اور وہ ذہانت کہاں جو اس پراسرار شخصیت کے اندر ہے...... بہرحال یہ بتاؤ تم لوگوں نے اپنا کام کر لیا۔"

"چودہ افراد ہیں جناب! لیکن بہرحال! ہم بھی دو جیپیں لے کر آئے ہیں۔"

"دو جیپیں؟"

"ہاں! آپ نے تھوڑا بہت اشارہ تو دے دیا تھا۔"

"اور وہ جگہ جہاں تم لوگ مقیم ہو؟"

"بالکل محفوظ اور مناسب جگہ ہے...... ان سب کا بندوبست ہو جائے گا...... اسے بھی سامان میں شامل کر لیا جائے۔" توصیف نے جبرو کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ہاں اسے لے جانا ہے لیکن خطرناک آدمی ہے۔ بہت سختی سے باندھ کر رکھنا ہو گا۔"

"آپ نے اس کا جو حشر کر دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں...... زندہ بچ جائے تو بڑی بات ہے۔"

"لے جاؤ یہ اسی قابل ہے کہ کتے کی موت مارا جائے۔"

"اور ہمارے لئے کیا حکم ہے؟"

"یہ تم کیسی بات کرتے ہو میں تم میں سے ایک ہوں...... شہنشاہ نے مجھے تھوڑی سی

عزت بخش دی ہے تو تم لوگوں نے مجھے شرمندہ کرنا شروع کر دیا۔“

”شرمندہ؟“ سردار علی تعجب سے بولا۔

”تو اور کیا...... مجھ سے خود مانگ رہے ہو میرے بھائی۔ ان لوگوں کو لے جا کر رکھو...... ابھی ہم انہیں پولیس کی تحویل میں بھی نہیں دے سکتے۔ البتہ تم لوگ ایک کام کرو...... تم میں سے دو افراد ان سب کو کسی نہ کسی طرح لے جا کر شہر پہنچ جاؤ اور انہیں اپنی تحویل میں رکھو...... دو افراد نکل جاؤ...... اب باقی افراد سے سارا کام چل جائے گا۔“

”ٹھیک ہے ایسا کر لیتے ہیں ہم...... کوئی مشکل نہیں ہو گی۔“ ڈبل او گینگ کے یہ تمام ممبر بھی اب اس قدر ذہین ہو چکے تھے اور انہیں یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ ان کے اختیارات اس قدر وسیع ہیں کہ انہیں کسی کام میں کوئی دقت نہیں ہوئی تھی...... بڑے سے بڑے کام میں ہاتھ ڈال دیا کرتے تھے...... شہاب کے بارے میں بھی انہیں اندازہ ہو چکا تھا کہ انتہائی ذہانت کا مالک ہے اور ہر طرح کی مشکل کو آسان کر لیتا ہے، خاص طور سے اس لئے کہ اس کا رابطہ براہ راست ڈی آئی جی نادر حیات صاحب سے ہے اور قانونی معاملات کو بلکہ پولیس کے معاملات کو ڈی آئی جی نادر حیات صاحب دیکھ لیا کرتے ہیں اور انہیں کوئی دقت نہیں ہوتی، چنانچہ اس بنیاد پر یہ لوگ بھی بڑے سے بڑا قدم اُٹھا لیا کرتے تھے اور اسی بنیاد پر انہوں نے یہ بات کہی تھی کہ ان لوگوں کو آسانی کے ساتھ لے جائیں گے...... بہر حال یہ ساری باتیں اپنی جگہ شہاب نے اس وقت جبرو کے ساتھ جو جنگ کی تھی وہ ان لوگوں کے لئے انتہائی دلچسپی کا باعث تھی۔ توصیف نے کہا۔

”پھر بھی شہاب صاحب! آپ ہمیں یہ تو بتا دیجئے کہ اس کے بعد ہمیں کیا کرنا ہے؟“

”اب جبکہ تم نے یہ ساری چیزیں میرے حوالے کر دی ہیں ارے ہاں وہ ڈکٹافون؟“

”ہم ایس پی ون لے آئے ہیں۔“

”وری گڈ! توصیف ایس پی ون لا کر تم لوگوں نے بڑی ذہانت کا ثبوت دیا ہے...... مجھے واقعی اسی کی ضرورت تھی۔ [illegible] پی ون ایک [illegible] قسم کا سیٹ تھا جس کے بہت سے حصے تھے۔ مثلاً ڈکٹافون جو وائرلیس تھے...... نہایت چھوٹے تھے لیکن انتہائی طاقتور اور صاف آواز دینے والے...... ان سے منتقل ہونے والی آواز ریکارڈ کرنے کے لئے سیف تھے اور سب سے بڑی بات یہ کہ یہ ڈکٹافون مختلف جگہوں پر نصب کئے جا سکتے تھے اور ان کی تعداد پانچ تھی،

[illegible]ن اتنے چھوٹے کہ با آسانی ایک پن کے ذریعے انہیں کہیں بھی لگایا جا سکتا تھا......

[illegible]ں پی ون اپنے قبضے میں کرنے کے بعد شہاب نے کہا۔

”دوسرے مرحلے کے لئے میں تم لوگوں سے رابطہ قائم کروں گا، بس سب سے پہلا [illegible]م یہ کر دو کہ ان لوگوں کو دارالحکومت منتقل کر کے مجھے اس کے بارے میں رپورٹ [illegible]و۔“

”ٹھیک ہے جناب۔“ توصیف نے کہا...... پھر اس کے بعد شہاب نے اپنی نگرانی میں یہ [illegible]ارے کام کرائے تھے اور اس کے بعد اس خونی لینڈ کروزر میں بینا کو لے کر محل کی جانب [illegible]ل پڑا تھا۔

❁ ❁ ❁

جس وقت وہ رانی راؤنگر کی محل نما حویلی میں داخل ہوا تو عین سامنے کے حصے میں رانی راؤنگر آفتاب سے باتیں کر رہی تھی...... لینڈ کروزر کو دیکھ کر وہ اس جانب متوجہ ہو گئی۔ شہاب صرف ایک لمحے کے لئے ٹھٹکا تھا...... اس نے کہا۔

"بینا ہوشیار رہنا...... بات میں کروں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" بینا آہستہ سے بولی...... رانی راؤنگر اور آفتاب اسی جانب متوجہ تھے...... شہاب نے لینڈ کروزر ایک طرف کھڑی کی اور جب لینڈ کروزر سے وہ دونوں نیچے اترے تو رانی کے چہرے پر حیرت کے نقوش پھیل گئے...... اس نے ایک عجیب سے انداز میں شہاب کو دیکھا...... شہاب اور بینا اس کے پاس پہنچ گئے تو انہوں نے رانی کو سلام کیا پھر اس نے جواب دیا اور بولی۔

"یہ تم دونوں تنہا کیسے؟"

"پتا نہیں کیا ہوا رانی صاحبہ! جبرو ہمیں یہاں سے لے کر گیا تھا، ایک دُور دراز نواحی علاقے میں جہاں پر چٹانیں بکھری ہوئی ہیں...... جبرو نے ہمیں اس دریا کے کنارے چھوڑ دیا جو ایک آبشار سے بن کر بہتا ہے اور اس کے بعد بولا کہ وہ ابھی تھوڑی دیر میں آتا ہے...... اس وقت سے ہم اس کا انتظار کرتے رہے، لیکن جبرو واپس نہیں آیا...... ہم پریشان ہوئے اور ہم نے چاروں طرف اسے تلاش کیا، لیکن جبرو کا کوئی پتا نہیں چل سکا...... بحالت مجبوری ہمیں رات ہونے سے پہلے واپس چلنا پڑا...... بس یوں سمجھ لیجئے کہ راستہ ذہن میں آ ہی گیا تھا ورنہ امکان اس بات کا تھا کہ ہم راستہ بھی تلاش نہ کر سکیں۔"

"جبرو چلا گیا؟"

"جی۔"

"اور واپس نہیں آیا۔" رانی جیسے خود سے یہ سوال کر رہی تھی۔

"جی رانی صاحبہ!"

"مگر کہاں؟"

"کہہ کر گیا تھا کہ ابھی آ رہا ہوں۔"

"اس نے اس سے پہلے کبھی اتنی غیر ذمہ داری کا ثبوت نہیں دیا، کہیں کسی حادثے کا کار نہ ہو گیا ہو؟"

"آپ یقین کیجئے کہ میں کافی بڑے علاقے میں اسے تلاش کرتا پھرا ہوں۔"

"نہیں خیر وہ کوئی ایسی شخصیت نہیں ہے جسے کسی سے نقصان پہنچ جائے...... میں تو رف یہ کہہ رہی تھی کہ نہ جانے ایسا کیوں کیا اس نے؟ وہ بہت طاقتور ہے، تم یقین کرو ایک ردہ باقاعدہ چیتے سے لڑ گیا تھا اور اس نے چیتے کو ہلاک کر ڈالا تھا...... خود بھی تھوڑا بہت نی ضرور ہوا تھا، لیکن نہ ہونے کے برابر چیتے کی اور اس کی پھرتی کو دیکھ کر میں نے اسے پنے خاص ساتھیوں میں رکھا تھا۔"

"جی۔"

"خیر تم لوگوں کو اور کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی نا؟"

"نہیں رانی صاحبہ!"

"جبرو سے میں اس غیر ذمے دارانہ حرکت کا سختی سے جواب طلب کروں گی...... تم گ آرام کرو۔" رانی نے کہا اور شہاب اور بینا وہاں سے آگے بڑھ گئے...... پھر اس کے بعد نہوں نے دیکھا کہ رانی بھی کسی قدر اضطراب کے عالم میں اندر چلی گئی تھی اور آفتاب اپنی ائش گاہ کی طرف...... اپنے کمرے میں آنے کے بعد شہاب نے بینا سے کہا۔

"بینا سلسلہ خاصا دلچسپ ہو گیا ہے...... دیکھو اب آگے کی صورت حال کیا رہتی ہے؟"

"ہاں۔"

"ویسے میں چاہتا ہوں کہ کام جس قدر جلد مکمل ہو کر لیا جائے۔" بینا اور شہاب لباس بدیل کرنے لگے، جس وقت شہاب لباس تبدیل کرنے کے بعد باہر نکل رہا تھا اور یہ سوچ رہا تا کہ کسی ملازمہ سے چائے کے لئے کہے کہ اس کی نگاہ کھڑکی کی جانب اُٹھ گئی۔ یہ وہی کھڑکی

تھی جس سے بیرونی منظر نظر آتا تھا اور یہ بڑا اچھا ہوا کہ شہاب کو اس کا موقعہ مل گیا...... اس نے دیکھا کہ رانی راؤ نگر اپنی مخصوص گاڑی میں بیٹھ کر باہر جانے کی تیاری کر رہی ہے...... وہ گاڑی میں بیٹھ گئی تھی اور ڈرائیور نے گاڑی سٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی تھی...... جب وہ بڑے پھاٹک سے باہر نکل گئی تو شہاب نے کہا۔

"بینا! ہمیں بہترین موقع مل گیا ہے۔" بینا چونک کر شہاب کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔

"کیسا موقع شہاب؟"

"رانی راؤ نگر باہر گئی ہے۔"

"تو یقینی طور پر وہ جبرو کے سلسلے میں پریشان ہو گی۔"

"ہاں اور اس سے یہ اندازہ بھی ہو گیا ہے کہ اس کا کسی خاص ذریعے سے جبرو سے رابطہ قائم تھا۔"

"ہاں۔"

"سب سے پہلے ہمیں ڈبل او گینگ کو اس بات سے آگاہ کر دینا چاہئے کہ جبرو اور اس کے ساتھیوں کی مکمل طور پر تلاشی لے لی جائے کہیں ان کے پاس بھی ہمارے جیسا کوئی ٹرانسمیٹر نہ ہو۔"

"یہ کام میں کئے دیتی ہوں۔"

"پلیز۔" شہاب نے کہا اور بینا ٹرانسمیٹر پر توصیف سے رابطہ قائم کرنے لگی، جو تھوڑی دیر کے بعد ہی قائم ہو گیا تھا۔

"ہیلو۔"

"مسٹر توصیف! میں بینا بول رہی ہوں۔"

"جی بینا صاحبہ! فرمائیے۔"

"تم لوگ خیریت سے پہنچ گئے؟"

"جی بالکل اور اب سے چند منٹ کے بعد شہاب صاحب کے دوسرے حکم پر عمل درآمد ہونے جا رہا ہے۔"

"آپ نے ان لوگوں کی تلاشی لے لی؟"

"جی بالکل...... ان کے پاس جو کچھ تھا ایک ایک کر کے نکال لیا گیا ہے۔"

"کیا اس میں کسی ٹرانسمیٹر کی موجودگی کے آثار ملتے ہیں؟"

"بالکل نہیں۔"

"پورے اطمینان کے ساتھ آپ یہ بات کہہ رہے ہیں؟"

"جی ہاں...... اصل میں ہم نے خاص طور پر دھیان رکھا ہے۔"

"جبرو یا اس کے ساتھیوں کا بھی یہی خیال رکھا گیا ہے؟"

"جی بالکل۔"

"ٹھیک ہے...... بس یہی معلوم کرنا تھا...... ہمیں شبہ تھا کہ کوئی ایسا ذریعہ نہ ہو جس کے ذریعے جبرو ہوش میں آ کر کسی سے کوئی رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرے۔"

"آپ اطمینان رکھئے، اب اس کا کوئی امکان نہیں ہے۔"

"گڈ توصیف بہت بہت شکریہ!" بینا نے کہا اور ٹرانسمیٹر بند کر کے شہاب کو اس کے بارے میں تفصیلات بتانے لگی۔

"بینا اب ہم اپنا دوسرا کام کر لیتے ہیں۔" یہ دوسرا کام بھی خاصا مشکل کام تھا اور دن کی روشنی میں اسے کرنا خاصا مشکل، حالانکہ شام کے سناٹے فضاؤں میں اترتے چلے آ رہے تھے، لیکن حیران کن طریقے سے محل نما حویلی کی راہداریاں خالی پڑی تھیں...... ملازمین اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے...... شہاب نے بینا کو صرف اس لئے ساتھ لیا تھا کہ وہ ماحول پر نگاہ رکھے...... سب سے پہلی کوشش اس نے رانی کی خواب گاہ میں داخل ہونے کی، کی تھی...... رانی کے بیڈ روم میں پہنچنے کے بعد اس نے رانی کی مسہری کے پاس ایک بہتر جگہ منتخب کر کے وہاں ڈکٹا فون کا ٹیپ لگا دیا...... یہ مخصوص انداز کا ڈکٹا فون تھا، اسے آن کرنے کے بعد شہاب کامیاب سے باہر نکل آیا اور دونوں ٹہلنے کے سے انداز میں آگے بڑھ گئے...... دوسرا ٹیپ شہاب کو بڑی برق رفتاری سے اس تہہ خانے میں لگانا تھا، ٹیپ لگانے کے ساتھ ساتھ اسے اس وحشی صفت نوجوان کا بھی خیال رکھنا تھا، وہاں وہ بینا کو نہیں لے گیا بلکہ بینا خود آگے بڑھ گئی تھی، وہ سامنے کی راہداری میں دُور تک پہنچ گئی اور آخری حصے تک پہنچنے کے بعد وہاں سے واپس پلٹی...... اسے اس وحشی نوجوان کا خیال بھی آ رہا تھا جس نے عجیب سے انداز میں اس کے حصول کی خواہش کی تھی...... بینا کانپ گئی۔ وہ جس انداز کا نوجوان تھا کوئی لڑکی اس کی قربت میں پہنچنے کے بعد کیا حیثیت اختیار کر جاتی ہو گی؟ یہ احساس رگ و پے میں خون کی

لہریں برپا کر دیتا تھا...... بینا شہاب کی بخیریت واپسی کا انتظار کر رہی تھی اور شہاب نے یہ کام انتہائی پھرتی سے سرانجام دے ڈالا تھا...... اس کے بعد وہ باہر آ گیا تھا...... پھر ڈکٹافون ایسے مختلف حصوں میں لگا دیئے گئے تھے جہاں سے شہاب کو اپنا مقصد حاصل ہو سکتا تھا اور اس کام میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد شہاب اور بینا اپنے کمرے میں واپس آ گئے...... ڈکٹافون کے ریسیور کو آن کر کے اس کی کارکردگی کا جائزہ لیا...... اس ریسیور سے ٹیپ ریکارڈر بھی منسلک تھا...... چنانچہ شہاب نے ان تمام چیزوں کو اچھی طرح چیک کرنے کے بعد یہ انتہائی قیمتی اور شاندار آلہ اپنے پاس محفوظ کر لیا...... اب وہ اپنے ابتدائی کام سے مطمئن ہو چکا تھا...... جب اسے کام سے فراغت حاصل ہو گئی تو بینا نے کہا۔

"شہاب میرا خیال ہے جبرو کی گمشدگی کے بعد اب ہم آخری مراحل میں داخل ہو چکے ہیں۔"

"ہاں بینا آؤ باہر چلتے ہیں۔" شہاب نے کہا...... خوب شام ہو گئی تھی اور رات تیزی سے جھکتی آ رہی تھی...... رانی راؤ نگر ابھی واپس نہیں آئی تھی، شہاب نہ جانے کیوں اس وقت اس حویلی کے چاروں طرف چکرا رہا تھا اور بینا یہ محسوس کر رہی تھی کہ شہاب کسی خاص فکر میں ہے...... اس نے بہت دیر تک ان اطراف کے چکر لگائے تو بینا نے کہا۔

"شہاب میں تھک گئی ہوں۔"

"آؤ واپس چلیں۔" شہاب نے کہا اور بینا اپنے کمرے میں آ گئی...... پھر وہ مسہری پر لیٹ گئی تھی اور شہاب رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھا کچھ کام کرتا رہا تھا...... خاصا وقت گزر گیا بینا بھی ٹھیک ہو گئی۔ شہاب نے بینا سے کہا۔

"بینا ذرا دیکھو رانی راؤ نگر واپس آئی ہے یا نہیں۔" رانی راؤ نگر کی لینڈ کروزر نظر نہیں آئی تھی...... بینا نے کہا۔

"میرا خیال ہے نہیں آئی۔"

"یقینی طور پر اب اس بات میں شک و شبہ نہیں رہا ہے کہ وہ جبرو کی تلاش میں سرگرداں ہو گی۔"

"بلاشبہ۔" بینا نے کہا...... پھر شہاب نے اپنا کام ختم کر دیا اور دونوں پر اطمینان انداز میں آرام کرنے لگے...... دن کی مصروفیات خاصی رہی تھیں...... اس لئے اب کسی

بر دتفریح کا تصور تو ذہن میں آ بھی نہیں سکتا تھا...... رانی راؤ نگر کے نہ آنے پر رات کا کھانا ن کے کمرے میں ہی پہنچ گیا...... شہاب اور بینا نے پر اطمینان انداز میں کھانا کھایا تھا...... رانی اؤ نگر رات کو گیارہ بجے تک واپس نہیں آئی...... یہ لوگ ضروریات سے فراغت حاصل رکے اپنے اپنے بستروں تک پہنچ گئے تو اچانک ہی ڈکٹافون ریسیور پر اشارے موصول ونے لگے اور شہاب نے جلدی سے ریسیور سینے پر رکھ کر اسے آن کر دیا...... بینا بھی اس کے شانوں پر سر ٹکا کر لیٹ گئی تھی تاکہ ڈکٹافون ریسیور سے اُبھرنے والی آوازیں وہ خود بھی ن سکے...... چند لمحوں کے ایک آواز سنائی دی۔

"میں حیران ہوں رانی صاحبہ! اس وقت کیسے طلبی ہوئی؟"

"خادم خان ایک بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہیں ہم۔" شہاب نے مسکرا کر بینا چہرہ دیکھا...... بینا نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی...... خادم خان کی آواز اُبھری۔

"حکم دیجئے رانی صاحبہ! جب تک خادم موجود ہے آپ کو بھلا پریشان ہونے کی کیا رورت ہے؟"

"جبرو کو تو جانتے ہو نا تم۔"

"رانی صاحبہ مجھے یہاں سے واپس بھی جانا ہے ڈرانے والی باتیں نہ کریں...... جبرو کو ان نہیں جانتا۔"

"اور تم مسخرے بننے کی کوشش مت کرو، میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میں پریشان ہوں۔"

"میں مسخرہ تو نہیں بن رہا...... فرمائیے میرے لئے کیا حکم ہے؟"

"جبرو اور اس کے گروہ کے تمام افراد غائب ہیں۔"

"غائب ہیں؟"

"کانوں کو کھلا رکھو...... میں اپنے الفاظ دہرانے کی عادی نہیں ہوں۔"

"جی ہاں، جی ہاں غائب ہیں، غائب ہیں۔" خادم خان جلدی سے بولا۔

"کہاں غائب ہیں؟" رانی راؤ نگر کی غراہٹ اُبھری۔

"بالکل بالکل آخر کہاں غائب ہیں؟" خادم خان نے کہا پھر جلدی سے بولا۔

"مم مگر میں اولاد کی قسم کھاتا ہوں کہ میرے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ وہ کہاں ائب ہیں۔"

"خادم خان میں نے تمہیں قسمیں کھانے کے لئے نہیں بلایا۔"

"جی جی، بالکل بالکل۔"

"میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے جبرو کے ڈیرے پر جاکر معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی ہے...... مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے وہاں کچھ ہوا ہو۔"

"ک...... کیا؟" خادم خان نے پوچھا۔

"جبرو کے ڈیرے کا سامان تتر بتر تھا...... یوں لگتا ہے جیسے اس کے آدمیوں نے کسی سے مقابلہ کرنے کی کوشش کی ہو اور اس کوشش میں ناکام رہے ہوں۔"

"تب وہاں کیا کوئی بند لاش بھی ملی ہے؟"

"تم ہکلا کیوں رہے ہو؟"

"اس لئے کہ بات جبرو کی ہے۔"

"نہیں کوئی لاش نہیں ملی وہاں۔"

"خون وون پڑا ہوا تھا کسی کا؟"

"نہیں...... نہیں...... نہیں۔"

"تو پھر آپ کو کیسے اندازہ ہوا کہ وہاں کوئی جدوجہد ہوئی ہے۔"

"بس یہ سمجھ لو کہ وہاں کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد مجھے اس بات کا شبہ ہوا ہے۔"

"ہونہہ...... اس کا مطلب ہے کہ...... کہ۔"

"دیکھو فضول باتوں سے گریز کرو...... اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ تم اپنی پوری قوت کے ساتھ یہ پتا لگاؤ کہ جبرو اور اس کے ساتھی کہاں گئے؟ جبرو کے معاملے میں تمہیں بتاؤں کہ وہ میرے کچھ مہمانوں کے ساتھ گیا تھا اور وہ مہمان وہاں سے تنہا واپس آئے۔"

رانی راؤ نگر خادم خان کو تفصیلات بتاتی رہی...... بینا اور شہاب سانس روکے یہ ساری گفتگو سن رہے تھے...... خادم خان کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔

"ایک بات بتائیے رانی صاحبہ!"

"ہاں پوچھو۔"

"جبرو اعتبار کا بندہ تھا نا۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"بکواس...... نہیں جی ہم تو پوچھ رہے ہیں آپ سے...... کہیں وہ آپ کا کچھ لے دے کر تو نہیں بھاگ گیا؟"

"خادم خان تمہارا دماغ صحیح طور پر کام نہیں کر رہا۔"

"ایسی ہی بات ہے رانی صاحبہ! کبھی کبھی سر چکرانے لگتا ہے، متلی بھی آتی ہے اور سینے پر بھاری پن محسوس ہوتا ہے۔"

"تو کسی دریا میں جاکر خودکشی کر لو۔"

"ٹھیک ہے جی ایسا ہی۔" خادم خان ایک دم رُک گیا۔ پھر بولا۔

"نہیں جی اس کی ضرورت نہیں ہے...... سوچ رہے ہیں کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھائیں۔"

"تم اپنی فضول بکواس بند کرو گے یا نہیں؟"

"نہیں جی وہ تو بس ایسے ہی ہم آپ کو بتانے لگے تھے...... خیر! تو ہمارا مطلب یہ ہے رانی صاحبہ! جبرو غائب ہو گیا ہے۔"

"یہ تمہارا مطلب نہیں ہے بلکہ وہ واقعی غائب ہو گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے آپ فکر مت کرو ہم اسے تلاش کرتے ہیں...... اس کے ساتھیوں کو تلاش کرتے ہیں...... پھر ایک بات اور ہے رانی صاحبہ!"

"کیا؟"

"تلاش کر کے ہم آپ ہی کو اطلاع دے سکتے ہیں...... اسے گرفتار تو نہیں کرنا ہے نا۔"

"او بے وقوف آدمی وہ تمہارے ہاتھوں گرفتار ہو بھی نہیں سکتا اور نہ اسے گرفتار کرنے کی ضرورت ہے...... کتنی پولیس فورس ہے تمہارے پاس؟"

"وہ جی اٹھارہ بندے ہیں۔"

"سب کو مختلف سمتوں میں پھیلا دو...... پہاڑوں میں خاص طور سے بائیں جانب کے رہنے والوں میں...... اس کے علاوہ پورے حاضر پور میں انہیں تلاش کرو...... میں کہتی ہوں آخر وہ گئے کہاں؟"

"ٹھیک کہتی ہیں جی آپ۔"

"اب دفع ہو جاؤ...... مجھے چوبیس گھنٹے کے اندر اندر جبرو کا پتا چاہئے۔"

"ایک بات اور جی۔"

"ہاں بولو......بکو۔"

"وہ بھی اگر چوبیس گھنٹوں سے پہلے آپ کے پاس پہنچ گیا تو۔"

"تو میں تمہیں اطلاع کرادوں گی۔"

"بس یہ ٹھیک ہے جی...... آپ بے فکر رہو ہم اس کی تلاش میں نکلتے ہیں۔"

"دفع ہو جاؤ۔"

"ہو گئے ہیں جی۔" خادم خان نے کہا اور اس کے بعد کچھ ایسی آہٹیں سنائی دیں جس سے یہ اندازہ ہوا خادم خان اُٹھ کر باہر جا رہا ہے...... دروازہ کھلنے اور بند کرنے کی آوازیں اُبھریں اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی...... بینا اور شہاب رانی کے کچھ اور بولنے کا انتظار کر رہے تھے...... پھر رانی بھی اپنے کمرے سے باہر نکل گئی تھی...... پھر شہاب نے ڈکٹا فون آف کر دیا تھا...... پھر وہ ڈکٹا فون سے ٹیپ ریکارڈر پر رانی اور خادم خان کی ہونے والی گفتگو سننے کے لئے ٹیپ ریکارڈر میں لگا کیسٹ ریوائنڈ کرنے لگا اور تھوڑی دیر کے بعد انتہائی واضح الفاظ میں یہ گفتگو انہیں دوبارہ سنائی دی اور شہاب بینا کی جانب دیکھ کر مسکرانے لگا...... بینا نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی تھی...... تھوڑی دیر تک وہ خاموش رہی اور اس کے بعد اس نے کہا۔

"یہ خادم خان واقعی بڑا غدار انسان ہے۔"

"اور تھوڑا سا عقل سے پیدل بھی ہے۔" شہاب کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر اس نے کہا۔

"عقل سے پیدل نہیں بلکہ کچھ زیادہ ہی عقل مند ہے یہ...... مال کما رہا ہے...... مستقبل بنا رہا ہے یہ اپنا...... مگر دوسرے کو نقصان پہنچا کر۔"

"ہاں بینا! اگر یہ انسان یہ سوچ لے کہ اپنی ذات کے لئے وہ اپنے فرائض کو نظر انداز کر کے خوش رہ سکتا ہے تو یہ اس کی بھول ہے...... کوئی اسے کیسے سمجھائے کہ فرض بھی ایک عبادت ہوتا ہے اور اگر یہ عبادت نہ کی جائے تو عذاب الٰہی انسان پر نازل ہوتا ہے...... چاہے وہ کسی بھی شکل میں ہو۔" کچھ دیر کے لئے خاموشی طاری ہو گئی تھی، پھر بینا نے کہا۔

"کیا کر رہے تھے میز پر بیٹھے ہوئے؟"

"بتادوں گا ابھی نہیں...... اس وقت جس طرح تم میرے شانے پر سر رکھے ہوئے

ہو۔ نہ جانے کیسے کیسے اشعار میرے ذہن میں آرہے ہیں۔" بینا مسکرائی اور اس نے شہاب کی گردن میں بازو ڈال دیا۔

رانی راؤ نگر صبح کے ناشتے پر بھی انہیں نہیں ملی تھی۔ ویسے بھی اب ان کا وہ مقام نہیں رہ گیا تھا اور رانی کے کہنے کے مطابق وہ اس محل یا حویلی کے فرد بن چکے تھے اور ان پر جو ذمہ داری عائد کر دی گئی تھی کہ فی الحال اپنے معاملات کا خود خیال رکھیں، چنانچہ اب زیادہ تر ناشتا کھانا وغیرہ الگ ہی کیا جاتا تھا۔ ہاں اگر کبھی رانی کا خود موڈ ہوتا تھا تو وہ ان لوگوں کو طلب کر لیتی تھی۔ آج بھی ناشتا پہنچانے والی ملازمہ کمرے میں آئی تو شہاب نے پوچھا۔

"رانی صاحبہ نے ناشتہ کر لیا؟"

"صاحب جی! وہ تو پتا نہیں کب گھر سے نکل گئیں۔"

"اچھا موجود نہیں ہیں وہ۔"

"ہاں جی! چلی گئی ہیں کہیں۔"

"کچھ بتا کر گئی ہیں کب تک آئیں گی؟"

"لو جی کبھی نوکروں کو مالک ایسی باتیں بتاتے ہیں۔"

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔" شہاب نے کہا...... پھر وہ دونوں ناشتے میں مصروف ہو گئے تھے...... شہاب نے بینا سے کہا۔

"جی بینا صاحبہ! کیا پروگرام ہے اب؟"

"کوئی پروگرام نہیں جناب شہاب صاحب اپنی کارروائیوں میں جو اقدامات کر رہے ہیں اگر خادمہ کو اس کے بارے میں معلومات ہو جائے تو اپنی طرف سے بھی کچھ کہے۔"

"ہونہہ...... ابھی تھوڑی دیر کے بعد ہم اس سلسلے میں کارروائی کا آغاز کر دیں گے۔"

"شہاب ایک اور مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ میں محسوس کر رہی ہوں کہ اب تم اس معاملے کو اختتام کی جانب لے جا رہے ہو۔"

"بینا کتنے عرصے رانی راؤ نگر کے مہمان رہیں گے؟"

"یہ بات تو ٹھیک ہے ظاہر ہے زیادہ وقت نہیں گزارا جا سکتا یہاں۔"

"بالکل! پھر اس مسئلے کو اختتام تک بھی پہنچانا ہے۔"

"پھر اب؟"

"بس تمہیں بتاؤں گا کہ کیا کرنا ہے؟"

لنچ کے بعد غالباً ڈھائی بجے کے قریب جب کہ رانی ابھی تک واپس نہیں آئی تھی...... شہاب نے ٹرانسمیٹر پر ڈبل او گینگ کے ممبروں سے رابطہ قائم کیا اور فوراً ہی انجم شیخ کی آواز سنائی دی۔

"انجم شیخ۔"

"میں شہاب ہوں۔"

"جی سر۔"

"انجم تم لوگوں کو آج رات ایک بڑا معرکہ سر انجام دینا ہے۔"

"جی سر!"

"وہ لوگ روانہ ہو گئے؟"

"جی...... تھوڑی سی تبدیلی کر دی گئی تھی؟"

"ان کے پہنچنے کی اطلاع مل گئی؟"

"جی بالکل سر! وہ پہنچ چکے ہیں اور ہماری پرانی حویلی میں قیام پذیر ہیں۔" انجم شیخ نے کہا۔

"پرانی حویلی؟"

"سوری مسٹر شہاب! اگر شہنشاہ نے آپ کو اس کے بارے میں نہیں بتایا ہے تو میں مزید تفصیل نہیں بتا سکوں گا بس، میری زبان سے بات نکل گئی تھی۔"

انجم شیخ نے کہا۔

"کوئی بات نہیں انجم! ان کے وہاں پہنچ جانے کی خبر تو تمہیں مل چکی ہے نا۔"

"جی بالکل۔"

"اب ایک آدمی کو یہاں راؤ نگر پہنچنا ہے۔"

"جی۔"

"راؤ نگر کے محل کے پاس میں آنے والے سے ملاقات کروں گا...... یا پھر ساری تفصیلات بتا دوں گا مگر خیر چھوڑو میں تمہیں یہ تکلیف دینا پسند نہیں کرتا، کیونکہ اس وقت صورت حال کچھ مشکوک ہے اور کسی اجنبی کی یہاں آمد کو حیرانی کی نگاہوں سے دیکھا جائے

گا...... اچھا انجم شیخ ایسا کرو...... ایک کاغذ اور بال پوائنٹ اپنے سامنے رکھو اور جو میں بتا رہا ہوں وہ نوٹ کرو۔"

"جی فرمائیے!" انجم نے کہا۔

"دونوں چیزیں تمہارے پاس موجود ہیں۔"

"بالکل سامنے رکھی ہوئی ہیں۔"

"باقی افراد؟"

"وہ بھی قریب موجود ہیں اور انہوں نے اپنے اپنے ٹرانسمیٹر آن کر لئے ہیں۔"

"ویری گڈ! میں بھی یہی چاہتا تھا۔" کہ تم سب مشترکہ طور پر یہ تفصیلات سن لو۔"

"جی سر۔"

"ایسا ہے کہ رات کو کسی بھی مناسب وقت تم رانی راؤ نگر کے محل کے مشرقی گوشے میں پہنچو گے...... اس طرف پتھر کی ایک عمارت بنی ہوئی ہے جو بوسیدہ ہے اور اس کا کوئی مصرف نہیں ہے...... ایک کھنڈر نما عمارت سمجھ لو۔"

"جی۔"

"نقشہ بناؤ...... رانی راؤ نگر کا محل اس کا مشرقی گوشہ۔"

"ٹھیک ہے سر...... نکات نوٹ کر لئے گئے۔"

"اس مشرقی گوشے سے تم اب بوسیدہ عمارت کی سیدھ میں آگے بڑھو گے تو تمہیں برگد کا ایک درخت نظر آئے گا، یہاں ایک اونچا چبوترا بنا ہوا ہے۔"

"ٹھیک سر۔"

"برگد کے درخت کی شاخیں حویلی کی دیوار سے گزر کر اندر تک جاتی ہیں...... گویا اگر کوئی پھرتیلا انسان کوشش کرے تو کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر ان شاخوں کے ذریعے حویلی کے اندرونی حصے میں اتر سکتا ہے۔"

"جی سر۔" انجم شیخ نے کہا۔

"تمہیں چار آدمیوں کو حویلی کے اندر پہنچنا ہے...... ایک آدمی باہر رہے گا...... حویلی میں گشت بھی ہوتا ہے...... تم حویلی کے عقبی حصے میں آ جاؤ گے...... عقبی حصے میں ایک دروازہ ہے جو تمہیں کھلا ہوا ملے گا...... دروازہ میں کھولوں گا، جب تم وہاں پہنچ جاؤ گے تو اس

دروازے پر میں تمہارا انتظار کروں گا...... تمہیں اپنے ساتھ جو چیزیں لانی ہیں انہیں نوٹ کر لو۔"

"جی سر۔"

"تم میں سے ہر شخص کو مسلح ہونا چاہئے، تمہارے پاس کلوروفارم کا ایک معقول ذخیرہ ہونا چاہئے اور ایسی رسیاں جس سے تم کسی طاقتور گینڈے کو مضبوطی سے باندھ سکو۔"

"سر ہمیں وہاں سے کوئی گینڈا اغوا کرنا ہے؟"

"ہاں۔" شہاب نے جواب دیا اور انجم شیخ شاید بوکھلا بھی گیا تھا۔

"سچ مچ کا گینڈا سر؟"

"سچ مچ کا گینڈا۔"

"پھر سر...... پھر کیا کرنا ہوگا۔"

"بس اس گینڈے کو اٹھا کر تمہیں واپس لانا ہوگا اور جس گاڑی سے تم یہاں آئے ہو اس میں تمہیں ایک گینڈے کے قیام کا معقول بندوبست کرنا ہوگا اور پھر اس گینڈے کو تمہیں اپنی تحویل میں رکھنا ہوگا...... سمجھ لینا چھوٹی موٹی چیز کو وہ خاطر میں نہیں لائے گا...... اسے باندھنے کے لئے مضبوط رسیاں درکار ہوں گی اور اس کی حفاظت کا مسئلہ تمہارے لئے زندگی موت کا مسئلہ ہوگا۔"

"سر مگر گینڈا؟"

"یار انجم! وہ سچ مچ کا گینڈا نہیں بلکہ ایک انسان ہے، لیکن اندازہ یہ ہوتا ہے کہ گینڈے سے کہیں زیادہ طاقتور ہوگا وہ۔"

"سر پھر تو کوئی پرواہ نہیں ہے...... جانور جانور ہوتا ہے اور انسان انسان۔" اس کے بعد شہاب نے سلسلہ منقطع کر دیا تھا اور بینا پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

"مطلب یہ کہ...... کہ اسے تم۔"

"ہاں بینا۔" شہاب نے جواب دیا۔

✿

یہ منصوبہ بے حد سنسنی خیز تھا شہاب نے اس سلسلے میں بینا کو بالکل شریک نہیں کیا تھا...... رات کو اس نے اپنی کارروائیوں کا آغاز کر دیا...... رانی راؤ نگر آج بھی دن بھر ماری

ماری پھرتی رہی تھی اور کوئی گیارہ بجے اس کی واپسی ہوئی تھی۔ پھر اس کے بعد شہاب اس کے معمولات پر نگاہ رکھے رہا تھا...... رانی اس تہہ خانے تک بھی گئی تھی...... پتا نہیں اس لڑکے کے سلسلے میں وہ کس کس کو اپنا رازدار بنائے ہوئے تھی۔ بظاہر تو یوں لگتا تھا جیسے اس نے اپنے سوا کسی کو اس مسئلے کا رازدار نہ بنایا ہو، لیکن بہرحال کام چل رہا تھا...... پھر جب وہ واپس آکر اپنے کمرے میں لیٹ گئی اور روشنیاں وغیرہ بجھا دی گئیں تو شہاب نے اپنا کام شروع کر دیا...... حویلی میں رات کے محافظ بھی ہوا کرتے تھے اور اکثر انہیں گشت کرتے دیکھا جاتا تھا...... رانی یقینی طور پر جبرو کی مسلسل گمشدگی سے پریشان تھی، ڈکٹافون پر اور کوئی صلاح مشورہ نہیں ہوا تھا، چنانچہ شہاب مطمئن تھا...... رانی جب تہہ خانے میں گئی تھی تو کچھ باتیں سنی گئی تھیں، لیکن ان کا کوئی ایسا مفہوم نہیں تھا جو باعث توجہ ہو...... پھر شہاب نے وہ عقبی دروازہ کھول دیا جس کے لئے اس نے وعدہ کیا تھا اور وقت مقررہ پر چار افراد اس دروازے سے اندر داخل ہو گئے...... ان کی رہنمائی شہاب ہی کر رہا تھا...... اس وقت ایک ایک لمحہ سنسنی خیز تھا اور شہاب یہ طے کر چکا تھا کہ اگر اس سلسلے میں کوئی قوت مزاحم ہوئی تو اس کے خاتمے پر غور کیا جا سکتا ہے...... کیوں کہ بہرحال یہ ایک انتہائی اہم معاملہ تھا...... یہاں تک کہ شہاب اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس تہہ خانے میں اتر گیا...... وہ خوفناک دیو اب بھی اسی طرح زمین پر پڑا سو رہا تھا...... تہہ خانے میں روشنی جل رہی تھی...... یہ روشنی دن رات جلتی رہتی تھی...... ڈبل او گینگ کے چاروں ممبروں نے حیرانی سے اس وحشی صفت کو دیکھا...... شہاب نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"براہ راست اس پر کلوروفارم استعمال کرو...... بشرط یہ کہ کوئی جدوجہد نہ ہو۔" انہوں نے گردن ہلائی اور شہاب کی ہدایت پر عمل کرنے لگے...... کلوروفارم میں ڈوبا ہوا رومال دیو قامت کے منہ پر رکھ دیا گیا...... فراز، شوکت، فراست اور سالک بہترین طریق کار استعمال کئے ہوئے تھے اور انہوں نے خاصی جدوجہد کے بعد اس دیو قامت پر قابو پا لیا تھا...... یہ حقیقت ہے کہ وہ واقعی انتہائی طاقتور نوجوان تھا۔

جسامت کے ساتھ ساتھ اس کی قوت ارادی بھی بے پناہ تھی...... کلوروفارم تو منٹوں میں اچھے اچھوں کو لمبا کر دیتا ہے، لیکن کلوروفارم کے زیر اثر لانے کے بعد بھی ان لوگوں کو اس پر خاصی محنت کرنا پڑی تھی، تب کہیں جا کر وہ بے ہوش ہو سکا تھا اور پھر اس وزنی [illegible] کو

اُٹھا کر لانا بھی ایک مشکل مرحلہ تھا...... زنجیریں البتہ اس کے پیروں سے آسانی سے کھول لی گئی تھیں، چونکہ اس کے لئے بھی یہ بہت انتظامات کر کے آئے تھے...... دیو قامت کو باہر لایا گیا اور ان چاروں نے اس کا ایک ایک ہاتھ اور ایک ایک پاؤں پکڑ لیا...... جب کہ شہاب دونوں ہاتھوں میں سائی لینسر لگے ہوئے پستول لے کر ان کے آگے آگے چل رہا تھا...... راستے میں کئی بار انہیں محافظوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن وہ اس کے لئے پہلے سے تیار تھے...... محافظوں کو ذرہ برابر خبر نہ ہونے دی گئی۔ البتہ اس دیو قامت کو باہر تک پہنچانے کا مرحلہ بڑا مشکل ثابت ہوا تھا...... اسے رسی کے ذریعے شاخ پر گھسیٹا گیا اور پھر وہاں سے اسے کھینچتے ہوئے وہ لوگ دیوار کو پار کر گئے...... شہاب خود بھی ان کے ساتھ شریک تھا...... اس کوشش میں اس دیو قامت کے جسم سے کئی جگہ سے خون بھی نکل آیا تھا...... اس کے بعد انہوں نے اسی انداز میں اسے نیچے لٹکایا اور اس گاڑی میں پہنچا دیا، جس میں اسے لے کر جانا تھا...... اس کے ہاتھ اور پاؤں کس کر باندھ دیئے تھے...... یہاں تک کہ ان سارے کاموں سے فراغت حاصل ہو گئی۔ شہاب نے ان لوگوں کو مزید ہدایات دیں اور اس کے بعد اس شاخ سے ہوتا ہوا حویلی میں پہنچا...... جب کہ باہر وہ لوگ گاڑی سٹارٹ کر کے چل پڑے تھے...... یہاں اترنے کے بعد شہاب اس کھلے دروازے سے اندر آیا...... اس نے دروازہ بند کیا اور پھر اپنے کمرے میں پہنچ گیا...... اس کا پورا بدن پسینے میں ڈوبا ہوا تھا اور بینا پر اضطراب انداز میں اس کا انتظار کر رہی تھی...... جیسے ہی شہاب اندر داخل ہوا بینا نے بے ساختہ سوال کیا۔

"کام ہو گیا؟"

"ہاں بینا۔"

"تھینکس گاڈ...... ویسے شہاب اس کا نتیجہ بڑا بھیانک نکلے گا۔"

"کیا مطلب؟"

"اب تک کی معلومات اگر بالکل درست ہیں، یعنی وہ معلومات جو جبرو سے حاصل ہوئیں اور وہ جو اب تک صرف ہماری کوششوں کا نتیجہ ہیں تو مطلب یہ ہے کہ رانی راؤ نگر اس سلسلے میں قیامت برپا کر دے گی۔" شہاب تھوڑی دیر تک اپنے آپ پر قابو پاتا رہا پھر بولا۔

"یہ رانی راؤ نگر کے بارے میں اب تک میں نے جو اندازہ لگایا ہے وہ بڑا عجیب و غریب ہے۔"

"کیا شہاب؟"

"میرا خیال ہے میں کپڑے تبدیل کر لوں...... اصل میں تھوڑی سی اُلجھن مجھے اس سلسلے میں ہے کہ کہیں کوئی ایسا نشان نہ رہ گیا ہو جس سے اس کے اغوا کا اندازہ ہو سکے...... لیکن خیر! اگر کوئی ایسا نشان رہ بھی گیا ہے تو کم از کم رانی راؤ نگر کا شبہ ہم پر نہیں جا سکتا۔"

"ہاں بالکل بھلا اس جیسے دیو زاد کے لئے رانی یہ سوچ بھی نہیں سکتی کہ ہم نے ایسا کوئی کام کیا ہو گا۔"

"ہونہہ!" پھر شہاب نے لباس تبدیل کیا اور مسہری پر آ گیا۔ بینا بولی۔

"ہاں شہاب!"

"دیکھو رانی کے بارے میں جہاں تک میرا تجزیہ ہے تم مجھے خود بتاؤ، کیا اس نے ازراہ انسانیت ہم دونوں کو اپنے درمیان پناہ نہیں دی ہے...... اس کا کوئی لالچ ہم سے وابستہ نہیں ہے...... اس کا مطلب ہے کہ اس کے اندر انسانیت کا عنصر ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہو شہاب! اس بات سے میں انکار نہیں کروں گی، اس کے علاوہ یہاں جو کچھ بھی ہوتا رہا ہے وہ بڑا عجیب ہے۔"

میں نے ان تمام چیزوں کو مربوط کیا ہے...... بابا سفیان نے رانی کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ قابل غور ہے کہ وہ راؤ شمشیر کی بیوی نہیں بلکہ منہ بولی بہن ہے جسے راؤ شمشیر نے اپنا سب کچھ سونپ دیا تھا...... وہ یہاں حویلی میں کسی کے لئے بھی تکلیف دہ نہیں ہے...... جبرو نے کہا تھا کہ وہ دیو زاد رانی راؤ نگر کا بیٹا ہے، اب اس کہانی کو سلجھانا ہے، یہ معلوم کرنا ہے کہ اگر وہ رانی راؤ نگر کا بیٹا ہے تو اس کا باپ کون تھا...... راؤ شمشیر تو ہو نہیں سکتا...... رانی کی کہانی بہت پر اسرار ہے۔ البتہ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ وہ صرف اپنے بیٹے کے لئے یہ ساری غلط کاریاں کرتی رہی ہے، لیکن بذات خود وہ اتنی بری عورت نہیں ہے۔"

"شہاب! ہم کیا کریں گے تم یہ بتاؤ؟"

"دیکھو بینا بات اصل میں یہ ہے کہ جبرو کے کہنے کے مطابق اگر واقعی ایسی بات ہے تو پھر رانی کی تمام اچھائیوں کو نظر انداز کرنا ہو گا...... بات وہی ہے کہ انسان کو انسان کی زندگی لینے کا کوئی حق نہیں ہے...... کسی ایک انسان کو بچانے کے لئے اپنی محبت کو قائم کرنے کے لئے یا رکھنے کے لئے اگر دوسرے انسانوں کی زندگیوں کو قربان کیا جاتا ہے تو کیا تم اسے ایک

بدترین جرم قرار نہیں دو گی۔"

"سوفیصدی معصوم اور بے زبان لڑکیوں کو اس دیوزاد کے حوالے کر کے انہیں زندگی سے محروم کر دینے کا بدترین جرم رانی راؤنگر کرتی رہی ہے اور اس جرم پر اس کی دُنیا بھر کی اچھائیوں کو ختم کیا جاسکتا ہے...... یہ جرم اتنا بدترین جرم ہے کہ اس کے لئے رانی کو کوئی معافی نہیں دی جاسکتی۔"

"بالکل میں بھی یہی کہتا ہوں۔"

"مگر تمہارا آگے کا منصوبہ کیا ہے؟"

"اس عمل کا ردعمل دیکھتے ہیں رانی پر...... اس کے بعد مناسب فیصلہ کریں گے۔" شہاب نے جواب دیا اور بینا گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ معاملات اب نہایت سنسنی خیز ہیں۔" شہاب مسکرانے لگا...... اس کے بعد انہوں نے سونے کی کوشش شروع کر دی۔

❁

دوسرا دن ان کی توقع کے مطابق تھا...... رانی راؤنگر کی کیفیت معلوم کرنے کے لئے انہوں نے ڈکٹافون ریسیور آن کیا...... ان پر نشانات بن رہے تھے...... جب وہ پہلے بھی صحیح سگنل دے چکا ہے...... اس وقت بھی اس کے سگنل موصول ہو رہے تھے...... شہاب نے دروازہ اندر سے بند کر کے ٹیپ ریکارڈر آن کر دیا اور صاف شفاف آواز میں ریکارڈنگ سنائی دینے لگی۔

رانی کی آواز تھی اور وہ وحشت زدہ انداز میں چیخ رہی تھی۔

"زینو! زینو کہاں ہو تم؟ زینو تم کہاں گئے میرے لال...... زینو...... زینو تم کہاں ہو؟"

رانی کی آواز لمحہ بہ لمحہ بلند ہوتی جارہی تھی...... پھر اس نے چیخنا اور رونا شروع کر دیا۔ شہاب نے ڈکٹافون نمبر دیکھا تو اسے اندازہ ہوگیا کہ یہ تہہ خانے کے ڈکٹافون سے نشر ہونے والی آواز ہے...... رانی بری طرح چیخ رہی تھی، دھاڑ رہی تھی...... اس کی بھاگ دوڑ کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں...... زنجیروں کی کھڑکھڑاہٹ بھی تھی۔

"زینو کہاں گیا تو میرے لعل؟ میرے بچے کیا بیتی تجھ پر۔ تو کہاں چلا گیا۔ آہ! خدا کی پناہ یہاں تو کوئی ایسی جگہ بھی نہیں ہے جہاں سے وہ باہر جاسکے، جہاں وہ چھپ سکے...... یہ ہوا

کیا ہے؟ جبرو اپنے آدمیوں کے ساتھ کہاں غائب ہو گیا ہے، کیا جبرو نے کہیں ایسی کوئی حرکت کی ہے مگر کیوں؟ وہ تو میرا وفادار تھا...... زینو میری زندگی میری روح مجھے بتا تو کہاں ہے؟ آہ مجھے آواز دے زینو آہ! میں کس سے کہوں...... آہ! میں تو کسی کے سامنے زبان بھی نہیں کھول سکتی۔ زینو میری زندگی تو ہی بول دے میرے لال...... کون سے گوشے میں چھپا ہوا ہے تو۔" پھر وہاں کی آوازیں بند ہو گئیں، لگتا تھا جیسے رانی تہہ خانے سے باہر نکل آئی ہو...... اس کے بعد شہاب باقی ڈکٹافون ٹرائی کرنے لگا تو رانی اپنے بیڈروم میں موجود ملی۔ ریکارڈنگ میں اس کے بے اختیار رونے کی آوازیں تھیں...... وہ بلک بلک کر رو رہی تھی اور زینو زینو پکار رہی تھی۔ اس کے بعد اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا...... پھر ٹیلی فون پر کچھ نمبر ڈائل کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ رانی کی آواز اُبھری۔

"خادم خان کہاں مر گیا اسے بلاؤ میں رانی راؤنگر بول رہی ہوں...... اس کے بعد کچھ لمحے کا وقفہ رہا اور اس کے بعد رانی کی آواز سنائی دی۔

"کتنی فورس ہے تمہارے پاس؟ میں پوچھتی ہوں کتنی پولیس فورس ہے...... ہاں نہیں ہاں ابھی نہیں...... تم اپنے آدمیوں کو جبرو کی تلاش پر لگادو...... اس کمینے کتے نے میرے ساتھ...... نہیں دعوے سے نہیں کہہ رہی...... اچھا تم یوں کرو میرے پاس آجاؤ اور پھر ٹیلی فون کا ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا گیا...... اس کے بعد رانی پھر بلکنے لگی۔ بینا کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے...... شہاب نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں بینا! یہ لوگ مجرم ہیں...... دوسروں کے ساتھ برائی کرنے والوں کے جب اپنے دل پر ضرب پڑتی ہے تو ان کی آوازیں بھی ان ہی جیسی ہو جاتی ہیں جو ان کے مضروب ہوتے ہیں...... ان آوازوں پر رحم نہیں کھایا جاسکتا...... جبرو نے جو کچھ بتایا ہے اگر وہ واقعی سب کچھ سچ ہے تو رانی اور اس کی مامتا کوئی حیثیت نہیں رکھتی...... وہ بھی تو کسی کی اولادیں ہوں گی جنہیں رانی نے اپنی اولاد کی بھینٹ چڑھا دیا ہے...... کیا حق پہنچتا تھا اسے۔" بینا نے گردن ہلائی اور بولی۔

"نہیں شہاب! تم ٹھیک کہہ رہے ہو...... بس انسان کا دل ہی تو ہے دُکھ جاتا ہے کسی بات پر۔ سوری، میری اس کیفیت سے تمہیں تکلیف پہنچی۔" ان لوگوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اپنے کمرے ہی سے تمام پروگرام مونیٹر کریں گے...... یہ شاید لائیو پروگرام تھا...... یعنی خادم

خان رانی راؤنگر کے کمرے میں پہنچا تھا...... رانی راؤنگر اپنے بیڈ روم میں ہی تھی اور وہی کیفیت تھی اس کی...... کسی ملازم نے آکر کہا۔

"انسپکٹر خادم خان صاحب آئے ہیں۔"

"کہاں ہیں؟"

"ڈرائنگ روم میں بٹھادیا ہے۔"

"ادھر بھیج دو۔" رانی نے آواز صاف کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا...... دروازہ بند ہونے کی آواز اُبھری...... پھر خادم خان اندر آگیا...... اس نے غالباً ایڑیاں بجائی تھیں...... رانی نے غرا کر کہا۔

"میرا تعلق محکمہ پولیس سے نہیں ہے، مجھے کیوں سلیوٹ کر رہے ہو؟"

"وہ نہیں جی! ہم تو دُنیا داری کر رہے ہیں...... جسے سلیوٹ کرنا چاہئے اسے سلیوٹ کر رہے ہیں۔" جواب میں رانی نے اسے بہت برا بھلا کہا اور خادم خان سنبھل گیا پھر بولا۔

"کیا بات ہے جی کچھ طبیعت خراب ہے۔"

"دیکھو خادم خان اپنی اوقات میں رہو تمہیں یہ سوال کرنے کا کوئی حق نہیں ہے...... جہالت کی باتیں کروگے تو نقصان اٹھاؤ گے۔"

"وہ تو ہے رانی صاحبہ! ہم تو کیا جو بھی جہالت کی بات کرے گا نقصان اٹھائے گا...... آپ فرماؤ جی ہمارے لئے کیا خدمت ہے؟ آپ نے پوچھا تھا کہ ہمارے پاس کتنی بڑی پولیس فورس ہے؟"

"ہاں پوچھا تھا۔"

"حکم کریں جی کیا کرنا چاہئے۔"

"ایں!" رانی چونک کر بولی۔

"ہاں! جی آپ حکم کریں۔"

"وہ نہیں بس...... ایسے ہی کچھ طبیعت گھبرا رہی تھی...... وہ جبرو نہ جانے کہاں غائب ہو گیا ہے؟ تم ایسا کرو اپنی پوری قوت سے کام لے کر جبرو کو تلاش کرو۔"

"وہی ہماری قوت کو آپ اکیلا سمجھ لو رانی صاحب جی۔"

"کیا مطلب؟"

"نہیں میرا مطلب ہے جبرو تو بہت خطرناک آدمی ہے...... اپنے سپاہیوں سے کہیں گے تو چھٹی مانگ لیں گے ہم سے۔"

"تو پھر بھاڑ میں جاؤ...... کس کام کے لئے پل رہے ہو تم؟"

"رانی صاحبہ جی! کام تو بہت سے ہیں لیکن آپ فکر مت کرو...... ہم آپ کے وفادار ہیں جی...... ہم دیکھیں گے ان سپاہیوں کو بھی جو جبرو سے ڈرتے ہیں...... ہم تو نہیں ڈرتے۔ ہم خود اسے تلاش کریں گے اور کان سے پکڑ کر آپ کے سامنے لے آئیں گے اور کوئی پریشانی ہو تو بتائیے جی۔"

"بس ٹھیک ہے شکریہ جاؤ۔"

"اتنا سا کام جی؟ ویسے رانی صاحبہ بڑی مہنگائی ہے جی جو ہم یہ؟"

"میں کہتی ہوں گیٹ آؤٹ...... فوراً چلے جاؤ یہاں سے۔"

"جی...... جی...... جی...... پھر حاضری دیں گے...... بس ذرا ہمارے بال بچوں کا خیال بھی کر لیا کریں آپ اچھا جی۔" غالباً خادم خان نے پھر سلیوٹ مارنے کی کوشش کی تھی، لیکن خیال آگیا...... ہلکی سی آہٹیں ہوئیں اور اس کے بعد وہ باہر نکل گیا...... بینا اور شہاب خاموش بیٹھے ہوئے تھے...... تھوڑی دیر تک یہ خاموشی طاری رہی اور اس کے بعد شہاب نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ رانی وہیں موجود ہے یا یہاں سے نکل گئی، لیکن چند لمحات کے بعد دروازہ کھلنے اور بند کرنے کی آوازیں سنائی دیں...... حساس ڈکٹافون سانسوں کی آوازیں تک نشر کرتا تھا، لیکن سانسوں کی یہ آوازیں بند ہو گئی تھیں اور تھوڑی دیر کے بعد تہہ خانے والے ڈکٹافون نے سگنل دیا اور وہاں سے آوازیں اُبھرنے لگیں۔

"زین! میرے بیٹے میری زندگی میری روح کیا ماں کے بارے میں ساری کہانیاں جھوٹی ہیں؟ ماں کے بارے میں تو ایک طلسمی روایت ہے...... زبان سے نہ بول میرے بچے، دل سے اپنی آواز سنا...... تیرے دل کی دھڑکنیں تو پہچان لوں گی میں...... کہاں چلا گیا میرے بیٹے؟ تجھ پر کوئی ظلم تو نہیں ہو رہا...... کوئی تکلیف تو نہیں ہے تجھے میرے لال؟" اس کی کرب ناک آوازیں اُبھرتی رہیں...... شہاب اپنی جگہ سے اُٹھا...... اس نے ڈکٹافون ریسیور بند کیا اور بینا سے بولا۔

"لباس بدل لو۔" شہاب نے خود بھی لباس تبدیل کیا...... تھوڑا بہت منہ ہاتھ دھونے

کے بعد جب بینا بھی تیار ہو گئی تو اس نے کہا۔

"آؤ!" بینا کوئی سوال کئے بغیر شہاب کے ساتھ باہر نکل آئی تھی...... شہاب کے چہرے پر اس وقت بے پناہ سنجیدگی طاری تھی اور بینا یہ محسوس کر رہی تھی کہ شہاب جو قدم اٹھانے جا رہا ہے۔ یقینی طور پر وہ بڑی اہمیت کا حامل ہے...... اسے چند ہی لمحوں کے بعد معلوم ہو گیا کہ شہاب تہہ خانے کی طرف جا رہا ہے...... بینا نے ایک بار سوالیہ نگاہوں سے شہاب کو دیکھا تو وہ بولا۔

"ہاں بینا! تمہارا خیال بالکل ٹھیک ہے...... میں اب رانی راؤ نگر کو صحیح انداز میں مل لینا چاہتا ہوں...... یہ کھیل تقریباً اختتام کو پہنچ چکا ہے۔" بینا ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی تھی...... شہاب اس کمرے میں داخل ہو گیا جہاں سے تہہ خانے میں جانے کا راستہ تھا اور پھر وہ تہ خانے میں اتر گیا...... تہہ خانے میں اس وقت رانی راؤ نگر موجود تھی اور یہ بھی اندازہ تھا اسے کہ باہر سے اگر کوئی تہہ خانے میں داخل ہوتا ہے تو کیا کیفیت ہوتی ہے...... رانی راؤ نگر زمین پر بیٹھی ہوئی تھی...... زنجیروں کے آخری سرے اس کی گود میں رکھے ہوئے تھے اور وہ حیران نگاہوں سے ادھر دیکھ رہی تھی جدھر سے کسی کے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی تھی...... اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں...... حلیہ بری طرح بگڑا ہوا تھا...... ان دونوں کو دیکھ کر وہ سکتے میں رہ گئی تھی اور دیر تک اسی عالم میں رہی تھی...... پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور اس کے چہرے پر شدید غصے کے آثار نظر آنے لگے...... وہ زنجیروں کے کنڈے پکڑ کر اپنی جگہ کھڑی ہو گئی...... دونوں ہاتھوں میں یہ کنڈے پکڑ کر اس نے جیسے اپنے بدن کو سہارا دیا ہوا تھا...... اس کی آنکھیں مزید سرخ ہو گئیں اور اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"تم۔"

"ہاں رانی صاحبہ! میں۔"

"تمہیں یہاں آنے کا راستہ کیسے معلوم ہوا؟"

"آپ اپنے آپ کو سنبھالئے رانی صاحبہ...... میں آپ سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں پوچھتی ہوں تمہیں اندر آنے کا راستہ کیسے معلوم ہوا؟"

"اور میں کہتا ہوں رانی صاحبہ اپنے آپ کو سنبھالئے، میں آپ سے کچھ اہم گفتگو کرنا

چاہتا ہوں۔" دفعتاً ہی رانی کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا...... وہ تیزی سے آگے بڑھی اور اس نے شہاب کا گریبان پکڑتے ہوئے کہا۔

"کہیں میرے زین کی گمشدگی میں تمہارا ہی ہاتھ تو نہیں ہے؟ کہیں تم ہی میری آستین کا سانپ تو نہیں ہو...... جواب دو۔" مگر جواب میں شہاب نے رانی کا ہاتھ پکڑا اور اسے اتنی زور سے جھٹکا کہ رانی گرتے گرتے بچی...... اپنے ساتھ اس رویئے پر وہ خود بھی حیران رہ گئی تھی...... اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھا...... پھر بولی۔

"کیا چاہتے ہو تم کیا چاہتے ہو؟"

"میں نے کہا نا کہ آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں میں۔"

"کون ہو تم...... زین کہاں ہے؟"

"رانی صاحبہ! یہ سمجھنا چھوڑ دیجئے کہ سوال کرنے کا حق صرف آپ کو پہنچتا ہے...... ہر ایک سوال کا جواب میں آپ کو ضرور دینا چاہتا ہوں...... آپ نے پوچھا ہے کہ میں کون ہوں؟ یہ میرا کارڈ ہے۔" شہاب نے اپنے عہدے کا کارڈ رانی صاحبہ کے سامنے کر دیا اور وہ کارڈ لے کر بے اختیار اسے دیکھنے لگی۔

"آفیسر آن سپیشل ڈیوٹی...... سپیشل پولیس ڈیپارٹمنٹ۔"

"جی رانی صاحبہ! یہ بینا ہیں اسی ڈیپارٹمنٹ کی ایک عہدیدار۔"

"مم...... مگر...... تم؟"

"جی ہاں ہم آپ کے سلسلے میں تحقیق کر رہے تھے رانی صاحبہ! آپ کے بارے میں معلومات حاصل کر رہے تھے ہم۔"

"خدا کی پناہ، خدا کی پناہ...... کیا خادم خان کو یہ بات معلوم ہے؟ کہ تمہارا تعلق محکمہ پولیس سے ہے۔"

"خادم خان جیسے لوگوں کو ایسی باتیں نہ بتائی جاتی ہیں...... نہ خود ان کے اندر یہ معلوم کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔"

"مگر تم...... تم یہاں کیسے؟ میرا مطلب ہے کہ...... کہ؟"

"رانی صاحبہ! اگر آپ سکون سے بات کرنا چاہتی ہیں تو پہلے آپ ہمیں ان حالات کی تفصیل بتائیے، اس کے بعد ہی آپ سے کوئی بات ہو سکتی ہے۔" رانی اب نروس نظر آنے لگی

تھی...... اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میرا زین کہاں ہے؟ میرا زینو کہاں ہے مجھے بس اس کے بارے میں بتادو میں تمہارے ہر سوال کا جواب دوں گی۔"

"تو پھر آپ یہ سمجھ لیجئے کہ وہ پولیس کی تحویل میں ہے۔"

"یعنی تمہاری؟"

"جی ہاں۔"

"تم اسے کیسے لے گئے؟"

"اس سوال کا جواب نہیں دیا جا سکتا۔"

"تم نے اس پر کوئی سختی تو نہیں کی؟"

"ابھی تک نہیں۔"

"کبھی مت کرنا...... تمہیں خدا کا واسطہ اس پر کوئی سختی کبھی نہ کرنا...... وہ بہت اچھا ہے، بہت معصوم ہے...... تم سمجھ لو کہ اس کی کوئی ذہنی سطح نہیں ہے...... وہ بالکل، بالکل میں کیا بتاؤں تمہیں اس کے بارے میں؟ بہت پیارا ہے وہ بے حد معصوم ہے...... اتنا معصوم کہ تم تصور نہیں کر سکتے۔" شہاب نے کوئی جواب نہیں دیا تو رانی چونک کر بولی۔

"کیا تم اس سے اتفاق نہیں کرتے؟"

"میں صرف ایک ماں کا احترام کرتا ہوں۔"

"کرتے ہو نا؟ کرتے ہو نا ایک ماں کا احترام...... تو پھر ایک کام کر دو تمہیں خدا کا واسطہ بس ایک کام کر دو تم...... میں نہ جانے کب تک تمہیں دعائیں دوں گی۔"

"کیا کام؟"

"مجھے...... مجھے میرے اعمال کے نتیجے میں سزائے موت ہو گی ناں؟ تم یہ سزا مجھے یہیں دے دو اسی تہ خانے میں...... تم اپنا قانون یہاں لے آؤ...... میری سزا یہیں میرے لئے متعین کر دو...... تمہارا بڑا احسان ہو گا...... میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔"

"آپ مجھے بے وقوف سمجھتی ہیں رانی صاحبہ!"

شہاب نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"جو کچھ آپ کہہ رہی ہیں وہ انتہائی بے تکی بات ہے۔ آپ خود بھی جانتی ہیں کہ اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔"

"مگر میں...... میں یہ خبر بھی نہیں سننا چاہتی کہ زین کو کوئی نقصان پہنچا ہے...... اس سے پہلے میں مر جانے کی خواہش مند ہوں۔"

"رانی صاحبہ! آپ کو قانون کو مطمئن کرنے کیلئے اپنے بارے میں سب کچھ بتانا ہو گا۔"

"میرے زین کے ساتھ رعایت کرنے کا وعدہ کرو تو میں تمہیں سب کچھ بتانے کے لئے تیار ہوں۔"

"یہ بات بھی آپ مجھ سے نہ کہیں اور نہ اس کی مجھ سے توقع رکھیں...... اگر آپ کوئی بات نہیں بتائیں گی تو یہ بات آپ ذہن میں رکھئے کہ میں بہر حال اس کے بارے میں معلومات حاصل کر لوں گا اور اس وقت رانی صاحبہ آپ ہر رعایت سے محروم ہو جائیں گی...... آپ اگر یہ سمجھتی ہیں کہ آپ اپنے اختیارات سے کام لے کر اپنے یا اپنے بیٹے کے لئے قانون کو جھکا سکیں گی تو آپ یہ سمجھ لیجئے کہ یہ آپ کے لئے ناممکن ہو گا۔" رانی اب بالکل ہی نڈھال ہو گئی تھی، اس نے کہا۔

"میں تمہیں سب کچھ بتادوں گی...... آؤ، ادھر آؤ...... اِدھر بیٹھو۔" بیٹھنے کے لئے یہاں کوئی بھی معقول جگہ نہیں تھی، لیکن ایسے معاملات کے لئے معقول جگہوں کی تلاش نہیں ہوتی...... شہاب اور بینا بیٹھ گئے...... یہ اندازہ انہوں نے لگا لیا تھا کہ رانی کوئی چال چلنے کے موڈ میں نہیں ہے...... ویسے بھی وہ اس ٹائپ کی عورت نظر نہیں آتی تھی...... باہر سے بھی کسی مداخلت کا خطرہ نہیں تھا اور اگر ہوتا بھی تو اس وقت شہاب پوری طرح چوکنا تھا...... رانی کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے...... اس نے کہا۔

"تم نے زینو کو دیکھا تو ہے نا؟"

"جی رانی صاحبہ! اچھی طرح۔"

"تمہیں تو وہ ایک وحشی درندہ محسوس ہوا ہو گا۔"

"جی۔"

"لیکن وہ ایسا ہے نہیں۔"

"میری کہانی سنو گے؟ تم یہ بتاؤ کیا تم یہ بات جانتے ہو کہ زینو میرا بیٹا ہے۔"

"ہاں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ راؤ شمشیر کی بیوی نہیں بلکہ منہ بولی بہن ہیں۔"

"بالکل نہیں پوچھوں گی تم سے کہ یہ معلومات تم نے کہاں سے حاصل کیں...... ارے ہاں! ذرا مجھے جبرو کے بارے میں تو بتاؤ؟"

"جبرو قانون کی تحویل میں ہے...... میں نے اس کی دونوں ٹانگیں توڑ دی ہیں۔"

"تو...... تم نے؟"

"جی رانی صاحبہ!"

"تو کیا تمہیں جبرو نے یہ سب کچھ بتایا؟"

"آپ غلط سوالات کر رہی ہیں...... وہ سوالات جو آپ کو نہیں کرنے چاہئیں...... آپ میرا وقت برباد کرنے کی بجائے مجھے تفصیلات بتائیے تاکہ میں آپ کے لئے صحیح فیصلہ کر سکوں۔" رانی کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی۔

"بہت اچھے خاندان کی لڑکی ہوں میں...... اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی...... میرے والد ایک سکول میں ہیڈ ماسٹر تھے، ماں گھر کی دیکھ بھال کرتی تھیں...... پھر ایسا ہوا کہ ایک بار راؤ جہانگیر نے مجھے دیکھ لیا۔"

"راؤ جہانگیر کون تھا؟"

"راؤ شمشیر کا بھائی...... مگر دونوں کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق تھا...... راؤ شمشیر فرشتہ صفت انسان تھا...... راؤ جہانگیر شیطان کا دوسرا روپ اور شیطان کے اس دوسرے روپ نے مجھے دیکھ لیا اور میرے پیچھے لگ گیا...... اس نے نہ جانے کیا کیا جتن کئے اس کی تفصیل بے کار ہے...... مجھے اور میرے والد کو اور والدہ کو علم ہو گیا کہ راؤ جہانگیر میرے پیچھے لگا ہوا ہے...... اس نے میرے والد سے مل کر انہیں ایک بڑے سرمائے کی پیش کش کی کہ مجھے اس کی داشتہ کے طور پر پیش کر دیا جائے...... والد کو طیش آیا، یہ بات میرے گھر میں ہی ہوئی تھی اور والد نے راؤ جہانگیر کو زخمی کرنے کی کوشش کی لیکن خود اس کے ہاتھوں مارے گئے...... پھر اس نے میری والدہ کو بھی قتل کر دیا اور مجھے بے ہوش کر کے اپنے ساتھ لے گیا، پھر اس نے، پھر اس نے۔" رانی چند لمحات کے لئے خاموش ہوئی اور پھر خود کو پرسکون کر کے کہنے لگی۔

"اور اس کے بعد وہ فرشتہ آ گیا جس کا نام راؤ شمشیر تھا...... راؤ شمشیر کو ساری صورت

حال کا علم ہو گیا اور وہ مجھے تسلیاں دینے لگا...... اس نے کہا میرے ماں باپ مر چکے ہیں...... اب اگر میں قانون سے رجوع کروں تو بے شک راؤ جہانگیر کو سزائے موت تک ہو سکتی ہے، لیکن اس طرح راؤ خاندان بدنام ہو جائے گا...... اس نے کہا کہ راؤ جہانگیر کو میرے سامنے سزا دی جائے گی اور مجھے ہر طرح کی سہولت فراہم کی جائے گی...... راؤ جہانگیر اس وقت وہاں موجود نہیں تھا...... واپس آیا تو راؤ شمشیر نے اس سے سخت لہجے میں کہا کہ وہ اپنے اس عمل کے لئے خود سزا منتخب کرے...... نتیجہ یہ ہوا کہ راؤ جہانگیر نے راؤ شمشیر پر حملہ کر دیا اور راؤ شمشیر کے ہاتھوں ہی مارا گیا...... یہ بہت بڑا ایثار تھا...... کیوں کہ مجھے معلوم تھا کہ راؤ جہانگیر راؤ شمشیر کا بھائی ہے...... اپنے بھائی کو اس نے خود قصور اور سچائی کے لئے ختم کر دیا تھا...... پھر میرے لئے کیا گنجائش رہ جاتی تھی، لیکن میں نے اسے اپنی اس کیفیت کے بارے میں بتایا تو اس نے کہا کہ میں اسے معاف کر دوں...... وہ ہر ممکن کوشش کرے گا جو ہو سکتی ہے...... اس کے بعد زین کی پیدائش ہوئی...... زین راؤ جہانگیر کا بیٹا تھا...... راؤ شمشیر نے کہا کہ میں جو چاہوں اس کے لئے کر سکتی ہوں...... اس وقت مجھے راؤ جہانگیر کے وجود سے نفرت تھی...... زین مجھے اسی کی شکل میں نظر آیا تھا...... میں نے زین کو زہر دے دیا...... میں نے اسے مارنے کے لئے ایک معصوم کو انتہائی سخت زہر دے دیا اور اس کے بعد میں نے اپنے آپ کو بے ہوش کرنے کے لئے خواب آور دوا کھالی...... پھر مجھے ہوش آیا تو زین میرے برابر لیٹا ہوا تھا...... اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا...... وہ زندہ تھا...... نہ جانے کون سی حس تھی اس کے اندر کہ اس نے یہ زہر برداشت کر لیا تھا...... میں نے اسے دیکھا تو میرے دل میں مامتا جاگ اٹھی...... راؤ شمشیر نے بعد میں مجھے بتایا کہ ڈاکٹر نے زین کے بارے میں حیرت انگیز انکشافات کئے ہیں...... انہوں نے کہا ہے کہ اس کے سسٹم پر ایک انتہائی مہلک زہر کے آثار پائے گئے ہیں...... اس زہر نے اس کے ذہنی نظام کو بالکل خراب کر دیا ہے، لیکن جسمانی نظام پہلے سے بہتر ہو گیا ہے...... قدرت کے کھیل ہیں یہ...... مجھے اپنے کئے پر افسوس ہونے لگا اور اس کے بعد میں نے اپنے آپ کو ہمیشہ زین کا مجرم سمجھا...... راؤ شمشیر خاموشی کے ساتھ مجھے یہاں راؤ نگر لے آیا...... اس نے اپنی تمام دولت، تمام جائیداد میرے نام منتقل کر دی...... زین کو اس تہہ خانے میں منتقل کر دیا گیا اور یہاں اسی جگہ زین نے پرورش پائی...... اس کی عمر زیادہ نہیں ہے...... بہت چھوٹی سی عمر ہے اس کی، لیکن ایک بار میں نے محسوس کیا

کہ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک اور تڑپ پائی جاتی ہے...... یہاں صفائی کرنے کے لئے ایک ملازمہ آتی تھی...... اس دوپہر کو جب میں یہاں داخل ہوئی تو میں نے دیکھا کہ ملازمہ مرچکی ہے...... باقی تفصیلات ایک عورت ہونے کے ناتے میں تمہیں نہیں بتاسکتی...... زین بہت خوش تھا اور مجھے یہ احساس ہوگیا کہ اس کے اندر ایک جنون پل رہا ہے...... ملازمہ مرچکی تھی اور میں جانتی تھی کہ اگر یہ بات آگے بڑھ گئی تو پولیس دخل اندازی کرے گی...... کہیں میرے زین کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے...... زین اب مکمل طور پر بے لگام ہوگیا تھا اور میں محسوس کررہی تھی کہ اگر اس کی ضرورت پوری نہ کی جائے تو وہ مرجائے گا...... وہ ہر ایک پر جھپٹتا تھا...... یہاں میں نے اپنی چند رازدار ملازمائیں رکھی تھیں جو دیکھ بھال کرتی تھیں اور ایک ایک کرکے زین نے ان تمام ملازماؤں کو ختم کردیا...... انہیں چھپانے کے لئے مجھے جبرو کا سہارا لینا پڑا...... ان کی لاشیں جبرو ٹھکانے لگاتا تھا...... جبرو راؤ شمشیر ہی کا ملازم تھا...... ایک سرکش اور خطرناک آدمی جسے میں نے راؤ شمشیر کی موت کے بعد کچھ دے کر اپنا غلام بنالیا تھا، پھر یہ سلسلہ عام ہوگیا، لیکن جبرو کی ہدایات پر مجھے زین کو زنجیروں میں باندھنا پڑا...... کیوں کہ کئی بار اس نے تہہ خانے سے باہر نکلنے کی کوشش کی تھی...... وہ اپنی مقصد براری کے لئے وحشی جنونی ہوجاتا تھا اور نکل کر بھاگنے کی کوشش کرتا تھا...... میں اپنی محبت میں سب کچھ بھول جاتی تھی...... سب کچھ یقین کرو مجھے اپنی اس زندگی سے گھن آتی ہے جب، جب میں اسے زندہ رکھنے کے لئے اپنے طور پر عمل کرتی ہوں اور......اور۔" رانی مجرمانہ انداز میں خاموش ہوگئی...... بڑی انوکھی کہانی تھی اس کی بڑی عجیب و غریب...... شہاب اور بینا خاموشی سے اس کی یہ کہانی سن رہے تھے...... پھر شہاب نے کہا۔

"لیکن رانی صاحبہ! آپ کو اندازہ ہے کہ راؤ جہانگیر نے آپ کے ساتھ جو ناانصافی کی تھی اس کا آپ کو کیا دکھ ہوا تھا...... یا اس کے بعد کے لمحات یا پھر اپنے ناجائز بیٹے کی زندگی بچانے کے لئے آپ جو کچھ کرتی رہیں ان میں بھی انسان ہی ملوث تھے...... آپ تنہا تو ایک انسان نہیں تھیں...... ان لڑکیوں کے بارے میں آپ کیا کہتی ہیں جنہیں آپ جبرو کے ذریعے اغوا کرکے یہاں پہنچاتی تھیں...... اس وقت آپ کا انصاف آپ کا ضمیر آپ کو غیرت نہیں دلاتا تھا۔"

"دلاتا تھا...... دلاتا تھا، لیکن، لیکن بس یہ جرم میں کرتی رہی ہوں...... جان بوجھ کر

کرتی رہی ہوں۔"

"قابل نفرت ہے آپ کی شخصیت...... آپ کے ساتھ جو کچھ ہوا میں سمجھتا ہوں بہت اچھا ہوا، لیکن بعض لوگوں کے ساتھ جو کچھ ہوجاتا ہے وہ اس کے بعد عقل سے کام نہیں لیتے...... اپنی غیرت سے کبھی یہ سوال نہیں کرتے کہ انہیں کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں کرنا چاہئے۔" رانی سر جھکائے بیٹھی رہی...... شہاب نے کہا۔

"حالانکہ آپ اس قابل ہیں کہ آپ کو سنگسار کردیا جائے...... کتے کی موت مار دیا جائے آپ کو...... بتایئے کیا سلوک کرنا چاہئے آپ کے ساتھ؟" رانی نے چونک کر شہاب کو دیکھا پھر بولی۔

"یہ سوال مجھ سے نہ کرو...... تمہارا تعلق انتظامیہ سے ہے اور تم انتظامیہ کے آدمی ہو...... یہ ساری حقیقتیں معلوم ہونے کے بعد تم میرے لئے کیا فیصلہ کروگے؟"

"فیصلے عدالتوں میں ہوتے ہیں رانی صاحبہ۔"

"بس یہی میں نہیں چاہتی...... تم مجھے عدالت میں لے جاؤ، لیکن میری تم سے یہ درخواست ہے۔"

"میں آپ کو عدالت لے بھی نہیں جاؤں گا رانی صاحبہ! کیوں کہ آپ جیسے لوگ اپنے لئے آسانی سے مراعات حاصل کرلیا کرتے ہیں اور اب جب یہ ساری باتیں میرے علم میں آچکی ہیں تو آپ کسی ایسی بات کی مستحق نہیں ہیں جو آپ کے حق میں ہو۔"

"تو پھر کیا کروگے مجھے گرفتار کروگے...... عدالت میں لے جاؤگے؟"

"اس بارے میں غور کرنا ہوگا، لیکن فی الحال رانی صاحبہ! آپ کو یہاں قید رہنا ہوگا۔"

"کہاں؟"

"اسی تہہ خانے میں۔"

"میں سمجھی نہیں؟"

"تفصیل میں آپ کو بعد میں سمجھاؤں گا کہ آپ اپنے آپ کو اس قید کے لئے میرے سپرد کرنے کو تیار ہیں؟"

"ایک درخواست کی تکمیل کی شرط پر۔"

"کیا؟"

"مجھے عدالت مت لے جانا اور اگر زین کو کوئی نقصان پہنچانا مقصود ہو تو اس سے پہلے مجھے نقصان پہنچا دینا۔" شہاب کچھ نہ بولا پھر اس نے کہا۔

"ان زنجیروں سے اپنے آپ کو باندھنا ہوگا...... آپ کے ہاتھ آپ کی پشت پر کس دیئے جائیں گے اور آپ کو انتظار کرنا ہوگا۔"

"میں سمجھی نہیں۔"

"میں بعد میں آپ کو سب کچھ سمجھا دوں گا۔"

شہاب نے کہا...... رانی نے اپنے آپ کو اس کے لئے وقف کر دیا تھا...... بینا اس دوران بالکل سرد اور خاموش رہی تھی۔ شہاب نے رانی کے دونوں پاؤں زنجیروں سے منسلک کئے اس کے بعد اس کے دونوں ہاتھ پشت پر باندھ دیئے تاکہ رانی رہائی کی کوشش نہ کر سکے...... رانی نے یہ سب کچھ بخوشی منظور کر لیا تھا...... شہاب بینا کے ساتھ واپسی کے لئے مڑا تو رانی نے کہا۔

"مجھے اتنا بتا دو مجھے کب تک انتظار کرنا ہوگا۔"

"شاید آج کی رات اور کل کا دن۔" شہاب نے جواب دیا اور پھر بینا کو لے کر واپس مڑ گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے کمرے میں آ گیا تھا...... بینا کا چہرہ شدت جوش سے سرخ ہو رہا تھا...... اس کی آنکھوں میں عجیب سی کیفیت تھی...... جب شہاب بہت دیر تک کچھ نہ بولا تو بینا کہنے لگی۔

"شہاب! یہ کہانی سننے کے بعد آج رات تو نیند آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"ہاں بینا اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بڑی عجیب صورت حال ہے...... کہانی تم نے سنی وہ مظلوم تھی، اس کے ساتھ ظلم کیا گیا تھا...... ظالم کیفر کردار کو پہنچ گیا تھا...... ہو سکتا ہے راؤ شمشیر اپنے بھائی کو ہلاک کرنے کے بعد ذہنی طور پر اتنا زخمی ہو گیا ہو کہ پھر اسے زندگی سے لگاؤ نہ رہا تو اس نے بہر طور رانی کو پورا پورا صلہ ادا کر دیا...... رانی کا یہ بیٹا اس کی اپنی کوششوں کی بنا پر اس حال کو پہنچا...... اس میں کسی کا قصور تو نہیں تھا، پھر اس کے بعد اس نے اپنے شہزادے کی خواہشات پر انسانی زندگیوں کو قربان کرنا شروع کر دیا...... وہ لاکھ اپنی ان کوششوں پر پشیمان ہو لیکن تم خود بتاؤ یہ تو کسی طور ممکن نہیں تھا کہ ایسا ہو جیسا وہ کر رہی تھی۔"

"پھر اب کیا کرو گے شہاب؟"

"نہیں بینا وہ لاکھ اپنے آپ کو مظلوم ظاہر کرنے کی کوشش کرے اس کے اندر تڑپتی ہوئی ماں کتنی ہی مظلوم کیوں نہ ہو، ان مظلوموں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جن کی اپنی مائیں بھی ہوں گی...... جن کی اپنی عزت بھی ہوگی...... رانی نے ان ماؤں کی ممتا اور ان بیٹیوں کی عزت کا کوئی احساس نہیں کیا، صرف اپنی ممتا کے لئے مرتی رہی...... جرم اسی کو کہتے ہیں بینا کہ آپ دوسروں کو لوٹ لیں...... ان کی جبیں تراش لیں...... ان سے زندگیاں چھین لیں...... کیا ان لوگوں کو مظلوم کہا جا سکتا ہے؟ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا وہ قابل نفرت ہوتے ہیں...... وہ پکے مجرم ہوتے ہیں۔"

"ہاں میں تم سے اتفاق کرتی ہوں...... بالکل اتفاق۔ ویسے آپ نے ایک بات ان سے نہیں پوچھی شہاب۔"

بینا نے کہا۔

"کیا؟"

"عارف کے بارے میں نہیں پوچھا آپ نے۔"

"مظلوم عارف کا خون بھی رانی کی گردن پر سوار ہوا ہے بینا...... لوگ خدا کو نظر انداز کر دیتے ہیں...... یہ بھول جاتے ہیں کہ کوئی کتنا ہی حقیر کیوں نہ ہو؟ مجھے بتاؤ جیسا کہ جبرو نے کہا کہ عارف نے رانی کی ان کوششوں کو دیکھ لیا تھا اور غلطی سے دیکھ لیا تھا جان بوجھ کر اس نے ایسا نہیں کیا تھا...... تمہارا کیا خیال ہے؟" "کیا رانی نے جبرو سے نہ کہا ہوگا کہ عارف کو قتل کر دو...... کیا خادم خان نے رانی کے پاس آکر جو کچھ بتایا تھا کیا تم نہیں جانتیں...... یا میں نہیں جانتا...... ہم نے اپنے کانوں سے سنا ہے۔"

"تم بالکل ٹھیک کہتے ہو...... گویا اگر رانی کو سزا دی گئی تو ہمارا ضمیر مطمئن ہوگا۔"

"ہاں! بینا سو فیصدی۔" شہاب نے جواب دیا۔

رانی اس قید خانے میں ہی تھی...... بعض اوقات دوسروں کے بچھائے ہوئے جال خود اپنے لئے کس طرح پھانسی کا پھندا بن جاتے ہیں...... یہ بات اس وقت سے بہتر اور کبھی نہیں کہی جا سکتی تھی...... رانی اپنی آگ میں جل گئی تھی...... اپنی غلاظتوں کا شکار ہوئی تھی...... کسی

کا کوئی قصور نہیں تھا...... اس نے جو کیا تھا اس کے سامنے آیا تھا...... دوسرے دن شہاب نے بینا سے کہا۔

"اگر تمہیں کوئی اُلجھن نہ ہو بینا تو کچھ وقت کے لئے جانا چاہتا ہوں۔"

"کہاں شہاب؟"

"حاضر پور۔"

"چلے جاؤ مجھے یہیں رہنا ہوگا؟"

"یہی بہتر ہے بینا۔"

"ٹھیک ہے شہاب کب تک واپسی ہو جائے گی؟"

"دو تین گھنٹے لگ جائیں، چار گھنٹے لگ جائیں۔"

"کیا مجھے صفیہ کے پاس جانے کی اجازت ہے؟"

"کیوں یہ سوال کر رہی ہو تم؟" شہاب نے کہا۔

"بہر حال وہ کچھ مجازی وغیرہ کا سلسلہ ہوتا ہے نا...... اجازت لینا تو ضروری ہے۔" بینا مسکرا کر بولی۔

"ہاں بالکل تمہیں اجازت ہے۔" شہاب نے کہا۔

"او کے تھینک یو...... اس بات کو خواب میں بھی مت سوچنا کہ میں کہیں کچی زبان کی مالک ثابت ہوں گی۔"

"محترمہ! آپ ایک ذمہ دار پولیس آفیسر ہیں اور باقاعدہ محکمہ پولیس سے اپنی ذمہ داریوں کی تنخواہ وصول کرتی ہیں...... میں ایسی فضول بات کیسے سوچ سکتا ہوں؟"

"بے حد شکریہ!" بینا نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا اور شہاب نے گردن ہلا دی......

یہاں ان لوگوں کو رانی نے جو مراعات دی تھیں ان کے تحت یہ کام مشکل نہیں تھا کہ شہاب گاڑی لے کر چلا جائے...... بہر حال شہاب کو رانی کی لینڈ کروزر کی چابی مل گئی تھی اور شہاب وہ گاڑی لے کر باہر نکل گیا تھا...... بینا نے اسے خدا حافظ کہا تھا...... اتنا بینا بھی جانتی تھی کہ اگر شہاب بذات خود اسے کوئی بات نہ بتائے تو پھر بینا کو اس سے کچھ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں...... بہر حال خود اپنی کیفیت پر بینا تھوڑی سی خوف زدہ تھی اور یہ سوچتی رہی تھی کہ صفیہ کے پاس جائے یا نہ جائے، لیکن جب ذہنی بحران شدت اختیار کر گیا تو وہ صفیہ کے پاس

پہنچ گئی...... ڈاکٹر آفتاب موجود نہیں تھے...... صفیہ نے اس کا بہت اچھی طرح خیر مقدم کیا...... کہنے لگی۔

"جب تم رہتی ہی یہاں ہو اور تمہاری کوئی خاص مصروفیت نہیں ہوتی تو پھر میرے ہی پاس آ جایا کرو، میں بھی اپنے آپ کو بہت تنہا محسوس کرتی ہوں۔"

"ہاں مجھے اندازہ ہے صفیہ لیکن بہر حال کوئی نہ کوئی ذمہ داری تو ہمیں بھی سونپی ہی جائے گی۔" صفیہ کے ساتھ ہی دوپہر کا کھانا کھایا تھا لیکن ایک اضمحلال کی کیفیت بینا پر طاری رہی تھی جسے وہ کوشش کے باوجود دُور نہیں کر پائی تھی...... پھر یوں ہوا کہ شام کو تقریباً ساڑھے پانچ بجے شہاب واپس آ گیا اور بینا صفیہ کے پاس سے چل پڑی...... صفیہ نے اس سے وعدہ لے لیا تھا کہ وہ دوبارہ آئے گی...... پھر اس نے کہا تھا کہ اسے زیادہ گھومنے پھرنے کی اجازت نہیں ہے...... شہاب بالکل مطمئن نظر آ رہا تھا...... شام کی چائے دونوں نے باہر پی۔ بینا کہنے لگی۔

"یہاں کسی کو بھی رانی کی فکر نہیں ہے...... یعنی کوئی ایسا شخص نہیں ہے جسے تشویش ہوئی ہو۔"

"بینا تم یہ بات مت بھولو کہ انسان کو سزا مختلف انداز میں ملتی ہے...... رانی بے شک مظلوم تھی لیکن اس نے جو عمل کیا وہ اس کے گناہ کی انتہا تھی اور ایسے لوگ بہر حال اپنی حیثیتیں کھوتے چلے جاتے ہیں...... دُنیا ان سے لالچ اور غرض رکھتی ہے...... محبت نہیں کرتی...... خیر چھوڑو اس موضوع کو سناؤ تمہارا دن کیسا گزرا؟"

"جیسا تمہارے بغیر گزرنا چاہئے تھا۔"

"ہوئی نا بات بس شاید مرد ایسے ہی الفاظ کے لئے عورت سے شادی کرتا ہے۔"

"مرد بڑا چالاک ہوتا ہے۔" بینا مسکرا کر بولی۔

"کیوں؟"

"وہ سوچتا ہے کہ جب اور جس وقت چاہے کسی بات پر عورت کا دل خوش کر دے تاکہ اس کے لمحات خوشگوار ہوں۔"

"ہاں یہ تو ہے۔"

رات کو اپنے کمرے میں پہنچنے کے بعد شہاب نے ڈکٹافون آن کیا اور بینا سے بولا۔

"اس دوران تم نے اس پر رانی کی کیفیات جاننے کی کوشش تو نہیں کی۔"

"کئی بار سوچا شہاب! مگر ہمت نہیں پڑی۔" بینا نے جواب دیا۔

"یہ سلسلہ اب ختم کر دینا ہے۔"

"تم اگر چاہو تو شہاب؟"

"نہیں بینا۔" شہاب نے جواب دیا اور ڈکٹافون ٹرانسمیٹر کے تار وغیرہ نکال کر اسے پیک کر دیا، پھر تقریباً رات کے ساڑھے بارہ بجے شہاب کو ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا اور اس نے ٹرانسمیٹر آن کر دیا...... اس میں سے آواز سنائی دی۔ "سر! میں سردار علی بول رہا ہوں۔"

"ہاں سردار!"

"ہم آ گئے ہیں سر۔"

"گڈ...... اسے لے آئے ہو؟"

"جی سر!"

"ہوش میں ہے؟"

"نہیں سر! اسے بے ہوش کرنا پڑا ہے، ہوش میں اس کا لانا جتنا مشکل کام تھا آپ کو اندازہ ہے۔"

"ہونہہ! ٹھیک ہے میں پہنچ رہا ہوں...... اس کی کیا کیفیت ہے؟"

"سکتے کے عالم میں ہے۔"

"آ رہا ہوں میں۔" شہاب نے کہا اور بینا سے بولا۔

"چلو بینا اس ڈرامے کا ڈراپ سین دیکھنا پسند کرو گی؟" بینا نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی۔

شہاب کی گفتگو سے وہ تھوڑی بہت بات تو سمجھ گئی تھی، تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں بچتے بچاتے ہوئے اس تہہ خانے میں داخل ہو رہے تھے...... بینا نے اندر کا منظر دیکھا...... ڈبل او گینگ کے چار افراد وہاں موجود تھے اور اس وحشی کا وجود رانی کے پاس پڑا ہوا تھا...... رانی نے شاید ان لوگوں سے ہاتھ کھولنے کی درخواست کی تھی، لیکن ان میں سے کسی نے شہاب کی اجازت کے بغیر ہاتھ نہیں کھولے تھے...... شہاب وہاں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ رانی بے اختیار زین کو چوم رہی ہے...... اس کے حلق سے آوازیں نکل رہی تھیں۔

"میرے بچے...... میرے لال...... تیری سانسوں کی آمد و رفت تو بحال ہے...... پھر اتنا بے ہوش کیوں ہے؟ کیا کیا ہے تم لوگوں نے...... او ہو تم...... تم آ گئے دیکھو یہ میرا زین ہے...... میرے دل کا ٹکڑا۔"

"ہاں! رانی اس وقت میں وہ کر رہا ہوں جو مجھے نہیں کرنا چاہیے، لیکن تمہاری درخواست بھی اپنی جگہ ایک اہمیت کی حامل ہے...... تم نے کہا تھا تمہیں عدالت کے حوالے نہ کیا جائے، تمہارے اوپر مقدمہ نہ چلایا جائے۔" رانی نے سرد نگاہوں سے شہاب کو دیکھا...... بینا کے بدن پر لرزشیں طاری تھیں...... وہ لوگ بھی کھڑے ہوئے تھے جن کا تعلق ڈبل او گینگ سے تھا...... نہ جانے انہیں اس وقت شہاب کی شخصیت میں ایک عجیب سی درندگی محسوس ہو رہی تھی...... کوئی کچھ نہیں بول رہا تھا...... یہ بات تو ان میں سے سبھی جانتے تھے کہ شہنشاہ نے شہاب کو اپنے نائب کی حیثیت دی ہے...... رانی رحم طلب نگاہوں سے شہاب کو دیکھنے لگی...... شہاب نے جیب سے ایک شیشی نکالتے ہوئے کہا۔

"اس میں زہر ہے...... رانی راؤنگر...... ایسا زہر جو چند لمحوں میں تمہیں زندگی سے دور کر دے گا...... یہ زہر اپنے ہاتھوں سے پی لو...... اسی زہر کا انجکشن اسے بھی لگا دیا جائے گا اور تم دونوں کو یہیں چھوڑ دیا جائے گا...... ہو سکتا ہے کوئی اس تہہ خانے کا سراغ لگا لے...... ہو سکتا ہے جب اس کی بدبو پھیلے اور تمہاری تلاش اعلیٰ پیمانے پر شروع ہو تو اس تہہ خانے میں تم ماں اور بیٹے کی لاشیں دستیاب ہو جائیں...... اگر تم اتنی ہی مخلص ہو اور اپنے بیٹے کی موت نہیں دیکھنا چاہتیں تو پہلے یہ کام تم اپنے ہاتھوں سے کر لو میں یہ تو نہیں کر سکتا کہ تمہیں تمہارے بدترین گناہوں کی سزا سے بچا سکوں...... یہ حق مجھے نہیں ہے کہ میں تمہیں خود سزا دوں لیکن اس وقت میں ایک ایسی شخصیت کے نام پر تمہیں یہ سزا دے رہا ہوں جس کا اصول یہی ہے کہ جہاں قانون کے انداز میں کوئی بے بسی یا لچک پیدا ہو، جہاں کچھ شخصیتیں قانون کا مذاق اڑانے کی کوشش کریں، قانون کو برتری دلائی جائے...... اس شخصیت کا نام شہنشاہ ہے۔"

"میرے ہاتھ کھول دو۔" رانی نے کہا اور شہاب نے رانی کے ہاتھ کھول دیئے۔

"لاؤ۔" اس نے زہر کی شیشی طلب کی اور شہاب نے وہ شیشی اس کے ہاتھ میں تھما دی...... بینا اندر ہی اندر کانپ رہی تھی، لیکن شہاب پتھرائے ہوئے بت کی مانند کھڑا ہوا تھا...... رانی نے ایک لمحے زین کو دیکھا...... آخری بار اسے چوما اور پھر زہر پی لیا...... ایک لمحے

کے اندر اندر اس کی حالت غیر ہونے لگی...... اس کی آنکھیں اُبل پڑیں...... اس نے منہ کھولا اور پھر اس کے منہ سے خون کی دھار بہہ نکلی...... شہاب اب بھی سرد نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا...... دیکھتے ہی دیکھتے رانی اوندھے منہ زمین پر گر پڑی اور شہاب نے گردن ہلائی...... بینا ایک دیوار سے ٹک گئی تھی...... اس کے بعد شہاب نے اپنی جیب سے سرنج نکالی اور زہر کی وہی شیشی دوبارہ نکالی سرنج میں زہر کے اس محلول کو کھینچ کر اسے زین کے بازو میں لگا دیا اور اس کے بعد وہ انتظار کرنے لگا...... وہ ماحول اور حالات سے بالکل بے پرواہ اپنے کام میں مصروف تھا اور بینا شہنشاہ کو دیکھ رہی تھی، ایک سچے باپ کے بیٹے کو...... شہاب نے زین کی دھڑکنیں سننے کی کوشش کی پھر سیدھا ہو گیا۔

"زندگی بہت آسان ہے اور بہت مشکل بھی اس کے لئے صحیح فیصلہ کرنا ہو گا...... یہ زندگی زمین پر اللہ کی کھیتی ہوتی ہے، تمہیں کوئی حق نہیں کہ اللہ کی املاک کو نقصان پہنچاؤ...... تم کون ہوتے ہو اس کے فیصلوں میں دخل اندازی کرنے والے۔"

"یہ...... یہ مر گئے۔"

"سزا پا گئے...... آؤ بینا ان کی لاشیں یہیں سڑنے دو اس تہہ خانے کے بارے میں کسی کو معلوم نہیں...... ہاں جب ان کی سڑتی ہوئی لاشوں کا تعفن اٹھے گا تو لوگ انہیں تلاش کر لیں گے۔"

باہر آ کر شہاب نے رانی راؤنگر کی لینڈ کروزر لی اور بینا کے ساتھ حاضر پور چل پڑا...... راستے میں اس نے ڈبل او گینگ کے آدمیوں کو تھانہ حاضر پور پہنچنے کے لئے کہا تھا۔

تھانہ حاضر پور میں انچارج خادم خان اپنے عملے کے ساتھ دربار لگائے بیٹھا تھا...... شہاب کو دیکھتے ہی بھڑک اُٹھا۔

"او تم ابھی تک یہاں مر رہے ہو...... کہاں تھے تم تمہاری تو مجھے سخت ضرورت تھی، تم دونوں میری نگاہ میں مشکوک ہو گئے ہو۔"

"وہ لڑکا عارف...... رانی راؤنگر کا ملازم تھا، تمہارے پاس وہ اس لئے آیا تھا کہ تم اس کے دشمنوں سے اس کی جان بچاؤ لیکن تم خود اس کے قاتلوں میں تھے...... میں تمہیں عارف کے قتل کے الزام میں گرفتار کرتا ہوں۔"

"اوئے تم......" انچارج غصے سے کھڑا ہو گیا، لیکن شہاب نے اپنا سروس کارڈ اس کے

سامنے کر دیا تھا۔ انچارج نے کارڈ دیکھا اور اس کے غبارے سے ہوا نکل گئی۔

"آپ کو پورے عملے کے ساتھ میرے ہمراہ دارالحکومت چلنا ہو گا...... نئے عملے کے لئے میں ڈی آئی جی صاحب کو آپ ہی کے ٹیلی فون پر اطلاع دے دیتا ہوں۔"

"سرکار...... مائی باپ۔"

"شٹ اپ......" شہاب کی غراہٹ اُبھری اور پھر وہ نمبر ڈائل کرنے لگا۔

❁

"بینا محسوس کر رہی تھی کہ شہاب بہت اُلجھا ہوا ہے...... اس رات سب گھر پر جمع تھے، شہاب نے کہا۔

"امی! ہم کچھ دن کے لئے باہر جانا چاہتے ہیں...... اجازت مل جائے گی؟"

"کہاں......؟" نعیمہ بیگم نے کہا۔

"سوئزر لینڈ، میں کچھ ذہنی تھکن محسوس کر رہا ہوں۔"

"ضرور جاؤ اس میں انکار کی کیا گنجائش ہے۔" بینا حیرت سے شہاب کو دیکھنے لگی تھی۔ فضاؤں میں پرواز کرتے ہوئے بینا نے شہاب سے کہا۔ "یہ سوئزر لینڈ کا فیصلہ اور اس کے لئے انتظامات اچانک ہی نہیں ہوئے شہاب؟"

"ہاں بینا...... رانی راؤنگر کی موت نے مجھے نڈھال کر دیا تھا اور میں بہت بے سکونی محسوس کر رہا تھا، بہر حال وہ ایک اچھی عورت تھی، لیکن قانون اسے معاف نہیں کر سکتا تھا۔ بہر حال اب کچھ وقت سکون سے گزاریں گے اور پھر دیکھیں گے کہ آئندہ زندگی میں کیا کرنا ہے، یہی سب کچھ...... یا کچھ اور۔"

بینا گہری نگاہوں سے شہاب کو دیکھ رہی تھی۔

❁❁❁